قرآن و حدیث کی روشنی میں انبیاء کرام علیہم السلام
اور اُن کی قوموں کے حالات و واقعات پر مدلّل تحریر

انبیاء کرام علیہم السلام اور اُنکی قوموں کے احوال

جلد اوّل








مؤلف:
مولانا عبد المصطفیٰ محمد مجاھد العطاری القادری
شاہ جمال آستانہ عالیہ جھلار شریف

ناشر
اکبر بُک سیلرز لاہور

قرآن و حدیث کی روشنی میں انبیاء کرام علیہم السلام
اور اُن کی قوموں کے حالات و واقعات پر مدلل تحریر

انبیاء کرام علیہم السلام اور اُنکی قوموں کے احوال

جلد اوّل

مؤلف:
مولانا عبد المصطفیٰ محمد مجاھد العطاری القادری
شاہ جمال آستانۂ عالیہ جھلاد شریف

ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر ۴۰۔ اُردو بازار لاہور Ph: 37352022

نام کتاب	....	انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کے احوال (جلد اوّل)
مصنف	....	مولانا عبد المصطفیٰ محمد مجاہد العطاری القادری
صفحات	....	۹۲۸
تعداد	....	۶۰۰
کمپوزنگ	....	کاشف عباس
تاریخ اشاعت	....	ستمبر ۲۰۱۳ء
ناشر	....	محمد اکبر قادری
قیمت	....	850/ روپے

ناشر اکبر بک سیلرز
زبیدہ سینٹر اردو بازار لاہور

شرفِ انتساب

میں اپنی اس ادنیٰ کاوش کو اپنے نانا جان کی طرف منسوب کرتا ہوں جن کی کڑھن علم دین حاصل کرنے کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی مقدس بارگاہ میں دعا ہے کہ میری میرے نانا جان، نانی جان، دادا جان، دادی جان، والدین کریمین، بھائیوں، بہنوں، تمام خاندان، اساتذہ کرام، پیرومرشد و تمام امت مسلمہ کی مغفرت فرما کر قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت عظمیٰ و قیامت کے دن شفاعت شفیع اعظم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم فرما کر جنت الفردوس میں رسول اعظم، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمین شریفین میں پڑوس عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین و صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

دعاگو

عبدالمصطفیٰ محمد مجاہد العطاری القادری

عفی عنہ

شاہ جمال آستانہ عالیہ چشتیہ جھلار شریف

آغاز کتاب بروز منگل 30 شوال المکرم ۱۴۳۳ھ بمطابق 18 ستمبر 2012ء

حمد باری تعالیٰ

خالق دو جہاں تیری کیا بات ہے
رحمت دو جہاں تیری کیا بات ہے

تو ہی مالک ہے عرش و فرش کا
اے کل سایۂ فگاں تیری کیا بات ہے

تو ہی مالک ہے لوح و قلم کا
اے حساب میزان تیری کیا بات ہے

تو ہی مالک ہے میزان و پل صراط کا
اے غفور بنداں تیری کیا بات ہے

تو ہی مالک ہے جنت و دوزخ کا
اے عطائے جناں تیری کیا بات ہے

تو ہی مالک ہے مجاہد بھکاری کا
اے مغفرت گناہ گاراں تیری کیا بات ہے

نعت شریف

مالک دو جہاں تیری کیا بات ہے
رحمت دو جہاں تیری کیا بات ہے

آپ سے دونوں جہاں میں ہیں رونقیں
اے رونق جہاں تیری کیا بات ہے

آپ سے مومنوں کی محفلوں میں ہیں برکتیں
اے رونق محفلاں تیری کیا بات ہے

آپ سے تو اسلام کی بدلی ہیں کروٹیں
اے ہادی دو جہاں تیری کیا بات ہے

آپ سے تو کافروں کو ملی ہیں پستیں
اے شمشیر حیدراں تیری کیا بات ہے

آپ سے تو مجاہد کو ملی ہیں نعمتیں
اے نعمت وسعتاں تیری کیا بات ہے

فہرست جلد اوّل

انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کے حالات وواقعات

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

حضرت آدم علیہ السلام

مقدمہ

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ظاہر فرمانا چاہا تو فرشتوں سے فرمایا: میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔ فرشتوں نے عرض کی کہ یا خالق باری تعالیٰ ایسے کا خلیفہ بنائیں گے جو زمین میں فساد پھیلائے گا اور خون ریزیاں کرے گا۔ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم فرمایا: تمام روئے زمین سے ہر قسم کی سیاہ، سفید، سرخ، کھاری، میٹھی، نرم خشک ایک مٹھی خاک اٹھا لاؤ۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے زمین پر تشریف لا کر خاک اٹھانی چاہی، زمین نے سبب پوچھا، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے تمام واقعہ بیان فرما دیا۔ زمین نے عرض کیا کہ میں اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتی ہوں کہ تو مجھ سے خاک اٹھا کر انسان بنائے جس کی وجہ سے میرا کچھ حصہ جہنم میں پہنچے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام خالی مٹی اٹھائے بغیر واپس تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا خالق باری تعالیٰ زمین نے تیری عزت کی پناہ پکڑ لی۔ میں تیرے نام اور عزت کے ادب سے اس سے خاک نہ اٹھا سکا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر حضرت اسرافیل و میکائیل علیہما السلام کو باری باری بھیجا مگر وہ بھی اسی طرح واپس گئے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ملک الموت علیہ السلام کو بھیجا انہوں نے زمین کی ایک بھی نہ سنی بلکہ فرمایا میں تو اللہ تعالیٰ کے حکم کا تابعدار ہوں۔ تیری عاجزی اور زاری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت تو نہیں چھوڑ سکتا۔ اسی لئے ان کو جان نکالنے کا کام سپرد کر دیا گیا کہ تم نے ہی اس خاک کو زمین سے الگ کیا ہے۔ تم ہی اس کو ملانا۔ اب انہیں حکم باری تعالیٰ عزوجل ہوا کہ اس خاک کو وہاں رکھو جہاں آج خانہ کعبہ ہے۔ فرشتوں کو حکم ہوا کہ اس خاک کو مختلف پانیوں سے گارا بنائیں چنانچہ اس پر چالیس روز بارش ہوئی۔ انتالیس دن تو غم و رنج کا پانی برسا اور ایک دن خوشی کا۔ اسی لئے انسان کو رنج و غم زیادہ رہتے ہیں اور خوشی کم ہوتی ہے۔ پھر اس گارے کو مختلف ہواؤں سے اتنا خشک کیا کہ کنکھانے لگا۔ پھر فرشتوں کو حکم ہوا کہ اس گارے کو مکے اور طائف کے درمیان وادی نعمان عرفات پہاڑ کے نزدیک رکھیں پھر اللہ تعالیٰ نے خاص اپنے دست قدرت سے اس گارے کو حضرت آدم علیہ السلام کا قالب بنایا اور ان کی صورت تیار فرمائی۔ فرشتوں نے کبھی ایسی صورت نہ دیکھی تھی۔ تعجب سے اس کے آس پاس پھرتے تھے۔ اس کی خوبصورتی سے حیران تھے۔ ابلیس کو بھی اس تمام اعلان کی خبر ہو چکی تھی وہ بھی اس قالب کو دیکھنے آیا اور اس کے گرد چکر لگا کر فرشتوں سے کہا تم کس کا تعجب کرتے ہو۔ یہ تو ایک اندر سے خالی جسم ہے

جس میں جگہ جگہ سوراخ ہیں اور اس کی کمزوری کا یہ حال ہے کہ اگر بھوکا ہو تو گر پڑے اور اگر خوب سیر ہو جائے تو چل پھر نہ سکے۔ اس قالب سے خالی کچھ نہ ہو سکے گا۔ پھر بولا: ہاں اس کے سینے کے بائیں طرف ایک بند کوٹھڑی یعنی دل ہے۔ یہ خبر نہیں کہ اس میں کیا ہے۔ شاید کہ یہی لطیفہء ربانی کی جگہ ہو جس کی وجہ سے یہ خلافت کا حق دار ہوا۔ پھر روح کو حکم کہ اس قالب میں اور اس کے گڑھوں میں بھر جائے۔ جب روح قالب کے پاس پہنچی تو جسم کو تنگ و تاریک پایا اندر جانے سے ٹھہر گئی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ تب نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ قالب جگمگا دیا گیا۔ یعنی وہ نور پیشانی آدم علیہ السلام میں امانت رکھا گیا۔ اب روح آہستہ آہستہ داخل ہونے لگی۔ ابھی سر میں تھی کہ حضرت آدم علیہ السلام کو چھینک آئی اور زبان سے نکلا الحمدللہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یرحمك الله۔ جب روح کمر تک آپہنچی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اٹھنا چاہا مگر گر پڑے کیونکہ نیچے کے دھڑ میں روح پہنچی ہی نہیں تھی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: خلق الانسان من عجل۔ فرمایا تمام بدن میں روح پھیل گئی تو حکم ہوا کہ فرشتوں کے پاس جا کر ان کو سلام کرو اور سنو وہ تمہیں کیا جواب دیتے ہیں۔ تب حضرت آدم علیہ السلام ادھر تشریف لے گئے اور فرمایا السلام علیکم، فرشتوں نے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ جواب میں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یہی الفاظ تمہارے اور تمہاری اولاد کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا باری تعالیٰ میری اولاد کون ہے تب اللہ تعالیٰ نے آپ کی پشت پر دست قدرت پھیر کر اس سے تمام انسانی روحیں نکالی گئیں اور حضرت آدم علیہ السلام کو سب دکھائی گئیں اور انہیں کافر و مومن، منافق، اولیاء قطب وانبیاء علیہم السلام دکھائے گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے نام سکھائے پھر سب اشیاء ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا تم سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ۔ تو فرشتے عرض کرنے لگے۔ تجھے پاکی ہے۔ ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے جب فرشتوں نے اپنی معذوری اور کم علمی کا اقرار کر لیا اور بارگاہ الٰہی میں اپنی عرض و معروض کی معذرت کی تب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ ان کو سب چیزوں کے نام بتا دیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے حکم پاتے ہی آناً فاناً بلا تامل سب کچھ ان کو بتا دیا۔ جب اس واقعہ سے فرشتوں کو اپنی عاجزی اور حضرت آدم علیہ السلام کے کمال علمی کا ثبوت ہو گیا۔ تب اللہ تعالیٰ ان کو متنبہ کرنے کو فرمایا: تم اپنے دل میں کیا سمجھتے تھے اور ظاہر کیا ہوا میں ہی ہر چیز کی حکمت اور مصلحت زمین و آسمان کی پوشیدہ باتیں تمہارے ظاہری اور باطنی حالات جانتا ہوں لہٰذا تمہارا تعجب کرنا کہ خلیفہ کیوں بنایا جا رہا ہے بے جا تھا میں جو کچھ کرتا ہوں اس میں بھی ہزار حکمتیں ہوتی ہیں۔

جب آدم علیہ السلام کا علم تمام پر ظاہر ہو گیا تو تمام فرشتوں جن میں شیطان بھی رہتا تھا حکم ہوا کہ تم سب کے سب حضرت آدم علیہ السلام کو تعظیمی سجدہ کرو وہ سب کے سب سجدہ میں گر گئے لیکن ابلیس چونکہ متکبر تھا اس لئے سجدے سے انکاری ہوا۔ اپنے آپ کو بڑا جان کر دل میں سوچنے لگا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم غلط ہے۔ میں بہت بڑا آدم علیہ السلام بہت چھوٹے، چھوٹا بڑے کے سامنے جھک سکتا ہے نہ کہ بڑا چھوٹے کے سامنے جھکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میری ہزار ہا برس کی عبادت کی کوئی قدر نہ فرمائی اور میرا حق نہ پہچانا۔ جب اس لعین [illegible] اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا

رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ جنت میں رہو اور کھاؤ پیو۔ مگر اس درخت (گیہوں، انجیر، یا انگور یا کوئی اور درخت) کے پاس تک نہ جانا اگر اس درخت کے پاس گئے تو خرابی میں پڑ جاؤ گے۔ شیطان لعین نے حضرت آدم علیہ السلام و حضرت حواء رضی اللہ عنہا کو اس بات پر اطمینان دیا کہ یہ درخت تمہارے لئے مفید ہے اور قسمیں کھا کر انہیں اطمینان دلایا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں لہٰذا ان دونوں ہستیوں نے وہ درخت کھالیا اور اللہ تعالیٰ کی ممانعت کے اصل مقصد کو بھول گئے اور حکم ہوا کہ تم سب کے سب زمین پر اتر جاؤ اور وہاں آپس کی عداوت کی تکلیف اٹھاؤ اور مدت تک وہیں رہو اور وہاں ہی کما کر کھاؤ۔ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے باہر زمین پر تشریف لائے تو ایک دم بہت سی آزمائشوں میں گرفتار ہو گئے۔

جنت سے چھوٹنے کا غم اپنی بیوی کی حواء رضی اللہ عنہا کی جدائی اپنی وحشت اور تنہائی پھر اللہ تعالیٰ کا عتاب، اس عتاب کی وجہ سے سخت پریشانی تھی۔ اسی پریشانی میں تین سو سال تک اس قدر روئے کہ ان کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔

پانچ بزرگ دنیا میں بہت روئے۔

(۱) حضرت آدم علیہ السلام اپنی خطاء پر

(۲) حضرت یعقوب علیہ السلام فراق فرزند میں

(۳) حضرت یحیٰی علیہ السلام خوف الٰہی سے

(۴) حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے ظاہری پردہ فرمانے کے بعد

(۵) حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ واقعہ کربلا کے بعد

مگر ان تمام بزرگوں میں حضرت آدم علیہ السلام کی گریہ وزاری سب سے بڑھ کر ہے کیونکہ تین سو سال تک متواتر روئے ہیں۔

تفسیر عزیزی میں ہے کہ

حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھی ان کی گریہ وزاری پر رونا آ گیا۔ انہوں نے بارگاہِ الٰہی عزوجل میں حضرت آدم علیہ السلام کی سفارش اور شفاعت کی تب رحمت الٰہی عزوجل نے ان کی دستگیری فرمائی اور ان کو رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام یاد دلایا اور اس کے ذریعہ سے توبہ کو قبول فرمایا۔ حضرت آدم علیہ السلام و حضرت حوا رضی اللہ عنہا جب جنت سے چلے تو اب انہیں یہ خبر نہ تھی کہ آیا ہم ہمیشہ کے لئے جا رہے ہیں یا پھر بھی یہاں آنا میسر ہوگا اور اس جگہ رہ کر بھی تعلق رب سے رہے گا یا نہیں۔ ان کے اطمینان کے لئے فرمایا: اب تم سب جنت سے اتر کر زمین پر جاؤ لیکن وہاں تم پر ہماری نظر عنایت رہے گی۔ دیکھو اس بار تم چوک گئے آئندہ ایسا نہ کرنا اسی غلطی سے سبق حاصل کرنا جو ہماری ہدایت کے موافق عمل کرے گا تو اس کو آئندہ نہ خوف ہوگا اور نہ گزری عمر سے غم ہوگا بلکہ دونوں عالم میں شاد و خرم رہیں گے۔ ہم تمہاری طرف اپنی ہدایت یعنی عقل سلیم عجائبات قدرت انبیاء علیہم السلام، کتابیں بھیجیں گے جو تمہاری لئے ہدایت ہوں گے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اپنے بندوں پر

درجہ بدرجہ دنیا میں مبعوث فرمایا اوران میں بعض انبیاء علیہم السلام کو کتابیں عطا کیں اور بعض انبیاء علیہم السلام کو صحائف عطا کئے تا کہ میرے بندوں کو میری راہ پر چلا کر میرا مطیع و محسن و عبادت گزار بندہ بنائیں۔ میرا اس کتاب کو لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے حالات اور انہیں جو کتابیں اور صحائف عطا کی گئیں ذکر کروں اور ان انبیاء علیہم السلام کی قوموں کے حالات و واقعات وافعال ذکر کروں جو ان میں پائی جاتی تھیں اور وہ احکام ذکر کروں جو ان پر نازل ہوئے تھے۔

میری یہ کتاب

(۱) ان کے نام جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سربسجود رہنے والے ہیں۔
(۲) ان کے نام جو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین پر دیوانہ وار عمل کرنے والے ہیں۔
(۳) ان کے نام جو خوف خداوندی عزوجل میں رونے والے ہیں۔
(۴) ان کے نام جو سابقہ انبیاء علیہم السلام کی قوموں سے درس عبرت حاصل کرنے والے ہیں۔
(۵) ان کے نام جو ہر حال ہر وقت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کو ترجیح دینے والے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کے حالات وواقعات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ ھُدًی وَّ بُشْرٰی لِلْمُتَّقِیْنَ قُرْآنًا عَرَبِیًّا غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ مَوْعِظَۃً وَّذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ الْاٰخِرِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ الْمُصَدِّقِیْنَ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ ذُرِّیَّتِہٖ وَ اُمَّتِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نُوْرَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم

درود شریف کی فضیلت

سرکار مدینہ، سلطان باقرینہ، قرار قلب وسینہ، فیض گنجینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے بعد حمد وثناء ودرود شریف پڑھنے والے سے فرمایا۔

''دعا مانگ قبول کی جائے گی سوال کر دیا جائے گا۔'' (سنن نسائی ج1 ص189)

سبحان اللہ عزوجل

درود شریف کی یہ برکت ہے کہ جب گناہ گار بندہ نماز ادا کر کے اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل کرتا ہے پھر رسول اعظم نبی محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں درود شریف کا نذرانہ پیش کرتا ہے تو جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا مانگتا ہے قبول ہونے کی نوید ہے اور جو سوال کرتا ہے پورا ہونے کی نوید ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کو بلند درجے عطا فرمائے اور سب سے زیادہ احسان عظیم یہ ہے کہ ہمیں اس مقدس

ومطہر ومنور رسول اعظم شفیع امم کا امتی بنایا جس کے امتی ہونے کو انبیاء علیہم السلام بھی آرزوئیں کریں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کی دعائیں کریں۔ یہی حضرات انبیاء علیہم السلام جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا پھر ان میں بعض کو کتابیں عطا فرمائیں۔ بعض کو صحائف عطا فرمائے تاکہ میرے بندوں کو سیدھے راستے کی تلقین کریں اور میرا برگزیدہ بندہ بنائیں۔

الحمد للہ عزوجل اسی درد فکر کو لے کر اس کتاب کو تحریر کیا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کیوں تشریف لائے اور ان کے تشریف لانے کا مقصد کیا تھا اور انہوں نے اپنی قوموں وامتوں کو کس چیز کا حکم دیا اور کس چیز سے منع کیا اور جنہوں نے ان مقدس انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کی ان کو اس کا کیا صلہ ملا اور جنہوں نے ان مقدس انبیاء علیہم السلام کی نافرمانیاں کیں ان کو دنیا میں کیا عذاب ملا اور کیوں ملا

اس کتاب میں انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کے حالات و واقعات کو ذکر کروں گا تاکہ قارئین پڑھ کر درس عبرت حاصل کریں اور اپنا اصل مقصد تلاش کرنے میں کامیاب ہو کر دنیا و آخرت کو سنوارنے میں کوشاں رہیں۔ سب سے پہلے انبیا کرام علیہم السلام کے فضائل ذکر کرتا ہوں بعد میں احوال ذکر کروں گا۔

نبی کی تعریف

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں

نبی وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف کی ہوئی وحی کی تبلیغ کے لئے بھیجا ہو۔

(مسائرۃ مع المسامرہ ص: 207 مطبوعہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ مکران)

بہار شریعت میں رسول اور نبی کی تعریف

نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لئے وحی بھیجی ہو اور رسول بشر ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ملائکہ میں بھی رسول ہیں۔

(بہار شریعت ج:۱ ص:۹ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ لاہور)

علامہ سعود بن عمر تفتازانی کا رسول اور نبی کے بارے میں قول

رسول وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی طرف تبلیغ احکام کے لئے بھیجا اور کبھی اس میں کتاب کی شرط بھی لگائی جاتی ہے اس کے برخلاف نبی عام ہے خواہ اس کے پاس کتاب ہو یا نہ ہو۔ (شرح عقائد نسفیہ ص: 14)

اس تعریف پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ

رسول تین سو تیرہ ہیں اور کتابیں صحائف ملا کر ایک سو چودہ ہیں اور باقی رسولوں کے پاس کتاب نہیں تھی۔

اس لئے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ

تحقیق یہ ہے کہ نبی وہ انسان ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی بغیر کسی بشر کے واسطے کے خبر دے اور ان امور کی خبر دے جن کو محض عقل سے نہیں جانا جا سکتا۔

اور رسول وہ ہے جو ان اوصاف کے علاوہ مرسل الیہم کی اصلاح پر بھی مامور ہو۔

لیکن یہ فرق درست نہیں ہے کیونکہ نبی بھی انسانوں کی اصلاح پر مامور ہوتا ہے۔

اس لئے جواب یہ ہے کہ

رسول کے پاس کتاب ہونا ضروری ہے خواہ کتاب جدید ہو یا کسی سابق رسول کی کتاب ہو۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ

رسول عام ہے وہ فرشتہ بھی ہوتا ہے اور انسان بھی۔ اس کے برخلاف نبی صرف انسان ہی ہوتا ہے۔

تیسرا فرق یہ ہے کہ

رسول کے لئے ضروری ہے کہ اس پر فرشتہ وحی لائے اور نبی کے لئے ضروری نہیں ہے۔ یہ جائز ہے کہ اس کے دل پر وحی کی جائے یا خواب میں اس پر وحی کی جائے۔

رسول اور نبی کا المنجد میں معنی

اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کی بنا پر غیب کی باتیں بتانے والا، پیشن گوئی کرنے والا، خدا تعالیٰ کے متعلق خبریں دینے والا۔

(المنجد، ص:987)

نبی اور رسول دونوں کا اصطلاحی معنی ہے۔

وہ انسان اور بشر جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی تبلیغ کے لئے مخلوق کی طرف بھیجا ہو اور ان دونوں میں فرق یہ کیا جاتا ہے کہ

نبی وہ انسان ہے جس پر وحی نازل کی گئی ہو عام ازیں کہ اس پر کتاب بھی نازل کی گئی ہو یا نہیں

اور رسول

وہ انسان ہے جس پر وحی بھی نازل کی گئی ہو اور اس پر کتاب بھی نازل کی گئی ہو۔

اس لئے حدیث میں ہے کہ

تین سو تیرہ رسول ہیں اور ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں۔

(حلیۃ الاولیاء، ج:1، ص:167)

مسند احمد کی روایت میں ہے۔

تین سو پندرہ رسول ہیں۔ (مسند احمد: ج:5،ص:266)

المفردات میں نبی کا معنیٰ

نبی کا لفظ نَبْو سے بنا ہے۔

اس کا معنیٰ

رفعت اور بلندی ہے۔

اور نبی کو نبی اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا مقام اپنی امت میں سب سے بلند ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا:

وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا (مریم: 57)

اور ہم نے اس کو بلند مقام پر اٹھا لیا۔

اور یا یہ لفظ نبا سے بنا ہے۔

اور نبی اس خبر کو کہتے ہیں جس میں دو چیزیں ہوں۔

(۱) اس سے کوئی عظیم فائدہ حاصل ہو۔

(۲) اس سے یقین حاصل ہو۔

اور جب تک کوئی ان دو چیزوں کو متضمن نہ ہو اس کو نبا نہیں کہا جاتا ہے اور جس خبر کو نبا کہا جاتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ جھوٹے نہ ہو جیسے خبر متواتر (وہ خبر جس کے بیان کرنے والے ہر دور میں اتنے زیادہ ہوں کہ عقل کے نزدیک ان سب کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو) اور اللہ تعالیٰ کی خبر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کو نبا کہا جاتا ہے اور چونکہ نبا علم کو متضمن ہے اس لئے اس کا معنیٰ خبر دینا بھی ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ (ھود: 49)

یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جن کی ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔

(المفردات ج:2،ص:622 مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

اور نبا کا لفظ غیب کی خبر دینے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول نقل فرمایا

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُيُوْتِكُمْ (آل عمران: 49)

میں تمہیں ان چیزوں کی خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور ان چیزوں کی خبر دیتا ہوں جن کو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ

کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا:

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ (طٰہٰ:99)

اور اسی طرح ہم آپ کے سامنے پچھلے گزرے ہوئے واقعات کی خبریں بیان کررہے ہیں۔

اور اس اعتبار سے نبی کا معنی ہے غیب کی خبریں بیان کرنے والا

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ یوں کیا

اے غیب کی خبریں بتانے والے

اور اصطلاح میں نبی اس انسان کو کہتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی ہو اور اس کو تبلیغ احکام کے لئے بھیجا ہو۔

انبیاء کرام ورسل عظام علیہم السلام کی تعداد

امام ابونعیم اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت نقل کی ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! انبیاء کرام علیہم السلام کتنے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایک لاکھ چوبیس ہزار

میں نے عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! رسول کتنے ہیں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تین سو تیرہ جم غفیر ہیں۔

میں نے کہا:

بہت اچھے ہیں۔

میں نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پہلا نبی کون ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(حضرت) آدم (علیہ السلام)

میں نے عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا وہ نبی مرسل ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہاں! اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ان میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی پھر ان کو اپنے سامنے بنایا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا:۔

چار نبی علیہم السلام سریانی ہیں۔

(۱) حضرت آدم

(۲) حضرت شیث

(۳) حضرت خنوخ یہ حضرت ادریس ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قلم سے خط کھینچا۔

(۴) اور حضرت نوح علیہم السلام

اور چار نبی عرب ہیں۔

(۱) حضرت ہود

(۲) حضرت صالح

(۳) حضرت شعیب

(۴) اور تمہارے نبی علیہم الصلوٰۃ والسلام

اے ابوذر! (رضی اللہ عنہ)

میں نے عرض کیا

اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل کیں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سو صحیفے اور چار کتابیں

حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس صحیفے نازل کیے گئے۔

حضرت خنوخ علیہ السلام پر تیس صحیفے نازل کیے گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے نازل کیے گئے۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات سے پہلے دس صحیفے نازل کیے گئے۔

اور

تورات

زبور

انجیل

اور فرقان کو نازل کیا گیا۔

(حلیۃ الاولیاء ج:1،ص:167 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

امام احمد نے بھی دو سندوں سے اس حدیث کو حضرت ابو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

مگر اس میں تین سو پندرہ رسولوں کا ذکر ہے۔

(مسند احمد ج:5،ص:179,266 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حافظ الہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی امام احمد اور امام طبرانی کے حوالوں سے ذکر کیا ہے کہ رسول تین سو پندرہ ہیں۔

(مجمع الزوائد ج:1،ص:159 مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت 1402)

علامہ علی متقی نے بھی اس حدیث مبارکہ کا حافظ سیوطی کے حوالوں سے ذکر کیا ہے۔

(کنز العمال: ج:16،ص:133 تا 134 مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

حافظ سیوطی نے الجامع الکبیر میں اس حدیث کو امام ابن حبان، امام اصبہانی اور امام عساکر کے حوالوں سے لکھا ہے اور اس میں تین سو تیرہ رسولوں کا ذکر ہے۔

(جامع الاحادیث الکبیر: ج:17،ص:204,206 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے در منثور میں لکھا ہے کہ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے عرض کیا! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! انبیاء کرام علیہم السلام کتنے تھے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایک لاکھ اور چوبیس ہزار نبی تھے۔

میں نے عرض کیا

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان میں کتنے رسول تھے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تین سو تیرہ کا جم غفیر تھا۔

(در منثور ج:2،ص:246 مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت دو جگہ ذکر کی ہے۔

اس میں ذکر ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں اور تین سو پندرہ رسول ہیں۔

(جامع المسانید والسنن رقم 10232 دار الفکر بیروت)

امام ابو یعلیٰ روایت کرتے ہیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار نبی مبعوث فرمائے چار ہزار بنو اسرائیل کی طرف اور چار ہزار باقی لوگوں کی طرف۔

(مسند ابو یعلیٰ ج:4، ص:157 مطبوعہ دار المامون تراث بیروت)

علامہ تفتازانی نے لکھا ہے کہ

ایک روایت میں ہے کہ

دو لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام ہیں

(شرح عقائد ص:97 مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

تمام محدثین کا اعتماد حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی اس روایت پر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ کی صفات لازمہ

نبی کے لئے ضروری ہے کہ وہ جس قوم کی طرف مبعوث ہو وہ اس میں سب سے اشرف اور مکرم اور وہ آزاد ہو کیونکہ غلامی ایک نقص ہے جو مقام نبوت کے لائق نہیں ہے اور مرد ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ (یوسف: 109)

اور ہم نے آپ سے پہلے مردوں کے سوا کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجا۔

اس آیت کی بنا پر جمہور اہل سنت کے نزدیک عورت کا نبی ہونا جائز نہیں ہے۔

امام ابو الحسن اشعری اور علامہ قرطبی مالکی کا اس میں اختلاف ہے۔

یہ حضرات، حضرت مریم، آسیہ، حاجرہ علیہن السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی نبوت کے قائل ہیں۔

نیز نبی کے لئے ضروری ہے کہ وہ قوی ہو، فہیم اور عالم ہو اور اس کے اخلاق عمدہ ہوں تا کہ لوگ سہولت کے ساتھ اس سے استفادہ کر سکیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام بخل، بزدلی لغو اور بے فائدہ کاموں اور تمام رذائل سے مجتنب ہوتے ہیں۔ اسی طرح وہ دنیا کی حرص سے بھی منزہ ہوتے ہیں اور اپنی قوم میں ان کا نسب سب سے عمدہ اور اشرف ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ

عقل، ذکاوت اور شجاعت کے لحاظ سے وہ نوع انسان کے کامل ترین فرد ہوتے ہیں اور وہ ہر ایسی صفت و کیفیت سے منزہ ہوتے ہیں جس سے طبیعت سلیمہ متنفر ہو۔ مثلاً ان کے آباء میں رذالت نہیں ہوتی نہ ان کی ماؤں کی طرف بدکاری کی نسبت ہوتی ہے اور نہ ان پر کوئی ایسی بیماری آتی ہے جس سے لوگ متنفر ہوں مثلاً برص اور جذام وغیرہ اور نہ وہ عامیانہ کام کرتے ہیں مثلاً بازاروں میں چلتے پھرتے اور کھاتے نہیں اور نہ کوئی ایسا کسب کرتے ہیں جو لوگوں میں معیوب سمجھا جاتا ہو۔ بدن کو گناہوں کی کدورت سے پاک کرنے اور عمدہ اخلاق کے ساتھ متصف ہونے اور سخت عبادت اور ریاضت کرنے سے نبوت و رسالت حاصل نہیں ہوتی۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے نبوت عطا فرماتا ہے لیکن استقرار تام اور تتبع سے اور قرآن و حدیث کے دلائل سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو بھی نبوت عطا فرمائی وہ مذکورہ الصدر صفات کا حامل تھا لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جس شخص میں یہ صفات ہوں وہ نبی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ جس جگہ اپنی نبوت کو رکھے گا۔ پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور آخری نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو سکتا۔

اولوالعزم نبی پانچ ہیں۔

(۱) حضرت نوح

(۲) حضرت ابراہیم

(۳) حضرت موسیٰ

(۴) حضرت علی

(۵) اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم الصلوٰۃ والسلام

کل نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں۔

(لوامع الانوار البھیہ ج:2،ص:256,269 ملخصاً مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حصول نبوت کا معیار

ولید بن مغیرہ نے کہا:

اگر نبوت حق ہوتی تو آپ سے زیادہ میں نبوت کے لائق تھا کیونکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں بھی بڑا ہوں اور میرے پاس مال بھی زیادہ ہے۔

اور ابوجہل نے کہا:

بخدا ہم اس وقت ان سے راضی نہیں ہوں گے اور ان کی پیروی نہیں کریں گے جب تک کہ ہمارے پاس اس طرح وحی نہ

آئے جس طرح ان کے پاس آتی ہے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ کس جگہ اپنی رسالت کو رکھے گا۔

ضحاک نے بیان کیا ہے کہ

ہر کافر یہ چاہتا تھا کہ اس کو وحی اور رسالت کے ساتھ خاص کرلیا جائے۔

جیسا کہ اس آیت میں ہے۔

بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ○ (مدثر: 52)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ فرماتے ہیں۔

حصول نبوت کے مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ نفس حقیقت کے لحاظ سے تمام انسان حصول نبوت میں مساوی ہیں اور بعض انسانوں کا رسالت کے ساتھ خاص ہونا یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے۔

اور بعض علماء نے یہ کہا کہ

نفوس انسانیہ اپنی ذات کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ بعض روحیں پاکیزہ ہوتی ہیں تعلقات جسمانیہ سے منزہ اور انوار الہیہ سے منور ہوتی ہیں اور بعض روحیں خسیس اور مکدر ہوتی ہیں اور جسمانی تعلقات میں جکڑی ہوئی ہوتی ہیں پس اس قسم کی روحیں حصول وحی کی صلاحیت نہیں رکھتیں اور پہلی قسم کی روحیں حصول وحی کی صلاحیت رکھتی ہیں پھر ان میں بھی مراتب اور درجات ہیں۔ اس لئے نبیوں اور رسولوں کے درجات بھی متفاوت ہیں۔ بعض کی عمر اور معجزات زیادہ ہوتے ہیں اور ان کے پیروکار کم ہوتے ہیں اور بعض کی عمر اور معجزات کم ہوتے ہیں اور ان کے پیروکار زیادہ ہوتے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج:5، ص:136 تا 137 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حکماء کے نزدیک استحقاق نبوت کی صفات اور ان کا رد

رسولوں کو بھیجنے کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ جو لوگ عبادات میں سخت ریاضت کریں اور خلوت میں مجاہدے کریں اور دنیا سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور جن کے جوہر ذات میں گناہوں کی کدورتوں اور ظلمتوں سے تجرد اور تنزہ ہو اور ان کی فطرت باوقار اور روشن ہو اور وہ غایت درجہ کے ذکی ہوں۔ ان کو اللہ تعالیٰ رسول بنالیتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کرلیتا ہے لہٰذا نبوت اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی عطا ہے جو اس کی مشیت کے ساتھ متعلق ہے اور اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کس جگہ رکھے گا۔

(الانعام:124)

اور یہ بھی اہل حق کا مذہب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قادر مختار ہے وہ جو چاہتا ہے اور جو پسند کرتا ہے وہی کرتا ہے۔ اس کے

برخلاف فلاسفہ نے یہ کہا کہ

نبی وہ شخص ہے جس میں تین خواص مجتمع ہو جائیں۔

(۱) اس کو ماضی، حال اور مستقبل کے تمام مغیبات پر اطلاع ہو۔

(۲) اس کا مجردات عالیہ اور نفوس سماویہ کے ساتھ ارتباط اور تعلق ہو اور اس کے کانوں میں کلام منتظم سنائی دے کہ جس کو یاد کیا جائے اور جس کی تلاوت کی جائے اور یہی وحی ہے

(۳) اس پر فرشتہ اور کتاب کا نزول ہو جس میں نظام معاش، نجات، آخرت اور بندوں کی اصلاح اور فلاح کے احکام کا بیان ہو۔

ان کے نزدیک جو شخص اوصاف ثلاثہ کا حامل ہو اس کا نبی ہونا واجب ہے لیکن سورہ انعام: 124 کی روشنی میں ان کا یہ قول باطل ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے اور ان میں سے بعض اوصاف غیر نبی میں بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اولیاء اللہ کو بھی بعض مغیبات کا علم ہوتا ہے اور تمام اوصاف انبیاء کرام علیہم السلام میں نہیں پائے جاتے مثلاً ہر نبی پر کتاب کا نزول نہیں ہوتا۔

(شرح مقاصد: ج:5،ص:25:19 ملخصا مطبوعہ ایران 1409ھ)

اہل حق کے نزدیک ثبوت نبوت کا منشاء

علامہ محمد السفارینی الحنبلی المتوفی 1188ھ لکھتے ہیں:

رسولوں کو بھیجنا، کتابوں کو نازل کرنا اور شریعتوں کو مقرر کرنا اللہ تعالیٰ کا احسان اور فضل ہے۔ یہ اس پر واجب نہیں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک اللہ تعالیٰ نے جس قدر نبی اور رسول بھیجے یہ اللہ تعالیٰ کا لطف اور کرم ہے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے امر اور نہی اور وعد اور وعید کو بیان کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں کو یہ بتائیں کہ وہ اپنے معاش اور معاد کی کن احکام کے محتاج ہیں۔

بندے تین اصولوں کی معرفت میں رسولوں کے محتاج ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی توحید

اللہ کی صفات

تقدیر

ملائکہ

اور اللہ تعالیٰ کے اولیاء کرام

اور اعداء کے انجام کا بیان

(۲) احکام شرعیہ کی تفصیل کیا چیز حلال ہے اور کیا چیز حرام ہے اور اللہ تعالیٰ کو کیا پسند اور کیا ناپسند ہے؟

(۳) قیامت

جنت

دوزخ

حساب و کتاب

اور ثواب وعذاب

(مرجع السابق)

مشرکین کا نبوت پر تعجب کا ازالہ

مشرکین نے حسب ذیل وجوہ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر تعجب کہا اور بشر کیا کرتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا:

مشرکین مکہ کہتے تھے:

اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ وہ ایک بشر کو رسول بنائے۔

(جامع البیان جز:11 ص:197)

قرآن مجید میں ہے

قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ○ (بنی اسرائیل: 94)

کفار نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے بشر کو رسول بنایا؟

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس تعجب کو حسب ذیل آیتوں میں زائل فرمایا

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ○ (الانعام: 9)

اور اگر ہم فرشتے کو رسول بناتے تو اسے مرد ہی بناتے اور ان پر وہی شبہ ڈال دیتے جو شبہ وہ اب کر رہے ہیں۔

اور ارشاد فرمایا:

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ○

ترجمہ: ''آپ فرمایئے اگر زمین میں (رہنے والے) فرشتے ہوتے جو اس میں اطمینان سے چلنے والے ہوتے تو ہم ضرور ان کے اوپر آسمان سے فرشتہ کو رسول بنا کر نازل کرتے۔''

خلاصہ یہ ہے کہ

جس قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا جائے وہ اسی قوم کی جنس سے ہوتا ہے تاکہ اس رسول کا عمل اس قوم کے لئے نمونہ اور

حجت ہو نیز اگر رسول کسی اور جنس سے ہو تو قوم اس سے استفادہ نہیں کر سکتی۔ جیسا کہ عام انسان نہ فرشتوں کو دیکھ سکتے ہیں نہ کلام کر سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ ان کو مس کر سکتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضہ یہ تھا کہ انسان اور بشر کی طرف انسان اور ظاہری بشر ہی کو رسول بنا کر بھیجا جائے اور اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ سے یہی سنت رہی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ (یوسف: 109)

نیز ان کو اس بات پر بھی تعجب ہوتا تھا کہ ایک غریب اور یتیم شخص کو کیوں رسول بنایا۔ کسی امیر کبیر شخص کو رسول کیوں نہیں بنایا۔

چنانچہ وہ کہتے تھے

لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ (زخرف: 31)

مشرکین نے کہا: یہ قرآن ان دو شہروں (مکہ اور طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ فقر نیک صفات کے منافی نہیں ہے اور غنا نیک صفات کا موجب نہیں ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فقر کے باوجود اپنی نیکی، خیر، تقویٰ، امانت، دیانت، صلہ رحم اور ایثار وغیرہ کے ساتھ معروف اور مشہور تھے اور آپ کا یتیم ہونا کسی نقصان کا موجب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یتیم اس لئے رکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر والدین کی پرورش کا احساس نہ ہو کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دنیا پر فضل اور احسان کرنے کے لئے بھیجا تھا کسی کا احسان اٹھانے کے لئے نہیں بھیجا تھا اور مالدار اور غنی ہونا کسی خوبی اور نیکی کا مستلزم نہیں ہے۔ مکہ میں کتنے مال دار اور غنی تھے لیکن ان کی اور پرہیز گاری کی شہرت نہیں تھی اور نہ مال اور دولت اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى (سبا: 37)

اور نہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایسی چیزیں ہیں جو تم کو ہمارے قریب کر دیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کو کس خصوصیت کی وجہ سے نبی بنایا گیا

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (ابراھیم: 11)

ان سے ان کے رسولوں نے کہا: ہم تمہاری طرح بشر ہی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرماتا ہے اور ہمارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر تمہارے پاس کوئی دلیل لے کر

آئیں اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی زبان سے کفار کے نبوت میں شبہات کا جواب ذکر فرمایا ہے۔

ان کا پہلا شبہ یہ تھا کہ

تم تو ہماری طرح بشر ہو پھر تم کو نبی کیونکر بنا دیا گیا۔

انبیاء کرام علیہم السلام نے اس کا جواب یہ دیا کہ

انسانیت اور بشریت میں مساوی اور مماثل ہونا اس بات کے منافی نہیں ہے کہ بعض انسانوں کو منصب نبوت کے ساتھ خاص کر لیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے اپنا فضل اور احسان فرماتا ہے اور اس کو منصب نبوت عطا فرماتا ہے اور اس تقریر سے نبوت میں ان کا پہلا شبہ ساقط ہو جاتا ہے۔

اہل سنت و جماعت کے علماء ظاہر نے یہ کہا ہے:

نبوت کا حصول اللہ عزوجل کی عطا ہے وہ جس کو چاہتا ہے یہ مرتبہ عطا فرماتا ہے اور یہ عطا اس پر موقوف نہیں ہے کہ کوئی انسان صفاء باطن، پاکیزگی اور تقرب الی اللہ میں دوسرے انسانوں سے ممتاز اور انہوں نے سورہ ابراہیم کی اس آیت سے استدلال کیا ہے جس میں انبیاء کرام علیہم السلام نے ارشاد فرمایا:

ہم تمہاری طرح بشر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے میں سے جس پر چاہے احسان فرماتا ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرما دیا کہ نبوت کی عطا اللہ تعالیٰ کا محض فضل اور اس کا احسان ہے۔

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ نے لکھا ہے کہ

جب تک انسان کی روح اور بدن میں علوی اور قدسی نہ ہوں اس میں نبوت کا حصول ممتنع ہے۔

امام غزالی نے لکھا ہے کہ

جس طرح عام انسان حیوانات سے عقل کی وجہ سے ممتاز ہوتا ہے۔ اسی طرح نبی عام انسانوں سے ایک خاص وصف کی وجہ سے ممتاز ہوتا ہے اس میں ایک زائد قوت ادراک ہوتی ہے جس وجہ سے وہ امور غیبیہ کا ادراک فرماتا ہے۔ فرشتوں کو دیکھتا ہے اور ان کا کلام سنتا ہے اسی طرح جنات کو دیکھتا ہے اور ان کا کلام سنتا ہے اور نبیوں اور رسولوں کو عام انسانوں کی بہ نسبت ایک زائد قوت ادراک حاصل ہوتی ہے اور اسی قوت کی وجہ سے وہ عام انسانوں سے ممتاز ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے جس بندہ کو نبی بناتا ہے اس کو وہ قوت عطا فرماتا ہے۔

امام رازی، امام غزالی اور دیگر علماء نے اس آیت کا یہ جواب دیا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے تواضع اور انکسار کی وجہ سے اس آیت میں اپنے روحانی اور جسمانی فضائل بیان نہیں فرمائے اور صرف یہ کہنے پر اکتفا کی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرماتا ہے کیونکہ یہ بات معروف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مرتبہ نبوت کے ساتھ اس لئے مختص کیا

ہے کہ وہ ان فضائل کے ساتھ متصف تھے جس کی وجہ سے وہ ان خصوصیات کے مستحق ہوئے۔

جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ہے۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ (الانعام: 124)

اللہ اپنی رسالت کے رکھنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے۔

کافروں کا دوسرا شبہ یہ تھا کہ ان کے آباؤاجداد اور بہت لوگ بت پرستی کرتے تھے اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اتنے کثیر لوگ اب تک غلط کہتے آرہے ہوں اور صرف یہ ایک شخص جو نبوت کا مدعی ہے وہ صحیح اور درست بات کہہ رہا ہو۔

اس کا جواب سابق تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ غلط اور صحیح کا ادراک بھی اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے وہ جس کو چاہتا ہے یہ فہم اور ادراک عطا فرماتا ہے اس لئے یہ مستبعد نہیں ہے کہ شروع سے لے کر اب تک تمام کافر جو کہتے رہے تھے وہ غلط ہو اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو فرمایا ہے وہ صحیح ہے۔

کافروں کا تیسرا شبہ یہ تھا کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی نبوت پر جو دلائل اور معجزات پیش کئے ہیں ہم ان سے مطمئن نہیں ہیں۔ ہمیں مطمئن کرنے کے لئے وہ معجزات پیش کریں جن کا ہم مطالبہ کر رہے ہیں۔

اس کے جواب میں انبیاء کرام علیہم السلام نے فرمایا:

اور ہمارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر تمہارے پاس کوئی دلیل لے آئیں۔

اس جواب کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کو معجزہ اس لئے عطا فرماتا ہے کہ دلیل سے اس کی نبوت ثابت ہو جائے سو اس نے ہر نبی کو ایسے دلائل اور معجزات دے کر بھیجا۔

جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہر نبی کو اس قدر معجزات عطا کر دیئے گئے ہیں جن کی وجہ سے ایک بشر ان پر ایمان لے آئے اور مجھے وحی (قرآن مجید) دی گئی جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل فرمائی۔ پس مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے متبعین تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ ہوں گے۔ (صحیح بخاری: رقم الحدیث: 4981)

سو جتنے معجزات کی ضرورت تھی وہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو عطا فرما دیئے۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیات

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں

علامہ حلیمی نے کتاب المنہاج میں لکھا ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کا دوسرے انسانوں سے جسمانی اور روحانی قوتوں میں مختلف ہونا ضروری ہے۔
پھر امام رازی اس کی تفصیل میں علامہ حلیمی سے نقل کرتے ہیں کہ
قوت جسمانیہ کی دو قسمیں ہیں۔
(۱) مدرکہ
(۲) محرکہ
اور مدرکہ کی دو قسمیں ہیں۔
(۱) حواس ظاہرہ
(۲) حواس باطنہ
اور حواس ظاہرہ پانچ ہیں۔
(1) قوت باصرہ
(2) قوت سامعہ
(3) قوت شامہ
(4) قوت ذائقہ
(5) قوت لامسہ

قوت باصرہ:

قوت باصرہ کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کی دلیل یہ ہے کہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میرے لئے تمام روئے زمین سمیٹ دی گئی اور میں نے اس کے تمام مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔
(صحیح مسلم: ج:2، ص:390)
نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اپنی صفیں قائم کرو اور مل کر کھڑے رہو کیونکہ میں تم کو پس پشت بھی دیکھتا ہوں۔
(صحیح بخاری: رقم الحدیث:718)
اس قوت کی نظیر یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ارشاد فرمایا:
وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (الانعام: 75)

اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی نشانیاں دکھاتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بصر کو قوی کر دیا حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اعلیٰ سے لے کر اسفل تک نشانیاں دیکھ لیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرے لئے تمام آسمان اور تمام زمین منکشف ہو گئے۔

(مسند احمد: ج:4 ص:66)

اور ایک روایت میں ہے

میں نے تمام آسمانوں اور زمین کو جان لیا۔

(مسند احمد: ج:1 ص:368)

قوت سامعہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سماعت تمام انسانوں سے زیادہ تھی۔

کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

آسمان چرچراتا ہے اور اس کا چرچرانا بجا ہے۔ آسمان میں ایک قدم کی جگہ بھی نہیں ہے مگر اس میں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدہ ریز ہے۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث: 2312)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کے چرچرانے کی آواز سنی

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایک پتھر جہنم میں گرایا جا رہا ہے جو ابھی تک جہنم کی تہہ تک نہیں پہنچا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز سنی۔ اس قوت کی نظیر حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی عطا کی گئی کیونکہ انہوں نے چیونٹیوں کی آواز سنی۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَتْ نَمْلَةٌ يَّاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ (النمل: 18)

ایک چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو چیونٹی کا کلام سنایا اور اس کے معنی پر مطلع کیا اور یہ قوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی

حاصل تھی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھیڑیئے اور اونٹ سے کلام فرمایا کرتے۔

(المستدرک للحاکم: ج:2،ص:99تا100)

قوت شامہ

نبی کی قوت شامہ کی خصوصیت پر حضرت یعقوب علیہ السلام کا واقعہ دلیل ہے کیونکہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ حکم دیا کہ میری قمیص لے جاؤ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈال دو اور قافلہ وہ قمیص لے کر روانہ ہوا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ (یوسف: 94)

مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کی خوشبو کئی دن کی مسافت کے فاصلہ سے سونگھ لی۔

قوت ذائقہ

نبی کے چکھنے کی قوت کی خصوصیت کی دلیل یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت کا ایک ٹکڑا چکھا تو ارشاد فرمایا:

اس میں زہر ملا ہوا ہے۔

(سنن الدارمی رقم الحدیث:68)

قوت لامسہ

نبی کی قوت لامسہ کی خصوصیت کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو وہ آگ ان پر ٹھنڈک اور سلامتی والی ہوگئی۔ اور حواس باطنہ میں قوت حافظہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى (اعلی: 6)

ہم عنقریب آپ کو بڑھائیں گے پس آپ نہیں بھولیں گے۔

اور قوت ذکاوت ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے علم کے ایک ہزار باب سکھائے اور میں نے ہر باب سے ہزار باب مستنبط کیے اور جب ولی کی ذکاوت کا یہ حال ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذکاوت کا کیا عالم ہوگا اور قوت محرکہ کی خصوصیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج پر جانا دلیل ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ چوتھے آسمان پر جانا اور حضرت ادریس علیہ السلام اور حضرت

الیاس علیہ السلام کا آسمان پر جانا اس کی دلیل ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی روحانی اور عقلی قوتیں بھی انتہائی کامل ہوتی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ نفس قدسیہ نبویہ اپنی ماہیت میں باقی نفوس سے مختلف ہوتا ہے اور نفس نبویہ کے لوازم سے یہ ہے کہ اس کی ذکاوت، ذہانت اور حیرت انتہائی کامل ہو اور وہ جسمانیات اور شہوانیات سے منزہ ہو اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح غایت صفا اور شرف میں ہوگی تو اس کا بدن بھی انتہائی صاف اور پاکیزہ ہوگا اور اس کی قوت مدرکہ اور قوت محرکہ بھی انتہائی کامل ہوگی کیونکہ یہ قوتیں ان انوار کے قائم مقام ہیں جو انوار جوہر روح سے صادر ہوتے ہیں اور نبی کے بدن سے واصل ہوتے ہیں اور جب فاعل (روح) اور قابل (بدن) انتہائی کامل ہوں گے تو ان کے آثار بھی انتہائی کامل، مشرف اور صاف ہوں گے۔

(تفسیر کبیر ج:3، ص:199 تا 200 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

کیا نبوت کسبی ہے؟

نبوت کسبی نہیں کہ آدمی عبادت وریاضت کے ذریعہ سے حاصل کر سکے۔

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1367ھ لکھتے ہیں:

نبوت کسبی نہیں کہ آدمی عبادت وریاضت کے ذریعہ حاصل کر سکے بلکہ محض عطائے الٰہی ہے کہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے دیتا ہے۔ ہاں دیتا اسی کو ہے جسے اس منصب عظیم کے قابل بناتا ہے جو قبل حصول نبوت تمام اخلاق رذیلہ سے پاک اور تمام اخلاق فاضلہ سے مزین ہو کر جملہ مدارج ولایت طے کر چکتا ہے اور اپنے نسب وجسم وقول وفعل وحرکات وسکنات میں ہر ایسی بات سے منزہ ہوتا ہے جو باعث نفرت ہو۔ اسے عقل کامل عطا کی جاتی ہے جو اوروں کی عقل سے بدرجہا زائد ہے کسی حکیم اور کسی فلسفی کی عقل اس کی لاکھویں حصہ تک نہیں پہنچ سکتی۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (الانعام: 124)

اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔

قرآن مجید میں ہے:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ (الجمعة: 4)

یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے اور جو اسے کسبی مانے کہ آدمی اپنے کسب وریاضت سے منصب نبوت تک پہنچ سکتا ہے کافر ہے۔

(بہار شریعت ج:1، ص:8 مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

علامہ عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی الحنفی المتوفی 973ھ لکھتے ہیں:

جن لوگوں کو یہ شبہ ہوا کہ نبوت کسبی ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ اظہار رسالت سے پہلے یا تو مخلوق

سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں یا پھر وہ عبادت کرتے ہیں اور ان میں وحی کو قبول کرنے کی استعداد اور صلاحیت ہوتی ہے تا کہ وہ اس حالت کی طرف لوٹ جائیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مقدر کی ہے۔ سو جو لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ پہلے مخلوق سے کنارہ کش تھے اور عبادت کرتے تھے پھر ان کو نبوت حاصل ہوئی وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کو نبوت ان کے کسب سے حاصل ہوئی لیکن یہ ان کا وہم ہے اور ان کی نظر کی کوتاہی ہے۔

شیخ محی الدین ابن عربی متوفی 638ھ نے الفتوحات المکیہ کے باب 298 میں فرمایا ہے کہ

جس نے یہ کہا ہے:

نبوت کسب سے حاصل ہوتی ہے اس نے خطا کی نبوت صرف اللہ تعالیٰ کی عطا کے ساتھ مختص ہے۔

(الیواقیت والجواہر ص352 تا353 ملخصاً داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا تخلیق کائنات سے پہلے نبی ہونا

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تخلیق کائنات سے بھی پہلے نبی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

مسلمانوں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبوت کب واجب ہوئی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس وقت حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث:3609)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور اس وقت حضرت آدم علیہ السلام اپنی مٹی کے خمیر میں تھے اور میں عنقریب تم کو اپنی ابتدا کے متعلق بتاؤں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور میں اپنی ماں کا وہ خواب ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا ان کے لئے ایک نور نکلا جس سے ان کے لئے شام کے محلات روشن ہو گئے۔

(شرح السنہ رقم الحدیث:3626)(معجم الکبیر ج:18، رقم الحدیث:252)

علامہ عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی الحنفی المتوفی 973ھ لکھتے ہیں:

اگر تم یہ پوچھو کہ آیا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کو بھی اس وقت نبوت دی گئی جب حضرت آدم علیہ السلام پانی

اور مٹی کے درمیان تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم تک یہ حدیث نہیں پہنچی کہ کسی اور کو بھی یہ مقام دیا گیا۔ باقی انبیاء کرام علیہم السلام صرف اپنی رسالت کے ایام مخصوصہ میں ہی نبی تھے۔ اگر تم یہ پوچھو کہ آپ نے یہ کیوں نہیں فرمایا: میں اس وقت بھی انسان تھا یا اس وقت بھی موجود تھا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ

آپ نے خصوصیت کے ساتھ نبوت کا ذکر یہ بتانے کے لئے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے پہلے نبوت دی کیونکہ نبوت اسی وقت ملتی ہے جو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وقت مقرر ہوتا ہے۔

نیز علامہ شعرانی نے لکھا ہے کہ

شیخ محی الدین ابن عربی نے الفتوحات المکیہ میں لکھا ہے کہ

تمام انبیاء کرام و مرسلین علیہم السلام کے مدد طلب کرنے کی جگہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی قطب الاقطاب ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تمام اولین اور آخرین لوگوں کی مدد کرنے والے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہر نبی اور ولی کی مدد کرنے والے ہیں۔ خواہ ان کا ظہور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیب میں تھے۔ یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم شہادت میں ظاہر ہو گئے اور یا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم برزخ میں منتقل ہو چکے ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے انوار متقدمین اور متاخرین کے عالم سے کبھی منقطع نہیں ہوئے۔

اگر تم یہ کہو کہ ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا۔

اور ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا تو ان میں کس طرح تطبیق ہو گی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ

ان دونوں حدیثوں کا معنی واحد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کو پیدا کیا اور اس حقیقت کو کبھی عقل سے تعبیر فرمایا اور کبھی نور سے۔

(الیواقیت والجواہر ص:339 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

بلکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وجود کا فیضان کرنے کے لئے تمام موجودات کے لئے وسیلہ ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام

کے واسطہ سے تمام مخلوق پر جو فیضان ہوا ہے اس کے لئے بھی آپ وسیلہ ہیں کیونکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار کی شعاعیں ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار کے عکوس ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی النور الحق اور النبی المطلق ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم علیہ السلام مٹی اور پانی کے درمیان تھے اور جب انبیاء کرام علیہم السلام ارحام اور اصلاب کے حجاب میں تھے۔ اس وقت بھی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض لے رہے تھے اور اس وقت بھی جب وہ اس عالم میں ظاہر ہوئے اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجاب میں تھے۔ جیسے جب رات کو ستارے ظاہر ہوتے ہیں اور سورج ظاہر نہیں ہوتا لیکن وہ ستارے اسی کے فیض سے روشن ہوتے ہیں اور جب سورج ظاہر ہوتا ہے تو ستارے چھپ جاتے ہیں اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں جلوہ گر ہوئے تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام چھپ گئے اور ان کی شریعتیں منسوخ ہو گئیں اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت باقی رہی۔

(روح المعانی: ج:15، ص:183 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

انبیاء کرام علیہم السلام حیات ہیں

فتاویٰ رضویہ میں ہے۔

یقین جانو کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بچی حقیقی دنیاوی جسمانی حیات سے ویسے ہی زندہ ہیں جیسے وفات شریف سے پہلے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ سلم کی اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی موت صرف وعدۂ خدا عز وجل کی تصدیق کو ایک آن کے لئے تھی۔ ان کا انتقال صرف نظر عوام سے چھپ جانا ہے۔

امام محمد بن الحاج مکی مدخل اور امام احمد قسطلانی مواہب لدنیہ میں اور آئمہ دین رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین فرماتے ہیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات و وفات میں اس بات میں کچھ فرق نہیں کہ وہ اپنی امت کو دیکھ رہے ہیں اور ان کی حالتوں اور ان کی نیتوں، ان کے ارادوں، ان کے دلوں کے خیالوں کو پہچانتے ہیں اور یہ سب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر روشن ہے جس میں اصلاً پوشیدگی نہیں۔

(المدخل لابن الحاج: فصل فی زیارۃ القبور دار الکتاب العربی بیروت 252/1)

(فتاویٰ رضویہ: ج:10، ص:764 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

سنن ابو داؤد میں ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو مجھ پر سلام عرض کرتا ہے میں اسے جواب دیتا ہوں۔

(سنن ابو داؤد؛ کتاب المناسک: باب پارۃ طہور: آفتاب عالم پریس لاہور: 279/1)

شعب الایمان میں ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو مجھ پر میری قبر کے پاس سلام عرض کرے اللہ تعالیٰ اس پر ایک فرشتہ مقرر فرمائے کہ اس کا سلام مجھے پہنچائے اور اس کی دنیا و آخرت کے کاموں کی کفایت فرمائے اور روز قیامت میں اس کا شفیع یا گواہ ہوں۔

(شعب الایمان: باب فی المناسک: حدیث 4156 دار الکتب العلمیۃ بیروت 479/3)

کنز العمال میں ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے دنیا میرے سامنے اٹھائی کہ وہ اور جو کچھ قیامت تک اس میں ہونے والا ہے سب کو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسا اپنی ہتھیلی کو۔

(کنز العمال بحوالہ نعیم بن حماد فی الفتن، حدیث: 31810 موسسۃ الرسالۃ بیروت 378/11)

جذب القلوب میں ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرا علم میری وفات کے بعد ایسا ہی ہے جیسا میری زندگی میں

(جذب القلوب: باب چہاردہم در زیارت النبی صلی اللہ علیہ وسلم نولکشور لکھنو ص: 199)

کنز العمال میں ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میری حیات و ممات دونوں تمہارے لئے بہتر ہیں، تمہارے اعمال میرے حضور پیش کئے جاتے ہیں۔ میں نیکیوں پر شکر کرتا ہوں اور برائیوں پر تمہارے لئے استغفار فرماتا ہوں۔

(کنز العمال بحوالہ ابن سعد عن بکر بن عبد اللہ المزنی: حدیث: 31903 موسسۃ الرسالۃ بیروت 407/11)

سنن ابن ماجہ میں ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر پیغمبروں کا جسم کھانا حرام کیا ہے تو اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہوتا ہے روزی دیا جاتا ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

(سنن ابن ماجہ: ابواب الجنائز: ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص: 119)

انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام مقدسہ کو زمین کا کھانا حرام کر دیا گیا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام حیات حقیقی دنیاوی روحانی جسمانی سے زندہ ہیں۔ اپنے مزارات طیبہ مقدسہ میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ روزی دیئے جاتے ہیں جہاں چاہیں تشریف لے جاتے ہیں۔ زمین و آسمان کی سلطنت میں تصرف فرماتے ہیں۔

حضور انور نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنے مزارات میں زندہ ہیں اور نماز ادا فرماتے ہیں۔

(شرح الصدور: باب احوال للموتی فی قبورہم: خلافت اکیڈمی مینگورہ سوات ص 78)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے اجسام مبارکہ کا زمین پر کھانا حرام فرمادیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نبی زندہ ہیں اور رزق دیئے جاتے ہیں۔

(سنن ابن ماجہ: آخر کتاب الجنائز: ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص: 119)

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے لئے مزارات سے باہر جانے اور آسمانوں اور زمین میں تصرف کی اجازت ہوتی ہے۔

(الحاوی للفتاوی: رسالہ تنویر الحلک: دار الفکر بیروت 263/2)

انبیائے کرام علیہم السلام احتلام سے پاک ہوتے ہیں

اور فتاویٰ رضویہ میں ہے:

بالجملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام علیہم السلام احتلام سے پاک و منزہ ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَ کَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیْلًا ﴿۱۰﴾ (65/17)

بے شک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ قابو نہیں اور تیرا رب کافی ہے کام بنانے کو۔

بطریق مجاہد رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روای کہ

ارشاد فرمایا:

کبھی کسی نبی کو احتلام نہ ہوا، احتلام تو نہیں مگر شیطان کی طرف سے

(معجم الکبیر: حدیث: 11564 مکتبۃ الفیصلۃ بیروت 225/11)

کعب بن احبار رحمۃ اللہ علیہ سے جو مروی ہوا کہ یاجوج ماجوج نطفہ احتلام حضرت آدم علیہ السلام سے بنے ہیں۔ اول کعب ہی سے اس کا ثبوت صحت کو نہ پہنچا اس کا ناقل ثعلبی حاطب لیل ہے۔ کما فی عمدۃ القاری، نووی نے حسب عادت ان کا اتباع کیا پھر کعب صاحب اسرائیلیات ہیں جن کی روایات کہ مقررات دین کے خلاف ہو مقبول نہیں۔ ہاں امام نووی و حافظ عسقلانی نے شروح صحیح مسلم و بخاری میں اس کی تاویل نقل کی کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر فیضان زیادت فضلہ بسبب امتلائے

ادعیہ منع نہیں اور اسے مقرر رکھا۔

اقول

مگر لفظ شنیع ومکروہ ہے اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حصر کے خلاف کہ احتلام نہیں مگر شیطان کی طرف سے ولہذا عامہ علمائے کرام نے اسے مقبول نہ رکھا۔

فتح الباری بدء الخلق میں ہے۔

وہ سخت واجب الانکار بات ہے اس کی اصل نہیں مگر بعض اہل کتاب سے۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری: باب بدء الخلق، مصطفیٰ البابی مصر: 195/7)

امام علامہ بدر الدین محمود عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں۔

یعنی اسے ثعلبی نے کعب احبار سے حکایت کیا نیز نووی نے شرح مسلم وغیرہ میں، مگر علماء نے اسے ضعیف بتایا اور امام ابن کثیر نے کہا: وہ تضعیف ہی کے لائق ہے کہ بے دلیل محض ہے بلکہ اس ارشاد علماء کے مخالف ہے کہ آج بنص قطعی قرآن مجید تمام آدمی ذریت نوح علیہ السلام سے ہیں۔ امام عینی نے فرمایا میں کہتا ہوں نیز حدیث وارد ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر احتلام محال ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، باب بدء الخلق: ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت: 232/15)

اللہ تعالیٰ کا مبارک فرمان ہے۔

ہم نے نوح ہی کی اولاد باقی رکھی۔ (القرآن: 77/37)

فتح الباری کتاب الفتن میں ہے۔

یاجوج ماجوج کا ذریت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی سے ہونا معتمد ہے ورنہ طوفان کے وقت وہ کہاں رہے۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب الفتن باب یاجوج ماجوج مصطفیٰ البابی مصر: 221/16)

امام نووی نے فتاویٰ میں جماہیر علماء کی طرف منسوب کیا کہ یہ نطفہ حضرت آدم علیہ السلام کا تھا نہ کہ حضرت حوا علیہا السلام کا تو میں کہتا ہوں اس سے احتلام کہاں ثابت ہوتا ہے:

اولاً کبھی کبھی نطفہ حالت حیض میں شرم گاہ سے باہر پیٹ وغیرہ پر استعمال سے حاصل ہو جاتا ہے

ثانیاً: ہر نطفہ کو رحم قبول نہیں کرتا۔

ثالثاً: رحم ہر نطفہ کے تمام کو قبول نہیں کرتا بلکہ جزء کو قبول کر کے بقیہ کو پھینک دیتا ہے اور یہ تین جواب حدیث طوفان سے ہیں اور یہ اس کا جواب بھی ہے جو حافظ ابن کثیر نے نقل کیا کیونکہ کلام ان میں ہے جو وہاں موجود تھے کیونکہ بقاء وجود کی فرع ہے۔ علاوہ ازیں گفتگو ان میں ہے جو یقینی طور پر حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہوں اور یہ کامل طور پر ان کی اولاد نہیں اگرچہ ایک لحاظ سے اولاد ہیں کیونکہ ان کے نطفہ سے ہیں اور وہ اسی لئے کہ والد کے لئے بیوی کا ہونا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہاں ہے اس کے لئے اولاد حالانکہ اس کے لئے بیوی ہی نہیں۔

بالجملہ انبیاء کرام علیہم السلام پر احتلام منع ہے۔

(فتاوٰی رضویہ: ج:15،ص:158 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

حیات انبیاء کرام علیہم السلام کے منکر کا حکم

حیات انبیاء کرام علیہم السلام کا منکر گمراہ بد دین ہے۔

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی فرماتے ہیں۔

حیات انبیاء کرام علیہم السلام کا منکر گمراہ بد دین ہے اور خلت سرے سے طریان موت پر بھی دلیل نہیں نہ کہ معاذ اللہ استمرار موت پہ لفظ صرف انقضائے عہد پر دال ہے جسے بلاشبہ یہ کہنا کہ سلطان محمد خان خامس سے پہلے اتنے سلاطین ہو گزرے اس سے یہ نہ سمجھا جائے گا کہ سلطان حمید خان زندہ ہی نہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام سب بحیات حقیقی دنیاوی جسمانی زندہ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

(مسند ابو یعلیٰ حدیث:3412 موسسۃ علوم القرآن بیروت:379/3)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام کو کھانا زمین پر حرام کر دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہوتا ہے اس کو رزق دیا جاتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ: ابواب الجنائز: باب ذکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ علیہ وسلم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص:119)

(فتاوٰی رضویہ ج:29 ص:110 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

انبیاء کرام علیہم السلام کو معصوم نہ ماننا کلمہ کفر ہے

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سوال کہ ایک شخص کہتا ہے جملہ انبیاء کرام وملائکہ عظام علیہم السلام معصوم ہیں دوسرا شخص کہتا ہے کہ سوائے پنجتن پاک کے کوئی معصوم نہیں کے جواب میں فرمایا پہلا شخص کا قول حق و عقیدہ اہل سنت اور دوسرے کا قول صریح گمراہی ورفض وکلمہ کفر ہے۔

(فتاوٰی رضویہ: ج:29،ص:333 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

انبیاء کرام علیہم السلام کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاوٰی رضویہ میں فرمایا،

انبیاء کرام علیہم کی سب دعائیں مستجاب ہیں۔ مومنین سے حضرات عزت کا وعدہ ہے مجھ سے دعا کرو میں قبول فرماؤں گا اور اس کے وعدہ خلاف نہیں ہو سکتے پھر انبیاء کرام علیہم السلام تو انبیاء کرام علیہم السلام بعض وقت وہ اس اظہار کے لئے کہ یہ امیر خلاف مقدر ہے اسے صورت دعا میں ظاہر کرتے ہیں وہ اعلیٰ درجہ پر قبول ہوتی ہیں مگر مطلوب ظاہری واقع نہیں ہوتا نظر ظاہر اسے عدم قبول سے تعبیر کرتی ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، ج:29،ص:334 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اللہ تعالیٰ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے اسماء لکھنے اور پڑھنے کے آداب

علامہ سید احمد طحطاوی لکھتے ہیں:

فصول میں مذکور ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کوئی نام سنے اس پر اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنا واجب ہے مثلاً ''عزوجل، جل مجدہ، یا تبارک وتعالیٰ'' کہے اور بعض کتابوں میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا نام لکھے تو اس کے ساتھ کوئی تعظیمی کلمہ مثلاً عزوجل لکھے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی حفاظت کرے اور بار بار پڑھنے سے نہ اکتائے۔ اگر اصل کتاب میں صلوٰۃ وسلام نہ ہو تو خود زبان سے پڑھے۔ اسی طرح صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ناموں کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' اور علماء کے اسماء کے ساتھ رحمۃ اللہ لکھے اور پڑھے اور صرف صلوٰۃ وسلام پر اختصار کرنا مکروہ ہے۔

ملا مسکین نے لکھا ہے۔

یہ مکروہ نہیں ہے لیکن ان کی مراد یہ ہے کہ مکروہ تحریمی نہیں ہے مکروہ تنزیہی بہر حال ہے۔ اسی طرح لکھتے وقت رمز اور اشارہ سے صلوٰۃ وسلام اور رضی اللہ عنہ لکھنا (مثلاً ص یا صلعم یا رض لکھنا) مکروہ ہے مکمل ''علیہ الصلوٰۃ والسلام'' اور ''رضی اللہ عنہ'' لکھے۔

تاتارخانیہ کے بعض مقامات پر لکھا ہے کہ

جس نے علیہ السلام کو ہمزہ اور میم کے ساتھ لکھا وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ یہ تخفیف ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی تخفیف کفر ہے تاہم یہ کفر اس وقت ہوگا جب کوئی شخص تخفیف کے قصد سے ایسا کرے گا۔ بہر حال اس سے احتیاط لازم ہے۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ج:1،ص:6 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

تمام انبیاء کرام علیہم السلام پیدائشی مومن ہیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اَسْلِمْ

اسلام لاؤ

امام رازی نے کہا:

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ کس وقت فرمایا۔

ایک قول یہ ہے:

یہ نبوت سے پہلے فرمایا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ستارے چاند اور سورج کے ڈوبنے سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر استدلال کر رہے تھے اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اسلام لاؤ

اور انہوں نے کہا:

میں تمام جہانوں کے رب عزوجل پر اسلام لایا

امام رازی نے کہا:

اکثر علماء کی یہی رائے ہے۔

بعض علماء نے کہا:

یہ حکم نبوت کے بعد تھا اور اس کا معنی ہے۔ اسلام پر مستقیم رہو اور توحید پر قائم رہو۔

(تفسیر کبیر، ج:1، ص:487 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

علامہ ابوالحیان اندلسی نے بھی یہی لکھا ہے۔

(البحر المحیط، ج:1، ص:631 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اور علامہ آلوسی نے بھی یہ دونوں ذکر کئے ہیں۔

(روح المعانی ج:1، ص:388 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

بہر حال یہ حکم نبوت سے پہلے ہو یا بعد انبیاء علیہم السلام پیدائشی مومن ہوتے ہیں اور نبوت سے پہلے کفر سے معصوم ہوتے ہیں۔ اس لئے اس کا معنی ہے اعضاء سے اعضاء یا اسلام پر ثابت قدم رہو یا اپنے آپ کو ہمیں سونپ دو۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ ایمان لے آؤ جس سے یہ وہم ہو کہ آپ علیہ السلام پہلے مومن نہیں تھے۔ (معاذ اللہ)

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے

انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات بھی قبر میں جسمانی ہے اور یہ سب سے اعلیٰ اور قوی حیات ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام دنیاوی احکام میں بھی زندہ ہوتے ہیں۔ ان کی وفات کے بعد ان کی میراث تقسیم نہیں کی جاتی اور وفات کے بعد ان کی ازواج مطہرات سے کسی شخص کے لئے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات مبارکہ پر قرآن مجید کی آیت صراحتاً دلالت کرتی ہے۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ

الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ۝(سبا: 14)

توجب ہم نے سلیمان پر موت کا حکم نافذ کر دیا تو جنات کو ان کی موت پر سوائے زمین کی دیمک کے کسی نے مطلع نہیں کیا جو سلیمان کے عصا کو کھاتی رہی۔ پھر جب سلیمان فرمین پر آرہے تھے تو جنوں پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کے عذاب میں نہ پڑے رہتے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام جنوں سے مسجد بیت المقدس کی تعمیر کی تجدید کرا رہے تھے جب اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو موت کے وقت مطلع کر دیا تو آپ علیہ السلام نے جنوں کو نقشہ بنا کر دیا اور خود ایک شیشہ کے مکان میں دروازہ بند کر کے عصا سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے عبادت الٰہی عزوجل میں مشغول ہوگئے۔ اسی حالت میں فرشتے نے روح قبض کر لی اور آپ علیہ السلام کا جسم مبارک اس عصا کے سہارے کھڑا رہا اور کسی کو آپ علیہ السلام کی وفات کا احساس نہ ہو سکا۔ وفات کے مدت دراز تک جن بہ دستور تعمیر کرتے رہے۔ جب تعمیر پوری ہو چکی تو وہ عصا دیمک کے گھن لگنے کی وجہ سے گر پڑا۔ تب سب کو آپ علیہ السلام کی وفات کا حال معلوم ہوا اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ جنوں کو علم غیب نہیں ہوتا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر موت طاری ہونے کے بعد ان کا جسم صحیح سلامت رہتا ہے، پھولنے، پھٹنے، گلنے سڑنے سے محفوظ رہتا ہے لیکن ان کی جسمانی حیات کی کیفیت ہمارے دائرہ احساس اور شعور سے خارج ہے۔ عصا میں جب گھن لگ گیا اور وہ زمین پر گر گیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسم اطہر بھی زمین پر تشریف لے آیا تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات جسمانی ہوتی ہے لیکن اس پر دنیاوی حیات کے آثار مرتب نہیں ہوتے ورنہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسم مبارک اپنے قیام میں عصا کا محتاج نہ ہوتا اور عصا گرنے کے باوجود آپ علیہ السلام کا جسم مبارک قائم رہتا۔ انبیاء کرام علیہم السلام زائرین کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور جو ان سے دعا کی درخواست کرتے ہیں ان کی شفاعت کرتے ہیں۔ اپنی قبور میں نماز پڑھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے مشاہدہ اور مطالعہ میں مستغرق رہتے ہیں اور احوال برزخ پر بھی نظر رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے کائنات میں تصرف بھی کرتے ہیں لیکن یہ تمام اور متشابہات میں سے ہیں۔ یہ امور ایسے نہیں ہیں جیسے دنیا میں کسی انسان سے صادر ہوتے ہیں ان کی کیفیت ہم ایسے عام لوگوں کے دائرہ ادراک اور شعور سے خارج ہے۔ کئی احادیث مبارکہ میں بھی انبیاء کرام علیہم السلام کی جسمانی حیات اور ان کے جسمانی تصرفات پر دلیل ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وادی ارزق سے بلند آواز سے تلبیہ پڑھتے ہوئے اترانا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی ارزق میں گزرے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کون سی وادی ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا

یہ وادی ارزق ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

گویا کہ میں (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں وہ بآواز بلند تلبیہ پڑھتے ہوئے اس وادی سے اتر رہے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم وادی ہرشی سے گزرے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کون سی وادی ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا

یہ وادی ہرشی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

گویا کہ میں (حضرت) یونس بن متی علیہ السلام کی طرف دیکھ رہا ہوں وہ ایک سرخ رنگ کی فربہ اونٹنی پر سوار ہیں جس کی مہار کھجور کے چھال کی ہے۔ انہوں نے ایک اونی جبہ پہنا ہوا ہے اور وہ ''اللھم لبیک'' کہتے ہوئے اس وادی سے گزر رہے ہیں۔

(صحیح مسلم: ج:1، ص:94 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

علامہ نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ انبیاء کرام علیہم السلام حج اور تلبیہ کرتے ہیں۔

حالانکہ وہ وفات پا چکے ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام بہ منزلہ شہدا ہیں بلکہ ان سے افضل ہیں اور شہداء اپنے رب عزوجل کے نزدیک زندہ ہیں۔ اس لئے ان کا حج کرنا اور نماز پڑھنا بعید نہیں ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔

(شرح مسلم: ج:1، ص:94 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

شیخ عثمانی لکھتے ہیں:

انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں۔ اس لئے ان کے حج کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔

اس حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی روح کو دیکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ان کی روحوں کو اس طرح متمثل کر دیا گیا جس طرح شب معراج انبیاء کرام علیہم السلام کی روحوں کو متمثل کر دیا گیا تھا اور ان کے اجسام

قبور میں تھے۔

علامہ ابن منیر وغیرہ نے کہا:

اللہ تعالیٰ ہر نبی کی روح کے لئے ایک جسم مثالی بنادیتا ہے پھر وہ جس طرح خواب دکھائی دیتے ہیں اسی طرح بیداری میں دکھائی دیتے ہیں۔

(فتح الملہم ج:1،ص:330 مطبوعہ مکتبۃ الحجاز کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز ادا فرمانا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا اس وقت وہ اپنی قبر میں نماز ادا فرمارہے تھے۔

(صحیح مسلم:ج:2،ص:268 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت کروانا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں نے اپنے آپ کو انبیاء کرام علیہم السلام کی ایک جماعت میں پایا میں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نماز پڑھ رہے ہیں اور ان کے بال قبیلہ شنوءہ کے لوگوں کی طرح گھنگریالے تھے اور اس وقت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ عروہ بن مسعود ثقفی ان سے بہت مشابہ ہیں اور اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور تمہارے نبی ان کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ ہیں پھر نماز کا وقت آیا اور میں نے ان سب انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت کی۔

(صحیح مسلم ج:1،ص:96 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے کیسے دیکھا تھا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو بیت المقدس میں نماز پڑھائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آسمانوں میں بھی اپنے اپنے مراتب میں دیکھا اور ان کو سلام کیا اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش آمدید کہا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں بیت المقدس جاتے ہوئے آسمانوں پر چڑھنے

سے پہلے دیکھا ہو۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آسمان پر پہنچ گئے ہوں

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کرام علیہم السلام کو پہلے نماز پڑھائی ہو اور پھر ان کو آسمانوں پر دیکھا ہو

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ

سدرۃ المنتہیٰ سے واپسی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کرام علیہم السلام کو نماز پڑھائی ہو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا ہو۔

(شرح مسلم: ج:1، ص:96 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

خود اشرف علی تھانوی لکھتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام جمیع انبیاء کرام علیہم السلام میں اس کے قبل بیت المقدس میں بھی مل چکے ہیں اور اسی طرح وہ اپنی قبر میں بھی موجود ہیں اور اسی طرح بقیہ سموات میں جو انبیاء کرام علیہم السلام کو دیکھا سب جگہ یہی سوال ہوتا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ قبر میں تو اصلی جسد سے تشریف رکھتے ہیں اور دوسرے مقامات پر ان کی روح کا تمثل ہوا ہے یعنی غیر عنصری جسد سے جس کو صوفیہ جسم مثالی کہتے ہیں۔ روح کا تعلق ہوگیا اور اس جسد میں تعدد بھی اور ایک وقت میں روح کا سب کے ساتھ تعلق بھی ممکن ہے لیکن ان کے اختیار سے نہیں بلکہ محض بقدرت ومشیت حق۔

(نشر الطیب، ص 64 تا 65 مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی)

اللہ تعالیٰ کی قدرت تو محل کلام نہیں ہے لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اس قسم کے اختیار عطا فرماتا ہے۔

امام ابوداؤد روایت فرماتے ہیں۔

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تمہارے دنوں میں جمعہ کا دن سب سے افضل ہے۔ اس دن مجھ پر بہ کثرت درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمارا درود کس طرح پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم بوسیدہ ہوچکا ہوگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے زمین پر الانبیاء کرام علیہم السلام کے جسم کھانے کو حرام کر دیا ہے۔
(سنن ابی داؤد ج:1 ص:214 مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جس وقت بھی کوئی شخص مجھ پر سلام پیش کرتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ نے مجھ پر روح لوٹائی ہوئی ہوتی ہے حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔
(سنن ابوداؤد: ج:1، ص:279 مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور)

انبیاء کرام علیہم السلام کا بعد وفات دکھائی دینے کی حالت

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:
صوفیا کی پہلی منزل مکاشفات اور مشاہدات سے شروع ہوتی ہے حتیٰ وہ بیداری میں فرشتوں کا اور ارواح انبیاء کرام علیہم السلام کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ان کی آواز سنتے ہیں اور ان سے فوائد حاصل کرتے ہیں۔
(المنقذ من الضلال ص:50 مطبوعہ ہیئت الاوقاف لاہور)

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:
آیا ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اور روح کے ساتھ ہوتی ہے یا جسم مثالی کے ساتھ؟

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ
ارباب احوال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اور ارواح کو نہیں دیکھتے بلکہ مثال کو دیکھتے ہیں۔
(علامہ سیوطی فرماتے ہیں)
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کی جسم اور روح کے ساتھ زیارت ممتنع نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں اور آپ سب کی روحیں آپ کے اجسام میں لوٹا دی گئی ہیں اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنی قبور سے باہر آنے کا اور تمام کائنات میں تصرف کرنے کا اذن دیا گیا ہے اور امام بیہقی نے حیات انبیاء کرام میں ایک رسالہ لکھا ہے اور دلائل النبوہ میں لکھا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام شہدا کی طرح اپنے رب عزوجل کے پاک زندہ ہیں۔
(الحاوی للفتاوی ج:2، ص:263 مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

علامہ آلوسی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:
یا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح دکھائی دیتی ہے بایں طور کہ وہ مختلف صورتوں میں دکھائی دیتی ہے اور اس کا تعلق جسد

انور کے ساتھ باقی رہتا جیسا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوتے تھے اور سدرۃ المنتہٰی سے جدا نہیں ہوتے تھے اور یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مثالی دکھائی دیتا ہے جس کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح متعلق ہوتی ہے اور یہ ہوسکتا ہے کہ بے شمار اجسام مشاہیر ہوں اور ان سب کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح واحد متعلق ہو جیسا کہ ایک جسم کے متعدد اعضاء کے ساتھ روح واحد متعلق ہوتی ہے۔

(روح المعانی ج:22،ص:37 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

شیخ انور شاد کشمیری لکھتے ہیں:

میرے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ممکن ہے کیونکہ منقول ہے کہ علامہ سیوطی نے بائیس مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق چند احادیث مبارکہ کے متعلق سوال کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح فرمانے کے بعد ان احادیث مبارکہ کو صحیح لکھا۔

علامہ شعرانی نے لکھا ہے کہ

انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیداری میں زیارت کی اور آٹھ ساتھیوں کے ساتھ آپ سے بخاری پڑھی جن میں سے ایک حنفی تھا۔ (فیض الباری ج:1،ص:204 مطبع حجاز مصر)

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبور مبارکہ میں اپنے جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں اور اپنی عبادت اور اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے مشاہدہ میں مشغول ہیں ان پر اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ نیک اعمال دیکھ کر وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور برے اعمال دیکھ کرامت کے لئے استغفار کرتے ہیں اور اہل اللہ اور خاص خاص بندگان خدا ان کی زیارت سے مستفید بھی ہوتے ہیں۔ ان کا کلام سنتے ہیں اور وہ اپنی قبور سے باہر بھی آتے ہیں اور زمین اور آسمان میں جہاں چاہیں تشریف لے جاتے ہیں۔ ایک وقت میں کئی جگہوں پر بھی تشریف لے جاتے ہیں۔ اس وقت ان کی روح کئی صورتوں میں متمثل ہوتی ہے یا ایک وقت میں کئی جگہ ان کے اجسام مشابہ نظر آتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حاضر و ناظر کہا جاتا ہے۔ اس کا یہی مفہوم ہے۔ حاضر و ناظر کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم معروف اور جسد عنصری کے ساتھ ایک وقت میں کئی جگہ موجود ہوتے ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث علماء کرام

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔

(سنن ابوداود، کتاب العلم: باب فضل العلم، آفتاب عالم پریس لاہور، ج:2، ص:157)

اللہ تعالیٰ پر نبی کا بھیجنا واجب نہیں

اللہ تعالیٰ پر نبی کا بھیجنا واجب نہیں۔ اس نے اپنے فضل وکرم سے لوگوں کی ہدایت کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام بھیجے۔

(شرح مقاصد: المقصد السادس، المبحث الاول فی تعریف النبی والرسول ج:3، ص:268)

وحی نبوت انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے

وحی نبوت انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے خاص ہے جو اس کو کسی غیر نبی کے لئے مانے وہ کافر ہے۔ نبی کو خواب میں جو چیز بتائی جائے وہ بھی وحی ہے۔ اس کے جھوٹے ہونے کا احتمال نہیں۔

(معتقد المنتقد: ص:105)(شفا شریف: فصل فی بیان ما ھو من المقالات کفر جز:2، ص:285)(تفسیر طبری، ج:7، ص:148)

نبی سے نبوت کا زوال جاننے والا کافر

جو شخص نبی سے نبوت کا زوال جائز جانے کافر ہے۔

(معتقد المنتقد: مسئلہ من جواز زوال النبوۃ من نبی.....ص:109)

انبیاء کرام علیہم السلام کفر وشرک ودیگر کبائر سے معصوم

انبیاء کرام علیہم السلام کفر وشرک اور ہر ایسے امر سے جو خلق کے لئے باعث نفرت ہو جیسے کذب وخیانت وجہل وغیرہا صفات ذمیمہ سے، نیز ایسے افعال جو وجاہت اور مروت کے خلاف ہیں، قبل نبوت اور بعد نبوت بالا جماع معصوم ہیں اور سے بھی مطلقاً معصوم ہیں اور حق یہ ہے کہ تعمد صغائر سے بھی قبل نبوت اور بعد نبوت معصوم ہیں۔

(روح البیان: پ:23، ج:8، ص:45 تحت الآیۃ:44)

نبی معصوم ہوتا ہے

نبی کا معصوم ہونا ضروری ہے اور یہ عصمت نبی اور ملک کا خاصہ ہے کہ نبی اور فرشتہ کے سوا کوئی معصوم نہیں۔

(منح الروض الازھر: ص:56)(معتقد المنتقد: ص:110)

انبیاء کرام علیہم السلام کی تعظیم فرض عین ہے

نبی کی تعظیم فرض عین بلکہ اصل تمام فرائض ہے کسی نبی کی ادنیٰ توہین یا تکذیب کفر ہے۔

(جواہر البحار: ج:3، ص:260)(تفسیر روح البیان پ:10، سورہ توبہ، ج:3، ص:394)

انبیاء کرام علیہم السلام کا تمام ملائکہ ومخلوق سے افضل ہونا

انبیاء کرام علیہم السلام تمام مخلوق یہاں تک کہ رسل ملائکہ سے افضل ہیں۔ ولی کتنا ہی بڑے مرتبہ والا ہو کسی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا جو کسی غیر نبی کو کسی نبی سے افضل یا برابر بتائے۔ کافر ہے۔

(تفسیر خازن: ج:2، ص:23 تحت الآیۃ وکلا فضلنا علی العٰلمین)(منح الروض الازھر: ص:121)

نبی کے دعویٰ نبوت میں سچے ہونے کی دلیل

نبی کے دعویٰ نبوت میں سچے ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ

نبی اپنے صدق کا علانیہ دعویٰ فرما کر محالات عادیہ کے ظاہر کرنے کا ذمہ لیتا ہے اور منکروں کو اس کے مثل کی طرف بلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے دعویٰ کے مطابق امر محال عادی ظاہر فرما دیتا ہے اور منکرین سب عاجز رہتے ہیں اسی کو معجزہ کہتے ہیں۔

(شرح عقائد النسفیہ: مبحث النبوات ص:135)

قرآن مجید واحادیث مبارکہ میں انبیاء کرام علیہم السلام کی لغزشوں کے سوا لغزشیں ذکر کرنا سخت حرام ہے

انبیاء کرام علیہم السلام سے جو لغزشیں واقع ہوئیں ان کا ذکر تلاوت قرآن و روایت حدیث کے سوا حرام اور سخت حرام ہے۔ اوروں کو ان سرکاروں میں لب کشائی کی کیا مجال مولیٰ عزوجل ان کا مالک ہے جس محل پر جس طرح چاہے تعبیر فرمائے۔ وہ اس کے پیارے بندے ہیں۔ اپنے رب عزوجل کے لئے جس قدر چاہیں تواضع فرمائیں۔ دوسرا ان کلمات کو سند نہیں بنا سکتا اور خود ان کا اطلاق کرے تو مردود بارگاہ ہو۔ پھر ان کے یہ افعال جن کو ذلت ولغزش سے تعبیر کیا جائے ہزار ہا حکم ومصالح پر مبنی، ہزار ہا فوائد و برکات کی مثمر ہوتی ہیں۔ ایک لغزش انبیاء حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھئے۔ اگر وہ نہ ہوتی جنت سے نہ اترتے۔ دنیا آباد نہ ہوتی۔ نہ کتابیں اترتیں نہ رسول آتے، نہ جہاد ہوتے، لاکھوں کروڑوں نیکیوں کے اجر کے دروازے بند رہتے۔ ان سب کا فتح باب ایک لغزش آدم علیہ السلام کا نتیجہ بارکہ وثمرہ طیبہ ہے۔ بالجملہ انبیاء کرام علیہم السلام کی لغزش من وتو کس شمار میں ہیں۔ صدیقین کی سنات سے افضل واعلیٰ ہے۔

حَسَنَاتِ الْاَبْرَارِ سَيِّاٰتِ الْمُقَرَّبِيْنَ

ترجمہ: ''نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے لئے خطاؤں کا درجہ رکھتی ہیں۔''

(کشف للعجلونی ج:1، ص:318)

انبیاء کرام علیہم السلام کا دعویٰ الوہیت کرنا عقلاً ممتنع ہے

قرآن مجید میں ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ○ (آل عمران: 79)

کسی بشر کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ اس کو کتاب، حکم اور نبوت عطا کرے اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کے بجائے میرے بندے بن جاؤ لیکن (وہ یہی کہے گا کہ) تم اللہ والے بن جاؤ کیونکہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور تم پڑھتے پڑھاتے ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ

ابورافع قرظی نے کہا: جب نجران کے احبار یہود اور علماء نصاریٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے کہا:

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اس طرح عبادت کریں جیسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کی عبادت کی تھی؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہم غیر اللہ کی عبادت کرنے سے پناہ چاہتے ہیں اور غیر اللہ کی عبادت کا حکم دینے سے اللہ عزوجل کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لئے بھیجا ہے نہ اس کا مجھے حکم دیا ہے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

"کسی بشر کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ عزوجل اس کو کتاب، حکم اور نبوت عطا کرے اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ عزوجل کے بجائے میرے بندے بن جاؤ۔"

ابن جریج بیان فرماتے ہیں کہ

اہل کتاب کا ایک گروہ اپنی کتاب کی تحریف کرنے کے سلسلہ میں لوگوں کی عبادت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(جامع البیان: ج:3، ص:232 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

ہم نے اس آیت کا یہ معنی کیا ہے کہ نبی کے لئے الوہیت کا دعویٰ کرنا عقلاً ممکن نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے اس دعویٰ کی تکذیب کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی بجائے مجھے معبود بنالو اور اگر اس آیت کا یہ معنی کیا جائے کہ نبی کے لئے الوہیت کا دعویٰ کرنا جائز نہیں ہے یعنی حرام ہے تو اس سے عیسائیوں کی تکذیب نہیں ہوگی مثلاً ایک شخص کسی کے لئے متعلق یہ دعویٰ کرے کہ فلاں شخص شراب پیتا ہے اور آپ یہ کہیں کہ شراب پینا تو حرام ہے اس سے اس کے دعویٰ کی تکذیب نہیں ہوگی۔ اس کے دعویٰ کی تکذیب اس وقت ہوگی جب آپ یہ ثابت کریں کہ شراب پینا اس کے لئے عقلاً ممکن ہی نہیں ہے۔

اس آیت کی نظیر درج ذیل آیات مبارکہ ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ (مریم: 35)

اللہ کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔

سورۃ نمل میں ہے۔

مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا (نمل: 60)

تمہارے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ تم (ازخود) باغوں کے درخت اگاتے۔

سورہ آل عمران میں ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (آل عمران: 145)

اللہ کے اذن کے بغیر کسی نفس کے لئے مرنا ممکن نہیں ہے۔

اس نہج پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے!

کسی بشر کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ عزوجل اس کو کتاب حکم اور نبوت عطا کرے اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ عزوجل کے بجائے میرے بندے بن جاؤ۔ اس امتناع عقلی پر حسب ذیل دلائل ہیں۔

(1) رسول یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ کے احکام حاصل کر کے ان کی تبلیغ کرتا ہے اور اپنے صدق پر معجزہ کو پیش کرتا ہے اگر وہ خود الوہیت کا دعویٰ کرے تو اس کے صدق پر معجزہ کی دلالت باطل ہو جائے گی اور لازم آئے گا کہ وہ صادق ہو اور صادق نہ ہو اور یہ محال ہے۔ معجزہ کے اظہار کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ صادق ہو اور الوہیت کے دعویٰ کا تقاضہ ہے کہ وہ صادق نہ ہو اور یہ اجتماع نقیضین ہے۔

(2) اگر رسول الوہیت کا دعویٰ کر کے اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھے تو اللہ تعالیٰ اس کی شہ رگ کو کاٹ دے گا اور ماضی کے واقعات شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنے رسولوں کو غلبہ عطا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ٥ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ٥ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ٥ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ٥ (الحاقة 44 تا 47)

اگر وہ (رسول) ہم پر کسی قسم کا افتراء باندھتا تو ہم ضرور اس کو پوری قوت سے پکڑ لیتے۔ پھر ہم ضرور اس کی شہ رگ کاٹ دیتے پھر تم میں سے کوئی بھی اس کو بچانے والا نہ ہوتا۔

اسی آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر رسول الوہیت کا دعویٰ کرتا تو وہ مغلوب ہو جاتا اور دوسری آیت میں فرمایا

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ (المجادلہ: 21)

اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور بہ ضرور غالب ہو کر رہیں گے۔

سو اگر رسول الوہیت کا دعویٰ کر کے اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھے تو لازم آئے گا کہ وہ مغلوب ہو اور مغلوب نہ ہو اور یہ اجتماع نقیضین ہونے کی وجہ سے محال عقلی ہے۔

(3) امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

انبیاء کرام علیہم السلام ایسی صفات کے ساتھ موصوف ہوتے ہیں کہ ان صفات کے ساتھ الوہیت کا دعویٰ کرنا ممکن نہیں

ہے۔اللہ تعالیٰ ان کو کتاب اور وحی عطا فرماتا ہے اور کتاب اور وحی صرف نفوس طاہرہ اور ارواح طیبہ کو ہی دی جاسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ (الانعام: 124)

اللہ اپنی رسالت رکھنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے۔

سورہ حج میں ہے۔

اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ط (الحج: 75)

اللہ چن لیتا ہے رسولوں کو فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے۔

اور نفس طاہرہ سے اس قسم کا دعویٰ ممتنع ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ

انسان کی دو قوتیں ہیں۔نظری اور عملی اور جب تک قوت نظریہ علوم اور معارف حقیقیہ کے ساتھ کامل نہ ہو اس وقت تک عملیہ اخلاق ذمیمہ سے طاہر نہیں ہوتی اور نہ اس میں وحی اور نبوت کے قبول کرنے کی استعداد اور صلاحیت ہوگی اور قوت نظریہ اور قوت عملیہ کا کمال الوہیت کا دعویٰ کرنے سے مانع ہے۔

(4) اللہ تعالیٰ اس وقت اپنے کسی بندہ کو نبوت اور رسالت سے مشرف فرماتا ہے جب اسے یہ علم ہو کہ وہ بندہ اسی قسم کا دعویٰ نہیں کرے گا۔

(تفسیر کبیر: ج:2،ص:480 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

انبیاء کرام علیہم السلام ہم سے کیسے غائب ہیں؟

علامہ ابو العباس احمد بن عمر قرطبی متوفی 656ھ نے فرمایا ہے کہ

جب پہلی بار صور پھونکا جائے گا تو اس سے انبیاء کرام علیہم السلام صرف بے ہوش ہوں گے اور عام انسان سب مر جائیں گے۔سو عام لوگوں کے حق میں صعقہ کا معنی موت ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں صعقہ کا معنی بے ہوشی ہے کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں ان کے حق میں موت کا معنی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ شہداء کرام اپنے قتل ہونے اور موت کے بعد اپنے رب عزوجل کے پاس زندہ ہوتے ہیں۔ان کو رزق دیا جاتا ہے اور وہ خوش اور مسرور ہوتے ہیں اور یہ دنیا میں زندہ لوگوں کی صفات ہیں اور جب شہداء کا یہ مقام ہے تو انبیاء کرام علیہم السلام اپنی وفات کے بعد اس حال کے زیادہ لائق اور حقدار ہیں۔

اس کے علاوہ صحیح حدیث مبارکہ میں ہے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام علیہم کے اجسام کو کھانا حرام کر دیا ہے۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 1047)

نیز شب معراج تمام انبیاء کرام علیہم السلام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجدِ اقصیٰ میں جمع ہوئے۔ خصوصاً موسیٰ علیہ السلام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔

(صحیح مسلم: فضائل انبیاء علیہم السلام: 156، حدیث: 2374)

اسی طرح کی احادیث مبارکہ بہت زیادہ ہیں جن کے مجموعہ سے اس بات کا یقینی علم حاصل ہو جاتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی موت کا معنی یہ ہے کہ وہ ہم سے غائب ہو گئے۔ بایں طور کہ ہم ان کا ادراک نہیں کر سکتے۔ ہر چند کہ وہ موجود اور زندہ ہیں اور ان کا حال فرشتوں کی طرح کہ وہ بھی موجود اور زندہ ہیں اور ہماری نوع میں سے کوئی شخص ان کو نہیں دیکھتا سوائے اولیاء اللہ کے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کرامت کے ساتھ خاص کر لیا ہے اور جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں تو وہ آسمان اور زمین کے درمیان ہیں اور جب صور میں پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمینوں میں ہر شخص پر صعقہ طاری ہو گا ماسوا ان کے جن کو اللہ تعالیٰ چاہے، غیر انبیاء کے صعقہ کا معنی ہے وہ مر جائیں گے اور انبیاء کرام علیہم السلام صرف بے ہوش ہوں گے اور جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو جو مر گئے تھے وہ زندہ ہو جائیں گے اور جو بے ہوش ہوئے تھے وہ ہوش میں آ جائیں گے۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں وہ پہلا شخص ہوں گا جو ہوش میں آئے گا اور یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حقیقتاً سب سے پہلے ہوش میں آئیں گے اور تمام لوگوں سے پہلے اپنی قبر مبارک سے باہر آئیں گے۔ خواہ وہ انبیاء علیہم السلام ہوں یا ان کے غیر ماسوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کیونکہ ان کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تردد تھا۔ آیا وہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے ہوش میں آ گئے تھے۔ یا وہ پہلے صعقہ سے بے ہوش ہی نہیں ہوئے اور اس کے قائم مقام طور کی بے ہوشی تھی۔ بہر حال جو بھی مشکل ہو اس حدیث کی رو سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک ایسی فضیلت حاصل ہو گی جو ان کے غیر میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں۔

(المفہم ج: 6، ص: 231،234 مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

علامہ قرطبی کی اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت جزی حاصل تھی کہ وہ یا تو پہلے صعقہ سے بے ہوش نہیں ہوئے یا بے ہوش تو ہوئے تھے لیکن آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے ہوش میں آ گئے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ بدر الدین عینی نے بھی یہ لکھا ہے کہ ہر صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے فضیلت ثابت ہے۔

(فتح الباری ج: 6، ص: 445 طبع لاہور)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی 1052ھ لکھتے ہیں:

نیز یہ فضیلت جزی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ثابت ہے اور یہ فضیلت کلی کے منافی نہیں ہے۔

(اشعۃ اللمعات ج:4،ص:451 مطبوعہ تیج کمار لکھنو)

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی 1014ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس فضیلت کے ساتھ خاص ہونا اس بات کو واجب نہیں کرتا کہ وہ اس ذات سے بڑھ جائیں جو ان پر فضائل کثیرہ اور متعدد وجوہ سے مقدم ہیں۔

(مرقات:ج:11،ص:17 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر اور اول انسان ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی یہ فضیلت جزی ہے لیکن فضیلت کلی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی حاصل ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ فضیلت ہے کہ وہ اپنی نانی کی دعا کی وجہ سے اپنی ولادت کے وقت میں شیطان سے محفوظ رہے اور انہوں نے پنگھوڑے میں کلام کیا اور بچپن ہی میں اپنی نبوت کا اعلان کیا لیکن فضیلت کلی کے حامل صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی 676ھ نے ایک اور جواب دیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا تھا کہ میں (از خود) نہیں جانتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہی نہیں ہوئے یا مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم نہیں دیا گیا تھا کہ حقیقتاً سب سے پہلے آپ ہوش میں آ کر قبر سے نکلیں گے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی علی الاطلاق سب سے پہلے اٹھیں گے اور جو گروہ سب سے پہلے قبروں سے اٹھے گا اس میں علی الاطلاق سب سے پہلے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اٹھیں گے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اسی گروہ سے ہوں گے۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی:ج:10،ص:6233 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

قاضی عیاض اور علامہ نووی کے اس جواب کے اعتبار سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت جزی بھی نہیں رہی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم علی الاطلاق سب سے پہلے قبر سے اٹھیں گے۔ اس کی تائید اس حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں اور میں وہ ہوں جو سب سے پہلے قبر سے اٹھے گا اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں۔ جس کی شفاعت سب سے پہلے قبول کی جائے گی۔ (صحیح مسلم:رقم الحدیث:2278,5830)

انبیاء کرام علیہم السلام کا ذریعہ معاش

تفسیر عزیزی میں ہے کہ

سب سے اول کپڑا بننے کا کام حضرت آدم علیہ السلام نے کیا اور بعد میں کھیتی باڑی کے کام میں مشغول رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا ذریعہ معاش لکڑی کا تھا (بڑھئی) اور حضرت ادریس علیہ السلام درزی گری، حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام تجارت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کچھ مدت بکریاں چرائیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اتنے بڑے بادشاہ ہو کر درختوں کے پتوں سے پنکھے اور زنبیلیں وغیرہ بنا کر گزر کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کوئی پیشہ اختیار نہ فرمایا بلکہ ہمیشہ سیر فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس نے مجھے ناشتہ دیا ہے وہی شام کا کھانا بھی دے گا۔

اسی تفسیر عزیزی میں ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام نے ہمیشہ بارش کا پانی پیا کنویں کا پانی کبھی نہ پیا سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے ہی چاندی سے روپیہ اور سونے سے اشرفیاں بنائیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول: ص 304 نعیمی کتب خانہ لاہور)

کس نبی کے دور میں حج کا اضافہ ہوا

حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ اقدس میں حج طواف اور وقوف عرفات کا نام تھا پھر زمانہ ابراہیمی علیہ السلام سے اس میں رمی، قربانی صفا مروہ سعی کا اضافہ ہوا۔ ہمارے نبی مکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں طواف قدوم وداع اور طواف قدوم میں رمل یعنی اکڑ کر چلنے کا اضافہ ہوا۔ ارکان میں زیادتی ہوتی رہی ہے۔ مشرکین نے اس میں بت پرستی ننگے طواف کرنا زمانہ حج میں دروازوں کی راہ مکان میں نہ جانے کیا اضافہ کیا جسے اسلام نے مٹا دیا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ 2: ص 302 کتب خانہ نعیمی لاہور)

انبیاء کرام علیہم السلام کا مردے زندہ فرمانا

ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کے پیچھے دو یہودی آپس میں کچھ باتیں کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز کے بعد ان سے پوچھا کہ تم کیا گفتگو کر رہے ہو۔

انہوں نے کہا:

ہم حضرت حزقیل علیہ السلام اور ان کے مردے زندہ کرنے کے معجزے کا تذکرہ کر رہے ہیں کہ رب عزوجل نے ان کی دعا سے مردے زندہ فرما دیئے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا

ہم نے نہ قرآن مجید میں نہ تو حضرت حزقیل علیہ السلام کا ذکر پایا نہ ان کے مردہ زندہ کرنے کا، صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہی مردے زندہ کئے ہیں۔

وہ بولے

کیا قرآن پاک میں یہ آیت نہیں کہ

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰـهُمْ عَلَيْكَ (النساء: 164)

کہ ہم نے بہت سے پیغمبروں کے نہ قصے بیان نہ فرمائے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا

ہاں

انہوں نے عرض کیا کہ

یہ پیغمبر بھی انہی میں سے ہیں۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے تب یہ آیت کریمہ اتری جس میں یہ پورا واقعہ بیان کیا گیا۔

خیال رہے کہ

چند پیغمبروں کے ذریعہ مردے زندہ ہوئے ہیں۔

ایک تو یہ ہی پیغمبر حضرت حزقیل علیہ السلام کہ ان کے ذریعہ ہزار ہا مردے زندہ ہوئے ہیں۔

دوسرے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں جن کے ذریعہ چار جانور ذبح اور قیمہ کر دینے کے بعد زندہ ہوئے۔

تیسرے حضرت عزیر علیہ السلام جن کے ذریعہ مردہ گدھا زندہ کیا گیا۔

چوتھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنہوں نے کئی بار مردے زندہ فرمادیئے ہیں۔

چار رسولوں کا مردے زندہ فرمانا قرآن مجید میں صراحتاً موجود ہے۔

پانچویں ہمارے آقا دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ اپنے والدین کریمین حضرت عبداللہ حضرت آمنہ و رضی اللہ عنہما اور بہت سے مردوں کو زندہ فرمایا جن کا ذکر احادیث مبارکہ اور کتب تواریخ اور شامی شریف اور مدارج النبوۃ وغیرہ میں ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ دوم، ص: 529 نعیمی کتب خانہ لاہور)

انبیاء کرام علیہم السلام مالک و مختار ہیں

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ ایک اعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں۔

آیات قرآنیہ، انبیائے کرام علیہم السلام کے اختیارات خداداد، ان کی سیف زبانی و ملکیت کا اعلان فرما رہی ہے۔

رب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ (کوثر: 1)

ہم نے آپ کو کوثر بخشا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

کوثر کے معنی ہیں خیر کثیر۔ جس میں حوض کوثر بھی داخل ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا:

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ (ص: 36)

ہم نے ہوا کو ان کے تابع فرمان کر دیا جو ان کے حکم سے چلتی تھی۔

اور فرمایا

وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ○ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ○ (ص 37 تا 38)

یعنی ہم نے تمام جنات کو ان کے قبضہ میں دے دیا، جو بڑے مستری غوطہ خور تھے اور آپ نے قید کر دیئے تھے۔

اور ارشاد فرمایا:

اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ (توبہ: 74)

اللہ اور رسول نے اپنے فضل سے ان کو غنی کر دیا۔

اور ارشاد فرمایا:

مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ (توبہ: 59)

اور ارشاد فرمایا:

وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ○ (نساء: 113)

اور ارشاد فرمایا:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ○ (الضحیٰ: 5)

ان آیات کریمہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے غنی فرمادیئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہونے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار عطاؤں کا ذکر ہے۔ ان کی سیف زبانی بھی قرآن مجید میں جگہ جگہ بیان فرمائی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا:

قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ○ (یوسف: 41)

اے خواب بیان کرنے والے قیدیو! جو میرے منہ سے نکل گیا وہ ہو کر رہے گا (یعنی ایک پھانسی، ایک بحالی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا: آپ علیہ السلام نے سامری سے ناراض ہو کر فرمایا:

فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ (طٰہٰ: 97)

جاؤ تو زندگی بھر لوگوں سے کہتا پھرے گا مجھے مت چھونا

یعنی تیرا جسم وباء بنا دیا گیا کہ جو تجھے ہاتھ لگائے وہ بھی بیمار ہو جائے۔ بہر حال ان حضرات کے خدادا اختیارات وسخی زبانی پر بے شمار آیات قرآنیہ شاہد ہیں۔

(تفسیر نعیمی، پارہ:4، ص:192 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر تمام ذوالکفل علیہم السلام تک انبیاء کرام علیہم السلام کی ترتیب

(1) حضرت ابراہیم علیہ السلام
(2) حضرت اسحاق علیہ السلام
(3) حضرت یعقوب علیہ السلام
(4) حضرت یوسف علیہ السلام
(5) حضرت شعیب ابن نویب علیہ السلام
(6) حضرت ہود ابن عبداللہ علیہ السلام
(7) حضرت صالح ابن آصف علیہ السلام
(8) حضرت موسیٰ علیہ السلام
(9) حضرت ہارون علیہ السلام
(10) حضرت ایوب علیہ اسلام
(11) حضرت خضر علیہ السلام
(12) حضرت داؤد علیہ السلام
(13) حضرت یونس ابن متی علیہ السلام
(14) حضرت الیاس علیہ السلام
(15) حضرت ذوالکفل علیہ السلام

(تفسیر نعیمی: پارہ:6، ص:5-9 نعیمی کتب خانہ لاہور)

عرب کے انبیاء کرام علیہم السلام کی تعداد

عرب میں کل پانچ نبی تشریف لائے۔

(1) حضرت ہود علیہ السلام

(2) حضرت صالح علیہ السلام

(3) حضرت اسماعیل علیہ السلام

(4) حضرت شعیب علیہ السلام

(5) ہمارے آقا دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

(تفسیر نعیمی: پارہ: 6،ص: 94 نعیمی کتب خانہ لاہور)

انبیاء کرام علیہ السلام بشارت پہلے اور احکام بعد میں سناتے ہیں

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بشارت پہلے کرتے ہیں۔ احکام بعد میں دیتے ہیں کیونکہ انسان کا دل اعمال کا کارخانہ ہے جہاں اعمال بنتے ہیں اور انسان کا دماغ اعمال کی دکان ہے جہاں سے اعمال ملتے ہیں اور اعضاء ظاہری ہر وہ جگہ ہے جہاں اعمال استعمال ہوتے ہیں۔ اگر دل میں دنیا سے رغبت، دنیا داروں سے خوف ہو تو یہ دل کفر و معاصی کا کارخانہ بن جاتا ہے اور اگر دل میں خوف خدا عزوجل عشق مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہو تو یہ دل ایمان، تقویٰ، نیک اعمال کا کارخانہ بن جاتا ہے۔ جیسے نور آنے پر تاریکی غائب ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی خوف خدا عزوجل آنے پر دل سے خوف دنیا، محبت دنیا جاتی رہتی ہے جس دل میں رب عزوجل سے خوف و امید ہو تو بندہ وہ کام کر لیتا ہے جو فرشتوں سے نہ ہو سکیں اور جب اس دل میں محبت دنیا بھر جاتی ہے تو وہ کام کرتا ہے کہ شیطان بھی گھبرا جائے اس لئے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام آخرت کی بشارت و نذرات پہلے کرتے ہیں تا کہ دل سے دنیا کی محبت نکل کر آخرت کی محبت پیدا ہو جائے اور دل نیک اعمال کا کارخانہ بن جائے جب دل میرے اعمال بنیں گے ہی نہیں تو اعضاء کو برے اعمال ملیں گے کہاں سے؟

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا

جو چاہو کرو جنت تمہاری ہوگی۔

کیونکہ اس لئے کہ ان کے کارخانہ دل میں برائیوں کے بننے کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ چیز بنتی ہے کارخانہ میں، ملتی ہے دوکان سے استعمال ہوتی ہے گھروں میں۔ جب کارخانہ چیز بنانا ہی چھوڑ دے تو گھروں میں استعمال کہاں سے ہو۔ جب دل میں برے اعمال بنیں ہی نہیں تو دماغ میں اور اعضاء میں کہاں سے آئیں۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بشارت و نذرات کے ذریعہ امت کے دلوں کو برے اعمال بتانے کے قابل نہیں رکھتے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: 6،ص: 105 نعیمی کتب خانہ لاہور)

زمانہ اور نبی اور زمانہ نبوت میں فرق

زمانہ نبی اور زمانہ نبوت میں کچھ فرق ہے

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

زمانہ نبی اور ہے اور زمانہ نبوت کچھ اور

آج حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ حیات ظاہری نہیں۔ اسی لئے لوگ اب صحابی نہیں بنتے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا زمانہ ہے۔ اسی لئے تمام شرعی احکام جاری ہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: 6، ص: 104 نعیمی کتب خانہ لاہور)

سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانے کا معنی

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ جن انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعت منسوخ ہو چکی ہے ان پر کس طرح ایمان لایا جائے۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے:

جب ان کی شریعت منسوخ ہو گئی تو ان کی نبوت بھی منسوخ ہو گئی اور ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ وہ انبیاء و رسل تھے اور اس پر ایمان نہیں لاتے کہ وہ اب انبیاء و رسل ہیں۔

اور بعض علماء نے یہ کہا ہے:

ان کی شریعت کا منسوخ ہونا ان کی نبوت کے منسوخ ہونے کو مستلزم نہیں ہے اور ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ وہ اب بھی انبیاء و رسل ہیں۔

(تفسیر کبیر: ج: 2، ص: 488 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس مسئلہ میں تحقیق دوسرا قول ہے کہ

ہمارا ایمان ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام سابقین اب بھی نبی اور رسول ہیں اور ان پر نازل کی ہوگی کتابوں پر بھی ہم ایمان لاتے ہیں کہ وہ آسمانی کتابیں ہیں۔ ہر چند کہ اب وہ کتابیں بعینہ باقی نہیں ہیں اور اہل کتاب نے ان میں لفظی اور معنوی تحریف کر دی ہے۔

یہ آیت سورہ بقرہ میں بھی ہے وہاں پر ارشاد ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ (البقرہ: 285)

رسول اس پر ایمان جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا۔

اور آل عمران میں ارشاد فرمایا گیا:

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا (آل عمران: 84)

آپ فرمایئے ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا۔

آگے ارشاد فرمایا گیا

وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَالنَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ (آل عمران: 84)

اور اس پر جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور (دیگر) نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا۔ ان آیات کریمہ سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لایا جائے گا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت عام انسانوں اور مومنوں کیلیے رحمت ہے

انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت عام انسانوں اور مومنوں کے لئے رحمت ہے۔ اس پر قرآن مجید کی آیات شاہد ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ○ (آل عمران: 164)

بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا جب ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کے باطن کو صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ بے شک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو مسلمانوں پر احسان قرار دیا ہے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مومنوں پر احسان ہے اسی طرح عموماً انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت بھی عام انسانوں اور مومنوں پر احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عموماً انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے متعلق اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے:

رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ (النساء: 165)

بشارت دینے والے اور ڈرانے والے رسول (بھیجے) تاکہ رسولوں (کے آنے) کے بعد لوگوں کے لئے اللہ کے خلاف کسی عذر کی گنجائش نہ رہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت سے لوگوں کو متعدد طریقوں سے رشد و ہدایت حاصل ہوتی ہے جن کی مثالیں حسب ذیل ہیں۔

(1) انسانوں کی عقل اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت کے لئے ناقص اور نارسا ہے اور شیطان قدم قدم پر لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے خلاف شکوک وشبہات ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ کا نبی انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کراتا ہے اور شکوک وشبہات کا

(2) ہر چند کہ بعض انسان اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت حاصل کر لیتے ہیں لیکن وہ از خود یہ نہیں جان سکتے کہ اللہ تعالیٰ کن کاموں سے راضی ہوتا ہے اور کن کاموں سے ناراض ہوتا ہے۔ نبی ان کو عبادات اور معاملات کے لئے ایسے طریقے بتاتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور ان کاموں سے منع فرماتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

(3) جس طرح آنکھ میں اللہ تعالیٰ نے چیزوں کو دیکھنے کا نور رکھا ہے لیکن جب تک آفتاب یا چراغ کا نور اس نور کے معاون نہ ہو تو اشیاء کو دیکھنے کے لئے یہ نور نا کافی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عقل میں اپنی معرفت کا نور رکھا ہے لیکن جب تک نور نبوت اس کے معاون نہ ہو نور نا کام اور نا تمام ہے۔

(4) سخت مشکلات، مصائب اور بیماریوں میں نبی پابندی سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرتا ہے تا کہ سخت مشکلات اور مصائب کسی شخص کے لئے عبادت نہ کرنے کا عذر نہ بن سکیں۔

(5) انسان اس وقت بے جھجک گناہ کرتا ہے جب وہ حرص، شہوت یا غضب سے بے قابو ہو جائے۔ نبی اپنی تعلیم سے دلوں میں ایسا خوف پیدا کرتا ہے کہ انسان ایسی حالت میں سنبھل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اور معصیت سے باز آ جاتا ہے۔

(6) انسان اپنی فطرت میں سست اور غافل ہے۔ اسے عبادات اور معاملات کے طریقے معلوم بھی ہو جائیں پھر بھی وہ سستی اور غفلت کی وجہ سے بے عملی اور بد عملی کا شکار ہو جاتا ہے نبی آ کر انہیں نیکی کی طرف رغبت دلاتا ہے اور برائی پر اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ڈراتا ہے اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام مومنوں پر وجوہ احسان ہیں۔

(7) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں نشو ونما پائی اور چالیس سال تک اہل مکہ کو دیکھتے رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ سچ بولا: اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پارسائی اور امانت و دیانت کا سکہ لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حرص وطمع جھوٹ، بے حیائی اور برائی کے کاموں سے ہمیشہ دور رہے۔ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق وامین کے نام سے پہچانتے تھے۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس سال بعد اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کیا تو یہ یقین کیا جاسکتا تھا کہ جس شخص نے آج تک بندوں کے متعلق کوئی جھوٹ نہیں بولا: وہ یکا یک خدا عزوجل پر کیسے جھوٹ باندھے گا۔

(7) اہل مکہ کو علم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی استاد کے آگے کبھی زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا، کسی کا درس نہ سنا نہ کسی کتاب کو پڑھا نہ کسی سے علم کا تکرار کیا۔ پھر چالیس سال اسی طرح گزارنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم یکا یک غار حرا سے نکلے اور ایسا فصیح و بلیغ کلام پڑھا جس کی نظیر لانے سے آج تک تمام دنیا عاجز ہے۔ پھر اس کلام میں گزشتہ اقوام کی تاریخ اور ان کے واقعات تھے جن کو پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے سنا نہ تھا اور جن کی اہل کتاب نے تصدیق کر دی اور اس کلام میں مستقبل کے متعلق پیش گوئیاں تھیں جو اپنے اپنے وقت میں حرف بہ حرف پوری ہوئیں تو عقل سلیم کے لئے اس کو

باور کرنے میں کوئی تامل نہ رہا کہ یہ کسی انسان کا نہیں اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کلام کو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے برگزیدہ نبی اور رسول ہیں۔

8) مخالفین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعویٰ نبوت سے دستبردار ہونے کے لئے بڑی بھاری مالی پیش کشیں کیں۔ عرب کی حسین عورتوں کو نکاح کے لئے پیش کیا۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم توحید کا پیغام سنانے سے دستبردار نہیں ہوئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیتیں پہنچائی گئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب کرام علیہم الرضوان کو تنگ کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سماجی بائیکاٹ کر دیا گیا (7 ھ نبوت میں) مخالفین نے مل کر یہ معاہدہ کیا کہ کوئی شخص خاندان بنو ہاشم سے نہ تعلق رکھے گا۔ نہ ان سے خرید وفروخت کرے گا نہ ان کے پاس کھانے پینے کی چیز جانے دے گا۔ حتیٰ کہ وہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کے لئے ہمارے حوالے نہ کردیں۔ اس کے نتیجہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین سال تک شعب ابو طالب میں محصور رہے۔ جب ان مصائب اور مشقتوں کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی توحید بیان کرنے سے دستاکش نہیں ہوئے تو سب نے مل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کا منصوبہ بنایا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کر کے اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کچھ چھوڑا لیکن پیغام حق سنانا نہیں چھوڑا۔ جو شخص اپنے موقف میں صادق نہ ہو وہ کبھی اپنے موقف کی طرف اتنے مصائب اور اذیتیں برداشت نہیں کر سکتا۔ سو جس شخص کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سیرت ہو اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت میں کبھی تامل نہیں ہو سکتا۔

9) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کتاب پیش کی، اس میں اللہ تعالیٰ کے وجود اس کے خالق کائنات ہونے اور وحدہ لا شریک ہونے کا بیان ہے اور شرک سے تنزیہ ہے۔ اس میں نیک عمل کرنے اور برے عمل نہ کرنے کی تلقین اور ترغیب ہے اور ان کے منکروں پر عذاب نازل ہونے کا بیان ہے۔ غرض اس کتاب میں نیکی اور سچائی کے سوا کچھ نہیں تو جس شخص نے یہ کتاب پیش کی اور اس کے منزل من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا وہ خود نیک اور سچا کیوں نہیں ہوگا۔

10) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شمار معجزات پیش کئے۔ چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھایا، سورج کو پلٹایا، درخت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ پر چل کر آتے اور پھر واپس اپنی جگہ چلے جاتے، درختوں پتھروں اور مختلف جانوروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھا۔ کھانے پینے کی چیزوں کی کم مقدار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے بہت زیادہ ہو جاتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علوم ومعارف کے دریا بہا دیئے، غیب کی خبریں بیان فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدائی کا دعویٰ کر دیتے اور یہ دنیا جو چند کمالات کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا مان چکی ہے۔ جس نے فرعون کو بغیر کسی کمال کے خدا مان لیا تھا جو لوگ بلاوجہ اور بے سبب عناصر اور پتھروں کی پرستش کرتے رہے ان سے کچھ بعید نہ تھا بلکہ زیادہ توقع تھی کہ ان کمالات کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدائی کے

دعویٰ پر یقیناً ایمان لے آتے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تمہاری طرح بشر ہوں جس طرح تم خدا نہیں ہو میں بھی خدا نہیں ہوں۔ مجھ پر صرف اللہ تعالیٰ کی وحی آتی ہے یہ کلام جس کی فصاحت و بلاغت، غیب کی خبروں اور عالم گیر ہدایتوں کے اعتبار سے میں نے اس کی نظیر لانے کا چیلنج کیا ہے۔ یہ میری قابلیت اور کاوش کا نتیجہ نہیں ہے۔ لفظ بہ لفظ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور یہ جو بہ کثرت معجزات میں نے دکھائے ہیں۔ یہ میری قدرت کا ثمرہ نہیں ہیں یہ ایسی خدائے وحدہ لاشریک کی قدرت سے ظہور میں آئے ہیں۔ میں جو اوّلین و آخرین کی خبریں اور غیب کی باتیں بتاتا ہوں یہ میرا ذاتی علم نہیں ہے۔ یہ سب کچھ میں اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم اور اس کی وحی سے بتاتا ہوں۔ میرا علم اور میری قدرت، میرا کوئی وصف اور کوئی کمال بھی ذاتی نہیں ہے۔ میں خود اور میرے تمام اوصاف سب اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا: فلاں علاقہ کے لوگ اپنے بادشاہ کو سجدہ کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر مخلوق کے لئے سجدہ روا ہوتا تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ ہماری تعظیم صرف سلام کرنے میں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ عبادت کرتے تھے اور راتوں کو اتنا طویل قیام فرماتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک ورم ہو جاتے دن میں سو مرتبہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنے عظیم کمالات پیش کئے اور برملا یہ اعلان کیا یہ میرا ذاتی کمال نہیں ہے۔ جھوٹا انسان تو بڑا بننے کے لئے دوسروں کے ایسے کمالات بھی اپنی طرف منسوب کر لیتا ہے جن کے اصل ماخذ کا بہ آسانی پتا چل جاتا ہے۔ اگر بالفرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما دیتے کہ یہ سب میرے ذاتی کمالات ہیں تو کسی انسان کے پاس ان کمالات کے اصل ماخذ تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور راست بازی پر اس سے بڑھ کر کھلی ہوئی دلیل اور کیا ہوگی۔ صرف یہی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کمالات میں سے کسی کمال کا اعزاز نہیں لیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اس سے اجتناب کیا کہ ان کمالات کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کا اعلان قطعی کر دیا پھر بھی راتوں کو اس قدر طویل قیام فرماتے کہ پاؤں مبارک میں ورم آجاتے اور استفسار پر بھی فرماتے کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں! غرض ان تمام کمالات کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عجز و انکسار اور اظہار عبدیت کو اپنا شعار بنایا۔ ایک مرتبہ مال غنیمت میں سے بہت سے غلام، باندیاں اور بہت ساز و سامان ملا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بہت سے مسلمانوں کو دیا اگر کسی کو نہیں دیا تو اپنی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو نہ دیا۔ ارشاد فرمایا تم عشاء کی نماز کے بعد 33 مرتبہ سبحان اللہ 33 مرتبہ الحمد اور 34 مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لینا۔ یہ تمہیں ایک باندی کی ضرورت سے کفایت کرے گا۔ جو شخص جھوٹا ہو وہ اپنے کمالات سے اپنی ذات کے لئے نفع حاصل

کرتا ہے یا اپنی اولاد کے لئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کمالات سے اپنے لئے کوئی بڑائی نہ چاہی اور نہ نفع اور نہ آرام چاہا۔ نہ اپنی اولاد کے لئے کوئی منفعت طلب کی بلکہ جو نفع ملا وہ عام مسلمانوں کو پہنچایا اور جو بڑائی اور کبریائی تھی اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی، لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلایا اور خود بھی دن رات اس کی عبادت میں لگے رہے تو ہم ان کو سچا کیوں نہ مانیں۔ ان کی تصدیق کیوں نہ کریں اور ان پر ایمان کیوں نہ لائیں۔

(11) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اہل عرب کا دین بدترین دین تھا۔ وہ بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ ان کے اخلاق بھی بہت خراب تھے۔ وہ قتل و غارت گری، لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کرتے تھے۔ مردار کھاتے تھے، رشتوں کو توڑتے تھے، شراب پیتے تھے اور جوا کھیلتے تھے۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں مبعوث کیا تو وہ ذلت کی پسماندگی سے نکل کر عزت کی بلندیوں پر فائز ہو گئے۔ حتیٰ کہ وہ علم و ہنر، زہد و تقویٰ اور فہم و فراست اور شجاعت و بہادری کے لحاظ سے دنیا کی سب سے افضل اور برتر قوم شمار کئے جانے لگے اور چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے شہر میں پیدا ہوئے اور وہیں پروان چڑھے تو دوسروں کی بہ نسبت ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کا زیادہ موقع ملا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان فرمایا جب ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا۔

(12) ہر قوم، اپنے بطل جلیل اور رجل عظیم پر فخر کرتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یہود و نصاریٰ اور عرب سب فخر کرتے تھے۔ سو ان پر فخر کرنا سب میں مشترک تھا اور یہود صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فخر کرتے تھے اور نصاریٰ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر فخر کرتے تھے۔ عرب والوں کے لئے کوئی ایسی شخصیت نہ تھی جس پر وہ انفرادی طور پر فخر کرتے اللہ تعالیٰ نے ان میں سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا اور اب بجا طور پر یہ فخر کرتے ہیں کہ انبیاء و رسل علیہم السلام کے سردار دو عالم کے مختار صلی اللہ علیہ وسلم ان کے شہر میں پیدا ہوئے اور یہیں اعلان نبوت فرمایا۔

(13) اللہ تعالیٰ نے نوع انسان اور بشر سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے اگر اللہ تعالیٰ نور، نار ملائکہ یا جنات میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کر دیتا تو انسانوں کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کرنا ممکن نہ ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مسلمانوں کے لئے نمونہ اور حجت نہ ہوتی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ عظیم رسول فرشتوں مین سے بھیجا نہ جنات میں سے نہ ملائکہ میں سے اور نہ نار میں سے بلکہ یہ عظیم رسول انسانوں میں سے مبعوث فرمایا اور مومنوں کی جنس میں اس عظیم رسول کو مبعوث فرمایا تا کہ مومن اس سے استفادہ کر سکیں۔ اس کی بات سن سکیں۔ اس کے عمل کو دیکھ سکیں اور بے شک یہ اللہ تعالیٰ کا مومنوں پر بہت بڑا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنو آدم کو جو تکریم دی اس کو احسن تقویم میں پیدا کیا۔ اپنے دست قدرت سے اس کی تخلیق کی اور اسے اپنی صورت پر بنایا۔ یہ ساری عزتیں اور کرامتیں انسان [illegible] عظیم رسول کو نوع انسان اور بشر سے مبعوث فرماتا تھا۔ اگر ان

کو مبعوث کرنا نہ ہوتا تو بشریت کا یہ فروغ ہوتا نہ انسانیت کا یہ عروج ہوتا۔

(14) اس آیت میں مومنین سے مراد وہ مومن ہیں جو اس وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے۔

اور فرمایا ہے۔

جب ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا۔

اس سے مراد ان امور میں مماثلت ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب اور اکتساب کا سبب ہوں اور اس سے مراد نسب، لغت اور وطن ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نسب اور ان کی قوم سے مبعوث ہوئے تو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانوس ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مائل ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب سے توحش اور اجنبیت کا شکار نہیں ہوئے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی لغت اور ان کی زبان میں کلام کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سمجھنا ان کے لئے آسان ہوا۔ نیز ہم زبان ہونا بھی قرب کا ذریعہ ہوتا ہے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے وطن میں رہنے والے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے نشو ونما پائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی ان کے سامنے تھی۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی، اپنے موقف پر استقامت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات دیکھے تو ان کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا بہت آسان ہو گیا۔

(15) علامہ آلوسی حنفی متوفی 1252ھ نے لکھا ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نسب میں مبعوث کئے گئے یا ان کی جنس سے قوم عرب سے مبعوث کئے گئے یا بنو آدم سے مبعوث کئے گئے۔ فرشتوں اور جنات میں سے مبعوث نہیں کئے گئے اور یہ مومنوں پر اس وجہ سے احسان ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور جنس سے مبعوث کئے جاتے تو ایک جنس دوسری مختلف جنس سے متوحش اور متنفر ہوتی ہے اور اس سے مانوس نہیں ہوتی اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مومنوں کی جنس سے مبعوث فرمایا تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانوس ہوئے اور ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وحشت نہیں ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض حاصل کرنا ان کے لئے آسان ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وہ سمجھتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر مطلع تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کا ذریعہ بنا۔ اس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو مومنین کے لئے احسان فرمایا ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے استفادہ صرف مومنین ہی کرتے ہیں جس طرح قرآن مجید کو فرمایا یہ متقین کے لئے ہدایت ہے جبکہ دوسری آیت میں فرمایا ہے یہ تمام لوگوں کے لئے ہدایت ہے۔ (البقرہ:185)

کیونکہ قرآن مجید کی ہدایت سے صرف متقین ہی استفادہ کرتے ہیں۔

(روح المعانی: ج:4، ص:112 تا 113)

علامہ ابوالحسن علی بن احمد کا قول

علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی 468ھ لکھتے ہیں:

''من انفسھم'' کا معنی ہے۔

ان کے نسب سے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

ان کے نسب سے مراد یہ ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ولد اسماعیل سے تھے اور یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے۔

کیونکہ انہوں نے فرمایا:

یہ آیت خاص عربوں کے لئے ہے۔

اور دوسرے مفسرین نے کہا:

اس آیت سے مراد کل مومن ہیں اور ''من انفسھم '' کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ایک فرد ہیں۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہچانتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کو بھی پہچانتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ فرشتے تھے اور نہ بنو آدم کے علاوہ کسی اور جنس کے فرد تھے۔ یہ قول زجاج کا مختار ہے۔ اگر مومنوں پر وجہ احسان یہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرب تھے تو عجمیوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی وجہ سے کوئی احسان نہیں ہوگا لیکن عجمیوں پر بھی اس وجہ سے احسان ہے کہ جب ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر دی گئی اور ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی میں سے ایک فرد ہیں اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت کو جان لیا تو ان کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ماننا آسان ہو گیا۔

(الوسیط ج: 1، ص: 516 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابواللیث سمرقندی کا قول

من انفسھم کا معنی ہے ان کی اصل اور عرب میں ان کے نسب سے

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ

ان کی جنس سے یعنی بنو آدم سے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں میں سے نہیں بنایا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین فضیلتیں تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب عربوں میں سے قریش میں سے تھا۔

اور قریش میں سے بنو ہاشم میں سے تھا اور اس پر اتفاق تھا کہ عرب افضل ہیں اور عربوں میں قریش اور قریش میں سے بنو

ہاشم۔

دوسری فضیلت یہ تھی کہ

اعلان نبوت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں یہ بطور امین معروف تھے۔

اور تیسری فضیلت یہ تھی کہ

سب کو معلوم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امی ہیں اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معجز کلام پیش کیا۔

(تفسیر سمرقندی ج:1 ص:313 مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی کا قول

ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

"من انفسھم" کا معنی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مثل بشر ہیں۔ ایک قرات شاذہ فا کی زبر کے ساتھ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے زیادہ نفیس ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنو ہاشم میں سے ہیں اور بنو ہاشم قریش میں افضل ہیں اور عرب عجم کے افضل ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا

یہ آیت عرب کے لئے ہے۔

اور دیگر مفسرین نے کہا:

اس سے مراد کل مومنین ہیں

اور مِنْ اَنْفُسِھِمْ کا معنی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ایک فرد ہیں اور ان کی مثل بشر ہیں اور صرف وحی سے ان میں ممتاز ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن ج:4 ص:264 مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

علامہ ابوالفرج عبدالرحمان بن علی جوزی کا قول

علامہ ابوالفرج عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں دو قول ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور جمہور سے منقول ہے کہ

یہ آیت عربوں کے ساتھ خاص ہے اور اس کا معنی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب ان میں معروف ہے اور یہی وجہ احسان ہے۔

اور دوسروں کا قول ہے۔

یہ آیت سب مومنوں کے لئے ہے اور اس آیت کا معنی ہے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرشتے ہیں اور نہ بنو آدم کے علاوہ کسی اور جنس کے فرد ہیں اور یہی وجہ احسان ہے۔

(زاد المسیر ج:1،ص:494 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی کا قول

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی 685ھ لکھتے ہیں:

''مِنْ اَنْفُسِهِمْ'' کا معنی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نسب سے اور ان کی جنس سے ان کی مثل عربی ہیں تا کہ وہ آسانی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سمجھ لیں اور صدق اور امانت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حال سے واقف ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فخر کریں ایک قرأت فا کی زبر کے ساتھ ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے سب سے زیادہ شرف والے ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ سب سے اشرف اور افضل تھا۔

(انوار التنزیل ص95 مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع مصر)

علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف اندلسی کا قول

علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف غرناطی اندلسی متوفی 754ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنو آدم کی جنس سے ہیں۔

اور یہ اس وجہ سے احسان ہے کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانوس ہو کر اکتساب فیض کر لیں اور دو مختلف جنسوں میں جو وحشت اور نفرت ہوتی ہے وہ نہ ہو۔

اور ایک قول یہ ہے:

اس آیت کے مخاطب عرب ہیں اور وجہ احسان یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان مثل عرب ہیں۔ ان کی زبان بولتے ہیں اس وجہ سے ان کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ آسان ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ان میں معروف ہے اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو جاننے کا ذریعہ ہے۔

(البحر المحیط: ج:3،ص:416 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابو العباس یوسف الحلبی کا قول

علامہ ابو العباس بن یوسف السمین الحلبی الشافعی المتوفی 756ھ لکھتے ہیں:

مِنْ اَنْفُسِهِمْ کا معنی ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی جنس سے ہیں۔ حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ضحاک کی یہی قرأت ہے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
یہ ناء کی زبر کے ساتھ ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ نفیس اور مکرم ہیں۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میں نسب، حسب اور سسرال کے لحاظ سے تم سب سے زیادہ نفیس ہوں۔
(الدرالمنثور ج:2،ص:251 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ جلال الدین شافعی کا قول

علامہ جلال الدین شافعی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:
آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مثل عربی ہیں تا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سمجھ سکیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے مشرف ہوں نہ فرشتے ہیں نہ عجمی۔
(جلالین مع الجمل ج:1،ص:332 قدیمی کتب خانہ کراچی)

علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی کا قول

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نسب سے یا ان کی جنس سے ان کی مثل عربی ہیں تا کہ وہ آسانی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سمجھ سکیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت پر مطلع ہوں اور اس پر فخر کریں اور اس میں ان کے لئے عظیم شرف ہے۔ایک قرأت پر نا کی زبر کے ساتھ ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ سب سے افضل قبیلہ تھا۔
(تفسیر ابوالسعود علی ہامش الکبیر ج:2،ص:457 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

انبیاء کرام علیہم السلام کے جمع ہونے کے تین مواقع

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے جمع ہونے کے تین مواقع ہیں۔
(1) میثاق کے دن اللہ تعالیٰ نے سارے رسولوں کو جمع فرما کر ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنے کا عہد و پیمان لیا۔
جس کا ذکر اسی آیت کریمہ میں ہے۔
وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ۝ (آل عمران: 81)
(2) دوسرا اجتماع معراج کی رات بیت المقدس میں ہوا سارے انبیاء کرام علیہم السلام نے جمع ہو کر حضور انور صلی اللہ

علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی جس کا ذکر احادیث مبارکہ میں ہے۔

(3) تیسرا اجتماع وہ ہے جو قیامت کے دن ہوگا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:7،ص:149 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قیامت کے دن حضور انور ﷺ کے علاوہ انبیاء کرام علیہم السلام کونسی شفاعت نہیں فرمائیں گے

تفسیر صاوی شریف نے فرمایا:

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا یہ فرمانا

لست هناكم اذهبوا الى غيرى

گھبراہٹ کی بنا پر نہ ہوگا بلکہ مقصد یہ ہوگا کہ شفاعت کبریٰ کرنا ہمارا کام نہیں یہ کام کسی اور کا ہے۔ ہمارا کام شفاعت صغریٰ کا ہے تم شفیع اکبر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ شفاعت نہیں دی لہٰذا اس وقت ہم صرف اپنی نفس کے مالک ہیں۔

(تفسیر نعیمی پارہ:7،ص:151 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قیامت کے دن لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کو ایک ہزار سال شفاعت کے لئے ڈھونڈیں گے

تلاش شفیع کے وقت حضرات انبیاء کرام علیہم السلام یک جا نہ ہوں گے۔ متفرق مقام پر ہوں گے۔ اس لئے ایک ہزار سال تک لوگ انہیں ڈھونڈتے پھریں گے۔ ایک ہزار سال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ لگے گا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں طلب شفاعت کرتے ہوئے اپنی درخواست پیش کریں گے مگر عدالتی کارروائی شہادت کے وقت یہ حضرات مع اپنی امتوں کے یکجا یعنی بارگاہ رب العالمین میں جمع ہوں گے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:7،ص:148 نعیمی کتب خانہ لاہور)

انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات تین قسم کے ہوتے ہیں

انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات تین قسم کے ہوتے ہیں۔

(1) معجزات لازمہ

جیسے

حسن یوسف علیہ السلام یا لحن داؤدی علیہ السلام کہ یہ معجزے ہر دم ان بزرگوں کے لئے لازم تھے۔

(2) معجزات اختیاریہ

جیسے

عصا موسیٰ علیہ السلام اور ید بیضاء کہ جب چاہا لاٹھی کو سانپ بنا دیا ہاتھ کو چمکا لیا۔

(3) معجزات غیر اختیاریہ

جیسے

آیات قرآنیہ کا نزول

(تفسیر نعیمی: پارہ:7، ص:161 نعیمی کتب خانہ لاہور)

انبیاء کرام علیہم السلام کی دعائیں قانون سے وراء ہوتی ہیں

ہم لوگوں کو اللہ تعالیٰ شرعی احکام قانون کے مطابق دیتا ہے۔

نماز

روزہ وغیرہ

تو ہماری دعاؤں کے لئے بھی قید ہے کہ قانون کے مطابق دعا مانگو خلاف قانون چیز کی دعا نہ کرو مگر انبیاء کرام علیہم السلام خصوصاً حضرت خلیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے قانون سے وراء احکام دیئے۔ بیٹا ذبح کرو خود نمرودی آگ میں جاؤ وغیرہ جن پر آپ علیہ السلام نے بے تامل عمل کیا تو وہ حضرات بھی قانون سے وراء دعائیں مانگ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پوری فرماتا ہے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام نے ایک بار دعا کی کہ مجھے دکھا تو مردے کیسے زندے کرے گا وہ دکھا دیا گیا۔ ایک بار دعا کی کہ مولیٰ عزوجل مجھے اپنا سارا ملک دکھا تو وہ دکھا دیا گیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ مجھے اپنا دیدار دے اس سے بھی منع نہیں کیا گیا، غرض کہ قانون سے وراء احکام پر عمل کرتے ہیں تو قانون سے وراء دعائیں منظور کرا لیتے ہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:7، ص:556 نعیمی کتب خانہ لاہور)

انبیاء کرام علیہم السلام کو مصیبتیں کیوں آتی ہیں

قانون قدرت ہے کہ اچھوں کے دشمن ضرور ہوتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو عروج دینا چاہتا ہے تو اس کے مخالف پیدا فرما دیتا ہے۔

تندیٔ باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

جب تک مدمقابل سامنے نہ ہو تب تک قوت وطاقت کا پتہ نہیں چلتا، نیز انبیاء کرام علیہم السلام لوگوں کے لئے نمونہ ہوتے ہیں لوگ ان کے صبر کو دیکھ کر صبر کرنا سیکھیں گے اگر ان پر مصیبتیں نہ آتیں اور وہ صبر کا موقع نہ پاتے تو دوسرے مصیبت کو پہاڑ سمجھتے اور صبر نہ کر سکتے نیز اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ درجات شاکرین کے ہیں کچھ صابرین کے بلکہ صابرین کے درجے زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان حضرات کو یہ دونوں درجے عطا ہوں لہٰذا انہیں صبر کا موقع پھر اس کی توفیق بھی آجاتی ہے۔ بہر حال انبیاء کرام علیہم السلام کی تکالیف ان کے صبر میں بہت حکمتیں ہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:7، ص:332 نعیمی کتب خانہ لاہور)

انبیاء کرام علیہم السلام کا علم غیب

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو علم غیب عطا فرمایا جس پر قرآن مجید واحادیث مبارکہ شاہد ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○ (آل عمران: 179)

اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ تم (عام مسلمانوں) کو علم غیب پر مطلع کرے لیکن اللہ (غیب پر مطلع کرنے کیلئے) جن کو چاہتا ہے چن لیتا ہے اور وہ اللہ کے (سب) رسول ہیں، سو تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھو اور اگر تم ایمان اور تقویٰ پر (برقرار) رہے تو تمہارے لئے بہت بڑا اجر ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ تم عام مسلمانوں کو لوگوں کے دلوں کے احوال پر مطلع فرمادے اور تم لوگوں کو دیکھ کر یہ جان لو کہ فلاں شخص مخلص مومن ہے اور فلاں منافق ہے اور فلاں کافر ہے البتہ اللہ تعالیٰ مصائب آلام اور آزمائشوں کے ذریعہ مومنوں اور منافقوں کو متمیز کردیتا ہے۔ جیسا کہ جنگ احد میں منافق مسلمانوں سے الگ ہوگئے۔ اسی طرح اسلام کی راہ میں جب بھی جہاد کا موقع آیا منافق پیچھے ہٹ گئے اور مسلمان آگے بڑھے، ماسوا رسولوں کے جن کو اللہ تعالیٰ غیب پر مطلع کرنے کے لئے چن لیتا ہے اور ان لوگوں کے دلوں کے احوال پر مطلع فرماتا ہے اور وہ نور نبوت سے جان لیتے ہیں کہ کس کے دل میں ایمان ہے اور کس کے دل میں نفاق ہے۔ اس آیت میں یہ صراحت سے بیان فرمایا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام غیب پر مطلع ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ غیب پر مطلع ہونا غیب کے علم کو مستلزم ہے۔ پس یہ آیت مبارکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے علم غیب کے ثبوت میں قطعی الدلالۃ ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی کا قول

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ تم سب کو غیب کا عالم نہیں بنائے گا جیسے رسول کا علم ہے حتیٰ کہ تم رسول سے مستغنی ہو جاؤ بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے رسالت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور باقی لوگوں کو ان رسولوں کی اطاعت کا مکلف کرتا ہے نیز اس سے پہلے امام رازی نے لکھا ہے کہ غیب پر مطلع ہونا انبیاء کرام علیہم السلام کے خواص میں سے ہے۔

(تفسیر کبیر: ج:3، ص:106 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی کا قول

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ غیب پر مطلع کرنے کے لئے اپنے رسولوں کو چن لیتا ہے

(الجامع لاحکام القرآن: ج:4، ص:289 مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی کا قول

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف غرناطی اندلسی متوفی 754ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ علم غیب سے جس پر چاہے اپنے رسولوں کو مطلع فرماتا ہے۔ پس رسول کا غیب پر مطلع ہونا اللہ تعالیٰ کی اس کی طرف وحی کے ذریعہ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ غیب سے یہ خبر دیتا ہے کہ فلاں شخص میں اخلاص ہے اور فلاں میں نفاق ہے اور یہ ان کو وحی کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے خود بخود بغیر واسطہ وحی کے معلوم نہیں ہوتا۔

(البحر المحیط: ج:3،ص:449 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی کا قول

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

واحدی نے سدی سے نقل کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھ پر میری امت اپنی صورتوں میں پیش کی گئی جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کی گئی تھی اور مجھے یہ علم دیا گیا کہ کون مجھ پر ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا۔ منافقوں کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے مذاق اڑایا اور کہا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا زعم یہ ہے کہ انہیں ان پر ایمان لانے والوں پر اور کفر کرنے والوں کا علم ہے اور ہم ان کے ساتھ ہیں اور ان کو ہمارا علم نہیں ہے۔

تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ کبھی اللہ تعالیٰ نفوس قدسیہ میں سے بعض اہل کشف کو بھی غیب پر مطلع فرماتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

بطور وراثت ہے یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کے واسطے سے اور انبیاء کرام علیہم السلام کو بلا واسطہ غیب پر مطلع فرماتا ہے۔

(روح المعانی ج:4،ص:138 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب پر دلائل

یہاں صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کو چند دلائل کے ساتھ عرض کرتا ہوں۔ زیادہ وضاحت کے لئے فقیر کی کتاب "قرآن وحدیث کیا کہتے ہیں فی شان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم" میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیامت تک امور بیان فرمانا

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں ایک تقریر فرمائی اور اس میں قیامت تک ہونے والے تمام امور بیان فرمادیئے جس

شخص نے اسے جان لیا اس نے جان لیا اور جس نے نہ جانا اس نے نہ جانا۔

(صحیح بخاری: ج:1، ص:977 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

جنت اور دوزخ جانے تک احوال بیان فرمانا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان ایک مجلس میں کھڑے ہوئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء خلق سے خبریں بیان کرنا شروع کیں حتیٰ کہ جنتیوں کے اپنے ٹھکانوں تک جانے اور جہنمیوں کے اپنے ٹھکانوں تک جانے کی خبریں بیان کیں جس شخص نے ان کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے ان کو بھلا دیا اس نے ان کو بھلا دیا۔

(صحیح بخاری: ج:1، ص:453 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

میں نے تمام مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کو میرے لئے لپیٹ دیا اور میں نے اس کے تمام مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔

(صحیح مسلم: ج:4، ص:2216 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

جو چاہو مجھ سے سوال کرو

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے چند چیزوں کے متعلق سوال کیا گیا جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند کیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سوالات کئے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہوئے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے ارشاد فرمایا

جو چاہو مجھ سے سوال کرو۔

ایک شخص نے کہا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا باپ کون ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تمہارا باپ حذافہ ہے۔

دوسرے شخص نے کہا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا باپ کون ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تمہارا باپ شیبہ کا آزاد کردہ غلام سالم ہے۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے میں غضب کے آثار دیکھے۔

تو عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اللہ عزوجل سے توبہ کرتے ہیں۔

(صحیح بخاری، ج:1، ص:20 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ہر چیز مجھ پر منکشف ہوگئی

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے لئے آنے میں دیر کی حتیٰ کہ عنقریب ہم سورج کو دیکھ لیتے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی سے آئے اور نماز کی اقامت کہی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر نماز پڑھائی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر کر ہم سے بہ آواز بلند فرمایا جس طرح اپنی صفوں میں بیٹھے ہو بیٹھے رہو۔ پھر ہماری طرف مڑے۔

اور ارشاد فرمایا

میں اب تم سے بیان کروں گا کہ مجھے صبح کی نماز کے لئے آنے میں کیوں دیر ہوگئی۔ میں رات کو اٹھا اور وضو کر کے میں نے اتنی نماز پڑھی جتنی میرے لئے مقدر کی گئی تھی پھر مجھے نماز میں اونگھ آ گئی پھر مجھے گہری نیند آ گئی۔ اچانک میں نے اچھی صورت میں اپنے رب اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

میں نے کہا:

اے میرے رب عزوجل میں حاضر ہوں۔

فرمایا

ملاء اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟

میں نے کہا:

میں نہیں جانتا!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا اور اس کے پوروں کی ٹھنڈک میں نے اپنے

میں محسوس کی پھر ہر چیز مجھ پر منکشف ہوگئی اور میں نے اس کو جان لیا۔

(الجامع الصحیح، ج:5،ص:369رقم الحدیث:3235مطبوعہ بیروت)

ایک اور احادیث مبارکہ میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں نے اپنے رب عزوجل کو حسین صورت میں دیکھا۔

میرے رب عزوجل نے فرمایا

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں نے کہا: حاضر ہوں یارب عزوجل

فرمایا

ملاءاعلیٰ کس چیز میں بحث کرر ہے ہیں؟

میں نے کہا:

اے رب عزوجل! میں نہیں جانتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی پھر میں نے جان لیا جو کچھ مشرق اور مغرب کے درمیان ہے۔

(الجامع الصحیح ج:5،ص:367رقم الحدیث:3234مطبوعہ بیروت)

رسول کے بغیر محض عقل سے ایمان لانے کے وجوب میں مذاہب

علامہ عبدالحق خیرآبادی متوفی 1318ھ لکھتے ہیں:

بعض احناف نے یہ کہا ہے:

بعض احکام ادراک کرنے میں عقل مستقل ہے۔ اس لئے انہوں نے کہا: ایمان واجب ہے اور کفر حرام ہے۔ اسی طرح ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہ ہو مثلاً کذب وجہل وغیرہ یہ بھی حرام ہے۔ حتیٰ کہ عقل مند بچہ جو ایمان اور کفر میں تمیز کرسکتا ہو اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس مسئلہ میں ان کے اور معتزلہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور وہ (احناف) اس کے قائل ہیں کہ بعض اشیاء کا حکم عقل سے معلوم ہو جاتا ہے اور شرع پر موقوف نہیں ہوتا۔

اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ

جو شخص اپنے خالق سے جاہل ہو اس کا عذر مقبول نہیں ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی ذات پر دلائل کا مشاہدہ کر رکھا ہے اور حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات پر ایمان لانا تمام عقلاء کے نزدیک صفت کمال ہے اور اللہ تعالیٰ کا کفر کرنا سب کے نزدیک صفت نقصان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا اور یہ صفت کمال ہے اور کفر کرنا نعمت کا کفر

ہے اور یہ صفت نقصان ہے پس عقل کے نزدیک ایمان حسن ہے اور کفر قبیح ہے لہٰذا اگر انسان اس کام کو ترک کر دے جو عقل کے نزدیک حسن ہے تو وہ عذاب کا مستحق ہوگا خواہ اس وقت اللہ تعالیٰ کا حکم نہ پہنچے اور وہ معذور نہیں ہوگا البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کو عذاب نہیں دیا جائے گا کیونکہ اس کے پاس بالفعل اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں پہنچا اور عقل پر اعتماد کلی نہیں ہے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مذہب پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ

اگر رسول کے بھیجنے اور اس کی دعوت کے بغیر ایمان لانا واجب ہو تو اس سے لازم آئے گا کہ اگر کوئی شخص عقل کے حکم پر اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات پر ایمان لائے بغیر مر جائے تو لازم آئے گا کہ رسولوں کے بھیجے بغیر بھی اس کو عذاب دیا جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ○ (الاسراء:15)

ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ رسول نہ بھیج دیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

جب کسی انسان پر غور و فکر کی مدت گزر جائے تو پھر اس کے لئے کوئی عذر باقی نہیں رہتا کیونکہ غور و فکر کی مدت عقل کو متنبہ کرنے کے لئے رسولوں کی بعثت کے قائم مقام ہے اور یہ مدت مختلف ہوتی ہے کیونکہ لوگوں کی عقلیں مختلف ہوتی ہیں۔

امام فخر الاسلام نے اصول بزدوی میں یہ کہا ہے:

ہم جو کہتے ہیں کہ انسان عقل سے مکلف ہوتا ہے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ اس کی تجربہ سے مدد فرماتا ہے اور اس کا انجام کا ادراک کرنے کی مہلت مل جاتی ہے تو پھر وہ معذور نہیں رہے گا۔ خواہ اس کو رسول کی دعوت نہ پہنچی ہو جیسا کہ امام ابوحنیفہ نے کہا ہے: کم عقل شخص جب پچیس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اس سے اس کے مال کو روکا نہیں جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے باب میں عمر کی کوئی حد نہیں مقرر کی گئی بہر حال جب انسان پر غور و فکر کی مدت گزر جائے جس مدت میں اس کا دل متنبہ ہو سکے تو یہ مدت اس کے حق میں رسول کی دعوت کے قائم مقام ہے۔ ہم نے بیان مذاہب کی جو تقریر کی ہے اس پر یہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے کہ جو انسان دور دراز کے پہاڑوں میں بالغ ہو اور اس تک رسول کی دعوت نہ پہنچی ہو اور نہ اس نے ضروریات دین کا عقیدہ رکھا ہو اور نہ احکام شرعیہ پر عمل کیا ہو تو معتزلہ اور احناف کی ایک جماعت کے نزدیک اس کو آخرت میں عذاب ہوگا کیونکہ اس کی عقل جن احکام کا ادراک کرنے میں مستقل تھی اس نے اس کے تقاضے پر عمل نہیں کیا۔ صحیح یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ معتزلہ اور بعض احناف کے نزدیک اس کو مطلقاً کفر کے اختیار کرنے پر عذاب ہوگا۔ خواہ وہ بلوغت کی ابتداء میں کفر کو اختیار کرے خواہ وہ غور و فکر کی مدت گزرنے کے بعد ایمان نہ لایا ہو۔

(شرح مسلم الثبوت، ص:60 تا 62 مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

انبیاء کرام علیہم السلام کا اللہ تعالیٰ کے اذن سے تصرف کرنا

قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (الانعام: 17)

اور اگر اللہ تمہیں کوئی ضرر پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس ضرر کو دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ تمہیں کوئی نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مصیبت اور ضرر کو دور نہیں کر سکتا حالانکہ انسان کبھی خود اپنی کوشش سے مصیبت کو دور کر لیتا ہے۔ کبھی اس کے دوست اور رشتہ دار اس مصیبت کو دور کر دیتے ہیں۔ انسان بیمار پڑ جاتا ہے تو ڈاکٹر کے ذریعہ اس کی بیماری اور تکلیف کو دور کر دیتا ہے۔ قیامت کے دن انبیاء کرام علیہم السلام عموماً اور ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم خصوصاً گناہ گاروں کی شفاعت فرما کر ان سے عذاب کی مصیبت کو دور کریں گے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گناہ گاروں کی قبر پر شاخ کے دو ٹکڑے نصب کر کے ان سے برزخ کا عذاب دور کر دیا۔

(صحیح بخاری: 216)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دکھتی ہوئی آنکھ میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی میں اور حضرت زید بن معاذ رضی اللہ عنہ کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ میں لعاب دہن لگایا اور ان سے دنیا کی تکلیف کو دور کر دیا اور وہ شفایاب ہو گئے۔

(شفاء: ج: 1، ص: 213)

امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ

ابورافع یہودی کو قتل کرنے کے لئے حضرت عبداللہ بن عتیک گئے اور اس مہم میں ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ اس طرح درست ہو گئی کہ کبھی ٹوٹی ہی نہ تھی۔

(صحیح البخاری: ج: 5، رقم الحدیث: 4039)

ایسے بکثرت واقعات ہیں، اسی طرح اولیاء اللہ کی کرامتوں سے بھی لوگوں کی بیماریاں اور ان کے مصائب دور ہو جاتے ہیں اور یہ تمام امور اس آیت کے خلاف ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ اپنی ذاتی قدرت سے اپنے بندوں کے مصائب اور تکلیفوں کو دور کرتا ہے۔ اس کے برخلاف لوگ جو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور ان کی مشکلات میں کام آتے ہیں اور ان کے مصائب کو دور کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی دی ہوئی طاقت سے کرتے ہیں اور دواؤں میں شفا کی تاثیر اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے وہ محض بے سبب ہیں شفاء دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ چاہے تو بغیر دوا کے شفا دے دے اور اگر وہ نہ چاہے تو کسی دوا سے شفا نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح انبیاء کرام علیہم

السلام اور اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت اور اس کے اذن سے تصرف کرتے ہیں۔ بیماروں کو شفا دیتے ہیں اور گناہ گاروں کی شفاعت کرتے ہیں اور تنگ دستوں کو غنی کرتے ہیں اور ان افعال کی ان کی طرف نسبت کرنا جائز ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ (التوبہ: 74)

اور ان کو صرف یہ برا لگا کہ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

دیکھئے حقیقت میں غنی کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ سو معلوم ہوا ایسا کہنا جائز ہے البتہ یہ اعتقاد ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتی قدرت سے غنی کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اس کے اذن سے غنی کیا۔

اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ (الاحزاب: 37)

اور جب آپ اس شخص سے کہتے تھے جس پر اللہ نے انعام فرمایا اور آپ نے (بھی) انعام فرمایا۔

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ منعم حقیقی ہے اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اس کے اذن سے انعام فرمایا مگر اللہ تعالیٰ نے انعام کرنے کی نسبت دونوں کی طرف کی ہے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام نے کہا:

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا ○ (مریم: 19)

(جبرائیل علیہ السلام نے) کہا میں تو صرف آپ کے رب کا فرستادہ ہوں، تاکہ میں آپ کو پاک بیٹا دوں۔

حقیقت میں بیٹا دینے والا اللہ تعالیٰ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے بیٹا دینے کی نسبت حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اس کا سبب اور ذریعہ بنایا تھا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی دعاؤں سے بھی بیٹا ہو جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا ہوں۔

(مسند احمد: ج:4، ص:127 تا 128)

اور قرآن مجید میں مذکور ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا سے پیدا ہوئے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اولیاء کرام کی دعا منظور فرمالے تو ان کی دعا سے بھی اولاد ہو سکتی ہے لیکن صحیح طریقہ یہ ہے کہ اولیاء کرام سے دعا کی درخواست کی جائے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے دعا کریں کہ ہمارا فلاں مطلوب پورا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اولیاء کرام کی عزت، وجاہت اور مقبولیت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم اور فضل سے ان کی دعا قبول فرمالیتا ہے اور رد نہیں فرماتا۔ اس نے فرمایا ہے کہ میں اپنے مقرب بندہ کو جب اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے سوال کو رد نہیں کرتا۔

(صحیح البخاری: ج:7، رقم الحدیث:243)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت میں یوں روایت کیا ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ وصول کرنے کا حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ ابن جمیل حضرت خالد بن ولید اور حضرت ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما نے صدقہ دینے سے منع کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ابن جمیل کو صرف یہ بات ناگوار ہوئی ہے کہ وہ فقیر تھا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو غنی کر دیا اور رہا خالد تو تم اس پر ظلم کرتے ہو۔ اس نے اپنی زرہ محفوظ رکھی ہے اور اس کو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے وقف کیا ہوا ہے اور رہے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم (محترم) ہیں جتنا صدقہ ان پر واجب ہے ان سے اتنا وصول کیا جائے۔

ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ حقیقتاً بلا واسطہ اور بالذات مصائب کو دور کرنے والا اور نعمتیں عطا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اس کے اذن سے مقربان انبیاء کرام علیہم السلام اولیاء کرام خصوصاً حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی عذاب اور مصائب کو دور کرتے ہیں۔ اور دنیا و آخرت میں غنی اور شاد کام کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان بزرگوں کا صدقہ ہے کہ اے گناہوں کے باوجود بھی ہم پر پچھلی قوموں جیسا عذاب نہیں آیا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے سلسلے مبارک

انبیاء کرام علیہم السلام کے سلسلوں پر قرآن مجید کی نص موجود ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝

(انعام: 84 تا 86)

''اور ہم نے انہیں اسحاق و یعقوب عطا کئے ان سب کو ہم نے راہ دکھائی اور ان سے پہلے نوح کو راہ دکھائی اور اس کی اولاد سے داؤد اور سلیمان اور ایوب و یوسف اور موسیٰ و ہارون کو اور ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں نیک کاروں کو اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو یہ سب ہمارے قرب کے لائق ہیں اور اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط کو اور ہم نے ہر ایک کو اس وقت میں سب پر فضیلت دی۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی عمر کے لحاظ سے بھی اب اولاد کی امید نہ تھی۔ آپ علیہ السلام نے اس بچے کی دعا بھی نہ کی

تھی کہ رب تعالیٰ عزوجل کی یہ عطا ہوئی لہٰذا اسے ہبہ فرمایا گیا۔ چنانچہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش اس وقت ہوئی جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت بوڑھے تھے۔ اولاد سے مایوس ہو چکے تھے ایک سو بیس سال کی عمر شریف تھی اور آپ علیہ السلام کی بیوی صاحبہ بوڑھی ہونے کے علاوہ بانجھ بھی تھیں دوطرفہ اولاد سے مایوسی تھی۔ اس کے باوجود آپ علیہ السلام پیدا ہوئے اس لئے وہب نے ارشاد فرمایا:

وھبنا فرما کر یہ بتایا گیا کہ یہ اولاد ہمارا عطیہ تھی۔ لہٰذا نہایت طیبہ وطاہرہ تھی۔ غرض کہ بجائے ولد کے وھبنا فرمانا نہایت موزوں ہے۔ یہ حضرات مقدس تحفہ ربانی عزوجل ہیں۔ رب جلیل عزوجل تحفہ دینے والے حضرات ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام تحفہ لینے والے تو سمجھ لو کہ خود تحفہ کیسا شاندار ہوگا۔ تحفہ کی شان ہبہ کی عظمت واہب اور موہوب لہ یعنی دینے والے لینے والے کی شان سے معلوم کرلو لہٰذا وھبنا ان حضرات مقدس کی نعت ہے اور لہٗ بھی اسحاق عبرانی زبان کا نام ہے جس کے معنی ہیں عربی میں ضحاک

یعنی

ہنس مکھ، شاداں خوش وخرم

بعض انبیاء کرام علیہم السلام پر خوف الٰہی عزوجل کا قبضہ تھا۔ ان کی آنکھیں نم رہتی تھیں۔ جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام اور بعض پر امید کا غلبہ تھا۔ ان کا چہرہ ہشاش بشاش رہتا تھا۔

جیسے

حضرت اسحاق اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام دوسری قسم میں سے تھے۔ آپ علیہ السلام کی عمر ایک سو اسی سال ہوئی۔

یعقوب بنا ہے عقب سے بمعنی

پیچھے آنے والا یا بہت سی اولاد پیچھے چھوڑنے والا

چونکہ آپ علیہ السلام اپنے بھائی عیص کے ساتھ پیدا ہوئے۔ پہلے عیص بعد میں آپ علیہ السلام نیز آپ علیہ السلام کی ذریت بے شمار ہوئی لہٰذا آپ علیہ السلام کا لقب یعقوب ہوا آپ علیہ السلام کا نام اسرائیل ہے لقب یعقوب چونکہ بہت بڑھاپے کی اولاد نہایت کمزور ہوتی ہے اس کی نسل عموماً نہیں چلتی اس لئے وہنا کے ماتحت حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر فرمایا:

حضرت اسحاق علیہ السلام باوجود کہ بڑھاپے کی اولاد تھے مگر ہم نے انہیں بہت قوی کا صاحب اولاد بنایا۔

نیز

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریف میں اتنی برکت دی کہ آپ علیہ السلام نے اپنے پوتے یعقوب علیہ السلام کو بھی دیکھ لیا لہٰذا وہبنا کے ماتحت حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام شریف نہایت موزوں ہے۔

خیال رہے کہ

حضرت یعقوب علیہ السلام کی عمر شریف ایک سو سینتالیس سال ہوئی۔

کلا ہدینا۔ ہدینا کی ہدایت سے مراد نبوت کی ہدایت ہے ایک مقصود کے بہت راستے ہوتے ہیں خدا رسی کے بھی بہت راستے ہیں۔ ایمان، عرفان، ایقان، نبوت، رسالت عام مومنوں کو ایمان کی ہدایت عطا ہوئی، اولیاء اللہ کو عرفان کی کسی ایقان کی مگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو نبوت کی ہدایت دی۔ لفظ ہدایت ایک ہے مگر اس کے مصداق مختلف یہاں یہ ہی آخری ہدایت مراد ہے۔ پھر اس ہدایت کو رب عزوجل نے اپنی طرف نعت فرما کر یہ بتایا کہ ان کی یہ ہدایت کسبی یا کسی کی وہب سے نہیں بلکہ محض ہماری طرف سے لدنی طور پر ہے جو کسی طرح ان سے الگ نہیں ہو سکتی جیسے سورج کا نور اور ہدینا ماضی فرما کر یہ بتایا کہ ان کو دنیا میں آ کر ہدایت نہیں ملی بلکہ وہ دنیا میں آنے سے پہلے ہی ہدایت یافتہ تھے۔ دوسرے لوگ دنیا میں ہدایت لینے آئے مگر وہ حضرات مقدس لے کر آئے اور دوسروں کو دینے آئے۔

حق یہ ہے کہ

کلاً سے مراد حضرت اسحاق و یعقوب علیہما السلام ہیں۔ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام داخل نہیں کیونکہ آپ علیہ السلام کی ہدایت نبوت کا ذکر تو پہلے ہو چکا۔ یعنی ہم نے ان دونوں کو نبی بنایا اور انہیں ہدایت یافتہ دوسروں کا ہادی بنایا۔

وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ

یہ عبارت معطوف ہے کلا ہدینا پر

اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد بھی انبیاء علیہم السلام ہوئی اور آپ علیہ السلام کے باپ دادا نوح علیہ السلام وغیرہم بھی انبیاء علیہم السلام تھے

نوحا مفعول بہ ہے ہدینا کی

حضرت نوح علیہ السلام کا نام مبارک عبدالغفار ابن لمک ابن متوشلخ ابن ادریس علیہ السلام ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی ولادت حضرت آدم علیہ السلام سے گیارہ سو برس بعد ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ساڑھے نو برس تبلیغ کی۔ طوفان کے بعد آپ علیہ السلام ساٹھ سال زندہ رہے۔ آپ علیہ السلام کے اور حضرت ابراہیم کے درمیان تقریباً ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اکیس سو برس بعد پیدا ہوئے۔

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمٰنَ

اس میں ذریتہ کی ضمیر کدھر لوٹتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف۔ فقیر کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف ہے کیونکہ بہت دور سے آپ علیہ السلام کا ذکر چلا آ رہا تھا۔

خیال رہے کہ

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں۔ آپ علیہ السلام کی نسل نہیں تغلیباً آپ علیہ السلام کو اولاد ابراہیمی میں شمار کرلیا گیا۔ جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے دادوں میں شمار کرلیا گیا۔ یہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے پڑپوتے ہیں۔ سواء حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہ حضرات ابراہیم علیہ السلام کے نواسے ہیں۔ ذریۃ پوتے نواسے سب کو کہا جاتا ہے۔

بعض نے فرمایا:

حضرت یونس علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم کی اولاد سے نہیں مگر حق یہ ہے کہ آپ علیہ السلام ان کی اولاد سے ہی ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا نسب نامہ یہ ہے۔

داؤد ابن ایشا ابن عویرا ابن عابر ابن سلمون ابن نحشون ابن عمی ابن بارب ابن رام ابن حضر موت ابن فارض ابن یہودا ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیم علیہم السلام۔

آپ علیہ السلام کی عمر سو برس ہوئی۔ چالیس سال کی بادشاہت کی آپ علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ آپ علیہ السلام بہت خوبصورت اور بڑے خوش آواز تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام آپ علیہ السلام کے بیٹے تھے۔

وَ اَیُّوْبَ وَ یُوْسُفَ

یہ عبارت معطوف ہے داؤد پر

حضرت ایوب علیہ السلام کا نسب نامہ یہ ہے۔

ایوب ابن موص ابن روم ابن عیص ابن اسحاق ابن ابراہیم علیہم السلام

آپ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت لوط علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

آپ علیہ السلام کی عمر 93 سال ہے۔

آپ علیہ السلام کے نسب نامہ کے متعلق اور بہت سے اقوال ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر شریف ایک سو بیس سال ہوئی۔

وَ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نسب نامہ

موسیٰ ابن عمران ابن یصہر ابن ماہس ابن لاوی ابن یعقوب علیہ السلام ہے۔ آپ علیہ السلام کی عمر شریف ایک سو بیس سال ہوئی چونکہ آپ علیہ السلام کی کشتی دریا سے نکالی گئی تھی اس لئے آپ علیہ السلام کا نام مبارک موسیٰ علیہ السلام رکھا گیا۔

مو کے معنی ہیں

پانی

سیٰ کے معنی ہیں
ساگوان کی لکڑی
حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اخیافی یا حقیقی بھائی ہیں۔آپ علیہ السلام سے ایک سال بڑے ہیں۔

وَ کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ

یہ جملہ مستقل ہے۔
کذالک میں اشارہ ان حضرات مقدسہ کی ہدایت کی طرف ہے یا ان حضرات کے جناب ابراہیم علیہ السلام کے اولاد ہونے کی طرف۔
یعنی
ہم نیک کاروں کو ایسے ہی دنیاوی ثواب اجر عطا فرماتے ہیں کہ ان کی اولاد کو بھی نیک کر دیتے ہیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑی قربانیاں دیں تو انہیں ابوالانبیاء یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کا جدامجد بنادیا۔
محسن کے چار معنی ہیں۔
تین عالمانہ اور ایک عاشقانہ
لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا احسان ہے اور سلوک کرنے والا محسن حضرات انبیاء کرام علیہم السلام مخلوق پر ان کے ماں باپ سے زیادہ محسن ہیں کہ ماں باپ سے بدن ملتا ہے ان سے ایمان نیک کام کرنا برائیوں سے دور رہنا احسان ہے۔اور ایسا کرنے والا محسن حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اس میں اول درجہ پر ہوتے ہیں۔عبادات میں اخلاص حضور قلبی احسان ہے اور ایسا کرنے والا محسن رب عزوجل کو ایسے پوجو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو یا کم ازکم یہ سمجھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔
عثمان کہتے ہیں کہ
احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ساتھ غفلت نخوت دل میں نہ جانے دینا احسان ہے اور ایسا آدمی محسن ہے جسے پانی میں سے ہوا چھان کر سانس لیتی ہے پانی اور مٹی کو اندر نہیں جانے دیتی زندہ رہتی ہے خشکی کے جانوروں کے پاس یہ چھلنی نہیں پانی بھی ان کے پیٹ میں چلا جاتا ہے وہ مرجاتے ہیں یہ ہی حال دنیا کی نعمتوں کا ہے۔

وَزَکَرِیَّا وَ یَحْیٰی وَ عِیْسٰی وَ اِلْیَاسَ

حضرت زکریا علیہ السلام والد ہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے۔
آپ علیہ السلام کا نام شریف
زکریا ابن ازن ابن برکیا ہے۔

آپ حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ آپ علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے فرزند حضرت یحیٰی علیہ السلام دونوں شہید کیے گئے۔ حضرت یحیٰی علیہ السلام ایک دن پہلے اور حضرت زکریا علیہ السلام ایک دن بعد آپ علیہ السلام نے ہی حضرت مریم علیہا السلام کی پرورش کی۔ حضرت یحیٰی علیہ السلام آپ علیہ السلام کے فرزند ہیں۔ جب آپ علیہ السلام کی ولادت کی خبر حضرت زکریا علیہ السلام کو دی گئی اس وقت حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام کے فرزند ہیں۔ حق یہ ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔ آپ علیہ السلام الیاس ابن سنان ابن فخاص ابن عزار ابن ہارون ابن عمران ہیں۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام

بعض مفسرین کرام نے فرمایا:

الیاس حضرت ادریس علیہ السلام کا نام ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ قرآن مجید نے آپ علیہ السلام کو حضرت ابراہیم و حضرت نوح علیہما السلام کی ذریت میں شمار فرمایا ہے اور حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے باپ داداؤں میں ہیں۔

وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَالۡيَسَعَ وَ يُوۡنُسَ وَلُوۡطًا

حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ علیہ السلام ہی کی اولاد میں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ علیہ السلام ہی سے ملک عرب آباد ہوا۔

حضرت یسع علیہ السلام کا زمانہ اور پیدائش معلوم نہ ہو سکی۔ صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ آپ علیہ السلام یسع ابن افطوب ابن عجوز ہیں۔

حق یہ ہے کہ

یسع عجمی نام ہے۔

بعض لوگوں نے کہا:

یوشع سے یسع بنا ہے

بعض لوگوں نے کہا:

یسع فعل مضارع سے بنا مگر قوی بات پہلی ہی ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام ان انبیاء کرام علیہم السلام سے ہیں جن کا نسب اور زمانہ پورے حالات زندگی معلوم نہ ہو سکے صرف اتنا معلوم ہے کہ آپ علیہ السلام یونس ابن متی ہیں۔

متی والد کا نام ہے یا والدہ کا، مچھلی کے پیٹ میں آپ علیہ السلام ہی رہے۔

بعض نے فرمایا

حضرت شعیب علیہ السلام کے ہم زمانہ ہیں موصل کے علاقے نینوا بستی کے نبی تھے۔ اولاد یعقوب علیہ السلام سے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں۔

آپ علیہ السلام لوط ابن ہاران ابن آذر ہیں۔ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا۔ حضرت ابراہیم و حضرت سارہ علیہما السلام کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کر گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے آپ علیہ السلام مقام سدوم کے نبی بنائے گئے۔ آپ علیہ السلام کی قوم سے لواطت جیسی بے حیائی کی ابتداء ہوئی اگرچہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں مگر آپ علیہ السلام کو اس سلسلہ میں بیان کر دیا گیا کہ بھتیجا گویا بیٹا ہوتا ہے اور چچا گویا والد یا تغلیباً آپ علیہ السلام کا نام اسی سلسلہ میں ذکر کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں ان انبیاء کرام علیہم السلام کو چار سلسلوں میں بیان فرمایا۔

پہلے سلسلے میں ان انبیاء کرام علیہم السلام کو ذکر فرمایا۔

(1) حضرت ابراہیم

(2) حضرت نوح

(3) حضرت اسحاق

(4) اور حضرت یعقوب علیہم السلام

اس لئے یہ حضرات اصول انبیاء کرام علیہم السلام ہیں کہ سارے انبیاء کرام علیہم السلام کے نسب ان سے چلتے ہیں۔

دوسرے سلسلہ میں۔

ان انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر فرمایا جنہیں نبوت کے ساتھ اور شاندار نعمتوں سے نوازا گیا۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام و حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبوت کے ساتھ سلطنت دی۔ حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کو انقلاب کی نعمت بخشی کہ ان کے ہاتھوں فرعون و قارون ہلاک کئے گئے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو کامل درجہ کا صبر اور حضرت یوسف علیہ السلام کو اولاً صبر پھر سلطنت عطا فرمائی۔ اس لئے ان بزرگوں کے متعلق ارشاد ہوا کہ ہم محسنین کو ایسے ہی اجر دیتے ہیں۔

تیسرے سلسلہ میں

ان انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر فرمایا گیا جنہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت کے ساتھ زہد، قناعت ترک دنیا کی نعمت بخشی اس سلسلہ میں حضرت زکریا و حضرت یحییٰ و حضرت عیسیٰ و حضرت الیاس علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر فرمایا۔ اس لئے ان کو صالحین فرمایا۔

چوتھے سلسلہ میں

ان انبیاء کرِام علیہم السلام کا ذکر فرمایا جن کا دنیا میں نہ کوئی متبع رہا نہ ان کی شریعت باقی رہی۔ اسی سلسلہ میں حضرت اسماعیل، حضرت یسع، حضرت یونس و حضرت لوط علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر فرمایا۔

ان آیات کریمہ میں اٹھارہ پیغمبروں کا ذکر ہے جن میں نہ تو ترتیب زمانی ہے نہ رتبہ کی بلکہ ترتیب کی وجہ کچھ اور ہے۔

ارشاد ہوا کہ

ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں بڑی بڑی نعمتوں سے نوازا۔ ان نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ ہے کہ ان کی ذریت ان کی اولاد میں بہت سے پیغمبر بھیجے۔ چنانچہ انہیں بڑھاپے میں حضرت اسحاق علیہ السلام جیسا نورانی فرزند بخشا بلکہ پوتا حضرت یعقوب علیہ السلام بھی انہیں دکھایا۔ ان تمام حضرات کو ہم نے نبوت تقویٰ وغیرہ کی ہدایات بخشیں بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آباؤ اجداد میں حضرت نوح علیہ السلام کو تو نبوت پہلے ہی دے چکے تھے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دوطرفہ خاندانی اشرف ہیں۔ باپ دادا کے نبی اولاد نبی آپ علیہ السلام کی اولاد میں

حضرت داؤد علیہ السلام

حضرت سلیمان علیہ السلام

حضرت ایوب علیہ السلام

حضرت یوسف علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت ہارون علیہ السلام

جیسے نامور پیغمبر پیدا کیے ہم نیک کاروں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔

نیز آپ علیہ السلام کی اولاد میں

حضرت زکریا علیہ السلام

حضرت یحییٰ علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت الیاس علیہ السلام

جیسے رسول پیدا فرمائے جو تمام کے تمام کامل درجہ کے نیک صلاحیتوں والے تھے۔

نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں

حضرت اسماعیل علیہ السلام

حضرت یسع علیہ السلام

حضرت یونس علیہ السلام

اور حضرت لوط علیہ السلام

جیسے چمکتے چاند تارے پیدا فرمائے ان میں سے سب کو اس زمانہ میں تمام جہانوں سے افضل کیا کہ وہ حضرات انس و جن فرشتوں سب سے فاضل تھے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:7،ص:92تا97نعیمی کتب خانہ لاہور)

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وراثت

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جب اس دنیا سے ظاہری پردہ فرماتے ہیں تو مال نہیں چھوڑتے بلکہ علم وراثت چھوڑ جاتے ہیں اور یہی علم علماء کرام کے ذریعے ہم تک پہنچتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَ كَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۙ یَّرِثُنِیْ وَ یَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ۖ وَ اجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا ○ (مریم: 5تا6)

اور مجھے اپنے بعد اپنے قرابت داروں سے خطرہ ہے اور میری اہلیہ بانجھ ہے سو تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما۔ جو میرا اور آل یعقوب کا وارث ہو اور اے میرے رب اس کو پسندیدہ بنادے۔

زجاج نے کہا:

حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رشتہ دار نیک نہیں تھے ان کو خطرہ تھا کہ ان کی وفات کے بعد دین ضائع ہو جائے گا اس لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ایسا وارث طلب کیا جو ان کے بعد دین کی حفاظت کرے اور دین کی اشاعت کرے اور یہی قول صحیح ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے مال کے وارث ہونے کی دعا نہیں کی تھی کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے مال کا وارث نہیں بنایا جاتا بلکہ ان کے علم اور نبوت کا وارث بنایا جاتا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے علم میراث ہونے پر کئی احادیث مبارکہ ہیں لیکن یہاں پر اختصار کے ساتھ چند احادیث مبارکہ نقل کرتا ہوں۔

ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا ہم نے جو چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6727)

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام علم کا وارث بناتے ہیں

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص علم کی طلب میں کسی راستہ پر جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے اور طالب علم کی رضا کے لئے فرشتے اپنے پُر رکھتے ہیں اور عالم کے لئے وہ سب استغفار کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اور مچھلیاں جو پانی کے اندر ہیں اور عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جس طرح چودھویں رات کے چاند کی فضیلت ستاروں پر ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام دینار اور درہم کے وارث نہیں بناتے وہ علم کا وارث بناتے ہیں سو جس نے علم کو حاصل کیا اس نے بہت بڑے حصے کو حاصل کیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: 3641)

ہم گروہ انبیاء کرام علیہم السلام کا وارث نہیں بنایا جاتا

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے

حدیث مبارکہ میں ہے

ہم گروہ انبیاء کرام علیہم السلام کا وارث نہیں بنایا جاتا ہم نے جو ترکہ چھوڑا وہ صدقہ ہے۔

(البدایہ والنہایہ ج:2،ص:74 دار الفکر بیروت)

علم انبیاء کرام علیہم السلام کی میراث

ائمہ شیعہ میں سے شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی 239ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

عبداللہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

امام رضا علیہ السلام نے ان کو لکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں امین تھے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو ہم اہل بیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہوئے۔ ہمیں علم دیا گیا اور ہم کو جب علم دیا گیا تھا اور جس علم کو ہمارے پاس امانت رکھا گیا تھا ہم نے وہ علم پہنچا دیا سو ہم اولوالعزم رسولوں کے وارث ہیں۔

ابو جعفر علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہیں اور وہ وصیوں کے علم کے وارث ہیں اور تمام پہلوؤں کے علم کے وارث ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سابقین انبیاء کرام و مرسلین کرام علیہم السلام کے علم کے وارث ہیں۔

مفضل بن عمر بیان کرتے ہیں کہ

ابو عبداللہ علیہ السلام نے فرمایا:

سلیمان داؤد علیہما السلام کے وارث تھے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سلیمان علیہ السلام کے وارث تھے اور ہم محمد صلی اللہ علیہ

وسلم کے وارث ہیں۔

(الاصول من الکافی: ج:1،ص:223 تا 225 مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران)

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو میراث جاری کی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مقدس زندگی میں حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو میراث جاری نہیں کی اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی باغ دیا تھا بعض جاہل لوگ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو باغ فدک دیا تھا جبکہ یہ کسی روایت سے ثابت ہی نہیں۔ کچھ کہتے ہیں کہ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری پردہ فرمانے کے بعد حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہا سے اپنا حصہ مانگا

اور فرمایا

مجھے اپنے والد کی وراثت سے حصہ میں باغِ فدک دو اور وراثت اسی مال میں جاری ہوتی ہے جس کی زندگی میں کسی کو ہبہ نہ کیا گیا ہو لہٰذا اس دعویٰ میں یہ دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو اپنی زندگی میں فدک نہیں دیا تھا کیونکہ اگر زندگی میں فدک ہبہ کر دیا تھا تو بعد از وصال اس کی وراثت سے مطالبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی لیکن اس کے برخلاف علماء شیعہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں فدک ہبہ کر دیا تھا۔ اور جو چیز کسی کو زندگی میں دے دی گئی ہو اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی کیونکہ وراثت اسی مال میں جاری ہوتی ہے جس کو زندگی میں ہبہ نہ کیا ہو فلہٰذا اگر مطالبہ میراث کا دعویٰ صحیح ہے تو ہبہ کا دعویٰ صحیح نہیں ہے اور اگر ہبہ کا دعویٰ صحیح تو پھر مطالبہ میراث کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ یہ دونوں دعوے ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ یہ ایک صاف اور سیدھی بات ہے جس کو ہر صاحب عقل خوب سمجھ سکتا ہے۔

علماء شیعہ کہتے ہیں کہ

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے باغ فدک کا مطالبہ کیا تھا۔

وہ دلائل یہ دیتے ہیں

شیخ ابو منصور طبرسی لکھتے ہیں

عبد اللہ بن الحسن اپنی سند کے ساتھ اپنے آباء علیہم السلام سے روایت کرتے ہیں کہ

جب ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کو فدک نہ دینے پر اتفاق کر لیا اور حضرت فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کو یہ خبر پہنچی......

اس روایت میں ذکر ہے کہ

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا دوپٹہ لے کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئیں دراں حالیکہ حضرت ابو بکر رضی

اللہ عنہ کے پاس مہاجرین اور انصار بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی اور ایک بہت طویل اور فصیح وبلیغ خطبہ دیا جس میں اپنے فضائل اور مناقب بیان کیے۔

اور اخیر میں فرمایا

اے مسلمانو! کیا میں اپنی میراث پر مغلوب کی جاؤں گی۔

اے ابوقحافہ (رضی اللہ عنہ) کے بیٹے!

کیا کتاب اللہ میں یہ لکھا ہے کہ

تم تو اپنے باپ کے وارث ہوں گے اور میں اپنے باپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وارث نہیں ہوں گی؟ یہ تو تم نے اپنے خدا عزوجل پر جھوٹا باندھا ہے۔

کیا تم نے عمداً کتاب اللہ کو چھوڑ دیا اور اس کو پس پشت پھینک دیا؟

کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

سلیمان داؤد کے وارث ہیں

اور اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن زکریا کا یہ قول نقل کیا ہے۔

اے اللہ! مجھے ایسا ولی عطا فرما جو میرا اور آل یعقوب کا وارث ہو۔

اور فرمایا

اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے متعلق وصیت کرتا ہے کہ

مرد کو دو لڑکیوں کا حصہ ملے گا

اور فرمایا

اگر کسی شخص نے مال چھوڑا تو اس پر لازم ہے کہ وہ والدین اور رشتہ داروں کے حق میں دستور کے مطابق وصیت کرے یہ متقین پر فرض ہے۔

اور

تم نے یہ گمان کیا ہے کہ میرا اپنے والد کی میراث میں سے کوئی حصہ نہیں ہے اور ہمارے درمیان کوئی رشتہ داری نہیں ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں میراث کا کوئی خاص حکم بتایا ہے جس کی بناء پر تم یہ کہتے ہو میرا اور میرے والد کا ایک دین نہیں ہے جن کے دین مختلف ہوں وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے؟

کیا میرے والد اور میرے شوہر کی بہ نسبت قرآن کے خاص اور عام کو زیادہ جانتے ہو سو آج تم فدک کو بغیر کسی معارض اور

منازع کے لئے لوکل حشر کے دن تم سے ملاقات ہوگی۔ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا اللہ ہے اور حق کو طلب کرنے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تم سے قیامت کا وعدہ ہے اور اس دن اہل باطل نقصان اٹھائیں گے اور ہر چیز کی ایک قرار گاہ ہے اور تم عنقریب جان لوگے کہ دائمی اور ذلت والا عذاب کون اٹھائے گا۔

(الاحتجاج ص: 131 تا 139 مطبوعہ دار النعمان ایران)

ملا باقر مجلسی نے بھی اس طویل خطبہ کو بعینہٖ ذکر کیا ہے اور اس کا آخری حصہ یہ ہے۔

جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ ان کی اس تقریر کو سن کر منافقوں پر کوئی اثر نہیں ہوا اور ان کی طرف سے کوئی آواز نہیں آئی تو انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے متوجہ ہو کر کہا

آج تم بغیر کسی معارض اور فریق کے فدک لے لو کل روز محشر تم سے ملاقات ہوگی۔

(حق الیقین: ص: 200 مطبوعہ شیابان ناصر خسرو ایران)

اس کے علاوہ ملا باقر مجلسی نے جلاء العیون میں بھی ذکر کیا ہے کہ

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث سے اپنا حصہ مانگا تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ حصہ نہیں دیا اور یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ہم گروہ انبیاء کا وارث نہیں بنایا جاتا۔

ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں

ان سب نے مل کر باتفاق ایک حدیث وضع کی کہ حضرت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے کہ

ہم گروہ انبیاء کا وارث نہیں بنایا جاتا۔

(جلاء العیون ج: 2، ص: 235 مطبوعہ انصاف پریس لاہور)

اور شیخ احمد بن ابی یعقوب اصفہانی لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئیں اور اپنے والد کی میراث سے اپنا حصہ مانگا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے۔

ہم گروہ انبیاء (علیہم السلام) کا وارث نہیں بنایا جاتا۔ ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

کیا یہ کتاب اللہ میں ہے کہ تمہارا باپ تو مورث ہوگا اور میرا باپ مورث نہیں ہوگا۔

اور کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا:

مرد اپنی اولاد کی رعایت کرتا ہے۔

(تاریخ یعقوبی ج:2،ص:1 مطبوعہ مرکز انتشارات علمی وفرہنگی ایران)

متاخرین علماء شیعہ میں سے شیخ خمینی لکھتے ہیں:

(حضرت) ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے قرآن مجید کی جن صریح آیات کی مخالفت کی ہے وہ معتبر تواریخ اور اہل سنت کی کتب احادیث سے ثابت ہے اور یہ احادیث درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی۔

معتبر تواریخ اور سنیوں کی صحیح کتب حدیث میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت فاطمہ دختر پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) (حضرت) ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کے پاس آئیں اور اپنے والد کی میراث کا مطالبہ کیا۔

(حضرت) ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

پیغمبر نے کہا ہے:

ہم کسی کو وارث نہیں بناتے ہم نے جو کچھ بھی ترک کیا وہ صدقہ ہے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پیغمبر اسلام کی طرف جو اس حدیث کی نسبت کی ہے یہ قرآن مجید کی آیات کے صریح خلاف ہے۔

کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

پیغمبر کے وارث ہوتے ہیں اور ہم ان آیات سے بعض کا ذکر کرتے ہیں۔

اس کے بعد شیخ خمینی نے وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ (نمل: 16) اور فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ (مریم:5)

کا ذکر کیا ہے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں

اب یا تو تم یہ کہو کہ ہم خدا کی تکذیب کرتے ہیں۔یعنی خدا کہتا ہے پیغمبر کے وارث ہوتے ہیں۔

اور ہم کہتے ہیں

(نہیں ہوتے) یا یہ کہو کہ

پیغمبر خدا نے خدا کی کہی ہوئی بات کے خلاف کہا اور یا یہ کہو یہ حدیث پیغمبر خدا کی کہی ہوئی نہیں ہے بلکہ اولاد پیغمبر کا حق غصب کرنے کے لئے اس حدیث کو وضع کیا گیا ہے۔

علماء اہل سنت کا جواب

علماء اہل سنت قرآن مجید کی ان آیات ...

ان آیات کریمہ میں مال کی وراثت مراد نہیں ہے بلکہ وراثت علمی مراد ہے اور

سورہ نمل کی آیت کا یہ مطلب ہے کہ

حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے علم کے وارث ہوئے۔

اور سورہ مریم کی آیت کا مطلب یہ ہے کہ

حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ

اے اللہ عزوجل! مجھے ایسا ولی عطا فرما جو میرے اور آل یعقوب کے علوم کا وارث ہو لہٰذا نہ یہ لازم آیا کہ اہل سنت نے اللہ تعالیٰ کی تکذیب کی نہ یہ لازم آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلاف قرآن کوئی بات کہی اور نہ حدیث کا موضوع ہونا لازم آیا۔

بعض علماء شیعہ نے قرآن مجید کی ان آیات میں وراثت کو وراثت علمی پر محمول کرنے کو باطل قرار دیا ہے اور اس حدیث کے موضوع ہونے پر مزید دلائل قائم کئے ہیں۔

ان کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

علماء شیعہ کا حدیث کو موضوع کہنا

ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

(حضرت) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے جو یہ دعویٰ کیا تھا کہ

پیغمبروں کی میراث نہیں ہوتی۔ یہ محض جھوٹ اور افتراء ہے اور اس پر متعدد دلائل ہیں۔

پہلی دلیل

یہ حدیث قرآن مجید کی ان آیات کے خلاف ہے جن میں یہ ذکر ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام میراث لیتے تھے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام سے میراث لی۔

اگر یہ کہا جائے کہ

اس جگہ علم اور پیغمبری کی وراثت مراد ہے تو اس کے متعدد جوابات ہیں۔

پہلا جواب

لغت اور عرف میں جب میراث کا لفظ مطلقاً بولا جاتا ہے تو اس سے مال کی وراثت مراد ہوتی ہے۔

خصوصاً

اس آیت میں مال کی وراثت پر قرائن ہیں۔

کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے۔

وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا

اے میرے رب اس لڑکے کو پسندیدہ بنا

اس آیت میں یہ دعا کی ہے کہ

اس لڑکے کو اچھے اور صالح کردار بنا اور یہ بات معلوم ہے کہ

پیغمبر ایسے ہی ہوتے ہیں (اس لئے اگر وراثت سے وراثت نبوت مراد ہوتو) یہ شرط بے فائدہ ہوگی۔

نیز

حضرت زکریا علیہ السلام کو اپنے رشتہ داروں کے بارے میں مال کے خدشہ کی وجہ تو تھی کیونکہ ہوسکتا ہے کہ مال کی وجہ سے وہ فسق اور فساد میں مبتلا ہو جائیں۔ اس وجہ سے یہ حدیث اس آیت کے بھی خلاف ہے جس یوں ہے کہ

حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے۔

اسی طرح یہ حدیث ان آیات کے بھی خلاف ہے جن میں میراث کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔

اور یہ کیسے ہوسکتا ہے۔

نبوت رشتہ داروں کو وراثت سے محروم کرنے کا سبب ہو۔

دوسرا جواب

(حضرت) ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث پر شہادت اس لئے مردود ہے کہ یہ حدیث مبارکہ ان کے حق میں حصول نفع کا سبب ہے اور وہ کئی وجہ سے اسی حدیث کے سلسلہ میں متہم ہے۔

اس کی وجوہات

(1) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ

اس مال میں جس طرح چاہیں تصرف کریں جس کو چاہیں اس میں سے مال دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں۔

جیسا کہ جامع الاصول میں ابوالطفیل سے روایت ہے کہ

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئیں اور اپنے والد کی میراث طلب کی

اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے یہ کہا کہ

میں نے پیغمبر سے یہ سنا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کو یہ طعمہ (خوراک یا غذا) دی ہے اور یہ ان کے بعد اس کے تصرف ہوگی جو ان کے بعد خلیفہ ہوگا۔

(2) قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بلکہ اس پر یقین ہے کہ

وہ اہل بیت کو کمزور کرنا چاہتے تھے کیونکہ مسلمانوں کا اہل بیت کی طرف میلان تھا اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) یہ چاہتے تھے کہ اہل بیت کمزور ہو جائیں تا کہ ان کے ساتھ خلافت مناقشہ نہ کرسکیں اور یہی وجہ تہمت کے لئے کافی ہے اور باقی جن دوسرے لوگوں نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی تصدیق کی ہے وہ سب اس صدقہ میں شریک تھے اور اہل بیت کی عداوت میں مصروف تھے اور ان لوگوں پر یہ تہمت بالکل ظاہر ہے۔

دوسری دلیل

اس حدیث کے باطل اور موضوع ہونے پر دوسری دلیل یہ ہے کہ

اخبار متواتر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس حدیث کو باطل اور موضوع گردانتے تھے۔

کیونکہ صحیح مسلم میں مالک بن اوس سے یہ روایت ہے کہ

(حضرت) عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم سے یہ کہا کہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ

ہم کسی کو وارث نہیں بناتے۔ہم نے جو کچھ بھی چھوڑا وہ صدقہ ہے پس تم دونوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جھوٹا مکار خائن اور گناہ گار گمان کیا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) سچے، نیک اور حق کی پیروی کرنے والے تھے۔ پھر ابوبکر (رضی اللہ عنہ) فوت ہو گئے اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوا پھر تم دونوں نے مجھے جھوٹا مکار خائن اور گناہ گار گمان کیا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں سچا نیک اور حق کی پیروی کرنے والا ہوں۔

صحیح بخاری میں بھی اس حدیث کی مثل مروی ہے اور ابن ابی الحدید نے بھی اس مضمون کو کئی اسانید سے روایت کیا ہے۔

اور احادیث متواترہ میں ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حق الگ نہیں ہوتا اور آیت تطہیر، اخبار ثقلین اور حدیث سفینہ بھی اس پر دلالت کرتی ہیں۔اسی طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بھی اس حدیث کا انکار اس حدیث کے موضوع ہونے پر حجت قاطعہ ہے۔

تیسری دلیل

اگر یہ حدیث حق ہوتی تو چاہئے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس حدیث کی تعلیم کرتے تا کہ وہ ناحق دعویٰ نہ کرتیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی اس حدیث کی تعلیم کرتے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی اور معدن علم تھے اور کوئی صاحب عقل اس کو جائز نہیں کہے گا کہ سیدہ نساء عالمین نے اس حدیث کو اپنے والد سے سنا ہو اور اس کے باوجود مہاجرین اور انصار کے مجمع میں اس قدر شدت سے میراث کا مطالبہ کیا ہو اور مسلمانوں کے امیر پر ظلم اور بے انصافی کی تہمت لگائیں اور اگر لوگوں کو اس کے خلاف قتال پر آمادہ کریں اور اس وجہ سے مسلمانوں کی ایک عظیم جماعت نے ابوبکر کو ظالم اور غاصب گردانا ہو اور قیامت کے دن تک ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اور اس کے مددگاروں پر لعنت کریں اور اگر حضرت علی رضی اللہ

یہ جانتے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حق پر نہیں ہیں اور حق پر ابوبکر (رضی اللہ عنہ) تو وہ کس طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو میراث کے مسئلہ میں ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے پاس جانے کی اجازت دیتے کیا کوئی مسلمان یہ تصور کر سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امور دین اور تبلیغ احکام میں اس طرح کا سہو اور تسامح کر سکتے تھے کہ اپنے اہل بیت اور خصوصاً اپنے جزو بدن کو اس قدر ضروری حکم نہ بتلاتے پس معلوم ہوا کہ یہ حدیث مبارکہ محض افتراء اور جھوٹ ہے۔

چوتھی دلیل

اس حدیث مبارکہ کے جھوٹ ہونے پر دلیل یہ ہے کہ جو چیز عرف اور عادت کے خلاف ہو اس کے روایت کرنے والے متعدد افراد ہوتے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت خاتم (النبیین صلی اللہ علیہ وسلم) تک یہ سنت جاری ہے کہ اولاد کو ماں باپ کی وراثت ملتی ہے۔

نیز

یہ بھی معلوم ہے کہ انبیاء (علیہم السلام) کے احوال اور ان کی سیرتوں کو اور ان کے خصائص کو منضبط کرنے میں بہت اہتمام کیا جاتا ہے سو اگر عام عرف اور عادت کے خلاف اگر انبیاء (کرام علیہم السلام) کے خصائص میں یہ ہوتا کہ وہ کسی کو وارث نہیں بناتے تو تمام تواریخ، اور سیرت کی کتابوں میں یہ امر مذکور ہوتا اور جب صرف ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اور دو تین منافقوں کے علاوہ اور کوئی شخص اس خلاف عادت حکم پر مطلع نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث محض افتراء اور جھوٹ ہے۔ اور جیسا کہ صحاح سے ظاہر ہوتا ہے اور ابن ابی الحدید نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ سوائے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے اور کسی نے اس حدیث کا ذکر نہیں کیا اور عمر (رضی اللہ عنہ) نے...... طلحہ، زبیر، عبداللہ بن عوف اور سعد بن ابی وقاص سے اس حدیث پر شہادت طلب کی اور ان سب نے بالاتفاق اس حدیث پر شہادت دی۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ

انہوں نے ڈر اور خوف کی وجہ سے اس حدیث پر شہادت دی تھی۔

(حق الیقین ص 207 تا 209 مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران)

علماء شیعہ کا رد اور وراثت کے لفظ سے علم اور نبوت مراد ہے

قرآن مجید میں ہے

حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی:

فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ

علماء شیعہ کہتے ہیں اس آیت میں یہ ثبوت ہے کہ

انبیاء (علیہم السلام) کے وارث ہوتے ہیں۔

علماء اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ

اس آیت میں مال کی وراثت مراد نہیں ہے بلکہ علم کی وراثت مراد ہے۔

اور ملا باقر مجلسی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ

لغت اور عرف میں جب مطلقاً وراثت کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مال کی وراثت مراد ہوتی ہے لہٰذا قرآن مجید کی اس آیت کو بھی مال کی وراثت پر محمول کیا جائے گا اور اس کو علم کی وراثت پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔

ملا باقر مجلسی کا یہ کہنا لغت اور اسلوب قرآن سے بے خبری اور لاعلمی کی وجہ سے ہے۔ لغت میں ورث کا معنی انتقال اور بقاء ہے۔

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

کسی کی کمائی کا بغیر عقد کے تمہاری طرف منتقل ہونا وراثت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم اپنے مشاعر پر ثابت قدم رہو کیونکہ تم اپنے باپ کی وراثت یعنی اس کی اصل اور بقیہ پر ہو۔

(المفردات ص:518 مطبوعہ رضویہ ایران)

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

وارث کا معنی ہے۔

''باقی''

قرآن مجید میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی دعا ہے۔

''مجھے ایسا ولی دے جو میرا وارث ہو اور آل یعقوب کا وارث ہو۔''

یعنی اس کو میرے بعد باقی رکھ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔

اے اللہ عزوجل! میرے کان اور آنکھ سے مجھے فائدہ پہنچا اور اس کو میرا وارث کر یعنی ان کو میرے ساتھ تا حیات باقی رکھ۔

(تاج العروس: ج:1 ص:652 مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر)

اب ہم قرآن مجید کی ایسی آیت پیش کرتے ہیں جن میں وراثت کا معنی

''مال کی وراثت''

کسی حال میں نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَ اِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُوْنَ ○ (حجر: 23)

زندگی اور موت ہم ہی دیتے ہیں اور ہم ہی باقی رہنے والے ہیں۔

اور جگہ ارشاد فرمایا

وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِيْنَ ○ (قصص: 58)

اور انجام کار ہم ہی باقی رہنے والے ہیں۔

مذکورہ الصدر آیات کریمہ سے یہ واضح ہو گیا کہ قرآن مجید میں وراثت کا لفظ صرف وراثت بالمال میں ہی استعمال نہیں ہوا بلکہ قرآن مجید کی متعدد آیات کریمہ میں وراثت کا لفظ بقاء کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اس لئے

وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ

اور

يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوْبَ

میں علم اور نبوت کی وراثت مراد لینا اسلوب قرآن کے عین مطابق ہے اور یہ دعویٰ غلط ہے کہ عرف اور لغت میں وراثت کا استعمال صرف وراثت بالمال میں ہوتا ہے۔

ملا مجلسی کے اعتراض کا جواب

ملا باقر مجلسی نے جس آیت میں وراثت سے وراثت نبوت مراد لینے پر بحث کی ہے۔

وہ یہ ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام دعا کرتے ہیں۔

فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ○ يَّرِثُنِيْ وَ يَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ○ (مریم 5 تا 6)

تو مجھے ایک وارث عطا کر جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوب کی میراث بھی پائے اور اے میرے رب عزوجل! اس کو ایک پسندیدہ شخص بنا۔

ملا باقر مجلسی یہ کہتے ہیں کہ

اگر حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا یہ مطلب تھا کہ مجھے ایسا فرزند عطا کر جو نبی ہو تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ

وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا

اس کو ایک پسندیدہ شخص بنا۔

کیونکہ ہر نبی اللہ کا پسندیدہ ہوتا ہے۔ اس لئے یہاں وراثت نبوت مراد نہیں ہے بلکہ وراثت مال مراد ہے اور جو شخص مال کا

وارث ہو گا تو ہو سکتا ہے کہ وہ مال کی وجہ سے کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے۔ اس لئے دعا کی اس کو ایک پسندیدہ شخص بنا!

اس کا جواب یہ ہے کہ

ملا باقر مجلسی کا یہ کہنا غلط ہے کہ

جب حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے فرزند کے لئے نبوت کی دعا کی تو پھر ان کے پسندیدہ ہونے کی دعا کی کیا ضرورت تھی کیونکہ نبی تو ہوتا ہی پسندیدہ ہے۔ اس لئے کہ نبوت کے ذکر کے بعد ان اوصاف کا ذکر تاکید اور توضیح کے لئے کیا جاتا ہے اور اس کی قرآن مجید میں بکثرت مثالیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،

وَ بَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ (الصفت: 112)

''اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق کی بشارت دی ایک نبی تھے صالحین میں سے۔''

کیا اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ نبی تو ہوتا ہی صالح ہے پھر نبی کے بعد صالحین میں سے کہنے کی کیا ضرورت تھی۔

فرشتوں نے حضرت زکریا علیہ السلام کو ندا کی۔

اَنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكَ بِیَحْیٰی مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ سَیِّدًا وَّ حَصُوْرًا وَّ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ○

(آل عمران:39)

اللہ آپ کو یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے جو کلمہ اللہ کے مصدق ہوں گے۔ سردار ہوں گے عورتوں سے بچنے والے ہوں گے۔ نبی ہوں گے صالحین میں سے۔

جب اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ

حضرت یحییٰ علیہ السلام نبی ہوں گے تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ وہ صالحین میں سے ہوں گے؟ نبی تو ہوتا ہی صالح ہے۔ قرآن مجید میں اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں۔ صرف دو آیتوں پر اکتفا کیا ہے۔

لہٰذا ملا باقر مجلسی کا اعتراض غلط اور بے جا ہے اور وراثت سے مراد نبوت اور علم مراد لینا درست ہے۔

آئمہ اہل بیت کی روایات سے انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت علمی کا ثبوت

انبیاء کرام علیہم السلام کسی کو مال کا وارث نہیں بناتے۔ پس حضرت داؤد علیہ السلام کے علم کا وارث حضرت سلیمان علیہ السلام تھے۔

اور

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کرام علیہم السلام سابقین کے علم کے وارث ہیں۔

اور

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اولیاء کاملین و علماء صالحین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کے وارث ہیں۔علماء اہل سنت یہ بات کہیں تو علماء شیعہ اس کو جھوٹ کہتے ہیں۔لیکن کریں کیا کہ شیعہ حضرات کے ایک بہت بڑے محدث شیخ کافی کلینی نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ائمہ اہل بیت انبیاء کرام علیہم السلام سابقین کے علوم کے وارث ہوتے ہیں۔

اس قسم کی بکثرت روایات ذکر کی ہیں۔

شیخ کلینی باب کا عنوان یہ قائم کیا ہے۔

ان الائمة ورثوا علم النبی و جمیع الانبیاء الله

نبی علیہ السلام اور جمیع انبیاء علیہم السلام کے علوم کے وارث ہیں۔

شیخ کلینی روایت کرتے ہیں۔

عبداللہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ

امام رضا علیہ السلام نے ان کو لکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخلوق میں امین تھے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو ہم اہل بیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم وارث ہوئے۔ہمیں علم دیا گیا اور ہم کو جو علم دیا گیا تھا اور جس علم کو ہمارے پاس امانت رکھا گیا تھا ہم نے وہ علم پہنچا دیا سو ہم اولوالعزم رسولوں کے وارث ہیں۔

(اصول من الکافی: ج:1 ص:223 تا 224 مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران)

اس روایت میں یہ تصریح ہے کہ اہل بیت اولوالعزم رسولوں کے علوم کے وارث ہیں۔

دوسری روایت ملاحظہ ہو۔

ابو جعفر علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

بے شک علی بن ابی طالب اللہ تعالیٰ کی عطا ہیں اور وصیوں کے علم کے وارث ہیں اور تمام پہلوں کے علم کے وارث ہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سابقین انبیاء و مرسلین (علیہم السلام) کے وارث تھے۔

(اصول من الکافی ج:1 ص:224 مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران)

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تمام سابقین کے علم کے وارث ہیں۔

تیسری روایت سنیے۔

مفضل بن عمر بیان کرتے ہیں کہ

ابو عبداللہ علیہ السلام نے فرمایا:

سلیمان (علیہ السلام) داؤد (علیہ السلام) کے وارث تھے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سلیمان (علیہ السلام) کے وارث

تھے اور ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وارث ہیں۔

(اصول من الکافی: ج:1، ص:225 مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران)

ملاحظہ ہو کہ

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے صاف بیان کر دیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے علم کے وارث تھے۔ یہ لفظ واثت کو وراثت علم میں استعمال کرنے کی نص صریح ہے۔ اور وورث سلیمان داؤد کی تفسیر ہے اور اسی حقیقت کو بیان کرنے کے ہم در پے ہیں۔

ضریح کناسی بیان کرتے ہیں کہ

میں ابو عبد اللہ علیہ السلام کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور ان کے پاس ابو بصیر بھی تھے۔

ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا:

حضرت داؤد علیہ السلام علوم انبیاء علیہم السلام کے وارث تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث تھے اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وارث تھے۔

(اصول من الکافی: ج:1، ص:225 مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران)

پانچویں روایت سنیے

ابراہیم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ

میں نے ابوالحسن سے پوچھا

میں آپ پر قربان ہوں! یہ بتایئے کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں۔

فرمایا

ہاں۔

پس ہم وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا اور ہم کو اس کتاب کا وارث بنا دیا جس میں ہر چیز کا بیان ہے۔

(اصول من الکافی: ج:1، ص:226 مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران)

اس روایت میں یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام علیہ السلام کے مال کے وارث نہیں تھے بلکہ ان کے علم کے وارث تھے اور اس سے زیادہ واضح یہ ہے کہ

ابوالحسن نے فرمایا:

ہم اہل بیت قرآن مجید کے وارث ہیں اور یہ علم کی وراثت ہے۔ ان تمام روایات سے واضح ہو گیا کہ وراثت کا لفظ وراثت علمی میں استعمال ہوتا ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت، وراثت علمی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو وراثت نہ دے کر احکام میراث کی مخالفت نہیں کی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جو یہ روایت بیان کی ہے کہ ہم گروہ انبیاء کرام علیہم السلام کسی کو وارث نہیں بناتے اور اس روایت کی بناء پر حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ سے وراثت نہیں دی۔ اس پر ملا باقر مجلسی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ روایت قرآن مجید کی ان آیات کریمہ کے خلاف ہے جن میں وراثت کے عام احکام بیان کیے گئے ہیں۔ سو اس وجہ سے یہ روایت مردود ہے۔

نیز

یہ خبر واحد اور ظنی ہے اور خبر واحد قرآن مجید کے احکام کے عموم کی ناسخ نہیں ہو سکتی۔ پہلی بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے یہ حدیث خبر واحد اور ظنی نہیں تھی۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست یہ حدیث سنی تھی اور ان کے لئے یہ حدیث اس طرح قطعی تھی جس طرح احکام میراث کی آیات قطعی ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کی وجہ سے احکام میراث کی مخالفت نہیں کی بلکہ اس حدیث کی وجہ سے احکام میراث کے عموم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کا مخصوص اور مستثنیٰ ہونا بیان کیا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ

احکام میراث میں صرف اس حدیث کی وجہ سے تخصیص نہیں ہوئی بلکہ ان آیات کریمہ کے عموم سے اور بھی کئی چیزیں مستثنیٰ ہو چکی ہیں۔

دیکھئے کہ

کافر کی اولاد، باپ کی وارث نہیں ہوتی۔

غلام، باپ کا وارث نہیں ہوتا۔

قاتل، باپ کا وارث نہیں ہوتا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ

اگر بفرض محال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے احکام میراث کی مخالفت کی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ترکہ نہیں دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اس کو کیوں برقرار رکھا اور اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس مال کا وارث کیوں نہ بنایا؟

پھر ملا باقر مجلسی نے اعتراض کیا ہے کہ

نبوت اپنی اولاد کو میراث سے محروم کرنے کا سبب کیسے ہو سکتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

علامہ بدرالدین حنفی لکھتے ہیں:

انبیاء کرام علیہم السلام کی میراث نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ کوئی شخص ان کے متعلق یہ بدگمانی نہ کرے کہ انہوں نے اپنے رشتہ داروں کے لئے مال جمع کیا ہے اور نبوت کا دعویٰ اور اشاعت دین کی تمام سعی حصول مال کے لئے تھی۔

ایک قول یہ ہے:

کہیں ان کے اقرباء ان کی موت کی تمنا نہ کرنے لگیں اور ہلاکت میں مبتلا ہو جائیں۔

اور ایک قول یہ ہے:

انبیاء کرام علیہم السلام اپنی تمام کرامت کے لئے بمنزلہ باپ ہوتے ہیں اور ان کی تمام امت ان کے لئے بمنزلہ اولاد ہوتی ہے۔ اس لئے ان کا تمام مال ان کی تمام اولاد کے لئے صدقہ کر دیا جاتا ہے۔

اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے۔

(عمدۃ القاری: ج:15، ص:20 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ مصر)

کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وراثت ذاتی مفاد کیلئے نہیں دی تھی

زیر بحث حدیث کو موضوع قرار دینے کے لئے ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس حدیث کی روایت میں دو وجہوں سے متہم ہیں۔

اوّل یہ کہ

وہ اسی مال میں اپنی مرضی سے تصرف کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے یہ حدیث گھڑ لی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ

وہ اہل بیت کو کمزور کرنا چاہتے تھے تاکہ وہ ان سے خلافت میں مناقشہ نہ کر سکیں۔

یہ دونوں وجہیں باطل ہیں۔

اوّل کا بطلان اس وجہ سے ہے کہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر تہمت تب لگتی جب اس مال میں سے وہ کوئی ذاتی فائدہ حاصل کرتے یا اپنی ذات

اپنے اقارب پر اس مال کو خرچ کرتے حالانکہ ... ہے کہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس مال سے کوئی ذاتی مفاد نہیں اٹھایا۔ نہ بیت المال سے کوئی نفع حاصل کیا جو معمولی وظیفہ لیا تھا۔ موت سے پہلے اس کو بھی بیت المال کو واپس کر دیا اور فدک کے اموال میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی مرضی سے کوئی تصرف نہیں کیا بلکہ وہی تصرف کیا جو تصرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔

نیز

یہ حدیث مبارکہ صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی نہیں ہے بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت متعدد صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مروی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت مالک بن اوس بن حدثان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ (حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن، حضرت زبیر اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم سے)

کہا

ٹھہرو! میں تم کو اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر سوال کرتا ہوں جس کے اذن سے آسمان اور زمین قائم ہیں۔ کیا تم کو علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا، ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے۔

انہوں نے کہا:

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا۔

(صحیح البخاری: ج:2، ص:575، 609 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

دوسری روایت سنیئے۔

حضرت مالک بن اوس بن حدثان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ اس وقت ان کا دربان یرفاء آیا۔

اور کہا

حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمان، حضرت زبیر اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم آنے کی اجازت مانگ رہے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کا کیا حکم ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

ہاں اور اجازت دے دی وہ لوگ آئے اور سلام کیا اور بیٹھ گئے، تھوڑی دیر بعد یرفاء پھر آیا

اور کہنے لگا۔

حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے متعلق کیا حکم ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

ہاں! اور ان کو اجازت دے دی پھر وہ دونوں آ کر سلام کر کے بیٹھ گئے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:

اے امیر المومنین! میرے اور اس شخص (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے درمیان فیصلہ کیجئے۔

حضرت عثمان اور ان کے اصحاب علیہم الرضوان نے بھی کہا۔

اے امیر المومنین ان کے درمیان فیصلہ کیجئے اور ایک دوسرے سے راحت دلائیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

ٹھہرو! میں تم کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم پر آسمان اور زمین قائم ہیں کیا یہ تمہیں علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے۔

اس جماعت نے کہا:

ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی و حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

اور فرمایا

میں تم کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں! کیا تم کو علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا۔

حضرت علی و حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے کہا:

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا۔

(صحیح بخاری: ج:2، ص:802 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

تیسری روایت سنیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے۔

(مجمع الزوائد: ج:4، ص:224 مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت)

چوتھی روایت سنئے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فوت ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے یہ ارادہ کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس کسی کو بھیج کر میراث کا سوال کریں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا۔

ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے۔

(صحیح بخاری: ج:2،ص:996 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

پانچویں روایت سنیے۔

فضیل بن مرزوق کہتے ہیں کہ

زید بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم نے کہا:

اگر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جگہ ہوتا تو فدک کے بارے میں میں بھی وہی وہی فیصلہ کرتا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔

ملاحظہ فرمائیں کہ

یہ اہل بیت کی شہادت ہے اور خود ہی فرمارہے ہیں کہ میں بھی وراثت تقسیم نہ کرتا جبکہ جیسا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا میں بھی ویسا کرتا۔ معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے صرف یہ روایت جس میں میراث تقسیم نہ کرنے کا ذکر ہے۔ خود ہی نہیں گھڑی بلکہ متعدد بلکہ اس سے بدرجہ اولیٰ اہل بیت نے بھی روایت کیا ہے جو کہ صحیح اور مستند ہے۔ لہٰذا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ذاتی مفاد کی وجہ سے میراث کو تقسیم نہیں کیا تھا بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہی تھا۔

دوسری وجہ کا بطلان اس وجہ سے ہے کہ

اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا منشاء اپنی خلافت کو مستحکم کرنا ہوتا تو ان کو چاہئے تھا کہ فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے کر دیتے تا کہ ان کو اہل بیت کی ہمدردیاں اور تعاون حاصل ہوتا اور ان کے خلاف کوئی محاذ نہ بنتا نہ ان کا کوئی فریق ہوتا اور عام لوگ بھی خوش ہوتے اس کے برخلاف جب کہ عام لوگوں کا میلان اہل بیت کی طرف تھا اور پھر انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حق ان کو نہیں دیا تو اہل بیت بھی ناراض ہو کر ایک فریق بن گئے اور لوگوں کی ایک جماعت بھی ان سے کٹ گئی۔ لہٰذا ملا باقر مجلسی کا یہ کہنا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اہل بیت کو فدک اس لئے نہیں دیا تا کہ وہ خلافت میں مناقشہ نہ کر سکیں، بالکل الٹ اور برعکس ہے کیونکہ خلافت میں مناقشہ سے بچنے کے لئے تو انہیں چاہئے تھا کہ سیاسی رشوت کے طور ان کو فدک دے کر اپنے ساتھ ملا لیتے اور فدک کا نہ دینا تو خلافت میں مناقشہ اور نیتی پر مبنی تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نہ دینا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر عمل کرنے کی وجہ سے تھا اور خلافت کو کمزور یا مستحکم کرنا کسی فریق کا بھی

مطمح نظر نہیں تھا۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نہ تو اپنے ذاتی مفاد کے لئے وراثت نہیں دی اور نہ اہل بیت کو محروم کرنے کی نیت سے بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے وراثت نہیں دی۔

علماء شیعہ کی اسانید سے وراثت مالی نہ ہونے کا ثبوت

علماء شیعہ کی اسانید سے وراثت مالی نہ ہونے کا واضح ثبوت ملتا ہے اور وراثت علم کا استحقاق ثابت کرتے ہیں۔

شیخ کافی کلینی روایت کرتے ہیں

ابوالبختری بیان کرتے ہیں کہ

حضرت ابوعبداللہ علیہ السلام نے فرمایا:

علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہوتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کسی کو درہم اور دینار کا وارث نہیں کرتے۔ انبیاء کرام علیہم السلام صرف اپنی احادیث کا وارث کرتے ہیں۔

(سنن کبریٰ: ج:6، ص:302 مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

اس حدیث مبارکہ میں خود ہی کہتے ہیں کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کے مال میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ صرف ان کے علم میں وراثت جاری ہوتی ہے۔

دوسری روایت ملاحظہ ہو۔

قداح بیان کرتے ہیں کہ

ابوعبداللہ علیہ السلام نے کہا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص علم کی طلب میں کسی راستہ پر جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے راستہ پر لے جاتا ہے اور علماء انبیاء (علیہم السلام) کے وارث ہیں اور انبیاء (علیہم السلام) کسی شخص کو درہم اور دینار کا وارث نہیں بناتے البتہ وہ علم کا وارث بناتے ہیں پس جس نے علم حاصل کیا اس نے ان کی میراث سے بڑا حصہ حاصل کیا۔

(اصول من الکافی: ج:1، ص:34 مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران)

لہٰذا ان علماء شیعہ کے حوالہ جات اور اسانید سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کسی کو مال کا وارث نہیں کرتے بلکہ اگر وارث کرتے ہیں تو صرف علم کا وارث کرتے ہیں تو اس سے یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہوئی کہ حضرت ابوبکر صد

رضی اللہ عنہ نے حدیث مبارکہ پر عمل کر کے وراثت جاری نہیں کی تھی جو کہ آپ نے پیچھے ملاحظہ فرمایا۔

بالجملہ!

انبیاء کرام علیہم السلام کی مالی وراثت کوئی نہیں ہوتی بلکہ اگر وراثت ہے تو صرف علم وراثت ہے۔

اسی لئے فرمایا گیا

علماء کرام انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں۔ اس سے صرف یہی مراد ہے کہ علماء کرام ان مقدس انبیاء کرام علیہم السلام کے علم کو تبلیغ کے ذریعے آگے منتقل کرتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ

مجھ بدکار سے اس تحقیق میں کوئی غلطی ہوئی ہو تو وسیلہ رسول اعظم نبی محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاف فرما کر جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمین شریفین پڑوس عطا فرمائے اور اپنا قرب خاص عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین و صلی اللہ علیہ وسلم۔

کیا انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے ڈرتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے ڈرنا انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے لیکن یہ یادر ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کامل یقین ہوتا ہے کہ ہمیں نصرت و فتح عطا کی جائے گی۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَآ اَوْ اَنْ یَّطْغٰی ۝ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی ۝

(طہ:45تا46)

ان دونوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمیں خطرہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا سرکشی کرے گا۔ فرمایا تم دونوں مت ڈرو۔ بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں میں سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔

طہ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی: اے رب عزوجل میرا سینہ کھول دے اور میرا کام مجھ پر آسان کر دے پھر ان کو یہ خوف کیوں ہوا کہ فرعون ان پر زیادتی یا سرکشی کرے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

شرح صدر اور سینہ کھولنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو منضبط کرنے پر ان کے سینہ کو قوی کر دے اور کام آسان ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ احکام شرعیہ کی اس طرح تبلیغ کریں کہ اس میں سہو اور نسیان نہ آسکے اور تبلیغ کرنے میں کوئی خوف اور خطرہ نہ ہو۔ یہ الگ چیز ہے۔

قرآن مجید میں ان یفرط کا لفظ ہے۔

جس کا ترجمہ ہم نے زیادتی کرنا کیا ہے۔

فرط کا ایک معنی سبقت ہے جو پانی پلانے والا حوض پر پہلے پہنچ جائے اس کو فارط کہتے ہیں اور جو گھوڑا دوسرے گھوڑوں پر سبقت کرے اس کو فرط کہتے ہیں۔

اس صورت میں معنی یہ ہے کہ

ہم کو خطرہ ہے کہ وہ ہم کو سزا دینے میں سبقت کرے گا۔

دوسرا معنی یہ ہے کہ

یہ افرط غیرہ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے۔

کسی کو کسی کام پر ابھارنا۔

اس صورت میں معنی یہ ہے کہ

کوئی ابھارنے والا فرعون کو ہمیں سزا دینے پر ابھارے گا اور وہ ابھارنے والا شیطان ہوگا یا اس کا خدائی کا دعویٰ ہوگا یا سلطنت کی خواہش ہوگی یا اس کی قوم کے متکبرین ہوں گے۔

اور یہ فرط افراط سے ماخوذ ہے۔

جس کا معنی ہے

وہ ہم پر زیادتی کرے گا اور وہ ہم پر سرکشی کرے گا۔

اس کا معنی یہ ہے کہ

وہ ہم کو قتل کر ڈالے گا۔

(تفسیر کبیر: ج:8، ص:54 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت ہارون علیہ السلام کے خوف کو زائل کرنے کے لئے فرمایا۔ بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں۔ میں سن رہا ہوں اور میں دیکھ رہا ہوں تمہارے دلوں میں جو یہ خوف ہے کہ وہ تمہارے ساتھ زیادتی یا سرکشی کرے گا سو تم اس سے مت ڈرو میں تمہاری حفاظت کروں گا تم اس سے جو بات کرو گے میں اس کو سن رہا ہوں گا۔ میں اس کو تمہارا کلام سننے کے لئے مسخر کر دوں گا اور میں اس کی حرکتوں کو دیکھ رہا ہوں۔ وہ تمہیں ضرر پہنچانے پر قادر نہیں ہو سکے گا۔ میں تمہاری مدد کے لئے فرعون پر گرفت کرنے کے لئے تمہارے ساتھ ہوں۔

اس آیت کریمہ میں یہ ذکر ہے کہ فرعون کے دربار میں تبلیغ کرنے کے لئے جانے سے پہلے حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کے دل میں خوف ہوا کہ وہ ان کے ساتھ کوئی زیادتی کرے گا یا ان کو قتل کر دے گا۔

اس آیت میں ان جاہل صوفیاء کا رد ہے جو کہتے ہیں

اللہ والوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوتا۔

ان کا یہ قول باطل ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہوتی ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی نصرت پر سب سے زیادہ اعتماد ہے اس کے باوجود ان کو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے ڈر اور خوف ہوتا ہے۔

کسی شخص نے حسن بصری سے یہ کہا کہ

عامر بن عبداللہ شام کی طرف جا رہے تھے وہ پانی پینے کے لئے ایک جگہ جانا چاہتے تھے تو ان کے اور پانی کے درمیان ایک شیر حائل ہوگیا۔ عامر پانی کی طرف گئے اور پانی پی کر حاجت پوری کی۔

ان سے یہ کہا گیا:

آپ نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیا تھا۔

عامر نے کہا:

اگر میرے پیٹ میں نیزے گھونپ دیئے جائیں تو وہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور سے ڈروں۔

حسن بصری نے اس شخص کو جواب دیا کہ

جو شخص عامر بن عبداللہ سے بہت افضل تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے غیر سے ڈرتے تھے اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

قرآن مجید میں ان کے متعلق ہے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبطی کو تادیباً گھونسا مارا اور وہ ہلاک ہوگیا۔

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ز قَالَ رَبِّ نَجِّنِىْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ٥ (القصص:21)

سو موسیٰ اس شہر سے ڈرتے ہوئے نکلے وہ انتظار کر رہے تھے (کہ اب کیا ہوگا) انہوں نے دعا کی تھی اے میرے رب مجھے ظالم قوم سے نجات دے دے۔

اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں سے مقابلہ ہوا اور انہوں نے لاٹھیاں اور رسیاں پھینکیں تو اچانک حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خیال آیا کہ ان کے جادو سے ان کی رسیاں اور لاٹھیاں دوڑ رہی ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَوْجَسَ فِىْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى٥ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى٥ (طٰہٰ 67 تا 68)

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ

میں کہتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی جانوں اور مالوں کی حفاظت کے لئے مدینہ کے گرد جو خندق کھودی تھی وہ بھی اسی قبیل سے تھی حالانکہ اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد کرنے میں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تھا اس مقام تک کوئی نہیں پہنچ سکتا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے متعلق سب کو علم ہے کہ انہوں نے کفار مکہ کے خوف سے اپنے گھروں کو چھوڑا۔ پہلی بار انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور دوسری بار مدینہ کی طرف ہجرت کی تاکہ مشرکین مکہ سے اپنی جانوں کو بچائیں اور دین اسلام کی وجہ سے کفار ان کو قتل کرنے اور عذاب میں مبتلا کرتے تھے اس سے اپنے آپ کو محفوظ

رکھیں۔

اس سلسلہ میں روایت ہے کہ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہجرت کی خبر ملی تو اس وقت ہم یمن میں تھے سو ہم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کی نیت سے نکل پڑے۔ میں اور میرے دو بھائی ابو بردہ اور ابرھم تھے اور میں ان سے چھوٹا تھا۔ ہمارے ساتھ اور بھی مسلمان تھے جو پچاس سے زائد تھے ہم کشتی میں سوار ہوئے لیکن ہماری کشتی ہمیں نجاشی کے ملک حبشہ میں لے گئی۔ وہاں ہماری ملاقات حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہوئی ہم بھی وہیں ٹھہر گئے حتیٰ کہ ہم سب اکٹھے وہاں سے مدینہ پہنچے۔ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر فتح کر چکے تھے۔ کچھ مسلمان ہم سے یعنی کشتی کے ذریعے آنے والوں سے کہنے لگے کہ

ہم نے تم سے پہلے ہجرت کی ہے۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا جو ہمارے ساتھ ہی مدینہ آئی تھیں وہ حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ وہ بھی نجاشی کے ملک میں ہجرت کرنے والوں کے ساتھ ہجرت کر کے چلی گئی تھیں۔ اسی اثناء میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر آ گئے۔ حضرت اسماء بنت عمیس وہیں تھیں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھا تو

پوچھا

یہ کون ہیں۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ

یہ اسماء بنت عمیس ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

یہ وہی ہیں جو حبشہ سے آئی ہیں اور سمندری سفر کر کے آئی ہیں۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا:

جی ہاں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

ہم ہجرت میں تم سے سابق ہیں اور ہم تمہاری بہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ حق دار ہیں۔

یہ سن کر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا غصہ میں آ گئیں۔

انہوں نے کہا:

ہرگز نہیں۔
تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ہو تم میں سے جو بھوکا ہوتا تھا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھلاتے تھے۔

اور
جو دین سے ناواقف ہوتا تھا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت کرتے تھے۔

اور
ہم بہت دور دراز علاقے میں دشمنوں کے ساتھ رہتے تھے اور ہماری یہ ہجرت اللہ تعالیٰ کے راستے میں اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں تھی۔

اور اللہ تعالیٰ کی قسم
میں اس وقت تک کچھ نہ کھاؤں گی نہ کچھ پیوں گی حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کروں جو کچھ تم نے کہا ہے اور ہم لوگوں کو اذیت دی جاتی تھی اور ہم کو ڈرایا جاتا تھا اور میں ابھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کروں گی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کروں گی۔

اور اللہ تعالیٰ کی قسم
میں جھوٹ بولوں گی نہ کج روی اختیار کروں گی اور نہ اس بات میں کچھ اضافہ کروں گی۔
سو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔
حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! عمر (رضی اللہ عنہ) نے اس طرح کہا ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار فرمایا۔
پھر تم نے اس سے کیا کہا؟
تو میں نے کہا:
میں نے اس اس طرح کہا
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ان کا مجھ پر تم سے زیادہ حق نہیں ہے ان کے لئے اور ان کے اصحاب کے لئے ایک ہجرت ہے اور تمہارے لئے تم جو کشتی کے ذریعہ آنے والے ہو دو ہجرتیں ہیں۔ اس واقعہ کے بعد میں نے دیکھا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اور کشتی والے فوج در فوج میرے پاس آنے لگے اور وہ مجھ سے اس حدیث مبارکہ کے متعلق سوال کرتے تھے اور ان کے نزدیک دنیا کی چیزوں میں سے کوئی چیز

اتنی عظیم اور خوشی کا باعث نہیں تھی جتنی خوشی کا باعث ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تھا۔
(صحیح بخاری: رقم الحدیث: 4230)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے خوف کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام نے اپنے گھروں سے ہجرت کی۔ بعض نے ایک بار اور بعض نے دو بار ہجرت کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف اور تحسین فرمائی۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا پیشوں کو اپنانا

انبیاء کرام علیہم السلام بھی مختلف پیشے کرتے تھے۔ کوئی نبی علیہ السلام تجارت کرتا تھا تو کوئی نبی علیہ السلام زرہ بناتا تھا اور کوئی کپڑے بناتا تھا۔ غرض کسی نہ کسی نبی علیہ السلام نے کوئی نہ کوئی پیشہ ضرور کیا ہے۔ خود ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت فرمائی اور وہی تجارت ہماری ماں امہات المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا سبب بنی اور اسی ام المومنین سے آج اہل بیت آباد و شاد ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ○ (الانبیاء: 80)

اور ہم نے داؤد کو تمہارے لئے خاص لباس (زرہ) بنانا سکھایا تا کہ وہ تم کو جنگوں میں محفوظ رکھے پس کیا تم شکر ادا کرو گے؟

حضرت قتادہ نے کہا:

سب سے پہلے جس نے زرہ کی صنعت ایجاد کی وہ حضرت داؤد علیہ السلام ہیں۔ اس سے پہلے فولاد پتروں کو لوگ بطور ڈھال استعمال کرتے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے لوہے کے حلقے بنائے اور ان کو جوڑ کر قمیص تیار کر لی۔

حسن نے ذکر کیا ہے کہ

حکیم لقمان حضرت داؤد علیہ السلام سے ملنے گئے۔ اس وقت وہ زرہ بنا رہے تھے۔ انہوں نے ارادہ کیا کہ پوچھیں آپ علیہ السلام کیا بنا رہے ہیں لیکن وہ خاموش رہے۔ حتیٰ کہ حضرت داؤد علیہ السلام قمیص بنا کر فارغ ہو گئے۔

تب انہوں نے کہا:

خاموش رہنا بھی حکمت ہے اور کم لوگ اس حکمت کو اختیار کرتے ہیں۔

مفسرین نے کہا ہے:

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو نرم کر دیا تھا اور وہ اس کو آگ سے پگھلائے بغیر دھاگے کی طرح اس

سے زرہ بنالیتے تھے۔

(تفسیر کبیر ج:8،ص:168)

یہ آیت حصول معاش کے لئے صنعت کاری گری اور پیشے کی اصل ہے۔بعض جاہل غنی اور متکبر لوگ بعض پیشوں کو حقیر، خسیس اور گھٹیا کام سمجھتے ہیں۔حالانکہ اسباب،صنعتوں اور پیشوں کو اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کا سکھایا ہوا طریقہ ہے سو جو شخص پیشوں پر طعن کرتا ہے وہ درحقیقت کتاب اور سنت پر طعن کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ

حضرت داؤد علیہ السلام لوہے سے ذرہ بناتے تھے اور اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔

علامہ قرطبی نے ذکر کیا ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کاشت کاری کرتے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام بڑھئی تھے لکڑی سے چیزیں بناتے تھے۔

حضرت لقمان علیہ السلام درزی تھے کپڑے سیتے تھے۔

حضرت طالوت علیہ السلام رنگ ریز تھے کپڑے رنگتے تھے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز:1،ص:227)

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ کوئی پیشہ نہیں اپنایا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں چرائی ہیں، بکریوں کا دودھ دوہا ہے، پھٹے ہوئے کپڑے سی لئے ہیں۔کپڑے دھوئے ہیں، جوتیوں کی مرمت کی ہے، زمین کھودی ہے۔ اسی لئے کسی کام اور پیشہ کو برا اور حقیر نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے اِن کاموں کو کیا ہے جن کو آج کل گھٹیا سمجھا جاتا ہے۔رزق حلال حاصل کرنے کے لئے جو بھی جائز کام اور حلال پیشہ اپنایا جائے وہ قابل تعریف اور لائق تحسین ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رزق حلال حاصل کرنے کا حکم

افسوس آج کل جو شخص پھیری لگا کر کندھے پر گٹھڑی رکھ کر کپڑا بیچتا ہے اس کو گھٹیا خیال کرتے ہیں مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہی کام کرتے تھے۔

امام احمد بن عمر الخصاف المتوفی 261ھ بہت بڑے فقیہ اور عابد و زاہد تھے۔ان کی فقہ میں بہت تصانیف ہیں۔عربی میں خصاف موچی کو کہتے ہیں یہ جوتیوں کی مرمت کرتے تھے۔

علامہ احمد بن محمد بن احمد القدوری المتوفی 428ھ بہت بڑے فقیہ تھے۔ان کی کتاب مختصر القدوری بہت عظیم کتاب ہے اور درس نظامی میں شامل ہے۔القدوری عربی میں مٹی کی ہانڈیاں بیچنے والے کو کہتے ہیں۔

علامہ محمود بن احمد الحصیری متوفی 546ھ ایک فقیہ ہیں۔ عربی میں الحصیری اس شخص کو کہتے ہیں جو چٹائی بناتا ہو۔

امام ابو بکر بن علی الحدادی التوفی 800ھ بہت بڑے عالم تھے۔ انہوں نے مختصر القدوری کی شرح لکھی ہے، عربی میں حداد لوہار کو کہتے ہیں۔ اس لئے ان کو حدادی کہتے ہیں۔ آج کل کندھے پر گٹھڑی رکھ کر بیچنے والے، جوتیوں کی مرمت کرنے والے، مٹی کے برتن بنانے والے، چٹائی بنانے والے اور لوہار کو حقیر اور کمتر آدمی سمجھا جاتا ہے اور پوش علاقوں میں رہنے والے ایسے لوگوں کو رشتہ دینے پر تیار نہیں ہوتے لیکن مسلمانوں کے زرین دور میں یہ لوگ مسلمانوں کے امام تھے۔ اس زمانہ میں کسی بھی پیشہ کو صرف حصولِ رزق کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا اور کسی پیشہ کو خسیس اور باعث عار نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اب عزت اور ذلت کا معیار اور اس کے پیمانے بدل گئے ہیں۔ اب سودی کاروبار کرنے والے، اسمگلنگ کرنے والے، نقلی دوائیں بنا کر بیچنے والے اور ناجائز اور حرام ذرائع سے مال بنا کر کوٹھیوں میں رہنے والے، بینک بیلنس والے عزت دار ہیں اور رزق حلال کے حصول کے لئے پھیری لگانے والا، لوہے کا کام کرنے والا، چٹائی بنانے والا مٹی کے برتن بنانے والا اور جوتی کی مرمت کرنے والا حقیر اور ذلیل ہے جو لوگ اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک عزت والے ہیں وہ اسی دور کے لوگوں کے نزدیک ذلت والے ہیں۔

حضرت مقدام رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اپنے ہاتھ سے کمائی کر کے کھاتا ہو اس سے بہتر طعام کوئی نہیں کھاتا اور اگر عزوجل کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کمائی کر کے کھاتے تھے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 2072)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تم میں سے کوئی شخص لکڑیاں کاٹ کر اپنی پشت پر لاد کر لائے وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے کوئی اس کو دے اور کوئی اس کو منع کر دے"۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 2074)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رزق حلال کو طلب کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔

(المعجم الاوسط: رقم الحدیث: 6805)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ اس مومن سے محبت کرتا ہے جو کوئی پیشہ کرتا ہو۔

(معجم الکبیر: رقم الحدیث: 1320)

حضرت سعید بن عمیر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا پیشہ سب سے زیادہ پاکیزہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کسی شخص کا اپنے ہاتھ سے کمانا اور ہر جائز بیع

ایک روایت میں ہے کہ

کسب حلال

(شعب الایمان: رقم الحدیث: 1225)

سکن نے کہا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حلال کو طلب کرنا ایسا ہے جیسے بہادر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اور ہتھیار مارتے ہیں اور جس نے رزق حلال کی طلب میں تھکے ہوئے رات گزاری۔ اس نے اس حال میں رات گزاری کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی تھا۔

کسی نے پوچھا:

بہادروں کے مارنے سے کیا مراد ہے؟

فرمایا

رزق حلال کو طلب کرنا اور اپنے اہل وعیال کی پرورش کرنا

(شعب الایمان رقم الحدیث: 1232)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا

جو شخص شام تک اپنے ہاتھوں سے کام کرتے تھک گیا اس کی مغفرت کر دی جائے گی۔

(معجم الاوسط: رقم الحدیث: 6238)

عطا بن السائب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے کندھے پر کپڑوں کی گٹھڑی رکھ کر کپڑے بیچنے کے لئے بازار نکل گئے۔ ان کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی۔

تو انہوں نے پوچھا:

اے خلیفہ رسول! آپ (رضی اللہ عنہ) کہاں جا رہے ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

بازار

ان دونوں نے کہا:

یہ آپ رضی اللہ عنہ کیا کر رہے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے خلیفہ بن چکے ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا

پھر میں اپنے اہل وعیال کو کہاں سے کھلاؤں گا۔

ان دونوں نے کہا:

چلئے آپ رضی اللہ عنہ کے لئے وظیفہ مقرر کر دیتے ہیں۔

پھر انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے لئے ہر روز آدھی بکری اور سر اور پیٹ ڈھانپنے کا لباس مقرر کیا۔

(طبقات الکبریٰ: ج:3، ص:184 دار صادر بیروت)

صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ عرفہ بن نہیک تمیمی کھڑے ہوئے۔

اور عرض کی

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اور میرے اہل بیت کو شکار کرنے سے رزق ملتا ہے اور اس میں ہمارے لئے رزق کا حصہ اور برکت ہے لیکن اس کی مشغولیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا ذکر اور نماز کی جماعت رہ جاتی ہے اور ہمیں اس شکار کی احتیاج ہے۔ آیا یہ ہمارے لئے حلال ہے یا حرام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کر دیا ہے۔ اور یہ بہت خوب عمل اور اللہ تعالیٰ بہت عذر قبول کرنے والا ہے اور مجھ سے پہلے اللہ عزوجل کے رسول تھے جو سب شکار کرتے تھے اور شکار طلب کرتے تھے اور جب تم رزق کی طلب کی وجہ سے با جماعت نماز نہ پڑھ سکو (تو اس کی تلافی کے لئے) با جماعت نماز پڑھنے والوں سے تمہاری محبت اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں سے تمہاری محبت کافی ہے۔ تم اپنے لئے اور اپنے بال بچوں کے لئے رزق حلال کو طلب کرو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد ہے اور یاد رکھو کہ نیک تجارت میں اللہ تعالیٰ کی مدد ہوتی ہے۔

(معجم الکبیر: رقم الحدیث:7342)

اس حدیث مبارکہ میں نماز کو ترک کرنے کا کہا گیا ہے۔

اس میں جس قدر مقدار میں رزق کا حصول ناگزیر ہو اس کے لئے جماعت کو ترک کرنا جائز ہے اور اگر مال کی کثرت کے لئے اور دنیا جمع کرنے کی وجہ سے نمازوں کی جماعت کو ترک کرتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت سے نماز پڑھنے کی بہت تاکید فرمائی ہے حتیٰ کہ میدان جہاد میں بھی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا لازم ہے۔

حضرت کعب بن عجزہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص گزرا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام علیہم الرضوان نے اس کی قوت اور اطمینان کو دیکھ کر کہا!

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کاش یہ شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہوتا۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر یہ شخص اپنے چھوٹے بچوں کے لئے کسب معاش کر رہا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے اور اگر یہ اپنے بوڑھے ماں باپ کے لئے کسب معاش کر رہا ہے تو بھی یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے اور اگر یہ اپنے آپ کو سوال کرنے سے روکنے کے لئے کسب معاش کر رہا ہے تو بھی یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے اور اگر یہ دکھاوے اور فخر کے لئے نکلا ہے تو پھر یہ شیطان کے راستے میں ہے۔

(معجم الکبیر: ج:19، ص:129، رقم الحدیث:282)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بعض گناہ ایسے ہیں جن کا کفارہ نماز، روزے، حج اور عمرہ سے نہیں ہوتا۔

مسلمانوں نے پوچھا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پھر ان گناہوں کا کفارہ کس چیز سے ہوتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

طلب معاش کی فکر اور پریشانی سے۔

(معجم الاوسط: رقم الحدیث:102)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

زمین کے گوشے گوشے سے رزق کو طلب کرو

امام بیہقی نے کہا:

اس سے مراد زمین میں کھیتی باڑی کرنا ہے۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث:1233)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ اس مومن سے محبت کرتا ہے جو کوئی جائز پیشہ کرتا ہو۔

(معجم الکبیر: رقم الحدیث:1320)

نافع بیان کرتے ہیں کہ

میں شام کی طرف اور مصر کی طرف سامان تجارت لے کر جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس میں بہت اچھا اور بہت زیادہ رزق عطا فرمایا تھا پھر ایک بار عراق کی طرف سامان تجارت لے گیا تو اصل میں پونجی بھی کھو بیٹھا۔

پھر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا۔

تو انہوں نے فرمایا:

اے میرے بیٹے! اپنی تجارت کو لازم رکھو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تمہارے لئے رزق کا کوئی دروازہ کھول دیا جائے تو اسی پر لازم رہو۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث:1243)

میں نے ان احادیث مبارکہ کو اس لئے جمع کیا ہے کہ رزق حلال حاصل کرنا انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت اور ہمیں بھی اس کی ترغیب حاصل ہو۔

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا معجزات سے متصف ہونا

تمام انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے معجزات عطا فرمائے تھے اور انبیاء کرام علیہم السلام ان معجزات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا یقین دلاتے تھے۔ قرآن مجید میں انبیاء کرام علیہم السلام کو معجزات عطا فرمانے پر صراحتاً آیت کریمہ موجود ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ (الاعراف: 101)

بے شک ان بستیوں والوں کے پاس ان کے رسول واضح معجزات لے کر آئے ہیں پس وہ ان پر ایمان لانے کے لئے بالکل تیار نہ ہوئے کیونکہ اس سے پہلے وہ ان کی تکذیب کر چکے تھے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کو واضح معجزات عطا فرمائے تھے۔ اگرچہ ذکر صرف حضرت صالح علیہ السلام کے اسی معجزہ کا کیا ہے کہ انہوں نے ایک پتھر کی چٹان سے اونٹنی نکالی اور اس آیت سے اشارۃً یہ معلوم

ہوا اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو معجزہ دے کر بھیجا کیونکہ اگر نبی کے پاس معجزہ نہ ہوتو وہ کسی بنیاد پر اپنی رسالت کو ثابت کرے گا اور اگر نبی کے پاس معجزہ نہ ہوتو نبی صادق اور نبی کاذب میں امتیاز کا کوئی ذریعہ نہیں رہے گا۔

علاوہ ازیں اس حدیث میں اس پر بھی دلیل ہے کہ ہر نبی کو معجزہ عطا فرمایا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہر نبی کو اس قدر معجزات دیئے گئے ہیں جن کی وجہ سے ایک بشر ان پر ایمان لے آئے اور مجھے وحی عطا کی گئی جو اللہ عزوجل نے مجھ پر نازل فرمائی۔ پس مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے متبعین تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ ہوں گے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 4981).

اس حدیث کا یہ معنی ہے کہ

ہر نبی کو اتنے معجزات دیئے گئے جن کی وجہ سے کوئی بشر ایمان لا سکے اور مجھے قرآن مجید دیا گیا ہے جس کی مثل کسی کو نہیں دیا گیا۔

اس لئے ارشاد فرمایا

میرے متبعین سب سے زیادہ ہوں گے۔

اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ

مجھے معجزہ دیا گیا ہے اس پر جادو یا شعبدہ وغیرہ کا گمان نہیں کیا جا سکتا جبکہ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات کے متعلق ہی گمان کیا جا سکتا ہے۔

اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ

انبیاء سابقین علیہم السلام کے معجزات ان کے زمانوں کے ساتھ گزر گئے اور ان کے زمانوں میں بھی ان معجزات کا مشاہدہ صرف ان لوگوں نے کیا تھا جو اس موقع پر موجود تھے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ قرآن مجید ہے جو قیامت تک باقی رہے گا اور اس میں جو فصاحت اور بلاغت ہے اور غیب کی خبریں ہیں اس کی نظیر لانے سے بلکہ اس کی ایک سورت کی بھی نظیر لانے سے تمام جن اور انس اجتماعی اور انفرادی طور پر ناکام اور عاجز رہے اور علم کی روز افزوں ترقی اور مخالفین کی کثرت کے باوجود اب تک عاجز ہیں۔ قرآن مجید کی پیش گوئیوں کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا اور قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ اس میں کمی اور زیادتی نہیں ہو سکتی اور کوئی شخص اس میں کمی اور زیادتی ثابت نہیں کر سکتا اور کوئی شخص اس میں کمی اور بیشی ثابت نہیں کر سکا۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر قیامت تک ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی نبی کی نبوت پر کوئی دلیل یا معجزہ قائم نہیں ہے۔

معجزہ کی تعریفات

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی حنفی متوفی 816ھ لکھتے ہیں

وہ کام جو اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ کے خلاف ہو اور خیر اور سعادت کی دعوت دیتا ہو اور اس کام کو پیش کرنے والا نبوت کا مدعی ہو اور اس خلاف عادت کام سے اس کے اس دعویٰ کے صدق کے اظہار کا قصد کیا گیا ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے اس خلاف عادت کام کو معجزہ کہتے ہیں۔ (کتاب التعریفات: ص:153 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ کمال الدین حنفی کا معجزہ کی تعریف پر قول

علامہ کمال الدین عبد الواحد بن ہمام حنفی متوفی 861ھ لکھتے ہیں

معجزہ اس خلاف عادت کام کو کہتے ہیں جو دعویٰ نبوت سے مقرون ہو اور اس سے نبوت کے مدعی کا صدق ظاہر ہو۔

(المسامرہ: ص:213 مطبوعہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ بلوچستان)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی کا معجزہ کی تعریف پر قول

علامہ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی شافعی متوفی 450ھ لکھتے ہیں:

معجزہ اس فعل کو کہتے ہیں جو عام بشر کی عادت اور اس کی طاقت کے خلاف ہو اور وہ فعل حقیقتاً صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت سے صادر ہوا ہو اور بہ ظاہر وہ مدعی نبوت سے صادر ہوا ہو۔

(اعلام النبوۃ: ص:42 مطبوعہ دار احیاء العلوم بیروت)

علامہ سعد الدین تفتازانی کا معجزہ کی تعریف پر قول

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی 793ھ لکھتے ہیں:

معجزہ وہ کام ہے جو خلاف عادت ہو اور اس کے ساتھ اس کے معارضہ کا چیلنج مقرون ہو اور اس کا معارضہ نہ کیا جا سکے۔

ایک قول یہ ہے:

معجزہ وہ امر ہے جس سے نبوت و رسالت کے مدعی کے صدق کا اظہار کا قصد کیا گیا ہو۔

اور بعض نے اس میں یہ قید بھی لگائی ہے کہ

وہ امر اس کے دعویٰ کے موافق ہو۔

اور بعض نے یہ قید بھی لگائی ہے کہ

وہ امر زمانہ تکلیف کے مقارن ہو کیونکہ ایام تکلیف کے ختم ہونے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ کے خلاف امور ظہور ہوگا لیکن ان سے تصدیق کا قصد [illegible]

معجزہ کی شرائط

علامہ احمد بن محمد القسطلانی متوفی 923ھ لکھتے ہیں:

معجزہ وہ کام ہے جو خلاف عادت ہو اور معارضہ کے چیلنج کے ساتھ مقرون ہو اور انبیاء کرام علیہم السلام کے صدق پر دلالت کرتا ہو۔ اس کو معجزہ اس لئے کہتے ہیں کہ بشر اس کی مثال لانے سے عاجز ہے۔ اس کی حسب ذیل شرائط ہیں۔

(1) معجزہ وہ کام ہونا چاہیئے جو خلاف عادت ہو۔

جیسے

چاند کا دو ٹکڑے ہونا

انگلیوں سے پانی کا پھوٹ پڑنا

لاٹھی کا عصا بن جانا

پتھر سے اونٹنی کا نکالنا

اس قید سے وہ کام خارج ہو گئے جو عادت کے مطابق ہوں۔

(2) اس فعل کے معارضہ اور مقابلہ کو طلب کیا جائے

اور بعض نے کہا:

اس فعل کے ساتھ رسالت کا دعویٰ مقرون ہو

(3) مدعی رسالت نے جس فعل کو صادر کیا ہے کوئی شخص اس فعل کی مثل نہ لا سکے۔

اور بعض نے کہا:

معارضہ سے مامون ہونے کے ساتھ دعویٰ رسالت ہو۔

اس قید سے وہ امور خلاف عادت نکل گئے جو دعوئ نبوت سے پہلے صادر ہوں۔

جیسے

اعلان نبوت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بادل کا سایہ کرنا

اور شق صدر وغیرہ ہونا

ان کو ارھاص کہتے ہیں۔

اسی طرح اس قید سے اولیاء اللہ کی کرامات بھی خارج ہو گئیں کیونکہ ان کے ساتھ دعویٰ نبوت مقرون نہیں ہوتا۔

قاضی ابو بکر نے کہا ہے:

معجزہ کی تعریف میں جو تحدی کی شرط لگائی گئی ہے یعنی اس فعل کے معارضہ اور مقابلہ کو طلب کیا جائے اس کی دلیل کتاب

میں ہے نہ سنت میں نہ اس پر اجماع ہے اور بے شمار معجزات ایسے ہیں جن کی صدور میں معارضہ اور مقابلہ کو طلب نہیں کیا جاتا۔

مثلاً

(1) کنکریوں کا کلمہ پڑھنا

(2) انگلیوں سے پانی کا پھوٹ پڑنا

(3) ایک صاع (چار کلو گرام) طعام سے دو سو آدمیوں کو پیٹ بھر کر کھلا دینا

(4) آنکھ میں لعاب دہن ڈالنا

(5) بکری کے گوشت کا کلام کرنا

(6) اونٹ کا شکایت کرنا

اور بڑے بڑے معجزات

اور تحقیق یہ ہے کہ

سوائے قرآن مجید کے اور کسی معجزہ میں تحدی نہیں کی گئی۔

(4) چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ فعل مدعی نبوت کے دعویٰ کے موافق ہو۔ اگر وہ خلاف عادت فعل مدعی نبوت کے خلاف ہو تو وہ معجزہ نہیں ہوگا بلکہ وہ اہانت ہوگی۔

واضح رہے کہ قرآن وحدیث میں معجزہ کا لفظ استعمال نہیں بلکہ معجزہ کے لئے آیات بینہ اور برہان کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

(1) اِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ (الانعام: 124)

(2) لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ (الاعراف: 101)

(3) فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ (القصص: 32)

(المواہب اللدنیہ ج:2، ص:191 تا 194 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

کیا معجزات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اختیار میں ہیں

معجزات انبیاء کرام علیہم السلام کے اختیار میں ہونے پر محدثین، فقہاء اور متکلمین کے کثیر دلائل ہیں لیکن اختصار کے ساتھ حوالہ جات پیش کئے جاتے ہیں۔

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی کا قول

ایک قوم نے معجزہ میں یہ شرط لگائی ہے کہ وہ نبی کی قدرت میں نہ ہو کیونکہ اگر معجزہ نبی کا مقدور ہوگا۔

جیسے

اس کا ہوا کی طرف چڑھنا اور پانی پر چلنا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تصدیق کے قائم مقام نہیں ہوگا اور یہ اعتراض کچھ

وزن نہیں رکھتا کیونکہ جب نبی اس فعل پر قادر ہوگا اور دوسرا شخص اس پر قادر نہیں ہوگا تو وہ فعل معجزہ ہوگا۔

علامہ آمدی نے کہا:

آیا معجزہ نبی کی قدرت میں ہے یا نہیں؟

اس میں اختلاف ہے۔

بعض آئمہ نے یہ کہا

ہوا کی طرف چڑھنے اور پانی پر چلنے میں محض چڑھنا یا چلنا معجزہ نہیں ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مقدور ہے اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس پر قدرت پیدا کر دے۔اس مثال میں جو چیز معجزہ ہے وہ اس مثال میں نفس قدرت ہے اور یہ قدرت نبی کا مقدور نہیں ہے۔(کیونکہ یہ قدرت اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہوتی ہے)

اور بعض آئمہ نے کہا:

اس مثال میں ہوا کی طرف چڑھنا یا پانی پر چلنا ہی معجزہ ہے کیونکہ یہ فعل مخالف عادت ہے اور یہ فعل اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

(شرح المواقف ج:8،ص:223 تا 224 مطبوعہ ایران)

علامہ عبدالرحمٰن بن محمد الانباری کا قول

علامہ عبدالرحمٰن بن محمد الانباری المتوفی 577ھ لکھتے ہیں

معجزہ میں شرط یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہو کیونکہ معجزہ اس حیثیت سے دلالت کرتا ہے وہ مدعی نبوت کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے تصدیق ہے۔اگر معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل نہ ہو تو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے مدعی نبوت کی تصدیق کی ہے۔

(کتاب الداعی الی الاسلام ص 281:مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ)

علامہ عبدالحلیم سیالکوٹی کا قول

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی متوفی 1067ھ اس قول کے زیادہ صحیح ہونے کی وجہ بیان کرتے ہیں۔

کیونکہ مقصود یہ ہے کہ

دوسرے اس فعل سے عاجز ہوں اور اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ہو جائے گی اور یہی مقصود ہے۔

نیز لکھتے ہیں:

جو اس کے قائل ہیں کہ معجزہ نبی کی قدرت میں نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ نفس قدرت معجز ہے اور یہ نبی کا مقدور نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

ہم نفس قدرت کو معجزہ نہیں کہتے بلکہ اس خاص فعل کو معجزہ کہتے ہیں اور اس خاص فعل پر نبی قادر ہے اور اس کا غیر قادر نہیں

ہے اور معجزہ سے یہی مقصود ہے۔

(حاشیہ سیالکوٹی علی شرح المواقف: ج:8،ص:224 مطبوعہ ایران)

امام محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 505ھ لکھتے ہیں:

نبی کو فی نفسہ ایک ایسی صفت حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کے خلاف عادت افعال (معجزات) پورے ہوتے ہیں جس طرح ہماری ایک صفت ہے جس کی وجہ سے ہماری حرکات قدرت اور اختیار سے ہوتی ہے اگر چہ قدرت اور مقدور دونوں اللہ تعالیٰ کا فعل ہیں۔

(احیاء العلوم: ج:5،ص:53 مطبوعہ دار الخیر بیروت)

علامہ محمد بن احمد سفارینی کا قول

علامہ محمد بن احمد سفارینی حنبلی متوفی 1188ھ لکھتے ہیں:

شیخ ابن تیمیہ نے کہا:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جو معجزات، قدرت، فعل اور تاثیر سے متعلق ہیں۔

ان کے حسب ذیل انواع ہیں۔

(1)

بعض معجزات عالم علوی میں ہیں۔

جیسے

(1) چاند کا دو ٹکڑے ہونا

(2) آسمان کا آگ کے گولوں سے محفوظ رہنا۔

(3) اور آسمان کی طرف معراج

(2) بعض فضا میں ہیں

جیسے

استسقاء اور استصحاء (بارش کا طلب کرنا اور بادلوں کا چھٹنا) میں بادلوں کا آنے اور جانے میں آپ کی اطاعت کرنا

(3) انسانوں، جنات اور حیوانوں میں آپ کا تصرف کرنا

(4) درختوں، لکڑیوں اور پتھروں میں آپ کا تصرف کرنا

(5) آسمان کے فرشتوں میں آپ کا [illegible]

(6) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا قبول ہونا

(7) ماضی اور مستقبل کے غیوب کی خبر دینا

(8) کھانے پینے کی چیزوں اور پھلوں کا زیادہ ہو جانا۔ ان کے علاوہ اور کئی انواع کے معجزات ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کے دلائل اور علامات ہیں۔

(لوامع الانوار الالہیہ: ج:2، ص:293 تا 294 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

علامہ سعد الدین تفتازانی کا قول

علامہ سعد الدین تفتازانی متوفی 793ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

ہم بیان کر چکے ہیں کہ ہر چیز کو جود میں لانے والا صرف اللہ وحدہ لاشریک ہے۔

خصوصاً مردوں کو زندہ کرنے،

لاٹھی کو سانپ بنانے

چاند کو شق کرنے

اور پتھر کے سلام کرنے میں

علاوہ ازیں حکیم قادر مختار نے انبیاء کرام علیہم السلام کو معجزات صادر کرنے کے لئے جو قدرت اور اختیار عطا کیا ہے وہ مطلوب کی افادیت میں کافی ہے۔

اسی وجہ سے

معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ

معجزہ یا اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے یا اس کے حکم سے واقع ہوتا ہے یا اس کے قدرت اور اختیار دینے کی وجہ سے واقع ہوتا ہے۔

(شرح المقاصد: ج:5، ص:17 مطبوعہ ایران)

حافظ ابن حجر عسقلانی کا قول

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی 852ھ نے بھی امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے استدلال کیا ہے۔

(فتح الباری: ج:12، ص:367 مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

معجزات پر انبیاء کرام علیہم السلام کے اختیار میں احادیث مبارکہ سے دلائل

معجزات پر انبیاء کرام علیہم السلام کے کئی اقوال، افعال ہیں مگر اختصار کے ساتھ چند حوالہ جات عرض کرتا ہوں۔

انسانوں پر تصرف کے متعلق یہ حدیث ہے

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ تبوک کے لئے جا رہے تھے تو اثناء سفر میں ہم نے ایک سفید پوش کو ریگستان میں آتے ہوئے دیکھا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ابو خیثمہ ہو جا تو وہ ابو خیثمہ ہو گیا۔
(صحیح مسلم: توبہ: 53(2769))
علامہ نووی لکھتے ہیں کہ
قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:
کن یہاں تحقیق اور وجود کے لئے ہے یعنی اے شخص تجھے چاہئے کہ تو حقیقتاً ابو خیثمہ ہو جا۔
علامہ نووی فرماتے ہیں کہ
قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا ہے وہ صحیح ہے۔
(صحیح مسلم شرح النووی ج: 1، ص: 6910 مطبوعہ مکتبہ الباز مکہ مکرمہ)
درختوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف کے متعلق یہ احادیث مبارکہ ہیں۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا
اور کہنے لگا
کس طرح پہچانوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اگر میں کھجور کے خوشہ کو درخت سے بلاؤں تو تم گواہی دو گے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلایا تو کھجوروں کا وہ خوشہ درخت سے اترا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر گر گیا۔
پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
لوٹ جاؤ تو وہ لوٹ گیا پھر وہ اعرابی مسلمان ہو گیا۔
(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 3648)
ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:
حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
مسجد کی چھت کھجور کے شہتیروں پر بنائی گئی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ایک شہتیر سے ٹیک لگا کر خطبہ

دیتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر بنایا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بیٹھ گئے تو ہم نے اس شہتیر کے رونے کی آواز سنی جس طرح اونٹنی اپنے بچے کے فراق میں روتی ہے۔ حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ہاتھ رکھا تو وہ پرسکون ہو گیا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3585)

جنات اور شیاطین پر تصرف کے متعلق یہ حدیث مبارکہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

گزشتہ رات ایک بہت زبردست جن نے مجھ پر حملہ کرنا چاہا تا کہ میری نماز خراب کرے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قدرت دی اور میں نے اس کو دھمکایا۔ میں نے ارادہ کیا کہ اس کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون کے ساتھ باندھ دوں حتیٰ کہ تم سب اس کو دیکھو پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان (علیہ السلام) کی یہ دعا یاد آئی۔

اے اللہ عزوجل مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کو سزاوار نہ ہو۔ (ص: 35) پھر اللہ عزوجل نے اس کو ناکام لوٹا دیا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 461)

انبیاء کرام علیہم السلام کے اختیار میں معجزات ہونے پر ایک اشکال کا جواب

معجزات پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت نہ ہونے پر بعض علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتٰبٌ ۝ (الرعد: 38)

کسی رسول کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ کوئی نشانی لے آئے مگر اللہ عزوجل کے اذن سے ہر وعدہ کے لئے ایک نوشتہ تقدیر ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اس آیت کریمہ میں نشانی (آیت) سے مراد کفار کے فرمائشی معجزات ہیں اور اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ تم جن معجزات کی فرمائش کرتے ہو وہ میں اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر پیش نہیں کر سکتا۔ اس آیت میں یہ نہیں فرمایا: کوئی نبی اللہ کی دی ہوئی طاقت اور قدرت سے بھی کوئی معجزہ پیش نہیں کر سکتا اور اللہ تعالیٰ جب معجزات پر قدرت عطا فرماتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا اذن ہی ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں تصریح ہے کہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اذن سے مادرزاد اندھوں اور برص کے مریضوں کو تندرست کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے اذن

سے مردوں کو زندہ کرتے تھے۔

علامہ نووی شافعی متوفی 676ھ اور علامہ محمود بن احمد عینی حنفی متوفی (855ھ) نے حدیث جریج کی شرح میں لکھا ہے کہ بعض اوقات اولیاء اللہ کی کرامات ان کی طلب اور ان کے اختیار سے واقع ہوتی ہے اور یہی صحیح مذہب ہے۔

(شرح صحیح مسلم: ج:2، ص:314 مطبوعہ کراچی)

یہ تو انبیاء کرام علیہم السلام کے غلاموں کا عالم ہے تو پھر خود انبیاء کرام علیہم السلام کا کیا عالم ہوگا اور ان کے معجزات کس قدر اختیار میں ہیں۔ سب پر عیاں ہے۔

معجزات کے صدور میں علماء دیو بند کا موقف

علماء دیو بند کے نزدیک صرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہے ظاہراً اور حقیقتاً نبی کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ خلق کے لحاظ سے نہ کسب کے لحاظ سے اور نبی سے معجزہ کا صدور ایسے ہے جیسے کاتب کے علم سے لکھنے کا صدور ہو۔

جیسے قلم بے اختیار ہوتا ہے ایسے ہی نبی بے اختیار ہوتا ہے۔

شیخ رشید احمد گنگوہی کا موقف

شیخ رشید احمد گنگوہی متوفی 1323ھ لکھتے ہیں:

بعض افعال خاصہ الٰہیہ بعض اوقات فرشتوں اور نبیوں میں ظاہر ہوتے ہیں اور ان افعال کے وقوع میں ان کی کوئی قوت، اختیار، قدرت اور اقتدار نہیں ہوتا لہٰذا ان افعال کو کھانے اور پہننے کی طرح افعال اختیاریہ اور اعمال مقدور میں سے شمار نہیں کرنا چاہئے اور ان کی مثال کاتب اور قلم کی سی ہے جس طرح لکھنے میں قلم کی کوئی قدرت اور اختیار نہیں ہے اسی طرح ان افعال کے صدور میں نبیوں کا بھی کوئی اختیار نہیں ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ کامل: ص:173 ملخصاً مطبوعہ کراچی)

مولانا حیدر علی ٹونکی نے اپنی بعض تصنیفات میں لکھا ہے۔

اور وہ جو عوام کا گمان ہے کہ کرامت اولیاء کا خود اپنا فعل ہوتا ہے یہ باطل ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جس کو وہ ولی کے ہاتھ پر اس کی تکریم اور تعظیم کے لئے ظاہر فرماتا ہے اور ولی کا اور نہ ہی نبی کا اس کے صدور میں اختیار ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ و تقدس کے افعال میں کسی کا اختیار نہیں ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ کامل: ص:175، مطبوعہ کراچی)

بلکہ یہ اس پر مبنی ہے کہ معجزہ نبی کا فعل نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کا فعل ہے جس کو اس نے نبی کے ہاتھ پر ظاہر فرمایا ہے اس کے برخلاف دوسرے افعال میں ان افعال کا خلق خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور معجزہ میں بندہ کا کسب بھی نہیں ہوتا۔

پس اس آیت کا معنی یہ ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الانفال: 17)

آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی جبکہ آپ نے صورتاً خاک کی مٹھی پھینکی تھی لیکن وہ خاک کی مٹھی حقیقتاً اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی۔

اور یہ معنی بھی مراد نہیں ہے کہ

آپ نے خاک کی مٹھی خلقاً نہیں پھینکی جبکہ آپ نے خاک کی مٹھی کسباً پھینکی تھی اس لئے کہ یہ بھی تمام افعال میں جاری ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ کامل: ص: 176 مطبوعہ کراچی)

سوافعال اختیاریہ میں عادتاً تصرف ہوتا ہے ظاہراً اور فعل حق تعالیٰ کا مخفی ہے اور معجزات وتصرفات میں ظاہر بھی عجز ہے مثل قلم کے۔

(فتاویٰ رشیدیہ کامل: ص: 177 مطبوعہ کراچی)

معجزات کے صدور میں علماء اہل سنت کا موقف

اس مسئلہ میں ہمارا موقف یہ ہے کہ

معجزات اور کرامات ہوں یا عام افعال، تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ عام افعال عادیہ میں جس طرح عام مسلمانوں کا کسب اور اختیار رہتا ہے اور ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اسی طرح معجزات اور کرامات میں کسب اور اختیار انبیاء کرام علیہم السلام و اولیاء کرام کا ہوتا ہے اور ان افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ جیسا کہ ہم نے امام غزالی اور حافظ ابن حجر عسقلانی سے صراحتاً نقل کیا ہے اور شیخ ابن تیمیہ، علامہ نووی، علامہ عینی علامہ تفتازانی اور علامہ میر سید شریف جرجانی ایسے محدثین، فقہاء کرام اور متکلمین کا بھی یہی نظریہ ہے۔ البتہ بعض معجزات اور کرامات جوان کے حاملین سے متصف اور مباشر نہیں ہوتے ان کے صدور میں انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام کا مطلقاً دخل نہیں ہوتا۔ خلقاً نہ کسباً

جیسے قرآن مجید کا نزول،

مردوں کو زندہ کرنا

چاند کا شق ہونا وغیرہ

شیخ رشید احمد گنگوہی نے اپنے موقف کے ثبوت میں لکھا ہے کہ

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ

کا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلقاً خاک کی مٹھی نہیں پھینکی جبکہ آپ نے کسباً خاک کی مٹھی پھینکی تھی لیکن

اہل سنت کے معتمد اور مستند مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ آپ نے خاک کی مٹھی خلقاً نہیں پھینکی جبکہ آپ

خاک کی مٹھی کسباً پھینکی تھی۔ان عبارات کو نقل کرنے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ اس آیت کا شان نزول اور پس منظر بیان کر دیں۔

امام حسین بن محمد فرا البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

مفسرین نے بیان کیا ہے کہ

جب جنگ بدر کے دن مسلمانوں اور کافروں کے لشکر بالمقابل ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خاک آلود کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر کفار کے چہروں پر ماری۔

اور فرمایا

ان کے چہرے قبیح ہو جائیں تو ہر کافر کی آنکھوں یا منہ نتھنوں میں اس میں سے کچھ نہ کچھ گر گیا اور اس کے بعد کافروں کو سکت ہوگئی۔

(معالم التنزیل:ج:2،ص:200 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

واضح رہے کہ مفسرین نے لکھا ہے کہ

خاک کی مٹھی کفار کے چہروں پر مارنے کا واقعہ جنگ بدر میں پیش آیا تھا لیکن یہ احادیث میں ہے کہ یہ واقعہ غزوہ حنین میں پیش آیا تھا۔

(صحیح مسلم: مغازی: 4539:81)

بہر حال خاک کی مٹھی ایک ہزار کافروں کے منہ پر ماری جائے اور وہ خاک ہر کافر کی آنکھوں اور منہ میں چلی جائے۔یہ فعل خرق عادت اور معجزہ ہے تو اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الانفال: 17)

اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں ماری جب آپ نے ماری تھی لیکن اللہ نے وہ مٹھی ماری تھی۔

شیخ رشید احمد گنگوہی نے لکھا ہے

اس میں خلق اور کسب دونوں کی نفی ہے اور یہ معنی نہیں ہے کہ خاک کی مٹھی آپ نے خلقاً نہیں ماری۔جب آپ نے وہ مٹھی کسباً ماری تھی تا کہ معجزہ میں نبی کا کسب ثابت ہو لیکن اس کے برخلاف اہل سنت کے مستند اور معتمد مفسرین نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے کہ خاک کی مٹھی آپ نے خلقاً نہیں ماری جبکہ آپ نے وہ مٹھی کسباً ماری تھی اور معجزہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کسب اور اختیار ثابت کیا ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاک کی مٹھی مارنے کو ثابت بھی کیا ہے اور آپ سے اس کی نفی بھی کی

ہے۔اس لئے اس معنی پر حمل کرنا واجب ہے جبکہ آپ نے خاک کی مٹھی خلقاً نہیں ماری اور کسباً ماری تھی۔

(تفسیر کبیر: ج:5،ص:466 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ نے بھی امام رازی کی اس عبارت کو نقل کر کے اس سے بندوں کے کسب کرنے پر استدلال کیا ہے۔

(روح المعانی ج:9،ص:185)

اس کے بعد مزید لکھتے ہیں:

میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو خاک کی مٹھی کو پھینکنا ثابت کیا گیا ہے اس سے مراد وہی مخصوص پھینکنا ہو جس نے عقلوں کو حیران کر دیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کا اثبات حقیقتاً ہو کہ آپ نے یہ فعل اس قدرت سے کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی تھی اور وہ قدرت اللہ تعالٰی کے اذن سے موثر تھی لیکن چونکہ عام انسانوں کی قدرت سے اس قسم کا اثر واقع نہیں ہو سکتا۔اس لئے اللہ تعالٰی نے اس فعل کی آپ سے نفی کی اور اس کو اپنے لئے ثابت فرمایا۔

(روح المعانی: ج:9،ص:186 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی 710ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ بیان ہے کہ بندہ کا فعل بندہ کی طرف کسباً منسوب ہوتا ہے اور اللہ تعالٰی کی طرف خلقاً منسوب ہوتا ہے۔

(مدارک علی ہامش الخازن ج:2،ص:185 مطبوعہ پشاور)

علامہ احمد شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی 1069ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے خلقاً وہ مٹھی نہیں پھینکی جب آپ نے کسباً وہ مٹھی پھینکی تھی۔

(عنایۃ القاضی علی البیضاوی ج:4،ص:261 مطبوعہ دار صادر بیروت)

علامہ سلیمان بن عمر المعروف بالجمل متوفی 1204ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فعل کی نفی باعتبار ایجاد کے حقیقتاً ہے اور آپ کے لئے فعل کا اثبات باعتبار کسب ہے۔

(الفتوحات الالٰہیہ ج:2،ص:235 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

ان کثیر حوالہ جات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ

انبیاء کرام علیہم السلام سے بہ اعتبار کسب کے معجزات صادر ہوتے ہیں اور ان کو خلق اللہ تعالٰی کرتا ہے اور وہ اللہ تعالٰی کی دی ہوئی قدرت اور اس کے اذن سے ان معجزات کو صادر کرتے ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دینا

انبیاء کرام علیہم السلام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دینے پر یہ حدیث مبارکہ دلالت کرتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک دن ایک یہودی اپنا کچھ سامان بیچ رہا تھا اس کو اس سامان کے عوض جو قیمت دی گئی اس کو اس نے ناپسند کیا۔

اور کہا

نہیں! اسی ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی۔ ایک انصاری نے یہ سنا تو اس کے منہ پر ایک طمانچہ مارا۔

اور کہا

تو یہ کہتا ہے کہ اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی حالانکہ ہمارے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں وہ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا۔

اور عرض کیا

یا ابا القاسم (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرے لئے ذمہ اور عہد ہے (یعنی میں ذمی ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ میری حفاظت ہے) اور فلاں شخص نے میرے منہ پر طمانچہ مارا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے پوچھا

تم نے اس کے منہ پر طمانچہ کیوں مارا ہے؟

اس نے عرض کی

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس نے کہا تھا اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی ہے! حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود ہیں۔

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہوئے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس سے غضب ظاہر ہو رہا تھا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان فضیلت مت دو۔

ایک روایت میں ہے۔

مجھے انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان فضیلت مت دو۔ (صحیح بخاری: رقم الحدیث: 4638)

کیونکہ صور میں پھونکا جائے گا تو آسمان اور زمین میں سب بے ہوش ہو جائیں گے سوا ان کے جن کو اللہ تعالیٰ چاہے گا پھر دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو سب سے پہلے مجھے اٹھایا جائے گا تو اس وقت موسیٰ علیہ السلام عرش کو پکڑے ہوئے ہوں گے۔ پس (از خود) نہیں جانتا کہ طور کے دن کی بے ہوشی میں ان کا شمار کر لیا گیا یا ان کو مجھ سے پہلے اٹھایا گیا تھا اور میں یہ نہیں کہتا کہ کوئی شخص یونس بن متی علیہ السلام سے افضل ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3414)

اعتراض

اسی حدیث مبارکہ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بالاتفاق تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور مرسلین سے افضل ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیسے فرمایا

مجھے انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان فضیلت مت دو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا یہ معنی ہے کہ نفس نبوت میں کسی نبی کو دوسرے نبی پر فضیلت مت دو کیونکہ نفس نبوت میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرہ: 285)

ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی ایک کے درمیان بھی فرق نہیں کرتے۔

اور اس ارشاد کا یہ معنی نہیں ہے کہ مراتب اور درجات کے لحاظ سے کسی رسول کو دوسرے پر فضیلت مت دو کیونکہ قرآن مجید سے یہ ثابت ہے کہ بعض رسولوں سے افضل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ (البقرہ: 253)

یہ سب رسول، ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے ان میں سے کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور ان میں سے کسی کو درجات پر بلندی عطا فرمائی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس پر مطلع نہیں فرمایا تھا کہ اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء کرام و مرسلین عظام علیہم السلام پر فضیلت دے دی اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس افضلیت پر مطلع فرما دیا تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام و مرسلین عظام علیہم السلام سے افضل ہیں۔

جیسا کہ حسب ذیل احادیث مبارکہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں سب سے پہلے جنت کی شفاعت کرنے والا ہوں، جتنی زیادہ میری تصدیق کی گئی ہے اتنی کسی نبی کی تصدیق نہیں کی گئی اور بعض نبی ایسے تھے کہ ان کی امت میں سے صرف ایک شخص نے ان کی تصدیق کی تھی۔

(صحیح مسلم: الایمان: حدیث: 332)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قیامت کے دن میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور کوئی فخر نہیں اور میرے ہی ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور کوئی فخر نہیں اور اس دن ہر نبی میرے جھنڈے کے نیچے ہوگا خواہ وہ آدم ہوں یا ان کے علاوہ اور سب سے پہلے جس سے زمین پھٹے گی وہ میں ہوں اور کوئی فخر نہیں۔

(سنن الترمذی: تفسیر سورہ بنی اسرائیل: رقم الحدیث: 3148)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام علیہم الرضوان بیٹھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجرے سے نکلے اور ان کی باتیں سننے لگے۔

بعض صحابہ کرام علیہم الرضوان نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا

دوسرے نے کہا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا

ایک اور نے کہا:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلمہ اور اس کی روح ہیں

کسی نے کہا:

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے منتخب کر لیا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے

اور ارشاد فرمایا

میں نے تمہاری باتیں سن لیں۔

تم نے کہا:

ابراہیم (علیہ السلام) خلیل ہیں وہ ایسے ہی ہیں

تم نے کہا:
موسیٰ (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کے کلیم ہیں، وہ ایسے ہی ہیں۔
تم نے کہا:
عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کا کلمہ اور روح ہیں، وہ ایسے ہی ہیں۔
تم نے کہا:
آدم (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کے صفی ہیں، وہ ایسے ہی ہیں۔
سنو!
میں اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوں اور فخر نہیں اور میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں گا اور فخر نہیں اور میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا تو اللہ تعالیٰ اس کو میرے لئے کھول دے گا اور میرے ساتھ فقراء مومنین داخل ہوں گے اور فخر نہیں اور میں اوّلین اور آخرین میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے عزت والا ہوں اور کوئی فخر نہیں۔

(مشکوٰۃ: رقم الحدیث: 5763)

تیسرا جواب یہ ہے کہ
ہر چند کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الانبیاء ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تواضعا اور ادباً انبیاء کرام علیہم السلام پر خود کو فضیلت دینے سے منع فرمایا لیکن اس جواب پر اشکال یہ ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو ملائمت سے منع فرماتے۔
جبکہ اس حدیث مبارکہ میں ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سخت غضبناک ہوئے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے آثار غضب ظاہر ہوئے اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ فضیلت دینا صرف نامناسب نہیں بلکہ حرام تھا۔
چوتھا جواب یہ ہے کہ
مجھے دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام پر اس طرح فضیلت مت دو جو دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام میں نقص کے موجب یا موہم ہو۔
پانچواں جواب یہ ہے کہ
مجھے دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام پر اس طریقہ سے فضیلت مت دو جو کسی لڑائی جھگڑے کا موجب ہو جیسا کہ اس واقعہ میں ہے۔
چھٹا جواب یہ ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان تفصیل کے مسئلہ میں زیادہ بحث تمحیص اور غور وفکر نہ کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ دوران بحث تمہارے منہ سے ایسا لفظ نکل جائے جو نا مناسب ہو اور اس سے دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے احترام میں کمی آئے۔

ساتواں جواب یہ ہے کہ

اپنی آراء اور اپنی اھواء سے کسی نبی کو دوسرے نبی پر فضیلت مت دو

ہاں قرآن اور حدیث کے دلائل سے فضیلت بیان کرو۔

آٹھواں جواب یہ ہے کہ

ایک نبی کو دوسرے نبی پر فضائل کی تمام انواع واقسام سے فضیلت مت دو حتیٰ کہ مفضول کے لئے کوئی فضیلت باقی نہ رہے۔

نواں جواب یہ ہے کہ

کسی اہل کتاب مثلاً یہودی یا نصرانی کے سامنے تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر میری فضیلت مت بیان کرو۔ ہوسکتا ہے کہ وہ تعصب میں آکر میرے متعلق کوئی تحقیر کا کلمہ کہے۔

دسواں جواب یہ ہے کہ

میری دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت بیان کرنے میں اتنا مبالغہ نہ کرو کہ مجھے خدائی صفات سے متصف کر دو جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی شان میں مبالغہ کیا اور انہیں خدا عزوجل اور خدا عزوجل کا بیٹا کہا۔

گیارہواں جواب یہ ہے کہ

دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام پر میری فضیلت بیان کرنے میں اتنا مبالغہ نہ کرو کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے بڑھا دو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرے متعلق اس طرح غلو نہ کرو جیسے نصارٰی نے ابن مریم کے متعلق غلو کیا۔ میں تو صرف اس کا بندہ ہوں پس تم کہو وہ اللہ کے بندہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3445)

اس غلو کی بعض یہ مثالیں ہیں۔

اذاں کیا جہاں دیکھو ایمان والو	پس ذکر حق ذکر ہے مصطفیٰ کا
کہ پہلے زباں حمد سے پاک ہو لے	تو پھر نام لے وہ حبیب خدا کا

یعنی ناپاک زبان سے اللہ تعالیٰ کا نام لینا جائز ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینا جائز نہیں جب کہ جنبی کے لئے قرآن کی تلاوت کرنا ممنوع ہے اور حدیث کا پڑھنا ممنوع ہے ہر چند کہ خلاف ادب ہے اسی طرح بے وضو قرآن مجید کو چھونا

جائز نہیں ہے اور حدیث مبارکہ کو چھونا جائز ہے اگر چہ خلاف ادب ہے۔

اسی طرح غلو پر مشتمل ایک شعر یہ ہے۔

خدا جس کو پکڑے چھڑائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پکڑا چھڑا کوئی نہیں سکتا

اللہ تعالیٰ کفار اور منافقین کی گرفت فرمائے گا تو کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو چھڑائیں گے اور جن مسلمان گناہ گاروں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم چھڑائیں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے اس کی بارگاہ میں شفاعت کر کے چھڑائیں گے اور دوسرے مصرع پر یہ اعتراض ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرداران قریش کے ایمان طمع میں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم سے بے توجہی فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی طرف توجہ کرنے کا حکم دیا اور یہ آیات کریمہ نازل فرمائیں۔

قرآن مجید میں ہے:

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۝ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝ وَهُوَ يَخْشٰى ۝ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝ (سورہ عبس: 1 تا 10)

انہوں نے تیوری پر بل ڈالے اور منہ پھیرا اس پر کہ ان کے پاس نابینا حاضر ہوا۔ آپ کو کیا معلوم شاید کہ وہ پاکیزگی حاصل کرلے یا وہ نصیحت قبول کرلے تو اس کو نصیحت نفع دے اور جو بے پرواہی کرتے ہیں تو آپ ان کے درپے ہوتے ہیں اور اگر وہ پاکیزگی حاصل نہ کریں تو آپ کو کوئی ضرر نہیں ہوگا اور جو شخص دوڑتا ہوا آپ کے پاس آیا درآنحالیکہ وہ اپنے رب سے ڈرتا ہے تو آپ نے اس سے بے پرواہی کی۔

اسی طرح تین صحابہ کرام حضرت کعب بن مالک ہلال بن امیہ اور مرارہ بن الربیع علیہم الرضوان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرفت فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو چھڑا لیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

غزوہ تبوک کی مہم بہت سخت اور دشوار تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو عام تیاری کا حکم دیا۔ مسلمان اپنی استطاعت کے مطابق تیاری کرنے میں مشغول تھے۔ مگر میں بے فکر تھا کہ جب چاہوں گا تیار ہو کر چلا جاؤں گا۔ ایک چھوڑ، دو سواریاں میرے پاس موجود تھیں میں اسی غفلت میں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس ہزار مجاہدین اسلام کو کوچ کا حکم دے دیا۔

میں نے سوچا کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہو گئے ہیں تو کیا ہوا میں اگلی منزل پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملوں گا۔ اسی سوچ و بچار اور آج کل میں وقت نکل گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد میں سخت پریشان تھا۔ سارے مدینہ میں

ے منافقوں یا معذور مسلمانوں کے سوا کوئی نظر نہ آتا تھا۔

میں نے سوچا کہ

میں تبوک میں نہ جانے کے متعلق کوئی عذر بیان کر کے جان بچالوں گا لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یت سے تشریف لے آئے ہیں تو سارے جھوٹے عذر کافور ہو گئے۔

اور میں نے سوچا کہ

سچ کے سوا کوئی چیز اس بارگاہ میں نجات دینے والی نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں رونق افروز تھے۔ صحابہ ام علیہم الرضوان جمع تھے۔ منافقین نے جھوٹے عذر پیش کر کے ظاہری گرفت سے چھوٹ رہے تھے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ یہ وسلم کے سامنے حاضر ہوا۔ میرے سلام کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غضب آمیز تبسم کے ساتھ جواب دیا اور میری غیر حاضری وجہ دریافت فرمائی۔

میں نے عرض کیا

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اگر کسی دنیا دار کے سامنے پیش ہوتا تو جھوٹے عذر بیان کر کے اپنی چرب زبانی سے ت بچ جاتا مگر یہاں تو اس ذات کے سامنے معاملہ درپیش ہے کہ اگر میں نے جھوٹ بول کر وقتی طور پر اپنے آپ کو بچا بھی لیا اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقت حال سے مطلع فرما دے گا۔ اس کے برعکس سچ بولنے سے مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گی برداشت کرنی پڑے گی مگر اس کا انجام بہتر ہوگا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

امر واقعہ یہ ہے کہ میرے پاس غزوہ تبوک نہ جانے کا کوئی عذر نہیں ہے۔ جس وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تبوک کیا۔ اس وقت سے زیادہ وسعت اور فراخی مجھے کبھی حاصل نہیں تھی۔ میں مجرم ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو چاہیں میرے فیصلہ فرمائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس شخص نے سچ کہا ہے اچھا جاؤ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا انتظار کرو بعد میں معلوم ہوا کہ دو اور شخص (ہلال بن امیہ اور مرارہ بن کی میری طرح تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم تینوں کے متعلق حکم دے دیا کہ کوئی ہم سے بات نہ کرے سب علیحدہ ہو کوئی مسلمان ہم سے بات نہیں کرتا تھا نہ سلام کا جواب دیتا تھا وہ دونوں تو خانہ نشین ہو گئے اور گھر میں روتے رہتے تھے سخت اور قوی تھا مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہوتا تھا۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتا تھا اور دیکھتا تھا کہ آپ صلی لب مبارک (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی تبسم پر بدکار، گناہ گار کے بے شمار درود و سلام ہوں) حرکت کرتے ۔ جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف سے منہ پھیر لیتے تھے۔ مخصوص رشتہ

دار اور اعزہ بھی مجھ سے بے گانہ ہو گئے تھے ایک روز مجھے شاہ غسان کا ایک خط ملا کہ تم ہمارے ملک میں آ جاؤ وہاں تمہاری آؤ بھگت ہوگی۔

میں نے سوچا کہ

یہ بھی ایک ابتلاء ہے اور وہ خط میں نے جلا دیا چالیس دن بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک حکم پہنچا کہ میں اپنی بیوی سے بھی الگ ہو جاؤں چنانچہ میں نے اپنی بیوی کو میکے بھیج دیا۔ مجھے سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ اگر میں اسی حال میں مر گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا جنازہ بھی نہیں پڑھیں گے اور اگر بالفرض اس اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو مسلمان میرا مستقل بائیکاٹ رکھیں گے اور میری میت کے بھی کوئی قریب نہیں آئے گا۔ غرض پچاس دن اسی کیفیت میں گزر گئے۔ زمین اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہوگئی اور مجھے زندگی موت سے زیادہ سخت معلوم ہوتی تھی کہ اچانک جبل سلع (پہاڑ کا نام) سے آواز آئی۔

اے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ!

مبارک ہو! میں یہ سنتے ہی سجدہ میں گر گیا۔

معلوم ہوا کہ رات کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی کہ ہماری توبہ قبول ہوگئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر کے بعد صحابہ کرام علیہم الرضوان کو مطلع فرما کر فرمایا اور مجھے خوش خبری سنانے کے لئے ایک سوار میری طرف دوڑا مگر دوسرے شخص نے پہاڑ پر زور سے ندا کی اور سوار سے پہلے اس کی آواز مجھ تک پہنچ گئی میں نے اپنے کپڑے اتار کر آواز لگانے والے کو دیئے۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مسلمان مجھے جوق در جوق مبارک دے رہے تھے۔ مہاجرین میں سب سے پہلے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر مصافحہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے تیری توبہ قبول فرمائی۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 2757)

حضرت کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع کی توبہ قبول کرنے اور ان کی نجات کے متعلق جو اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا۔ اس کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں۔

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَیْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ ظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَیْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ لِیَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۠

(التوبہ: 118)

اور تین مسلمانوں کی توبہ قبول فرمائی جن کا حکم موخر رکھا گیا تھا حتیٰ کہ جب زمین وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہو گئیں اور انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ اللہ عزوجل کے سوا ان کی کوئی جائے پناہ نہیں ہے پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تا کہ وہ ہمیشہ توبہ کرتے رہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ کرنے والا بہت مہربان ہے۔

ان مذکور الصدور احادیث مبارکہ میں تصریح ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین صحابہ کرام علیہم الرضوان پر گرفت فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر مسلمانوں نے پچاس دنوں تک ان سے مقاطعہ جاری رکھا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرما کر ان کی خلاصی کرادی اس لئے یہ مصرع صحیح ہے کہ

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پکڑا چھڑا کوئی نہیں سکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں غلو کی ایک اور مثال یہ ہے۔

معنی جرقم کنی تحقیق اگر — بنگری بادیدۂ صدیق اگر
قوت قلب و جگر گردد نبی — از خدا محبوب تر گردد نبی

اگر میرے نظریہ کو جانو اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نظر سے دیکھو تو نبی، اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبوب ہیں۔

یہ اشعار قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کے صراحتاً خلاف ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ (البقرہ: 165)

اور ایمان والے سب سے زیادہ محبت، اللہ سے کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کائنات میں سب سے افضل ہیں اور ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ تمام مخلوق سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہونی چاہیے لیکن ان تمام تر عظمتوں کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندہ اور اس کی مخلوق ہیں اور خالق اور مخلوق کے درمیان اس طرح تقابل کرنا کہ مخلوق خالق سے زیادہ افضل یا زیادہ محبوب یا زیادہ با اختیار ہے۔ صحیح انداز فکر نہیں ہے۔

عمر بن قتادہ بیان کرتے ہیں کہ

حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ جنگ بدر کے دن زخمی ہو گئی اور ان کی آنکھ کا ڈھیلا بہہ کر ان کے رخسار پر آ گیا۔ مسلمانوں نے اس کو کاٹ کر نکالنے کا ارادہ کیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نہیں! پھر حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو بلایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہتھیلی سے ان کا ڈھیلا۔ پھر پتا نہیں چلتا تھا کہ کون سی

آنکھ زخمی ہوئی تھی۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی: ج:3،ص:99تا100)

حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کمان ہدیہ کی گئی۔ جنگ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کمان مجھے دے دی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوا اس کمان سے تیر مار رہا تھا کہ وہ کمان ٹوٹ گئی اور میں مستقل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا رہا جو تیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی طرف آتا میں اس تیر کے سامنے اپنا چہرہ کر دیتا۔ (کمان ٹوٹنے کی وجہ سے) کوئی تیر نہیں مار رہا تھا حتیٰ کہ ایک تیر میری آنکھ میں لگا جس سے میری آنکھ کا ڈھیلا نکل کر میرے چہرے پر آ گیا۔ میں نے وہ ڈھیلا نکال کر اپنے ہاتھ میں رکھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاتھ میں نکلی ہوئی آنکھ کا ڈھیلا دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی!

اے اللہ عزوجل! قتادہ (رضی اللہ عنہ) نے میرے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چہرے کو اپنے چہرے سے بچایا ہے تو اس کی آنکھ کو دونوں میں زیادہ حسین اور زیادہ تیز بنا دے سو ان کی دو آنکھ دونوں آنکھوں میں سے زیادہ حسین اور زیادہ تیز نظر والی تھی۔

(معجم الکبیر: ج:19،ص:8رقم الحدیث:12)

غیر محتاط واعظین اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

خدا عزوجل کی دی ہوئی آنکھ میں اتنی روشنی نہیں تھی جتنی مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی آنکھ میں روشنی تھی۔ اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا میں تقابل کا یہ انداز بہت خطرناک ہے۔ یہ دونوں آنکھیں اللہ تعالیٰ کی ہی دی ہوئی تھیں مگر ان میں فرق یہ ہے کہ ایک آنکھ ماں باپ کے جسمانی توسل سے ملی تھی اور دوسری آنکھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ملی تھی اس لئے اس آنکھ کا حسن اور اس کی نظر دوسری آنکھ سے زیادہ تھی۔ بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت بیان کرنے میں غلو اور مبالغہ نہیں کرنا چاہئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات نہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے برابر بیان کی جائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ بڑھایا جائے۔

اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھے انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان فضیلت مت دو۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:4638)

نیز

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
بعض انبیاء کرام علیہم السلام کو بعض پر فضیلت مت دو۔
(مسند احمد: ج:3، ص:41)
اور ارشاد فرمایا
مجھے انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت مت دو اور نہ یونس بن متی پر علیہ السلام۔
(البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:171)
اور ان سب احادیث مبارکہ کا ایک محمل یہ ہے کہ'
مجھے خدا عز وجل کے برابر نہ کر دیا مجھے خدا عز وجل سے نہ بڑھاؤ اور اس محمل کی تائید اس حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میرے متعلق اس طرح غلو نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کے متعلق غلو کیا تھا پس تم کہو وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3445)

انبیاء کرام علیہم السلام کا امر اور نہی سے مکلف ہونا

قرآن مجید میں ہے:
قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَ اِلَيْهِ مَاٰبِ ○ (الرعد: 36)
آپ فرمایئے کہ مجھے صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں میں اس کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے لوٹنا ہے۔
اس آیت سے معلوم ہوا کہ
قرآن مجید میں جو احکام دیئے گئے ہیں اور جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے۔ ان تمام اوامر نواہی کو بجالانا اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور عبادت انتہائی تعظیم کا نام ہے۔
اس کا معنی یہ ہے کہ
بندہ صرف اللہ تعالیٰ کی انتہائی تعظیم کرنے کا مکلف ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اسی وقت شرح صدر سے ہو سکتی ہے جب انسان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو اور معرفت اس وقت ہو سکتی ہے جب بندہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کو دلائل کے ساتھ جانے۔
اس سے معلوم ہوا کہ

بندہ اس کا مکلف ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم دلائل سے حاصل کرے۔

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ

بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا مکلف ہے۔ اس آیت میں چونکہ خصوصیت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا ہے کہ آپ فرمایئے مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے اوامر اور نواہی کے مکلف ہیں۔

اور بعض سفہاء نے یہ لکھا ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام و ملائکہ کسی گناہ پر قادر نہیں۔ اس لئے یہ حضرات بابرکات نہی میں مکلف نہیں اور کسی نہی کے خطاب میں داخل نہیں ہاں البتہ امر میں مکلف ہیں۔ یعنی ان پاک ومنزہ ہستیوں سے یہ تو کہا جاتا ہے کہ یہ کرو، یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ مت کرو۔

(العطایا الاحمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ: ص:363)

اس سفیہ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو نہی کا مکلف اس لئے نہیں مانا کہ تکلیف میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے اگر یہ مان لیا جائے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو گناہوں سے منع کیا گیا ہے اور ان سے کہا گیا ہے کہ گناہ مت کرو تو ان کے لئے گناہ کرنا ممکن ہوگا اور اس کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام کا گناہ کرنا ممکن ہی نہیں ورنہ وہ معصوم نہیں رہیں گے۔

اسی لئے اس نے کہا:

انبیاء کرام علیہم السلام نہی کے مکلف نہیں۔ امر کے مکلف ہیں مگر اس سفیہ نے اس پر غور نہیں کیا کہ جب اس کے انبیاء کرام علیہم السلام کو امر کا مکلف مان لیا تو اس سے لازم آیا کہ انہیں اس امر پر مکلف کرنے کا اختیار ہے۔ امر پر عمل کریں یا نہ کریں اور امر پر عمل نہ کرنا گناہ ہے اور امر پر عمل نہ کرنے کی قدرت گناہ پر قدرت ہے تو اس کے زعم کے مطابق انبیاء کرام علیہم السلام کو امر کا مکلف ماننے سے بھی معصوم نہیں رہے اور یہ خرابی اس لئے لازم آئی کہ اس نے یہ سمجھا کہ عصمت کا معنی ہے گناہ پر قدرت نہ ہو حالانکہ عصمت کا معنی یہ ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی 791ھ لکھتے ہیں:

عصمت کی حقیقت یہ ہے۔

اللہ تعالیٰ بندہ کی گناہ پر قدرت اور اس کے اختیار کے باوجود اس میں گناہ پیدا نہ کرے اور متکلمین اس کے قول کا بھی یہی معنی ہے۔ عصمت اللہ تعالیٰ کا لطف ہے جو بندہ کو نیک کام پر ابھارتا ہے اور برے کام سے روکتا ہے باوجود اختیار کی بقاء کے تا کہ مکلف ہونے کا معنی پایا جائے۔

اس لئے شیخ ابو ماتریدی نے کہا:

عصمت مکلف ہونے کو زائل نہیں کرتی اور اسی تحقیق سے ان لوگوں کے قول کا فساد ظاہر ہو گیا جنہوں نے کہا: عصمت شخص کے نفس میں یا اس کے بدن میں ایسی خاصیت ہے جس کے سبب سے اس سے گناہ کا صدور محال ہو جاتا ہے اور یہ قول کیوں نہ فاسد ہو گا کیونکہ اگر بندہ سے گناہ کا صدور ممتنع ہو تو اس کو گناہ کے ترک کا مکلف کرنا صحیح نہ ہو گا اور نہ اس کے گناہ کے ترک پر ثواب ہو گا۔

(شرح عقائد نسفی: ص:113 مطبوعہ کراچی)

انبیاء کرام علیہم السلام کے ذنوب کی توجیہ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر قیام فرماتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک سوج جاتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے اور پچھلے ذنب کی مغفرت فرما دی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:4836)

احمد عبد الرحمان البنا اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء نے کہا ہے:

قرآن مجید اور حدیث میں جو بعض انبیاء کرام علیہم السلام کے بعض ذنوب کا ذکر ہوا ہے۔

جیسے

وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ (طٰہٰ:121)

اور آدم نے (بہ ظاہر) اپنے رب کی نافرمانی کی تو وہ (جنت کی رہائش سے) بے راہ ہو گئے۔

اور اس قسم کی دوسری آیات ہیں سو ہمارے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم قرآن وسنت کے علاوہ ان کی طرف ذنوب کی نسبت کریں اور ہم پر لازم ہے کہ ہم ان آیات کی تاویل ترک اولیٰ سے کریں اور ان کے ان افعال کو ذنوب سے اس لئے تعبیر فرمایا ہے کہ ان کے بلند مرتبہ کے اعتبار سے ترک اولیٰ بھی ذنب کے حکم میں ہے۔

جیسا کہ بعض علماء نے کہا ہے:

ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ ہیں۔ اس وجہ سے جب بعض صحابہ کرام علیہم الرضوان نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کرنے کی کوشش کیوں کرتے ہیں حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے اور

پچھلے ذنوب کی مغفرت کر دی گئی ہے۔

جیسا کہ سورۃ الفتح میں ہے۔

نیز اس آیت بعد کے ذنوب کی بھی مغفرت کا ذکر ہے حالانکہ بعد کے افعال کا تو ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صدور بھی نہیں ہوا تھا اور جو کام ابھی ہوا ہی نہ ہوا اس کو ذنب نہیں کہا جاتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ

اس آیت سے مقصود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخرت کے شدت خوف سے مامون رکھا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جائے۔

کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھے سب سے زیادہ اللہ عزوجل کا علم ہے اور میں تم سب سے زیادہ اللہ عزوجل سے ڈرتا ہوں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 20)

سو اس آیت سے مراد یہ ہے کہ

بہ فرض محال اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی گناہ واقع بھی ہوتا تو وہ بخشا ہوا ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذنب کو فرض کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ واقع بھی ہوا ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا:

شکر کا معنی ہے محسن کے احسان کو جاننا اور اس کو بیان کرنا اور نیک کام کو شکر اس لئے کیا جاتا ہے کہ وہ نیک کام احسان کرنے والے کی حمد و ثناء کو متضمن ہوتا ہے اور بندہ کے شکر کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف کرے اس کی حمد و ثناء کرے اور اس کی عبادت دائماً کرے اور اللہ عزوجل کے شکر کا معنی یہ ہے کہ وہ بندوں کو ان کی عبادت کی جزا دے اور ان کو دگنا چوگنا اجر عطا فرمائے اور اللہ عزوجل کے اسماء مبارکہ میں سے جو شکور اور شاکر ہے۔

اس کا یہی معنی ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کو جو بہت شدید خوف ہوتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ

ان کو اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا علم ہوتا ہے اور ان کا یہ ایمان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے استحقاق کے بغیر ان کو یہ نعمتیں عطا کی ہیں اس لئے وہ اس کی عبادت کرنے میں بہت زیادہ کوشش کرتے ہیں تا کہ اپنی اپنی استطاعت کے مطابق اس کا شکر ادا کر سکیں ورنہ اس کا کما حقہ شکر کوئی ادا نہیں کر سکتا۔

(بلوغ الامانی (شرح مسند احمد بن حنبل) جز:4، ص:238 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

جب ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ذنب کی نسبت ہو تو بعض علماء کرام نے ذنب کا ترجمہ گناہ کر دیا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے والد گرامی اور مولانا شاہ نقی علی خان متوفی 1297ھ سورۃ الفتح 2-1 کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تا معاف کرے اللہ تیرے اگلے اور پچھلے گناہ اور پورا کرے تجھ پر اپنا احسان اور چلا دے تجھ کو سیدھی راہ اور مدد کرے تجھ کو خدا از بردست مدد:

(انوار جمال مصطفیٰ ص:71 مطبوعہ شبیر برادرز لاہور)

اور زیر حدیث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر عبادت کی کہ پائے مبارک سوج گئے۔

لوگوں نے کہا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکلیف اس قدر کیوں اٹھاتے ہیں کہ خدا عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اگلی پچھلی خطا معاف کی۔

فرمایا

اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا

(سرور القلوب بذکر المحبوب :ص:238 مطبوعہ شبیر برادرز اردو بازار لاہور)

اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

اور خود قرآن عظیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

مغفرت مانگ اپنے گناہوں کی اور سب مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لئے۔

(ذیل المدعا لاحسن الوعاء (فضائل دعا) ص:26 مطبوعہ ضیاء الدین پبلی کیشنز کراچی)

نیز اعلیٰ حضرت معالم التنزیل کے حواشی میں تحریر فرماتے ہیں۔

ذنوب انبیاء کرام علیہم السلام سے مراد صورت گناہ ہے ورنہ حقیقتاً گناہ سے انبیاء کرام علیہم السلام دور اور منزہ و مبراء ہیں۔

(تعلیقات رضا ص:25 مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی)

مولانا غلام رسول رضوی متوفی 422ھ ایک حدیث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ کہیں گے میں اس پوزیشن میں نہیں کہ تمہاری شفاعت کروں تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے ہیں۔

(تفہیم البخاری: ج:1 ص:48 الجدید پرنٹرز)

ہمارے نزدیک ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اعلان نبوت سے پہلے اور اعلان نبوت کے بعد ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے عمداً اور سہواً حقیقتاً اور صورۃً معصوم ہیں۔ قرآن مجید میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال پر جو ذنب کا اطلاق کیا گیا ہے وہ بہ ظاہر خلاف اولیٰ کے معنی میں ہے اور حقیقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر کام اولیٰ ہے۔ بعض اکابرین نے ذنب کا ترجمہ گناہ کر دیا ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ ان بزرگوں کا تسامح ہے کیونکہ جب اردو خواں لوگ ذنب کا ترجمہ گناہ پڑھیں گے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال پر گناہ اطلاق دیکھیں گے تو ان کے ذہن مشوش ہوں گے۔ وہ ذنب کی تاویلات کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ وہ یہ نہیں سمجھیں گے کہ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال پر ذنب کا اطلاق مجازاً کیا گیا ہے۔

اور ہوسکتا ہے کہ

وہ یہ سمجھ لیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی گناہ صادر ہو جاتا ہے اور جب عام لوگوں کے ذہنوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی گناہ ثابت ہو جائیں تو انہیں نیکی پر کس طرح آمادہ کیا جاسکے گا۔ اس طرح جب مستشرقین اور غیر مسلم معترضین کے ہاتھوں میں تراجم پہنچیں گے تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو (العیاذ باللہ) گناہ گار ثابت کرنے کے لئے ان تراجم کو پیش کریں گے۔

بعض لوگوں نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ

قرآن مجید میں ہے:

یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ (الفتح: 10)

ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

کیا اس ترجمہ سے عام لوگوں کے ذہن مشوش نہیں ہوں گے اور ان کے ذہنوں میں اللہ تعالیٰ کے جسم ہونے کا وہم پیدا نہیں ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معصوم ہونے پر تو امت مسلمہ کا اتفاق ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے قرآن مجید میں ید (ہاتھ) (وجہ) چہرہ اور (اعین) آنکھیں کے جو الفاظ ہیں ان سے کیا مراد ہے۔

اس میں متقدمین اور موٴخرین کا اختلاف ہے۔

متقدمین کے نزدیک

اللہ تعالیٰ کے ہاتھ، چہرہ اور آنکھیں ہیں لیکن وہ جسمانیت سے پاک ہے اور مخلوق میں اس کی کوئی مثل نہیں ہے اس کی یہ صفات اس کی شان کے لائق ہیں۔

امام اعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں

اللہ تعالیٰ کی کوئی ضد (ممانع اور مخالف) نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی ند (مشابہ) ہے اور نہ اس کی کوئی مثل ہے اور اس کا ہاتھ ہے اور اس کا چہرہ ہے اور اس کا نفس ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو چہرہ ہاتھ اور نفس کا ذکر کیا ہے وہ اس کی بلا کیف صفات ہیں اور یہ نہ کہا جائے کہ ہاتھ سے مراد اس کی قدرت یا نعمت ہے کیونکہ اس قول میں اس کی صفات کو باطل کرنا ہے اور یہ قدریہ اور معتزلہ کا قول ہے لیکن اس کا ہاتھ اس کی صفت بلا کیف ہے اور اس کا غضب اور اس کی رضا اس کی صفات میں سے وہ صفات بلا کیف ہیں۔

(الفقہ الاکبر مع شرح لعلی القاری ص 36 تا 37 مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البابی واولادہ مصر)

اور متاخرین نے ان صفات کی تاویلات کی ہیں۔

مخالفین اسلام نے قرآن اور حدیث کی ان نصوص سے استدلال کیا ہے جن سے اللہ تعالیٰ کے لئے جہت اور جسمیت ثابت ہوتی ہے اور اس کی صورت اور اس کے اعضاء ثابت ہوتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ کی تنزیہات پر دلائل قائم ہیں اس لئے ان نصوص کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض کرنا واجب ہے جیسا کہ سلف و صالحین کا طریقہ ہے کہ وہ زیادہ سلامتی والے طریقہ کو پسند کرتے ہیں یا ان نصوص کی تاویلات صحیحہ کی جائیں۔ جیسا کہ متاخرین علماء کا مختار ہے تاکہ جاہلوں کے اعتراضات کو دور کیا جاسکے اور کمزور مسلمانوں کو اسلام پر برقرار رکھا جاسکے۔

(شرح العقائد النسفی۔ص:34 ملخصا مطبوعہ کراچی)

ان تاویلات کی مثال حسب ذیل ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (البقرہ: 115)

تم جہاں کہیں بھی (قبلہ کی طرف) منہ کرو تو وہیں اللہ کا چہرہ ہے۔

یعنی وہیں اللہ عزوجل تمہاری طرف متوجہ ہے یا وہیں اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

اسی طرح حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت محمد ابن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے لڑے تو وہ چہرے پر مارنے سے اجتناب کرے کیونکہ اللہ عزوجل نے آدم (علیہ السلام) کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔

(صحیح مسلم: البر والصلۃ: 115، رقم الحدیث: 2612، رقم المسلسل: 6532)

علامہ شمس الدین خیالی متوفی 870ھ نے لکھا ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں صورت سے مراد اس کی صفت ہے یعنی علم اور قدرت میں سے کسی صفت پر حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ اسی طرح قرآن مجید میں ید اللہ (فتح 10:) ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔

(حاشیہ الخیالی علی شرح العقائد: ص: 74 مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ)

خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قرآن مجید میں جو ذنب کا لفظ ہے اس کا ترجمہ گناہ کرنے میں اور ید اللہ کا ترجمہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ کرنے میں بہت فرق ہے کیونکہ تمام اہل اسلام کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں اور جب ذنب کا ترجمہ گناہ کیا جائے گا تو عام مسلمانوں کے ذہن مشوش ہوں گے۔ اس کے برخلاف جب ید اللہ کا ترجمہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ کیا جائے گا تو اس سے کسی مسلمان کو تشویش نہیں ہوگی کیونکہ تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور خود قرآن مجید میں مذکور ہے کہ اللہ عزوجل کی مثل کوئی چیز نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کا معنی یہ ہے کہ اس کے شایان شان ہاتھ ہے جس کی مخلوق میں کوئی مثل نہیں ہے اور یہ معنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و دیگر متقدمین کے نزدیک ہے اور متاخرین کے نزدیک اس کا معنی اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمانے کی ترتیب

انبیاء کرام علیہم السلام کو جس ترتیب سے مبعوث کیا گیا وہ اس طرح ہے۔

(1) سب سے پہلے جس نبی کو مبعوث کیا گیا وہ حضرت ادریس علیہ السلام تھے

(2) پھر حضرت نوح علیہ السلام

(3) پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام

(4) پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام

(5) پھر حضرت اسحاق علیہ السلام

(6) پھر حضرت یعقوب علیہ السلام

(7) پھر حضرت یوسف علیہ السلام

(8) پھر حضرت لوط علیہ السلام

(9) پھر حضرت ہود علیہ السلام

(10) پھر حضرت صالح علیہ السلام

(11) پھر حضرت شعیب علیہ السلام

(12) پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام

(13) حضرت ہارون علیہ السلام

(14) پھر حضرت الیسع علیہ السلام

(15) پھر حضرت یونس علیہ السلام

(16) پھر حضرت ایوب علیہ السلام

(17) پھر حضرت داؤد علیہ السلام

(18) پھر حضرت سلیمان علیہ السلام

(19) پھر حضرت زکریا علیہ السلام

(20) پھر حضرت یحییٰ علیہ السلام

(21) پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام

(22) پھر حضرت سیدنا محمد بن عبداللہ عبدالمطلب بن ہاشم علیہ الصلوٰۃ والسلام ۔

(تاریخ دمشق الکبیر: ج:24، ص:165 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

انبیاء کرام علیہم السلام کا جانوروں درختوں اور پرندوں کی باتیں سمجھنا اور ان سے بات کرنا

انبیاء کرام علیہم السلام جانوروں اور پرندوں کی باتیں سمجھتے اور ان سے کلام بھی فرماتے ہیں۔

شیخ ابو محمد روز بہان بن ابی النصر البقلی الشیرازی المتوفی 606ھ لکھتے ہیں:

پرندوں اور وحشی جانوروں کی آوازیں اور کائنات کی حرکتیں یہ سب اللہ تعالیٰ کے انبیاء کرام علیہم السلام اور مرسلین اور عارفین اور صدیقین اور محبین کے لئے خطابات ہیں جن کو وہ اپنے مقامات اور احوال کے اعتبار سے سمجھتے ہیں۔ پس انبیاء کرام علیہم السلام اور مرسلین محض پرندوں کی بولیوں سے ان کے معانی اور مطلب کو سمجھ لیتے ہیں اور اس چیز کا ولی کے لئے واقع ہونا بھی ممکن ہے لیکن اکثر اولیاء پرندوں کی آوازوں سے ان چیزوں کو سمجھ لیتے ہیں جو ان کے احوال کے مطابق ہوتی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں الہام کرتا ہے نہ یہ کہ وہ ان کی لغات کو بعینہ جانتے ہیں۔

ابو عثمان المغربی نے کہا:

جو شخص تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتا ہے وہ اس سے ہر چیز سمجھتا ہے اور ہر چیز سے اس کو سمجھتا ہے سو اس کو پرندوں کی آوازوں سے اور دروازوں کی چرچراہٹ سے بھی اللہ تعالیٰ کا علم حاصل ہوتا ہے۔

جیسا کہ

عام لوگوں کو طبل کی آوازوں سے قافلہ کی روانگی کا علم ہو جاتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ اہل حضور اور خواص کو پرندوں اور وحشی جانوروں کی آوازوں سے معانی اور مطالب پر مطلع فرماتا ہے۔

مقاتل نے کہا:
حضرت سلیمان علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے ان کے پاس ایک پرندہ بولتا ہوا گزرا۔
انہوں نے مجلس سے کہا
کیا تم جانتے ہو کہ یہ پرندہ جو ابھی گزرا تھا اس نے کیا کہا ہے۔
لوگوں نے کہا:
آپ علیہ السلام ہی بہتر جانتے ہیں۔
حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا:
اس پرندہ نے کہا ہے! اے بنی اسرائیل کے بادشاہ!
آپ علیہ السلام پر سلام ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو عزت عطا فرمائی ہے اور آپ علیہ السلام کو اپنے دشمنوں پر غلبہ عطا فرمایا ہے۔ میں بچوں کے پاس جا رہا ہوں پھر دوبارہ آپ علیہ السلام کے پاس سے گزروں گا۔
آپ علیہ السلام نے فرمایا:
دوبارہ گزرے گا تم اس کا انتظار کرو، کافی دیر انتظار کے بعد وہ پھر دوبارہ گزرا۔ اس نے آپ علیہ السلام کو سلام کیا اور بتا کہ وہ اپنے بچوں کو کھلا پلا کر آیا ہے۔ اس قسم کی امثال حضرت سلیمان علیہ السلام سے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت معروف ہیں۔
(عرائس البیان ج:2، ص:111 تا 112 مطبوعہ المطبع العالی المنشی نوالکشور)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت قبیلہ بنی سلیم کا ایک اعرابی آیا۔ اس نے ایک گوہ کا شکار کر کے اپنی آستین میں رکھی ہوئی تھی وہ اس کو اپنے گھر پکانے کے لئے لے کر جا رہا تھا تاکہ اس کو کھائے۔ اس نے جو مسلمانوں کی جماعت کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔
تو پوچھا
یہ کون ہے؟
اس کو بتایا گیا کہ
یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔
وہ لوگوں کو چیرتا ہوا مجلس میں آیا
اور کہنے لگا:

لات وعزیٰ کی قسم! میرے نزدیک آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے زیادہ مبغوض اور کوئی نہیں ہے۔ (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ جان وایمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کوئی حسین وجمیل نہیں اور نہ ہمیشہ قیامت تک آئے گا) اور اگر میری قوم مجھے جلد باز نہ کہتی تو میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر کے ہر سرخ وسفید کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اجازت عطا فرمایئے میں اس کو قتل کر دوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے عمر (رضی اللہ عنہ) کیا تم جانتے ہو کہ بردبار شخص نبی ہوتا ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا!

تمہیں اس بات کی طرف کس نے برانگیختہ کیا۔

اس نے کہا:

لات وعزیٰ کی قسم! میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اس وقت ایمان نہیں لاؤں گا جب تک کہ یہ گوہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان نہ لے آئے اور آستین سے وہ گوہ نکال کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پھینک دی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ سے پوچھا

تم کس کی عبادت کرتی ہو؟

اس نے کہا:

جس کا آسمان میں عرش ہے اور زمین میں اس کی سلطنت ہے، سمندر میں اس کا راستہ ہے اور جنت میں اس کی رحمت ہے اور دوزخ میں اس کی سزا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گوہ سے پوچھا:

اے گوہ! میں کون ہوں؟

اس نے کہا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم رب العالمین عزوجل کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔

جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی وہ ناکام ہو

اس اعرابی نے کہا:

جس وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تھا تو میرے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی مبغوض نہیں تھا
اور اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی محبوب نہیں ہے اور آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے نزدیک میرے والد سے میری
آنکھوں سے اور میری جان سے بڑھ کر محبوب ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ عزوجل سے بڑھ کر کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے
اور بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے رسول ہیں۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی: ج:6،ص:36 تا 37 ملخصا)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے پاس سے گزرے اس کی چوٹی پر بیٹھا ہوا ایک بلبل چہچہا رہا تھا اور اپنی دم ہلا رہا
تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ارشاد فرمایا

کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔

انہوں نے کہا:

اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جاننے والے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ کہہ رہا ہے میں نے آدھے پھل کھا لئے اور دنیا میں زیادتی ہے۔

ایک فاختہ بولنے لگی

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کہہ رہی ہے کہ کاش یہ مخلوق پیدا نہ کی جاتی

اور مور بولا:

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کہہ رہا ہے کہ تم جیسا کرو گے ویسا بھرو گے

اور ہد ہد بولا:

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کہہ رہا ہے! اے گناہ گار! اللہ عزوجل سے استغفار کرو

اور طیطوی بولا:

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کہہ رہا ہے کہ ہر زندہ مرنے والا ہے اور ہر نئی چیز پرانی ہونے والی ہے۔

اور خطاف بولا:

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کہہ رہا ہے کہ نیکیاں بھیجو آخرت میں ان کو پاؤ گے

اور رخمہ بولا:

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کہہ رہا ہے کہ

سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی ملأ سمائه وارضه

اور قمری بولی

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کہہ رہی ہے کہ

سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی

اور چیل بولی

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کہہ رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔

اور القطاۃ بولا:

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کہہ رہا ہے کہ جو خاموش رہا وہ سلامت رہا

اور طوطا بولا:

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کہہ رہا ہے کہ دنیا اور دنیا کی فکر کرنے والے کے لئے ہلاکت ہو

اور مرغ بولا:

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کہہ رہا ہے: اے غافلو! اللہ عزوجل کا ذکر کرو

اور سفید گدھا بولا:

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کہہ رہا ہے: اے آدم! تو جب تک چاہتا ہے زندہ رہ بالآخر تجھے موت آئے گی

اور عقاب بولا:

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کہہ رہا ہے کہ لوگوں سے دور رہنے میں انس ہے۔

اور مینڈک بولا:

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کہہ رہا ہے کہ سبحان ربی القدوس

اور چنڈول بولا:

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کہہ رہا ہے: اے اللہ عزوجل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بغض رکھنے والے پر لعنت فرما۔

اور زرزور بولا:

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کہہ رہا ہے: اے اللہ عزوجل! میں تجھ سے ہر نئے دن کا رزق طلب کرتا ہوں

اور تیتر بولا:

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کہہ رہا ہے کہ

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى

(روح المعانی: ج:19، ص:256 تا 257 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام سے گئے تو ہم نے ایک پرندہ دیکھا جس کے ساتھ اس کے دو بچے تھے۔ ہم نے اس کے بچوں کو پکڑ لیا وہ پرندہ آ کر تڑپنے لگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس پرندہ کو اس کے بچوں [illegible] بچے اس کو واپس کرو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم

دیکھا کہ ہم نے چیونٹیوں کی ایک بستی کو جلا دیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

ان کو کس نے جلایا ہے۔

ہم نے کہا:

ہم نے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

آگ کے رب کے سوا کسی کے لئے آگ سے عذاب دینا جائز نہیں ہے۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 6268)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے مل جل کر رہتے تھے حتیٰ کہ میرے چھوٹے بھائی سے فرماتے تھے۔

اے ابو عمیر اس نغیر (بلبل) نے کیا کیا۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 333)

حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سفید میرا دوست ہے اور اللہ عزوجل کے دشمنوں کا دشمن اپنے مالک کے گھر کی سات گھروں تک حفاظت کرتا ہے۔

(الجامع الصغیر: رقم الحدیث: 4293)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ سفید مرغ جس کی کلغی شاخ در شاخ ہو میرا دوست ہے اور میرے دوست کا دوست ہے۔ جبرائیل علیہ السلام اس گھر کی اس کے پڑوس کے سولہ گھروں کی حفاظت کرتا ہے۔

چار دائیں

چار بائیں

چار آگے

اور چار پیچھے

(الجامع الصغیر: رقم الحدیث: 4294)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

مرغ نماز کی اذان دیتا ہے جس نے سفید مرغ رکھا اس کی تین چیزوں سے حفاظت کی جائے گی۔

ہر شیطان سے

جادوگر سے

اور کاہن سے

(شعب الایمان: رقم الحدیث: 5177)

یہ احادیث مبارکہ پرندوں کے متعلق تھیں کہ پرندے بھی انبیاء کرام علیہم السلام سے بات کرتے تھے۔

اب جانوروں کے متعلق ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہرنی کے پاس سے گزرے جو ایک خیمہ میں بندھی ہوئی تھی۔

اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کھول دیجئے تا کہ میں اپنے بچوں کو دودھ پلا آؤں۔ میں پھر واپس آ جاؤں گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کو ایک قوم نے شکار کیا ہے اور اس نے اس کو باندھا ہوا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہرنی سے حلف لیا اور اس کو کھول دیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آ گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو باندھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد خیمے والے آ گئے

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کو مجھے ہبہ کر دو۔

انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کھول دیا۔

ایک اور روایت حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے ہے۔

اس کے آخر میں ہے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کہا:

پس میں نے دیکھا وہ جنگل میں اونچی آواز سے کہتی ہوئی جا رہی تھی۔

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

(دلائل النبوۃ للبیہقی: ج:6، ص:34 تا 35)

حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک اونٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن کی طرف بڑھ کر بڑبڑا رہا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس اونٹ کے مالک کو بلاؤ۔ جب وہ آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کہہ رہا ہے کہ میں ان کے ہاں پیدا ہوا انہوں نے مجھ سے خوب کام لیا۔ اب میں جب بوڑھا ہو گیا ہوں تو یہ مجھے ذبح کرنا چاہتا ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس دنیا میں ہر چیز کو علم ہے کہ میں اللہ عزوجل کا رسول ہوں سوا فاسق جن اور ان سکے۔

(المعجم الکبیر: ج:22، ص:261 تا 262)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انصار اور مہاجرین کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک اونٹ نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم: ج:2، ص:381) (رقم الحدیث:278)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے ایک باغ میں داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور انصار علیہم الرضوان تھے۔ باغ میں ایک بکری تھی اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس بکری کی بہ نسبت ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنے کے زیادہ مستحق ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میری امت میں سے کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کو سجدہ کرے اور اگر کسی کے لئے سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم: ج:2، ص:379 رقم الحدیث:276)

درختوں سے کلام

یعلی بن مرہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں تین چیزیں ایسی دیکھی ہیں جن کو مجھ سے پہلے کسی نے نہیں دیکھا۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کے راستے میں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت اور اس کے بیٹے کے پاس [illegible] بیٹے پر [illegible]۔ میں نے اس سے زیادہ جنون کسی

میں نہیں دیکھا۔

اس عورت نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے بیٹے کی حالت دیکھ رہے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر تم چاہو تو میں اس کے لئے دعا کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے دعا کی پھر وہاں سے تشریف لے گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک اونٹ گزرا وہ اپنی گردن دراز کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑبڑا رہا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس اونٹ کے مالک کو لاؤ وہ آیا تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ اونٹ کہہ رہا ہے میں ان کے گھر میں پیدا ہوا اور یہ مجھ سے کام لیتے ہیں حتیٰ کہ اب جب میں بوڑھا ہو گیا ہوں تو یہ مجھے ذبح کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے چلے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو الگ الگ درخت دیکھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا

ان درختوں سے جا کر کہو کہ آپس میں مل جائیں وہ درخت مل گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضا حاجت کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان درختوں سے کہو پھر الگ الگ ہو جائیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔ جب واپس اس کے بچے کے پاس سے لوٹے تو وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا اور اس کی ماں نے چھ مینڈھے مہیا کیے تھے جس سے دو مینڈھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ کیے۔

اور کہنے لگی کہ

اس کے بچہ کو پھر جنون نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کافر جنات اور انسانوں کے سوا ہر چیز کو علم ہے کہ میں اللہ عزوجل کا رسول ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم)

(المعجم الکبیر: ج:22، ص:261 تا 262 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن ایک درخت یا کھجور کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے۔

انصار کی کسی عورت یا مرد نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے منبر نہ بنا دیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر تم چاہو۔

انہوں نے منبر بنا دیا۔ جب جمعہ کا دن آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر کی طرف گئے تو وہ کھجور کا تنا بچے کی طرح زور زور سے رونے لگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر سے اتر کر اس کو اپنے ساتھ لپٹایا تو وہ سسکیاں لینے لگا پھر پرسکون ہو گیا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3584)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اور روایت میں ہے۔

وہ کھجور کا تنا اس طرح چلا رہا تھا جیسے دس ماہ کی حاملہ اونٹنی اپنے بچے کے فراق میں چلاتی ہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا ہاتھ رکھا تو وہ پرسکون ہو گیا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3585)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھ گئے تو وہ کھجور کا تنا بیل کی طرح آواز نکال کر چلا رہا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق کے غم کی وجہ سے اس کی آواز میں سرزنش تھی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور اس کو لپٹایا وہ پرسکون ہو گیا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اگر میں اس کو نہ لپٹاتا تو وہ قیامت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غم میں روتا رہتا پھر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے زمین میں دفن کر دیا گیا۔

امام بزار نے اپنی سند کے ساتھ حسن سے روایت کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے ساتھ چمٹایا تو وہ پرسکون ہو گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر میں اس کو نہ چمٹاتا تو یہ قیامت تک روتا رہتا۔

امام بغوی نے اس حدیث کو حسن سے روایت کر کے کہا

حسن جب اس حدیث کو بیان کرتے تو روتے

اور کہتے

اے اللہ عزوجل کے بندو! درخت کا تنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق میں روتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا مقام ہے تو تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا شوق رکھنے کے زیادہ حق دار ہو۔

(البدایہ والنہایہ ج:4 ص:518 تا 519 دار الفکر بیروت طبع جدید)

امام ابونعیم اصفہانی متوفی 430ھ نے متعدد اسانید کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو روایت کیا۔
جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ اگر میں اس کو اپنے ساتھ نہ لپٹاتا تو یہ قیامت تک روتا اور چلاتا رہتا۔
(دلائل النبوۃ لابی نعیم: رقم الحدیث 305)
نیز حافظ ابونعیم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخت کے ستون سے ارشاد فرمایا
تو پرسکون ہو جا۔
پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ارشاد فرمایا
یہ میری محبت میں رو رہا ہے۔
پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا
تو پرسکون ہو جا اگر تو چاہے تو میں تجھ کو جنت میں اگا دوں گا تیرا پھل نیک لوگ کھائیں گے اور اگر تو چاہے تو میں تجھے دنیا
میں پہلے کی طرح تروتازہ درخت اگا دوں گا تو اس درخت نے آخرت کو دنیا پر اختیار کر لیا۔
(دلائل النبوۃ لابی نعیم: رقم الحدیث: 306)
آخر میں چند احادیث مبارکہ عرض کرتا ہوں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کلام پر دال ہیں۔
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ہم ایک سفر میں تھے۔ درختوں کے پاس سے گزر ہوا۔ ایک شخص ان میں گیا اور سرخ پرندہ کے انڈے نکال لایا۔ وہ سرخ
پرندے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اوپر اپنے بازو پھیلانے لگے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ان کے انڈے کس نے جمع کئے ہیں۔
ایک شخص نے کہا:
میں نے ان کے انڈے لئے ہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پرندوں پر رحمت فرماتے ہوئے فرمایا۔
ان کے انڈے واپس کرو۔
(دلائل النبوۃ للبیہقی ج:6،ص:32)
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ ہمارا ایک درخت کے پاس سے گزر ہوا۔ اس میں سرخ پرندے
کے دو چوزے تھے ہم نے وہ اٹھا لئے۔

وہ سرخ پرندہ آکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنے لگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان کو واپس رکھ دو۔ سو ہم نے ان کو واپس رکھ دیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: 5268)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہدہد سے کلام فرمانا

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت سلیمان حج کرنے کے بعد حرم شریف سے واپس آئے تو زوال کے وقت یمن کے مقام صنعاء میں پہنچے۔ یہ جگہ حرم سے ایک ماہ کی مسافت پر تھی ان کو وہ جگہ اچھی لگی۔ انہوں نے کھانے اور نماز پڑھنے کے لئے وہاں اترنے کا قصد کیا جب وہ تخت سے اس جگہ پر اتر گئے

تو ہدہد نے دل میں کہا

حضرت سلیمان علیہ السلام تو اس جگہ کی سیر میں مشغول ہیں میں اڑ کر فضا میں گھومتا ہوں۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا تو اس کو بلقیس کا باغ نظر آیا وہ اس کے سبزہ اور پھلوں کی طرف مائل ہوا وہ اس باغ میں اتر گیا۔ وہاں بھی اس نے ایک ہدہد کو دیکھا۔

''حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہدہد کا نام یعفور تھا۔''

''اور یمن کے ہدہد کا نام یعفیر تھا''

پس یمن کے یعفیر نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے یعفور سے کہا۔

تم کہاں سے آئے ہو اور کہاں کا ارادہ ہے۔

اس نے کہا:

میں اپنے بادشاہ سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے ساتھ یمن میں آیا ہوں۔

اس نے پوچھا:

سلیمان (علیہ السلام) کون ہیں۔

اس نے کہا:

وہ جن وانس اور شیاطین اور پرندوں اور وحشی جانوروں اور ہواؤں کے بادشاہ ہیں۔

پھر اس سے پوچھا کہ

تم کہاں کے رہنے والے ہو

اس نے کہا:

میں اس ملک کا رہنے والا ہوں۔

یعفور نے پوچھا:

اس ملک کا بادشاہ کون ہے؟

اس نے کہا:

ایک عورت ہے جس کا نام بلقیس ہے اور بے شک تمہارا مالک بہت بڑا بادشاہ ہے لیکن بلقیس کا ملک بھی اس سے کم نہیں ہے اور وہ پورے ملک یمن کی ملکہ ہے اور اس کے ماتحت بارہ ہزار سردار ہیں اور ہر سردار کے تحت ایک لاکھ جنگ جو ہیں۔

کیا تم میرے ساتھ چلو گے تاکہ میں تمہیں اس کا ملک دکھاؤں۔

یعفور نے کہا:

مجھے خدشہ ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جب پانی کی ضرورت ہوگی تو وہ مجھے تلاش کریں گے کیونکہ میں ان کو پانی کی طرف رہنمائی کرتا ہوں۔

یمانی ہدہد نے کہا:

جب تم اپنے بادشاہ کے پاس اس ملک کی خبر لے کر جاؤ گے تو وہ خوش ہوگا۔

پھر یعفور اس کے ساتھ چلا گیا اور بلقیس اور اس کے ملک کو دیکھا پھر ہدہد عصر کے وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچا ادھر حضرت سلیمان علیہ السلام نماز کے وقت تخت سے اترے اس جگہ پانی نہیں تھا۔

آپ علیہ السلام نے انسان، جنات وشیاطین سے پانی کے متعلق سوال کیا تو ان کو معلوم نہیں تھا۔

پھر آپ علیہ السلام نے پرندوں کی تفتیش کی تو ہدہد کو غیر حاضر پایا۔

آپ علیہ السلام نے پرندوں کے تلاش کرنے والے کو بلایا وہ گدھ تھا اس سے ہدہد کے متعلق سوال کیا۔

اس نے کہا:

اللہ عزوجل آپ علیہ السلام کے ملک کو سلامت رکھے مجھے معلوم نہیں وہ کہاں ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام غضبناک ہوئے اور ارشاد فرمایا

میں اس کو ضرور سزا دوں گا یا اس کو ذبح کر دوں گا۔

پھر پرندوں کے سردار عقاب کو بلایا

اور اس سے فرمایا

ابھی ہدہد کو لا کر حاضر کرو۔

عقاب ہوا میں بلند ہوا اور دائیں بائیں نظر ڈالی تو ہدہد یمن کی طرف سے آرہا تھا۔ عقاب اس پر حملہ کرنے کے لئے جھ

ہدہد نے اس کو قسم دی کہ اس ذات کی قسم جس نے تجھ کو مجھ پر یہ قدرت دی ہے۔

''مجھ پر حملہ نہ کر۔''

عقاب نے اس کو چھوڑ دیا

اور کہا

تجھ پر افسوس ہے تجھ پر تیری ماں روئے۔ اللہ عزوجل کے نبی نے یہ قسم کھائی ہے کہ وہ تجھے کو ضرور سزا دیں گے یا ذبح کر دیں گے۔

ہدہد نے پوچھا:

آیا اللہ عزوجل کے نبی نے قسم کے ساتھ کوئی استثناء بھی کیا ہے یا نہیں۔

تو اس کو بتایا کہ

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ

ورنہ وہ اس کی (یعنی غیر حاضری کی) صاف صاف وجہ بیان کرے۔

ہدہد نے کہا:

اب میری نجات ہو جائے گی۔

پھر عقاب اور ہدہد حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔

عقاب نے کہا:

میں نے ہدہد کو حاضر کر دیا ہے۔

ہدہد نے اپنا سر اوپر اٹھایا اور اپنی دم اور پر جھکا دیئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے پوچھا:

تم کہاں تھے۔ میں تم کو سزا دوں گا۔

ہدہد نے کہا:

اے اللہ عزوجل کے نبی علیہ السلام! آپ علیہ السلام وہ وقت یاد کیجئے جب آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

حضرت سلیمان یہ سن کر کانپنے لگے اور اس کو معاف کر دیا۔

پھر اس سے تاخیر کا سبب پوچھا

تو اس نے کہا:

میں نے اس جگہ کا احاطہ کرلیا ہے جس کا آپ علیہ السلام نے احاطہ نہیں کیا۔ میں آپ علیہ السلام کے پاس (ملک) سبا کی ایک یقینی خبر لایا ہوں۔

میں نے دیکھا کہ

ان پر ایک عورت حکومت کررہی ہے اور اس کو ہر چیز سے دیا گیا ہے اور اس کا بہت بڑا تخت ہے۔

(معالم التنزیل ج:3،ص:498 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشری متوفی 538ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ہدہد کو اس کلام کا الہام کیا تھا جو اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے روبرو کیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو

نبوت

علوم وافرہ

اور بہ کثرت معلومات کے احاطہ کی فضیلت دی گئی ہے اس کے باوجود ان کی آزمائش کے لئے ان کو اس کا علم نہیں دیا گیا اور ایک ادنیٰ اور کمزور ترین مخلوق نے ان چیزوں کے علم کا احاطہ کرلیا جن کا حضرت سلیمان علیہ السلام کے علم نے احاطہ نہیں کیا اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت سلیمان علیہ السلام پر انعام تھا تاکہ وہ باوجود اپنے عظیم علوم کے منکسر اور متواضع رہیں اور ان کے دل میں اپنے علوم کی برتری اور تفاخر کا معمولی سا شائبہ بھی پیدا نہ ہو اور کسی چیز کے علم کے احاطہ کا معنی یہ ہے کہ اس کی تمام معلوم ہوں اور اس کا کوئی گوشہ مخفی نہ رہے۔

مفسرین نے کہا ہے:

اس آیت میں (نمل 20 تا 33) رافضیوں کے اس قول کا بطلان ہے کہ امام سے کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی اور اس کے زمانہ میں اس سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں ہوتا۔

(الکشاف: ج:3،ص:364 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ زمخشری کا رد اور اس کی صحیح توجیہ

ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے اپنے علم کا اظہار کیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے علم کی نفی کی یہ بظاہر ہدہد کی اللہ عزوجل کے نبی علیہ السلام کے سامنے جسارت اور بے ادبی ہے۔

علامہ زمخشری اور ان کے متبعین نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ ہدہد کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اس قول کا الہام اس لئے کیا تاکہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے عظیم علوم پر فخر نہ کریں لیکن دیگر مفسرین نے اس توجیہ سے اختلاف کیا ہے۔

علامہ ابوالسعود محمد بن محمد مصطفیٰ العمادی الحنفی متوفیٰ 982ھ لکھتے ہیں۔

ہدہد نے جو کہا تھا کہ میں نے اس چیز کا احاطہ کر لیا ہے جس کا آپ علیہ السلام نے احاطہ نہیں کیا اور احاطہ کا معنیٰ ہے کسی چیز کی جمیع جہالت سے معرفت ہو اس سے ہدہد کی یہ مراد نہیں تھی کہ اس نے حقائق علوم اور دقائق معارف کا احاطہ کر لیا ہے جو علماء اور حکماء کا خاصہ ہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے اس کا یہ کہنا دائرہ ادب سے تعدلی اور اپنی حد سے تجاوز ہو اور اس کا یہ کلام بے باکی اور گستاخی پر محمول کیا جائے اور اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے جو نفی کی تھی اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی بے ادبی اور توہین قرار دے دیا جائے اور پھر اس کی یہ توجیہ کی جائے کہ ہدہد نے جو کچھ کہا وہ اللہ تعالیٰ کے الہام سے کہا تھا تا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو

نبوت

حکمت

علوم کثیرہ

اور معلومات وافرہ

کے احاطہ کی جو فضیلت دی گئی ہے اس کی وجہ سے ان کو تفاخر نہ ہو اور ان کو اس پر تنبیہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ادنیٰ اور ضعیف ترین مخلوق نے بھی اس چیز کے علم کا احاطہ کر لیا جس کا حضرت سلیمان علیہ السلام کے علم نے احاطہ نہیں کیا تا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام متواضع اور منکسر رہیں بلکہ ہدہد کا اپنے اس قول سے یہ ارادہ تھا کہ ہدہد نے جس ملک سبا کو دیکھا ہے اس کو دیکھنا ان امور سے نہیں ہے جس کا احاطہ کرنا کوئی فضیلت ہو اور نہ اس سے غافل ہونا کوئی نقص ہے کیونکہ ملک سبا کا احاطہ کرنا تو صرف اس کے دیکھنے اور مشاہدہ کرنے پر موقوف ہے اور اس کے ادراک میں عقل والے اور بے عقل سب برابر ہیں اور ہدہد کو یہ معلوم تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملک سبا کا مشاہدہ نہیں کیا اور نہ انہوں نے کسی اور سے اس کی خبر سنی ہے۔ اس لئے ہدہد نے اس طریقہ سے یہ بات کہی تا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک سبا کو دیکھنے کا شوق اور وہ اس کے غائب رہنے کا عذر اس لئے قبول کر لیں کہ وہ ان کو ایک نئی چیز دکھانے اور اس کی طرف راغب کرنے کے لئے غیر حاضر رہا تھا۔

(تفسیر ابوالسعود ج:5، ص:78 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ اسماعیل حقی متوفیٰ 1137ھ لکھتے ہیں:

ملک سبا کو نہ دیکھنا حضرت سلیمان علیہ السلام کی شان میں کسی کمی کا موجب نہیں ہے کیونکہ جو علم نبوت میں نافع اور مفید ہو وہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شان کے لائق نہیں ہے۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ دعا کی ہے۔

اعوذ بک من علم لا ینفع (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2722)

جو علم غیر نافع ہو میں اس سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔
بعض علماء نے یہ کہا کہ
حضرت سلیمان علیہ السلام صنعا میں پہنچ چکے تھے اور وہاں سے ملک سبا صرف تین دن کی مسافت یا تین فرسخ کے فاصلہ تھا اس کے باوجود کسی مصلحت اور حکمت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ملک سب آپ علیہ السلام سے مخفی رکھا۔
جیسے
حضرت یعقوب علیہ السلام سے حضرت یوسف علیہ السلام کی جگہ مخفی رکھی تھی۔
(روح البیان: ج:6، ص:434 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)
علامہ آلوسی حنفی متوفی 1270ھ نے اسی دلیل سے علامہ زمخشری کا رد کیا جو علامہ ابن سعود نے بیان کی ہے کہ ملک سبا کو دیکھنے میں کوئی فضیلت نہیں تھی اور حضرت سلیمان علیہ السلام تواضع اور انکسار پر راغب کرنے کے لئے ہدہد کا قول کیسے ہوسکتا ہے جبکہ اس سے متصل پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس دعا کا ذکر فرمایا ہے۔
اے میرے رب عزوجل! تو نے مجھے اور میرے والد کو جو نعمتیں عطا کی ہیں مجھے ان کا شکر ادا کرتے رہنے پر قائم رکھ اور تو مجھے ان نیک اعمال پر قائم رکھ جس سے تو راضی ہے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کر لے۔(النمل:19)
(روح المعانی ج:19 ص:278 مطبوعہ دار الفکر بیروت)
انبیاء کرام علیہم السلام کو علم غیب حاصل ہوتا ہے جن کی کثرت کے ساتھ دلیلیں ملتی ہیں۔
چنانچہ
علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ نے لکھا ہے۔
یعنی مجھے اس چیز کا علم ہو گیا جس کا آپ کو علم نہیں ہے۔ اس آیت میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو غیب کا علم ہوتا ہے۔
(الجامع الاحکام القرآن جز:13 ص:168 مطبوعہ دار الفکر بیروت)
اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ
اس آیت میں ان لوگوں کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو کل غیوب کا علم ہوتا ہے اور ان سے کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی سالبہ جزئیہ موجبہ کلیہ کی نقیض ہوتی ہے اور جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو بعض غیوب کا علم نہیں تھا تو معلوم ہوا ان کو کل غیوب کا علم نہیں تھا کیونکہ علامہ قرطبی اس کے قائل ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ جتنا چاہتا ہے غیب کا علم عطا فرماتا ہے۔
الجن: 26 تا 27 کی تفسیر میں علامہ قرطبی لکھتے ہیں

اولیٰ یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ اپنے غیب کو صرف اس پر ظاہر فرماتا ہے جس کو وہ نبوت کے لئے چن لیتا ہے پھر وہ اس کو جس قدر چاہتا ہے غیب پر مطلع فرماتا ہے تا کہ یہ علم غیب اس کی نبوت پر دلالت کرے۔

علماء کرام رحمہم اللہ نے کہا:

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے عالم الغیب ہونے سے اپنی مدح فرمائی اور علم غیب کو اپنے ساتھ خاص کرلیا تو اس میں یہ دلیل تھی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو غیب کا علم نہیں ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے ان کا استثناء کرلیا جن کو اس نے اپنی رسالت کے لئے چن لیا اور بذریعہ وحی ان کو غیب عطا فرمایا اور اس علم غیب کو ان کے لئے معجزہ اور ان کی نبوت کے صدق کی دلیل بنایا۔

(الجامع الاحکام القرآن ج:19، ص:26 تا 27 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اس سے ثابت ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب عطا فرمایا ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا ملک سبا کو جانا کسی حکمت کے تحت پوشیدہ تھا۔

بہرحال ہمارا مقصود یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام پرندوں سے بھی کلام فرماتے ہیں۔

پتھروں کا سلام کرنا

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ خوائی مکہ مکرمہ میں نکلا تو کوئی درخت اور پتھر ایسا نہ تھا جو یہ نہ کہتا ہو۔

السلام علیک یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

ترجمہ: اے اللہ عزوجل کے رسول آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر سلام ہو۔

(مشکوٰۃ المصابیح، ص:540)

جس راستے سے گزر میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوا
اس راستے سے بھی درودوں کی آوازیں آئیں۔
(صلی اللہ علیہ وسلم)۔

ان تمام حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام جانوروں پرندوں اور درختوں سے بھی کلام فرماتے تھے تو یہ کہنا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسی قوت گویائی وسماعی عطا فرمائی کہ انبیاء کرام علیہم السلام انسانوں سے کیا بے جان چیزوں کو دیکھ کر ان سے کلام فرماتے اور ان کی فریادرسی سنتے تھے۔

اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین بجاہ النبی الامین وصلی اللہ علیہ وسلم)

انبیاء کرام علیہم السلام نے جنت اور صالح ہونے کی دعا کیوں کی؟

علامہ زمخشری متوفی 538ھ نے کہا:

حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا میں جو یہ کہا کہ

اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کرلے۔

اس کا معنی ہے۔

مجھے اہل جنت سے کردے۔

(الکشاف ج:3،ص:362 داراحیاء التراث العربی)

اور علامہ اسماعیل حقی متوفی 1137ھ نے کہا:

یہاں مفعول مقدر ہے

یعنی

اپنی رحمت سے مجھے جنت میں داخل کردے۔

اوران دونوں توجیہات کی وجہ یہ ہے کہ

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب میں یہ کہا کہ مجھے اعمال صالحہ کی توفیق دے تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ مجھے اپنے صالح بندوں میں داخل کرلے کیونکہ جو اعمال صالح کرے گا وہ صالح بندہ ہی ہوگا۔

اس کا علامہ زمخشری نے یہ جواب دیا کہ

اس کا معنی یہ ہے کہ

مجھے اہل جنت سے کردیتا کہ اس آیت میں تکرار لازم نہ آئے اور جب اعمال صالحہ کی طلب کے بعد جنت کی طلب کی گویا اعمال صالحہ پر دوام کو طلب کیا کیونکہ صرف اعمال صالحہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اعمال صالحہ دائمی بھی ہوں۔

نیز

اعمال صالحہ کے بعد جنت کی دعا کرکے یہ بتایا کہ کسی شخص کا اعمال صالحہ سے متصف ہونا اس کے جنتی ہونے کو مستلزم

ہے اور نہ جنتی ہونے کے لئے کافی ہے کیونکہ جنت تو صرف اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ملتی ہے۔

حدیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اور نہ مجھے سوا اس کے کہ اللہ عزوجل مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2816)

اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو دعا میں کہا

اپنی رحمت سے مجھے داخل کردے اس میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔

قرآن مجید کی بعض آیتوں میں ہے۔

اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ○ (الاعراف: 43)(الزخرف: 72)

تمہیں اپنے عملوں کی وجہ سے جنتوں کا وارث بنایا گیا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ

جنت میں دخول کا ظاہری سبب نیک اعمال ہیں اور حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہو تو انسان نیک اعمال نہیں کرسکتا۔ ان آیات کریمہ میں دخول جنت کا ظاہری سبب کا ذکر فرمایا ہے۔

اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس دعا میں اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارکہ میں دخول جنت کے حقیقی سبب کا ذکر فرمایا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو دخول جنت کی دعا کی ہے اس میں اپنے جد کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر عمل کیا۔

کیونکہ آپ علیہ السلام نے بھی دخول جنت کی دعا کی تھی۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاجْعَلْنِىْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ○ (الشعراء: 85)

اور مجھے نعمت والی جنتوں کے وارثوں میں سے بنادے۔

نیز

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو دعا کی

مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرمادے۔

یعنی

جب ان نیک بندوں کا ذکر کیا جائے تو میرا بھی ذکر کیا جائے گویا مجھے ایسے اعمال صالحہ عطا فرما کر ان اعمال صالحہ کی بنا پر بعد کے لوگ میرا شمار صالحین میں کریں کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر عمل صالح کرنے والے کا شمار صالحین میں کیا جائے۔ ہزاروں لوگ نیک عمل کرتے ہیں لیکن ان کا شمار صالحین میں نہیں کیا جاتا۔

مقصد یہ تھا کہ

بعد میں بھی آپ علیہ السلام کی ثناء جمیل اور تحسین ہوتی رہے اور اس دعا میں بھی آپ علیہ السلام نے اپنے جد کریم کی اتباع کی ہے۔

کیونکہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں کہا تھا۔

وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿الشعراء: 84﴾

''اور میرا ذکر خیر بعد کے لوگوں میں بھی باقی رکھ۔''

ایک اعتراض یہ ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کے درجات اولیاء اور صالحین کے درجات سے بلند ہوتے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام صالحین کے زمرہ اور ان کی جماعت میں دخول کی دعا کرتے تھے۔

دیکھو

حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا کی

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿یوسف: 101﴾

مجھے اسلام پر وفات دینا اور صالحین کے ساتھ ملا دینا۔

اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی یہ دعا کی تھی

وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿النمل: 19﴾

اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے صالح بندوں میں داخل فرمالے۔

علامہ القمولی متوفی 727ھ نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ

صالح کامل وہ شخص ہے جو نہ معصیت کرے اور نہ معصیت کا ہم کرے (ہم سے مراد ہے عزم سے کم درجہ کا ارادہ جس میں غالب جانب فعل کرنے کی ہو اور مغلوب جانب فعل نہ کرنے کی ہو) اور یہ بہت بلند درجہ ہے۔

(تفسیر کبیر: ج:8، ص:549 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس جواب پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام نے جو صلاح کامل کے بلند درجہ کی دعا کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو یہ درجہ حاصل نہیں تھا کیونکہ اس دعا سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کو یہ درجہ حاصل نہ ہو۔

جیسے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں دعا کی

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ○ (الفاتحہ: 5)

ہم کو سیدھا راستہ چلا۔

حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے راستے پر ہی چل رہے تھے تو اس دعا سے مقصود صراط مستقیم دوام اور اثبات کو طلب کرنا ہے یا اس میں مزید ترقی کو طلب کرنا ہے۔

اسی طرح

جب انبیاء کرام علیہم السلام صلاح کامل کو طلب کرتے ہیں تو ان کا مقصود صلاح کامل کے درجہ میں دوام اور ثبات کو طلب کرنا ہوتا ہے اور اس میں مزید ترقی کو طلب کرنا ہوتا ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ جو اولیاء اور صالحین ہوتے ہیں وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے صلاح کامل کے درجہ پر فائز نہیں ہوتے بلکہ اس سے کم درجہ پر ہوتے ہیں۔

یعنی

وہ بالعموم معصیت تو نہیں کرتے لیکن معصیت کے ''ہم'' سے محفوظ اور مامون نہیں ہوتے۔ سو انبیاء کرام علیہم السلام نے صلاح کامل کے درجہ کی دعا کی ہے اور یہ دیگر اولیاء اور صالحین کی صالحیت سے بلند درجہ ہے جس کو علامہ اقلمولی وغیرہ نے صلاح کامل سے تعبیر فرمایا ہے۔

اور علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی حنفی متوفی 1069ھ نے اس اعتراض کے جواب میں کہا ہے:

ہر چند کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا درجہ اولیاء اور صالحین سے بلند ہوتا ہے لیکن انبیاء کرام علیہم السلام نے جو یہ دعا کی کہ ہم کو صالحین کی جماعت میں داخل کر دے تو یہ ان کی تواضع اور ان کا انکسار ہے۔

(عنایۃ القاضی: ج:7، ص:235 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اور علامہ آلوسی متوفی 1270ھ نے یہ کہا کہ

حضرت سلیمان علیہ السلام نے پہلے جو دعا میں کہا کہ

تو نے مجھے اور میرے والد کو جو نعمتیں عطا کی ہیں مجھے ان کا شکر ادا کرتے رہنے پر قائم رکھ اور مجھے ان نیک اعمال پر قائم رکھ جن سے تو راضی ہے۔

دعا کے اس حصہ میں یہ طلب کیا کہ

مجھے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کی توفیق دے کیونکہ صالحیت دونوں حقوق کی ادائیگی سے حاصل ہوتی ہے سو یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے۔

(روح المعانی ج:11 ص:271 موضحاً مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو کہا

مجھے ان (نعمتوں) کا شکر ادا کرتے رہنے پر قائم رکھ اس سے ان کی مراد دل اور زبان سے شکر ادا کرنا ہے۔

اور انہوں نے جو فرمایا

اور مجھے ان نیک اعمال پر قائم رکھ۔

اس سے مراد جسم کے باقی اعضاء ظاہرہ سے شکر ادا کرنا ہے تاکہ شکر کامل ہو جائے۔

کیونکہ شکر کا معنی ہے۔

دل، زبان اور اعضاء ظاہرہ سے نعمت دینے والے کی تعظیم کرنا۔

بعض علماء نے کہا:

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی دعا میں پہلے ایک خاص چیز کا سوال کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہیں۔ پھر عام چیز کا سوال کیا کہ وہ نیک عمل کریں پھر اعمال صالحہ کے ساتھ یہ قید بھی لگائی کہ وہ ایسے اعمال صالح ہوں جن سے تو راضی ہو۔

اور رضا سے مراد یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ ان اعمال صالحہ کو قبول فرمائے کیونکہ اعمال صالحہ کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو قبول بھی فرمائے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ

(المائدہ:27)

اور ان کو آدم کے دو بیٹوں کا [illegible] نے قربانی کی تو ان میں سے ایک کی قربانی

قبول کی گئی اور دوسرے کی قربانی قبول نہیں کی گئی۔

ہابیل اور قابیل دونوں نے قربانی کی تھی۔ ہابیل کی قربانی قبول فرمائی گئی اور قابیل کی قربانی قبول نہیں کی گئی حالانکہ دونوں کے عمل صالح تھے۔

یہی وجہ ہے کہ

• انبیاءکرام علیہم السلام نیک عمل کرنے کے بعد اس کے قبول ہونے کی دعا کرتے تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۝

(البقرۃ:127)

اور جب ابراہیم اور اسماعیل کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور دیواریں بلند کر رہے تھے۔ اے ہمارے رب تو ہم سے قبول فرما۔ بے شک تو ہی بہت سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔

نیز

حضرت سلیمان علیہ السلام نے شکر کی ادائیگی اور صالحیت پر قائم رہنے کی دعا کی اور آخر میں اپنے آباء کرام کے طریقہ کے مطابق جنت میں دخول کی دعا کی اور یہ دعائیں ان کے معصوم ہونے کے منافی نہیں ہیں بلکہ اس پر تنبیہ کرنے کے لئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی جلالت ذات سے ڈرتے رہنا چاہئے اور امت کے لئے یہ ہدایت ہے کہ وہ احسن طریقہ سے شریعت کی اتباع کرتی رہے اور طریقت کے پسندیدہ حال پر قائم رہے تاکہ حقیقت کے بلند مقام پر فائز ہو۔ حرام اور مکروہ کاموں سے حتی الوسع مجتنب رہے اور فرائض، واجبات اور سنن اور مستحبات پر ہمیشہ عامل رہے۔ یہ شریعت کی پابندی ہے۔ مشائخ کے بتائے ہوئے معمولات یا پھر نفلی عبادات کو انجام دیتا رہے۔ یہ طریقت پر عمل کرنا ہے اور اپنے دل میں معصیت کے زنگ کو لگنے نہ دے اور ہر قسم کے برے افکار سے اپنے دل و دماغ کو صاف اور پاک رکھے حتیٰ کہ اس کا آئینہ دل صیقل ہو جائے اور الوہی تجلیات کے عکس اور منطبع ہونے کے قابل ہو جائے یہ حقیقت ہے اور جو شخص شریعت پر عمل نہیں کرتا اور اپنے باطن کو پاک اور صاف نہیں رکھتا وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ ہم اللہ عزوجل سے یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے پسندیدہ اعمال اور مرغوب احوال کی توفیق دے اور ہم کو زہد اور تقویٰ اور دیگر مستحسن امور سے مزین کر دے۔ بے شک وہی ہماری دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

میثاق میں انبیاءکرام علیہم السلام سے کون سا عہد لیا گیا

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰى وَعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ ۪ وَ اَخَذْنَا

مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا (الاحزاب: 7)

اور یاد کیجئے جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے اور ہم نے ان سے بہت پکا عہد لیا۔

تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے جو عہد لیا گیا اس کی حسب ذیل تفسیریں ہے۔

(1) تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے اللہ تعالیٰ نے یہ عہد لیا تھا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کی جو ذمہ داری سونپی ہے وہ اس کو پورا کریں اور بعض نبی دوسرے نبی انبیاء کرام علیہم السلام کو بشارت دیں اور بعض بعض کی تصدیق کریں۔

نیز فرمایا

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نواح اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ بن مریم سے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے ذکر میں ان پانچ انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر بھی آ گیا تھا لیکن ان کی خصوصیت اوزان کے شرف کی وجہ سے ان کا علیحدہ ذکر کیا۔

اور ایک قول یہ ہے:

ان کی خصوصیت اس وجہ سے ہے کہ یہ صاحب شریعت اور صاحب کتاب ہیں۔

اور ایک قول یہ ہے:

یہ اولوالعزم رسولوں میں سے ہیں۔

(2) انبیاء کرام علیہم السلام سے جو عہد لیا گیا تھا اس کی تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان نصرت اور حمایت اور وراثت کی ممانعت کے حکم پر عمل کرانے کا عہد تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے لیا گیا اور بالخصوص ان پانچ اولوالعزم رسولوں سے بھی یہ عہد لیا گیا۔

(3) اس عہد کی تفسیر یہ بھی کی گئی:

انبیاء کرام علیہم السلام سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ ہر چند کہ ان کی شریعتیں مختلف ہوں گی لیکن وہ دین میں ایک دوسرے سے اختلاف نہ کریں۔

اور دین سے مراد

وہ اصول ہیں جو تمام انبیاء کرام علیہم السلام میں مشترک ہیں۔

مثلاً

انبیاء کرام علیہ السلام کی رسالت

فرشتوں پر ایمان لانا

کتابوں پر ایمان لانا

تقدیر پر ایمان لانا

قیامت پر ایمان لانا

مرنے کے بعد اٹھنے پر ایمان لانا

جزا پر ایمان لانا

سزا پر ایمان لانا

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا واجب ہونا

اللہ تعالیٰ کی عبادت کا واجب ہونا

اور اس کی معصیت کا حرام ہونا

اور شریعت سے مراد وہ مخصوص اور جزوی طریقے ہیں جو نبی علیہ السلام نے اپنے اپنے زمانہ کے تقاضوں کے لحاظ سے مقرر کیے ہیں۔

جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ط (الشوری: 13)

اللہ نے تمہارے لئے اسی دین کو مقرر کیا ہے جس کی نوح کو وصیت کی تھی اور جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور جس کی ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو وصیت کی تھی کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں اختلاف نہ کرنا۔

حضرت مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا

واو صيناك يا محمد و اياه دينا واحداً

ترجمہ: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کو اور نوح کو ایک ہی دین کی وصیت کی ہے۔

(صحیح البخاری کتاب الایمان باب: 1)

سو انبیاء کرام علیہم السلام سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ ہر چند کہ ان کی شرائع مختلف ہوں گی لیکن ان سب کا دین واحد ہوگا وہ دین میں اختلاف نہ کریں۔

(4) اس عہد کی چوتھی تفسیر یہ ہے کہ

تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد مبارک کا اعلان کریں اور ان کی بشارت دیں اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے زمانہ میں مبعوث ہوں تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت اور حمایت کریں اور سب انبیاء کرام علیہم السلام دنیا والوں کو بتائیں کہ ان کے بعد ایک عظیم الشان نبی آنے

والا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عہد لیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتائیں کہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ○ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ○

(آل عمران: 81 تا 82)

اور (اے محبوب) یاد کیجئے جب اللہ نے تمام نبیوں سے پختہ عہد لیا کہ میں تم کو جو کتاب اور حکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ عظیم رسول آجائیں جو اس چیز کی تصدیق کرنے والے ہوں جو تمہارے پاس ہے تو تم ان پر ضرور ضرور ایمان لانا اور ضرور بہ ضرور ان کی مدد کرنا۔ فرمایا، کیا تم نے اقرار کرلیا اور میرے اس بھاری عہد کو قبول کرلیا۔ انہوں نے کہا: ہم نے اقرار کرلیا۔ فرمایا پس گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔ پھر اس کے بعد جو عہد سے پھرا سو وہی لوگ نافرمان ہیں۔

امام محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر بعد تک جس نبی کو بھیجا اس سے یہ عہد لیا گیا کہ اگر اس کی حیات میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوں تو وہ ضرور بہ ضرور ان پر ایمان لائے گا اور ضرور بہ ضرور ان کی نصرت کرے گا اور پھر وہ اللہ کے حکم سے اپنی قوم سے یہ عہد لیا تھا۔

(جامع البیان: جز:3، ص:450 دار الفکر بیروت)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) اگر تمہارے سامنے زندہ ہوتے تو میری اتباع کرنے کے سوا ان کے لئے کوئی چارہ کار نہ تھا۔

(مسند احمد: ج:3، ص:338)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2219)

ان آیات کریمہ اور احادیث مبارکہ سے واضح ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد میثاق لیا گیا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا اللہ تعالیٰ سے ڈرنا

انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور نہ ان پر کوئی خوف وغم ہوتا ہے بلکہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل میں معروف رہتے ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے متعلق یہ آیت کریمہ ہے۔

قرآن مجید سورہ احزاب میں ہے۔

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝

(احزاب: 39)

جو لوگ اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا اور کسی سے نہیں ڈرتے اور اللہ حساب لینے کے لئے کافی ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے عتاب سے ڈرتے ہیں یعنی ان سے کوئی ایسا کام نہ ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کی منشاء کے خلاف ہو اور وہ اس پر عتاب فرمائے یعنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمائے۔

اور فرمایا

جو لوگ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔

حالانکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی غیر سے ڈرتے رہے ہیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی اژدھا بن گئی اور وہ اس سے خوف زدہ ہوئے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

خُذْهَا وَلَا تَخَفْ (طٰہٰ: 20)

"آپ اس اژدھا کو پکڑ لیجئے اور اس سے مت ڈریئے۔"

اور اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ (یوسف: 13)

اور مجھے خوف ہے کہ اس کو بھیڑیا کھا لے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ

ان کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کے حکم کے بغیر انہیں کوئی چیز ضرر اور نقصان نہیں پہنچا سکتی کیونکہ ان کو علم ہوتا ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے ہوتی ہے اور جن بعض واقعات میں ان کو غیر اللہ سے ڈر ہوا ان کو وہ ڈر بشری تقاضوں سے عارض ہوا۔

جیسے

ان کا سونا

کھانا

پینا

اور ازواج کے ساتھ مشغول ہونا

بشری تقاضوں سے تھا ورنہ ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب اور اس کی معرفت کا تقاضہ تو یہ تھا کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے مشاہدہ میں منہمک اور مستغرق رہتے اور اس کی یاد اور اس کے ذکر کے سوا اور کسی چیز کی طرف متوجہ نہ ہوتے۔

یہی وجہ ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دنیا میں صرف تین چیزوں کی محبت میرے دل میں ڈالی گئی ہے۔

(1) خوشبو

(2) عورت

(3) اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے۔

(سنن نسائی: رقم الحدیث: 3949)

اس کا معنی یہ ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو از خود عورت سے محبت نہیں تھی اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کو پورا فرمانے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں عورت کی محبت ڈال دی۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نکاح میری سنت ہے۔

اس لئے فقہاء نے کہا:

نفلی عبادات میں مشغول ہونے سے نکاح کرنا افضل ہے۔

نیز

بغیر عوائق اور موانع کے عبادت کرنے سے افضل یہ ہے کہ انسان کو عبادت سے روکنے کے عوارض اور موانع ہوں اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور جب انسان کے اوپر اہل وعیال کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں اور اس کے دل میں ان کی محبت ہوتی ہے تو پھر اس کے روبرو فرائض وواجبات کو ادا کرنا زیادہ لائق تعریف ہے۔ بہ نسبت مجرد انسان کے۔

اسی لئے فقہاء نے یہ کہا ہے:

نفلی عبادات میں مشغول ہونے کی بہ نسبت انسان کا نکاح کرنا افضل ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا جسمانی عیوب سے بری ہونا

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو ایذا رساں کلام کیا تھا اس کی مفسرین نے دو تقریریں کی ہیں۔

ایک یہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بنی اسرائیل برہنہ نہایا کرتے تھے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تنہائی میں غسل کرتے تھے۔

تو بنی اسرائیل آپس میں کہنے لگے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام جو ہمارے ساتھ مل کر غسل نہیں کرتے اس کی ضرور یہی وجہ ہے کہ ان کے خصیے غیر معمولی بڑے ہیں (یعنی ان میں جسمانی عیب ہے اس کو چھپانے کے لئے یہ تنہا غسل کرتے ہیں) ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام غسل کرنے کے لئے گئے اور اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے اور پتھر آپ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے یہ کہتے ہوئے دوڑے۔

اے پتھر! میرے کپڑے دو۔

حتیٰ کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ لیا۔

اور انہوں نے کہا:

اللہ کی قسم! حضرت موسیٰ علیہ السلام میں تو کوئی جسمانی عیب نہیں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پتھر سے اپنے کپڑے لے لئے اور اس پتھر پر لاٹھی سے ضرب لگائی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر کہا اس پتھر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ضرب سے متعدد نشانات پڑ گئے تھے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 278)

پتھر کے کپڑے لے کر بھاگنے والی حدیث میں یہ دلیل ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو صوری اور معنوی اور جسمانی اور روحانی طور پر کامل پیدا کیا اور ان کو جسمانی عیوب ا

نقائص سے منزہ رکھا ہے۔

نیز اس حدیث مبارکہ سے یہ معلوم ہوا کہ

بنو اسرائیل نے جس عیب کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف نسبت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام ۔

اس عیب کی نسبت کو دور کر دیا

اور یہ کہ

اللہ تعالیٰ کو یہ گوارہ نہیں ہے کہ اس کے نبی کی طرف کسی جسمانی عیب اور موجب نفرت مرض کو منسوب کیا جائے اور ا

میں ان لوگوں کا بھی رد ہے جو حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں کیڑے پڑنے کی اسرائیلی اور جھوٹی روایات کو بیان کر

ہیں۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ

شرم گاہ کو چھپانے کا وجوب ہماری امت کی خصوصیت ہے کیونکہ بنی اسرائیل اکٹھے بے لباس ہو کر نہاتے تھے اور حضر

موسیٰ علیہ السلام ان کو منع نہیں فرماتے تھے۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ

پتھروں میں بھی شعور ہوتا ہے کیونکہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

اے پتھر! میرے کپڑے دے۔

اور نبی کا کلام لغو نہیں ہو سکتا۔ پتھر کا کپڑے لے کر بھاگنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان سے کلام فرمانا اور اس کو لا

مارنا اور اس میں لاٹھی کے نشانات پڑ جانا یہ سب امور خلاف عادت ہیں اور ان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کثیر معج

ہیں۔

(2) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بنی اسرائیل نے دوسری اذیت رساں بات جو کہی تھی اس کی تفصیل یہ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس آیت (الاحزاب: 69) کی تفسیر میں فرمایا۔

حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہ السلام ایک پہاڑ پر چڑھے۔ حضرت ہارون علیہ السلام وہیں وفات پا گئے۔

تو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔

آپ علیہ السلام نے ان کو قتل کیا ہے اور وہ آپ (علیہ السلام) کی نسبت ہم سے زیادہ محبت کرنے والے تھے اور آپ علیہ السلام کی بہ نسبت زیادہ نرم مزاج تھے اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان باتوں سے اذیت پہنچائی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا۔

تو وہ حضرت ہارون علیہ السلام کا جسم اٹھا کر لائے اور ان کی موت کی خبر دی۔تب بنی اسرائیل نے سمجھ لیا کہ ہارون علیہ السلام طبعی موت سے فوت ہوئے ہیں اور اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تہمت سے بری کر دیا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا ظاہری پردہ فرمانے کے بعد اپنی قبور سے باہر تشریف لانا

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام جب نماز پڑھتے تو اپنے سامنے ایک درخت اگا ہوا دیکھتے۔

آپ علیہ السلام اس سے پوچھتے؟

تیرا کیا نام ہے۔

وہ اپنا نام بتاتا ۔

پھر آپ علیہ السلام اس سے پوچھتے

تم کس مقصد کے لئے ہو۔اگر تم اگانے کے لئے ہو تو میں تمہیں اگاؤں اور اگر تم دوا کے لئے ہو تو میں لکھ لوں۔

ایک درخت نے آپ علیہ السلام کے سوال پر کہا

میں اس گھر کو ویران اور کھنڈر بنانے کے لئے ہوں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی کہ

اے اللہ عزوجل! جنات کو میری موت سے ناواقف رکھنا کہ انسانوں کو معلوم ہو جائے کہ جنات کو غیب کا علم نہیں ہوتا۔

پھر آپ علیہ السلام عصا کے سہارے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے اور اسی حال میں آپ علیہ السلام پر موت آ گئی اور ایک سال تک اسی حال میں بے جان عصا کے سہارے کھڑے رہے اور جنات آپ علیہ السلام کو زندہ سمجھ کر اسی طرح کام میں مشغول رہے۔

ادھر دیمک اس عصا کو کھاتا رہا اور انسانوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ جنات کو غیب کا علم نہیں ہوتا کیونکہ اگر ان کو غیب کا علم ہوتا تو وہ ایک سال تک کام کی مشقت میں مبتلا نہ رہتے۔

(جامع البیان رقم الحدیث:21976)

حضرت سلیمان علیہ السلام عصا کے سہارے کھڑے ہوئے تھے اور اسی حال میں ان کی روح قبض کر لی گئی اور ایک سال تک جن اور انسان یہی گمان کرتے رہے کہ آپ علیہ السلام زندہ ہیں۔آپ علیہ السلام کے جسم میں کوئی تغیر نہیں ہوا اور نہ چہرے

کی آب وتاب اور رعب وجلال میں کوئی فرق آیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات جسمانی ہوتی ہے اور موت سے ان کا جسم بوسیدہ نہیں ہوتا اور ان کی حیات اور موت میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

باقی رہا یہ کہ

وہ عصا کے سہارے کھڑے تھے اور جب دیمک نے ان کے عصا کو کھالیا تو وہ زمین پر آرہے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ

اللہ تعالیٰ نے ان کی تجہیز وتکفین کرائی تھی اور ان کی تدفین کرائی تھی اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ امور کیسے واقع ہوتے۔ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور سے نکل کر زمین وآسمان کی طرف آتے جاتے ہیں اور تصرف کرتے ہیں۔

اس پر چند احادیث مبارکہ واضح ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی ارزق سے گزرے

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کون سی وادی ہے۔

لوگوں نے کہا:

یہ وادی ارزق ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

گویا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو ثنیہ (گھاٹی) سے اترتے ہوئے دیکھ رہا ہوں اور وہ بلند آواز سے تلبیہ (اللھم لبیک......) پڑھ رہے تھے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھاٹی ہرشی پر تشریف لائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

یہ کون سی گھاٹی ہے۔

لوگوں نے کہا:

یہ ہرشی گھاٹی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

گویا کہ میں یونس بن متی علیہ السلام کی طرف دیکھ رہا ہوں وہ ایک طاقت ور سرخ اونٹنی پر سوار ہیں جس کی نکیل کھجور کی چھال کی ہے۔انہوں نے ایک اونی جبہ پہنا ہوا ہے اور وہ اللھم لبیک کہہ رہے ہیں۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث:166)

حضرت عبداللہ بن عمر خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں نے کعبہ کے پاس گندمی رنگ کا ایک شخص دیکھا جس کے بال سیدھے تھے اور ان سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے اس نے دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔

میں نے پوچھا:

یہ کون ہے؟

لوگوں نے کہا:

یہ حضرت عیسیٰ بن مریم یا مسیح بن مریم علیہ السلام ہیں۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث:171)

کفار کا انبیاء کرام علیہم السلام کو بدشگون اور منحوس کہنا اور اس پر عذاب نازل ہونا

کفار انبیاء کرام علیہم السلام کو بدشگون اور منحوس سمجھتے تھے۔اس پر آیت کریمہ واضح دلیل ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (یٰسین:18)

انہوں نے کہا: ہم تم کو بدفال سمجھتے ہیں اور اگر تم باز نہ آئے تو ہم تم کو سنگسار کر دیں گے اور ہماری طرف سے تم کو ضرور دردناک عذاب پہنچے گا۔

بستی والوں نے رسولوں کے وعظ اور تقدیر کے جواب میں کہا

ہم تو تم کو بدفال سمجھتے ہیں۔

ان کا مطلب یہ تھا کہ

تم ہمارے نزدیک ایک منحوس اور بے برکت ہو۔ہمیں تمہارے چہروں سے سعادت اور نیک بختی کے آثار نظر نہیں آئے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا

ان کے قول کا یہ معنی تھا کہ

اگر ہم پر کوئی مصیبت آئی تو وہ تمہاری وجہ سے آئے گی۔

حضرت مجاہد نے کہا:

ان کے قول کا یہ مطلب تھا کہ

جب بھی تم جیسا کوئی شخص بستی میں گیا تو اس کی وجہ سے اس بستی والوں پر عذاب آیا اور اگر تم باز نہ آئے تو ہم تم کو سزا دیں گے۔

رسولوں نے بستی والوں کے اس جواب کے بعد ان سے فرمایا۔

تم جس چیز کو ہماری نحوست کہہ رہے ہو اس کو عنقریب تم پر لوٹا دیا جائے گا۔ جس طرح اس بستی والوں کو منحوس اور بے برکت کہا تھا کفار اسی طرح انبیاء کرام رسل علیہم السلام کے متعلق تبصرے کیا کرتے تھے چنانچہ فرعون کی قوم نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق اسی طرح تبصرہ کیا تھا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰـكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (الاعراف: 131)

اور جب ان پر کوئی خوش حالی آتی تو کہتے یہ ہماری وجہ سے ہے اور جب ان پر کوئی مصیبت آتی تو اس کو موسیٰ اور ان کے اصحاب کی نحوست کہتے، سنو اللہ کے نزدیک صرف ان کی نحوست ہے لیکن ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ؕ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ۝ (النمل: 47)

انہوں نے کہا: ہم تم کو اور تمہارے اصحاب کو بدفال قرار دیتے ہیں۔ صالح نے کہا: تمہاری بدحالی اللہ کے نزدیک ہے بلکہ فتنہ میں مبتلا ہو۔

اسی طرح

منافقین نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی کہا تھا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝ (النساء: 78)

اور اگر منافقین کو کوئی اچھائی پہنچتی تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی برائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں یہ

آپ کی طرف سے ہے۔آپ فرمائیے کہ سب چیزیں اللہ کی طرف سے ہیں۔ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے یہ کسی بات کو سمجھنے کے قریب بھی نہیں آتے۔

انبیاء کرام علیہم نے فرمایا

بلکہ تم لوگ تو حد سے گزرنے والے ہو یعنی ہم نے تم کو نصیحت کی اور تم کو یہ حکم دیا کہ تم اللہ تعالیٰ کو واحد مانو اور اخلاص کے ساتھ اس کی عبادت کرو تو تم نے ایسے سخت جواب دیئے اور ہم کو ڈرایا اور دھمکایا اور ہمارے متعلق یہ کہا کہ تم بدفال اور منحوس بلکہ تم حد سے بڑھنے والے ہو۔

قرآن مجید میں انبیاء کرام علیہم السلام کا جواب کفار کو یوں دیا گیا۔

قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ؕ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝ (یٰسین: 19)

رسولوں نے کہا: تمہاری بدفالی تمہارے ساتھ ہے۔کیا تم نصیحت کرنے کو برا سمجھتے ہو بلکہ تم حد سے گزرنے والے ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر انبیاء کرام علیہم السلام کے مقدس دور میں ہر انبیاء کرام کو کفار ایسا ہی کہتے چلے آئے تھے۔آخر کار ان لوگوں کو ہلاک کر دیا گیا۔

جیسا کہ

فرعون جابر تھا خدائی کا دعویٰ کیا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت ہارون علیہ السلام کو جھٹلایا اور ان کو اذیتیں پہنچائیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو سمندر میں تباہ و برباد کر کے سمندر کو قیامت تک کی عبرت کے لئے حکم دیا کہ ان کی لاش کو باہر پھینک دو تو اس جابر اور منکر خدا عزوجل کی ہلاکت یوں ہوئی اور ہمیشہ کے لئے عبرت ہی عبرت بن گئی۔

وحی عام ہے نبوت خاص

خیال رہے کہ وحی عام ہے نبوت خاص ہے۔غیر تبلیغی غیر تشریعی وحی غیر نبی پر بھی آجاتی ہے۔حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام سے شکل انسانی میں آکر کلام کیا۔انہیں رب تعالیٰ کا پیغام پہنچایا کفار مکہ یا تو نبوت کا مطالبہ کرتے تھے یا صرف وحی کا مگر وحی ایمان لانے کی کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام پر یہ وحی لائیں گے کہ تم لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ مگر ان کے دونوں مطالبے ٹھکرا دیئے کہ وہ نہ تو خود نبوت کے لائق تھے نہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کوئی نبی ہو سکتا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔خاتم کے زمانہ میں دوسرا نبی کیسے ہو سکتا ہے۔وحی ایمان اس لئے نہیں آسکتی کہ نبی پر ایمان بالغیب چاہئے اگر ان پر وحی آجاتی کہ یہ نبی ہیں ان پر ایمان لاؤ تو ایمان بالغیب نہ رہتا۔نیز ان کی زبان پر اعتبار کرنا ایمان کی اصل ہے نہ کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی زبان پر اعتبار کرنا۔اگر حضرت جبرائیل علیہ السلام کے کہنے سے ایمان اختیار کیا جائے تو وہ ایمان نہیں۔نبی کے ایمان اور امتی کے ایمان میں بڑا فرق ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:8،ص:86 نعیمی کتب خانہ لاہور)

کوئی شخص انبیاء کرام علیہم السلام کے برابر نہیں ہوسکتا اگر خود کو مانے تو کافر ہے

کبھی غیر نبی، نبی کے افضل بلکہ نبی کے برابر نہیں ہوسکتا۔ جو کہے کہ فلاں بزرگ فلاں نبی سے افضل ہے یا اس کے برابر ہے وہ شیطان ہی کی طرح کافر ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:8،ص:356 نعیمی کتب خانہ لاہور)

انبیاء کرام علیہم السلام کا انکار اللہ تعالیٰ کا انکار ہے

دنیا میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے وعدے اللہ تعالیٰ ہی کے وعدے ہیں ان کا ماننا اللہ تعالیٰ کو ماننا ہے۔ان کا انکار اللہ تعالیٰ کا انکار ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:8،ص:496 نعیمی کتب خانہ لاہور)

انبیاء کرام علیہم السلام کا دور کی چیز کو دیکھ لینا

انبیاء کرام علیہم السلام کی صفات میں یہ بھی شامل ہے کہ یہ مقدس حضرات دور کی چیز کو دیکھ لیتے ہیں اور اس کا مشاہدہ کر لیتے اور خبر دے دیتے ہیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں ارشاد فرمایا:

میں یہاں سے اپنا حوض کوثر دیکھ رہا ہوں جو کہے کہ دور کی بات سننا اور خبر دینا اللہ تعالیٰ کی ہی صفت ہے۔ بندوں میں یہ صفات ماننا شرک ہے وہ جھوٹا ہے ان آیات واحادیث مبارکہ کا منکر ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:8،ص:496 نعیمی کتب خانہ لاہور)

انبیاء کرام علیہم السلام کی کسی چیز کا مذاق اڑانا کفر ہے

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے کسی وصف یا ان کی کسی چیز کا مذاق اڑانا کفر ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ (الاعراف: 75)

کیا تم جانتے ہو کہ صالح اپنے رب کی طرف سے رسول ہیں۔

کفار نے یہ سوال حضرت صالح علیہ السلام کا مذاق اڑانے کے لئے کیا تھا جیسے اللہ تعالیٰ نے کفریات میں شمار فرمایا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:8،ص:621 نعیمی کتب خانہ لاہور)

مردوں سے خطاب کرنا سنت انبیاء کرام علیہم السلام ہے

مردوں سے خطاب کرنا سنت انبیاء کرام علیہم السلام ہے۔

دیکھو

حضرت صالح علیہ السلام نے مردہ کفار سے خطاب کیا۔انہیں یا کہہ کر پکارا

قرآن مجید میں ہے:

فَتَوَلّٰی عَنۡهُمۡ وَ قَالَ یٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُكُمۡ رِسَالَةَ رَبِّیۡ (اعراف: 79)

تو صالح نے ان سے منہ پھیرا اور کہا اے میری قوم بے شک تمہیں اپنے رب کی رسالت پہنچا دی۔

یہ کلام حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے اس وقت فرمایا جب ان پر عذاب نازل ہو گیا اور وہ اوندھے گر پڑے ۔تب آپ علیہ السلام نے ان سے کلام فرمایا۔جب مردہ کفار کو پکارنا ان سے کلام کرنا درست بلکہ سنت انبیاء کرام علیہم السلام سے ثابت ہوا تو وفات یافتہ اولیاء کرام،شہداء کرام،انبیاء کرام علیہم السلام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا ان سے عرض معروض کرنا،ان سے اپنے دکھ درد کہنا ان سے شفاعت وغیرہ مانگنا بالکل جائز ہے کہ وہ حضرات تو زندہ ہیں لہٰذا یہ کہنا بالکل درست ہے

اسئلك الشفاعة یا رسول الله

اے اللہ عزوجل کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ سے شفاعت کی بھیک مانگتا ہوں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:8،ص:632 نعیمی کتب خانہ لاہور)

کو نام یا بشر یا بھائی وغیرہ کہنا حرام ہے

نبی جنس بشر میں آتے ہیں اور انسان ہی ہوتے ہیں،جن یا بشر یا فرشتہ نہیں ہوتے۔یہ دنیاوی احکام ہیں،ورنہ بشریت کی ابتداء آدم علیہ السلام سے ہوئی کیونکہ وہ بھی ابوالبشر ہیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نبی ہیں جبکہ آدم علیہ السلام آب و گل میں ہیں۔

خود ارشاد فرماتے ہیں۔

کنت نبیا و ادم بین الماء والطین

اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں بشر نہیں سب کچھ صحیح لیکن ان کو بشر یا انسان کہہ کر پکارنا یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا کہ اے ابراہیم (علیہ السلام) کے باپ یا اے بھائی یا دادا وغیرہ برابری کے الفاظ سے یاد کرنا حرام ہے اور اگر اہانت کی نیت سے پکارا ہو تو کافر ہے۔

عالمگیری وغیرہ کتب فقہ میں ہے کہ

جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہذا الرجل یہ مرد کی اہانت سے کہے تو کافر ہے بلکہ یا رسول اللہ یا حبیب اللہ یا شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم عظمت کے کلمات سے یاد کرنا لازم ہے۔شعراء جو اشعار میں یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھ دیتے ہیں وہ تنگی موقع سے ہے پڑھنے والے کو لازم ہے کہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ لے۔

اسی طرح جو کہتے ہیں کہ

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحیٰ تیرا

یہ تیرا انتہائی ناز کا کلمہ ہے۔ جیسے اے آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے تیرے قربان اے ماں تو کہاں ہے۔

اے اللہ (عزوجل) تو ہم پر رحم فرما۔

اس تو اور تیرے کی حیثیت اور ہے۔

(1) قرآن کریم میں ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ (سورہ نور: 63)

رسول کو پکارنے کو ایسا نہ ٹھہرالو جیسا کہ تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تم کو خبر نہ ہو۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا

وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○

(پارہ: 26 آیت نمبر: 2)

اور ان کے خصوصیات چلا کر نہ کہو جیسے ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تم کو خبر نہ ہو۔ ضبطی اعمال کفر کی وجہ سے ہوتی ہے۔

مدارج جلد اول وصل از جملہ رعایت حقوق اولیت میں ہے۔

نبی علیہ السلام کو ان کا نام پاک لے کر نہ بلاؤ جیسے بعض بعض کو بلاتے ہیں۔

بلکہ یوں کہو

یارسول اللہ! یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تو قیر و عزت کے ساتھ

تفسیر روح البیان زیر آیت لاتجعلوا ہے۔

معنی یہ ہیں کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا یا نام لینا ایسا نہ بناؤ جیسا کہ بعض بعض کو نام سے پکارتے ہیں۔

جیسے

یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور یا ابن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وغیرہ

لیکن ان کے عظمت والے القاب سے پکارو

جیسے

یا نبی اللہ، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جیسا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ، يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ

(تفسیر روح البیان: ج:6،ص:240 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

ان آیات قرآنیہ اور اقوال مفسرین سے معلوم ہوا کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب ہر حال میں ملحوظ رکھا جائے۔ نداء میں کلام میں ہر ادا میں دنیاوی عظمت والوں کو بھی ان کا نام لے کر نہیں پکارا جاتا۔

ماں کو والدہ صاحبہ

باپ کو والد ماجد

بھائی کو بھائی صاحب

(ان) جیسے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔

اگر کوئی

اپنی ماں کو باپ کی بیوی

یا

باپ کو ماں کا شوہر کہے

یا

اس کا نام لے کر پکارے

یا

اس کو بھیا وغیرہ کہے تو اگر چہ بات تو سچی ہے مگر بے ادب و گستاخ کہا جائے گا کہ برابری کے کلمات سے کیوں یاد کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو خلیفۃ اللہ الاعظم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نام سے پکارنا یا بھائی وغیرہ کہنا یقیناً حرام ہے گھر میں بہن بیوی ماں، بیٹی، سب ہی عورتیں ہیں مگر ان کے نام و کام و احکام جدا گانہ جو ماں کو بیوی

یا

بیوی کو ماں

کہہ کر پکارے وہ بے ایمان ہی ہے اور جوان سب کو ایک نگاہ سے دیکھے وہ مردود ہے۔ ایسے ہی جو نبی علیہ السلام کو امتی یا

امتی کو نبی (علیہ السلام) کی طرح سمجھے وہ ملعون ہے۔

دیوبندیوں نے نبی کو امتی کا درجہ دیا ان کو پیشوا۔

مولوی اسماعیل نے سید احمد بریلوی کو نبی کے برابر کرسی دی۔

دیکھو

صراط المستقیم کا خاتمہ، معاذ اللہ

(3) رب تعالیٰ جس کو خاص درجہ عطا فرمائے اس کو عام القاب سے پکارنا اس کے ان مراتب عالیہ کا انکار کرنا ہے اگر دنیاوی سلطنت کی طرف سے کسی کو نواب یا خان بہادر کا خطاب ملے تو اس کو آدمی کا بچہ یا بھائی وغیرہ کہنا اور ان القاب کو یاد نہ کرنا جرم ہے کہ

اس کا مطلب تو یہ ہے کہ

تم حکومت کے عطا کیے ہوئے ان خطابات سے ناراض ہو تو جس ذات عالی کو رب عزوجل کی طرف سے نبی و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب ملے اس کو ان القاب کے علاوہ بھائی وغیرہ کہنا جرم ہے۔

(4) خود پروردگار عالم عزوجل نے قرآن مجید میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

یا

اخا مومنین

کہہ کر نہ پکارا بلکہ

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ

یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ

یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ

وغیرہ وغیرہ پیارے القاب سے پکارا حالانکہ وہ رب عزوجل ہے تو ہم غلاموں کو کیا حق ہے کہ ان کو بشر یا بھائی کہہ کر پکاریں۔

قرآن مجید نے کفار مکہ کا یہ طریقہ بتایا ہے کہ

وہ انبیاء کرام علیہم السلام کو بشر کہتے تھے۔

قَالُوْا مَاۤ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (پارہ: 22، سورہ: 32، آیت: 15)

کافر بولے نہیں ہو تم مگر ہم جیسے بشر

اور جگہ فرمایا گیا۔

وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ (پارہ: 18، سورہ: 36، آیت: 15)

اگر تم نے اپنے جیسے بشر کی پیروی کی تو تم نقصان والے ہو۔

اس قسم کی بہت سی آیات کریمہ ہیں۔

اسی طرح مساوات بتانا یا انبیاء کرام علیہم السلام کی شان گھٹانا طریقہ ابلیس ہے کہ

اس نے کہا:

خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ

ترجمہ: خدایا تو نے مجھے آگ سے اور ان کو مٹی سے پیدا فرمایا۔

مطلب یہ ہے کہ ان سے افضل ہوں۔ اسی طرح اب یہ کہنا کہ ہم میں اور پیغمبروں میں کیا فرق ہے۔ ہم بھی بشر وہ بھی بشر بلکہ ہم زندہ وہ مردہ یہ سب ابلیسی کلام ہے۔

(سعید الحق فی تخریج جاء الحق: ص: 394 مکتبہ غوثیہ کراچی)

تفسیر طبری میں ہے۔

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں پکارو

"یا رسول اللہ"

نرمی اور عاجزی کے ساتھ

"یا محمد"

نہ کہا کرو۔

(تفسیر طبری: ج: 19، ص: 229، موقع مجمع الملک المصحف الشریف، شاملہ مکہ)

تفسیر سمرقندی میں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نام

"محمد"

سے نہ پکارو جس طرح تم ایک دوسرے کو نام سے پکارتے ہو لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کرو اور

یا نبی اللہ

یا رسول اللہ

یا ابا القاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) کہو۔

(تفسیر سمرقندی: ج:3،ص:232 مکتبہ شاملہ)

تفسیر اللباب لابن عادل میں ہے۔

حضرت سعید بن جبیر اور کثیر جماعت نے فرمایا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے پکارتے ہوئے۔

"یا محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم)

نہ کہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت سے پکارتے ہوئے۔

یا ابا القاسم

نہ کہو بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو توقیر کے ساتھ پکارتے ہوئے۔

یا رسول اللہ

یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہو۔

(تفسیر اللباب لابن، عادل: ج:12،ص:153 مکتبہ شاملہ)

ابوبکر احمد الرازی نے احکام القرآن میں لکھا ہے۔

حضرت مجاہد اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عاجزی اور تعظیم کے ساتھ

یا نبی اللہ

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

کہہ کر پکارا کرو اور

یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

نہ کہو جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

(احکام القرآن: بصاص: ج:3،ص:490 قدیمی کتب خانہ کراچی)

شیخ ابومحمد تریدی متوفی 333ھ فرماتے ہیں۔

جب تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارو تو تمہارا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا ایسا نہ ہو جس طرح تم ایک دوسرے کو نام کے ساتھ پکارتے ہو ہاں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے نام سے پکارو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح خاص ہو کہ تم یہ بھی جانتے ہو کہ یہ نام تمہارے درمیان خاص ہے اور تمہاری مثل بھی نہیں۔

جیسے

یا رسول اللہ

یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

(تاویلات اہل سنت: ج:3،ص:486 مکتبہ حقانیہ پشاور)

تفسیر بغوی میں علامہ حسین بن مسعود فراء بغوی 516ھ فرماتے ہیں۔

حضرت مجاہد اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے پکارتے ہوئے

یا محمد

یا عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

نہ کہو جس طرح تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرو اور عاجزی اور نرمی سے۔

یا نبی اللہ

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہو۔

(تفسیر بغوی: ج:3،ص:359 تالیفات اشرفیہ ملتان)

جاراللہ زمخشری نے تفسیر کشاف لکھا ہے کہ

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لینے اور پکارنے کو اسی طرح نہ بنالو جس طرح تم ایک دوسرے کو اپنے والدین کے رکھے ہوئے ناموں سے پکارتے ہو اور

یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

کہہ کر نہ پکارو لیکن تعظیم وتوقیر، آہستہ آواز اور عاجزی کے ساتھ

یا نبی اللہ

اور

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ کر پکارو۔

(کشاف: ج:3،ص:260 دارالکتب العربی بیروت)

امام عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی متوفی 710ھ فرماتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا اس طرح نہ بنالو جس طرح تم ایک دوسرے کو اپنے والدین کے رکھے ہوئے نام سے بلاتے ہو۔

اور

"یا محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم)

نہ کہو لیکن تعظیم وتوقیر اور نرم آواز کے ساتھ

"یا نبی اللہ"

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہو۔

(تفسیر مدارک التنزیل: ج:3،ص:522 مکتبہ رحمانیہ لاہور)

تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ فرماتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح نہ پکارو جس طرح تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو اور

"یا محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم)

نہ کہو بلکہ

"یا رسول اللہ"

"یا نبی اللہ" (صلی اللہ علیہ وسلم) کہو

(تفسیر کبیر: ج:2،ص:425 مکتبہ علوم اسلامیہ لاہور)

ابو عبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی متوفی 671ھ فرماتے ہیں۔

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو) نرمی اور آہستگی کے ساتھ

"یا رسول اللہ" (صلی اللہ علیہ وسلم)

کہہ کر پکارو اور ترش روئی کے ساتھ

"یا محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم)

نہ کہا کرو،

(قرطبی، ج:12،ص:294 مکتبہ حقانیہ پشاور)

قاضی عیاض مالکی متوفی 544ھ شرح شفا میں فرماتے ہیں۔

ابو محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام میں سبقت نہ کرو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم برے خطاب سے نہ پکارو۔

اور جس طرح تم ایک دوسرے کو نام سے پکارتے ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پکارو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کرو۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان عظیم الفاظ سے پکارو جن کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا واجب ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

"یا رسول اللہ"

"یا نبی اللہ" (صلی اللہ علیہ وسلم)

کہہ کر پکارو اور یہ اسی آیت کی طرح ہے۔

کہا اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا

"لَاتَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا"

ترجمہ: رسول کو پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ج:2، ص:40 وحید کتب خانہ پشاور)

علامہ جلال الدین محلی متوفی 863ھ فرماتے ہیں۔

تمہارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا اور ان کا نام لینا ایسا نہ ہو جس طرح تم ایک دوسرے کو نام سے پکارتے ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم

"یا محمد"

کہتے رہو بلکہ عاجزی اور نرمی اور نرم لہجے میں

"یا نبی اللہ"

"یا رسول اللہ" (صلی اللہ علیہ وسلم) کہو

(جلال الدین مع حاشیۃ الجمل ج:5، ص:323 قدیمی کتب خانہ کراچی)

علامہ علاؤالدین علی بن محمد الخازن متوفی 741ھ فرماتے ہیں۔

اس کا معنی یہ ہے کہ

نبی کو آپ کے نام سے پکارو جس طرح تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو اور

"یا محمد"

"یا عبداللہ" (صلی اللہ علیہ وسلم)

نہ کہو لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر اور عظمت بیان کرتے ہوئے نرمی اور عاجزی کے ساتھ

"یا نبی اللہ"

''یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہو''

(تفسیر خازن: ج:3،ص:365 مکتبہ حقانیہ پشاور)

ملا علی قاری متوفی 1014ھ شرح شفا میں فرماتے ہیں:

اور جس طرح تم ایک دوسرے کو اپنے والدین کے رکھے ہوئے ناموں سے پکارتے ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے نہ پکارو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری و باطنی تعظیم وتوقیر کرو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان عظیم الفاظ سے پکارو جن کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا جانا محبوب ہے یعنی جن کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا جانا اچھا لگتا ہے (یعنی) نبوت ورسالت کے اوصاف کے ساتھ۔

جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

''یا رسول اللہ''

''یا نبی اللہ''

''یا حبیب اللہ''

''یا خلیل اللہ'' (صلی اللہ علیہ وسلم)

کہہ کر پکارا کرو اور یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور بعد از وصال بھی ہے۔

(شرح الشفاء ج:3،ص:386 ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتانی)

علامہ شیخ سلمان جمل متوفی 1204ھ فرماتے ہیں۔

تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتے ہوئے۔

''یا محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم)

اور کنیت کے ساتھ سے پکارتے ہوئے۔

''یا ابا القاسم''

نہ کہو بلکہ تعظیم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

''یا رسول اللہ''

''یا نبی اللہ'' (صلی اللہ علیہ وسلم)

کہتے ہوئے ندا کرو اور مخاطب کرو۔

(حاشیہ الجمل علی الجلالین ج 5،ص:323 قدیمی کتب خانہ کراچی)

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ فرماتے ہیں۔

ابن ابی حاتم نے مجاہد سے اس آیت کے بارے میں روایت کی کہ

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نرمی اور عاجزی کے ساتھ

"یا رسول اللہ" صلی اللہ علیہ وسلم

کہہ کر پکارو اور ترش روئی کے ساتھ

"یا محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم)

نہ کہا کرو۔

(الدرالمنثور: ج:6،ص:211 مکتبہ حقانیہ لاہور)

علامہ شیخ اسماعیل حقی متوفی 1137ھ تفسیر روح البیان میں فرماتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ

تمہارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا اور ان کا نام لینا ایسا نہ ہو جس طرح تم ایک دوسرے کو نام سے پکارتے ہو۔

جیسے

"یا محمد"

"یا ابن عبداللہ" صلی اللہ علیہ وسلم

اور بلند آواز سے دور سے آواز یا باہر ہی سے آواز بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عظیم لقب سے جیسے

"یا نبی اللہ"

"یا رسول اللہ"

جس طرح خود اللہ تعالیٰ نے

یٰاَیُّھَا النبی

یٰاَیُّھَا الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمایا

(تفسیر روح البیان: ج:9،ص:181 مکتبہ شاملہ مکہ)

احمد بن صاوی متوفی 1241ھ فرماتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دوسرے کی طرح نہ پکارو یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نام اقدس سے پکارتے ہوئے

"یا محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم)

نہ کہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت سے پکارتے ہوئے

"یا ابا القاسم"

نہ کہو بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہونا ہو یا پکارنا ہو تو تعظیم و توقیر سے پکارو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

"یا رسول اللہ"

"یا نبی اللہ"

یا امام المرسلین

یا رسول رب العالمین

یا خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وسلم)

وغیرہ پکارو اس آیت سے یہ بھی فائدہ حاصل ہوا کہ وہ الفاظ جن میں تعظیم نہ ہو ان کے ساتھ نبی کو پکارنا جائز نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کو ہلکا جانا وہ کافر ہے اور دنیا و آخرت میں ملعون ہوگا۔

(تفسیر صاوی: ج:4، ص:1421 مکتبہ حقانیہ پشاور)

علامہ فضل رسول بدایونی متوفی 1289ھ فرماتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ظاہر و باطن ہر حالت میں واجب ہے۔

اللہ عزوجل نے فرمایا

رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو ان کی آواز سے اپنی آواز کو بلند کرتے ہوئے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نام سے پکارتے ہوئے لہٰذا

"یا محمد"

"یا محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم)

نہ کہو کہ بلکہ یا نبی اللہ و یا رسول اللہ کہو جس طرح خود اللہ تعالیٰ نے خطاب فرمایا ہے۔

(المعتقد والمنتقد: ص:139 تا 140 برکاتی پبلشرز کراچی)

اعتراض

قرآن کریم میں ہے۔

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (پارہ: 24، سورہ: 41، آیت نمبر: 6)

اے محبوب فرمادو کہ میں تم جیسا بشر ہوں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہماری طرح بشر ہیں اگر نہیں تو آیت معاذ اللہ جھوٹی ہو جائے گی

جواب

اس آیت کریمہ میں چند امور قابل غور ہیں

ایک یہ کہ

فرمایا گیا ہے "قل"

اے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرمادو

تو یہ کلمہ فرمانے کی صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بطور انکسار و تواضع فرمائیں یہ نہیں

قُوْلُوْا اِنَّمَا هُوَ بَشَرٌ مِّثْلُنَا

ترجمہ: اے لوگو تم کہا کرو کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہم جیسے بشر ہیں۔

بلکہ قل میں اس جانب اس اشارہ ہے کہ بشر وغیرہ کلمات تم کہہ دو ہم تو نہ کہیں گے۔

ہم تو فرمائیں گے۔

شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا

(پارہ:22، سورہ:33، آیت:45، 46)

ہم تو فرمائیں گے۔

يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ

يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ

وغیرہ ہم تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بڑھائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انکساراً یہ فرما سکتے ہیں۔

نیز

اس آیت کریمہ میں کفار سے خطاب ہے چونکہ ہر چیز اپنی غیر جنس سے نفرت کرتی ہے۔ لہٰذا فرمایا گیا: اے کفار تم مجھ سے ڈرو نہیں میں تمہاری جنس میں سے ہوں یعنی بشر ہوں۔ شکاری جانوروں کی سی آوازیں نکال کر شکار کرتا ہے۔ اس سے کفار کو طرف مائل کرنا مقصود ہے اگر دیوبندی بھی کفار میں سے ہیں تو ان سے یہ بھی خطاب ہو سکتا ہے۔

ہم مسلمانوں سے فرمایا گیا ہے۔

اَيُّكُمْ مِّثْلِيْ

طوطے کے سامنے آئینہ رکھ کر پیچھے کھڑے ہو کر بولتے ہیں تا کہ طوطا اپنا عکس آئینہ میں دیکھ کر سمجھے کہ یہ میرے جنس کی آواز

انبیائے کرام علیہم السلام رب عزوجل کا آئینہ ہیں۔ آواز و زبان ان کی ہوتی ہے اور کلام اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے۔ یہ عکس کا لحاظ ہے اسی طرح کہ مثلکم پر آیت ختم نہ ہوئی بلکہ آگے آرہا ہے۔

يُوْحٰى اِلَيَّ يُوْحٰى اِلَيَّ

کی قید ایسی ہے جیسے ہم کہیں کہ زید دیگر حیوانات کی طرح حیوان ہے۔ مگر ناطق ہے تو ناطق کی قید نے زید اور دیگر حیوانات میں ذاتی فرق پیدا کر دیا کہ اس قید سے زید تو اشرف المخلوقات انسان ہوا اور دوسرے حیوانات اور شے اسی طرح وحی کی صفت نے نبی اور امتی میں بہت بڑا فرق بتا دیا حیوان اور انسان میں صرف ایک درجہ کا فرق ہے مگر بشریت اور شان مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں 27 درجے کا فرق ہے۔ اولاً بشر پھر شہر پھر متقی پھر ولی پھر ابدال پھر اوتار پھر قطب پھر غوث الاعظم پھر تابعی پھر صحابی پھر مہاجر پھر صدیق پھر نبی پھر رحمۃ للعلمین وغیرہ یہ 27 مراتب کا اجمالی ذکر ہے۔ تو عام بشر اور مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں شرکت کیسی۔ یہ شرکت تو ایسی بھی نہیں جیسی کہ جنس عالی یا کسی عرض عام کے افراد کو انسان سے ہے یہ تو ایسا ہوا کہ کوئی کہے اللہ تعالیٰ ہماری موجودیت اور رب عزوجل کی موجودیت میں کوئی نسبت ہی نہیں۔ ایسے ہی ہماری بشریت اور محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت میں کوئی نسبت نہیں۔

مولانا مثنوی میں فرماتے ہیں:

اے ہزاراں جبرائیل اندر بشر — بھر حق سوئے غریباں یک نظر

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت ہزار ہا جبرائیل حیثیت سے اعلیٰ ہے۔

تیسرے اس طرح کہ

قرآن مجید میں ہے:

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ (پارہ: 18، سورہ: 24، آیت نمبر 35)

رب عزوجل کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق کہ اس میں ایک چراغ ہے۔ اس آیت میں بھی کلمہ مثل ہے تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ نور خدا عزوجل چراغ کی طرح روشنی ہے۔

اسی طرح

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ

(پارہ: 7، سورہ: 6، آیت: 38)

نہیں ہے کوئی جانور زمین میں نہ کوئی پرندہ جو اپنے بازوؤں سے اڑتا ہو مگر وہ تمہاری طرح امتیں ہیں۔

یہاں بھی کلمہ امثال موجود ہے تو کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ ہر انسان گدھے الو جیسا ہرگز نہیں۔

نیز

انما کا حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی

یعنی

میں نہ خدا ہوں نہ خدا کا بیٹا بلکہ تمہاری طرح خالص بندہ ہوں

جیسے

ہارون ماروت کا کہنا

اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ (پارہ: 7، سورہ: 6، آیت : 38)

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایمان عبادات معاملات غرضیکہ کسی شے میں ہم جیسے نہیں ہر بات میں فرق عظیم ہے۔

ملاحظہ ہو

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ ہے۔

انا رسول اللہ

ترجمہ: میں اللہ عزوجل کا رسول ہوں۔

اگر ہم یہ کہیں تو کافر ہو جائیں۔

(2) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان دیکھی ہوئی چیزوں پر کہ رب عزوجل کو جنت و دوزخ کو ملاحظہ فرمالیا۔ ہمارا ایمان سنا ہوا ہے۔

(3) ہمارے لئے ارکان اسلام پانچ ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چار

یعنی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر زکوٰۃ فرض نہیں۔

(5) ہم ہر پانچ نمازیں فرض ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر چھ

یعنی

تہجد بھی فرض ہے

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ

(6) ہم کو چار بیویوں کی اجازت ہے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کوئی پابندی نہیں جس قدر چاہیں کر سکتے ہیں۔

(7) ہماری بیویاں مرنے کے بعد دوسرے سے نکاح کر سکتی ہیں مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج پاک سب مسلمانوں کی مائیں ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَأَزْوَاجُهٗ أُمَّهَاتُهُمْ (پارہ: 21، سورہ: 33، آیت: 6)

اور آپ کی ازواج مومنوں کی مائیں ہیں۔
کسی کے نکاح میں نہیں آسکتیں۔

قرآن مجید میں ہے:
وَلَا تَنکِحُوْا اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ اَبَدًا (پارہ: 22، سورہ: 33، آیت نمبر: 53)
آپ کے بعد آپ کی ازواج ہمیشہ نکاح نہیں کرسکتیں۔
ہمارے بعد ہماری میراث تقسیم ہو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم نہیں ہوتی وہ صدقہ ہے۔
(8) ہمارا پیشاب ناپاک ہے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات شریفہ امت کے لئے پاک ہیں اور دوزخ کی آگ سے چھٹکارا ہیں جو کہ آگے احادیث مبارکہ میں ذکر کرتا ہوں۔
یہ شرعی احکام میں فرق بتائیں گے ورنہ لاکھوں امور میں فرق عظیم ہے۔ہم کو اس ذات کریمہ سے کوئی نسبت ہی نہیں یوں سمجھو کہ بے مثل خالق کے بے مثل بندے ہیں۔

بے مثلی حق کے مظہر ہو پھر مثل تمہارا کیونکر
نہیں کوئی تمہارا ہم رتبہ نہ کوئی تمہارا ہم پایا

اس قدر فرق عظیم کے ہوتے ہوئے مثلیت کے کیا معنی ہیں۔

پانچویں اس طرح کہ
اس آیت کریمہ میں ہے
بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ
یہ نہیں ہے کہ انسان مِثْلُكُمْ بَشَرٌ کے معنی ہیں ذو بشرہ یعنی ظاہری چہرہ مہرہ والا مبشرہ کہتے ہیں ظاہر کھال کو
تو معنی یہ ہوئے کہ
میں ظاہر رنگ وروپ میں تم جیسا معلوم ہوتا ہوں کہ اعضائے بدن دیکھنے میں یکساں معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے۔
یُوْحٰی اِلَیَّ
ترجمہ: ہم صاحب وحی ہیں۔
یہ گفتگو بھی فقط ظاہری طور پر ہے۔ ورنہ ہمارے ظاہری اعضاء کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء مبارکہ سے کوئی نسبت نہیں۔
قدرت الٰہی عزوجل تو دیکھو کہ
منہ کا لعاب شریف کھاری کنویں میں پڑے پانی کو میٹھا کردے۔

حدیبیہ کے خشک کنوئیں میں پڑ جائے تو پانی پیدا کر دے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہانڈی میں پڑ کر شوربا اور بوٹیاں بڑھا دے۔

آٹے میں پڑے تو آٹے میں برکت دے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں پہنچ کر سانپ کے زہر کو دفع کر دے۔

عبداللہ بن عتیک کے ٹوٹے ہوئے پاؤں میں پہنچ کر ہڈی جوڑ دے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دکھتی ہوئی آنکھ سے لگے تو کحل الجواہر کا کام دے۔

آج ہزاروں روپیہ کی دوا بھی اثر نہیں رکھتی۔ اگر سر پاک سے قدم پاک تک ہر عضو شریف کی برکات ہی برکات ہیں۔ ہمارے ہر عضو کا سایہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عضو کا سایہ نہیں پسینہ پاک میں مشک و عنبر سے بہتر خوشبو ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

چھٹے یہ کہ

روزہ وصال کے بارے میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اَيُّكُمْ مِثْلِي"

ترجمہ

تم میں میری مثل کون ہے؟

بیٹھ کر نفل پڑھنے کے بارے میں ارشاد فرمایا

لكني لست كاحد منكم

ترجمہ: لیکن میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے بہت موقعوں پر ارشاد فرمایا

اَيُّنَا مِثْلُهُ

ہم میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کون ہے؟

احادیث مبارکہ تو فرما رہی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہم جیسے نہیں اور اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم جسے ہی ہیں۔ ان میں مطابقت کرنا ضروری ہے۔

وہ اس طرح ہو سکتی ہے کہ آیت میں تاویل کی جائے۔

ساتویں اس طرح کہ

تفسیر روح البیان سورہ مریم میں کھیعص کی تحت ہے

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تین صورتیں ہیں۔

(1) صورت بشری

(2) صورت حقی

(3) صورت ملکی

بشریت کا ذکر

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ (پارہ: 24، سورہ: 41، آیت: 8)

حقی کا ذکر ہوا

من رانی فقد رالحق

جس نے مجھے دیکھا حق کو دیکھا۔

صورت ملکی کا ذکر ہوا۔

لی مع اللہ وخت لا یسعنی فیہ ملك مقرب ولا بنی مرسل

بعض اوقات اللہ عزوجل سے وہ قرب ہوتا ہے کہ نہ اسی میں مقرب فرشتہ کی گنجائش ہے نہ مرسل کی۔

معراج میں سدرہ پہنچ کر طاقت جبرائیل ختم ہوگئی مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشری طاقت کی ابھی ابتداء تھی اس آیت میں محض ایک صورت کا ذکر ہے۔

آٹھویں اس طرح کہ

بشر مثلکم میں یہ تو فرمایا: ہم تم جیسے بشر ہیں یہ نہ فرمایا: کس وصف میں تم جیسے ہیں یعنی جس طرح تم محض بندے ہو نہ خدا کے بیٹے نہ خدا کی صفات سے موصوف اسی طرح میں عبداللہ ہوں نہ اللہ ہوں نہ ابن عبداللہ ہوں۔

عیسائیوں نے چند معجزات دیکھ کر عیسیٰ علیہ السلام کو ابن عبداللہ کہہ دیا۔ تم ہمارے صدہا معجزات دیکھ کر نہ کہہ دینا بلکہ کہنا عبداللہ ورسولہ

تفسیر کبیر شروع پارہ 12 زیر آیت

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (پارہ: 18، سورہ: 11، آیت: 27)

قصہ نوح میں ہے کہ نبی بشر اس لئے ہوتے ہیں کہ اگر فرشتہ ہوتے لوگ ان کے معجزات کو ان کی ملکی طاقت پر محمول کر لیتے۔ آپ جب بشر ہو کر یہ معجزات دکھاتے ہیں تو ان کا کمال معلوم ہوتا ہے غرضیکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی بشریت ان کا کمال ہے لہٰذا آیت کا مقصود یہ ہوا کہ ہم تم جیسے بشر ہو کر ایسے کمالات دکھاتے ہیں تم تو دکھا دو۔

نویں اس طرح کہ

بہت سے الفاظ وہ ہیں جو پیغمبر اپنے لئے استعمال فرما سکتے ہیں اور وہ ان کا کمال ہے دوسرا کوئی ان کی شان میں یہ کہے تو گستاخی ہے۔

دیکھو

حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا (پارہ: 8، سورہ: 7، آیت: 23)

حضرت یونس علیہ السلام نے اپنے رب جلیل سے عرض کی۔

اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (پارہ: 17، سورہ: 21، آیت: 87)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا

فَعَلْتُهَا اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّیْنَ (پارہ: 19، سورہ 26، آیت 20)

کوئی دوسرا اگر ان حضرات کو ظالم یا خیال کہے تو ایمان سے خارج ہوگا اسی طرح بشر کا لفظ بھی ہے۔

اب احادیث مبارکہ سے دلائل کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی بشریت اور ہماری بشریت میں کوئی مناسب نہیں۔ ہمیں انبیاء کرام علیہم السلام کی ضرورت ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کو ہماری ضرورت نہیں ہے۔ ہم انبیاء کرام علیہم السلام کو چھوڑ جاتے ہیں مگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنی امت کو نہیں چھوڑتے یہ کیسی امت کے ساتھ محبت ہے ایمان ہی تازہ ہو جاتا ہے۔

بہر حال ہم میں اور انبیاء کرام علیہم السلام میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔

دلائل ملاحظہ ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وصلی روزے نہ رکھو

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آپ وصلی روزے رکھتے ہیں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم میں سے کسی ایک کی مثل بھی نہیں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں کھلایا جاتا ہوں اور پلایا جاتا ہوں

یاارشادفرمایا

بے شک میں رات گزارتا ہوں کھلایا جاتا ہوں اور پلایا جاتا ہوں۔

(صحیح البخاری: کتاب الصیام: باب الوصال......ج:2،ص:693رقم الحدیث:1860)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

بے شک میں تمہاری مثل نہیں ہوں۔

(صحیح البخاری: کتاب الصیام: باب الوصال......ج:2،ص:693رقم الحدیث:1862)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

تم میں سے میری مثل کون ہے۔

(صحیح البخاری: کتاب الصیام: باب التنکیل......ج:2،ص:694،رقم الحدیث:1864)

ملاحظہ فرمایئے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خود فرمارہے ہیں کہ میں تمہاری مثل نہیں ہوں۔
تو پھر ایک ادنیٰ شخص کیسے کہہ سکتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرح بشر ہیں اور خود صحابہ کرام علیہم الرضوان نے بھی اس بات کا اعتراف کیا کہ ہم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح نہیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ جب صحابہ کرام علیہم الرضوان جیسی مقدس ہستیاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نہیں تو ہم گندے منہ والے گندی زبان والے گندی فضلات والے کیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہوسکتے ہیں۔ لہٰذا ہمارے اور انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان کوئی مناسبت نہیں۔

مزید ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

میں نے یہ حدیث مبارکہ سنی تھی کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

بیٹھ کر نماز پڑھنے کا آدھا اجر ہوتا ہے۔ ایک دن میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا میں نے اپنا ہاتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سراقدس پر رکھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

اے عبداللہ بن عمر! کیا بات ہے۔

میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کا آدھا اجر ہوتا ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہاں لیکن میں تم سے کسی ایک کی مثل بھی نہیں ہوں۔

(صحیح مسلم: باب جواز النافلۃ قائما وقاعداً......ج:1،ص:507،رقم الحدیث:735)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اعمال کا ارشاد فرماتے ہیں

جو لوگ طاقت رکھتے ہیں

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح نہیں ہیں۔

(صحیح البخاری: کتاب بدء الوحی: باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا اعلمکم باللہ ج:1،ص:16،رقم الحدیث:20)

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرح بشر نہیں ہیں اور نہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور ہمارے درمیان کوئی مناسبت ہے۔

اب یہ ملاحظہ فرمائیں کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کے فضلات شریفہ پاک ہیں اور ان سے خوشبو نکلتی تھی لیکن ہمارے فضلات گندے ناپاک ہیں اگر ہمارے فضلات بدن پر لگیں تو جسم ناپاک ہو جاتا ہے مگر انبیاء کرام علیہم السلام کے فضلات اگر کوئی پی لے تو اسے شفا حاصل ہو جاتی ہے اور دوزخ سے رہائی حاصل ہو جاتی ہے۔

احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر کی ایک جانب مٹی کا ایک برتن رکھا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اٹھ کر اس میں پیشاب کرتے تھے۔ ایک رات میں اٹھی مجھے پیاس لگ رہی تھی میں نے اس برتن سے پی لیا اور مجھے پتا نہیں چلا (کہ یہ پیشاب ہے)

جب صبح ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے ام ایمن، اس مٹی کے برتن کو اٹھاؤ اس میں جو کچھ ہے اس کو پھینک دو۔

میں نے کہا:

اللہ عزوجل کی قسم! اس میں جو کچھ تھا اس کو میں نے پی لیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

داڑھیں مبارک ظاہر ہوگئیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سنو! اس کے بعد کبھی تمہارے پیٹ میں درد نہیں ہوگا۔

(مستدرک للحاکم: ج:4، ص:70، رقم الحدیث:6912 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

دو عورتوں نے لکڑی کے پیالہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب پیا ایک کی کنیت ام ایمن تھی اور دوسری کی کنیت ام یوسف تھی۔ جب ام یوسف نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب پی لیا

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم صحت مند رہو گی سو وہ تا حیات بیمار نہ ہوئیں۔

(تلخیص الحبیر ج:1، ص:32، رقم الحدیث:19 مطبوعہ المدینہ المنورہ)

ایک روایت میں ہے۔

حکیمہ بنت امیمہ بنت رفیقہ اپنی ماں رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک لکڑی کا پیالہ تھا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کرتے تھے اور اس کو اپنے تخت کے نیچے رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں پیشاب کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو دیکھا کہ اس پیالہ میں کوئی چیز نہیں تھی۔ ایک خاتون کا نام برکہ تھا جو حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کرتی تھی اور ان کے ساتھ سرزمین حبشہ سے آئی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا

وہ پیشاب کہاں ہے جو اس پیالہ میں تھا۔

انہوں نے کہا:

میں نے اس کو پی لیا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم پر دوزخ کی آگ منع کر دی گئی ہے۔

(طبرانی کبیر: ج:4، ص:205 تا 206 رقم الحدیث:527 مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لئے تشریف لے گئے پھر میں گئی تو میں نے وہاں جا کر کوئی چیز نہیں دیکھی اور مجھے وہاں مشک کی خوشبو آ رہی تھی

میں نے عرض کیا

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے وہاں کوئی چیز نہیں دیکھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

بے شک زمین کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم انبیاء کرام علیہم السلام کی جماعت سے جو نکلے اس کو ڈھانپ لے۔

(مستدرک للحاکم: ج:4، ص:81، رقم الحدیث:6950 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ)

ایک اور روایت میں ہے۔

بُریدبن عمر بن سفینہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فصد لگائی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ خون لے جاؤ اور اس کو چوپایوں پرندوں اور لوگوں سے چھپا کر دفن کرو میں نے اس کو چھپ کر پی لیا پھر میں نے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے۔

(طبرانی کبیر: ج:7، ص:81 رقم الحدیث:6434 مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے دراں حالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فصد لگوا رہے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ خون لے جاؤ اور اس کو ایسی جگہ ڈال دو جہاں اس کو کوئی نہ دیکھے۔ جب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اوجھل ہوا تو میں نے اس خون کو چاٹ لیا۔ جب میں واپس آیا تو

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے عبداللہ (رضی اللہ عنہ) تم نے کیا کیا۔

انہوں نے کہا:

میں نے اس کو ایسی جگہ رکھا کہ میرا گمان ہے اس کو کوئی نہیں دیکھے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

شاید تم نے اس کو پی لیا ہے۔

انہوں نے کہا:

ہاں!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم سے خون پینے کے لئے کس نے کہا تھا تم پر افسوس لوگوں کی طرف سے اور لوگوں کو افسوس ہو تمہاری طرف سے۔

(مجمع الزوائد: ج:8، ص:270 مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور زخمی ہو گیا تو ان کے والد حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا خون مبارک چوس کر نگل لیا۔

ان سے کہا گیا:

تم خون پی رہے ہو۔

انہوں نے کہا:

ہاں! میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم کا خون پی رہا ہوں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کے خون کے ساتھ میرا خون مل گیا ہے۔ اب اس کو آگ نہیں چھوئے گی۔

(مجمع الزوائد: ج:8، ص:270 مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت)

محدث کبیر امام بدرالدین عینی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فضلات طاہر ہیں۔

(عمدۃ القاری: شرح صحیح البخاری: ج:3، ص:118 مطبوعہ دارالکتاب العلمیہ بیروت)

امام ابن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں سے منی کھرچ دیتی تھیں۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی منی طاہر تھی اور اس پر دوسروں کی منی کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

اور حق یہ ہے کہ

احکام تکلیفیہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم باقی مکلفین کی طرح ہے ماسوا ان امور کے جن کی خصوصیت کسی دلیل سے ثابت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کی طہارت پر بکثرت دلائل قائم ہیں اور آئمہ نے اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں شمار کیا ہے اور بہت سی کتب میں جو اس کے خلاف دیکھا ہے اس کی طرف بالکل التفات نہ کیا جائے کیونکہ تمام

کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات طاہر ہیں۔

(فتح الباری: ج:1 ص:272 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے فضلات شریفہ پاک ہیں اور ان سے بیماری دور ہوتی ہے اور دوزخ سے بھی نجات کا سبب ہے لہٰذا جب انبیاء کرام علیہم السلام کے فضلات پاک ہیں اور ہمارے ناپاک ہیں تو ان میں مناسبت کیسے ہوسکتی ہے اور ہم کب ان کے برابر ہوسکتے ہیں۔ تو یہ کہنا بجا ہوگا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اگر بشری صورت میں تشریف نہ لاتے تو پھر احکامات الٰہیہ ہم تک کیسے پہنچ پاتے لہٰذا انبیاء کرام علیہم السلام کو بشر کہنا حرام اور اہانت کی نیت سے ہو تو کفر ہے۔

اعتراض

بعض کہتے ہیں کہ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہنا حرام تو چاہئے کہ انسان یا عبد کہنا بھی حرام ہو ان سب کے معنی قریب قریب ہیں پھر تم کلمہ میں عبدہ ورسولہ کیوں کہتے ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

لفظ بشر کفار بہ نیست اہانت کہتے تھے اور نبی کو رب عزوجل نے انسان یا عبد بطور تعظیم فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (پارہ: 27 ، سورہ: 55، آیت: 4,3)

اور قرآن مجید میں ہے:

اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلاً (پارہ: 15، سورہ: 17، آیت: 1)

لہٰذا یہ الفاظ تعظیماً کہنا جائز ہیں اور بشر کہنا حرام ہے۔

جیسے

راعنا اور انظرنا ہم معنی ہیں مگر راعنا کہنا حرام کہ طریقہ کفار ہے۔

اعتراض

شمائل ترمذی میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ

فرماتی ہیں

كان بشر من البشر

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بشروں میں سے ایک بشر تھے۔ اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیق اللہ عنہا کو اپنی زوجیت سے مشرف فرمانا چاہا تو صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھائی ہوں۔ کیا میری دختر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حلال ہے۔

دیکھو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بشر کہا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

بشر یا بھائی کہہ کر پکارنا یا محاورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہنا حرام ہے۔ عقیدہ کے بیان یا دریافت مسائل کے اور احکام ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ عام گفتگو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی یا بشر کہتے تھے۔ یہاں ضرورتاً اس کلمہ کو استعمال فرمایا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تو یہ فرما رہی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پاک نہایت بے تکلفی اور سادگی سے عام مسلمانوں کی طرح گزری کہ اپنا ہر کام اپنے ہاتھ ہی سے انجام دیتے تھے۔ اسی طرح حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مسئلہ دریافت کیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خطاب اخوت سے نوازا ہے کیا اس پر حقیقی بھائی کے احکام جاری ہوں گے یا نہیں اور میری اولاد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو حلال ہوگی یا نہیں ہم بھی عقیدے کے ذکر میں کہتے ہیں کہ نبی بشر ہوتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک ضرورت پر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو فرمادیا۔

هٰذَا اُخْتِیْ

ترجمہ: یہ میری بہن ہے۔

حالانکہ آپ رضی اللہ عنہا آپ علیہ السلام کی بیوی تھیں۔ اس سے لازم نہیں آتا کہ حضرت رضی اللہ عنہا اب آپ علیہ السلام کو بھائی کہہ کر پکارتیں۔

ہم ان حضرات کا عام محاورہ دکھاتے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رشتہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے زوج مقدس اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بھائی کی اولاد ہیں مگر یہ حضرات بھی حدیث روایت کرتے ہیں تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ نہیں فرماتیں کہ میرے زوج مقدس نے فرمایا حضرت عباس یا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہا سید نہیں فرماتے ہیں کہ ہمارے بھتیجے یا بھائی نے یہ فرمایا۔ سب کے سب یہ ہی فرماتے ہیں۔

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"

تو جو حضرات رشتہ کے لحاظ سے بھائی ہیں وہ بھی بھائی ہیں تو ہم کمینوں، بدکار، خطا کار، گناہ گار غلاموں کا کیا حق ہے کہ ہم بھائی کہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً

(پارہ:28،سورہ58،آیت

یعنی اے ایمان والو! جب تم رسول سے کوئی بات آہستہ عرض کرنا چاہو تو اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقہ دے لو۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس پر بھی عمل کیا کہ ایک دینار خیرات کر کے دس مسائل دریافت کئے۔ پھر یہ حکم اگر چہ منسوخ ہو گیا مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کا پتا لگ گیا کہ نماز میں رب سے ہم کلام ہو تو صرف وضو کرو لیکن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض معروض کرنا چاہو تو پہلے صدقہ کرو پھر دیکھو جب یہ بات صاف واضح ہے تو بھائی کہنا کہاں سے جائز ہوا یا کہاں سے بھائی کہہ کر پکارنا درست ہوا۔

لہٰذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہنا حرام ہے اور اہانت کی نیت سے کہا تو کافر ہو جائے گا۔

اعتراض

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق فرمایا

وَاَکْرِمُوْا اَخَاکُمْ

ترجمہ: تم اپنے بھائی کا اکرام کرو (ہمارا)

جس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بھائی ہیں مگر بڑے بھائی ہیں نہ چھوٹے بھائی ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا

(پارہ 8، سورہ 7)

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو مدین ثمود اور عاد کا بھائی فرمایا۔

معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام امتیوں کے بھائی ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کریم کریمانہ سے بطور تواضع وانکسار فرمایا۔

اخاکم اس فرمانے سے ہم کو بھائی کہنے کی اجازت کیسے ملی۔ ایک بادشاہ اپنی رعایا سے کہتا ہے کہ میں آپ لوگوں کا خادم ہوں تو رعایا کو حق نہیں کہ بادشاہ کو خادم کہہ کر پکارے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

حضرت شعیب وصالح وہود علیہم السلام مدین اور ثمود اور عاد قوموں میں سے تھے۔ کسی اور قوم کے نہ تھے یہ بتانے کے لئے فرمایا یہ کہاں فرمایا: ان کی قوم والوں کو بھائی کہنے کی اجازت دی گئی ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کو برابری کے القاب سے پکارنا حرام اور لفظ بھائی برابری کا لفظ ہے۔ باپ گوارہ نہیں کرتا کہ اس کا بیٹا اس کو بھائی کہے۔ معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو بھائی کہنا حرام ہے۔

اعتراض

قرآن میں ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (پارہ: 26، سورہ: 49، آیت: 10)

مسلمان آپس میں بھائی ہیں۔

لہٰذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی مومن ہیں اور مسلمانوں کے بھائی ہوئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں نہ بھائی کہا جائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

پھر تو خدا عزوجل کو بھی بھائی کہو کیونکہ وہ بھی مومن ہے۔

قرآن میں ہے۔

اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ (پارہ: 28، سورہ: 59، آیت: 23)

اور ہر مومن آپس میں بھائی ہے لہٰذا خدا عزوجل بھی مسلمانوں کا بھائی معاذ اللہ، نیز بھائی کی بیوی بھابی ہوتی ہے اور اس سے نکاح حلال اور انبیاء کرام علیہم السلام کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ ان سے نکاح کرنا حرام ہے۔ لہٰذا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے لئے مثل والد ہوئے والد کی بیوی ماں ہے نہ کہ بھائی کی جناب عالی ہم تو مومن ہیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم عین ایمان ہیں۔

قصیدہ بردہ شریف میں ہے۔

فالصدق فی الغار والصدیق لم یریا

ترجمہ: یعنی غار ثور میں صدیق بھی تھا صدیق بھی تھے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مومنین میں صرف لفظ مومن کا اشتراک ہے۔

جیسے

اللہ تعالیٰ اور عام مومنین میں نہ کہ حقیقت میں ہم اور طرح کے مومن ہیں لہٰذا انبیاء کرام علیہم السلام کو بھائی کہنا حرام اور اگر اہانت کی نیت ہو تو کفر ہے۔

(واللہ ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم)

کیا انبیاء کرام علیہم السلام سے کوئی خطا ہوئی؟

انبیاء کرام علیہم السلام سے کبھی کوئی خطا نہیں ہوئی اور اگر کوئی ہوئی تو اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم سے بہ طریق نسیان یا بہ طریق اجتہادی خطاء کوئی ظاہری خطا صادر کرا دیتا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اشک ندامت بہائیں تو بہ واستغفار کریں اور تواضع وانکسار کے کلمات کہیں اور امت کو توبہ واستغفار کی تعلیم دیں اور امت بھی توبہ واستغفار کرتی رہے۔

جیسے

حضرت آدم علیہم السلام نے بھولے سے شجر ممنوعہ سے کھالیا۔

تو کہا

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ○(الاعراف: 23)

اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

اور

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو تادیباً گھونسا مارا اور وہ مر گیا۔

تو کہا

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ فَاغْفِرْلِىْ فَغَفَرَلَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ○ (القصص: 16)

اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی سو تو مجھے معاف فرما دے تو اللہ نے انہیں معاف فرما دیا بے شک وہی بہت معاف فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

اور

حضرت یونس علیہ السلام اپنے اجتہاد سے بغیر اذن مخصوص کے اپنی قوم کے پاس سے چلے گئے۔

تو کہا

فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُنْجِى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الانبیاء: 87 تا 88)

انہوں نے گمان کیا کہ ہم ان پر ہرگز تنگی نہیں کریں گے پھر انہوں نے تاریکیوں میں پکارا کہ (اے عزوجل) تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ تو پاک ہے بے شک میں زیادتی کرنے والوں میں سے تھا سو ہم نے ان کی فریاد سن لی اور انہیں غم سے نجات دے دی اور ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیں گے۔

اور

انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنے زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت پر اپنی تحسین اور خود ستائی نہیں فرمائی اور نہ کبھی اللہ عزوجل کے سامنے اپنے علم کا اظہار کیا۔

بلکہ یہی کہا

لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ (المائدہ: 109)

ہمیں کسی چیز کا علم نہیں، بے شک تو ہی تمام غیوب کا جاننے والا ہے۔

اور

اس کے برخلاف فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے علم کا اظہار کیا

اور اللہ تعالیٰ سے کہا

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ (البقرہ: 30)

کیا تو زمین میں اس کو پیدا کرے گا جو زمین میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔

نیز

فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے تقویٰ اور طہارت کا ذکر کیا اور خود ستائی کی

اور کہا

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ (البقرہ: 30)

اور ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔

اور

انبیاء کرام علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے علم کا نہ اظہار کیا نہ اپنی عبادت اور ریاضت کا ذکر کیا۔

اس لئے کہا جاتا ہے کہ

ان کا نسیان اور اجتہادی خطا ... استغفار کریں تواضع اور انکسار کریں اور اللہ تعالیٰ

رب اور اس کی محبت حاصل کریں اور اپنی امتوں کو توبہ اور استغفار کی تعلیم دیں اور ان کی امتوں کو استغفار کرنے میں اسوہ اور نمونہ فراہم ہو اور ان کی اقتداء کا شرف حاصل ہو اور یہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ادب و عجز کے باب میں انبیاء کرام علیہم السلام کا مقام فرشتوں سے افضل واونچا ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا کام صرف تبلیغ کرنا ہے

انبیاء کرام علیہم السلام کا کام صرف تبلیغ کرنا ہے اور ہدایت اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ درحقیقت انبیاء کرام علیہم السلام صرف اللہ تعالیٰ کا راستہ دکھاتے ہیں اور نیکی کی دعوت دیتے ہیں ہدایت کو پیدا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اسی طرح شیطان صرف برے کام کا وسوسہ ڈالتا ہے اور برے کاموں کی دعوت دیتا ہے اور گمراہی کو پیدا فرماتا ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں صرف (نیکی کی) دعوت دینے اور تبلیغ کرنے کے لئے مبعوث ہوا ہوں اور کسی بھی ہدایت کو پیدا کرنا میری طرف فرض نہیں ہے اور شیطان کو صرف (برائی کو) ضرین کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور کسی بھی گمراہی کو پیدا کرنا اس کی طرف فرض نہیں ہے۔

(جامع الصغیر: رقم الحدیث: 3153) کنز العمال: رقم الحدیث: 546

انبیاء کرام علیہم السلام کے حواس اور عقل کا ڈھلتی ہوئی عمر میں زیادہ موثر اور فعال ہونا

یہ عام لوگوں کا حال ہے کہ چالیس سال کے بعد ان کا دور انحطاط شروع ہو جاتا ہے ان کی سماعت اور بصارت معمول پر نہیں رہتی اور ان کے اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں اور ان کا بدن لاغر ہو جاتا ہے ان کا حافظہ خراب ہو جاتا ہے اور ان کی عقل کام نہیں کرتی وہ بچوں کی سی باتیں کرنے لگتے ہیں اور ان کی ذہانت اور فطانت ختم ہو جاتی ہے اور جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم ہوتا ہے۔

جیسے

علماء وصلحاء اور اولیاء اللہ وہ ساٹھ سال کے بعد بھی مضبوط اور توانا ہوتے ہیں۔ ان کے حواس قائم رہتے ہیں اور ان کا بدن چست اور فعال ہوتا ہے ان کے اعصاب قوی اور ان کی عقل وقار روشن اور نکات آفریں ہوتی ہے۔ یہ تو علماء اور اولیاء اللہ کا حال ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کے امتی ہیں جب امتی کا یہ عالم ہے تو پھر ان کے انبیاء کرام علیہم السلام کے عقل وحواس وعمر زیادہ ہونے کی وجہ سے کیا عالم ہوگا۔

انبیاء کرام کی عمر میں زیادتی تو اس کے کمال زیادہ ان کی قوتوں میں اضافہ کی موجب ہے۔

ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال تھی اور اخیر عمر میں ان کی قوت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے ملک الموت کو ایک تھپڑ مارا تو ان کی آنکھ نکل گئی۔

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی متوفی 774ھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر کے متعلق لکھتے ہیں:

ایک کتاب وغیرہم نے ذکر کیا ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔

(البدایہ والنہایہ ج:1، ص:420 دار الفکر بیروت)

تورات میں مذکور ہے۔

پس خداوند اقدس کے بندہ موسیٰ نے خداوند کے کہے کے موافق وہیں موآب کے ملک میں وفات پائی اور اس نے اسے موآب کی ایک وادی میں بہت فغور کے مقابل دفن کیا پر آج تک کسی آدمی کو اس کی قبر معلوم نہیں اور موسیٰ اپنی وفات کے وقت ایک سو بیس برس کا تھا اور نہ تو اس کی آنکھ دھندلانے پائی اور نہ اس کی طبعی قوت کم ہوئی۔

(کتاب مقدس، ص:202 استثناء باب:34، آیت 7-5 بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور 1992)

اور ملک الموت کو تھپڑ مارنے اور نکالنے نکل جانے کا واقعہ اس حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ملک الموت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا گیا جب وہ ان کے پاس پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو تھپڑ مارا اور ان کی آنکھ نکال دی۔ ملک الموت اپنے رب عزوجل کے پاس واپس گئے

اور کہا

تو نے مجھے ایسے بندے کی طرف بھیجا ہے جو مرنے کا ارادہ ہی نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھ لوٹا دی

اور فرمایا۔

ان کے پاس جا کر کہو کہ اپنے ہاتھ بیل کی پشت پر رکھ دیں اور جتنے بال ان کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے اتنے سال ان کی عمر بڑھا دی جائے گی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا:

اے میرے رب عزوجل! پھر کیا ہے

فرمایا

پھر موت ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

پھر ابھی سہی۔

اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ وہ ان کو ارض مقدس (بیت المقدس کی سرزمین) کے اتنے قریب کر دے جتنا پتھر پھینکے جانے کا فاصلہ ہوتا ہے۔

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر میں اس جگہ ہوتا تو میں تم کو سرخ ریت کے ٹیلے کے نیچے راستہ کی ایک جانب ان کی قبر دکھاتا۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث الحدیث:2372دار احیاء التراث العربی بیروت)

شیخ انور شاہ کشمیری متوفی 1352ھ نے کہا ہے:

ان کی صرف آنکھ نکلی کیونکہ وہ ملک الموت تھے ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غضب کے تھپڑ سے ساتوں آسمان ریزہ ریزہ ہو جاتے۔

(فیض الباری، ج:2،ص:476،مصر)

اللہ اکبر!

یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت کا عالم تھا پھر سوچئے کہ بازوئے حبیب اللہ عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم کی قوت کا کیا عالم ہوگا۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حواس اور عقل کا ڈھلتی ہوئی عمر میں زیادہ موثر اور فعال ہونا

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ قوی تھے۔ شوال پانچ ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک اٹھاون سال تھی۔ اس وقت غزوہ خندق واقع صحابہ کرام علیہم الرضوان خندق کھود رہے تھے کھدائی کے وقت چٹان نکل آئی۔ وہ کسی سے نہیں ٹوٹ رہی تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ضرب سے وہ چٹان ریزہ ریزہ ہوگئی۔

تفصیل اس حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں غزوۂ خندق کھودنے کا حکم دیا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے کہا:

خندق کی جگہ میں ایک چٹان نکل آئی جو کدال اور پھاوڑوں سے نہیں ٹوٹ رہی تھی۔ مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔

عوف رضی اللہ عنہ نے کہا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا[illegible] گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

کدال پکڑی اور بسم اللہ پڑھ کر ضرب لگائی تو اس سے تین پتھر ٹوٹ کر گر گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ اکبر! مجھے ملک شام کی چابیاں دے دی گئیں۔

اور اللہ عزوجل کی قسم!

بے شک میں اس جگہ سے اس کے شہروں کو اور اس کے سفید محلات کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بسم اللہ پڑھ کر دوسری ضرب لگائی تو پھر اس چٹان سے تین پتھر ٹوٹ کر گر گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ اکبر! مجھے ملک فارس کی چابیاں دے دی گئیں۔

اور اللہ عزوجل کی قسم!

بے شک میں اس جگہ سے اس کے شہروں کو اور اس کے سفید محلات کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بسم اللہ پڑھ کر ایک اور ضرب لگائی اور وہ چٹان مکمل طور پر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھے یمن کی چابیاں دے دی گئیں۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں اس جگہ سے صنعاء کے دروازے دیکھ رہا ہوں۔

(مسند احمد: ج: 4، ص: 303 طبع قدیم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین کوئی چیز نہیں دیکھی گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے میں آفتاب تیرتا تھا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سرعت کے ساتھ کسی کو چلتے ہوئے نہیں دیکھا۔ گویا کہ زمین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لپٹتی جاتی تھی۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلتے ہوئے تھک جاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پرواہ نہیں ہوتی تھی۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3648 بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سات ہجری میں اسلام لائے تھے گویا کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف ساٹھ سال تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دن اور رات کی ایک ساعت میں تمام ازواج مطہرات کو عمل زوجیت سے مشرف کرآتے تھے اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں گیارہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تھیں۔

حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ

میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عمل کی طاقت رکھتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا:

ہم یہ کہتے تھے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیس (جنتی) مردوں کی طاقت دی گئی تھی۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 268 بیروت)

حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کشتی لڑی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پچھاڑ دیا۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 1784 بیروت)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی المتوفی 852ھ لکھتے ہیں:

ابن خربوزہ وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ

رکانہ کسی سفر سے آئے تو انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کی خبر دی گئی۔ پھر مکہ کی بعض پہاڑوں میں ان کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی۔

انہوں نے کہا:

اے بھتیجے! مجھے تمہارے دعویٰ نبوت کی خبر پہنچی اگر تم نے مجھے پچھاڑ دیا تو میں جان لوں گا کہ تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔ پھر انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کشتی لڑی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پچھاڑ دیا۔ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے تھے۔

ایک قول یہ ہے:

وہ کشتی میں پچھڑنے کے بعد اسلام لے آئے تھے۔

(الاصابہ ج:2 ص:413 رقم الحدیث:2695 دار الکتب العلمیہ بیروت)

انبیاء کرام علیہم السلام کا ایک وقت میں کئی جگہ موجود ہونا

ہمارا عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام ایک وقت میں کئی جگہ موجود ہوتے ہیں اور اپنے فیوض و برکات سے نوازتے

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی 1052ھ لکھتے ہیں:

بعض محققین ابدال کی وجہ تسمیہ میں بیان کرتے ہیں کہ انہیں جب کسی جگہ جانا مقصود ہوتا ہے تو وہ پہلی جگہ اپنے بدلے میں اپنی امثال چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور سادات صوفیہ کے نزدیک عالم اجسام اور ارواح کے درمیان ایک عالم مثال بھی ثابت ہے جو عالم اجسام سے لطیف اور عالم ارواح سے کثیف ہوتا ہے اور روحوں کا مختلف صورتوں میں مشتمل ہونا اسی عالم مثال پر مبنی ہے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کا حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں اور حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بشر سوی کی صورت میں متمثل ہونا اسی عالم مثال کے قبیل سے ہے اور اسی وجہ سے یہ جائز ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چھٹے آسمان پر بھی موجود ہوں اور اسی وقت اپنی قبر میں بھی جسم مثالی کے ساتھ موجود ہوں اور حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دونوں جگہ دیکھا ہو۔

(جذب القلوب ص:153 مکتبہ نعیمیہ لاہور)

اور حاجی امداداللہ مہاجر مکی متوفی 1317ھ لکھتے ہیں:

اور حاجی امداداللہ مہاجر مکی متوفی 1317ھ لکھتے ہیں:

رہا یہ شبہ کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا یا کئی جگہ کیسے ایک وقت میں تشریف فرما ہوئے۔ یہ ضعیف شبہ ہے۔ آپ کے علم و روحانیت کی نسبت جو دلائل نقلیہ و کشفیہ سے ثابت ہے اس کے آگے یہ ایک ادنیٰ سی بات ہے۔ علاوہ اس کے اللہ تعالیٰ کی قدرت تو محل کلام نہیں۔

(فیصلہ ہفت مسئلہ ص:7 مدنی کتب لاہور)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی 1369ھ لکھتے ہیں:

انسانی روحیں جب پاکیزہ ہوں تو وہ ابدان سے الگ ہو جاتی ہیں اور اپنے بدن کی صورتوں میں یا کسی اور صورت میں متمثل ہو کر چلی جاتی ہیں۔

جیسے

حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں یا کسی اعرابی کی صورت میں متمثل ہو کر جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے چلے جاتے ہیں۔ اس کے باوجود ان کا اپنے ابدان اصلیہ سے تعلق برقرار رہتا ہے۔ جیسا کہ احادیث مبارکہ میں وارد ہے اور جس طرح بعض اولیاء سے منقول ہے کہ وہ ایک وقت میں متعدد جگہوں پر دکھائی دیتے ہیں اور ان سے افعال صادر ہوتے ہیں۔ اس کا انکار ہٹ دھرمی ہے جو صرف کسی جاہل اور معاندہی سے متصور ہو سکتا ہے اور علامہ ابن قیم نے دعویٰ کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک وقت میں متعدد جگہ زیارت کی جاتی ہے حالانکہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر انور میں نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں۔

اس پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔

اور حدیث مبارکہ میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کثیب احمر کے پاس ان کی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور ان کو آسمان میں بھی دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان فرض نمازوں کے معاملہ میں مکالمہ ہوا۔ شب معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کی ایک جماعت کو بھی آسمانوں پر دیکھا حالانکہ ان کی قبریں زمین پر ہیں اور کسی نے یہ قول نہیں کیا کہ وہ اپنی قبروں سے آسمانوں کی طرف منتقل ہو گئے تھے۔

(فتح الملہم ج:1، ص:306 مطبع الحجاز کراچی)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس امت کے ایک سے زیادہ کاملین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیداری میں فیض حاصل کیا ہے۔

شیخ سراج الدین بن الملقن نے طبقات الاولیاء میں لکھا ہے کہ

شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز نے بیان کیا ہے کہ

میں نے ظہر سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے میرے بیٹے! تم خطاب کیوں نہیں کرتے۔

میں نے کہا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں عجمی شخص ہوں فصحاء بغداد کے سامنے کیسے کلام کروں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اپنا منہ کھولو، میں نے اپنا منہ کھولا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سات مرتبہ لعاب دہن ڈالا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لوگوں سے کلام کرو اور حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اپنے رب عزوجل کے دین کی دعوت دو پھر میں ظہر کی نماز پڑھ کر لوگوں کے سامنے بیٹھ گیا۔ میرے پاس بہت مخلوق آئی اور مجھ پر کلام ملتبس ہو گیا۔ پھر میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زیارت کی جو میرے سامنے مجلس کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا

اے میرے بیٹے کلام کیوں نہیں کرتے۔

میں نے کہا:

اے میرے والد گرامی مجھ پر کلام ملتبس ہو گیا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا

اپنا منہ کھولو۔

میں نے اپنا منہ کھولا تو آپ رضی اللہ عنہ نے میرے منہ میں چھ مرتبہ لعاب دہن ڈالا۔

میں نے کہا:

آپ رضی اللہ عنہ نے سات بار مکمل کیوں نہیں کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کی وجہ سے، پھر وہ مجھ سے غائب ہو گئے۔

نیز

شیخ سراج الدین نے لکھا ہے کہ

شیخ خلیفہ بن موسیٰ النہر ملکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند اور بیداری میں بکثرت زیارت کرتے تھے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نیند اور بیداری میں اکثر افعال حاصل کئے اور ایک بار انہوں نے ایک رات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سترہ بار زیارت کی۔

ان باریوں میں سے ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے خلیفہ! میری زیارت کے لئے بے قرار نہ ہوا کرو کیونکہ بہت سے اولیاء اللہ میری زیارت کی حسرت میں فوت ہو گئے۔

اور شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ نے لطائف المنن میں لکھا ہے کہ

ایک شخص نے شیخ ابو العباسی مرسی سے کہا

اپنے اس ہاتھ سے میرے ساتھ مصافحہ کیجئے۔

انہوں نے کہا:

میں نے اس ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور سے مصافحہ نہیں کیا۔

اور شیخ مرسی نے کہا:

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پلک جھپکنے کی مقدار بھی میری نظروں سے اوجھل ہوں تو میں اپنے آپ کو مسلمان شمار نہ

کرتا۔

اس قول کی مثل اور بہت سے اولیاء اللہ سے منقول ہے۔

بکثرت متقدمین اور متاخرین سے منقول ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند میں زیارت کی اور اس کے بعد بیداری میں زیارت کی اور انہوں نے اس حدیث کی تصدیق کی اور جن چیزوں کے متعلق وہ متشوش تھے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چیزوں کے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وہ مسئلہ اس طرح بیان فرمایا جس سے ان کی تشویش اور پریشانی دور ہوگئی۔

علامہ سیوطی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت کے سلسلہ میں تمام احادیث مبارکہ، آثار اور نقول ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ

خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم وارواح کے ساتھ زندہ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اطراف ارض میں جب چاہیں جہاں چاہیں تصرف کرتے ہیں اور تشریف لے جاتے ہیں اور عالم ملکوت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اسی ہیئت کے ساتھ ہیں جس ہیئت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم وصال سے پہلے تھے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم آنکھوں سے اس طرح غائب ہیں جس طرح فرشتے غائب ہیں حالانکہ وہ اپنے اجسام کے ساتھ زندہ ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کے اعزاز واکرام کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو حجابات ہیں ان کو اٹھا دیتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ہیئت پر دیکھتا ہے۔ اس سے کوئی چیز مانع نہیں ہے اور جسم مثالی کی تخصیص کا کوئی باعث نہیں ہے۔

اور علامہ سیوطی کا تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق یہی موقف ہے۔

انہوں نے کہا:

انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں اور وفات کے بعد ان کی روحیں لوٹا دی گئیں اور ان کو قبروں سے نکلنے اور تمام علوی اور سفلی ملکوت میں تصرف کرنے کی اجازت دی گئی۔ اپنے اس موقف پر علامہ سیوطی نے کثیر احادیث مبارکہ دلائل کے طور پر دی ہیں۔

(1) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہر نبی فوت ہونے کے بعد صرف چالیس دن اپنی قبر میں رہتا ہے۔

(2) سعید بن مسیتب سے روایت ہے کہ

کوئی نبی فوت ہونے کے بعد چالیس دن سے زیادہ قبر میں نہیں رہتا۔

(3) امام الحرمین نے نہایہ میں اور علامہ رافعی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں اپنے رب عزوجل کے نزدیک اس سے زیادہ مکرم ہوں کہ وہ مجھے تین دن کے بعد بھی قبر میں رکھے۔

امام الحرمین نے کہا:

یہ بھی مروی ہے کہ دو دن سے زیادہ قبر میں رکھے۔

علامہ سیوطی کا موقف یہ ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام قبروں میں نہیں ہوتے عالم ملکوت میں ہوتے ہیں۔

جن احادیث مبارکہ سے علامہ سیوطی نے استدلال کیا ہے علامہ ابن جوزی نے ان کو موضوع قرار دیا ہے۔

نیز

احادیث صحیحہ صریح سے یہ ثابت ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں ہوتے ہیں۔

صحیح یہ ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور جب چاہیں جہاں چاہیں روئے زمین میں تشریف لے جاتے ہیں اور تصرف کرتے ہیں۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

میرا ظن غالب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بصر سے اس طرح نہیں ہوتی جس طرح ہم دوسری متعارف چیزوں کو دیکھتے ہیں۔ یہ ایک حالت برزخی اور امر وجدانی ہے اس کو مکمل طور پر وہی جان سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت سے بہرہ مند کیا ہے اور چونکہ یہ روایت رؤیت بصری کے بہت زیادہ مشابہ ہوتی ہے اس لئے دیکھنے والا یہ گمان کرتا ہے کہ اس نے اپنی آنکھوں سے اس طرح دیکھا ہے جیسے وہ متعارف چیزوں کو دیکھتا ہے حالانکہ ایسا نہیں یہ رؤیت قلبی ہے جو رؤیت بصری سے بہت زیادہ مشابہ ہے۔ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتا ہے یا تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو دیکھتا ہے جو صورت مرئیہ میں (یعنی انسانی پیکر میں) ظاہر ہوتی ہے اور اس طرح روح کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کے ساتھ قائم رہتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور میں موجود ہے۔

جیسا کہ

حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں یا کسی اور صورت میں آتے تھے اس کے باوجود سدرۃ المنتہیٰ پر موجود ہوتے تھے یا زیارت کرنے والا شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مثالی کو دیکھتا ہے جس کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس متعلق ہوتی ہے اور جسم مثالی کی تعداد سے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔

یہ ہوسکتا ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے اجسام مشابہ ہوں (اور بیک وقت بہت سے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

ریں)اوران اجسام مثالیہ میں سے ہر ہر جسم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کریم متعلق ہو۔

اس کی نظیر یہ ہے۔

جیسے انسان کی ایک روح اس کے بدن کے ہر ہر عضو کے ساتھ متعلق ہوتی ہے۔ ہماری اس تقریر سے شیخ ابوالعباس طنجی کے اس قول کی توجیہ ہو جاتی ہے کہ آسمان، زمین، عرش اور کرسی سب جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نظر آرہے تھے اور یہ اشکال بھی حل ہو جاتا ہے کہ متعدد دیکھنے والوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک معین وقت میں مختلف مقامات پر دیکھا۔

قبر میں انبیاء کرام علیہم السلام کو جو حیات حاصل ہوتی ہے ہر چند کہ اس حیات پر وہ امور مرتب ہوتے ہیں جو دنیا میں مرتب ہوتے تھے

مثلاً ۔

وہ نماز پڑھتے ہیں۔

اذان واقامت پڑھتے ہیں۔

جو سلام سنتے ہیں اس کا جواب دیتے ہیں۔

اوراس کی مثل دوسرے امور ہیں لیکن اس حیات میں وہ تمام امور مرتب نہیں ہوتے جو دنیا کی معروف حیات میں مرتب ہوتے ہیں اوراس حیات کو ہر شخص محسوس کرسکتا ہے نہ اس کا ادراک کرسکتا ہے اوراگر بالفرض تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی قبریں منکشف ہو جائیں تو عام لوگ قبروں میں انبیاء کرام علیہم السلام کو اسی طرح دیکھیں گے جس طرح باقی ان اجسام کو دیکھتے ہیں جن کو زمین نہیں کھاتی ورنہ احادث میں تعارض لازم آئے گا کیونکہ احادیث مبارکہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

اور مسند ابو یعلیٰ میں حدیث مرفوع ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کو مصر میں منتقل کیا۔

(روح المعانی ج:22،ص:51 تا55 ملخصاً دارالفکر بیروت)

شیخ انور شاہ کشمیری متوفی 1352ھ لکھتے ہیں:

اور میرے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیداری میں زیارت کرنا ممکن ہے جس شخص کو اللہ تعالیٰ یہ نعمت عطا کرے۔

کیونکہ منقول ہے کہ

علامہ سیوطی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیس مرتبہ بیداری میں زیارت کی۔

(علامہ عبدالوہاب شعرانی نے خود علامہ سیوطی کے حوالے سے لکھا ہے کہ میں نے پچھتر بیداری میں زیارت کی اور بالمشافہ

ملاقات کی ہے)

(میزان الشریعۃ الکبریٰ ج:1 ص:44)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض احادیث مبارکہ کے متعلق سوال کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصحیح کے بعد ان کو صحیح قرار دیا۔ امام شعرانی نے بھی یہی لکھا ہے کہ انہوں نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیداری میں زیارت کی ہے اور آٹھ رفقاء کے ساتھ آپ سے صحیح بخاری پڑھی پھر امام شعرانی نے ان میں سے ہر ایک کا نام بھی لیا۔ ان میں سے ایک حنفی تھا۔

اخیر میں شیخ کشمیری نے کہا:

بیداری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت متحقق ہے اور اس کا انکار کرنا جہالت ہے۔

(فیض الباری، ج:1 ص:204 مطبع حجازی مصر)

عصمت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

عصمت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بحث سے پہلے عصمت کی تعریف کرنا ضروری ہے۔

عصمت کی تعریف

عصمت کی تعریف میں متعدد علماء کرام کے اقوال ہیں۔ جن میں چند علماء کرام کی بیان کردہ تعریفات عرض کرتا ہوں۔

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی 816ھ لکھتے ہیں:

گناہوں پر قدرت کے باوجود گناہوں سے اجتناب کے ملکہ (مہارت) کو عصمت کہتے ہیں۔

(کتاب التعریفات ص 107 دار الفکر بیروت)

قاضی عبد النبی بن عبد الرسل الاحمد نگری کا عصمت پر قول

عصمت کی تعریف یہ ہے۔

گناہوں پر قدرت کے باوجود گناہوں سے اجتناب کا ملکہ

اور اس کی دوسری تعریف یہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ میں ایک ایسی قوت جو بندہ میں گناہوں پر قدرت اور اختیار کے باوجود اسے گناہوں اور مکروہات کے فعل سے روکتی ہے۔

گناہوں کے اجتناب سے ملکہ کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ

یہ بندہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسی صفت ہے جو اس کو خیر اور نیکی پر ابھارتی ہے اور اس کو شر اور برائی سے روکتی ہے۔ اس کے باوجود کہ بندہ میں گناہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار باقی رہتا ہے تاکہ اس میں امتحان اور ابتلاء کا معنی متحقق ہو۔

اسی وجہ سے شیخ ابو منصور ماتریدی علیہ الرحمہ نے فرمایا

عصمت آزمائش اور مکلف ہونے کی صفت کو زائل نہیں کرتی۔

اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ

شیعہ اور معتزلہ کی عصمت کی بیان کردہ تعریف فاسد اور باطل ہے۔

انہوں نے یہ تعریف کی ہے

کسی شخص کے نفس ناطقہ میں ایسی خاصیت یا اس کے بدن میں ایسی صفت ہو جس کی وجہ سے اس سے گناہوں کا صدور محال ہو اس کو عصمت کہتے ہیں۔ یہ تعریف اس لئے باطل ہے کہ اگر بندہ سے گناہوں کا صدور محال ہو تو اس کو گناہوں کے ترک کرنے کا مکلف کرنا صحیح نہیں ہوگا اور نہ اس کو گناہوں کے ترک کرنے پر ثواب عطا کرنا صحیح ہوگا۔

علامہ تفتازانی نے شرح العقائد ص 109 پر اس طرح لکھا ہے اور جنہوں نے عصمت کی یہ تعریف کی ہے کہ

اللہ تعالیٰ کا بندہ میں گناہ کا پیدا نہ کرنا اس کے باوجود کہ بندہ میں گناہ پر قدرت اور اختیار باقی ہو اس تعریف کا مآل بھی وہی ہے کیونکہ عصمت کی حقیقت صرف گناہوں سے بچنے کا ملکہ ہے۔

انبیاء معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء محفوظ ہوتے ہیں اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ انبیاء و اولیاء دونوں میں گناہوں پر قدرت واختیار رہتا ہے لیکن انبیاء گناہ کا ارادہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان میں گناہ پیدا نہیں کرتا اور اولیاء اگر گناہ کا ارادہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ان میں گناہ پیدا کر دیتا لیکن وہ گناہ کا ارادہ کرتے ہی نہیں۔

(دستور العلماء: ج:2، ص:233 تا 234 دار الکتب العلمیہ بیروت)

میں کہتا ہوں کہ علامہ عبد النبی نے معصوم اور محفوظ میں جو فرق بیان کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ اولاً اس لئے کہ گناہ کبیرہ کا ارادہ کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام اس سے بھی معصوم ہیں لہٰذا وہ گناہ کا ارادہ ہی نہیں کرتے۔

عصمت کا لغوی معنی

علامہ منظور افریقی لکھتے ہیں:

کلام عرب میں عصمت کا معنی ہے۔

روکنا

محفوظ رکھنا

اور جب اللہ تعالیٰ کی عصمت کا بندہ سے تعلق ہو تو اس کا معنی ہے بندہ کو ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچانا۔

(لسان العرب ج:12، ص:403 مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ ایران)

علامہ ابن اثیر جذری کا عصمت پر قول

عصمت کا معنی ہے۔

روک لینا

محفوظ رکھنا

عاصم کا معنی ہے

محفوظ رکھنے والا

حمایت کرنے والا

اعتصام کا معنی ہے

کسی شیء کو مضبوطی سے پکڑنا

باز رکھنا

(نہایہ: ج:3،ص:249 مطبوعہ مؤسسہ مطبوعاتی ایران)

علامہ راغب اصفہانی کا عصمت پر قول

عصمت انبیاء کا معنی یہ ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کی ذوات کی خصوصیات کی حفاظت کرنے پھر ان کے جسمانی اور روحانی فضائل کی حفاظت کرنا پھر ان کی مدد کرنا اور ان کو ثابت قدم رکھنا پھر ان پر سکینہ نازل کر کے ان کے دلوں کو محفوظ رکھنا اور ان کو توفیق دینا۔

(المفردات:ص:337 مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران)

علامہ زبیدی کا عصمت پر قول

زجاج نے کہا:

عصمت کا معنی ہے

رسی

ہر وہ چیز جو کسی چیز کو روک لے وہ اس کے لئے عصمت ہے

علامہ مناوی نے کہا:

گناہوں پر قدرت کے باوجود گناہوں سے رکنے کے ملکہ کو عصمت کہتے ہیں۔

علامہ تفتازانی کا عصمت پر قول

عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ بندہ میں اس کی قدرت اور اختیار کے باوجود گناہ نہ پیدا کرے۔

اسی کے قریب یہ تعریف ہے

عصمت اللہ تعالیٰ کا لطف ہے جو بندہ کو اچھے کاموں پر ابھارتا ہے اور برے کاموں سے روکتا ہے۔ باوجود اس کے کہ بندہ کو گناہ پر اختیار ہوتا ہے تاکہ بندہ کا مکلّف ہونا صحیح رہے۔

اس لئے شیخ ابو ماتریدی نے فرمایا

عصمت مکلّف ہونے کو زائل نہیں کرتی۔ ان تعریفوں سے ان لوگوں کے قول کا فساد ظاہر ہو گیا جو یہ کہتے ہیں کہ عصمت نفس انسان یا اس کے بدن میں ایسی خاصیت ہے جس کی وجہ سے گناہ کا صدور محال ہو جاتا ہے کیونکہ اگر کسی انسان سے گناہ کا صدور محال ہو تو اس کو مکلّف کرنا صحیح ہوگا۔ نہ اس کو اجر و ثواب دینا صحیح ہوگا۔

(شرح عقائد نسفی ص:109 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

علامہ شمس الدین خیالی کا عصمت پر قول

علامہ شمس الدین خیالی لکھتے ہیں:

گناہوں پر قدرت کے باوجود گناہوں سے بچنے کے ملکہ کو عصمت کہتے ہیں۔

(حاشیہ الخیالی: ص:146 مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ)

علامہ عصام الدین کا عصمت پر قول

علامہ عصام الدین نے عصمت کی تعریف ملکہ اجتناب معاصی کے ساتھ کرنے سے اختلاف کیا ہے

اور یہ توقف ہے

لکھتے ہیں

بلکہ اہل سنت کے نزدیک عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے میں گناہ پیدا نہ کرے۔

علامہ تفتازانی نے شرح المقاصد میں لکھا ہے کہ

جب عصمت کی تعریف ملکہ اجتناب معاصی کے ساتھ کی جائے گی تو یہ لازم نہیں آئے گا کہ غیر معصوم گناہ گار ہو چہ جائیکہ ظالم ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ علامہ خیالی نے عصمت کی تعریف ملکہ اجتناب معاصی کے ساتھ اسی وجہ سے کی ہو تاکہ یہ جواب دیا جا سکے۔

(حاشیہ العصام علی شرح العقائد: ص:328 مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی کا عصمت پر قول

متکلمین کے نزدیک عصمت کی تعریف یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نبی میں کوئی گناہ پیدا نہیں فرماتا

اور حکماء کے نزدیک عصمت کی تعریف یہ ہے کہ

وہ ایک ملکہ ہے جو گناہوں سے روکتا ہے یہ ملکہ نیکیوں اور برائیوں کے علم سے حاصل ہوتا ہے یہی علم برائیوں سے باز رکھتا ہے اور نیکیوں پر ابھارتا ہے۔انبیاء کرام علیہم السلام میں وحی الٰہی سے یہ علم اور مؤکد ہو جاتا ہے۔

(نسیم الریاض ج:4،ص:36 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

ملا علی قاری کا عصمت پر قول

شیخ ابو منصور ماتریدی نے کہا:

عصمت سے مکلف ہونا زائل نہیں ہوتا۔ یہ بات نہیں ہے کہ عصمت سے کس کے نفس شخص یا اس کے ہاتھوں یا اس کی زبان پر کوئی خاصیت پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اس سے گناہوں کا صدور ممتنع ہو جاتا ہے کیونکہ اگر کسی شخص سے گناہوں کا صدور ممتنع ہو تو اس کو گناہوں کے ترک کرنے کے ساتھ مکلف کرنا صحیح نہیں ہوگا جس طرح اندھے کو دیکھنے سے منع نہیں کیا جاتا اور کپکپانے والے کو سکون سے نہیں منع کیا جاتا کیونکہ یہ تحصیل حاصل ہے۔

(شرح فقہ اکبر:ص:147 مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر)

علامہ میر سید شریف جرجانی کا عصمت پر قول

علامہ میر سید شریف جرجانی لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک عصمت کی تعریف یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام میں گناہ نہ پیدا فرمائے۔

اور حکماء کے نزدیک عصمت ایک ملکہ ہے جو گناہوں سے روکتا ہے۔

(شرح مواقف ص:698 مطبوعہ مطبع منشی نولکشور)

قاضی عیاض مالکی کا عصمت پر قول

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

جمہور اس نظریہ کے قائل ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنے کسب اور اختیار سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔اس کے برخلاف حسین نجار (معتزلی) نے یہ کہا ہے:

انبیاء کرام علیہم السلام کو گناہوں پر بالکل قدرت نہیں ہوتی۔

(شفاء:ج:2،ص:125 مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان)

علامہ ابن ابی شریف کا عصمت پر قول

علامہ ابن ربی شریف لکھتے ہیں

صاحب بدایہ نے یہ کہا

امام ابو منصور ماتریدی کے قول کا مطلب یہ ہے کہ عصمت عبادت پر مجبور کرتی ہے نہ معصیت سے عاجز کرتی ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک لطف ہے جو بندہ کو قدرت اور اختیار کے باوجود نیکی پر برانگیختہ کرتا ہے اور برائی سے روکتا ہے تاکہ بندہ کا مکلّف ہونا صحیح رہے۔

(مسامرہ: ص: 205، مطبوعہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ بلوچستان)

علامہ قاسم بن قطلو بغا حنفی کا عصمت پر قول

علامہ قاسم بن قطلو بغا حنفی لکھتے ہیں:

عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ بندے میں گناہ کی قدرت اور اختیار کے باوجود گناہ کو پیدا نہ کرے۔

(شرح المسائرہ ص: 290 مطبوعہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ بلوچستان)

علامہ شرتوتی کا عصمت پر قول

علامہ شرتوتی لکھتے ہیں:

گناہوں پر قدرت کے باوجود گناہوں سے بچنے کا ملکہ عصمت ہے۔

(کتاب التعریفات: ص: 65 مطبوعہ المطبعۃ الخسیریہ مصر)

عصمت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر دلائل

انبیاء کرام علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہیں۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ اسی پر ہے جو کہ گزشتہ صفحات میں عرض کر دیا ہے۔

لیکن یہاں پر چند دلائل ملاحظہ ہوں۔

(1) اگر انبیاء کرام علیہم السلام سے گناہ صادر ہو جائے تو ان کی اتباع حرام ہوگی حالانکہ ان کی اتباع کرنا واجب ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (آل عمران: 31)

آپ فرما دیجئے! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تمہیں محبوب بنا لے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

(2) جس سے گناہ صادر ہوں اس کی شہادت کو بلا تحقیق قبول کرنا جائز نہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا (الحجرات: 6)

اے ایمان والو! اگر فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔

اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شہادت کو بلا تحقیق قبول کرنا واجب ہے۔

(3) فاسق نبوت کا اہل نہیں ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ۝ (البقرہ: 124)

اللہ نے فرمایا ظالموں کو میرا عہد نہیں پہنچتا۔

اور کبھی بھی کوئی نبی فاسق نہیں ہوا۔

(4) اگر نبی سے گناہ صادر ہو جائے تو ان کو (العیاذ باللہ) ملامت کرنا جائز ہوگا اور اس سے نبی کو ایذا پہنچے گی اور انبیاء کرام علیہم السلام کو ایذا پہنچانا حرام ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ (الاحزاب: 57)

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

(5) انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے بندے مخلص بندے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ ۝ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ (ص: 45،46)

اور ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو یاد کیجئے جو قوت اور نگاہ بصیرت والے ہیں۔

ہم نے ان کو مخلص کر دیا۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مخلص کو شیطان گمراہ نہیں کر سکتا۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ۝ (ص 82 تا 83)

ابلیس نے کہا: تیری عزت کی قسم۔ میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا۔ سوا تیرے مخلص بندوں کے۔

(6) گناہ گار لائق مذمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی عزت افزائی کی ہے۔

وَ اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ ۝ (ص: 47)

اور بے شک وہ ہماری بارگاہ میں ضرور پسندیدہ بندوں میں سے ہیں۔

(7) انبیاء کرام علیہم السلام لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اگر وہ خود گناہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوگا۔

قرآن مجید میں ہے:

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۝(الصف: 3)

اللہ کے نزدیک یہ بات سخت ناراضگی کی موجب ہے کہ تم وہ بات کہو جو خود نہیں کرتے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام سے اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لئے راضی ہے۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ(جن: 26، 27)

وہ عالم الغیب ہے تو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا بجز ان کے جن سے وہ راضی ہے اور اس کے رسول ہیں۔

اس آیت میں واضح فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ سب رسولوں سے راضی ہے اور نیکی کا حکم دے کہ خود عمل نہ کرنے والے سے وہ راضی نہیں ہے۔

(8) اگر معاذ اللہ انبیاء کرام علیہم السلام سے گناہوں کا صدور ہوتا تو وہ مستحق عذاب ہوتے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا۝(جن: 23)

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو لاریب اس کے لئے جہنم کی آگ ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔

اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام جہنم سے محفوظ اور مامون ہیں اور ان کا مقام جنت خلد ہے۔

(9) انبیاء کرام علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں اور فرشتوں سے گناہ صادر نہیں ہوتے تو انبیاء کرام علیہم السلام سے بطریق اولیٰ گناہ صادر نہیں ہوں گے۔ فرشتوں سے افضلیت کی دلیل یہ ہے کہ فرشتے عالمین میں داخل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو تمام عالمین پر فضیلت دی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۝(آل عمران: 33)

بے شک اللہ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے۔

اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ارشاد فرمایا

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

ترجمہ: اور ہم نے تمہیں نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت۔

معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہیں۔

امام رازی لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام سے زمانہ نبوت میں یقینی طور پر کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا کبیرہ نہ صغیرہ۔

(تفسیر کبیر، ج:1، ص:302 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

میر سید شریف جرجانی لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام اپنے زمانہ میں مطلقاً گناہ کبیرہ سے اور عمداً صغیرہ سے معصوم ہوتے ہیں۔

(شرح مواقف ص:689 مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ)

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا فرمایا اور جب پیدا فرمادیا تو جنت جیسی عظیم برکت والی جگہ میں رکھا جہاں پر حضرت آدم علیہ السلام مقیم رہے۔

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر خیر کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ لفظ "آدم" کی تحقیق کی جائے۔

آدم کی لفظی تحقیق

لفظ آدم کی لفظی تحقیق کے بارے کئی اقوال ہیں۔ چند ملاحظہ فرمائیں۔

محی الدین درویش لکھتے ہیں:

آدم اسم علم ہے اور عجمی ہے

جیسا کہ

آزر

عابر

اور عاذر ہے۔

اور یہ علمیت اور عجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ

یہ ادمۃ سے مشتق ہے۔

یا

ادیم الارض سے مشتق ہے ان کا قول صحیح نہیں ہے کیونکہ اشتقاق عربی زبان کا خاصہ ہے اور عجمی لفظ کا مادہ اشتقاق عربی الفاظ کیسے ہو سکتے ہیں۔

(اعراب القرآن وبیانہ: ج:1، ص: 80 مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لفظ آدم پر قول

حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

امام فریابی، امام ابن سعد، امام ابن جریر، امام ابن ابی حاتم، امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو آدم اس لئے کہا گیا ہے ان کو ادیم الارض سے بنایا گیا ہے (یعنی زمین کی سطح سے) سرخ، سفید اور سیاہ مٹی سے اسی طرح لوگوں کے رنگ مختلف ہیں۔

سرخ

سیاہ

سفید

پاک اور نجس

(الدر المنثور: ج:1،ص:49 مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمی ایران)

امام عبد بن حمید کا لفظ آدم پر قول

امام عبد بن حمید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو ادیم ارض سے پیدا کیا گیا۔

سرخ

سفید

اور سیاہ مٹی سے

(الدر المنثور ج:1،ص:49 مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمی ایران)

اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے خلیفہ بنانے کا مشورہ

اللہ تعالیٰ نے جب اس عالم میں اپنا خلیفہ بنانا چاہا تو فرشتوں سے خلیفہ بنانے کے بارے میں مشورہ کیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (البقرہ: 30)

اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔

خلیفہ کا معنی

خلیفہ کا لغوی معنی ہے

جانشین

نائب

قائم مقام

علامہ راغب اصفہانی اس کا عرفی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

خلافت کا معنی ہے۔

دوسرے شخص کی نیابت کرنا

یا

اس وجہ سے کہ اصل شخص کہیں چلا گیا تو یہ غیر موجودگی میں اس کا نائب ہے اور یا اس وجہ سے کہ اصل شخص فوت ہو گیا ہے اور اب یہ اس کے قائم مقام ہے اور یا اس وجہ سے اصل شخص اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے سے عاجز ہے تو یہ اس کی ذمہ داریوں کو پورا کر رہا ہے اور یا اس وجہ سے کہ جس کو خلیفہ بنایا گیا ہے اس کو ان لوگوں پر عزت، فضیلت اور شرف عطا کرتا ہے جن پر اس کو خلیفہ بنایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو انبیاء کرام علیہم السلام کو اور اپنے نیک بندوں کو زمین پر خلیفہ بنایا ہے اس کی یہی چوتھی وجہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ غائب ہونے سے، فوت ہونے سے اور عاجز ہونے سے پاک ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے جن کو لوگوں کا خلیفہ بنایا ہے وہ ان کو دوسرے لوگوں پر عزت اور شرف عطا فرمانے کے لئے ہے۔

قرآن مجید میں ہے: هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ ؕ (فاطر: 39)

وہی ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا

اور قرآن مجید میں ہے:

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ (ص: 26)

اے داؤد! بے شک ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنا دیا ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں۔

خلیفہ کا معنی ہے۔

جو زمین میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کرتا ہے اگر اس سے متصل پہلی آیتوں کا معنی یہ ہوتا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اوریاہ کی بیوی پر قبضہ کرنے کے لئے اس کو مروا دیا تو اس کے متصل بعد حضرت داؤد علیہ السلام کو خلیفہ بنانے کا کیوں ذکر فرمایا جاتا کہ خلیفہ اسی شخص کو کہتے ہیں جو زمین سے فتنہ فساد اور خون ریزی کو دور کرے نہ کہ اس شخص کو خلیفہ بنایا جاتا ہے جو اپنی نفسانی خواہش پوری کرنے کے لئے کسی کو ناحق قتل کرائے۔

(تفسیر کبیر: ج:9،ص:386 دار الفکر بیروت)

خلیفہ کی تعریف

خلیفہ نائب یا قائم مقام کو کہتے ہیں۔

جب اصل شخص خود کار حکومت انجام نہ دے سکے تو اس کا خلیفہ مقرر کیا جاتا ہے۔

مثلاً

اصل شخص کہیں چلا جائے تو عارضی طور پر اس کی جگہ کام کرنے کے لئے خلیفہ مقرر کرتے ہیں۔

یا

اصل شخص فوت ہو جائے تو اس کی جگہ خلیفہ مقرر کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کہیں جانے اور فوت ہونے سے پاک ہے تو پھر اس کو خلیفہ کی کیا ضرورت تھی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ کو خلیفہ کی ضرورت نہ تھی بلکہ بندوں کو ضرورت تھی کیونکہ انسان اپنی مادی کثافت اور عدم قرب کے حجابات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے براہ راست فیض حاصل نہیں کر سکتا تھا اور اس سے احکام وصول نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے اور انسانوں کے درمیان ایک خلیفہ بنایا اور اس کا نام نبی اور رسول رکھا اور انبیاء کرام علیہم السلام کو ایسی صلاحیتیں اور استعداد عطا فرمائی کہ وہ فرشتے کے واسطے یا بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے احکام حاصل کر سکیں۔ عام انبیاء کرام و مرسلین علیہم السلام کی طرف فرشتے بھیجے جاتے ہیں اور مقربین سے اللہ تعالیٰ خود بھی کلام فرماتا ہے۔

جیسے

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے میقات میں کلام فرمایا اور ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شب معراج کلام فرمایا۔

خلیفہ کا ایک معنی یہ ہے کہ

جو اللہ تعالیٰ کا نائب ہو اور اس کا خلیفہ ہو اور اللہ تعالیٰ سے احکام حاصل کر کے بندوں تک پہنچائے۔ یہ معنی نبی اور رسول کے مترادف ہے۔

خلیفہ کا دوسرا معنی یہ ہے کہ

جو نبی اور رسول کے نائب اور اس کا خلیفہ ہو اور نبی کی بیان کی ہوئی شریعت جو لوگوں پر نافذ کرے اور منہاج نبوت حکومت چلائے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ

مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ (النور: 55)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کئے ان سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمالیا ہے کہ وہ ان کو ضرور بہ ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا۔

اس آیت میں خلیفہ کا یہی دوسرا معنی ہے۔

آیت مبارکہ میں خلیفہ کا مصداق

اس آیت میں خلیفہ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں یا حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد مراد ہیں کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیفہ تھے اور ان کے بعد آنے والی ان کی اولاد لغوی معنی کے اعتبار سے ان کی خلیفہ تھی یعنی بعد میں آنے والے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نائب کے لئے چار الفاظ استعمال فرماتے ہیں اس آیت میں خلیفہ فرمایا اور اس کے بعد اسی آیت میں اس کو آدم فرمایا۔

فرمایا

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرہ: 30)

اور اللہ نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھا دیئے۔

اس کو بشر سے تعبیر فرمایا

اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ○ (ص: 71)

میں مٹی سے بشر بنانے والا ہوں۔

اس کو انسان بھی فرمایا

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ (الحجر: 26)

اور بے شک ہم نے انسان کو بجنے والی سیاہ مٹی سے پیدا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کے نائب ہونے کے اعتبار سے آپ علیہ السلام کو خلیفہ بنایا۔

گندمی رنگ کی وجہ سے آدم فرمایا۔ جسم کی ظاہری وضع، چہرے مہرے اور کھال کی ساخت کے اعتبار سے بشر فرمایا اور حقیقت اور ماہیت کے اعتبار سے انسان فرمایا۔

اس آیت میں خلیفہ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں کیونکہ یہاں سارے واقعات انہی کے بیان ہو رہے ہیں۔

(تفسیر نعیمی، پارہ اول: ص: 264 نعیمی کتب خانہ لاہور)

پہلے خلیفہ حضرت آدم علیہ السلام ہوئے اور آخری خلیفہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے کیونکہ وہ امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ

وسلم کے خاتم الاولیاء یعنی آخری ولی ہیں۔

(تفسیر نعیمی، پارہ اول، ص:264، نعیمی کتب خانہ لاہور)

انبیاء کرام علیہم السلام کا خلیفہ ہونا

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام چند وجہوں سے خلیفہ ہوئے۔

(1) یہ کہ یہ آسمان اور زمینی چیز کے مجموعہ ہیں کہ ان کا جسم فرشی اور روح عرشی ہے۔

(2) یہ کہ یہ حق تعالیٰ کی ساری صفات کے مظہر ہیں۔

(3) یہ کہ ان کو رب عزوجل نے اپنا علم عطا فرمایا جس سے انہوں نے قوانین اور قاعدے بنا ڈالے۔

(4) یہ کہ ان کو اپنا کلام دیا کہ رب عزوجل کے کلام کو اپنی زبان سے مخلوق تک پہنچایا۔

(5) یہ کہ ان کو ایسی قدرت کاملہ عطا فرمائی جو رب عزوجل کی قدرت کا نمونہ ہے۔ اگرچہ بظاہر فرشتے بہت قوی ہیں لیکن نبی کی قدرت وقوت ان سے کہیں بڑھ کر ہے۔ حضرت ملک الموت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک تھپڑ کی تاب نہ لاسکے۔ جیسا کہ احادیث مبارکہ میں آیا۔ (اور میں نے گزشتہ صفحات میں ذکر بھی کر دیا)

(6) یہ کہ دنیا کی ہر چیز کو ان کے قبضے میں دیا گیا کہ حیوانات جمادات بلکہ آسمان وزمین پر ان کی حکومت قائم ہوئی۔

خیال رہے کہ

سلطان کی نیابت وخلافت دو جزوں پر موقوف ہے۔ سلطان کا سا علم اور سلطان کی سی قدرت اسے عطا ہو۔ ورنہ وہ سلطان کا کام نہیں سنبھال سکتا۔

اس لئے

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت ثابت کرنے کے لئے انہیں علم اسماء دیا۔ اس علم کی عطا ظاہر فرمائی اور مسجود ملائکہ بنایا اس میں قدرت خلیفہ ظاہر کی۔ بڑی قدرت والے فرشتوں کے مسجود ہیں۔

(7) یہ کہ جسمانیات کے علاوہ روحانیات میں بھی ان کا بہت دور دورہ ہے کہ جنات فرشتے ان کے قبضہ میں۔

خیال تو کرو کہ

عرب شریف کا ایک ناقہ نشین شہنشاہ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم آن کی آن میں زمین وآسمان کو طے فرماتا ہوا وہاں تشریف فرما ہو کر آ گیا۔ جہاں فرشتے کا خیال بھی نہیں پہنچ سکتا۔ یہ تو قوت انبیاء کرام علیہم السلام کا کچھ ذکر ہوا شاید اس کا کفار انکار کر جائیں لیکن اب سائنسی کے کرشمے اور مسمریزم کی طاقتیں تو سب پر ظاہر ہوگئیں کہ جس نے انسان کی طاقت وقوت کو بالکل ظاہر کر دیا۔

بھلا خیال کرو کہ

انسان نے زمین پر بیٹھے بیٹھے آسمانوں کی پیمائش کرڈالی چاند تاروں کی حرکتیں معلوم کر کے ان کی تقسیم کرڈالی جس سے گھنٹے منٹ اور سیکنڈ بنا لئے۔ آوازوں کی فوٹو گرافی میں قید کرلیا۔ ٹیلی فون اور تار برقی کے ذریعہ تین سیکنڈ میں آواز کو ساری زمین میں گھما دیا۔ غرضیکہ اس نے وہ کام کر کے دکھائے جن کی مثال نہیں۔

معلوم ہوا کہ

یہی حق تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہے اور یہی خلافت کے لائق

بعض نے فرمایا:

یہاں خلیفہ سے مراد جنات اور فرشتوں کا خلیفہ ہے کیونکہ یہ انسان ان دونوں کے بعد زمین میں آباد ہوئے۔ اس معنی سے ہمارے انسان خلیفہ ہیں۔

قرآن کریم میں ہے۔

يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ط (نمل: 62)

شیخ ابن عربی فتوحات مکیہ میں دسویں باب میں فرماتے ہیں کہ

آدم علیہ السلام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے خلیفہ اور نائب ہوئے۔

امام بوصیری قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں۔

فانه شمس فضل هم كواكبها يظهرن انوارها للناس فى الظلم

ترجمہ: یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم بزرگی کے سورج ہیں اور سارے پیغمبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تارے ہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول، ص: 264 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حقیقت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خلیفہ اعظم

عام اجسام اور ظاہر میں حضرت آدم علیہ السلام ہی پہلے انسان اور اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں لیکن درحقیقت میں اول خلق اور اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اعظم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

جیسا کہ کثیر احادیث مبارکہ میں اس کی تصریح ملتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبوت کب ثابت ہوئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس وقت آدم (علیہ السلام) روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(جامع ترمذی: ص: 519 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی کب بنے تھے؟

لوگوں نے کہا:

چپ کر چپ کر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کو چھوڑ دو۔ جس وقت آدم (علیہ السلام) روح اور جسم کے درمیان تھے میں اس وقت نبی تھا۔

(الطبقات الکبریٰ ج: 1، ص: 148 مطبوعہ دار اصادر بیروت)

حضرت میسرۃ الفجر سے روایت ہے کہ

میں نے عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی کب تھے۔

ارشاد فرمایا

جس وقت آدم (علیہ السلام) روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(الوفاء، ج: 1، ص: 23 مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

امام رازی لکھتے ہیں کہ

فرشتوں کو جو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور تھا۔

(تفسیر کبیر ج: 2، ص: 302 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی حقیقت میں خلیفہ اعظم ہیں اور زمینوں اور آسمانوں کی بلندیوں میں وہی خلیفہ اور پہلے امام اگر وہ نہ ہوتے تو نہ آدم پیدا کیے جاتے اور نہ کوئی اور چیز پیدا کی جاتی۔

(روح المعانی ج: 1، ص: 218 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

سادات صوفیہ کا مسلک ہے کہ فرشتوں میں سے عالین کو سجدہ کرنے کا حکم نہ تھا اور ان آیات میں جن فرشتوں

تعالیٰ نے خطاب فرمایا اور جن کو سجدہ کا حکم دیا اور جنہوں نے سجدہ کیا وہ سب عالمین کے ماسوا تھے کیونکہ جو فرشتے عالمین ہیں وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ذات میں مستغرق رہتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کسی چیز کا شعور نہیں ہوتا اور اس آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ٥ (ص: 75)

تو نے تکبر کیا ہے یا تو عالین میں سے تھا۔

اور عالین میں سے ہی ایک فرشتہ ہے جس کا نام روح، قلم اعلیٰ اور عقل اوّل رکھا گیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا آئینہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کا ظہور صرف اس فرشتے میں ہوتا ہے اور باقی تمام مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی صرف صفات کا ظہور ہوتا ہے روہ فرشتہ دنیاوی اور اخروی عالم کا قطب ہے اور جنت اور دوزخ والوں کا قطب ہے اور کثیب اور اعراف والوں کا قطب ہے تمام مخلوقات کا مدار اس فرشتہ پر ہے۔ اسی فرشتہ کو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور ان کے مرتبہ کا علم تھا کیونکہ اس نے لوح ما کان و یکون کو لکھا تھا اور قلم نے جو کچھ لکھا اس کا لوح کو علم ہے اور اس فرشتہ کا اپنے تمام کمالات کے ساتھ حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہور ہوا۔

جیسا کہ اس آیت مبارکہ میں ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ط (الشوریٰ: 52)

اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے امر سے روح کی وحی ہے۔

اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخلوق میں افضل علی الاطلاق ہیں بلکہ وہی ساتوں آسمانوں میں حقیقت میں خلیفہ ہیں۔

(روح المعانی: ج:1 ص:220 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

اسی سبب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

آدم ہوں یا ان کے ماسوا حشر کے دن ہر نبی میرے جھنڈے کے نیچے ہوگا۔

(جامع ترمذی: ص:520 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

یا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے مشورہ لیا تھا یا خبر دی تھی

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے جو فرمایا تھا۔

''میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔''

یہ فرشتوں سے مشورہ نہیں تھا۔ کیونکہ مشورہ کا معنی ہے۔

''کسی شخص کا دوسرے شخص کی طرف [illegible]

(المفردات ص:270 مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران)

اور اللہ تعالیٰ اپنے کام میں کسی کی رائے حاصل کرنے سے پاک اور بری ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنی تخلیق کی پیشگی خبر دی تھی تاکہ فرشتے اس خبر پر اپنی رائے کا اظہار کریں اور اللہ تعالیٰ ان کی رائے کے متعلق اپنا حکم اور اپنی نعمتوں کو بیان فرمائے۔

فرشتوں کا اللہ تعالیٰ کو خلیفہ بنانے پر تعجب سے اظہار

جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ فرمایا: میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے کہا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَؕ

(البقرہ:30)

فرشتوں نے کہا: کیا آپ ایسے شخص کو خلیفہ بنائیں گے جو زمین میں فساد اور خون ریزی کرے گا حالانکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔

فرشتوں کے سوال کا محمل

اگر حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق فرشتوں نے یہ کہا تھا کہ وہ فساد اور خون ریزی کریں گے تو اس کی تاویل یہ ہے کہ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی اولاد کی اصل اور منشاء ہیں اور اولاد آدم میں سے بعض لوگ فتنہ، فساد اور خون ریزی کریں گے۔ اس لئے فرشتوں نے ان کی طرف ان کاموں کا اسناد کر دیا اور اگر فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے متعلق یہ کہا تھا تو پھر کسی تاویل کی ضرورت نہیں کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے بعض فساق نے بہرحال یہ کام کیئے۔

فرشتوں کا یہ قول

اللہ تعالیٰ کی اس خبر یا اطلاع پر اعتراض یا انکار اور بنو آدم کی غیبت نہیں ہے کیونکہ فرشتے معصوم ہیں بلکہ یہ اس پر تعجب کا اظہار ہے کہ زمین کی آبادکاری اور اصلاح کے لئے فسادیوں اور خون ریزیوں کو خلیفہ بنایا جائے یا فرشتوں جیسے اطاعت گزاروں کو چھوڑ کر نافرمانوں کو خلیفہ بنایا جائے گا۔

یا

فرشتے اس سوال کے ذریعے اس حکمت کو جاننا چاہتے جس کی بناء پر ان مفسدوں کے فساد سے صرف نظر کر کے ان کو خلیفہ بنایا جائے گا۔

جیسے

استاد کی تقریر پر متعلم کو کوئی شبہ پیدا ہو تو وہ اس شبہ کے ازالہ کے لئے استاد سے سوال کرتا ہے۔

اس لئے

فرشتوں کا یہ سوال اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر نہ انکار ہے نہ بنو آدم کی غیبت اور عیب جوئی ہے۔

فرشتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ○ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ○ (الانبیاء: 26، 27)

بلکہ وہ عزت والے بندے ہیں کسی بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور وہ اسی کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

باقی رہا یہ سوال کہ

فرشتوں کو کیسے علم ہوا کہ بعض بنو آدم فساد اور خون ریزی کریں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے مطلع فرمایا تھا۔ انہوں نے لوح محفوظ میں صرف اتنا مطالعہ کر لیا تھا کہ بنو آدم فساد کریں گے اور بنو آدم کے شرف اور فضیلت کے مطالعہ سے ان کو روک دیا گیا تھا کیونکہ وہ اس کا بھی مطالعہ کر لیتے تو پھر ان کو کوئی شبہ نہ رہتا۔

یا

ان کے عقول میں یہ مرتکز تھا کہ معصوم ہونا صرف ان کا خاصہ ہے۔ اس لئے انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ ان کے سوا باقی مخلوق گناہ کرلے گی

یا

اس لئے کہ اس سے پہلے زمین پر جن فساد کر چکے تھے تو انہوں نے انسانوں کو بھی جنوں پر قیاس کیا اور فرشتوں نے جو یہ کہا کہ

تو ایسوں کو خلیفہ بنائے گا جو زمین میں خون ریزی اور فساد پھیلائیں گے۔

تو یہ وہ عرض ہے کہ

جو فرشتوں نے خلیفہ کی خبر سن کر بارگاہِ الٰہی عزوجل میں پیش کی یا تو یہ کلام سارے فرشتوں کا ہے یا زمین والوں کا

بعض علماء فرماتے ہیں کہ

صرف ہاروت ماروت کا ہے۔

علماء کرام فرماتے ہیں کہ

جن فرشتوں نے یہ عرض کر کے خون ریزی اور فساد کو انسان کی طرف نسبت دی ان کو اللہ تعالیٰ نے اسی لئے مقرر کیا ہے کہ جہاد میں شرکت کر کے مسلمانوں کی امداد کیا کریں۔

اور فرشتوں نے سمجھا کہ انسان کی خلافت سے زمین میں دو زبردست خرابیاں پیدا ہوں گی۔

(1) فساد

(2) خون ریزی

یا تو اس لئے سمجھا کہ وہ لوح محفوظ میں دیکھ چکے تھے رب عزوجل نے انہیں علم غیب بخشا کہ سعادت وشقاوت سے خبردار تھے۔

(تفسیر نعیمی، پارہ اول، ص:265، نعیمی کتب خانہ لاہور)

کیا فرشتوں نے تسبیح اور حمد تفاخر کے طور پر کہا

فرشتوں نے جو یہ کہا کہ

ہم تیری تسبیح، حمد اور تقدیس کرتے ہیں اس سے خودستائی، خودنمائی، عجب اور تفاخر مقصود نہیں تھا بلکہ وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ جس کو خلیفہ بنایا گیا ہے اس میں تین قوتیں ہیں۔

(1) قوت شہوانیہ

(2) قوت غضبیہ

(3) اور قوت عقلیہ

پہلی دو قوتوں کے لحاظ سے وہ فتنہ وفساد کرے گا اور ان دو قوتوں کے اعتبار سے تو اس کو پیدا ہی نہیں کرنا چاہئے چہ جائیکہ اس کو خلیفہ بنایا جائے اور رہی قوت عقلیہ تو وہ فرشتوں کو بھی حاصل ہے اور ان کو اس لئے ترجیح ہے کہ ان میں شہوت اور غضب نہیں ہے جو فتنہ وفساد کی موجب ہو تو پھر راجح کو چھوڑ کر مرجوع کو خلیفہ بنانے کی کیا حکمت ہے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

فرشتوں کا یہ قول

ہم تیری تسبیح اور تیری حمد بولا کریں۔

یعنی ہم سب فرشتوں کا یہی کام ہے کہ ہمیشہ تیری پاکی بولا کریں اور تیری تعریف کیا کریں یا تیرا شکر بجالایا کریں۔

نقدس تقدیس سے بنا ہے جس کے معنی ہیں۔

کسی کی صفات کمالیہ بیان کرنا تسبیح میں عیبوں کی نفی اور تقدیس میں صفات کا اثبات ہے تو ان کا مطلب یہ ہوا کہ مولیٰ عزوجل ہم فرشتوں میں گناہ کرنے کا مادہ ہی نہیں کیونکہ ہم میں نہ غضب ہے نہ غصہ ہے نہ شہوت نہ غرور نہ حسد وغیرہ

ہمارے کام صرف تین ہیں

تیری پاکی بولنا

تیرا شکر کرنا

اور

تیری عظمت بیان کرنا

لہٰذا اگر ہم کو ہی اس خلافت سے سرفراز فرمایا جائے تو تیرا عین کرم ہے کیونکہ ہماری وجہ سے تیری زمین گندی نہ ہوگی۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول: ص: 265 نعیمی کتب خانہ لاہور)

میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے

جب فرشتوں نے کہا:

تو ان کو خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد اور خون ریزی کرے گا حالانکہ ہم آپ کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

-قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ○ (بقرہ: 30)

فرمایا میں ان چیزوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے۔

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرشتوں کو اجمالی جواب ارشاد فرمایا۔

یعنی اے فرشتو ہمیں تمہاری عبادت اور انسان کی نافرمانی کا پورا پورا علم ہے مگر پھر بھی اس کو خلیفہ بنانے جو راز ہیں وہ تم نہیں جانتے تم میں اور اس میں چند فرق ہیں۔ اسی وجہ سے وہ خلافت کا زیادہ حق دار ہے۔

(1) ایک یہ کہ تم کامل عابد اور وہ کامل عالم ہوگا اور عابد کے لئے مسجد کا محراب اور عالم کے لئے خلافت کا تخت و تاج ہے۔

(2) دوسرے یہ کہ تمہارا تعلق فقط عالم ارواح سے ہے۔ اس کا تعلق اجسام و ارواح دونوں سے ہوگا کیونکہ اسے جسم اور روح دونوں ملیں گے۔

(3) تیسرے یہ کہ تمہاری عبادت جبری ہے وہ تمہاری غذا ہے ان کی عبادت اختیاری ہوگی۔

(4) چوتھے یہ کہ تمہیں عبادت سے کوئی چیز روکنے والی نہیں۔ اس کے لئے ہزاروں چیزیں درپیش ہوں گی پھر وہ ان سب کو لات مار کر ہماری اطاعت کرے گا۔ اس لئے اس کا ایک سچا سجدہ تمہاری عبادتوں سے افضل ہوگا۔

(5) یہ کہ تم میں کوئی گناہ گار نہیں اس لئے تم سے ہماری شان ستاری غفاری ظاہر نہیں ہو سکتی ان میں گناہ گار بھی ہوں گے ان کے گناہوں کو میں چھپاؤں گا اور جب وہ روتے ہوئے توبہ کریں گے تو میں مغفرت کروں گا۔ بے شک ان میں شہوت اور غضب ہوگا مگر جب وہ میرے صرف ہوگا تو اس سے بڑے بڑے عمدہ نتیجے نکلیں گے۔ اس کے دل میں میرے عشق اور محبت کا جوش اور ان کے خیال میں میرا جذبہ ہوگا اور جب وہ اپنا غصہ میری رضا کے لئے استعمال کرے گا تو میدان جہاد میں جانباز غازی بن جائے گا اور شہید یا فتح مند ہو کر مٹے گا اور چونکہ ان میں ۔۔۔ ان کی ترقی ۔۔۔ ہوگی ۔۔۔ لئے ان میں رسول کتابیں اور احکام

بھیجے جائیں گے اور ان سے وعدے وعید کئے جائیں گے۔

اے ملائکہ اور فرشتو!

جس طرح ان میں فاسق وفاجر بدکار ہوں گے۔ ایسے ہی ان میں متقی عابد وزاہد و پرہیز گار بھی ہوں گے۔ سب سے بڑ
کر یہ کہ ان میں احمد مختار ہوں گے اور ان کے اصحاب کبار (علیہم الرضوان) اور اہل بیت اطہار ہوں گے۔

(6) یہ کہ تم صرف رکوع وسجود کی عبادت کر سکتے ہو۔ انسان ہزار ہا ایسی عبادت کرے گا جو تم نہیں کر سکتے۔

وہ بھوکا رہ کر روزہ دار

مسافر بن کر حاجی

میری راہ میں سڑ کر غازی

میرا قرآن پڑھ کر قاری

دشمنوں میں فیصلہ کر کے قاضی

چہرہ پاک مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھ کر صحابی بنے گا

غرضیکہ ہر عضو سے صد عبادتیں انجام دے گا۔

(7) ساتویں یہ کہ

اے فرشتو! اس انسان کے طفیل تم کو ہزار ہا عبادتیں نصیب ہو جائیں گی۔ جواب تم نہیں کر سکتے پھر تم میں کوئی حامل وحی بن
کر فرشتوں کا سردار بنے گا کوئی بدر کے میدان میں صحابہ کرام (علیہم الرضوان) کے ساتھ شرکت کر کے ہم سے تمغہ پائے گا کو
کاتب اعمال بنے گا۔

(8) آٹھویں یہ کہ اسے درد دل اور عشق ملے گا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل، ص: 366 نعیمی کتب خانہ لاہور)

کیا فرشتوں نے اللہ تعالیٰ پر اعتراض کیا تھا

فرشتوں نے اللہ تعالیٰ پر اعتراض نہیں کیا تھا بلکہ خلیفہ بنانے کی حکمت دریافت کرنا تھی۔ اور یہ حکمت بالکل جائز تھی ال
فرشتے پھر کب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعتراض کر سکتے تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی ہر وقت اطاعت وعبادت میسر ہے اور وہ اس قد
مقدس اور نورانی ہیں کہ کبھی گناہ نہیں کیا تو پھر وہ اللہ تعالیٰ پر کیسے اعتراض کر سکتے تھے اور یہ تو وہ مقدس فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ ا
اس کے رسولوں کے درمیان واسطہ ہیں۔ وہ ہمیشہ عبادت گزار اور مساجد ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ان کو بہت قرب حاصل ہے۔
معصوم ہیں کہ کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کر سکتے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے حد سے زیادہ ڈرنے والے ہیں اور جو ڈرتا ہو پھر وہ ک
اسی مقدس بارگاہ پر اعتراض کر سکتا ہے۔ یہ دریافت کرنا مقصود تھا کہ ان کو بنانے میں اے خالق باری تعالیٰ تیری کیا حکمت ہے

ہے۔تو معلوم ہوا کہ انہوں نے معصیت نہیں کی تھی۔ میں یہاں پر فرشتوں کے فضائل بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

فرشتے حاملین عرش

علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر زمخشری الخوارزمی متوفی 538ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ

حاملین کے پیر سب سے نچلی زمین میں ہیں اور ان کے سر عرش سے اوپر نکلے ہوئے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے ڈر سے نظریں اوپر نہیں اٹھاتے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

تم اپنے رب عزوجل کی عظمت میں تفکر نہ کرو لیکن اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ملائکہ میں تفکر کرو۔ کیونکہ میں سے ایک مخلوق ہے جن کو اسرافیل کہا جاتا ہے۔عرش کے کونوں میں سے ایک کونہ اس کی گدی پر ہے اور اس کے دونوں قدم سب سے نچلی زمین میں ہیں اور اس کا سر سات آسمانوں سے باہر نکلا ہوا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے بہت حقیر اور چھوٹا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ چڑیا کے برابر ہو جاتا ہے۔

اور حدیث مبارکہ میں ہے:

اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ وہ حاملین عرش کو سلام کیا کریں

اور ایک قول یہ ہے:

عرش کے گرد ستر ہزار فرشتوں کی صفیں ہیں انہوں نے اپنے کندھوں پر اپنے ہاتھ رکھے ہوئے ہیں اور ان میں سے ہر ایک ایسی تسبیح کر رہا ہے جو دوسرا نہیں کر رہا۔

(الجامع لاحکام القرآن ج:15،ص:263)

قرآن مجید میں ہے:

وَالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ؕ وَ يَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ○ (الحاقه: 17)

آسمانوں کے کنارے پر فرشتے ہوں گے اور آپ کے رب کے عرش کو اس دن آٹھ فرشتے اٹھاتے ہوں گے۔

اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

میں بطحاء میں تھا وہاں ایک جماعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے۔ ناگاہ ایک بادل گزرا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

تم اس کو کیا کہتے ہو۔

مسلمانوں نے کہا:

سحاب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اور مزن بھی کہتے ہو

انہوں نے کہا:

ہاں مزن بھی کہتے ہیں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اور عنان بھی کہتے ہو

انہوں نے کہا:

ہاں! ہم عنان بھی کہتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم جانتے ہو کہ آسمان اور زمین میں کتنا فاصلہ ہے

انہوں نے کہا:

ہم نہیں جانتے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان کے درمیان اکہتر، بہتر یا تہتر سال کا فاصلہ ہے۔ پھر اس آسمان کے اوپر جو دوسرا آسمان ہے ان کے درمیان بھی اتنا فاصلہ ہے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات آسمان گنوائے۔ پھر ساتویں آسمان کے اوپر ایک سمندر ہے۔ اس کی اوپری اور اس کی گہرائی کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے پھر اس کے اوپر آٹھ فرشتے پہاڑی بکروں کی صورت میں ہیں (حاملین عرش) جن کے کھروں سے ان کے گھٹنوں تک کا فاصلہ بھی اتنا ہی ہے اور ان کی پیٹھوں کے اوپر عرش ہے اس کی اوپر کی سطح اور نچلی کے درمیان بھی اتنا فاصلہ ہے جتنا ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک فاصلہ ہے پھر عرش کے اوپر اللہ تعالیٰ ہے۔

(سنن ابی داؤد: رقم الحدیث: 4723 بیروت)

ملاحظہ فرمائیں!

جو فرشتے اللہ تعالیٰ کی اس قدر اطاعت اور عبادت میں مصروف ہیں تو پھر وہ اپنے مالک وخالق پر کیسے اعتراض کر سکتے تھے۔

پھر ملاحظہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ جو فرشتوں کو حکم دیتا ہے تو فرشتے وہی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے۔

قرآن مجید میں ہے:

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۞ السجدة (النحل: 50)

فرشتے اپنے رب سے ڈرتے ہیں جو ان کے اوپر ہے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

اور ایک مقام پر یوں ارشاد ہے۔

عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ (التحریم: 6)

دوزخ کے اوپر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں اللہ انہیں جو حکم دیتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کام کرتے ہیں جن کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہرگز نہیں کرتے تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ پر اعتراض کے طور پر سوال کریں کہ تو ایسوں کو خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد اور خون ریزیاں کرے گا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ فرشتوں نے اعتراض کے طور پر نہیں کہا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ سے حکمت دریافت کرنا مقصود تھی۔

فرشتوں کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مومنوں کی مغفرت کی دعا کرنا

فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مومنوں کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں اگر وہ اعتراض کرتے ہوتے تو پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اسی انسان کے لئے مغفرت کی دعا کیوں کرتے۔

دیکھو

قرآن مجید میں ہے:

وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَ قِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ۞ (المومن: 7)

اور مومنوں کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ اے ہمارے رب! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کو محیط ہے سو تو ان لوگوں کی مغفرت فرما جنہوں نے توبہ کی ہے اور تیرے راستہ کی اتباع کی ہے اور تو ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

مطرف بن عبداللہ نے کہا:

اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے مومنوں کے سب سے بڑے خیر خواہ ملائکہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے مومنوں کا سب سے بڑا بدخواہ شیطان ہے

اور یحییٰ بن معاذ رازی نے اپنے اصحاب سے اس آیت کو پڑھ کر کہا

کیا لوگوں نے اس آیت کا معنی یہ سمجھ لیا ہے۔اس آیت سے زیادہ امید افزاء اور کوئی آیت نہیں ہے۔بے شک اگر ایک فرشتہ بھی تمام مومنوں کی مغفرت کی دعا کر دے تو اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے گا۔تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی مغفرت کس قدر عام ہوگی جب تمام فرشتے اور حاملین عرش مل کر مومنین کے لئے استغفار کریں گے۔

خلف بن ھشام نے کہا:

میں نے یہ آیت سلیم بن عیسیٰ کے سامنے پڑھی۔

"وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا"

تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

انہوں نے کہا:

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر کریم ہے۔مومنین اپنے بستروں پر سوئے ہوئے ہوتے ہیں اور فرشتے ان کے لئے مغفرت طلب کر رہے ہوتے ہیں۔

(الجامع الاحکام القرآن جز:15 ص:264 دار الفکر بیروت)

میں کہتا ہوں کہ

فرشتوں کی دعا کی دو وجہوں سے قبولیت زیادہ متوقع ہے۔

ایک وجہ یہ ہے کہ

جو بندہ اللہ تعالیٰ کی ہر بات مانے اللہ تعالیٰ بھی اس کی بات کو مانتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے۔

اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ (البقرہ: 186)

جب دعا کرنے والا مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو وہ بھی تو میری بات مانا کریں۔

فرشتے اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر عمل کرتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ بھی ان کی دعا ضرور قبول فرمائے گا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ

فرشتے ہمارے پس پشت ہمارے لئے دعا کرتے ہیں اور جو غائب کے لئے دعا کی جائے۔اس کی قبولیت زیادہ متوقع ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

کسی کی دعا اس قدر جلد قبول نہیں ہوتی جتنی ایک غائب کی دعا دوسرے غائب کے لئے قبول ہوتی ہے۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 1980، بیروت)

ملاحظہ فرمائیں کہ

جو فرشتے اسی خلیفہ بننے والے کے لئے دعائیں مغفرت کرتے رہتے ہیں تو پھر وہ اللہ تعالیٰ پر بطور اعتراض کیسے کہیں گے کہ تو ایسوں کو خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد اور خون ریزیاں کرے گا۔ معلوم ہوا کہ فرشتوں نے اعتراض کے طور پر نہیں کہا تھا بلکہ خلیفہ بنانے کی حکمت دریافت کرنا تھی۔

فرشتے کن لوگوں کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں

کوئی شخص اس آیت

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ

اگر اعتراض کرے کہ فرشتے زمین والوں کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں تو زمین میں فاسق کفار بھی ہیں تو کیا فرشتے ان کی بھی مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

زمین میں تو مومنین اور کافرین سب داخل ہیں لیکن فرشتے صرف مومنین کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (المومن: 7)

اور فرشتے مومنین کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں۔

اس لئے اس آیت میں زمین والوں سے مراد مومنین ہیں اور مطلق مقید پر محمول ہے۔

یا اس سے مراد یہ ہے کہ

فرشتے مومنین کے لئے تو مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور کافروں کے لئے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ مغفرت کے اہل ہو جائیں اور ایمان لے آئیں اور کافروں اور فاسقوں سے عذاب مؤخر ہو جائے اور اللہ تعالیٰ ان کو توبہ کی توفیق عطا کر دے اور یوں وہ تمام زمین والوں کے لئے مغفرت کی دعا طلب کرتے ہیں۔ مومنین کے لئے طلب مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ فاسقوں کے لئے توبہ کی توفیق کی دعا کرتے ہیں اور کافروں کے لئے حصول ایمان کی دعا کرتے ہیں اور ہر ایک کے لئے حسب حال کی دعا کرتے ہیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ

قرآن مجید میں فرشتے کفار پر لعنت کرتے ہیں اور ان کے لئے حصول ایمان کی دعا تو لعنت کے منافی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ○(البقرہ: 161)

اور کافروں پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

لعنت ان کافروں پر ہے جو کفر پر مر گئے یہ پوری آیت اس طرح قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ○

(البقرہ:161)

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ کفر پر ہی مر گئے ان ہی پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی۔

خلاصہ یہ ہے کہ مردہ کافروں پر فرشتے لعنت کرتے ہیں اور زندہ کافروں کے لئے حصول ایمان کی اور طلب توبہ کی دعا کرتے ہیں اور مومنین کے لئے مغفرت کی دعا طلب کرتے ہیں اور اس اعتبار سے اس آیت میں فرمایا:

فرشتے زمین والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں۔

فرشتوں کا صفیں باندھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا

فرشتے صفیں باندھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عجز وانکساری کرتے ہیں اگر فرشتے اللہ تعالیٰ کے سامنے اعتراض کرتے تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ پھر وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کریں کیونکہ جو اعتراض کرتا ہے وہ خود کو اعلیٰ منصب پر سمجھ کر دوسرے کو اپنی اطاعت کروانے کے لئے کہتا ہے جبکہ فرشتے تو خود اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور خود ہی عاجز ہیں اور خود ہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔

دیکھئے

قرآن مجید میں ہے:

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ○ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ○ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ○(الصفت: 164 تا 166)

(فرشتوں نے کہا:) اور ہم میں سے ہر ایک کا مقام مقرر ہے اور بے شک ہم صف بستہ ہیں اور بلاشبہ ہم ضرور تسبیح کرنے والے ہیں۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ فرشتے صفیں باندھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور پھر چند لمحے کے لئے عبادت نہیں کرتے بلکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء وعبادت میں مصروف رہتے ہیں۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک میں ان چیزوں کو دیکھتا ہوں جن کو تم نہیں دیکھتے اور ان چیزوں کو سنتا ہوں جن کو تم نہیں سنتے۔ آسمان چر چراتا ہے اور اس پر حق ہے کہ وہ چر چرائے آسمان میں ہر چار انگشت کی جگہ پر ایک فرشتہ اپنی پیشانی اللہ تعالیٰ کے حضور سجدے میں جھکائے ہوئے ہیں۔

اللہ عزوجل کی قسم!

اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو اور تم زیادہ روؤ اور تم بستروں پر عورتوں کے ساتھ لذت حاصل نہ کرو اور تم جنگلوں میں اللہ تعالیٰ کی فریاد کرتے ہوئے نکل جاؤ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا:

کاش میں ایک درخت ہوتا جس کو کاٹ دیا جاتا۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2312 دار الفکر بیروت)

اور فرشتوں کے صف بستہ ہو کر عبادت کرنے میں یہ حدیث مبارکہ ہے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے۔

اور ارشاد فرمایا

کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں سرکش گھوڑوں کی دموں کی طرح ہاتھ اٹھائے ہوئے دیکھتا ہوں نماز سکون سے پڑھا کرو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مختلف حلقوں میں بیٹھے ہوئے دیکھا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا وجہ ہے کہ میں تم کو متفرق طور پر بیٹھے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ارشاد فرمایا

تم اس طرح صفیں کیوں نہیں باندھتے جس طرح فرشتے صفیں باندھتے ہیں۔

ہم نے عرض کیا

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فرشتے اپنے رب عزوجل کے سامنے کس طرح صف باندھتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ پہلی صف باندھتے ہیں اس کے بعد اس سے متصل دوسری صف باندھتے ہیں۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 430، دار الفکر بیروت)

ملاحظہ فرمائیں

جب فرشتوں کا یہ عالم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صفیں باندھ کر عبادت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرتے ہیں تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جس کی عبادت کی جائے پھر اسی پر اعتراض کیا جائے لہٰذا ان کا یہ کہنا کہ تو ایسوں کو خلیفہ بنائے گا زمین میں فساد اور خون زیریاں کرتے ہیں۔ حکمت دریافت کرنا مقصود تھا لہٰذا اس پر کوئی اعتراض وارد نہ ہوا۔

فرشتوں کا زمین پر نازل ہونا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کا مومنوں سے مصافحہ کرنا

فرشتے لیلۃ القدر میں زمین پر نازل ہوتے ہیں اور مومنین سے ملاقات ومصافحہ کرتے ہیں اگر فرشتے بطور اللہ تعالیٰ سے اعتراض کرتے تو پھر زمین پر نازل ہو کر مصافحہ وملاقات کیوں کرتے۔

قرآن مجید میں ہے:

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ (القدر: 9)

اس رات میں فرشتے اور جبرائیل اپنے رب عزوجل کے حکم سے ہر کام کے لئے نازل ہوتے ہیں۔

امام عبدالرحمان بن محمد بن ادرس ابن ابی حاتم رازی متوفی 327ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

کعب بیان کرتے ہیں کہ

سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان کے اس کنارے پر ہے جو جنت کے قریب ہے پس اس کے نیچے دینا ہے اور اس کے او جنت ہے اور جنت کرسی کے نیچے ہے۔ اس میں فرشتے ہیں جن کی تعداد کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور سدرہ کی ہر شاخ فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت کررہے ہیں اور جبرائیل علیہ السلام کا مقام اس کے وسط میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر لیلۃ القدر میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ندا کرتا ہے کہ وہ سدرۃ المنتہیٰ کے فرشتوں کے ساتھ زمین پر نازل ہوں اور ان میں سے ہر ایک فرشتے مومنین کے لئے شفقت اور رحمت دی جاتی ہے۔ پھر وہ غروب آفتاب کے وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ زمین نازل ہوتے ہیں پھر زمین کے ہر حصے پر فرشتے سجدہ اور قیام میں مومنین اور مومنات کے لئے دعا کرتے ہیں۔ سوا ان مقامات کے جہاں یہودیوں اور عیسائیوں کا معبد ہو یا آتش کدہ ہو یا بت خانہ ہو یا کچرا کنڈی ہو یا جس گھر میں کوئی نشر کرنے والا ہو جس گھر میں گھنٹی ہو یا بیت الخلاء ہو۔ ان جگہوں کے علاوہ ہر جگہ فرشتے تمام رات مومنوں کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں اور حضرت جبرائیل علیہ السلام ہر مومن سے مصافحہ کرتے ہیں۔

اور اس کی علامت یہ ہے کہ

اس وقت ہر مومن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس کا دل بہت نرم ہو جاتا ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکلتے ہیں۔

اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ

اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام اس سے مصافحہ کررہے ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:10، ص:3453، رقم الحدیث:19428، مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

"اس رات میں فرشتے نازل ہوتے ہیں۔"

اس آیت کے ظاہر کا تقاضہ یہ ہے کہ

تمام فرشتے نازل ہوتے ہیں۔

بعض مفسرین نے کہا:

وہ آسمان دنیا پر نازل ہوتے ہیں۔

لیکن اکثر مفسرین کا مختار یہ ہے کہ

وہ زمین پر زمین نازل ہوتے ہیں کیونکہ بہت احادیث مبارکہ میں یہ وارد ہے کہ تمام ایام میں فرشتے مجالس ذکر میں حاضر ہوتے ہیں۔ پس جب عام ایام میں فرشتے زمین پر نازل ہوتے ہیں تو اس عظیم الشان رات میں تو فرشتے بہ طریق اولیٰ زمین پر نازل ہوں گے۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ

فرشتے کس کے لئے زمین پر نازل ہوتے ہیں۔

اس میں حسب ذیل اقوال ہیں۔

(1) بعض نے کہا:

فرشتے اس لئے نازل ہوتے ہیں کہ بشر کی عبادت اور اطاعت میں اس کی کوشش کو دیکھیں۔

(2) فرشتوں نے کہا تھا

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ (مریم: 64)

"ہم صرف آپ کے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اس رات اللہ تعالیٰ ان کو زمین پر نازل ہونے کا حکم دیتا ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ

آخرت میں اہل جنت کے پاس فرشتے نازل ہوں گے۔

يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ (الرعد: 23 تا 24)

فرشتے ان کے پاس ہر دروازے سے آئیں گے اور کہیں گے تم پر سلام ہو۔

اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر میں فرشتوں کو نازل ہونے کا حکم دے کر یہ ظاہر فرمادیا کہ آخرت کی عزت افزائی تو الگ رہی اگر تم دنیا میں بھی میری عبادت میں مشغول رہو گے تو یہاں بھی اس رات میں فرشتے تمہاری زیارت کے لئے آئیں گے۔

روایت ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا

فرشتے اس رات کو زمین پر اس لئے نازل ہوتے ہیں کہ ہم پر سلام پڑھیں اور ہماری شفاعت کریں سو جس کو ان کا سلام پہنچے گا اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(تفسیر کبیر ج: 11 ص: 233 دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

القطب الربانی الشیخ عبدالقادر الجیلانی ''غنیۃ الطالبین'' میں فرماتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا:

اللہ تعالیٰ لیلۃ القدر میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیتا ہے کہ وہ سدرۃ المنتہیٰ سے ستر ہزار فرشتے لے کر زمین پر جائیں۔ ان کے ساتھ نور کے جھنڈے ہوتے ہیں۔ جب وہ زمین پر اترتے ہیں تو جبرائیل علیہ السلام اور باقی فرشتے چار جگہوں پر اپنے جھنڈے گاڑ دیتے ہیں۔

کعبہ معظمہ پر

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر

بیت المقدس پر

اور طور سینا کی مسجد پر

پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام کہتے ہیں کہ

زمین پر پھیل جاؤ، پھر فرشتے تمام زمین پر پھیل جاتے ہیں اور جس مکان یا خیمے یا پتھر یا کسی کشتی میں غرض جہاں بھی کوئی مسلمان مرد یا عورت ہو وہاں فرشتے پہنچ جاتے ہیں۔

ہاں!

جس گھر میں کتا یا خنزیر یا شراب ہو یا تصویروں کے مجسمے ہوں یا کوئی شخص زنا کاری سے جنبی ہو وہاں نہیں جاتے۔ وہاں فرشتے تسبیح و تقدیس کرتے ہیں، کلمہ پڑھتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے استغفار کرتے ہیں اور جب فجر ہو جاتی ہے تو آسمانوں پر چلے جاتے ہیں [illegible] کے فرشتوں سے ان کی ملاقات ہوتی ہے۔

تو وہ پوچھتے ہیں ۔

تم کہاں سے آئے ہو

فرشتے کہتے ہیں کہ

ہم دنیا میں تھے کیونکہ آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی لیلۃ القدر تھی ۔

آسمان دنیا کے فرشتے کہتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے بارے میں آج کیا کہا؟

فرشتے کہتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے ان میں سے نیک لوگوں کو بخش دیا اور بدکاروں کی شفاعت قبول کر لی ۔ پھر آسمان دنیا کے فرشتے تسبیح و تقدیس کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو امت محمدیہ کی مغفرت فرمائی ہے اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں ۔

اس کے بعد فرشتے دوسرے آسمان پر جاتے ہیں اور وہاں اسی طرح گفتگو ہوتی ہے ۔

علی ہذا القیاس

سدرۃ المنتہیٰ

جنت الماویٰ

جنت نعیم

جنت عدن

اور جنت الفردوس

سے ہوتے ہوئے وہ فرشتے عرش الٰہی پر پہنچیں گے وہاں عرش الٰہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی مغفرت پر شکریہ ادا کرے گا ۔

اور کہے گا

اے اللہ عزوجل! مجھے خبر پہنچی ہے کہ گزشتہ رات تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے صالحین کو بخش دیا اور گناہ گاروں میں نیکوکاروں کی شفاعت قبول کر لی ۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا ۔

اے عرش! تم نے سچ کہا! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے میرے پاس بڑی عزت اور کرامت ہے اور ایسی نعمتیں ہیں جو کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی کے دل میں ان نعمتوں کا کبھی خیال آیا ۔

(روح المعانی: ج:30، ص:349 تا 350 دار الفکر بیروت)

فرشتوں کے زمین پر نزول کے بارے میں مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ

وہ زمین پر انسانوں کی عبادات کو دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔

امام رازی لکھتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ اس سورت میں فرماتا ہے۔

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ

ترجمہ: فرشتے! جبرائیل اللہ تعالیٰ کے اذن سے زمین پر نازل ہوتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ

بشمول حضرت جبرائیل تمام فرشتے اللہ تعالیٰ سے زمین پر آنے کی پہلے اجازت طلب کرتے ہیں۔ پھر اس کے بعد زمین پر اترتے ہیں اور یہ چیز انتہائی محبت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ پہلے وہ ہماری طرف راغب اور مائل تھے اور ملاقات کی تمنا کرتے تھے لیکن اجازت کے منتظر تھے اور جب اللہ تعالیٰ سے اجازت مل گئی تو قطار در قطار صف باندھے زمین پر اتر آئے۔

اگر یہ کہا جائے کہ

ہمارے اس قدر گناہوں کے باوجود فرشتے ہم سے ملاقات کی تمنا کیوں کرتے ہیں

تو اس کا جواب یہ ہے کہ

فرشتوں کو ہمارے گناہوں کا پتا نہیں چلتا کیونکہ جب وہ لوح محفوظ کا مطالعہ کرتے ہیں تو مسلمانوں کی عبادات کو تفصیل کے ساتھ پڑھتے ہیں اور جب گناہوں پر پہنچتے ہیں تو لوح محفوظ پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے اور اس وقت فرشتوں کی زبان سے اختیار یہ کلمات نکلتے ہیں۔

سبحان ہے وہ ذات جس نے نیکیوں کو ظاہر کیا اور گناہوں کو چھپالیا۔

(تفسیر کبیر ج:11 ص:234 تا 235 دار احیاء التراث العربی بیروت)

اگر یہ کہا جائے کہ فرشتے خود عبادات سے مالا مال ہیں تسبیح و تقدیس اور تہلیل کے تو نگر ہیں، قیام رکوع اور سجود کون سی عبادت ہے جو ان کی جھولی میں نہیں ہے پھر انسانوں کی وہ کون سی عبادت ہے جسے دیکھنے کے شوق میں وہ انسانوں سے ملاقات کی تمنا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے زمین پر اترنے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

کوئی شخص خود بھوکا رہ کر اپنا کھانا کسی اور ضرورت مند کو کھلا دے یہ وہ نادر عبادت ہے جو فرشتوں میں نہیں ہوتی۔ گناہ پر ندامت اور توبہ کے آنسو بہانا اور گڑگڑانا اللہ تعالیٰ سے معافی چاہنا اپنی طبعی نیند کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے رات کے پہر اٹھنا اور خوف خدا سے ہچکیاں لے کر رونا یہ وہ عبادات ہیں جن کا فرشتوں کے ہاں کوئی تصور نہیں ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

گناہ گاروں کی سسکیوں اور ہچکیوں کی آواز اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تہلیل کی آوازوں سے زیادہ پسند ہے۔

اس لئے

فرشتے یادِ خداعزوجل میں آنسو بہانے والی آنکھوں کے دیکھنے اور خوف خداعزوجل سے نکلنے والی آہوں کے سننے کے لئے زمین پر اترتے ہیں۔

امام رازی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ آخرت میں فرشتے مسلمانوں کی زیارت کریں گے اور آکر سلام عرض کریں گے۔

اَلْمَلٰٓئِکَۃُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْھِمْ مِّنْ کُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ

ترجمہ: فرشتے (جنت کے) ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے اور آکر سلام کریں گے۔

اور لیلۃ القدر میں یہ ظاہر فرمایا:

اگر تم میری عبادت میں مشغول ہو جاؤ تو آخرت تو الگ رہی دنیا میں بھی فرشتے تمہاری زیارت کو آئیں گے اور آکر دنیا میں بھی تم کو سلام کریں گے۔

امام رازی نے دوسری وجہ یہ لکھی ہے کہ

انسان کی عادت ہے کہ وہ علماء اور صالحین کے سامنے زیادہ اچھی اور زیادہ خشوع وخضوع سے عبادت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس رات فرشتوں کو بھیجتا ہے کہ اے انسانو! تم عبادت گزاروں کی مجلس میں زیادہ عبادت کرتے ہو۔

آؤ!

اب ملائکہ کی مجلس میں خضوع وخشوع سے عبادت کرو۔

(تفسیر کبیر: ج: 11، ص: 235 داراحیاء التراث العربی بیروت)

ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ

انسان کی پیدائش کے وقت فرشتوں نے کہا تھا کہ

ایسوں کو پیدا فرمائے گا کہ جو زمین میں فساد اور خون ریزیاں کرے گا؟

تو اس رات اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے ان کی امیدوں سے بڑھ کر اجر وثواب کا وعدہ کیا۔ اس رات کے عبادت گزار انسان رسالت سے مغفرت کی نوید سنائی، فرشتوں کی امداد ان کی زیارت اور سلام کرنے کی بشارت دی تاکہ جب فرشتے ان سے اتریں تو ان سے کہا جاسکے۔

یہی وہ ابن آدم ہے جس کی خون ریزیوں کا تم نے خبر دی تھی ... جس کے فسق وفجور کا تم نے ذکر کیا تھا۔

اس کی طبیعت اور خلقت میں ہم نے نیند رکھی ہے لیکن یہ اپنے طبعی اور خلقی تقاضوں کو چھوڑ کر ہماری رضا جوئی کے لئے یہ را
سجدوں اور قیام میں گزار رہا ہے۔ تم نے فسق و فجور اور خون ریزی دیکھی تھی ہماری خاطر راتوں کو جاگ کر سجدہ کرنے والی جبین
نہیں دیکھی تھیں۔ ہماری یاد کے سبب آنکھوں میں مچلنے والے آنسو نہیں دیکھے تھے۔

ملاحظہ فرمائیے کہ

اگر فرشتے اعتراض کرتے تو زمین پر نازل ہو کر ان کی عبادتیں کیونکر دیکھتے اور کیوں ملاقات کا شوق رکھتے اور مصا
کرتے۔

لہٰذا فرشتوں نے ان کو خلیفہ بنانے کی حکمت پوچھی تھی نہ کہ اعتراض کیا تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش

حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

امام فریابی، امام ابن سعد، امام ابن جریر، امام ابن ابی حاتم، امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما
روایت کیا ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو آدم اس لئے کہا گیا ہے کہ ان کو ادیم ارض (زمین کی سطح) سے بنایا گیا ہے۔

سرخ

سیاہ

اور سفید مٹی سے

اسی طرح لوگوں کے رنگ مختلف ہیں

سرخ

سیاہ

اور سیاہ

پاک و نجس

(الدر المنثور: ج: 1، ص: 49 مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

امام عبد بن حمید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ادیم ارض (زمین کی سطح) سے پیدا کیا

سرخ

سفید

اور سیاہ مٹی سے

(الدر المنثور ج:1 ص:49 مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا

امام ابن سعد، امام ابو یعلیٰ، امام ابن مردویہ اور امام بیہقی علیہم الرحمہ نے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا پھر اس کو کیچڑ (گیلی مٹی) کر دیا پھر اس کو چھوڑ دیا حتیٰ کہ سیاہ گارہ ہو گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے آدم علیہ السلام کا پتلا بنایا اور ان کی صورت بنائی پھر اس کو چھوڑ دیا حتیٰ کہ وہ خشک ہو کر بجنے والی مٹی کی طرح ہو گیا۔

ابلیس اس پتلے کے پاس سے گزر کر کہتا تھا کہ

یہ کسی عظیم امر کے لئے بنایا گیا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس پتلے میں اپنی پسندیدہ روح پھونک دی اس روح کا اثر سب سے پہلے ان کی آنکھوں اور نتھنوں میں ظاہر ہوا۔ ان کو چھینک آئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو الحمد للہ کہنے کا القاء کیا۔ انہوں نے الحمد للہ کہا۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا

یَرْحَمُكَ اللّٰهُ

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اے آدم (علیہ السلام) اس جماعت کے پاس جاؤ اور ان سے بات کرو۔ دیکھو یہ کیا کہتے ہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام (فرشتوں) کے پاس گئے۔

اور کہا

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ

انہوں نے کہا:

وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ

پھر حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پاس گئے

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

انہوں نے کیا کہا حالانکہ اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

اے رب عزوجل! میں نے ان کو سلام کیا

انہوں نے کہا:

وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اے آدم (علیہ السلام)! یہ تمہارا اور تمہاری اولاد کے سلام کرنے کا طریقہ ہے۔

(الدر المنثور ج:1 ص:48 مطبوعہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کا قد ساٹھ ذراع بنایا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کا طول ساٹھ ذراع (تیس انگریزی گز) تھا۔

اور ارشاد فرمایا

جاؤ فرشتوں کی اس جماعت کو سلام کرو اور سنو وہ کیا جواب دیتے ہیں۔

اور یہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہوگا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے جا کر کہا

السلام علیکم!

فرشتوں نے کہا:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ، انہوں نے رحمۃ اللہ کا لفظ زیادہ کہا۔ سو جو شخص بھی آدم (علیہ السلام) کی صورت پر جنت میں داخل ہوگا۔ اس کا طول ساٹھ ذراع ہوگا پھر یہ طول بتدریج کم ہوتا رہا حتیٰ کہ اب اتنا طول رہ گیا۔

(الدر المنثور ج:1 ص:48 مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

زمین کا مٹی لیتے وقت اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا

امام ابو القاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اپنی پسندیدہ چیزیں پیدا فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق عرش پر مستوی ہوا

اور فرشتوں سے ارشاد فرمایا

میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو زمین پر مٹی لینے کے لئے بھیجا

زمین نے کہا:

میں اس بات سے تم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتی ہوں کہ مجھ سے کوئی چیز کم کی جائے یا میری کوئی چیز خراب کی جائے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام لوٹ آئے اور مٹی نہیں لی

اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا

یا اللہ عزوجل! اس نے مجھ سے تیری پناہ طلب کی اور میں نے اس کو پناہ دے دی۔

پھر حضرت میکائیل علیہ السلام کو بھیجا

اس نے پھر اسی طرح کہا وہ بھی لوٹ آئے۔

پھر حضرت عزرائیل علیہ السلام کو بھیجا

اس نے ان سے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی

انہوں نے کہا:

میں اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرائے بغیر لوٹ جاؤں۔ انہوں نے زمین کے ہر خطہ سے مٹی لے کر جمع کی اور اس کو خلط ملط کر دیا۔ اسی میں سرخ مٹی بھی تھی اور سفید بھی۔

یہی وجہ ہے کہ

بنو آدم مختلف رنگ کے ہیں وہ اس مٹی کو لے کر اوپر چڑھے اور اس کو گیلا کر دیا پھر اس گندھی ہوئی مٹی کو پڑا رہنے دیا حتیٰ کہ وہ سڑ گئی۔

جیسا کہ اس آیت میں ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ (الحجر: 26)

اور بے شک ہم نے انسان کو بجتی ہوئی خشک مٹی سے بنایا جو پہلے سیاہ بدبودار گارا تھی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے بنایا بلکہ ابلیس خود کو ان سے بڑا نہ سمجھے اور وہ جمعہ کے دن چالیس سال کے برابر عرصہ تک بشر کی صورت میں پتلا بنے ہوئے پڑے رہے۔ فرشتے ان کو دیکھ کر خوف زدہ ہوتے تھے اور ابلیس سب سے زیادہ خوف زدہ ہوتا تھا۔ اس پتلے کو مارنے سے ایسی آواز آتی تھی جیسے مٹکے کو مارنے سے آواز آتی ہے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ (الرحمن: 14)

اس نے انسان کو ٹھیکری کی طرح بجتی ہوئی سوکھی مٹی سے بنایا۔

ابلیس کہتا تھا اس کو کس لیے بنایا گیا ہے۔
اس نے فرشتوں سے کہا مت ڈرو۔
یہ اندر سے کھوکھلا ہے اگر مجھ کو اس پر مسلط کر دیا گیا تو میں اس کو ہلاک کر دوں گا۔ جب اس میں روح پھونکنے کا وقت آتا۔
تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا
فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ○ (الحجر: 29)
سو جب میں اس کو درست کر لوں اور اس میں اپنی طرف سے (پسندیدہ) روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لئے سجدہ میں گر جانا۔
جب اس پتلے میں روح پھونکی اور وہ ان کے سر میں داخل ہوئی تو ان کو چھینک آئی۔
فرشتوں نے ان سے کہا:
کہو
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ
تو انہوں نے کہا:
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ
اور جب روح ان کی آنکھوں میں داخل ہوئی تو انہوں نے جنت کے پھلوں کی طرف دیکھا اور جب روح ان کے پیٹ میں پہنچی تو ان کو طعام کی خواہش ہوئی اور انہوں نے پیروں تک روح کے پہنچنے سے پہلے ہی جنت کے پھلوں کی طرف چھلانگ لگانی چاہی۔
جیسا کہ ارشاد ہے۔
خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ (الانبیاء: 37)
انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے۔
پھر ابلیس کے سوا تمام فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔
جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے۔
فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ○ اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ○ قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ○ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ○ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ○ (ص: 73 تا 77)
پس تمام فرشتوں نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے، اس نے گھمنڈ کیا اور کافروں سے ہو گیا۔ فرمایا اے ابلیس! تجھے

اس کو سجدہ کرنے میں کس چیز نے روکا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تو نے اب گھمنڈ کیا یا تو پہلے ہی سے گھمنڈ کرنے والوں میں سے تھا۔

اس نے کہا:

میں اسی کے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اس کو مٹی سے بنایا فرمایا تو اس (جنت) سے نکل جا بے شک تو مردود ہو گیا۔

(مختصر تاریخ دمشق ج:4 ص:215 تا 217 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

روح پھونکنے سے پہلے کھوکھلے ٹھیکرے کی طرح

قرآن مجید میں ہے:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ (الرحمن: 14)

اس نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح بجتی ہوئی سوکھی مٹی سے بنایا۔

امام ابوالحسن مقاتل بن سلیمان البلخی المتوفی 150ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں الانسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

صَلْصَال کا معنی ہے۔

وہ ریت جس کے ساتھ مٹی ملی ہوئی ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

صَلْصَال کا معنی ہے۔

عمدہ قسم کی گیلی مٹی جب اس کا پانی سوکھ جائے اور وہ پھٹنے لگے اور جب اس کو ہلایا جائے تو وہ بجنے لگے۔

اَلْفَخَّارُ کا معنی ہے۔

ٹھیکرا پکائے جانے سے پہلے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ حضرت آدم علیہ السلام روح پھونکے جانے سے پہلے کھوکھلے ٹھیکرے کی طرح تھے۔

(تفسیر مقاتل بن سلیمان: ج:3 ص:304 دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام لفظ کن سے پیدا ہوئے

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

(آل عمران: 59)

بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے۔اس کو مٹی سے بنایا پھر اس سے فرمایا ہو جا تو وہ ہو گیا۔"

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے کن کا لفظ ارشاد فرمایا اور جب حضرت آدم علیہ السلام کو لفظ کن فرمایا تو وہ ہو گئے یعنی (پیدا ہو گئے)

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشا پوری متوفی 458 اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حسن بیان کرتے ہیں کہ

نجران کے دو راہب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے (یعنی سید اور عاقب درمنثور: ج:2،ص:37) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اسلام پیش کیا۔

ان میں سے ایک نے کہا:

ہم اس سے پہلے اسلام قبول کر چکے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم جھوٹ بولتے ہو۔اسلام قبول کرنے سے تمہیں تین چیزیں مانع ہیں۔

(1) تم صلیب کی عبادت کرتے ہو

(2) تم خنزیر کھاتے ہو

(3) اور تم یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔

ان دونوں نے کہا:

پھر عیسیٰ کا باپ کون ہے؟

تو یہ آیت نازل ہوئی۔

بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے۔

(الوسیط ج:1،ص:443 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس آیت میں قیاس سے استدلال کرنے کا جواز ہے۔

عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا اس لئے کہتے تھے: وہ عام عادل اور معمول کے خلاف باپ کے بغیر ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

(حضرت) آدم (علیہ السلام) کی پیدائش اس سے بھی غیر معمولی طریقہ سے ہوئی ہے۔کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف باپ کے بغیر پیدا ہوئے اور حضرت آدم علیہ السلام باپ اور ماں دونوں کے بغیر پیدا ہوئے۔

اور دونوں میں وجہ مشترک یہ ہے کہ

دونوں اللہ کے کلمہ ''کن'' سے پیدا ہوئے اور جب حضرت آدم علیہ السلام بھی کلمہ ''کن'' سے پیدا ہونے کے باوجود ابن اللہ نہیں ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے ابن اللہ کیسے ہو سکتے ہیں۔

بعض علماء کا روم کے عیسائیوں سے مباحثہ ہوا۔

ان سے پوچھا

تم عیسیٰ کی عبادت کیوں کرتے ہو

انہوں نے کہا:

کیونکہ ان کا باپ نہیں تھا۔

علماء نے کہا:

پھر حضرت آدم علیہ السلام عبادت کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ ان کے باپ اور ماں دونوں نہیں ہیں۔

انہوں نے کہا:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردے زندہ کرتے تھے۔

علماء نے کہا:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چار مردے زندہ کئے ہیں اور حضرت حزقیل علیہ السلام نے آٹھ ہزار مردے زندہ کئے تھے۔

انہوں نے کہا:

وہ مادرزاد اندھوں اور برص کے مریضوں کو شفا دیتے تھے۔

علماء نے کہا:

پھر جرجیس عبادت کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ وہ آگ میں جل جانے کے باوجود صحیح وسالم نکل آئے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی نکلی ہوئی آنکھ دوبارہ لگا دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ایک نابینا بینا ہو گیا۔

(البحر المحیط ج:3،ص:185 تا 186 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنانے کی حکمت

قرآن مجید میں ہے:

خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ (آل عمران: 59)

حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنانے کی ایک حکمت یہ ہے کہ

ان کی اصل فطرت میں تواضع اور انکسار ہو کیونکہ عناصر اربعہ میں سے مٹی سب سے نیچے ہوئی ہے۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ

مٹی دوسری چیزوں کو چھپا لیتی ہے۔ اس سے انسان کی اصل فطرت میں ستر (لوگوں کے عیوب پر پردہ رکھنے) کی صفت آئے گی۔

تیسری حکمت یہ ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو زمین کا خلیفہ بنانا تھا اس لئے ان کو مٹی کا بنایا گیا تا کہ ان کی مٹی کے ساتھ قوی مناسبت ہو۔

چوتھی حکمت یہ ہے کہ

انسان کو مٹی سے بنایا تا کہ وہ اس مٹی سے شہوت حرص اور غضب کی آگ کو بجھا سکے۔

پانچویں حکمت یہ ہے کہ

اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہے کیونکہ عناصر اربعہ میں سب سے روشن آگ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آگ سے شیاطین کو پیدا کیا اور انہیں گمراہی کے اندھیروں میں مبتلا کر دیا اور سب سے لطیف ہوا ہے۔ (ایک قول کے مطابق) فرشتوں کو ہوا سے پیدا کیا اور ان کو انتہائی شدت اور قوت عطا فرمائی اور پانی جو بہت رقیق ہے اس سے آسمانوں کو پیدا کیا اور ان کو فضا میں معلق کر دیا اور مٹی جو عناصر اربعہ میں سب سے کثیف، تاریک اور نچلے درجہ میں تھی۔ اس سے انسان کو پیدا کیا اور اس کو اپنی معرفت ہدایت نورانیت اور محبت عطا فرمائی اور اس کو سب پر فائق اور سر بلند کر دیا اور تمام مخلوقات میں انسان کو سرخرو اور بلند کیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا۠ (بنواسرائیل:70)

اور بے شک ہم نے بنو آدم کو بزرگی عطا فرمائی اور ہم نے ان کو خشکی اور سمندر میں سوار کیا اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور ہم نے ان کو اپنی مخلوق میں بہت سی چیزوں پر واضح فضیلت دی۔

معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنانے میں ہزار ہا حکمتیں تھیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کو کن فرمانے کی وضاحت

قرآن مجید میں ہے:

ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (آل عمران: 59)

پھر اس سے فرمایا ہو جا سو وہ ہو گیا۔

اس آیت پر یہ سوال ہوتا ہے

اس آیت میں مذکور ہے۔

اس کو مٹی سے بنایا پھر اس سے فرمایا "کن" (ہو جا) فیکون (سو وہ ہو گیا) اس سے معلوم ہوا کہ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی گئی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے "کن" فرمایا، حالانکہ تخلیق "کن" سے ہی ہوتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

"خَلَقَهٗ مِنْ تُرَاب" کا معنی ہے

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ کیا

پھر فرمایا

"کُنْ" تو وہ ہو گئے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے مٹی سے ایک پتلا بنایا پھر "کن" فرما کر اس میں جان ڈال دی

تیسرا جواب یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے پہلے فرمایا

خَلَقَهٗ مِنْ تُرَاب

آدم کو مٹی سے بنایا

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر اور وضاحت کی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے کیسے بنایا

تو فرمایا

ہم نے اس سے "کن" کہا تو وہ ہو گئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ

لفظ "ثم" تاخیر واقع کے لئے نہیں ہے بلکہ تاخیر بیان کے لئے ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ

فیکون مضارع کا صیغہ ہے۔

اس کا معنی ہے۔

ہوتا ہے یا ہوتا ہوگا

بظاہر فکان فرمانا چاہئے تھا

جس کا معنی ہے

ہو گیا

اس کا جواب یہ ہے کہ

کہ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا رب عزوجل جس چیز کے لئے ''کن'' فرماتا ہے وہ لامحالہ ہو جاتی ہے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ

اس آیت میں مذکور ہے

پھر اس نے فرمایا ''کن'' تو وہ ہو گئے۔ کن فرمانے سے پہلے تو حضرت آدم علیہ السلام وجود میں آئے ہی نہ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے کسے فرمایا: اس سے کہا ''کن''

اس کا جواب یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں جو حضرت آدم علیہ السلام کا وجود علمی تھا اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تم اب علم تفصیلی اور وجود خارجی میں بھی آ جاؤ۔

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق فرشتوں کا مباحثہ

قرآن مجید میں ہے:

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ○ (ص: 69)

جب ملائکہ مقربین بحث کر رہے تھے تو مجھے کوئی علم نہ تھا۔

اس آیت مبارکہ میں

''الملا لا علی''

کا لفظ ہے۔

الملاء کا معنی ہے۔

وہ جماعت جو کسی ایک نظریہ اور ایک رائے پر متفق ہو جائے اور وہ جماعت دیکھنے والوں کے نزدیک عظیم ہو جب وہ اس جماعت کو دیکھیں تو سیر ہو کر اور نظر بھر کر دیکھیں۔

(المفردات: ج:2، ص:612)

یہ ملائکہ مقربین کس چیز میں اور کسی سے بحث کر رہے تھے اس کی دو تفسیریں ہیں۔

ایک تفسیر یہ ہے کہ

وہ اللہ تعالیٰ سے بحث کر [illegible] اس کو پیدا کرنے کا کیا فائدہ ہے۔ تیری تسبیح [illegible]

ید کرنے کے لئے ہم کافی ہیں اور رہا یہ آدم (علیہ السلام) تو اس کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زمین میں فتنہ و فساد ریں گے اور آپس میں ایک دوسرے کا خون بہائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا

میں ان چیزوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کے جواب کی تقریر اس طرح کی ہے کہ عقلی اعتبار سے مخلوق کی چار اقسام ہیں۔

(1) وہ مخلوق جس کو عقل اور حکمت حاصل ہو اور اس کا نفس شہوانی نہ ہو اور نہ اس میں قوت غضبیہ ہو یہ فرشتے ہیں۔

(2) وہ مخلوق میں شہوت اور غضب کی قوت ہو اور اس میں عقل اور حکمت نہ ہو۔

یہ بہائم اور حیوانات ہیں۔

(3) وہ مخلوق جس میں نہ عقل ہو اور حکمت بھی ہو اور نہ شہوت اور غضب ہو یہ جمادات ہیں۔

(4) وہ مخلوق جس میں عقل اور حکمت بھی ہو اور شہوت اور غضب بھی ہو اور یہ انسان اور بشر ہیں۔

انسان کی تقلید سے مقصود ایک دوسرے کی اندھی تقلید نہیں ہے نہ تکبر اور سرکشی ہے کیونکہ یہ حیوانات اور درندوں کی صفات ں بلکہ اس کی تخلیق سے مقصود علم اور حکمت کے تقاضوں کا ظہور ہے اور انسان کی سرشت میں اگرچہ شہوت رکھی گئی ہے جس کے یجہ میں فساد کا ظہور ہوتا ہے اور اس کی سرشت میں غضب کو بھی رکھا ہے جس کی وجہ سے وہ خون ریزی کرتا ہے لیکن اس کی رت میں عقل بھی رکھی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کی محبت اور اس کی اطاعت اور عبادت کرنے کی محرک ہے۔

گویا اللہ تعالیٰ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ

اے فرشتو! تم نے انسان کی شہوت اور غضب کے تقاضوں کو دیکھا اور میں نے انسان میں جو عقل اور حکمت رکھی ہے تم نے ں کے تقاضوں کو نہیں دیکھا۔ میری اطاعت اور عبادت اور تسبیح و تقدیس تم بھی کرتے ہو لیکن تمہارے خمیر میں اس سے کوئی مانع ور مزاحم نہیں ہے سو تمہاری اطاعت اور عبادت سے اس کی عبادت اور اطاعت زیادہ قابل قدر ہے جس کے خمیر میں اطاعت اور بادت سے مانع اور مزاحم بھی ہے۔

حسب ذیل مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ

الملاء الاعلیٰ سے مراد وہ فرشتے ہیں جو تخلیق آدم علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ سے بحث کر رہے تھے۔

امام ابو جعفر بن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت (ص: 69) کی تفسیر میں فرمایا

الملاء الاعلیٰ سے مراد وہ فرشتے ہیں جن سے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے متعلق اللہ تعالیٰ نے مشورہ لیا تو انہوں نے ں بحث کی۔

ان کی رائے یہ تھی کہ

آدم (علیہ السلام) کو پیدا نہ کیا جائے۔

سدی اور قتادہ سے بھی اسی طرح روایت ہے۔

(جامع البیان جز:23،ص:219،رقم الحدیث 23099 دارالفکر بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا دونوں ہاتھوں سے بنانے کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

قَالَ یٰٓاِبۡلِیۡسُ مَا مَنَعَکَ اَنۡ تَسۡجُدَ لِمَا خَلَقۡتُ بِیَدَیَّ (ص: 75)

اس کا جواب یہ ہے کہ

''خَلَقَهٗ مِنۡ تُرَاب'' کا معنی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ کیا

پھر فرمایا

''کن'' تو وہ ہو گئے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے مٹی سے ایک پتلا بنایا پھر ''کن'' فرما کر اس میں جان ڈال دی۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے پہلے فرمایا

خَلَقَهٗ مِنۡ تُرَاب

آدم کو مٹی سے بنایا

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر اور وضاحت کی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے سے کیسے بنایا

تو فرمایا

ہم نے اس سے ''کن'' کہا تو ہو گئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ

لفظ ''ثم'' تاخیر واقع کے لئے نہیں ہے بلکہ تاخیر بیان کے لئے ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ

فیکون مضارع کا صیغہ

اس کا معنی ہے۔

ہوتا ہے یا ہوتا ہوگا۔

بظاہر فکان فرمانا چاہئے تھا

جس کا معنی ہے

ہو گیا

اس کا جواب یہ ہے۔

فرمایا! اے ابلیس! تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا تھا۔

فرمایا اے ابلیس! تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا۔

اس سے حضرت آدم علیہ السلام کی عظمت اور کرامت ظاہر ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز کو لفظ کن سے پیدا فرماتا ہے لیکن حضرت آدم علیہ السلام کی عظمت اور کرامت کو ظاہر کرنے کے لئے فرمایا

[...]ں نے ان کو اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ ان کی پیدائش کے لئے ماں باپ کو واسطہ نہیں بنایا نہ کسی ایک نطفہ کا ان کی تخلیق میں دخل

ہے۔

ان کو اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔

[...]رشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کے پتلے کو دیکھ کر خوفزدہ ہونا

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اپنی پسندیدہ چیزیں پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق عرش پر مستوی ہوا۔

اور فرشتوں سے فرمایا

میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو مٹی لینے کے لئے زمین پر بھیجا

زمین نے کہا:

میں اس بات سے تم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتی ہوں کہ مجھ سے کوئی چیز کم کی جائے یا میری کوئی چیز خراب کی جائے۔

[...]ت جبرائیل علیہ السلام لوٹ آئے اور مٹی نہیں لی

اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا

یارب عزوجل! اس نے مجھ سے تیری پناہ طلب کی اور میں نے اس کو پناہ دے دی۔

پھر حضرت میکائیل علیہ السلام کو بھیجا۔ اس نے پھر اسی طرح کہا وہ بھی لوٹ آئے۔ پھر حضرت عزرائیل علیہ السلام کو بھیجا۔

اس نے ان سے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی

انہوں نے کہا:

میں اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرائے بغیر لوٹ جاؤں۔ انہوں نے ز
کے ہر خطہ سے مٹی لے کر جمع کی اور اس کو خلط ملط کر دیا۔ اس میں سرخ بھی تھی اور سفید بھی۔

یہی وجہ ہے کہ

بنو آدم مختلف رنگ کے ہیں وہ اسی مٹی کو لے کر اوپر چڑھے اور اس کو گیلا کر دیا پھر اس گندھی مٹی کو پڑا رہنے دیا حتیٰ کہ وہ سڑ گئ

جیسا کہ اس آیت مبارکہ میں فرمایا گیا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ (الحجر: 26)

اور بے شک ہم نے انسان کو بجتی ہوئی خشک مٹی سے بنایا جو پہلے سیاہ بدبودار گارا تھی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے بنایا تا کہ ابلیس خود کو ان سے بڑا نہ سمجھے اور وہ جمعہ کے دن چا
سال کے برابر عرصہ تک بشر کی صورت میں پتلا بنے ہوئے پڑے رہے۔ فرشتے ان کو دیکھ کر خوف زدہ ہوتے تھے اور ابلیس
سے زیادہ خوف زدہ ہوتا تھا۔ اس پتلے کو مارنے سے ایسی آواز آتی تھی جیسے مٹکے کو مارنے سے آواز آتی ہے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ (الرحمن: 14)

اس نے انسان کو ٹھیکری کی طرح بجتی ہوئی سوکھی مٹی سے بنایا۔

ابلیس کہتا تھا کہ

اس کو کس لئے بنایا گیا ہے۔

اس نے فرشتوں سے کہا

اس سے مت ڈرو! یہ اندر سے کھوکھلا ہے اگر مجھ کو اس پر مسلط کر دیا گیا تو میں اس کو ہلاک کر دوں گا۔

(مختصر تاریخ دمشق ج:4، ص:215 تا 217 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی صورت بنائی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا پھر اس کو کیچڑ (گیلی مٹی) کر دیا پھر اس کو چھوڑ دیا حتیٰ کہ وہ
کر بجنے والی مٹی کی طرح ہو گیا۔ ابلیس اس پتلے کے پاس سے گزر کر کہتا تھا کہ یہ کیسی امر عظیم کے لئے بنایا گیا ہے۔ پھر

اس پتلے میں اپنی پسندیدہ روح پھونک دی۔ اس روح کا اثر سب سے پہلے ان کی آنکھوں اور نتھنوں میں ظاہر ہوا۔ ان کو چھینک آئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہنے کا القاء کیا۔

انہوں نے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہا

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا

يَرْحَمُكَ اللّٰهُ

پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اے آدم (علیہ السلام)! اس جماعت کے پاس جاؤ اور ان سے بات کرو دیکھو یہ کیا کہتے ہیں؟

حضرت آدم علیہ السلام ان کے پاس گئے اور کہا

السلام علیکم

انہوں نے کہا:

وعلیکم السلام و رحمة الله

پھر حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پاس گئے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

انہوں نے کیا کہا حالانکہ اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

اے رب عزوجل! میں نے ان کو سلام کیا

انہوں نے کہا:

وعلیکم السلام و رحمة الله

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اے آدم (علیہ السلام)! یہ تمہارا اور تمہاری اولاد کے سلام کرنے کا طریقہ ہے۔

(الدر المنثور ج:1، ص:48 مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

ت میں داخل ہوتے وقت کیا عمر ہوگی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام [illegible]

اور ارشاد فرمایا

جاؤ فرشتوں کی اس جماعت کو سلام کرو اور سنو وہ کیا جواب دیتے ہیں اور یہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہوگا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے جا کر کہا

السلام علیکم

فرشتوں نے کہا:

وعلیکم السلام و رحمة الله

انہوں نے رحمۃ اللہ کا لفظ زیادہ کہا۔ سو جو شخص بھی آدم علیہ السلام کی صورت پر جنت میں داخل ہوگا اس کا طول ساٹھ ذراع ہوگا پھر یہ طول بتدریج کم ہوتا رہا حتیٰ کہ اب اتنا طول رہ گیا۔

(الدر المنثور ج:1 ص:48 مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

حضرت آدم علیہ السلام کی خاک کو خانہ کعبہ کی جگہ رکھا گیا

تفسیر عزیزی وغیرہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ اس طرح نقل فرمایا: حق تعالیٰ نے حضرت جرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ تمام روئے زمین سے ہر قسم کی سیاہ سفید سرخ، کھاری، میٹھی، نرم خشک ایک مٹھی خاک اٹھالاؤ۔ حضرت جرائیل علیہ السلام نے زمین پر تشریف لا کر خاک اٹھانی چاہی۔

زمین نے پوچھا:

حضرت جرائیل علیہ السلام نے سارا واقعہ بیان کیا۔

زمین نے عرض کیا کہ

میں اس سے خدا عزوجل کی پناہ پکڑتی ہوں کہ تو مجھ سے خاک اٹھا کر انسان بنائے جس کی وجہ سے میرا کچھ حصہ جہنم میں پہنچے حضرت جرائیل علیہ السلام خالی واپس آ گئے۔

اور عرض کیا کہ

خدایا عزوجل زمین نے تیری عزت کی پناہ پکڑی میں تیرے نام اور عزت کے ادب سے اس سے خاک نہ اٹھا سکا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر حضرت اسرافیل علیہ السلام و میکائیل علیہ السلام کو باری باری بھیجا مگر وہ بھی اس طرح واپس آ گئے۔

آخر میں حضرت ملک الموت بھیجے گئے۔ انہوں نے زمین کی ایک نہ سنی۔

بلکہ فرمایا:

میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا تابعدار ہوں، تیری عاجزی اور زاری کی وجہ سے رب عزوجل کی اطاعت نہیں چھوڑ سکتا۔ اس ان کو جان نکالنے کا کام سپرد کر دیا گیا کہ تم نے ہی اس خاک کو زمین سے الگ کیا ہے تم ہی اس کو ملانا۔ اب انہیں حکم ہوا کہ

کو وہاں رکھ جہاں آج خانہ کعبہ ہے۔

فرشتوں کو حکم ہوا کہ

اس خاک کا مختلف پانیوں سے گارا بنائیں۔ چنانچہ اس پر چالیس روز بارش ہوئی۔ انتالیس دن تو غم و رنج کا پانی برسا اور دن خوشی کا اسی لئے انسان کو رنج و غم زیادہ رہتے ہیں اور خوشی کم ہوتی ہے پھر اس گارے کو مختلف ہواؤں سے اتنا خشک کیا کہ جانے لگا۔

جیسے قرآن مجید میں ہے:

صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ (الرحمن: 14)

پھر فرشتوں کو حکم ہوا کہ

اس گارے کو مکہ اور طائف کے درمیان وادیٔ نعمان میں عرفات پہاڑ کے نزدیک رکھیں پھر حق تعالیٰ نے خاص اپنے قدرت سے اس گارے کو حضرت آدم علیہ السلام کا قالب بنایا اور ان کی صورت تیار کی۔ فرشتوں نے کبھی ایسی صورت نہیں تھی۔ تعجب سے اس کے آس پاس پھرتے تھے۔ اس کی خوبصورتی سے حیران تھے۔ ابلیس کو بھی اس سارے اعلان وغیرہ کی پہنچی تھی وہ بھی اس قالب کو دیکھنے آیا۔

اور اس کے گرد پھر کر بولا:

اے فرشتو! تم اسی کا تعجب کرتے ہو یہ تو اندر سے ایک خالی جسم ہے جس میں جگہ سوراخ ہیں اور اس کی کمزوری کا یہ حال کہ اگر بھوکا ہو تو گر پڑے اور اگر خوب سیر ہو جائے تو چل پھر نہ سکے۔ اس قالب خالی سے کچھ نہ ہو سکے گا۔

پھر بولا:

ہاں! اس کے سینے کی بائیں طرف ایک بند کوٹھڑی ہے (دل) یہ خبر نہیں کہ اس میں کیا ہے شاید کہ یہی لطیفہ ربانی کی جگہ ہو اس وجہ سے یہ خلافت کا حق دار ہوا۔

پھر روح کو حکم ہوا کہ

اس قالب میں اور اس کے گڑھوں میں بھر جائے۔ جب روح قالب کے پاس پہنچی تو جسم کو تنگ و تاریک پایا اندر جانے رکی۔

بعض روایات میں آتا ہے۔

جب نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ قالب جگمگا دیا گیا یعنی وہ نور پیشانی آدم علیہ السلام میں امانت رکھا گیا۔ اب روح آہستہ داخل ہونے لگی ابھی سر میں تھی کہ آدم علیہ السلام کو چھینک آئی اور زبان سے نکلا ''الحمد للہ''

حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یرحمك الله

یہی اب بھی سنت ہے۔ جب روح کمر تک پہنچی، حضرت آدم علیہ السلام نے اٹھنا چاہا مگر گر پڑے کیونکہ نیچے کے دھڑ میں روح پہنچی ہی نہیں تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَجَلٍ (الانبیاء: 37)

فرمایا تمام بدن میں روح پھیل گئی

تو حکم ہوا کہ

فرشتوں کے پاس جا کر ان کو سلام کرو اور سنو وہ تمہیں کیا جواب دیتے ہیں۔

تب حضرت آدم علیہ السلام ادھر تشریف لے گئے۔

اور فرمایا

السلام علیکم

انہوں نے جواب دیا

وعلیکم السلام و رحمة الله

ارشاد ہوا کہ

یہی لفظ تمہارے اور تمہاری اولاد کے لئے مقرر کئے گئے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا۔

مولیٰ عزوجل! میری اولاد کون۔

تب ان کی پشت پر دست قدرت پھیر کر اس سے ساری انسانی روحیں نکالی گئیں اور حضرت آدم علیہ السلام کو سب دکھائی گئیں اور انہیں کافر و مومن، منافقین و اولیاء قطب، انبیاء کرام علیہم السلام دکھائے گئے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل: ص: 267 نعیمی کتب خانہ لاہور)

انسان جلد باز پیدا کیا گیا

قرآن مجید میں ہے:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَجَلٍ (الانبیاء: 37)

انسانی جلد باز پیدا کیا گیا ہے۔

ایک قول کے مطابق [illegible] حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

امام محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ جب حضرت آدم علیہ السلام میں روح پھونکی تو جب وہ روح ان کے سر میں پہنچی تو ان کو چھینک آئی۔

فرشتوں نے کہا:

آپ کہیے:

الحمد لله

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

الحمد لله

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

رحمك ربك

ترجمہ: آپ کا رب آپ پر رحم کرے۔

پھر جب روح آپ علیہ السلام کی آنکھوں میں پہنچی اور آپ علیہ السلام نے جنت کے پھلوں کی طرف دیکھا تو آپ علیہ السلام کے پیٹ میں طعام کی خواہش ہوئی تو اس سے پہلے کہ روح آپ علیہ السلام کی ٹانگوں میں پہنچتی آپ علیہ السلام جنت کے پھلوں کی طرف لپکے تو یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے کہ انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے۔

مجاہد نے اس کی تفسیر میں یہ کہا ہے:

حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے پیدا کرنے کے بعد دن کے آخری حصہ میں پیدا کیا گیا جب روح ان کی آنکھوں، زبان اور سر تک پہنچی اور ابھی سر کے نچلے حصہ میں نہیں پہنچی تھی

تو انہوں نے کہا:

اے میرے رب عزوجل! میری خلقت کو غروب شمس سے پہلے پیدا کر دے۔

امام ابن جریر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

یعنی انسان کی فطرت اور خلقت میں عجلت رکھی گئی ہے۔

(جامع البیان: جز: 17، ص: 35 تا 37 ملخصاً مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام جمعہ کے دن پیدا ہوئے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوا جمعہ کا دن ہے اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن آپ علیہ السلام

کو زمین پر اتارا گیا اور اسی دن آپ علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی اور اسی دن آپ علیہ السلام کی روح قبض کی گئی اور اسی دن قیامت ہوگی۔

(سنن النسائی: کتاب الجمعۃ باب ذکر الساعۃ ...... ص:113 ج:3، ص:1430)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار ہے اور باقی دنوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے ہاں عظمت والا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی عظمت عید الاضحیٰ اور عید الفطر سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس دن پانچ خصلتیں پائی جاتی ہیں۔

(1) اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا

(2) اور اسی دن انہیں وفات دی

(3) اور اسی دن میں ایک ساعت ایسی ہوتی ہے جس میں بندہ اللہ تعالیٰ سے جو بھی سوال کرے وہ اسے عطا فرماتا ہے جب تک کہ وہ کسی حرام چیز کا سوال نہیں کرتا۔

(4) اور اسی دن قیامت برپا ہوگی۔

(5) کوئی مقرب فرشتہ

آسمان

زمین

ہوا

پہاڑ

اور سمندر ایسا نہیں جو جمعہ کے دن سے نہ ڈرتا ہو۔

(ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیہا: باب فی فضل الجمعۃ ص:344، ج:1، رقم:1084)

حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد پیدا فرمانا

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی 279ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو قیامت تک ان کی اولاد کی پیدا ہو

روحیں ان کی پشت سے جھڑ گئیں۔ اور ان میں سے ہر انسان کی دونوں آنکھوں کے سامنے نور کی شعاعیں تھیں۔ پھر ان لوگوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کیا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا

اے میرے رب عزوجل! یہ کون لوگ ہیں۔

ارشاد فرمایا

یہ تمہاری اولاد ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا وہ شخص اور اس کی نور کی شعاعیں انہیں بہت اچھی لگیں۔

پوچھا

اے میرے رب عزوجل! یہ کون شخص ہے!

ارشاد فرمایا

یہ تمہاری اولاد کے آخری لوگوں میں سے ایک شخص ہے اس کا نام داؤد ہے۔

کہا

اے میرے رب عزوجل! تو نے ان کی کتنی عمر مقرر کی ہے۔

ارشاد فرمایا

ساٹھ سال

کہا

اے میرے رب عزوجل! میری عمر میں سے اس کی عمر کے چالیس سال زیادہ کر دے جب حضرت آدم علیہ السلام کی عمر پوری ہو گئی تو ان کے پاس ملک الموت آئے۔

کہا

کیا میری عمر میں سے ابھی چالیس سال باقی نہیں ہیں،

انہوں نے کہا:

کیا یہ چالیس سال آپ نے اپنے بیٹے داؤد علیہ السلام کو نہیں دیئے تھے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کر دیا سو ان کی اولاد نے بھی انکار کر دیا اور حضرت آدم علیہ السلام بھول گئے سو ان کی اولاد بھول گئی اور حضرت آدم علیہ السلام نے اجتہادی خطا کی سو ان کی اولاد نے بھی خطا کی۔

(سنن ترمذی: ج:5، ص، رقم الحدیث: 3087 بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام کا انبیاء کرام علیہم السلام کو دیکھنا

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْؕ قَالُوْا بَلٰىۚۛ شَهِدْنَاۚۛ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ٥ (الاعراف: 172)

اور جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو نکالا اوران کی جانوں پر انہیں گواہ بنا دیا۔(فرمایا) کیا میں تمہارا رب نہیں سب نے کہا: کیوں نہیں! ہم نے گواہی دی تا کہ قیامت کے دن تم یہ نہ کہو کہ ہم اس سے بے ضمیر تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

میں تم پر سات آسمانوں کو گواہ کرتا ہوں اور تم پر تمہارے باپ آدم کو گواہ کرتا ہوں تا کہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم کو اس کا علم نہ تھا۔ جان لو کہ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ لہٰذا تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ میں عنقریب تمہارے پاس رسول بھیجوں گا جو تم کو میرا عہد اور میثاق یاد دلائیں گے اور تم پر اپنی کتابوں کو نازل کروں گا۔

انہوں نے کہا:

ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب عزوجل اور ہمارا معبود ہے اور تیرے سوا ہمارا کوئی رب عزوجل نہیں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان میں غنی اور فقیر کو اور خوبصورت اور بدصورت لوگوں کو دیکھا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

اے میرے رب عزوجل! اگر تو اپنے تمام بندوں کو ایک جیسا کر دیتا۔

ارشاد فرمایا

مجھے یہ پسند ہے کہ میرا شکر ادا کیا جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان میں انبیاء کرام علیہم السلام کو دیکھا ان کے چہرے چراغ کی طرح منور تھے۔ ان کو رسالت اور نبوت کے میثاق کے ساتھ خاص کیا گیا تھا۔

اس کے متعلق یہ حدیث ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰى وَعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ۪ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا٥ (الاحزاب: 7)

اور جب ہم نے (تبلیغ رسالت پر) نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا۔

(تاریخ دمشق: ج: 4، ص: 219 تا 220 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اولادِ آدم چیونٹی اور کوئلہ کی مثل

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کے دائیں کندھے پر مارا اور سفید رنگ کی ان کی اولاد نکالی وہ چیونٹی کی مثل تھے اور بائیں کندھے پر مارا اور اس سے ان کی سیاہ رنگ کی اولاد نکالی۔ وہ کوئلوں کی طرح تھے پھر دائیں جانب والوں کے لئے فرمایا یہ جنت کی طرف ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے اور بائیں جانب والوں کے لئے یہ فرمایا یہ دوزخ کی طرف ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔

ابراہیم مزنی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا

کیا فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا

انہوں نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو کعبہ کی طرف کر دیا تھا اور فرشتوں کو ان کی طرف سجدہ عبادت کرنے کا حکم دیا جس طرح اس نے اپنے بندوں کو کعبہ کی طرف سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

قتادہ نے کہا:

حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں رہنے اور کھانے پینے کا حکم دیا اور ایک درخت سے منع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو آزمائش میں مبتلا کیا جس طرح اس سے پہلے فرشتوں کو مبتلا کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر مخلوق کو اطاعت میں مبتلا کیا ہے جس طرح اس سے پہلے زمین اور آسمان کو اطاعت میں مبتلا کیا تھا۔

ان سے فرمایا

تم دونوں خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہو جاؤ

انہوں نے کہا:

ہم خوشی سے حاضر ہوتے ہیں سو حضرت آدم علیہ السلام کو آزمائش میں مبتلا کیا اور ان کو جنت میں رکھا۔

ارشاد فرمایا

کہ جہاں سے چاہو فراخی سے کھاؤ اور ایک درخت کے کھانے سے منع فرما دیا یہ آزمائش قائم رہی حتیٰ کہ انہوں نے اس ممنوع کا ارتکاب کر لیا اس وقت ان کی شرمگاہ کھل گئی اور ان کو جنت سے اتار دیا گیا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

اے میرے رب عزوجل! اگر میں توبہ کر لوں اور اصلاح کر لوں تو کیا جنت کی طرف لوٹا دیا جاؤں گا۔

اور تب انہوں نے کہا:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ○ (الاعراف:23)

اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں ہو جائیں گے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی اور اللہ عزوجل کے دشمن ابلیس نے اپنے گناہ کا اعتراف کیا اور نہ توبہ کی لیکن اس نے قیامت تک کی مہلت مانگی تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی دعا قبول فرمالی۔ حضرت آدم علیہ السلام کو معاف کر دیا اور شیطان کو قیامت تک کی مہلت دے دی۔

(تاریخ دمشق ج:4،ص:220 تا 221 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اولاد آدم کی پیدائش مٹی سے

قرآن مجید میں ہے:

هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ (النجم: 32)

اور وہ تمہیں خوب جاننے والا ہے جب اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا تھا۔

امام ابوعبداللہ ترمذی نے کہا:

جب زمین سے مٹی نکالی گئی تو ہم سب کو اس مٹی سے پیدا کیا گیا پھر اس مٹی کو ہمارے آباء کی پشتوں میں رکھ دیا گیا۔ بعض مٹی سفید اور روشن تھی اور بعض کوئلہ کی طرح سیاہ تھی سو ہم کو ان ہی رنگوں پر پیدا کیا گیا۔

امام اوزاعی بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس رات تمام اولین اور آخرین میرے حجرے کے سامنے پیش کیے گئے۔

کسی نے پوچھا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! گزری ہوئی مخلوق بھی

ارشاد فرمایا

ہاں! مجھ پر حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے ماسوا سب پیش کیے گئے۔

مسلمانوں نے پوچھا:

اور وہ بھی جو اپنے آباء کی پشتوں میں اور اپنی ماؤں کے ارحام میں ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ مٹی میں متمثل کر کے پیش کیے گئے اور میں نے ان سب کو اس طرح پہچان لیا جس طرح حضرت آدم علیہ السلام نے تما

کو پہچان لیا تھا۔

(الجامع الاحکام القرآن ج:17،ص:101دار الفکر بیروت)

حافظ ابو نعیم نے اپنی کتاب میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

جو فرشتہ رحم پر مقرر کیا گیا ہے وہ نطفہ کو اپنی ہتھیلی پر رکھ کر یہ کہتا ہے۔

اے رب عزوجل! اس کی تخلیق کی جائے گی یا نہیں کی جائے گی۔ اگر اللہ تعالیٰ فرمائے کہ اس کی تخلیق کی جائے گی۔

تو پھر کہتا ہے

اے رب عزوجل! اس کا رزق کتنا ہے؟

اس کا نشان کیسا ہے؟

اور اس کی موت کب آئے گی؟

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تم لوح محفوظ میں دیکھو۔

وہ لوح محفوظ میں دیکھتا ہے تو اس میں اس کا رزق

اس کی موت

اور اس کا عمل

لکھا ہوا ہوتا ہے جس جگہ اس کو دفن کیا جائے گا وہ وہاں سے مٹی لیتا ہے اور اس کو اس کے نطفہ میں ملا کر گوندھتا ہے اور یہ

[تع]الیٰ کے اس قول کے مصداق ہے۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى○(طه: 55)

ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے اور اس سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج:6،ص:300مطبوعہ بیروت)

امام عبد بن حمید اور امام ابن المنذر نے عطاء خراسانی سے روایت کیا ہے کہ

جس جگہ انسان کو دفن کیا جائے گا وہاں کی مٹی کو فرشتہ نطفہ پر چھڑکتا ہے

اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ ۔

(الدر المنثور ج:6،ص:302مطبوعہ ایران)

ایک اور روایت میں ہے۔

[حض]رت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہر مولود کے اوپر اس کی قبر کی مٹی چھڑکی جاتی ہے۔

(حلیۃ الاولیاء، ج:2، ص:280 مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہر مولود کی ناف میں وہ مٹی ہوتی ہے جس سے وہ پیدا کیا جاتا ہے۔ جب وہ ارذل عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے تو اس مٹی کی طرف لوٹایا جاتا ہے جس سے وہ پیدا کیا گیا تھا اور میں اور ابوبکر اور عمر (صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ عنہما) ایک مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں اور اسی مٹی سے میں دفن کیے جائیں گے۔

(کنز العمال: رقم الحدیث: 32673 بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے اس کے اوپر اس کی قبر کی مٹی چھڑکی جاتی ہے۔

ابو عاصم نے کہا:

تم حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے لئے اس جیسی فضیلت نہیں پاسکو گے۔

کیونکہ ان کو دونوں کی مٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مٹی سے ہے۔

(حلیۃ الاولیاء: ج:2، ص:318 رقم الحدیث: 2389 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا

ہر انسان کو اس مٹی میں دفن کیا جاتا ہے جس سے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

(مصنف عبد الرزاق: رقم الحدیث: 6531 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے فرشتہ زمین سے مٹی لے کر اس کی ناف کاٹنے کی جگہ پر رکھتا ہے اس مٹی میں اس کی شفاء ہوتی ہے اور اس میں اس کی قبر ہوتی ہے۔

(مصنف عبد الرزاق: رقم الحدیث: 6533 مطبوعہ بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

میں اور ابوبکر اور عمر ر(صلی اللہ علیہ وسلم ورضی اللہ عنہما) ایک مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔

(فردوس الاخبار ج:2،ص:305 رقم الحدیث:2775 بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے اس کی ناف میں وہ مٹی ہوتی ہے جس سے وہ پیدا کیا جاتا ہے اور جب وہ ارذل عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے تو وہ اسی مٹی کی طرف لوٹایا جاتا ہے جس سے وہ پیدا کیا جاتا ہے حتیٰ کہ اس مٹی میں اس کو دفن کیا جاتا ہے اور میں اور ابوبکر اور عمر (صلی اللہ علیہ وسلم ورضی اللہ عنہما) ایک ہی مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں اور اس مٹی سے ہم اٹھائے جائیں گے۔

(فردوس الاخبار ج:4،ص:235)

خطیب نے کتاب المتفق والمفترق میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہر بچہ کی ناف میں اس مٹی کا حصہ ہوتا ہے جس سے وہ بنایا گیا۔ یہاں تک کہ اسی میں دفن کیا جائے گا اور میں اور ابوبکر وعمر (صلی اللہ علیہ وسلم ورضی اللہ عنہما) ایک مٹی سے بنے اسی میں دفن ہوں گے۔

(فتاویٰ افریقہ:ص:100 مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کراچی)

حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب نطفہ کو رحم میں چالیس دن گزر جاتے ہیں پھر چالیس دن وہ جما ہوا خون بن جاتا ہے پھر چالیس دن وہ گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے پھر جب وہ تخلیق کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو بھیجتا ہے جس کی انگلیوں میں مٹی ہوتی ہے وہ اس کو گوشت کے لوتھڑے میں ملا کر گوندھتا ہے اور پھر اس کی تصویر بناتا ہے۔

پھر پوچھتا ہے

یہ مرد ہے یا عورت؟

نیک یا بد ہے؟

اس کا رزق کتنا ہے؟

اس کی عمر کتنی ہے؟

اس کے مصائب کیا کیا ہیں؟

پھر اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے لکھنے کا حکم دیتا ہے اور فرشتہ لکھ دیتا ہے اور جب وہ شخص مرجاتا ہے تو اس کو اس جگہ دفن کر دیا

جاتا ہے جہاں سے اس کی مٹی لی گئی تھی۔

(الدر المنثور ج:3،ص:144 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اولاد آدم کے مختلف رنگ

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اپنی پسندیدہ چیزیں پیدا فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق عرش پر مستوی ہوا۔

اور فرشتوں سے ارشاد فرمایا

میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو مٹی لینے کے لئے زمین پر بھیجا۔

زمین نے کہا:

میں اس بات سے تم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتی ہوں کہ مجھ سے کوئی چیز کم کی جائے یا میری کوئی چیز خراب کی جائے۔حضرت جبرائیل علیہ السلام لوٹ آئے اور مٹی نہیں لی۔

اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا

یا رب عزوجل! اس نے مجھ سے تیری پناہ طلب کی اور میں نے اس کو پناہ دے دی۔

پھر حضرت میکائیل علیہ السلام کو بھیجا۔

اس نے پھر اسی طرح کہا وہ بھی لوٹ آئے۔

پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا

اس نے ان سے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی

انہوں نے کہا:

میں اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں اللہ عزوجل کے حکم پر عمل کرائے بغیر لوٹ جاؤں۔انہوں نے زمین کے ہر خطہ سے مٹی لے کر جمع کی اور اس کو خلط ملط کر دیا۔اس میں سرخ مٹی بھی تھی اور سفید بھی۔

یہی وجہ ہے کہ

بنو آدم مختلف رنگ کے ہیں۔وہ اس مٹی کو لے کر اوپر چڑھے اور اس کو گیلا کر دیا پھر اس کو گندھی ہوئی مٹی کو پڑا رہنے دیا حتیٰ کہ وہ سڑ گئی۔

(مختصر تاریخ دمشق ج:4،ص:215 تا 217 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام کو اولاد مشاہدہ کرانا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب اللہ تعالٰی نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو قیامت تک ان کی اولاد کی پیدا ہونے والی روحیں ان کی پشت سے جھڑ گئیں اور ان میں سے ہر انسان کی دونوں آنکھوں کے سامنے نُور کی شعاعیں تھیں۔ پھر ان لوگوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کیا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا:

اے میرے رب عزوجل! یہ کون لوگ ہیں۔

ارشاد فرمایا

یہ تمہاری اولاد سے ہیں

حضرت آدم علیہ السلام نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا وہ شخص اور اس کی نور کی شعاعیں انہیں بہت اچھی لگیں۔

پوچھا

اے میرے رب عزوجل! یہ کون شخص ہے؟

ارشاد فرمایا

یہ تمہاری اولاد کے آخری لوگوں میں سے ایک شخص ہے اس کا نام داؤد (علیہ السلام) ہے۔

کہا

اے میرے رب عزوجل! تو نے ان کی کتنی عمر مقرر کی ہے۔

ارشاد فرمایا

ساٹھ سال

کہا

اے میرے رب عزوجل! میری عمر میں سے اس کی عمر کے چالیس سال زیادہ کرے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کی عمر پوری ہو گئی تو ان کے پاس ملک الموت آئے

کہا

کہا میری عمر میں سے ابھی چالیس سال باقی نہیں ہیں

انہوں نے کہا:

چالیس سال آپ نے اپنے بیٹے داؤد (علیہ السلام) کو نہیں دیئے تھے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کر دیا۔ سو ان کی اولاد نے بھی انکار کر دیا اور حضرت آدم علیہ السلام بھی بھول گئے سو ان کی

اولاد بھی بھول گئی اور حضرت آدم علیہ السلام نے (اجتہادی) خطا کی سوان کی اولاد نے بھی خطا کی۔

(سنن ترمذی ج:5، رقم الحدیث:3087 بیروت)

بنی آدم کو خوشی کم اور غم زیادہ کیوں ہیں

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ تمام روئے زمین سے ہر قسم کی سیاہ سفید، سرخ، کھاری، میٹھی، نرم ایک مٹھی خاک اٹھالاؤ۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے زمین پر تشریف لا کر خاک اٹھانی چاہی زمین نے سبب پوچھا۔ حضرت جبرائیل السلام نے سارا واقعہ بیان کیا۔

زمین نے عرض کیا کہ

میں اس سے خدا عزوجل کی پناہ پکڑتی ہوں کہ تو مجھ سے خاک اٹھا کر انسان بنائے جس کی وجہ سے میرا کچھ حصہ جہنم پہنچے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام خالی واپس آ گئے

اور عرض کیا کہ

خدایا عزوجل! زمین نے تیری عزت کی پناہ پکڑی میں تیرے نام اور عزت کے ادب سے اس سے خاک نہ اٹھا سکا تعالیٰ نے پھر حضرت اسرافیل ومیکائیل علیہما السلام کو باری باری بھیجا مگر وہ بھی اس طرح واپس آ گئے۔ آخر میں حضرت الموت بھیجے گئے۔ انہوں نے زمین کی ایک بھی نہ سنی۔

بلکہ فرمایا:

میں تو اللہ تعالیٰ کے حکم کا تابعدار ہوں تیری عاجزی اور زاری کی وجہ سے رب عزوجل کی اطاعت نہیں چھوڑ سکتا۔ ا ان کو جان نکالنے کا کام سپرد کیا گیا کہ تم نے ہی اس خاک کو زمین سے الگ کیا ہے تم ہی اس کو ملانا۔ اب انہیں حکم ہوا خاک کو وہاں رکھو جہاں آج خانہ کعبہ ہے۔

فرشتوں کو حکم ہوا کہ

اس خاک کا مختلف پانیوں سے گارا بنائیں چنانچہ اس پر چالیس روز بارش ہوئی۔ انتالیس دن تو غم ورنج کا پانی ایک دن خوشی کا اسی لئے انسان کو رنج وغم زیادہ رہتے ہیں اور خوشی کم ہوتی ہے۔

(تفسیر نعیمی، پارہ اوّل:ص:267 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت عزرائیل علیہ السلام کے ذمے جان نکالنے کا حکم کیوں

(زمین سے مٹی اٹھانے کے لئے) آخر میں حضرت ملک الموت بھیجے گئے انہوں نے زمین کی ایک نہ سنی۔

بلکہ فرمایا:

میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا تابعدار ہوں، تیری عاجزی اور زاری کی وجہ سے رب عزوجل کی اطاعت نہیں چھوڑ سکتا۔ اسی لئے جان نکالنے کا کام سپرد کر دیا گیا کہ تم نے ہی اس خاک کو زمین سے الگ کیا ہے تم ہی اس کو ملانا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول، ص: 267 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بنو آدم (علیہ السلام) سے میثاق

قرآن مجید میں بنو آدم (علیہ السلام) سے میثاق لینے پر واضح آیت کریمہ موجود ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ (الاعراف: 172)

اور (یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا اور ان کو خود ان کے نفسوں پر گواہ کرتے ہوئے فرمایا! کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا: کیوں نہیں، ہم (اس پر) گواہی دیتے ہیں تا کہ قیامت کے دن تم یہ (نہ) کہہ دو کہ ہم اس سے بے خبر تھے۔

☆ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

سورہ اعراف کی اس آیت کے متعلق میں نے سوال کیا

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا پھر ان کی پشت پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرا پھر اس پشت سے اولاد نکالی۔

پھر ارشاد فرمایا

ان کو میں نے جنت کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ اہل جنت کے عمل کریں گے پھر ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور ان سے ایک اولاد نکالی۔

اور ارشاد فرمایا

میں نے ان کو دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ اہل دوزخ کے عمل کریں گے۔

ایک شخص نے پوچھا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پھر یہ عمل کس چیز میں ہے؟

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک جب کسی بندہ کو جنت کے لئے پیدا کرتا ہے تو اس سے اہل جنت کے عمل کراتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ شخص اہل جنت کے [illegible] مرتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں [illegible] لئے پیدا کرتا ہے تو اس سے اہل

دوزخ کے عمل کراتا ہے حتیٰ کہ وہ اہل دوزخ کے اعمال پر مرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں داخل کر دیتا ہے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3086 بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان سے میثاق لیا، ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو ان کی اولاد کو چیونٹیوں کی مانند نکالا پھر ان کی مدت حیات ان کا رزق اور ان کے مصائب لکھ دیئے اور ان کو ان کے نفسوں پر گواہ کیا۔

اور ارشاد فرمایا

کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں

انہوں نے کہا:

کیوں نہیں۔

(جامع البیان: جز: 19، ص: 150)

ایک روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور اس سے اس روح کو نکالا جس کو قیامت تک پیدا کرنے والا ہے۔

(الدر المنثور: ج: 3، ص: 601)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے یوم عرفہ کے دن وادی نعمان میں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے میثاق لیا اور ان کی پشت سے تمام اولاد کو نکالا۔

اور ارشاد فرمایا

کیا میں تمہارا رب عزوجل نہیں۔

(الدر المنثور: ج: 3، ص: 601)

علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی متوفی 668ھ نے لکھا ہے کہ

جس جگہ میثاق لیا گیا تھا اس کی تعیین میں اختلاف ہے۔

اس سلسلے میں چار اقوال ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ

یہ میثاق عرفہ کی ایک جانب وادی نعمان میں لیا گیا تھا۔

اوران سے دوسری روایت میں ہے کہ

سرزمین ہند میں جہاں حضرت آدم علیہ السلام کو اتارا گیا تھا وہیں ان سے میثاق لیا گیا تھا۔

کلبی سے روایت ہے کہ

مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ پر یہ میثاق لیا گیا تھا۔

اور یہ کہ

جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے آسمان دنیا کی طرف اتارا گیا تو وہاں ان سے یہ میثاق لیا گیا تھا۔

(الجامع الاحکام القرآن جز:7،ص:283مطبوعہ دارالفکر بیروت)

سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذرہ نے جواب دیا

علامہ آلوسی لکھتے ہیں

بعض اہل اللہ نے یہ کہا ہے:

جب حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کے ذرّوں کو نکالا گیا تو سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذرہ نے جواب دیا اور جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں سے یہ فرمایا

ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۝ (حم السجدہ: 11)

خوشی یا ناخوشی سے دونوں حاضر ہو جاؤ دونوں نے کہا: ہم خوشی سے حاضر ہوئے۔

اس وقت زمین کے جس ذرہ نے سب سے پہلے جواب دیا تھا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذرہ تھا اور یہ کعبہ کی مٹی کا ذرہ اور سب سے پہلے زمین کا یہی حصہ بنایا گیا تھا۔ پھر اسی کو پھیلایا گیا۔

جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربت (مٹی) شریف کعبہ معظمہ کی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن بھی مکہ میں ہونا چاہئے تھا۔

کیونکہ روایت میں ہے کہ

جس جگہ مٹی سے انسان بنایا جاتا ہے اسی جگہ اس کا مدفن ہوتا ہے۔

لیکن کہا گیا ہے کہ

جب طوفان آیا تھا تو ایک جگہ کی مٹی دوسری جگہ پہنچ گئی تھی اور مٹی کا وہ مبارک اور پاک ذرہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبداء تھا اس جگہ پہنچ گیا جہاں اب مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن اقدس ہے اور اس کلام سے یہ مستفاد ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق اصل ہے اور تمام کائنات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہے۔

ایک قول یہ ہے:

چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذرہ تمام مخلوق کی امر (اصل) ہے اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب امی ہے۔

(روح المعانی: ج:9، ص:111 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

میثاق کس کو یاد ہے؟

علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں

ذی النون سے پوچھا گیا کہ

کیا آپ کو میثاق یاد ہے؟

انہوں نے کہا:

گویا کہ اب بھی میرے کانوں میں اس عہد اور میثاق کی آواز آ رہی ہے۔

اور بعض عارفین نے یہ کہا کہ

یہ میثاق کل لیا گیا تھا۔

(روح المعانی ج:9، ص:106 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی)

حضرت آدم علیہ السلام جمعہ کے دن عصر کے بعد پیدا ہوئے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا۔

اللہ عزوجل نے زمین کو ہفتہ کے دن پیدا فرمایا

اور اتوار کے دن اس میں پہاڑوں کو پیدا فرمایا

اور پیر کے دن درختوں کو پیدا فرمایا

اور مکروہ چیزوں کو منگل کے دن پیدا فرمایا

اور نور کو بدھ کے دن پیدا فرمایا

اور جمعرات کے دن اس میں چوپایوں کو پھیلا دیا

اور حضرت آدم علیہ السلام کو سب کے بعد جمعہ کے دن عصر کے بعد پیدا فرمایا اور وہ ساعات جمعہ میں آخری ساعت تھی۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2789 مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

اور ایک روایت میں ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

یہود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے کے متعلق سوال کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے اتوار اور سوموار کے دن زمین کو پیدا کیا۔

اور منگل کے دن پہاڑوں کو پیدا کیا اور نفع آور چیزوں کو پیدا کیا جو پہاڑوں میں ہیں۔

اور بدھ کے دن درختوں کو اور پانی کو اور شہروں کو اور آبادیوں کو اور ویرانوں کو پیدا کیا۔

یہ وہ چار دن ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے۔

آپ کہیے! کیا تم واقعی اس ذات کا کفر کر رہے ہو جس نے دونوں میں زمین کو پیدا کیا اور تم نے اس کے شرکاء قرار دے رہے ہو حالانکہ وہی تمام جہانوں کا رب ہے اور اس نے زمین کے اوپر بھاری پہاڑ نصب کر دیئے اور اس میں برکت رکھی اور اس میں رہنے والوں کی غذا بھی چار دنوں میں مقرر کی جو طلب کرنے والوں کے لئے مساوی ہے۔

(حم السجدہ 9-10)

اور اس نے جمعرات کے دن آسمان کو پیدا کیا اور جمعہ کے دن

ستاروں

چاند

سورج

اور فرشتوں

کو تین ساعتوں تک پیدا کیا اور ان تین ساعتوں میں سے پہلی ساعت میں لوگوں کی مدت حیات مقرر فرمائی اور دوسری ساعت میں جن چیزوں سے لوگ نفع اٹھاتے ہیں ان پر آفت کو پیدا کیا اور تیسری ساعت میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور جنت میں رکھا اور ابلیس کو حکم دیا کہ ان کو سجدہ کرے اور آخری ساعت میں اس کو جنت سے نکال دیا۔

یہود نے پوچھا:

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر کیا ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

پھر اللہ عزوجل عرش پر جلوہ فرما ہوا

یہود نے کہا:

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری بات بتادیتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات صحیح تھی۔

سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہوئے۔

اور اس وقت یہ آیت نازل ہوئی

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ق وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ۝ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ (ق: 38 تا 39)

ہم نے آسمانوں کو اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی جو کچھ یہ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کیجئے۔

(جامع البیان رقم الحدیث:23478 بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام کے علم کی وسعت

جب فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنانے کی حکمت پوچھی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کا مقام بتانے کے لئے اس طرح ارشاد فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (البقرہ: 31)

اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے پھر سب اشیاء ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا تم سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ۔

اس آیت سے گزشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا کہ آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنانے والے ہیں مگر خلافت پورے علم کے بغیر نہیں ہو سکتی کیونکہ بادشاہ کو اپنی رعایا کے سارے حالات کا جاننا ضروری ہے۔ اس لئے اب ان کو علم عطا فرمانے کا ذکر فرمایا گیا۔ اور ہے کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنانے کی حکمت پوچھی تھی۔ اس کا اجمالی جواب رب تعالیٰ کی طرف سے گیا کہ اس کو ہم جانتے ہیں تم نہیں جانتے، اس سے فرشتے خاموش تو ہو گئے مگر ان کو تسکین نہ ہوئی تھی۔ اب عملی طور پر تفصیلی جواب دیا جا رہا ہے جس سے فرشتوں کو پوری تسکین حاصل ہو۔

علم تعلیم سے بنا ہے۔

جس کے معنی ہیں

آہستہ آہستہ علم دینا اور سکھانا،

چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو حق تعالیٰ کی ذات اور صفات اور سارے ایمانیات کا علم ان کی پیدائش سے پہلے ہی دے دیا گیا تھا۔ اسی لئے انہوں نے چھینک آتے ہی الحمد للہ کہا جس خدا عزوجل کی ذات وصفات کا ذکر ہے۔

اور پھر جیسا کہ روایت میں آتا ہے کہ

(حضرت آدم علیہ السلام نے) پیدا ہوتے ہی ساق عرش پر لکھا ہوا پڑھ لیا کہ

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

جس سے معلوم ہوا کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جانتے ہیں اور ان کی نبوت و رسالت کو بھی جانتے اور پہچانتے ہیں اور لکھے ہوئے حروف پڑھ لیتے ہیں مگر ساری چیزوں کا علم پیدائش کے بعد عطا ہوا۔ اس لئے علم باب تفصیل سے فرمایا گیا۔

خیال رہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو نہ تو کسی مدرسے میں جانا پڑا تھا اور نہ کسی استاد کی شاگردی کرنی پڑی بلکہ بطور الہام خود بخود سب علوم ان کو آ گئے۔

جیسے

بعد مرنے کے ہر شخص کو زبانِ عربی خود بخود آ جاتی ہے کہ قبر کے سوال و جواب اور محشر کا حساب و کتاب اور جنت والوں کی بول چال سب عربی زبان میں ہیں۔

الاسماء:

اسماوسم یا سمو سے بنا ہے۔

جس کے معنی ہیں۔

علامت یا پہچان یا بلندی اور اب نام کو بھی کہتے ہیں۔

تفسیر کبیر وغیرہ نے فرمایا:

یہاں پہلے معنی مراد ہیں کیونکہ آدم علیہ السلام کو فقط چیزوں کے نام ہی بتائے گئے بلکہ ان کی حقیقتیں خاصیتیں اور نفع و نقصان اور ان کا طریقہ استعمال اور ان کے بنانے کے طریقے، غرضیکہ ہر چیز کے سارے حالات بتا دیئے گئے تھے اور ہر حال ہر چیز کی علامت تھی۔ اس لئے وہ سب اسماء ہی میں داخل ہیں کیونکہ فقط نام بتانے سے علم کامل نہیں ہوتا اور اس سے خلافت کا حق بھی حاصل نہیں۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ

یہاں اسم کے معنی نام ہی ہیں مگر چونکہ ہر چیز کے حالات بھی چیز ہیں اور ان کے بھی کچھ نام ہیں۔ ان سب کی تعلیم فرمائی گئی تھی۔ غرضیکہ یہ تو سب مانتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کا علم ہر چیز کو شامل تھا لیکن اس وسعت علمی کو بعض تو الاسماء سے ثابت کرتے ہیں۔ بعض کلھا سے دعوی سب کا ایک دلیلیں علیحدہ۔

کلھا

اس میں بہت گنجائش ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نام بھی آدم علیہ السلام کے علم سے باقی نہ بچا۔

جیسے

خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا عز وجل ہر چیز کا خالق ہے ایسے ہی یہاں کلھا سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام ہر نام والی چیز کے علم ہیں۔

خیال رہے کہ

آدم علیہ السلام کا علم اس قدر وسعت کے باوجود ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دریا کا قطرہ ہے کیونکہ ان کا علم ہر اس چیز کو بھی گھیرے ہوئے ہیں کہ جہاں تک الفاظ و نام بلکہ کسی کا خیال بھی نہیں پہنچتا۔ اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا گیا۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ

یہاں نہ اسم کی قید ہے نہ الفاظ و حروف کی پابندی۔

اب ہم کلھا کی کسی قدر گنجائش دکھاتے ہیں۔ یہ سب جانتے ہیں کہ دنیا میں اول سے آخر تک لاکھوں زبانیں بولی گئیں اور ہر زبان کے حروف نقش اور ان کے الفاظ علیحدہ علیحدہ پھر ہر زبان میں کروڑوں لغات جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا میں کروڑوں چیزیں اور ہر چیز کی لاکھوں صفات اور ہر صفت کے لاکھوں نام اور نام کے لکھنے اور بولنے کے لاکھوں طریقے مثلاً الف لکھنے کا انگریزی میں اور طریقہ ہے اور اردو میں اور عربی میں اور پھر مثلاً پانی کو اردو میں پانی،

فارسی میں آب

عربی میں ماء

ہندی میں جل

انگریزی میں واٹر

اور نہ معلوم کس کس زبان میں کیا کیا کہتے ہوں گے پھر اگر لفظ پانی لکھا جائے تو ہر زبان کی عبارت میں علیحدہ طریقے

مثلاً

انگریزی (Pani)

اور ہندی میں (   )

اور گجراتی میں (۴۱۔۲۶۱)

اردو میں (پانی)

عربی میں (ماء)

وغیرہ وغیرہ طریقوں سے پھر اس پانی کے ہزاروں حالات اور ہزاروں قسمیں ہیں۔

ٹھنڈا

گرم

صاف

میلا

کھاری

میٹھا

بھاری

ہلکا

گاڑھا

پتلا

سفید

کالا

وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب علوم سیدنا آدم علیہ السلام کو دیئے گئے بھلا خیال تو کرو اس علم کی کوئی حد ہے۔

تفسیر روح البیان میں اس جگہ فرمایا گیا کہ

آدم علیہ السلام کو سات لاکھوں زبانوں کا علم تھا اور ایک ہزار پیشوں میں خوب ماہر تھے مگر آپ علیہ السلام نے کھیتی باڑی کا کام کیا۔

لطیفہ!

حضرت آدم علیہ السلام کا کام کھیتی باڑی

حضرت نوح علیہ السلام کا کام بخاری (لکڑی بنانا یعنی بڑھئی کا پیشہ)

حضرت ادریس علیہ السلام کا کام درزی گری

حضرت صالح علیہ السلام کا کام تجارت

حضرت داؤد علیہ السلام کا زرہ سازی (لوہار کا کام)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا مبارک کام زنبیل سازی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مبارک کام زنبیل سازی

حضرت شعیب علیہ السلام کا عمل مبارک بکری چرانا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک بکری چرانا تھا۔

(روح البیان)

نیز

کلہا سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات وصفات کے سارے نام بھی ان کو تعلیم فرمائے تھے اب تو حضرت آدم علیہ السلام کے علم کی کوئی انتہا نہ رہی۔

روح البیان وغیرہ نے اس جگہ لکھا کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو تمام فرشتوں اور اپنی اولاد کے سارے نام

اور حیوانات

جمادات

پرندوں

چرندوں

اور ہر وہ جاندار جو قیامت تک پیدا ہونے والے ہیں۔ تمام شہروں اور گاؤں ہر کھاتی پیتی چیز اور جنت کی ہر نعمت بلکہ یوں کہو کہ ہر چھوٹی چیز کے نام بھی بتادیئے گئے۔ یہاں تک کہ پیالہ اور ڈھال اور دودھ نکالنے کا برتن بلکہ آہستہ اور زور سے گوز مارنے کے نام بھی بتادیئے گئے۔

ثُمَّ عَرَضَهُمْ

سے معلوم ہوا کہ فقط غائبانہ نام ہی نہ بتائے گئے تھے بلکہ دیکھنے والی چیزیں دکھائی گئی تھیں یعنی جو چیزیں قیامت تک بھی پیدا ہونے والی تھیں۔

مثلاً

ریلوے

موٹر کار

ٹیلی فون

ریڈیو

ہوائی جہاز

ٹی وی

وغیرہ یہ سب چیزیں ان کو دکھا کر ان کے نام اور بنانے کی ترکیبیں اور ان کے سارے حالات بتا دیئے گئے اور پھر ان سب چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ فرشتوں پر ہی یہ ساری چیزیں پیش کی گئی تھیں کیونکہ اس جگہ ملائکہ میں کوئی قید نہیں ہے۔

نیز

حکمت پوچھنے والے سارے ہی فرشتے تھے اور چونکہ ان چیزوں میں بعض عقل والی اور بعض بے عقل تھیں۔ اس لئے طریق تغلیب عرضھم فرمایا گیا۔

فَقَالَ اَنْبِئُوْنِیْ

یہ امر ملائکہ کی عاجزی کے اظہار کے لئے ہے کیونکہ جب انہیں ناموں کی خبر ہی نہ تھی تو اللہ تعالیٰ سے کیا عرض

خیال رہے کہ

یہاں انبئونی فرمایا گیا یعنی صرف خبر ہی دے دو جو کہ علم سے ادنیٰ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں ان چیزوں کا پورا علم تو کیا ہوتا معمولی خبر بھی نہیں ہے۔

بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ

لفظ اسماء پہلے آچکا تھا اور اب یہاں دوبارہ اس لئے کہا گیا: وہاں اس سے سب چیزوں کی حقیقت اور اس کے سارے حالات اور نام مراد ہیں اس لئے وہاں علم وکلھا فرمایا گیا تھا لیکن یہاں نام ہی مراد ہیں کہ

اے فرشتو!

تم دوسرے حالات تو کیا بیان کرو گے فقط ان کے نام ہی بتا دو ورنہ یہاں ضمیر ہی کافی تھی یعنی

بِهَا اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

فرشتوں نے جو کچھ عرض کیا تھا وہ بظاہر بالکل سچ تھا کیونکہ واقعی انسانوں میں فساد بھی ہوگا اور واقعی فرشتے رب عزوجل کی تسبیح وتقدیق بھی کرتے تھے لیکن ان دو باتوں سے جو انہوں نے نتیجہ نکالا تھا جس کو صاف بیان نہ کیا اس میں غلطی تھی۔ اس آیت میں ان کی اس غلط فہمی کو دور کرنا منظور ہے وہ یہ سمجھتے تھے کہ خلافت عابد اور معصوم کا حق ہونا چاہئے نہ کہ اس جماعت کا جس

میں گناہ و جرم بھی ہوتے ہوں۔ یہاں ان کو فرمایا گیا کہ انتظام سلطنت صرف عبادت نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ رعایا کے سارے حالات کی خبر ہونا ضروری ہے۔ تم کو نام بھی نہیں معلوم اور حالات کیا معلوم ہوں گے۔

تفسیر عزیزی میں اس کے دوسرے نہایت نفیس معنی بیان کئے گئے۔

وہ یہ کہ

ملائکہ سمجھتے تھے کہ ہم حق تعالیٰ کی کامل حمد و تسبیح ہیں لہٰذا ہم بھی کامل عابد ہیں۔

اس آیت میں فرمایا گیا کہ

کامل حمد وہ کرسکتا ہے جو حق تعالیٰ کے سارے نام اور صفات سے واقف ہو اور پورا شکر وہی بجالاسکتا ہے جو اس کی ساری نعمتوں کی خبر رکھتا ہو۔

اے فرشتو!

جب تمہیں ساری نعمتوں کا نام تک معلوم نہیں اور رب عزوجل کی صفات اور سارے ناموں کا پورا پتہ نہیں تو تم اس کی پوری حمد اور شکر کیسے کر سکتے ہو۔

اے فرشتو!

پوری حمد بھی وہی کرے گا جس کا علم کامل ہوگا غرضیکہ اس میں فرشتوں کو جھوٹا کہنا منظور نہیں بلکہ ان کی غلط فہمی کو دور کرنا۔

اس آیت مبارکہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

(1) یہ کہ علم خلوتوں اور تنہائیوں کی عبادت اور چلہ کشی سے افضل ہے کیونکہ رب عزوجل نے آدم علیہ السلام کی افضلیت علم ہی سے ظاہر ہوئی۔

(2) انبیاء کرام فرشتوں سے افضل ہیں۔

(3) برا چیزوں کا جاننا برا نہیں کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو ہر بری بھلی چیز کا علم دیا گیا اور اس سے ان کی افضلیت ظاہر فرمائی گئی۔

نیز

سب سے بری چیز کفر ہے لیکن اس کا بچنے کے لئے سیکھنا فرض ہے۔

نیز

حق تعالیٰ کو بھی بری بھلی باتوں کا علم ہے اگر بری بات جاننا برا ہوتا تو حق تعالیٰ اس سے پاک ہوتا اور لہٰذا وہابیوں، بندیوں کا یہ کہنا کہ بری چیز کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف ہے محض غلط ہے۔

(4) اللہ تعالیٰ نبیوں کو علم لدنی بخشتا ہے جیسا کہ علم سے معلوم ہوا کہیں ثابت نہیں کہ کوئی نبی کسی کا شاگرد ہوا سوائے

...السلام کے کہ آپ علیہ السلام علم شریعت بلکہ علم اسرار وطریقت حاصل کرنے خضر علیہ السلام کے پاس گئے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول ص:270 تا 274 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کا علم عطا فرمایا حتیٰ کہ چھوٹی بڑی چیزوں کا علم بھی عطا فرمایا گیا۔

حضرت ابن عباس، عکرمہ، قتادہ اور ابن جبیر رضی اللہ عنہم نے (وعلم ادم الاسماء کلھا) اس آیت کی تفسیر یوں بیان فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو چھوٹی بڑی تمام اشیاء کے سب کے نام لکھا دیئے۔

(ضیاء القرآن عربی ص:47، ج:1 ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

حضرت آدم علیہ السلام کو پیالہ اور پیالی کا علم

حضرت آدم علیہ السلام کو ادنیٰ سی ادنیٰ چیز کا علم بھی عطا فرمایا گیا۔

یہاں تک کہ پیالہ اور پیالی کا علم بھی عطا فرمایا گیا۔

تفسیر درمنثور میں ہے۔

یہاں تک کہ آپ علیہ السلام کو پیالہ اور پیالی کا علم سکھایا گیا۔

(درمنثور: ج:111، ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

اور تفسیر مظہری میں حضرت عباس و ماجہد و قتادہ رضی اللہ عنہم سے کہ

آپ علیہ السلام کو ہر چیز کا علم سکھایا گیا یہاں تک کہ پیالہ اور پیالی کا علم بھی۔

(تفسیر مظہری عربی: ص:59، ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

...نڈی کا علم

حضرت آدم علیہ السلام کے علم کی وسعت اتنی زیادہ تھی کہ چھوٹی سی چھوٹی چیزوں کو بھی جانتے تھے۔ جیسا کہ ہانڈی کے ...ے میں فرمایا گیا۔

تفسیر درمنثور میں ہے۔

آپ علیہ السلام کو پیالہ اور ہانڈی کا علم بھی سکھایا گیا۔

(درمنثور ص:111، ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

اور تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

آپ علیہ السلام کو پیالہ اور ہانڈی کے نام بھی سکھائے گئے۔

(تفسیر ابن کثیر: عربی، ص:205، ج:1، مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

تفسیر ابن کثیر میں ہے

آپ علیہ السلام کو پیالہ اور ہانڈی کا علم بھی دیا (تفسیر ابن کثیر ص:205، ج:1، مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

ہر چیز کے اسماء کا نام سکھا دیا گیا

آپ علیہ السلام کو ہر چیز کے اسماء کا نام سکھا دیا گیا۔

تفسیر خازن میں ہے۔

آپ علیہ السلام کو ہر چیز کے اسماء کا نام سکھا دیا گیا۔

(تفسیر خازن عربی ص:44، ج:1، مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

اور تفسیر درمنثور میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام نام سکھا دیئے۔

(تفسیر درمنثور عربی، ص:111، ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

تفسیر مظہری میں ہے۔

حضرت ابن عباس، حضرت مجاہد و حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا

آپ علیہ السلام کو ہر چیز کو علم سکھا دیا یہاں تک کہ پیالہ اور پیالی کا علم بھی۔

(تفسیر مظہری، عربی، ص:59، ج:1، مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

اور تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

حضرت سعید بن جبیر اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا

آپ علیہ السلام کو ہر چیز کا علم سکھا دیا گیا۔

(تفسیر ابن کثیر عربی: ص:205، ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

اشیاء کی صفات کا علم سکھا دیا

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اشیاء کی صفات کا علم بھی سکھایا۔

چنانچہ تفسیر کبیر میں ہے۔

یعنی آپ علیہ السلام کو اشیاء کی صفات کا علم سکھایا اور ان کی عمدگی اور ان کی خاصیت بھی سکھا دی۔

(تفسیر کبیر عربی، ص:397، ج:1، مکتبہ اسلامیہ لاہور)

اسی تفسیر کبیر میں ہے۔

آدم علیہ السلام کو چیزوں کے نام سکھا دیئے۔

(تفسیر کبیر: ص:398، ج:1، مکتبہ اسلامیہ لاہور)

جانوروں کے نام سکھا دیئے

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جانوروں کے نام سکھا دیئے۔

تفسیر درمنثور میں ہے۔

آپ علیہ السلام کو جانوروں کے نام سکھا دیئے یہاں تک کہ اونٹ، گائے اور بکری کے نام بھی سکھا دیئے گئے۔

(تفسیر درمنثور عربی ص:111 ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

آپ علیہ السلام کو ہر جانور کا نام سکھایا۔

(تفسیر ابن کثیر ص:205، ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

اور اسی تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

یہ وہ اسماء ہیں جو لوگوں میں متعارف ہیں۔

انسان

جانور

آسمان

زمین

سمندر

خشکی

اونٹ

گدھا

اور ان کے علاوہ جو قوموں میں پائی جاتی ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ص:205، ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

تعالیٰ نے جو چیز پیدا کی سکھادی

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں جو چیز پیدا کی حضرت آدم علیہ السلام کو سکھادی۔

تفسیر درمنثور میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو چیز پیدا کی سکھادی۔

(تفسیر درمنثور عربی ص:112، ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

لاد کے نام سکھادیئے

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو [illegible] ہوگا اور کہاں رہے گا سب کچھ سکھا

دیا۔

تفسیر درمنثور میں ہے۔

آپ علیہ السلام کو تمام اولاد کے نام سکھا دیئے۔

(تفسیر درمنثور، ص:112، ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

اور تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

آپ علیہ السلام کو تمام اولاد کے نام سکھا دیئے۔

(تفسیر ابن کثیر ص:205، ج:1، مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

تمام ملائکہ کے نام سکھا دیئے

حضرت آدم علیہ السلام کے علم کی اتنی حد درجہ وسعت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو ملائکہ کے نام بھی سکھا دیئے۔

چنانچہ درمنثور میں ہے۔

آپ علیہ السلام کو ملائکہ کے نام سکھا دیئے گئے۔

(درمنثور عربی ص:112، ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

اور تفسیر مظہری میں ہے۔

حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا

آپ علیہ السلام کو ملائکہ کے نام سکھا دیئے گئے۔

(تفسیر مظہری عربی، ص:59، ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

اور تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا

آپ علیہ السلام کو تمام ملائکہ کے اسماء سکھا دیئے گئے۔

(تفسیر ابن کثیر عربی، ص:205، ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

پیشوں میں سے ایک ہزار پیشے کا علم

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام پیشے سکھا دیئے جو کہ آپ علیہ السلام کی اولاد نے اختیار کرنا تھا۔

چنانچہ تفسیر درمنثور میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو پیشوں میں سے ایک ہزار پیشہ بھی سکھا دیا۔

(تفسیر درمنثور، ص:112، ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

پرندے کا نام سکھادیا

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے علم کی وسعت اتنی وسیع فرمادی کہ پرندوں کے نام بھی سکھادیئے۔

چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو ہر جانور اور ہر پرندے، ہر چیز اور ہر اولاد کے نام سکھادیئے۔

(تفسیر ابن کثیر عربی ص:205، ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

تمام زبانوں کا علم عطا فرمایا

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو تمام زبانوں کا علم عطا فرمایا اور ان کو بولنا بھی سکھادیا۔

چنانچہ حاشیہ الجمل علی الجلالین میں ہے۔

آپ علیہ السلام کو تمام زبانیں سکھادیں لیکن آپ علیہ السلام کی اولاد زبانوں میں مختلف ہوگئی بعض نے عربی یاد رکھی اور بعض بھول گئے اور بعض نے ترکی یاد رکھی اور بعض بھول گئے۔

(حاشیہ الجمل علی الجلالین عربی ص:59، ج:1 مکتبہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

قیامت تک کے نام سکھادیئے

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو قیامت تک کے نام سکھائے جو پیدا ہوں گے اور رکھے جائیں گے۔

چنانچہ تفسیر مظہری میں ہے۔

آپ علیہ السلام کو قیامت تک ہونے والے نام سکھادیئے گئے۔

اور ربیع بن انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا

ملائکہ کے نام سکھادیئے گئے

اور یہ بھی کہا گیا

آپ علیہ السلام کی اولاد کے نام سکھادیئے گئے

اور یہ بھی کہا گیا

ہر شی کی صفت علم سکھادیا گیا۔

اہل تاویل نے کہا:

آدم علیہ السلام کو تمام زبانیں سکھادی گئیں پھر آپ علیہ السلام کی ہر اولاد نے اِس میں کلام کیا۔

(تفسیر مظہری عربی ص:59، ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

تمام ستاروں کے نام سکھادیئے

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو ستاروں کے نام بھی سکھادیئے۔ یہ علم کی وسعت پر دال ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

حمید شامی نے فرمایا

آپ علیہ السلام کو ستارون کے نام سکھادیئے گئے

اور عبدالرحمٰن بن زید نے فرمایا

آپ علیہ السلام کی تمام اولاد کے نام سکھادیئے۔

اور ابن جریر نے فرمایا

ملائکہ کے نام سکھادیئے گئے اور اولاد کے نام سکھادیئے گئے۔

(تفسیر ابن کثیر عربی ص:205، ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

دریا اور پہاڑوں کے نام سکھادیئے

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو دریا اور پہاڑوں کے نام بھی سکھادیئے کہ یہ دریا ہے اور یہ پہاڑ ہے۔

چنانچہ امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی 211ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ وعلم ادم الاسماء کلھا

کے تحت فرماتے ہیں۔

حضرت آدم کو ہر ایک چیز کے نام بتادیئے گئے کہ یہ دریا ہے یہ پہاڑ ہے اس طرح تمام چیزوں کے بتائے پھر بھی ا

ملائکہ پر پیش کئے گئے۔

اور فرمایا

اَنۡۢبِـُٔوۡنِیۡ بِاَسۡمَآءِ هٰٓـؤُلَآءِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ

(تفسیر عبدالرزاق ص:43، ج:1 مکتبۃ الرشید ریاض)

تمام جنسوں کے نام بتادیئے

حضرت آدم علیہ السلام کو تمام جنسوں کے نام بتادیئے اور ان کو دکھا بھی دیا۔

تفسیر مدارک میں ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام بتانے کے معنی یہ ہین کہ رب تعالیٰ نے ان کو وہ تمام جنسیں دکھادیں جو

پیدا کیا ہے اور ان کو بتادیا کہ اس کا نام گھوڑا اور اس کا نام اونٹ اور اس کا نام فلاں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

ان کو ہر چیز کے نام سکھا دیئے۔ یہاں تک کہ پیالی اور چلو کے بھی۔

(تفسیر مدارک ص:45،ج:1 مطبوعہ مکتبۃ القرآن والسنۃ پشاور)

تمام ہنر کے قانون ان کے اوزاروں کی تفصیل سکھادی

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو آئندہ ہونے والے کام اور ان کا ہنر اور ہنر کے لئے جو اوزار استعمال ہوتے ہیں بتا کر سکھا دیئے اور ان کا استعمال بھی سکھا دیا۔

تفسیر ابی السعود میں ہے۔

کہا گیا ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو گزشتہ اور آئندہ چیزوں کے نام بتائے گئے۔

اور کہا گیا ہے کہ

اپنی ساری مخلوق کے نام بتائے۔ عقلی، حسی، خیالی، وہمی چیزیں بتا دیں۔ ان چیزوں کی ذات، ان کے نام ان کے خاصے ان کی پہچان علم کے قواعد و ہنر ان کے قانون ان کے اوزاروں کی تفصیل اور ان کے استعمال کے طریقے کا علم حضرت آدم علیہ السلام کو الہام فرمایا۔

(تفسیر ابی السعود ص:84،ج:1 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

میدان و سمندر کا علم

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام نام سکھا دیئے اور وہ نام یہی ہیں جو لوگ جانتے ہیں۔

جیسے

انسان

چوپایہ

زمین

میدان

سمندر

پہاڑ

گدھا

اوراس کی مانند دیگر مخلوقات کی۔

(تفسیر طبری:ص:170،ج:1 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

تمام چیزوں کے اوصاف اوران کے حالات سکھادیئے

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کوتمام چیزوں کے اوصاف اوران کے حالات بھی سکھادیئے۔

تفسیر کبیر میں ہے۔

آدم علیہ السلام کوتمام چیزوں کے اوصاف اوران کے حالات سکھادیئے۔

اور یہ ہی مشہور ہے کہ

مرادمخلوق میں سے ہرحادث کی جنس کے سارے نام ہیں جومختلف زبانوں میں ہوں گے جن کواولادآدم آج تک بول رہی ہے۔

عربی

فارسی

رومی وغیرہ

(تفسیر کبیر ص:397،ج:1 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

تمام اشیاءموجودات کے نام سکھادیئے

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کوتمام اشیاءموجودات کے نام سکھادیئے۔

چنانچہ جامع الاحکام القرآن میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کوتمام اشیاءموجودات کے نام سکھادیئے۔

خواہ بڑی تھیں یا چھوٹی۔

(الجامع الاحکام القرآن ص:282،ج:1 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام کوسات لاکھ زبانیں سکھائی گئیں

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کوسات لاکھ زبانیں سکھائیں اورآپ علیہ السلام کی اولاد میں یہی زبانیں معروف ہیں۔

تفسیرروح البیان میں ہے۔

اور حضرت آدم علیہ السلام کو چیزوں کے حالات سکھائے اور جو کچھ ان میں دینی و دنیاوی نفع ہیں وہ بتائے۔ ان کو فرشتوں کے نام ان کی اولاد اور حیوانات اور جمادات کے نام بتائے اور ہر چیز کا بنانا بتانا شہروں اور گاؤں کے نام پرندوں اور درختوں کے نام جو ہو چکا یا جو کچھ بھی ہوگا ان کے نام اور جو قیامت تک پیدا فرمائے گا ان کے نام اور کھانے پینے کی چیزوں کے نام جنت کی ہر نعمت غرضیکہ ہر چیز کے نام بتائے۔

حدیث مبارکہ میں ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو سات لاکھ زبانیں سکھائی گئیں۔

(تفسیر روح البیان ص 136، ج:1 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فرشتوں کے نام اور اولاد کے نام سکھا دیئے

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں کے نام اور آپ علیہ السلام کی اولاد کے نام سکھائے اور ان کی زبانیں بھی سکھا دیں۔

تفسیر خازن میں ہے

کہا گیا:

حضرت آدم علیہ السلام کو تمام فرشتوں کے نام سکھا دیئے۔

اور کہا گیا ہے کہ

ان کی اولاد کے نام

اور کہا گیا:

ان کو تمام زبانیں سکھا دیں۔

(تفسیر خازن ص:42 ج:1 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

اور تفسیر کبیر میں جو یہ فرمایا گیا کہ

آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے اوصاف اور حالات سکھائے اس سے مراد مخلوق میں سے ہر حادث کی جنس کے سارے نام ہیں جو مختلف زبانوں میں ہوں گے۔

اسی کی تائید کرتے ہوئے امام ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں اور یہ معنی جیسا کہ آگے آرہا ہے بیان کیا گیا ہے اور اسی معنی کا کلہا مقتضی ہے کیونکہ یہ اسم احاطہ اور عموم کے لئے موضوع ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قیامت کے دن ایمان والے اکٹھے ہوں گے

عرض کریں گے۔

کاش ہمارے رب عزوجل کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ہماری سفارش کردے۔
پس وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے
اورعرض کریں گے
آپ علیہ السلام لوگوں کے باپ ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے بنایا اور آپ علیہ السلام
اپنے فرشتوں سے سجدہ کروایا اور آپ علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام سکھادیئے۔
(الجامع لاحکام القرآن،ص:282،ج:1مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)
علامہ شہاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:
اس سے مراد جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب کے نام ہیں۔
(تفسیر روح المعانی ص:224،ج:1،مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)
امام ابی سعود محمد العمادی متوفی 951ھ لکھتے ہیں:
اور یہ قول بھی ہے کہ
جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب کے نام مراد ہیں۔
(تفسیر ابی السعود،ص:84،ج:1مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)
امام حسین بن مسعود بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:
اور یہ قول بھی ہے کہ
جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب کے نام مراد ہیں۔
(تفسیر معالم التنزیل ج:1،ص:61مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت)
غیر مقلدوں کے امام محمد بن علی شوکانی متوفی 1250ھ لکھتے ہیں:
اللہ تعالیٰ کے فرمان''کلھا'' کی تاکید کا فائدہ یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام نام سکھادیئے اور اس سے جو کچھ ہونے والا ہے اور جو کچھ ہو چکا ہے کوئی شے
خارج نہیں۔
(تفسیر فتح القدیر،ص:64،ج:1مطبوعہ دارالفکر بیروت)
حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:
صحیح یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے نام ان کی شکلیں اور ان کے افعال کا علم عطا فرما دیا تھا۔
(تفسیر ابن کثیر،ص:73،ج:1مطبوعہ دارالفکر بیروت)

ان تمام تفاسیر سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ما کان اور یکون کے تمام علوم عطا فرمائے گئے جس سے معلوم ہوا حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام اور وہ کیا کریں گی کہاں رہیں گی اور وہ آپس میں کیا تعلقات رکھیں گے سب سب معلوم تھے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا علم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ تھا

جواب

حضرت آدم علیہ السلام کا علم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے دریا کا ایک قطرہ یا میدان کا ایک ذرّہ ہے۔

جیسا کہ جاء الحق میں ہے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

حق یہ ہے کہ یہ علم (یعنی حضرت آدم علیہ السلام کا علم) میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے دریا کا ایک قطرہ یا میدان کا ذرہ ہیں۔

(جاء الحق ص:86، مکتبہ غوثیہ)

اور تفسیر نعیمی میں ہے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

خیال رہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کا علم اس قدر وسعت کے باوجود ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دریا کا قطرہ ہے کیونکہ ان کا اس چیز کو بھی گھیرے ہوئے ہے کہ جہاں تک الفاظ و نام بلکہ کسی کا خیال بھی نہیں پہنچتا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل: ص:271 نعیمی کتب خانہ لاہور)

اور تفسیر روح البیان میں ہے۔

اولیاء اللہ کا علم انبیاء کرام علیہم السلام کے سامنے ایسا ہے جیسے قطرہ سات سمندروں کے سامنے اور انبیاء کرام علیہم السلام کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے سامنے اسی درجہ کا ہے۔

(تفسیر روح البیان ج:2، ص:257 دار احیاء التراث العربی بیروت)

قرآن مجید میں ہے:

اَلرَّحْمٰنُ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ○ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ○ (رحمان 1 تا 4)

رحمان نے محبوب کو قرآن سکھایا۔ انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا ما کان و ما یکون اس کو سکھایا۔

روح البیان میں ہے۔

یعنی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ نے قرآن اور اپنی ربوبیت کے بھید سکھا دیے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

آپ کو سکھا دیں وہ باتیں جو آپ نہ جانتے تھے۔

(تفسیر روح البیان ج:9 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اور تفسیر خازن میں ہے۔

کہا گیا ہے کہ

انسان سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ ان کو اگلے پچھلے امور کا بیان سکھا دیا گیا کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اگلوں اور پچھلوں کی اور قیامت کے دن کی خبر دے دی گئی۔

(تفسیر خازن ص:208، ج:4 مطبوعہ دار المعرفتہ بیروت)

تفسیر مدارک میں ہے۔

انسان سے مراد جنس انسانی ہے یا آدم علیہ السلام یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم۔

(تفسیر مدارک ص:265، ج:2 مطبوعہ مکتبہ القرآن والسنۃ پشاور)

امام حسین بن مسعود بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

ابن کیسان فرماتے ہیں!

اس آیت کریمہ میں انسان سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور بیان سے مراد جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اولین وآخرین اور یوم حشر کی خبر دیتے ہیں۔

(تفسیر معالم التنزیل ص:267، ج:4، مطبوعہ دار المعرفتہ بیروت)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن کیسان فرماتے ہیں کہ

یہاں انسان سے مراد تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور بیان سے مراد حلال وحرام اور ہدایت وگمراہی کو جدا کرنے والا بیان ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ

اس سے مراد ہے جو کچھ ہو چکا اور جو آئندہ ہوگا کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اولین وآخرین اور یوم حشر کی خبر دیتے ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن ص152، ج:17 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ابی الفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

انسان سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اور بیان سے مراد ہے کہ

جو کچھ پہلے ہو چکا ہے اور جو آئندہ ہونے والا ہے اور یہ ابن کیسان کا قول ہے۔

(زاد المسیر: ص: 106، ج: 8 مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)

علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی 1223ھ لکھتے ہیں:

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ

اس سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے کیونکہ وہی انسان کامل ہیں۔

اور بیان سے مراد ہے۔

ہر اس واقعے کا علم جو ہو چکا ہے اور جو ہوگا اور (قیامت تک) ہونے والا ہے۔

(الصاوی علی الجلالین: ص: 153، ج: 4 مطبوعہ القاہرہ مصر)

آیت نمبر 2)

قرآن مجید میں ہے:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ (پارہ: 10 سورہ: 9، آیت: 65)

اور اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو گے تو کہیں گے ہم تو یوں ہی ہنسی کھیل میں تھے۔

امام مجاہد بن جبر المخزومی التابعی متوفی 109ھ اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ایک منافق نے کہا:

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں یہ حدیث سناتے ہیں کہ

فلاں شخص کی اونٹنی فلاں وادی میں فلاں فلاں دن ہے یہ غیب کو کیا جانیں۔

(تفسیر مجاہد تحت سورۃ التوبہ: ص: 283، ج: 1 مطبوعہ المنشورات العلمیہ بیروت)

آیت نمبر 3)

وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (پارہ: 2، سورہ: 2، آیت: 143)

تفسیر عزیزی میں اسی آیت کے تحت ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نور نبوت کی وجہ سے ہر دین دار کے دین کو جانتے ہیں کہ دین کے کس درجہ تک پہنچا ہے اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور کون سا حجاب اس کی ترقی سے مانع ہے پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے گناہوں کو اور تمہارے ایمانی درجات کو اور تمہارے نیک بد اعمال اور تمہارے اخلاص اور نفاق کو پہچانتے ہیں۔ لہٰذا ان کی گواہی دینا میں بحکم امت کے حق میں قبول اور واجب العمل ہے۔ (تفسیر عزیزی: ص: 518، ج: 1 مطبوعہ ہند)

تفسیر خازن میں اسی آیت کے تحت ہے۔

پھر قیامت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا جائے گا پس رب تعالیٰ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے حالات پوچھے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی صفائی کی گواہی دیں گے اور ان کی سچائی کی گواہی دیں گے۔

(تفسیر خازن ص:87 ج:1 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

تفسیر مدارک میں ہے۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا جائے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے حال پوچھیں جائیں گے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی صفائی بیان کریں گے اور ان کے عادل ہونے کی گواہی دے گا لہٰذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری عدالت کو جانتے ہیں۔

(تفسیر مدارک ص:88، ج:1 مطبوعہ مکتبہ القرآن والسنہ پشاور)

تفسیر روح البیان میں ہے۔

یہ اس بنا پر ہے کہ

کلمہ شہید میں محافظ اور خبردار کے معنی بھی شامل ہیں اور اس معنی کے شامل کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ کسی کو عادل کہنا اور صفائی کی گواہی دینا گواہ کے حالات پر مطلع ہونے سے ہوسکتا ہے۔

اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلمانوں پر گواہی دینے کے معنٰی یہ ہیں کہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہر دین دار کے دینی مرتبہ کو پہچانتے ہیں پس حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے گناہوں ان کے ایمان کی حقیقت کو، ان کے اچھے برے اعمال کو ان کے اخلاص اور نفاق وغیرہ کو نور حق سے پہچانتے ہیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بھی قیامت میں ساری امتوں کے یہ حالات جانے گی۔ مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے۔

(تفسیر روح البیان ص:136 ج:1 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

(آیت نمبر 4)

قرآن مجید میں ہے:

وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا (سورہ نساء: 41)

اور اے محبوب تم کو ان سب پر نگہبان بنا کر ہم لائیں گے۔

تفسیر نیشاپوری میں اس آیت کے تحت ہے۔

اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کے تمام روحوں اور دلوں اور نفسوں کے دیکھنے والی ہے۔

کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ عزوجل نے جو پہلے پیدا فرمایا وہ میرا نور ہے

اور تفسیر روح میں اسی آیت کے تحت ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اعمال صبح وشام پیش کیے جاتے ہیں لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کو ان کی علامات سے جانتے ہیں اور ان کے اعمال کو بھی اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر گواہی دیں گے۔

(تفسیر روح البیان، ص: 257، ج: 2 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

(آیت نمبر 5)

قرآن مجید میں ہے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ج (بقرہ: 255)

وہ کون ہے جو اس کے یہاں شفاعت کرے بغیر اس کے حکم کے جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔

تفسیر نیشا پوری میں اسی آیت کے تحت ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق کے پہلے کے اوّل معاملات بھی جانتے ہیں اور جو مخلوق کے بعد قیامت کے احوال ہیں وہ بھی جانتے ہیں۔

(تفسیر نیشا پوری تحت الآیۃ کریمہ)

اور تفسیر روح البیان میں ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق کے پہلے کے حالات جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے مخلوقات کو پیدا کرنے کے پہلے کے واقعات اور ان کے پیچھے کے حالات بھی جانتے ہیں۔ قیامت کے احوال کی گھبراہٹ اور رب تعالیٰ کا غضب وغیرہ

(تفسیر روح البیان ج: 1، ص: 43 مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

اور اسی تفسیر روح البیان میں ہے۔

احتمال یہ بھی ہے کہ

اس ضمیر سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہوں یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے حالات کو مشاہدہ فرمانے والے ہیں اور ان کے سامنے کے حالات جانتے ہیں۔ ان کے اخلاق، ان کے معاملات اور ان کے قصے وغیرہ اور ان کے پیچھے کے حالات وغیرہ اور ان کے پیچھے کے حالات بھی جانتے ہیں۔ آخرت کے احوال جنتی و دوزخی لوگوں کے حالات اور وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم معلومات میں سے کچھ بھی نہیں جانتے مگر اسی قدر جتنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں، اولیاء اللہ کا علم علم انبیاء کرام علیہم السلام کے سامنے ایسا ہے جیسے ایک قطرہ سات سمندروں کے سامنے اور انبیاء کرام علیہم السلام کا علم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے سامنے اسی درجہ کا ہے اور ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم رب العلمین کے سامنے اسی درجہ کا۔

پس ہر نبی اور ہر رسول اور ہر ولی اپنی اپنی استعداد اور قابلیت کے موافق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی لیتے ہیں اور کسی کو ممکن نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھ جائے۔

(تفسیر روح البیان ص:257، ج:2 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

(آیت نمبر 6)

قرآن مجید میں ہے:

وَ عَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ (نساء: 113)

اور تم کو سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔

تفسیر جلالین میں ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ

احکام اور علم غیب

(تفسیر جلالین ص:97)

تفسیر خازن میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن اتارا اور حکمت اتاری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے بھیدوں پر مطلع فرمایا اور ان کی حقیقتوں پر واقف کیا۔

(تفسیر خازن: ص:403، ج:1 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

امام حسین بن مسعود بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

(اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ سب علم عطا کر دیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتے تھے)

یعنی

احکام میں سب اور علم غیب میں سے

(تفسیر معالم التنزیل ص479، ج:1 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

تفسیر طبری میں ہے۔

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ سب باتیں بتا دیں جو قرآن کے نزول سے پہلے نہ جانتے تھے۔

(تفسیر طبری ج:5، ص:270 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تفسیر حسینی میں ہے۔

یہ ماکان و مایکون کا علم ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے شب معراج میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا

چنانچہ معراج شریف کی حدیث مبارکہ میں ہے کہ

ہم عرش کے نیچے تھے ایک قطرہ ہمارے حلق میں ڈالا پس ہم نے سارے گزشتہ اور آئندہ کے واقعات معلوم کر لئے۔

(تفسیر حسینی ج:1،ص:192)

تفسیر مدارک میں ہے۔

یعنی شریعت کے احکام اور دین کی باتیں سکھائیں۔

اور کہا گیا ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب میں وہ وہ باتیں سکھائیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ جانتے تھے۔

اور کہا گیا:

اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھپی ہوئی چیزیں سکھائیں اور دلوں کے راز پر مطلع فرمادیا اور منافقین کے مکرو فریب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتادیئے۔

دین اور شریعت کے امور سکھائے اور چھپی ہوئی باتیں دلوں کے راز بتائے۔

(تفسیر مدارک ص:282،ج:1،مطبوعہ مکتبۃ القرآن والسنہ پشاور)

امام ابن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا بیان ہے۔

ہدایت اور نصیحت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حکمت نازل کی ہے۔

حکمت سے مراد یہ ہے کہ

حلال

حرام

امر

نہی

دیگر احکام

وعد

وعید

اور ماضی

اور مستقبل کی خبریں

ان چیزوں کا کتاب میں اجمالاً ذکر کیا گیا ہے اور ان تمام چیزوں کی تفصیل ہم نے وحی خفی کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی ہے اور یہی حکمت کو نازل کرنے کا معنی ہے اور جن تمام چیزوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے جانتے تھے ہم نے سب کا علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرما دیا۔

اس کا معنی ہے۔

تمام اولین اور آخرین کی خبریں اور ما کان وما یکون پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کر دیا۔

(جامع البیان ج:4، ص:373 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن ہے اور حکمت کے متعلق تین قول ہیں۔

(1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے:

اس سے مراد وحی کے مطابق فیصلہ کرنا ہے۔

(2) مقاتل نے کہا:

اس سے مراد حلال اور حرام کا علم ہے۔

(3) ابو سلیمان دمشقی نے کہا:

اس سے مراد کتاب کے معانی کا بیان اور دل میں صحیح اور نیک بات کا القاء کرنا ہے۔

اور علمک مالم تکن تعلم کی تفسیر میں تین قول ہیں۔

(1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل نے کہا:

اس سے شریعت مراد ہے۔

(2) ابو سلیمان نے کہا:

اس سے مراد اولین اور آخرین کی خبریں ہیں۔

(3) اور ماوردی نے کہا:

اس سے مراد کتاب اور حکمت ہے

اور وکان فضل اللہ علیک عظیما کی تفسیر میں بھی تین قول ہیں۔

(1) ایمان عطا کرنے کا احسان

(2) نبوت عطا کرنے کا احسان

یہ دونوں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول ہیں

(3) ابو سلیمان دمشقی نے کہا:

اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فضائل اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام خصائص ہیں۔

(زادالمسیر۔ج:2،ص:197 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے دو محمل ہیں۔

ایک محل یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب اور حکمت کو نازل کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتاب کے اسرار پر مطلع فرمادیا اوران کے حقائق سے واقف کیا جب کہ اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں سے کسی چیز کا علم نہیں تھا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مستقبل میں بھی علم عطا فرمائے گا اور منافقین میں سے کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گمراہ کرنے اور بہکانے قادر نہیں ہو سکے گا۔

اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام اولین کی خبروں کا علم عطا فرمایا

اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے مکر اوران کے حیلوں کی خبر دے گا۔

پھر ارشاد فرمایا

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے۔

یہاں غور کرنا چاہیے کہ

اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو جو عطا فرمایا اس کے متعلق ارشاد فرمایا

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ○ (الاسراء: 85)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کو قلیل فرمایا

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ (نساء: 77)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ دیا اس کے متعلق ارشاد فرمایا

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا

سو جس کے سامنے ساری دنیا کا علم اور خود ساری دنیا قلیل ہے تو جس کے علم کو وہ عظیم کہہ دے اس کی عظمتوں کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

(تفسیر کبیر: ص:112 ج:3 بیروت)

احادیث مبارکہ سے دلائل

حضرت عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہو کر ہمیں خطبہ دیا۔ حتیٰ کہ ظہر کا وقت آ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور ظہر کی نماز پڑھائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر کا وقت آ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر منبر سے اترے اور نماز پڑھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر منبر کو زینت بخشی اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ما کان و ما یکون کی خبر دی سو ہم میں جس کا حافظہ زیادہ تھا اس کا علم زیادہ تھا۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: 2892 بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ عزوجل نے دنیا کو میرے لئے اٹھا لیا میں دنیا کی طرف اور جو کچھ قیامت تک دنیا میں ہونے والا ہے اس کی طرف دیکھ رہا ہوں جس طرح میں اپنی ان دو ہتھیلیوں کی طرف دیکھ رہا ہوں۔

(مجمع الزوائد، ج:8، ص:287 بیروت)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھانے کے لئے آنے میں دیر کر دی حتیٰ کہ سورج نکلنے کے قریب آ گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلدی جلدی نماز پڑھائی۔

پھر سلام پھیرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہ آواز بلند فرمایا

تم جس طرح بیٹھے ہو اپنی اپنی صفوں پر بیٹھے رہو۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا۔

میں عنقریب تم سے بیان کروں گا مجھے صبح آنے میں تاخیر کیوں ہو گئی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں رات کو اٹھا اور میں نے وضو کر کے اتنی نماز پڑھی جتنی میرے لئے مقدر کی گئی۔ پھر مجھے نماز میں نیند آ گئی۔ اچانک میں نے اپنے رب عزوجل کو نہایت حسین صورت میں دیکھا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)!

میں نے کہا:

میرے رب عزوجل لبیک

ارشاد فرمایا

مقرب فرشتے کسی چیز میں بحث کر رہے ہیں۔

میں نے کہا:

اے میرے رب عزوجل مجھے (از خود) علم نہیں۔ یہ مکالمہ تین بار ہوا۔

پھر میں نے دیکھا کہ

اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھ دیا اور میں نے اس کی پوروں کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں محسوس کی پھر ہر چیز مجھ پر منکشف ہوگئی اور میں نے جان لیا۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث: 3246 دار الفکر بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

آج رات میرا رب عزوجل میرے پاس بہت حسین صورت میں تشریف لایا یعنی خواب میں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا تم جانتے ہو کہ مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں۔

میں نے کہا:

نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھ دیا حتیٰ کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینہ کے درمیان پائی، سو میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا تم جانتے ہو کہ مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں۔

میں نے کہا:

ہاں! کفارات میں۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 3244 دار الفکر بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوموسیٰ بن عقبہ اور عروہ بیان کرتے ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بنی مصطلق سے لوٹے تو مدینہ شریف کے قریب سخت آندھی آئی قریب تھا کہ سارا لشکر ریت میں دب کر فنا ہو جاتا۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام پر ارشاد فرمایا۔

یہ آندھی ایک منافق کی موت کے لئے بھیجی گئی ہے چنانچہ جب ہم مدینہ منورہ پہنچے تو منافقین کا ایک سردار مر چکا تھا۔

اس منافق کا نام

''رفاعہ بن زید بن تابوت تھا''

شام کے وقت یہ آندھی تھی تو لوگوں نے اپنی سواریوں کو اکٹھا کیا۔ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہو چکی تھی جس کی وجہ سے لوگوں میں اس کے تلاش کے لئے بھاگ دوڑ پڑ گئی۔

ایک منافق نے انصار کی مجلس میں کہا

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ہمیں بڑے بڑے واقعات کی خبریں دیتے ہیں اب اللہ عزوجل انہیں ان کی اونٹنی کے بارے میں کیوں نہیں بتاتا۔ پھر منافق اٹھ کھڑا ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو سنے تو اس نے دیکھا کہ اللہ عزوجل نے اس کی یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتادی ہے۔

اس وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جبکہ وہ منافق سن رہا تھا کہ ایک منافق شخص نے یہ ہرزہ سرائی کی ہے۔محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہوگئی ہے اللہ عزوجل انہیں کیوں نہیں بتاتا کہ وہ اونٹنی اس وقت کہاں ہے۔

سن لو!

اللہ عزوجل نے مجھے آگاہ فرمادیا ہے کہ وہ اس وقت کہاں ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کوئی بالذات غیب کی بات نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے

سن لو!

وہ اونٹنی سامنے کی گھاٹی میں ہے اور اس کی مہار ایک درخت میں الجھی ہوئی ہے۔یہ سن کر لوگ اس اونٹنی کے پاس گئے

ے پکڑ کر لے آئے۔ وہ منافق بھاگتا ہوا ان لوگوں کے پاس آیا جن کی موجودگی میں اس نے وہ بات کہی تھی وہ لوگ ابھی اسی بیٹھے تھے اور ان میں سے کوئی بھی اٹھ کر نہ گیا تھا۔

اس نے کہا:

میں تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم میں سے کوئی ابھی تک اس مجلس سے اٹھا نہیں۔

وہ کہنے لگا

میری بات انہیں جا کر بتائی ہے۔

انہوں نے کہا:

نہیں! ہم میں سے کوئی ابھی اس مجلس سے نہیں اٹھا۔

وہ کہنے لگا۔

میری بات تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔ بخدا (عزوجل) میں اب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امر نبوت میں شک کرتا تھا۔ میں اب گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ عزوجل کے رسول ہیں۔

(دلائل النبوہ للبیہقی ج:4، ص:60 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرمائے اور خطبہ دیا

عبداللہ بن حذافہ کھڑے ہو کر عرض کیا۔

میرا باپ کون ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تیرا باپ حذافہ ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار فرمانے لگے مجھ سے پوچھو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوزانو بیٹھ کر عرض کی

ہم اللہ تعالیٰ کے رب عزوجل ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ نے یہ کلمہ تین مرتبہ دہراتے پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت اختیار فرمایا۔

(صحیح البخاری: کتاب العلم، ج:1، ص:20 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان ایک مجلس میں کھڑے ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء خلق سے خبر بیان کرنا شروع کیں حتیٰ کہ جنتیوں کے اپنے ٹھکانوں تک جانے اور جہنمیوں کو اپنے ٹھکانے تک جانے کی خبریں بیان کیں جس شخص نے اس کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے اس کو بھلا دیا۔

(صحیح بخاری: ج:1، ص:453 قدیمی کتب خانہ کراچی)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز عصر پڑھائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطاب فرمایا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک ہونے والی ہر شے کے بارے میں ہمیں خبر دے دی جس نے یاد رکھا سو یاد رکھا جس نے بھلا دیا بھول گیا۔

(سنن الترمذی: ابواب الفتن: ص:42، ج:2 مکتبہ اکرمیہ پشاور)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

انہوں نے کہا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان ایک جگہ کھڑے ہوئے اور قیامت تک جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کرے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کی خبر ہمیں دے دی جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا وہ بھول گیا۔

(خصائص الکبریٰ: ج:1، ص:184 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر ادا فرمائی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ بیٹھ گئے حتیٰ کہ چاشت کا وقت آ گیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ بیٹھے مسکرائے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر عصر اور مغرب ادا فرمائی کسی کے ساتھ کوئی گفتگو نہ فرمائی۔ پھر عشاء ادا فرمائی پھر اٹھ کر اہل خانہ کے پاس تشریف لے گئے۔

لوگوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا۔

کیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے آج کے عمل کے بارے میں دریافت نہیں کریں گے کہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا عمل نہیں فرمایا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہاں! دنیا وآخرت میں ہونے والے تمام امور میرے اوپر پیش کیے گئے۔

(مسند احمد: ج:1، ص:4 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ایک اور حدیث میں ہے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک مرتبہ سورج گرہن کے موقع پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوۃ الکسوف کے بعد ارشاد فرمایا!

ہر وہ شے جو مجھے پہلے نہیں دکھائی گئی تھی میں نے اپنی اس جگہ کھڑے دیکھ لی حتیٰ کہ جنت اور دوزخ بھی۔

(صحیح البخاری: کتاب العلم: ج:1، ص:18 قدیمی کتب خانہ کراچی)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال پر چھوڑا کہ کوئی پرندہ اپنے پر بھی نہیں ہلاتا مگر اس کا ہم کو علم بتا دیا۔

(مسند احمد، ج:5، ص:153 رقم الحدیث 1399 مطبوعہ مؤسسۃ قرطبہ مصر)

شفا شریف میں اسی طرح حدیث ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

انہوں نے کہا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس حال میں چھوڑا ہے کہ فضائے آسمان میں جو پرندہ پر مارتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازروئے علم ہم سے ذکر کر دیا ہے۔

(شفا شریف حقوق المصطفیٰ ج:1، ص:207 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اور مجمع الزوائد میں بھی یہ حدیث اس طرح ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

انہوں نے کہا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس حال میں چھوڑا ہے کہ فضائے آسمانی میں جو پرندہ پر مارتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ازروئے علم ہم سے اس کا ذکر کر دیا ہے۔

(مجمع الزوائد: کتاب علامات النبوۃ: ج:8، ص:264 مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت)

ایک اور حدیث میں ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نہیں چھوڑا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فتنہ چلانے والے کو دنیا کے ختم ہونے تک جن کی تعداد تین سو سے زیادہ پہنچے گی مگر ہم کو اس کا نام اس کے باپ کا نام اس کے قبیلے کا نام بتادیا۔

(مشکوۃ المصابیح: باب الفتن ص:463 قدیمی کتب خانہ کراچی)

ایک اور حدیث میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت داؤد علیہ السلام پر قرآن (زبور) کو اس قدر ہلکا کر دیا گیا تھا کہ وہ اپنے گھوڑوں کو زین لگانے کا حکم دیتے آپ علیہ السلام ان کی زین سے پہلے زبور پڑھ لیتے تھے۔

(صحیح البخاری: کتاب الانبیاء: ج:1، ص:475 قدیمی کتب خانہ کراچی)

ایک اور حدیث میں ہے کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی کہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے فرزند پیدا ہوگا جو تمہاری پرورش کرے گا۔

(مشکوۃ المصابیح: باب مناقب اہل بیت: ص:572 قدیمی کتب خانہ کراچی)

شیخ علامہ احمد بن محمد قسطلانی نے لکھا

کچھ شک نہیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی زائد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم دیا اور تمام اگلے پچھلوں کا علم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر القا فرمایا۔

(مواہب اللدنیہ: ج:3، ص:95 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں پر گزرے جن میں عذاب ہو رہا تھا۔

تو ارشاد فرمایا:

ان دونوں شخصوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور کہیں دشوار بات میں عذاب نہیں ہو رہا ہے۔ ان میں سے ایک تو پیشاب نہ بچتا تھا اور دوسرا چغلی کیا کرتا تھا پھر ایک تر شاخ کو لے کر اس کو آدھا آدھا چیرا پھر ہر قبر میں ایک ایک کو گاڑا

اور ارشاد فرمایا:

جب تک یہ ٹکڑے خشک نہ ہوں گے ان دونوں شخصوں سے عذاب میں کمی کی جائے گی۔

(صحیح البخاری: ج:1، ص:611 قدیمی کتب خانہ کراچی)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے

بخاری کتاب الاعتصام میں ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے پس قیامت کا ذکر فرمایا: اس سے پہلے بڑے بڑے واقعات ہیں۔

پھر ارشاد فرمایا:

جو شخص جو بات پوچھنا چاہے پوچھ لے۔ قسم خدا عزوجل کی! جب تک ہم اس جگہ یعنی منبر پر ہیں تم کوئی بات ہم سے نہ پوچھو گے مگر ہم تم کو اس کی خبر دیں گے۔

ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ

میرا ٹھکانہ کہاں ہے!

ارشاد فرمایا

جہنم میں

عبداللہ بن حذافہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ

میرا باپ کون ہے۔

ارشاد فرمایا

حذافہ

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار فرماتے رہے کہ پوچھو پوچھو۔

(صحیح البخاری: کتاب الاعتصام ج:2، ص:1083 قدیمی کتب خانہ کراچی)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم پر ہماری امت کے اعمال پیش کئے گئے اچھے بھی اور برے بھی ہم نے ان کے اچھے اعمال میں وہ تکلیف وہ چیز بھی پائی جو راستے سے ہٹادی جائے۔

(صحیح مسلم: کتاب المساجد، ج:1، ص:207 قدیمی کتب خانہ کراچی)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ فلاں شخص کے گرنے کی جگہ ہے اور اپنے دست مبارک کو ادھر ادھر زمین پر رکھتے تھے۔

راوی نے فرمایا:

کوئی بھی مقتولین میں سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی جگہ سے ذرہ بھی نہ ہٹا۔

(صحیح مسلم: کتاب الجہاد باب غزوہ بدر: ج:2،ص:102 قدیمی کتب خانہ کراچی)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کل یہ فلاں کے گرنے کی جگہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر ہاتھ رکھا اور کل یہ فلاں کے گرنے کی جگہ ہے ا
زمین پر ہاتھ رکھا اور کل یہ فلاں کے گرنے کی جگہ ہے اور زمین پر ہاتھ رکھا تھا کوئی شخص اس سے بالکل متجاوز نہیں ہوا۔ پھر رسو
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان کو گھسیٹ کر بدر کے کنویں میں ڈال دیا گیا۔

(سنن ابی داؤد: باب فی الاسیر: ج:3،ص:158 رقم الحدیث:2681 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت وابصہ اسدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

انہوں نے کہا:

میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس لئے آیا کہ نیکی اور بدی کے بارے میں پوچھوں مگر میرے پوچھنے سے
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے وابصہ (رضی اللہ عنہ)! کیا میں تمہیں بتا دوں جو تم مجھ سے پوچھنا چاہتے ہو؟

میں نے عرض کیا

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بتائیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم مجھ سے نیکی اور بدی کے بارے میں پوچھنے آئے ہو۔

میں نے عرض کیا

قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل صحیح ارشاد فرمایا ہے:

ارشاد فرمایا

نیکی وہ عمل ہے جس سے انشراح صدر تمہیں حاصل ہو۔

اور بدی وہ ہے جس سے تمہارے دل میں انقباض ہو۔ اگرچہ لوگوں نے تم اسے اس کے کرنے کو کہا ہو۔

(دلائل النبوۃ: ص:115 رقم الحدیث:19 مطبوعہ دار طیبہ الریاض)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:
امام بیہقی نے ایک انصاری سے روایت کی۔
اس نے کہا:
ایک عورت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کی دعوت کی جب کھانا رکھا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لقمہ لے منہ میں اسے چبایا۔
تو ارشاد فرمایا
میں اس گوشت کو اس بکری کا پاتا ہوں جسے ناحق پکڑ لیا گیا تھا۔
اس عورت سے پوچھا گیا۔
اس عورت نے کہا:
اس کی ہمسائی نے اس گوشت کو اپنے شوہر کی اجازت لئے بغیر بھیجا تھا۔
(دلائل النبوۃ: ج:6،ص:310 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)
اسی طرح سنن ابوداؤد میں ہے۔
انصار کے ایک آدمی سے روایت ہے کہ
ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں گئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر کھودنے والے کو وصیت فرمارہے کہ پیروں کی جانب سے قبر کو کشادہ کرو اور سر کی جانب سے قبر کو کشادہ کرو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو عورت کی طرف سے دعوت دینے والا آیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کی دعوت کو قبول کر لیا اور ہم بھی آپ صلی اللہ وسلم کے ساتھ تھے۔پس کھانا لایا گیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ رکھا پھر قوم نے اپنا ہاتھ رکھا سب نے کھایا۔ہم نے ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے منہ میں ایک لقمہ چبا رہے تھے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
مجھے یہ علم ہوا کہ یہ اس بکری کا گوشت ہے جس کو اس کے مالک کی مرضی کے بغیر لیا گیا ہے پھر اس عورت کو بلایا گیا۔
اس نے کہا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!میں نے کسی کو منڈی کی طرف بھیجا تھا تا کہ میرے لئے بکری خرید لی جائے تو بکری نہیں ملی۔ نے اپنے پڑوسی کو پیغام بھیجا جس نے ایک بکری خریدی تھی کہ وہ بکری مجھے قیمت کے عوض بھیج دے تو وہ پڑوسی نہیں ملا۔میں کی بیوی کو پیغام بھیجا تو اس نے وہ بکری مجھے بھیج دی۔
تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کھانا قیدیوں کو بھیج دو۔

(سنن ابی داؤد: باب فی اجتناب الشبہات ج:3،ص:244،رقم الحدیث 3332 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھے۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تمہارے پاس اہل جنت کا ایک شخص آ رہا ہے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔

(المستدرک: کتاب معرفۃ الصحابۃ، ج:3،ص:73 رقم الحدیث:4443 دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس وقت تم پر وہ شخص چمکے گا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بعد اس سے بہتر و بزرگ تر کسی کو نہیں بنایا اور اس کی شفاعت انبیاء کرام علیہم السلام کی شفاعت کی مثل ہوگی۔ پس ہم حاضر ہی تھے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نہ آئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا پھر ان کو بوسہ دیا اور گلے لگایا۔

(تاریخ بغداد ج:3،ص:124 رقم الحدیث:1141 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو ارادہ رکھتا ہو کہ میں زمین پر چلتا پھرتا شہید دیکھوں تو اسے چاہئے کہ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھے۔

(اعلام النبوۃ: باب الثانی عشر فی اندارہ:ص:181 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم ازواج میں سے وہ زوجہ مجھ سے سب سے پہلے ملے گی جو تم سب میں دراز دست ہے تو ہم ناپتی تھیں کہ کس کے ہاتھ طویل ہیں تو وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کے ہاتھ طویل تھے کیونکہ وہ اپنے ہاتھ سے عمل کرتیں اور صدقہ دیا کر

(صحیح مسلم،رقم الحدیث:101 بیروت)

امام محمد بن حبان بن احمد ابو حاتم تمیمی متوفی 354ھ لکھتے ہیں:

وہ (زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات ہونے والی سب سے پہلی بیوی تھی۔

(الثقات،ج:3،ص:144،رقم الحدیث:485 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت عبدالرحمٰن ابزی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ

میں نے مدینہ منورہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے زینب رضی اللہ عنہا زوج النبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا پہلی زوجہ تھیں جنہوں نے وفات پائی پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہیں۔

(حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء،ج:8،ص:211 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ان احادیث مبارکہ سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم صرف آدم علیہ السلام سے زیادہ نہیں بلکہ جتنے بھی انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے سب سے زیادہ ہے اور کیوں نہ ہو کہ جس کے صدقے بھی تمام کائنات کو حیات ملی ہے اس مقدس ہستی کا علم کیوں زیادہ نہ ہوگا۔ یہاں پر صرف دلائل کے لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو واضح کیا ہے ورنہ قرآن واحادیث مبارکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم گواہ ہیں اور سمندر کی طرح موجزن ہیں۔

حقیقتاً حضرت آدم علیہ السلام کو اولاد دکھائی گئی

جی ہاں! حضرت آدم علیہ السلام کو اولاد دکھائی گئی، اور آپ علیہ السلام نے ان کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ بھی عرض کیا یہ کون لوگ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یہ آپ کی اولاد ہے جس کی تائید اس حدیث مبارکہ میں ملتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو قیامت تک ان کی اولاد کی پیدا ہونے والی روحیں ان کی پشت سے جھڑ گئیں اور ان میں سے ہر انسان کی دونوں آنکھوں کے سامنے نور کی شعاعیں تھیں۔ پھر ان لوگوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کیا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا:

اے میرے رب عزوجل! یہ کون لوگ ہیں۔

ارشاد فرمایا

تمہاری اولاد ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا وہ شخص اور اس کی نور کی شعاعیں انہیں بہت اچھی لگیں۔

پوچھا

اے میرے رب عزوجل! یہ کون شخص ہے۔

ارشاد فرمایا

یہ تمہاری اولاد کے آخری لوگوں میں سے ایک شخص ہے اس کا نام داؤد (علیہ السلام) ہے۔

کہا

''اے میرے رب عزوجل! تو نے ان کی عمر کتنی مقرر کی ہے۔

ارشاد فرمایا

ساٹھ سال

کہا

اے میرے رب عزوجل! میری عمر میں سے اس کی عمر چالیس سال زیادہ کر دے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کی عمر پوری ہوگئی تو ان کے پاس ملک الموت آئے۔

کہا

کیا میری عمر میں سے ابھی چالیس سال باقی نہیں ہیں۔

انہوں نے کہا:

کیا یہ چالیس سال آپ (علیہ السلام) نے اپنے بیٹے داؤد (علیہ السلام) کو نہیں دیئے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کر دیا سوان کی اولاد نے بھی انکار کر دیا اور حضرت آدم علیہ السلام بھول گئے۔ سوان کی اولاد بھی بھول گئی اور حضرت آدم علیہ السلام نے (اجتہادی) خطا کی سوان کی اولاد نے بھی خطا کی۔

(سنن الترمذی: ج:5، رقم الحدیث 3087 بیروت)

ایک اور روایت میں یوں ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کے دائیں کندھے پر مارا اور سفید رنگ کی اولاد نکالی۔ وہ چیونٹیوں کی مثل تھے اور بائیں کندھے پر مارا اور اس سے ان کی سیاہ رنگ کی اولاد نکالی وہ کوئلوں کی طرح تھے۔

پھر دائیں جانب والوں کے لئے ارشاد فرمایا۔

یہ جنت کی طرف ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔

اور بائیں جانب والوں کے لئے ارشاد فرمایا

یہ دوزخ کی طرف ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔

ابراہیم مزنی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا۔

کیا فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا۔

انہوں نے کہا:

ہاں! اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو کعبہ کی طرح کر دیا تھا اور فرشتوں کو ان کی طرف سجدہ عبادت کا حکم دیا جس طرح اس نے اپنے بندوں کو کعبہ کی طرف سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

قتادہ نے کہا:

حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں رہنے اور کھانے پینے کا حکم دیا اور ایک درخت سے منع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت علیہ السلام کو آزمائش میں مبتلا کیا جس طرح اس سے پہلے فرشتوں کو مبتلا کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر مخلوق کو اطاعت میں مبتلا کیا ہے جس طرح اس سے پہلے زمین اور آسمان کو اطاعت میں مبتلا کیا تھا۔

ان سے ارشاد فرمایا

تم دونوں خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہو جاؤ۔

انہوں نے کہا:

ہم خوشی سے حاضر ہوتے ہیں۔

سو آدم علیہ السلام کو آزمائش میں مبتلا کیا اور ان کو جنت میں رکھا۔

ارشاد فرمایا

جہاں سے چاہو فراخی سے کھاؤ اور ایک درخت کے کھانے سے منع فرما دیا۔ یہ آزمائش قائم رہی حتیٰ کہ انہوں نے اس منع کا ارتکاب کریں۔ اس وقت ان کی شرم گاہ کھل گئی اور ان کو جنت سے اتار دیا گیا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

اے میرے رب عزوجل! اگر میں توبہ کرلوں اور اصلاح کرلوں تو کیا جنت کی طرف لوٹا دیا جاؤں گا۔

اور تب انہوں نے کہا:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (الاعراف: 23)

اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان

اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ فرمائی اور اللہ عزوجل کے دشمن بلیس نے اپنے گناہ کا اعتراف کیا اور نہ توبہ کی لیکن اس نے قیامت تک کی مہلت مانگی تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی دعا قبول کی۔ حضرت آدم علیہ السلام کو معاف فرما دیا اور شیطان کو قیامت تک کی مہلت دے دی۔

(تاریخ دمشق ج:4، ص:220 تا 221 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ ابن عساکر رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْؕ قَالُوْا بَلٰىۛۚ شَهِدْنَاۛۚ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَo (الاعراف: 172)

''اور جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کی جانوں پر انہیں گواہ بنا دیا (فرمایا) کیا میں تمہارا رب نہیں؟ سب نے کہا: کیوں نہیں! ہم نے گواہی دی تاکہ قیامت کے دن تم یہ نہ کہو کہ ہم اس سے بے خبر تھے۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تم پر سات آسمانوں کو گواہ کرتا ہوں اور تم پر تمہارے باپ آدم کو گواہ کرتا ہوں تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم کو اس کا علم نہ تھا۔ جان لو کہ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے لہٰذا تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ میں عنقریب تمہارے پاس رسول بھیجوں گا جو تم کو میرا عہد اور میثاق یاد دلائیں گے اور تم پر اپنی کتابوں کو نازل کروں گا۔

انہوں نے کہا:

ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب عزوجل اور ہمارا معبود ہے اور تیرے سوا ہمارا کوئی رب عزوجل نہیں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان میں غنی اور فقیر کو اور خوبصورت اور بدصورت لوگوں کو دیکھا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا؛

میرے رب عزوجل! اگر تو اپنے بندوں کو ایک جیسا کر دیتا۔

ارشاد فرمایا

مجھے یہ پسند ہے کہ میرا شکر ادا کیا جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان میں انبیاء کرام علیہم السلام کو دیکھا ان کے چہرے چراغ کی طرح منور تھے۔ ان کو رسالت اور نبوت کے میثاق کے ساتھ خاص کیا گیا تھا۔

اس کے متعلق یہ آیت کریمہ ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰى وَعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ۪ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًاo (الاحزاب: 7)

اور جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے اور نوح اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ بن مریم سے اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا۔

(تاریخ دمشق ج:4،ص:219 تا 220 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اولاد دکھائی گئی اور آپ علیہ السلام نے اپنی تمام اولاد حتیٰ کہ نبی در نبی کو ملاحظہ فرمایا۔ آپ علیہ السلام کی اولاد میں جس طرح کے پیشہ ہوں گے اور جس طرح اولاد اپنا گزر بسر کرے گی سب آپ علیہ السلام پر ظاہر فرما دیا۔ یہ تمام آپ علیہ السلام کی خصوصیات اور فضائل میں سے ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو علم کی وجہ سے فائدہ

سات انبیاء کرام علیہم السلام کو علم کی وجہ سے فائدے حاصل ہوئے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

سات پیغمبروں کو علم کی وجہ سے بڑے بڑے فائدے حاصل ہوئے۔

(1) حضرت آدم علیہ السلام کو ان کے علم نے فرشتوں سے سجدہ کرادیا۔

(2) حضرت خضر علیہ السلام کو علم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات عطا کی۔

(3) حضرت یوسف علیہ السلام کو علم نے قید سے نکال کر تخت و تاج شاہی عطا کیا۔

(4) حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم نے بلقیس جیسی صاحب جمال اور صاحب تخت و تاج والی بیوی عطا کی۔

(5) حضرت داؤد علیہ السلام کو علم نے بادشاہی دی۔

(6) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علم نے ان کی ماں سے تہمت دور کرائی۔

(7) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر خلافت الٰہیہ اور شفاعت کبریٰ کا سہرا باندھا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول: ص: 274 نعیمی کتب خانہ لاہور)

ملائکہ کا اشیاء کے نام نہ بتانا اور عاجز آجانا

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اشیاء کے نام سکھائے اور پھر سب ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا تم سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ تو ملائکہ نے کہا: یا اللہ تیری پاکی بولتے ہیں۔ ہمیں تو کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا وہی جانتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ○ (بقرہ: 32)

بولے پاکی ہے تجھے ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں جو فرشتوں نے اپنی عاجزی ظاہر کی اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ ہم تیری پاکی بولتے ہیں تو نے ہمیں

جو کچھ سکھایا ہے ہم وہی جانتے ہیں۔

(1) قَالُوْا: سے یہ ظاہر ہوتا کہ تمام ملائکہ نے یک زبان ہو کر عرض کیا یا ہر ایک نے براہ راست یا بعض مقربین نے سب کی طرف سے۔

(2) سُبْحٰنَكَ سے معلوم ہوا کہ

فرشتے گزشتہ سے سوال سے معذرت کر رہے ہیں اس لئے انہوں نے بھی کہا یا اس لفظ سے اپنا مقصود عرض کر رہے ہیں کہ خداوند عزوجل ہم تجھ کو ہر عیب سے پاک جانتے ہیں کہ تو نے حضرت آدم علیہ السلام کو بلا وجہ زیادہ علم دے دیا اور ہم کو کم بلکہ ہم سمجھتے ہیں کہ تو نے ہر ایک کو بقدر قابلیت عطا فرمایا۔ بے شک ہم میں اس قدر علم کی استعداد نہیں ہے کمی ہمارے لینے میں ہے نہ کہ تیری عطا میں

لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط سے معلوم ہوا کہ

اس میں فرشتوں نے اپنی عاجزی کا نہایت عمدہ طریقے سے اقرار کیا کہ مولیٰ عزوجل ہم بذات خود تو تمام کمالات سے خالی ہیں اور بھی ایک کمال ہے ہم میں جو کچھ کمال ہے وہ تیرا دیا ہوا ہے چونکہ اس علم کی طرف سے عطا نہیں ہوئی۔ اس لئے ہماری کیا مجال کہ ہم تیرے حضور محض اپنی اٹکل اور قیاس سے کچھ کہہ دیں مولیٰ عزوجل ہم کو اپنی کم علمی کا اقرار ہے۔

علم صدہا قسم کے ہیں۔

جن میں سے بعض عقلی ہیں اور بعض نقلی ہیں۔

مگر یہ سارے علوم ملتے رب عزوجل کی عطا سے اس لئے لاعلم میں جنس کی علم کی نفی ہے۔

جیسے

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ میں اور لا نبی بعدی میں

اس کا مطلب یہ نہیں کہ

خدایا کوئی چیز سکھا کر امتحان لیا جاتا ہے جب تو نے ہمیں ان کے نام سکھائے ہی نہیں تو ہمارا امتحان کیوں لے رہا ہے۔ اس لئے کہ انک انت العلیم الحکیم تو ہی ہر چیز کا جاننے والا ہے اور کامل حکمت والا ہے تو ہر ایک کی قابلیت اور لیاقت بھی جانتا ہے اور یہ بھی کون کسی نعمت کے لائق ہے جس قدر علم کے لائق ہم تھے وہ ہم کو دیا اور جس کے لائق حضرت آدم علیہ السلام تھے۔ وہ ان کو چیونٹی کو کن (ذرہ) اور ہاتھی کو من (ایک من وزن) دیتا ہے۔

خلاصہ

جب فرشتوں کو حکم ہوا کہ تم ان چیزوں کے نام بتاؤ تو وہ سمجھ گئے کہ اس سے ہمارا امتحان مقصود نہیں ہے کیونکہ امتحان تو سکھائی ہوئی چیز کا لیا جاتا ہے۔ انہوں نے دغدغہ اور بلا تامل اپنی عاجزی کا اقرار کر لیا مگر اس نفیس طریقے سے کہ سبحان اللہ بظاہر تو

(وجل کی حمد کی لیکن اس حمد میں اللہ تعالیٰ کی صفات اور اپنے قصور کا اقرار کرلیا اور یہی توبہ کی حقیقت ہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنی عاجزی کو خود اپنی طرف نسبت دی نہ کہ رب عزوجل کی طرف یعنی یہ نہ کہا کہ مولیٰ عزوجل تو نے ہمیں بہت کم علم دیا۔ آدم علیہ السلام کو زیادہ

بلکہ یہ عرض کیا کہ

ہم میں اتنے ہی علم کی طاقت تھی جتنا تو نے عطا فرمایا۔ تیرا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

شیطان نے کہا:

بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ (حجر: 39)

مولیٰ تو نے مجھے گمراہ کردیا۔

اس لئے تو وہ مردود ہوا اور یہ سب محبوب رہے۔

یہ بھی خیال رہے کہ

شیطان بھی اشیاء کے نام نہ بتا سکا اس لئے سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے اپنا نار سے پیدا ہونا بیان کیا نام بتانے کی جرأت نہ کر سکا اب جو شخص یہ کہے کہ شیطان کا علم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ وہ اس آیت کا منکر ہے۔ اس کا علم تو حضرت آدم علیہ السلام کے کروڑوں حصے بھی نہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل، ص: 278، نعیمی کتب خانہ لاہور)

تفسیر نور العرفان میں یوں بیان فرمایا:

یہ عجز کا کلام سارے فرشتوں کا ہے شیطان کا نہیں وہ تو حاسد بن چکا تھا خاموش رہا۔

خیال رہے کہ

شیطان بھی چیزوں کے نام نہ بتا سکا اس لئے وہ بھی سجدے کے حکم میں داخل تھا۔

معلوم ہوا کہ

شیطان کا علم حضرت آدم علیہ السلام سے بھی کہیں کم تھا جو کہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے اس کا علم زیادہ ہے۔ وہ بے ایمان ہے۔

(تفسیر نور العرفان: ص: 8، نعیمی کتب خانہ گجرات)

حضرت آدم علیہ السلام کا سب چیزوں کے نام بتانا

جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو فرمایا: تم ان چیزوں کے نام بتاؤ تو وہ عاجز آگئے تب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے آدم (علیہ السلام) آپ ہی ان کو سب چیزوں کے نام بتائیں تو حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو سب چیزوں کے نام بتائے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ يٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ (بقرہ: 33)

فرمایا اے آدم بتادے انہیں سب اشیاء کے نام جب آدم علیہ السلام نے انہیں سب کے نام بتادیئے فرمایا میں نہ کہتا تھا کہ میں جانتا ہوں آسمانوں اور زمین کی چھپی چیزیں اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔

اس آیت کریمہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے نام بتانے کا ذکر ہوا ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام فرشتوں سے زیادہ ہے۔

قال یآدم سے معلوم ہوا کہ

اب رب عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اے آدم (علیہ السلام)!

خیال رہے کہ

قرآن کریم میں سارے پیغمبروں کو نام لے کر پکارا مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ ان کے پیارے ص کے ساتھ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِیُّ

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ

يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ

(يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ) وغیرہ

خیال رہے کہ

پکارنے سے پکارنے سے چند مقصود ہوئے ہیں۔

(1) غافل کو بیدار کرنا

(2) کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنا

(3) محبت کا ظاہر کرنا

جیسے کہ

اے میرے پیارے

(4) غضب اور قہر کا ظاہر فرمانا

جیسے کہ

اے خبیث

انبیاء کرام علیہم السلام کو اکثر محبت کے اظہار کے لئے پکارا جاتا ہے کیونکہ وہ حضرات رب عزوجل سے غافل نہیں ہوتے۔
ہم جو دعا میں رب عزوجل کو پکارتے ہیں اس کو غافل سمجھ کر نہیں پکارتے بلکہ یا تو محبت کی وجہ سے یا اس کا کرم حاصل کرنے کے لئے

ظاہر یہ ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام سے رب عزوجل کا یہ کلام بلاواسطہ ہے بطور الہام یا خواب بھی نہیں بلکہ صراحتاً ہے اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب کلیم اللہ نہیں۔

کلیم اللہ وہ ہے۔

جو زمین پر رہتے ہوئے بلاواسطہ رب عزوجل سے ہم کلام ہو کہ رب عزوجل فرمائے اور وہ سنے وہ عرض کرے اور رب عزوجل سنے یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے یہ کلام جنت میں ہوا اور اگر زمین پر ہے تو کی دوطرفہ ہم کلام نہیں۔ معراج میں ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کلامی ہوئی مگر زمین پر نہیں عرش سے دو۔

اَنۡۢبِئۡهُمۡ

اس جگہ انبا فرمایا گیا

جس کے معنی ہیں۔

خبر دے دو

اور حضرت آدم علیہ السلام کے لئے علم ارشاد ہوا تھا۔

جس کے معنی ہیں۔

سکھا دیا۔

اس لئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ہر چیز کا پورا پورا علم دیا گیا اور انہوں نے حاصل کر لیا جس سے کہ وہ عالم کل کہلانے مستحق ہوئے مگر حضرت آدم علیہ السلام نے ان چیزوں کی فقط خبر دے دی خواہ فرشتوں کو اس سے علم حاصل ہوا ہو یا نہ ہو۔

بِاَسۡمَآئِهِمۡ

اسماء کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ چاہئے تھا کہ یہاں ضمیر لائی جاتی مگر وہاں چونکہ اسماء سے مراد سارے صفات و حالات تھے ان فقط چیزوں کے نام اس لئے اسماء ہی فرمایا گیا۔

جس سے معلوم ہوا کہ

حضرت آدم علیہ السلام کے برابر کے عالم نہ ہوئے۔

(تفسیر عزیزی: تحت آیۃ کریمہ)

فَلَمَّآ اَنۡۢبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ

حضرت آدم علیہ السلام نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔

روح البیان نے اسی جگہ فرمایا:

حضرت آدم علیہ السلام کے لئے منبر بچھایا گیا اور تمام ملائکہ ان کے سامنے بیٹھے۔ آپ علیہ السلام نے اس پر کھڑے ہو کر تمام چیزوں کے نام بیان فرمائے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجلس وعظ تھی نہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کا مدرسہ۔ اس سے ہماری پہلی تقریر کی تائید ہوتی ہے۔

اس آیت سے یہی معلوم ہو رہا ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام نے یہ سارے نام آن کی آن میں بتا دیئے کچھ دیر نہ لگی کیونکہ انبأ افعال سے ہے یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ تھوڑے وقت میں بڑے سے بڑا کام کرلیا جائے ورنہ بے شمار چیزوں کا نام بتانے کے لئے بڑا وقت درکار تھا۔ آج فرشتوں کی عبادت حضرت آدم علیہ السلام کا وعظ سننا تھا سب کی تمام ڈیوٹیاں ختم کر کے یہاں حاضری کا حکم دیا گیا۔ صحبت ساری عبادات سے افضل ہے۔

آج

نمازی

حاجی

غازی

قاری

بن سکتے مگر صحابی کوئی نہیں بن سکتا۔

سبحان اللہ حضرت آدم علیہ السلام نے تو اپنے زمانہ میں فرشتوں کو یہ سب کچھ بتا دیا لیکن ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک مرتبہ منبر پر قیام فرما کر ابتدائے پیدائش سے قیامت تک کے سارے حالات پورے بیان کر دیئے۔

جیسا کہ بخاری شریف میں ہے بلکہ مسند امام احمد میں ہے کہ

قیامت تک اگر کوئی پرندہ پر بھی ہلائے گا۔ اس کی خبر بھی دے دی وہ پہلے کی مجلس تھی اور یہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری مجلس وہاں سننے وا[illegible] یہاں بھی اسماء اس لئے فرمایا گیا صرف [illegible]

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ

جب حضرت آدم علیہ السلام کا کمال علمی فرشتوں کو معلوم ہو چکا تب رب عزوجل نے فرمایا: میں نے تم سے نہ کہا تھا یہ
ام انکاری ہے یعنی کہا تھا کہ

اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کہ میں آسمان اور زمین کی چھپی ہوئی چیزیں جانتا ہوں بہت پرلطیف بات یہ ہے کہ اس واقعہ سے فرشتوں کو حضرت آدم
السلام کا علم غیب معلوم ہوا تھا۔

مگر رب عزوجل نے فرمایا:

اس سے تم کو میرا علم معلوم ہو گیا جس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا کمال رب عزوجل کا کمال آئینہ ہے۔ انہی کی
ت سے رب عزوجل کی عظمت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ شاگرد کی قابلیت سے استاد کا پتہ چلتا ہے۔

دیوبندیوں کے یہاں خدا عزوجل کی تعظیم نبیوں کی توہین سے ہوتی ہے۔

ان کی شیطانی توحید کے معنی ہیں۔

پیغمبروں کو گالی دینا۔

(معاذ اللہ)

لیکن مسلمانوں کے نزدیک نبیوں کی عزت میں رب کی اور اسلام کی عزت ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ

فرشتے بھی بغیر انبیاء کرام علیہم السلام کے وسیلہ سے خدا تعالیٰ عزوجل کی ذات و صفات کو نہیں جان سکتے تو ہم تم کس شمار
یں کیونکہ اس آیت میں رب عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام کے علم کو اپنے علم کی دلیل بنایا

اور فرمایا:

اے فرشتو! اب تک تم نے ہم کو دلیل جانا تھا تو آج دلیل سے پہچان لو کہ آدم کے علم کو دیکھ کر ہمارے علم کا پتہ لگا لو کہ اگرچہ
ن پیدائش ان سے بہت پہلے ہے تمام جہان کی تم نے سیر کر ڈالی اور تم عالم بالا کے رہنے والے اور یہ ذات عالم سفلی کی
ت میں سے ایک اور ابھی ابھی پیدا ہوئے انہوں نے کہیں کی بھی پرواہ نہ فرمائی لیکن ان کو زمین و آسمان کے ایسے راز معلوم
کو نہیں معلوم اور جو چیزیں کہ ان سے ہزاروں برس پہلے پیدا ہو چکیں۔ یہ ان تمام کے پورے واقف ہیں۔

اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ

م مفسرین فرماتے ہیں کہ

اس کے معنی یہ ہیں: اے فرشتو!

میں تمہاری ہر ظاہری بات اور چھپے ہوئے خیال کو جانتا ہوں یعنی بظاہر تم نے یہ کہا تھا کہ

انسان فساد و خون ریزی کرے گا اور ہم تیری تسبیح و تہلیل کرتے ہیں مگر تمہارے دل میں یہ تھا کہ ہم ہی خلافت کے مستحق ہیں۔ بھلا اس سے افضل اور زیادہ علم والی کون سی مخلوق پیدا ہو سکتی ہے اس میں رب عزوجل کی قدرت کا انکار نہیں تھا بلکہ یہ ان کی سمجھ میں نہ آ سکتا تھا کہ ہم سے بڑھ کر بھی کوئی پیدا ہو گا کیونکہ ہم نوری ہیں اور نور سب سے اعلیٰ ہم بہت پہلے پیدا ہو چکے ہیں اور ساری دنیا کا تجربہ کر چکے ہیں۔ اب جو کوئی نیا پیدا ہو گا وہ یقیناً ہم سے علم میں کم ہو گا۔

رب عزوجل نے فرمایا:

اے فرشتو! ہم تمہاری کہی ہوئی بات اور چھپا ہوا خیال جانتے ہیں۔

مگر تفسیر کبیر نے اس جگہ نئی بات فرمائی۔

وہ یہ کہ

عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

فرشتوں کی ظاہری بات سے ان کا یہ قول مراد ہے جو انہوں نے بارگاہ الٰہی عزوجل میں پیش کیا اور چھپی ہوئی بات سے ابلیس کا دلی ارادہ مراد ہے کہ اس نے آدم علیہ السلام کی خبر پاتے ہی دل میں سوچ لیا تھا کہ میں ان سے بڑا ہوں اور کبھی بھی ان کی اطاعت نہیں کروں گا چونکہ ابلیس بھی فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا اور انہی میں سے اس کا بھی شمار تھا لہٰذا اس کے خیال کو سب کی طرف نسبت کر دیا گیا قوم میں سے بعض کا کام ؟؟؟ کی طرف نسبت پا جاتا ہے۔

تو مطلب یہ ہوا کہ

فرشتو جو بات تم نے ظاہر طور پر کی وہ بھی ہم جانتے ہیں اور جو کچھ تم میں سے بعض نے ارادہ کر لیا ہے اس کی بھی ہمیں خبر ہے۔

تفسیر عزیزی نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا:

فرشتوں کی بعض صفتیں بالکل ظاہر تھیں

جیسے

رب عزوجل کی عبادت کرنا

اور ان کا گناہوں سے معصوم ہونا وغیرہ وغیرہ

اور بعض صفتیں ایسی چھپی ہوئی تھیں جن کی خود ان کو بھی خبر نہ تھی کہ ہم کو رب عزوجل نے یہ قوتیں بھی عطا فرمائی ہیں۔

جیسے کہ

عورت کے رحم میں بچہ بنانا

مسجدوں کی خدمت کرنا

لوگوں کی جانیں نکالنا

قبر کے سوالات

اللہ والوں سے محبت رکھنا

نمازیوں اور حاجیوں کی مدد کرنا

زندوں کی نذر و نیاز مردوں تک پہنچانا

مسلمانوں کے درود سبز گنبد کے اندر لے جا کر شہنشاہ کونین کی خدمت میں حاضر کرنا

وحی اتارنا

انبیاء کرام علیہم السلام تک کتابوں کا پہنچانا وغیرہ وغیرہ کہ ان کو ان صفتوں کا پتہ نہ تھا۔ اگر حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد پیدا نہ ہوتی تو ہرگز فرشتوں کی یہ صفتیں ظاہر نہ ہوتیں۔

اس لئے رب عزوجل نے فرمایا:

اے فرشتو! ہم ظاہری صفتوں کو بھی جانتے ہیں اور تمہارے باطنی کمالات کو بھی اس لئے ہم نے اس خلیفہ کو پیدا کیا لہٰذا تم پر اس خلیفہ کا بڑا حق اس کی بدولت تم اپنی حقیقت سے آگاہ ہو گئے انہی کے سبب سے تمہارا درجہ بارگاہ الٰہی عزوجل میں بڑھا۔ زمین کی قوت اور اس میں بویا ہوا تخم لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتا۔ بارش ان سب چیزوں کو ظاہر کرتی ہے۔ فرشتوں کے قلوب مختلف استعداد کی زمین تھے ان کی چھپی ہوئی قوتیں تو بویا ہوا تخم تھا۔ خلیفہ اللہ آدم علیہ السلام رحمت الٰہی عزوجل کی بارش تھے جن کی تشریف آوری سے سب کے مختلف کمالات ظاہر ہو گئے۔

جیسے

ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے صدیق و زندیق علیحدہ علیحدہ ہو کر لکھے گئے۔

خلاصہ

جب فرشتوں نے اپنی معذوری اور کم علمی کا اقرار کر لیا اور بارگاہ الٰہی عزوجل میں اپنی عرض معروض کی معذرت کی تب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ علیہ السلام ان کو سب چیزوں کے نام بتا دیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے حکم پاتے ہی آناً فاناً بلا تامل سب کچھ ان کو بتا دیا جب اس واقعہ سے فرشتوں کو اپنی عاجزی اور حضرت آدم علیہ السلام کے کمال علمی کا ثبوت ہو گیا تب رب تعالیٰ نے ان کو متنبہ کرنے کو فرمایا: تم اپنے دل میں کیا سمجھتے تھے اور ظاہر کیا ہوا میں ہی ہر چیز کی حکمت اور مصلحت زمین و آسمان کی پوشیدہ باتیں تمہارے ظاہری اور باطنی حالات جانتا ہوں الغرض اس آیت میں انی اعلم مالا تعلمون کی شرح

ہوگئی۔ یہ تمہارا تعجب کرنا بے جا تھا ہم جو کچھ کرتے ہیں اس میں ہزارہا حکمتیں ہوتی ہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول: ص: 279 تا 282 نعیمی کتب خانہ لاہور)

تفسیر نور العرفان میں اسی آیت کے تحت فرمایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو نام سکھائے نہیں بلکہ صرف بتائے جیسے واعظ ایک مجلس میں پچاس مسئلے لوگوں کو سنا دے اس سے وہ لوگ عالم نہیں بن جاتے۔ لہٰذا فرشتے حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ناموں کے عالم نہ بن سکے۔ وہاں علم فرمایا تھا یہاں انباء۔

(نور العرفان: ص: 8 نعیمی کتب خانہ گجرات)

حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم

جب حضرت آدم علیہ السلام کی علمی فضیلت ظاہر ہوگئی اور فرشتے سب چیزوں کے نام بتانے سے عاجز آ گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ (بقرہ: 34)

اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا آدم کو سجدہ کرو۔

اس آیت کریمہ میں فرشتوں سے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ سجدہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے تھا۔

وَاِذْ قُلْنَا

ظاہر یہ ہے کہ سجدے کا حکم آدم علیہ السلام کے کمال علمی کے ظاہر کرنے کے بعد ہوا کہ جب فرشتے ان کی قابلیت اور لیاقت دیکھ چکے تب ان سے فرمایا گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔

لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ

یہ حکم آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔

کیونکہ دوسری جگہ قرآن مجید فرما رہا ہے۔

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ (ص: 72)

لیکن ان دونوں باتوں کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہی سجدے کا حکم دیکر ان کو اس کے لئے تیار کر دیا گیا تھا۔ اب اس کے علم کے ظہور کے بعد سجدہ کرایا گیا یعنی سجدہ کرانا بعد میں۔

مال آتے ہی زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے لیکن سال گزرنے پر ادا کرائی جاتی ہے۔

خیال رہے کہ

قلنا جمع کا صیغہ ہے رب تعالیٰ نے اپنے لئے واحد کا صیغہ بھی فرمایا ہے۔

بیان توحید کے لئے جمع کا بھی اظہار عظمت کے لئے مگر بندہ ہمیشہ رب عزوجل کے لئے واحد کا صیغہ استعمال کرے جمع کبھی نہ بولے کہ اس میں شرک کی بو ہے۔ اس لئے کسی نبی کسی ولی نے کسی دعا یا عرض معروض میں رب عزوجل کے لئے جمع کا کبھی نہ بولا یہ جمع بدعت سیہ سنت کے خلاف مشرک کی موہم ہے۔ یہ نہ کہو کہ رب عزوجل فرماتے ہیں کہو فرماتا ہے۔

لِلْمَلٰٓئِكَةِ

بعض لوگوں نے یہاں زمین کے فرشتے مراد لئے ہیں۔

یعنی

یہ سجدہ اور تعظیم وغیرہ صرف زمین کے فرشتوں نے ادا کیا لیکن یہی ہے کہ یہاں سارے فرشتے مراد ہیں کیونکہ آدم علیہ السلام کی فضیلت سارے ہی فرشتوں پر ظاہر ہوئی اور سب ہی نے ان کی شاگردی کی تو چاہئے کہ سجدہ اور تعظیم بھی سب ہی کریں۔

نیز

اس جگہ ملائکہ میں کوئی قید نہیں ہے تو بلاوجہ قید لگانا معتبر نہیں ہوگی۔

نیز

آئندہ ارشاد ہو رہا ہے۔

كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ

یعنی سب نے مل کر سجدہ کیا پھر اتنی تاکیدوں کے ہوتے ہوئے خاص کرنے کا اعتبار نہیں۔

اسْجُدُوْا

یہ لفظ سجدہ سے بنا ہے۔

جس کے لغوی معنی ہیں۔

عاجزی اور فرمانبرداری کرنا

قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ (الرحمن: 6)

اور عربی شعراء نے بھی اس معنی میں اس کو استعمال کیا ہے مگر شریعت میں زمین ہر پریشانی رکھنے کو سجدہ کہا جاتا ہے۔

بشرطیکہ اس میں سجدہ کی نیت بھی ہو بلکہ سجدہ میں سات عضوزمین پر لگنے چاہئیں۔

پاؤں کے دونوں انگوٹھے

دونوں گھٹنے

دونوں ہتھیلیاں

اور ایک ناک پیشانی

سجدہ دو قسم کا ہے۔

(1) سجدہ تعبدی

(2) سجدہ تعظیمی

(1) سجدہ تعبدی

سجدہ تعبدی یہ ہے کہ کسی کو اپنا خالق مان کر اس کے لئے جھکے۔

(2) سجدہ تعظیمی

سجدہ تعظیمی یا سجدہ تحیت یہ کہ کسی کو فقط بزرگ جان کر اس کے سامنے سر زمین پر رکھے۔

سجدہ تعبدی خدا عزوجل کے سوا کسی دوسرے کو کرنا شرک ہے۔ کسی بھی دین میں جائز نہ ہوا۔ سجدہ تعظیمی پہلی امتوں جائز تھا۔

چنانچہ

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان کو سجدہ کیا اس جگہ سجدے میں چار قول ہیں۔

(1)

ایک یہ کہ یہاں فقط تعظیم مراد ہے یعنی لغوی سجدہ لیکن یہ قول نہایت ہی ضعیف ہے بلکہ قرآنی آیتوں کے خلاف اس لئے کہ قرآن کریم نے کہیں تو فرمایا ہے۔

فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ (ص: 72)

اور کہیں فرمایا

خَرُّوْا (یوسف: 100)

دونوں کے معنی ہیں۔

گر جانا فقط، تعظیم میں گرنا نہیں ہوتا۔

(2) دوسرا قول یہ ہے: اس فقط جھکنا مراد ہے۔ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ یہی فرماتے ہیں لیکن یہ قول بھی

ں کیونکہ اس میں بھی گرنا نہیں ہوتا اور قرآن کریم سے گرنا ثابت ہے۔

نیز

قرآن کریم کی عبارتوں میں شرعی معنی چھوڑ کر لغوی معنی مراد لینا بڑے فتنے کا دروازہ کھولنا ہے کیونکہ اگر آپ سجدے سے کنایا تعظیم کرنا مراد لیتے ہیں تو بعض لوگ اقیمو الصلوٰۃ میں صلوٰۃ کے لغوی معنی یعنی فقط دعا بھی مراد لے سکیں گے۔

(3) تیسرا قول یہ ہے: یہاں سجدے سے مراد زمین پر پیشانی لگانا ہی ہے اور فرشتوں کو اسی کا حکم ہوا تھا لیکن اس میں پھر دو ل ہیں۔

بعض فرماتے ہیں کہ

سجدہ عبادت تھا یعنی سجدہ اللہ تعالیٰ کو تھا اور آدم علیہ السلام مثل قبلہ کے

جیسا کہ

ہم کعبہ کے سامنے جھک کر اللہ تعالیٰ کو کرتے ہیں ایسے ہی فرشتوں نے آدم علیہ السلام کے سامنے جھک کر اللہ تعالیٰ کو سجدہ یا۔ یہی قول شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے لیکن یہ بھی ضعیف ہے۔ تفسیر کبیر نے اس کی بہت تردید فرمائی ہے۔ ں لئے کہ آدم علیہ السلام محض قبلہ ہوتے تو الی آدم فرمایا جاتا نہ کہ لادم جس کے معنی ہوتے کہ آدم کی طرف سجدہ کرو مگر فرمایا گیا م جس کے معنی ہیں کہ صرف آدم کے لئے سجدہ کرو اور یہاں لام کو الی کے معنی ہیں لینا بلاوجہ حقیقی معنی کو چھوڑنا ہے۔

نیز

حضرت آدم علیہ السلام فقط قبلہ ہوتے تو اس سے ان کی فضیلت اور عزت ثابت نہ ہوتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبے کی رف سجدہ کرتے تھے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے افضل تھے۔ (تفسیر کبیر)

نیز

اگر حضرت آدم علیہ السلام فقط ہوتے تو ابلیس انکار نہ کرتا کیونکہ اس نے اب تک بیت المعمور کے سامنے رب عزوجل کے لئے لاکھوں سجدے کئے تھے۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ میرے پہلے سجدے بھی رب عزوجل کے لئے تھے اور یہ بھی۔ پہلے بیت المعمور سمان والوں کا کعبہ) کی طرف تھے اور اب حضرت آدم علیہ السلام کی طرف اس کے انکار سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ سجدہ آدم السلام کو ہی تھا۔

(4) چوتھا قول یہ ہے: یہ سجدہ تعظیمی تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کے لئے ہی تھا۔ پہلی شریعتوں میں جائز تھا اور ہمارے م میں منسوخ (ختم) ہو گیا۔ اب رب عزوجل کے سوا کسی کو کسی قسم کا سجدہ کرنا جائز نہیں۔ یہی قول صحیح ہے اور اسی کی قرآنی اور احادیث صحیحہ سے تائید ہوتی ہے۔

تفسیر نعیمی: پارہ اول، ص:285 تا 287 نعیمی کتب خانہ لاہور

سجدہ کا معنی

سجدہ کا معنی بیان کرنے میں مختلف علماء کرام کی رائے ہے۔

علامہ مجدالدین کا قول

علامہ مجدالدین فیروز آبادی نے لکھا ہے کہ

سجدہ کا معنی ہے۔

سر نیچے کیا اور جھک گیا۔

(قاموس: ج:1، ص:579 دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ راغب اصفہانی کا قول

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

سجدہ کا لغوی معنی ہے۔

تذلل کے ساتھ جھکنا، سجدہ کو اللہ تعالیٰ سے تعبیر کرتے ہیں۔

سجدہ کی دو قسمیں ہیں۔

(1) سجدہ اختیاری

(2) سجدہ تسخیر

سجدہ اختیاری باعث ثواب ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا (النجم: 62)

سو اللہ کے لئے سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو

اور سجدہ تسخیر، انسان حیوان اور نباتات سب ادا کرتے ہیں۔

(المفردات ص:223 مطبوعہ المکتبۃ الرتضویہ ایران)

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا (الرعد: 15)

اور جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب خوشی یا مجبوری سے اللہ ہی کو سجدہ کر رہے ہیں۔

علامہ ابن اثیر جذری کا قول

علامہ ابن اثیر جذری نے لکھا ہے کہ

سجدہ کا معنی ہے

سر جھکانا

اور کسی کے سامنے جھکنا

اور اظہار تذلل کرنا

اور سجدہ صلاۃ کا معنی ہے۔

پیشانی زمین پر رکھنا اور اس سے بڑھ کر خضوع اور تذلل نہیں ہے۔

(النہایہ ج:2،ص:308)

علامہ بیضاوی کا قول

سجدہ کے شرعی معنی کے متعلق علامہ بیضاوی لکھتے ہیں:

عبادت کے قصد سے پیشانی کو زمین پر رکھنا سجدہ ہے۔

(انوار التنزیل ص:62 مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

علامہ علاؤ الدین حصکفی کا قول

علامہ علاؤ الدین حصکفی نے لکھا ہے کہ

سجدہ پیشانی اور قدموں کے ساتھ ہے اور ایک انگلی کا ٹکانا شرط ہے۔

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ

لغت میں سجدہ کا معنی ہے۔

خضوع یعنی تواضع اور عاجزی کرنا

جھکنا

سر جھکانا

اور مغرب میں لکھا ہے کہ

زمین پر پیشانی رکھنا

اور البحر الرائق میں مذکور ہے کہ

سجدہ کی حقیقت یہ ہے کہ تعظیم کے ساتھ چہرہ کا بعض حصہ زمین پر رکھا جائے۔ اس میں ناک رکھنا داخل ہے اور رخسار اور ٹھوڑی کا رکھنا خارج ہے۔ اگر کوئی شخص سجدہ میں دونوں پیر اٹھالے تو یہ تعظیم کے بجائے لہو ولعب کے زیادہ مشابہ ہے۔

(رد المحتار ج:2،ص:119 بیروت)

علامہ المرغینانی نے لکھا ہے کہ

ناک اور پیشانی پر سجدہ کرلے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت کی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

بارش ہورہی تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں نماز پڑھائی اور میں نے مٹی اور پانی کے نشان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی اور ناک پر دیکھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:813 بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے نماز میں اپنی پیشانی اور ناک زمین پر نہیں لگائی اس کی نماز جائز نہیں۔

(المعجم الکبیر: رقم الحدیث:1917 بیروت)

فرشتوں سے کون سا سجدہ کرایا گیا

فرشتوں سے سجدہ تعظیمی کرایا گیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

یہ سجدہ تعظیمی تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کے لئے ہی تھا۔ پہلی شریعتوں میں جائز تھا۔ ہمارے اسلام میں منسوخ ہو گیا اب رب عزوجل کے سوا کسی کو کسی قسم کا سجدہ کرنا جائز نہیں۔ یہی قول صحیح ہے اور اس کی قرآنی آیت اور احادیث صحیحہ سے تائید ہوتی ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول: ص:287 نعیمی کتب خانہ لاہور)

تمام فرشتوں کا سجدہ کرنا اور شیطان کا انکار کرنا

جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ فرشتوں کو سجدہ کرو تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا مگر شیطان لعین نے سجدہ کرنے سے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ۝ (34)

تو سب نے سجدہ کیا سوا ابلیس کے منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ تمام فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا اور جونہی حکم دیا گیا سب نے بلا تاخیر سجدہ کیا۔

سب سے پہلے کس فرشتے نے سجدہ کیا

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ

سب سے پہلے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے سجدہ میں جھکے

پھر حضرت میکائیل علیہ السلام

پھر حضرت عزرائیل علیہ السلام

پھر سارے فرشتے (سجدہ کے لئے جھکے)

اس لئے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو سب سے بڑا درجہ عطا فرمایا گیا یعنی خدمت انبیاء کرام علیہم السلام۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ

سب سے پہلے حضرت اسرافیل علیہ السلام نے سجدہ کیا۔ اسی لئے ان کی پیشانی پر سارا قرآن لکھ دیا گیا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل: 287 نعیمی کتب خانہ لاہور)

فرشتے کتنا عرصہ سجدہ کرتے رہے

بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ

یہ سجدہ ظہر کے وقت سے عصر تک رہا۔

دوسرا قول یہ ہے:

ملائکہ سو برس سجدہ کرتے رہے۔

اور تیسرا قول یہ ہے:

پانچ سو سال تک سجدہ میں رہے۔

ان باتوں کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ

اوّلاً فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا جس کا شیطان نے انکار کیا یہ سجدہ تھوڑی دیر تک رہا۔ پھر انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا کہ شیطان حضرت آدم علیہ السلام کی طرف پیٹھ پھیرے کھڑا ہے تب انہوں نے دوسرا سجدہ اس سجدے کی توفیق کے شکریے میں ادا کیا۔ یہ سجدہ رب عزوجل کے لئے تھا اور سجدہ شکر تھا پھر جب سر اٹھایا تو انہوں نے دیکھا کہ شیطان پہلے بہت خوبصورت تھا لیکن اب اس کی شکل مسخ (تبدیل) ہو کر جسم خنزیر کا سا اور چہرہ بندر کا سا ہو گیا تب انہوں نے ہیبت الٰہی عزوجل سے ایک اور سجدہ کیا یہ تینوں سجدے حضرت آدم علیہ السلام ہی کی طرف تھے مگر تین قسم کے اور ان کی مدتیں علیحدہ علیحدہ (ہیں)

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل، ص: 287 تا 288 نعیمی کتب خانہ لاہور)

سجدہ کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کے لئے سجدہ تھا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ○ (الحجر: 29)

سو جب میں اس کو (انسانی صورت میں) ڈھال لوں اور اس میں اپنی (پسندیدہ) روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لئے سجدہ میں گر جانا۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ سجدہ کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔

روح کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے پتلے میں روح ڈالنے اور سجدہ کرنے کا حکم دیا۔

اس روح کی ایک حقیقت ہے۔

امام خلیل بن احمد فراہیدی کا روح کے بارے قول

امام خلیل بن احمد فراہیدی متوفی 175ھ لکھتے ہیں:

روح اس جان کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے بدن زندہ ہے۔

کہا جاتا ہے۔

اس کی جان نکل گئی یعنی اس کی جان نکل گئی۔

(کتاب العین ج:1 ص:725 مطبوعہ ایران)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی کا روح کے بارے میں قول

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:

روح (راء پر پیش) اور روح (راء پر زبر) دونوں اصل میں ایک ہیں اور روح کو سانس کا اسم بنا دیا گیا ہے کیونکہ روح کا چیز ہے اور اس کو اس جز کا نام بنا دیا گیا ہے جس کی وجہ سے حیات، حرکت نفع کا حصول اور ضرر کو دور کیا جاتا ہے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے روح کی اپنی طرف اضافت کی ہے۔

وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (الحجر: 29)

اور میں نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔

یہ وہ اضافت ہے جو اپنی ملکیت کی طرف کی جاتی ہے اور روح کی اپنی طرف اضافت اس کی تعظیم اور تکریم کی وجہ سے ہے۔

جیسا کہ ان آیتوں میں ہے۔

وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ (الحج: 26)

اور میرے گھر کو پاک کرو

یٰعِبَادِیَ (العنکبوت: 56)

اے میرے بندو!

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بیت اور بندوں کے شرف اور ان کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے اپنی طرف اضافت کی ہے میرا گھر ہے اور یہ میرے بندے ہیں۔ معزز فرشتوں اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھی قرآن مجید میں روح فرمایا۔

یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِکَةُ صَفًّا (النباء: 38)

جس دن جبرائیل اور فرشتے صف بستہ ہو کر کھڑے ہوں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی روح فرمایا ہے کیونکہ وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے اور پرندے بنا کر ان میں پھونک مارتے تو ان میں جان پڑ جاتی تھی۔

ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ کَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَآ اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ (النساء: 171)

عیسیٰ بن مریم صرف اللہ کے رسول ہیں اور اس کا وہ کلمہ جس کو اللہ نے مریم کی طرف القاء کیا اور اس کی طرف سے روح ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو بھی روح فرمایا ہے کیونکہ وہ حیات اخروی کا سبب ہے۔

فرمایا

وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (الشوریٰ: 52)

اسی طرح ہم نے آپ کی طرف روح کی وحی فرمائی ہے اپنے حکم سے۔

(المفردات ج:1، ص:271 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی کا روح کے بارے میں قول

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی لکھتے ہیں:

روح جسم لطیف ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ عادت جاری کر دی ہے کہ جب وہ بدن میں ہو تو اللہ تعالیٰ بدن میں حیات پیدا کر ... اور ہم نے اپنی کتاب "التذکرہ" میں احادیث ذکر کی ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ روح جسم لطیف ہے اور یہ کہ نفس ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز:10، ص:23 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مجد الدین المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری کا روح کے بارے میں قول

علامہ مجد الدین المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری متوفی 606ھ لکھتے ہیں: روح کا ذکر حدیث میں بھی اسی طرح بار بار آیا

ہے جس طرح قرآن مجید میں روضہ کا ذکر بار بار آیا ہے اور اس کا متعدد معانی پر اطلاق ہے لیکن اس کا غالب اطلاق اس جز پر ہوتا ہے جس کی وجہ سے جسم قائم ہوتا ہے اور جس کی وجہ سے جسم کی حیات ہوتی ہے اور روح کا اطلاق قرآن مجید۔

وحی

اور حضرت جبرائیل علیہ السلام پر بھی کیا گیا ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

اَلْمَلَائِکَۃُ الرُّوْحَانِیُّوْن

اس سے مراد یہ ہے کہ

فرشتے اجسام لطیفہ ہیں ان کا بصر ادراک نہیں کر سکتی۔

(النہایہ: ج:2، ص:247 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی کا روح کے بارے میں قول

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:

روح کی مشہور توصیف وہ ہے جو امام اشعری نے کی ہے کہ

روح سانس ہے جو اندر آ رہا ہے اور باہر جا رہا ہے۔

قاضی ابوبکر نے کہا:

اس میں تردد کہ روح سانس ہے حیات ہے۔

ایک قول یہ ہے:

روح ایسا جسم ہے جو اجسام ظاہرہ اور اعضاء ظاہرہ میں شریک ہے۔

ایک قول یہ ہے:

روح ایک جسم لطیف ہے جس کو سبحانہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور اس نے یہ عادت جاری کر دی ہے کہ اس کے بغیر جسم حیات نہیں ہوتی اور جب اللہ تعالیٰ جسم کی موت کا ارادہ فرماتا ہے تو روح کو اس جسم سے معدوم کر دیتا ہے۔

اور بعض علماء نے کہا ہے:

روح خون ہے۔

اور روح کی قول میں ستر قول ذکر کیے گئے ہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ

آیا روح اور نفس ایک چیز ہیں یا متغائر ہیں۔

اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ
یہ دونوں متغائر ہیں کیونکہ نفس انسانیہ وہ چیز ہے جس کی طرف ہر انسان متکلم کے صیغہ سے اشارہ کرتا ہے۔
مثلاً
اپنے آپ کو میں کہتا ہے اور اکثر فلاسفہ نے ان دونوں میں فرق نہیں کیا۔
انہوں نے کہا:
نفس وہ لطیف جوہر بخاری (ایٹم، بھاپ) جو قوت حیات، حس اور حرکت ارادہ کا حامل ہے اور اسی کو وہ روح حیوانی کہتے اور یہی نفس ناطقہ اور بدن میں واسطہ ہے۔
امام غزالی نے کہا ہے:
روح وہ جوہر ہے جو حادث ہے، قائم بنفسہ ہے اور وہ کسی جگہ میں نہیں ہے وہ نہ جسم میں داخل ہے نہ جسم سے خارج ہے اور نہ جسم سے متصل ہے اور نہ جسم سے منفصل ہے۔
ایک قول یہ ہے:
روح عرض ہے
اور ایک قول یہ ہے:
روح جسم کا صورت کے موافق ہے۔ اس کی دو آنکھیں ہیں۔
دو کان
دو پیر
دو ہاتھ ہیں۔
اور وہ صورت جسم میں داخل ہے اور اس کا ہر جزو عضو کے مقابل ہے۔
ایک اور قول یہ ہے:
روح ایک جسم لطیف ہے جس کا جسم میں اس طرح حلول ہے جس طرح گلاب کے پانی کا گلاب میں حلول ہوتا ہے اور آگ کا انگارے میں حلول ہوتا ہے اور اہل سنت کے جمہور متکلمین کا اس تعریف پر اعتماد ہے۔
(عمدۃ القاری: ج:2، ص:201 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ)
اور قرآن مجید میں ہے:
ثُمَّ سَوّٰىهُ وَ نَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ (سجدہ:9)
پھر اس کو ہموار کیا اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی۔

اس آیت کے دو محمل ہیں۔

ایک یہ کہ

اس آیت میں ضمیریں حضرت آدم علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہیں یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے پتلے کو ہموار اور معتدل کیا اور ان میں اپنی طرف سے روح پھونکی اور اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کا ذکر اور تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل بنائے، تم بہت کم شکر کرتے ہو۔

(الجامع لاحکام القرآن جز:14،ص:85)

اور دوسرا محمل یہ ہے کہ

یہ ضمیریں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد اور انسانی کی طرف لوٹ رہی ہیں۔

اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ

پھر اس نطفہ کو معتدل کیا اور ماں کے رحم میں اس کے اعضاء کو مکمل کیا اور اس کی تصویر اس کی صلاحیت کے مطابق جیسی چاہئے تھی ویسی بنائی اور اس میں اپنی روح پھونکی، روح کی اپنی طرف اضافت اس کو مشرف کرنے کے لئے ہے۔

جیسے

بیت اللہ اور ناقۃ اللہ میں ہے اور یہ بتانے کے لئے کہ یہ بہت عظیم مخلوق ہے۔

(روح المعانی جز:21،ص:188)

علامہ سید محمود آلوسی کا روح کے بارے میں قول

علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں روح پھونکنے کا ذکر ہے وہ اطلاق مجازی ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ

روح کو بدن کے متعلق کر دیا اور یہ ان کے مذہب کے موافق ہے جو کہتے ہیں کہ روح بدن سے مجرد ہے اور بدن میں داخل نہیں ہے یہ فلاسفہ اور بعض متکلمین کا مذہب ہے۔

امام غزالی کا بھی یہی مذہب ہے۔

اور ایک قول یہ ہے:

یہ اطلاق حقیقی ہے اور جو فرشتہ رحم کے ساتھ مقرر ہوتا ہے اس کو حکم دیا جاتا ہے کہ چار ماہ بعد جب نطفہ جسمانی صورت میں بنا دیا جائے تو پھر اس میں روح پھونک دی جائے اور اس طرف وہ لوگ گئے ہیں جو کہتے ہیں کہ روح ہوا کی طرح جسم لطیف ہے اور اس کا بدن میں اس طرح حلول ہے جس طرح گلاب کے پانی کا گلاب میں حلول ہوتا ہے اور آگ کا انگارے میں حلول

اور ظاہر احادیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں اور علامہ ابن قیم جوزی نے اس پر سو دلیلیں قائم کی ہیں۔

(روح المعانی: جز:12،ص:188 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ میر محمد سید شریف جرجانی کا روح کے بارے میں قول

علامہ میر سید شریف جرجانی متوفی 816ھ لکھتے ہیں:

روح انسانی ایک ایسی لطیف چیز ہے جس کو علم اور ادراک ہوتا ہے اور وہ روح حیوانی پر سوار ہوتی ہے۔ وہ عالم امر سے نازل ہوئی ہے۔ عقلیں اس کی حقیقت کا ادراک کرنے سے عاجز ہیں اور یہ روح کبھی بدن سے مجرد ہوتی ہے اور کبھی بدن سے متعلق ہوتی ہے اور اس میں تصرف کرتی ہے۔

(التعریفات: ص:82 دار الفکر بیروت)

علامہ محمد طاہر پٹنی کا روح کے بارے میں قول

علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی 986ھ لکھتے ہیں:

جمہور کے نزدیک روح کا معنی معلوم ہے۔

ایک قول یہ ہے:

وہ خون ہے

ایک قول یہ ہے:

وہ جسم لطیف ہے اور ظاہری اعضاء کی طرح اس کے بھی اعضاء ہیں۔

اشعری نے کہا:

وہ سانس ہے جو آ رہا ہے اور جا رہا ہے۔

ایک قول یہ ہے:

وہ حیات ہے۔

(مجمع بحار الانوار ج:2،ص:394 مطبوعہ مکتبہ دار الایمان مدینہ منورہ)

روح کا احادیث مبارکہ سے ثبوت

روح کے بارے میں احادیث مبارکہ میں صراحتاً اقوال ملتے ہیں۔

روح قبض کی جاتی ہے تو آنکھ اس کا پیچھا کرتی ہے

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب روح قبض کی جاتی ہے تو آنکھ اس کا پیچھا کرتی ہے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 920 بیروت)

روح کا دوسری روح سے ملاقات

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایک روح دوسری روح سے ملاقات کرتی ہے۔

(مسند احمد: ج: 5، ص: 215)

اللہ تعالیٰ جب چاہے روحوں کو قبض فرماتا ہے

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ جب چاہے تمہاری روحیں قبض فرمالیتا ہے اور جب چاہے واپس فرمادیتا ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 595 بیروت)

مومن کی روح پرندہ

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مومن کی روح پرندہ ہے جو جنت کے درخت میں لٹکا ہوا ہے۔

(مسند احمد: ج: 3، ص: 457 طبع قدیم)

شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹ میں ہیں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے آل عمران 169 کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

شہداء کی روحیں پرندوں کے پیٹ میں ہیں اور ان کے لئے عرش میں قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں وہ جہاں سے چاہتے ہیں چرتے ہیں پھر ان قندیلوں میں لوٹ آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی طرف متوجہ ہو کر فرماتا ہے۔

تمہیں کسی چیز کی خواہش ہے۔

وہ کہتے ہیں۔
کس چیز کی خواہش کریں ہم جنت میں جہاں چاہتے ہیں وہاں جا کر چر لیتے ہیں۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 1887 بیروت)

شہداء کی روحوں کو زمرد اور یاقوت کی قندیل میں رکھنا

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں مقام الغابہ میں اپنا مال لینے کے لئے گیا مجھے رات ہوگئی تو میں حضرت عبید اللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ کی قبر کے پاس پہنچا میں نے قبر سے اتنی حسین آواز سنی کہ اس سے پہلے میں نے اتنی حسین آواز نہیں سنی تھی۔ یہ قرآن پڑھنے کی آواز تھی۔ میں اس آواز سے مانوس ہو گیا اور میں صبح تک قرأت سنتا رہا۔ پھر میں نے شہداء کی روح کو قبض کیا اور ان کو زمرد اور یاقوت کی قندیل میں رکھا اور اس قندیل کو جنت کے وسط میں رکھ دیا۔ جب رات آتی ہے تو ان کی روحیں وہیں لوٹا دی جاتی ہیں جہاں پر وہ تھیں۔
(کنز العمال: رقم الحدیث: 37261 بیروت)

مومن اور کافر کی روحوں کو قبر میں ان کے جسموں میں داخل کرنا

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازہ میں گئے ہم ایک قبر کے پاس بیٹھے اس کی لحد بنائی جارہی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس طرح بیٹھ گئے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین کھرچ رہے تھے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اٹھا کر ارشاد فرمایا۔
عذاب قبر سے پناہ طلب کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یا تین بار ارشاد فرمایا۔
پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب لوگ میت کو دفن کر کے چلے جاتے ہیں تو وہ ان کی جوتیوں کی آہٹ سنتا ہے۔
اس سے کہا جاتا ہے
اے شخص! تیرا رب عزوجل کون ہے۔
تیرا دین کیا ہے۔
اور تیرا نبی کون ہے؟
ہناد نے کہا:

اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو بٹھا دیتے ہیں۔
اور اس سے پوچھتے ہیں
تیرا رب عزوجل کون ہے۔
وہ کہتا ہے۔
میرا رب عزوجل اللہ عزوجل ہے۔
وہ اس سے پوچھتے ہیں۔
تیرا دین کیا ہے۔
وہ کہتا ہے۔
میرا دین اسلام ہے۔
وہ پوچھتے ہیں۔
یہ شخص کون ہے، جو تم میں بھیجا گیا تھا؟
وہ کہتا ہے:
وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔
وہ پوچھتے ہیں:
تمہیں کیسے معلوم ہوا؟
وہ کہتا ہے:
میں نے کتاب اللہ میں پڑھا میں اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی
پھر آسمان سے ایک منادی ندا کرتا ہے کہ
میرے بندہ نے سچ کہا اس کے لئے جنت سے فرش بچھا دو اور اس کو جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے لئے جنت کی طرف سے کھڑکی کھول دو پھر اس کے پاس جنت کی ہوا اور خوشبو آتی ہے اور اس کے لئے وہ جگہ منتہائے نظر تک کھول دی جاتی ہے۔
اور ارشاد فرمایا
کافر کے جسم میں اس کی روح لوٹا دی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آ کر اس کو بٹھا دیتے ہیں۔
اور اس سے پوچھتے ہیں۔
تیرا رب عزوجل کون ہے؟
وہ کہتا ہے۔

افسوس! میں نہیں جانتا۔

پھر اس سے پوچھتے ہیں۔

تیرا دین کیا ہے۔

وہ کہتا ہے۔

افسوس! میں نہیں جانتا۔

پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں۔

یہ شخص کون ہے۔ جو میں بھیجے گئے تھے۔

وہ کہتا ہے۔

افسوس! میں نہیں جانتا۔

پھر آسمان سے ایک منادی ندا کرتا ہے۔

اس نے جھوٹ کہا اس کے لئے دوزخ کا فرش بچھا دو اور اس کو دوزخ کا لباس پہنا دو اور اس کے لئے دوزخ کی ایک کھڑکی کھول دو پھر اس کے پاس دوزخ کی گرم ہوا اور اس کی تپش آئے گی اور اس پر قبر تنگ کر دی جائے گی۔ حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ایک طرف سے دوسری نکل جائیں گی۔ پھر اس پر اندھا اور گونگا مسلط کر دیا جائے گا۔ اس کے پاس لوہے کا ایک ایسا گرز ہوگا کہ اگر اس کو پہاڑ پر مارا جائے تو وہ پہاڑ مٹی کا ڈھیر ہو جائے پھر اس کو گرز سے مارے گا اور اس کی چیخ کو جن و انس کے سوا تمام مشرق و مغرب والے سنیں گے۔ وہ مردہ مٹی ہو جائے گا اور اس میں اس کی روح پھر لوٹا دی جائے گی۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 4753 بیروت)

روح کا جسم سے ایسے نکلنا جس طرح مشک سے پانی کے قطرے

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازہ میں گئے، ہم قبر تک پہنچے جب لحد بنائی جا رہی تھی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھ گئے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین کرید رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کر دو بار یا تین بار فرمایا۔ عذاب قبر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

جب بندہ مومن کے دنیا سے منقطع ہونے اور آخرت کی طرف روانہ ہونے کا وقت آتا ہے تو سفید چہرے والے فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں گویا کہ ان کے چہروں میں آفتاب ہو ان کے پاس جنت کا کفن اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے وہ

منتہائے بصر تک اس بندہ مومن کے پاس بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت علیہ السلام آ کر اس کے پاس بیٹھ جاتے ہیں۔

اور کہتے ہیں

اے پاکیزہ روح! اللہ عزوجل کی روح! اللہ عزوجل کی مغفرت اور اس کی رضا کی طرف نکل پھر وہ روح جسم سے اس طرح نکلتی ہے جس طرح مشک سے پانی کے قطرے نکلتے ہیں پھر وہ اس روح کو پکڑ لیتا ہے۔ پھر پکڑنے کے بعد پلک جھپکنے کی مقدار بھی اس کو فرشتے نہیں چھوڑتے حتیٰ کہ اس کو کفن میں رکھ دیتے ہیں اور اس میں خوشبو لگا دیتے ہیں اور اس سے مشک سے زیادہ پاکیزہ خوشبو آتی ہے اور روئے زمین پر ایسی خوشبو نہیں ہوتی پھر فرشتے اس روح کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں پھر وہ جن فرشتوں کے پاس گزرتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں۔

یہ کیسی پاکیزہ خوشبو ہے تو دنیا میں اس روح کا جو سب سے اچھا نام لیا جاتا تھا۔ وہ نام ذکر کر کے فرشتے اس روح کا تعارف کراتے ہیں حتیٰ کہ وہ آسمان دنیا پر پہنچ جاتے ہیں پھر اس آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں اور ہر آسمان کے مقرب فرشتے اس کا استقبال کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ ساتویں آسمان پر پہنچ جاتے ہیں۔

تب اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

میرے اس بندہ کا صحیفہ اعمال علیین میں رکھ دو اور اس روح کو زمین پر لوٹا دو۔ کیونکہ میں نے اس کو زمین (مٹی) سے ہی پیدا کیا ہے اور میں اس کو اسی میں لوٹاؤں گا اور اسی سے اس کو دوبارہ اٹھاؤں گا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

پھر اس کی روح دوبارہ اس کے جسم میں لوٹا دی جائے گی پھر اس کے پاس دو فرشتے آ کر اس کو بٹھائیں گے۔

اس سے کہیں گے۔

تمہارا رب عزوجل کون ہے۔

وہ کہے گا۔

میرا رب اللہ عزوجل ہے۔

پھر فرشتے اس سے کہیں گے۔

تمہارا دین کیا ہے؟

وہ کہے گا

میرا دین اسلام ہے۔

پھر فرشتے اس سے کہیں گے۔

یہ شخص کون ہے جو تم میں بھیجا گیا تھا۔

وہ کہے گا۔

یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

فرشتے کہیں گے۔

تمہیں ان کا علم کیسے ہوا؟

وہ کہے گا۔

میں نے اللہ عزوجل کی کتاب پڑھی ہے سو میں ان پر ایمان لایا اور ان کی تصدیق کی۔

پھر آسمان سے ایک منادی ندا کرے گا کہ

میرے بندے نے سچ کہا اس کے لئے جنت سے فرش بچھا دو اور اس کو جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے لئے جنت کی ایک کھڑکی کھول دو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

پھر اس کے پاس جنت کی ہوا اور اس کی خوشبو آئے گی اور اس کے لئے قبر میں منتہاء بصر تک وسعت کر دی جائے گی پھر اس کے پاس ایک حسین شخص خوب صورت کپڑے پہنے ہوئے اور اچھی خوشبو لگائے ہوئے آئے گا۔

اور کہے گا

جس دن سے تم کو ڈرایا جاتا تھا آج تمہیں اس دن کی آسانی مبارک ہو۔

وہ بندہ مومن کہے گا۔

تم کون ہو اور تم کتنے حسین چہرے والے ہو۔

وہ شخص کہے گا۔

میں تمہارا نیک عمل ہوں۔

وہ بندۂ مومن کہے گا۔

اے میرے رب عزوجل! ابھی قیامت قائم کر دے تا کہ میں اپنے اہل اور مال کی طرف لوٹ جاؤں گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اور جب بندہ کافر پر دنیا سے منقطع ہونے اور آخرت کی طرف جانے کا وقت آتا ہے تو آسمان سے سیاہ فام فرشتے اترتے ہیں ان کے پاس سخت موٹا ٹاٹ ہوتا ہے وہ منتہائے بصر تک بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ جاتے

اوراس بندہ کا کافر سے کہتا ہے۔

اے خبیث روح اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اوراس کے غضب کی طرف نکل پھر وہ روح اس کے جسم میں متفرق جگہ بکھر جاتی ہے۔فرشتے اس کی روح کواس کے جسم سے اس طرح کھینچ کر نکالتے ہیں جس طرح بھیگے ہوئے اون سے سلاخ کو کھینچ کر نکالا جاتا ہے۔ملک الموت اس روح کو پکڑ لیتا ہے اور فرشتے اس کو پکڑتے ہی پلک جھپکنے کی مقدار بھی اس کو نہیں چھوڑتے اور فوراً اس کواس موٹے ٹاٹ میں لپیٹ لیتے ہیں۔وہ روح اس کے جسم سے نکلتی ہے تو وہ روئے زمین کی سب سے زیادہ سخت بدبودار ہے۔وہ اس روح کولیکر جن فرشتوں کے پاس سے گزرتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں۔

یہ کیسی خبیث روح ہے

تو فرشتے بتاتے ہیں

یہ فلاں بن فلاں کی روح ہے اوراس کا وہ نام لیتے ہیں جو دنیا میں اس کا سب سے برا نام تھا۔حتیٰ کہ اس کو لے کر آسمان دنیا پر پہنچتے ہیں اور آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں تو آسمان کا دروازہ نہیں کھولا جاتا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ (الاعراف:40)

کافروں کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے ناکے سے نہ گزر جاتے۔

پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔

اس کے صحیفہ اعمال کو زمین کے سب سے نچلے طبقہ میں رکھ دو پھر اس روح کو پھینک دیا جائے گا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝ (الحج:31)

اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے پس وہ گویا آسمان سے گر پڑا۔اب یا تو اس کو پرندے جھپٹ کر لے جائیں گے یا ہوا اس کو کسی دور دراز جگہ پھینک دے گی۔

پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جائے گی اوراس کے پاس دو فرشتے آئیں گے جو اس کو بٹھا دیں گے۔

پس وہ اس سے کہیں گے

تیرا رب کون ہے؟

وہ کہے گا

افسوس! میں نہیں جانتا

پھر وہ اس کو کہیں گے

تیرا دین کیا ہے؟

وہ کہے گا

افسوس! میں نہیں جانتا

پھر وہ کہیں گے

یہ شخص کون ہے جو تم میں بھیجا گیا تھا

وہ کہے گا

افسوس! میں نہیں جانتا۔

پھر آسمان سے ایک منادی ندا کرے گا اس نے جھوٹ بولا اس کے لئے دوزخ سے فرش بچھا دو اور اس کے لئے دوزخ کی کھڑکی کھول دو۔ پھر اس کے پاس دوزخ کی تپش اور اس کی گرم ہوا آئے گی اور اس پر قبر تنگ ہو جائے گی حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ادھر سے ادھر ہو جائیں گی۔ پھر اس کے پاس ایک بدصورت شخص آئے گا جس کے کپڑے بھی بہت برے ہوں گے اور وہ سخت بدبودار ہوگا۔

وہ کہے گا

تم کو مبارک ہو! آج وہ برا دن ہے جس سے تم کو ڈرایا جاتا تھا۔

وہ کافر کہے گا

تم کون ہو؟ تمہارا چہرہ کتنا بدصورت ہے۔

وہ کہے گا،

میں تیرا خبیث عمل ہوں

تو وہ کہے گا

اے میرے رب عزوجل! ابھی قیامت قائم نہ کرنا۔

(مصنف عبدالرزاق: رقم الحدیث: 6737 مکتبہ اسلامی بیروت)

مومن کی روح کا قبض کیا جانا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب مومن پر موت کا وقت آتا ہے تو فرشتے اس کے پاس ریشم کے کپڑے میں مشک اور پھولوں کا گلدستہ لاتے ہیں اور اس کے جسم سے روح اس طرح نکالی جاتی ہے جس طرح گندھے ہوئے آٹے سے بال نکالا جاتا ہے۔

اور اس سے کہا جاتا ہے۔

اے نفس مطمئنہ! اپنے رب عزوجل کی طرف نکلو تم اس سے خوش وہ تم سے خوش پھر اس روح کو اس کپڑے میں لپیٹ کر علیین کی طرف لے جاتے ہیں۔

(حلیۃ الاولیاء، ج:3،ص:104 قدیم رقم الحدیث:3410 جدید)

مومن کی روح نکلتے وقت مشک سے زیادہ خوشبودار

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہا

مومن کی روح جسم سے نکلتی ہے تو مشک سے زیادہ خوشبودار ہوتی ہے جو فرشتے اس مومن پر وفات طاری کرتے ہیں وہ اس کی روح کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں ان کی آسمان کے فرشتوں سے ملاقات ہوتی ہے۔

وہ پوچھتے ہیں۔

تمہارے ساتھ کون ہے؟

وہ بتاتے ہیں کہ

یہ فلاں بن فلاں ہے اور اس کے نیک اعمال بتاتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ تم کو بھی زندہ رکھے اور جو تمہارے ساتھ ہے اس کو بھی زندہ رکھے پھر اس روح کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اس مومن کا چہرہ روشن ہو جاتا پھر وہ اپنے رب عزوجل کے سامنے حاضر ہوتا ہے اور اس کا چہرہ آفتاب سے زیادہ روشن ہوتا ہے اور جب کافر کی روح اس کے جسم سے نکلتی ہے تو وہ مردار سے زیادہ بدبودار ہوتی ہے۔ اس پر موت طاری کرنے والے فرشتے اس کو لیکر اوپر چڑھتے ہیں پھر آسمان کے نزدیک ان کی دوسرے فرشتوں سے ملاقات ہوتی ہے۔

وہ پوچھتے ہیں۔

یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟

وہ بتاتے ہیں کہ

یہ فلاں شخص ہے اور اس کے برے اعمال کا ذکر کرتے ہیں

کہتے ہیں۔

اس کو واپس لے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا۔

پھر حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی۔

ولا یدخلون الجنة حتی یلج الجمل فی سم الخیاط (الاعراف: 40)

اور کافر جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے ناکہ سے نہ گزر جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: رقم الحدیث: 12060 دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب مومن کی روح جسم سے نکلتی ہے تو دو فرشتے اس کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں۔ اس کی خوشبو مشک کی طرح ہوتی ہے۔

آسمان والے کہتے ہیں۔

پاکیزہ روح ہے زمین کی طرف سے آئی ہے اللہ تعالیٰ تیری مغفرت کرے اور اس جسم کی مغفرت کرے جس میں تو آباد

فرشتہ اس کو اس کے رب عزوجل کے پاس لے جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اس کو اس کی آخری مدت تک لے جاؤ۔

اور جب کافر کی روح اس کے جسم سے نکلتی ہے تو سخت بدبودار ہوتی ہے۔

آسمان والے کہتے ہیں۔

خبیث روح ہے جو زمین کی طرف سے آئی ہے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2872 بیروت)

آدم علیہ السلام کو سجدہ جسم میں روح داخل ہونے سے پہلے تھا یا بعد میں

حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے اس وقت سجدہ کرایا گیا جب جسم بنایا گیا اور اس میں روح پھونک دی گئی۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ○ (الحجر:29)

تو جب میں اس کو (انسانی صورت میں) ڈھال لوں اور اس میں اپنی (پسندیدہ) روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لئے سجدہ میں گر جانا۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم اس وقت ہوا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام میں

روح پھونک دی۔

اور سورہ ص میں بھی اسی طرح فرمایا گیا۔

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿ص: 72﴾

سو جب میں اس کو (انسانی صورت میں) ڈھال لوں اور اس میں اپنی (پسندیدہ) روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لئے سجدہ میں گر جانا۔

اس آیت مبارکہ میں فرمایا گیا کہ

جب میں اس کو ڈھال لوں اور اس میں اپنی (پسندیدہ) روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لئے سجدہ میں گر جانا، تو اس سے معلوم ہوا کہ سجدے میں گر جانے کا حکم اس وقت ہے جب روح کو جسم میں پھونک دیا گیا ہو لہٰذا یہ کہنا بجا ہے کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو اس وقت سجدہ کیا جب آدم علیہ السلام میں روح پھونک دی گئی تھی۔

حضرت آدم علیہ السلام کو تمام ملائکہ کا سجدہ کرنا

حضرت آدم علیہ السلام کو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا

قرآن مجید میں ہے:

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿ص:73﴾

تو سب کے سب فرشتوں نے اکٹھے سجدہ کیا۔

اس آیت کریمہ میں پہلے فرمایا

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ

فرشتوں نے سجدہ کیا

الملائکۃ جمع کا صیغہ ہے لیکن اگر چند فرشتے سجدہ کر لیتے اور سب فرشتے سجدہ نہ کرتے پھر بھی جمع کے صیغہ کا اطلاق درست تھا۔ اس لئے اس کے بعد کلھم فرمایا تا کہ ظاہر ہو کہ سب فرشتوں نے سجدہ کیا ہے لیکن اگر سب فرشتوں میں سے پہلے کچھ فرشتے سجدہ کرتے اور بعد میں کچھ اور فرشتے سجدہ کرتے اور متفرق اوقات میں سب فرشتے سجدہ کر کے تب بھی یہ بات صادق آتی کہ سب فرشتوں نے سجدہ کیا ہے۔ اس لئے اس کے بعد اجمعون کا لفظ فرمایا تا کہ معلوم ہو کہ سب فرشتوں نے اکٹھے اور ایک وقت سجدہ کیا ہے۔

فرشتوں کا سجدہ زمین پر سر رکھنا تھا یا صرف جھکنا، سر خم کرنا تھا

اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں کو سجدے کا حکم دیا تو کیا یہ سجدہ زمین پر سر رکھنا تھا یا صرف جھکنا اور سر خم کرنا تھا۔ اس میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی فتاویٰ رضویہ جلد 22 میں فرماتے ہیں۔

علماء کو اختلاف ہے کہ

یہ سجدہ زمین پر سر رکھنا تھا یا صرف جھکنا، سر خم کرنا۔

ابوالشیخ کتاب العظمۃ میں امام محمد بن عباد بن جعفر مخزومی سے راوی

قال کان سجود الملائکۃ لادم ایماء

(الدر المنثور بحوالہ ابی الشیخ فی العظمۃ عن محمد بن عباد تحت آیہ 34/2 مکتبہ آیۃ العظمی قم ایران 48/1)

"آدم علیہ السلام کو سجدہ کو ملائکہ کا سجدہ اشارہ تھا۔

ابن جریر ابن المنذر و ابوالشیخ امام عبدالمالک بن عبدالعزیز بن جریج سے تفسیر قولہ تعالیٰ وخرولہ سجدین (اللہ تعالیٰ کے قول الہ سجدا یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین اوران کے برادر حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے سجدے میں گر گئے۔

راوی

ہمیں حدیث پہنچی کہ یوسف علیہ السلام کو ان کے ماں باپ بھائیوں کا سجدہ سر سے اشارہ کرنا تھا جیسے اہل عجم کے یہاں یہ تحیت تھی جس طرح اب بھی کچھ لوگ کرتے ہیں کہ سلام میں سر جھکاتے ہیں۔

(الدر المنثور: بحوالہ ابن جریر و ابن المنذر و ابی الشیخ عن ابن جریج)

(تحت آیۃ 34/2 مکتبہ آیۃ العظمی قم ایران 38/4)

امام فخر الدین رازی وغیرہ نے محاورات عرب سے اس معنیٰ سجدہ کا اثبات کیا۔ امام بغوی نے معالم التنزیل اور امام خازن لباب میں اسی کو اختیار فرمایا اور قول اول کو ضعیف کیا سجدہ ملائکہ میں فرماتے ہیں۔

"یعنی وہ زمین پر منہ رکھنا نہ تھا صرف جھکنا تھا جب اسلام آیا اسے بھی سلام مقرر کر کے باطل فرما دیا۔"

(معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ 34/2 مصطفیٰ البابی مصر 48/1)

سجدہ یوسف میں فرماتے ہیں۔

یعنی سجدے سے زمین پر پیشانی رکھنا مراد نہیں وہ تو صرف جھکنا اور تواضع کرنا تھا۔

اور بعض نے کہا:

بطور تحیت و تعظیم پیشانی ہی زمین پر رکھی اور یہ اگلی امتوں میں جائز تھا اس شریعت میں منسوخ ہو گیا۔

(معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت 100/12 مصطفیٰ البابی مصر 317/3)

بعینہ یونہی خازن میں ہے۔ دونوں امام جلال الدین نے تفسیر جلالین میں اسی پر اقتصار فرمایا جلال الدین سیوطی سجدہ آدم علیہ السلام میں فرماتے ہیں۔

اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے (بطور تحیت [illegible]) یعنی سجدہ سے بطور تحیت صرف جھکنا

مراد ہے۔

(تفسیر جلالین تحت آیہ 34/2 اصح المطابع دہلی نصف اول ص:8)

سورہ یوسف میں فرماتے ہیں۔

وہ سب حضرت یوسف (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے لئے سجدہ میں گر گئے یعنی ان کے سامنے جھک گئے نہ کہ پیشانی رکھی اور یہ کارروائی اس زمانے میں ان کی تحیت تعظیم تھی۔

(تفسیر جلالین تحت آیۃ 100/12 اصح المطابع دہلی نصف اول:198)

جلال محلی سورہ کہف میں فرماتے ہیں۔

اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا حضرت آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو یعنی ان کے سامنے جھک جاؤ نہ کہ پیشانی رکھو۔

(تفسیر جلالین تحت آیۃ 50/18 اصح المطابع دہلی نصف ثانی:247)

اور یہ دونوں حضرات اصح الاقوال کہتے ہیں۔

خطبہ جلالین میں ہے۔

یہ قرآن کریم کی تفسیر کا تکملہ ہے کہ جس کو جلال الدین محلی نے تالیف کیا اسی کی طرف پر سب سے زیادہ راجح قول کرتے ہوئے۔

(تفسیر جلالین، خطبۃ الکتاب: اصح المطابع دہلی ص:4)

تو ان چاروں اکابر کے نزدیک راجح قول دوم ہے کہ محض جھکنا ہے نہ کہ سجدہ معروفہ بعض گروہ دیگر کے نزدیک قول راجح ہے۔

(و بہ اقول اوخروا (اور میں یہی کہتا ہوں) (ترجیح قول اول)

اس لئے کہ قرآن مجید میں الفاظ ''قعوا'' اور ''خروا'' ہیں۔

یعنی اس کے لئے سجدہ میں پڑ جاؤ اور اس کے لئے وہ سجدہ میں گر گئے۔

بہر حال خود اختلاف نافی قطعیت ہے نہ کہ ترجیح بھی مختلف۔

(فتاوی رضویہ: ج:22، ص:523 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

شیطان کا سجدہ سے انکار اور کافر ہو جانا

اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا تو تمام ملائکہ نے سجدہ کیا مگر شیطان لعین نے سجدہ کرنے سے انکار کیا تو کافروں میں سے ہو گیا۔

قرآن مجید میں ہے

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَ کَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ o (بقرہ: 34)

تو سب نے سجدہ کیا سوا ابلیس منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا۔

الا ابلیس

تمام فرشتوں نے سجدہ کر لیا لیکن ابلیس اپنی عبادت اور شیطانی توحید کے نشہ میں مست ہو کر اس سجدہ کا انکاری ہو گیا۔

خیال رہے کہ

مردود ہونے سے پہلے اس کا نام عزازیل تھا مگر پھر اس کا نام ابلیس و شیطان منکر ہو گیا۔

''لفظ ابلیس''

بلس سے بنا ہے جس کے معنی

ناامید یا مکار۔

چونکہ شیطان بھی رحمت الٰہی عزوجل سے ناامید ہو چکا اور اس نے مکر و فریب کو اپنا پیشہ بنا لیا۔ اسے ابلیس کہا جانے لگا۔

لفظ شیطان

شطن سے بنا ہے شطن کے معنی ہیں

دور ہونا

چونکہ یہ بھی رحمت الٰہی عزوجل سے دور ہے اس لئے اس کو شیطان کہا جاتا ہے۔

اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ

ابی اباء سے بنا ہے جس کے معنی ہیں

دیدہ دانستہ بلا وجہ انکار کر دینا

یعنی شیطان نے بلا عذر جان بوجھ کر سجدے سے انکار کر دیا۔ انکار کیوں کیا تکبر کی وجہ سے۔

استکبر استکبار سے بنا ہے جس کے معنی ہیں۔

اپنے آپ کو بڑا سمجھنا

شیطان نے تین وجوں سے اپنے آپ کو حضرت آدم علیہ السلام سے بڑا سمجھا۔

(1) ایک یہ کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں وہ خاک سے۔ آگ خاک سے افضل ہے اور جو افضل سے پیدا ہوا وہ بھی افضل لہٰذا میں آدم علیہ السلام سے افضل۔

(2) دوسرے یہ کہ میں ہزاروں سال عبادت میں مشغول رہا آدم علیہ السلام نے ابھی کوئی عبادت نہیں کی لہٰذا میں ان سے

(3) تیسرے یہ کہ میں نے دنیا میں بڑے بڑے کام انجام دیئے۔ جیسے زمین کو جنات سے خالی کرانا وغیرہ انہوں اب تک کوئی مشقت نہ اٹھائی لہٰذا میں ان سے افضل حق تعالیٰ میری ناقدری کی اور سالہا سال کا حق خدمت برباد کر دیا۔ لئے سجدے سے انکاری ہو گیا۔ انکار کی وجہ دوسری آیت میں مذکور ہے۔

لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ (حجر: 33)

حضرت آدم علیہ السلام کو حقیر اور اپنے آپ کو عزت والا جاننا معلوم ہوا کہ تمام کفروں کی جڑ توہین نبی ہے جو شیطان سے زد ہوا۔

خیال رہے کہ

کفار کے مقابل تکبر عبادت ہے اور نبی کے مقابل تکبر کفر ہے۔ شیطان کا تکبر آخری قسم کا تھا۔ اس لئے کافر ہوا۔

وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ

مفسرین نے اس کے دو معنی کیے ہیں:

(1) ایک یہ کہ کان، صار کے معنی میں ہے۔

یعنی شیطان انکار کر کے کافروں میں سے ہو گیا۔ یعنی اب تک مومن آج سے اس انکار سے کافر ہوا۔

(2) دوسرے یہ کہ کان اپنے ہی معنی میں ہے یعنی وہ پہلے ہی سے کافروں میں سے تھا یا تو اسے مایوسی ہوئی سجدے کا کر گیا۔ اس لئے کہ وہ اللہ عزوجل کے علم میں پہلے ہی کافر تھا۔ اس کی عبادت وغیرہ اللہ عزوجل کے ہاں قبول نہ تھی۔ کا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کافروں کی اور بھی جماعت موجود تھی جن میں آج شیطان بھی داخل ہو گیا سب سرکش جن کا تو تھے۔

خلاصہ

جب حضرت آدم علیہ السلام کا علم تمام پر ظاہر ہو گیا تو تمام فرشتوں کو جن میں شیطان بھی رہتا تھا۔ حکم ہوا کہ تم سب سب آدم علیہ السلام کو تعظیمی سجدہ کرو وہ سب سجدے میں گر گئے لیکن ابلیس لعین سجدے سے انکاری ہوا۔ اپنے آپ کو بڑا جا دل میں سوچنے لگا کہ حق تعالیٰ کا یہ حکم غلط ہے۔ میں بہت بڑا آدم علیہ السلام بہت چھوٹے، چھوٹا بڑے کے سامنے جھک سک نہ کہ بڑا چھوٹے کے سامنے، رب عزوجل نے میری ہزار برس کی کوئی قدر نہ فرمائی اور میرا حق نہ پہچانا۔ اس لئے وہ کافروں ہو گیا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل: ص289 تا290 نعیمی کتب خانہ لاہور)

شیطان کی حقیقت

علامہ زبیدی لکھتے ہیں

ابلاس کا معنی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا۔

اسی لفظ سے ابلیس ماخوذ ہے کیونکہ یہ لعین اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو گیا تھا۔

اس سے پہلے اس کا نام عزازیل تھا۔

(تاج العروس ج:4،ص:111 مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر)

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

شیطان آگ سے پیدا کی ہوئی ایک مخلوق ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

خَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (رحمن: 15)

اور جن کو خالص آگ کے شعلہ سے پیدا کیا کیونکہ اس میں قوت غضبیہ اور رحمت مذمومہ بہت زیادہ تھی اسی وجہ سے اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

ابوعبیدہ نے کہا:

جن، انس اور حیوانات میں سے ہر موذی کو شیطان کہتے ہیں۔

(المفردات،ص:261 مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران)

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

جن انسان کی ضد ہے جن کو اس لئے جن کہتے ہیں کہ وہ چھپا ہوا ہوتا ہے اور نظر نہیں آتا

زمخشری نے کہا:

ملائکہ اور جن ایک نوع ہیں ان میں سے جو خبیث اور متمرد ہیں ان کو جن کہتے ہیں اور جو طاہر اور نیک ہیں ان کو ملائکہ کہتے ہیں۔

علامہ راغب اصفہانی نے کہا:

جو روحانی مخلوق انسان کے حواس سے مخفی ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں۔

(1) جو خیر ہیں وہ فرشتے ہیں

(2) جو شر ہیں وہ شیطان ہیں

(3) جن میں خیر اور شر دونوں ہیں وہ جن ہیں

بعض علماء نے کہا:

ملائکہ اور جن کی مختلف حقیقتیں ہیں۔

ملائکہ نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔

اور جنات نار سے پیدا کیے گئے ہیں۔

ملائکہ معصوم ہیں، ان میں توالد اور تناسل نہیں ہوتا اور نہ ان میں مذکر اور مؤنث ہوتے ہیں اور جنات اس کے برخلاف ہیں۔

ابلیس جنات میں سے تھا جیسا کہ قرآن مجید میں صراحتاً مذکور ہے۔

ایک قول یہ ہے:

ابلیس جنات میں اس طرح ہے جس طرح آدم علیہ السلام انسانوں میں ہیں۔

(تاج العروس ج:9، ص:165 مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی ابلیس کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سخت خوف کے بعد جو غم طاری ہو اس کو ابلاس کہتے ہیں۔ اسی سے ابلیس ماخوذ ہے۔ کتنی بار ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی شخص کے خلاف بہت دلائل قائم کر دیئے جاتے ہیں تو اس پر سکوت طاری ہو جاتا ہے اور وہ حیران اور پریشان ہو کر بھول جاتا ہے اس کو کیا کہنا ہے اور کیا نہیں کہنا۔ ایسے موقع پر کہا جاتا ہے۔

ابلس فلان

یعنی جب وہ اپنی حجت منقطع ہونے کے بعد خاموش ہو گیا۔

(المفردات ج:1، ص:76 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

شیطان نے سجدہ کیوں نہیں کیا

شیطان لعین کا یہ زعم تھا کہ آگ مٹی سے افضل ہوتی ہے اور وہ آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں۔ اس لیے وہ حضرت آدم علیہ السلام سے افضل ہے اور افضل کو یہ حکم دینا صحیح نہیں ہے کہ وہ مفضول کو سجدہ کرے اس لیے اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

ابلیس کا جو زعم تھا کہ آگ مٹی سے افضل ہے اس کا رد اس طرح ہے کہ مٹی آگ سے افضل ہے۔

(1) مٹی آگ پر غالب ہے کیونکہ آگ پر مٹی ڈالنے سے آگ بجھ جاتی ہے اور آگ مٹی کو ختم نہیں کر سکتی۔

(2) مٹی امین ہے مٹی میں بیج دبا دیا جائے تو وہ اس سے درخت اگا کر بیج کو پھر کئی گنا کر کے لوٹا دیتی ہے اور آگ خائن ہے۔ آگ میں جو کچھ ڈالا آگ اس کو بھسم کر دیتی ہے۔

(3) آگ کی طبیعت میں جوش اور غضب ہے اور مٹی کی طبیعت میں سکون اور ثبات ہے۔

(4) مٹی کی طبیعت میں تخلیق اور تکوین کی صلاحیت ہے۔ مٹی سے انسانوں اور حیوانوں کا رزق حاصل ہوتا ہے اور روئی حاصل ہوتی ہے جس سے انسان کو لباس اور زینت فراہم ہوتی ہے۔ اس میں معدنیات ہیں جن سے مختلف آلات اور مشینیں بنتی ہیں اور آگ سے کسی چیز کا حصول نہیں ہوتا بلکہ وہ حاصل شدہ چیزوں کو فاسد اور فنا کر دیتی ہے۔

(5) مٹی سے انسان اپنی رہائش کے لئے گھر بناتا ہے جو اس کو دھوپ اور بارش سے بچاتا ہے اور آگ سے گھر بنتا ہی نہیں بلکہ گر جاتا ہے اور جل جاتا ہے۔

(6) آگ خود بخود قائم نہیں ہو سکتی اس کو اپنے قیام کے لئے کسی محل اور جگہ کی ضرورت ہے اور وہ محل اور جگہ زمین اور مٹی ہے۔ سو آگ محتاج ہے اور مٹی محتاج الیہ ہے اور محتاج الیہ محتاج سے افضل ہوتا ہے۔

(7) ہر چند کہ آگ سے بعض فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

مثلاً

اس سے کھانا پکانا، روشنی حاصل کرنا، لیکن اس کو کنٹرول کرنا پڑتا ہے۔ کنٹرول نہ کیا جائے تو وہ کھانا جلا دے اور گھر جل کر راکھ ہو جائے سو اس کی خیر میں بھی شر مضمر ہے اور مٹی سراپا خیر ہے۔ اس میں شر بالکل نہیں ہے۔

(8) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مٹی کے بہت فوائد اور منافع بیان فرمائے۔

زمین کے متعلق فرمایا

ہم نے اس کو فراموش بساط اور قرار بنایا ہے اور زمین کے عجائبات میں انسان کو غور و فکر کی دعوت دی ہے اور آگ کا ذکر زیادہ تر ڈرانے دھمکانے اور عذاب دینے کے لئے فرمایا ہے اور مٹی کو اجر و ثواب کا منبع بنایا ہے اور وہ جنت ہے جس میں باغات ہیں اور محلات ہیں اور یہ مٹی کے مثمرات ہیں اور آگ صرف دوزخ میں ہے اور جنت دوزخ سے افضل ہے تو مٹی آگ سے افضل ہوئی۔

(9) مٹی کے لئے یہ فضیلت کافی ہے کہ اس سے اللہ عزوجل کا گھر بنایا گیا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو بنایا گیا ہے اور آگ کے لئے یہ مذمت بہت ہے کہ اس سے شیطان کو بنایا گیا ہے۔

(10) مٹی سے تواضع ہوتی ہے اور آگ سے سرکشی اور تکبر پیدا ہوتا ہے اور جو تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو سر بلند کرتا

حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو اللہ تعالیٰ کے لئے ایک درجہ تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ایک مرتبہ بلند پیدا کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے سامنے درجہ تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ایک درجہ نیچے گرا دیتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کو اسفل السافلین میں کر دیتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: 4176 بیروت)

شیطان لعین نے تکبر کیا اور پھر کافر ہو کر تباہ و برباد ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو ناپسند فرماتا ہے اور احادیث مبارکہ میں تکبر کرنے والوں کی سخت وعیدیں آئی ہیں۔

احادیث مبارکہ میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہ ہو گا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 91، بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ

کبریا میری چادر ہے اور عظمت میرا تہبند ہے جو ان میں کسی ایک کو مجھ سے چھینے گا میں اس کو جہنم میں ڈال دوں گا۔

(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 4174 بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہمیشہ آدمی اپنے آپ کو بڑا سمجھتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کو متکبرین میں لکھ دیا جاتا ہے اور اس کو متکبرین کا عذاب پہنچتا ہے۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2007 بیروت)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ شخص جنت میں داخل ہو جائے گا جو اس حال میں مرا کہ وہ ان تین چیزوں سے بری تھا۔

(1) تکبر

(2) خیانت

(3) قرض

(سنن الترمذی، رقم الحدیث: 1578 بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

کیا میں تم کو اہل جنت کی خبر نہ دوں۔ ہر کمزور شخص جس کو بے حد کمزور سمجھا جاتا ہو اگر وہ اللہ عزوجل پر قسم کھالے تو اللہ عزوجل اس کی قسم ضرور پوری کرے گا اور کیا میں تم کو اہل دوزخ کی خبر نہ دوں، ہر سرکش اکڑ کر چلنے والا متکبر۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6657 بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

متکبروں کو قیامت کے دن مردوں کی صورت میں چیونٹی کی جسامت میں جمع کیا جائے گا۔ ان کو ہر طرف سے ذلت ڈھانپ لے گی ان کو دوزخ کے قید خانہ کی طرف ہنکایا جائے گا جس کا نام بولس ہے۔ اس میں آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہوں گے۔ ان کو دوزخیوں کی پیپ پلائی جائے گی۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2492)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت نعیم بن ہماز انعطفانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیسا برا بندہ ہے وہ بندہ جو بڑا بنے اور تکبر کرے اور الکبیر المتعال (اللہ تعالیٰ جو حقیقتاً سب سے بڑا ہے) کو بھول جائے اور کیسا برا بندہ ہے وہ بندہ جو دین کے بدلہ میں دنیا لے اور کیسا برا بندہ ہے وہ بندہ جو لہو و لعب میں وقت گزارے اور قبروں کو اور جسم کے بوسیدہ ہونے کو بھول جائے اور کیسا برا بندہ ہے وہ بندہ جو شہداء سے حرام کو حلال کرے اور کیسا برا بندہ ہے جو بندہ جس کو خواہش (نفس) گمراہ کردے اور کیسا برا بندہ ہے وہ بندہ جو اس چیز میں رغبت کرے جو اس کو ذلیل کردے۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2456 بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

روئے زمین پر کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ جو اس حال میں مرے کہ اس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہو مگر اللہ عزوجل اس کو دوزخ میں (داخل) کر دے گا۔ جب حضرت عبداللہ بن قیس انصاری نے یہ روایت سنی تو وہ رونے لگے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

اے عبداللہ بن قیس تم کیوں رو رہے ہو؟

انہوں نے عرض کیا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی وجہ سے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تمہیں مبارک ہو، تم جنت میں ہو گے۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اس میں انہوں نے جہاد کیا اور شہادت پائی۔ آپ نے پھر اس حدیث کو تین بار دہرایا۔

انصار میں سے ایک شخص نے کہا:

یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں جمال سے محبت کرتا ہوں۔ میں تلوار حمائل کرتا ہوں اور میلے کپڑے دھوتا ہوں، اپنی جوتی اور اس کے تسموں کو حسین بناتا ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میری مراد یہ نہیں ہے۔ تکبر حق کا انکار کرتا ہے اور لوگوں کو حقیر جانتا ہے۔

اس نے کہا:

یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! حق کے انکار کرنے اور لوگوں کو حقیر جاننے کا کیا معنی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حق کا انکار یہ ہے کہ تمہارا کسی شخص پر مال ہو وہ اس کا انکار کر دے اور کہے کہ

اس کے اوپر کوئی حق نہیں ہے پھر کوئی شخص اس کو اللہ عزوجل سے ڈرنے کا حکم دے تو وہ اس کا انکار کر دے اور لوگوں کو حقیر جاننا یہ ہے کہ ایک شخص ناک چڑھا کر آئے اور جب وہ پس ماندہ اور فقراء لوگوں کو دیکھے تو ان کو سلام نہ کرے اور ان کو بے وقعت جان کر ان کے پاس نہ بیٹھے۔ پس وہ شخص ہے جو لوگوں کو حقیر جانتا ہے۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنے اور جوتی کی مرمت کی اور دراز گوش پر سوار ہوا اور نوکر جب بیمار ہوں تو ان

ت کی اور بکری کا دودھ دوہا تو وہ تکبر سے بری ہو گیا۔

(المطالب العالیہ رقم الحدیث:2675)

تکبر کا معنی بیان کرتے ہوئے امام راغب اصفہانی متوفی 502ھ فرماتے ہیں۔

دل میں اپنے آپ کو دوسروں سے اچھا اور بڑا سمجھنے کی وجہ سے انسان کو جو حالت حاصل ہوتی ہے اس کو تکبر کہتے ہیں۔

اور سب سے بڑا تکبر یہ ہے کہ

انسان اللہ عزوجل کے سامنے تکبر کرے اور حق کو ماننے اور قبول کرنے سے انکار کرے اور عبادت کرنے سے عار محسوس کرے اگر انسان بڑائی کو حاصل کرنے کے لئے تگ و دو کرے تو یہ محمود ہے اور اگر انسان اپنی بڑائی ظاہر کرے اور اس میں وہ اوصاف نہ ہوں تو یہ مذموم ہے۔

(المفردات ج:2،ص:545 مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

وہ تکبر کرتے ہیں۔

اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو افضل الخلق سمجھتے ہیں اور ان کو وہ اختیار حاصل ہے جو ان کے غیر کو حاصل نہیں ہے اور صرف اللہ عزوجل کو زیبا ہے کیونکہ وہی ایسی قدرت اور ایسی فضیلت کا مالک ہے جو کسی اور کے لئے ممکن نہیں ہے۔ اس وہی متکبر کی صفت کا مستحق ہے۔

بعض علماء نے یہ کہا کہ

تکبر کی تعریف یہ ہے کہ

انسان دوسروں پر اپنی بڑائی ظاہر کرے اور تمام بندوں کے حق میں تکبر کی صفت مذموم ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق میں تکبر کی محمود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات کا مستحق ہے کہ وہ دوسروں پر اپنی بڑائی ظاہر فرمائے اور اس کے لئے یہ حق ہے اور دوسروں کے لئے باطل ہے۔

(تفسیر کبیر:ج:5،ص:366 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

تو ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ تکبر ہلاک کر دیتا ہے اور اسے گمراہ کر دیتا ہے اس لئے شیطان لعین نے تکبر کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور اس نے یہ سمجھا کہ میں آدم (علیہ السلام) سے افضل ہوں۔ شیطان کا یہ تھا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو حقیر جانا اور ان کو سجدہ کرنے سے انکار کیا شیطان نے تعالیٰ کے اس حکم کو برا جانا کیونکہ اس کے خیال میں وہ حضرت آدم علیہ السلام سے افضل تھا اور افضل کو مفضول کی تعظیم کا حکم دینا اور برا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو برا جاننا کفر ہے اسی لئے اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو برا جانا اور تکبر کر کے کافر ہو گیا۔

اور دوسری وجہ وہی جو بیان کی کہ آگ مٹی سے افضل ہوتی ہے اور وہ آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام

مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔ اس لئے وہ حضرت آدم علیہ السلام سے افضل ہے اور افضل کو یہ حکم دینا صحیح نہیں کہ وہ مفضول کو سجدہ کرے اس لئے اس شیطان لعین نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

ابلیس کا یہ زعم صحیح نہیں ہے کہ

آگ مٹی سے افضل ہے لیکن اگر بالفرض اس کا یہ زعم صحیح بھی ہو تو کسی مرکب کے تحقق کی چار علتیں ہوتی ہیں۔

(1) علت مادی

(2) علت صوری

(3) علت فاعلی

(4) علت غائی

اور مادہ کے علاوہ بقیہ تین علتوں کی وجہ سے بہر حال حضرت آدم علیہ السلام افضل ہیں۔

علت صوری کے اعتبار سے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

خلق الله آدم على صورته

(صحیح البخاری رقم الحدیث: 6267)

آدم (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صورت پر پیدا کیا۔

اور علت فاعلی سے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ

ساری کائنات کو اللہ تعالیٰ نے صرف لفظ ''کن'' سے بنایا اور حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے بنایا۔

ارشاد فرمایا

خَلَقْتُ بِيَدَیَّ (ص: 75)

جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔

اور علت غائی کے اعتبار سے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنی خلافت اور نیابت کے لئے بنایا

اور ارشاد فرمایا

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ (البقرہ: 30)

بے شک میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں۔

ان دلائل سے واضح ہو گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام ہر اعتبار سے شیطان لعین سے افضل تھے اور ان کا انا خیر منہ کہنا بے جا اور جھوٹا تکبر تھا اور جب اس نے تکبر کیا تو ہلاک ہوا۔

[شیط]ان جن تھا یا فرشتہ

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

جمہور کے قول کے مطابق شیطان فرشتوں میں سے تھا۔

حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، ابن جریج، ابن المسیب اور قتادہ وغیرہم رضی اللہ عنہم کا یہی مختار ہے۔ امام ابوالحسن [اشع]ری کا بھی یہی نظریہ ہے۔ امام ابن جریر طبری نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

ابلیس کا نام عزازیل تھا اور یہ معزز فرشتوں میں تھا اور چار پروں والا تھا۔ اس کے بعد یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کر دیا

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

یہ فرشتوں کی عمدہ قسم میں شامل ہوتا تھا۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا:

کچھ ملائکہ نار (آگ) سے پیدا کیے گئے تھے۔ ابلیس بھی انہی میں سے تھا۔ اور باقی ملائکہ کو نور سے پیدا کیا گیا۔

ابن زید، حسن اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ابلیس ابوالجن ہے جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں اور وہ فرشتہ نہیں ہے۔

اور اس کا نام "حارث" ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت بھی اسی طرح ہے۔

شہر بن حوشب اور بعض اصولیین نے یہ کہا کہ

ابلیس ان جنوں میں سے تھا جو زمین پر رہتے تھے فرشتوں نے ان سے قتال کیا اور کم عمری میں اس کو قید کر لیا۔ اس نے [فرش]توں کے ساتھ عبادت کی۔ اس وجہ سے اس کو فرشتوں کے ساتھ مخاطب کیا گیا۔

اس قول کو امام ابن جریر نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

اس بناء پر یہ استثناء منقطع ہوگا۔

جن صحابہ کرام علیہم الرضوان کا یہ نظریہ ہے کہ

ابلیس فرشتہ نہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ

ابلیس نے اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کی تھی اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی نہیں کرتے۔

قرآن مجید میں ہے:

لَّا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ٥ (التحریم: 6)

وہ اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

اور اس آیت میں صاف تصریح کی ہے کہ ابلیس جن تھا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ (الکہف: 50)

ابلیس کے سوا سب فرشتوں نے سجدہ کیا وہ جنوں میں سے تھا سو اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔

ثعلبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

ابلیس فرشتوں کے اس قبیلہ میں سے تھا جس کو جن کہا جاتا ہے ان کو دھوئیں والی آگ سے پیدا کیا گیا تھا اور فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا تھا۔

اس کا نام سریانی زبان میں "عزازیل" اور عربی میں "حارث" ہے۔ یہ جنت کے خازنوں میں سے تھا اور آسمان دنیا کے فرشتوں کا سردار تھا۔ آسمان اور زمین پر اس کی سلطنت تھی۔ علم اور عبادت میں اس کی کوشش سب فرشتوں سے زیادہ تھی۔ آسمان سے زمین تک کے معاملات کا یہ محافظ اور منتظم تھا۔ ان امور کی وجہ سے یہ اپنا شرف اور مرتبہ سب سے زیادہ سمجھتا تھا۔ اس زعم نے اس کو کفر پر برانگیختہ کیا۔ سو اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اس کو شیطان رجیم اور راندہ درگاہ قرار دیا۔

(الجامع الاحکام القرآن ج:1 ص:294 تا 295 مطبوعہ انتشارات ایران)

جمہور مفسرین یہ کہتے ہیں کہ

ابلیس ملائکہ میں سے تھا۔

ان کی دلیل سورہ بقرہ کی یہ آیت ہے۔

"اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔"

ابلیس کو حکم اس وقت ہوگا جب وہ فرشتہ ہو کیونکہ اس آیت میں سجدہ کا حکم فرشتوں کو دیا گیا ہے۔

اور جو علماء یہ کہتے ہیں کہ

ابلیس فرشتہ نہیں تھا وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ

ابلیس جن تھا لیکن وہ فرشتوں کے درمیان چھپا رہتا تھا۔ اس لئے بطور تغلیب وہ بھی فرشتوں میں داخل تھا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ

جنوں کو بھی سجدہ کرنے کا حکم تھا لیکن فرشتوں کے ذکر کے بعد ان کے ذکر کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ جب ان اکابر کو کسی کی تعظیم کرنے کا حکم دیا جائے تو اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اصاغر کو اس کی تعظیم کا یہ طریق اولیٰ حکم ہے۔ امام ابن جریر طبری، امام قرطبی، امام رازی، قاضی بیضاوی، علامہ ابوالحیان اندلسی اور علامہ آلوسی وغیرہ کی تحقیق یہ ہے کہ

''ابلیس ملائکہ'' میں سے تھا۔

اس کے برخلاف علامہ سیوطی، علامہ نسفی، علامہ زمخشری بعض دیگر مفسرین اور متکلمین کی تحقیق یہ ہے کہ

ابلیس جن تھا اور قرآن مجید کی ظاہر آیات اسی کے موافق ہیں۔

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

ابلیس جن تھا۔ اس نے اپنے رب عزوجل کے حکم کی نافرمانی کی لیکن چونکہ وہ فرشتوں کی طرح عبادت گزار تھا اور ان میں رہتا تھا اس لئے اس کو بھی تغلیباً فرشتوں میں شامل کر کے سجدہ کا حکم دیا گیا تھا۔

(شرح عقائد ص:99 مطبوعہ محمد سعید تاجران کتب کراچی)

ابلیس کے جن ہونے پر حسب ذیل دلائل قائم کئے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

كَانَ مِنَ الْجِنِّ (الکھف: 50)

اس آیت کریمہ میں جن ہونے کی تصریح ہے۔

(2) فرشتوں کی نسل نہیں چلتی اور ابلیس کی نسل ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ (الکھف: 50)

کیا تم شیطان اور اس کی اولاد کو دوست بناتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف جو یہ منسوب ہے کہ

فرشتوں کی ایک نوع میں توالد ہوتا ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

(نبراس ص:461)

(3) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ (التحریم: 6)

فرشتے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے۔

اور ابلیس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔

(4) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا۔

(صحیح مسلم: ج:2 ص:413 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

اور قرآن مجید میں تصریح ہے کہ شیطان کو نار سے پیدا کیا گیا ہے۔

اور جو علماء شیطان کو فرشتہ قرار دیتے ہیں وہ ان تین آیات کریمہ اور اس حدیث میں تاویل کرتے ہیں اور جو ابلیس کو جن قرار دیتے ہیں وہ صرف "فَسَجَدُوْا اِلَّا اِبْلِیْسَ" (بقرہ:34) میں تاویل کرتے ہیں یا اس استثناء کو منقطع قرار دیتے ہیں اور زیادہ آیتوں میں تاویل کرنے کی بہ نسبت ایک آیت میں تاویل کرنا اولیٰ ہے۔

ایک اور سوال یہ ہے کہ

امام طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے۔

اس میں ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام اور رو رہے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے جبرائیل (علیہ السلام)! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اتنا بڑا مقام دیا ہے اور پھر بھی تم رو رہے ہو۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

میں کیوں نہ روؤں میں رونے کا زیادہ حق دار ہوں، ہوسکتا ہے کہ اللہ عزوجل کے علم میں میرا یہ مقام نہ ہو جس پر میں فی الحال ہوں۔

اور ہوسکتا ہے کہ

مجھے اس طرح آزمائش میں ڈالا گیا ہو جس طرح ابلیس کو آزمائش میں ڈالا گیا تھا۔ بے شک وہ بھی فرشتوں میں سے تھا۔

(جامع الاحادیث الکبیر ج:12 ص:31 مطبوعہ دالفکر بیروت)

اس حدیث مبارکہ میں یہ تصریح کی ہے کہ

ابلیس فرشتوں میں سے تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اس حدیث کا ایک راوی متروک ہے جیسا کہ اس حدیث کے آخر میں لکھا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ

ابلیس کے جن یا فرشتہ ہونے میں اختلاف ہے لیکن اس کے جن ہونے پر زیادہ دلائل قائم ہیں اور فرشتہ ہونے پر صرف اس آیت میں استثناء متصل سے استدلال کیا گیا ہے اور اس استثناء میں یا تاویل کی جائے گی یا اس کو استثناء منقطع پر محمول کیا جائے گا۔

شیطان جنات سے تھا

ابلیس جنات میں سے تھا جیسا کہ قرآن مجید میں صراحتاً مذکور ہے۔

ایک قول یہ ہے:

ابلیس جنات میں اس طرح ہے جس طرح حضرت آدم علیہ السلام انسانوں میں ہیں۔

(تاج العروس ج:9،ص:165 مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر)

تفسیر نعیمی میں ہے۔

اس میں محققین کا اختلاف ہے کہ شیطان کی حقیقت کیا ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ

وہ فرشتہ نہ تھا تو سجدے کے حکم میں کیونکر داخل ہوتا رہا۔

قرآن کریم میں اس کو جن فرمانا کہ

كَانَ مِنَ الْجِنِّ

اس کے معنی ہیں چھپا ہوا یا تو وہ انسانوں کی نگاہ سے چھپا رہتا ہے اور فرشتے بھی اس کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اس لئے اسے جن کہا گیا۔

بعض فرماتے ہیں کہ

جن بھی فرشتے ہیں۔ بعض اطاعت کرنے والوں کو ملک کہا گیا،

نافرمانوں کو جن لیکن یہ دونوں قول ضعیف ہیں۔

حق یہی ہے کہ

شیطان جنات میں سے بھی ہے اور جنات کی حقیقت اور ہے اور فرشتوں کی اور اس لئے کہ جنات کی پیدائش نار سے

وہ خود کہتا ہے۔

خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ (اعراف: 21)

اور دوسری جگہ فرمایا گیا ہے۔

اَلْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (حجر: 27)

نیز فرمایا گیا۔

وَ خَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (الرحمن: 15)

اور فرشتے نوری ہیں جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔

نیز

شیطان کی ذریت اور اولاد ہے فرشتے اس سے پاک ہیں کیونکہ ان میں کوئی نر و مادہ ہے ہی نہیں۔ یہ دونوں باتیں قرآن کریم میں ثابت ہیں۔

نیز

فرشتے معصوم ہیں اور شیطان نابکار بدکاروں کا سردار

قرآن کریم فرشتوں کے بارے میں فرماتا ہے۔

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ (التحریم: 6)

نیز

فرشتے اللہ عزوجل کے رسول ہیں اور شیطان اور جنات میں یہ بات نہیں۔ ان تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جن فرشتوں کی علیحدہ علیحدہ حقیقتیں ہیں اور شیطان جنات میں سے ہیں مگر اپنی عبادت اور تقویٰ کی وجہ سے چونکہ فرشتوں میں تھا اس لئے سجدہ کے حکم میں وہ بھی شامل ہو گیا۔

(تفسیر نعیمی پارہ اول ص: 289 نعیمی کتب خانہ لاہور)

کیا شیطان نے توبہ کی تھی

تفسیر عزیزی میں اس جگہ ہے کہ

ایک بار شیطان نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بڑے مقبول ہیں میری شفاعت فرما دیجئے کہ حق تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی۔

حکم الٰہی عزوجل ہوا کہ آپ کی شفاعت قبول اور شیطان کی توبہ قبول ہے مگر شرط وہی پہلی ہے کہ آدم علیہ السلام کی قبر کو سجدہ کرے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شیطان کو خبر دی۔

اس نے جواب دیا کہ

جب میں نے زندہ آدم (علیہ السلام) کو سجدہ نہ کیا تو مردے کو کیا سجدہ کروں مگر اے موسیٰ (علیہ السلام) تمہاری شفاعت کا پر احسان ہے اس لئے میں آپ کو ایک فائدے کی بات بتاتا ہوں کہ میں تینوں وقتوں میں آدمی کو بہت خراب کرتا ہوں۔

(1) ایک غصے کی حالت میں کہ اس وقت میں بجائے خون کے اس کے جسم میں دوڑتا ہوں اور جو چاہتا ہوں اس سے کرا ہوں۔

(2) دوسرا جہاد کی حالت میں کہ نمازی کو گھر بار یاد دلا کر جہاد سے روکتا ہوں۔

(3) تیسرے غیر عورت کے ساتھ خلوت کی حالت میں کہ زنا کرا دیتا ہوں۔

روح البیان میں اسی جگہ فرمایا:

اللہ تعالیٰ شیطان کو ایک لاکھ برس جہنم میں رکھ کر وہاں سے نکالے گا۔

اور فرمائے گا کہ

تو اب بھی (حضرت) آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کر لے۔ وہ انکار کرے گا اور وہ دوزخ میں واپس کر دیا جائے گا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول ص: 289 نعیمی کتب خانہ لاہور)

رت آدم علیہ السلام کو جنت میں رہنے کا حکم

جب تمام ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا اور شیطان لعین نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ت آدم علیہ السلام کو جنت میں رہنے کا حکم دیا۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَ قُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۝ (بقرہ: 35)

اور ہم نے فرمایا! اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور اس جنت میں سے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ اور اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم حد سے بڑھنے والوں میں شمار ہو گے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد جنت میں رکھا گیا۔

ت کا مقام کہاں ہے

جنت کس جگہ واقع ہے اس میں علماء کی مختلف آراء ہیں۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

نت کے متعلق فرمایا گیا اس کو قریب کر دیا گیا ہے اور دوزخ کے متعلق فرمایا گیا اس کو ظاہر کر دیا گیا ہے یعنی اس کو دکھایا گیا

اس کا معنی یہ ہے کہ

جنت اہل محشر کے قریب ہوگی اور دوزخ کو دور سے دکھایا جائے گا۔

ابن کمال نے یہ کہا ہے:

جنت کی جگہ ارض محشر سے بہت دور ہے۔ اس لئے فرمایا اس کو متقین کے قریب کر دیا گیا اور دوزخ کی جگہ ارض محشر کے قریب ہے۔ اس لئے فرمایا اس کو ظاہر کر دیا گیا۔

ایک قول یہ ہے:

یہ مشہور قول پر مبنی ہے کہ جنت آسمان میں ہے اور دوزخ زمین میں ہے اور قیامت کے دن جب زمین کو پھیلایا جائے گا اس کی گولائی کو ختم کر کے اس کو پھیلا دیا جائے گا کیونکہ قرب اور بعد کا معاملہ اسی وقت ظاہر ہو سکتا ہے۔

اور یہ امر واضح رہے کہ

جنت کا آسمان میں ہونا ان امور سے ہے جن پر اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے اور اس میں ان کا کوئی قابل ذکر اختلاف ہے لیکن دوزخ کے زمین کے نیچے ہونے میں توقف ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے اتمام الدرایہ میں کہا ہے:

ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ جنت آسمان میں ہے اور دوزخ کے متعلق ہم توقف کرتے ہیں۔ دوزخ کس جگہ پر ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس باب میں مجھے کوئی ایسی حدیث نہیں ملی کہ جس پر مجھے اعتماد ہو۔

اور ایک قول یہ ہے:

دوزخ زمین کے نیچے ہے۔ علامہ سیوطی کا کلام ختم ہوا۔

زمین کو پھیلا کر اس کی گولائی کو ختم کر دینا یہ بعض کا قول ہے۔

امام قرطبی نے التذکرہ میں بکثرت احادیث مبارکہ کو نقل کرنے کے بعد یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ ایک اور زمین کو پیدا کرے گا جو چاندی کی ہوگی اور سفید ہوگی جس پر کوئی ناحق خون نہ بہایا گیا ہوگا نہ کوئی ظلم کیا گیا ہوگا اور ارض محشر سے دوزخ کے قریب اور جنت کے بعید ہونے کے متعلق اولیٰ یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ پل صراط کو عبور کرنے کے بعد جنت تک رسائی ہوگی اور پل صراط دوزخ کی پشت پر رکھا ہوا ہے۔

جیسا کہ احادیث میں تصریح ہے۔

پس پہلے دوزخ تک پہنچنا ہوگا پھر پل صراط کو عبور کرنے کے بعد جنت تک رسائی ہوگی اور یہ دوزخ کے قریب اور جنت کے بعید ہونے پر واضح دلیل ہے۔ پھر اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنت کو اس کی اصل جگہ سے ارض محشر میں منتقل کیا جائے گا کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے اور جنت متقین کے قریب کر دی گئی اور احادیث مبارکہ میں جنت کو منتقل

ں ہے۔ ہاں احادیث میں دوزخ کو نقل کرنے کا ذکر ہے۔

کیونکہ التذکرہ میں ہے۔

امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

اس دن دوزخ کو لایا جائے گا اس کے ساتھ ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے اور اس کا معنی یہ ہے کہ دوزخ کو اس کی اصل جگہ سے لایا جائے گا۔

بہر حال اس آیت (الشعراء 90 تا 91) کا تقاضہ یہ ہے کہ

قیامت کے دن جنت کو متقین کے لئے ارض محشر کے قریب لایا جائے گا اور دوزخ کو دکھایا جائے گا۔

علامہ قرطبی نے اس آیت کی یہ توجیہ کی ہے کہ

دوزخ کی پشت پر پل صراط کو بچھا دیا جائے گا سو پہلے دوزخ سے گزر ہو گا اور پھر جنت تک رسائی ہو گی۔

(روح المعانی جز: 9، ص: 151 تا 152 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

میں کہتا ہوں کہ حدیث میں یہ تصریح ہے کہ

جنت آسمانوں کے اوپر اور عرش کے نیچے ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جنت میں سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین میں فاصلہ ہے اور فردوس جنت کا سب بلند درجہ ہے اور اس سے جنت کی۔ چار نہریں نکلتی ہیں اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے پس جب اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2531)

جنتوں میں پاکیزہ رہائش گاہیں

جنت وہ مقام ہے جہاں جنتی ہمیشہ جنت میں رہے گا۔

اس کے متعلق کئی احادیث مبارکہ ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے "مسکن طیبۃ فی جنات عدن" کے متعلق سوال کیا گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

موتیوں کا ایک محل ہے۔ اس میں سرخ یاقوت کی ستر حویلیاں ہیں ہر حویلی میں سبز زمرد کے ستر گھر ہیں۔ ہر گھر میں ستر

تخت ہیں۔ ہر تخت پر ہر رنگ کے ستر بستر ہیں۔ ہر بستر پر بڑی آنکھوں والی ایک گوری بیوی ہے۔ ہر گھر میں ستر دستر خوان ہیں ہر دستر خوان پر ستر قسم کے کھانے ہیں۔ ہر گھر میں ستر خدمت گار ہیں اور ہر مومن کو ہر صبح اتنی قوت دی جائے گی کہ وہ ان تمام چیزوں کو صرف کر دے۔

(جامع البیان:ج:10،ص:229)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دو جنتیں چاندی کی ہیں۔ ان کے برتن اور ان میں جو کچھ ہے وہ چاندی کا ہے اور دو جنتیں سونے کی ہیں۔ ان کے برتن اور ان میں جو کچھ ہے وہ سونے کا ہے۔ لوگوں کے اور ان کے درمیان صرف کبریائی کی چادر ہے جو اللہ عزوجل کے چہرہ پر جنت عدن میں ہے۔

(صحیح البخاری:رقم الحدیث:4878)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن قیس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مومن کے لئے جنت میں کھوکھلے موتیوں کا ایک خیمہ ہے جس کا طول ساٹھ میل ہے۔

(صحیح البخاری:رقم الحدیث:488)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جنت میں سو درجے ہیں۔ ہر دو درجوں میں زمین و آسمان جتنا فاصلہ ہے اور فردوس ان میں سب سے بلند درجہ ہے۔ اس سے جنت کے چار دریا نکلتے ہیں اور اس کے اوپر عرش ہے۔ پس جب تم اللہ عزوجل سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو۔

(سنن الترمذی:رقم الحدیث:2530)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو پہلا گروہ جنت میں [illegible] چاند کی طرح ہوگی پھر جوان کے قریب ہوں [illegible] ناک نکلے گی۔

نے کی کنگھی ہوگی اور ان کا پسینہ مشک کی طرح ہوگا ان کی انگیٹھیوں میں عود سلگتا ہوگا۔ ان کی بیویاں بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی۔ ان سب کی تخلیق ایک شخص کی طرح ہوگی وہ سب اپنے باپ (حضرت) آدم علیہ السلام کی صورت پر ہوں گے جن کا قد آسمان میں ساٹھ گز کے برابر ہوگا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث:3327)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اہل جنت میں سے ادنیٰ شخص وہ ہوگا جس کے اسی ہزار خادم ہوں گے اور اس کی بہتر (72) بیویاں ہوں گی اور اس کے لئے موتی، زمرد اور یاقوت کا اتنا بڑا گنبد بنایا جائے گا جتنی جابیہ اور صنعاء میں مسافت ہے۔

(سنن الترمذی، رقم الحدیث:2562)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ منبر پر کہا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا، جنت میں سب سے کم درجہ کس شخص کا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وہ ایک شخص ہوگا جو تمام جنتیوں کے جنت میں داخل ہونے کے بعد جنت میں جائے گا۔

اس سے کہا جائے گا۔

جنت میں چلے جاؤ۔

وہ شخص کہے گا۔

اے میرے رب عزوجل! میں جنت میں کہاں جاؤں، جنت کے محلات اور مناصب پر تو لوگوں نے پہلے ہی قبضہ کرلیا ہے۔

اس سے کہا جائے گا۔

کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تم کو جنت میں اتنا علاقہ مل جائے جتنا دنیا میں کسی بادشاہ کے ملک کا علاقہ ہوتا ہے۔

وہ شخص عرض کرے گا۔

اے میرے رب عزوجل! میں راضی ہوں۔

اللہ عزوجل ارشاد فرمائے گا۔

جاؤ! یہ علاقہ لے لو اور اس کا پانچ گنا علاقہ اور لے لو اور اس کے علاوہ وہ چیز بھی لے لو جو تمہارے دل کو پسند آئے اور تمہاری آنکھوں کو اچھی لگے۔

وہ شخص کہے گا۔

اے رب عزوجل! میں راضی ہوں۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا:

اور جن لوگوں کا جنت میں سب سے بڑا درجہ ہوگا وہ کون لوگ ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

یہ وہ گروہ ہے جس کو میں نے پسند کرلیا اور ان کی عزت وکرامت پر میں نے مہر لگادی۔ ان کو وہ نعمتیں ملیں گی جن کو کسی آنکھ نے نہ دیکھا نہ کسی کان سے سنا اور نہ کسی کے ذہن میں اس کا تصور آیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان نعمتوں کی تصدیق قرآن مجید کی اس آیت میں ہے۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ (السجدہ: 17)

کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے لئے کیا کیا نعمتیں چھپائی ہوئی ہیں۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 189)

جنت الفردوس سب سے افضل مقام

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا

فردوس سب سے بلند، متوسط، سب سے اعلیٰ اور افضل جنت ہے۔

حضرت ابوامامہ باہلی نے کہا:

فردوس جنت کی ناف ہے۔

کعب نے کہا:

جنتوں میں جنت الفردوس سے اعلیٰ کوئی جنت نہیں ہے۔

اس میں نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہوں گے۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اور اس نے نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے اللہ عزوجل پر حق ہے کہ اس کو جنت میں داخل کر دے۔ خواہ اس نے اللہ عزوجل کی راہ میں ہجرت کی ہو یا اپنے گھر میں بیٹھا رہا جس گھر میں وہ پیدا ہوا ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم لوگوں کو اس کی خبر دیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جنت میں سو درجے ہیں جن کو اللہ عزوجل نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لئے تیار کیا ہے۔ ہر دو درجوں کے درمیان زمین اور آسمان جتنا فاصلہ ہے پس جب تم اللہ عزوجل سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا متوسط اور سب سے بلند درجہ ہے۔ اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کے دریا جاری ہوتے ہیں۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث:7423)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جنت میں سو درجے ہیں۔ ہر دو درجوں کے درمیان آسمان اور زمین جتنا فاصلہ ہے اور فردوس جنت کا سب سے بلند درجہ ہے اور اس کے اوپر عرش ہے۔ پس جب تم اللہ عزوجل سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو۔

(سنن الترمذی، رقم الحدیث:2531)

جنت کے سو درجے

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جنت میں سو درجے ہیں اور اس کے کسی ایک درجے میں تمام جہان سما سکتے ہیں۔

(سنن الترمذی، رقم الحدیث:2532)

جنت میں داخل ہونے کی صورت چودھویں رات کے چاند کی طرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو گروہ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا اس کی صورت چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوگی۔ اس میں وہ نہ تھوکیں

گے نہ ان کو رینٹ آئے گی اور نہ ہی وہ پاخانہ کریں گے۔ ان کے برتن سونے کے ہوں گے اور ان کی کنگھیاں سونے اور چاندی کی ہوں گی۔ ان کی انگیٹھیاں اگر کی ہوں گی۔ ان کا پسینہ مشک ہوگا۔ ان میں سے ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی۔ ان کے حسن کے سبب سے ان کی ہڈیوں کا گودا گوشت کے پار سے دکھائی دے گا۔ ان میں کوئی اختلاف نہ ہوگا نہ بغض ہوگا۔ ان سب کے دل ایک طرح ہوں گے۔ وہ صبح اور شام اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں گے۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2537)

جنت میں عمر

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اہل جنت، جنت میں اس حال میں ہوں گے کہ ان کے چہروں اور جسموں پر بال نہیں ہوں گے اور ان کی عمر تیس یا تینتیس سال ہو گی۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2545)

اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی۔ ان میں سے اسی صفیں اسی امت کی ہوں گی اور چالیس صفیں باقی امتوں کی ہوں گی۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2546)

اہل جنت کو اللہ تعالیٰ کا دیدار

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُو الْحُسْنٰی وَ زِیَادَةٌ (یونس: 26)

جن لوگوں نے نیک کام کئے ان کے لئے اچھا اجر ہے اور زیادہ بھی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب اہل جنت، جنت میں داخل ہوں گے تو ایک منادی ندا کرے گا، تمہارے لئے اللہ عزوجل کے پاس ایک وعدہ ہے وہ کہیں گے۔

کیا، اللہ عزوجل نے ہمارا چہرہ سفید نہیں کیا، کیا اس نے ہم کو دوزخ سے نجات نہیں دی اور ہم کو جنت میں داخل نہیں کیا۔

وہ کہیں گے۔

کیوں نہیں! پھر (اللہ عزوجل اور ان کے درمیان سے) حجاب اٹھا دیا جائے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ عزوجل کی قسم! ان کو اس کی طرف دیکھنے کی بہ نسبت زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں دی تھی۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث:2552)

سب سے زیادہ مکرم شخص جو اللہ تعالیٰ کے چہرہ مقدسہ کا صبح وشام دیدار کرے گا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اہل جنت میں سب سے کم درجہ اس شخص کا ہوگا جو ایک ہزار سال کی مسافت سے اپنی جنتوں، اپنی بیویوں، اپنی نعمتوں، اپنے خادموں اور اپنی باندیوں کو دیکھے گا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہل جنت میں سب سے زیادہ مکرم وہ شخص ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے چہرہ مقدسہ کا صبح وشام دیدار کرے گا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔

وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (القیامۃ:22تا23)

اس دن بعض چہرے تروتازہ ہوں۔ اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث:2553)

کبھی بھی ابد تک تم سے ناراض نہیں ہوں گا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ اہل جنت سے ارشاد فرمائے گا۔

اے اہل جنت!

وہ کہیں گے۔

اے ہمارے رب عزوجل! ہم حاضر ہیں اور تیری اطاعت پر کمر بستہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔

کیا تم راضی ہو گئے۔

وہ کہیں گے۔

ہم کیوں راضی نہیں ہوں گے تو نے ہمیں وہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں جو تو نے اپنی مخلوق میں سے اور کسی کو عطا نہیں فرمائیں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔

میں اب تم کو اس سے افضل نعمت عطا کروں گا۔

وہ کہیں گے۔

اس سے افضل کون سی نعمت ہے؟

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔

میں تمہارے اوپر اپنی رضا کو حلال کردوں گا اور کبھی بھی ابد تک تم سے ناراض نہیں ہوں گا۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2555)

جنت میں ایک چابک کے برابر جگہ بھی دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے

حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

جنت میں ایک چابک کے برابر جگہ بھی دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3250)

جنت کمان کے ایک سر کے برابر جگہ سے بھی بہتر

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

کمان کے ایک کے ایک سر کے برابر جنتی جگہ ان تمام جگہوں سے بہتر ہے۔

جن پر سورج طلوع ہوتا ہے یا غروب ہوتا ہے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 2793)

اللہ تعالیٰ سے تین مرتبہ جنت کا سوال کرنے والا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے تین مرتبہ اللہ عزوجل سے جنت کا سوال کیا تو جنت کہتی ہے۔

اے اللہ عزوجل! اس کو جنت میں داخل کردے اور جس نے تین مرتبہ دوزخ سے پناہ طلب کی تو دوزخ کہتی ہے اے اللہ

عزوجل! اس کو دوزخ سے پناہ میں رکھ۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2572)

جنتیوں کے نہ کپڑے میلے ہوں گے نہ جوانی ختم ہوگی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص جنت میں داخل ہوگا وہ جنت کی نعمتوں میں رہے گا۔ وہ خوف زدہ نہیں ہوگا۔ اس کے کپڑے میلے ہوں گے نہ اس کی جوانی ختم ہوگی۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2836)

اللہ تعالیٰ کے ہاتھ جنت عدن کا پیدا ہونا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے جنت عدن کو پیدا کیا تو اس میں ایسی نعمتیں پیدا کیں جن کو کسی آنکھ نے نہ دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا۔

پھر جنت عدن سے فرمایا

تم بات کرو

تو اس نے کہا:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ○ ...... الاية (المعجم الاوسط: رقم الحديث: 742)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے جنت عدن کو پیدا فرمایا اور اس میں پھل لٹکا دیئے اور اس میں اس کے دریا جاری کر دیئے۔

تو اس کی طرف دیکھ کر ارشاد فرمایا۔

تم کلام کرو۔

تو اس نے کہا:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ○

پھر کہا

مجھ میں کوئی بخیل نہیں رہے گا۔ (المعجم الکبیر: رقم الحدیث: 12723)

جنتیوں کو موت نہیں آئے گی

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت کے متعلق سوال کیا گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص جنت میں داخل ہوگا وہ زندہ رہے گا اور اس کو موت نہیں آئے گی۔ اس کو اس میں نعمتیں ملیں گی اور وہ خوف زدہ نہ ہوگا اور نہ اس کے کپڑے میلے ہوں گے۔ نہ اس کا کبھی شباب ختم ہوگا۔

عرض کیا گیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جنت کس چیز سے بنائی گئی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کی ایک اینٹ سونے کی ہے اور ایک اینٹ چاندی کی ہے اور اس کی لپائی کا گارا مشک ہے اور اس کی مٹی زعفران ہے اور اس کی بجری موتی اور یاقوت ہیں۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 5616)

جنت عدن کیا چیز ہے

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

جنت عدن کیا چیز ہے۔

انہوں نے کہا:

اے امیر المومنین! وہ جنت میں سونے کے محل ہیں۔ جن میں انبیاء کرام علیہم السلام صدیقین، شہداء اور آئمہ عدل رہیں گے۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 23054)

جنت کو پیدا فرما کر جبرائیل علیہ السلام کو جنت میں بھیجنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب اللہ عزوجل نے جنت اور دوزخ کو پیدا فرمایا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو جنت کی طرف بھیجا

اور ارشاد فرمایا

جنت کو دیکھو اور ان نعمتوں کو دیکھو جو میں نے جنت میں اہل جنت کے لئے تیار کی ہیں۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور جنت کو دیکھا اور ان نعمتوں کو دیکھا جو جنت میں اہل جنت کے لئے تیار کی گئی ہیں۔

وہ اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹ کر آئے اور کہا

تیری عزت کی قسم! جو شخص بھی جنت کے متعلق سنے گا وہ اس میں ضرور داخل ہوگا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ

جنت کی ہر طرف کا ان چیزوں سے احاطہ کر دیا جائے جو نفس کے لئے باعث مشقت اور ناپسندیدہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

جاؤ! اب جنت کو دیکھو اور جنت کی ان نعمتوں کو دیکھو جن کو میں نے اہل جنت کے لئے تیار کیا ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام دوبارہ گئے تو جنت کا احاطہ ان چیزوں نے کیا ہوا تھا جو نفس کے لئے باعث مشقت اور ناپسندیدہ ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے پاس گئے۔

اور کہا

تیری عزت کی قسم! اب مجھے خدشہ ہے کہ اس جنت میں کوئی شخص داخل نہیں ہوگا۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2560)

جنت کے بالا خانے

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اہل جنت اپنے اوپر بالا خانوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح مشرق یا مغرب سے آسمان کے اوپر چمکتے ہوئے ستارہ کو دیکھا جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل جنت کے درجات اور مراتب میں فرق ہوگا۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے پوچھا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ (بالا خانے) انبیاء کرام علیہم السلام کی منازل ہیں جن تک ان کے علاوہ اور کوئی نہیں پہنچے گا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیوں نہیں! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ ان میں وہ لوگ ہوں گے جو اللہ عزوجل پر ایمان لائے اور انہوں نے رسولوں کی تصدیق کی۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3256)

جنت اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ملے گی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

صحیح عمل کرو اور صحت کے قریب عمل کرو اور لوگوں کو بشارت دو کیونکہ تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل کرے گا۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں۔

ارشاد فرمایا۔

سوا اس کے کہ اللہ عزوجل مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے اور (نیک) عمل کرتے ہو اور یاد رکھو کہ اللہ عزوجل نزدیک زیادہ پسندیدہ عمل وہ ہے جس میں زیادہ دوام ہو۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6467)

اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحمت سے جنت میں داخل کرے گا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کچھ لوگوں کو ان کے گناہوں کی سزا دینے کے لئے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ ان کے جسموں پر آگ کے نشان ہوں پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحمت سے ان کو جنت میں داخل کر دے گا ان کو جہنم سے نجات یافتہ کہا جائے گا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 7455)

اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل سے سوال کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اور کشادگی کا انتظار کرنا افضل عبادت ہے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3582)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے قبیصہ تم کس کام سے آئے ہو۔

میں نے عرض کیا۔

میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری ہڈی کمزور ہو گئی ہے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسے لئے آیا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کسی ایسے عمل کی تعلیم دیں جس سے اللہ عزوجل مجھے نفع دے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے قبیصہ! تم کسی پتھر، درخت یا مٹی کے ڈھیلے کے پاس سے نہیں گزرو گے مگر وہ تمہارے لئے استغفار کرے

اے قبیصہ! تم صبح کی نماز پڑھنے کے بعد تین دفعہ یہ پڑھو۔

سُبْحَانَ اللہِ الْعَظِیْمِ وَ بِحَمْدِہٖ

تم نابینا ہونے، جذام اور فالج سے محفوظ رہو گے۔

اے قبیصہ! تم یہ دعا کرو۔

اے اللہ عزوجل! میں تجھ سے ان چیزوں سے سوال کرتا ہوں جو تیرے پاس ہیں تو مجھ پر اپنے فضل سے فیضان فرما اور مجھ پر رحمت بکھیر دے اور مجھ پر اپنی برکتیں نازل فرما۔

(مسند احمد، ج:5، ص:60 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ایک اور روایت میں ہے کہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قرأت سے پہلے جب سکوت کرتے تو اللہ عزوجل سے اس کے فضل سے سوال کرتے

(مسند احمد، ج:2، ص:434 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بچے اللہ عزوجل کے فضل اور اس کی رحمت سے جنت میں داخل کر دیں گے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

داخل کردیں گے۔

(صحیح البخاری: ج:2، رقم الحدیث:1248)

میں نے جنت کے فضائل اس لئے بیان کئے تا کہ جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں رکھا گیا اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد بھی جنت کی دعائیں کرے اور نیک عمل کر کے جنت جیسی مقدس جگہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو جنت جیسی عظیم نعمت عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین و صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت آدم علیہ السلام کو جنت الخلد میں رکھا گیا یا زمین کے کسی باغ میں

علامہ ابن عطیہ لکھتے ہیں:

جنت اس باغ کو کہتے ہیں جس کے گرد باڑ ہو جس جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کو رکھا گیا تھا۔

اس میں اختلاف ہے کہ

آیا وہ جنت الخلد تھی یا ان کے لئے کوئی باغ تیار کیا گیا تھا۔

جو یہ کہتے ہیں کہ وہ جنت الخلد نہیں تھی۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ

جو جنت الخلد میں داخل ہو جائے وہ اس سے نہیں نکلتا اور یہ محال ہے۔

البتہ احادیث میں یہ ہے کہ

جو بطور ثواب کے جنت میں داخل ہوا وہ اس سے نہیں نکلے گا اور جو حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ابتداً جنت میں داخل ہوا کا جنت سے نکلنا محال نہیں ہے اور اس کے متعلق احادیث میں یہ نہیں ہے کہ وہ نہیں نکلے گا۔

(المحرر الوجیز ج:1،ص:182 مطبوعہ مکہ مکرمہ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

معتزلہ اور قدریہ کا یہ نظریہ ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو جنت الخلد میں رہنے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ ان کو عدن کے ایک باغ میں رہنے کا حکم دیا تھا۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ

جنت الخلد میں ابلیس نہیں جا سکتا کیونکہ جنت الخلد کے متعلق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ۝ (الواقعہ: 25)

وہ اس میں کوئی بے ہودہ بات نہ سنیں گے نہ گناہ کی بات

اور فرمایا

لَا یَسۡمَعُوۡنَ فِیۡهَا لَغۡوًا وَّلَا كِذّٰبًا ۝ (النباء: 35)

وہ اس میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے نہ جھوٹی بات۔

اور فرمایا

لَا یَمَسُّهُمۡ فِیۡهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمۡ مِّنۡهَا بِمُخۡرَجِیۡنَ ۝ (الحجر: 48)

انہیں وہاں نہ کوئی تکلیف پہنچے گی نہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔

وہ کہتے ہیں کہ

ابلیس نے جنت میں جھوٹ بولا اور بے ہودہ بات کی اور آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کو ان کی معصیت کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

جنت کی یہ صفت اس وقت ہوگی جب قیامت کے بعد لوگ بطور جزاء کے جنت میں داخل ہوں گے اور یہ جنت دار الخلد ان لوگوں کے لئے ہوگی جن کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ رکھنا چاہے گا اور جن کے لئے موت مقدر کردی گئی ہے۔ وہ جنت میں داخل ہونے کے بعد اس سے نکل آئیں گے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج جنت میں گئے اور پھر باہر آئے۔

اور حضرت آدم علیہ السلام کے معروف جنت میں داخل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا۔

آپ وہ آدم (علیہ السلام) جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور آپ علیہ السلام میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی اور اپنے فرشتوں سے سجدہ کرایا اور آپ علیہ السلام کو اپنی جنت میں رکھا۔ پھر آپ علیہ السلام نے اپنی خطا کی وجہ سے لوگوں کو زمین پر اتارا۔

(صحیح مسلم: ج:2، ص:335)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو دار الخلد میں رکھا۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:1، ص:302 مطبوعہ ایران)

میں کہتا ہوں کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو جنت الخلد ہی میں رکھا گیا جس پر نص موجود ہے اور قرآن کی صریح آیت مبارکہ موجود ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقُلۡنَا یٰۤاٰدَمُ اسۡكُنۡ اَنۡتَ وَزَوۡجُكَ الۡجَنَّةَ (بقرہ: 35)

فرمایا اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جنت الخلد میں رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا جلوہ دنیا میں ظاہر فرمانا تھا۔ اس لئے حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں اتارا گیا۔

حضرت حوا علیہا السلام کی پیدائش

جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تمام آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو تمام نے سجدہ کیا مگر شیطان لعین نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت آدم علیہ السلام زمین پر تنہا پھرتے تھے اور ہر جانور کو اپنا غیر جنس دیکھ کر گھبراتے تھے اور تمنا کرتے تھے کہ کاش کوئی میرا ہم جنس ہوتا جس سے مجھے انس حاصل ہوتا دوسرے جمعہ کو حضرت آدم علیہ السلام سو رہے تھے کہ فرشتوں نے ان کی بائیں پسلی چاک کی جس سے انہیں کچھ تکلیف نہ ہوئی اور اس سے آناً فاناً ایک نہایت خوبصورت عورت بنائی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی چاک کی ہوئی پسلی کو ملا دیا گیا جب آپ علیہ السلام جاگے تو اپنا ہم جنس اپنے پاس بیٹھا ہوا دیکھا۔

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن مسعود اور دیگر کئی صحابہ کرام علیہم الرضوان بیان کرتے ہیں کہ پھر ابلیس کو جنت سے نکال دیا گیا اور اس پر لعنت کی گئی اور حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں رکھا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں تھے اور ان کو وحشت ہوتی تھی ان کی کوئی بیوی نہیں تھی جس سے ان کو سکون ملے ایک دن وہ سو گئے جب وہ بیدار ہوئے تو ان کے سرہانے ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کی پسلی سے پیدا کیا تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا:

تم کون ہو؟

اس نے کہا:

عورت

پوچھا

تم کو کیوں پیدا کیا گیا ہے؟

کہا

تا کہ تم کو مجھ سے سکون ملے۔

فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام سے پوچھا

اے آدم علیہ السلام! اس کا نام کیا ہے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

حواء علیہا السلام

پوچھا

آپ علیہ السلام نے اس کا نام حواء کیوں رکھا

فرمایا

اس لئے کہ یہ حی (زندہ شخص) سے پیدا کی گئی ہے۔

تب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اے آدم (علیہ السلام) تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جنت میں سے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ۔

(جامع البیان ج:1، ص:182 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام کے سکون کے لئے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمانا

حافظ ابو القاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ ابلیس کو جنت سے نکالا گیا اور اس پر لعنت کی گئی اور حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں رکھا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں گھبراتے تھے اور ان کی کوئی بیوی نہیں تھی جس سے وہ سکون حاصل کرتے۔ ایک دن وہ سو گئے۔ بیدار ہوئے تو ان کے سرہانے ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی جس کو اللہ عزوجل نے ان کی پسلی سے پیدا کیا تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے ان سے پوچھا

تم کون ہو؟

اس نے کہا:

میں ایک عورت ہوں۔

آپ علیہ السلام نے پوچھا:

تمہیں کیوں پیدا کیا گیا ہے؟

اس نے کہا:

تا کہ آپ علیہ السلام مجھ سے سکون حاصل کریں۔

فرشتوں نے پوچھا:

اے آدم (علیہ السلام [illegible]

انہوں نے کہا:

اس کا نام حواء ہے۔

فرشتوں نے پوچھا:

آپ علیہ السلام نے اس کا نام حوا کیوں رکھا۔

انہوں نے کہا:

کیونکہ یہ حی (زندہ) سے پیدا کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اور ہم نے فرمایا! اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور اس سے فراخی سے کھاؤ جہاں سے چاہو اور تم دونوں اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:4، ص:223 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تفسیر نعیمی میں یہ واقعہ اس طرح ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام تنہا زمین پر پھرتے تھے اور ہر جانور کو اپنا غیر جنس دیکھ کر گھبراتے تھے اور تمنا کرتے تھے کہ کاش کوئی میرا ہم جنس ہوتا جس سے مجھے انس حاصل ہوتا دوسرے جمعہ کو حضرت آدم علیہ السلام سو رہے تھے کہ فرشتوں نے ان کی بائیں پسلی چاک کی جس سے انہیں کچھ تکلیف نہ ہوئی اور اس سے آنا فانا ایک نہایت خوبصورت عورت بنائی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی کی چاک ہوئی پسلی کو ملا دیا گیا۔ جب وہ جاگے تو اپنا ہم جنس اپنے پاس بیٹھا ہوا دیکھا۔

پوچھا

تم کون ہو

ندا آئی

یہ ہماری بندی ہے تمہاری وحشت دور کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

(تفسیر نعیمی، پارہ اول ص:290 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت حواء علیہا السلام کا مہر

جب حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے پاس حضرت حوا علیہا السلام کو موجود پایا تو اسے ہاتھ لگانا چاہا تو حکم ہوا کہ اس کا مہر ادا کرو۔

عرض کیا

اے خالق باری تعالیٰ اس کا مہر کیا ہے۔

ارشاد فرمایا

دس بار درود شریف (دوسری جگہ سترہ بار درود پڑھنے کا فرمایا تو (نعیمی پارہ 4 ص:508)

میرے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھو چنانچہ فرشتوں کی گواہی سے حضرت آدم علیہ السلام کا نکاح ہو گیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے چاہا کہ ان کو ہاتھ لگائیں۔

حکم ہوا کہ

اے آدم (علیہ السلام) پہلے ان کا مہر ادا کرو پھر ہاتھ لگانا۔

عرض کیا کہ

مولیٰ عزوجل! مہر کیا ہے۔

ارشاد فرمایا

میرے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر دس بار درود شریف پڑھو اور فرشتوں کی گواہی سے ان کا نکاح ہوا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل ص:290 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حواء علیہا السلام نام کیوں رکھا گیا

حضرت حوا علیہا السلام کا نام، حوا اس لئے ہے کہ یہ لفظ حی سے بنا ہے جس کے معنی ہیں زندہ چونکہ یہ زندہ انسان آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئیں یا ہر انسان کی والدہ ہیں اس لئے انہیں کہا گیا۔

یا یہ لفظ حوت سے بنا ہے جس کے معنی ہیں سرخی مائل بہ سیاہی چونکہ ان کے ہونٹ کا رنگ ایسا ہی تھا۔ اس لئے انہیں حوا کہا گیا۔

عربی میں

عورت کو امراءۃ کہتے ہیں کیونکہ وہ امرء (یعنی مرد) سے نبی ہیں۔

اس کو عورت اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے لئے بے پردہ ہونے میں عار یعنی شرم ہوتی تھی۔ اس لئے شرم گاہ کو بھی عورت کہا جاتا ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول ص:290 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت حوا علیہا السلام کا قد اور عمر مبارک

حضرت حوا علیہا السلام کا قد ساٹھ ہاتھ تھا اور عمر مبارک نو سو تانوے سال ہوئی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت حواء علیہا السلام کا قد بھی ساٹھ ہاتھ کا تھا ان کی عمر شریف نو سو ستانوے (997) سال ہوئی۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول، ص:290 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت حوا علیہا السلام کی پیدائش جنت میں ہوئی یا زمین پر

خیال رہے کہ یہ تو سب مانتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام وہاں پیدا ہوئے جہاں آج مکہ معظمہ آباد ہے لیکن حضرت حوا علیہا السلام کی پیدائش میں اختلاف ہے کہ کہاں پیدا ہوئیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

جنت میں ہوئی۔ حضرت آدم علیہ السلام ایک دن سو رہے تھے۔ ان کی پسلی سے ان کو پیدا فرمایا گیا تو آیت کے معنی یہ ہوں گے: اے آدم (علیہ السلام) آپ اور آپ کی بیوی جنت میں ٹھہرے رہو۔

لیکن حضرت عمر اور دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان نے روایت فرمائی ہے کہ فرشتوں نے حضرت آدم اور حضرت حوا علیہا السلام کو نوری لباس پہنایا ان کے سر پر تاج رکھے، سونے کے تخت پر بٹھایا۔ حضرت حوا علیہا السلام کو مختلف قسم کے زیوروں آراستہ اور پھر ان دونوں کو جنت میں پہنچایا گیا۔

(تفسیر کبیر و روح البیان تحت آیت الکریمہ)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام کی پیدائش بھی زمین میں ہوئی۔

اب آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ

آپ علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کی بیوی جنت میں جا کر رہو۔

الجنۃ تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ

اس سے وہی جنت مراد ہے جس میں نیکوکار ثواب کے لئے جائیں گے، یعنی بہشت

ہاں بعض بے دینوں نے کہا:

یہ فلسطین یا فارس کرمان میں کوئی باغ تھا جس میں آدم علیہ السلام کو کچھ دن کے لئے رکھا گیا پھر ایک خطا کی وجہ سے یہاں کی طرف بھیج دیا گیا لیکن یہ بات محض غلط ہے اس لئے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا گیا۔

اِهْبِطُوْا مِنْهَا

یعنی جنت سے اتر جاؤ۔

اترنا اونچی جگہ سے ہوتا ہے اگر یہ کوئی زمین کا باغ ہوتا تو فرمایا جاتا کہ

اخرجوا

اور دوسری جگہ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ (البقرہ: 36)

یعنی تمہارا ٹھکانہ زمین میں ہے۔

اگر وہ باغ بھی زمین میں ہی ہوتا تو یہ کیوں کہا جاتا کہ تم جنت سے اتر کر زمین میں جا کر رہو کیونکہ پھر وہ زمین میں پہلے سے تھے۔

اہبطوا کو اخرجوا کے معنی بلا وجہ حقیقی معنی کو چھوڑنا ہے۔

نیز

روایات میں بھی صراحتاً یہی آیا ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام بہشت میں رہے اپنے وہم کی وجہ سے احادیث کو نہیں چھوڑا جاسکتا ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول ص: 295 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت حوا علیہا السلام کو جنت میں رکھنے کی تین حکمتیں

جب حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا گیا تو جنت میں رکھا تو جنت میں رکھنے کی تین حکمتیں تھیں۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

حضرت حوا علیہا السلام کو جنت میں رکھنے کی تین حکمتیں تھیں۔

(1) ایک یہ کہ ان کے ذریعے حضرت آدم علیہ السلام کو اطمینان رہے۔

(2) دوسرے یہ کہ وہ جنتی مکانوں کی زیب و زینت اور صفائی دیکھ کر دنیاوی گھروں کو سجانا اور صاف رکھنا سیکھ لیں۔

(3) تیسرے یہ کہ جنتی زیور اور پوشاکیں استعمال کر کے دنیا میں بھی عمل کریں۔

گویا بیرونی زندگی تو حضرت آدم علیہ السلام سیکھیں اور خانگی زندگی حضرت حوا علیہا السلام۔ اسی لئے اس وقت آپ علیہ السلام کی زوجہ صرف حضرت حوا علیہا السلام تھیں وہاں کی حوریں نہ تھیں کیونکہ دنیا میں آکر گھر بار انہی کو سنبھالنا تھا نہ کہ حوروں لہٰذا حوروں کو تربیت کی ضرورت ہی نہ تھی۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول ص: 295 نعیمی کتب خانہ لاہور)

کیا حضرت حوا علیہا السلام حضرت آدم علیہ السلام کی بیٹی تھیں

اولاد وہ کہلاتی ہے جو اپنے نطفے سے پیدا ہو یہاں ایسا نہ ہوا لہٰذا وہ ان کی بیٹی نہ ہوئیں۔ ہمارے جسم سے بہت سی جوئیں بن جاتی ہیں۔ سر میں پیٹ میں بہت سے جانور پیدا ہو جاتے ہیں وہ ہماری اولاد نہیں کہلاتے کیونکہ ہمارے نطفے سے نہیں

اسی لئے بعض علماء فرماتے ہیں کہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن مریم کہنا مجاز ہے۔ اس لئے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام حضرت جبرائیل علیہ السلام کی

پیدا ہوئے اور حضرت مریم علیہا السلام کا شکم شریف ان کی امانت کی جگہ تھی۔ وہاں حضرت مریم علیہا السلام کا نطفہ بھی نہ تھا۔ مان لیا جائے کہ حضرت حوا علیہا السلام حضرت آدم علیہ السلام کی بیٹی ہی تھی تو بھی جس طرح ان کی شریعت میں بہن سے نکاح تھا۔ اس طرح مجبوراً اس بیٹی سے نکاح کرنا جائز قرار دیا گیا کیونکہ دوسری عورت کا ملنا ناممکن تھا۔ اگر حضرت آدم علیہ السلام طرح حضرت حوا علیہا السلام کو بھی بنا دیا جاتا تو یقیناً عورت مرد میں اتنی محبت نہ ہوتی جواب ہے کیونکہ اب تو اس سے محبت ہے عورت مرد کا جزو ہے اور نہ عورت کا مرد کے تابع ہونا معلوم ہوتا ہے نہ عورت مرد کے ہم جنس ہوتی۔ جیسے دوسرے جاندار یں انسان کی غیر جنس تھیں۔ ویسے بھی ہوتیں اس زمانے کے بعض واعظ اور بے دین عالم کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کا ح کسی جناتنی سے ہوا اور حضرت حوا علیہا السلام کے اس نکاح سے انکار کرتے ہیں۔ اس اعتراض کی بنا پر مگر یہ نقلاً بھی غلط ہے عقلاً بھی۔

تو اس لئے رب عزوجل فرماتا ہے۔

وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا (اعراف: 189)

معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی زوجہ انہی کے جسم سے بنیں انسان تھیں۔ غیر انسان نہ تھیں، عقلاً اس لئے کہ انسان نکاح غیر جنس سے نہیں ہوسکتا۔ صرف انسان سے ہوسکتا ہے۔ گائے، بکری، بھینس جن سب ہی انسان کے غیر جنس ہیں۔ کسی نکاح جائز نہیں نیز دو جنسوں کے اختلاط سے جو اولاد ہوگی وہ انسان نہ ہوگی بلکہ کوئی اور چیز ہوگی۔ گھوڑے گدھے سے خچر ہے بکرے ہرنی سے ایسا بچہ ہوتا ہے جو نہ بکری ہی ہو نہ ہرن ہو اگر حضرت آدم علیہ السلام کی بیوی جناتنی ہوتی تو ان کی اولاد انسان ہوتی نہ جن کوئی تیسری چیز ہوتی۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول ، ص:298 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت حوا علیہا السلام کو پسلی سے پیدا فرمانے میں فائدے

حضرت حوا علیہا السلام کو پسلی سے پیدا فرمانے میں صدہا فائدے ہیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

اس میں صدہا فائدے ہیں جنہیں رب تعالیٰ جانتا ہے۔

بظاہر فائدے حسب ذیل ہیں۔

(1) رب تعالیٰ کی قدرت کا اظہار کہ زندہ کو زندہ سے پیدا فرما سکتا ہے ورنہ قانون یہ ہے کہ بے جان نطفے یا انڈے سے انسان یا جانور بنے اور جاندار انسان یا چڑیا سے بے جان نطفہ یا انڈا بنے۔

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ ...... الخ (انعام: 95)

یہاں زندہ کو زندہ سے بنا کر دکھا دیا۔

(2) اس طرح پیدائش میں مرد، عورت میں الفت و محبت قائم رہی کہ عورت مرد کا جزو ہوئی اور جزء سے محبت ہوتی ہے۔

(3) اس طرح پیدائش سے مرد عورت کی اصل اور اس سے اعلیٰ ہو۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ ۔ (النساء: 34)

اگر حضرت حوا علیہا السلام بھی حضرت آدم علیہ السلام کی طرح مٹی سے بنتیں تو آپ علیہ السلام کے برابر ہوتیں نہ کہ آپ علیہ السلام کے ماتحت۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: 4، ص: 512 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت حوا علیہا السلام کتنی بار حملہ ہوئیں

حضرت حوا علیہا السلام بیس بار حاملہ ہوئیں۔ ہر حمل سے دو بچے پیدا ہوتے تھے۔ چالیس بچے پیدا ہوئے اور آپ علیہا السلام کی وفات تک ایک لاکھ انسان پیدا ہو کر (اولاد در اولاد) اپنے کاروبار میں مشغول ہو چکے تھے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: 4، ص: 508 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت حوا علیہا السلام سے ہر حمل میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتی

حضرت حوا علیہا السلام کے بیس حمل سے چالیس بچے پیدا ہوئے۔ ہر حمل میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتے تھے۔ ان میں پہلے سے قابیل اور اس کی بہن اقلیمہ پیدا ہوتے۔ ایک سال کے بعد پھر حمل سے ہابیل اور لیوا پیدا ہوئیں۔ ہابیل کے قتل ہو جانے پر ایک لڑکی زیادہ بچی رہی۔ اس لئے حضرت شیث علیہ السلام اکیلے پیدا ہوئے۔

بعض نے کہا:

قابیل اور اقلیمہ جنت میں پیدا ہوئے تھے مگر صحیح یہ ہے کہ زمین پر آ کر پیدا ہوئے پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی نسل میں ایسی برکت دی کہ آپ علیہ السلام کے وفات کے وقت چالیس ہزار انسان موجود تھے۔ بیٹے پوتے نواسے سب ملا کر۔ اس زمانہ میں لڑکے پر توام (ساتھ پیدا ہونے والی) لڑکی دوسرے حمل کی بچی حلال ہوتی تھی۔ اس لئے قابیل کے لئے لیوا حلال تھی۔ اور ہابیل کے لئے اقلیمہ حلال۔ مگر اقلیمہ خوبصورت تھی۔ اس لئے قابیل نے چاہا کہ اس سے ہی نکاح کرے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا:

یہ لڑکی تیرے لئے حرام ہے۔ یہ ہابیل کے نکاح میں جا سکتی ہے۔

قابیل بولا:

آپ (علیہ السلام) جھوٹ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نہیں ہے۔ آپ علیہ السلام کی رائے ہے۔ آپ علیہ السلام ہابیل کو زیادہ چاہتے ہیں اس لئے آپ علیہ السلام کی کوشش یہ ہے کہ خوب صورت لڑکی اس کی بیوی بنے۔

تب آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اچھا تم دونوں اقلیمہ کے متعلق قربانیاں پیش کرو جس کی قربانی قبول ہو جاوے وہ ہی اقلیمہ سے نکاح کرے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:6،ص:360 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت حوا علیہا السلام کو حمل کہاں ہوا

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ○ (الاعراف: 189)

پھر جب مرد اس پر چھایا اسے ہلکا سا پیٹ رہ گیا تو اسے لئے پھری پھر جب بوجھل پڑی دونوں نے اپنے رب سے دعا کی ضرور اگر تو ہمیں جیسا چاہیے بچہ دے گا تو بے شک ہم شکر گزار ہوں گے۔

لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ

یہ عبارت دعوا اللہ کی تفسیر ہے۔

یعنی

ان دونوں نے دعا مانگی اگر یہاں حضرت آدم و حوا علیہا السلام مراد ہیں تو اس دعا کی دو تفسیریں ہیں۔

(1) حضرت آدم علیہ السلام اگر جنت میں بھی حضرت حوا علیہا السلام سے مقاربت کرتے تھے مگر وہاں نہ نطفہ نہ قرار حمل، جب دونوں زمین پر آئے تو حمل قرار پایا یہ عجیب چیز دیکھ کر آپ دونوں گھبرا گئے اور دونوں نے یہ دعا مانگی۔

(2) حضرت حوا علیہا السلام کے اس سے پہلے بچے پیدا ہوئے مگر مر گئے۔ اس بار جب حمل ظاہر ہوا تو ان دونوں حضرات دعا مانگی۔

فوت شدہ بچوں کے نام

عبداللہ

عبیداللہ

اور عبدالرحمٰن تھے۔

خیال رہے کہ حضرت حوا علیہا السلام کو پانچ سو بار حمل رہا ہر بار میں جوڑا پیدا ہوتا کل ایک ہزار بچے ہوئے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:9،ص:427 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حوا علیہا السلام کا اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث رکھنا

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب حوا علیہا السلام حاملہ ہوگئیں تو ان کے پاس ابلیس گیا حوا علیہا السلام کا کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا تھا۔

ابلیس نے ان سے کہا:

تم اس کا نام عبدالحارث رکھ دو۔

انہوں نے اس کا نام عبدالحارث رکھ دیا۔ پھر وہ بچہ زندہ رہا یہ کام شیطان کے وسوسہ سے تھا۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 3088)

حضرت حوا علیہا السلام کا پیٹ میں بچہ کے حرکت کے وقت سوچنا

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب حضرت آدم اور حضرت علیہا السلام کو زمین پر اتارا گیا تو حضرت آدم علیہ السلام کی طبیعت میں شہوت ڈال دی گئی انہوں نے حضرت حوا علیہا السلام سے عمل زوجیت کیا جس کے نتیجہ میں وہ حاملہ ہوگئیں اور ان کے پیٹ میں بچہ حرکت کرنے اور وہ سوچتی تھیں کہ یہ کیا چیز ہے۔

ان کے پاس ابلیس آیا اور کہنے لگا۔

تم نے زمین پر اونٹنی، گائے، بکری، دنبہ اور بھیڑ کو دیکھا ہے ہوسکتا ہے تمہارے پیٹ سے ایسی ہی کوئی چیز نکلے۔ حضرت علیہا السلام یہ سن کر گھبرائیں۔

اس نے کہا:

میری بات مان لو، اس کا نام عبدالحارث رکھو پھر تمہارے مشابہ بچہ پیدا ہوگا۔ حضرت حوا علیہا السلام نے حضرت آدم السلام سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا:

یہ وہ شخص ہے جس نے ہم کو جنت سے نکلوایا تھا وہ بچہ مر گیا۔

حضرت حوا علیہا السلام دوبارہ حاملہ ہوئیں۔

ابلیس پھر ان کے پاس گیا اور کہا

میری بات مان لو اس کا نام عبدالحارث رکھو۔

اور ابلیس کا نام فرشتوں میں حارث تھا۔

اس نے کہا:

ورنہ کوئی اونٹنی یا گائے یا بکری یا بھیڑ پیدا ہوگی یا تمہارے مشابہ بچہ ہوا تو میں اس کو ماردوں گا جیسے میں نے پہلے بچہ

حضرت حوا علیہا السلام نے اس واقعہ کا ذکر حضرت آدم علیہ السلام سے کیا۔ انہوں نے گویا اس پر نا گواری ظاہر نہیں کی تو حضرت حوا علیہا السلام نے اس بچے کا نام عبد الحارث رکھ دیا۔

(جامع البیان ج:9، ص:193)

حضرت حوا علیہا السلام بائیں پسلی سے پیدا ہوئیں

حضرت آدم علیہ السلام تنہا زمین پر پھرتے تھے اور ہر جانور کو اپنا غیر جنس دیکھ کر گھبراتے تھے اور تمنا کرتے تھے کہ کاش کوئی ہم جنس ہوتا جس سے مجھے اُنس حاصل ہوتا دوسرے جمعہ حضرت آدم علیہ السلام سو رہے تھے کہ فرشتوں نے ان کی بائیں پسلی جس سے انہیں کچھ تکلیف نہ ہوئی اور اس سے آنا فانا ایک نہایت خوبصورت عورت بنائی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی نکالی ہوئی پسلی کو ملا دیا گیا۔ جب وہ جاگے تو اپنا ہم جنس اپنے پاس بیٹھا ہوا دیکھا۔

پوچھا

تم کون ہو؟

ندا آئی

یہ ہماری بندی ہے تمہاری وحشت دُور کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل: ص:290 نعیمی کتب خانہ لاہور)

عورت کو پسلی سے پیدا کیا گیا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عورتوں کے ساتھ خیر خواہی اور اچھا سلوک کرو کیونکہ عورت کو پسلی سے پیدا کیا گیا ہے اور پسلی میں سب سے زیادہ ٹیڑھا اس کے اوپر والے حصہ میں ہوتا ہے اگر تم اس کو سیدھا کرو گے تو اس کو توڑ دو گے اور اگر اس کو چھوڑ دو گے تو وہ ٹیڑھی رہے گی عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کرو۔

(صحیح بخاری: ج:1، ص:469 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

عورت ناقص العقل

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ یا عید الفطر پڑھانے کے لئے عید گاہ میں تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عورتوں کے پاس سے گزر ہوا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے عورتوں کے گروہ! صدقہ کیا کرو کیونکہ مجھے تمہاری بڑی تعداد دوزخ میں دکھائی گئی ہے۔

انہوں نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس وجہ سے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں تم سے زیادہ کوئی ناقص عقل اور ناقص دین ایسی نہیں دیکھی جو کسی ہوشیار مرد حازق کی عقل کو سلب کرنے والی ہو۔

انہوں نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے دین کا کیا نقصان ہے اور ہماری عقل کا کیا نقصان ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا یہ بات نہیں ہے کہ عورت کی گواہی مرد کی گواہی کے نصف کی مثل ہے۔

انہوں نے کہا:

کیوں نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ عورت کی عقل کا نقصان اور اس کی کمی ہے اور کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب عورت کی ماہواری کے ایام ہوتے ہیں تو وہ نماز پڑھتی اور نہ روزہ رکھتی ہے۔

انہوں نے کہا:

کیوں نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ اس کے دین کا نقصان اور اس کی کمی ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 304)

عورت حاکم نہیں بن سکتی

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایام جمل میں ہوسکتا تھا کہ میں اصحاب جمل کے ساتھ لاحق ہو جاتا اور ان کے ساتھ مل کر جنگ کرتا اس موقع پر مجھے ا[س] حدیث نے فائدہ پہنچایا جس کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔ جب اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا حا[کم] لیا۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پاسکتی جس نے اپنے معاملات میں ایک عورت کو حاکم بنالیا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 4425)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب تمہارے حکام نیک ہوں تمہارے اغنیاء سخی ہوں اور تمہاری حکومت باہمی مشورہ سے ہو تو تمہارے لئے زمین کے اوپر کا حصہ اس کے نچلے حصہ سے بہتر ہے اور جب تمہارے حکام بدکار ہوں اور تمہارے اغنیاء بخیل ہوں اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو تمہارے لئے زمین کا نچلا حصہ اس کے اوپر کے حصہ سے بہتر ہے۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2273)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح کی خوش خبری سنائی اور یہ بھی بتایا کہ دشمن کی سربراہی ایک عورت کر رہی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب مرد عورتوں کی اطاعت کرنے لگیں تو وہ تباہ اور برباد ہو جائیں گے۔

(المستدرک: ج:4، ص:291)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ عورت خلیفہ نہیں ہوسکتی۔

(الجامع الاحکام القرآن ج:13، ص:183 مطبوعہ ایران)

امام حسین بن مسعود بغوی شافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت حکومت یا انتظامیہ کی سربراہ یا قاضی نہیں بن سکتی۔ کیونکہ سربراہ مملکت کو جہاد قائم کرنے اور مسلمانوں کے معاملات نمٹانے کے لئے گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت پڑتی ہے اور قاضی کو مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے باہر جانے کی ضرورت ہوتی ہے اور عورت واجب الستر ہے اس کا گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے۔

(شرح السنۃ ج:10، ص:77 مطبوعہ بیروت)

قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ بن العربی مالکی متوفی 543ھ لکھتے ہیں: عورت سربراہی کی اس لئے اہل نہیں ہے کہ حکومت اور ... سے یہ غرض ہوتی ہے کہ سرحدوں کی حفاظت کی جائے قومی معاملات کو سلجھایا جائے، ملت کی حفاظت کی جائے اور مالی ... حاصل کر کے ان کو مستحقین میں تقسیم کیا جائے ... عورت یہ کام انجام نہیں دے سکتی ... عورت کے لئے مردوں کی مجالس میں ...

کی طرف دیکھنا اور اس سے کلام کرنا حرام ہے اور اگر وہ سن رسیدہ عورت ہے تب بھی اس کا بھیڑ بھاڑ میں جانا مخدوش ہے۔

(احکام القرآن: ج:3، ص:1458 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حضرت حوا علیہا السلام حضرت آدم علیہ السلام کے بعد ساڑھے ساٹھ سال زندہ رہیں

حضرت حوا علیہا السلام حضرت آدم علیہ السلام کے بعد ساڑھے ساٹھ سال زندہ رہیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

آدم علیہ السلام کے بعد ساڑھے ساٹھ سال زندہ رہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول، ص:290 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت آدم و حوا علیہا السلام کو درخت کھانے سے کیوں منع کیا گیا

چونکہ دنیا میں آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد پر احکام خداوندی جاری ہونے والے تھے اور دنیا کی بعض چیزوں سے ا روکا جانے والا تھا لہٰذا ان کے نفس کو اس پابندی کا عادی بنانے کے لئے یہاں بھی انہیں بعض چیزوں سے روک دیا گیا اور فر گیا: اے آدم و حوا (علیہا السلام) تم جنت میں جو چاہو کھاؤ لیکن اس درخت کے قریب نہ جانا یعنی نہ اسے کھانا نہ ادھر جانا۔

خیال رہے کہ

اس قرب میں مکانی یعنی فقط پاس جانے کی ممانعت نہیں ہے ورنہ لاتقربا رکے پیش سے ہوتا ہے کیونکہ جو قرب کے جانے کے معنی میں ہے وہ مطرد کے پانچویں باب سے ہے بلکہ اس قرب استعمال مراد ہے۔ (یعنی اس درخت کو کھانا کھانے کے قریب بھی نہ جانا یعنی کھانے کے خیال اور اس کے اسباب سے بچنا)

(تفسیر نعیمی: پارہ اول، ص:296 نعیمی کتب خانہ لاہور)

کس درخت سے منع کیا گیا

حضرت آدم و حوا علیہا السلام کو کس درخت سے منع کیا گیا۔ اس میں روایتیں مختلف ہیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

اس میں چار روایتیں ملتی ہیں۔

(1) ایک یہ گیہوں کا تھا اور جنت کا گیہوں بیل کے گردے کے برابر تھا اور شہد سے زیادہ میٹھا اور مکھن سے زیادہ لذیذ تھا چونکہ اس گیہوں کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام جنت سے باہر تشریف لائے اسی لئے ان کی اکثر اولاد کا رزق قرار دیا گیا اور یہ گیہوں ہی تمام مصیبتوں کی جڑ ہے چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی آزمائش مقصود تھی۔ اسی لئے جنت وقت یہ درخت تھا آئندہ وہاں صرف پھل فروٹ کے درخت ملیں گے۔ گندم وغیرہ دانہ کے پودے نہ ہوں گے کیونکہ ہے وہاں غذا کی ضرورت نہیں لذت کے لئے میوے ہوں گے۔

(2) دوسری روایت یہ ہے کہ
وہ درخت انگور تھا اسی لئے دنیا میں انگور کی شراب وغیرہ حرام کی گئی۔
(3) تیسری روایت یہ ہے کہ
وہ درخت انجیر تھا اسی لئے حضرت آدم علیہ السلام اپنے جسم مبارک پر انجیر کے پتے لپیٹ کر جنت سے باہر تشریف لائے۔
(4) چوتھی روایت یہ ہے کہ
وہ کوئی ایسا درخت تھا کہ جس کے کھانے سے پاخانہ کی حاجت ہوتی تھی اور جنت ان گندگیوں سے پاک ہے وہاں تو سب کھانے ڈکار سے ہضم ہوتے ہیں۔
تو فرمایا گیا کہ
اب تم وہاں جاؤ جہاں تمہاری ضرورت ہو (رفع حاجت) پوری ہو سکے مگر ان سب میں ترجیح پہلی روایت یعنی گیہوں والی ہے۔
یہی حضرت سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔
(تفسیر نعیمی: پارہ اول، ص: 296 نعیمی کتب خانہ لاہور)

شیطان کا بہکانا

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو درخت ممنوعہ کے پاس جانے سے منع کیا تو شیطان نے انہیں بہکا دیا اور حضرت حوا علیہا السلام نے پہلے درخت سے دانہ کھایا اور بعد میں حضرت آدم علیہ السلام کو بھی کھلا دیا۔
قرآن مجید میں ہے:
فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا (بقرہ: 36)
تو شیطان نے انہیں جنت سے لغزش دی۔

شیطان کا سانپ کے منہ میں داخل ہو کر جنت میں جانا اور بہکانا

حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا
اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جنت سے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ اور اس درخت کے قریب نہ جانا تم حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ اس وقت ابلیس نے ان دونوں کے پاس جنت میں جانے کا ارادہ کیا جنت کے محافظوں نے اس کو جانے نہیں دیا۔ اس وقت سانپ اونٹ کی طرح ایک چوپایہ تھا اور بہت حسین جانور

ابلیس نے اس سے کہا

وہ اس کو اپنے منہ میں رکھ کر جنت میں لے جائے۔ سو سانپ ابلیس کو اپنے منہ میں رکھ کر چلا گیا اور جنت کے محافظوں
نہ چلا۔

پھر ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا

کیا میں تم کو ایسا درخت نہ بتاؤں جس کو کھانے کے بعد تم دونوں فرشتوں کی طرح ہو جاؤ گے یا ہمیشہ زندہ رہنے وا
جاؤ گے۔ اور تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی۔

اور قسم کھا کر کہا کہ

وہ ان کی خیر خواہی کر رہا ہے حالانکہ اس کا ارادہ یہ تھا کہ ان کا ستر کھل جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے انکار
حضرت حوا علیہا السلام نے آگے بڑھ کر اس درخت سے کھا لیا۔

اور حضرت آدم علیہ السلام سے کہا

اے آدم (علیہ السلام)! اسے کھا لو۔ دیکھو میں نے کھایا ہے مجھے کچھ نہیں ہوا جب حضرت آدم علیہ السلام نے اس کو
تو ان دونوں کی شرم گاہیں کھل گئیں اور وہ درخت کے پتوں سے اپنے اپنے جسموں کو ڈھانپنے لگے۔

(جامع البیان: ج:1 ص:187 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابن حیان اندلسی نے کہا ہے:

ایک قول یہ ہے: ابلیس نے زمین سے ہی حضرت آدم علیہ السلام کو بطریق وسوسہ سے خطاب کیا تھا اور وہ دھتکار
جانے کے بعد زمین سے آسمان کی طرف نہیں گیا۔

(البحر المحیط ج:1 ص:261 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

شیطان کا پہلے خود درخت سے کھانا

امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی 211ھ اپنی سند کے ساتھ وہب بن منبہ سے روایت کرتے ہیں کہ
اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ کو جنت میں رکھا اور ان کو اس درخت سے منع کیا۔ اس درخ
شاخیں بہت گھنی تھیں اور فرشتے اپنے دوام اور خلود کے لئے اس درخت سے کھاتے تھے جب ابلیس لعین نے ان کو ورغلا
ارادہ کیا تو سانپ کے پیٹ میں داخل ہو گیا۔ اس وقت اونٹ کی طرح سانپ کی چار ٹانگیں تھیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی تخل
بہت حسین جانور تھا۔ سانپ جنت میں داخل ہوا تو ابلیس اس کے پیٹ سے نکل آیا اور اس نے اس ممنوع درخت سے
اور اس کو حضرت حوا علیہا السلام کے پاس لے کر آیا۔

اور ان سے کہا:

یہ دیکھو یہ کیسے درخت کا پھل ہے اس کی خوشبو کیسی عمدہ ہے اس کا کتنا لذیذ ذائقہ ہے اور کتنا حسین رنگ ہے۔ حضرت حوا علیہا السلام نے اس درخت سے کھالیا پھر اس کو حضرت آدم علیہ السلام کے پاس لے کر گئیں۔

اور کہا

دیکھیں اس کی کتنی نفیس خوشبو ہے کتنا لذیذ ذائقہ ہے اور کتنا حسین رنگ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے بھی اسے کھالیا ان دونوں کی شرم گاہیں ظاہر ہو گئیں۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام (شرم سے) درخت (کی گھنی شاخوں) میں داخل ہو گئے۔

تو ان کے رب عزوجل نے ندا فرمائی۔

اے آدم (علیہ السلام)! تم کہاں ہو؟

انہوں نے کہا:

اے رب عزوجل میں یہاں ہوں۔

فرمایا

تم اس سے باہر نہیں آتے

عرض کیا

اے رب عزوجل مجھے تجھ سے حیا آتی ہے۔

پھر حوا سے فرمایا۔

تم نے میرے بندے کو دھوکا دیا تم کو جب بھی حمل ہوگا تو تم کو تکلیف ہوگی اور جب بھی وضع حمل کا وقت آئے گا تو تمہیں موت کا مزہ آجائے گا۔

اور سانپ سے فرمایا

تم اس ملعون کو اپنے پیٹ میں داخل کر کے لے گئے جس نے میرے بندہ کو دھوکا دیا اب تم پیٹ کے بل چلتے رہو گے اور تمہارا رزق صرف مٹی ہوگی تم بنو آدم کے دشمن رہو گے اور بنو آدم تمہارے دشمن ہوں گے تم ان کو ڈسنے کی کوشش کرو گے اور وہ تم کو پتھروں اور لاٹھیوں سے ہلاک کرنے کی کوشش کریں گے۔

وہب سے کسی نے پوچھا:

کیا فرشتے بھی کھاتے ہیں۔

انہوں نے کہا:

اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

(تفسیر عبدالرزاق: ج:1 ص:316 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

شیطان کا دھوکہ

شیطان کے دل میں حضرت آدم علیہ السلام کی طرف سے سخت حسد پیدا ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ ان کی فکر میں رہتا تھا ا دفعہ موقع پا کر یا تو جنت میں خو پہنچا یا اس لئے کہ اگر چہ وہ جنت سے نکالا جا چکا تھا مگر اب تک اس کا وہاں آنا جانا بند نہ ہوا تھا ا اس طرح گیا کہ جنت میں مور اور سانپ نہایت خوبصورت جانور تھے اور یہ دونوں حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت کیا کر تھے۔ شیطان جنت کے دروازے کے باہر پہنچا ادھر مور بھی دروازۂ جنت پر آیا تھا۔ شیطان اور مور نے آپس میں مشورہ کیا ک صورت سے حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو دروازۂ جنت تک لے آنا چاہئے۔ ادھر شیطان نے سانپ سے مشورہ کیا کہ تو مجھ کو کر جنت کی دیوار پر اس وقت پہنچا دینا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام دروازے پر آئے ہوئے ہوں یہ تجویز طے ہونے کے بعد نے حضرت آدم وحوا علیہما السلام کے سامنے ناچنا شروع کیا۔ یہ دونوں حضرات رقص کے دیکھنے میں مشغول ہوئے۔ مور نا ناچتے پیچھے ہٹنے لگا۔ یہ دونوں صاحب اس کی طرف آگے بڑھنے لگے یہاں تک کہ مور ناچتا ہوا دروازہ جنت پر آ گیا جس ساتھ ہی ساتھ یہ دونوں صاحب بھی وہاں پہنچ گئے۔ ادھر سانپ بھی تیار کھڑا تھا۔ شیطان کو فوراً منہ میں لے کر جنت کی دیوار پہنچ گیا۔ اس ترکیب سے شیطان آدم علیہ السلام کے سامنے آ گیا اور اس کو کچھ ان سے گفتگو کرنے کا موقع مل گیا لہٰذا شیطا جنت سے باہر رہا آدم علیہ السلام اندر اور پھر ان کی گفتگو ہو گئی۔

تفسیر کبیر نے اس قصہ پر کچھ جرح فرمائی ہے مگر تفسیر عزیزی نے بلا جرح اسے نقل فرمایا کچھ بھی ہوا بہر حال شیطا کے روبرو پہنچ گیا۔

اور جا کر عرض کیا

مجھ سے آپ کے حضور میں بڑی بے ادبی ہوئی۔ میں نے آپ کو سجدہ نہ کیا جس کے سبب میں ملعون ہو گیا۔ اب میں ہوں کہ اس گناہ کا کفارہ ادا کروں اور آپ علیہ السلام کو ایسے مرتبہ پر پہنچا دوں جس سے آپ علیہ السلام مجھ سے راضی ہو جا اور آپ علیہ السلام کو مجھ پر جو غصہ ہے وہ جاتا رہے۔

یہ کہہ کر بولا:

آپ علیہ السلام اپنی اس تعظیم وتکریم پر فریفتہ ہو جائیں کیونکہ آپ علیہ السلام کو آخر کار موت آنے والی ہے۔ جس تمام عیش وآرام ختم ہو جائیں گے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا:

موت کیا چیز ہے؟

شیطان مردہ جانور کی طرح ان کے سامنے پڑ گیا اور جان کنی کے وقت جو حالت ہوتی ہے ہاتھ پاؤں پٹکنا، روح تڑپنا وغیرہ ان کو دکھلا دیا۔ [illegible] حالت کو دیکھ کر ڈر گئے۔

اور اس سے پوچھنے لگے کہ

کیا اس موت سے بچنے کی کوئی تدبیر ہے۔

اس نے کہا:

ہاں

قرآن کریم نے خود اس کا کلام نقل فرمایا

هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ۝ (طٰہٰ: 120)

یعنی میں تم کو ایسے درخت کا پتا بتاتا ہوں کہ جو اسے کھالے ہرگز نہ مرے اور اس کی بادشاہت بھی فنا نہ ہو۔

انہوں نے پوچھا:

وہ کون سا درخت ہے؟

اس نے وہی درخت بتایا جس سے ان صاحبوں کو منع فرمایا گیا تھا۔

فرمایا:

یہ درخت تو سلطنت جانے کا سبب ہے ہم کو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اگر ہم یہ درخت کھالیں تو اس کے عتاب میں آئیں گے اگر یہ فائدہ مند ہوتا تو ہم کو اس کے پاس سے کیوں منع فرمایا جاتا۔

شیطان لعین نے کہا:

مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝ (اعراف: 20)

یعنی رب تعالیٰ نے تم کو اس درخت سے اس لئے منع نہیں کیا کہ اس سے تمہیں کچھ نقصان پہنچے گا بلکہ اس لئے کہ تمہیں خلافت کے لئے پیدا کیا گیا اور خلافت وہی کر سکتا ہے جو حق تعالیٰ کے ذکر کے علاوہ دوسری فکروں میں بھی مشغول رہے اور اللہ تعالیٰ سے کچھ دور بھی رہے۔ فرشتوں کی طرح صرف عابد اور رب عزوجل سے بالکل قریب نہ ہو۔ اس درخت میں یہ تاثیر ہے جو کوئی کھالیتا ہے وہ فرشتہ بن جاتا ہے پھر اس سے خلافت کا بوجھ نہیں اٹھ سکتا۔

دیکھو!

بادشاہ بھی اس شخص کو کہیں کا حکم بنا کے بھیجتا ہے جو بادشاہ کی دوری گوارہ کر سکے۔ نیز اس درخت کا کھانے والا کبھی بہشت سے نہیں نکل سکتا اور یہاں موت نہیں چونکہ تمہیں خلیفہ کرنا منظور ہے اور خلیفہ وہی ہو سکتا ہے جس کو موت بھی آسکے تا کہ خلافت اس کی نسل میں جاری ہو غرضیکہ حق تعالیٰ کی یہ ممانعت نہیں تنزیہی ہے۔ نہ کہ تحریمی اور نہی تنزیہی کی پہچان ہی یہی ہے کہ جو ہمارے دنیوی فائدے کی خاطر کی جائے۔

جیسے قرآن شریف میں ہے۔

وَلَا تَسْـَٔمُوْۤا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا (البقرہ: 282)

قرض کم ہو یا زیادہ اس کے لکھنے میں کوتاہی نہ کرنا نیز تمہیں رب عزوجل نے اس کے کھانے سے منع نہیں کیا بلکہ در کے پاس جانے سے روکا ہے۔آپ پاس نہ جائیں لائے میں دیتا ہوں آپ کھالیں اور اگر رب عزوجل نے کھانے سے فرمایا ہو تو یہ ممانعت آپ کی شروع پیدائش کے وقت تھی۔

اس وقت اس کو ہضم کرنے کی آپ میں طاقت نہ تھی۔اب بفضلہٖ تعالیٰ آپ قوی ہو چکے ہیں۔اب اس کا کھانا بھی م نہیں۔غرضیکہ ہر پہلو پر گفتگو کر گیا یہ کہہ کر قسمیں کھا گیا کہ میں تمہارا بڑا خیر خواہ ہوں۔

وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّىْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ (اعراف: 21)

حضرت آدم علیہ السلام کو اس کی قسموں پر اعتبار آ گیا۔وہ یہ سمجھے کہ کسی میں یہ ہمت ہی نہیں کہ رب تعالیٰ کی جھوٹی کھائے۔حضرت آدم علیہ السلام کو یہ خیال نہ رہا کہ رب عزوجل سے پوچھ لیں پوچھنا بھول گئے کیونکر نہ بھولتے دنیا میں آ رنگ لگانا دیکھو یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے ساتھ بھیجتے وقت اللہ تعالیٰ کو سونپنا بھول گئے۔چالیس یا سال کی جدائی ہوگئی۔اسی جدائی کی برکت سے آپ علیہ السلام کو سلطنت ملی اور بنی اسرائیل مصر میں آباد ہوئے۔ہمارے ح بدر کے قیدیوں کے متعلق انتظار وحی فرمانا بھولے اس بھول کی برکت سے ان تمام قیدیوں کو بعد میں ایمان نصیب ہوا اگر وقت قتل ہو جاتے تو ایمان کیسے ملتا غرضیکہ یہ ہماری بھول شیطانی، نفسانی ہوتی، پیغمبر کی بھول رحمانی جس کے شاندار نتائج ہیں۔

شیطان نے حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو ایک دم نہیں بہکایا بلکہ حضرت حوا علیہا السلام کو پہلے بہکایا اور حضرت آدم علیہ السلام کو بعد میں بہکایا اسی طرح وہ درخت پہلے حضرت حوا علیہا السلام نے کھایا بعد میں حضرت آدم علیہ السلام نے کھایا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول: ص: 301 تا 303 نعیمی کتب خانہ لاہور)

شیطان کو جنت سے نکل جانے کا حکم

جب شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تجھ کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے منع کیا ج میں نے تجھے سجدہ کا حکم دیا تھا اس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا لہٰذا میں اس سے بہتر ہوں۔تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تو یہاں سے نکل جا تمہیں یہاں گھمنڈ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ (الاعراف: 13)

فرمایا تو یہاں سے اتر جا تجھے یہاں گھمنڈ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔سو نکل جا بے شک تو ذلیل ہونے والوں میں سے ہے۔

جب ابلیس لعین کا تکبر اور حسد اس کے کلام اور عمل سے ظاہر ہو گیا تو رب تعالیٰ نے اس کے دلائل کا جواب نہیں دیا بلکہ اس فرمایا: تو اس نورانی جماعت ملائکہ سے یا جنت یا آسمانوں سے نیچے اتر جا۔ تجھے ان مبارک مجلسوں، مبارک مقامات پر رہ کر تکبر کرنا کسی طرح جائز نہیں تھا کہ یہ مجلسیں یہ مقامات تو متواضعین عجز و انکسار کرنے والوں کے لئے ہیں۔ یہاں متکبر لوگ سکتے ہیں نہ رہ سکتے ہیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے لکھا ہے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ

جنت سے اتر جا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلہ میں تکبر کرنے والا یہاں نہیں رہتا۔

(جامع البیان: جز:8،ص:174 مطبوعہ دار الفکر)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ

شیطان جنت عدن میں رہتا تھا حضرت آدم علیہ السلام کو اسی جنت میں پیدا کیا گیا تھا اور ابلیس کو اسی جنت سے نکلنے کا حکم کیا تھا۔

(تفسیر کبیر: ج:5،ص:210 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھے ہیں۔

ایک تفسیر یہ ہے کہ

تو آسمان سے اتر جا کیونکہ آسمان میں رہنے والے وہ فرشتے ہیں جو متواضع ہیں۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ

تو اپنی موجودہ صورت سے دوسری صورت میں منتقل ہو جا کیونکہ تو نے آگ کی صورت پر فخر اور تکبر کیا سو اس کی صورت یک اور سیاہ بنا دی گئی اور اس کی روشنی اور چمک زائل ہو گئی۔

تیسری تفسیر یہ ہے کہ

زمین سے سمندروں کے جزیروں کی طرف منتقل ہو جا اور اب وہ زمین میں صرف اس طرح ہو سکے ہو گا جس طرح چور ں ہوتے ہیں۔

تاہم پہلی تفسیر راجح ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن، جز:7،ص:156 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے۔

اہبط بنا ہے ہبوط سے جس کے معنی ہیں اوپر سے نیچے گرنا بلندی سے نیچے پھینکا جانا خواہ جگہ کی بلندی ہو یا درجہ اور رتبہ کی دونوں احتمال ہیں اس لئے منہا میں کئی احتمال ہو سکتے ہیں۔

(1) اس سے مراد جنت ہے۔

(2) اس سے مراد آسمان ہے۔

(3) اس سے مراد جماعت ملائکہ ہے۔

ان تینوں صورتوں میں ھبوط کے معنی ہیں اونچی جگہ سے گرنا دھکیلا جانا یا اس سے مراد اس کا پچھلا درجہ اور قرب الٰہی ہے جو اسے اب تک میسر تھا یا اس سے مراد اس کی شکل وصورت ہے کیونکہ اب تک وہ فرشتوں کی صورت میں تھا بڑا خوبصورت، ان دونوں صورتوں میں ہبوط سے مراد ہے درجہ سے گرنا لہٰذا اس کی پانچ تفسیریں ہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ آٹھ: ص:360 نعیمی کتب خانہ لاہور)

شیطان کا قیامت تک مہلت مانگنا

جب شیطان اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوا اور اپنے غرور میں آ کر اپنے آپ کو بڑا کہا تو اللہ تعالیٰ نے جنت سے نکلنے کا حکم دیا پھر شیطان لعین نے کہا: مجھے قیامت تک مہلت دے دے تو اللہ تعالیٰ نے شیطان کو مہلت دے دی۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ۝ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ۝ (الاعراف: 14 تا 15)

بولا: مجھے فرصت دے اس دن تک کہ لوگ اٹھائے جائیں فرمایا تجھے مہلت ہے۔

شیطان لعین اتنا بد بخت تھا کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے معافی نہ مانگی بلکہ اور گناہ کرنے کے لئے لمبی مدت مانگی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

یبعثون بنا ہے بعث سے بمعنی اٹھانا۔

اس سے مراد ہے۔

قیامت کا دوسرا نفخہ

جب آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد زندہ کی جائے گی اس نے یہ اس لئے کہا تا کہ موت سے بچ جائے کیونکہ اسے پتا تھا کہ موت صور کے پہلے نفخہ تک آئے گی۔ دوسرے نفخے پر موت کا وقت نکل چکا ہوگا پھر کسی کو موت نہ آئے گی۔

اس کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ

میں سارے انسانوں کو بہکا سکوں آدم علیہ السلام کا بدلہ ان کی ساری اولاد سے لے سکوں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:8، ص:361 نعیمی کتب خانہ لاہور)

شیطان کو کتنی زندگی کی مہلت دی گئی

شیطان کو اللہ تعالیٰ نے کتنی مہلت دی اس میں مفسرین کے اقوال ہیں۔

امام ابن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس لعین کو یوم حشر تک مہلت نہیں دی لیکن اس کو وقت معلوم تک مہلت دی ہے اور یہ وہ دن ہے جس دن میں پہلا صور پھونکا جائے گا اور آسمان وزمین کی ہر چیز ہلاک ہوجائے گی۔ سووہ بھی مرجائے گا۔

(جامع البیان: جز:8،ص:175 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اگر وقت معلوم سے مراد پہلے صور پھونکنے کا دن ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ابلیس لعین کو معلوم ہو گیا کہ وہ کس دن مرے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کی سنت کے خلاف ہے وہ کسی مخلوق کو اس بات پر مطلع نہیں فرماتا کہ اس نے کس دن مرنا ہے ورنہ انسان تمام عمر گناہ کرتا رہے اور مرنے سے صرف ایک دن پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کرلے تو اس طرح اگر ابلیس لعین کو معلوم ہوجاتا کہ وہ اس دن مرے گا جس دن صور پھونکا جائے گا تو وہ ساری عمر لوگوں کو گمراہ کرتا رہتا اور مرنے سے ایک دن پہلے توبہ کرلیتا۔

امام رازی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ اس دن بھی توبہ نہیں کرے گا لہٰذا صرف موت کے دن کے علم سے اس کا گمراہ کرنے پر دلیر ہونا لازم نہیں جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنے معصوم ہونے کا علم ہے اور اس کے باوجود وہ کسی گناہ پر دلیر ہونا تو کجا اس کے قریب بھی نہیں جاتے۔

(تفسیر کبیر: ج:5،ص:211 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

سورۃ حجر میں فرمایا گیا ہے۔

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝ (الحجر: 37 تا 38)

فرمایا بے شک تو مہلت پانے والوں میں سے اس دن تک جس کا وقت (ہمیں) معلوم ہے۔

شیطان کا بنی آدم کو صراط مستقیم سے بہکانا

جب اللہ تعالیٰ نے شیطان لعین کو مہلت دے دی تو شیطان لعین نے کہا: قسم اس بات کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے تو میں بھی تیری صراط مستقیم پر ضرور لوگوں کی گھات میں بیٹھا رہوں گا پھر میں لوگوں کو بہکانے کے لئے ان کے سامنے اور ان کے پیچھے سے ان کے دائیں اور بائیں سے آؤں گا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝ (الاعراف: 16 تا 17)

اس نے کہا: قسم اس بات کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں ضرور تیری صراط مستقیم پر ضرور لوگوں کی گھات میں بیٹھا

رہوں گا پھر میں لوگوں کے سامنے اوران کے پیچھے سے اوران کے دائیں اور بائیں سے آؤں گا اور تو اکثر لوگوں کو شکر گزار نہیں پائے گا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

قال چار معنی میں آتا ہے۔

(1) فرمانا

(2) عرض کرنا

(3) کہنا

(4) بکواس کرنا

یہاں (ابلیس کا قول) بکواس کرنا ہے کیونکہ شیطان نے جو کچھ کہا وہ بے ہودہ بکواس ہی کی۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:8،ص:327 نعیمی کتب خانہ لاہور)

شیطان کا چار سمتوں سے حملہ آور ہونا

ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ

اس آیت میں شیطان کے چاروں طرف سے حملہ آور ہونے کا ذکر ہے کہ وہ لوگ جو میرے داؤ میں آجائیں گے تو ان پر چار طرف سے حملہ کروں گا آگے سے پیچھے سے دائیں سے بائیں اوپر نیچے کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اوپر سے اللہ تعالیٰ کی رحمت مسلمانوں پر آتی ہے اس کا سلام آتا ہے۔

سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ (انعام: 54)

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ (نسا: 69)

اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ (فاتحہ)

ادھر حفاظتی پہرہ ہے زمین پر انسان سجدے کرتا ہے اور ادھر بھی حفاظت کا انتظام ہے

یا

اس لئے کہ اوپر نیچے سے دشمن آتا ہے ان چار طرفوں سے دوست بھی آتے ہیں۔ ابلیس انسان کے پاس دوست کی شکل میں آتا ہے اس لئے ان طرفوں سے ہی آتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ

اوپر نیچے کا ذکر کیا تو اس لئے نہیں کیا کہ نیچے بندے کی عاجزی وزاری آتی ہے اوپر سے رحمت آتی ہے یہ آنے جانے کے راستے چور سے محفوظ رکھے گئے ہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ

ان چار لفظوں کی بہت ہی تفسیریں کی گئی ہیں۔

(1) اس سے چار سمتیں ہی مراد ہیں کیونکہ اس کی ذریت یعنی قرین وغیرہ کو ہر وقت انسان کے ساتھ رہتے ہیں مگر ابلیس تو انسان کے پاس آتا ہے ان چار سمتوں سے۔

(2) سامنے سے مراد ہے آخرت کہ وہ آرہی ہے۔

پیچھے سے مراد ہے دنیا کہ وہ جارہی ہے یعنی انہیں آخرت سے غافل کروں گا۔ دنیا میں راغب کروں گا۔

ایمان سے مراد ہے عبادات

شمائل سے مراد ہے گناہ یعنی عبادت میں سستی کراؤں گا گناہوں میں پھنساؤں گا۔

(3) سامنے سے مراد ہے دنیا کہ وہ نقد ہے دیکھنے میں آرہی ہے۔

پیچھے سے مراد ہے آخرت کہ وہ دنیا ختم ہونے پر آئے گی۔ انہیں دنیا کا یقین دلاؤں گا آخرت کے متعلق مشکوک کروں گا۔

ایمان سے مراد ہیں عقائد

شمائل سے مراد ہیں اعمال یعنی برے عقائد اور برے اعمال میں پھنساؤں گا۔

(4) سامنے سے مراد دینا ہے۔

پیچھے سے مراد آخرت ہے یعنی میں ان کی نگاہوں میں دنیا کو آراستہ کردوں گا اور آخرت کو بھیانک خوفناک دکھاؤں گا۔

ایمان سے مراد حق ہے۔

شمائل سے مراد باطل ہے یعنی ان کی نگاہوں میں حق کو باطل اور باطل کو حق کر کے دکھاؤں گا۔ نیک کاموں میں دیر کراؤں گا برے کاموں میں جلدی کراؤں گا۔

(5) حضرت شفیق فرماتے ہیں کہ

میرے پاس شیطان چاروں طرف سے آتا ہے اور قرآن میری چاروں طرف سے رہبری کرتا ہے مجھے اس سے بچاتا ہے وہ میرے سامنے سے اس طرح آتا ہے کہ مت ڈر اللہ غفور رحیم ہے فوراً مجھے قرآن سناتا ہے۔

وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا (طٰہٰ: 82)

کہ رب تعالیٰ واقعی غفار ہے مگر اس کے لئے جو توبہ کرے، اعمال صالحہ اختیار کرے اور میرے پیچھے سے شیطان اس طرح آتا ہے کہ مجھ سے کہتا ہے کہ اگر تو خیرات صدقات کرے گا تو تیرے بچے فقیر ہو جائیں گے ان کے لئے بچا۔

قرآن سناتا ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا (ھود: 6)

ہر جاندار کی روزی اللہ کے ذمہ کرم پر ہے۔

شیطان میرے داہنے سے آتا ہے تو میری تعریفیں کرتا ہے تو بڑا عالم، عاقل صوفی شیخ ہے۔

قرآن میری ہدایت کرتا ہے۔

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (اعراف: 128)

اگر تو متقی نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

پھر شیطان میرے بائیں طرف سے آتا ہے مجھے شہوات میں پھنساتا ہے۔

قرآن فرماتا ہے۔

وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ (سبا: 54)

(تفسیر نعیمی: پارہ 8، ص: 368 تا 370 نعیمی کتب خانہ لاہور)

شیطان نے لمبی عمر کیوں مانگی

جب شیطان نے اپنی درازی عمر اور لمبی مہلت معلوم کر لی تو بولا کہ میرے مولا عزوجل یہ بھی سن لے کہ میں نے یہ لمبی تجھ سے کیوں مانگی ہے۔ توبہ کرنے یا نیک اعمال کرنے کے لئے نہیں جو سجدے سجود کرنے تھے وہ تو میں کر چکا اب میرا کا ٹھایا گیا میں اس کی قسم کھاتا ہوں کہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا یعنی تیرے مجھے بہکا دینے کی قسم گویا میں تو اچھا تھا تو نے مجھے برا کر دیا جس کی وجہ سے تو نے مجھے گمراہ مردود کر کے نکالا ہے میں اس کا بدلہ ان کی اولاد سے تاقیامت لیتا رہوں گا جو کہ خدارسی کا راستہ ہے اس پر میں گھات لگا کر بیٹھوں گا جسے اس راہ پر آتا دیکھوں گا اسے دائیں بائیں آگے پیچھے سے گھیر لوں گا کہ کسی کو آگے سے کسی کو پیچھے سے کسی کو دائیں طرف سے کسی کو بائیں طرف سے بہکاؤں گا۔ کسی کے پاس مولوی کی شکل میں جاؤں گا۔ کسی کے پاس صوفیوں پیروں کی صورت میں نمودار ہوں گا۔ کسی کے سامنے عیش و طرب پیش کروں گا کسی کے سامنے آفات و غم، اگر ہو سکا تو ان کے عقائد بگاڑ دوں گا ورنہ فرائض سے روکوں گا اگر یہ بھی نہ ہو سکا تو کم از کم سنت واجبات بلکہ مستحبات سے روکوں گا۔ کسی کو قرآن دکھا کر بہکاؤں گا کسی کو دنیا دکھا کر۔

اے میرے مولیٰ

تو دیکھ لینا انسان اکثر کافر ہوں گے۔ تھوڑے شاکر، یہ کمزور ہیں، میں ان کا قوی دشمن ہوں۔ مجھ سے بچ کر کہاں جائیں گے

(تفسیر نعیمی: پارہ 8، ص: 370 نعیمی کتب خانہ لاہور)

شیطان کا اسلام کے راستے سے بہکانا

حضرت برہ بن ابی فاکہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

شیطان ابن آدم کے تمام راستوں پر بیٹھ جاتا ہے اور اس کو اسلام کے راستے سے بہکانے کی کوشش کرتا ہے۔

اور کہتا ہے

تم اسلام قبول کرو گے اور اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ دو گے۔ وہ شخص شیطان کی بات نہیں مانتا اور اسلام قبول کر لیتا پھر اس کو ہجرت کے راستہ سے ورغلانے کی کوشش کرتا ہے۔

اور کہتا ہے۔

تم ہجرت کرو گے اور اپنے وطن کی زمین اور آسمان کو چھوڑ دو گے اور مہاجر کی مثال تو کھونٹے سے بندھے ہوئے اس گھوڑے کی طرح ہے جو ادھر سے ادھر بھاگ رہا ہو اور اس کھونٹے کی حدود سے نکل نہ سکتا ہو وہ شخص اس کی بات نہیں مانتا اور ہجرت کر لیتا ہے پھر شیطان اس کے جہاد کے راستے پر بیٹھ جاتا ہے۔

وہ اس شخص سے کہتا ہے کہ

تم جہاد کرو گے اور اپنی جان اور مال کو آزمائش میں ڈالو گے اگر تم جہاد کے دوران مارے گئے تو تمہاری بیوی کسی اور شخص سے نکاح کر لے گی اور تمہارا مال تقسیم کر دیا جائے گا۔ وہ شخص شیطان کی بات نہیں مانتا اور جہاد کرنے چلا جاتا ہے۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سو جس شخص نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر یہ حق ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کر دے اور جو مسلمان قتل کیا گیا تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر اس کو جنت میں داخل کرنا ہے اور جو مسلمان غرق ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر اس کو جنت میں داخل کرنا ہے اور جس مسلمان کو اس کی سواری نے ہلاک کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر اس کو جنت میں داخل کرنا ہے۔

(سنن نسائی: ج:6، رقم الحدیث:3134)

ابلیس لعین نے کہا تھا کہ

میں ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں اور بائیں آؤں گا۔

اس کی حسب ذیل تفسیریں ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

سامنے سے مراد یہ ہے کہ میں ان کی دنیا کے متعلق وسوسے ڈالوں گا اور پیچھے سے مراد یہ ہے کہ ان کی آخرت کے متعلق شبہے ڈالوں گا اور دائیں سے مراد یہ ہے کہ ان کے دین میں شبہات ڈالوں گا اور بائیں سے مراد یہ ہے کہ ان کو گناہوں کی طرف راغب کروں گا۔

قتادہ نے کہا:

سامنے سے آنے کا معنی یہ ہے کہ میں ان کو یہ خبر دوں گا کہ مرنے کے بعد اٹھنا ہے نہ جنت ہے نہ دوزخ ہے۔

اور پیچھے کا معنی یہ ہے کہ میں ان کے لئے دنیا کو مزین کروں گا اور انہیں اس کی دعوت دوں گا۔
دائیں جانب کا معنی یہ ہے کہ میں ان کو نیکیوں کو ضائع کرنے کی کوشش کروں گا اور بائیں جانب کا معنی یہ ہے کہ میں ان کے لئے برائیوں کو مزین کروں گا اور انہیں ان کی دعوت دوں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

اللہ تعالیٰ نے شیطان کو ابن آدم کے اوپر سے آنے کی کوئی راہ نہیں دی کیونکہ اوپر سے اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

(جامع البیان: ج: 7، ص: 191 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چاروں طرف امن کی دعا فرمانا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبح اور شام کے وقت ان دعاؤں کو کبھی ترک نہیں فرماتے تھے۔

اے اللہ عزوجل!

میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں عافیت کا سوال کرتا ہوں۔

اے اللہ عزوجل!

میں اپنے دین اور اپنی دنیا اور اپنے اہل اور اپنے مال میں تجھ سے عفو اور عافیت کا سوال کرتا ہوں۔

اے اللہ عزوجل!

میرے عیوب پر پردہ رکھ اور جن چیزوں کا مجھے خوف ہے ان سے مجھے محفوظ رکھ۔

اے اللہ عزوجل!

مجھے میرے سامنے سے، میرے پیچھے سے اور میرے دائیں سے اور میرے بائیں سے اور میرے اوپر سے محفوظ رکھ اور میں اس سے تیری عظمت کی پناہ میں آتا ہوں کہ میں اپنے نیچے سے ہلاک کیا جاؤں۔

سعید بن جبیر نے کہا:

اس سے مراد زمین میں دھنسنا ہے۔

(سنن ابوداؤد: ج: 4، رقم الحدیث: 5074)

شیطان کا بچہ کو چھونا اور بچہ کا چیخ مار کر رونا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

بنو آدم کا جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے اس کی پیدائش کے وقت شیطان اس کو مس کرتا ہے اور شیطان کے مس کرنے سے وہ

روتا ہے ماسوا حضرت مریم اور ان کے بیٹے کے پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ آیت پڑھتے تھے۔

(عمران کی بیوی نے یہ دعا کی) میں مریم اور اس کی اولاد کو شیطان رجیم کے شر سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

(صحیح بخاری: ج:1، ص:488 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

شیطان کا نماز میں وسواس ڈالنا

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طائف کا عامل بنایا تو کوئی چیز آ کر مجھے نماز میں ستاتی تھی حتیٰ کہ مجھے پتا نہیں چلتا تھا کہ میں نماز میں کیا پڑھ رہا ہوں جب مجھے اس کا احساس ہوا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ابن ابی العاص

میں نے عرض کیا

جی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم کس لئے آئے ہو۔

میں نے عرض کیا

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نماز میں مجھے کوئی چیز آ کر ستاتی ہے حتیٰ کہ مجھے پتا نہیں چلتا کہ میں نماز میں کیا پڑھ رہا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ شیطان ہے۔ قریب آؤ۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آ گیا اور اپنے قدموں کے بل بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور میرے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا۔

اور ارشاد فرمایا

اے اللہ عزوجل کے دشمن نکل جا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل تین بار کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اب تم اپنے کام پر جاؤ۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا:

مجھے اپنی زندگی کی قسم! اس کے بعد وہ مجھ میں نہیں آیا۔

(سنن ابن ماجہ: ص:253 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

شیطان کا مختلف صورتوں میں گمراہ کرنا

شیطان نے حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو وسوسہ دیا اور پھر ان کی اولاد کو بھی مختلف صورتوں میں گمراہ کرنے کا عز
حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک ابن آدم گمراہی کی طرف زیادہ جا رہے ہیں جو کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ
ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ۝ (نساء: 119)

اور مجھے قسم ہے میں ضرور ان کو گمراہ کروں گا اور میں ضرور ان کے دلوں میں (جھوٹی) آرزوئیں ڈالوں گا اور میں ان کو ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور مویشیوں کے کان چیر ڈالیں گے اور میں ان کو ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو تبدیل کریں گے اور جس نے اللہ تعالیٰ کے بجائے شیطان کو اپنا مطاع بنا لیا تو وہ کھلے ہوئے نقصان میں مبتلا ہو گیا۔

اس آیت کریمہ میں شیطان نے اپنے دعوے کا ذکر کیا کہ میں ابن آدم کو ضرور کروں گا۔ اس کا یہ دعویٰ تھا کہ میں لوگوں کے دلوں میں جھوٹی آرزوئیں ڈالوں گا۔ اس کا یہ دعویٰ تھا کہ میں ان کو ضرور حکم دوں گا وہ ضرور مویشیوں کے کان ڈالیں گے۔

قتادہ اور سدی نے کہا:

اس کا معنی ہے وہ بحیرہ کے کان چیرنے کا حکم دے گا۔

بحیرہ اس اونٹنی کو کہتے تھے: جب کوئی اونٹنی پانچ جنتی اور پانچواں بچہ نہ ہوتا تو وہ اونٹنی کے کان چیر دیتے اور اس سے نفع بند کر دیتے وہ اونٹنی جس جگہ چاہے پانی پیے اور جس چراگاہ سے چاہے چرے اس کو کوئی منع نہیں کرتا تھا اور نہ کوئی شخص اس ہوتا تھا۔ شیطان نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ یہ تمام کارروائی عبادت ہے۔

(زاد المسیر ج:2، ص:119)

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ

بحیرہ وہ اونٹنی ہے جس کا دودھ دوہنے سے بتوں کے لئے منع کیا جاتا تھا اور کوئی شخص اس کا دودھ نہیں دوہتا تھا۔

(صحیح بخاری: رقم الحدیث: 3522)

شیطان کا یہ دعویٰ تھا کہ میں ان کو ضرور حکم دوں گا وہ ضرور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورتوں کو تبدیل کریں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت پر لعنت کی جو ایک عورت کے بالوں کے ساتھ دوسری عورت کے بال ملاتی ہے جو عورت اپنے بالوں کے ساتھ دوسری عورت کے بال لگواتی ہے اور جسم کو گودنے والی (یعنی جسم پر نشان لگانا وغیرہ) پر اور گدوانے والی عورت پر لعنت کی ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5940)

شیطان کے وسوسہ کی تحقیق

شیطان کے وسوسہ سے دھوکہ کھانے کی تحقیق یہ ہے کہ جب تک انسان کسی چیز کے متعلق یہ یقین نہ کرے کہ اس میں خیر ب ہے اور نفع زیادہ ہے وہ اس چیز میں رغبت نہیں کرتا اور اس کے حصول کے درپے نہیں ہوتا پھر اگر اس کا یقین واقع کے مطابق ہو تو یہ حق اور صدق ہے اور اگر یہ یقین کسی فرشتے کے القاء کرنے کی وجہ سے ہے تو یہ الہام ہے اور اگر اس کا یہ یقین واقع کے مطابق نہیں ہے اور اس کا ظاہر حسین اور مزین ہے اور اس کا باطن فاسد اور باطل ہے تو یہ کلام مزخرف ہے اب یا تو اس نے لاعلمی کی وجہ سے بری چیز کو اچھا اور پیتل کو سونا سمجھ لیا اور یا ارواح خبیثہ نے اس کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا ہے اور اس کے ذہن میں برائی کو خوش نما بنا کر پیش کیا ہے۔

درحقیقت روحیں دو قسم کی ہیں۔

ایک طیب اور طاہر ہوتی ہے یہ فرشتے ہیں۔

اور دوسری ناپاک اور شریر ہوتی ہیں یہ شیاطین ہیں۔

ارواح طیبہ جس طرح لوگوں کو نیکی کا حکم دیتی ہیں۔ اسی طرح ایک دوسرے کو بھی نیکی کا حکم دیتی ہیں اور ارواح خبیثہ جس طرح لوگوں کو برائی کا حکم دیتی ہیں۔ اسی طرح ایک دوسرے کو بھی برائی کا حکم دیتی ہیں پھر انسانوں میں جس کی سرشت نیک ہے اور ان پاکیزگی اور خیر کا غلبہ ہوتا ہے ان کی فرشتوں کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے اور ان پر الہام ہوتا ہے اور جن کی سرشت خبیث ہوتی ہے اور ان پر برائی کا غلبہ ہوتا ہے ان کی شیطانوں کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے اور ان کے دلوں میں شیطان وسوسے ڈالتے رہتے ہیں پھر انسانوں میں جو زیادہ خبیث اور سرکش ہوتے ہیں۔ وہ دوسرے انسانوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرتے ہیں اور برائیوں کو خوش نما بنا کر دوسرے لوگوں کو دھوکے میں ڈالتے ہیں اور لوگوں کو برائیوں اور گناہوں پر راغب کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ابن آدم کے قریب ایک شیطان کا نزول ہوتا ہے اور ایک فرشتہ کا نزول ہوتا ہے شیطان کی طرف سے القا کرنے والا اس کو مصائب سے ڈراتا ہے اور حق کی تکذیب کراتا ہے اور فرشتہ کی طرف سے القاء کرنے والا خیر کی بشارت دیتا ہے جو شخص اس کو دل میں پائے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے اور جو شخص اپنے دل میں دوسری بات پائے وہ اعوذ باللہ من الشیطٰن

الرجیم پڑھے۔

پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ (البقرہ: 268)

شیطان تم کو مفلسی سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔

(سنن الترمذی: ج:4، رقم الحدیث:2999)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کا یہ گمان تھا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ اس لئے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چپ چاپ بیٹھے تھے۔ اتنے میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھ گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے ابوذر (رضی اللہ عنہ) کیا تم نے آج نماز پڑھ لی ہے۔

انہوں نے کہا:

نہیں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اب کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ جب انہوں نے چار رکعت چاشت کی نماز پڑھ لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

اور ارشاد فرمایا

جنوں اور انسانوں کے شیطانوں سے پناہ طلب کیا کرو۔

انہوں نے کہا:

یا نبی اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا انسانوں کے لئے بھی شیطان ہوتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہاں! جن اور انس کے شیاطین دھوکے میں ڈالنے کے لئے ایک دوسرے کو خوش نما باتیں القا کرتے ہیں۔

(مسند احمد: ج:16، رقم الحدیث:22189)

وساوس شیطان سے نجات کا طریقہ

جب شیطان کوئی وسوسہ ڈالے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی جائے اور اللہ تعالیٰ سے بار بار دعا کی جائے کہ یا خالق

نے مجھے اس بدبخت کے وسوسوں سے نجات عطا فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ (الاعراف: 200)

اور اگر شیطان تمہیں کوئی وسوسہ ڈالے تو اللہ کی پناہ طلب کرو بے شک وہ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

نزغ شیطان کا معنی ہے شیطان کا وسوسہ

سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ

میں حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی خدمت میں تھا۔ ان کے درمیان شیطان نے وسوسے ڈال دیئے تھے۔ ان میں سے ایک دوسرے کو برا کہتا رہا پھر وہ اس وقت تک مجلس سے نہیں اٹھے جب تک ہر ایک نے دوسرے سے معافی نہیں مانگ لیے۔

متقدمین میں سے ایک استاد نے اپنے شاگرد سے کہا

اگر شیطان تمہیں گناہوں پر اکسائے تو تم کیا کرو گے۔

اس نے کہا:

میں اس کے خلاف کوشش کروں گا۔

استاد نے کہا:

اگر وہ پھر اکسائے؟

کہا

میں پھر کوشش کروں گا۔

کہا

اگر وہ پھر اکسائے

کہا

میں پھر کوشش کروں گا

استاد نے کہا:

یہ سلسلہ تو دراز ہو جائے گا

استاد نے کہا:

یہ بتاؤ اگر تم بکریوں کے ریوڑ کے درمیان سے گزرو اور بکریوں کا محافظ کتا تم پر بھونکنے لگے تو تم کا کرو گے۔

اس نے کہا:

میں اس کو دور بھگانے کی کوشش کروں گا۔

استاد نے کہا:

یہ سلسلہ تو دراز ہو جائے گا لیکن اگر تم بکریوں کے چرواہے سے مدد طلب کرو تو وہ کتے کو تم سے دور کر دے گا۔ اسی طرح جب شیطان تم کو کسی گناہ پر اکسائے تو تم اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو وہ شیطان کو تم سے دور کر دے گا۔

(الجامع الاحکام القرآن جز:7،ص:311 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓىٕفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝ (الاعراف: 201)

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں انہیں اگر شیطان کی طرف سے کوئی برا خیال چھو بھی جاتا ہے تو وہ خبردار ہو جاتے ہیں اور اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

علامہ راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:

انسان کو ورغلانے کے لئے انسان کے گرد گردش کرنے والے شیطان کو طائف کہتے ہیں۔ کسی چیز کا خیال یا اس کی صورت جو نیند اور بیداری میں دکھائی دے کر اس کو طیف کہتے ہیں۔

(المفردات: ج:2،ص:406 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

علامہ المبارک بن محمد المعروف بابن الاثیر جزری متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

طیف کا اصل معنی جنون ہے پھر اس کو غضب، شیطان کے مس کرنے اور اس کے وسوسہ کے معنی میں استعمال کیا گیا اور اس کو طائف بھی کہتے ہیں۔

(النہایہ ج:3،ص:139 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

طیف کا معنی تخیل ہے۔

اور طائف کا معنی شیطان ہے۔

اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ

جو لوگ گناہوں سے بچتے ہیں جب انہیں کوئی وسوسہ لاحق ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں اور اللہ تعالیٰ نے ان پر جو انعام کئے ہیں۔ ان میں غور و فکر کرتے ہیں اور پھر معصیت کو ترک کر دیتے ہیں۔

(الجامع الاحکام القرآن جز:7،ص:313 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

جب انسان دوسرے شخص پر غضب ناک ہو اور اس کے دل میں شیطان یہ خیال ڈالے کہ وہ اس سے انتقام لے تو پھر وہ انتقام نہ لینے کی وجوہات پر غور و فکر کرے اور انتقام نہ لینے کے ارادہ ترک کر دے۔

وہ وجوہات حسب ذیل ہیں۔

(1) انسان کو یہ سوچنا چاہئے کہ وہ خود کتنے گناہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو سزا دینے پر قادر ہے اس کے باوجود اس سے درگزر کرتا ہے اور اس سے انتقام نہیں لیتا سو اس کو بھی چاہئے کہ وہ انتقام لینے کا ارادہ ترک کر دے۔

(2) جس طرح اس کا مجرم بے بس اور مجبور ہے اسی طرح وہ بھی اللہ تعالیٰ کا مجرم ہے اور اس کے سامنے بے بس اور مجبور ہے۔

(3) غضب ناک شخص کو ان احکام پر غور و فکر کرنا چاہئے جن میں اسے انتقام کو ترک کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

(4) اس کو اس پر غور کرنا چاہئے کہ اگر اس نے غضب اور انتقام کے تقاضوں کو پورا کر دیا تو اس کا یہ عمل موذی درندوں کی طرح ہوگا اور اگر اس نے صبر کیا اور انتقام نہیں لیا تو اس کا یہ عمل انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم السلام کی مثل ہوگا۔

(5) اس کو یہ بھی سوچنا چاہئے کہ جس کمزور شخص سے آج وہ انتقام لینا چاہتا ہے ہو سکتا ہے کل وہ قوی اور قادر ہو جائے اور یہ کمزور اور ناتواں ہو جائے اور اگر وہ اس کو معاف کر دے تو پھر یہ شخص اس کا احسان مند رہے گا۔

(تفسیر کبیر: ج:5،ص:437 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

انسان کو ہر حال میں تفکر کرنا چاہئے کہ یہ شیطان کا حیلہ تو نہیں ہے جو مجھ پر حملہ آور ہونے والا ہے۔

جب بھی شیطان انسان کو کسی معصیت اور گناہ پر اکسائے وہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے انعامات پر غور و فکر کرے۔ اللہ تعالیٰ اس پر اتنی مہربانی کرتا ہے تو کیا یہ انصاف ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے۔ نیز اس پر غور و فکر کرے اگر اس نے یہ گناہ کیا تو اس سے شیطان راضی ہوگا اور اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا تو کیا یہ جائز ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ناراض اور شیطان کو راضی کرے۔ نیز یہ سوچنا چاہئے اگر آج اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو بھلا دیا تو ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو بھلا دے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا (الجاثیۃ: 34)

اور کہا جائے گا آج ہم تمہیں اس طرح بھلا دیں گے جس طرح تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا۔

اور یہ سوچنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس دنیا میں رزق دینے اور پرورش کرنے کا جو وعدہ کیا ہے وہ اس کو پورا کر رہا ہے تو اس نے کلمہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا جو وعدہ کیا ہے وہ اس کو کیوں پورا نہیں کر رہا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ (البقرہ: 40)

تم میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا۔

اور یہ سوچنا چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول کر لیتا ہے تو پھر کیا یہ انصاف کا تقاضا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے جو کچھ کہے وہ بھی اس پر عمل کرے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ (البقرہ: 186)

"جب دعا کرنے والا دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو انہیں بھی چاہئے کہ وہ بھی میرا حکم مانیں۔"

اور یہ غور کرنا چاہئے کہ اگر اس نے وہ گناہ کر لیا تو وہ فساق و فجار کی مثل ہوگا اور اگر اس نے اس گناہ سے دامن بچا لیا تو وہ انبیاء کرام علیہم السلام کا متبع اور اولیاء کرام کی مانند ہوگا اور جو شخص فساق و فجار کے کام کرے گا وہ کیسے یہ توقع کر سکتا ہے کہ اس کی دنیا اور آخرت کی زندگی اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی طرح ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ (الجاثیۃ: 21)

جن لوگوں نے دلیری سے گناہ کئے ہیں کیا انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ ہم انہیں ان لوگوں کی طرح کر دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے کہ ان کی زندگی اور موت برابر ہو جائے وہ کیا ہی برا فیصلہ کرتے ہیں۔

اور یہ بھی سوچنا چاہئے کہ

اگر اس نے لوگوں کے ڈر سے برے کام چھوڑ دیئے تو وہ اس کو کوئی انعام نہیں دیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ کے ڈر سے اس نے گناہ اور برے کام چھوڑ دیئے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے بہت بڑے انعام کا وعدہ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى ۝

(النازعات: 40 تا 41)

اور جو شخص اپنے رب عزوجل کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے اور اس نے اپنے نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے۔

اور یہ بھی سوچنا چاہئے کہ

وہ اپنے بچوں، اپنے بزرگوں اور اپنے سے بڑے لوگوں کے سامنے بے حیائی کے اور برے کام نہیں کرتا اور جب

ہو اور صرف اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہو تو وہ بے حیائی اور برائی کے کاموں سے باز نہیں آتا تو کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوگا کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا اتنا خوف نہیں ہے جتنا اپنے ماتحت لوگوں اور چھوٹوں کا ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَ اخْشَوْنِ (المائدہ: 44)

تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔

نیز ارشاد فرمایا

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝ (الرحمن: 46)

اور جو شخص اپنے رب عزوجل کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسین بن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں۔

یحیٰی بن ایوب الخزاعی بیان کرتے ہیں کہ

میں نے سنا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک عبادت گزار نوجوان تھا جس نے مسجد کو لازم کر لیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس لئے خوش تھے اس کا ایک بوڑھا باپ تھا۔ وہ عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے باپ کی طرف لوٹ آتا تھا۔ اس کے راستہ میں ایک عورت کا دروازہ تھا۔ وہ اس پر فریفتہ ہوگئی۔ وہ اس کے راستے میں کھڑی ہو جاتی تھی۔ ایک رات وہ اس کے پاس سے گزرا تو وہ اس کو مسلسل بہکاتی رہی حتیٰ کہ وہ اس کے ساتھ چلا گیا جب وہ اس کے گھر کے دروازے پر پہنچا تو وہ بھی داخل ہوگئی۔ اس نوجوان نے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا شروع کیا اور اس کی زبان پر آیت کریمہ جاری ہوگئی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝ (الاعراف: 201)

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں انہیں اگر شیطان کی طرف سے کوئی خیال چھو بھی جاتا ہے تو وہ خبردار ہو جاتے ہیں اور اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

پھر وہ نوجوان بے ہوش ہو کر گر گیا۔ اس عورت نے اپنی باندی کو بلایا اور دونوں نے مل کر اس نوجوان کو اٹھایا اور اسے اس کے گھر کے دروازے پر چھوڑ آئیں۔ اس کے گھر والے اس کو اٹھا کر گھر میں لے گئے۔ کافی رات گزرنے کے بعد وہ نوجوان ہوش میں آیا۔

اس کے باپ نے پوچھا:

اے بیٹے تمہیں کیا ہوا تھا۔

اس نے کہا:

خیر ہے

باپ نے پھر پوچھا
تو اس نے پورا واقعہ سنایا
باپ نے پوچھا:
اے میرے بیٹے تم نے کون سی آیت پڑھی تھی۔ تو اس نے اس آیت کو دہرایا جو اس نے پڑھی تھی۔ پھر بے ہوش ہو کر گر گیا۔ گھر والوں نے اس کو ہلایا لیکن وہ مر چکا تھا۔ انہوں نے اس کو غسل دیا اور لے جا کر دفن کر دیا۔ صبح ہوئی تو اس بات کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچی۔ صبح کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے والد کے پاس تعزیت کے لئے آئے۔
اور ارشاد فرمایا
تم نے مجھے خبر کیوں نہیں دی۔
اس کے باپ نے کہا:
رات کا وقت تھا۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا
ہمیں اس کی قبر کی طرف لے چلو۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور آپ رضی اللہ عنہ کے اصحاب اس کی قبر پر گئے۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔
اے نوجوان! جو شخص اپنے رب عزوجل کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔
تو اس نوجوان نے قبر کے اندر سے جواب دیا۔
اے عمر (رضی اللہ عنہ)! مجھے میرے رب عزوجل نے جنت میں دو بار جنتیں عطا فرمائی ہیں۔
(مختصر تاریخ دمشق رقم: 114، ج:19، ص:190 تا 191 مطبوعہ دار الفکر بیروت)
حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی 458ھ اپنی سند کے ساتھ اس حدیث کو اختصار کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔
حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ
حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک نوجوان نے عبادت اور مسجد کو لازم کر لیا تھا۔ ایک عورت اس پر عاشق ہوگئی۔ وہ اس کے پاس خلوت میں آئی اور اس سے باتیں کیں۔ اس کے دل میں بھی اس کے متعلق خیال آیا پھر اس نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہوگیا۔ اس کا چچا آیا اور اس کو اٹھا کر لے گیا جب اس کو ہوش آیا
تو اس نے کہا:
اے چچا! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جائیں ان سے میرا اسلام کہیں
اور پوچھیں کہ
جو شخص اپنے رب عزوجل کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اس کی کیا جزا ہے۔ اس کا چچا حضرت عمر رضی اللہ عنہ

ں گیا۔ اس نوجوان نے پھر چیخ ماری اور جاں بحق ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے پاس کھڑے ہوئے اور کہا

تمہارے لئے دو جنتیں ہیں۔ تمہارے لئے دو جنتیں ہیں۔

(شعب الایمان ج:1 ص:469، رقم الحدیث:736 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس تمام بحث سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ شیطان لاکھ وساوس دلائے کبھی اس کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ کا ف رکھنا چاہئے یقیناً اللہ تعالیٰ سے جو ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے آسانی کی راہ پیدا فرما دیتا ہے۔

یطان کا اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں پر کوئی تسلط نہیں ہے

شیطان نے کہا: اے میرے رب عزوجل چونکہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا ہے میں ضرور ان کے لئے زمین میں برے کاموں کو وش نما بنادوں گا اور میں ضرور ان سب کو گمراہ کر دوں گا۔ سوا ان لوگوں کے جو تیرے مخلص بندے ہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ھ تک پہنچنے کا یہی سیدھا راستہ ہے بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی تسلط نہیں ہے۔ سوائے ان گمراہوں کے جو تیری پیروی ریں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ○ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ○ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ○ (الحجر: 40 تا 42)

سوا ان میں سے تیرے ان بندوں کے جو اصحاب اخلاص ہیں فرمایا مجھ تک (پہنچنے کا) یہی سیدھا راستہ ہے۔ بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی تسلط نہیں ہے سوا ان گمراہوں کے جو تیری پیروی کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کا یہ قول نقل فرمایا۔

اور میں ضرور ان سب لوگوں کو گمراہ کروں گا سوا ان میں سے تیرے ان بندوں کے جو اصحاب اخلاص ہیں۔ ابلیس لعین ے اپنے قول میں اصحاب اخلاص کا استثناء کیا۔ وہ ان کو گمراہ نہیں کر سکے گا۔ اگر وہ ان کا استثناء نہ کرتا اور مطلقاً کہتا کہ میں سب کو مراہ کر دوں گا تو اس کا قول جھوٹا ہو جاتا کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ وہ اصحاب اخلاص کو گمراہ نہیں کر سکے گا لہٰذا اس نے جھوٹ سے ے کے لئے یہ استثناء کیا۔

اخلاص کیسے حاصل ہوتا ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے اور اصحاب اخلاص کون ہیں۔ ان کی بحث حسب ذیل ہے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:

خالص کا معنی صافی کی طرح ہے جس میں کسی چیز کی آمیزش نہ ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

نُّسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ○ (النحل: 66)

ہم تمہیں اس چیز سے پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں ہے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ گوبر اور خون کے درمیان سے اس طرح صاف اور خالص دودھ نکالتا ہے جس میں گوبر اور خون کی ذرّہ برابر بھی آمیزش نہیں ہوتی۔ سو خالص چیز وہ ہوتی ہے جس میں کسی دوسری چیز کی ذرّہ برابر بھی آمیزش نہ ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ جانوروں سے خالص دودھ نکالتا ہے۔

مسلمانوں کا اخلاص یہ ہے کہ

وہ صرف اللہ تعالیٰ کو ماننے اور یہودیوں کی طرح تشبیہ اور نصاریٰ کی طرح تثلیث سے برأت کا اظہار کرے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ۔

وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ط (الاعراف: 29)

صرف اسی کی عبادت کرو عبادت میں اخلاص کرتے ہوئے اور اخلاص کی حقیقت یہ ہے کہ

ہر چیز سے برأت کا اظہار کرے صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور اس میں اور کسی چیز کی آمیزش نہ کرے۔

(المفردات ج:1،ص:206 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

اگر کوئی شخص جنت کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہونے کے لئے عبادت کرے یا دوزخ کے عذاب کے خوف سے عبادت کرے تو اس میں بھی اخلاص ہے لیکن یہ کامل درجہ کا اور صدیقین کا اخلاص نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے عمل سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا ارادہ نہیں کر رہا اور جو کاملین اور صدیقین ہیں ان کا مطلوب صرف اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنا ہے اور اس کی رضا ہوتی ہے۔

اور بعض علماء نے یہ کہا ہے:

انسان جو بھی عمل کرتا ہے اس سے کسی نہ کسی مطلوب اور غرض کو حاصل کرنا ہوتا ہے اور تمام مطالب سے بری اور بے نیاز ہو کر کوئی عمل کرنا یہ تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس کا دعویٰ کرنا کفر ہے اور قاضی باقلانی نے یہ فیصلہ کیا کہ

جو شخص یہ کہے کہ وہ تمام اغراض اور مطالب سے بری ہے وہ کافر ہے یہ فیصلہ برحق ہے۔

لیکن امام غزالی کی مراد یہ ہے کہ

جنت میں جو شہوت برآری کے ذرائع اور وسائل ہوں گے فقط ان کی نیت نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے دیدار اور اس کی معرفت سے جو لذت حاصل ہوگی اس کی نیت کرے۔

(احیاء العلوم ج:4،ص:332 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

قرآن مجید میں ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (البینۃ: 5)

اوران کوصرف یہ حکم دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرتے ہوئے۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

جوشخص اس حال میں مرا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وحدہ لاشریک کے ساتھ اخلاص پر تھا اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتا تھا اور نماز قائم کرتا تھا اور زکوٰۃ ادا کرتا تھا تو وہ اس حال میں مرا اللہ تعالیٰ اس پر راضی تھا۔

(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 70)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب انہیں یمن کی طرف بھیجا گیا

تو انہوں نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے وصیت کیجئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو تمہیں کم عمل بھی کافی ہوگا۔

(المستدرک ج:4، ص:306)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا

اور عرض کیا

یہ بتایئے ایک آدمی جہاد کرتا ہے وہ اجر کا بھی طالب ہے اور شہرت کا بھی طالب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

اس کے لئے کوئی اجر نہیں ہے۔ اس نے تین بار سوال دہرایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار یہی جواب دیا کہ اس کوئی اجر نہیں ہے۔

پھر ارشاد فرمایا
بے شک اللہ تعالیٰ اس عمل کو قبول کرتا ہے جو خالص اس کے لئے ہو اور اس عمل سے صرف اس کی ذات کا ارادہ کیا گیا ہو۔
(سنن نسائی رقم الحدیث:3140 دارالمعرفۃ بیروت)
ایک روایت میں ہے۔
حضرت مصعب بن سعد اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔
ان کا یہ گمان تھا کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اصحاب کرام علیہم الرضوان پر فضیلت حاصل ہے جن کے ان سے کم مال ہے۔
تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ اس امت کی مدد صرف ضعیف مسلمانوں کی دعاؤں ان کی نمازوں اور ان کے اخلاص کی وجہ سے فرماتا ہے۔
(سنن نسائی: رقم الحدیث:3178)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔
میرا کوئی شریک نہیں ہے جس نے میرے ساتھ کسی کو شریک کیا پس وہ (عمل) میرے شریک کے لئے ہے۔
اے لوگو!
اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص کے ساتھ اپنے اعمال بجالاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان ہی اعمال کو قبول فرماتا ہے جو خالص اس لئے ہوں اور یہ نہ کہو کہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور رشتہ داروں کے لئے ہے کیونکہ پھر وہ عمل رشتہ داروں ہی کے لئے ہے اللہ تعالیٰ کے لئے وہ عمل بالکل نہیں ہے اور یہ نہ کہو یہ تمہاری خاطر ہے کیونکہ پھر وہ تمہاری ہی خاطر ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے بالکل نہیں ہے۔
(مسند البزار: رقم الحدیث:3567)
ایک روایت میں ہے۔
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے میری حدیث سنی اس کی حفاظت کی اور اس کو یاد رکھا اور اس کی تبلیغ کی فقہ کے حامل اس کو اپنے سے زیادہ فقیہ تک پہنچا دیتے ہیں۔

تین شخصوں کے دلوں میں کینہ اور حسد نہیں ہوتا جو اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کرتے ہوں۔ ائمہ مسلمین کی خیر خواہی کرتے ہوں اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ لازم ہوں ان کی دعا دوسروں کو بھی شامل ہوتی ہے۔

(سنن الترمذی، رقم الحدیث:2658)

دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کی دعا کرنا بھی اخلاص کا اعلیٰ درجہ ہے۔ یہ بات درست ہے کہ اخلاص کا سب سے مرتبہ یہ ہے کہ دوزخ سے نجات کے لئے عبادت نہ کی جائے نہ جنت کے حصول کے لئے صرف اور صرف اس کی ذات کے اور اس کی رضا کے لئے عبادت کی جائے لیکن اس سے دعا کی جائے کہ وہ دوزخ کے عذاب سے نجات عطا فرمائے اور یہ بھی اخلاص کا اعلیٰ مرتبہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مدح فرمائی ہے جو راتوں کو اٹھ کر دوزخ سے نجات کی دعا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا ٥ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ٥ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ٥ (الفرقان: 64 تا 66)

اور جو لوگ اپنے رب عزوجل کے لئے سجدہ اور قیام کرتے ہوئے رات گزار دیتے ہیں اور جو یہ دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب ہم سے دوزخ کا عذاب دور فرما دے بے شک اس کا عذاب چمٹ جانے والی مصیبت ہے۔ بے شک وہ ٹھہرنے اور قیام کرنے کی بہت بری جگہ ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سید المخلصین ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت دوزخ کے عذاب سے پناہ طلب کرتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے۔

اللّٰھم انی اعوذبك من الكسل والحرام و لمائم والمغرم و من فتنة القبر و عذاب القبر و من فتنة النار عذاب النار

ترجمہ: اے اللہ عزوجل میں تیری پناہ میں آتا ہوں سستی سے اور بڑھاپے سے اور گناہ سے اور قرض سے اور قبر کی آزمائش اور عذاب قبر سے اور دوزخ کے فتنہ سے اور دوزخ کے عذاب سے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث:6368)

ایک روایت میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات یہ دعا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

ترجمہ: اے اللہ عزوجل! ہمیں دنیا میں اچھائی عطا فرما اور آخرت میں اچھائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6389)

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر کون صاحب اخلاص ہوگا انہوں نے حصول جنت کی دعا کی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَۃِ جَنَّۃِ النَّعِیْمِ (الشعراء: 85)

اور مجھے نعمت والی جنت کے وارثوں میں شامل کردے۔

ہمارے آقا دو عالم سید المخلصین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جنت کی دعا فرمائی ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کلمات کے ساتھ دعا کرتے تھے۔ یہ متعدد کلمات ہیں ان میں یہ کلمات بھی ہیں۔

میں تجھ سے جنت میں بلند درجات کا سوال کرتا ہوں۔ آمین

اے اللہ عزوجل!

میں تجھ سے خیر کے مبادی اور خواتم اور جوامع اور اول اور آخر کا اور ظاہر اور باطن کا سوال کرتا ہوں اور جنت میں درجات کا سوال کرتا ہوں۔ آمین۔

اے اللہ عزوجل!

مجھے دوزخ سے نجات دے اور دن اور رات کی مغفرت عطا کر اور جنت میں اچھا گھر عطا کر۔ آمین۔

اے اللہ عزوجل!

میں تجھ سے سلامتی کے ساتھ دوزخ سے نجات کا سوال کرتا ہوں اور مجھے امن کے ساتھ جنت میں داخل فرما۔

اے اللہ عزوجل!

میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تو میرے نفس میں اور میری سمع اور بصر میں اور میری روح میں اور میرے اخلاق میں میرے اوصاف میں اور میری زندگی اور میری وفات میں برکت عطا فرما۔

اے اللہ عزوجل!

میری نیکیوں کو قبول فرما اور میں تجھ سے جنت میں بلند درجات کا سوال کرتا ہوں۔ آمین۔

(المعجم الکبیر: ج: 23، ص: 317)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ بھی حکم دیا کہ ہم جنت الفردوس کا سوال کریں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اور اس نے نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کردے خواہ اس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا ہو یا اپنی اس زمین میں بیٹھا رہا ہو جہاں وہ پیدا ہوا ہو۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم لوگوں کو یہ خوشخبری نہ دیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جنت میں سو درجے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لئے تیار کیا ہے اور دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین اور آسمان کا فاصلہ ہے پس جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو اس سے فردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا اوسط اور جنت کا اعلیٰ ہے اور میرا گمان ہے کہ اس کے اوپر رحمان کا عرش ہے اور جنت کے دریا اس سے نہیں نکلتے ہیں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 2790)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جنت میں سو درجے ہیں ہر درجے میں اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان میں فاصلہ ہے اور فردوس سب سے اعلیٰ درجہ ہے اس سے جنت کے چار دریا نکلتے ہیں اور اس کے اوپر عرش ہے پس جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو الفردوس کا سوال کرو۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2532)

ان احادیث مبارکہ سے واضح ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت طلب کرنے اور دوزخ سے نجات مانگنے کی دعا کی اور خیال رہے کہ یہ صرف امت کو تلقین کرنا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے جنت کے طلب اور دوزخ سے نجات کی دعا مانگو ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو جنت کو تقسیم کرنے والے ہیں۔

جب تک میرا بندہ مجھ سے مغفرت طلب کرتا رہے گا میں بھی مغفرت فرماتا رہوں گا

شیطان نے کہا: میں بندوں کو گمراہ کرتا رہوں گا تب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا جب تک میرا بندہ مجھ سے مغفرت طلب کرتا رہے میں بھی ان کی مغفرت فرماتا رہوں گا

چنانچہ احادیث مبارکہ میں ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک ابلیس لعین نے کہا:

اے رب عزوجل! تیرے عزت وجلال کی قسم! جب تک آدم کے بیٹوں کے جسموں میں ان کی روحیں رہیں گی میں ان کو گمراہ کرتا رہوں گا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! جب تک وہ مجھ سے مغفرت طلب کرتے رہیں گے میں بھی ان کی مغفرت کرتا رہوں گا

(مسند احمد: ج:3، ص:41)

مجھ تک پہنچنے کا یہی راستہ ہے

شیطان لعین نے کہا: سب کو گمراہ کروں گا سوائے ان کے جو تیرے مخلص بندے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا مجھ تک پہنچنے کا یہی راستہ ہے۔

امام ابن جریر نے کہا:

• اس سے مراد یہ ہے کہ یہ میری طرف لوٹنے کا راستہ ہے۔ میں تمام لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا دوں گا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَادِ (الفجر: 14)

''بے شک آپ کا رب خوب دیکھ رہا ہے۔''

یہ اس طرح ہے جیسے کوئی شخص کسی کو ڈرانے اور دھمکانے کے لئے کہے میں تمہارے راستے پر ہوں۔

(جامع البیان: جز:14، ص:44 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا

یہ اس آیت کا معنی ہے یہ میرا سیدھا راستہ ہے جس پر چل کر لوگ جنت تک پہنچیں گے۔

ایک قول یہ ہے:

اس آیت کا معنی ہے یہ میرے ذمہ ہے کہ لوگوں کو اپنا راستہ دلائل سے بیان کروں یا یہ میرے ذمہ ہے کہ میں لوگوں کو راستہ کی توفیق اور ہدایت دوں۔

(الجامع الاحکام القرآن [illegible])

بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی تسلط نہیں ہے

جب شیطان لعین نے یہ کہا تھا میں ضرور ان کے لئے برے کاموں کو زمین میں خوشنما بنادوں گا اور میں ضرور ان سب کو گمراہ کردوں گا۔ سوا ان تیرے بندوں کے جو اصحاب اخلاص ہیں۔ تو لعین نے اپنے کلام سے یہ وہم ڈالا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے جو اصحاب اخلاص نہیں ہیں ان پر ان کا تسلط ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی تسلط نہیں ہے خواہ وہ اصحاب اخلاص ہوں یا نہ ہوں بلکہ ان بندوں میں سے جو اپنے اختیار سے ابلیس کی پیروی کرے گا وہ اس کا تابع ہوگا اور یہ پیروی بھی اس وجہ سے نہیں ہوگی کہ ابلیس ان کو زبردستی یا جبر سے اپنا پیروکار بنائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ

ابلیس نے اپنے اس کلام سے یہ وہم ڈالا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے جو بندے اصحاب اخلاص نہیں ہیں ان پر اس کا تسلط اور تصرف ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی غلط بیانی یا جھوٹ کو واضح فرمایا اور یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ کے کسی بندے پر ابلیس کو تسلط یا قدرت حاصل نہیں ہے اور اس کی نظیر وہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن ابلیس کا یہ قول نقل فرمایا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ (ابراھیم: 22)

اور مجھے تم پر کوئی تسلط حاصل نہ تھا البتہ میں نے تم کو دعوت دی سو تم نے میری دعوت قبول کرلی۔

اور اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت میں ارشاد فرمایا

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ۝ (النحل: 99 تا 100)

بے شک شیطان کو ان لوگوں پر کوئی تسلط اور غلبہ حاصل نہیں ہے جو (اللہ پر) ایمان لائے اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ اسے صرف ان لوگوں پر تسلط اور غلبہ حاصل ہے جو اس کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں اور اس کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں۔

اعتراض

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب شیطان کو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر کوئی تسلط اور قدرت نہیں ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کے متعلق فرمایا:

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ (البقرہ: 36)

پس شیطان نے ان کو اس درخت کے ذریعہ لغزش میں مبتلا کیا اور جہاں وہ رہتے تھے وہاں سے انہیں باہر نکال دیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

شیطان کو ان کے دلوں پر قدرت نہیں ہے اور نہ ان کے اعضاء پر تسلط ہے کہ وہ جبراً ان سے کوئی گناہ کرائے۔ شیطان نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر ان کو بتایا کہ اس درخت سے کھانے میں ان کا فائدہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے سوچا کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے نام کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا اور انہوں نے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس درخت سے جو منع کیا ہے وہ ممانعت تنزیہی ہے اور وہ یہ بھول گئے کہ یہ ممانعت تحریمی ہے یا انہوں نے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس مخصوص اور متشخص درخت سے منع کیا ہے۔ میں اس نوع کے کسی اور درخت سے کھا لیتا ہوں اور وہ یہ بھول گئے کہ ممانعت اس نوع کے درخت سے تھی۔ الغرض حضرت آدم علیہ السلام کا اس درخت سے کھانا اجتہادی خطا اور نسیان سے تھا۔ ان کا فعل کوئی گناہ نہیں تھا اور ان کا جنت سے زمین پر آنا کوئی سزا نہ تھی، بلکہ اپنے مقصد خلقت کی تکمیل اور زمین پر اللہ تعالیٰ کی خلافت جاری کرنے کے لئے وہ زمین پر تشریف لائے تھے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے بھول ہوئی

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مخصوص درخت سے منع کیا تھا لیکن جب شیطان نے انہیں وسوسہ دیا تو حضرت آدم علیہ السلام سے بھول ہوئی۔ سب سے پہلے حضرت حوا علیہا السلام نے کھایا بعد میں حضرت آدم علیہ السلام کو بھی کھلا دیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ (الاعراف: 22)

جب انہوں نے اس درخت سے چکھا تو ان کی شرم گاہیں ان کے لئے ظاہر ہو گئیں اور وہ اپنے اوپر جنت کے پتے جوڑنے لگے اور ان کے رب نے ان سے پکار کر فرمایا کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا۔ اور تم دونوں سے یہ نہ فرمایا تھا کہ بے شک شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (الاعراف: 23)

دونوں نے عرض کیا اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی 211ھ اپنی سند کے ساتھ وہب بن منبہ سے روایت کرتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ کو جنت میں رکھا اور ان کو اس درخت سے منع کیا۔ اس درخت کی شاخیں بہت گھنی تھیں اور فرشتے اپنے دوام اور خلود کیلئے اس درخت سے کھاتے تھے جب ابلیس لعین نے ان کو ورغلانے کا ارادہ کیا تو سانپ کے پیٹ میں داخل ہو گیا اس وقت اونٹ کی طرح سانپ کی چار ٹانگیں تھیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں

ین جانور تھا۔ سانپ جنت میں داخل ہوا تو ابلیس لعین اس کے پیٹ سے نکل آیا اور اس نے اس ممنوع درخت سے پھل توڑا
اراس کو حضرت حوا علیہا السلام کے پاس لے کر آیا۔

اور ان سے کہا:

دیکھو یہ کیسے درخت کا پھل ہے اس کی خوشبو کیسی عمدہ ہے۔ اس کا کتنا لذیذ ذائقہ ہے اور کتنا حسین رنگ ہے۔ حضرت حوا
لیہا السلام نے اس درخت سے کھالیا پھر اس درخت کو حضرت آدم علیہ السلام کے پاس لے کر گئیں۔

اور کہا

دیکھیں اس کی کتنی نفیس خوشبو ہے کتنا لذیذ ذائقہ ہے اور کتنا حسین رنگ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے بھی اس سے کھا
یا۔ پھر ان دونوں کی شرم گاہیں ظاہر ہو گئیں پھر حضرت آدم علیہ السلام) شرم سے) درخت (کی گھنی شاخوں) میں داخل ہو گئے
تو ان کو ان کے رب عزوجل نے ندا فرمائی۔

اے آدم! (علیہ السلام)

تم کہاں ہو

انہوں نے کہا:

اے رب عزوجل! میں یہاں ہوں۔

ارشاد فرمایا

تم اس سے باہر نہیں آتے۔

عرض کیا

اے رب عزوجل! مجھے تجھ سے حیا آتی ہے۔

پھر حضرت حوا سے فرمایا

تم نے میرے بندے کو دھوکا دیا! تم کو جب بھی حمل ہوگا تو تم کو تکلیف ہوگی اور جب بھی وضع حمل کا وقت آئے گا تو تمہیں
ت کا مزہ آ جائے گا۔

اور سانپ سے فرمایا:

تم اس ملعون کو اپنے پیٹ میں داخل کر کے لے گئے جس نے میرے بندہ کو دھوکا دیا۔ اب تم پیٹ کے بل چلتے رہو گے اور
ارا رزق مٹی ہوگا۔ تم بنو آدم کے دشمن رہو گے اور بنو آدم تمہارے دشمن ہوں گے۔ تم ان کو ڈسنے کی کوشش کرو گے اور وہ تم کو
ں اور لاٹھیوں سے ہلاک کرنے کی کوشش کریں گے۔

وہب سے کسی نے پوچھا:

کیا فرشتے بھی کھاتے ہیں۔

انہوں نے کہا:

اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

(تفسیر عبدالرزاق: ج:1، ص:316 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

تفسیر نعیمی میں مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔
حضرت آدم علیہ السلام ممانعت الٰہیہ عزوجل کو نہ بھولے تھے بلکہ رب عزوجل کا یہ فرمان بھول گئے تھے کہ ابلیس تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اس مردود نے کہا:

میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور اس پر قسم کھا گیا۔ آپ علیہ السلام اس کی قسم سے دھوکا کھا کر اسے خیر خواہ سمجھ گئے یہ بھول ہوئی یا اس موقع پر رب تعالیٰ سے پوچھنا بھول گئے کہ مولیٰ تعالیٰ میں یہ پھل کھاؤں یا نہیں یا یہ بھول گئے کہ اس پھل میں یہ تاثیر نہیں کیونکہ انہیں کل ناموں کا علم دیا گیا تھا تو اس کے ساتھ ہر چیز کے فوائد نقصانات بتا دیئے گئے تھے۔ ان میں اس درخت کے نقصانات بھی تھے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:8، ص:286 نعیمی کتب خانہ لاہور)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ

وہ درخت جس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ کو منع فرمایا تھا گندم کا تھا جب ان دونوں نے اس درخت سے کھایا تو ان کی شرم گاہیں ظاہر ہو گئیں وہ ان کو جنت کے پتوں سے چھپانے لگے وہ انجیر کے درخت کے پتے تھے جو ایک دوسرے سے چپٹے ہوئے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام پیٹھ موڑ کر جنت کی طرف چل دیئے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ندا فرمائی۔

اے آدم (علیہ السلام)! کیا تم مجھ سے بھاگ رہے ہو۔

انہوں نے کہا:

نہیں! اے رب عزوجل! لیکن اے رب عزوجل تیری عزت کی قسم! مجھے یہ گمان نہ تھا کہ کوئی شخص تیرے نام کی جھوٹی قسم کھا سکتا ہے۔

ارشاد فرمایا

میں تم کو ضرور زمین کی طرف اتار دوں گا اور تم کو روزی مشقت سے حاصل ہوگی پھر حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام زمین کی طرف اتارا گیا اور انہیں [illegible] کھیتی باڑی کا حکم دیا۔ انہوں نے فصل اگائی اور اس میں پا

بل کو ٹنے کے بعد دانہ کو کوٹا اور اس کو بھوسے سے الگ کیا پھر اس کو پیسا پھر آٹا گوندھا پھر روٹی پکائی۔

جامع البیان جز:8،ص:187 تا 188 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ

جب حضرت آدم علیہ السلام نے اس درخت سے کھالیا تو ان سے کہا گیا: آپ علیہ السلام نے اس درخت سے کیوں کھایا جس سے میں نے آپ کو منع فرمایا تھا۔

انہوں نے کہا:

مجھ سے حوا نے کہا تھا۔

ارشاد فرمایا

میں نے اس کو یہ سزا دی ہے کہ اس کو حمل بھی مشقت سے ہوگا اور وضع حمل بھی مشقت سے ہوگا۔ اس وقت حضرت حوا علیہا رونے لگیں۔

ان سے کہا گیا:

تم اور تمہاری اولا د روتی رہے گی۔

(جامع البیان جز:8،ص:189 دار الفکر بیروت)

ممنوعہ درخت کھانے کے بعد کون سا لباس پہنا۔

حضرت حوا علیہا السلام نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو ممنوعہ درخت کھلایا تو دونوں کی شرم گاہیں ظاہر ہوگئیں۔

جیسا کہ جامع البیان میں ہے۔

جب ان دونوں نے اس درخت سے کھایا تو ان کی شرم گاہیں ظاہر ہوگئیں۔ وہ ان کو جنت کے پتوں سے چھپانے لگے وہ انجیر کے درخت کے پتے تھے جو ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے تھے۔

(جامع البیان جز:8،ص:187 تا 188 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کس قسم کے لباس زیب تن فرماتے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ قمیص پسند تھی کیونکہ اس میں ستر بھی زیادہ ہوتا ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام کپڑوں میں قمیص سب سے زیادہ پسند تھی۔

سنن ابوداؤد رقم الحدیث:4025)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضا حاجت کے لئے گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پانی لے کر آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شامی کوٹ پہنا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی کی ناک میں پانی ڈالا اور چہرہ دھویا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کلائیوں کو آستینوں سے نکالنے لگے وہ آستینیں تنگ تھیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوٹ کے نیچے سے ہاتھوں کو نکال لیا اور کلائیوں کو دھویا اور سر پر اور موزوں پر مسح کیا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5798)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم متوسط قامت کے تھے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سرخ حلہ میں دیکھا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین کوئی چیز نہیں دیکھی۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5842)

سرخ حلہ ایک قسم کی دو چادریں ہوتی ہیں ایک کو بطور تہبند باندھی جاتی تھی اور ایک بالائی بدن پر لپیٹ لی جاتی تھی۔ اس کو سرخ حلہ کہتے ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین کوئی ذی لمہ نہیں دیکھا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2337)

ذی لمہ یعنی جس کے بال کانوں کی لو سے متجاوز کر چکے ہوں۔

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو رمثہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں اپنے والد رضی اللہ عنہ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گیا۔ میں نے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دو سبز رنگ کی چادریں تھیں۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 4064)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک صبح کو باہر گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر سیاہ رنگ کی اونی چادر تھی۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2822)

...ن قسم کا لباس پسند تھا

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شیروانیاں تقسیم کیں اور مخرمہ کو کچھ نہیں دیا۔

مخرمہ نے کہا:

اے بیٹے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو۔ میں ان کو لے گیا۔

پھر کہا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے لئے بلالاؤ۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے بحالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان شیروانیوں میں سے ایک شیروانی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں نے تمہارے لئے اس کو چھپا کر رکھا ہوا تھا۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 4028)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص کو تہبند میسر نہ ہو وہ شلوار پہنے اور جس شخص کو جوتے میسر نہ ہوں وہ موزے پہنے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5804)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت معتمر کے والد بیان کرتے ہیں کہ

میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو زرد رنگ کی اونی ٹوپی پہنے ہوئے دیکھا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5802)

ایک اور روایت میں ہے۔

جعفر بن عمرو بن حریث کے والد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

میں نے دیکھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا اور عمامہ ایک طرف (شملہ) کو دو کندھوں کے درمیان ڈالا ہوا تھا۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 4077)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

خطبہ دے رہے تھے۔حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما دوسرخ قمیص پہنے ہوئے آئے وہ چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اوران کو اپنی گود میں بٹھالیا۔

(سنن ابن ماجہ،رقم الحدیث:3600)

ایک اور روایت میں ہے۔

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی داڑھی کو زرد رنگ سے رنگتے تھے۔حتیٰ کہ ان کے کپڑے بھی زرد رنگ جاتے تھے۔

ان سے پوچھا گیا کہ

آپ رضی اللہ عنہ زرد رنگ سے کیوں رنگتے ہیں۔

انہوں نے کہا:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس رنگ سے رنگتے ہوئے دیکھا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے زیادہ اور رنگ پسند نہیں تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام کپڑوں کو رنگتے تھے حتیٰ کہ عمامہ بھی۔

(سنن ابی داؤد:رقم الحدیث:4064)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک صبح کو باہر گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر سیاہ رنگ کی اونی چادر تھی۔

(سنن الترمذی:رقم الحدیث:2822)

عمدہ وصاف لباس پہننا

ابوالاحوص کے والد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے گھٹیا کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا تمہارے پاس مال ہے۔

میں نے عرض کیا

جی ہاں! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس ہر قسم کا مال ہے۔

(دوسری روایت میں ہے)

میرے پاس اونٹ، بکریاں، گھوڑے، [illegible] ہر قسم کا مال ہے)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال دیا ہے تو تم پر اس کا اثر ظاہر ہونا چاہیے۔

(سنن نسائی: رقم الحدیث:5239)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص کے دل میں ایک ذرّہ کے برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

ایک شخص نے عرض کیا

ایک آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کی جوتی اچھی ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ جمیل (حسین) ہے اور جمال سے محبت کرتا ہے۔ تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث:91)

امام احمد رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے۔

اس شخص نے کہا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے یہ اچھا لگتا ہے کہ میرے کپڑے دھلے ہوئے ہوں اور میرے سر میں تیل لگا ہوا ہو اور میری جوتی نئی ہو اس نے اور بھی کئی چیزیں ذکر کیں حتیٰ کہ اپنے چابک کی ڈوری کا بھی ذکر کیا۔

اور پوچھا

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ چیزیں تکبر سے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نہیں یہ جمال ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال سے محبت کرتا ہے لیکن تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔

(مسند احمد: ج:2، رقم الحدیث:3789)

ایک اور روایت میں ہے۔

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے بندے پر اپنی نعمت کا اثر دیکھے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2828)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اسلام صاف ستھرا ہے سو تم صاف ستھرے رہو کیونکہ جنت میں صرف صاف ستھرے لوگ داخل ہوں گے۔

(المعجم الاوسط: ج:5، رقم الحدیث: 4890)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جس کے بال غبار آلود اور بکھرے ہوئے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا اس کو کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جس کے ساتھ یہ اپنے بالوں کو سنوار سکے۔ ایک اور شخص کو دیکھا جو میلے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا اس شخص کو میسر نہیں ہے جس سے یہ اپنے کپڑوں کو دھو سکے۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 4062)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک کپڑا پہن کر نماز پڑھنے کے متعلق سوال کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا تم میں سے ہر شخص کے پاس دو کپڑے ہیں۔ پھر ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا

جب اللہ تعالیٰ نے وسعت دی ہے تو وسعت کو اختیار کرو۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 365)

ایک اور روایت میں ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے ایک شخص کو سات سو درہم کا لباس خرید کر پہنایا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج:8، رقم الحدیث:4966)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے جس وقت ہم ایک درخت کے نیچے ٹھہرے ہوئے تھے تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا۔

میں نے عرض کیا

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سائے کی طرف آ جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ اس وقت مجھے دستر خوان میں ایک چھوٹی سی ککڑی ملی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

یہ تم کو کہاں سے ملی؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بات ذکر کی پھر ایک شخص چلا گیا جس نے دو پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھ کر ارشاد فرمایا۔

کیا ان کے پاس دو کپڑوں کے سوا اور کوئی کپڑا نہیں ہے۔

میں نے عرض کیا

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے دو کپڑے صندوق میں رکھے ہوئے ہیں جو میں نے اس کو پہنائے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کو بلاؤ اور اس سے کہو کہ وہ دو کپڑے پہن لے۔ اس نے جا کر وہ کپڑے پہن لئے۔

(مسند البزار، رقم الحدیث:2964)

سادہ اور معمولی لباس کے فضائل

سہل بن معاذ بن انس جہنی اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع کرتے ہوئے (نہایت قیمتی) لباس کو ترک کر دیا حالانکہ وہ اس پر قادر تھا۔ اللہ قیامت کے دن اس کو لوگوں کے سامنے بلائے گا ... اس کو اختیار دے گا کہ وہ ایمان کے حلوں میں سے جس حلہ کو

چاہے پہن لے۔

(سنن ترمذی،رقم الحدیث:2489)

ایک اور روایت میں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے قدرت کے باوجود خوبصورت لباس کو تواضعاً ترک کر دیا اللہ تعالیٰ اس کو عزت کے حلے پہنائے گا۔

(سنن ابوداؤد:رقم الحدیث:4778)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ عزوجل اس شخص سے محبت کرتا ہے جو روزمرہ استعمال کے عام کپڑے پہنتا ہے اور اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ ا

پہنا ہے۔

(شعب الایمان:رقم الحدیث:6176)

لباس پہننے کے شرعی احکام

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی 1252ھ لکھتے ہیں:

لباس پہننا بعض صورتوں میں فرض ہے۔بعض میں واجب،بعض میں مستحب،بعض میں مباح،بعض میں مکرو

صورتوں میں حرام ہے۔

فرض

لباس کی جتنی مقدار شرم گاہ چھپانے کے لئے ضروری ہو اتنی مقدار کا لباس پہننا فرض ہے (مرد کی شرم گاہ ناف

تک ہے اور عورت کا تمام بدن شرم گاہ ہے سوائے چہرہ، ہاتھ اور پیروں کے، محارم کے سامنے چہرے، ہاتھ اور پیرون

جائز ہے اور اجنبی مردوں کے سامنے بلاضرورت شرعی ان کا ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔

واجب

سردی اور گرمی کے اثرات سے جسم کو محفوظ کرنے کے لئے جس قدر لباس پہننا ضروری ہو اس کا پہننا واجب ہے

مستحب

اظہار اور زینت کے لئے قدر زائد اور خوبصورت لباس پہننا مستحب ہے کیونکہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتا ہے کہ اس کے بندے کے اوپر اس کی نعمت کے آثار دکھائی دیں۔ اسی طرح سفید، سیاہ اور سبز رنگ کا لباس پہننا مستحب ہے۔

مباح

جمعہ اور عید کے مواقع پر اور تقریبات اور محافل میں قیمتی اور نفیس لباس پہننا مباح ہے۔ اسی طرح رنگنے کے بعد حیوانوں اور درندوں کی کھالوں کا لباس پہننا بھی مباح ہے۔

مکروہ

ہر وقت قیمتی اور نفیس پوشاک پہننا مکروہ ہے کیونکہ اس سے ضرورت مندوں کے دلوں میں بغض پیدا ہوتا ہے اور اس میں اسراف ہے اور تکبر کا خطرہ ہے۔
تکبر یہ ہے کہ
وہ قیمتی اور فاخرانہ لباس پہن کر معمولی کپڑے پہننے والوں کو کم تر اور حقیر جانے۔

حرام

ریشم کا لباس مردوں کے لئے حرام ہے البتہ اگر کسی کپڑے پر چار انگل کی مقدار ریشم کے بیل بوٹے بنے ہوئے ہوں تو پھر جائز ہے اسی طرح اگر چار انگل کی مقدار سونے کا کام کیا ہوا ہو تو پھر بھی جائز ہے اور اس کی اصل یہ حدیث ہے۔
حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جابیہ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم کے پہننے سے منع فرمایا سوا دو یا تین یا چار انگلیوں کی مقدار کے۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث 2069)
حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا:
یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے۔ انہوں نے ایک طیالی کسروانی جبہ نکالا جس کی آستینوں اور گریبان پر ریشم کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔
حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا:
یہ جبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات تک ان کے پاس تھا اور ان کی وفات ہوئی تو پھر میں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس جبہ کو پہنتے تھے۔ ہم اس جبہ کو دھو کر اس کا پانی بیماریوں کو پلاتے ہیں اور اس جبہ سے ان کے لئے شفا طلب کرتے ہیں۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 4054)

حضرت آدم وحوا علیہما السلام کا پتوں سے جسم کو ڈھانپنا

حضرت امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا

اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جنت میں سے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ اور اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم دونوں حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ اس وقت ابلیس نے ان دونوں کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ جنت کے محافظوں نے اس کو جانے سے روک دیا۔ اس وقت سانپ اونٹ کی طرح ایک چوپایہ تھا اور بہت حسین جانور تھا۔

ابلیس لعین نے اس سے کہا

وہ اس کو اپنے منہ میں رکھ کر جنت میں لے جائے۔ سو سانپ ابلیس کو اپنے منہ میں رکھ کر چلا گیا اور جنت کے محافظوں کو پتہ نہ چلا۔

پھر ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا

کیا میں اس کو ایسا درخت نہ بتاؤں جس کو کھانے کے بعد تم دونوں فرشتوں کی طرح ہو جاؤ گے یا ہمیشہ زندہ رہنے والے ہو جاؤ گے

اور تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی

اور قسم کھا کر کہا کہ

وہ ان کی خیر خواہی کر رہا ہے حالانکہ اس کا یہ ارادہ تھا کہ ان کا ستر کھل جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کیا لیکن حضرت حوا علیہا السلام نے آگے بڑھ کر اس درخت سے کھالیا۔

اور حضرت آدم علیہ السلام سے کہا

اے آدم (علیہ السلام)! اسے کھالو۔ دیکھو میں نے کھایا ہے مجھے کچھ نہیں ہوا ہے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے اس کو کھالیا تو ان دونوں کی شرم گاہیں کھل گئیں اور وہ درخت کے پتوں سے اپنے اپنے جسموں کو ڈھانپنے لگے۔

(جامع البیان ج:1، ص:187 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

کیا حضرت آدم وحوا علیہما السلام کا ممنوعہ درخت کو کھانا معصیت ہے یا نہیں

حضرت آدم وحضرت حوا علیہما السلام کا ممنوعہ درخت کو کھانا معصیت نہیں کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام معصیت سے پاک ہوتے ہیں تو جب حضرات انبیاء کرام علیہم السلام معصیت سے پاک ہوئے تو پھر یہ کہنا کیسے جائز و درست ہوگا کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے معصیت کی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے معصیت نہیں کی تھی بلکہ اس میں بھی ہزاروں

ئیں ہی حکمتیں تھیں۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام معصیت سے منزہ ہیں جن پر کئی دلائل موجود ہیں جس میں سے چند حوالہ جات اوراعتراض کوختم کرنے کے لئے دلائل پیش کرتا ہوں۔

(1) اگر انبیاء کرام علیہم السلام سے (نعوذ باللہ) گناہ صادر ہوتو ان کی اتباع حرام ہوگی حالانکہ ان کی اتباع کرنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (آل عمران: 31)

آپ فرمادیجئے! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہوتو میری اتباع کرو۔ اللہ تمہیں محبوب بنالے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

(2) اگر نبی سے گناہ صادر ہوں تو ان کو (العیاذ باللہ) ملامت کرنا جائز ہوگا اور اس سے نبی کو ایذا پہنچے گی اور انبیاء کرام علیہم السلام کو ایذا پہنچانا حرام ہے۔

کیونکہ

اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ (الاحزاب: 57)

بے شک جولوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

(3) جس شخص سے گناہ صادر ہوں اس کی شہادت کو بلاتحقیق قبول کرنا جائز نہیں کیونکہ

اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا (الحجرات: 6)

اے ایمان والو! اگر فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کرلیا کرو۔

اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شہادت کو بلاتحقیق قبول کرنا واجب ہے۔

(4) فاسق نبوت کا اہل نہیں ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ (البقرہ: 124)

اللہ نے فرمایا، ظالموں کو میرا عہد نہیں پہنچتا۔

(5) انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہیں کیونکہ

اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ اِنَّاۤ اَخْلَصْنٰهُمْ (ص 45 تا 46)

اور ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو یاد کیجئے۔ جو قوت اور نگاہ بصیرت والے ہیں۔ ہم نے ان کو مخلص کر دیا۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مخلصین کو شیطان گمراہ نہیں کر سکتا۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ (ص 82 تا 83)

ابلیس نے کہا: تیری عزت کی قسم، میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا، سوا تیرے مخلص بندوں کے۔

(6) گناہ گار لائق مذمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی عزت افزائی کی ہے۔

ارشاد فرمایا

وَ اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ۝ (ص: 47)

اور بے شک وہ (سب) ہماری بارگاہ میں ضرور پسندیدہ بندوں میں سے ہیں۔

(7) انبیاء کرام علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں اور فرشتوں سے گناہ صادر نہیں ہوتے تو پھر انبیاء کرام علیہم السلام سے بطریق اولیٰ گناہ صادر نہیں ہوں گے۔

فرشتوں سے افضلیت کی دلیل یہ ہے کہ

فرشتے عالمین میں داخل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو تمام عالمین پر فضیلت دی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (آل عمران: 33)

بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے۔

(8) انبیاء کرام علیہم السلام لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اگر وہ خود گناہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوگا کیونکہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (الصف: 3)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات سخت ناراضگی کی موجب ہے کہ تم وہ بات کہو جو خود نہیں کرتے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام سے راضی ہے۔

ارشاد فرمایا گیا

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن: 26، 27)

"وہ عالم الغیب ہے تو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا بجز ان کے جن سے وہ راضی ہے جو اس رسول ہیں۔"

اس آیت میں واضح فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ سب رسولوں سے راضی ہے۔ اور نیکی کا حکم دے کر خود عمل نہ کرنے والے سے راضی نہیں ہے۔

(9) اگر انبیاء کرام علیہم السلام معصیت کریں تو ہم پر معصیت کرنا واجب ہوگی کیونکہ ان کی اتباع واجب ہے اور دوسرے ہے ہم پر معصیت کرنا حرام ہے سولازم آئے گا کہ ہم پر معصیت کرنا واجب بھی اور حرام بھی ہو اور یہ اجتماع ضدین ہے۔

(10) اگر معاذ اللہ انبیاء کرام علیہم السلام سے گناہوں کا صدور ہوتا تو وہ مستحق عذاب ہوتے کیونکہ

قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ○ (الجن: 23)

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔

اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام جہنم سے محفوظ اور مامون ہیں اور ان کا مقام جنت الخلد ہے۔

آدم ربہ فغوی پر امام رازی کا عصمت آدم علیہ السلام پر اعتراض کا جواب دینا

امام رازی لکھتے ہیں کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت کے منکرین کہتے ہیں کہ عاصی اس شخص کو کہتے ہیں جو گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے اور جو عمل کی وجہ سے سزا کا مستحق ہو اور عصیان کی مذمت کی جاتی ہے اور اس پر وعید ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ص (النساء: 14)

اور جو اللہ اور رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود سے تجاوز کرے اس کو دوزخ میں داخل کر دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

پھر غوی کا مصدر ہے غوایت اور غوایت اور ضلالت دونوں مترادف ہیں اور غی، رشد اور ہدایت کی ضد ہے اور اس قسم کے اطلاق اسی شخص پر کیا جاتا ہے جو فاسق ہو اور اپنے فسق میں مستغرق ہو پھر علماء نے اس استدلال کے جواب میں کہا۔

معصیت کا معنی ہے۔

امر کی مخالفت کرنا

اور امر کبھی وجوب کے لئے آتا ہے اور کبھی استحباب کے لئے آتا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام پر جو معصیت کا اطلاق ہوتا ہے اس کا معنی ہے کہ انہوں نے ایک مستحب کام کو ترک کر دیا نہ یہ کہ انہوں نے کسی واجب کو ترک کیا لیکن اس آیت سے استدلال کرنے والوں نے اس جواب کو رد کر دیا۔

اور کہا ہے:

ظاہر قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ معصیت کا مرتکب عتاب اور سزا کا مستحق ہوتا ہے اور عرف میں بھی عاصی کا لفظ بطور مذمت کے استعمال ہوتا ہے۔

اور بعض علماء نے اس کے جواب میں یہ کہا

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے معصیت صغیرہ کا ارتکاب کیا نہ یہ کہ معصیت کبیرہ کا ارتکاب کیا۔

اور امام ابو مسلم اصفہانی نے یہ جواب دیا کہ

حضرت آدم علیہ السلام نے مصالح دنیا میں حکم کی مخالفت کی نہ کہ تکلیف شرعی میں اور دنیاوی مصلحتوں میں حکم کی مخالفت کرنا مباح ہے اور غوی کے لفظ کا یہ جواب دیا ہے کہ وہ جنت کی نعمتوں سے محروم ہو گئے کیونکہ جب انہوں نے اپنے ملک کو برقرار رکھنے کے لئے اس درخت سے کھایا تو ان کا ملک زائل ہو گیا اور ان کی کوشش ناکام ہو گئی اور وہ کامیاب نہ ہو سکے تو کہا غوی، غوئ رشد کی ضد ہے۔

اور رشد کا معنی یہ ہے کہ

کسی چیز کے وسیلہ سے مقصود تک پہنچا جائے اور جب مقصود کے بجائے اس کی ضد حاصل ہو تو کہا جاتا ہے غوئ یعنی ناکام اور نامراد ہو گیا۔

اور بعض لوگوں نے یہ جواب دیا ہے کہ

غوی کا معنی ہے بدہضمی یعنی بکثرت گندم کھانے سے انہیں بدہضمی ہو گئی۔ ان تمام جوابات کو ذکر کرنے اور ان پر تمحیص کرنے کے بعد امام رازی نے جواب دیا ہے کہ میرے نزدیک سب سے اولیٰ اور مادۂ اعتراض کو جڑ سے اکھاڑنے والا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے یہ فعل اس وقت سرزد ہوا جب وہ نبی نہیں تھے۔

(تفسیر کبیر ج:8، ص:108 تا109 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی)

اور سورہ بقرہ میں امام رازی نے پہلے عصمت انبیاء کرام علیہم السلام میں مذاہب حسب ذیل بیان فرمائے۔

امام رازی کا عصمت انبیاء میں مذاہب بیان کرنا

(1) حشویہ کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام کا عمداً گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنا جائز ہے۔

(2) اکثر معتزلہ کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام سے کبائر کا صدور جائز نہیں ہے لیکن عمداً صغائر کا صدور جائز ہے، ان صغائر کے جن سے لوگ تنفر ہوں۔

(3) جبائی معتزلی کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام سے صغائر اور کبائر کا عمداً صدور جائز ہے ہاں ان سے تاویل کے ساتھ صدور ہو سکتا ہے۔

(4) انبیاء کرام علیہم السلام سے بغیر سہو اور خطا کے گناہ کا صدور نہیں ہو سکتا، سہو اور خطا کے ساتھ ان سے گناہ کا صدور ہو سکتا ہے لیکن ان سے ان پر مواخذہ ہوتا ہے اس کے برخلاف ان کی امتوں سے اگر سہو اور خطا سے گناہ ہو تو ان سے مواخذہ نہیں ہوتا کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس معرفت کے دلائل بہت قوی اور بہت زیادہ ہیں اور دوسروں کی بہ نسبت وہ گناہ

اجتناب پر زیادہ قادر ہیں۔

(5) روافض کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام سے صغیرہ یا کبیرہ صادر نہیں ہوتا نہ قصداً نہ سہواً نہ تاویلاً نہ خطأً۔

عصمت کے وقت علماء کے تین اقوال ہیں۔

معتزلہ کا مذہب

معتزلہ کے نزدیک ان کی عصمت کا وقت بالغ ہونے کے بعد ہے اور نبوت سے پہلے ان سے کفر اور کبیرہ کا ارتکاب جائز ہے۔

روافض کا مذہب

روافض کا مذہب یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی ولادت کے وقت سے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔

ہمارے اکثر اصحاب اور ابوالھذیل کا مذہب

ہمارے اکثر اصحاب کا مذہب اور ابوالھذیل اور ابو علی معتزلی کا مذہب اور ہمارا مختار یہ ہے کہ حال نبوت میں انبیاء کرام علیہم السلام سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا نہ کبیرہ اور نہ صغیرہ۔

(تفسیر کبیر: ج:1، ص:455 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی)

اس تمہید کے بعد امام رازی عصی ادم ربہ فغوی کے جواب میں منکرین عصمت کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں:

ہم یہ کہتے ہیں کہ تمہارا کلام اس وقت مکمل ہوگا جب تم دلیل سے یہ ثابت کر دو کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حال نبوت میں اس درخت سے کھایا تھا اور یہ ثابت نہیں ہے یہ کیوں جائز نہیں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے اس ذلت (لغزش) کا صدور اس وقت ہوا ہو جب وہ نبی نہیں تھے اور اس ذلت کے بعد ان کو نبی بنایا گیا۔

(تفسیر کبیر ج:1، ص:459 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سید آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

حضرت آدم علیہ السلام نے اس درخت سے کھانے کی ممانعت میں اپنے رب عزوجل کی معصیت کی اور ان کا جو مطلوب تھا کہ ان کو دائمی زندگی اور لازوال سلطنت حاصل ہو اس سے بھٹک گئے یعنی اس کو نہ پا سکے۔

یہ اس صورت میں ہے۔

جب غوی کا معنی ضلالت کیا جائے اور غوی کا معنی فساد بھی ہے یعنی ان کی زندگی میں جنت سے آنے کے بعد محنت، مشقت اور تھکاوٹ ہوگئی۔ عیش و آرام جاتا رہا اور وہ مشقت میں پڑ گئے۔

علامہ تفتازانی نے شرح المقاصد کے اندر ذکر کیا ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام سے جو یہ کام صادر ہوا یہ نبوت سے پہلے تھا اور اس کا صدور سہو یا تاویل سے ہوا۔ ان کے با
اللہ تعالیٰ نے ان پر گرفت فرمائی کیونکہ ان کا مقام بہت بلند تھا اور ان پر اللہ تعالیٰ کا بہت فضل اور احسان تھا اور ان جیسے شخص کو
تعالیٰ کا حکم ہر وقت یاد رکھنا چاہیے تا کہ سہو اور نسیان کی نوبت نہ آتی اور مشہور ہے کہ نیک لوگوں کی نیکیاں بھی مقربین کے نزد
گناہ ہوتی ہیں۔

(روح المعانی جز:16،ص:401 تا402 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

اس میں علماء کا اتفاق ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہیں کرتے اور اس میں ان کا اختلاف ہے کہ آیا
گناہ صغیرہ کرتے ہیں جن سے ان کا مواخذہ ہوتا ہے اور ان پر عتاب ہوتا ہے یا نہیں اسی طرح اس پر بھی علماء کا اتفاق ہے وہ ا
ذلیل کام نہیں کرتے جس سے ان کی ذات پر نقص یا عیب لگے یا جس کی وجہ سے ان کی مذمت کی جائے اور لوگ ان سے
ہوں۔ ہمارے نزدیک اس کی دلیل معجزہ ہے اور معتزلہ کے نزدیک اس کی دلیل عقل ہے۔

امام طبری اور دیگر محدثین نے کہا ہے:

انبیاء کرام علیہم السلام سے صغائر واقع ہوتے ہیں۔ اس میں رافضیوں کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلا
تمام گناہوں سے معصوم ہیں۔

امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی ان کے اصحاب اور جمہور فقہاء اور محدثین کا یہ مذہب ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام ج
طرح کبائر سے معصوم ہوتے ہیں اسی طرح صغائر سے بھی معصوم ہوتے ہیں کیونکہ ہم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم ان کے افعال
کے آثار اور ان کی سیرتوں کی اتباع کریں اور یہ حکم مطلق دیا گیا ہے اس میں کوئی استثناء نہیں ہے اور نہ کسی قرینہ کے التزام کا
ہے۔ اگر ہم انبیاء کرام علیہم السلام سے صغائر کے وقوع کو جائز قرار دیں تو ان کی اقتداء کرنا ممکن ہوگی کیونکہ ان کے افعال
سے ہر فعل اس سے متمیز نہیں ہے کہ وہ عبادت ہے یا اباحت ہے یا ممنوع ہے یا معصیت ہے اور نہ کسی شخص کو یہ حکم دینا صحیح ہوگا
وہ ان کے کسی حکم پر عمل کرے کیونکہ ہو سکتا ہے ان کا وہ حکم معصیت ہو۔ قاضی ابو اسحاق اسفرائنی نے کہا کہ
صغائر کے ارتکاب میں اختلاف ہے اور اکثر کا مختار یہ ہے کہ ان سے صغائر کا صدور جائز نہیں ہے اور بعض نے جا
ہے اور اس قول کی کوئی اصل نہیں ہے۔

بعض متاخرین نے پہلے قول کو اختیار کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض گناہوں کے وقوع کی خبر دی ہے اور ان کو انبیاء ک
علیہم السلام کی طرف منسوب کیا ہے اور ان کی وجہ سے انبیاء کرام علیہم السلام پر عتاب کیا ہے اور خود انبیاء کرام علیہم السلام نے
ان گناہوں کے وقوع کی خبر دی اور ان سے ڈرے اور ان پر توبہ کی اور یہ تمام امور بہت جگہ وارد ہیں اور یہ مجموعی طور پر تاو

قبول نہیں کرتے اگر چہ فرداً فرداً تاویل کو قبول کرتے ہیں اور ان تمام امور سے ان کے مناصب میں کمی نہیں ہوتی اور یہ کام ان سے شاذ اور نادر طور پر خطا اور نسیان سے واقع ہوئے ہیں یا انہوں نے یہ کام کسی تاویل سے کئے ہیں کیونکہ کبھی وزیر سے اس کام پر گرفت کی جاتی ہے جس کام پر سائیس کو انعام دیا جاتا ہے اس وجہ سے وہ میدان حشر میں امن وامان اور سلامتی کے ملنے کے باوجود ان کاموں سے ڈرتے رہیں گے اور یہ قول حق ہے۔

اور جنید نے کیا خوب کہا ہے:

ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ ہوتی ہیں اور ہر چند کہ بعض نصوص ان سے گناہوں کے وقوع پر شاہد ہیں لیکن اس سے ان کے مناصب پر طعن نہیں ہوگا اور نہ ان کے مراتب میں کوئی کمی ہوگی بلکہ انہوں نے ان گناہوں کی تلافی کر لی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بزرگی دی اور ان کو ہدایت دی اور ان کی مدح کی اور ان کا تزکیہ کیا اور ان کو پسند کیا اور ان کو فضیلت دی۔ صلوات اللہ علیہم وسلامہ

(الجامع الاحکام القرآن جز:1،ص:291 تا 292 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اور علامہ قرطبی وعصی ادم ربہ فغوی کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فغوی کا معنی ہے ان کی زندگی کا عیش وآرام جاتا رہا اور ان کو زندگی خراب ہوگئی۔ غی کا ایک معنی ضلالت اور گمراہی ہوتا ہے اور دوسرا معنی فساد ہے اور یہاں پر یہی معنی مراد ہے نقاش، قشیری اور استاذ ابو جعفر نے بھی یہی مراد لیا۔ یعنی جب وہ جنت سے باہر آگئے تو جنت کے عیش وآرام کے بجائے ان کو محنت اور مشقت کی زندگی گزارنی پڑی اور وہ مشقت میں پڑ گئے۔

(الجامع الاحکام القرآن جز:11،ص:168 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

عرض مصنف

ہمارے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام سے اعلان نبوت سے پہلے اور اعلان نبوت کے بعد عمداً گناہ کبیرہ صادر نہیں ہوتا۔ ان نسیان اور اجتہادی خطا سے صغائر کا ارتکاب ہوسکتا ہے خواہ نبوت سے پہلے ہو یا نبوت کے بعد اور سورہ طہ کی زیر تفسیر آیت میں جو وارد ہے وعصی ادم ربہ۔ آدم نے اپنے رب کی معصیت کی، سو یہ اطلاق ظاہری اور صوری اعتبار سے ہے اور یہ حقیقتاً گناہ نہیں ہے نہ صغیرہ اور نہ کبیرہ کیونکہ

گناہ کی تعریف یہ ہے کہ

اپنے قصد اور اختیار سے اللہ تعالیٰ کے امر اور حکم کے خلاف کوئی کام کیا جائے اور اگر بھولے سے کوئی کام اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کیا جائے تو وہ گناہ نہیں ہے۔

جیسے

انسان رمضان المبارک کے روزہ میں بھول کر کھا پی لے تو یہ گناہ نہیں ہے بلکہ اس کا روزہ بھی نہیں ٹوٹتا۔ اب دیکھنا یہ ہے

کہ حضرت آدم علیہ السلام نے بھول کر اس درخت سے کھایا یا قصداً اور عمداً کھایا تھا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ○ (طٰہٰ: 115)

اور بے شک اس سے پہلے ہم نے آدم سے عہد لیا تھا پس وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا قصد نہیں پایا۔

اور اس کو ظاہری اور صوری اعتبار سے معصیت اس لئے فرمایا: انہوں نے بہر حال اس درخت سے کھایا تھا خواہ ان کا قصد معصیت کا نہیں تھا اور انہوں نے چونکہ بھولے سے یہ فعل کیا تھا اس لئے یہ گناہ نہیں ہے اور نہ عصمت کے خلاف ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے۔

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ○ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ (طٰہٰ: 120، 121)

پھر شیطان نے آدم کی طرف وسوسہ کیا کہا اے آدم کیا تمہیں (جنت میں) ہمیشہ رہنے کا درخت بتا دوں اور ایسی بادشاہت جو کبھی کمزور نہ ہو تو دونوں نے اس درخت سے کھالیا۔ سو ان کی ستر گاہیں کھل گئیں اور وہ دونوں جنت کے پتوں سے اپنا جسم چھپانے لگے۔

اور سورہ الاعراف میں ہے۔

وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ○ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ○ (الاعراف: 20، 21)

''اور شیطان نے کہا: تم دونوں کو تمہارے رب نے اس درخت سے صرف اس لئے روکا ہے کہ کہیں تم فرشتے بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ اور ان دونوں سے قسم کھا کر کہا کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔''

حضرت آدم علیہ السلام نے اجتہاد کیا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کوئی جھوٹی نہیں کھا سکتا اور انہوں نے یہ اجتہاد کیا کہ اللہ تعالیٰ تنزیہا منع کیا ہے اور یہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ نے تحریما منع فرمایا تھا یا انہوں نے اجتہاد کیا کہ اللہ تعالیٰ نے خاص اس درخت سے منع فرمایا ہے میں اس نوع کے کسی اور درخت سے کھالیتا ہوں۔ دونوں صورتوں میں ان کے اجتہاد کو خطا لاحق ہوئی اور وہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نوع شجر سے منع کیا تھا اور یہ واضح رہے کہ اجتہادی خطا اور نسیان عصمت کے منافی نہیں ہے اور باقی رہا آپ علیہ السلام کا عرصہ دراز تک توبہ اور استغفار کرتا تو یہ ان کا کمال تواضع اور انکسار ہے۔

اور رہا یہ سوال کہ

پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب کیوں فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نیک انسانوں کی بعض نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک ہوتی ہیں اور اس لئے کہ اگر چہ یہ فعل حقیقت میں گناہ نہیں تھا لیکن حضرت آدم علیہ السلام کا مقام اور مرتبہ بہت بلند تھا اس

ان کو اپنے مرتبہ کے لحاظ سے چاہیئے تھا کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حکم کو یاد رکھتے تا کہ بھولنے کی نوبت نہ آتی۔

اور رہا یہ سوال کہ

وہ بےلباس کیوں ہو گئے۔

تو ہو سکتا ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ اس درخت سے کھانا بےلباس ہونے کا سبب ہو۔

جیسے

آگ جلانے کا سبب ہے اور زہر ہلاکت کا سبب ہے۔

اور فغوی کا معنی بیان ہو چکا ہے کہ اس کا معنی گمراہ ہونا بھی ہے اور خراب اور فاسد ہونا بھی ہے اور یہاں یہی دوسرا معنی مراد ہے کہ جنت سے آنے کے بعد ان کی زندگی کا عیش و آرام خراب ہو گیا اور ان کو کھانے پینے اور لباس پہننے کے لئے محنت اور مشقت کرنی پڑی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت آدم و حضرت موسیٰ علیہما السلام کا اپنے رب عزوجل کے سامنے مباحثہ ہوا، پس حضرت آدم، حضرت موسیٰ علیہما السلام پر غالب آ گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

آپ علیہ السلام وہ آدم علیہ السلام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور آپ علیہ السلام میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی اور فرشتوں سے آپ علیہ السلام کو سجدہ کرایا اور آپ علیہ السلام کو اپنی جنت میں رکھا پھر آپ علیہ السلام نے اپنی خطا سے لوگوں کو زمین پر اتار دیا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

آپ علیہ السلام وہ موسیٰ علیہ السلام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام کی فضیلت دی اور آپ علیہ السلام کو الواح عطا کیں جن میں ہر چیز کا بیان تھا اور آپ علیہ السلام کو قریب کر کے سرگوشی کی آپ علیہ السلام یہ بتائیے کہ میری تخلیق سے کتنا عرصہ پہلے اللہ تعالیٰ نے تورات کو لکھا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

چالیس سال پہلے

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

کیا آپ علیہ السلام نے تورات میں یہ لکھا ہوا پایا تھا

وَعَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰیۖ٥ (طٰہٰ: 121)

اور آدم نے اپنے رب عزوجل کی معصیت کی تو وہ مشقت میں پڑ گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

ہاں

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

تو کیا آپ علیہ السلام مجھے اس کام پر ملامت کر رہے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے میرے پیدا کرنے سے چالیس سال پہلے لکھ دیا تھا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2652)

حضرت آدم علیہ السلام کے کلام کی تشریح یہ ہے: اے موسیٰ علیہ السلام۔ آپ علیہ السلام جانتے ہیں کہ میرے پیدا کئے جانے سے پہلے یہ لکھ دیا گیا تھا اور مقدر کر دیا گیا تھا اس لئے اس کا واقع ہونا واجب تھا اور اگر میں بلکہ ساری مخلوق مل کر بھی اللہ تعالیٰ کے لکھے ہوئے سے ایک نقطہ کو بھی مٹانا چاہیں تو اس پر قادر نہیں ہیں۔ پھر آپ علیہ السلام مجھے اس پر کیوں ملامت کر رہے ہیں اور اس لئے کہ گناہ پر ملامت کرنا شرعی امر ہے عقلی امر نہیں ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرما لی اور ان کی مغفرت فرما دی تو ان سے ملامت زائل ہو گئی اور اب ان کو جو ملامت کرے گا وہ شرعاً مغلوب ہوگا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر اب کوئی شخص گناہ کر کے یہ عذر پیش کرے کہ یہ تو گناہ میری تقدیر میں لکھ دیا گیا تھا تو کیا اس کا عذر مقبول ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اس کا عذر مقبول نہیں ہوگا کیونکہ وہ دار التکلیف میں ہے اور اس پر لازم ہے کہ وہ اس گناہ پر توبہ کرے اور اس کی تلافی کرے ورنہ وہ اس گناہ کی سزا کا مستحق ہوگا اور حضرت آدم علیہ السلام بھی جب تک دار التکلیف میں رہے اپنی اس ظاہری معصیت پر توبہ کر لے ورنہ وہ اس گناہ کی سزا کا مستحق ہوگا اور حضرت آدم علیہ السلام بھی جب تک دار التکلیف میں رہے اپنی اس ظاہری معصیت پر توبہ کرتے رہے اور اشک ندامت بہاتے رہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی اور یہ گناہ کرنے والا دار التکلیف میں باقی ہے اور اس پر مکلفین کے احکام جاری ہوں گے اور اس کو زجر و توبیخ اور ملامت کی جائے گی اور اس پر حد یا تعزیر ہوگی اور اس پر توبہ لازم ہے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام نے تقدیر کا عذر اس وقت پیش کیا تھا جب وہ اس دار التکلیف سے جا چکے تھے۔ اس لئے اب ان کو ملامت کرنے کی ضرورت نہ تھی اور سوائے ان کو ایذاء پہنچانے اور شرمندہ کرنے کے ان کو ملامت کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا اور جب انسان کسی گناہ سے توبہ کر لے تو اس کا گناہ باقی نہیں رہتا۔ حضرت آدم علیہ السلام کا تو حقیقت میں کوئی گناہ بھی نہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی اور ان کو عزت اور کرامت سے سرفراز فرمایا۔

...ی مودودی صاحب کا راہ راست سے بھٹکنا

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہاں اس بشری کمزوری کی حقیقت کو سمجھ لینا چاہیے جو حضرت آدم ...السلام سے ظہور میں آئی (الی ان قال) بس ایک فوری جذبہ نے جو شیطانی تحریص کے زیر اثر ابھر آیا تھا ان پر ذہول طاری کر ...ور ضبط نفس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی وہ طاعت کے مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے۔ یہی وہ بھول اور فقدان ...م ہے جس کا ذکر قصہ کے آغاز میں کیا گیا تھا اور اسی چیز کا نتیجہ وہ نافرمانی اور بھٹک ہے جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔

(تفہیم القرآن ج:3،ص:133 مطبوعہ لاہور)

...ض مصنف

سید مودودی صاحب نے اپنی اس عبارت میں حضرت آدم علیہ السلام کی طرف معصیت کی پستی میں جا گرنے نافرمانی ...بھٹکنے کی نسبت کی ہے جبکہ علماء اور مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید کی آیت یا کسی حدیث کے ترجمہ کے بغیر از خود ...رت آدم علیہ السلام کی طرف معصیت اور بھٹکنے کی نسبت کرنا جائز نہیں ہے۔

علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المتوفی 543ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مولیٰ اور مالک کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے بندہ اور غلام کے متعلق کہے "عصی" اس نے میری نافرمانی کی اور پھر اس پر ...نے فضل سے رجوع کرے اور کہے وہ تنزیہہ کو بھول گئے اور ہم میں سے کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ حضرت آدم ...السلام کے واقعہ کی خبر بیان کرتے ہوئے کہے۔ انہوں نے معصیت اور نافرمانی کی ماسوا اس صورت کے کہ وہ اس آیت یا ...یث کا ترجمہ بیان کرے اور رہا یہ کہ ہم اپنی طرف سے اس کا واقعہ بیان کریں تو جب ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ہم اپنے آباء ...نا ہ گار کہیں حالانکہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی بہ نسبت بہت ادنیٰ درجہ کے ہیں تو ہمارے لئے یہ کس طرح جائز ہوگا کہ ہم ...ت آدم علیہ السلام کے متعلق ایسا کہیں جو ہمارے سب سے مقدم باپ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے مکرم نبی ہیں جن کی اللہ تعالیٰ توبہ ...ل فرما چکا ہے اور ان کی مغفرت کر چکا ہے۔

(احکام القرآن ج:3،ص:259 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ)

علامہ ابن الحاج مالکی متوفی 737ھ لکھتے ہیں:

ہمارے علماء رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے:

جس شخص نے قرآن مجید کی تلاوت کے بغیر یا کسی حدیث کے بغیر انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی کے متعلق یہ کہا کہ اس ...معصیت کی یا اللہ تعالیٰ کی مخالفت کی تو وہ کافر ہوگیا۔ نعوذ باللہ من ذالک ۔اس کے بعد انہوں نے علامہ ابن العربی کی ...الصدر عبارت نقل کر کے اس سے استدلال کیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز:11،ص:167تا168 مطبوعہ بیروت)

اور یہاں پر حیرت انگیز تو بات یہ ہے کہ باقی مفسرین نے وعصی ادم ربہ فغوی کی تفسیر میں اس آیت کی توجیہ کی ہے حضرت آدم علیہ السلام کی عصمت کو ثابت کیا اور ان کی گناہ سے برأت کو بیان کیا ہے اور سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس آیت حضرت آدم علیہ السلام پر تنقید کی ہے اور لکھا ہے کہ "وہ طاعت کے مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے۔"

(نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ)

لہٰذا اس تمام بحث سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام معصیت سے منزہ ہیں اور جو کوئی آپ علیہ السلام کی طرف معصیت کی نسبت کرے خود بھی بھٹکتا ہے اور اپنا ایمان برباد کرتا ہے۔

حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو جنت سے باہر جانے کا حکم

جب حضرت حوا علیہا السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو ممنوعہ درخت کھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا: تم سب کے سب نیچے اتر جاؤ۔ جیسا کہ قرآن مجید میں صراحتاً حکم موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ (بقرہ: 36)

ہم نے فرمایا تم نیچے اترو تم میں سے بعض، بعض کے دشمن ہوں گے اور تمہارے لئے زمین میں ایک وقت مقرر تک ٹھکانا اور فائدہ اٹھانا ہے۔

اس آیت کریمہ حضرت آدم و حضرت حوا علیہما السلام کو خطاب ہے سورہ طٰہٰ میں صیغہ تثنیہ کے ساتھ خطاب ہے اور یہاں بقرہ میں جمع کے ساتھ خطاب ہے۔ اس میں یعنی جمع میں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں جو ان کی ذریت ہے اس کو خطاب ہے یا حضرت آدم و حوا علیہما السلام اور ابلیس کو خطاب ہے ہر چند کہ ابلیس کو پہلے بھی نکال دیا تھا لیکن جب وہ چوری چھپ کر وسوسہ ڈالنے کے لئے داخل ہوا تو اس کو دوبارہ نکال دیا۔

جو لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی عصمت کا انکار کرتے ہیں کہ اگر حضرت آدم علیہ السلام نے گناہ نہیں کیا تھا تو ان کو سزا کیوں ملی اور ان کو جنت سے کیوں نکال دیا گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجنے کا حکم دینا ان کے حق میں سزا نہیں ہے بلکہ یہ ان کے مقصد تخلیق کی تکمیل ہے کیونکہ آپ علیہ السلام کو زمین پر خلافت الٰہی کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ

حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کے معرکہ میں ابلیس کامیاب ہو گیا اور اس نے ان کو جنت سے نکلوا دیا کیونکہ مقصود اصلی بھی یہی تھا سو وہ نکال کر خوش ہو گیا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ

یہ بات سراسر غلط اور کم فہمی ہے کیونکہ شیطان تو حضرت آدم علیہ السلام کے جنت میں عارضی قیام کو بھی نہیں برداشت کرسکا اور وہ اب دنیا میں آکر اور فرائض نبوت اور کار خلافت کو انجام دے کر دائمی قیام کے لئے جنت میں جائیں گے اور شیطان تو ان کے تنہا وجود کو جنت میں برداشت نہیں کرسکا تھا اور حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں آنے کے بعد اپنی بے شمار ذریت کے ساتھ جنت میں جائیں گے اور شیطان لعنتی اور بدبخت ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں جائے گا۔ اس لئے حضرت آدم علیہ السلام کا دنیا میں آنا ایک بہت بڑی کامیابی کا پیش خیمہ تھا اور شیطان کی ناکامی اور نامرادی کا مقدمہ تھا سو اس معرکہ میں حضرت آدم علیہ السلام ہی کامیاب تھے اور ابلیس ناکام و نامراد و خائب و خاسر ہوا۔

اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ

اگر حضرت آدم علیہ السلام شجر ممنوعہ نہ کھاتے تو ہم جنت ہی میں رہتے۔ ان کے شجر ممنوعہ سے کھانے کی وجہ سے ہمیں بھی جنت سے آنا پڑا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ

آپ کیسے جنت میں رہتے اور آپ کا کیا استحقاق تھا۔ جنت تو پاک لوگوں کی جگہ ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں پاک لوگ بھی تھے اور ناپاک لوگ بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں بھیجا کہ اپنی پشت سے تمام ذریت کو نکال کر زمین پر چھوڑ آؤ پھر جو لوگ پاک ہوں گے وہ جنت میں چلے جائیں گے اور جو ناپاک لوگ ہوں گے ان کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا اور اس اعتبار سے دیکھا جائے تو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں ان ناپاک لوگوں کا وجود ان کے جنت سے آنے کا سبب تھا اور حقیقت یہ ہے کہ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو زمین کی خلافت کے لئے بنایا گیا تھا اس لئے انہوں نے بہرحال زمین میں آنا تھا، شجر ممنوعہ سے کھانا سبب نہ ہوتا تو کوئی اور سبب ہوتا، نیز انبیاء کرام علیہم السلام بعض اوقات اپنے مخالفین کے شر کی وجہ سے اپنی جگہ سے ہجرت کرتے ہیں لیکن وہ پھر دوبارہ کامیاب و کامران ہو کر اس جگہ لوٹتے ہیں جیسے ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے شر کی وجہ سے مکہ مکرمہ سے مدینہ المنورہ کو ہجرت کی اور پھر مکہ المکرمہ میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے مدین کی طرف ہجرت کی اور پھر مصر میں فاتحانہ ہوئے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے زمین سے آسمان کی طرف ہجرت کی اور پھر زمین پر تشریف لائیں گے اور حضرت آدم علیہ السلام نے جنت سے زمین کی طرف ہجرت کی اور پھر جنت میں فاتحانہ داخل ہوں گے۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَہٗ مِنۡ تُرَابٍ (آل عمران: 59)

بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے اسے مٹی سے بنایا۔

حضرت آدم علیہ السلام جنت میں تینتالیس سال یا پانچ سو سال رہے

علامہ ابو جعفر طبری لکھتے ہیں:

حضرت آدم علیہ السلام کے آسمانوں اور جنت میں ٹھہرنے کی مدت دنیاوی سالوں کے اعتبار سے تینتالیس سال ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

یہ مدت پانچ سو سال ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو ہند میں اور حضرت حوا علیہا السلام کو جدہ میں اتارا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام ان کی طلب میں گئے اور میدان عرفات میں دونوں کی ملاقات ہوئی۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

حضرت آدم علیہ السلام ایک سو سال تک حضرت حوا علیہا السلام سے مقارب نہیں ہوئے زمین پر آنے کے بعد اولاد آدم اور ابلیس اور اولاد آدم اور سانپ میں اس وقت سے دشمنی چلی آرہی ہے۔

(جامع البیان ج:1،ص:89،80،81 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام جنت سے کیسے باہر آئے

حضرت آدم علیہ السلام جنت سے کیسے اور کس طرح باہر آئے۔ اس کا ذکر مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر نعیمی میں کیا ہے۔

تفسیر نعیمی جلد اول میں ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے جنت سے تشریف کا واقعہ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ اور محدثین و مورخین سے ثابت ہے۔

وہ یہ ہے کہ

حضرت حوا علیہا السلام نے پہلے خود وہ دانہ کھایا پھر حضرت آدم علیہ السلام کو کھلا دیا، اس کھانے کا یہ اثر ہوا کہ ان کے جسموں سے جنتی لباس جاتا رہا اور وہ حضرات برہنہ رہ گئے۔ مارے شرم کے انجیر کے درخت کے پتوں سے اپنے جسموں کو چھپانے لگے۔ اسی حالت میں رب عزوجل کی طرف سے ندا آئی کہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام کیا ہم نے تم کو اس درخت سے منع نہ کیا تھا اور کیا تم سے نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اس کے فریب میں نہ آنا یہ حضرت عذر کے سوا اور کیا عرض کر سکتے تھے پھر فرشتوں کو حکم ہوا کہ ان سب کو زمین پر اتار دو چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو ہندوستان میں شہر سراندیپ کے اس پہاڑ پر اتارا گیا جس کو نود کہتے ہیں اور حضرت حوا علیہا السلام کو ساحل عرب پر جدے میں اور مور کو مرج الہند میں اور شیطان کو جنگل میسان میں جو کہ بصرے سے کچھ فاصلے پر ہے اتارا جہاں آج تک یاجوج ماجوج کی دیوار قائم ہے۔ سانپ کو بجستان یا اصفہان

لئے وہاں اب بھی سانپ زیادہ ہوتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو کھیتی باڑی کرنے اور معاش حاصل کرنے کی دی گئی اور حضرت حوا علیہا السلام کو حیض و حمل اور کم عقلی اور نقصان میراث ملی۔ سانپ کے پاؤں غائب کر دیئے گئے اور پیٹ کے بل چلایا گیا۔ اس کی غذا مٹی قرار دی گئی مور کے پاؤں بدتر شکل کر دیئے گئے۔ ابلیس کی صورت مسخ کر دی گئی اور رسوا کر کے دنیا میں رکھا گیا۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

ہندوستان کی زمین اس لئے ہری بھری ہے اور عود اور قرنفل وغیرہ خوشبوئیں اس لئے وہاں پر پیدا ہوتی ہیں کہ آدم علیہ السلام جب زمین پر اترے تو ان کے جسم میں جنتی درخت کے پتے تھے اور پتے ہوا سے اڑ کر جس درخت پر پہنچے وہ ہمیشہ کے لئے خوشبودار ہو گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام جنت سے مختلف قسم کے بیج اور تین قسم کے پھل اور حجر اسود، سیاہ پتھر جو اب خانہ کعبہ میں لگا ہوا ہے اور وہ عصا جو بعد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں آیا جس کی لمبائی دس گز تھی۔ اپنے ساتھ لے آئے تھے سونا چاندی اور کچھ کھیتی باڑی وغیرہ کے اوزار بھی ساتھ لائے۔ حضرت آدم علیہ السلام اس قدر گریہ زاری میں مشغول تھے کہ ان کے تخموں سے بے خبر ہو گئے۔ شیطان نے موقع پا کر ان کو اپنا ہاتھ لگایا جس جس تخم پر ان کا ہاتھ لگا وہ زہریلا ہو گیا اس کے ہاتھ سے محفوظ رہا۔ اس کا نفع برقرار رہا اور سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ تین قسم کے جنتی میوے آئے۔

(1) ایک وہ جو پورے کھالئے جاتے ہیں۔

(2) دوسرے وہ جن کا اوپری حصہ کھالیا جاتا ہے اور گٹھلی پھینک دی جاتی ہے جیسے خرما وغیرہ۔

(3) تیسرے وہ جن کا اوپری چھلکا پھینک دیا جاتا ہے اور اندرونی حصہ کھالیا جاتا ہے۔

صحیح روایت میں ہے کہ

ان کے ساتھ لوہے کے اوزار بھی تھے۔

(1) ایک سنڈاسی جس سے لوہے کے اوزار پکڑتے ہیں۔

(2) دوسرے ہتھوڑا

(3) تیسرے ایرن۔

نیز حجر اسود جب جنت سے آیا تو اس کی روشنی کئی میل تک جاتی تھی جہاں اس کی شعاعیں پہنچتی تھیں اسی حد تک حرم کی حدیں قائم ہوئیں نیز حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں آ کر بہت وحشت اور گھبراہٹ ہوئی حضرت جبرائیل علیہ السلام بحکم الٰہی آئے اور بلند آواز سے اذان کہی جب حضرت آدم علیہ السلام نے اذان میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنا تو تب وحشت دور ہوئی۔ یہ تمام واقعات صحیح احادیث مبارکہ میں ثابت ہیں۔

تفسیر نعیمی پارہ اول، ص: 305،304 نعیمی کتب خانہ لاہور

اعتراض

حضرت آدم علیہ السلام نے ہم کو جنت سے نکالا۔ خطا انہوں نے کی اور اسے بھگت ہم رہے ہیں۔

جواب

یہ بات بالکل غلط ہے بلکہ تم جیسے بے دینوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے باہر نکالا کیونکہ تم ان کی پشت میں اور جنت میں بے دینوں کی جگہ نہیں ہے۔ اسی لئے مرضی الٰہی یہ ہی ہوئی کہ حضرت آدم علیہ السلام بے دینوں کو زمین پر آئیں پھر ہمیشہ کے لئے جنت میں تشریف لائیں انسان کو پلیدی پاخانہ میں لے جاتی ہے نہ کہ پلیدی کو انسان یعنی حاجت ہوتی ہے تب اس کے نکالنے کے لئے پاخانہ جانا پڑتا ہے۔

اعتراض

پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ساری چیزوں کے نام ان کے خواص اور سارے حا کی تعلیم فرمادی تھی۔ تعجب یہ ہے کہ شیطان نے اس درخت کے متعلق غلط خبر دے دی اور حضرت آدم علیہ السلام نے قبول کر حضرت آدم علیہ السلام کو خبر ہونی چاہئے تھی کہ اس درخت کے وہ خواص نہیں جو شیطان بیان کر رہا ہے۔ پھر تعجب ہے کہ شیطا اپنا دوست کیسے سمجھ گئے انہیں اوروں کے کفر و ایمان کا بھی پتہ ہونا چاہئے تھا کیونکہ وہ سب کے سارے حالات سے ا تھے۔

جواب

اس کے دو جواب ہیں ایک یہ شعر ہے۔

ہونے والا ہوتا ہے جب کوئی کار — غیب سے ہوتے ہیں اسباب آشکار

یہ سب باتیں حضرت آدم علیہ السلام کے علم میں تھیں مگر ہونے والی ہو کے رہتی ہے۔ جب یہ موقع آیا سب کچھ بھول جیسے قرآن کریم فرما رہا ہے "فنسی" حضرت آدم علیہ السلام بھول گئے، جاننا اور چیز ہے اور علم حضور دوسری چیز انہیں اس و تھا حضور نہ رہا جیسے کہ دنیا میں سب جانتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شفیع المذنبین ہیں مگر قیامت کے دن حضرت عی السلام کے سوا کسی ولی نبی قطب غوث کو یہ خیال نہ رہے گا اور ادھر ادھر کسی شفاعت کرنے والے کو ڈھونڈتے پھریں گے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کوئی پیغمبر شفیع المذنبین کا صحیح پتہ نہ دیں گے۔

دوسرا جواب

یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جس طرح اور سب باتیں معلوم تھیں ایسے ہی اپنا یہ سارا واقعہ بھی معلوم تھا کہ ا رہے گا۔ اس لئے شیطان سے بہت جرح نہ کی، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جب کربلا کی طرف روانہ ہوئے تو لوگوں

کنا چاہا تو ارشاد فرمایا: میں خود نہیں جا رہا۔ مجھے کوئی لئے جا رہا ہے۔ صاحب اسرار مرضی الٰہی پاک ردا نستہ بنا دیتے ہیں۔

بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں۔

اعتراض

حضرت آدم علیہ السلام سے یہ گناہ سرزد ہوا پھر انہیں معصوم کیونکر کہا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے۔

عَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی (طه: 121)

یعنی آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی

اور پھر خود انہوں نے بھی عرض کی

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا......(اعراف: 23)

اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔

جس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو معصوم ماننا غلط ہے اور غلط عقیدہ ہے۔

جواب

اہل سنت و جماعت کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام کفر و شرک اور عمداً گناہ کبیرہ اور ایسے ہی گناہ صغیرہ سے ہمیشہ معصوم ہوتے ہیں جو نبوت کی شان کے خلاف ہے۔ ہاں خطا یا بھول کر ایسا صغیرہ گناہ سرزد ہو سکتا ہے جس سے کہ شان نبوت میں فرق نہ آئے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے جو کچھ ہوا یا خطائے اجتہادی کی وجہ سے تھا مگر چونکہ نیکوں کی بھلائیاں بھی مقربین کے درجے کے لحاظ سے برائیاں ہوتی ہیں اس لئے ان خطاؤں کو بھی وہ حضرات گناہ فرما دیتے ہیں اور ہم جیسے گناہ گاروں سے ان ہی خطاؤں کی پرستش نہیں ہوتی لیکن ان کے بلند درجے کے لحاظ سے ان لغزشوں پر بھی عتاب آ جاتا ہے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہے۔ عصمت انبیاء کی بے شمار دلیلیں ہیں۔ چند عرض کرتا ہوں۔

دلیل نمبر 1

گناہ گار فاسق ہوتا ہے اور فاسق کی مخالفت کرنا ضروری اور نبی کی اطاعت کرنا فرض اگر نبی گناہ گار یا فاسق ہوں تو ان کی اطاعت بھی ضروری ہو جائے اور مخالفت بھی یہ اجتماع ضدین ہے۔

دلیل نمبر 2

فاسق کی دلیل بلا تحقیق نہیں ماننی چاہئے قرآن کا حکم ہے اور پیغمبر کی بات بلا تحقیق ہی ماننا ضروری ہے اگر نبی بھی فاسق ہوں تو ان کی بات کا ماننا اور نہ ماننا دونوں ضروری ہوں گے اور یہ ایک اجتماع نقیضین ہے۔

دلیل نمبر 3

گناہ گار سے شیطان راضی ہوتا ہے۔اس لئے وہ حزب الشیطان میں داخل ہے اور نیک کار سے رحمان راضی اور حزب میں داخل۔اگر پیغمبر ایک آن کے لئے بھی گناہ گار ہوں تو معاذ اللہ وہ حزب الشیطان میں داخل ہوں گے نیز پیغمبر کے گناہ کے وقت اگر کوئی امتی نیکی کر رہا ہو تو اس وقت اور اس آن میں وہ امتی نبی سے افضل ہوگا اور یہ بات بالکل غلط ہے۔

دلیل نمبر 4

رسول فرشتوں سے افضل ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ٥ (آل عمران: 33)

جس سے معلوم ہوا کہ سارے پیغمبر تمام جہان سے افضل اور جہان میں فرشتے بھی داخل ہیں لہٰذا انبی فرشتوں سے افضل اور فرشتے یقیناً گناہوں سے معصوم ان کی شان میں رب عزوجل فرمارہا ہے۔

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ

یعنی فرشتے کبھی گناہ نہیں کرتے۔

اب اگر نبی گناہ کریں تو درجے میں فرشتوں سے کم ہو جائیں گے کیونکہ

قرآن مجید فرمارہا ہے۔

اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَالْفُجَّارِ (ص: 28)

جس سے معلوم ہوا کہ متقی گناہ کے برابر نہیں ملائکہ تو متقی ہیں اگر نبی ایک آن کے لئے فاسق بن جائیں تو ملائکہ کے برابر نہ رہیں گے۔

دلیل نمبر 5

قرآن مجید سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا تھا کہ میرے خاص بندوں پر تیرا داؤ نہ چلے گا۔شیطان نے بھی کہا تھا کہ خداوند عزوجل میں تیرے سارے بندوں کو گمراہ کردوں گا سوائے تیرے خاص بندوں کے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے بھی فرمایا۔

اے لوگو! جس بات سے میں تم کو روکوں اس کو خود کرنے کا کبھی خیال بھی نہ کرنا۔

فرماتے ہیں۔

وَمَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ (هود: 88)

جب رب عزوجل فرمائے کہ میرے انبیاء کرام (علیہم السلام) پر شیطان غالب نہیں آسکتا۔انبیاء کرام علیہم السلام

مانیں کہ ہم گناہ کا ارادہ بھی نہیں فرماتے، شیطان بھی کہے کہ پیغمبروں پر میرا داؤ نہیں چلتا، اب جو شخص ان کو گناہ گار مانے وہ شیطان سے بھی بدتر ہے۔ لہٰذا جو احادیث مبارکہ ایسی ملیں جن سے پیغمبروں کے گناہ ثابت ہوں وہ قابل قبول نہیں اور جن آیات کریمہ سے ان کے گناہ کرنے کا دھوکہ پڑتا ہے ان کی توجیہ یا تاویل ضروری ہے تاکہ قرآنی آیتوں میں تعارض نہ ہو۔

مجھ سے ایک شخص نے یہی اعتراض کیا تھا

اور کہنے لگا کہ

نبیوں کا کفر و شرک اور گناہ گار ہونا قرآن سے ثابت ہے۔

میں نے اس کو یہی جواب دیا وہ نہ مانا۔

میں نے کہا:

پھر تم اللہ تعالیٰ کو بھی (نعوذ باللہ) گناہ گار مانو۔

کیونکہ قرآن کریم فرما رہا ہے۔

ومکر اللہ

نیز فرمایا گیا

وَهُوَ خَادِعُهُمْ

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دھوکہ اور مکر فرماتا ہے اور یہ باتیں گناہ ہیں۔

تب وہ کہنے لگا

ان آیتوں کا یہ مطلب نہیں بلکہ یہ ہے۔

ہم نے کہا:

جیسے یہاں اور مطلب نکالتے ہو ایسے ہی وہاں انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے بھی اور مطلب نکالو تب وہ لاجواب ہوا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ

حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے چند کلمے سیکھ لئے تو اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول فرمائی۔

قرآن مجید میں ہے:

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ (بقرہ: 37)

پھر آدم نے اپنے رب کے چند کلمات سیکھ لئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ بے شک وہی بہت توبہ قبول فرمانے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

ہم اس آیت کریمہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

اے رب عزوجل! کیا تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا نہیں کیا؟

ارشاد فرمایا

کیوں نہیں۔

کہا

کیا تو نے مجھ میں اپنی پسندیدہ روح نہیں پھونکی؟

ارشاد فرمایا

کیوں نہیں

کہا

کیا تو نے مجھے اپنی جنت میں نہیں رکھا

ارشاد فرمایا

کیوں نہیں

عرض کیا

اے رب عزوجل! کیا تیری رحمت غضب پر غالب نہیں ہے۔

ارشاد فرمایا

کیوں نہیں

عرض کیا

یہ بتا اگر میں توبہ کروں اور اصلاح کروں تو کیا مجھے اپنی جنت کی طرف لوٹا دے گا۔

ارشاد فرمایا:

ہاں

قتادہ اور حسن نے کہا: وہ کلمات یہ ہیں:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (الاعراف: 23)

اے ہمارے رب عزوجل! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور

نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

(جامع البیان: ج:1، ص:193 مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت)

حضرت قتادہ بیان کرتے ہیں کہ

حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا

اے ہمارے رب عزوجل! اگر میں تجھ سے توبہ اور استغفار کروں۔

ارشاد فرمایا

پھر میں تمہیں جنت میں داخل کردوں گا اور رہا ابلیس تو اس نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کا سوال نہیں کیا بلکہ مہلت کا سوال کیا تو
(اللہ) تعالیٰ نے ہر ایک کو وہ چیز عطا فرمادی جس کا اس نے سوال کیا تھا۔

ضحاک نے بیان کیا کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جن کلمات کی تلقین کی تھی وہ یہی تھے۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَـآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝ (الاعراف: 23)

(جامع البیان جز:8، ص:190 دارالفکر بیروت)

حافظ ابن کثیر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

مجاہد نے بیان کیا کہ وہ کلمات یہ ہیں۔

ترجمہ:

اے اللہ عزوجل! تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تیری تسبیح اور حمد کے ساتھ میں کہتا ہوں۔

اے میرے رب عزوجل! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ سو مجھے بخش دے تو سب سے اچھا بخشنے والا ہے۔

اے اللہ عزوجل! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تیری تسبیح اور حمد کے ساتھ میں کہتا ہوں، میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، تو مجھ پر رحم
(فرما)، بے شک تو سب سے اچھا رحم فرمانے والا ہے۔

اے اللہ عزوجل! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تیری تسبیح اور حمد کے ساتھ کہتا ہوں۔ اے رب عزوجل! میں نے اپنی جان پر
(ظلم) کیا تو میری توبہ قبول فرما۔

بے شک تو بہت توبہ قبول کرنے والا ہے اور بے حد رحیم ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج:1، ص:142 مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت)

(حضو)ر انور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے توبہ مقبول

امام طبرانی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب حضرت آدم علیہ السلام (صورۃً) گناہ کر لیا تو انہوں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا۔

اور عرض کیا

میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حق (وسیلہ) سے سوال کرتا ہوں کہ تو میری مغفرت فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

تیرا نام برکت والا ہے جب تو نے مجھے پیدا کیا تو میں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا تو اس میں لکھا ہوا تھا۔

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

تو میں نے جان لیا کہ تیرے نزدیک اس شخص سے زیادہ بلند مرتبہ کوئی شخص نہیں ہوگا جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی کی۔

اے آدم علیہ السلام! وہ تمہاری اولاد میں سے تمام نبیوں کے آخر ہیں اور ان کی امت تمہاری اولاد کی امتوں میں سے آخری امت ہے اور اگر وہ نہ ہوتے اے آدم علیہ السلام تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔

(المعجم الصغیر: ج:2، ص:83 مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ)

حافظ ابن کثیر نے اس حدیث مبارکہ کو حاکم بیہقی اور ابن عساکر کے حوالے سے لکھا ہے اور اس کے اخیر میں ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اے آدم علیہ السلام! تم نے سچ کہا۔ یہ مجھے مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہیں اور جب تم نے ان کے وسیلہ سے سوال کیا ہے تو میں نے تم کو بخش دیا اور اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔

(البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:81 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ وحی کی کہ

اے عیسیٰ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لاؤ اور جو تمہاری امت میں سے ان کا زمانہ پائے اس کو بھی ان پر ایمان لانے کا حکم دو کیونکہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں آدم (علیہ السلام) کو پیدا نہ کرتا اور اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں جنت اور دوزخ کو پیدا نہ کرتا اور میں نے عرش کو پانی پر پیدا کیا اور تو وہ ہلنے لگا۔

پھر میں نے اس پر

لَآاِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

لکھا تو وہ ساکن ہو گیا۔

(المستدرک: ج:2، ص:615 مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ)

خواجہ عبداللہ انصاری لکھتے ہیں

روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرش پر

لَآاِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

لکھا ہوا دیکھا تھا جب ان سے لغزش ہو گئی تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کی

اور کہا

اے اللہ عزوجل! مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وسیلہ سے معاف فرما۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

تم نے ان کو کیسے پہچانا جو ان کے وسیلہ سے دعا کی

عرض کیا

جب میں نے تیرے عرش کے ساتھ ان کا نام لکھا ہوا دیکھا تو جان لیا کہ یہ بندہ تجھے بہت محبوب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

میں نے تمہیں بخش دیا۔

(کشف الاسرار وعدۃ الابرار ج:1، ص:155، 156 مطبوعہ سپہر اطہران)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا توبہ کا دروازہ بتانا

حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

امام ابن المنذر، محمد بن علی بن حسین بن علی ابن ابی طالب سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہو گئی تو ان کو بہت رنج ہوا اور شدید ندامت ہوئی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ علیہ السلام کے پاس آئے۔

اور کہا

اے آدم علیہ السلام! کیا میں آپ علیہ السلام کو توبہ کا دروازہ بتاؤں جس سے اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کی توبہ قبول کر لے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

کیوں نہیں۔

کہا

آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے مناجات کریں اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کریں۔

آپ علیہ السلام نے کہا:

اے جبرائیل علیہ السلام میں کیا کہوں؟

انہوں نے کہا:

آپ علیہ السلام کہیے۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کا ملک ہے اور اس کے لئے حمد ہے، وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے وہ زندہ ہے اور اس کو موت نہیں آئے گی۔ تمام اچھائیاں اس کی قدرت میں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اس کے بعد آپ علیہ السلام اپنی خطاء پر توبہ کریں۔

اور کہیں

اے اللہ عزوجل! تو سبحان ہے اور تیری حمد ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں اے رب عزوجل! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور برا کام کیا تو مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخشے گا۔

اے اللہ عزوجل! میں تجھ سے تیرے بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت کے وسیلہ سے اور ان کی تیرے نزدیک کرامت کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ تو میری خطا کو بخش دے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اسی طرح دعا کی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اے آدم (علیہ السلام) تم کو یہ دعا کس نے تعلیم دی۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

اے رب عزوجل! جب تو نے مجھ میں روح پھونکی اور میں ہموار بشر کی صورت میں کھڑا ہوا تو میں نے عرش پر لکھا ہوا دیکھا۔

بسم اللہ الرحمن لَآاِلٰہَ اِلَّا اللہُ وحدہ لا شریك له محمد رسول اللہ اور جب میں نے دیکھا کہ تیرے نام کے ساتھ کسی مقرب فرشتے کا نام لکھا ہے نہ کسی نبی مرسل کا تو میں نے جان لیا کہ یہ تیرے نزدیک تیری مخلوق میں سب سے مکرم ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

تم نے سچ کہا اور میں نے تمہاری خطا کو بخش دیا۔

پھر حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل کی حمد و ثناء کی اور اس کا شکرادا کیا اور بہت خوش ہو کر لوٹے اور فرشتوں

فوج در فوج نے آکر حضرت آدم علیہ السلام کو مبارکباد دی۔

(الدر المنثور ج:1 ص:60 مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود اپنے وسیلہ سے دعا فرمانا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے وسیلہ سے دعا فرماتے تھے۔

حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم رضی اللہ عنہا فوت ہوگئیں تو تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی لحد کھودنے سے فارغ ہوگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی لحد میں لیٹ گئے۔

اور یہ دعا کی

اللہ تعالیٰ ہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے اور وہی زندہ ہے جسے موت نہیں آئے گی۔ اے اللہ عزوجل اپنے نبی اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کے وسیلہ سے میری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما ان کو حجت القا فرما، ان کی قبر کو وسیع کر بلاشبہ تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔ پھر آپ علیہ السلام نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور آپ علیہ السلام، حضرت عباس اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما نے ان کو قبر میں اتارا۔

(مجمع الزوائد: ج:9 ص:257 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے دعا کرنا نہ صرف حضرت آدم علیہ السلام کی بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی سنت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود اپنے وسیلہ سے دعا کرنے کی ہدایت دینا

امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی 273ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

ایک نابینا شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

اس نے عرض کیا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میری آنکھیں ٹھنڈی کردے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر تم چاہو تو میں اس کام کو مؤخر کردوں اور یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا اور اگر تم چاہو تو (ابھی) دعا کردوں۔

اس نے کہا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کر دیجئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم اچھی طرح وضو کرو، دو رکعت نماز پڑھو اس کے بعد دعا کرو۔

اے اللہ عزوجل میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور محمد نبی رحمت عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے اس حاجت میں اپنے رب عزوجل کی طرف متوجہ ہوا ہوں تاکہ یہ حاجت پوری ہو۔

اے اللہ عزوجل! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے لئے شفاعت کرنے والا بنادے۔

(سنن ابن ماجہ:ص:99،مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اس سند کے علاوہ ابوامامۃ بن سہل بن حنیف کی سند سے بھی روایت کیا ہے۔

اس روایت میں یہ اضافہ ہے۔

حضرت عثمان بن حنیف نے کہا: بخدا ابھی ہم اس مجلس سے اٹھے نہیں تھے اور نہ ابھی سلسلہ گفتگو دراز ہوا تھا کہ وہ نابینا شخص اس حال میں داخل ہوا کہ اس کی آنکھ میں کوئی تکلیف نہیں تھی۔

(دلائل النبوۃ ج:6،ص:167 مطبوعہ دارالکتاب العلمیہ بیروت)

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ

ایک نابینا شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ میری آنکھوں کو ٹھیک کر دے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر تم چاہو صبر کر لو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

اس شخص نے کہا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کر دیجئے

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ حکم دیا کہ وہ اچھی طرح وضو کرے۔

اور یہ دعا مانگے۔

اے اللہ عزوجل! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی، نبی رحمت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اپنی اس حاجت کے پورا ہونے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اے اللہ عزوجل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کو میرے حق میں قبول فرما۔

(مجموعۃ الفتاوی ج:1،ص:267 مطبوعہ بامر فہد بن عبدالعزیز)

قاضی شوکانی حصن حصین کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام ترمذی، امام حاکم نے مستدرک میں اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ امام طبرانی نے اس حدیث کی تمام اسانید بیان کرنے کے بعد کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ امام ابن خزیمہ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ البتہ نسائی کی حدیث میں یہ فرد ہے کہ اس میں یہ ذکر بھی ہے۔ اس نے دو رکعت نماز پڑھی۔ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کرنے کے جواز کی دلیل ہے۔ اس کے ساتھ یہ اعتقاد لازم ہے کہ حقیقتاً دینے والا اور منع کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے جو وہ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔

(تحفۃ الذاکرین ص 138، مطبوعہ مصطفی البابی واولادہ مصر)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کرنا

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ مقدسہ میں ایک سال قحط پڑ گیا تو حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مقدسہ پر حاضر ہوئے اور عرض کیا اپنی امت کے لئے بارش کی دعا کیجئے۔ اس کو مصنف ابن ابی شیبہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

حافظ ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

مالک الدار جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وزیر خوراک تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگوں پر قحط آ گیا۔ ایک شخص (حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر گیا اور عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لئے بارش کی دعا کیجئے کیونکہ وہ (قحط سے) ہلاک ہو رہے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے خواب میں تشریف لائے۔

اور ارشاد فرمایا

عمر (رضی اللہ عنہ) کے پاس جاؤ ان کو سلام کہو اور یہ خبر دو کہ تم پر یقیناً بارش ہوگی اور ان سے کہو تم پر سوجھ بوجھ لازم ہے تم پر سوجھ بوجھ لازم ہے پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کو یہ خبر دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور عرض کیا

اے اللہ عزوجل! میں صرف اسی چیز کو ترک کرتا ہوں جس سے میں عاجز ہوں۔

(المصنف ابن ابی شیبہ ج:12 ص:32 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

نیز حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

حافظ ابو بکر بیہقی اپنی سند کے ساتھ مالک سے روایت کرتے ہیں کہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قحط واقع ہوا ایک شخص (حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ مزنی) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہوا

اور عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لئے بارش کی دعا کیجئے کیونکہ وہ (قحط سے) ہلاک ہورہے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے خواب میں تشریف لائے۔

اور ارشاد فرمایا

عمر (رضی اللہ عنہ) کے پاس جاؤ اور ان کو میری طرف سے سلام کہو اور ان کو یہ خبر دو کہ تم پر یقیناً بارش ہوگی اور ان سے کہو کہ تم سوجھ بوجھ سے کام لو۔ اس شخص نے جا کر حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو خبر دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

اے میرے رب عزوجل! میں صرف اسی چیز کو ترک کرتا ہوں جس سے میں عاجز ہوں۔

(البدایہ والنہایہ: ج:7، ص:91 تا 92 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علم حدیث میں حافظ ابن کثیر کی شخصیت موافقین اور مخالفین سب کے نزدیک مسلم ہے اور حافظ ابن کثیر نے امام بیہقی کی اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے اور اس روایت میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور پر جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش کی دعا کے لئے درخواست کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ واقعہ اور اپنا خواب بیان کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو مقرر رکھا اور اس پر انکار نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی وصال کے بعد صاحب قبر سے دعا کی درخواست کرنا جائز ہے اور آج بھی اگر کوئی امتی نہ صرف روضہ مقدسہ پر جا کر عرض گزاری کرے بلکہ دنیا کے کسی کونے میں بیٹھ کر اگر آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کرے تو حضور دو عالم بے چین دلوں کے چین، بے کسوں کے حاجت روا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس امتی کی دعا کو ضرور بالضرور سنتے ہیں۔

مذکورہ حدیث مبارکہ کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

امام ابن ابی شیبہ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خازن مالک الدار سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی

عنہ کے زمانہ مقدس میں قحط واقع ہوا۔ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہوا۔

اور عرض کیا

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی امت کے لئے بارش کی دعا کیجئے کیونکہ وہ ہلاک ہو رہے ہیں پھر اس شخص کو خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی

اور فرمایا گیا کہ

عمر (رضی اللہ عنہ) کے پاس جاؤ......الحدیث

سیف نے فتوح میں روایت میں کیا ہے: جس شخص نے یہ خواب دیکھا تھا وہ یکے از صحابہ حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ تھے۔

(فتح الباری: ج:1، ص:495 تا 496 مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کرنا

امام طبرانی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

ایک شخص اپنے کسی کام سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے اور نہ اس کے کام کی طرف دھیان دیتے تھے۔ ایک دن اس شخص کی حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے اس بات کی شکایت کی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا

تم وضو خانہ جا کر وضو کرو پھر مسجد میں جاؤ اور وہاں دو رکعت نماز پڑھو۔

پھر یہ کہو۔

اے اللہ عزوجل! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور ہمارے نبی، نبی رحمت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے آپ کے رب عزوجل کی طرف متوجہ ہوا ہوں کہ وہ میری حاجت روائی کرے اور اپنی حاجت کا ذکر کرنا پھر میرے پاس آنا حتیٰ کہ میں تمہارے ساتھ جاؤں وہ شخص گیا اور اس نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کیا۔ وہ پھر وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ دربان نے ان کے لئے دروازہ کھولا اور ان کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا۔

اور پوچھا

تمہارا کیا کام ہے۔ اس نے اپنا کام ذکر کیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس کا کام کر دیا۔

اور ارشاد فرمایا

تم نے اس سے پہلے اب تک اپنے کام کا ذکر نہیں کیا تھا۔

اور ارشاد فرمایا

جب بھی تمہیں کوئی کام ہو تو تم ہمارے پاس آ جانا پھر وہ شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے چلا گیا اور جب اس کی حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی

تو اس نے کہا:

اللہ تعالیٰ آپ کو جزا خیر دے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میری طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے اور میرے معاملہ میں غور نہیں کرتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ نے ان سے میری سفارش کی۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے کہا:

بخدا! میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کوئی بات نہیں کی لیکن ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک نابینا شخص آیا اور اس نے اپنی نابینائی کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا تم اس پر صبر کرو گے۔

اس نے کہا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے راستہ دکھانے والا کوئی نہیں ہے اور مجھے بڑی مشکل ہوتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا

تم وضو خانے جاؤ اور وضو کرو پھر دو رکعت نماز پڑھو۔ پھر ان کلمات سے دعا کرو۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے کہا:

ابھی ہم الگ نہیں ہوئے تھے اور نہ ابھی زیادہ باتیں ہوئی تھیں کہ وہ نابینا شخص آیا در آں حالیکہ اس میں بالکل نابینائی نہیں تھی۔

(معجم صغیر: ج:1، ص:184،183 مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ)

حافظ ابو بکر بن خیثمہ نے اپنی تاریخ میں اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
ایک نابینا شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا
اور اس نے عرض کیا
میری بینائی چلی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جا کر وضو کرو اور دو رکعت نماز پڑھو۔
پھر کہو
اے اللہ عزوجل میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔
اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے رب عزوجل کے حضور اپنی بصارت لوٹانے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت طلب کرتا ہوں۔
اے اللہ عزوجل! میرے حق میں میری شفاعت کو قبول کر اور میری بصارت لوٹانے میں میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت قبول فرما اور اگر تمہیں کوئی اور کام ہو تو پھر اسی طرح کرنا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی بصارت لوٹا دی۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج:1، ص:275 مطبوعہ بامر فہد بن عبد العزیز آل السعود)

اضافات

اس روایت پر ابن تیمیہ نے حسب ذیل اعتراض کئے ہیں۔

(1) اگر تمہیں کوئی کام ہو تو اسی طرح کرو، یہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نہیں ہیں۔

(2) دوسرے راویوں کی روایت میں یہ الفاظ نہیں اور اگر بالفرض یہ الفاظ ثابت ہوں تب بھی یہ دلیل نہیں ہے کیونکہ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ دعا کے بعض الفاظ کافی ہیں کیوں کہ انہوں نے مشروع دعا کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ دعا کے بعض الفاظ کہنے کا حکم دیا ہے۔

(3) حضرت عثمان بن حنیف نے یہ گمان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی اس طرح دعا کرنا جائز ہے یہ حدیث مبارکہ کے الفاظ اس کے خلاف ہیں کیونکہ اس نابینا صحابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے دعا کریں اور اس کو یہ یقین تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے دعا کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم دیا تھا کہ وہ دعا میں یہ کہے اے اللہ عزوجل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما

اور اس طریقہ سے دعا اس وقت صحیح ہوگی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے دعا کریں اور اس کی شفاعت کریں اور
کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شفاعت کرنے کا علم نہیں ہے اس کا اس طریقہ سے دعا
صحیح نہیں ہے۔ اس طریقہ سے دعا کرنا اور شفاعت طلب کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیاوی میں ہی درست تھا
قیامت کے دن درست ہوگا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج:1، ص:275 مطبوعہ بامر فہد بن عبدالعزیز آل السعود)

جوابات

ان اعتراضات کے جوابات درج ذیل ہیں۔

پہلے سوال کا جواب

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ ہوں بلکہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کے ہوں تب بھی کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ کسی چیز کے جائز اور ناجائز ہونے میں شیخ ابن تیمیہ کی بہ نسبت صحابی رسول (رضی اللہ عنہ وصلی اللہ علیہ وسلم) کی فہم اور ان کے اجتہاد پر اعتماد کرنا زیادہ قرین قیاس ہے۔

دوسرے سوال کا جواب

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن ابی خیثمہ کی اس روایت سے ہمارا استدلال نہیں ہے اگر اس پر شیخ کو اعتراض ہے تو اس روایت کو ہم چھوڑ دیتے ہیں۔ ہمارا استدلال تو امام طبرانی کی روایت سے ہے جس کے متعلق خود شیخ ابن تیمیہ نے تصریح کی ہے کہ یہ دو صحیح سندوں سے مروی ہے۔

تیسرے سوال کا جواب

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس درخواست کی طرف متوجہ کر دیتا ہے یا اس درخواست پر مطلع کر دیتا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری دعا کی قبولیت کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت کرتے ہیں اور اس میں کون سا شرعی یا عقلی استبعاد ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھ پر میری امت کے اچھے اور برے تمام اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔

(صحیح مسلم: ج:1، ص:207 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

اس حدیث مبارکہ کے تحت جب بھی کوئی امتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کرے گا تو آپ صلی اللہ علیہ

ن کا علم ہو جائے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی شفاعت فرمائیں گے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے وسیلہ سے کرنے اور دعا کی درخواست کرنے کی ہدایت دی ہے اور اس ہدایت کو عام رکھا ہے اور اس میں حیات یا بعد از وفات کی قید لگائی اس لئے شیخ ابن تیمیہ کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ "اور اس طریقہ سے دعا اس وقت صحیح ہوگی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعا کریں اور اس کی شفاعت کریں اور جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عت کرنے کا علم نہیں ہے۔ اس کا اس طریقہ سے دعا کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ حیات اور ممات میں وسیلہ کے جواز اور عدم کا فرق علم کے ہونے یا نہ ہونے کی وجہ سے ہوسکتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر دو صورت میں علم حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکام مسلمانوں کے لئے قیامت تک کے لئے حجت ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال مسلمانوں کے لئے اسوہ اور نمونہ ہیں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے ساتھ مخصوص ہو اور کے لوگوں کے لئے اس کا کرنا ناجائز ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر لازم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتائیں کہ یہ حکم میری ی کے ساتھ خاص ہے اور بعد کے لوگوں کے لئے اس حکم پر عمل کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بردہ بن نیار کو ایک شش ماہی بکرے کی قربانی کرنے کا حکم دیا اور فرمادیا تمہارے سی کے لئے یہ عمل جائز نہیں ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے نماز عید سے پہلے قربانی کرلی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کے بدلہ میں اور قربانی کرو۔

انہوں نے کہا:

میرے پاس صرف چھ ماہ کا ایک بکرا ہے جو سال کے بکرے سے فربہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کے بدلہ میں اس کی قربانی کردو اور تمہارے بعد کسی اور کے لئے شش ماہی بکرے کی قربانی جائز نہیں ہوگی۔

(صحیح بخاری ج:2،ص:834 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ استثناء اس لئے بیان فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال اور افعال مسلمانوں تک میں قیامت تک کے لئے حجت ہیں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ استثناء نہ فرماتے تو چھ ماہ کے بکرے کی قربانی جائز ہو

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے مقبول ہوئی

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے مقبول ہوئی۔

خواجہ عبداللہ انصاری لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرش پر لَآ اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰہُ مُـحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہوا دیکھا تھا جب ان سے لغزش ہوگئی تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کی

اور کہا

مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وسیلہ سے معاف فرما۔

رب العالمین عزوجل نے ارشاد فرمایا

تم نے ان کو کیسے پہچانا جوان کے وسیلہ سے دعا کی

عرض کیا

جب میں نے عرش پر تیرے نام کے ساتھ ان کا نام لکھا ہوا دیکھا تو جان لیا کہ یہ بندہ تجھے محبوب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

میں نے تمہیں بخش دیا۔

(کشف الاسرار وعدۃ الابرار ج:1 ص:155 تا 156 مطبوعہ سپہر طہران)

حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

امام ابن المنذر ، محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوگئی تو ان کو بہت رنج ہوا اور شدید ندامت ہوئی۔

تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا

اے آدم علیہ السلام! کیا میں آپ علیہ السلام کو توبہ کا دروازہ بتاؤں جس سے اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائے

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

کیوں نہیں

کہا

آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے مناجات کریں اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کریں۔

آپ علیہ السلام نے کہا:

اے جبرائیل علیہ السلام میں کیا کہوں۔

انہوں نے کہا:

آپ علیہ السلام کہیے

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اس کا ملک ہے۔ اس کے لئے حمد ہے وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے وہ زندہ ہے اور اس کو موت نہیں آئے گی۔ تمام اچھائیاں اس کی قدرت میں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس کے بعد آپ اپنی خطا پر توبہ کریں۔

اور کہیں

اے اللہ عزوجل! تو سبحان ہے اور تیری حمد ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

اے میرے رب عزوجل! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور برا کام کیا تو مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخشے گا۔ اے اللہ عزوجل! میں تجھ سے تیرے بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت سے وجاہت کے وسیلہ سے اور ان کی تیرے نزدیک کرامت کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ تو میری خطا کو بخش دے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے اسی طرح دعا کی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اے آدم علیہ السلام! تم کو یہ دعا کس نے تعلیم کی۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

اے رب عزوجل! جب تو نے مجھ میں روح پھونکی اور میں ہموار بشر کی صورت میں کھڑا ہوا تو میں نے عرش پر لکھا ہوا دیکھا۔

بسم اللہ الرحمن لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وحده لا شريك له محمد رسول الله

اور جب میں نے دیکھا کہ تیرے نام کے ساتھ کسی مقرب فرشتے کا نام لکھا ہے نہ کسی نبی مرسل کا تو میں نے جان لیا کہ یہ تیرے نزدیک تیری مخلوق میں سب سے مکرم ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

تم نے سچ کہا اور میں نے تمہاری خطا کو بخش دیا، پھر حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل کی حمد و ثناء کی اور اس کا شکر ادا کیا اور بہت خوش ہو کر لوٹے اور فرشتوں نے فوج در فوج آ کر حضرت آدم علیہ السلام کو مبارکباد دی۔

(الدر المنثور ج:1،ص:60 مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

حضرت آدم علیہ السلام کا تین سو سال تک آسمان کی طرف سر نہ اٹھانا اور رونا

روایت میں آتا ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام نے زمین پر آکر تین سو سال تک شرم کی وجہ سے آسمان کی طرف سر نہ اٹھایا اور اس قدر روئے آپ علیہ السلام کے آنسو تمام زمین والوں کے آنسوؤں سے زیادہ ہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل ص:310 نعیمی کتب خانہ لاہور)

پانچ آدمی بہت روئے

جب حضرت آدم علیہ السلام جنت باہر زمین پر تشریف لائے تو ایک دم بہت ہی مصیبتوں میں گرفتار ہو گئے۔ جنت کے چھوٹنے کا غم اپنی بیوی حضرت حوا علیہا السلام کی جدائی اپنی وحشت اور تنہائی۔ پھر رب تعالیٰ کا عتاب، اس عتاب کی وجہ سے سخت پریشانی تھی۔ اس پریشانی میں تین سو سال تک اس قدر روئے کہ ان کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔

پانچ آدمی بہت روئے ہیں۔

(1) حضرت آدم علیہ السلام اپنی خطا پر

(2) حضرت یعقوب علیہ السلام فراق فرزند ہیں۔

(3) حضرت یحییٰ علیہ السلام خوفِ الٰہی سے

(4) حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کے بعد

(5) امام زین العابدین واقعہ کربلا کے بعد۔

مگر ان تمام حضرات میں حضرت آدم علیہ السلام کی گریہ زاری سب سے بڑھ کر ہے کیونکہ تین سو سال تک متواتر روئے ہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول ص:312 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت آدم علیہ السلام کی گریہ زاری پر حضرت جبرائیل علیہ السلام کا گریہ زاری کرنا

تفسیر عزیزی میں ہے کہ

حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھی ان کی گریہ زاری پر رونا آ گیا۔ انہوں نے بھی بارگاہ الٰہی عزوجل میں حضرت آدم علیہ السلام کی سفارش اور شفاعت کی تب رحمت الٰہی عزوجل نے ان کی دستگیری فرمائی اور ان کو رحمۃ للعلمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام یاد دلایا اور اس کے ذریعہ توبہ قبول ہوئی۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول ص:312 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت آدم علیہ السلام کے رونے کے برابر روئے زمین پر کسی کا رونا نہیں

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ

اگر حضرت داؤد علیہ السلام اور تمام اہل زمین کے رونے کا موازنہ حضرت آدم علیہ السلام کے رونے کے ساتھ کیا جائے

ان سب کا رونا حضرت آدم علیہ السلام کے رونے کے برابر نہیں ہوسکتا۔

(طبرانی فی معجم الاوسط: ج:1،ص:51رقم الحدیث:143)

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ جمعہ کے دن قبول ہوئی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوا جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن آپ علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا اور اسی دن آپ علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی اور اسی دن آپ علیہ السلام کی روح قبض کی گئی اور اسی دن قیامت ہوگی۔

(سنن نسائی: کتاب الجمعۃ: باب ذکر الساعۃ التی یستجاب فیہا الدعاء یوم الجمعۃ) (ج:3،ص:113،رقم الحدیث:1430)

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ یوم عاشورہ کو مقبول ہوئی

یہ تو معلوم ہو چکا کہ حضرت آدم علیہ السلام کئی برس تک اپنی خطاء پر نادم رہے جب توبہ کا وقت آیا اور حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں ان دعاؤں کا القاء ہوا وہ عاشورہ یعنی دسویں محرم اور غالباً جمعہ کا دن تھا۔ عاشورہ جمعہ کو بہت بڑے واقعات ہوئے۔

(1) حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ

(2) حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کا زمین پر آنا

(3) حضرت یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا

(4) حضرت ایوب علیہ السلام کی شفاء

(5) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا اور فرعون کا غرق ہونا

(6) حضرت یعقوب علیہ السلام کا حضرت یوسف علیہ السلام سے ملنا

(7) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا کربلا میں شہید ہونا

سب دسویں محرم کو ہوا۔ ان بزرگوں نے گیارہویں شب راحت کی گزاری اس لئے اہل سنت گیارہویں شریف کرتے ہیں۔ بظاہر غوث پاک رضی اللہ عنہ کی فاتحہ ہوتی ہے درحقیقت ان تمام بزرگوں پر انعام الٰہی عزوجل ملنے کی خوشی آپ کو ان حضرات کے ملنے سے بہت خوشی ہوئی۔ آپ نے وضو فرمایا اور خانہ کعبہ کے سامنے کھڑے ہوئے، دو رکعت نماز ادا فرمائی اور پھر کلمات سے دعا مانگی۔ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے تشریف لائے تھے۔ تب ان کے چہرے کا رنگ سیاہ ہوگیا تھا اور نزول ہونے کے بعد ان کو حکم ہوا کہ [illegible] روزہ رکھو۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے یہ

روزے رکھے اور ہر دن میں جسم کا تہائی حصہ اصلی رنگ پر آتا رہا۔ پندرہویں تاریخ کو تمام جسم پاک اصلی رنگ پر آ گیا۔ یہ تینوں روزے حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ تک فرض رہے۔ اسلام میں بھی کچھ زمانے ہر مہینے کے یہ تین روزے فرض رہے اب فرض تو نہیں مگر سنت ہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول: ص: 312 نعیمی کتب خانہ لاہور)

توبہ مقبول ہونے کے بعد حضرت حوا علیہا السلام سے ملاقات میدان عرفان میں ہوئی

توبہ قبول ہونے کے بعد عرفات کے مقام میں حضرت حوا علیہا السلام سے ملاقات ہوئی اور ایک نے دوسرے کو پہچانا اس لئے اس کو میدان عرفات کہتے ہیں۔

یعنی پہچاننے کی جگہ

(تفسیر نعیمی: پارہ اول: ص: 312 نعیمی کتب خانہ لاہور)

عربی زبان کا سلب کیا جانا اور دوبارہ عطا فرمایا جانا

جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے آئے تھے تو ان سے عربی زبان بھی سلب کر لی گئی تھی۔ یعنی بھلا دی گئی تھی اتنے روز تک سریانی زبان میں کلام فرمایا۔ توبہ قبول ہونے کے بعد عربی زبان پھر عطا ہوئی۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول: ص: 312 نعیمی کتب خانہ لاہور)

توبہ کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام کا تمام عالم کو آواز دینا

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے تمام عالم کے جانوروں کو آواز دی: اے جانورو! حق تعالیٰ نے تم پر اپنا خلیفہ بھیجا ہے۔ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری اور دریائی جانوروں نے اپنا سر اٹھا کر اطاعت ظاہر کی اور خشکی کے جانور آپ علیہ السلام کے آس پاس آ گئے۔ حضرت آدم علیہ السلام ان پر ہاتھ پھیرنے لگے جن پر ان کا ہاتھ پہنچ گیا وہ اہلی اور خانگی رہا۔ جیسے

گھوڑا

اونٹ

بکری

کتا

بلی وغیرہ

اور جس پر ہاتھ آپ علیہ السلام کا نہ پہنچ سکا وہ جنگلی وحشی رہا۔ جیسے ہرن وغیرہ۔ اس واقعہ کے بعد حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا۔

مولیٰ عزوجل! اولاد بہت کمزور ہے اور ابلیس کافر بہت طاقتور ہے اگر تو ان کی امداد نہ کرے تو وہ ابلیس سے کیونکر بچ سکیں

ہے۔

حکم الٰہی عزوجل آیا کہ

اے آدم علیہ السلام! تمہارے اور احکام تھے ان کے لئے دوسرے احکام ہوں گے۔ ہم ہر انسان کے ساتھ ایک فرشتہ رکھیں گے جو اس کو شیطان کے وسوسہ سے بچائے گا اور ہر ایک کے لئے اس کے مرنے کے وقت تک توبہ کا دروازہ کھلا رکھیں گے تب آپ علیہ السلام نے خوش ہو کر شکر کیا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول، ص:313 نعیمی کتب خانہ لاہور)

توبہ قبول ہونے کے بعد تین روزے رکھنے کا حکم

جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے تشریف لائے تھے ان کے چہرے مبارک کا رنگ سیاہ ہو گیا تھا اور توبہ قبول ہونے کے بعد ان کو حکم ملا کہ چاند کی تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں کا روزہ رکھو چنانچہ آپ علیہ السلام نے یہ روزے رکھے اور ہر دن میں جسم کا تہائی حصہ اصلی رنگ پر آتا رہا۔ پندرہویں تاریخ کو تمام جسم پاک اصلی رنگ پر آ گیا۔ یہ تینوں روزے حضرت نوح علیہ السلام تک فرض رہے۔ اسلام میں بھی کچھ زمانے پر مہینے کے یہ تین روزے فرض رہے اب فرض تو نہیں مگر سنت ہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول، ص:312 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت آدم علیہ السلام کی موجودگی میں اولاد کی تعداد

تفسیر عزیزی میں ہے۔

آپ علیہ السلام کو اولاد بیٹے پوتے وغیرہ آپ علیہ السلام کی موجودگی میں چالیس ہزار تک پہنچ چکے تھے اور آپ علیہ السلام نے آخری عمر میں خاموشی اختیار فرمائی تھی کہ بجز ذکر الٰہی دیگر کلام بہت کم فرماتے تھے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل، ص:313 نعیمی کتب خانہ لاہور)

توبہ وگریہ زاری عبادت کیسے؟

تفسیر صوفیانہ میں ہے۔

فرشتے ہمیشہ عبادت کرتے تھے لیکن اب تک انہوں نے توبہ وگریہ زاری کی عبادت نہ کی تھی۔ سیدنا آدم علیہ السلام نے زمین پر آتے ہی یہی عبادت کی جنت کا فراق حضرت حوا علیہا السلام کی جدائی تو رونے کا بہانہ تھا۔ درحقیقت اپنی محبت میں ان کو رلانا تھا۔ مجاز حقیقت کا پل ہے۔

مثنوی شریف میں فرمایا:

ایک بار مجنوں نے بارگاہ الٰہی عزوجل میں عرض کیا!

مولا عزوجل تو نے مجھے عشق لیلیٰ دیکر اس مصیبت میں کیوں ڈال دیا کہ تمام دنیا میں رسوا ہو گیا اور یہاں کی لذتیں اور عیش

سب بھول گیا۔

جواب ملا

عشق لیلیٰ نیست ایں کار من است　　　حسن لیلیٰ عکس رخسارے من است

خوش بیاید نالہ شبہائے تو　　　ذوقہا دارم بیار بہائے تو

اے دیوانے یہ لیلیٰ کا عشق نہیں ہے وہ تو فقط ایک پردہ ہے لیلیٰ کا رخسار آئینہ جمال یار ہے جس کے ذریعہ تجھ کو اس کا دیدار حاصل ہوتا ہے۔

روح البیان نے ایک مقام پر فرمایا:

بظاہر حضرت یعقوب علیہ السلام فراق یوسف میں رو رہے تھے مگر در حقیقت خالق یوسف کی محبت ان کو لا رہی تھی کیونکہ وہ کنعان میں بیٹھے ہوئے یوسف علیہ السلام کا ہر حال دیکھ رہے تھے پھر ان کے لئے فراق کیسا۔

روایت میں آتا ہے کہ

ایک بار لیلیٰ مجنوں کے پاس گئی اور کہا کہ میں ہی وہ لیلیٰ ہوں جس کے فراق میں تو تڑپ رہا ہے۔

اس نے جواب دیا کہ

تو میری لیلیٰ کہاں سے آئی تو ایک انسان ہے۔ غرضیکہ نام لیلیٰ کا رہ گیا اور کام کسی اور کا غرضیکہ قلب آدم علیہ السلام کو جب توبہ کے صابن سے صاف کر دیا گیا اور آنکھوں کے پانی سے اس کو خوب دھویا تب رحمت الٰہی عزوجل کی بارش ان پر ہوئی اور ان کو اپنا قرب عطا فرمایا۔

تفسیر روح البیان نے اس جگہ فرمایا:

حضرت آدم علیہ السلام کے قلب میں محبت الٰہی عزوجل کا تخم بویا گیا اور چشمہ وچشم کے پانی (آنسوؤں) سے اس کو سیراب کیا گیا۔ تو اس تخم کی پہلی شاخ ربنا ظلمنا انفسنا ...... سے ظاہر ہوئی اور اس شاخ پر توبہ کی کلیاں نمودار ہوئیں جس سے ہدایت کا پھول کھلا، اجتباء معرفت کا پھل حاصل ہوا۔

جسے قرآن کریم نے فرمایا

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى (طٰہٰ: 122)

(تفسیر نعیمی: پارہ اول: ص: 314 تا 315 نعیمی کتب خانہ لاہور)

توبہ بغیر وسیلہ قبول نہیں

حضرت آدم علیہ السلام نے جب توبہ کی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کو وسیلہ دیکر توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی توبہ کو قبول بھی فرمایا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب حضرت آدم علیہ السلام نے (صورۃً) گناہ کرلیا تو انہوں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا۔

اور عرض کیا

میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حق (وسیلہ) سے سوال کرتا ہوں تو میری مغفرت فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں؟

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

تیرا نام برکت والا ہے جب تو نے مجھے پیدا کیا تو میں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا تو اس میں لکھا ہوا تھا۔

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

تو میں نے جان لیا کہ تیرے نزدیک اس شخص سے زیادہ بلند مرتبہ کوئی شخص نہیں ہوگا۔ جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے۔ تب اللہ عزوجل نے ان کی طرف یہ وحی کی۔

اے آدم (علیہ السلام)! وہ تمہاری اولاد میں تمام نبیوں کے آخر ہیں اور ان کی امت تمہاری اولاد کی امتوں میں سے آخری امت ہے اور اگر وہ نہ ہوتے اے آدم (علیہ السلام) تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔

(المعجم الصغیر: ج:2، ص:83 مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ)

حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو حاکم بیہقی اور ابن عساکر کے حوالے سے لکھا ہے اور اس کے اخیر میں ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اے آدم (علیہ السلام)! تم نے سچ کہا۔ یہ مجھے مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہیں اور جب تم نے ان کے وسیلہ سے سوال کیا تو میں نے تم کو بخش دیا اور اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔

(البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:81 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ایک جماعت نے کہا ہے:

حضرت آدم علیہ السلام نے عرش کے پائے پر "محمد رسول اللہ" (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھا ہوا دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کی اور کلمات سے یہی کلمات مراد ہیں یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرنا۔

(الجامع لاحکام القرآن: ج:1، ص:324 مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

خواجہ عبداللہ انصاری لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام نے عرش پر لَآ اِلٰــہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہوا دیکھا تھا۔ جب ان سے لغزش ہوگئی تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کی۔

اے اللہ عزوجل! مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وسیلہ سے معاف فرما۔

رب العالمین عزوجل نے فرمایا

تم نے ان کو کیسے پہچانا جو ان کے وسیلہ سے دعا کی۔

عرض کیا

جب میں نے عرش پر تیرے نام کے ساتھ ان کا نام لکھا ہوا دیکھا تو جان لیا کہ یہ بندہ تجھے بہت محبوب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

میں نے تمہیں بخش دیا۔

(کشف الاسرار وعدۃ الابرار: ج:1،ص:156،155 مطبوعہ سپہر طہران)

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے مقبول ہوئی اور توبہ مقبول کیوں نہ ہو کہ جن کے بارے میں اتنا تک فرمایا گیا کہ اگر میں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا نہ فرماتا تو زمین و آسمان کو بھی پیدا نہ فرماتا۔ معلوم ہوا کہ تمام کائنات کے سردار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور جو کائنات کا سردار ہو اور مقدس ہستی اس کا وسیلہ دیا جائے تو پھر توبہ مقبول نہ ہو یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے آدم علیہ السلام میں نے آپ کو بخش دیا۔ معلوم ہوا کہ وسیلہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرتِ آدم علیہ السلام کی توبہ کی قبولیت کا سبب بنا۔

اور توبہ کے لئے گریہ زاری کرنا بھی بہت فائدہ مند ہے۔

مثنوی شریف میں ہے۔

طفل یک روزہ ہمیں دند طریق — کہ بگریم تا رسد دا یہ شفیق
تو نمی دانی کہ دایہ دایگاں — کم دہد بے گریہ شیر اور رائیگاں
چوں خدا خواہد کہ ما یا ری کند — میل مارا جانب زاری کند
باش چوں دو لاب نالاں چشم تر — تا زصحن جانت بر روید خضر
از پئے ہر گز یہ آخر خندہ ایست — مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

ترجمہ: ایک دن کا بچہ بھی یہ طریقہ جانتا ہے یہ میں روؤں تا کہ پہنچے شفیق دایہ۔

تو نہیں جانتا کہ دایوں کسی دایہ بے گریہ زاری کم ہی دودھ دیتی ہے جب خدا عزوجل ہماری مدد کرنا چاہتا

ہمیں انکساری وزاری کی طرف مائل کردیتا ہے۔
رہٹ کی طرح چشم تر اور رونے والا بن تا کہ تیری روح کے صحن میں سبزہ اگے۔
ہر رونے کے بعد آخری خوشی ہے انجام پر نظر رکھنے والا شخص مبارک ہے۔

خالص توبہ کرنے کا حکم

اللہ تعالیٰ کو خالص توبہ کرنے والے بہت زیادہ محبوب ہیں اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو توبہ کرنے کا حکم فرماتا ہے۔
قرآن مجید میں ہے:
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا (التحريم: 8)
اے ایمان والو! اللہ کی طرف خالص توبہ کرو۔
اور سورۃ النساء میں ہے۔
اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ (النساء: 17، 18)
اللہ پر توبہ (کا قبول کرنا) صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو جہالت کی بناء پر گناہ کر بیٹھیں۔ پھر جلدی سے توبہ کر لیں تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی توبہ قبول فرماتا ہے اور اللہ بہت جاننے والا اور بہت حکمت والا ہے اور توبہ (کا قبول ہونا) ان لوگوں کے لئے نہیں ہے جو (مسلسل) گناہ کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے تو کہتا ہے! میں نے اب توبہ کی اور نہ یہ (قبول توبہ) ان لوگوں کے لئے ہے جو کفر کی حالت میں مر جاتے ہیں۔
اور سورہ بقرہ میں ہے۔
اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ (بقرہ: 160)
البتہ جن لوگوں نے توبہ کی اور اصلاح کر لی اور (چھپائی ہوئی باتوں کو) ظاہر کر دیا تو میں ان لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہوں اور میں توبہ قبول فرمانے والا بڑا مہربان ہوں۔

توبہ کی اقسام

توبہ کرنے کی کئی اقسام ہیں۔
عوام اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور خواص اپنی غفلتوں سے توبہ کرتے ہیں اور خواص الخواص اس سے توبہ کرتے ہیں کہ وہ کسی نیک کام یا جائز فعل میں مشغول ہو کر اللہ تعالیٰ کی ذات کے مشاہدہ اور اس کی صفات کے مطالعہ سے اعراض کرتے

ہیں۔

(المفہم: ج:7،ص:26 دار ابن کثیر بیروت)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی توبہ اور استغفار کا محمل

حضرت مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرے دل پر ایک ابر چھا جاتا ہے اور بے شک میں ایک دن میں اللہ تعالیٰ سے سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث:2710)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی 544ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

غین کا معنی ہے حجاب یعنی میرے دل پر اس طرح حجاب چھا جاتا ہے جس طرح آسمان پر ابر چھا جاتا ہے۔

اس کا محمل یہ ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو اپنے معمول کے مطابق اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے بعض اوقات کسی شغل یا تکلیف یا امت کے معاملات میں غور وفکر یا دنیاوی ذمہ داریوں کی وجہ سے وہ ذکر رہ جاتا تھا تو اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کے انوار پر حجاب چھا جاتا تھا سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر استغفار کرتے تھے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائماً اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہیں۔

ایک قول یہ ہے:

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وصال کے بعد امت کے احوال پر مطلع ہوتے تو ان کی خطاؤں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر ایک ابر چھا جاتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لئے استغفار کرتے تھے۔

ایک قول یہ ہے:

تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کی مصلحتوں میں غور وفکر کرنے اور امت کی آپس کی لڑائیوں پر مطلع ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر استغفار کرتے تھے ہر چند کہ امت کی مصلحت کی کوشش کرنا بھی بہت عظیم عبادت ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل مقام تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ذات کا مشاہدہ کرنا اور اس کی صفات کا مطالعہ کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا ہر چیز سے منقطع ہو کر صرف اس کی ذات میں مستغرق ہونا ہے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس بلند مقام کے اعتبار سے اس کو کم درجہ خیال فرما کر اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے۔

اور ایک قول یہ ہے:

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو استغفار کرنے کا حکم دیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم کی تعمیل کرنے کے لئے ا

اور اللہ تعالیٰ کی طرف اختصار کا اظہار کرنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دائماً عجز کرنے کے لئے اور اس کی نعمتوں کا حقہ شکر ادا نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے تھے۔

علامہ محاسبی نے کہا ہے:

انبیاء کرام علیہم السلام اور ملائکہ ہر چند کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مامون اور محفوظ ہوتے ہیں، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے جلال سے خوف زدہ رہتے ہیں۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ

اسی ڈر اور خوف کی حالت میں ان کے دلوں پر ابر چھا جاتا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے اس کی عظمت کے خیال سے استغفار کرتے ہوں اور یہ اعتقاد نہ کیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار ابر کی وجہ سے تھا ابر اور وجہ سے ہے اور استغفار اور وجہ سے ہے اور یہ استغفار اس ابر کے ساتھ مربوط نہیں ہے۔ جیسا کہ اس باب کی دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرو کیونکہ میں ایک دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں اور ہر چند کہ ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے ذنب (یعنی بظاہر خلاف اولیٰ کام) کی مغفرت کر دی گئی ہے۔ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار اس نعمت پر شکر ادا کرنے کے لئے ہے اور اس کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ میں معصوم اور مغفور ہونے کے باوجود سے استغفار کرتا ہوں۔

اور بعض علماء کرام نے کہا:

اس ابر سے مراد یہ ہے کہ

بعض اوقات پاک اور صاف دلوں میں بھی غفلت اور بعض دنیاوی مباح چیزوں کی طرف رغبت کی وجہ سے انوار الٰہیہ پر حجاب چھا جاتے ہیں سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حجاب کی وجہ سے استغفار کرتے تھے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم، ج:8،ص:198،197 مطبوعہ دار الوفاء بیروت)

دن میں ایک سو بار توبہ کرنے کی توجیہ

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی مالکی التوفی 656ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں غین کا لفظ ہے اور غین کا معنی ہے ڈھانپنا، بادل کو بھی غین اس لئے کہتے ہیں کہ وہ آسمان کو ڈھانپ لیتا ہے کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ گناہوں کے اثر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر زنگ چڑھ گیا تھا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کے انوار کو ڈھانپ لیا تھا کیونکہ جن کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام سے صغائر کا صدور جائز ہے وہ بھی اس کے قائل نہیں ہیں کہ صغائر کے صدور سے انبیاء کرام علیہم السلام کے قلوب پر ایسے حجاب آجاتے ہیں جیسے عام گناہ گاروں کے

قلوب پر آجاتے ہیں بلکہ وہ مغفور و مکرم ہیں اور ان سے کسی چیز کا مواخذہ نہیں ہوگا پس اس سے معلوم ہوا کہ غین (ابر یا حجاب) گناہ کے سبب سے نہیں ہے پھر اس غین کے سبب میں حسب ذیل اقوال ہیں۔

(1) آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائما اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے تھے اور بعض اوقات کسی مشغولیت یا کسی اور سبب سے (ذکر) نہیں کر سکتے تھے تو اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر حجاب آجاتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی وجہ سے استغفار کرتے تھے۔

(2) آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے احوال پر مطلع ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت جن حالات سے گزرے گی اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم استغفار کرتے تھے۔

(3) آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کی اصلاح کے لئے جن کاموں میں مشغول ہوتے تھے یا جہاد میں مصروف ہوتے۔ اگر چہ یہ امور بھی عظیم عبادات ہیں تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے تھے اس سے ایک درجہ کم ہیں۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر حجاب آجاتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے تھے۔

(4) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے احوال میں دائما ترقی کرتے رہتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقام سے ترقی کر کے اس سے بلند مقام پر پہنچتے تو پہلے مقام کو نئے اور بلند مقام کی بہ نسبت ناقص قرار دیتے اور اللہ تعالیٰ سے اس پر مغفرت کرتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن میں ایک سو بار توبہ کرتے تھے اس میں توبہ کے دوام پر دلیل ہے اور انسان جب اپنے گناہ کو یاد کرے تو نئی توبہ کرے کیونکہ اس نے گناہ تو یقینی طور پر کیا ہے اور گناہ کی سزا سے نکلنا مشکوک ہے اس لئے اسے چاہئے کہ وہ ہمیشہ توبہ کرتا رہے۔ حتیٰ کہ اس کے گناہ کا معاف ہونا یقینی ہو جائے اور ہم پر لازم ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے خوف کو لازم رکھیں اور اپنے افعال پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے رہیں اور یہ عزم رکھیں کہ ہم دوبارہ اس گناہ کو نہیں کریں گے اور اس گناہ کا تدارک اور اس کی تلافی کریں اور اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ ہمارا وہ گناہ معاف ہو چکا ہے تو ہم پر واجب ہے پھر بھی اس کا شکر ادا کرتے رہیں۔

جیسا کہ احادیث مبارکہ میں ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اتنا زیادہ قیام کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں پیر پھٹ گئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر مشقت کیوں اٹھاتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے اور پچھلے ذنب (بظاہر خلاف اولیٰ کام) کی مغفرت فرما دی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا میں اس سے محبت نہیں کرتا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ شکر گزار بندہ ہوں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 4837)

(جامع المسانید والسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: 1040)

...ب شمار ہوتی ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

گناہ کی توبہ یہ ہے کہ توبہ کے بعد دوبارہ گناہ نہ کرے۔

(مسند احمد: ج: 1 ص: 446 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

...امت توبہ ہے

حضرت معقل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ندامت توبہ ہے۔

(سنن ابن ماجہ ص: 313 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

...کرو اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتا ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر تم خطائیں کرو حتیٰ کہ تمہاری خطاؤں سے آسمان بھر جائے پھر تم توبہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول فرمالے گا۔

(سنن ابن ماجہ: ص: 313 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

...تعالیٰ غرغرہ موت سے پہلے توبہ فرماتا ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ غرغرہ موت (جب سانس اکھڑنے لگتا ہے) سے پہلے پہلے بندہ کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ: ص: 314 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

...نے استغفار کیا اس نے اصرار نہیں کیا

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے استغفار کرلیا اس نے اصرار نہیں کیا خواہ وہ ایک دن میں ستر مرتبہ گناہ کرے۔

(سنن ابوداؤد ج:1،ص:212 مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور)

خطا کاروں میں سے اچھا توبہ کرنے والا ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہر بنی آدم خطا کار ہے اور خطا کاروں میں سب سے اچھے توبہ کرنے والے ہیں۔

(مسند احمد: ج:3،ص:198 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

سورج کا مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے توبہ مقبول

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اس سے پہلے توبہ کرلے کہ سورج مغرب سے طلوع ہو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالے گا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث:2703)

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مغرب کی طرف توبہ کا ایک دروازہ ہے جس کی چوڑائی چالیس سال یا ستر سال کی مسافت ہے۔ اللہ عزوجل نے اس دروازہ کو اس دن کھول دیا تھا جس دن اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا اور اس دروازہ کو اس وقت تک بند نہیں کرے جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث:3536)

اللہ تعالیٰ کو توبہ پر خوشی کیسے؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم میں سے کسی شخص کو اپنی گمشدہ سواری کے مل جانے سے جتنی خوشی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تمہاری توبہ سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث:3538)

توبہ کرنے والا ایسا جیسے گناہ ہی نہ کیا ہو

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ نہ کیا ہو۔

(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 4250)

پوشیدہ گناہ کی توبہ پوشیدہ علانیہ کی توبہ علانیہ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے وصیت کیجئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم سے جس قدر ہو سکے اللہ عزوجل سے ڈرتے رہو اور ہر پتھر اور درخت کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور تم جو برا کام کرو اس کے بعد توبہ کرو، پوشیدہ گناہ کی توبہ پوشیدہ کرو اور کھلم کھلا گناہ کی توبہ کھلم کھلا کرو۔

(المعجم الکبیر: ج:20،ص:159)

توبہ سے گناہ کا مٹ جانا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے اور جب وہ اس گناہ سے الگ ہو جاتا ہے اور استغفار کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ دوبارہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک اور نقطہ پڑ جاتا ہے حتیٰ کہ اس کا پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور یہ وہی ران ہے جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔

كَلَّا بَلْ سكته رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ (المطففین: 14)

ہرگز نہیں، بلکہ ان کے دلوں پر ان کے برے کاموں نے زنگ چڑھا دیا۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3334)

توبہ کی ضرورت کیوں

علامہ محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی 538ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے الزمر 53 میں مغفرت کا ذکر فرمایا: وہ تمام گناہوں کو معاف کردے گا۔ اس کے بعد الزمر 54 میں فرمایا ''اور اپنے رب عزوجل کی طرف رجوع کرو'' یعنی توبہ کرو تاکہ کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ بغیر توبہ کے بھی مغفرت ہو جائے گی۔

(الکشاف، ج:4،ص:139 دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام فخر الدین رازی متوفی 606 زمخشری کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ زمخشری کا یہ کلام بہت ضعیف ہے کیونکہ ہمارے نزدیک معصیت پر توبہ کرنا واجب ہے اور توبہ کے حکم سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرمانے کا جو وعدہ فرمایا ہے اس پر طعن کیا جائے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ

جب اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرما دی تو پھر توبہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

ہمارا مذہب یہ ہے کہ ہر چند کہ گناہوں کو معاف فرمانا اور مغفرت کرنا قطعی ہے مگر یہ عفو اور مغفرت دو طرح حاصل ہوتی ہے۔

ایک یہ کہ

کچھ عرصہ دوزخ میں رکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر کے دوزخ سے نکال لے۔

دوسرا یہ کہ

اللہ تعالیٰ ابتداء معاف فرما دے اور بالکل سزا نہ دے اور توبہ کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بالکل عذاب نہ دے۔

(تفسیر کبیر: ج:9، ص:465 تا 466 دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا بار بار توبہ قبول فرمانا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے۔

ایک بندہ گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے: اے اللہ عزوجل میرے گناہ بخش دے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

میرے بندہ نے گناہ کیا اور وہ جانتا ہے کہ اس کا رب عزوجل ہے جو گناہ بخشتا ہے اور گناہ پر گرفت فرماتا ہے وہ بندہ دوبارہ گناہ کرتا ہے اور پھر کہتا ہے: اے میرے رب عزوجل میرے گناہ کو بخش دے۔

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

میرے بندہ نے گناہ کیا اور وہ جانتا ہے کہ اس کا رب عزوجل ہے جو گناہ بخشتا ہے اور گناہ پر گرفت فرماتا ہے وہ بندہ تیسری بار گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے: اے میرے رب عزوجل! میرے گناہ کو بخش دے۔

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

میرے بندہ نے گناہ کیا اور اس کو معلوم ہے کہ اس کا رب عزوجل ہے جو گناہ بخشتا ہے اور گناہ پر گرفت فرماتا ہے تو چاہے میں نے تجھ کو بخش دیا اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب تک بندہ گناہ کر کے توبہ کرتا رہے گا اللہ تعالیٰ اس کو معاف کرتا رہے گا یہ واضح رہے کہ اس کی توبہ صحیح ہو بایں طور کہ وہ اپنے گناہ پر نادم ہو اور دوبارہ گناہ نہ کرنے کا عزم مصمم کرے اور اس گناہ کی تلافی اور تدارک بھی کرے اور اگر توبہ کرتے وقت اس کی یہ نیت ہو کہ میں دوبارہ پھر یہ گناہ کروں گا تو یہ ایسی توبہ ہے کہ یہ توبہ بھی گناہ ہے اور اس توبہ سے بھی اس پر توبہ کرنا لازم ہے۔

گناہ پر برقرار رہ کر توبہ کرنے والا اللہ تعالیٰ سے مذاق کرتا ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مثال ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو اور جو شخص گناہ سے استغفار کرے درآنحالیکہ وہ گناہ پر برقرار ہو وہ اس شخص کی طرح ہے جو اپنے رب عزوجل سے مذاق کر رہا ہو۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: 7178)

ذوالنون نے کہا:

گناہ کو جڑ سے اکھاڑے بغیر توبہ کرنا کذابین کی توبہ ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: 7177)

حضرت کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع کی توبہ مقبول

حضرت کعب بن مالک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوہ تبوک میں پیچھے رہ جانے کا واقعہ بیان کیا۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا:

میں غزوہ تبوک کے علاوہ کبھی کسی غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے نہیں رہا البتہ میں غزوہ بدر میں بھی پیچھے رہ گیا تھا اور غزوہ بدر میں پیچھے رہ جانے والوں میں سے کسی پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب نہیں کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان، قریش کے قافلہ کے ارادے سے روانہ ہوئے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اور ان کے دشمنوں کے درمیان اچانک مقابلہ کرا دیا اور جب ہم نے اسلام کا عہد کیا تھا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عقبہ کی شب میں حاضر ہوا تھا ہر چند کہ مسلمانوں میں شرکاء بدر کی وقعت بہت زیادہ ہے لیکن شب عقبہ کی حاضری کے بدلہ میں اور کوئی فضیلت پسند نہیں کرتا۔ میرا یہ واقعہ ہے کہ جب میں غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گیا تھا۔ اس وقت میں جس قدر قوی اور خوش حال تھا اس سے پہلے کبھی اس قدر قوی اور خوش حال نہیں تھا۔ اس وقت جہاد کے لئے میرے پاس دو اونٹنیاں تھیں جو اس سے پہلے کبھی کسی جہاد کے [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت گرمی میں جہاد کے لئے روانہ

ہوئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم دور دراز سفر کے لئے صحرا میں کثیر دشمنوں سے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ نے مسلمانوں پر پورا معاملہ واضح کر دیا تھا تا کہ وہ دشمنوں سے جہاد کے لئے پوری تیاری کر لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو اپنے ارادہ سے آگاہ کر دیا تھا۔ اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور کسی رجسٹر میں مسلمانوں کی تعدا اندراج نہیں تھا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا:

بہت کم ایسا شخص ہوگا جو اس غزوہ سے غائب ہونے کا ارادہ کرے اور اس کا یہ گمان ہو کہ بغیر اللہ تعالیٰ کی وحی نازل کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا معاملہ مخفی رہے گا۔ جب درختوں پر پھل آ گئے تھے اور ان کے سامنے گھنے ہو گئے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ کا ارادہ کیا۔ میں اس وقت پھلوں اور درختوں میں مشغول تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان جہاد کی تیاری میں تھے۔ میں ہر صبح جہاد کی تیاری کا سوچتا اور واپس آ جاتا۔ میں کوئی فیصلہ نہیں کر پاتا اور سوچتا میں جس وقت جانے کا ارادہ کروں گا جا سکوں گا۔ میں یہی سوچتا رہا حتیٰ کہ مسلمانوں نے سامان سفر باندھ لیا اور ایک صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو لے کر روانہ ہو گئے میں نے ابھی تیاری نہیں کی تھی۔ میں صبح کو پھر گیا اور لوٹ آیا اور میں کوئی فیصلہ نہ کر سکا میں یونہی سوچ و بچار میں رہا حتیٰ کہ مجاہدین آگے بڑھ گئے اور میں یہی سوچتا رہا کہ میں روانہ ہو کر ان کے ساتھ ملوں گا۔ کاش میں ایسا کر لیتا لیکن یہ چیز میرے مقدر میں نہیں تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہوتا کہ میں جن لوگوں کے درمیان چلتا تھا یہ صرف وہی لوگ تھے جو نفاق سے متہم تھے یا وہ ضعیف لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے جہاد سے معذور کر رکھا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک پہنچنے سے پہلے میرا ذکر نہیں کیا جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کعب بن مالک کو کیا ہوا

بنو سلمہ کے ایک شخص نے کہا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دو چادروں اور اپنے پہلوؤں کو دیکھنے نے روک لیا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا:

تم نے بری بات کہی ہے۔ بخدا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اس کے متعلق خیر کے سوا اور کچھ نہیں جانتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ ابھی یہ بات ہو رہی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفید پوش شخص کو ریگستان سے آتے ہوئے دیکھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تو ابوخیثمہ ہو جا'' تو وہ ابوخیثمہ انصاری ہو گیا۔ یہ وہی شخص تھے جنہوں نے ایک صاع (چار کلوگرام) چھوارے صدقہ کیے تھے تو منافقین نے انہیں طعنہ دیا تھا۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

جب مجھے یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس آرہے ہیں تو میری پریشانی پھر تازہ ہو گئی میں جھوٹی باتیں بنانے کے لئے سوچنے لگا

اور یہ سوچنے لگا کہ

میں کل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی سے کیسے بچوں گا اور اپنے گھر کے اصحاب رائے سے اس سلسلہ میں مشورہ کرنے لگا۔

پھر جب مجھے یہ بتایا گیا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب تشریف لا رہے ہیں تو میرے ذہن سے وہ سب جھوٹے بہانے نکل گئے اور میں نے جان لیا کہ میں کسی (جھوٹی) بات سے کبھی نجات نہیں پا سکوں گا۔ پھر میں نے سچ بولنے کا پختہ ارادہ کر لیا صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے تشریف لے آتے تھے تو پہلے مسجد میں جاتے تھے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھتے تھے پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم معمول کے مطابق فارغ ہوئے تو جو لوگ غزوہ تبوک میں نہیں گئے تھے وہ لوگ آکر عذر پیش کرنے لگے اور قسمیں کھانے لگے۔ یہ لوگ (80) اسی سے زیادہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہری اعتبار سے ان کے عذر کو قبول کر لیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بیعت لی اور ان کے لئے استغفار کیا اور ان کے باطنی معاملہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا حتیٰ کہ میں آیا جب میں نے سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے جیسے کوئی ناراض شخص مسکراتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

آؤ

میں آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تمہارے نہ آنے کی وجہ کیا ہے۔

کیا تم نے سواری نہیں خریدی تھی؟

میں نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بخدا! اگر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی دنیادار کے سامنے بیٹھا ہوتا تو مجھے
ہے کہ میں کوئی عذر پیش کر کے اس کی ناراضگی سے بچ جاتا کیونکہ مجھے کلام پر قدرت عطا کی گئی ہے۔لیکن بخدا مجھے معلوم ہے
اگر میں نے آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی جھوٹی بات کہہ دی حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے راضی بھی ہو گئے
عنقریب اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے ناراض کر دے گا اور اگر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی بات کہوں تو آپ
صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ناراض ہوں گے اور بے شک مجھے سچ میں اللہ تعالیٰ سے حسن عاقبت کی امید ہے۔بخدا میرا کوئی عذر
نہیں تھا اور جس وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے رہ گیا تھا تو مجھ سے زیادہ خوش حال کوئی نہیں تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بہر حال اس شخص نے سچ بولا ہے تم یہاں سے اٹھ جاؤ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے متعلق کوئی فیصلہ کر دے۔میں وہاں سے
اٹھا اور بنو سلمہ کے لوگ بھی اٹھ کر میرے پاس آئے۔

انہوں نے مجھ سے کہا

بخدا ہم کو یہ معلوم نہیں ہے کہ اس سے پہلے تم نے کوئی گناہ کیا ہو کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے سامنے اس قسم کا عذر پیش کرتے جس طرح دیگر نہ جانے والوں نے عذر پیش کیے تھے۔تمہارے گناہ کے لئے رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کا تمہارے لئے استغفار کرنا کافی تھا۔بخدا وہ مجھ کو مسلسل ملامت کرتے رہے حتیٰ کہ میں نے یہ ارادہ کیا کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دوبارہ جاؤں اور اپنے قول کی تکذیب کر دوں۔

پھر میں نے ان سے پوچھا

کیا کسی اور کو بھی میرے جیسا معاملہ پیش آیا ہے۔

انہوں نے کہا:

دو اور شخصوں نے بھی تمہاری مثل کہا ہے۔ان سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی فرمایا ہے جو تم سے فرمایا تھا۔

میں نے پوچھا:

وہ کون ہیں

انہوں نے کہا:

وہ مرارہ بن ربیع عامری اور ہلال بن امیہ واقفی ہیں۔انہوں نے مجھ سے ان دو نیک شخصوں کا ذکر کیا جو غزوۂ بدر میں شریک
ہوئے تھے۔وہ میرے لئے نمونہ تھے۔جب ان لوگوں نے ان دو صاحبوں کا ذکر کیا تو میں اپنے پہلے خیال پر قائم رہا اور رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہم تینوں سے گفتگو کرنے سے منع فرما دیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گئے تھے
مسلمانوں نے ہم سے اجتناب کر لیا اور ہمارے لئے اجنبی ہو گئے حتیٰ کہ زمین بھی میرے لئے اجنبی ہو گئی۔یہ وہ زمین نہ تھی

جس کو میں پہلے پہچانتا تھا۔ ہم لوگوں کو اسی حال پر پچاس راتیں گزر گئیں۔ میرے دو ساتھی تو خانہ نشین ہو گئے تھے وہ اپنے گھروں میں پڑے روتے رہتے تھے لیکن ان کی بہ نسبت میں جوان اور طاقتور تھا۔ میں باہر نکلتا تھا۔ نمازوں میں حاضر ہوتا تھا اور بازاروں میں گھومتا تھا۔ مجھ سے کوئی شخص بات نہیں کرتا تھا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتا اور نماز کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نشست پر بیٹھتے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کرتا۔ میں اپنے دل میں سوچتا کہ آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دینے کے لئے اپنے ہونٹ ہلائے ہیں یا نہیں پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نماز پڑھتا اور نظریں چرا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا سو جب میں نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف دیکھتے اور جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوتا تو مجھ سے اعراض کرتے حتیٰ کہ جب مسلمانوں کی بے رخی زیادہ بڑھ گئی تو میں ایک روز اپنے عم زاد حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے باغ کی دیوار پر چڑھ گیا وہ مجھ کو لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب تھے۔ میں نے ان کو سلام کیا بخدا انہوں نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔

میں نے ان سے کہا:

ابو قتادہ! میں تم کو اللہ عزوجل کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ میں اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں وہ خاموش رہے۔ میں نے ان کو قسم دے کر سوال کیا وہ پھر خاموش رہے۔ میں نے پھر ان کو قسم دی۔

تو انہوں نے کہا:

اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ علم ہے۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے میں نے دیوار پھاندی اور واپس آ گیا۔ ایک دن میں مدینے کے بازار میں جا رہا تھا تو اہل شام کا ایک شخص مدینہ میں غلہ بیچنے کے لئے آیا تھا۔

وہ کہہ رہا تھا کہ

کوئی ہے جو مجھے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے ملا دے۔ لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا۔ وہ میرے پاس آیا اور اس نے مجھے غسان کے بادشاہ کا ایک خط دیا میں چونکہ پڑھا لکھا تھا اس لئے میں نے اس کو پڑھا۔

اس میں لکھا تھا

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے صاحب نے تم پر ظلم کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے تم کو ذلت اور رسوائی جگہ میں رہنے کے لئے پیدا نہیں کیا۔ تم ہمارے پاس آ جاؤ ہم تمہاری دلجوئی کریں گے۔ میں نے جب خط پڑھا

تو میں نے کہا:

یہ بھی میرے لئے ایک آزمائش ہے۔ میں نے اس خط کو تنور میں پھینک کر جلا دیا حتیٰ کہ جب پچاس میں سے چالیس دن گزر گئے اور وحی رکی رہی تو ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد میرے پاس آیا۔

اس نے کہا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ تم اپنی بیوی سے علیحدہ ہو جاؤ۔

میں نے پوچھا:

آیا میں اس کو طلاق دیدوں یا کیا کروں۔

اس نے کہا:

نہیں بلکہ تم اس سے علیحدہ ہو جاؤ اور اس کے قریب نہ ہو جائے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھیوں کو بھی یہی حکم بھیجا۔

میں نے اپنی بیوی سے کہا

تم اپنے میکہ چلی جاؤ اور وہیں رہو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ میرے متعلق کوئی حکم نازل فرمائے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا:

پھر حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی

اور اس نے عرض کیا

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک حضرت ہلال بن امیہ بہت بوڑھے ہیں اور ان کی خدمت کرنے والا کوئی نہیں ہے کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ناپسند کرتے ہیں کہ میں ان کی خدمت کروں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نہیں! لیکن وہ تم سے مقاربت نہ کرے

ان کی بیوی نے کہا:

بخدا وہ تو کسی چیز کی طرف حرکت بھی نہیں کر سکتے اور جب سے یہ معاملہ ہوا ہے بخدا وہ اس دن سے مسلسل روتے رہتے ہیں۔

مجھ سے میرے بعض گھر والوں نے کہا:

تم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح اجازت لے لو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کو ان کی خدمت کرنے کی اجازت دے دی ہے۔

میں نے کہا:

اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت نہیں لوں گا۔ مجھے پتا نہیں کہ اگر میں نے اجازت لے لی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملہ میں کیا فرمائیں گے اور میں ایک جوان شخص ہوں پھر میں اسی حال پر دس راتیں ٹھہرا رہا پھر جب

سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے گفتگو کی ممانعت کی تھی۔ اس کو پچاس دن گزر گئے تھے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

پچاس روز کے بعد ایک صبح کو ایک صبح کو میں اپنے گھر کی چھت پر چڑھ صبح کی نماز پڑھ رہا تھا پھر جس وقت میں اسی حال میں بیٹھا ہوا تھا جس کا اللہ عزوجل نے ہمارے متعلق ذکر کیا ہے کہ مجھ پر میرا نفس تنگ ہو گیا اور زمین اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئی۔ اچانک میں نے سلع پہاڑ کی چوٹی سے ایک چلانے والے کی آواز سنی جو بلند آواز سے کہہ رہا تھا۔

اے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ! بشارت ہو (مبارک ہو)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا:

میں اسی وقت سجدہ میں گر پڑا اور میں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ قبول کر لی ہے پھر لوگ آ کر ہم کو مبارکباد دیتے تھے پھر میرے ان دو ساتھیوں کی طرف لوگ مبارکباد دینے کے لئے گئے اور ایک شخص گھوڑا دوڑتا ہوا میری طرف روانہ ہوا اور قبیلہ اسلم کے ایک شخص نے پہاڑ پر چڑھ کر بلند آواز سے مجھے ندا کی اور اس کی آواز گھوڑے سوار کے پہنچنے سے پہلے مجھ تک پہنچی۔ جب میرے پاس وہ شخص آیا جس کی بشارت کی آواز میں نے سنی تھی۔ میں نے کپڑے اتار کر اس شخص کو بشارت کی خوشی میں پہنا دیئے۔ بخدا اس وقت میرے پاس ان کپڑوں کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں تھی اور میں نے کسی سے عاریتاً کپڑے لے کر پہنے۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے قصد سے روانہ ہوا۔ ادھر میری توبہ قبول ہونے پر فوج در فوج لوگ مجھ کو مبارکباد دینے کے لئے آ رہے تھے۔

اور کہہ رہے تھے کہ

تم کو اللہ تعالیٰ کا توبہ قبول کرنا مبارک ہو جب میں مسجد میں داخل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد صحابہ کرام علیہم الرضوان بیٹھے تھے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ جلدی سے اٹھے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارکباد دی۔ بخدا مہاجرین میں سے ان کے علاوہ اور کوئی نہیں اٹھا تھا۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو نہیں بھولتے تھے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا:

جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو خوشی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چمک رہا تھا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔

مبارک ہو جب سے تم کو تمہاری ماں نے جنا ہے۔ اس سے زیادہ اچھا دن تمہارے لئے نہیں آیا۔

میں نے عرض کیا

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نہیں بلکہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ اس طرح منور ہو جاتا تھا جیسے چاند کا ٹکڑا ہو۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا:

ہم اس علامت کو پہچانتے تھے

انہوں نے کہا:

جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھا تو میں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی توبہ کی خوشی میں اپنے مال کو اللہ عزوجل اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اپنے لئے کچھ مال کو رکھ لو وہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

میں نے کہا:

میں اپنے اس مال کو رکھ لیتا ہوں جو خیبر میں ہے۔

اور میں نے کہا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے مجھے صدق کی وجہ سے نجات دی ہے اور اب میری توبہ یہ ہے کہ میں اپنی باقی زندگی میں ہمیشہ سچ بولوں گا۔

انہوں نے کہا:

بخدا! مجھے یہ معلوم نہیں کہ مسلمانوں میں سے کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے کی وجہ سے اس طرح سزا میں مبتلا کیا ہو اور جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا تھا۔ اس وقت سے لے کر آج تک میں نے جھوٹ نہیں بولا اور آئندہ کے لئے بھی مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جھوٹ سے محفوظ رکھے گا ......الخ

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 2757)

حضرت ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ کی توبہ

امام عبدالملک بن ہشام متوفی 218ھ روایت کرتے ہیں۔

بنو قریظہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کو بھیجیں۔ ان کا تعلق بنو عمرو بن عوف سے تھا اور یہ اوس کے حلیف تھے تاکہ ہم اپنے معاملہ میں ان سے مشورہ کریں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو بنو قریظہ کی طرف بھیجا۔ جب بنو قریظہ نے ان کو دیکھا تو ان کے پاس

ے ہو گئے اور ان کی عورتیں فریاد کرنے لگیں اور بچے ان کے سامنے رونے لگے۔ یہ دیکھ کر ان کے لئے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا دل نرم ہو گیا۔

بنو قریظہ نے ان سے کہا:

اے ابولبابہ رضی اللہ عنہ! آپ رضی اللہ عنہ کا کیا مشورہ ہے کیا ہم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم پر قلعہ سے نکل یں۔

انہوں نے کہا:

ہاں! اور ہاتھ سے اپنے گلے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: وہ تم کو ذبح کر دیں گے۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

اللہ عزوجل کی قسم! ابھی میں نے وہاں سے قدم نہیں اٹھائے تھے کہ میں نے جان لیا کہ میں نے اللہ عزوجل اور اس کے سول صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت کی۔ پھر حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سیدھے۔ واپس گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دمت میں حاضر نہیں ہوئے حتیٰ کہ انہوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ لیا۔

اور کہا

میں اس وقت تک بندھا رہوں گا جب تک کہ میری اس خیانت پر اللہ تعالیٰ توبہ قبول نہیں فرمالیتا اور اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا کہ میں آئندہ کبھی بنو قریظہ کے پاس نہیں جاؤں گا اور نہ کبھی اس شہر میں جاؤں گا جس میں میں نے اللہ عزوجل اور اس کے رسول لی اللہ علیہ وسلم کی خیانت کی تھی۔

عبداللہ بن ابی قتادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

اے ایمان والو! اللہ عزوجل اور رسول سے خیانت نہ کرو۔ (الانفال:27)

امام ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر وہ میرے پاس آجاتے تو میں ان کے لئے استغفار کرتا اور جب انہوں نے اپنے آپ کو باندھ لیا ہے تو میں ان کو اس قت تک نہیں کھولوں گا جب تک کہ اللہ عزوجل ان کی توبہ قبول نہیں فرمالیتا۔

امام ابن اسحاق روایت کرتے ہیں کہ

جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ... اس دن سحری کے وقت رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم پر حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ کی قبولیت نازل ہوئی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

میں نے سحری کے وقت دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس رہے تھے۔

میں نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ عزوجل آپ کو ہمیشہ ہنستا ہوا رکھے آپ کس وجہ سے ہنس رہے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول کر لی گئی۔

میں نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں ان کو یہ خوشخبری نہ دوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیوں نہیں اگر تم چاہو تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حجرہ کے دروازے پر کھڑی ہو گئیں۔ یہ پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا

اے ابولبابہ (رضی اللہ عنہ) تمہیں مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا

مسلمان انہیں کھولنے کے لئے جھپٹے۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

اللہ عزوجل کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی آکر اپنے ہاتھوں سے مجھے کھولیں گے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھول دیا۔

امام ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ ستون کے ساتھ چھ راتیں بندھے رہے۔ ان کی بیوی ہر نماز کے وقت آکر انہیں کھول دیتی تھیں۔ وہ نماز پڑھتے اور پھر ستون کے ساتھ بندھ جاتے۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ کے متعلق جو آیت نازل ہوئی۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (التوبة: 102)

اور دوسرے مسلمان جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیا۔ انہوں نے کچھ برے کاموں کے ساتھ ملالیا۔

عنقریب اللہ عزوجل ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج:3،ص:260 تا 262 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ زہری سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول فرمائی۔

تو انہوں نے کہا:

یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری توبہ یہ ہے کہ میں اس قوم کے اس علاقہ کو چھوڑ دوں جس میں، میں نے گناہ کیا تھا اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں رہوں اور اپنا تمام مال اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صدقہ کر دوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تمہارے لئے صرف تہائی مال کا صدقہ کرنا کافی ہے۔

(مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث:16397)

حافظ ابوعمر یوسف بن محمد بن عبدالبر القرطبی المتوفی 463ھ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ کا ایک اور سبب بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں: حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے لوہے کی وزنی زنجیروں سے اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ کئی راتیں باندھے رکھا حتیٰ کہ ان کی سماعت بہت کم ہوگئی اور بینائی بھی بہت کم ہوگئی۔ جب نماز کا وقت آتا یا انہوں نے قضاء حاجت کے لئے جانا ہوتا توان کی بیٹی ان کو کھول دیتی اور فارغ ہونے کے بعد پھر ان کو باندھ دیتیں۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے جو اپنے آپ کو باندھا تھا۔

حافظ ابن عبدالبر نے اس کی کئی وجوہات بیان کی ہیں اور سب سے عمدہ وجہ وہ ہے جو زہری سے مروی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ بھی غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ لیا

اور کہا

اللہ عزوجل کی قسم! میں اپنے آپ کو نہیں کھولوں گا اور نہ کوئی چیز کھاؤں گا اور نہ کوئی چیز پیوں گا حتیٰ کہ اللہ عزوجل میری توبہ قبول فرمالے یا میں مر جاؤں۔ وہ سات دن بندھے رہے نہ کچھ کھایا اور نہ پیا حتیٰ کہ بے ہوش ہوگئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔

ان سے کہا گیا:

اے ابولبابہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی ہے۔

انہوں نے کہا:

بخدا میں اپنے آپ کو نہیں کھولوں گا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ کر مجھے کھولیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و[سلم] تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے ان کو کھولا۔

التوبہ 103 کی تشریح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ

یہ آیت حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ سات، آٹھ یا نو افراد کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ غزوہ تبوک میں نہیں گئے تھے پھر وہ نادم ہوئے اور انہوں نے توبہ کی اور انہوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ لیا تھا ان کا نیک عمل توبہ اور ان کا برا عمل غزوہ تبوک میں رہ جانا تھا۔

حافظ ابو عمر فرماتے ہیں کہ

یہ بھی کہا گیا ہے کہ

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا گناہ یہ تھا کہ وہ بنو قریظہ کے حلیفوں میں سے تھے اور انہوں نے بنو قریظہ کو یہ اشارہ کیا تھا کہ اگر تم سعد بن معاذ کے حکم پر قلعہ سے نکل آئے تو تم کو ذبح کر دیا جائے گا اور انہوں نے اپنے حلقوم کی طرف اشارہ کیا تب یہ آیت نازل ہوئی۔

اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو۔ (الانفال:27)

(الاستیعاب ج:4،ص:304 تا 305 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

گناہ کو یاد کر کے غمگین ہونا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک بندہ گناہ کرتا ہے پھر جب وہ اپنے گناہ کو یاد کرتا ہے تو اپنے کیے ہوئے پر غمگین ہوتا ہے پھر جب اللہ تعالیٰ د[یکھتا] ہے کہ وہ اپنے کیے ہوئے پر غمگین ہے تو اس کو معاف فرما دیتا ہے۔

(مجمع الزوائد: رقم الحدیث:17521)

اللہ تعالیٰ کی خوشی بندہ کے توبہ کرنے سے ہے

ابی الجون رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کو توبہ کرنے والے کی توبہ سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ جتنی پیاسے کو پانی پر جانے سے خوشی ہوتی ہے جتنی بانجھ عورت کو بچہ کی پیدائش سے خوشی ہوتی ہے اور جتنی کسی شخص کو گم شدہ چیز کے ملنے سے خوشی ہوتی ہے پس جو شخص اللہ

سے خالص توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ کراماً کاتبین سے اور اس کے اپنے اعضاء سے وہ گناہ بھلا دیتا ہے اور تمام روئے زمین سے اس کے گناہوں کے آثار مٹا دیتا ہے۔

(الجامع الصغیر: رقم الحدیث: 7194)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مومن اپنے گناہوں کو اس طرح سمجھتا ہے گویا کہ وہ ایک پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہوا ہے اور اس کو یہ خطرہ ہے کہ وہ پہاڑ اس کے اوپر پڑے گا اور فاجر اپنے گناہوں کو اس طرح دیکھتا ہے جیسے اس کی ناک پر مکھی بیٹھی ہوئی ہے اور وہ ہاتھ جھٹک کر اس مکھی کو اڑا دے گا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی توبہ پر اس شخص سے زیادہ خوشی ہوتی ہے جو اپنی سواری سے کسی مقام پر پہنچا اور اس سواری پر اس کے کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔ اس نے سواری سے اتر کر اپنا سر رکھا اور سو گیا اور جب وہ بیدار ہوا تو اس کی سواری وہاں سے جا چکی تھی۔ گرمی بہت شدید تھی اور اس کو سخت پیاس لگی ہوئی تھی۔ وہ پھر اپنی جگہ لوٹ آیا اور پھر سو گیا پھر سر اٹھا کر دیکھا تو اس کی سواری وہاں موجود تھی۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6339)

مغفرت فرمانے کے متعلق یوں حدیث مبارکہ ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم میں سے کوئی شخص یہ ہرگز نہ کہے: اے اللہ عزوجل! اگر تو چاہے تو میری مغفرت فرما اور اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما اس کو چاہیے کہ پورے عزم اور اصرار سے سوال کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی مجبور کرنے والا نہیں ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6339)

اور جب بندہ اللہ تعالیٰ سے اپنی مغفرت یا کوئی حاجت مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور قبول فرماتا ہے اور اپنے بندے کے ہاتھ کو لوٹانے پر حیا فرماتا ہے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک تمہارا رب تبارک وتعالیٰ حیادار کریم ہے جب اس کا بندہ اس کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ اس کے ہاتھوں کو

خالی لوٹانے سے حیاء فرماتا ہے۔

(سنن ابی داؤد: رقم الحدیث: 1488)

میں نے یہاں توبہ کے فضائل اور واقعات کو اس لئے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ کو بندے کی توبہ بہت زیادہ مقبول ہے اور بندے کو بھی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہر وقت توبہ کرنا چاہئے اور نیک اعمال کرنے چاہئیں کیونکہ موت کا کوئی پتہ نہیں کہ کبھی آسکتی ہے۔اللہ تعالیٰ مجھ بدکار کو معاف فرمائے اور تمام امت مسلمہ کی مغفرت فرمائے۔آمین

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کے الفاظ

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا

اے میرے رب عزوجل! اگر میں تجھ سے توبہ اور استغفار کروں؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

پھر میں تمہیں جنت میں داخل کر دوں گا اور رہا ابلیس تو اس نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کا سوال نہیں کیا بلکہ مہلت کا سوال کیا اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو وہ چیز عطا فرما دی جس کا اس نے سوال کیا تھا۔

حضرت ضحاک نے بیان کیا کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جن کلمات کی تلقین کی تھی وہ یہی تھے۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

(جامع البیان جز:8،ص:190 دارالفکر بیروت)

مگر تفسیر عزیزی اور تفسیر خزائن العرفان اور تفسیر روح البیان نے طبرانی حاکم ابونعیم اور بیہقی کی روایت نقل کی۔

سیدنا عمر و علی رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا:

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

جب حضرت آدم علیہ السلام کی پریشانی انتہا کو پہنچ چکی تو ان کو ایک دن یاد آیا کہ میں نے اپنی پیدائش کے وقت عرش اعظم پر لکھا دیکھا کہ

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ

جس سے معلوم ہوا کہ محمد رسول اللہ کا درجہ ہے کہ ان کا نام عرش اعظم پر رب کریم عزوجل پر رب عزوجل کے نام ساتھ لکھا ہوا ہے۔

تدبیر یہی ہے کہ

انہی کے وسیلہ سے دعائے مغفرت کروں چنانچہ اس دعا کے ساتھ یہ بھی عرض کیا۔

اسئلك بحق محمد ان تغفرلی

ابن منذر کی روایت میں یہ کلمات ہیں۔

اللّٰهم انی اسئلك بجاه محمد عبدك و كرامته عليك ان تغفرلی خليئتی

یعنی یارب عزوجل میں تجھ سے تیرے بندۂ خاص محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور مرتبے کے طفیل اور اس بزرگی کے صدقے میں جو انہیں تیرے دربار میں حاصل ہے۔ مغفرت چاہتا ہوں تب فوراً جواب الٰہی عزوجل آیا: اے آدم علیہ السلام تم نے اس شہنشاہ کو کہاں سے جانا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے سارا ماجرا عرض کیا۔

حکم الٰہی عزوجل آیا کہ

اے آدم علیہ السلام وہ محبوب سب پیغمبروں سے پچھلے پیغمبر ہیں تمہاری اولاد سے ہیں اگر وہ نہ ہوتے تو تم کو بھی پیدا نہ کیا جاتا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل: ص: 311 نعیمی کتب خانہ لاہور)

دوبارہ جنت سے اتر جانے کا حکم

سورہ بقرہ کی آیت نمبر 36 میں جنت سے اتر جانے کا حکم فرمایا گیا تھا اب پھر اسی سورت کی آیت نمبر 38 میں پھر جنت سے اتر جانے کا حکم فرمایا جا رہا ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا گیا

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ (بقرہ: 38)

ہم نے فرمایا تم سب جنت سے اتر جاؤ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئی تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تو انہیں کوئی نہ ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اس آیت پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اس سے پہلی آیت میں بھی فرمایا تھا کہ تم (سب) نیچے اتر جاؤ اور دوبارہ پھر وہی حکم دیا ہے تکرار لازم آرہا ہے جو بلاغت کے منافی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

کہ یہ تکرار نہیں ہے بلکہ تاکید ہے اور دونوں آیتوں سے مقصود مختلف ہے۔

پہلی آیت سے مقصود یہ تھا کہ تم دارالبقاء سے دارالبلاء کی طرف منتقل ہو جاؤ جہاں تم ایک دوسرے سے عداوت رکھو گے اور دوام نہیں ہوگا۔

اور دوسری آیت سے مقصود یہ ہے کہ

تم دارالجزاء سے دارالتکلیف کی طرف منتقل ہو جاؤ جہاں تمہیں احکام شرعیہ مکلف کیا جائے گا جو ان پر عمل کر

نجات پائے گا اور جو مخالفت کرے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

ایک قول یہ ہے:

پہلی آیت سے مقصود ہے جنت سے آسمان دنیا کی طرف آنا اور دوسری آیت سے مقصود ہے آسمان دنیا سے زمین کی

اترنا لیکن اس توجیہ پر یہ اعتراض ہے کہ دوسری آیت میں ''منہا'' کی ضمیر جنت کی طرف راجع ہے لہٰذا اس آیت میں بھی

سے زمین کی طرف اترنا مراد ہے۔

علامہ ابواللیث سمرقندی نے لکھا ہے کہ

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ معصیت نعمت کو زائل کر دیتی ہے کیونکہ حضرتِ آدم علیہ السلام کو ان کی (ظاہری) م

کی وجہ سے جنت سے زمین پر بھیج دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ

اللہ تعالیٰ کسی قوم میں اَس وقت تغیر نہیں کرتا یعنی ان کو نعمت دے کر واپس نہیں لیتا جب تک کہ وہ خود اپنے اندر تغیر

یعنی اطاعت اور شکر کے بجائے معصیت اور کفران نعمت کو اختیار نہ کرلیں۔

(تفسیر سمرقندی: ج: 1، ص: 113 مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ)

تفسیر نعیمی میں ان دو آیتوں کا فرق یوں بیان فرمایا گیا ہے۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا

یہ جملہ اس سے پہلے بھی آ چکا ہے لیکن اس میں چند فرق ہیں۔

پہلا فرق

ایک یہ کہ وہ قول توبہ سے پہلے فرمایا گیا تھا اور یہ اس کے بعد اگر جنت ہی میں توبہ ہوئی تھی جیسا کہ بعض علماء فرما

جنت ہی میں دوبارہ اتر جانے کا حکم دیا گیا بعد میں توبہ قبول ہوئی۔

پھر فرمایا گیا کہ

اگرچہ توبہ تو قبول ہوئی مگر اتنا ضرور پڑے گا لہٰذا پہلا اهبطوا حضرت آدم علیہ السلام کے علم کے لئے تھا اور دوس

لئے اور اگر زمین پر توبہ قبول ہوئی جیسا کہ روایت سے ثابت ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم زمین میں ہی رہو جہاں تم

کیونکہ اب تمہاری بعض اولاد جنت میں آئے اور بعض نہ آئے گی کیونکہ اگر بغیر عمل ہی جنتیوں کو جنت میں بلایا جائے

کو اعتراض کرنے کا موقع ملے گا لہٰذا عمل کر کے آئے۔

دوسرا فرق

دوسرا فرق یہ ہے کہ پہلے اہبطوا میں سارے اترنے والوں کو خطاب تھا لیکن یہاں صرف اولاد آدم علیہ السلام کو کیونکہ آگے احکام کا ذکر ہے جس سے سانپ اور مور وغیرہ علیحدہ ہیں۔

تیسرا فرق

تیسرا فرق یہ ہے کہ اہبطوا کے ساتھ عداوت کی تکلیف وغیرہ کا ذکر تھا جس سے معلوم ہوا تھا کہ زمین تکلیف کی جگہ ہے اس اہبطوا کے ساتھ رب عزوجل کے احکام کا ذکر ہے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ جو کوئی دنیا میں رہ کر ہماری فرمانبرداری کرے گا وہ وہاں کے خوف وغم سے محفوظ رہے گا۔

چوتھا فرق

چوتھا فرق یہ ہے کہ اس اہبطوا میں اللہ تعالیٰ سے دور ہونے کا ذکر تھا اور یہاں اس سے قریب کا یعنی دنیا میں رہو لیکن اگر ہماری اطاعت کرو گے تو وہاں یعنی ہم سے قریب ہی رہو گے بہرحال دوبارہ اس کا ذکر بیکار نہیں ہے۔ جمیعا اس سے معلوم ہوتا ہے حضرت آدم وحوا علیہما السلام وسانپ مور وغیرہ سب ہی کو جنت سے نکلنے کا حکم ہوا۔ کوئی وہاں باقی نہ رکھا گیا لیکن اس سے یہ لازم نہیں کہ سب ایک دم ہی نکلے ہوں ممکن ہے کہ ساتھ ہی نکلے ہوں یا آگے پیچھے، نیز اگر یہ خطاب صرف اولاد آدم وآدم علیہ السلام کو ہوا اور مطلب یہ ہو کہ تم سب نیچے رہو تو لازم یہ نہیں کہ سب کا نیچے رہنا یکساں اور ایک ہی مدت تک ہو گا بلکہ بعض اللہ عزوجل کے بندے قیامت سے پہلے جنت میں جائیں گے جیسے شہداء کی روحیں، حضرت ادریس علیہ السلام بعض قیامت کے بعد جیسے تمام مسلمان۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول، ص: 316 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت آدم علیہ السلام کے لئے ہدایت کا لفظ کیوں استعمال کیا

حضرت آدم وحوا علیہما السلام جب جنت سے چلے تو اب انہیں یہ خبر نہ تھی کہ آیا ہم ہمیشہ کے لئے جا رہے ہیں یا پھر کبھی یہاں آنا میسر ہو گا اور اس جگہ رہ کر بھی تعلق رب عزوجل سے رہے گا یا نہیں۔ ان کے اطمینان کے لئے فرمایا اب تو تم سب جنت سے اتر کر زمین پر جاؤ لیکن وہاں تم پر ہماری نظر عنایت رہے گی۔ اور ہم تمہارے پاس اپنی ہدایت یعنی عقل سلیم عجائبات، قدرت انبیاء کرام علیہم السلام، کتابیں اور پھر انبیاء کرام علیہم السلام کے نائب علماء ومشائخ بھیجیں گے۔ دیکھو اس بار تم چوک گئے۔ آئندہ ایسا نہ کرنا اسی غلطی سے سبق حاصل کرنا جو ہماری ہدایت کے موافق عمل کرے گا تو اس کو نہ آئندہ کا خوف ہو گا اور نہ کبھی گزری عمر سے غم بلکہ دونوں عالم میں شاد، خرم رہے گا۔

اس لئے روایت میں آتا ہے کہ

قیامت کا دن بے دینوں کو پہاڑ سا معلوم ہو گا یعنی بہت سخت اور دراز لیکن نیک کاروں کو ایسا محسوس ہو گا جیسے چار رکعت

پڑھنے کے بقدر وقت کیونکہ یہ راحت میں ہوں گے اور وہ تکلیف میں اگر چہ روایات میں آتا ہے کہ قیامت میں ہر شخص کو افسوس ہوگا، بدکاروں کو نیکی نہ کرنے کا اور نیکوکاروں کی زیادہ نیکی نہ کرنے کا مگر بدکاروں کا غم تکلیف دہ ہوگا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول: ص: 317 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت آدم وحضرت حوا علیہما السلام کو کہاں پر اتارا گیا

علامہ ابو جعفر طبری لکھتے ہیں

حضرت آدم علیہ السلام کے آسمانوں اور جنت میں ٹھہرنے کی مدت دنیاوی سالوں کے اعتبار سے تینتالیس سال ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

یہ مدت پانچ سال ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں،

حضرت آدم علیہ السلام کو ہند میں اور حضرت حوا علیہا السلام کو جدہ میں اتارا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام ان کی طلب میں گئے اور میدان عرفات میں دونوں کی ملاقات ہوئی۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام جنت کی نعمتوں کے چلے جانے پر دو سال روتے رہے چالیس دن تک کھانا کھایا نہ پانی پیا اور حضرت آدم علیہ السلام ایک سو سال تک حضرت حوا علیہا السلام سے مقارب نہیں ہوئے۔ زمین پر آنے کے بعد اولاد آدم اور ابلیس اور اولاد آدم اور سانپ میں اس وقت سے دشمنی چلی آ رہی ہے۔

(جامع البیان: ج: 1، ص: 89، 80، 81 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

مگر تفسیر نعیمی میں یوں ذکر ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے جنت سے تشریف لانے کا واقعہ جو قرآن کریم اور احادیث مبارکہ اور محدثین اور مورخین سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام نے پہلے خود دانہ کھایا پھر حضرت آدم علیہ السلام کو کھلا دیا۔ اس کھانے کا اثر یہ ہوا کہ ان کے جسموں سے جنتی لباس جاتا رہا اور وہ حضرات برہنہ رہ گئے۔ مارے شرم کے انجیر کے درخت کے پتوں سے اپنے جسم کو چھپانے لگے اسی حالت میں رب عزوجل کی طرف سے ندا آئی کہ آدم و حوا علیہما السلام کیا ہم نے تم کو اس درخت سے منع نہ کیا تھا اور کیا تم سے نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اس کے فریب میں نہ آنا یہ حضرات عذر کے سوا اور کیا عرض کر سکتے تھے پھر فرشتوں کو حکم ہوا کہ ان سب کو زمین پر اتار دو چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو ہندوستان میں شہر سراندیپ کے اس پہاڑ پر اتارا گیا جس کو خود کہتے ہیں اور حضرت حوا علیہا السلام کو ساحل عرب پر جدے میں اور مور مرج الہند میں اور شیطان کو جنگل میسان جو کہ ٹھہرے سے کچھ فاصلے پر ہے یا جہاں آج یاجوج ماجوج کی دیوار قائم ہے۔ سانپ کو بجستان یا اصفہان میں اسی لئے

بھی سانپ زیادہ ہوتے ہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول: ص:304 نعیمی کتب خانہ لاہور)

زمین پر سب سے پہلے اذان سنائی گئی

حضرت جبرائیل علیہ السلام بحکم الٰہی عزوجل زمین پر آئے اور بلند آواز سے اذان کہی۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے اذان میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنا تب ان کی وہ وحشت دور ہوئی۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول، ص:305 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت آدم علیہ السلام کا ذریعہ معاش

تفسیر عزیزی میں ہے کہ

سب سے پہلے کپڑا بننے کا کام حضرت آدم علیہ السلام نے کیا اور بعد میں کھیتی باڑی کے کام میں مشغول رہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا ذریعہ معاش لکڑی کا تھا۔ (بڑھئی پیشہ)

حضرت ادریس علیہ السلام درزی گری،

حضرت ہود وصالح علیہما السلام تجارت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کچھ مدت بکریاں چرائیں

حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اتنے بڑے بادشاہ ہو کر درختوں کے پتوں سے پنکھے اور زنبیلیں وغیرہ بنا کر گزر کرتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کوئی پیشہ اختیار نہ فرمایا بلکہ ہمیشہ سیر فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس نے مجھے ناشتہ دیا ہے وہی شام کا کھانا بھی دے گا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول، ص:305 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت آدم علیہ السلام نے ہمیشہ بارش کا پانی پیا

تفسیر عزیزی میں ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام نے ہمیشہ بارش کا پانی پیا کنویں کا پانی کبھی نہ پیا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول: ص:305 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے چاندی سے روپیہ اور سونے سے اشرفیاں بنائیں

تفسیر عزیزی میں ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے چاندی سے روپیہ اور سونے سے اشرفیاں بنائیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل، ص:305 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت آدم علیہ السلام کو جنت کے پھل عطا فرمائے گئے

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ

وہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالا تو انہیں جنت کے پھل عطا فرمائے اور ہر چیز کی کاریگری سکھائی۔

(اور فرمایا)

تمہارے یہ (دنیاوی) پھل جنت کے پھلوں میں سے ہیں سوائے یہ کہ یہ پھل (ذائقہ میں) بدلتے رہتے ہیں لیکن کہ جنت کے پھل (ذائقہ میں) تبدیل نہیں ہوتے۔

(مستدرک، ص:592، ج:2، رقم الحدیث:3996)

حضرت آدم علیہ السلام کا وصال مبارکہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوا جمعہ کا دن ہے اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن آپ علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا اور اسی دن آپ علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی اور اسی دن آپ علیہ السلام کی روح قبض کی گئی اور اسی دن قیامت ہوگی۔

(سنن نسائی: کتاب الجمعۃ، باب ذکر الساعۃ التی یستجاب فیہا الدعاء یوم الجمعۃ، ج:3، ص:114 رقم الحدیث:1430)

حضرت آدم علیہ السلام کا وصال مبارکہ جمعہ کے دن ہوا

حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار ہے اور باقی دنوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے ہاں عظمت والا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی عظمت عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر سے بھی بڑھ کر ہے۔

اسی دن پانچ خصلتیں پائی جاتی ہیں۔

اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا گیا

اور اسی دن انہیں وفات دی گئی۔

اور اسی دن میں ایک ساعت ایسی ہوتی ہے جس میں بندہ اللہ تعالیٰ سے جو بھی سوال کرے وہ اسے عطا فرماتا ہے جب تک کہ وہ کسی حرام چیز کا سوال نہ کرے۔ اور اس دن قیامت برپا ہوگی کوئی مقرب فرشتہ، آسمان، زمین، ہوا، پہاڑ اور سمندر ایسا نہیں جو جمعہ کے دن سے نہ ڈرتا ہو۔

(ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا، باب فی فضل الجمعۃ: ج:1،ص:344، رقم الحدیث:1084)

حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے غسل دیا

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ غسل دیا اور انہیں کفن پہنایا اور ان کے لئے لحد تیار کی اور انہیں سپرد خاک کیا گیا۔

اور فرشتوں نے یہ کہا

اے اولادِ آدم علیہ السلام! یہ تمہارے مردوں (کی تدفین میں) میں تمہاری سنت ہوگی۔

(طبرانی فی معجم الاوسط: ج:9،ص:105، رقم الحدیث:9259)

فرشتوں نے طاق بار غسل دیا

اور ایک روایت میں آپ (حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ) ہی سے مروی ہے کہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب حضرت آدم علیہ السلام وصال فرماگئے تو فرشتوں نے انہیں طاق بار غسل دیا اور ان کے لئے لحد تیار کی۔

اور کہا کہ

یہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی سنت ہے۔

(طبرانی فی معجم الاوسط: ج:9،ص:105 رقم الحدیث:9259)

حضرت آدم علیہ السلام کا مزار انور منیٰ میں ہے

تفسیر نعیمی میں ہے۔

جب حضرت آدم علیہ السلام کا وقت آخر آیا۔ آپ علیہ السلام کو جنتی میوے کھانے کی خواہش ہوئی۔

اپنے فرزندوں سے کہا

کعبہ معظمہ میں جاؤ اور وہاں دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ میری یہ تمنا پوری کرے۔ فرزندان ارجمندان حضرت آدم علیہ السلام کا حکم کر وہاں پہنچے انہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام و دیگر فرشتے ملے جن سے انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی فرمائش کا حال

بیان کیا۔

فرشتوں نے کہا:

ہمارے ساتھ آؤ ہم جنت کے میوے اپنے ساتھ لائے ہیں۔ چنانچہ یہ سب حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچے حضرت حوا علیہا السلام ان فرشتوں کو دیکھ کر ڈرنے لگیں اور چاہا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دامن میں چھپ جائیں۔

انہوں نے فرمایا:

حوا (علیہا السلام) اب تم مجھ سے الگ رہو۔ میرے اور رب عزوجل کے قاصدوں کے درمیان آڑ نہ بنو۔ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی روح قبض کر لی۔

اور ان کے بیٹوں سے کہا کہ

جس طرح ہم آپ کے والد (محترم) کا کفن دفن کریں ویسے ہی تم بھی کیا کرنا حضرت جبرائیل علیہ السلام جنت کی مرکب خوشبو اور جنتی حلے کا کفن اور بہشتی بیری کے کچھ پتے اپنے ساتھ لائے تھے ان کو خود غسل دیا اور کفن پہنایا اور خوشبو ملی اور ملائکہ ان کا لاشہ مبارکہ کعبہ معظمہ میں لائے اور ان پر سارے فرشتوں نے نماز جنازہ ادا کی جس میں حضرت جبرائیل علیہ السلام امام تھے اور سارے فرشتے مقتدی اور اس نماز میں چار تکبیریں کہیں جیسے کہ آج ہوتی ہیں۔ پھر کعبہ معظمہ میں تین میل کے فاصلہ پر مقام منیٰ میں لے گئے جہاں کہ حاجی قربانی کرتے ہیں اور اسی جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کی وہاں مسجد خیف کے قریب بغلی قبر کھودی گئی اور ان کو دفن کر کے ان کی قبر کو اونٹ کی بیٹھ کی طرح ڈھلوان بنایا۔

بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ

ان کے لاشہ مبارک کو ان کی اولاد میں سے ڈیڑھ سو آدمی خانہ کعبہ میں لائے لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام کی قبر منیٰ میں مسجد خیف کے پاس ہے اور حضرت حوا علیہا السلام کی قبر جدے شریف میں اسی طرح تفسیر عزیزی میں حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول: ص: 305 تا 306 نعیمی کتب خانہ لاہور)

زمانہ آدم علیہ السلام سے بیری کے پتوں سے غسل دینے کا ثبوت

حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے بیری کے پتوں سے غسل دیا اور بیری کے پتوں سے غسل دینا زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے ہے۔

زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے کفن دینے کا ثبوت

جب حضرت آدم علیہ السلام اس دنیا فانی سے اپنے خالق حقیقی کو جا ملے تو فرشتوں نے غسل دینے کے بعد آپ علیہ السلام کو کفن بھی دیا تو معلوم ہوا کہ کفن دینے کا رواج حضرت آدم علیہ السلام سے ہی پایا جاتا ہے۔

زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے لحد تیار کرنے کا ثبوت

جب حضرت آدم علیہ السلام کی روح مبارکہ فرشتوں نے قبض کی تو آپ علیہ السلام کے دفن کے لئے لحد بھی تیار کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ لحد کا تیار کرنا زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے پایا جاتا ہے۔

زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے دفن کا ثبوت

جب فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کا جنازہ ادا فرمالیا تو آپ علیہ السلام کو مٹی میں لحد بنا کر دفن (سپرد خاک) کر دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دفن کرنے کا ثبوت حضرت آدم علیہ السلام سے ہی ثابت ہے۔

زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے نماز جنازہ ادا کرنے کا ثبوت

جب فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو غسل دے دیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نمازِ جنازہ ادا فرمانے کے لئے امام بنے اور باقی تمام فرشتے مقتدی بنے اور یوں حضرت جبرائیل علیہ السلام کی اقتداء میں نماز جنازہ ادا فرمائی گئی جس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ ادا کرنے کا ثبوت حضرت آدم علیہ السلام سے ہے۔

زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے قبر کو اونٹ کی پیٹھ کی طرح ڈھلوان بنانے کا ثبوت

جب حضرت آدم علیہ السلام کی روح مقدسہ قبض کی گئی تو فرشتوں نے آپ علیہ السلام کی قبر مبارکہ اونٹ کی پیٹھ کی طرح ڈھلوان بنائی۔

جس سے معلوم ہوا کہ قبر کو اونٹ کی پیٹھ کی طرح ڈھلوان بنانا حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ مقدس سے ثابت ہے۔

زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے میت کو خوشبو ملنے کا ثبوت

جب فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو غسل دے دیا تو آپ علیہ السلام کو کفن پہنا کر خوشبو ملی گئی جس سے معلوم ہوا کہ میت کو خوشبو ملنا حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ مقدسہ سے ثابت ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات پر سات دن مخلوق روتی رہی

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات پر سات دن مخلوق روتی رہی۔

تاریخ دمشق میں ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کی پر جب وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا۔

اے بیٹو! میں جنت کے پھلوں کی خواہش کر رہا ہوں۔ وہ جنت کے پھل ڈھونڈنے چلے گئے۔ ان کے سامنے سے فرشتے آئے۔ ان کے پاس کفن اور خوشبو تھی اور کدالیں اور پھاوڑے تھے۔

انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں سے کہا

تم کیا تلاش کرر ہے ہو

انہوں نے کہا:

ہمارا باپ محترم بیمار ہے ہم اس کے لئے جنت کے پھل ڈھونڈ رہے ہیں

فرشتوں نے کہا:

واپس جاؤ! تمہارے باپ کا وقت پورا ہو چکا ہے۔ فرشتے آئے تو حضرت حواء علیہا السلام نے ان کو پہچان لیا۔ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس گئیں۔

حضرت آدم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا

مجھ سے دور رہو۔ تمہاری وجہ سے میں فتنہ میں مبتلا ہوا تھا۔ مجھے اور میرے رب عزوجل کے فرشتوں کو تنہا چھوڑ دو۔ پھر فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی روح قبض کر لی۔ ان کو غسل دیا اور ان کو کفن پہنایا اور ان کے جسم پر خوشبو لگائی اور ان کے لئے قبر کھود کر لحد بنائی۔ ان پر نماز جنازہ پڑھی۔ پھر ان کی قبر میں اترے اور ان کو قبر میں داخل کیا اور قبر پر کچی اینٹیں رکھیں پھر ان کی قبر سے نکلے اور ان کی قبر کو مٹی سے پر کر دیا۔

پھر کہا

اے آدم علیہ السلام کے بیٹو! یہ تمہارے لئے کفن دفن کا طریقہ ہے۔

عطاء خراسانی نے بیان کیا ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات پر سات دن تک مخلوق روتی رہی۔

(مختصر تاریخ دمشق ج:4، ص:226 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے برزخ میں مباحثہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام میں مباحثہ ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

اے آدم علیہ السلام! آپ علیہ السلام ہمارے باپ ہیں۔ آپ علیہ السلام نے ہمیں نامراد کیا اور جنت سے نکال دیا۔

ان سے حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

اے موسیٰ علیہ السلام تم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے ساتھ سرفراز کیا اور اپنے دست قدرت سے تمہارے لئے تورات

ہیں۔ کیا تم مجھے اس کام پر ملامت کر رہے ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کرنے سے چالیس سال پہلے میرے متعلق مقدر کر دیا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

پھر حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غلبہ پا گئے۔

(صحیح البخاری: ج:7، رقم الحدیث: 6614)

حضرت آدم و حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان عرصہ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے عرض کیا

یا رسول اللہ علیہ وسلم کیا حضرت آدم علیہ السلام نبی تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہاں اور انہیں (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) سکھایا گیا اور اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام فرمایا۔

اس شخص نے عرض کیا

حضرت آدم و حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان کتنا عرصہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دس صدیاں

اس شخص نے عرض کیا

حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان کتنا عرصہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دس صدیاں

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل کتنے رسل عظام تھے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تین سو پندرہ کا ایک جم غفیر تھا۔ (مستدرک: ج:2، ص:288 رقم الحدیث: 3039)

اور ابو القاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے پوچھا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا حضرت آدم علیہ السلام نبی تھے۔

ارشاد فرمایا

ہاں

اس نے پوچھا:

ان کے اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان کتنا عرصہ ہے۔

ارشاد فرمایا

بیس صدیاں

اس نے پوچھا:

حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے درمیان کتنا عرصہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دس صدیاں

اس نے پوچھا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! رسول کتنے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تین سو پندرہ

(مختصر تاریخ دمشق ج:4، ص:225 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تک زمانہ

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان زمانہ فترت چھ سو سال ہے۔

(جامع البیان ج:6، ص:228 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان دس صدیاں ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان سترہ صدیاں ہیں۔

(تفسیر منیر: ج:6، ص:140 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے پوچھا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا حضرت آدم علیہ السلام نبی تھے۔

ارشادفرمایا

ہاں

اس نے پوچھا:

ان کے اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان کتنا عرصہ ہے۔

ارشادفرمایا

بیس صدیاں

اس نے پوچھا:

حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

دس صدیاں

اس نے پوچھا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! رسول کتنے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

تین سو پندرہ

(مختصر تاریخ دمشق: ج:4، ص:225 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تک چھ ہزار تین سو سال کا زمانہ ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی چالیس ہزار اولاد تھی

تفسیر عزیزی میں ہے کہ

آپ علیہ السلام کی اولاد بیٹے پوتے وغیرہ آپ علیہ السلام کی موجودگی میں چالیس ہزار تک پہنچ چکے تھے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول، ص:313 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قابیل کا ہابیل کو قتل کرنے کا ارادہ

قابیل نے ہابیل کو قتل کرنے کا جب ارادہ کیا تو ان دونوں میں مباحثہ ہوا تو ہابیل نے قابیل کو کہا کہ اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو میں اپنا ہاتھ تمہیں قتل کرنے کے لئے آگے نہیں بڑھاؤں گا کیونکہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ○

(المائدہ:28)

اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ تیری طرف بڑھانے والا نہیں ہوں۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

اس کریمہ میں بسط کے معنی ہیں پھیلانا

اس لئے بستر کو بساط کہتے ہیں کہ وہ پھیلایا جاتا اور بچھایا جاتا ہے یہاں ہاتھ بڑھانا مراد ہے۔ دونوں جگہ قتل کے لئے ہاتھ بڑھانا مراد ہے یعنی اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو میں اس کے جواب میں تجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہ بڑھاؤں گا بلکہ اگر تجھے قتل کئے بغیر میرا بچاؤ نہ ہوسکا تو اپنے بچاؤ کے لئے تجھے قتل نہ کروں گا بلکہ خود قتل ہوجاؤں گا تا کہ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مظلوم مقتول ہو کر پیش ہوں غرضیکہ یہاں اپنے بچاؤ کی نفی نہیں ہے بلکہ قتل قابیل کے لئے ہاتھ اٹھانے کی ہے لہٰذا آیت واضح ہے کیونکہ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ○ یعنی میرا ہاتھ نہ اٹھانا کسی کمزوری و بزدلی کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف خوف خدا عزوجل کے لئے ہابیل عمر میں قابیل سے بڑے تھے اور طاقت اور قوت میں بھی زیادہ اگر ہابیل ہاتھ اٹھاتے تو قابیل یقیناً مارا جاتا شاید اس قتل میں آپ سے کچھ زیادتی ہوجاتی۔ اس لئے آپ نے ہاتھ نہ اٹھایا۔

اگلی آیت میں ہے۔

ارشاد فرمایا گیا

اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَ اِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ○ (المائدہ: 29)

میں چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ تیرے ہی ذمہ ہو اور تو جہنمیوں سے ہوجائے اور یہی ظالموں کی سزا ہے۔

☆

اس آیت کریمہ میں قابیل کو قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہ اٹھانے کی دوسری وجہ کا ذکر ہے۔

(1) ایک وجہ یہ تھی کہ خوف خدا عزوجل

(2) دوسری وجہ یہ ہے کہ ...

اقرار کرنا، لوٹنا، رجوع کرنا

یہاں آخری معنی میں ہے چونکہ انسان کا اصل وطن آخرت ہے۔ دنیا تو ایک سفر کی منزل ہے۔ وہاں سے دنیا میں آیا ہے ہی جانا ہے اس لئے وہاں جانے کو رجوع بوء یعنی لوٹنا واپس ہونا کہا جاتا ہے۔

اثمی

اثمی میں مضاف پوشیدہ ہے اصل میں اثم قتلی تھا یہاں گناہ کی نسبت ہابیل کی طرف بسببیت کی نسبت ہے نہ کہ فاعلیت کی ... سے مراد قابیل کے پیچھے گناہ ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کا حکم نہ ماننا

ناجائز نکاح کا ارادہ کرنا

ہابیل کے قتل کا ارادہ کرنا

پھر قتل کے بعد مرتد ہو جانا

گانا، بجانا، باجے تاشے ایجاد کرنا وغیرہ

اور ہو سکتا ہے کہ اثمی سے مراد ہابیل کے سارے گزشتہ گناہ ہوں۔

حدیث مبارکہ میں ہے کہ

ظالم قاتل پر مقتول کے گناہ لاد دیئے جائیں گے۔ لہٰذا آیت واضح ہے یعنی میں چاہتا ہوں کہ میں ظالم نہ بنوں۔ مظلوم بنوں تاکہ تو قیامت میں میرے تمام گناہوں کا بوجھ اٹھا لے اور اپنے گناہوں کا بھی۔

فتکون من اصحب النار

یہ عبارت ان تبوء پر مرتب ہے۔

اصحاب النار سے مراد ہے دائمی دوزخی ہو جانا۔ جو کافروں کے لئے ہوگا یا تو قابیل اس وقت ہی مرتد ہو چکا تھا نبی کے ... کو غلط سمجھنے کی وجہ سے یا آئندہ مرتد ہونے والا تھا۔ اس لئے ہابیل نے یہ کہا

وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝

ظاہر یہ ہے کہ یہ کلام بھی ہابیل کا ہی ہے جو انہوں نے قابیل سے کہا ظالمین سے مراد مرتدین یا قاتلین ہیں۔ ذالک سے ... گزشتہ سزاؤں کی طرف ہے۔ اپنے اور دوسرے کے گناہ لے کر لوٹنا دائمی دوزخی ہونا اور ہو سکتا ہے کہ یہ فرمان رب تعالیٰ کا ... خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو۔ یعنی اے محبوب ظالموں، قاتلوں، مرتدوں کی یہی سزا ہے۔

خلاصہ پچھلی آیات کریمہ کا

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان حاسدین، بے وفا معاندین، یہودیوں کو یا اپنی امت کو یا تمام لوگوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل و قابیل کا سچا واقعہ پڑھ کر سنا دو جبکہ دونوں میں ایک لڑکی اقلیمہ کے متعلق اختلاف ہوا تو حضرت آدم علیہ السلام کے حکم سے قرعہ اندازی کے طریقہ پر دونوں نے بارگاہ الٰہی عزوجل میں اپنی اپنی قربانیاں پیش کیں۔ اس طرح کہ ہابیل نے تو اعلیٰ درجہ کا دنبہ نہایت خوش دلی نیک نیتی سے اور قابیل نے اپنے کھیت کے گندم کی ردی بالیاں نہایت بددلی سے ایک پہاڑ پر رکھ دیں چنانچہ ہابیل کی قربانی تو قبول ہوگئی کہ غیبی آسمانی آگ ان کے دنبہ کو جلا گئی یا اٹھا لے گئی اور قابیل کی قربانی رد ہوگئی کہ اس کی ردی بالیاں ویسے ہی پڑی رہیں تو قابیل بجائے توبہ کرنے کے حسد کی آگ سے اور بھڑک گیا۔

بولا کہ

اے ہابیل میں تجھے قتل کروں گا تا کہ تو اقلیمہ سے نکاح نہ کر سکے۔

ہابیل نے کہا:

اس قربانی کے رد ہونے میں میرا کیا قصور ہے میں حق پر ہوں بے قصور ہوں۔ اخلاص سے میں نے قربانی پیش کی۔ نیک نیت میں تھا اور تو ناحق پر تھا، قصور مند ہوں، قربانی میں نہ تجھے اخلاص نصیب ہوا۔ نہ نیک نیتی لہٰذا تو فاسق ہے۔ فاسق کی قربانی قابل قبول نہیں۔ اللہ تعالیٰ متقیوں پرہیزگاروں کی قربانیاں قبول کرتا ہے۔

اے قابیل سن لے! اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا کیونکہ میں خدا عزوجل سے ڈرتا ہوں۔ قاتل کی سزا رب تعالیٰ کے یہاں بہت ہی سخت ہے۔ سن لے میں بزدل یا کمزور نہیں ہوں تجھ سے عمر میں بڑا بھی ہوں۔ طاقت میں زیادہ بھی مگر میں چاہتا ہوں کہ میں تیرے گناہ لے کر رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر نہ ہوں بلکہ تو میرے قتل کا گناہ اور اپنے باقی سارے گناہ لے کر یا میرے سارے گناہ اور اپنے سارے گناہ لے کر بارگاہ الٰہی عزوجل میں حاضر ہو تو دوزخی ہو جاؤ۔ مجھے اللہ تعالیٰ گناہوں سے بچا لے۔ خیال رکھ کہ تو مجھے قتل کرنے میں ظالم ہوگا اور ظالم کی سزائیں ہیں جو میں نے تجھے سنائیں اب بھی ہوش اور اپنے برے ارادے سے باز آ جا۔ گزشتہ تمام گناہوں سے توبہ کر لے تاکہ پاک و صاف رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری دے سکے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:6، ص:360 تا 362 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قابیل کا اپنی بہن سے شادی کرنے کا منصوبہ

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس اور دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان بیان کرتے ہیں کہ

حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں جب اولاد ہوتی تو ایک ساتھ ایک بچہ اور بچی پیدا ہوتی۔ ایک حمل سے لڑکا پیدا ہوتا اس کا نکاح وہ دوسرے حمل سے پیدا ہونے والی لڑکی کے ساتھ کر دیتے اور اس حمل کی لڑکی سے دوسرے حمل کے لڑکے کا

تھی کہ ان کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے۔ قابیل اور ہابیل۔ قابیل زراعت کرتا تھا اور ہابیل مویشی پالتا تھا۔ قابیل کے جولڑکی پیدا ہوئی تھی وہ اس لڑکی سے بہت خوبصورت تھی۔ جو ہابیل کے ساتھ پیدا ہوئی تھی۔ قابیل بڑا تھا اور ہابیل چھوٹے تھے۔ قاعدہ کے مطابق ہابیل نے قابیل کی بہن سے نکاح کرنا چاہا لیکن قابیل نے انکار کیا۔

اس نے کہا:

یہ میری بہن ہے اور میرے ساتھ پیدا ہوئی ہے اور یہ تمہاری بہن سے زیادہ خوبصورت ہے اور میں اس سے نکاح کرنے کا زیادہ حق دار ہوں۔

ابن اسحاق کی روایت میں ہے۔

قابیل نے کہا:

ہم دونوں جنت میں پیدا ہوئے ہیں اور تم دونوں زمین پر پیدا ہوئے ہو اور میں اپنی بہن کا زیادہ حق دار ہوں۔

حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا:

اے میرے بیٹے یہ تمہارے لئے حلال نہیں ہے۔ قابیل نے حضرت آدم علیہ السلام کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

تب حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا:

اے میرے بیٹو! تم دونوں قربانی پیش کرو۔ تم میں سے جس کی قربانی قبول ہوگئی وہ اس کے ساتھ نکاح کا حق دار ہوگا۔ ہابیل نے ایک کنواری بکری کی قربانی پیش کی اور قابیل نے گندم کی قربانی پیش کی پھر اللہ تعالیٰ نے ایک سفید آگ کو بھیجا اس نے ہابیل کی قربانی کو کھالیا اور ہابیل کی قربانی کو ترک کر دیا۔ اس پر قابیل غضب ناک ہوگیا۔

اور ہابیل سے کہا

تم کو ضرور قتل کروں گا ورنہ تم میری بہن سے نکاح نہ کرنا

ہابیل نے کہا:

اللہ تعالیٰ متقین سے قربانی قبول کرتا ہے۔

(جامع البیان: ج:6 ص:256 تا 257)

ظلم سہنے پر راضی ہوگیا

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی لکھتے ہیں

حضرت عبداللہ بن عمر اور جمہور مفسرین نے کہا ہے:

ہابیل، قابیل سے زیادہ طاقتور تھے لیکن انہوں نے گناہ سے بچنے کے لئے مقابلہ نہیں کیا۔ انہوں نے کسی موحد سے قتال میں حرج سمجھا اور ظلم سہنے پر راضی ہوگئے تاکہ ان کو آخرت میں جزا دی جائے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اسی

طرح کیا تھا جب کہ کسی انسان کا اپنے نفس کے لئے مدافعت کرنا جائز ہے۔

ایک قول یہ ہے:

ہابیل سوئے ہوئے تھے۔قابیل نے ایک بھاری پتھر مار کر ان کو ہلاک کر دیا۔

(الجامع الاحکام القرآن، ج:3،ص:99 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ہابیل نے گناہ سے بچنے کے لئے مقابلہ نہیں بلکہ انہوں نے کسی موحد سے قتال کرنے میں ح

سمجھا اور ظلم سہنے پر راضی ہو گئے۔

میرا اور تیرا گناہ تیرے ذمہ لگنے کی توجیہ

ہابیل کے اس قول کی توجیہ کہ میرا اور تیرا گناہ تیرے ذمہ لگے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ روایت کرتے ہیں۔

احنف بن قیس بیان کرتے ہیں کہ

میں اس شخص حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی مدد کے لئے روانہ ہوئے، میری حضرت ابوبکرہ سے ملاقات ہوئی۔

انہوں نے پوچھا:

کہاں کا ارادہ ہے۔

میں نے کہا:

میں اس شخص کی مدد کے لئے جا رہا ہوں۔

انہوں نے کہا:

واپس جاؤ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب دو مسلمان تلواروں سے م

کرتے ہیں تو قاتل اور مقتول دوزخ میں جائیں گے۔

میں نے عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو قاتل ہے مقتول کا کیا سبب ہے۔

آپ نے فرمایا

وہ بھی تو اپنے حریف کے قتل پر حریص تھا۔

(صحیح البخاری: ج:1، رقم الحدیث:31)

گویا کہ ہابیل نے یہ ارادہ کیا کہ میں تمہارے قتل پر حریص نہیں ہوں پس وہ گناہ جو میرے حریص ہونے کی صور

مجھے لاحق ہوتا۔ میرا ارادہ ہے کہ وہ بھی تم کو لاحق ہو کیونکہ صرف تم میرے قتل پر حریص ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے کہا:

ہم میں مفلس وہ ہوتا ہے جس کے پاس نہ پیسے ہوں اور نہ سامان ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نمازیں، روزے اور زکوٰۃ لے کر آئے اور اس نے کسی کو گالی دی ہو۔ کسی پر تہمت لگائی ہو اور کسی کا مال کھایا ہو اور کسی کا خون بہایا ہو اور کسی کو مارا ہو تو اس کو اس کی نیکیوں میں سے دیا جائے گا۔ اور اگر ان کے حقوق پورے ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں تو ان کے گناہ اس شخص پر ڈال دیئے جائیں گے پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2581)

اس حدیث کے اعتبار سے ہابیل کے قول کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ جب تم مجھے قتل کرو گے تو تمہاری نیکیاں مجھے مل جائیں اور پھر بھی حق پورا نہ ہوا تو میرے گناہ تم پر ڈال دیئے جائیں گے۔ سو تم میرے اور اپنے گناہوں کے ساتھ لوٹو گے اور دوزخ میں ڈال دیئے جاؤ گے۔

نیز قرآن مجید میں ہے:

وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ (العنکبوت: 13)

اور وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ کئی اور بوجھ

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا تو اس کے خون (کے گناہ) کا ایک حصہ پہلے ابن آدم پر ہو گا کیونکہ وہ شخص ہے جس نے قتل کو ایجاد کیا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3335)

ابو الحسن بن کیسان سے سوال کیا گیا۔

ایک مسلمان یہ ارادہ کس طرح کر سکتا ہے کہ اس کا بھائی گناہ گار ہو اور دوزخ میں داخل ہو جائے۔

انہوں نے کہا:

ہابیل نے یہ ارادہ اس وقت کیا تھا جب قابیل ان کی طرف قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھا چکا تھا۔

پھر ان سے سوال کیا گیا

ہابیل نے یہ کیسے کہا! میرے گناہ اور تمہارے گناہ جبکہ انہیں ظلماً قتل کیا گیا تھا اور انہوں نے گناہ نہیں کیا تھا۔

انہوں نے اس کا جواب دیا کہ

میرے قتل کا گناہ اور تمہارا وہ گناہ جس کی وجہ سے تمہاری قربانی قبول نہیں ہوئی تم ان دونوں کا بوجھ اٹھاؤ گے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ

تم مجھ کو قتل کرنے کا گناہ اٹھاؤ گے اور مجھ پر زیادتی کرنے کا گناہ اٹھاؤ گے۔

(الجامع الاحکام القرآن ج:3، ص:93 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا

قرآن مجید میں ہے:

فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهُ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (المائدہ: 30)

تو اس نے اپنے بھائی کے قتل کا منصوبہ بنایا سو اس کو قتل کر دیا اور وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا۔

اس جملہ میں ف صرف تعقیب کے لئے ہے فوراً کے معنٰی میں نہیں کیونکہ قتل ہابیل کا واقعہ قربانی کے واقعہ سے کچھ عرصہ بعد ہوا۔ فوراً نہ ہوا۔ جیسے فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا میں فانتبذت کی ف صرف تعقیب کے لئے ہے۔ طوعت ہے۔ طوع سے، طوع کے معنی ہیں خوشی، فرمانبرداری اور سہل و آسان کر دینا اسی سے ہے اطاعت اس سے ہے۔

طوعاً و کرہاً یہاں یا تو خوش کر دینے کے معنٰی میں ہے یا آسان کر دینے کے معنٰی ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ

اولاً قابیل کو ہابیل کا قتل بہت ہی گراں معلوم ہوا

کیونکہ بڑا جرم تھا اور اس سے پہلے کبھی دنیا میں قتل انسانی نہ ہوا تھا مگر اس کے نفس امارہ نے اسے سمجھا بجھا کر یہ کام ا[سے] سہل کر دیا۔ اس پر اسے راضی و خوش کر لیا۔ اب بھی بڑا گناہ کرتے وقت پہلے ہچکچاہٹ ہوتی ہے پھر دلیری یہاں اسی کا [ذکر] ہے۔

لہ کا مرجع قابیل ہے۔ نفس سے مراد اس کا نفس امارہ ہے۔ اخ سے مراد قابیل ہے کیونکہ ہابیل اگرچہ قابیل کا دینی بھا[ئی] نہ رہا تھا مگر نسبی بھائی تھا...... اخ فرمانے میں بھی قابیل کی برائی ہے کہ بھائی بھائی پر مہربان بلکہ اس کا قوت بازو ہوتا ہے مگر [یہ] اپنے بھائی کا قاتل بن گیا یعنی اولاً قابیل کو ہابیل کے قتل میں تردد اور ہچکچاہٹ رہی۔ اتنے بڑے کام کی ہمت نہ کرتا تھا مگر [اس] کے نفس امارہ نے آخر کار اس کو اس قتل پر راضی کر لیا۔ دلیر کر دیا کہ اپنے بھائی کے باوجود بے قصور ہونے کے باوجود بھائی ہو[نے]

قتل کر دے۔

فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۝ (المائدہ: 30)

قابیل کو قتل کرنے کی ترکیب نہیں آتی تھی کیونکہ آج دنیا میں پہلا قتل ہو رہا تھا۔ ابلیس جانور کی شکل میں قابیل کے سامنے آیا اس کے پنجہ میں ایک اور جانور تھا۔ اس نے اس جانور کا سر پتھر پر رکھ کر دوسرے پتھر سے کچل دیا۔ جس سے وہ جانور مر گیا تب قابیل کو قتل کرنے کا طریقہ آیا چنانچہ ایک دن ہابیل اپنے جانور کسی پہاڑی پر چرا رہے تھے۔ دوپہری میں کسی سایہ دار درخت میں سو گئے۔ قابیل نے بڑا وزنی پتھر ان کے سر پر مارا جس سے ان کا سر کچل گیا اور وہ فوت ہو گئے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ 6، ص: 366 نعیمی کتب خانہ لاہور)

ہابیل کے قتل کرنے کی حالت

امام ابن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ ابن جریج نے بیان کیا کہ جس وقت ہابیل بکریاں چرا رہا تھا تو قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔ قابیل، ہابیل کے پاس گیا اور اس کو یہ سمجھ نہیں آسکا کہ وہ اس کو کس طرح قتل کرے۔ اس نے ہابیل کی گردن مروڑ دی اور اس کے سر کے بالوں کو پکڑ لیا تب شیطان آیا۔ اس نے کسی جانور یا پرندے کو پکڑا اس کا سر ایک پتھر پر رکھا پھر دوسرا پتھر اس کے سر پر دے مارا۔ قابیل دیکھ رہا تھا۔ اس نے بھی اسی طرح ہابیل کو قتل کر دیا۔

امام ابن جریر نے کہا ہے:

صحیح یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے یہ خبر دی ہے کہ ابن آدم نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا اور یہ خبر نہیں دی کہ اس نے کس کیفیت سے قتل کیا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کیفیت کا بیان فرمایا سو ہمیں اتنا ہی یقین رکھنا چاہیے جتنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے۔

(جامع البیان: جز: 6، ص: 30، 31 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو اور جمہور مفسرین نے کہا ہے:

ہابیل، قابیل سے زیادہ طاقتور تھے لیکن انہوں نے گناہ سے بچنے کے لئے مقابلہ نہیں کیا۔ انہوں نے کسی موحد سے قتال کرنے میں حرج سمجھا اور ظلم سہنے پر راضی ہو گئے تا کہ ان کو آخرت میں جزا دی جائے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اس طرح کیا تھا جب کہ کسی انسان کا اپنے نفس کے لئے مدافعت کرنا جائز ہے۔

ایک قول یہ ہے:

ہابیل سوئے ہوئے تھے۔ قابیل نے ایک بھاری پتھر مار کر ان کو ہلاک کر دیا۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج: 3، ص: 99 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ابلیس کا قتل کرنے کا طریقہ دکھانا

قابیل کو قتل کرنے کی ترکیب نہیں آتی تھی کیونکہ آج دنیا میں پہلا قتل ہو رہا تھا۔ ابلیس جانور کی شکل میں قابیل کے سامنے آیا اس کے پنجہ میں ایک اور جانور تھا۔ اس نے اس جانور کا سر پتھر پر رکھ کر دوسرے پتھر سے کچل دیا جس سے وہ جانور مر گیا۔ تب قابیل کو قتل کرنے کا طریقہ آیا۔ چنانچہ ایک دن ہابیل اپنے جانور کسی پہاڑی پر چرا رہے تھے دوپہری میں کسی سایہ دار درخت میں سو گئے۔ قابیل نے بڑا وزنی پتھر ان کے سر پر مارا جس سے ان کا سر کچل گیا اور وہ فوت ہو گئے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ 6، ص: 366 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قیامت تک کے مقتولوں کا گناہ ابن آدم پر

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا تو اس کے خون کا ایک حصہ پہلے ابن آدم پر کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کو ایجاد کیا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 1677)

اس حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا تو اس کے خون کے گناہ کا ایک حصہ پہلے ابن آدم پر ہو گا کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کو ایجاد کیا۔ اس حدیث مبارکہ سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص کسی برائی کا موجد ہو تو قیامت تک اس برائی کرنے والوں کے گناہ میں اس کا بھی حصہ ہو گا۔ اسی طرح شیطان وہ پہلا شخص ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ حضرت آدم علیہ السلام پر حسد کیا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے تکبر کیا تو قیامت تک نافرمانی کرنے والوں اور حسد اور تکبر کرنے والوں کے گناہوں میں شیطان کو بھی حصہ ہو گا اسی طرح جو شخص دین میں کسی بدعت سیئہ کو نکالے۔ جیسے رافضیوں نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو برا کہنے اور ماتم کرنے کو ایجاد کیا اور اس کو دین میں داخل کر لیا اور کار ثواب قرار دیا۔ ان کا بھی یہی حال ہے اور جس نے اسلام میں کسی اچھے اور پسندیدہ طریقہ کی ابتداء کی تو قیامت تک اس نیک کام کرنے والوں کی نیکیوں میں اس کا حصہ ہو گا جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمضان کی تمام راتوں میں باجماعت تراویح کی ابتداء کی اور اس میں قرآن مجید پڑھوانے کا اہتمام کیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن خطیب کے سامنے دی جانے والی اذان سے پہلے لوگوں کو متنبہ کرنے کے لئے ایک اذان کا اضافہ کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مسجد میں محراب بنانے کی ابتداء کی۔ حجاج بن یوسف نے قرآن مجید پر اعراب لگائے۔ اور اذانوں کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی ابتداء 781ھ میں سلطان صلاح الدین ابوالمظفر یوسف بن ایوب کے امر سے ہوئی۔ اس سے پہلے ایک بادشاہ کے بھانجے پر سلام پڑھا جاتا تھا۔

السلام علی لامام الظالم

سلطان المظفر نے یہ سلسلہ موقوف کرایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے طریقہ کو شروع کرایا۔ علامہ ابن حجر مکی علامہ علاؤ الدین حصکفی، علامہ طحطاوی اور شامی نے اس کو بدعت قرار دیا۔ یہ تمام نیکی کے کام ہیں اور ہر نیکی ایجاد کرنے والوں کو قیامت تک کی جانے والی نیکیوں اور ہر برائی ایجاد کرنے والے کو قیامت تک کی جانے والی برائیوں میں سے حصہ ملتا رہے گا۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے اسلام میں نیک طریقہ ایجاد کیا اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا اس کے لئے بھی اس پر عمل کرنے والوں کی مثل اجر لکھا جائے گا اور ان کے اجروں میں سے کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے اسلام میں کسی برے طریقہ کو ایجاد کیا اور اس کے بعد اس پر عمل کیا گیا اس کے لئے بھی اس پر عمل کرنے والوں کی مثل گناہ لکھا جائے گا اور ان کے گناہوں میں سے کوئی کمی نہ ہوگی۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2674)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ نصیحت کی مجھے تم پر جس چیز کا سب سے زیادہ خوف ہے وہ گمراہ کرنے والے آئمہ ہیں۔

(مسند احمد: ص: 411 طبع قدیم بیروت)

تاہم ہر برائی کی ابتداء کرنے والے کو بعد کے عمل کرنے والوں کی مثل گناہ اس وقت ہوگا جب وہ اس گناہ سے توبہ نہ کرے اور اگر وہ اس گناہ کی توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام پر اعتراض نہیں ہوگا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے باوجود انسانوں میں سے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کی کیونکہ قرآن مجید نے خود شہادت دی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام بھول گئے تھے۔

فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (طٰہٰ: 115)

سو وہ بھول گئے اور ہم نے ان کی نافرمانی کا قصد نہیں پایا۔ اس کے باوجود حضرت آدم علیہ السلام نے توبہ کر لی تھی اور بھولنے والے اور توبہ کرنے والے سے مواخذہ نہیں ہوتا۔ البتہ حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے توبہ کرنے والے ہیں اور توبہ کرنے والے تابعین کے عمل سے ان کو حصہ ملتا رہے گا۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حسد سنگین نفسانی مرض ہے۔ اس حسد کی

وجہ سے قابیل نے ہابیل کے ساتھ خونی رشتہ کا لحاظ نہیں کیا اور اپنے سگے بھائی کو قتل کر دیا۔

قتل عمد پر اللہ تعالیٰ کا غضب

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

انہوں نے کہا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ بتایئے کہ میرا کسی کافر شخص سے مقابلہ ہو وہ مجھ سے قتال کرے اور تلوار سے میرا ایک ہاتھ کاٹ ڈالے پھر وہ مجھ سے بچنے کے لئے ایک درخت کی آڑ میں آئے اور کہے میں اللہ تعالیٰ کے لئے اسلام لے آیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں اس کلمہ پڑھنے کے بعد اس کو قتل کر سکتا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کو قتل مت کرو۔

میں نے عرض کیا

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ میرا ایک ہاتھ کاٹ چکا ہے اور اس نے میرا ہاتھ کاٹنے کے بعد کلمہ پڑھا ہے۔ کیا میں اس کو قتل کر دوں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کو مت قتل کرو اگر تم نے اس کو قتل کر دیا تو وہ تمہارے قتل کرنے سے پہلے والے درجہ میں ہوگا اور تم اس کے کلمہ پڑھنے سے پہلے والے درجہ میں ہوں گے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 95)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل کی بہ نسبت پوری دنیا کا زوال زیادہ آسان ہے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 1400)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر تمام آسمان اور زمین والے کسی ایک مومن کے قتل میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو جہنم میں اوندھے منہ ڈال دے گا۔ (سنن ترمذی: رقم الحدیث: 1402)

امام احمد بن حنبل متوفی 241ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ

ایک شخص نے ان کے پاس آکر کہا یہ بتایئے کہ ایک آدمی نے کسی شخص کو عمداً قتل کیا اس کی سزا کیا ہوگی۔

انہوں نے کہا:

اس کی سزا جہنم ہے وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

یہ وہ آیت ہے جو سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ (النساء:93)

حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے ظاہری پردہ فرما گئے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی نازل نہیں ہوگی۔

اس نے کہا:

یہ بتایئے اگر وہ توبہ کرلے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرلے پھر وہ ہدایت یافتہ ہو جائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔

اس کی توبہ کیسے ہوگی؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اس شخص کی ماں اس پر روئے جس نے کسی مسلمان کو عمداً قتل کر دیا۔ وہ مقتول اپنے قاتل کو دائیں یا بائیں جانب سے پکڑے ہوئے آئے گا اور دائیں یا بائیں ہاتھ سے اس نے اپنا سر پکڑا ہوگا اور عرش کے سامنے اس کی رگوں سے خون بہہ رہا ہوگا۔

وہ شخص کہے گا۔

اے میرے رب عزوجل! اپنے اس بندہ سے پوچھ اس نے مجھے قتل کیوں کیا تھا۔

(مسند احمد: ج:1، رقم الحدیث:2142 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اور جب کوئی مسلمان سلام کرے اور تم راستے میں جا رہے ہو یا جہاد پر جا رہے ہو تو اس کو قتل نہ کیا جائے۔

ہاں خوب تحقیق کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک جماعت کے ساتھ اضم (مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام) روانہ کیا۔ اس جماعت میں ابوقتادہ بن ربعی اور محلم بن جثامہ بھی تھے۔ ہم روانہ ہو گئے حتیٰ کہ جب اضم میں پہنچ گئے تو ہمارے پاس س عامر اتجعی گزرا ہوا جو ایک اونٹ پر اپنا سامان رکھے ہوئے جا رہا تھا اور اس کے پاس ایک دودھ کا مشکیزہ بھی تھا۔ جب وہ ہمارے پاس سے گزرے تو اس نے ہم کو سلام کیا۔ ہم نے اس کو کچھ نہیں کہا اور محلم بن جثامہ نے اس پر حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا اور اس کا

اونٹ اور اس کا سامان چھین لیا۔ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بیان کیا تو ہما
متعلق قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

ترجمہ: اے ایمان والو! جب اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے جاؤ خوب تحقیق کرلیا۔ اور جو تم کو سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے۔ الایۃ

(النساء:94)

(مسند احمد: ج:9، رقم الحدیث:23927 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

بنو سلیم کا ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے بکریاں چراتے ہوئے گزرا۔ اس نے سلام کیا۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے کہا:

اس نے صرف اپنی جان بچانے کے لئے ہم کو سلام کیا ہے۔ انہوں نے اس کو پکڑ کر قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لے کر
کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (النساء:94)

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:4591)

امام ابن جریر طبری نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ

یہ آیت قبیلہ غطفان کے ایک شخص مرداس کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غالب لیثی کی قیاد
میں ایک لشکر فدک کی طرف روانہ کیا ان کو وہاں مرداس غطفان کے لوگوں کے ساتھ ملا، مرداس کے ساتھی بھاگ گئے۔

مرداس نے کہا:

بخدا میں مومن ہوں اور میں تمہارا پیچھا نہیں کر رہا تھا۔ پھر صبح کو سواروں کی ایک اور جماعت آئی۔ مرداس نے ان کو سلا
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام علیہم الرضوان نے اس کو قتل کر دیا اور اس کا مال و متاع لوٹ لیا اس موقع
....نازل ہوئی۔ (النساء:94)

(جامع البیان، ج:4، ص:303 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قتل خطا

قرآن مجید میں ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ...... الخ (النساء: 92)

ترجمہ: اور کسی مومن کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے مومن کو قتل کر دے ماسوا خطا کے اور جس نے کسی
مسلمان کو خطا کے طور پر قتل کر دیا تو اس پر ایک مسلمان گردن کو آزاد کرنا لازم ہے اور اس کے وارثوں کو دیت ادا کی

جائے ماسوا اس کے کہ وہ معاف کر دیں پھر اگر وہ مقتول اس قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے اور وہ مسلمان ہو تو صرف ایک گردن کا آزاد کرنا لازم ہے اور اگر وہ (مقتول) اس قوم سے ہو جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے تو اس کے وارثوں کو دیت ادا کی جائے اور ایک مسلمان گردن کو آزاد کیا جائے سو جو شخص (غلام یا باندی) کو نہ پائے تو وہ مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ ہے اور اللہ تعالیٰ بہت علم والا بڑی حکمت والا ہے۔

☆

اس آیت کے شان نزول میں متعدد اقوال ہیں۔

ایک قول یہ ہے:

جنگ احد میں مسلمانوں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد یمان کو غلط فہمی سے قتل کر دیا تھا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

جنگ احد کے دن مشرکین شکست کھا گئے تھے اسی وقت ابلیس لعنت اللہ علیہ نے چلا کر کہا

اے اللہ عزوجل کے بندو! اپنے پیچھے والوں پر حملہ کرو پھر اگلی صفوں نے پچھلی صفوں پر حملہ کیا اور وہ آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ اچانک حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ مسلمان حضرت یمان رضی اللہ عنہ پر حملہ کر رہے ہیں۔

انہوں نے چلا کر کہا

یہ میرے باپ ہیں۔ یہ میرے باپ ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا

بہ خدا وہ اُس وقت تک باز نہیں آئے جب تک کہ انہوں نے حضرت یمان کو قتل نہیں کر دیا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:3065)

دوسرا قول یہ ہے:

بنو عامر کا ایک شخص مسلمان ہو گیا تھا۔ حضرت عیاش بن ابی ربیعہ کو اس کی خبر نہ تھی۔ انہوں نے غلط فہمی سے اس کو قتل کر دیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے حضرت عیاش بن ابی ربیعہ، ابو جہل بن ہشام کے اضافی (سوتیلے) بھائی تھے۔ وہ مسلمان ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کرنے سے پہلے مہاجرین اولین کے ساتھ مدینہ چلے گئے۔ ابو جہل، حارث بن ہشام اور ان کے ساتھ بنو عامر کا ایک اور شخص تھا۔ یہ ان کو لینے مدینہ پہنچ گئے۔

عیاش سے ان کی ماں بہت محبت کرتی تھی۔

انہوں نے کہا:

تمہاری ماں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک تم کو دیکھ نہ لے گی سائے میں نہیں بیٹھے گی۔ وہ دھوپ میں لیٹتی ہے تم جا کر اپنی ماں کو دیکھ لو پھر واپس چلے جانا اور انہوں نے قسمیں کھا کر یقین دلایا کہ وہ ان کو واپس مدینہ پہنچا دیں گے۔ جب وہ مدینہ کی حدود سے باہر آئے تو انہوں نے حضرت عباس کو باندھ لیا اور بنو عامر کے شخص نے ان کو کوڑے مارے۔ اس پر انہوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ عامری کو قتل کر دیں گے پھر وہ کافی عرصہ تک مکہ میں قید رہے اور فتح مکہ کے دن آزاد ہوئے۔ ایک دن ان کے سامنے سے عامری آ رہا تھا۔ وہ مسلمان ہو چکا تھا۔ حضرت عیاش کو اس کے اسلام لانے کا علم نہیں تھا۔ انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(جامع البیان: جز: 5، ص: 277 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ واحدی نیشاپوری متوفی 468ھ نے لکھا ہے کہ

حضرت عیاش بن ابی ربیعہ نے غلط فہمی سے حارث بن زید کو قتل کیا تھا۔ ان کے گمان میں وہ کافر تھا۔ ان کو اس کے اسلام لانے کی خبر نہیں تھی۔

(الوسیط ج: 2، ص: 93، 94 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابن الاثیر شیبانی متوفی 630ھ نے لکھا ہے کہ

حارث بن زید مکہ میں مسلمانوں کو ایذاء پہنچایا کرتا تھا۔ وہ مسلمان ہو گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو اس کے اسلام لانے کی خبر نہ تھی حتیٰ کہ جب وہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچا تو عیاش بن ربیعہ نے اس کو قتل کر دیا۔

(اسد الغابہ: ج: 1، ص: 394)

ابن زید بیان کرتے ہیں کہ

حضرت ابو الدرداء کسی لشکر کے ساتھ جا رہے تھے وہ قضاء حاجت کے لئے ایک گھاٹی میں اترے تو انہوں نے ایک شخص کو دیکھا وہ اپنی بکریوں کو لے جا رہا تھا۔ انہوں نے اس پر تلوار سے حملہ کیا۔

اس نے کہا:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

حضرت ابو الدرداء نے اس کو قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لے کر اپنے اصحاب کرام علیہم الرضوان کے پاس آ گئے پھر ان کے دل میں اضطراب ہوا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھا۔ اس نے تم کو اپنی زبان سے اسلام لانے کی خبر دی اور تم نے اس کی تصدیق نہیں کی۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اب میرا کیا ہوگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا الٰہ الا اللہ کا کیا ہوگا۔

میں بار بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی عرض کرتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے حتیٰ کہ میں نے تمنا کی کاش یہ واقعہ میرے اسلام لانے سے پہلے ہوتا۔

(جامع البیان: ج:5، ص:278 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

چوتھا سعید بن جبیر کا ہے۔

انہوں نے کہا:

یہ آیت حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے غلط فہمی سے مرداس بن عمر کو خطاءً قتل کر دیا

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر میں بھیجا۔ ہم صبح کے وقت جہینہ کے ایک مقام حرقات میں پہنچے۔ میں نے ایک شخص کو پکڑ لیا۔

اس نے کہا:

لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ

میں نے اس کو نیزہ مار کر مار دیا۔ پھر مجھے اضطراب ہوا تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا اس نے لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ دیا تھا پھر تم نے اس کو قتل کیا۔

میں نے عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس نے حملہ کے خوف سے لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھا حتیٰ کہ تمہیں معلوم ہو جاتا کہ اس نے دل سے کہا تھا یا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

بار بار یہ کلمات فرماتے رہے۔ حتیٰ کہ میں نے تمنا کی کہ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 4201)

قتل خطا کی اقسام

قتل خطا کی دو صورتیں ہیں۔

ایک صورت یہ ہے کہ

فعل میں خطا ہو جائے مثلاً انسان ایک ہرن کا نشانہ لے رہا تھا اور گولی کسی انسان کو لگ گئی۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ

مقدس خطا ہو، قتل کرنے والے کا گمان یہ تھا کہ وہ شخص کافر ہے اور وہ درحقیقت مسلمان تھا۔ قتل خطا کی دوسری قسم قتل مقام خطا ہے۔ مثلاً ایک انسان کے ہاتھ سے اینٹ یا لکڑی گر گئی جس سے دوسرا شخص ہلاک ہو گیا۔ اس کا حکم بھی قتل خطا کی طرح ہے۔ اس میں مقتول ہے ورثاء کو دیت ادا کی جائے گی اور ایک غلام یا باندی کو آزاد کر دیا جائے گا۔

اور ایک قتل بالسبب ہے۔

مثلاً ایک شخص نے دوسرے کی ملکیت میں کنواں کھودا جس میں کوئی شخص گر کر ہلاک ہو گیا یا کوئی شخص کسی سواری پر سوار اور اس سواری نے کسی شخص کو ہلاک کر دیا۔ اس میں صرف عاقلہ پر دیت ہے۔
(عالمگیری: ج:6، ص:3 مطبوعہ مصر)

آج کل ٹریفک کے حادثات میں کار، ٹرک یا بس کے نیچے آ کر جو لوگ ہلاک ہو جاتے ہیں وہ بھی قتل بالسبب ہیں۔

دیت کا معنی

وہ مال جو مقتول کے ورثاء کو مقتول کی جان کے عوض میں دیا جاتا ہے۔ اس کو دیت کہتے ہیں۔ اگر مسلمان مقتول قرابت دار کافر ہوں تو ان کو دیت نہیں دی جائے گی کیونکہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا۔ مسلمان مقتول کے جو وارث مسلمان ہوں ان کو دیت ادا کی جائے گی۔

علامہ فیروز آبادی متوفی 817ھ نے لکھا ہے کہ

دیت کا معنی ہے مقتول کا حق
(القاموس: ج:4، ص:579)

اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے۔

کسی مسلمان یا ذمی کو ناحق قتل کرنے یا اس کے کسی عضو کو ناحق تلف کرنے کی وجہ سے جو شرعاً مالی تاوان لازم آتا ہے دیت کہتے ہیں اور بعض اوقات جان کے تاوان کو دیت اور عضو کے تاوان کو ارش کہتے ہیں۔

قتل خطا، قتل شبہ عمد اور قتل عمد کی دیت کی مقدار

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل خطا کی دیت یہ مقرر کی ہے۔ایک سال کی بیس اونٹنیاں، ایک سال کے بیس اونٹ، دو سال کی بیس اونٹنیاں، تین سال کی بیس اونٹنیاں اور چار سال کی بیس اونٹنیاں۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 1391)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک قتل خطا کی دیت اسی طرح ہے جس طرح اس حدیث میں بیان کی گئی ہے اور قتل شبہ عمد (یعنی کسی شخص کو ایسے آلہ سے ضرب لگائی جائے جس سے قتل نہیں کیا جاتا اور اس کا قصد صرف ضرب لگانا ہو قتل کرنا نہ ہو لیکن اس ضرب کے نتیجہ میں مضروب مرجائے) کی دیت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ ہے کہ پچیس ایک سال کی اونٹنیاں پچیس دو سال کی اونٹنیاں، پچیس تین سال کی اونٹنیاں اور پچیس چار سال کی اونٹنیاں۔

(فتاویٰ عالمگیری: ج:6، ص:24 مطبوعہ مصر)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے کسی مومن کو عمداً قتل کیا اس کو مقتول کے ورثاء کے حوالہ کر دیا جائے گا اگر وہ چاہیں تو اس کو قتل کر دیں اور اگر وہ چاہیں تو اس سے دیت وصول کرلیں۔

قتل عمد کی دیت یہ ہے۔

تین تین سال کی اونٹنیاں، تین چار کی اونٹنیاں اور چالیس پانچ سال کی اونٹنیاں اس کے علاوہ جس مقدار پر وہ صلح کرلیں۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 1393)

امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک قتل خطا کی دیت میں ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم بھی دیئے جاسکتے ہیں۔

(ہدایہ اخیرین ص:585 مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان)

دیت کی ادائیگی کی مدت

امام ابوعیسیٰ ترمذی متوفی 279ھ لکھتے ہیں:

تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ دیت تین سال میں لی جائے گی ہر سال میں تہائی دیت وصول کی جائے گی اور قتل خطاء کی دیت عاقلہ پر ہے۔باپ کی طرف سے جو رشتہ دار ہیں وہ عاقلہ ہیں۔یہ امام مالک اور امام شافعی کا قول ہے۔

بعض آئمہ نے کہا:

دیت صرف ان مردوں پر ہے جو عصبات ہوں، عورتوں اور بچوں پر دیت نہیں ہے اور ہر شخص پر چوتھائی دیت دینا لازم کی

جائے گی۔

بعض آئمہ نے کہا:

نصف دینار تک دیت لازم کی جائے گی۔ اگر ان رشتہ داروں سے دیت پوری ہو جائے تو فبہا ورنہ جو قریب ترین قبیلے کے لوگ ہیں ان پر دیت لازم کی جائے گی۔

(سنن ترمذی: ج:3،ص:95 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک، عمد، شبہ عمد اور خطا تینوں کی دیت کی ادائیگی کی مدت تین سال ہے اور جمہور فقہاء کے نزدیک دیت العمد معجّل ہے اور باقی دیت تین سال میں ادا کی جائے گی۔

(بدایۃ المجتہد ج:2،ص:307)

عورت کی نصف دیت ہے

عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً مروی ہے کیونکہ عورت کا مال اور اس کی منفعت مرد سے کم ہے، عورت کے اعضاء اور اطراف کی دیت بھی مرد کی دیت کا نصف ہے۔

(ہدایہ اخیرین، ص:585 مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔

(سنن کبریٰ: ج:8،ص:95 مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

امام ابوحنیفہ از حماد از ابراہیم روایت کرتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

عورت کے تمام زخموں کی دیت مردوں کے زخموں کی دیت کا نصف ہے۔

(کتاب الآثار ص:126 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

امام مالک بن انس اصبحی متوفی 179ھ فرماتے ہیں۔

سر کی چوٹ اور دیگر جن زخموں کی تہائی یا اس سے زیادہ دیت ہوتی ہے۔ ان میں عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔

(موطا امام مالک: رقم الحدیث:1607)

علامہ قرطبی مالکی متوفی 668ھ نے لکھا ہے کہ

اس پر علماء کا اجماع ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن ج:5،ص:325)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی 676ھ لکھتے ہیں:

عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے اور عورت کے اعضاء اور زخموں کی دیت بھی مردوں کی دیت کا نصف ہے۔

(روضۃ الطالبین:ج:9،ص:257 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

علامہ ابوالحسن علی بن سلیمان مرداوی حنبلی متوفی 885ھ لکھتے ہیں:

عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(الانصاف:ج:10،ص:63 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قتل عمد

قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِیْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِیْمًا○ (النساء: 93)

اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ عزوجل کا غضب ہوگا اور اللہ اس پر لعنت کرے گا اور اللہ نے اس کے لئے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عمداً مسلمان کو قتل کرنے پر دوزخ کی وعید سنائی ہے۔ اس لئے قتل عمد کی تعریف کو جاننا ضروری ہے۔

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی 483ھ لکھتے ہیں:

قتل عمد وہ قتل ہے جس میں جان نکالنے کے لئے ہتھیار سے ضرب لگائی جائے اور جان غیر محسوس ہے پس وہ جان نکالنے کے لئے ایسے ہتھیار کو استعمال کرے گا جو زخم ڈالنے والا ہو اور بدن کے ظاہر اور باطن میں موثر ہو۔

(المبسوط:ج:26،ص:59 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

امام ابوبکر احمد بن علی رازی حصاص حنفی متوفی 370ھ لکھتے ہیں:

امام اعظم ابوحنیفہ کی اصل کے مطابق جس قتل کو ہتھیار یا ہتھیار کے قائم مقام کے ساتھ کیا جائے وہ قتل عمد ہے۔ مثلاً بانس کھپچی یا لاٹھی کے ٹکڑے یا کسی اور ایسی دھار والی چیز کے ساتھ قتل کردے جو ہتھیار کا کام کرتی ہو یا آگ سے جلا دے۔ امام کے نزدیک یہ تمام قتل عمد کی صورتیں ہیں اور ان میں قصاص واجب ہے اور ہمارے علم کے مطابق ان صورتوں کے قتل عمد ہونے میں فقہاء کا اختلاف نہیں ہے۔

(احکام القرآن ج:2،ص:228 مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

احادیث مبارکہ میں تلوار اور پتھر سے قتل کرنے کو قتل عمد قرار دیا ہے۔

چنانچہ حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت نعمان بن بشر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تلوار کے علاوہ ہر چیز خطاء ہے اور ہر خطاء کا ایک تاوان ہے۔

(مسند احمد: ج:6، رقم الحدیث: 18451)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک یہودی نے ایک لڑکی پر حملہ کیا اور اس کے جسم سے زیورات اتار لئے اور اس کے سر کو پتھر سے کچل دیا۔ اس لڑکی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ اس وقت اس میں آخری رمق حیات تھی اور اس کی گویائی ختم ہو گئی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا:

تم کو کس نے قتل کیا ہے۔ کیا فلاں شخص نے؟ اس کے قاتل کے سوا کسی اور کا نام لیا۔

اس نے سر کے اشارہ سے کہا

نہیں

پھر ارشاد فرمایا

فلاں شخص اور اس کے قاتل کا نام لیا۔

اس نے سر کے اشارے سے کہا

ہاں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلانے کا حکم دیا اور دو پتھروں کے درمیان اس کے سر کو کچل دیا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5295)

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ تلوار ہو، پتھر ہو یا کوئی اور دھار دار چیز ہو یا ہتھیار ہو۔ اس سے قتل کرنا عمد ہے، بندوق، کلاشنکوف، پستول وغیرہ بھی اسی میں داخل ہیں۔

قتل عمد پر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غضب

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل کی بہ نسبت پوری دنیا کا زوال زیادہ آسان ہے۔

(سنن نسائی: رقم الحدیث: 3998)

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

انہوں نے کہا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ بتایئے کہ میرا کسی کافر شخص سے مقابلہ ہو وہ مجھ سے قتال کرے اور تلوار سے میرا ایک ہاتھ کاٹ ڈالے پھر وہ مجھ سے بچنے کے لئے ایک درخت کی آڑ میں آئے اور کہے میں اللہ تعالیٰ کے لئے اسلام لے آیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں اس کے کلمہ پڑھنے کے بعد اس کو قتل کر سکتا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کو قتل مت کرو۔

میں نے عرض کیا

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ میرا ایک ہاتھ کاٹ چکا ہے اور اس نے میرا ہاتھ کاٹنے کے بعد کلمہ پڑھا ہے کیا میں اس کو قتل کروں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کو مت قتل کرو اگر تم نے اس کو قتل کر دیا تو وہ تمہارے قتل کرنے سے پہلے والے درجہ میں ہوگا اور تم اس کے کلمہ پڑھنے سے پہلے والے درجہ میں ہوں گے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 95)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر تمام آسمان اور زمین والے کسی ایک مومن کے قتل میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو جہنم میں اوندھے منہ ڈال دے گا۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 1402)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے ان کے پاس آ کر کہا یہ بتایئے کہ ایک آدمی نے کسی شخص کو عمداً قتل کیا اس کی سزا کیا ہوگی۔

انہوں نے کہا:

اس کی سزا جہنم ہے وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور اللہ تعالیٰ نے

اس کے لئے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

یہ وہ آیت ہے جو سب سے آخر میں نازل ہوئی (النساء:93)

حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے ظاہری پردہ فرما گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی نازل نہیں ہوئی۔

اس نے کہا:

یہ بتایئے اگر وہ توبہ کر لے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے پھر وہ ہدایت یافتہ ہو جائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

اس کی توبہ کیسے ہوگی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ اس شخص کی ماں اس پر روئے جس نے کسی مسلمان کو عمداً قتل کر دیا وہ مقتول اپنے قاتل کو دائیں یا بائیں جانب سے پکڑے ہوئے آئے گا اور دائیں یا بائیں ہاتھ سے اس نے اپنا سر پکڑا ہوگا اور عرش کے سامنے اس کی رگوں سے خون بہہ رہا ہوگا۔

اور وہ شخص کہے گا۔

اے میرے رب عزوجل اپنے اس بندہ سے پوچھ اس نے مجھے کیوں قتل کیا تھا۔

(مسند احمد: ج:1، رقم الحدیث:2142 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قابیل نے قتل عمد کیا تھا

قابیل نے ہابیل کو قتل عمد کیا تھا کیونکہ اس نے قصداً پتھر اٹھا کر ہابیل کا سر پھوڑ دیا تھا اور یوں وہ دنیا میں سب سے پہلا قاتل تھا۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک یہودی نے ایک لڑکی پر حملہ کیا اور اس کے جسم سے زیورات اتار لئے اور اس کے سر کو پتھر سے کچل دیا۔ اس لڑکی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ اس وقت اس میں آخری رمق حیات تھی اور اس کی گویائی ختم ہو گئی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا

تم کو کس نے قتل کیا ہے۔ کیا فلاں شخص نے؟ اس کے قاتل کے سوا کسی اور کا نام لیا۔

اس نے سر کے اشارہ سے کہا

نہیں۔

پھر ارشاد فرمایا

فلاں شخص اور اس کے قاتل کا نام لیا۔

اس نے سر کے اشارہ سے کہا

ہاں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلانے کا حکم دیا اور دو پتھروں کے درمیان اس کے سر کو کچل دیا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 1674)

امام ترمذی نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قیامت کے دن مقتول قاتل کو پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر لائے گا۔

درآنحالیکہ اس کی رگوں سے خون بہہ رہا ہوگا۔

وہ کہے گا کہ

اے میرے رب عزوجل! اس نے مجھے قتل کیا تھا حتیٰ کہ اس کو عرش کے قریب کھڑا کرے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ کے سامنے لوگوں نے توبہ کا ذکر کیا تو انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی

اور فرمایا:

یہ آیت نہ منسوخ ہوئی ہے نہ تبدیل ہوئی ہے۔ اس کی توبہ کہاں سے ہوگی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قریب ہے کہ ہر گناہ کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا۔ سوا اس شخص نے جو کفر پر مرے اور سوا اس شخص کے جو کسی مومن کو عمداً کرے۔

اور روایت میں ہے۔

جو شخص کسی ایک بات سے بھی مومن کے قتل میں تعاون کرے گا۔ قیامت کے دن جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا کی پیشانی پر لکھا ہوگا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہے۔

(در منثور: ج:2، ص:628 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ان احادیث مبارکہ کی رو سے قابیل کا ہابیل کو قتل عمد کرنا ثابت ہوتا ہے کیونکہ قتل عمد کی تعریف یہ ہے کہ جان نکالنے کے ہتھیار سے ضرب لگائی جائے اور جان غیر محسوس ہے پس وہ جان نکالنے کے لئے ایسے ہتھیار کو استعمال کرے گا جو زخم

ڈالنے والا ہو اور بدن کے ظاہر اور باطن میں موثر ہو۔

(المبسوط:ج:26،ص:59 مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت)

قابیل نے ہابیل کو منگل کے دن قتل کیا

قابیل نے ہابیل کو قتل کی دھمکیاں تو قربانی کے واقعہ کے بعد ہی دے دی تھیں مگر حضرت آدم علیہ السلام کے گھر پر موجود ہونے کی وجہ سے اس جرم کی حرکت نہ کر سکا جب حضرت آدم علیہ السلام حج کعبہ کے لئے مکہ مکرمہ گئے اور گھر ان سے خالی رہا تو اس نے ہابیل کو اس طرح قتل کیا جوابھی عرض کیا گیا چونکہ اس زمانہ میں سنہ اور مہینہ یا تو مقرر نہ ہوئے تھے یا مشہور نہ تھے۔ اس لیے یہ پتہ نہیں چلا کہ کس مہینہ اور کس سنہ میں قتل واقع ہوا البتہ احادیث سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ منگل کے دن قتل کا واقعہ ہوا۔

کیونکہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

منگل کا دن خون کا دن ہے کیونکہ اسی دن حضرت حوا علیہا السلام کو حیض آیا اور اسی دن ہابیل کا قتل واقع ہوا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:6،ص:368،369 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت آدم علیہ السلام ہابیل کے قتل کے وقت کعبۃ اللہ حج میں تھے

اس قتل کے وقت حضرت آدم علیہ السلام کعبۃ اللہ کے حج میں تھے۔

آپ علیہ السلام نے وہاں دیکھا کہ بعض درخت خاردار ہو گئے پہلے کسی درخت میں کانٹے نہ ہوتے تھے۔ بعض درختوں کے پھل کھٹے۔ بعض کے پکے ہو گئے۔ پہلے سب کے میٹھے ہوتے تھے۔ زمین کا رنگ گندمی ہو گیا۔ پہلے اس مٹی کا یہ رنگ نہ تھا اسی وقت آپ علیہ السلام سمجھ گئے کہ آج کوئی بڑا حادثہ ہوا ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:6،ص:369 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قابیل نے ہابیل کو کہاں قتل کیا

اس میں اختلاف ہے کہ یہ قتل کہاں واقع ہوا۔

بعض نے فرمایا:

بصرہ میں ہوا

بعض نے فرمایا:

زمین ہند میں

بلکہ بعض نے کہا:

خود مکہ معظمہ میں غار حرا کے پیچھے ہوا اور اس وقت حضرت آدم علیہ السلام طواف کعبہ کر رہے تھے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:6،ص:369 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قتل کے وقت ہابیل کی عمر بیس یا پچیس سال تھی

جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو اس وقت ہابیل کی عمر بیس سال یا پچیس سال تھی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

اس وقت (یعنی قتل کے وقت) ہابیل کی عمر بیس سال یا پچیس سال تھی۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:6،ص:369 نعیمی کتب خانہ لاہور)

اس سے معلوم ہوا کہ قابیل نے ہابیل کو عین جوانی میں قتل کیا اور عین جوانی کا قتل والدین کو رُلا دیتا ہے۔

قتل کے بعد قابیل کا رنگ سیاہ ہو گیا

جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو قتل کے فوراً بعد قابیل کا رنگ سیاہ ہو گیا کیونکہ پہلے قابیل کا رنگ سفید تھا۔ قتل کے بعد سیاہ ہو گیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

قتل کا یہ واقعہ ہوتے ہی قابیل کا رنگ سیاہ ہو گیا۔ پہلے سفید تھا۔ دل نہایت سخت ہو گیا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام گھر آئے تو قابیل سے پوچھا کہ

ہابیل کہاں ہے۔

بولا کہ

میں ہابیل کا محافظ نہ تھا مجھے خبر نہیں کہ وہ کہاں ہے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

معلوم ہوتا ہے کہ تو نے اسے قتل کر دیا ہے ورنہ تو پہلے گورا تھا اب کالا کیوں ہو گیا۔ پہلے زمین خون ایسے ہی چوس لیتی تھی جیسے آج پانی کو چوس لیتی ہے۔ آپ کی اس وقت کی دعا سے زمین نے خون چوسنا جذب کرنا چھوڑ دیا تا کہ آئندہ قتل کا سراغ خون سے لگ سکے۔ آپ علیہ السلام کو قتل ہابیل سے بہت صدمہ ہوا۔ تب آپ علیہ السلام نے بطور مرثیہ کچھ کلمات زبان سریانی میں فرمائے۔

عربی شاعر نے اسے عربی اشعار میں یوں بیان کیا۔

تغیرت البلاد ومن علیہا	فوجہ الارض مغبر قبیح
تغیرت کل ذی لون و طعمہ	وکل بشاشۃ والوجہ الصبیح
ومالی لا اجود بسکب دمع	وھابیل تضمنہ الضریح
اری طول الحیوۃ علی نقما	فھل انا من حیاتی مشریح

یعنی تمام شہر اور شہروں کے لوگ بدل گئے۔ خود زمین مٹیالی رنگ میری ہوگئی۔ ہر رنگ ومزے والی چیز بدل گئی اور

حسین چہروں کی بشاشت جاتی رہی۔ میں آنسو کیوں نہ بہاؤں اور ہابیل کو قبر نے گود میں لے لیا۔ عمر بھر اس کی تکلیف محسوس کروں گا۔ اب مجھے زندگی میں چین نہ آوے گا۔

بعض مفسرین نے فرمایا:

یہ اشعار ہی حضرت آدم علیہ السلام نے کہے مگر تفسیر خازن وروح المعانی وتفسیر کبیر نے اس کا انکار کیا۔

اور فرمایا:

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام شعر نہیں کہا کرتے۔ یہ اشعار تفسیر خازن وروح البیان نے نقل فرمائے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:6،ص:369،370 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت آدم علیہ السلام قتل ہابیل کے بعد کبھی نہیں ہنسے

جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو حضرت آدم علیہ السلام قتل ہابیل کے بعد کبھی نہیں ہنسے اور اس پر آپ علیہ السلام کو بہت صدمہ ہوا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو اس قتل کا اتنا صدمہ ہوا کہ

آپ علیہ السلام بقیہ عمر پھر ہنسے نہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:6،ص:370 نعیمی کتب خانہ لاہور)

اللہ تعالیٰ کا زمین پر کوا کو بھیجنا

جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو قابیل اپنے بھائی ہابیل کی لاش اٹھائے پریشان پھر رہا تھا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے کوے کو زمین پر بھیجا تاکہ قابیل کو دفن کرنے کا طریقہ سکھائے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۞ (المائدہ: 31)

پھر اللہ نے ایک کوے کو بھیجا جو زمین کرید کر رہا تھا تاکہ وہ اسے دکھائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی لاش چھپائے۔ اس نے کہا: ہائے افسوس! میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا پس وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا۔

قابیل چالیس دن ہابیل کی لاش لے کر پھرتا رہا

قابیل نے جب اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا تو قابیل چالیس دن ہابیل کی لاش کو لئے پھرتا رہا۔

تفسیر میں ہے۔

قابیل نے ہابیل کو قتل تو کر دیا مگر یہ نہ جانا کہ اب اس لاش کو کیا کرے۔ اس لئے یہ لاش ایک تھیلے میں ڈال کر چالیس دن اپنے کندھے پر لئے پھرا حیران تھا کہ کیا کرے تب اللہ تعالیٰ نے اس کی تعلیم کے لئے دو کوے بھیجے۔ ایک کوے نے دوسرے کو قتل کر کے اپنی چونچ اور پنجوں سے زمین کرید کر گڑھا کیا اور مردہ کوے کو اس گڑھے میں رکھ کر اوپر سے مٹی ڈال دی۔ تب قابیل کو دفن کرنے کا طریقہ آیا اور اس نے اس ترتیب سے ہابیل کی لاش دفن کی۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: 6، ص: 367 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قابیل نے ہائے افسوس کیوں کہا

قابیل نے ہائے افسوس اِس لئے کہا کہ میں ایسا نا سمجھ و بے وقوف ہوں کہ اس کوے کی طرح بھی مجھ میں سمجھ بوجھ نہ آئی کہ میں کسی طرح ہی اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا اور اس کو زمین میں دفن کر دیتا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

قابیل نے دل میں سوچا یا منہ میں بڑبڑایا کہ ہائے افسوس میں ایسا نا سمجھ و بے وقوف ہوں کہ اس کوے کی طرح بھی مجھ میں سمجھ بوجھ نہ ہوئی کہ میں اس کی طرح ہی اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا، زمین میں دفن کر دیتا، یہ کوا ہی مجھ سے زیادہ سمجھ دار ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: 6، ص: 368 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قابیل کی شرمندگی کوے سے زیادہ سمجھ دار نہ ہونے پر تھی

جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو بہت شرمندہ ہوا اس کی یہ شرمندگی اپنے بھائی ہابیل کو ظلماً قتل کرنے پر نہ تھی بلکہ چالیس دن تک لاش اپنے کندھے پر لئے پھرنا دفن کی ترکیب اور صورت حال نہ جاننے پر تھی اور کوے سے زیادہ سمجھ دار نہ ہونے پر تھی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

قابیل کی یہ شرمندگی اس ظلماً قتل پر نہ تھی بلکہ چالیس دن لاش اپنے کندھے پر لئے پھرنا دفن کی ترکیب نہ جاننا کوے سے بھی زیادہ نا سمجھ ہونا اس پر شرمندگی ہوئی۔ لہٰذا یہ ندامت توبہ نہ تھی بلکہ اپنی حماقت پر افسوس تھا۔ خیال رہے کہ اس وقت قابیل کے کوئی شرمندہ نہ تھا مگر چونکہ آئندہ ایسے لوگ ہونے والے تھے۔ اس لئے نادمین جمع فرمایا گیا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: 6، ص: 368 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قابیل کا اپنی بہن اقلیمہ کو لے کر عدن بھاگ گیا

قابیل نے جب ہابیل کو دفن کر دیا تو اپنی بہن اقلیمہ لے کر شہر عدن بھاگ گیا۔ وہاں اس کی ساری اولاد حرام کی ہوئی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

قابیل اپنی بہن اقلیمہ کو جس کا وہ خواہش مند تھا جو اس کے لئے حرام تھی اسے لے کر عدن بھاگ گیا۔ وہاں ہی اس سے اس کی اولاد حرام کی ہوئی۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:6،ص:370 نعیمی کتب خانہ لاہور)

سب سے پہلے قابیل نے آتش پرستی کی

سب سے پہلے قابیل نے آتش پرستی کی جس کا واقعہ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر، تفسیر نعیمی میں یوں ذکر کیا۔

چنانچہ تفسیر نعیمی میں ہے۔

ایک دن ابلیس نے اس سے کہا کہ

اگر تو آگ کی پرستش کرتا ہوتا تو تیری قربانی کو بھی آگ کھا لیتی۔ ہابیل آگ پوجتا تھا اس لئے آگ نے اس کی قربانی قبول کر لی۔ قابیل نے یہ سن کر آگ کی پرستش شروع کر دی اور سب سے پہلے آتش پرستی قابیل نے ہی کی۔ اسی نے ستار سارنگی گانا باجا ایجاد کیے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:6،ص:370 نعیمی کتب خانہ لاہور)

کوے کا زمین کرید کر قابیل کو طریقہ سمجھانا

امام ابن جریر طبری متوفی 310ھ روایت کرتے ہیں۔

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قابیل ہابیل کو ایک جراب (چرمی تھیلا) میں ڈال کر ایک سال تک اپنے کندھے پر اٹھائے پھرتا رہا اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس لاش سے کس طرح گلو خلاصی حاصل کرے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کرید کر رہا تھا پھر اس نے زمین میں اس مردہ کوے کو دفن کر دیا۔

تب اس نے کہا:

ہائے افسوس! میں اس کوے جیسا بھی نہیں ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔ پس وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا۔

(جامع البیان: ج:6،ص:268 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قابیل کو اولاد کا پتھر مارنا اور ہلاک کر دینا

قابیل جب بوڑھا ہو گیا تو اس کی اولاد اسے پتھر مارا کرتی تھی اور آخر کار اسے ہلاک کر دیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

(قابیل) آخر میں جب بوڑھا ہو گیا تو اس کی اولاد اسے پتھر مارا کرتی تھی۔ آخر اس کے ایک بیٹے نے اسے قتل کر دیا۔

ان پر بڑی ذلت کے ساتھ مرا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:6،ص:370 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قابیل نے ہابیل کا سر کچل کر قتل کیا

قابیل نے جب ہابیل کو قتل کیا تو ہابیل کا سر ایک پتھر سے کچل دیا اور یوں ہابیل کو قتل کیا گیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

قابیل کو قتل کرنے کی ترکیب نہیں آتی تھی کیونکہ آج دنیا میں پہلا قتل ہو رہا تھا۔ ابلیس جانور کی شکل میں قابیل کے سامنے آیا۔ اس کے پنجہ میں ایک اور جانور تھا۔ اس نے اس جانور کا سر پتھر پر رکھ کر دوسرے پتھر سے کچل دیا جس سے وہ جانور گیا۔ تب قابیل کو قتل کرنے کا طریقہ آیا چنانچہ ایک دن ہابیل اپنے جانور کسی پہاڑی پر چرا رہے تھے۔ دوپہری میں کسی سایہ دار درخت میں ہو گئے۔ قابیل نے بڑی وزنی پتھر ان کے سر پر مارا جس سے ان کا سر کچل گیا اور وہ فوت ہو گیا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:6،ص:366 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قابیل کی ندامت

علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

قابیل کا پچھتانا اس کی توبہ نہیں تھی۔

ایک قول یہ ہے:

وہ اس پر افسوس کر رہا تھا کہ اس کے دفن کرنے کے طریقہ کو نہیں جان سکا تھا۔ اس کے قتل کرنے کا افسوس نہیں کیا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

اگر وہ اس کے قتل پر نادم ہوتا تو یہ ندامت توبہ ہو جاتی وہ اس وجہ سے نادم تھا کہ اس قتل سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ماں، باپ، بہن اور بھائی ناراض ہوئے اور مقصود حاصل نہ ہوا یا اس وجہ سے کہ ایک سال تک بھائی کی لاش دفن نہ ہو سکی۔

(الجامع الاحکام القرآن، ج:3،ص:97 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت آدم وحوا علیہما السلام کا ہابیل کی قبر پر کئی دن تک رونا

حضرت آدم، حضرت حوا علیہما السلام ہابیل کی قبر پر کئی عرصہ تک روتے رہے۔

علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ

حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام ہابیل کی قبر پر گئے اور کئی دن تک روتے رہے۔

(الجامع الاحکام القرآن، ج:3،ص:97 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام کا قابیل کے خلاف دعا کرنا

ایک روایت کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل کے خلاف بددعا کی۔

روایت ہے کہ

حضرت آدم و حضرت حوا علیہما السلام ہابیل کی قبر پر گئے اور کئی دن تک روتے رہے پھر قابیل ایک پہاڑ کی چوٹی پر گیا وہاں ایک بیل نے اس کو سینگھ مار کر نیچے گرا دیا اور وہ مر گیا۔

ایک روایت یہ ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام نے اس کے خلاف دعا کی تو وہ زمین میں دھنس گیا۔

ایک قول یہ ہے:

وہ ہابیل کو قتل کرنے کے بعد جنگلوں میں چلا گیا۔ وہ کسی جانور کو بلندی سے زمین پر گرا دیتا اور اس کے مرنے کے بعد اس کو کھالیتا، چوٹ کھانے سے مرا ہوا جانور اس دن سے حرام کر دیا گیا۔

(الجامع الاحکام القرآن، ج:3، ص:97 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قابیل سب سے پہلا جہنمی ہے

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا

بنو آدم میں سے سب سے پہلے جہنم میں جانے والا قابیل ہے۔ اس ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنو آدم میں جو شخص سب سے پہلے فوت ہوا وہ ہابیل تھا۔ اسی وجہ سے قابیل اس کے دفن کرنے کے طریقہ کو نہیں جان سکا۔

(الجامع الاحکام القرآن ج:3، ص:97 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ کا خلاصہ

فقیر نے حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اب آخر میں قارئین کرام کی دلچسپی کے لئے مختصر خلاصہ ذکر کرتا ہوں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی مرحلہ وار تخلیق

ابو القاسم علی بن رکن بن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اپنی پسندیدہ چیز پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق عرش پر مستوی ہوا۔

اور فرشتوں سے فرمایا

میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو مٹی لینے کے لئے زمین پر بھیجا۔

زمین نے کہا:

میں اس بات سے تم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتی ہوں کہ مجھ سے کوئی چیز کم کی جائے یا میری کوئی چیز خراب کی جائے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام لوٹ آئے اور مٹی نہیں لی۔

اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا

یارب عزوجل! اس سے مجھ سے پناہ طلب کی اور میں نے اس کو پناہ دے دی پھر حضرت میکائیل علیہ السلام کو بھیجا۔ اس نے بھی اس طرح کہا وہ بھی لوٹ آئے۔ پھر حضرت عزرائیل علیہ السلام کو بھیجا اس نے ان سے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی۔

انہوں نے کہا:

اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرائے بغیر لوٹ جاؤں۔ انہوں نے زمین ہر خطہ سے مٹی لے کر جمع کی اور اس کو خلط ملط کر دیا۔ اس میں سرخ مٹی بھی تھی اور سفید بھی۔ یہی وجہ ہے کہ بنو آدم مختلف رنگ کے ہیں۔ وہ اس مٹی کو لے کر اوپر چڑھے اور اس کو گیلا کر دیا پھر اس گندھی ہوئی مٹی کو پڑا رہنے دیا حتیٰ کہ وہ سڑ گئی۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ○ (الحجر: 26)

اور بے شک ہم نے انسان کو بجتی ہوئی خشک مٹی سے بنایا جو پہلے سیاہ بدبودار گارا تھی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے بنایا تا کہ ابلیس کو ان سے بڑا نہ سمجھے اور وہ جمعہ کے دن چالیس سال کے عرصہ تک بشر کی صورت میں پتلا بنے ہوئے پڑے رہے۔ فرشتے ان کو دیکھ کر خوف زدہ ہوتے تھے اور ابلیس سب سے زیادہ خوف زدہ ہوتا تھا۔ اس پتلے کو مارنے سے ایسی آواز آتی تھی جیسے مٹکے کو مارنے سے آواز آتی ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ○ (الرحمن: 14)

اس نے انسان کو ٹھیکری کی طرح بجتی ہوئی مٹی سوکھی مٹی سے بنایا۔

ابلیس کہتا تھا

اس کو کس لئے بنایا گیا ہے۔

اس نے فرشتوں سے کہا

اس سے مت ڈرو یہ اندر سے کھوکھلا ہے اگر مجھ کو اس پر مسلط کر دیا گیا تو میں اس کو ہلاک کر دوں گا۔ جب اس میں روح پھونکنے کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

حضرت آدم علیہ السلام ان کے پاس گئے اور کہا

السلام علیکم

انہوں نے کہا:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

پھر حضرت آدم علیہ السلام کے پاس گئے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

انہوں نے کیا کہا حالانکہ اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

اے رب عزوجل! میں نے ان کو سلام کیا

انہوں نے کہا:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اے آدم (علیہ السلام) یہ تمہارا اور تمہاری اولاد کے سلام کرنے کا طریقہ ہے۔

(الدرالمنثور: ج:1، ص:48 مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

جمعہ دن پیدائش

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش جمعہ کے دن ہوئی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوا جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن آپ علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا اور اسی دن آپ علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی اور اسی دن آپ علیہ السلام کی روح قبض کی گئی اور اسی دن قیامت ہوگی۔

(سنن نسائی: کتاب الجمعۃ: باب ذکر الساعۃ ص:113 رقم الحدیث:1430)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار ہے اور باقی دنوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے ہاں عظمت والا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس کی عظمت عید الاضحیٰ اور عید الفطر سے بھی بڑھ کر ہے۔

اسی دن پانچ خصلتیں پائی جاتی ہیں۔

(1) اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا

(2) اور اسی دن انہیں وفات دی

(3) اور اسی دن میں ایک ساعت ایسی ہوتی ہے جس میں بندہ اللہ تعالیٰ سے جو بھی سوال کرے وہ اسے عطا فرما دیتا ہے یہاں تک کہ وہ کسی حرام چیز کا سوال نہیں کرتا۔

(4) اور اسی دن قیامت برپا ہوگی۔

(5) کوئی مقرب فرشتہ، آسمان، زمین، ہوا، پہاڑ اور سمندر ایسا نہیں ہے جو جمعہ کے دن سے نہ ڈرتا ہو۔

(ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیہا: باب فی فضل الجمعہ ص:344، ج:1، رقم:1084)

حضرت آدم علیہ السلام کو اولاد کا دکھانا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو قیامت تک ان کی اولاد کی پیدا ہونے والی روحیں ان کی پشت سے جھڑ گئیں اور ان میں سے ہر انسان کی دونوں آنکھوں کے سامنے نور کی شعاعیں تھیں۔ پھر ان لوگوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کیا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا:

اے میرے رب عزوجل! یہ کون لوگ ہیں۔

ارشاد فرمایا

یہ تمہاری اولاد ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا وہ شخص اور اس کی نور کی شعاعیں انہیں اچھی لگیں۔

پوچھا

اے میرے رب عزوجل! یہ کون شخص ہیں۔

ارشاد فرمایا۔

یہ تمہاری اولاد کے آخری لوگوں میں سے ایک شخص ہے اس کا نام داؤد ہے۔

کہا

اے میرے رب عزوجل تو نے ان کی کتنی عمر مقرر کی ہے۔

ارشاد فرمایا

ساٹھ سال

کہا

اے میرے رب عزوجل! میری عمر میں سے اس کی عمر کے چالیس سال زیادہ کردے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کی ... ہوگئی تو ان کے پاس ملک الموت آئے۔

کہا

کیا میری عمر میں سے ابھی چالیس سال باقی نہیں ہیں۔

انہوں نے کہا:

یہ چالیس سال آپ نے اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دیئے تھے؟

حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کردیا سو ان کی اولاد نے بھی انکار کردیا اور حضرت آدم علیہ السلام بھول گئے۔ سو ان کی اولاد بھی بھول گئی اور حضرت آدم علیہ السلام نے (اجتہادی) خطا کی سو ان کی اولاد نے بھی خطا کی۔

(سنن الترمذی ج:5، رقم الحدیث:3087)

حضرت آدم علیہ السلام کا علم

حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کا علم عطا فرمایا گیا۔

حضرت ابن عباس، عکرمہ، قتادہ اور ابن جبیر رضی اللہ عنہم نے (وعلم ادم الاسماء) کی تفسیر میں یوں بیان فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو چھوٹی بڑی تمام اشیاء کے سب کے نام سکھائے۔

(ضیاء القرآن، عربی، ص:47، ج:1 ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے۔

تفسیر مظہری میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت مجاہد و حضرت قتادہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا

آپ علیہ السلام کو ہر چیز کا علم سکھا دیا۔ یہاں تک کہ پیالہ اور پیالی کا علم بھی سکھا دیا۔

(تفسیر مظہری، ص:59، ج:1 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

اور تفسیر درمنثور میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام نام سکھا دیئے۔

(تفسیر در منثور:ج:1،ص:111 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

اور تفسیر خازن میں ہے۔

آپ علیہ السلام کو ہر چیز کے اسماء کا نام سکھایا گیا۔

(تفسیر خازن:ج:1،ص:44 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

اور تفسیر خازن میں ہے۔

حضرت سعید بن جبیر اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔

آپ علیہ السلام کو ہر چیز کا علم سکھایا گیا۔

(تفسیر ابن کثیر:ج:1،ص:205 مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان)

...توں کا سجدہ کرنا

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرما دیا تو فرشتوں کو حکم دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو تمام ...ں نے سجدہ کیا مگر ابلیس لعین نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ○ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط اِسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ○ (ص: 73، 74)

سب کے سب فرشتوں نے اکٹھے ہو کر سجدہ کیا سوائے ابلیس کے اس نے تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

اس آیت کریمہ میں پہلے فرمایا: فسجد الملائکۃ ،فرشتوں نے سجدہ کیا، الملائکۃ جمع کا صیغہ ہے لیکن اگر چند فرشتے سجدہ کر ...اور سب فرشتے سجدہ نہ کرتے پھر بھی جمع کے صیغہ کا اطلاق درست تھا۔ اس لئے اس کے بعد کلھم فرمایا تا کہ ظاہر ہو کہ سب ...ب فرشتوں نے سجدہ کیا ہے لیکن اگر سب فرشتوں میں سے پہلے کچھ فرشتے سجدہ کرتے اور بعد میں کچھ اور فرشتے سجدہ ...ے اور متفرق اوقات میں سب فرشتے سجدہ کرتے تب بھی یہ بات صادق آتی کہ سب رشتوں نے سجدہ کیا ہے۔ اس لئے ...ے بعد اجمعون فرمایا تا کہ معلوم ہو کہ سب فرشتوں نے اکٹھے ہو کر اور یہ یک وقت سجدہ کیا ہے۔

ابلیس اپنی نوع اور حقیقت کے اعتبار سے جن ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ط (الکھف: 50)

...ہ جنات میں سے تھا سو اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی لیکن چونکہ وہ فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا۔ اس لئے اس کو ...کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس سے پہلے اس کا نام عزازیل اور الحارث تھا۔ بعد میں جب وہ راندہ درگاہ ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی

رحمت سے مایوس ہوگیا تو پھر اس کا نام ابلیس ہوگیا۔ کان من الکافرین کا معنی ہے وہ کافروں میں سے تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ازلی میں وہ کافروں میں سے تھا۔ یہ کان صار کے معنی میں یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے انکار کی وجہ سے وہ کافروں میں سے ہوگیا اور جو فرشتوں سے سجدہ کرایا گیا کون سی قسم کا تھا اس کے بارے میں مفتی احمد یار نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر نعیمی میں یوں فرمایا ہے۔

یہ سجدہ تعظیمی تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کے لئے ہی تھا۔ پہلی شریعتوں میں جائز تھا۔ ہمارے اسلام میں منسوخ ہوگیا اب رب عزوجل کے سوا کسی کو کسی قسم کا سجدہ جائز نہیں۔ یہی قول صحیح ہے اور اس کی قرآنی آیت اور احادیث صحیحہ سے تائید ہوتی ہے۔

(تفسیر نعیمی پارہ اول ص: 287 نعیمی کتب خانہ لاہور)

سجدہ کرنے میں ترتیب کا لحاظ ہے یا نہیں۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں۔

سب سے پہلے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے سجدہ کیا اور سجدہ میں جھکے۔

پھر حضرت میکائیل علیہ السلام

پھر حضرت عزرائیل علیہ السلام

پھر سارے فرشتے (سجدہ کے لئے جھکے)

اس لئے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو سب سے بڑا درجہ عطا فرمایا گیا۔

یعنی خدمت انبیاء کرام علیہم السلام

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ

سب سے پہلے حضرت اسرافیل علیہ السلام نے سجدہ کیا۔ اس لئے ان کی پیشانی پر سارا قرآن لکھ دیا گیا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل ص: 287 نعیمی کتب خانہ لاہور)

سجدہ کتنا عرصہ رہا اور کتنا لمبا رہا۔

بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ

یہ سجدہ ظہر کے وقت سے عصر تک رہا۔

دوسرا قول یہ ہے:

ملائکہ سو برس سجدہ کرتے رہے۔

اور تیسرا قول یہ ہے:

پانچ سو برس تک سجدہ میں رہے۔

ان باتوں کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ

اوّلاً فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا جس کا شیطان نے انکار کیا یہ سجدہ تھوڑی دیر تک رہا۔ پھر انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا کہ شیطان حضرت آدم علیہ السلام کی طرف پیٹھ پھیرے کھڑا ہے تب انہوں سے دوسرا سجدہ کیا اس سجدے کی توفیق کے شکریے میں ادا کیا۔ یہ سجدہ اللہ تعالیٰ کے لئے تھا اور سجدہ شکر تھا پھر جب سر اٹھایا تو انہوں نے دیکھا کہ شیطان پہلے بہت خوبصورت تھا لیکن اب اس کی شکل مسخ ہو کر جسم خنزیر کا سا اور چہرہ بندر کا سا ہو گیا۔ تب انہوں نے ہیبت الٰہی عزوجل سے ایک اور سجدہ کیا۔ یہ تینوں سجدے حضرت آدم علیہ السلام ہی کی طرف تھے مگر تین قسم کے اور ان کی مدتیں علیحدہ علیحدہ۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل: ص:287 تا 288 نعیمی کتب خانہ لاہور)

شیطان کا سجدے سے انکار

اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو تمام ملائکہ عظام نے سجدہ کیا مگر شیطان لعین چونکہ بد بخت تھا۔ اس لئے اس نے سجدے سے انکار کر دیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ○ (بقرہ: 34)

تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا۔

شیطان نے تین وجہوں سے تکبر کیا اور سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

(1) ایک یہ کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں وہ خاک سے آگ خاک سے افضل ہے اور جو افضل سے پیدا ہو وہ بھی افضل لہٰذا میں حضرت آدم علیہ السلام سے افضل ہوں۔

(2) دوسرے یہ کہ میں ہزاروں سال عبادت میں مشغول رہا۔ آدم علیہ السلام نے ابھی کوئی عبادت نہیں کی لہٰذا میں ان سے افضل۔

(3) تیسرے یہ کہ میں نے دنیا میں بڑے بڑے کام انجام دیئے جیسے زمین کو جنات سے خالی کرانا وغیرہ۔ انہوں نے اب تک کوئی مشقت نہ اٹھائی لہٰذا میں ان سے افضل۔ حق تعالیٰ نے میری ناقدری کی اور سالہا سال کا حق خدمت برباد کر دیا۔ اس لئے سجدے سے انکاری ہو گیا۔

(تفسیر نعیمی پارہ اوّل: ص:289 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت آدم علیہ السلام جنت میں

جب سارے فرشتوں نے سجدہ کیا اور شیطان بد بخت و لعین نے انکار کیا کہ میں بشر کو سجدہ کروں ایسا نہیں ہو سکتا تب اللہ

تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں رہنے کا حکم دیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ قُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ○ (البقرہ: 35)

اور ہم نے فرمایا! اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور اس جنت میں سے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ اور اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم حد سے بڑھنے والوں میں شمار ہوں گے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں رکھا اور تمام نعمتیں عطا فرمائیں۔

علامہ ابن عطیہ لکھتے ہیں:

جنت اس باغ کو کہتے ہیں؛ جس کے گرد باڑ ہو جس جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کو رکھا گیا تھا۔

اس میں اختلاف ہے کہ

آیا وہ جنت الخلد تھی یا ان کے لئے کوئی باغ تیار کیا گیا تھا۔

جو یہ کہتے ہیں کہ وہ جنت الخلد نہیں تھی۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ

جو جنت الخلد میں داخل ہو جائے وہ اس لئے نہیں نکلتا اور یہ محال ہے۔

البتہ احادیث مبارکہ میں یہ ہے کہ

جو بطور ثواب کے جنت میں داخل ہوا وہ اس سے نہیں نکلے گا اور جو حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ابتداء جنت میں داخل ہوا اس کا جنت سے نکلنا محال نہیں ہے اور اس کے متعلق احادیث میں یہ نہیں ہے کہ وہ نہیں نکلے گا۔

(المحرر الوجیز ج:1،ص:182 مطبوعہ مکہ مکرمہ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

معتزلہ اور قدریہ کا یہ نظریہ ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو جنت الخلد میں رہنے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ ان کو عدن کے ایک باغ میں رہنے کا حکم دیا تھا۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ

جنت الخلد میں ابلیس نہیں جا سکتا کیونکہ جنت الخلد کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا○ (الواقعہ: 25)

وہ اس میں کوئی بے ہودہ بات نہ سنیں گے نہ گناہ کی بات۔

اور ارشاد فرمایا

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا۝ (النباء: 35)

وہ اس میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے نہ جھوٹی بات۔

اور فرمایا:

لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ۝ (الحجر: 48)

انہیں وہاں نہ کوئی تکلیف پہنچے گی نہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔

وہ کہتے ہیں کہ ابلیس نے جنت میں جھوٹ بولا اور بے ہودہ بات کی اور حضرت آدم وحضرت حوا علیہما السلام کو ان کی معصیت کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

جنت کی یہ صفت اس وقت ہوگی جب قیامت کے بعد لوگ طور جزا کے جنت میں داخل ہوں گے اور یہ جنت دار الخلد ان لوگوں کے لئے ہوگی جن کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ رکھنا چاہے گا اور جن کے لئے موت مقدر کر دی گئی ہے۔ وہ جنت میں داخل ہونے کے بعد اس سے نکل آئیں گے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج جنت میں گئے اور پھر باہر آئے۔

اور حضرت آدم علیہ السلام کے معروف جنت میں داخل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا

آپ علیہ السلام وہ آدم علیہ السلام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور آپ علیہ السلام میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی اور اپنے فرشتوں سے سجدہ کرایا اور آپ علیہ السلام کو اپنی جنت میں رکھا۔ پھر آپ علیہ السلام نے اپنی خطا کی وجہ سے لوگوں کو زمین پر اتارا۔

(صحیح مسلم: ج:2: ص:335)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو دار الخلد میں رکھا۔

(الجامع الاحکام القرآن ج:1، ص:302 مطبوعہ ایران)

میں کہتا ہوں کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو جنت الخلد میں رکھا گیا جس پر نص قرآنی موجود ہے

اور قرآن کی صریح آیت مبارکہ موجود ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ قُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ (بقرہ: 35)

ہم نے کہا: اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت الخلد میں رکھا۔

حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت حوا علیہا السلام کا نکاح مبارک

حضرت آدم علیہ السلام کا نکاح حضرت حوا علیہا السلام سے کس طرح ہوا۔

اور حضرت حوا علیہا السلام کیسے پیدا ہوئیں۔

حافظ ابو القاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر کئی صحابہ کرام علیہم الرضوان سے روایت کرتے ہیں کہ ابلیس کو جنت سے نکالا گیا اور اس پر لعنت کی گئی اور حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں رکھا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں گھبراتے تھے اور ان کی کوئی بیوی نہیں تھی جس سے وہ سکون حاصل کرتے۔ ایک دن وہ سو گئے بیدار ہوئے تو ان کے سرہانے ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی جس کو اللہ عزوجل نے ان کی پسلی سے پیدا کیا تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے ان سے پوچھا

تم کون ہو

اس نے کہا:

میں ایک عورت ہوں۔

آپ علیہ السلام نے پوچھا:

تمہیں کیوں پیدا کیا گیا ہے۔

اس نے کہا:

تا کہ آپ علیہ السلام مجھ سے سکون حاصل کریں۔

فرشتوں نے پوچھا:

اے آدم علیہ السلام! اس کا نام کیا ہے۔

انہوں نے کہا:

اس کا نام حواء ہے۔

فرشتوں نے پوچھا:

آپ علیہ السلام کا نام حوا کیوں رکھا۔

انہوں نے کہا:

کیونکہ یہ حی (زندہ) سے پیدا کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اور ہم نے فرمایا! اے آدم علیہ السلام! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور اس سے فراخی سے کھاؤ جہاں سے چاہو اور تم دونوں اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

(مختصر تاریخ دمشق ج:4، ص:233 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تفسیر نعیمی میں یہ واقعہ اس طرح ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام تنہا زمین پر پھرتے تھے اور ہر جانور کو اپنا غیر جنس دیکھ کر گھبراتے تھے اور تمنا کرتے تھے کہ کاش کوئی میرا ہم جنس ہوتا جس سے مجھے انس حاصل ہوتا دوسرے جمعہ کو حضرت آدم علیہ السلام سو رہے تھے کہ فرشتوں نے ان کی بائیں پسلی چاک کی جس سے انہیں کچھ تکلیف نہ ہوئی اور اس سے آناً فاناً ایک نہایت خوب صورت عورت بنائی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی کی چاک ہوئی پسلی کو ملایا گیا۔ جب وہ بھاگے تو اپنا ہم جنس اپنے پاس بیٹھا ہوا دیکھا۔

پوچھا

تم کون ہو

ندا آئی

یہ ہماری بندی ہے تمہاری وحشت دور کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول، ص:290 نعیمی کتب خانہ لاہور)

جب حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے پاس حضرت حوا علیہا السلام کو موجود پایا تو اسے ہاتھ لگانا چاہا تو حکم ہوا کہ اس کا مہر ادا کرو۔

عرض کیا

اے خالق باری تعالیٰ اس کا مہر کیا ہے۔

ارشاد فرمایا

میرے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر دس بار درود شریف پڑھو (دوسری جگہ سترہ بار درود پڑھنے کا فرمایا، تفسیر نعیمی پارہ:4، ص:50) چنانچہ فرشتوں کی گواہی سے حضرت آدم علیہ السلام کا نکاح ہو گیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے چاہا کہ ان کو ہاتھ لگائیں۔

حکم ہوا کہ

اے آدم علیہ السلام پہلے ان کا مہر ادا کرو پھر ہاتھ لگانا۔

عرض کیا گیا کہ

مولیٰ عزوجل! مہر کیا ہے۔

ارشاد فرمایا

میرے نبی مکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر دس بار درود شریف پڑھو اور فرشتوں کی گواہی سے ان کا نکاح ہوا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل،ص:290 نعیمی کتب خانہ لاہور)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا حضرت حوا علیہا السلام سے نکاح فرشتوں کی گواہی میں ہوا اور جن کا فرشتوں کی گواہی میں نکاح ہوا ہو تو اس متبرک نکاح کی کیا برکتیں ہوں گی اور اس نکاح کا کیا عالم ہوگا۔

حضرت آدم علیہ السلام کو ممنوعہ درخت سے منع کیا جانا

حضرت آدم علیہ السلام کو کس درخت سے منع کیا گیا اور وہ کون سا درخت تھا۔

اس بارے میں علماء کرام کے چند اقوال ہیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

اس میں چار روایتیں ملتی ہیں۔

(1) ایک یہ گیہوں کا درخت تھا اور جنت کا گیہوں بیل کے گردے کے برابر تھا اور شہد سے زیادہ میٹھا اور مکھن سے زیادہ نرم اور لذیذ تھا چونکہ اس گیہوں کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام جنت سے باہر تشریف لائے اسی لئے ان کی اکثر اولاد کا رزق گیہوں قرار دیا گیا اور یہ گیہوں ہی تمام مصیبتوں کی جڑ ہے چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی آزمائش مقصود تھی۔ اس لئے جنت میں اسی وقت یہ درخت تھا آئندہ وہاں صرف پھل فروٹ کے درخت ملیں گے، گندم وغیرہ دانہ کے پودے نہ ہوں گے کیونکہ غذا ہی ہے وہاں غذا کی ضرورت نہیں لذت کے لئے میوے ہوں گے۔

(2) دوسری روایت یہ ہے کہ

وہ درخت انگور تھا اسی لئے دنیا میں انگور کی شراب وغیرہ حرام کی گئی۔

(3) تیسری روایت یہ ہے کہ

وہ درخت انجیر تھا۔ اسی لئے حضرت آدم علیہ السلام اپنے جسم مبارک پر انجیر کے پتے لپیٹ کر جنت سے باہر تشریف لائے۔

(4) چوتھی روایت یہ ہے کہ

وہ کوئی ایسا درخت تھا کہ جس کے کھانے سے پائخانہ کی حاجت ہوتی تھی اور جنت ان گندگیوں سے پاک ہے وہاں سارے کھانے ڈکار سے ہضم ہوتے ہیں۔

تو فرمایا گیا کہ

اب تم وہاں جاؤ جہاں تمہاری ضرورت ہو (رفع حاجت) پوری ہو سکے مگر ان سب میں ترجیح پہلی روایت یعنی گیہوں والی ہے۔

یہی حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل: ص: 296 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت آدم علیہ السلام کو ممنوعہ درخت کھانے سے بھول ہوئی

حضرت آدم علیہ السلام سے بھول ہوئی کہ کون سا درخت ممنوعہ ہے۔

حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا

اے آدم (علیہ السلام) تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جنت سے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ اور اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ اس وقت ابلیس نے ان دونوں کے پاس جنت میں جانے کا ارادہ کیا جنت کے محافظوں نے اس کو جانے نہیں دیا۔ اس وقت سانپ اونٹ کی طرح ایک چوپایہ تھا اور بہت حسین جانور تھا۔

ابلیس نے ان سے کہا:

وہ اس کو اپنے منہ میں رکھ کر جنت میں لے جائے، سو سانپ ابلیس کو اپنے منہ میں رکھ کر چلا گیا اور جنت کے محافظوں کو پتا نہ چلا۔

پھر ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا

کیا میں تم کو ایسا درخت نہ بتاؤں جس کو کھانے کے بعد تم دونوں فرشتوں کی طرح ہو جاؤ گے یا ہمیشہ زندہ رہنے والے ہو جاؤ گے اور تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی۔

اور قسم کھا کر کہا کہ

وہ ان کی خیر خواہی کر رہا ہے حالانکہ اس کا ارادہ یہ تھا کہ ان کا ستر کھل جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کیا تو حضرت حوا علیہا السلام نے آگے بڑھ کر اس درخت سے کھالیا۔

اور حضرت آدم علیہ السلام سے کہا

اے آدم (علیہ السلام) اسے کھالو۔ دیکھو میں نے کھایا ہے مجھے کچھ نہیں ہوا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے اسے کھالیا تو دونوں کی شرم گاہیں کھل گئیں اور وہ درخت کے پتوں سے اپنے اپنے جسموں کو ڈھانپنے لگے۔

(جامع البیان ج: 1، ص: 187 مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

مگر امام عبدالرزاق یوں روایت کرتے ہیں۔

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالٰی نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ کو جنت میں رکھا اور ان کو اس درخت سے منع کیا اس درخت کی شاخیں بہت گھنی تھیں اور فرشتے اپنے دوام اور خلود کے لئے اس درخت سے کھاتے تھے جب ابلیس لعین نے ان کو ورغلانے کا ارادہ کیا تو سانپ کے پیٹ میں داخل ہو گیا۔ اس وقت اونٹ کی طرح سانپ کی چار ٹانگیں تھیں اور وہ اللہ تعالٰی کی مخلوق میں بہت حسین جانور تھا۔ سانپ جنت میں داخل ہوا تو ابلیس اس کے پیٹ سے نکل آیا اور اس نے اس ممنوع درخت سے پھل توڑا اور اسے حضرت حوا علیہا السلام کے پاس لے کر آیا۔

اور ان سے کہا:

یہ دیکھو یہ کیسے درخت کا پھل ہے۔ اس کی خوشبو کیسی عمدہ ہے اس کا کتنا لذیذ ذائقہ ہے اور کتنا حسین رنگ ہے۔ حضرت حوا علیہا السلام نے اس وقت سے کھالیا پھر اس کو حضرت آدم علیہ السلام کے پاس لے کر گئیں۔

اور کہا

دیکھیں اس کی کتنی نفیس خوشبو ہے۔ کتنا لذیذ ذائقہ ہے اور کتنا حسین رنگ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے بھی اسے کھا لیا پھر ان دونوں کی شرم گاہیں کھل گئیں۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام (شرم سے) درخت (کی گھنی شاخوں) میں داخل ہو گئے۔

تو ان کے رب عزوجل نے ندا فرمائی۔

اے آدم (علیہ السلام) تم کہاں ہو؟

انہوں نے کہا:

اے رب عزوجل میں یہاں ہوں۔

ارشاد فرمایا

تم اس سے باہر نہیں آتے۔

عرض کیا

اے اللہ عزوجل مجھے تجھ سے حیاء آتی ہے۔

پھر حضرت حوا (علیہا السلام) سے فرمایا

تم نے میرے بندے کو دھوکا دیا تم کو جب بھی حمل ہوگا تو تم کو تکلیف ہوگی اور جب بھی وضع حمل کا وقت آئے گا تو تمہیں موت کا مزہ آجائے گا۔

اور سانپ سے فرمایا

تم اس ملعون کو اپنے پیٹ میں داخل کر کے لے گئے جس نے میرے بندہ کو دھوکا دیا۔ اب تم پیٹ کے بل چلتے رہو گے اور تمہارا رزق صرف مٹی ہوگی۔ تم بنو آدم کے دشمن رہو گے اور بنو آدم تمہارے دشمن ہوں گے۔ تم ان کو ڈسنے کی کوشش کرو گے اور وہ تم کو پتھروں اور لاٹھیوں سے ہلاک کرنے کی کوشش کریں گے۔

وہب سے کسی نے پوچھا:

کیا فرشتے بھی کھاتے ہیں؟

انہوں نے کہا:

اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

(تفسیر عبدالرزاق: ج:1، ص:316 مطبوعہ دارالمعرفتہ بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام کو شیطان نے لغزش دی

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو ممنوعہ درخت کے پاس جانے سے منع کیا تو شیطان لعین نے حضرت آدم علیہ السلام کو لغزش دی اور حضرت آدم علیہ السلام نے ممنوعہ درخت کو کھالیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا (بقرہ: 36)

، تو شیطان نے انہیں جنت سے لغزش دی۔

شیطان کو جنت سے نکال دیا گیا۔

جب شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جانے سے نکل جانے کا حکم دیا اور شیطان کو جنت سے نکال دیا گیا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ (الاعراف: 13)

فرمایا تو یہاں سے اتر جا تجھے یہاں گھمنڈ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، سو نکل جا بے شک تو ذلیل ہونے والوں میں سے ہے۔

☆

جب ابلیس لعین کا تکبر اور حسد اس کے کلام اور عمل سے ظاہر ہو گیا تو رب تعالیٰ نے اس کے دلائل کا جواب نہیں دیا بلکہ اس سے فرمایا: تو اس نورانی جماعت ملائکہ سے یا جنت آسمانوں سے نیچے اتر جا۔ تجھے ان مبارک مجلسوں، مبارک مقامات پر رہ کر غرور و تکبر کرنا کسی طرح جائز نہیں تھا کہ یہ مجلسیں یہ مقامات تو متواضعین، عجز و انکسار کرنے والوں کے لئے ہیں یہاں متکبر لوگ

نہ آسکتے ہیں نہ رہ سکتے ہیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے لکھا ہے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ

جنت سے اتر جا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلہ میں تکبر کرنے والا یہاں نہیں رہتا۔

(جامع البیان: جز:8،ص:174 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

ایک تفسیر یہ ہے کہ

تو آسمان سے اتر جا کیونکہ آسمان میں رہنے والے وہ فرشتے ہیں جو متواضع ہیں۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ

تو اپنی موجودہ صورت سے دوسری صورت میں منتقل ہو جا کیونکہ تو نے آگ کی صورت پر فخر اور تکبر کیا سو اس کی صورت تاریک اور سیاہ بنادی گئی اور اس کی روشنی اور چمک زائل ہوگئی۔

تیسری تفسیر یہ ہے کہ

زمین سے سمندروں کے جزیروں کی طرف منتقل ہو جا اور اب وہ زمین میں صرف اس طرح ہو سکے گا جس طرح چور داخل ہوتے ہیں۔

(جامع الاحکام القرآن: جز:7،ص:156 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام فخر الدین رازی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ

شیطان جنت عدن میں رہتا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اس جنت میں پیدا کیا گیا تھا اور ابلیس کو اسی جنت سے نکلنے کا حکم دیا گیا تھا۔

(تفسیر کبیر ج:5،ص:210 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام کی زمین پر تشریف آوری

جب حضرت آدم علیہ السلام نے بھول کر ممنوعہ درخت کھالیا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم سب کے سب نیچے اتر جاؤ۔ تمہارا وہیں ٹھکانہ ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ؇ (بقرہ: 36)

ہم نے فرمایا تم نیچے اترو تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہوں گے اور تمہارے لئے زمین میں ایک وقت مقررہ تک

ٹھکانہ اور فائدہ اٹھانا ہے۔

اس آیت کریمہ میں حضرت آدم وحضرت حوا علیہما السلام کو زمین پر آنے کا حکم دیا گیا ہے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر نعیمی میں فرماتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کے جنت سے تشریف آوری کا واقعہ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ اور محدثین ومورخین سے ...ت ہے۔

وہ یہ ہے کہ

حضرت حوا علیہا السلام نے پہلے وہ دانہ خود کھایا پھر حضرت آدم علیہ السلام کو کھلا دیا اس کھانے کا اثر یہ ہوا کہ ان کے جسموں ...ے جنتی لباس جاتا رہا اور وہ حضرات برہنہ رہ گئے۔ مارے شرم کے انجیر کے درخت کے پتوں سے اپنے جسموں کو چھپانے ...۔ اسی حالت میں رب عزوجل کی طرف سے ندا آئی کہ حضرت آدم وحضرت حوا علیہما السلام کیا ہم نے تم کو اس درخت سے منع ...تھا اور کیا تم سے نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے اور اس کے فریب میں نہ آنا، یہ حضرات عذر کے سوا اور کیا عرض کر ...تھے۔

پھر فرشتوں کو حکم ہوا کہ

ان سب کو زمین پر اتار دو چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو ہندوستان میں شہر سراندیپ کے اس پہاڑ پر اتارا گیا جس کو نود ...ہیں اور حضرت حوا علیہا السلام کو ساحل عرب پر جدے میں اور مور کو مرج الہند میں اور شیطان کو جنگل میسان میں جو کہ بصرہ ...کچھ فاصلے پر ہے یا جہاں آج یاجوج ماجوج کی دیوار قائم ہے، سانپ کو بحستان یا اصفہان میں اسی لئے وہاں اب بھی سانپ ...ہوتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو کھیتی باڑی کرنے اور معاش حاصل کرنے کی تکلیف دی گئی اور حضرت حوا علیہا السلام ...ں وحمل اور کم عقلی اور نقصان میراث ملی۔ سانپ کے پاؤں غائب کر دیئے گئے اور اس کو پیٹ کے بل چلایا گیا، اس کی غذا ...ار دی گئی، مور کے پاؤں بدتر شکل کر دیئے گئے۔ ابلیس کی صورت مسخ کر دی گئی اور نہایت رسوا کر کے دنیا میں رکھا گیا۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

ہندوستان کی زمین اس لئے ہری بھری ہے اور عود اور قرنفل وغیرہ خوشبوئیں اس لئے وہاں پر پیدا ہوتی ہیں کہ حضرت آدم ...سلام جب زمین پر اترے تو ان کے جسم میں جنتی درخت کے پتے تھے اور پتے ہوا سے اڑ کر جس درخت پر پہنچے وہ ہمیشہ کے ...خوشبودار ہو گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام جنت سے مختلف قسم کے بیج اور تین قسم کے پھل اور حجر اسود، سیاہ پتھر جو اب خانہ کعبہ ...ہوا ہے اور وہ عصا جو بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں آیا جس کی لمبائی دس گز تھی۔ اپنے ساتھ لے آئے تھے اور ...چاندی اور کچھ کھیتی باڑی کے اوزار بھی ساتھ لائے۔ حضرت آدم علیہ السلام اس قدر گریہ زاری میں مشغول ہوئے کہ ان ...سے بے خبر ہو گئے۔ شیطان نے موقع پا کر ان کو اپنا ہاتھ لگایا بس لیں تخم پر ان کا ہاتھ لگا وہ زہریلا ہو گیا اور جو اس کے

ہاتھ سے محفوظ رہا اس کا نفع برقرار رہا اور سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ تین قسم کے جنتی میوے آئے۔

(1) ایک وہ جو پورے کھالئے جاتے ہیں۔

(2) دوسرے وہ جن کا اوپری حصہ کھالیا جاتا ہے اور گٹھلی پھینک دی جاتی ہے۔ جیسے خرما وغیرہ

(3) تیسرے وہ جن کا اوپری چھلکا پھینک دیا جاتا ہے اور اندرونی حصہ کھالیا جاتا ہے۔

صحیح روایت میں ہے کہ

ان کے ساتھ لوہے کے اوزار بھی تھے۔

(1) ایک سنڈاسی جس سے لوہے کے اوزار پکڑتے ہیں۔

(2) دوسرے ہتھوڑا

(3) تیسرے ایرَن۔

نیز حجر اسود جب جنت سے آیا تو اس کی روشنی کئی میل تک جاتی تھی۔ جہاں اس کی شعاعیں پہنچتی تھیں۔ اسی حد تک حرم حدیں قائم ہوئیں نیز حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں آ کر بہت وحشت اور گھبراہٹ ہوئی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام بحکم الٰہی عزوجل زمین پر تشریف لائے اور بلند آواز سے اذان کہی۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے اذان میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنا تو تب ان کی وحشت دور ہوئی۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل ص 304، 305 نعیمی کتب خانہ لاہور)

علامہ ابو جعفر طبری لکھتے ہیں:

حضرت آدم علیہ السلام کے آسمانوں اور جنت میں ٹھہرنے کی مدت دنیاوی سالوں کے اعتبار سے تینتالیس سال ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

یہ مدت پانچ سو سال ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو ہند میں اور حضرت حوا علیہا السلام کو جدہ میں اتارا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام ان کی طلب میں گئے اور میدان عرفات میں دونوں کی ملاقات ہوئی۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

حضرت آدم علیہ السلام ایک سو سال تک حضرت حوا علیہا السلام سے مقارب نہیں ہوئے۔ زمین پر آنے کے بعد اولاد اور ابلیس اور اولاد آدم اور سانپ میں اس وقت سے دشمنی چلی آ رہی ہے۔

(جامع البیان ج:1 ص:80، 81، 89 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

توسل نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم توبہ مقبول

حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے چند کلمات سیکھ لئے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ دیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی توبہ کو قبول فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیۡہِ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ ○ (بقرہ: 37)

پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔

بے شک وہی توبہ قبول فرمانے والا بے حد رحیم ہے۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

اے رب عزوجل! کیا تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا نہیں کیا؟

ارشاد فرمایا

کیوں نہیں

کہا

کیا تو نے مجھ میں اپنی پسندیدہ روح نہیں پھونکی۔

ارشاد فرمایا

کیوں نہیں

کہا

کیا تو نے مجھے اپنی جنت میں نہیں رکھا

ارشاد فرمایا

کیوں نہیں

عرض کیا

اے رب عزوجل! کیا تیری رحمت غضب پر غالب نہیں ہے۔

ارشاد فرمایا

کیوں نہیں

عرض کیا

یہ بتا اگر میں توبہ کروں اور اصلاح کروں تو کیا مجھے اپنی جنت کی طرف لوٹا دے گا۔

ارشاد فرمایا

ہاں

قتادہ اور حسن نے کہا: وہ کلمات یہ ہیں۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَـآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝ (الاعراف)

اے رب عزوجل ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

(جامع البیان: ج: 1، ص: 193 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں

حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا۔

اے ہمارے رب عزوجل! اگر میں تجھ سے توبہ اور استغفار کروں۔

ارشاد فرمایا

پھر میں تمہیں جنت میں داخل کر دوں گا اور رہا ابلیس تو اس نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کا سوال نہیں کیا بلکہ مہلت کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو وہ چیز عطا فرما دی جس کا اس نے سوال کیا تھا۔

ضحاک نے بیان کیا کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جن کلمات کی تلقین کی تھی وہ یہی تھے۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَـآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝

(جامع البیان جز: 8، ص: 190 دار الفکر بیروت)

امام طبرانی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب حضرت آدم علیہ السلام نے (صورۃً) گناہ کر لیا تو انہوں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا۔

اور عرض کیا

میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ تو میری مغفرت فرما۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں؟

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

تیرا نام برکت والا ہے جب تو نے مجھے پیدا کیا تو میں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا تو اس میں لکھا ہوا تھا۔

لَآاِلٰـهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ

تو میں نے جان لیا کہ تیرے نزدیک اس شخص سے زیادہ بلند مرتبہ کوئی شخص نہیں ہوگا۔ جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی کی۔

اے آدم علیہ السلام! وہ تمہاری اولاد میں سے تمام نبیوں کے آخر ہیں اور ان کی امت تمہاری اولاد کی امتوں میں سے آخری امت ہے اور اگر وہ نہ ہوتے اے آدم علیہ السلام تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔

(المعجم الصغیر: ج:2،ص:83 مطبوعہ سلفیہ مدینہ منورہ)

حافظ ابن کثیر نے اس حدیث مبارکہ کو حاکم، بیہقی اور ابن عساکر کے حوالے سے لکھا ہے اور اس کے آخر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اے آدم علیہ السلام! تم نے سچ کہا، یہ مجھے مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہیں اور جب تم نے ان کے وسیلے سے سوال کیا ہے تو میں نے تم کو بخش دیا اور اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔

(البدایہ والنہایہ: ج:1،ص:81 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

امام ابن المنذر، محمد بن علی بن حسین بن علی ابن ابی طالب سے روایت کرتے ہیں کہ

جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوگئی تو ان کو بہت رنج ہوا اور شدید ندامت ہوئی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ علیہ السلام کے پاس آئے۔

اور کہا

اے آدم علیہ السلام! کیا آپ علیہ السلام کو توبہ کا دروازہ بتاؤں جس سے اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کی توبہ قبول کرلے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

کیوں نہیں

کہا

آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے مناجات کریں اور اللہ تعالیٰ حمد و ثناء کریں۔

آپ علیہ السلام نے کہا:

اے جبرائیل علیہ السلام! میں کیا کہوں۔

انہوں نے کہا:

آپ علیہ السلام کہیے۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ان کا کوئی شریک نہیں اس کا اس کا ملک اور اس کے لئے حمد ہے وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے وہ زندہ ہے اور اس کو موت نہیں آئے گی۔ تمام اچھائیاں اس کی قدرت میں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کے بعد آپ علیہ السلام اپنی خطاء پر توبہ کریں

اور کہیں

اے اللہ عزوجل! تو سبحان ہے اور تیری حمد ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

اے رب عزوجل! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور برا کام کیا تو مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخشے گا۔

اے اللہ عزوجل! میں تجھ سے تیرے بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت کے وسیلہ سے اور ان کی تیرے نزدیک کرامت کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ تو میری خطا کو بخش دے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس طرح دعا کی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے آدم (علیہ السلام) تم کو یہ دعا کس نے تعلیم دی۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

اے اللہ عزوجل! جب تو نے مجھ میں روح پھونکی اور میں ہموار بشر کی صورت میں کھڑا ہوا تو میں نے عرش پر یہ لکھا ہوا دیکھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اور جب میں نے دیکھا کہ تیرے نام کے ساتھ کسی مقرب فرشتے کا نام لکھا ہے نہ کسی نبی مرسل کا تو میں نے جان لیا کہ یہ تیرے نزدیک تیری مخلوق میں سب سے مکرم ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

تم نے سچ کہا اور میں نے تمہاری خطا کو بخش دیا۔

پھر حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل کی حمد وثناء کی اور اس کا پھر حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل کی حمد وثناء کی اور اس کا شکر ادا کیا اور بہت خوش ہو کر لوٹے اور فرشتوں نے فوج در فوج آ کر حضرت آدم علیہ السلام کو مبارک دی۔

(الدر المنثور ج:1 ص:60 مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

خواجہ عبداللہ انصاری لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام نے عرش پر ''لَآ اِلٰــہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ'' لکھا ہوا دیکھا تھا جب ان سے لغزش ہو گئی تو [ا]ں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کی۔

اور کہا

اے اللہ عزوجل! مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وسیلہ سے معاف فرما۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

تم نے ان کو کیسے پہچانا جو ان کے وسیلہ سے دعا کی۔

عرض کیا

جب میں نے تیرے عرش کے ساتھ ان کا نام لکھا ہوا دیکھا تو جان لیا کہ یہ بندہ تجھے بہت محبوب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

میں نے تمہیں بخش دیا۔

(کشف الاسرار وعدۃ الابرار ج:1 ص:155، 156 مطبوعہ پہر اطہران)

[وص]ال پر ملال

حضرت آدم علیہ السلام نے یوم عاشورہ کے دن دنیا سے ظاہری پردہ فرمایا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوا جمعہ کا دن ہے اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن آپ علیہ السلام [زم]ین پر اتارا گیا اور اسی دن آپ علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی اور اسی دن آپ علیہ السلام کی روح مبارک قبض کی گئی اور اسی [دن ق]یامت ہوگی۔

(سنن نسائی: کتاب الجمعۃ: باب ذکر الساعۃ التی یستجاب فیہا) (الدعا یوم الجمعۃ: ج:3 ص:114، رقم الحدیث:1430)

اور ایک روایت میں ہے۔

حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار ہے اور باقی دنوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے ہاں عظمت والا ہے اور اللہ تعالیٰ کے [ہاں اس] کی عظمت عید الاضحیٰ اور عید الفطر سے بھی بڑھ کر ہے۔

اسی دن پانچ خصلتیں پائی جاتی ہیں۔

(1) اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا۔

(2) اور اسی دن انہیں وفات دی گئی۔

(3) اور اسی دن میں ایک ساعت ایسی ہوتی ہے جس میں بندہ اللہ تعالیٰ سے جو بھی سوال کرے وہ اسے عطا فرما دیتا ہے جب تک کہ وہ کسی حرام چیز کا سوال نہ کرے۔

(4) اور اسی دن قیامت بپا ہوگی۔

(5) کوئی مقرب فرشتہ، آسمان، زمین، ہوا، پہاڑ اور سمندر ایسا نہیں جو جمعہ کے دن سے نہ ڈرتا ہو۔

ایک روایت میں غسل وکفن کے بارے میں آتا ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ غسل دیا اور انہیں کفن پہنایا اور ان کے لئے لحد تیار کی اور انہیں سپرد خاک کیا گیا۔

اور فرشتوں نے یہ کہا

اے اولاد آدم! یہ تمہارے مردوں (کی تدفین میں) تمہاری سنت ہوگی۔

(طبرانی فی المعجم الاوسط: ج:9،ص:105، رقم الحدیث:9259)

تفسیر نعیمی میں ہے۔

جب حضرت آدم علیہ السلام کا وقت آخر آیا۔ آپ علیہ السلام کو جنتی میوے کھانے کی خواہش ہوئی۔

اپنے فرزندوں سے کہا کہ

کعبہ معظّمہ میں جاؤ اور وہاں دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ میری یہ تمنا پوری کرے۔ فرزندان ارجمندان حضرت آدم علیہ السلام کا پا کر وہاں پہنچے۔ انہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام و دیگر فرشتے ملے جن سے انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی فرمائش کا حال بیان کیا۔

فرشتوں نے کہا:

ہمارے ساتھ آؤ۔ ہم جنت کے میوے اپنے ساتھ لائے ہیں چنانچہ یہ سب حضرت آدم علیہ السلام کے پاس

حضرت حوا علیہا السلام ان فرشتوں کو دیکھ کر ڈرنے لگیں اور چاہا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دامن میں چھپ جائیں۔

انہوں نے فرمایا:

حوا (علیہا السلام) اب تم مجھ سے الگ رہو، میرے اور رب عزوجل کے قاصدوں کے درمیان آڑ نہ بنو، فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی روح قبض کرلی۔

اوران کے بیٹوں سے کہا کہ

جس طرح ہم آپ کے والد (محترم) کا کفن دفن کریں ویسے ہی تم بھی کیا کرنا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام جنت کی مرکب خوشبو اور جنتی حلے کا کفن اور بہشتی بیری سے کچھ پتے اپنے ساتھ لائے تھے۔ ان کو خود غسل دیا اور کفن پہنایا اور خوشبو ملی اور ملائکہ ان کا لاشہ مبارکہ کعبہ معظمہ میں لائے اور ان پر سارے فرشتوں نے نماز جنازہ ادا کی۔ جس میں حضرت جبرائیل علیہ السلام امام تھے اور سارے فرشتے مقتدی اور اس میں نماز میں چار تکبیریں کہیں جیسے کہ آج ہوتی ہیں پھر کعبہ معظمہ میں تین میل کے فاصلہ پر مقام منیٰ میں لے گئے۔ جہاں کے حاجی قربانی کرتے ہیں اور اسی جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کی وہاں مسجد خیف کے قریب بغلی قبر کھودی گئی اور ان کو دفن کر کے ان کی قبر کو اونٹ کی پیٹھ کی طرح ڈھلوان بنایا۔

بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ

ان کی لاش مبارک کو ان کی اولاد میں سے ڈیڑھ سو آدمی خانہ کعبہ میں لائے لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام کی قبر منیٰ میں مسجد خیف کے پاس اور حضرت حوا علیہا السلام کی قبر جدہ شریف میں ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اوّل، ص:305 تا 306 نعیمی کتب خانہ لاہور)

اب یہاں سے انبیاء کرام علیہم کو ترتیب کے ساتھ ذکر کرتا ہوں جن کو تاریخ دمشق میں ذکر کیا گیا ہے۔

(1) سب سے پہلے جس نبی کو مبعوث کیا گیا وہ حضرت ادریس علیہ السلام تھے۔

(2) پھر حضرت نوح علیہ السلام

(3) پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام

(4) پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام

(5) پھر حضرت اسحاق علیہ السلام

(6) پھر حضرت یعقوب علیہ السلام

(7) پھر حضرت یوسف علیہ السلام

(8) پھر حضرت لوط علیہ السلام

(9) پھر حضرت ہود علیہ السلام

(10) پھر حضرت صالح علیہ السلام

(11) پھر حضرت شعیب علیہ السلام

(12) پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام

(13) پھر حضرت ہارون علیہ السلام

(14) پھر حضرت الیسع علیہ السلام

(15) پھر حضرت یونس علیہ السلام

(16) پھر حضرت ایوب علیہ السلام

(17) پھر حضرت داؤد علیہ السلام

(18) پھر حضرت سلیمان علیہ السلام

(19) پھر حضرت ذکریا علیہ السلام

(20) پھر حضرت یحییٰ علیہ السلام

(21) پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام

(22) پھر حضرت سیدنا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم صلی اللہ علیہ وسلم

(تاریخ دمشق الکبیر: ج:24، ص:165 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام

اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو نبوت کے اعلیٰ مقام پر فائز کیا اور آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی ہیں۔ حضرت ادریس علیہ السلام حضرت شیث علیہ السلام کی نسل سے تھے اور آپ علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے پردادا تھے۔ آپ علیہ السلام کا نام اخنوخ تھا۔

حضرت ادریس علیہ السلام حضرت شیث علیہ السلام کی نسل سے تھے

حضرت ادریس علیہ السلام حضرت شیث علیہ السلام کی نسل سے تھے۔

چنانچہ معالم التنزیل میں ہے۔

حضرت ادریس علیہ السلام حضرت شیث علیہ السلام کی نسل سے تھے۔

(معالم التنزیل ج:3،ص:625 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے پردادا تھے

حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے پردادا تھے۔

چنانچہ معالم التنزیل میں ہے۔

آپ (یعنی حضرت ادریس علیہ السلام) حضرت نوح علیہ السلام کے پردادا تھے۔

(معالم التنزیل:ج:3،ص:625 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ادریس علیہ السلام کا نام اخنوخ تھا

حضرت ادریس علیہ السلام کا نام اخنوخ تھا مگر قرآن مجید میں ادریس کے لقب سے نوازا گیا۔

چنانچہ معالم التنزیل میں ہے۔

آپ علیہ السلام کا نام اخنوخ تھا۔

(معالم التنزیل:ج:3،ص:625 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

ادریس (علیہ السلام) کا لقب

حضرت ادریس علیہ السلام کو ادریس اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ علیہ السلام اکثر اوقات کتابیں پڑھا کرتے تھے۔

معالم التنزیل میں ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے:

آپ علیہ السلام کو ادریس اس لئے کہا جاتا تھا کہ آپ علیہ السلام اکثر کتاب پڑھتے رہتے تھے۔

امام بیضاوی فرماتے ہیں۔

اس کا غیر منصرف ہونا اس کے الدرس سے مشتق ہونے کی تردید کرتا ہے۔ ہاں یہ کوئی بعید نہیں کہ اس کا معنی ان کی لغت میں اس کے قریب قریب ہو اور آپ علیہ السلام کے کثرت درس کی وجہ سے اس نام سے آپ علیہ السلام کو ملقب کیا گیا ہو۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:625 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ادریس علیہ السلام کا نسب نامہ

حضرت ادریس علیہ السلام کا نسب اس طرح ہے۔

اخنوخ بن یرد بن مہلائیل بن انوش بن قینان بن شیث بن آدم علیہ السلام ہے۔

(روح المعانی جز:16، ص:153 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ادریس علیہ السلام نے سب سے پہلے ستاروں اور حساب میں غور وفکر کیا

حضرت ادریس علیہ السلام ایسے پیغمبر ہیں جنہوں نے سب سے پہلے ستاروں اور حساب میں غور وفکر کیا۔

روح المعانی میں ہے۔

حضرت ادریس علیہ السلام وہ پہلے شخص ہیں جس نے ستاروں اور حساب میں غور وفکر کیا۔

(روح المعانی: جز:16، ص:153 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ادریس علیہ السلام پر تیس صحیفوں کا نزول

حضرت ادریس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اتنا مقام عطا فرمایا: آپ علیہ السلام پر (30) تیس صحیفے نازل کئے۔

چنانچہ روح المعانی میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان پر تیس صحیفے نازل کئے تھے۔

(روح المعانی: جز:16، ص:153 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ادریس علیہ السلام نے سب سے پہلے ناپ اور تول کے آلات اور ہتھیار بنائے

حضرت ادریس علیہ السلام نے سب سے پہلے ناپ اور تول کے آلات اور ہتھیار بنائے۔

چنانچہ روح المعانی میں ہے۔

حضرت ادریس علیہ السلام وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے ناپنے اور تولنے کے آلات اور ہتھیار بنائے۔

(روح المعانی: جز:16، ص:154 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بنو قابیل سے قتال

حضرت ادریس علیہ السلام وہ پہلے پیغمبر ہیں جنہوں نے سب سے پہلے ہتھیار بنائے اور بنو قابیل سے قتال کیا۔

روح المعانی میں ہے۔

حضرت ادریس علیہ السلام وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے ناپنے اور تولنے کے آلات اور ہتھیار بنائے اور بنو قابیل سے قتال کیا۔

(روح المعانی جز:16، ص:154 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ادریس سریانی زبان کا لفظ

ادریس کا لفظ سریانی ہے۔

روح المعانی میں ہے۔

ادریس کا لفظ سریانی ہے اور یہ درس سے مشتق نہیں ہے کیونکہ غیر عربی کو عربی سے مشتق کرنے کا کسی نے قول نہیں کیا اور اگر یہ عربی سے مشتق ہوتا تو پھر غیر منصفانہ ہوتا حالانکہ یہ غیر منصرف ہے البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ سریانی زبان میں اس کا معنی عربی کے قریب ہو اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ ان کا نام ادریس اس لئے ہے کہ یہ درس تدریس بہت کرتے تھے۔

(روح المعانی: ج:16، ص:154 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر کیا

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر کیا۔

المرقات میں ہے۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی 1014ھ لکھتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نبی کا ذکر کیا ہے وہ حضرت ادریس یا حضرت دانیال علیہما السلام تھے۔

(المرقات ج:3، ص:4 مکتبہ امدادیہ ملتان)

حضرت ادریس علیہ السلام جنت میں حیات

امام عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

زید بن اسلم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جیسے اور بنی آدم کے اعمال اوپر چڑھائے جاتے ہیں اسی طرح حضرت ادریس علیہ السلام کے اعمال بھی اوپر چڑھائے جاتے تھے۔ملکوت کو ان سے محبت ہوگئی۔انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ان کی دوستی کی اجازت لی اور آدمی کی صورت میں زمین پر گئے اور ان کے ساتھ رہنے لگے۔جب حضرت ادریس کو معلوم ہو گیا کہ یہ حضرت عزرائیل علیہ السلام ہیں

تو ایک دن ان سے کہا:

مجھے آپ علیہ السلام سے ایک کام ہے۔

پوچھا

کیا کام ہے؟

آپ علیہ السلام نے کہا:

مجھے موت کا ذائقہ چکھائیں۔میں چاہتا ہوں کہ مجھے اس کی شدت کا پتا چلے تا کہ میں اس کی تیاری کروں۔اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی ان کی روح ایک ساعت کے لئے قبض کر لو پھر چھوڑ دینا۔ملک الموت نے اسی طرح کیا۔

پھر ملک الموت نے پوچھا:

آپ علیہ السلام نے موت کو کیسا پایا؟

تو انہوں نے کہا:

میں نے موت کے متعلق جتنا سنا تھا اس سے زیادہ سخت پایا۔

پھر ان سے کہا:

میں چاہتا ہوں کہ آپ علیہ السلام مجھے دوزخ دکھائیں۔ملک الموت ان کو لے کر گئے اور ان کو دوزخ دکھا دی۔

پھر کہا

میں چاہتا ہوں کہ آپ علیہ السلام مجھے جنت دکھائیں۔انہوں نے جنت دکھا دی۔

حضرت ادریس علیہ السلام جنت میں داخل ہو کر گھومنے لگے۔

پھر ملک الموت نے کہا:

اب آپ علیہ السلام باہر نکلیں۔

حضرت ادریس علیہ السلام نے کہا:

میں باہر نہیں نکلوں گا کہ اللہ تعالیٰ مجھے باہر نکلنے کا حکم دے۔پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے فرشتہ بھیجا۔

اس نے ملک الموت سے پوچھا

آپ علیہ السلام کیا کہتے ہیں؟ تو انہوں نے پورا قصہ بیان کیا۔

پھر حضرت ادریس علیہ السلام سے کہا

آپ کیا کہتے ہیں؟

تو انہوں نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران: 185)

ہر جان نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔

اور میں نے موت کو چکھ لیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا (مریم: 71)

تم میں سے ہر شخص جہنم پر وارد ہوگا۔

اور میں دوزخ پر وارد ہو چکا ہوں۔

اور اللہ تعالیٰ نے اہل جنت سے فرمایا ہے۔

وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ (الحجر: 48)

وہ جنت سے نکالے نہیں جائیں گے۔

پس اللہ تعالیٰ کی قسم! میں جنت سے باہر نہیں نکلوں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت سے باہر نکلنے کا حکم دے۔

پھر اوپر سے ایک ہاتف کی آواز آئی۔

یہ میرے اذن سے داخل ہوا ہے اور اس نے جو کچھ کیا ہے وہ میرے حکم سے کیا ہے۔ اس کا راستہ چھوڑ دو۔

امام ابن جندی فرماتے ہیں کہ

اگر یہ اعتراض ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام کو ان آیات کا کیسے علم ہوا یہ تو ہماری کتاب میں ہیں۔

تو ابن الانباری نے بعض علماء سے اس کا یہ جواب ذکر کیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو ان باتوں کا علم دے دیا تھا جو قرآن میں ہیں کہ ہر شخص نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ اور ہر شخص کا دوزخ سے گزر ہوگا اور اہل جنت کو جنت سے نکالا نہیں جائے گا۔

(زاد المسیر: ج:5، ص:241 تا 242، الجامع الاحکام القرآن جز:11، ص:44)

حضرت ادریس علیہ السلام کا دوزخ و جنت کی سیر کرنا

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک حضرت ادریس علیہ السلام ملک الموت کے دوست تھے۔

پھر انہوں نے حضرت عزرائیل علیہ السلام سے کہا کہ

وہ انہیں جنت و دوزخ کی سیر کرائیں۔ سو ملک الموت حضرت ادریس علیہ السلام کو لے کر بلند ہوئے اور انہیں دوزخ دکھائی۔ وہ اس سے خوف زدہ ہو گئے اور قریب تھا کہ وہ بے ہوش ہو جاتے کہ ملک الموت نے انہیں اپنے پروں کی لپیٹ میں لے لیا۔

ملک الموت نے کہا:

کیا آپ علیہ السلام نے اسے دیکھا نہیں ہے۔

انہوں نے کہا:

کیوں نہیں! میں نے کبھی آج کے دن جیسا دن نہیں دیکھا۔ پھر وہ انہیں لے کر چلا یہاں تک کہ اس نے حضرت ادریس علیہ السلام کو جنت دکھائی۔ وہ اس میں داخل ہو گئے۔

پھر ملک الموت نے کہا:

اب آگے چلیں۔ آپ علیہ السلام نے اسے دیکھ لیا ہے۔

انہوں نے فرمایا:

کہاں جانا ہے۔

ملک الموت نے کہا:

جہاں آپ علیہ السلام تھے۔

حضرت ادریس علیہ السلام نے کہا:

نہیں، خدا عزوجل کی قسم! میں اس میں داخل ہونے کے بعد اس سے کبھی نہیں نکلوں گا تو ملک الموت سے کہا گیا کیا تو نے انہیں جنت میں داخل نہیں کیا اور یہ ایسی چیز ہے کہ جو اس میں ایک بار داخل ہو جاتا ہے پھر وہ وہاں سے نہیں نکلتا۔

(طبرانی المعجم الاوسط: ج: 7، ص: 201، رقم الحدیث: 7269)

حضرت ادریس علیہ السلام کا چوتھے یا چھٹے آسمان پر ہونا

اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق فرمایا

ہم نے ان کو بلند جگہ پر اٹھالیا۔ (مریم:57)

صحیح بخاری وصحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چوتھے آسمان کے پاس سے گزرے تو وہاں حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

امام ابوجعفر محمد بن جزیر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

ہلال بن یساف سے روایت ہے کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے میرے سامنے کعب سے سوال کیا کہ

اللہ تعالیٰ نے جو حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے۔

وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا (مریم: 57)

ہم نے ان کو بلند جگہ پر اٹھالیا۔

اس کا کیا مطلب ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا:

حضرت ادریس علیہ السلام کی طرف اللہ تعالیٰ نے یہ وحی کی کہ میں ہر روز تمہارے اتنے عمل بلند کروں گا جتنے بنو آدم کے اعمال ہیں تو تم زیادہ عمل کرنے سے محبت رکھو۔ پھر فرشتوں میں سے حضرت ادریس کے ایک دوست ان کے پاس آئے۔

تو حضرت ادریس علیہ السلام نے ان کو بتایا کہ

اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف اس طرح وحی کی ہے تو تم ملک الموت سے کہو کہ وہ میری روح قبض کرنے کو مؤخر کردے تاکہ میں اور زیادہ عمل کروں۔ وہ فرشتہ حضرت ادریس علیہ السلام کو اپنے پروں پر بٹھا کر آسمان پر چڑھ گیا۔ جب وہ چوتھے آسمان پر پہنچا تو ملک الموت نیچے اتر رہے تھے تو اس فرشتہ نے ملک الموت سے وہ بات کہی جو حضرت ادریس علیہ السلام نے اس سے کہی تھی۔

ملک الموت نے کہا:

حضرت ادریس علیہ السلام کہاں ہیں؟

اس فرشتہ نے کہا:

وہ میری پیٹھ پر ہیں۔

ملک الموت نے کہا:

حیرت کی بات ہے مجھے حضرت ادریس علیہ السلام کی روح قبض کرنے کے لئے چوتھے آسمان پر بھیجا گیا ہے۔

اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ

میں ان کی روح چوتھے آسمان پر کیسے قبض کروں گا وہ تو زمین پر ہیں۔
پھر انہوں نے چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام کی روح قبض کر لی۔
(جامع البیان رقم الحدیث: 7917 مطبوعہ دار الفکر بیروت)
حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو ذکر کر کے لکھا ہے کہ
یہ حدیث اسرائیلیات سے ہے اور اس کی بعض عبارت میں نکارت ہے۔ (یعنی نا قابل باتیں ہیں)
حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی۔
تو انہوں نے کہا:
حضرت ادریس علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا گیا اور ان کو موت نہیں آئی۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھالیا گیا۔
اگر ان کی مراد یہ ہے کہ
ان کو ابھی تک موت نہیں آئی تو یہ محل نظر ہے۔
اور اگر اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ
ان کو زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا اور پھر وہاں ان کی روح قبض کر لی گئی پھر یہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی روایت کے منافی نہیں ہے۔
عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ
حضرت ادریس علیہ السلام کو چھٹے آسمان کی طرف اٹھالیا گیا اور وہیں ان کی روح قبض کر لی گئی۔
اور جو حدیث متفق علیہ ہے وہ یہ ہے کہ
وہ چوتھے آسمان میں ہیں۔
حضرت حسن بصری نے کہا:
وہ جنت میں ہیں۔
امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ
حضرت الیاس علیہ السلام ہی حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔
اور معراج کی حدیث میں بیان کیا ہے کہ
جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس سے گزرے۔
تو انہوں نے کہا:
نیک بھائی اور نیک نبی کو مرحبا ہو۔

اور جس طرح حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا۔
نیک بیٹے کو مرحبا ہو اس طرح نہیں کہا۔
اس سے معلوم ہوا کہ
حضرت ادریس علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے نہیں ہیں لیکن یہ قطعی دلیل نہیں ہے۔
ہوسکتا ہے کہ
انہوں نے تواضعاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہا اور بیٹا نہ کہا ہو۔
(البدایہ والنہایہ: ج:1،ص:160،158 مطبوعہ دارالفکر بیروت)
امام ابن جریر نے مجاہد اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ
حضرت ادریس علیہ السلام چوتھے آسمان میں ہیں۔
حضرت قتادہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی روایت ہے اور صحیح بخاری اور مسلم میں بھی اسی طرح ہے۔
(جامع البیان، جز:16،ص:121،122 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ادریس علیہ السلام کو اوپر اٹھانے اور آپ علیہ السلام کی زندگی میں اختلاف

قرآن مجید میں ہے:
وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۔ (مریم: 57)
ہم نے ادریس کو بلند جگہ پر اٹھالیا۔
بعض علماء کرام نے کہا:
اس سے کسی جگہ پر اٹھانا مراد نہیں ہے حتیٰ کہ حضرت ادریس علیہ السلام کا آسمان پر ہونا لازم آئے بلکہ اس سے مراتب کی بلندی مراد ہے یعنی ان کے درجات کو بلند کیا۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے یہی معنی کیا ہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ
قرآن مجید میں ہے:
ہم نے ان کو بلند جگہ پر اٹھالیا اور یہ درجات کی بلندی کے منافی ہے۔
حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔
حضرت ادریس کی روح چھٹے آسمان پر قبض کر لی گئی۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔
حضرت مجاہد اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
وہ چوتھے آسمان پر ہیں۔

اور زید بن اسلم نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ
حضرت ادریس علیہ السلام جنت میں زندہ ہیں۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام الحسین بن مسعود بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:
اس میں اختلاف ہے کہ
حضرت ادریس علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں یا فوت شدہ ہیں۔
بعض نے کہا:
وہ فوت شدہ ہیں۔
اور بعض نے کہا:
وہ زندہ ہیں
انہوں نے کہا:
چار نبی زندہ ہیں۔
دو زمین پر ہیں۔
(1) حضرت خضر علیہ السلام
(2) حضرت الیاس علیہ السلام
اور دو آسمان میں ہیں۔
(1) حضرت ادریس علیہ السلام
(2) حضرت عیسیٰ علیہ السلام
(معالم التنزیل: ج:3، ص:167 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام رازی متوفی 606ھ اور علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی 754ھ نے لکھا ہے کہ
ایک فرشتہ ان کا دوست تھا وہ ان کو چوتھے آسمان پر لے گیا۔ وہاں ان کی روح قبض کر لی گئی۔
(تفسیر کبیر: ج:7، ص:1550)

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

مکاناً علیاً سے مراد ہے کہ
ان کو شرف نبوت اور مقام قرب عطا کیا گیا۔
ایک قول یہ ہے:
وہ جنت میں ہیں۔
ایک قول یہ ہے:
وہ چھٹے آسمان میں ہیں۔
اور ایک قول یہ ہے:
وہ چوتھے آسمان میں ہیں۔
(تفسیر بیضاوی مع عنایۃ القاضی: ج:6،ص:285 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ادریس علیہ السلام صابر تھے

حضرت ادریس علیہ السلام صبر کرنے والے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اپنی رحمت میں داخل کیا اور متقی ہونے کا شرف عطا فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:
وَاِسْمٰعِیْلَ وَ اِدْرِیْسَ وَذَاالْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ (الانبیاء: 85، 86)

اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو یاد کیجئے یہ سب صبر کرنے والے تھے۔ ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کر دیا۔ بے شک یہ سب نیکوکار تھے۔

ان آیات میں حضرت اسماعیل، حضرت ادریس اور حضرت ذوالکفل علیہم السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے کیونکہ یہ مقدس حضرات سختیوں، مصائب اور عبادت کی مشکلات پر صبر کرنے والے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:
اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تا کہ وہ ان کو توحید کا پیغام سنائیں، ان کی قوم نے اس پیغام کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا اور حضرت ادریس علیہ السلام کو چوتھے آسمان پر اٹھا لیا گیا۔

حضرت ادریس علیہ السلام سب سے پہلے قلم کے ساتھ لکھنے والے

حضرت ادریس علیہ السلام نے سب سے پہلے قلم کے ساتھ لکھا ہے۔
معالم التنزیل میں ہے:

حضرت ادریس پہلے شخص ہیں جنہوں نے قلم کے ساتھ لکھا۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:625 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ادریس علیہ السلام نے سب سے پہلے کپڑوں کی سلائی کی

حضرت ادریس علیہ السلام ایسے نبی ہیں جنہوں نے سب سے پہلے کپڑوں کی سلائی کی۔

معالم التنزیل میں ہے۔

سب سے پہلے آپ (حضرت ادریس علیہ اسلام) نے کپڑوں کی سلائی فرمائی۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:625 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ادریس علیہ السلام نے سب سے پہلے سلا ہوا کپڑا پہنا

حضرت ادریس علیہ السلام نے سب سے پہلے سلا ہوا کپڑا پہنا تھا اور اس کو اپنے مقدس جسم سے سجایا تھا۔ آپ علیہ السلا[م] سے پہلے لوگ جانوروں کی کھالیں لباس کے طور پر استعمال کرتے تھے۔

معالم التنزیل میں ہے۔

(حضرت ادریس علیہ السلام) آپ علیہ السلام نے سب سے پہلے سلا ہوا کپڑا پہنا۔ آپ علیہ السلام سے پہلے لوگ جانوروں کی کھالیں لباس کے طور پر استعمال فرماتے تھے۔ (معالم التنزیل: ج:3،ص:625 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ادریس علیہ السلام نے سب سے پہلے کفار سے لڑائی کی

حضرت ادریس علیہ السلام ایسے مقدس نبی ہیں کہ سب سے پہلے کفار سے لڑائی کی۔

معالم التنزیل میں ہے۔

اور ہتھیاروں کے موجد آپ علیہ السلام ہیں اور کفار سے لڑائی بھی سب سے پہلے آپ علیہ السلام نے کی۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:625 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علم نجوم کا علم

حضرت ادریس علیہ السلام نے سب سے پہلے علم نجوم اور علم حساب کا آغاز کیا۔

معالم التنزیل میں ہے۔

علم نجوم اور علم حساب کا آغاز بھی آپ علیہ السلام نے ہی فرمایا۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:625 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ادریس علیہ السلام کا ذریعہ معاش

تفسیر عزیزی میں ہے کہ

سب سے اول کپڑا بننے کا کام حضرت آدم علیہ السلام نے کیا اور بعد میں کھیتی باڑی کے کام میں مشغول رہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا ذریعہ معاش لکڑی کا تھا۔

حضرت ادریس علیہ السلام درزی گری

حضرت ہود علیہ السلام تجارت

حضرت صالح علیہ السلام تجارت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کھیتی باڑی

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کچھ مدت بکریاں چرائیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اتنے بڑے بادشاہ ہو کر درختوں کے پتوں سے پنکھے اور زنبیلیں وغیرہ بنا کر گزر کرتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کوئی پیشہ اختیار نہیں کیا بلکہ ہمیشہ سیر فرماتے تھے۔

اور فرماتے تھے کہ

جس نے مجھے ناشتہ دیا ہے وہی شام کا کھانا بھی دے گا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول: ص: 305 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت ادریس علیہ السلام کے ملت کا نام

بعض نے فرمایا: حضرت ادریس کے دین کا نام صابئہ تھا جس میں توحید، طہارت روزہ وغیرہ کچھ عبادات تھیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: 6، ص: 574 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت ادریس علیہ السلام کا قیام

حضرت ادریس علیہ السلام مصر میں رہے پھر وہاں سے قریباً سارے جہان میں تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: 6، ص: 574 نعیمی کتب خانہ لاہور)

سلسلہ مبارک

حضرت آدم علیہ السلام، حضرت شیث علیہ السلام، الفرش، قونان، مہلا ئیل، یرد، افنوج یعنی حضرت ادریس علیہ السلام جن کا لقب ہرمس تھا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: 6، ص: 574 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات

معراج کی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھے آسمان میں حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ اس مقام

پر ابن جریر نے ایک عجیب وغریب اثر روایت کیا ہے کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے اس آیت ورفعنہ......

کی تفسیر پوچھی۔

انہوں نے جواب دیا کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ ہر روز میں تمام اولاد آدم کے اعمال کے برابر تمہارے لئے اعمال بلند کرتا ہوں۔ اس پر آپ علیہ السلام نے چاہا کہ مزید عمل کریں۔ جب آپ علیہ السلام کا دوست فرشتہ آیا تو آپ علیہ السلام نے اسے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری طرف یہ وحی کی ہے۔ اب تم ملک الموت سے بات کرو کہ وہ میری روح قبض کرنے میں تاخیر کریں تاکہ میں مزید اعمال کرسکوں۔ اس فرشتے نے آپ علیہ السلام کو اپنے دونوں پروں کے درمیان لے کر اٹھایا اور آپ علیہ السلام کو لے کر آسمان پر چڑھ گیا۔ چوتھے آسمان میں پہنچے تو دیکھا کہ ملک الموت نیچے اتر رہے ہیں۔ فرشتے نے ان سے حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق سفارش کی۔

تو وہ پوچھنے لگے کہ

حضرت ادریس علیہ السلام کہاں ہیں۔

فرشتے نے جواب دیا کہ

یہ دیکھیں، میری پیٹھ پر ہیں۔

ملک الموت کہنے لگے کہ

بڑے تعجب کی بات ہے مجھے چوتھے آسمان میں حضرت ادریس علیہ السلام کی روح قبض کرنے کے لئے بھیجا گیا۔

میں سوچنے لگا کہ

وہ تو زمین پر ہیں۔ بھلا چوتھے آسمان میں ان کی روح کیسے قبض کرسکتا ہوں چنانچہ وہاں ہی ان کی روح قبض کر لی گئی۔

یہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ اسرائیلی روایات میں سے ہے جس کے بعض حصے نکارت ہیں۔ ابن ابی حاتم کی روایت میں بھی یہ روایت مذکور ہے۔ اس میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے اس فرشتے سے کہا تھا کہ ملک الموت سے پوچھیں میری عمر کتنی باقی ہے تاکہ میں زیادہ سے زیادہ اعمال کرسکوں۔

اس روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ

فرشتے کے سوال پر ملک الموت نے کہا:

مجھے معلوم نہیں۔ البتہ دیکھ کر بتاتا ہوں۔

دیکھ کر کہنے لگے کہ

ان کی عمر تو صرف پلک جھپکنے کی مقدار باقی ہے۔ اب فرشتے نے اپنے پر تلے دیکھا تو آپ علیہ السلام کی روح مبارک قبض کی جا چکی تھی۔

(تفسیر طبری: ج:16،ص:96)

حضرت ادریس علیہ السلام سوئی کا ٹانکا لگاتے وقت سبحان اللہ کہتے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت ادریس علیہ السلام درزی تھے۔ جب بھی آپ علیہ السلام سوئی کے ساتھ ٹانکا لگاتے تو سبحان اللہ کہتے۔ جب شام ہوتی تو روئے زمین پر آپ علیہ السلام سے بڑھ کر نیک اعمال والا شخص کوئی نہ ہوتا۔

(تفسیر طبری: ج:16،ص:96)

حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے دادا تھے

جو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار ہوئے تھے وہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے دادا تھے۔

(تفسیر طبری: ج:16،ص:97)

حضرت ادریس علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ کرنا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اپنی قوم کی طرف مبعوث فرمایا۔

تو آپ علیہ السلام نے انہیں حکم دیا کہ

لَآ اِلٰـــہَ اِلَّا اللہُ کے قائل ہو جاؤ اور پھر جو چاہو کرو لیکن انہوں نے اس کا انکار کر دیا جس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان سب کو برباد کر دیا۔

(الدر المنثور: ج:5،ص:517)

حضرت ادریس علیہ السلام بنی اسرائیل کے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے تھے

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ

حضرت ادریس علیہ السلام بنی اسرائیل کے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے تھے۔

ان کی دلیل حدیث معراج ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا۔ خوش آمدید! اے صالح نبی اور اے صالح بھائی۔ انہوں نے آپ علیہ السلام کو صالح بیٹا نہیں کہا جیسا کہ حضرت آدم وحضرت

ابراہیم علیہما السلام نے کہا تھا۔

(الدر المنثور: ج:5،ص:517)

حضرت ادریس علیہ السلام کو سخت گرمی محسوس ہونا

حضرت کعب رضی اللہ عنہ وغیرہ کا بیان ہے کہ

ایک دن آپ علیہ السلام کسی کام کے لئے جا رہے تھے کہ آپ علیہ السلام کو سخت گرمی ہوئی۔

آپ علیہ السلام نے عرض کی۔

اے میرے رب کریم! میں آج دھوپ میں چلا ہوں اور مجھے سخت گرمی محسوس ہوئی ہے۔ وہ فرشتہ اس کی گرمی کیسے برداشت کرتا ہوگا جو ایک دن میں پانچ سو سال کی مسافت سے (سورج) اٹھائے رکھتا ہے۔ یا اللہ اس فرشتے سے اس (سورج) کے بوجھ اور گرمی کو ہلکا اور کم فرما دے جب صبح ہوئی تو فرشتے نے سورج کے بوجھ اور تپش کو کم پایا۔

فرشتے نے عرض کی۔

یارب عزوجل! یہ کیسے تو نے کمی کا فیصلہ فرمایا

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

میرے مقرب بندے ادریس علیہ السلام نے تجھ سے سورج کے بوجھ اور تپش کو کم کرنے کی سفارش کی ہے اور میں نے اس کی سفارش قبول فرمالی ہے۔

فرشتے نے عرض کی

یارب عزوجل! میرے اور اس بندے کے درمیان دوستی پیدا فرما دے۔

اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کو دوستی کی اجازت مرحمت فرما دی۔ وہ فرشتہ حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس پہنچا۔

حضرت ادریس علیہ السلام نے اسے فرمایا

مجھے معلوم ہوا کہ تو بڑا معزز فرشتہ اور ملک الموت کے پاس تیری بڑی قدر و منزلت ہے۔ آپ علیہ السلام میری ان سے سفارش کر دیں کہ میری موت میں تھوڑی تاخیر کر دے تا کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور نعمتوں پر شکر اور زیادہ کرلوں۔

فرشتے نے کہا:

قبلہ! اللہ تعالیٰ نے کسی نفس کی موت کی موت کے لئے جو وقت مقرر کیا ہے اس میں وہ تاخیر نہیں فرماتا۔ ہاں میں آپ علیہ السلام کے کہنے کے مطابق بات کرتا ہوں، فرشتہ حضرت ادریس علیہ السلام کو سورج کے طلوع ہونے کی جگہ کے قریب چھوڑ کر خود آسمان کی طرف چڑھ گیا۔

وہ فرشتہ ملک الموت کے پاس پہنچا اور کہا کہ

جناب میرا انسانوں میں ایک دوست ہے۔ اس نے سفارش طلب کی ہے کہ آپ علیہ السلام ان کی موت میں تاخیر کر دیں۔

ملک الموت نے کہا:

یہ کام تو میرے بس میں ہی نہیں ہے لیکن میں اتنا کر سکتا ہوں کہ انہیں اپنی موت کا وقت بتا دیتا ہوں تا کہ وہ پہلے سے تیاری کر لیں۔

فرمایا

ٹھیک ہے یہ تو کر دو

حضرت ملک الموت نے اپنا رجسٹر دیکھا اور فرمایا

تم نے جس انسان کے متعلق مجھ سے بات کی ہے اور آئندہ کبھی نہیں مرے گا۔

فرشتہ نے کہا:

یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں ابھی انہیں سورج کی طلوع ہونے کی جگہ کے پاس چھوڑ کر تمہارے پاس آیا ہوں۔

ملک الموت نے کہا:

تم جاؤ دیکھو وہ وہاں مر چکا ہے اور حضرت ادریس علیہ السلام کی زندگی کا کوئی لمحہ اب باقی نہیں ہے۔ وہ سورج کا فرشتہ لوٹ کر آیا تو حضرت ادریس علیہ السلام کو مردہ پایا۔

(تفسیر مظہری: ج:6، ص:135 ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

حضرت ادریس علیہ السلام کی عبادت بلند ہونا

حضرت وہب فرماتے ہیں کہ

حضرت ادریس علیہ السلام کی ہر روز اتنی عبادت بلند ہوتی تھی جتنی کہ تمام دوسرے لوگوں کی پہنچتی تھی۔ فرشتوں کو اس پر تعجب ہوا اور انہیں ان کی ملاقات کا شوق پیدا ہوا۔ ملک الموت نے اپنے رب عزوجل سے حضرت ادریس علیہ السلام کی اجازت طلب کی۔ اجازت ملی تو آپ علیہ السلام انسانی شکل میں حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس تشریف لائے۔ حضرت ادریس علیہ السلام ہمیشہ روزے رکھتے تھے۔ جب افطار کا وقت ہوا تو آپ علیہ السلام نے ملک الموت کو کھانے کی دعوت دی۔ انہوں نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ مسلسل تین راتیں ایسا ہی ہوتا رہا۔ حضرت ادریس علیہ السلام کھانے کی دعوت دیتے لیکن ملک الموت جو انسانی شکل میں آئے ہوئے تھے، کھانا کھانے سے انکار کر دیتے۔

تیسری رات حضرت ادریس علیہ السلام نے پوچھا:

جناب آپ علیہ السلام ہیں کون؟

ملک الموت نے کہا:

میں ملک الموت ہوں۔ میں اپنے رب عزوجل سے اجازت لے کر تمہاری ملاقات اور تجھ سے دوستی کرنے کے لئے آیا ہوں۔

حضرت ادریس علیہ السلام نے فرمایا:

مجھے تجھ سے ایک کام ہے۔

پوچھا

کیا

فرمایا

تم میری روح قبض کرلو

اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو حکم دیا کہ

تم ان کی روح قبض کرلو۔ اس نے روح قبض کر لی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کچھ دیر کے بعد ان کی روح لوٹا دی۔

ملک الموت نے کہا:

آپ علیہ السلام نے موت کا سوال کیوں کیا

فرمایا

اس لئے تا کہ موت کی تکلیف اور اس کی گہرائی کا ذائقہ چکھ لوں تا کہ میں اس کے لئے زیادہ تیار ہو جاؤں۔

پھر حضرت ادریس علیہ السلام نے فرمایا:

مجھے تجھ سے ایک اور کام بھی ہے۔

ملک الموت نے پوچھا:

وہ کیا ہے؟

فرمایا

تم مجھے آسمان پر لے جا تا کہ میں آسمان، جنت اور دوزخ دیکھ لوں۔ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو انہیں آسمانوں پر لے جانے کی اجازت فرما دی۔

جب آپ علیہ السلام دوزخ کی آگ کے قریب پہنچے

تو فرمایا

ملک الموت مجھے ایک اور حاجت ہے

فرمایا

وہ کیا ہے؟

فرمایا

تم دوزخ کے داروغے مالک سے کہو کہ

میرے لئے دوزخ کے دروازے کھول دے تاکہ اس میں داخل ہو کر سب کچھ دیکھ لوں۔ آپ علیہ السلام کی یہ خواہش بھی پوری کر دی گئی۔

پھر فرمایا

جیسے تم نے مجھے دوزخ دکھائی ہے اب جنت بھی دکھا دو۔ آپ علیہ السلام جنت کی طرف تشریف لے گئے۔ اس کے دروازے کھولنے کا مطالبہ کیا تو وہ کھول دیئے گئے اور آپ علیہ السلام جنت میں داخل ہو گئے۔ پھر سیر جنت کے بعد ملک الموت نے کہا:

جناب آپ علیہ السلام یہاں سے چلئے اور زمین میں اپنی جگہ تشریف لے جایئے۔ حضرت ادریس علیہ السلام جنت کے ایک درخت سے چمٹ گئے۔

اور فرمایا

میں تو یہاں سے کبھی نہیں نکلوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے ایک فرشتہ بھیجا۔

فرشتے نے پوچھا:

جناب آپ علیہ السلام جنت سے باہر کیوں نہیں جاتے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اس کی وجہ یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

ہر نفس موت کا ذائقہ چکھے گا۔ میں اس کا ذائقہ چکھ چکا ہوں۔

اور ارشاد فرمایا

تم میں سے ہر شخص دوزخ میں وارد ہوگا۔ میں اس منزل سے بھی گزر چکا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

جنتی جنت سے باہر نہیں نکلیں گے۔ اس لئے اب میں باہر نہیں نکلوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کی طرف پیغام بھیجا کہ حضرت ادریس علیہ السلام میرے حکم سے جنت میں داخل ہوئے تھے اور میرے حکم سے ہی نکلیں گے۔ اسی وجہ سے میں زندہ

ہیں۔

(تفسیر مظہری: ج:6، ص:135 تا 136 ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

عرضِ مصنف!

حضرت ادریس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر ہیں۔ آپ علیہ السلام حضرت شیث کے بعد مبعوث ہوئے۔ میں نے حضرت شیث علیہ السلام کا ذکر حضرت ادریس علیہ السلام سے پہلے اس لئے نہیں کیا کہ مجھے انبیاء کرام علیہم السلام کی ترتیب میں آپ علیہ السلام کا ذکر نہیں ملا۔ اس لئے پہلے جو ترتیب عرض کی ہے اسی ترتیب سے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر خیر کروں گا۔

اللہ تعالیٰ مجھ بدکار کو حق اور سچ بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاه النبی الامین و صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی ہیں۔ آپ علیہ السلام حضرت ادریس علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو بلند مرتبہ عطا فرمایا اور نبوت کے اعلیٰ مقام پر فائز فرمایا۔

حضرت نوح علیہ السلام کا نام ونسب نامہ اور تاریخ ولادت

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

حضرت نوح علیہ السلام کا شجرہ نسب یہ ہے۔

نوح بن لامک بن متوشلخ، بن خنوخ (ادریس) بن یرد بن مہلاییل بن قینن بن انوش بن شیث بن آدم ابوالبشر علیہ السلام

امام ابن جریر وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے ایک سو چھبیس سال بعد حضرت نوح علیہ السلام پیدا ہوئے اور اہل کتاب کی تاریخ میں مذکور ہے کہ ان دونوں کے درمیان ایک سو چھیالیس سال کا عرصہ ہے۔

امام ابن حبان نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ

حضرت ابوامامہ بیان کرتے ہیں کہ

ایک شخص نے پوچھا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا حضرت نوح علیہ السلام نبی تھے۔

ارشاد فرمایا

ہاں! وہ ایسے نبی تھے جن سے کلام کیا گیا۔

پوچھا

حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان کتنا عرصہ ہے۔

ارشاد فرمایا۔

دس قرن (صدیاں)

(صحیح ابن حبان ج:14، رقم الحدیث:6190)(مستدرک، ج:1،ص:160)

حضرت نوح اور حضرت آدم علیہما السلام کے درمیان عرصہ

حضرت نوح اور حضرت آدم علیہما السلام کے درمیان دس صدیوں کا عرصہ ہے۔

امام ابن حبان نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

ایک شخص نے پوچھا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا حضرت آدم علیہ السلام نبی تھے۔

ارشاد فرمایا

ہاں! وہ ایسے نبی تھے جن سے کلام کیا گیا

پوچھا

حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان کتنا عرصہ ہے۔

ارشاد فرمایا

دس قرن (صدیاں)

(صحیح ابن حبان: ج:14، رقم الحدیث:6190)

اس حدیث کا تقاضہ یہ ہے کہ

حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال ہیں۔ اس کی تائید اس حدیث مبارکہ سے بھی ہوئی ہے۔

امام محمد بن سعد متوفی 230ھ اپنی سند کے ساتھ عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان دس قرن ہیں اور سب اسلام پر تھے۔

(الطبقات الکبریٰ: ج:1،ص:42 مطبوعہ صادر بیروت)

حضرت نوح علیہ السلام سب سے اول رسول

حضرت نوح علیہ السلام زمین پر اللہ تعالیٰ کے سب سے پہلے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف بھیجا جیسا کہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قیامت کے دن لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔

اور کہیں گے۔

اے نوح (علیہ السلام)! آپ علیہ السلام زمین والوں کی طرف سب سے پہلے رسول ہیں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 4712)

حضرت نوح علیہ السلام کی عمر مبارک

اہل کتاب کا قول یہ ہے:

جس وقت حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تھے اس وقت ان کی عمر چھ سو سال تھی۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

وہ اس کے بعد تین سو پچاس سال زندہ رہے۔

لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید میں یہ تصریح ہے کہ وہ بعثت کے بعد اپنی قوم میں نو سو پچاس سال تک رہے۔ پھر ان کے بعد ظالموں پر طوفان آیا پھر اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ وہ طوفان آنے کے بعد کتنا عرصہ زندہ رہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

چوراسی سال کی عمر میں ان کی بعثت ہوئی اور طوفان کے بعد وہ ساڑھے تین سو سال زندہ رہے۔ اس حساب سے ان کی عمر ایک ہزار سات سو اسی سال ہے۔

(البدایہ والنہایہ: ج: 1، ص: 100، 120 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بت پرستی کی ابتداء

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ محمد بن قیس سے روایت کیا ہے کہ

حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان نیک لوگ تھے اور ان کے پیروکار ان کی عبادت کرتے تھے۔ جب وہ نیک لوگ فوت ہو گئے

تو ان کے پیروکاروں نے کہا:

اگر ہم نے ان کی تصویریں بنالیں تو اس سے ہماری عبادت میں زیادہ ذوق اور شوق ہوگا۔ سو انہوں نے ان نیک لوگوں کی تصویریں بنالیں۔ جب وہ فوت ہو گئے اور ان کی دوسری نسل آئی تو ابلیس نے ان کے دل میں یہ خیال ڈالا کہ ان کے آباء ان تصویروں کی عبادت کرتے تھے اور اسی سبب سے ان پر بارش ہوتی تھی۔ سو انہوں نے ان تصویروں کی عبادت کرنی شروع کر دی اور امام ابن ابی حاتم نے عروہ بن الزبیر سے روایت ہے کہ

ود،

یغوث

یعوق

سواع

اور نسر حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور ''ود'' ان میں سب سے نیک تھے۔

(جامع البیان: جز: 29، ص: 122 دار الفکر بیروت)

امام ابن حاتم نے باقر سے روایت کیا ہے کہ

ود ایک نیک شخص تھا اور وہ اپنی قوم میں بہت محبوب تھا۔ جب وہ فوت ہو گیا تو اس کی قوم کے لوگ بابل کی سرزمین اس کی قبر کے گرد بیٹھ کر روتے رہے۔ جب ابلیس نے ان کی آہ و بکا دیکھی تو وہ ایک انسان کی ایک صورت بنا دوں۔ تم اپنی مجالس میں اس تصویر کو دیکھ کر اسے یاد کیا کرو۔ انہوں نے اس سے اتفاق کیا۔ اس نے ود کی تصویر بنا دی جس کو وہ اپنی مجلسوں میں رکھ کر اس کا ذکر کیا کرتے تھے۔ جب ابلیس نے یہ منظر دیکھا تو کہا

تم میں سے ہر ایک کے گھر میں ود کا ایک مجسمہ (بت) بنا کر رکھ دوں تاکہ تم میں سے ہر شخص اپنے گھر میں ود کا ذکر کرے۔ انہوں نے اس کو مان لیا۔ پھر ہر گھر میں ود کا ایک بت بنا کر رکھ دیا۔ پھر ان کی اولاد بھی یہی کچھ کرنے لگی۔ پھر اس کے بعد جو نسلیں آئیں وہ یہ بھول گئیں کہ ود ایک انسان تھا وہ اس کو خدا مان کر اس کی عبادت کرنے لگیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس بت کی پرستش شروع کر دی سو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جس بت کی سب سے پہلے پرستش شروع کی گئی وہ ود نام کا بت تھا۔

(تفسیر ابن ابی حاتم: ج: 10، ص: 3375، 3376 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

خلاصہ یہ ہے کہ

ہر وہ بت جس کی وہ عبادت کرتے تھے اصل میں اللہ تعالیٰ کا کوئی نیک بندہ تھا جس کی انہوں نے تصویر اور اس کا مجسمہ بنا لیا تھا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

حضرت ام حبیبہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ انہوں نے حبشہ میں ایک گرجا دیکھا جس کا نام ماریہ تھا۔ انہوں نے اس کی خوبصورتی کا اور اس میں رکھی ہوئی تصاویر کا ذکر کیا۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب ان میں کوئی نیک شخص مر جاتا تھا تو وہ اس کی قبر کو سجدہ گاہ بنا لیتے اور اس میں یہ تصویریں رکھ دیتے تھے۔ یہ لوگ اللہ عزوجل کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 427)

غرض یہ کہ جب زمین میں بت پرستی عام ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ رسول حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا۔ آپ علیہ السلام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے وحدہ لاشریک ہونے کی دعوت دیتے تھے اور ان کو غیر اللہ کی عبادت سے منع کرتے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی بزرگی

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو تمام عالم پر خاص بزرگی عطا فرمائی۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوۡحًا وَّاٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ (آل عمران: 33)

بے شک اللہ نے آدم کو اور نوح اور آل ابراہیم کو اور آل عمران کو تمام جہانوں پر بزرگی دی۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان فضیلت یافتہ اور بزرگ شخصوں کا ذکر فرمایا ہے جن کی اتباع کرنا واجب ہے اور جن کی اتباع کرنے سے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوتی ہے۔ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ وہ تمام انسانوں کی اصل ہیں۔ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا کیونکہ آپ علیہ السلام آدم اصغر ہیں اور دنیا میں رہنے والے تمام انسان ان ہی کی اصل سے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی فضیلتوں میں سے یہ دعا ہے کہ

زمین پر وہ پہلے تشریعی نبی ہیں۔ بیٹوں، بہنوں، پھوپھیوں، خالاؤں اور دیگر تمام ذوی الارحام کے ساتھ نکاح کی تحریم کا حکم سب سے پہلے ان پر نازل ہوا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد روئے زمین کے تمام انسانوں کے وہی والد ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے علاوہ عمر بھر روزے سے

حضرت نوح علیہ السلام نے عید الفطر و عید الاضحیٰ کے علاوہ عمر بھر روزے رکھے اور اس پر آپ علیہ السلام نے دوام فرمایا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

حضرت نوح علیہ السلام نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دنوں کے علاوہ باقی تمام عمر بھر روزہ رکھا۔

(ابن ماجہ: کتاب الصیام: باب ماجاء فی صیام نوح علیہ السلام ج: 1 ص: 547، رقم الحدیث: 1714)

اور ایک روایت میں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت نوح علیہ السلام نے تمام عمر روزہ رکھا، سوائے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن کے اور حضرت داؤد علیہ السلام نے نصف عمر کا روزہ رکھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ہر مہینہ میں تین دن روزہ رکھتے۔ ایک زمانہ آپ علیہ السلام نے روزہ رکھا اور ایک زمانہ افطار کیا۔ (شعب الایمان: ج: 3، ص: 385، رقم: 3848)

حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نوسو سال دعوت دی

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہمارے رب عزوجل نے حضرت نوح علیہ السلام کے لئے سابقہ تمام لوگوں کا علم جمع فرمادیا اورانہیں اپنی مدد ونصرت سے نوازا۔ پس انہوں نے اپنی قوم کو مخفی اور اعلانیہ طور پر ساڑھے نوسو سال تک دعوت حق دی۔ پس ساڑھے نوسو سال میں ایک کے بعد دوسری صدی گزرتی گئی لیکن ان کی قوم کے لوگ کفر اور سرکشی میں بڑھتے گئے۔

(المستدرک، ج:2،ص:597،رقم الحدیث:4011)

دنیا میں تمام لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہیں

دنیا میں جس قدر بھی لوگ ہیں۔ وہ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ (الصفت: 77)

اور ہم نے ان ہی کی اولاد کو باقی رہنے والا بنادیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد دنیا میں جس قدر لوگ ہیں وہ سب حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

آپ علیہ السلام کے تین بیٹے تھے۔

(1) سام

(2) حام

(3) یافث

تمام عرب وعجم سام کی اولاد سے ہیں۔

اور روم، ترک اور صقالبہ یافث کی اولاد سے ہیں۔

اور سوڈانی حام کی اولاد سے ہیں۔

(معالم التنزیل، ج:4،ص:34)

حضرت نوح علیہ السلام کا قوم کو تبلیغ کرنا

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو آپ علیہ السلام کی قوم کی طرف مبعوث کیا تا کہ آپ علیہ السلام اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے وحدہ لاشریک ہونے کی دعوت دیں۔

قرآن مجید میں ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ (الاعراف: 59)

بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ میں انہوں نے کہا: اے میری قوم، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے۔ بے شک مجھے تم پر ایک عظیم دن کے عذاب کا خطرہ ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت مبعوث کیا جب بتوں کی عبادت اور شیطانوں کی اطاعت شروع ہو چکی تھی اور لوگ کفر اور گمراہی میں مبتلا ہو چکے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تبلیغ کی اور انہیں اللہ تعالیٰ کے وحدہ لا شریک ہونے کا یقین دلایا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت کے وقت عمر

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تو اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر مبارک چالیس سال تھی۔

مستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

بعثت کے وقت آپ علیہ السلام کی عمر چالیس سال تھی اور آپ علیہ السلام نے (950) نو سو پچاس سال اپنی قوم کو تبلیغ کی اور طوفان کے بعد 60 سال زندہ رہے حتیٰ کہ لوگ کثیر ہو گئے اور مختلف علاقوں میں پھیل گئے۔

(مستدرک حاکم: باب ذکر نوح النبی علیہ السلام: ج:2، ص:595 حدیث 4005 دار الفکر العلمیہ)

بعض علماء نے لکھا ہے کہ

بعثت کے وقت آپ علیہ السلام کی عمر مبارک پچاس سال تھی اور طوفان کے بعد چار سو پچاس یا چار سو پچاس 450 سال زندہ رہے اور آپ علیہ السلام کی کل عمر 1450 سال تھی۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ

آپ علیہ السلام کی عمر بعثت کے وقت چار سو پچاس یا چار سو ساٹھ سال تھی۔

خلاصۃ السیر کی شرح میں اسی طرح ذکر ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ

بعثت کے وقت آپ علیہ السلام کی عمر ڈھائی سو سال تھی اور طوفان کے بعد آپ علیہ السلام ڈھائی سو سال زندہ رہے اور آپ علیہ السلام کی عمر ایک ہزار چار سو پچاس تھی۔

مقاتل کہتے ہیں۔

بعثت کے وقت عمر سو سال تھی۔

ابن جریر نے لکھا ہے کہ

حضرت نوح علیہ السلام کی ولادت حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے آٹھ سو چھبیس سال بعد ہوئی۔

(تفسیر مظہری: ج: 3، ص: 421 ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

قوم کا کھلی گمراہی میں کہنا

جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تبلیغ کی تو قوم کے سرداروں نے کہا: ہم آپ کو کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ○ (الاعراف: 60)

قوم کے سرداروں نے کہا: بے شک ہم آپ کو یقیناً کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کا جواب کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول ہوں

جب قوم کے سرداروں نے کہا: ہم آپ کو کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں تو حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا: اے میری قوم، مجھ میں کسی قسم کی گمراہی نہیں ہے میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول ہوں اور تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے آیا ہوں اور صرف تمہاری خیر خواہی چاہتا ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ○ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ○ (الاعراف: 61، 62)

انہوں نے کہا: اے میری قوم مجھ میں کسی قسم کی گمراہی نہیں ہے لیکن میں تمام جہانوں کے رب کی جانب سے رسول ہوں۔ میں تمہیں اپنے رب عزوجل کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے ان باتوں کو جانتا ہوں جنہیں تم نہیں جانتے۔

اس آیت کریمہ میں حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کے سرداروں کو جواب دے رہے ہیں اور قوم کے سرداروں کے شک کو دور فرما رہے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور اسی کا صرف پیغام پہنچاتا ہوں۔ کفار نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف کھلی گمراہی کے جس عیب کی نسبت کی تھی۔ اس کی حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی ذات سے نفی کی اور اپنی سب سے مکرم اور مشرف صفت کا بیان کیا اور وہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے مخلوق کی طرف رسول اور پیغام رساں ہیں اور ان کو اپنے رب عزوجل کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور ان کی خیر خواہی کرتے ہیں۔ تبلیغ رسالت یعنی پیغام پہنچانے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جن چیزوں کا مکلف کیا ہے یعنی اوامر اور نواہی ان کا بیان کرتے ہیں۔ ان کے لئے کیا کام کرنا ضروری ہے اور کن کاموں کا نہ کرنا ضروری ہے اور یہ کہ کن کاموں پر دنیا میں ان کی مذمت ہوگی اور آخرت میں عذاب ہوگا اور کن کاموں پر ان کی دنیا میں تحسین ہوگی اور آخرت میں ثواب ہوگا۔ [illegible] عزوجل کی طرف سے پہنچاتے تھے اور نصیحت

خواہی کا معنی یہ ہے کہ ان کو ایمان اور اعمال صالحہ کی تلقین اور ترغیب دیتے تھے اور کفر اور معصیت سے روکتے تھے اور ان کو عذاب الٰہی عزوجل سے ڈراتے تھے۔

پھر ارشاد فرمایا:

میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان باتوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے یعنی میں جانتا ہوں کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کی تو وہ تم کو طوفان کے عذاب میں مبتلا کر دے گا نیز میں جانتا ہوں کہ وہ آخرت میں تم کو ایسے سخت اور دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

اور اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ

میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور صفات کو جانتا ہوں جس کو تم نہیں جانتے اور اس کا مقصد ان علوم کے حصول کی ترغیب دینا ہے۔

پس یہی وجہ تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس طرح جواب عطا فرمایا۔

قوم کو ڈرانا

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو قوم کی طرف اس لئے مبعوث کیا کہ آپ علیہ السلام اپنی قوم کو آخرت کے عذاب سے ڈرائیں اور اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا حکم فرمائیں۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖۤ اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ○ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰہَ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ○ (ھود: 25، 26)

اور بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ میں تم کو علی الاعلان ڈرانے آیا ہوں کہ تم اللہ کے سوا کسی عبادت نہ کرنا، مجھے تم پر دردناک دن کے عذاب کا خوف ہے۔

☆

اس آیت کریمہ میں حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کی طرف مبعوث ہونے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے اور حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: میں تم کو اعلانیہ طور پر ڈرانے آیا ہوں کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

اس آیت کریمہ میں دردناک دن فرمایا ہے اور دن کو دردناک سے متصف فرمایا ہے حالانکہ دردناک عذاب کی صفت ہے نہ کہ دن کی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

یہ توصیف مجاز عقلی ہے جیسے عرب کہتے ہیں

نهارك صائم و عليك صائم

چونکہ یہ دردناک عذاب اس دن نازل ہوگا۔ اس لئے اس دن کو دردناک عذاب کے ساتھ متصف فرمایا۔

بظاہر اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ

عذاب سے مراد عام ہو خواہ دنیاوی عذاب ہو اخروی کا۔ حضرت نوح علیہ السلام کو علم تھا کہ اگر ان کی قوم ایمان نہ لائی تو اس پر طوفان کا عذاب آئے گا اور ان کی قوم بھی یہ سمجھتی تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام کو علم تھا کہ اگر ان کی قوم ایمان نہ لائی تو اس پر طوفان کا عذاب آئے گا اور ان کی قوم بھی یہ سمجھتی تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام ان کو دنیاوی عذاب سے ڈرا رہے ہیں اسی بناء پر وہ یہ کہتے تھے: آپ علیہ السلام جس عذاب سے ہم کو دھمکا رہے ہیں وہ عذاب لا کر دکھائیں۔

قوم کے سرداروں کا بشر سمجھنا

جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دین کی تبلیغ کی اور اللہ تعالیٰ کے وحدہ لاشریک ہونے کا یقین دلایا تو قوم کے سرداروں نے کہا: ہم تم کو اپنے جیسا بشر سمجھتے ہیں اور ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ آپ کی پیروی تو پس ماندہ لوگ اور کم عقل لوگ کر رہے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ۝ (ھود: 27)

اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمہاری پیروی صرف ہمارے پس ماندہ اور کم عقل لوگ ہی کر رہے ہیں اور ہم اپنے اوپر تمہاری کوئی فضیلت نہیں سمجھتے بلکہ ہمارے گمان میں تم جھوٹے ہو۔

☆

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے کہا:

ہم تم کو اپنے جیسا بشر ہی سمجھتے ہیں۔

علامہ راغب اصفہانی متوفی 502ھ بشر کا معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

کھال کے ظاہر کو بشرہ کہتے ہیں اور کھال کے باطن کو ادمۃ کہتے ہیں۔ واحد اور جمع کے لئے بشر آتا ہے البتہ تثنیہ بشرین آتا ہے۔ قرآن مجید میں جہاں بھی لفظ بشر آیا ہے۔ اسی سے مراد انسان کا جثہ اور اس کا ظاہر ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ (ص: 71)

میں مٹی سے بشر بنانے والا ہوں۔

کفار انبیاء کرام علیہم السلام کا مرتبہ کم کرنے کے لئے ان کو بشر کہتے تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَقَالُوْا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗۤ اِنَّاۤ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ۝ (القمر: 24)

پس وہ کہنے لگے کیا ہم اپنے ہی میں سے ایک بشر کی اتباع کریں پھر تو بے شک ہم ضرور گمراہی اور عذاب میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بتانے کے لئے کہ تمام لوگ نفس بشریت میں برابر ہیں لیکن وہ دوسروں سے علوم عالیہ اور اعمال صالحہ کی وجہ سے ممتاز ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤى اِلَیَّ (الکھف: ۱۱۰)

آپ کہیے میں بظاہر تم جیسا ہی بشر ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

میری طرف وحی اس لئے کی جاتی ہے" اس لئے فرمایا: ہر چند کہ نفس بشریت میں، میں تمہاری مثل ہوں لیکن اس وصف میں میں تم سے ممتاز ہوں کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

(المفردات ج:1 ص:60 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

حضرت نوح علیہ السلام پر کفار کے سرداروں کے شبہات

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافر سرداروں نے حضرت نوح علیہ السلام کی نبوت میں پہلا شبہ یہ پیش کیا تھا کہ ہم تم کو اپنے جیسا بشر ہی سمجھتے ہیں۔

اور یہ ایسا شبہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے کافروں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں پیش کیا تھا اور وہاں اللہ تعالیٰ نے اس کا ازالہ فرمایا تھا۔

وَقَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَیْهِمْ مَّا یَلْبِسُوْنَ ۝ (الانعام: 8، 9)

اور انہوں نے کہا: اس پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا اور اگر ہم فرشتہ اتارتے تو کام تمام ہو چکا ہوتا پھر ان کو مہلت نہ دی جاتی اور اگر ہم رسول کو فرشتہ بناتے تو اسے مرد ہی بناتے اور ان پر بھی وہی شبہ ڈال دیتے جو شبہ وہ اب کر رہے ہیں۔

کفار کا یہ شبہ ان کی جہالت پر مبنی ہے۔ کیونکہ نبی نبوت کو دلائل اور براہین سے ثابت کرتا ہے اور معجزات پیش کرتا ہے وہ ہی شکل وصورت اور خلقت سے اپنی نبوت کو ثابت نہیں کرتا بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ فرشتہ کو نبی بنا کر بھیجتا اور وہ خلاف

عادت کاموں کو اپنی نبوت پر دلیل بناتا تو اس کی نبوت میں طعن کرنے کا زیادہ موقع تھا کیونکہ یہ کہا جاسکتا تھا کہ معجزات انسانوں کے اعتبار سے خلاف عادت ہیں۔ فرشتہ کے لئے خلاف عادت نہیں ہیں لہٰذا یہ معجزات فرشتہ کی نبوت پر نہیں ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ

فرشتہ جو عبادات سرانجام دیتا اور دوسرے نیک اعمال انجام دیتا، وہ انسانوں پر حجت نہ ہوتے کیونکہ یہ کہا جاسکتا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ فرشتہ کی حقیقت میں ایسا عنصر نہ ہو۔ نیز فرشتہ بھوک پیاس، غم اور غصہ اور شہوت اور غضب سے منزہ اور مجرد ہوتا ہے۔ لہٰذا فرشتہ کا برائیوں سے بچنا اور نیک اعمال کرنا انسانوں پر حجت نہیں ہوسکتا۔ ان وجوہ کی بناء پر اگر فرشتہ کو نبی بنادیا جاتا تو بندوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری نہ ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بشر اور انسانوں سے رسولوں کو بھیجا ہے کہ فرشتوں سے۔

کفار نوح کا قول کہ پس ماندہ اور کم عقل لوگ پیروی کرتے ہیں

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافر سرداروں کا دوسرا شبہ یہ تھا کہ اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمہاری پیروی صرف ہمارے پس ماندہ اور کم عقل لوگ ہی کررہے ہیں۔ اسی طرح کا شبہ کفار قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی کیا تھا۔

اس کی تفصیل یہ ہے۔

ابوسفیان بن حرب نے بیان کیا۔

جس مدت میں ابوسفیان اور کفار قریش کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ ہوا تھا۔ اس مدت میں وہ شام میں تجارت کے لئے گئے۔ روم کے بادشاہ ہرقل نے ان کو اپنے دربار میں بلایا۔ اس وقت وہ ایلیا میں تھے۔ اس نے ایک ترجمان کو بلا کر ابو سفیان سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق چند سوالات کئے۔

ان میں سے ایک سوال یہ تھا کہ

قوم کے معزز لوگ ان کی پیروی کررہے ہیں یا پس ماندہ اور کمزور لوگ

ابوسفیان نے کہا:

پس ماندہ اور کمزور لوگ پیروی کرتے ہیں۔

ہرقل نے کہا:

ہمیشہ رسولوں کی پیروی پس ماندہ اور کمزور لوگ ہی کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 7)

پس ماندہ اور کمزور لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو مالدار نہ ہوں تنگ دست اور مفلس ہوں اور جن لوگوں کا تعلق ایسے پیشے سے ہو جس کو معاشرہ میں نیچ، خسیس اور گھٹیا سمجھا جاتا ہو اور یہ بھی ان کی جہالت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلندی، برتری، اور عظمت مال و دولت اور بلند مرتبہ ... اللہ تعالیٰ کے نزدیک ... افلاس مال و دولت سے زیادہ پسندیدہ ہے

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو اسی تعلیم کے ساتھ بھیجا کہ وہ دنیا کو ترک کر کے آخرت کی طرف راغب ہوں۔ تو مال و دولت کی کمی نبوت اور رسالت میں طعن کی کس طرح موجب ہوگی۔

فقراء کا مقرب ہونا

اللہ تعالیٰ کے نزدیک اغنیاء کی بہ نسبت فقراء کے مقرب اور افضل ہونے کی دلیل پر حدیث مبارکہ ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی

اے اللہ عزوجل! مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں میری روح قبض کرنا اور قیامت کے دن مجھے مسکینوں کی جماعت میں اٹھانا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس دعا کا کیا سبب ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مسکین اغنیاء چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

اے عائشہ! (رضی اللہ عنہا)

تم مسکین کو مسترد نہ کرو خواہ ایک کھجور کا ایک ٹکڑا ہو۔

اے عائشہ (رضی اللہ عنہا)!

مسکینوں سے محبت کرو اور ان کو قریب رکھو تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہیں اپنے قریب رکھے گا۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2352)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فقراء، اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ میدان حشر کا نصف دن ہوگا۔

اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ طبقاتی فرق اور نام و نسب فضیلت کا موجب نہیں ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

ایام تشریق کے وسط میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حجۃ الوداع کا خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا

اے لوگو! تمہارا رب عزوجل ایک ہے۔ تمہارا باپ ایک ہے سنو کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ کسی گورے کو کالے پر فضیلت ہے اور نہ کسی کالے کو گورے پر فضیلت ہے مگر تقویٰ کے ساتھ۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔ سنو! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے۔

مسلمانوں نے کہا:

کیوں نہیں! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

پھر حاضر کو چاہئے کہ وہ غائب کو تبلیغ کر دے۔

(شعب الایمان ج:4، 289 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانہ جاہلیت کی عیب جوئی اور باپ دادا پر فخر کرنے کو دور کر دیا ہے۔ سب لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔ مومن متقی ہے اور فاجر بدمزاج ہے۔ لوگ باپ دادا پر فخر کرنے سے باز آ جائیں ورنہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیڑے مکوڑوں سے بھی زیادہ ذلیل ہیں۔

(شعب الایمان: ج:4، ص:286)

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافر سرداروں کا تیسرا شبہ یہ تھا کہ

اور ہم اپنے اوپر تمہاری کوئی فضیلت نہیں۔

ان کا یہ شبہ بھی ان کی جہالت پر مبنی ہے کیونکہ سمجھتے اللہ تعالیٰ کے نزدیک فضیلت کا معیار علم اور عمل ہے اور علم و عمل کے اعتبار سے حضرت نوح علیہ السلام کی فضیلت بالکل ظاہر تھی۔ انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے متبعین سے کہا بلکہ ہم تم کو جھوٹا گمان کرتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو دلائل دینا

کفار نوح نے حضرت نوح علیہ السلام کو جھوٹا کہا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ ہم تم کو اپنا جیسا بشر سمجھتے ہیں۔ اس پر حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک واضح دلیل رکھتا ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّیَتْ عَلَیْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَ اَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ۝ (ھود: 28)

کہا اے میری قوم یہ بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل رکھتا ہوں اور اس نے اپنے پاس سے مجھ کو رحمت

عطا کی ہو جو تم سے مخفی رکھی گئی ہے تو کیا اس کو زبردستی تم پر مسلط کر دیں گے جبکہ تم اس کو ناپسند کرنے والے ہو۔

اور اگلی آیت میں فرمایا گیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ یٰقَوْمِ لَآ اَسْــٴَـلُكُمْ عَلَیْهِ مَالًاؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَ مَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْاؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ لٰكِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ۝ وَ یٰقَوْمِ مَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۝

(ہود:30،29)

اور اے میری قوم! میں اس پر کسی مال کو طلب نہیں کرتا میرا اجر صرف اللہ پر ہے اور میں ایمان والوں کو دھتکارنے والا نہیں ہوں۔ بے شک وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ تم لوگ جاہل ہو اور اے میری قوم! اگر میں ان کو دھتکار دوں تو اللہ سے مجھے کون بچائے گا۔ کیا تم غور نہیں کرتے۔

اس آیت کریمہ میں حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے کافر سرداروں کے شبہ کا جواب دیا ہے کہ

ان کا دوسرا شبہ یہ تھا کہ

آپ علیہ السلام کی پیروی تو ہماری قوم کے پس ماندہ لوگ ہی کر رہے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے اس شبہ کا کئی وجوہ سے جواب دیا۔

(1) میں اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچانے اور دین کی تبلیغ پر تم سے کوئی اجر طلب نہیں کر رہا نہ کوئی مال و دولت مانگ رہا ہوں حتیٰ کہ یہ فرق کیا جائے کہ میری پیروی کرنے والا فقیر ہے یا غنی۔ اس مشکل اور کٹھن عبادت پر میرا اجر تو صرف اللہ تعالیٰ پر ہے تو اب اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میری پیروی امیر کرتے ہیں یا غریب۔

(2) تم میرے ظاہری حالات کو دیکھ کر یہ سمجھ رہے ہو کہ میں غریب آدمی ہوں اور تمہارا گمان یہ ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچانے کا یہ کام اسی لئے شروع کیا ہے کہ میں تم سے مال و دولت حاصل کر کے خوشحال ہو جاؤں سو تمہاری یہ بدگمانی غلط اور فاسد ہے کیونکہ میں تم سے دین کا پیغام پہنچانے پر کسی اجر اور معاوضہ کا طلب گار نہیں ہوں۔ میرا اجر تو صرف اللہ تعالیٰ پر ہے تو تم اس بدگمانی کی وجہ سے اپنے آپ کو آخرت کی سعادتوں اور کامیابیوں سے محروم نہ کرو اور اپنے اجر آخرت کو ضائع نہ کرو۔

(3) اور تم نے یہ کہا ہے:

ہم تمہیں صرف اپنی مثل بشر سمجھتے ہیں اور ہم اپنے اوپر تمہاری کوئی فضیلت نہیں دیکھتے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے انواع و اقسام کی فضیلتیں دی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں دنیا کے حصول کی کوئی کوشش نہیں کرتا۔ میری تمام کوشش اور جدوجہد کا محور صرف دین کی طلب ہے اور یہ سب جانتے ہیں کہ دنیا کو ترک کرنا اور اس سے اعراض کرنا تمام فضائل کی اصل ہے۔

نیز حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

میں ایمان والوں کو دھتکارنے والا نہیں ہوں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ

ان کی قوم کے کافر سردار نادار مومنوں کے ساتھ بیٹھنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔

امام ابن جریر نے ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ

انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام سے کہا کہ

اے نوح (علیہ السلام) اگر آپ علیہ السلام کی یہ خواہش ہے کہ ہم آپ علیہ السلام کی پیروی کریں تو آپ علیہ السلام اپنی مجلس سے ان فقراء کو نکال دیں کیونکہ ہم اس پر کبھی راضی نہیں ہوں گے کہ وہ اور کسی معاملہ میں بھی برابر ہوں۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 13989)

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

میں ان مومنوں کو اپنی مجلس سے نکالنے والا نہیں ہوں۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ

وہ اپنے رب عزوجل سے ملاقات کرنے والے ہیں۔

نیز وہ کہتے تھے کہ

یہ لوگ نفاق سے آپ کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔

تو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

یہ معاملہ اللہ عزوجل سے ان کی ملاقات ہونے پر کھل جائے گا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو اپنی مجلس سے نہ نکالنے کی یہ وجہ پیش کی کہ وہ اپنے رب عزوجل سے ملاقات کرنے والے ہیں اور اس وقت ان کا رب عزوجل ان کو وہ انعامات عطا فرمائے گا جس کا اس نے ان مومنوں سے وعدہ فرمایا ہے۔ اب اگر میں نے ان کو اپنی مجلس سے نکال دیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے مجھ سے جھگڑا کریں گے۔ نیز انہوں نے یہ وجہ بیان فرمائی کہ میں ان مومنوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گا۔ اگر میں نے بالفرض ان کو اپنی مجلس سے نکال دیا تو اللہ تعالیٰ مجھ پر گرفت فرمائے گا اور اس کے مقابلہ میں میری مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا اور یہ وہ تمام اسرار اور رموز ہیں اور مسلمانوں کو اپنی مجلس سے نہ نکالنے کی وجوہات ہیں جن کو میں جانتا ہوں اور تم نہیں جانتے۔

☆

اور آیت کریمہ نمبر 30 میں فرمایا

اور اے میری قوم! اگر میں ان کو دھتکار دوں تو اللہ تعالیٰ سے مجھے کون بچائے گا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ

عقل اور شرع اس بات پر متفق ہے کہ نیک اور متقی مسلمان کی تعظیم اور تکریم ضروری ہے اور کافر اور فاجر کی توہین کرنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (المنافقون: 8)

عزت تو اللہ اور رسول اور ایمان والوں کے لئے ہے لیکن منافقین نہیں جانتے۔

اور جگہ ارشاد فرمایا

فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ (الزمر: 26)

سو اللہ نے انہیں دنیا کی زندگی میں ذلت کا مزہ چکھایا اور یقیناً آخرت کا عذاب سب عذابوں سے بڑا ہے۔

اور جگہ ارشاد فرمایا

لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (البقرہ: 114)

ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔

اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی مومنوں کی تکریم اور کفار کی تذلیل کا حکم ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے مسلمان شخص کی تکریم کی تو اللہ تعالیٰ اس کی تکریم کرے گا۔

(المعجم الاوسط: رقم الحدیث: 8640 مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض)

وضین بن عطا بیان کرتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ میں تمہاری قوم میں سے ایک لاکھ چالیس ہزار نیکوکاروں کو اور ساٹھ ہزار بدکاروں کو ہلاک کرنے والا ہوں۔

حضرت یوشع علیہ السلام نے عرض کیا

اے میرے رب عزوجل تو بدکاروں کو تو ہلاک فرمائے گا، نیکوکاروں کو کیوں ہلاک فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وہ بدکاروں کے پاس جاتے تھے۔ ان کے ساتھ کھاتے اور پیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے غضب کی وجہ سے ان پر غضبناک

نہیں ہوتے تھے۔

(شعب الایمان: ج:7،ص:53 مطبوعہ دارالکتاب العلمیہ بیروت)

حضرت نوح علیہ السلام کے جواب کا مفہوم یہ ہے کہ

اگر میں بالفرض شریعت کے حکم کے برعکس کروں اور کافر اور فاجر کی تکریم کر کے اس کو اپنی مجلس میں مقرب بناؤں اور مومن متقی کی توہین کر کے اس کو اپنی مجلس سے نکال دوں تو یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی صریح خلاف ورزی ہوگی اور اس صورت میں، میں اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستحق ہوں گا تو پھر بناؤ مجھے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کون بچائے گا۔

حضرت نوح علیہ السلام کا قول کہ میں از خود علم غیب نہیں جانتا

حضرت نوح علیہ السلام نے جو یہ کہا کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ یہ کہ میں فرشتہ ہوں، اس قول کو قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا گیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْٓ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚ اِنِّیْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ○ (ھود: 31)

اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور جولوگ تمہاری نظروں میں حقیر ہیں میں ان کے متعلق یہ نہیں کہتا کہ اللہ ہرگز ان کو کوئی خیر نہیں عطا فرمائے گا۔ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے تو بے شک اس صورت میں میں ظالموں میں سے ہو جاؤں گا۔

☆

دنیا میں فضائل حقیقیہ روحانیہ کا مدار تین چیزوں پر ہے

(1) ان میں سے ایک استغناء مطلق ہے اور دنیا میں عادت جاریہ یہ ہے کہ جو شخص مال کثیر کا مالک ہو اس کو غنی کہا جاتا ہے۔ اس لئے حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ میں استغناء مطلق کا دعویٰ نہیں کرتا۔

(2) اور دوسری چیز ہے علم میں کمال اور مکمل علم۔

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

میں از خود غیب کو نہیں جانتا۔

(3) اور تیسری چیز ہے کامل اور مکمل قدرت اور لوگوں کے دلوں میں یہ بات مقرر ہے کہ مخلوقات میں سب سے زیادہ

اقت اور قدرت فرشتوں کو ہوتی ہے۔

اور حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

میں یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں اور ان تین چیزوں کی نفی کرنے سے مقصود یہ ہے کہ ان تینوں مراتب سے مجھے وہی کچھ حاصل ہے جو طاقت بشریہ اور قوت انسانیہ کے موافق ہے۔ رہا کمال مطلق تو میں اس کا دعویٰ نہیں کرتا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا کلام بطور تواضع ہے ورنہ بشمول حضرت نوح علیہ السلام تمام انبیاء کرام علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں کہ

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

اگر تم میری تکذیب اس وجہ سے کرتے ہو اور میری پیروی اس لئے نہیں کرتے کہ میرے پاس زیادہ مال اور بڑا مرتبہ نہیں ہے تو میں نے کب اس کا دعویٰ کیا ہے اور میں نے کب تم سے یہ کہا ہے: اللہ تعالیٰ کے رزق کے خزانے اور اس کا مال میرے پاس ہے حتیٰ کہ تم اس معاملہ میں مجھ سے بحث کرو اور میری نبوت کا انکار کرو۔ میں نے تو صرف رسالت اور اللہ عزوجل کے پیغام پہنچانے کا دعویٰ کیا ہے۔

اور نہ میں نے یہ کہا ہے:

میں از خود غیب کو جانتا ہوں حتیٰ کہ تم اس کے مستبعد ہونے کی وجہ سے اس کا انکار کرو اور میں نے جو نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا ہے وہ وحی کے ذریعہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے خبر دینے کی وجہ سے ہے۔

اور ظاہر یہ ہے کہ

جب حضرت نوح علیہ السلام نے نبوت کا دعویٰ کیا تو انہوں نے آپ علیہ السلام سے متعدد غیب کی چیزوں کے متعلق سوال کیا تو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ کی دلیل کی وجہ سے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور میں اللہ تعالیٰ کے بتلائے بغیر غیب کو نہیں جانتا۔

اور ارشاد فرمایا

میں یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔ اس میں کفار کے اس قول کا رد ہے کہ ہم آپ علیہ السلام کو اپنے جیسا بشر ہی سمجھتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کا مطلب یہ ہے کہ

میں نے اپنی نبوت کو رواج دینے کے لئے یہ نہیں کہا کہ میں فرشتہ ہوں حتیٰ کہ تم یہ کہو کہ آپ علیہ السلام تو ہماری طرح بشر ہیں اور فرشتے نہیں ہیں کیونکہ بشریت نبوت کے منافی نہیں ہے تم نے ان تین چیزوں کے نہ ہونے کو میری تکذیب کا ذریعہ بنایا ہے حالانکہ میں نے ان میں سے کسی چیز کا دعویٰ نہیں کیا۔

(روح المعانی: ج:12، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اور جو تمہاری نظروں میں حقیر ہیں ان کے متعلق میں یہ نہیں کہتا کہ تمہارے حقیر سمجھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے ثواب کردے گا یا ان کے اجور کو باطل کردے گا۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے۔ پس وہ اس کے موافق ان کو جزا دے گا اور اگر بالفرض میں ایسا کہوں تو پھر میں ظالموں میں سے ہو جاؤں گا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا عذاب مانگنا

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اتنی بد بخت تھی کہ انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی فرمانبرداری کی بجائے عذاب اور حضرت نوح علیہ السلام کی مخالفت کی۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ○ قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ○ وَلَا یَنْفَعُكُمْ نُصْحِیْۤ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُهٗ فَعَلَیَّ اِجْرَامِیْ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ○ (32 تا 35)

انہوں نے کہا: اے نوح! تم نے ہم سے بحث کی اور بہت زیادہ بحث کی۔ اب اگر تم سچے ہو تو وہ لے آؤ جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو۔ (نوح نے کہا:) اگر اللہ نے چاہا تو تم پر وہ عذاب اللہ ہی لائے گا اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ اگر میں تم کو نصیحت کروں تو میں اپنی نصیحت سے تم کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا جبکہ اللہ تمہیں گمراہ کرنے کا ارادہ کر چکا ہو۔ وہی تمہارا رب ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس نے اس کو از خود گھڑ لیا ہے۔ آپ کہیے کہ اگر میں نے اس کو گھڑ لیا ہے تو میرا گناہ میرے ذمہ ہے اور میں تمہارے گناہوں سے بری ہوں۔

علامہ راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:

جدال کا معنی ہے بحث اور مناقشہ میں فریق مخالف پر غالب آنے کی کوشش کرنا۔ جدلت الحبل کا معنی ہے میں نے رسی مضبوطی سے بنایا اور اجدل طاقت ور شکرے کو کہتے ہیں اور اسی سے جدال بنا ہے گویا بحث اور مناقشہ کرنے والوں میں سے ہر فریق دوسرے کو اس کی رائے سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے۔

اور ایک قول یہ ہے:

جدال کا معنی پچھاڑنا ہے اور اپنے مخالف کو سخت زمین پر گرانا ہے۔

(المفردات ج:1 ص:117)

علامہ ابو عبد اللہ مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

دین میں جدال کرنا محمود ہے۔ اسی وجہ سے حضرت نوح اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی قوموں سے جدال کیا تاکہ

حق کا غلبہ ہو اور جس نے ان کے موقف کو قبول کر لیا وہ کامیاب اور کامران ہو گیا اور جس نے ان کے موقف کو مسترد کر دیا وہ ناکام اور نامراد ہو گیا اور ناحق جدال کرنا تاکہ باطل کو غلبہ ہو مذموم ہے اور ایسا جدال کرنے والا دنیا اور آخرت میں ملامت اور مذمت کیا جاتا ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:9 ص:26)

کفار نوح کے اعتراضات

سابقہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے دیئے ہوئے وہ جوابات بیان فرمائے تھے جو انہوں نے کفار کے شبہات میں دیئے تھے۔

آپ علیہ السلام کے جوابات پر کفار نے دو اعتراض کئے۔

(1) کفار نے حضرت نوح علیہ السلام کے جوابات کو جدال سے تعبیر کیا۔

اور کہا کہ

آپ علیہ السلام نے بہت زیادہ جدال کیا ہے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے بہت زیادہ بحث فرمائی تھی اور حضرت نوح علیہ السلام کا جدال توحید نبوت اور آخرت کو ثابت کرنے کے لئے تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ

حق کو ثابت کرنے کے لئے دلائل پیش کرنا اور شبہات کا ازالہ کرنا یہ وہ جدال ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے اور آباء واجداد کی اندھی تقلید، جہل اور گمراہی پر اصرار کرنا اور اس پر جدال کرنا کفار کا طریقہ ہے۔

(2) حضرت نوح علیہ السلام ان کو جس عذاب سے ڈراتے تھے کفار نے ان سے عذاب کو بہ عجلت طلب کیا اور کہا اگر آپ سچے ہیں تو ہمارے پاس اس عذاب کو جلد لے کر آئیں جس سے آپ ہم کو ڈراتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا تھا اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو وہ عذاب تم پر اللہ تعالیٰ ہی لائے گا اور تم اس کو عاجز کرنے والے نہیں ہو۔

اس کا معنی یہ ہے کہ

عذاب کو نازل کرنا میری طرف مفوض نہیں ہے یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے وہ جب چاہے گا اس کو کرے گا اور اس کو کوئی عاجز کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

پھر نوح علیہ السلام نے فرمایا:

اگر میں تم کو نصیحت کروں تو میں تم کو اپنی نصیحت سے فائدہ نہیں پہنچا سکتا جبکہ اللہ تعالیٰ تم کو گمراہ کرنے کا ارادہ کر چکا ہو۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ نے ہی ان کو گمراہ کرنے کا ارادہ کرلیا ہے تو پھران کے گمراہ ہونے میں ان کا کیا قصور ہے؟ نیز جب اللہ تعالیٰ نے ان کو گمراہ کرنے کا ارادہ کرلیا تھا تو پھر حضرت نوح علیہ السلام کوان کے ہدایت کے لئے بھیجنے کا کیا فائدہ تھا۔

امام رازی نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ

کبھی اللہ تعالیٰ بندے سے اس کے کفر کا ارادہ کرتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے کفر کا ارادہ کرلے تو پھراس کا ایمان لانا محال ہے اور حضرت نوح علیہ السلام نے جو یہ فرمایا تھا وہ ہمارے مذہب کی صحت پر صراحتاً دلالت کرتا ہے۔

(تفسیر کبیر: ج:6،ص:341،342 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

میں نے دیکھا کہ مفسرین میں سے کوئی بھی اس اعتراض کا جواب دینے کے درپے نہیں ہوا۔

میرے نزدیک اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ

ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں کو ایمان لانے یا نہ لانے کا اختیار عطا فرمائے گا۔ لیکن وہ ہدایت کو قبول کرنے کی بجائے اپنے آباء واجداد کی اندھی تقلید پر جمے رہنے کو اختیار کریں گے اور ہٹ دھرمی سے کام لیں گے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس اختیار کی بنا پر ان کے حق میں کفر کو مقدر کردیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو گمراہی پر رکھنے کا ارادہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا ان کے اپنے اختیار کی وجہ سے ہے۔ اس لئے قیامت کے دن وہ یہ عذر پیش نہیں کرسکتے کہ جب تو نے ہی ہمیں گمراہ کرنے کا ارادہ کرلیا تھا تو ہدایت کو قبول نہ کرنے میں ہمارا کیا قصور ہے اور نہ ہی حضرت نوح علیہ السلام کو ہدایت کے لئے بھیجنے کا عبث ہونا لازم آیا کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کے مسلسل ہدایت دینے کے باوجود انہوں نے اپنے اختیار سے ہدایت قبول نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ کا حضرت نوح علیہ السلام کو کفار کے ایمان نہ لانے پر تسلی دینا

جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو مسلسل دعوت دی تو ان میں سے بعض تو ایمان لے آئے اور بعض نے ایمان لانے سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو تسلی دی کہ

آپ علیہ السلام ان کی کارروائی سے مغموم نہ ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ۝ (ھود: 36)

اور نوح کی طرف وحی کی گئی: آپ کی قوم میں سے صرف وہی لوگ ایمان لانے والے تھے جو پہلے ایمان لا چکے ہیں پس آپ ان کی کارروائی سے مغموم نہ ہوں۔

امام ابن جریر نے قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے کافروں کے خلاف یہ دعا کی

وَ قَالَ نُوۡحٌ رَّبِّ لَا تَذَرۡ عَلَی الۡاَرۡضِ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ دَيَّارًا۝ (نوح: 26)

اور نوح نے دعا کی! اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ۔

(جامع البیان: جز: 12، رقم الحدیث: 13997)

جب حضرت علیہ السلام نے یہ دعا کر لی تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ آپ علیہ السلام کی قوم میں سے صرف وہی لوگ ایمان لانے والے تھے جو پہلے ایمان لا چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے جن کافروں کے متعلق یہ خبر دی کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے ان کا بعد میں حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ سے ایمان لانا ممکن تھا یا محال تھا۔ اگر ان کا ایمان لانا محال تھا تو یہ اس لئے صحیح نہیں ہے کہ کسی شخص کو امر محال کے ساتھ مکلف کرنا درست نہیں ہے اور اگر ان کا ایمان لانا ممکن تھا تو یہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کی خبر کا کذب ہونا ممکن ہو اور اس کے علم کا جہل ہونا ممکن ہو اور یہ محال ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

ان کا ایمان لانا ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خبر دینے سے قطع نظر فی نفسہ ان کا ایمان لانا ممکن ہے اور اسی لحاظ سے ان کا ایمان لانا ممکن ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اس اعتبار سے ان کا ایمان لانا ممتنع بالغیر ہے کیونکہ ان کے ایمان لانے سے اللہ تعالیٰ کی خبر کا کذب ہونا اور اس کے علم کا جہل ہونا لازم آئے گا اور وہ محال بالذات ہے اور یہاں سے مسئلہ تقدیر بھی واضح ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے یہ کفار اپنے اختیار سے ایمان نہیں لائیں گے۔ اس لئے اس نے فرمادیا کہ آپ علیہ السلام کی قوم میں سے صرف وہی لوگ ایمان لانے والے تھے جو پہلے ایمان لا چکے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کا قول کہ میں نے صرف اللہ تعالیٰ پر توکل کیا

جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تبلیغ کی تو انہوں نے آپ علیہ السلام کی نصیحت کو ناگوار سمجھا تو آپ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر تم کو میرا تمہارے درمیان رہنا اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ نصیحت کرنا ناگوار ہے تو میں نے تو صرف اللہ تعالیٰ پر توکل کیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاتۡلُ عَلَيۡهِمۡ نَبَاَ نُوۡحٍ ۘ اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖ يٰقَوۡمِ اِنۡ كَانَ كَبُرَ عَلَيۡكُمۡ مَّقَامِىۡ وَ تَذۡكِيۡرِىۡ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلۡتُ فَاَجۡمِعُوۡۤا اَمۡرَكُمۡ وَ شُرَكَآءَكُمۡ ثُمَّ لَا يَكُنۡ اَمۡرُكُمۡ عَلَيۡكُمۡ غُمَّةً ثُمَّ اقۡضُوۡۤا اِلَىَّ وَلَا تُنۡظِرُوۡنِ۝ (یونس: 71)

اور ان کے سامنے نوح کا قصہ بیان کیجئے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! اگر تم کو میرا رہنا اور تمہیں

اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ نصیحت کرنا ناگوار ہے تو میں نے تو صرف اللہ پر توکل کیا ہے تم اپنے معبودوں کے ساتھ مل کر اپنی سازش کو پختہ کرلو پھر تمہاری وہ سازش مخفی نہ رہے پھر تم جو کچھ میرے خلاف کر سکتے ہو وہ کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو۔

☆

اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے کہ۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو یہ ناگوار تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام ان کے درمیان رہیں۔ان کی ناگواری کی وجہ یہ تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نوسو سال تک ان کے درمیان رہے اور ان کے پاس اتنے لمبے قیام کی وجہ سے وہ بیزار ہو گئے تھے۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ

وہ بت پرستی کے جس طریقہ پر کاربند تھے وہ طریقہ ان کو بہت مرغوب اور بہت محبوب تھا۔وہ اس سے جذباتی وابستگی رکھتے تھے اور حضرت نوح علیہ السلام ان سے یہ فرماتے تھے کہ وہ اس طریقے کو ترک کردیں۔

اور یہ قاعدہ ہے کہ

اگر کوئی شخص کسی انسان کو اس کے پسندیدہ طریقہ سے ہٹانے کی کوشش کرے تو اس کو برا لگتا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ

انسان دنیاوی لذت سے محبت کرتا ہے، فحش کاموں میں اس کو مزہ آتا ہے اور ان کو چھوڑنا اس پر دشوار ہوتا ہے اور عبادت کے مشقتوں سے وہ متنفر ہوتا ہے۔ایسے شخص کو وہ آدمی برا لگتا ہے جو اس کو برے کاموں سے منع کرے اور نیک کام کرنے کا حکم دے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ

ان کی قوم کو ان کا قیام اور ان کا نصیحت کرنا ناگوار ہے

تو انہوں نے ابتداء سے یہ فرمایا۔

فعلی اللہ توکلت

میں نے صرف اللہ پر توکل کیا ہے کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر کامل بھروسہ ہے کیونکہ وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا اور تم اس وہم میں نہ رہنا کہ تم جو مجھے قتل کرنے اور ایذا پہنچانے کی دھمکیاں دیتے ہو تو میں اس سے ڈر کر اپنے مشن کو ترک کر دوں گا اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دینے کو چھوڑ دوں گا پھر دوسری بار تاکید کی۔

فَاَجۡمِعُوۡۤا اَمۡرَكُمۡ

گویا کہ یہ فرمایا: تم میری مخالفت میں اور مجھے ایذاء پہنچانے کے لئے جس قدر اسباب جمع کر سکتے ہو وہ جمع کر لو اور نہ صرف تم بلکہ تم اپنے ساتھ اپنے مذموم خداؤں کو بھی ملا لو۔

پھر تیسری بار فرمایا

پھر وہ تمہاری سازش مخفی نہ رہے یعنی تم نے میرے خلاف جو کچھ کرنا ہے وہ کھلم کھلا کرو۔

پھر چوتھی بار فرمایا

ثُمَّ اقضوا الی

تم جو کچھ میرے خلاف کر سکتے ہو وہ کر گزرو۔

یعنی تم جو کچھ مجھے ضرر پہنچانا چاہتے ہو اور میرے خلاف جو بھی شر اور فساد کرنا چاہتے ہو وہ کر گزرو۔

اور پانچویں بار فرمایا

اور مجھے مہلت نہ دو یعنی تم جس قدر جلد میرے خلاف کارروائی کر سکتے ہو وہ کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کفار کی دھمکیوں سے بالکل نہیں ڈرتے تھے اور آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام کا قوم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے فرمانا

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے لئے دعوت دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

لہٰذا اسی خالق و مالک کی بندگی کرو اور اسی کو اپنا رب عزوجل مانو۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُو اللّٰهَ مَالَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○

(المومنون:23)

اور بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو انہوں نے کہا: اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہاری عبادت کا اور کوئی مستحق نہیں ہے تو کیا تم نہیں ڈرتے۔

☆

اس آیت کریمہ میں حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ کرنے کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو نذیر بنا کر اپنی قوم کی طرف بھیجا۔ آپ علیہ السلام نے اپنی قوم اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہاری عبادت کا اور کوئی مستحق نہیں ہے تو کیا تم نہیں ڈرتے۔

کفار نوح کا قول کہ اللہ تعالیٰ پیغام کے لئے فرشتوں کو بھیجتا

جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے لئے کہا تو قوم کے سرداروں نے کہا: تمہاری طرح بشر ہیں جو تم پر فضیلت اور بڑائی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کسی کو پیغام دیکر بھیجتا تو فرشتوں کو نازل کر حالانکہ ہم نے اس بات کو اپنے آباء واجداد میں سے کسی سے نہیں سنا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚۖ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْۤ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ۝(المومنون: 24)

پس ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: یہ تو محض تمہاری مثل بشر ہیں جو تم پر فضیلت اور بڑائی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اگر اللہ کسی کو بھیجنا چاہتا تو فرشتوں کو نازل کر دیتا ہم نے اس بات کو اپنے پہلے باپ دادا میں سے کسی سے نہیں سنا۔

اگلی آیت میں ارشاد فرمایا

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِیْنٍ۝ (المومنون: 25)

یہ تو صرف ایک مجنون آدمی ہے سو تم اس کو ایک معین میعاد تک ڈھیل دو۔

☆

قوم کے سرداروں نے کہا: یہ تو محض تمہاری مثل بشر ہیں یہ نبی اور رسول کیسے ہو سکتے ہیں۔ اگر یہ نبوت اور رسالت کا دعو کر رہے ہیں تو ان کا مقصد صرف تم پر فضیلت اور برتری حاصل کرنا ہے بھلا انسان کی طرف کیسے وحی آسکتی ہے۔ اگر اللہ تعا اپنا پیغام بھیجنا چاہتا تو فرشتوں کے ذریعے سے بھیجتا جو ہم کو واحدانیت کی دعوت دیتا۔ ان کی دعوت تو ایک انوکھی اور نرالی دعو ہے جس کو ہم نے اپنے باپ دادا کے زمانہ میں بھی کبھی نہیں سنا۔ یہ ہم کو اور ہمارے باپ دادا کو بتوں کی عبادت کرنے کی وج سے کم عقل اور اور بے وقوف کہتے ہیں۔ دراصل یہ خود ہی مجنون اور دیوانے ہیں۔ ان کو ایک معین مدت تک ڈھیل دے دو ج یہ وفات پا جائیں گے تو ان کی موت کے ساتھ ہی ان کی دعوت بھی ختم ہو جائے گی یا شاید ان کا جنون جاتا رہے اور یہ خود ہی ا اس دعوت کو ترک کر دیں۔

اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانا

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو آپ علیہ السلام کی قوم کی طرف مبعوث کیا تا کہ آپ علیہ السلام اپنی قوم کو دردنا ک عذاب سے ڈرائیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اطاعت کرنے پر تبلیغ کریں۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّـآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَ اَطِيْعُوْنِ ○ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (نوح: 1، 4)

بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ وہ اپنی قوم کو عذاب سے ڈرائیں اس سے پہلے کہ ان کی طرف دردناک عذاب آئے۔ کہا اے میری قوم! میں تمہیں عذاب سے صاف صاف ڈرانے والا ہوں کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرو وہ تمہارے بعض گناہوں کو معاف فرما دے گا اور تمہیں ایک معین مدت تک مہلت دے گا۔ بے شک جب اللہ کی معین کردہ مدت آجائے گی تو اس کو مؤخر نہیں کیا جائے گا۔ کاش تم جانتے۔

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت نوح علیہ السلام پہلے رسول تھے جن کو تمام روئے زمین والوں کی طرف بھیجا گیا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز:18،ص:273)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ نے سورہ نوح کی تفسیر کا آغاز مذکور الصدر حدیث سے کیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو تمام روئے زمین والوں کی طرف مبعوث کیا گیا تھا۔

اس حدیث کو علامہ سیوطی نے ابن عساکر کے حوالے سے ذکر کیا ہے مگر اس میں صرف اتنا ہے کہ سب سے پہلے جس نبی کو بھیجا گیا وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔

(الجامع الصغیر، رقم الحدیث:2845)

نیز علامہ قرطبی کا یہ کہنا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو تمام روئے زمین والوں کی طرف بھیجا گیا تھا۔ اس آیت کے خلاف ہے کیونکہ اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا گیا تھا اور جس نبی کو تمام روئے زمین والوں کی طرف بھیجا گیا وہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ حقیقت قرآن مجید کی ''آیات صریحہ اور احادیث صحیحہ'' سے ثابت ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ○ (الفرقان: 1)

بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے مقدس بندے پر فرقان کو نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لئے عذاب سے

ڈرنے والے ہو جائیں۔

سورہ سباء میں ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سباء: 28)

ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لئے بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

اور حسب ذیل احادیث مبارکہ میں بھی اس کی صراحت ہے کہ صرف آپ کو ہی روئے زمین کے تمام لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھے ایسی پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔

(1) ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کر دیا گیا ہے۔

(2) میرے لئے تمام روئے زمین نماز کی جگہ اور طہارت کا آلہ بنا دی گئی ہے۔ پس میری امت میں سے جس شخص پر جہاں بھی نماز کا وقت آجائے وہ وہیں نماز پڑھ لے۔

(3) اور میرے لئے مال غنیمت کو حلال کر دیا گیا ہے اور مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کیا گیا۔

(4) اور مجھے شفاعت (کبریٰ) عطا کی گئی ہے۔

(5) اور پہلے نبی کو ایک مخصوص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 335)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھے انبیاء کرام علیہم السلام پر چھ وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے۔

(1) مجھے جوامع الکلم دیئے گئے ہیں۔

(2) اور رعب سے میری مدد کی گئی ہے۔

(3) اور مال غنیمت میرے لئے حلال کر دیا گیا ہے۔

(4) اور میرے لئے تمام روئے زمین کو آلہ طہارت اور مسجد بنا دیا گیا ہے۔

(5) اور مجھے تمام مخلوق کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔

(6) اور مجھ پر نبوت کو ختم کر دیا گیا ہے۔ (صحیح المسلم: رقم الحدیث 523)

اس آیت مبارکہ میں فرمایا ہے۔

اس سے پہلے کہ ان کی طرف دردناک عذاب آئے۔

مقاتل نے کہا:

اس سے مراد ہے اس سے پہلے کہ ان کو طوفان سے غرق کر دیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

اس سے مراد آخرت کا عذاب ہے۔

ایک تفسیر یہ ہے کہ

آپ ان کو مطلق آخرت کے عذاب سے ڈرائیے۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے کی دعوت دیتے تھے اور ان کو آخرت کے عذاب سے ڈراتے تھے لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ وہ آپ علیہ السلام کو اس قدر زدوکوب کرتے تھے کہ آپ علیہ السلام بے ہوش ہو جاتے تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ۖ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ○ (العنکبوت: 14)

اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا وہ ان میں ساڑھے نو سو سال رہے پس ان کو طوفان نے اس حال میں پکڑ لیا کہ وہ ظلم کرنے والے تھے۔

آیت نمبر 2 میں ارشاد فرمایا گیا۔

اے میری قوم! میں تمہیں صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔

یعنی میں تمہارے سامنے تمہاری زبان میں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا رہا ہوں کہ اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لے آئے تو اللہ تعالیٰ تم پر عذاب نازل فرمائے گا۔

آیت نمبر 3 میں فرمایا ہے کہ

تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرو۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کا یہ معنی ہے کہ

اس کے تمام احکام پر عمل کرو خواہ واجبات ہو یا مستحبات ہوں اور خواہ ان عبادات کا تعلق ظاہری اعضاء سے ہو یا دل کے کاموں سے ہو۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کا یہ معنی ہے کہ

ان تمام کاموں کو ترک کر دو جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام یا مکروہ قرار دیا ہے۔

اور ارشاد فرمایا۔

میری اطاعت کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی معرفت صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتانے اور اس کی راہنمائی سے ہو سکتی ہے۔ عام انسان کو کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے کس کام کا حکم دیا ہے کہ کس کام سے منع فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کس کام سے راضی ہے اور کس کام سے ناراض ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اس لئے حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ عزوجل کی عبادت اور اس ڈرنے کا حکم دینے کے بعد فرمایا میری اطاعت کرو۔

آیت نمبر 4 میں فرمایا ہے۔

وہ تمہارے بعض گناہوں کو معاف فرما دے گا اور تمہیں ایک معین مدت تک مہلت دے گا۔ بے شک جب اللہ تعالیٰ کی معین کردہ مدت آجائے گی تو اس کو مؤخر نہیں کیا جائے گا۔ کاش تم جانتے۔

اللہ تعالیٰ نے ان تین کاموں کا مکلف کیا۔

(1) اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو

(2) اللہ تعالیٰ سے ڈرو

(3) اور حضرت نوح علیہ السلام کی اطاعت کرو۔

اور اس پر عمل کرنے کے بعد ان سے دو انعاموں کا وعدہ فرمایا۔

(1) اللہ تعالیٰ ان کے بعض گناہوں کو معاف فرما دے گا یعنی ان کو آخرت میں عذاب نہیں ہوگا۔

(2) ان سے دنیا کے عذاب اور مصائب بھی بقدر امکان دور فرمائے گا اور ان کی موت کو بقدر امکان مؤخر کر دے گا۔

اس آیت میں من ذنوبکم فرمایا ہے۔

یعنی تمہارے بعض گناہوں کو معاف فرما دے گا یعنی ان کے تمام گناہ معاف نہیں فرمائے گا۔

اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ

ایمان لانے سے پہلے کے گناہ تو صرف ایمان لانے سے ہی معاف ہو جاتے ہیں پھر قابل معافی جو گناہ بچے وہ ایمان لانے کے بعد کے ہی گناہ ہیں اور وہ کل گناہوں کا بعض ہی ہیں۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اپنا ہاتھ بڑھایئے تاکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم

ہاتھ پر بیعت کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنے ہاتھوں کو کھینچ لیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

اے عمرو! کیا ہوا

میں نے عرض کیا

میرا ارادہ ہے کہ میں ایک شرط لگاؤں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم کیا شرط لگاؤ گے۔

میں نے عرض کیا

میری معافی ہو جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے عمرو! کیا تم یہ نہیں جانتے کہ اسلام اس سے پہلے کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور حج اس سے پہلے کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث:121)

دوسرا جواب یہ ہے کہ

ان کے بعض گناہوں سے وہ گناہ مراد ہیں جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہے کیونکہ جن گناہوں کا تعلق حقوق العباد کے ساتھ ہے وہ گناہ اس وقت معاف ہوں گے جب اصحاب حقوق ان کو معاف کر دیں گے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ

ان بعض گناہوں سے وہ گناہ مراد ہیں جن پر بندوں نے استغفار کیا ہو اور باقی ماندہ گناہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف مفوض ہیں۔ وہ چاہے تو ان گناہوں کی سزا دینے کے بعد ان کو معاف فرما دے چاہے تو کسی نبی ولی یا فرشتہ کی سفارش سے ان کو معاف فرما دے اور چاہے تو اپنے فضل سے ان کو معاف فرما دے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ

اس آیت میں من زائدہ یا بیانیہ ہے۔

اور مراد یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ بلیغ کے کلام میں کوئی لفظ زائد اور بے معنی نہیں ہوتا اور من بیانیہ اس وقت ہوتا ہے جب اس سے پہلے جنس کا ذکر ہو یا کوئی مبہم لفظ ہو۔

اس کے بعد فرمایا

اور تمہیں ایک معین مدت تک مہلت دے گا۔ بے شک جب اللہ تعالیٰ کی معین کردہ مدت آجائے گی تو اس کو مؤخر نہیں کیا جائے گا۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ

اس آیت کے پہلے حصے میں فرمایا ہے، اللہ تمہیں مہلت دے گا یعنی موت یا عذاب کو مؤخر کر دے گا اور دوسرے حصہ میں فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معین کردہ مہلت مؤخر نہیں ہوتی اور یہ صریح تناقض اور تضاد ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ کی تقدیر کی دو قسمیں ہیں۔

(1) تقدیر مبرم

(2) تقدیر معلق

تقدیر مبرم

تقدیر مبرم یہ ہے کہ جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اور وہی درحقیقت اللہ تعالیٰ کا علم ہے اور اس میں کوئی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم بدل جائے اور یہ محال ہے کیونکہ علم بدلنے کا مطلب یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کا علم نہ ہو بعد میں اس کا علم ہوا اور یہ محال ہے اس لئے تقدیر مبرم میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

قرآن مجید میں ہے:

لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ (یونس: 64)

اللہ کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

تقدیر معلق

تقدیر معلق کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کام کو دوسرے کام پر موقوف کر کے لوح محفوظ میں لکھ دیا۔ مثلاً اگر تمام قوم نوح ایمان لے آئی تو ان پر طوفان کا عذاب نہیں آئے گا اور اگر تمام قوم ایمان نہیں لائی تو ان پر عذاب آجائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کو قطعیت سے علم ہوتا ہے کہ کیا ہوگا اور وہی ام الکتاب ہے۔

اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ (الرعد: 39)

اللہ جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اس کے پاس ام الکتاب ہے۔

اس کا ثبوت اس حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تقدیر کو صرف دعا بدل سکتی ہے اور عمر میں صرف نیکی سے اضافہ ہوسکتا ہے۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2139)

اس تقدیر سے مراد تقدیر معلق ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی نفع کو کسی بندہ کی دعا پر موقوف کر دیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ قطعی طور پر جانتا ہے کہ وہ بندہ دعا کرے گا یا نہیں اور اس کا وہ علم ہی تقدیر مبرم ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

ابوخزامہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

انہوں نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ بتایئے کہ ہم جو دم کراتے ہیں یا دوا سے علاج کرتے ہیں یا پرہیز کرتے ہیں، آیا اس سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر بدل جاتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ چیزیں بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہیں۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2065)

یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر کر دیا ہے کہ اس مرض میں اس دوا سے مثلاً شفا ہوگی اگر دوا کی تو شفا ہوگی ورنہ نہیں اور یہ تقدیر معلق ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو قطعی طور پر علم ہوتا ہے کہ کیا ہوگا اور وہی تقدیر مبرم ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضرت نوح علیہ السلام کی عرض

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دن و رات دعوت دی لیکن اس قوم پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس پر وہ اور بھاگنے لگ گئے اور اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں اور بہت زیادہ تکبر کرنے لگ گئے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًا ○ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا ○ وَ اِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَ اسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَ اَصَرُّوْا وَ اسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ○

(نوح: 5 تا 7)

کہا! اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی قوم کو دن اور رات دعوت دی پس میری دعوت سے یہ لوگ اور زیادہ بھاگنے لگے اور بے شک میں نے جب بھی ان کو بلایا تا کہ تو ان کو معاف فرمائے تو انہوں نے اپنے کانوں میں اپنی انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنے اوپر اپنے کپڑے لپیٹ لئے اور ضد کی اور بہت زیادہ تکبر کیا۔

ان آیات مبارکہ میں فرمایا گیا کہ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو مسلسل دن اور رات، خلوت اور جلوت میں دین کی تبلیغ کرتے رہے لیکن ان کی تبلیغ کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا بلکہ الٹا اثر ہوا بجائے اس کے کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف رغبت کرتے وہ ان سے متنفر ہو گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ

ہدایت کا ملنا اور گمراہی میں مبتلا ہونا محض اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی اثر آفرینی سے ہوتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام جب بھی انہیں ایمان اور اعمال صالحہ کی طرف بلاتے تا کہ ان کی مغفرت ہو جائے تو وہ اعراض کرتے اور آپ علیہ السلام کا وعظ نہ سننے کی کوشش کرتے اس لئے وہ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے اور اپنے اوپر کپڑے لپیٹ لیتے تا کہ حق اور صداقت کی کوئی آواز ان کے کانوں تک پہنچنے نہ پائے۔ وہ اپنے کفر و شرک پر اصرار کرتے اور اس پر جمے رہتے اور حضرت نوح علیہ السلام کے وعظ سننے اور اس کے قبول کرنے کو اپنی بڑائی اور انانیت کے خلاف سمجھتے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی اعلانیہ اور خفیہ طور پر تبلیغ

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اعلانیہ اور خفیہ دونوں طرح سے دعوت دی اور ان سے کہا: تم اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی مغفرت فرمانے والا ہے اور وہ ہی ایسی مقدس ذات ہے جو تمہارے گناہوں کو بخش دے گی۔

قرآن مجید میں ہے:

ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝ ثُمَّ اِنِّیْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۝ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ (نوح: 8 تا 10)

پھر میں نے ان کو بلند آواز سے بلایا پھر میں نے ان کو علی الاعلان بھی بلایا اور خفیہ طور سے بھی پس میں نے ان سے کہا: ! تم اپنے رب سے معافی مانگو بے شک وہ بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہے۔

☆

ان آیات کریمہ میں حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو بلند آواز سے بھی تبلیغ کی اور خفیہ طور پر بھی لیکن قوم پر آپ علیہ السلام کی تبلیغ کا کوئی اثر نہیں ہوا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: تم لوگ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی مغفرت فرمانے والا ہے۔

قوم کو اللہ تعالیٰ کے انعامات کی طرف توجہ دلانا

جب آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت دی تو قوم پر آپ علیہ السلام کی تبلیغ کا کوئی اثر نہیں ہوا تو اس کے بعد آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے انعامات کی طرف توجہ دلائی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر بارش برسائے گا اور تمہارے لئے باغ اگائے گا اور تمہارے لئے دریا بہائے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝ (نوح: 11 تا 12)

وہ تم پر موسلا دھار بارش نازل فرمائے گا اور مالوں اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے لئے باغات اگائے گا اور تمہارے لئے دریا بہائے گا۔

چالیس سال تک عورتیں بانجھ رہیں

امام رازی فرماتے ہیں کہ

مقاتل نے کہا:

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے بہت طویل عرصہ تک حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی، اس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش کو روک لیا اور چالیس سال تک ان کی عورتیں بانجھ ہوگئیں۔ان کے ہاں اولاد نہیں ہوئی پھر اس سزا کے تدارک کے لئے انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف رجوع کیا تو نوح علیہ السلام نے فرمایا:

تم اپنے شرک اور کفر پر اپنے رب عزوجل سے توبہ کرو اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو، تمہارا رب عزوجل تمہارے اوپر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے گا۔

اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کرنے سے اور اس کی اطاعت اور عبادت کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور وسعت اور کشادگی حاصل ہوتی ہے اور اس پر حسب ذیل آیات دلالت کرتی ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الاعراف: 96)

اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور اللہ سے ڈرتے رہتے تو ان کے اوپر آسمان اور زمینوں کی برکتیں کھول دیتے۔

اور سورہ المائدہ میں ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ (المائدہ: 66)

اور اگر یہ لوگ یہ تورات اور انجیل کو قائم کرتے اور اس کو قائم کرتے جو ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے تو یہ اپنے اوپر سے کھاتے اور اپنے نیچے سے۔

اور سورہ جن میں ہے۔

وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ○ (الجن: 16)

اور اگر یہ لوگ راہ راست پر سیدھے چلتے تو ہم ان کو ضرور بہت وافر پانی پلاتے۔

اور سورہ طلاق میں ہے۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ○ وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ (الطلاق: 2-3)

اور جو شخص اللہ سے ڈرتا رہتا ہے اللہ اس کے لئے نجات کی راہ نکال دیتا ہے اور اس کو وہاں سے روزی دیتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔

امام ابن مردویہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ استغفار کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو استغفار کی اسی لئے تعلیم دی ہے کہ وہ تم کو بخشنا چاہتا ہے

(الدر المنثور: ج:8، ص:269 دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جس شخص کو استغفار کی توفیق دی گئی وہ مغفرت سے محروم نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ○ (نوح: 10)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

ابلیس نے اپنے رب عزوجل سے کہا

تیری عزت اور جلال کی قسم! میں بنو آدم کو اس وقت تک گم راہ کرتا رہوں گا جب تک ان کے جسموں میں روحیں ہیں۔

تب اس کے رب عزوجل نے فرمایا

مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! میں ان کی مغفرت کرتا رہوں گا۔ جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے۔

(مسند احمد: ج:3، ص:29،41،67)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اس کا صحیفہ اعمال اس کو خوش کرے وہ بہت زیادہ استغفار کرے۔

(المعجم الاوسط، رقم الحدیث: 843)

قوم کو اللہ تعالیٰ کی نشانیاں بتانا

جب قوم پر تبلیغ کا کوئی اثر نہیں ہوا تو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ نشانیاں بتائیں اور ان نشانیوں کو ایک ایک کر کے گنوایا تاکہ قوم ان نشانیوں کو سمجھ کر ایمان لے آئے۔

قرآن مجید میں ہے:

مَالَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۝ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۝ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۝ (13، 20)

تم اللہ تعالیٰ کی جلالت وعظمت کو کیوں تسلیم نہیں کرتے حالانکہ اس نے تم کو بتدریج پیدا کیا ہے۔ کیا تم نے دیکھا کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان اوپر تلے پیدا کیے ہیں اور ان میں چاند کو روشن فرمایا اور سورج کو چراغ بنایا اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے اگایا ہے پھر تم کو اسی زمین میں لوٹائے گا اور تم کو نکالے گا اور اللہ نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا تاکہ تم اس کے کشادہ راستوں میں چلتے پھرتے رہو۔

ان آیات کریمہ میں وقار کا لفظ آیا ہے۔ اس کا معنی تعظیم ہے۔ اس آیت کا معنی ہے تم اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال سے ڈرتے کیوں نہیں یعنی تمہارے حال سے یہ کیوں ظاہر نہیں ہوتا کہ تم اللہ تعالیٰ کی تعظیم وتوقیر کرنے والے ہو اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور توقیر اور اس کی ہیبت اور جلال سے ڈرنے کا اندازہ اس حدیث مبارکہ سے ہوتا ہے۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا کہ

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! لوگ پریشان ہو گئے بچے ضائع ہو گئے۔ اموال کم ہو گئے اور مویشی ہلاک ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا کیجئے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفیع بناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں شفیع بناتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم پر افسوس ہے! کیا تم جانتے ہو تم کیا کر رہے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبحان اللہ، سبحان اللہ پڑھنے لگے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافی دیر تک سبحان اللہ، سبحان اللہ پڑھتے رہے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے چہروں پر ملال کے آثار ظاہر ہوئے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم پر افسوس ہے تم پر افسوس ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کو شفاعت کرنے والا نہیں بنایا جاتا۔ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بھی بلند و بالا ہے۔ تم جانتے ہو کیا اللہ تعالیٰ کیا ہے۔

بے شک اس کا عرش سات آسمانوں کے اوپر اس طرح ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو گنبد کی طرح بنایا اور بے شک وہ چر چر کر رہا ہے۔

جس طرح سوار کے بوجھ سے سواری چر چر کرتی ہے۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 4726)

امام ابوسلیمان الخطابی المتوفی 388ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گنبد کی مثال بنا کر جو دکھائی اور عرش کے چر چرانے کا ذکر فرمایا۔ یہ اس کم فہم اعرابی کو سمجھانے کے لئے تھا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کیا ہے۔

اس کا معنی ہے۔

کیا تم اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے جلال کو جانتے ہو اور سواری کے چر چر کرنے کی مثال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے جلال کو عرش بھی برداشت نہیں کر سکتا اور اس مثال کو بتانے سے یہ مراد ہے کہ جس کی اپنی اتنی عظیم شان اور جلالت قرار ہو اس کو کسی کے پاس سفارشی بنانا جائز نہیں ہے۔

(معالم السنن: ص: 94 دار المعرفۃ بیروت)

علامہ حسین بن محمد الطیبی المتوفی 743ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا: اللہ تعالیٰ کو کسی کے پاس سفارشی بنایا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بار بار سبحان اللہ اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور اس کے خوف کی وجہ سے تھا اور اللہ تعالیٰ کی ذات کی اس سے تنزیہ اور برأت کے لئے تھا کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کے پاس سفارش کرنے والا بنایا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گنبد کی مثال جو دی ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کو دلوں میں بٹھانا مقصود ہے اور یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال اس کے منافی ہے کہ اس کو کسی کے پاس سفارشی بنایا جائے۔

(الکاشف عن حقائق السنن ج: 10 ص: 329 ادارۃ القرآن کراچی)

ملا علی بن سلطان القاری المتوفی 1014ھ لکھتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بار بار سبحان اللہ پڑھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے چہرے اسی لئے متغیر ہو گئے تھے کہ انہوں نے سمجھ لیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے غضب ناک ہوئے ہیں کہ اس اعرابی نے اللہ تعالیٰ کو آپ

اللہ علیہ وسلم کی جناب میں سفارشی بنایا۔ سو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غضب سے خوفزدہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے ان کے چہرے متغیر ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی ہیبت کی وجہ سے بار بار سبحان اللہ پڑھا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو گنبد کی مثال دی ہے اس سے مقصود یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی شان اور عظمت اس سے بلند ہے کہ اس کو کسی کے پاس سفارشی بنایا جائے۔

(مرقاۃ المفاتیح: ج:9، ص:722 المکتبۃ الحقانیہ پشاور)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ کی اتنی عظمت ہے اور جلال ہے پھر بھی تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا قول کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بتدریج بنایا

حضرت نوح علیہ السلام کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر کیوں ایمان نہیں لاتے حالانکہ اس نے تمہیں اولاً مٹی سے بنایا پھر مٹی کو سبزہ اور غلّہ بنایا پھر اس سے غذا بنائی پھر غذا سے خون بنایا پھر خون سے نطفہ بنایا پھر اس نطفہ کو جما ہوا خون بنایا پھر اس خون کو گوشت کا ٹکڑا بنایا پھر اس کو ہڈیوں اور گوشت کی صورت دی پھر اس میں روح پھونکی پھر تم کو جنین بنایا پھر ولید بنایا پھر دودھ پیتا بنایا۔ پھر بچہ بنایا پھر نوخیز لڑکا بنایا پھر قریب البلوغ بنایا پھر بالغ بنایا پھر جوان بنایا پھر قوی مرد بنایا پھر چالیس سال کی عمر کا بنایا پھر شیخ بنایا ساٹھ سال کے بعد شیخ فانی بنایا پھر میت بنایا اور قبر میں پہنچایا اور دفین بنایا اور جب قبر میں ہڈیاں بوسیدہ ہو گئیں تو رمیم بنایا اور جب ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو کر خاک میں مل کر خاک ہو گئیں تو پھر تم کو مٹی بنا دیا۔

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ان کی تعظیم اور توقیر نہیں کرتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ ان کی توقیر اللہ تعالیٰ کی توقیر ہے۔ تم اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ان کی تعظیم اور توقیر کیوں نہیں کرتے۔ تم ان پر ایمان لاؤ اور ان کے پیغام کو قبول کرو اور اللہ تعالیٰ کی توحید مانو۔ اس نے تم کو کم بتدریج پیدا کیا ہے۔

سات آسمان اور چاند سورج کی توجیہ

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح سات آسمان اوپر تلے پیدا کیے ہیں اور ان میں چاند کو روشن بنایا اور سورج کو چراغ بنایا۔

اللہ تعالیٰ نے تخلیق اور توحید پر جو دلائل قائم کیے ہیں۔

وہ دو قسم کے ہیں۔

(1) ایک وہ دلائل جو انسان کے اپنے اندر ہیں۔

(2) دوسرے وہ دلائل ہیں جو اس خارجی کائنات میں ہیں۔

انسان کے اپنے اندر جو دلائل ہیں ان کی تقریر یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے انسان کو بتدریج پیدا کیا ہے۔
اب سوال یہ ہے کہ
انسان ممکن اور حادث ہے کیونکہ انسان عدم سے وجود میں آیا ہے تو ضروری ہوا کہ اس کو عدم سے وجود میں لانے کی کوئی علت ہو اور اگر وہ علت بھی ممکن اور حادث ہوئی تو اس کے لئے پھر کسی علت کی ضرورت ہوگی اور یوں غیر متناہی علتیں لازم آ ئیں گی اور یہ محال ہے۔
اس لئے ضروری ہوا کہ انسان کی پیدائش کی علت حادث اور ممکن نہ ہو بلکہ واجب اور قدیم ہو۔
اور یہ بھی ضروری ہے کہ
وہ علت واحد ہو کیونکہ تعدد وجباء اور تعدد قدماء محال ہے۔
نیز تمام انسانوں کی بتدریج پیدائش کا واحد طریقہ ہے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ ان کا موجد بھی واحد ہو کیونکہ اگر موجد متعدد ہوتے تو ان کے طریقے ہائے تولید بھی متعدد ہوتے۔ اس خارجی کائنات میں آسمان، چاند اور سورج اور اسی طریقہ سے ان کی تخلیق کی علت بھی واجب، قدیم اور واحد ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق اور توحید پر پہلے اس دلیل کا ذکر کیا جو انسان کے اندر ہے پھر اس دلیل کا ذکر فرمایا جو انسان کے باہر ہے کیونکہ انسان اپنے اندر کی نشانیوں کو باہر کی نشانیوں کی بہ نسبت زیادہ پہچانتا ہے۔
اس آیت میں فرمایا ہے کہ
آسمان اوپر تلے ہیں اور ایک دوسرے اوپر منطبق ہیں حالانکہ احادیث مبارکہ سے یہ ثابت ہے کہ دو آسمانوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔
(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 3298)
اس کا جواب یہ ہے کہ
آسمان ایک دوسرے پر منطبق ہیں۔ اس لئے یہ لازم نہیں آیا کہ وہ ایک دوسرے سے مماس ہوں اور پیاز کے چھلکوں کی طرح ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں۔ دو آسمان ایک دوسرے سے منفصل ہونے کے باوجود اوپر تلے اور ایک دوسرے پر منطبق ہو سکتے ہیں۔

زمین سے پیدا کرنے سے مراد

آیت نمبر 17، 18 میں فرمایا۔
اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے اگایا ہے پھر تم کو اسی زمین میں لوٹائے گا اور دوبارہ تم کو نکالے گا۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے "ہم نے تم کو اسی زمین سے پیدا کیا ہے۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو نطفہ سے پیدا کیا۔

اور قرآن مجید میں بھی یہی فرمایا ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ (النحل: 4)

انسان کو نطفہ سے پیدا کیا۔

سورۂ دہر میں ہے۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ (الدھر: 2)

بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ

ہمارے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور وہ ہماری اصل ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ہے تو چونکہ اصل انسان کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ہے تو اس وجہ سے فرمایا ہم نے تم کو اس زمین سے پیدا کیا ہے۔

سورہ مومنون میں ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ○ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ○ (المومنون: 12، 13)

اور بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا فرمایا پھر ہم نے اس کو مضبوط جائے قرار میں نطفہ بنا کر رکھا۔

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ

انسان کی پیدائش نطفہ اور حیض کے خون سے ہوئی ہے اور نطفہ اور حیض کا خون دونوں غذا سے بنتے ہیں اور غذا گوشت اور سبزیوں سے حاصل ہوتی ہے اور گوشت بھی حیوانوں کے سبزہ کھانے سے بنتا ہے تو غذا کا رجوع اور مآل سبزیوں کی طرف ہے اور سبزیاں پانی اور مٹی کے امتزاج سے پیدا ہوتی ہیں تو خلاصہ یہ ہوا کہ نطفہ اور حیض کا خون زمین کی مٹی سے پیدا ہوتا ہے لہٰذا یہ کہنا صحیح ہے کہ ہر انسان مٹی سے پیدا ہوا ہے۔

اس اعتراض کا تیسرا جواب یہ ہے کہ حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے اس کے اوپر اس کی قبر کی مٹی چھڑکی جاتی ہے۔

ابو عاصم نے کہا:

تم حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے لئے اس جیسی فضیلت نہیں پاسکو گے کیونکہ ان دونوں کی مٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مٹی سے ہے۔

(حلیۃ الاولیاء، ج:2،ص:318 رقم الحدیث:2389 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

ہر انسان کو اس مٹی میں دفن کیا جاتا ہے جس سے وہ پیدا کیا گیا۔

(مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث:6531 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ فرشتہ زمین سے مٹی لے کر اس کی ناف کاٹنے کی جگہ پر رکھتا ہے۔ اس مٹی میں اس کی شفا ہوتی ہے اور اسی میں اس کی قبر ہوتی ہے۔

(مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث:6533 مطبوعہ بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے اس کی ناف میں وہ مٹی ہوتی ہے جس سے وہ پیدا کیا جاتا ہے اور جب وہ ارذل عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے تو وہ اس مٹی کی طرف لوٹایا جاتا ہے جس سے وہ پیدا کیا جاتا ہے حتی کہ اس مٹی میں اس کو دفن کیا جاتا ہے اور میں اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما ایک ہی مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں اور اس مٹی سے ہم اٹھائے جائیں گے۔

(فردوس الاخبار، ج:4،ص:235)

قوم نوح کا حکم عدولی کرنا

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے آپ علیہ السلام کی حکم عدولی کی تو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: یا خالق باری انہوں نے میری نافرمانی کی اور انہوں نے ان کی پیروی کی جنہوں نے ان کے مال اور اولاد میں نقصان کے سوا کوئی اضافہ نہیں کیا اور انہوں نے بہت بڑی سازش کی۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ یَزِدْهُ مَالُهٗ وَ وَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ۝ وَ مَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ۝

(نوح:21،22)

نوح نے کہا: اے میرے رب! انہوں نے میری حکم عدولی کی اور انہوں نے ان کی پیروی کی جنہوں نے ان کے مال اور اولاد میں نقصان کے سوا کوئی اضافہ نہیں کیا اور انہوں نے بہت بڑی سازش کی۔

اس آیت کریمہ میں یہ بتایا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ان کی دعوت کا کیا جواب دیا اور یہ بتایا کہ ان کی قوم نے نہ صرف یہ کہ ان کی حکم عدولی کی بلکہ حضرت نوح علیہ السلام کے مقابلہ میں ان کے مخالفوں کی اطاعت کی۔ جولوگ حضرت نوح علیہ السلام کی نبوت کے منکر اور مخالف تھے اور بت پرستی کے داعی تھے جن کی اطاعت ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی تھی وہ ان کے دنیا میں کسی کام آسکتے تھے نہ آخرت میں جن کی دوستی اور اطاعت سے ان کو سوائے نقصان کے اور کچھ حاصل نہ تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم حضرت نوح علیہ السلام کو چھوڑ کر ان کی اطاعت کرتی تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بڑے بڑے سرداروں نے اپنے اطاعت گزاروں کو ورغلایا اور حضرت نوح علیہ السلام کے خلاف سازش کی وہ اپنے ماتحت لوگوں کو حضرت نوح علیہ السلام کے خلاف بھڑکاتے تھے اور حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق ناگفتنی باتیں کہتے تھے۔

قوم کے سرداروں کا قوم کو بتوں کی عبادت پر ابھارنا

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے سرداروں نے قوم کو بتوں کی عبادت پر ابھارا اور کہا کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَ يَعُوْقَ وَ نَسْرًا ۝ (نوح: 23)

اور انھوں نے کہا: تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ودّ اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو ہرگز نہ چھوڑنا۔

اس آیت کریمہ میں ان بتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جن کی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم عبادت کرتی تھی اور ان کی قوم کے سرداران کو ان بتوں کی عبادت کرنے کی تلقین کرتے تھے۔

جن بتوں کی عبادت پر کفار نوح اپنی قوم کو ابھارتے تھے مفسرین کرام نے ان کی تاریخی حیثیت بتائی ہے۔

قوم نوح کا بتوں کی پوجا کرنا

امام عبدالرحمان بن محمد ابن ابی حاتم متوفی 327ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام بیمار ہوئے اور ان کے گرد ان کے بیٹے تھے۔

ان میں

ود

یغوث

سواع

اور نسر تھے۔

اور وہ ان کے سب سے بڑے بیٹے اور سب سے زیادہ نیک تھے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث:18996)

امام ابو جعفر نے ود کا ذکر کیا۔

اور کہا

ود مسلمان شخص تھا اور بہت نیک تھا اور اپنی قوم میں بہت محبوب تھا جب وہ فوت ہو گیا تو لوگ اس کی قبر پر ارض بابل
گئے اور اس کی یاد میں رونے لگے۔ جب ابلیس نے ان آہ وزاری کو دیکھا تو وہ ان کے پاس انسانی شکل میں آیا۔

اور کہنے لگا

اس شخص کی یاد میں تمہارے رنج وغم کو دیکھ رہا ہوں۔ تمہارا کیا حال ہے میں اس شخص کی مثال کا تمہارے لئے ایک مجسمہ
دوں تم اس مجسمہ کو اپنی مجلس میں رکھ لینا پھر تمہارا دل بہل جائے گا۔

انہوں نے کہا:

ہاں! ٹھیک ہے۔

سو اس نے ود کی مثل کا ایک مجسمہ بنا دیا اور انہوں نے اس کو اپنی مجلس میں رکھ لیا اور اس کو یاد کرتے رہتے تھے۔

جب ابلیس نے دیکھا کہ

وہ اس کو بہت یاد کرتے ہیں تو اس نے ان لوگوں سے کہا

کیا خیال ہے میں تم میں سے ہر شخص کے گھر میں ود کی مثال کا ایک مجسمہ بنا کر رکھ دوں۔ ان لوگوں نے اس پیش ک
قبول کر لیا اور وہ ان مجسموں کو دیکھ کر ود کو یاد کرتے رہے پھر ان کی نسل نے اپنے آباؤ اجداد کو یہ کرتے ہوئے دیکھا اور وہ یہ
گئے کہ ان کے آباء واجداد صرف ان بتوں کو دیکھ کر ود کو یاد کرتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان بتوں کو اپنا معب
لیا۔ پھر وہ نسل در نسل ان بتوں کی عبادت کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جس بت کی سب سے پہلے عبادت کی گئی وہ ود کا
تھا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث:18997)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ بیان کرتے ہیں کہ

محمد بن قیس نے کہا:

یہ بت (ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر) حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے نیک لوگ تھے اور ان کے پیروکا
جو ان کی اقتداء کرتے تھے جب وہ نیک لوگ فوت ہو گئے تو ان کے پیروکاروں نے کہا:

اگر ہم ان نیک لوگوں کے مجسمے بنا لیں تو پھر ہم کو عبادت کرنے میں زیادہ ذوق وشوق حاصل ہو گا۔ سو انہوں نے ال

مجسمے بنا لئے اور جب یہ نسل بھی ختم ہوگئی اور دوسری نسل آئی تو ابلیس نے ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ تمہارے آباؤ اجداد ان مجسموں کی عبادت کرتے تھے اور ان ہی کی وجہ سے ان پر بارش برساتی جاتی تھی۔ سو بعد کے لوگوں نے ان کی عبادت کرنی شروع کردی۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 27154)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ ودّ دومۃ الجندل میں بنوکلب کا بت تھا اور سواع رباط میں ہذیل کا بت تھا اور یغوث بصرف میں مراد کے بنو غطیف کا بت تھا یہ سبا میں تھا۔ یعوق بلخ میں ہمدان کا بت تھا اور نسر ذی کلاع کا بت تھا جو حمیر سے تھے۔

قتادہ نے کہا:

یہ وہ بت تھے جن کی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم عبادت کرتی تھی۔ پھر بعد میں اہل عرب نے ان کو اپنا معبود بنالیا۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 27156)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں۔

محمد بن حیس نے کہا:

یغوث، یعوق اور نسر، حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیانی عہد کے لوگ ہیں یہ بہت نیک لوگ تھے اور ان کے بہت پیروکار تھے۔ جب یہ نیک لوگ فوت ہوگئے۔

تو ان کے پیروکاروں نے کہا:

اگر ہم ان کی مثال کے مجسمے بنالیں تو ہماری عبادت میں زیادہ ذوق اور شوق ہوگا۔ پھر انہوں نے ان کی مثال کے مجسمے بنا لئے۔ پھر جب ان کی نسل ختم ہوگئی اور ان کی دوسری نسل آئی تو ابلیس نے ان کے دماغوں میں یہ خیال ڈال دیا کہ تمہارے آباؤ اجداد ان بتوں کی عبادت کرتے تھے اور ان ہی کی وجہ سے بارش ہوتی تھی۔ سو انہوں نے ان کی عبادت کرنی شروع کردی۔

اس کے بعد حافظ ابن کثیر نے حافظ ابن عساکر کی یہ روایت نقل کی ہے۔ حافظ ابن عساکر نے حضرت شیث علیہ السلام کی سوانح میں یہ روایت ذکر کی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

حضرت آدم علیہ السلام کی چالیس اولاد ہوئی۔ بیس بیٹے اور بیس بیٹیاں، ان میں سے جو زندہ رہے وہ ہابیل اور قابیل تھے اور صالح اور عبدالرحمان جن کا نام عبدالحارث رکھا تھا اور ود کو شیث کہا جاتا تھا اور ان کو ہبۃ اللہ بھی کہا جاتا تھا اور ان کے بھائیوں نے ان کو سردار بنادیا تھا اور ان کے بیٹوں کے نام سواع، یغوث، یعوق اور نسر تھے۔

(تاریخ دمشق الکبیر: ج:25، ص:185 دار احیاء التراث العربی بیروت) (تفسیر ابن کثیر: ج:4، ص:470 دار الفکر بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

یہ بھی حکایت بیان کی جاتی ہے کہ ود کا بت مرد کی صورت کا تھا۔ سواع کا بت عورت کی صورت کا تھا۔ یغوث کا بت شیر کی صورت کا تھا۔ یعوق کا بت گھوڑے کی صورت پر تھا اور نسر کا بت گدھ کی صورت کا تھا۔ اور یہ حکایت ان تصریحات کے منافی ہے کہ یہ بت نیک انسانوں کی صورتوں پر بنائے گئے تھے اور یہ تصریحات ہی اصح ہیں۔

(روح المعانی: ج:29 ص:133 دار الفکر بیروت)

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم جن بتوں کی عبادت کرتی تھی ان کے متعلق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث مبارکہ روایت کی ہے۔

ابن جریج سے روایت ہے کہ عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ قوم نوح جن بتوں کی عبادت کرتی تھی۔ وہ بت عرب میں اب بھی ہیں۔ رہا ود تو وہ دومۃ الجندل میں بنو کلب کا معبود ہے۔ رہا سواع تو وہ ہذیل کا معبود ہے۔ رہا یغوث تو وہ مراد کا معبود ہے۔ پھر بنو غطیف کا جوف میں سبا کے پاس معبود ہے۔ رہا یعوق تو وہ ہمدان کا معبود ہے اور رہا نسر تو وہ حمیر کا ذی الکلاع کے لئے معبود ہے۔ یہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگوں کے اسماء ہیں جب یہ نیک لوگ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ جن مجالس میں وہ بیٹھتے ہیں وہاں ان نیک لوگوں کے مجسمے بنا کر رکھ دیئے جائیں اور ان نیک لوگوں کے ناموں پر ان بتوں کے نام رکھ دیئے جائیں پھر جب تک ان لوگوں کی نسل باقی رہی ان بتوں کی عبادت نہیں کی گئی اور جب وہ لوگ فوت ہو گئے اور ان کا علم نہ رہا تو ان کی عبادت کی جانے لگی۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:4920)

اس روایت پر اعتراض امام رازی نے کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

یہ پانچ بت سب سے بڑے بت تھے پھر یہ بت حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے اہل عرب کی طرف منتقل ہوئے پس ود بنو کلب کا ہو گیا اور سواع ہمدان کا ہو گیا اور یغوث مذحج کا ہو گیا، یعوق مراد کا ہو گیا اور نسر حمیر کا ہو گیا۔ اس وجہ سے اہل عرب کو عبد ود اور عبد یغوث کہا جاتا تھا۔

تاریخی کتب میں اسی طرح مذکور ہے۔

اور اس پر یہ اشکال ہے کہ

طوفان کے زمانہ میں تمام دنیا ملیا میٹ ہو چکی تھی تو یہ بت کیسے باقی بچ گئے اور عرب کی طرف منتقل ہوئے اور یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ان بتوں کو اپنے ساتھ کشتی میں لے آئے تھے پھر انہوں نے بتوں کو حفاظت کے ساتھ رکھا حتی کہ یہ امانت عربوں کے پاس پہنچ گئی کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام بتوں کے محافظ نہیں تھے۔ بت شکن تھے۔

(تفسیر کبیر: ج:10، ص:657 دار احیاء التراث العربی بیروت)

قوم کا عذاب مانگنا

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے آپ علیہ السلام پر ایمان لانے کی بجائے عذاب کو طلب کیا اور یوں تکبر کیا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ○ قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ○ (ھود: 32، 33)

انہوں نے کہا: تم نے ہم سے بحث کی اور بہت زیادہ بحث کی۔ اب اگر تم سچے ہو تو وہ (عذاب) لے آؤ جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو۔ (نوح علیہ السلام نے کہا:) اگر اللہ نے چاہا تو تم پر وہ عذاب اللہ ہی لائے گا اور تم عاجز کرنے والے نہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام قوم کو جس عذاب سے ڈراتے تھے کفار نے ان سے اس عذاب کو بہ عجلت طلب کیا اور کہا اگر آپ علیہ السلام سچے ہیں تو ہمارے پاس اس عذاب کو جلد لے کر آئیں جس سے آپ علیہ السلام ہم کو ڈراتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا تھا اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو وہ عذاب تم پر اللہ تعالیٰ ہی لائے گا اور تم عاجز کرنے والے نہیں۔

اس کا معنی یہ ہے کہ

عذاب کو نازل کرنا میری طرف مفوض نہیں ہے یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے وہ چاہے گا اس کو کرے گا اور اس کو کوئی عاجز کرنے والا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حضرت نوح علیہ السلام کو تسلی دینا

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو تسلی عطا فرمائی کہ جن لوگوں نے ایمان لایا وہ تو پہلے ہی ایمان لا چکے آپ علیہ السلام ان کی کارروائی سے مغموم نہ ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ○

(ھود: 36)

اور نوح کی طرف وحی کی گئی: آپ کی قوم میں سے صرف وہی لوگ ایمان لانے والے تھے جو پہلے ایمان لا چکے ہیں۔ پس آپ ان کی کارروائی سے مغموم نہ ہوں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو تسلی عطا فرمائی کہ آپ علیہ السلام پر جن لوگوں نے ایمان لانا تھا وہ ایمان لا چکے ہیں تو آپ علیہ السلام ان کی کسی کارروائی سے مغموم نہ ہوں۔

کشتی بنانے کا حکم

جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے آپ علیہ السلام کی کوئی نہ سنی اور بجائے ایمان لانے کے عذاب کو طلب کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم دیا کہ آپ علیہ السلام کشتی بنائیں اور ظالموں کے متعلق ہم سے کوئی بات نہ

کریں کیونکہ ان کو ضرور غرق کیا جائے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ (هود: 37)

اور آپ ہماری نگرانی میں ہماری وحی کے موافق کشتی بنایئے اور ظالموں کے متعلق ہم سے کوئی بات نہ کریں کیونکہ وہ ضرور غرق کیے جائیں گے۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو یہ بتا دیا کہ ان کی قوم میں سے صرف وہی لوگ ایمان لانے والے تھے جو پہلے ایمان لا چکے ہیں۔

اس کا تقاضا یہ تھا کہ

حضرت نوح علیہ السلام یہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں کو عذاب دینے والا ہے اور چونکہ عذاب کئی طریقوں سے آ سکتا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو یہ بتایا کہ وہ عذاب از قبیل غرقابی ہو گا اور غرقابی اور ڈوبنے سے نجات کی صورت صرف کشتی سے ہو سکتی تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم دیا۔

ہماری آنکھوں کے سامنے کشتی بنانے کا معنی

اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے۔

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا

یعنی ہماری آنکھوں کے سامنے کشتی بنایئے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی آنکھوں کے ثبوت کا ذکر ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ جوارح سے منزہ ہے تو پھر اس کا کیا معنی ہو گا۔

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

دلائل قطعیہ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اعضاء، جوارح، اجزاء اور حصول سے منزہ ہے لہٰذا اس آیت کریمہ کی تاویل کرنا واجب ہے اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں۔

(1) اس سے مراد کہ آپ فرشتوں کی آنکھوں کے سامنے جن کو معلوم ہے کہ کشتی کس طرح بنائی جاتی ہے۔

(2) کسی چیز پر آنکھ رکھنا اس کی حفاظت کرنے سے کنایہ ہے اور اس آیت کا معنی ہے۔ آپ ہماری حفاظت میں کشتی بنایئے۔

(تفسیر کبیر: ج:6، ص:344 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

کشتی بنانے پر کفار نوح کا مذاق اڑانا

جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی بنا رہے تھے تو کفار نے آپ علیہ السلام کا مذاق اڑایا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ یَصْنَعُ الْفُلْكَ ۫ وَ كُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ؇ (هود: 38)

اور نوح کشتی بنا رہے تھے اور جب بھی ان کی قوم کے سرداران کے پاس سے گزرتے تو ان کا مذاق اڑاتے۔ نوح نے کہا: اگر تم ہمارا مذاق اڑا رہے ہو تو جس طرح تم ہمارا مذاق اڑا رہے ہو تو ہم بھی تمہارا مذاق اڑائیں گے۔

آگے ارشاد فرمایا۔

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَ یَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ؇ (هود: 39)

پھر عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کس پر رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کس پر دائمی عذاب آئے گا۔

کفار نے کشتی بنانے پر مذاق کیوں اڑایا

حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی بنا رہے تھے تو آپ علیہ السلام کی قوم کے کافر سرداران کو کشتی بناتا دیکھ کر آپ علیہ السلام کا مذاق اڑاتے تھے۔ ان کا یہ مذاق چند وجوہ سے تھا۔

امام فخر الدین رازی نے ان کے مذاق اڑانے کی حسب ذیل وجوہ بیان کی ہیں۔

(1) وہ یہ کہتے تھے: اے نوح علیہ السلام! تم رسالت کا دعویٰ کرتے تھے اور بن گئے بڑھئی۔

(2) اگر تم رسالت کے دعویٰ میں سچے ہوتے تو اللہ تعالیٰ تم کو کشتی بنانے کی مشقت میں نہ ڈالتا۔

(3) اس سے پہلے انہوں نے کشتی نہیں دیکھی تھی نہ ان کو یہ معلوم تھا کہ کشتی کس کام آتی ہے۔ اس لئے وہ اس پر تعجب کرتے تھے اور ہنستے تھے۔

(4) وہ کشتی بہت بڑی تھی اور جس جگہ وہ کشتی بنا رہے تھے وہ جگہ پانی سے بہت دور تھی۔ اس لئے وہ کہتے تھے یہاں پر پانی نہیں ہے اور اس کشتی کو دریاؤں اور سمندروں کی طرف لے جانا تمہارے بس میں نہیں۔ اس لئے ان کے خیال میں اس جگہ کشتی بنانا محض بے عقلی کا کام تھا۔

(تفسیر کبیر: ج:6، ص:345)

حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی چالیس سال میں بنائی

کشتی بنانے میں کتنا عرصہ لگا اس میں کئی اقوال ہیں۔

عمرو بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت نوح علیہ السلام نے چالیس سال میں کشتی بنائی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

دو سال میں کشتی بنائی۔

اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

چالیس سال میں کشتی بنائی۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:9،ص:29 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

کشتی کی تین منزلیں تھیں

کشتی کی تین منزلیں بنائی گئیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اس کشتی کی تین منزلیں تھیں۔

(1) پہلی منزل میں وحشی جانور، درندے اور حشرات الارض تھے۔

(2) دوسری منزل میں چوپائے اور دوسرے حیوان تھے۔

(3) اوپر تیسری منزل میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھ ایمان والے تھے۔

(زاد المسیر: ج:4،ص:102، 103 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

کشتی کا طول و عرض

حضرت حسن سے روایت ہے کہ

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کا طول بارہ سو ہاتھ اور عرض چھ سو ہاتھ تھا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

اس کا طول تین سو ہاتھ اور عرض پانچ سو ہاتھ تھا اور اس کا عمق پانچ سو ہاتھ تھا۔

ابن جریج نے کہا:

اس کا طول تین سو ہاتھ، اس کا عرض ڈیڑھ سو ہاتھ اور اس کا عمق تیس ہاتھ تھا۔ اس کی بالائی منزل میں پرندے درمیانی منزل میں حضرت نوح علیہ السلام اور ایمان والے تھے اور اس کی نچلی منزل میں درندے تھے۔

(زاد المسیر: ج:4،ص:103 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

کشتی کی کیفیت

امام عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

حضرت نوح علیہ السلام نے کہا:

اے میرے رب عزوجل! کشتی کی تعریف کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وہ لکڑی کا ایک گھر ہے جو سطح آب پر چلتا ہے میں نے عبادت گزاروں کو اس میں نجات دوں گا اور اپنی نافرمانی کرنے والوں کو غرق کر دوں گا اور بے شک میں جو چاہوں اس پر قادر ہوں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا

اے میرے رب عزوجل! لکڑی کہاں ہے۔

ارشاد فرمایا

تم درخت اگاؤ۔

حضرت نوح علیہ السلام نے بیس سال تک ساگوان کے درخت اگائے۔ اس عرصہ میں حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو دعوت دینا ترک کر دیا اور انہوں نے بھی حضرت نوح علیہ السلام کو تنگ کرنا چھوڑ دیا۔ البتہ ان کا مذاق اڑاتے رہے۔ جب درخت تیار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ درختوں کو کاٹیں اور سکھائیں۔

پھر حضرت نوح علیہ السلام نے پوچھا:

اے میرے رب عزوجل! میں یہ گھر کیسے بناؤں؟

ارشاد فرمایا

اس کا سر مور کی طرح بناؤ اور اس کے اگلے حصہ کو پرندے کے سینہ کی طرح بناؤ اور اس کا دھڑ مرغ کے دھڑ کی طرح بناؤ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو انہیں کشتی بنانے کی تعلیم کے لئے بھیجا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کہ کشتی بنانے کا عمل جلد مکمل کریں کیونکہ نافرمانی کرنے والوں پر میرا غضب بہت شدید ہے۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام نے کچھ لوگوں کو اجرت کے طور پر کام پر لگایا اور ان کے بیٹوں میں سے سام حام اور یافث بھی ان کے ساتھ کشتی بنا رہے تھے۔ انہوں نے کشتی چھ سو ہاتھ لمبی بنائی اور اس کا عرض اور اس کا عمق تینتیس تینتیس ہاتھ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے زمین سے تارکول نکالا جس کو انہوں نے کشتی پر ملا۔

(زاد المسیر: ج:4، ص:102 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

کفار پر عذاب کا نزول

اللہ تعالیٰ نے کفار پر موسلا دھار بارش برسائی اور زمین سے پانی کے چشمے جاری کر دیئے تو دونوں پانی جمع ہو گئے تو جن لوگوں نے حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لایا تھا وہ کشتی میں سوار ہو گئے اور جن لوگوں نے آپ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا تو ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب پانی کی صورت میں آیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ٥ وَّ فَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ٥ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّ دُسُرٍ ٥ تَجْرِىْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ٥ (القمر 11 تا 14)

سو ہم نے موسلا دھار بارش سے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے اور ہم نے زمین سے چشمے جاری کر دیئے سو دونوں پانی اس چیز کے لئے جمع ہو گئے جو ان (عذاب) کے لئے مقدر کی گئی تھی اور ہم نے نوح کو تختوں اور میخوں والی کشتی پر سوار کر دیا۔ جو ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی ان کی سزا کے لئے جنہوں نے کفر کیا تھا۔

☆

اس آیت کریمہ میں آسمان کے دروازوں سے مراد حقیقتاً آسمان کے دروازے ہیں یا یہ اطلاق مجازی ہے۔ سو اگر یہ مراد لیا کہ حقیقتاً آسمان کے دروازے مراد ہیں تو اس میں بھی کوئی استبعاد اور اشکال نہیں ہے کیونکہ آسمانوں کے دروازے ہیں اور اگر اس مجازاً مراد لیا جائے تب بھی درست ہے جیسا کہ جب شدید بارش ہو تو کہا جاتا ہے کہ آسمانوں کے پرنالے بہہ رہے ہیں۔ نیز اس آیت کریمہ میں ماء منہمر کے الفاظ ہیں۔

انہمار کا معنی ہے۔

زور سے پانی کا گرنا یعنی بادلوں سے بہت زور اور شدت سے پانی برس رہا تھا۔

☆ اور آگے ارشاد فرمایا

اور ہم نے زمین سے چشمے جاری کر دیئے سو دونوں پانی اس چیز کے لئے جمع ہو گئے جو ان کے (عذاب) کے لئے مقدر کی گئی تھی۔

اس آیت کریمہ میں عیون کا لفظ آیا ہے اور عیون کا واحد عین ہے اور عین سے مراد آنکھ بھی ہے اور چشمہ بھی ہے یہاں اس سے مراد چشمہ ہے۔

مراد یہ ہے کہ

دونوں قسم کے پانی جمع ہو گئے۔ بارش کا پانی اور چشموں کا پانی اوپر بادلوں سے پانی برس رہا تھا اور نیچے زمین سے چشمے ابل رہے تھے تو یہ عذاب ان پر نازل ہوا۔

حضرت نوح علیہ السلام اور مومنین کو کشتی میں سوار ہونے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ علیہ السلام ہر قسم کے جوڑوں کو سوار کر لو اور اپنے گھر والوں اور مومنین کو بھی سوار کر لو۔ سوائے ان لوگوں کے جن کے غرق ہونے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ ○(ھود: 40)

حتیٰ کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنورا بلنے لگا تو ہم نے (نوح سے) فرمایا اس کشتی میں ہر قسم کے جوڑوں کو سوار کر لو اور ان پر کم لوگ ہی ایمان لائے تھے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ ہر جاندار سے نر اور مادہ کا ایک جوڑا کشتی میں سوار کر لیا جائے۔سو ایسا ہی کیا گیا اور ان کو کشتی میں سوار کیا گیا۔

کشتی میں سوار ہونے والے مومنین کی تعداد

اللہ تعالیٰ نے جن مومنین کو کشتی میں سوار ہونے کا حکم دیا ان کی تعداد میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔

امام ابن جوزی نے لکھا ہے کہ

ایمانوالوں کی تعداد میں آٹھ اقوال ہیں۔

(1) عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

حضرت نوح علیہ السلام کے اہل سمیت یہ اسی (80) افراد تھے۔

(2) یوسف بن مہران نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے ساتھ اسی (80) انسانوں کو سوار کیا۔

تین ان کے بیٹے تھے اور تین ان کے بیٹوں کی بیویاں تھیں اور حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی تھیں۔

(3) ابوصالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

کل چالیس نفر تھے۔

(5) ابونہیک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

تیس (30) مرد تھے۔

(6) قرظی نے کہا:

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی بیوی، ان کے تین بیٹے اور ان کی بیویاں کل آٹھ فرد تھے۔

(7) کل سات نفر تھے،

حضرت نوح علیہ السلام، تین بیٹے اور ان کی تین بیویاں۔

یہ اعمش کا قول ہے۔

(8) ابن اسحاق نے کہا:

عورتوں کے علاوہ دس نفر تھے۔

(زادالمسیر: ج:4،ص:107،106 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

(طوفان) تنور ابلنے کا معنی اور اس کی کیفیت

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

تنور ابلنے لگا۔

تنور کے متعلق کئی اقوال ہیں کہ اس کی کیفیت تھی اور کیا معنی ہے اور کہاں سے یہ شروع ہوا۔

(1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حسن اور مجاہد رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

اس سے مراد روٹی پکانے کا تنور ہے۔

پھر ان کا اختلاف ہے۔

بعض نے کہا:

یہ حضرت نوح علیہ السلام کا تنور تھا۔

بعض نے کہا:

یہ حضرت آدم علیہ السلام کا تنور تھا۔

بعض نے کہا:

یہ حضرت حوا علیہا السلام کا تنور تھا اور بعد میں حضرت نوح علیہ السلام کا تنور ہو گیا۔

پھر اس تنور کی جگہ میں اختلاف ہے۔

شعبی نے کہا:

یہ کوفہ کی ایک جانب تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا

یہ کوفہ کی ایک مسجد میں تھا اور اس مسجد میں ستر انبیاء کرام علیہم السلام نے نماز پڑھی تھی۔

ایک قول یہ ہے:

یہ تنور شام میں ایک جگہ پر تھا جس کا نام عین الوردان تھا۔

ایک قول یہ ہے:

یہ تنور ہند میں تھا۔

ایک قول یہ ہے:

ایک عورت تنور میں روٹیاں پکار ہی تھی اس نے حضرت نوح علیہ السلام کو تنور سے پانی نکلنے کی دعوت دی تو حضرت نوح علیہ السلام نے اسی وقت کشتی میں تمام چیزیں رکھنی شروع کر دیں۔

(2) تنور سے مراد سطح زمین اور عرب سطح زمین کو تنور کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝ وَّ فَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝

(القمر:11،12)

پس ہم نے موسلا دھار بارش سے آسمان کے دروازے کھول دیئے اور ہم نے زمین سے چشمے جاری کر دیئے تو وہ پانی اس امر کے ساتھ واصل ہو گیا جو (ان کی ہلاکت کے لئے) مقدر ہو چکا تھا۔

(3) تنور سے مراد زمین کی مکرم اور بلند جگہ اور زمین کی بلند جگہ سے پانی نکلا تو اس کی بلندی کی وجہ سے اس کو تنور کے ساتھ تشبیہ دی۔

ان اقوال میں راجح قول یہ ہے:

تنور سے مراد روٹیوں کا تنور مراد لیا جائے۔

(تفسیر کبیر: ج:6،ص:346،347 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

طوفان تمام روئے زمین پر آیا

حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں جو طوفان آیا تھا اس میں یہ اختلاف ہے کہ آیا وہ طوفان صرف ان ہی کے علاقہ میں آیا تھا یا تمام روئے زمین پر وہ طوفان آیا تھا۔

مؤرخین اور مفسرین کے زیادہ تر اقوال یہ ہیں۔

یہ طوفان پوری روئے زمین پر آیا تھا۔

اور بعض نے یہ کہا

یہ طوفان صرف انہی کے علاقہ میں آیا تھا۔ تورات سے بھی یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ طوفان تمام روئے زمین پر آیا تھا۔

تورات میں لکھا ہے۔

اور چالیس دن تک زمین پر طوفان رہا اور پانی بڑھا اور اس نے کشتی کو اوپر اٹھایا سو کشتی زمین پر سے اٹھ گئی اور پانی زمین پر چڑھتا ہی گیا اور بہت بڑھا اور کشتی پانی کے اوپر تیرتی رہی اور پانی زمین پر بہت ہی زیادہ چڑھا اور سب اونچے پہاڑ جو دنیا میں ہیں چھپ گئے۔ پانی ان سے پندرہ ہاتھ اور اوپر چڑھا اور پہاڑ ڈوب گئے اور سب جانور جو زمین پر چلتے تھے پرندے اور چوپائے اور جنگلی جانور اور زمین پر سے مر مٹے۔ فقط ایک نوح باقی بچا یا وہ جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے اور پانی زمین پر ایک سو

پچاس دن تک چڑھتا رہا۔

(تورات پیدائش باب: 7، آیت 17 تا 24، کتاب مقدس، بائبل سوسائٹی لاہور)

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بھی لکھا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے کشتی والوں کے سوا تمام روئے زمین والوں کو غرق کر دیا۔

(تفسیر ابن کثیر ج:2، ص:496 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ اسماعیل حقی متوفی 1137ھ نے لکھا ہے۔

یہ طوفان تمام روئے زمین پر چھا گیا تھا۔

(روح البیان: ج:6، ص:581 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابو الحسن ابراہیم عمر البقاعی المتوفی 885ھ نے لکھا ہے۔

اس سے بڑا حادثہ دنیا میں کبھی رونما نہیں ہوا کہ زمین کے تمام طول و عرض پر طوفان کا پانی چھا گیا تھا اور اس میں کشتی والوں کے سوا دنیا کے تمام جاندار اور بے جان غرق ہو گئے تھے۔

(نظم الدرر: ج:5، ص:543 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی 1369ھ ہود 44 کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ طوفان نوح تمام دنیا میں آیا یا خاص ملکوں میں، اس کے فیصلہ کا یہاں موقع نہیں، مگر یاد رہے کہ دائرۃ المعارف میں بعض محققین یورپ کے ایسے اقوال و دلائل نقل کئے ہیں جو عموم طوفان کی تائید کرتے ہیں۔

(حاشیۃ القرآن: ص:299 مطبوعہ سعودی عربیہ)

مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ 1367ھ بہار شریعت میں فرماتے ہیں۔

طوفان آیا اور ساری زمین ڈوب گئی۔ صرف وہ گنتی کے مسلمان اور ہر جانور کا ایک ایک جوڑا جو کشتی میں لے لیا گیا تھا بچ گئے۔

(بہار شریعت: حصہ:1، ص:10 مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

کشتی چھ ماہ تک زمین پر تیرتی رہتی

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان کے پانی سے زمین پر چھ ماہ تک تیرتی رہی۔

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ، امام عبد الرحمان بن علی الجوزی المتوفی 597ھ، امام محمد بن محمد ابن الاثیر الجزری متوفی 630ھ ان سب نے لکھا ہے۔

وہ کشتی چھ ماہ تک تمام روئے زمین کے اوپر تیرتی رہی وہ کسی چیز پر نہیں ٹھہری حتیٰ کہ حرم میں پہنچی اور اس میں داخل نہیں ہوئی اور حرم کے گرد ایک ہفتہ تک [illegible] علیہ السلام نے بنایا تھا اس کو اٹھا لیا گیا اور وہ غرق ہو

سے بلند رہا۔

(تاریخ دمشق الکبیر:ج:65،ص:187 دار احیاء التراث العربی بیروت)(المنتظم ج:1،ص:132 دار الفکر بیروت)

(الکامل فی التاریخ:ج:1،ص:41 دار الکتاب العربی)

زمین سے پانی اسی ہاتھ اونچا ہو گیا

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

مفسرین کی ایک جماعت نے کہا ہے:

پانی زمین کے بلند ترین پہاڑ سے بھی پندرہ ہاتھ اونچا ہو گیا تھا اور یہ مقدار اہل کتاب کے نزدیک ہے۔

اور ایک قول یہ ہے:

اسی ہاتھ اونچا ہو گیا تھا اور یہ طوفان تمام روئے زمین پر چھا گیا تھا۔ زمین کے طول وعرض پر خواہ نرم زمین ہو یا سخت اس کے پہاڑوں پر میدان پر ریگستانوں پر اور روئے زمین پر کوئی زندہ شخص دکھائی نہیں دیتا تھا۔ چھوٹا اور نہ بڑا۔

(البدایہ والنہایہ:ج،1،ص:175 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نیز حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے۔

بعض جاہل فارسیوں اور اہل ہند نے وقوع طوفان کا انکار کیا اور بعض نے اقرار کیا ہے۔

اور کہا ہے:

یہ طوفان صرف ارض بابل (عراق) میں آیا تھا یہ دین مجوسیوں کا قول ہے ورنہ تمام اہل ادیان کا اس پر اتفاق ہے اور تمام رسولوں سے منقول ہے اور تواتر سے ثابت ہے کہ طوفان آیا تھا اور یہ تمام روئے زمین پر چھا گیا تھا۔

(البدایہ والنہایہ:ج:1،ص:182 دار الفکر بیروت)

طوفان خاص تھا

علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

اور جس چیز کی طرف قلب مائل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ طوفان عام نہیں تھا۔

جیسا کہ بعض نے کہا ہے اور حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی میں ان ہی جانوروں کو سوار کیا تھا جن کی انسان کو ضرورت پڑ سکتی ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ

طوفان کا عموم اپنے اطلاق پر ہے اور حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی میں ان ہی جانوروں کو رکھا تھا جن کے بغیر چارہ کار نہیں اور باقی سب جانور غرق ہو گئے اور ان جانوروں کی نظروں کو اللہ تعالیٰ نے محض لفظ ''کن'' سے دوبارہ پیدا کر دیا تو اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کے سامنے یہ کیا بعید ہے۔ (روح المعانی:جز:20،ص:81 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دراصل یہ اشکال ہوتا تھا کہ اگر تمام زمین پر طوفان آیا تو تمام زمین کے جانوروں، چرندوں، درندوں، کیڑوں مکوڑوں کشتی میں رکھنا تو عادۃً محال ہے۔ اس کے علامہ آلوسی نے دو جواب دیئے۔

ایک یہ کہ

یہ طوفان مخصوص علاقے میں آیا تھا اس لئے تمام زمین کے جانوروں کا کشتی میں رکھنا لازم نہیں ہوتا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ

ہر چند کہ یہ طوفان تمام زمین پر آیا تھا لیکن جانوروں کا کشتی میں رکھنا لازم نہیں آتا اور کشتی میں صرف ان ہی جانوروں کو رکھا گیا تھا جن کی انسان کو ضرورت ہو سکتی ہے اور طوفان رک جانے کے بعد باقی جانوروں کو پیدا کرنا اللہ کے لئے کیا مشکل ہے۔

شیخ حفظ الرحمان سیوہاری لکھتے ہیں:

کیا طوفان نوح تمام کرہ ارض پر آیا تھا یا کسی خاص خطہ پر

اس کے متعلق علماء قدیم و جدید میں ہمیشہ دو رائے رہی ہیں، علماء اسلام میں ایک جماعت، علماء یہود و نصاریٰ اور بعض ماہرین علوم فلکیات، طبقات الارض اور تاریخ طبیعات کی یہ رائے ہے کہ

یہ طوفان تمام کرۂ ارض پر نہیں آیا تھا بلکہ صرف اسی خطہ میں محدود تھا جہاں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آباد تھی اور یہ علاقہ مساحت کے اعتبار سے ایک لاکھ چالیس ہزار کلومیٹر مربع ہوتا ہے۔

ان کے نزدیک طوفان نوح کے خاص ہونے کی وجہ یہ ہے کہ

اگر یہ طوفان عام تھا تو اس کے آثار کرۂ ارض کے مختلف گوشاروں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر ملنے چاہئیں تھے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ نیز اس زمانہ میں انسانی آبادی بہت ہی محدود تھی اور وہی خطہ تھا جہاں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم آباد تھی۔ ابھی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کا سلسلہ اس سے زیادہ وسیع نہ ہوا تھا جو کہ اس علاقہ میں آباد تھا لہٰذا وہی مستحق عذاب تھے ان ہی پر طوفان کا عذاب بھیجا گیا۔ باقی کرۂ ارض کو اس سے کوئی علاقہ نہ تھا۔

اور بعض علماء اسلام اور ماہرین طبقات الارض اور علماء طبیعات کے نزدیک یہ طوفان تمام کرۂ ارض پر حاوی تھا اور ایک یہ ہی نہیں بلکہ ان کے خیال میں اس زمین پر متعدد ایسے طوفان آئے ہیں ان ہی میں سے ایک یہ بھی تھا اور پہلی رائے کے تسلیم کرنے والوں کو آثار سے متعلق سوال کا یہ جواب دیتے ہیں کہ جزیرہ یا عراق عرب کی اس سرزمین کے علاوہ بلند پہاڑوں پر بھی ایسے حیوانات کے ڈھانچے اور ہڈیاں بکثرت پائی گئی ہیں جن کے متعلق ماہرین علم طبقات الارض کی یہ رائے ہے کہ یہ حیوانات مائی ہی ہیں اور صرف پانی ہی میں زندہ رہ سکتے ہیں۔ پانی سے باہر ایک لمحہ بھی ان کی زندگی دشوار ہے۔ اس لئے کرہ ارض کے مختلف پہاڑوں کی ان بلند چوٹیوں پر ان کا ثبوت اس کی دلیل یہ ہے کہ کسی زمانہ میں پانی کا ایک ہیبت ناک طوفان آیا جس نے پہاڑوں کی ان چوٹیوں کو بھی اپنی غرقابی سے نہ چھوڑا۔

ان ہر دو خیالات و آراء کی ان تمام تفصیلات کے بعد جن کا مختصر خاکہ مضمون زیر بحث میں درج ہے۔

اہل تحقیق کی رائے یہ ہے کہ

صحیح مسلک یہی ہے کہ طوفان خاص تھا عام نہ تھا اور یہ مسئلہ بھی محل نظر ہے کہ تمام کائنات انسانی صرف حضرت نوح علیہ السلام کی نسل سے ہے اور آیت

ان تذرھم یضیلوا المبارك

بھی کچھ اسی طرح اشارہ کرتی ہے۔

(قصص القرآن: ج:1،ص:76 تا 77 مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

کشتی میں سوار ہونے کا حکم

حضرت نوح علیہ السلام نے مومنین کو فرمایا: اس کشتی میں سوار ہو جاؤ اس کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ تعالیٰ کے نام سے ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۔

اور نوح نے کہا: اس کشتی میں سوار ہو جاؤ اس کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ ہی کے نام سے ہے۔ بے شک میرا رب ضرور بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

☆

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ اس کشتی میں سوار ہو جاؤ اس قول میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب انسان کسی کام کو شروع کرے تو کام شروع کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرے حتیٰ کہ اس ذکر کی برکت سے اس کا مقصود پورا ہو جائے اور خصوصاً کسی سواری پر بیٹھتے وقت۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہر وہ ذی شان کام جس کو

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کے ساتھ شروع نہ کیا جائے وہ ناتمام رہتا ہے۔

(کنز العمال: رقم الحدیث: 2491)

نیز حضرت نوح علیہ السلام نے اس پر متنبہ فرمایا: اس کشتی کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت اور اس کے حکم اس کی قدرت سے ہے اور یہ کہ جب وہ کشتی میں سوار ہوئے تو انہوں نے قوم کو یہ خبر دی کہ یہ کشتی نجات کے حصول کا سبب نہیں ہے بلکہ نجات تو صرف اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوگی اور انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی قوت اور طاقت پر بھروسہ نہ کرے اور نہ ظاہری اسباب

پراعتماد کرے بلکہ تمام چیزوں سے صرف نظر کر کے مسبب الاسباب پر اعتماد اور توکل کرے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کا طوفان میں ہلاک ہونا

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کشتی میں سوار ہونے کے لئے فرمایا تو اس نے کہا: میں کسی پہاڑ کی پناہ میں آ جاؤں گا اور وہ مجھے پانی سے بچالے گا۔ تو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے عذاب آج تمہیں کوئی بچانے والا نہیں سوائے اسی ذات مقدس کے تو حضرت نوح علیہ السلام اور بیٹے کے درمیان موج حائل ہوگئی تو حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا پانی میں ڈوب گیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ هِیَ تَجۡرِیۡ بِهِمۡ فِیۡ مَوۡجٍ كَالۡجِبَالِ ۟ وَ نَادٰی نُوۡحُ ۣ ابۡنَهٗ وَ كَانَ فِیۡ مَعۡزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارۡكَبۡ مَّعَنَا وَ لَا تَكُنۡ مَّعَ الۡكٰفِرِیۡنَ ○ قَالَ سَاٰوِیۡۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعۡصِمُنِیۡ مِنَ الۡمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الۡیَوۡمَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ ۚ وَ حَالَ بَیۡنَهُمَا الۡمَوۡجُ فَكَانَ مِنَ الۡمُغۡرَقِیۡنَ ○ (ھود: 42، 43)

اور کشتی انہیں پہاڑ جیسی موجوں میں لے کر جارہی تھی اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا جب کہ وہ ان سے الگ تھا۔ اے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ نہ رہو۔ اس نے کہا: میں عنقریب کسی پہاڑ کی پناہ میں آجاؤں گا جو مجھے پانی سے بچالے گا۔ نوح نے کہا: آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہے۔ سوائے اس کے جس پر اللہ رحم فرمائے اور ان دونوں (باپ بیٹے) کے درمیان موج حائل ہوگئی سو وہ ڈوبنے والوں میں سے ہو گیا۔

ان آیات کریمہ میں حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کی ہلاکت کو بیان فرمایا گیا ہے۔

اور حضرت نوح علیہ السلام کو یہ علم تھا کہ وہ کافر ہے لیکن آپ علیہ السلام کو یہ گمان تھا کہ وہ طوفان کی ہولناکیوں اور اس میں غرق ہونے کے خطرہ کا مشاہدہ کرے گا لہٰذا انہوں نے جو فرمایا: اے میرے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ۔ ان کا یہ قول اس کو ایمان پر راغب کرنے کے لئے تھا۔

نیز یہ ارشاد فرمایا:

وہ ان سے الگ تھا۔

اس کا ایک محمل یہ ہے کہ وہ کشتی سے الگ تھا کیونکہ اس کا گمان یہ تھا کہ وہ پہاڑ پناہ کے سبب غرق ہونے سے بچ جائے گا۔

اسی کا دوسرا محمل یہ ہے کہ

وہ اپنے باپ، اپنے بھائیوں اور مسلمانوں سے الگ تھا۔

اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ

وہ کفار کی جماعت سے الگ کھڑا ہوا تھا۔ اس لئے حضرت نوح علیہ السلام نے یہ گمان کیا کہ شاید وہ ایمان لے آئے کیونکہ وہ ان سے الگ کھڑا ہوا ہے۔ اسی لئے انہوں نے اس کو ندا کی تھی اور فرمایا تھا اور کافروں کے ساتھ نہ رہو اور جب حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے نے کہا: مجھے پہاڑ بچالے گا تو حضرت نوح علیہ السلام نے متنبہ فرمایا تم نے غلط کہا۔ آج اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہے۔ ہاں وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ سکتا ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ خود رحم فرمائے۔

طوفان کا تھم جانا

جب اللہ تعالیٰ نے کفار کو ہلاک کر دیا تو زمین کو حکم دیا گیا کہ پانی کو نگل لے اور آسمان کو حکم دیا گیا کہ تھم جائے اور پانی کو خشک کر دیا گیا اور کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ قِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَ يٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَ غِيْضَ الْمَآءُ وَ قُضِيَ الْاَمْرُ وَ اسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَ قِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۝ (ھود: 44)

اور حکم دیا گیا: اے زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان تھم جا اور پانی خشک کر دیا گیا اور کام پورا کر دیا گیا اور کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی اور کہہ دیا گیا کہ ظالم لوگوں کے لئے (رحمت سے) دوری ہے۔

قاضی الامر کا معنی ہے۔

تقدیر میں لکھا ہوا پورا ہو گیا۔

یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافروں کا ہلاک ہونا اور مومنوں کا نجات پانا۔

جودی پہاڑ کہاں واقع ہے

جودی: یہ ایک پہاڑ ہے جو کردستان کے علاقہ میں جزیرہ ابن عمر کے شمال مشرقی جانب واقع ہے۔ یہ علاقہ ارمیا کی سطح مرتفع سے شروع ہو کر جنوب میں کردستان تک ہے اور جبل الجودی اسی سلسلہ کا ایک پہاڑ ہے یہ پہاڑ آج بھی جودی ہی کے نام سے مشہور ہے۔

(تفہیم القرآن ج:2،ص:341)

جودی پہاڑ پر کشتی ٹھہرنے کا عرصہ

امام ابن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

جودی ایک جزیرہ میں پہاڑ ہے سب پہاڑ غرق ہو گئے تھے یہ پہاڑ اپنی تواضع اور عجز کی وجہ سے غرق ہونے سے بچ رہا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اسی جگہ لنگر انداز ہوئی تھی۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

ایک ماہ تک کشتی یہیں لگی رہی۔ کشتی سے سب اتر گئے اور لوگوں کی عبرت کے لئے کشتی ثابت وسالم یہیں ہی رکی رہی حتی کہ اس امت کے اوائل میں سے لوگوں نے بھی اس کو دیکھ لیا حالانکہ اس کے بعد بہترین اور مضبوط کشتیاں بنیں بگڑیں اور راکھ ہو گئیں۔

حضرت عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کشتی میں سوار (80) انسان تھے۔ایک سو پچاس دن تک وہ سب کشتی ہی میں رہے۔اللہ تعالیٰ نے کشتی کا منہ مکہ مکرمہ کی طرف کر دیا۔وہ کشتی چالیس دن تک بیت اللہ کا طواف کرتی رہی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے جودی کی طرف روانہ کر دیا۔وہاں جا کر وہ ٹھہر گئی۔حضرت نوح علیہ السلام نے کوے کو بھیجا کہ وہ خشکی کی خبر لائے۔وہ ایک مردار کو کھانے میں گیا اور دیر لگا دی۔آپ علیہ السلام نے ایک کبوتر کو بھیجا۔وہ اپنی چونچ میں زیتون کے درخت کا پتا اور پنجوں میں مٹی لے کر آیا۔اس سے حضرت نوح علیہ السلام نے یہ اندازہ لگایا کہ پانی سوکھ گیا ہے اور زمین ظاہر ہو گئی ہے۔آپ علیہ السلام جودی کے نیچے اترے اور وہیں ایک بستی کی بنیاد رکھ دی۔ایک دن صبح کو جب لوگ بیدار ہوئے تو ہر شخص کی زبان بدلی ہوئی تھی۔وہ اس قسم کی زبانیں بول رہے تھے۔ان میں سب سے بہتر زبان عربی تھی اور کوئی شخص دوسرے کا کلام سمجھ نہیں رہا تھا۔اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو وہ سب زبانیں سکھا دیں اور آپ علیہ السلام ہر ایک دوسرے کا مطلب سمجھا رہے تھے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم:ج:6،ص:2037،2038)

دس محرم کو کشتی لنگر انداز ہوئی

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یکم رجب کو حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے اور انہوں نے اور سب مسلمانوں نے روزہ رکھا اور چھ ماہ تک کشتی ان کو لے کر سفر کرتی رہی اور محرم تک سفر جاری رہا اور دس محرم کو وہ کشتی جودی پہاڑ پر لنگر انداز ہوئی۔اس دن حضرت نوح علیہ السلام نے خود روزہ رکھا اور کشتی میں سوار سب لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا۔حتیٰ کہ وحشی جانوروں اور چوپایوں نے بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے روزہ رکھا۔

(جامع البیان،رقم الحدیث:14042)(الجامع الاحکام القرآن ج:9،ص:38)(تفسیر ابن کثیر:ج:2،ص:496)

حضرت نوح علیہ السلام نے دس محرم کو روزہ رکھا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ یہودیوں کے پاس سے گزر ہوا جنہوں نے دس محرم کا روزہ رکھا ہوا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا

یہ کیسا روزہ ہے۔

انہوں نے کہا:

یہ وہ دن ہے جس دن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل کو غرق سے نجات دی تھی اور اسی دن میں فرعون غرق ہوا تھا اور اسی دن میں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری تھی تو حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے اس دن روزہ رکھا تھا۔

تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہ نسبت زیادہ حق دار ہوں اور اس دن کا روزہ رکھنے کا زیادہ حق دار ہوں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

(مسند احمد: ج:2،ص:359،360)

طوفان میں عورت اور اس کے بچے کا غرق ہونا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں سے کسی ایک پر رحم فرماتا تو ایک بچے کی ماں پر رحم فرماتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت نوح علیہ السلام نوسو پچاس سال کی عمر تک اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دیتے رہے حتیٰ کہ جب ان کے زمانہ کا آخر آپہنچا تو انہوں نے درخت اگائے اور جب وہ درخت پوری طرح بڑھ گئے تو ان کو کاٹا پھر وہ کشتی بنانے لگے۔

کفاران کے پاس سے گزرتے ہوئے ان سے اس کے متعلق سوال کرتے

وہ کہتے کہ

میں کشتی بنارہا ہوں۔

وہ مذاق اڑاتے اور کہتے کہ

تم کشتی خشکی میں بنارہے ہو۔وہ کیسے چلے گی۔

حضرت نوح علیہ السلام فرماتے۔

تم کو عنقریب پتا چل جائے گا۔وہ کشتی بنا کر فارغ ہو گئے اور تنورابلنے لگا اور گلیوں میں پانی بہنے لگا تو ایک بچے کی ماں نے اپنے بچہ پر خطرہ محسوس کیا وہ اپنے بچے سے بہت محبت کرتی تھی وہ بچے کو لے کر ایک پہاڑ کی طرف روانہ ہوئی اور پہاڑ

کے ایک تہائی حصہ تک پہنچ گئی۔ جب وہاں پانی پہنچ گیا تو وہ دو تہائی حصہ تک پہاڑ پر چڑھ گئی۔ جب وہاں بھی پانی پہنچ گیا تو وہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئی۔ جب پانی اس عورت کی گردن تک پہنچ گیا تو اس عورت نے اس بچے کو دونوں ہاتھوں سے اوپر اٹھا لیا حتی کہ پانی اس کو بہا کر لے گیا۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کافروں پر رحم فرماتا تو اس بچہ کی ماں پر رحم فرماتا۔

(جامع البیان رقم الحدیث:14005)(المستدرک ج:2،ص:547)

حضرت نوح علیہ السلام کا فرمان میرا بیٹا میرے اہل سے ہے

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے رب عزّوجل کی بارگاہ میں عرض کیا کہ یا خالق باری تعالیٰ میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور یقیناً تیرا وعدہ برحق ہے اور تو تمام حاکموں سے بڑا حاکم ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ نَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَ اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَ اَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ۝ قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَ تَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝(هود: 45 تا 47)

اور نوح نے اپنے آپ کو پکارا۔ سو کہا بے شک میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور یقیناً تیرا وعدہ برحق ہے اور تو تمام حاکموں سے بڑا حاکم ہے۔ فرمایا اے نوح وہ آپ کے اہل سے نہیں ہے۔ بے شک اس کے کام نیک نہیں ہیں تو آپ مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کریں جس کا آپ کو علم نہیں ہے۔ بے شک میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیں۔ نوح نے کہا: اے میرے رب بے شک میں تیری پناہ میں آتا ہوں کہ میں تجھ سے اس چیز کا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں ہے اور اگر تو میری مغفرت نہ فرمائے اور مجھ پر رحم نہ فرمائے تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے یہ دعا اس لئے کی تھی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا۔

ہم نے نوح سے فرمایا اس کشتی میں ہر قسم کے (نر اور مادہ) جوڑوں کو سوار کر لو اور اپنے اہل کو سوار کر لو۔ سوا ان کے جن کو غرق کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ تو حضرت نوح علیہ السلام نے گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اہل کو کشتی میں سوار کرنے کا حکم دیا ہے۔

تو عرض کیا۔

میرا بیٹا (کنعان) بھی میرے اہل سے ہے۔ مطلب یہ تھا کہ اس کو بھی کشتی میں سوار کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے تا کہ وہ بھی نجات پانے والوں میں سے ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اس دعا کے جواب میں فرمایا۔

اے نوح وہ آپ کے اہل سے نہیں ہے بے شک اس کے کام نیک نہیں ہیں تو آپ مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کریں جس کا آپ کو علم نہیں ہے۔ بے شک میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں۔ آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیں۔

تو حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا

اے میرے رب عزوجل بے شک میں اس سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ میں تجھ سے اس چیز کا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں ہے اور اگر تو میری مغفرت نہ فرمائے اور مجھ پر رحم نہ فرمائے تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی گناہ سے براءت پر امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

جب کہ بکثرت دلائل سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کو گناہوں سے منزہ کیا ہوا ہے تو حضرت نوح علیہ السلام کے اس سوال کو ترک افضل اور ترک اکمل پر محمول واجب ہے اور ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک برائی کا حکم رکھتی ہیں۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ فرمائی اور حضرت نوح علیہ السلام نے استغفار کیا اور ان کا استغفار کرنا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ انہوں نے پہلے کوئی گناہ کیا ہو۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ○ وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ○ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ (النصر: 3-1)

جب اللہ کی مدد اور اس کی فتح آجائے اور آپ لوگوں کو دیکھ لیں کہ وہ اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح فرمائیں اور اس سے استغفار کریں۔

اور یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کا آنا اور لوگوں کا دین میں داخل ہونا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گناہ نہیں تھا کہ اس پر استغفار کا حکم دیا جاتا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ استغفار کا حکم دینا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار کرنا کسی گناہ پر دلالت نہیں کرتا۔

درحقیقت حضرت نوح علیہ السلام کی امت میں تین قسم کے لوگ تھے۔

(1) کافر تھے اور اپنے کفر کا اظہار کرتے تھے۔

(2) مومن تھے اور اپنے ایمان کا اظہار کرتے تھے۔

(3) منافقین کی جماعت تھی۔

مومنوں کا حکم طوفان سے نجات تھا اور کافروں کا حکم ان کو غرق کرنا تھا اور یہ حضرت نوح علیہ السلام کو معلوم تھا اور منافقین کا حکم مخفی تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان منافقین میں سے تھا اور بظاہر وہ مومن تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام کے اعمال اور افعال کو کفر پر محمول نہیں کیا بلکہ وجوہ صحیحہ پر محمول کیا۔ جب آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ مسلمانوں سے الگ کھڑا ہے۔

تو اس سے کہا کہ

وہ کشتی میں داخل ہو جائے۔

اس نے کہا:

میں عنقریب کسی پہاڑ کی پناہ میں چلا جاؤں گا۔ وہ مجھے پانی سے نہ بچالے گا۔ اور اس کا یہ کہنا اس کے کفر پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس نے یہ گمان کیا ہو کہ پہاڑ پر چڑھنا کشتی میں بیٹھنے کے قائم مقام ہے۔ جس طرح کشتی میں بیٹھنا غرق ہونے سے بچاتا ہے اسی طرح پہاڑ پر چڑھنا بھی غرق ہونے سے بچالے گا۔

اور حضرت نوح علیہ السلام نے جو یہ فرمایا تھا۔

آج کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا سوا اس کے جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

اس قول سے وہ اپنے بیٹے کو یہ بتلا رہے تھے کہ ایمان اور اعمال صالحہ کے سوا کوئی چیز نفع آور نہیں ہے اور یہ قول اس پر دلالت نہیں کرتا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو یہ علم تھا کہ ان کا بیٹا کافر ہے۔ ان کو یہی گمان تھا کہ ان کا بیٹا مومن ہے تب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا کہ ان کا بیٹا غرق ہونے سے بچ جائے خواہ کشتی میں بیٹھ کر خواہ پہاڑ پر چڑھ کر تب اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی کہ وہ منافق ہے اور ان کے اہل دین سے نہیں ہے۔ اس معاملہ میں حضرت نوح علیہ السلام سے جو ذلت صادر ہوئی وہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے بیٹے کے متعلق پوری چھان بین نہیں کی کہ وہ کافر ہے یا منافق ہے بلکہ انہوں نے اجتہاد کیا اور اپنے اجتہاد سے انہوں نے یہ سمجھا کہ وہ مومن ہے اور اس کو اس اجتہاد میں خطا ہوئی کیونکہ وہ کافر تھا سو جس طرح حضرت آدم علیہ السلام سے جو ذلت صادر ہوئی وہ اجتہادی خطا تھی۔ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی یہ ذلت بھی اجتہادی خطا ہے اور ان کی عصمت کے منافی نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر: ج:6، ص:358، 359 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

کشتی سے اتر جانے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی سے اتر جانے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا: ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ اور ان برکتوں کے ساتھ جو تم پر ہیں اور ان جماعتوں پر ہیں جو تمہارے ساتھ ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قِیْلَ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ عَلَیْكَ وَ عَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ یَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ اِلَیْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَاۤ اَنْتَ وَ لَا قَوْمُكَ

مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۖ فَاصْبِرْ ۖ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ ○ (هود: 48، 49)

حکم دیا گیا: اے نوح کشتی سے اتر جاؤ۔ ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ اور ان برکتوں کے ساتھ جو تم پر ہیں اور ان جماعتوں پر ہیں جو تمہارے ساتھ ہیں اور کچھ جماعتیں ہوں گی جنہیں ہم فائدہ پہنچائیں گے پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔ یہ من جملہ غیب کی خبروں سے ہیں جن کو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں جن کو اس سے پہلے نہ آپ جانتے تھے نہ آپ کی قوم میں صبر کیجئے۔ بے شک نیک انجام متقین کے لئے ہے۔

اس آیت کریمہ میں

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی سے اتر جانے کا حکم دیا۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی اور اس وقت حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم لامحالہ کشتی سے اتر گئی۔ اس آیت میں جو اترنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ کشتی سے اتر جاؤ اور یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ جودی پہاڑ سے زمین پر اتر جاؤ۔ اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کا ذکر فرمایا تھا۔

اور اگر تو میری مغفرت نہ فرمائے اور مجھ پر رحم نہ فرمائے تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

(ہود:47)

اور یہ ایسی دعا ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام نے مانگی تھی۔

اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے۔ اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ (الاعراف:23)

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام سے بصورت عتاب فرمایا تھا۔ تو آپ مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کریں جس کا آپ کو علم نہیں ہے۔ بے شک میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں۔ آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیں۔

(ہود:46)

اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ نے توبہ کی اور اس سے رحم کی درخواست کی اور اب حضرت نوح علیہ السلام کو اس کی ضرورت تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو سلامتی کی بشارت دے۔

اس لئے فرمایا

اے نوح! سلامتی کے ساتھ کشتی سے اتر جاؤ۔ اس سلامتی سے دین اور دنیا دونوں کی سلامتی مراد ہے۔

دین کی سلامتی سے مراد یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ ان کو دنیا کی آفات اور بلیات سے محفوظ رکھے گا کیونکہ اس طوفان سے روئے زمین کی ہر چیز غرق ہو گئی تھی اور جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی سے اترے تو وہاں کوئی نہ درخت تھا نہ سبزہ تھا نہ کوئی حیوان تھا اور زندگی بسر کرنے اور کھانے

پینے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ان میں سے اس وقت زمین پر کوئی چیز موجود نہ تھی۔ اس لئے اس وقت وہ بھوک اور پیاس کا خوف تھا اور یہ تشویش تھی کہ ضروریات زندگی کس طرح فراہم ہوں گی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو سلامتی کی بشارت دی جو ہر قسم کے خوف کے ازالہ کو شامل ہے اور یہ اسی وقت ہوگا جب وسعت رزق بھی حاصل ہو اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو سلامتی کے ساتھ برکت کی بھی بشارت دی اور برکت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نعمتوں کو دوام اور بقا عطا فرمائے گا۔ حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی سے اترے تو ان کی اولاد کے علاوہ دوسرے مسلمان جو اس کشتی میں سوار تھے وہ سب کشتی میں ہی فوت ہو چکے تھے۔ اس لئے اس طوفان کے بعد جو نسل انسانی دنیا میں پھیلی وہ سب حضرت نوح علیہ السلام کی ذات تھی۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَنَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِo وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَo وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَo سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَo (الصفت: 76 تا 79)

اور ہم نے نوح اور ان کے اہل کو بڑی تکلیف سے نجات دی اور ہم نے صرف ان ہی کی اولاد کو باقی رکھا اور بعد میں آنے والوں میں ہم نے ان کا ذکر خیر چھوڑا۔ سلام ہو نوح پر تمام جہانوں میں۔

اس اعتبار سے برکات سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی اولاد میں برکتیں عطا فرمائیں اور حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت نوح علیہ السلام اس زمین پر آدم ثانی یا آدم اصغر تھے اور قیامت تک کی نسل انسانی ان کی ذریت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اتنی خیر کثیر برکت عطا فرمائی کہ تمام دنیا کے لوگ آپ علیہ السلام کے دم سے آباد ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کے والدین مومن تھے

حضرت نوح علیہ السلام کے والدین کریمین دونوں مومن تھے۔

آپ علیہ السلام کے والدہ کا نام حضرت شیث علیہ السلام تھا۔

اور آپ علیہ السلام کی والدہ کا نام قیثوش بنت برکائیل تھا۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی 855ھ حضرت نوح علیہ السلام کے تعارف میں لکھتے ہیں:

حضرت نوح علیہ السلام کے ماں باپ دونوں مومن تھے۔ ان کی ماں کا نام قیثوش بنت برکائیل تھا اور ان کے والد کا نام شیث علیہ السلام تھا۔

(عمدۃ القاری ج:15، ص:298 تا 299 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت کے وقت عمر

حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت کے وقت عمر میں اختلاف ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی 855ھ حضرت نوح علیہ السلام کے تعارف میں لکھتے ہیں:

بعثت کے حضرت نوح علیہ السلام کی عمر میں اختلاف ہے۔

بعض نے کہا:

اس وقت ان کی عمر 50 سال تھی

اور بعض نے کہا:

اس وقت ان کی عمر 350 سال تھی

اور بعض نے کہا:

اس وقت ان کی عمر 480 سال تھی۔

(عمدۃ القاری ج:15،ص:299،298 مطبوعہ دار الفکر العلمیہ بیروت)

حضرت نوح علیہ السلام کا مقام بعثت

حضرت نوح علیہ السلام کے مقام بعثت میں اختلاف ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ حضرت نوح علیہ السلام کے تعارف میں لکھتے ہیں:

حضرت نوح علیہ السلام کے مقام بعثت میں بھی اختلاف ہے۔

مجاہد رضی اللہ عنہ نے کہا:

ان کو ہند میں مبعوث کیا گیا

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

ان کو ارض بابل (عراق کا ایک شہر جو کوفہ اور بغداد کے درمیان ہے) اور کوفہ میں مبعوث کیا گیا۔

(عمدۃ القاری ج:15،ص:299،298 مطبوعہ دار الفکر العلمیہ بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے ایک سو چھبیس سال بعد پیدا ہوئے

حضرت نوح علیہ السلام، حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے ایک سو چھبیس سال بعد پیدا ہوئے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ حضرت نوح علیہ السلام کے تعارف میں لکھتے ہیں:

حضرت نوح علیہ السلام، حضرت آدم کی وفات کے ایک سو چھبیس سال بعد پیدا ہوئے۔

(عمدۃ القاری ج:15،ص:298 تا 299 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ادریس وحضرت آدم اور حضرت نوح علیہم السلام کے درمیان عرصہ

حضرت آدم، وحضرت ادریس وحضرت [illegible] کا عرصہ ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ حضرت نوح علیہ السلام کے تعارف میں لکھتے ہیں:

مقاتل نے کہا:

حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان ایک سو سال کا عرصہ ہے اور حضرت نوح اور حضرت ادریس علیہ السلام کے درمیان بھی ایک سو سال کا عرصہ ہے اور حضرت ادریس علیہ السلام کے بعد پہلے نبی ہیں۔

(عمدۃ القاری: ج:15، ص:298 تا 299 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت نوح علیہ السلام کے نام میں مختلف اقوال

حضرت نوح علیہ السلام کے نام میں مختلف اقوال ہیں۔

بعض نے کہا: آپ علیہ السلام کا نام ''السکن'' ہے۔

بعض نے کہا:

آپ علیہ السلام کا نام الساکن ہے۔

بعض نے کہا:

آپ علیہ السلام کا نام عبدالغفار ہے اور بہت زیادہ رونے کی وجہ سے نوح علیہ السلام ہو گیا۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ حضرت نوح علیہ السلام کے تعارف میں لکھتے ہیں:

مقاتل نے کہا:

ان کا نام السکن ہے۔

ایک قول ہے۔

ان کا نام الساکن ہے۔

طبری نے کہا:

ان کا نام عبدالغفار اور بہت زیادہ رونے کی وجہ سے ان کا نام نوح علیہ السلام ہو گیا۔

نوح (علیہ السلام) کا معنی نوحہ کرنا اور رونا ہے۔

ان کے زیادہ رونے کی وجہ یہ ہے کہ ایک دن انہوں نے کتے کو دیکھ کر دل میں کہا

یہ کس قدر بدشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتے کو گویائی دی۔

اس نے کہا:

اے مسکین! آپ علیہ السلام نے کس پر عیب لگایا ہے۔ نقش پر یا نقاش پر۔ اگر نقش پر عیب ہے تو اگر میرا بنانا میرے اختیار میں ہوتا تو میں خود کو حسین بنا لیتا اور اگر نقاش پر عیب ہے تو وہ اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی ملک پر اعتراض کرنا جائز نہیں۔ حضرت نوح

علیہ السلام نے جان لیا کہ اس کتے کو اللہ تعالیٰ نے گویائی دی ہے۔ پھر وہ اپنے اس خیال پر چالیس سال تک روتے رہے۔

(عمدۃ القاری: ج:15، ص:298 تا 299 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ نے لکھا ہے کہ

حضرت نوح علیہ السلام نے دل میں کہا کہ

یہ کس قدر بدشکل ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان سے ارشاد فرمایا

تم اس سے زیادہ حسین مخلوق پیدا کر کے دکھاؤ۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنی اس خطا پر عرصہ تک روتے رہے۔

(الجامع الاحکام القرآن ج:13، ص:307 دار الفکر بیروت)

اس واقعہ کا ذکر کسی حدیث مبارکہ میں نہیں ہے اور حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی علیہ السلام ہیں ان کا مقام اس سے بلند ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت پر اعتراض کریں یا اس کو برا جانیں، علاوہ ازیں دل میں جو غیر اختیاری طور پر خیالات آتے ہیں۔

ان پر انسان کو قدرت نہیں ہے اور نہ اس سبب سے ان پر باز پرس ہوتی ہے۔ اس لئے ہمارے نزدیک یہ واقعات درست نہیں ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کا قوم کے ایمان نہ لانے پر ساڑھے نو سو سال رونا

حضرت نوح علیہ السلام قوم کے ایمان نہ لانے پر ساڑھے نو سو سال تک روتے رہے۔

علامہ بدرالدین عینی متوفی 855ھ فرماتے ہیں۔

ان کے نام کی دوسری وجہ تسمیہ یہ ہے کہ

وہ اپنی قوم کے ایمان نہ لانے پر ساڑھے نو سال تک افسوس کرتے رہے اور روتے رہے۔

(عمدۃ القاری: ج:15، ص:299 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت نوح علیہ السلام کا وصال مبارک

حضرت نوح علیہ السلام کے وصال مبارک میں چند اقوال ہیں۔

علامہ بدرالدین عینی متوفی 855ھ فرماتے ہیں۔

سدی نے کہا:

حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ایک ہزار چار سو سال تھی۔

امام ابن جوزی نے کہا:

ان کی عمر ایک ہزار تین سو سال تھی۔

ایک قول ہے کہ

ان کی عمر ایک ہزار سات سو سال تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام موصل کی مشرقی جانب میں فوت ہوئے تھے۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں ان کی کشتی جودی پہاڑ کے پاس ٹھہری تھی۔

امام ابن اسحاق نے کہا:

وہ ہند میں فوت ہوئے تھے۔

عبدالرحمان بن سابا ط نے کہا:

حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب اور حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زمزم، رکن اور مقام کے درمیان ہیں۔

ایک قول یہ ہے:

آپ علیہ السلام بابل میں فوت ہوئے۔

اور ایک قول یہ ہے:

آپ علیہ السلام بعلبک (شام کا ایک شہر) کی کرک نام کی ایک بستی میں فوت ہوئے اور اب بھی وہاں پر آپ علیہ السلام کی قبر معروف ہے۔ اس کو کرک نوح کہا جاتا ہے۔

(عمدۃ القاری: ج:15، ص:299 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت نوح علیہ السلام کا مزار پر انوار کا مقام

حضرت نوح علیہ السلام کے مزار پر انوار کے بارے میں زیادہ قوی قول یہ ہے: آپ علیہ السلام کا مزار پر انوار مسجد حرم شریف میں ہے۔

علامہ بدرالدین عینی متوفی 855ھ فرماتے ہیں کہ

حافظ ابن کثیر نے کہا: امام ابن جریر اور امام ازرقی نے روایت کیا ہے کہ

آپ علیہ السلام کا مزار پر انوار مسجد حرام مین ہے۔

اور یہ قول دوسرے متاخرین کے اقوال ہیں کی بہ نسبت زیادہ قوی اور زیادہ ثابت ہے۔

(عمدۃ القاری: ج:15، ص:299 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابن جریج، امام ازرقی اور دیگر مؤرخین نے لکھا ہے کہ

حضرت نوح علیہ السلام کا مزار پر انوار مسجد حرام میں ہے۔

اور یہ قوی قول ہے۔

(البدایہ والنہایہ ج:1، ص:100، 120 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی ہیں اور آپ علیہ السلام کا نام مبارک اولعزم انبیاء کرام علیہم السلام میں شمار ہوتا ہے۔

اولوالعزم انبیاء کرام علیہ السلام پانچ ہیں۔

بہارشریعت حصہ اول میں ہے۔

نبیوں کے مختلف درجے ہیں۔ بعض کو بعض پر فضیلت ہے اور سب میں افضل ہمارے آقا ومولیٰ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بڑا مرتبہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام کا ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پھر حضرت نوح علیہ السلام کا۔ ان حضرات کو مرسلین اولوالعزم کہتے ہیں۔

(بہارشریعت حصہ اول ص 54، مکتبۃ المدینہ کراچی)

اولوالعزم سے مراد یہ ہے کہ

بلندوبالا عزت وعظمت اور حوصلہ دے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو یہ مقام عطا فرمایا: آپ علیہ السلام کی اولاد میں اکثر انبیاء کرام علیہم السلام ہیں۔ جن میں سے سب سے افضل واعلیٰ نبی ہمارے نبی محترم شفیع امم، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ گویا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد ہیں اور یوں کئی واسطوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ نبوت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ کا لقب بھی نوازا گیا۔ آپ علیہ السلام اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کی تبلیغ کرتے رہے اور کفر کے مقابلے میں نمرود جیسے ظالم بادشاہ سے مقابلہ بھی کیا اور آخر کار نمرود ہلاک ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو حیات رکھا اور یوں کفر کا خاتمہ ہوا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نسب نامہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نسب نامہ مؤرخین نے طوالت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسین ابن عساکر متوفی 571ھ نے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا نسب اس طرح لکھا ہے۔

ابراہیم بن آذر اور وہ تارخ ہیں۔ بن ناحور بن شاروغ بن ارغو بن فالغ بن عامر بن شالخ بن ارفخشد ہ بن سام بن نوح بن لمک بن متوشلخ بن خنوخ اور وہ ادریس (علیہ السلام) ہیں۔ بن یارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم۔

(مختصر تاریخ دمشق، ج:3،ص:344 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کنیت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کنیت ابوالضیفان ہے۔

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل الرحمٰن ہیں

اور آپ علیہ السلام کی کنیت ابوالضیفان ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق ج:3،ص:344 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش مبارکہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش مبارکہ عراق کے شہر بابل کے موضع کوثی میں ہوئی۔

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

صحیح یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کے شہر بابل کے موضع کوثی میں پیدا ہوئے۔

(مختصر تاریخ دمشق، ج:3،ص:344 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

غار میں پیدائش:

علامہ اسماعیل حقی متوفی 1137ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی والدہ کے بطن سے غار میں پیدا ہوئے تھے جب وہ بڑے ہوئے تو غار سے نکلے اور شہر میں داخل ہوئے اور انہوں نے چاہا کہ وہ یہ جان سکیں کہ شہر والے کس دین پر ہیں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا: تم کس کی عبادت کرتے ہو تو انہوں نے کہا: ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کا رد فرمایا۔

(روح البیان: ج:6،ص:361 داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد محترم کا نام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد محترم کے نام مبارکہ میں اختلاف ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر تھے یا تارخ تھے؟ تحقیق یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کے والد کا نام تارخ ہے۔

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ نے لکھا ہے:

مجاہد نے کہا ہے:

آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ نہیں تھے۔

صحیح وہ ہے کہ جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وہ ابراہیم بن آزر ہیں۔

اور تورات میں ہے۔

وہ ابراہیم بن تارخ ہیں۔

(مختصر تاریخ دمشق ج:3،ص:344 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابراہیم کی پیدائش حضرت آدم علیہما السلام کی پیدائش کے کتنے عرصہ بعد ہوئی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے تین ہزار تین سو سینتیس سال بعد پیدا ہوئے۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے تین ہزار تین سو سینتیس سال بعد پیدا ہوئے۔ اس وقت طوفان نوح کو بارہ سو تریسٹھ سال گزر چکے تھے۔

(عمدۃ القاری، ج:15،ص:240 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیرہ مصر)

آزر کے متعلق مفسرین کے اقوال

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد محترم کے بارے میں بعض مفسرین نے کہا: آپ علیہ السلام کے والد کا نام آزر تھا اور بعض نے کہا: یہ ان کا لقب تھا۔

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی المتوفی 597ھ نے آزر کے متعلق چار قول لکھے ہیں۔

(1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن سدی اور ابن اسحاق نے کہا:

آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ہے۔

(2) مجاہد نے کہا ہے:

آزر بت کا نام ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ ہے۔

(3) زجاج نے کہا ہے:

آزر نام نہیں ہے بلکہ مذمت کا کلمہ ہے۔

گویا کہ حضرت ابراہیم نے فرمایا

اے خطا کار! تو بتوں کو معبود قرار دے رہا ہے۔

(4) مقاتل بن حیان نے کہا ہے:

آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام نہیں ہے۔

یہ ان کا لقب ہے۔

(زادالمسیر: ج:3،ص:75،76 مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت)

حضرت ابراہیم کے والد محترم کا نام تارخ تھا آزر نہیں تھا

کئی مفسرین کرام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد محترم کا نام تارخ لکھا ہے جن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔

امام ابواسحاق زجاج متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

نسب بیان کرنے والوں کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا اور قرآن مجید اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا نام آزر تھا۔

(معانی القرآن واعرابہ للزجاج ج:2،ص:265)

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ

مجاہد نے کہا ہے:

آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام نہیں ہے وہ بت کا نام ہے۔

(جامع البیان جز:7،ص:316 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس رازی ابن ابی حاتم متوفی 327ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر نہیں تھا۔ ان کے باپ کا نام تارخ تھا۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ

آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا۔

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر سے کہا

کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں سے مدد مانگتے ہو ایسا نہ کرو

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر نہیں تھا۔ ان کے باپ کا نام تارخ تھا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج:4،ص:1325 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

خاتم الحفاظ حافظ جلال سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم اور امام ابوالشیخ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

آزر بت تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد محترم کا نام یازر ہے اور ان کی ماں کا نام مثلی ہے اور ان کی بیوی کا نام سارہ ہے اور ان کی باندی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ماں ہیں۔

ان کا نام ہاجرہ ہے۔

امام ابن ابی شیبہ، امام عبد بن حمید اور امام ابن جریر اور امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا:

آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام نہیں ہے لیکن یہ بت کا نام ہے۔

(درمنثور ج:3،ص:300 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

آزر کہنے کی توجیہ

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن المنذر رنے سند صحیح کے ساتھ ابن جریج سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ

آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں ہے۔

''ابراہیم بن تارخ بن ناحور بن شاروغ بن عابر بن فالع ہیں۔''

قرآن مجید میں آزر کے اوپر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اب (باپ) کا اطلاق کیا گیا ہے۔

اس کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ

عرب میں اب کا اطلاق عم پر بکثرت کیا جاتا ہے اگر چہ یہ مجاز ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ (البقرہ: 133)

کیا تم حاضر تھے جب یعقوب کو موت آئی جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے فرمایا تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟

انہوں نے کہا: ہم آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے۔

اس آیت کریمہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام پر باپ کا اطلاق کیا گیا ہے حالانکہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے باپ نہیں بلکہ چچا ہیں اور امام ابو العالیہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے:

اس آیت میں چچا پر باپ کا اطلاق کیا گیا ہے اور انہوں نے محمد بن کعب قرظی سے روایت کیا ہے کہ

ماموں والد ہے اور چچا والد ہے اور اس آیت کی۔

(الحاوی للفتاوی ج:2،ص:214 مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ لائل پور پاکستان)

قیامت کے دن آزر کو باپ کہنے کی توجیہ

آزر باپ تھے اس بارے میں اس حدیث سے بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ

امام محمد بن اسماعیل بخاری متو256ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے (عرفی) باپ آزر سے قیامت کے دن ملاقات ہوگی اور آزر کے چہرے پر دھواں اور گردوغبار ہوگا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے فرمائیں گے؟

کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میری نافرمانی نہ کرنا

ان کے باپ (عرفی) کہیں گے۔

آج میں آپ علیہ السلام کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے۔

اے میرے رب عزوجل تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ تو قیامت کے دن مجھ کو شرمندہ نہیں کرے گا اور اس سے بڑی اور شرمندگی کیا ہوگی کہ میرا (عرفی) باپ رحمت سے دور ہو۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ

میں نے جنت کافروں پر حرام کردی ہے۔

پھر کہا جائے گا کہ

اے ابراہیم تمہارے پیروں کے نیچے کیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام دیکھیں گے تو وہ گندگی میں لتھڑا ہوا ایک بجو ہوگا اور اس کو ٹانگوں سے پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری ج:4، رقم الحدیث:3350)

حافظ عمادالدین ابن کثیر شافعی متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر ہے اور جمہور اہل نسب بشمول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نسب اس پر متفق ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ ہے اور اہل کتاب تارح کہتے ہیں۔

(البدایہ والنہایہ: ج:1 ص:142 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی 1052ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض علماء کرام اس بات کے قائل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء کرام شرک اور کفر کی آلودگی سے پاک اور منزہ ہیں۔ ان کے نزدیک آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا ہیں۔ ان کو مجازا باپ کہا گیا ہے اور ان کے باپ کا نام تارخ

ہے۔اس وجہ سے مطلقاً نہیں فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ سے ملاقات ہوگی تاکہ ان کے حقیقی والد کی طرف ذہن متوجہ نہ ہواور ان کے والد کے ساتھ آزر کا ذکر کیا تاکہ معلوم ہو کہ یہاں مجازی باپ مراد ہے۔

(اشعۃ اللمعات ج:4،ص:368 مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ)

شیخ محمد ادریس کاندھلوی متوفی 1394ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں، تحقیق یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا۔اس کو مجاز متعارف کے طور پر باپ کہا گیا ہے۔اور آپ کے باپ کا نام تارخ ہے۔بعض محققین علماء جنہوں نے آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء سے کفر کی نفی کی ہے ان کی تحقیق یہ ہے۔اس بناء پر اس حدیث میں آزر کا ذکر اس لئے ہے کہ اگر یوں کہا جاتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ سے ملاقات ہوگی تو اس ان کے حقیقی والد کی طرف ذہن چلا جاتا اور جب آزر کی قید لگائی تو ان کے حقیقی والد کی طرف ذہن نہیں جائے گا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس چچا پر باپ کا اطلاق اس لئے کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اختلاط اور ان کی الفت اپنے اس چچا کے ساتھ بہت زیادہ تھی اور وہ مشرکین کا رئیس تھا اور اسی کے ساتھ ان کا مناظرہ ہوا تھا۔

(التعلیق الصبیح ج:6،ص:301 مطبوعہ مکتبہ نعمانیہ لاہور)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد محترم کے مومن ہونے پر دلائل

امام ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں سند صحیح کے ساتھ حضرت سلیمان بن مرد سے روایت کیا ہے کہ

جب کفار نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا ارادہ کیا

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

حَسْبِیَ اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ

اور جب انہوں نے آپ علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ (الانبیاء: 69)

اے آگ تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہوجا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا نے کہا:

میری وجہ سے ان سے عذاب دور کر دیا گیا ہے تب اللہ تعالیٰ نے آگ کی ایک چنگاری بھیجی جو اس کے پیر پر لگی اور اس کو جلا دیا،اس اثر میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا اور اس اثر سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آزر اس وقت میں ہلاک کیا گیا تھا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا اور اللہ سبحانہ نے قرآن مجید میں یہ خبر دی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہوگیا کہ آزر اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو انہوں نے اس کے لئے استغفار کرنا ترک کر دیا اور

احادیث میں آیا ہے کہ جب وہ حالت شرک میں مر گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کا دشمن خدا ہونا معلوم ہو گیا اور انہوں نے پھر اس کے لئے استغفار نہیں کیا۔ امام ابن ابی حاتم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے (عرفی) باپ کے لئے مسلسل استغفار کرتے رہے اور جب وہ مر گیا تو ان کو معلوم ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے پھر انہوں نے اس کے لئے استغفار نہیں کیا اور انہوں نے محمد بن کعب، قتادہ اور مجاہد اور حسن وغیر ہم سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کی حیات میں اس کے ایمان کی امید رکھتے تھے اور جب وہ شرک پر مر گیا تو وہ اس سے بے زار ہو گئے پھر آگ میں ڈالے جانے کے واقعہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شام کی طرف ہجرت کی جیسا کہ قرآن مجید نے اس کی تصریح کی ہے پھر ہجرت کے کافی عرصہ بعد وہ مصر میں داخل ہوئے اور وہاں حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے سبب سے ظالم بادشاہ کے ساتھ ان کا واقعہ پیش آیا اور انجام کار حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا آپ علیہ السلام کی باندی بنا دی گئیں اس کے بعد آپ علیہ السلام پھر شام کی طرف لوٹ گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ مکرمہ میں منتقل کر دیں اور وہاں آپ علیہ السلام نے یہ دعا کی۔

ترجمہ: اے ہمارے رب عزوجل! بے شک میں نے اپنی بعض اولاد کو بے آب و گیاہ وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس ٹھہرایا ہے۔ اے ہمارے رب عزوجل! تاکہ وہ نماز قائم کریں سو تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو بعض پھل عطا فرما تاکہ وہ شکر ادا کریں۔ اے ہمارے رب عزوجل! بے شک تو جانتا ہے جس کو ہم چھپاتے ہیں اور جس کو ہم ظاہر کرتے ہیں اور زمین و آسمان میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ پر مخفی نہیں ہے۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے بے شک میرا رب ضرور میری دعا سننے والا ہے۔ اے میرے رب عزوجل! مجھے نماز قائم کرنے والا رکھ اور میری اولاد (سے) بھی۔ اے ہمارے رب عزوجل! میری دعا قبول فرما اے ہمارے رب عزوجل! مجھے اور میرے والدین کو بخش دے اور سب ایمان والوں کو جس دن حساب قائم ہوگا۔ (ابراہیم: 37 تا 41)

اس آیت کریمہ میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر کے فوت ہونے کے طویل عرصہ بعد اپنے والدین کی مغفرت کے لئے دعا کی۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ قرآن مجید ہمیں جس شخص کے کفر اور اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیزار ہونے کا ذکر ہے وہ ان کے چچا تھے نہ کہ ان کے حقیقی والد

امام محمد بن سعد نے الطبقات میں کلبی سے روایت کیا ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بابل سے شام کی طرف ہجرت کی تو ان کی عمر سینتیس سال تھی۔ پھر انہوں نے کچھ عرصہ حران میں قیام کیا۔ پھر کچھ عرصہ اردن میں قیام کیا پھر وہاں سے مصر چلے گئے اور کچھ عرصہ وہاں قیام کیا پھر وہاں سے شام کی طرف لوٹ گئے۔

اور امام ابن سعد نے واقدی سے روایت کیا ہے کہ

نوے سال کی عمر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان دونوں اثروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آگ میں ڈالے جانے والے واقعہ کے بعد جب آپ علیہ السلام نے بابل سے ہجرت کی تھی اور مکہ مکرمہ میں جو آپ علیہ السلام نے دعا کی تھی۔ ان کے درمیان پچاس اور کچھ سال کا عرصہ ہے۔

(الحاوی للفتاوی ج:2،ص:214،215 مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

خلاصہ یہ ہے کہ

آزر کے مرنے کے پچاس سے زیادہ سال کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والدین کی مغفرت کے لئے دعا کی ہے اور جب کہ آزر سے وہ بیزار ہو چکے تھے اور اس کے لئے دعا کو ترک کر چکے تھے تو اس سے یہ ظاہر ہوا کہ آزر اور شخص تھا اور ان کے والد اور شخص تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے ان کے چچا آزر کو اب (عرفی باپ) کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور ان کے حقیقی باپ کو والد کے لفظ سے تعبیر کیا ہے تا کہ تغییر عنوان تغیر معنون پر دلالت کرے۔ ہم نے علامہ سیوطی کے جس استدلال کو تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے علامہ آلوسی نے بھی اس کا خلاصہ ذکر کیا ہے۔

(روح المعانی: جز:7،ص:195،طبع بیروت)

اور سب سے بڑی دلیل تو یہ ہے کہ ہمارے آقا و مولیٰ دو جہاں کے تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ نسب میں تمام آباء کرام مومن تھے۔

اس پر دلیل یہ ہے کہ

احادیث صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء کرام اپنے اپنے زمانوں میں سب سے بہتر اور سب سے افضل تھے۔

اور قرآن مجید میں یہ تصریح ہے۔

وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ (البقرہ: 321)

اور بے شک مومن غلام، مشرک (آزاد) سے بہتر ہے خواہ وہ تمہیں اچھا لگے۔

اور جب مومن مشرک سے بہتر اور افضل ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء کرام اپنے اپنے زمانہ میں سب سے بہتر اور افضل تھے تو ضروری ہوا کہ وہ مومن ہوں۔

نیز احادیث مبارکہ اور آثار اس پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام یا حضرت نوح علیہ السلام کے بعد سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک بلکہ قیامت تک روئے زمین پر کچھ ایسے لوگ رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر قائم رہے اور اس کی عبادت کرتے رہے اور ان کی وجہ سے زمین محفوظ رہی ورنہ زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے اور ان مقدمات سے قطعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء میں کوئی مشرک نہیں تھا کیونکہ زمین کبھی مومنین اور مشرکین

خالی نہیں رہی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء اپنے اپنے دور میں سب سے بہتر اور افضل تھے اور مومن مشرک سے بہتر اور افضل ہوتا ہے لہٰذا ثابت ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء کرام مومن تھے اور روئے زمین کبھی موحدین اور عابدین سے خالی نہیں اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء کرام اپنے اپنے زمانوں میں سب لوگوں سے بہتر اور افضل تھے۔

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ فرماتے ہیں۔

امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں از معمر، ابن جریج از ابن المسیب روایت کیا ہے۔

روئے زمین پر ہمیشہ قیامت تک کم از کم سات مسلمان رہے ہیں اور اگر وہ نہ ہوتے اور زمین والے ہلاک ہو جاتے۔

امام ابن المنذر رنے قتادہ سے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ

ہمیشہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے اولیاء رہے ہیں جب سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا ہے کبھی زمین ابلیس کے لئے خالی نہیں رہی اس میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء رہے ہیں جو اس کی اطاعت کرتے رہے ہیں۔

حافظ ابو عمرو ابن عبدالبراز قاسم از امام مالک روایت کرتے ہیں کہ

مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب تک زمین میں شیطان کا ولی ہے تو زمین میں اللہ تعالیٰ کا ولی بھی ہے۔

امام احمد بن حنبل نے کتاب الزہد میں بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد زمین کبھی سات ایسے نفوس سے خالی نہیں رہی جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ زمین اور زمین والوں سے عذاب دور کرتا ہے۔

☆ امام ارزقی نے تاریخ مکہ میں زہیر بن محمد سے روایت کیا ہے کہ ہمیشہ زمین پر کم از کم سات ایسے مسلمان رہے ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے تو زمین اور زمین والے ہلاک ہو جاتے امام ابن المنذر رنے اپنی تفسیر میں سند صحیح کے ساتھ

☆ ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ

انہوں نے کہا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے کچھ لوگ ہمیشہ فطرت پر رہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے۔

☆ امام بزار نے اپنی سند میں اور امام ابن جریر، امام ابن المنذر راور امام ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی تفاسیر میں اور امام حاکم نے المستدرک میں تصحیح سند کے ساتھ اس آیت

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان دس قرن ہیں اور ان میں سے ہر ایک شریعت حق پر ہے۔ پھر ان کے بعد لوگوں میں اختلاف ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجا اور زمین والوں پر اللہ تعالیٰ نے جو سب سے پہلا رسول بھیجا وہ حضرت نوح علیہ السلام تھے۔

☆ اور امام محمد بن سعد نے طبقات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت آدم علیہ السلام تک دس آباء ہیں اور وہ سب اسلام پر تھے۔

(الحاوی للفتاوی ج:2،ص:212 تا 213 مطبوعہ فیصل آباد)

پھر یہ بھی ثابت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء کرام اپنے اپنے زمانہ میں سب سے افضل اور بہتر تھے۔

پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ مومن نہ ہوں۔

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھے بنو آدم کے ہر قرن اور ہر طبقہ میں سب سے بہتر قرن اور طبقہ سے مبعوث کیا جاتا رہا حتیٰ کہ جس قرن میں میں ہوں۔

(صحیح البخاری:ج:4،رقم الحدیث:3557)

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار ہوں''

جب بھی لوگوں کے دو گروہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان میں سے بہتر گروہ میں رکھا۔ میں ماں باپ سے پیدا کیا گیا ہوں۔ مجھے زمانہ جاہلیت کی بدکاری سے کوئی چیز نہیں پہنچی۔ میں نکاح سے پیدا کیا گیا ہوں بدکاری سے پیدا نہیں کیا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر پاکیزگی کا یہ سلسلہ میرے باپ اور میری ماں تک پہنچا ہے میں بطور شخصیت کے تم سب سے بہتر ہوں اور بطور باپ کے تم سب سے بہتر ہوں۔

(دلائل النبوۃ:ص:174،175)

☆ امام ابونعیم اصبہانی متوفی 430ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرے ماں باپ کبھی بھی بدکاری پر جمع نہیں ہوئے۔

اللہ عزوجل ہمیشہ مجھے پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل فرماتا رہا جو صاف اور مہذب تھیں جب بھی دو شاخیں پھوٹیں میں ان میں سے بہتر شاخ میں تھا۔

(دلائل النبوۃ: ج:1، رقم الحدیث:15)

☆ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی 279ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

میں نے عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قریش آپس میں بیٹھے ہوئے اپنے حسب ونسب کا ذکر کررہے تھے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال اس طرح دی ہے جیسے زمین کے گھورے میں کھجور کا درخت پیدا ہو گیا ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مجھے ان میں سب سے بہتر لوگوں میں اور سب سے بہتر گروہوں میں اور سب سے بہتر فرقوں میں رکھا پھر قبیلوں کا انتخاب کیا اور مجھے سب سے بہتر قبیلہ میں رکھا۔ پھر گھروں کا انتخاب کیا اور مجھے سب سے بہتر گھر میں رکھا۔ پس میں بطور شخص سب سے بہتر ہوں اور بطور گھر سب سے بہتر ہوں۔

(سنن الترمذی: ج:5، رقم الحدیث:3627)

☆ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی 261ھ روایت کرتے ہیں

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے کنانہ کو پسند کرلیا اور کنانہ سے قریش کو پسند کرلیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو پسند کرلیا اور بنو ہاشم میں سے مجھے پسند کرلیا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث:5828)

☆ مطلب بن ابی وداعہ بیان کرتے ہیں کہ

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کوئی ناگوار بات سنی تھی۔

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا

میں کون ہوں؟

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے کہا:

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مجھے سب سے بہتر مخلوق میں رکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دو گروہ کئے تو مجھے سب سے بہتر گروہ میں رکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو قبائل میں منقسم کیا تو مجھے سب سے بہتر قبیلہ میں رکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو گھروں میں منقسم کیا تو مجھے سب سے بہتر گھر میں رکھا اور سب سے بہتر شخص میں رکھا۔

(سنن ترمذی: ج:5، رقم الحدیث: 3628)

☆ امام ابوالقاسم سلیمان بن طبرانی متوفی 360ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ

انہوں نے کہا:

میں نے زمین کے تمام مشارق و مغارب کو الٹ پلٹ کر دیکھ لیا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل کسی شخص کو نہیں پایا اور بنو ہاشم سے افضل کسی خاندان کو نہیں پایا۔

(المعجم الاوسط: ج:7، رقم الحدیث: 6281) (مجمع الزوائد ج:8، ص:400 طبع جدید دار الفکر بیروت)

☆ امام ابونعیم اصبہانی متوفی 430ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِيْنَ

کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ انبیاء کرام علیہم السلام کی پشتوں میں منقلب ہوتے رہے حتیٰ کہ آپ علیہ السلام اپنی والدہ سے پیدا ہوئے۔

(دلائل النبوۃ: ج:1، رقم الحدیث: 17)

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ عزوجل نے سات آسمانوں کو پیدا کیا اور ان میں سے اوپر والے آسمانوں کو پیدا کیا اور ان میں سکونت رکھی اور باقی آسمانوں میں اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہا سکونت دی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مخلوق میں سے بنو آدم کو پسند فرمایا اور بنو آدم سے عربوں کو پسند کیا۔ سو میں پسندیدہ لوگوں میں سے پسند کیا گیا ہوں لہٰذا جس نے عربوں سے محبت رکھی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے عربوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔

(المستدرک ج:4، ص:86، 87) (دلائل النبوۃ ج:1، ص رقم الحدیث: 18)

☆

ان تمام احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کے نسب میں تمام آباء کرام اپنے اپنے زمانوں کے تمام لوگوں سے خیر اور افضل تھے اور قرآن مجید میں یہ تصریح ہے اور اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ مومن مشرک سے خیر اور افضل ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء کرام مومن تھے۔ تو یہ کہنا درست اور بجا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد محترم مومن تھے کیونکہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ ایک نبی کے باپ کو مشرک رکھے اور نبی مشرک سے پیدا ہو۔

امام رازی کا موقف آزر کے باپ ہونے کے بارے میں

امام رازی نے تفسیر کبیر میں اس مسئلہ سے اختلاف کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر تھا اور اس پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ یہود و نصاریٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب پر بہت حریص تھے۔ اگر فی الواقع حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر نہ ہوتا اور قرآن کہتا کہ ان کے باپ آزر نے یوں کہا تو عادۃً یہود و نصاریٰ کا خاموش رہنا ممکن نہ تھا اور وہ نبی علیہ السلام کی تکذیب کرتے اور کہتے کہ آزر ان کے باپ نہیں ہیں اور جب انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب نہیں کی تو معلوم ہوا کہ قرآن مجید کا بیان کیا ہوا نسب صحیح ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ آزر ہی ہیں۔

(تفسیر کبیر ج:4، ص:70 دار الفکر بیروت)

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ

اہل کتاب کے نزدیک حضرت ابراہیم کے والد کا نام تارح ہے۔

بائبل میں لکھا ہے کہ

نحور انتیس برس کا تھا جب اس سے تارح پیدا ہوا اور تارح کی پیدائش کے بعد نحور ایک انیس برس اور جیتا رہا اور اس سے بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں اور تارح ستر برس کا تھا جب اس سے ابرام اور نحور اور حاران پیدا ہوئے۔

(پرانا عہد نامہ: پیدائش باب 11، آیت 24 تا 26 کتاب مقدس ص 13، مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور)

باقی یہ کہ اہل کتاب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیوں نہیں کیا کہ قرآن نے آزر کو باپ کہا ہے جبکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اہل کتاب محاورات عرب سے واقف تھے کہ محاورات عرب میں چچا پر باپ کا اطلاق کیا جاتا ہے نیز قرآن مجید میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اولاد یعقوب علیہ السلام کا باپ فرمایا ہے حالانکہ وہ بالاتفاق چچا تھے اور اس پر بھی اہل کتاب نے اسی وجہ نے اعتراض نہیں کیا تھا ورنہ امام رازی کی تقریر کے مطابق یہودیوں کو اس کی تکذیب کرنی چاہئے تھی۔ لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا نہ آزر تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت آدم اور حضرت نوح علیہم السلام کے درمیان صدیاں

حضرت ابراہیم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان دس صدیاں ہیں۔

محمد بن عمر واقدی بیان کرتے ہیں کہ

حضرت نوح اور حضرت آدم علیہما السلام کے درمیان دس صدیاں ہیں اور حضرت ابراہیم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان دس صدیاں ہیں۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے دو ہزار سال بعد پیدا ہوئے۔

(مختصر تاریخ دمشق ج:3،ص:348،349 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابراہیم اور حضرت آدم ونوح علیہم السلام کے درمیان آباء کرام کا عرصہ

حضرت ابراہیم اور حضرت ونوح علیہم السلام کے درمیان دس آباء کرام کا فاصلہ ہے۔

ایوب بن عتبہ قاضی یمامہ بیان کرتے ہیں۔

حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان دس آباء کرام تھے اور یہ ایک ہزار سال کا عرصہ ہے اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے درمیان دس آباء تھے اور یہ بھی ایک ہزار سال کا عرصہ ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:3،ص:349 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درمیان آباء کرام کا عرصہ

حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درمیان سات آباء کرام ہیں اور ان کے سال معلوم نہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار پانچ سو سال ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان چھ سو سال کا عرصہ ہے اور یہ زمانہ فترت ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:3،ص:349 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام صادق نبی

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو مقام نبوت پر سرفراز فرمایا۔ قرآن مجید میں آپ علیہ السلام کی نبوت کی واضح دلیل ملتی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ (مریم: 41)

اور آپ کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجئے بے شک وہ سچے نبی تھے۔

☆ اس آیت کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے چونکہ مخاطب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمائیں کیونکہ وہ

نبی تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عرفی باپ اور قوم کا بتوں کی پوجا کرنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اس کائنات میں مبعوث ہوئے تو دیکھا میرے عرفی باپ اور قوم بتوں کی پوجا کرتی ہے تو آپ علیہ السلام نے اپنے عرفی باپ سے فرمایا: تم بتوں کی عبادت کرتے ہو میں تو تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۝ (الانعام: 74)

اور جب ابراہیم نے اپنے (عرفی) باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو معبود قرار دیتے ہو بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا دیکھتا ہوں۔

☆

اس آیت کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عرفی باپ اور قوم کا بتوں کی پوجا کرنے کا ذکر ہے۔

صنم کا معنی

اس آیت کریمہ میں اصنام کا لفظ استعمال فرمایا گیا۔

اصنام، صنم کی جمع ہے۔

صنم کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:

صنم اس مجسمہ کو کہتے ہیں جو چاندی یا پیتل یا لکڑی سے بنایا گیا ہو۔

کفار اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ان کی عبادت کرتے تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً (الانعام: 74)

اور جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو معبود قرار دیتے ہو؟

بعض حکماء نے کہا:

ہر وہ چیز جس کو اللہ چھوڑ کر پرستش کی جائے وہ صنم ہے بلکہ ہر وہ چیز جس کی مشغولیت اللہ سے غافل کردے وہ صنم ہے۔

اس معنی پر یہ آیت محمول ہے۔

وَاجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (ابراھیم: 35)

معرفت تھی اور آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی حکمتوں پر جتنا مطلع تھے اس کے پیش نظر یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ علیہ السلام کو یہ خطرہ ہوتا کہ آپ علیہ السلام ان بتوں کی عبادت کریں گے جن کی آپ علیہ السلام کی قوم عبادت کرتی تھی پس گویا کہ آپ علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ مجھے ان چیزوں میں مشغول ہونے سے باز رکھ جو مجھے تجھ سے غافل کر دیں۔

(المفردات ج:2،ص:376 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

کفار کا بتوں کے لئے پھلوں اور مویشیوں کی تقسیم کرنا

کفار اتنا جاہل تھے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کھیتوں اور مویشیوں میں سے ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے لئے مقرر کرتے تھے اور ایک بتوں کے لئے مقرر کرتے تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِیْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَاۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا یَصِلُ اِلَى اللّٰهِۚ وَ مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ یَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْؕ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ○ (الانعام: 136)

اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کھیتیوں اور مویشیوں میں سے ایک حصہ اللہ کے لئے مقرر کر لیا اور بزعم خویش یہ کہا کہ یہ اللہ کے لئے ہے اور یہ ہمارے شرکاء کے لئے ہے سو جو حصہ ان کے شرکاء کے لئے ہے وہ اللہ کی طرف نہیں پہنچتا اور جو حصہ اللہ کے لئے ہے وہ ان کے شرکاء کی طرف پہنچ جاتا ہے۔ یہ لوگ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں۔

☆

کفار کی جہالت حد کو پہنچی ہوئی تھی۔ ان میں سے ایک جہالت یہ بھی تھی کہ وہ اپنی زرعی پیداوار اور مویشیوں میں سے کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص کر دیتے اور کچھ حصہ اپنے بتوں کے لئے اور اپنے زعم فاسد کے مطابق کہتے کہ یہ حصہ اللہ تعالیٰ کا ہے اور یہ بتوں کا ہے اور یہ ان کا محض جھوٹ تھا اور یہ جھوٹ اس لئے تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی پیداوار چیزوں کے دو حصے کئے ایک حصہ اللہ تعالیٰ کا اور ایک بتوں کا حالانکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اور سب ہی اس وحدہ لاشریک کی ملکیت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

سو جو حصہ ان کے شرکاء کے لئے ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں پہنچتا اور جو حصہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے وہ ان کے شرکاء کی طرف پہنچ جاتا ہے۔

اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں۔

(1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

جن پھلوں کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کا حصہ قرار دیا تھا اگر ان میں سے کچھ پھل شیطان کے حصہ میں گر جاتے تو ان کو چھوڑ دیتے اور اگر شیطان کے حصہ کے پھلوں میں سے کچھ پھل اللہ تعالیٰ کے حصہ میں گر جاتے تو ان کو چن کر ان کی حفاظت کرتے اور ان کو شیطان کے حصہ میں ڈال دیتے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حصہ کی کھیتی میں پانی دیتے ہوئے اگر کچھ پانی کھیت سے نکل جاتا تو اس کو نکلنے دیتے اور شیطان کے حصہ کی کھیتی سے پانی نکلنے لگتا تو اس کو روک لیتے۔

(2) حسن نے کہا:

اگر بتوں کے لئے رکھے ہوئے حصوں میں سے کوئی چیز خراب ہو جاتی تو اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ کے حصہ میں اتنی چیز اٹھا کر بتوں کے حصہ میں رکھ دیتے اور اگر اللہ تعالیٰ کے رکھے ہوئے حصہ میں سے کوئی چیز خراب ہو جاتی تو اس کے بدلہ میں بتوں کے حصہ میں سے کوئی چیز نہ اٹھاتے۔

(3) قتادہ نے کہا:

اگر قحط آ جاتا تو اللہ تعالیٰ کے حصہ میں رکھی ہوئی چیزوں کو کھانے پینے کے کام میں لاتے لیکن بتوں کے حصہ میں رکھی ہوئی چیزوں کو اسی طرح محفوظ رکھتے۔

(جامع البیان: جز: 8، ص: 53، 56 ملخصا مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بتوں کی طرف دعوت دینے والے کی مثال

امام عبدالرحمن بن محمد بن ابی حاتم متوفی 327ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بتوں کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والوں کی مثال یہ بیان فرمائی ہے جیسے ایک شخص راستہ سے بھٹک گیا ہو اور اسے کوئی شخص پکارے کہ اس طرف آؤ اور اس کے خیر خواہ بھی ہوں جو اس کو بلائیں کہ اس راستے پر آؤ تو اگر وہ پہلے بلانے والے کی پکار پر چلا جائے تو وہ اس کو تباہی کے گڑھے میں گرا دے گا اور اگر وہ ہدایت کی طرف دعوت دینے والے کے پاس چلا جائے تو راستہ کی ہدایت پائے گا اور یہ صحرا یا جنگل میں بلانے والے جنات ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج: 4، ص: 1322 مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

امام ابن جریر متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

یہ جنات ہیں جو جنگل میں بھٹکے ہوئے انسان کو اس کا نام اور اس کے باپ دادا کا نام لے کر بلاتے ہیں۔

اے فلاں بن فلاں ادھر آؤ۔

(جامع البیان: جز: 7، ص: 308 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قیامت کے دن بتوں کا نہ سننا اور عبادت کا منکر ہونا

قیامت کے دن بت کفار کی پکار کو نہ سنیں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَ هُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ۝وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ۝(الاحقاف: 5، 6)

اور اس سے بڑھ کر اور کون گمراہ ہوگا جو ان کو پکارے جو قیامت تک ان کی فریاد نہ سن سکیں اور وہ ان کی پکار سے بے خبر ہیں اور جب لوگوں کو (میدان محشر) میں جمع کیا جائے گا تو (ان کے خود ساختہ معبود) ان کے دشمن ہوں گے اور وہ ان کی عبادت کے منکر ہوں گے۔

☆

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ سب سے گمراہ اور جاہل ہیں جو اپنے مصائب میں بتوں کو پکارتے ہیں جو قیامت تک ان کی پکار اور فریاد کو سن نہیں سکتے وہ ان کی پکار نہ سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں۔

اس آیت میں فرمایا ہے۔

وہ قیامت تک ان کی پکار کو نہیں سنتے حالانکہ وہ بت ان کو پکار کر دنیا میں بھی کبھی نہیں سنتے پھر قیامت کا ذکر کیوں فرمایا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ

دنیا کے مصائب کی بہ نسبت قیامت کے دن کی مصیبت ان کے لئے بہت سخت ہوگی اس دن وہ بت ان سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔ جن کی وہ دنیا میں عبادت کرتے رہے تھے یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا۔

اِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْۤ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ (ص: 78)

بے شک قیامت کے دن تک میری تجھ پر لعنت ہے۔

ہر چند کہ اللہ تعالیٰ کی ابلیس پر ابدی لعنت ہے لیکن اس کا قیامت کے دن اظہار بہت سخت ہوگا اور اس آیت میں فرمایا وہ بت ان کی فریاد اور چیخ و پکار سے غافل ہیں کیونکہ وہ بت جمادات ہیں وہ کس طرح ان کی فریاد کا جواب دے سکتے ہیں۔ اور ارشاد فرمایا

اور جب لوگوں کو (میدان محشر) میں جمع کیا جائے گا تو ان کے دشمن ہوں گے اور وہ ان کی عبادت کے منکر ہوں گے۔

☆ اس آیت میں حشر کا لفظ ہے۔

علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے۔

حشر کا معنی ہے کسی جماعت کو اس کے ٹھکانے سے نکال کر کسی میدان میں جمع کرنا اور اس کا اطلاق صرف جماعت پر ہو

ہے اور قیامت کے دن یوم نشر اور یوم البعث بھی کہا جاتا ہے جس طرح اس کو یوم حشر کہا جاتا ہے اس دن یہ بت جن کی مشرکین عبادت کرتے تھے ان مشرکوں کی عبادت سے بیزاری کا اظہار کریں گے اور وہ بت یہ کہیں گے کہ انہوں نے ہماری عبادت نہیں کی۔ درحقیقت انہوں نے اپنی خواہشوں کی پرستش کی ہے اور اس کی نظیر یہ آیت ہے۔

مَا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ (یونس: 28)

(وہ شرکاء یہ کہیں گے کہ) تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عرفی باپ اور قوم سے بتوں کی عبادت کا پوچھنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے عرفی باپ اور قوم سے بتوں کی عبادت کی وجہ پوچھی کہ تم ان بتوں کی عبادت کیوں کرتے ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ (الشعراء: 70)

جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ اور اس کی قوم سے کہا تم کس کی عبادت کرتے ہو۔

☆ اس آیت میں باپ سے مراد عرفی باپ ہے اور وہ آزر ہیں۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا تھے اور عرب کے عرف میں چچا پر بھی باپ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ تھا۔

قوم سے کیا مراد ہے

اس آیت کریمہ میں قوم کا لفظ ارشاد فرمایا گیا:

قوم کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:

قوم اصل میں صرف مردوں کی جماعت کو کہتے ہیں جس میں عورتیں نہ ہوں۔ قرآن مجید میں جب عموماً قوم کا اطلاق کیا جاتا ہے تو اس سے مردوں اور عورتوں دونوں کا ارادہ کیا جاتا ہے اور قوم کی حقیقت صرف مردوں کے لئے ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ۔ (النساء: 34)

مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔

(المفردات ج:2، ص:541 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

قوم کا لفظ صرف مردوں کے لئے ہے اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ (الحجرات: 11)

"اے ایمان والو! کوئی قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔"

☆

اس آیت میں قوم کے مقابلہ میں عورتوں کا ذکر فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا ہے کہ اس آیت میں قوم سے مراد مرد ہیں لیکن قرآن مجید میں بالعموم قوم کا لفظ مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے آیا ہے۔

جیسے ہر نبی نے کہا:

یا قوم

اس سے مراد مردوں اور عورتوں کی جماعت مراد ہے۔

قوم کا لفظ اسم جمع ہے۔ اس کے لئے مذکر اور مونث دونوں قسم کے صیغے لائے جاتے ہیں۔

جیسے قرآن مجید میں ہے:

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ (الانعام: 66)

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ نِ الْمُرْسَلِيْنَ ۔ (الشعراء: 105)

اس کی جمع اقوام آتی ہے۔

امام ابوالسعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری التوفی 606ھ لکھتے ہیں:

لفظ قوم قام کا مصدر تھے پھر اس کا غالب اطلاق مردوں پر ہے نہ کہ عورتوں پر۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

ان نسانی الشیطان شیئا من صلوتی فلیسبح القوم و لیصفق النساء ۔

ترجمہ: اگر چہ شیطان مجھے نماز میں سے کچھ بھلا دے تو قوم کو سبحان اللہ کہنا چاہئے اور عورتوں کو تالی بجانا چاہئے۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 2174، مسند احمد: ج:2، ص:541)

اس حدیث مبارکہ میں قوم سے مراد مرد ہیں کیونکہ قوم کے مقابلہ میں عورتوں کا ذکر فرمایا ہے اسی لئے فرمایا ہے کہ مرد عورتوں کے قوام ہیں کیونکہ عورتوں کے معاملات کا مرد انتظام کرتے ہیں، عورتیں انتظام نہیں کرتیں نیز عورتیں کم فہم ہوتی ہیں۔

علامہ محمد بن مرتضیٰ حسینی زبیدی متوفی 1205ھ لکھتے ہیں:

قوم کا معنی ہے۔

مردوں اور عورتوں دونوں کی جماعت، کیونکہ ہر آدمی کی قوم اس کا گروہ اور اس کا خاندان ہے یا یہ لفظ مردوں کے ساتھ خاص ہے اور عورتوں کو شامل نہیں ہے کیونکہ الحجرات: 11 میں قوم کے مقابلہ میں عورتوں کا ذکر ہے۔ اسی طرح سنن ابوداؤد

2174 میں بھی قوم کے مقابلہ میں عورتوں کا ذکر ہے اگر قوم کا لفظ عورتوں کو بھی شامل ہوتا تو پھر قوم کا ذکر کر کے عورتوں کو الگ سے ذکر نہ کیا جاتا۔

ابوالعباس سے مروی ہے۔

النفر، القوم اور الرہط یہ سب اسم جمع ہیں اور اسی لفظ سے ان کا واحد نہیں آتا اور بسا اوقات اس کے معنی میں تبعاً عورتیں بھی داخل ہو جاتی ہیں کیونکہ ہر نبی کی قوم مرد اور عورتیں دونوں ہیں۔

(تاج العروس ج:9،ص:34 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اردو کی لغت میں قوم کا معنی اس طرح لکھا ہے۔

آدمیوں کا گروہ، فرقہ، خاندان، نسل، ذات

(فیروز اللغات ص:965 فیروز سنز لاہور)

ہماری تحقیق یہ ہے کہ قوم کا معنی ہر نبی کی امت دعوت ہے یعنی جن لوگوں کی طرف سے کسی نبی کو مبعوث کیا گیا کیونکہ ہر نبی نے اپنی امت کو یا قوم کہہ کر خطاب کیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

یٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ (البقرہ: 54)

اے میری قوم! تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا۔

☆ حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں یوں ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (الاعراف: 59)

بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ انہوں نے کہا: اے میری قوم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

اور حضرت ہود علیہ السلام کے بارے میں یوں فرمایا۔

وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (الاعراف: 65)

اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے ہم قوم ہود کو بھیجا انہوں نے کہا: اے میری قوم صرف اللہ کی عبادت کرو تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

☆ اور حضرت صالح علیہ السلام کے بارے میں یوں فرمایا۔

وَ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (الاعراف: 73)

اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے ہم قوم صالح کو بھیجا۔ انہوں نے کہا: اے میری قوم! تم صرف اللہ تعالیٰ کی

عبادت کرو تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

☆ اور حضرت لوط علیہ السلام کے بارے یوں فرمایا۔

وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ۝ (الاعراف: 80)

اور ہم نے لوط کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تم ایسا بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔

☆ اور حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں یوں فرمایا۔

وَ اِلٰى مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًاؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗؕ (الاعراف: 85)

اور ہم نے قوم مدین کی طرف ان کے ہم قوم شعیب کو بھیجا۔ انہوں نے کہا: اے میری قوم صرف اللہ کی عبادت کرو تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

ان آیات کریمہ سے واضح ہو گیا کہ

قرآن مجید میں ہر نبی کی امت کو اس کی قوم فرمایا ہے سو تمام یہودی ایک قوم ہیں۔ تمام عیسائی ایک قوم ہیں اور تمام مسلمان ایک قوم ہیں۔ ان میں سید، بھٹہ، سیال، الگ الگ قومیں نہیں ہیں بلکہ تمام مسلمان ایک قوم ہیں اسی طرح تمام کلمہ گو اور تمام اہل اسلام ایک قوم ہیں۔ ان میں تفریق کرنا، لغت اور اطلاق قرآن مجید کے اعتبار سے درست نہیں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام امت ایک قوم ہے۔

شیخ احسن احمد مدنی متوفی 1957ھ اور ڈاکٹر محمد اقبال متوفی 1938ھ کے درمیان یہ بحث تھی کہ قوم وطن سے بنتی ہے یا قوم دین سے بنتی ہے۔

شیخ حسین احمد مدنی یہ کہتے تھے کہ

قوم وطن سے بنتی ہے اور ایک ملک میں رہنے والے ایک قوم ہیں لہٰذا ہندو اور مسلمان چونکہ ایک ملک میں رہتے ہیں اس لئے سب ایک قوم ہیں۔ لہٰذا انگریز سے آزادی حاصل کرنے کے بعد ملک کو مذہب کی بنیاد پر تقسیم کرنا صحیح نہیں ہے۔ تمام کانگریسی اور نیشنلسٹ علماء کا یہی موقف تھا یہ لوگ پاکستان کا مطالبہ کرنے کے خلاف تھے۔

اور ڈاکٹر محمد اقبال کا نظریہ یہ تھا کہ

قوم دین سے بنتی ہے اگر قوم وطن سے بنتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ المکرمہ سے مدینہ المنورہ کی طرف ہجرت نہ کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کی خاطر اپنا وطن چھوڑ دیا اور جب قوم دین سے بنتی ہے تو ہندوؤں اور مسلمانوں کا دین الگ الگ ہے لہٰذا یہ ایک قوم نہیں بلکہ الگ الگ قومیں ہیں۔

ڈاکٹر محمد اقبال کا یہ شعر بہت مشہور ہے۔

قوم مذہب سے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں

(بانگ دراص:127 سنگ میل پبلی کیشنز لاہور)

ان کی یہ رباعی بھی بہت مشہور ہے۔

عجم ہنوز، نداند رموز دیں ورنہ
زدیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است

سرود برسر منبرکہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است

بہ مصطفیٰ بہ خویش رساں کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

(ارمغان حجاز حصہ اردو ص:49، کلیات اقبال ص:336)

ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے۔

عجم کو ابھی تک دین کے اسرار کا پتا نہیں چل سکا
ورنہ دیوبند سے حسین احمد کا ظاہر ہونا کس قدر تعجب انگیز ہے

وہ برسر منبر یہ کہتے ہیں کہ قوم وطن سے بنتی ہے
وہ سیدنا محمد ﷺ کے مقام سے کس قدر بے خبر ہیں

اپنے آپ کو مصطفیٰ تک پہنچاؤ کہ وہی سراپا دین ہیں
اور اگر تم ان تک نہ پہنچ سکو تو یہ سراسر بولہبی ہے

قوم کا کہنا کہ ہم بتوں کیلئے معتکف ہیں

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو تو قوم نے کہا: ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور اسی کے لئے جم کر بیٹھے رہتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ○ (الشعراء: 71)

انہوں نے کہا: ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں سو ہم ان ہی کے لئے جم کر بیٹھے رہتے ہیں۔

☆

قوم کا یہ کہنا کہ ہم ان کے لئے یعنی بتوں کے لئے معتکف رہتے ہیں۔

العکوف کا معنی ہے کسی چیز کی تعظیم کی نیت سے اس کی طرف متوجہ اور اس کے پاس لازم رہنا۔

اور شریعت میں اعتکاف کا معنی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے اپنے آپ کو مسجد میں ٹھہرا لینا، کفار بتوں کی تعظیم کے لئے بتوں کے پاس جم کر بیٹھ جاتے تھے۔

نظل ظل سے بنا ہے

اس کا معنی ہے۔

دن بھر کسی کام میں مصروف رہنا وہ جو بتوں کی عبادت کرتے تھے وہ دن کے ساتھ خاص نہیں تھی بلکہ دن وہ اور رات ان کی عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ اس لئے اس کا معنی ہے ہم ہمیشہ ان کے پاس ٹھہرے اور جمے رہتے ہیں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے پوچھا تم کس کی عبادت کرتے ہو تو انہوں نے بڑے فخر سے بتایا کہ ہم بتوں کی عبادت پر جمے رہتے ہیں۔

علامہ اسماعیل حقی حنفی 1137ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی والدہ کے بطن سے غار میں پیدا ہوئے تھے۔ جب وہ بڑے ہوئے تو غار سے نکلے اور شہر میں داخل ہوئے اور انہوں نے چاہا کہ وہ یہ جان سکیں کہ شہر والے کس دین پر ہیں۔ اسی طرح عقل مند لوگوں کو چاہئے کہ جب وہ کسی نئے شہر میں داخل ہوں تو وہاں کے لوگوں کا مذہب معلوم کریں اگر ان کا مذہب صحیح ہو تو ان کی موافقت کریں اور اگر ان کا مذہب باطل ہو تو ان کا رد کریں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شہر والوں سے پوچھا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو۔

تو انہوں نے کہا:

ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں سو ہم ان ہی کے لئے دن بھر معتکف رہتے ہیں تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کا رد کرنے کا ارادہ کیا اور فرمایا۔

(روح البیان ج:6،ص:361 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو بہرہ اور اندھا فرمانا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے عرفی باپ سے فرمایا: تم ان کی عبادت کیوں کرتے ہو جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور نہ ہی آپ کے کسی کام کے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْـٴًـا۝ (مریم: 42)

جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ سے کہا اے میرے ابا! آپ اس کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے اور نہ آپ کے کسی کام آسکتا ہے۔

بتوں کی عبادت کو باطل کرنے کی وجوہات

گزشتہ آیت میں بتوں کی عبادت کے باطل ہونے کو بیان فرمایا ہے اس کی پانچ وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ

جب بت سنتے اور دیکھتے نہیں ہیں تو وہ عبادت گزار کو غیر عبادت گزار سے متمیز نہیں کر سکتے سو ان کی عبادت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

دوسری وجہ

سننے والا، دیکھنے والا، نفع اور نقصان پہنچانے والا اس سے افضل ہے جوان کاموں پر قادر نہ ہو انسان میں سننے، دیکھنے اور نفع اور نقصان پہنچانے کی صفات ہیں اور بتوں میں یہ صفات نہیں ہیں لہٰذا انسان بتوں سے افضل اور اعلیٰ ہے پھر افضل اور اعلیٰ کا گھٹیا اور ادنیٰ کی عبادت کرنا کیسے صحیح ہوگا۔

تیسری وجہ

عبادت سب سے زیادہ تعظیم کرنے کو کہتے ہیں اور سب سے زیادہ تعظیم کا وہی مستحق ہوگا جس نے سب سے زیادہ انعام کئے ہوں اور سب سے زیادہ انعام صرف اللہ تعالیٰ کے ہیں تو وہی عبادت کا مستحق ہے اور بتوں کا انسانوں پر کوئی انعام نہیں ہے تو پھر بت کسی تعظیم کے نہیں ہیں۔

چوتھی وجہ

عبادت کا مغز دعا کرنا ہے اور جب بت دعا کو سن ہی نہیں سکتے تو ان کی عبادت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور جب وہ دیکھ نہیں سکتے تو ان کا تقرب حاصل کرنے میں کوئی منفعت نہیں ہے۔

پانچویں وجہ

جب بت خود اپنے آپ کو ٹوٹ پھوٹ اور نقصان سے نہیں بچا سکتے تو اپنی عبادت کرنے والوں کو نقصان اور ضرر سے کیسے بچا سکیں گے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ منشا تھا کہ اس کی عبادت کرنی چاہیے جو دعاؤں کو سنتا ہو اور دعا کرنے والے کو دیکھتا ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی ○ (طٰہٰ: 46)

فرمایا تم دونوں (موسیٰ اور ہارون علیہما السلام) مت ڈرو میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔

اور اس کی عبادت کرنی چاہیے جو کسی کام آسکے کوئی حاجت پوری کر سکے کوئی ضرر دور کر سکے اور کوئی نفع پہنچا سکے اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ یَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ○ (النمل: 62)

پس جب بے بس پکارتا ہے تو اس کی پکار کو کون سنتا ہے اور اس سے مصیبت کو کون دور کرتا ہے اور تمہیں زمین کا حاکم بناتا ہے کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

معلوم ہوا کہ عبادت اسی کی کرنی چاہیے۔ جو سنتا بھی ہو اور دیکھتا بھی ہو اور اپنے بندوں کی حاجات کو پورا بھی کرتا ہو۔

کیا بت تمہاری فریاد سنتے ہیں

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے یہ کہا کہ ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور ان کے لئے ہی معتکف رہتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: کیا وہ تمہاری فریاد سنتے ہیں جب تم ان کو پکارتے ہو؟ یا وہ تمہیں نفع اور نقصان بھی پہنچاتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ○ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ○ (الشعراء: 72، 73)

ابراہیم نے کہا: کیا وہ تمہاری فریاد سنتے ہیں۔ جب تم انہیں پکارتے ہو یا وہ تمہیں نفع اور نقصان بھی پہنچاتے ہیں۔

☆

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ جو شخص اپنے غیر کی عبادت کرتا ہے اس کا غالب حال یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی ضروریات اور حاجات کا اپنے معبود سے سوال کرتا ہے تا کہ اس کا معبود جب اس کے سوال کو سنے تو جان لے کہ اس کی ضروریات کیا ہیں پھر اس کو نفع پہنچائے یا اس سے ضرر کو دور کرے اور جب حال یہ ہے کہ جب تم ان کو پکارتے ہو تو ہماری پکار کو نہیں سنتے اور نہ ان کو تمہاری ضروریات اور حاجات کا علم ہوتا ہے پھر وہ تمہاری کیسے حاجت روائی کریں گے یا تم کو نفع پہنچائیں گے یا کس طرح تم سے ضرر کو دور کرسکیں گے اور جب تم کو نفع پہنچا سکتے ہیں تو تم سے ضرر اور نقصان کو دور کرسکتے ہیں تو پھر ایسے گونگے، بہرے اور کسی کام نہ آسکنے والے پتھر کے بے جان جسموں کی عبادت کو تم کس وجہ سے جائز قرار دیتے ہو؟ اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ قوی دلیل قائم کی تو ان کے عرفی باپ اور ان کی قوم سے کوئی بات نہ بن سکی جس سے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حجت کو توڑ سکتے اور بتوں کی عبادت پر ان کے اعتراض کو دور کرسکتے۔

قوم کا کہنا کہ ہم نے باپ دادوں کو بتوں کی عبادت کرتے پایا؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب قوم کو قوی دلائل دیئے تو قوم سے کوئی بات نہ بن آئی سوائے اس بات کے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی طرح پایا ہے۔ جس طرح ہم ابھی کررہے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ○ (الشعراء: 74)

انہوں نے کہا: (نہیں) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے پایا۔

☆

اس آیت کریمہ میں قوم کا وہ قول نقل فرمایا گیا جو انہوں نے صرف اس وجہ سے کہا تھا کہ اب تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو

بھی جواب دینے کے سوا اور کوئی جواب نہیں کہ ہم نے باپ دادا کو اسی طرح کرتے ہو پایا لہٰذا جس طرح ہمارے باپ دادا تھے اور جس طرح وہ کرتے تھے ہم بھی اپنے باپ دادا کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

☆

یہ ان کی صرف ہٹ دھرمی تھی کہ ہم نے صرف بتوں کی ہی عبادت کرنی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قوم کو حیران کن سوال کرنا؟

جب قوم نے کہا: ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح بتوں کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے لہٰذا ہم بھی اسی طرح بتوں کی عبادت کر رہے ہیں۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اچھا تم یہ بتاؤ کہ تم کن کی عبادت کرتے رہتے تھے تم اور تمہارے باپ دادا؟ بے شک وہ میرے دشمن ہیں۔ (کوئی برحق معبود نہیں) سوائے رب العلمین کے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۝ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

(الشعراء: 75 تا 77)

ابراہیم نے کہا: اچھا یہ بتاؤ تم کن کی عبادت کرتے رہتے تھے؟ تم اور تمہارے باپ دادا؟ بے شک وہ میرے دشمن ہیں (کوئی برحق معبود نہیں) سوائے رب العلمین کے۔

☆

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے پاس بتوں کی عبادت کرنے پر سوائے اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید کے اور کوئی سند نہیں تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ نے بتوں کو دشمن کیوں فرمایا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو دشمن فرمایا حالانکہ دشمن ہونا تو کسی جاندار اور صاحب عقل کی صفت ہے جو کسی کام کا کچھ بگاڑ سکے کسی کو ضرر اور نقصان پہنچا سکے۔ بے جان پتھر کسی کا کیا بگاڑ سکتے پھر اور کسی کو کیا ضرر پہنچا سکتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝ (مریم: 82)

ہرگز نہیں! وہ عنقریب کفار کی عبادت کرنے کا انکار کر دیں گے اور ان کے مخالف اور دشمن ہو جائیں گے۔

☆ اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا گیا ہے کہ

کفار دنیا میں جن بتوں کی عبادت کرتے تھے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو زندہ کر دے گا حتیٰ کہ وہ کفار کو اس کی

عبادت کرنے پر ڈانٹیں گے اور ان کی عبادت سے اپنی برأت اور بیزاری کا اظہار کریں گے اس اعتبار سے یہ بت آخرت میں کفار کے دشمن بن جائیں گے۔اس اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان پر دشمن کا اطلاق فرمایا۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ

جب کفار نے ان بتوں کی تعظیم اور ان کی عبادت کی اور ان سے نفع پہنچانے اور ضرر دور کرنے کی امید رکھی تو کفار نے اپنے اعتقاد میں ان کو زندہ اور عقل والا قرار دے دیا اور جب واقع میں ان بتوں نے کفار کو دنیا میں نفع پہنچایا نہ آخرت میں دنیا میں ان سے ضرر دور کیا نہ آخرت میں تو انجام کار وہ بت کفار کے دشمن ثابت ہوئے کہ کفار کی اتنی تعظیم اور عبادت کے باوجود دنیا و آخرت میں ان کے کسی کام نہ آسکے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا دشمن کیوں فرمایا

ایک اور اعتراض اس مقام پر یہ ہوتا ہے کہ کلام کے سیاق وسباق سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بظاہر یہ کہنا چاہئے تھا وہ بت ان کفار کے یا اپنی عبادت کرنے والوں کے دشمن ہیں حالانکہ انہوں نے یہ کہا کہ وہ میرے دشمن ہیں۔

ایک جواب یہ ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ تعریضاً کہا ہے یعنی حقیقت میں وہ کفار کے دشمن تھے لیکن فرمایا: وہ میرے دشمن ہیں تعریض اس کو کہتے ہیں کہ صراحۃً ایک شخص کی طرف اسناد کیا جائے اور اشارہ دوسرے کی طرف ہو۔

اس کا مفصل جواب یہ ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آپ کو کفار کی جگہ پر رکھ کر غور کیا کہ اگر میں بہ فرض محال ان بتوں کی عبادت کرتا اور وہ دنیا و آخرت میں مجھے نقصان پہنچاتے تو میں ان کو اپنا دشمن قرار دیتا اور ان کی عبادت کرنے سے اجتناب کر لیتا اور اس کی عبادت کرتا جو مجھے دنیا اور آخرت میں نفع پہنچاتا اور ضرر سے بچاتا اور وہ نہ صرف رب العلمین ہے تو میں ان کو وہ نصیحت کرتا جو نصیحت میں اپنے نفس کے ساتھ کرتا سو اگر وہ غور کریں گے تو انہیں یہ کہنا پڑے گا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو وہ نصیحت کر رہے ہیں جو نصیحت وہ اپنے آپ کو کرتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہدایت کا قول فرمانا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: وہ بت میرے دشمن ہیں۔اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہی تمام جہانوں کا مالک ہے۔اس نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے ہدایت دیتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ (الشعراء: 78)

جس نے مجھے پیدا کیا سو وہی مجھے ہدایت دیتا ہے

اس سے پہلی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے معبودان باطلہ سے اپنے نفس کو مستثنیٰ فرمایا تھا اور اللہ تعالیٰ کی وہ صفات بیان فرمائی تھیں جن کی وجہ سے وہ عبادت کا مستحق ہے اور یہ بتایا تھا کہ بت نفع اور ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ نفع اور ضرر پہنچانے کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

سوان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ان مطالب اور ان مقاصد کا ذکر فرمایا جن کا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا۔ ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بھی سوال کرنے سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنی چاہئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

جس نے مجھے پیدا کیا وہی مجھے ہدایت دیتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کی نعمت کا ذکر کیا پھر اس کے بعد ہدایت دینے کی نعمت کا ذکر کیا اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے موافق ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَىo الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰىo وَ الَّذِىْ قَدَّرَ فَهَدٰىo (الاعلیٰ 1 تا 3)

اپنے رب کے نام کی تسبیح کیجئے جو سب سے بلند ہے جس نے پیدا کیا پھر درست کیا اور جس نے اندازہ مقرر فرمایا پھر ہدایت دی۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ پہلے انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا پھر ہدایت دی۔ اس اسلوب پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کا ذکر فرمایا پھر اس کے ہدایت کا ذکر فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ کلام تمام دنیاوی اور دینی نعمتوں اور منافع کو شامل ہے۔ خلق کرنے میں دنیا کی تمام نعمتوں کا ذکر آ گیا اور ہدایت دینے میں دین کی نعمتوں کا ذکر آ گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیدا کرنے کی صفت کا صیغہ ماضی سے ذکر کیا اور ہدایت دینے کی صفت کا مضارع کے صیغہ سے ذکر کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ماضی میں دفعتہً واحدۃً پیدا کر دیا اور اس کو دنیا اور دین کی بھلائیوں اور نیکیوں کی طرف ہر لحظہ اور ہر لحہ ہدایت دے رہا ہے اور مستقبل میں دیتا رہے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے ہدایت دیتا ہے اب یہ فرمایا: وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِىْ هُوَ يُطْعِمُنِىْ وَ يَسْقِيْنِo (...79)

اور وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

☆

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کے بعد اس کی پرورش کی نعمت کا ذکر کیا۔ کھلانے اور پلانے کی نعمت کے دامن میں وہ تمام نعمتیں لپٹی اور سمٹی ہوئی ہیں جن پر کھانا اور پینا موقوف ہے۔ مثلاً وہ طعام اور مشروب کا مالک ہوگا تو کھائے اور پیے گا اگر وہ طعام اور مشروب کا مالک ہو لیکن کوئی دشمن اس کو کھانے پینے نہ دے تو وہ کھا پی نہیں سکتا۔ طعام کا مالک بھی ہو کوئی منع کرنے والا بھی نہ ہو لیکن کسی مرض کی وجہ سے کھا نہ سکتا ہو مثلاً اس کے منہ میں زخم ہوں یا اس کے منہ میں کینسر ہو تو وہ کھا پی نہیں سکتا۔ سو اس کی کتنی بڑی نعمت ہے اس نے کھانے پینے کے لئے زمین میں اناج اور پھل پیدا کئے۔ آسمان سے پانی نازل کیا۔ زمین میں روئیدگی کی صلاحیت رکھی، سورج کی حرارت سے اناج اور پھلوں کو پکایا، ہواؤں سے دانوں اور بھوسے کو نکال اور الگ الگ کیا۔ پھر رزق کے حصول کے لئے انسان کو صحت اور قوت کے اسباب فراہم کئے، کھانے پینے کے وقت کسی مانع سے محفوظ رکھا۔ کھانے پینے کے لئے منہ کو مرضی سے محفوظ رکھا اور اس غذا کو ہضم کرنے کے لئے اور اس کو جسم کا جزو بنانے کے لئے معدہ، جگر آنتوں اور دیگر اندرونی اعضاء کو امراض سے سلامت رکھا۔ صحیح و سالم ہاتھ بنائے کہ نوالہ ہاتھوں سے منہ تک لے جاسکے اور اگر وہ ٹنڈا ہوتا اس کے ہاتھ کٹے ہوئے ہوتے تو وہ کیسے کھاتا اور کیسے پیتا اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اور وہی مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے پھر اس نے کھانے اور پینے کے لئے اناج اور پھلوں کی متعدد اجناس پیدا کیں، گندم، جو اور مکئی ہے چنا ہے چاول ہے اور مختلف قسم کے پھل ہیں اگر کسی کے مزاج اور صحت کے گندم موافق نہیں وہ جو اور مکئی کھالے وہ بھی موافق نہیں تو وہ بیسن کی روٹی کھالے وہ بھی راس نہیں آتا تو چاول کھالے اور جس کو اناج کی کوئی قسم موافق نہیں آتی۔ وہ پھل کھالے۔ گوشت کھانے کے لئے طرح طرح کے حیوانات پیدا کئے، غریب آدمی مرغ اور بکری کا گوشت نہیں کھا سکتا وہ گائے کا گوشت کھائے جس کو گائے کا گوشت نقصان دیتا ہو وہ بکری کا گوشت کھالے۔ مرغ کھالے، مچھلی کھالے، سبزیاں کھالے، دالیں کھالے، اس میں امیر اور غریب ہر طبقہ کے لئے صحت اور مرض کے اعتبار سے ہر قسم کے انسانوں کے لئے غذا کی اجناس فراہم کیں۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کے بعد اس کی پرورش کرنے کی اس عظیم اور ہمہ گیر نعمت کا ذکر فرمایا اور فرمایا وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

☆ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے اور پینے کے بارے میں درج ذیل احادیث مبارکہ حصول برکت کے لئے عرض کرتا ہے۔

میں تمہاری مثل نہیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں تمہاری مثل نہیں ہوں بے شک مجھے میرا رب کھلاتا ہے اور وہی مجھے پلاتا ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 1964)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وصال کے روزے (سحر و افطار کے بغیر مسلسل روزے) نہ رکھو۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے کہا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو وصال کے روزے رکھتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم میں سے کسی کی مثل نہیں ہوں۔ بے شک میں کھلایا اور پلایا جاتا ہوں۔

یا ارشاد فرمایا

میں اپنے رب عزوجل کے پاس ہوتا ہوں مجھے کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 1104)

☆ ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت اور ہم نے کپڑا اٹھا کر اپنے پیٹوں پر باندھے ہوئے پتھر دکھائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ پر دو پتھر دکھائے۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2371)

علامہ اسماعیل حقی متوفی 1137ھ لکھتے ہیں:

شیخ آفندی قدس سرہ نے کہا ہے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے بعض افراد سے منقول ہے کہ وہ کئی کئی سال بغیر کھائے پیئے گزار دیتے تھے کیونکہ ان کو عالم قدس سے واصل ہونے کی شدید قوت تھی اور وہ بشری حجابات سے مجرد ہو چکے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو ان سے بہت اولیٰ اور اقویٰ ہیں۔

(روح البیان: ج:6، ص:364 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے

پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ کہا: وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور اب یہ فرما رہے ہیں کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں

وہی مجھے شفا دیتا ہے کیونکہ حقیقی شفا دینے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ (شعراء: 80)

اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اور جب میں بیمار ہوتا ہوں یہ نہیں کہا جب وہ مجھے بیمار کرتا ہے کیونکہ صحت اس وقت قائم رہتی ہے جب جسم کی تمام اخلاط اعتدال پر رہیں اور جب بعض اخلاط بعض پر غالب آجائیں یا کھانے پینے میں بے اعتدالی کی وجہ سے ان میں تنافر اور تعفن پیدا ہو جائے تو انسان میں مرض پیدا ہو جاتا ہے مثلاً زیادہ میٹھی اور نشاستہ دار چیزوں کے کھانے اور آرام طلبی اور جفاکشی نہ کرنے کی وجہ سے شوگر ہو جاتی ہے۔ بسیار خوری کی وجہ سے بدہضمی اور معدہ کا ضعف ہو جاتا ہے اور معدہ کے منہ پر ورم آجاتا ہے۔ زیادہ تیزابی ترش اور مرچیں اور مصالحہ اور چٹ پٹی اشیاء کھانے کی وجہ سے معدہ کا السر ہو جاتا ہے۔ تمبا کو کھانے اور سگریٹ نوشی کی وجہ سے عموماً گلا خراب ہو جاتا ہے۔ کھانسی ہو جاتی ہے۔ خون کی شریانیں تنگ ہو جاتی ہیں اور ہائی بلڈ پریشر ہو جاتا ہے جس کے نتیجہ میں فالج ہو جاتا ہے اور بعض اوقات دماغ کی رگ پھٹ جاتی ہے زیادہ سگریٹ نوشی کی وجہ سے جگر کا سائز کم ہو جاتا ہے اور سروس ہو جاتا ہے اور مرغن اشیاء زیادہ کھانے، تن آسانی اور محنت کے کام نہ کرنے کی وجہ سے انسان عارضہ قلب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور کولیسٹرول بڑھنے کی وجہ سے کمر کا درد ہو جاتا ہے اور زیادہ گوشت کھانے کی وجہ سے آخری عمر میں پروسٹیٹ گلینڈ کا حجم زیادہ ہو جاتا ہے اور پیشاب کرنے میں تکلیف ہو جاتی ہے اور زیادہ گرم اشیاء اور انڈے اور چاول زیادہ مقدار میں کھانے کی وجہ سے گردوں کا درد ہو جاتا ہے اور پتھری ہو جاتی ہے۔ ٹماٹر کے بیج اور پالک زیادہ کھانے کی وجہ سے پتے میں پتھری ہو جاتی ہے۔ جنسی بے اعتدالی اور بے راہ روی کے نتیجہ میں آتشک اور سوزاک جیسے امراض ہو جاتے ہیں۔ ہم جنس پرستی سے ایڈز مرض لاحق ہو جاتا ہے۔ شراب نوشی کی کثرت سے کینسر ہو جاتا ہے اور ان اخلاق سوز حرکات کی وجہ سے آدمی کا سکون غارت ہو جاتا ہے۔ راتوں کو نیند نہیں آتی جس کے نتیجے میں پہلے انسو مینا پھر مالی خولیا ہو جاتا ہے پھر لوگوں کو سکون بخش اور خواب آور گولیاں لینی پڑتی ہیں۔ بعض لوگ پیتھوڈین کے انجکشن لگواتے ہیں اور بعض چرس اور ہیروئن کی پناہ لیتے ہیں اور پھر انسان دن بدن تباہی کے غار میں گرتا چلا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ

ہر بیماری، مرض اور مصیبت انسان کی اپنی آوردہ اور پیدا کردہ ہے جب انسان اسلام کے احکام اور فطرت کے اصولوں سے روگردانی کرتا ہے تو وہ امراض اور مصائب کا شکار ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴿الشوریٰ: 30﴾

تم پر جو مصائب آتے ہیں وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کا بدلہ ہے اور بہت سی باتوں کو تو اللہ درگزر فرما لیتا ہے۔

اور جو انسان فطرت سے بغاوت نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کرتے وہ ان مہلک بیماریوں میں مبتلا نہیں ہوتے اور امن وسکون کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ٥ (الانعام: 82)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ مخلوط نہیں کیا ان ہی کے لئے امن اور سلامتی ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

غرض یہ کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: بیمار میں ہوں یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ مجھے بیمار کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو انسان کو صحیح وسالم بدن دیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اس قول سے یہ تنبیہ فرمائی کہ انسان بے اعتدالی اور بے راہ روی سے خود اپنے آپ کو بیمار کر لیتا ہے۔

کیا انبیاء کرام علیہم السلام کی بیماری خود پیدا کردہ تھی؟

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور دوسرے نیک لوگ بھی بعض اوقات بیمار ہو جاتے ہیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام سخت بیمار ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیماری کا ذکر کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی تھکاوٹ کا ذکر کیا۔ خود ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے۔ سر میں درد ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عام لوگوں کی بہ نسبت دگنا بخار آتا تھا۔ کیا ان حضرات مقدسہ کی بیماری بھی خود پیدا کردہ تھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ

ان نفوس قدسیہ کے متعلق کوئی بد باطن شخص ہی ایسا فاسد گمان کر سکتا ہے ان پر جو بیماریاں آتی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان اور آزمائش ہیں اور ان کے اجر وثواب میں اضافہ کا سبب ہیں اور امت کے لئے تعلیم ہے تا کہ دوا اور علاج کرنا ان کی سنت ہو جائے۔ بیمار کی خدمت کرنے اور بیمار کی عیادت کرنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ مکمل ہو جائے اور امت کو معلوم ہو جائے کہ بیماری کی حالت میں نماز اور دوسری عبادات کس طرح ادا کی جائیں اور یہ معلوم ہو کہ اگر مرض بہت بڑھ جائے اور تکلیف زیادہ ہو تو صبر اور سکون سے کام لیا جائے۔ بے قراری، آہ وزاری اور شکوہ وشکایت اور واویلا نہ کیا جائے۔ ہم نے عام لوگوں کی بیماری کے اسباب بیان کئے ہیں کہ ان کے امراض بے اعتدالی سے پیدا ہوتے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی بیماری ان کے حق میں امتحان بلکہ انعام ہوتی ہے۔

سوال

اب بجا طور پر یہ سوال ہوگا کہ جب انبیاء کرام علیہم السلام خود اپنی بیماری کا سبب نہیں ہوتے تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ کیوں فرمایا میں بیمار ہوتا ہوں اور وہ شفا دیتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

ادب اور تواضع کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر حسن اور کمال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے اور عیب اور نقص کی نسبت اپنے نفس کی طرف کی جائے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ (النساء: 79)

(اے انسان) تجھے جو اچھائی پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور تجھے جو برائی پہنچتی ہے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جب کشتی کو توڑا اور اس میں نقص اور عیب ڈالا تو اس کی نسبت اپنی طرف کی اور فرمایا۔

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِى الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا (الکھف: 79)

رہی کشتی تو وہ ان مسکینوں کی تھی جو سمندر میں کام کرتے تھے سو میں نے اس میں عیب ڈالنے کا ارادہ کیا۔

اور جب یتیموں کا خزانہ محفوظ کرنے کے لئے اس ٹوٹی ہوئی دیوار کو جوڑا جس کے نیچے ان کا خزانہ دفن تھا۔

تو فرمایا

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِى الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا (الکھف: 82)

رہی دیوار تو اس کا معاملہ یہ ہے کہ اس شہر میں دو یتیم بچے ہیں جن کا خزانہ اس دیوار کے نیچے دفن ہے۔ ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا تو آپ کے رب نے یہ ارادہ کیا کہ یہ دونوں یتیم بچے اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور اپنا خزانہ نکال لیں۔

ظاہر میں کشتی توڑنا اور دیوار جوڑنا دونوں حضرت خضر علیہ السلام کے کام تھے اور حقیقت میں یہ دونوں کام اللہ تعالیٰ کے فعل تھے لیکن حضرت خضر علیہ السلام نے ادب کو ملحوظ رکھ کر توڑنے کی نسبت اپنی طرف کی اور جوڑنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی

اور اسی نہج پر یہ آیت ہے۔

جنات نے کہا:

اَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِى الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝ (الجن: 10)

ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ کسی شر کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہے۔
جنات نے جب شر کا ذکر کیا تو اس کے فاعل کو مجہول رکھا اور جب بھلائی اور ہدایت کا ذکر کیا تو اس کو ان کے رب کا ارادہ کیا۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:
میں بیمار ہوتا ہوں اور شفاء وہ دیتا ہے۔ بیماری نقص اور عیب ہے اس کی اپنی طرف نسبت کی اور شفاء دینا حسن اور کمال ہے تو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی اور یہی حسن ادب کا مقتضیٰ ہے۔

بیمار اور شفاء کی کیفیت

علامہ اسماعیل حقی حنفی بریلوی متوفی 1137ھ لکھتے ہیں:
امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔
جب میں گناہ کر کے بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے توبہ سے شفا دیتا ہے۔
اور شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:
بیماری غیر اللہ کی طرف دیکھنے سے ہوتی ہے اور شفاء اللہ عزوجل کے مشاہدہ سے ہوتی ہے۔
اور بحر میں لکھا ہے۔
بیماری دنیا کے ساتھ تعلق رکھنے سے ہوتی ہے اور شفاء دنیا سے قطع تعلق سے ہوتی ہے اور یہ مرتبہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب سالک پر جذب کی کیفیت مستحکم ہوتی ہے تو وہ تمام مخلوق سے تعلق منقطع کر کے صرف ایک اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے۔
(روح البیان: ج:6، ص:365 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)
بعض اصفیاء سے منقول ہے کہ
وہ بیمار پڑ گئے اور کمزور ہو گئے ان کا رنگ پیلا پڑ گیا۔
ان سے کہا گیا:
کیا ہم آپ کے لئے کسی طبیب کو بلا لائیں جو آپ کے اس مرض کا علاج کرے۔
انہوں نے کہا:
طبیب نے ہی تو مجھے بیمار کیا ہے۔
پھر یہ شعر پڑھا۔

کیف اشکو الی طبیبی ما بی   والذی بی اصابنی من طبیبی

میں اپنی حالت کی طبیب سے کیسے شکایت کروں۔
کیوں کہ میں اپنے طبیب ہی کی وجہ سے اس حالت کو پہنچا ہوں۔
(روح البیان: ج:6، ص:365 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علاج کرنا میرے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

اسامہ بن شریک سے روایت ہے کہ

میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس طرح بیٹھے ہوئے تھے گویا ان کے سروں پر پرندے ہوں۔ میں نے سلام کیا پھر بیٹھ گیا۔ ادھر ادھر سے دیہاتی آرہے تھے۔

انہوں نے پوچھا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم دواؤں سے علاج کیا کریں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دوا استعمال کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو بیماری پیدا کی ہے۔

اس کے علاج کے لئے دوا بھی پیدا کی ہے سوا ایک بیماری کے وہ بڑھاپا ہے۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث:3855)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حجرے میں داخل ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا درد بہت شدید ہوگیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھ پر ایسی سات مشکوں کا پانی انڈیلو جن کا منہ نہ کھولا گیا۔ شاید میں لوگوں کو وصیت کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ٹب میں بٹھا دیا گیا۔ پھر ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر مشکوں سے پانی انڈیلنا شروع کیا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف اشارہ کرکے فرمایا بس کرو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی طرف چل دیئے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:198)

ابوحازم سے روایت ہے کہ

لوگوں نے حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے تھے تو کسی دوا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علاج کیا گیا تھا۔

انہوں نے کہا:

اب اس چیز کو مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی باقی نہیں بچا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ڈھال میں پانی لے کر آئے تھے اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے اقدس سے خون کو دھوکر صاف کرتی تھیں پھر ایک چٹائی جلائی گئی اور اس کی راکھ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم کو بھر دیا گیا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:243)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کلونجی میں موت کے سوا ہر بیماری کے لئے شفاء ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5688)

اور جب بندہ بیمار ہو جائے تو پرہیز بھی کرے کیونکہ پرہیز کرنا اور کرانا میرے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اور سنت ہے۔

حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو اس کو دنیا سے اس طرح پرہیز کراتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص استسقاء کے مریض کو پانی سے پرہیز کراتا ہے۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2036)

اور ایک روایت میں ہے۔

حضرت محمود بن لبید بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اللہ عزوجل اپنے بندہ کو دنیا سے اس طرح پرہیز کراتا ہے جس طرح تم اپنے مریض کو (نقصان دہ) کھانے اور پینے کی چیزوں سے پرہیز کراتے ہو۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث: 1045)

امام المنذر بنت قیس الانصاریہ بیان کرتی ہیں کہ

میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر نقاہت اور کمزوری تھی۔ ہمارے ہاں کچی کھجوروں کا خوشہ لٹکا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر اس میں سے کھجوریں کھانے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی کھڑے ہو کر کھانے لگے۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمانے لگے یہ کھجوریں نہ کھاؤ کیونکہ تم کمزور ہو حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رک گئے۔ میں نے جو اور چقندر کا سالن بنایا ہوا تھا۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ لے کر آئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے علی رضی اللہ عنہ اس میں سے کھاؤ یہ تمہارے لئے فائدہ مند ہیں۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 3856)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول کہ وہی میری روح قبض کرے گا پھر مجھے زندہ کرے گا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے فرمایا: جب میں بیمار ہوتا ہوں وہی مجھے شفا دیتا ہے اب یہ فرمایا: وہی میری روح قبض کرے گا پھر مجھے زندہ کرے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ (الشعراء: 81)

وہی میری روح قبض کرے گا پھر مجھے زندہ کرے گا۔

یعنی دنیا میں جب میری اجل پوری ہو جائے گی تو وہ میری روح قبض کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف فرمائی کہ ارباب کمال کے لئے موت بھی نعمت ہے کیونکہ دنیا کے رنج والم سے خلاصی اور حیات ابدیہ کے حصول کے لئے موت وسیلہ ہے۔

امام ثعلبی نے کہا:

اللہ تعالیٰ اپنے عدل سے موت دے گا اور اپنے فضل سے زندہ فرمائے گا۔

اور یہ بھی کہا گیا:

موت سے مراد جہل اور معصیت ہے اور زندہ کرنے سے مراد علم اور اطاعت ہے۔ یا مارنے سے مراد گناہ میں مبتلا کرنا ہے اور زندہ کرنے سے مراد گناہوں سے بچانا ہے یا مارنے سے مراد اللہ تعالیٰ سے دوری ہے اور زندہ کرنے سے مراد اللہ تعالیٰ سے وصال ہے۔

حقائق سلمی میں لکھا ہے کہ

مارنے سے مراد ہے کسی شخص کو انانیت میں مبتلا کرنا اور زندہ کرنے سے مراد ہے اس کو ہدایت عطا کرنا۔

(روح البیان: ج:6، ص:365،366 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ قرطبی مالکی متوفی 668ھ نے لکھا ہے۔

اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں۔

(1) جو مجھے اپنے خوف سے مارتا ہے اور اپنی امید سے زندہ کرتا ہے۔

(2) جو مجھے طمع سے مارتا ہے اور قناعت سے زندہ کرتا ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:7، ص:104 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

میری خطاؤں کو قیامت کے دن معاف فرمادے گا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میری (بہ ظاہر) خطاؤں کو قیامت کے دن معاف فرما دے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ۝ (الشعراء: 82)

اور جس سے مجھے امید ہے کہ وہ میری (بہ ظاہر) خطاؤں کو قیامت کے دن معاف فرمادے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی خطاذکر کرنے سے مراد

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا میں یوں کہا کہ مجھے امید ہے کہ وہ معاف فرمادے گا یوں نہیں کہا میری خطاؤں کو معاف فرمادے۔ اس کی وجہ ادب ہے اور یہ بتانا ہے کہ بندہ کو خوف اور امید کے درمیان رہنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے کرم پر متنبہ فرمانا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے جب کوئی امید رکھی جائے تو وہ اس کو پورا کر دیتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام مغفور اور معصوم ہیں پھر انہوں نے اپنی خطاؤں کا کیوں ذکر کیا اور ان کی مغفرت کیوں طلب کی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دعا سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی امت کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ گناہوں سے اجتناب کریں اور ڈریں اور اگر ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس گناہ کی مغفرت طلب کریں اور طلب مغفرت میں ان کی اقتداء کریں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لئے امام ہو جائیں جس طرح عباد الرحمٰن نے یہ دعا کی تھی۔

وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا۝ (الفرقان: 74)

اور ہم کو متقین کا امام بنادے۔

مجھے حکم عطا فرما اور مجھے نیکوکاروں کے ساتھ ملادے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی: اے اللہ عزوجل مجھے حکم (صحیح فیصلہ) عطا فرما اور مجھے نیکوکاروں کے ساتھ ملا دے۔

قرآن مجید میں ہے:

رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۝ (الشعراء: 83)

اے میرے رب! مجھے حکم (صحیح فیصلہ) عطا فرما اور مجھے نیکوکاروں کے ساتھ ملادے۔

سابقہ آیتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور اس کے بعد اپنے مطالب کے حصول کے لئے دعا کی۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اپنے مطلوب کی دعا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنی چاہئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا میں اپنے مطالب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

اے میرے رب! مجھے حکم (صحیح فیصلہ) عطا فرما اور مجھے نیکوکاروں کے ساتھ ملادے۔

حکم سے مراد علم شریعت ہے یا ایسا علم جس کے ذریعہ وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کی خلافت قائم کر سکیں اور مخلوق کی رہنمائی کر سکیں اور یہ کہ وہ علم کے تقاضوں پر عمل پیرا ہوں کیونکہ جس شخص کو کسی چیز کا علم نہ ہو یا علم کے تقاضوں پر عامل نہ ہو اس کو حکیم نہیں کہا جاتا اور نہ اس کے علم کو حکم اور حکمت کہا جاتا ہے۔

نیز فرمایا

اور مجھے نیکوکاروں کے ساتھ ملا دے۔

یعنی مجھے ایسے علوم اور ایسے اعمال اور اخلاق کی توفیق دے جو مجھے عبادت و ریاضت میں ایسے کاملین اور راسخین کے گروہ میں شامل کر دیں جو تمام صغائر اور کبائر گناہوں سے نہ ہوں یا جنت میں مجھے ان کے ساتھ مجتمع کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قبول فرمائی۔

چنانچہ آپ علیہ السلام کے متعلق فرمایا

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ (البقرہ: 130)

اور بے شک ہم نے ابراہیم کو دنیا میں برگزیدہ کیا اور بے شک وہ آخرت میں نیکوکاروں میں سے ہیں۔

اور یہ اس دعا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مطالب میں سے پہلا مطالب ہے۔

بعد میں آنے والے لوگوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا کی اے خالق باری تعالیٰ بعد میں آنے والے لوگوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ○ (الشعراء: 84)

اور بعد میں آنے والے لوگوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے محامل

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کے درج ذیل محامل ہیں۔

(1) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلی آیت میں اخروی کمال کے حصول کی دعا کی تھی اور اس آیت میں کمال دنیا کے حصول کے لئے دعا کی اس دعا میں یہ طلب کیا کہ تمام دنیا کے لوگ ان کی مدح اور ثناء کریں اور ان کی تعظیم و تکریم کریں۔

(2) اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایسی عزت اور فضیلت عطا فرمائے جس کا اثر قیامت تک باقی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی کیونکہ یہود، عیسائی اور مسلمان سب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے محبت کرتے ہیں اور ان کی تعظیم اور تکریم کرتے ہیں۔

(3) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو قبول عام عطا فرمائے اور تمام لوگوں کی زبانوں پر ان کے لئے ذکر خیر جاری ہو اور زبانوں پر ذکر خیر اس لئے طلب کیا کہ لوگوں کا اپنی زبانوں سے آپ علیہ السلام کا ذکر خیر کرنا۔ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ علیہ السلام سے محبت کرتے ہیں اور لوگوں کا آپ علیہ السلام سے محبت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام سے محبت کرتا ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے میں فلاں (بندے) سے محبت کرتا ہوں۔ تم بھی اس سے محبت کرو پھر جبرائیل علیہ السلام اس سے محبت کرتے ہیں پھر جبرائیل علیہ السلام آسمان میں ندا کرتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو تو آسمان والے اس سے محبت کرتے ہیں پھر زمین والوں میں اس کی مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 7485)

(4) جب لوگ اپنی زبانوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اخلاق کا فاضلہ اور اوصاف حمیدہ کا ذکر کریں گے تو ان فضائل اور کمالات کو سن کر دوسرے لوگوں کے دلوں میں بھی ان اوصاف سے متصف ہونے اور ان اخلاق سے متخلق ہونے کی رغبت ہوگی۔

(5) اس دعا سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی غرض یہ تھی کہ آخر زمانہ میں اللہ تعالیٰ ان کی اولاد سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمائے جس کا اس آیت میں بھی ذکر ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ○ (البقرہ: 129)

اے ہمارے رب! ان میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیج دے جو ان پر تیری آیتوں کی تلاوت کرے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کے باطن کو پاک صاف کرے بے شک تو بہت غالب بے حد حکمت والا ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور اس وقت حضرت آدم علیہ السلام اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے اور میں عنقریب تمہیں ابتداء کی خبر دوں گا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور میں اپنی ماں کا وہ خواب ہوں جو اس نے میری پیدائش کے وقت دیکھا تھا۔ ان سے ایک نور نکلا جس نے ان کے لئے شام کے محلات روشن کر دیئے۔

(مسند احمد: ج:4،ص:127،128)

مجھے نعمت والی جنتوں کے وارثوں میں سے بنا دے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی: اے خالق باری تعالیٰ مجھے نعمت والی جنتوں کے وارثوں میں سے بنا دے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ۝ (الشعراء: 85)

اور مجھے نعمت والی جنت کے وارثوں میں سے بنا دے۔

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تیسرا مطلوب ہے۔ اس سے پہلی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دنیا کی سعادت کے حصول کی دعا کی تھی اور اس آیت میں آخرت کی سعادت کے حصول کی دعا کی ہے۔

جس شخص کو اپنے کسی مورث کے مرنے کے بعد اس کا ترکہ مل جائے اس کو وارث کہتے ہیں۔ اس آیت میں جنتیوں کو جنت کا وارث فرمایا ہے کیونکہ جو مومن نیک عمل کرتا ہے اس کو اس کے استحقاق کے بغیر محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنت مل جاتی ہے۔ جس طرح کسی وارث کو بغیر کسی استحقاق کے محض اپنے رشتہ کی موت سے اس کا ترکہ مل جاتا ہے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنت کے حصول کی دعا کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔

میرے باپ کو بخش دے بے شک وہ گمراہوں میں سے تھا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ میرے عرفی باپ کو بخش دے بے شک وہ گمراہوں میں سے تھا اور جس دن سب لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے مجھے شرمندہ نہ کرنا جس دن نہ مال نفع دے گا اور نہ اولاد سوا اس شخص کے جو اللہ کے حضور قلب سلیم لے کر حاضر ہوا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاغْفِرْ لِاَبِیْۤ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ۝ وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ۝ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ۝ (الشعراء: 86 تا 89)

اور میرے (عرفی) باپ کو بخش دے بے شک وہ گمراہوں میں سے تھا اور جس دن سب لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے مجھے شرمندہ نہ کرنا جس دن نہ مال نفع دے گا اور نہ اولاد، سوا اس شخص کے جو اللہ کے حضور قلب سلیم لے

کر حاضر ہوا۔

اعتراض

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عرفی باپ آزر کافر تھا اور کافر کے لئے مغفرت کی دعا کرنا جائز نہیں۔

بعض علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ

ایمان مغفرت ایمان لانے پر موقوف ہے اس لئے زندہ کافروں اور مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا کرنا دراصل ان کے ایمان لانے کی دعا کرنا ہے اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے عرفی باپ آزر کے لئے مغفرت کی دعا کر کے حقیقت میں یہ دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس کو ایمان کی توفیق عطا فرمائے لیکن اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس تاویل سے تو ہر زندہ مشرک اور کافر کے لئے مغفرت کی دعا کی جا سکتی ہے۔

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ

آزر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ایمان لانے کا وعدہ کیا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وعدے پر اعتماد کر کے اس کے لئے مغفرت کی دعا کی تھی اور جب وہ اپنے وعدہ سے منحرف ہو گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے بیزار ہو گئے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ○ (التوبہ: 114)

اور ابراہیم کا اپنے (عرفی) باپ کے لئے مغفرت کی دعا کرنا صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو اس نے ان سے کر لیا اور جب ابراہیم پر یہ منکشف ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے زار ہو گئے۔ بے شک ابراہیم بہت نرم دل اور بہت بردبار تھے۔

علامہ القمولی نے اس کا ایک یہ جواب دیا ہے کہ آزر باطنی طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھا اور ظاہراً نمرود کے دین پر تھا کیونکہ وہ اس سے ڈرتا تھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس اعتبار سے اس کے لئے دعا کی ہے اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ظاہر ہوا کہ واقعہ اس کے خلاف ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔

(تفسیر کبیر: ج:8، ص:517 دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے آزر کی جو سفارش کی اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت

ابراہیم علیہ السلام کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو نہیں بخشے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے اس عہد کے خلاف نہیں کرے گا پھر انہوں نے کیوں آزر کی سفارش کی۔

اس کا یہ جواب ہے کہ

جب انہوں نے آزر کو دیکھا تو ان پر شفقت اور رحمت غالب آ گئی اور وہ اس کے لئے سوال کئے بغیر رہ نہ سکے۔

(التوشیح علی الجامع الصحیح ج:4، ص:250 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

دوبارہ زندہ فرمانے پر شرمندہ نہ کرنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پانچویں دعا یہ کی کہ جس دن سب لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے مجھے شرمندہ نہ کرنا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا دوسروں کو ترغیب دینے کے لئے کی تھی۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ڈرتا ہے اور اس سے حشر والے دن کے بارے میں عافیت کی دعا کرتا ہے۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۔ (یٰسین: 59)

اے مجرمو! آج تم الگ ہو جاؤ۔

اس دن کافر مومن اور گناہ گار اطاعت گزار سے الگ کر کے کھڑے کر دیئے جائیں گے۔ اس دن بدکاروں کو نیکوں سے الگ کر دیا جائے گا۔ اس دنیا میں تو سب لوگ مل جل کر رہتے ہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن پیر بدکاروں کی صف میں ہو اور مرید نیکوں کی صف میں ہو۔ استاد بدکاروں کی صف میں ہو اور شاگرد نیکوکاروں کی صف میں ہو جن لوگوں کو دنیا میں عقیدت اور احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا جب قیامت کے دن وہ بدکاروں کی صف میں کھڑے ہوں گے تو ان کی شرمندگی کا کیا عالم ہوگا وہ ان سے آنکھ نہیں ملا سکیں گے۔ اے ہمارے رب عزوجل! ہمیں اس دن کی شرمندگی اور رسوائی سے بچانا جس طرح دنیا میں ہم پر پردہ رکھا ہے۔

آخرت میں بھی پردہ رکھنا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہمیں اسی دعا کی تلقین فرمائی۔

جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوسروں کی تلقین کے لئے یہ دعا کی کہ جس دن سب لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں مجھے شرمندہ نہ کرنا یعنی میرا پردہ رکھنا اور میرے عیوب اور خطائیں لوگوں کے سامنے ظاہر نہ کرنا۔ اسی طرح ہمارے آقا دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی امت کی تعلیم کے لئے یہ دعا کی ہے کہ میرے عیوب اور خطاؤں پر پردہ رکھنا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبح اور شام ان دعاؤں کو ترک نہیں کرتے تھے۔

''اے اللہ عزوجل میں تجھ سے دنیا و آخرت میں عافیت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ عزوجل! میں تجھ سے اپنے دین اور دنیا میں اور اپنے اہل اور مال میں عافیت کا سوال کرتا ہوں۔

اے اللہ عزوجل! میرے عیوب پر پردہ رکھ اور جن چیزوں سے مجھے خوف ہے ان سے مجھے محفوظ رکھ، اے اللہ عزوجل! میرے آگے اور میرے پیچھے اور میرے دائیں اور میرے بائیں اور میرے اوپر (کے شر) سے مجھ کو محفوظ رکھ اور اس سے میں تیری عظمت کی پناہ میں آتا ہوں کہ میں اپنے نیچے سے کسی شر میں مبتلا کیا جاؤں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد تھی۔ زمین میں دھنسنے سے۔

(سنن ابوداؤد، رقم الحدیث:4785)

جس دن نہ مال نفع دے گا نہ اولاد

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اے خالق باری جس دن سب لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے مجھے شرمندہ نہ کرنا جس دن نہ مال نفع دے گا اور نہ اولاد نفع دے گی۔ سوا اس شخص کے جو اللہ کے حضور قلب سلیم لے کر حاضر ہوا۔

قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝ (الشعرا: 88 تا 89)

جس دن نہ مال نفع دے گا اور نہ اولاد سوا اس شخص کے جو اللہ کے حضور سلیم لے کر حاضر ہوا۔

یعنی مسلمانوں کے علاوہ اس دن کسی کا مال اس کو نفع نہیں دے گا۔ خواہ وہ اس مال کو نیکی اور اچھائی کے راستوں میں خرچ کرتا ہو اور نہ اس کی اولاد اس کو نفع دے گی خواہ اس کی اولاد نیک ہو پرہیزگار اور عبادت گزار ہو۔

اس آیت کا محمل یہ ہے کہ

اگر کوئی شخص ایمان نہ لایا تو اس کا مال اس کی اولاد اس کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں چھڑا سکیں گے یا وہ اپنی اولاد و مال کو فدیہ دیکر اپنے آپ کو آخرت کے عذاب سے نہیں بچا سکے گا ورنہ مومن جو اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرتا ہے وہ مال اس کو آخرت کے عذاب سے بچاتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ (البقرہ: 271)

اگر تم علی الاعلان صدقہ اور خیرات کرو تو وہ بھی اچھا ہے اور اگر تم چھپا کر فقراء کو صدقہ دو تو وہ بھی اچھا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کی خبر رکھنے والا ہے۔

اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی ہے۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ دوزخ کی آگ سے بچو خواہ کھجور کے ٹکڑے کو صدقہ کرنے سے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 1417)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کون سے صدقہ کرنے کا سب سے زیادہ اجر ہوتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم اس وقت صدقہ کرو جب تم تندرست ہو اور تم کفایت سے خرچ کرنا چاہتے ہو اور تم کو فقر کا ڈر ہو اور تم کو خوش حالی کی امید ہو اور صدقہ کرنے میں ڈھیل نہ دیتے رہو حتیٰ کہ تمہاری جان حلقوم تک پہنچ جائے اور تم کہو یہ چیز فلاں کے لئے ہے اور یہ چیز فلاں کے لئے ہے اور اب تو وہ خلال کی ہو ہی گئی ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 1419)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب کوئی عورت اپنے گھر کے طعام کو خرچ کرے جبکہ اس کو ضائع کرنے والی نہ ہو تو اس کو اس کا اجر ملتا ہے جو کچھ وہ خرچ کرتی ہے اور اس کے خاوند کو بھی اس مال کے کمانے اجر ملتا ہے اور اس مال کے رکھنے والے کو بھی اس کا اجر ملتا ہے اور بعض کو اجر عطا کرنے سے دوسرے بعض کا اجر کم نہیں ہوتا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 1024)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بہترین صدقہ وہ کہ صدقہ دینے کے بعد اس کے پاس بقدر ضرورت مال باقی رہے اور پہلے ان پر خرچ کرے جس کی کفالت اس کے ذمہ ہے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 1426)

آخرت میں اولاد کی نفع رسانی کے متعلق درج ذیل احادیث مبارکہ دال ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب انسان مرجاتا ہے تو تین کے سوا اس کے باقی اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔

(1) صدقہ جاریہ

(2) وہ علم جس سے نفع اٹھایا جاتا ہے۔

(3) اس کی نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی ہے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 1631)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مسلمانوں میں سے جس کے بھی تین نابالغ بچے فوت ہو جائیں اللہ تعالیٰ ان بچوں پر رحمت کرنے کی وجہ سے اس کو جنت میں داخل فرمادے گا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 1248)

سوا اس شخص کے جو اللہ تعالیٰ کے حضور قلب سلیم لے کر حاضر ہوا

آیت میں ذکر کیا گیا سوا اس شخص کے جو اللہ کے حضور قلب سلیم لے کر حاضر ہوا۔

قلب سلیم کا مصداق یہ ہے کہ

اس کا قلب جہل اور اخلاق رذیلہ سے سلامت رہے کیونکہ جس طرح بدن کو صحت کا سلامت رہنا اس کے مزاج کے معتدل ہونے پر موقوف ہے اور بدن کا مریض ہونا اس کے مزاج کے غیر معتدل ہونے سے عبارت ہے۔اسی طرح قلب کا سلامت رہنا علم اور اخلاق فاضلہ کے حصول اور جہل اور اخلاق رذیلہ سے خالی ہونے پر موقوف ہے۔

اس آیت میں یوں نہیں فرمایا۔

سوا اس شخص کے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ایمان و اسلام کے ساتھ حاضر ہوا بلکہ فرمایا اس کے پاس قلب سلیم کے ساتھ حاضر ہوا کیونکہ ایمان وہی لاتا ہے جس کا قالب سلامت ہو اور جس کا قلب بیمار ہو وہ ایمان سے محروم رہتا ہے۔اسی طرح اعمال صالحہ بھی قلب کی سلامتی پر موقوف ہیں۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ
حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور ان کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جس کو اکثر لوگ نہیں جانتے پس جو شخص مشتبہات سے اجتناب کرتا ہے وہ اپنے دین اور اپنی عزت کی حفاظت کرتا ہے اور جو شخص مشتبہات کی حفاظت نہیں کرتا وہ اس چرواہے کی طرح ہے۔ جو شاہی چراگاہ کے نزدیک بکریاں چراتا ہے پس ہوسکتا ہے کہ اس کی بکریاں اس شاہی چراگاہ سے چر لیں۔

سنو! ہر بادشاہ کی خاص چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاص چراگاہ اس کی حدود ہیں۔
سنو! جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے وہ درست ہو تو پورا جسم درست رہتا ہے اور وہ فاسد ہو تو پورا جسم فاسد ہو جاتا ہے۔ سنو وہ دل ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 52)

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری متوفی 465ھ قلب سلیم کی تعریف میں لکھتے ہیں:
سلیم اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو سانپ یا بچھو سے ڈسا ہوا ہو سو قلب سلیم والا وہ شخص ہے جو خوف خدا سے عزوجل سے ڈسا ہو یعنی جس طرح سانپ یا بچھو سے ڈسا ہوا شخص بے چین مضطرب اور بے کل رہتا ہے۔ وہ بھی خوف خدا عزوجل سے بے کل اور بے چین رہے۔

ایک قول یہ ہے:
وہ پہلے گمراہی سے سلامت ہو پھر بدعت سے پھر غفلت سے پھر غیبت سے پھر دنیاوی عیش و آرام اور دنیاوی رنگینیوں اور دلچسپیوں سے یہ تمام چیزیں آفتیں ہیں اکابران سے سلامت رہے اور اصاغران کی آزمائش میں مبتلا رہے ہیں۔

ایک قول یہ ہے:
قلب سلیم وہ ہے جو اپنے نفس کی محبت اور اس کی طرف توجہ اور ارادہ سے بھی سلامت ہو۔

(لطائف الاشارات ج: 2، ص: 403، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے عرفی باپ کو اپنی پیروی کا فرمانا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے عرفی باپ سے فرمایا۔ اے میرے باپ بے شک میرے پاس ایسا علم آیا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا۔ آپ میری پیروی کیجئے میں آپ کو سیدھا راستہ دکھاؤں گا۔

قرآن مجید میں ہے:
یٰٓاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِیْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِیًّا ○ (مریم: 43)

اے میرے ابا! بے شک میرے پاس ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا آپ میری پیروی کیجئے میں آپ کو سیدھا راستہ دکھاؤں گا۔

آپ شیطان کی پیروی نہ کریں

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے عرفی باپ کو فرمایا: آپ شیطان کی پیروی نہ کریں بے شک شیطان تو رحمان کا نافرمان ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝ (مریم: 44)

اے میرے باپ! آپ شیطان کی پیروی نہ کریں بے شک شیطان رحمٰن کا نافرمان ہے۔

☆

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شیطان سے متنفر کرنے کے لئے آزر سے یہ کہا کہ شیطان اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے کیونکہ کسی شخص سے متنفر ہونے کی یہی سب سے بڑی وجہ ہے۔ اور جب شیطان اللہ تعالیٰ کا نافرمان تھا تو کسی چیز میں بھی اس کی اطاعت جائز نہیں ہے اور آزر کے جو عقائد تھے وہ شیطان کی اطاعت سے ہی مستفاد تھے اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر کو شیطان سے متنفر کرنا چاہا۔

مجھے خطرہ ہے کہ آپ کو رحمٰن سے عذاب پہنچے گا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر کو یہ فرمایا: مجھے خطرہ ہے کہ آپ کو رحمٰن کی طرف سے عذاب پہنچے گا۔ پس آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝ (مریم: 45)

اے میرے ابا! مجھے خطرہ ہے کہ آپ کو رحمٰن کی طرف سے عذاب پہنچے گا پس آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں گے۔

☆

اس آیت میں عذاب سے مراد رسوا ہونا ہے اور جو آدمی شیطان کو اپنا ولی بناتا ہے وہ نقصان اٹھاتا ہے اور رسوا ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ۝ (النساء: 119)

اور جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو ولی بنائے گا وہ کھلا ہوا نقصان اٹھائے گا۔

کیا تو میرے خداؤں سے اعراض کرنے والا ہے

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر کو دلائل دیئے تو آخر میں آزر نے کہا: اے ابراہیم علیہ السلام کیا تو میرے خداؤں سے اعراض کرنے والا ہے اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کردوں گا اور تو ہمیشہ کے لئے مجھے چھوڑ دے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنۡتَ عَنۡ اٰلِهَتِیۡ یٰۤاِبۡرٰهِیۡمُ ۚ لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ لَاَرۡجُمَنَّكَ وَاهۡجُرۡنِیۡ مَلِیًّا ۝ (مریم: 46)

اس نے کہا: اے ابراہیم! کیا تو میرے خداؤں سے اعراض کرنے والا ہے اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کردوں گا اور تو ہمیشہ کے لئے مجھے چھوڑ دے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: تجھے سلام ہو

جب آزر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ کہا: اے ابراہیم تو میرے خداؤں سے اعراض کرنے والا ہے اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کردوں گا اور تو ہمیشہ کے لئے مجھے چھوڑ دے تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: تجھے سلام ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ سَلٰمٌ عَلَیۡكَ ۚ سَاَسۡتَغۡفِرُ لَكَ رَبِّیۡ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِیۡ حَفِیًّا ۝ (مریم: 47)

ابراہیم نے کہا: تجھے سلام ہو میں عنقریب اپنے رب سے تیرے لئے استغفار کروں گا بے شک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔

اعتراض

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کفار کو سلام کرنا جائز نہیں ہے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر کو کیوں سلام کیا۔

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تعظیم اور تحسین کا سلام نہیں تھا بلکہ یہ متارکہ کا سلام تھا یعنی کسی کو چھوڑنے اور اس سے قطع تعلق کرنے کا سلام تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغۡوَ اَعۡرَضُوۡا عَنۡهُ وَقَالُوۡا لَنَاۤ اَعۡمَالُنَا وَلَكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡ ۫ سَلٰمٌ عَلَیۡكُمۡ ۫ لَا نَبۡتَغِی الۡجٰهِلِیۡنَ ۝ (القصص: 55)

اور جب وہ کوئی بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں پس تمہیں سلام ہو ہم جاہلوں سے بحث کرنا نہیں چاہتے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی صفت میں ارشاد فرمایا۔

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا

(الفرقان:63)

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی اور عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے بحث کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں بس تمہیں سلام ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ

سلام کا حقیقی معنی تو دعا ہے یعنی اللہ تعالیٰ تم کو سلامت، ہر آفت اور ہر مصیبت سے محفوظ اور مامون رکھے یا تم جس حال میں ہو اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں سلامت رکھے اس معنی کے اعتبار سے کفار اور فساق کو سلام کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں کفر اور فسق پر سلامت رہنے کی دعا ہے اور کفار اور فساق کی تعظیم اور تحیت ہے۔ اور یہ جائز نہیں ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہود و نصاریٰ کو سلام میں پہل نہ کرو جب وہ تم سے راستہ میں ملیں تو تم ان کو تنگ راستہ میں چلنے پر مجبور کرو۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2167)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابراہیم بن میسرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے کسی بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے منہدم ہونے پر اعانت کی۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث: 9464)

ان احادیث مبارکہ کی بناء پر کفار اور فساق کو تعظیماً سلام کرنا جائز نہیں ہے اور سلام کا التزامی اور مجازی معنی ہے کسی کو رخصت کرنا کیونکہ رخصت ہونے کے مقام پر سلام کیا جاتا ہے تو جب کفار اور فساق سے بحث کو ترک کرنا اور ان سے تعلق کو ترک کرنا مقصود ہو تو ان کو سلام کر دیا جاتا ہے جیسا کہ مذکور الصدر آیات میں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رشد عطا فرمانا

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا: ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ہدایت (رشد) عطا فرمائی تھی اور ہم ان کو خوب جانتے ہیں

قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ۝ (الانبیاء: 51)

اور بے شک اس سے پہلے ہم نے ابراہیم کو ہدایت عطا فرمائی تھی اور ہم ان کو خوب جانتے ہیں۔

رشد کا معنی

علامہ راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:

الرشد، الغی کی ضد ہے۔

الغی کا معنی گمراہی ہے۔

اور ارشد کا معنی ہدایت ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرہ: 256)

بے شک ہدایت گمراہی سے متمیز ہو چکی ہے۔

رشد دنیا و آخرت میں راہ راست کے ساتھ خاص ہے اور رشد (را اور ش پر زبر) کا اطلاق صرف امور اخرویہ میں ہوتا ہے اور راشد کا اطلاق دنیا و آخرت دونوں میں ہوتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ (الحجرات: 7)

یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

اس کا تعلق آخرت کے ساتھ ہے۔

وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ (ھود: 97)

اور فرعون کا حکم درست نہیں تھا۔

اس کا تعلق دنیا کے ساتھ تھا۔

(المفردات ج: 1 ص: 260 مطبوعہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

رشد سے مراد

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

رشد کی تفسیر میں دو قول ہیں۔

(1) ایک قول یہ ہے: اس سے مراد نبوت ہے۔

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اور ہم ان کو خوب جاننے والے تھے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو نبوت کے ساتھ مختص کرتا ہے، جس کے متعلق اس کو معلوم ہو کہ یہ شخص نبوت کا حق ادا کرے گا اور جو کام منصب نبوت کے نامناسب ہوں اور جن کاموں سے اس کی قوم متنفر ہو وہ کام نہیں کرے گا۔

(2) دوسرا قول یہ ہے:

رشد سے مراد ہدایت ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ (النساء: 6)

پھر اگر یتیموں میں ہدایت پاؤ تو ان کے اموال انہیں سونپ دو۔

(3) اس میں ایک تیسرا قول بھی ہے کہ

نبوت اور ہدایت دونوں رشد کے تحت داخل ہیں کیونکہ اسی شخص کو منصب نبوت پر فائز کرنا جائز ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات پر رہنمائی کر چکا ہو اور اس کو وہ امور بتا چکا ہو جو اس کے اور اس کی قوم کے رذائل سے منزہ ہونے اور فضائل سے متصف ہونے کے لئے ضروری ہوں یعنی اس کو وہ کام معلوم ہوں جن کے کرنے سے دنیا و آخرت میں مذمت ہوتی ہے اور جن کے کرنے سے دنیا و آخرت میں تعریف اور تحسین ہوتی ہے۔

(تفسیر کبیر: ج:8، ص:152 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بے شک اس سے پہلے ہم نے ابراہیم کو ہدایت عطا فرمائی تھی

آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ بے شک اس سے پہلے ہم نے ابراہیم کو ہدایت عطا فرمائی تھی، کا کیا معنی ہے۔

اس کے متعلق اقوال ہیں۔

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔

یعنی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام سے پہلے ان کو نبوت اور ہدایت عطا فرمائی تھی۔

اور مقاتل نے کہا:

ان کے بالغ ہونے سے پہلے بچپن میں ان کو نبوت عطا فرمائی تھی۔ جب انہوں نے ستاروں کو دیکھ کر ان سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر استدلال کیا تھا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام کی صلب اور پشت میں ان کو نبوت عطا فرمائی تھی جب اللہ تعالیٰ نے ان کی پشت سے انبیاء کرام علیہم

السلام کو نکال کر ان سے میثاق لیا تھا۔

(جامع البیان: جز:17،ص:47 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

یہ کیسی مورتیاں ہیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے عرفی باپ اور اپنی قوم سے فرمایا یہ کیسی مورتیاں ہیں جن کی عبادت پر تم جمے ہوئے ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ○ (الانبیاء: 52)

جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ اور اپنی قوم سے کہا یہ کیسی مورتیاں (بت) ہیں جس (کی پرستش) پر تم جمے ہوئے ہو۔

اس آیت کریمہ میں تماثیل کا لفظ ارشاد فرمایا گیا ہے۔

تماثیل تمثال کی جمع ہے۔

اس کا معنی ہے تراشا ہوا مجسمہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم مختلف چیزوں کی بنائی ہوئی مجسم تصویروں کی پرستش کرتی تھی مثلاً انسان یا کسی حیوان کی صورت کی۔

اپنے باپ دادا کو ان ہی کی عبادت کرتے پایا تھا

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے عرفی باپ اور قوم کو فرمایا: یہ کیسی مورتیاں ہیں جن کی تم عبادت کرتے ہو تو انہوں نے کہا: ہم نے اپنے باپ دادا کو ان ہی کی عبادت کرتے پایا تھا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ○ (الانبیاء: 53)

انہوں نے کہا: ہم نے اپنے باپ دادا کو ان ہی کی عبادت کرتے ہوئے پایا تھا۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے پوچھا تم ان کی عبادت کیوں کرتے ہو اس کی کیا دلیل ہے؟ تو ان کے پاس اس کے سوا اور کوئی جواب نہ تھا کہ وہ اپنے باپ دادا کی تقلید کرتے ہیں۔

تم اور تمہارے باپ دادا کھلی ہوئی گمراہی میں تھے

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے بتوں کی پوجا کے متعلق پوچھا تو قوم نے کہا: ہم اپنے باپ دادا کی تقلید کرتے ہیں تو تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: تم اور تمہارے باپ دادا کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ○ (الانبیاء: 54)

کہا بے شک تم اور تمہارے باپ دادا کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

کیا آپ واقعی حق بات کہہ رہے ہیں یا یونہی مذاق کرر ہے ہیں

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو فرمایا: تم اور تمہارے باپ دادا کھلی ہوئی گمراہی میں تھے تو انہوں نے کہا: کیا آپ واقعی حق بات کہہ رہے ہیں یا یونہی مذاق کرر ہے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ○ (الانبیاء: 55)

انہوں نے کہا: کیا آپ واقعی حق بات کہہ رہے ہیں یا یونہی مذاق کرر ہے ہیں۔

ان کے نزدیک یہ بہت بعید تھا کہ جو کام برسوں سے نسل در نسل ہوتا چلا آ رہا ہو اس کو گمراہی کہا جائے۔

تمہارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کے دلائل دیئے اور ارشاد فرمایا: تمہارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِىْ فَطَرَهُنَّ وَ اَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ○

(الانبیاء: 56)

کہا بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ ان کی قوم یہ سمجھ رہی ہے کہ وہ ان کے ساتھ مذاق کرر ہے ہیں تو انہوں نے توحید کا اعلان کیا تا کہ قوم کو یقین ہو جائے کہ وہ اظہار حق میں سنجیدہ ہیں۔ اس لئے انہوں نے اپنی زبان اور عمل سے اپنے عقیدہ توحید کا اظہار کیا اور کہا بلکہ تمہارا رب عزوجل وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔

اس میں یہ دلیل ہے کہ

خالق وہ ہے جس نے ان چیزوں کو بندوں کے نفع کے لئے پیدا کیا ہے اور وہ دنیا و آخرت میں بندوں کو ضرر اور عذاب سے بچانے اور نفع اور ثواب پہنچانے پر قادر ہے۔ سو اسی کی عبادت کرنی چاہیے۔ اس کے علاوہ انہوں نے ایک عملی تدبیر اختیار کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا مقصود بھی یہ تھا کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا یقین دلایا جائے اور اس کی عبادت کا حکم دیا جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آزر اور قوم سے چند سوالات

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر اور قوم سے چند سوالات کئے کہ تم کن چیزوں کی عبادت کر رہے ہو۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر خود ساختہ معبودوں کی عبادت کر رہے ہو تو اللہ تعالیٰ کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ۝ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ۝ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

(الصفت: 85تا87)

جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ اور قوم سے کہا: تم کن چیزوں کی عبادت کر رہے ہو، کیا تم اللہ کو چھوڑ کر خود ساختہ معبودوں کی عبادت کر رہے ہو۔ رب العلمین کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے۔

انہوں نے ستاروں کی طرف ایک نظر ڈالی

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کی طرف نظر ڈالی کیونکہ قوم چند معین ستاروں کی پرستش اور تعظیم کرتی تھی اور ان کا یہ اعتقاد تھا کہ اس جہان میں خیر اور شر اور سعادت اور نحوست کے جو واقعات رونما ہوتے ہیں وہ سب ان سیاروں ہی کی تاثیرات ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ۝ (الصفت: 88)

پھر انہوں نے ستاروں کی طرف ایک نظر ڈالی۔

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بظاہر ستاروں کی طرف دیکھ کر تامل اور غور و فکر کیا جس سے ان کی قوم نے یہ سمجھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ستاروں کی چال اور ان کی مخصوص گردش کی وضع اور ہیئت سے مستقبل میں پیش آنے والے کسی واقعہ یا سانحہ کو اخذ کر رہے ہیں اور دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام آسمانوں اور زمینوں کی خلقت اور بناوٹ پر غور و فکر کر رہے تھے اور کاملین کے طریقہ کے مطابق آثار سے موثر اور مخلوق اور خالق پر استدلال فرما رہے تھے اور یہی چیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان کے لائق ہے لیکن آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کے ذہنوں میں یہ وہم ڈالا کہ آپ سیاروں کی گردش کی وضع میں غور و فکر کر کے مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کو معلوم کر رہے ہیں۔

بے شک میں بیمار ہونے والا ہوں

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کی طرف ایک نظر ڈال کر فرمایا: بے شک میں بیمار ہونے والا ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

فَقَالَ اِنِّیْ سَقِیْمٌ ۝ (الصفت: 89)

پھر کہا بے شک میں بیمار ہونے والا ہوں۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم رازی متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

حضرت سفیان رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا۔

اس کا معنی ہے۔

مجھے طاعون ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 18217)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بادشاہ کا عید پر میلے میں شریک ہونے کی دعوت

زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ کل ہماری عید ہے تم اس میں حاضر ہونا (یعنی میلے میں شریک ہونا)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کی طرف دیکھ کر فرمایا۔

یہ ستارہ جب بھی طلوع ہوتا ہے تو میں بیمار ہو جاتا ہوں تو بادشاہ کے کارندے چلے گئے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: 18219)

قوم کا بتوں کے سامنے قربانیاں پیش کرنا

امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی التوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا:

ان کی قوم ستارہ شناس اور ستارہ پرست تھی۔ اس لئے آپ علیہ السلام نے ان کے ساتھ ان کے طریقہ کے مطابق معاملہ کیا اور اس طور سے حیلہ کیا جو ان کی رسم و رواج کے مطابق تھا۔

اور اس کی وجہ یہ تھی کہ

وہ ان کے بتوں کو توڑنے کے لئے حیلہ کرنا چاہتے تھے تا کہ ان کی بت پرستی کو باطل کیا جا سکے۔ دوسرے ان کی عید اور میلہ تھا اور وہ لوگ میلہ میں جانے سے پہلے بتوں کے سامنے قربانیاں پیش کرتے تھے اور کھانے پینے کی چیزیں رکھتے تھے تا کہ اس سے بتوں کا تقرب اور تبرک حاصل ہو اور وہ میلہ سے واپس آنے کے بعد ان چیزوں کو کھائیں۔

انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا

آپ ہماری عید اور ہمارے میلے میں ہمارے ساتھ چلیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کو دیکھ کر کہا

میں بیمار ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

سقیم سے مراد طاعون زدہ ہونا ہے اور وہ لوگ طاعون سے بہت گھبراتے تھے اور اس سے بہت دور بھاگتے تھے۔

حسن بصری نے کہا:

سقیم سے مراد مریض ہے۔

اور مقاتل نے کہا:

اس سے مراد ہے مجھے درد ہے۔

اور ضحاک نے کہا:

اس کا معنی ہے میں عنقریب بیمار ہونے والا ہوں پھر وہ لوگ پیٹھ پھیر کر چلے گئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بتوں کو توڑ ڈالا۔

(معالم التنزیل: ج:4، ص:34 دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حقیقت میں سچ بولنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوائے تین باتوں کے کوئی ایسی بات نہیں کی جس کو لوگوں نے جھوٹ سمجھا ہو۔ ان تینوں میں دو کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔

انہوں نے کہا:

اِنِّیْ سَقِیْمٌ ۝ (الصفت: 89)

میں بیمار ہونے والا ہوں۔

اور انہوں نے کہا:

بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ (الانبیاء: 63)

بلکہ یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے۔

(بظاہر آپ علیہ السلام نے چھوٹے بتوں کو توڑنے کی نسبت بڑے بت کی طرف کی اور در حقیقت آپ علیہ السلام نے خود

ان بتوں کو توڑا تھا کیونکہ ان چھوٹے بتوں کو توڑنے کا سبب وہ بڑا بت تھا آپ علیہ السلام اس کی خدائی کو باطل کرنا چاہتے تھے اور اس کے عجز کو ثابت کرنا چاہتے تھے اور سبب کی طرف بھی فعل کی نسبت کی جاتی ہے۔

جیسا کہا جاتا ہے۔

جارج بش نے افغانستان اور عراق پر حملہ کیا اور بڑی تعداد میں قتل و غارت کی جب کہ جارج بش نے صرف حکم دیا تھا حملہ اس کی فوجوں نے کیا تھا سو جس طرح یہاں فعل کا اسناد سبب کی طرف ہے اسی طرح اس آیت میں فعل کا اسناد سبب کی طرف ہے اور ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سفر کر رہے تھے۔ان کا گزر ایک ظالم بادشاہ کے ملک میں ہوا۔

اس بادشاہ کو بتایا گیا کہ

ایک شخص آرہا ہے اس کی بیوی سب سے زیادہ حسین ہے۔

اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلوا کر پوچھا

یہ عورت کون ہے۔

انہوں نے کہا:

یہ میری بہن ہے۔

اور کہا

اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن (جوڑا) نہیں ہے۔

اس بادشاہ نے مجھ سے تمہارے متعلق پوچھا تھا تو میں نے اس کو بتایا کہ تم میری بہن ہو۔یعنی دینی بہن ہو۔

سو تم مجھ کو جھٹلانا نہیں ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3358) (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2371)

قوم کا پیٹھ پھیر کر چلے جانا

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کی طرف دیکھ کر فرمایا: میں بیمار ہونے والا ہوں تو وہ پیٹھ پھیر کر آپ علیہ السلام کے پاس سے چلے گئے،ان کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیماری متعدی ہو کر ان کو لگ نہ جائے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ (الصفت: 90)

سو وہ پیٹھ کر ان کے پاس سے چلے گئے۔

تم کیوں نہیں کھاتے،تم بولتے کیوں نہیں

جب قوم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے چلی گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے بتوں کے پاس تشریف لے

گئے اوران سے کہا: تم کیوں نہیں کھاتے تمہیں کیا ہوا تم بولتے کیوں نہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ۝مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ۝ (الصفت: 91، 92)

پھر وہ خاموشی سے ان کے معبودوں کے پاس گئے اور ان سے کہا: تم کیوں نہیں کھاتے ہو، تمہیں کیا ہوا تم بولتے کیوں نہیں۔

☆

اس آیت میں راغ کا لفظ استعمال ہوا۔

المفردات میں ہے۔

راغ کا مصدر روغ ہے۔

روغ کا معنی ہے۔

چپکے سے کسی کی طرف جانا اور خفیہ داؤ گھات لگانا جیسے لومڑی مکر اور فریب سے کوئی چال چلتی ہے تو کہتے ہیں راغ الثعلب۔ کوئی شخص مکر وفریب سے کسی شخص سے کام نکالے تو اس کو بھی راغ کہتے ہیں۔

(المفردات: ج:1،ص:274 مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

ان آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام چپکے سے ان کے بت خانہ میں تشریف لے گئے اور ان بتوں سے استہزاء فرمایا تم کیوں نہیں کھاتے تمہیں کیا ہوا؟ تم بولتے کیوں نہیں۔ ان کی قوم کے کافر لوگ بتوں کے سامنے کھانے پینے کی چیزیں لے جا کر رکھتے تھے تا کہ ان کو بتوں کا تقرب حاصل ہو اور وہ طعام ان کے پاس رکھ جانے سے متبرک ہو جائے۔

ایک قول یہ ہے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے لوگ بتوں کے پاس طعام رکھ کر گئے تھے کہ وہ میلہ سے واپس آ کر اس طعام کو کھائیں گے اور وہ طعام بتوں کے پاس اس لئے چھوڑا تھا کہ وہ طعام متبرک ہو جائے۔

اور ایک قول یہ ہے:

خود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے پاس کھانے پینے کی چیزیں رکھیں اور ان بتوں سے استہزاء فرمایا۔ تم کھاتے کیوں نہیں تمہیں کیا ہوا؟ تم بولتے کیوں نہیں۔

تمہارے بتوں کے ساتھ خفیہ تدبیر کروں گا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم تمہارے پیٹھ پھیر جانے کے بعد میں تمہارے بتوں کے

ساتھ خفیہ تدبیر کروں گا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ○ (الانبیاء: 57)

اور اللہ کی قسم! تمہارے پیٹھ پھیر کر جانے کے بعد میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک خفیہ تدبیر کروں گا۔

تدبیر سے کیا مراد ہے

اس تدبیر کی تفصیل امام ابن جریر نے اس طرح بیان کی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کے (عرفی) باپ نے کہا:

اے ابراہیم! ہماری ایک عید ہے اگر تم ہمارے ساتھ اس دن جاؤ تو تم کو ہمارا دین اچھا لگے گا۔ جب عید کا دن آیا تو وہ سب روانہ ہوئے جب کچھ راستہ طے ہو گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام گر گئے۔

اور ارشاد فرمایا۔

میں بیمار ہوں اور میرے پیر میں تکلیف ہے۔ ان لوگوں نے حضرت ابراہیم کو چھوڑ دیا۔ جب وہ چلے گئے تو انہوں نے زور سے کہا

اور اللہ کی قسم! تمہارے پیٹھ پھیر جانے کے بعد میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک خفیہ تدبیر کروں گا۔ ان کی قوم کے کچھ لوگوں نے اس بات کو سن لیا تھا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے بت کدہ کی طرف گئے۔ اس بت کدہ میں ایک بہت بڑا کمرہ تھا جس کے سامنے ایک بہت بڑا بت نصب تھا اور اس کے ساتھ بہت چھوٹے چھوٹے بت رکھے ہوئے تھے اور ان بتوں کے سامنے کھانا رکھا ہوا تھا۔ ان کا پروگرام تھا کہ وہ اپنی عید یا میلے سے واپس آ کر اس طعام کو کھائیں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان بتوں کے سامنے کھانا رکھا ہوا دیکھا تو فرمایا

فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ○ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ○ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًاۢ بِالْيَمِيْنِ ○
(الصفت: 91 تا 93)

آپ نے ان بتوں کے پاس جا کر فرمایا تم کھاتے کیوں نہیں؟

تم کو کیا ہوا تم بات کیوں نہیں کرتے ہو پھر ان کی طرف مڑ کر دائیں ہاتھ سے مارنا شروع کر دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کلہاڑے سے تمام بتوں کو توڑنا شروع کر دیا اور تمام بت ٹوٹ کر ان کے قدموں میں گر گئے۔ پھر انہوں نے کلہاڑا اٹھا کر سب سے بڑے بت کی گردن پر رکھ دیا پھر جب ان کی قوم میلے سے واپس آئی تو کھانا کھانے کے لئے اپنے بت کدہ میں گئی وہاں جا کر انہوں نے دیکھا کہ بڑے بت کے سوا ان کے سارے خدا ٹوٹے پھوٹے پڑے تھے۔

اس وقت انہوں نے کہا: ہمارے معبودوں کے ساتھ جس نے بھی یہ کارروائی کی ہے وہ بے شک ضرور ظالموں میں سے ہے۔

انہوں نے کہا:

ہم نے ایک نوجوان کو ان (بتوں) کا ذکر کرتے ہوئے سنا تھا اس کو ابراہیم کہا جاتا ہے۔

(جامع البیان جز:17،ص:51 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

بتوں کو توڑنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کے بتوں کو دائیں ہاتھ سے ان پر ضرب لگائی اور ان کو توڑ دیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ٥ (الصفت: 93)

پھر انہوں نے خاموشی کے ساتھ دائیں ہاتھ سے ان پر ضرب لگائی۔

یمین کی تحقیق

اس آیت میں یمین کا لفظ ہے اس کی کئی تفسیریں ہیں۔

ایک تفسیر یہ ہے کہ

یمین سے مراد دایاں ہاتھ ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دائیں ہاتھ سے کلہاڑا اٹھا کر ان بتوں پر ضربات لگائیں۔دائیں ہاتھ کا اس لئے ذکر فرمایا: دایاں ہاتھ بائیں سے قوی ہوتا ہے۔

ایک قول یہ ہے:

اس آیت میں یمین سے مراد دایاں ہاتھ نہیں ہے بلکہ یمین سے مراد قسم ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے قسم کھا کر فرمایا تھا۔

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ٥ (الانبیاء: 57)

اللہ کی قسم! جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے تو میں ضرور تمہارے معبودوں کے ساتھ خفیہ تدبیر کروں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم یا عید یا جشن منانے گئی تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ موقع غنیمت جان کر ان تمام بتوں کو توڑ دیا۔صرف بڑے بت کو چھوڑ دیا۔

بعض نے کہا:

کلہاڑی اس کے ہاتھ میں چھوڑ دی تاکہ جب وہ عہد کے میلہ یا جشن سے فارغ ہو کر آئیں تو اس کارروائی کے متعلق اس بڑے بت سے ہی پوچھیں۔

اور ایک تفسیر یہ ہے کہ

اس آیت میں یمین سے مراد [illegible] عدل ہے۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۝ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝ (الحاقہ: 44)

اور اگر اس نبی نے ہم پر کوئی بات گھڑی ہوتی تو ہم نے ضرور ان کو عدل کے ساتھ پکڑ لیا ہوتا۔ عدل کے لئے یمین کا لفظ لایا جاتا ہے اور ظلم کے لئے شمال کا لفظ لایا جاتا ہے۔ اسی طرح معاصی کے لئے شمال کا لفظ لایا جاتا ہے اور اطاعت کے لئے یمین کا لفظ لایا جاتا ہے۔ پس مسلمانوں کے لئے یمین عدل کی جگہ ہے اور شمال ظلم کی جگہ ہے۔ اس لئے قیامت کے دن مسلمانوں کو صحیفہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا کیونکہ اس نے اللہ عزوجل سے جو بیعت کی تھی اس کو پورا کر دیا اور عدل کیا اور کافر کے بائیں ہاتھ میں اس کا نامہ اعمال دیا جائے گا کیونکہ اس نے بیعت کو توڑ دیا اور ظلم کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کلہاڑے سے تمام بتوں کو توڑنا شروع کر دیا اور تمام بت ٹوٹ کر ان کے قدموں میں گر گئے پھر انہوں نے کلہاڑا اٹھا کر سب سے بڑے بت کی گردن پر رکھ دیا پھر جب ان کی قوم میلے سے واپس آئی تو کھانا کھانے کے لئے اپنے بت کدہ میں گئی وہاں جا کر انہوں نے دیکھا کہ بڑے بت کے سوا ان کے سارے خدا ٹوٹے پھوٹے پڑے تھے۔ اس وقت انہوں نے کہا: ہمارے معبودوں کے ساتھ جس نے بھی یہ کارروائی کی ہے وہ بے شک ضرور ظالموں میں سے ہے۔

انہوں نے کہا:

ہم نے ایک نوجوان کو ان (بتوں) کا ذکر کرتے ہوئے سنا تھا۔

اس کو ابراہیم کہا جاتا ہے۔

(جامع البیان: ج: 17، ص: 51 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس قوم کا آنا

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تو قوم آپ علیہ السلام کے پاس دوڑتی ہوئی آئی تو آپ علیہ السلام نے ان سے کہا: تم اپنے ہی تراشے ہوئے بتوں کی عبادت کرتے ہو حالانکہ تم کو اور تمہارے کاموں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ يَزِفُّونَ ۝ قَالَ أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ ۝ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ۝ (الصفت: 94 تا 96)

پھر وہ لوگ دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آئے۔ ابراہیم نے کہا: تم اپنے ہی تراش کئے ہوئے بتوں کی عبادت کرتے ہو حالانکہ تم کو اور تمہارے کاموں کو اللہ نے پیدا کیا ہے۔

آیت کریمہ میں یزفون کا لفظ آیا ہے۔

المفردات میں ہے۔

زف الابل کا معنی ہے اونٹ تیز تیز چلے۔

اصل میں زفیف کا معنی ہے۔

تیز ہوا چلنا، شتر مرغ جو پرندوں سے ملنے کے لیے بھاگتا ہے۔ اس کو بھی زفیف کہتے ہیں۔ دلہن کو جو دلہا کے پاس بھیجا جاتا ہے اس کو بھی زفیف کہتے ہیں۔

(المفردات: ج:1،ص:281)

ایک قول یہ ہے:

اس کا معنی ہے تیز رفتاری اور آہستہ آہستہ چلنے کے مابین درمیانی رفتار سے چلنا۔

ضحاک نے کہا:

اس کا معنی ہے وہ بھاگ رہے تھے۔

یحیٰی بن سلام نے کہا:

وہ غیظ وغضب سے بھاگتے ہوئے آرہے تھے۔

مجاہد نے کہا:

اس کا معنی ہے وہ تکبر سے چلتے ہوئے آرہے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے جب ان خودساختہ خداؤں کے ٹکڑوں کو ٹوٹنے کے بعد بکھرے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا: ہمارے ان معبودوں کے ساتھ یہ کام کس نے کیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

تم اپنے ہی تراش کئے ہوئے بتوں کی عبادت کرتے ہو حالانکہ تم کو اور تمہارے کاموں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے یعنی جن بتوں کی پرستش کر رہے ہو ان کو جن لکڑیوں پتھروں اور مٹی سے تم نے بنایا ہے ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے اور تمہارے کاموں کو بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو یہ بت بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہوئے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ ہر صانع اور اس کی صفت کا خالق ہے۔

(المستدرک: ج:1،ص:131،لد۔)

بڑے بت کے سوا سب کا ٹکڑے ٹکڑے ہونا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑے بت کے سوا سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔

قرآن مجید میں ہے:

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ○ (الانبیاء: 58)

سو ابراہیم نے ان کے بڑے بت کے سوا سب بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تا کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔

جامع البیان میں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کلہاڑے سے تمام بتوں کو توڑنا شروع کر دیا اور تمام بت ٹوٹ کر ان کے قدموں میں گر گئے پھر انہوں نے کلہاڑا اٹھا کر سب سے بڑے بت کی گردن پر رکھ دیا پھر جب ان کی قوم میلے سے واپس آئی تو کھانا کھانے کے لئے اپنے بت کدہ میں گئی وہاں جا کر انہوں نے دیکھا کہ بڑے بت کے سوا ان کے سارے خدا ٹوٹے پھوٹے پڑے تھے۔ اس وقت انہوں نے کہا: ہمارے معبودوں کے ساتھ جس نے بھی یہ کارروائی کی ہے وہ بے شک ظالموں میں سے ہے۔

انہوں نے کہا:

ہم نے ایک نوجوان کو ان (بتوں) کا ذکر کرتے ہوئے سنا تھا۔

اس کو ابراہیم کہا جاتا ہے۔

(جامع البیان: جز: 17، ص: 51 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کارروائی کرنے والا ظالموں میں سے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب بڑے بت کے سوا سب بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تو قوم نے کہا: ہمارے معبودوں کے ساتھ جس نے یہ کارروائی کی ہے وہ ضرور ظالموں میں سے ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ○ (الانبیاء: 59)

انہوں نے کہا: ہمارے معبودوں کے ساتھ جس نے بھی یہ کارروائی کی ہے وہ بے شک ضرور ظالموں میں سے ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتوں کا ذکر کرتے پانا

قوم کے لوگوں نے کہا: ہم نے ایک نوجوان کو ان بتوں کا ذکر کرتے ہوئے سنا تھا جس کو ابراہیم کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِيْمُ○ (الانبیاء: 60)

انہوں نے کہا: ہم نے ایک نوجوان کو ان (بتوں) کا ذکر کرتے ہوئے سنا جس کو ابراہیم کہا جاتا ہے۔

بتوں کو توڑنے پر قوم کا اعتراض

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑ دیا تو قوم کے لوگوں نے کہا: ابراہیم (علیہ السلام) کو سامنے لایا جائے سب دیکھ لیں۔ انہوں نے پھر کہا: اے ابراہیم (علیہ السلام) تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کارروائی کی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ؕ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ؕ

(الانبیاء: 61، 62)

انہوں نے کہا: اس کو لوگوں کے سامنے لاؤ تا کہ سب دیکھ لیں انہوں نے کہا: اے ابراہیم کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کارروائی کی ہے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے دیکھے اور ان کو یہ معلوم ہوا کہ بتوں کو توڑنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں تو انہوں نے آپس میں کہا۔ ان کو لوگوں کے سامنے لاؤ۔

آیت کے دو محمل

اس کے بعد کہا

لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ؕ

اس کے دو محمل ہیں۔

(1) ایک یہ کہ شاید وہ اس کے خلاف شہادت دیں۔

(2) دوسرا یہ کہ تا کہ وہ دیکھ لیں کہ ان کے بتوں کو توڑنے والے کی کیا سزا دی جاتی ہے تا کہ ان کو عبرت حاصل ہو اور آئندہ کوئی شخص اس کی جرأت نہ کر سکے اور ہو سکتا ہے یہ دونوں معنی مراد ہوں۔

اس بڑے بت سے پوچھ لو

جب قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ سوال کیا کہ کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کاروائی کی ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا بلکہ اسی نے یہ کام کیا ہے۔ ان میں یہ بت بہت بڑا ہے۔ اگر یہ بول سکتا ہے تو پوچھ لو۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ؕ (الانبیاء: 63)

فرمایا بلکہ ان کے اس بڑے نے کیا ہوگا تو ان سے پوچھو اگر بولتے ہوں۔

☆

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے آپ علیہ السلام سے سوال کیا کہ آپ (علیہ السلام) نے ان بتوں کو توڑا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ان کا بڑا یہ ہے تو تم اس سے پوچھ لو اگر یہ بول سکتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بڑے بت کی طرف بولنے کی نسبت کرنا کیوں؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ... بڑے بت کی طرف ... کہ اگر یہ بول سکتا ہے تو اس سے پوچھ لو۔ اس

چند وجوہات ہیں۔

(1) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ اس کے فعل کی نسبت حقیقتاً ان کی طرف کی جائے اور انہوں نے اس بڑے بت کے عجز کو ثابت کرنے اور اس کی توہین کرنے کے لئے اس کی طرف نسبت کر دی۔

(2) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس بڑے بت کی طرف توڑنے کی نسبت بہ طور سبب کی ہے کیونکہ آپ علیہ السلام کے غیظ و غضب اور بت توڑنے کا سبب وہ بڑا بت تھا کیونکہ اس کی بہت زیادہ تعظیم اور پرستش کی جاتی تھی تو اس کی پرستش کو باطل کرنے کے لئے آپ علیہ السلام نے ان چھوٹے بتوں کو توڑنے کی نسبت بڑے بت کی طرف کر دی۔

(3) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے مذہب کے اعتبار سے فرمایا یہ کام اسی نے کیا ہے تم اس بڑے بت سے اس فعل کے صادر ہونے کو کیوں عجیب سمجھ رہے ہو اور اس کا کیوں انکار کر رہے ہو جو الوہیت کا مدعی ہو اور جس کی پرستش کی جاتی ہو کیا وہ اتنے سے کام پر قادر نہیں ہے کیا وہ ان چھوٹے بتوں کو نہیں توڑ سکتا۔

(4) جب انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا: اے ابراہیم علیہ السلام! کیا تم نے یہ کام کیا ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: بل فعلہ، اس پر وقف کیا کیونکہ اس پر وقف کی علامت ''ق'' ہے۔ بلکہ اسی نے کیا ہے (یعنی جس کے متعلق تمہارا گمان ہے اسی نے توڑا ہے) ان کا بڑا یہ ہے اسی سے تصدیق کر لو۔

(5) جب انہوں نے سوال کیا اے ابراہیم علیہ السلام! کیا تم نے یہ کارروائی کی ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ''بل فعلہ کبیرہم'' بلکہ یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے۔

لوگ یہ سمجھے کہ آپ بتوں میں سے بڑے بت کہہ رہے ہیں حالانکہ آپ علیہ السلام فرما رہے تھے جو ان میں سے بڑا ہے اس نے کیا ہے اور ان کی قوم میں بڑے خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کیونکہ نبی اپنی امت میں سب سے بڑا ہوتا ہے اور اس معنی پر قرینہ یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے کبیرہم فرمایا کبیرہا نہیں فرمایا اگر بتوں کا بڑا مراد ہوتا تو کبیرہا فرماتے کیونکہ بت غیر ذوی العقول ہیں اور چونکہ آپ علیہ السلام کی مراد قوم کا بڑا تھا اس لئے کبیرہم فرمایا اور ہم ضمیر ذوی العقول کے لئے لائی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ ضمیر آپ علیہ السلام ہی کی طرف لوٹ رہی ہے۔

بے شک تم ہی ظالم ہو

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: یہ کام اس بڑے نے کیا ہوگا اگر یہ بول سکتا ہے تو اس سے پوچھ لو تو انہوں نے پھر اپنے نفسوں کی طرف رجوع کیا اور آپس میں بے شک تم ہی ظالم ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

فَرَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْۤا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (الانبیاء: 64)

پس انہوں نے اپنے نفسوں کی طرف رجوع کیا اور (آپس میں) کہنے لگے بے شک ظالم تم ہی ہو۔

☆

انہوں نے اپنے آپ کو ظالم کہا۔ اس کی چند وجوہات ہیں۔

(1) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ واضح کر دیا کہ بتوں کی عبادت کرنا باطل ہے کیونکہ جو اپنے آپ کو کسی کی مار سے نہیں بچا سکتے وہ سارے جہاں کے خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟

تب ان کو یہ اندازہ ہوا کہ بتوں کی عبادت کر کے وہ اب تک اپنے اوپر ظلم کرتے رہے تھے۔

(2) مقاتل نے کہا:

انہوں نے آپس میں یہ کہا کہ کلہاڑا تو بڑے بت کے اوپر رکھا ہوا ہے تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بتوں کے توڑنے کا الزام لگا کر ان پر ظلم کر رہے ہو۔

(3) تم اپنے بتوں کو اکیلا چھوڑ کر عید کے میلے میں کیوں گئے تھے حتیٰ کہ ابراہیم (علیہ السلام) تمہارے بتوں کو توڑنے پر قادر ہوئے۔

تمہیں معلوم ہے کہ بت بول نہیں سکتے

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کا رد کیا تو قوم نے شرمندگی سے اپنے سر جھکا لئے اور شرمندگی میں کہا کہ تمہیں یہ معلوم نہیں کہ یہ بول نہیں سکتے۔

قرآن مجید میں ہے:

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰۤؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ○ (الانبیاء: 65)

پھر انہوں نے اپنے سر جھکا لئے۔ (اور شرمندگی سے) کہا تمہیں معلوم ہے کہ یہ بول نہیں سکتے۔

☆ بتوں کو توڑے جانے سے جو ان کو حیرت اور دہشت ہوئی تھی اس وجہ سے انہوں نے یہ اعتراف کر لیا۔

تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو

جب قوم سے کوئی جواب نہ بن پایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو تم کو نفع بھی نہیں دے سکتے اور نہ ہی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو۔ تو کیا تم عقل سے کام نہیں لے سکتے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَا يَضُرُّكُمْ ○ اُفٍّ لَّكُمْ وَ لِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (الانبیاء: 66، 67)

فرمایا کیا تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تم کو نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ تف ہے تم پر اور

ان پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو سو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے جواب پر مذمت کی کہ تم ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تم کو نفع دے سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ افسوس ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، کچھ عقل کر لو اور عقل سے کام لو۔

اس کو جلا دو یا قتل کر دو

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو ہر طرف سے لاجواب کر دیا تو قوم نے کہا: اس کو قتل کر دو یا جلا دو۔

قرآن مجید میں ہے:

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ (العنکبوت: 24)

سو ابراہیم کی قوم کا صرف یہ جواب تھا کہ اس کو قتل کر دو یا اس کو جلا دو۔

☆ جو شخص کسی شخص کے دلائل کا معقولیت کے ساتھ جواب دینے سے عاجز ہو جاتا ہے تو ہمیشہ سے اس کا یہی طریقہ رہا ہے کہ پھر وہ دھمکیوں پر اتر آتا ہے اسی طرح جب فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دلائل سے عاجز آ گیا۔

تو اس نے کہا تھا۔

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ ○ (الشعراء: 29)

فرعون نے کہا: اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود قرار دیا تو میں تم کو قیدیوں میں ڈال دوں گا۔

اسی طرح جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے کفار حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دلائل سے عاجز ہو گئے تو انہوں نے کہا: اس کو قتل کر دو یا اس کو جلا دو۔

ملاحظہ ہو۔

آج بھی ایسا ہوتا ہے کہ جو فریق دوسرے فریق کا جواب نہیں دے پاتا تو وہ اس کو گالیوں اور عجیب باتیں کرنے پر اتر آتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کا حکم

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو ہر طرح سے لاجواب کر دیا تو ان کے پاس سوائے جلانے کے اور کوئی دلیل نہ تھی۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْۤا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ○ (الانبیاء: 68)

انہوں نے کہا: اس کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم کرنے والے ہو۔

عمارت بناؤ اور بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دو

جب قوم سے کوئی جواب نہ بن سکا تو کہا کہ ان کے لئے عمارت بناؤ اور ان کو بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دو۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ○ (الصّٰفّٰت: 97)

انہوں نے کہا: ان کے لئے عمارت بناؤ اور ان کو بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دو۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے سامنے بتوں کی الوہیت کے باطل ہونے پر قوی دلیل پیش کی اور وہ اس دلیل کا جواب دینے پر قادر نہ ہوئے تو انہوں نے آپ علیہ السلام کو ضرر پہنچانے کا طریقہ اختیار کیا اور کہا ان کے لئے ایک عمارت بناؤ اور بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دو۔

عمارت کا طول وعرض

امام ابو اسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی التوفی 427ھ اور امام الحسین بن مسعود البغوی التوفی 518ھ نے روایت کیا ہے کہ

مقاتل نے بیان کیا ہے کہ

انہوں نے کہا: ان کے لئے ایک عمارت بناؤ جس کا طول ہاتھ ہو اور اس کا عرض بیس ہاتھ ہو اور اس کو لکڑیوں سے بھر دو پھر اس میں آگ لگا دو پھر ابراہیم (علیہ السلام) کو اس آگ میں پھینک دو۔

(الکشف والبیان: ج:8،ص:149، معالم التنزیل ج:4،ص:35)

آگ میں ڈالنے کا حکم کس نے دیا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا حکم کس نے دیا۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر نہیں ہاں مشہور یہ ہے کہ نمرود بن کنعان نے دیا تھا۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں۔

قرآن مجید میں یہ ذکر نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا حکم کس نے دیا ہے۔

مشہور یہ ہے کہ

یہ حکم دینے والا نمرود بن کنعان بن سنجاریب بن نمرود بن کوش بن حام بن نوح تھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ فرمایا:

یہ شخص اعراب فارس کے قبیلہ کردسے تھا۔

وہب بن منبہ سے شعیب الجبائی نے نقل کیا

اس کا نام ہیرین تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا تھا سو وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔

(تفسیر کبیر: ج:8، ص:157 جامع البیان رقم الحدیث:18618)

آگ کے لئے پہاڑ کے دامن میں کفار کا قلعہ بنانا

کفار نے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک گھر میں قید کر دیا پھر ایک بلند پہاڑ کے دامن میں آگ جلانے کے لئے ایک قلعہ بنایا پھر اس میں لکڑیاں ڈال کر آگ جلا دی۔

امام عبدالرحمان بن علی بن جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

اہل تفسیر نے ذکر کیا ہے کہ

نمرود اور اس کے کارندوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک گھر میں قید کر دیا پھر ایک بلند پہاڑ کے دامن میں ان کے لئے ایک قلعہ بنایا جس کی دیوار میں 60 ذراع (نوے فٹ) اونچی تھیں اور بادشاہ نے لوگوں میں اعلان کر دیا کہ ابراہیم (علیہ السلام) کو جلانے کے لئے لکڑیاں جمع کرو اور اس کام کو کرنے میں کوئی بچہ یا بوڑھا کوتاہی نہ کرے جو اس کام میں شریک نہ ہوگا اس کو بھی آگ میں جلا دیا جائے گا۔ تمام لکڑیاں اس کی دیوار کے برابر کر دی گئیں۔ وہ چالیس دن تک اس مہم میں لگے رہے حتیٰ کہ ان میں سے ایک عورت نذر مانتی تھی کہ اگر میری فلاں مراد پوری ہو گئی تو میں ابراہیم (علیہ اسلام) کی آگ کے لئے لکڑیاں چن کر لاؤں گی پھر جب اس مکان میں تمام لکڑیاں جمع ہو گئیں تو انہوں نے اس مکان سے نکلنے کے لئے تمام راستے بند کر دیئے اور اس میں آگ لگا دی۔ اس میں شعلے بھڑکنے لگے۔ اس کی تپش اس قدر زیادہ تھی کہ اس کے اوپر سے فضا میں بھی کوئی پرندہ گزرتا تو جل جاتا تھا۔

(زاد المسیر: ج:5، ص:366 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق کے ذریعے آگ میں ڈالنا

کفار نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق میں رکھ کر آگ میں ڈالا تھا۔

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں پھر انہوں نے اس قلعہ کے لئے ایک بہت بلند جگہ منتخب کی اور اس پر منجنیق نصب کی اور اس کی منجنیق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رکھ دیا اور آپ علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا۔

(زاد المسیر: ج:5، ص:366 مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقدس کلمات

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔

اور عرض کیا۔

اے اللہ عزوجل! تو آسمان پر واحد ہے اور میں زمین پر واحد ہوں اور اس زمین پر میرے سوا کوئی تیری عبادت کرنے والا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔

(زاد المسیر: ج:5،ص:367 مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فرشتوں، آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں کی عرض

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

آسمانوں، زمینوں، پہاڑوں اور فرشتوں نے کہا:

اے ہمارے رب عزوجل! ابراہیم علیہ السلام کو تیرے نام کی سربلندی کی وجہ سے جلایا جارہا ہے تو ہمیں اس کی مدد کرنے کی اجازت دے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

مجھے اس کا خوب علم ہے اگر وہ تم کو مدد کے لئے پکارے تو تم اس کی مدد کرو۔ پھر ان کافروں نے آپ علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا۔

(زاد المسیر: ج:5،ص:367 مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ میں ڈالتے وقت عمر مبارک

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر مبارک سولہ (16) سال تھی۔

اور ایک قول یہ ہے:

آپ علیہ السلام کی عمر اس وقت چھبیس سال تھی۔

(زاد المسیر: ج:5،ص:367 مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں داخل ہوتے وقت کیا کہا؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں داخل ہوتے وقت حَسْبِیَ اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ فرمایا تھا۔

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

حَسْبِیَ اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ

(زاد المسیر: ج:5،ص:367 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا جا رہا تھا تو ان کا آخری قول یہ تھا۔

حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 4564)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا حاضر ہونا

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا جا رہا تھا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے اور کہا آپ علیہ السلام کی کوئی حاجت ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: مجھے تم سے کوئی کام نہیں ہے۔

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی 597 لکھتے ہیں:

حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے اور کہا اے ابراہیم (علیہ السلام)!

آپ علیہ السلام کی کوئی حاجت ہے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

مجھے تم سے کوئی کام نہیں ہے۔

(زاد المسیر: ج:5،ص:367 مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)

آپ اپنے رب عزوجل سے سوال کیجئے

حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ اپنے رب عزوجل سے سوال کیجئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اس کو جو میرے حال کا علم وہی کافی ہے۔

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

آپ علیہ السلام اپنے رب عزوجل سے سوال کیجئے۔

آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا

اس کو جو میرے حال کا علم ہے وہی کافی ہے (یعنی الگ سے دعا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔)

(زاد المسیر ج:5،ص:367 مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)

پرندوں کا آگ کی تپش سے جل جانا

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ امام ابن جریر کے حوالے سے لکھتے ہیں اور اس حدیث کو حافظ ابو القاسم علی بن الحسن ابن العساکر التوفی 571ھ نے بھی روایت کیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے ان کو ایک کمرے میں بند کر دیا اور ان کے لئے لکڑیوں کو جمع کیا۔ حتیٰ کہ اگر کوئی عورت بیمار ہوتی تو وہ نذر مانتی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت دی تو میں ابراہیم (علیہ السلام) کو جلانے کے لئے لکڑیاں جمع کروں گی پھر انہوں نے اتنی زیادہ لکڑیاں جمع کر کے آگ جلائی کہ اگر اس کی سمت سے پرندے گزرتے تو آگ کی تپش سے جل جاتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا تو آسمانوں، زمینوں، پہاڑوں اور فرشتوں نے فریاد کی: اے خدا عزوجل! تیرے نام کی سربلندی کی پاداش میں ابراہیم علیہ السلام کو جلایا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مجھے اس کا علم ہے اگر وہ تم کو پکارے تو تم اس کی فریاد رسی کرنا

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا

اے خدا عزوجل! تو آسمان میں واحد ہے اور میں زمین میں واحد ہوں اور میرے سوا زمین پر کوئی اور بندہ نہیں ہے جو تیری عبادت کرے۔ مجھے اللہ عزوجل کافی ہے اور وہ سب سے اچھا کارساز ہے۔

تب اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا۔

یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ ۝ (الانبیاء: 69)

اے آگ تو ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم پر سلامتی والی ہو جا۔

(الدر المنثور: ج: 7، ص: 90 دار احیاء التراث العربی بیروت) (تاریخ دمشق الکبیر: ج: 6، ص: 195، رقم الحدیث: 1650)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کیوں نہ کی

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دعا کے لئے کہا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو جو میرے حال کا علم ہے وہی کافی ہے۔

علامہ شہاب الدین خفاجی احمد بن محمد خفاجی متوفی 1069ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کا معنی یہ ہے کہ اس کو جو میرے حال کا علم ہے وہ کافی ہے اور وہ علم مجھے سوال کرنے سے غنی کر دیتا ہے اور یہ مقام انبیاء کرام علیہم السلام کے دعا کرنے کے منافی نہیں ہے۔ ان کا دعا کرنا اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی احتیاج کو ظاہر کرنے کے لئے ہے اور گڑگڑا کر اپنی پیشانی کو ذلت کی مٹی پر رکھنے کے لئے ہے۔

کیونکہ حدیث مبارکہ میں ہے:

اللہ تعالیٰ گڑگڑا کر دعا کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور ہر مقام کی ایک توجیہ کافی ہوتی ہے۔

(عنایۃ القاضی ج:6،ص:456 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

میں کہتا ہوں کہ اس جملہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصیبتوں اور شدائد میں اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرنی چاہیے۔ ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جب انہوں نے ایسی شدائد مصیبت میں اللہ تعالیٰ سے نہ صرف یہ کہ دعا نہیں کی بلکہ دعا کرنے سے بھی منع کر دیا تو کیا ہم بھی مصیبتوں میں دعا نہ کیا کریں؟ حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں اور مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کا انکار کرنا ان کی شان کے لائق نہیں ہے۔ اسی لئے صحیح یہ ہے کہ اس قصہ میں یہ جملہ الحاقی ہے۔ اسی وجہ سے امام ابن جریر اور حافظ جلال الدین سیوطی نے اس قصہ میں اس جملہ کا ذکر نہیں کیا اور قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت زیادہ دعا کرنے والا فرمایا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ (ھود: 75)

بے شک ابراہیم متحمل مزاج، بہت گڑگڑا کر دعا کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ متصور ہی نہیں ہے کہ جب ان سے یہ کہا جائے گا کہ آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دعا کریں تو وہ کہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کو میرے حال کا علم ہے تو وہ کافی ہے، دعا کی کیا ضرورت ہے۔ اس کی توجیہ میں کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان کا موقع تھا اس لئے اس موقع پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا نہیں کی کیونکہ اس موقع پر دعا کرنا اس امتحان سے بچنے کے مترادف ہوتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالتے وقت جو کچھ انہوں نے کہا: اس کا ذکر صحیح حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا جا رہا تھا تو ان کا آخری قول یہ تھا۔

حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث:1811)

چھپکلی آگ کو پھونک مارتی تھی

سائبہ بیان کرتی ہیں کہ

وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں تو دیکھا کہ گھر میں ایک جگہ نیزہ رکھا ہوا ہے۔

انہوں نے کہا:

اے ام المومنین آپ رضی اللہ عنہا اس نیزہ کا کیا کرتی ہیں؟

انہوں نے فرمایا:

ہم اس نیزہ سے چھپکلیوں کو مارتے ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ خبر دی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو روئے زمین کا ہر جانور اس آگ کو بجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ماسوا چھپکلی کے وہ آگ میں پھونک مار رہی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مارنے کا حکم دیا۔

(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 3231)

چھپکلی کا آگ بھڑکانا

فاکہہ بن مغیرہ کی باندی بیان کرتی ہیں کہ

میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی تو میں نے ان کے گھر میں ایک نیزہ رکھا ہوا دیکھا۔

میں نے پوچھا:

اے ام المومنین رضی اللہ عنہا! آپ رضی اللہ عنہا اس نیزہ کا کیا کرتی ہیں۔

انہوں نے فرمایا:

ہم اس سے چھپکلیوں کو مارتی ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ حدیث بیان کی کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو چھپکلی کے سوا زمین کا ہر جانور ان کی آگ کو بجھانے کی کوشش کر رہا تھا اور چھپکلی پھونک مار کر اس آگ کو بھڑکا رہی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس کے قتل کا حکم دیا۔

(سنن نسائی: رقم الحدیث: 2885)

چھپکلی کو مارنے پر اجر عظیم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے چھپکلی کو مار دیا اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اس کے دس گناہ مٹا دیئے جائیں گے اور اس کے دس درجات بلند کئے جائیں گے۔

عرض کیا گیا

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کی کیا وجہ ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیونکہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ جلائی گئی تو اس نے آگ جلانے میں مدد کی تھی۔

(تاریخ دمشق الکبیر: ج: 6، ص: 192 دار احیاء التراث العربی بیروت)

چھپکلی کو پہلی ضرب سے مارنے پر اجر

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

جس شخص نے پہلی ضرب میں چھپکلی کو مار دیا۔ اس کو اتنی اور اتنی نیکیوں کا اجر ملے گا اور جس نے دوسری ضرب میں مارا اس کو اتنی اور اتنی نیکیوں کا اجر ملے گا اور یہ اجر پہلی ضرب سے کم ہوگا اور جس نے اس کو تیسری ضرب میں مارا اس کو اتنا اور اتنا اجر ملے گا اور یہ دوسری بار کے اجر سے کم ہوگا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2240)

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ

چھپکلی نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آگ کو بھڑکانے کی کوشش کی تاکہ آگ زیادہ بڑھے۔ اس لئے چھپکلی کو مارنے کا حکم فرمایا گیا اور مارنے پر اجر عظیم بھی فرمایا گیا۔

آگ کا سلامتی والی ہو جانا

جب کفار نابکار نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا: اے آگ ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈک اور سلامتی والی ہو جا۔

قرآن مجید میں ہے:

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ (الانبیاء: 69)

ہم نے فرمایا۔ اے آگ تو ابراہیم پر ٹھنڈک اور سلامتی والی ہو جا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ کے ضرر سے محفوظ

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ینار کونی بردا وسلاما علی ابراہیم کی تفسیر میں فرمایا۔

وہ آگ اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی ہوئی کہ ان کو اس سے کوئی ضرر نہیں پہنچا۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 18622)

سلاما کا مطلب

ابو العالیہ بیان کرتے ہیں کہ

سلاما کا مطلب یہ ہے کہ

اس کی ٹھنڈک نقصان نہیں دے گی اور اگر اللہ تعالیٰ "وسلاما" نہ فرماتا تو اس کی ٹھنڈک آگ کی گرمی سے زیادہ نقصان دہ

ہوتی۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 18629)

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ نعمتیں کس دن تھیں؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ نعمتیں اس دن تھیں جس دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا۔

منہال بن عمرو بیان کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا:

مجھ پر اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ نعمتیں ان دنوں تھیں جب مجھے آگ میں ڈالا گیا تھا۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 18623)

اگر آگ سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی نہ ہوتی تو کیا ہوتا؟

اگر آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی نہ ہوتی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کی ٹھنڈک سے فوت ہو جاتے اور دنیا میں جس جگہ بھی آگ تھی وہ بجھ جاتی۔

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

مجاہد نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

اگر وہ آگ سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی نہ ہوتی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کی ٹھنڈک سے فوت ہو جاتے اور دنیا میں جس جگہ بھی آگ تھی وہ بجھ جاتی۔

(تفسیر کبیر: 158 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

فرشتوں کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بغلوں سے پکڑ کر اٹھانا

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بغلوں سے پکڑ کر اٹھایا۔

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

سدی نے کہا:

فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بغلوں سے پکڑ کر اٹھایا۔

(تفسیر کبیر: 158 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

آگ میں میٹھے پانی کا چشمہ اور انواع واقسام کے پھول

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو آگ سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو گئی اور وہاں میٹھے پانی کا چشمہ تھا اور

انواع واقسام کے پھول تھے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ 606ھ لکھتے ہیں:

وہاں (آگ میں) میٹھے پانی کا چشمہ تھا اور انواع واقسام کے پھول تھے۔

(تفسیر کبیر: ص:58 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

آگ کا صرف زنجیروں اور بیڑیوں کو جلانا

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو آگ نے صرف بیڑیوں اور زنجیروں کو جلایا تھا۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

اس آگ نے صرف بیڑیوں اور زنجیروں کو جلایا تھا۔

(تفسیر کبیر: ص:158، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں چالیس یا پچاس دن رہے

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو آگ میں آپ علیہ السلام چالیس یا پچاس دن رہے تھے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

منہال بن عمرو نے بیان کیا ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام اس آگ میں چالیس یا پچاس دن رہے تھے؟

(تفسیر کبیر: ص:158 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

سب سے اچھے ایام

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میری زندگی کے سب سے اچھے ایام وہ تھے جو اس آگ میں گزرے تھے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

میری زندگی کے سب سے اچھے ایام وہ تھے جو اس آگ میں گزرے تھے۔

(تفسیر کبیر: ص:158، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

فرشتے کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آ کر دل بہلانا

جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے سائے کے فرشتے کو آپ علیہ السلام کے پاس بھیجا تا کہ وہ آپ علیہ السلام کا دل بہلاتا رہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے سائے کے فرشتے کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیجا۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور آپ علیہ السلام کا دل بہلاتا رہا۔

(تفسیر کبیر: ص: 158 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا جنت سے ریشم کی قمیص لے کر آنا

حضرت جبرائیل علیہ السلام جنت سے ریشم کی قمیص لے کر آپ علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا اے ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آگ میرے محبوب بندوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ علیہ السلام کے پاس جنت سے ریشم کی قمیص لے کر آئے۔

اور کہا

اے ابراہیم علیہ السلام! آپ علیہ السلام کا رب عزوجل فرماتا ہے

کیا آپ کو یہ معلوم نہیں کہ آگ میرے محبوب بندوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

(تفسیر کبیر: ص: 158 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

نمرود کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو باغ میں بیٹھے ہوئے دیکھنا اور گایوں کو ذبح کرنا

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ہوتے ہوئے باغ میں بیٹھے تھے تو نمرود نے اپنے قلعہ پر چڑھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ علیہ السلام باغ میں بیٹھے ہوئے ہیں اور ارد گرد لکڑیاں جل رہی ہیں تو اس نے چلا کر کہا اے ابراہیم (علیہ السلام)! تم اس آگ سے نکل سکتے ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہاں میں نکل سکتا ہوں تو اس بدبخت نے کہا: پھر آپ علیہ السلام نکل آئیں۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

نمرود نے اپنے قلعہ سے جھانک کر دیکھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام باغ میں بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے ارد گرد لکڑیاں جل رہی تھیں۔

پھر نمرود نے چلا کر کہا

اے ابراہیم علیہ السلام! کیا تم اس آگ سے نکل سکتے ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

ہاں

اس نے کہا:

پھر نکل آئیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام چل پڑے حتیٰ کہ اس آگ سے نکل آئے۔

نمرود نے پوچھا:

میں نے آپ علیہ السلام کی صورت میں جو ایک شخص کو آپ علیہ السلام کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا تھا وہ کون تھا؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

وہ سائے کا فرشتہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے میرا دل بہلانے کے لئے بھیجا تھا۔

نمرود نے کہا:

میں نے آپ علیہ السلام کے رب عزوجل کے نزدیک آپ علیہ السلام کی عزت اور وجاہت دیکھی ہے تو میں اس کا تقرب حاصل کرنے کے لئے چار ہزار گایوں کو ذبح کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

جب تک تم اپنے دین پر قائم ہو اللہ تعالیٰ تمہاری قربانی قبول نہیں فرمائے گا۔

نمرود نے کہا:

میں اپنے دین کو چھوڑ نا نہیں چاہتا لیکن میں عنقریب گایوں کو ذبح کروں گا پھر اس نے گایوں کو ذبح کیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تعرض کرنا چھوڑ دیا۔

(تفسیر کبیر: ص:159، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

گڑھا کھودنا اور سات دن آگ جلانا

بعض روایات میں ہے کہ نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے گڑھا کھودا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈال کر سات دن آگ جلائی۔

امام فخر الدین رازی رحمت اللہ علیہ متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

بعض روایات میں ہے کہ

انہوں نے (نمرود) نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے بہت بڑا گڑھا کھودا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس میں ڈال دیا پھر ان پر سات دن تک آگ جلتی رہی پھر اس گڑھے کو پاٹ دیا پھر اگلے دن اس گڑھے کو کھولا تو اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے اور آپ علیہ السلام پر آگ کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ پھر ان سے حضرت لوط علیہ السلام کے باپ ہاران نے کہا: ان پر آگ کا کوئی اثر نہیں ہوگا کیونکہ انہوں نے آگ پر جادو کر دیا ہے لیکن ان کو کسی چیز پر بٹھا کر اس کے نیچے آگ جلاؤ

تو یہ اس کے دھوئیں سے مر جائیں گے تو انہوں نے ایک کنویں کے اندر آگ لگا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کے اوپر بٹھا دیا اس آگ کی ایک چنگاری حضرت لوط علیہ السلام کے باپ ہاران کی داڑھی میں جا گری اور وہ خود جل کر مر گیا۔

(تفسیر کبیر،ص:159 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

آگ کے ٹھنڈی ہونے کی کیفیت

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کس کیفیت سے ٹھنڈی ہوئی اس میں حسب ذیل اقوال ہیں۔

(1) اللہ تعالیٰ مجھے اس آگ سے جلانے اور تپش کے فعل کو زائل کر دیا تھا اور اس کی روشنی اور چمک کو باقی رکھا تھا۔

(2) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آگ کے درمیان ایک چیز حائل کر دی جس کی وجہ سے آگ کا اثر آپ علیہ السلام تک نہیں پہنچا۔

اللہ تعالیٰ نے آگ سے فرمایا

تو ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی ہو جا

اس کا معنی یہ ہے کہ

خود وہ آگ ٹھنڈی ہو گئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تک اس کا اثر نہیں پہنچا اور وہ آگ اپنی حالت پر باقی نہیں رہی۔

پھر فرمایا

سلاماً

اس کا معنی یہ ہے کہ

جب کوئی چیز بہت زیادہ ٹھنڈی ہو تو وہ آگ کی طرح ہلاک کر دیتی ہے اس لئے فرمایا: وہ اعتدال کے ساتھ ٹھنڈی ہو۔

(3) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جسم میں ایسی کیفیت پیدا کر دی تھی جس کی وجہ سے آگ کی اذیت آپ علیہ السلام کو نہیں پہنچ سکتی تھی۔ جس طرح جہنم کے فرشتوں کو آگ ضرر نہیں پہنچاتی اور جس طرح سمندل ایک کیڑا ہے جو صرف آگ میں زندہ رہتا ہے۔

(تفسیر کبیر،ص:160، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

نمرود و قوم کی ناکامی

نمرود اور قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانا چاہا مگر وہ اس میں ناکام ہو گئے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۝ (الانبیاء: 70)

انہوں نے ابراہیم کے [illegible] کر دیا

فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

انہوں نے ابراہیم کے ساتھ ایک چال چلی سو ہم نے ان کو نا کام کر دیا۔

اس کا معنی یہ ہے کہ

انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام مباحثہ اور مناظرہ کیا اور اس میں وہ مبہوت اور لا جواب ہو گئے پھر انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلانا چاہا لیکن وہ اس میں نا کام ہو گئے۔

(تفسیر کبیر: ص:160، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

آگ کے گلزار ہونے کے معجزہ پر ایمان لانے والے اصحاب مقدس

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ گلزار ہو گئی تو حضرت لوط علیہ السلام اور سارہ رضی اللہ عنہا اس معجزہ کو دیکھ کر آپ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔

تفسیر امام ابن ابی حاتم میں ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کا نام ہے لوط بن ہاران بن آزر، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ گلزار ہو گئی تو ان کا یہ معجزہ دیکھ کر حضرت لوط علیہ السلام ان کی نبوت پر ایمان لے آئے اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا ان کی عم زاد تھیں۔ وہ بھی اس معجزہ کو دیکھ کر آپ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نکاح بھی کر لیا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:9، ص:3050)

آگ میں ڈالنے کی آزمائش میں مبتلا کرنے کی حکمتیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا اور پھر اللہ تعالیٰ سے اس آگ کو ٹھنڈی اور سلامتی والی بنا دیا گیا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ ابتداً آپ علیہ السلام کے مخالف کفار کو اس پر قدرت نہ دیتا کہ وہ آپ علیہ السلام کو آگ میں ڈالتے یا آگ میں ڈالے جانے سے پہلے کوئی ایسی تدبیر فرما دیتا کہ آپ علیہ السلام اس شہر سے نکل جاتے اور آپ علیہ السلام کے مخالف بت پرستوں کو آپ علیہ السلام پر غلبہ حاصل نہ ہوتا اور وہ آپ علیہ السلام کو گرفتار کر کے اس مکان میں بند نہ کرتے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا اور بت پرستوں کے لئے موقع مہیا کیا کہ وہ آپ علیہ السلام کو اس بہت بڑی آگ میں ڈال دیں۔

اس کی حسب ذیل وجوہات ہیں۔

(1) لوگوں کے سامنے یہ مثال اور نمونہ مہیا کرنا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے مخلص اور مقرب بندے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دینے سے نہیں گھبراتے اور توحید کی سر بلندی کے لئے ہر امتحان سے سرخرو ہو کر نکلتے ہیں۔

(2) ان کی قوم سورج، چاند ستاروں کی پرستش کرتی تھی اور بعض لوگ آگ کی پرستش کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دکھا دیا

کہ آگ اپنی ذات میں کوئی طاقت نہیں رکھتی نہ اس میں فی نفسہ کوئی تاثیر ہے۔ اس کا جلانا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے وہ چاہے تو اس میں جلانے کی تاثیر ہوگی اور وہ نہ چاہے تو اس میں یہ تاثیر نہیں ہوگی۔ وہ اپنی ذات میں ٹھنڈی نہ گرم ہے وہ جب چاہے اس میں گرمی پیدا کردے اور جب چاہے اس میں ٹھنڈک پیدا کردے۔

(3) جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پشت میں موجود تھے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پشت میں موجود تھے تو آگ ان کو کیسے جلاسکتی تھی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک سے واپسی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں جو اشعار پڑھے ان میں یہ اشعار بھی تھا۔

وردت نار الخلیل مستتراً   فی صلبه انت کیف یحترق

حضرت خلیل علیہ السلام کی آگ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پوشیدہ طور پر موجود تھے اور جس کی پشت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوں اس کو آگ کیسے جلاسکتی ہے۔

☆ حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ان اشعار کو المستدرک اور دلائل النبوۃ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

(المستدرک ج:3،ص:347، دلائل النبوۃ ج:5،ص:268)

اس میں ان اشعار کا ذکر ہے لیکن ان میں مذکور الصدر شعر ذکر نہیں ہے۔ حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جوان کتابوں کا نسخہ ہوگا ان میں یہ شعر بھی مذکور ہوگا اور ان کتابوں کے ناشر کو جو مخطوطہ ملا ہوگا ان میں یہ شعر مذکور نہیں ہوگا یا کسی وجہ سے طباعت سے رہ گیا ہوگا۔ بہرحال حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے درج ذیل اشعار میں اس شعر کا بھی ذکر ہے۔

(الخصائص الکبریٰ: ج:1،ص:67 دار الکتب العلمیہ بیروت)

(4) حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے تو یہ بھی ظاہر ہوا کہ آگ بھی ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتی ہے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی پشت میں موجود تھے تو آگ آپ علیہ السلام کو کیسے جلاسکتی تھی۔

ہر چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتی ہے اس پر دلیل یہ حدیث مبارکہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہر چیز کا علم ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں سوا فاسق جنات اور انسانوں کے۔

(المعجم الکبیر: ج:22،ص:262، رقم الحدیث:672)

(5) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے اور آگ کے آپ علیہ السلام کو ضرر نہ پہنچانے سے یہ ظاہر ہوگیا کہ جس

شخص کا اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان ہو وہ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور کائنات کی کسی چیز سے نہیں ڈرتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس پر ایمان تھا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ان کو کوئی چیز ضرر نہیں پہنچا سکتی اور موت اپنے وقت مقررہ سے پہلے نہیں آسکتی۔ اس لئے جب آپ علیہ السلام کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: ان کو آگ میں ڈال دو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ذرا بھی نہیں گھبرائے اور کسی قسم کے خوف اور پریشانی کا اظہار نہیں کیا۔ اسی طرح حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر زہر کھالیا تھا اور آپ رضی اللہ عنہ کو اس سے کوئی ضرر نہیں پہنچا تھا۔

(الواقیت والجواہر ج:2، ص:488 دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نمرود کا مباحثہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نمرود بد بخت نے مناظرہ کیا۔

جس کو قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۚ (بقرہ: 258)

(اے محبوب) کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے ان کے رب کے متعلق جھگڑا کیا اللہ نے ان کو سلطنت دی تھی۔ جب ابراہیم نے کہا: میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اس نے کہا: میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا: بے شک اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال لے آ تو کافر حیران اور لاجواب ہو گیا اور اللہ ظلم کرنے والے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

زمین پر سب سے پہلا بادشاہ نمرود

زمین پر سب سے پہلا بادشاہ نمرود تھا۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت قتادہ بیان کرتے ہیں کہ

جس شخص کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے رب عزوجل ہونے پر دلیل پیش کی تھی۔ اس کا نام نمرود بن کنعان تھا۔ یہ زمین پر پہلا بادشاہ تھا۔ اس نے بابل میں قلعہ بنایا تھا اور یہ پہلا شخص تھا جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر دلیل قائم ہونے کے بعد زمین پر لاجواب اور حیران ہوا۔

(جامع البیان: ج:3، ص:16 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو طعام دیئے بغیر واپس کر دیا

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ

زمین پر سب سے پہلا بادشاہ نمرود تھا۔لوگ اس کے پاس خوراک طلب کرنے کے لئے جاتے تھے۔ایک دن لوگوں کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اس کے پاس گئے وہ لوگوں سے پوچھتا تھا تمہارا رب کون ہے؟ لوگ کہتے کہ آپ ہیں، حتیٰ کہ جب وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو پوچھا تمہارا رب کون ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

جو لوگوں کو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔

اس نے کہا:

میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال، تو وہ کافر حیران اور لاجواب ہو گیا پھر اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو طعام اور خوراک دیئے بغیر واپس کر دیا۔

(جامع البیان: ج:3، ص:16، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

ریت کا طعام بن جانا

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں۔

(نمرود سے) واپسی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک ریت کے ٹیلہ سے گزر ہوا۔انہوں نے سوچا کیوں نہ میں کچھ ریت کپڑے میں باندھ کر لے جاؤں تا کہ گھر والوں کو کوئی بندھی ہوئی چیز دیکھ کر تسکین ہو گھر جا کر انہوں نے گٹھڑی کو رکھ دیا۔ اہلیہ نے کھول کر دیکھا تو وہ بہترین طعام تھا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جان لیا کہ یہ طعام انہیں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔

(جامع البیان: ج:3، ص:17، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

نمرود کے خون کو مچھر کا پینا

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس (نمرود) بادشاہ کی طرف فرشتہ بھیجا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے۔اللہ تعالیٰ اسے اس ملک پر (بادشاہ) برقرار رکھے گا۔

نمرود نے کہا: میرے سوا اور کون رب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے پاس تین بار فرشتے کو بھیجا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے لیکن اس نے ہر بار انکار کیا۔

پھر فرشتے نے اس سے کہا۔
تم تین دن کے اندر اپنے سب لوگوں کو جمع کرلو۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر مچھر چھوڑ دیئے۔
مچھروں نے ان لوگوں کا گوشت کھالیا اور خون پی لیا اور وہ لوگ صرف ہڈیوں کا پنجرہ رہ گئے۔
(جامع البیان: ج:3، ص:17 مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت)

چار سو سال تک نمرود کے سر کو ہتھوڑوں سے کوٹنا اور ہلاک ہونا

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے ایک مچھر اس کے نتھنے کے ذریعے اس کے دماغ میں بھیج دیا چار سو سال تک نمرود کے سر کو ہتھوڑوں سے کوٹا جاتا تھا۔ چار سو سال تک وہ اس عذاب میں مبتلا رہا بالآخر وہ مر گیا۔
(جامع البیان: ج:3، ص:17 مطبوعہ دارالمعرفتہ بیروت)

نمرود نے آسمان کی طرف قلعہ بنایا تھا

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ
(نمرود) یہ وہی پہلا شخص ہے جس نے آسمان کی جانب ایک قلعہ بنایا تھا۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔
''بے شک ان سے پہلے لوگوں نے فریب کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی عمارت بنیادوں سے اکھاڑ دی سو ان پر ان کے اوپر سے چھت گر پڑی اور ان پر وہاں سے عذاب آیا جہاں سے انہیں وہم و گمان بھی نہیں تھا۔''
(جامع البیان: ج:3، ص:18 مطبوعہ دارالمعرفتہ بیروت)

نمرود کا دو آدمی بلا کر ایک کو چھوڑنا اور دوسرے کو مارنا

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:
میرا رب عزوجل وہ ہے جو زندہ کرتا ہے تو نمرود نے اپنی بے وقوفی اس طرح ظاہر کی کہ دو آدمیوں کو بلا کر ایک کو چھوڑ دیا اور دوسرے کو مار دیا۔ اس سے وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ میں بھی مار سکتا ہوں اور زندہ بھی کر سکتا ہوں۔
ربیع بیان کرتے ہیں کہ
جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میرا رب عزوجل وہ ہے جو زندہ کرتا ہے تو نمرود نے دو آدمیوں کو بلایا ایک کو چھوڑ دیا اور دوسرے کو مار دیا۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:
بے شک اللہ عزوجل سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال تو پھر وہ کافر حیران اور لاجواب رہ گیا۔
(جامع البیان: ج:3، ص:18 مطبوعہ دارالمعرفتہ بیروت)

نمرود کی انوکھی چال

نمرود نے جب یہ دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سچے ہیں اور میں جھوٹا ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اپنی قوم کے سامنے رسوا ہو جاؤں، تو اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نکالنے کا حکم دیا۔

ایک طویل روایت میں ہے۔

سعیدی بیان کرتے ہیں کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے نکال کر بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس سے پہلے وہ بادشاہ کے سامنے پیش نہیں ہوئے تھے۔ بادشاہ نے ان سے بات کی۔

اور پوچھا

تمہارا رب کون ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

میرا رب عزوجل وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔

نمرود نے کہا:

میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔

اس نے چار آدمیوں کو بلایا۔ ان کا کھانا پینا بند کر دیا جب وہ بھوک سے مرنے گئے تو اس نے ان میں سے دو آدمیوں کو کھلایا اور پلایا وہ زندہ رہے اور باقی دو کو بدستور بھوکا رکھا وہ مر گئے۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جانا اس کو اپنی سلطنت میں اقتدار حاصل ہے اور وہ اس طرح کے کام کر سکتا ہے۔

تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

میرا رب عزوجل سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال دے۔ یہ سن کر وہ حیران اور لاجواب ہو گیا۔

اس نے کہا:

یہ شخص مجنون ہے۔ اس کو لے جاؤ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اس نے تمہارے خداؤں پر جرأت کی اور انہیں توڑ دیا اور آگ اس کو جلا نہیں سکی اور نمرود کو یہ ڈر تھا کہ وہ اپنی قوم کے سامنے رسوا ہو جائے گا پھر اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نکالنے کا حکم دیا۔

(جامع البیان: ج:3، ص:18، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

نمرود اور قوم کی ہلاکت

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ اور امام ابن جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

زید بن اسلم نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے اس ظالم بادشاہ (نمرود) کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جو اس کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا حکم دیتا تھا۔ نمرود نے اس کی دعوت کا انکار کیا۔ پھر دوسری بار بھیجا پھر انکار کیا پھر تیسری بار بھیجا پھر انکار کیا۔

پھر اس فرشتہ نے کہا:

تم اپنا لشکر جمع کرو میں اپنا لشکر جمع کرتا ہوں۔

سو نمرود نے اپنے حواریوں اور سپاہیوں کا لشکر جمع کیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف مچھر بھیجے جن کی دھوپ کی وجہ سے انہوں نے نہیں دیکھا پھر اللہ تعالیٰ نے وہ مچھر ان پر مسلط کر دیئے۔ مچھروں نے ان کا خون پی لیا اور ان کا گوشت کھا گئے اور جنگل میں صرف ان کی ہڈیاں پڑی رہ گئیں۔ ایک مچھر نمرود کے نتھنے کے راستہ سے اس کے دماغ میں داخل ہو گیا اور چار سو سال تک وہ اس عذاب میں مبتلا رہا۔ اس عرصہ میں اس کے سر پر ہتھوڑے مارے جاتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہلاک کر دیا۔

(البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:244 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

(المنتظم لابن الجوزی ج:1، ص:179 دار الفکر بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سلامتی کے ساتھ آگ سے باہر تشریف لے آئے تو حضرت لوط علیہ السلام آپ علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور پھر آپ علیہ السلام نے ہجرت کی۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ○ (العنکبوت: 26)

سو لوط ان پر ایمان لے آئے اور ابراہیم نے کہا: میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں بے شک وہی بہت غلبے والا ہے۔ حکمت والا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

میں اپنے رب عزوجل کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔

اس کا معنی ہے۔

میں اپنے رب عزوجل کے حکم سے ہجرت کر رہا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کے وقت عمر

علامہ قرطبی وغیرہما نے لکھا ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پچھتر (75) سال کی عمر میں ہجرت کی تھی۔

(الجامع لاحکام القرآن، ص:255، ج:7 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کیوں کی

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے وطن کے لوگوں کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو پھر آپ علیہ السلام نے ہجرت فرمائی۔ آپ علیہ السلام کا وطن کوفہ کے مضافات میں تھا اس کا نام کوثی تھا۔ وہاں سے آپ علیہ السلام نے حران کی طرف ہجرت کی پھر شام کی طرف ہجرت کی۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

آپ علیہ السلام نے کوئی سے حران کی طرف ہجرت کی پھر شام کی طرف ہجرت کی۔

(الجامع لاحکام القرآن، ص:255، ج:7 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حران سے فلسطین کی طرف ہجرت

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے حران کی طرف ہجرت کی پھر فلسطین کی طرف ہجرت کی۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

کلبی نے کہا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حران سے فلسطین کی طرف ہجرت فرمائی اور آپ علیہ السلام کفر کی زمین سے سب سے پہلے ہجرت کرنے والے ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن، ج:7، ص:255 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کرنے والے

امام ابن اسحاق نے بیان کیا کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب ہجرت کی تو ان کے ساتھ حضرت لوط علیہ السلام بھی تھے اور ان کی عمزاد حضرت سارہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں جس سے انہوں نے نکاح کر لیا تھا۔ وہ پہلے حران میں گئے پھر وہاں سے ہجرت کر کے مصر میں پہنچے وہاں فراعنہ مصر میں ایک فرعون تھا اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا آپ علیہ السلام کی حکم عدولی نہیں کرتی تھیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو عزت دی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث:17251)

راستے میں ظالم بادشاہ کا حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں پوچھنا

ایک طویل حدیث میں یہ واقعہ ذکر ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو لے کر سفر کر رہے

تھے تو راستے میں ظالم بادشاہ کے ملک سے گزر ہوا تو کسی نے اس ظالم بادشاہ کو کہا کہ یہاں ایک شخص آیا ہے اس کی بیوی بہت خوبصورت ہے۔ اس ظالم بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلا کر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں پوچھا۔ اس واقعہ کا ذکر اس طویل حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوائے تین باتوں کے کوئی ایسی بات نہیں کی جس کو لوگوں نے جھوٹ سمجھا ہو۔

ان تین میں سے دو کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔

ایک ان کا قول یہ ہے۔

میں بیمار ہونے والا ہوں۔ (الصفت:89)

دوسرا آپ علیہ السلام کا یہ قول ہے۔

بلکہ یہ کام ان کے اس بڑے نے کیا ہے۔ (الانبیاء:63)

ایک دن آپ علیہ السلام اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سفر کر رہے تھے وہ ایک ظالم بادشاہ کے ملک میں گئے۔

اس بادشاہ کو بتایا گیا کہ

یہاں ایک شخص آیا ہے اس کی بیوی تمام لوگوں سے زیادہ حسین ہے۔

اس بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلوا کر پوچھا۔

یہ عورت کون ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

یہ عورت میری (دینی) بہن ہے۔

پھر آپ علیہ السلام حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔

اوران سے فرمایا

اے سارہ (رضی اللہ عنہا)! اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا اور کوئی مومن نہیں ہے اور اس بادشاہ نے مجھ سے تمہارے متعلق سوال کیا تھا تو میں نے اس کو بتایا کہ تم میری (دینی) بہن ہو۔ سو تم میرے بیان کی تکذیب نہ کرنا۔

اس بادشاہ نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو بلوایا۔

جب اس نے بری نیت سے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا پر ہاتھ ڈالنا چاہتا تو اس کا ہاتھ مفلوج ہو گیا۔

اس نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے کہا

تم اللہ تعالیٰ سے میرے لئے دعا کرو۔ میں تم کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے دعا کی تو اس کا ہاتھ ٹھیک ہو گیا۔ اس نے دوسری بار بری نیت سے ہاتھ بڑھایا تو پھر اس کا ہاتھ مفلوج ہو گیا۔

اس نے کہا:

تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو میں تم کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے دعا کی تو اس کا ہاتھ ٹھیک ہو گیا۔ پھر اس نے بعض پہرے داروں کو بلایا اور ان سے کہا: تم میرے پاس کسی انسان کو نہیں لائے بلکہ جنیہ عورت کو لے آئے ہو۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3358)(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2371)

ظالم بادشاہ کا حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا بطور خدمت دینا

جب ظالم بادشاہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو بری نیت سے ہاتھ لگاتا تو اس کا ہاتھ مفلوج ہو جاتا پھر وہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے عرض کرتا کہ آپ (رضی اللہ عنہا) میرے لئے دعا کریں کہ میرا ہاتھ ٹھیک ہو جائے تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے اس کے لئے دعا کی اور ہاتھ ٹھیک ہو گیا پھر اس نے اپنے بعض پہرہ داروں کو بلایا اور کہا کہ تم کسی انسان کو میرے پاس نہیں لے آئے بلکہ تم جنیہ کو لے آئے ہو پھر اس نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا بطور خدمت دے دی۔

حدیث مبارکہ کے آخر میں ہے۔

پھر اس نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا بطور خدمت دے دی۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں وہ اس وقت کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔

انہوں نے ہاتھ کے اشارہ سے فرمایا۔

کیا ہوا؟

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے بتایا۔

اللہ تعالیٰ نے کافر کی سازش کو خود اس پر الٹ دیا۔

اس نے ہاجر بطور خادمہ ہدیہ کر دی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

اے زمزم کے بیٹو! وہ تمہاری ماں ہیں۔

(صحیح بخاری: رقم الحدیث: 3358، صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2371، سنن الترمذی: رقم الحدیث: 3166)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد دینی بہن تھی

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی 855ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

انہوں (حضرت ابراہیم علیہ السلام) نے اپنی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو جو فرمایا تھا یہ میری بہن ہے اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ یہ میری دینی بہن ہے۔

(عمدۃ القاری: ج:15، ص:342 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ظالم بادشاہ کا زمین میں دھنس جانا

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:

یہ ظالم بادشاہ مصر کے فراعنہ میں سے پہلا فرعون تھا اور بہت عرصہ تک زندہ رہا۔

بعض احادیث مبارکہ میں ہے کہ

جب اس نے بری نیت سے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ زمین میں دھنس گیا۔

اور بعض روایات میں ہے کہ

اس کا پورا ہاتھ سینہ تک سوکھ گیا تھا۔

(عمدۃ القاری: ج:15، ص:345 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

سب سے اول مہاجر

حضرت ابراہیم علیہ السلام سب سے اول مہاجر ہیں جن کی تصریح اس آیت کی تشریح میں ملتی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ○ (الصفت: 99)

اور ابراہیم نے کہا: میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ

جس جگہ اسلام کے دشمن لوگ زیادہ ہوں اور ایمان و اسلام پر قائم رہنے کی وجہ سے انسان کی جان، انسان کی عزت اور اس کا مال خطرہ میں اس پر وہاں ہجرت کرنا واجب ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے وطن کے لوگوں سے شدید عداوت اور خطرہ محسوس کیا تو آپ علیہ السلام نے عراق سے شام کی طرف ہجرت کرنے کا قصد فرمالیا۔

قرآن مجید کی یہ آیت ہجرت اور ایام فتنہ کی عزت نشینی کی اصل ہے اور جس شخص نے اس پر سب سے پہلے عمل کیا وہ حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں جب اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو نمرود کی جلائی ہوئی آگ سے نجات دی۔

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

میں اپنے رب عزوجل کی طرف جانے والا ہوں۔

یعنی اپنی قوم اور اپنے وطن سے ہجرت کر کے اس جگہ جانے والا ہوں جہاں میں آسانی کے ساتھ اپنے رب عزوجل کی

عبادت کرسکوں، عنقریب میرا رب عزوجل میری اس چیز کی طرف رہنمائی فرمائے گا جس کا میں نے نیک نیتی سے قصد کیا ہے

مقاتل نے کہا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت سا
رضی اللہ عنہا کے ساتھ عراق سے ارض مقدسہ یعنی شام اور فلسطین کی طرف ہجرت کا قصد کیا۔

ایک قول یہ ہے:

انہوں نے حران کی طرف ہجرت کی تھی اور ایک مدت تک وہاں رہے تھے۔

(الجامع الاحکام القرآن جز:15،ص:89)

عزلت نشینی کے فضائل

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

ایک اعرابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

اور اس نے عرض کی۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لوگوں میں سب سے اچھا شخص کون سا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ شخص جو اپنی جان اور مال سے جہاد کرتے اور وہ شخص جو پہاڑ کی گھاٹیوں میں سے کسی گھاٹی میں چلا جائے۔ وہاں ا
رب عزوجل کی عبادت کرے اور لوگوں کو شر کی وجہ سے ان کو چھوڑ دے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:2786)

اور ایک حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ مسلمان شخص کا سب سے بہترین مال ایک بکری ہوگی جس کے ساتھ وہ پہاڑ کی چوٹیوں
بارش نازل ہونے کی جگہوں پر جائے گا۔ اپنے دین کو بچانے کے لئے فتنوں کے شر سے بھاگے گا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:19)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی ا[illegible]

اے لوگو! تم کو فتنے اس طرح ڈھانپ لیں گے جس طرح اندھیری رات میں اوپر تلے اندھیرے آتے ہیں۔ اس زمانہ میں سب سے زیادہ نجات یافتہ وہ شخص ہوگا جو (جنگل میں) اپنی بکریوں کے دودھ پر گزارہ کرے یا وہ شخص دروازہ سے باہر اپنے گھوڑے کی لگام پکڑ کر جائے اور اپنی تلوار سے کھائے۔

(مصنف عبدالرزاق: رقم الحدیث: 20928 دارالکتب العلمیہ بیروت)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت کرز بن علقمہ الخزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے پوچھا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا اسلام (کے درجات) کی کوئی انتہا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہاں عرب یا عجم کے جس گھر والوں کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتا ہے ان کے اوپر اسلام کو داخل فرما دیتا ہے پھر اس طرح فتنے برپا ہوں گے گویا کہ وہ سائبان ہیں۔

اور ارشاد فرمایا

کیوں نہیں! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم ان فتنوں میں لوٹ جاؤ گے کہ سانپ ڈسنے کے لئے پھن اٹھائے کھڑا ہو تم میں سے بعض، بعض کی گردنوں پر وار کریں گے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ

تم میں سے سب سے افضل وہ مومن ہوگا جو پہاڑوں کی گھاٹیوں میں سے کسی گھاٹی میں عزلت نشین ہوگا وہ اپنے رب عزوجل سے ڈرتا ہوگا اور لوگوں کو ان کے شر کی وجہ سے چھوڑ دے گا۔

(مسند احمد: ج:3، ص:377)

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی 544ھ لکھتے ہیں:

ان احادیث میں لوگوں سے الگ اور علیحدہ ہو کر گوشہ نشینی کی فضیلت ہے اور ان احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ آپ کے بعد فتنے رونما ہوں گے تو اس وقت لوگوں سے میل جول رکھنے کی بہ نسبت ان سے علیحدہ ہو کر گوشہ نشینی میں فضیلت ہے۔ خصوصاً جو لوگ جہاد کرنے پر قدرت نہ رکھتے ہوں یا وہ زمانہ جہاد کا نہ ہو یا مسلمان کو اس کے علوم سے استفادہ کرنے کی ضرورت نہ ہو۔ ان احادیث مبارکہ میں پہاڑوں کی گھاٹیوں کا ذکر کیا ہے اور خصوصاً ان جگہوں پر جانا مراد نہیں ہے ان کا ذکر اس لئے فرمایا ہے کہ عام طور پر عزلت نشینی کے لئے لوگ ایسی جگہوں پر جاتے ہیں کیونکہ عموماً ایسے مقامات پر

لوگوں کا اجتماع نہیں ہوتا۔ایک اور حدیث مبارکہ میں گھر میں گوشہ نشینی رہنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج: ص:310 دارالوفاء بیروت)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے عرض کی

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نجات کس طرح ہوگی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اپنی زبان پر قابو رکھو اور اپنے گھر میں رہو اور اپنی خطاؤں پر روؤ۔

(سنن الترمذی، رقم الحدیث:2406)

علامہ شرف الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

علامہ شرف الدین نووی متوفی 676ھ لکھتے ہیں:

ان احادیث مبارکہ میں ان علماء کی دلیل ہے جو لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے پر عزلت نشینی کو ترجیح دیتے ہیں اور اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف مشہور ہے۔

امام شافعی اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ

اگر فتنہ سے سلامتی کی توقع ہو تو گوشہ نشین رہنے کی بہ نسبت لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا افضل ہے۔

اور بعض علماء کا نظریہ یہ ہے کہ

عزلت نشینی افضل ہے۔

اور جمہور علماء کرام نے ان احادیث کا یہ جواب دیا ہے کہ فتنہ کے زمانہ میں عزلت نشینی افضل ہے اور ان احادیث مبارکہ کا یہی محمل ہے یا یہ احادیث مبارکہ ان لوگوں کے لئے ہیں جو لوگوں کے ضرر سے محفوظ نہ رہ سکیں یا جو لوگ فتنہ بازوں کے ضرر پر صبر نہ کر سکیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام جمہور صحابہ کرام وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین، علماء کرام اور زہاد وغیرہم لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتے تھے اور اجتماعی منافع کو حاصل کرتے تھے، پانچوں نمازیں باجماعت پڑھتے تھے اور جمعہ، نماز جنازہ اور عیدین پڑھتے تھے۔مریضوں کی عیادت کرتے تھے۔وعظ ونصیحت کرتے اور ذکر کی مجالس میں شریک ہوتے تھے۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج:8،ص:5230 مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ نقل کرتے ہیں کہ

علامہ کرمانی متوفی 786ھ نے کہا:

ہمارے زمانہ میں مختار یہ ہے کہ انسان گوشہ تنہائی میں رہے کیونکہ بہت کم مجلسیں گناہوں سے خالی ہوتی ہیں۔ (علامہ عینی فرماتے ہیں) میں بھی اس قول کے موافق ہوں کیونکہ اس زمانہ میں لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا صرف برائیوں میں مبتلا ہونے کا سبب ہے۔

ان احادیث مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ

فتنوں سے احتراز کرنا چاہئے اور متقدمین کی ایک جماعت فتنوں کے خوف سے اپنے وطن سے نکل گئی، حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فتنہ کے زمانہ میں مدینہ سے نکل کر ربذہ میں چلے گئے تھے اور ان احادیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی کہ آخر زمانہ میں لوگوں میں فتنہ وفساد ہوگا اور ایسا ہی ہوا۔

(عمدۃ القاری: ج:1، ص:264 دار الکتب العلمیہ بیروت)

اے مسلمانو!

اس دور میں سوچئے کہ کس قدر فتنوں کا عروج ہے اور عورت اس زمانہ میں سب سے بڑا فتنہ ہے، بازاروں میں روڈوں پر نہ جانے کس کس قسم کا لباس پہن کر عجیب قسم کی شکل وصورت بنا کر ہماری نوجوان مرد نسل کو تباہ وبرباد کر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں جملہ فتنوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین

سرزمین شام برکت والی

اللہ تعالیٰ نے سرزمین شام کو برکت کی زمین فرمایا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَنَجَّیۡنٰہُ وَلُوۡطًا اِلَی الۡاَرۡضِ الَّتِیۡ بٰرَکۡنَا فِیۡہَا لِلۡعٰلَمِیۡنَ○ (الانبیاء: 71)

اور ہم نے ابراہیم کو اور لوط کو نجات دے کر اس سرزمین کی طرف لے گئے جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لئے برکت فرمائی تھی۔

سرزمین شام برکت والی کس طرح؟

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے:

حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام دونوں سرزمین شام میں تھے، اسی سرزمین کو ارض محشر بھی کہا جاتا ہے۔ قیامت کے دن تمام لوگ یہیں پر جمع ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام بھی یہیں پر آسمان سے اتریں گے اور دجال کذاب بھی یہیں پر ہلاک ہوگا۔

ہمیں قلابہ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں نے خواب میں دیکھا کہ فرشتے کتابوں کا ڈھیر اٹھا کر لائے اور اس کو شام میں لاکر رکھ دیا۔ میں نے اس کی یہ تعبیر لی کہ جب فتنے پھیل جائیں گے تو ایمان شام میں ہوگا۔

اور ہم سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمایا۔

ایک جماعت شام میں ہوگی اور ایک جماعت عراق میں ہوگی اور ایک جماعت یمن میں ہوگی۔

ایک شخص نے عرض کیا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لئے ان میں سے کسی جگہ کو منتخب کر دیجئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم شام میں رہنا کیونکہ اللہ تعالیٰ میرے لئے شام کا اور وہاں کے رہنے والوں کا ضامن ہوگیا ہے۔

اور ہم کو بیان کیا گیا ہے کہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

اے کعب رضی اللہ عنہ! تم مدینہ سے کیوں منتقل ہو رہے ہو، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی جگہ ہے۔ یہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزار مبارک ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا:

اے امیر المومنین! میں نے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب (تورات) میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سرزمین میں شام کا خزانہ ہے اور اس کے پسندیدہ بندے بھی وہیں ہیں۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 18635)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے رب عزوجل کی طرف ہجرت

امام ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل کی طرف ہجرت کی اور ان کے ساتھ حضرت لوط علیہ السلام بھی گئے اور آپ علیہ السلام نے اپنی عم زاد حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا وہ اپنے دین، اپنے رب عزوجل کی عبادت اور اپنی جان اور عزت کی حفاظت کرتے ہوئے نکلے۔ حتیٰ کہ حران میں ٹھہرے اور جب تک اللہ عزوجل نے چاہا وہاں رہے پھر آپ علیہ السلام ہجرت کر کے مصر چلے گئے پھر مصر سے شام واپس چلے گئے اور فلسطین میں ٹھہرے اور حضرت لوط علیہ السلام المؤتفکہ

میں ٹھہرے جو وہاں سے ایک دن رات کی مسافت پر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی بنا کر بھیجا۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 18638)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زمینوں اور آسمانوں کی بادشاہی دکھانا

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زمینوں اور آسمانوں کی بادشاہی دکھائی اس لئے کہ آپ علیہ السلام کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ○ (الانعام: 75)

اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی دکھائی اور اس لئے کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔

سات زمین و آسمان کا دیکھنا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ

حضرت ابراہیم کے لئے سات آسمان کھل گئے حتیٰ کہ عرش بھی۔ پھر انہوں نے ان کو دیکھ لیا اور ان کے لئے سات زمینیں کھل گئیں اور انہوں نے ان کو بھی دیکھ لیا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج: 4، ص: 1326)

بندے کو زنا کرتے ہوئے دیکھنا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

عطاء بیان کرتے ہیں کہ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمان کے ملک کے اوپر اٹھایا گیا تو انہوں نے ایک بندے کو زنا کرتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے اس کے خلاف دعا کی وہ ہلاک ہو گیا۔ انہیں دوبارہ اٹھایا گیا۔ انہوں نے پھر ایک بندے کو زنا کرتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے اس کے خلاف دعا کی وہ ہلاک ہو گیا۔ انہیں پھر اٹھایا گیا، انہوں نے پھر ایک بندے کو زنا کرتے ہوئے دیکھا انہوں نے پھر اس کے خلاف دعا کی تو ان کو ندا کی گئی۔

اے ابراہیم علیہ السلام!

ٹھہرو! تم مستجاب بندے ہو اور میرے اپنے بندہ کے ساتھ تین معاملات ہیں۔

(1) یا تو وہ مجھ سے توبہ کرے تو میں اس کی توبہ کو قبول فرماؤں گا۔

(2) یا میں اس سے نیک اولاد پیدا کروں گا۔

(3) یا بدکاری میں اس کو ڈھیل دوں گا پھر میں اس کو دیکھ لوں گا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:4،ص:1326)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رزق اپنی انگلی میں کیسے رکھا گیا؟

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے:

ہم سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک ظالم بادشاہ سے بھاگ کر ایک سرنگ میں چھپ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رزق ان کی انگلیوں کے پوروں میں رکھ دیا۔ جب بھی وہ اپنی انگلی کو چوستے تو ان کو رزق مل جاتا۔ جب وہ اس سرنگ سے باہر آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمانوں کی حکومت دکھائی۔ ان کو سورج اور چاند اور ستارے اور بادل اور ایک عظیم مخلوق دکھائی اور ان کو زمین کی ایک حکومت دکھائی تو ان کو پہاڑ سمندر، دریا، درخت اور ہر قسم کے جانور اور ایک عظیم مخلوق دکھائی۔

(تفسیر ابن ابی حاتم: ج:4،ص:1327)

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر تمام امور کے ظاہر و باطن منکشف ہونا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

ملکوت کی زیادہ بہتر تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان اور زمین کا ملک دکھایا اور جو چیزیں ان میں پیدا کی گئی ہیں مثلاً سورج، چاند، ستارے اور جانور وغیرہ اور ان کے لئے تمام امور کے ظاہر اور باطن منکشف کر دیئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے تمام امور کے ظاہر و باطن منکشف کر دیئے اور مخلوق کے اعمال میں سے کوئی عمل ان سے مخفی نہیں رہا اور جب وہ گناہ کرنے والوں پر لعنت کرنے لگے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

تم اس کی طاقت نہیں رکھتے اور ان کو پہلی کیفیت پر لوٹا دیا۔

(تفسیر ابن ابی حاتم: ج:4،ص:1327)

اے رب عزوجل! مجھے دکھا تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ

اے خالق باری تعالیٰ مجھے دکھا تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کیا آپ کو یقین نہیں، عرض کیا

کیوں نہیں۔

مگر تا کہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ چار پرندے لو اور ان کو خود سے مانوس کرلیں پھر ان کو ذبح کر کے ان کے جسم کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دیجئے پھر انہیں بلایئے وہ آپ کے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے۔

قرآن مجید میں یوں ذکر فرمایا گیا ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰـكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ۠ ○ (البقرہ: 260)

اور (یاد کیجئے) جب ابراہیم نے کہا: اے میرے رب! مجھے دکھا تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا۔ اللہ نے فرمایا کیا آپ کو یقین نہیں، عرض کیا کیوں نہیں! مگر تا کہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔ فرمایا چار پرندے لیں اور ان کو خود سے مانوس کرلیں۔ (پھر ان کو ذبح کر کے) ان کے جسم کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دیجئے پھر انہیں بلایئے وہ آپ کے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں گے اور یقین رکھئے اللہ بہت غالب، بڑی حکمت والا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مردہ گدھا پڑا ہوا دیکھنا

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام راستہ سے گزر رہے تھے۔

انہوں نے دیکھا کہ

راستہ میں ایک مردہ گدھا پڑا ہوا ہے جس کا گوشت نوچ نوچ کر کے درندے اور پرندے کھا رہے ہیں۔ جب درندے چلے گئے اور پرندے اڑ گئے اور اس مردہ گدھا کی صرف ہڈیاں بچ گئیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تعجب ہوا۔

آپ علیہ السلام کہنے لگے۔

اے میرے رب عزوجل! مجھے یقین ہے کہ تو اس گدھے کو درندوں اور پرندوں کے پیٹوں سے جمع کرے گا۔

اے میرے رب عزوجل! تو مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

کیا آپ کو اس پر کامل یقین نہیں ہے۔

کہا

کیوں نہیں! لیکن خبر معائنہ کی طرح نہیں ہے۔

(جامع البیان: ج:3، ص:33 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

پرندوں کو زندہ فرمانا

تفسیر قرطبی میں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فرمائش پر فرمان باری تعالیٰ ہوا کہ آپ چار پرندے لے لو اور انہیں اپنے ساتھ خوب مانوس کر لو پھر انہیں ذبح کر کے ان کا قیمہ آپس میں ملا کر مختلف پہاڑوں پر رکھ دو اور پھر انہیں آواز دو۔ ان میں ہر ایک اپنی پہلی والی صورت میں بن کر تمہارے پاس آجائے گا چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار پرندے لئے۔

ایک قول یہ ہے:

وہ مور، مرغ، کبوتر اور کوا تھے۔

آپ علیہ السلام نے انہیں بحکم الٰہی عزوجل ذبح فرمایا، ان کے پیرا کھاڑے اور قیمہ کر کے ان کے اجزاء باہم ملا دیئے اور اس مجموعہ کے کئی حصے کر کے ایک ایک حصہ ایک ایک پہاڑ پر رکھ دیا اور سب کے سر اپنے پاس محفوظ رکھ دیئے۔ پھر آپ علیہ السلام نے ان پرندوں کو آواز دیکر اپنی طرف بلایا۔ آپ علیہ السلام کے بلاتے ہی حکم الٰہی سے وہ اجزاء اڑنے اور ہر ہر جانور کے اجزاء علیحدہ علیحدہ ہو کر اپنی ترتیب سے جمع ہوئے اور پرندوں کی شکلیں بن کر اپنے پاؤں سے دوڑتے ہوئے آپ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور اپنے اپنے سروں سے مل کر ویسے ہی پہلے کی طرح مکمل ہو گئے۔

(تفسیر قرطبی سورہ بقرہ: تحت الآیہ 260، ص:228، ج:2 جزء ثالث)

کن چار پرندوں کو زندہ فرمایا

جن پرندوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کر کے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور پھر ان کو زندہ کیا اس کی تفسیر میں امام ابن جریر نے روایت کیا ہے کہ وہ چار پرندے مرغ، مور، کوا اور کبوتر تھے۔

چنانچہ امام ابن جریر روایت کرتے ہیں کہ

مجاہد نے بیان کیا ہے کہ

یہ چار پرندے مرغ، مور، کوا اور کبوتر تھے۔

(جامع البیان: ج:3، ص:35 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مردہ آدمی کو دیکھنا

تفسیر خازن میں ہے:

سمندر کے کنارے ایک آدمی مرا ہوا پڑا تھا۔ سمندر کا پانی چونکہ چڑھتا اترتا رہتا چنانچہ جب پانی چڑھا تو مچھلیوں نے اس

لاش کو کھایا اور جب پانی اترا تو جنگل کے درندوں نے کھایا اور جب درندے چلے گئے تو پرندوں نے کھایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ ملاحظہ فرمایا تو آپ علیہ السلام کو شوق ہوا کہ آپ علیہ السلام ملاحظہ فرمائیں کہ مردے کس طرح زندہ کئے جائیں گے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا۔

اے اللہ عزوجل! مجھے یقین ہے کہ تو مردوں کو زندہ فرمائے گا اور ان کے اجزاء دریائی جانوروں اور درندوں کے پیٹ اور پرندوں کے پیٹوں سے جمع فرمائے گا لیکن میں یہ منظر دیکھنے کی آرزو رکھتا ہوں۔

مفسرین کرام کا ایک قول یہ بھی ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا تو حضرت ملک الموت علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے اذن واجازت سے آپ علیہ السلام کو یہ بشارت سنانے آئے۔ آپ علیہ السلام نے بشارت سن کر اللہ تعالیٰ کی حمد کی۔

اور ملک الموت علیہ السلام سے فرمایا:

اس خلت یعنی خلیل بنائے جانے کی نشانی کیا ہے۔

انہوں نے عرض کیا

دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کی دعا کو قبول فرمائے گا اور آپ علیہ السلام کے سوال پر مردے زندہ کرے گا۔

تب آپ علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ

اے اللہ عزوجل! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

کیا تمہیں اس پر یقین نہیں۔ اللہ عزوجل عالم الغیب والشہادۃ اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کمال ایمان ویقین کا علم ہے۔ اس کے باوجود یہ سوال فرمایا:

کیا تجھے یقین نہیں۔

اس لئے ہے کہ سامعین کو سوال کا مقصد معلوم ہو جائے اور وہ جان لیں کہ یہ سوال کسی شک وشبہ کی بناء پر نہ تھا۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی۔

یقین کیوں نہیں! لیکن میں چاہتا ہوں کہ یہ چیزیں آنکھوں سے دیکھوں تاکہ میرے دل کو قرار آجائے اور خلیل بنائے جانے والی صورت پر معنی یہ ہوں گے کہ اس علامت سے میرے دل کو تسکین ہو جائے کہ تو نے مجھے اپنا خلیل بنایا۔

(خازن، تحت الآیۃ کریمہ، ج:1، ص:304)

پرندوں کو زندہ کرنے میں نصیحت آموز مدنی پھول

علامہ بیضاوی نے لکھا ہے کہ

بعض روایات میں کبوتر کی جگہ گدھ کا ذکر ہے اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ نفس انسانی کو حیات ابدیہ اس وقت حاصل ہوگی جب وہ اپنی شہوات اور حسن وزیبائش کو ذبح کر دے جو مور کی صفت ہے اور دوسروں پر حملہ کرنے کے جذبہ کو فنا کر دے جو مرغ کی صفت ہے اور نفس کی خساست اور گھٹیا پن کو دور کر دے جو کوے کی صفت ہے اور اپنی خواہشات کو جلدی پورا کرنے کی عادت دور کر دے جو کبوتر کی صفت ہے۔

روایت ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ ان پرندوں کو ذبح کر دیں۔ ان کے پر نوچ لیں اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کو خلط ملط کر دیں۔ پھر ان منتشر اجزاء کو مختلف پہاڑوں پر ڈال دیں پھر ان کو بلائیں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو بلایا تو وہ اجزاء متمیز ہوئے اور ہر جسم کے اجزاء آپس میں مل گئے اور اخیر میں ان کے ساتھ ان کا سر جڑ گیا۔

اس میں یہ اشارہ ہے کہ

اگر انسان حیات ابدیہ چاہتا ہے تو وہ اپنے بدن کی طاقت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ (غالباً اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے روگردانی اور سرکشی کی طاقت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے) پھر جب وہ اپنے بدن کو احکام شرعیہ پر عمل کرنے کے لئے بلائے گا تو وہ اس کی اطاعت کرے گا اور اس کو دائمی حیات حاصل ہو جائے گی۔

(انوار التنزیل ،ص:60 مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع مصر)

فرشتوں کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت سنانا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرشتوں نے بشارت سنائی۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ٥

(ھود:69)

اور بے شک ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے۔ انہوں نے کہا: سلام، ابراہیم نے کہا: پھر تھوڑی دیر بعد وہ گائے کا بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔

جب اللہ تعالیٰ نے قوم لوط پر عذاب نازل کرنے کے لئے فرشتوں کو بھیجا تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے گزرے اور ان کے مہمان ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جو بھی مہمان ہوتا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کی بہت اچھے طریقہ سے ضیافت کرتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنے والے فرشتوں کی تعداد

امام جمال الدین عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی الحنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

(1) حضرت ابن عباس اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔
یہ حضرت جبرائیل، میکائیل اور حضرت اسرافیل علیہم السلام تھے۔
(2) مقاتل نے کہا:
یہ حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل اور حضرت عزرائیل علیہم السلام تھے۔
(3) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا دوسرا قول یہ ہے:
کہ یہ بارہ فرشتے تھے۔
(4) محمد بن کعب نے کہا:
یہ آٹھ فرشتے تھے۔
(5) ضحاک نے کہا:
یہ نو فرشتے تھے۔
(6) ماوردی نے کہا:
یہ چار فرشتے تھے۔
(زادالمسیر: ج:5،ص:127 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

فرشتے کون سی بشارت دینے آئے تھے

فرشتے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دینے آئے تھے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔
امام ابن الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:
(1) حسن نے کہا:
وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت دینے آئے تھے۔
(2) قتادہ نے کہا:
وہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کی خوشخبری دینے آئے تھے۔
(3) عکرمہ نے کہا:
وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبوت کی بشارت دینے آئے تھے۔
(4) الماوردی نے کہا:
وہ بشارت دینے آئے کہ سیدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی پشت سے خروج ہوگا۔
(زادالمسیر: ج:5،ص:127 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرشتوں کی مہمان نوازی کرنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جب فرشتوں نے آکر سلام کیا اور آپ علیہ السلام نے جواب دیا تو ان فرشتوں کے بیٹھنے کے تھوڑی دیر بعد آپ علیہ السلام نے ان کو گائے کا بھنا گوشت پیش کیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ○ (ھود: 69)

پھر تھوڑی دیر بعد وہ (حضرت ابراہیم علیہ السلام) گائے کا بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔

☆

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے بیان کیا کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام گائے کا بچھڑا اس لیے لائے کہ ان کے اموال میں زیادہ تر گائیں تھیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرشتوں کو اجنبی سمجھنا

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں کو گائے کا بھنا ہوا گوشت پیش کیا تو فرشتوں نے اس گوشت کی طرف ہاتھ نہیں بڑھائے۔ آپ علیہ السلام نے ان کو اجنبی سمجھا اور اپنے دل میں ان سے ڈرنے لگے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا رَاٰۤ اَیْدِیَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَیْهِ نَكِرَهُمْ وَ اَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً (ھود: 70)

پھر جب ابراہیم نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے تک نہیں بڑھ رہے تو ابراہیم نے ان کو اجنبی سمجھا اور اپنے دل میں ان سے ڈرنے لگے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرشتوں سے خوفزدہ ہونے کی وجہ

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ

جب عربوں کے پاس کوئی مہمان جاتا وہ ان کے ساتھ کھانا نہ کھاتا تو وہ یہ گمان کرتے تھے کہ وہ شخص کسی نیک ارادہ سے نہیں آیا اور وہ اپنے دل میں کوئی برا منصوبہ لے کر آیا ہے۔ اس وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے خوف زدہ ہوئے۔

جندب بن سفیان نے کہا:

ان کے ہاتھوں میں تیر تھے اور وہ تیروں سے اس بھنے ہوئے بچھڑے کو کریدنے لگے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ بات عجیب لگی۔ اس وجہ سے آپ علیہ السلام خوف زدہ ہوئے۔

(جامع البیان، ج: 12، رقم الحدیث: 14136 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فرشتوں کا جواب

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ان فرشتوں سے ڈرنے لگے تو فرشتوں نے کہا: آپ مت ڈریں بے شک ہمیں قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ؀ (هود: 70)

فرشتوں نے کہا: آپ مت ڈریں بے شک ہمیں قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرشتوں سے مباحثہ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرشتوں سے خوف دور ہو گیا تو آپ علیہ السلام نے ان سے پوچھا تم کس کام سے آئے ہو تو انہوں نے کہا: ہم قوم لوط پر عذاب نازل کرنے آئے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام فرشتوں سے مباحثہ فرمانے لگے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ لُوْطٍ ؀ (هود: 74)

پھر جب ابراہیم کا خوف دور ہو گیا اور ان کے پاس بشارت پہنچ گئی تو وہ ہم سے قوم لوط کے متعلق بحث کرنے لگے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرشتوں سے سوالات

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور فرشتوں کے درمیان نزول عذاب پر جو بحث ہوئی اور جو سوالات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے کیے وہ درج ذیل ہیں:

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا:

تم کس کام آئے ہو؟

انہوں نے کہا:

ہمیں قوم لوط پر عذاب کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

یہ بتاؤ اگر بستی میں ایک سو مسلمان ہوئے تو کیا تم اس بستی کو ہلاک کر دو گے۔

انہوں نے کہا:

نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

اگر پچاس مسلمان ہوں۔

انہوں نے کہا:

نہیں

پھر کم کرتے کرتے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

اگر دس مسلمان ہوں؟

انہوں نے کہا:

اگر اس بستی میں دس مسلمان ہوں تب بھی ہم ان کو ہلاک نہیں کریں گے۔

پھر فرشتوں نے کہا:

اے ابراہیم علیہ السلام اس بحث کو چھوڑیں۔ اس بستی میں مسلمانوں کا صرف ایک گھر ہے اور وہ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے گھر والے ہیں۔

پھر کہا

اے ابراہیم علیہ السلام! اس بات کو چھوڑیں ان پر عذاب آنے والا ہے جو ٹلنے والا نہیں ہے اور یہ آپ علیہ السلام کے رب عزوجل کا حکم ہے۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 14162 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فرشتوں سے مسلمانوں کی تعداد پر بحث

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا:

یہ بتاؤ اگر سو مومن ہوں تو تم ان کو ہلاک کر دو گے۔

انہوں نے کہا:

نہیں

پھر کہا

اگر نوے مومن ہوں تو تم ان کو ہلاک کر دو گے۔

انہوں نے کہا:

نہیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

اگر اسی (80) ہوں۔

انہوں نے کہا:

نہیں

فرمایا

اگر ستر (70) ہوں۔

تو انہوں نے کہا:

نہیں

فرمایا

اگر ساٹھ ہوں۔

تو انہوں نے کہا:

نہیں

فرمایا

اگر پچاس ہوں

تو انہوں نے کہا:

نہیں

فرمایا

اگر ان میں ایک مسلمان ہو تو

انہوں نے کہا:

نہیں

جب انہوں نے حضرت ابراہیم کو یہ نہیں بتایا تھا کہ ان میں صرف ایک مسلمان ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

اس بستی میں لوط علیہ السلام ہیں۔

فرشتوں نے کہا:

ان سے عذاب دور کر دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِیْهَا لَنُنَجِّیَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ○(العنکبوت: 32)

فرشتوں نے کہا: ہم ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو ان میں ہیں ہم لوط کو اور ان کے گھر والوں کو ضرور نجات دیں گے ماسوا ان کی ایک عورت کے وہ باقی رہ جانے والوں میں سے ہے۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 14162 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تمہارا مدعا کیا ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا کہ تمہارا مدعا کیا ہے تو فرشتوں نے کہا: ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تا کہ ہم ان پر مٹی کے پتھر برسائیں۔ جن پر حد سے تجاوز کرنے والوں کے لئے آپ علیہ السلام کے رب عزوجل کے پاس سے نشان لگے ہوئے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَیُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ○ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِیْنَ ○ لِنُرْسِلَ عَلَیْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِیْنٍ ○ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِیْنَ ○(الذاریات: 31 تا 33)

ابراہیم نے کہا: اے بھیجے ہوئے فرشتو! تمہارا کیا مدعا ہے۔ انہوں نے کہا: ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تا کہ ان پر مٹی کے پتھر برسائیں جن پر حد سے تجاوز کرنے والوں کے لئے آپ کے رب کے پاس سے نشان لگے ہوئے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب فرشتوں نے بیٹے کی بشارت دی تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان فرشتوں سے پوچھا: اے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتو! تمہارا یہاں آنے کا مقصد کیا ہے تو فرشتوں نے کہا: ہم قوم لوط کی طرف اس لئے بھیجے گئے ہیں کہ ان پر پتھر برسائیں۔

ایک قول یہ ہے:

وہ پتھر سیاہ اور سفید دھاری دار تھے۔

ایک قول یہ ہے:

وہ سیاہ اور سرخ دھاری دار تھے۔

ایک قول یہ ہے:

وہ پتھر عذاب نازل کرنے کے لئے معروف تھے۔

ایک قول یہ ہے:

ہر پتھر پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا جس شخص کو جا کر وہ پتھر لگنا تھا۔

وہ بظاہر دیکھنے میں پتھر لگتے تھے لیکن درحقیقت وہ مٹی سے بنے ہوئے تھے۔

(الجامع الاحکام القرآن، ج:9،ص:37 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس بستی کو ہلاک کرنے والے ہیں

جب فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوبصورت بیٹے کی بشارت سنائی تو آپ علیہ السلام کو یہ بھی بتایا کہ ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں کیونکہ اس بستی میں ظلم کرنے والے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اس بستی میں تو لوط علیہ السلام بھی ہیں تو فرشتوں نے کہا: ہم ان کو خوب جانتے ہیں جو اس بستی میں ہیں۔ ہم حضرت لوط علیہ السلام کو اور ان کے گھر والوں کو ضرور نجات دیں گے سوا ان کی بیوی کے وہ عذاب میں باقی رہنے والوں میں سے ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ؕ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ڤ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ (العنکبوت: 31، 32)

اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے تو انہوں نے کہا: ہم بے شک اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں یقیناً اس بستی والے ظلم کرنے والے ہیں۔ ابراہیم نے کہا: بے شک اس بستی میں لوط (بھی) ہیں۔ فرشتوں نے کہا: ہم ان کو خوب جانتے ہیں جو اس بستی میں ہیں۔ ہم لوط کو اور ان کے گھر والوں کو ضرور بچالیں گے سوائے ان کی بیوی کے وہ (عذاب میں) باقی رہ جانے والوں میں سے ہے۔

فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے حضرت اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت لے کر آئے تھے۔

اثناء گفتگو میں انہوں نے حضرت ابراہیم سے کہا ہم اس بستی کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ اس بستی کا نام سدوم تھا۔

(تفسیر خازن: ج:3،ص:450، صدیقہ کتب خانہ اڈہ بازار اکوڑہ خٹک)

اور یہ قوم لوط کی بستیوں میں سے سب سے بڑی بستی تھی اور مردم پرستی اور مردوں کے ساتھ بے حیائی کا سب سے پہلے اس بستی میں ظہور ہوا تھا۔ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس بستی کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا کہ ہم اس بستی کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بستی اس بستی کے نزدیک تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

اس بستی لوط بھی ہیں یہ ان کی حضرت لوط علیہ السلام پر کمال شفقت تھی۔

(تفسیر خازن: ج:3،ص:450 مطبوعہ صدیقہ کتب خانہ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ جاننا چاہتے تھے کہ نزول عذاب کے وقت حضرت لوط علیہ السلام اس بستی میں ہوں گے یا ان کو اس بستی سے پہلے نکال لیا جائے گا پھر اس بستی پر عذاب نازل کیا جائے گا۔ اس بستی سے مراد وہ لوگ تھے جو اس بستی میں پیدا ہوئے تھے اور حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے گھر والے دوسرے علاقہ سے آکر اس بستی میں رہائش پذیر ہوئے تھے اور جو حضرت لوط علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے وہ بھی آپ علیہ السلام کے اہل اور گھر والوں میں شامل تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نیک بیٹا طلب کرنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کوئی اولاد نہ تھی تو آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نیک بیٹے کی طلب کی دعا کی: اے میرے رب عزوجل مجھے نیک بیٹا عطا فرما۔

قرآن مجید میں ہے:

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (:100)

اے میرے رب! مجھے نیک بیٹا عطا فرما۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا کی: اے میرے رب عزوجل مجھے نیک بیٹا عطا فرما جو ان لوگوں میں سے ہو جو تیری اطاعت کرتے ہیں اور تیری نافرمانی نہیں کرتے اور زمین میں اصلاح کرتے ہیں اور فساد نہیں کرتے۔

(تفسیر طبری: ج:23، 24، ص:91 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی)

سدی نے کہا:

رب ہب لی من الصالحین سے مراد یہ ہے کہ

صالح بیٹا

(تفسیر طبری: ج:23، 24، ص:91 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی)

بیٹے کی بشارت

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت دی۔

قرآن مجید میں ہے:

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ○ (صفت: 101)

سو ہم نے ان کو بردبار لڑکے کی بشارت دی۔

بچے کی عمر کی حالتیں

بعض اہل لغت نے کہا ہے

(جب بچہ پالنے میں ہوتو اس کو طفل کہتے ہیں) اور جب اس کی عمر دس سال سے کم ہوتو اس کو صبی کہتے ہیں اور جب اس کی عمر دس سے زیادہ ہوتو اس کو غلام کہتے ہیں۔

(تفسیر روح البیان: ج:7،ص:473 مطبوعہ عثمانیہ کانسی روڈ کوئٹہ)

حلیم کی تعریف

تفسیر روح البیان میں ہے۔

بعض اہل لغت نے کہا ہے:

حلیم اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے کام سکون اور اطمینان سے کرے جلد بازی نہ کرے اور جب اس پر کوئی مصیبت آئے تو اضطراب اور گھبراہٹ کا اظہار نہ کرے اور اگر کوئی کام اس کے مزاج اور مرضی کے خلاف ہو جائے تو غصہ اور غضب میں نہ آئے۔

(تفسیر روح البیان: ج:7،ص:473 مطبوعہ عثمانیہ کانسی روڈ کوئٹہ)

حلم والے کی تین بشارتیں

تفسیر روح البیان میں ہے۔

اس آیت کریمہ میں تین بشارتیں جمع ہیں۔

(1) ایک یہ کہ ان کے ہاں بیٹا ہوگا (یعنی مذکر ہوگا)

(2) دوسری یہ کہ وہ بلوغت کی عمر کو پہنچے گا کیونکہ بچہ کو حلم اور بردباری سے متصف نہیں کیا جاتا۔

(3) تیسری بشارت یہ ہے کہ وہ حلیم اور بردبار ہوگا۔

(تفسیر روح البیان: ج:7،ص:473 مطبوعہ عثمانیہ کانسی روڈ کوئٹہ)

کون سے بیٹے کی خوشخبری دی؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کس بیٹے کی بشارت دی گئی۔ اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

امام ابی جعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

عکرمہ نے کہا:

اس سے مراد حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔

اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا:

اس سے مراد حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔

(جامع البیان المعروف تفسیر طبری: ج:7،23،24،ص:91، داراحیاء التراث العربی)

لیکن جو صحیح اور اغلب قول ہے وہ یہ ہے کہ
اس سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔
اور یہی قول صحیح ہے۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔
سعید بن میسب، شعبی، حسن بصری، مجاہد الربیع بن انس محمد بن کعب القرظی اور کلبی کا بھی یہی قول ہے۔
عن عطاء بن ریاح ویوسف بن مالک عن عباس کے سلسلہ سے مروی ہے کہ
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا
جن کا فدیہ دیا گیا تھا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔
(تفسیر بغوی: ج:4، ص:28 مطبوعہ دار الفکر العلمیہ بیروت)
سدی نے کہا:
جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے صالح بیٹے کی دعا کی تو اسی (یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام) کی بشارت دی گئی۔
وہی اللہ تعالیٰ کے اذن سے ذبیح ہیں۔
(تفسیر بغوی: ج:4، ص:28 مطبوعہ دار الفکر العلمیہ بیروت)

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت باسعادت

واقدی اور ابن عساکر نے عامر بن سعید عن ابیہ کے طریق سے اس طرح روایت کی ہے کہ
حضرت سارہ رضی اللہ عنہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عقد میں تھیں۔ عرصہ طویل گزر گیا مگر بچہ پیدا نہ ہوا تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے بے اولاد ہونے کی کیفیت دی تو اپنی لونڈی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہبہ کر دی۔
حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔
(تاریخ ابن العساکر: ج:69، ص:187، 188 دار الفکر بیروت)

کان چھیدنے کا رواج کب سے

تاریخ ابن العساکر میں ہے۔
جب حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو اس سے غیرت آگئی اور نفس میں غصہ محسوس کیا اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا تعاقب کیا اور قسم اٹھائی کہ میں ان کے تین

اعضاء کاٹوں گی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

کیا تم اپنی قسم پورا کرنا چاہتی ہے۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا:

میں اسے کیسے پورا کروں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

ان کے کان چھید دو اور اس کا ختنہ کر دو۔

تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی کیا۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے اپنے کانوں میں بالیاں ڈالیں تو اس سے ان کے حسن میں مزید اضافہ ہو گیا تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے یہ دیکھ کر کہا میں نے تو اس کے جمال میں مزید اضافہ کر دیا ہے......

(تاریخ ابن العساکر: ج:69، ص:187 تا 188 دار الفکر بیروت)

حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ (الصفت: 112)

اور ہم نے ان کو اسحاق نبی کی بشارت دی جو صالحین میں سے ہیں۔

☆

اس آیت کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی واضح بشارت دی گئی۔

حضرت ابراہیم و اسحاق علیہما السلام پر برکتوں کا نزول

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم و حضرت اسحاق علیہما السلام پر برکتیں نازل فرمائیں۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ؕ (الصفت: 113)

اور ہم نے ابراہیم اور اسحاق پر برکتیں نازل فرمائیں۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے آئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو گائے کا بھنا ہوا بچھڑا پیش کیا

اوران فرشتوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھائے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے دل میں ان سے ڈرنے لگے تو فرشتوں نے کہا: آپ علیہ السلام مت ڈریئے ہم قوم لوط کی طرف نازل کرنے کے لئے آئے ہیں۔تب حضرت سارہ رضی اللہ عنہا ہنس پڑیں،اس پر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت سنائی گئی۔

قرآن مجید میں ہے:

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ (:71)

ابراہیم کی بیوی جو کھڑی ہوئی تھی وہ ہنس پڑی تو ہم نے اس کو اسحاق کی پیدائش کی خوشخبری سنائی۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کیوں ہنس پڑیں؟

امام رازی نے لکھا ہے کہ

سارہ آزر بن باحوراء کی بیٹی تھیں اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عم زاد تھیں۔یہ پردے کے پیچھے کھڑی ہوئی تھیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام فرشتوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے ہنسنے کی مختلف وجوہات بیان کی گئی ہیں۔

(1) جب فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا۔

آپ علیہ السلام مت ڈریئے ہمیں قوم لوط کے پاس بھیجا گیا ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خوف زائل ہو گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خوش ہونے سے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا بھی خوش ہو گئیں اور ایسے موقع پر آدمی ہنس پڑتا ہے۔

(2) حضرت سارہ رضی اللہ عنہا قوم لوط کے عمل سے سخت ناراض اور متنفر تھیں اور جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ فرشتے ان پر عذاب نازل کرنے کے لئے جارہے ہیں تو وہ ہنس پڑیں۔

(3) جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

اس کھانے کی قیمت اس کے اول میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور آخر میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے۔

اور فرشتوں نے کہا:

ایسے شخص کا یہ حق ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کا خلیل بنایا جائے تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا یہ سن کر خوشی سے ہنس پڑیں۔

(4) حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا تھا کہ آپ علیہ السلام اپنے بھانجے (حضرت لوط علیہ السلام) کو اپنے پاس بلالیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسا کام کرنے والوں کو ضرور عذاب دیتا ہے۔

اور جب فرشتوں نے یہ بتایا کہ

وہ قوم لوط کو ہلاک کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں تو انہیں یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ان کا مشورہ فرشتوں کی خبر کے موافق تھا۔

اس لئے آپ رضی اللہ عنہا ہنس پڑیں۔

(5) جب فرشتوں نے یہ کہا کہ
وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے اس پر دلیل طلب کی۔ فرشتوں نے دعا کی اور وہ بھنا ہوا بچھڑا زندہ ہو گیا اور اچھل کر کھڑا ہو گیا یہ دیکھ کر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا ہنس پڑیں۔
(6) انہیں اس پر تعجب ہوا کہ
ایک قوم کو عذاب آنے والا ہے اور وہ غفلت میں مبتلا ہیں۔
اس لئے ان کو ہنسی آ گئی۔
(7) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتوں نے ان کو پہلے مطلقاً بچے کی بشارت دی ہو اس پر ان کو بطور تعجب کے ہنسی آ گئی کیونکہ اس وقت ان کی عمر اسی سال سے اوپر تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو سال تھی۔
اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ
ان کو خوشی سے ہنسی آئی ہو اور جب وہ ہنس پڑیں تو اللہ تعالیٰ نے خوش خبری دی کہ وہ بیٹا اسحاق علیہ السلام ہے اور اس کے بعد یعقوب علیہ السلام پیدا ہوں گے۔
(8) انہیں اس پر تعجب ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس قدر رعب اور دبدبہ کے باوجود صرف تین آدمیوں سے کیسے ڈر گئے۔
اس لئے ان کو ہنسی آ گئی۔
ان میں سے بعض وجوہ کا ذکر امام ابن جریر طبری نے کیا ہے۔
(جامع البیان: ج:9، ص:95 تا 96)

حضرت اسحاق علیہ السلام کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت

اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت سنانے کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت سنائی۔
قرآن مجید میں ہے:
وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ ○ (ھود: 71)
اور اسحاق کے بعد یعقوب کی (بشارت سنائی)

☆

فرمایا: اے سارہ رضی اللہ عنہا تم کو یعقوب کی بشارت ہو۔
یعنی اے سارہ رضی اللہ عنہا صرف یہی بشارت نہیں کہ تم اپنے بیٹے کو پاؤ گی بلکہ اپنے بیٹے کی بہاریں بھی دیکھو گی کہ اپنے پوتے یعقوب علیہ السلام کو بھی کھلاؤ گی۔

کیا میں بڑھاپے میں بچہ جنوں گی

جب فرشتوں نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت سنائی تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَتْ یٰوَیْلَتٰۤی ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّھٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا ؕ اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ ۝ (ھود: 72)

کہا ارے دیکھو! کیا میرے بچہ ہوگا اور میں بوڑھی ہوں اور یہ ہیں میرے شوہر بوڑھے بے شک یہ عجیب بات ہے۔

لفظ وی کی تحقیق

علامہ حسن بن محمد راغب اصفہانی متوفی 502ھ نے لکھا ہے

وی ایسا کلمہ ہے جس کو حسرت، ندامت اور تعجب کے اظہار کے طور پر بولا جاتا ہے اور ویل برائی کے اظہار کے لئے بولا جاتا ہے اور کبھی حسرت کے اظہار کے لئے بولا جاتا ہے اور جہنم کی ایک وادی کا نام بھی ویل ہے۔

(المفردات: ج:2، ص:695 مطبوعہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

امام خلیل بن احمد فراہیدی متوفی 175ھ نے لکھا ہے

وی تعجب کے اظہار کے لئے بولا جاتا ہے۔

ویح کسی مصیبت زدہ پر اظہار ترحم کے لئے بولا جاتا ہے اور ویل کسی برائی یا خرابی کے نزول کے لئے بولا جاتا ہے۔

(کتاب العین: ج:3، ص:1990 مطبوعہ ایران)

لفظ ویل کی تحقیق

علامہ جاراللہ محمود بن زمخشری متوفی 583ھ نے لکھا ہے۔

ویل اظہار تعجب کے لئے آتا ہے۔

(الفائق: ج:3، ص:384 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ المبارک بن محمد بن الاثیر الجزری التوفی 606ھ نے لکھا ہے۔

ویل غم مصیبت، ہلاکت، عذاب اور ندامت کے اظہار کے لئے بولا جاتا ہے اور کبھی اظہار تعجب کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔

(النہایہ: ج:5، ص:204، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا پر رشک

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی شافعی متوفی 774ھ روایت نقل کرتے ہیں۔

اہل کتاب نے بیان کیا ہے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت المقدس کے شہروں میں رہتے ہوئے بیس سال ہو گئے تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا بے شک مجھے میرے رب عزوجل نے اولاد سے محروم رکھا ہے۔ آپ علیہ السلام میری باندی سے عمل تو حید کیجئے شاید اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مجھے اولاد عطا فرمائے۔ جب حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا ہبہ کردی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے ساتھ شب بسری کی تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا ان سے حاملہ ہو گئیں۔ جب سے ان کو حمل ہوا تھا وہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا پر فخر کرنے لگی تھیں۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو ان پر رشک آتا تھا۔ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کی شکایت کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

تم اس کے ساتھ جو چاہو سلوک کرو۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا، حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے ڈر کر وہاں سے فرار ہو گئیں وہ ایک چشمہ کے پاس پہنچیں۔

تو ایک فرشتہ نے کہا:

تم مت ڈرو، اللہ تعالیٰ تم سے جو بچہ پیدا کرنے والا ہے اس میں بہت خیر ہے اور ان کو واپس جانے کا حکم دیا اور ان کو یہ بشارت دی کہ ان کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا اور تم ان کا نام اسماعیل علیہ السلام رکھنا۔ وہ لوگوں سے فتنہ دور کریں گے۔ ان کا تمام لوگوں پر ہاتھ ہوگا اور تمام لوگ ان کی مدد کریں گے۔ وہ اپنے تمام بھائیوں کے ملکوں کے مالک ہوں گے۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے اس پر شکر ادا کیا اور یہ بشارت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری ہوئی کیونکہ آپ ہی تمام بلاد عرب کے سردار تھے اور شرف اور غرب کے تمام ممالک میں آپ کا دین پھیل گیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس قدر زیادہ علوم اور اعمال صالحہ عطا نہیں کئے تھے اور یہ صرف اسی وجہ سے ہے کہ آپ کو تمام رسولوں پر فضیلت حاصل ہے اور آپ کی رسالت میں کمال اور برکت ہے اور آپ کی نبوت تمام روئے زمین کے لئے ہے۔

(الطبقات الکبریٰ: ج:1، ص:41)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی شافعی متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا واپس گئیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہو گئے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیالیس سال تھی۔ اور وہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش سے تیرہ سال پہلے پیدا ہوئے۔

امام ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ

اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر نوے (90) سال تھی اور اس کے تیس (30) سال بعد حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔

(الطبقات الکبریٰ: ج:1، ص:41)

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کا حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو دور چھوڑنے کا مطالبہ

البدایہ والنہایہ میں ہے۔

جب حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہو گئے تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا پر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی غیرت بہت زیادہ ہوگئی اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ وہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو ان کی نگاہ سے دور کر دیں۔

(البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:228 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ کو لے کر روانہ ہونا

انہوں (سارہ رضی اللہ عنہا) نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو ان کی نگاہ سے دور کر دیں پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر روانہ ہوئے۔ اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام دودھ پیتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو لے جا کر اس جگہ چھوڑ دیا جس کو آج کل مکہ مکرمہ کہا جاتا ہے۔

(البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:229 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا عورتوں میں سب سے پہلے اپنی کمر پر پٹکا باندھنے والی

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ

عورتوں میں سے جس نے سب سے پہلے اپنی کمر پر پٹکا باندھا، وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ تھیں۔ انہوں نے یہ پٹکا اس لئے باندھا تھا کہ ان کے قدموں کے نشان مٹ جائیں اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو پتہ نہ چلے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:3364)

حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو درخت کے پاس چھوڑنا

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں (حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا) اور ان کے دودھ پیتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو

لے کر روانہ ہوئے اور جس جگہ بیت اللہ ہے وہاں ایک درخت کے پاس چھوڑ دیا اور ان کے پاس ایک تھیلا رکھ دیا جس میں کھجوریں، ستو اور پانی تھا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3364)

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑنے کی وجہ پوچھنا

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس جانے لگے۔ (یعنی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ کر) تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ محترمہ ان کے پیچھے گئیں۔

اور کہا

اے ابراہیم علیہ السلام! آپ کہاں جا رہے ہیں؟

اور آپ علیہ السلام ہم کو اس غیر آباد اور بے آب وگیاہ وادی میں کیوں چھوڑ رہے ہیں؟

وہ بار بار یہی جملے دہراتی رہی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی طرف مڑ کر نہیں دیکھا۔

پھر انہوں نے پوچھا:

کیا اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو ایسے کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

ہاں

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

پھر اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں کرے گا اور وہ (مطمئن ہو کر) لوٹ آئیں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3364)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ اور بیٹے کو چھوڑتے وقت دعا

امام بخاری متوفی 256ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا:

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس روانہ ہوئے۔ (یعنی حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چھوڑ کر) حتیٰ کہ جب آپ علیہ السلام مقام ثنیہ پر پہنچے جہاں انہیں کوئی نہیں دیکھ رہا تھا تو انہوں نے اپنا منہ اس طرف کیا جس طرف اب بیت اللہ ہے پھر انہوں نے دونوں ہاتھ بلند اٹھا کر ان کلمات کے ساتھ دعا کی۔

"اے ہمارے رب عزوجل! میں نے اپنی بعض اولاد کو بے آب وگیاہ وادی میں ٹھہرا دیا ہے تیرے حرمت والے

گھر کے نزدیک

اے ہمارے رب عزوجل! تاکہ وہ نماز قائم کریں تو کچھ لوگوں کو ایسا کر دے کہ وہ ان کی طرف مائل رہیں اور ان کو پھلوں سے روزی دے تاکہ وہ شکر کریں۔"

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3364) (ابراہیم: 37)

آیت یہ ہے۔

رَبَّنَاۤ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ وَارۡزُقۡہُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّہُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ ○

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا پانی تلاش کرنا

امام محمد بن اسحاق بخاری متوفی 256ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پلاتی تھیں اور اس پانی سے پیتی تھیں حتیٰ کہ جب مشکیزہ کا پانی ختم ہو گیا تو وہ اور ان کا بیٹا دونوں پیاسے تھے وہ اپنے بیٹے کی طرف دیکھتیں جو پیاس سے تڑپ رہے تھے۔ جب وہ ان کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکیں تو وہاں سے چل پڑیں۔

انہوں نے دیکھا۔

اس زمین کے قریب صفا پہاڑ تھا، وہ اس پہاڑ پر کھڑی ہو گئیں کہ کوئی آتا ہوا دکھائی دے۔ انہیں کوئی نظر نہیں آیا پھر وہ صفا سے اتریں اور وادی میں پہنچ گئیں۔ انہوں نے اپنی قمیص کا دامن اٹھایا اور بہت تیز دوڑ کر اس وادی کے پار گئیں پھر وہ مروہ پر گئیں۔

اور دیکھا کہ

کوئی شخص دکھائی دے انہیں کوئی نظر نہیں آیا۔ انہوں نے صفا و مروہ کے درمیان اس طرح سات مرتبہ دوڑ لگائی۔ پھر انہوں نے اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہا اب ٹھہر جاؤ۔ پھر انہوں نے کان لگا کر سنا تو انہیں ایک آواز سنائی دی۔

اور اس نے کہا:

اگر تمہارے پاس کوئی فریاد رس ہے تو تم نے اس کو اپنی آواز پہنچا دی ہے۔ اچانک دیکھا تو زمزم کے قریب ایک فرشتہ کھڑا تھا۔ اس فرشتے نے اس جگہ اپنی ایڑی یا اپنے پر مارے حتیٰ کہ پانی نکلنے لگا۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھوں سے اس طرح اس پانی کو حوض کی طرح اکٹھا کرنے لگیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ماں پر رحم فرمائے، کاش! وہ زمزم کو بہتا ہوا چھوڑ دیتیں۔

یا ارشاد فرمایا۔

کاش وہ اس میں سے چلو نہ بھرتیں۔تو زمزم ایک بہتا ہوا چشمہ بن جاتا۔ پھر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے خود پانی پیا اور اپنے بیٹے کو پلایا۔

فرشتہ نے ان سے کہا:

تم اپنے بچے کے متعلق فکر نہ کرو۔اس جگہ بیت اللہ ہے جس کو یہ لڑکا اور اس کا باپ تعمیر کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس کے اہل کو ضائع نہیں کرے گا اور بیت اللہ کی جگہ زمین سے بلند تھی۔اس کے دائیں اور بائیں جانب سے سیلاب گزر جاتے تھے۔

(صحیح بخاری: رقم الحدیث:3364)

جرہم قبیلہ کی آمد

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ

اسی طرح وقت گزرتا رہا حتیٰ کہ جرہم کے کچھ لوگ وہاں سے گزرے یا جرہم کے گھرانوں میں سے کچھ لوگ وہاں سے گزرے وہ مکہ مکرمہ کے نشیب میں اترے۔انہوں نے وہاں پرندوں کو منڈلاتے ہوئے دیکھا۔

انہوں نے آپس میں کہا

یہ پرندے پانی پر جا رہے ہیں ہم اس وادی اور اس میں جو پانی ہے اس کا ارادہ کرتے ہیں۔انہوں نے ایک یا دو آدمیوں کو بھیجا تو وہ پانی تک پہنچ گئے۔انہوں نے واپس جا کر ان کو خبر دی تو وہ سب وہاں پہنچ گئے۔وہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ محترمہ تھیں۔

انہوں نے کہا:

کیا آپ رضی اللہ عنہا ہم کو اس بات کی اجازت دیتی ہیں کہ ہم آپ رضی اللہ عنہا کے پاس قیام کریں۔

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔

ہاں لیکن پانی پر تمہارا کوئی حق نہیں ہوگا۔

انہوں نے کہا:

ٹھیک ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:3364)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا نکاح مبارک

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس چیز سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ماں کی ڈھارس بندھی اور وہ انس چاہتی تھیں وہ لوگ وہاں ٹھہر گئے اور انہوں نے اپنے گھر والوں کو بھی بلالیا حتیٰ کہ جب وہاں بہت سے گھر بن گئے اور ان کا بیٹا یعنی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا بیٹا حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہو گیا اور اس نے ان سے عربی زبان سیکھ لی۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو آپ علیہ السلام جرہم کے کچھ لوگوں کو اچھے لگے تو انہوں نے اپنی ایک عورت کا ان سے نکاح کر دیا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3364)

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی وفات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(نکاح کے بعد حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا فوت ہوگئیں) جب حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو وہ جرہم کے کچھ لوگوں کو اچھے لگے اور انہوں نے اپنی ایک عورت کا ان سے نکاح کر دیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ فوت ہوگئیں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3364)

شادی کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مکہ مکرمہ میں تشریف آوری

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی ہو جانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اہل وعیال کے احوال معلوم کرنے کیلئے آئے۔ انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو موجود نہ پایا تو آپ علیہ السلام کی بیوی سے آپ علیہ السلام کے متعلق معلوم کیا۔

اس نے کہا:

وہ ہمارے لئے کچھ لینے گئے ہیں۔

(دوسری روایت میں ہے کہ وہ شکار کرنے گئے ہیں)

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے حالات اور گزر اوقات کے متعلق ان سے پوچھا:

اس نے کہا:

ہم بہت برے حالات میں ہیں اور ہم بہت تنگی اور سختی میں ہیں اور ان سے شکایت کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

جب تمہارا خاوند آئے تو تم اس سے میرا سلام کہنا اور اس سے کہنا کہ وہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ تبدیل کر دے۔

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام تشریف لائے تو ان کو کچھ تغیر محسوس ہوا۔

انہوں نے پوچھا:

کیا تمہارے پاس کوئی آیا تھا؟

بیوی نے کہا:

ہاں! اس اس شکل کا بوڑھا آیا تھا۔ اس نے تمہارے متعلق پوچھا تو میں نے اس کو بتایا۔ اس نے مجھ سے پوچھا تمہارے حالات کیسے ہیں؟ تو میں نے اس کو سب کچھ بتایا کہ ہم بہت جفاکشی اور سختی کے ایام سے گزر رہے ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا:

کیا انہوں نے کسی چیز کی وصیت کی تھی؟

اس نے کہا:

ہاں انہوں نے مجھے یہ حکم دیا کہ میں آپ علیہ السلام کو ان کا سلام کہوں

اور وہ یہ کہتے تھے کہ

تم اپنے دروازہ کی چوکھٹ کو تبدیل کر لو۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا:

وہ میرے والد محترم تھے اور انہوں نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تم سے علیحدہ ہو جاؤں تم اپنے والدین کے گھر چلی جاؤ۔ انہوں نے اس کو طلاق دے دی اور ان لوگوں میں دوسری شادی کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا حضرت ابراہیم علیہ السلام ٹھہرے رہے پھر کچھ عرصہ بعد آئے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نہیں ملے۔ وہ آپ علیہ السلام کی بیوی کے پاس گئے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق سوال کیا۔

آپ علیہ السلام کی بیوی نے کہا:

وہ ہمارے واسطے کچھ لینے گئے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا:

تمہارا کیا حال ہے؟ اور آپ علیہ السلام کی گزر اوقات کے متعلق سوال کیا۔

آپ علیہ السلام کی بیوی نے کہا:

ہم خیریت سے ہیں اور بہت خوش حال ہیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا:

تم لوگ کیا کھاتے ہو؟

انہوں نے کہا:

ہم پانی پیتے ہیں۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی۔
ان کے گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما۔
اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اس وقت ان لوگوں کے پاس اناج نہیں تھا ورنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے لئے اس میں بھی برکت کی دعا کرتے۔
پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا:
صرف ان دو چیزوں (گوشت اور پانی) پر مکہ مکرمہ کے سوا اور کسی جگہ گزارہ نہیں ہو سکتا۔ صرف یہ دو چیزیں اور جگہوں پر مزاج کے موافق نہیں ہوں گی۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:
جب تمہارا شوہر آئے تو اس کو میرا سلام کہنا۔
اور اس سے کہنا کہ
وہ اپنے دروازے کی چوکھٹ کو قائم رکھے۔
جب حضرت اسماعیل علیہ السلام آئے تو پوچھا!
کیا کوئی شخص تمہارے پاس آیا تھا۔
آپ علیہ السلام کی بیوی نے کہا:
ہاں! ہمارے پاس اچھی شکل وصورت کا ایک بوڑھا شخص آیا تھا اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف کی۔
انہوں نے مجھ سے ہماری گزر اوقات اور حالات کے متعلق پوچھا۔ میں نے ان کو بتایا کہ میں خیریت سے ہوں۔
حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا:
کیا انہوں نے تمہیں کوئی وصیت بھی کی تھی۔
انہوں نے کہا:
ہاں! انہوں نے آپ علیہ السلام کو سلام کہا اور آپ علیہ السلام کے متعلق یہ حکم دیا کہ آپ علیہ السلام اپنے دروازے کی چوکھٹ کو قائم رکھیں۔
حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا:
یہ میرے والد محترم تھے اور تم چوکھٹ ہو۔ انہوں نے مجھے یہ حکم دیا کہ میں تمہیں اپنے پاس برقرار رکھوں۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3364)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ملاقات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ

جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا حضرت ابراہیم علیہ السلام ٹھہرے رہے۔

پھر اس کے بعد آئے اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام زمزم کے قریب ایک بڑے درخت کے نیچے بیٹھے اپنا تیر درست کررہے تھے۔ جب آپ علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو کھڑے ہوگئے اور دونوں ایک دوسرے سے اس طرح ملے جیسے بیٹا باپ سے اور باپ بیٹے سے ملتا ہے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: 3364)

حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ۝ (النساء: 125)

اور اللہ نے ابراہیم کو خلیل بنایا۔

خلیل کا معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:

خلیل کا لفظ خلل سے بنا ہے۔

خلل کا معنی ہے۔

کسی چیز کو دو چیزوں کے درمیان رکھنا۔

خلہ (بالکسر) کے معنی ہیں۔

تلوار کی میان یا غلاف کیونکہ تلوار اس کے درمیان ہوتی ہے۔

خلہ (بالفتح) کا معنی ہے۔

اختلال اور پریشانی

اور اس کی تفسیر احتیاج کے ساتھ کی گئی ہے۔

اور خلہ (بالضم) کے معنی ہیں۔

محبت کیونکہ محبت نفس میں سرایت کرجاتی ہے اور اس کے وسط میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل فرمایا ہے کیونکہ وہ ہر حال میں صرف اللہ تعالیٰ کے محتاج تھے یا اس سے خلیل فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے

شدید محبت کرتے تھے یا اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام سے محبت کرتا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے محبت کا معنی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہر کام اور ہر بات کرنا اور ہر حال میں اس سے راضی رہنا۔

اور اللہ تعالیٰ کی آپ علیہ السلام سے محبت کا معنی ہے۔

آپ علیہ السلام پر اکرام اور احسان کرنا اور دنیا و آخرت میں آپ علیہ السلام کی ثناء جمیل کرنا۔

(المفردات: ص: 155 تا 156 مطبوعہ المکتبہ المرتضویہ ایران)

خلیل اور حبیب میں فرق

حضرت قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے خلیل اور حبیب کا فرق بیان کرتے ہوئے امام ابوبکر بن فورک کے حوالے سے لکھا ہے۔

خلیل، اللہ تعالیٰ تک بالواسطہ پہنچے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (الانعام: 75)

اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمینوں کی ساری بادشاہی دکھائی۔

اور حبیب، اللہ تعالیٰ تک بلاواسطہ پہنچے۔

قرآن مجید میں ہے:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰىO فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰىO (النجم: 8 تا 9)

پھر (اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے قریب ہوا پھر زیادہ قریب ہوا پھر دو کمانوں کی مقدار کے برابر اللہ کے قریب ہوئے یا اس سے بھی زیادہ قریب ہوئے۔

خلیل کی مغفرت کا بیان طمع میں ہے۔

وَ الَّذِیْۤ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓــٴَـتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِO (الشعراء: 82)

اور جس سے میری امید وابستہ ہے وہ قیامت کے دن میری خطا معاف فرمادے گا

اور حبیب کی مغفرت کا بیان مرتبہ یقین ہے۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًاO لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ (الفتح: 1 تا 2)

بے شک ہم نے آپ کو روشن فتح عطا فرمائی تا کہ اللہ آپ کے لئے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلاف اولیٰ سب کام معاف فرمادے۔

خلیل نے دعا کی کہ اللہ انہیں روز حشر رسوا نہ کرے

قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ (الشعراء: 87)

اور مجھے روز حشر شرمندہ نہ کرنا۔

اور حبیب کو بن مانگے یہ مقام عطا فرمانا۔

یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ (التحریم: 8)

جس دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو نہ شرمندہ کرے گا نہ ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو۔

امتحان کے موقع پر خلیل نے کہا:

حَسْبِیَ اللّٰہُ

ترجمہ: مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے۔

اور حبیب کے لئے اللہ تعالیٰ نے ازخود ارشاد فرمایا۔

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (الانفال: 64)

خلیل نے دعا کی۔

وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ○ (الشعراء: 84)

اور بعد کے آنے والوں میں میرا ذکر جمیل جاری کر دے۔

اور حبیب کے لئے ازخود فرمایا۔

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ (الانشراح: 4)

اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا۔

سو قیامت تک کلمہ، اذان، نماز اور خطبہ میں مسلمانوں کی زبان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بلند ہوتا رہے گا۔

خلیل نے دعا کی۔

وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (ابراھیم: 35)

اور مجھے اور میرے (خاص) بیٹوں کو بتوں کی عبادت سے اجتناب پر برقرار رکھ۔

اور حبیب کے لئے بلا طلب ازخود فرمایا۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا○ (الاحزاب: 33)

اے اہل بیت رسول! اللہ یہی ارادہ فرماتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی ناپاکی دور کر کے تم کو خوب پاکیزہ کر دے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ہم نے جو یہ چند آیات ذکر کی ہیں ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامات کی افضلیت کی ایک جھلک معلوم ہو جاتی ہے اور ان آیات سے ہر شخص اپنے ذوق کے مطابق مفہوم اخذ کرتا ہے اور تمہارا رب عزوجل ہی بہتر جانتا ہے کہ کون احسن طریقہ پر ہے۔

(شفاء، ج:1، ص:133 تا 134 مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان)

خلیل پر حبیب کو فضیلت کیسے؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نجی بنایا

اور مجھے حبیب بنایا

پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! میں اپنے حبیب کو اپنے خلیل اور اپنے نجی پر فضیلت دوں گا۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث: 1494)

صحابہ کرام علیہم الرضوان کا خلیل اور کلیم کا ذکر کرنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام علیہم الرضوان بیٹھے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے۔

ان میں سے بعض نے کہا:

کس قدر حیرت کی بات ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔

دوسرے نے کہا:

اس سے بھی حیرت اس پر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلیم بنایا۔

ایک اور نے کہا:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں۔

اور دوسرے نے کہا:

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے صفی اللہ بنایا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور ان کو سلام کیا

اور ارشاد فرمایا

میں نے تمہارا کلام سنا اور تمہارے تعجب کرنے پر مطلع ہوا۔

بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں اور وہ اسی طرح ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نجی (جن سے اللہ تعالیٰ نے سرگوشی میں بات کی) اور وہ اسی طرح ہیں۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں اور وہ اسی طرح ہیں اور حضرت آدم اللہ تعالیٰ کے صفی ہیں اور وہ اسی طرح ہیں۔

سنو!

میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں اور فخر نہیں اور میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھان والا ہوں گا اور فخر نہیں ہے اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میری شفاعت سب سے پہلے قبول کی جائے گی اور فخر نہیں اور میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ میرے لئے جنت کو کھولے گا اور میرے ساتھ فقراء مومنین داخل ہوں گے اور فخر نہیں اور میں تمام اولین وآخرین میں سب سے زیادہ عزت والا ہوں اور فخر نہیں۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3636)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب میں قربانی کرتے دیکھنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنے بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں جیسا کہ قرآن مجید میں صریح آیت موجود ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَا ذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ○(صفت: 102)

پس جب وہ لڑکا ان کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچا تو ابراہیم نے کہا: اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ اب تم سوچ کر بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے۔ بیٹے نے کہا: اے ابا جان! آپ وہی کیجئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ آپ ان شاء اللہ مجھے عنقریب صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

کام کاج کی عمر کے وقت ذبح کا حکم

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

امام ابواسحاق اپنی سند کے ساتھ بیان فرماتے ہیں کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام سے ملاقات کے لئے جاتے تو صبح کے وقت براق پر سوار ہو کر

شام سے روانہ ہوتے اور دوپہر کو مکہ مکرمہ پہنچ کر آرام کرتے اور شام کے وقت مکہ مکرمہ سے روانہ ہوتے اور رات کے وقت شام میں اپنی بیوی حضرت سارہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس پہنچ جاتے حتیٰ کہ ان کے بیٹے (حضرت اسماعیل علیہ السلام) جب کام کاج کرنے کی عمر کو پہنچ گئے اور انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ وہ ان کے ساتھ مل کر اپنے رب عزوجل کی عبادت کریں گے اور اس کے حرم کی تعظیم کریں گے تو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔

(تاریخ الامم والملوک: ج:1، ص:195)

شیطان کی ناکامی

امام ابو اسحاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دیں تو انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا یہ رسی اور چھری لو اور ہمارے ساتھ چلو تا کہ ہم گھر والوں کے لئے لکڑیاں چن کر لائیں۔ انہوں نے اپنے بیٹے سے یہ ذکر نہیں کیا تھا کہ وہ کس لئے اس گھاٹی میں جا رہے ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ کا دشمن ابلیس ایک آدمی کی صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے آ کر ملا تا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے کی قربانی سے باز رکھے۔

اور آ کر کہا

اے بزرگ آپ علیہ السلام کہاں جا رہے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

میں اپنے کام سے ایک گھاٹی میں جا رہا ہوں۔

شیطان نے کہا:

میرا گمان ہے کہ آپ علیہ السلام کے پاس خواب میں شیطان آیا اور اس نے آپ علیہ السلام کو اس بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا اور ارشاد فرمایا۔

اے اللہ تعالیٰ کے دشمن! میرے پاس سے دفع ہو جا پس اللہ تعالیٰ کی قسم میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر ضرور عمل کروں گا۔ جب اللہ تعالیٰ کا دشمن ابلیس حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مایوس ہو گیا تو پھر وہ ان کے بیٹے کے پاس پہنچا وہ اپنے والد کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔

ان سے اس نے کہا:

کیا تم کو معلوم ہے کہ تمہارے والد تمہیں کہاں لے جا رہے ہیں۔

انہوں نے کہا:

ہم اس گھاٹی سے لکڑیاں چننے جا رہے ہیں۔

شیطان نے کہا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! وہ تم کو صرف ذبح کرنے کے لئے لے جا رہے ہیں۔

انہوں نے پوچھا:

کیوں؟

شیطانوں نے کہا:

ان کا گمان ہے کہ ان کے رب عزوجل نے انہیں یہ حکم دیا ہے۔

انہوں نے کہا:

پھر ان کو چاہئے کہ وہ اپنے رب عزوجل کی اطاعت کریں۔

پھر وہ ایک آدمی کے بھیس میں اس بیٹے کی ماں کے پاس گیا

اور ان سے کہا:

کیا تم کو معلوم ہے کہ ابراہیم علیہ السلام تمہارے بیٹے کو لے کر کہاں گئے ہیں۔

انہوں نے کہا:

وہ اس گھاٹی میں لکڑیاں چننے گئے ہیں

شیطان نے کہا:

نہیں! اللہ تعالیٰ کی قسم! وہ صرف اس کو ذبح کرنے کے لئے ساتھ لے کر گئے ہیں۔

ان کی والدہ نے کہا:

نہیں وہ اپنے بیٹے پر شفقت کرتے ہیں اور اس سے بہت محبت کرتے ہیں۔

شیطان نے کہا:

ان کا یہ گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دیں۔

ان کی والدہ نے کہا:

اگر ان کے رب عزوجل نے ان کو یہ حکم دیا ہے تو انہوں نے بہت اچھا کیا کہ اپنے رب عزوجل کے حکم کی اطاعت کی او
اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اللہ تعالیٰ کا دشمن ابلیس ناکام اور نامراد ہو کر غیظ و غضب میں مبتلا ہو کر واپس لوٹ گیا او
اس لعین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل کو بہکانے کا جو ارادہ کیا تھا اس میں وہ خائب و خاسر رہا۔

(تفسیر ثعلبی: ج:8، ص:154) (الکامل فی التاریخ: ج:2، ص:63)

گھاٹی میں اپنے بیٹے سے مشورہ

امام محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر گھاٹی میں پہنچے اور وہ ثبیر نامی پہاڑ کی گھاٹی تھی۔

تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا۔

اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں، اب تم سوچ کر بتاؤ کہ تمہارا کیا فیصلہ ہے۔

ان کے بیٹے نے کہا:

اے ابا جان! آپ وہی کیجئے جن کا آپ علیہ السلام کو حکم دیا گیا ہے۔ آپ علیہ السلام ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ (تاریخ الامم والسلوک: ج:1،ص:195)

ذبح سے پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عرض

امام محمد بن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا

اے ابا جان! اگر آپ علیہ السلام نے مجھے ذبح کرنے کا ارادہ کر لیا ہے تو مجھے مضبوطی کے ساتھ رسیوں سے باندھ دیں تاکہ میرے خون کے چھینٹے آپ علیہ السلام پر نہ پڑیں اور میرا اجر کم نہ ہو کیونکہ موت بہت سخت ہوتی ہے اور میں ذبح کے وقت اپنے تڑپنے اور پھڑکنے سے مامون نہیں ہوں اور اپنی چھری کو اچھی طرح تیز کر لیں تاکہ وہ مجھ پر آسانی سے گزر جائے اور جب آپ علیہ السلام مجھے کرنے کے لئے لٹائیں تو مجھے منہ کے بل لٹائیں اور مجھے پہلو کے بل نہ لٹائیں کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ اگر آپ علیہ السلام کی نظر میرے چہرے پر پڑے گی تو آپ علیہ السلام کے دل میں رقت پیدا ہو گی اور وہ رقت آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے سے مانع ہو گی اور اگر آپ علیہ السلام مناسب سمجھیں تو میری قمیص میری ماں کو لے جا کر دے دیں۔ اس سے ان کو تسلی ہو گی اور ان کو مجھ پر صبر آ جائے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

اے میرے بیٹے تم اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے میں میرے لئے عمدہ مددگار ثابت ہو رہے ہیں۔

(تفسیر معالم التنزیل: ج:4،ص:36)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لٹا کر چھری چلانا

امام محمد بن اسحاق اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ

پھر جس طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا تھا ان کو اچھی طرح باندھ دیا پھر اپنی چھری کو تیز کیا اور پھر ان کو پیشانی کے بل گرا دیا اور ان کے چہرے کی طرف سے اپنی نظر ہٹالی پھر ان کے حلقوم پر چھری چلائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ میں اس

چھری کو پلٹ دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس چھری کو پھر اپنی طرف کھینچا تا کہ اپنے اس عمل سے فارغ ہوں۔

تو ایک ندا کی گئی:

اے ابراہیم علیہ السلام! تم نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا۔ یہ ذبیحہ تمہارے بیٹے کی طرف سے فدیہ ہے۔ اپنے بیٹے کے بدلے میں اس کو ذبح کر دو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

جب ان دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیا حالانکہ ذبیحہ کو چہرے پر گرایا جاتا ہے اور یہ اس کے مطابق ہے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو مشورہ دیا تھا۔

(تفسیر معالم التنزیل: ج:4،ص:36)

ذبح کا تذکرہ

قرآن مجید میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کرنے کا تذکرہ موجود ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ○ وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰاِبْرٰهِیْمُ ○ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ○ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ○ (الصفت: 103 تا 106)

سو جب دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم نے بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیا اور ہم نے ابراہیم کو ندا کی: اے ابراہیم بے شک آپ نے خواب سچ کر دکھایا اور بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی دیتے ہیں بے شک یہ ضرور کھلی ہوئی آزمائش ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بدلہ میں ذبیحہ عطا کرنا

اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح ہونے کے بدلے میں ذبیحہ عطا فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ (الصفت: 107)

اور ہم نے اس کے بدلہ میں ایک بہت بڑا ذبیحہ دے دیا۔

مینڈھا جنت میں چالیس سال سے چر رہا تھا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا:

جنت سے ایک مینڈھا باہر لایا گیا جو چالیس سال سے جنت میں چر رہا تھا۔

(تاریخ الامم والملوک: ج:1،ص:192، مطبوعہ موسسۃ الاعلمی بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کنکریاں مارنا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو بھیج دیا پھر جمرہ اولیٰ پر گئے اور وہاں سات کنکریاں ماریں پھر جمرہ وسطی پر گئے اور وہاں سات کنکریاں ماریں پھر جمرہ کبریٰ پر گئے اور وہاں سات کنکریاں ماریں پھر منیٰ میں قربانی کی جگہ گئے اور وہاں اس مینڈھے کو ذبح کر دیا۔

(تاریخ الامم والسلوک: ج:1،ص:193 مطبوعہ مؤسستہ الاعلمی بیروت)

مینڈھے کے سینگ خانہ کعبہ کے ساتھ لٹکے ہونا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ بے شک اوائل میں اس مینڈھے کا سر اس کے دو سینگوں کے ساتھ میزاب کے ساتھ لٹکا ہوا تھا اور اس کا سر سوکھ کر خشک ہو چکا تھا۔

(تاریخ الامم والملوک: ج:1،ص:193 مطبوعہ مؤسستہ الاعلمی بیروت)

مجھے اپنی قمیص میں کفن دینا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حج کے افعال ادا کرنے کا حکم دیا گیا تو شیطان آپ علیہ السلام کے پاس آیا۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ علیہ السلام کو جمرۃ العقبہ پر لے گئے۔ آپ علیہ السلام کے پاس پھر شیطان آیا آپ علیہ السلام نے اس کو سات کنکریاں ماریں تو وہ چلا گیا۔ پھر آپ علیہ السلام چلے گئے تو جمرہ وسطی کے پاس شیطان آیا۔ آپ علیہ السلام نے پھر اس کو سات کنکریاں ماریں تو وہ چلا گیا۔ تو وہ چلا گیا پھر آپ علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو پیشانی کے بل گرا دیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پر سفید قمیص تھی۔

انہوں نے کہا:

اے ابا جان! میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی قمیص نہیں ہے جس میں آپ علیہ السلام مجھے کفن دیں۔ آپ علیہ السلام اس کو اتار کر رکھ لیں اور اسی میں مجھ کو کفن دیں پھر اچانک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مڑ کر دیکھا تو ایک بڑی آنکھوں والا اور سفید سینگوں والا مینڈھا کھڑا ہوا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو ذبح کر دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

ہم اسی وجہ سے اسی طرح کا مینڈھا قربانی کے لئے تلاش کرتے ہیں۔

(تاریخ الامم والسلوک: ج:1،ص:194 مطبوعہ مؤسستہ الاعلمی بیروت)

حضرت آدم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذبیحے ایک قسم کے تھے

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

جس مینڈھے کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کیا تھا۔ وہ اسی کی نسل سے تھا جس کی حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے نے قربانی کی تھی اور ان کی قربانی قبول کرلی گئی تھی اور وہ مینڈھا سرمگیں تھا اور اس کا اون سرخ رنگ کا تھا۔

(تاریخ الامم والملوک ج:1،ص:145 مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی بیروت)

دونوں سینگوں کو آگ گئی

صفیہ بنت شیبہ بیان کرتی ہیں کہ

مجھے بنو سلیم کی ایک عورت نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلایا۔

میں نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ

تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں بلوایا تھا۔

انہوں نے کہا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب میں بیت اللہ میں داخل ہوا تو میں نے وہاں پر ایک مینڈھے کے دو سینگ دیکھے۔ میں تم سے یہ کہنا بھول گیا کہ تم ان سینگوں کو ڈھانپ دو سو اب تم ان کو ڈھانپ دو کیونکہ بیت اللہ میں کوئی ایسی چیز نہیں ہونی چاہیے جو نمازی کو مشغول کرالے۔

سفیان نے کہا:

وہ دونوں سینگ بیت اللہ میں رکھے رہے حتیٰ کہ جب بیت اللہ کو آگ لگی تو وہ سینگ بھی جل گئے۔

(مسند احمد: ج:4،ص:69 طبع قدیم)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کے وقت عمر

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا:

اس وقت میں (یعنی ذبح کے وقت) حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر 13 سال تھی۔

(تفسیر کبیر: ج:26،ص:12)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح میں اختلاف

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیحہ ہونے میں اختلاف ہے۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کون سے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

اکثر علماء کا یہ مسلک ہے کہ

ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔

(1) حضرت عباس بن عبدالمطلب (ایک روایت کے مطابق)

(2) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

(3) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

(4) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

(5) حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ

(6) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

(7) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

ان سات صحابہ کرام علیہم الرضوان کا یہ نظریہ تھا کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں اور تابعین وغیرہم میں سے

(1) علقمہ رضی اللہ عنہ

(2) سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ

(3) کعب الاحبار رضی اللہ عنہ

(4) عکرمہ رضی اللہ عنہ

(5) القاسم بن ابی بزہ رضی اللہ عنہ

(6) عطاء رضی اللہ عنہ

(7) مقاتل رضی اللہ عنہ

(8) عبدالرحمان بن سابطہ رضی اللہ عنہ

(9) زہری رضی اللہ عنہ

(10) سیدی رضی اللہ عنہ

(12) عبداللہ بن الہذیل رضی اللہ عنہ

(13) مالک بن انس رضی اللہ عنہ

انہوں نے کہا: حضرت اسحاق علیہ ذبیح ہیں۔

دوسرے علماء کا یہ مختار ہے کہ

ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

(2) حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ

(3) حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ

(4) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

(5) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

اور تابعین میں سے

(1) سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ

(2) الشعبی رضی اللہ عنہ

(3) یوسف بن مہران رضی اللہ عنہ

(4) حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ

(5) الربیع بن انس رضی اللہ عنہ

(6) محمد بن کعب القرظی رضی اللہ عنہ

(7) الکلبی رضی اللہ عنہ

(8) اور علقمہ رضی اللہ عنہ

وغیرہم کا یہی قول مختار ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح ہیں۔

(الجامع الاحکام القرآن: مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی کا قول

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک طویل حدیث بیان کی جس کا بیان عورتوں میں سے جس نے سب سے پہلے پٹکا اپنی کمر پر باندھا کے عنوان سے شروع ہوتی ہے اور اس آخر میں یہ فرمایا گیا کہ

اے ہمارے رب عزوجل! تو ہم سے قبول فرما بے شک تو بہت سننے والا بہت جاننے والا ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3364)

اس حدیث کو گزشتہ صفحات جہاں عورتوں میں سب سے پہلے جس نے اپنی کمر پر پٹکا باندھا، کے حوالہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ اس حدیث کے تحت لکھا جاتا ہے کہ حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن التین نے کہا:

اس حدیث مبارکہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں کیونکہ جن کو ذبح کرنے کا حکم دیا تھا وہ اس

وقت چلنے پھرنے اور دوڑنے کی عمر کو پہنچے تھے اور اس حدیث مبارکہ میں یہ مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پیتا چھوڑ کر گئے تھے اور جب وہ ان کے پاس لوٹے تو وہ شادی شدہ تھے اگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم ہوتا تو اس حدیث مبارکہ میں یہ مذکور ہوتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے دودھ پینے کے زمانہ اور شادی سے پہلے بھی ان کے پاس آئے تھے لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ اس حدیث مبارکہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بچپن کے زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آنے کی نفی ہے۔

اس لئے ہوسکتا ہے کہ

درمیانی زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے ہوں اور اس وقت آپ علیہ السلام کو حکم ہوا ہو کہ اپنے بیٹے کو ذبح کریں اور اس کا اس حدیث مبارکہ میں ذکر نہیں ہے۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ

بلکہ میں کہتا ہوں کہ ایک اور حدیث میں ان دو زمانوں کے درمیان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آنے کا ذکر ہے۔

کیونکہ ابوجہم کی حدیث مبارکہ میں ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ سے ملنے کے لئے ہر ماہ صبح کو براق پر سوار ہو کر آتے تھے اور دوپہر کو واپس شام پہنچ جاتے تھے۔

امام فاکہی نے بھی سند صحیح کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام براق پر سوار ہو کر حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ سے ملنے کے لئے جاتے تھے۔

اور اس حدیث مبارکہ میں یہ جو مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام کے شادی شدہ ہونے کے بعد آئے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ

پہلے ان سے متعدد بار ملاقات کرنے کے بعد اس وقت آئے جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی ہو چکی تھی۔

(فتح الباری: ج:6،ص:404 مطبوعہ لاہور)

ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں

تورات کی آیات سے ثابت ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔

چنانچہ تورات میں ہے۔

اور ابرام کی بیوی ساری کے کوئی اولاد نہ ہوئی اس کی ایک مصری لونڈی تھی۔ جس کا نام ہاجرہ تھا اور ساری نے ابرام سے کہا کہ دیکھ خداوند نے مجھے تو اولاد سے محروم رکھا ہے تو میری لونڈی کے پاس جا۔ شاید اس گھر سے میرا گھر آباد ہو اور ابرام نے

ساری کی ساری بات مان لی اور ابرام کو ملک کنعان میں رہتے دس برس ہو گئے تھے جب اس کی بیوی ساری نے اپنی مصری لونڈی اسے دی کہ اس کی بیوی بنے اور وہ ہاجرہ کے پاس گیا اور وہ حاملہ ہوئی اور جب اسے معلوم ہوا کہ وہ حاملہ ہوئی تو اپنی بی بی کو حقیر جاننے لگی۔

(تورات ص:16، بائبل سوسائٹی لاہور)

اور خداوند کے فرشتے نے اس سے کہا کہ تو حاملہ ہے اور تیرے بیٹا ہوگا اس کا نام اسماعیل رکھنا اس لئے کہ خداوند نے تیرا دکھ سن لیا۔

(تورات ص:16، بائبل سوسائٹی لاہور)

اور ابرام سے ہاجرہ کے ایک بیٹا ہوا اور ابرام نے اپنے اس بیٹے کا نام جو ہاجرہ سے پیدا ہوا اسماعیل رکھا اور جب ابرام سے ہاجرہ کے اسماعیل پیدا ہوا تب ابرام چھیاسی برس کا تھا۔

(پیدائش باب:16، آیت:15، 16، ص:16 بائبل سوسائٹی لاہور)

ان آیات میں یہ تصریح ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے بیٹے ہیں اور اب جو آیات ہم ذکر کر رہے ہیں۔ ان میں یہ تصریح ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پیدا ہونے کے بعد حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔

''اور خدا نے ابرہام سے کہا کہ ساری جو تیری بیوی ہے سو اس کو ساری نہ پکارنا اس کا نام سارہ ہوگا اور میں اسے برکت دوں گا اور اس سے بھی تجھے ایک بیٹا بخشوں گا یقیناً میں اسے برکت دوں گا کہ قومیں اس کی نسل سے ہوں گی اور عالم کے بادشاہ اس سے پیدا ہوں گے۔ تب ابرہام سرنگوں ہوا اور ہنس کر دل میں کہنے لگا کہ کیا سو برس کے بڈھے سے کوئی بچہ ہوگا اور کیا سارہ کے جو نوے (90) برس کی ہے اولاد ہوگی اور ابرہام نے خدا سے کہا کہ کاش اسماعیلی ہی تیرے حضور جیتا رہے۔ تب خدا نے فرمایا بے شک تیری بیوی سارہ کے تجھ سے بیٹا ہوگا تو ان کا نام اضحاق رکھنا اور میں اس سے اور پھر اس کی اولاد سے اپنا عہد جو ابدی ہے باندھوں گا۔

(تورات: ص:16، 17، پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

حسب ذیل آیات میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے اکلوتے بیٹے کی قربانی کرنے کا حکم دیا گیا۔

اُن باتوں کے بعد یوں ہوا کہ خدا نے ابرہام کو آزمایا اور اسے کہا اے ابرہام اس نے کہا: میں حاضر ہوں۔ تب اس نے کہا: تو اپنے بیٹے اضحاق کو جو تیرا اکلوتا ہے اور جسے تو پیار کرتا ہے۔ ساتھ لے کر موریاہ کے ملک میں جا اور وہاں اسے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا۔

سوختنی قربانی کے طور پر چڑھا۔

(تورات ص:21، بائبل سوسائٹی لاہور)

ان آیات میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے اکلوتے بیٹے کی قربانی حکم دیا گیا تھا اور حضرت اسحاق علیہ السلام ان کے اکلوتے بیٹے نہ تھے کیونکہ اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی تھے جوان سے چودہ سال پہلے پیدا ہوئے تھے اور وہی اکلوتے تھے۔ یہودیوں نے تورات کی اس آیت میں تحریف کر کے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ حضرت اسحاق علیہ السلام کا نام ڈال دیا لیکن اس آیت میں اکلوتے کا لفظ ان کی تحریف کی چغلی کھا رہا ہے۔

حضرت اصمعی کی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر زبردست دلیل

حضرت اصمعی بیان کرتے ہیں کہ

میں نے ابوعمرو بن العلاء سے پوچھا کہ ذبیح کون ہے۔

تو انہوں نے کہا:

اے اصمعی! تمہاری عقل کہاں چلی گئی ہے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام مکہ مکرمہ میں کب آئے تھے؟ مکہ مکرمہ میں تو صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ انہوں نے ہی اپنے والد گرامی کے ساتھ مل کر کعبہ کی تعمیر کی تھی اور قربان گاہ بھی مکہ مکرمہ میں ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ

ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ صابرین میں سے ہیں نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی۔

ارشاد فرمایا

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (الانبیاء: 85)

اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل یہ سب صابر تھے۔

اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا یہ صبر تھا کہ انہوں نے اپنے ذبح کئے جانے پر صبر کیا تھا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ صادق الوعد تھے۔

ارشاد فرمایا

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ (مریم: 54)

اور اس کتاب میں اسماعیل کا ذکر کریں وہ وعدہ کے بہت سچے تھے اور وہ رسول اور نبی تھے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کو صادق الوعد اس لئے فرمایا ہے کہ انہوں نے اپنے والد سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ذبح کے وقت صبر کریں گے سو انہوں نے اپنا وعدہ پورا کیا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ○ (الصفت: 112)

اور ہم نے ان کو اسحاق نبی کی بشارت دی جو صالحین میں سے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم کیوں کر دیتا جب کہ وہ ان کی پیدائش سے پہلے ہی ان کو نبی بنانے کی بشارت دے چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ ○ (ھود: 71)

سو ہم نے (ابراہیم کی زوجہ سارہ) اسحاق کی بشارت دی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی بشارت دی۔

تو حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبح کرنے کا کیسے حکم دیا جا سکتا تھا جب کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی فرما چکا تھا کہ اسحاق (علیہ السلام) کی پشت اور ان کی نسل سے یعقوب پیدا ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ اس بشارت کے پورا ہونے سے پہلے ان کو ذبح کرنے کا حکم نہیں دیا جا سکتا تھا۔

نیز احادیث مبارکہ اور تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کے فدیہ میں جو مینڈھا ذبح ہوا تھا۔ اس کے سینگ کعبہ میں رکھے ہوئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اگر حضرت اسحاق علیہ السلام ذبیح ہوتے تو اس مینڈھے کے سینگ بیت المقدس میں رکھے ہوئے ہوتے۔

(الجامع الاحکام القرآن ج:15، ص:91، 92 دار الفکر بیروت)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی کا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر قول

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی التوفی 774ھ لکھتے ہیں:

الصّٰفّٰت: 101 میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جس بردبار بیٹے کی بشارت دی ہے وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں کیونکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے بیٹے ہیں اور تمام مسلمانوں کا اور تمام اہل کتاب کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام عمر میں حضرت اسحاق علیہ السلام سے بڑے ہیں بلکہ اہل کتاب کی کتابوں میں (مثلاً تورات میں) یہ تصریح ہے کہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک (86) چھیاسی سال تھی اور جس وقت حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک ننانوے (99) سال تھی اور ان کے نزدیک یہ بات مقرر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کریں۔ اس کے باوجود انہوں نے کذب اور بہتان سے کام لیتے ہوئے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح کیا۔

اوران کا یہ قول اس لئے صحیح نہیں ہے کہ

یہ خود تورات کی تصریحات کے خلاف ہے اور انہوں نے حضرت اسحاق کو ذبیح اس لئے کہا ہے: وہ اسرائیلیوں کے والد ہیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام عربوں کے والد تھے۔ اس لئے انہوں نے عربوں سے حسد رکھنے کی بناء پر تحریف کی اور انہوں نے اکلوتے بیٹے کا یہ معنی کیا کہ اس وقت وہ بیٹا باپ کے پاس نہ ہو کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام مکہ مکرمہ میں اپنی ماں حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے حالانکہ اکلوتے کا معنی یہ ہے کہ اس وقت باپ کا صرف ایک بیٹا ہو اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کے اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت آپ علیہ السلام کے صرف ایک بیٹے ہی تھے اور وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ نیز پہلوٹھی کا بیٹا دوسرے بیٹوں کی بہ نسبت زیادہ پیارا اور عزیز ہوتا ہے۔ اس لئے اگر بیٹے کو ذبح کرانے سے باپ کی آزمائش اور امتحان مقصود ہے تو آزمائش کے زیادہ قریب یہ ہے کہ پہلوٹھی کے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا جائے اور چونکہ پہلوٹھی کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اس لئے ذبیح بھی وہی ہیں۔

اہل علم کی ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ

ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں حتیٰ کہ یہ قول بعض صحابہ کرام اور تابعین کرام علیہم الرضوان سے بھی منقول ہے۔ اس کا ذکر نہ قرآن میں ہے نہ سنت میں ہے۔

اور میرا گمان یہ ہے کہ

یہ قول اسرائیلیات سے منقول ہے۔

اور بعض مسلمانوں نے بغیر دلیل کے اس قول کو اختیار کر لیا اور یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اس طرح رہنمائی کر رہی ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں کیونکہ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک بردبار بیٹے کی بشارت دی ہے اور پھر ان کے ذبح ہونے کا واقعہ ذکر کیا ہے اور اس کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت دی ہے اور جب فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت دی تو کہا ہم آپ کو علم والے بیٹے کی بشارت دیتے ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر: ج: 4، ص: 16، دار الفکر بیروت)

امام الحسین بن مسعود کا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر قول

امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی 516ھ لکھتے ہیں:

القرظی بیان کرتے ہیں کہ

علماء یہود میں سے ایک عالم مسلمان ہو گیا اور اس نے اسلام میں بہت نیک کام کیے۔

اس نے عمر بن عبدالعزیز سے پوچھا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹوں میں سے کون سے بیٹے کوذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا؟

اس نے کہا:

حضرت اسماعیل علیہ السلام کو

پھر اس نے کہا:

اے امیر المومنین! یہود کو بھی اس حقیقت کا علم ہے لیکن وہ عرب لوگوں سے حسد کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کے باپ کو ذبح کا حکم دیا گیا ہواور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ

ذبیح حضرت اسحاق بن ابراہیم علیہما السلام ہیں۔

اور اس پر یہ دلیل ہے کہ

جس مینڈھے کو بطور فدیہ ذبح کیا گیا اس کے سینگ خانہ کعبہ میں بنو اسماعیل کے ہاتھوں میں رہے تھے اور حضرت ابن الزبیر اور حجاج کی جنگ میں وہ سینگ جل گئے۔

شعبی نے کہا:

میں نے اس مینڈھے کے دونوں سینگوں کو کعبہ میں لٹکا ہوا دیکھا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

میں نے اس مینڈھے کے سر کو سینگوں سمیت کعبہ کے پرنالہ کے ساتھ لٹکا ہوا دیکھا ہے وہ سر خشک ہو چکا تھا۔

اصمعی کہتے ہیں۔

میں نے ابو عمرو بن العلاء سے سوال کیا کہ

ذبیح کون ہے؟ حضرت اسحاق یا حضرت اسماعیل علیہما السلام؟

تو انہوں نے کہا:

اے اصمعی! تمہاری عقل کہاں ہے؟ حضرت اسحاق علیہ السلام مکہ مکرمہ کب آئے تھے! مکہ میں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام آئے تھے اور انہوں نے ہی اُپنے والد کے ساتھ مل کر کعبہ کی تعمیر کی تھی۔

(معالم التنزیل ج:4،ص:36 دار احیاء التراث العربی بیروت)

مصنف کا قول

فقیر کہتا ہے کہ

حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح ہیں۔ اس میں چند اقوال عرض کرتا ہوں۔

اول: یہ ہے کہ اگر حضرت اسحاق علیہ السلام بڑے ہوتے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مکہ مکرمہ کی تعمیر کراتے

جبکہ ایسا ہر گز نہیں کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی بڑے تھے اور مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ کی تعمیر کروائی۔

دوم: یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام بڑے تھے اور حضرت اسحاق علیہ السلام چھوٹے تھے جب حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے تو اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر مبارک 13 سال تھی۔

سوم: یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے وعدہ یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی پیش کر دی اور اللہ تعالیٰ نے جنت سے مینڈھا بھیجا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس مینڈھے کو ذبح کر چکے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ بشارت سنائی کہ ہم نے آپ کو اسحاق نبی کی بشارت دی جو صالحین میں سے ہیں۔ معلوم ہوا جب اللہ تعالیٰ کے وعدے کو پورا کر دیا تو پھر حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت سنائی گئی اور حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔

لہٰذا حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح ہیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اولاد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اولاد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو منتخب کر لیا اور کنانہ کی اولاد میں سے قریش کو منتخب کر لیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو منتخب کر لیا اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو چن لیا۔

(صحیح مسلم: کتاب الفضائل، باب فضل نسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم: رقم الحدیث: 2276)

امام ترمذی کی روایت اس طرح ہے۔

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چن لیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو چن لیا اور بنو کنانہ میں سے قریش کو چن لیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو چن لیا اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو چن لیا۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 3605)

میں ذبیحوں کا بیٹا ہوں

امام ابوالقاسم الحسن بن علی ابن العساکر المتوفی 571ھ لکھتے ہیں:

ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کریں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انا ابن الذبیحین

میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج:6،ص:205،رقم الحدیث:1669 دار حیاء التراث العربی بیروت)

دو ذبیح کیسے؟

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دو ذبیحوں کی اولاد ہیں۔

(1) حضرت اسماعیل علیہ السلام

(2) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

اس سلسلے میں ایک طویل روایت موجود ہے۔

امام عبداللہ بن محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی 405 روایت کرتے ہیں کہ

عبداللہ بن سعید الصنابحی بیان کرتے ہیں کہ

ہم حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔

بعض لوگوں نے کہا:

ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں

اور بعض لوگوں نے کہا:

ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا

تم لوگوں نے اس شخص کے سامنے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے جس کو اس کی خبر ہے۔

انہوں نے کہا:

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک اعرابی آیا

اور کہنے لگا

میرے پیچھے شہر خشک ہو چکے ہیں۔ ان کا پانی سوکھ گیا ہے اور بچے ضائع اور ہلاک ہو چکے ہیں تو "یا ابن الذبیحین" (اے دو ذبیحوں کے بیٹے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا۔ اس میں سے ہم کو کچھ عنایت فرمائیے تو رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فداک امی وابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسکراہٹ پر لاکھوں سلام ہوں)

اور اس پر انکار نہیں فرمایا

پھر ہم نے کہا:

اے امیر المومنین! دو ذبیح کون ہیں؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا

جب حضرت عبدالمطلب نے زمزم کھودنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے یہ نذر مانی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے زمین کی کھدائی کو آسان کر دیا تو وہ اپنے کسی بیٹے کو ذبح کر دیں گے۔ جب انہوں نے اپنے بیٹوں کے ناموں کی قرعہ اندازی کی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا نام نکل آیا تو انہوں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو بنو مخزوم میں جوان کے ماموں تھے انہوں نے اس سے منع کیا۔

اور کہا کہ

آپ کے رب عزوجل کی زمین بہت وسیع ہے۔ آپ اپنے بیٹے کا فدیہ دے دیجئے تو حضرت عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے فدیے میں سو اونٹ ذبح کر دیئے۔

تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

دو ذبیحوں میں سے ایک ذبیح حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

اور دوسرے ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

(المستدرک ج:2،ص:254 طبع قدیم)

علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ کا قول

علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ متوفی 538ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انا ابن الذبیحین

ترجمہ: میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔

(الکشاف ج:4،ص:58)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی ذبیح ہیں

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی ذبیح ہیں۔

اس سلسلے میں روایت موجود ہے۔

امام عبدالملک بن ہشام متوفی 213ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے کہا ہے:

جب زمزم کی کھدائی کے وقت حضرت عبدالمطلب کی قریش سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو دس بیٹے عطا کیے اور وہ سب جوان اور صحت مند ہو کر ان کی مہمات میں ان کے معاون ہوئے تو وہ ان میں سے کسی ایک بیٹے کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ذبح کر دیں گے۔ سب سے چھوٹے اور محبوب بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تھے جب آپ رضی اللہ عنہ جوانی کی عمر کو پہنچ گئے تو حضرت عبدالمطلب نے ان کے سامنے اپنی نذر کا تذکرہ کیا ان سب نے سعادت مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ

آپ ہم میں سے جس کو بھی حکم دیں گے وہ اپنے آپ قربانی کے لئے پیش کر دے گا۔ سب مل کر بیت اللہ میں جمع ہوئے اور فال نکالنے والے کو بلایا گیا۔ ہر بیٹے کا نام تیر پر لکھ دیا گیا جب فال نکالی گئی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے نام والا تیر نکل آیا۔ حضرت عبدالمطلب ان کو ذبح کرنے کے لئے اور عبداللہ رضی اللہ عنہ ذبح ہونے کے لئے تیار تھے مگر قریش کے سرداروں نے مزاحمت کی۔

اور کہا

اگر بیٹوں کو ذبح کرنے کی یہ رسم چل پڑی تو پھر کسی شخص کا بیٹا سلامت نہیں رہے گا۔ غرض حجاز کے ایک کاہنہ سے فیصلہ کرایا گیا۔

اس نے کہا:

دس اونٹوں اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے نام میں قرعہ اندازی کرو اگر دس اونٹ نکل آئیں تو ان کو ذبح کر دینا اور اگر پھر بھی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا نام نکلے تو دس اونٹ اور بڑھا دینا اور پھر دوبارہ قرعہ اندازی کرنا اور اسی طرح دس دس اونٹ بڑھاتے رہنا حتیٰ کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بجائے سو اونٹوں کے نام قرعہ فال نکل آئے۔ غرض جب سو اونٹوں اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے نام کا قرعہ نکالا گیا تو سو اونٹ نکل آئے اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی جگہ سو اونٹوں کو ذبح کر دیا گیا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام: ج:1 ص:188 تا 192 دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ذبیح کے نام سے مشہور

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی متوفی 450ھ اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے فدیہ میں سو اونٹ ذبح کر دیئے گئے تو عرب میں یہ رسم مقرر ہو گئی کہ انسان کی دیت سو

اونٹ ہو گی۔ سو اونٹ ذبح کرنے کے بعد حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو لے کر خوشی خوشی گھر لوٹ گئے اور اس وقت سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ذبیح کے نام سے مشہور ہو گئے۔

اس وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انا ابن الذبیحین

ترجمہ: میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔

ایک ذبیح حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام ہیں۔

اور دوسرے ذبیح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر خصوصی فضل و انعام ہے۔

(اعلام النبوۃ: ص: 232 دار احیاء العلوم بیروت)

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا شاہی خاندان سے تھیں

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں مگر آپ رضی اللہ عنہا کو ظلماً قید کر لیا گیا تھا۔ اس لئے لونڈی کہا جاتا ہے۔

حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کسی شاہی خاندان سے تھیں اور شاہ مصر کے یہاں قید تھیں۔ جن روایتوں میں ان کو لونڈی یا خادمہ بتایا گیا وہ اس لحاظ سے ہے کہ اس کو شاہ مصر نے ظلماً لونڈی بنا کر رکھا تھا کیونکہ پہلے قیدیوں کو لونڈی ہی بنالیا کرتے تھے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: 1، ص: 709 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹوں کی سوانح

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ آپ علیہ السلام کی ماں حضرت ہاجر قبطیہ تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام آپ علیہ السلام کو شیر خوارگی میں مکہ مکرمہ لے آئے۔ یہ اپنے بھائی حضرت اسحاق علیہ السلام سے چودہ سال بڑے تھے جس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وفات ہوئی تو آپ علیہ السلام کی عمر مبارک ایک سو سینتیس (137) سال تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ علیہ السلام کی عمر نواسی (89) سال تھی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح اللہ ہیں۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کی والدہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

ایک قول یہ ہے:

وہ ذبیح اللہ ہیں۔ ان کی اولاد بنی اسرائیل ہیں۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کی عمر 180 سال تھی۔ یہ ارض مقدسہ میں فوت

ہوئے اور اپنے باپ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے پاس دفن کیے گئے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا فوت ہوگئیں تو انہوں نے قطنور ابنت یقطن لعنانیہ سے شادی کر لی اور ان سے مدین، ہداین، نہشان، زمران، نشیق اور شیوخ پیدا ہوئے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام فوت ہوگئے۔ آپ علیہ السلام کی وفات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے درمیان تقریباً تین ہزار سال کا عرصہ ہے۔ یہود اس مدت سے چار سو سال کم کرتے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا ذکر ان شاء اللہ سورہ یوسف میں آئے گا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے بعد پیدا ہوئے اور جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام بھی اسی طرح اپنے بیٹوں کو وصیت کی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام ایک سو سینتالیس سال زندہ رہے اور مصر میں فوت ہوئے۔ آپ علیہ السلام نے وصیت کی تھی کہ آپ علیہ السلام کو ارض مقدسہ میں لے جایا جائے اور وہاں آپ علیہ السلام کے باپ حضرت اسحاق علیہ السلام کے پاس دفن کیا جائے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کو ان کے پاس دفن کیا۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:2،ص:135 تا136 مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

تعمیر کعبہ کی تاریخ

خانہ کعبہ کی تعمیر چند مراحل سے ہوتی رہی لیکن حضرت آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے خانہ کعبہ کو تعمیر فرمایا اور اس کی اول بنیاد رکھی۔

حضرت آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے خانہ کعبہ تعمیر فرمایا

حضرت آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے خانہ کعبہ تعمیر فرمایا۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:

امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کے پاس بھیجا۔

اور ان سے فرمایا:

میرے لئے ایک بیت بناؤ۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کے لئے نشان ڈالے حضرت آدم علیہ السلام زمین کھودتے تھے اور حضرت حوا علیہا السلام مٹی نکالتی تھیں۔ انہوں نے اس قدر گہری بنیاد کھودی کہ زمین کے نیچے سے پانی نکل آیا۔

پھر یہ ندا کی گئی:

اے آدم علیہ السلام! یہ کافی ہے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے یہ بیت بنالیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ اس کے گرد طواف کریں۔

اور آپ علیہ السلام سے کہا گیا:

آپ علیہ السلام پہلے انسان ہیں اور یہ پہلا بیت ہے پھر صدیاں گزرتی گئیں حتیٰ کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اس کا حج کیا۔

(عمدۃ القاری: ج:9،ص:216 تا 217 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر)

حضرت آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے طواف کیا

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ

ہم سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ بیت اللہ کو زمین پر اتارا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

میں تمہارے ساتھ ایک بیت کو نیچے اتار رہا ہوں۔ اس کے گرد طواف کیا جائے گا جس طرح میرے عرش کے گرد طواف کیا جاتا ہے پھر اس کے گرد حضرت آدم علیہ السلام نے طواف کیا اور آپ علیہ السلام کے بعد مومنین نے طواف کیا۔

(جامع البیان: ج:4،ص:6 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

حضرت آدم علیہ السلام کا بیت اللہ بنانا بہت مشہور ہے

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ہشام نے کتاب التیجان میں لکھا ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام نے جب کعبہ معظمہ کو بنالیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بیت المقدس کی طرف جانے کا حکم دیا اور یہ حکم دیا کہ وہاں پر ایک مسجد بنائیں اور اس میں عبادت کریں اور حضرت آدم علیہ السلام کا بیت اللہ کو بنانا بہت مشہور ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

طوفان نوح کے زمانہ میں بیت اللہ کو اٹھالیا گیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے لئے اس کو مہیا کیا۔

اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ہی بیت کو بنایا تھا اور جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا تو ان کو فرشتوں کی آوازیں اور ان کی تسبیحات سنائی نہیں دیتی تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا

اے آدم (علیہ السلام)! میں نے ایک بیت کو زمین پر اتارا ہے اس کے گرد بھی اسی طرح طواف کیا جائے گا جس طرح میرے عرش کے گرد طواف کیا جاتا ہے۔

آپ علیہ السلام اس بیت کی طرف چلے جائیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو ہند میں اتارا گیا تھا پھر آپ علیہ السلام مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور بیت اللہ پہنچے اور اس کا طواف کیا۔

اور ایک قول یہ ہے:

جب انہوں نے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لی تو انہیں بیت المقدس کی طرف جانے کا حکم دیا گیا اور انہوں نے وہاں ایک مسجد بنائی اور وہاں نماز پڑھی تا کہ آپ علیہ السلام کی بعض اولاد کے لئے وہ قبلہ ہو جائے۔

(فتح الباری: ج:6، ص:408 تا 409 مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ)

حضرت آدم علیہ السلام کا مختلف پہاڑوں سے مٹی لے کر بیت اللہ بنانا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

عطاء بیان کرتے ہیں کہ

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

اے میرے رب عزوجل! میں فرشتوں کی آواز نہیں سنتا۔

ارشاد فرمایا

اس کی وجہ تمہاری (ظاہری) خطا ہے لیکن تم زمین پر اتر جاؤ اور میرے لئے ایک گھر بناؤ پھر اس کے گرد طواف کرو جس طرح تم نے آسمان میں میرے بیت کے گرد فرشتوں کو طواف کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام نے حرا، طور زیتا ،طور سینا، جبل لبنان اور جودی پانچ پہاڑوں سے مٹی لے کر بیت اللہ کو بنایا۔

(جامع البیان: ج:1، ص:428 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

حافظ ابن کثیر کا قول

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

سب سے پہلے آدم علیہ السلام نے کعبہ کو بنایا۔

(البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:127، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے کہا:

سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے کعبہ کو بنایا۔

(عمدۃ القاری: ج:16، ص:288 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ)

علامہ احمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

علامہ احمد قسطلانی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

پہلی بار کعبہ کو فرشتوں نے بنایا

دوسری بار حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا۔ (ارشاد الساری: ج:3،ص:143 مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر)

مفتی احمد یار نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ 1363ھ لکھتے ہیں:

تاریخ ابن العساکر اور تاریخ ارزقی سے تفسیر عزیزی وغیرہ نے نقل کیا کہ

جب حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے زمین پر تشریف لائے تو بارگاہ الٰہی عزوجل میں عرض کیا کہ خدایا میں یہاں نہ تو ملائکہ کی تسبیح وتکبیر سنتا ہوں اور نہ کوئی عبادت کا، دیکھتا ہوں جیسے کہ آسمان میں بیت المعمور دیکھتا تھا جس کے اردگرد ملائکہ طواف کرتے تھے۔

جواب الٰہی عزوجل آیا کہ

جاؤ جہاں ہم نشان بتائیں وہاں کعبہ بنا کر اس کے اردگرد طواف بھی کرلو اور اس کی طرف نماز بھی ادا کرو۔ حضرت جرائیل علیہ السلام آپ علیہ السلام کی رہبری کے لئے ساتھ چلے اور انہیں وہاں لائے جہاں سے زمین بنی تھی یعنی جس جگہ پانی پر جھاگ پیدا ہوا تھا اور پھر وہی جھاگ پھیل کر زمین بنی۔ حضرت جرائیل علیہ السلام نے وہاں اپنا پر مار کر ساتوں زمین تک بنیاد ڈال دی جس کو ملائکہ نے پانچ پہاڑوں کے پتھروں سے بھرا۔

(1) کوہ لبنان

(2) کوہ طور

(3) کوہ جودی

(4) کوہ حرا

(5) طور زیتا

بنیاد بھر کر نشان کے لئے چاروں طرف کی دیواریں اٹھا دیں۔ اس طرح حضرت آدم علیہ السلام نماز پڑھتے رہے اور اس کا طواف بھی کرتے رہے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ

خود بیت المعمور اتار کر اس بنیاد پر رکھ دیا گیا تو گویا بنیاد دنیوی پتھروں کی رہی اور عمارت بیت المعمور کی۔ طوفان نوحی تک کعبہ اسی حال میں رہا۔ اس طوفان کے وقت وہ عمارت تو آسمان پر اٹھائی گئی اور یہ کعبہ کی جگہ اونچے ٹیلے کی طرح رہ گئی مگر لوگ برابر برکت کے لئے یہاں آتے تھے اور آکر دعائیں مانگتے تھے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:1،ص:710 تا 711 نعیمی کتب خانہ لاہور)

تفسیر نعیمی پارہ چہارم میں مفتی احمد یار خان نعیمی 1363ھ لکھتے ہیں:

زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے پانی تھا۔ قدرت نے جھاگ پیدا کیے وہ جھاگ چالیس سال تک ایک جگہ محفوظ رہے۔ پھر وہی جھاگ پھیلا دیئے گئے۔ اسی پھیلے ہوئے جھاگ کا نام زمین ہے۔ اس جھاگ کی پیدائش، آسمانوں کی پیدائش سے پہلے ہے اور ان کا پھیلاؤ اس کے بعد۔

رب تعالیٰ نے فرمایا

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا

جہاں وہ جھاگ محفوظ رہے تھے وہیں کعبہ معظمہ ہے۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے بیت المعمور کے بالکل مقابل فرشتوں نے کعبہ شریف کی عمارت بنائی۔ پیائش میں بیت المعمور کے برابر تا کہ آسمان کے فرشتے تو بیت المعمور کا طواف کیا کریں اور زمینی فرشتے کعبے کا اس عرصہ میں کعبہ کا طواف تو صرف زمینی فرشتے کرتے رہے مگر اس کا حج زمین و آسمان کے سارے فرشتے۔ مگر اس عمارت کا سامان آسمانی سرخ یاقوت تھے۔ زمین کے پتھر وغیرہ نہ تھے پھر حضرت آدم علیہ السلام نے اس تعمیر میں کچھ زیادتی کی اور آپ علیہ السلام بھی اس کا طواف اور اسی کی طرف نماز پڑھتے رہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:4،ص:29،30 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

تعمیر کعبہ میں اختلاف

تعمیر کعبہ میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کس نے تعمیر کعبہ کی۔

کیا سب سے پہلے تعمیر کعبہ کرنے والے فرشتے تھے؟

کیا سب سے پہلے تعمیر کعبہ کرنے والے حضرت آدم علیہ السلام تھے؟

کیا سب سے پہلے تعمیر کعبہ کرنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے؟

کیا سب سے پہلے تعمیر کعبہ کرنے والے حضرت شیث علیہ السلام تھے؟

بہرحال ان سوالوں کا جواب علماء کرام نے دیا ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کعبہ کو کس نے تعمیر کیا۔

ایک قول یہ ہے:

اس کو سب سے پہلے فرشتوں نے بنایا۔

امام ابن اسحاق نے کہا:

اس کو سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا۔

اور ایک قول یہ ہے:

اس کو سب سے پہلے حضرت شیث بن آدم علیہ السلام نے بنایا۔

(عمدۃ القاری: ج:16، ص:288 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ معیر)

علامہ احمد قسطلانی نے ان تمام اقوال اور روایات کو جمع کر کے یہ فرمایا: کعبہ کو دس مرتبہ تعمیر کیا گیا۔

(1) پہلی بار کعبہ معظمہ کو فرشتوں نے بنایا

(2) دوسری بار حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا

(3) تیسری بار حضرت شیث علیہ السلام نے بنایا۔

(4) چوتھی بار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا

(5) پانچویں بار قوم عمالقہ نے بنایا

(6) چھٹی بار جرہم نے بنایا

(7) ساتویں بار قصی بن کلاب نے بنایا

(8) آٹھویں بار قریش نے بنایا

(9) نویں بار حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب منشا کعبہ کو بنایا۔ اس میں دو دروازے رکھے۔ ایک داخل ہونے کا اور ایک خارج ہونے کا اور حطیم کو کعبہ میں داخل کیا اور یہی بناء ابراہیم تھی۔ قریش اپنے وسائل میں کمی کی وجہ سے اس کو مکمل بناء ابراہیم پر نہیں بنا سکتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ اس کو بناء ابراہیم بنا دیا جائے لیکن فتنہ کے خدشہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بنایا تھا۔

(10) دسویں بار عبدالملک بن مروان کے حکم سے حجاج بن یوسف نے اس کو پھر منہدم کر کے قریش کی بناء کے مطابق بنا دیا۔

(ارشاد الساری: ج:3، ص:143، 144 مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

جب ہارون رشید کو یہ حدیث مبارکہ پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کو اس طرح بنانا چاہتے تھے تو اس نے چاہا کہ کعبہ معظمہ کو پھر حضرت ابن الزبیر کی بناء کے مطابق بنا دے لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو منع کر دیا۔

اور فرمایا

میں تم کو قسم دیتا ہوں اب کعبہ کو اس طرح رہنے دو۔ بار بار منہدم کرنے اور بنانے سے اس کی ہیبت اور جلال میں کمی آئے گی۔ اسعد حمیری نے سب سے پہلے کعبہ کو غلاف چڑھایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے اور

حجاج بن یوسف نے سب سے پہلے اس پر ریشم کا غلاف چڑھایا تھا۔

(الجامع الاحکام القرآن ج:2،ص:125،مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کعبہ کرنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تعمیر کعبہ کیا اور تعمیر کعبہ کرنے کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۝

(البقرہ:127)

اور (یاد کیجئے) جب ابراہیم اور اسماعیل کعبہ کی بنیادیں اٹھارہے تھے۔اے ہمارے رب ہم سے قبول فرما بے شک تو ہی سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کعبہ کی جگہ پر مطلع فرمانا

امام جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے اتارا تو ارشاد فرمایا میں تمہارے ساتھ ایک بیت (بھی) اتاروں گا جس کے گرد اس طرح طواف کیا جائے گا جس طرح میرے عرش کے گرد طواف کیا جاتا ہے اور اس کے پاس ایسے نماز پڑھی جائے گی جیسے میرے عرش کے پاس نماز پڑھی جاتی ہے۔طوفان کے زمانہ میں اس بیت کو اٹھالیا گیا۔انبیاء کرام علیہم السلام اس کا حج کرتے تھے اور انہیں اس کی جگہ کا علم نہیں تھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کی جگہ سے مطلع کیا۔

(جامع البیان: ج:1،ص:428 مطبوعہ دار المعرفتہ بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوسری بار خانہ کعبہ کی تعمیر فرمائی

علامہ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ سہیلی متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

کعبہ معظمہ کو پانچ بار بنایا گیا ہے۔

(1) پہلی بار حضرت شیث بن آدم علیہما السلام نے بنایا۔

(2) دوسری بار ان ہی بنیادوں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا۔

(3) تیسری بار ظہور اسلام سے پانچ سال پہلے قریش نے بنایا۔

(4) چوتھی بار حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ نے بنایا اور حطیم کو کعبہ میں شامل کرلیا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا تھا۔

(5) پانچویں بار عبدالملک بن مروان نے بنایا اور حطیم کو باہر کر دیا۔

ایک قول یہ ہے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جب ایک یا دو بار سیلاب آیا تو اس کو قوم جرہم نے بنایا۔

(الروض الانف ج:1،ص:127،مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ ملتان)

سب سے پہلے تعمیر کعبہ کرنے والے

علامہ ابوالقاسم عبدالرحمن بن عبداللہ سہیلی متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ

سب سے پہلے کعبہ معظمہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا تھا۔

(الروض الانف ج:1،ص:128،مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ ملتان)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

قوی قول یہ ہے: سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ معظمہ کو بنایا۔

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

پھر کعبہ معظمہ منہدم ہو گیا پھر اس کو عمالقہ نے بنایا پھر منہدم ہو گیا پھر اس کو جرہم نے بنایا پھر منہدم ہو گیا پھر اس کو قریش نے بنایا اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے۔

ایک قول یہ ہے:

پندرہ سال پہلے کا واقعہ ہے۔

اور زہری سے روایت ہے کہ

اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلوغت کے قریب تھے۔

(البدایہ والنہایہ ج:1،ص:127،128 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

علامہ احمد قسطلانی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چوتھی بار تعمیر کعبہ کیا۔

(ارشاد الساری: ج:3،ص:143،144 مطبوعہ مطبع میمنہ مصر)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کعبہ بناتے وقت طول

حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:

کتاب التحیان میں لکھا ہے کہ

جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم گمراہ ہوگئی اور انہوں نے کعبہ معظمہ کو منہدم کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اب تم ان کی ہلاکت کا انتظار کرو حتیٰ کہ تنور جوش مارنے لگا۔

امام ازرقی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ معظّمہ کو بنایا تو بلندی میں اس کا طول نو ہاتھ تھا۔ زمین میں اس کا طول تیس ہاتھ اور عرض بائیس ہاتھ تھا اور اس پر چھت نہیں تھی اور جب قریش نے اس کو بنایا تو بلندی میں اس کا طول اٹھارہ ہاتھ رکھا اور زمین میں اس کے طول کو چھ ہاتھ اور ایک بالشت کم کر دیا اور حطیم کو چھوڑ دیا اور جب حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ نے اس کو بنایا تو بلندی میں اس کا طول بیس ہاتھ رکھا اور جب حجاج نے اس کو منہدم کر کے بنایا تو اس میں تغیر نہیں کیا اور یہ اب تک اسی طرح بنا ہوا ہے۔ جرہم کے ایام میں کعبہ معظّمہ کو ایک یا دو مرتبہ بنایا گیا کیونکہ سیلاب سے کعبہ معظّمہ کی دیوار منہدم ہو گئی تھی۔

اور ایک قول یہ ہے:

اس کو بنایا نہیں گیا تھا۔ صرف اس کی مرمت کی گئی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ معظّمہ بنایا اور کافی زمانہ گزر گیا تو یہ بوسیدہ ہو کر منہدم ہو گیا پھر اس کو جرہم نے بنایا اور کافی زمانہ کے بعد یہ پھر منہدم ہو گیا تو اس کو قریش نے بنایا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جوان تھے۔

امام محمد بن اسحاق نے السیر ۃ میں بیان کیا ہے کہ

جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پینتیس سال (35) تھی تو قریش کعبہ کو بنانے کے لئے جمع ہوئے وہ اس کی چھت بھی ڈالنا چاہتے تھے اور اس کو منہدم کرنے سے خوف کھاتے تھے پھر قریش کے تمام قبائل جمع ہوئے اور انہوں نے پتھر جمع کیے اور اس کی بنیاد میں ہر قبیلہ نے پتھر ڈالے حتیٰ کہ حجر اسود کو نصب کرنے کی جگہ آ گئی اور اس کو نصب کرنے میں اختلاف ہوا۔ ہر قبیلہ والا اس کو نصب کرنا چاہتا تھا حتیٰ کہ قریش کے سب سے بوڑھے شخص ابو امیہ بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمران بن مخزوم نے یہ فیصلہ کیا کہ کل جو شخص اس مسجد کے دروازہ میں سب سے پہلے داخل ہو گا وہی تمہارے درمیان اس کا فیصلہ کرے گا اور اس دن سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے۔

لوگوں نے کہا:

یہ امین ہیں ہم ان پر راضی ہیں یہ محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک چادر لاؤ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے حجر اسود کو اس چادر میں رکھ دیا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہر قبیلہ والا اس چادر کو پکڑ کر اوپر اٹھائے جب انہوں نے اس چادر کو حجر اسود کو نصب کرنے کی جگہ تک اوپر اٹھا لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے حجر اسود کو نصب کر دیا۔

(عمدۃ القاری: ج:9، ص:216 تا 217، [illegible])

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پرانی بنیادوں پر تعمیر کعبہ کیا

امام جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ بیت اللہ کو زمین پر اتارا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

میں تمہارے ساتھ ایک بیت کو نیچے اتار رہا ہوں۔ اس کے گرد اس طرح طواف کیا جائے گا جس طرح میرے عرش کے گرد طواف کیا جاتا ہے۔ پھر اس کے گرد حضرت آدم علیہ السلام نے طواف کیا اور آپ علیہ السلام کے بعد مومنین نے طواف کیا۔ پھر جب طوفان نوح کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کو غرق کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے بیت کو اوپر اٹھالیا اور اس کو زمین والوں کے عذاب سے دور رکھا پھر بیت اللہ آسمان میں معمور رہا۔ اس کے بعد جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کے آثار تلاش کر رہے تھے تو انہوں نے اس کو پہلے کی پرانی بنیادوں پر تعمیر کیا۔

(جامع البیان: ج:4،ص:6،7 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا! زمین پر کون سی مسجد سب سے پہلے بنائی گئی تھی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مسجد حرام

میں نے عرض کیا

پھر کون سی مسجد بنائی گئی تھی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مسجد اقصیٰ

میں نے عرض کیا

ان کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

چالیس سال

(صحیح بخاری: ج:1،ص:477)

کعبہ معظمہ کو کس نے بنایا

یہی حدیث مبارکہ جو نقل کی ہے اس حدیث پر اشکال ہے کہ کعبہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا اور مسجد اقصیٰ کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنایا اور ان کے درمیان چالیس سال نہیں بلکہ ایک ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ ہے۔ حافظ شہاب احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث مبارکہ پر یہ اشکال ہے کہ

کعبہ معظمہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا اور مسجد اقصیٰ کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنایا اور ان کے درمیان چالیس سال نہیں بلکہ ایک ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

یہاں ان دونوں مسجدوں کے ابتداء بنانے اور اس کی بنیادیں رکھنے کا ذکر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہ ابتداء کعبہ کو بنایا تھا اور نہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ابتداء مسجد اقصیٰ کو بنایا تھا کیونکہ پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے کعبہ بنایا تھا پھر آپ علیہ السلام کی اولاد زمین میں پھیل گئی تو ہوسکتا ہے کہ اس کے چالیس سال بعد آپ علیہ السلام کی اولاد میں سے کسی نے مسجد اقصیٰ کو بنایا ہو اور اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہی بنیادوں پر کعبہ کو اٹھایا ہو جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

اس حدیث مبارکہ کی اس پر دلالت نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان مسجدوں کو ابتداء بنایا بلکہ انہوں نے ان کی بنیادوں پر کعبہ اور مسجد اقصیٰ کی عمارت کی تجدید کی۔

علامہ خطابی نے کہا ہے:

مسجد اقصیٰ کو بعض اولیاء اللہ نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام سے پہلے بنایا تھا پھر انہوں نے اس کی عمارت میں زیادتی اور توسیع کی۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ

سب سے پہلے مسجد اقصیٰ کو حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا تھا

ایک قول ہے کہ

فرشتوں نے بنایا تھا

ایک قول ہے کہ

سام بن نوح علیہ السلام نے بنایا تھا

ایک قول یہ ہے:

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بنایا تھا۔
جن کا یہ قول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ کو بنایا تھا اُن کی تائید اس سے ہوتی ہے۔
امام ابن ہشام نے کتاب التیجان میں لکھا ہے کہ
حضرت آدم علیہ السلام نے جب کعبہ بنایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بیت المقدس کی طرف جانے کا حکم دیا۔
اور یہ حکم دیا کہ
وہاں پر ایک مسجد بنائیں اور اس میں عبادت کریں اور حضرت آدم علیہ السلام کا بیت اللہ کو اٹھالیا گیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے اس کو مہیا کیا۔
امام ابن ابی حاتم نے قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ہی بیت کو بنایا تھا اور جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا تو ان کو فرشتوں کی آوازیں اور ان کی تسبیحات سنائی نہیں دیتی تھیں۔
اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا
اے آدم (علیہ السلام)! میں نے ایک بیت کو زمین پر اتارا ہے۔ اس کے گرد بھی اسی طرح طواف کیا جائے گا جس طرح میرے عرش کے گرد طواف کیا جاتا ہے۔ آپ علیہ السلام اس بیت کی طرف چلے جائیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو ہند میں اتارا گیا تھا پھر وہ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے اور بیت اللہ پہنچے اور اس کا طواف کیا۔
اور ایک قول یہ ہے:
جب انہوں نے کعبہ معظمہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لی تو انہیں بیت المقدس کی طرف جانے کا حکم دیا گیا اور انہوں نے وہاں ایک مسجد بنائی اور وہاں نماز پڑھی تاکہ آپ علیہ السلام کی بعض اولاد کے لئے وہ قبلہ ہو جائے۔
(فتح الباری ج:6،ص:408 تا 409 مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ)

سب سے پہلے مکہ مکرمہ بنایا گیا

سب سے پہلے جس گھر کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے بنایا گیا وہ مکہ مکرمہ ہے۔
قرآن مجید میں ہے:
اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ (آل عمران: 96)
بے شک سب سے پہلا گھر جو (اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے) لوگوں کے واسطے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے۔

مقام ابراہیم کی تعیین

مقام ابراہیم کی تعیین میں کئی اقوال ہیں۔

عکرمہ اور عطاء نے کہا:

پورا حج مقامِ ابراہیم ہے۔

شعبی نے کہا:

عرفہ، مزدلفہ اور جمار مقام ابراہیم ہیں۔

نخعی نے کہا:

پورا حرم مقام ابراہیم ہے۔

اور سب سے صحیح قول یہ ہے:

وہ پتھر جس کو اب لوگ مقامِ ابراہیم کے عنوان سے پہچانتے تھے اور جس کے پاس طواف کی دو رکعت پڑھتے ہیں وہ مقام ابراہیم ہے اور یہ حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

امام مسلم نے ایک طویل حدیث مبارکہ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بیت اللہ کو دیکھا تو حجر اسود کو تعظیم دی اور پہلے تین طوافوں میں رمل کیا اور اس کے بعد چار طواف معمول کے مطابق چل کر کیے پھر مقام ابراہیم کی طرف گئے اور طواف کی دو رکعتیں پڑھیں۔

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ

مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس کو اس وقت بلند کر دیا گیا تھا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان پتھروں کے اٹھانے سے ضعف لاحق ہوا جو ان کو حضرت اسماعیل لا کر دے رہے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان اس پتھر میں نقش ہو گئے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا

میں نے "مقام" میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی انگلیوں، ایڑیوں اور تلووں کے نشان ثبت دیکھے۔

سدی نے بیان کیا ہے کہ

مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زوجہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سر دھوتے وقت ان کے قدموں کے نیچے رکھا تھا۔

(تفسیر قرطبی: ج:2،ص:112 تا 113 مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو)

میں کہتا ہوں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر لاتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان پتھروں کو جوڑ کر لگاتے تھے۔ جب کعبہ معظمہ کی عمارت بلند ہو گئی تو وہ اس پتھر کو لائے اور اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے رکھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس پتھر

پر کھڑے ہو کر بنانے لگے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کو پتھر لا کر دے رہے تھے۔

(صحیح البخاری: ج:1، ص:476 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

مقام ابراہیم نماز پڑھنے کی جگہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

میں نے اپنے رب عزوجل کی تین چیزوں میں موافقت کی ہے۔

میں نے عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کاش ہم مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالیں تو یہ آیت نازل ہوگئی۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ (البقرہ: 125)

اور آیت حجاب میں

میں نے عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کاش آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کو حکم دیں کہ وہ حجاب میں رہیں کیونکہ ان سے نیک اور بد (ہر قسم کا شخص) کلام کرتا ہے تو آیت حجاب نازل ہوگئی۔

اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج غیرت میں مجتمع ہوگئیں۔

تو میں نے کہا:

اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں تو بعید نہیں کہ ان کا رب عزوجل تمہارے بدلہ میں ان کو تم سے بہتر بیویاں دے دے تو یہ آیت نازل ہوگئی۔

عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ (التحریم: 5)

(صحیح بخاری: ج:1، ص:58 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعات نماز

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کے سات طواف کئے پھر مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعات نماز پڑھی اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی۔

(صحیح بخاری: ج:1، ص:57 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنانے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنانے کا حکم ارشاد فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی ؕ (البقرہ: 125)

اور مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو۔

☆ مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنانے کے حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام کی عظمت و مقام بہت بلند ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے آثار سے برکتیں اور رحمتیں حاصل ہوتی ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کعبہ بنانے کی کیفیت

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر نعیمی میں لکھتے ہیں:

جب حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا و حضرت اسماعیل علیہ السلام اس میدان میں آکر ٹھہرے اور آپ علیہ السلام کی زوجہ سے یہاں کچھ آبادی ہوگئی تب حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ آپ علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر یہاں عمارت کعبہ بنائیں۔ اس کی نشانی اسی طرح قائم فرمائی کہ ایک بادل کا ٹکڑا بھیجا گیا تاکہ اس کے سایہ سے کعبہ کی حد مقرر کر لی جائے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اُس سایہ کی مقدار خط کھینچا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس خط پر یہاں تک زمین کھودی کہ بنیاد حضرت آدم علیہ السلام نمودار ہوئی اور اس بنیاد پر عمارت بنائی۔

اس کی مقدار یہ ہے کہ

اس کی بلندی نو ہاتھ اور رکن اسود سے رکن شامی تک کی دیوار (33) تینتیس ہاتھ اور رکن شامی سے رکن غربی تک کی دیوار (22) بائیس ہاتھ اور رکن غربی سے رکن یمانی تک (31) اکتیس ہاتھ اور رکن یمانی سے پھر رکن اسود تک (30) تیس ہاتھ۔ لہٰذا اس وقت یہ کعبہ مستطیل کی شکل تھا جس کا طول عرض سے زیادہ اور خود طول کی شرقی غربی دیواروں میں ایک غیر محسوس سا فرق۔ اس کا دروازہ زمین سے ملا ہوا جس میں کواڑ وغیرہ نہ تھا۔

کچھ دنوں بعد طبع حمیری نے اس دروازہ میں کواڑ زنجیر اور قفل لگائے۔

یہ بھی خیال رہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کے اندر داہنی جانب ایک تغار سا بنایا تھا جو مثل خزانہ کے تھا کعبہ کے لئے جو کچھ نذر تحفے آئیں۔ اس میں رکھے جائیں اس کے دروازے دو تھے ایک داخل ہونے دوسرا نکلنے کا اور کعبہ بنانے والے خلیل تھے اور ان کو گارا اور پتھر اٹھا کر دینے والے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور اس عمارت میں تین پہاڑوں کے پتھر لگائے گئے کوہ ابو قبیس، کوہ حرا اور کوہ ورقان حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کسی نے یہاں عمارت نہ بنائی تھی مگر آپ علیہ السلام کے بعد کئی دفعہ اس کی تعمیر و مرمت ہوئی۔ (تفسیر نعیمی: پارہ: 1، ص: 711،710 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد تعمیر کعبہ

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ایک دفعہ قبیلہ عمالقہ اور جرہم نے اسے بنایا پھر دوبارہ قصی ابن کلاب نے اس کی تعمیر کی جس میں چھت درخت مقفل کی لکڑی کی بنائی جس پر بجائے تختوں کے خرمے کی لکڑی ڈالی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف 25 سال کی تھی تو پھر قریش کو اس کی تعمیر کرنا پڑی وجہ اس کی یہ ہوئی کہ ایک عورت وہاں خوشبو سلگاتی تھی۔ ایک بار اچانک اس سے شعلہ اٹھا اور چھت جل گئی۔ اس سے پہلے سیلابوں وغیرہ سے کعبہ کی دیواریں بھی پھٹ چکی تھیں لہٰذا سرداران قریش نے جمع ہو کر ولید بن مغیرہ کو امیر عمارت مقرر کیا اور کعبہ کو منہدم کر کے دوبارہ بنایا مگر آپس میں یہ طے کیا کہ اس میں مال حلال ہی خرچ ہو چونکہ اس وقت اکثر مال دار سود خور تھے اس لئے مال حلال بہت کم جمع ہوا اس کمی مال کی وجہ سے انہوں نے عمارت چھوٹی کر دی اور چند فرق بھی کر دیئے۔

اول: یہ کہ تعمیر ابراہیمی سے چند گز زمین چھوڑ کر اسے حطیم قرار دیا۔

دوم: یہ کہ بجائے دو کہ ایک ہی دروازہ رکھا اور وہ بھی زمین سے خوب اونچا تا کہ جسے چاہیں جانے دیں اور جسے چاہیں نہ جانے دیں۔

سوم: یہ کہ خانہ کعبہ کے اندر لکڑی کے ستونوں کی صفیں بنائیں، ہر صف میں تین تین ستون۔

چہارم: یہ کہ اس کی بلندی دگنی کر دی گئی یعنی پہلے نو ہاتھ تھی اب (18) اٹھارہ ہاتھ۔

پنجم: یہ کہ خانہ کعبہ کے اندر رکن شامی کے قریب ایک زینہ بنایا جس سے چھت پر چڑھ سکیں اور اب کعبہ کی شکل یہ ہو گئی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہین کہ

ایک بار مجھے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے متصل زمین میں بنیاد ابراہیمی کھول کر دکھائی۔ جس میں اونٹ کی کوہان کی شکل کے پتھر لگائے ہوئے تھے۔

اور ارشاد فرمایا:

اے عائشہ (رضی اللہ عنہا)! قریش نے روپیہ کی کمی کی وجہ سے بنیاد ابراہیمی کا کچھ حصہ چھوڑ دیا۔ ابھی لوگ نو مسلم ہیں اگر ان کے بھڑک جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم موجودہ کعبہ کو منہدم کر کے بنیاد ابراہیمی پر مکمل بناتے پھر اسلام میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی وجہ سے حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے کعبہ معظمہ دوبارہ بنایا جس کو بنیاد ابراہیمی پر مکمل کیا۔ قریش کے فرقوں کو دور کیا۔ حطیم کو خانہ کعبہ میں داخل کیا اور اس میں زمین سے متصل شرقاً غرباً دروازے رکھے۔ یمن سے خوشبودار مٹی منگوا کر جس کو ارس کہتے ہیں چونہ میں مخلوط کر کے بجائے گارے کے استعمال کی اور اس کے دروازوں پر اندر باہر مشک و عنبر سے کہگل کی دیواروں پر نہایت قیمتی ریشمی غلاف چڑھایا جسے غلاف کعبہ کہتے ہیں اور جس کا اب بھی رواج ہے۔ غلاف کعبہ سب سے پہلے پہنانے والے کا نام اسعد ہے جو شاہ یمن تھا جسے تبع کہتے ہیں۔ یہ ہی مدینہ منورہ کو آباد کرنے والا

ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق ملاقات میں اس نے یہاں ہی سکوت اختیار کر لی اس کی کچھ قوم والے حیرہ بھی یہاں رہ گئے یہ ہی مدینہ پاک کی پہلی آبادی ہے۔جیسے قوم جرہم نے مکہ معظمہ کو پہلے آباد کیا۔اس کا پورا واقعہ روح البیان پارہ 25،26 قوم تبع کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔ 27 رجب 46ھ کو اس کام سے فراغت حاصل ہوئی پھر 74ھ میں حجاج ابن یوسف نے جو کہ عبدالملک ابن مروان کا نائب تھا یہ عمارت گرا کر قریش کی طرح ہی بنا دیا پھر ہارون الرشید نے چاہا کہ عبداللہ بن زبیر کے طریقہ پر بنائے مگر علماء نے منع کیا۔ بار بار بنانا اور گرانا کھیل ہو جائے گا پھر اسلامی بادشاہ اس کی مرمت تو کرتے رہے مگر کسی نے دوبارہ نہ بنایا۔ پھر 1040ھ میں سلطان مراد ابن احمد خان شاہ قسطنطنیہ نے جب دیکھا کہ اس کی عمارت بہت کہنہ ہو گئی ہے تو سوائے اس رکن کے (گوشہ یا کونہ) جس میں سنگ اسود لگا ہوا ہے۔سب کو گرا کر پھر نئے سرے سے بنیاد حجاج کے موافق کعبہ بنایا جس کے اندر سنگ مرمر کا فرش بچھایا اور اندر چھت پر نہایت نفیس مخملی چھت گیری لگائی اور باہر کی دیواریں سنگ خارا لے چونہ میں چنیں نہایت نفیس ریشمی سیاہ پردہ تمام خانہ کعبہ پر ڈالا جس پر کلمہ

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

بنا اور طول دیوار میں کئی بالشت سہرا چکا لگایا جس میں کارچوبی حروف سے سلطان کا نام لکھا گیا اب موجودہ کعبہ سلطان مراد کا بنایا ہوا ہے اور مصر سے ہر سال غلاف کعبہ تیار ہو کر بڑے جشن اور دھوم دھام سے آتا رہا اور 1382ھ میں غلاف کعبہ لاہور سے تیار ہو کر گیا اور دستور یہ رہا کہ ہمیشہ حج کے موقع پر پرانا غلاف اتار کر خدام کعبہ کو دے دیا جاتا جس کو حاجی لوگ تبرکاً ٹکڑے ٹکڑے خرید لیتے۔ نیا غلاف چڑھا دیا جاتا۔ میں نے 1350ھ میں وہاں دیکھا کہ نجدیوں کی حکومت ہے۔ ملک عبدالعزیز ابن سعود وہاں کا بادشاہ ہے۔اس کے ظلم و ستم کی وجہ سے مصر سے غلاف آنا بند ہو گیا۔اب خود نجد میں ہی تیار ہوتا ہے جس کے اوپری حصہ میں ابن السعود کا نام لکھا جاتا ہے۔ ہماری اس تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ کعبہ معظمہ کو عمارتی شکل میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا اور پھر پانچ بار کعبہ بنتا رہا اور کعبہ کی موجودہ عمارت 339ھ سال کی ہے کیونکہ 1040ھ میں بنی اور اب 1379ھ ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: 1، ص: 711 تا 713 نعیمی کتب خانہ لاہور)

مقام ابراہیم و سنگ اسود پر نور بہاریں

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حدیث مبارکہ میں ہے کہ رکن اور مقام دو جنتی یاقوت ہیں۔

پہلے بہت نورانی تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان کے نور کو محو کر دیا اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ مشرق و مغرب کو چمکاتے مقام ایک پتھر ہے جس پر تین بار حضرت خلیل علیہ السلام کھڑے ہوئے اولاً تو جب کہ ان کی بہو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی نے ان سے عرض کیا کہ میں آپ علیہ السلام کا سر دھلا دوں تو آپ علیہ السلام نے گھوڑے سے اتر کر اس پتھر پر قدم رکھا اور ان سے

خدمت لی۔ دوسرے یہ کہ جب کعبہ کی دیواریں اونچی ہوئیں۔ تب آپ علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کہا کہ ہمارے واسطے کوئی پتھر لاؤ جس پر ہم کھڑے ہوکر دیوار بنائیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر کی تلاش میں ابوقبیس پہاڑ پر تشریف لے گئے۔ راہ میں حضرت جبرائیل علیہ السلام ملے اور کہا کہ آیئے میں آپ علیہ السلام کو ایک پتھر بتاؤں جو حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ دنیا میں آیا اور اسے حضرت ادریس علیہ السلام نے طوفان نوحی کے خوف سے اس پہاڑ میں دفن کردیا ہے۔ اس جگہ چھوٹے بڑے دو پتھر مدفون ہیں۔ چھوٹے کو تو کعبہ کی دیوار میں دروازے کے قریب لگا دو کہ ہر طواف کرنے والا اس کو چوما کرے یعنی سنگ اسود اور بڑے پر ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوکر عمارت بنائیں۔ چنانچہ آپ علیہ السلام وہ دونوں پتھر لے آئے اور یہ پیغام الٰہی بھی پہنچایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکم الٰہی کے مطابق سنگ اسود کو تو ایک گوشہ میں لگا دیا اور بڑے پر کھڑے ہوکر تعمیر کا کام جاری کیا جس قدر عمارت بلند ہوتی جاتی یہ پتھر بھی اونچا ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ علیہ السلام تعمیر سے فارغ ہوئے اور پتھر کی ضرورت نہ پڑی۔

روایت میں ہے کہ

جب سنگ اسود دیوار کعبہ میں قائم کیا گیا اس کی روشنی چاروں طرف دور تک جاتی تھی۔ جہاں تک اس کی روشنی پہنچی وہاں تک حرم کے حدود مقرر ہوئے جس میں شکار کرنا منع ہے اور سنگ اسود کا رنگ بالکل سفید تھا۔ گناہ گاروں کے ہاتھوں سے سیاہ ہو گیا۔

تیسرے جب کہ آپ علیہ السلام تعمیر سے فارغ ہوئے تب بحکم الٰہی عزوجل کوہ ابوقبیس پر بھی مقام ابراہیم رکھا اور اس پر چڑھ کر چوطرفہ آواز دی: اے عزوجل کے بندو! حج کے لئے آؤ۔

جس کا ذکر خود قرآن مجید نے فرمایا۔

وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍۙ (حج: 27)

یہ آواز قیامت تک پیدا ہونے والی روحوں نے سنی جو خاموش رہی اسے حج نصیب نہ ہوگا اور جس نے جتنی بار لبیک کہا اتنے بار ہی حج کرے گا۔ اس وقت حضرت خلیل علیہ السلام کی انگلیوں کا نشان نمودار ہوگیا۔ بہت عرصہ تک لوگوں نے یہ نشان دیکھا مگر چومنے والوں کی کثرت سے کچھ محو ہوگیا۔ اب کچھ خفیف سا نشان باقی ہے۔ پہلے یہ پتھر خانہ کعبہ کے متصل رکھا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک عظیم سیلاب آیا جس کا نام سیل ''ام نہشل'' ہے۔ اس سیلاب سے یہ پتھر اپنی جگہ سے ہٹ کر دور جا گرا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود تشریف لائے اور مطاف کے کنارے چاہ زمزم کے پاس اس کو رکھا اور اس پر ایک پتھر کی عمارت بنادی۔ اب تک وہی عمارت ہے اور اسی جگہ یہ پتھر موجود ہے۔ اس کے سامنے کچھ تھوڑی جگہ اور پاٹ (اکھاڑ) دی گئی جس میں آگے پیچھے کل بارہ آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: 1، ص: 714 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا پتھر لانا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لگانا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ متوفی 256ھ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک طویل حدیث بیان کرتے ہیں جن کے آخر میں تعمیر کعبہ کا ذکر ہے اور وہ اس طرح ہے۔

پھر جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا حضرت ابراہیم علیہ السلام ٹھہرے رہے پھر اس کے بعد آئے اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام زمزم کے قریب ایک بڑے درخت کے نیچے بیٹھے اپنا تیر درست کر رہے تھے جب انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو کھڑے ہو گئے اور دونوں ایک دوسرے سے اس طرح ملے جیسے بیٹا باپ سے اور باپ بیٹے سے ملتا ہے۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

اے اسماعیل علیہ السلام! مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک چیز کا حکم دیا ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا:

آپ علیہ السلام وہی کیجئے جس کا آپ کے رب عزوجل نے آپ علیہ السلام کو حکم دیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا:

آیا تم میری مدد کرو گے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا:

میں آپ علیہ السلام کی مدد کروں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں اس جگہ بیت اللہ تعمیر کروں اور انہوں نے اس ٹیلہ کی طرف اشارہ کیا جو اپنے اردگرد کی زمین سے کافی بلند تھا۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اس وقت ان دونوں نے بیت کی بنیادیں اٹھائیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان پتھروں کو جوڑ جوڑ کر لگاتے تھے حتیٰ کہ جب بنیادیں زیادہ بلند ہو گئیں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام اس پتھر کو لائے اور اس دیوار کے ساتھ رکھ دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس پتھر پر کھڑے ہو کر تعمیر کرتے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر لاتے رہے اور وہ دونوں یہ دعا کرتے تھے۔

اے ہمارے رب عزوجل! ہم سے قبول فرما بے شک تو بہت سننے والا بہت جاننے والا ہے۔ وہ دونوں بیت اللہ کی تعمیر کرتے تھے اور بیت اللہ کے گرد طواف کرتے رہے اور یہ دعا کرتے رہتے تھے۔

اے ہمارے رب عزوجل! تو ہم سے قبول فرما بے شک تو بہت سننے والا اور بہت جاننے والا ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3364)

بیت اللہ کو پاک رکھنے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم فرمایا: میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں، رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک رکھو۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۝ (البقرہ: 125)

اور (یاد کیجئے) جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لئے معبد اور امن کی جگہ بنا دیا اور مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لو اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے تاکیداً فرمایا: میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں، رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک رکھو۔

اس جگہ کو امن والا شہر بنا دے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی: اے خالق باری تعالیٰ جس بیت اللہ کو میں نے بنایا ہے اس کو امن والا شہر بنا دے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا (البقرہ: 126)

اور جب ابراہیم نے کہا: اے میرے رب! اس جگہ کو امن والا شہر بنا دے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پھلوں سے رزق عطا فرمانے کی دعا کرنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی کہ یا خالق باری تعالیٰ مکہ مکرمہ میں رہنے والوں سے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لائیں ان کو پھلوں سے رزق عطا فرما۔

قرآن مجید میں ہے:

وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ (البقرہ: 126)

اور اس میں رہنے والوں میں سے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان لائیں ان کو پھلوں سے رزق عطا فرما۔

مکہ مکرمہ کب سے حرم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اس دن حرام کیا جس دن آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا۔ پس یہ شہر اللہ تعالیٰ کے حرام

کرنے سے قیامت تک کے لئے حرام ہے اور مجھ سے پہلے اس شہر میں کسی کے لئے بھی جنگ کرنا جائز نہ تھا اور میرے لئے صرف دن کی ایک ساعت میں یہ جنگ کرنا جائز ہوا اور اب یہ اللہ تعالیٰ کے حرام کرنے سے قیامت تک کے لئے حرام ہے۔

(صحیح بخاری: ج:1،ص:247،مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا

حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا اور اہل مکہ کے لئے دعا کی اور میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا تھا اور میں مدینہ کے صاع اور مد میں اس سے دگنی برکت کی دعا کرتا ہوں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اہل مکہ کے لئے کی تھی۔

(صحیح مسلم: ج:1،ص:440،مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امت کے لئے دعا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا کی: اے ہمارے رب عزوجل ہمیں خالص اپنی فرمانبرداری پر برقرار رکھ اور ہماری اولاد میں سے ایک امت کو خاص اپنا فرمانبردار اور ہمیں حج کی عبادت بتا اور ہماری توبہ کو قبول فرما۔

قرآن مجید میں ہے:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ○ (البقرہ: 128)

اے ہمارے رب عزوجل! ہمیں خالص اپنی فرمانبرداری پر برقرار رکھ اور ہماری اولاد میں سے ایک امت کو خاص اپنا فرمانبردار کر اور ہمیں حج کی عبادت بتا اور ہماری توبہ قبول فرما۔ بے شک تو ہی بہت توبہ قبول فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

اعتراض

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لئے خصوصاً دعا کیوں کی عام لوگوں کے لئے دعا کیوں نہیں فرمائی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اولاد شفقت اور مصلحت کی زیادہ مستحق ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ۔(التحریم: 6)

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ نیز جب انبیاء کرام علیہم السلام کی اولاد نیک ہوگی تو وہ دوسرے لوگوں کی نیکی اور خیر کا بھی ذریعہ بنے گی۔

اس دعا پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی ذریت میں سے کوئی عرب مسلمان نہیں تھا۔

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی 606ھ اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

قفال نے کہا:

حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام کی ذریت میں ہمیشہ موحد رہے ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں زید بن عمرو بن نفیل اور قس بن ساعدہ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد حضرت عبدالمطلب بن ہاشم بھی موحد تھے۔ اسی طرح عامر بن انظرب تھے۔ یہ سب موحد تھے۔ قیامت اور ثواب اور عقاب کے قائل تھے۔ مردار نہ کھاتے تھے نہ بتوں کی عبادت کرتے تھے۔

(تفسیر کبیر: ج:1، ص:481 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ حج کرنا

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

زبیر بن محمد سے روایت ہے کہ

جب حضرت ابراہیم کعبہ کو بنانے سے فارغ ہو گئے تو دعا کی۔

اے رب عزوجل! میں اس کو بنانے سے فارغ ہو گیا۔ اب ہم کو ہماری عبادت بتا تب اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا اور انہوں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ حج کیا۔ حتیٰ کہ جب وہ میدان عرفات سے لوٹے اور یوم نحر (دس ذی الحجہ) آیا تو شیطان ظاہر ہوا۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

اس کو کنکریاں ماریئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو سات کنکریاں ماریں پھر دوسرے اور تیسرے روز پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام ثبیر (مکہ اور مدینہ کے درمیان پہاڑ) پر چڑھے

اور فرمایا

اے اللہ تعالیٰ کے بندو! جواب دو تو جس کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی ایمان تھا۔

اس نے کہا:

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ

اور روئے زمین پر ہمیشہ کم از کم سات آدمی مسلمان رہے ہیں اور اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین و آسمان والے ہلاک ہو جاتے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تمام مناسک دکھائے، صنعا، مروہ، منیٰ اور مزدلفہ وغیرہ۔

(الجامع الاحکام القرآن ج:2،ص:128 تا 129 مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

ہوا کو سانپ کی صورت میں بھیجنا

سدی بیان کرتے ہیں کہ

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام سے یہ عہد لیا کہ وہ طواف کرنے والوں کے لئے میرے بیت کو پاک کریں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام روانہ ہو کر مکہ گئے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کدال اور پھاوڑے لے کر کھڑے ہوئے اور ان کو یہ پتا نہیں چل رہا تھا کہ کعبہ کس جگہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے ہوا کو ایک سانپ کی صورت میں بھیجا۔ اس نے کعبہ کے اردگرد اور اس کی پہلی بنیادوں سے کوڑا کرکٹ صاف کر دیا پھر حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام نے ان بنیادوں سے کعبہ کی تعمیر شروع کی۔

(جامع البیان: رقم الحدیث:18928)

بیت اللہ کی تعمیر کے لئے ریح الخجوج بھیجنا

علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

کعبہ کو پانچ مرتبہ بنایا گیا ہے۔ پہلی بار کعبہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے فرشتوں نے بنایا اور اس وقت یہ سرخ یاقوت سے بنا ہوا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان میں اس کی بنیادیں اکھڑ گئیں اور اس کو دوسری بار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا۔

روایت ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ نے انہیں بیت اللہ بنانے کا حکم دیا تو ان کو یہ پتا نہیں چل رہا تھا کہ وہ کس جگہ بیت اللہ کو بنائیں پھر اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا بھیجی جس کا نام ریح الخجوج تھا۔ اس نے کعبہ کی بنیادوں سے کوڑا کرکٹ صاف کر دیا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کو اس کی قدیم بنیادوں پر تعمیر کیا۔

(روح المعانی ج:17،ص:211 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حج کے لئے اعلان فرمانا

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب کعبہ معظمہ کو تعمیر کر چکے تو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا: آپ اعلان حج کریں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍO (الحج:27)

اورلوگوں میں بلند آواز سے اعلان کیجئے وہ آپ کے پاس دور دراز راستوں سے پیدل اور ہر دبلے اونٹ پر سوار ہو کر آئیں گے۔

تم اعلان کرو آواز پہنچانا میرا کام ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب تعمیر کعبہ سے فارغ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے حج بیت اللہ کرنے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اعلان فرمائیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اے خالق باری تعالیٰ میری آواز ان تک کیسے پہنچے گی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تم اعلان کرو آواز پہنچانا میرا کام ہے۔

امام ابن جریر متوفی 310ھ نے یہ روایت ذکر کی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ آپ لوگوں میں حج کا اعلان فرمایئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

اے میرے رب عزوجل! ان سب لوگوں تک میری آواز کیسے پہنچے گی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

تم اعلان کرو! آواز پہنچانا میرا کام ہے۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اعلان کیا! اے لوگو تم پر اس قدیم گھر کا حج فرض کر دیا گیا پس تم حج کرو آسمان اور زمین کی تمام مخلوق نے اس اعلان کو سنا کیا تم نہیں دیکھتے کہ زمین کے دور دراز علاقوں سے لوگ تلبیہ پڑھتے ہوئے حج کرنے کے لئے آتے تھے۔

(جامع البیان، رقم الحدیث:18935)

قیامت تک حج کرنے والوں نے لبیک کہا

مجاہد نے کہا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک پتھر پر کھڑے ہو کر ندا کی!

اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر حج فرض کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ندا ان سب کو سنا دی جو مردوں کی پشت اور عورتوں کے رحموں میں تھے اور ان سب نے اس ندا کا جواب دیا جو اللہ تعالیٰ کے علم میں قیامت تک حج کرنے والے تھے۔

انہوں نے کہا:

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ

(جامع البیان: رقم الحدیث: 18936)

قیامت تک وہی حج کر سکے گا جس نے لبیک کہا

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے اونچے پہاڑ پر کھڑے ہو کر حج کا اعلان کیا۔ اللہ تعالیٰ نے سات سمندروں کی گہرائی تک یہ اعلان سنوا دیا۔

لبيك اطعا، لبيك اجبنا

ہم حاضر ہیں۔ ہم نے اطاعت کی، ہم حاضر ہم نے قبول کیا اور قیامت تک وہی حج کر سکے گا جس نے اس ندا پر لبیک کہا تھا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 13882)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عظیم رسول بھیجنے کی دعا کی

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا کی: اے ہمارے رب عزوجل! ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیج جو ان لوگوں پر تیری آیات کی تلاوت کرے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کے نفوس کی اصلاح کرے۔

قرآن مجید میں ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (البقرہ: 129)

اے ہمارے رب عزوجل! ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیج دے جو ان لوگوں پر تیری آیات کی تلاوت کرے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کے نفوس کی اصلاح کرے۔ بے شک تو ہی بہت غالب ہے، بڑی حکمت والا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دعا کی تھی کہ مکہ میں اہل مکہ میں سے ایک عظیم رسول بھیج دے۔

اس سے مراد حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اس پر حسب ذیل دلائل ہیں۔

تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس رسول سے مراد حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ اجماع حجت

ہے۔

امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور اس وقت حضرت آدم علیہ السلام اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے اور میں تم کو اپنی ابتداء کی خبر دیتا ہوں۔ میں اپنے ابراہیم باپ کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور میں اپنی ماں کا وہ خواب ہوں جو انہوں نے میری پیدائش کے وقت دیکھا تھا۔ ان سے ایک ایسا نور نکلا تھا جس سے ان کے لئے شام کے محلات روشن ہو گئے تھے۔

(مسند احمد: ج:4،ص:128 مطبوعہ اسلامی مکتب اسلامی بیروت)

نماز میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صلوٰۃ کی تخصیص اور حکمتیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک بار دعا کی اور وہ بھی دو ہزار سات سو پچھتر سال بعد قبول ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعا کا دیر سے قبول ہونا قبولیت کے منافی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں ہزارہا حکمتیں پنہاں ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک بار دعا کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نماز میں تشہد کے بعد ان کے لئے دعا کی ہدایت کر دی ہے کہ جب مجھ پر صلوٰۃ پڑھو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی صلوٰۃ پڑھو اور جب میرے لئے برکت کی دعا کرو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے بھی برکت کی دعا کرو۔

باقی رہا یہ اعتراض کہ

اس دعا میں ہے، اے عزوجل! سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر صلوٰۃ نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور ان کی آل پر صلوٰۃ نازل فرمائی ہے۔ دعا میں سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مشبہ ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام مشبہ بہ ہیں اور مشبہ بہ، مشبہ سے اقوای ہوتا ہے۔ اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت لازم آئے گی حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل ہیں۔

اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں۔

(1) یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کیونکہ بعض اوقات مشبہ افضل ہوتا ہے۔

جیسے قرآن مجید میں ہے:

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ (النور: 35)

اللہ تعالیٰ کے نور کی مثال جیسے ایک طاق ہو۔

(2) تشبیہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اوران کی اولاد کے مجموعہ سے ہے اور آل ابراہیم میں دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں۔

(3) یہ تشبیہ نفس صلوٰۃ میں ہے۔اس کی کیفیت سے قطع نظر کے ساتھ

جس طرح قرآن مجید میں ہے:

اِنَّـآ اَوۡحَیۡنَـآ اِلَیۡکَ کَمَآ اَوۡحَیۡنَـآ اِلٰی نُوۡحٍ (النساء: 163)

ہم نے آپ کو ایسی وحی کی ہے جیسے نوح کی طرف کی تھی۔

حالانکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جو وحی ہے وہ قرآن ہے اور وہ بالا جماع افضل ہے۔

(4) اس دعا میں کاف تشبیہ کے لئے نہیں ہے بلکہ تصیل کے لئے ہے۔

جس طرح قرآن مجید میں ہے:

وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمۡ (البقرہ: 185)

تا کہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تم کو ہدایت دی ہے۔

اس دعا کا معنی ہے اے اللہ عزوجل! سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر صلوٰۃ نازل فرما کیونکہ تو نے ابراہیم علیہ السلام پر اور ان کی آل پر صلوٰۃ نازل کی ہے۔

ملت ابراہیمی سے انحراف بے وقوفی

ملت ابراہیمی سے انحراف کرنے والا سوائے بے وقوف کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَنۡ یَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّۃِ اِبۡرٰھٖمَ اِلَّا مَنۡ سَفِہَ نَفۡسَہٗ (البقرہ: 130)

اور ملت ابراہیم سے اس شخص کے سوا کون منحرف ہوگا جو بے وقوف ہو۔

ملت اور دین میں فرق

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

ملت ان احکام کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی زبانوں سے اپنے بندوں کے لئے مشروع فرمائے تا کہ بندوں کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو۔دین کا بھی یہی معنی ہے۔

لیکن دین اور ملت میں یہ فرق ہے کہ

دین کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ (النور: 2)

اور انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف بھی دین کی اضافت ہوتی ہے۔

جیسے قرآن مجید میں ہے:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ (یونس: 104)

اور مسلمانوں کی طرف بھی دین کی اضافت ہوتی ہے۔

جیسے قرآن مجید میں ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (المائدہ: 3)

اس کے برعکس ملت کی اضافت صرف انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف کی جاتی ہے۔

(المفردات ص: 471 مطبوعہ مکتبہ المرتضویہ ایران)

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صالح کا لقب عطا فرمانا

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صالح کا لقب عطا فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

لَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ (البقرہ: 130)

بے شک ہم نے ان کو دنیا میں منتخب کرلیا اور بے شک وہ آخرت میں صالحین میں سے ہیں۔

اطاعت پر برقرار رہنے کا حکم

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا: میری اطاعت برقرار رکھو۔

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: میں تمام جہانوں کے رب کی اطاعت پر قائم ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (البقرہ: 131)

اور جب ان سے ان کے رب نے کہا: میری اطاعت پر (برقرار) رہو، انہوں نے کہا: میں تمام جہانوں کے رب کی اطاعت پر قائم ہوں۔

اسلم کا لفظ نبوت سے پہلے یا بعد کا تھا

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اسلم، اسلام لاؤ۔

امام رازی 606ھ لکھتے ہیں:

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ کس وقت فرمایا:

ایک قول یہ ہے:

یہ نبوت سے پہلے فرمایا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ستارے، چاند اور سورج کے ڈوبنے سے اللہ تعالیٰ کی واحدانیت پر استدلال کر رہے تھے اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لی۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اسلام لاؤ

انہوں نے کہا:

میں تمام جہانوں کے رب عزوجل پر اسلام لایا۔

امام رازی نے کہا:

اکثر علماء کی یہی رائے ہے۔

اور بعض علماء نے کہا:

یہ حکم نبوت کے بعد تھا

اور اس کا معنی ہے۔

اسلام پر مستقیم رہو اور توحید پر قائم رہو۔

(تفسیر کبیر: ج:1، ص:487 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے بیٹوں کو ملت ابراہیمی کی وصیت

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو ملت ابراہیمی کی وصیت کی۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ وَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَ یَعْقُوْبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝ (البقرہ: 132)

اور اسی ملت کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی اور یعقوب نے اے میرے بیٹو! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اس دین کو پسند کر لیا پس تم تا دمِ مرگ مسلمان رہنا۔

ملت ابراہیمی کی پیروی کا حکم اور ملت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں موافقت

اللہ تعالیٰ نے ملت ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاتَّبِعُوۡا مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۝ (آل عمران: 95)

تم ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو باطل کو چھوڑ کر حق کی طرف رجوع کرنے والے تھے اور وہ مشرکین میں سے تھے۔

☆

حضرت ابراہیم علیہ السلام توحید کی دعوت دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر معبود کی عبادت کو ترک کرنے کا حکم دیتے تھے سو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی توحید کی دعوت دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر معبود کی عبادت کو ترک کرنے کا حکم دیتے تھے اور فروع میں موافقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں بھی اونٹ کا گوشت کھانا اور اونٹنیوں کا دودھ پینا جائز تھا۔ سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی کو جائز قرار دیا ہے۔ اس لئے یہود کو دعوت دی ہے تم ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی پیروی کرو۔

عظیم سانحہ

حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

قرامطہ نے 8 ذوالحج کو مکہ پر حملہ کیا اور حجاج کے احوال لوٹ لئے اور ان کو تہ تیغ کر دیا۔ مکہ کے راستوں، گھاٹیوں، مسجد حرام اور خانہ کعبہ کے اندر بے شمار حجاج کو قتل کیا گیا اور قرامطہ کا امیر ابو طاہر لعنہ اللہ کعبہ کے دروازہ پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے گرد حجاج کی لاشیں گر رہی تھیں اور حرمت والے مہینہ میں مسجد حرام میں 8 ذی الحج کے معظم دن مسلمانوں پر تلواریں چل رہی تھیں اور ابو طاہر ملعون کہہ رہا تھا کہ میں اللہ ہوں (نعوذ باللہ) میں ہی مخلوق کو پیدا کرتا ہوں اور میں ہی مخلوق کو فنا کرتا ہوں۔ لوگ اس سے بھاگ کر کعبہ کے پردوں سے لپٹتے تھے اور انہیں اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ اسی حال میں قتل کئے جا رہے تھے اور حالت طواف میں قتل کئے جا رہے تھے۔ بعض محدثین بھی اسی دن اعتکاف کر رہے تھے ان کو بھی طواف کے بعد قتل کر دیا گیا۔

جب قرمطی ملعون حجاج کو قتل کرنے سے فارغ ہو گیا۔

تو اس لعین نے حکم دیا کہ

مقتولین کو زمزم کے کنویں میں دفن کر دیا جائے اور بہت سے حجاج کو حرم کی جگہوں میں دفن کر دیا جائے اور بہت کو مسجد حرام میں دفن کر دیا گیا۔ ان حجاج کو نہ غسل دیا گیا نہ کفن دیا گیا نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ وہ سب حالت احرام میں شہید ہوئے تھے۔ اس ملعون نے زمزم کا گنبد گرا دیا اور کعبہ کے دروازے کو اکھاڑنے کا حکم دیا اور اس کے پردے اکھاڑنے کا حکم دیا مگر وہ اس پر قادر نہ ہو سکا پھر اس نے ایک بھاری آلہ کے ذریعہ حجر اسود کو اکھاڑ کر کعبہ سے الگ کر لیا اور وہ چلا کر کہہ رہا تھا کہ وہ ابابیل نامی پرندے کہاں ہیں اور وہ نشان زدہ کنکریاں کہاں ہیں پھر وہ حجر اسود کو اپنے ساتھ اپنے ملک (الاحساء، خلیج فارس کے مغربی ساحل پر ایک شہر جو مکہ کی راہ پر ہے) میں لے گئے۔ بائیس سال تک ان کے پاس حجر اسود رہا اس کے بعد انہوں نے اس کو واپس کیا۔ جب قرمطی حجر اسود لے کر اپنے ملک میں پہنچا تو امیر مکہ اپنے اہل بیت اور لشکر کو لے کر اس کے پیچھے گیا اور اس کی

خوشامد کی کہ وہ حجر اسود کو واپس کر دے تا کہ وہ حجر اسود کو اس کے مقام پر رکھ دے اور اس کے عوض اس کے پاس جس قدر بھی مال تھا وہ اس کو پیش کر دیا لیکن قرمطی نہیں مانا پھر امیر مکہ نے اس سے جنگ کی۔ قرمطی نے اس کو اور اس کے اکثر اہل بیت کو قتل کر دیا اور حجر اسود اور حجاج کے دیگر اموال قرمطی کے قبضہ میں رہے۔ اس ملعون نے مسجد حرام میں اس قدر الحاد کیا جو پہلے کبھی نہ ہوا تھا نہ بعد میں ہوا اور عنقریب اللہ تعالیٰ اس کو ایسی سزا دے گا جیسی اس سے پہلے کسی کو نہ دی ہوگی۔ قرامطہ نے یہ کام اس لئے کیا تھا کہ وہ کفار اور زندیق تھے اور اس صدی میں افریقہ میں زمین کے مغرب میں جو فاطمیین نمودار ہوئے تھے انہوں نے ان کا بھیس بدل لیا تھا۔ ان کے امیر کا لقب مہدی تھا۔

ان کا نام

ابو محمد عبید اللہ بن میمون القداح تھا۔

یہ سلیمہ میں انگریز تھا۔ یہ اصل میں یہودی تھا پھر اس نے مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا پھر یہ افریقی ممالک میں داخل ہو گیا۔ اس نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ فاطمی سید ہے۔ بربر کی ایک جماعت اور دوسرے جاہلوں نے اس کی تصدیق کر دی اور اس نے حکومت قائم کر لی اور یہ سجلماسہ نامی شہر کا بادشاہ بن گیا پھر اس نے ایک شہر بسایا اور اس کا نام مہدیہ رکھا اور قرامطہ اس کے ساتھ پیغام رسانی رکھتے تھے۔ یہ سب ان کی سیاست تھی۔

(البدایہ والنہایہ: ج:11، ص:160 تا 161 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ہجرت سے ذبح تک کے واقعات

مفسر شہیر مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی 1363ھ لکھتے ہیں:

تفسیر عزیزی میں ہے کہ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے ہاتھ سے نجات پائی اور بابل والوں کے ایمان سے مایوس ہوئے تو وہاں سے ہجرت کر کے اپنے چچا ہاران کے گھر مقام حران میں آ گئے۔ ہاران کی ایک خوبصورت بیٹی تھی۔ سارہ رضی اللہ عنہا۔ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سعادت مندی دیکھ کر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کا ان سے نکاح کر دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کچھ روز یہاں تبلیغ فرماتے رہے مگر سوائے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا اور حضرت لوط علیہ السلام کے کوئی ایمان نہ لایا بلکہ ہاران نے غصے ہو کر اپنی بیٹی اور داماد کو اپنے گھر سے نکال دیا۔ آپ علیہ السلام نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے معاہدہ کیا کہ تم ہمیشہ میری فرمانبرداری کرنا اور میں تمہاری بات مانوں گا اور یہ تین حضرات حران سے مصر روانہ ہو گئے۔ مصر کا بادشاہ ظالم اور سرکش تھا۔ جب کسی خوبصورت عورت کو دیکھتا تو اس کے شوہر کو قتل کرا کر عورت پر قبضہ کر لیتا تھا جب یہ چھوٹا سا قافلہ مصر پہنچا تو شاہی پولیس نے بادشاہ کو خبر دی کہ مصر میں بے مثل حسینہ جمیلہ عورت آئی ہے۔

خیال رہے کہ

مردوں میں حضرت یوسف علیہ السلام اور عورتوں میں حضرت سارہ رضی اللہ عنہا بے مثل حسین ہوئے بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی میراث تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو سمجھا دیا کہ اگر تمہیں پولیس گرفتار کر کے بادشاہ کے پاس لے جائے تو یہ نہ کہنا کہ ابراہیم (علیہ السلام) میرے شوہر ہیں بلکہ یہ کہنا کہ وہ میرے (دینی) بھائی ہیں کیونکہ میں تمہارا دینی بھائی ہوں۔ حق تعالیٰ تمہیں اس ظالم سے محفوظ رکھے گا یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ان دونوں کو پولیس نے گھیر لیا اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو بادشاہ کے پاس لے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ حالت دیکھ کر نماز شروع کر دی اور دعا میں مشغول ہو گئے۔ بادشاہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو دیکھتے ہی ان پر عاشق ہو گیا چاہا کہ کچھ بے ادبی کرے۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

مجھے اتنی مہلت دے کہ میں غسل کر کے کچھ عبادت کر لوں۔ ظالم نے فوراً غسل کا انتظام کر دیا۔ آپ نے وضو کر کے نماز کی نیت باندھی اور بارگاہ قاضی الحاجات دعا میں مشغول ہوئیں۔

جب ظالم نے دیکھا کہ

دیر لگی وہ آپ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں داخل ہوا اور چاہا کہ عین نماز کی حالت میں دست درازی کرے۔ اچانک اس کے دونوں ہاتھ خشک ہو گئے اور بے ہوش ہو کر گر پڑا اور سانس پھول گیا اور منہ سے جھاگ ڈالنے لگا۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے دعا کی کہ

اے مولا عزوجل! اگر یہ مر گیا تو مجھ پر اس کے قتل کا الزام آئے گا تو پھر میری خیر نہیں یہ دعا کرنی تھی کہ اسے پھر ہوش آ گیا پھر وہی ارادہ کیا پھر ویسا ہی حال ہوا۔ غرضیکہ تین بار یہ معاملہ پیش آیا۔

تب وہ بولا کہ

یہ انسان نہیں یا جن ہے یا جادوگرنی۔

میرے پاس ایک عورت اور بھی ہے جس کو میں نے قبطیوں سے حاصل کیا تھا اور میں اس پر بھی قابو نہ پا سکا۔ (حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا) اسے بھی اس کے حوالے کرو اور ان دونوں عورتوں کو مصر سے نکال دو۔ غرضیکہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں۔ آپ علیہ السلام اس وقت نماز میں ہی مشغول تھے۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا:

مھیم

یعنی کیا حال ہے۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔
خیر سے رب عزوجل نے ظالم کو ذلیل کیا اور مجھے خادمہ دی جس کا نام حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا ہے اور یہاں سے چاروں اصحاب روانہ ہوکر فلسطین پہنچے وہاں کے لوگوں نے ان بزرگوں کو غنیمت جانا اور بہت زمین نذر کی۔ رب تعالیٰ نے اس زمین میں اتنی برکت دی کہ کچھ دنوں میں آپ علیہ السلام کے پاس کھیتی باڑی جانور غلام وغیرہ بے شمار ہوگئے۔ آپ علیہ السلام نے مسافر خانے اور لنگر جاری کیے اور حضرت لوط علیہ السلام کو تبلیغ دین کے لئے روم کی طرف روانہ کیا۔

ایک دن حضرت سارہ رضی اللہ عنہا عرض کرنے لگیں کہ
ہمارے گھر میں اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا بہت کچھ ہے مگر فرزند نہیں۔ آپ علیہ السلام حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلو شاید ان ہی سے کوئی بچہ پیدا ہو۔ آپ علیہ السلام نے ان سے نکاح کرلیا۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے شکم سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا محبت سے انہیں پالتی تھیں اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا صرف انہیں دودھ پلاتی تھیں مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی تکلیف کے خیال سے فرزند کو گود بھی نہ لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی شان کہ ایک دن حضرت اسماعیل علیہ السلام کو تنہا حجرے میں لیٹے ہوئے دیکھ کر محبت پدری سے گود میں لے لیا، ان کے رخسار اور پیشانی کو بوسہ دے رہے تھے کہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا آگئیں اور ان پر غیرت نے اتنا غلبہ کیا کہ

اور ارشاد فرمایا
اسی وقت اس کو اور اس کی ماں کو میرے گھر سے نکال کے بے آب ودانہ جنگل میں چھوڑ آؤ۔ آپ علیہ السلام نے بہت کچھ سمجھایا مگر کچھ پیش نہ گئی ادھر تو آپ علیہ السلام حران والے معاہدے کے پابند تھے۔ ادھر وحی آئی کہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی بات مانو۔ اس میں ایک راز ہے۔
سچ ہے کہ بڑوں کی لڑائی میں بھی راز ہوتا ہے۔
مولانا فرماتے ہیں۔

ہر چہ گیرد علتی علت شود | کفر گیرد کاملے ملت شود

ان دو مقبول بیویوں کی لڑائی کی برکت سے عرب کا ملک بنا مکہ شہر ہوا اور بیت اللہ آباد ہوا۔ برادران یوسف علیہ السلام کی برکت سے حضرت یوسف علیہ السلام مصر کی سلطنت پر جاگزیں ہوئے اور بنی اسرائیل کنعان گاؤں سے نکل کر مصر اور دیگر شہروں میں پھیلے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی آپس کی جنگوں کی برکت سے بہت سی قرآنی آیات کی تفسیر ہوئی۔ جن میں باغی گروہ سے جنگ کے احکام مذکور ہیں اور اہل بیت اطہار حجاز سے نکل کر عراق میں پہنچے جس سے تمام عراق متبرک و معظم ہوگیا۔ ان جنگوں میں اللہ تعالیٰ کے راز ہیں لہٰذا ہم کسی صحابی رسول کو ظالم نہیں کہہ سکتے جیسے کہ بی بی سارہ رضی اللہ عنہا کو ظالم نہیں کہہ سکتے۔

برادران یوسف علیہ السلام کی اہانت نہیں کر سکتے کہ وہ حضرات آسمانی ہدایت کے تارے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں تاروں کی شکل میں خواب دیکھا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو برا بھلا کہنے والے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو کیا کہیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان دونوں کو سواریوں پر لے کر روانہ ہوئے۔ وہ منزل بمنزل وہاں پہنچے جہاں آج خانہ کعبہ ہے۔

حکم الٰہی عزوجل پہنچا کہ

ان دونوں کو یہاں ہی چھوڑو اور ہمارے سپرد کر جاؤ۔ زمزم کے مقام پر ایک درخت تھا اور باقی سب جنگل بیابان تھا نہ وہاں سایہ نہ وہاں دانہ نہ پانی نہ آدمی۔ آپ علیہ السلام ایک ٹوکری خرما اور کچھ روٹی کے ٹکڑے ایک مشکیزہ میں پانی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے حوالے کر کے لوٹ آئے۔

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا پیچھے دوڑیں۔

اور کہنے لگیں کہ

مجھ کو اس بے آب ودانہ جنگل میں کہاں چھوڑے جاتے ہو جہاں نہ کوئی غم خوار ہے نہ کوئی مکان سایہ دار۔ آپ علیہ السلام نے کوئی جواب نہ دیا۔

آخر کار حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا بولیں کہ

کیا تمہیں خدا عزوجل نے حکم دیا ہے۔

سر کے اشارے سے فرمایا:

ہاں

تب آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا

مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ میرا رب عزوجل مجھے ضائع نہ کرے گا۔ واپس لوٹیں اور اپنے بچے کو گود میں لے کر اکیلی بیٹھ گئیں اور دودھ پلانے لگیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہاڑ کی آڑ میں آ کر رکے اور کعبہ معظمہ کی طرف منہ کر کے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔

اور عرض کیا۔

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ ...... الخ (ابراھیم: 37)

''مولیٰ عزوجل! میں نے اپنے بال بچے بے آب ودانہ جنگل میں چھوڑ دیئے۔''

جب تک خرمہ اور پانی رہا حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اطمینان سے گزر کرتی اور فرزند کو دودھ پلاتی رہیں مگر پانی ختم ہونے پر پیاس نے ستایا۔ لخت جگر نے بے اختیار رونا شروع کر دیا تو اپنی تو اتنی فکر نہ ہوئی مگر نور نظر کی بے قراری دیکھی نہ گئی۔ اٹھیں اور

صنعا پر چڑھیں کہ شاید کہیں پانی کا نشان ملے مگر نہ ملا۔ مایوس ہو کر نیچے اتریں۔ مروہ پہاڑ کی طرف روانہ ہوئیں مگر ند رفرزند پر تھی۔ راہ کے کچھ حصہ میں فرزند سے آڑ ہوگئی تو آپ رضی اللہ عنہا اسے جلد طے کرنے کے لئے دوڑ کر چلیں۔ اس آڑ سے نکل جانے پر پھر آہستہ چلیں۔ یہاں تک کہ مروہ پر پہنچ گئیں۔ وہاں چڑھ کر بھی پانی کہیں نہ دیکھا پھر صنعا کی طرف روانہ ہوئی۔ اسی طرح سات چکر کیے ہر دفعہ درمیان میں دوڑتی تھیں۔ (صنعاومروہ اسی جگہ کی یادگار ہے) اخیر بار مروہ پر چڑھیں تو ایک ہیبت ناک آواز کان میں پڑی۔ ڈر کر فرزند کے پاس آئیں دیکھا کہ وہ روتے ہوئے اپنی ایڑیاں زمین پر رگڑ رہے ہیں جس سے شیریں پانی کا چشمہ جاری ہے۔ بہت خوش ہوئیں اوراس کے گرد مٹی جمع کر کے فرمانے لگیں۔

مَآءَ زَمْ زَمَ

پانی میٹھا میٹھا ہے۔

بعض نے فرمایا

ماء زمزم

پانی بہت کافی ہے۔

بعض نے فرمایا:

زمزمة اور همهمة

گن گنا کر گانے کو کہتے ہیں چونکہ آپ خوش ہو کر کچھ گن گناتی جاتی تھیں۔ اس لئے اس کا نام زمزم ہوا۔

وَاللہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

حدیث شریف میں آیا ہے کہ

(من بعض اساتذتنا) اگر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اس پانی کو گھیر نہ دیتیں تو یہ چشمہ بن جاتا۔ اور آخر کار آپ رضی اللہ عنہا وہ پانی خود پیتیں اور اپنے پسر کو بھی پلاتی تھیں۔ اس لئے بہت روز تو گزر اوقات کرتی رہیں کیونکہ اس پانی میں غذائیت بھی ہے۔ اتفاقاً یمن کی ایک قوم جرہم کسی طرح اس طرف آ پہنچی اور مقام کدا میں اتری۔

اس نے دیکھا کہ

کچھ فاصلے پر بہت پرندے اڑ رہے ہیں۔

کہنے لگے کہ

یہاں پانی ضرور ہے کیونکہ ہم یہاں بار بار آئے کبھی پرندے نہ دیکھے۔ انہوں نے تحقیق کے لئے اپنے میں سے ایک شخص بھیجا اس نے آکر خبر دی کہ یہاں پانی کا غیبی چشمہ ہے جس کے پاس ایک بی بی اپنے فرزند کو لئے بیٹھی ہے۔ یہ سن کر وہ سارے لوگ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے

اور بولے کہ

اگر آپ رضی اللہ عنہا کی اجازت ہو تو ہم یہاں رہنے سہنے لگیں چونکہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا بھی تنہائی میں گھبرا گئی تھیں۔ اس شرط پر اجازت دے دی کہ اس پانی پر کسی کا حق نہ ہو یعنی سب استعمال تو کریں مگر حق میرا ہو۔ ان سب نے یہ شرط قبول کر کے وہاں وہاں خود بھی رہائش اختیار کر لی اور اپنے دوسرے اہالی موالی کو بھی بلا لیا جس سے کہ یہاں ایک اچھی خاصی بستی بس گئی۔ کچھ دنوں میں حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی سمجھ دار ہو گئے۔ آپ علیہ السلام نے اس قوم جرہم سے زبان عربی سیکھی۔ نہایت ذکی قابل اور ہونہار جوان ہوئے اور جماعت جرہم کے سردار نے آپ علیہ السلام سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا۔ ادھر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر 14 سال کی ہوئی تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے شکم سے بھی ایک فرزند پیدا ہوئے جن کا نام اسحاق رکھا گیا۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا ان کی پرورش میں مشغول ہوئیں اور اتنے عرصے میں کچھ جوش غیرت بھی کم ہو گیا۔

تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کہا:

اگر آپ رضی اللہ عنہا اجازت دو تو میں اسماعیل (علیہ السلام) کو دیکھ آؤں۔ انہوں نے اس شرط پر اجازت دی کہ وہاں زمین پر قدم نہ رکھیں اور بہت نہ ٹھہریں۔ آپ علیہ السلام روانہ ہوئے۔ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ فرزند جوان اور خانہ دار ہے اور ان کی والدہ وفات پا چکی ہیں۔ تلاش کرتے کرتے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دروازے پر آئے۔ آپ علیہ السلام (حضرت اسماعیل علیہ السلام) شکار کے لئے جنگل گئے تھے کیونکہ آپ علیہ السلام کی گزر اوقات شکار کے گوشت اور زمزم کے پانی پر تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی بیوی کو دروازہ پر بلا کر ان کی زندگی کے حالات دریافت کئے۔

بیوی نے کہا:

ہم بہت غریب مسکین ہیں۔ بہت تنگی اور مشقت سے گزارا کرتے ہیں اور کچھ تواضع خاطر نہ کی۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

تم اپنے شوہر سے ہمارا سلام کہنا اور کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دو کہ ایسی چوکھٹ ایسے گھر کے لائق نہیں۔ شام کے وقت جب حضرت اسماعیل علیہ السلام لوٹے تو مکہ کی گلی کوچے میں نبوت کے برکات و انوار دیکھ کر سمجھ گئے کہ میرے والد ماجد تشریف لائے ہوں گے۔

اپنی بیوی سے پوچھا کہ

کیا کوئی آج آیا ہے۔

اس نے سارا واقعہ عرض کیا۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

وہ بزرگ میرے والد تھے اور تو میرے گھر کی چوکھٹ ہے۔ مجھے تجھ کو طلاق دینے کا حکم دے گئے ہیں۔ اسے طلاق دیکر اسے میکے پہنچا دیا اور قبیلہ جرہم کی دوسری لڑکی سے نکاح کرلیا۔

پھر ایک مدت بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارا رضی اللہ عنہا سے کہا کہ

میں نے پہلی بار حضرت اسماعیل علیہ السلام کو نہ دیکھا تھا۔ میری تسلی نہیں ہوئی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا نے پچھلی شرط پر دوبارہ جانے کی اجازت دی جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دروازہ پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ شکار کے لئے گئے ہیں۔

ان کی بیوی نے آپ علیہ السلام (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کو دیکھ کر کہا۔

حضرت تشریف لائیے، ہمارے غریب خانہ میں کچھ قیام کیجئے۔ آپ علیہ السلام کے سر مبارک میں گرد وغبار ہے۔ مجھے اجازت دیں کہ میں دھودوں۔

حضرت (ابراہیم علیہ السلام) نے فرمایا۔

مجھے اترنے کا حکم نہیں۔

وہ بی بی ایک بڑا اور اونچا پتھر اٹھا کر لائیں۔ (یہ وہی مقام ابراہیم تھا)

اوران کی رکاب کے پاس رکھ کر عرض کیا کہ

اس پتھر پر قدم پاک رکھ کر اپنا سر مبارک کچھ جھکا دیجئے جس سے کہ آپ علیہ السلام اپنے معاہدہ پر بھی قائم رہیں اور مجھے خدمت کا موقع بھی مل جائے۔ حضرت (ابراہیم علیہ السلام) اس ذکاوت سے بہت خوش ہوئے اور ایسا ہی کیا۔ اس بی بی نے آپ علیہ السلام کا سر خوب دھو کر کنگھی کر دی۔ اس درمیان میں آپ علیہ السلام نے اپنی بہو سے گھر کے سارے حالات پوچھے۔

اس نیک بی بی نے عرض کیا۔

الحمدللہ! بہت آرام سے ہیں۔ حق تعالیٰ نے ہمیں کسی چیز کا محتاج نہیں کیا۔ ہمارے شوہر جنگل سے شکار لاتے ہیں اور آب زم زم ہمارے پاس ہے۔ اس گوشت اور اس پانی سے ہماری بخوبی گزر ہوتی ہے۔ آپ علیہ السلام نے ان کے حق میں دعائے خیر کی۔

اور ارشاد فرمایا

حق تعالیٰ تمہارے گوشت اور پانی میں برکت دے۔

اس دعا کا یہ اثر ہے کہ اب بھی وہاں گوشت بکثرت ہے۔

القصہ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اپنے شوہر کو ہمارا سلام کہنا اور کہہ دینا کہ تمہارے دروازے کی چوکھٹ بہت اچھی ہے۔ اسے غنیمت جانو اور بخوبی محفوظ رکھو۔

شام کو جب حضرت اسماعیل علیہ السلام آئے تو انہوں نے پھر وہی تجلیات وانوار دیکھے۔

بیوی سے پوچھا:

کیا آج کوئی بزرگ تشریف لائے تھے۔

اس نے کہا:

ہاں! اور سارا واقعہ بیان کیا۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

وہ میرے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ تمہارے متعلق سفارش فرما گئے کہ تمہیں اپنے ساتھ رکھوں اور تمہارے ساتھ اچھا برتاؤ کروں۔

پھر کچھ مدت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

میں دوبارہ فرزند کو دیکھنے گیا مگر نہ دیکھ سکا۔ اب تم اجازت دو کہ میں اسے دیکھوں اور اس کے پاس چند روز رہوں۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے بلا شرط بخوشی اجازت دے دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں پہنچے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دیکھا کہ زمزم کے پاس ایک درخت کے نیچے تیروں کو درست کر رہے ہیں۔ باپ بیٹے نے ایک دوسرے کو پہچانا۔ فرزند بے اختیار اٹھے پدر نے گلے سے لگالیا۔ پیشانی پر بوسے دیئے اور اس قدر روئے کہ پرندے ہوا میں رونے لگے اور وہاں کچھ قیام فرمایا۔

ایک دن ارشاد فرمایا:

اے اسماعیل (علیہ السلام)! رب تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس جگہ خانہ کعبہ کی تعمیر کرنا چاہتا ہوں کہ کام صرف اپنے ہاتھ سے کروں اور تم اس میں میری مدد کرو۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

بسروچشم

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلی ذی قعدہ کو تعمیر شروع فرمائی اور اسی مہینہ کی پچیسویں تاریخ کو ختم فرمادی۔ پھر آٹھویں ذی الحجہ کو آپ علیہ السلام کو خواب میں فرزند کے ذبح کا حکم ہوا اور دسویں کو ذبح اسماعیل علیہ السلام کا واقعہ پیش آیا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس سال یا اس کے بعد روح البیان نے 23ویں سپارے میں فرمایا:

ذبح کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک تیرہ (13) سال تھی۔

مگر تفسیر عزیزی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ

اس وقت عمر کہیں زیادہ تھی کیونکہ ان کی چودہ سال کی عمر میں حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے اور اس کے بعد کچھ

فاصلے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تین بار مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ تیسری بار حضرت اسماعیل علیہ السلام سے آپ علیہ السلام کی ملاقات ہوئی۔

نیز یہ مشہور ہے کہ

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں ذبح کا واقعہ درپیش آیا۔

اس روایت کی رو سے غلط ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ آپ علیہ السلام حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں مکہ شریف تشریف لائے ہی نہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ذبح کا واقعہ تعمیر کعبہ کے بعد ہوا کیونکہ پہلی ملاقات میں 25 ذی قعدہ تک تعمیر ہوئی اور دس ذی الحجہ کو واقعہ ذبح ہوا۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

(تفسیر نعیمی: پارہ: 1، ص: 725 تا 729، نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیویوں اور اولاد کی تعداد اور جائے سکونت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویاں تھیں اور آٹھ بیٹے تھے۔

مفسر شہیر مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی 1363ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویوں سے آٹھ بیٹے تھے۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے شکم سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے جو سب سے بڑے تھے اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے شکم سے حضرت اسحاق علیہ السلام جو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے چودہ سال عمر میں چھوٹے تھے اور قنطورا بنت یقطن کنعانیہ کے شکم سے چھ بیٹے مدین، مدائن، زمران، یقشان، یشبق اور نوح۔

خیال رہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنے چچا ہاران کی بیٹی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ پھر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد قنطورا سے۔

آپ علیہ السلام (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کے دو بیٹے یعنی حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہ السلام تو پیغمبر ہوئے باقی چھ متقین مسلمان حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ مکرمہ میں بسایا اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو اپنے ساتھ کنعان رکھا اور مدین کو وہاں رکھا جہاں انہی کے نام سے شہر مدین بسا۔ حضرت شعیب علیہ السلام انہی کی اولاد سے تھے۔ مدائن وغیرہ کو شام و روم وغیرہ میں بحکم الٰہی عزوجل آباد کیا پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہوئے جن میں سے منجھلے بیٹے (چھوٹے سے بڑے) قیدار تھے جس کی نسل سے ہمارے نبی مکرم شفیع اعظم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: 1، ص: 750، نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن سب سے پہلے لباس پہننے والے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

اے لوگو! تم روز محشر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں حاضر کئے جاؤ گے کہ برہنہ پا، ننگے جسم اور بغیر کے ہوں گے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

جس طرح ہم نے (کائنات کو) پہلی بار پیدا کیا تھا ہم اسماعیل تخلیق کو دہرائیں گے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ساری مخلوق میں سب سے پہلے لباس جنہیں پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں گے۔

(صحیح بخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب وکنت علیہم شہیدا مادمت فیہم)(ج:4،ص:1691،رقم الحدیث:4349)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لقب خیر البریۃ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔

اور عرض کیا

یا خیر البریة

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

(صحیح بخاری: کتاب الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ وَ اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا)

(ج:3،ص:1226،رقم الحدیث:3180)

یا خیر الناس کا لقب

ابن عساکر کی روایت میں ہے۔

ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔

يَا خَيْرُ النَّاسِ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

پھر اس آدمی نے عرض کیا۔

یا اعبد الناس

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ حضرت داؤد علیہ السلام ہیں۔

(تاریخ دمشق الکبیر: ج:6، ص:220)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوست حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک ہر نبی کے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے دوست ہوتے ہیں اور بے شک میرے دوست، میرے والد اور میرے رب عزوجل کے دوست ہیں۔

(اور حاکم کی روایت میں ہے)

(اور بے شک میرے دوست اور میرے خلیل میرے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔

(بے شک سب لوگوں سے بڑھ کر ابرہیم کے قریب (اور حقدار) تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی ہے اور یہی نبی اور ایمان لانے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مددگار ہے۔

(ترمذی: کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! باب ومن سورۃ آل عمران)

(ج:5، ص:223، ص:320، رقم الحدیث:3151)

حضرت ابراہیم علیہ السلام آزمائش پر مکمل اترنے والے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اسلام کے تیس حصے ہیں اور کوئی شخص ایسا نہیں جسے اس دین کے ذریعے آزمایا گیا اور وہ آزمائش پر پورا اترا ہو سوائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

اور ابراہیم (علیہ السلام) جنہوں نے (اللہ تعالیٰ کے ہر امر کو) بتمام وکمال پورا کیا۔

پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے آگ سے برأت مقدر کر دی۔

(مستدرک: ج:2، ص:602، رقم الحدیث:4027)

لوگوں کا روزِ محشر اللہ تعالیٰ کا دوست کہنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(روزِ محشر) لوگ کہیں گے! اے حضرت ابراہیم علیہ السلام! آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں اور آپ علیہ السلام کی دوستی کا آسمان والوں اور زمین والوں نے بھی خوب سن رکھا ہے۔

(مستدرک: ج:2، ص:599، رقم الحدیث:4017)

حضرت ابراہیم علیہ السلام روزِ محشر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک انبیاء کرام علیہم السلام میں سے ہر دو نبی دوسرے تمام لوگوں کے علاوہ روز قیامت آپس میں دوست ہوں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

پس اس دن ان میں سے میرا دوست وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کا دوست ہوگا یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام۔

(معجم الکبیر: ج:7، ص:258، رقم الحدیث:7052)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے جنت میں موتیوں کا محل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک جنت میں موتیوں سے بنا ہوا ایک محل ہے جس میں نہ تو کوئی شگاف ہے اور نہ ہی کسی قسم کی کمزوری۔ اس گھر کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دوست حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے تیار کیا ہے۔

(معجم الاوسط: ج:6، ص:329، رقم الحدیث:6543)

حضرت ابراہیم علیہ السلام دین یہودیت اور عیسائیت پر نہ تھے

یہود کہتے تھے: حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں حضرت اسحاق اسماعیل اور یعقوب علیہم السلام یہودی تھے اور عیسائی ان کو عیسائی کہتے تھے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں ارشاد فرمایا: اے محبوب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے یا تم زیادہ جانتے ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل نہ یہودیت پر تھے اور نہ عیسائیت پر تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ○

(البقرہ:140)

کیا تم کہتے ہو کہ بے شک ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھے۔ آپ فرما دیجئے! کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟ اور اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جس نے اس شہادت کو چھپایا جو اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام مسلمانوں کے باپ کیسے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام امت کے باپ ہیں کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام امت کے لئے بہ منزلہ باپ ہیں کیونکہ باپ اولاد کی حیات کا سبب ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی حیات ابدیہ کا سبب ہیں اور اخروی حیات کا سبب ہیں اور وہی حیات قابل شمار اور قابل ذکر ہے۔

یا اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں سو عرب کے لوگوں کو باقی امت پر غلبہ دے کر فرمادہ تمہارے باپ ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (الحج: 78)

(یہ) تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے۔ اس نے اس سے پہلے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اور اس (قرآن) میں تاکہ رسول تم پر گواہ ہوں اور تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ۔

امت کا نام مسلمان کس نے رکھا

سابقہ آیت میں فرمایا! اس نے اس سے پہلے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔

اس آیت کے دو محمل ہیں۔

(1) ایک یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمہارا نام مسلمان رکھا کیونکہ ہر نبی کی دعا مقبول ہوتی ہے۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (البقرہ: 128)

اے ہمارے رب! ہمیں اپنے لئے مسلمان رکھ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک امت کو مسلمان رکھ۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کو قبول فرمایا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم امت کو امت مسلمہ بنا دیا۔

اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ

یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت قتادہ، مجاہد اور ضحاک کا قول یہ ہے:

اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے۔

(جامع البیان: ج: 17، ص: 271 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

ابن زید نے یہ کہا ہے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ

ابن زید کا قول بلا دلیل ہے کیونکہ یہ معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا نام قرآن مجید میں مسلمین نہیں رکھا کیونکہ قرآن مجید حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بہت عرصہ بعد نازل ہوا ہے۔

(جامع البیان: ج: 17، ص: 271 تا 272 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

وضو کے بعد دعائے ابراہیمی پڑھنے کا ثواب

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب بندہ فرض نماز کے لئے وضو کرے اور پورا پورا وضو کرے پھر اپنے گھر سے نماز پڑھنے کے ارادہ کے لئے نکلے۔

اور نکلتے وقت یہ دعا پڑھے۔

بِسْمِ اللهِ الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنَ

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ کے نام سے جس نے مجھے پیدا کیا سو وہی ہدایت دیتا ہے)

تو اللہ تعالیٰ اس کو صحیح بات کی ہدایت دے گا۔

امام ابن مردویہ کی روایت میں ہے۔

اس کو صحیح کاموں کی ہدایت دے گا۔

پھر پڑھے:

وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَ یَسْقِیْنَ

(جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے)

تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے طعام سے کھلائے گا اور جنت کے مشروب سے پلائے گا۔

پھر پڑھے:

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنَ

(اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفاء دیتا ہے)

تو اللہ تعالیٰ اس کو شفا دیتا ہے اور اس کی بیماری کو اس کے لئے کفارہ بنا دیتا ہے۔

پھر پڑھے:

وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنَ

(جو میری روح قبض کرے گا پھر مجھ کو زندہ کرے گا)

تو اللہ تعالیٰ اس کو نیک بختوں کی حیات کے ساتھ زندہ کرے گا اور اس کو شہداء کی موت کے ساتھ موت دے گا۔

پھر پڑھے:

وَالَّذِيْ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَلِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنَ

(اور جس سے مجھے یہ امید ہے کہ وہ قیامت کے دن میری خطاؤں کو بخش دے گا)

تو اللہ تعالیٰ اس کی تمام خطاؤں کو بخش دے گا۔ خواہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔

پھر پڑھے:

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ

(اے میرے رب عزوجل مجھے حکم فیصلہ عطا فرما اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔)

تو اللہ تعالیٰ اس کو صحیح فیصلہ کی قوت عطا فرماتا ہے اور اس کو گزرے ہوئے یا موجودہ نیک لوگوں کے ساتھ ملا دیتا ہے۔

پھر پڑھے:

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۔

(اور بعد میں آنے والے لوگوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ)

تو ایک سفید ورق میں یہ لکھ دیا جاتا ہے کہ فلاں بن فلاں صادقین میں سے ہے۔

پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو سچ بولنے کی توفیق دیتا ہے۔

اس کے بعد پڑھے:

وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ

(اور مجھے نعمت والی جنتوں کے وارثوں میں سے بنا دے)

تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں محلات بنا دیتا ہے۔

- اور حسن بصری اس کے بعد [illegible]

وَاغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ کَمَا رَبَّیَانِیْ صَغِیْرًا ۔

(میرے ماں باپ کو بخش دے جیسا کہ انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی)

(الدرالمنثور: ج:6،ص:276 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک امت

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک امت کا لقب عطا فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیْفًا ؕ وَلَمْ یَكُ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ (النحل: 120)

بے شک ابراہیم (اپنی ذات میں) ایک امت تھے۔اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار باطل سے مجتنب اور مشرکین میں سے نہ تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امت کیوں فرمایا

(1) حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جو اُمت کا اطلاق کیا گیا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ ایک قوم یا ایک امت مل کر جتنے نیکی کے کام کرتی یا جتنی عبادت کرتی۔حضرت ابراہیم علیہ السلام تنہا اتنی عبادت کرتے تھے اور اتنے نیکی کے کام کرتے تھے۔

(2) مجاہد نے کہا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے ابتدائی دور میں صرف ایک مومن تھے اور باقی تمام لوگ کافر تھے۔اس لئے وہ اپنی ذات میں امت تھے۔

جیسے آپ نے زید بن عمرو بن نفیل کے متعلق فرمایا:

وہ قیامت کے دن ایک امت کے طور پر اٹھایا جائے گا۔

(زادالمسیر: ج:4،ص:503)

(3) شہر بن جوشب بیان کرتے ہیں۔

روئے زمین کبھی ایسے چودہ آدمیوں سے خالی نہیں رہی جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اہل زمین سے عذاب دور کرتا ہے اور ان کی برکت کو ظاہر کرتا ہے۔سوائے ابراہیم علیہ السلام کے وہ اپنے زمانہ میں صرف ایک مومن تھے۔

(جامع البیان: رقم الحدیث:16588)

(4) امت کا معنی یہاں پر یہ ہے کہ جس کی اقتداء کی جائے اور وہ امام ہو یہ مصدر مفعول کے معنی میں ہے جیسے خلق مخلوق کے معنی میں ہے۔سو امت ماموم کے معنی میں ہے یعنی امام

قرآن مجید میں ہے:

اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (البقرہ: 124)

(5) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سبب سے ان کی امت توحید اور دین حق میں دوسری امتوں سے ممتاز ہوئی اور چونکہ وہ امت کے امتیاز کا سبب تھے۔اس وجہ سے ان کو کہا گیا۔

(6) امت کا ایک معنی ہے نیکی اور خیر کی تعلیم دینے والا۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

فروہ بن نوافل اتجعی بیان کرتے ہیں کہ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا:

حضرت معاذ ایک امت تھے۔اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار باطل سے مجتنب، میں نے دل میں کہا، ابوعبدالرحمٰن نے غلط کہا۔اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے فرمایا ہے:

اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا:

تم جانتے ہو کہ امت کا کیا معنی ہے اور قانت کا کیا معنی ہے۔

میں نے کہا:

اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جاننے والا ہے۔

انہوں نے کہا:

امت وہ شخص ہے جو نیکی اور خیر کی تعلیم دے اور قانت وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والا ہو اور حضرت معاذ نیکی اور خیر کی تعلیم دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 16585)

حضرت ابراہیم علیہ السلام چند امور کو پہلے ادا کرنے والے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چند امور سب سے پہلے ادا فرمائے۔

مفسر شہیر مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

(1) سب سے پہلے آپ علیہ السلام ہی نے اپنا اور اپنی اولاد کا ختنہ کیا۔

آپ علیہ السلام سے پہلے پیغمبر ختنہ شدہ پیدا ہوتے تھے۔

ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔

(2) پہلے آپ علیہ السلام ہی کے بال سفید ہوئے۔

(3) پہلے آپ علیہ السلام نے ناخن اور مونچھ کٹوائے اور زیر ناف کے بال دور کرنے کو رواج دیا کہ آپ علیہ السلام کے دین میں یہ باتیں فرض تھیں اور ہمارے ہاں سنت۔

(4) پہلے آپ علیہ السلام نے ہی سلا ہوا پاجامہ پہنا۔

(5) پہلے آپ علیہ السلام ہی نے بالوں میں خضاب لگایا۔

(6) سب سے پہلے آپ علیہ السلام ہی نے منبر بنایا اور اس پر خطبہ پڑھا۔

(7) سب سے پہلے آپ علیہ السلام ہی نے ہاتھوں میں عصا لیا۔

(8) پہلے آپ علیہ السلام ہی نے راہ خدا عزوجل میں جہاد کیا جبکہ رومی کافر آپ علیہ السلام کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو قید کر کے لے گئے۔ آپ علیہ السلام نے ان سے جہاد کر کے انہیں چھڑایا۔

(9) پہلے آپ علیہ السلام ہی نے مہمان نوازی کی کہ بغیر مہمان کبھی ناشتہ بھی نہ کیا اور مہمان کی تلاش میں چار چار کوس نکل جاتے تھے۔

(10) پہلے آپ علیہ السلام ہی نے شیر مال یا پراٹھے پکوا کر مہمانوں کو کھلائے۔

(11) پہلے آپ علیہ السلام ہی نے معانقہ کیا (گلے ملنا) آپ علیہ السلام سے پہلے سجدہ تحیت کا رواج تھا۔

(12) آپ علیہ السلام ہی کو بہت مال اور خدام دیئے گئے۔

(13) پہلے آپ علیہ السلام ہی نے ثرید پکایا۔ (شوربے میں پکی ہوئی روٹی)

(تفسیر نعیمی، پارہ:1، ص:702 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فضائل کثیرہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بہت سارے فضائل ہیں جن میں سے چند یہ بھی ہیں۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

(1) آپ علیہ السلام ہی اپنے مابعد سارے پیغمبروں کے والد ہیں۔

(2) ہر آسمانی دین میں آپ علیہ السلام ہی کی پیروی اور اطاعت ہے۔

(3) آپ علیہ السلام ہی خانہ کعبہ کی پہلی تعمیر کرنے والے ہیں یعنی اسے گھر کی شکل بنانے والے۔

(4) آپ علیہ السلام ہی کی یاد قربانی ہے۔

(5) آپ علیہ السلام ہی کی یادگار حج کے ارکان ہیں۔

(6) جس پتھر پر کھڑے ہو کر آپ علیہ السلام نے خانہ کعبہ بنایا اس کی طرف قیام اور سجدے ہونے لگے۔ یعنی مقام ابراہیم۔

(7) قیامت میں آپ علیہ السلام ہی کو لباس فاخرہ عطا ہو گا اس کے فوراً بعد ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو۔

(8) ایک دفعہ آپ علیہ السلام کے زمانہ میں قحط سالی ہوئی غلہ کہیں میسر نہ ہوتا تھا۔ آپ علیہ السلام نے بوریوں میں سرخ ریت بھروا کر منگوالیا جب کھولا گیا تو شربتی گیہوں تھے جب اسے بویا گیا تو اس کے درختوں میں جڑ سے اوپر تک بالیاں لگیں۔

(9) ہر دین والے آپ علیہ السلام کی تعظیم کرتے ہیں۔

(10) ایک دفعہ کفار نے آپ علیہ السلام پر شیر چھوڑے۔ شیروں نے آپ علیہ السلام کو سجدہ کیا اور آپ علیہ السلام کے قدم چاٹنے لگے۔

(11) امام احمد نے اپنی سند میں حاکم اور بیہقی وغیرہ محدثین نے نقل کیا کہ مسلمانوں کے مردہ بچوں کی آپ علیہ السلام اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا عالم برزخ میں پرورش کرتے ہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: 1، ص: 703 نعیمی کتب خانہ لاہور)

ابراہیمی سنتوں کے فائدے اور احکام

مفسر شہیر مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

بعض مفسرین نے فرمایا:

کلمات سے دس چیزیں مراد ہیں جو ان پر واجب تھیں اور ہمارے لئے سنت۔

(1) کلی کرنا

(2) ناک میں پانی ڈالنا

(3) سر میں مانگ نکالنا

(4) مونچھیں کٹوانا

(5) مسواک کرنا

(6) ختنہ کرنا

(7) ناف کے نیچے کے بال صاف کرنا

(8) بغل کے بال اکھیڑنا

(9) ناخن کٹوانا

(10) پانی سے استنجا کرنا

کلی کرنا

کلی کھانے سے پہلے اور اس کے بعد اور اس کے علاوہ بھی کلی کرنا نہایت مفید ثابت ہوا ہے اگر کھانے میں دانت کا م

شامل ہو جائے تو تندرستی کو مضر ہے نیز اس میل سے منہ میں بدبو آتی ہے جس سے لوگ نفرت کرتے ہیں ان سب کا علاج کلی ہے۔

مسواک کرنا

مسواک سے دانتوں کی ریخوں میں میل جمع ہو کر زہریلا مادہ بن جاتا ہے اگر وہ دور نہ کیا جائے تو مسوڑھوں سے خون یا پیپ بہنے لگتا ہے۔ اس لئے مسواک بڑی مفید ہے۔ مسواک بہت سی بیماریوں کو مفید ہے۔ اس سے ہاضمہ درست رہتا ہے۔ آنکھیں خراب نہیں ہوتیں، گندہ ذہنی اور منہ کے امراض کو دور کرتی ہے۔ جان کنی میں آسانی ہوتی ہے وغیرہ مگر چاہئے کہ مسواک پیلو یا کسی کڑوے درخت کی ہو۔ پھل پھول والے درخت کی نہ ہو ایک بالش سے زیادہ نہ ہو۔

ناک میں پانی لینا

ناک میں پانی لینا دماغ کو صاف کرتا ہے۔ اسی لئے وضو کرنے والے دیوانے کم ہوتے ہیں مگر چاہئے کہ اگر روزہ نہ ہو تو بانسہ تک پانی چڑھائے۔

مونچھ کٹوانا

اس قدر مونچھ کٹوانا سنت ہے جس سے ہونٹ کا پورا کنارہ کھل جائے کہ کھانے اور پینے میں اس کے بال نہ ڈوبیں۔ ان بالوں میں زہریلا اثر ہوتا ہے۔ اگر کھانا یا پانی اس سے لگ کر جائے تو بیماری پیدا ہوگی۔ مونچھ منڈوانا منع ہے کیونکہ اس سے ضعف باہ پیدا ہوتا ہے۔ مونچھوں کے کنارے کاٹنے کی ضرورت نہیں کیونکہ نہ تو اس سے منہ ڈھکتا ہے اور نہ کھانے میں ڈوبتی ہیں۔ لمبی مونچھوں والوں کو ناک صاف کرنا کچھ کھانا پینا وبال ہوتا ہے۔

داڑھی ایک مشت رکھنا

داڑھی ایک مشت رکھنا سنت ہے اور مشت سے زیادہ کاٹنا بہتر ہے۔ مرد کی داڑھی عورت کے سر کے بالوں کی طرح زینت ہے۔ داڑھی مقوی باہ بھی ہے چھوٹے بچوں اور عورتوں اور خصی انسانوں کی داڑھی نہیں ہوتی۔ اچھے بھلے آدمی کے خصیے نکال لئے جائیں تو داڑھی جھڑ جاتی ہے۔ داڑھی والوں کی اولاد بمقابلہ داڑھی منڈوں کے زیادہ ہوتی ہے اور قوی بھی۔

ناخن کٹوانا

ناخن کٹوانا بھی سنت ہے کیونکہ ناخن کا میل بھی زہریلا اثر رکھتا ہے۔
اگر کھانے میں مل کر جائے گا بیمار کر دے گا۔
جو شخص جمعرات کے دن عصر کے بعد ناخن اس طرح کاٹے کہ داہنے ہاتھ کی شہادت انگلی سے شروع کر کے چھنگلیا پر ختم کرے پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے شروع کر کے انگوٹھے پر ختم کرے پھر داہنے انگوٹھے کا ناخن بھی کاٹ لے۔ اس کے بعد

داہنے پاؤں کی چھنگلیاں سے شروع کر کے ترتیب وار بائیں پاؤں کی چھنگلیاں پر ختم کر دے تو انشاء اللہ تنگ دستی دنیوی پریشانی اور آنکھ کی خرابی سے محفوظ رہے گا۔

ختنہ

یہ بھی پیشاب وغیرہ کی بہت سی بیماریوں کا علاج ہے قوت باہ کے لئے مفید ہے۔ مختون کی اولاد قوی اور اس کی بیوی پاک دامن رہے گی۔

روح البیان وغیرہ میں ہے کہ

بہتر یہ ہے کہ پیدائش سے ساتویں روز عقیقہ کے ساتھ ختنہ بھی کرادیا جائے اور سات اور دس سال کی درمیانی عمر میں تو ضروری کروایا جائے۔

امام حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

بڈھے نومسلم کا ختنہ ضروری نہیں۔

دیگر علماء کرام نے فرمایا

بہتر یہ ہے کہ اس کا نکاح کسی ایسی عورت سے کروایا جائے جو ختنہ کر سکے اور بعد نکاح وہ اس کا ختنہ کر دے۔

تفسیر عزیزی نے فرمایا ہے کہ

بیہقی میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسحاق علیہ السلام کا ختنہ پیدائش سے ساتویں دن اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ختنہ تیرہویں سال کرایا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما کا ختنہ ساتویں روز کرایا۔

موئے زیرناف کا صاف کرنا

موئے زیرناف کا صاف کرنا آٹھویں روز یا پندرہویں دن یا زیادہ سے زیادہ چالیسویں دن ضروری ہے۔ یہ بال رہنے سے خارش پیدا ہوتی ہے اور باہ کمزور پڑتی ہے۔

مانگ نکالنا

یا مرد سر کے بال رکھوائے یا کل کٹوائے۔ بعض کا کٹوانا اور بعض کا رکھنا منع ہے جیسے انگریزی بال اور پان چھجے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال شریف اکثر تا بگوش اور کبھی تا بدوش ہوتے تھے۔ جس کے بال ہوں وہ انہیں پراگندہ نہ رکھے کہ اس سے پستی ہوتی ہے۔ بلکہ ان کو درست رکھے اور بیچ سر کے مانگ نکالنا سنت ہے۔ بعض عورتیں جو دائیں بائیں مانگ نکالتی ہیں وہ سنت کے خلاف ہے۔

بغل کے بال مونڈھنا

بغل کے بال مونڈھنا بھی جائز ہے مگر اکھیڑنا سنت ہے اور ناک کے بالوں کا کٹوانا بہتر اور اکھیڑنا منع ہے کیونکہ اس سے بیماری پیدا ہوتی ہے۔

(تفسیر نعیمی، پارہ:1، ص:703 تا 704 نعیمی کتب خانہ لاہور)

یہودیوں اور نصرانیوں کے عقائد کا باطل ہونا

یہودی کہتے تھے: حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور نصرانی کہتے تھے: حضرت ابراہیم علیہ السلام نصرانی تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کی کہ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ ہی نصرانی تھے بلکہ وہ ایک خالص مسلمان تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰـكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

(آل عمران: 67)

ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی لیکن وہ ہر باطل نظریہ سے الگ رہنے والے خالص مسلمان تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔

☆ یہود و نصاریٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات میں بحث کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے یا نصرانی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دعوؤں کی تکذیب کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام ادیان باطلہ سے اعراض کرنے والے اور خالص مسلمان تھے۔

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

عامر بیان کرتے ہیں کہ یہود نے کہا: ابراہیم علیہ السلام ہمارے دین پر ہیں اور نصاریٰ نے کہا: وہ ہمارے دین پر ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی لیکن وہ ہر باطل نظریہ سے الگ رہنے والے خالص مسلمان تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔

(جامع البیان، ج:3، ص:217، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب ملت

یہود و نصاریٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی طرف منسوب کیا کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کرنے والے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب فرمائی کہ بے شک تمام لوگوں میں ابراہیم سے نزدیک تر وہی لوگ تھے جنہوں نے ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کی۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(آل عمران:67)

بے شک تمام لوگوں میں ابراہیم سے نزدیک تر وہی لوگ تھے جنھوں نے ان کی اتباع کی اور یہ نبی اور جو (ان پر) ایمان لائے اور اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور نصرانیوں کی تکذیب فرمائی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی اتباع کرنے کے دعویٰ کا حق ان ہی لوگوں کو ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین، ان کی شریعت اور ان کے طریقہ کی پیروی کرتے ہیں اور وہ نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے ہیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہر نبی کے نبیوں میں سے کچھ مددگار ہوتے ہیں اور ان نبیوں میں سے میرے مددگار میرے باپ اور میرے رب عزوجل کے خلیل ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت (اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ......) کی تلاوت فرمائی۔

(جامع البیان: ج:3، ص:218، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت) (جامع ترمذی: ص:426 مطبوعہ کراچی)

تورات اور انجیل کا نزول حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ہوا

یہود یہ دعویٰ کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے دین پر ہیں اور نصاریٰ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے دین پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا: تم دونوں یہ دعویٰ کس طرح کر رہے ہو حالانکہ تورات اور انجیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کافی بعد نازل ہوئی ہیں۔

ایک قول یہ ہے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان سات سو سال کا عرصہ ہے اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا عرصہ ہے، نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام، یہود کے دین پر کس طرح ہو سکتے ہیں؟ جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام موحد تھے اور یہود عزیز کی عبادت کرتے ہیں اور عیسائیوں کے دین پر کس طرح ہو سکتے ہیں؟ جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام موحد تھے اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں تورات وانجیل کے نزول کا ذکر یوں فرمایا گیا:

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○

(آل عمران: 65)

اے اہل کتاب تم ابراہیم کے متعلق کیوں بحث میں پڑتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل ان کے بعد ہی نازل ہوئی ہیں۔ کیا تم نہیں سمجھتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بردبار

حضرت ابراہیم علیہ السلام بردبار اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آہ زاری کرنے اور اس کی طرف رجوع کرنے والے پیغمبر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی مدح سرائی قرآن مجید میں ذکر فرمائی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ (هود: 75)

بے شک ابراہیم بردبار، اللہ سے آہ وزاری کرنے والے اور اس کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر جمیل کا جاری رہنا

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر جمیل کو اتنا بلند فرمایا: آج تک بلکہ قیامت تک آپ علیہ السلام کا ذکر جمیل ہوتا رہے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی: اے خالق باری تعالیٰ بعد میں آنے والے میرا ذکر جمیل جاری رکھ۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۔ (الشعراء: 84)

اور بعد میں آنے والے لوگوں میں میرا ذکر جمیل جاری رکھ۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر جمیل بلند کیا اور قیامت تک ذکر جمیل ہوتا رہے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ○ (مریم: 50)

اور ہم نے ان کو اپنی رحمت عطا کی اور ہم نے (دنیا میں) ان کا ذکر جمیل بلند کیا۔

آج تک اگر ملاحظہ کریں تو تمام قوموں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا مقتدا اور پیشوا مانا اور آپ علیہ السلام کی طرف منسوب ہونے میں فخر کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر جمیل اتنا بلند اور جاری وساری کیا کہ ملت ابراہیم کی پیروی کا حکم دیا۔ آج تک یا قیامت تک قربانی ہوگی تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ حج میں آپ علیہ السلام کا ذکر جمیل ہے۔ نماز میں آپ علیہ السلام کا ذکر جمیل ہے اور قیامت تک ہوتا رہے گا۔

قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

یہ قربانیاں کیسی ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہیں۔

مسلمانوں نے پوچھا:

ان میں ہمارے لئے کیا اجر ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کے خون کے ہر قطرہ کے بدلہ میں ایک نیکی ہے۔

(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 3127)

حضرت ابراہیم علیہ السلام جھوٹ سے منزہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام جھوٹ سے منزہ ہیں افسوس اس بات کی ہے کہ بعض لوگ جہالت کی وجہ سے انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف جھوٹ کی نسبت کردیتے ہیں۔

حسب ذیل حدیث مبارکہ کے تحت بعض جاہل لوگوں نے کہا: دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (نعوذ باللہ) تین جھوٹ بولے اور آپ کہتے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جھوٹ نہیں بولا۔

دراصل یہ لوگ حدیث مبارکہ کے معانی و مطالب پر غور کرتے اور علماء کرام کے اقوال کو پڑھتے تو ان کو خوب سمجھ آجاتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوائے تین باتوں کے کوئی ایسی بات نہیں کی جس کو لوگوں نے جھوٹ سمجھا ہو۔ ان تین میں سے دو کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس سے ہے۔

انہوں نے کہا:

اِنِّیْ سَقِیْمٌ (الصفت: 89)

میں بیمار ہونے والا ہوں۔

اور انہوں نے کہا:

بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ (الانبیاء: 63)

بلکہ یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہوگا۔

اور ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کی بیوی سارہ رضی اللہ عنہا سفر کر رہے تھے۔ ان کا گزر ایک ظالم بادشاہ کے ملک میں ہوا۔ اس بادشاہ کو بتایا گیا کہ ایک شخص آ رہا ہے اور اس کی بیوی سب سے زیادہ حسین ہے۔

اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلوا کر پوچھا۔

یہ عورت کون ہے؟۔

انہوں نے فرمایا:

یہ عورت میری (دینی) بہن ہے۔

اور (واپس آ کر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا) کو کہا: اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن نہیں ہے۔ اس بادشاہ نے تمہارے متعلق پوچھا تو میں نے اس کو بتایا کہ تم میری (دینی) بہن ہو۔ سو تم مجھ کو جھٹلانا نہیں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3358) (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2371)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جھوٹا کہنے سے بہتر راویوں کو جھوٹا کہا جائے

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین بن عمر رازی رحمۃ اللہ علیہ 606ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جھوٹا قرار دینے سے بہتر یہ ہے کہ ان راویوں کو جھوٹا کہا جائے جنہوں نے یہ حدیث روایت کی ہے کیونکہ اس پر دلیل قطعی یہ ہے کہ اگر کسی مصلحت کی وجہ سے انبیاء کرام علیہم السلام کا جھوٹ بولنا جائز ہو تو یہ احتمال ان کی ہر حدیث میں جاری ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی خبر دیں گے اس میں یہ احتمال ہوگا کہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے کسی مصلحت کی وجہ سے جھوٹ بولا ہو اور اس سے شریعت پر اعتماد ختم ہو جائے گا اور ہر بات پر جھوٹ کی تہمت ہو گی اور اگر بالفرض یہ حدیث صحیح ہو تو معاریض پر محمول ہے۔

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

معاریض میں جھوٹ سے بچنے کی گنجائش ہے۔

(تفسیر کبیر: ج: 8، ص: 156 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

معاریض کا معنی

معاریض کا معنی ہے۔

تعریض کے ساتھ کلام کرنا۔

کلام میں صراحت کے ساتھ ایک شخص کی طرف نسبت ہو اور مراد دوسرا شخص ہو۔ ایک لفظ کے دو معنی ہوں ایک قریب اور ایک بعید۔ متکلم قریب کے معنی کا ارادہ کرے اور مخاطب کے ذہن میں بعید معنی کا وہم ڈالے۔

جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے متعلق فرمایا:
یہ میری بہن ہے۔ خود ایمانی بہن کا ارادہ کیا اور سننے والے نسبی بہن سمجھے
یا جیسے آپ علیہ السلام نے فرمایا:
میں بیمار ہوں۔
آپ علیہ السلام نے روحانی بیماری کا ارادہ کیا اور سننے والے جسمانی بیماری سمجھے۔ اس کو صفت الہام کہتے ہیں۔
اور تعریض کی مثال یہ ہے کہ
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت توڑنے کی صراحت کے ساتھ بڑے بت کی طرف نسبت کی اور ارادہ اپنی ذات کا کیا۔

حافظ شہاب الدین عسقلانی کا قول

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:
ان فی معاریض الکلام مندوحة عن الکذب
اس اثر کو امام بخاری نے الادب المفرد میں اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔
اور امام طبری نے التہذیب میں اور امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ امام ابن عبدی نے اس کو ایک اور سند کے ساتھ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے یعنی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔
(الکامل فی ضعفا الرجال: ج:3، ص:567 طبع جدید)
اسی طرح امام بیہقی نے بھی مرفوعاً روایت کیا ہے۔
(سنن کبریٰ: ج:10، ص:199)
جوہری نے کہا:
تعریض اس کلام کو کہتے ہیں جو تصریح کے خلاف ہو اور کلام میں معاریض کا معنی یہ ہے ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ توریہ کیا جائے۔
(الصحاح: ج:3، ص:1087 دار العلم بیروت)
اور الراغب نے کہا ہے:
تعریض اس کلام کو کہتے ہیں جس کے صدق اور کذب کے دو محمل ہوں یا ظاہر اور باطن کے دو محمل ہوں۔
قرآن مجید میں ہے:

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ (البقرہ: 235)

یعنی اگر تم عدت میں بیٹھی ہوئی عورت کو تعریض کے ساتھ نکاح کا پیغام دو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

مثلاً کہو تم بہت خوبصورت ہو یا تم میں تو بہت مرد رغبت کرتے ہوں گے۔

(المفردات: ج:2، ص:430 مکہ مکرمہ)

لیکن اولیٰ یہ ہے کہ

ایک کلام کے دو محمل ہوں۔ ایک کو مطلق کہا جائے اور دوسرا اس کو لازم ہو اور وہی مراد ہو اور تعریض اور کنایہ میں فرق کا بہت سوال کیا جاتا ہے۔

(فتح الباری: ج:12، ص:239 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حدیث مبارکہ میں کوئی قول جھوٹ نہیں ہے

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث مبارکہ میں جن اقوال پر جھوٹ کا اطلاق فرمایا ہے وہ محض صوری اور ظاہری ہے۔ حقیقت میں ان میں سے کوئی قول جھوٹ نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو یہ فرمایا تھا میں بیمار ہونے والا ہوں اس کا محمل یہ ہے کہ میں عنقریب بیمار ہوں گا کیونکہ ہر انسان پر کبھی نہ کبھی بیماری آتی ہے اور انہوں نے بتوں کو توڑنے کی نسبت بڑے بت کی طرف کی تھی تو یہ سبب کی طرف نسبت ہے کیونکہ انہوں نے اس کی خدائی کو باطل کرنے کے سبب سے چھوٹے بتوں کو توڑا تھا تاکہ یہ ظاہر ہو کہ اس کے سامنے ان تمام بتوں کو توڑ دیا گیا اور یہ ان کا دفاع نہیں کر سکا اور انہوں نے جو اپنی بیوی سارہ رضی اللہ عنہا کو جو فرمایا تھا یہ میری بہن ہے۔

اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ یہ میری دینی بہن ہے۔

(عمدۃ القاری: ج:15، ص:342 تا 243 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس تمام بحث سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جھوٹ سے منزہ ہیں۔

الحمد للہ عزوجل بندۂ ناچیز گناہ گار و بدکار نے جلد اول کو مکمل کیا اگر اس میں کوئی غلطی وکوتاہی ہوگئی ہو تو اللہ تعالیٰ کی مقدس بارگاہ میں بواسطہ و بوسیلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاف فرمائے اور ہم تمام کی مغفرت فرما کر ایمان پر خاتمہ، قبر میں زیارت مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قیامت میں شفاعت عظمیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور جنت میں نبی رحمت شفیع امت، قاسم جنت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمین شریفین میں جگہ عطا فرمائے۔

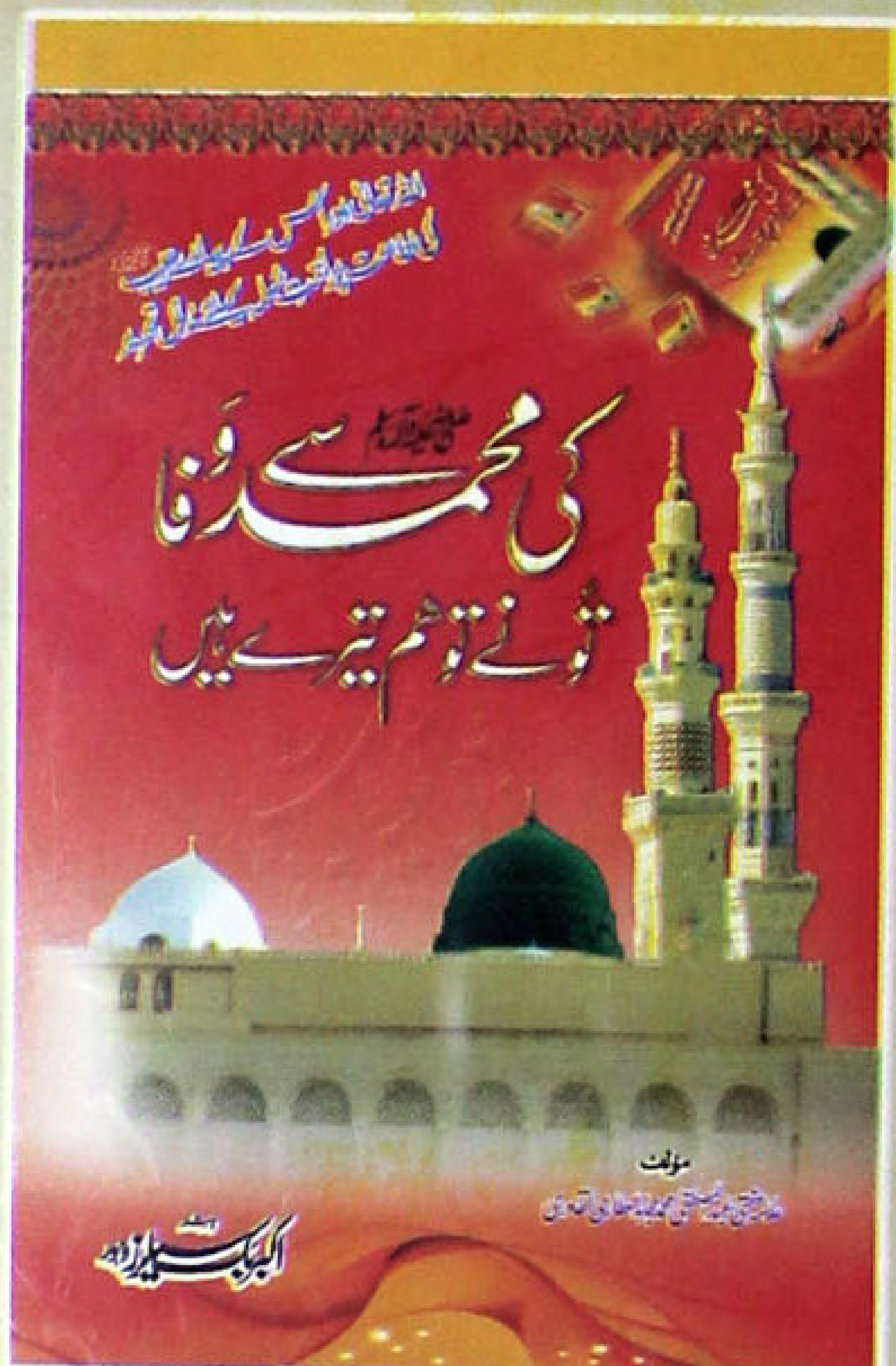
آمین بجاہ النبی الامین و صلی اللہ علیہ وسلم!

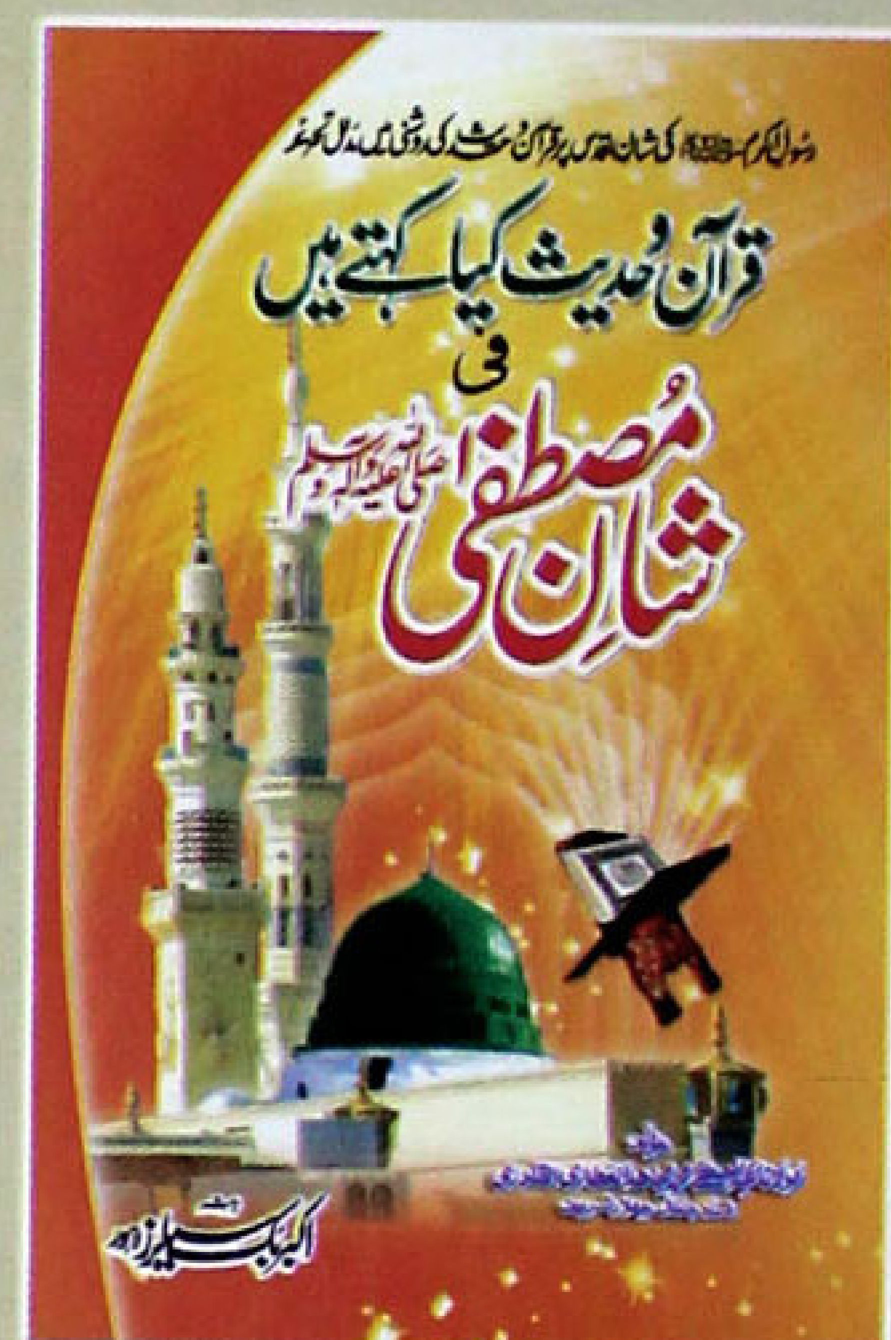
عبدالمصطفیٰ محمد مجاہد المدنی العطاری القادری عفی عنہ

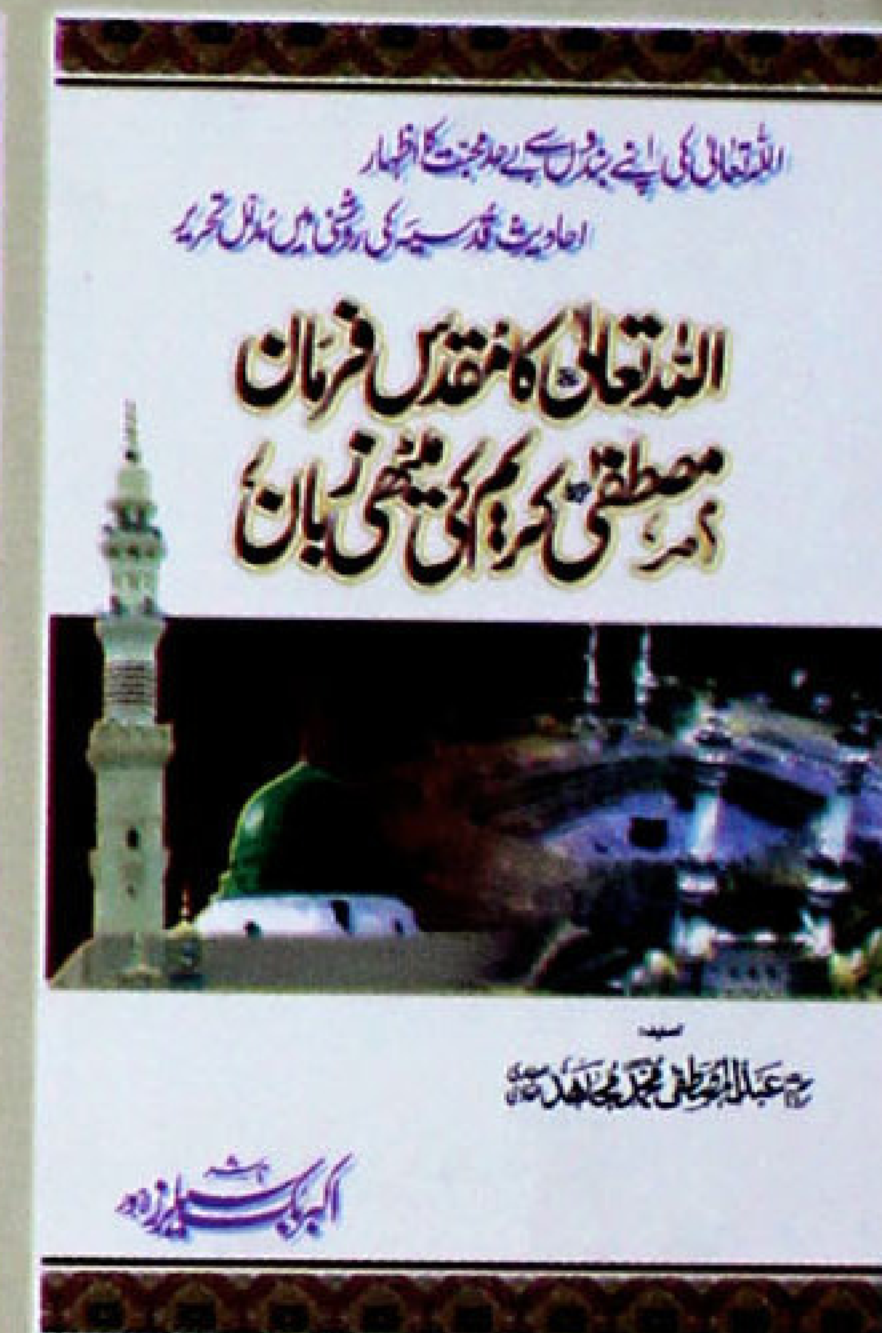
آستانہ عالیہ چشتیہ جھلار شریف شاہ جمال مظفر گڑھ

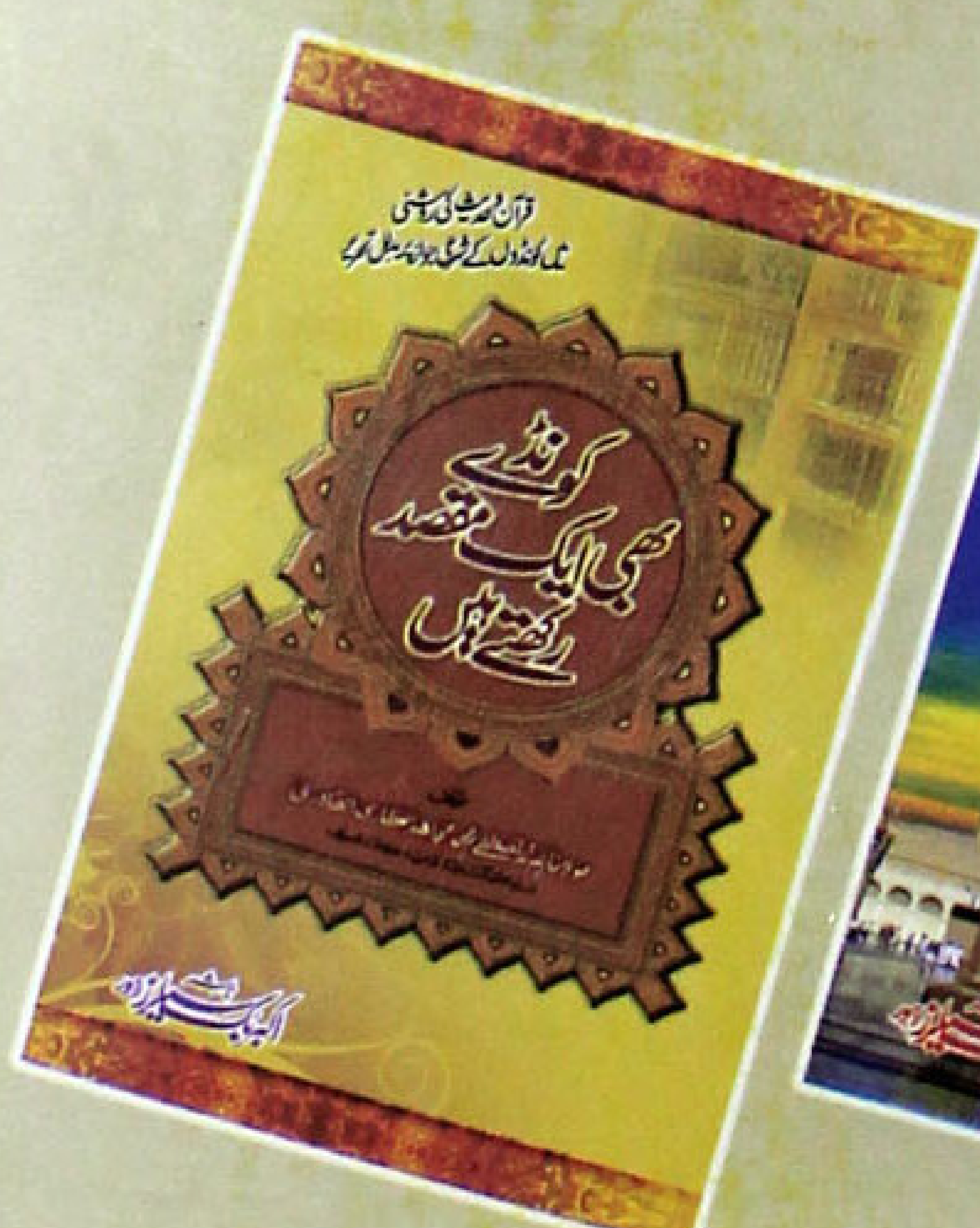
مولانا عبد المصطفیٰ محمد مجاہد العطاری القادری
شاہ جمال آستانہ عالیہ جھلار شریف

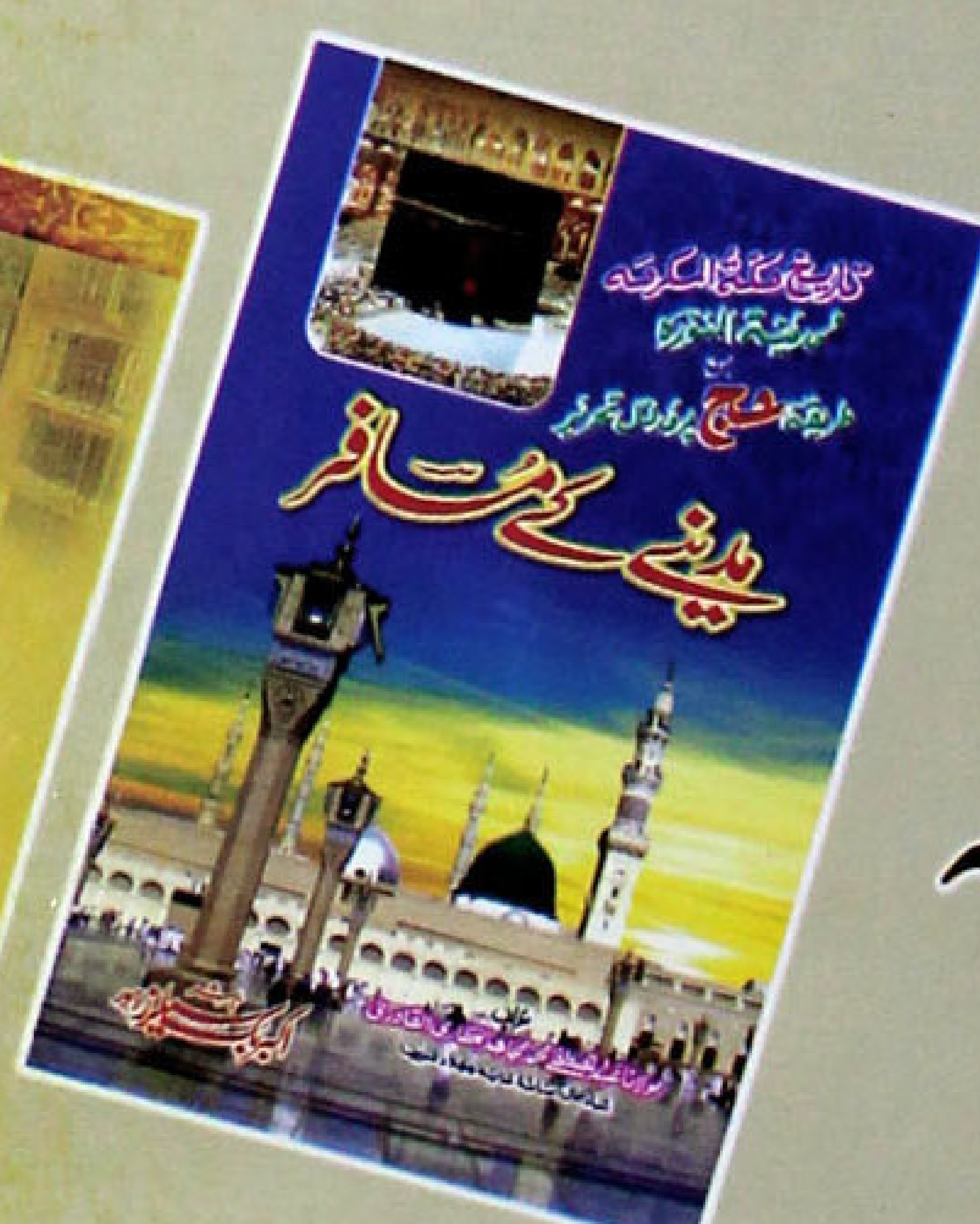
کی دیگر تصانیف وتراجم











جدید تخریج شدہ

الصوائق المحرقہ

(مترجم)

ناشر
اکبر بک سیلرز
Ph: 37352022 اردو بازار لاہور





قرآن وحدیث کی روشنی میں انبیاء کرام علیہم السلام
اور اُن کی قوموں کے حالات و واقعات پر مدلّل تحریر

انبیاء کرام علیہم السلام اور اُنکی قوموں کے احوال

جلد دوم













مؤلف:
مولانا عبد المصطفٰے محمد مجاھد العطاری القادری
شاہ جمال آستانہ عالیہ جھلار شریف

ناشر
اکبر بک سیلرز لاہور

قرآن و حدیث کی روشنی میں انبیاء کرام علیہم السلام
اور اُن کی قوموں کے حالات و واقعات پر مدلل تحریر

انبیاء کرام علیہم السلام اور اُنکی قوموں کے احوال

جلد دوم

مؤلف:
مولانا عبدالمصطفیٰ محمد مجاہد العطاری القادری
شاہ جمال آستانہ عالیہ جھلاد شریف

ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر، ۴۰ اُردو بازار لاہور Ph: 37352022

نام کتاب .... انبیاءِ کرام علیہم السلام اوران کی قوموں کے احوال (جلددوم)

مصنف .... مولانا عبدالمصطفیٰ محمد مجاہد العطاری القادری

صفحات ۹۶۰

تعداد ۶۰۰

کمپوزنگ .... زاہد اقبال

تاریخ اشاعت .... مارچ ۲۰۱۴ء

ناشر .... محمد اکبر قادری

قیمت .... -/850روپے

ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر
اردو بازار لاہور

فہرست جلد دوم

انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کے حالات و واقعات

حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت اسحاق علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام

شرفِ انتساب

میں اپنی اس ادنیٰ کاوش کو استاذ العلماء مفتی نور بخش سعیدی صاحب کی طرف منسوب کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی مقدس بارگاہ میں دعا ہے کہ میرے اساتذہ کرام کا سایہ مجھ پر تادیر قائم فرمائے اور ہم تمام کی مغفرت فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین و صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

طالب دعا و مدفن جنت البقیع

مفتی عبدالمصطفیٰ محمد مجاہد العطاری القادری المدنی

عفی عنہ

آستانہ عالیہ چشتیہ جھلار شریف شاہ جمال مظفر گڑھ

فہرست مضامین

حضرت اسحاق ﴿علیہ الصلوٰۃ والسلام﴾

صفحہ	عنوان

عنوان — صفحہ

عنوان	صفحہ

عنوان — صفحہ

انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کے احوال

الحمد لله رب العالمين و الصلوٰة و السلام على سيد الانبياء و المرسلين و على آله و اصحابه اجمعين

اما بعد! فاعوذ باالله من الشيطن الرجيم

بسم الله الرحمٰن الرحيم

الصلوٰة و السلام عليك يا رسول الله وعلٰى آلك و اصحابك يا حبيب الله

الصلوٰة و السلام عليك يا نبى الله وعلٰى آلك واصحابك يا نور الله

درود شریف کی فضیلت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کچھ لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کریں اور نہ اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھیں تو قیامت کے دن ان کی وہ مجلس ان کے لئے باعث ندامت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ چاہے گا تو ان کو معاف فرمادے گا اور اگر وہ چاہے گا تو ان سے مواخذہ فرمائے گا۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 4855)

نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ پر بے پناہ، بے حد درود و سلام ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے سے ہمیں ایمان ملا اور یہ جہان ملا لہٰذا امتی کو چاہئے کہ کثرت سے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھے۔

الحمد للہ عزوجل!

جلد اول مکمل کرنے کے بعد آج مجھ گناہ گار و بدکار کو جلد ثانی شروع کرنے کی سعادت حاصل ہوئی اللہ تعالیٰ اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین ثم آمین)

حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت اسماعیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو یہ شرف عطا فرمایا کہ آپ علیہ السلام ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم ہیں۔

اسماعیل کی وجہ تسمیہ

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا نام اسماعیل رکھنے کی وجہ تسمیہ کچھ اس طرح ہے۔

الحاج مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اخیر عمر تک لاولد تھے۔ بیٹے کی دعائیں مانگ کر کہتے تھے۔

اسمع ایل

اسمع لفظ عربی ہے اور ایل عبرانی میں اللہ تعالیٰ کا نام ہے جس کے معنیٰ ہوئے۔

''اے خدا عزوجل میری سن لے۔''

جب آپ علیہ السلام پیدا ہوئے تو اس دعا کی یادگار میں آپ علیہ السلام کا نام اسماعیل رکھا گیا۔

(روح البیان)

(تفسیر نعیمی، ج:1، ص:709 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا نسب نامہ

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا نسب نامہ کچھ اس طرح ہے۔

اسماعیل بن ابراہیم بن آزر اور وہ تارخ ہیں بن ناحور بن شاروغ بن ارغو بن فالع بن عابر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح بن لمک بن متوشلخ بن خنوخ اور وہ ادریس علیہ السلام ہیں بن یارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم (علیہم السلام)

(مختصر تاریخ دمشق، ج:3، ص:344 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان چار ہزار سال کا فاصلہ ہے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان قریباً چار ہزار سال کا فاصلہ ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:6، ص:329 نعیمی کتب خانہ لاہور)

ملک عرب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام سے لے کر نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم تک کوئی درمیان میں نبی تشریف نہیں لائے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ملک عرب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تک کوئی نبی نہ آئے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:6، ص:329 نعیمی کتب خانہ لاہور)

اہل عرب بنی اسماعیل

اہل عرب بنی اسماعیل (علیہ السلام) ہیں۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اہل عرب بنی اسماعیل (علیہ السلام) ہیں اور وہ سارے رسول بنی اسرائیل کے رسول تھے بنی اسماعیل پر ان کی اطاعت نہ تھی۔ عربی لوگ اولاً دین ابراہیم پر رہے پھر دین محمدی میں آئے۔ ان میں کوئی یہودی عیسائی نہ تھا۔ نہ ہو سکتا تھا کہ انبیاء بنی اسرائیل ان کے نبی ہی نہ تھے لہٰذا دوسرے لوگوں اور بنی اسرائیل کے زمانہ فترت چھ سو سال تھا اور اہل عرب کے لئے فترت قریباً چار ہزار سال ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:6، ص:329 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اولاد نہ ہونے پر بیٹے کی دعا کرنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کوئی اولاد نہ تھی۔ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی کہ اے خالق باری تعالیٰ مجھے صالح بیٹا عطا فرما۔

جیسا کہ قرآن مجید میں

رَبِّ هَبْ لِىْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (الصّٰفّٰت:100)

اے میرے رب! مجھے نیک بیٹا عطا فرما۔

☆ اس آیت کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے صالح بیٹے کی دعا کی۔

بردبار بیٹے کی بشارت

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے صالح بیٹے کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بردبار بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بشارت دی۔

قرآن مجید میں ہے:

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ۝ (الصّٰفّٰت:101)

سو ہم نے ان کو ایک بردبار لڑکے کی بشارت دی۔

☆ اس آیت کریمہ میں بردبار بیٹے سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور اس بیٹے میں اس سے بڑھ کر اور کون سی

بردباری ہوگی کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا: اے میرے بیٹے میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کررہا ہوں اب تم سوچ کر بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے۔ اس بیٹے نے اپنے والد محترم کو جواب دیا کہ آپ علیہ السلام وہی کیجئے جس کا آپ علیہ السلام کو حکم دیا گیا ہے آپ انشاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا واقعہ

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ محترمہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو ظالم بادشاہ نے بطور تحفہ دی تھی جس کا واقعہ یہ ہے اور حدیث مبارکہ کے آخری الفاظ میں اس طرح ہے:

''اس ظالم بادشاہ نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو بلوایا۔ جب اس نے بری نیت سے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا پر ہاتھ ڈالنا چاہا تو اس کا ہاتھ مفلوج ہوگیا۔

اس نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

تم اللہ تعالیٰ سے میرے لیے دعا کرو میں تم کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے دعا کی تو اس کا ہاتھ ٹھیک ہوگیا۔ اس نے دوسری بار بری نیت سے ہاتھ بڑھایا تو پھر اس کا ہاتھ مفلوج ہوگیا۔

اس نے کہا:

تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو میں تم کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے دعا کی تو اس کا ہاتھ ٹھیک ہوگیا پھر اس نے اپنے بعض پہرے داروں کو بلایا۔

اور ان سے کہا۔

تم میرے پاس کسی انسان کو نہیں لائے بلکہ جنیہ عورت کو لے آئے ہو پھر اس نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا بہ طور خادمہ دے دی وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں وہ اس وقت کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔

انہوں نے اشارہ سے کہا۔

کیا ہوا؟

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ

اللہ تعالیٰ نے کافر کی سازش کو خود اس پر الٹ دیا اور اس نے ہاجرہ بہ طور خادمہ ہدیہ کردی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اے زمزم کے بیٹو! وہ تمہاری ماں ہیں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3358)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کا حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا ہبہ کرنا

واقدی اور ابن عساکر نے عامر بن سعید عن ابیہ کے طریق سے اس طرح روایت کیا ہے کہ

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عقد میں تھیں عرصہ طویل گزر گیا مگر بچہ پیدا نہ ہوا تو حضرت سارہ

رضی اللہ عنہا بے اولاد ہونے کی کیفیت میں تھیں تو اپنی لونڈی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہبہ کر دی۔

(تاریخ ابن العساکر، ج:69، ص:188 دارالفکر بیروت)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بشارت

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے صالح بیٹے کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بردبار بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بشارت دی۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ○

سو ہم نے ان کو بردبار لڑکے کی بشارت دی۔

☆ اس آیت کریمہ میں بردبار لڑکے سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

تفسیر بغوی میں ہے۔

اس سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

اور یہی قول صحیح ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔

سعید بن مسیب، شعبی، حسن بصری، مجاہد، الربیع بن انس، محمد بن کعب القرظی اور کلبی کا بھی یہی قول ہے۔

عن عطاء بن رباح و یوسف بن مالک عن عباس کے سلسلہ سے مروی ہے کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔

جن کا فدیہ دیا گیا تھا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں (اور یہی بردبار ہیں)

سعدی نے کہا:

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے صالح بیٹے کی دعا کی تو اسی (یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام) کی بشارت دی گئی۔ وہی اللہ تعالیٰ کے اذن سے ذبیح ہیں (اور بردبار ہیں)

(تفسیر بغوی: ج:4، ص:28 مطبوعہ دارالفکر العلمیہ بیروت)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت باسعادت

واقدی اور ابن عساکر نے عامر بن سعید عن ابیہ کے طریق سے اس طرح روایت کی ہے کہ

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عقد میں تھیں عرصہ طویل گزر گیا مگر بچہ پیدا نہ ہوا تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے بے اولاد ہونے کی کیفیت میں اپنی لونڈی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہبہ کر دی۔

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔

(تاریخ ابن العساکر، ج:69، ص:187، 188 دارالفکر بیروت)

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو حمل کے وقت بشارت عظمیٰ

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی شافعی متوفی 774ھ روایت نقل کرتے ہیں۔

اہل کتاب نے بیان کیا ہے کہ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت المقدس کے شہروں میں رہتے ہوئے بیس (20) سال ہو گئے تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا بے شک مجھے میرے رب عزوجل نے اولاد سے محروم رکھا ہے۔ آپ علیہ السلام میری باندی سے عمل تولید کیجئے شاید اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مجھے اولاد عطا فرمائے۔ جب حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا ہبہ کر دی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے ساتھ شب بسری کی تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا ان سے حاملہ ہو گئیں۔ جب سے ان کو حمل ہوا تھا وہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا پر فخر کرنے لگی تھیں۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو ان پر رشک آتا تھا انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کی شکایت کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔

تم اس کے ساتھ جو چاہو سلوک کرو۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا، حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے ڈر کر وہاں سے بھاگ گئیں وہ ایک چشمہ کے پاس پہنچیں۔

تو ایک فرشتہ نے کہا:

تم مت ڈرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے جو بچہ پیدا کرنے والا ہے اس میں بہت خیر ہے اور ان کو واپس جانے کا حکم دیا اور ان کو یہ بشارت دی کہ ان کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا اور تم ان کا نام اسماعیل (علیہ السلام) رکھنا۔ وہ لوگوں سے فتنہ دور کریں گے ان کا تمام لوگوں پر ہاتھ ہوگا اور تمام لوگ ان کی مدد کریں گے۔ وہ اپنے تمام بھائیوں کے ملکوں کے مالک ہوں گے۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے اس پر شکر ادا کیا اور یہ بشارت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری ہوئی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام بلاد عرب کے سردار تھے اور شرق اور غرب کے تمام ممالک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین پھیل گیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر زیادہ علوم نافعہ اور اعمال صالحہ عطا فرمائے کہ پچھلی قوموں میں سے کسی کو اتنے علوم اور اعمال صالحہ عطا نہیں فرمائے تھے اور یہ صرف اسی وجہ سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام رسولوں پر فضیلت حاصل ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں کمال اور برکت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تمام روئے زمین کے لئے ہے۔

(الطبقات الکبریٰ: ج:1، ص:41)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی شافعی متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا واپس گئیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہو گئے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیالیس سال (46) تھی اور وہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش سے تیرہ سال پہلے پیدا ہوئے۔

امام ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ

اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر نوے (90) سال تھی اور اس کے تیس (30) سال بعد حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔

(الطبقات الکبریٰ: ج: 1،ص: 41)

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کا حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو دور چھوڑنے کا مطالبہ

البدایہ والنہایہ میں ہے۔

جب حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوگئے تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا پر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی غیرت بہت زیادہ ہوگئی اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ وہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو ان کی نگاہ سے دور کردیں۔

(البدایہ والنہایہ: ج: 1،ص: 228 مطبوعہ داوالفکر بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ کو لیکر روانہ ہونا

انہوں (سارہ رضی اللہ عنہا) نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو ان کی نگاہ سے دور کردیں پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر روانہ ہوئے۔ اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام دودھ پیتے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو لے جا کر اس جگہ چھوڑ دیا جس کو آج کل مکہ مکرمہ کہا جاتا ہے۔

(البدایہ والنہایہ: ج: 1،ص: 229 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا عورتوں میں سب سے پہلے اپنی کمر پر پٹکا باندھنے والی

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ

عورتوں میں سے جس نے سب سے پہلے اپنی کمر پر پٹکا باندھا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ تھیں انہوں نے یہ پٹکا اس لئے باندھا تھا کہ ان کے قدموں کے نشان مٹ جائیں اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو پتہ نہ چلے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3364)

حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو درخت کے پاس چھوڑنا

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں (حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا) اور ان کے دودھ پیتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر روانہ ہوئے اور جس جگہ بیت اللہ ہے وہاں ایک درخت کے پاس چھوڑ دیا اور ان کے پاس ایک تھیلا رکھ دیا جس میں

کھجوریں، ستو اور پانی تھا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3364)

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑنے کی وجہ پوچھنا

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس جانے لگے (یعنی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ کر) تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ محترمہ ان کے پیچھے گئیں۔

اور کہا:

اے ابراہیم علیہ السلام! آپ کہاں جا رہے ہیں؟

اور آپ علیہ السلام ہم کو اس غیر آباد اور بے آب وگیاہ وادی میں کیوں چھوڑ رہے ہیں؟

وہ بار بار یہی جملے دہراتی رہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی طرف مڑ کر نہیں دیکھا۔

پھر انہوں نے پوچھا:

کیا اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو ایسے کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔

ہاں۔

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

پھر اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ اور وہ (مطمئن ہو کر) لوٹ آئیں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3364)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ اور بیٹے کو چھوڑتے وقت دعا

امام بخاری متوفی 256ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس روانہ ہوئے (یعنی حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چھوڑ کر) حتیٰ کہ جب آپ علیہ السلام مقام ثنیہ پر پہنچے جہاں انہیں کوئی نہیں دیکھ رہا تھا تو انہوں نے اپنا منہ اس طرف کیا جس طرف اب بیت اللہ ہے پھر انہوں نے دونوں ہاتھ بلند اٹھا کر ان کلمات کے ساتھ دعا کی۔

”اے ہمارے رب عزوجل! میں نے اپنی بعض اولاد کو بے آب وگیاہ وادی میں ٹھہرا دیا ہے تیرے حرمت والے گھر کے نزدیک۔ اے ہمارے رب عزوجل! تاکہ وہ نماز قائم کریں تو کچھ لوگوں کو ایسا کر دے کہ وہ ان کی طرف مائل رہیں اور ان کو پھلوں سے روزی دے تاکہ وہ شکر کریں۔“

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3364)

آیت یہ ہے:

رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ وَارۡزُقۡہُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّہُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ ○ (ابراہیم:37)

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا پانی تلاش کرنا

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پلاتی تھیں اور اس پانی سے پیتی تھیں حتیٰ کہ جب مشکیزہ کا پانی ختم ہوگیا تو وہ اور ان کا بیٹا دونوں پیاسے تھے وہ اپنے بیٹے کی طرف دیکھتیں جو پیاس سے تڑپ رہے تھے جب وہ ان کو دیکھنے کی تاب نہ لاسکیں تو وہاں سے چل پڑیں۔

انہوں نے دیکھا۔

اس زمین کے قریب صفا پہاڑ تھا وہ اس پہاڑ پر کھڑی ہوگئیں کہ کوئی آتا ہوا دکھائی دے انہیں کوئی نظر نہیں آیا پھر وہ صفا سے اتریں اور وادی میں پہنچ گئیں انہوں نے اپنی قمیص کا دامن اٹھایا اور بہت تیز دوڑ کر اس وادی کے پار گئیں پھر وہ مروہ پر گئیں۔

اور دیکھا کہ

کوئی شخص دکھائی دے انہیں کوئی نظر نہیں آیا۔ انہوں نے صفا و مروہ کے درمیان اس طرح سات مرتبہ دوڑ لگائی پھر انہوں نے اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہا اب ٹھہر جاؤ پھر انہوں نے کان لگا کر سنا تو انہیں ایک آواز سنائی دی۔

اور اس نے کہا:

اگر تمہارے پاس کوئی فریاد رس ہے تو تم نے اس کو اپنی آواز پہنچادی ہے اچانک دیکھا تو زمزم کے قریب ایک فرشتہ کھڑا تھا۔ اس فرشتے نے اس جگہ اپنی ایڑی یا پر مارے حتیٰ کہ پانی نکلنے لگا۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھوں سے اس طرح اس پانی کو حوض کی طرح اکٹھا کرنے لگیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کاش وہ اس میں سے چلو نہ بھرتیں تو زمزم ایک بہتا ہوا چشمہ بن جاتا پھر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے خود پانی پیا اور اپنے بیٹے کو بھی پلایا۔

فرشتہ نے ان سے کہا۔

تم اپنے بچے کے بارے میں فکر نہ کرو اس جگہ بیت اللہ ہے جس کو یہ لڑکا اور اس کا باپ تعمیر کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس کے اہل کو ضائع نہیں کرے گا اور بیت اللہ کی جگہ زمین سے بلند تھی اس کے دائیں اور بائیں جانب سے سیلاب گزر جاتے تھے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3364)

زمزم پیتے وقت کی دعا

حضرت عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ

جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما زمزم سے پانی پیتے تو یہ دعا کرتے۔

اے اللہ عزوجل! میں تجھ سے علم نافع، اور وسیع رزق اور ہر بیماری سے شفا کا سوال کرتا ہوں۔

(سنن دار قطنی: رقم الحدیث: 2712، دار الکتب العلمیہ بیروت)

زمزم سے شفاء کا حصول

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب زمزم کے پانی کو پیا جائے تو تم اس کو شفاء طلب کرنے کی نیت سے پیو تو اللہ تعالیٰ تم کو شفاء عطا فرمائے گا اور اس سیر ہونے کی نیت سے پیو تو اللہ تعالیٰ تم کو سیر کر دے گا اور اگر تم زمزم کو پیاس بجھانے کے لئے پیو تو اللہ تعالیٰ تمہاری پیاس بجھا دے گا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ایڑی مارنے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو پانی پلانے کے لئے زمزم وجود میں آیا

(سنن دار قطنی: رقم الحدیث: 2713)

زمزم کی صفات قیامت تک باقی ہیں

علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ

زمزم کی یہ صفات قیامت تک کے لئے ہیں بشرطیکہ پینے والے کی نیت صحیح ہو اور وہ ان صفات کی تکذیب نہ کرتا ہو زمزم کو آزمانے کے لئے نہ پیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کی مدد فرماتا ہے اور آزمانے والوں کو رسوا کرتا ہے۔

اور ابو عبداللہ محمد بن علی ترمذی نے کہا:

میرے والد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ

ایک اندھیری رات میں، میں کعبہ کا طواف کر رہا تھا مجھے بڑے زور سے پیشاب آیا میں اس کو روکتا رہا حتیٰ کہ مجھے بہت تکلیف ہوئی اور مجھے یہ خدشہ تھا کہ اگر میں مسجد سے نکلا تو میں بعض آدمیوں کے قدموں تلے روندا جاؤں گا اور یہ حج کے ایام مجھے یہ حدیث مبارکہ یاد آئی میں زمزم پر آیا اور خوب سیر ہو کر زمزم کو پیا پھر صبح تک مجھے پیشاب کی ضرورت نہیں ہوئی۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز: 9، ص: 325 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا خواب دیکھنا

حضرت اسماعیل علیہ السلام جب چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ میں اپنے بیٹے ذبح کر رہا ہوں۔ تو صبح اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پوچھا کہ میں نے خواب دیکھا ہے جس میں تجھے ذبح کر ہوں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا کہ اے میرے والد محترم آپ علیہ السلام وہ کیجئے جس کا آپ علیہ السلام کو حکم فرمایا ہے ان شاء اللہ آپ علیہ السلام مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَا ذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ○ (صٰفٰت:102)

پس جب وہ لڑکا ان کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچا تو ابراہیم نے کہا اے میرے بیٹے میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ اب تم سوچ کر بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے۔ اس بیٹے نے کہا اے ابا جان! آپ وہی کیجئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ آپ انشاء اللہ عنقریب مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

کام کاج کی عمر کے وقت ذبح کا حکم دیا گیا

حضرت اسماعیل علیہ السلام جب کام کاج کی عمر کو پہنچے تو اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم فرمایا گیا کہ قربانی پیش کرو اور آپ علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہا ہوں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

امام ابو اسحاق اپنی سند کے ساتھ بیان فرماتے ہیں کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کے لئے جاتے تو صبح کے وقت براق پر سوار ہو کر شام سے روانہ ہوتے اور دوپہر کو مکہ مکرمہ پہنچ کر آرام کرتے اور شام کے وقت مکہ مکرمہ سے روانہ ہوتے اور رات کے وقت شام میں اپنی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ جاتے حتیٰ کہ ان کے بیٹے (حضرت اسماعیل علیہ السلام) جب کام کاج کرنے کی عمر کو پہنچ گئے اور انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ وہ ان کے ساتھ مل کر اپنے رب عزوجل کی عبادت کریں گے اور اس کے حرم کی تعظیم کریں گے تو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔

(تاریخ الامم والملوک: ج:1، ص:195)

شیطان سے حفاظت کا نسخہ

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ابن آدم کے قریب ایک شیطان کا نزول ہوتا ہے اور ایک فرشتہ کا نزول ہوتا ہے شیطان کی طرف سے القاء کرنے والا اس کو مصائب سے ڈراتا ہے اور حق کی تکذیب کراتا ہے اور فرشتہ کی طرف سے القاء کرنے والا خیر کی بشارت دیتا ہے جو شخص اس کو اپنے دل میں پائے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجائے لائے اور جو شخص اپنے دل میں دوسری بات پائے وہ "اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم" پڑھے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ پڑھی۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ (البقرہ:268)

شیطان تم کو مفلسی سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث:2999)

شیطان کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ذبح کرنے سے روکنا

امام ابو اسحاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دیں تو انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا۔

یہ رسی اور چھری لو اور ہمارے ساتھ چلو تا کہ ہم گھر والوں کے لئے لکڑیاں چن کر لائیں۔ انہوں نے اپنے بیٹے سے یہ ذکر نہیں کیا تھا کہ وہ کس کے لئے اس گھاٹی میں جا رہے ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ کا دشمن ابلیس ایک آدمی کی صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے آ کر ملا تا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے کی قربانی سے باز رکھے۔

اور آ کر کہا۔

اے بزرگ آپ علیہ السلام کہاں جا رہے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

میں اپنے کام سے ایک گھاٹی میں جا رہا ہوں۔

شیطان نے کہا:

میرا گمان ہے کہ آپ علیہ السلام کے پاس خواب میں شیطان آیا ہے اور اس نے آپ علیہ السلام کو اس بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو پہچان لیا اور ارشاد فرمایا:

اے اللہ تعالیٰ کے دشمن! میرے پاس سے دفع ہو جا پس اللہ تعالیٰ کی قسم میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر ضرور عمل کروں گا۔ جب اللہ تعالیٰ کا دشمن ابلیس حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مایوس ہو گیا تو پھر وہ ان کے بیٹے کے پاس پہنچا وہ اپنے والد کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔

ان سے اس نے کہا:

کیا تم کو معلوم ہے کہ تمہارا والد تمہیں کہاں لے جا رہے ہیں۔

انہوں نے کہا:

ہم اس گھاٹی سے لکڑیاں چننے جا رہے ہیں۔

شیطان نے کہا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! وہ تم کو صرف ذبح کرنے کے لئے جا رہے ہیں۔

انہوں نے پوچھا:

کیوں؟

شیطان نے کہا:

ان کا گمان ہے کہ ان کے رب عزوجل نے انہیں یہ حکم دیا ہے۔

انہوں نے کہا:
پھران کو چاہئے کہ وہ اپنے رب عزوجل کی اطاعت کریں۔
پھر وہ ایک آدمی کے بھیس میں اس بیٹے کی ماں کے پاس گیا۔
اوران سے کہا۔
کیا تم کو معلوم ہے کہ ابراہیم علیہ السلام تمہارے بیٹے کو لے کر کہاں گئے ہیں۔
انہوں نے کہا:
وہ اس گھاٹی میں لکڑیاں چننے گئے ہیں۔
شیطان نے کہا:
نہیں! اللہ تعالیٰ کی قسم! وہ صرف اس کو ذبح کرنے کے لئے ساتھ لے کر گئے ہیں۔
ان کی والدہ نے کہا:
نہیں وہ اپنے بیٹے پرشفقت کرتے ہیں اور اس سے بہت محبت کرتے ہیں۔
شیطان نے کہا:
ان کا یہ گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کردیں۔
ان کی والدہ نے کہا:
اگر ان کے رب عزوجل نے ان کو یہ حکم دیا ہے تو انہوں نے بہت اچھا کیا کہ اپنے رب عزوجل کے حکم کی اطاعت کی اور اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کردیا اور اللہ تعالیٰ کا دشمن ابلیس ناکام اور نامراد ہو کر غیض وغضب میں مبتلا ہو کر واپس لوٹ گیا اور اس لعین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل کو بہکانے کا جو ارادہ کیا تھا اس میں وہ خائب وخاسر رہا۔
(تفسیر ثعلبی: ج:8،ص:154)(الکامل فی التاریخ: ج:2،ص:63)

گھاٹی میں اپنے بیٹے سے مشورہ

امام محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ
جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر گھاٹی میں پہنچے اور وہ ثبیر نامی پہاڑ کی گھاٹی تھی۔
تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا۔
اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں، اب تم سوچ کر بتاؤ کہ تمہارا کیا فیصلہ ہے۔
ان کے بیٹے نے کہا:
اے ابا جان! آپ وہی کیجئے جس کا آپ علیہ السلام کو حکم دیا گیا ہے آپ علیہ السلام ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔
(تاریخ الامم والملوک: ج:1،ص:195)

ذبح سے پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عرض

امام محمد بن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا۔

اے ابا جان! اگر آپ علیہ السلام نے مجھے ذبح کرنے کا ارادہ کر لیا ہے تو مجھے مضبوطی کے ساتھ رسیوں سے باندھ دیں تا کہ میرے خون کے چھینٹے آپ علیہ السلام پر نہ پڑیں۔ اور میرا اجر کم نہ ہو کیونکہ موت بہت سخت ہوتی ہے۔ اور میں ذبح کے وقت اپنے تڑپنے اور پھڑکنے سے مامون نہیں ہوں اور اپنی چھری کو اچھی طرح تیز کر لیں تا کہ وہ مجھ پر آسانی سے گزر جائے اور جب آپ علیہ السلام مجھے ذبح کرنے کے لئے لٹائیں تو مجھے منہ کے بل لٹائیں اور مجھے پہلو کے بل نہ لٹائیں کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ اگر آپ علیہ السلام کی نظر میرے چہرے پر پڑے گی تو آپ علیہ السلام کے دل میں رقت پیدا ہوگی اور وہ رقت آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے سے مانع ہوگی اور اگر آپ علیہ السلام مناسب سمجھیں تو میری قمیص میری ماں کو لے جا کر دے دیں اس سے ان کو تسلی ہوگی اور ان کو مجھ پر صبر آ جائے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

اے میرے بیٹے تم اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے میں میرے کیسے عمدہ مددگار ثابت ہو رہے ہو۔

(تفسیر معالم التنزیل: ج:4، ص:36)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لٹا کر چھری چلانا

امام محمد بن اسحاق اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ

پھر جس طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا تھا ان کو اچھی طرح باندھ دیا پھر اپنی چھری کو تیز کیا اور پھر ان کو پیشانی کے بل لٹا دیا۔ اور ان کے چہرے کی طرف سے اپنی نظر ہٹالی پھر ان کے حلقوم پر چھری چلائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ میں اس چھری کو پلٹ دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس چھری کو پھر اپنی طرف کھینچا تا کہ اپنے اس عمل سے فارغ ہوں۔

تو ایک ندا کی گئی کہ

اے ابراہیم علیہ السلام! تم نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا یہ ذبیحہ تمہارے بیٹے کی طرف سے فدیہ ہے۔ اپنے بیٹے کے بدلے میں اس کو ذبح کر دو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

جب ان دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیا حالانکہ ذبیحہ کو چہرے پر گرایا جاتا ہے۔ اور یہ اس کے مطابق ہے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو مشورہ دیا تھا۔

(تفسیر معالم التنزیل: ج:4، ص:36)

ذبح کا تذکرہ

قرآن مجید میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کرنے کا تذکرہ موجود ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ۝ وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ۝ (الصّٰفّٰت:103 تا 106)

سو جب دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم نے بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیا اور ہم نے ابراہیم کو ندا کی کہ اے ابراہیم بے شک آپ نے خواب سچ کر دکھایا اور بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں۔ بے شک یہ ضرور کھلی ہوئی آزمائش ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بدلہ میں ذبیحہ عطا کرنا

اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح ہونے کے بدلے میں ذبیحہ عطا فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ۝ (الصّٰفّٰت:107)

اور ہم نے اس کے بدلہ میں ایک بہت بڑا ذبیحہ دے دیا۔

مینڈھا جنت میں چالیس سال سے چر رہا تھا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ

جنت سے ایک مینڈھا باہر لایا گیا جو چالیس سال سے جنت میں چر رہا تھا۔

(تاریخ الامم والملوک: ج:1، ص:192 مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کنکریاں مارنا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو بھیج دیا پھر جمرہ اولیٰ پر گئے اور وہاں سات کنکریاں ماریں پھر جمرہ وسطیٰ پر گئے اور وہاں سات کنکریاں ماریں پھر جمرہ کبریٰ پر گئے اور وہاں سات کنکریاں ماریں پھر منیٰ میں قربانی کی جگہ گئے اور وہاں اس مینڈھے کو ذبح کر دیا۔

(تاریخ الامم والملوک: ج:1، ص:193 مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی بیروت)

مینڈھے کے سینگ خانہ کعبہ کے ساتھ لٹکے ہونا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے۔ بے شک اوائل میں اس مینڈھے کا سر اس کے دو سینگوں کے ساتھ میزاب کے ساتھ لٹکا ہوا تھا اور اس کا سر سوکھ کر خشک ہو چکا تھا۔

(تاریخ الامم والملوک: ج:1، ص:193 مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی بیروت)

مجھے اپنی قمیص میں کفن دینا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حج کے افعال ادا کرنے کا حکم دیا گیا تو شیطان آپ علیہ السلام کے پاس آیا۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ علیہ السلام کو جمرۃ العقبہ پر لے گئے۔ آپ علیہ السلام کے پاس پھر شیطان آیا آپ علیہ السلام نے اس کو سات کنکریاں ماریں تو وہ چلا گیا پھر آپ علیہ السلام چلے گئے تو جمرہ وسطیٰ کے پاس شیطان آیا آپ علیہ السلام نے پھر اس کو سات کنکریاں ماریں تو وہ چلا گیا۔ پھر آپ علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو پیشانی کے بل گرا دیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پر سفید قمیص تھی۔

دں نے کہا:

اے ابا جان! میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی قمیص نہیں ہے جس میں آپ علیہ السلام مجھے کفن دیں۔ آپ علیہ السلام اس کو اتار کر رکھ لیں اور اسی میں مجھ کو کفن دیں پھر اچانک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مڑ کر دیکھا تو ایک بڑی آنکھوں والا اور سفید سینگوں والا مینڈھا کھڑا ہوا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو ذبح کر دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

ہم اسی وجہ سے اسی طرح کا مینڈھا قربانی کے لئے تلاش کرتے ہیں۔

(تاریخ الامم والملوک: ج:1 ص:194 مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی بیروت)

حضرت آدم اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے ذبیحے ایک قسم کے تھے

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

جس مینڈھے کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کیا تھا وہ اسی کی نسل سے تھا جس کی حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے نے قربانی کی تھی اور ان کی قربانی قبول کر لی گئی تھی اور وہ مینڈھا سرمگیں تھا اور اس کا اون سرخ رنگ کا تھا۔

(تاریخ الامم والملوک: ج:1 ص:195 مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی بیروت)

دونوں سینگوں کو آگ لگ گئی

صفیہ بنت شیبہ بیان کرتی ہیں کہ

مجھے بنو سلیم کی ایک عورت نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلایا۔

میں نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ

تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں بلوایا تھا۔

انہوں نے کہا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب میں بیت اللہ میں داخل ہوا تو میں نے وہاں پر ایک مینڈھے کے دو سینگ دیکھے۔ میں تم سے یہ کہنا بھول گیا کہ تم ان سینگوں کو ڈھانپ دو سو اب تم ان کو ڈھانپ دو۔ کیونکہ بیت اللہ میں کوئی ایسی چیز نہیں ہونی چاہئے جو نمازی کو مشغول کرالے۔

سفیان نے کہا:

وہ دونوں سینگ بیت اللہ میں رکھے رہے حتیٰ کہ جب بیت اللہ کو آگ لگی تو وہ سینگ بھی جل گئے۔

(مسند احمد: ج:4، ص:69 طبع قدیم)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کے وقت عمر

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا کہ

اس وقت میں (یعنی ذبح کے وقت) حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر 13 سال تھی۔

(تفسیر کبیر: ج:26، ص:12)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح میں اختلاف

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیحہ ہونے میں اختلاف ہے۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کون سے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

اکثر علماء کا یہ مسلک ہے کہ

ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔

1-حضرت عباس بن عبدالمطلب (ایک روایت کے مطابق)

2-حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

3-حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

4-حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

5-حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

6-حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

7-حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

ان سات صحابہ کرام علیہم الرضوان کا یہ نظریہ تھا کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں اور تابعین وغیرہم میں سے

1-علقمہ رضی اللہ عنہ

2-سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ

3-کعب الاحبار رضی اللہ عنہ

4-عکرمہ رضی اللہ عنہ
5-القاسم بن ابی بزہ رضی اللہ عنہ
6-عطاء رضی اللہ عنہ
7-مقاتل رضی اللہ عنہ
8-عبدالرحمان بن سابط رضی اللہ عنہ
9-زہری رضی اللہ عنہ
10-سعدی رضی اللہ عنہ
11-عبداللہ بن الہذیل رضی اللہ عنہ
12-مالک بن انس رضی اللہ عنہ وغیرہم
انہوں نے کہا کہ حضرت اسحاق علیہ السلام ذبیح ہیں۔
دوسرے علماء کا یہ مختار ہے کہ
ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔
1-حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ
2-حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ
3-حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ
4-حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ
5-حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما
اور تابعین میں سے
1-سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ
2-الشعبی رضی اللہ عنہ
3-یوسف بن مہران رضی اللہ عنہ
4-حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ
5-الربیع بن انس رضی اللہ عنہ
6-محمد بن کعب القرظی رضی اللہ عنہ
7-الکلبی رضی اللہ عنہ
8-اور علقمہ رضی اللہ عنہ
وغیرہم کا یہی قول مختار ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح ہیں۔
(الجامع الاحکام القرآن: مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی کا قول

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک طویل حدیث بیان کی جس کا بیان عورتوں میں سے جن نے سب سے پہلے پٹکا اپنی کمر پر باندھا کے عنوان سے شروع ہوتی ہے اور اس کے آخر میں یہ فرمایا گیا کہ

اے ہمارے رب عزوجل! تو ہم سے قبول فرما بے شک تو بہت سننے والا بہت جاننے والا ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3364)

اس حدیث کو گزشتہ صفحات جہاں عورتوں میں سب سے پہلے جس نے اپنی کمر پر پٹکا باندھا کے حوالہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اس حدیث کے تحت لکھا جاتا ہے کہ حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن التین نے کہا:

اس حدیث مبارکہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں کیونکہ جن کو ذبح کرنے کا حکم دیا تھا وہ اس وقت چلنے پھرنے اور دوڑنے کی عمر کو پہنچے تھے اور اس حدیث مبارکہ میں یہ مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پیتا چھوڑ کر گئے تھے اور جب وہ ان کے پاس لوٹے تو وہ شادی شدہ تھے اگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم ہوتا تو اس حدیث مبارکہ میں یہ مذکور ہوتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے دودھ پینے کے زمانہ اور شادی سے پہلے بھی ان کے پاس آئے تھے لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ اس حدیث مبارکہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بچپن کے زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آنے کی نفی ہے۔

اس لئے ہوسکتا ہے کہ

درمیانی زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے ہوں اور اس وقت آپ علیہ السلام کو حکم ہوا ہو کہ اپنے بیٹے کو ذبح کریں اور اس کا اس حدیث مبارکہ میں ذکر نہیں ہے۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ

بلکہ میں کہتا ہوں کہ ایک اور حدیث میں ان دو زمانوں کے درمیان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آنے کا ذکر ہے۔

کیونکہ ابوجہم کی حدیث مبارکہ میں ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ سے ملنے کے لئے ہر ماہ صبح کو براق پر سوار ہو کر آتے تھے اور دوپہر کو واپس شام پہنچ جاتے تھے۔

امام فاکہی نے بھی سند صحیح کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام براق پر سوار ہو کر حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ سے ملنے کے لئے جاتے تھے۔

اور اس حدیث مبارکہ میں یہ جو مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام کے شادی شدہ ہونے کے بعد آئے۔

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ

پہلے ان سے متعدد بار ملاقات کرنے کے بعد اس وقت آئے جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی ہو چکی تھی۔

(فتح الباری: ج:6،ص:404 مطبوعہ لاہور)

ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں

تورات کی آیات سے ثابت ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔

چنانچہ تورات میں ہے۔

اور ابرام کی بیوی ساری کے کوئی اولاد نہ ہوئی اس کی ایک مصری لونڈی تھی جس کا نام ہاجرہ تھا اور ساری نے ابرام سے کہا کہ دیکھ خداوند نے مجھے تو اولاد سے محروم رکھا ہے تو میری لونڈی کے پاس جا۔شاید اس گھر سے میرا گھر آباد ہو اور ابرام نے ساری کی بات مان لی اور ابرام کو ملک کنعان میں رہتے دس برس ہو گئے تھے جب اس کی بیوی ساری نے اپنی مصری لونڈی اسے دی کہ اس کی بیوی بنے اور وہ ہاجرہ کے پاس گیا اور وہ حاملہ ہوئی اور جب اسے معلوم ہوا کہ وہ حاملہ ہوئی تو اپنی بی بی کو حقیر جاننے لگی۔

(تورات:ص:16 بائبل سوسائٹی لاہور)

اور خداوند کے فرشتے نے اس سے کہا کہ تو حاملہ ہے اور تیرے بیٹا ہوگا اس کا نام اسماعیل رکھنا اس لئے کہ خداوند نے تیرا دکھ سن لیا۔

(تورات:ص:16،بائبل سوسائٹی لاہور)

اور ابرام سے ہاجرہ کے ایک بیٹا ہوا اور ابرام نے اپنے اس بیٹے کا نام جو ہاجرہ سے پیدا ہوا اسماعیل رکھا اور جب ابرام سے ہاجرہ کے اسماعیل پیدا ہوا تب ابرام چھیاسی برس کا تھا۔

(پیدائش باب:16،آیت:15،16،ص:16 بائبل سوسائٹی لاہور)

ان آیات میں یہ تصریح ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے بیٹے ہیں اور اب جو آیات ہم ذکر کر رہے ہیں ان میں یہ تصریح ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پیدا ہونے کے بعد حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔

''اور خدا نے ابرہام سے کہا کہ ساری جو تیری بیوی ہے سو اس کو ساری نہ پکارنا اس کا نام سارہ ہوگا اور میں اسے برکت دوں گا اور اس سے بھی تجھے ایک بیٹا بخشوں گا یقیناً میں اسے برکت دوں گا کہ قومیں اس کی نسل سے ہوں گی اور عالم کے بادشاہ اس سے پیدا ہوں گے۔تب ابرہام سرنگوں ہوا اور ہنس کر دل میں کہنے لگا کہ کیا سو برس کے بڈھے سے کوئی بچہ ہوگا اور کیا سارہ کے جو نوے (90) برس کی ہے اولاد ہوگی اور ابرہام نے خدا سے کہا کہ کاش اسماعیل ہی تیرے حضور جیتا رہے تب خدا نے فرمایا بے شک تیری بیوی سارہ کے تجھ سے بیٹا ہوگا تو ان کا نام اضحاق رکھنا اور میں اس سے اور پھر اس کی اولاد سے اپنا عہد جو ابدی ہے باندھوں گا۔''

(تورات:ص:16،17 پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

حسب ذیل آیات میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے اکلوتے بیٹے کی قربانی کرنے کا حکم دیا گیا۔

''ان باتوں کے بعد یوں ہوا کہ خدا نے ابرہام کو آزمایا اور اسے کہا اے ابرہام اس نے کہا میں حاضر ہوں۔ تب اس نے کہا کہ تو اپنے بیٹے اضحاق کو جو تیرا اکلوتا ہے اور جسے تو پیار کرتا ہے۔ ساتھ لے کر موریاہ کے ملک میں جا اور وہاں اسے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا سوختنی قربانی کے طور پر چڑھا۔''

(تورات: ص: 21 بائبل سوسائٹی لاہور)

ان آیات میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے اکلوتے بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا اور حضرت اسحاق علیہ السلام ان کے اکلوتے بیٹے نہ تھے کیونکہ اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی تھے جو ان سے چودہ سال پہلے پیدا ہوئے تھے اور وہی اکلوتے تھے۔ یہودیوں نے تورات کی اس آیت میں تحریف کر کے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ حضرت اسحاق علیہ السلام کا نام ڈال دیا لیکن اس آیت میں اکلوتے کا لفظ ان کی تحریف کی چغلی کھا رہا ہے۔

حضرت اصمعی کی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر زبردست دلیل

حضرت اصمعی بیان کرتے ہیں کہ

میں نے ابو عمرو بن العلاء سے پوچھا کہ ذبیح کون ہے۔

تو انہوں نے کہا:

اے اصمعی! تمہاری عقل کہاں چلی گئی ہے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام مکہ مکرمہ میں کب آئے تھے؟ مکہ مکرمہ میں تو صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ انہوں نے ہی اپنے والد گرامی کے ساتھ مل کر کعبہ کی تعمیر کی تھی اور قربان گاہ بھی مکہ مکرمہ میں ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ

ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ صابرین میں سے ہیں نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی۔

ارشاد فرمایا:

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (الانبیاء: 85)

اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل یہ سب صابر تھے۔

اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا یہ صبر تھا کہ انہوں نے اپنے ذبح کیے جانے پر صبر کیا تھا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ صادق الوعد تھے۔

ارشاد فرمایا:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ (مریم: 54)

اور اس کتاب میں اسماعیل کا ذکر کریں وہ وعدہ کے بہت سچے تھے اور وہ رسول اور نبی تھے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کو صادق الوعد اس لیے فرمایا ہے کہ انہوں نے اپنے والد سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ذبح کے وقت صبر کریں گے سو انہوں نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ○ (الصّٰفّٰت:112)

اور ہم نے ان کو اسحاق نبی کی بشارت دی جو صالحین میں سے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم کیوں کر دیتا جب کہ وہ ان کی پیدائش سے پہلے ہی ان کو نبی بنانے کی بشارت دے چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ○ (ہود:71)

سو ہم نے (ابراہیم کی زوجہ سارہ) اسحاق کی بشارت دی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی بشارت دی۔

تو حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبح کرنے کا کیسے حکم دیا جا سکتا تھا جب کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی فرما چکا تھا کہ اسحاق (علیہ السلام) کی پشت اور ان کی نسل سے یعقوب پیدا ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ اس بشارت کے پورا ہونے سے پہلے ان کو ذبح کرنے کا حکم نہیں دیا جا سکتا تھا۔

نیز احادیث مبارکہ اور تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کے فدیہ میں جو مینڈھا ذبح ہوا تھا اس کے سینگ کعبہ میں رکھے ہوئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اگر حضرت اسحاق علیہ السلام ذبیح ہوتے تو اس مینڈھے کے سینگ بیت المقدس میں رکھے ہوئے ہوتے۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:15، ص:91، 92، دار الفکر بیروت)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی کا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر قول

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی المتوفی 774ھ لکھتے ہیں:

الصّٰفّٰت: 101 میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جس بردبار بیٹے کی بشارت دی ہے وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں کیونکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے بیٹے ہیں اور تمام مسلمانوں کا اور تمام اہل کتاب کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام عمر میں حضرت اسحاق علیہ السلام سے بڑے ہیں بلکہ اہل کتاب کی کتابوں میں (مثلاً تورات میں) یہ تصریح ہے کہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک (86) چھیاسی سال تھی اور جس وقت حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک ننانوے (99) سال تھی اور ان کے نزدیک یہ بات مقرر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کریں۔ اس کے باوجود انہوں نے کذب اور بہتان سے کام لیتے ہوئے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح کہا۔

اور ان کا یہ قول اس لیے صحیح نہیں ہے کہ

یہ خود تورات کی تصریحات کے خلاف ہے اور انہوں نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح اس لیے کہا ہے کہ وہ اسرائیلیوں کے والد ہیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام عربوں کے والد تھے اس لیے انہوں نے عربوں سے حسد رکھنے کی بناء پر تحریف کی اور انہوں نے اکلوتے بیٹے کا یہ معنیٰ کیا کہ اس وقت وہ بیٹا باپ کے پاس نہ ہو کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام مکہ مکرمہ میں اپنی ماں حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے حالانکہ اکلوتے کا معنیٰ یہ ہے کہ اس وقت باپ کا صرف ایک بیٹا ہو اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کے اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا اس وقت آپ علیہ السلام کے صرف ایک بیٹے ہی تھے اور وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ نیز پہلوٹھی کا بیٹا دوسرے بیٹوں کی بہ نسبت زیادہ پیارا ہے اور عزیز ہوتا ہے اس لیے اگر بیٹے کو ذبح کرانے سے باپ کی آزمائش اور امتحان مقصود ہے تو آزمائش کے زیادہ قریب یہ ہے کہ پہلوٹھی کے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا جائے اور چونکہ پہلوٹھی کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اس لیے ذبیح بھی وہی ہیں۔

اہل علم کی ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ

ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں حتیٰ کہ یہ قول بعض صحابہ کرام اور تابعین کرام علیہم الرضوان سے بھی منقول ہے اس کا ذکر نہ قرآن میں ہے نہ سنت میں ہے۔

اور میرا گمان یہ ہے کہ

یہ قول اسرائیلیات سے منقول ہے۔

اور بعض مسلمانوں نے بغیر دلیل کے اس قول کو اختیار کر لیا اور یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اس طرح رہنمائی کر رہی ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں کیونکہ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک بردبار بیٹے کی بشارت دی ہے اور پھر ان کے ذبح ہونے کا واقعہ ذکر کیا ہے اور اس کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت دی ہے اور جب فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت دی تو کہا ہم آپ کو علم والے بیٹے کی بشارت دیتے ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر: ج:4، ص:16 دار الفکر بیروت)

امام الحسین بن مسعود کا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر قول

امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی 516ھ لکھتے ہیں:

القرظی بیان کرتے ہیں کہ

علماء یہود میں سے ایک عالم مسلمان ہو گیا اور اس نے اسلام میں بہت نیک کام کیے۔ اس سے عمر بن عبد العزیز نے پوچھا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹوں میں سے کون سے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا؟

اس نے کہا: حضرت اسماعیل علیہ السلام کو

پھر اس نے کہا: اے امیر المومنین! یہود کو بھی اس حقیقت کا علم ہے لیکن وہ عرب کے لوگوں سے حسد کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کے باپ کو ذبح کا حکم دیا گیا ہو اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ذبیح حضرت اسحاق بن ابراہیم علیہما السلام ہیں۔

اور اس پر یہ دلیل ہے کہ

جس مینڈھے کو بہ طور فدیہ ذبح کیا گیا اس کے سینگ خانہ کعبہ میں بنو اسماعیل کے ہاتھوں میں رہے تھے اور حضرت ابن الزبیر اور حجاج کی جنگ میں وہ سینگ جل گئے۔

شعبی نے کہا:

میں نے اس مینڈھے کے دونوں سینگوں کو کعبہ میں لٹکا ہوا دیکھا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

میں نے اس مینڈھے کے سر کو سینگوں سمیت کعبہ کے پرنالہ کے ساتھ لٹکا ہوا دیکھا ہے وہ سر خشک ہو چکا تھا۔

اصمعی کہتے ہیں۔

میں نے ابو عمرو بن العلاء سے سوال کیا کہ

ذبیح کون تھے؟ حضرت اسحاق یا حضرت اسماعیل علیہما السلام؟

تو انہوں نے کہا:

اے اصمعی! تمہاری عقل کہاں ہے؟ حضرت اسحاق علیہ السلام مکہ مکرمہ کب آئے تھے! مکہ میں تو نبی اسماعیل علیہ السلام آئے تھے اور انہوں نے ہی اپنے والد کے ساتھ مل کر کعبہ کی تعمیر کی تھی۔

(معالم التنزیل: ج:4 ص:36 دار احیاء التراث العربی بیروت)

مصنف کا قول

فقیر کہتا ہے کہ

حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح ہیں اس میں چند اقوال عرض کرتا ہوں۔

اول: یہ ہے کہ اگر حضرت اسحاق علیہ السلام بڑے ہوتے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مکہ مکرمہ کی تعمیر کراتے جبکہ ایسا ہرگز نہیں کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی بڑے تھے اور مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ کی تعمیر کروائی۔

دوم: یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام بڑے تھے اور حضرت اسحاق علیہ السلام چھوٹے تھے جب حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے تو اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر مبارک 13 (تیرہ) سال تھی۔

سوم: یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے وعدہ یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی پیش کر دی اور اللہ تعالیٰ نے جنت سے مینڈھا بھیجا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس مینڈھے کو ذبح کر چکے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ بشارت سنائی کہ ہم نے آپ کو اسحاق نبی کی بشارت دی جو صالحین میں سے ہیں۔ معلوم ہوا جب اللہ تعالیٰ کے وعدے کو پورا کر دیا تو پھر حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت سنائی گئی اور حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔

لہٰذا حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح ہیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اولاد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اولاد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو منتخب کرلیا اور کنانہ کی اولاد میں سے قریش کو منتخب کرلیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو منتخب کرلیا اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو چن لیا۔

(صحیح مسلم: کتاب الفضائل: باب فضل نسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم: رقم الحدیث: 2276)

امام ترمذی کی روایت اس طرح ہے۔

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چن لیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو چن لیا اور بنو کنانہ میں سے قریش کو چن لیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو چن لیا اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو چن لیا۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 3605)

میں ذبیحوں کا بیٹا ہوں

امام ابوالقاسم الحسن بن علی ابن العساکر المتوفی 571ھ لکھتے ہیں:

ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کریں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انا ابن الذبیحین

میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔

(تاریخ دمشق الکبیر: ج:6، ص:205، رقم الحدیث: 1669 دار احیاء التراث العربی بیروت)

دو ذبیح کیسے؟

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دو ذبیحوں کی اولاد ہیں۔

1- حضرت اسماعیل علیہ السلام

2- حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

اس سلسلے میں ایک طویل روایت موجود ہے۔

امام عبداللہ بن محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی 405ھ روایت کرتے ہیں کہ
عبداللہ بن سعید الصنابحی بیان کرتے ہیں کہ
ہم حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔
بعض لوگوں نے کہا:
ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔
اور بعض لوگوں نے کہا:
ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
تم لوگوں نے اس شخص کے سامنے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے جس کو اس کی خبر ہے۔
انہوں نے کہا کہ
ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک اعرابی آیا۔
اور کہنے لگا۔
میرے پیچھے شہر خشک ہو چکے ہیں ان کا پانی سوکھ گیا ہے اور بچے ضائع اور ہلاک ہو چکے ہیں تو "یا ابن الذبیحین" (اے دو ذبیحوں کے بیٹے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا اس میں سے ہم کو کچھ عنایت فرمائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فداك امی و ابی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسکراہٹ پر لاکھوں سلام ہوں) اور اس پر انکار نہیں فرمایا۔
پھر ہم نے کہا:
اے امیر المومنین دو ذبیح کون ہیں؟
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
جب حضرت عبدالمطلب نے زمزم کھودنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے یہ نذر مانی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے زمین کی کھدائی کو آسان کر دیا تو وہ اپنے کسی بیٹے کو ذبح کر دیں گے۔ جب انہوں نے اپنے بیٹوں کے ناموں کی قرعہ اندازی کی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا نام نکل آیا تو انہوں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو بنو مخزوم جوان کے ماموں تھے انہوں نے اس سے منع کیا۔
اور کہا کہ
آپ کے رب عزوجل کی زمین بہت وسیع ہے آپ اپنے بیٹے کا فدیہ دے دیجئے تو حضرت عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے فدیے میں سو اونٹ ذبح کر دیئے۔
تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

دو ذبیحوں میں سے ایک ذبیح حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

• اور دوسرے ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

(المستدرک: ج:2،ص:254 طبع قدیم)

علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ کا قول

علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ متوفی 538ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انا ابن الذبیحین

ترجمہ:- میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔

(الکشاف: ج:4،ص:58)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی ذبیح ہیں

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی ذبیح ہیں۔

اس سلسلے میں روایت موجود ہے۔

امام عبدالملک بن ہشام متوفی 213ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے کہا ہے کہ

جب زمزم کی کھدائی کے وقت حضرت عبدالمطلب کی قریش سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو دس بیٹے عطا کیے اور وہ سب جوان اور صحت مند ہو کر ان کی مہمات میں ان کے معاون ہوئے تو وہ ان میں سے کسی ایک بیٹے کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ذبح کر دیں گے۔ سب سے چھوٹے اور محبوب بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تھے جب آپ رضی اللہ عنہ جوانی کی عمر کو پہنچ گئے تو حضرت عبدالمطلب نے ان کے سامنے اپنی نذر کا تذکرہ کیا ان سب نے سعادت مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ

آپ ہم میں سے جس کو بھی حکم دیں گے وہ اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کر دے گا سب مل کر بیت اللہ میں جمع ہوئے اور فال نکالنے والے کو بلایا گیا۔ ہر بیٹے کا نام تیر پر لکھ دیا گیا جب فال نکالی گئی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے نام والا تیر نکل آیا۔ حضرت عبدالمطلب ان کو ذبح کرنے کے لئے اور عبداللہ رضی اللہ عنہ ذبح ہونے کے لئے تیار تھے مگر قریش کے سرداروں نے مزاحمت کی۔

اور کہا:

اگر بیٹوں کو ذبح کرنے کی یہ رسم چل پڑی تو پھر کسی شخص کا بیٹا سلامت نہیں رہے گا۔ غرض حجاز کے ایک کاہنہ سے فیصلہ کرایا گیا۔

اس نے کہا:

دس اونٹوں اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے نام میں قرعہ اندازی کروا گر دس اونٹ نکل آئیں تو ان کو ذبح کر دینا اور اگر پھر بھی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا نام نکلے تو دس اونٹ اور بڑھا دینا اور پھر دوبارہ قرعہ اندازی کرنا اور اسی طرح دس دس اونٹ بڑھاتے رہنا حتیٰ کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بجائے سواونٹوں کے نام قرعہ فال نکل آئے۔غرض جب سواونٹوں اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے نام کا قرعہ نکالا گیا تو سواونٹ نکل آئے اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی جگہ سواونٹوں کو ذبح کر دیا گیا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام: ج:1،ص:188 تا192 دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ذبیح کے نام سے مشہور

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی متوفی 450ھ اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے فدیہ میں سواونٹ ذبح کر دیئے گئے تو عرب میں یہ رسم مقرر ہوگئی کہ انسان کی دیت سو اونٹ ہوگی۔سواونٹ ذبح کرنے کے بعد حضرت عبدالمطلب اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو لے کر خوشی خوشی گھر لوٹ گئے اور اس وقت سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ذبیح کے نام سے مشہور ہو گئے۔

اس وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انا ابن الذبیحین

ترجمہ:- میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔

ایک ذبیح حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام ہیں۔

اور دوسرے ذبیح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر خصوصی فضل وانعام ہے۔

(اعلام النبوۃ:ص:232 دار احیاء العلوم بیروت)

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا شاہی خاندان سے تھیں

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں مگر آپ رضی اللہ عنہا کو ظلماً قید کر لیا گیا تھا اس لیے لونڈی کہا جاتا ہے۔

حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کسی شاہی خاندان سے تھیں اور شاہ مصر کے یہاں قید تھیں۔جن روایتوں میں ان کو لونڈی یا خادمہ بتایا گیا وہ اس لحاظ سے ہے کہ اس کو شاہ مصر نے ظلماً لونڈی بنا کر رکھا تھا کیونکہ پہلے قیدیوں کو لونڈی ہی بنالیا کرتے تھے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:1،ص:709 نعیمی کتب خانہ لاہور)

جرہم قبیلہ کی آمد

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ

اسی طرح وقت گزرتا رہا حتیٰ کہ جرہم کے کچھ لوگ وہاں سے گزرے یا جرہم کے گھرانوں میں سے کچھ لوگ وہاں سے گزرے وہ مکہ مکرمہ کے نشیب میں اترے۔ انہوں نے وہاں پرندوں کو منڈلاتے ہوئے دیکھا۔

انہوں نے آپس میں کہا۔

یہ پرندے پانی پر جارہے ہیں ہم اسی وادی اور اس میں جو پانی ہے اس کا ارادہ کرتے ہیں۔ انہوں نے ایک یا دو آدمیوں کو بھیجا تو وہ پانی تک پہنچ گئے انہوں نے واپس جا کر ان کو خبر دی تو وہ سب وہاں پہنچ گئے وہاں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ محترمہ تھیں۔

انہوں نے کہا:

کیا آپ رضی اللہ عنہا ہم کو اس بات کی اجازت دیتی ہیں کہ ہم آپ رضی اللہ عنہا کے پاس قیام کریں۔

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

ہاں۔ لیکن پانی پر تمہارا کوئی حق نہیں ہوگا۔

انہوں نے کہا: ٹھیک ہے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3364)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا نکاح مبارک

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس چیز سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ماں کی ڈھارس بندھی اور وہ انس چاہتی تھیں وہ لوگ وہاں ٹھہر گئے اور انہوں نے اپنے گھر والوں کو بھی بلا لیا حتیٰ کہ جب وہاں بہت سے گھر بن گئے اور ان کا بیٹا یعنی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا بیٹا حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہوگیا اور اس نے ان سے عربی زبان سیکھ لی۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو آپ علیہ السلام جرہم کے کچھ لوگوں کو اچھے لگے تو انہوں نے اپنی ایک عورت کا ان سے نکاح کر دیا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3364)

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی وفات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(نکاح کے بعد حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا فوت ہوگئیں) جب حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو وہ جرہم کے کچھ لوگوں کو اچھے لگے اور انہوں نے اپنی ایک عورت کا ان سے نکاح کر دیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ فوت ہوگئیں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3364)

شادی کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مکہ مکرمہ تشریف آوری

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی ہو جانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اہل وعیال کے احوال معلوم کرنے کے لئے آئے۔ انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو موجود نہ پایا تو آپ علیہ السلام کی بیوی سے آپ علیہ السلام کے متعلق معلوم کیا۔

اس نے کہا:

وہ ہمارے لیے کچھ لینے گئے ہیں۔

(دوسری روایت میں ہے کہ وہ شکار کرنے گئے ہیں)

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے حالات اور گزر اوقات کے متعلق ان سے پوچھا:

اس نے کہا:

ہم بہت برے حالات میں ہیں اور ہم بہت تنگی اور سختی میں ہیں۔

اور ان سے شکایت کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ

جب تمہارا خاوند آئے تو تم اس سے میرا سلام کہنا اور اس سے کہنا کہ وہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ تبدیل کر دے۔

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام تشریف لائے تو ان کو کچھ تغیر محسوس ہوا۔

انہوں نے پوچھا:

کیا تمہارے پاس کوئی آیا تھا؟

بیوی نے کہا:

ہاں! اس اس شکل کا بوڑھا آیا تھا۔ اس نے تمہارے متعلق پوچھا تو میں نے اس کو بتایا۔ اس نے مجھ سے پوچھا تمہارے حالات کیسے ہیں؟ تو میں نے اس کو سب کچھ بتایا کہ ہم بہت جفاکشی اور سختی کے ایام گزار رہے ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا:

کیا انہوں نے کسی چیز کی وصیت کی تھی؟

اس نے کہا:

ہاں انہوں نے مجھے یہ حکم دیا کہ میں آپ علیہ السلام کو ان کا سلام کہوں۔

اور وہ یہ کہتے تھے کہ

تم اپنے دروازہ کی چوکھٹ کو تبدیل کر لو۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا:

وہ میرے والد محترم تھے اور انہوں نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تم سے علیحدہ ہو جاؤں تم اپنے والدین کے گھر چلی جاؤ انہوں نے اس کو طلاق دے دی۔ اور ان لوگوں میں دوسری شادی کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا حضرت ابراہیم علیہ السلام

ٹھہرے رہے پھر کچھ عرصہ بعد آئے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نہیں ملے وہ آپ علیہ السلام کی بیوی کے پاس گئے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق سوال کیا۔

آپ علیہ السلام کی بیوی نے کہا:

وہ ہمارے واسطے کچھ لینے گئے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا:

تمہارا کیا حال ہے؟ اور آپ علیہ السلام کی گزر اوقات کے متعلق سوال کیا۔

آپ علیہ السلام کی بیوی نے کہا:

ہم خیریت سے ہیں اور بہت خوش حال ہیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا:

تم لوگ کیا کھاتے ہو؟

انہوں نے کہا:

ہم پانی پیتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی۔

ان کے گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس وقت ان لوگوں کے پاس اناج نہیں تھا ورنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے لئے اس میں بھی برکت کی دعا کرتے۔

پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ

صرف ان دو چیزوں (گوشت اور پانی) پر مکہ مکرمہ کے سوا اور کسی جگہ گزارہ نہیں ہو سکتا۔ صرف یہ دو چیزیں اور جگہوں پر مزاج کے موافق نہیں ہوں گی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

جب تمہارا شوہر آئے تو اس کو میرا سلام کہنا۔

اور اس سے کہنا کہ

وہ اپنے دروازے کی چوکھٹ کو قائم رکھے۔

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام آئے تو پوچھا!

کیا کوئی شخص تمہارے پاس آیا تھا۔

آپ علیہ السلام کی بیوی نے کہا:

ہاں! ہمارے پاس اچھی شکل وصورت کا ایک بوڑھا شخص آیا تھا اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف کی۔

انہوں نے مجھ سے ہماری گزراوقات اور حالات کے متعلق پوچھا: میں نے ان کو بتایا کہ میں خیریت سے ہوں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا:

کیا انہوں نے تمہیں کوئی وصیت بھی کی تھی۔

انہوں نے کہا:

ہاں! انہوں نے آپ علیہ السلام کو سلام کہا اور آپ علیہ السلام کے متعلق یہ حکم دیا کہ آپ علیہ السلام اپنے دروازے کی چوکھٹ کو قائم رکھیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا:

یہ میرے والد محترم تھے۔اور تم چوکھٹ ہو۔انہوں نے مجھے یہ حکم دیا کہ میں تمہیں اپنے پاس برقرار رکھوں۔

(صحیح البخاری:رقم الحدیث:3364)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ملاقات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ

جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا حضرت ابراہیم علیہ السلام ٹھہرے رہے پھر اس کے بعد آئے اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام زمزم کے قریب ایک بڑے درخت کے نیچے بیٹھے اپنا تیر درست کر رہے تھے۔جب آپ علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو کھڑے ہو گئے اور دونوں ایک دوسرے سے اس طرح ملے جیسے بیٹا باپ سے اور باپ بیٹے سے ملتا ہے۔

(صحیح البخاری:رقم الحدیث:3364)

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے والد کی اطاعت کی

حضرت اسماعیل علیہ السلام نہایت صابر اور اپنے والد محترم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اطاعت گزار بیٹے تھے۔جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کرنے کا حکم فرمایا تو اپنی گردن کو پیش کر دیا اور جب اپنی اہلیہ کو طلاق دینے کا حکم فرمایا تو بن سوچے اپنی اہلیہ کو طلاق دے دی۔جس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شرعی مصلحت ہو تو والدین کے حکم پر طلاق دی جا سکتی ہے۔

والدین کی اطاعت پر ثواب کا انبار

والدین کی اطاعت پر عظیم اجر و ثواب ہے اور یہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بیان میں اس لیے والدین کی اطاعت پر ثواب کے فضائل بیان کرنا چاہتا ہوں تا کہ قارئین کو معلوم ہو جائے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے والد محترم کی اطاعت کر کے کس قدر عظیم مرتبہ حاصل کیا ہے۔آپ علیہ السلام نے والد کے حکم پر اپنی جان کی پرواہ نہیں کی اور اپنی گردن کو جھکا کر خود کو پیش کر دیا اور عظیم مقام حاصل کیا اور اگر ہم اپنے والدین کی اطاعت کریں تو ہمیں کیا اجر و ثواب ملے گا۔احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں۔

امام زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری المتوفی الترغیب والترہیب میں روایات نقل فرماتے ہیں کہ

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ
اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ کون سا عمل پسند ہے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
نماز کو وقت پر پڑھنا۔
میں نے پوچھا:
پھر کون سا عمل؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔
(الترغیب والترہیب: ج:3، ص:323 مطبوعہ دار الحدیث القاہرہ)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے آ کر جہاد کی اجازت طلب کی۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں۔
اس نے کہا:
ہاں!
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ان کی خدمت میں جہاد کرو۔
(الترغیب والترہیب: ج:3، ص:323 مطبوعہ دار الحدیث القاہرہ)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت معاویہ بن جاہمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
حضرت جاہمہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔
اور عرض کیا۔
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے جہاد کا ارادہ کیا ہے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مشورہ کے لئے آیا ہوں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
کیا تمہاری ماں زندہ ہے۔
اس نے کہا:
ہاں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اس کی خدمت کرو کیونکہ جنت اس کے پیر کے پاس ہے۔
(الترغیب والترہیب: ج:3،ص:315،مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا۔
اور اس نے کہا:
میں جہاد کی خواہش رکھتا ہوں اور مجھے اس پر قدرت نہیں ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
کیا تمہارے والدین میں سے کوئی ایک ہے۔
اس نے کہا:
میری ماں ہے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اس کے ساتھ نیکی کرنے کی زیادہ کوشش کرو جب تم یہ کر لو گے تو حج کرنے والے، عمرہ کرنے والے اور جہاد کرنے والے ہو گے۔
(الترغیب والترہیب: ج:3،ص:315،مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
میں اپنی بیوی سے بہت محبت کرتا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو ناپسند کرتے تھے۔
انہوں نے مجھ سے کہا۔
اس کو طلاق دے دو، میں نے انکار کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اس کو طلاق دے دو۔
(الترغیب والترہیب: ج:3،ص:316 مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو شخص اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرے اس کے لئے طوبیٰ (جنت کا درخت) ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی عمر میں زیادتی

کرتا ہے۔

(الترغیب والترہیب:ج:3،ص:316:مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کی ناک خاک آلود ہو،اس کی ناک خاک آلود ہو،اس کی ناک خاک آلود ہو۔

پوچھا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کس کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کا بڑھاپا پایا اس کے باوجود وہ جنت میں داخل نہیں ہوا۔

(الترغیب والترہیب:ج:3،ص:317:مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر چڑھتے ہوئے ارشاد فرمایا:

آمین،آمین،آمین۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور ارشاد فرمایا:

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جس نے اپنے ماں باپ کو یا ان میں سے ایک کو پایا اور ان کے ساتھ نیکی کیے بغیر مر گیا وہ دوزخ میں جائے اور اللہ تعالیٰ اس کو دور کر دے۔

کہیے۔

آمین۔

میں نے کہا:

آمین۔

پھر کہا۔

یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور مر گیا اور اس کی مغفرت نہیں ہوئی وہ دوزخ میں داخل کیا جائے اور اللہ اس کو (اپنی رحمت سے) دور کر دے۔

کہیے۔

آمین۔

تو میں نے کہا:

آمین۔

اور جس کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جائے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھے وہ دوزخ میں جائے اور اللہ اس کو (اپنی رحمت سے) دور کر دے۔

کہیے۔

آمین۔

تو میں نے کہا:

آمین۔

(الترغیب والترہیب: ج:3،ص:318 مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تین آدمی سفر کر رہے تھے ان کو بارش نے آلیا انہوں نے پہاڑ کے اندر ایک غار میں پناہ لی غار کے منہ پر پہاڑ سے ایک چٹان ٹوٹ کر آ گری اور غار کا منہ بند ہو گیا۔

پھر انہوں نے ایک دوسرے سے کہا۔

تم نے جو نیک عمل اللہ تعالیٰ کے لئے کیے ہیں ان کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو شاید اللہ تعالیٰ غار کا منہ کھول دے۔

ان میں سے ایک نے کہا:

اے اللہ عزوجل! میرے ماں باپ بوڑھے تھے اور میری ایک چھوٹی بچی تھی میں جب شام کو آتا تو بکری کا دودھ دوھ کر پہلے اپنے ماں باپ کو پلاتا پھر اپنی بچی کو پلاتا ایک دن مجھے دیر ہو گئی۔ میں حسب معمول دودھ لے کر ماں باپ کے پاس گیا وہ سو چکے تھے۔ میں نے ان کو جگانا ناپسند کیا اور ان کے دودھ دینے سے پہلے اپنی بچی کو دودھ دینا ناپسند کیا۔ بچی رات بھر بھوک سے میرے قدموں میں روتی رہی اور میں صبح تک دودھ لے کر ماں باپ کے سرہانے کھڑا رہا۔

اے اللہ عزوجل!

تجھے خوب علم ہے کہ میں نے یہ فعل صرف تیری رضا کے لئے کیا تھا تو ہمارے لیے اتنی کشادگی کر دے کہ ہم آسمان کو دیکھ لیں۔ اللہ عزوجل نے ان کے لئے کشادگی کر دی حتیٰ کہ انہوں نے آسمان کو دیکھ لیا۔

(الترغیب والترہیب: ج:3،ص:319،320 مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا۔

اور عرض کی۔
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ کون مستحق ہے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تمہاری ماں!
اس نے پوچھا:
پھر کون؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تمہاری ماں!
اس نے پوچھا:
پھر کون؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تمہاری ماں۔
اس نے پوچھا:
پھر کون؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تمہارا باپ۔
(الترغیب والترہیب: ج:3، ص: 321: مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ کی رضا والد کی رضا میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے۔
(الترغیب والترہیب: ج:3، ص: 321: مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا۔
اور عرض کی۔
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے بہت بڑا گناہ کرلیا ہے کیا اس کی کوئی توبہ ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا تمہاری ماں ہے؟

اس نے کہا:

نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا تمہاری خالہ ہے۔

اس نے کہا:

ہاں!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کے ساتھ نیکی کرو۔

(الترغیب والترہیب: ج:3، ص:322 مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو اسید مالک بن ربیعہ ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ بنو سلمہ کا ایک شخص آیا۔

کہنے لگا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں ماں باپ کی موت کے بعد ان کے ساتھ نیکی کر سکتا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہاں! ان کی نماز جنازہ پڑھو، ان کے لئے مغفرت کی دعا کرو، کسی کے ساتھ ان کے کیے ہوئے وعدہ کو پورا کرو، ان کے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرو، ان کے دوستوں کی عزت کرو۔

(الترغیب والترہیب: ج:3، ص:323 مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)

والدین کی نافرمانی پر عذاب کی وعیدیں

والدین کی نافرمانی کرنے والوں کے لئے سخت وعیدیں ہیں اور والدین کی نافرمانی کرنا سب سے بڑا گناہ ہے۔

امام زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری المتوفی روایات نقل فرماتے ہیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار ارشاد فرمایا:

کیا میں تم کو سب سے بڑا گناہ نہ بتاؤں۔

ہم نے کہا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیوں نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے شریک کرنا۔

ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے ہوئے تھے پھر بیٹھ گئے۔

اور ارشاد فرمایا:

سنو اور جھوٹ اور جھوٹی گواہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہ فرماتے رہے حتیٰ کہ

ہم نے کہا:

کاش آپ صلی اللہ علیہ وسلم سکوت فرماتے۔

(الترغیب والترہیب: ج:3، ص:324 مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تین اشخاص کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔

1- ماں باپ کا نافرمان

2- عادی شرابی

3- کوئی چیز دے کر احسان جتلانے والا

اور تین آدمی جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔

1- ماں باپ کا نافرمان

2- دیوث (اپنی بیوی کی بدکاری پر علم کے باوجود خاموش رہنے والا)

3- اور جو عورت مردوں کی مشابہت کرے۔

(الترغیب والترہیب: ج:3، ص:325 مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

پانچ سو میل کی مسافت سے جنت کی خوشبو آئے گی (مگر)

اپنے کام کا احسان جتلانے والے کو۔

ماں باپ کے نافرمان کو

اور عادی شرابی کو یہ خوشبو نصیب نہیں ہوگی۔

(الترغیب والترہیب: ج:3، ص:326،325 مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تین آدمیوں کا اللہ تعالیٰ کوئی فرض قبول نہیں فرمائے گا اور نہ کوئی نفل قبول فرمائے گا۔

1- ماں باپ کا نافرمان

2- احسان جتانے والا

3- اور تقدیر کو جھٹلانے والا

(الترغیب والترہیب: ج:3،ص:328 مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے والدین پر لعنت کرے۔
عرض کیا گیا۔
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کوئی شخص اپنے والدین پر کیسے لعنت کرے گا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
وہ کسی شخص کے باپ کو گالی دے گا تو وہ اس کے باپ کو گالی دے گا وہ کسی کی ماں کو گالی دے گا تو وہ کسی کی ماں کو گالی دے گا۔

(الترغیب والترہیب: ج:3،ص:329 مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عمرو بن مرہ جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا۔
اور اس نے کہا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور پانچ نمازیں پڑھتا ہوں، اپنے مال کی زکوٰۃ دیتا ہوں، رمضان کے روزے رکھتا ہوں۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو شخص اس عمل پر فوت ہو گیا وہ قیامت کے دن انبیاء کرام (علیہم السلام)، صدیقوں اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔
پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں انگلیاں کھڑی کر کے ارشاد فرمایا:
بہ شرطیکہ اس نے ماں باپ کی نافرمانی نہ کی ہو۔

(الترغیب والترہیب: ج:3،ص:329 مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ سات آسمانوں کے اوپر سے لعنت بھیجتا ہے اور ان میں سے ہر ایک پر تین بار لعنت بھیجتا ہے اور ہر ایک کو ایسی لعنت بھیجتا ہے جو اس کو کافی ہے۔

قوم لوط کا عمل کرنے والا ملعون ہے

قوم لوط کا عمل کرنے والا ملعون ہے

قوم لوط کا عمل کرنے والا ملعون ہے

غیر اللہ کے لئے ذبح کرنے والا ملعون ہے

اپنے ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا ملعون ہے

(الترغیب والترہیب: ج:3، ص:330 مطبوعہ دار الحدیث القاہرہ)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبد اللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا۔

اور اس نے کہا:

ایک جوان آدمی قریب المرگ ہے اس سے کہا گیا کہ لا الہ پڑھو تو وہ نہیں پڑھ سکا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ نماز پڑھتا تھا۔

اس نے کہا:

ہاں!

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس جوان کے پاس گئے۔

اور ارشاد فرمایا:

کہو لا الہ الا اللہ

اس نے کہا:

مجھ سے نہیں پڑھا جا رہا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق پوچھا:

کسی نے کہا:

یہ اپنی والدہ کی نافرمانی کرتا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کی والدہ زندہ ہے۔

لوگوں نے کہا:

ہاں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کو بلاؤ۔ وہ آئی تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

یہ تمہارا بیٹا ہے۔

اس نے کہا:

ہاں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ بتاؤ اگر آگ جلائی جائے اور تم سے یہ کہا جائے کہ اگر تم شفاعت کرو تو اس کو چھوڑ دیتے ہیں ورنہ اس کو آگ میں ڈال دیتے ہیں تو کیا تم اس کی شفاعت کرو گی۔

اس نے کہا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس وقت اس کی شفاعت کروں گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تب تم اللہ تعالیٰ کو گواہ کرو اور مجھ کو گواہ کر کے کہو کہ تم اس سے راضی ہو گئی ہو۔

اس عورت نے کہا:

اے اللہ عزوجل! میں تجھے گواہ کرتی ہوں اور تیرے رسول کو گواہ کرتی ہوں کہ میں اپنے بیٹے سے راضی ہوں۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے لڑکے! اب کہو۔

لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمد عبدہ و رسولہ

تو اس لڑکے نے کلمہ پڑھا۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اس کو میری وجہ سے آگ سے نجات دی۔

(الترغیب والترہیب: ج:3، ص: 331 تا 333 مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ)۔

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ والدین کی نافرمانی کا انجام بہت برا ہے اگر والدین ناراض ہو گئے تو دنیا و آخرت

برباد ہوگئی اس لیے ضروری ہے کہ اپنے والدین کو راضی کیا جائے۔ جب والدین راضی ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ بھی راضی ہو جائے گا کیونکہ والدین کی رضا میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور والدین کی ناراضگی میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والد کی اطاعت میں انتہاء کا کمال

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والد کی اطاعت گزاری میں حد درجے کی انتہاء تھی پتہ ہے کہ ذبح ہونا ہے مگر والد کی رضا جو تھی صبر نہ ہو سکا کہہ دیا میں دیکھ رہا ہوں آپ مجھے ذبح نہیں کرنا چاہتے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ شاید آپ مجھ پر رحم کریں اور نہ ہی مجھے ذبح کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ آپ میرے جلدی سے ہاتھ میری گردن کے ساتھ باندھ دیں پھر مجھے پیشانی کے بل لٹا دیں۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل کی ہے کہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کے اس قول

بے شک ان کے گروہ میں سے ابراہیم (علیہ السلام) بھی تھے۔

کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد ہے کہ

حضرت نوح علیہ السلام کے گروہ میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے جو ان کے راستے اور سنت پر تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ دوڑ کر چل سکنے (کی عمر) کو پہنچ گئے اور جوان ہو گئے حتیٰ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمل میں سعی و کوشش حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سعی و کوشش تک پہنچ گئی۔ پس جب دونوں نے حکم الٰہی عزوجل کو تسلیم کر لیا جس کا انہیں حکم دیا گیا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں پیشانی کے بل لٹا دیا۔

تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا:

آپ علیہ السلام مجھے ذبح نہیں کر رہے اور آپ علیہ السلام دیکھ رہے ہیں کہ شاید آپ علیہ السلام مجھ پر رحم کریں اور نہ ہی مجھے ذبح کرنے کی تیاری کر رہے ہیں پس آپ علیہ السلام (جلدی سے) میرے ہاتھ میری گردن کے ساتھ باندھ دیں پھر مجھے پیشانی کے بل لٹا دیں۔ پس جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا ہاتھ چھری نکالنے کے لئے ڈالا تاکہ انہیں ذبح کر سکیں لیکن چھری نہ چلی۔

حتیٰ کہ انہیں ندا دی گئی۔

اے ابراہیم (علیہ السلام)! واقعی تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا، تو انہوں نے اپنا ہاتھ روک لیا۔

(مستدرک: ج:2، ص:468، رقم الحدیث:3612)

حضرت اسماعیل علیہ السلام یہودی اور عیسائی نہ تھے

یہود کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد یہودی تھے اور عیسائی کہتے تھے کہ وہ عیسائی تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ وہ نہ یہودی تھے اور نہ ہی عیسائی تھے بلکہ وہ موحد تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ (البقرہ:140)

کیا تم کہتے ہو کہ بے شک ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھے۔ (اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرما دیجئے! کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟

☆ اس آیت کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد کو یہودیت اور عیسائیت سے منزہ فرمایا گیا ہے کیونکہ جتنے بھی انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے سب کا دین اسلام تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۟ (آل عمران:19)

بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین (صرف) اسلام ہے۔

اور ان تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعت الگ الگ تھی۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا ؕ (المائدہ:48)

ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے الگ الگ شریعت اور واضح راہ عمل بنائی۔

لہٰذا یہودی اور عیسائی جھوٹے ہیں اور بہت بڑے ظالم ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی آیت کے آگے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (بقرہ:140)

اور اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جس نے اس شہادت کو چھپایا جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام بردبار

حضرت اسماعیل علیہ السلام بردبار نبی تھے کیونکہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم دیا تو سر خم کر دیا اور قربانی کے لئے تیار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی بشارت یوں سنائی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ۝ (الصّٰفّٰت:101)

سو ہم نے ان کو ایک بردبار لڑکے کی بشارت دی۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام سچے وعدے والے

حضرت اسماعیل علیہ السلام سچے وعدے والے نبی تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ (مریم:54)

اور آپ اس کتاب میں اسماعیل کا ذکر کیجئے وہ سچے وعدے والے تھے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ایک ساتھی کا ایک سال تک انتظار کیا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت اسماعیل (علیہ السلام) نے اپنے ایک ساتھی سے ایک جگہ ملنے کا وعدہ کیا وہ وہاں پر نہیں آیا تو آپ علیہ السلام نے اس کا وہاں ایک سال تک انتظار کیا۔

(تفسیر کبیر: ج:7،ص:549)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن انتظار فرمایا

حضرت عبداللہ بن ابی الحمساء سے روایت ہے کہ

میں نے بعثت سے پہلے کوئی چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فروخت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ بقایا میرے پاس رہ گیا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسی جگہ آؤں گا پھر میں بھول گیا اور مجھے تین دن بعد یاد آیا۔ میں آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ انتظار فرما رہے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے شخص تم نے مجھے بہت مشکل میں ڈالا میں تین دن سے تمہارا (یہاں) انتظار کر رہا ہوں۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث:4996)

حضرت اسماعیل علیہ السلام رسول نبی

حضرت اسماعیل علیہ السلام رسول نبی تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ○ (مریم:54)

اور (اسماعیل علیہ السلام) رسول نبی تھے۔

☆ حضرت اسماعیل علیہ السلام قوم جرہم کے رسول تھے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نماز اور زکوٰۃ کا حکم دینے والے

حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دینے والے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ (مریم:55)

اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ نبی

حضرت اسماعیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ نبی تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ كَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ۝ (مریم:55)

اور وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نیک ترین نبی

حضرت اسماعیل علیہ السلام نیک ترین نبی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ وَ كُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ۝ (ص:48)

اور اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو یاد کیجئے اور یہ سب نیک ترین ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دم کرنے کے کلمات عظیمہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امام حسن و حسین علیہما السلام کے لئے کلمات تعوذ کے ساتھ دم کرتے۔

اور ارشاد فرماتے:

تمہارے جد امجد (حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی) اپنے دونوں صاحبزادوں

حضرت اسماعیل علیہ السلام

اور حضرت اسحاق علیہ السلام

کو ان ہی کلمات تعوذ کے ساتھ دم کیا کرتے تھے۔

اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من کل شیطان وھامۃ ومن کل عین لامۃ

ترجمہ:- میں اللہ (عزوجل) کے کامل کلمات کے ذریعے ہر (وسوسہ اندازی کرنے والے) شیطان اور بلا سے اور ہر نظر بد سے پناہ مانگتا ہوں۔

(صحیح البخاری: کتاب الانبیاء: باب قول اللہ تعالیٰ: واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا: ج:3، ص:233، رقم الحدیث:3191)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کفار سے جہاد کرنے والے

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام اللہ تعالیٰ کے وہ نبی تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے صادق الوعد کا نام دیا اور آپ علیہ السلام ایسے شخص تھے جن میں (حق کے معاملہ میں) سختی پائی جاتی تھی۔ آپ علیہ السلام دشمنوں کے خلاف جہاد کرتے اور اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کو ان پر فتح و نصرت عطا فرماتا اور آپ علیہ السلام کفار کے خلاف بہت زیادہ لڑائی کرنے والے تھے اور اللہ

تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

(مستدرک: ج:2، ص:603، رقم الحدیث:4033)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جسامت وتقویٰ

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت اسماعیل علیہ السلام متناسب سر، بھاری گردن، لمبے ہاتھوں اور لمبی ٹانگوں والے تھے۔ آپ علیہ السلام اپنے ہاتھ حالت قیام میں اپنے گھٹنوں پر مار سکتے تھے۔ چھوٹی آنکھوں، لمبی ناک، چوڑے شانوں، لمبی انگلیوں والے اور لوگوں میں سب سے نمایاں دکھائی دیتے تھے۔ آپ علیہ السلام بہت زیادہ طاقتور اور کفار پر بہت زیادہ سخت تھے۔ آپ علیہ السلام اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے اور اپنے رب عزوجل کے ہاں بہت زیادہ محبوب تھے۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ

آپ علیہ السلام کی زکوٰۃ اپنے اہل کے اموال میں سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا تھا اور آپ علیہ السلام کسی شخص سے کسی چیز کا وعدہ نہیں فرماتے تھے مگر یہ کہ آپ علیہ السلام اس وعدہ کو ضرور پورا کرتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کا نام صادق الوعد رکھا اور آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سچے رسول اور نبی تھے۔

(مستدرک: ج:2، ص:603، رقم الحدیث:4033)

یہود کا جھوٹا ہونا

یہودیوں نے کہا جس کا فدیہ دیا گیا تھا وہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں تو ان کا یہ قول ان روایات کی رو سے جھوٹا ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

(مستدرک: ج:2، ص:604، رقم الحدیث:4034)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس آیت مبارکہ

وفدیناہ بذبح عظیم

کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ

ذبح عظیم سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مینڈھے کو ذبح کیا۔

اور ایک روایت میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جس کا فدیہ دیا گیا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور یہود کا یہ گمان ہے کہ وہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں اور یہود

جھوٹے ہیں۔

(مستدرک: ج:2،ص:605، رقم الحدیث:4035، 4037)

ان احادیث مبارکہ کی رو سے یہودیوں کا جھوٹا ہونا ثابت ہے اور میں نے گزشتہ اوراق میں تفصیل سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذبیح ہونا ثابت کر دیا ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا تعمیر کعبہ کرانا

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر نعیمی میں لکھتے ہیں:

جب حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا و حضرت اسماعیل علیہ السلام اس میدان میں آ کر ٹھہرے اور آپ علیہ السلام کی زوجہ سے یہاں کچھ آبادی ہو گئی تب حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ آپ علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر یہاں عمارت کعبہ بنائیں اس کی نشانی اسی طرح قائم فرمائی کہ ایک بادل کا ٹکڑا بھیجا گیا تاکہ اس کے سایہ سے کعبہ کی حد مقرر کر لی جائے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس سایہ کی مقدار خط کھینچا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس خط پر یہاں تک زمین کھودی کہ بنیاد حضرت آدم علیہ السلام نمودار ہوئی اور اس بنیاد پر عمارت بنائی۔

اس کی مقدار یہ ہے کہ

اس کی بلندی نو ہاتھ اور رکن اسود سے رکن شامی تک کی دیوار (33) تینتیس ہاتھ اور رکن شامی سے رکن غربی تک کی دیوار (22) بائیس ہاتھ اور رکن غربی سے رکن یمانی تک (31) اکتیس ہاتھ اور رکن یمانی سے پھر رکن اسود تک (30) تیس ہاتھ۔ لہٰذا اس وقت یہ کعبہ مستطیل کی شکل تھا جس کا طول عرض سے زیادہ اور خود طول کی شرقی غربی دیواروں میں ایک غیر محسوس سا فرق۔ اس کا دروازہ زمین سے ملا ہوا جس میں کواڑ وغیرہ نہ تھا۔

کچھ دنوں بعد طبع تمیری نے اس دروازہ میں کواڑ زنجیر اور قفل لگائے۔

یہ بھی خیال رہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کے اندر داہنی جانب ایک تغار سا بنایا تھا جو مثل خزانہ کے تھا کعبہ کے لئے جو کچھ نذر تحفے آئیں اس میں رکھے جائیں اس کے دروازے دو تھے ایک داخل ہونے دوسرا نکلنے کا اور کعبہ بنانے والے خلیل تھے اور ان کو گارا اور پتھر اٹھا کر دینے والے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور اس عمارت میں تین پہاڑوں کے پتھر لگائے گئے کوہ ابوقبیس، کوہ حرا اور کوہ ورقان۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کسی نے یہاں عمارت نہ بنائی تھی مگر آپ علیہ السلام کے بعد کئی دفعہ اس کی تعمیر و مرمت ہوئی۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:1، ص:710، 711 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام کے بعد تعمیر

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ایک دفعہ قبیلہ عمالقہ اور جرہم نے اسے بنایا پھر دوبارہ قصی ابن کلاب نے اس کی تعمیر کی جس میں چھت درخت مقفل کی

لکڑی کی بنائی جس پر بجائے تختوں کے خرمے کی لکڑی ڈالی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف 25 سال کی تھی تو پھر قریش کو اس کی تعمیر کرنا پڑی وجہ اس کی یہ ہوئی کہ ایک عورت وہاں خوشبو سلگاتی تھی۔ ایک بار اچانک اس سے شعلہ اٹھا اور چھت جل گئی اس سے پہلے سیلابوں وغیرہ سے کعبہ کی دیواریں بھی پھٹ چکی تھیں لہٰذا سرداران قریش نے جمع ہو کر ولید بن مغیرہ کو امیر عمارت مقرر کیا اور کعبہ کو منہدم کر کے دوبارہ بنایا مگر آپس میں یہ طے کیا کہ اس میں مال حلال ہی خرچ ہو چونکہ اس وقت اکثر مالدار سود خور تھے اس لیے مال حلال بہت کم جمع ہوا اس کی مال کی وجہ سے انہوں نے عمارت چھوٹی کر دی اور چند فرق بھی کر دیئے۔

اوّل

یہ کہ تعمیر ابراہیمی سے چند گز زمین چھوڑ کر اسے حطیم قرار دیا۔

دوم

یہ کہ بجائے دو کے ایک ہی دروازہ رکھا اور وہ بھی زمین سے خوب اونچا تا کہ جسے چاہیں جانے دیں اور جسے چاہیں نہ جانے دیں۔

سوم

یہ کہ خانہ کعبہ کے اندر لکڑی کے ستونوں کی صفیں بنائیں ہر صف میں تین تین ستون۔

چہارم

یہ کہ اس کی بلندی دگنی کر دی گئی یعنی پہلے نو ہاتھ تھی اب (18) اٹھارہ ہاتھ۔

پنجم

یہ کہ خانہ کعبہ کے اندر رکن شامی کے قریب ایک زینہ بنایا جس سے چھت پر چڑھ سکیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

ایک بار مجھے خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے متصل زمین میں بنیاد ابراہیم کھول کر دکھائی جس میں اونٹ کی کوہان کی شکل کے پتھر لگائے ہوئے تھے۔

اور ارشاد فرمایا کہ

اے عائشہ (رضی اللہ عنہا)! قریش نے روپیہ کی کمی کی وجہ سے بنیاد ابراہیمی کا کچھ حصہ چھوڑ دیا۔ ابھی لوگ نو مسلم ہیں اگر ان کے بھڑک جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم موجودہ کعبہ کو منہدم کر کے بنیاد ابراہیمی پر مکمل بناتے پھر اسلام میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی وجہ سے حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کعبہ معظمہ دوبارہ بنایا جس کو بنیاد ابراہیم پر مکمل کیا قریش کے فرقوں کو دور کیا۔ حطیم کو خانہ کعبہ میں داخل کیا اور اس میں زمین سے متصل شرقاً غرباً دروازے رکھے۔ یمن سے خوشبودار مٹی منگوا کر جس کو ارس کہتے ہیں چونہ میں مخلوط کر کے بجائے گارے کے استعمال کی اور اس کے دروازوں پر اندر باہر مشک وعنبر سے کہگل کی دیواروں پر نہایت قیمتی ریشمی غلاف چڑھایا جسے غلاف کعبہ کہتے ہیں اور جس کا اب بھی رواج ہے۔ غلاف کعبہ سب سے پہلے پہنانے والے کا نام اسعد ہے جو شاہ یمن تھا جسے تبع کہتے ہیں یہ ہی مدینہ منورہ کو آباد کرنے والا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق ملاقات میں اس نے یہاں ہی سکونت اختیار کر لی اس کی کچھ قوم والے حیرہ بھی یہاں رہ گئے

یہ ہی مدینہ پاک کی پہلی آبادی ہے۔ جیسے قوم جرہم نے مکہ معظمہ کو پہلے آباد کیا اس کا پورا واقعہ روح البیان پارہ 25، 26 قوم تبع کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔ 27 رجب 46ھ کو اس کام سے فراغت حاصل ہوئی پھر 74ھ میں حجاج ابن یوسف نے جو کہ عبدالملک ابن مروان کا نائب تھا یہ عمارت گرا کر قریش کی طرح ہی بنا دیا پھر ہارون الرشید نے چاہا کہ عبداللہ بن زبیر کے طریقہ پر بنائے مگر علماء نے منع کیا بار بار بنانا اور گرانا کھیل ہو جائے گا پھر اسلامی بادشاہ اس کی مرمت تو کرتے رہے مگر کسی نے دوبارہ نہ بنایا پھر 1040ھ میں سلطان مراد ابن احمد خان شاہ قسطنطنیہ نے جب دیکھا کہ اس کی عمارت بہت کہنہ ہوگئی ہے تو سوائے اس رکن کے (گوشہ یا کونہ) جس میں سنگ اسود لگا ہوا ہے سب کو گرا کر پھر نئے سرے سے بنیاد حجاج کے موافق کعبہ بنایا جس کے اندر سنگ مرمر کا فرش بچھایا اور اندر چھت پر نہایت نفیس مخملی چھت گیری لگائی اور باہر کی دیواریں سنگ خارا سے چونہ میں چنیں نہایت نفیس ریشمی سیاہ پردہ تمام خانہ کعبہ پر ڈالا جس پر کلمہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

بنا اور طول دیوار میں کئی بالشت سہرا چکا لگایا جس میں کارچوبی حروف سے سلطان کا نام لکھا گیا اب موجودہ کعبہ سلطان مراد کا بنایا ہوا ہے اور مصر سے ہر سال غلاف کعبہ تیار ہو کر بڑے جشن اور دھوم دھام سے آتا رہا اور 1382ھ میں غلاف کعبہ لاہور سے تیار ہو کر گیا اور دستور یہ رہا کہ ہمیشہ حج کے موقعہ پر پرانا غلاف اتار کر خدام کعبہ کو دے دیا جاتا جس کو حاجی لوگ تبرکاً ٹکڑے ٹکڑے خرید لیتے نیا غلاف چڑھا دیا جاتا میں نے 1350ھ میں وہاں دیکھا کہ نجدیوں کی حکومت ہے ملک عبدالعزیز ابن سعود وہاں کا بادشاہ ہے اس کے ظلم و ستم کی وجہ سے مصر سے غلاف آنا بند ہو گیا اب خود نجد میں ہی تیار ہوتا ہے جس کے اوپری حصہ میں ابن السعود کا نام لکھا جاتا ہے۔ ہماری اس تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ کعبہ معظمہ کو عمارتی شکل میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا اور پھر پانچ بار کعبہ بنتا رہا اور کعبہ کی موجودہ عمارت 339ھ سال کی ہے کیونکہ 1040ھ میں بنی اور اب 1379ھ ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: ۱، ص: 711 تا 713 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زوجہ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سر دھونا

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حدیث مبارکہ میں ہے کہ رکن اور مقام دو جنتی یاقوت ہیں۔ پہلے بہت نورانی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے نور کو محو کر دیا اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ مشرق و مغرب کو چمکاتے۔ مقام ایک پتھر ہے جس پر تین بار حضرت خلیل علیہ السلام کھڑے ہوئے اولاً تو جب کہ ان کی بہو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی نے ان سے عرض کیا کہ میں آپ علیہ السلام کا سر دھلا دوں تب آپ علیہ السلام نے گھوڑے سے اتر کر اس پتھر پر قدم رکھا اور ان سے یہ خدمت لی۔ دوسرے یہ کہ جب کعبہ کی دیواریں اونچی ہوئیں تب آپ علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کہا کہ ہمارے واسطے کوئی پتھر لاؤ جس پر ہم کھڑے ہو کر دیوار بنائیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر کی تلاش میں ابوقبیس پہاڑ پر تشریف لے گئے، راہ میں حضرت جبرائیل علیہ السلام ملے اور کہا کہ آئیے میں آپ علیہ السلام کو ایک پتھر بتاؤں جو حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ دنیا میں آیا اور اسے حضرت ادریس علیہ السلام نے طوفان

نوح کے خوف سے اس پہاڑ میں دفن کر دیا ہے اس جگہ چھوٹے بڑے دو پتھر مدفون ہیں چھوٹے کو تو کعبہ کی دیوار میں دروازے کے قریب لگا دو کہ ہر طواف کرنے والا اس کو چوما کرے یعنی سنگ آلود اور بڑے پر ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہو کر عمارت بنائیں چنانچہ آپ علیہ السلام وہ دونوں پتھر لے آئے اور یہ پیغام الٰہی بھی پہنچایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکم الٰہی کے مطابق سنگ اسود کو تو ایک گوشہ میں لگا دیا اور بڑے پر کھڑے ہو کر تعمیر کا کام جاری کیا جس قدر عمارت بلند ہوتی جاتی یہ پتھر بھی اونچا ہوتا جاتا تھا یہاں تک کہ آپ علیہ السلام تعمیر سے فارغ ہوئے اور پتھر کی ضرورت نہ پڑی۔

روایت میں ہے کہ

جب سنگ اسود دیوار کعبہ میں قائم کیا گیا اس کی روشنی چاروں طرف دور تک جاتی تھی جہاں تک اس کی روشنی پہنچی وہاں تک حرم کے حدود مقرر ہوئے جس میں شکار کرنا منع ہے اور سنگ اسود کا سنگ بالکل سفید تھا گناہ گاروں کے ہاتھوں سے سیاہ ہو گیا۔

تیسرے جب کہ آپ علیہ السلام تعمیر سے فارغ ہوئے تب بحکم الٰہی عزوجل کوہ ابوقبیس پر بھی مقام ابراہیم رکھا اور اس پر چڑھ کر چوطرفہ آواز دی کہ اے عزوجل کے بندو! حج کے لئے آؤ۔

جس کا ذکر خود قرآن مجید نے فرمایا:

وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ۝ (حج:27)

یہ آواز قیامت تک پیدا ہونے والی روحوں نے سنی جو خاموش رہی اسے حج نصیب نہ ہوگا اور جس نے جتنی بار لبیک کہا اتنی بار ہی حج کرے گا اس وقت حضرت خلیل علیہ السلام کی انگلیوں کا نشان نمودار ہو گیا بہت عرصہ تک لوگوں نے یہ نشان دیکھا مگر چومنے والوں کی کثرت سے کچھ محو ہو گیا اب کچھ خفیف سا نشان باقی ہے پہلے یہ پتھر خانہ کعبہ کے متصل رکھا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک عظیم سیلاب آیا جس کا نام سیل "ام نہشل" ہے۔ اس سیلاب سے یہ پتھر اپنی جگہ سے ہٹ کر دور جا گرا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود تشریف لائے اور مطاف کے کنارے چاہ زمزم کے پاس اس کو رکھا اور اس پر ایک پتھر کی عمارت بنا دی اب تک وہی عمارت ہے اور اسی جگہ یہ پتھر موجود ہے۔ اس کے سامنے کچھ تھوڑی جگہ اور پاٹ (اکھاڑ) دی گئی جس میں آگے پیچھے کل بارہ آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: 1، ص: 714 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا پتھر لانا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لگانا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ متوفی 256ھ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک طویل حدیث بیان کرتے ہیں جس کے آخر میں تعمیر کعبہ کا ذکر ہے اور وہ اس طرح ہے:

پھر جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا حضرت ابراہیم علیہ السلام ٹھہرے رہے پھر اس کے بعد آئے اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام زمزم کے قریب ایک بڑے درخت کے نیچے بیٹھے اپنا تیر درست کر رہے تھے جب انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو کھڑے ہو گئے اور دونوں ایک دوسرے سے اس طرح ملے جیسے بیٹا باپ سے اور باپ بیٹے سے ملتا ہے۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا:
اے اسماعیل علیہ السلام! مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک چیز کا حکم دیا ہے۔
حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا:
آپ علیہ السلام وہی کیجئے جس کا آپ کے رب عزوجل نے آپ علیہ السلام کو حکم دیا ہے۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا:
آیا تم میری مدد کرو گے۔
حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا:
میں آپ علیہ السلام کی مدد کروں گا۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا:
اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس جگہ بیت اللہ تعمیر کروں اور انہوں نے اس ٹیلہ کی طرف اشارہ کیا جو اپنے اردگرد کی زمین سے کافی بلند تھی۔
آپ علیہ السلام نے فرمایا:
اس وقت ان دونوں نے بیت کی بنیادیں اٹھائیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان پتھروں کو جوڑ جوڑ کر لگاتے تھے حتیٰ کہ جب بنیادیں زیادہ بلند ہو گئیں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام اس پتھر کو لائے اور اس دیوار کے ساتھ رکھ دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس پتھر پر کھڑے ہو کر تعمیر کرتے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر لاتے رہے اور وہ دونوں یہ دعا کرتے تھے۔
اے ہمارے رب عزوجل! ہم سے قبول فرما بے شک تو بہت سننے والا بہت جاننے والا ہے وہ دونوں بیت اللہ کی تعمیر کرتے رہے اور بیت اللہ کے گرد طواف کرتے رہے اور یہ دعا کرتے رہتے تھے۔
اے ہمارے رب عزوجل! تو ہم سے قبول فرما بے شک تو بہت سننے والا اور بہت جاننے والا ہے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3364)

حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح تک کے واقعات

مفسر شہیر مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی 1363ھ لکھتے ہیں:
تفسیر عزیزی میں ہے کہ
جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے ہاتھ سے نجات پائی اور بابل والوں کے ایمان سے مایوس ہوئے تو وہاں سے ہجرت کر کے اپنے چچا ہاران کے گھر مقام حران میں آ گئے۔ ہاران کی ایک خوبصورت بیٹی تھی سارہ رضی اللہ عنہا۔ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سعادت مندی دیکھ کر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کا ان سے نکاح کر دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کچھ روز یہاں تبلیغ فرماتے رہے مگر سوائے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا اور حضرت لوط علیہ السلام کے کوئی ایمان نہ لایا بلکہ ہاران نے غصے ہو کر اپنی بیٹی اور داماد کو اپنے گھر سے نکال دیا۔ آپ علیہ السلام نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے معاہدہ کیا کہ تم ہمیشہ

میری فرمانبرداری کرنا اور میں تمہاری بات مانوں گا اور یہ تین حضرات حران سے مصر روانہ ہو گئے۔ مصر کا بادشاہ ظالم اور سرکش تھا۔ جب کسی خوبصورت عورت کو دیکھتا تو اس کے شوہر کو قتل کرا کر عورت پر قبضہ کر لیتا تھا جب یہ چھوٹا سا قافلہ مصر پہنچا تو شاہی پولیس نے بادشاہ کو خبر دی کہ مصر میں بے مثل حسینہ جمیلہ عورت آئی ہے۔

خیال رہے کہ

مردوں میں حضرت یوسف علیہ السلام اور عورتوں میں حضرت سارہ رضی اللہ عنہا بے مثل حسین ہوئے بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی میراث تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو سمجھا دیا کہ اگر تمہیں پولیس گرفتار کر کے بادشاہ کے پاس لے جائے تو یہ نہ کہنا کہ ابراہیم (علیہ السلام) میرے شوہر ہیں بلکہ یہ کہنا کہ وہ میرے (دینی) بھائی ہیں کیونکہ میں تمہارا دینی بھائی ہوں۔ حق تعالیٰ تمہیں اس ظالم سے محفوظ رکھے گا۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ان دونوں کو پولیس نے گھیر لیا اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو بادشاہ کے پاس لے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ حالت دیکھ کر نماز شروع کر دی اور دعا میں مشغول ہو گئے بادشاہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو دیکھتے ہی ان پر عاشق ہو گیا چاہا کہ کچھ بے ادبی کرے۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ

مجھے اتنی مہلت دے کہ میں غسل کر کے کچھ عبادت کرلوں۔ ظالم نے فوراً غسل کا انتظام کر دیا۔ آپ نے وضو کر کے نماز کی نیت باندھی اور بارگاہ قاضی الحاجات دعا میں مشغول ہوئیں۔

جب ظالم نے دیکھا کہ

دیر لگی وہ آپ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں داخل ہوا اور چاہا کہ عین نماز کی حالت میں دست درازی کرے اچانک اس کے دونوں ہاتھ خشک ہو گئے اور بے ہوش ہو کر گر پڑا اور سانس پھول گیا اور منہ سے جھاگ ڈالنے لگا۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے دعا کی کہ

اے مولا عزوجل! اگر یہ مر گیا تو مجھ پر اس کے قتل کا الزام آئے گا تو پھر میری خیر نہیں۔ یہ دعا کرنی تھی کہ اسے پھر ہوش آ گیا پھر وہی ارادہ کیا پھر ویسا ہی حال ہوا غرضیکہ تین بار یہ معاملہ پیش آیا۔

تب وہ بولا کہ

یہ انسان نہیں یا جن ہے یا جادوگرنی۔

میرے پاس ایک عورت اور بھی ہے جس کو میں نے قبطیوں سے حاصل کیا تھا اور میں اس پر بھی قابو نہ پا سکا (حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا) اسے بھی اس کے حوالے کر دو اور ان دونوں عورتوں کو مصر سے نکال دو۔ غرضیکہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں آپ علیہ السلام اس وقت نماز میں ہی مشغول تھے۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا:

مہیم

یعنی کیا حال ہے۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

خیر سے رب عزوجل نے ظالم کو ذلیل کیا اور مجھے خادمہ دی جس کا نام حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا ہے اور یہاں سے چاروں اصحاب روانہ ہوکر فلسطین پہنچے وہاں کے لوگوں نے ان بزرگوں کو غنیمت جانا اور بہت زمین نذر کی۔ رب تعالیٰ نے اس زمین میں اتنی برکت دی کہ کچھ دنوں میں آپ علیہ السلام کے پاس کھیتی باڑی، جانور، غلام وغیرہ بے شمار ہو گئے۔ آپ علیہ السلام نے مسافر خانے اور لنگر جاری کئے اور حضرت لوط علیہ السلام کو تبلیغ دین کے لئے روم کی طرف روانہ کیا۔

ایک دن حضرت سارہ رضی اللہ عنہا عرض کرنے لگیں کہ

ہمارے گھر میں اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا بہت کچھ ہے مگر فرزند نہیں آپ علیہ السلام حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلو شاید ان ہی سے کوئی بچہ پیدا ہو۔ آپ علیہ السلام نے ان سے نکاح کرلیا۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے شکم سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا محبت سے انہیں پالتی تھیں اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا صرف انہیں دودھ پلاتی تھیں مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی تکلیف کے خیال سے فرزند کو گود بھی نہ لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی شان کہ ایک دن حضرت اسماعیل علیہ السلام کو تنہا حجرے میں لیٹے ہوئے دیکھ کر محبت پدری سے گود میں لے لیا اور ان کے رخسار اور پیشانی کو بوسہ دے رہے تھے کہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا آگئیں اور ان پر غیرت نے اتنا غلبہ کیا کہ

اور ارشاد فرمایا:

اسی وقت اس کو اور اس کی ماں کو میرے گھر سے نکال کر بے آب و دانہ جنگل میں چھوڑ آؤ۔ آپ علیہ السلام نے بہت کچھ سمجھایا مگر کچھ پیش نہ گئی ادھر تو آپ علیہ السلام حران والے معاہدے کے پابند تھے۔ ادھر وحی آئی کہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی بات مانو۔ اس میں ایک راز ہے۔ سچ ہے کہ بڑوں کی لڑائی میں بھی راز ہوتا ہے۔

مولانا فرماتے ہیں۔

ہرچہ گیرد علتی علت شود کفر گیرد کاملے ملت شود

ان دو مقبول بیویوں کی لڑائی کی برکت سے عرب کا ملک بنا مکہ شہر آباد ہوا اور بیت اللہ آباد ہوا۔ برادران یوسف علیہ السلام کی برکت سے حضرت یوسف علیہ السلام مصر کی سلطنت پر جاگزیں ہوئے اور بنی اسرائیل کنعان گاؤں سے نکل کر مصر اور دیگر شہروں میں پھیلے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی آپس کی جنگوں کی برکت سے بہت سی قرآنی آیات کی تفسیر ہوئی۔ جن میں باغی گروہ سے جنگ کے احکام مذکور ہیں اور اہل بیت اطہار حجاز سے نکل کر عراق میں پہنچے جس سے تمام عراق متبرک و معظم ہوگیا۔ ان جنگوں میں اللہ تعالیٰ کے راز ہیں لہٰذا ہم کسی صحابی رسول کو ظالم نہیں کہہ سکتے جیسے کہ بی بی سارہ رضی اللہ عنہا کو ظالم نہیں کہہ سکتے۔

برادران یوسف علیہ السلام کی اہانت نہیں کر سکتے کہ وہ حضرات آسمانی ہدایت کے تارے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں تاروں کی شکل میں خواب میں دیکھا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو برا بھلا کہنے والے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو کیا کہیں گے حضرت ابراہیم علیہ السلام ان دونوں کو سواریوں پر لے کر روانہ ہوئے وہ منزل بمنزل وہاں پہنچے جہاں آج خانہ کعبہ

ہے۔

حکم الٰہی عزوجل پہنچا کہ

ان دونوں کو یہاں ہی چھوڑ و اور ہمارے سپرد کر جاؤ۔ زمزم کے مقام پر ایک درخت تھا اور باقی سب جنگل بیابان تھا نہ وہاں سایہ نہ وہاں دانہ نہ پانی نہ آدمی۔ آپ علیہ السلام ایک ٹوکری خرما اور کچھ روٹی کے ٹکڑے ایک مشکیزہ میں پانی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے حوالے کر کے لوٹ آئے۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا پیچھے دوڑیں۔

اور کہنے لگیں کہ

مجھ کو اس بے آب و دانہ جنگل میں کہاں چھوڑے جاتے ہو جہاں نہ کوئی غم خوار ہے نہ کوئی مکان سایہ دار۔ آپ علیہ السلام نے کوئی جواب نہ دیا۔

آخر کار حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا بولیں کہ

کیا تمہیں خدا عزوجل نے حکم دیا ہے۔

سر کے اشارے سے فرمایا کہ

ہاں۔

تب آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ میرا رب عزوجل مجھے ضائع نہ کرے گا۔ واپس لوٹیں اور اپنے بچے کو گود میں لے کر اکیلی بیٹھ گئیں اور دودھ پلانے لگیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہاڑ کی آڑ میں آ کر رکے اور کعبہ معظمہ کی طرف منہ کر کے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔

اور عرض کیا۔

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ ۝ (ابراہیم:37)

''مولیٰ عزوجل! میں نے اپنے بال بچے بے آب و دانہ جنگل میں چھوڑ دیئے۔''

جب تک خرمہ اور پانی رہا حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اطمینان سے گزر کرتی اور فرزند کو دودھ پلاتی رہیں مگر پانی ختم ہونے پر پیاس نے ستایا لخت جگر نے بے اختیار رونا شروع کر دیا تو اپنی تو اتنی فکر نہ ہوئی مگر نور نظر کی بے قراری دیکھی نہ گئی۔ اٹھیں اور صفا پر چڑھیں کہ شاید کہیں پانی کا نشان ملے مگر نہ ملا۔ مایوس ہو کر نیچے اتریں۔ مروہ پہاڑ کی طرف روانہ ہوئیں مگر نظر فرزند پر تھی۔ راہ کے کچھ حصہ میں فرزند سے آڑ ہو گئی تو آپ رضی اللہ عنہا اسے جلد طے کرنے کے لئے دوڑ کر چلیں۔ اس آڑ سے نکل جانے پر پھر آہستہ چلیں۔ یہاں تک کہ مروہ پر پہنچ گئیں وہاں چڑھ کر بھی پانی کہیں نہ دیکھا پھر صفا کی طرف روانہ ہوئیں۔ اسی طرح سات چکر کیے ہر دفعہ درمیان میں دوڑتی تھیں (صفا و مروہ اسی جگہ کی یادگار ہے) اخیر بار مروہ پر چڑھیں تو ایک ہیبت ناک آواز کان میں پڑی۔ ڈر کر فرزند کے پاس آئیں دیکھا کہ وہ روتے ہوئے اپنی ایڑیاں زمین پر رگڑ رہے ہیں جس سے شیریں پانی کا چشمہ جاری ہے بہت خوش ہوئیں اور اس کے گرد مٹی کی منڈیر بنا دی۔

ماء زم زم

پانی میٹھا میٹھا ہے۔

بعض نے فرمایا۔

ماء زمزم

پانی بہت کافی ہے۔

بعض نے فرمایا کہ

زمزمة اورهمهمة

گن گنا کرگانے کو کہتے ہیں چونکہ آپ خوش ہوکر کچھ گن گناتی جاتی تھیں۔اس لئے اس کا نام زمزم ہوا۔

واللہ اعلم بالصواب

حدیث شریف میں آیا ہے کہ

(من بعض اساتذتنا) اگر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اس پانی کو گھیر نہ دیتیں تو یہ چشمہ بن جاتا۔اور آخر کار آپ رضی اللہ عنہا وہ پانی خود پیتیں اور اپنے پسر کو بھی پلاتی تھیں اس لئے بہت روز تو گزر اوقات کرتی رہیں کیونکہ اس پانی میں غذائیت بھی ہے۔اتفاقاً یمن کی ایک قوم جرہم کسی طرح اس طرف آ پہنچی اور مقام کدا میں اتری۔

اس نے دیکھا کہ

کچھ فاصلے پر بہت پرندے اڑ رہے ہیں۔

کہنے لگے کہ

یہاں پانی ضروری ہے۔کیونکہ ہم یہاں بار بار آئے کبھی پرندے نہ دیکھے۔انہوں نے تحقیق کے لئے اپنے میں سے ایک شخص بھیجا اس نے آکر خبر دی کہ یہاں پانی کا غیبی چشمہ ہے جس کے پاس ایک بی بی اپنے فرزند کو لئے بیٹھی ہے۔یہ سن کر وہ سارے لوگ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

اور بولے کہ

اگر آپ رضی اللہ عنہا کی اجازت ہو تو ہم یہاں رہنے سہنے لگیں۔چونکہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا بھی تنہائی میں گھبرا گئی تھیں۔اس شرط پر اجازت دے دی کہ اس پانی پر کسی کا حق نہ ہو یعنی سب استعمال تو کریں مگر حق میرا ہو۔ان سب نے یہ شرط قبول کر کے وہاں خود بھی رہائش اختیار کر لی اور اپنے دوسرے اہالی موالی کو بھی بلا لیا جس سے کہ یہاں ایک اچھی خاصی بستی بس گئی۔کچھ دنوں میں حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی سمجھ دار ہو گئے۔آپ علیہ السلام نے اس قوم جرہم سے زبان عربی سیکھی۔نہایت ذکی قابل اور ہونہار جوان ہوئے اور جماعت جرہم کے سردار نے آپ علیہ السلام سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا۔ادھر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر 14 سال کی ہوئی تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے شکم سے بھی ایک فرزند پیدا ہوئے جن کا نام اسحاق رکھا گیا۔حضرت سارہ رضی اللہ عنہا ان کی پرورش میں مشغول ہوئیں اور اتنے عرصے میں کچھ جوش غیرت بھی کم ہو گیا۔

تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کہا کہ

اگر آپ رضی اللہ عنہا اجازت دو تو میں اسماعیل (علیہ السلام) کو دیکھ آؤں۔ انہوں نے اس شرط پر اجازت دی کہ وہاں زمین پر قدم نہ رکھیں اور بہت نہ ٹھہریں۔ آپ علیہ السلام روانہ ہوئے یہاں آ کر معلوم ہوا کہ فرزند جوان اور خانہ دار ہے اور ان کی والدہ وفات پا چکی ہیں۔ تلاش کرتے کرتے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دروازے پر آئے۔ آپ علیہ السلام (حضرت اسماعیل علیہ السلام) شکار کے لئے جنگل گئے تھے کیونکہ آپ علیہ السلام کی گزراوقات شکار کے گوشت اور زمزم کے پانی پر تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی بیوی کو دروازہ پر بلا کر ان کی زندگی کے حالات دریافت کیے۔

بیوی نے کہا کہ

ہم بہت غریب مسکین ہیں بہت تنگی اور مشقت سے گزران کرتے ہیں اور کچھ تواضع خاطر نہ کی۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

تم اپنے شوہر سے ہمارا سلام کہنا اور کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دو کہ ایسی چوکھٹ ایسے گھر کے لائق نہیں۔ شام کے وقت جب حضرت اسماعیل علیہ السلام لوٹے تو مکہ کی گلی کوچے میں نبوت کے برکات وانوار دیکھے سمجھ گئے کہ میرے والد ماجد تشریف لائے ہوں گے۔

اپنی بیوی سے پوچھا کہ

کیا کوئی آج آیا ہے۔

اس نے سارا واقعہ عرض کیا۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ

وہ بزرگ میرے والد تھے اور تو میرے گھر کی چوکھٹ ہے مجھے تجھ کو طلاق دینے کا حکم دے گئے ہیں۔ اسے طلاق دے کر اسے میکے پہنچا دیا اور قبیلہ جرہم کی دوسری لڑکی سے نکاح کر لیا۔

پھر ایک مدت بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ

میں نے پہلی بار حضرت اسماعیل علیہ السلام کو نہ دیکھا تھا میری تسلی نہیں ہوئی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا نے پچھلی شرط پر دوبارہ جانے کی اجازت دی جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دروازہ پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ شکار کے لئے گئے ہیں۔

ان کی بیوی نے آپ علیہ السلام (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کو دیکھ کر کہا۔

حضرت تشریف لایئے، ہمارے غریب خانہ میں کچھ قیام کیجئے۔ آپ علیہ السلام کے سر مبارک میں گرد وغبار ہے مجھے اجازت دیں کہ میں دھو دوں۔

حضرت (ابراہیم علیہ السلام) نے فرمایا:

مجھے اترنے کا حکم نہیں۔

وہ بی بی ایک بڑا اور اونچا پتھر اٹھا کر لائیں (یہ وہی مقام ابراہیم تھا)

اور ان کی رکاب کے پاس رکھ کر عرض کیا کہ

اس پتھر پر قدم پاک رکھ کر اپنا سر مبارک کچھ جھکا دیجئے جس سے کہ آپ علیہ السلام اپنے معاہدہ پر بھی قائم رہیں اور مجھے خدمت کا موقع بھی مل جائے۔حضرت (ابراہیم علیہ السلام) اس ذکاوت سے بہت خوش ہوئے اور ایسا ہی کیا۔اس بی بی نے آپ علیہ السلام کا سر خوب دھو کر کنگھی کر دی اس درمیان میں آپ علیہ السلام نے اپنی بہو سے گھر کے سارے حالات پوچھے۔

اس نیک بی بی نے عرض کیا:

الحمدللہ! ہم بہت آرام سے ہیں۔حق تعالیٰ نے ہمیں کسی چیز کا محتاج نہیں کیا۔ہمارے شوہر جنگل سے شکار لاتے ہیں اور آب زم زم ہمارے پاس ہے۔اس گوشت اور اس پانی سے ہماری بخوبی گزر ہوتی ہے۔آپ علیہ السلام نے ان کے حق میں دعائے خیر کی۔

اور ارشاد فرمایا:

حق تعالیٰ تمہارے گوشت اور پانی میں برکت دے۔

اس دعا کا یہ اثر ہے کہ اب بھی وہاں گوشت بکثرت ہے۔

القصہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ

اپنے شوہر کو ہمارا سلام کہنا اور کہہ دینا کہ تمہارے دروازے کی چوکھٹ بہت اچھی ہے۔اسے غنیمت جانو اور بخوبی محفوظ رکھو۔

شام کو جب حضرت اسماعیل علیہ السلام آئے تو انہوں نے پھر وہی تجلیات وانوار دیکھے۔

بیوی سے پوچھا:

کیا آج کوئی بزرگ تشریف لائے تھے۔

اس نے کہا:

ہاں! اور سارا واقعہ بیان کیا۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ

وہ میرے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے تمہارے متعلق سفارش فرما گئے کہ تمہیں اپنے ساتھ رکھوں اور تمہارے ساتھ اچھا برتاؤ کروں۔

پھر کچھ مدت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

میں دوبارہ فرزند کو دیکھنے گیا مگر نہ دیکھ سکا اب تم اجازت دو کہ میں اسے دیکھوں اور اس کے پاس چند روز رہوں۔حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے بلاشرط بخوشی اجازت دے دی۔حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں پہنچے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دیکھا کہ زمزم کے پاس ایک درخت کے نیچے تیروں کو درست کر رہے ہیں۔باپ بیٹے نے ایک دوسرے کو پہچانا۔فرزند بے اختیار اٹھے پدر نے گلے سے لگالیا، پیشانی پر بوسے دیئے اور اس قدر روئے کہ پرندے ہوا میں رونے لگے اور وہاں کچھ قیام فرمایا۔

ایک دن ارشاد فرمایا کہ

اے اسماعیل (علیہ السلام)! رب تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس جگہ خانہ کعبہ کی تعمیر کرنا چاہتا ہوں کہ کام صرف اپنے

ہاتھ سے کروں اور تم اس میں میری مدد کرو۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

بسر و چشم

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلی ذی قعدہ کو تعمیر شروع فرمائی اور اسی مہینہ کی پچیسویں تاریخ کو ختم فرما دی۔ پھر آٹھویں ذی الحجہ کو آپ علیہ السلام کو خواب میں فرزند کے ذبح کا حکم ہوا اور دسویں کو ذبح اسماعیل علیہ السلام کا واقعہ پیش آیا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس سال یا اس کے بعد۔

روح البیان نے 23 ویں سپارے میں فرمایا کہ

ذبح کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک تیرہ (13) سال تھی۔

مگر تفسیر عزیزی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ

اس وقت عمر کہیں زیادہ تھی کیونکہ ان کی چودہ سال کی عمر میں حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے اور اس کے بعد کچھ فاصلے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تین بار مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ تیسری بار حضرت اسماعیل علیہ السلام سے آپ علیہ السلام کی ملاقات ہوئی۔

نیز یہ مشہور ہے کہ

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں ذبح کا واقعہ در پیش آیا۔

اس روایت کی رو سے غلط ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ آپ علیہ السلام حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں مکہ شریف تشریف لائے ہی نہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ذبح کا واقعہ تعمیر کعبہ کے بعد ہوا کیونکہ پہلی ملاقات میں 25 ذی قعدہ تک تعمیر ہوئی اور دس ذی الحجہ کو واقعہ ذبح ہوا۔

واللہ اعلم بالصواب

(تفسیر نعیمی: پارہ: 1، ص: 725 تا 729: نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت اسماعیل علیہ السلام سب سے پہلے عربی زبان بولنے والے

حضرت اسماعیل علیہ السلام وہ مقدس نبی تھے جنہوں نے سب سے پہلے عربی زبان بولی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

سب سے پہلے جس شخص نے عربی زبان بولی وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

(مستدرک: ج: 2، ص: 602، رقم الحدیث: 4029)

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے سب سے پہلے منطق پر کتاب لکھی

حضرت اسماعیل علیہ السلام وہ مقدس نبی ہیں جنہوں نے عربی زبان سب سے پہلے بولی اور اپنے الفاظ اور منطق پر کتاب کو وضع فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
سب سے پہلے جس شخص نے عربی زبان بولی اور اپنے الفاظ اور منطق پر کتاب کو وضع کیا پھر کتاب کو اس طرح ایک کیا کہ وہ آپس میں ملی ہوئی ہو۔
جس طرح کہ
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
کی کتابت حتیٰ کہ اس کتابت کو جدا جدا کیا۔
وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔
(مستدرک: ج:2، ص:602: رقم الحدیث:4029)

وصال حضرت اسماعیل کا تذکرہ

علامہ قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے ان کی ماں ہاجرہ قبطہ تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو شیر خوارگی میں مکہ مکرمہ لے آئے۔ یہ اپنے بھائی حضرت اسحاق علیہ السلام سے چودہ سال بڑے تھے جس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وفات ہوئی تو ان کی عمر ایک سو سینتیس (137) سال تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے وقت ان کی عمر نواسی (89) سال تھی۔
(الجامع الاحکام القرآن: ج:2، ص:135 مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

حضرت اسحاق علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت اسحاق علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی ہیں۔ آپ علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند ہیں۔ آپ علیہ السلام حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے ہیں۔ آپ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نہایت متقیہ اور پرہیزگارہ تھیں اور آپ رضی اللہ عنہا سے کوئی اولاد نہ ہوتی تھی مگر جب آخری عمر میں پہنچیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہا کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت سنائی۔

اسحاق عبرنی زبان کا نام

اسحاق عبرانی زبان کا نام ہے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اسحاق عبرانی زبان کا نام ہے جس کے معنیٰ ہیں عربی میں ضحاک یعنی ہنس مکھ، شاداں، خوش وخرم۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: 7، ص: 535 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت اسحاق علیہ السلام کا نسب نامہ

حضرت اسحاق علیہ السلام کا نسب نامہ اس طرح ہے۔

اسحاق بن ابراہیم بن آذر اور وہ تارخ ہیں' بن ناحور بن شاروغ بن ارغو بن خالع بن عابر بن شالخ بن اوفخشند بن سام بن نوح بن ملک بن متوشلخ بن خنوخ اور وہ ادریس علیہ السلام ہیں بن یارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہم السلام۔

(مختصر تاریخ دمشق، ج: 3، ص: 344 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت اسحاق علیہ السلام کی والدہ محترمہ پر آزمائش

حضرت اسحاق علیہ السلام کی والدہ محترمہ پر سخت آزمائش کے دن آئے تھے اتنا کسی پیغمبر کی زوجہ محترمہ یا کسی پیغمبر کی والدہ محترمہ پر آزمائش کے دن نہیں آئے تھے۔

حدیث مبارکہ کے آخری الفاظ اس طرح ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

ایک دن وہ (حضرت ابراہیم علیہ السلام) اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سفر کر رہے تھے۔ وہ ایک ظالم بادشاہ کے ملک میں گئے۔

اس بادشاہ کو بتایا گیا کہ

یہاں ایک شخص آیا ہے اس کی بیوی تمام لوگوں سے زیادہ حسین ہے۔

اس بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلوا کر پوچھا:

یہ عورت کون ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

یہ میری بہن (دینی بہن) ہے۔

پھر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔

اور ان سے فرمایا:

اے سارہ (رضی اللہ عنہا)! اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا اور کوئی مومن نہیں ہے اور اس بادشاہ نے مجھ سے تمہارے متعلق سوال کیا تھا تو میں نے اس کو بتایا تھا کہ تم میری بہن ہو سو تم میرے بیان کی تکذیب نہ کرنا۔

اس بادشاہ نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو بلوایا۔

جب اس نے بری نیت سے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا پر ہاتھ ڈالنا چاہا تو اس کا ہاتھ مفلوج ہو گیا۔

اس نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

تم اللہ تعالیٰ سے میرے لیے دعا کرو، میں تم کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے دعا کی تو اس کا ہاتھ ٹھیک ہو گیا۔ اس نے دوسری بار بری نیت سے ہاتھ بڑھایا تو پھر اس کا ہاتھ مفلوج ہو گیا۔

اس نے کہا:

تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو میں تم کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے دعا کی تو اس کا ہاتھ ٹھیک ہو گیا، پھر اس نے بعض پہرے داروں کو بلایا۔

اور ان سے کہا۔

تم میرے پاس کسی انسان کو نہیں لائے بلکہ جنیہ عورت کو لے آئے ہو پھر اس نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا بطور خادمہ دے دی۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں وہ اس وقت کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔

انہوں نے اشارہ سے کہا۔

کیا ہوا؟

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ

اللہ تعالیٰ نے کافر کی سازش کو [illegible] ہاجرہ رضی اللہ عنہا بطور خادمہ ہدیہ کر دی۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2371، سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3166)

عن عطاء بن ریاح و یوسف بن مالک عن عباس کے سلسلہ سے مروی ہے کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

جن کا فدیہ دیا گیا تھا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔

(تفسیر بغوی: ج: 4، ص: 28 مطبوعہ دار الفکر العلمیہ بیروت)

سدی نے کہا:

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے صالح بیٹے کی دعا کی تو اسی (یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام) کی بشارت دی گئی۔

وہی اللہ تعالیٰ کے اذن سے ذبیح ہیں۔

(تفسیر بغوی: ج: 4، ص: 28: مطبوعہ دار الفکر العلمیہ بیروت)

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت باسعادت

واقدی اور ابن عساکر نے عامر بن سعید عن ابیہ کے طریق سے اس طرح روایت کی ہے کہ

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عقد میں تھیں عرصہ طویل گزر گیا مگر بچہ پیدا نہ ہوا تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے بے اولاد ہونے کی کیفیت دیکھی تو اپنی لونڈی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہبہ کر دی۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔

(تاریخ ابن العساکر: ج: 69، ص: 187، 188 دار الفکر بیروت)

کان چھیدنے کا رواج کب سے

تاریخ ابن العساکر میں ہے۔

جب حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو اس سے غیرت آگئی اور نفس میں غصہ محسوس کیا اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا تعاقب کیا اور قسم اٹھائی کہ میں ان کے تین اعضاء کاٹوں گی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

کیا تم اپنی قسم پورا کرنا چاہتی ہو۔ آگے روایت میں کان چھدوانے کا ذکر ہے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ (الصّٰفّٰت: 112)

اور ہم نے ان کو اسحاق نبی کی بشارت دی جو صالحین میں سے ہیں۔

☆ اس آیت کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی واضح بشارت دی گئی۔

حضرت ابراہیم واسحاق علیہما السلام پر برکتوں کا نزول

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم وحضرت اسحاق علیہما السلام پر برکتیں نازل فرمائیں۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ط (الصّٰفّٰت:113)

اور ہم نے ابراہیم اور اسحاق پر برکتیں نازل فرمائیں۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے آئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو گائے کا بھنا ہوا بچھڑا پیش کیا اور ان فرشتوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے دل میں ان سے ڈرنے لگے تو فرشتوں نے کہا آپ علیہ السلام مت ڈریئے ہم قوم لوط کی طرف نازل کرنے کے لئے آئے ہیں۔ تب حضرت سارہ رضی اللہ عنہا ہنس پڑیں اس پر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت سنائی گئی۔

قرآن مجید میں ہے:

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ (ہود:71)

ابراہیم کی بیوی جو کھڑی ہوئی تھی وہ ہنس پڑی تو ہم نے اس کو اسحاق کی پیدائش کی خوشی سنائی۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کیوں ہنس پڑیں؟

امام رازی نے لکھا ہے کہ

سارہ آزر بن باحوراء کی بیٹی تھیں اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عم زاد تھیں یہ پردے کے پیچھے کھڑی ہوئی تھیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام فرشتوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے ہنسنے کی مختلف وجوہات بیان کی گئی ہیں۔

1- جب فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا۔

آپ علیہ السلام مت ڈریئے ہمیں قوم لوط کے پاس بھیجا گیا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خوف زائل ہو گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خوش ہونے سے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا بھی خوش ہو گئیں اور ایسے موقع پر آدمی ہنس پڑتا ہے۔

2- حضرت سارہ رضی اللہ عنہا قوم لوط کے عمل سے سخت ناراض اور متنفر تھیں اور جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ فرشتے ان پر عذاب نازل کرنے کے لئے جا رہے ہیں تو وہ ہنس پڑیں۔

3- جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

اس کھانے کی قیمت اس کے اول میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور آخر میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے۔

اور فرشتوں نے کہا کہ
ایسے شخص کا یہ حق ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کا خلیل بنایا جائے تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا یہ سن کر خوشی سے ہنس پڑیں۔
4- حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا تھا کہ
آپ علیہ السلام اپنے بھانجے (حضرت لوط علیہ السلام) کو اپنے پاس بلالیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسا کام کرنے والوں کو ضرور عذاب دیتا ہے۔
اور جب فرشتوں نے یہ بتایا کہ
وہ قوم لوط کو ہلاک کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں تو انہیں یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ان کا مشورہ فرشتوں کی خبر کے موافق تھا۔
اس لئے آپ رضی اللہ عنہا ہنس پڑیں۔
5- جب فرشتوں نے یہ کہا کہ
وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے اس پر دلیل طلب کی۔ فرشتوں نے دعا کی اور وہ بھنا ہوا بچھڑا زندہ ہو گیا اور اچھل کر کھڑا ہو گیا یہ دیکھ کر سارہ رضی اللہ عنہا ہنس پڑیں۔
6- انہیں اس پر تعجب ہوا کہ
ایک قوم کو عذاب آنے والا ہے اور وہ غفلت میں مبتلا ہیں اس لئے اُن کو ہنسی آ گئی۔
7- یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فرشتوں نے انُ کو پہلے مطلقاً بچے کی بشارت دی ہو اس پر ان کو بطور تعجب کے ہنسی آ گئی۔ کیونکہ اس وقت ان کی عمر اسی سال سے اوپر تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو سال تھی۔
اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ
ان کو خوشی سے ہنسی آئی ہو اور جب وہ ہنس پڑیں تو اللہ تعالیٰ نے خوش خبری دی کہ وہ بیٹا اسحاق علیہ السلام ہے اور اس کے بعد یعقوب علیہ السلام پیدا ہوں گے۔
8- انہیں اس پر تعجب ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس قدر رعب اور دبدبہ کے باوجود صرف تین آدمیوں سے کیسے ڈر گئے۔ اس لئے ان کو ہنسی آ گئی۔
ان میں سے بعض وجوہ کا ذکر امام ابن جریر طبری نے کیا ہے۔
(جامع البیان: جز:9، ص:95 تا 96)

حضرت اسحاق علیہ السلام کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت

اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت سنانے کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت سنائی۔
قرآن مجید میں ہے:
وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ ○ (ہود: 71)
اور اسحاق کے بعد یعقوب کی (بشارت سنائی)۔

☆ فرمایا کہ اے سارہ رضی اللہ عنہا تم کو یعقوب کی بشارت ہو۔
یعنی اے سارہ رضی اللہ عنہا صرف یہی بشارت نہیں کہ تم اپنے بیٹے کو پاؤ گی بلکہ اپنے بیٹے کی بہاریں بھی دیکھو گی کہ اپنے پوتے یعقوب علیہ السلام کو بھی کھلاؤ گی۔

کیا میں بڑھاپے میں بچہ جنوں گی

جب فرشتوں نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت سنائی تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں۔
قرآن مجید میں ہے:
قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ۝ (ہود:72)
کہا ارے دیکھو! کیا میرے بچہ ہوگا اور میں بوڑھی ہوں اور یہ ہیں میرے شوہر بوڑھے بے شک یہ عجیب بات ہے۔

لفظ وی کی تحقیق

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی 502ھ نے لکھا ہے۔
وی ایسا کلمہ ہے جس کو حسرت، ندامت اور تعجب کے اظہار کے طور پر بولا جاتا ہے اور ویل برائی کے اظہار کے لئے بولا جاتا ہے اور کبھی حسرت کے اظہار کے لئے بولا جاتا ہے اور جہنم کی ایک وادی کا نام بھی ویل ہے۔
(المفردات: ج:2 ص:695 مطبوعہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)
امام خلیل بن احمد فراہیدی متوفی 175ھ نے لکھا ہے کہ
وی تعجب کے اظہار کے لئے بولا جاتا ہے۔
ویح کسی مصیبت زدہ پر اظہار ترحم کے لئے بولا جاتا ہے اور ویل کسی برائی یا خرابی کے نزول کے لئے بولا جاتا ہے۔
(کتاب العین: ج:3 ص:1990 مطبوعہ ایران)

لفظ ویل کی تحقیق

علامہ جاراللہ محمود بن زمخشری متوفی 583ھ نے لکھا ہے۔
ویل اظہار تعجب کے لئے آتا ہے۔
(الفائق: ج:3 ص:384 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)
علامہ المبارک بن محمد بن الاثیر الجزری المتوفی 606ھ نے لکھا ہے۔
ویل غم مصیبت، ہلاکت، عذاب اور ندامت کے اظہار کے لئے بولا جاتا ہے اور کبھی اظہار تعجب کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔
(النہایہ: ج:5 ص:204 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو فرشتہ کا جواب دینا

جب حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو فرشتوں نے حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت سنائی تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا

ارے دیکھو! کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی اور میرے یہ شوہر بھی بوڑھے ہیں۔ بے شک یہ عجیب بات ہے۔ تو فرشتوں نے کہا کیا تم اللہ تعالیٰ کی قدرت پر تعجب کر رہی ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ (ھود:73)

فرشتوں نے کہا! کیا تم اللہ کی قدرت پر تعجب کر رہی ہو۔

☆ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے جو تعجب کیا اس پر یہ اعتراض ہے کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر تعجب ہے تو کفر ہے اور اگر یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے جہل ہے تب بھی کفر ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

یہ تعجب عرف اور عادت کی بناء پر ہے انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان تھا لیکن چونکہ یہ ولادت عرف اور عادت کے خلاف تھی اس لیے انہوں نے اس پر اظہار تعجب کیا اور یہ کفر نہیں ہے۔ اور جو صاحب شریعت ہوں تو وہ اس طرح کا کیسے عقیدہ رکھ سکتے ہیں۔

فرشتوں کا حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو دعائیں دینا

فرشتوں نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو جو دعائیں دیں وہ قرآن مجید میں مذکور ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ○ (ھود:73)

اے اہل بیت تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں، بے شک اللہ حمد وثناء کا مستحق بہت بزرگ ہے۔

فرشتوں نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو اہل بیت کہا

فرشتوں نے جب حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو دعائیں دیں تو اس طرح کہا۔

اے اہل بیت!

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ازواج بھی اہل بیت سے ہیں۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو اہل بیت میں فرمانے پر مندرجہ ذیل اقوال ہیں۔

شیخ ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی المتوفی 460ھ لکھتے ہیں:

فرشتوں نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو اہل بیت کہا۔

اس سے معلوم ہوا کہ

کسی شخص کی زوجہ بھی اس کے اہل بیت میں داخل ہے۔

یہ جبائی کا قول ہے۔

اور دوسروں نے یہ کہا ہے کہ

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو اہل بیت سے اس لیے شمار کیا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عم زاد تھیں۔

(التبیان: ج:6، ص:34 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

شیخ فتح اللہ کاشانی لکھتے ہیں کہ

مجمع میں بیان کیا گیا ہے کہ

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اہل بیت سے شمار کرنا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ کسی شخص کی بیویاں اس کے اہل بیت سے ہوتی ہیں کیونکہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عم زاد تھیں اسی وجہ سے ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اہل بیت سے شمار کیا گیا۔

(منہج الصادقین: جز:12، ص:439: مطبوعہ کتاب فروشے علمیہ اسلامیہ ایران)

یہودیوں کا حضرت اسحاق علیہ السلام کے معبود کی عبادت کا کہنا

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے تو انہوں نے کہا کہ ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اور آپ کے دادا حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہم السلام کے معبود کی عبادت کریں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰـهَكَ وَ اِلٰـهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰـهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ (البقرہ:133)

کیا تم اس وقت حاضر تھے جب یعقوب کو موت آئی؟ جب یعقوب نے اپنے بیٹوں سے کہا تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے انہوں نے کہا ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اور آپ کے باپ دادا، ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی، ایک معبود کی اور ہم سب اسی کے فرمانبردار ہیں۔

حضرت اسحاق علیہ السلام پر دم کرنے والے کلمات

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے لئے کلمات تعوذ کے ساتھ دم کرتے۔

اور ارشاد فرماتے:

تمہارے جد امجد (حضرت ابراہیم علیہ السلام) بھی اپنے دونوں صاحبزادوں حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو ان ہی کلمات تعوذ کے ساتھ دم کیا کرتے تھے۔

اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من کل شیطان وھامۃ ومن کل عین لامۃ

ترجمہ:۔ میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کے ذریعے ہر (وسوسہ انداز کرنے والے) شیطان اور بلا سے اور ہر نظر بد سے پناہ مانگتا ہوں۔

(صحیح البخاری: کتاب الانبیاء: باب قول اللہ تعالیٰ: واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا: ج:3، ص:233، رقم الحدیث:3191)

حضرت اسحاق علیہ السلام کی دو بار خوشخبری دینا

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ روایت بیان کرتے ہیں کہ
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آیت مبارکہ
"وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ"
کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ
اس خوشخبری سے مراد نبوت کی خوش خبری ہے جو انہیں دو بار دی گئی۔
1- جب آپ علیہ السلام پیدا ہوئے۔
2- اور جب آپ علیہ السلام کو منصب نبوت عطا ہوا۔
(مستدرک: ج:2، ص:607، رقم الحدیث:4044)

حضرت اسحاق علیہ السلام حسن و جمال والے

حضرت اسحاق علیہ السلام بہت زیادہ حسن و جمال والے تھے۔
حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
حضرت اسحاق بن ابراہیم علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے نور، روشنی اور اپنے والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنایا پس آپ علیہ السلام تمام لوگوں سے بڑھ کر خوبصورت چہرے والے تھے اور بہت زیادہ جمال والے اور خوبصورت گفتگو والے تھے۔ آپ علیہ السلام سفید رنگت والے، سر اور داڑھی کے گھنگھریالے بالوں والے تھے۔
(مستدرک: ج:2، ص:607، رقم الحدیث:4043)

حضرت اسحاق، حضرت ابراہیم علیہما السلام کے مشابہ

حضرت اسحاق علیہ السلام ظاہری نین ونقش اور حسن خلق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مشابہ تھے۔
امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ روایت نقل فرماتے ہیں جس کے درمیان کے الفاظ اس طرح ہیں۔
حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ
حضرت اسحاق علیہ السلام ظاہری نقوش میں اور حسن خلق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مشابہ تھے۔
(مستدرک: ج:2، ص:607، رقم الحدیث:4043)

حضرت اسحاق علیہ السلام کا چہرہ ہشاش بشاش رہتا تھا

بعض انبیاء کرام علیہم السلام خوف الٰہی کی وجہ سے آنکھیں نم رکھتے تھے مگر حضرت اسحاق علیہ السلام کا چہرہ ہشاش بشاش رہتا تھا۔
مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔
بعض انبیاء کرام علیہم السلام پر خوف الٰہی عزوجل کا قبضہ تھا ان کی آنکھیں نم رہتی تھیں جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام اور بعض پر

امید کا غلبہ تھا (مگر) ان (یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام) کا چہرہ ہشاش بشاش رہتا تھا۔

(تفسیر نعیمی، پارہ:7،ص:535 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد

حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں حضرت یعقوب اور حضرت عیص علیہما السلام پیدا ہوئے۔

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے روایت کے آخری الفاظ میں ہے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کے ہاں حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت عیص علیہ السلام پیدا ہوئے۔ پس ان دونوں میں سے حضرت یعقوب علیہ السلام زیادہ حسین، زیادہ فصیح و بلیغ اور زیادہ حسن و جمال اور دانائی والے تھے۔

(مستدرک:ج:2،ص:607،رقم الحدیث:4043)

حضرت اسحاق علیہ السلام کی وصال کے وقت عمر

حضرت اسحاق علیہ السلام کی وصال کے وقت عمر (181) ایک سو اکیاسی سال تھی اور ایک قول کے مطابق (180) ایک سو اسی سال ہے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

آپ (حضرت اسحاق علیہ السلام) کی عمر ایک سو اسی (180) سال ہوئی۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:7،ص:535 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت اسحاق علیہ السلام ارض مقدسہ میں فوت ہوئے

حضرت اسحاق علیہ السلام کی عمر (180) ایک سو اسی سال تھی۔ آپ علیہ السلام ارض مقدسہ میں فوت ہوئے۔

علامہ قرطبی 668ھ فرماتے ہیں۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کی عمر ایک سو اسی (180) سال تھی۔ آپ علیہ السلام ارض مقدسہ میں فوت ہوئے۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:2،ص:136 مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

حضرت اسحاق علیہ السلام کا مزار پرانوار حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ

حضرت اسحاق علیہ السلام کا مزار پرانوار حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہے۔

علامہ قرطبی 668ھ فرماتے ہیں۔

حضرت اسحاق علیہ السلام اپنے باپ حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) کے پاس دفن کیے گئے۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:2،ص:136 مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

حضرت اسحاق علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو نبوت جیسا عظیم مرتبہ عطا فرمایا۔ آپ علیہ السلام کے دونوں صاحبزادے نبی تھے ان میں سے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے جن کا مقام اللہ تعالیٰ نے خود بلند فرمایا۔

ہو رحمتیں و سلام حضرت اسحاق علیہ السلام پر کہ جن کی رفعت شان خود رب العلیٰ سنے کی

حضرت یعقوب علیہ السلام

حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی ہیں۔ آپ علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام کے فرزند ہیں۔ آپ علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی میں بہت روئے۔ آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ تقویٰ عطا فرمایا جس کی بدولت کثرت سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔

لفظ یعقوب کی وجہ تسمیہ

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

یعقوب بنا ہے عقب سے بمعنی پیچھے آنے والا یا بہت سی اولاد پیچھے چھوڑنے والا چونکہ آپ علیہ السلام اپنے بھائی عیص علیہ السلام کے ساتھ پیدا ہوئے۔ پہلے عیص علیہ السلام پیچھے آپ علیہ السلام نیز آپ علیہ السلام کی اولاد بے شمار ہوئی۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: 7، ص: 535 نعیمی کتب خانہ لاہور)

یعقوب لقب ہے

حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام اسرائیل ہے اور یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

یعقوب بنا ہے عقب بمعنی پیچھے آنے والا یا بہت سی اولاد پیچھے چھوڑنے والا چونکہ آپ علیہ السلام اپنے بھائی عیص علیہ السلام کے ساتھ پیدا ہوئے پہلے عیص علیہ السلام پیچھے آپ علیہ السلام، نیز آپ علیہ السلام کی ذریت بے شمار ہوئی لہٰذا آپ علیہ السلام کا لقب یعقوب ہوا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: 7، ص: 535: نعیمی کتب خانہ لاہور)

اسرائیل نام ہے

حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام اسرائیل ہے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

آپ علیہ السلام کا نام اسرائیل ہے۔

(تفسیر نعیمی: پارہ: 7، ص: 535 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا نسب نامہ

حضرت یعقوب علیہ السلام کا نسب نامہ کچھ اس طرح ہے۔

یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن آذر اور وہ تارخ ہیں بن ناحور بن شاروغ بن ارغو بن نالع بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح بن لمک بن متوشلخ بن خنوخ اور وہ ادریس علیہ السلام ہیں بن یارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم (علیہم السلام)

(مختصر تاریخ دمشق: ج:3، ص:344 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں پیدا ہوئے

حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت علیہ السلام کے زمانے میں پیدا ہوئے اور آپ علیہ السلام کے زمانہ میں ہی نبوت سے سرفراز ہوئے۔

چنانچہ فرمایا گیا:

حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور ان ہی کے زمانہ میں نبوت سے سرفراز کیے گئے۔ (المنتظم: ج:1، ص:196)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا نکاح مبارک

حضرت یعقوب علیہ السلام کا نکاح اپنے ماموں کی بیٹی لیا سے ہوا۔

چنانچہ فرمایا گیا۔

حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف مائل تھے اور ان ہی کے حق میں دعا کرتے تھے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ

انہوں نے اپنے بیٹے عیص سے کہا۔

تم میرے لیے گوشت لاؤ میں تمہارے لیے دعا کروں گا، حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ بات سن لی، وہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے لئے گوشت لے کر آئے، حضرت اسحاق علیہ السلام نے ان کو عیص سمجھ کر ان کے حق میں دعا کر دی، عیص کو جب پتا چلا تو انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو دھمکی دی کہ میں تم کو قتل کر دوں گا، حضرت یعقوب علیہ السلام بھاگ کر اپنے ماموں لابان کے پاس چلے گئے ان کے ماموں نے اپنی بیٹی لیا سے ان کا نکاح کر دیا۔ (المنتظم: ج:1، ص:196)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی زوجہ محترمہ لیا سے اولاد

حضرت یعقوب علیہ السلام کی زوجہ محترمہ لیا سے چھ بیٹے پیدا ہوئے۔

چنانچہ فرمایا گیا۔

لیا کے بطن سے ان کے ہاں چھ بیٹے پیدا ہوئے۔

1-روبیل

2-شمعون

3-یہودا

4-لاوی

5-یساخر

6-اورزیالون یازیلون

(المنتظم:ج:1،ص:197)

لیا کی وفات کے بعدان کی بہن راحیل سے نکاح

حضرت یعقوب علیہ السلام کی زوجہ محترمہ لیا جب فوت ہوئیں تو آپ علیہ السلام نے ان کی بہن راحیل سے نکاح کرلیا۔

چنانچہ فرمایا گیا۔

پھر لیا فوت ہوگئیں تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کی بہن راحیل سے نکاح کرلیا۔

(المنتظم:ج:1،ص:197).

راحیل کے بطن مبارک سے اولاد

حضرت یعقوب علیہ السلام کی زوجہ راحیل سے دوفرزندار جمند پیدا ہوئے۔

چنانچہ فرمایا گیا۔

راحیل کے بطن مبارک سے حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین پیدا ہوئے۔

اس لفظ کا معنیٰ ہے۔

درد کا بیٹا۔ کیونکہ راحیل نفاس میں فوت ہوگئی تھیں۔

(المنتظم:ج:1،ص:197)

بنیامین کا معنیٰ

بنیامین کا معنیٰ ہے شداد۔

امام طبری نے فرمایا ہے کہ

عربی میں بنیامین کا معنیٰ شداد (بہت سخت) ہے۔(تاریخ طبری:ج:1،ص:231)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی تیسری زوجہ محترمہ سے اولاد

حضرت یعقوب علیہ السلام نے تیسرا نکاح فرمایا اوران سے چار بیٹے پیدا ہوئے۔

امام طبری نے فرمایا ہے کہ

ان دو بیویوں کے علاوہ حضرت یعقوب کے ہاں ایک اور بیوی سے چار بیٹے مزید پیدا ہوئے اوران کے کل بارہ بیٹے تھے۔

(تاریخ طبری:ج:1،ص:231)

بارہ بیٹے مختلف ماؤں سے

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے اور بارہ ایک ماں سے نہیں تھے بلکہ ان کی مائیں مختلف تھیں۔
تفصیل کچھ یوں ہے۔
لیا کے بطن سے چھ بیٹے ہوئے۔
1-روبیل
2-شمعون
3-یہودا
4-لاوی
5-یساخر
6-اور زیالون یا زیلون
لیا کے فوت ہونے کے بعد ان کی بہن سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔
تفصیل یوں ہے۔
1-حضرت یوسف علیہ السلام
2-بنیامین
یوں حضرت یعقوب علیہ السلام کے (8) آٹھ بیٹے ہوئے۔
پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے تیسری زوجہ محترمہ سے نکاح کیا تو ان سے چار بیٹے پیدا ہوئے۔ اس طرح آٹھ اور چار (12) بارہ بیٹے ہوئے۔ اور بارہ مختلف ماؤں سے ہوئے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو سب سے زیادہ حضرت یوسف علیہ السلام سے محبت تھی

حضرت یعقوب علیہ السلام کو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ محبت حضرت یوسف علیہ السلام سے تھی۔
امام طبری فرماتے ہیں۔
حضرت یعقوب علیہ السلام کو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ محبت حضرت یوسف علیہ السلام سے تھی۔
(تاریخ طبری: ج:1، ص:231)

اہل کتاب کا کہنا کہ یہ سب نبی تھے

اہل کتاب یہ کہتے ہیں کہ
یہ سب نبی تھے۔
امام طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔
اہل کتاب یہ کہتے ہیں کہ

یہ سب نبی تھے ان کے ناموں میں اختلاف ہے۔
ان کے سب سے بڑے بیٹے کا نام روبیل ہے۔
پھر شمعون ہیں ان کو سمعان بھی کہتے ہیں۔
ان کے بعد یہودا ہیں ان کا ریاست میں سب سے بڑا مرتبہ تھا۔
حضرت داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام یہودا کی اولاد سے ہیں۔اس کے بعد لاؤی ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام ان کی اولاد سے ہیں۔
پھر یساخر ہیں۔
اس کے بعد زیلون یا زیالون ہیں۔
پھر جادر ہیں۔
پھر اشیز ہیں۔
پھر ودان ہیں۔
پھر نفتالی یا نفثال ہیں۔
پھر بنیامین ہیں۔
پھر حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔
روبیل، شمعون، یہودا، یساخر اور زیلون کی ماں کا نام لیا بنت لابان ہے ان کی ایک بہن بھی تھی جس کا نام دنیا تھا وہ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی بنی۔
(تاریخ طبری: ج:1،ص:231)

حضرت یعقوب علیہ السلام کے لاڈلے بیٹے پر پہلی آزمائش

تاریخ طبری میں ہے۔
جب حضرت یوسف علیہ السلام راحیل سے پیدا ہوئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کو اپنی بہن کی گود میں دے دیا۔ان ہی نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پرورش کی،سب سے پہلی مصیبت جو حضرت یوسف علیہ السلام پر نازل ہوئی وہ یہ تھی کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی پہلی بیٹی اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی بڑی بہن اور حضرت یوسف علیہ السلام کی پھوپھی کے پاس حضرت اسحاق علیہ السلام کا منطقہ (کمر پر باندھنے کا پٹکا یا پیٹی) تھا جو وراثت سے ان کے پاس آیا تھا۔جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو گود میں لیا تو وہ ان سے بہت زیادہ محبت کرنے لگیں حتیٰ کہ انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے حضرت یوسف علیہ السلام کو مانگا۔
اور کہا: میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔
حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا:
میں بھی اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔

آپ علیہ السلام کی بہن نے کہا:

اس کو چند دن میرے پاس رہنے دو۔

جب حضرت یعقوب علیہ السلام ان کے پاس سے چلے گئے تو آپ علیہ السلام کی بہن نے وہ منطقہ حضرت یوسف علیہ السلام کے کپڑوں کے نیچے ان کی کمر سے باندھ دیا۔

پھر انہوں نے کہا:

حضرت اسحاق علیہ السلام کا منطقہ گم ہو گیا ہے اس کو تلاش کرو وہ کہاں ہے، پھر وہ منطقہ حضرت یوسف علیہ السلام سے برآمد ہوا۔

ان کی شریعت میں یہ مقرر تھا کہ

جس کے پاس سے چوری کی چیز برآمد ہو اس کو مالک کی تحویل میں دے دیا جاتا تھا لہٰذا حضرت یوسف علیہ السلام ان کی تحویل میں دے دیے گئے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی بہن کے پاس ہی رہے حتیٰ کہ وہ فوت ہو گئیں۔

اسی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا تھا کہ

اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ (یوسف:77)

اگر اس (بنیامین) نے چوری کی ہے تو اس سے پہلے اس کا بھائی چوری کر چکا ہے۔

(تاریخ طبری: ج:1 ص:232)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا حضرت یوسف علیہ السلام سے محبت کرنے کی وجہ

حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو باقی بیٹوں پر صرف محبت میں ترجیح دی تھی اور محبت غیر اختیاری چیز ہے لہٰذا اس معاملہ میں وہ معذور تھے اور وہ ملامت کے مستحق نہیں ہیں علاوہ ازیں حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ محترمہ ان کے بچپن میں ہی فوت ہو گئی تھیں اسی وجہ سے وہ زیادہ شفقت اور عنایت کے مستحق تھے اور بڑی بات تو یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان میں رشد و ہدایت اور سعادت اور شرافت کے وہ آثار نظر آتے تھے جو باقی اولاد میں نہیں تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام ہر چند کہ کمسن تھے اس کے باوجود وہ اپنے والد محترم کی بہت زیادہ خدمت کرتے تھے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کو اس چیز کا علم تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نبی ہیں ان وجوہات کی بنا پر بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوت کا علم

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد محترم حضرت یعقوب علیہ السلام کو بتایا کہ میں نے دیکھا ہے کہ مجھے گیارہ ستارے سجدہ کر رہے ہیں تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا اے میرے بیٹے اپنا خواب اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا ورنہ وہ تمہارے خلاف کوئی سازش کریں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ عَلٰٓی اِخْوَتِكَ فَیَكِیْدُوْا لَكَ كَیْدًا (یوسف:5)

اے میرے پیارے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں کو نہ بیان کرنا ورنہ وہ تمہارے خلاف کوئی سازش کریں گے۔

☆ اس آیت کریمہ میں یہ دلیل ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو خواب کی تعبیر کا علم تھا کیونکہ ان کو اس علم کے ذریعہ یہ معلوم تھا کہ عنقریب حضرت یوسف علیہ السلام منصب نبوت پر فائز ہوں گے اور اس بات کی بھی پرواہ نہیں کی حضرت یوسف علیہ السلام بھی ان سے تفوق حاصل کریں گے کیونکہ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کا بیٹا اس سے بہتر منصب پر فائز ہو البتہ کوئی شخص یہ نہیں چاہتا کہ اس کا بھائی اس سے مرتبہ اور منصب میں بڑھ جائے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام چھٹے نبی

حضرت یعقوب علیہ السلام چھٹے نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر بھیجا۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن العساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

سب سے پہلے جس نبی کو مبعوث کیا گیا وہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔

پھر حضرت نوح علیہ السلام

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام

پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام

پھر حضرت اسحاق علیہ السلام

پھر حضرت یعقوب بن اسحاق علیہما السلام

پھر حضرت یوسف بن یعقوب علیہما السلام

پھر حضرت لوط علیہ السلام

پھر حضرت ہود علیہ السلام

پھر حضرت صالح علیہ السلام

پھر حضرت شعیب علیہ السلام

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام ہیں۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:25، ص:300 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا تعبیر خواب کرنا

• علامہ ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی المتوفی 375ھ لکھتے ہیں:

زجاج نے کہا:

حضرت یعقوب علیہ السلام نے گیارہ ستاروں کی یہ تعبیر کی کہ ان سے ایسے اصحاب فضیلت لوگ مراد ہیں جن سے روشنی حاصل ہوگی کیونکہ ستارے سے زیادہ روشن اور کوئی چیز نہیں ہے اور سورج اور چاند سے ان کے ماں باپ کو مراد لیا پس سورج سے

مراد ماں ہے اور چاند سے مراد باپ ہے اور تاروں سے مراد ان کے بھائی ہیں۔

اور اس کی یہ تعبیر کی کہ

حضرت یوسف علیہ السلام بھی نبی ہوں گے اور ان کے بھائی بھی نبی ہوں گے کیونکہ ان کو یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ ان پر ان کے بھائیوں پر اپنی نعمت اس طرح پوری کرے گا جس طرح ان کے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق علیہما السلام پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت پوری کی تھی۔

(تفسیر سمرقندی: ج: 2، ص: 150 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام میں نبوت کا ہونا

حضرت یعقوب علیہ السلام میں اور آپ علیہ السلام کی اولاد میں نبوت کو قائم رکھا گیا۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ فرماتے ہیں۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ وہ نعمت تامہ جس کی وجہ سے حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق علیہما السلام تمام انسانوں سے ممتاز ہوئے وہ نعمت صرف نبوت ہے۔

اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

وہ نعمت اللہ تعالیٰ آل یعقوب کو عطا فرمائے گا اور یہ اس بات کو مستلزم ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے تمام بیٹے انبیاء ہوں۔

نیز حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا:

میں نے خواب میں گیارہ ستارے دیکھے ہیں اور ان گیارہ ستاروں سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائی ہیں اور ان بھائیوں کا ستارہ ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ ان کو فضیلت اور کمال حاصل ہوا اور ان کے علم اور دین سے زمین والوں کو روشنی اور ہدایت حاصل ہو کیونکہ سورج اور چاند کے بعد ستاروں سے زیادہ کوئی چیز قدرتی طور پر روشن نہیں ہے اور ان سے روشنی اور ہدایت حاصل ہوتی ہے اور اس سے یہ لازم آیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی تمام اولاد انبیاء اور رسل علیہم السلام ہو لہٰذا حضرت یوسف علیہ السلام کے تمام بھائی انبیاء قرار پائے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا انبیاء ہونا کس طرح جائز ہوگا جبکہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ بہت ظالمانہ سلوک کیا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

ان کے یہ گناہ نبوت سے پہلے صادر ہوئے اور ہمارے نزدیک عصمت کا اعتبار نبوت کے وقت ہوتا ہے نبوت سے پہلے نہیں ہوتا۔

(تفسیر کبیر: ج: 6، ص: 421 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا نعمت فرمانا کا معنیٰ

قاضی ناصر الدین عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی 686ھ لکھتے ہیں:

حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا:

اللہ تعالیٰ تم پر اپنی نعمت پوری کرے گا یعنی تم کو نبوت سے سرفراز فرمائے گا یا تم کو دنیا کی نعمت کے ساتھ آخرت کی نعمت بھی عطا فرمائے گا اور آل یعقوب پر بھی نعمت پوری فرمائے گا اس سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی مراد ان کے سارے بیٹے تھے۔

اور شاید کہ

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے تمام بیٹوں کی نبوت پر اس سے استدلال کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جو گیارہ ستارے دیکھے تھے اس سے مراد گیارہ بھائی تھے اور ستاروں کی ضیاء سے مراد ان کی ہدایت کی روشنی تھی۔

(انوار التنزیل مع حاشیۃ الشہاب: ج:5،ص:268 دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف اندلسی غرناطی متوفی 754ھ نے لکھا ہے کہ

حضرت یعقوب علیہ السلام نے جو کہا کہ

وہ تم پر اپنی نعمت کو مکمل کرے گا۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ انہیں دنیا میں اپنی نعمت پہنچائے گا بایں طور کہ ان کو دنیا میں انبیاء کرام علیہم السلام اور بادشاہ بنائے گا اور ان کو آخرت کی نعمت پہنچائے گا بایں طور پر ان کو جنت کے بلند درجات تک پہنچائے گا۔

ظاہر یہ ہے کہ

آل یعقوب سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد اور ان کی نسل ہے یعنی ہم ان کو نبی بنائیں گے۔

(البحر المحیط: ج:6،ص:240 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کے انبیاء ہونے پر اقوال

امام ابو جعفر محمد جریر طبری متوفی 310ھ فرماتے ہیں۔

عبد الرحمٰن بن زید بن اسلام نے احد عشر کوکبا کی تفسیر میں کہا ہے کہ

گیارہ ستارے اور سورج اور چاند، حضرت یوسف علیہ السلام کے ماں باپ اور ان کے بھائی ہیں اور ان کے بھائی انبیاء تھے۔

اور انہوں نے کہا کہ

وہ اس وقت تک حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرنے پر راضی نہیں ہوں گے حتیٰ کہ ان کے ماں باپ ان کو سجدہ کر لیں۔

(جامع البیان: رقم الحدیث:14447)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود بغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق نے کہا:

حضرت یوسف علیہ السلام کا فعل متعدد جرائم پر مشتمل ہے۔ انہوں نے قطع رحم کیا، ماں باپ کی نافرمانی کی، بے قصور چھوٹے بھائی پر رحم نہیں کیا، امانت میں خیانت کی اور اپنے باپ سے جھوٹ بولا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام گناہوں کو معاف کر دیا تا کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

بعض اہل علم نے یہ کہا ہے کہ

انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے کا عزم کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان کو بچا لیا اور اگر وہ یہ قتل

کر دیتے تو وہ سب ہلاک ہو جاتے اور یہ تمام گناہ ان کو نبی بنانے سے پہلے ہوئے تھے۔

ابو عمر العلاء سے سوال کیا گیا۔

انہوں نے یہ کیسے کہا۔

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ (یوسف:12)

''کل یوسف کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ وہ پھل کھائے اور کھیلے۔''

حالانکہ وہ انبیاء تھے اور کھیلنا انبیاء کی شان کے منافی ہے۔

اور انہوں نے اس کے جواب میں کہا۔

یہ قصہ ان کو نبی بنانے سے پہلے کا ہے۔

(معالم التنزیل: ج:2،ص:347 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کے سوا تمام بیٹوں کا انبیاء نہ ہونے پر اقوال

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ نے لکھا ہے کہ

کتاب الطبری میں یہ لکھا ہوا ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی انبیاء تھے اور ان کو نبی ماننا اس بات کو رد کرتا ہے کہ نبی حسد کرنے، ماں باپ کی

نافرمانی کرنے، جھوٹ بولنے، مومن کو ہلاک کرنے کے درپے ہوئے، اس کو قتل کرنے کے درپے ہوئے اور آزاد انسان کو

فروخت کرنے ایسے کبیرہ گناہوں سے معصوم ہوتا ہے۔ اس لیے ان لوگوں کے قول کی طرف توجہ نہ کی جائے۔

جنہوں نے یہ کہا ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی تھے۔ ہر چند کہ نبی کی لغزش عقلاً محال نہیں ہے مگر یہ ایسی لغزش ہے جو متعدد کبیرہ

گناہوں پر مشتمل ہے۔

اہلسنت کا اس میں اختلاف ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام سے صغائر کا صدور ہوتا ہے یا نہیں لیکن اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے

کبائر کا صدور نہیں ہوتا۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:9،ص:113 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی نبوت پر کوئی دلیل نہیں ہے اور انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف

جو سازش کی تھی وہ اس دعویٰ کے خلاف ہے۔

بعض لوگوں کا یہ گمان ہے کہ

ان کے ان گناہوں کے بعد ان کو نبوت دی گئی اور یہ دعویٰ دلیل کا محتاج ہے اور اس آیت کے سوا ان کے پاس کوئی دلیل

نہیں ہے۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ

(آل عمران:84)

کہو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر جو ہم پر نازل کی گئی ہے اور اس چیز پر جو ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کی گئی ہے۔

اسباط کے لفظ میں کئی احتمال ہیں۔

کیونکہ بنی اسرائیل کے گروہوں کو اسباط کہا جاتا ہے جیسا کہ عرب کے گروہوں کو قبائل کہا جاتا ہے اور عجم کے گروہوں کو شعوب کہا جاتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

اس نے انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی نازل فرمائی جو بنو اسرائیل کے اسباط سے ہیں اور ان کا اجمالاً ذکر فرمایا کیونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی لیکن ہر سبط (گروہ) حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی نسل سے تھا اور اس پر دلیل قائم نہیں ہو سکی کہ بعینہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی طرف وحی کی گئی تھی۔

(تفسیر ابن کثیر: ج:2، ص: 521 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ عَلٰٓی اِخْوَتِكَ فَیَكِیْدُوْا لَكَ كَیْدًا ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝

(یوسف:5)

(باپ نے) کہا اے میرے پیارے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا ورنہ وہ تمہارے خلاف کوئی سازش کریں گے۔ بے شک شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے۔

اس آیت کریمہ سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی انبیاء نہیں تھے اور یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور اکثر متقدمین اور متاخرین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی ہرگز نہیں تھے۔ متقدمین میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اور ان میں سے کسی سے بھی یہ منقول نہیں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی تھے اور نہ ہی تابعین میں سے کسی سے منقول ہے کہ وہ نبی تھے۔ اور اتباع تابعین میں سے صرف ابن زید سے منقول ہے کہ وہ نبی تھے اور بہت کم لوگوں نے ان کی پیروی کی ہے اور متاخرین مفسرین میں سے بعض نے ابن زید کے قول کی پیروی کی ہے جیسے امام بغوی اور بعض نے اس قول کے رد میں بہت شدت کی ہے جیسے علامہ قرطبی اور ابن کثیر اور بعض مفسرین نے ان دونوں قولوں کو بلا ترجیح نقل کر دیا ہے جیسے ابن الجوزی، اور بعض مفسرین نے اس مسئلہ کو بالکل نہیں چھیڑا البتہ انہوں نے ایسی تفسیر کی ہے جس سے اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ وہ نبی نہیں تھے۔

کیونکہ انہوں نے اسباط کی تفسیر یہ کی ہے کہ

وہ لوگ جو بنو اسرائیل میں سے نبی بنائے گئے اور ان پر احکام شرعیہ نازل کیے گئے مثلاً ابو اللیث السمرقندی اور واحدی

(ابواللیث سمرقندی کا حوالہ درست نہیں ہے کیونکہ انہوں نے یہ تصریح کی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی تھے اور اس پر دلائل قائم کیے ہیں البتہ واحدی کا حوالہ درست ہے) اور بعض مفسرین نے کچھ ذکر نہیں کیا لیکن اسباط کی تفسیر میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کے ساتھ کی ہے جس سے لوگوں نے یہ گمان کیا کہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی تمام اولاد کے نبی ہونے کے قائل ہیں حالانکہ یہ اس کی تصریح نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اولاد سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کی ذریت ہو نہ کہ ان کے صلبی بیٹے۔

شیخ ابن تیمیہ نے اس پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

قرآن مجید، لغت اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی انبیاء نہیں تھے۔ یہ چیز قرآن مجید میں مذکور ہے نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم سے کسی کا قول ہے۔ جن لوگوں نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے انبیاء ہونے کا قول کیا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ

البقرہ آیت 140، النساء آیت 163 میں اسباط کا لفظ ہے اور انہوں نے اس کی تفسیر حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے کی۔

اور صحیح یہ ہے کہ

الاسباط سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کی صلبی اولاد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کی ذریت ہے جیسا کہ انہیں بنی اسرائیل کہا جاتا ہے اور جیسا کہ تمام انسانوں کو بنو آدم کہا جاتا ہے۔

نیز قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓی اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ ○ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ط

(الاعراف: 159، 160)

اور موسیٰ کی امت سے ایک گروہ ہے وہ لوگ حق کے ساتھ ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے ساتھ انصاف کرتے ہیں

اور ہم نے بنو اسرائیل کو بارہ قبیلوں میں گروہ در گروہ کر کے تقسیم کر دیا۔

یہ آیت اس معنی میں صریح ہے کہ اسباط بنی اسرائیل کے متعدد گروہ ہیں اور ہر سبط ایک گروہ ہے اور انہوں نے یہ تصریح کی ہے کہ بنی اسرائیل کے اسباط ایسے ہیں جیسے بنی اسرائیل کے قبائل ہیں اور سبط لغت میں ایسے درخت کو کہتے ہیں جس کے بہت گھنے پتے ہوں تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کو ان کی اولاد پھیلنے سے پہلے اسباط کہنے کی کوئی مناسبت نہیں اس لیے البقرہ آیت 140 اور النساء آیت 163 میں اسباط کے لفظ کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کے ساتھ مخصوص کرنا غلط ہے۔ اس پر لفظ دلالت کرتا ہے نہ اس کا معنیٰ ثابت ہے۔

اور صحیح یہ ہے کہ

انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد سے اسباط کا نام رکھا ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ

جن میں نبوت معروف تھی ان میں حضرت یوسف علیہ السلام سے پہلے کوئی نبی نہیں تھا اور اس کی تائید اس سے ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت سے انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر کیا تو صرف حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر کیا اور ان کے اسباط کا ذکر نہیں کیا۔ اگر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی نبی بنائے گئے ہوتے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بنایا گیا تھا تو اللہ تعالیٰ ان کا ذکر بھی فرماتا۔

وہ آیت یہ ہے:

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝

(الانعام: 84 تا 86)

''اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عطا کیے۔ ہم نے سب کو ہدایت دی اور اس سے پہلے نوح کو ہدایت دی اور ان کی اولاد سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو ہدایت دی اور ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس یہ سب صالحین میں سے ہیں اور اسمٰعیل اور یسع اور یونس اور لوط اور ہم نے سب کو سارے جہان والوں پر فضیلت دی۔''

اور نیز اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی وہ تعریف وتوصیف فرمائی جو نبوت کے مناسب ہے اگر چہ وہ اس آیت سے پہلے ہے۔

اور حدیث مبارکہ میں ہے:

لوگوں میں سب سے کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں جو نبی ہیں اور نبی کے بیٹے ہیں۔

پس اگر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی بھی انبیاء ہوتے تو وہ بھی کرم کی صفت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے شریک ہوتے اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا قصہ ذکر فرمایا اور اس سلوک کا ذکر کیا جو انہوں نے اپنے بھائی کے ساتھ کیا تھا اور ان کے خطاء کے اعتراف کا ذکر کیا تو اس مقام پر ان کی کسی ایسی فضیلت کا ذکر نہیں کیا جو مقام نبوت کے مناسب ہوتی بلکہ ان کی توبہ کا ذکر بھی نہیں کیا جیسا کہ ان سے کم گناہ کرنے والوں کی توبہ کا ذکر فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کے ایسے کاموں کا ذکر نہیں کیا، نبوت سے پہلے نہ نبوت کے بعد کہ انہوں نے باپ کی نافرمانی کی ہو، قطع رحم کیا ہو، مسلمان کو غلام بنا کر کافروں کے شہر میں بیچا ہو اور صاف جھوٹ بولا ہو بلکہ اگر ان کے نبی نہ ہونے پر اور کوئی دلیل نہ بھی ہوتی تو ان کے نبی نہ ہونے کے لئے یہ جرائم ہی کافی تھے کیونکہ جمہور کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد اس قسم کے جرائم سے معصوم ہوتے ہیں۔

نیز مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے تمام بھائی مصر میں فوت ہو گئے تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام بھی مصر میں وفات پا گئے تھے۔ لیکن انہوں نے یہ وصیت کی تھی کہ

ان کے جسم کو شام منتقل کر دیا جائے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کے جسم کو شام میں منتقل کر دیا اور قرآن مجید میں یہ ذکر نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور نبی آیا ہو۔

اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی نہیں تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ

یہ دعویٰ کرنا غلط ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی تھے اور یہ غلط فہمی اس وجہ سے ہوئی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو اسباط سمجھ لیا گیا حالانکہ اس طرح نہیں ہے۔ اسباط کے معنیٰ بہت بڑا گروہ ہے اور اگر اسباط سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ہوتے تو اللہ تعالیٰ یوں فرمایا، یعقوب اور ان کے بیٹے اور یہ بہت واضح اور مختصر ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسباط کے لفظ سے تعبیر فرما کر یہ اشارہ کیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی ذریت میں نبوت اس وقت آئی جب و حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں گروہ در گروہ ہو کر منقسم ہو چکے تھے۔

(روح المعانی: ج:2، ص:275 تا 277 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام صاحب بصیرت

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے یہ کہا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ہمارے ساتھ بھیج دیں تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کی باتوں کو سمجھتے ہوئے فرمایا کہ تمہارا اس کو لے جانا مجھے ضرور غمگین کرے گا اور تم اس سے غافل ہو گے اور بھیڑیا اس کو کھا جائے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَ اَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَ اَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ۝ (یوسف:13)

(یعقوب نے) کہا تمہارے اس کو لے جانے سے میں ضرور غمگین ہوں گا اور مجھے اندیشہ ہے کہ تم اس سے غافل ہو گے اور بھیڑیا اس کو کھا جائے گا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو بھیڑیے کا خطرہ کیوں؟

اس کے بارے میں کئی اقوال ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو بھیڑیے کا خطرہ اس لیے تھا کہ انہوں نے خواب میں یہ دیکھا تھا کہ بھیڑیے نے حضرت یوسف علیہ السلام پر حملہ کیا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ

حضرت یعقوب علیہ السلام نے خواب دیکھا تھا کہ وہ پہاڑ کی بلندی پر ہیں اور حضرت یوسف علیہ السلام وادی کے نیچے ہیں اچانک دس بھیڑیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو گھیر لیا وہ ان کو پھاڑ کھانا چاہتے تھے پھر ایک نے ان کو ہٹایا پھر زمین پھٹ گئی اور حضرت یوسف علیہ السلام اس میں تین دن تک چھپے رہے۔ ان دس بھیڑیوں سے مراد ان کے دس بھائی تھے جب و

حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے کے درپے ہوئے اور جس نے ان کو ہٹایا وہ ان کا بڑا بھائی یہودا تھا اور زمین میں چھپنے سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کا تین دن کنویں میں قیام کرنا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ اس لیے کہا تھا کہ

ان کو ان بھائیوں سے خطرہ تھا اور آپ علیہ السلام کی بھیڑیئے سے مراد یہی لوگ تھے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان لوگوں سے یہ خطرہ تھا کہ

وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کر دیں گے اور آپ علیہ السلام نے کنایۃً ان ہی کو بھیڑیا فرمایا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کو بھیڑیا فرمایا تھا۔

ایک اور قول یہ ہے کہ

حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان بھائیوں سے خطرہ نہیں تھا اگر آپ علیہ السلام کو ان سے خطرہ ہوتا تو آپ علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے ساتھ نہ بھیجتے۔ آپ علیہ السلام کو دراصل بھیڑیے ہی کا خطرہ تھا کیونکہ اس علاقہ کے صحاریٰ میں بھیڑیئے بہت زیادہ تھے۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز: 9، ص: 124 بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام سے بیٹوں کی التجاء

حضرت یوسف علیہ السلام جب مصر کے بادشاہ بنے تو اس وقت قحط سالی اور آپ علیہ السلام کے بھائی مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس غلہ لینے آئے اور غلہ دے کر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تم آئندہ اپنے بھائی بنیامین کو لے کر آنا ورنہ تمہیں غلہ ہرگز نہیں دوں گا اور جو بھائیوں نے رقم کی تھیلی دی تھی وہ بھی حضرت یوسف علیہ السلام نے دوبارہ غلہ کی بوریوں میں رکھوا دی اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے جب غلہ لے کر آپ علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے کہا آپ علیہ السلام آئندہ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی بنیامین کو بھی بھیجنا تا کہ ہم غلہ لاسکیں۔ اور ہم اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝

(یوسف: 63)

پس جب وہ اپنے باپ کی طرف لوٹے تو انہوں نے کہا! اے ہمارے باپ! ہمیں (آئندہ) غلہ دینے سے منع کر دیا گیا ہے آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیجئے تا کہ ہم غلہ لاسکیں اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کریں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام سے بنیامین بلوانے کا مقصد

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین کو کیوں بلوایا اس کے چند مقاصد ہیں۔

1- ہوسکتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہو کہ وہ بنیامین کو بلوائیں اور انہوں نے اتباع وحی میں یہ اقدام کیا ہوتا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام مزید رنج وغم میں مبتلا ہوں اور اس طرح ان کا ثواب اور زیادہ ہو۔

2- ہوسکتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ ارادہ ہو کہ اس کاروائی سے حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے زندہ ہونے پر متنبہ ہو جائیں کیونکہ خصوصیت سے بنیامین کو بلوانے والے حضرت یوسف علیہ السلام ہی ہوسکتے تھے وہ دونوں بھائی سگے تھے۔

3- حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ ارادہ ہو کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کو اچانک دونوں بیٹے ملیں گے تو ان کو بہت زیادہ خوشی ہوگی۔

4- حضرت یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو صرف ملاقات کے لئے بلایا تھا۔

اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اس کو مستقل اپنے ساتھ رکھ لیں گے اور جانے نہیں دیں گے لیکن جب بنیامین کی حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور دونوں نے اپنا اپنا حال سنایا تو بنیامین نے واپس جانے سے انکار کر دیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس رہنے پر اصرار کیا۔

تب حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا:

تم کو روکنے کی یہی صورت ہے کہ تم پر چوری کا الزام لگوا دیا جائے۔

بنیامین نے کہا:

مجھے منظور ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:9 ص:192 تا 194)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا کامل یقین

جب بنیامین کو حضرت یوسف علیہ السلام نے لے لیا اور بیٹوں نے آکر کہا کہ اس نے چوری کی ہے اور بادشاہ نے اس کو اس چوری کے بدلے رکھ لیا ہے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے کامل یقین رکھتے ہوئے فرمایا عنقریب اللہ تعالیٰ ان سب کو میرے پاس لے آئے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِىْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ (یوسف:83)

عنقریب اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے گا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا ستر درجہ زیادہ غم

لوگوں کی بہ نسبت حضرت یعقوب علیہ السلام کا ستر درجہ زیادہ غم تھا جب سے حضرت یوسف علیہ السلام جدا ہوئے تھے۔

امام عبدالرحمن بن محمد رازی ابن ابی حاتم متوفی 327ھ روایت کرتے ہیں۔

لیث بن ابی سلیم روایت کرتے ہیں کہ

حضرت جبرائیل علیہ السلام قید خانہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس گئے، حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا تو ان سے کہا۔

اے مکرم فرشتے! کیا آپ علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کا علم ہے؟

کہا!

ہاں۔

پوچھا:

کیا حال ہے؟

کہا۔

آپ علیہ السلام کے غم میں ان کی بینائی جاتی رہی۔

پھر پوچھا:

انہیں کتنا غم ہے۔

کہا۔

ستر درجہ زیادہ غم ہے۔

پوچھا:

ان کو اجر بھی ملے گا۔

کہا!

ہاں! ان کو سو شہیدوں کا اجر ملے گا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:7، رقم الحدیث: 11884 مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

حضرت یعقوب علیہ السلام مسلسل اسی سال تک روتے رہے

حضرت یعقوب علیہ السلام (80) اسی سال تک روتے رہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

حضرت یعقوب علیہ السلام مسلسل (80) اسی سال تک روتے رہے اور ان کی آنکھیں خشک نہیں ہوئیں اور جب ان سے ان کی بصارت گئی تھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان سے زیادہ عزت والا کوئی نہیں تھا۔

(زاد المسیر: ج:4، ص:271)

دنیا میں پانچ اشخاص بہت روئے

دنیا میں جن اشخاص کو غم پہنچا اور اس غم میں وہ بہت زیادہ روئے وہ پانچ اشخاص ہیں۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

پانچ آدمی بہت روئے ہیں۔

1-حضرت آدم علیہ السلام اپنی خطا پر

2-حضرت یعقوب علیہ السلام فراق فرزند میں

3-حضرت یحییٰ علیہ السلام خوف الٰہی عزوجل سے

4-حضرت فاطمۃ زہراء رضی اللہ عنہا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد

5-امام زین العابدین واقعہ کربلا کے بعد

(تفسیر نعیمی: پارہ: 1 ص: 312 نعیمی کتب خانہ لاہور)

1- طفل یک روزہ ہمیں داند طریق — کہ بگریم تارسد دایہ شفیق

2- تو نمی دانی کہ دایہ دایگاں — کم دھد بے گریہ شیرا و رائیگاں

3- چوں خدا خواہد کہ مایاری کند — میل مارا جانب زاری کند

4- باش چوں دولاب نالاں چشم تر — تا زحصن جانت بر روید خضر

5- از پئے ہر گریہ آخر خندہ ایست — مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

(ترجمہ) 1-ایک دن کا بچہ بھی یہ طریقہ جانتا ہے یہ میں رووں تا کہ پہنچے شفیق دایہ۔

2-تو نہیں جانتا کہ دایوں کی دایہ بے گریہ وزاری کم ہی دودھ دیتی ہے۔

3-جب خدا ہماری مدد کرنا چاہتا ہے تو ہمیں انکساری وزاری کی طرف مائل کر دیتا ہے۔

4-رہٹ کی طرح چشم تر اور رونے والا بن تا کہ تیری روح کے صحن میں سبزہ اگے۔

5-ہر رونے کے بعد آخری خوشی ہے انجام پر نظر رکھنے والا شخص مبارک ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا رقعہ لکھنا

جب حضرت یعقوب علیہ السلام کو بیٹوں نے بنیامین کی چوری کا بتایا تو آپ علیہ السلام نے انہیں بھیج کر رقعہ لکھا جو کہ یہ ہے

امام رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

یعقوب اسرائیل اللہ بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ کی جانب سے عزیز مصر کے نام!

حمد الٰہی کے بعد ہم وہ لوگ ہیں جو نسل در نسل مصائب میں مبتلا ہیں میرے دادا کے ہاتھ پاؤں باندھ کر انہیں آگ میں ڈال دیا گیا تھا تا کہ وہ جل جائیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات دے دی اور آگ کو ان پر ٹھنڈا اور سلامتی والا بنایا اور میرے باپ کے گلے پر چھری رکھی گئی تا کہ اس کو ذبح کر دیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کا فدیہ دے دیا اور رہا میں تو میرا جو سب سے محبوب تھا اسے اس کے بھائی جنگل میں لے گئے پھر میرے پاس خون آلود قمیص لائے۔

اور کہا:

اس کو بھیڑیئے نے کھالیا۔ میں جب سے اس کے فراق میں رو رہا ہوں اس کا ایک بھائی تھا جس سے مجھے تسلی رہتی تھی اس کے یہ بھائی اسے اپنے ساتھ لے گئے۔

اور مجھے آکر یہ بتایا کہ

اس نے آپ کے ہاں چوری کی ہے اور آپ نے اس کی سزا میں اس کو رکھ لیا ہے۔ہم لوگ نہ خود چور ہیں اور نہ ہماری اولاد چور ہے۔اگر آپ نے میرے اس بیٹے کو واپس کر دیا تو میں آپ کو دعا دوں گا اور اگر آپ نے اس کو واپس نہیں کیا تو میں آپ کے خلاف دعا کروں گا جس کا اثر ساتویں پشت تک آپ کی اولاد کو پہنچے گا۔

والسلام

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ مکتوب پڑھا تو بے اختیار آپ علیہ السلام کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور بھائیوں نے پہچان لیا کہ یہ بادشاہ ہی دراصل یوسف ہے۔

(تفسیر کبیر: ج:5،ص:504)

یہ مکتوب جعلی اور وضعی ہے اور اسرائیلی روایات میں سے ہے کیونکہ اس میں حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح اللہ بتایا گیا ہے حالانکہ تحقیق یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح اللہ ہیں۔

قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف بھیجنا

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو پہچان لیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے اپنے باپ کا حال پوچھا بھائیوں نے بتایا کہ ان کی بینائی جاتی رہی ہے۔تب حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو اپنی قمیص دی اور کہا یہ قمیص میرے باپ کے چہرے پر ڈال دینا ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد رازی المعروف با بن ابی حاتم متوفی 327ھ روایت کرتے ہیں۔

مطلب بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت کی قمیصوں میں سے ایک قمیص پہنائی تھی۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ قمیص حضرت اسحاق علیہ السلام کو پہنائی اور حضرت اسحاق علیہ السلام نے وہ قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کو پہنائی اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے وہ قمیص حضرت یوسف علیہ السلام کو پہنائی۔پھر انہوں نے اس قمیص کو لپیٹ کر ایک چاندی کی نلکی میں رکھا اور اس کو حضرت یوسف علیہ السلام کے گلے میں ڈال دیا۔جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالا گیا اور جب ان کو قید میں رکھا گیا اور جس وقت ان کے پاس ان کے بھائی آئے۔ان تمام اوقات میں وہ نلکی ان کے گلے میں تھی اور اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے اس نلکی سے یہ قمیص نکال کر بھائیوں کے حوالے کی۔

اور کہا:

میری اس قمیص کو میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو۔ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔ابھی وہ قمیص فلسطین کے علاقہ میں تھی کہ

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

مجھے یہودا کی خوشبو آرہی ہے۔

یہودا نے کہا:
پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس میں خون آلودہ قمیص لے کر گیا تھا۔
اور میں نے کہا تھا کہ
یوسف (علیہ السلام) کو بھیڑیئے نے کھالیا۔ اب اس قمیص کو بھی میں لے کر آؤں گا۔
اور یہ بتاؤں گا کہ
حضرت یوسف علیہ السلام زندہ ہیں، جس طرح میں نے ان کو رنجیدہ کیا تھا اسی طرح میں اب جا کر ان کو خوشخبری دوں گا۔
(تفسیر امام ابی حاتم: ج:7، ص:2196 مطبوعہ مکہ مکرمہ)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا علم غیب

حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی دور سے خوشبو محسوس کر لی جو اس بات پر دلالت ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو علم غیب تھا۔

قرآن مجید میں ہے:
وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّىْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْ لَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ۝ (یوسف:94)
اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو ان کے باپ نے کہا اگر تم یہ نہ کہو کہ بوڑھا سٹھیا گیا ہے تو مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے آٹھ راتوں کی مسافت سے خوشبو محسوس کی

جب قافلہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے آٹھ راتوں کی مسافت کے فاصلہ پر تھا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو محسوس کر لی۔

ابن ابی الہذیل نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ
ابھی حضرت یوسف علیہ السلام کا قافلہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے آٹھ راتوں کی مسافت پر تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو آ گئی۔
ابن ابی الہذیل نے دل میں کہا۔
یہ اتنا فاصلہ ہے جتنا بصرہ سے کوفہ تک کا فاصلہ ہے۔
(جامع البیان، رقم الحدیث: 15110 بیروت)

اعتراض

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ
جب حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام کے گھر کے قریب کنویں میں تھے تو آپ علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو نہیں آئی تو پھر اتنے فاصلے سے آپ علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو کیسے آ گئی؟

اس کے حسب ذیل جوابات ہیں۔

1- اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں حضرت یوسف علیہ السلام کا معاملہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے مخفی رکھا تھا تا کہ حضرت یوسف علیہ السلام مکمل مصیبت میں گرفتار ہوں اور اس پر صبر کرنے سے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس مصیبت کا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان کی جدائی کا پورا پورا اجر ملے اور جب مصیبت اور جدائی کے ایام ختم ہو گئے اور فرحت کا دور آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے فاصلہ کے زیادہ ہونے کے باوجود ان کو حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو پہنچا دی۔

2- جیسا کہ ہم نے پہلے بتایا تھا وہ قمیص ایک چاندی کی نلکی میں تھی اور وہ نلکی حضرت یوسف علیہ السلام کے گلے میں تھی جب اس قمیص کو اس نلکی سے نکالا تو جنت کی خوشبوئیں فضا میں پھیل گئیں اور جب وہ مانوس خوشبوئیں ہواؤں کے دوش پر سوار ہو کر حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچیں تو انہوں نے پہچان لیا کہ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کی خوشبو ہے اور جب حضرت یوسف علیہ السلام کنویں میں تھے تو وہ قمیص نلکی میں بند تھی اور اس کی ہوائیں حضرت یعقوب علیہ السلام تک نہیں پہنچی تھیں۔

3- صبا نے اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی تھی کہ

خوش خبری دینے والے سے پہلے وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا دے تو اللہ عزوجل نے اس کو اجازت دے دی۔

یہی وجہ ہے کہ

ہر غم زدہ تک جب باد صبا کے جھونکے پہنچتے ہیں تو اس کی روح کو تازگی محسوس ہوتی ہے۔

(زاد المسیر: ج:4، ص:284)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں روشن ہونا

جب قمیص لائی گئی تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرہ مقدسہ پر ڈالی گئی جس کی وجہ سے آپ علیہ السلام کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ (یوسف:96)

جب جب خوش خبری سنانے والا آیا اور اس نے وہ قمیص اس کے چہرے پر ڈال دی تو وہ فوراً بینا ہو گئے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا علم

حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرہ اقدس پر جب قمیص ڈالی گئی اور آپ علیہ السلام کی آنکھیں روشن ہو گئیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان چیزوں کا علم جو تمہیں نہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (یوسف:96)

یعقوب نے کہا کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ بے شک مجھ کو اللہ کی طرف سے ان چیزوں کا علم ہے جن کا تم کو

علم نہیں ہے۔

☆ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم حاصل تھا۔

بیٹوں کا حضرت یعقوب علیہ السلام سے مغفرت طلب کرنے کا کہنا

جب بیٹوں کو احساس ہوا کہ ہم نے حضرت یوسف علیہ السلام پر بہت ظلم کیے ہیں تو انہوں نے کہا کہ اے ہمارے باپ ہمارے گناہوں کی بخشش طلب فرمائیں کیونکہ ہم گناہ گار ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا یٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕیْنَ۝ (یوسف:97)

بیٹوں نے کہا! اے ہمارے باپ! ہمارے گناہوں کی بخشش طلب کیجئے بے شک ہم گناہ گار ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا بخشش طلب کرنے کا وعدہ

جب بیٹوں نے اپنے والد محترم سے کہا کہ آپ ہمارے گناہوں کی بخشش طلب فرمائیں تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا میں عنقریب اپنے رب سے بخشش طلب کروں گا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۝ (یوسف:98)

میں عنقریب اپنے رب سے تمہاری بخشش طلب کروں گا بے شک وہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے دعا کو مؤخر کیوں کیا

حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا!

میں عنقریب اپنے رب سے تمہاری بخشش طلب کروں گا۔

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اسی وقت اپنے بیٹوں کے لئے دعا کیوں نہیں کی اور اس کو مؤخر کس وجہ سے کیا۔

اس کے حسب ذیل جوابات ہیں۔

1- امام جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ

عطا اور عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرے بھائی یعقوب نے کہا تھا کہ میں عنقریب اپنے رب عزوجل سے تمہارے لیے بخشش طلب کروں گا۔

ان کا مطلب یہ تھا کہ

حتیٰ کہ جمعہ کی رات آجائے۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 15149 مطبوعہ دارالفکر [illegible])

2۔شعبی نے کہا:

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کے لئے دعا کو اس لیے مؤخر کر دیا تھا تا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے پوچھ لیں۔اگر انہوں نے اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا تو وہ ان کے لئے استغفار کریں گے۔

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ

انہوں نے کہا:

اے ہمارے باپ! اگر اللہ نے ہمیں معاف کر دیا تو فبھا ورنہ اس دنیا میں ہمارے لیے کوئی خوشی نہیں ہے۔پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے دعا کی اور حضرت یوسف علیہ السلام نے آمین کہی۔پھر بیس سال تک ان کی دعا قبول نہیں ہوئی۔پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے۔

اور کہا:

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی اولاد کے متعلق آپ علیہ السلام کی دعا قبول کر لی ہے اور ان کی خطاؤں کو معاف کر دیا ہے اور اس کے بعد ان سے نبوت کا عہد لیا گیا۔

(زادالمسیر:ج:4،ص:278 مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی مصر روانگی

جب آپ علیہ السلام کے چہرہ مقدسہ پر قمیص کو ڈالا گیا تو آپ علیہ السلام کی آنکھیں روشن ہوگئیں اور ساتھ یہ بھی بتایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے سب کو بلایا ہے تو آپ علیہ السلام تمام کو لے کر مصر روانہ ہوئے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ

فرقد السبخی بیان کرتے ہیں کہ

جب حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرہ مقدسہ پر قمیص ڈالی گئی تو ان کی آنکھیں روشن ہوگئیں اور آپ علیہ السلام کو بتایا کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سب کو بلایا ہے۔پھر حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی مصر کی طرف روانہ ہوئے۔

(الجامع الاحکام القرآن،رقم الحدیث:15151 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا استقبال کرنا

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو خبر ملی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام مصر کے قریب پہنچ گئے ہیں تو آپ علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے استقبال کے لئے شہر سے باہر آئے اور استقبال کیا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

فرقد السبخی بیان کرتے ہیں کہ

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ خبر پہنچی کہ وہ مصر کے قریب پہنچ گئے ہیں تو وہ ان کے استقبال کے لئے شہر سے باہر آئے اور ان کے ساتھ سردار اور معزز لوگ تھے۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام ایک دوسرے کے قریب پہنچے۔ اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے یہودا کے سہارے چل رہے تھے۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ گھوڑوں پر سوار سرداروں اور معززین کو دیکھا تو یہودا سے پوچھا:

کیا یہ مصر کا بادشاہ ہے۔

اس نے کہا:

نہیں! یہ آپ علیہ السلام کا بیٹا ہے۔

جب دونوں ملنے کے قریب ہوئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے سلام میں پہل کرنا چاہی تو ان کو منع کیا گیا۔

اور ان سے کہا گیا کہ

یعقوب (علیہ السلام) سلام کی ابتداء کرنے کے مستحق ہیں۔

تب حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا:

تم پر سلام ہو! اے مجھ سے رنج وغم کو دور کرنے والے۔

(الجامع الاحکام القرآن، رقم الحدیث: 15151 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی مصر میں اولاد کی تعداد

جب حضرت یعقوب علیہ السلام مصر گئے تھے تو آپ علیہ السلام کے بیٹوں، پوتوں اور پرپوتوں کی تعداد (72) بہتر تھی پھر جب آپ علیہ السلام کی اولاد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مصر سے نکلی تو اس وقت ان کی تعداد چھ لاکھ تھی۔

ربیع بن انس نے کہا:

جب حضرت یعقوب علیہ السلام مصر گئے تھے تو ان کے بیٹوں، پوتوں اور پرپوتوں کی تعداد بہتر (72) تھی پھر جب ان کی اولاد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مصر سے نکلی تو اس وقت ان کی تعداد چھ لاکھ تھی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج: 7، رقم الحدیث: 11988)

حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے پاس رکھنا

جب حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کو اپنے پاس رکھا اور مسند پر بٹھایا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰٓی اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ ۝ (یوسف: 99)

پھر جب وہ (سب) یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا ان شاء اللہ آپ سب امن کے ساتھ مصر میں رہیں گے۔

اعتراض

اس جگہ پہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ تو فوت ہوگئی تھیں تو ماں باپ کہنا کس طرح صحیح ہوگا۔

اس سوال کے حسب ذیل جوابات ہیں۔

1-امام ابن جریر نے کہا:

اس سے مراد ان کے والد اور ان کی خالہ ہیں۔

(جامع البیان، رقم الحدیث:15154)

2-امام ابن ابی حاتم نے بھی لکھا ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ بنیامین کی ولادت کے وقت فوت ہوگئی تھیں اس لیے اس آیت میں ماں باپ سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے والد اور ان کی خالہ ہیں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کی خالہ سے نکاح کر چکے تھے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:7،ص:2201)

3-علامہ ابوعبداللہ قرطبی متوفی 668ھ نے لکھا ہے کہ

ایک قول یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے ان کی ماں کو زندہ کر دیا تھا تا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کریں اور حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر تحقیقی طور پر واقع ہو۔

قرآن مجید کی ظاہر آیت کے زیادہ موافق یہ ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کی ماں اور ان کے باپ دونوں نے سجدہ کیا۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:9،ص:230 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر گوشت کو حرام کیا تھا۔

قرآن مجید میں ہے:

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِيۡلُ عَلٰى نَفۡسِهٖ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰىةُ ط

(آل عمران:93)

ہر قسم کا طعام تورات کے نزول سے پہلے بنو اسرائیل کے لئے حلال تھا ماسوا اس کے جس کو یعقوب نے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر اونٹ کا گوشت حرام کیوں کیا

حضرت یعقوب علیہ السلام سخت بیمار ہوگئے تھے جس کی وجہ سے یہ نذر مانی کہ اگر میں ٹھیک ہوگیا تو محبوب مشروب اور

محبوب طعام کو اپنے اوپر حرام کروں گا۔ جب آپ علیہ السلام ٹھیک ہو گئے تو اونٹ اپنے اوپر حرام کر دیا تھا۔

امام احمد بن حنبل متوفی 241ھ روایت کرتے ہیں کہ

شہر بن حویشب نے کہا کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

یہود کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔

اور انہوں نے کہا:

اے ابوالقاسم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں چند ایسی باتیں بتایئے جن کو نبی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ انہوں نے چند سوالات کیے۔

ان میں سے ایک یہ تھا کہ

تورات کے نازل ہونے سے پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام نے کون سے طعام کو اپنے اوپر حرام کیا تھا؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں تم کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں جس نے تورات کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا ہے کیا تم کو علم ہے حضرت یعقوب علیہ السلام بہت سخت بیمار ہو گئے اور ان کی بیماری بہت طول پکڑ گئی۔ تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بیماری سے شفا دے دی تو وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنے محبوب مشروب اور محبوب طعام کو اپنے اوپر حرام کر دیں گے اور ان کے نزدیک محبوب طعام اونٹ کا گوشت تھا اور محبوب مشروب اونٹنیوں کا دودھ تھا۔

تو یہودیوں نے کہا:

ہاں۔

(مسند احمد: ج: 1، ص: 273 مطبوعہ بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا اپنے اوپر اونٹ کے گوشت کو حرام کرنے کے معنیٰ

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر اونٹ کا گوشت حرام کر لیا تھا حالانکہ کسی چیز کو حلال یا حرام کرنا یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے بندوں کے اختیار میں نہیں ہے۔

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی نے اس کے حسب ذیل جواب دیئے ہیں۔

1- یہ ہو سکتا ہے کہ

انسان کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ بھی اس کو حرام کر دے مثلاً انسان اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دے کر اپنے اوپر حرام کر لے پھر اللہ تعالیٰ بھی اس عورت کو اس پر حرام کر دے۔

2- انبیاء کرام علیہم السلام بھی اجتہاد کے ذریعہ کسی چیز کا حلال یا حرام ہونا معلوم کرتے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اجتہاد سے یہ معلوم کیا تھا کہ

اونٹ کا گوشت حرام ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نبیذ کو حرام قرار دیتے ہیں اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس کو حلال قرار دیتے ہیں یا جو مچھلی دریا میں مر کر سطح آب پر آجائے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس کو حرام کہتے ہیں اور امام شافعی اس کو حلال کہتے ہیں اور یہ حلت اور حرمت اجتہادی ہے۔ اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے اونٹ کے گوشت کو اپنے اجتہاد سے حرام قرار دیا تھا۔

3- یہ بھی ہو سکتا ہے کہ

حضرت یعقوب علیہ السلام کا اونٹ کے گوشت کو حرام قرار دینا ایسا ہو جیسے ہماری شریعت میں نذر ماننا اور جس طرح ہماری شریعت میں نذر کو پورا کرنا واجب ہے اسی طرح ان کی شریعت میں کسی چیز کی تحریم کو پورا کرنا واجب ہو۔

(تفسیر کبیر: ج:3، ص:4 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی عمر ایک سو سینتالیس سال ہوئی

حضرت یعقوب علیہ السلام کی عمر ایک سو سینتالیس سال ہوئی۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی عمر شریف ایک سو سینتالیس سال ہوئی۔

(تفسیر نعیمی: پارہ:7، ص:535 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یعقوب علیہ السلام اور بھائی عیص کا ایک دن فوت ہونا

حضرت یعقوب علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے بھائی عیص ایک ساتھ پیدا ہوئے تھے اور جس دن پیدا ہوئے اسی دن دونوں فوت ہوئے۔

سید نعیم الدین مراد آبادی فرماتے ہیں۔

خیال رہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ایک بھائی کا نام عیص تھا یہ دونوں بھائی ایک ساتھ پیدا ہوئے تھے اور اسی دن ان کی بھی وفات ہوئی دونوں بھائیوں کی عمریں ایک سو پینتالیس سال تھیں دونوں ہی اپنے باپ اسحاق علیہ السلام کے پہلو میں ایک ساتھ دفن کیے گئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا تابوت خاص قسم کی لکڑی کا بنوایا گیا تھا جس میں مصر سے شام آپ علیہ السلام کو لے کر گئے تھے۔

(تفسیر خزائن العرفان)

ہو رحمتوں کا نزول سیّدنا یعقوب علیہ السلام پر
کہ جن کی اولاد میں سیّدنا یوسف علیہ السلام ہیں

حضرت یوسف علیہ السلام

حضرت یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی ہیں۔ آپ علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے پوتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پڑپوتے ہیں۔ آپ علیہ السلام بہت ہی حسین وجمیل تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا سلسلہ نسب

حضرت یوسف علیہ السلام کا سلسلہ نسب کچھ اس طرح ہے۔

یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن آذر اور وہ تارخ ہیں بن ناحور بن شاروغ بن ارغو بن فالع بن عابر بن شالخ بن اوفخشذ بن سام بن نوح بن لمک بن متوشلخ بن خنوح اور وہ ادریس علیہ السلام ہیں بن یارو بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم (علیہم السلام)

(مختصر تاریخ دمشق: ج:3،ص:344 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کی پیدائش

حضرت یوسف علیہ السلام کی پیدائش کا تذکرہ کچھ اس طرح ہے۔

امام عبدالرحمٰن بن علی الجوزی الحنبلی المتوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور ان ہی کے زمانہ میں نبوت سے سرفراز کیے گئے، حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف مائل تھے اور ان ہی کے حق میں دعا کرتے تھے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ

انہوں نے اپنے بیٹے عیص سے کہا۔

تم میرے لیے شکار کا گوشت لاؤ میں تمہارے لیے دعا کروں گا، حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ بات سن لی۔ وہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے لئے گوشت لے کر آئے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام نے ان کو عیص سمجھ کر ان کے حق میں دعا کر دی۔ عیص کو جب پتہ چلا تو انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو دھمکی دی کہ میں تم کو قتل کر دوں گا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام بھاگ کر اپنے ماموں لابان کے پاس چلے گئے۔ ان کے ماموں نے اپنی بیٹی لیا سے نکاح کر دیا۔ اس کے بطن سے ان کے ہاں چھ بیٹے پیدا ہوئے۔

1- روبیل

2- شمعون

3-یہودا

4-لاؤی

5-یساخر

6-اورزیالون یازیلون

پھر لیا فوت ہو گئیں تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کی بہن راحیل سے نکاح کر لیا ان کے بطن سے حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین پیدا ہوئے۔

(المنتظم:ج:1،ص:197)

حضرت یوسف علیہ السلام کی اپنی پھوپھی کی گود میں پرورش

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام راحیل سے پیدا ہوئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کو اپنی بہن کی گود میں دے دیا۔ان ہی نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پرورش کی سب سے پہلی مصیبت جو حضرت یوسف علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

وہ یہ تھی کہ

حضرت اسحاق علیہ السلام کی پہلی بیٹی اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی بڑی بہن اور حضرت یوسف علیہ السلام کی پھوپھی کے پاس حضرت اسحاق علیہ السلام کا منطقہ (کمر پر باندھنے کا پٹکا یا پٹی) تھا جو وراثت سے ان کے پاس آیا تھا جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو گود میں لیا تو وہ ان سے بہت زیادہ محبت کرنے لگیں حتیٰ کہ انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے حضرت یوسف علیہ السلام کو مانگا۔

اور کہا: میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا:

میں بھی اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ان کی بہن نے کہا:

اس کو چند دن میرے پاس رہنے دو۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام ان کے پاس سے چلے گئے تو ان کی بہن نے وہ منطقہ حضرت یوسف علیہ السلام کے کپڑوں کے نیچے ان کی کمر سے باندھ دیا۔

پھر انہوں نے کہا:

حضرت اسحاق علیہ السلام کا منطقہ گم ہو گیا ہے اس کو تلاش کرو وہ کہاں ہے۔ پھر وہ منطقہ حضرت یوسف علیہ السلام سے برآمد ہوا۔ان کی شریعت میں یہ مقرر تھا کہ جس کے پاس سے چوری کی چیز برآمد ہو اس کو مالک کی تحویل میں دے دیا جاتا تھا لہٰذا حضرت یوسف علیہ السلام ان کی تحویل میں دے دیئے گئے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی بہن کے پاس رہے حتیٰ کہ وہ فوت ہو گئیں۔

(تاریخ الطبری:ج:1،ص:332)

حضرت یوسف علیہ السلام کے والد محترم کا نام

حضرت یوسف علیہ السلام کے والد کا نام یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہے۔

کریم بن کریم بن کریم بن کریم یوسف (علیہم السلام)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کریم بن کریم بن کریم بن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں۔

(صحیح بخاری: تفسیر سورہ یوسف: ج:6، ص:95)

سب سے کریم حضرت یوسف علیہ السلام

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! لوگوں میں سب سے زیادہ کریم کون ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جوان میں سب سے زیادہ متقی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

ہم اس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں پوچھ رہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تو پھر سب سے کریم اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نبی کے بیٹے اور اللہ تعالیٰ کے خلیل کے پوتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

ہم اس کے بارے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں پوچھ رہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

پھر تم قبائل کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟ جو لوگ زمانہ جاہلیت میں افضل تھے وہ لوگ اسلام میں بھی افضل ہیں جبکہ و دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرلیں۔

(صحیح البخاری: کتاب الانبیاء، باب قول اللہ: واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا: ج:3، ص:1224، رقم الحدیث 3175)

حضرت یوسف علیہ السلام کو کل حسن کا آدھا حصہ عطا ہوا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت یوسف علیہ السلام کو کل حسن کو آدھا حصہ عطا ہوا۔

اور ایک روایت میں ہے۔

انہیں اور ان کی والدہ محترمہ کو کل حسن کا آدھا حصہ عطا ہوا۔

(مسند احمد: ج:3، ص:286، رقم الحدیث 14082)

تہائی حسن کی روایت

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کو کل مخلوق کا ایک تہائی حسن نصیب ہوا۔

اور ایک روایت میں ہے۔

کل حسن کا ایک تہائی حصہ نصیب ہوا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج:4، ص:42، رقم الحدیث 31920)

چہرہ مقدسہ چودھویں چاند کی طرح

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت یوسف علیہ السلام کا وصف بیان فرما رہے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں (معراج کی رات) تیسرے آسمان پر دیکھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں نے ایسا شخص دیکھا جس کی صورت چودھویں رات کے چاند کی طرح تھی۔

پس میں نے پوچھا:

اے جبرائیل علیہ السلام! یہ کون ہے۔

انہوں نے عرض کیا:

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔

ابن اسحاق کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو وہ حسن و ہیبت عطا کر رکھی تھی جو عالمین میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو عطا کی۔

حتیٰ کہ کہا جاتا تھا کہ

اللہ تعالیٰ کی قسم! میں یہ جانتا ہوں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو پورے حسن کا آدھا حصہ اور دوسرا حصہ لوگوں کو عطا ہوا۔

(مستدرک: ج:2، ص:623، رقم الحدیث:4087)

دو تہائی حسن چہرہ اور سفیدی

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کو لوگوں کے حسن میں سے دو تہائی حسن چہرہ اور سفیدی اور اس کے علاوہ دوسری چیزوں میں عطا ہوا اور جب کوئی عورت آپ علیہ السلام کے پاس آتی تو آپ علیہ السلام اپنے چہرے کو ڈھانپ لیتے مبادا وہ عورت کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔

(معجم الکبیر: ج:9، ص:106، رقم الحدیث:8557)

اللہ تعالیٰ کے مکرم نبی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ

لوگوں میں سب سے زیادہ مکرم کون ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہو۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا:

ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال نہیں کیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

پھر لوگوں میں سب سے زیادہ مکرم اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جو ابن نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن خلیل اللہ ہیں۔

انہوں نے کہا:

ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق بھی سوال نہیں کر رہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

پھر تم معادن عرب کے متعلق مجھ سے سوال کر رہے ہو؟ لوگ معادن ہیں جو زمانہ جاہلیت میں سب سے بہتر تھا وہ زمانہ اسلام میں بھی سب سے بہتر ہے بشرطیکہ وہ فقیہ ہو۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 3383)

جن انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا گیا ان انبیاء کرام علیہم السلام میں حضرت یوسف علیہ السلام مبعوث ہونے میں ساتویں ہیں۔

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

سب سے پہلے جس نبی کو مبعوث کیا گیا وہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔

پھر حضرت نوح علیہ السلام

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام

پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام

پھر حضرت اسحاق علیہ السلام

پھر یعقوب بن اسحاق علیہما السلام

پھر یوسف بن یعقوب علیہما السلام

پھر حضرت لوط علیہ السلام

پھر حضرت ہود علیہ السلام

پھر حضرت صالح علیہ السلام

پھر حضرت شعیب علیہ السلام

پھر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام ہیں۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:25،ص:300 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا گیارہ ستاروں، چاند اور سورج کو سجدہ کرتے دیکھنا

حضرت یوسف علیہ السلام نے گیارہ ستارے اور چاند و سورج کو دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ○

(یوسف:4)

جب یوسف نے اپنے والد سے کہا! اے میرے ابا جان! بے شک میں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا میں نے دیکھا وہ مجھ کو سجدہ کر رہے ہیں۔

☆ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ خواب میں دیکھا کہ گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند نے ان کو سجدہ کیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائی تھے۔ اس لیے گیارہ ستاروں کی گیارہ بھائیوں کے ساتھ تعبیر کی گئی اور سورج اور چاند کی باپ اور ماں کے ساتھ تعبیر کی گئی اور سجدہ سے مراد یہ ہے کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے تواضع سے جھکیں گے اور ان کے احکام کی پیروی کریں گے۔

گیارہ ستاروں، چاند اور سورج سے مراد

گیارہ ستاروں سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی اور چاند اور سورج سے مراد ماں باپ ہیں۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مفسرین نے اس خواب کی تعبیر کے متعلق کلام کرتے ہوئے کہا ہے کہ

گیارہ ستاروں سے مراد آپ علیہ السلام کے بھائی ہیں جن کی تعداد گیارہ تھی، سورج اور چاند سے مراد آپ علیہ السلام کے والدین ہیں۔

یہ حضرات ابن عباس، ضحاک، قتادہ، سفیان ثوری اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے روایت کرتے ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر: ج:2، ص:808 ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

خواب کی تعبیر کے ظہور کا عرصہ

خواب کی تعبیر کا ظہور چالیس سال بعد ہوا اور بعض کے نزدیک اسی (80) سال کے بعد ظہور ہوا۔

حافظ عمادالدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اس خواب کی تعبیر چالیس سال بعد اور بقول بعض اسی (80) سال بعد ظہور پذیر ہوئی۔ یہ وہ وقت تھا جب آپ علیہ السلام نے اپنے والدین کو اپنے تخت پر بٹھایا اور آپ علیہ السلام کے بھائی آپ علیہ السلام کے سامنے تھے وہ سجدہ ریز ہو گئے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ (یوسف:100)

اور وہ سب یوسف کے لئے سجدہ میں گر گئے اور یوسف نے کہا اے میرے باپ! یہ میرے اس پہلے خواب کی تعبیر ہے بے شک میرے رب نے اس کو سچ کر دکھایا۔

(تفسیر ابن کثیر: ج:2، ص:808 ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

ایک اور قول یہ ہے کہ

وہب بن منبہ نے بیان کیا ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کو سترہ سال کی عمر میں کنویں میں ڈالا گیا تھا اور وہ اپنے باپ سے (80) اسی سال غائب رہے اور اپنے باپ سے ملاقات کے بعد (23) تیئس سال مزید زندہ رہے اور عزیز مصر کی بیوی کے بطن سے حضرت یوسف علیہ السلام کے دو بیٹے پیدا ہوئے۔

افراثیم

اور منشا

اور رحمت نام کی ایک بیٹی تھی۔ جو حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی بنی اور حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان چار سو سال کی مدت تھی۔

ایک قول یہ ہے کہ

حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کے درمیان تینتیس (33) سال جدائی رہی پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ملا دیا۔

امام ابن اسحاق نے کہا:

اٹھارہ سال جدائی رہی ان کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:9،ص:231 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

امام ابن جوزی نے خواب کی تعبیر پوری ہونے کی مدت میں سات اقوال نقل فرمائے ہیں۔

40سال

29سال

80سال

36سال

35سال

70سال

18سال

(زادالمسیر: ج:4،ص:291 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

خواب کی تعریف

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

اہل سنت کے نزدیک خواب کی صحیح تعریف یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ سوئے ہوئے شخص کے دل میں ادراکات پیدا کرتا ہے۔

جیسا کہ بیدار شخص کے دل میں ادراکات پیدا کرتا ہے۔

خواب کی نظیر یہ ہے کہ

جس طرح اللہ تعالیٰ نے بادلوں کو بارش کی علامت بنا دیا ہے لیکن کبھی گھر کر آتے ہیں اور بارش نہیں ہوتی۔ خواب میں جو ادراکات حاصل ہوتے ہیں کبھی ان میں فرشتے کا دخل ہوتا ہے اور کبھی شیطان کا۔ فرشتے کے دخل سے جو ادراکات حاصل ہوتے ہیں ان کے بعد انسان خوش ہوتا ہے اور شیطان کے دخل کے بعد جو ادراکات حاصل ہوتے ہیں ان کے بعد انسان غمگین ہوتا ہے۔

علامہ قرطبی نے بعض اہل علم سے یہ نقل کیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جو اشیاء کو سونے والے کے محل ادراک پر پیش کرتا ہے اور ان اشیاء کو مختلف صورتوں پر متخشل کرتا ہے بعض اوقات وہ صورتیں بعد میں واقع ہونے والی تعبیر کے موافق ہوتی ہیں اور بعض اوقات وہ صورتیں معانی معقولہ کی مثالیں ہوتی ہیں اور ہر دو صورتیں خوشخبری دینے والی بھی ہوتی ہیں اور ڈرانے والی بھی ہوتی ہیں۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ

خواب، خیال میں چند منضبط مثالوں کا ادراک ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے مستقبل میں پیش آنے والے امور کے لئے علامت بنا دیا ہے۔

(فتح الباری: ج:12،ص:353 مطبوعہ لاہور)

خواب کی اقسام

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

خواب کی دو قسمیں ہیں۔

1- پہلی قسم رؤیا صادقہ

یہ انبیاء کرام علیہم السلام اور صالحین کے خواب ہیں جو کچھ وہ خواب میں دیکھتے ہیں اس کے موافق بیداری میں واقع ہو جاتا ہے۔

2- دوسری قسم! اضغاث

اس کی تین قسمیں ہیں۔

1- خواب میں دیکھنے والے کے ساتھ شیطان مذاق کرتا ہے تاکہ خواب دیکھنے والا خوفزدہ اور غمگین ہو۔

مثال کے طور پر

وہ دیکھتا ہے کہ اس کا سر کاٹ دیا گیا ہے اور وہ اس کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔

2- وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ

فرشتے اس کے کسی حرام کام کو کرنے کے لئے کہہ رہے ہیں۔

3- انسان دن میں جو باتیں کرتا ہے اور اس کے دل میں جو تمنائیں واقع ہوتی ہیں وہ انہی چیزوں کو خواب میں دیکھتا ہے یا جن چیزوں کو وہ بیداری میں زیادہ دیکھتا ہے انہی کو خواب میں دیکھتا ہے یا جو چیزیں اس کے مزاج پر غالب ہوتی ہیں وہی اس کو خواب میں نظر آتی ہیں۔

(فتح الباری: ج:12 ص:354 مطبوعہ لاہور)

علماء اسلام نے خواب کی درج ذیل اقسام بیان کی ہیں۔

1- بعض اوقات انسان کو نیند میں ایسی بے ربط اور خلاف واقع چیزیں نظر آتی ہیں جو لائق توجہ نہیں ہوتیں۔

مثال کے طور پر

انسان خواب میں یہ دیکھے کہ آسمان میں ایک درخت اگا ہوا ہے۔

یا دیکھے کہ

زمین میں ستارے طلوع ہو رہے ہیں۔

یا دیکھے کہ

ہاتھی چیونٹی پر سوار ہو رہا ہے۔ ایسے خوابوں کو عربی میں اضغاث احلام کہتے ہیں اردو میں ان کو خواب پریشان کہتے ہیں۔

علماء کہتے ہیں کہ

اس قسم کے خواب شیطانی عمل کی وجہ سے نظر آتے ہیں۔

اور اطباء کہتے ہیں کہ
ہاضمے کی خرابی یا بلڈ پریشر ہائی ہونے کی وجہ سے اس قسم کے خواب نظر آتے ہیں۔

2- انسان جو کچھ سوچتا رہتا ہے وہ اس کو خواب میں نظر آتا ہے بعض اوقات وہ اپنی ناتمام خواہشوں کو خواب میں پورا ہوتے ہوئے دیکھ لیتا ہے مثلاً بھوکا شخص خواب میں اپنی پسندیدہ چیزوں کو کھاتے ہوئے دیکھتا ہے اور پیاسا شخص لذیذ اور خوش ذائقہ مشروبات پیتے ہوئے خود کو دیکھتا ہے اور محبوب کے فراق میں غم زدہ عاشق خود کو محبوب کے قرب میں دیکھتا ہے۔ اس قسم کے خواب نفس کے وسوسے اور نفس کے خیالات کہلاتے ہیں۔

3- کبھی سونے والے شخص کے منہ پر لحاف کا دباؤ ہوتا ہے جس سے اس کا سانس گھٹ رہا ہوتا ہے اور وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ کوئی اس کا گلا گھونٹ رہا ہے کبھی بارش کے چھینٹے کھڑکی کے شیشے سے ٹکراتے ہیں یا ہوا کے زور سے کوئی چیز کھڑ کھڑاتی ہے۔

اور وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ
وہ میدان کارزار میں ہے اور گولیاں چل رہی ہیں اور کبھی سونے والے کے چہرے پر دھوپ پڑنے سے اس کا چہرہ تمتمانے لگتا ہے۔

اور وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ
وہ آگ میں جل رہا ہے۔ اس قسم کے خواب دیکھ کر بعض اوقات وہ ڈر جاتا ہے اس قسم کے خوابوں کو محسوسات کا اثر کہا جاتا ہے۔

4- بعض اوقات انسان کے ذہن میں غیر شعوری خواہشیں ہوتی ہیں جن کو وہ کسی کے احترام یا کسی اور مانع کی وجہ سے پورا کرنا نہیں چاہتا پھر اس کو خواب میں ایسی مثالیں نظر آتی ہیں جن کی تعبیر بعینہ واقع نہیں ہوسکتی لیکن ان مثالوں میں کسی اور چیز کی طرف رمز اور اشارہ ہوتا ہے مثلاً باپ اپنے جوان بیٹے کو مارے تو غیر شعوری طور پر اس کے دل میں باپ سے انتقام لینے کا خیال آتا ہے لیکن باپ کا احترام اس خواہش کو پورا کرنے سے مانع ہوتا ہے۔

پھر بیٹا خواب میں دیکھتا ہے کہ
اس نے کسی شیر کو مار دیا ہے یا کسی اژدھے کو مار دیا یا کسی ظالم بادشاہ یا اژدھا غیر شعوری طور پر اس کے باپ سے کنایہ ہوتا ہے۔

خواب میں صرف اشارے اور رمز کی مثال سورہ یوسف کی یہ آیت کریمہ ہے۔

ترجمہ:- جب یوسف نے اپنے والد سے کہا! اے میرے ابا جان! بے شک میں نے گیارہ ستاروں اور چاند و سورج کو دیکھا وہ مجھ کو سجدہ کر رہے ہیں۔ (یوسف:4)

سورج اور چاند سے ان کے باپ اور ماں کی طرف اشارہ ہے اور گیارہ ستاروں سے ان کے گیارہ بھائیوں کی طرف اشارہ ہے ایسے خواب کو رمزی خواب کہتے ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
نیک شخص کا اچھا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث 6983)
ان خوابوں میں مشکل حقائق منکشف ہو جاتے ہیں۔
مثال کے طور پر
مشہور صوفی شاعر حضرت شرف الدین بوصیری کو فالج ہو گیا اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں ایک قصیدہ کہنا شروع کیا۔ اثناء قصیدہ میں انہوں نے ایک مصرہ کہا۔
و مبلغ العلم فيه انه بشر
اوران میں اس کے دوسرے مصرع کو مکمل کرنے کی طاقت نہ رہی انہوں نے بہت کوشش کی لیکن دوسرا مصرع ان کی زبان پرنہیں آیا وہ بستر پر سو گئے۔
انہوں نے خواب میں دیکھا کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو زیارت سے مشرف فرمایا۔
ان کا حال پوچھا:
حضرت بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے شکایت کی کہ
وہ دوسرا مصرع نہیں بنا سکے۔
تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
دوسرا مصرع اس طرح بنا دو۔
و انه خير خلق الله كلهم
پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چادر پہنائی اور جس جگہ ان کے جسم پر فالج تھا اس جگہ پر اپنا شفا آفریں دست مبارک پھیرا۔
حضرت بوصیری رحمۃ اللہ علیہ خوشی سے مدہوشی کی حالت میں نیند سے بیدار ہوئے اور وہ اپنے مرض سے مکمل شفایاب ہو چکے تھے اور انہوں نے اس قصیدہ کا نام البردۃ رکھا۔ اس قسم کے خوابوں کا ابن سینا، ابن رشد اور ابن خلدون نے بھی اعتراف کیا ہے۔
اور یہ بھی کہا ہے کہ
بہت سے ایسے خواب ہوتے ہیں جن میں لاینحل مسائل حل ہو جاتے ہیں۔
شاہ ولی اللہ نے انفاس العارفین میں اپنے والد شاہ عبدالرحیم کا ایک ایسا ہی خواب ذکر کیا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شفاء عطا فرمائی اور اپنے تین موہائے مبارک عطا فرمائے تھے۔ یہ وہ خواب ہیں جن کو حدیث مبارکہ میں رویا المومن فرمایا ہے۔

جیسا کہ بخاری میں ہے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث:6987)

6- چھٹی قسم ہے الرؤیا الصادقہ۔ قرآن مجید میں چھ سچے خوابوں کا ذکر ہے چار خوابوں کا ذکر سورہ یوسف میں ہے۔ ایک خواب حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا تھا جس میں گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ دو خواب قید خانہ میں دو قیدیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سنائے تھے۔

ایک نے کہا تھا کہ

میں خواب میں شراب نچوڑ رہا ہوں۔

اور دوسرے نے کہا تھا کہ

میں سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں جن کو پرندے کھا رہے ہیں۔

اور ایک خواب مصر کے بادشاہ نے دیکھا تھا کہ

سات فربہ گائیں سات لاغر گایوں کو کھا رہی ہیں اور سات ہرے بھرے خوشے ہیں اور سات سوکھے ہوئے خوشے ہیں۔

مؤخر الذکر تینوں خوابوں کی تعبیر حضرت یوسف علیہ السلام نے بیان فرمائی۔ اور ایک خواب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں۔ اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خواب کا ذکر ہے کہ مسلمان امن کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیئے مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے۔ (الفتح:27)

7- بعض خواب ایسے ہوتے ہیں جن میں مستقبل میں ہونے والے کسی واقعہ کی طرف اشارے ہوتے ہیں۔ سورہ یوسف میں جو چار خواب ذکر کیے گئے ہیں ان چاروں میں اس کی مثالیں ہیں اور حدیث مبارکہ میں بھی اس کا ذکر ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء کی گئی تو سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے خواب دکھائے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی خواب دیکھتے اس کی تعبیر سپیدہ سحر کی طرح آجاتی۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث:3)

اچھے اور برے خوابوں کا حکم

اچھے اور برے خوابوں کا حکم حدیث مبارکہ سے ثابت ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

جب تم میں سے کوئی شخص ایسا خواب دیکھے جو اس کو پسند ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے وہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور وہ اس خواب کو بیان کرے اور جب وہ کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو وہ شیطان کی طرف سے ہے وہ اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے اور وہ خواب کسی کے سامنے نہ بیان کرے پھر وہ خواب اس کو ضرر نہیں دے گا۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث:6984)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نیک خواب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں اور برے خواب شیطان کی طرف سے ہیں پس جب کوئی شخص ناپسندیدہ خواب دیکھے تو اپنی بائیں جانب تین مرتبہ تھوک دے اور شیطان سے پناہ طلب کرے تو پھر وہ خواب اس کو ضرر نہیں دے گا اور شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 6995)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت عظمیٰ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

جس شخص نے مجھے نیند میں دیکھا وہ عنقریب مجھے بیداری میں دیکھے گا، شیطان میری مثل نہیں بن سکتا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 6993)

حافظ ابو العباس احمد بن عمر المالکی القرطبی المتوفی 656ھ لکھتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس حدیث مبارکہ سے مقصود یہ ہے کہ

انسان خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی حال میں بھی دیکھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا برحق ہے وہ کوئی پریشان خواب نہیں ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے۔

جس نے مجھے دیکھا اس نے یقیناً مجھے ہی دیکھا ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے۔ جس نے مجھے نیند میں دیکھا وہ عنقریب مجھے بیداری میں بھی دیکھے گا۔

اس کے بارے میں علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

یہ نعمت مجھے کئی مرتبہ مل چکی ہے۔ ایک مرتبہ جب میں حج کے ارادہ سے تونس پہنچا تو میں نے وہاں سنا کہ دشمن مصر پر حملہ کر رہا ہے حتیٰ کہ دمیاط پر قابض ہو گیا ہے تو میں نے ارادہ کیا جب تک امن نہیں ہو جاتا تو میں تونس میں رہوں گا۔ وہاں مجھے خواب دکھایا گیا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں ہوں اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر شریف کے قریب بیٹھا ہوا ہوں اور لوگ آ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کر رہے ہیں پس جو لوگ سلام عرض کر رہے تھے ان میں سے کسی نے مجھے ڈانٹا۔

اور کہا کہ

کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کرو، میں نے کھڑے ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کیا۔ ابھی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کر رہا تھا کہ میری آنکھ کھل گئی۔ اللہ تعالیٰ نے میرے حج کے ارادہ کو پھر تازہ کر دیا اور حج کی روانگی کے جو اسباب میرے لیے مشکل تھے وہ آسان کر دیئے اور میرے دل میں دشمن کے حملہ کا جو خوف تھا وہ زائل کر

دیا۔ میں نے سفر شروع کیا اور تقریباً ایک ماہ کے بعد اسکندریہ پہنچ گیا۔

میں نے دیکھا کہ

مصر کے لوگ بہت خوفزدہ تھے اور دشمن کا بہت غلبہ تھا۔ ابھی مجھے اسکندریہ میں پہنچے ہوئے دس دن بھی نہیں ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے دشمن کی شوکت توڑ دی اور محض ارحم الراحمین اور اکرالاکرمین کے رحم اور کرم سے وہاں امن اور سلامتی ہوگئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان اور انعام مکمل کیا اور بیت اللہ کے حج کے بعد مجھے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور مسجد شریف میں پہنچا دیا۔

اللہ تعالیٰ کی قسم!

پھر میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بعینہ بغیر کسی کمی اور زیادتی کے بیداری میں اسی حال میں دیکھا جس طرح میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تونس میں خواب میں دیکھا تھا۔ اگر کسی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا پھر بیداری میں آپ کی زیارت نہیں ہوئی تو جاننا چاہئے کہ اس صورت میں اس کا معنیٰ مقصود ہے بعینہ صورت مقصود نہیں ہے۔ اسی طرح خواب میں اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس صورت میں دیکھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل صورت کے مطابق نہیں تھی اس میں کوئی زیادتی تھی یا کوئی کمی تھی یا رنگ متغیر تھا یا اس میں کوئی عیب تھا یا کوئی عضو زیادہ تھا یا کوئی اور تغیر تھا۔

تو اس صورت سے اس کا معنیٰ مراد ہے اور ہوسکتا ہے اس صورت سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت ہو اور دیکھنے والے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں جو زیادتی یا کمی یا اچھائی یا برائی دیکھی ہے اس کو اس کے دین سے تعبیر کیا جائے گا یعنی اس کے دین میں زیادتی یا کمی یا اچھائی یا برائی ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معروف صورت کے علاوہ کسی اور شکل میں دیکھا تو وہ صورت بھی اس کے دین اور شریعت سے عبارت ہوگی۔

(المفہم: ج:6، ص:26 مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے مجھے دیکھا وہ عنقریب مجھے بیداری میں بھی دیکھے گا۔

اس کے درج ذیل محامل ہیں۔

1- اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگ ہیں۔

اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ

جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند میں دیکھا اور اس نے ہجرت نہیں کی اللہ تعالیٰ اس کو ہجرت کی توفیق دے گا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری میں بھی دیکھ لے گا۔

2- جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند میں دیکھا وہ عنقریب بیداری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت کی تصدیق اور ...ت کو دیکھ لے گا۔

3- جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند میں دیکھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخرت میں خصوصیت کے ساتھ دیکھے گا اور اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب حاصل ہوگا۔

4- ابن ابی جمرہ اور ایک جماعت نے اس حدیث مبارکہ کو اس پر محمول کیا ہے کہ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند میں دیکھا وہ دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقتاً دیکھ لے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرے گا اور اس کو اولیاء اللہ کی کرامات سے ایک کرامت شمار کیا گیا ہے۔

صالحین کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ

انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند میں دیکھا پھر اس کے بعد انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری میں دیکھا پھر جن چیزوں میں وہ خوف زدہ تھے ان کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا خوف دور کرنے کی طرف رہنمائی کی۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ

پھر لازم آئے گا کہ بعد کے یہ اولیاء اللہ صحابہ ہو جائیں اور صحابی ہونے کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے۔

علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ

میں کہتا ہوں کہ صحابی ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عالم دنیا میں وفات سے پہلے دیکھے اور جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم برزخ میں دیکھا اس دیکھنے سے اس کا صحابی ہونا ثابت نہیں ہوگا۔

علامہ ابن حجر کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ

کئی لوگوں نے نیند میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور پھر بیداری میں انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا اور اگر اس حدیث کا یہ معنیٰ ہو تو ہر خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے والے کو بیداری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہونی چاہئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

خواص کو تو زندگی میں کئی بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے اور عوام کو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوگی جب ان کی روح ان کے جسم سے نکل رہی ہوگی۔ بیداری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے امکان اور اس کے وقوع کی علماء کی ایک جماعت نے تصریح کی ہے۔ ان میں سے حجۃ الاسلام امام غزالی ہیں اور قاضی ابوبکر ابن العربی ہیں اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام ہیں اور ابن ابی جمرہ ہیں اور ابن الحاج ہیں اور الیافعی ہیں اور میں نے بھی اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے۔

(الدیباج: ج:2، ص:873 تا 874 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

علامہ عبدالوہاب بن احمد بن علی حنفی المصری الشعرانی المتوفی 973ھ لکھتے ہیں:

آئمہ اور مجتہدین بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتے ہیں اور کتاب وسنت سے انہوں نے جو ...

سمجھا ہوتا ہے اس کو لکھنے سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے فلاں حدیث کا یہ معنی سمجھا ہے آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر راضی ہیں اور بہت سے اولیاء جو مجتہدین سے کم درجہ کے ہیں ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیداری میں ملاقات کا شرف حاصل ہے جیسے شیخ عبدالرحیم القناوی اور شیخ ابو مدین المغربی، شیخ ابوالحسن الشاذلی، شیخ ابوالعباس المرسی اور بہت ہیں اور میں نے شیخ جلال الدین سیوطی کے ہاتھ سے لکھا ہوا ایک خط پڑھا ہے۔ انہوں نے اس شخص کو جواب لکھا جو سلطان کے پاس ان سے سفارش کرانا چاہتا تھا۔

انہوں نے لکھا۔

اے میرے بھائی! میں اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیداری میں پچھتر (75) بار بالمشافہ ملاقات کر چکا ہوں۔ اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ حکام کے پاس جانے سے میں اس نعمت سے محروم ہو جاؤں گا تو میں سلطان سے تمہاری شفاعت کر دیتا اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا خادم ہوں اور جن احادیث مبارکہ کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے ان کی صحت معلوم کرنے کے لئے مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے کی حاجت ہوتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے میرے بھائی کہ یہ نفع تمہارے نفع پر مقدم ہے اور علامہ سیوطی کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ سیدی محمد بن زین جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ثنا گو تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیداری میں بالمشافہ زیارت کرتے تھے اور جب وہ حج کے لئے جاتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے اندر سے ان سے ہم کلام ہوتے۔ ایک مرتبہ کسی شیخ کے کہنے سے انہوں نے حاکم شہر سے ان کی سفارش کی تو پھر وہ اس نعمت سے محروم ہو گئے اور ہم کو شیخ ابوالحسن شاذلی اور شیخ ابوالعباس المرسی اور دوسرے اولیاء اللہ سے یہ خبر پہنچی ہے کہ یہ بزرگ یہ کہتے تھے کہ اگر ایک لمحہ کے لئے بھی ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ ہو تو ہم اپنے آپ کو مسلمان شمار نہیں کرتے۔

(المیزان الکبری: ج:1، ص:54 تا 55 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

شیخ محمد انور کشمیری متوفی 1352ھ لکھتے ہیں:

علامہ شعرانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ

انہوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے اور آٹھ ساتھیوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صحیح بخاری پڑھی ہے ان میں سے ایک حنفی تھا جب صحیح البخاری ختم ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی لہٰذا بیداری میں زیارت متحقق ہے اور اس کا انکار کرنا جہالت ہے۔

(فیض الباری: ج:1، ص:204 مطبوعہ حجازی القاہرہ)

خوابوں کی تعبیر پر احادیث مبارکہ

خوابوں کی تعبیر کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی فرامین ہیں۔

کچھ عرض کرتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب میں سویا ہوا تھا تو مجھے (خواب میں) دودھ کا پیالہ دیا گیا میں نے اس سے دودھ پی لی حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ میرے ناخنوں سے سیرابی نکل رہی ہے اور میں نے بچا ہوا دودھ عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کو دے دیا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا:
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (دودھ) سے کیا تعبیر لی ہے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
علم۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث 7007)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جس وقت میں سویا ہوا تھا میں نے خواب دیکھا کہ لوگ قمیص پہنے ہوئے میرے سامنے پیش ہو رہے ہیں۔ بعض کی قمیص پستانوں تک تھی اور بعض کی قمیص اس سے بھی کم تھی۔ پھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آئے اور ان کی قمیص پیروں کے نیچے گھسٹ رہی تھی۔
صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تعبیر لی ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
دین۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث 7008)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں نے خواب دیکھا کہ
میں ایک باغ میں ہوں اور باغ کے وسط میں ایک ستون ہے اور ستون کے اوپر ایک دستہ ہے۔
مجھ سے کہا گیا۔
اس درخت پر چڑھو۔
میں نے کہا:
میں اس کی طاقت نہیں رکھتا پھر ایک لڑکا آیا۔ اس نے میرے کپڑے اوپر اٹھائے۔ اس درخت پر چڑھا اور میں نے اس دستہ کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور میں اس حال میں بیدار ہوا کہ میں اس دستہ کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھا۔ میں نے نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ خواب بیان کیا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ باغ اسلام کا باغ ہے اور دستہ سے مراد مضبوط دستہ ہے۔ تم تادم مرگ اسلام پر مضبوطی سے قائم رہو گے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث 7014)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب زمانہ قریب ہو جائے گا تو زیادہ تر مسلمان کا خواب جھوٹ نہیں ہوگا اور مومن کا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔
محمد بن سیرین نے کہا:
میں بھی یہی کہتا ہوں۔
انہوں نے کہا:
اور کہا جاتا تھا کہ خواب کی تین قسمیں ہیں۔ انسان جو کچھ سوچتا ہے وہ خواب میں دیکھتا ہے اور شیطان ڈراؤنے خواب دکھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خواب میں بشارتیں ملتی ہیں سو جو شخص خواب میں کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھے وہ اس خواب کو کسی کے سامنے بیان نہ کرے اور اٹھ کر نماز پڑھے اور وہ خواب میں (گلے میں) طوق دیکھنا ناپسند کرتے تھے اور خواب میں بیڑیاں دیکھنا پسند کرتے تھے۔
اور یہ کہا جاتا تھا کہ
بیڑی سے مراد دین میں ثابت قدم رہنا ہے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 7017)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ام العلاء انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔ جب مہاجرین کی رہائش کے لئے انصار نے قرعہ اندازی کی تو رہائش کے لئے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ہمارے حصہ میں آ گئے وہ بیمار پڑ گئے۔ ہم نے ان کی تیمارداری کی وہ فوت ہو گئے ہم نے کفن میں لپیٹ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔
تو میں نے کہا:
اے ابو سائب! تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو، میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری تکریم فرمائے گا۔
آپ نے پوچھا:
تم کو یہ کیسے پتا چلا۔

میں نے کہا:
اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نہیں جانتی۔
آپ نے فرمایا:
رہے عثمان بن مظعون تو ان پر موت آچکی ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے خیر کی توقع کرتا ہوں۔
اور اللہ تعالیٰ کی قسم!
میں از خود نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔
حضرت ام العلاء رضی اللہ عنہا نے کہا:
پس اللہ تعالیٰ کی قسم! اس کے بعد میں نے کسی کی ستائش نہیں کی۔
انہوں نے کہا:
میں نے خواب دیکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے ایک چشمہ بہہ رہا ہے۔
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس خواب کا ذکر کیا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اس سے مراد اس کا جاری رہنے والا عمل ہے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث 7018)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میں مکہ سے ایسی زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں جس میں کھجور کے درخت ہیں مجھے یہ گمان ہوا کہ یہ جگہ یمامہ یا ہجر ہے
لیکن وہ مدینہ یثرب تھی اور میں نے اس میں گائے کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ کی قسم خیر کو دیکھا۔
گائے سے مراد وہ ہے کہ
جنگ احد میں جب مسلمانوں نے کفار کی یورش سے بھاگنے کا ارادہ کیا تھا۔
اور خیر وہ ہے۔
جو اللہ تعالیٰ جنگ بدر میں خیر لایا تھا۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث 7035)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میں نے خواب میں ایک سیاہ فام عورت کو دیکھا جس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ مدینہ منورہ سے باہر نکلی اور جحفہ میں

جا کر ٹھہر گئی، میں نے اس کی یہ تعبیر نکالی کہ مدینہ کی وبا جحفہ کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 7038)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں نے خواب میں یہ دیکھا کہ میں نے تلوار کو لہرایا تو اس کا اگلا حصہ ٹوٹ گیا اور اس کی تعبیر وہ تھی جو جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی پھر میں نے دوبارہ تلوار کو لہرایا وہ پہلے سے اچھی حالت میں ہوگئی اور اس کی تعبیر وہ تھی جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا کی تھی اور مسلمان مجتمع ہو گئے تھے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 7041)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے ایک خواب بیان کیا جس کو اس نے نہیں دیکھا اس کو (قیامت کے دن) دو جو کے درمیان گرہ لگانے کا حکم دیا جائے گا اور وہ ان میں ہرگز گرہ نہیں لگا سکے گا اور جس شخص نے کچھ لوگوں کی باتیں کان لگا کر سننے کی کوشش کی جب کہ وہ اس کو ناپسند کرتے ہوں یا اس سے بھاگتے ہوں قیامت کے دن اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا اور جس شخص نے تصویر بنائی اس کو عذاب دیا جائے گا اور اس کو اس بات کا مکلف کیا جائے گا کہ وہ اس میں روح پھونکے اور وہ اس میں ہرگز روح نہیں پھونک سکے گا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 7042)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ میں نے آج رات یہ خواب دیکھا ہے کہ ایک سائبان سے گھی اور شہد ٹپک رہا ہے۔

میں نے خواب دیکھا کہ

لوگ اس کو ہتھیلیوں میں جمع کر رہے ہیں۔ بعض لوگ زیادہ جمع کر رہے ہیں اور بعض کم۔

اور میں نے دیکھا کہ

آسمان سے زمین تک ایک رسی پہنچ رہی ہے۔

میں نے دیکھا کہ

آپ اس رسی کو پکڑ کر اوپر چڑھنے لگے۔ پھر ایک شخص نے اس رسی کو پکڑا اور اس کو پکڑ کر اوپر چڑھنے لگا پھر دوسرا شخص اس کو پکڑ کر اوپر چڑھا۔ پھر تیسرے شخص نے رسی کو پکڑا تو وہ رسی ٹوٹ گئی پھر رسی جڑ گئی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرا باپ فدا ہو۔

اللہ تعالیٰ کی قسم!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس خواب کی تعبیر بتانے میں مجھے اجازت عطا فرمائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم تعبیر بیان کرو۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

اس سائبان سے مراد اسلام ہے اور جو شہد اور گھی سائبان سے ٹپک رہا تھا وہ قرآن مجید اور اس کی حلاوت ہے۔ پس بعض لوگ زیادہ قرآن مجید حاصل کرتے ہیں اور بعض کم اور وہ رسی جو آسمان سے زمین تک پہنچ رہی ہے اس سے مراد وہ حق ہے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم قائم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حق سے عمل کرتے رہیں گے پھر اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بلالے گا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک اور شخص اس پر عمل کرے گا پھر وہ حق منقطع ہو جائے گا پھر اس شخص کے لئے جوڑ دیا جائے گا اور وہ اس پر عمل کرے گا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرا باپ فدا ہو۔ مجھے یہ بتائیے کہ میں نے صحیح تعبیر کی ہے یا غلط۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تمہاری بعض تعبیر صحیح ہے اور بعض غلط۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ضرور بتائیے کہ میں نے غلطی کی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قسم مت کھاؤ۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 7046)

مومن کا خواب نبوت کا چالیسواں حصہ

حضرت ابو رزین عقیلی بیان فرماتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مومن کا خواب نبوت کے چالیس اجزاء میں سے ایک جز ہے اور جب تک اس خواب کو بیان نہ کیا جائے یہ پرندے کی ٹانگ پر معلق ہوتا ہے اور جب اس کو بیان کر دیا جائے تو پھر یہ ساقط ہو جاتا ہے اور خواب صرف عقل مند شخص اور دوست کو بیان کیا جائے۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث 2279)

عمداً خواب کی تعبیر غلط بیان کرنا منع

عمداً خواب کی تعبیر غلط بیان کرنا منع ہے۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا۔

کیا ہر شخص خواب کی تعبیر بیان کرسکتا ہے۔

انہوں نے بیان فرمایا:

کیا نبوت کو کھیل بنایا جائے گا۔

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وہی شخص خواب کی تعبیر بیان کرے جس کو خواب کی تعبیر بیان کرنے کا علم ہو اگر اس کے نزدیک خواب کی تعبیر اچھی ہو تو اس کو بیان کر دے اور اگر اس کے نزدیک خواب کی تعبیر بیان کرنے کا علم ہو۔ اگر اس کے نزدیک خواب کی تعبیر اچھی ہو تو اس کو بیان کر دے اور اگر اس کے نزدیک خواب کی تعبیر بری ہو تو اس کو اچھی نصیحت کرے (مثلاً اس سے کہے کہ دعا کروائے اللہ عزوجل میرے خواب کی بری تعبیر کو اچھی تعبیر سے بدل دے) اور یا خاموش رہے۔

امام مالک سے پوچھا گیا کہ

بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ

خواب کی جو تعبیر بیان کی جائے خواب اسی تعبیر پر واقع ہوتا ہے تو کیا تعبیر بتانے والے کے لئے یہ جائز ہے کہ اس کے نزدیک خواب کی تعبیر بری ہو لیکن وہ خواب کی اچھی تعبیر بتادے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

نہیں! خواب نبوت کا ایک جزء ہے پس نبوت کو کھیل نہ بنایا جائے۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:9 ص:112 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام نے کن ستاروں کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا

حضرت یوسف علیہ السلام نے تیرہ ستاروں کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ ان کی تفصیل حدیث مبارکہ میں مذکور ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

بستانہ نام کا ایک یہودی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔

اور کہا:

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھے ان ستاروں کے نام بتائیے جن کو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس وقت حضرت

جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان ستاروں کے نام بتائے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی کو بلوایا۔

اور ارشاد فرمایا:

اگر میں تم کو ان ستاروں کے نام بتا دوں تو تم مان لوگے۔

اس نے کہا:

ہاں! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نام بتائے۔

1- جریان

2- الطارق

3- الذیال

4- ذوالکتفین

5- قابس

6- وثاب

7- عمودان

8- الفلیق

9- المصبح

10- الفروح

11- وودوالفرغ

12- الضاء

13- اور النور

اس یہودی نے کہا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! ان ستاروں کے نام یہی ہیں۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 14441)

خواب دیکھنے کے وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر

خواب دیکھنے کے وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر 12 سال تھی۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بچپن میں یہ خواب دیکھا تھا لیکن وہ کون سا معین زمانہ تھا۔ اس کا علم سوائے خبر کے نہیں ہوسکتا۔

وہب بن منبہ نے کہا کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے سات سال کی عمر میں خواب دیکھا کہ گیارہ لاٹھیاں ایک دائرہ کی شکل میں زمین میں مرکوز ہیں اور ایک چھوٹی لاٹھی نے ان گیارہ بڑی لاٹھیوں کو نگل لیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد سے اس خواب کو بیان کیا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

خبردار یہ خواب اپنے بھائیوں سے ہرگز نہ بیان کرنا۔ پھر بارہ سال کی عمر میں حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کر رہے ہیں۔

انہوں نے پھر حضرت یعقوب علیہ السلام سے یہ خواب بیان کیا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

تم اپنے بھائیوں سے یہ خواب بیان نہ کرنا ورنہ وہ تمہارے خلاف کوئی سازش کریں گے۔

ایک قول یہ ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب اور اس کی تعبیر مکمل ہونے میں چالیس سال کا عرصہ لگا۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ

اس میں اسی سال کا عرصہ لگا۔

(تفسیر کبیر: ج:6، ص:419، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی)

بھائیوں کے سامنے خواب بیان نہ کرنے کا حکم

حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو فرمایا کہ اپنا خواب اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا ورنہ وہ تمہارے خلاف کوئی سازش کریں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ عَلٰۤی اِخْوَتِكَ فَیَكِیْدُوْا لَكَ كَیْدًا ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۝

(یوسف:5)

(یعقوب نے) کہا اے میرے پیارے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا ورنہ وہ تمہارے خلاف کوئی سازش کریں گے۔ بے شک شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے۔

بھائیوں کا حسد کرنا

حضرت یعقوب علیہ السلام جب شام تشریف لائے تو حضرت یوسف علیہ السلام سے بہت زیادہ محبت کرنے لگ گئے جب بھائیوں نے یہ صورت حال دیکھی تو وہ حسد کرنے لگ گئے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری سدی سے بیان کرتے ہیں کہ

حضرت یعقوب علیہ السلام جب شام آئے تو ان کی زیادہ توجہ حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی بنیامین کی طرف تھی اور جب ان کے بھائیوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف زیادہ محبت دیکھی تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے حسد کرنے لگے اور جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ خواب بیان کیا کہ انہوں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو انہیں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے تو انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو منع فرمایا کہ وہ اپنے بھائیوں کے سامنے یہ خواب بیان نہ کریں مبادہ وہ ان کے خلاف کوئی سازش کریں۔

(جامع البیان: رقم الحدیث 14448)

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھائیوں کے سامنے خواب بیان کرنے سے کیوں منع کیا؟

حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے تو بھائی اس محبت کو دیکھ کر حسد کرتے تھے اور اگر حضرت یوسف علیہ السلام یہ خواب اپنے بھائیوں کے سامنے بیان کر دیتے تو وہ اور زیادہ حسد کرنے لگ جاتے اور آپ علیہ السلام کے خلاف کوئی سازش کرتے اس لیے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے سامنے خواب بیان کرنے سے منع فرمایا۔

خواب صرف دوست اور خیر خواہ کو بیان کیا جائے

خواب صرف ہمدرد، خیر خواہ اور دوست کو بیان کیا جائے جو کہ حسد بھی نہ کرتا تھا اور اگر حسد کرنے والے کے سامنے بیان کر دیا تو ہوسکتا ہے کہ وہ آپ کو اذیت پہنچا دے۔

حضرت ابو زرین عقیلی بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مومن کا خواب نبوت کے چالیس اجزاء میں سے ایک جز ہے اور جب تک اس کو بیان نہ کیا جائے یہ پرندے کی ٹانگ پر معلق ہوتا ہے اور جب اس کو بیان کر دیا جائے تو پھر یہ ساقط ہو جاتا ہے اور خواب صرف عقل مند شخص اور دوست کو بیان کیا جائے۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث 1088)

حسد کے خوف سے نعمت کا چھپانا

اعتراض یہ ہوتا ہے کہ جب کسی انسان کو نعمت حاصل ہو تو اس کو بیان کیا جائے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ○ (الضحیٰ: 11)

اور اپنے رب کی نعمت کو خوب بیان کریں۔

تو جب حضرت یوسف علیہ السلام کو نعمت حاصل ہوئی تو اسے بیان کرنا چاہئے تھا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس کو اپنے بھائیوں کے سامنے بیان کرنے سے کیوں منع فرمایا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

جب حسد کا خوف ہو تو اس نعمت کو چھپایا جائے کیونکہ اس کے خلاف سازشیں بھی ہو سکتی ہیں اور اسے اذیت بھی دی جا سکتی ہے اس لیے حسد کے خوف سے نعمت کو چھپانا جائز ہے۔

حسد بری بلا

حسد ایک بری بلا ہے جس میں پیدا ہو جاتی ہے تو اسے تباہی کی طرف لے جاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسد کرنے سے منع فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑیوں اور گھاس کو کھا جاتی ہے۔

(سنن ابو داؤد: ج:2،ص:316 مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور)

حسد کی مذمت کے متعلق احادیث مبارکہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کسی بندے کے دل میں احسان اور حسد جمع نہیں ہوتے۔

(سنن نسائی: ج:2،ص:44 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تین چیزیں میری امت کو لازم ہیں۔

1-بدفالی

2-حسد

3-اور بدگمانی

ایک شخص نے پوچھا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جس شخص میں یہ خصلتیں ہوں وہ ان کا کس طرح تدارک کرے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب تم حسد کرو تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور جب بدگمانی کرو تو اس پر جمع نہ رہو اور جب تم کسی کام کی بدفالی نکالو تو وہ کام کر گزرو۔

(معجم کبیر: ج:3،ص:228 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔
بشر بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رشتہ داروں میں عداوت ہوتی ہے پڑوسیوں میں حسد ہوتا ہے اور بھائیوں میں منفعت ہوتی ہے۔
(شعب الایمان: ج:5،ص:273 دارالکتب العلمیہ بیروت)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ضمرہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب تک لوگ حسد نہیں کریں گے وہ خیریت سے رہیں گے۔
(معجم کبیر: ج:8،ص:309 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)
حافظ منذری بیان کرتے ہیں کہ
حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔
حسد کرنے والا
چغلی کرنے والا
کہانت کرنے والا (خبریں سن کر اور اس میں اپنی طرف سے کچھ ملا کر لوگوں کو غیب کی خبریں دینا) میرے طریقہ پر نہیں ہے اور نہ میں ان کے طریقہ پر ہوں۔
(الترغیب والترہیب: ج:3،ص:543 مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
پہلی امتوں کی بعض بیماریاں تم میں سرایت کر گئی ہیں، حسد اور بغض، بغض مونڈنے والا ہے میں یہ نہیں کہتا کہ وہ بالوں کو مونڈتا ہے لیکن وہ دین کو مونڈتا ہے۔
(الترغیب والترہیب: ج:3،ص:548 مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ابھی تمہارے پاس اہل جنت سے ایک شخص آئے گا۔ پھر ایک شخص آیا جس کی داڑھی سے وضو کا پانی ٹپک رہا تھا اور اس کے بائیں ہاتھ میں اس کی جوتیاں تھیں۔ دوسرے دن پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی ارشاد فرمایا اور پھر وہی شخص آیا

تیسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی ارشاد فرمایا اور پھر وہی شخص آیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تین دن اس شخص کے ساتھ رہے تا کہ اس کا وہ عمل معلوم کریں جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تین بار جنت کی بشارت دی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے دیکھا وہ شخص رات کے قیام کے لئے نہیں اٹھتا تھا۔ البتہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر سوتا اور صبح اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اٹھتا تھا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

میں نے اس کی زبان سے خیر کے سوا کسی کا ذکر نہیں سنا۔ جب تین دن گزر گئے تو میں نے اس سے پوچھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین بار تمہارے بارے جنت کی بشارت سنی ہے اور میں نے تم کو کوئی غیر معمولی نیکی کرتے ہوئے نہیں دیکھا آخر وہ کیا عمل ہے جس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت دی ہے۔

اس نے کہا:

بس وہی عمل ہے جو آپ نے دیکھا۔ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جانے لگے تو اس نے آپ رضی اللہ عنہ کو آواز دی۔

اور کہا:

وہ عمل میرے دل میں کسی مسلمان کے خلاف کینہ نہیں ہے اور جس کسی مسلمان کو اللہ تعالیٰ نے کوئی نعمت دی ہو میں اس پر حسد نہیں کرتا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

اس نیکی کی وجہ سے تم اس مرتبہ کو پہنچے ہو۔

(الترغیب والترہیب: ج:3، ص:549 مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل شخص کون ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو مخموم القلب اور راست گو ہو۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا:

راست گو کو تو ہم جانتے ہیں مخموم القلب کا کیا معنیٰ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص متقی ہو، صاف دل ہو۔ اس نے کوئی گناہ اور سرکشی نہ کی ہو، وہ کسی سے کینہ نہ رکھتا ہو نہ حسد رکھتا ہو۔

(الترغیب والترہیب: ج:3، ص:550 مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایک دوسرے سے بغض نہ کرو، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے دشمنی نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کے بندے بھائی بھائی ہو جاؤ اور کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 6065)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کسی مومن کے پیٹ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں غبار اور جہنم کی حرارت جمع نہیں ہوں گی اور نہ کسی بندہ کے دل میں ایمان اور حسد جمع ہوگا۔

(سنن نسائی: رقم الحدیث 3106)

حضرت یوسف علیہ السلام کو نبوت پر منتخب فرمانا

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو نبوت پر منتخب فرمانے کے لئے واضح طور پر قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (یوسف:6)

اور اسی طرح تمہارا رب تمہیں منتخب فرمائے گا اور تمہیں خوابوں کی تعبیروں کا علم عطا فرمائے گا اور تم پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت کو مکمل فرمائے گا جس طرح اس سے پہلے اس نے اس نعمت کو تمہارے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق پر مکمل فرمایا تھا۔ بے شک تمہارا رب خوب جاننے والا نہایت حکمت والا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب کی تعبیر کا علم چالیس سال بعد دیا گیا

حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب کی تعبیر کا علم چالیس سال کے بعد عطا فرمایا گیا تھا۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب کی تعبیر کا علم چالیس سال بعد عطا فرمایا گیا تھا اور ان کی تعبیر میں کبھی خطا واقع نہیں ہوئی اور یہ ان کا معجزہ تھا۔ ان کو خواب کی تعبیر کا علم سب سے زیادہ تھا۔ اسی طرح ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سب سے زیادہ خواب کی تعبیر کا علم تھا اور امت میں یہ علم سب سے زیادہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تھا اور امام ابن سیرین کو بھی اس کا علم بہت زیادہ تھا اور اس کے قریب سعید بن مسیب کو اس کا علم تھا۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:9 ص:115 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں نشانیاں

حضرت یوسف علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے بھائیوں کے قصہ میں سوال کرنے کے لئے بہت زیادہ نشانیاں ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ٥ (یوسف:7)

بے شک یوسف اور ان کے بھائیوں کے قصہ میں پوچھنے والوں کے لئے بہت نشانیاں ہیں۔

کون سی نشانیاں؟

علامہ قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں کہ

یہود نے مدینہ منورہ میں سے کچھ لوگوں کو مکہ مکرمہ بھیجا کہ وہ سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کریں کہ شام میں ایک نبی تھے ان کا بیٹا مصر چلا گیا وہ اس کے فراق میں روتے رہے حتیٰ کہ نابینا ہو گئے۔ اس وقت مکہ مکرمہ میں اہل کتاب میں سے کوئی شخص نہیں تھا اور نہ کوئی ایسا شخص تھا جو انبیاء کرام علیہم السلام کی خبریں جانتا تھا۔ جب لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے پوری سورۂ یوسف نازل فرما دی اس میں تورات میں مذکور واقعات کا بھی ذکر ہے اور اس سے زیادہ خبریں بھی ہیں اور سورۂ یوسف کا نزول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا معجزہ تھا۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:9،ص:115 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بھائیوں کا آپس میں مشورہ

حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے اور ان کو اس سے بہت زیادہ تکلیف ہوتی تھی۔ اسی لیے انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہمارے باپ کی رائے درست نہیں ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ٥ (یوسف:8)

جب یوسف کے بھائیوں نے مشورہ کیا کہ یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کے نزدیک ہم سے زیادہ محبوب ہیں حالانکہ ہم پوری جماعت ہیں بے شک ہمارے باپ کی رائے درست نہیں ہے۔

کیا بیٹوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو خطا کار کہا؟

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ بیٹوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو خطا کار کہا یا ضلال مبین کہا ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ

ان کی یہ مراد ہی نہ تھی کہ ان کا باپ گمراہ یا خطاء پر ہے کیونکہ اگر وہ یہ ارادہ کرتے تو وہ کافر ہو جاتے بلکہ ان کی مراد یہ تھی کہ دو کو دس پر ترجیح دینے میں اور چھوٹوں کو بڑوں پر ترجیح دینے میں اور غیر مفید کو مفید پر ترجیح دینے میں ہمارے باپ کی رائے درست نہیں ہے۔

بھائیوں کا قتل کے متعلق منصوبہ

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا حسد انتہا کو پہنچ گیا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ یوسف (علیہ السلام) کو اس کے باپ سے الگ کرنا ضروری ہے اور اس کی دو صورتیں ہیں یا تو اس کو قتل کر دیا جائے یا اس کو دور دراز کسی ملک

میں چھوڑ دیا جائے تا کہ اس کا باپ اس سے ملاقات سے مایوس ہو جائے۔ اور پھر وہ ہماری طرف توجہ، التفات اور محبت کرنے لگے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِقْتُلُوْا یُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا یَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِیْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِیْنَ۝

(یوسف:9)

یوسف کو قتل کر دو یا کسی ملک میں چھوڑ آؤ پھر تمہارے باپ کی توجہ صرف تمہاری طرف رہے گی۔ اس کے بعد تم اچھی حالت میں ہو جاؤ گے۔

قتل مومن پر وعیدیں

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ترمذی نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قیامت کے دن مقتول قاتل کو پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر بولے گا درآنحالیکہ اس کی رگوں سے خون بہہ رہا ہوگا۔ وہ کہے گا کہ

اے میرے رب عزوجل! اس نے مجھے قتل کیا تھا حتیٰ کہ اس کو عرش کے قریب کھڑا کرے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے لوگوں نے توبہ کا ذکر کیا تو انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی۔

اور ارشاد فرمایا:

یہ آیت منسوخ ہوئی ہے نہ تبدیل ہوئی ہے اس کی توبہ کہاں سے ہوگی۔

امام احمد، امام نسائی اور امام ابن المنذر رنے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قریب ہے کہ ہر گناہ کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا سوا اس شخص کے جو کفر پر مرے اور سوا اس شخص کے جو کسی مومن کو عمداً قتل کرے۔

امام ابن المنذر رنے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

جو شخص کسی ایک بات سے بھی مومن کے قتل میں تعاون کرے گا قیامت کے دن جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہے۔

امام سعید بن منصور، امام ابن جریر، امام ابن المنذر راور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ

ابو مجلز نے کہا:

اس آیت (جو شخص کسی مومن کو عمداً قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ اس پر غضبناک ہوگا اور

اس پر لعنت فرمائے گا اور اللہ نے اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ النساء: 93) کا معنی یہ ہے کہ وہ جہنم کی سزا کا مستحق ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کی سزا سے درگزر فرمائے گا۔

(درمنثور: ج:2، ص:228 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قتل کرنے کا حکم کس نے دیا؟

حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے کا حکم کس نے دیا اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ

یہ حکم کسی اجنبی نے دیا تھا وہ ان کے بھائیوں میں سے نہیں تھا۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ

یہ حکم ان کے بھائیوں میں سے ہی کسی نے دیا تھا۔

وہب بن منبہ نے کہا:

یہ حکم دینے والا شمعون تھا۔

مقاتل نے کہا:

یہ حکم دینے والا روبیل تھا۔

حضرت کعب فرماتے ہیں۔

یہ حکم دینے والا دان تھا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:260 دار الفکر بیروت)

اندھے کنویں میں ڈالنے کا منصوبہ

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے کے بارے میں مشورہ ہوا تو ایک بھائی نے یہ کہا کہ اس کو قتل نہ کرو بلکہ اندھے کنویں میں ڈال دو تا کہ اسے قافلہ والے لے جائیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا یُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ یَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّیَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ٥ (یوسف:10)

ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا یوسف کو قتل نہ کرو اور اس کو کسی اندھے کنویں کی گہرائی میں ڈال دو اس کو کوئی قافلہ والا اٹھا لے گا اگر تم کچھ کرنا ہی چاہتے ہو تو (اسی طرح کرو)

بیت المقدس کا کنواں تھا

جس کنویں میں پھینکنے کا مشورہ دیا گیا تھا وہ بیت المقدس کا کنواں تھا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

یہ بیت المقدس کا کنواں تھا۔

(تفسیر ابن کثیر: ج:2، ص:811 مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

قتل نہ کرنے کا مشورہ دینے والا کون؟

جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل نہ کرنے کا مشورہ دیا اس کے نام کے بارے میں دو اقوال ہیں۔

معالم التنزیل میں ہے۔

یہ کہنے والا یہودا تھا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

روبیل تھا۔

امام بغوی نے فرمایا:

پہلا قول اصح ہے۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:260 دار الفکر بیروت)

کنویں کے متعلق اقوال

امام بغوی فرماتے ہیں کہ

جب اس کنویں کو کہتے ہیں جو لپٹا ہوا نہ ہو کیونکہ جب کا معنیٰ ہے قطع یعنی کٹا ہوا جو لپٹا ہوا نہ ہو۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:260 دار الفکر بیروت)

قاموس میں ہے۔

الجب ایسا کنواں جو انتہائی گہرا اور زیادہ پانی والا ہو یا ایسی جگہ پر ہو جو گھاس وغیرہ کے اعتبار سے عمدہ ہوا نہ ہو اور خود بخو بن گیا ہو لوگوں نے اسے نہ کھودا ہو۔

(القاموس المحیط: ج:1، ص:137 التراث العربی)

کنویں میں ڈالنے کا فعل کئی جرائم پر مشتمل

حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالنے پر کئی جرائم پائے جاتے ہیں۔

محمد بن اسحاق فرماتے ہیں۔

ان بھائیوں کا یہ فعل کئی جرائم پر مشتمل تھا۔

مثال کے طور پر

قطعیہ الرحم

والد کی نافرمانی

ایسے چھوٹے معصوم بچے پر شفقت کی کمی جس کا کوئی گناہ نہیں ہے

امانت میں خیانت

ترک عہد

اوراپنے باپ کے ساتھ جھوٹ۔

لیکن ان تمام جرائم کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرمادیا تا کہ کوئی مجرم میری رحمت سے مایوس نہ ہو۔

(معالم التنزیل:ج:3،ص:260دارالفکر)

بھائیوں کی والد محترم کو یوسف علیہ السلام کو ساتھ بھیجنے کی عرض

جب بھائیوں نے مشورہ کرلیا تو اپنے والد محترم حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس چلے گئے اور عرض کی آپ علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہم پر بھروسہ کیوں نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کی خیر خواہی کرنے والے ہیں لہٰذا اس کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى یُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ۝ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا یَّرْتَعْ وَیَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (یوسف:11تا12)

انہوں نے (یعقوب سے) کہا اے ہمارے ابا جان! کیا بات ہے آپ یوسف کے معاملے میں ہم پر بھروسہ نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کی خیر خواہی کرنے والے ہیں۔ اسے کل ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تا کہ وہ پھل کھائے اور کھیلے کودے اور بے شک ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا بھیڑیئے کے کھانے کا فرمانا

حضرت یعقوب علیہ السلام کو جب بیٹوں نے کہا اس کو ہمارے ساتھ بھیج دیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تم اس سے غافل ہوگے اور اس کو بھیڑیا کھا جائے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۝ (یوسف:13)

(یعقوب نے) کہا تمہارے اس کو لے جانے سے میں ضرور غمگین ہوں گا اور مجھے اندیشہ ہے کہ تم اس سے غافل ہو گے اور بھیڑیا اس کو کھا جائے گا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو بھیڑیئے کے کھانے کا خطرہ کیوں؟

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے یہ فرمائش کی کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے ساتھ بھیج دیں تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے دو عذر پیش کیے۔

ایک یہ کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی ان کو غمگین کرے گی کیونکہ وہ ایک پل بھی ان کے بغیر نہیں گزار سکتے۔

دوسرا یہ کہ
وہ اپنی بکریوں کو چرانے میں مصروف ہوں گے یا اپنے کھیل کود میں مشغول ہوں گے اور بھیڑیا ان کو کھا جائے گا۔ کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے نزدیک حضرت یوسف علیہ السلام کی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو بھیڑیئے کا خطرہ اس لیے تھا کہ انہوں نے خواب میں یہ دیکھا تھا کہ بھیڑیئے نے حضرت یوسف علیہ السلام پر حملہ کیا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ
حضرت یعقوب علیہ السلام نے خواب دیکھا تھا کہ وہ پہاڑ کی بلندی پر ہیں اور حضرت یوسف علیہ السلام وادی کے نیچے ہیں۔ اچانک دس بھیڑیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو گھیر لیا وہ ان کو پھاڑ کھانا چاہتے تھے۔ پھر ایک نے ان کو ہٹایا پھر زمین پھٹ گئی اور حضرت یوسف علیہ السلام اس میں تین دن تک چھپے رہے۔ ان دس بھیڑیوں سے مراد ان کے دس بھائی تھے جب وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے کے در پے ہوئے اور جس نے ان کو ہٹایا وہ ان کا بڑا بھائی یہودا تھا اور زمین میں چھپنے سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کا تین دن کنویں میں قیام کرنا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ
حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ اس لیے کہا تھا کہ ان کو ان بھائیوں سے خطرہ تھا اور آپ علیہ السلام کی بھیڑیئے سے مراد یہی لوگ تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان لوگوں سے یہ خطرہ تھا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کر دیں گے اور آپ علیہ السلام نے کنایۃً ان ہی کو بھیڑیا فرمایا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:
حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کو بھیڑیا فرمایا تھا۔

ایک اور قول یہ ہے کہ
حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان بھائیوں سے خطرہ نہیں تھا اگر آپ علیہ السلام کو ان سے خطرہ ہوتا تو آپ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے ساتھ نہ بھیجتے۔ آپ علیہ السلام کو دراصل بھیڑیئے کا خطرہ تھا کیونکہ اس علاقے کے صحارئ میں بھیڑیئے بہت زیادہ تھے۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:9، ص:124 بیروت)

بیٹوں کا حضرت یعقوب علیہ السلام کو جواب دینا

جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اس سے غافل ہو گے اور بھیڑیا اس کو کھا جائے گا تو بیٹوں نے کہا کہ ہماری پوری جماعت کے ہوتے ہوئے اگر اس کو بھیڑیا کھا گیا تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔

قرآن مجید میں ہے:
قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ○ (یوسف:14)

انہوں نے کہا ہماری پوری جماعت کے ہوتے ہوئے اگر اس کو بھیڑیا کھا گیا تو ہم ضرور نقصان والے ہوں گے۔

بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کو لے جانا

حضرت یعقوب علیہ السلام کو تسلی دے کر تمام بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کو لے گئے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ (یوسف:15)

الغرض جب وہ اس کو لے گئے۔

بھائیوں کا راستے میں حضرت یوسف علیہ السلام پر ظلم کرنا

امام بغوی فرماتے ہیں کہ

وہب وغیرہ نے لکھا ہے کہ

پہلے تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو انتہائی عزت واکرام سے لے گئے اور کندھوں پر اٹھا کر لے گئے۔ جب صحرا میں پہنچے تو پھینک دیا اور مارنا شروع کر دیا جب ایک مارتا تو آپ علیہ السلام دوسرے سے مدد طلب کرتے پھر دوسرا مارنا شروع کر دیتا۔ آپ علیہ السلام نے کسی سے رحم کا جذبہ نہ پایا وہ مارتے رہے۔ قریب تھا کہ وہ آپ کو قتل کر دیتے۔ آپ علیہ السلام چیختے چلاتے تھے۔

اور کہتے تھے کہ

اے ابا جان! کاش آپ علیہ السلام دیکھتے کہ لونڈیوں کے بیٹوں نے تیرے بیٹے کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ جب وہ قتل کرنے لگے۔

تو یہودا نے کہا:

تم نے میرے ساتھ وعدہ نہیں کیا تھا کہ تم اسے قتل نہیں کرو گے۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:263 دار الفکر)

ظلم کی مذمت

ظلم ایک برا فعل ہے اور اس پر کئی احادیث مبارکہ ہیں۔

چند رضا الٰہی کی خاطر عرض کرتا ہوں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ظلم قیامت کے اندھیرے ہیں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 2447)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
بے شک اللہ ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب اس کو پکڑ لیتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں ہے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث 4686)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جس شخص نے اپنے بھائی کی عزت پر یا اس کی کسی اور چیز پر ظلم کیا ہو وہ اس دن کے آنے سے پہلے اس کو حلال کرا لے جس دن نہ کوئی دینار ہوگا نہ کوئی درہم ہوگا اگر اس کا کوئی نیک عمل ہوگا تو اس کو اس کے ظلم کے برابر وصول کر لیا جائے گا اور اگر اس ظالم کی نیکیاں نہیں ہوں گی تو مظلوم کے گناہوں کو اس پر ڈال دیا جائے گا۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث 2449)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تم لوگوں کی مثل عمل نہ کرو کہ تم کہو کہ اگر لوگ ہمارے ساتھ اچھا سلوک کریں گے تو ہم بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے اور اگر وہ ہم پر ظلم کریں گے تو ہم بھی ان پر ظلم کریں گے لیکن تم اپنے آپ کو اس کا عادی بناؤ کہ اگر لوگ تمہارے ساتھ نیک سلوک کریں تو تم بھی ان کے ساتھ نیک سلوک کرو اور اگر وہ تم پر ظلم کریں تو تم ان پر ظلم نہ کرو۔
(سنن الترمذی: رقم الحدیث 2007)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
مظلوم کی دعا سے بچو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے حق کا سوال کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی حق دار کو اس کے حق سے منع نہیں کرتا۔

حضرت اوس بن شرجیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جس شخص کو علم ہو کہ فلاں شخص ظالم ہے اور وہ اس کی معاونت کے لئے اس کے ساتھ گیا وہ اسلام سے نکل گیا۔
(شعب الایمان: رقم الحدیث 7464)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 10)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

مسلمانوں نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کون سا صاحب اسلام سب سے افضل ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 11)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

انہوں نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ظالم صرف اپنے نفس کو ضرر پہنچاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

نہیں اللہ تعالیٰ کی قسم حتیٰ کہ سرخاب پرندہ جو اپنے گھونسلے میں بھوک اور کمزوری سے مرجاتا ہے وہ بھی ظالم کے ظلم سے ہے۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث 7675)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اے میرے بندو! بے شک میں نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام کرلیا ہے اور تمہارے درمیان بھی آپس میں ظلم کو حرام کردیا سوتم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث 2577)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ظلم کرنے سے بچو کیونکہ ظلم کرنے سے قیامت کے دن اندھیرے ہوں گے اور بخل کرنے سے بچو بخل نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کردیا کیونکہ بخل نے انہیں خون ریزی کرنے پر اور حرام کاموں کو حلال کرنے پر ابھارا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث 2578)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:
مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس نہ کوئی درہم ہو نہ کوئی سامان ہو۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میری امت میں مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز، روزے اور زکوۃ لے کر آئے اور اس نے اس شخص کو گالی دی ہو اور اس شخص پر تہمت لگائی ہو اور اس شخص کا مال کھایا ہو اور اس شخص کا خون بہایا ہو اور اس شخص کو مارا ہو پھر وہ اس کو اپنی نیکیاں دے پھر جو اس پر حقوق ہیں ان کے ختم ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں تو ان کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں پھر اس کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔
(صحیح مسلم، رقم الحدیث: 2581)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت اوس بن شرجیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
جو شخص ظالم کی مدد کرنے کے لئے اس کے ساتھ گیا جبکہ اس کو علم تھا کہ وہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔
(المعجم الکبیر: ج: 1، ص: 619)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو شخص کسی ظالم کے ساتھ گیا اس نے ظلم کیا۔
اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ۝ (السجدہ: 22)
بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں۔
(جمع الجوامع، رقم الحدیث: 23171)

حضرت یوسف علیہ السلام پر ظلم کی انتہاء

حضرت یوسف علیہ السلام کو مار مار کر بھائیوں نے ظلم کی انتہاء کر دی تھی۔
چنانچہ زاد المسیر میں ہے۔
حضرت یوسف علیہ السلام کے ... حضرت یعقوب علیہ السلام نے انہیں حضرت یوسف علیہ السلام

ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کے ساتھ روانہ ہوئے تو انہوں نے راستہ میں ان کے ساتھ شدید عداوت کا اظہار کیا۔ ایک بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کو مارتا تو وہ دوسرے بھائی سے فریاد کرتے تو وہ بھی ان کو مارتا پیٹتا اور انہوں نے ان میں سے کسی کو رحم دل نہ پایا۔ قریب تھا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کر دیتے۔

اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کہہ رہے تھے۔

اے یعقوب (علیہ السلام)! کاش آپ جانتے کہ آپ کے بیٹے کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔

تب یہودا نے کہا:

کیا تم لوگوں نے مجھ سے یہ پکا عہد نہیں کیا تھا کہ تم لوگ اس کو قتل نہیں کرو گے۔

(زادالمسیر: ج:4،ص:190)

بھیجنے سے پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام کا حضرت یوسف علیہ السلام کو سینے سے لگانا

حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے بیٹوں کے ساتھ بھیجنے سے پہلے بوسے لیے اور سینے سے لگایا اور بہت ساری دعائیں دیں۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

جب حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے ساتھ بھیجنے لگے تو آپ علیہ السلام نے انہیں سینے سے لگایا، بوسہ لیا اور ڈھیروں دعائیں دیں۔

(تفسیر ابن کثیر: ج:2،ص:812)

بھائیوں کا اندھے کنویں میں ڈالنے پر اتفاق

جب ہر بھائی باری باری ظلم کی انتہاء کرتا گیا تو وہ اندھے کنویں پر پہنچ گئے اور سب نے اندھے کنویں میں ڈالنے پر اتفاق کیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ (یوسف:15)

اور انہوں نے اس کو اندھے کنویں کی گہرائی میں ڈالنے پر اتفاق کر لیا۔

اندھے کنویں پر لا کر قمیص اتارنا

تمام بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کو لے کر کنویں پر پہنچے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص اتار دی۔

جامع البیان میں ہے۔

وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں پر لے گئے اور ان کو کنویں کی منڈیر پر کھڑا کر کے ان کی قمیص اتار دی جس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس قمیص پر خون لگا کر حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے کہا۔

میری قمیص کو واپس کر دو تا کہ میں اس سے اپنے بدن کو چھپاؤں۔

بھائیوں نے کہا:

اب تم سورج اور چاند اور گیارہ ستاروں کو بلاؤ تا کہ وہ اس کنویں میں تمہاری غم گساری کریں۔

(جامع البیان: جز:12، ص:209 بیروت)

بھائیوں نے قمیص کیوں اتاری

بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص اس لیے اتاری کہ اس کو خون سے رنگ کر حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس لے جائیں اور اپنے جھوٹے قول کو صادق قرار دے سکیں۔

جامع البیان میں ہے۔

وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں پر لے گئے اور ان کو کنویں کی منڈیر پر کھڑا کر کے ان کی قمیص اتار دی جس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس قمیص پر خون لگا کر حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیں گے۔

(جامع البیان: جز:12، ص:209 بیروت)

کنویں میں پھینکتے وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر مبارک

حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں پھینکتے وقت جو عمر مبارک ذکر کی گئی اس میں دو اقوال ہیں۔ ایک قول بارہ سال کا ہے اور دوسرا قول اٹھارہ سال کا ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

پھر وہ آپ علیہ السلام کو کنویں پر لے گئے تا کہ اس میں پھینک دیں۔ آپ علیہ السلام کی عمر اس وقت بارہ سال تھی۔

اور بعض نے فرمایا۔

اٹھارہ سال تھی۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:263 دار الفکر بیروت)

کنویں میں پھینکنا

جب بھائیوں نے قمیص اتار دی تو آپ علیہ السلام کو کنویں میں ڈال دیا تا کہ آپ علیہ السلام وہاں مر جائیں۔

جامع البیان میں ہے۔

پھر انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں پھینک دیا تا کہ وہ پانی میں ڈوب کر مر جائیں۔

(جامع البیان: جز:12، ص:209)

کنویں میں پتھر کی پناہ لینا

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالا گیا تو آپ علیہ السلام نے کنویں میں ایک پتھر کی پناہ لی اور اس پتھر پر کھڑے ہو گئے۔

جامع البیان میں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام پانی میں گر گئے پھر انہوں نے کنویں کے ایک پتھر کی پناہ لی اور اس پتھر پر کھڑے ہو گئے۔

(جامع البیان: جز:12، ص:209)

حضرت یوسف علیہ السلام کا کنویں کے کنارے چمٹنا

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالا گیا تو آپ علیہ السلام کنویں کے کنارے سے چمٹ گئے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

انہوں (بھائیوں) نے کنویں میں لٹکانا چاہا تو آپ علیہ السلام کناروں سے چمٹ گئے۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:263 دار الفکر بیروت)

بھائیوں نے ہاتھ باندھ دیئے

بھائیوں نے جب آپ علیہ السلام کو کنویں میں لٹکانا چاہا تو آپ علیہ السلام کنویں کے کناروں سے چمٹ گئے پھر بھائیوں نے آپ علیہ السلام کے ہاتھ باندھ دیئے اور آپ علیہ السلام کی قمیص بھی اتار لی۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

پھر انہوں نے آپ علیہ السلام کے ہاتھ باندھ دیئے اور آپ علیہ السلام کی قمیص بھی اتار لی۔

آپ علیہ السلام نے کہا:

اے میرے بھائیو! مجھے میری قمیص تو واپس کر دو تا کہ میں کنویں میں اس کے ساتھ جسم کو ڈھانپ لوں۔

انہوں نے کہا:

اب سورج، چاند اور ستاروں کو بلاؤ جو تجھے انس دیں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

میں نے کچھ نہیں دیکھا پس آخر کار آپ علیہ السلام کو کنویں میں پھینک دیا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:263 دار الفکر بیروت)

ڈول میں بٹھا کر لٹکانے کا قول

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ انہوں نے ڈول میں بٹھا کر لٹکایا تھا۔

چنانچہ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ

انہوں نے آپ کو ایک ڈول میں بٹھا کر لٹکایا تھا جب آپ علیہ السلام کنویں کے درمیان میں پہنچے تو انہوں نے رسی کو چھوڑ دیا تا کہ آپ علیہ السلام فوت ہو جائیں۔ کنویں میں پانی تھا۔ آپ علیہ السلام اس میں گر گئے۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:263 دار الفکر بیروت)

چٹان کا سہارا لینا

جب بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالا تو آپ علیہ السلام نے چٹان کا سہارا لیا اور اس پر ٹھہر گئے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

پھر آپ علیہ السلام نے کنویں کے اندر چٹان کا سہارا لیا اور اس پر ٹھہر گئے۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:263 دار الفکر بیروت)

کنویں میں رونا اور بھائیوں کا پتھر مارنا

جب آپ علیہ السلام کو کنویں میں ڈال دیا گیا تو آپ علیہ السلام وہاں رونے لگ گئے بھائیوں نے آپ علیہ السلام کو پکا[را] تو آپ علیہ السلام نے سمجھا کہ انہیں اب رحم آ گیا ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بعض نے لکھا ہے کہ

انہوں نے جب آپ علیہ السلام کو کنویں میں پھینکا تو آپ علیہ السلام رونے لگے۔ انہوں نے آپ علیہ السلام کو ندا دی [تو] آپ علیہ السلام نے سمجھا اب انہیں رحم آ گیا ہے۔ آپ علیہ السلام نے اندر سے جواب دیا پھر انہوں نے پتھر مارے اور قتل کرنے کا ارادہ کیا تو یہودا نے انہیں منع کیا۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:263 دار الفکر بیروت)

لٹکاتے وقت رسی کا کاٹنا

جب حضرت یوسف علیہ السلام کنویں کی نصف مسافت تک پہنچے تو انہوں نے رسی کاٹ دی جس کی وجہ سے آپ علیہ السلام پانی کی تہہ میں جا گرے اور ایک پتھر کا سہارا لیا۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

سعدی وغیرہ کا کہنا ہے کہ بس باپ کی آنکھوں سے اوجھل ہونے کی دیر تھی کہ انہوں نے آپ علیہ السلام کے احترام [و] اکرام کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ایذا دینی شروع کر دی۔ آپ علیہ السلام کو برا بھلا کہنے لگے اور زدوکوب کرنے سے بھی باز نہ آئے۔ پھر آپ علیہ السلام کو لے کر اس گہرے کنویں کی طرف بڑھے جس میں آپ علیہ السلام کو پھینکنے کا انہوں نے پروگرام بنایا تھا۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے آپ علیہ السلام کو رسی کے ساتھ جکڑ دیا اور ڈول میں ڈال کر نیچے گرانا چاہا۔ آپ علیہ السلام ہر ایک سے رحم کی اپیل کرتے لیکن وہ چپت رسید کر کے اور برا بھلا کہہ کر آپ علیہ السلام کو پیچھے دھکیل دیتے۔ جب آپ علیہ السلام کنویں کے کناروں کے ساتھ چمٹتے تو وہ آپ علیہ السلام کے ہاتھوں پر ضربیں لگاتے۔ آخر کار انہوں نے آپ علیہ السلام کو کنویں میں لٹکا دیا۔ جب آپ علیہ السلام کنویں کی نصف مسافت پر پہنچے تو انہوں نے رسی کاٹ دی آپ علیہ السلام پانی کی تہہ میں جا گرے درمیان میں ایک پتھر تھا جسے راغوفہ کہا جاتا ہے اس کے اوپر آپ علیہ السلام کھڑے ہو گئے۔

(تفسیر ابن کثیر: ج:2،ص:812)

یہودا کا کنویں پر کھانا پہنچاتے رہنا

جب بھائیوں نے کنویں میں ڈالا تو آپ علیہ السلام نے ایک چٹان کا سہارا لیا اور اس پر کھڑے ہوگئے پھر یہودا آپ علیہ السلام کو کھانا پہنچاتا رہا۔

جامع البیان میں ہے۔

اور یہودا ہی ان کو کنویں میں کھانا پہنچاتا رہا تھا۔

(جامع البیان: جز:12، ص:209)

اللہ تعالیٰ کو پکارنا

روایت کیا گیا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالا گیا تو آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو پکارا۔

تفسیر امام ابن ابی حاتم میں ہے۔

یہ بھی روایت ہے کہ

انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پکارا! اے وہ حاضر ہے جو غائب نہیں۔

اے وہ قریب ہے جو بعید نہیں۔

اے وہ غالب ہے مغلوب نہیں۔

میری اس مشکل کو آسان کر دے اور مجھے اس کنویں سے نجات عطا فرما۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث 11376)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا حضرت یوسف علیہ السلام کو قمیص پہنانا

جب بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کا قمیص اتار لیا تو آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو پکارا تو جبرائیل علیہ السلام قمیص لے کر تشریف لائے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو پہنا دیا۔ قمیص کون سی تھی اور کیسے کیسے حضرت یوسف علیہ السلام تک پہنچی تھی اس کی تفصیل یوں ہے۔

زاد المسیر میں ہے کہ

یہ بھی روایت ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا اور ان کے کپڑے اتار لئے گئے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کو جنت کی ایک ریشمی قمیص پہنائی پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہ قمیص حضرت اسحاق علیہ السلام کو دی اور حضرت اسحاق علیہ السلام نے وہ قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کو دی اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس قمیص کو ایک غلاف میں ڈال کر وہ غلاف حضرت یوسف علیہ السلام کے گلے میں ڈال دیا پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام کنویں میں آئے اور غلاف سے وہ قمیص نکال کر حضرت یوسف علیہ السلام کو پہنا دی۔ (زاد المسیر: ج:4، ص:190)

گہرا و تنگ منہ والا کنواں

تمام بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کو ایسے کنویں پر لے آئے جو تنگ منہ والا اور گہرا تھا۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وہ آپ علیہ السلام کو ایسے کنویں پر لے آئے جو گہرا، تنگ منہ والا تھا۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:263 دارالفکر بیروت)

کنواں حضرت یعقوب علیہ السلام کی منزل سے تین فرسخ دور

جس کنویں پر حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائی لے آئے تھے وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی منزل سے تین فرسخ دور تھا۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مقاتل نے فرمایا:

وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی منزل سے تین فرسخ پر لے گئے۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:263 دارالفکر)

کس مقام پر لے گئے تھے

تمام بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کو کس مقام پر لے گئے تھے اس میں چند اقوال ہیں۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

کعب نے فرمایا:

مدین اور مصر کے درمیان لے گئے تھے۔

وہب نے فرمایا:

اردن کی زمین میں لے گئے تھے۔

قتادہ نے فرمایا:

وہ بیت المقدس کا کنواں تھا۔ (معالم التنزیل: ج:3،ص:263 دارالفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف وحی فرمانا

جب بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالنے پر اتفاق کرلیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ انہیں ان کے سلوک سے آگاہ کرو گے اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ○ (یوسف:15)

اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ (گھبراؤ نہیں) عنقریب تم ان کو ان کے اس سلوک سے آگاہ کرو گے اور ان کو اس کی خبر بھی نہ ہوگی۔

وحی کا لغوی معنیٰ

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

وحی کا معنیٰ ہے۔

اشارہ، کتابت، مکتوب، رسالۃ، الہام، کلام خفی۔

ہر وہ چیز جس کو تم اپنے غیر کی طرف القاء کرو۔

وحی میں اصل یہ ہے کہ بعض لوگ بعض لوگوں سے آہستہ کلام کریں۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ (الانعام:112)

(شیاطین الانس والجن) ایک دوسرے کو خفیہ طریقے سے ملمع کی ہوئی جھوٹی بات فریب دینے کے لئے پہنچاتے ہیں۔

یہ اس لفظ کا اصل معنیٰ ہے پھر یہ الہام کے معنیٰ میں مقتصر ہو گیا۔

ابو اسحاق نے کہا:

وحی کا لغت میں اصل معنیٰ ہے خفیہ طریقہ سے خبر دینا۔ اسی وجہ سے الہام کو وحی کہتے ہیں۔ اسی طرح اشارہ اور کتابت کو بھی وحی کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ (الشوریٰ:51)

اور کسی بشر کے لائق نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی سے یا پردہ کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے جو اس کے حکم سے وہ وحی کرے جو کچھ اللہ چاہے۔

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ بشر کو الہام یا خواب کی صورت میں خفیہ طریقہ سے خبر دیتا ہے یا بشر پر کتاب نازل کرتا ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل کی یا قرآن نازل فرماتا ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے جیسا کہ سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید نازل فرمایا۔ ان میں سے ہر صورت اعلام کی ہے اگرچہ ان کے اسباب اور کلام کی نوعیت مختلف ہے۔

(تاج العروس: ج:10، ص:385 المطبعۃ الخیریہ مصر)

وحی کا شرعی معنیٰ

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

شریعت کی خبر دینا وحی ہے اور کبھی وحی سے اس کلام کو مراد لیا جاتا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔

(فتح الباری: ج:1، ص:9 مطبوعہ لاہور)

نزول وحی کی صورتیں واقسام

علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے وحی کی حسب ذیل اقسام اور صورتیں بیان کی ہیں۔

1- حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام قدیم کو سننا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام قدیم سننا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں ہے۔

2- فرشتہ کے واسطہ سے وحی کا نازل ہونا۔

3- دل میں کسی معنیٰ کا القاء کیا جانا۔

4- گھنٹی کی آواز کی صورت میں وحی کا نازل ہونا۔

5- حضرت جبرائیل علیہ السلام کسی غیر معروف آدمی کی شکل میں آ کر بات کریں جیسے ایک اعرابی کی شکل میں تشریف لائے۔

6- حضرت جبرائیل علیہ السلام اپنی اصلی شکل میں آئیں جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام چھ سو پروں کے ساتھ آئے جن سے دت اور موتی جھڑ رہے تھے۔

7- حضرت جبرائیل علیہ السلام کسی معروف آدمی کی شکل میں آئیں جیسے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آئے۔

8- اللہ تعالیٰ براہ راست بیداری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کلام ہو جیسے شب معراج میں پردے کی اوٹ سے کلام فرمایا۔

9- اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نیند میں ہم کلام ہو۔
جیسے جامع ترمذی میں حدیث مرفوع ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میں نے اللہ عزوجل کو بہت حسین صورت میں دیکھا۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
ملا اعلیٰ! کس چیز میں بحث کر رہے ہیں۔

10- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں کوئی واقعہ دکھایا جائے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں۔

11- وحی اسرافیل جیسا کہ مسند احمد میں ہے تین سال حضرت اسرافیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موکل رہے۔

(عمدۃ القاری: ج:1 ص:40 مطبوعہ مصر)

حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف کون سی وحی تھی؟

حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف وحی نبوت کی گئی یا اس وحی سے مراد الہام ہے۔
محققین کی ایک بڑی جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ
یہ وحی نبوت تھی۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام بچے تھے یا بالغ تھے۔

بعض نے کہا:

حضرت یوسف علیہ السلام اس وقت بالغ تھے اور اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر سترہ سال تھی۔

اور بعض نے کہا:

اس وقت آپ علیہ السلام بچے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی عقل کو کامل کر دیا اور آپ علیہ السلام میں وحی اور نبوت کی اس طرح صلاحیت رکھ دی جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں صلاحیت رکھی تھی۔

وحی کے متعلق دوسرا نظریہ یہ ہے کہ

اس سے مراد الہام ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى (القصص:7)

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کی۔

اور ارشاد فرمایا:

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ (النحل:68)

اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی۔

اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ

اس وحی سے مراد وحی نبوت ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ

اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کو نبی قرار دینا کس طرح صحیح ہوگا حالانکہ اس وقت وہاں ایسے لوگ نہیں تھے جن کو حضرت یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اس وقت ان پر وحی نازل کرنے سے مقصود یہ تھا کہ ان کو حامل وحی الٰہی ہونے کے مرتبہ پر فائز کیا جائے اور ان کو یہ حکم دیا جائے کہ وہ وقت آنے پر اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچائیں اور وحی کو وقت سے پہلے اس لیے نازل کیا تھا کہ ان کے دل سے گھبراہٹ پریشانی اور رنج اور غم کو دور کیا جائے اور ان کو مطمئن اور پرسکون کیا جائے۔

بھائیوں کے سلوک پر آگاہ کرنے سے مراد

حضرت یوسف علیہ السلام پر یہ وحی کی گئی کہ جب تم اپنے بھائیوں کو ان کے اس سلوک سے آگاہ کرو گے تو اس وقت ان کو احساس ہوگا کہ تم یوسف ہو اور یہ وحی اللہ تعالیٰ کے حکم کو متضمن ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس وقت تک اپنے احوال سے اپنے والد کو بھی مطلع نہ کریں اور یہی وجہ ہے کہ اتنی مدت تک حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے حالات سے اپنے والد کو مطلع

نہیں کیا حالانکہ ان کو علم تھا کہ ان کے والدان کے فراق میں سخت رنج اور غم میں مبتلا ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی لازم نہ آئے اور وہ ان سختیوں پر صبر کریں اور اس میں اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت تھی کہ اس شدید رنج وغم کی وجہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے رہیں گے اور اس سے دعا کرتے رہیں گے اور دنیا سے ان کی فکر منقطع رہے گی اور وہ عبادت کے درجہ عالیہ پر فائز ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے عظیم قرب کے حصول کی خاطر مصائب اور شدائد کی گھاٹی سے گزرنا پڑتا ہے۔

بھائیوں کو خبر نہ ہوگی

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

ا ...ن کو اس کی خبر بھی نہ ہوگی۔

اس کی تفسیر میں دو قول ہیں۔

1-اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ تم آج کے بعد کسی دن اپنے بھائیوں کو ان کے اس سلوک سے آگاہ کرو گے اور ان کو اس وقت یہ پتا بھی نہیں چلے گا کہ تم یوسف ہو اور اس سے مقصود یہ تھا کہ ان کو اطمینان دلایا جائے کہ ان کو عنقریب اس مصیبت سے نجات مل جائے گی اور وہ اپنے بھائیوں پر غالب ہوں گے اور وہ ان کے سامنے مغلوب ہوں گے اور سرنگوں اور ان کی قدرت اور اختیار میں ہوں گے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ

جس وقت وہ گندم طلب کرنے کے لئے ان کے شہر میں داخل ہوئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو نہ پہچان سکے، حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے ہاتھ پر صاع رکھ دیا۔

اور فرمایا:

مجھے اس نے خبر دی ہے کہ تمہارے باپ کی طرف سے تمہارا ایک بھائی تھا تم نے اس کو کنویں میں ڈال دیا تھا اور تم نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ اس کو بھیڑیئے نے کھالیا۔

2-ہم نے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف کنویں میں یہ وحی کی کہ عنقریب تم اپنے بھائیوں کو ان اعمال کی خبر دو گے اور ان کے بھائیوں کو یہ خبر نہیں تھی کہ ان پر وحی نازل ہو رہی ہے اور اس وحی کو ان سے مخفی رکھنے میں یہ حکمت تھی کہ اگر ان کو پتا چل جاتا کہ حضرت یوسف علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی ہے تو ان کا حسد اور زیادہ ہو جاتا اور وہ پھر ان کو قتل کر دیتے۔

کنویں میں وحی کس لیے کی گئی

کنویں میں حضرت یوسف علیہ السلام پر وحی نبی کے لئے کی گئی تھی۔

ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے مجاہد سے وَاَوْحَیْنَآ الیہ کے ارشاد کے متعلق روایت کیا ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کو نبی بنانے کے لئے کنویں میں وحی کی گئی تھی۔

(الدر المنثور: ج:4 ص:14 العلمیہ بیروت)

کنواں شداد بن عاد کا تیار کردہ

جس کنویں میں حضرت یوسف علیہ السلام کو ڈالا گیا وہ شداد بن عاد کا تیار کردہ تھا۔

احسن القصص میں ہے۔

وہ کنواں جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کو ڈالا گیا شداد بن عاد کا تیار کردہ تھا۔

(احسن القصص:ص:38)

حضرت یوسف علیہ السلام کا ہنسنا

احسن القصص میں ہے۔

شمعون نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے کے لئے چھری نکال لی۔ حضرت یوسف علیہ السلام روبیل کے دامن سے لپٹ گئے لیکن اس نے بھی دور پھینک دیا مارنے لگا اور ہر بھائی نے ایسا ہی سلوک کیا اور ظلم وستم کی انتہاء کردی۔ حضرت یوسف علیہ السلام اس وقت ہنس پڑے۔

یہودا نے کہا:

اے یوسف یہ مقام ہنسنے کا نہیں تو کیوں ہنسا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

یہ میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک راز ہے۔

جواب دیا کہ

ایک دن میرے دل میں یہ خیال آیا تھا کہ جس کے ایسے قوی طاقتور اور بہادر بھائی ہوں اسے ہرگز کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا اور اس پر کوئی قابو بھی نہیں پا سکتا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جب یہ کہا تو یہودا کے دل میں رحم پیدا ہو گیا۔

اور حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ

میرے دامن میں چھپ جاؤ۔ میں تیرا محافظ ونگہبان ہوں۔

اور پھر بھائیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

اگر تم یوسف (علیہ السلام) کو قتل کرنا چاہتے ہو تو پہلے مجھے قتل کرو۔

(احسن القصص:ص:36)

بیٹوں کا رات کے وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس روتے ہوئے آنا

جب بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال لیا تو اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس رات کو روتے ہوئے آئے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ۝ (یوسف:16)

اور وہ رات کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے۔

رات کے وقت کیوں آئے

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس روتے ہوئے آئے، رات کے وقت کا انتخاب انہوں نے اس لیے کیا تھا کہ یہ وقت ان کے عذر پیش کرنے کے لئے زیادہ مناسب تھا۔

(جامع البیان: ج:12،ص:211)

بھیڑیئے کے کھانے کی خبر دینا

جب وہ رات کے وقت آئے تو بہت روتے ہوئے حاضر ہوئے اور کہا ہم ایک دوسرے کے ساتھ دوڑ لگا رہے تھے اور (حضرت) یوسف (علیہ السلام) کو اپنے سامان کے ساتھ چھوڑ دیا تھا اور بھیڑیا آیا اور اسے کھا گیا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا یٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَ تَرَكْنَا یُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَاۤ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِیْنَ ○ (یوسف:17)

انہوں نے کہا اے ابا! ہم ایک دوسرے کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کر رہے تھے اور ہم نے یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا پس اس کو بھیڑیئے نے کھا لیا اور آپ ہماری بات ماننے والے نہیں ہیں خواہ ہم سچے ہوں۔

بیٹوں کے رونے کی حضرت یعقوب علیہ السلام کا وجہ پوچھنا

جب تمام بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس روتے ہوئے پہنچے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے پوچھا تمہیں کیا ہوا اور کیوں رو رہے ہو۔

جامع البیان میں ہے۔

روایت ہے کہ

جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کے رونے کی آواز سنی۔

تو پوچھا:

کیا ہوا؟ کیا تمہاری بکریوں کو کوئی حادثہ پیش آ گیا؟

انہوں نے کہا:

نہیں۔

پوچھا:

یوسف (علیہ السلام) کہاں ہے؟

انہوں نے کہا:

ہم آپس میں دوڑنے کا مقابلہ کر رہے تھے تو اسی اثناء میں اس کو بھیڑیا کھا گیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایک چیخ ماری اور رونے لگے۔

(جامع البیان: ج: 12، ص: 211)

بھیڑیئے کے کھانے کی خبر سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام کا بے ہوش ہونا

ایک روایت میں ہے کہ

جب انہوں نے کہا:

اس کو بھیڑیا کھا گیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر گئے۔ انہوں نے ان کو ہوش میں لانے کے لئے پانی کے چھینٹے مارے لیکن انہوں نے حرکت نہ کی پھر انہوں نے ان کو پکارا تو انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر یہودا نے ان کے سانس نکلنے کے مواضع پر ہاتھ رکھا تو اس کو ان کے سانس لینے کا پتا نہیں چلا۔

تب یہودا نے کہا:

قیامت کے دن ہمیں سخت عذاب ہوگا۔ ہم نے اپنے بھائی کو ضائع کر دیا اور اپنے باپ کو قتل کر دیا پھر سحری کے وقت سے پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام کو ہوش نہیں آیا اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کا سر روبیل کی گود میں تھا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس سے کہا:

کیا میں نے اپنے بیٹے کو تمہارے پاس امانت نہیں رکھا تھا؟ اور کیا میں نے تم سے پختہ عہد نہیں لیا تھا؟

اس نے کہا:

اے ابا جان! اپنا رونا بند کریں تو میں آپ علیہ السلام کو اس کا سبب بتاؤں۔

پھر کہا۔

ہم آپس میں دوڑنے کا مقابلہ کر رہے تھے اور یوسف (علیہ السلام) کو ہم نے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا۔ اس اثناء میں اس کو بھیڑیا کھا گیا۔

پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے پوچھا:

اس کی قمیص کہاں ہے؟

تو انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر وہ قمیص پھینک دی حتیٰ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر بھی قمیص کا رنگ لگ گیا۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج: 9، ص: 128)

بیٹوں کا جھوٹ بولنا

بیٹوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے جھوٹ بولا کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کر رہے تھے اور ہم نے یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا پس اس کو بھیڑیے نے کھا لیا۔ ان کا یہ قول جھوٹا تھا۔

جھوٹ بولنے کی مذمت

جھوٹ بولنا ایک قبیح فعل ہے جو کہ بندے کو ہلاک کر دیتا ہے۔ حقیقت میں وہ خود کو پہلے تو بچا لیتا ہے مگر اس کا انجام بہت برا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اپنے آپ کو جھوٹ سے بچاؤ کیونکہ جھوٹ فجور (گناہ) تک پہنچاتا ہے اور فجور دوزخ تک پہنچاتا ہے۔ ایک شخص جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ کے مواقع تلاش کرتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کو کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔

(سنن ابوداؤد: ج:2، ص:325 مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس وقت تک بندہ کا ایمان مکمل نہیں ہوگا جب تک کہ وہ جھوٹ کو ترک نہ کر دے حتیٰ کہ مذاق میں بھی جھوٹ نہ بولے اور ریا کو ترک کر دے خواہ وہ اس میں صادق ہو۔

(مسند احمد: ج:2، ص:364 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔ میں نے رات کو خواب میں دیکھا ہے کہ جبرائیل اور میکائیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ارض مقدسہ میں لے گئے۔ میں نے دیکھا وہاں ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا اور دوسرا آدمی اس کے پاس کھڑا ہوا تھا جس کے ہاتھ میں لوہے کا آنکڑا تھا اس نے وہ آنکڑا اس کی باچھ میں داخل کیا اور آنکڑے سے اس کی باچھ کو کھینچ کر گدی تک پہنچا دیا پھر وہ آنکڑا دوسری باچھ میں داخل کیا اور اس باچھ کو گدی تک پہنچا دیا اتنے میں پہلی باچھ مل گئی اور اس نے پھر اس میں آنکڑا ڈال دیا۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

جس شخص کی باچھ پھاڑ کر گدی تک پہنچائی جا رہی تھی یہ وہ شخص ہے جو جھوٹ بولتا تھا پھر اس سے وہ جھوٹ نقل ہو کے ساری دنیا میں پھیل جاتا تھا اس کو قیامت تک اسی طرح عذاب دیا جاتا رہے گا۔

(صحیح البخاری: ج:1، ص:185 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

قمیص پر جھوٹا خون لگا کر لے آنا

جب وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس آئے تو قمیص پر جھوٹا خون لگا کر لے آئے تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَجَآءُوْ عَلٰی قَمِیْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ (یوسف:18)

اور وہ اس کی قمیص پر جھوٹا خون لگا لائے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا بیٹوں کا قول رد فرمانا

جب بیٹوں نے جھوٹ بولا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا گیا ہے اور ساتھ قمیص پر جھوٹا خون بھی لگا لائے تو تب حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا اس کو بھیڑیے نے تو نہیں کھایا بلکہ تمہارے دل نے ایک بات گھڑ لی ہے پس اب صبر جمیل کرنا ہی بہتر ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ○ (یوسف:18)

(یعقوب نے) کہا (بھیڑیے نے تو خیر نہیں کھایا) بلکہ تمہارے دل نے ایک بات گھڑ لی ہے پس اب صبر جمیل کرنا ہی بہتر ہے اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اس پر اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا قمیص کو سونگھنا اور چومنا

جب بیٹے قمیص کو جھوٹا خون لگا کر لے آئے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے قمیص دکھاؤ تو انہوں نے وہ قمیص دکھائی تو آپ علیہ السلام نے اس کو سونگھا اور چوما پھر اس قمیص کو کہیں سے پھٹا ہوا نہ پا کر ارشاد فرمایا میں نے اتنا عقلمند بھیڑیا کبھی نہیں دیکھا جس نے میرے بیٹے کو کھا لیا ہو اور قمیص صحیح و سالم بچ گئی ہو۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا!

مجھے اس کی قمیص دکھاؤ۔ انہوں نے اس قمیص کو سونگھا اور چوما پھر وہ اس کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگے تو وہ ان کو کہیں سے بھی پھٹی ہوئی نہیں دکھائی دی۔

انہوں نے کہا:

اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ میں نے آج سے پہلے اتنا عقل مند بھیڑیا کوئی نہیں دیکھا اس نے میرے بیٹے کو کھا لیا اور اس کو قمیص کے اندر سے نکال لیا اور قمیص بالکل نہیں پھٹی۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:9، ص:133 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بیٹوں کا بیان کو بدلنا

جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے قمیص کو صحیح سلامت پایا اور فرمایا اتنا عقل مند بھیڑیا کبھی نہیں دیکھا جس نے میرے بیٹے کو کھا لیا ہو اور قمیص بالکل نہ پھٹی ہو۔ تب بیٹوں نے اپنے بیان کو بدلا کہ اب تو ہم پھنس گئے ہیں لہٰذا انہوں نے کہا اس کو بھیڑیے نے نہیں کھایا۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو معلوم تھا کہ واقعہ اس طرح نہیں ہوا جس طرح انہوں نے بیان کیا ہے۔ انہوں نے پھر اپنا بیان بدلا۔

اور کہا:

اس کو بھیڑیئے نے نہیں کھایا۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:9،ص:133 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا غصہ سے منہ موڑ لینا

جب بیٹوں نے کہا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھیڑیئے نے نہیں کھایا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان سے غصہ ہو کر اپنا منہ موڑ لیا اور غم زدہ ہو کر رونے لگ گئے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حضرت یعقوب علیہ السلام نے غصہ میں ان سے منہ موڑ لیا اور وہ غم زدہ ہو کر رو رہے تھے۔

انہوں نے کہا:

اے میرے بیٹو! بتاؤ میرا بیٹا کہاں ہے اگر وہ زندہ ہے تو وہ مجھے لا کر دو اور اگر وہ مر چکا ہے تو اس کو کفن پہناؤں اور دفن کروں۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:9،ص:133 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا غصہ دیکھ کر بیٹوں کا دوبارہ قتل کرنے کا منصوبہ

جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں سے غصہ ہو کر منہ موڑ لیا تو بیٹوں نے کہا تم نہیں دیکھ رہے کہ وہ ہمیں کس طرح جھٹلا رہے ہیں آؤ ہم اس کو دوبارہ کنویں سے نکال کر اس کے اعضاء کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں اور پھر کٹے ہوئے اعضاء لا کر دے دیں۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

انہوں نے آپس میں کہا۔

کیا تم ہمارے باپ کا حال نہیں دیکھ رہے وہ کس طرح ہمیں جھٹلا رہے ہیں آؤ ہم اس کو کنویں سے نکال کر اس کے اعضاء کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیں اور پھر اپنے باپ کے پاس اس کے کٹے ہوئے اعضاء لے کر آئیں تب وہ ہماری بات کی تصدیق کریں گے اور ان کی امید منقطع ہو جائے گی۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:9،ص:133 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یہودا کا بھائیوں کو ڈانٹنا

جب بھائیوں نے کہا آؤ دوبارہ چل کر اس کو کنویں سے نکالتے ہیں اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے باپ کے پاس لے آئیں

ہیں تب یہودا نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم اگر تم نے اس طرح کیا تو میں ساری عمر تمہارا دشمن رہوں گا اور تمہارے سارے کرتوت اپنے باپ کو بتادوں گا۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

یہودا نے کہا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر تم نے ایسا کیا تو میں ساری عمر تمہارا دشمن رہوں گا اور میں تمہارے باپ کو تمہارے سارے کرتوت بتا دوں گا۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:9،ص:133 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

بھیڑیئے کو پکڑ کر لانا

جب یہودا نے کہا اگر تم حضرت یوسف علیہ السلام کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس لائے تو میں اپنے باپ کو تمہارے سارے کرتوت بتادوں گا تو بھائیوں نے کہا اگر تم روک رہے ہو تو ہمارے ساتھ چلو تا کہ ہم بھیڑیئے کو پکڑ کر لائیں تو وہ جنگل میں گئے اور بھیڑیئے کو پکڑا اور اس کو خون آلود کر دیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس پکڑ کر لے آئے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

انہوں نے کہا:

اب جب کہ تم ہم کو اس تجویز پر عمل کرنے سے روک رہے ہو تو آؤ چلو ایک بھیڑیئے کا شکار کرتے ہیں پھر انہوں نے ایک بھیڑیئے کا شکار کیا اور اس کو خون آلود کر دیا اور اس کو رسیوں سے باندھ کر حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس لے کر آئے۔

اور کہا:

اے ابا جان! یہ ہے وہ بھیڑیا جو ہماری بکریوں کو چیر پھاڑ کر کھا جاتا تھا اور ہمیں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہمارے بھائی کو بھی اسی نے پھاڑ کھایا ہے اور یہ دیکھیں اس کے اوپر خون بھی لگا ہوا ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:9،ص:134 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

بھیڑیئے کا حضرت یعقوب علیہ السلام کو سچ بتانا

جب بیٹے بھیڑیئے کو رسیوں سے باندھ کر حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس لے آئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے پوچھنے پر بھیڑیئے نے سچ سچ بتادیا۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

(جب بھیڑیا لے آئے تو) حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

اس کو کھول دو۔ انہوں نے اس کو کھول دیا۔ بھیڑیئے نے ایک جھرجھری لی اور حضرت یعقوعلیہ السلام کے قریب آنے

حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان سے کہا۔

قریب آ، قریب آ حتیٰ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنا رخسار اس کے چہرے پر رکھ لیا۔

اور کہا: اے بھیڑیئے! تو نے میرے بیٹے کو کیوں کھایا اور کیوں مجھے اتنا غم میں مبتلا کیا۔

پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ

اے اللہ عزوجل! اس کو گویائی عطا فرما۔

اللہ تعالیٰ نے اس بھیڑیئے کو گویائی عطا فرما دی۔

تو اس نے کہا:

اس ذات کی قسم جس نے آپ علیہ السلام کو منتخب کر کے نبی بنایا ہے میں نے آپ علیہ السلام کے بیٹے کا گوشت نہیں دکھایا نہ اس کی کھال کو پھاڑا ہے نہ اس کے بالوں کو نوچا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی قسم!

میں نے آپ علیہ السلام کے بیٹے کو نہیں دیکھا میں تو ایک مسافر بھیڑیا ہوں۔ میں مصر کے مضافات سے آ رہا ہوں۔ میرا بھائی گم ہو گیا تھا میں اس کی تلاش میں نکلا تھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا ہے اسی اثناء میں آپ علیہ السلام کے بیٹوں نے مجھے شکار کر لیا اور مجھے باندھ کر یہاں لے آئے۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز: 9، ص: 134 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بھیڑیئے کا انبیاء کرام علیہم السلام کا گوشت نہ کھانے پر قسم کھانا

بھیڑیئے نے جب ہر بات سچ بتا دی تو ساتھ یہ بھی کہا کہ بے شک انبیاء کرام علیہم السلام کا گوشت ہم پر اور تمام وحشی جانوروں پر حرام کر دیا گیا ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

(پیچھے قسم کا پورا جملہ کہہ کر کہا) بے شک انبیاء کرام علیہم السلام کا گوشت ہم پر اور تمام وحشی جانوروں پر حرام کر دیا گیا ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز: 9، ص: 134 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بھیڑیئے کا شہر چھوڑ جانے کی قسم کھانا

بھیڑیئے نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو جھوٹ بولنے پر قسم کھائی کہ میں ایسے شہر میں نہیں ٹھہروں گا جس میں انبیاء کرام علیہم السلام کی اولاد وحشی جانوروں پر جھوٹ باندھتی ہے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

(بھیڑیئے نے کہا) اور اللہ تعالیٰ کی قسم!

اب میں ایسے شہر میں نہیں ٹھہروں گا جس میں انبیاء کرام علیہم السلام کی اولاد وحشی جانوروں پر جھوٹ باندھتی ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز: 9، ص: 134 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا بھیڑیا کو چھوڑ دینا

جب بھیڑیئے نے سب کچھ سچ بتادیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھیڑیئے کو چھوڑ دیا۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

(جب بھیڑیئے نے سچ بتادیا تو) حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس کو چھوڑ دیا۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:9،ص:134 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

سچ ہمیشہ نجات دلاتا ہے

یہ کہاوت سچ ہے کہ سچ ہمیشہ نجات دلاتا ہے جب بھیڑیئے نے سب کچھ سچ بتادیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس بھیڑیئے کو چھوڑ دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ بولنے پر بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے چند احادیث مبارکہ درج ذیل ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سچ کو لازم رکھو کیونکہ سچ نیکی کی ہدایت دیتا ہے اور نیکی جنت کی ہدایت دیتی ہے۔ایک انسان ہمیشہ سچ بولتا رہتا ہے اور سچ کا قصد کرتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سچا لکھ دیا جاتا ہے اور تم جھوٹ سے بچو اور جھوٹ گناہوں کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ دوزخ کی طرف لے جاتے ہیں۔ایک بندہ ہمیشہ جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کا قصد کرتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 6094)

ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

اور عرض کیا۔

میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا چاہتا ہوں مگر میں شراب نوشی، زنا کرنے، چوری کرنے اور جھوٹ بولنے سے محبت رکھتا ہوں۔

اور لوگ یہ کہتے ہیں کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کو حرام کہتے ہیں اور مجھ میں ان چیزوں کے ترک کرنے کی طاقت نہیں ہے۔اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر قناعت کرلیں کہ میں ان میں سے کسی ایک چیز کو ترک کردوں تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم جھوٹ بولنا چھوڑ دو۔

اس نے قبول کرلیا اور مسلمان ہوگیا۔جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گیا تو اس کو شراب پیش کی گئی۔

اس نے سوچا کہ

اگر میں نے شراب پی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے شراب پینے کے متعلق سوال کیا اور میں نے جھوٹ بولا تو عہد شکنی ہوگی اور اگر میں نے سچ بولا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر حد قائم کر دیں گے۔ پھر اس نے شراب کو ترک کر دیا۔ پھر اس کو زنا کی پیشکش ہوئی۔ اس کے دل میں پھر یہی خیال آیا۔ اس نے پھر اس کو بھی ترک کر دیا۔ اسی طرح چوری کا معاملہ ہوا پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

اور اس نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت اچھا کیا کہ مجھے جھوٹ بولنے سے روک دیا اور اس نے مجھ پر تمام گناہوں کے دروازے بند کر دیئے اور پھر وہ تمام گناہوں سے تائب ہو گیا۔

(تفسیر کبیر: ج:6، ص:168)

وحشی جانور بھائی کی تلاش میں اور تم نے بھائی کو ضائع کر دیا

حضرت یعقوب علیہ السلام کو جب بھیڑیے نے سچ سچ بتا دیا تو آپ علیہ السلام نے بھیڑیے کو چھوڑ دیا اور اپنے بیٹوں سے فرمایا یہ وحشی جانور اپنے بھائی کی تلاش میں نکلا ہے اور تم نے انسان ہو کر اپنے بھائی کو ضائع کر دیا۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس کو (بھیڑیے) چھوڑ دیا۔

اور کہا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! تم اپنے خلاف حجت پکڑ کر لائے ہو یہ وحشی جانور اپنے بھائی کو تلاش کرنے کی مہم پر نکلا ہے اور تم نے انسان ہو کر اپنے بھائی کو ضائع کر دیا۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:9، ص:134 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تو نے میرے دل کے پھل کو کھایا ہے

جب بیٹے بھیڑیے کو پکڑ کر لائے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا اے بھیڑیے تو نے میرے بیٹے اور میرے دل کے پھل کو کھایا ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وہ ایک بھیڑیا پکڑ کر لائے۔

اور کہا:

یہ وہ بھیڑیا ہے جس نے (حضرت) یوسف (علیہ السلام) کو کھایا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھیڑیے کو مخاطب ہو کر فرمایا:

اے بھیڑیے! تو نے میرے بیٹے اور میرے دل کے پھل کو کھایا ہے اللہ تعالیٰ نے بھیڑیے کو قوت گویائی عطا فرمائی۔

تو اس نے کہا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے تو آپ علیہ السلام کے بیٹے کو دیکھا ہی نہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے پوچھا:
تو کنعان کی زمین کیسے آیا؟
اس نے کہا:
میں تو رشتہ داری کے صلہ رحم کے لئے آیا تھا کہ انہوں نے مجھے پکڑ لیا۔
(معالم التنزیل: ج:3،ص:264 دارالفکر بیروت)

بکری کا بچہ ذبح کر کے قمیص کو رنگا

ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے بکری کا بچہ ذبح کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص خون سے رنگی۔
تفسیر ابن کثیر میں ہے۔
کہتے ہیں کہ
انہوں نے بکری کا بچہ ذبح کیا اور اس کے خون میں حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کو لت پت کیا یہ وہم دلانے کے لئے کہ حملہ آور ہوتے وقت (حضرت) یوسف (علیہ السلام) نے یہ قمیص پہن رکھی تھی لیکن اس قمیص کو پھاڑنا بھول گئے اس لیے یہ کھیل کامیاب نہ ہوسکا۔
(تفسیر ابن کثیر: ج:2،ص:814)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔
اگر درندے نے آپ علیہ السلام کو کھایا ہوتا تو آپ علیہ السلام کی قمیص ضرور پھٹ جاتی۔
(تفسیر ابن کثیر: ج:2،ص:814)
امام بغوی فرماتے ہیں کہ
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:
بھائیوں نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا اور اس کا خون حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص پر لگا دیا تھا۔
(معالم التنزیل: ج:3،ص:263 دارالفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کنویں میں تین راتیں رہے

حضرت یوسف علیہ السلام کنویں میں تین راتیں رہے۔
امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔
یہودا آپ علیہ السلام کے پاس کھانا لاتا تھا اور آپ علیہ السلام کنویں میں تین راتیں رہے تھے۔
(معالم التنزیل: ج:3،ص:263 دارالفکر بیروت)

اعتراض

حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا! اب صبر جمیل کرنا ہی بہتر ہے۔

امام رازی نے اس مقام پر اعتراض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قضا اور تقدیر پر صبر کرنا واجب ہے لیکن ظالموں کے ظلم اور سازش کرنے والوں کی سازش پر صبر کرنا واجب نہیں ہے بلکہ ان کے ظلم اور سازش کا ازالہ کرنا واجب ہے۔ خاص طور پر اس وقت جبکہ کوئی دوسرا ان کے ظلم کا شکار ہو رہا ہو اور یہاں پر جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا جھوٹا کھل گیا اور ان کی خیانت ظاہر ہوگئی تو اس پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے کیوں صبر کیا اور انہوں نے اس معاملہ کا کھوج لگانے اور اس کی تفتیش کرنے کی پوری کوشش کیوں نہیں کی تا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں کی طرف سے نازل کردہ مصیبت سے نجات دلائی جاتی اور ان کے بھائیوں سے ان کے ظلم کا بدلہ لیا جاتا۔ یہ اعتراض اس وجہ سے اور قوی ہو جاتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر کے علم کی وجہ سے یقین تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام زندہ ہیں اور ان کو وحی کے ذریعہ بھی یہ معلوم تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام زندہ و سلامت ہیں۔ نیز حضرت یعقوب علیہ السلام اس علاقہ میں ایک معزز اور شریف انسان کی حیثیت سے مشہور تھے اگر وہ حضرت یوسف علیہ السلام کا سراغ لگانے کی کوشش کرتے تو لوگ بھی آپ علیہ السلام کی مدد کرتے اس سے معلوم ہوا کہ ان حالات میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا حضرت یوسف علیہ السلام کے معاملہ میں صبر کرنا عقلاً اور شرعاً درست نہ تھا۔

جواب

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کے معاملہ میں ان کو آزمائش میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔ نیز ان کو قرائن سے معلوم تھا کہ ان کے بیٹے بہت قوی اور زور آور اور خود سر ہیں۔ ان کو یہ خدشہ تھا اگر انہوں نے ان کے خلاف تفتیش کرنی شروع کی تو اپنے دفاع میں ان کا پہلا کام یہ ہوگا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کر ڈالیں گے۔ پس حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی اور سلامتی کی خاطر حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان بیٹوں کے خلاف کاروائی نہیں کی اور بڑی مصیبت کے مقابلہ میں چھوٹی مصیبت کو برداشت کر لیا اور ان کے فراق کو ان کی موت پر ترجیح دی۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ

اگر حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں کے خلاف تفتیش اور کاروائی کرتے تو لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے اغوا کی واردات کی ہے اور اس میں بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کی سبکی اور بدنامی تھی۔ نیز جب باپ کو یہ معلوم ہوا کہ اس کے ایک بیٹے نے دوسرے بیٹے پر ظلم کیا ہے تو یہ باپ کے لئے سخت عذاب اور تکلیف کا باعث ہے۔ اگر وہ ظالم بیٹے کو یونہی چھوڑ دے اور اس کو کوئی سزا نہ دے تو مظلوم بیٹے کے لئے اس کا دل جلتا رہے گا اور اگر وہ اس کو قرار واقعی سزا دے تو اس سے بھی اس کو تکلیف ہوگی کیونکہ وہ بھی بہر حال اس کا بیٹا ہے اور جب حضرت یعقوب علیہ السلام اس آزمائش میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے اس معاملہ میں صبر اور سکوت کرنا اور اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دینا ہی بہتر جانا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا صبر جمیل

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا جھوٹ ثابت ہو گیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا اب تو صبر جمیل کرنا ہی بہتر ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

انہوں نے بکری کا ایک بچہ ذبح کیا اور اس کے خون میں حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص لت پت کی یہ وہم دلانے کے لئے کہ بھیڑیا کے حملہ آور ہوتے وقت یوسف (علیہ السلام) نے یہ قمیص پہن رکھی تھی لیکن اس قمیص کو پھاڑنا بھول گئے۔ اس لیے یہ کھیل کامیاب نہ ہوسکا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے صراحتاً تو نہیں البتہ اشارۃً ان کے جھوٹ کو ثابت کرتے ہوئے فرمایا:

بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ

یعنی جس طرح تم کہہ رہے ہو معاملہ اس طرح نہیں بلکہ تمہارے نفسوں نے تمہارے لیے اس جرم کو آراستہ کر دیا اب میں تمہاری گھناؤنی سازش پر صبر جمیل کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے میری چارہ سازی فرمائے اور اس دکھ کو ٹال دے اور جس جھوٹ اور محال چیز کا تم دعویٰ کر رہے ہو اس پر میں اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کروں گا۔

(تفسیر ابن کثیر: ج:2، ص:814)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا صبر جمیل

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقعہ پر حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کی جس میں آپ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائے جانے کا ذکر ہے۔

اس میں آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! میری اور تمہاری مثال ایسے ہی ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے باپ نے کہا تھا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۔

(صحیح البخاری: تفسیر سورہ یوسف: ج:6، ص:96)

صبر جمیل کی تعریف

مجاہد نے کہا:

صبر جمیل وہ ہے جس میں گھبراہٹ، بے قراری اور بے چینی نہ ہو۔

حبان بن جبلہ بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صبر جمیل کے متعلق سوال کیا گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ وہ صبر ہے جس میں کسی سے شکایت نہ کی جائے۔

ثوری کے بعض اصحاب نے کہا:

صبر میں تین چیزیں ہیں!

1-اپنا درد کسی سے نہ کہو۔

2-اور نہ اپنی مصیبت کسی سے بیان کرو۔

3-اور نہ اپنی تعریف کرو۔

(جامع البیان: جز:12، ص:216 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا صبر جمیل پر قول

صبر جمیل پر امام محمد بن محمد غزالی متوفی 505ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ سے شکوہ اور شکایت کرنا حرام ہے اور جب آدمی اپنے مرض یا مصیبت کا کسی کے سامنے اظہار کرتا ہے اور وہ ا
مرض اور مصیبت کو ناپسند کرتا ہے اور اس سے ناراض ہوتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے فعل کی شکایت ہے اس لیے یہ حرام ہے۔ ہاں ا
اس پر قرائن ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فعل کو ناپسند نہیں کر رہا اور نہ اس پر ناراض ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے شکوہ اور شکایت نہیں کر
بلکہ اپنے درد اور مصیبت کا اظہار کر رہا ہے تو پھر اپنی تکلیف اور مصیبت کا اظہار کرنا حرام نہیں ہے لیکن پھر بھی خلاف اولیٰ ہے۔

اور اولیٰ یہ ہے کہ

وہ مصیبت کا اظہار بالکل نہ کرے کیونکہ اس سے شکایت کا وہم ہوتا ہے۔

بعض علماء کرام نے کہا:

جس نے اپنی مصیبت کا اظہار کیا اس نے صبر نہیں کیا۔

اور صبر جمیل کا معنی یہ ہے کہ

اس میں بالکل شکایت نہ ہو۔

(احیاء علوم الدین: ج:4، ص:255 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

نیز امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا۔

مومن کے تقویٰ پر تین چیزوں سے استدلال کیا جاتا ہے اس کو جو نعمت نہیں ملی اس کے حصول کا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ر
اور جو نعمت مل گئی ہو اس پر راضی رہے اور جو نعمت اس سے جاتی رہی ہو اس پر اچھی طرح صبر کرے۔

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کی معرفت کی نشانی یہ ہے کہ تم اپنی تکلیف کی شکایت نہ کرو اور اپنی مصیبت کا ذکر نہ کرو۔

(احیاء علوم الدین: ج:4، ص:62 مطبوعہ بیروت)

صبر جمیل کے حصول کے اسباب

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

صبر کی دو اقسام ہیں۔
کبھی صبر جمیل ہوتا ہے اور کبھی غیر جمیل ہوتا ہے۔
صبر جمیل وہ ہے جس میں بندہ کو یہ علم ہو کہ اس مصیبت کو نازل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے پھر اس کا یہ ایمان ہو کہ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے اور مالک اپنی ملک میں جو چاہے تصرف کرے اس پر کسی کا اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے اور جب اس کے دل میں یہ یقین جاگزین رہے گا پھر وہ اپنی مصیبت کی کسی سے شکایت کرنے سے باز رہے گا۔
شکایت نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ
اس کو یہ علم ہوگا کہ اس مصیبت کو نازل کرنے والا حکیم ہے اور عالم ہے اور رحیم ہے اور جب وہ ان صفات سے موصوف ہے تو اس سے جو فعل بھی صادر ہوگا وہ حکمت کے مطابق اور درست ہوگا پس اس وقت وہ مصیبت پر صبر و سکون سے رہے گا اور اس مصیبت پر اعتراض نہیں کرے گا۔
اور تیسری وجہ یہ ہے کہ
جب اس پر یہ منکشف ہوگا کہ اس مصیبت کا نازل کرنے والا حق تعالیٰ ہے تو وہ اس کے نور کے مشاہدہ میں مستغرق ہو جائے گا اور اس مشاہدہ میں اشتغال اس کو اس مصیبت کی شکایت کرنے سے باز رکھے گا اور ایسا صبر ہی صبر جمیل ہے۔ اور جب مصیبت پر صبر اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی قضا پر راضی رہنے کی وجہ سے نہ ہو بلکہ کسی اور غرض کی وجہ سے ہو تو پھر یہ صبر جمیل نہیں ہوگا۔
اور اس سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ
انسان کے تمام افعال، اقوال اور اعتقادات اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کے طلب کے لئے ہوں تو وہ اچھے اور نیک ہیں ورنہ نہیں۔
اسی وجہ سے حدیث مبارکہ میں ہے:
حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں نے عرض کیا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایک کام کے متعلق فتویٰ دیجئے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں اور کسی سے سوال نہیں کروں گا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تم اپنے دل سے فتویٰ لو خواہ تمہیں مفتی فتویٰ دیتے رہیں۔
(کنز العمال: رقم الحدیث 29339)
اور حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اے وابصہ! تم نیکی اور گناہ کے متعلق سوال کرنے کے لئے آئے ہو

میں نے کہا:

جی ہاں!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیاں جمع کر کے ان کو اپنے سینہ پر مارا۔

اور تین بار ارشاد فرمایا:

اپنے نفس سے فتویٰ لو۔

اپنے دل سے فتویٰ لو۔

نیکی وہ ہے جس پر تمہارا دل مطمئن ہو اور گناہ وہ کام ہے جو تمہارے دل میں کھٹک رہا ہو اور تمہارے سینہ میں تردد ہو خ

تمہیں لوگ فتویٰ دیتے رہیں۔

(مسند احمد: ج:4، ص:228) (مشکوٰۃ: رقم الحدیث:2774)

پس اگر کسی کام کو کرنے کے بعد تمہارا دل یہ گواہی دے کہ یہ کام تم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کیا ہے تو وہ نیکی ہے و نہیں تاہم یہ ضروری ہے کہ اس انسان کو احکام شرعیہ اور حلال و حرام کاموں کا علم ہو اور ایسا نہ ہو کہ وہ کسی غیر شرعی کام کو اللہ تع کی رضا سمجھ کر کرتا رہے جیسا کہ ہمارے زمانہ میں جاہل لوگوں کا حال ہے۔

صبر جمیل پر اجر عظیم کی خوشخبریاں

صبر جمیل پر اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے جب بندے کو اللہ تعالیٰ کی خوشنو حاصل ہو جاتی ہے تو اس کی دنیا و آخرت کامیاب ہو جاتی ہے۔ چند احادیث مبارکہ صبر جمیل پر اجر عظیم ہونے کی دال ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

جب میں اپنے مومن بندہ کو کسی مصیبت میں مبتلا کرتا ہوں اور وہ اپنے عیادت کرنے والوں سے میری شکایت نہ کر میں اس کو قید سے آزاد کر دیتا ہوں اور اس کا گوشت پہلے گوشت سے بہتر بنا دیتا ہوں اور اس کا خون پہلے خون سے بہتر بن ہوں اور از سر نو اس کے عمل شروع کر دیتا ہوں۔

(سنن کبریٰ للبیہقی: ج:3، ص:375)

ایک اور روایت میں ہے۔

حسن بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کو دو قطرے زیادہ محبوب ہیں۔

1 - ایک وہ قطرہ جو اس کے راستے میں گرا ہو۔

2-ایک وہ آنسو کا قطرہ جو اس شخص کی آنکھ سے گرا ہو جو آدھی رات کو اللہ تعالیٰ کے خوف سے کھڑا عبادت کر رہا ہو۔

اور اللہ تعالیٰ کو دو گھونٹ زیادہ محبوب ہیں۔

1-ایک صبر کا وہ گھونٹ جب کوئی شخص سخت درد کو برداشت کر کے صبر کا گھونٹ بھر لے۔

2-دوسرا وہ گھونٹ جب کوئی شخص غصہ کو برداشت کر کے صبر کا گھونٹ پی لے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج: 7، رقم الحدیث 34398 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ اجر والا وہ گھونٹ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے غصہ کو ضبط کر کے صبر کا گھونٹ بھر لے۔

(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث 4189)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

صدقہ کو مخفی رکھنا اور مصائب اور بیماریوں کو چھپانا نیکی کے خزانوں میں سے ہے اور جس نے اپنی پریشانی کا اظہار کیا اس نے صبر نہیں کیا۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث 10050)

حضرت یعقوب علیہ السلام کے صبر جمیل پر بھنوؤں کا جھک جانا

حضرت یعقوب علیہ السلام کے صبر جمیل کا یہ عالم تھا کہ بھنویں بھی جھک گئیں۔

حبیب بن ابی ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت یعقوب علیہ السلام کی بھنویں جھک گئی تھیں وہ ان کو کپڑے کی ایک دھجی سے اوپر کر رہے تھے۔

ان سے پوچھا گیا۔

یہ کیا ہے؟

انہوں نے کہا:

میرے غم کو بہت لمبا عرصہ گزر چکا ہے۔

تب اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ

اے یعقوب (علیہ السلام)! کیا تم مجھ سے شکایت کر رہے ہو؟

انہوں نے کہا:

اے میرے رب عزوجل! مجھ سے قصور ہوگیا تو اس کو معاف فرمادے۔

(جامع البیان: جز:12،ص:217 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

صبر جمیل میں شکوہ اور جزع خزع نہیں ہوتا

صبر جمیل میں شکوہ اور جزع خزع نہیں ہوتا۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

صبر جمیل وہ ہوتا ہے جس میں مخلوق کی طرف شکوہ اور جزع خزع نہیں ہوتا۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:264 دارالفکر بیروت)

کنویں پر بھائیوں کا تماشہ دیکھنا

جب بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال لیا تو تمام دن کنویں پر اس کے اردگرد تماشا دیکھنے کے لئے بیٹھے رہے کہ اس پر کیا گزرتی ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ

کنویں مین ڈالنے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی تمام دن کنویں کے اردگرد بیٹھے تماشا دیکھتے رہے کہ یوسف (علیہ السلام) پر کیا گزرتی ہے۔

(تفسیر ابن کثیر: ج:2،ص:814)

تین دن کنویں میں قیام

حضرت یوسف علیہ السلام تین دن کنویں میں قیام پذیر رہے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

آپ علیہ السلام بقول ابوبکر بن عیاش تین دن تک کنویں میں رہے۔

(تفسیر ابن کثیر: ج:2،ص:814)

قافلے والے کا کنویں پر آنا

جب حضرت یوسف علیہ السلام تین دن کنویں میں قیام پذیر رہے تو تین دن کے بعد ایک قافلہ کنویں کے گرد ٹھہرا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ (یوسف:19)

اور ایک قافلہ آیا۔

قافلہ کیسے آیا

قافلہ راستہ بھول گیا تھا اس راستہ کے بھولنے کی غرض سے انہوں نے کنویں کے گرد پڑاؤ کیا۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ایک قافلہ آیا جو مدین سے سفر کر کے مصر کی طرف جا رہا تھا وہ راستہ بھول گئے اور اس کنویں کے قریب پڑاؤ کیا یہ کنواں آبادی سے دور چرواہوں اور مسافروں کے لئے تھا اس کا پانی نمکین تھا لیکن جب حضرت یوسف علیہ السلام کو اس میں ڈالا گیا تو وہ پانی میٹھا ہو گیا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:265 دار الفکر بیروت)

عرضِ مصنف

میں کہتا ہوں قافلہ راستہ بھولا نہیں تھا بلکہ قدرت کی طرف سے انہیں بھلایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت یوسف علیہ السلام کو زندہ رکھنا تھا اور اس سے بہت بڑے کام لینے تھے اور سب سے بڑے مزے کی بات یہ ہے کہ کنویں والے نے خواب میں آپ علیہ السلام کے اٹھانے کا خواب دیکھا تھا۔

امام غزالی اس خواب دیکھنے والے کی تفصیل یوں بتاتے ہیں۔

مالک بن زعر خزاعی نے جب خواب دیکھا تھا تو تعبیر بتانے والے نے مالک کو یہ خوش خبری بھی سنائی تھی کہ وہ غلام جو تیرے ہاتھ آئے گا وہ صرف غلام ہی نہیں ہوگا بلکہ تو اس کے سبب تونگر ہو جائے گا اور پھر تونگری و فراخی قیامت تک تجھ میں اور تیری اولاد میں رہے گی اور اس کی برکت سے تو جہنم کی آگ سے نجات پا جائے گا اور اس کی دعا سے تو جنت میں داخل ہو جائے گا اور تیری اولاد بھی بہت ہوگی اور تیرا نام اور ذکر رہتی دنیا تک قائم اور روشن اور باقی رہے گا۔ اسی سورج کو پانے اور اسی ماہ جبین حاصل کرنے کے لئے وہ کئی دفعہ کنعان آیا لیکن اس کی خواب کی تعبیر پوری نہ ہوئی۔ آخر ہاتف غیبی نے آواز دی کہ تیری اور اس سراپا حسن کی ملاقات میں ابھی پچاس سال باقی ہیں اور جب مالک ابن زعر تلاش کرتا ہوا تیسری بار کنعان کی سرزمین میں آیا اس نے دیکھا رای طیور تطیر حول الجب پرندے اس کنویں کا طواف کر رہے ہیں اور کنویں کے ارد گرد اڑتے رہتے ہیں اور پرندے اس کنویں کے ارد گرد اس طرح سے اڑ رہے ہیں جیسے حاجی لوگ کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ اصل میں فرشتے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تعظیم و تکریم کے لئے بھیجا تھا۔

(احسن القصص، ص:60)

کنویں پر پانی لینے کے لئے آنا

جب کنویں کے ارد گرد قافلہ نے پڑاؤ کیا تو پانی لانے کی غرض سے قافلے والوں نے ایک شخص کو بھیجا۔ جب اس نے کنویں میں ڈول ڈالا تو حضرت یوسف علیہ السلام اس ڈول کی رسی کے ساتھ لٹک گئے اور جب ڈول ڈالنے والے نے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے حسن و جمال کو دیکھا تو وہ خوشی سے چلایا اور کہا مبارک ہو یہ ایک حسین و جمیل لڑکا ہے ان کی خوشی کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے انتہائی حسین لڑکا دیکھا تو انہوں نے کہا ہم اس کو بڑی بھاری قیمت لے کر فروخت کر دیں گے اور اس سے ہم کو بہت نفع ہوگا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَجَآءَتۡ سَیَّارَةٌ فَاَرۡسَلُوۡا وَارِدَهُمۡ فَاَدۡلٰی دَلۡوَهٗ ؕ قَالَ یٰبُشۡرٰی هٰذَا غُلٰمٌ ؕ (یوسف:19)

اور ایک قافلہ آیا تو انہوں نے ایک پانی لانے والے کو بھیجا پس اس نے اپنا ڈول ڈالا اس نے کہا مبارک ہو یہ ایک لڑکا ہے۔

کنویں سے حضرت یوسف علیہ السلام کا نکلنا

جب ڈول ڈالنے والے نے ڈول ڈالا تو حضرت یوسف علیہ السلام اس سے لپٹ گئے اور جب اس نے ڈول کو باہر نکالا تو حضرت یوسف علیہ السلام کو نہایت حسین وجمیل صورت میں دیکھ کر کہا یہ تو ایک بچہ ہے۔

تفسیر طبری میں ہے۔

محمد بن اسحاق نے کہا:

کنویں میں ڈالنے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی تمام دن کنویں کے اردگرد بیٹھے تماشا دیکھتے رہے کہ یوسف (علیہ السلام) پر کیا گزرتی ہے۔ قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ ایک قافلہ اس کنویں کے نزدیک فروکش ہوا۔ انہوں نے پانی لانے کے لئے اپنا آبکش بھیجا جب وہ اس کنویں پر آیا اور اپنا ڈول اس میں ڈالا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اسے مضبوطی سے تھام لیا۔ پانی کے بجائے ایسا من موہنا بچہ دیکھ کر وہ آبکش خوشی سے پھولے نہ سمایا۔ پکار اٹھا اے خوشخبری یہ (چاندسا) بچہ ہے۔

(تفسیر طبری: ج:12، ص:166)

مالک بن زعر کنویں پر آیا

جو شخص پانی لانے کے لئے آیا اس کا نام مالک بن زعر تھا۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

جب قافلہ والے وہاں اترے تو انہوں نے ایک شخص کو پانی لانے کے لئے بھیجا جو مدین کا باشندہ تھا اور اس کا نام مالک بن زعر تھا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:265 دار الفکر بیروت)

بشریٰ ساتھی کا نام

جو شخص پانی نکالنے آیا تھا اور ڈول سے حضرت یوسف علیہ السلام کو نکالا اور کہا بشریٰ یہ تو ایک بچہ ہے۔ بشریٰ اس کے ایک ساتھی کا نام تھا۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

سدی کا خیال ہے کہ

بشریٰ اس آبکش کے ساتھی کا نام ہے جسے اس نے پکار کر آگاہ کیا تھا کہ اسے ایک بچہ ملا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر: ج:2، ص:815)

حضرت یوسف علیہ السلام کو مال تجارت کی غرض سے چھپانا

جب آبکش نے حضرت یوسف علیہ السلام کو نکال لیا تو مال تجارت کی غرض سے چھپا لیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ (یوسف:19)

اور انہوں نے یوسف کو مال تجارت بنا کر چھپا لیا۔

گرا ہوا بچہ لقیط ہے

جس بچے کو اس کے گھر والے فقر و فاقہ کے خوف سے یا زنا کی تہمت سے بچنے کے لئے گھر سے باہر راستہ میں ڈال دیں اس کو لقیط کہتے ہیں۔

اس کے بارے میں حسب ذیل اقوال ہیں۔

جو چیز زمین سے اٹھائی جائے اس کو لقیط کہتے ہیں اور اس کا غالب استعمال اس بچہ کے لئے ہوتا ہے جس کو پھینک دیا جائے۔

(الصحاح: ج:2، ص:571)

علامہ علاؤالدین محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی متوفی 1088ھ لکھتے ہیں:

جس زندہ بچے کو اس کے گھر والے فقر و فاقہ کے خوف یا زنا کی تہمت سے بچنے کے لئے گھر سے باہر راستہ میں ڈال دیں اس کو لقیط کہتے ہیں۔ اس بچہ کو ضائع کرنے والا گناہ گار ہوگا۔ اگر کسی شخص کو یہ ظن غالب ہو کہ اگر اس بچہ کو نہ اٹھایا گیا تو یہ ہلاک ہو جائے گا تو پھر اس کا اٹھانا فرض کفایہ ہے اگر اس کے علاوہ کسی اور کو اس بچہ کا علم نہ ہو تو پھر اس کا اٹھانا فرض عین ہے اسی طرح اگر وہ دیکھے کہ کوئی نابینا کنویں میں گرنے والا ہے تو اس کا بچانا فرض عین ہے۔

(درمختار مع ردالمحتار: ج:6، ص:326 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فقہاء شافعیہ کے نزدیک لقیط کی یہ تعریف یہ ہے کہ

جو بچہ عام راستہ پر پڑا ہوا ہو اور اس کا کوئی دعویدار نہ ہو عام طور پر یہ بچہ ہوتا ہے لیکن کبھی سمجھدار لڑکا بھی ہوتا ہے۔

(مغنی المحتاج: ج:2، ص:418)

اور فقہاء حنبلیہ کے نزدیک لقیط کی یہ تعریف ہے کہ

جس بچہ کا نسب معلوم نہ ہو نہ اس کا غلام ہونا معلوم ہو یا وہ اپنی پیدائش سے لے کر سن شعور کے زمانہ تک اپنے گھر کا راستہ گم کر چکا ہو۔

(کشاف القناع: ج:4، ص:226)

فقہاء مالکیہ کے نزدیک لقیط وہ چھوٹا بچہ ہے جو نابالغ ہو خواہ سمجھدار ہو اور کافر، کافر کو اٹھائے مسلمان کو نہ اٹھائے کیونکہ کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں ہے اور مسلمان کافر اور مسلمان دونوں کو اٹھا سکتا ہے۔

(بدایۃ المجتہد: ج:2، ص:232)

لقیط کے شرعی احکام

علامہ علاؤالدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی 587ھ لکھتے ہیں:
غلام اور آزاد ہونے کے اعتبار سے لقیط کا یہ حکم ہے کہ وہ آزاد ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے لقیط کے متعلق یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ آزاد ہے اور اس لیے بھی کہ اولاد آدم میں اصل یہ ہے کہ وہ آزاد ہیں کیونکہ غلامی تو ان کافروں کی حمایت میں لڑنے اور پھر جنگی قیدی ہونے کی وجہ سے عارضی ہوتی ہے اس لیے اصل پر عمل کرنا واجب ہے اور اس پر وہ تمام احکام لاگو ہوں گے جو آزاد انسانوں پر لاگو ہوتے ہیں۔ اور اسلام اور کفر کے اعتبار سے لقیط کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ مسلمانوں کے شہروں یا ان کے مضافات میں ملا ہے تو وہ مسلمان قرار دیا جائے گا حتیٰ کہ اگر وہ مر گیا تو اس کو غسل دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ اور اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا اور اگر اس کو ذمی نے، یہودیوں یا عیسائیوں کی کسی عبادت میں پڑا ہوا پایا وہ ذمیوں کی کسی بستی میں ملا جس میں کوئی مسلمان نہیں تھا تو اس کو ظاہر حال کے اعتبار سے ذمی قرار دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر اس کو مسلمان نے کسی یہودیوں یا عیسائیوں کے معبد میں پایا یا اہل ذمہ کی بستی میں پایا تو اس کو ذمی قرار دیا جائے گا اور اس کے نسب کے اعتبار سے حکم یہ ہے کہ وہ مجہول النسب ہے حتیٰ کہ اگر کسی انسان نے دعویٰ کیا کہ وہ اس کے نسب سے ہے تو اس کا دعویٰ صحیح قرار دیا جائے گا اور اس کا اس سے نسب ثابت ہو جائے گا۔

اس کو زمین سے اٹھانے کا حکم یہ ہے کہ
اس کا اٹھانا مستحب ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لقیط کے اٹھانے کو نیک کام قرار دیا بلکہ اس کو بہت افضل نیکی قرار دیا کیونکہ لقیط ایک نفس انسان ہے اور اس کا کوئی محافظ نہیں بلکہ وہ ضائع ہونے کے خطرہ میں ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
جس شخص نے ایک انسان کی زندگی بچائی گویا اس نے تمام انسانوں کی زندگی بچائی۔

(المائدہ:32)

لقیط کو رکھنے کے اعتبار سے حکم یہ ہے کہ
جس شخص نے اس کو اٹھایا ہے وہ اس کو رکھنے کا زیادہ حق دار ہے اور کسی دوسرے کے لئے لقیط کو اس سے لینا جائز نہیں ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔
جس شخص نے کسی مردہ زمین کو آباد کیا وہ اس کی ہے۔

اور اس کے خرچ کے اعتبار سے حکم یہ ہے کہ
اس کا خرچ بیت المال کے ذمہ ہے اور اگر لقیط کے ساتھ کچھ مال بندھا ہوا ملے تو وہ لقیط کا ہے جیسے اس کے جسم کے کپڑے اس کی ملکیت ہیں اور اگر وہ کسی سواری پر بندھا ہوا ملے تو سواری بھی اس کی ملکیت ہے اور پھر سواری کو بیچ کر اس کا خرچ پورا کیا جائے گا کیونکہ بیت المال سے ضرورت کی بناء پر خرچ لیا جاتا ہے اور اب ضرورت نہیں ہے اور اس کی جان اور اس کے مال کا ولی سلطان ہے۔

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی سلطان ہے۔

(بدائع الصنائع: ج:8،ص:318 تا 323 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کو نکالتے وقت کنویں کا رونا

جب کنویں سے حضرت یوسف علیہ السلام کو نکالا گیا تو کنواں رونے لگ گیا تھا۔

مجاہد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ

کنواں رونے لگا تھا جب حضرت یوسف علیہ السلام کو اس سے نکالا گیا تھا۔

(تفسیر مظہری: ج:5،ص:187 ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

خریدنے کا جھوٹا دعویٰ

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکالنے والے نے نکال لیا تو آپ علیہ السلام کو اس خوف سے چھپا لیا کہ اس میں شریک ہونے کا دعویٰ کریں گے حالانکہ نکالا تو میں نے ہے اس لیے اس نے جھوٹا دعویٰ کیا کہ میں نے اس کو خریدا ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

قافلہ کے پانی لانے والے لوگوں نے آپ علیہ السلام کو متاع گراں بہا سمجھتے ہوئے چھپا لیا چونکہ ابھی خدشہ تھا کہ اگر قافلہ کے باقی لوگوں کو اس کی خبر بھنک پڑ گئی تو وہ بھی اس میں شریک ہونے کا دعویٰ کریں گے اس لیے انہوں نے یہ کہہ دیا کہ ہم نے کنویں کے پاس کے لوگوں سے یہ بچہ خریدا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر: ج:2،ص:815)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اللہ ان کے کاموں کو خوب جاننے والا ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ جو وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ معاملہ کر رہے تھے اللہ تعالیٰ اس کو جانتا تھا کہ یہ کیوں کر رہے ہیں اور کس لیے کر رہے ہیں۔

یہودا کا حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں نہ پا کر بھائیوں کو بلانا

یہودا تین دن تک حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں کھانا پہنچاتا رہا ایک دن وہ آیا تو حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں نہ پایا اور پھر واپس دوڑا اور اپنے بھائیوں کو بلا کر لے آیا تاکہ حضرت یوسف علیہ السلام کی تلاش کی جائے۔

تفسیر مظہری میں ہے۔

یہودا ہر روز آپ علیہ السلام کے پاس کھانا لاتا تھا اس دن وہ پہنچا تو یوسف علیہ السلام کو کنویں میں نہ پایا واپس جا کر اپنے بھائیوں کو خبر دی تو وہ اس کی تلاش میں نکل پڑے۔

(تفسیر مظہری: ج:5،ص:187 ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کو تلاش کرنا اور دھمکی دینا

جس دن یہودا کھانا دینے آیا تو حضرت یوسف علیہ السلام کو نہ پایا ہُواپس جا کر اپنے بھائیوں کو بلا لایا اور بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کی تلاش میں نکلے حتیٰ کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو تلاش کر لیا اور حضرت یوسف علیہ السلام حقیقت حال بیان نہ کرنے کے لئے دھمکی بھی دی۔

تفسیر مظہری میں ہے۔

یہودا ہر روز آپ علیہ السلام کے پاس کھانا لاتا تھا اس دن وہ پہنچا تو حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں نہ پایا۔ واپس جا کر اپنے بھائیوں کو خبر دی تو وہ اس کی تلاش میں نکل پڑے تو انہوں نے مالک بن زعر اور اس کے ساتھیوں کا پڑاؤ دیکھا وہ ان کے پاس آئے حضرت یوسف علیہ السلام اُن کے پاس تھے۔ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے معاملہ کی حقیقت کو چھپایا۔

اور کہا:

یہ ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے۔

اور کہا جاتا ہے کہ

جب وہ یہ جھوٹ بول رہے تھے تو ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی دھمکی دی کہ حقیقت بیان نہ کرنا۔

(تفسیر مظہری: ج:5، ص:187 ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

بھائیوں کی دھمکی پر حضرت یوسف علیہ السلام کا خاموش ہونا

جب بھائیوں نے دھمکی دی تو حضرت یوسف علیہ السلام قتل کے خوف سے خاموش رہے۔

تفسیر مظہری میں ہے۔

کہا جاتا ہے کہ

جب وہ یہ جھوٹ بول رہے تھے تو ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی دھمکی دی کہ حقیقت بیان نہ کرنا۔ حضرت یوسف علیہ السلام قتل کے خوف سے خاموش رہے۔

(تفسیر مظہری: ج:5، ص:187 ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ علیہ السلام کے معاملہ کو پوشیدہ رکھا اور یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام ان کا بھائی ہے۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی اس راز سے پردہ نہ اٹھایا کہ کہیں بھائی انہیں قتل نہ کر دیں۔

(تفسیر ابن کثیر: ج:2، ص:815)

حضرت یوسف علیہ السلام کو چند کھوٹے سکوں کے عوض بیچنا

تمام بھائیوں نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کو قافلہ میں پا لیا تو دعویٰ کیا کہ یہ ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے اور ہم اس

تلاش کررہے ہیں اگر تم اس کو خریدنا چاہتے ہو تو ہم اس کو بیچتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ (یوسف:20)

اور بھائیوں نے یوسف کو (قافلہ سے لے کر) چند کھوٹے درہموں کے بدلے میں بیچ دیا۔

چالیس یا بیس یا بائیس دراہم کے عوض بیچنا

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ علیہ السلام کو (20) بیس دراہم یا 40 چالیس دراہم کے بدلے میں بیچا تھا۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

انہوں نے آپ علیہ السلام کو بیس دراہم کے عوض بیچ ڈالا اور یہ دراہم آپس میں بانٹ لئے۔

مجاہد نے کہا:

بائیس دراہم میں سودا کیا۔

محمد بن اسحاق اور عکرمہ نے کہا:

چالیس دراہم میں بیچا تھا۔

(تفسیر ابن کثیر: ج:2، ص:816)

تمام بھائیوں نے آپس میں دو دو درہم تقسیم کیے

جب بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بیچ لیا تو حاصل ہونے والی رقم آپس میں بانٹ لی اور آپس میں دو دو درہم تقسیم کیے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ بیچ فرماتے ہیں۔

تمام بھائیوں نے دو دو درہم تقسیم کر لیے تھے۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:267 دارالفکر بیروت)

بھائیوں کا قافلے والوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کے باندھنے کا حکم

جب قافلے والے حضرت یوسف علیہ السلام کو لے کر چلے گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی قافلے کے پیچھے بھاگے اور ان کو جا کر کہا کہ ان کو باندھ لو یہ نہ ہو کہ یہ فرار ہو جائے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

مجاہد کہتے ہیں کہ

وہ آپ علیہ السلام کو بیچ دینے کے بعد قافلے کے پیچھے چل دیے۔

اوران سے کہنے لگے کہ

اسے اچھی طرح باندھ لینا کہیں فرار نہ ہو جائے۔

(تفسیر ابن کثیر: ج:2،ص:816)

معالم التنزیل میں ہے۔

پھر مالک زعر اور اس کے ساتھی حضرت یوسف علیہ السلام کو لے کر چلے تو بھائیوں نے ان کا پیچھا کیا۔

اور کہا کہ

اس سے عہد لو کہ یہ نہیں بھاگے گا۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:267 دار الفکر بیروت)

بیچتے وقت دستاویز لکھنا

حضرت یوسف علیہ السلام کو بیچتے وقت انہوں نے یہ دستاویز لکھیں کہ مالک بن زعر نے یعقوب کے فلاں فلاں بیٹوں سے یہ غلام بیس درہم کے عوض خرید لیا ہے۔

سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

وہب بن منبہ اور دیگر نے کہا:

جب مالک بن زعر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں سے خریدا تو انہوں نے ایک دوسرے کو یہ دستاویز لکھ کر دی۔

مالک بن زعر نے یعقوب کے فلاں فلاں بیٹوں سے یہ غلام بیس درہم کے عوض خرید لیا ہے۔

(روح المعانی: جز:2،ص:310)

بھائیوں کی طرف سے زنجیروں اور بیڑیوں سے باندھنے کی شرط

جب بھائیوں نے دستاویز لکھ دیں تو ساتھ یہ بھی شرط عائد کر دی کہ یہ بھاگا ہوا غلام ہے اس کو زنجیروں اور بیڑیوں میں باندھ کر رکھا جائے۔ اور انہوں نے اس پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بھی بنایا تھا۔

سید محمود آلوسی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ان کے بھائیوں نے یہ شرط عائد کی تھی کہ یہ بھاگا ہوا غلام ہے اور اس کو زنجیروں اور بیڑیوں میں باندھ کر رکھا جائے اور انہوں نے اس پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنایا تھا۔

(روح المعانی: جز:2،ص:310)

حضرت یوسف علیہ السلام کا قافلے کی رخصتی کے وقت بھائیوں کو دعا دینا

بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام پر انتہا درجے کے ظلم کیے مگر حضرت یوسف علیہ السلام ایسے صابر نبی تھے کہ دینے کے باوجود اور بیڑیوں اور زنجیروں میں جکڑ دینے کی شرط عائد کرنے پر بھائیوں کو دعاؤں سے نواز رہے ہیں۔

سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:
رخصتی کے وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے کہا۔
اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے، ہر چند کہ تم نے مجھے ضائع کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے، ہر چند کہ تم نے مجھے رسوا کیا ہے اور اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے اگر چہ تم نے مجھ پر رحم نہیں کیا۔
(روح المعانی: جز:2، ص:310)

حضرت یوسف علیہ السلام کو زنجیروں اور بیڑیوں سے باندھ کر ننگے پالان پر بٹھانا

حضرت یوسف علیہ السلام کو زنجیروں اور بیڑیوں سے باندھ کر ننگے پالان پر بٹھایا گیا تھا۔
سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:
انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو زنجیروں اور بیڑیوں سے باندھ کر ننگے پالان پر بٹھایا یعنی پالان پر کوئی فرش یا بچھونا نہیں تھا۔
(تفسیر روح المعانی: جز:2، ص:310)

حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنی والدہ کی قبر پر رونا

جب قافلے والے حضرت یوسف علیہ السلام کو لے کر روانہ ہوئے تو راستے میں اپنی والدہ محترمہ کی قبر آئی۔ آپ علیہ السلام اپنی والدہ کی قبر پر زار و قطار روئے اور استغاثہ اس طرح پیش کیا۔
سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:
جب وہ قافلہ آل کنعان کی قبروں سے گزرا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی والدہ کی قبر کو دیکھا اور ایک سیاہ فام حبشی ان کے پہرے پر مامور تھا اس لمحہ میں وہ غافل ہو گیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے آپ کو اپنی والدہ کی قبر پر گرا دیا اور ان کی قبر پر لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ اور ان کی قبر سے گلے لگ گئے۔
اور اضطراب سے کہنے لگے!
اے میری ماں! سر اٹھا کر اپنے بیٹے کو دیکھیے وہ کس طرح زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ گلے میں غلامی کا طوق پڑا ہوا ہے۔ اس کو اس کے بھائیوں نے اس کے والد سے جدا کر دیا۔
آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ
وہ ہم کو اپنی رحمت کے مستقر میں جمع کر دے۔ بے شک وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔
(روح المعانی: جز:2، ص:311)

حبشی کا حضرت یوسف علیہ السلام کو مارنا

جب حبشی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو پالان پر نہیں دیکھا تو وہ پیچھے دوڑا اس نے دیکھا کہ وہ ایک قبر کے پاس ہیں اس نے اپنے پیر سے خاک پر ٹھوکر ماری اور حضرت یوسف علیہ السلام کو خاک میں رنگ دیا اور آپ علیہ السلام کو دردناک مار لگائی۔

سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔
ادھر جب اس حبشی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو پالان پر نہیں دیکھا تو وہ پیچھے دوڑا۔
اس نے دیکھا کہ
وہ ایک قبر کے پاس ہیں۔اس نے اپنے پیر سے خاک پر ٹھوکر ماری اور حضرت یوسف علیہ السلام کو خاک پر لوٹ پوٹ کر دیا اور آپ علیہ السلام کو دردناک مار لگائی۔

(روح المعانی: جز:2،ص:311)

حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا مجھے مت مارو

جب حبشی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دردناک مار لگائی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا مجھے مت مارو۔اللہ تعالیٰ کی قسم میں تو بھاگا نہیں بلکہ اپنی والدہ کو الوداع کرنے لگ گیا تھا۔
سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:
حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا!
مجھے مت مارو۔اللہ تعالیٰ کی قسم میں بھاگا نہیں تھا۔میں جب اپنی ماں کی قبر کے پاس سے گزرا تو میں نے چاہا کہ میں اپنی ماں کو الوداع کہوں اور میں دوبارہ ایسا کام نہیں کروں گا جو تم کو ناپسند ہو۔

(روح المعانی: جز:2،ص:311)

حبشی کا بہت برا غلام کہنا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا میں تو بھاگا نہیں تھا بلکہ اپنی والدہ محترمہ کو الوداع کہہ رہا تھا تو حبشی نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم تو بہت برا غلام ہے تو کبھی اپنے باپ کو پکارتا ہے اور کبھی اپنی ماں کو پکارتا ہے تو نے اپنے مالکوں کے سامنے اس طرح کیوں نہیں کیا۔
سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:
اس حبشی نے کہا:
اللہ تعالیٰ کی قسم تو بہت برا غلام ہے۔تو کبھی اپنے باپ کو پکارتا ہے اور کبھی اپنی ماں کو پکارتا ہے تو نے اپنے مالکوں کے سامنے ایسا کیوں نہیں کیا۔

(روح المعانی: جز:2،ص:312)

حضرت یوسف علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنا

جب حبشی نے آپ علیہ السلام کو بہت برا غلام کہا تو آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی کہ اے اللہ عزوجل اگر تیرے نزدیک میرے یہ کام خطا ہیں تو میں اپنے دادا حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق علیہما السلام اور اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں تو مجھے معاف کردے اور مجھ پر رحم فرما۔

سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:
(پچھلا قول ذکر کرنے کے بعد لکھا)
تب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر دعا کی۔
اے اللہ عزوجل!
اگر تیرے نزدیک میرے یہ کام خطا ہیں تو میں اپنے دادا حضرت ابراہیم و حضرت اسحاق علیہما السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں کہ تو مجھے معاف فرما دے اور مجھ پر رحم فرما۔
(روح المعانی: جز:2،ص:312)

حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا پر فرشتوں کا رونا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی تو آسمان کے فرشتوں میں چیخ و پکار شروع ہوگئی اور وہ رونے لگے۔
سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:
(جب حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا کی) تب آسمان کے فرشتوں نے چیخ و پکار کی اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے۔
اور کہا: اے یوسف (علیہ السلام) اپنی آواز کو پست رکھیں۔ آپ علیہ السلام نے تو آسمان کے فرشتوں کو رلا دیا ہے۔
(روح المعانی: جز:2،ص:313)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا زمین پر اپنا پر مارنا اور گرد و غبار چھا جانا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی تو فرشتے رونے لگ گئے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام زمین پر نازل ہوئے اور فرمایا کیا تم یہی چاہتے ہو کہ میں زمین کا اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر کر کے زمین کو الٹ پلٹ کر دوں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔ اے جبرائیل علیہ السلام ٹھہرو! بے شک اللہ تعالیٰ حلیم ہے جلدی نہیں کرتا تب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے زمین پر اپنا پر مارا تو زمین پر اندھیرا چھا گیا اور گرد و غبار اڑنے لگا۔
سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:
(حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا) کیا آپ علیہ السلام یہ چاہتے ہیں کہ میں زمین کا اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر کر کے اس زمین کو الٹ پلٹ کر دوں۔
حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا:
اے جبرائیل علیہ السلام! ٹھہرو! بے شک اللہ تعالیٰ حلیم ہے جلدی نہیں کرتا تو جبرائیل علیہ السلام نے زمین پر اپنا پر مارا تو اندھیرا چھا گیا اور گرد و غبار اڑنے لگا۔
(روح المعانی: جز:2،ص:313)

سورج گہن لگنا

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا زمین پر اپنا پر مارنے کے بعد زمین پر اندھیرا چھا گیا اور سورج کو گہن لگ گیا۔

سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے زمین پر اپنا پر مارا تو زمین میں اندھیرا چھا گیا اور گرد و غبار اڑنے لگا اور سورج کو گہن لگ گیا۔

(روح المعانی: جز:2،ص:313)

قافلے والوں کی اضطرابی

جب زمین پر اندھیرا چھا گیا اور گرد و غبار اڑنے لگا اور سورج کو گہن لگ گیا تو قافلے والوں کو سخت اضطرابی ہوئی۔ وہ ایک دوسرے کو پہچان نہیں پاتے تھے۔

سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے زمین پر اپنا پر مارا تو زمین پر اندھیرا چھا گیا اور گرد و غبار اڑنے لگا اور سورج کو گہن لگ گیا اور قافلہ اس حال میں تھا کہ کوئی شخص دوسرے کو نہیں پہچان رہا تھا۔

(روح المعانی: جز:2،ص:313)

قافلے کے سردار کا پوچھنا

جب قافلے کے سردار نے گرد و غبار دیکھا اور سورج کو گہن لگا ہوا دیکھا تو کہا تم نے ایسا کوئی کام ضرور کیا ہے جس کی وجہ سے یہ حال ہو رہا ہے۔

سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قافلہ کے سردار نے کہا:

تم میں سے کسی نے ضرور کوئی ایسا کام کیا ہے جو پہلے نہیں کیا گیا تھا۔ میں اتنے طویل عرصہ سے اس علاقہ میں سفر کر رہا ہوں اور میرے ساتھ کبھی اس قسم کا معاملہ پیش نہیں آیا۔

(روح المعانی: جز:2،ص:313)

حبشی کا حضرت یوسف علیہ السلام کو تھپڑ مارنے کا بتانا

جب قافلے کے سردار نے اس تمام صورت حال کی وجہ پوچھی تو حبشی غلام نے کہا میں نے اس کو تھپڑ مارا تھا اور انہوں نے آسمان کی طرف اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر دعا کی تھی۔

سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

(قافلے کے سردار کے پوچھنے پر) تب حبشی غلام نے کہا:

میں نے اس عبرانی غلام کو ایک تھپڑ مارا تھا۔ تب اس نے آسمان کی طرف اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور کچھ دعا کی۔

اس نے کیا دعا کی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے ہمارے خلاف دعا کی تھی۔

(روح المعانی: جز:2،ص:314)

قافلے کے سردار کا حضرت یوسف علیہ السلام سے معافی مانگنا

جب غلام نے سارا واقعہ سنا دیا تو قافلے کے سردار نے حضرت یوسف علیہ السلام سے معافی مانگی۔

سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

سردار نے کہا:

تو نے ہمیں ہلاک کرنے کا سامان کر دیا۔ اس غلام کو ہمارے پاس لے کر آؤ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو لے کر آیا۔

سردار نے آپ علیہ السلام سے کہا۔

اے لڑکے! اس نے تم کو تھپڑ مارا جس کے نتیجے میں ہم پر وہ عذاب آیا جس کو تم دیکھ رہے ہو۔ اگر تم بدلا لینا چاہتے ہو تو تم جس سے چاہو بدلہ لے لو اور اگر تم معاف کر دو تو تم سے یہی توقع ہے۔

(روح المعانی: جز:2،ص:314)

حضرت یوسف علیہ السلام کے معاف کرنے پر گرد و غبار چھٹ جانا اور سورج ظاہر ہونا

جب قافلے کے سردار نے حضرت یوسف علیہ السلام سے معافی مانگی تو آپ علیہ السلام نے انہیں معاف کر دیا اور آپ علیہ السلام کے معاف کرنے پر گرد و غبار چھٹ گیا اور سورج ظاہر ہو گیا اور مشرق و مغرب میں روشنی پھیل گئی۔

سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

میں اسی امید پر اس کو معاف کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما دے تو اسی وقت وہ گرد و غبار چھٹ گیا اور سورج ظاہر ہو گیا اور مشرق و مغرب میں روشنی پھیل گئی۔

(روح المعانی: جز:2،ص:314)

قافلے کے سردار کا حضرت یوسف علیہ السلام کی صبح و شام زیارت کرنا

قافلے کا سردار سمجھ گیا تھا کہ یہ کوئی عام ہستی نہیں بلکہ ارفع و اعلیٰ ہستی ہے اسی لیے وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی صبح و شام زیارت کرتا تھا۔

سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اور وہ سردار صبح و شام حضرت یوسف علیہ السلام کی زیارت کرتا تھا اور آپ علیہ السلام کی تعظیم و تکریم کرتا تھا۔

(روح المعانی: جز:2،ص:314)

حضرت یوسف علیہ السلام کا غسل کرنا اور حسن و جمال کا دوبالا ہونا

حضرت یوسف علیہ السلام جب مصر پہنچے تو دریائے نیل میں غسل کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی تمام سفر کی تھکاوٹ

دور کردی اور آپ علیہ السلام کا حسن و جمال لوٹا دیا۔

سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حتیٰ کہ حضرت یوسف علیہ السلام مصر پہنچ گئے اور آپ علیہ السلام نے دریائے نیل میں غسل کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان سے سفر کی تھکاوٹ دور کردی اور ان کا حسن و جمال لوٹا دیا۔

(روح المعانی: جز:2،ص:314)

حضرت یوسف علیہ السلام کا نور شہر کی دیواروں پر پڑتا تھا

قافلے کا سردار آپ علیہ السلام کو لے کر مصر کے شہر میں دن کے وقت داخل ہوا حضرت یوسف علیہ السلام جس راستے سے گزر۔ تو آپ علیہ السلام کے چہرہ اقدس کا نور شہر کی دیواروں پر پڑتا تھا۔

سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وہ سردار حضرت یوسف علیہ السلام کو لے کر دن میں شہر میں داخل ہوا اور آپ علیہ السلام کے چہرے کا نور شہر کی دیواروں پر پڑ رہا تھا۔

(روح المعانی: جز:2،ص:314)

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی جلوے

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مقدس ہر چیز سے پہلے پیدا کیا گیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو حضرت آدم علیہ السلام میں ودیت کیا گیا تو حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے چمکتی تھی، اسی طرح نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ میں ہوا پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ محترمہ کے شکم اطہر میں تھے تو نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے خوشبو کے حلے نکلتے تھے اور جب دنیا میں تشریف لائے تو زمانہ روشن ہو گیا اور جب دنیا میں اپنے مقدس لحات گزارے تو نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے کرشمے ہی کرشمے نکلتے تھے۔ الغرض نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے لے کر اب تک بلکہ قیامت کیا جنت میں بھی میرے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے جلوے ہی جلوے ہوں گے۔

احادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں۔

سیرت حلبیہ میں ہے۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ اپنے والد ماجد سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سے اور وہ اپنے والد مکرم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں پیدائش آدم علیہ السلام سے چودہ ہزار برس پہلے اپنے رب کے حضور میں ایک نور تھا۔

(سیرت حلبیہ: باب نسبہ الشریف صلی اللہ علیہ وسلم: ج:1،ص:47 دار الکتب العلمیہ بیروت)

پھر حضرت آدم علیہ السلام میں نور مقدس تشریف لایا۔
امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں۔
مروی ہے کہ
جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کو الہام فرمایا کہ وہ یہ عرض کریں۔
اے میرے رب عزوجل! تو نے میری کنیت ابو محمد کیوں رکھی ہے؟
تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
اے آدم علیہ السلام! اپنا سر اٹھاؤ۔ آپ علیہ السلام نے سر اٹھایا تو نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش کے پردوں میں دیکھا۔
عرض کیا۔
اے میرے رب عزوجل! یہ نور کیسا ہے؟
تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
یہ نور تیری اولاد میں سے ایک نبی کا نور ہے۔ اس کا نام آسمانوں میں احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور زمین میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اگر یہ نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔ اور نہ ہی آسمان وزمین کو پیدا کرتا۔
(مواہب اللدنیہ: باب تشریف اللہ تعالیٰ لہ صلی اللہ علیہ وسلم: ج:1 ص:47 مکتبہ توفیقیہ قاہرہ مصر)
علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔
جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو ان کی پشت میں رکھ دیا تو وہ ان کی پیشانی سے چمکتا تھا۔
(تفسیر روح البیان: سورہ توبہ: تحت آیہ:128، ج:3، ص:543 بیروت)
علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔
جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو ان کی پشت میں رکھ دیا تو وہ نور ان کی پیشانی میں چمکتا تھا۔ پھر یہ نور حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام کی طرف منتقل ہو گیا جو کہ ان کے وصی تھے اور ان کی اولاد میں سے تیسرے تھے۔ حضرت حواء رضی اللہ عنہا ایک بچہ اور ایک بچی اکٹھے پیدا کرتی تھیں۔ صرف حضرت شیث علیہ السلام کو اکیلے پیدا کیا۔ نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم کی وجہ سے۔ پھر نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یکے بعد دیگرے ان کی اولاد میں منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ حضرت عبدالمطلب کے پاس آیا پھر ان کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور پھر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لایا۔
(تفسیر روح البیان: سورہ توبہ: تحت آیہ:128، ج:3، ص:543 بیروت)
محدث وفقیہ علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔
حاصل کلام یہ ہے کہ
نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آباء کرام سے منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پشت اطہر میں خوب

ظاہر ہوا۔

(شرح شفاء، فصل اول: فیما جاء من ذالک مجئی المدح: ج:1، ص:50 بیروت)

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

حضرت عبدالمطلب سے مشک کی خوشبو آتی تھی اور نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پیشانی میں چمکتا تھا۔ جب قریش قحط میں مبتلا ہوتے تو وہ حضرت عبدالمطلب کا ہاتھ پکڑ کر کوہ ثبیر کی طرف لے جاتے اور ان کے ذریعہ تقرب خداوندی عزوجل تلاش کرتے اور بارش کے لئے دعائیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے کثرت سے بارش عطا فرماتا۔

(مواہب اللدنیہ: باب طہارۃ نسبہ صلی اللہ علیہ وسلم: ج:1، ص:63 مکتبہ توفیقیہ قاہرہ)

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

یمن کا بادشاہ ابرہہ جب (نعوذ باللہ) بیت اللہ کو منہدم کرنے کے لئے آیا۔ حضرت عبدالمطلب تک یہ بات پہنچی۔

تو انہوں نے قریش کو کہا۔

اے گروہ قریش! وہ بیت اللہ کو نہیں گرا سکے گا کیونکہ یہ رب عزوجل کا گھر ہے وہ ہی اس کی حفاظت فرمائے گا۔ پھر جب ابرہہ آیا تو وہ قریش کے اونٹوں کو ہنکا کر لے گیا حضرت عبدالمطلب کوہ ثبیر پر چڑھے تو نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہلال (چاند) کی شکل میں ان کی پیشانی میں اس قوت سے چمکا کہ اس کی شعاعیں چراغ کی طرح خانہ کعبہ پر پڑیں۔ جب حضرت عبدالمطلب نے نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خانہ کعبہ پر چمکتا ہوا دیکھا۔

تو ارشاد فرمایا:

اے گروہ قریش! واپس چلو تمہیں یہ امر کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم جب بھی یہ نور مجھ میں اس طرح چمکتا ہے تو فتح ہماری ہوتی ہے۔ تمام لوگ متفرق ہو کر واپس آ گئے۔

(مواہب اللدنیہ: باب طہارۃ نسبہ صلی اللہ علیہ وسلم: ج،1، ص:63 مکتبہ توفیقیہ قاہرہ)

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں۔

جب حضرت عبدالمطلب ابرہہ کے پاس تشریف لے کر گئے تو ابرہہ نے سائیس کو حکم دیا کہ بڑے سفید ہاتھی کو لائے۔ یہ سفید ہاتھی تھا کہ (سدھانے کے باوجود) جس نے کبھی ابرہہ کو سجدہ نہیں کیا تھا حالانکہ باقی سارے ہاتھی اسے سجدہ کرتے تھے۔ جب ہاتھی کی نظر حضرت عبدالمطلب کے چہرے پر پڑی تو ان کے سامنے ادب سے اس طرح بیٹھ گیا جیسے اونٹ بیٹھتا ہے۔ پھر سجدہ کرتا ہوا گر پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے قوت گویائی عطا فرمائی۔

تو ہاتھی نے کہا:

سلام ہو اس نور پر جو تمہاری پیٹھ میں ہے اے عبدالمطلب۔

(مواہب اللدنیہ: باب طہارۃ نسبہ صلی اللہ علیہ وسلم: ج:1، ص:64 مکتبہ توفیقیہ قاہرہ مصر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

فرماتے ہیں۔

جب عبد المطلب رضی اللہ عنہ اپنے لخت جگر کی شادی کے لئے نکلے تو اہل تبالہ کی ایک یہودی کاہنہ پر گزر ہوا اس نے کتب بھی پڑھ رکھی تھیں اس کو فاطمہ بنت مر خشعمیہ کہا جاتا تھا۔ اس نے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے رخ زیبا میں ایک نور دیکھا۔

تو اس نے کہا:

اے نوجوان! کیا تو ابھی میرے ساتھ جماع کی رغبت رکھتا ہے اور میں تجھے ایک سو اونٹ دوں گی۔

تو حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

بہر حال حرام تو اس کے ارتکاب سے موت اچھی اور حلال ابھی ہے نہیں تو میں اس کے بارے میں ابھی غور کروں گا پس میرے لیے وہ امر کیسے ممکن ہے جس کی تو دعوت دیتی ہے۔ پھر والد گرامی کے ساتھ آگے تشریف لے گئے اور حضرت آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ رضی اللہ عنہم سے عقد فرمایا اور تین شبانہ روز آپ رضی اللہ عنہا کے پاس گزارے پھر آپ رضی اللہ عنہ کے قلب مبارک میں اس کا خیال تشریف لایا جس کی خشعمیہ عورت نے دعوت دی تھی تو آپ رضی اللہ عنہ اس کے پاس تشریف لائے۔

تو اس نے کہا کہ

اے نوجوان تو نے میرے بعد کیا کیا؟

تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں نے آمنہ بنت وہب سے شادی کی اور اس کے پاس تین دن ٹھہرا رہا۔

تو اس عورت نے کہا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! میں مشکوک عورت نہیں لیکن میں نے تیرے چہرے میں نور دیکھا تو میری خواہش ہوئی کہ وہ نور مجھ میں تشریف لائے لیکن اللہ تعالیٰ کو جہاں وہ نور رکھنا محبوب ہو وہیں اس نے رکھا۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم: فصل الثامن فی تزویج امہ آمنہ بنت وہب: ج: 1، ص: 131 دار النفائس بیروت)

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

حضرت کعب الاحبار کی روایت میں ہے۔

(جس رات نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ محترمہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے رحم مبارک میں تشریف لایا) اس رات آسمانوں اور زمین میں ندا کی گئی کہ نور مکنون رات کو اپنی والدہ کے بطن میں مستقر ہو جائے گا۔

(مواہب اللدنیہ: باب طہارۃ نسبہ صلی اللہ علیہ وسلم: ج: 1، ص: 72 مکتبہ توفیقیہ قاہرہ مصر)

حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ کی والدہ بیان کرتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے موقع پر میں موجود تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت قریب ہوئی تو ستارے اتنے قریب ہو گئے کہ میں نے کہا کہ ستارے مجھ پر گر جائیں گے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو ایسا نور نکلا جس نے کمرے اور گھر کو بھر دیا۔ نور کے علاوہ کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی۔

(معجم الکبیر: ج: 1، ص: 147 مکتبہ ابن تیمیہ قاہرہ)

امام احمد بن حنبل متوفی 241ھ روایت کرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور (میری ولادت کے وقت) میری والدہ ماجدہ نے دیکھا کہ ان کے جسم اطہر سے ایک نور نکلا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔
(مسند احمد: ج:5، ص:262، رقم الحدیث 22315)

امام محمد بن سعد متوفی 230ھ لکھتے ہیں:
جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تو ساتھ ہی ایسا نور نکلا جس سے مشرق تا مغرب سب آفاق روشن ہو گئے۔
(طبقات ابن سعد: ج:1، ص:102 مطبوعہ دار صادر بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کے دو دانتوں میں جھری تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کلام فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کے دانتوں سے نور کی طرح نکلتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔
(دلائل النبوۃ للبیہقی: ج:1، ص:215 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ہند ابن ابی ہالہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عظمت والے وجاہت والے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور ایسا جگمگاتا تھا جیسے چودھویں شب کا پورا چاند۔
(شمائل محمدیہ وخصائل مصطفویہ: ص:34، رقم الحدیث:696 مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم موصل)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ
میں سحری کے وقت سی رہی تھی مجھ سے سوئی گر گئی میں نے اس کو ڈھونڈا لیکن وہ مجھے نہیں ملی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مقدس کے نور کی شعاع سے وہ سوئی مل گئی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتایا۔
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اے حمیرا! افسوس ہو پھر تین بار فرمایا اس شخص کے لئے افسوس ہو جو میرا چہرہ دیکھنے سے محروم رہا۔
(خصائص الکبریٰ: باب الآیۃ فی وجہہ الشریف: ج:1، ص:107 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک چاندنی رات میں دیکھا میں کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتا اور کبھی چاند کی طرف۔
اللہ تعالیٰ کی قسم!
آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے نزدیک چاند سے زیادہ حسین تھے۔
(سنن دارمی: باب فی حسن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ج:1، ص:44، رقم الحدیث:57 مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت)

مواہب اللدنیہ میں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور میں دیوار منعکس نظر آتی تھی۔

(مواہب اللدنیہ: ج:1،ص:251)

حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی سورج کے سامنے جلوہ افروز نہ ہوئے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور سورج کے نور پر غالب آ گیا اور نہ ہی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم چراغ کے سامنے کھڑے ہوئے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی چراغ کی روشنی پر غالب آ گئی۔

ابن سبع نے کہا کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب دھوپ اور چاندنی میں چلتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نمودار نہ ہوتا کیونکہ نور کا سایہ نہیں ہوتا۔

(شرح الزرقانی مواہب اللدنیہ: مقصد الثالث: فصل اول: ج:4،ص:220 دار المعرفۃ بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کی زیارت کے لئے ہاتف غیبی سے آواز

جب حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے شہر کے دروازے پر پہنچے تو غیب سے منادی کرنے والے نے ندا دی جسے شہر کے ہر آدمی نے سنا کہ اے مصر میں رہنے والے لوگو تمہارے پاس ایک نوجوان آیا ہے کہ جو بھی دیکھے گا نیک بخت ہو جائے گا اور جو بھی اس سے ملاقات کرے گا وہ ہر مقصد میں کامیاب و کامران ہوگا۔ اٹھو اور اس کی زیارت سے فیض یاب ہو کر نہ صرف دنیا میں سکون وراحت حاصل کرلو بلکہ قیامت کے دن جہنم کی آگ سے بھی نجات پا جاؤ۔ پھر جب حضرت یوسف علیہ السلام شہر میں داخل ہوئے تو پرندے خوشی میں چہچہانے لگے، سوکھے ہوئے درخت ہرے ہو گئے، بے پھل درختوں کو پھل لگ گیا، خزاں بہار میں بدل گئی، گلشن مہک اٹھے، لوگوں کے دلوں میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑ اٹھی، غمگین و اداس دلوں کو سکون قلب حاصل ہو گیا۔ عوام الفت و محبت کے نشہ میں سرشار ہو گئے اور ہر ایک کو حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال دیکھنے کی تمنا پیدا ہو گئی۔ چنانچہ مصر کے سارے لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھنے کی خواہش لے کر مالک بن زعر کے کیمپ میں پہنچ گئے۔

مالک نے ان سے پوچھا کہ

تم لوگ اکٹھے کیوں ہوئے ہو۔

لوگوں نے بے قراری کے عالم میں جواب دیا۔

ہم اس غلام کو دیکھنا چاہتے ہیں جسے تو خرید کر لایا ہے۔

فرشتہ نے مالک کے کان میں کہا کہ

تو ان لوگوں سے کہہ دے جو شخص اس غلام کو دیکھنا چاہتا ہے وہ ایک دینار اپنے ساتھ لائے۔

مطلب یہ کہ میں کسی کو اس حسین و جمیل غلام کو مفت میں نہیں دکھاؤں گا مصر کے تمام لوگ راضی ہو گئے اور بڑی بے تابی سے حسن یوسف علیہ السلام کا نظارہ کرنے لگے۔ اسی طرح مالک بن زعر کو چھ لاکھ دینار موصول ہوئے اور دوسرے دن دو دو دینار

کے عوض مالک کو دس لاکھ دینار حاصل ہوئے۔

(ماہ کنعان: ص 146 تا 147)

حضرت یوسف علیہ السلام کو سنوار کر بازار میں لانا

دوسرے جمعۃ المبارک کو مالک نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اور بھی زینت بخشی، چمک دار دیبا کا لباس پہنایا، گیسوؤں میں موتی اور یاقوت پروئے، شاہانہ تاج پہنایا اور مشک و کافور سے ان کے بدن مبارک کو معطر کیا اور پاؤں میں سونے کی جوتیاں پہنائیں جن پر زمرد و عقیق کے ٹکڑے جڑے ہوئے تھے۔ ایک گھوڑا تیار کیا جس کی رکابیں سونے کی تھیں۔ مالک نے گھوڑے پر سوار کرا کے خود رکاب پکڑی اور ایک سنہری تخت پر بٹھایا اور پھر مالک نے منادی کرادی کہ

آج دیدار بناں مل مل دا کرلؤ رج نظارے پھر مڑ ڈھل ملے یا ناہیں دلبر دے دربارے

اور حضرت یوسف علیہ السلام کو اس قدر بنانے سنوارنے، سجانے اور زیب و زینت بخشنے کا مقصد یہ تھا کہ لوگ انہیں محض غلام ہی نہ سمجھ لیں بلکہ یہ جان جائیں کہ یہ بہت سی کرامات و کمالات کا مالک اور بڑی ہی شان و عظمت کا وارث اور بلند مقام رکھنے والا ایک خوبصورت شہزادہ بھی ہے اور پھر مالک نے حضرت یوسف علیہ السلام کا خود ان الفاظ میں تعارف کرایا کہ

اس سے پہلے بھی شام کے سفر میں مجھے بہت سی مصیبتوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور مجھے مال میں کافی نقصان اٹھانا پڑتا تھا مگر جب سے میں نے یہ غلام خریدا ہے نہ مجھے سفر میں کوئی مشکل پیش آئی نہ ہی مال میں کوئی نقصان ہوا ہے اور یہ سب کچھ اس غلام یوسف (علیہ السلام) کی برکت سے ہوا۔

اس تعارف سے مالک کا مطلب یہ تھا کہ

لوگوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کے خریدنے پر اکسایا جائے اور عوام میں اشتیاق بڑھے اور مصر کے شہری اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر اور عنبریں زلفوں میں گرفتار ہو کر اس کی قیمت بڑھانے میں دریغ نہ کریں۔ بالآخر مالک نے تمام پردے جو ڈال رکھے تھے ہٹا دیئے جس سے حسن یوسف اپنی پوری رعنائیوں، دلفریبیوں اور خوبیوں کے ساتھ جلوہ ریز ہو گیا۔ جب لوگوں نے جمال یوسفی کا نظارہ کیا تو غشی میں آگئے اور بے اختیار ہو کر سجدہ میں گر گئے۔

اور پکار اٹھے۔

اے غلام! ہم نے آج تک تیری مثل کوئی نہیں دیکھا۔

اور حضرت یوسف علیہ السلام کا چہرہ مبارک ایسے چمک رہا تھا جیسے سورج اور چاند روشن ہوتے ہیں۔

(ماہ کنعان: ص 148 تا 149)

بازغہ شہزادی کا خریدنے کے بجائے ایمان لانا

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب احسن القصص میں بازغہ شہزادی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

وہ اسطالون عمالقہ کی بیٹی تھی اور حسن و جمال میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھی اور اپنی قوم پر حکمرانی کرتی تھی۔ جس شداد

باغ ارم بنایا تھا اس کی نسل سے تھی اور مصر کے قریب ہی کسی علاقہ کی شہزادی تھی جس کے حسن و جمال کا تذکرہ اور اس کی ناز بھری اداؤں کا نقشہ مولوی غلام رسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب احسن القصص میں یوں بیان کرتے ہیں۔

یہ یاد رہے کہ مولوی غلام رسول کی احسن القصص امام غزالی کی احسن القصص کا نظم میں لفظی ترجمہ ہے۔

بازغہ نام دسے اک عورت سرور مصرہ نواحی — عادیوں دی سی قوم اوسے دی سرداری تے شاہی
جدوں نقابوں اکھیں کھولے تیر چھٹن وچہ غمزے — بھواں کماناں چشم دوناوک آب نشر وچہ رمزے
مال جمال جوانی خوشیاں پر دل کتے نہ ٹکدا — اس نے سنیا آج وچہ مصرے دلبر شامی وکدا

جناب مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب یوسف زلیخا میں بازغہ شہزادی کا ذکر کیا ہے۔

لکھتے ہیں:

بملک مصر زیبا دختری بود — کہ نسل عادیاں را سروری بود

سونے اور چاندی کے بھرپور خزانے لعل و جواہرات کے ڈھیر اور دیبا و کمخواب کے لباس ایک ہزار خچروں پر بھر کر حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھنے اور خریدنے کا مصمم ارادہ سے مصر کی اس جوالا نگاہ کی طرف روانہ ہوگئی جہاں غلام فروخت ہوا کرتے تھے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے قریب پہنچی اور حسن یوسف علیہ السلام دیکھا۔ بھرپور اور پرکشش جوانی کا نظارہ کیا۔ دل فریب شباب کا مشاہدہ کیا اور قدرت کے اس حسین و جمیل شاہکار کی طرف نگاہ اٹھائی تو آنکھیں چندیا گئیں اور عقل حیران رہ گئی، ہوش و خرد گنوا بیٹھی اور دیوانوں کی طرح لڑکھڑانے لگی۔

مولوی غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بازغہ نے کڈھ پردے وچوں جاں دونین وگائے — اگو وار نگاہ پئی پھر ہتھوں ہوش گوائے
کوئی نقاب نہیں کوئی حجاب نہیں — وہ سامنے ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں
ہوش آیا تو پکار اٹھی — تو کون ہے اور تجھے کس نے پیدا کیا

اور میں تو اتنا مال و متاع، لعل و جواہرات کے خزانے اور ہزاروں دیبا کے لباسوں کے عوض تجھے خریدنے آئی تھی لیکن تیرے حسن و جمال کو دیکھ کر میں سمجھ گئی ہوں کہ دنیا کے سارے قیمتی خزانے بھی تیرے حسن کی ایک چمک کے مقابلہ میں حقیر ہیں۔

حدیث یوسف و وصفش چو بشنید — بماہ روئے او مہرش چو بشنید
بیا پو کاراں گرد نواحی ہر جا شہر گرائیں — لے اموال وہاجن چلی بازغہ یوسف تائیں

بازغہ شہزادی نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کا شہرہ سنا اور پتہ چلا کہ مصر کے بچے، جوان، بوڑھے اور عورتیں اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر بے خود و بے ہوش ہو جاتے ہیں تو اس کے دل میں بھی دیکھنے اور خریدنے کا شوق پیدا ہوا۔

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

نصاب قیمتش معلوم خود ساخت — نہ ترتیب نصابش دل پرداشت

کہ بازغہ شہزادی نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کے مطابق اور ان کی جوانی و خوبصورتی کے پیش نظر خود ہی

ان کی قیمت لگائی کہ اگر مال و دولت کے علاوہ مجھے دل بھی قربان کرنا پڑا تو کر دوں گی۔

ہزار اشتر ہمہ پاکیزہ گوہر
پراز دیبا و مشک و گوہر و زر

ہزاراونٹوں پر قیمتی موتی، ریشمی لباس، کستوری و لعل و سونا بھر کر مصر کی جانب روانہ ہوئی۔

مولانا غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

مال متاع خزانے سارے شتریں کدھ لدائے
گھت وہیر چلی ول مصرے دل وچہ شوق سوائے

یوسف دے او خیر مقابل آپے آن کھلوئی
پنچھیاندے پر سڑدے جتھے تے اسنوں کدڈھوئی

مزید فرماتے ہیں۔

سوہنیاں سوہنیاں زلفاں کس استاد بنایوں
ناز لٹایا شاہ حسن دیا ایتھے کیوں آ کر آیوں

کس نے سازی صورت تیری سوہنی حد بیانوں
ہیں پیدائش خاک زمینوں یا کاشے آسمان

حضرت یوسف علیہ السلام نے بازغہ شہزادی سے فرمایا کہ
میں بھی رب العالمین کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہوں اور میری صورت بھی اسی نے بنائی ہے۔

بازغہ پکار اٹھی کہ
جس رب العالمین نے تیری صورت بنائی ہے میں اس پر ایمان لے آتی ہوں وہ ایمان لے آئی اور اپنا سارا مال و متاع جو حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدنے کے لئے لائی تھی فقیروں، مسکینوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیا اور خود ایک جھونپڑی میں بیٹھ کر یاد خدا کرنے لگی اور پھر ساری عمر عبادت الٰہی میں گزار دی۔ ایمان لانے کے بعد اور حضرت یوسف علیہ السلام کو دوبارہ دیکھنے کے بعد جب واپس جانے لگی تو خوشی و مسرت میں جھوم جھوم کر یہ پکار اٹھی۔

توں ملیوں رب میل دتو ای بہت احسان کیتوئی
وچہ گزیاں جاہ میری دے زاد مراد ستیوئی

تیں جیہا میں مرشد ملیا ڈبدیاں تار گیوئی
ایس راہوں جو بھلیا پھردا مفت خوار گیوئی

(ماہ کنعان: ص: 151 تا 154)

زلیخا کا خواب میں حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھنا اور دل کھو بیٹھنا

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب احسن القصص میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مغرب کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ طیموس نامی گزرا ہے زلیخا اس کی بیٹی تھی اور اس زمانہ میں زلیخا سے بڑھ کر کوئی حسین نہیں تھا نہ عورت اور نہ ہی مرد اور اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی صورت پاک خواب میں دیکھی کہ وہ اس کے پاس کھڑا ہے۔ پس حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال دیکھتے ہی عقل جاتی رہی اور بی بی زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام کی عاشق ہوگئی۔ دن رات ان کی صورت کا تصور کر کے روتی رہتی، ہوش و خرد کھو بیٹھی، رنگ زرد ہو گیا، ہجر و فراق میں آہیں بھرتی۔

صاحبزادہ سید افتخار الحسن کہتا ہے کہ

بھلا ایک نوسال کی نوخیز اور پاکدامن لڑکی اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر پر فریفتہ وعاشق ہو کر اپنی عمر کے چالیس سال اپنے محبوب کی یاد میں گزارتی ہے اور وصل ووصال کی امید میں ساری ساری رات تارے گن گن کر بسر کرتی ہے اور شب وصال اگر محبت وارفتگی کے عالم میں اپنے محبوب کا دامن پکڑ لیتی ہے تو اس پر فحاشی کا الزام کیوں؟

دامن بھی کسی آوارہ انسان کا غلیظ دامن نہیں بلکہ ایک نبی کا پاک دامن کہ زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام یعنی ایک نبی کی محبت میں سب کچھ بھولی گئی تھی سوائے حضرت یوسف علیہ السلام کے کسی کی بات نہ سنتی نہ کسی کی طرف دیکھتی تھی نہ سوتی تھی۔ اس کے ذکر کے سوا اور کوئی بات نہ کرتی تھی۔ ہر شے کو یوسف کہہ کر پکارتی تھی۔ اور جب فصد کرواتی تو خون کا قطرہ زمین پر گرتا اس میں سے یوسف علیہ السلام کی آواز آتی تھی اور جب رات کو آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتی تو تاروں میں یوسف (علیہ السلام) کا نام لکھا ہوا دیکھتی تھی۔ اس کی محبت کی دیوانی ہوگئی تھی۔ اپنی خوبصورت بیٹی کی یہ حالت دیکھی تو باپ طیموس نے پوچھا: بیٹی تیرا یہ حال کیوں ہوا؟ جواب دیا۔ ابا میں نے خواب میں صورت دیکھی ہے جس کی مثل ومثال زمانہ بھر میں نہیں ہے وہ سوہنی اور دل فریب صورت میرے دل میں سما گئی ہے اور اسی کی محبت میں گرفتار ہو چکی ہوں۔ دوسری بار پھر خواب میں حسن یوسف علیہ السلام کا مشاہدہ کرتی ہے۔

تو پوچھتی ہے کہ

جس صورت گر نے تجھے یہ صورت عطا کی ہے تجھے اس ذات کی قسم بتا تو کون ہے؟

حضرت یوسف علیہ السلام نے جواب دیا کہ

میں ایک انسان ہوں اور میں تیرے لئے ہوں اور تو میرے لئے ہے۔

زلیخا پھر عقل وہوش گنوا بیٹھی اور دیوانوں کی طرح دن رات محبوب کی یاد میں تڑپنے لگی۔ باپ نے بیٹی کو پاگل سمجھ کر قید کر دیا۔ وہ ایک سال تک قید رہی پھر زلیخا نے تیسری بار حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب میں دیکھا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا دامن پکڑ کر پوچھا:

بتائیں تجھے کہاں تلاش کروں۔

جواب دیا کہ

مجھے مصر میں تلاش کرنا کیونکہ میں مصر کا بادشاہ ہوں۔

مولانا غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ بی بی زلیخا کا ذکر کچھ اس طرح سے کرتے ہیں۔

شاہ طیموس بڑا سدا دے مغرب وچہ دیارے ـــــ مشتری ورے فلک دے خادم اوسدی ٹہل گزارے
اک دختر اس نام زلیخا پر انوار صفائی ـــــ حوراں اسدیاں خدمتگاراں پریان چیز نہ کائی

آگے مولوی صاحب زلیخا کے حسن وجمال کی تشبیہات واستعارات کے ذریعہ عجیب وغریب تعریف کرتے ہوئے اور اس کے بدن مبارک کے ایک ایک عوض کی رنگینی وخوبصورتی کو اپنے دل کی گہرائیوں اور جگر کے زخموں پر پٹی باندھنے کے لئے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

پئی زلیخا نیندر اندر دل دے پردے کھلے ـــــ جھل دلا کجھ ہوون لگا زخم وجے تن ڈلے
اچن چیت جوان ڈٹھا سو واہ قربان جوانی ـــــ لٹکے زلف زنجیراں والی نور ورھے پیشانی

پھر آگے حسن یوسف علیہ السلام کو لعل و جواہرات سے مزین کرتے اور سچے موتیوں کے جھالر سے زینت بخشتے اور زلیخا کی حالت زار اور محبوب کی جدائی میں دن رات رونے اور عشق سے پیدا ہونے والی بے تابیوں کا ذکر کرتے ہوئے تیسری بار خواب میں دیکھنے کا دل کش منظر یوں پیش کرتے ہیں کہ آخر زلیخا نے اپنے محبوب اور خدا کے نبی محبوب اللہ تعالیٰ کے رسول محبوب اور رب عزوجل کے پیغمبر محبوب کا ٹھکانہ پوچھ ہی لیا۔

پہلے نام ٹھکانہ مینوں اپنا دس شتابی ۔ پڑھ پڑھ نام تیرا دم کرساں دلوں چکی بے تابی
ہیں توں کون کتھے گھر تیرا جگ وچہ کی سداویں ۔ دے جواب سوال میرے دا پھیر متاں چھل جاویں

حضرت یوسف علیہ السلام نے جواب دیا۔

فرمایا جے تدھ زلیخا ایہا دل دا بھاناں ۔ میں ہاں آپ عزیز مصر دا میرا مصر ٹکاناں

بس پھر کیا تھا کہ زلیخا کو ہوش آ گیا دکھ مٹ گئے۔ دیوانگی جاتی رہی، رونا ہنسی میں بدل گیا، زنجیریں کٹ گئیں، قید سے رہائی مل گئی، زندگی کی خزاں میں بہار آ گئی۔ اداسی دور ہوگئی اور چہرے پر رونق برسنے لگی۔ باپ طیموس کو اطلاع دی کہ میری مرض دور ہوگئی ہے اور مجھے صحت حاصل ہوگئی ہے۔

باپ نے پوچھا:
یہ اداس اور غم گین دن یہ خوشی و مسرت کی لہریں کیوں اور تیری زندگی کے گلشن میں چلنے والی باد خزاں پر موسم بہار کا تسلط کیسے اور تیری خطرناک بیماری کا علاج کس نے کیا؟

بیٹی زلیخا نے جواب دیا کہ

نیل ندی دے کنڈھے وسدا مصر نصیباں والا ۔ بہشتوں نازل ہوئی جگ وچہ نیل اوجالا

کہ میرے ہر درد والم کا علاج کرنے والا مصر کا والی ہے۔

مولانا عبدالرحمان جامی رحمۃ اللہ علیہ اس خوش گوار موقعہ کے نشیب و فراز کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں کہ دنیائے سخنوری کے مطابق یوں کہتے ہیں کہ

در مغرب زمیں شاہی نباموس ۔ ہمیزد کوس شاہی نام طیموس
زلیخا نام زیبا دختری داشت ۔ کہ بار او ازہمہ عالم سری داشت

کہ دیار مغرب میں طیموس نامی ایک شہنشاہ گزرا ہے جس کی ایک لڑکی تھی نام اس کا زلیخا تھا اور باپ کو بہت ہی پیاری تھی آگے جامی رحمۃ اللہ علیہ زلیخا کے حسن و جمال کو اپنی پسندیدہ تشبیہات و اپنے دل فریب استعارات میں اس کی تعریف کرتے ہوئے آگے چل کر کہتے ہیں کہ زلیخا نے حسن یوسف علیہ السلام کا نظارہ خواب میں کیا تو عشق و محبت کی آگ سینہ میں بھڑک اٹھی اور پھر تیسری بار دیکھنے اور پتہ پوچھنے تک اس آگ میں جلتی رہی اور جمال محبوب کے تصور میں دن رات اداس و غمگین رہنے لگی اور جب تیسری بار دیکھا تو پوچھا:

کہ اندوہ مرا تو تاہیم دہ ۔ زنام شہر خویش آگاہ ہیم دہ

کہ مجھے غم واندوہ کے ظلمت کدہ میں لانے والے مجھے اپنے شہر کے نام سے تو آگاہ کر دے تاکہ میں تیرے شہر اور ٹھکانے کو یاد کر کے سارے غم واندوہ بھلا کر خوشی ومسرت کی روشنی پیدا کر سکوں۔

محبوب نے جواب دیا۔

بگفتا گر بدیں کا رت تمام ست　　　عزیز مصر و مصرم مقام ست

کہ اگر تیرا یہی مقصد ہے تو یاد رکھ میں عزیز مصر یعنی مصر کا بادشاہ ہوں اور مصر شہر ہی میرا ٹھکانہ ہے۔

(ماہ کنعان،ص: 155 تا 160)

زلیخا مصر کے بازار میں

ایک دن زلیخا کنیزوں کے ہمراہ اپنی مخصوص عماری پر سوار ہو کر مصر کے چمن کی سیر کر کے واپس ہوئی تو شہر کے بازار میں مصریوں کا ہجوم دیکھا۔

تو کنیزوں سے پوچھا:

یہاں کیا ہو رہا ہے اور لوگ یہاں کیوں جمع ہیں۔

حال پچھے ایتھے کیا اچنبہ باندیاں راز وسائے　　　یوسف نام بندہ کنعانی وکدا ہے ات جائے

پوچھا:

بکنے والا غلام اتنا ہی حسین ہے کہ مصری لوگ اسے خریدنے کے لئے مال ودولت لے آئے ہیں اور اس کا نظارہ کرنے کی خاطر ایک دوسرے پر گرتے جا رہے ہیں۔ بی بی زلیخا حیران تھی کہ پہلے بھی اس جگہ پر غلام بکتے رہے ہیں لیکن کبھی اتنی خلقت دیکھنے اور خریدنے کے لئے نہ آئی تھی اس غلام میں کون سی خوبیاں ہیں کہ مصر کے لوگوں کو جس نے اپنا دیوانہ بنا دیا ہے اور ہر مصری کے دل میں خریدنے کی تمنا پیدا کر دی ہے اور پھر اپنی پرانی خدمت گزار وفادار دائی سے کہا ذرا عماری کا پردہ تو اٹھا تاکہ میں بھی اس بکنے والے غلام کو دیکھ لوں۔

دائی نے پردہ اٹھایا تو

کرے دو چار نظر کر ویکھاں ڈٹھس گھت نظارہ　　　پئی نظر چھٹ گیاں آہیں لیا پکھن پیارا

تو پکار اٹھی!

شہر وکیس میں جنگل ڈھونڈاں سستے مل وکاویں　　　سائی جان جہان نہ قیمت ارزاں اجے دسیاویں

احسن القصص میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس پر کیف نظارے کو یوں بیان کرتے ہیں جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بکنے کا دن آیا تو والی مصر نے زلیخا کو بھی وہاں بھیج دیا کہ غلام کو دیکھ آئے جس کے حسن وجمال کا شہرہ سارے شہر میں پھیل گیا ہے پس پھر زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو حیران رہ گئی اور وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ غلام کون ہے۔ پس پھر حسن یوسف علیہ السلام کا مشاہدہ کیا تو زلیخا بے ہوش ہوگئی اور اس پر غشی طاری ہوگئی۔ ہوش آیا تو دائی نے پوچھا:

مالک زلیخا! تجھے کیا ہو گیا ہے؟

زلیخانے جواب دیا۔

یہی میرا حقیقی شوہر ہے جن کو میں نے دونوں جہانوں میں سے پسند کیا اور جس کے انتظار میں میں نے چالیس سال بے قراری میں آنسو بہاتے ہوئے گزارے ہیں۔

(ماہ کنعان: ص162 تا 164)

شاہ مصر کا زلیخا کے کہنے پر حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدنا

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

پھر پکارنے والے نے پکارا!

اس غلام کو کون خریدے گا۔

زلیخانے ندا سنی تو عزیز مصر کی طرف پیغام بھیجا کہ جلدی آؤ اور اس غلام کو جتنی قیمت پر ہو خریدلو کہیں ایسا نہ ہو کہ ایسا خوبصورت غلام کوئی اور خرید لے۔ پس جب سوداگروں کو پتہ چلا کہ دوسرے گاہکوں کی طرح مصر کی زلیخا بھی اس غلام کو خریدنے کی خواہش رکھتی ہے تو وہ قیمت بڑھانے سے رک گئے۔

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے مصر کے بازار میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بکنے کی کیفیت یوں بیان کی ہے۔

چو یوسف شد بخوبی گرم بازار   شد ندش مصریاں یکسر خریدار

کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام اپنی تمام خوبیوں، رعنائیوں اور دل فریبیوں کے ساتھ جلوہ افروز ہوئے اور ان کے حسن و جمال کا بازار گرم ہوا تو مصر کے تمام لوگ یکدم ان کے خریدار بن گئے! لیکن جب مالک نے فرشتہ کے کہنے پر حضرت یوسف علیہ السلام کی قیمت سنائی تو

خریداران دیگر لب بہ بستند   پس زا نوی نو میری نشتند

دوسرے تمام خریداروں نے خاموشی اختیار کر لی اور ناامید ہو کر بیٹھ گئے۔

اور اسی طرح مولانا غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ

جس نوں یار و کیندا لبھے قیمت ہوس پلے   اسدے جیہا نہ طالع والا اسدے کرم سولے

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

پھر والی مصر نے مالک ابن زغر سے کہا کہ

تو اس غلام کو کتنے میں فروخت کرے گا۔

مالک نے جواب میں حضرت یوسف علیہ السلام کی قیمت سنائی کہ غلام کے ہم وزن برابر تول کر سونا، چاندی، موتی، یاقوت، ابریشم، عنبر اور کستوری ہم وزن تول کر لوں گا۔

صوفی راقب رحمۃ اللہ علیہ جو پرانے زمان کا نعت خواں شاعر تھا۔

وہ تو کہتا ہے کہ

محبوب کو خریدنے کے لئے یہ سونا و چاندی یہ لعل و جواہرات اور یہ عنبر و کستوری تو کوئی حقیقت نہیں رکھتے بلکہ

جے سر دتیاں مل جائے راقب او پیارا　　بڑا ستا سودا خریدار نوں اے

پھر مالک مصر نے ابن زغر سے کہا کہ

میں اس قیمت پر اس غلام کو خریدنے کے لئے تیار ہوں۔ اور پھر ترازو کے ایک پلے میں حضرت یوسف علیہ السلام کو بٹھا دیا گیا اور دوسرے پلے میں مصر کا شاہی خزانہ تلنے لگا۔ حضرت یوسف علیہ السلام زیر لب مسکرائے اور حیران ہوئے اپنی قیمت دیکھ کر کہاں بیس روپے کھوٹے اور کہاں مصر کا خزانہ۔

جواب دیا۔

وہاں قیمت دینے والے تیرے بھائی تھے اور آج قیمت ڈالنے والا تیرا خدا ہے۔

پھر لوگ حیران رہ گئے یہ دیکھ کر کہ

شاہ مصر دا کل خزانہ تے تل گئی دولت ساری　　پر نور نبوت والا پلا اجے وی دسدا بھاری

والی مصر نے ابن زغر سے کہا کہ

میں اس کی قیمت ادا نہیں کر سکتا۔ مالک ابن زغر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر کے حوالے کر دیا۔

(ماہ کنعان: ص 164 تا 166)

حضرت یوسف علیہ السلام کا مالک بن زغر کو خواب یاد دلانا

مالک ابن زغر نے بیچنے سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کو اصلی صورت میں نہیں دیکھا تھا پس اللہ تعالیٰ نے ان زغر اور یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کے درمیان سے پردے اٹھا دیئے۔ مالک ابن زغر قیمت دیکھ کر اور مال و دولت کے خزانے لے کر تو بہت خوش ہوا لیکن جب اس نے یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کو دیکھا تو چلانے لگا۔ وخر مغشیا اور بے ہوش ہو کر گر پڑا کہ لوگوں نے سمجھا کہ مر گیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا:

مالک تجھے کیا ہو گیا۔

جواب دیا کہ

اگر میں نے فروخت کرنے سے پہلے تجھے اصلی صورت میں دیکھ لیا ہوتا تو تجھے کبھی نہ بیچتا۔ اے یوسف علیہ السلام تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ کسی وقت بھی تجھے بتاؤں گا کہ میں کون ہوں۔ آج اپنا وعدہ پورا کرتے ہوئے مجھے بتا دے کہ تو کون ہے؟

حضرت یوسف علیہ السلام نے جواب دیا۔

میں وہی ہوں جسے تو نے لڑکپن میں خواب میں دیکھا تھا کہ آسمان سے سورج اتر کر میری جھولی میں آ گیا ہے اور معبروں نے تجھے اس خواب کی تعبیر یہ بتائی تھی کہ ایک خوبصورت غلام تیرے ہاتھ آئے گا جس کی معرفت تیری تقدیر بدل جائے گی اور وجوہرات کے خزانے تیرے دامن میں بھر دیئے جائیں گے اور تو بے بہا مال و دولت اور بے شمار متاع و ثروت کا مالک بن

جائے گا اور جہنم کی آگ سے بھی نجات پائے گا میں وہی غلام ہوں۔ میرا نام یوسف (علیہ السلام) ہے اور تو میری قیمت بیس درہم کھوٹے دے کر بہت خوش ہوا تھا اور پھر تو نے مجھے قیدی بنا کے رکھا۔ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگا دیں اور پاؤں میں لوہے کی زنجیریں پہنا دیں اور پھر تیرے نوکر نے مجھے طمانچے مارے اور میری ماں کی قبر پر مجھے فاتحہ بھی نہ پڑھنے دی۔

دائم مرحوم کہتے ہیں۔

کول رکھ کے قدر نہ جاتیا اوہن ویچ کے ہلگان پچھتان یارا
میرے باپ تھیں پچھدوں مل میرا بن دوں نفرنالے دربان یارا

مولوی صاحب مرحوم فرماتے ہیں۔

عہد جوانی گھر وچہ ستے تینوں سفنہ آیا
جھڑ سورج اسمانوں تیری وچہ آستین سمایا
جو تعبیر مصر کولوں پچھن گیوں کنعانے
اوہا عبد ابھی میں یارا سمجھیں نال دھیانے

مالک بن زغر نے حضرت یوسف علیہ السلام سے پوچھا کہ

تجھے میرے پاس بیچنے والے کون تھے؟

جواب دیا۔

میرے بھائی تھے۔

مالک نے پھر سوال کیا۔

انہوں نے تجھے کیوں فروخت کیا۔

ارشاد فرمایا:

یہ تو سوال نہ کر کیونکہ میں اپنے بھائیوں کا بھید ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔

(ماہ کنعان: ص 166 تا 167)

عیب پر پردہ پوشی کرو

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار فرامین ہیں جس میں اپنے مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کا حکم دیا گیا ہے یہاں چند عرض کرتا ہوں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

اگر تم لوگوں کے عیوب تلاش کرو گے تو تم ان کو خراب کر دو گے۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث 4888)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

کسی شخص کے گمراہ ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ لوگوں میں وہ چیزیں دیکھے جو اس کو اپنے اندر نظر نہیں آتیں اور جو کام

خود کرتا ہے ان کاموں پر دوسروں کی مذمت کرے اور لایعنی باتوں سے اپنے ہم نشین کو ایذاء پہنچائے۔

(الجامع شعب الایمان: رقم الحدیث 6335)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی آنکھ میں تنکا دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کو بھول جاتا ہے۔

(الجامع شعب الایمان: رقم الحدیث:6337)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

جب تم اپنے ساتھی کے عیوب کا ذکر کرو تو اپنے عیوب کو یاد کرو۔

(الادب المفرد: رقم الحدیث:328)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے کسی مسلمان کے عیب پر پردہ رکھا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیوب پر پردہ رکھے گا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 2442)

معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے عیبوں پر پردہ رکھا جائے گا اور اگر کسی نے عیبوں کو تلاش کرنا ہی چاہتا ہے تو پہلے اپنے عیبوں پر نظر رکھے تو وہ کبھی بھی دوسروں کے عیب بیان نہیں کرے گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا بکتے وقت فرمان

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو بیچا جانے لگا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا جو مجھے خریدے گا وہ خوش ہو جائے گا۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

وہاں جب بازار میں آپ علیہ السلام کو بیچنے لگے۔

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

جو مجھے خریدے گا وہ خوش ہو جائے گا۔ چنانچہ عزیز مصر نے آپ علیہ السلام کو خرید لیا اور وہ مسلمان تھا۔

(تفسیر ابن کثیر: ج:2، ص:816)

سونا، چاندی، کستوری کے بدلے بکنا

حضرت یوسف علیہ السلام کو سونے، چاندی و کستوری اور حریر کے بدلے خریدا گیا تھا۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وہب بن منبہ فرماتے ہیں۔

قافلہ والے حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کے بازار میں لائے اور بیچنے کے لئے پیش کیا۔ لوگوں نے بولی دینی شروع کی آپ علیہ السلام کی ثمن سونا، چاندی، کستوری اور حریر کے چار سو رطل تک پہنچ گئی۔

آپ علیہ السلام کی عمر اس وقت تیرہ سال تھی تو اس قیمت سے قطفیر نے آپ علیہ السلام کو خرید لیا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:368 دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کے خریدار کے متعلق مختلف روایات

حضرت یوسف علیہ السلام کو کس نے خرید اس بارے میں مختلف روایات ہیں۔

ملاحظہ ہوں۔

مصر کے جس شخص نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا تھا وہ مصر کا بادشاہ تھا۔ اس کا لقب عزیز تھا اور اس کا نام قطفیر تھا یہ سہیلی کا قول ہے۔

اور امام ابن اسحاق نے کہا:

اس کا نام اطفیر بن روحیب تھا۔ اس نے اپنی بیوی کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا تھا جس کا نام راعیل تھا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ

اس کا نام زلیخا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے عزیز مصر کے دل میں حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت ڈال دی تھی تو اس نے اپنی اہلیہ کو یہ وصیت کی کہ اس کو تعظیم و تکریم سے ٹھہراؤ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا:

جس شخص نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا تھا وہ مصر کا بادشاہ کا وزیر قطفیر تھا اور مصر کا بادشاہ الریان بن ولید تھا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ

اس کا نام الولید بن ریان تھا اور یہی قول راجح ہے وہ عمالقہ کی قوم سے تھا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ

وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا فرعون تھا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے ایک شخص نے فرعون کے دربار میں کہا تھا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ (المومن:34)

''اور اس سے پہلے تمہارے پاس یوسف دلائل کے ساتھ آ چکے ہیں۔''

اور فرعون چار سو سال تک زندہ رہا تھا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا فرعون، حضرت یوسف علیہ السلام کے فرعون کی اولاد میں سے تھا اور یہ عزیز جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا تھا بادشاہ کے خزانوں پر مامور تھا۔ اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو مالک بن دعر سے

...ر میں خریدا تھا اور ایک حلہ اور نعلین زائد دی تھیں۔

اور ایک قول یہ ہے کہ

اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قافلہ والوں سے خریدا تھا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ

قافلہ والوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قیمت بڑھا دی تھی۔ ان کی قیمت میں مشک، عنبر، ریشم، چاندی، سونا، موتی جواہر تھے جن کی مالیت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ قطفیر نے مالک بن دعر کو یہ قیمت دے کر حضرت یوسف علیہ السلام کو ...یدا تھا۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

پھر مالک زعر اور اس کے ساتھی حضرت یوسف علیہ السلام کو لے کر چلے تو بھائیوں نے ان کا پیچھا کیا۔

اور کہا کہ

اس سے عہد لو کہ یہ نہیں بھاگے گا۔ وہ قافلہ آپ علیہ السلام کو لے کر مصر پہنچا اور مالک نے فروخت کرنے کے لئے منڈی پیش کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

آپ علیہ السلام کو قطفیر نے خریدا تھا۔

بعض فرماتے ہیں کہ

اطفیر نے خریدا جو بادشاہ کا وزیر خزانہ تھا اور اسے العزیز کہا جاتا تھا اور اس وقت اور اس کے ارد گرد علاقوں کا بادشاہ عمالقہ ...ے ریان بن ثروان تھا۔

بعض نے لکھا ہے کہ

اس بادشاہ کا وصال نہ ہوا تھا حتیٰ کہ حضرت یوسف علیہ السلام پر ایمان لایا تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے دین کی ...ع کرتا تھا۔ پھر اس کا وصال ہوا جبکہ ابھی حضرت یوسف علیہ السلام زندہ تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

جب قافلہ مصر میں داخل ہوا تو قطفیر، مالک بن زعر سے ملا اور اس سے حضرت یوسف علیہ السلام کو بیس دینار، ایک جوتا ...و سفید کپڑوں کے بدلہ میں خرید لیا۔

(معالم التنزیل: ج:3: ص:367 تا 368 دار الفکر بیروت)

...میں بکتے وقت تیرہ سال عمر

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر میں بیچا گیا تو اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر مبارک تیرہ سال تھی۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

آپ علیہ السلام کی عمر مبارک (بکتے وقت) تیرہ سال تھی۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:368دارالفکر بیروت)

کنویں سے بکنے تک کے احوال

یہاں سے وہ احوال خلاصہ کے طور پر عرض کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق ہیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

برادران یوسف نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ باندھ کر کنویں میں ڈال دیا حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آ کر ہاتھ کھولے اور ننگے بدن حضرت یوسف کے گلے سے چاندی کا وہ تعویز کھولا جو والد محترم نے چلتے وقت یا کچھ دن پہلے ہی ڈالا تھا۔اس میں جنت کی وہ قمیص تھی جو نار نمرود میں جاتے وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنائی تھی۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہ قمیص حضرت اسحاق علیہ السلام کو عطا فرمائی اور حضرت اسحاق علیہ السلام نے وہ جنتی قمیص اپنے فرزند حضرت یعقوب علیہ السلام کو عطا فرمائی۔حضرت یعقوب علیہ السلام نے وہ باریک جنتی ریشم کی قمیص چاندی کے خول میں لپیٹ کر حضرت یوسف علیہ السلام کو تعویز بنا کر ڈال دیا۔آج پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ہی وہ قمیص تعویز سے نکال کر حضرت یوسف علیہ السلام کو پہنائی اور ورد و وظیفہ بتا کر چلے گئے۔اس قمیص کی کرامت تھی کہ سارے کنویں میں روشنی پھیل گئی ادھر دو گھنٹے میں فارغ ہو کر سکم زمینوں پر چلے آئے اور عشاء کے وقت حالانکہ دو پہر تک گھر آ سکتے تھے مگر اس خوف سے کہ والد صاحب آدمیوں کو لے کر تلاش میں نہ نکل پڑیں اور جاء واردات کو نہ دیکھ لیں یا اس لیے کہ دن میں ہمارا جھوٹا رونا ان پر کھل جائے گا۔سارا دن ادھر ادھر گھومے پھرے اور مغرب یا عشاء یا آدھی رات کے وقت اپنے والد صاحب کے پاس آئے اور زور سے روتے چیختے چلاتے دھاڑیں مارتے ہوئے آئے۔

شرعی اصطلاح میں تو عشاء نماز عشاء سے فجر صادق تک کا وقت ہے مگر لغت میں مغرب سے آدھی رات تک عشاء ہے۔

امام ابو اللیث نے کہا کہ

عصر سے آدھی رات تک کا وقت عشاء کہلاتا ہے۔

جب اس مکر کے رونے کو حضرت یعقوب علیہ السلام نے سنا تو گھبرا کر باہر نکلے۔

اور فرمایا:

کیا ہوا کیا بکریوں کو کچھ ہو گیا اور نگاہیں حضرت یوسف علیہ السلام کو ڈھونڈنے لگیں۔

نہ پایا تو پوچھا:

حضرت یوسف علیہ السلام کہاں ہیں؟

سب بولے یا سب کا نمائندہ بن کر ایک بولا باقی روتے رہے اور مصنوعی ہچکیاں لیتے رہے۔

اے ہمارے باپ! بے شک ہم جنگل میں گئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے یعنی برتنوں اور کمبلوں چادروں کے پاس چھوڑ گئے پس پتہ نہیں کہ کدھر چھپا بیٹھا تھا۔ بھیڑیا جس نے نکل کر اس یوسف علیہ السلام کو کھالیا اور ہمیں پتہ ہے کہ آپ ہماری اس بات پر ایمان نہیں لائیں گے اگر چہ ہم سب حقیقت میں سچ بولنے والے ہی ہوں کیونکہ آپ علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام سے انتہائی محبت ہے اور ہماری باتوں پر آپ کو پہلے بھی اعتماد آتا ہے۔ انسان ظلم اور حسد میں اندھا اور بے عقل ہوتا ہے۔ یہ نہ سوچا کہ جھوٹے ہونے کا تو ہم خود ثبوت مہیا کر رہے ہیں اگر والد صاحب پوچھیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی ہڈیاں کدھر ہیں پاجامہ کدھر ہے تو کیا جھوٹے نہ پڑیں گے۔

معانی نے فرمایا:

یہاں کو کنا صادقین میں یہ تاویل ضروری ہے کہ آپ کے اعتماد میں ہم سچے ہوں یعنی آپ علیہ السلام کا قلب ہم کو سچا ہی سمجھتا ہو تب بھی آپ علیہ السلام کو زبان سے سچا نہ کہیں گے کیونکہ ہمارے پاس اپنی سچائی پر کوئی مضبوط دلیل نہیں۔ ایمان تصدیق ہی کا نام ہے اس لیے مومن کے بعد صادقین کہا۔

اس کنویں کے بارے میں چند روایات ہیں۔

ایک روایت یہ ہے کہ

یہ کنواں نمرود کے وزیر شداد بن ماد نے بنوایا تھا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ

یہ سام بن نوح نے بنوایا تھا۔ سر راہ تھا بڑا خطرناک تھا اس کا نام جب الحزن یا دوش تھا اردن کے جنگل میں تھا۔ اس کے نشان اب لوگوں میں بہت مشہور ہیں۔

کسی نے کہا:

ایک دفعہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک بھکاری کو بھیک نہ دی۔ حضرت یوسف علیہ السلام گود میں لئے بیٹھے رہے۔ تب اس نے غمزدہ ہو کر جدائی کی بددعا دی جس کی وجہ سے یہ جدائی پڑی۔

کسی نے کہا کہ

حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے ایک بکری خریدی اور اس کا بچہ بیچ دیا تا کہ دودھ زیادہ ہو اور حضرت یوسف علیہ السلام ہی پئے تب بکری نے بددعا دی کہ جس طرح تو نے میرے بچے کو مجھ سے جدا کیا خدا عزوجل تمہارے اس بچے کو بھی جدا کرے یہ بددعا قبول ہوئی۔ (روح البیان)

کسی نے کہا:

حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک دفعہ اپنی مشکل دیکھ کر کہا۔

مجھ سا جہان میں کوئی نہیں۔ اگر میں غلام ہوتا تو بڑی قیمت میں بکتا اس لیے یہ سزا ملی مگر یہ سب باتیں جھوٹی بناوٹی ہیں۔ ان بنانے والوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کی قدر نہ جانی۔

(بہر حال) حضرت یعقوب علیہ السلام نے (جب) یہ غمناک خبر سنی تو بڑے تحمل سے ٹھنڈی آہ ماری آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اپنے ان چیخنے دھاڑنے والے بیٹوں کے چہرے بغور دیکھنے شروع کیے۔ بیٹے سمجھے شاید ہمارے رونے کی بناوٹ میں کچھ خامی ہے جس سے حضرت والد کو کچھ شبہ پڑ گیا ہے تو فوراً حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص جس پروہ پہلے سے فیصلے اور پروگرام کے مطابق اپنے ہی ریوڑ کی بکری ذبح کر کے اس کا خون لگا لائے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے کر دی۔ وہ خون جھوٹا تھا۔ نسبت میں کہ وہ بکری کا خون تھا مگر انہوں نے ظاہر کیا کہ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا خون۔

کذب کا معنیٰ ہے۔

ذی کذب اگر صرف قمیص سامنے کر دی ہو اور اگر انہوں نے اپنے منہ سے کہا بھی کہ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا خون ہے تو کذب بمعنیٰ مکذوب۔

یہ فرمان باری تعالیٰ کا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس قمیص کو دیکھا اور پہچان لیا تو مزید روئے اور باوجود ضبط کثیر کے چیخ کی شکل میں آہیں نکلیں لیکن جب پوری قمیص دیکھی تو ہنسی نکل گئی۔

بیٹوں نے پوچھا:

(اے) ابا جان! اس وقت ہنسنے کی کیا وجہ ہے۔

تو قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ

بات سمجھ آ گئی کہ تمہارے امارہ نفس نے تم کو فریب دیا اور یہ کام تمہارے لئے مزین کر دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ

تسویل باب تفصیل کا مطلب ہے۔ ایک کام کو اس لیے چھپا کر کرنا کہ مرضی کے مطابق پورا ہو اور نتیجہ خواہش نفسانی کے مطابق نکلے۔ لہٰذا طالب اس کو اپنی کوشش سے بڑے مزین طریقے سے ہوشیاری سے چالاکی سے کرتا ہے۔ امراً کہ تم نے یہ کام کیا جو برے اور گھٹیا لوگوں کے کاموں میں سے ایک کام ہے۔ لفظ بل تردید و اعتراض کے لئے ہے کہ تمہارے منہ کی بات تمہارا رونا دھاڑنا سب فریب ہے۔ اصلیت میں تمہارا حسد ظاہر ہو رہا ہے۔ کسی بھیڑیئے نے کچھ نہیں کیا جو کچھ کیا خود تم نے کیا۔ بھلا ایسا بھی کوئی عقل مند بھیڑیا ہے جو بغیر پھاڑے قمیص بدن سے اتارے اور گوشت ہڈی پسلی سب کھا جائے۔

تم لوگوں نے میرے ساتھ جو امر اور معاملہ کرنا تھا وہ کر دیا۔ اب میرے لیے یہ ہی امر ہے کہ صبر جمیل کروں یہ سن کر سب بیٹے شرمندہ ہوئے اور غلطی محسوس کی کہ ہم نے قمیص پھاڑ کیوں نہ لی۔

روایت ہے کہ

تین قمیصوں نے تین لوگوں کو شرمندہ کیا۔

1- حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قمیص نے بنی اسرائیل کو

2- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص نے منافقوں کو

3-اور حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص نے بھائیوں کو

روایت ہے کہ

حضرت یعقوب علیہ السلام غم سے نڈھال ہو کر بے ہوش ہو گئے۔تب بھائی پریشان ہوئے کہ شاید فوت ہو گئے اور ایک دوسرے کو طعن کرنے لگے کہ تم لوگوں نے بہت برا کیا۔دو قتل کر دیئے۔وہ سب اب سچا رونے لگے اور پچھتائے کچھ دیر بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کو افاقہ ہوا تو سب بھائی جنگل میں گئے اور ایک بھیڑیا بوڑھا پکڑ کر لے آئے۔

اور والد کے پاس لا کر کہا۔

اس بھیڑیئے نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کھایا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھیڑیئے سے پوچھا:

تو نے میرے یوسف (علیہ السلام) کو کھایا ہے۔

بھیڑیئے نے قدرت خدا سے بولا کہ

ہم پر انبیاء کرام علیہم السلام کا گوشت حرام ہے۔کیسے کھا سکتا ہوں۔یہ جھوٹی تہمت میں مجھ کو پکڑ کر لائے۔میں تو خود اپنے بھائی کے غم میں تلاش کرتا ہوا مصر سے یہاں آیا ہوں۔ہاں مجھ کو پتہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کہاں ہیں مگر میں بتاؤں گا نہیں کیونکہ یہ چغل خوری ہے اور پھر میرے دانت نہیں میں بوڑھا ہوں۔میں کس طرح شکار کر کے کھا سکتا ہوں۔میں تو دوسروں کا مارا شکار کھا لیتا ہوں۔حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس پر بہت رحم آیا۔وہ بہت مدت حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس ہی رہا۔

سات چیزیں جنت میں جائیں گی۔

روایت ہے کہ

سات چیزیں علاوہ جنتیوں کے جنت میں جائیں گی۔

1-حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ بھیڑیا

2-حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی

3-حضرت عزیز علیہ السلام کا گدھا

4-اصحاب کہف کا کتا

5-نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی قصویٰ

6-حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دلدل خچر

7-احد پہاڑ

(اس کے بعد) برادران یوسف علیہ السلام ہر دن آئے اور اس کنویں کے آس پاس پھرتے جانور چراتے رہتے۔چوتھے دن انہوں نے دیکھا کہ ایک قافلہ مدین اور شام کی طرف سے آیا جو مصر کو جا رہا تھا۔کنویں کے قریب ٹھہرا قافلے کے سردار مالک بن دغران مصری تھے۔اس نے پچاس سال پہلے خواب دیکھا تھا کہ کنعان کے جنگل میں ایک سورج زمین سے نکلا اور اس کی

آستین میں گھس گیا۔ اس نے آستین سے نکال کر اپنے سامنے رکھا تو بادل سے اس پر موتی برسے جن کو مالک بن دغران نے چھین لیا۔ صبح عالم نے تعبیر بتادی کہ کنعان سے تیرے ہاتھ کوئی عظیم غلام لگے گا جو تیری قسمت کو پھیر دے گا۔ اس کو خواب تو یاد تھی لیکن آج یہ پتہ نہ تھا کہ یہیں سے غلام ملے گا۔ قافلے والوں نے اپنے خادم کو پانی لینے کے لئے کنویں کی طرف بھیج دیا۔

اس وقت کنویں کی شان یہ تھی کہ

کنویں کے اندر جنت کے غلمان تھے۔ جو تین دن سے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس تھے۔ ساتھ مل کر ذکر الٰہی کرتے تھے۔ اس ذکر کے طفیل اور لذت میں حضرت یوسف علیہ السلام کو نہ بھوک لگی نہ پیاس لگی۔ کنویں کے باہر فرشتے تھے جو دیکھنے والوں کو پرندے معلوم ہوتے تھے۔ قافلے کے گدھوں نے اپنا اپنا بوجھ پھینک کر کنویں کی زیارت کے لئے دوڑ لگائی۔ لوگ سمجھے شاید پیاسے ہیں۔ جب خادم نے ڈول نیچے ڈالا تو حضرت یوسف علیہ السلام یہ سمجھ کر شاید بھائیوں نے نکالنے کے لئے ڈالا ہے۔ ڈول میں بیٹھ گئے۔ خادم نے بڑی مشقت سے نکالا اور سورج جیسا لڑکا دیکھ کر حیرت وخوشی کے ملے جلے جذبات میں پکارا یا بشریٰ! (ارے خوشخبری ہو) یہ غلام ہے بجائے پانی کے۔

بعض نے کہا:

بشریٰ نامی ایک غلام تھا۔ قافلے میں اس سے مالک بن دغران نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ خواب والا غلام مجھ کو مل گیا تو تجھ کو آزاد کردوں گا اور بہت مال دوں گا اور اپنی لڑکی سے شادی بھی تیرے ساتھ کردوں گا۔

سب اہل قافلہ دوڑتے ہوئے گئے۔ جب دور کھڑے ہوئے بھائیوں نے دیکھا کہ کنویں پر جھرمٹ ہے تو سب آ گئے۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر بولے۔

یہ ہمارا غلام ہے۔

مالک نے کہا:

میرے ہاتھ فروخت کردو۔

بھائیوں نے علیحدہ بلا کر حضرت یوسف علیہ السلام کو کہا کہ

اپنی غلامی کا اقرار کرلے ورنہ ہم ان سے لے کر تجھ کو قتل کردیں گے۔

پھر قافلے کے سردار سے مخاطب ہوئے کہ

اس میں تین عیب ہیں۔

1- چور ہے۔

2- جھوٹا اور جھوٹے خواب بیان کرنے والا۔

3- بھگوڑا ہے۔

مالک نے پوچھا:

اے لڑکے! کیا تو واقعی غلام ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کے خوف سے کہا کہ
یہ سچے ہیں۔ یہ میرے صاحب ہیں میں غلام ہوں۔
اور مراد اولیاء اللہ کا عبد۔
مالک نے کہا:
ان عیبوں کے ساتھ تم غلام کو کتنے میں بیچو گے۔ اب بھائی حیرت میں پڑ گئے کہ کیا مانگیں۔
خود مالک بولا کہ
میرے پاس صرف یہ بتیس (32) درہم کھوٹی یعنی ملاوٹی چاندی کے ہیں حالانکہ اس کے پاس چار لاکھ دمشقی دینار تھے۔
اس نے جھوٹ بولا تھا۔ (امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ)
بھائیوں نے سوچا کہ
اگر ہم انکار کرتے ہیں تو حضرت یوسف علیہ السلام کو گھر لے جانا پڑے گا چونکہ مقصد تو یہاں سے دور کرنا ہے سودا کرلیا۔
حضرت یوسف علیہ السلام کو بیچ دیا۔
تفسیر نعیمی میں یہ بھی ہے کہ
قافلے کے سردار مالک نے اور اس کے نوکروں نے تو حضرت یوسف علیہ السلام کو چھپالیا تا کہ کوئی اور قافلے کا مسافر حصہ داری کا دعویٰ نہ کرے مگر بھائی دوڑے آئے۔
انہوں نے کہا کہ
ہمارے غلام کو واپس کردو اور اگر تم خریدنا چاہتے ہو تو خرید لو۔ حضرت یوسف علیہ السلام سب کچھ سن رہے تھے مگر خاموش تین دن کی بھوک پیاس اور کنویں کی ٹھنڈک کی وجہ سے کانپ رہے تھے۔
بھائیوں نے پوچھا:
اے یوسف (علیہ السلام) تم نے کنویں میں تین دن کیسے گزارے اور کیسے نجات پائی۔
حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:
ایک ایسے کلمے کی وجہ سے جو ایمان کے دل میں اگا ہے اور ہمیشہ تروتازہ ہے۔ جس نے اپنوں کو رلایا ہے جس نے زندہ کیا ہے اور ہلاک بھی جس نے لوگوں کو جمع بھی کیا ہے اور متفرق بھی۔ جس نے آزادی بھی دی ہے اور قید بھی۔ بے چینی بھی ہے اور انسیت بھی، تندرست بھی کیا ہے، بیمار بھی، جس نے اسرار کو چھپایا بھی ہے اور ظاہر بھی۔
وہ ایسا کلمہ ہے کہ جس نے اس کو سنا وہ اس کا عاشق ہو گیا اور جسے عشق ہوا اس نے مخالفت نہ کی۔ بھائیوں نے التجاء کی کہ وہ ہمیں بھی بتادے۔
آپ علیہ السلام نے فرمایا:
وہ کلمہ ہے۔

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ

یہ کلمہ بزبان عبرانی توریت میں لکھا ہوا ہے۔ (امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ)

خریدار خریدنے کے لئے تیار ہوا اور بھائیوں نے گھٹیا قیمت میں اس یوسف (علیہ السلام) کو بیچ دیا۔ یا چند گنے ہوئے درہموں سے جو چالیس سے کم تھے کیونکہ چالیس درہم اس زمانے میں تولے جاتے تھے اس سے کم گنے جاتے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے معدود یعنی گنے ہوئے فرمایا۔

بعض نے کہا:

بیس تھے۔

بعض نے کہا:

چودہ۔

بعض نے کہا:

دس تھے۔

بعض نے کہا:

سات تھے۔

موتی کی قیمت جوہری جانتا ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی قیمت زلیخا ہی جانتی ہے۔ دیدار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیمت صدیق ہی جانتے ہیں۔

روایت میں ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے تین ذاتوں کو تین سے چھپایا اور تین کو دکھایا۔

1- اپنی ذات کو مخلوق سے چھپایا محمد رسول اللہ کو دکھایا۔ پس نبی پاک کے خدا عزوجل کو کسی نے نہ پہچانا اسی لیے حبیب (عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم) ہوئے۔

2- حقیقت محمدیہ کو تمام امت سے چھپایا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دکھایا تو آپ ہی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا آپ ہی یار غار ہوئے۔

3- حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سوائے یوشع بن نون علیہ السلام کے کسی نے نہ دیکھا۔

4- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سوائے شمعون بن فارسیہ کے کسی نے نہیں پہچانا اور وہی ان کے سچے ساتھی بنے۔ یہ ظاہری تھا جو لوگوں نے دیکھا کہ اس کو کوئی خطرہ نہیں۔ رب عزوجل کی امانت تو جمال باطنی ہے جس کو چھپایا جاتا ہے۔

5- حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں سے چھپایا اور زلیخا کو دکھایا تو وہ ہی قرب جمال ہوئی۔ بجز والد محترم اور زلیخا کسی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو نہ پہچانا۔ اگر پہچان لیتے تو نہ بیچنے نہ خریدنے والے کی ہمت خرید پڑتی۔ یہ بیچا اس وہ بھائی اس یوسف علیہ السلام کے بارے میں بے رغبت تھے۔ ان کو حضرت یوسف علیہ السلام سے کوئی محبت نہ تھی کھوٹے

برابر بھی نہیں۔خریدار نے غلام لے کر درہم دے کر کہا ایک پرچے پر خرید و فروخت کی دستاویز لکھ دو تا کہ نہ تم بعد میں کچھ دعویٰ کر سکو نہ یہ غلام ہم پر جرم لگا سکے نہ بھاگ سکے۔

بھائیوں نے دستاویز لکھ کر کہا کہ

اس بھگوڑے غلام کی احتیاط کرنا، کہیں بھاگ نہ جائے۔ یہ کہہ کر بھائی واپس ہو گئے تب حضرت یوسف علیہ السلام غم سے نڈھال ہو کر روئے۔قافلے والوں کو تعجب ہوا کہ بھگوڑا غلام آقا کی جدائی سے رویا نہیں کرتا یہ کیونکر روتا ہے۔

مالک نے پکارا۔

اے غلام!

ارشاد فرمایا:

لبیک

بولا۔

میرے قریب آ۔

قریب گئے تو اس نے بھائیوں کے کہنے کے مطابق بہت پرانی صف کا کرتہ پہنا دیا اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں۔ ہاتھ پیچھے باندھ دیئے۔حضرت یوسف علیہ السلام نے جب پیچھے مڑ کر دیکھا تو دور جگہ سب بھائی کھڑے تھے۔

آپ علیہ السلام نے مالک سے کہا کہ

اگر اجازت دیں تو اپنے صاحبوں سے آخری ملاقات کرلوں۔ مالک نے اجازت دی۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام قریب گئے تو بھائی صف باندھ کر کھڑے ہو گئے کہ دیکھیں یوسف (علیہ السلام) کیا کہتا ہے۔حضرت یوسف علیہ السلام کو اس حالت میں دیکھ کر سب رونے لگے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

اے بھائیو! خدا عزوجل تم پر رحم کرے اگر چہ تم نے مجھ پر رحم نہ کیا۔خدا عزوجل تم کو عزت دے اگر چہ تم نے مجھ کو ذلیل کیا اور اس مصیبت میں پہنچایا۔خداوند کریم تمہاری مدد کرے اگر چہ تم نے میری مدد نہ کی۔ اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے اگر چہ تم نے مجھ کو بیچ دیا۔

بھائیوں نے روتے ہوئے کہا کہ

اے یوسف (علیہ السلام) ہم شرمندہ ہیں۔اگر ہم کو باپ سے کی ہوئی بات کا خوف نہ ہوتا یا ہم نے دستاویز لکھ کر دی نہ ہوتی تو ضرور تجھ کو چھڑا کر باعزت باپ کے پاس لے جاتے۔حضرت یوسف علیہ السلام ابھی کھڑے رو ہی رہے تھے کہ مالک کا نوکر آیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو اٹھا کر لے گیا کیونکہ تیز نہ چل سکتے تھے بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔عصر کے وقت قافلہ چل پڑا۔

مالک بن دعر نے

بعض نے کہا:

دعردال نے اپنے غلام ملیح حبشی کے سپرد کر دیا۔

ملیح نے کہا:

اے آقا کیا وہی غلام ہے جس کا تم نے خواب دیکھا تھا۔

مالک نے کہا:

یہ وہ نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اس کی کوئی شان ظاہر نہیں۔

معبر نے تو بہت شان بیان کی تھی۔ قافلہ رات بھر چلتا رہا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو ہاتھ باندھ کر ایک اونٹ پر بٹھایا ہوا تھا۔ راستے میں جب والدہ کی قبر آئی اور حضرت یوسف علیہ السلام کی نگاہ پڑی چاندنی رات تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے خود کو گرا دیا۔

اور والدہ محترمہ کی قبر سے لپٹ کر عرض کیا کہ

یا امی بھائیوں نے مجھے والد سے جدا کر دیا مجھے گرمی میں گھسیٹا۔ مجھے طمانچے مارے اور میرے قتل کا ارادہ کیا میرا کرتہ اتار کر رسی سے باندھ دیا اور بیابان کنویں میں ڈالا۔ میرے پیٹ کو پاؤں سے روندا، مجھے ٹھنڈے پانی سے پیاسا رکھا۔ مجھے بھوکا رکھا۔ میرے نازک ہاتھوں کو مروڑا۔ اے میری پیاری ماں اگر تم میری حالت کو دیکھتیں تو تڑپ کر مجھے چھڑا لیتیں اے امی اٹھو دیکھو میں کس حال میں پڑا ہوں مجھے میرے بھائیوں نے غلام بنا کر بیچ دیا۔ مجھے ان کے کپڑے پہنائے۔ مجھے بیڑیوں میں باندھا، میری نازک اور کمزور کلائیوں کو مضبوط رسیوں سے باندھا۔ میں ابھی تک بھوکا ہوں، پیاسا ہوں۔ کسی نے ابھی تک مجھ کو کھانا نہیں کھلایا۔

اے میری امی اٹھو میرے ہاتھ کھول دو، مجھے درد ہو رہا ہے۔ یہ دردناک فریاد سن کر قبر کانپی اور قبر سے آواز آئی۔

یا قرۃ عینانی یا ولداہ و الثمرۃ فوادہ اصبر و اصبروک علی اللہ ۔

ترجمہ:- اے آنکھوں کی ٹھنڈک، اے بچے، اے دل کے ٹکڑے صبر کر اور تیرا صبر اللہ پر ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام یہ سن کر سجدۂ شکر بجالائے۔ جب فارغ ہوئے تو قافلے کی طرف چل پڑے جو کچھ دور جا کر ٹھہر گیا تھا۔

ملیح نے آواز دی۔

عبرانی غلام بھاگ گیا۔

قافلہ رک گیا اور ملیح تلاش میں دوڑ پڑا۔ کچھ دور اپنی طرف یوسف علیہ السلام کو آتے دیکھا تو پکڑ لیا اور طمانچے مارنے لگا اور گرا کر پاؤں پکڑ کر گھسیٹنے لگا۔

اور کہنے لگا کہ

تیرے مالکوں نے سچ کہا تھا کہ تو چور اور بھگوڑا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ

مجھے مت مارو میں بھاگا نہیں میں تو قافلے کی طرف ہی جا رہا تھا جیسا کہ تو نے مجھے دیکھا۔ میں غلام ہوں۔ راستہ میں میری والدہ کی قبر تھی۔ میں بے اختیار ہو گیا خود کو قبر پر گرایا۔ اور فریادیں کرتا رہا۔ اسی گفتگو میں قافلہ آ گیا۔ حبشی غلام ابھی تک ظلم کر رہا تھا اپنے آقا مالک بن ذعر کو خوش کرنے کے لئے مگر حضرت یوسف علیہ السلام بھوکے پیاسے صبر کی تصویر بنے خاموش رہے۔ دوبارہ اونٹ پر بٹھایا۔ قافلہ روانہ ہوا۔ اچانک ایک بادل سیاہ آیا۔ اس سے موٹے موٹے اولے پڑنے شروع ہوئے۔ قافلے میں بھگدڑ پڑ گئی سب پریشان ہوئے انسان اور جانور زخمی ہونے لگے۔

تب سردار مالک نے منادی کی کہ

اے لوگو! اگر کسی نے کوئی گناہ کیا ہے تو ہلاکت سے پہلے توبہ کرے ورنہ سب ہلاک ہو جائیں گے۔

ملیح نے کہا:

گناہ مجھ سے ہوا ہے کہ میں نے عبرانی غلام کو مارا اور زمین پر گھسیٹا ہے جب کہ اس نے کہا بھی تھا کہ میں مظلوم ہوں۔

مالک دوڑتا ہوا حاضر بارگاہ ہوا اور عرض کیا۔

ملیح غلام کی خطا معاف کر دے اور دعا کر کہ یہ عذاب اللہ دور کر دے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے بارگاہ ایزدی میں دعا کی فوراً اولے بند ہو گئے۔ صبح کا وقت تھا۔ بادل ختم ہوا آفتاب نکل آیا۔ اب مالک کو پتہ لگا کہ غالباً یہ وہی غلام ہے جس کی میں نے خواب دیکھی تھی۔ فوراً حضرت یوسف علیہ السلام کی بیڑیاں کھولیں ہاتھ سے رسی کھولی اون کا کرتہ اتار کر عمدہ لباس پہنایا اور قافلہ روانہ ہوا حتیٰ کہ شہر بیسان میں آیا۔ یہ شہر دومتی سے بیس (20) میل دور مصر کی شاہراہ پر ہے۔ اس کو بیت ایل بھی کہتے ہیں۔ آج حسن یوسفی علیہ السلام مثل چڑھتے سورج کے ہے۔ یہاں کے لوگوں نے جب قافلے کے اگلے اونٹ پر حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو حسن یوسفی سے حیران رہ گئے۔ یہ مصوروں اور بت تراشوں کا شہر تھا۔ بہت سوں نے آپ علیہ السلام کے فوٹو اور بت بنائے اور پوجنے لگے۔

تاریخ میں ہے کہ

ہزار سال تک حضرت یوسف علیہ السلام کے بت کی پوجا ہوئی۔

تین دن قافلہ کا یہاں قیام رہا یہیں آپ علیہ السلام نے پہلا کھانا کھایا پس یہاں سے روانگی ہوئی تو دوسرے شہر نابلستان آئے جس کو آج کل بیر شبع کہتے ہیں۔ یہ پندرہ میل دور تھا۔ بیسان سے یہاں کے سب لوگ بت پرست تھے۔ مگر شکل یوسفی کو دیکھ کر حیران ہوئے۔

اور پوچھا:

اے انسان تجھ کو کس نے پیدا کیا ہے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اللہ وحدہ لاشریک نے۔

سب بولے۔

جس نے تجھ کو پیدا کیا ہم اس پر ایمان لائے۔اس گاؤں کے چار ہزار (4000) لوگوں نے اسلام قبول کیا اور بت توڑ دیئے۔حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو تعلیم عبادت فرمائی۔ ہزار سال تک یہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کی امت بن کر عبادت خدا عزوجل میں مشغول رہے۔شان قدرت تو دیکھو کہ شکل یوسفی ایک مگر دیکھنے والی نگاہیں مختلف۔

کوئی دیکھ کر کافر ہوا کوئی دیکھ کر مومن صحابی۔

اہل تحقیق فرماتے ہیں کہ

نگاہیں بیس (20) قسم کی ہیں۔

1-نگاہ محبت

2-نگاہ عشق

3-نگاہ عبرت

4-نگاہ شہوت

5-نگاہ الفت

6-نگاہ شفقت

7-نگاہ غضب

8-نگاہ قہر

9-نگاہ ظلم

10-نگاہ مظلومیت

11-نگاہ فکر

12-نگاہ مکر

13-نگاہ ایمانی

14-نگاہ طغیانی

15-نگاہ عقل

16-نگاہ قلبی

17-نگاہ جنون

18-نگاہ بد

19-نگاہ ظاہری

20-نگاہ باطنی

بسیان والوں نے نگاہ طغیانی سے دیکھا کافر ہوئے۔
تابلستان والوں نے نگاہ ایمان سے دیکھا مومن ہو گئے۔
بھائیوں نے نگاہ غضب سے دیکھا۔
خریداروں نے نگاہ عقل سے دیکھا۔
حضرت یعقوب علیہ السلام نے نگاہ شفقت سے دیکھا۔
زلیخا نے پہلے نگاہ باطنی سے دیکھا پھر مختلف وقتوں میں مختلف نگاہوں سے دیکھا۔
زنان مصر نے نگاہ عبرت سے دیکھا۔
حضرت یوسف علیہ السلام ایک ہیں دیکھنے والی نگاہیں مختلف ہیں۔
یہاں بھی یہ قافلہ تین دن ٹھہرا یہاں سے شہر قدس کو چلا یہ شہر (18) اٹھارہ میل دور ہے۔ تابلستان سے اس کا نام جشن بھی ہے یہاں سے مصر کا پہلا شہر ہیل بلس پچاس میل ہے۔
تفسیر بجستانی میں لکھا ہے کہ
شہر کے بادشاہ کو خواب دکھایا گیا کہ تیرے شہر میں خلق میں بہتر ایک شخص آ رہا ہے تو اس کا استقبال کر۔ امیر نے بیدار ہو کر عزت اور استقبال کا انتظام کیا۔ جب قافلہ آیا تو امیر شہر نے کچھ لوگوں کے ساتھ استقبال کیا اور دعوت کی۔ اس عزت افزائی سے مالک بن زعر حیران ہوا کہ میں کئی دفعہ اس شہر میں آیا ہوں مگر اتنی عزت کبھی نہ ہوئی۔ ہو نہ ہو یہ عزت اس عبرانی غلام کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ ادھر امیر شہر شکل پاک دیکھ کر ہی سمجھ گیا تھا کہ بہترین ہستی یہی ہے مگر ظاہر کرنے کی اجازت نہیں۔
ایک قول ہے کہ
حضرت یوسف علیہ السلام نے پہلا کھانا نو دن کے بعد یہیں کھایا۔ بادشاہ نے سب کو مختلف کھانا کھلایا مگر آپ علیہ السلام کو دودھ، چاول کھلایا۔ بحکم ربی تھا کیونکہ یہ آپ علیہ السلام کا زمانہ چلہ تھا اور چلہ میں صوفیاء یہی کھانا کھاتے ہیں آقا صلی اللہ علیہ وسلم بھی غار حراء میں آٹھ یا نو دن کا روزہ رکھا کرتے تھے۔
امیر نے علیحدگی میں حضرت یوسف علیہ السلام سے پوچھا؟
تم کون ہو۔
آپ علیہ السلام نے فرمایا:
میں وہ ہوں جس کا تجھے استقبال اور دعوت کا حکم ہوا ہے۔
وہ حیران ہوا کہ تم کو میرے خواب کا کس نے بتایا۔
آپ علیہ السلام نے فرمایا:
میرے رب عزوجل نے جس نے تجھے میری خبر دی۔
اس نے عرض کیا کہ

مجھے کچھ نصیحت اور حکم فرمائیں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

تو بھی مسلمان ہو جا اور سارے شہر کے بت خانے توڑ دے۔ وہ مسلمان ہوا اور صحابی حضرت یوسف علیہ السلام ہوا سب بت خانے تڑوا دیئے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام امیر کے گھر میں داخل ہوئے تو امیر کے خصوصی بت نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ اور گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ یہ سب کچھ ہوا مگر مالک بن زعر اور قافلے والوں کی عقل میں کچھ نہ آیا کیونکہ رب عزوجل نے ان کی عقلوں پر پردہ ڈال دیا تھا۔ یہاں بھی تین دن قیام ہوا۔ یہاں سے قافلہ روانہ ہو کر شہر عسقلان میں پہنچا۔ وہاں کے بادشاہ کو کس طرح اطلاع پہنچی کہ ایک بہت خوبصورت غلام مصر میں بکنے کے لئے جا رہا ہے۔ اس نے دل میں خیال کیا کہ میں جبراً قافلے والوں سے اس کو چھین لوں گا۔ اسی ارادے سے ایک ہزار (1000) سپاہی نکلے کر شہر کے دروازے ... یا مگر سپاہیوں کو صرف یہ بتلایا کہ شہر کا دورہ کرنا ہے جب وہ دروازے پر آیا تو حسن یوسفی کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گیا۔ لشکریوں کو اس کی فکر لگ گئی اور قافلہ شہر میں داخل ہو گیا تین دن ٹھہرا اور مصر کو چلا گیا۔ یہ بادشاہ نگاہ یوسف کی لذت سے تین دن بے ہوش رہا۔ قافلہ یہاں سے شہر عریش پہنچا وہاں دو دن ٹھہرا پھر دریائے نیل کے کنارے وہاں مالک بن زعر نے جن غلاموں کو فروخت کرنا تھا ان کو غسل کرایا۔ کپڑے پہنائے۔ سب سے آخر میں حضرت یوسف علیہ السلام کو بہترین لباس پہنا کر سر پر موتیوں کا تاج رکھا۔ آج حسن یوسفی کی آب و تاب ایسی تھی کہ مالک بن زعر کو بھی دیکھنے کی تاب نہیں۔ مغلوب ہو کر قدموں میں جھکا جاتا ہے حتیٰ کہ بازار مصر میں دوسری صبح کے وقت تک عجیب آب و تاب سے حسن جہاں تاب جلوہ افروز ہوا۔ مصر میں پہلے ہی شہرت ہو چکی تھی کہ عظیم غلام بکنے کے لئے آیا۔ مالک بن زعر مسرور تھا کہ آج اس کے نام کے ڈنکے مصر کے گلی کوچوں میں بج رہے ہیں بیچنے والا وہ ہو جس نے پچاس سال اس غلام کا انتظار کیا ہو بکنے والا شہنشاہ حسن ہو تو خریدار کیسا ہو گا۔ کس کی ہمت ہے جو قیمت لگائے۔ سودا حضرت یوسف علیہ السلام کا ہونا ہے۔ قسمت مالک کی کھلی ہے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کی آمد مصر میں ہوئی تو پرندے چہچہانے لگے۔ لوگوں کو قدرتی اتنی خوشی ہوئی کہ اس رات خوشی میں کسی نے نہ کھایا نہ پیا۔ صبح کے وقت سب لوگ مالک کے دروازے پر آ گئے۔ لاکھوں آدمیوں کا ہجوم دیکھ کر اپنے گھر کی چھت پر چڑھا اور بولا کہ

اے لوگو! تم کیا چاہتے ہو۔

سب نے کہا کہ

جو تو غلام لایا ہے وہ ہم کو دکھا دے۔ صرف ایک نظر دیکھنا چاہتے ہیں۔

مالک نے جواباً کہا کہ

اس میں کیا خوبی ہے جس کی وجہ سے تم اتنا مشتاق ہوئے وہ تو بالکل تم جیسا بشر ہے کیونکہ مالک کافر تھا۔ ابھی تک اس پر کفر کے پردے تھے۔ اس لیے وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے جیسا بشر ہی کہتا رہا کیونکہ کفار کی یہ شروع سے عادت ہے کہ نبی کو اپنے جیسا ہی سمجھتے ہیں۔ لیکن نگاہوں والے جان جاتے ہیں کہ نبی بے مثل ہوتا ہے۔ مالک کو حضرت یوسف علیہ السلام کی ثناء خوانی پسند نہ آئی۔ اس کو کسی نے مشورہ دیا کہ غلام کے دیدار کو روکنے کے لئے اور جھمگٹے کو بھگانے کے لئے غلام کو دیکھنے کا ایک دینار فی آدمی مقرر کر دے پھر کوئی بھی مطالبہ دیدار نہ کرے گا۔ مالک نے اس ارادے سے اعلان کر دیا کہ فی کس

دینار کی دو سو درہم قیمت تھی جبکہ اس نے بیس کھوٹے درہم میں حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا تھا۔ ابھی یہ بات ہو رہی تھی کہ چھ لاکھ دینار کا ڈھیر دروازے پر لگ گیا۔ اے اللہ عزوجل تیری شان کے قربان کہاں وہ دھکے اور کہاں یہ کہ صرف دیدار کی تمنا میں چھ لاکھ چوکھٹ پر ڈھیر ہیں۔ مالک کے خادموں نے وہ دینار بٹورے دروازہ کھولا۔ لوگوں کے سامنے چہرہ پاک ہے اور وارفتہ ہیں لذت دیدار میں عشاق بے ہوش ہو رہے ہیں تن بدن کا ہوش نہیں۔ مالک کے حکم سے خدام نے لوگوں کو باہر نکالا مگر اس حال میں کہ زائرین کو نہ گھر کا ہوش نہ در کا نہ قرب کا نہ دور کا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

جب مخلوق کو دیکھنے کا یہ حال ہے تو خالق کو دیکھنے کا کیا حال ہوگا۔ مالک کو دیدار کرانے کا مزہ آ گیا۔ یہ لوگ تین دن لذت دیدار یوسفی میں مست رہے۔ مالک نے دوسرے دن اعلان کیا کہ جو لوگ عبرانی غلام کا دیدار کرنا چاہتے ہیں وہ فی شخص دو دینار لائے۔ باقی ماندہ لوگ دوڑے آئے دو دو دینار دیئے دس ہزار دینار پھر جمع ہو گئے۔ تیسرے دن بازار میں مالک نے تخت بچھایا۔ اس پر حضرت یوسف علیہ السلام کو تاج پہنا کر بٹھا دیا اور اعلان کیا کہ کون خریدار ہے جو خریدنا چاہتا ہے وہ خرید لے پہلے وقت میں ایک لاکھ آدمی آئے۔ جنہوں نے اپنا سارا مال غلام کی قیمت میں دیا۔ مگر شام تک غلام نہ بک سکا۔ شام کو گھر واپس آیا۔ دوسرے دن مالک مصر کے بڑے بڑے تاجر آئے اور مالک کے گھر میں دیکھا کہ مالک تاج پہنے بیٹھا ہے۔

لوگوں نے مالک کو کہا کہ

تو خوش ہے آج تیرے دروازے پر عظیم لوگ جمع ہیں جو تیرے غلام کے دیدار کی بھیک تجھ سے طلب کر رہے ہیں۔

مالک حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا:

اے غلام تیرا نام کیا ہے۔ مجھ کو شرم آتی ہے تجھ جیسے شہنشاہ حسن و جمال کو غلام کہوں۔ تب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنا اسم مبارک بتایا۔

آج مالک کو پتہ چلا کہ

یہ حضرت یوسف علیہ السلام ہے۔ جس کو حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد نے بیچ دیا۔

مالک نے دست بوسی کی اور عرض کیا کہ

میرے لیے دعا کرو کہ میں صاحب اولاد ہو جاؤں میں بے اولاد ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

تو اللہ وحدہ لاشریک کو مان لے ایمان لے آ تو تیرے لڑکا پیدا ہوگا۔ مالک ایمان لے آیا اس کا وہ ملیح اسود غلام ہاتھوں کی بیماری میں مر چکا تھا کیونکہ ان ہی ہاتھوں سے حضرت یوسف علیہ السلام پر ظلم کیا تھا۔ وہ کفر میں ہی تھا۔

مالک نے بصد ادب عرض کیا کہ

دور دور کے لوگ تیرے مشتاق ہیں اگر حکم ہو تو دیدار کے لئے حاضر ہوں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

جو تیری مرضی۔

کثیر لوگوں نے اس دن بھی دیدار کیا اس ہجوم میں عزیز مصر کے کارندے اور درباری تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھنے والے تین طرح کے لوگ تھے۔

ایک گروہ کی حالت تھی جیسے مست وار۔

ایک گروہ حیرت زدہ لوگوں کی طرح تھا۔

ایک گروہ مجنونوں کی طرح تھا۔

لوگوں کا عجب حال تھا کہ دیدار کرنے کے لئے دوڑے چلے آتے مگر واپس جانے کی ہمت نہ پاتے۔ یہ دور والوں کا حال تھا مگر قر ب والے بے بصر تھے۔ نہ مالک بن ذعر عارف حال وحقیقت تھا نہ اس کے گھر والے کیونکہ قرب چار قسم کا تھا۔

1-قرب جسمانی

2-قرب عقوبت

3-قرب رحمت

4-قرب الٰہی عزوجل یا قرب حق۔

مصر میں ایک عورت بازعہ نامی بنت معالقہ بن عاد بن سود بن زیاد بن عاد بن شداد نمرود کا وزیر جس نے جنت ارم بنائی تھی بہت امیر عورت تھی۔ اس نے خریداری کا ارادہ کیا اپنی تمام دولت لے کر حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدنے آئی۔ جب ایک نظر حضرت یوسف علیہ السلام پر پڑی تو عقل ششدر ہوئی۔ آنکھیں پتھرا گئیں۔

اور بولی۔

کیا تو غلام ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

ہاں غلام ہوں۔ مراد اولیاء اللہ کا عبد ہوں۔

عبد تین طرح ہوتے ہیں۔

1-عبد کرامۃ جیسے فرشتے

2-عبد محبت جیسے انبیاء کرام (علیہم السلام)

3-عبد خدمت جیسے دنیا نوکر چاکر یا خدام دین

جیسے علماء، اولیاء۔

عورت بازعہ نے عرض کیا کہ

تیرا خالق کوان ہے؟

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

میرا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

اس (بازعہ) نے عرض کیا کہ

میں تیرے خالق پر ایمان لاتی ہوں۔ یہ کہا اور اپنی ساری دولت فقراء میں تقسیم کر دی۔ یہ کہتے ہوئے کہ ساری دنیا بھی اس غلام کی قیمت نہیں بن سکتی۔ اور چھوٹی جھونپڑی میں تاحیات یاد الٰہی عزوجل میں مشغول رہی۔

ان ہی ایام میں عزیز قطفور نے اپنی بیوی زلیخا سے کہا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس غلام کو خرید لوں جس کی شہرت سارے ملک میں پڑی ہے جا تو جا کر دیکھ لے۔ زلیخا نے روکھا جواب دیا کہ میں اپنے عزیز کے کسی کو پسند نہیں کرتی۔ میرا وہی خواب میں دیکھا ہوا عزیز مصر تھا جس کے عشق میں اور انتظار میں ساری عمر گزارنے کا ارادہ کیا تھا قطفور سمجھا شاید میرا ذکر ہے خوش ہوا اور دوسرے دن کا اعلان سنا ہوا تھا کہ جمعہ کے دن غلام کی نیلامی ہوگی جو بڑھ کر قیمت لگائے گا وہی خریدے گا۔ عزیز مصر بھی خود خریداروں کی صف میں شامل ہوا۔ سب نے بڑھ بڑھ کر بولی دی لیکن جب عزیز مصر نے بولی دی تو سب خاموش ہو گئے۔

عزیز مصر نے کہا کہ

غلام کے وزن کا سونا اس کے وزن کی چاندی، ہیرے، یاقوت، ریشم، عنبر، کافور تول کر قیمت ہے۔ مالک نے منظور کیا اور سودا ہو گیا لیکن جب عزیز مصر نے جلوۂ یوسفی دیکھا تو سارا ہی خزانہ دے دیا اور کچھ باقی نہ چھوڑا تو لنے تلانے کی نوبت ہی نہ آئی۔ ابھی تک مالک بن ذعر کے لئے حسن یوسفی پردے میں تھا۔ جب خزانے کو دیکھا تو بہت خوش ہوا کہ بہت اچھے داموں بکا ہے لیکن جب آخری ملاقات کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس گیا تو غش کھا کر گر پڑا۔ جب افاقہ ہوا۔

تو حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا:

اے مالک تجھ کو کیا ہوا مگر اب وہ مالک مالک نہیں پردہ اٹھ چکا تھا روتا ہے اور کف افسوس ملتا ہے کہ میں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کیوں گنوایا۔ کیوں بیچا جس مال کو میں نے کثیر سمجھا وہ تو قلیل تھا کثیر تو حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔ انسان اندھا ہے جو دنیا کو عظیم اور آخرت کو قلیل سمجھتا ہے جن کی آنکھیں روشن ہیں ان سے پوچھ کہ قلیل کون ہے اور کثیر کون۔

مالک نے عرض کیا کہ

اے یوسف علیہ السلام مجھے بتاؤ کہ تو اصل میں کون ہے۔ مجھ سے راز کا پردہ اٹھا دے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

اگر تو کسی سے نہ کہے تو میں بتاؤں۔ مالک نے سچا وعدہ کیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

وہ دس آدمی جو کنعان کے جنگل میں مجھ کو بیچنے والے تھے وہ میرے بھائی تھے۔ میرے والد محترم یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

یہ سنا تو مالک زار زار رویا اور خطاؤں کی معافی مانگی پھر تجارت وغیرہ چھوڑ کر یاد الٰہی عزوجل میں مشغول ہو گیا۔ اس کے ... بیٹا ہوا اور ساری دولت اس کی والدہ ... عزیز مصر نے اپنے خزانے خالی کر دیئے مگر رب

عزوجل کی امانت کائنات کے خزانوں سے دامن بھر لیا۔ اہل مصر قیمت عزیز پر رشک کر رہے ہیں۔ (حوالہ آخر میں لکھا ہے)

حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا سے چوبیس لڑکے ہونا

جب گھر لے کر آیا۔ ایک روایت میں ہے کہ

مالک نے عرض کیا کہ

اے یوسف علیہ السلام میری لڑکیاں ہیں لڑکا کوئی نہیں۔ دعا فرما کہ رب عزوجل مجھے لڑکا دے۔ آپ علیہ السلام نے دعا دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو چوبیس لڑکے عطا فرمائے۔ جن کے نام یہ ہیں۔

1-فاید
2-نوید
3-نادی
4-حمیر
5-دلائل
6-ذکوان
7-رایص
8-زہیر
9-سالیس
10-ضمیر
11-طویم
12-طفیل
13-عمیل
14-کسنا
15-نادیل
16-حوشل
17-ہزیل
18-مکس
19-بیان
20-عنبر
21-کسنار
22-سفان

23-غانم

24-خارن

مالک نے عرض کیا کہ

تم کو تمہارے بھائیوں نے کیوں بیچا۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

وہ میرے بھائی ہیں یہ بھید ظاہر نہیں کروں گا۔

کریمی کی شان کہ خون کے پیاسوں پر اتنا رحم۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:408 تا 429 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کو نہ خریدنے پر دس ہزار تاجروں کے پتے پھٹنا

جب عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خرید لیا تو دس ہزار تاجروں کے نہ خریدنے کے غم میں پتے پھٹ گئے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

بادشاہ کے سارے خزانے کا منتظم اس کا نام قطفیر تھا نامرد تھا جب اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بالکل خرید لیا تو دس ہزار تاجروں کے پتے پھٹ گئے۔ اس غم میں کہ ہم کیوں نہ خرید سکے۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:425 نعیمی کتب خانہ لاہور)

دس ہزار تاجروں کا نہ خریدنے کے غم میں مرنا

حضرت یوسف علیہ السلام کو نہ خریدنے کے غم میں دس ہزار تاجر فوت ہوئے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

دس ہزار تاجروں کے پتے پھٹ گئے اس غم میں کہ ہم کیوں نہ خرید سکے اور دس ہزار مر گئے۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:425 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کو نہ خریدنے میں چالیس ہزار کا بیمار ہونا

حضرت یوسف علیہ السلام کے نہ خریدنے میں چالیس ہزار اشخاص بیمار ہو گئے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

اور چالیس ہزار بیمار ہو گئے۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:425 نعیمی کتب خانہ لاہور)

خریدنے والے کا نام

حضرت یوسف علیہ السلام کو جس شخص نے خریدا اس بارے میں اقوال ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ

آپ علیہ السلام کے خریدنے والے کا نام مالک بن ذعر بن بویب بن عسیفا بن مریان بن ابراہیم ہے۔
(المؤتلف والمختلف للدارقطنی: ج:1،ص:241)

حضرت یوسف علیہ السلام کا تین دن بکنا

حضرت یوسف علیہ السلام تین دن بکتے رہے۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
حضرت یوسف علیہ السلام کی نیلامی تین دن ہوتی رہی۔

بدھ
جمعرات
جمعۃ المبارک
(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:425 نعیمی کتب خانہ لاہور)

ایک بڑھیا عورت کا خریدنے آنا

حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدنے کے لئے ایک بڑھیا آئی جس کا واقعہ نہایت عجیب ہے۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
روح البیان نے فرمایا کہ
ایک بڑھیا نے سنا کہ عبرانی غلام کی قیمت یہ پڑی ہے کہ ساری دولت دو اور غلام کو خرید لو۔ وہ سمجھی کہ شاید جتنی جس کی دولت ہو اتنے میں ہی خریدے۔
یہ بھی سنا کہ
آج تین دن ہوئے غلام بک نہ سکا۔ اس نے اپنی دولت پر غور کیا تو اس کا سارا سرمایہ بیس (20) سیر کتی ہوئی روئی تھی۔ اس نے عشق یوسفی میں وہ سب اٹھائی اور مالک کے سامنے ڈھیر کر دی کہ یہ لے لو اور حضرت یوسف علیہ السلام مجھ کو دے دو۔ یہ میری ساری پونجی ہے۔ کچھ دیر بعد عزیز مصر نے خرید لیا۔
(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:426 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کی برکت سے عزیز مصر کے خزانوں میں دگنا اضافہ

عزیز مصر نے اپنا سارا خزانہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خریدنے کے لئے لٹا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے خزانوں میں حضرت یوسف علیہ السلام کی برکت سے دگنا اضافہ فرما دیا۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
قطفیر کو زلیخا سے محبت تھی اسی کی خاطر دل جوئی کے لئے یہ غلام خریدا اور سارا خزانہ لٹایا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے وزن کے برابر سب خزانے تولے گئے اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کا وزن 40 رطل یعنی پانچ من تھا۔ اس طرح تقریباً پچاس من

خزانہ قیمت میں دیا گیا۔

درباریوں نے کہا:

اپنے ایک غلام کے لئے سارا خزانہ ختم کر دیا۔ اب ملک کیسے چلے گا تب عزیز مصر کو فکر لاحق ہوئی اور سب خزانچیوں کو بلایا کہ دیکھو کچھ خزانہ ہے یا سارے خالی ہو گئے۔ خزانچی اپنے اپنے خزانے میں گئے تو دیکھا کہ سونے، چاندی، زمرد، یاقوت، ریشم، مشک، عنبر، کافور، حریر کے خزانے پہلے سے زیادہ بھرے ہیں۔ سب خوشی خوشی دوڑے دوڑے آئے اور خوش خبری دی۔ عزیز مصر حیران رہ گیا۔ سمجھا شاید مالک سے جبرا نہ چھین لیا ہو۔ مالک کے پاس گیا تو دیکھا کہ سب خزانے دیئے ہوئے موجود ہیں۔ خود جان کر اپنے خزانوں کو دیکھا تو دگنے تگنے بھرے ہوئے تھے اور خزانچیوں کی خبر درست تھی۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:426 نعیمی کتب خانہ لاہور)

عزیز مصر کا حضرت یوسف علیہ السلام سے خزانے بھرے ہونے کا پوچھنا

جب عزیز مصر نے دیکھا کہ خزانے تو پہلے سے بھی زیادہ دوگنا ہو گئے ہیں تو وہ حیران ہو گیا اور درباری کے مشورے سے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس اس کی وجہ پوچھی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

سب حیران تھے کسی کی سمجھ میں یہ راز نہ آتا تھا۔ انہوں نے اس سے پہلے یہ معجزہ کب دیکھا تھا۔

ایک درباری نے کہا کہ

آپ غلام ہی سے پوچھیں وہی اس راز سے پردہ اٹھا سکتا تھا۔

عزیز مصر نے کہا:

وہ کیونکر اس راز کو جانے گا۔

درباری نے کہا:

میں نے اس کے ساتھ پرندوں کو باتیں کرتے دیکھا ہے وہ کوئی عام انسان نہیں ضرور وہ بے مثل کائنات ہے۔

عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بلایا۔

اور پوچھا کہ

اے یوسف (علیہ السلام)! ہم نے سارے خزانے تیری قیمت میں خالی کر دیئے تھے مگر وہ پھر دگنے بھرے ہوئے ہیں۔

یہ کیا راز ہے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ

میرے اللہ عزوجل نے تیرے خزانے بھر دیئے۔

اس نے پوچھا:

اللہ عزوجل کون ہے؟

آپ علیہ السلام نے فرمایا:
جس نے مجھ کو تجھ کو اور ساری کائنات کو پیدا کیا۔

پوچھا:
اس نے یہ کرم کیوں کیا؟
آپ علیہ السلام نے فرمایا:
یہ کرم تجھ پر نہیں بلکہ مجھ پر ہے اس لیے تو میری وجہ سے لشکریوں، درباریوں اور بادشاہ کے سامنے مطعون و معتوب نہ ہو۔ تیرا مجھ پر احسان نہ رہے۔ میری شان تیری نظروں میں بلند ہو جائے۔
(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:427 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر کا بیوی کو تعظیم و تکریم سے ٹھہرانے کا حکم دینا

مصر کے جس شخص نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا تھا اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس کو تعظیم و تکریم سے ٹھہراؤ شاید یہ ہمیں فائدہ پہنچائے۔
قرآن مجید میں ہے:
وَ قَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ (سورہ یوسف:21)
اور مصر کے جس شخص نے یوسف کو (قافلہ سے) خریدا تھا اس نے اپنی بیوی سے کہا اس کو تعظیم و تکریم سے ٹھہراؤ شاید یہ ہمیں فائدہ پہنچائے۔
☆ عزیز مصر نے اپنی زوجہ سے کہا یوسف علیہ السلام کو تعظیم و تکریم سے ٹھہراؤ یعنی ان کی رہائش کا عمدہ انتظام کرو۔ ان کو اچھے کھانے کھلاؤ اور خوبصورت کپڑے پہناؤ۔

عزیز مصر نے زلیخا کو تعظیم و تکریم کا کیوں حکم دیا

عزیز مصر نے زلیخا کو چند وجوہات کی بناء پر تعظیم و تکریم کرنے کا حکم دیا۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
(جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی برکات کا عزیز مصر کو سنایا تو) عزیز مصر خوش ہوا اور گھر آیا۔
اور کہا:
اکرمی مثواہ۔ اے بیوی اس غلام کے لئے خوبصورت کمرہ ہر طرح سے آراستہ پیراستہ تیار کر جہاں یہ خوش و خرم رہا کرے۔
یہ حکم اس لیے دیا کہ
عزیز مصر نے فراست سے جان لیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام سے زلیخا کی محبت ہو گئی کیونکہ جب زلیخا کی پہلی نظر حضرت یوسف علیہ السلام پر پڑی اور دونوں کی نگاہیں ملیں تو زلیخا عجیب دیوانوں کی طرح اس کو دیکھتی ہی رہی مگر حضرت یوسف

علیہ السلام کی نگاہیں پھر نہ اٹھیں نیچی ہی رہیں۔

یا اس لیے حکم دیا کہ

عزیز مصر کو حضرت یوسف علیہ السلام کی فضیلت و شرافت معلوم ہوگئی تھی۔

یا اس لیے حکم دیا کہ

عزیز مصر نے آج رات خریدنے سے پہلے خواب دیکھا تھا کہ اے عزیز غلام کو خرید اور زلیخا کے سپرد کر دے دونوں میں جدائی نہ ڈالنا۔

یا اس لیے حکم دیا کہ

عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ ۔ عنقریب یہ بچہ ہم کو نفع دے گا۔

یا اس طرح کہ

حکومت میں میرا ہاتھ بٹائے گا۔ مفید مشورے دے گا کیونکہ سارے ملک میں اس جیسا ذی عزت ہونہار کوئی نہ دیکھا یا اس طرح کہ ہم اس کو بیچیں گے تو بہت نفع آئے گا۔

یا اس لیے حکم دیا کہ

اے تجھ کو اس سے محبت بھی ہے۔ تجھ کو جدائی گوارہ بھی نہیں ہم اس کو متبنٰی بیٹا بنالیں گے۔

یا اس لیے حکم دیا کہ

زلیخا نے بھی کہا تھا کہ اے عزیز تو نے سارا خزانہ خرچ کر دیا۔

تب عزیز نے جواباً کہا۔

اکرمی۔ تو خزانے کی فکر مت کر اس غلام کا خیال رکھ جس کے پاس یہ ہو اس کو خزانوں کی پرواہ نہیں ہوتی۔

یا اس لیے حکم دیا کہ

اے زلیخا اس کو پہچان اور اپنے سے اچھا مکان دے۔ زلیخا نے جانا کہ سب سے اچھا مکان تو دل ہے پس دل میں جگہ دی۔

یا اس لیے حکم دیا کہ

یہ میرا ہے اس کا اکرام کر کیونکہ میں کریم ہوں اور اس کو بھی میں نے کریم پایا۔

یا اس لیے حکم دیا کہ

عزیز مصر نے جان لیا تھا کہ جس سے پرندے باتیں کریں وہ ضرور خدا عزوجل کا پیارا ہے اگر اس کی عزت کریں گے تو اس کا خدا عزوجل ہماری عزت فرمائے گا۔

یا اس لیے حکم دیا کہ

عزیز مصر نے جان لیا تھا کہ یہ ہمارا قائم مقام ہوگا۔

(تفسیر نعیمی، ج:12، ص:727 نعیمی کتب خانہ لاہور)

زلیخا کا حسن

زلیخا مصر اور اس کے مضافات میں بہت زیادہ حسین وجمیل تھیں جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کا مردوں میں حسن کا کوئی ثانی نہیں تھا اسی طرح زلیخا کی طرح کوئی عورت حسن میں ثانی نہیں تھی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

یہ عورت (یعنی زلیخا) سارے ملک مصر اور مضافات مصر میں سب سے زیادہ حسین تھی جس طرح کہ مردوں میں حضرت یوسف علیہ السلام کا کوئی ثانی نہیں تھا اسی طرح عورتوں میں اس کے برابر خوبصورت کوئی عورت نہ تھی مگر حضرت یوسف علیہ السلام زلیخا سے بھی ایک لاکھ گنا زیادہ حسین تھے۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:426 نعیمی کتب خانہ لاہور)

زلیخا نے عزیز مصر سے نکاح کیوں کیا؟

زلیخا نے خواب میں حضرت یوسف علیہ السلام کی زیارت کی اور آپ علیہ السلام نے زلیخا کو عزیز مصر ہونے کا پتہ بتایا۔ جب زلیخا کے لئے نکاح کے پیغامات آئے تو سب کے پیغام رد کر دیئے مگر جب عزیز مصر کا نکاح کے لئے پیغام آیا تو فوراً ہی نکاح کے پیغام کو قبول کر لیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

زلیخا شاہ طیموس جو سارے مغرب میں یعنی تہائی دنیا کا بادشاہ تھا اس کی اکلوتی بیٹی تھی۔ خواب میں دیدار یوسف علیہ السلام سے مشرف ہو چکی تھی اور آپ علیہ السلام نے اپنا پتہ بتایا تھا کہ میں عزیز مصر ہوں اور میں تیرے لیے ہوں اور تو میرے لیے ہے۔ زلیخا کئی سال پہلے ہی اپنے اس خواب والے عزیز مصر پر عاشق ہو چکی تھیں۔ انیس بادشاہوں اور خوبصورت شہزادوں کے پیغام نکاح آئے مگر زلیخا نکاح پر راضی نہ ہوئی۔ جب عزیز مصر کا پیغام آیا تو فوراً راضی ہو گئی اور قطفیر سے اس کی شادی ہو گئی۔ جب پہلی بار منہ دکھلائی ہوئی تو زلیخا سخت غمزدہ ہوئی اور خودکشی کرنے کا ارادہ کیا۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:426 نعیمی کتب خانہ لاہور)

زلیخا نے خودکشی کا ارادہ کیوں کیا؟

زلیخا نے خودکشی کرنے کا ارادہ اس لیے کیا کہ جس عزیز مصر یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب میں دیکھا تھا تو آپ علیہ السلام تھے ہی نہیں بلکہ وہ تو عزیز مصر کوئی اور تھا جو کہ مصر کا بادشاہ تھا اسی لیے خودکشی کا ارادہ کیا۔

لونڈی کا زلیخا کو صبر کی تلقین کرنا

جب زلیخا خودکشی کرنے لگیں تو لونڈی نے صبر کی تلقین کی اور ساتھ یہ بھی کہا کہ عزیز مصر نامرد ہے تمہیں تمہارا عزیز مصر مل جائے گا لہٰذا صبر ہی کرو۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

لونڈیوں میں ایک لونڈی نے کہا:

تو صبر کر تیری خواب پوری ہوگی۔
اور بتایا کہ
عزیز مصر نامرد ہے تو فکر مند نہ ہو۔
(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:426 نعیمی کتب خانہ لاہور)

زلیخا کنواری ہی رہیں

زلیخا کا جب عزیز مصر سے نکاح ہوا تو وہ قربت نہ کر سکا کیونکہ وہ نامرد تھا اسی لیے آپ حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے کنواری ہی رہیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

عزیز مصر کسی رات بھی زلیخا کے قریب نہ آسکا اور زلیخا کنواری ہی رہی گویا کہ رب تعالیٰ نے زلیخا کو قطفیر کے پاس امانت رکھا۔
(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:426 نعیمی کتب خانہ لاہور)

مقدس عورتوں کے پہلے شوہر نامرد رہے

چار مقدس عورتوں کے پہلے شوہر نامرد ہی رہے۔
اور حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا
حضرت بلقیس رضی اللہ عنہا
حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا
حضرت زلیخا رضی اللہ عنہا
پہلے شوہر کے پاس کنواری رہیں۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔

عزیز مصر کسی رات بھی زلیخا کے قریب نہ آسکا اور زلیخا کنواری ہی رہیں گویا کہ اللہ تعالیٰ نے زلیخا کو قطفیر کے پاس امانت رکھا جیسا کہ بلقیس شاخر کے پاس مستعار تھیں حقیقت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے امانت تھی اور جیسے حضرت (آسیہ رضی اللہ عنہا) فرعون کے پاس مستعار تھیں کنواری تھیں حقیقت میں خدمت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے وقف تھیں جیسے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ ام المومنین (رضی اللہ عنہا) اپنے پہلے خاوند عمر بن گندی کے لئے مستعار تھیں حقیقت میں امانت حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) تھیں اسی طرح زلیخا امانت حضرت یوسف علیہ السلام تھیں۔
شاخر (حضرت) بلقیس (رضی اللہ عنہا) کے لئے
فرعون (حضرت) آسیہ (رضی اللہ عنہا) کے لئے
اور قطفیر زلیخا کے لئے

نامرد تھے۔ مگر قطفیر کو (حضرت) زلیخا رضی اللہ عنہا سے محبت تھی اسی کی خاطر دل جوئی کے لئے یہ غلام خریدا اور سارا خزانہ لٹایا۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:426 نعیمی کتب خانہ لاہور)

تین اشخاص صاحب فراست

تین اشخاص صاحب فراست تھے اور فوراً ہی اپنے آنے والے معاملات کو مقدس چہرے کی بدولت سمجھ گئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

لوگوں میں سب سے اچھی فراست کا ظہور تین آدمیوں سے ہوا۔

1- ایک عزیز مصر تھا جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے چہرے سے سعادت کے آثار بھانپ کر کہا شاید یہ ہم کو فائدہ پہنچائے یا ہم اس کو بیٹا بنالیں گے۔

2- دوسری حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی تھی جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام میں شرافت کے آثار دیکھ کر اپنے والد محترم سے کہا۔

يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۡ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ۝ (القصص:26)

''اے ابا جان! آپ انہیں اجرت پر رکھ لیں۔ بے شک جن کو آپ اجرت پر رکھیں ان میں بہترین شخص وہ ہے جو طاقت ور اور ایمان دار ہو۔''

3- اور تیسرے شخص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما تھے جنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں حکمرانی اور جہاں بانی کی استعداد اور صلاحیت دیکھ کر ان کو اپنے بعد اپنا خلیفہ نامزد کیا۔

(جامع البیان: جز:12، ص:230 بیروت)

عزیز مصر کا ایمان لانا

عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تعظیم و تکریم کی تو اللہ تعالیٰ نے عزیز مصر کو ایمان جیسی عظیم دولت عطا فرمائی اور وہ مومن صحابی بن گیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کی عزت کی اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں عزیز کو ایمان دیا اور چوتھے دن خفیہ طریقے سے مومن صحابی بنا جس طرح کہ فرعون کے جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ادب کر کے ایمان پایا اور یہ سے بڑا انعام ہے جو ہم نے عزیز مصر کو دیا کہ دنیا کے خزانے لٹائے اور دنیا بھی واپس پائی، خزانۂ ایمانی بھی پالیا۔ ہمارا رب کتنا کریم و عظیم ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:428 نعیمی کتب خانہ لاہور)

عزیز مصر کا حضرت یوسف علیہ السلام کو بیٹا بنانے کا کہنا

جب عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قافلہ والوں سے خرید اتو گھر آ کر اپنی بیوی زلیخا کو کہا کہ اس کو تعظیم

ٹھہراؤ شاید کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اس کو بیٹا بنالیں گے۔
جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:
اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا (یوسف:21)
☆ اس نے جو کہا تھا کہ ہم اس کو بیٹا بنالیں گے تو اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ وہ اس کو منہ بولا بیٹا بنالیں گے اور پچھلی ...ں میں منہ بولے بیٹے بنانے کا عام رواج تھا اور اس طرح اول اسلام میں بھی یہ رواج تھا۔

...د کے حقوق پر چند دلائل

اولاد چاہے بیٹا ہو یا بیٹی اس کے بارے میں چند حقوق ہیں۔
اور احادیث مبارکہ میں تو کثرت کے ساتھ اولاد کے حقوق پر زور دیا گیا ہے اگرچہ میرا موضوع نہیں مگر حصول رضا الٰہی ...جل کی خاطر عرض کر رہا ہوں جب بیٹا بنانے کا ذکر آ گیا تو سوچا کہ یہ بھی ذکر کروں۔ احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ
ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کی کہ
آپ لوگ بچوں کو بوسہ دیتے ہیں ہم انہیں بوسہ نہیں دیتے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے رحمت نکال لی ہے تو میں کیا کروں۔
(صحیح البخاری: ج:4، ص:100، رقم الحدیث 5998)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ
فرماتی ہیں کہ
ایک عورت اپنی دو لڑکیاں لے کر میرے پاس آئی اور اس نے مجھ سے کچھ مانگا میرے پاس ایک کھجور کے سوا کچھ نہ تھا۔ میں ...ی دے دی۔ عورت نے کھجور تقسیم کر کے دونوں لڑکیوں کو دے دی اور خود نہیں کھائی جب وہ چلی گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ...ف لائے۔ میں نے یہ واقعہ بیان کیا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جس کو خدا عزوجل نے لڑکیاں دی ہوں۔ اگر وہ ان کے ساتھ احسان کرے تو وہ جہنم کی آگ سے اس کے لئے روک ہو ...ں گی۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 147)
...ک اور روایت میں ہے۔
...م المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ
...اتی ہیں...

ایک مسکین عورت دولڑکیوں کو لے کر میرے پاس آئی۔ میں نے اس کو تین کھجوریں دیں۔ ایک ایک لڑکیوں کو دے دی اور ایک منہ تک کھانے کے لئے لے گئی کہ لڑکیوں نے اس سے مانگی۔ اس نے دوٹکڑے کر کے دونوں کو دے دی۔ جب یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے جنت واجب کردی اور جہنم سے آزاد کردیا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث 148)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس کی پرورش میں دولڑکیاں بلوغ تک رہیں۔ وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ میں اور وہ پاس پاس ہوں گے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیاں ملا کر ارشاد فرمایا کہ اس طرح۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث 149)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس کی لڑکی ہو اور وہ اسے زندہ درگور نہ کرے اور اس کی توہین نہ کرے اور اولاد ذکور کو اس پر ترجیح نہ دے۔ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث 5146)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کوئی شخص اپنی اولاد کو ادب دے وہ اس کے لئے ایک صاع صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث 1958)

ایک اور روایت میں ہے۔

ایوب بن موسیٰ عن ابیہ عن جدہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

باپ کا اولاد کو کوئی عطیہ ادب حسن سے بہتر نہیں۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث 1959)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عمرو بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

والدہ کا اپنی اولاد کو اس سے بڑھ کر کوئی عطیہ نہیں کہ اسے اچھے آداب سکھائے۔

(المستدرک: رقم الحدیث 7753)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اپنی اولاد کا اکرام کرو اور انہیں اچھے آداب سکھاؤ۔

(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 3671)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

باپ کے ذمے بھی اولاد کے حقوق ہیں جس طرح اولاد کے ذمہ باپ کے حقوق ہیں۔

(کنز العمال: رقم الحدیث 45336)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اپنی اولاد کو برابر دو۔ اگر میں کسی کو فضیلت دیتا تو لڑکیوں کو فضیلت دیتا۔

(معجم الکبیر: رقم الحدیث 11997)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عطیہ میں اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو جس طرح تم خود یہ چاہتے ہو کہ وہ سب تمہارے ساتھ احسان و مہربانی میں عدل کریں۔

(کنز العمال: رقم الحدیث 45339)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتا ہے کہ تم اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو یہاں تک کہ بوسہ لینے میں۔

(کنز العمال: رقم الحدیث 45342)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ اولاد کے چند حقوق ہیں۔

اسی طرح اولاد کے ذمے بھی والدین کے حقوق ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام سرزمین مصر میں قیام پذیر

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سرزمین مصر میں بقیہ عمر رکھا اور آپ علیہ السلام نے وہاں حکومت کو سنبھالا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ (یوسف:21)

اور اس طرح ہم نے سرزمین (مصر) میں یوسف کے پاؤں جمادیئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو نو طریقے سے قوت عطا ہوئی

حضرت یوسف علیہ السلام کو نو طریقے سے قوت عطا فرمائی گئی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو نو طریقے سے قوت ملی۔

1- زلیخا کے گھر میں سب سے شان والی جگہ ملی اور عزت ایسی ملی کہ دونوں خاوند بیوی خدمت گزاری میں لگ گئے۔

2- دوسرے یہ کہ عزیز کا تخت حضرت یوسف علیہ السلام کو دیا جو مصر کے علاقے میں مصر کی حکومت میں تھا۔ ملک چالیس میل لمبا چالیس میل چوڑا تھا۔

3- تیسرے یہ کہ ہم نے حضرت یوسف علیہ السلام کو نبوت دی۔

4- چوتھے یہ کہ حکمت دی۔

5- پانچویں یہ کہ لوگوں کے دلوں پر قدرت دی۔

6- چھٹے یہ کہ خزانے اس کو دیئے۔

7- ساتویں یہ کہ سب پر غلبہ دیا۔ قحط میں سب اس کے غلام بن گئے۔

8- آٹھویں یہ کہ مصر کے علاوہ سات ملک اس کو اور دیئے اور اس کی حکومت مصر سے باہر بھی ہوئی بغیر جنگ بادشاہوں کو اس کا مطیع فرمان کر دیا۔

9- نویں یہ کہ جن لوگوں نے اس کو ذلیل کیا یا کرنے کی کوشش کی وہ اس کے سامنے کمزور اور ذلیل ہوئے اور رہا۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:428 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کو خوابوں کی تعبیر کا علم عطا فرمانا

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قدم مبارک مصر کی سلطنت میں جما دیئے پھر حضرت یوسف علیہ السلام کو خوابوں کی تعبیر کا علم عطا فرمایا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ (یوسف:21)

تا کہ ہم ان کو خواب کی تعبیروں کا علم عطا کریں۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

خوابوں کی تعبیر حضرت یوسف علیہ السلام کے سوا کوئی نہ جان سکتا تھا۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:428 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کو نوسو زبانیں سکھائی گئیں

حضرت یوسف علیہ السلام کو نوسو زبانیں زمین کی اور نوسو زبانیں آسمان کی اور نوسو زبانیں ہوائی پرندوں کی، نوسو زبانیں کیڑے مکوڑوں کی سکھائی گئیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

اس طرح ہم نے حضرت یوسف علیہ السلام کو زمین کی نوسو زبانیں، آسمان کی نوسو زبانیں، ہوائی پرندوں کی نوسو زبانیں، کیڑے مکوڑوں کی نوسو زبانیں سکھائیں۔ اور اس طرح کلام کا ظاہر بھی سکھایا اور باطن بھی بتایا۔

کلام کی چار قسمیں ہیں۔

1-ظاہر

2-باطن

3-عبارت

4-اشارت

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:428 نعیمی کتب خانہ لاہور)

اللہ تعالیٰ اپنے کام پر غالب ہے

اللہ تعالیٰ اپنے ہر کام پر غالب ہے۔ انسان کیا سوچتا ہے مگر ہوتا وہی ہے جو رب تعالیٰ چاہتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کیا سوچا اور کیا کچھ کیا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام تدابیر کو ختم کر دیا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ہر کام پر غالب ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ (یوسف:21)

اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

☆ اس آیت کریمہ کے چند محمل ہیں۔

1- اللہ تعالیٰ اپنے حکم کو نافذ کرنے پر غالب ہے کیونکہ جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے اس کو کر گزرتا ہے آسمان اور زمین میں کوئی اس کی قضاء کو ٹال نہیں سکتا اور نہ اس کے حکم کو روک سکتا ہے۔

2- اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کے امور اور ان کے معاملات پر غالب ہے۔ ان کے امور اور ان کے معاملات کا انتظام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس میں ان کی اپنی سعی اور کوشش کا دخل نہیں ہے۔ ان کے بھائیوں نے ان کو ہر قسم کی برائی اور ضرر پہنچانے کی کوشش کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ نیکی اور بھلائی پہنچانے کا ارادہ فرمایا پس جو کچھ ہوا وہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کی تدبیر کے مطابق تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کہ تمام امور اور معاملات اللہ تعالیٰ کے قبضہ وقدرت میں ہیں اور جو شخص بھی دنیا کے احوال اور عجائب میں غور کرے گا اس کو اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہے اور اللہ تعالیٰ کی قضاء غالب ہے۔

3- اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز غالب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز پر غالب ہے وہ جس کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے متعلق فرماتا ہے، ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔

اور اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ

اکثر لوگ اس کے غیب پر مطلع نہیں ہیں بلکہ کوئی شخص بھی از خود غیب کو نہیں جانتا سوا ان کے جن کو وہ خود کسی غیب پر مطلع فرما دے۔

4- حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے بھائیوں کے سامنے اس خواب کو بیان کریں پھر اللہ تعالیٰ کا امر اور اس کی تقدیر غالب آ گئی حتیٰ کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ خواب بیان کر دیا۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ارادہ کیا تھا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کر دیں گے پھر اللہ تعالیٰ کی تقدیر غالب آ گئی حتیٰ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا دل ان سے بیزار ہو گیا۔

بھائیوں کا یہ ارادہ تھا کہ

وہ حضرت یوسف علیہ السلام پر ظلم کرنے کے بعد توبہ کر کے نیک اور صالح بن جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی تقدیر غالب آ گئی وہ اپنے گناہوں کو بھول گئے اور ان پر ڈٹے رہے حتیٰ کہ تقریباً ستر سال کے بعد انہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا۔

اور اپنے والد سے کہا۔

انا کنا خاطئین

بے شک ہم خطا کرنے والے تھے۔

اور انہوں نے ارادہ کیا تھا کہ

جب وہ اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے جائیں گے اور ان کو خون آلود قمیص دکھائیں گے تو وہ اپنے باپ کو دھوکہ دے

میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی قضاء غالب آ گئی اور ان کے باپ نے ان کی باتوں سے دھوکہ نہیں کھایا۔

اور انہوں نے کہا:

بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ

بلکہ تم نے اپنے دل سے بات گھڑ لی ہے۔

اور انہوں نے یہ تدبیر کی تھی کہ

ان کے باپ کے دل سے حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت زائل ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ کا امر غالب آ گیا اور ان کے باپ کے دل میں حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت اور الفت اور زیادہ ہو گئی اور عزیز مصر کی اہلیہ نے یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ عزیز مصر سے شکایت کرنے میں پہل کرے گی تو اس کو حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف بدگمان کر دے گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی تقدیر غالب آ گئی اور عزیز مصر نے اپنی اہلیہ کو قصوروار قرار دے دیا۔

اور کہا:

استغفرلی لذنبك انك كنت من الخاطئين

اپنے گناہوں سے توبہ کرو بے شک تم خطا کاروں میں سے ہو۔

اور حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانہ سے چھٹکارا پانے کی تدبیر کی اور جس شخص نے قید سے رہا ہو کر بادشاہ کو شراب پلائی تھی۔

اس سے کہا:

بادشاہ کے سامنے میرا ذکر کرنا لیکن اللہ تعالیٰ کا امر غالب آ گیا اور وہ شراب پلانے والا بادشاہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر کرنا بھول گیا اور حضرت یوسف علیہ السلام مزید کئی سال تک قید خانہ میں رہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا امر ہی غالب ہے۔

عزیز مصر کی حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدتے وقت عمر

جب عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا تھا تو اس وقت عزیز مصر کی عمر ساٹھ (60) سال تھی اور حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر مبارک بارہ (12) سال تھی اور زلیخا کی عمر اس وقت غالباً تیس (30) سال تھی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

اس خریداری اور زلیخا کے گھر میں آنے کے وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر مبارک بارہ (12) سال تھی۔

عزیز مصر کی ساٹھ (60) سال

زلیخا کی غالباً (30) تیس سال عمر تھی۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:428 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کو پختہ عمر میں فیصلہ کی قوت اور علم عطا فرمانا

حضرت یوسف علیہ السلام جب پختگی عمر میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو فیصلہ کی قوت اور علم عطا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًاؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ○ (یوسف:22)

اور جب وہ پختگی کی عمر کو پہنچے تو ہم نے ان کو فیصلہ کی قوت اور علم عطا کیا اور ہم اسی طرح نیکو کاروں کو جزا دیتے ہیں۔

پختگی عمر میں اقوال

انسان پختگی عمر کو کب پہنچتا ہے اس میں متعدد اقوال ہیں۔

مجاہد نے کہا:

پختگی عمر سے مراد ہے۔

تینتیس (33) سال کی عمر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

تیس (30) اور کچھ سال

ضحاک نے کہا:

بیس (20) سال

ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

(18) اٹھارہ اور تیس (30) سال کے درمیان۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

اشد کا معنیٰ قوت اور شباب کا اپنی انتہاء کو پہنچ جانا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال ہو۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ

اس وقت ان کی عمر بیس (20) سال یا تینتیس (33) سال ہو۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث مبارکہ میں اس وقت ان کی عمر کی تعین کی تصریح نہیں ہے اور نہ ہی عمر کی کسی تعین پر اجماع امت ہے۔ اس لیے اس لفظ سے وہی مراد لینا چاہیے جس طرح اللہ عزوجل نے فرمایا ہے یعنی جب وہ اپنی قوت اور شباب کی انتہاء کو پہنچ گئے۔

(جامع البیان: جز:12، ص:232)

تفسیر نعیمی میں ہے۔

اور جب ہمارا یوسف علیہ السلام اپنی قوت جسمانی یعنی جوانی کو پہنچ گیا۔

جوانی عمر پندرہ (15) سے تیس سال تک ہوتی ہے۔

اور عقل کی پختگی کی عمر تیس (30) سال سے چالیس (40) سال تک ہوتی ہے اور طبیعت اور رعب کی زندگی چالیس

(40) سال سے پچاس (50) سال تک ہوتی ہے۔
(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:428 نعیمی کتب خانہ لاہور)
اور معالم التنزیل میں ہے۔
مجاہد نے فرمایا کہ
تیس سال
اور الکلبی نے فرمایا:
اٹھارہ سے تیس (30) سال کی عمر کے درمیانی حصہ کو کہتے ہیں۔
امام مالک سے اشد کا معنیٰ پوچھا گیا۔
تو آپ نے فرمایا:
الحلم یعنی بلوغت ہے۔
(معالم التنزیل: ج:3، ص:369 دار الفکر بیروت)
تفسیر ابن کثیر میں ہے۔
وہ عمر جس میں آپ علیہ السلام اپنے جوبن کو پہنچے وہ تینتیس سال تھی۔
یا تیس (30) سے کچھ زائد
یا بیس سال (20)
یا چالیس (40) سال
یا پچیس (25) سال
یا تیس (30) سال
یا اٹھارہ (18) سال تھی
یا اس سے مراد جوان ہونا ہے۔
(تفسیر ابن کثیر: ج:2، ص:817)

عمر کی سات اقسام

عمر کی سات اقسام ہیں۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
عمر کی سات اقسام ہیں۔
1۔ عمر طفلی
از یوم پیدائش گیارہ سال تک

2-عمر امردی
گیارہ سال سے پندرہ سال تک
3-عمر جوانی
پندرہ سال سے تیس سال تک
4-عمر پختگی
تیس سال سے چالیس سال تک
5-عمر قوت
چالیس سال سے پچاس سال تک
6-عمر کہولت
پچاس سال سے پچھتر سال تک
7-عمر ضعیفی
جو شخص پچھتر سال سے (100) سو سال تک یا اس سے اوپر جتنی بھی ہو۔
(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:429 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قوت فیصلہ اور علم عطا فرمانے میں اقوال

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
ہم نے ان کو قوت فیصلہ اور علم عطا فرمایا۔
مجاہد نے کہا:
یعنی نبوت سے پہلے عقل اور علم عطا فرمایا۔
(جامع البیان: جز:12،ص:232 مطبوعہ دار الفکر بیروت)
امام عبد اللہ بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:
(قوت فیصلہ) حکم کے بارے چار اقوال ہیں۔
1-مجاہد نے کہا:
(قوت فیصلہ) حکم سے مراد فقہ اور عقل ہے۔
2-ابن السائب نے کہا:
(قوت فیصلہ) حکم سے مراد نبوت ہے۔
3-زجاج نے کہا:
اس سے مراد یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کو حکیم بنا دیا گیا۔

اور زجاج نے کہا:
ہر عالم حکیم نہیں ہوتا۔
حکیم وہ عالم ہوتا ہے جو اپنے علم کو استعمال کرے اور اس سے جہل کا استعمال کرنا ممتنع ہو۔
4- ثعلبی نے کہا:
حکم سے مراد ہے صحیح اور درست بات کہنا۔
ارباب لغت نے کہا:
عرب کے نزدیک حکم وہ قول ہے جس میں جہل اور خطاء نہ ہو اور نفس جس چیز کی خواہش کرے اور اس میں ضرر ہو تو وہ اس خواہش کو رد کر دے اور اسی وجہ سے حاکم کو حاکم کہتے ہیں کیونکہ وہ ظلم اور کج روی سے روکتا ہے۔
اور علم کی تفسیر میں دو اقوال ہیں۔
1- فقہ کا علم
2- خواب کی تعبیر کا علم
(زاد المسیر: ج:4،ص:201 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)
امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:
(قوت فیصلہ) حکم اور علم کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں۔
1- حکم اور حکمت کا اصل میں معنٰی ہے نفس کو اس کی خواہش سے روکنا اور جو کام انسان کے لئے نقصان دہ ہو اس سے منع کرنا۔
حکم سے مراد حکمت عملیہ ہے۔
اور علم سے مراد حکمت نظریہ ہے۔
اور حکمت عملیہ کو حکمت علمیہ پر اس لیے مقدم فرمایا ہے کہ
ریاضت کرنے والے پہلے حکمت عملیہ میں مشغول ہوتے ہیں پھر اس سے ترقی کر کے حکمت عملیہ تک پہنچتے ہیں اور مفکرین پہلے حکمت نظریہ کو حاصل کرتے ہیں اس کے بعد حکمت عملیہ کو حاصل کرتے ہیں۔
اور حضرت یوسف علیہ السلام کا طریقہ پہلا تھا کیونکہ انہوں نے مصائب اور مشکلات پر صبر کیا۔ اللہ تعالٰی نے ان پر مکاشفات کے دروازے کھول دیئے۔
اور فرمایا:
ہم نے ان کو حکم اور علم عطا فرمایا۔
(حکمت عملیہ سے مراد ہے نفس کو برائیوں سے بچانا اور نیکیوں سے آراستہ کرنا اور حکمت علمیہ سے مراد ہے نفس الامر اور کے حقائق کا علم اور ادراک)۔
2- (قوت فیصلہ) حکم سے مراد ہے نبوت کیونکہ نبی مخلوق پر حاکم ہوتا ہے اور علم سے مراد ہے دین اور شریعت کا علم۔

3-(قوت فیصلہ) حکم سے مراد ہے نفس مطمئنہ کا نفس امارہ پر حاکم ہونا۔
حتیٰ کہ شہوانیہ اور قوت غضبیہ مغلوب اور مقہور ہو جائیں اور عالم قدس سے انوار الٰہیہ کا جوہر نفس پر فیضان ہو۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
ہم نے ان کو حکم اور علم عطا فرمایا۔
اس میں یہ اشارہ ہے کہ ان کی قوت عملی اور قوت علمی دونوں کامل ہو چکی تھیں۔
(تفسیر کبیر: ج:6،ص:437 مطبوعہ دار الفکر بیروت)
علامہ قرطبی نے کہا:
اگر ان کو بچپن میں نبوت دی گئی تھی تو اس سے مراد ان کے علم اور فہم میں زیادتی فرمائی۔
(الجامع الاحکام القرآن: جز:9،ص:142)

حضرت یوسف علیہ السلام نبی کب سے تھے

حضرت یوسف علیہ السلام کے نبی ہونے کے بارے میں مجھے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی روایت ملی ہے کہ جس میں ہے کہ آپ علیہ السلام کنویں میں آنے کے وقت سے نبی تھے۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
حضرت یوسف علیہ السلام کنویں میں آنے کے وقت سے نبی تھے مگر اب ان کو تبلیغ کی اجازت ملی۔
(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:429 نعیمی کتب خانہ لاہور)

نیکوکاروں کو جزاء عطا فرمانے پر اقوال

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
ہم اسی طرح نیکوکاروں کو جزاء دیتے ہیں۔
اس بارے میں چند اقوال ہیں۔
امام ابن جوزی نے کہا:
نیکوکاروں کے بارے میں تین قول ہیں۔
1-مصائب اور مشکلات پر صبر کرنے والے
2-ہدایت یافتہ لوگ
3-مومنین
امام محمد بن جریر طبری نے کہا:
اگرچہ اس آیت کا ظاہر معنیٰ یہ ہے کہ

ہم ہر محسن کو جزاء دیتے ہیں لیکن اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو مصائب اور مشکلات میں مبتلا کرنے کے بعد ہم نے ان کو زمین میں اقتدار دیا اور علم عطا فرمایا اسی طرح ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاملہ کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کے مشرکین سے نجات عطا فرمائیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین پر اقتدار عطاء فرمائیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم میں اضافہ فرمائیں گے۔

(زادالمسیر: ج:4،ص:201 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

نیکوکاروں سے مراد مومنین ہیں۔

آپ سے اس کا معنیٰ مہتدین یعنی ہدایت یافتہ بھی مروی ہے۔

الضحاک نے کہا کہ

جو مصائب پر صبر کرنے والے تھے۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:269 دارالفکر بیروت)

اور تفسیر نعیمی میں ہے۔

اس میں علماء کرام کے چند اقوال ہیں کہ نیکوکاروں سے کیا مراد ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ

مراد نمازی ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ

مراد اچھے اخلاق والے ہیں۔

ایک یہ کہ

مراد بے ریا عمل کرنے والے ہیں جو فقط اللہ تعالیٰ کے لئے کیا جائے کسی کو دکھایا یا بتایا نہ جائے۔

ایک یہ کہ

مراد انبیاء کرام علیہم السلام ہیں یعنی ہم انبیاء کرام علیہم السلام کو اسی طرح جزاء لقا عطا فرماتے ہیں۔

یہ بھی قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے یہ ہی قول درست ہے کیونکہ کذالک کی تشبہ مشبہ بہ کی برابری چاہتی ہے۔

ایک یہ کہ

مراد نیکوکاروں سے سب عبادات کرنے والے متوکلین علی اللہ ہیں اور جزاء سے مراد وصل الٰہی عزوجل ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:429 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام ایک بار پھر آزمائش میں

حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے کنواں میں ڈالا تو یہ آزمائش جب بھائیوں نے بیچا تو یہ آزمائش اور جب مصر کے بازار میں قافلہ والوں نے بیچا تو یہ آزمائش اور اب حضرت یوسف علیہ السلام کو زلیخا نے اپنی طرف راغب کرنے کے لئے بلایا تو

یہ بھی آزمائش تھی۔

قرآن مجید میں ہے:

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِىْ هُوَ فِىْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ (یوسف:23)

اور وہ جس عورت کے گھر میں تھے اس نے ان کو اپنی طرف راغب کیا اور اس نے دروازے بند کر کے کہا جلدی آؤ۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی پارسائی کا انتہائی کمال

اس آیت کریمہ میں وَرَاوَدَتْهُ کا لفظ استعمال ہوا ہے اور یہ رود سے ماخوذ ہے۔اس کا معنیٰ ہے۔

نرمی اور حیلے سے کسی چیز کو بار بار طلب کرنا۔

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ

عزیز مصر کی بیوی نرمی اور لوچ دار باتوں سے کافی عرصہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

اس کا معنیٰ یوں بھی تعبیر کیا جا سکتا تھا کہ

: عزیز مصر کی بیوی نے ان کو اپنی طرف راغب کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو اس طرح تعبیر فرمایا کہ وہ جس عورت کے گھر میں تھے اس نے ان کو اپنی طرف راغب کیا۔

اس میں نکتہ یہ ہے کہ

جو شخص کسی کے گھر میں رہتا ہو اس کے زیر احسان ہو وہ اس کا ماتحت ہوتا ہے اور گھر والے کا اس پر مکمل تسلط اور اقتدار ہوتا ہے سو حضرت یوسف علیہ السلام اس کی مکمل دسترس میں تھے اور ان کے لئے اس کی فرمائش سے انکار کرنا بہت مشکل تھا لیکن آپ علیہ السلام پر خوف خدا عزوجل کا اس قدر غلبہ تھا کہ باوجود اس بات کے کہ وہ عزیز مصر کی بیوی کے زیر احسان تھے اور اس کے زیر اقتدار اور زیر تسلط تھے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی معصیت میں اس کی فرمائش پوری کرنے سے صاف انکار کر دیا۔لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جب اس معنیٰ کو اس طرح تعبیر فرمایا اور وہ جس عورت کے گھر میں تھے اس نے ان کو اپنی طرف راغب کیا تو اس پیرائے میں تعبیر کرنے سے حضرت یوسف علیہ السلام کی کمال درجے کی پارسائی معلوم ہوئی۔

زلیخا کا سات کمروں کو بند کر کے طرح طرح کے حیلے سے ورغلانا

حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں جس عورت کے گھر میں قیام فرما تھے اس کے خاوند نے اس کو یہ تاکید کی تھی کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بہت تعظیم و تکریم کے ساتھ رکھے حضرت یوسف علیہ السلام بہت حسین و جمیل تھے اور آپ علیہ السلام جوانی کی عمر کو پہنچ چکے تھے جب وہ عورت حضرت یوسف علیہ السلام کو سات (7) کمروں کے پیچھے ایک کوٹھڑی میں لے گئی اور ہر کمرہ کا دروازہ بند کر کے تالا لگاتی چلی گئی۔

پھر حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے نفس کی طرف راغب کرنے کے لئے کہنے لگی۔

اے یوسف (علیہ السلام)! تمہارے بال کتنے حسین ہیں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

سب سے پہلے میرے جسم سے یہ بال الگ ہوں گے۔

اس نے کہا:

تمہاری آنکھیں کتنی حسین ہیں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

سب سے پہلے میرے جسم سے یہ آنکھیں بہہ جائیں گی۔

اس نے کہا:

تمہارا چہرہ کتنا حسین ہے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اس کو مٹی کھا جائے گی۔

اس نے کہا:

تمہاری صورت کتنی اچھی ہے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

میرے رب عزوجل نے یہ صورت رحم میں بنائی تھی۔

اس نے کہا:

اے یوسف (علیہ السلام)! تمہاری صورت میرے جسم میں حلول کر چکی ہے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اس میں شیطان تمہاری معاونت کر رہا ہے۔

اس نے کہا:

میں نے تمہارے لیے ریشم کا بستر بچھا دیا ہے۔ اٹھو اور میری خواہش پوری کرو۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

پھر جنت سے میرا حصہ جاتا رہے گا۔

اس نے کہا:

میرے ساتھ چھپ جاؤ۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

میرے رب عزوجل سے کوئی چیز نہیں چھپ سکتی۔

وہ اسی طرح آپ علیہ السلام کو مائل کرتی رہی اور آپ علیہ السلام اس سے گریز کرتے رہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث 11475)

(الجامع الاحکام القرآن: ج:9، ص:145)

عزیز مصر کی بیوی کا خوب بن سنور کر ورغلانا

عزیز مصر کی بیوی حضرت یوسف علیہ السلام پر فریفتہ ہوگئی اور آپ علیہ السلام کو ہر طریقے سے ورغلانا چاہتی تھی اور اپنی طرف بلانا چاہتی تھی ایک دن خوب بن سنور کر آپ علیہ السلام کو سات کمروں میں بند کیا اور اپنی طرف بلایا مگر آپ علیہ السلام نے پاس آنے سے انکار فرما دیا۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

یہ عورت آپ علیہ السلام کے حسن و جمال پر فریفتہ ہوگئی آپ علیہ السلام کی محبت میں از خود رفتہ ہوگئی۔ ایک دن خوب بن سنور کر اور دروازوں کو اچھی طرح قفل لگا کر حضرت یوسف علیہ السلام کو اشتعال انگیز دعوت دی اور مطلب برآری کے لئے آپ علیہ السلام کو ورغلانا چاہا۔

کہنے لگی کہ

بس آ بھی جاؤ۔

لیکن آپ علیہ السلام نے اس طرف توجہ ہی نہ دی بلکہ باز رہے۔

(تفسیر ابن کثیر: ج:2، ص:817)

عزیز مصر کی بیوی کا نفس امارہ کی خواہش سے بلانا

عزیز مصر کی بیوی یعنی زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو نفس امارہ کی خواہش سے اپنی جانب بلایا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حیات یوسفی کا ایک دور ختم ہوا اور دوسرا دور شروع ہوا جس کی ابتداء اکرمی مثواہ سے ہوئی۔

اس زندگی کی دوسری واردات یہ ہے کہ

اور بہلایا پھسلایا صرف اس عورت زلیخا نے ہی اس یوسف علیہ السلام کو جس کے گھر میں حضرت یوسف علیہ السلام رہتے تھے۔ جب خوب جوان ہوگئے اس وقت یعنی بعمر اٹھارہ یا بیس سال اس یوسف کی ذات یا نفس امارہ کے ذریعے کہ یہ نفس امارہ کی خواہش سے مجھ پر آ جائیں یا اپنی ذات میرے حوالے کر دیں اور اس یوسف علیہ السلام کے لئے خصوصی بنائے ہوئے مکان کے سات کمروں کے سب دروازے خوب مضبوطی سے بند کر دیئے یعنی تالے لگائے اور دور کھڑے یوسف علیہ السلام کو پکارا۔

اور کہا:

آ جا یہ سب کچھ حسن زینت، میں اور میرا فیشن تیرے ہی لیے ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہو۔

نفس کی تعریف

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری المتوفی 465ھ لکھتے ہیں:

لغت میں نفس کا معنیٰ کسی شی کا وجود ہے اور عرف میں نفس سے مراد وہ چیز ہے جو انسان کا معلول ہے۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ

نفس سے مراد وہ لطیف چیز ہو جو اس جسم میں موجود ہے اور وہی انسان کے اخلاق مذمومہ کا محل ہے۔

جیسا کہ روح ایک لطیف چیز ہے جو اس جسم میں رکھی گئی ہے اور وہی اخلاق محمودہ کا محل ہے اور ان میں سے بعض، بعض کے تابع ہیں اور ان کا مجموع انسان ہے۔

روح اور نفس کا صورت میں اجسام لطیفہ سے ہونا ایسے ہے جیسے ملائکہ اور شیاطین کا لطیف صورت میں ہونا ہے اور جس طرح آنکھ دیکھنے کا محل ہے اور کان سننے کا محل ہے اور ناک سونگھنے کا محل ہے اور منہ چکھنے کا محل ہے اور جو سننے والا ہے اور دیکھنے والا ہے اور سونگھنے والا ہے اور چکھنے والا ہے اس کا مجموع انسان ہے۔ اسی طرح اوصاف محمودہ کا محل قلب اور روح ہے اور اوصاف مذمومہ کا محل نفس ہے اور نفس بھی اس مجموع کا جز ہے اور قلب بھی اس مجموع کا جز ہے۔

(الرسالۃ القشیریۃ: ص 123 دار الکتب العلمیہ بیروت)

اور علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی متوفی 1205ھ لکھتے ہیں:

نفس روح ہے اور کسی چیز اور اس کی حقیقت کو بھی نفس کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

ہر انسان کے دو نفس ہوتے ہیں۔ ایک نفس عقل ہے جس کے اشیاء میں باہم تمیز ہوتی ہے۔

اور دوسرا نفس روح ہے جس سے جسم کی حیات ہوتی ہے۔

ابن الانباری نے کہا:

بعض اہل لغت نے نفس اور روح کو مساوی قرار دیا ہے۔

اور کہا ہے کہ

یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں ان میں صرف لفظی فرق ہے۔ نفس مؤنث ہے اور روح مذکر ہے۔

اور دوسرے علماء نے کہا:

روح وہ ہے جس سے حیات ہوتی ہے۔

اور نفس وہ ہے جس سے عقل ہوتی ہے۔

پس جب انسان سو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے نفس کو قبض کر لیتا ہے اور اس کی روح کو قبض نہیں کرتا اور اس کی روح صرف موت کے وقت قبض کی جاتی ہے۔

اور زجاج نے کہا ہے کہ

ہر انسان کے دو نفس ہوتے ہیں۔

ایک وہ نفس ہے جس سے اشیاء میں باہم تمیز ہوتی ہے اور یہ وہی نفس ہے جو نیند کے وقت انسان سے الگ ہو جاتا ہے اور وہ اس سے کسی چیز کا تعقل نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ اس کو وفات دے دیتا ہے۔

اور دوسرا نفس حیات ہے اور حیات زائل ہوتی ہے تو یہ نفس بھی زائل ہو جاتا ہے اور سونے والا شخص سانس لیتا رہتا ہے اور سونے والے شخص کی حالت نیند میں نفس کی وفات اور زندہ شخص کے نفس کی وفات میں یہی فرق ہے اور حیات کا نفس یہی روح ہے اور انسان کی حرکت اور اس کی نشو و نما ہے۔

اور حق یہ ہے کہ

نفس اور روح میں فرق ہے۔ اگر ان دونوں کا معنیٰ ایک ہوتا تو ہر ایک کو دوسرے کی جگہ رکھنا جائز ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

مثلاً اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا:

تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ

اور فی روحی نہیں فرمایا۔

روح اور نفس میں اعتباری فرق ہے۔

علامہ ابن عبد البر نے تمہید میں یہ حدیث مبارکہ نقل کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور اس میں نفس اور روح کو رکھا اس کی روح کے آثار سے اس کی پاکیزگی ہے اور اس کی فہم ہے اور اس کا حلم ہے اور اس کی وفا ہے اور اس کے نفس کے آثار سے اس کی شہوت ہے اور اس کا طیش ہے اور اس کے جاہلانہ افعال ہیں اور اس کا غضب ہے اس لیے بغیر کسی قید کے مطلقاً یہ نہیں کہا جائے گا کہ نفس روح ہے۔

اور نہ یہ کہا جائے گا کہ

روح نفس ہے۔

(تاج العروس: ج:4، ص:259 تا 260 دار احیاء التراث العربی بیروت)

میں کہتا ہوں کہ

اس آیت کریمہ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا الخ سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح اور نفس دونوں ایک چیز ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قبض روح کے لئے نفس کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور احادیث و آثار میں روح اور نفس کو ایک دوسرے کی جگہ

استعمال کیا گیا ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہما کے پاس گئے۔ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھیں بند کر دیں۔

پھر ارشاد فرمایا:

جب روح قبض کی جاتی ہے تو آنکھ اس کو دیکھتی ہے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث 920)

دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روح کی جگہ نفس کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ جب انسان مرتا ہے تو اس کی نظر اوپر اٹھی ہوئی ہوتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

کیوں نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ اس وقت ہوتا ہے جب اس کی نظر اس کے نفس کو دیکھ رہی ہوتی ہے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث 921)

اسی طرح درج ذیل حدیث مبارکہ میں روح کے لئے نفس کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میت کے پاس فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ جب مرنے والا شخص نیک ہو تو اس سے کہتے ہیں۔

اے پاکیزہ نفس! باہر نکلو جو پاک جسم میں تھی۔

(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث 4262)

دوسری حدیث میں اس موقع کے لئے نفس کے بجائے روح کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

جب مومن کی روح نکلتی ہے تو اس سے دو فرشتے ملاقات کرتے ہیں جو اس کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث 2872)

امام مالک نے دو احادیث مبارکہ روایت کی ہیں۔

ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا:
ہم کو صبح کی نماز کے وقت جگا دینا۔
حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر نیند غالب آ گئی۔ سورج نکلنے کے بعد سب بیدار ہوئے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا:
تو انہوں نے عرض کیا:
میرے نفس کو اسی چیز نے پکڑ لیا تھا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس کو پکڑ لیا تھا۔
(مؤطا امام مالک: رقم الحدیث: 25)

دوسری حدیث مبارکہ میں ہے کہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ارشاد فرمایا:
اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو قبض کر لیا تھا اگر وہ چاہتا تو وہ اس وقت کے سوا ہماری روح کو لوٹا دیتا۔
(مؤطا امام مالک: رقم الحدیث: 26)

حافظ یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر قرطبی التوفی 463ھ ان دونوں حدیثوں کے متعلق لکھتے ہیں:
علماء کی ایک جماعت نے ان حدیثوں سے یہ استدلال کیا ہے کہ روح اور نفس ایک چیز ہے۔ اور انہوں نے الزمر کی آیت 42 سے بھی استدلال کیا ہے۔
حضرت ابن عباس اور ابن سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما نے الزمر: 42 کی تفسیر میں کہا ہے۔
جب مردے مرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی روحوں کو قبض کر لیتا ہے اور جب زندہ سوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی روحوں کو قبض فرما لیتا ہے پھر جس کی موت کا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر لیا اس کی روح کو روک لیتا ہے اور جس کی موت کا فیصلہ نہیں فرمایا اس کی روح کو ایک وقت معین تک کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔
یہ تفسیر اس پر دلالت کرتی ہے کہ
نفس اور روح ایک چیز ہیں کیونکہ اس آیت مبارکہ میں النفس کا لفظ ہے اور انہوں نے اس کا معنیٰ روح کیا ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ مؤطا کی حدیث: 26 میں ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو قبض کر لیا تھا۔
اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا تھا میرے نفس کو اس چیز نے پکڑ لیا تھا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس کو پکڑ لیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا قول رد نہیں فرمایا۔ پس قرآن و سنت نے ایک چیز کو کبھی نفس سے تعبیر فرمایا ہے اور کبھی اس چیز کو روح سے تعبیر فرمایا ہے۔
(تمہید: ج: 2، ص: 582 دار الکتب العلمیہ بیروت)

نفس اور روح مغائر

بعض کے نزدیک نفس اور روح مغائر ہیں۔

حافظ یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر المالکی القرطبی المتوفی 463ھ لکھتے ہیں:

دوسرے علماء نے یہ کہا ہے کہ

نفس روح کا غیر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نفس سے خطاب فرمایا ہے۔ اس کو برے کاموں سے منع فرمایا ہے اور نیک کاموں کا حکم دیا ہے اور انہوں نے اس پر اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ (الفجر:27تا28)

اے مطمئن نفس! اپنے رب کی طرف لوٹ جا۔ اس حال میں کہ تو اس سے راضی ہو وہ تجھ سے راضی ہو۔

اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ (الزمر:56)

(ایسا نہ ہو کہ) کوئی نفس یہ کہے! ہائے افسوس! اس بات پر کہ میں نے اللہ کے حق کو ادا کرنے میں تقصیر کی۔

اور روح کو نہ خطاب کیا گیا ہے اور نہ اس کو قرآن مجید میں کسی چیز سے منع کیا گیا ہے اور نہ کسی کام پر اس کی مذمت کی گئی ہے۔ آدمیوں کا نفس چوپایوں کے نفس کی طرح ہے۔ وہ جنسی عمل کی خواہش کرتا ہے اور برے کام کی تحریک کرتا ہے اور نفس کا مسکن پیٹ ہے مگر انسان کو روح کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے اور اس کا مسکن دماغ ہے۔ اس کی وجہ سے انسان برے کاموں سے حیاء کرتا ہے اور روح اس کو نیک کاموں کی دعوت دیتی ہے اور نیک کاموں کا حکم دیتی ہے۔

عبدالرحمان بن قاسم نے الزمر:42 کی تفسیر میں کہا ہے کہ

نفس یک مجسم چیز ہے اور روح اس پانی کی طرح ہے جو جاری ہو۔ جب انسان سو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے نفس کو قبض کر لیتا ہے اور اس کی روح اوپر جا رہی ہے اور نیچے اتر رہی ہے اور نفس ہر وادی میں چر رہا ہوتا ہے اور ان چیزوں کو دیکھتا ہے جن کو انسان خواب میں دیکھتا ہے پھر جب اللہ عزوجل اس کو جسم میں لوٹنے کی اجازت دیتا ہے تو وہ جسم میں لوٹ جاتا ہے اور اس کے لوٹنے سے جسم کے تمام اعضاء بیدار ہو جاتے ہیں اور وہ سننے اور دیکھنے لگتا ہے۔

حافظ ابو عمر ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ

علماء کے اس مسئلہ میں متعدد اقوال ہیں۔ اور اللہ ہی کو علم ہے کہ ان میں کیا چیز صحیح ہے اور قوم نے جو کچھ کہا ہے وہ واضح نہیں ہے اور نہ ان دلائل کی صحت یقینی ہے اور نہ کوئی ایسی صحیح حدیث ہے جس سے عذر اٹھ جائیں اور حجت واجب ہو جائے نہ قیاس سے اس کو مستنبط کیا جا سکتا ہے بلکہ عقول اس مسئلہ میں سوچ و بچار کر کے تھک جاتی ہیں اور اس کے علم سے عاجز ہیں۔

(تمہید: ج:2، ص:87تا88 دار الکتب العلمیہ بیروت)

ابن عبدالبر کی تحقیق

حافظ ابن عبدالبر کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ

قرآن مجید اور احادیث کے بعض دلائل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح اور نفس دونوں ایک چیز ہیں اور بعض دلائل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح اور نفس باہم مغائر ہیں۔

لیکن ان کا مختار یہ ہے کہ

روح اور نفس دونوں ایک چیز ہیں جیسا کہ انہوں نے تمہید میں اس مبحث کے شروع میں لکھا ہے۔ اسی طرح انہوں نے موطا امام مالک کی شرح الاستذکار میں بھی لکھا ہے۔

چنانچہ حافظ ابن عبدالبر مالکی متوفی 463ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تہجد کی نماز کے لئے جگانے گئے۔

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا:

ہمارے نفوس تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 1147)

اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ

میرے نفس کو اس نے پکڑ لیا تھا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس کو پکڑ لیا تھا۔

(مؤطا امام مالک: رقم الحدیث: 25)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو قبض کر لیا تھا۔

(مؤطا امام مالک: رقم الحدیث: 26)

اور حضرت ابو جحیفہ کی حدیث مبارکہ میں ہے:

بے شک تم مردہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری روحوں کو لوٹا دیا۔

(مسند ابو یعلیٰ: رقم الحدیث: 795)

اور قرآن مجید میں ہے:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ (الزمر: 42)

ان سب میں یہ واضح دلیل ہے کہ روح اور نفس دونوں ایک چیز ہیں۔

اس مسئلے میں سلف صالحین کے اقوال ہم نے تمہید میں ذکر کیے ہیں۔

(الاستذکار: ج: 1 ص: 314 مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

امام رازی کی تحقیق

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

انسان کا نفس ایک جوہر ہے جو منور اور روحانی ہے جس اس کا بدن سے تعلق ہوتا ہے تو اس کی روشنی تمام بدن میں حاصل ہوتی ہے اور اس روشنی کا نام حیات ہے

پس ہم یہ کہتے ہیں کہ

موت کے وقت اس بدن کے ظاہر اور باطن سے اس کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے اور اس انقطاع کا نام موت ہے اور نیند کے وقت اس روشنی کا تعلق صرف ظاہر بدن سے بعض اعتبار سے منقطع ہوتا ہے اور اس کی روشنی بدن کے باطن سے منقطع نہیں ہوتی۔

پس ثابت ہو گیا کہ

موت اور نیند ایک جنس سے ہیں مگر موت میں اس کی روشنی کا انقطاع تام اور کامل ہوتا ہے اور نیند میں اس کا انقطاع ناقص اور بعض وجوہ سے ہوتا ہے۔

(تفسیر کبیر: ج:9،ص:456 دار احیاء التراث العربی بیروت)

عرض مصنف

قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کے عمیق مطالعہ سے میں نے یہ سمجھا کہ روح اور نفس متحد بالذات ہیں اور ان میں تغایر اعتباری ہے۔ انسان کے جسم میں ایک قوت مجردہ ہے۔ وہ قوت اس لحاظ سے کہ وہ انسان کے حواس میں موثر ہے یعنی اس کی تاثیر سے انسان دیکھتا ہے، سنتا ہے، سونگھتا ہے، چکھتا ہے اور چھوتا ہے نفس ہے اور اس لحاظ سے کہ اس قوت سے انسان بولتا ہے اور دیگر افعال اختیاریہ کرتا ہے وہ روح ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ

جس قوت کے لحاظ سے انسان محسوس کرتا ہے اور افعال کرتا ہے وہ قوت روح ہے اور وہ قوت اس لحاظ سے کہ انسان اس قوت سے تعقل اور ادراک کرتا ہے اور کسی بھی کام کرنے کا منصوبہ بناتا ہے تو یہ قوت نفس ہے اور اس کو نفس ناطقہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

پھر اگر نفس برے اور ناجائز کام کا منصوبہ بنائے تو یہ نفس امارہ ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ (یوسف:53)

بے شک نفس تو برائی کا حکم دینے والا ہے۔

اور برے کام کرنے کے بعد نفس اس پر ملامت کرے تو وہ نفس لوامہ ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ۝ (القیامۃ:2)

اور میں ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں۔

اور اگر نفس نیک کام کرنے کا حکم دے تو وہ نفس مطمئنہ ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ۝ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً۝ (الفجر:27تا28)

اے مطمئن نفس! تو اپنے رب عزوجل کی طرف لوٹ جا اس حال میں کہ تو اس سے راضی ہو وہ تجھ سے راضی ہو۔

اور جس قوت کے لحاظ سے انسان محسوس کرتا ہے اور افعال اختیار یہ کرتا ہے وہ روح ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوْحِيْ (الحجر:29)

پس جب میں آدم کا پتلا پورا بنالوں اور اس میں اپنی پسندیدہ روح پھونک دوں۔

امام الحسین بن مسعود الفراء بغوی المتوفی 516ھ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی روح پھونکنے کے بعد وہ پتلا زندہ ہو جائے اور روح جسم لطیف ہے جس سے انسان زندہ ہوتا ہے۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:57 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اور درج ذیل حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ انسان کی حرکات ارادیہ اور اس کے تمام تصرفات کا منشاء روح ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام میں روح پھونکی جب روح ان کے سر میں پہنچی تو ان کو چھینک آئی۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يرحمك الله .

(صحیح ابن حبان: رقم الحدیث:6165)

(المستدرک: ج:2، ص:261 قدیم)

(سنن ترمذی: رقم الحدیث:3368)

نفس انسان کی تین اقسام

نفس انسان کی تین قسمیں ہیں۔

1- نفس امارہ

2- نفس لوامہ

3- نفس مطمئنہ

نفس امارہ

نفس امارہ کی تعریف یہ ہے کہ

وہ طبیعت بدنیہ اور اس کے تقاضوں کی طرف مائل ہوتا ہے اور لذات اور شہوات حسیہ کے حصول کا حکم دیتا ہے اور دل کو اور خسیس چیزوں کی طرف کھینچتا ہے اور یہ نفس، اخلاق مذمومہ شرور اور خبائث کا معدن اور منبع ہوتا ہے۔

نفس لوامہ

نفس لوامہ وہ ہے کہ

جو دل کے نور سے روشن ہوتا اور جب انسان پر غفلت طاری ہوتی ہے اور وہ اپنی جبلت ظلمانیہ کے تقاضے سے کسی برائی یا گناہ کا ارتکاب کر لیتا ہے تو اس کا وہ نفس اس کو ملامت کرتا ہے اور اس سے متنفر ہوتا ہے۔

نفس مطمئنہ

اور نفس مطمئنہ وہ ہے کہ

جو دل کے نور سے مکمل منور ہوتا ہے اور وہ مذموم صفات سے عاری اور خالی ہوتا ہے اور اوصاف محمودہ سے متصف ہوتا ہے اور اخلاق الٰہیہ سے متخلق ہوتا ہے اور انسان کی جبلت ظلمانیہ اسے برائی پر نہیں اکساتی اور نیکی کے خلاف مزاحمت نہیں کرتی۔

اہل صوفیاء کا ان اقسام میں قول

بعض صوفیاء نے یہ کہا ہے کہ

نفس لوامہ ہی نفس مطمئنہ ہے جو نفس امارہ کو ملامت کرتا رہتا ہے۔

اور بعض صوفیاء نے کہا:

نفس لوامہ کا نفس مطمئنہ سے اوپر درجہ ہے کیونکہ نفس مطمئنہ خود کامل ہوتا ہے اور نفس لوامہ ملامت کر کے دوسرے کی تکمیل کرتا ہے۔

(المفردات: ج:2، ص:588)

علامہ میر سید شریف جرجانی کا ان تین تعریفات پر قول

علامہ میر سید شریف جرجانی متوفی 816ھ لکھتے ہیں:

نفس امارہ وہ روح ہے جو طبیعت بدنی کی طرف مائل ہوتی ہے اور لذتوں اور شہوت حسیہ کا حکم دیتی ہے اور دل کو سفلی جانب کی طرف کھینچتی ہے یہ تمام برائیوں کا ماوی اور اخلاق مذمومہ کا منبع ہے۔

نفس لوامہ وہ روح ہے کہ جب اس کی جبلت ظلمانی کی وجہ سے کوئی برا کام صادر ہو جاتا ہے یا غفلت میں مستغرق ہونے کی وجہ سے اس سے کوئی برائی سرزد ہو جاتی ہے تو وہ اپنے آپ کو ملامت کرتی ہے اور اس برائی سے توبہ کرتی ہے۔

نفس مطمئنہ وہ روح ہے جو عقل کے نور سے پوری طرح منور ہوتی ہے اور مذموم صفات سے مجرد ہوتی ہے اور اخلاق محمودہ سے متصف ہوتی ہے۔

علامہ میر سید شریف جرجانی نے مطلقاً نفس کی یہ تعریف کی ہے۔ یہ وہ لطیف جوہر بخاری ہے جو حیات، حس اور حرکت ارادی کی قوت کا حامل ہے اور اس کا نام روح حیوانی ہے یہ وہ جوہر ہے جو بدن کو روشن کرتا ہے اور موت کے وقت بدن کے ظاہر اور باطن سے اس کی روشنی منقطع ہو جاتی ہے اور نیند کے وقت فقط ظاہر بدن سے اس کی روشنی منقطع ہوتی ہے نہ کہ بدن کے باطن سے کیونکہ موت انقطاع کلی ہے اور نیند انقطاع ناقص ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ

اللہ تعالیٰ نے جو ہر نفس کو بدن کے ساتھ تین طرح متعین کیا ہے۔

1۔ نفس کی روشنی تمام اجزاء بدن پر ہو خواہ ظاہر ہوں یا باطن اور یہ بیداری ہو۔

2۔ نفس کی روشنی صرف ظاہر بدن سے منقطع ہو باطن سے منقطع نہ ہو یہ نیند ہے۔

3۔ نفس کی روشنی بدن کے ظاہر اور باطن دونوں سے منقطع ہو جائے یہ موت ہے۔

(التعریفات: ص: 168 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

آیت کریمہ میں نفس امارہ کا ذکر

نفس امارہ کا ذکر اس آیت میں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا:

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ج اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ط اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ٥ (یوسف: 53)

میں اپنے نفس کو برائی سے بری نہیں کرتا بے شک نفس برائی کا بہت زیادہ حکم دینے والا ہے سوا اس کے کہ میرا رب ہی رحم فرمائے۔ بے شک میرا رب بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

آیت کریمہ میں نفس لوامہ کا ذکر

نفس لوامہ کا ذکر اس آیت میں ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ٥ (القیامۃ: 2)

اور میں اس نفس کی قسم کھاتا ہوں جو ملامت کرنے والا ہے۔

آیت کریمہ میں نفس مطمئنہ کا ذکر

نفس مطمئنہ کا ذکر اس آیت مبارکہ میں ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ٥ (الفجر: 27)

اے نفس مطمئنہ!

مفسرین کے نفس مطمئنہ کے متعلق اقوال

نفس مطمئنہ کے متعلق مفسرین کے کئی اقوال ہیں۔

ایک سوال یہ ہے کہ

قیامت کے دن نفس مطمئنہ کو کون ندا کر کے کہے گا۔

اے نفس مطمئنہ!

مفسرین نے کہا:

یہ نداء اور خطاب فرشتے کریں گے۔

اور اولیاء اللہ سے کہیں گے کہ

اے نفس مطمئنہ!

اور بعض صوفیاء نے کہا:

یہ ندا اور خطاب خود اللہ عزوجل کرے گا کیونکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندے یا اللہ یا اللہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے تو قیامت کے دن اس کی جزاء میں اللہ تعالیٰ نیک بندوں کو پکارے گا اور فرمائے گا۔

اے نفس مطمئنہ!

امام عبدالرحمان بن محمد ابن ابی حاتم رازی متوفی 327ھ نے اپنی سند کے ساتھ اس نداء اور خطاب کے متعلق حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔

انہوں نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کتنا خوب صورت خطاب ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عنقریب یہ خطاب تم سے کیا جائے گا (یعنی موت کے وقت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

رومۃ کے کنویں کو کون خریدے گا کہ ہم اس کا میٹھا پانی پئیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کنویں کو خرید لیا۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا تم اس کنویں کو لوگوں کے پینے کے لئے وقف کر رہے ہو۔

انہوں نے کہا:

جی ہاں!

تب اللہ تعالیٰ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ۝

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

اس آیت میں نفس مطمئنہ سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا نفس مراد ہے۔

مجاہد نے کہا:
نفس مطمئنہ وہ نفس مراد ہے جس کو یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کا رب ہے۔
الحسن نے کہا:
جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ مومن کی روح قبض کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کا نفس اس سے مطمئن ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوتا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ اس کی روح کو قبض کرنے کا حکم دیتا ہے اور اس کو جنت میں داخل کر دیتا ہے اور اس کو اپنے نیک بندوں میں شامل کر لیتا ہے۔
(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:10 ص:3429 تا 3431 مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)
مجاہد وغیرہ نے کہا:
جس نفس کو یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کا رب ہے اور وہ اس کے سامنے عاجز ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:
وہ نفس اللہ تعالیٰ کے ثواب پر مطمئن ہو۔
ان سے ایک روایت ہے۔
وہ نفس جو مؤمنہ ہو۔
مجاہد سے دوسری روایت ہے۔
جو نفس اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی قضاء پر راضی ہو اور اس کو یقین ہو کہ جو مصیبت اس سے ٹل چکی ہے وہ اس پر آ نہیں سکتی تھی اور جو مصیبت اس پر آ گئی ہے وہ اس سے ٹل نہیں سکتی تھی۔
مقاتل نے کہا:
جو نفس اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مامون ہو۔
ایک قول ہے۔
جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مطمئن ہو اور قیامت کی اور ثواب کی تصدیق کرتا ہو۔
عبداللہ بن بریدہ نے اپنے والد سے روایت کیا ہے۔
اس سے مراد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا نفس ہے۔
اور صحیح یہ ہے کہ
اس سے مراد ہر مؤمن کا نفس ہے جو مخلص ہو اور اطاعت گزار ہو۔
ابن زید نے کہا:
اس سے مراد وہ نفس ہے جس کو موت کے وقت اور قبر سے اٹھتے وقت اور میدان حشر میں ثواب کی بشارت دی گئی ہو۔
حسن بصری نے کہا:
جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ مومن کی روح کو قبض کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ نفس اللہ تعالیٰ سے مطمئن ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ

...س سے مطمئن ہوتا ہے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا:

جب مؤمن فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس دو فرشتوں کو بھیجتا ہے اور ان کے ساتھ جنت کا ایک تحفہ بھیجتا ہے۔

وہ فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ

اے نفس مطمئنہ! اپنے جسم سے اس حال میں باہر نکل کہ تو خود بھی راضی ہو اور تیرا رب عزوجل بھی تجھ سے راضی ہو۔ تو ...شی اور خوشبو کی طرف نکل اور اپنے رب عزوجل کی طرف جو تجھ سے راضی ہے ناراض نہیں ہے۔ پھر وہ نفس اس مشک سے ...یادہ خوشبو کے ساتھ نکلتا ہے جس کو کسی انسان نے روئے زمین پر سونگھا ہو۔

سعید بن جبیر نے کہا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما طائف میں فوت ہو گئے پھر ایک ایسا پرندہ آیا جیسا پرندہ اس سے پہلے نہیں دیکھا گیا تھا وہ ان ...کی نعش میں داخل ہو گیا پھر باہر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا گیا پھر جب ان کو دفن کیا گیا تو کوئی ان کی قبر پر ان آیات کی تلاوت کر رہا تھا۔

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ؁ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ؁ (الفجر: 27 تا 28)

اور یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ کون تلاوت کر رہا تھا۔

ضحاک نے روایت کیا ہے کہ

یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رومۃ کے کنویں کو مسلمان کے لئے وقف کیا۔

ایک قول یہ ہے کہ

یہ آیت کریمہ حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی۔ جب ان کو کفار مکہ نے سولی پر لٹکایا۔ کفار نے ان کا ...رہ مدینہ منورہ کی طرف کیا تھا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے اپنا چہرہ قبلہ کی طرف پھیر لیا۔

سعید بن زائد نے کہا ہے کہ

ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ آیت کریمہ پڑھی۔

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ؁ (الفجر: 27)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کتنی اچھی آیت ہے۔

تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عنقریب فرشتہ تمہارے سامنے یہ آیت پڑھے گا۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج: 20، ص: 51 دار الفکر بیروت)

...س مطمئنہ کا جنت میں داخل ہونا اور رب کی طرف لوٹنا

نفس مطمئنہ کو رب عزوجل کی جانب لوٹنے اور نفس مطمئنہ کو جنت میں داخل ہونے کا بروز قیامت حکم دیا جائے گا۔

امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی متوفی 333ھ لکھتے ہیں:
نفس مطمئنہ وہ نفس ہے جو پرسکون ہو اور شک میں نہ ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے وعد، وعید، امر، نہی اور اس کی توحید پر مطمئن ہو۔
یہ بھی ہوسکتا ہے کہ
اس سے دنیا میں یہ کہا جائے گا کہ
جہاں تجھے تیرے رب عزوجل نے حکم دیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے وعد اور وعید پر مطمئن ہوکر وہاں لوٹ جا۔ پھر اس نفس سے اللہ تعالیٰ نے آخرت کے جس انعام کا وعدہ کیا ہے وہ اس کو عطا فرمائے گا تو وہ اس سے راضی ہو جائے گا اور چونکہ اس نے دنیا میں نیکی کے کاموں میں بہت کوشش کی ہوگی اس لیے وہ اپنے رب عزوجل کے نزدیک بھی مرضیہ اور پسندیدہ ہوگا۔
اس سے کہا جائے گا کہ
تو میرے نیک بندوں میں داخل ہوجا اور تو ان میں داخل ہوجا جو جنت کے مستحق ہیں۔
اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ
نفس مطمئنہ سے آخرت میں یہ کہا جائے گا کہ
اے نفس! تو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے وعد اور اس کی وعید پر مطمئن تھا اور تو نے دنیا میں اس کی اطاعت اور عبادت کی اب تو میرے نیک بندوں میں داخل ہوجا اور میری جنت میں داخل ہوجا۔
ایک قول یہ ہے کہ
اس سے کہا جائے گا!
اے نفس! تو دنیا میں مطمئن تھا اب تو آخرت کی طلب میں جا اور ان چیزوں کی طرف جا جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کے لئے تیار کر رکھا ہے۔
ایک قول یہ ہے کہ
اس سے کہا جائے گا۔
اے نفس مطمئنہ! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف لوٹ جا جب تو ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہوجائے گا اور تو بھی اللہ تعالیٰ کی عطا اور ثواب سے راضی ہوجائے گا۔
(تاویلات اہل السنۃ: ج:5،ص:456، مؤسسۃ الرسالۃ ناشرون)
امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:
رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿ (الفجر:28)
کا معنیٰ ہے۔
تو ثواب سے راضی ہو اور تو نے دنیا میں جو نیک اعمال کیے ہیں ان کی وجہ سے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرضیہ اور پسندیدہ ہے۔

اور فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ کا معنیٰ ہے۔

تو میرے مقرب بندوں میں شامل ہو جا اور یہ بہت معزز حالت ہے کیونکہ ارواح شریفہ قدسیہ شفاف آئینوں کی طرح ہیں اور جب بعض مقربین کی روحیں ایک دوسرے سے مل جاتی ہیں تو جس طرح شفاف آئینوں میں ایک دوسرے کے عکوس منعکس ہوتے ہیں تو ہر ایک کی سعادت کے آثار سب میں ظاہر ہوں گے اور ان کی روحانیت کے درجات بہت عظیم ہوں گے۔

اور وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ کا معنیٰ ہے کہ

نیک روحوں کو روحانی جنت تو موت کے وقت ہی حاصل ہو جاتی ہے اب آخرت میں جسمانی جنت بھی ان کو حاصل ہو جائے گی اور جب کہ جسمانی جنت کی سعادت قیامت کے بعد ہی حاصل ہوگی اس لیے وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ کو واؤ کے ساتھ فرمایا ہے فاء کے ساتھ نہیں فرمایا کیونکہ نفس مطمئنہ کو جسمانی جنت موت کے فوراً بعد حاصل نہیں ہوگی اور فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ کو فاء کے ساتھ فرمایا ہے کیونکہ نفس مطمئنہ موت کے فوراً بعد دیگر مقربین کی ارواح میں شامل ہو جائے گا۔

(تفسیر کبیر، ج:11، ص:162 تا 163 دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ

ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ سے مراد یہ ہے کہ

اپنے رب عزوجل کی کرامت کی طرف رجوع کر اور میرے نیک بندوں میں اور دار ثواب میں داخل ہو جا۔

اس سے مراد یہ ہے کہ

یہ قول موت کے وقت کہا جائے یا محشر میں حساب سے پہلے۔

اور دخول سے مراد جنت میں دخول ہے لیکن دائمی قیام کے لئے نہیں بلکہ جنت کی نعمتوں سے ایک قسم کا تمتع حاصل کرنے کے لئے حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے۔

کیونکہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ

مؤمنین کی روحیں جنت میں پرندوں کے پوٹوں میں ہوں گی اور بعض آثار میں ہے کہ جب مؤمن مر جاتا ہے تو اس کو نصف جنت عطا کی جاتی ہے یعنی اس جنت کا نصف جس کا اس سے قیامت کے دن دینے کا وعدہ کیا گیا ہے۔

امام ابن جریر، امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے ابو صالح سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ

یہ موت کا عنوان ہے اور دنیا سے نکل کر اپنے رب عزوجل کی طرف رجوع کا ذکر ہے اور جب قیامت کا دن ہوگا تو اس سے کہا جائے گا میرے نیک بندوں میں اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

ایک تفسیر یہ ہے کہ

موت کے بعد اور قیامت سے پہلے نفس مطمئنہ سے یہ کہا جائے گا۔

اور اپنے رب عزوجل کی طرف رجوع کرنے سے مراد یہ ہے کہ

اپنے جسم کی طرف لوٹ جا تا کہ منکر نکیر کے سوالوں کا جواب دے سکے۔

امام ابن منذر نے اس آیت کی تفسیر میں محمد بن کعب قرظی سے روایت کیا ہے کہ

جب مؤمن مرجاتا ہے تو اس کو جنت میں اس کا مقام دکھایا جاتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اے نفس مطمئنہ! اپنے اس جسم کی طرف لوٹ جا جس سے تو راضی ہو کر نکلی تھی کیونکہ تو نے میرے پسندیدہ اور مرضیہ ثواب کو دیکھ لیا تھا حتیٰ کہ تجھ سے منکر اور نکیر سوال کریں۔

امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے زید بن اسلم سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ

نفس مطمئنہ کو موت کے وقت قبر سے نکلنے کے وقت اور میدان محشر میں جنت کی بشارت دی جائے گی۔

اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کافر کے نفس کے متعلق بتایا تھا۔

وہ کہے گا۔

کاش! میں نے زندگی میں کوئی نیکی آگے کے لئے بھیجی ہوتی۔

سو اس دن اس کے عذاب کی طرح کوئی عذاب نہ دے گا اور نہ کوئی اس کے جکڑنے کی طرح جکڑے گا۔

(الفجر:24تا26)

اور ان آیتوں میں مؤمن کے نفس کے لئے یہ بشارت دی ہے کہ

اس سے کہا جائے گا کہ

اے نفس مطمئنہ! تو اپنے رب عزوجل کی طرف اس حال میں لوٹ جا کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ پھر تو میرے نیک بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ (الفجر:27تا30)

صوفیاء نے کہا ہے کہ

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ مومن کے نفس کے تین مراتب ہیں۔

1۔ مطمئنہ

2۔ راضیہ

3۔ اور مرضیہ

امام طبرانی اور امام ابن عساکر نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

آپ نے ایک شخص سے فرمایا:

(یہ دعا کرو کہ) اے اللہ عزوجل! میں تجھ سے ایسے نفس مطمئنہ کا سوال کرتا ہوں جو تیری ملاقات پر یقین رکھتا ہو تیری قضاء پر راضی ہو اور تیری عطا پر قانع ہو۔

(المعجم الکبیر: رقم الحدیث:7490)

(روح المعانی: جز:30، ص:236تا238 دار الفکر بیروت)

نفس لوامہ کی تحقیق

نفس لوامہ کے متعلق قرآن مجید میں ہے:

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ○ (القیامۃ:2)

اور ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں۔

ملامت کرنے والے نفس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں۔

1-حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

قیامت کے دن ہر نفس اپنے آپ کو ملامت کرے گا خواہ وہ نیک ہو یا بد۔ نیک نفس اپنے آپ کو اس لیے ملامت کرے گا کہ اگر وہ اور زیادہ نیکیاں کر لیتا تو اس کو جنت میں اور زیادہ درجات ملتے اور بد نفس اپنے اوپر اس لیے ملامت کرے گا کہ وہ کیوں نہ گناہوں سے باز آیا اور کیوں نہ نیک کاموں میں مشغول رہا۔

2-نفس لوامہ سے مراد نفوس متقیہ ہیں یعنی متقی لوگ وہ قیامت کے دن نافرمانی کرنے والوں کو ملامت کریں گے کہ تم لوں نے گناہوں کو کیوں ترک نہیں کیا اور تقویٰ اور پرہیزگاری کو کیوں اختیار نہیں کیا۔

3-نفس لوامہ سے مراد نفوس شریفہ ہیں جو اپنے آپ کو ہر وقت ملامت کرتے رہتے ہیں خواہ وہ نیک کاموں میں مصروف ں۔

حضرت حسن بصری نے کہا:

تم مؤمن کو دیکھو گے کہ وہ ہر حال میں خود کو ملامت کرتا رہتا ہے اور جاہل برے کاموں میں مشغول ہو پھر بھی اپنے آپ سے راضی رہتا ہے۔

4-نفس لوامہ سے مراد بدفطرت نفوس ہیں جب وہ قیامت کے ہولناک اور دہشت ناک احوال دیکھیں گے تو وہ اپنے آپ کو ملامت کریں گے کہ وہ کیوں گناہوں میں مبتلا رہے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ یّٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ (الزمر:56)

ایسا نہ ہو کہ کوئی نفس یہ کہے! ہائے افسوس! میں نے اللہ کے معاملہ میں کوتاہی برتی۔

5-انسان کو افسوس کرنے والا تخلیق کیا گیا ہے۔ انسان پہلے کسی چیز کو طلب کرتا ہے اور جب وہ چیز اسے مل جاتی ہے تو پھر اس پر افسوس کرتا ہے اور اس کو طلب کرنے پر اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے کہ میں نے اس چیز کو کیوں طلب کیا تھا۔

مثلاً

شوگر کا مریض شوگر فری بسکٹ یا شوگر فری مربہ منگواتا ہے اور جب اس کو کھانے سے اس کا پیٹ خراب ہو جاتا ہے تو اپنے کو ملامت کرتا ہے کہ میں نے کیوں یہ چیزیں منگوائیں اور چونکہ اس کے ساتھ یہ عمل بار بار ہوتا ہے اس لیے اس کا نفس لوامہ تا ہے۔

اس کی نظیر قرآن مجید میں ہے:

"اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًاo اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًاo وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًاo (المعارج:19 تا 21)"

بے شک انسان بہت کم زور دل کا پیدا کیا گیا ہے جب اس پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ گھبرا جاتا ہے اور جب اس کو کوئی خیر ملتی ہے تو وہ شکر ادا نہیں کرتا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ

قیامت کے ذکر میں اور نفس لوامہ میں کیا مناسبت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں لفظوں کی قسم میں جمع فرمایا ہے اور دونوں لفظوں کی قسم کھائی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

قیامت کے احوال بہت خوف ناک اور بہت دہشت ناک ہوں گے اور جب قیامت قائم ہوگی تو نفوس لوامہ کے احوال ظاہر ہوں گے۔ بعض نفوس کے نیک اعمال اور ان پر انعامات کا اظہار ہوگا۔ اس وقت وہ تمنا کریں گے۔

کاش!

ہم نے زیادہ نیک عمل کیے ہوتے تو ہم کو زیادہ انعامات ملتے اور بعض نفوس کے برے اعمال اور ان کے نتائج کا اظہار ہو گا۔ اس وقت وہ شرمسار ہوں گے اور اپنے آپ کو ملامت کریں گے کہ کاش! ہم نے یہ برے کام نہ کیے ہوتے۔ سو اس طرح نفس لوامہ کی احوال قیامت کے ساتھ بہت قوی مناسبت ہے۔ قیامت کے عجیب و غریب احوال اور ان کے ساتھ نفس لوامہ کی مناسبت ان آیات میں غور کرنے سے ظاہر ہوتی ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِo (الذاریات:56)

اور میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

قیامت کے دن جب اکثر انسان اپنے نامہ اعمال کو اور میزان کو دیکھیں گے اور ان کو اپنے نیک اعمال کم دکھائی دیں گے وہ اپنے اوپر افسوس اور ملامت کریں گے کہ ہم کو عبادت کرنے کے لئے پیدا کیا گیا تھا اور ہم نے لہو و لعب اور لایعنی کاموں میں زندگی گزار دی۔

اور قرآن مجید میں ہے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًاo (الاحزاب:72)

''ہم نے آسمانوں پر اور زمینوں پر اور پہاڑوں پر اپنی امانت (احکام) کو پیش کیا۔ انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کیا اور خیانت کرنے سے ڈرے اور انسان نے اس امانت میں خیانت کی۔ بے شک وہ بہت ظالم اور بہت جاہل ہے۔''

قیامت کے دن جب انسان اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی امانت میں خیانت کرنے کے نتائج اور عواقب کو دیکھے گا تو اس کو اپنی خیانت پر بہت افسوس ہوگا اور وہ اپنے آپ کو بہت ملامت کرے گا۔

نفس امارہ کی تحقیق

نفس امارہ کیا چیز ہے؟

نفس امارہ وہ روح ہے جو طبیعت بدنی کی طرف مائل ہوتی ہے اور لذتوں اور شہوت حسیہ کا حکم دیتی ہے اور دل کو سفلی جانب طرف کھینچتی ہے یہ تمام برائیوں کا ملاذ اور اخلاق مذمومہ کا منبع ہے۔

(التعریفات: ص:168 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اور المفردات میں ہے۔

نفس امارہ کی یہ تعریف ہے کہ

وہ طبیعت بدنیہ اور اس کے تقاضوں کی طرف مائل ہوتا ہے اور لذت اور شہوت حسیہ کے حصول کا حکم دیتا ہے اور دل کو گھٹیا اور خسیس چیزوں کی طرف کھینچتا ہے اور یہ نفس اخلاق مذمومہ، شرور اور خبائث کا معدن اور منبع ہوتا ہے۔

(المفردات: ج:2، ص:588)

نفس امارہ وہ ہے جو انسان کو برے کام کرنے کا حکم دیتا ہے یہ فساق فجار کا نفس ہے۔

حکماء کا اس میں اختلاف ہے کہ

نفس امارہ کیا چیز ہے جو برائی کا بہت حکم دیتا ہے۔

محققین نے یہ کہا ہے کہ

نفس انسان ایک چیز ہے اور اس کی صفات بہت ہیں۔ جب یہ اللہ عزوجل کی معرفت میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے تو پھر یہ نفس مطمئنہ ہوتا ہے اور جب یہ شہوت اور غضب کی طرف مائل ہو تو پھر یہ نفس امارہ ہوتا ہے اور نفس جو برائی کا بہت حکم دیتا ہے۔

اس کا سبب یہ ہے کہ

نفس ابتداء سے ہی دنیا کی رنگینیوں اور پر کشش چیزوں سے دلچسپی رکھتا ہے۔ محسوسات کا عالم اس کے مشاہدہ میں ہوتا اور آخرت کا عالم اور آخرت کی پر کشش چیزیں اس کی نظر سے غائب ہوتی ہیں اور بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو حسن ظاہر چھوڑ کر حسن غائب کی طرف متوجہ ہوں۔ اس لیے اس ظاہر عالم کی پر کشش چیزیں اس کو اپنی طرف کھینچتی ہیں اور بہت قلیل ایسے ہوتے ہیں جو ان جسمانی لذات کو چھوڑ کر روحانی لذتوں کی طرف ہوں اس لیے بالعموم انسان کا نفس برائی کا حکم کرتا ہے۔ البتہ وہ نفوس قدسیہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت میں مستغرق رہتے ہیں اس کی صفات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ان کی فطرت شریعت کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی ہوتی ہے۔ ان پر یہ حاضر اور ظاہری رنگینیاں اور پر کشش چیزیں اثر انداز نہیں ہوتیں ان پر اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے خوف کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ ان کے دلوں میں کبھی گناہ کا خطرہ نہیں ہوتا اور انہی کا نفس مطمئن ہوتا ہے۔

نفس امارہ کا انجام

نفس امارہ کا انجام بہت برا ہے کیونکہ یہ برائی کی جانب مائل کرتا ہے اور برائی انسان کی آخرت تباہ و برباد کر دیتی ہے۔

انسان نفس امارہ کی خواہش پر عمل کرتا رہتا ہے پھر ایک دن ایسا آتا ہے کہ برائی اس کی غذا بن جاتی ہے جب تک وہ برائی کرے اسے سکون نہیں ملتا پھر جب اس کا انجام نکلتا ہے تو انسان پچھتاتا ہے کہ کاش میں نے یہ برا کام نہ کیا ہوتا۔

الغرض! نفس امارہ دنیا و آخرت کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا پاس جانے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا

جب زلیخا نے سات کمروں کو بند کر لیا تو دور کھڑے ہو کر اپنے پاس حضرت یوسف علیہ السلام کو بلایا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی پناہ وہ تو میری پرورش کرنے والا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ○ (یوسف:23)

یوسف نے کہا اللہ تعالیٰ کی پناہ! وہ میری پرورش کرنے والا ہے اس نے مجھے عزت سے جگہ دی ہے بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے۔

پرورش کرنے سے مراد

جب عزیز مصر کی بیوی یعنی زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ کی دعوت دی تو آپ علیہ السلام نے کہا:

اللہ تعالیٰ کی پناہ! وہ میری پرورش کرنے والا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ

اس سے حضرت یوسف علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ وہ عزیز مصر میری پرورش کرنے والا ہے۔ اس نے مجھ پر بہت احسان کیے ہیں اور میری تعظیم و تکریم کرنے کا حکم دیا پھر کس قدر احسان ناشناسی، ناشکری اور حیا سوز بات ہو گی کہ میں ایسے بے لوث محسن کی بیوی کے ساتھ بدکاری کروں اور اس کی عزت پر ہاتھ ڈالوں۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ میری پرورش کرنے والا ہے اس نے مجھے بے شمار نعمتیں عطا فرمائی تو میں اپنے رب عزوجل کی نافرمانی کروں اور گناہ کا ارتکاب کروں، میں اس چیز سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں۔

ان دونوں اقوال میں سے دوسرا قول راجح ہے کیونکہ مخلوق سے حیا کر کے گناہ سے باز رہنے کی بہ نسبت یہ زیادہ ستائش بات ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے ڈر اور اس کے خوف اور اس سے حیا کر کے گناہ سے باز رہے اور پیغمبر کی شان کے لائق دوسری چیز ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو ورغلانے کے لئے زلیخا کا سات کمرے بنوانا

حضرت یوسف علیہ السلام کو ورغلانے کے لئے زلیخا نے طرح طرح کے افعال سرانجام دیئے مگر حضرت یوسف علیہ السلام ان سے اجتناب فرماتے رہے ایک دن آپ علیہ السلام کو اپنی طرف بلایا تو آپ علیہ السلام باغ کی جانب چلے گئے زلیخا نے یہ باغ آپ علیہ السلام کو پسند ہے پھر زلیخا نے یہاں پر خوبصورت محل سات کمروں پر بنوایا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے دنوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا۔

پہلے حصے میں نماز پڑھتے رہتے۔

دوسرے حصے میں یاد الٰہی میں روتے اور تفکر کرتے رہتے۔

تیسرے حصے میں تسبیح و تہلیل و اوراد و وظائف میں مشغول رہتے۔

رات میں نہ جانے کیا کرتے یہ بھید نبی کا ہے جس کو بجز خدا عزوجل کوئی نہیں جانتا۔ زلیخا نے ایک دفعہ عشق میں وارفتہ ہو کر بلایا تو آپ علیہ السلام اپنے باغ میں بھاگ گئے۔ زلیخا سمجھی شاید آپ علیہ السلام کو یہ باغ یہ مکان بہت پسند ہے اس لیے وہاں کے علاوہ کہیں نہیں جانا چاہتے۔ تب زلیخا نے محض خلوت اور قرب یوسف کے لئے اس سے بھی زیادہ خوبصورت مکان سات کمروں والا بنوایا اور کمرے کے اندر بنایا۔

اور حضرت یوسف علیہ السلام کو کہا کہ

آ میں تجھ کو اپنا مکان دکھاؤں یہ سب مکانات عزیز مصر کے بہت بڑے قلعہ نما محل کے اندر ہی بنائے گئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام مکان کے دیکھنے کی نیت سے چلے گئے اور وہ پیچھے تالے لگاتی رہی۔ جب آخری کمرے کے دروازہ کو تالا لگا دیا اور کمرے میں پرستش کے بتوں پر کپڑے کا پردہ ڈالا دیا پھر دعوت گناہ دی۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

میرے رب عزوجل کے مجھ پر اتنے کرم ہیں کہ اس نے بیگانوں کو اپنا بنا دیا، عیش و عشرت دیا۔ کیا یہ ظلم نہیں کہ میں اسی کا نمک کھا کر اسی کا گناہ کروں۔

یاد رکھو۔

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ○

بے شک میرا اللہ تعالیٰ ظالموں کو کبھی کامیاب نہیں ہونے دیتا۔

اے زلیخا تو اپنے جھوٹے معبودوں سے غیرت رکھتی (ہے) تو کیا میں اپنے غیب دان ہر جگہ حاضر سچے معبود اللہ تعالیٰ سے غیرت نہ رکھوں۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:437 نعیمی کتب خانہ لاہور)

زلیخا کا اللہ تعالیٰ کے ناراض ہونے پر خزانے لٹا کر راضی کرنے کا قول

تفسیر نعیمی میں ہے۔

روایت ہے کہ

زلیخا خود اتنی حسینہ تھی کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کو اس طرح بنا ٹھنا دیکھا تو بارگاہ رب کریم عزوجل میں

عرض کیا کہ

(اے) مولیٰ عزوجل! معصوم کے سوائے اس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل کی تعریف زلیخا کے سامنے کی تو زلیخا نے کہا:

اگر تیرا معبود تجھ سے ناراض ہو تو میں اپنے سارے خزانے اس کے بندوں پر نثار کر کے اس کو راضی کرلوں گی وہ تجھ سے راضی ہو جائے گا۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

میرا رب عزوجل! صرف پرہیزگاروں کے ہدیے قبول کرتا ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:437 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کا تین طرح جواب دینا

حضرت یوسف علیہ السلام نے زلیخا کو تین طرح سے جواب دیا۔

پہلے ارشاد فرمایا:

معاذ اللہ! میں اس گناہ کے ارتکاب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرتا ہوں اگر چہ تم نے مجھ پر بہت احسان کیے ہیں اور مجھے بہت تعظیم و تکریم کے ساتھ رکھا ہے لیکن تم سے کہیں زیادہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کے احسان ہیں اور مجھ پر تمہارے حکم کو ماننے کی بہ نسبت اللہ تعالیٰ کے حکم کو ماننے کا زیادہ حق ہے۔

پھر ارشاد فرمایا:

وہ میری پرورش کرنے والا ہے۔

مشہور تفسیر کے مطابق اس سے عزیز مصر کو مراد لیا جاتا تو معنیٰ اس طرح ہوگا کہ مخلوق کے حق کی رعایت کرنا بھی واجب ہے اور عزیز مصر نے مجھ پر بہت احسان کیے ہیں۔ اب ان احسانات کا بدلہ میں، میں اس کی عزت کو پامال کروں تو یہ کس قدر بری بات ہوگی۔

پھر ارشاد فرمایا:

بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے۔

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ

انسان پر واجب ہے کہ وہ اپنے آپ کو ضرر سے بچائے۔ تم جس گناہ کی دعوت دے رہی ہو اس کی لذت بہت کم ہے اور بہت کم وقت کے لئے ہے اور اس کے نتیجے میں دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت کا عذاب ہے اور جب قلیل لذت کے مقابلہ میں ضرر شدید ہو تو پھر اس کی لذت ترک کرنا واجب ہے اور اگر لذت کو ترک نہ کیا تو آخرت میں فلاح حاصل نہیں ہوگی۔

اس کی دوسری تقریر یہ ہے کہ

ظلم کا معنیٰ ہے کسی چیز کو اس جگہ رکھنا جو اس کا صحیح اور جائز محل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مرد میں شہوت رکھی ہے اس کو خرچ کر

جائز اور صحیح محل اس کی منکوحہ ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی شہوت کو اپنی منکوحہ کے بجائے کسی اور عورت میں خرچ کرے تو یہ ظلم ہے ایسا کرنے والا ظالم ہوگا اور ظالم فلاح نہیں پاتے۔ اللہ تعالیٰ نے ظالموں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ سو اس حسن ترتیب کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام نے زلیخا کو یہ حکیمانہ اور ناصحانہ جوابات دیئے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا کی تین تین باتیں ظاہر فرمائیں

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا کی تین تین باتیں ظاہر فرمائی ہیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے زلیخا کی بھی تین باتیں ظاہر کیں۔

1- گناہ کا ارادہ

2- پھسلانا

3- دروازے بند کرنا

اور حضرت یوسف علیہ السلام کی بھی تین باتیں ذکر کیں۔

1- خدا عزوجل کی پناہ

2- وہ میرا رب عزوجل ہے

3- اس نے مجھ کو اچھا ٹھکانہ دیا۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:438 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت مبارکہ دکھانا

جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ورغلایا تو حضرت یوسف علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت دکھائی گئی۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

یقیناً حضرت یوسف علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت دکھائی گئی جو کہ آپ علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سینہ پر اپنا ہاتھ مارا۔

اور مزید فرمایا:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ہم کو ذکر فرمایا گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام دکھائے گئے آپ علیہ السلام اپنی انگلیوں کو دانتوں سے کاٹ رہے ہیں۔

اور فرمارہے ہیں کہ

اے یوسف (علیہ السلام)! احتیاط کرو کیونکہ یہ کام بے وقوف کرتے ہیں آپ کا نام تو انبیاء کرام علیہم السلام میں لکھ دیا گیا ہے۔

(روح المعانی: ج:7، ص:214)

حضرت یوسف علیہ السلام کے حسین جوابات

جب عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف بلانے کے لئے آپ علیہ السلام کے جسم کے اعضاء کو مختلف چیزوں کے ساتھ تشبیہات دیں تو آپ علیہ السلام نے ان کے احسن انداز سے ردو ابطال فرمایا۔

معالم التنزیل میں ہے۔

سدی اور ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ

جب عزیز کی بیوی نے آپ علیہ السلام کو پھسلانے کی کوشش کی اور آپ علیہ السلام کے محاسن ذاتی کا تذکرہ شروع کیا پھر اپنے نفس کی طرف رغبت دلانے لگی۔

اور کہا:

اے یوسف (علیہ السلام) تیرے کاکل مشک بار کتنے حسین ہیں۔ یہ سب سے پہلے میرے جسم سے بکھریں گے۔

اس نے کہا:

اے یوسف (علیہ السلام)! تیری آنکھیں کتنی دلآویز ہیں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

یہ دونوں ایسی چیزیں ہیں جو سب سے پہلے میرے چہرے پر بہیں گی۔

پھر کہنے لگی۔

آپ (علیہ السلام) کا چہرہ کتنا حسین وجمیل ہے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

یہ مٹی کے لئے ہے وہ اسے کھائے گی۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ

اس نے آپ علیہ السلام سے کہا۔

یہ ریشمی بستر بچھا ہے اٹھئے اور اپنی حاجت پوری کیجئے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

پھر تو میرا جنت کا حصہ ضائع ہو جائے گا۔

وہ اسی طرح متواتر آپ علیہ السلام کو لالچ دیتی رہی اور لذت کی دعوت دیتی رہی۔

(مگر آپ علیہ السلام ان کی تمام باتوں کو رد فرماتے رہے)

(معالم التنزیل: ج:3، ص:271 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ظالموں سے مراد زنا کار

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ٥ (یوسف:23)

بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے۔

اس آیت کریمہ میں ظالم کا لفظ ارشاد فرمایا گیا جس سے مراد زنا کار ہیں۔یعنی جو زنا کرتا ہے وہ ظالم ہے کہ غیر محل میں کام کر رہا ہے۔

معالم التنزیل میں ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ

یہاں ظالموں سے مراد زنا کار ہیں کیونکہ زانی اپنے نفس پر اور مزنیہ کے اہل پر ظلم کرتا ہے۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:271 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

زنا کا لغوی معنیٰ

زنا کا لغوی معنیٰ ہے۔

پہاڑ پر چڑھنا، سائے کا سکڑنا، پیشاب کو روک لینا۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

لا یصلی احدکم وھو زناء

تم میں سے کوئی شخص پیشاب روکنے کی حالت میں نماز نہ پڑھے۔

(مسند الربیع بن حبیب: ج:1، ص:60 مکتبۃ الثقافۃ العربیہ بیروت)

اسی طرح حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم میں سے کوئی شخص اس حال میں نماز نہ پڑھے کہ وہ پیشاب اور پاخانے کو روک رہا ہے۔

(صحیح ابن حبان: رقم الحدیث:2072)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب کھانا آ جائے تو نماز (کامل) نہیں ہوتی اور نہ اس وقت جب نمازی پیشاب اور پاخانے کو روک رہا ہو۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث:560)

علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ
زنا کا معنیٰ ہے۔
کسی عورت کے ساتھ بغیر عقد شرعی کے وطی (مباشرت) کرنا۔
(المفردات: ج:1،ص:284)
قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری لکھتے ہیں:
الزنا۔اسی اندام نہانی میں وطی (مباشرت جماع) کرنا جو وطی کرنے والے کی ملکیت یا ملکیت کے شبہ سے خالی ہو۔
(دستور العلماء: ج:2،ص:113 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)
سید مرتضیٰ حسین زبیدی متوفی 1205ھ لکھتے ہیں:
لغت میں زنا کا معنیٰ کسی چیز پر چڑھنا ہے۔
(تاج العروس: ج:10،ص:165 مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر)

زنا کا شرعی معنیٰ

سید مرتضیٰ حسین زبیدی متوفی 1205ھ لکھتے ہیں:
زنا کا شرعی معنیٰ ہے کسی ایسی شہوت انگیز اندام نہانی میں حشفہ (آلہ تناسل کے سر کو داخل کرنا جس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہ ہو)
(تاج العروس: ج:10،ص:165 مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر)

فقہاء حنبلیہ کے نزدیک زنا کی تعریف

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:
اہل علم کا اس شخص کے زانی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جو کسی عورت کے قبل (اندام نہانی) میں وطی کرے جو حرام ہو اور وطی کسی شبہ سے نہ ہو اور دبر (سرین) میں وطی کرنا بھی اس کی مثل زنا ہے کیونکہ یہ بھی اس عورت کی فرج (شرمگاہ) میں وطی کرنا ہے جو اس کی ملکیت میں نہیں ہے اور نہ ملکیت کا شبہ ہے لہٰذا یہ قبل (اندام نہانی) میں وطی کی طرح ہے۔
نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ (النساء:15)
تمہاری وہ عورتیں جو بے حیائی کا کام کرتی ہیں۔
اور دبر میں وطی کرنا بھی بے حیائی کا کام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کے متعلق فرمایا:
اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ (الاعراف:80)
کیا تم بے حیائی کا کام کرتے ہو۔
یعنی مرد مردوں کی دبر میں وطی کرتے ہیں۔

اور ایک قول یہ ہے کہ
پہلے قوم لوط کے لوگ عورتوں کی دبر میں وطی کرتے تھے پھر مردوں کی دبر میں وطی کرنے لگے۔
علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:
اگر کوئی شخص مردہ عورت سے وطی کرے تو اس میں دو قول ہیں۔
ایک قول یہ ہے کہ
اس پر حد ہے اور یہی امام اوزاعی کا قول ہے۔ کیونکہ اس نے آدم زاد کی فرج میں وطی کی ہے پس یہ زندہ عورت سے وطی کے مشابہ ہے نیز اس لیے کہ یہ بہت عظیم گناہ ہے کیونکہ اس میں بے حیائی کے ارتکاب کے علاوہ مردہ کی عزت کو بھی پامال کرنا ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ
اس پر حد نہیں ہے اور یہ حسن کا قول ہے۔
ابو بکر نے کہا:
میرا بھی یہی قول ہے۔ مردہ سے وطی کرنا وطی نہ کرنے کی مثل ہے کیونکہ اس پر شہوت نہیں آتی اور لوگ اس سے کراہت محسوس کرتے ہیں۔ اس لیے اس سے زجر کو مشروع کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور حد کو زجر کے لئے مشروع کیا گیا ہے اور نابالغ لڑکی سے زنا کرنے کا حکم یہ ہے کہ
اگر اس سے وطی کرنا ممکن ہو تو اس سے وطی کرنا زنا ہے اور اس سے وطی کرنے پر بالغہ سے وطی کی طرح حد واجب ہوگی۔
علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:
اگر کسی شخص نے محرم سے نکاح کر لیا تو یہ نکاح بالا جماع باطل ہے اور اگر اس سے وطی کر لی تو اکثر اہل علم کے مطابق اس پر حد واجب ہے۔ حسن، جابر بن زید، امام مالک، امام شافعی، امام ابو یوسف، امام محمد اسحاق، ابوایوب، ابن ابی خیثمہ کا یہی قول ہے۔

امام ابو حنیفہ اور ثوری کا قول یہ ہے کہ
اس پر حد نہیں ہے کیونکہ یہ ایسی وطی ہے جس (کے جواز) میں شبہ پیدا ہو گیا اس لیے اس وطی سے حد واجب نہیں ہوگی۔ جیسے کوئی شخص اپنی رضاعی بہن کو خرید کر اس سے وطی کر لے۔
اور شبہ کا بیان یہ ہے کہ
اس نے محرم سے نکاح کر لیا اور نکاح اباحت وطی کا سبب ہے۔ اس شبہ کی وجہ سے اس پر حد لازم نہیں ہوگی لیکن ایسے شخص کو تعزیراً قتل کر دیا جائے گا کیونکہ ایک شخص نے اپنی سوتیلی ماں سے شادی کر لی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا سر قلم کرنے کا حکم دیا۔ (یعنی اس پر حد جاری نہیں کی)
نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

جو شخص محرم سے وطی کرے اس کو قتل کردو۔

(جامع ترمذی: ص: 231 مطبوعہ نور محمد کراچی)

علامہ ابن قدامہ حنبلی متوفی 620ھ لکھتے ہیں کہ

امام احمد کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ

اس پر حد واجب ہے کیونکہ اس نے ایسی عورت کے ساتھ وطی کی ہے جس کے حرام ہونے پر اجماع ہے اور اس میں ملکیت کا کوئی شبہ نہیں ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ

اس پر حد نہیں ہے۔

جیسا کہ جامع ترمذی، سنن ابوداؤد اور سنن ابن ماجہ میں ہے۔

حضرت براء کہتے ہیں۔

میری اپنے چچا سے ملاقات ہوئی درآں حالیکہ ان کے ہاتھ میں جھنڈا تھا۔

میں نے کہا:

کہاں جارہے ہیں۔

انہوں نے کہا:

ایک شخص نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد اس کی بیوی سے نکاح کرلیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کی گردن مارنے اور اس کا مال ضبط کرنے کے لئے بھیجا ہے۔

نیز جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

امام احمد کا یہ قول راجح ہے کیونکہ یہ حدیث مبارکہ کے مطابق ہے۔

نیز علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ

جو شخص بغیر نکاح کے محرم سے زنا کرے اس میں بھی وہی اختلاف ہے جو نکاح کے بعد وہی کرنے میں اختلاف ہے۔

(المغنی لابن قدامہ: ج:9: ص:53 تا 55 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

فقہاء شافعیہ کے نزدیک زنا کی تعریف

علامہ یحیٰی بن شرف نووی لکھتے ہیں:

مرد اپنے حشفہ (سپاری) کو کسی ایسی فرج (اندام نہانی) میں داخل کردے جو طبعاً مشتہی ہو اور اس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہ ہو تو اس وطی پر حد واجب ہوتی ہے اگر زانی شادی شدہ ہو تو اس کی حد رجم ہے اور اس کے ساتھ کوڑے نہیں لگائے جائیں گے اور اگر غیر شادی شدہ ہو تو اس کی حد کوڑے اور شہر بدر کرنا ہے۔ اس میں مرد اور عورت برابر ہیں۔

شادی شدہ ہونے کی تین شرائط ہیں۔

پہلی شرط

مکلف ہونا۔اس لیے بچہ اور مجنون پر حد نہیں لگے گی لیکن ان کی زجر و توبیخ کی جائے گی۔

دوسری شرط

حریت۔پس غلام،مکاتب،ام ولد اور جس کا بعض حصہ غلام ہو شادی شدہ نہیں ہیں۔

تیسری شرط

نکاح صحیح ہونا۔

(روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین:ج:10،ص:86 مکتب اسلامی بیروت)

فقہاء مالکیہ کے نزدیک زنا کی تعریف

علامہ ابو عبداللہ دشتانی مالکی لکھتے ہیں:

علامہ ابن حاجب مالکی نے زنا کی تعریف یہ کی ہے کہ

کسی ایسے فرد کی فرج میں عمداً وطی کرے جو اس کی ملک میں بالاتفاق نہ ہو۔فرج کی قید سے وہ وطی خارج ہوگئی جو غیر فرج میں ہو اور آدمی کی قید سے وہ وطی خارج ہوگئی جو جانور کے ساتھ وطی ہو کیونکہ جانور کے ساتھ وطی کرنے میں حد نہیں تعزیر ہے۔

(اکمال اکمال المعلم:ج:4،ص:445 دارالکتب العلمیہ بیروت)

فقہاء احناف کے نزدیک زنا کی تعریف

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں:

جو شخص دارالعدل میں احکام اسلام کا التزام کرنے کے بعد اپنے اختیار سے زندہ مشتہاۃ عورت قبل (اندام نہانی) میں وطی کرے درآں حالیکہ وہ قبل حقیقتاً ملکیت اور ملکیت کے شبہ اور حق ملک اور حقیقتاً نکاح اور شبہ نکاح اور نکاح اور ملک کے موضع اشتباہ کے شبہ سے خالی ہو۔

(فتح القدیر:ج:7،ص:33،سکھر)

زنا کی ممانعت وسزائیں

قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل:32)

اور زنا کے قریب بھی مت جاؤ بے شک وہ بے حیائی کا کام ہے اور برا راستہ ہے۔

اور کثیر احادیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ زنا بے حیائی اور برا کام ہے اور دنیا و آخرت کی بربادی کا نتیجہ ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ علم اٹھالیا جائے گا جہل برقرار رہے گا۔ شراب پی جائے گی اور زنا کا ظہور ہوگا۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث 80)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو عورت خوشبو لگا کر لوگوں کے سامنے سے گزرتی ہے تا کہ لوگوں کو اس کی خوشبو آئے وہ عورت زانیہ ہے (یعنی وہ عورت لوگوں کے دلوں میں زنا کی تحریک پیدا کرتی ہے)
(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث 4173)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔

1- بوڑھا زانی

2- جھوٹا بادشاہ

3- اور متکبر فقیر۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث 107)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے اور تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ بغض رکھتا ہے۔

جن تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے وہ یہ ہیں۔

ایک شخص لوگوں کے پاس جا کر سوال کرے۔ اس کا سوال ان کے ساتھ کسی رشتہ داری کی بناء پر نہ ہو اور وہ لوگ اس کو منع کر دیں۔ پھر ایک شخص ان کے پیچھے سے جائے اور چپکے سے اس کو دے دے اور اس کے عطیہ کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہ جانتا ہو یا وہ شخص جس کو اس نے عطیہ دیا تھا اور وہ لوگ جو رات کو سفر کریں حتیٰ کہ نیند ان کو بہت زیادہ مرغوب ہو جائے پھر وہ ٹھہر جائیں اور اپنے سر رکھ کر سو جائیں پھر ان میں سے ایک شخص بیدار ہو کر نماز میں قیام کرے اور میری حمد و ثناء کرے اور میری آیات تلاوت کرے۔

اور وہ شخص جو کسی لشکر میں ہو اور دشمن سے مقابلہ ہو اور لشکر شکست کھا جائے اور وہ شخص آگے بڑھ کر حملہ کرے حتیٰ

شخص شہید ہو جائے یا فتح یاب ہو۔

اور جن تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ بغض رکھتا ہے وہ یہ ہیں۔

1- بوڑھا زانی

2- متکبر فقیر

3- اور مالدار ظالم

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2568)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج کو گہن لگ گیا۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سورج اور چاند کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔

ان کو کسی کی موت کی وجہ سے گہن لگتا ہے نہ کسی کی حیات کی وجہ سے۔

پس جب تم ان نشانیوں کو دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔ اللہ اکبر کہو اور نماز پڑھو اور صدقہ کرو۔

پھر ارشاد فرمایا:

اے امت محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کی قسم! کسی شخص کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ اس پر غیرت نہیں آتی کہ اس کا بندہ زنا کرے یا اس کی بندی زنا کرے۔

اے امت محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم)! اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم ضرور کم ہنسو اور تم ضرور زیادہ روؤ۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 1044)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اکثر ہی یہ ارشاد فرماتے رہتے تھے کہ

کیا تم میں سے کسی شخص نے خواب دیکھا ہے۔ پھر کوئی شخص جو اللہ تعالیٰ چاہتا وہ خواب بیان کرتا۔ ایک دن صبح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک آج رات (خواب میں) دو فرشتے آئے اور وہ مجھے اٹھا کر لے گئے۔

انہوں نے مجھ سے کہا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلیے۔ میں ان کے ساتھ چلتا رہا۔ میں نے دیکھا کہ ننگے مرد اور ننگی عورتیں ایک تنور کی مثل تھے اس کا اوپر والا حصہ تنگ تھا اور نچلا حصہ کشادہ تھا اور اس کے نیچے سے آگ جل رہی تھی جب آگ کے شعلے بھڑکتے تو وہ لوگ اوپر اٹھ جاتے اور جب آگ کم ہوتی تو وہ نیچے گر جاتے۔

فرشتوں نے بتایا۔

وہ زانی مرد اور زانی عورتیں تھیں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 7047)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے زنا کیا یا شراب پی اللہ تعالیٰ اس سے ایمان نکال لیتا ہے جیسے انسان اپنے سر سے قمیص کو اتارتا ہے۔

(المستدرک: ج: 1، ص: 22)

(شعب الایمان: رقم الحدیث: 5366)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ام المومنین میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میری امت اس وقت تک اچھے حال میں رہے گی جب تک ان کی اولاد زنا کی کثرت سے نہ ہو اور جب ان کی اولاد زنا کی کثرت سے ہوگی تو عنقریب اللہ تعالیٰ ان میں عام عذاب نازل فرمائے گا۔

(مسند احمد: ج: 6، ص: 333)

(مسند ابو یعلی: رقم الحدیث: 7091)

ایک اور روایت میں ہے۔

امام طبرانی نے حضرت شریک ایک صحابی سے روایت کیا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص زنا کرتا ہے اس سے ایمان نکل جاتا ہے پس اگر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔

(المعجم الکبیر: رقم الحدیث: 7224)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس وقت زانی زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا۔

اور جس وقت شرابی شراب پیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا۔

اور جس وقت چور چوری کرتا ہے تو وہ مؤمن نہیں ہوتا۔

اور جس وقت کوئی لٹیرا کسی شریف آدمی کو لوٹتا ہے اور لوگ اس کو نظر میں اٹھا کر دیکھتے ہیں تو وہ مومن نہیں ہوتا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5578)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جس قوم میں خیانت کا ظہور ہوتا ہے اس قوم کے دلوں میں رعب ڈال دیا جاتا ہے اور جس قوم میں زنا بہ کثرت ہوتا ہے ان میں موت کثرت سے ہوتی ہے اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے ان سے رزق منقطع ہو جاتا ہے اور جو قوم ناحق فیصلے کرتی ہے ان میں خون ریزی زیادہ ہوتی ہے اور جو قوم عہد شکنی کرتی ہے ان پر اللہ تعالیٰ دشمن کو مسلط کر دیتا ہے۔

(الموطأ: رقم الحدیث: 1020)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سا گناہ سب سے زیادہ بڑا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم اللہ تعالیٰ کا شریک بناؤ حالانکہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے۔

اس نے پوچھا:

پھر کون سا ہے؟

ارشاد فرمایا:

تم کھانے کے خوف سے اولاد کو قتل کر دو۔

اس نے پوچھا:

پھر کون سا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی۔

''اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ کسی ایسے شخص کو قتل کرتے ہیں جس کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہو اور نہ وہ زیادہ زنا کرتے ہیں اور جو شخص یہ کام کرے گا اس کو عذاب کا سامنا ہوگا۔''

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6861)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

تم زنا سے بچتے رہو کیونکہ اس میں چار خصلتیں ہیں۔
1-اس سے چہرے کی رونق چلی جاتی ہے۔
2-رزق منقطع ہو جاتا ہے۔
3-رحمان ناراض ہوتا ہے۔
4-اور دوزخ میں خلود ہوتا ہے یعنی بہت دیر تک رہنا۔
(معجم الاوسط: رقم الحدیث:7092)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اے عرب کی ہلاک ہونے والی عورتو! مجھے سب سے زیادہ تم پر زنا کا اور شہوت خفیہ (ریاکاری) کا خوف ہے۔
(حلیۃ الاولیاء: ج:7، ص:122)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ
تین آدمی جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔
1-بوڑھا زانی
2-امام کذاب
3-اور متکبر فقیر
(مسند البزار: رقم الحدیث:1308)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب اہل ذمہ پر ظلم کیا جائے گا تو دشمنوں کی حکومت ہو جائے گی اور جب کثرت کے ساتھ زنا کیا جائے گا تو لوگ بہ کثرت قید ہوں گے اور جب قوم لوط کا عمل بہ کثرت کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ مخلوق کے اوپر اپنا ہاتھ اٹھائے گا۔ پھر یہ پرواہ نہیں کرے گا کس وادی میں ہلاک ہوتے ہیں۔
(معجم الکبیر: رقم الحدیث:1752)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بوڑھے زانی اور بوڑھی زانیہ کی طرف نہیں دیکھے گا۔
(المعجم الاوسط: رقم الحدیث: 8396)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ معمر زانی اور متکبر فقیر کی طرف نہیں دیکھے گا۔
(معجم الکبیر: رقم الحدیث: 13195)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
متکبر مسکین
بوڑھا زانی
اور اپنے عمل سے اللہ تعالیٰ پر احسان جتانے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔
(الترغیب والترہیب: رقم الحدیث: 3536)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
سات آسمان اور سات زمینیں بوڑھے زانی پر لعنت کرتی ہیں۔
اور زانیوں کی فروج کی بدبو سے اہل دوزخ کو بھی ایذاء ہوگی۔
(مسند البزار: رقم الحدیث: 1548)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
آدھی رات کو آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں پھر ایک منادی نداء کرتا ہے کہ کوئی دعا کرنے والا ہو تو اس کی دعا قبول کی جائے۔
کوئی سائل ہو تو اس کو عطا کیا جائے۔
کوئی مصیبت زدہ ہو تو اس کی مصیبت دور کی جائے۔
پس ہر دعا کرنے والے مسلمان کی دعا قبول کر لی جائے گی سوا اس عورت کے جو پیسے لے کر زنا کراتی ہے اور سوا اس شخص

کے جوظالمانہ ٹیکس لیتا ہے۔

(معجم الاوسط: رقم الحدیث 2790)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

زانیوں کے چہروں میں آگ بھڑک رہی ہوگی۔

(الترغیب والترہیب: ج:3، رقم الحدیث 3524)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

زنا فقر پیدا کرتا ہے۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث 5418)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں سویا ہوا تھا میرے پاس دو شخص آئے ان دونوں نے مجھے میرے بغلوں سے پکڑ کر اٹھایا اور مجھے ایک سخت چڑھائی والے پہاڑ پر لے گئے۔

اور مجھ سے کہا۔

اس پر چڑھیے۔

میں نے کہا:

میں اس کی طاقت نہیں رکھتا۔

انہوں نے کہا:

ہم آپ کے لئے چڑھنا آسان کردیں گے۔

پھر میں چڑھا حتیٰ کہ میں اس پہاڑ کے وسط میں پہنچ گیا۔ ناگاہ میں نے بہت زور کی آوازیں سنیں۔

میں نے پوچھا:

یہ کیسی آوازیں ہیں۔

انہوں نے کہا:

یہ دوزخ کے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں ہیں۔

ہم چلتے رہے حتیٰ کہ میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے بدن بہت پھولے ہوئے تھے اور ان سے سخت بدبو آرہی تھی

میں نے پوچھا:

یہ کون ہیں؟

انہوں نے کہا:

یہ مقتولین کفار ہیں۔

پھر وہ مجھے آگے لے گئے وہاں ایسے لوگ تھے جن کے بدن بہت پھولے ہوئے تھے اور ان سے سخت بدبو آ رہی تھی گویا کہ پاخانے کی بدبو تھی۔

میں نے پوچھا:

یہ کون لوگ ہیں۔

فرمایا:

یہ زنا کرنے والے مرد اور زنا کرنے والی عورتیں ہیں۔

(صحیح ابن حبان: رقم الحدیث 7448)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب کوئی شخص زنا کرتا ہے تو اس کا ایمان نکل جاتا ہے گویا کہ وہ اس کے اوپر سائبان ہو اور جب وہ اس سے توبہ کرتا ہے تو اس کا ایمان لوٹ آتا ہے۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث 4690)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور ہم اکٹھے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے مسلمانوں کی جماعت! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور رشتہ داروں سے ملاپ رکھو، رشتہ داروں سے میل جول سے زیادہ جلد ملنے والا اور کوئی ثواب نہیں ہے اور بغاوت سے (یا زنا سے) بچو کیونکہ اس سے زیادہ جلد پہنچنے والا اور کوئی عذاب نہیں ہے اور تم ماں باپ کی نافرمانی سے بچو کیونکہ ایک ہزار سال کی مسافت سے جنت کی خوشبو آتی ہے اور ماں باپ کا نافرمان، رشتہ منقطع کرنے والا، بوڑھا زانی اور تکبر سے تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا اس خوشبو کو نہیں پائے گا۔ کبریائی صرف اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔

(الترغیب والترہیب: ج:3، رقم الحدیث 3019)

ایک اور روایت میں ہے۔

راشد بن سعد المقرائی سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب معراج کرائی گئی تو میرا ایسے لوگوں کے پاس سے گزر ہوا جن کی کھال آگ کی قینچیوں سے کاٹی جارہی تھی۔
میں نے کہا:
اے جبرئیل علیہ السلام! یہ کون لوگ ہیں۔
انہوں نے کہا:
یہ وہ لوگ ہیں جو زنا کرنے کے لئے مزین ہوتے تھے پھر میں ایک کنویں کے پاس سے گزرا جس سے سخت بدبو آرہی تھی۔
میں نے پوچھا:
اے جبرائیل علیہ السلام! یہ کون لوگ ہیں۔
انہوں نے کہا:
یہ وہ عورتیں ہیں جو زنا کرانے کے لئے خود کو مزین کرتی تھیں اور وہ کام کرتی تھیں جو ان کے لئے جائز نہ تھے۔
(شعب الایمان: رقم الحدیث 6750)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
عادتاً زنا کرنے والا بت پرست کی مثل ہے۔
(الترغیب والترہیب: رقم الحدیث: 3541)

حافظ منذری نے کہا:
صحیح حدیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ عادی شرابی بت پرست کی طرح اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا اور اس میں شک نہیں کہ زنا شراب نوشی سے بڑا گناہ ہے۔
(الترغیب والترہیب: ج: 3، ص: 238 بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جس بستی میں زنا اور سود کا ظہور ہوا انہوں نے اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے عذاب کو حلال کر لیا۔
(شعب الایمان: رقم الحدیث: 5417)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
جس قوم میں زنا اور سود کا ظہور ہوا انہوں نے اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے عذاب کو حلال کر لیا۔
(مسند ابی یعلی: رقم الحدیث: 4981)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ
تم زنا کے متعلق کیا کہتے ہو؟
انہوں نے کہا:
یہ حرام ہے اس کو اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کیا ہے۔ یہ قیامت تک کے لئے حرام ہے۔
پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:
اگر کوئی شخص دس عورتوں سے زنا کرے تو یہ اس کی بہ نسبت زیادہ آسان ہے (یعنی اس کی سزا اس سے کم ہے) کہ وہ اپنے [پڑوسی] کی بیوی سے زنا کرے۔
(مسند احمد: ج:6، ص:8)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو شخص اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے گا اس کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہیں دیکھے گا اور نہ اس کو پاک کرے

اور فرمائے گا۔
دوزخ میں دوزخیوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔
(الترغیب والترہیب: رقم الحدیث: 3548)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو شخص اس عورت کے بستر پر بیٹھا جس کا شوہر غائب ہو، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک اژدھے کو اس کے اوپر قادر کر [دے] گا۔
(معجم الکبیر: رقم الحدیث: 3278)
ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جو شخص اس عورت کے بستر پر بیٹھتا ہے جس کا شوہر غائب ہو اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کو قیامت کے اژدھوں میں سے کوئی سیاہ اژدھا بھنبھوڑ رہا ہو۔

(الترغیب والترہیب: رقم الحدیث 3550)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجاہدین کی بیویوں کی حرمت، جہاد پر نہ جانے والوں کے لئے ان کی ماؤں کی مثل ہے اور مجاہد جس شخص کے اوپر اپنی اہلیہ کو چھوڑ کر جائے اور وہ اس میں خیانت کرے تو اس کو قیامت کے دن کھڑا کیا جائے گا اور مجاہد اس کی نیکیوں میں سے جس قدر چاہے گا لے لے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ اس کی کوئی نیکی چھوڑ دے گا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث 1897)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بنی اسرائیل کے ایک عابد نے ساٹھ سال اپنے گرجے میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ پھر بارش ہوئی اور زمین سرسبز ہوگئی۔ راہب نے اپنے گرجے سے باہر جھانکا اور سوچا کہ میں گرجے سے نکل کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کروں اور زیادہ نیکی کروں۔ وہ گرجے سے اترا اس کے ہاتھ میں ایک روٹی یا دو روٹیاں بھی تھیں۔ جس وقت وہ باہر کھڑا تھا تو ایک عورت آکر اس سے ملی وہ دونوں ایک دوسرے سے کافی دیر تک باتیں کرتے رہے حتیٰ کہ اس عابد نے اس سے اپنی خواہش پوری کر لی پھر اس پر بے ہوشی طاری ہوگئی پھر وہ ایک گرم تالاب میں نہایا۔ اس کے بعد ایک سائل آیا تو اس نے ان دو روٹیوں کی طرف اشارہ کیا۔ پھر اس کی ساٹھ سال کی عبادت کا زنا کے گناہ کے ساتھ وزن کیا گیا تو گناہ کا پلڑا بھاری نکلا۔ پھر ان دو روٹیوں کی نیکی کا وزن کیا گیا تو نیکیوں کا پلڑا بھاری نکلا سو اس کو بخش دیا گیا۔

اس حدیث مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا بیان ہے۔

ساٹھ سال کی عبادت ایک زنا کے گناہ سے ضائع کر دی اور دو روٹیوں کو صدقہ کرنے کی نیکی سے اس کے گناہ کو بخش دیا جس گناہ پر چاہے پکڑ لیتا ہے اور جس نیکی کو چاہتا ہے نواز دیتا ہے۔

(صحیح ابن حبان: رقم الحدیث 379)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
قبیلہ اسلم کا ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔
اور اس نے بتایا کہ
وہ زنا کر چکا ہے اور اس نے چار مرتبہ قسم کھا کر اپنے متعلق زنا کرنے کا اقرار کیا اور وہ شخص شادی شدہ تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رجم (پتھر مار مار کر ہلاک) کر دیا۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث 6814)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
مجھ سے حکم لو، مجھ سے حکم لو۔ اللہ تعالیٰ نے زنا کرنے والیوں کی سزا کی راہ بیان فرما دی۔ اگر کنواری کنوارے کے ساتھ زنا کرے تو ان کو سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لئے شہر بدر کر دو اور اگر شادی شدہ، شادی شدہ کے ساتھ زنا کرے تو ان کو رجم (سنگسار) کر دو۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث 1690)
ایک اور روایت میں ہے۔
شعبی نے بیان کیا ہے کہ
جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن ایک عورت کو رجم (سنگسار) کیا۔
تو کہا۔
میں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر رجم کیا ہے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث 6812)
ایک اور روایت میں ہے۔
شیبانی نے بیان کیا ہے کہ
میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ
کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم (سنگسار) کیا ہے۔
انہوں نے کہا:
ہاں۔
میں نے پوچھا:
سورۂ نور کے نزول سے پہلے یا اس کے بعد؟
انہوں نے کہا:

مجھے معلوم نہیں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 6813)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص کی نظر کسی عورت کے حسن کی طرف (بلاقصد) پڑ جائے پھر وہ اپنی نظر پھیر لے اللہ تعالیٰ اس کے دل میں اس کی عبادت میں حلاوت اور لذت پیدا کر دیتا ہے۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث: 5431)

میں نے زنا کی حرمت پر چالیس احادیث مبارکہ جمع کی ہیں اور چالیس احادیث مبارکہ کی تبلیغ کرنے والے کے لئے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشخبری سنائی ہے جو اس حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے میری امت کو دین کے متعلق چالیس حدیثیں پہنچائیں اللہ تعالیٰ اس کو اس حال میں اٹھائے گا کہ وہ فقیہ ہوگا اور میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں اور اس کے حق میں گواہی دوں گا۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث 1726)

(الجامع الصغیر: رقم الحدیث: 8637)

قارئین کرام!

چونکہ زنا کی دعوت کا موضوع چل رہا تھا اسی لیے زنا کی حرمت وممانعت کو ثابت کرنے کے لئے حصول رضا الٰہی کے لئے احادیث مبارکہ ذکر کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ مجھ بدکار سے کوئی غلطی وکوتاہی ہوگئی ہو تو اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے معاف فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین وصلی اللہ علیہ وسلم۔

عزیز مصر کی بیوی کا قصد گناہ اور حضرت یوسف علیہ السلام کا بچنے کا قصد

قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْ لَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۝ (یوسف: 24)

اس عورت نے ان (سے گناہ) کا قصد کرلیا اور انہوں نے (اس سے بچنے کا) قصد کیا۔ اگر وہ اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے یہ ہم نے اس لیے کیا کہ ہم ان سے بدکاری اور بے حیائی کو دور رکھیں۔ بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے ہیں۔

ھَمّ کا معنی

اس آیت کریمہ میں ھَمّ کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کے متعلق علامہ راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:
اس فکر کو کہتے ہیں جس سے انسان گھل جاتا ہے۔
کہا جاتا ہے۔
ھممت الشحم .
میں نے چربی کو پگھلا دیا ہے۔
اور ھَمّ کا معنی ہے۔
دل میں کسی چیز کا قصد کرنا۔
قرآن مجید میں ہے:
اِذْ ھَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْٓا اِلَیْکُمْ اَیْدِیَھُمْ (المائدہ:11)
جب ایک قوم نے یہ قصد کیا کہ وہ (لڑنے کے لئے) تمہاری طرف ہاتھ بڑھائیں۔
(المفردات:ج:2،ص:709 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

دل میں اچانک کسی چیز کا خیال آجائے تو اس کو ہاجس کہتے ہیں اور اگر بار بار کسی چیز کا خیال آئے تو اس کو خاطر کہتے ہیں اور جب دل اس چیز کے متعلق سوچنا شروع کردے اور اس کے حصول کا منصوبہ بنانے لگے تو اس کو حدیث نفس کہتے ہیں اور جب اس کام کو کرنے کا راجح اور غالب قصد ہو اور مرجوح اور مغلوب قصد نہ کرنے کا ہو کہ مبادا اس میں کوئی خطرہ ہو اس کو ھَمّ کہتے ہیں اور جب کام نہ کرنے کی مغلوب اور مرجوح جانب بھی ختم ہو جائے اور انسان یہ پکا قصد کرلے کہ میں نے یہ کام کرنا ہے خواہ فائدہ ہو یا نقصان تو اس کا عزم اور نیت کہتے ہیں اور انسان اسی عزم کا مکلف ہے۔ اگر گناہ کا ھَمّ کیا جائے تو اس پر مواخذہ نہیں ہوتا لیکن اگر گناہ کا عزم اور اس کی نیت کی جائے تو اس پر مواخذہ ہوتا ہے۔
(جمل:ج:1،ص:236، مرقات:ج:1،ص:243)

نیکی کے ارادے پر اجر عظیم

نیکی کا ارادہ بھی باعث ثواب ہے اگر چہ نیکی کا عمل نہ کرسکے۔
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے۔
جب میرا بندہ نیکی کا ھَمّ (قصد) کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو میں اس کی نیکی لکھ دیتا ہوں اور جب وہ اس کی نیکی پر عمل کرے تو میں اس کی دس سے لے کر سات سو تک نیکیاں لکھ دیتا ہوں اور اس کی دگنی تک اور اگر میرا بندہ معصیت کا ھَمّ (قصد) کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو میں اس کی وہ معصیت نہیں لکھتا اور اگر وہ اس معصیت پر عمل کرے تو میں اس کی صرف ایک

معصیت لکھتا ہوں۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث 128)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر چھوٹی اور بڑی نیکی مقبول

اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر چھوٹی اور بڑی نیکی مقبول ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے نیک اعمال کرنے سے خوش ہوتا اور راضی ہوتا ہے اور اپنے بندے کو بے حساب اجر عطا فرماتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے پاک کمائی سے ایک کھجور کے برابر بھی صدقہ کیا اور اللہ عزوجل صرف پاک چیز ہی کو قبول کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے دائیں ہاتھ سے قبول فرماتا ہے پھر اس کی پرورش کرتا رہتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص اپنے بچھڑے کی پرورش کرتا ہے حتیٰ کہ وہ صدقہ پہاڑ جتنا ہو جاتا ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 1410)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہر روز جب سورج طلوع ہوتا ہے تو انسان کے ہر جوڑ کے اوپر ایک صدقہ واجب ہوتا ہے۔ انسان کسی شخص کو سواری میں سوار ہونے پر مدد کرے یا اس کا سامان سواری پر لاد دے تو یہ صدقہ ہے اور نیک بات کہنا صدقہ ہے اور نماز کی طرف ہر قدم چلنا صدقہ ہے اور راستے سے کوئی تکلیف دہ چیز ہٹانا صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 2989)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوئی چیز خرچ کرتا ہے اس کے لئے وہ چیز سات سو گنا لکھی جاتی ہے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث 1625)

(سنن نسائی: رقم الحدیث 3186)

زیادہ نیکی کرنے والے کو زیادہ اجر

ہر زیادہ نیکی کرنے والے کو زیادہ اجر دیا جائے گا اور اس کو اس سے بروز حشر بہت زیادہ فائدہ ہوگا۔ بروز حشر ایک ایک نیکی کے لئے انسان پچھتائے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَيُؤْتِ كُلَّ ذِىْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ (ھود:3)

اور ہر زیادہ نیکی کرنے والے کو زیادہ اجر عطا فرمائے گا۔

امام جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

جس شخص نے ایک گناہ کیا اس کا ایک گناہ لکھ دیا جاتا ہے اور جس شخص نے ایک نیکی کی تو اس کی ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے۔اس نے دنیا میں جو ایک گناہ کیا تھا اگر اس کے گناہ کی دنیا میں سزا دے دی گئی تو اس کے مقابلہ میں اس کی دس نیکیاں باقی رہیں گی اور اگر دنیا میں اس کو اس کے ایک گناہ کی سزا نہیں دی گئی تو اس کی دس نیکیوں میں سے ایک نیکی کم کر دی جائے گی اور اس کی نو نیکیاں پھر بھی باقی رہیں گی۔

پھر فرما رہے تھے۔

اس شخص کی ہلاکت ہو جس کی اکائیاں اس کی دہائیوں پر غالب آ جائیں۔

(جامع البیان: ج:11، ص:235، دار الفکر بیروت)

عورت کا گناہ کی دعوت دینے پر اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اللہ تعالیٰ کے سائے میں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس دن کسی کا سایہ نہیں ہوگا اس دن سات آدمی اللہ تعالیٰ کے سائے میں ہوں گے۔

1-امام عادل۔

2-وہ شخص جو اپنے رب عزوجل کی عبادت میں جوان ہوا۔

3-وہ شخص جس کا دل مسجد میں معلق رہتا ہے۔

4-وہ دو آدمی جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں ملیں اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں الگ ہوں۔

5-اور وہ آدمی جس کو کسی صاحب منصب اور صاحب جمال عورت نے گناہ کی دعوت دی ہو۔

اور وہ کہے کہ

میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔

6-اور وہ شخص جو چھپا کر صدقہ دے حتیٰ کہ بائیں ہاتھ کو پتہ نہ چلے کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔

7-اور وہ آدمی جو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہوں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 660)

حضرت یوسف علیہ السلام سے گناہ صادر نہیں ہوا؟

حضرت یوسف علیہ السلام سے گناہ صادر نہیں ہوا اور انبیاء کرام علیہم السلام صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے منزہ ہوتے ہیں۔

بعض متقدمین مفسرین نے ایسی روایات لکھی ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے زنا کا ارتکاب تو نہیں کیا تھا لیکن زنا کے تمام مقدمات میں ملوث ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے ایسی روایات اور خرافات سے پناہ مانگتے ہیں جو کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے اس قسم کی باتوں کو ظاہر کریں۔ انہوں نے دلائل سے اپنے اس مکروہ موقف کو ثابت کیا ہے۔ پہلے ان روایات کو رمزاً کنایہ سے درج کریں گے کیونکہ ان کو بعینہ درج کرنے سے ہمارا دل لرزتا ہے اور ہم میں ان کو اسی طرح درج کرنے کی ہمت نہیں ہے پھر ان روایات کے ثبوت میں ان کے دلائل کا ذکر کریں گے اور پھر ان کا رد کریں گے۔

باطل تفسیریں یہ ہیں۔

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی نیشاپوری متوفی 468ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے ھَمّ (قصد) کی کیا کیفیت تھی۔

انہوں نے کہا:

وہ عورت چت لیٹ گئی اور حضرت یوسف علیہ السلام بیٹھ گئے۔

اور یہ سعید بن جبیر، ضحاک، سدی، مجاہد، ابن ابی بزہ، اعمش اور حسن بصری کا قول ہے اور یہی متقدمین کا قول ہے اور متاخرین نے ان قصدوں کا فرق کیا ہے۔

ابوالعباس احمد بن یحییٰ نے کہا:

اس عورت نے گناہ کا قصد کیا اور وہ اپنے قصد پر ڈٹی رہی اور حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی (معاذ اللہ) معصیت کا قصد کر لیا تھا لیکن انہوں نے معصیت کا ارتکاب نہیں کیا اور نہ اس پر اصرار کیا پس دونوں کے ھَمّ (قصد) میں فرق ہے۔

اور ابن الانباری نے اس کی شرح میں کہا۔

اس عورت نے زنا کا عزم کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے قلب میں معصیت کا خطرہ ہوا اور حدیث نفس بھی عارض ہوئی لیکن ان کے اس ھَمّ (قصد) پر گناہ لازم نہیں آیا جیسے کسی نیک شخص نے سخت گرمی کے دنوں میں روزہ رکھا ہوا ہو اور اس کو ٹھنڈا اور میٹھا پانی دکھائی دے اور اس کے دل میں پانی پینے کا خیال آئے اور وہ اس کا منصوبہ بھی بنائے لیکن وہ خوف خدا عزوجل کی وجہ سے پانی نہ پیئے تو اس سے اس بات پر مواخذہ نہیں ہوگا کہ اس کے دل میں پانی پینے کا خیال کیوں آیا تھا۔

زجاج نے کہا:

مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے گناہ کا ھَمّ (قصد) کر لیا تھا اور جس طرح مرد عورت کے ساتھ کام کرنے کے لئے بیٹھتا ہے وہ اس طرح بیٹھ گئے تھے۔

کیوں انہوں نے کہا تھا۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ○ (یوسف:53)

اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں کہتا بے شک نفس تو برائی کا بہت حکم دینے والا ہے سوا اس کے جس پر میرا رب عزوجل رحم فرمائے بے شک میرا رب بخشنے والا مہربان رحم فرمانے والا ہے۔

ابن الانباری نے کہا:

اس آیت کی تفسیر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین سے جو روایات ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے گناہ کا قصد کرلیا تھا اور وہ اس کو ان کا عیب نہیں شمار کرتے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے گناہ کا قصد کرنے کے باوجود اپنے آپ کو نفس کی خواہش پوری کرنے سے روکا اور ان کا یہ اقدام محض اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کے احکام کی تعظیم کی وجہ سے تھا اور جن لوگوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے گناہ کا قصد ثابت کیا ہے وہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں اور تابعین میں سے وہب بن منبہ اور ابن سیرین وغیرہم ہیں اور یہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے حقوق اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے بلند درجات کو ان لوگوں کی بہ نسبت بہت زیادہ جاننے والے تھے۔ جنہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے گناہ کے قصد کی نفی کی ہے۔

حسن بصری نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے گناہوں کا اس لیے ذکر نہیں فرمایا کہ اس سے ان کا عیب بیان کیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کا اس لیے ذکر فرمایا ہے تاکہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

اور ابو عبید نے کہا:

جب اللہ تعالیٰ گناہوں سے انبیاء کرام علیہم السلام کی توبہ قبول فرمالیتا ہے تو وہ تمہاری توبہ تو بہت جلد قبول فرمالے گا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور وہ بھی اس کا قصد کرلیتے اگر وہ اپنے رب عزوجل کی دلیل نہ لیتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عامۃ المفسرین نے یہ کہا ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت کی مثال دکھائی گئی کہ وہ اپنی انگلی دانتوں میں دبائے ہوئے کھڑے ہیں۔

اور کہہ رہے ہیں۔

کیا تم بدمعاشوں کا سا عمل کررہے ہو حالانکہ تمہارا نام انبیاء کرام علیہم السلام میں لکھا ہوا ہے پس حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ سن کر حیا آگئی۔

حسن بصری نے کہا:

حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت میں متمثل ہوکر آگئے تھے۔

اور سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

ان کے لئے حضرت یعقوب علیہ السلام مثالی جسم میں آئے اور ان کے سینہ پر ہاتھ مارا تو ان کی انگلیوں کی پوروں سے شہوت نکل گئی۔

سدی نے کہا کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے گھر میں کھڑے ہوئے کہہ رہے ہیں۔

اے یوسف (علیہ السلام)! اس سے بدکاری نہ کرو! تم جیسا شخص جب تک بدکاری نہ کرے وہ اس پرندے کی طرح جو فضا میں اڑ رہا ہو اور اس کو کوئی پکڑ نہ سکتا ہو اور جب وہ بدکاری کرلے تو وہ اس پرندہ کی مثل ہوگا جو مرنے کے بعد زمین پر جائے اور اپنے نفس سے کسی چیز کو دور نہ کر سکے۔

اور مجاہد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام جب اس عورت کے پاس بیٹھ گئے تو ان کے سامنے ایک ہاتھ ظاہر ہوا۔

جس پر لکھا ہوا تھا۔

وَ اِنَّ عَلَیۡکُمۡ لَحٰفِظِیۡنَ ۙ کِرَامًا کَاتِبِیۡنَ ۙ یَعۡلَمُوۡنَ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿الانفطار:10 تا 12﴾

''اور بے شک تم پر نگہبان مقرر ہیں معزز لکھنے والے وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔''

یہ دیکھ کر حضرت یوسف علیہ السلام اٹھ کر بھاگے اور جب ان دونوں کے دلوں میں دہشت دور ہوگئی تو پھر لوٹ آئے اور لیٹ گئی اور حضرت یوسف علیہ السلام بیٹھ گئے ان کے سامنے پھر بازو اور بغیر جوڑ کے ایک ہاتھ ظاہر ہوا جس پر لکھا ہوا تھا۔

وَلَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰۤی اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً ؕ وَ سَآءَ سَبِیۡلًا ﴿بنی اسرائیل: 32﴾

''اور زنا کے قریب نہ جاؤ بے شک وہ بے حیائی ہے اور بہت برا راستہ ہے۔''

حضرت یوسف علیہ السلام پھر اٹھ کر بھاگے اور وہ عورت بھی بھاگی اور جب ان کے دلوں سے دہشت دور ہوگئی تو پھر پہلی حالت پر لوٹ گئے تب پھر اسی طرح ایک ہاتھ ظاہر ہوا جس پر لکھا ہوا تھا۔

وَ اتَّقُوۡا یَوۡمًا تُرۡجَعُوۡنَ فِیۡہِ اِلَی اللّٰہِ ٭۟ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفۡسٍ مَّا کَسَبَتۡ وَ ہُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴿البقرہ:281﴾

''اور اس دن سے ڈرو جس دن میں تم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

وہ دونوں پھر اٹھ کر بھاگے اور جب ان سے خوف دور ہوگیا تو پھر وہ سابقہ حالت کی طرف لوٹ گئے۔

تب اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا:

اس سے پہلے کہ میرا بندہ گناہ میں مبتلا ہو جائے اس کو جا کر سنبھال لو۔ تب حضرت جبرائیل علیہ السلام اپنی انگلی دانتوں میں دبائے ہوئے آئے۔

اور کہا:

اے یوسف (علیہ السلام)! تم جاہلوں کا عمل کر رہے ہو حالانکہ تمہارا نام انبیاء کرام علیہم السلام میں لکھا ہوا ہے۔

(الوسیط: ج:2، ص:207 تا 209 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ہمارے نزدیک یہ تمام روایات باطل اور مردود ہیں اور وضاعین نے جعلی سند بنا کر ان روایات کو حضرت ابن عباس و حضرت علی رضی اللہ عنہم ایسے صحابہ کرام اور اخیار تابعین رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب کر دیا ورنہ ان نفوس قدسیہ کا مرتبہ اس سے بہت بلند ہے کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام ایسے عفت مآب اور مقدس نبی کے متعلق ایسی عریاں اور فحش روایات بیان کریں۔ غور کیجئے کہ

قرآن کریم تو یہ کہتا ہے کہ

جب عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دعوت گناہ دی۔

تو انہوں نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی پناہ! وہ میری پرورش کرنے والا ہے اس نے مجھے عزت سے جگہ دی ہے بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے۔(یوسف:23)

اوران وضاعین نے ایسی ننگی خرافات کو حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف منسوب کردیا۔ ہمارے نزدیک قرآن مجید کی یہ ایک آیت ہی ان روایات کے رد اور حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی اور گناہوں سے برأت کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔ مفسرین چونکہ روایات جمع کرنے کے دلدادہ ہوتے ہیں اسی وجہ سے انہوں نے اپنی تفسیر میں ان روایات کو درج کردیا ورنہ ان کے دلوں میں انبیاء کرام علیہم السلام کی عظمت ہم سے بہت زیادہ تھی۔

بعض نے اکثر صحیح اور بعض نے غلط محامل بیان کیے ہیں۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی التوفی 456ھ نے لولا ان را برھان ربہ کی تفسیر میں تو یہی وضعی روایات درج کی ہیں لیکن وھم بھا کی تفسیر میں بعض صحیح محامل بیان کیے ہیں۔ اور بعض غلط محامل ہیں۔

انہوں نے لکھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق چھ اقوال ہیں۔

1- بعض متاخرین نے کہا ہے کہ جب عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کو مارنے کا قصد کیا۔

2- قطرب نے کہا:

اس عورت نے حضرت یوسف علیہ السلام سے اس کام کا قصد کیا یہ مکمل کلام ہے اس کے بعد نیا جملہ ہے جس میں جز مقدم ہے اور شرط مؤخر ہے۔

اور معنیٰ اس طرح ہے۔

اگر انہوں نے اپنے رب عزوجل کی برہان نہ دیکھی ہوتی تو وہ بھی اس عورت کا قصد کر لیتے۔

3- اس عورت نے قضاء شہوت کا قصد کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی عفت پر قائم رہنے کا قصد کیا۔

4- حضرت یوسف علیہ السلام نے جو اس عورت کا ھَمّ کیا تھا وہ عزم اور ارادہ نہ تھا بلکہ وہ فعل اور ترک کا میلان تھا اور حدیث نفس (دل کے خیالات) میں اس وقت کوئی حرج نہیں ہے جب اس کے ساتھ عزم نہ ہو اور نہ اس کے بعد فعل کا ارتکاب

5- حضرت یوسف علیہ السلام کے ھَمّ سے مراد یہ ہے کہ

مردوں کے دلوں میں عورتوں کی شہوت سے جو طبعی تحریک ہوتی ہے وہ تحریک ہوئی اگر چہ وہ اپنے آپ کو کنٹرول میں رکھتے

ہیں۔

6- انہوں نے اس سے بدکاری کا ھَمّ کیا اور اس کا عزم کر لیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا:

انہوں نے ہم کر لیا

علامہ ماوردی نے وَھَمَّ بِھَا کا یہ چھٹا محمل جو بیان کیا ہے یہ قطعاً باطل اور مردود ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی شان میں گستاخی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف نسبت وضعی اور جعلی ہے۔ ان کا دامن اس جھوٹ اور تہمت سے پاک ہے۔

علامہ ماوردی نے اس قول کو صحیح ثابت کرنے کے لئے حسب ذیل تاویلات کی ہیں۔

کہا گیا ہے کہ

یہ ھَمّ (قصد) تو معصیت ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کے معاصی کی تین توجیہات ہیں۔

1- ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے کسی گناہ میں مبتلا کیا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے خوف زدہ رہے اور جب بھی اس گناہ کو یاد کرے خوب عبادت کرنے کی کوشش کرے اور اللہ تعالیٰ کے عفو اور رحمت کی وسعت پر اعتماد نہ کرے۔

2- اللہ تعالیٰ نے ان کو گناہوں میں مبتلا کیا تا کہ جب اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں سے درگزر کرے اور آخرت میں ان کے گناہوں کی سزا نہ دے تو وہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو پہنچائیں۔

3- اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو گناہوں میں اس لیے مبتلا کیا تا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھنے میں اور گناہوں پر توبہ کرنے کے بعد اس معافی کی توقع اور مایوسی کو ترک کرنے میں گناہ گار لوگ ان کو اپنا مقتدا قرار دیں۔

(النکت العیون: ج:3، ص:24 تا 25 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

عرض مصنف

تمام انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہیں۔ اعلان نبوت سے قبل اور اعلان نبوت کے بعد ان سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا صغیرہ نہ کبیرہ، نہ سہواً نہ عمداً، نہ صورتاً نہ حقیقتاً۔ علامہ ماوردی نے انبیاء کرام علیہم السلام کے گناہوں کو ثابت کرنے کی جو توجیہات کی ہیں یہ بھی باطل اور مردود ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت پر کئی دلائل ہیں۔ سب سے پہلے عصمت کا معنی جان لیں پھر انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت کو واضح کرتا ہوں۔

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی 816ھ لکھتے ہیں:

گناہوں پر قدرت کے باوجود گناہوں سے اجتناب کے ملکہ (مہارت) کو عصمت کہتے ہیں۔

(کتاب التعریفات: ص:107 دار الفکر بیروت)

قاضی عبد النبی بن عبد الرسل الاحمد نگری لکھتے ہیں:

عصمت کی تعریف یہ ہے کہ

گناہوں پر قدرت کے باوجود گناہوں سے اجتناب کا ملکہ

اوراس کی دوسری تعریف یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ میں ایک ایسی قوت جو بندہ میں گناہوں پرقدرت اوراختیار کے باوجود گناہوں اور مکروہات (فع)ل سے روکتی ہے۔

گناہوں کے اجتناب سے ملکہ کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ

یہ بندہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسی صفت ہے جو اس کو خیر اور نیکی پر ابھارتی ہے اور اس کو شر اور برائی سے روکتی ہے۔اس کے باوجود کہ بندہ میں گناہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار باقی رہتا ہے تا کہ اس میں امتحان اور ابتلا کا معنیٰ متحقق ہو۔

اسی وجہ سے شیخ ابومنصور ماتریدی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

عصمت آزمائش اور مکلف ہونے کی صفت کو زائل نہیں کرتی۔

اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ

شیعہ اور معتزلہ کی عصمت کی بیان کردہ تعریف فاسد اور باطل ہے۔

انہوں نے یہ تعریف کی ہے۔

کسی شخص کے نفس ناطقہ میں ایسی خاصیت یا اس کے بدن میں ایسی صفت ہو جس کی وجہ سے اس سے گناہوں کا صدور (نہ) ہو اس کو عصمت کہتے ہیں۔

یہ تعریف اس لیے باطل ہے کہ

اگر بندہ سے گناہوں کا صدور محال ہو تو اس کو گناہوں کے ترک کرنے کا مکلف کرنا صحیح نہیں ہوگا اور نہ اس کو گناہوں کے (نہ) کرنے پر ثواب عطا کرنا صحیح ہوگا۔علامہ تفتازانی نے شرح العقائد ص 109 پر اس طرح لکھا ہے کہ اور جنہوں نے عصمت (کی تع)ریف یہ کی ہے کہ

اللہ تعالیٰ کا بندہ میں گناہ کا پیدا نہ کرنا اس کے باوجود کہ بندہ میں گناہ پر قدرت اور اختیار باقی ہو اس تعریف کا مآل بھی وہی (ہے کی)ونکہ عصمت کی حقیقت صرف گناہوں سے بچنے کا ملکہ ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء محفوظ ہوتے ہیں۔

اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ دونوں میں گناہوں پر قدرت و اختیار ہوتا ہے لیکن انبیاء کرام علیہم السلام گناہ (کا ارا)دہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان میں گناہ پیدا نہیں کرتا اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم اگر گناہ کا ارادہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ان میں (پی)دا کر دیتا لیکن وہ گناہ کا ارادہ کرتے ہی نہیں۔

(دستور العلماء، ج:2،ص:233 تا 234 دار الکتب العلمیہ بیروت)

(می)ں کہتا ہوں کہ

(علا)مہ عبدالنبی نے معصوم اور محفوظ میں جو فرق بیان کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے اولاً اس لیے کہ گناہ کبیرہ کا ارادہ کرنا بھی گناہ (ہ)ے اور انبیاء کرام علیہم السلام اس سے بھی معصوم ...

علامہ منظور افریقی لکھتے ہیں:

کلام عرب میں عصمت کا معنیٰ ہے۔

روکنا

محفوظ کرنا

اور جب اللہ تعالیٰ کی عصمت کا بندہ سے تعلق ہو تو اس کا معنیٰ ہے بندہ کو ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچانا۔

(لسان العرب: ج:12، ص:403 مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ ایران)

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں:

عصمت کا معنیٰ ہے۔

روک لینا

محفوظ کرنا

عاصم کا معنیٰ ہے۔

محفوظ رکھنے والا

حمایت کرنے والا

اعتصام کا معنیٰ ہے۔

کسی شے کو مضبوطی سے پکڑنا

باز رکھنا

(نہایہ: ج:3، ص:249 مطبوعہ مؤسسۃ مطبوعاتی ایران)

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

زجاج نے کہا:

عصمت کا معنیٰ ہے۔

رسی

ہر وہ چیز جو کسی چیز کو روک لے وہ اس کے لئے عصمت ہے۔

علامہ مناوی نے کہا:

گناہوں پر قدرت کے باوجود گناہوں سے رکنے کے ملکہ کو عصمت کہتے ہیں۔

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ بندہ میں اس کی قدرت اور اختیار کے باوجود گناہ پیدا نہ کرے۔

اس کے قریب یہ تعریف ہے۔

عصمت اللہ تعالیٰ کا لطف ہے جو بندہ کو اچھے کاموں پر ابھارتا ہے اور برے کاموں سے روکتا ہے باوجود اس کے کہ بندہ کو گناہ پر اختیار ہوتا ہے تاکہ بندہ کا مکلف ہونا صحیح رہے۔

اس لیے شیخ ابو ماتریدی نے فرمایا:

عصمت مکلف ہونے کو زائل نہیں کرتی۔

ان تعریفوں سے ان لوگوں کا فساد ظاہر ہو گیا جو یہ کہتے ہیں کہ

عصمت نفس انسان یا اس کے بدن میں ایسی خاصیت ہے جس کی وجہ سے گناہ کا صدور محال ہو جاتا ہے کیونکہ اگر کسی انسان سے گناہ کا صدور محال ہو تو اس کو مکلف کرنا صحیح ہوگا نہ اس کو اجر وثواب دینا صحیح ہوگا۔

(شرح عقائد نسفی: ص: 109 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

علامہ شمس الدین خیالی لکھتے ہیں:

گناہوں پر قدرت کے باوجود گناہوں سے بچنے کے ملکہ کو عصمت کہتے ہیں۔

(حاشیۃ الخیالی: ص: 146 مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ)

علامہ عصام الدین نے عصمت کی تعریف ملکہ اجتناب معاصی کے ساتھ کرنے سے اختلاف کیا ہے۔

اور یہ توقف ہے۔

لکھتے ہیں:

بلکہ اہل سنت کے نزدیک عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ بندے میں گناہ پیدا نہ کرے۔

علامہ تفتازانی نے شروع المقاصد میں لکھا ہے کہ

جب عصمت کی تعریف ملکہ اجتناب معاصی کے ساتھ کی جائے گی تو یہ لازم نہیں آئے گا کہ غیر معصوم گناہ گار ہو چہ جائیکہ معصوم ہو۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ

علامہ خیالی نے عصمت کی تعریف ملکہ اجتناب معاصی کے ساتھ اسی وجہ سے کی ہو تاکہ یہ جواب دیا جا سکے۔

(حاشیۃ العصام علی شرح العقائد: ص: 328 مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

شیخ ابو منصور ماتریدی لکھتے ہیں:

عصمت سے مکلف ہونا زائل نہیں ہوتا۔

یہ بات نہیں ہے کہ

عصمت سے کسی کے نفس شخص یا اس کے ہاتھوں یا اس کی زبان پر کوئی خاصیت پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اس سے گناہوں کا صدور ممتنع ہو جاتا ہے کیونکہ اگر کسی شخص سے گناہوں کا صدور ممتنع ہو تو اس کو گناہوں کے ترک کرنے کے ساتھ مکلف کرنا غلط ہوگا جس طرح اندھے کو دیکھنے سے منع نہیں کیا جاتا اور کپکپانے والے کو سکون سے نہیں منع کیا جاتا کیونکہ یہ تحصیل حاصل

ہے۔

(شرح فقہ اکبر: ص: 147 مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر)

علامہ ابن ابی شریف لکھتے ہیں:

صاحب بدایہ نے یہ کہا ہے کہ

امام ابو منصور ماتریدی کے قول کا مطلب یہ ہے کہ عصمت عبادت پر مجبور کرتی ہے نہ معصیت سے عاجز کرتی ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک لطف ہے جو بندہ کو قدرت اور اختیار کے باوجود نیکی پر برانگیختہ کرتا ہے اور برائی سے روکتا ہے تاکہ بندہ کا مکلف ہونا صحیح رہے۔

مسامرہ: ص: 205 مطبوعہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ بلوچستان)

علامہ قاسم بن قطلو بغا حنفی لکھتے ہیں:

عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ بندے میں گناہ کی قدرت اور اختیار کے باوجود گناہ کو پیدا نہ کرے۔

(شرح المسائرہ: ص: 290 مطبوعہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ بلوچستان)

علامہ شرتوتی لکھتے ہیں:

گناہوں پر قدرت کے باوجود گناہوں سے بچنے کا ملکہ عصمت ہے۔

(کتاب التعریفات: ص: 65 مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر)

اور انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت کے بارے میں یہ اقوال ہیں۔

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

عصمت انبیاء کا معنی یہ ہے کہ

انبیا کرام علیہم السلام کی ذوات کی خصوصیات کی حفاظت کرنے پھر ان کے جسمانی اور روحانی فضائل کی حفاظت کرنا پھر ان کی مدد کرنا اور ان کو ثابت قدم رکھنا پھر ان پر سکینہ نازل کر کے ان کے دلوں کو محفوظ رکھنا اور ان کو توفیق دینا۔

(المفردات: ص: 337 مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران)

علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی لکھتے ہیں:

متکلمین کے نزدیک عصمت کی تعریف یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نبی میں کوئی گناہ پیدا نہیں فرماتا۔

اور حکماء کے نزدیک عصمت کی تعریف یہ ہے کہ

وہ ایک ملکہ ہے جو گناہوں سے روکتا ہے یہ ملکہ نیکیوں اور برائیوں کے علم سے حاصل ہوتا ہے یہی علم برائیوں سے باز رکھتا ہے اور نیکیوں پر ابھارتا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام میں وحی الٰہی عزوجل سے یہ علم اور مؤکد ہو جاتا ہے۔

(نسیم الریاض: ج: 4: ص: 36 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ میر سید شریف جرجانی لکھتے ہیں:
اللہ تعالیٰ انبیاءِ کرام علیہم السلام میں گناہ نہ پیدا فرمائے۔
اور حکماء کے نزدیک ایک ملکہ ہے جو گناہوں سے روکتا ہے۔
(شرح مواقف: ص: 698 مطبوعہ مطبع منشی نولکشور)
قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:
جمہور اس نظریہ کے قائل ہیں کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام اپنے کسب اور اختیار سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔
اس کے برخلاف حسین نجار نے یہ کہا ہے کہ
انبیاءِ کرام علیہم السلام کو گناہوں پر بالکل قدرت نہیں ہوتی۔
(شفاء: ج: 2، ص: 125 مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان)
انبیاءِ کرام علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ اسی پر ہے۔
یہاں صرف چند دلائل ملاحظہ فرمائیں۔
1- اگر انبیاءِ کرام علیہم السلام سے گناہ صادر ہو جائے تو ان کی اتباع حرام ہوگی حالانکہ ان کی اتباع کرنا واجب ہے۔
قرآن مجید میں ہے:
قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط (آل عمران: 31)
آپ فرما دیجئے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب بنالے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔
2- جس سے گناہ صادر ہوں اس کی شہادت کو بلا تحقیق قبول کرنا جائز نہیں۔
قرآن مجید میں ہے:
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا (الحجرات: 6)
اے ایمان والو! اگر فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔
اور اس امت کا اجماع ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کی شہادت کو بلا تحقیق قبول کرنا واجب ہے۔
3- فاسق نبوت کا اہل نہیں ہے۔
قرآن مجید میں ہے:
قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ○ (البقرہ: 124)
اللہ نے فرمایا ظالموں کو میرا عہد نہیں پہنچتا۔
اور کبھی بھی کوئی نبی فاسق نہیں ہوا۔

4-اگر نبی سے گناہ صادر ہو جائے تو ان کو (العیاذ باللہ) ملامت کرنا جائز ہوگا اور اس سے نبی کو ایذا پہنچے گی اور انبیاء علیہم السلام کو ایذا پہنچانا حرام ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (الاحزاب:57)

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء پہنچاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

5-انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ۝ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ (ص:45تا46)

اور ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو یاد کیجئے جو قوت اور نگاہ بصرت والے ہیں۔ ہم نے ان کو مخلص کر دیا۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مخلص کو شیطان گمراہ نہیں کر سکتا۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ (ص:82تا83)

ابلیس نے کہا! تیری عزت کی قسم: میں ان سب کو گمراہ کردوں گا سوا تیرے مخلص بندوں کے۔

6-گناہ گار لائق مذمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی عزت افزائی کی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ۝ (ص:47)

اور بے شک وہ ہماری بارگاہ میں ضرور پسندیدہ بندوں میں سے ہیں۔

7-انبیاء کرام علیہم السلام لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اگر وہ خود گناہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوگا۔

قرآن مجید میں ہے:

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (الصف:3)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات سخت ناراضگی کی موجب ہے کہ تم وہ بات کہو جو خود نہیں کرتے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام سے ہمیشہ کے لئے راضی ہے۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (جن:26تا27)

''وہ عالم الغیب ہے تو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا بجز ان کے جن سے وہ راضی ہے اور اس کے رسول ہیں۔''

اس آیت میں واضح فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ سب رسولوں سے راضی ہے اور نیکی کا حکم دے کر خود عمل نہ کرنے والے

راضی نہیں ہے۔
8- اگر معاذ اللہ انبیاء کرام علیہم السلام سے گناہوں کا صدور ہوتا تو وہ مستحق عذاب ہوتے۔
قرآن مجید میں ہے:
وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ (جن: 23)
اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو لا ریب کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔
اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام جہنم سے محفوظ اور مامون ہیں اور ان کا مقام جنت خلد ہے۔
9- انبیاء کرام علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں اور فرشتوں سے گناہ صادر نہیں ہوتے تو انبیاء کرام علیہم السلام سے بطریق اولیٰ گناہ صادر نہیں ہوں گے۔
فرشتوں سے افضلیت کی دلیل یہ ہے کہ
فرشتے عالمین میں داخل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو تمام عالمین پر فضیلت دی ہے۔
قرآن مجید میں ہے:
اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ؕ (آل عمران: 33)
بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے۔
اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ارشاد فرمایا:
وما ارسلناك الا رحمة للعلمين
ترجمہ:- اور ہم نے تمہیں نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت۔
معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہیں۔
امام رازی لکھتے ہیں:
ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ
انبیاء کرام علیہم السلام سے زمانہ نبوت میں یقینی طور پر کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا نہ کبیرہ نہ صغیرہ۔
(تفسیر کبیر: ج: 1، ص: 302 مطبوعہ دار الفکر بیروت)
ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ
انبیاء کرام علیہم السلام اپنے زمانہ میں مطلقاً گناہ کبیرہ سے اور عمداً صغیرہ سے معصوم ہوتے ہیں۔
(شرح مواقف: ص: 689 مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ)

حضرت یوسف علیہ السلام کی عصمت پر دلائل

حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے جو روایات مفسرین کرام نے بیان کی ہیں ان میں حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف صراحتاً زنا کی نسبت نہیں کی ہے لیکن یہ صراحت کی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس حرام کام کے لئے تیار ہو کر بیٹھ گئے

(معاذ اللہ) اور جو چیز حرام ہو اس کا مقدمہ بھی حرام ہوتا ہے اور حرام کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہوتا ہے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام گناہ کبائر اور صغائر سے معصوم ہوتے ہیں چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام بھی نبی ہیں اس لیے آپ علیہ السلام بھی تمام گناہ کبیرہ اور صغیرہ سے منزہ ہیں۔

ان روایات میں جن برے کاموں کی حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف نسبت کی گئی ہے ان کے ردوابطال کے لئے یہ آیت کافی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَیْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ○ (یوسف:23)

''اور وہ جس عورت کے گھر میں تھے اس نے انہیں اپنی طرف راغب کیا اور اس نے دروازے بند کر کے کہا جلدی آؤ۔ یوسف نے کہا اللہ کی پناہ وہ میری پرورش کرنے والا ہے اس نے مجھے عزت سے جگہ دی ہے بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے۔''

کس قدر رنج اور افسوس کی بات ہے کہ جب عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دعوت گناہ دی تو انہوں نے اس کو سختی سے رد کر دیا اور اپنے رب عزوجل کے انعام و اکرام کا ذکر کیا اور اس کام کو ظلم قرار دیا۔ ایسے پاکباز، مقدس اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے نبی کے متعلق ایسی حیاسوز اور بے ہودہ روایات ذکر کی جائیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی گناہوں سے برأت کے متعلق دوسری روایت یہ ہے۔

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ (یوسف:24)

یہ ہم نے اس لیے کیا تا کہ ہم ان کو بے حیائی اور بدکاری سے دور رکھیں۔

ان روایات میں جو فحش افعال حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف منسوب کیے گئے ہیں کیا وہ بے حیائی اور بدکاری کے کام نہیں ہیں۔

کیا اجنبی اور نا محرم عورت کے سامنے ایک مرد کا برہنہ ہونا فحاشی اور بے حیائی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے۔

ہم نے یوسف کو بے حیائی اور بدکاری سے دور رکھا۔

اور ان وضاعین نے عین بے حیائی اور بدکاری کو اپنی جعلی روایات میں حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف منسوب کیا اور حیرت ان مفسرین پر ہے جنہوں نے ان روایات کو تقویت پہنچانے کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے اپنے گناہوں کو ملا کر پھر گناہوں کی توجیہات کیں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ ○ (یوسف:24)

بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے ہیں۔

اور جو اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہیں ان کے متعلق شیطان نے بھی اعتراف اور اقرار کیا ہے کہ وہ ان کو گمراہ نہیں کر سکے گا۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿ (ص:82تا83)

شیطان نے کہا! تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو ضرور گمراہ کردوں گا ماسوا ان کے جو تیرے مخلص بندے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے پاک دامن ہونے پر متعدد شہادتیں ہیں اللہ تعالیٰ کی گواہی سے حضرت یوسف علیہ السلام سے ان گناہوں کی تہمت دور ہوگئی۔ علاوہ ازیں مخلوق نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت پر گواہی دی۔ کیونکہ اس واقعہ میں جو لوگ مبتلا ہیں ان میں خود حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر کی بیوی ہے۔ اس کا خاوند ہے اور عزیز مصر کی بیوی کے خاندان کا گواہ ہے اور سب نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی اور پارسائی کو بیان کیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ (یوسف:26)

یہ عورت خود مجھے بہکا رہی تھی۔

اور فرمایا:

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ (یوسف:33)

"اے میرے رب! جس کام کی طرف یہ عورتیں مجھے دعوت دے رہی ہیں اس کی بہ نسبت مجھے قید میں رہنا پسند ہے۔"

اور عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تہمت سے برأت اس طرح بیان کی۔

وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ (یوسف:32)

بے شک میں نے اس کو بہکایا اور اس سے اپنے آپ کو (گناہ سے) بچائے رکھا۔

اور کہا:

قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿ (یوسف:51)

عزیز مصر کی بیوی نے کہا! اب تو حق بات ظاہر ہوگئی ہے میں نے ہی ان کو بہکایا تھا اور بے شک وہ سچوں میں سے ہیں۔

اور عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت اس طرح بیان کی۔

قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿ (یوسف:28،29)

اس نے کہا: بے شک یہ تم عورتوں کی گہری سازش ہے اور یقیناً تمہاری سازش بہت بڑی ہے۔اے یوسف! تم اس بات سے درگزر کرو اور اے عورت! تو اپنے جرم کی معافی طلب کر۔ بے شک تو ہی خطا کاروں میں سے ہے۔

اور گواہوں نے اس طرح برأت بیان کی ہے۔

وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ٥ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ٥ (یوسف:27،26)

''اور اس عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے گواہی دی اگر ان کا کرتا آگے سے پھٹا ہوا ہے تو عورت سچی ہے اور وہ جھوٹ بولنے والوں میں سے ہیں اور اگر ان کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو اس عورت نے جھوٹ بولا اور وہ سچوں میں سے ہیں۔''

ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ

اگر یوسف علیہ السلام نے گناہ کا قصد نہیں کیا تھا بلکہ گناہ سے بچنے کا قصد کیا تھا تو پھر اس کے بعد یہ ذکر کرنے کا کیا فائدہ ہے کہ اگر وہ اپنے رب عزوجل کی برہان نہ دیکھتے تو

اس کا جواب یہ ہے کہ

اس کی جزا محذوف ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ

پھر وہ معصیت میں مبتلا ہو جاتے۔

اور اس کے ذکر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ

انہوں نے جو گناہ کا قصد نہیں کیا تھا اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان میں عورتوں کی طرف رغبت کرنے کا مادہ نہیں تھا یا وہ عورتوں کے ساتھ فطری فعل پر قادر نہیں تھے۔

بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ

انہیں اپنے رب عزوجل کے دین اور اس کی شریعت کے براہین اور دلائل کا علم تھا۔

اور وہ یہ جانتے تھے کہ

اللہ تعالیٰ نے نامحرم اور اجنبی عورتوں سے خواہش نفسی پوری کرنے کو حرام کر دیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے نبی تھے اور نبی کو مخلوق میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا ہے پس انہوں نے جو بدکاری اور گناہ سے بچنے کا قصد کیا اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ بدکاری پر قادر نہیں تھے۔

بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ

وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کی برہان سے واقف تھے اور انہیں معلوم تھا کہ اجنبی عورت سے خواہش نفس پوری کرنا حرام ہے۔

امام رازی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصد کا دوسرا محمل یہ ہے کہ
عزیز مصر کی بیوی نے آپ علیہ السلام سے حصول لذت کا قصد کیا اور آپ علیہ السلام نے اس کو اس کام سے منع کرنے اور مارنے کا قصد کیا۔
اگر یہ کہا جائے کہ
اس صورت میں اس قول کا کیا فائدہ ہوگا کہ
اگر وہ اپنے رب کی برہان نہ دیکھتے تو
اس کا جواب یہ ہے کہ
اس صورت میں اس کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس پر مطلع کیا کہ اگر آپ علیہ السلام نے اس عورت کو حصول لذت سے منع کیا اور ڈانٹا تو یہ آپ علیہ السلام کو بدنام کرنے کی کوشش کرے گی اور آپ علیہ السلام کو قید کرا دے گی سو آپ علیہ السلام کا بدنامی اور قید میں مبتلا ہونا اس فحش کام میں مبتلا ہونے سے بہتر ہے کیونکہ انجام کار آپ علیہ السلام کی عزت اور نیک نامی بھی ظاہر ہو جائے گی اور آپ علیہ السلام کو قید سے رہائی بھی مل جائے گی اور اگر حضرت یوسف علیہ السلام کو اس چیز کا علم نہ ہوتا تو آپ علیہ السلام معصیت میں مبتلا ہو جاتے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل کی جو برہان دیکھی تھی اس کے دو محمل تو وہ ہیں جن کا ابھی ذکر کر دیا ہے ان کے علاوہ بھی کئی محمل ہیں۔
رب عزوجل کی برہان سے مراد نبوت ہے جو بے حیائی اور گناہ کے کاموں سے مانع ہوتی ہے۔
اور اس کی دلیل یہ ہے کہ
انبیاء کرام علیہم السلام کو اس لیے بھیجا گیا ہے کہ وہ مخلوق کو برے کاموں اور گناہوں سے منع کر دیں۔ اگر وہ لوگوں کو برے کاموں سے منع کریں اور وہ خود سب سے بڑی برائی میں ملوث ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کی اس وعید میں داخل ہو جائیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝

(الصف:3،2)

"اے ایمان والو! ایسی بات تم کیوں کہتے ہو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے۔ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناراضگی کا موجب ہے کہ تم ایسی بات کہو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے۔"

نیز اللہ تعالیٰ نے یہود کی اس بات پر مذمت کی ہے کہ وہ جو کچھ کہتے تھے اس کے موافق عمل نہیں کرتے تھے۔
فرمایا:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ (البقرہ:44)

کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔

اور جو چیز یہود کے حق میں باعث مذمت ہو وہ اس رسول کی طرف کیسے منسوب ہو سکتی ہے جس کی تائید معجزات سے کی گئی

2- حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ بتایا گیا تھا کہ شریعت میں زنا حرام ہے اور ان کو اس کے دلائل پر مطلع کیا گیا تھا اور زانی کے لئے دنیا میں جو سزا مقرر کی گئی ہے اور آخرت میں اس پر جو عذاب دیا گیا حضرت یوسف علیہ السلام کو ان تمام امور پر مطلع کیا گیا تھا۔

3- اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو برے اخلاق سے پاک اور صاف رکھا ہے بلکہ جو نفوس قدسیہ انبیاء کرام علیہم السلام سے متصل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو بھی بری عادتوں اور برے کاموں سے محفوظ رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۝ (الاحزاب:33)

اللہ یہی ارادہ فرماتا ہے کہ اے رسول کے گھر والو! وہ تم سے ہر قسم کی ناپاکی کو دور فرمادے اور وہ تمہیں اچھی طرح پاک اور صاف رکھے۔

لہٰذا اس مفصل بحث سے معلوم ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام گناہ سے معصوم ہیں اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا چھت کی طرف سر اٹھانا اور آیت کریمہ ملاحظہ فرمانا

کہا گیا ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کو جب عزیز مصر کی بیوی نے اپنی جانب مائل کیا تو آپ علیہ السلام نے چھت کی جانب سر اقدس اٹھایا اور دیوار پر آیت کریمہ کو لکھا ہوا پایا۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

محمد بن کعب قرظی نے کہا ہے کہ

اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنا سر چھت کی طرف اٹھایا تو ایک دیوار پر یہ لکھا ہوا پایا۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا۝ (بنی اسرائیل:32)

اور بدکاری کے قریب بھی نہ جاؤ۔ بے شک یہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت برا راستہ ہے۔

جس برہان کو آپ علیہ السلام نے دیکھا بقول قرظی وہ کتاب اللہ کی یہ تین آیات تھیں۔

وَ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ۝ (الانفطار:10)

حالانکہ تم پر نگراں (فرشتے) مقرر ہیں۔

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ (یونس:61)

اور نہیں ہوتے آپ کسی حال میں۔

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ (الرعد:33)

کیا وہ خدا جو نگہبانی فرمارہا ہے ہر نفس کی اس کے اعمال کے ساتھ۔

ابو ہلال نے ان تین آیات کے علاوہ ایک چوتھی آیت

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی (بنی اسرائیل: 32)

کا اضافہ کیا ہے۔

اورزاعی نے کہا کہ

آپ علیہ السلام نے کتاب اللہ کی کوئی آیت دیوار پر لکھی ہوئی پائی جس میں اقدام سے ممانعت کی گئی تھی۔

(تفسیر ابن کثیر: ج: 2،ص: 819)

عزیز مصر کی بیوی کا بت پر کپڑا ڈالنا

جب عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف بلایا تو وہاں ایک بت تھا جس پر اس نے کپڑا ڈال دیا حضرت یوسف علیہ السلام کے پوچھنے پر بتایا کہ مجھے اس سے شرم آتی ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا میرا رب عزوجل اس سے زیادہ حق دار ہے کہ میں اس سے حیا کروں۔

معالم التنزیل میں ہے۔

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

فرماتے ہیں کہ

کمرے میں ایک بت تھا۔ عورت اٹھی اور اس پر کپڑا ڈال دیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اسے کہا۔

یہ تو نے کیوں کیا ہے؟

عورت نے کہا:

مجھے شرم آتی ہے کہ مجھے وہ معصیت پر دیکھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

کیا تو اس سے حیاء کرتی ہے جو نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے اور نہ سمجھتا ہے تو پھر میں زیادہ حقدار ہوں کہ میں اپنے رب عزوجل سے حیا کروں۔

یہ فرما کر بھاگے۔

(معالم التنزیل: ج: 3،ص: 273 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے برہان کے پندرہ اقوال

حضرت یوسف علیہ السلام نے جو برہان دیکھی اس میں پندرہ اقوال ہیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

برہان دیکھ لی برہان میں پندرہ اقوال ہیں۔

1-ایک پرندہ جس نے کان میں پچھلے واقعات یاد دلائے۔
2-شکل یعقوب علیہ السلام دیکھی۔
3-نور ازلی دیکھا جس سے متوجہ الی اللہ ہو گئے یہی قول قوی تر ہے۔
4-بتوں پر پردہ دیکھ کر غیرت ایمانی کا غصہ آ گیا۔
5-خود اپنے دل سے آواز آئی اے اللہ عزوجل کے نبی یہ امتحان گاہ ہے۔
6-قدرت الٰہی عزوجل سے مکان کی چھت چر گئی اور دونوں کی توجہ بٹ گئی۔
7-زمین کو دیکھا تو ایک کلام صحف ابراہیم لکھا دیکھا جس میں بدی کے انجام کا ذکر تھا۔
8-فرشتہ آیا جس نے توجہ ہٹادی۔
9-عزیز مصر کی آواز سنائی دی۔
10-زلیخا بہت بدصورت نظر آئی کریہہ شکل قابل نفرت۔
11-جنت کی حور نظر آئی جو زلیخا سے کہیں زیادہ حسینہ تھی۔
12-غیبی آواز آئی جس سے توجہ ہٹی۔
13-کنعانی دوتن والا کنواں نظر آیا تو خوف سے رونگٹے کھڑے ہو گئے انعامات ربانی یاد آ گئے۔
14-بڑا اژدھا نظر آیا جس نے کہا میں زانیوں کا عذاب ہوں۔
15-الہام ہوا کہ ہم نے تم کو نور نبوت سے نوازا ہے تم نے معاذ اللہ کہہ کر ہماری پناہ لی جو ہم کو یاد کرتا ہے ہم اس کے ہو جاتے ہیں اور اسی طرح اس یوسف (علیہ السلام) کو خطاؤں یا گناہوں یا فریب کے جالوں سے ہم پھیرتے رہیں گے اور فحش بدکاریوں سے۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:439 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر کی بیوی کا دروازے کی جانب دوڑنا

حضرت یوسف علیہ السلام عزیز مصر کی بیوی سے پیچھا چھڑانے کے لئے دوڑے تو عزیز مصر کی بیوی آپ علیہ السلام کو پکڑنے کے لئے بھاگی۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ (یوسف:25)

وہ دونوں دروازے کی طرف دوڑے۔

یعنی حضرت یوسف علیہ السلام اور وہ عزیز مصر کی بیوی دوڑے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا ارادہ تھا کہ وہ جلدی سے آگے نکل جائیں تاکہ دروازوں سے باہر جا کر اس عورت کے بچھائے ہوئے بدکاری کے جال سے نکل جائیں اور اس عورت کا ارادہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو نکلنے نہ دے۔

یوسف علیہ السلام سے تالوں کا کھلنا

حضرت یوسف علیہ السلام جب دوڑے تو آپ علیہ السلام کی مقدس نگاہ سے سارے تالے کھل گئے۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
زلیخا نے ساتوں دروازوں کو تالے لگائے ہوئے تھے مگر نگاہ یوسف علیہ السلام کی طاقت سے وہ سارے تالے کھلتے چلے

زلیخا بھی اس کرشمہ قدرت کو دیکھتی جارہی ہے اور حیران تھی۔
(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:445 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام سے چار معجزات کا ظہور

یہاں تک جو واقعات بیان ہو چکے ہیں اس میں حضرت یوسف علیہ السلام سے چار معجزات کا ظہور ہو چکا ہے۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
ابھی تک چار معجزے حضرت یوسف علیہ السلام سے ظاہر ہو چکے ہیں۔
1-جس کنویں میں آپ علیہ السلام گرے اور آپ علیہ السلام کا پاؤں پانی سے لگ گیا وہ کنواں کھاری تھا تو قیامت تک کیلئے میٹھا ہو گیا۔
2-پرندوں کا آپ علیہ السلام سے گفتگو کرنا۔
3-عزیز مصر کے خالی خزانے بھرتے چلے جانا۔
4-زلیخا کے لگائے ہوئے تالے کھلتے چلے جانا۔
(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:446 نعیمی کتب خانہ لاہور)

عزیز مصر کی بیوی کا پیچھے سے قمیص پھاڑنا

جب حضرت یوسف علیہ السلام دوڑے تو عزیز مصر کی بیوی بھی پیچھے دوڑی اور آپ علیہ السلام کا کرتہ پیچھے سے کھینچا اور اس کی وجہ سے قمیص پھاڑ ڈالا۔
قرآن مجید میں ہے:
وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ (یوسف:25)
اور اس عورت نے ان کی قمیص پیچھے سے پھاڑ ڈالی۔

لمبائی میں پھٹنا

حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتہ لمبائی میں پھٹا۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
زلیخا نے پیچھے سے پکڑ لیا مگر کرتہ ہاتھ آیا ... [illegible]

کرتہ لمبائی میں پھٹ گیا۔

(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:446 نعیمی کتب خانہ لاہور)

زلیخا کی پہنائی ہوئی قمیص پھٹی

زلیخا نے جو حضرت یوسف علیہ السلام کو قمیص پہنائی تھی وہ پھٹی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

یہ وہ قمیص تھی جو زلیخا نے پہنائی تھی۔

(اور اس نے اس کو کھینچ کر پھاڑ دیا)

(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:446 نعیمی کتب خانہ لاہور)

مصر میں آ کر حضرت یوسف علیہ السلام دو قمیصیں پہنتے تھے

مصر میں آ کر حضرت یوسف علیہ السلام دو قمیصیں پہنتے تھے ایک دنیا کی اور ایک جنت کی قمیص پہنتے تھے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں آ کر ہمیشہ دو قمیصیں پہنتے تھے۔

ایک جنت کی

ایک دنیا کی

(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:446 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کے قد میں تیزی تین وجوہ سے

تفسیر نعیمی میں ہے۔

زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کا پیچھا نہ چھوڑا جوش محبت کا وسیلہ پکڑ کر بھاگتی رہی یہاں تک کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو پالیا تو جو بندہ نبی کا وسیلہ پکڑ کر خدا تعالیٰ کی طرف بھاگتا ہے وہ بھی یقیناً خدا تعالیٰ کو پائے گا۔ اور پکڑ کر پھاڑ ڈالا یوسف علیہ السلام کی قمیص کو پیچھے سے اس طرح کہ یوسف علیہ السلام نے تیزی دکھائی اور قوت میں بھی زیادہ تھے اور قد میں آپ علیہ السلام کی تیزی تین وجہ سے تھی۔

1-مرد ہونا

مرد ہمیشہ عورت سے خلقتاً قوی ہوتا ہے مگر شاذ و نادر خاص کر نبی کیونکہ نبی میں سو مردوں کی قوت ہوتی ہے اگر چہ اظہار نہ کریں یہی وجہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اتنی تکلیفیں ماریں برداشت کیں اور اف تک نہ کیا۔

2-قوی وصحت مند ہونا۔

بیمار آدمی تندرست عورت سے کمزور ہوسکتا ہے۔

3-دراز قد ہونا۔

لمبے قد والا آدمی تیز بھاگتا ہے بلکہ اس کا چلنا بھی چھوٹے قد والے کے بھاگنے کے برابر ہوتا ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:446 نعیمی کتب خانہ لاہور)

جنت کی قمیص نہ پھٹتی تھی نہ میلی ہوتی تھی

حضرت یوسف علیہ السلام کو جو قمیص پہنائی گئی تھی وہ نہ پھٹتی تھی اور نہ میلی ہوتی تھی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

یہ وہ قمیص تھی جو زلیخا نے پہنائی تھی اس کے نیچے وہ قمیص تھی جو تعویز سے نکال کر کنویں میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پہنائی تھی یہ جنت کی تھی۔

اس کی خاصیت یہ تھی کہ

نہ پھٹتی تھی نہ میلی ہوتی تھی نہ ڈھل سکتی تھی نہ جل سکتی تھی نہ اس کی بھینی خوشبو کبھی ختم ہوتی تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بجز غسل کبھی نہ اتارا۔ سردیوں میں گرم ہوتی تھی۔ گرمیوں میں ٹھنڈی سب سے نیچے جسم کے ساتھ وہی ہوتی تھی باقی کپڑے کرتے واسکٹ وغیرہ اس کے اوپر یہ جنتی ریشم کی بنی ہوئی تھی۔ اندھیرے میں چاند کی طرح روشن ہوتی تھی۔

(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:446 نعیمی کتب خانہ لاہور)

عزیز مصر کا دروازے پر دونوں کو پانا

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے پیچھے عزیز مصر کی بیوی بھاگی تو ان دونوں نے عزیز مصر کو دروازے کے قریب پایا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اَلْفَیَا سَیِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ (یوسف:25)

اور ان دونوں نے اس عورت کے خاوند کو دروازے کے قریب پایا۔

عزیز مصر کو دونوں نے کس حال میں پایا

عزیز کو دونوں نے کس حال میں پایا اس بارے میں اقوال ہیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

اسی کشمکش میں دونوں آخری دروازے سے جو محل کے صحن میں کھلتا تھا باہر نکل آئے۔ اچانک پایا ان دونوں نے اسی عورت کے خاوند کو دروازے کے قریب یا وہ اسی طرف کسی کام سے آ رہا تھا یا زلیخا کے چچا زاد بھائی یملیخا کے ساتھ گفتگو کرتا گزر رہا کچھ دور کھڑا تھا اگر بالکل قریب ہوتا تو اس کشتی دھینگا مشتی اور پکڑ دھکڑ چیر پھاڑ کی آواز خود سن لیتا۔

(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:446 نعیمی کتب خانہ لاہور)

مصر کی بیوی کا سزا کی شکایت لگانا

جب عزیز مصر کی بیوی نے دروازے پر اچانک اپنے خاوند کو پایا تو فوراً کہنے لگی کہ اس شخص کی سزا کیا ہونی چاہئے جو آپ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے سوائے اس کے کہ اس کو قید کیا جائے یا اس کو دردناک عذاب دیا جائے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿یوسف:25﴾

اس عورت نے کہا اس شخص کی کیا سزا ہونی چاہئے جو آپ کی اہلیہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے سوائے اس کے کہ اس کو قید کیا جائے یا اس کو دردناک عذاب دیا جائے۔

☆ جب حضرت یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر کی بیوی دونوں دروازے سے باہر نکلے تو دروازے کے قریب اس کا شوہر کھڑا تھا۔ اس عورت نے اپنا جرم چھپانے کے لئے اور حضرت یوسف علیہ السلام پر جھوٹا الزام لگانے کے لئے بولنے میں پہل کی۔

اور کہنے لگی کہ

اس شخص کی کیا سزا ہونی چاہئے جو آپ کی اہلیہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے سوائے اس کے کہ اس کو قید کیا جائے یا اس کو دردناک عذاب دیا جائے۔

عزیز مصر کی بیوی نے شکایت لگانے میں پہل کیوں کی

عزیز مصر کی بیوی اپنے خاوند کو اچانک دیکھ کر گھبرا گئی اور وہ سمجھی کہ ہوسکتا ہے یوسف علیہ السلام میری شکایت لگا دے اس لیے اس نے شکایت لگانے میں پہل کی۔

تفسیر نعیمی میں ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے چھوٹ کر نکل بھاگنے کی تلخ حسرت کے بعد ایک دم خاوند کو دیکھ کر گھبرا گئی اور سمجھی کہ یوسف علیہ السلام میری شکایت لگا دے پہل کرتے ہوئے فوراً بولی۔

مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا

اے میرے پیارے خاوند! اس کی کیا سزا ہے جو تیری بیوی اہل خانہ، تیرے گھر کی رونق سے برائی کا ارادہ کرے۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:447 نعیمی کتب خانہ لاہور)

عزیز مصر کی بیوی نے خود کو تین طرح بری کیا

عزیز مصر کی بیوی نے خود کو تین طرح سے بری کیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

(سابقہ) اس کلام میں زلیخا نے تین طرح خود کو بری قرار دیا۔

1- مَنْ اَرَادَ۔ یعنی صرف ارادہ کیا ارتکاب نہ ہوا کیونکہ ارتکاب بغیر عورت کی رضا کے نہیں ہوسکتا۔

2- اراد باب افعال بولا جس میں صرف ایک طرف سے ارادے کا اظہار ہوتا ہے نہ کہ راء د باب مفاعلۃ اس میں دو طرف ارادہ ثابت ہوتا ہے۔

3- باھلك۔ اس لفظ سے خاوند کا غصہ ٹھنڈا کرنا اور اپنی محبت ظاہر کرنا مقصود تھی کہ میں تیری محبت والی بیوی ہوں

ہزاروں حسین دیکھے مگر تجھے خیانت کا داغ مجھ میں نظر نہ آیا تو آج بھی اس نے ہی مجھ کو ورغلانے کی کوشش کی ہے نہ کہ میں نے......

(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:447 نعیمی کتب خانہ لاہور)

عزیز مصر کی بیوی کو گھبراہٹ کس چیز کی تھی جس کی وجہ سے اس نے شکایت لگائی

عزیز مصر کی بیوی کو گھبراہٹ خوف کی نہ تھی بلکہ ندامت کی تھی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

زلیخا کو یہ گھبراہٹ خوف کی نہ تھی بلکہ ندامت وشرمندگی کی تھی کیونکہ عزیز مصر اپنی بیوی سے عشق کی حد تک محبت کرتا تھا۔

اور دیکھا گیا ہے کہ

جولوگ نامرد ہوتے ہیں یا ہو جاتے ہیں وہ اپنی بیوی سے زیادہ محبت کرتے ہیں اسی لیے بوڑھے کو اپنی بڑھیا سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:447 نعیمی کتب خانہ لاہور)

عزیز مصر کی بیوی نے سزا خود کیوں تجویز کی؟

تفسیر نعیمی میں ہے۔

(سزا کا لفظ بول کر) یہ کہہ کر معاً حضرت یوسف علیہ السلام پر نظر پڑی پھر عشق نے جوش مارا غور کیا کہیں یہ قتل نہ ہو جائے (لہذا) سزا خود (ہی) تجویز کر دی۔

(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:447 نعیمی کتب خانہ لاہور)

عزیز مصر کی بیوی نے پہلے قید کرنے کا کیوں کہا؟

عزیز مصر کی بیوی کو حضرت یوسف علیہ السلام سے حد درجے محبت تھی جس کی وجہ سے اس نے قید کرنے کا ذکر کیا مارنے کا نہیں کہا کیونکہ محب یہ نہیں چاہتا کہ اس کے محبوب کو اذیت دی جائے۔

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

عزیز مصر کی بیوی کو حضرت یوسف علیہ السلام سے جو شدید محبت تھی اس وجہ سے اس نے پہلے ان کو قید میں ڈالنے کا ذکر کیا پھر اس کے بعد ان کو سزا دینے کا ذکر کیا کیونکہ محب یہ نہیں چاہتا کہ اس کے محبوب کو اذیت پہنچائی جائے۔

(زادالمسیر: ج:4،ص:310)

عزیز مصر کی بیوی نے صراحتاً زنا کے ارادہ کا لفظ نہیں بولا

جب عزیز مصر کی بیوی نے اپنے خاوند کو شکایت لگائی تو اس نے صراحتاً زنا کا لفظ نہیں بولا بلکہ یوں کہا کہ میرے ساتھ برائی کا ارادہ کیا تھا۔

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

اس عورت نے صراحتاً یہ نہیں کہا کہ
یوسف (علیہ السلام) کا میرے ساتھ زنا کا ارادہ تھا بلکہ یوں کہا کہ اس نے میرے ساتھ برائی کا ارادہ کیا تھا کیونکہ جب
اس نے یہ دیکھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی جوانی کی عمر، قوت اور زور کے کمال اور شہوت کی انتہاء کے باوجود
آپ کو گناہ میں ملوث ہونے نہیں دیا تو اس کو حیا آئی کہ وہ ان کی طرف صراحتاً زنا کی نسبت کرے اس لیے اس نے کنایہ اور
تعریض کے ساتھ کہا کہ اس نے میرے ساتھ برائی کا ارادہ کیا۔
(تفسیر کبیر: تحت تفسیر آیۃ:25)

حضرت یوسف علیہ السلام کا عزیز مصر کی بیوی کا قول جھوٹا قرار دینا

جب عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں برائی کے ارادہ کا ذکر کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا
اس نے مجھے اپنی طرف راغب کیا تھا۔
قرآن مجید میں ہے:
قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ (یوسف:26)
یوسف نے کہا اسی نے مجھے اپنی طرف راغب کیا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی برأت کے لئے عزیز مصر کی بیوی کو غائب کی ضمیر سے خطاب فرمایا

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی برأت کے لئے عزیز مصر کی بیوی کو غائب کی ضمیر کے ساتھ خطاب فرمایا۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
زلیخا تو اس وقت بھی بار بار حضرت یوسف علیہ السلام کو بنظر محبت دیکھ رہی ہے مگر حضرت یوسف علیہ السلام نے نہایت
خودداری اور غیرت کی حالت میں صرف عزیز مصر کو دیکھا زلیخا کی طرف قطعاً نگاہ نہ اٹھائی اور اپنی برأت میں اس کو غائب کی ضمیر
سے مراد لیتے ہوئے فرمایا:
وہ جھوٹی ہے بلکہ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ اس نے مجھ کو ورغلایا بھڑکایا۔
اے عزیز اے میرے مربی تو میرے متعلق غلط رائے قائم نہ کرنا اگر زلیخا کی طرف دیکھا ہوتا تو بجائے هِيَ کے هذه
فرماتے یا یہ کہتے کہ تو نے مجھ کو ورغلایا۔
(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:447 نعیمی کتب خانہ لاہور)

عزیز مصر کی بیوی کے خاندان سے ایک شخص کا شہادت دینا

جب حضرت یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر کی بیوی نے عزیز مصر کو اپنا اپنا قول سنا دیا تو عزیز مصر کی بیوی کے خاندان
سے ایک شخص نے شہادت دی۔
قرآن مجید میں ہے:
وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَاِنْ كَانَ

قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِينَ○ (یوسف:26،27)

اس عورت کے خاندان میں سے ہی ایک شخص نے شہادت دی اگر یوسف کی قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو وہ عورت سچی ہے اور یوسف جھوٹوں میں سے ہے اور اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو وہ عورت جھوٹی ہے اور یوسف سچوں میں سے ہے۔

دت کے معانی

علامہ ابن اثیر الجزری لکھتے ہیں:

جس چیز کا مشاہدہ کیا ہو یا جس پر کوئی شخص حاضر ہو اس کی خبر دینا لغت میں شہادت ہے۔

(نہایہ:ج:2،ص:514 مطبوعہ ایران)

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

بصیرت سے یا آنکھوں کے ساتھ دیکھنے سے جس چیز کا علم حاصل ہو اس کی خبر دینے کو شہادت کہتے ہیں۔

(المفردات:ص:268 مطبوعہ ایران)

علامہ بویطی شافعی لکھتے ہیں:

جو شخص کسی جگہ حاضر ہو یا اس نے کبھی کسی چیز کو دیکھا ہو اس کی یقینی خبر دینے کو شہادت کہتے ہیں۔ اور کبھی اس چیز کی خبر کو دت کہتے ہیں جس کا اس کو یقین ہو یا وہ چیز مشہور ہو۔

(شرح المہذب:ج:20،ص:225 مطبوعہ بیروت)

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:

کسی حق کو ثابت کرنے کے لئے، میں گواہی دیتا ہوں کے الفاظ کے ساتھ مجلس قضاء میں سچی خبر دینا شہادت ہے۔

(فتح القدیر:ج:6،ص:446 مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

امام خلیل بن احمد لکھتے ہیں:

شہادت یہ ہے کہ

تم یہ کہو کہ فلاں شخص کو گواہ بنایا گیا سو وہ گواہ ہے۔

(کتاب العین:ج:3،ص:398 مطبوعہ دار الہجرۃ قم ایران)

دت کی اقسام

شہادت کی تین اقسام ہیں۔

1-عینی شہادت

2-سمعی شہادت

3-شہادت علی الشہادت

عینی شہادت

یعنی گواہ آنکھوں سے دیکھے ہوئے کسی واقعہ کو بیان کرے یہی شہادت فیصلہ کن ہوتی ہے۔

(ہدایہ اخیرین:ص:159)

سمعی شہادت

یعنی گواہ کسی چیز کو سن کر اس کی شہادت دے جن امور کا تعلق سموعات سے ہو ان میں سمعی شہادت اتنی ہی معتبر ہوتی جتنی عینی شہادت ہے۔

(ہدایہ اخیرین:ص:160)

شہادت علی الشہادت

اصل گواہ کسی شخص کو اپنی شہادت پر شاہد بنائے تب یہ گواہ اصل کی شہادت دے سکتا ہے۔

(ہدایہ اخیرین:ص:158)

شہادت کا حکم

شہادت کے ساتھ دو حکم متعلق ہوتے ہیں۔

1-ایک تحمل شہادت

2-دوسرا اداء الشہادت

تحمل شہادت

تحمل شہادت کا مطلب کسی وقوعہ کا معائنہ کر کے اس کو سمجھ کر منضبط کرنا۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ:ج:6،ص:558 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اداء شہادت

اداء الشہادت کا مطلب ہے۔اس شہادت کو قاضی کے سامنے ادا کرنا۔

تحمل شہادت کے متعلق آیات کریمہ

تحمل شہادت کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیات کریمہ ہیں۔

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ (البقرہ:282)

اور اپنے مردوں سے دو گواہ بناؤ پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں،ان گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو۔

اور ارشاد فرمایا:

وَ اَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ (البقرہ:282)

اور جب تم خرید وفروخت کرو گے تو گواہ بنالو۔

اور ارشاد فرمایا:

وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ (الطلاق:2)

اور اپنوں میں دو عادل (نیک) شخصوں کو گواہ بنالو۔

اداء شہادت کے متعلق آیات کریمہ

اداء شہادت کے متعلق یہ آیات کریمہ ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ (الطلاق:2)

اور اللہ تعالیٰ کی خاطر شہادت ادا کرو۔

اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا (البقرہ:282)

اور جب گواہوں کو (گواہی کے لئے) بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں۔

اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ (البقرہ:283)

اور گواہی کو نہ چھپاؤ، اور گواہی چھپاتا ہے تو بے شک اس کا دل گناہ گار ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

تحمل شہادت اور اداء شہادت دونوں فرض کفایہ ہیں۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا

اور جب گواہوں کو گواہی کے لئے بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ

ترجمہ:۔ ''اور گواہی نہ چھپاؤ اور جو گواہی چھپائے تو بے شک اس کا دل گناہ گار ہے۔''

نیز اس لیے کہ

شہادت ایک امانت ہے اور باقی امانتوں کی طرح اس کا ادا ہونا لازم ہے۔

(المغنی: ج:10، ص:354 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں:

شہادت کا ادا کرنا واجب ہے اور جب مدعی شاہد کو بلائے تو شہادت کو چھپانا جائز نہیں ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ط (البقرہ:282)

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ط (البقرہ:283)

اور مدعی کا گواہ کو طلب کرنا اس لیے شرط ہے کہ یہ مدعی کا حق ہے۔ سو باقی حقوق کی طرح یہ بھی طلب پر موقوف ہے اور حدود میں شہادت دینے پر گواہ کو اختیار ہے کہ خواہ ستر کرے خواہ اظہار کرے کیونکہ دونوں چیزوں میں ثواب ہے پردہ پوشی میں بھی اور اقامت حدود میں بھی اور ستر افضل ہے۔

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہزال رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

کاش تم اپنے کپڑے سے اس کا ستر کر لیتے۔

(سنن ابوداؤد: ج:2،ص:245)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ اس کی دنیا اور آخرت میں پردہ پوشی کرے گا۔

(بخاری: ج:1،ص:330)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حدود ساقط کرنے کے بارے میں جو روایات منقول ہیں ان سے ستر کا افضل ہونا صراحتاً معلوم ہوتا ہے۔

(ہدایہ اخیرین: ص:154 مطبوعہ مکتبہ شرکتہ علمیہ ملتان)

علامہ مرغینانی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ

مطلقاً ستر افضل ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے اگر کوئی شخص گناہ کرنے کے بعد اس پر نادم ہو تو اس کی پردہ پوشی کرنا افضل ہے اور جو شخص علی الاعلان بدکاری کرتا ہو جس سے حدود الہیہ کا احترام مجروح ہو تو پھر اس کے خلاف شہادت دینا افضل ہے۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ

تحمل شہادت میں مسلمان کے حق کا تحفظ ہے اور مسلمان کے حق کا تحفظ کرنا اولیٰ ہے اور تحمل شہادت سے انکار کرنا خلاف اولیٰ یا مکروہ تنزیہی ہے اور قرآن مجید کی جن آیات میں شہداء کا لفظ آیا ہے اس سے مراد ادا شہادت کرنے والا ہے کیونکہ شہادت تحمل کرنے والے کو شاہد مجازاً کہا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ

جب شاہد کو مدعی بلائے تو شہادت کا ادا کرنا فرض ہے اور تحمل شہادت کرنا مستحب ہے۔

(فتح القدیر: ج:6،ص:446،447 مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

عورتوں کی شہادت کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

عورتوں کی شہادت کے متعلق فقہاء اسلام کے مندرجہ ذیل نظریات ہیں۔

1- زنا کے اثبات کے لئے چار آزاد مسلمان مردوں کی گواہی ضروری ہے اور اس میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کا یہی نظریہ ہے۔

(المغنی: ج:10، ص:155 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

2- بقیہ حدود اور قصاص میں کم از کم دو آزاد اور مسلمان مردوں کی گواہی ضروری ہے اور عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے۔

علامہ ابن قدامہ نے تصریح کی ہے کہ

امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کا یہی نظریہ ہے۔

(المغنی: ج:10، ص:150 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

3- عطا اور حماد سے منقول ہے کہ

تین مردوں اور دو عورتوں کی گواہی سے بھی زنا ثابت ہو جائے گا۔

اسی طرح عطا اور حماد کہتے ہیں کہ

ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی بقیہ حدود اور قصاص کے اثبات کے لئے کافی ہے۔ حضرات حدود اور قصاص کو بھی اموال پر قیاس کرتے ہیں۔

(المغنی: ج:10، ص:156 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

4- شیخ ابن حزم نے فقہاء اربعہ کے اجماع کی مخالفت کی ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ

حدود اور قصاص میں عورت کی شہادت مطلقاً مقبول ہے چنانچہ آٹھ عورتوں کی شہادت سے زنا ثابت ہو جائے گا اور بقیہ حدود اور قصاص میں ایک مرد اور دو عورتیں یا چار عورتیں گواہی دیں تو وہ ثابت ہو جائیں گے۔

(المحلی: ج:9، ص:396 مطبوعہ دار الطباعۃ المنیریہ)

5- تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ قرض اور کاروباری معاملات میں ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی شہادت جائز ہے۔

علامہ ابن قدامہ نے اس کی تصریح کی ہے۔

(المغنی: ج:10، ص:158 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ

فقہاء احناف کے نزدیک مالی حقوق کے علاوہ میں مثلاً نکاح، طلاق، وصیت، عدت، حوالہ، وقف اور صلح وغیرہ میں بھی ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی شہادت جائز ہے یعنی حدود اور قصاص کے سوا تمام معاملات میں مرد کے ساتھ دو عورتوں کو گواہ بنانا جائز ہے اور امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک ان معاملات میں عورت کو گواہ بنانا جائز نہیں ہے اور امام احمد کے اس میں دو

قول ہیں۔

(فتح القدیر: ج: 6، ص: 451 مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

6- وہ تمام امور جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے۔ مثلاً حیض، عدت، رضاعت، ولادت، بکارت اور عورتوں کے عیوب وغیرہ ان میں صرف ایک عورت کی گواہی بھی جائز ہے۔

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جن چیزوں کو دیکھنے کی مرد استطاعت نہیں رکھتے ان میں عورتوں کی گواہی جائز ہے۔

علامہ مرغینانی حنفی نے اس کی تصریح کی ہے۔

(ہدایہ اخیرین: ص: 155 مطبوعہ مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان)

شہادت کے متعلق احادیث مبارکہ

شہادت کے متعلق متعدد احادیث مبارکہ ہیں چند عرض کرتا ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی شخص کے شہادت دینے کا ذکر کیا گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے ابن عباس! (رضی اللہ عنہما) صرف اس چیز پر شہادت دو جو تمہارے لیے سورج کی روشنی کی طرح روشن ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے سورج کی طرف اشارہ فرمایا۔

(المستدرک: ج: 4، ص: 99 مطبوعہ دارالباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ)

ایک اور روایت میں ہے۔

عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت کرتے ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

مدعی پر بینہ (گواہ) لازم ہیں اور مدعی علیہ پر قسم لازم ہے۔

(جامع ترمذی: ص: 212 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ

حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آئے۔

اور کہا:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تمہیں کیا حدیث بیان کی ہے۔ ہم نے انہیں حدیث بیان کی۔

انہوں نے کہا:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سچ کہا یہ آیت کریمہ میرے بارے میں نازل ہوئی ہے میرے اور ایک شخص درمیان کسی چیز میں جھگڑا تھا ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقدمہ پیش کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یا تم دو گواہ لاؤ ورنہ یہ قسم کھائے گا۔
(صحیح البخاری: ج: 1 ،ص: 367 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
دو عورتوں کے پاس اپنے اپنے بیٹے تھے۔ اچانک ایک بھیڑیا آیا اور ان میں سے ایک کے بیٹے کو کھا گیا۔
ایک عورت نے دوسری سے کہا کہ
تیرے بیٹے کو بھیڑیئے نے کھایا ہے۔
دوسری نے کہا:
تیرے بیٹے کو کھایا ہے۔
ان دونوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس مقدمہ پیش کیا۔ تو حضرت داؤد علیہ السلام نے بڑی عورت کے حق میں کر دیا۔ پھر وہ دونوں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس گئیں اور ان کو واقعہ سنایا۔
انہوں نے کہا:
چھری لاؤ! میں اس بچے کے دو ٹکڑے کر کے دونوں کو ایک ایک ٹکڑا دیتا ہوں۔
تو چھوٹی عورت کہنے لگی۔
نہ نہ۔ اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام پر رحم کرے یہ اسی کا بیٹا ہے۔
تب حضرت سلیمان علیہ السلام نے چھوٹی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 4415)

بڑی عورت نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہہ دیا تھا۔ ٹھیک ہے آپ علیہ السلام اس کے دو ٹکڑے کر دیں۔ لیکن چھوٹی نے کہا نہ نہ آپ علیہ السلام اسی کو دے دیں۔ اس واقعاتی شہادت سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے جان لیا کہ بچہ اسی کا ہے یہ اس کے دو ٹکڑے کرنے پر راضی نہیں ہوئی اور بڑی کا بچہ نہیں ہے کیونکہ وہ تو اس کے دو ٹکڑے کرنے پر راضی تھی۔
حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
حضرت زبیر رضی اللہ عنہما سے ایک انصاری نے جھگڑا کیا۔ پتھریلی زمین کی نالی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے باغوں میں آتی تھی۔
انصاری نے کہا:
اس پانی کو میرے لیے چھوڑ دو۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے انکار کیا پھر وہ دونوں یہ مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اے زبیر (رضی اللہ عنہ)! پہلے تم پانی سے اپنے باغ کو سیراب کرو پھر یہ پانی اپنے پڑوس کے لئے چھوڑ دو۔

انصاری اس فیصلہ سے غضب ناک ہوا اور اس نے کہا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ اس لیے کیا ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پھوپھی زاد ہے۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے زبیر (رضی اللہ عنہ) تم پانی دینے کے بعد پانی روک لو حتیٰ کہ دیواروں کی طرف لوٹ جائے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا:

میرا گمان ہے کہ یہ آیت کریمہ اسی موقع پر نازل ہوئی۔

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (النساء:65)

آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہوں گے جب تک کہ اپنے آپس کے جھگڑوں میں آپ کو حاکم تسلیم نہ کرلیں۔

(الترمذی: رقم الحدیث:3027)

چونکہ اس پتھریلی زمین میں پانی کی نالی سے پہلے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے باغ میں پانی آتا تھا اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ کیا کہ پہلے اس باغ کو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پانی دیں گے اور پھر وہ انصاری پانی دے گا اور یہ واقعاتی شہادت کی بناء پر فیصلہ ہے۔

اسی طرح قسامت کا فیصلہ بھی واقعاتی شہادت پر مبنی ہے۔

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ

زمانہ جاہلیت میں قسامت کا رواج تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رواج کو برقرار رکھا۔ انصار کا ایک شخص یہود کے قلعہ میں مقتول پایا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے ابتداء کی اور ان پر پچاس قسمیں لازم کیں۔

یہود نے کہا:

ہم ہرگز قسم نہیں کھائیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے کہا۔

کیا تم قسم کھاؤ گے۔ انہوں نے قسم کھانے سے انکار کر دیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود پر دیت لازم کی کیونکہ مقتول بہرحال ان کے علاقہ میں پایا گیا تھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج:9، ص:276) (سنن ابوداؤد: ج:9، ص:266)

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی 483ھ لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص کسی محلہ میں مقتول پایا جائے تو اس محلے والوں پر لازم ہے کہ ان کے پچاس آدمی یہ قسم کھائیں

عزوجل کی قسم نہ ہم نے اس شخص کو قتل کیا ہے نہ ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں اس قسم کے بعد وہ دیت ادا کر دیں گے۔

(المبسوط: ج:26، ص:106 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

شہادت دینے والا عزیز مصر کی بیوی کا چچازاد تھا

جس شخص نے گواہی دی وہ عزیز مصر کی بیوی کا چچازاد تھا اور اس نے یہ کہا کہ اگر یوسف علیہ السلام کی قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو وہ عورت سچی ہے اور یوسف علیہ السلام جھوٹوں میں سے ہے اور اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو وہ عورت جھوٹی ہے اور یوسف علیہ السلام سچوں میں سے ہیں۔

علامہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی 597ھ لکھتے ہیں:

وہ شہادت دینے والا اس عورت (یعنی عزیز مصر کی بیوی) کا چچازاد تھا اور وہ بہت دانا شخص تھا۔ اتفاق سے وہ اس وقت عزیز مصر کے ساتھ اس عورت کے پاس جا رہا تھا۔

اس نے کہا:

ہم نے دروازے کے پیچھے کچھ آہٹ اور قمیص پھٹنے کی آواز سنی ہے مگر ہم کو یہ معلوم نہیں کہ کون کس کے آگے تھا۔ اگر قمیص آگے سے پھٹی ہے تو عورت تم سچی ہو اور اگر قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو مرد سچا ہے اور اے عورت تم جھوٹی ہو پھر جب انہوں نے قمیص کو دیکھا تو وہ پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی۔

(زاد المسیر: ج:4، ص:311)

شہادت کس نے دی؟

شہادت کس نے دی؟ اس بارے میں اقوال ہیں کہ

بعض علماء نے لکھا ہے کہ

وہ گواہی دینے والا چچا کا بیٹا تھا۔

بعض نے فرمایا:

زلیخا کے خالو کا بیٹا تھا۔

سعید بن جبیر اور الضحاک فرماتے ہیں۔

وہ بچہ تھا جسے اللہ تعالیٰ نے پنگھوڑے میں قوت گویائی عطا فرمائی تھی۔

امام بغوی فرماتے ہیں۔

اور یہ عوفی کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ

چار شخص بچپن میں بولے تھے۔

1۔ فرعون کی بیٹی کو کنگھی کرنے والی کا بیٹا

2۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا گواہ

3- جریج کا ساتھی

4- عیسیٰ بن مریم علیہ السلام

(معالم التنزیل:ج:3،ص:275 دارالفکر بیروت)

محمد بن محمد السعاف نے بیضاوی کی تخریج میں یہی حدیث نقل کی ہے۔احمد نے اپنی سند میں ابن حبان نے اپنی صحیح میں۔ حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے۔اور صحیح کہا ہے۔

حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے۔

اور لکھا ہے کہ

یہ شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور الطیبی اس پر مطلع نہ ہوئے۔

اور فرمایا:

صحیحین کی حدیث جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اس بات کا رد کرتی ہے کیونکہ اس میں ہے کہ پنگھوڑے میں صرف تین شخصوں نے بات کی تھی۔

1- عیسیٰ بن مریم علیہ السلام

2- جریج والا بچہ

3- اور وہ بچہ جس کو اس کی ماں دودھ پلا رہی تھی۔

ایک سوار گزرا جو بہت خوش شکل تھا۔

ماں نے کہا:

اے اللہ عزوجل! میرے بچے کو فلاں کی مثل بنادے۔

بچے نے کہا:

اے اللہ عزوجل! مجھے ایسا نہ بنا۔

پس مذکورہ افراد کی اضافت سے کل پانچ افراد ہوگئے۔

امام سیوطی فرماتے ہیں۔

پانچ سے بھی وہ زیادہ تھے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ

اصحاب الاخدود (کھائی والے) کے قصہ میں بھی بچے نے کلام کی تھی۔

فرماتے ہیں کہ

میں نے پنگھوڑے میں بات کرنے والوں کی تعداد جمع کی ہے وہ گیارہ تک پہنچتی ہے پس میں نے ایک قطعہ لکھا ہے۔

تکلم فی المھد النبی محمد ویحیٰی و عیسیٰ والخلیل و مریم

و مبری جریج ثم شاھد یوسف و طفل لدی الاخدود یرویہ مسلم

وطفل علیہ مبریا لامہ التی یقال لہا تزنی ولا تتکلم
ماشطۃ فی عہد فرعون طفلہا وخی زمن الہادی المبارک یختم

(حاشیۃ شہاب بر تفسیر بیضاوی: ج:5،ص:292 العلمیۃ)

اس شاہد (گواہ) کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا وہ چھوٹا بچہ تھا یا بڑا آدمی؟

علماء سلف کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔

عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ

وہ (شاہد) باریش بڑا آدمی تھا اور عزیز مصر کا معتمد خاص تھا۔

(تفسیر طبری: ج:12،ص:195)

یہی قول مجاہد، عکرمہ، حسن، قتادہ، سدی، محمد بن اسحاق وغیرہ کا ہے کہ

وہ شاہد بڑا آدمی تھا۔

زید بن اسلم اور سدی نے کہا ہے کہ

وہ زلیخا کا چچازاد بھائی تھا۔

ابن اسحاق نے کہا ہے کہ

زلیخا بادشاہ وقت ریان بن ولید کی بھانجی تھی۔

عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ

وہ شاہد گہوارے میں کھیلتا چھوٹا بچہ تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ہلال بن یساف، حسن، سعید بن جبیر اور ضحاک بن مزاحم سے یہی مروی ہے کہ

وہ معصوم بچہ تھا۔

ابن جریج نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔

(تفسیر طبری: ج:12،ص:194)

ایک اور حدیث میں فرمایا:

چار چھوٹے بچوں نے گفتگو کی۔

1- بنت فرعون کی مشاطہ کا بیٹا

2- شاہد حضرت یوسف علیہ السلام

3- صاحب جریج

4- اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام

(تفسیر طبری: ج:12،ص:193)

اور تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے۔

اس شاہد کے متعلق دو اقوال ہیں۔

1- ایک نوزائیدہ بچہ جو پالنے میں تھا اس نے یہ گواہی دی تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

چار بچوں نے پالنے میں کلام کیا۔

1- حضرت عیسٰی بن مریم علیہ السلام

2- صاحب جریج

3- شاہد یوسف علیہ السلام

4- اور فرعون کی بیٹی ماشطہ کا بیٹا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 11503)

2- وہ شاہد اس عورت کا عم زاد تھا اور وہ بہت دانا شخص تھا۔

(زاد المسیر: ج: 4، ص: 311)

اور تفسیر نعیمی میں ہے۔

ایک شاہد نے جو اسی زلیخا کے اہل خاندان اس کے ماموں کا بیٹا تھا دو سال کی عمر کا دودھ پیتا تھا ماں کی گود میں تھا اور قریب کھڑی مقدمہ سن رہی تھی یا وہ خود بول پڑا یا حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کی طرف اشارہ کیا۔

بعض نے کہا:

یہ جوان مرد زلیخا کا چچا زاد بھائی تھا اور اس نے سوراخ سے آگے دوڑنا اور زلیخا کا یوسف علیہ السلام کو پکڑنا دیکھ لیا تھا۔

بعض نے کہا:

ایک ہرنی آئی اور قدرت الٰہی عزوجل سے بافصاحت صاف صاف قبطی زبان میں بولی۔ مگر یہ سب غلط ہے قرآن کی اس آیت کے خلاف ہے۔ ہرنی من اھلھا نہیں ہو سکتی اور جوان مرد دیکھنے والا اپنے دیکھنے کا ذکر کرتا نہ کہ اگر مگر۔

حدیث پاک میں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بچوں نے چار لوگوں کے لئے شیر خوارگی میں کلام کیا۔

1- زلیخا کے اہل نے حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے۔

2- فرعون کی منہ بولی بیٹی کے ایک سالہ بچے نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے۔

3- حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے۔

4- جریج کے لئے فاحشہ مزنیہ کے حرامی بچے نے۔

ثابت ہوا کہ

شیر خوار بچے نے کہا:

وَاِنْ کَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ اگر ہو اس کی قمیص اس حالت میں کہ پھاڑی گئی ہو پیچھے سے تو زلیخا جھوٹی ہے اور یوسف بچوں میں سے ہے۔ اس لیے کہ آگے سے پھاڑنا دفاع پر دلالت کرتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے بارادہ گناہ حملہ کیا اور زلیخا نے اپنا بچاؤ کیا دونوں آمنے سامنے تھے زلیخا نے دھکا دیا جس سے اگلا دامن پھٹ گیا۔ پیچھے سے قمیص پھاڑنا خواہش اور طلب اور پکڑ پر دلالت کرتا ہے کہ یوسف علیہ السلام بھاگے آگے لگ کر آگے والا پیچھا چھڑانا چاہتا ہے۔ زلیخا پیچھے بھاگی پیچھے بھاگنا پکڑنے کے لئے ہوتا ہے۔ قمیص ہی بتا دے گی کہ کون پیچھے تھا کون آگے کون طالب تھا کون مطلوب کون سچا ہے کون جھوٹا۔

بعض نے کہا کہ

اصل شاہد قمیص تھی مگر مجازاً بچہ۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:448 تا 449 نعیمی کتب خانہ لاہور)

تیرہ اشخاص نے بچپن میں کلام کیا

تیرہ (13) اشخاص نے بچپن میں کلام کیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

1- شاہد حضرت یوسف علیہ السلام نے

2- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

3- حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے

4- حضرت مریم رضی اللہ عنہا نے

5- حضرت ابراہیم علیہ السلام نے

6- حضرت نوح علیہ السلام نے

7- حضرت یوسف علیہ السلام نے

8- حضرت موسیٰ علیہ السلام

9- حضرت یحییٰ علیہ السلام نے

10- خدود والے مسلمانوں کا وہ بچہ جس کو ظالم بادشاہ نے تندور کی آگ میں پھینک دیا تھا۔

11- ایک کافر کے بچہ مبارک یمامہ شیر خوار بچے نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی دی۔

12- جریج راہب کے لئے مزینہ کے بچے نے

13- محی الدین عربی علیہ الرحمۃ کی بیٹی نے۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:449 نعیمی کتب خانہ لاہور)

عزیز مصر کو حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی پر نو علامات ملیں

عزیز مصر کو حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی پر نو علامات ملیں۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
زلیخا سے پوچھا:
تیرے پاس کوئی گواہ ہے۔
بولی
نہیں۔
حضرت یوسف علیہ السلام سے پوچھا:
تیرے پاس کوئی گواہ ہے۔
آپ علیہ السلام نے فرمایا:
نہیں۔

عزیز (مصر) نے اندر جا کر موقع کا معائنہ کیا زلیخا نے ساتویں کوٹھڑی میں جا کر بتایا میں سو رہی تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے میرے چادر کھینچی اور مجھ کو پھسلایا واپس آ کر عزیز مصر نے غور کیا تو اس کو نو علامتیں ملیں۔

1- ہر دروازے کے پاس تالا ٹوٹا پڑا تھا۔
2- چابیوں کا پوچھا تو زلیخا کی جیب سے چابیاں ملیں۔
3- یہ گھر دس خفیہ طریقے پر زلیخا نے بنوایا تھا اپنی مرضی سے کہ یوسف علیہ السلام کو پہلے کبھی اس طرح کے گھر کی ضرورت نہ پڑی۔
4- پہلے دن سے پتہ لگ گیا تھا کہ زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام سے محبت کرتی تھی۔
5- زلیخا کا چہرہ زرد تھا اور اس پر گھبراہٹ تھی مگر حضرت یوسف علیہ السلام کا چہرہ مطمئن۔
6- زلیخا دروازے تک کیوں آئی اگر مارتی ہوئی آئی تو اس کا کوئی نشان نہیں تھا مار کھانے والے کی حالت مطمئن ہوتی۔
7- بھرے شاہی گھر میں اجنبی غلام کو یہ جرأت نہیں ہو سکتی۔
8- زلیخا نے اپنی برأت میں مجمل اور کئی مطلب والی عبارت بولی کہ کہا۔

من اراد سوءا

اس کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں۔
حضرت یوسف علیہ السلام نے مفصل عبارت بول کر زلیخا کا صاف صاف گناہ بیان کر دیا۔

9- زلیخا نے زینت کی نہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان نو علامتوں سے زلیخا کا جھوٹا ہونا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا سچا ہونا ثابت تھا۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:448 نعیمی کتب خانہ لاہور)

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی شہادت دی

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی پر شہادت دی۔

ارشاد فرمایا:

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۝ (یوسف:24)

یہ ہم نے اس لیے کیا کہ ہم ان سے بدکاری اور بے حیائی کو دور رکھیں بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں میں ہیں۔

شیطان مخلص بندوں کو گمراہ نہیں کر سکتا

شیطان اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کو گمراہ نہیں کر سکتا اور نہ ہی ان کو اپنے جال میں پھنسا سکتا ہے۔ شیطان نے خود اعتراف کیا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ (ص:82،83)

شیطان نے کہا تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو ضرور گمراہ کردوں گا ماسوا ان کے جو تیرے مخلص بندے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی پاکدامنی خود بیان فرمائی

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی پاکدامنی خود بیان فرمائی۔

ارشاد فرمایا:

هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ (یوسف:26)

یہ عورت خود مجھے بہکا رہی تھی۔

اور ارشاد فرمایا:

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ (یوسف:33)

اے میرے رب! جس کام کی طرف یہ عورتیں مجھے دعوت دے رہی ہیں اس کی بہ نسبت مجھے قید میں رہنا پسند ہے۔

عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی خود بیان کی

عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی خود بیان کی۔

کہا!

وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ (یوسف:32)

بے شک میں نے اس کو بہکایا اور اس نے اپنے آپ کو گناہ سے روکا

اور کہا:

قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ (یوسف:51)

عزیز مصر کی بیوی نے کہا اب تو حق بات ظاہر ہو ہی گئی ہے میں نے ان کو بہکایا تھا اور بے شک وہ سچوں میں سے ہیں۔

گواہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی بیان کی

گواہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی یوں بیان کی۔

وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ (یوسف:27،26)

اور اس عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے گواہی دی اگر ان کا کرتہ آگے سے پھٹا ہوا ہے تو عورت سچی ہے اور وہ جھوٹ بولنے والوں میں سے ہیں اور اگر ان کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو اس عورت نے جھوٹ بولا اور وہ سچوں میں سے ہیں۔

عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی خود بیان کی

عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی یوں بیان کی۔

قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ○ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِيْنَ ○ (یوسف:29،28)

اس نے کہا بے شک یہ تم عورتوں کا گہرا فریب ہے اور یقیناً تمہارا فریب بہت بڑا ہے۔ اے یوسف تم اس بات سے درگزر کرو اور اے عورت تو اپنے جرم کی معافی طلب کر۔ بے شک تو ہی خطا کاروں میں سے ہے۔

عزیز مصر کا اپنی بیوی کو فریب والا کہنا

جب عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو کہا یہ تم عورتوں کا فریب ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ○ (یوسف:28)

پھر جب اس نے یوسف کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی دیکھی تو اس نے کہا یہ تم عورتوں کا فریب ہے۔ بے شک تم عورتوں کا فریب بڑا (خطرناک) ہوتا ہے۔

☆ جب عزیز مصر نے تحقیق کر لی اور حضرت یوسف علیہ السلام کی صداقت اور بیوی کا جھوٹ ثابت وعیاں ہو گیا تو بیوی سے کہا کہ یہ فریب ہے اور بہتان ہے جس سے تو نے اس نوجوان کی عزت کو داغدار کرنے کی کوشش کی تم عورتوں کے فریب ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔

قَمِیۡصُہٗ قُدَّ مِنۡ دُبُرٍ فَکَذَبَتۡ وَہُوَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ۝ (یوسف:27،26)

اس عورت کے خاندان میں سے ہی ایک شخص نے شہادت دی اگر یوسف کی قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو وہ عورت سچی ہے اور یوسف جھوٹوں میں سے ہے اور اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو وہ عورت جھوٹی ہے اور یوسف سچوں میں سے ہے۔

۔۔۔ادت کے معانی

علامہ ابن اثیر الجزری لکھتے ہیں:

جس چیز کا مشاہدہ کیا ہو یا جس پر کوئی شخص حاضر ہو اس کی خبر دینا لغت میں شہادت ہے۔

(نہایہ:ج:2،ص:514 مطبوعہ ایران)

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

بصیرت سے یا آنکھوں کے ساتھ دیکھنے سے جس چیز کا علم حاصل ہو اس کی خبر دینے کو شہادت کہتے ہیں۔

(المفردات:ص:268 مطبوعہ ایران)

علامہ بویطی شافعی لکھتے ہیں:

جو شخص کسی جگہ حاضر ہو یا اس نے کبھی کسی چیز کو دیکھا ہو اس کی یقینی خبر دینے کو شہادت کہتے ہیں۔ اور کبھی اس چیز کی خبر کو ۔۔۔ادت کہتے ہیں جس کا اس کو یقین ہو یا وہ چیز مشہور ہو۔

(شرح المہذب:ج:20،ص:225 مطبوعہ بیروت)

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:

کسی حق کو ثابت کرنے کے لئے، میں گواہی دیتا ہوں کے الفاظ کے ساتھ مجلس قضاء میں سچی خبر دینا شہادت ہے۔

(فتح القدیر:ج:6،ص:446 مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

امام خلیل بن احمد لکھتے ہیں:

شہادت یہ ہے کہ

تم یہ کہو کہ فلاں شخص کو گواہ بنایا گیا سو وہ گواہ ہے۔

(کتاب العین:ج:3،ص:398 مطبوعہ دار الہجرۃ قم ایران)

۔۔۔ادت کی اقسام

شہادت کی تین اقسام ہیں۔

1۔عینی شہادت

2۔سمعی شہادت

3۔شہادت علی الشہادت

عینی شہادت

یعنی گواہ آنکھوں سے دیکھے ہوئے کسی واقعہ کو بیان کرے یہی شہادت فیصلہ کن ہوتی ہے۔

(ہدایہ اخیرین ص:159)

سمعی شہادت

یعنی گواہ کسی چیز کو سن کر اس کی شہادت دے جن امور کا تعلق سمعوعات سے ہو ان میں سمعی شہادت اتنی ہی معتبر ہوتی جتنی عینی شہادت ہے۔

(ہدایہ اخیرین ص:160)

شہادت علی الشہادت

اصل گواہ کسی شخص کو اپنی شہادت پر شاہد بنائے تب یہ گواہ اصل کی شہادت دے سکتا ہے۔

(ہدایہ اخیرین ص:158)

شہادت کا حکم

شہادت کے ساتھ دو حکم متعلق ہوتے ہیں۔

1- ایک تحمل شہادت

2- دوسرا اداء الشہادت

تحمل شہادت

تحمل شہادت کا مطلب کسی وقوعہ کا معائنہ کر کے اس کو سمجھ کر منضبط کرنا۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ: ج:6 ص:558 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اداء شہادت

اداء الشہادت کا مطلب ہے۔ اس شہادت کو قاضی کے سامنے ادا کرنا۔

تحمل شہادت کے متعلق آیات کریمہ

تحمل شہادت کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیات کریمہ ہیں۔

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ (البقرہ:282)

اور اپنے مردوں سے دو گواہ بناؤ پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں، ان گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو۔

اور ارشاد فرمایا:

وَ اَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ (البقرہ:282)

اور جب تم خرید وفروخت کرو گے تو گواہ بنالو۔

اور ارشاد فرمایا:

وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ (الطلاق:2)

اور اپنوں میں دو عادل (نیک) شخصوں کو گواہ بنالو۔

اداءِ شہادت کے متعلق آیات کریمہ

اداءِ شہادت کے متعلق یہ آیات کریمہ ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ (الطلاق:2)

اور اللہ تعالیٰ کی خاطر شہادت ادا کرو۔

اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ (البقرہ:282)

اور جب گواہوں کو (گواہی کے لئے) بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں۔

اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّـهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ (البقرہ:283)

اور گواہی کو نہ چھپاؤ، اور گواہی چھپاتا ہے تو بے شک اس کا دل گناہ گار ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

تحمل شہادت اور اداءِ شہادت دونوں فرض کفایہ ہیں۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ

اور جب گواہوں کو گواہی کے لئے بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّـهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ

ترجمہ:- ''اور گواہی نہ چھپاؤ اور جو گواہی چھپائے تو بے شک اس کا دل گناہ گار ہے۔''

نیز اس لیے کہ

شہادت ایک امانت ہے اور باقی امانتوں کی طرح اس کا ادا ہونا لازم ہے۔

(المغنی: ج:10 ص:354 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں:

شہادت کا ادا کرنا واجب ہے اور جب مدعی شاہد کو بلائے تو شہادت کو چھپانا جائز نہیں ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا یَاْبَ الشُّھَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ (البقرہ:282)

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَکْتُمُوا الشَّھَادَةَ ؕ (البقرہ:283)

اور مدعی کا گواہ کو طلب کرنا اس لیے شرط ہے کہ یہ مدعی کا حق ہے۔ سو باقی حقوق کی طرح یہ بھی طلب پر موقوف ہے اور حدود میں شہادت دینے پر گواہ کو اختیار ہے کہ خواہ ستر کرے خواہ اظہار کرے کیونکہ دونوں چیزوں میں ثواب ہے پردہ پوشی میں بھی اور اقامت حدود میں بھی اور ستر افضل ہے۔

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہزال رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

کاش تم اپنے کپڑے سے اس کا ستر کر لیتے۔

(سنن ابوداؤد: ج:2، ص:245)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ اس کی دنیا اور آخرت میں پردہ پوشی کرے گا۔

(بخاری: ج:1، ص:330)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حدود ساقط کرنے کے بارے میں جو روایات منقول ہیں ان سے ستر کا افضل ہونا صراحتاً معلوم ہوتا ہے۔

(ہدایہ اخیرین: ص: 154 مطبوعہ مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان)

علامہ مرغینانی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ

مطلقاً ستر افضل ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے اگر کوئی شخص گناہ کرنے کے بعد اس پر نادم ہو تو اس کی پردہ پوشی کرنا افضل ہے اور جو شخص علی الاعلان بدکاری کرتا ہو جس سے حدود الٰہیہ کا احترام مجروح ہو تو پھر اس کے خلاف شہادت دینا افضل ہے۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ

تحمل شہادت میں مسلمان کے حق کا تحفظ ہے اور مسلمان کے حق کا تحفظ کرنا اولیٰ ہے اور تحمل شہادت سے انکار کرنا خلاف اولیٰ یا مکروہ تنزیہی ہے اور قرآن مجید کی جن آیات میں شہداء کا لفظ آیا ہے اس سے مراد ادا شہادت کرنے والا ہے کیونکہ شہادت کرنے والے کو شاہد مجازاً کہا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ

جب شاہد کو مدعی بلائے تو شہادت کا ادا کرنا فرض ہے اور تحمل شہادت کرنا مستحب ہے۔

(فتح القدیر: ج:6، ص:447،446 مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

عورتوں کی شہادت کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

عورتوں کی شہادت کے متعلق فقہاء اسلام کے مندرجہ ذیل نظریات ہیں۔

1- زنا کے اثبات کے لئے چار آزاد مسلمان مردوں کی گواہی ضروری ہے اور اس میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کا یہی نظریہ ہے۔

(المغنی: ج:10، ص:155 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

2- بقیہ حدود اور قصاص میں کم از کم دو آزاد اور مسلمان مردوں کی گواہی ضروری ہے اور عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے۔

علامہ ابن قدامہ نے تصریح کی ہے کہ

امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کا یہی نظریہ ہے۔

(المغنی: ج:10، ص:150 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

3- عطا اور حماد سے منقول ہے کہ

تین مردوں اور دو عورتوں کی گواہی سے بھی زنا ثابت ہو جائے گا۔

اسی طرح عطا اور حماد کہتے ہیں کہ

ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی بقیہ حدود اور قصاص کے اثبات کے لئے کافی ہے۔ حضرات حدود اور قصاص کو بھی اموال پر قیاس کرتے ہیں۔

(المغنی: ج:10، ص:156 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

4- شیخ ابن حزم نے فقہاء اربعہ کے اجماع کی مخالفت کی ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ

حدود اور قصاص میں عورت کی شہادت مطلقاً مقبول ہے چنانچہ آٹھ عورتوں کی شہادت سے زنا ثابت ہو جائے گا اور بقیہ حدود اور قصاص میں ایک مرد اور دو عورتیں یا چار عورتیں گواہی دیں تو وہ ثابت ہو جائیں گے۔

(المحلی: ج:9، ص:396 مطبوعہ دار الطباعۃ المنیریہ)

5- تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ قرض اور کاروباری معاملات میں ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی شہادت جائز ہے۔

علامہ ابن قدامہ نے اس کی تصریح کی ہے۔

(المغنی: ج:10، ص:158 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ

فقہاء احناف کے نزدیک مالی حقوق کے علاوہ میں مثلاً نکاح، طلاق، وصیت، عدت، حوالہ، وقف اور صلح وغیرہ میں بھی مرد کے ساتھ دو عورتوں کی شہادت جائز ہے یعنی حدود اور قصاص کے سوا تمام معاملات میں مرد کے ساتھ دو عورتوں کو گواہ جائز ہے اور امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک ان معاملات میں عورت کو گواہ بنانا جائز نہیں ہے اور امام احمد کے اس میں دو

قول ہیں۔

(فتح القدیر: ج:6، ص: 451 مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

6- وہ تمام امور جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے۔ مثلاً حیض، عدت، رضاعت، ولادت، بکارت اور عورتوں کے عیوب وغیرہ ان میں صرف ایک عورت کی گواہی بھی جائز ہے۔

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جن چیزوں کو دیکھنے کی مرد استطاعت نہیں رکھتے ان میں عورتوں کی گواہی جائز ہے۔

علامہ مرغینانی حنفی نے اس کی تصریح کی ہے۔

(ہدایہ اخیرین: ص: 155 مطبوعہ مکتبہ شرکتہ علمیہ ملتان)

شہادت کے متعلق احادیث مبارکہ

شہادت کے متعلق متعدد احادیث مبارکہ ہیں چند عرض کرتا ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی شخص کے شہادت دینے کا ذکر کیا گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے ابن عباس! (رضی اللہ عنہما) صرف اس چیز پر شہادت دو جو تمہارے لیے سورج کی روشنی کی طرح روشن ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے سورج کی طرف اشارہ فرمایا۔

(المستدرک: ج: 4، ص: 99 مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ)

ایک اور روایت میں ہے۔

عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت کرتے ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

مدعی پر بینہ (گواہ) لازم ہیں اور مدعی علیہ پر قسم لازم ہے۔

(جامع ترمذی: ص: 212 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ

حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آئے۔

اور کہا:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تمہیں کیا حدیث بیان کی ہے۔ ہم نے انہیں حدیث بیان کی۔

انہوں نے کہا:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سچ کہا یہ آیت کریمہ میرے بارے میں نازل ہوئی ہے میرے اور ایک شخص کے درمیان کسی چیز میں جھگڑا تھا ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنا مقدمہ پیش کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یا تم دو گواہ لاؤ ورنہ یہ قسم کھائے گا۔

(صحیح البخاری: ج:1، ص:367 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دو عورتوں کے پاس اپنے اپنے بیٹے تھے۔ اچانک ایک بھیڑیا آیا اور ان میں سے ایک کے بیٹے کو کھا گیا۔

ایک عورت نے دوسری سے کہا کہ

تیرے بیٹے کو بھیڑیے نے کھایا ہے۔

دوسری نے کہا:

تیرے بیٹے کو کھایا ہے۔

ان دونوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس مقدمہ پیش کیا۔ تو حضرت داؤد علیہ السلام نے بڑی عورت کے حق میں کر دیا۔ پھر وہ دونوں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس گئیں اور ان کو واقعہ سنایا۔

انہوں نے کہا:

چھری لاؤ! میں اس بچے کے دو ٹکڑے کر کے دونوں کو ایک ایک ٹکڑا دیتا ہوں۔

تو چھوٹی عورت کہنے لگی۔

نہ نہ۔ اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام پر رحم کرے یہ اسی کا بیٹا ہے۔

تب حضرت سلیمان علیہ السلام نے چھوٹی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 4415)

بڑی عورت نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہہ دیا تھا۔ ٹھیک ہے آپ علیہ السلام اس کے دو ٹکڑے کر دیں۔ لیکن چھوٹی نے کہا نہ نہ آپ علیہ السلام اسی کو دے دیں۔ اس واقعاتی شہادت سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے جان لیا کہ بچہ اسی کا ہے جب ہی یہ اس کے دو ٹکڑے کرنے پر راضی نہیں ہوئی اور بڑی کا بچہ نہیں ہے کیونکہ وہ تو اس کے دو ٹکڑے کرنے پر راضی تھی۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت زبیر رضی اللہ عنہما سے ایک انصاری نے جھگڑا کیا۔ پتھریلی زمین کی نالی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے باغوں میں آ
۔

انصاری نے کہا:

اس پانی کو میرے لیے چھوڑ دو۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے انکار کیا پھر وہ دونوں یہ مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اے زبیر (رضی اللہ عنہ)! پہلے تم پانی سے اپنے باغ کو سیراب کرو پھر یہ پانی اپنے پڑوس کے لئے چھوڑ دو۔

انصاری اس فیصلہ سے غضب ناک ہوا اور اس نے کہا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ اس لیے کیا ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پھوپھی زاد ہے۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہوگیا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے زبیر (رضی اللہ عنہ) تم پانی دینے کے بعد پانی روک لو حتیٰ کہ دیواروں کی طرف لوٹ جائے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا:

میرا گمان ہے کہ یہ آیت کریمہ اسی موقع پر نازل ہوئی۔

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (النساء:65)

آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہوں گے جب تک کہ اپنے آپس کے جھگڑوں میں آپ کو حاکم تسلیم نہ کرلیں۔

(الترمذی: رقم الحدیث: 3027)

چونکہ اس پتھریلی زمین میں پانی کی نالی سے پہلے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے باغ میں پانی آتا تھا اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ کیا کہ پہلے اس باغ کو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پانی دیں گے اور پھر وہ انصاری پانی دے گا اور یہ واقعاتی شہادت کی بناء پر فیصلہ ہے۔

اسی طرح قسامت کا فیصلہ بھی واقعاتی شہادت پر مبنی ہے۔

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ

زمانہ جاہلیت میں قسامت کا رواج تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رواج کو برقرار رکھا۔ انصار کا ایک شخص یہود کے قلعہ میں مقتول پایا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے ابتداء کی اور ان پر پچاس قسمیں لازم کیں۔

یہود نے کہا:

ہم ہرگز قسم نہیں کھائیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے کہا۔

کیا تم قسم کھاؤ گے۔ انہوں نے قسم کھانے سے انکار کر دیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود پر دیت لازم کی کیونکہ مقتول بہر حال ان کے علاقہ میں پایا گیا تھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج:9 ص:276) (سنن ابوداؤد: ج:9 ص:266)

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی 483ھ لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص کسی محلہ میں مقتول پایا جائے تو اس محلہ والوں پر لازم ہے کہ ان کے پچاس آدمی یہ قسم کھائیں

عزوجل کی قسم نہ ہم نے اس شخص کو قتل کیا ہے نہ ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں اس قسم کے بعد وہ دیت ادا کردیں گے۔

(المبسوط: ج:26، ص:106 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

شہادت دینے والا عزیز مصر کی بیوی کا چچازاد تھا

جس شخص نے گواہی دی وہ عزیز مصر کی بیوی کا چچازاد تھا اور اس نے یہ کہا کہ اگر یوسف علیہ السلام کی قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو وہ عورت سچی ہے اور یوسف علیہ السلام جھوٹوں میں سے ہے اور اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو وہ عورت جھوٹی ہے اور یوسف علیہ السلام سچوں میں سے ہیں۔

علامہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی 597ھ لکھتے ہیں:

وہ شہادت دینے والا اس عورت (یعنی عزیز مصر کی بیوی) کا چچازاد تھا اور وہ بہت دانا شخص تھا۔ اتفاق سے وہ اس وقت عزیز مصر کے ساتھ اس عورت کے پاس جا رہا تھا۔

اس نے کہا:

ہم نے دروازے کے پیچھے کچھ آہٹ اور قمیص پھٹنے کی آواز سنی ہے مگر ہم کو یہ معلوم نہیں کہ کون کس کے آگے تھا۔ اگر قمیص آگے سے پھٹی ہے تو عورت تم سچی ہو اور اگر قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو مرد سچا ہے اور اے عورت تم جھوٹی ہو پھر جب انہوں نے قمیص کو دیکھا تو وہ پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی۔

(زاد المسیر: ج:4، ص:311)

شہادت کس نے دی؟

شہادت کس نے دی؟ اس بارے میں اقوال ہیں کہ

بعض علماء نے لکھا ہے کہ

وہ گواہی دینے والا چچا کا بیٹا تھا۔

بعض نے فرمایا:

زلیخا کے خالو کا بیٹا تھا۔

سعید بن جبیر اور الضحاک فرماتے ہیں۔

وہ بچہ تھا جسے اللہ تعالیٰ نے پنگھوڑے میں قوت گویائی عطا فرمائی تھی۔

امام بغوی فرماتے ہیں۔

اور یہ عوفی کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ

چار شخص بچپن میں بولے تھے۔

1۔ فرعون کی بیٹی کو کنگھی کرنے والی کا بیٹا

2۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا گواہ

3- جریج کا ساتھی

4- عیسیٰ بن مریم علیہ السلام

(معالم التنزیل: ج:3،ص:275 دارالفکر بیروت)

محمد بن محمد السعاف نے بیضاوی کی تخریج میں یہی حدیث نقل کی ہے۔ احمد نے اپنی سند میں ابن حبان نے اپنی صحیح میں۔ حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے۔ اور صحیح کہا ہے۔

حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے۔

اور لکھا ہے کہ

یہ شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور الطیبی اس پر مطلع نہ ہوئے۔

اور فرمایا:

صحیحین کی حدیث جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اس بات کا رد کرتی ہے کیونکہ اس میں ہے کہ پنگھوڑے میں صرف تین شخصوں نے بات کی تھی۔

1- عیسیٰ بن مریم علیہ السلام

2- جریج والا بچہ

3- اور وہ بچہ جس کو اس کی ماں دودھ پلا رہی تھی۔

ایک سوار گزرا جو بہت خوش شکل تھا۔

ماں نے کہا:

اے اللہ عزوجل! میرے بچے کو فلاں کی مثل بنادے۔

بچے نے کہا:

اے اللہ عزوجل! مجھے ایسا نہ بنا۔

پس مذکورہ افراد کی اضافت سے کل پانچ افراد ہو گئے۔

امام سیوطی فرماتے ہیں۔

پانچ سے بھی وہ زیادہ تھے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ

اصحاب الاخدود (کھائی والے) کے قصہ میں بھی بچے نے کلام کی تھی۔

فرماتے ہیں کہ

میں نے پنگھوڑے میں بات کرنے والوں کی تعداد جمع کی ہے وہ گیارہ تک پہنچتی ہے پس میں نے ایک قطعہ لکھا ہے۔

تکلم فی المھد النبی محمد ویحیی و عیسی والخلیل و مریم

و مبری جریج ثم شاھد یوسف وطفل لدی الاخدود یرویہ مسلم

وطفل علیہ مبریا لامہ — التی یقال لھا تزنی ولا تتکلم
ماشطۃ فی عہد فرعون طفلھا — وخی زمن الھادی المبارک یختم

(حاشیۃ شہاب بر تفسیر بیضاوی: ج:5،ص:292 العلمیۃ)

اس شاہد (گواہ) کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا وہ چھوٹا بچہ تھا یا بڑا آدمی؟
علماء سلف کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔
عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ
وہ (شاہد) باریش بڑا آدمی تھا اور عزیز مصر کا معتمد خاص تھا۔
(تفسیر طبری: ج:12،ص:195)
یہی قول مجاہد، عکرمہ، حسن، قتادہ، سدی، محمد بن اسحاق وغیرہ کا ہے کہ
وہ شاہد بڑا آدمی تھا۔
زید بن اسلم اور سدی نے کہا ہے کہ
وہ زلیخا کا چچازاد بھائی تھا۔
ابن اسحاق نے کہا ہے کہ
زلیخا بادشاہ وقت ریان بن ولید کی بھانجی تھی۔
عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ
وہ شاہد گہوارے میں کھیلتا چھوٹا بچہ تھا۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ہلال بن یساف، حسن، سعید بن جبیر اور ضحاک بن مزاحم سے یہی مروی ہے کہ
وہ معصوم بچہ تھا۔
ابن جریج نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔
(تفسیر طبری: ج:12،ص:194)
ایک اور حدیث میں فرمایا:
چار چھوٹے بچوں نے گفتگو کی۔
1-بنت فرعون کی مشاطہ کا بیٹا
2-شاہد حضرت یوسف علیہ السلام
3-صاحب جریج
4-اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام
(تفسیر طبری: ج:12،ص:193)
اور تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے۔

اس شاہد کے متعلق دو اقوال ہیں۔

1- ایک نوزائیدہ بچہ جو پالنے میں تھا اس نے یہ گواہی دی تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

چار بچوں نے پالنے میں کلام کیا۔

1- حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام

2- صاحب جریج

3- شاہد یوسف علیہ السلام

4- اور فرعون کی بیٹی ماشطہ کا بیٹا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 11503)

2- وہ شاہد اس عورت کا عم زاد تھا اور وہ بہت دانا شخص تھا۔

(زادالمسیر: ج:4، ص:311)

اور تفسیر نعیمی میں ہے۔

ایک شاہد نے جو اسی زلیخا کے اہل خاندان اس کے ماموں کا بیٹا تھا دو سال کی عمر کا دودھ پیتا تھا ماں کی گود میں تھا اور یا قریب کھڑی مقدمہ سن رہی تھی یا وہ خود بول پڑا یا حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کی طرف اشارہ کیا۔

بعض نے کہا:

یہ جوان مرد زلیخا کا چچازاد بھائی تھا اور اس نے سوراخ سے آگے دوڑنا اور زلیخا کا یوسف علیہ السلام کو پکڑنا دیکھ لیا تھا۔

بعض نے کہا:

ایک ہرنی آئی اور قدرت الٰہی عزوجل سے بافصاحت صاف صاف قبطی زبان میں بولی۔ مگر یہ سب غلط ہے قرآن مجید اس آیت کے خلاف ہے۔ ہرنی من اھلھا نہیں ہو سکتی اور جوان مرد دیکھنے والا اپنے دیکھنے کا ذکر کرتا نہ کہ اگر مگر۔

حدیث پاک میں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بچوں نے چار لوگوں کے لئے شیر خوارگی میں کلام کیا۔

1- زلیخا کے اہل نے حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے۔

2- فرعون کی منہ بولی بیٹی کے ایک سالہ بچے نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے۔

3- حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے۔

4- جریج کے لئے فاحشہ مزنیہ کے حرامی بچے نے۔

ثابت ہوا کہ

شیر خوار بچے نے کہا:

وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ اگر ہو اس کی قمیص اس حالت میں کہ پھاڑی گئی ہو پیچھے سے تو زلیخا جھوٹی ہے اور یوسف بچوں میں سے ہے۔ اس لیے کہ آگے سے پھاڑنا دفاع پر دلالت کرتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے بارادہ گناہ حملہ کیا اور زلیخا نے اپنا بچاؤ کیا دونوں آمنے سامنے تھے زلیخا نے دھکا دیا جس سے اگلا دامن پھٹ گیا۔ پیچھے سے قمیص پھاڑنا خواہش اور طلب اور پکڑ پر دلالت کرتا ہے کہ یوسف علیہ السلام بھاگے آگے لگ کر آگے والا پیچھا چھڑانا چاہتا ہے۔ زلیخا پیچھے بھاگی پیچھے بھاگنا پکڑنے کے لئے ہوتا ہے۔ قمیص ہی بتا دے گی کہ کون پیچھے تھا کون آگے کون طالب تھا کون مطلوب کون سچا ہے کون جھوٹا۔

بعض نے کہا کہ

اصل شاہد قمیص تھی مگر مجازاً بچہ۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:448 تا 449 نعیمی کتب خانہ لاہور)

تیرہ اشخاص نے بچپن میں کلام کیا

تیرہ (13) اشخاص نے بچپن میں کلام کیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

1- شاہد حضرت یوسف علیہ السلام نے
2- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
3- حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے
4- حضرت مریم رضی اللہ عنہا نے
5- حضرت ابراہیم علیہ السلام نے
6- حضرت نوح علیہ السلام نے
7- حضرت یوسف علیہ السلام نے
8- حضرت موسیٰ علیہ السلام
9- حضرت یحییٰ علیہ السلام نے
10- خدود والے مسلمانوں کا وہ بچہ جس کو ظالم بادشاہ نے تندور کی آگ میں پھینک دیا تھا۔
11- ایک کافر کے بچہ مبارک یمامہ شیر خوار بچے نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی دی۔
12- جریج راہب کے لئے مزینہ کے بچے نے
13- محی الدین عربی علیہ الرحمۃ کی بیٹی نے۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:449 نعیمی کتب خانہ لاہور)

عزیز مصر کو حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی پر نو علامات ملیں

عزیز مصر کو حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی پر نو علامات ملیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

زلیخا سے پوچھا:

تیرے پاس کوئی گواہ ہے۔

بولی

نہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام سے پوچھا:

تیرے پاس کوئی گواہ ہے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

نہیں۔

عزیز (مصر) نے اندر جا کر موقع کا معائنہ کیا زلیخا نے ساتویں کوٹھڑی میں جا کر بتایا میں سو رہی تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے میرے چادر کھینچی اور مجھ کو پھسلایا واپس آ کر عزیز مصر نے غور کیا تو اس کو نو علامتیں ملیں۔

1- ہر دروازے کے پاس تالا ٹوٹا پڑا تھا۔

2- چابیوں کا پوچھا تو زلیخا کی جیب سے چابیاں ملیں۔

3- یہ گھر دس خفیہ طریقے پر زلیخا نے بنوایا تھا اپنی مرضی سے کہ یوسف علیہ السلام کو پہلے کبھی اس طرح کے گھر کی ضرورت نہ پڑی۔

4- پہلے دن سے پتہ لگ گیا تھا کہ زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام سے محبت کرتی تھی۔

5- زلیخا کا چہرہ زرد تھا اور اس پر گھبراہٹ تھی مگر حضرت یوسف علیہ السلام کا چہرہ مطمئن۔

6- زلیخا دروازے تک کیوں آئی اگر مارتی ہوئی آئی تو اس کا کوئی نشان نہیں تھا مار کھانے والے کی حالت مطمئن نہ ہوتی۔

7- بھرے شاہی گھر میں اجنبی غلام کو یہ جرأت نہیں ہو سکتی۔

8- زلیخا نے اپنی برأت میں مجمل اور کئی مطلب والی عبارت بولی کہ

کہا۔

من اراد سوءا

اس کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے معقل عبارت بول کر زلیخا کا صاف صاف گناہ بیان کر دیا۔

9- زلیخا نے زینت کی نہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان نو علامتوں سے زلیخا کا جھوٹا ہونا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا سچا ہونا ثابت تھا۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:448 نعیمی کتب خانہ لاہور)

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی شہادت دی

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی پر شہادت دی۔

ارشاد فرمایا:

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ○ (یوسف:24)

یہ ہم نے اس لیے کیا کہ ہم ان سے بدکاری اور بے حیائی کو دور رکھیں بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں میں ہیں۔

شیطان مخلص بندوں کو گمراہ نہیں کر سکتا

شیطان اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کو گمراہ نہیں کر سکتا اور نہ ہی ان کو اپنے جال میں پھنسا سکتا ہے۔ شیطان نے خود اعتراف کیا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ○ (ص:82،83)

شیطان نے کہا تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو ضرور گمراہ کر دوں گا ماسوا ان کے جو تیرے مخلص بندے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی پاکدامنی خود بیان فرمائی

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی پاکدامنی خود بیان فرمائی۔

ارشاد فرمایا:

هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ (یوسف:26)

یہ عورت خود مجھے بہکا رہی تھی۔

اور ارشاد فرمایا:

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ (یوسف:33)

اے میرے رب! جس کام کی طرف یہ عورتیں مجھے دعوت دے رہی ہیں اس کی بہ نسبت مجھے قید میں رہنا پسند ہے۔

عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی خود بیان کی

عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی خود بیان کی۔

کہا!

وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ (یوسف:32)

بے شک میں نے اس کو بہکایا اور اس نے اپنے آپ کو (گناہ سے) بچائے رکھا۔

اور کہا:

قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ (یوسف:51)

عزیز مصر کی بیوی نے کہا اب تو حق بات ظاہر ہو ہی گئی ہے میں نے ان کو بہکایا تھا اور بے شک وہ سچوں میں سے ہیں۔

گواہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی بیان کی

گواہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی یوں بیان کی۔

وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ (یوسف:27،26)

اور اس عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے گواہی دی اگر ان کا کرتہ آگے سے پھٹا ہوا ہے تو عورت سچی ہے اور وہ جھوٹ بولنے والوں میں سے ہیں اور اگر ان کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو اس عورت نے جھوٹ بولا اور وہ سچوں میں سے ہیں۔

عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی خود بیان کی

عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی یوں بیان کی۔

قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ○ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ښ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ○ (یوسف:29،28)

اس نے کہا بے شک یہ تم عورتوں کا گہرا فریب ہے اور یقیناً تمہارا فریب بہت بڑا ہے۔ اے یوسف تم اس بات سے درگزر کرو اور اے عورت تو اپنے جرم کی معافی طلب کر۔ بے شک تو ہی خطا کاروں میں سے ہے۔

عزیز مصر کا اپنی بیوی کو فریب والا کہنا

جب عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو کہا یہ تم عورتوں کا فریب ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ○ (یوسف:28)

پھر جب اس نے یوسف کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی دیکھی تو اس نے کہا یہ تم عورتوں کا فریب ہے۔ بے شک تم عورتوں کا فریب بڑا (خطرناک) ہوتا ہے۔

☆ جب عزیز مصر نے تحقیق کر لی اور حضرت یوسف علیہ السلام کی صداقت اور بیوی کا جھوٹ ثابت وعیاں ہو گیا تو بیوی سے کہا کہ یہ فریب ہے اور بہتان ہے جس سے تو نے اس نوجوان کی عزت کو داغدار کرنے کی کوشش کی تم عورتوں کے فریب ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔

عورتوں کا فریب عظیم ہونا

تم عورتوں کا فریب بہت عظیم ہوتا ہے۔
اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے۔
وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا۝ (النساء:28)
اور انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔
پس جب انسان فی نفسہ ضعیف ہے تو انسان کی ایک قسم یعنی عورت کا مکر وفریب اور ان کی سازش عظیم کیسے ہوگئی؟
اس کا جواب یہ ہے کہ
انسان کی خلقت فرشتوں، جنات، آسمانوں، سیاروں اور پہاڑوں کی بہ نسبت ضعیف ہے اور عورتوں کا مکر وفریب اور ان کی سازش مردوں کے مکر وفریب اور ان کی سازش کے مقابلہ میں عظیم ہوتی ہے۔
اس کی تائید اس حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے۔
حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر یا عید الاضحیٰ کی نماز پڑھانے کے لئے عیدگاہ میں تشریف لے گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے پاس سے گزرے تو عورتوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:
اے خواتین! تم صدقہ کیا کرو۔ کیونکہ مجھے یہ دکھایا گیا ہے کہ اہل دوزخ میں تمہاری تعداد بہت زیادہ ہے۔
عورتوں نے پوچھا:
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کس وجہ سے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تم لعن طعن بہت زیادہ کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو اور عورتیں جو ناقص العقل اور ناقص الدین ہیں۔ ان میں سے میں نے کوئی ایسی نہیں دیکھی جو تم سے زیادہ کسی ہوشیار اور دانا مرد کی عقل کو زائل کرنے والی ہو۔
انہوں نے پوچھا:
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے دین میں کیا کمی ہے اور ہماری عقل میں کیا کمی ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
کیا یہ بات نہیں ہے کہ عورت کی شہادت مرد کی شہادت کا نصف ہوتی ہے۔
انہوں نے کہا:
کیوں نہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ عورتوں کی عقل کی کمی ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب عورتوں کو حیض آتا ہے تو وہ نہ نماز پڑھتی ہیں نہ روزہ رکھتی ہیں۔
انہوں نے کہا:
کیوں نہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ ان کے دین کی کمی ہے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 304)
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 80)
(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 4679)
(سنن النسائی: رقم الحدیث: 1576)
(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 4003)

شیطان کا مکروفریب ضعیف اور عورتوں کا مکروفریب عظیم

تفسیر نعیمی میں ہے۔
یہاں عورتوں کے مکر (وفریب) کو عظیم کہا اس لیے کہ اس کے زیادہ نقصان ہیں۔ شیطان کے مکروفریب کو ضعیف کہا کیونکہ عورتوں کا مکر شیطان کے مکر سے ڈبل ہوتا ہے اور عورت ہزار ناز کرنے، فیشن، چست لباس سے مرد کو لبھا سکتی ہے بھلا شیطان سرخی پاؤڈر لگا کر مرد کو کسی طرح بہکائے اور ساڑھی باندھ کر کسی طرح آئے ہر عورت کے مکر میں شیطان کا مکر شامل ہے کیونکہ عورت شیطان کا جال ہے۔
(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:455 نعیمی کتب خانہ لاہور)

عزیز مصر کا حضرت یوسف علیہ السلام کو درگزر کرنے کا کہنا

عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کہا کہ میری بیوی کو معاف کردو۔
یعنی درگزر کردو۔
قرآن مجید میں ہے:
یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا سکتہ (یوسف:29)
یوسف اس سے درگزر کرو۔

درگزر کرنے کے فضائل

درگزر کرنے کے کثیر فضائل ہیں چند عرض کرتا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا۔ بندے کے معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ اس کی عزت ہی بڑھاتا ہے اور جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے عاجزی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند کرتا ہے۔
(صحیح مسلم: ج:2، ص:321 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

اس حدیث مبارکہ میں جو عزت بڑھانے کا ذکر ہے اس کے دو محمل ہیں۔
ایک یہ کہ
جس کا قصور معاف کیا جائے اس کے دل میں معاف کرنے والے کی عزت بڑھ جاتی ہے۔
دوسرا یہ کہ
اللہ تعالیٰ آخرت میں معاف کرنے والے کی عزت بڑھائے گا۔

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو شخص نرمی سے محروم رہا وہ خیر سے محروم رہا۔
(صحیح مسلم: ج:2، ص:322 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ رفیق ہے اور رفق اور نرمی کو پسند کرتا ہے وہ نرمی کی وجہ سے اتنی چیزیں عطا فرماتا ہے جو سختی کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے عطا نہیں فرماتا۔
(صحیح مسلم: ج:2، ص:322 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
وہ شخص پہلوان نہیں ہے جو لوگوں کو پچھاڑے بڑا پہلوان تو وہ شخص ہے جو غصہ کے وقت خود کو قابو میں رکھ سکے۔
(صحیح مسلم: ج:2، ص:326 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو شخص لڑے۔ دو میں سے ایک کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور گردن کی رگیں پھول گئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھے ایک ایسا کلمہ معلوم ہے اگر وہ کلمہ یہ شخص کہہ دے تو اس کا غصہ چلا جائے گا۔

وہ کلمہ یہ ہے۔

اعوذ باالله من الشيطن الرجيم ۔

(صحیح مسلم: ج:2،ص:326 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بھی تکلیف پہنچائی گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کبھی بدلہ نہیں لیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑا جائے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی وجہ سے انتقام لیتے تھے۔

(صحیح بخاری: ج:2،ص:1013 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے زیادہ آسان چیز کو اختیار فرماتے بہ شرطیکہ وہ گناہ نہ ہو اور اگر وہ گناہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ اس سے دور رہنے والے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی ذات کے لئے انتقام نہیں لیا مگر یہ کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی حدود کی خلاف ورزی کرے۔

(صحیح مسلم: ج:2،ص:256 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

قرآن مجید میں بارہ چیزوں کو عظیم فرمایا

تفسیر نعیمی میں ہے۔

شرعی قانون یہ ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس کام کو کرتا دیکھیں اور منع نہ فرمائیں وہ جائز ہو جاتا ہے اور قرآن مجید جس کو بیان فرمائے یعنی شریعت یا پچھلوں کی نقل فرما کر تردید نہ کرے تو وہ اسلام میں بھی قانون کی حیثیت رکھتی ہے اور وہ حقیقت ہوتی ہے اس لحاظ سے قرآن مجید نے بارہ چیزوں کو عظیم فرمایا۔

1 - اپنی ذات کو عظیم فرمایا اس لیے کہ ذات واحد ہے اور سب کائنات کا اکیلا خالق ہے اور کائنات کے ذرے ذرے کو جانتا ہے۔ ذرے ذرے میں اس کی کاریگری کے جوہر نمایاں ہیں۔

2- عرش کو عظیم فرمایا اس لیے کہ مخلوق میں سب سے بڑا ہے اس کے چار ستون ہیں اور ہر ستون کے تین سو ساٹھ پائے ہیں ہر پایا اتنا موٹا ہے کہ فرشتے اپنی رفتار سے اسی برس میں ایک چکر کاٹتے ہیں۔

3- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو عظیم کہا اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن پاک ہے اور دشمنوں پر احسان فرمانا ہے۔

4- حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ کو عظیم کہا اس لیے کہ تین ہزار تین سو سترہ سال تک جنت میں اس کی پرورش ہوئی۔

5- فرعون کے جادو کو عظیم کہا کہ سب سانپ بن گئے رسیاں بانس جو ستر (70) یا اسی (80) اونٹوں پر لدی تھیں۔

6- قیامت کے زلزلے کو عظیم کہا اس لیے کہ سب عزیز ایک دوسرے سے اس وقت بھاگ جائیں گے۔

7- شرک کو عظیم کہا کہ شرک سے زمین آسمان پہاڑ ٹوٹنے کے قریب ہو جاتے ہیں اور بجز جن وانس سب کانپ جاتے ہیں۔

8- قرآن پاک کو عظیم کہا کہ اس لیے کہ ہر خشک وتر چیز اس میں ہے۔

9- تخت بلقیس کو عظیم کہا اس لیے کہ دنیا کے تختوں میں سب سے بھاری تھا۔

10- قیامت کو عظیم کہا اس لیے کہ سب سے بڑے اجتماع کا دن ہے۔

11- بہتان تراشی کو عظیم کہا اس لیے کہ یہ سب سے بڑی خیانت ہے۔

12- اور یہاں عورتوں کے مکر کو عظیم کہا اس لیے کہ اس کے زیادہ نقصان ہیں۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:455 نعیمی کتب خانہ لاہور)

عزیز مصر کی بیوی کو گناہ کی معافی مانگنے کا حکم

عزیز مصر نے اپنی بیوی کو گناہ کی معافی مانگنے کا حکم دیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاسْتَغْفِرِیْ لِذَنْۢبِكِ ۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِیْنَ ۝ (یوسف:29)

اے عورت! تم اپنے گناہ کی معافی مانگو بے شک تم گناہ گاروں میں سے تھیں۔

عزیز مصر کا ناراضگی میں بیوی کو چالیس دن نہ ملنا

جب عزیز مصر نے اپنی بیوی کو ڈانٹ لیا تو پھر غصہ میں گھر سے باہر چلا گیا اور اپنی بیوی کو چالیس دن نہ ملا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ رکھا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

عزیز مصر ناراضگی میں باہر چلا گیا چالیس دن تک زلیخا سے نہ ملا حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی اپنے ساتھ ہی رکھا۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:456 نعیمی کتب خانہ لاہور)

شہر کی عورتوں کا عزیز مصر کی بیوی کے متعلق اپنے غلام کی محبت میں کھونے کا قول

شہر کی عورتیں یہ باتیں کرنے لگ گئیں کہ عزیز مصر کی بیوی اپنے غلام کو اپنی جانب راغب کر رہی ہے اس کی محبت اس کے دل میں چھا گئی ہے ہم تو اس کو صریح سے راہ روی میں ملاحظہ کر رہی ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (یوسف:30)

اور عورتیں شہر میں یہ باتیں کرنے لگیں کہ عزیز مصر کی بیوی اپنے نوجوان (غلام) کو اپنی طرف راغب کر رہی ہے اس کی محبت اس کے دل پر چھا چکی ہے بے شک ہم اس کو صریح بے راہ روی میں دیکھ رہی ہیں۔

باتیں کرنے والی عورتوں کے متعلق اقوال

جن عورتوں نے راغب کرنے کی باتیں کیں ان کے متعلق دو اقوال ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ

وہ چار عورتیں تھیں۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ

وہ پانچ عورتیں تھیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

1- ان میں سے ایک بادشاہ کے ساقی کی بیوی تھی۔

2- دوسری بادشاہ کے وزیر کی بیوی تھی۔

3- تیسری جیل کے داروغہ کی بیوی تھی۔

4- اور چوتھی باورچی کی بیوی تھی۔

مقاتل نے ان چار کے علاوہ نقیب کی بیوی کا بھی اضافہ کیا ہے۔

(زاد المسیر: ج:4، ص:214 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

اور معالم التنزیل میں ہے۔

پانچ عورتیں ہیں۔

1- چوکیدار کی بیوی

2- پانی لانے والے کی بیوی

3- روٹی پکانے والے کی بیوی

4- جیل کے داروغے کی بیوی

5-اور جانور چرانے والے کی بیوی۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:277،دار الفکر بیروت)

اور تفسیر نعیمی میں ہے۔

عزیز مصر نے بہت چاہا تھا کہ اس واقعے کا کہیں تذکرہ نہ ہو مگر داستان عشق و محبت بھی کبھی چھپی رہتی ہے یہ وہ آگ ہے کہ جتنا پانی ڈالا جاتا اتنی ہی بھڑکتی ہے۔شہر کی چالیس پچاس عورتوں میں یہ بات پھیل گئی تب محل کی پانچ عورتوں نے کسی محفل میں یہ بات کی۔

1-شراب والے ساقی کی بیوی

2-دربان کی بیوی

3-عزیز کے مشیر خاص کی بیوی

4-اور مشیر خاص کی بہن

5-باورچی کی بیوی

(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:456 نعیمی کتب خانہ لاہور)

عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر سے مانگا تھا

عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر سے مانگا تھا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا:

عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر سے مانگ لیا تھا۔عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اسے بخش دیا۔

اور پوچھا:

تم اس کا کیا کرو گی۔

اس نے کہا:

میں اس کو بیٹا بناؤں گی۔

اس نے کہا:

یہ تمہارا ہے۔

اس عورت نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پرورش کی اور اس کے دل میں حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت تھی۔وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے بن سنور کے رہتی تھی اور مختلف حیلوں سے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف مائل اور راغب کرنے کی کوشش کرتی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس کے شر سے محفوظ رکھا۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:9،ص:155 دار الفکر بیروت)

عزیز مصر کی بیوی کے دل میں حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت کا عالم

عزیز مصر کی بیوی کے دل میں حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت کا یہ عالم تھا کہ وہ آپ علیہ السلام کے علاوہ کسی چیز کو سمجھتی ہی نہ تھی۔

معالم التنزیل میں ہے۔

الکلبی نے کہا کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت اس کے دل پر اس طرح چھا گئی تھی کہ وہ اس کے علاوہ کسی چیز کو کچھ سمجھتی ہی نہیں تھی۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:277 دار الفکر بیروت)

تین قسم کا عشق کیا

تفسیر نعیمی میں ہے۔

زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام سے تین قسم کا عشق کیا۔

1-عشق روحانی۔

جب خواب میں دیکھا۔

2-جب مصر میں دیکھا تو عشق نفسانی نے غلبہ کیا اور زلیخا کے مکر کے ساتھ شیطان معاون ہوا۔

3-جب زلیخا مسلمان ہوئی تو اخلاص نصیب ہوا اور شیطان بھاگ گیا اس کا تسلط ٹوٹا۔ تب عشق ایمانی ہوا۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:457 نعیمی کتب خانہ لاہور)

عاشق ایمانی چار کام کرتا ہے

تفسیر نعیمی میں ہے۔

عاشق ایمانی چار کام کرتا ہے۔

1-محبوب کو راضی رکھنا چاہتا ہے۔

2-اس کے دوستوں کی دوستی اس کے دشمنوں سے دشمنی چاہتا ہے۔

3-محبوب کے روح کی قسمیں کھاتا ہے۔

4-مطلوب کی رضا چاہتا ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:457 نعیمی کتب خانہ لاہور)

عشق روحانی کی چار نشانیاں

عشق روحانی کی چار نشانیاں ہیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

1-مفلسی جیسی کہ زلیخا کو عزیز مصر کے مرنے کے بعد ملی۔

2-سرد آہیں بھرنا جیسی کہ زلیخا دیدار یوسفی سے پہلے بھرتی تھی۔

3-انس اور پیار۔

4-وسواس اور ہر وقت جدائی کا دھڑکا۔

اسی لیے طالب اپنے مطلوب کو اپنے میں سمو لینا چاہتا ہے غیر کی طرف اس کی نظر بھی برداشت نہیں کرتا۔ معشوق کسی کی طرف مسکرا کر بھی دیکھے تو عاشق کے دل پر چھری چل جاتی ہے۔ عاشق کی مفلسی بھی اس لیے ہوتی ہے کہ وہ معشوق کے ذکر اور نام پر ہر چیز نثار کر دیتا ہے۔

یہ جو سنی بریلوی لوگ نعت خوانوں کو ایک نعت پر ہزاروں روپیہ دے دیتے ہیں سب ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کی علامت ہے۔

(تفسیر روح البیان: صاوی، کبیر، مدارک، خازن)

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:457 نعیمی کتب خانہ لاہور)

محبت کا معنیٰ اور اللہ تعالیٰ اور رسول کی محبت کی تحقیق

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

انسان چیز کو اپنے زمان کے مطابق اچھا گمان کرے اس چیز کے ارادہ کرنے کو محبت کہتے ہیں۔

اس کی تین صورتیں ہیں۔

انسان لذت کی وجہ سے محبت کرتا ہے۔

جیسا کہ

1-انسان عمدہ کھانوں اور حسین عورتوں سے محبت کرتا ہے۔

2-اور کبھی انسان نفع کی وجہ سے محبت کرتا ہے۔

جیسا کہ

اطباء اور حکماء سے محبت کرتا ہے۔

3-اور کبھی انسان فضل اور کمال کی وجہ سے محبت کرتا ہے۔

جیسا کہ

انسان علماء اور اولیاء اللہ سے محبت کرتا ہے۔

بہادروں اور سخیوں سے محبت کرتا ہے۔

ملک اور قوم کے لئے نمایاں کام کرنے والے سے محبت کرتا ہے۔

کبھی ایک چیز کو دوسری چیز پر ترجیح دینے کو بھی محبت کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ (ابراہیم:3)

جولوگ دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جو بندہ سے محبت کرتا ہے اس کا معنیٰ ہے وہ ان پر انعام واکرام کرتا ہے اور اس کو اپنی رحمت اور مغفرت نوازتا ہے۔

فرمایا:

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿ (آل عمران:134)

اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اور جو بندہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اس کا معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کی رضا کا طالب ہے۔

(المفردات:ص:105 مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

ابن عرفہ نے کہا:

اہل عرب کے نزدیک کسی شے کے ارادہ اور اس کے قصد کو محبت کہتے ہیں۔

ازہری نے کہا:

اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا معنیٰ یہ ہے کہ

ان کی اطاعت کی جائے اور ان کے احکام پر عمل کیا جائے۔

اور اللہ تعالیٰ کی بندہ سے محبت کا معنیٰ یہ ہے کہ

وہ اس کو اپنی مغفرت سے نواز دے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

بے شک وہ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ

وہ کافروں کو نہیں بخشے گا۔

سہل بن عبداللہ نے کہا:

اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامت قرآن سے محبت کرنا ہے اور قرآن مجید سے محبت کی علامت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم محبت کرنا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی علامت سنت سے محبت کرنا ہے اور ان سب سے محبت کی علامت آ سے محبت کرنا ہے۔

اور آخرت سے محبت کی علامت یہ ہے کہ

قدر ضرورت کے علاوہ دنیا سے بغض رکھے۔

(الجامع الاحکام القرآن:ج:4،ص:61-60 مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

اللہ تعالیٰ کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ان مقدس نفوس کے ساتھ محبت پر موقوف ہے اور اس بارے میں متعدد احادیث مبارکہ ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں۔

امام بخاری نقل کرتے ہیں کہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوگا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد، اس کی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تین خصلتیں جس شخص میں ہوں گی وہ ایمان کی مٹھاس پالے گا۔

یہ کہ اسے اللہ عزوجل اور اس کا رسول ان کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں اور وہ جس شخص سے محبت کرے تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرے اور اس کے نزدیک کفر میں لوٹنا آگ میں ڈالے جانے کی طرح مکروہ ہو۔

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایمان کی علامت انصار سے محبت کرنا۔

اور نفاق کی علامت انصار سے بغض رکھنا ہے۔

(صحیح بخاری: ج:1 ص:7 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی 279ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرے اصحاب کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرو میرے بعد ان کو طعن اور تشنیع کا نشانہ نہ بناؤ جس نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی تو عنقریب اس کو اپنی گرفت میں لے لے گا۔

(جامع ترمذی: ص:549 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جس نے حسن اور حسین رضی اللہ عنہما سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔
(سنن ابن ماجہ: ص:13 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو شخص میرے ولی سے عداوت رکھتا ہے میں اس سے اعلان جنگ کر دیتا ہوں۔
(صحیح بخاری: ج:2، ص:963 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام ندا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندہ سے محبت رکھتا ہے تم اس سے محبت رکھو تو جبرائیل علیہ السلام اس بندہ سے محبت کرتا ہے پھر جبرائیل علیہ السلام آسمان والوں میں ندا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندہ سے محبت کرتا ہے تم اس سے محبت رکھو تو آسمان والے اس سے محبت رکھتے ہیں پھر اس بندہ کے لئے زمین میں مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔
(صحیح بخاری: ج:2، ص:892 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)
ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت کرام سے محبت رکھنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اولیاء اللہ سے محبت رکھنا ضروری ہے اور جو شخص ان نفوس مقدسیہ کی محبت سے محروم ہو وہ کبھی اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل نہیں کر سکتا اور نہ کر سکے گا حتیٰ کہ ان مقدس نفوس سے محبت نہ کرے۔
جن افعال اور عبادات سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے وہ بندے کے لئے اللہ تعالیٰ کی محبت کا ذریعہ ہیں۔ ان افعال اور عبادات کا ذکر ان احادیث مبارکہ میں ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو شخص میرے ولی سے عداوت رکھتا ہے میں اس سے اعلان جنگ کر دیتا ہوں جن چیزوں سے بندہ میرا تقرب حاصل کرتا ہے ان میں ان سے بڑھ کر اور کوئی چیز مجھ کو محبوب نہیں جو میں نے اس پر فرض کیا ہے اور بندہ نوافل کے ساتھ میرا قرب

کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں پھر میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پیر ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو ضرور دیتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اس کو ضرور پناہ دیتا ہوں اور میں کسی کام کے کرنے میں اتنی تاخیر نہیں کرتا جتنی بندہ مومن کی روح قبض کرنے میں تاخیر کرتا ہوں وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اسے رنجیدہ کرنے کو ناپسند کرتا ہوں۔

(صحیح بخاری: ج:2، ص:963 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

یہود کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔

انہوں نے کہا:

السام علیکم (تم پر موت ہو)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

میں نے اس کو سمجھ لیا۔

میں نے کہا:

تم پر موت اور لعنت ہو۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ٹھہرو! اے عائشہ (رضی اللہ عنہا) اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں نرمی کرنے سے محبت کرتا ہے۔

(صحیح بخاری: ج:2، ص:890 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی 273ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا۔

اور عرض کرنے لگا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے ایسا عمل بتلائیے جب میں وہ عمل کرلوں تو اللہ تعالیٰ بھی مجھ سے محبت کرے اور لوگ بھی محبت کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دنیا سے بے رغبتی کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور لوگوں کے ہاتھوں میں جو چیزیں ہیں ان سے بے رغبتی کرو تو لوگ محبت کریں گے۔

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ اس بندہ مومن سے محبت کرتا ہے جو تنگ دست ہو۔ سوال سے بچتا ہو اور عیال دار ہو۔
(سنن ابن ماجہ: ص: 302، 303 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اللہ تعالیٰ احادیث مبارکہ میں وارد ہونے والے افعال و عبادات سے محبت کرتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل چاہتا ہے وہ ان افعال و عبادات سے محبت کرے پھر اللہ تعالیٰ بھی محبت کرے گا۔

جن افعال سے اللہ تعالیٰ محبت نہیں کرتا ان سے بچنا بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کا ذریعہ ہے۔ ان افعال کا ذکر بھی احادیث مبارکہ میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ مال ضائع کرنے سے، زیادہ سوال کرنے سے اور بحث کرنے سے محبت نہیں کرتا۔
(مجمع الزوائد: ج: 1، ص: 303 مطبوعہ دار الکتاب العربی)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ جاہل بوڑھے، ظالم امیر اور متکبر فقیر سے محبت نہیں کرتا۔
(مجمع الزوائد: ج: 8، ص: 75 مطبوعہ بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔
بنو ضمرہ کے ایک شخص نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ ماں باپ کی نافرمانی سے محبت نہیں کرتا۔
(المصنف: ج: 8، ص: 49 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ عزوجل بد خلق اور بد زبان سے محبت نہیں کرتا۔
(المعجم الکبیر: ج: 1، ص: 165 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ان احادیث مبارکہ میں وارد ہونے والے افعال سے بچنا اللہ تعالیٰ کی محبت کا ذریعہ ہے۔ صرف یہ ہی افعال نہیں

افعال کا اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے اس کو کر گزرنا اور جن جن افعال سے منع فرمایا ہے ان سے رک جانا اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ذریعہ ہے۔

عزیز مصر کی بیوی کا مصر کی عورتوں کی نکتہ چینی سن کر ان کو بلانا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو سامنے آنے کیلئے کہنا

جب عورتیں شہر میں باتیں کرنے لگ گئیں کہ عزیز مصر کی بیوی اپنے نوجوان (غلام) کو اپنی طرف راغب کر رہی ہے اس کی محبت اس کے دل میں چھا چکی ہے ہم تو اس کو صریح بے راہ روی میں دیکھ رہی ہیں تب عزیز مصر کی بیوی نے ان عورتوں کو بلایا جو نکتہ چینی کر رہی تھیں اور پھر ان عورتوں کے ہاتھوں میں چھری دے دی اور حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے سامنے آنے کا کہا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّ اٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ (یوسف:31)

جب اس عورت نے ان عورتوں کی نکتہ چینی سنی تو اس نے ان کو بلوایا اور اس نے ان کے لئے تکیے سجا کر ایک محفل منعقد کی اور ان میں ہر ایک کو ایک چھری دے دی اور (یوسف سے) کہا ان کے سامنے آؤ۔

مصر کی عورتوں نے نکتہ چینی کیوں کی تھی؟

مصر کی عورتوں کے نکتہ چینی کو مکر سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور اس کی چند وجوہات ہیں۔

ایک وجہ یہ ہے کہ

ان عورتوں نے یہ نکتہ چینی اس لیے کی تھی تا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے رخ زیبا کو دیکھ سکیں کیونکہ ان کو اندازہ تھا کہ جب عزیز مصر کی بیوی ان کی اس تنقید کو سنے گی تو وہ ان کو حضرت یوسف علیہ السلام کا چہرہ مبارک دکھائے گی تا کہ ان عورتوں کو معلوم ہو جائے کہ اگر وہ حضرت یوسف علیہ السلام پر فریفتہ ہو گئی ہے تو وہ اس میں معذور ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ

عزیز مصر کی بیوی نے ان عورتوں کو اپنا راز دار بنایا تھا۔

اور یہ بتا دیا تھا کہ

وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے محبت کرتی ہے لیکن جب ان عورتوں نے اس کا راز فاش کر دیا تو یہ ان کی بدعہدی اور مکر تھا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ

ان عورتوں نے اس کی غیبت کی تھی اور یہ غیبت مکر کے مشابہ تھی۔

وہ عورتیں بظاہر عزیز مصر کی بیوی پر نکتہ چینی کر رہی تھیں کہ وہ اپنے غلام پر فریفتہ ہو گئی ہے لیکن حقیقت میں وہ یہ چاہتی تھیں کہ عزیز مصر کی بیوی اپنا عذر ظاہر کرنے کے لئے انہیں حضرت یوسف علیہ السلام کا حسین و جمیل چہرہ دکھائے اسی طرح جب نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امام بنانے کا حکم دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیں۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی عورتوں کی طرح ہو۔

جیسا کہ روایت میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری کے ایام میں ارشاد فرمایا:

ابوبکر (رضی اللہ عنہ) سے کہو کہ

وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

میں نے کہا:

ابوبکر (رضی اللہ عنہ) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کھڑے ہوں گے تو ان پر رونے کا غلبہ ہوگا اور وہ لوگوں کو اپنی قرأت نہیں سنا سکیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم فرمائیں۔

پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ

آپ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کھڑے ہوں گے تو ان پر رونے کا غلبہ ہوگا اور وہ لوگوں کو اپنی قرأت نہیں سنا سکیں گے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اسی طرح کہا۔

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

چھوڑو! تم تو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی عورتوں کی طرح ہو۔

ابوبکر (رضی اللہ عنہ) سے کہو کہ

وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

میں تمہارے مقابلہ میں کبھی خیر کو حاصل نہیں کر سکتی۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 679)

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 418)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا منشاء یہ تھا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف ایک مرتبہ حکم سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امام بنا دیا جاتا تو ہوسکتا ہے کہ لوگ یہ کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماری کے کسی حال میں

یا تھا یا سہو یا غفلت میں حکم دیا تھا یا اتفاقاً یہ حکم دیا تھا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ کسی اور کی طرف دلائی جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو حکم دے دیتے لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ دلائی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امام بنانے کا حکم دیا تو واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غفلت یا بیماری کے کسی حال میں یہ حکم نہیں دیا تھا بلکہ پوری توجہ، حاضر دماغی اور بیداری ذہن کے ساتھ یہ حکم دیا تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا بار بار کسی اور کا سوال کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر بار بالاصرار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حکم دینا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت کو پختہ اور مؤکد کر دیتا ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا:

تم یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی عورتوں کی طرح ہو یعنی جس طرح وہ بظاہر عزیز مصر کی بیوی پر نکتہ چینی کر رہی تھیں اور حقیقت میں حضرت یوسف علیہ السلام کا جمال دیکھنا چاہتی تھیں اسی طرح تم بھی بظاہر یہ کہہ رہی ہو کہ کسی اور کو امام بنایا جائے اور در حقیقت تم یہ چاہتی ہو کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت کو اور پختہ اور مؤکد کر دیا جائے تا کہ کوئی کہنے والا یہ نہ کہہ سکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماری کے کسی حال میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امام بنایا تھا۔

اس کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ

مصر کی عورتوں کی نکتہ چینی صرف حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھنے کی تھی کیونکہ جب وہ اس نکتہ چینی کو سنے گی تو حضرت یوسف علیہ السلام کا چہرہ مبارکہ دکھائے گی اور ہم بھی دیکھ لیں گی۔

عورتوں نے مکر کیوں کیا

عورتوں نے مکر صرف اس وجہ سے کیا تا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو دکھائے گی اور ہم حضرت یوسف علیہ السلام کا چہرہ مبارکہ دیکھ لیں گی۔

معالم التنزیل میں ہے۔

ابن اسحاق نے کہا کہ

انہوں نے یہ مکر اس لیے کیا تھا کہ تا کہ وہ انہیں حضرت یوسف علیہ السلام کا دیدار کرائے جس کے حسن و جمال کا تذکرہ وہ صبح وشام ان کے سامنے کرتی تھی۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ

اس سے اس کا راز ان کے سامنے افشاء ہو گیا تھا پھر انہوں نے اسے چھپائے رکھا پھر افشاء کیا اس لیے اسے مکر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:277 دار الفکر بیروت)

شاہی کھانے پر چالیس عورتوں کو مدعو کیا

عزیز مصر کی بیوی پر جب مصر کی عورتوں نے نکتہ چینی کی تو اس نے چالیس عورتوں کو شاہی کھانے پر مدعو کیا۔

معالم التنزیل میں ہے۔

وہب نے کہا ہے کہ

اس نے ایک پرتکلف شاہی کھانا تیار کیا اور ان چالیس عورتوں کو مدعو کیا جنھوں نے اسے یوسف علیہ السلام پر فریفتگی طعنہ دیا تھا۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:277دار الفکر بیروت)

عزیز مصر کی بیوی نے رنگ برنگے کھانوں اور پھلوں سے دستر خوان سجایا

عزیز مصر کی بیوی نے جب نکتہ چینی کرنے والی عورتوں کو بلایا تو دستر خوان کو رنگ برنگے کھانوں اور پھلوں سے سجایا۔

چنانچہ معالم التنزیل میں ہے۔

امام بغوی فرماتے ہیں۔

عزیز مصر کی بیوی نے رنگ برنگے پھلوں اور کھانوں سے دستر خوان سجایا اور گاؤ تکیے لگا دیئے پھر عورتوں کو دعوت دی۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:278دار الفکر بیروت)

دعوت چھ ماہ یا دو ماہ بعد ہوئی

جب عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی جانب راغب کرنے کی کوشش کی تو اس واقعہ کے چھ ماہ یا دو ماہ بعد ملکی نکتہ چینی کرنے والی عورتوں کو دعوت دی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

زلیخا نے ان کی طرف پیغام دعوت بھیجا یہ دعوت اس واقعے کے چھ ماہ یا دو ماہ بعد ہوئی۔

(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:463 نعیمی کتب خانہ لاہور)

عزیز مصر کی بیوی کا اہتمام دعوت کے تین مقاصد

عزیز مصر کی بیوی کا اہتمام دعوت کے تین مقاصد تھے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

زلیخا نے اپنی ملازماؤں اور لونڈیوں کے ذریعے نہایت عمدہ طریقے سے دعوت گاہ کو سجایا۔

اس اہتمام کے تین مقاصد تھے۔

1- اگر وہ سب عورتیں زلیخا کی ملازمین اور ماتحتوں کی بیویاں اور مائیں بہنیں تھیں مگر ان کی عزت افزائی کی تا کہ آئندہ طعن میں زبان نہ کھولیں۔ غریب اور مزدور پیشہ کو جب کوئی عزت دیتا ہے خواہ بناوٹی اور مطلبی عزت ہی کیوں نہ ہو تو وہ اتنا خوش ہے کہ اس کا بندۂ بیدام بن جاتا ہے۔ جتنے بھی باطل وعیار لوگ ہیں وہ یہی ہتھکنڈا استعمال کرتے ہیں۔ مزدور جلدی ساتھی ہے۔

2- اگر چہ وہ عورتیں اتنی اہمیت اور عزت افزائی کے لائق نہ تھیں مگر دیدار جس کا کرانا تھا جس کی شان کی دھاک بٹھانا

وہ بڑا عظیم تھا۔

علماء کرام فرماتے ہیں کہ

جہاں قرآن مجید پڑھانا ہو وہاں خوب خوشنمائی سجاوٹ کرو خوبصورت پردے، قالین بچھاؤ، خوشبو مچاؤ اس طرح ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی محفل سجانا فرض ہے یہ مہمانوں کا ادب نہیں بلکہ قرآن کریم اور صاحب قرآن کا احترام ہے۔

3- کچھ عورتیں رئیس زادیاں تھیں ان کی خاطر اتنا اہتمام کیا گیا۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:464 نعیمی کتب خانہ لاہور)

لونڈی کا بدگو عورتیں کہنے پر عزیز مصر کی بیوی کا جواب دینا

تفسیر نعیمی میں ہے۔

ایک لونڈی نے کہا:

وہ عورتیں تو تیری بدگو ہیں پھر ان کا اتنا احترام کیوں۔

زلیخا نے کہا:

میں تلوار کی مار نہیں مارنا چاہتی بلکہ دیدار یوسفی دکھا کر پھر فراق کی مار مارنا چاہتی ہوں۔ عاشق جب تک فراق کے بھنور میں رہتا ہے اس سے بڑھ کر دیوانہ کوئی نہیں ہوتا کیونکہ وہ تلاش محبوب میں مجنون ہوتا ہے اور جب وصل پاتا ہے تو اس سے بڑھ کر سیانا کوئی نہیں ہوتا کیونکہ وہ مطلوب کی حفاظت میں ہر شے پر نظر رکھتا ہے ہر چیز کو سمجھتا ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:464 نعیمی کتب خانہ لاہور)

دعوت کھانے کی نہ تھی

تفسیر نعیمی میں ہے۔

یہ دعوت بھی ایک مکر تھا ان کے مکر کے جواب میں یہ دعوت کھانا غذا کی نہ تھی بلکہ بعد نماز ظہر قبل عصر عصرانہ تھی جس میں صرف پھل اور دودھ ہوتا ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:464 نعیمی کتب خانہ لاہور)

عورتوں کا پھلوں کے بجائے ہاتھوں کو کاٹنا

جب حضرت یوسف علیہ السلام مصر کی عورتوں کے سامنے آئے تو انہوں نے پھلوں کے بجائے اپنے ہاتھوں کو کاٹ ڈالا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا رَاَیْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ (یوسف:31)

ان عورتوں نے جب یوسف کو دیکھا تو بہت عظیم جانا اور انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے۔

عورتوں کی عقلیں حسن یوسف علیہ السلام میں مغلوب ہو گئیں

جب مصر کی عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھا تو ان کی عقلیں مغلوب ہو گئیں اور حسن یوسف

میں اس قدر منہمک ہوئیں کہ پھلوں کے بجائے ہاتھوں کو کاٹ ڈالا اور ان کو پتہ نہ چل سکا کہ وہ کیا کر رہی ہیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

ابن زید نے کہا:

وہ عورتیں چھریوں کے ساتھ اپنے ہاتھوں کو کاٹ رہی تھیں اور ان کا یہی گمان تھا کہ وہ پھلوں کو کاٹ رہی ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھ کر ان کی عقلیں جاتی رہی تھیں۔

قتادہ نے کہا:

انہوں نے اپنے ہاتھوں کو کاٹ ڈالا اور ان کو بالکل پتا نہیں چلا۔

ابن اسحاق نے کہا کہ

عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ

آپ علیہ السلام ان کے سامنے آئیں تو حضرت یوسف علیہ السلام ان کے سامنے آئے جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھا تو ان کی عقلیں مغلوب ہوگئیں۔ انہوں نے چھریوں سے اپنے ہاتھوں کو کاٹ ڈالا اور ان کو بالکل پتہ نہیں چلا کہ وہ کیا کر رہی ہیں۔

(جامع البیان: جز: 12، ص: 270 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حسن یوسف علیہ السلام میں منہمک ہونے کی وجہ سے ہاتھوں کو کاٹنے سے درد نہیں ہوا

جب مصر کی عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھا تو اپنے ہاتھوں کو کاٹ ڈالا اور ہاتھ کٹ جانے میں ان کو درد محسوس نہیں ہوا بلکہ مسلسل کاٹتی ہی رہیں۔

امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ

اس عورت نے منتظم سے کہا کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کو سفید لباس پہناؤ کیونکہ سفید لباس میں انسان زیادہ حسین معلوم ہوتا ہے اور جس وقت وہ عورتیں پھل کاٹ رہی ہوں اس وقت یوسف علیہ السلام کو ان کے سامنے لے جانا۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام ان کے سامنے آئے تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھنے میں ایسی مدہوش ہوئیں کہ انہوں نے پھلوں کی بجائے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور ان کو درد کا بالکل احساس نہیں ہوا۔

(الدر المنثور: ج: 4، ص: 531 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کو لوگوں کا نصف حسن عطا فرمانا

حضرت یوسف علیہ السلام کو لوگوں کا نصف حسن عطا فرمایا گیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے معراج کے سلسلہ میں ایک طویل حدیث روایت کی ہے۔

اس میں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

پھر مجھے تیسرے آسمان کی طرف لے جایا گیا۔حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا۔

ان سے پوچھا گیا۔

تم کون ہو؟

انہوں نے کہا:

جبرائیل (علیہ السلام)

ان سے پوچھا گیا۔

تمہارے ساتھ کون ہے؟

انہوں نے کہا:

(سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

پوچھا گیا۔

کیا انہیں بلایا گیا ہے۔

انہوں نے کہا:

ہاں! انہیں بلایا گیا ہے۔

پھر ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا تو وہاں حضرت یوسف علیہ السلام تھے اور (لوگوں کا) نصف حسن ان کو عطا فرمایا گیا تھا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 404)

حضرت یوسف علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کی والدہ کو نصف حسن عطا فرمانا

حضرت یوسف علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کی والدہ کو لوگوں کا نصف حسن عطا فرمایا گیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کی والدہ کو نصف حسن عطا کیا گیا تھا۔

(مسند احمد: رقم الحدیث: 14052)

حسن کے دو حصے کیے گئے

ربیعہ الجرشی نے کہا:

حسن کے دو حصے کیے گئے۔

ایک حصہ حضرت یوسف علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کی والدہ کو دیا گیا اور باقی ایک حصہ تمام لوگوں کو دیا گیا۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 14715) (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 11559)

حضرت یوسف علیہ السلام کا چہرہ بجلی کی طرح چمکتا تھا

حضرت یوسف علیہ السلام کا چہرہ مبارکہ بجلی کی طرح چمکتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کا چہرہ بجلی کی طرح چمکتا تھا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث:11559)

حضرت یوسف علیہ السلام فتنے کی وجہ سے چہرہ پر نقاب ڈالتے تھے

حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس کوئی عورت جب کسی کام سے آتی تو فتنے کی وجہ سے آپ علیہ السلام اپنے چہرے پر نقاب ڈال لیتے تھے۔

امام ابن المنذر ر، امام ابوالشیخ اور امام طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کا چہرہ بجلی کی طرح چمکتا تھا اور جب کوئی عورت ان کے پاس کسی کام سے آتی تو حضرت یوسف علیہ السلام اپنے چہرے پر نقاب ڈال لیتے تھے اس خوف سے کہ کہیں وہ عورت کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔

(الدر المنثور: ج:4، ص:532 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا چہرہ مبارکہ مصر کی دیواروں پر چمکنا

امام ابوالشیخ نے اسحاق بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام جب مصر کی گلیوں میں جاتے تھے تو ان کا چہرہ دیواروں پر اس طرح چمکتا تھا جس طرح سورج دیواروں پر چمکتا ہے۔

(الدر المنثور: ج:4، ص:532 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کا عالم

امام عبد بن حمید، امام ابن المنذر راور امام ابوالشیخ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کی لوگوں پر اس طرح فضیلت تھی جس طرح چودھویں رات کے چاند کی ستاروں پر فضیلت ہوتی ہے۔

(الدر المنثور: ج:4، ص:532 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد عورتوں کا درد محسوس کرنا

جب حضرت یوسف علیہ السلام اس مجلس سے تشریف لے گئے تو مصر کی عورتوں کو ہاتھ کٹنے کا درد پھر محسوس ہوا۔

امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ

جب حضرت یوسف علیہ السلام ان کے سامنے سے چلے گئے تو پھر انہیں درد کا احساس ہوا۔

اور پھر عزیز مصر کی بیوی نے کہا:

تم نے تو ایک لمحہ کے لئے یوسف علیہ السلام کو دیکھا ہے تو تمہارا یہ حال ہو گیا تو سوچو کہ جو دن رات حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ رہتی ہو اس کا کیا حال ہوا ہوگا۔

(الدر المنثور:ج:4،ص:532 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مصر کی عورتوں کا مبہوت ہونا

جب مصر کی عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو وہ مبہوت ہو گئیں۔

(معالم التنزیل:ج:3،ص:278 دار الفکر بیروت)

مصر کی عورتوں نے سوائے خون کے کچھ محسوس نہ کیا

مصر کی عورتوں کے دل حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال میں یوں مستغرق تھے کہ انہیں ہاتھ کٹنے کی تکلیف کا احساس ہی نہ ہوا۔

مجاہد نے کہا:

انہوں نے سوائے خون کے کچھ محسوس نہ کیا۔

(معالم التنزیل:ج:3،ص:278 دار الفکر بیروت)

ہاتھ بازوؤں سے جدا ہونے کا قول

قتادہ نے فرمایا کہ

مصر کی عورتوں نے اپنے ہاتھ جدا کر دیئے تھے حتیٰ کہ ہاتھ پھینک دیئے تھے۔

مگر اصح یہ ہے کہ وہ ہاتھ کٹے تھے بالکل جدا نہ ہوئے تھے۔

(معالم التنزیل:ج:3،ص:278 دار الفکر بیروت)

ایک جماعت کا حسن یوسف میں فوت ہو جانے کا قول

وہب نے فرمایا کہ

ان میں سے ایک جماعت اسی سبب سے مر بھی گئی تھی۔

(معالم التنزیل:ج:3،ص:278 دار الفکر بیروت)

مصر کی عورتوں کا ہاتھ کٹنے پر عزیز مصر کی بیوی کا قول

بعض لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ

کھانا کھانے کے بعد زلیخا نے ان عورتوں کے سامنے ترنج رکھ دیئے اور ہر ایک کے ہاتھ میں چھری تھما دی۔

پھر زلیخا ان سے پوچھنے لگی کہ

کیا تم یوسف علیہ السلام کی جھلک دیکھنا چاہتی ہو۔

انہوں نے کہا:

ہاں۔

زلیخا نے آپ علیہ السلام کو بلا بھیجا۔ جب عورتوں نے آپ علیہ السلام کو دیکھا تو آپ علیہ السلام کی عظمت سے مرعوب ہو کر اپنے ہی ہاتھ کاٹنے لگیں پھر زلیخا نے آپ علیہ السلام کو واپس چلنے کا کہا تا کہ وہ آتے جاتے آپ علیہ السلام کا اچھی طرح دیدار کر لیں۔ آپ علیہ السلام کے تشریف لے جانے کے بعد انہیں تکلیف کا احساس ہوا اب وہ تلملانے اور واویلا کرنے لگیں

زلیخا نے انہیں کہا کہ

تم ایک نظر سے گھائل ہو گئیں اور یہ کچھ کر بیٹھیں بھلا مجھے کیسے ملامت کی جا سکتی ہے (میں تو ہر وقت دیدار کرتی رہتی ہوں)

(تفسیر ابن کثیر: ج:2،ص:822)

مصر کی عورتوں کا کہنا کہ یہ بشر نہیں بلکہ معزز فرشتہ ہے

جب مصر کی عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کو دیکھ کر اپنے ہاتھوں کو کاٹ ڈالا تو کہا یہ کوئی بشر نہیں بلکہ یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ○ (یوسف:31)

اور کہا سبحان اللہ! یہ بشر نہیں ہے یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو فرشتہ کہنے کی وجوہ

حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کی ان عورتوں نے جو یہ کہا تھا کہ

یہ بشر نہیں ہے یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے۔

اس سے ان کا مقصود یہ تھا کہ

یہ بہت غیر معمولی حسن کے مالک ہیں اس لیے کہ عام لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات مرکوز ہے کہ فرشتوں سے زیادہ کوئی حسین نہیں ہوتا اور شیطان سے زیادہ کوئی بدشکل نہیں ہوتا لہٰذا ان کا حضرت یوسف علیہ السلام کو فرشتہ کہنا ان کے غیر معمولی حسن کی وجہ سے تھا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ

فرشتوں میں شہوت اور غضب کا مادہ نہیں ہوتا۔ ان کی غذا تو صرف اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے۔ پھر جب ان عورتوں نے دیکھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان عورتوں میں سے کسی عورت کے چہرے کی طرف نہیں دیکھا حالانکہ جب کوئی آدمی عورتوں کے پاس سے گزرے تو ان کی طرف ضرور نظر ڈالتا ہے۔

تو انہوں نے کہا:

یہ بشر نہیں ہے یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے۔

ان کا مطلب یہ تھا کہ

ہم نے ان میں کوئی شہوت کا اثر نہیں دیکھا نہ ان میں بشریت یا انسانیت کا کوئی تقاضا دیکھا۔ یہ انسان اور بشر کی تمام سفلی ...ات سے منزہ ہیں اور انہیں دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے انسانیت کے پیکر میں کوئی عظیم فرشتہ ہو۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ:

ان عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر کہا۔

حاشا اللہ! یعنی عزیز مصر کی بیوی نے ان پر جو تہمت لگائی ہے یہ اس تہمت سے بہت دور ہیں اور یہ تو گناہوں سے بری ...نے میں فرشتوں کی طرح معصوم ہیں یہ کوئی عام بشر نہیں ہیں جن کے متعلق ایسی بدگمانی کی جا سکے۔

ایک وجہ یہ ہے کہ

وہ عورتیں زلیخا سے کہنے لگیں سبحان اللہ یہ کوئی بشر نہیں بلکہ معزز فرشتہ ہے۔

اے زلیخا!

ہم تمہیں معذور سمجھتی ہیں۔ یہ دیکھ لینے کے بعد ہم تمہیں قابل ملامت نہیں سمجھتیں کیونکہ اس قدر حسین و جمیل جوان انہوں نے کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔

ایک وجہ یہ ہے کہ

یہ خریدا ہوا نہیں ہے۔ یہ تو معزز فرشتہ ہے۔

(روح المعانی: ج:12، ص:232)

...صر کی عورتوں کے قول کا عالم

تفسیر نعیمی میں ہے۔

نہیں یہ یوسف علیہ السلام مگر بہت ہی مکرم فرشتہ یعنی عام فرشتہ بھی نہیں بلکہ عام فرشتوں سے اعلیٰ۔ یہ سب مدہوشی اور ...گی کے عالم میں گفتگو ہوئی اس طرح کہ نگاہوں میں جمال یوسف زبانوں پر ثناء یوسف اور ہاتھوں میں قضاء یوسف یعنی ...ری۔ کچھ دیر جھلک دکھائی پھر چلے گئے یا خود زلیخا کے کہنے سے۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:465 نعیمی کتب خانہ لاہور)

...زیز مصر کی بیوی کا قول کہ یہی ہے وہ جس کی وجہ سے تم مجھ کو ملامت کرتی تھیں

جب حضرت یوسف علیہ السلام مجلس سے چلے گئے تو عزیز مصر کی بیوی نے مجلس کی عورتوں کو کہا کہ یہی ہے وہ جس کی وجہ ...ے تم مجھ کو ملامت کرتی تھیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِیْهِ ؕ (یوسف:32)

ان نے کہا یہی ہے وہ جس کی وجہ سے تم مجھ کو ملامت کرتی تھیں۔

☆ جب حضرت یوسف علیہ السلام اچانک ان عورتوں کے سامنے آئے تو وہ جلوۂ یوسف علیہ السلام دیکھ کر ایسی مدہوش

ہوئیں کہ بے خودی میں انہوں نے پھلوں کے بجائے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور ان کو احساس تک نہیں ہوا۔ تب عزیز مصر کی نے کہا یہی ہے وہ جس کی وجہ سے تم مجھ کو ملامت کرتی تھیں تم نے تو اس کو ایک لحہ کے لئے دیکھا اور اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تو سوچ لو کہ جو اس کے ساتھ دن رات رہتی ہو اس کی بے خودی کا کیا حال ہوگا۔

امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ

جب حضرت یوسف علیہ السلام ان کے آمنے سامنے آئے تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھنے میں ایسی مدہوش ہوئیں کہ انہوں نے پھلوں کی بجائے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور ان کو درد کا بالکل احساس نہیں ہوا اور جب حضرت یوسف علیہ السلام ان کے سامنے سے چلے گئے تو پھر انہیں درد کا احساس ہوا اور پھر عزیز مصر کی بیوی نے کہا تم نے تو ایک لحہ کے لئے یوسف علیہ السلام کو دیکھا ہے تو تمہارا یہ حال ہو گیا تو سوچو کہ جو دن رات حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ رہتی ہو اس کا کیا حال ہوا گا۔

(الدر المنثور: ج:4، ص:531 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

درد کی شدت کی وجہ سے کراہنا اور رونا

جب مصر کی عورتوں نے حسن یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو پھلوں کی بجائے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے پھر جب حضرت یوسف علیہ السلام چلے گئے تو پھر درد ہوا اور کراہنے اور رونے لگ گئیں۔

امام ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ

جب حضرت یوسف علیہ السلام ان عورتوں کے سامنے سے چلے گئے تو عزیز مصر کی بیوی نے کہا:

یہ ہے وہ شخص جس سے محبت کی وجہ سے تم مجھ کو ملامت کر رہی تھیں تم نے دیکھ لیا کہ تم اس کو ایک نظر دیکھ کر اس قدر مدہوش ہوئیں کہ تم نے پھلوں کی بجائے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور تم کو بالکل درد نہیں ہوا۔ جب ان عورتوں نے اپنے کٹے ہوئے ہاتھوں اور بہتے ہوئے خون کو دیکھا تو وہ درد کی شدت سے کراہنے اور رونے لگیں۔

(الدر المنثور: ج:4، ص:532 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

عزیز مصر کی بیوی کا عورتوں کو جھڑکنا

تفسیر نعیمی میں ہے۔

جب اچھی طرح بدحالی ہوگئی اور جمال یوسف نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تب درد محسوس ہوا اور پتہ لگا کہ پلک جھپکنے میں ... ہو گیا۔ اب درد بھی، تڑپ بھی اور پھڑک بھی۔

تو زلیخا بولی۔

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِیْهِ

بولی پس دیکھ لیا تم نے وہ یوسف تمہارا یہ تھا۔

وہ تھا یہ جس کے بارے میں تم مجھ کو ملامت کرتی رہیں اب تم نے دیکھ لیا کہ ایک جھلک دیکھنے کی تم میں تاب نہیں۔ ...

یعنی ظاہر نے یوسف کو دیکھا تو کیا حال ہوا کہ ظاہر جسم زخمی، لہولہان ہو گیا میرے تو دل نے، قلب نے، باطن نے، سینہ و نے، عقل و دماغ نے یوسف کو دیکھا تو کیا حال ہوا ہو گا میں کیونکر عشق میں مجنون نہ ہوتی اور جنون میں کیا کچھ نہ کر لیتی اور ابھی میرا عشق سرد نہیں ہوا میں کشتۂ عشق یوسفی میں ہوں۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:465 نعیمی کتب خانہ لاہور)

عزیز مصر کی بیوی کا اعتراف جرم

عزیز مصر کی بیوی نے خود اعتراف جرم کیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ (یوسف:32)

میں نے اس کو اپنی طرف راغب کیا تھا یہ بچا رہا۔

میں محبت میں معذور ہوں

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

زلیخا کہنے لگی کہ

اس چیز کے بارے میں تم مجھے ملامت کیا کرتی تھیں حالانکہ میں اس محبت میں معذور ہوں۔ یہ اپنے جمال و کمال کے باعث واقعی اس بات کا مستحق ہے کہ اس سے محبت کی جائے میں نے تو اسے ورغلانے کی پوری کوشش کی لیکن یہ رکا رہا اور اپنے نیک ارادے پر ڈٹا رہا۔

(تفسیر ابن کثیر: ج:2، ص:823)

عزیز مصر کی بیوی کا عورتوں کے سامنے پوشیدہ صفات کا ذکر کرنا

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ

جب ان عورتوں نے آپ کے ظاہری حسن و جمال کا مشاہدہ کیا تو زلیخا نے آپ علیہ السلام کی ان عمدہ صفات کا تذکرہ کیا جو ان کی آنکھوں سے پوشیدہ تھیں یعنی اس قدر حسن و جمال کے ساتھ ساتھ عفت اور پاکبازی۔

(تفسیر ابن کثیر: ج:2، ص:823)

خوشنما جال سے بچ گیا

تفسیر نعیمی میں ہے۔

میں اپنے گناہ عشق جرم وارفتگی کا اقرار کرتی ہوں کیا چھپا رہ گیا ہے واقعی میں نے ہی اس کی ذات سے اس کو پھسلایا بہکایا اس بہادر دلیر کی شان دیکھو کہ ایسے خوشنما جال سے بچ گیا کہ جوانی قدموں پر نثار ہو رہی تھی، حسن غلام بنا کھڑا تھا، دولت باندی بن کر آ گئی تھی، سلطنت پاؤں تلے آنے کی تیاری میں تھی اس نے سب کو ٹھکرا دیا

(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:465 نعیمی کتب خانہ لاہور)

عزیز مصر کی بیوی کا قید کرنے کا کہنا

جب عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی مصر کی عورتوں کو بیان کر دی اور اپنی محبت کا جوش نکالا تو کہنے لگی کہ اگر اس نے وہ کام نہیں کیا جو میں نے اس سے کہا ہے تو اس کو قید کر دیا جائے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَ لَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ٥ (یوسف:32)

اور اگر اس نے وہ کام نہیں کیا جو میں نے اس سے کہا ہے تو یہ ضرور قید کر دیا جائے گا اور یہ بے عزت لوگوں میں سے ہو جائے گا۔

عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کہا کہ اگر انہوں نے اس کی خواہش پوری نہ کی تو وہ ان کو قید کروادے اور ان کو بے عزت کرادے گی اور یہ بہت بڑی اور خطرناک دھمکی تھی کیونکہ جو شخص لوگوں کی نگاہوں میں عزت دار ہو جو منصب نبوت اور مرتبہ رسالت پر فائز ہو اگر اس کی عزت و ناموس کو خطرہ ہو اور لوگوں کی نگاہوں میں اس کے بے توقیر ہونے کا کھٹکا ہو یہ اس کے لئے سخت آزمائش ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

پھر زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام کو دھمکی دیتے ہوئے کہتی ہے۔

وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ

(تفسیر ابن کثیر: ج:2،ص:823)

عزیز مصر کی بیوی کا قید کا قول کا پس منظر

تفسیر نعیمی میں ہے۔

میرا عشق ایسا جھوٹا نہیں ہے کہ ختم ہو جائے لہٰذا اب بھی زبان محبت و عشق سے یہ کہہ رہی ہوں۔

وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَ لَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ٥

اور قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اگر وہ غلام اب بھی میری اس بات کو نہ مانے گا جس کا میں اب اس کو حکم دیتی ہوں یا آئندہ دوں گی یعنی محبت کا جواب محبت سے دینے کا یا اس کا کہ تو مستقل میرا بن جا۔ مجھ سے بے رغبت نہ ہو۔

(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:465 نعیمی کتب خانہ لاہور)

عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو پانچ طرح بہکانے کی کوشش کی

تفسیر نعیمی میں ہے۔

زلیخا نے پانچ طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو بہکانے کی کوشش کی۔

1- میں سب سے زیادہ حسینہ ہوں۔

2-میں مالدار ہوں۔

3-میں سخی بھی ہوں جیسا کہ تم نے دیکھ لیا کہ تمہاری خاطر کتنی دولت لٹائی اور تم کو کیسا عیش دیا۔

4-میں نافرمان کو سزا بھی دے دلا سکتی ہوں کیونکہ حکومت میرے قبضے میں ہے۔

5-تو البتہ ضرور قید کیا جائے گا۔

اور البتہ ضرور اپنی موجودہ شان وشوکت گنوا کر ذلیلوں میں ہوگا کہ وہی پھٹے کپڑے ہوں گے اور یوسف ہوگا وہی سوکھی روٹی، خشک ٹکڑے ہوں گے اور یوسف ہوگا ہر طرح کے مجرم قاتل، چور، ڈاکو ہوں گے اور ان کی بدتمیز صحبت ہوگی اور یوسف ہوگا جیل کا فرش خاکی ہوگا اور یوسف ہوگا چونکہ مجھ کو یہ برداشت نہیں لہٰذا یوسف میری محبت برداشت کرے۔ یہ سب کلام اوپری زبان سے ہے نہ کہ قلب کی گہرائی سے۔ زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کی غیر موجودگی میں کیا یا واقعی دیوانگی کے جوش میں یہ سب کچھ کہہ گزری یا عورتوں پر رعب جمانے کے لئے اور یہ تاثر دینے کے لئے کہ مجھ کو غلام سے خائف نہ سمجھو میں اس کو زیر کرنا چاہتی ہوں ورنہ جو عورت ایک معمولی طعنہ نہ برداشت کر سکے غیرت مندی میں آ جائے اپنے خاوند کے سامنے اپنا عیب کھلنا پسند نہ کرے بھلا وہ باہوش حالت میں اب اپنا عیب کس طرح افشاء کرسکتی ہے اور کیسے آئندہ گناہ کا تذکرہ کرسکتی ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:466 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام نے قید ہونے کی دعا فرمائی

جب عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قید کروا دینے کا کہا تو آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے قید ہونے کی دعا فرمائی کہ مجھے گناہ کرنے سے زیادہ اچھا یہ ہے کہ قید کر دیا جاؤں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ ۚ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ○ (یوسف:33)

یوسف نے کہا اے میرے رب مجھے قید ہونا اس گناہ سے پسند ہے جس کی طرف مجھے یہ دعوت دیتی ہیں اور اگر تو نے ان کی سازش مجھ سے دور نہ کی تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے ذہن میں وسواس

حضرت یوسف علیہ السلام کے ذہن میں طرح طرح کے وسواس تھے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام کے ذہن میں انواع واقسام کے وسوسے تھے۔

1-عزیز مصر کی بیوی بہت خوب صورت ہے۔

2-وہ بہت مال دار اور بڑے مرتبہ کی ہے۔

اور وہ یہ کہتی ہے کہ

اگر تم نے میری خواہش پوری کر دی تو میں سب کچھ تم پر نچھاور کر دوں گی۔

3- محفل میں شریک ہر عورت ان سے اپنی خواہش کا اظہار کر رہی تھی اور خواہش پوری نہ کرنے کی صورت میں ان کو دھمکیاں دے رہی تھیں اور اس معاملہ میں عورتوں کی سازشیں بہت سنگین ہوتی ہیں۔

4- حضرت یوسف علیہ السلام ان عورتوں کے شر سے بہت خوف زدہ تھے ان کو یہ خطرہ تھا کہ اگر ان عورتوں کی بات نہ مانی تو ان کو قتل کروا دیں گی۔ اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے ذہن میں اس کام کی طرف ترغیب کی بھی وجوہات تھیں اور کام نہ کرنے کی صورت میں ڈر اور خوف کی بھی وجوہات تھیں۔

(تفسیر کبیر: تحت آیہ تفسیر 33......)

مجھے قید ہونا اس گناہ سے پسند ہے

حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا:

اے میرے رب! مجھے قید ہونا اس گناہ سے پسند ہے جس کی طرف مجھے یہ دعوت دیتی ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ ۚ (یوسف:33)

یوسف نے کہا! اے میرے رب! مجھے قید ہونا اس گناہ سے پسند ہے جس کی طرف مجھے یہ دعوت دیتی ہیں۔

گناہ کی تعریفات

علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ

گناہ ان افعال کو کہتے ہیں جو ثواب کو ساقط کرنے کے موجب ہوتے ہیں۔

نیز انہوں نے لکھا ہے کہ

گناہ عدوان سے عام ہے۔

(المفردات: ص:10 مطبوعہ ایران)

علامہ فیض آبادی متوفی 817ھ نے لکھا ہے کہ

اثم کا معنیٰ ہے ذنب (گناہ) خمر اور قمار اور ہر ناجائز کام کرنے کو اثم (گناہ) کہتے ہیں۔

اور اثیم کا معنیٰ ہے۔

کذاب۔

(القاموس المحیط: ج:4، ص:99 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

گناہ کی تعریفات پر احادیث مبارکہ

گناہ کی تعریفات پر کثیر احادیث مبارکہ ہیں۔

حضرت نواس بن سمعان انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور گناہ کے متعلق سوال کیا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
نیکی اچھے اخلاق ہیں۔
اور گناہ وہ کام ہیں جو تمہارے میں اضطراب پیدا کریں اور جس کام پر تم لوگوں کے مطلع ہونے کو ناپسند کرو۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 6396)
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں نے عرض کیا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سا گناہ سب سے بڑا ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے لئے شریک قرار دو حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔
میں نے عرض کیا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پھر کون سا ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔
(مسند احمد: رقم الحدیث: 4411 طبع دار الحدیث قاہرہ)
خیثمہ بیان کرتے ہیں کہ
ہم حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں ان کا قہرمان آیا۔
حضرت عبداللہ بن عمرو نے اس سے پوچھا!
کیا تم نے غلاموں کو کھانا کھلایا ہے؟
اس نے کہا:
نہیں۔
حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا جاؤ ان کو کھانا کھلاؤ۔
پھر کہا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
کسی شخص کے گناہ کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ ان لوگوں کا کھانا روک لے جن کو کھلانے کا وہ ذمہ دار ہے۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2275)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
کسی شخص کے اثم (گناہ) کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بیان کر دے۔
(سنن ابوداؤد: ج:4، رقم الحدیث: 4992)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تمہارے اثم (گناہ) کے لئے یہ کافی ہے کہ تم ہمیشہ لڑتے جھگڑتے رہو۔
(سنن ترمذی: ج:3، رقم الحدیث: 2001)

گناہ کبیرہ وصغیرہ کی تعریفات

گناہ کبیرہ وصغیرہ کی تعریفات مختلف علماء کرام نے بیان فرمائی ہیں۔
امام فخر الدین محمد بن رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:
گناہ صغیرہ وہ گناہ جو کسی بے حیائی کے کام پر مشتمل نہ ہو۔
(تفسیر کبیر: ج:10، ص:269 داراحیاء التراث العربی بیروت)
اور گناہ کبیرہ کے متعلق امام رازی نے یوں تحریر کیا ہے کہ
1- گناہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے صراحتاً عذاب کی وعید سنائی ہو۔
2- کبیرہ وہ گناہ ہے جس کو حلال جان کر کرنا کفر ہے۔
3- اصل یہ ہے کہ
ہر معصیت کبیرہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بہت ہیں اور منعم کی مخالفت بہت بڑی برائی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ا
بندوں کی خطا اور نسیان کو معاف کر دیا ہے کیونکہ وہ ترک تعظیم پر دلالت نہیں کرتیں۔
اس کی وجہ یہ ہے کہ
یہ بندوں میں بہت ہوتی ہیں جیسے ایک آدھ بار جھوٹ بولنا یا ایک دو مرتبہ غیبت کرنا یا ایک دو بار اجنبی عورت کو دیکھنا
طرح وہ برے کام جن کے برے ہونے میں شبہ ہے اور ہر زمانے میں ان سے اجتناب کرنے والے بہت کم ہیں اسی وجہ
ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ
موسیقی سننا فسق ہے اور اگر شہر والے عادتاً موسیقی نہ سنیں تو یہ فسق نہیں ہے سوا گر ارباب عقول اس کو ترک تعظیم قرار نہ د
یہ گناہ کبیرہ نہیں ہے۔ اسی طرح اوقات کے مختلف ہونے سے بھی احکام مختلف ہو جاتے ہیں جیسے نماز کے وقت کھیلنا کبیرہ
دوسرے وقت کھیلنا کبیرہ نہیں ہے اسی طرح اشخاص کے مختلف ہونے سے بھی احکام مختلف ہو جاتے ہیں مثلاً متقی عالم جب
اجنبی عورت کا پیچھا کرے گا یا بہت زیادہ کھیل میں مشغول ہوگا تو یہ کبیرہ ہے اور جب دلال یا باندیاں فروخت کرنے والا
شخص ایسا کرے گا تو وہ کبیرہ نہیں [illegible] گناہ کے متعلق مکلف کو یہ علم یا ظن ہو کہ وہ اللہ تعا

...ں سے اس گناہ سے نکل جائے گا یا اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دے گا۔

(تفسیر کبیر: ج:10، ص:270 دار احیاء التراث العربی بیروت)

ایک تعریف یہ ہے کہ

فرض کا ترک اور حرام کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے اور واجب کا ترک اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب گناہ صغیرہ ہے۔

گناہ کبیرہ کے متعلق حسب ذیل احادیث مبارکہ ہیں۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ چیزیں حرام کر دی ہیں۔

1-ماؤں کی نافرمانی کرنا

2-حق چیز سے منع کرنا اور ناحق چیز کو طلب کرنا

3-بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا اور یہ چیزیں مکروہ قرار دی ہیں۔

فضول بحث کرنا

بہ کثرت سوال

اور مال ضائع کرنا

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:5975)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبائر کے متعلق سوال کیا گیا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

1-اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا

2-کسی کو ناحق قتل کرنا

3-ماں باپ کی نافرمانی کرنا

پھر ارشاد فرمایا:

کیا میں تم کو سب سے بڑا کبیرہ نہ بتاؤں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جھوٹ بولنا

یا جھوٹی گواہی دینا

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:5977)

گناہ کبیرہ وصغیرہ کے متعلق آیات کریمہ

گناہ کبیرہ وصغیرہ کے متعلق متعدد آیات ہیں مگر ثبوت کے لئے دو کافی ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ط اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ط (النجم:32)

جو لوگ کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں ماسوا صغیرہ گناہوں کے بے شک آپ کا رب وسیع مغفرت والا ہے۔

اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَنُدْخِلْکُمْ مُّدْخَلًا کَرِیْمًا ہ (النساء:31)

اگر تم کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرو جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمہارے (صغیرہ) گناہوں کو معاف کر دیں گے اور تم کو عزت کی جگہ میں داخل کر دیں گے۔

گناہ صغیرہ اور کبیرہ کے متعلق احادیث مبارکہ

گناہ صغیرہ اور کبیرہ کے متعلق کثیر احادیث مبارکہ ہیں مگر چند حوالہ جات کے لئے عرض کرتا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

پانچ نمازیں اور ایک جمعہ سے دوسرا جمعہ ان کے درمیان ہونے والے گناہوں کا کفارہ ہیں جب تک کہ کبائر کا ارتکاب کیا جائے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 233)

اس حدیث مبارکہ میں کبائر اور صغائر گناہوں کا ثبوت ملتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود کبائر کا ذکر فرمایا ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبائر کے متعلق سوال کیا گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

1- اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دینا

2- کسی شخص کو قتل کرنا

3- ماں باپ کی نافرمانی کرنا

پھر ارشاد فرمایا:

کیا میں تم کو سب سے بڑے کبیرہ کی خبر نہ دوں۔

ارشاد فرمایا:

جھوٹی بات کہنا یا جھوٹی گواہی دینا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5977)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سات ہلاک کرنے والے کاموں سے بچو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کیا ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

1-اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا

2-جادو کرنا

3-جس کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اس کو ناحق قتل کرنا

4-سود کھانا

5-یتیم کا مال کھانا

6-میدان جہاد سے پیٹھ موڑ کر بھاگنا

7-پاک دامن مومنات پر بدکاری کی تہمت لگانا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6857) (سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 2874)

اس حدیث مبارکہ میں سات ہلاک کرنے والے کاموں سے مراد سات کبائر ہیں اور اس کی حجت یہ حدیث مبارکہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا۔

اور تین بار ارشاد فرمایا:

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے پھر سر جھکا لیا پھر ہم میں سے ہر شخص سر جھکا کر رونے لگا۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ آپ نے کس چیز کی قسم کھائی ہے۔ پھر آپ نے سر اٹھایا تو آپ کے چہرے پر بشاشت تھی اور وہ ہمیں سرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہر جو بندہ پانچ نمازیں پڑھے۔

رمضان کے روزے رکھے۔

زکوٰۃ ادا کرے۔

اور سات کبیرہ گناہوں سے بچے اس کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔

اور اس سے کہا جائے گا کہ

سلامتی کے ساتھ داخل ہو جا۔

(سنن نسائی: رقم الحدیث: 2437)

(صحیح ابن حبان: رقم الحدیث: 1745)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے غیر اللہ کے لئے ذبح کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ لعنت فرماتا ہے اور جو شخص زمین میں علامتیں اور حدود قائم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرماتا ہے اور جو شخص راستہ دکھانے سے اندھا بن جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرماتا ہے اور جو شخص اپنے ولدین کو گالی دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرماتا ہے اور جو شخص اپنے مالکوں کے غیر کی طرف منسوب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرماتا ہے۔

(مسند احمد: رقم الحدیث: 1875)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ بتاؤ کہ تم زانی، چور اور شرابی کے متعلق کیا کہتے ہو؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی زیادہ بہتر جاننے والے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ بہت بے حیائی کے کام ہیں اور ان کی سزا ہے۔ کیا میں تم کو بہت بڑا کبیرہ نہ بتاؤں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دینا ہے۔

اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے ہوئے تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر بیٹھ گئے۔

اور ارشاد فرمایا:

اور سنو جھوٹ بولنا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

ہر وہ کام جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا اس کو کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

(معجم الکبیر: رقم الحدیث: 2633)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

کبائر یہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا۔

اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہونا۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا۔

(معجم الکبیر: رقم الحدیث: 8775)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

میں تم کو اس پر بیعت کرتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں قرار دو گے۔

اور اس شخص کو ناحق قتل نہیں کرو گے جس کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرما دیا ہے اور زنا نہیں کرو گے اور چوری نہیں کرو گے اور کسی نشہ آور مشروب کو نہیں پیو گے۔ تم میں سے کسی نے ان میں سے کوئی کام کیا پھر اس پر حد نافذ ہو گئی تو وہ اس کا کفارہ ہے اور جس شخص پر اللہ تعالیٰ نے ستر کر لیا تو اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور جس نے ان میں سے کوئی کام نہیں کیا تو میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں۔

(معجم الاوسط: رقم الحدیث: 927)

ان تمام احادیث مبارکہ میں گناہ کبیرہ کا ثبوت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔

یہ بتاؤ کہ تم میں سے کسی ایک کے دروازہ پر اگر دریا ہو اور وہ اس میں ہر روز پانچ مرتبہ غسل کرے تو کیا اس کے بدن پر میل رہے گی۔

مسلمانوں نے کہا:

اس کے بدن پر بالکل میل نہیں رہے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

پانچ نمازوں کی یہی مثال ہے ان سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 528)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر عرض کیا۔
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مدینہ منورہ کے آخری کنارے میں، میں ایک عورت کے ساتھ بغل گیر ہو گیا اور دخول کر کے سوا میں نے اس سے سب کچھ کیا۔ اب میں یہاں حاضر ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو چاہیں میرے متعلق فیصلہ فرمائیں۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:
اللہ تعالیٰ نے تیرا پردہ رکھ لیا تھا کاش تو بھی اپنا پردہ رکھتا۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ شخص اٹھ کر چل دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پیچھے کسی شخص کو بھیج کر اس کو بلوایا۔
اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔
وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ○ (ھود:114)
”دن کے دونوں کناروں اور رات کے کچھ حصہ میں نماز قائم رکھو، بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یہ نصیحت قبول کرنے والے کے لئے نصیحت ہے۔“
مسلمانوں میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا:
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا یہ آیت اس کے لئے خاص ہے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تمام لوگوں کے لئے ہے۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث:6872)
(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث:4468)
ان احادیث مبارکہ میں گناہ صغیرہ پر دلالت ہے اور اس پر کہ نیک کام کرنے سے صغائر معاف ہو جاتے ہیں۔

گناہ کبیرہ کے متعلق اقوال

امام رافعی نے الشرح الکبیر میں لکھا ہے کہ
کبیرہ وہ گناہ ہے جو حد کا موجب ہو۔
یہ بھی کہا گیا ہے کہ
جس کے مرتکب پر کتاب یا سنت میں وعید کی تصریح ہو۔
امام بغوی نے بھی یہی تعریف کی ہے۔

علامہ الماوردی نے کہا ہے کہ

کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر حد واجب ہو یا اس کے مرتکب پر وعید ہو۔

علامہ عسقلانی نے اس تعریف کو معتمد کہا ہے۔

علامہ عبدالسلام نے کہا ہے کہ

جس معصیت کو معمولی سمجھ کر اس کا ارتکاب کیا جائے وہ کبیرہ ہے اسی طرح اگر گناہ صغیرہ کا ارتکاب یہ سمجھ کر کیا جائے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے تو وہ کبیرہ ہے۔

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ

صغیرہ پر عذاب نہیں ہوتا یہ اس وقت ہے جب شامت نفس سے انسان کوئی صغیرہ گناہ کر بیٹھے پھر اس پر نادم اور تائب ہو اور جب بے خوفی اور دیدہ دلیری سے کوئی معصیت کرے خواہ وہ معصیت صغیرہ ہو تو پھر وہ کبیرہ گناہ ہے۔ اسی طرح ہر وہ معصیت جس پر وعید ہو یا لعنت ہو وہ گناہ کبیرہ ہے۔ اس تعریف میں واجبات کو ترک کرنا بھی داخل ہے خواہ اس فعل کو علی الفور کرنا واجب ہو یا اس کے جواب میں وسعت ہو۔

علامہ ابن الصلاح نے کہا:

کبیرہ گناہ کی علامتیں ہیں۔

ان میں سے بعض یہ ہیں کہ

اس فعل پر حد واجب ہو یا کتاب وسنت میں اس پر عذاب کی وعید ہو یا اس کو فاسق فرمایا یا اس پر لعنت فرمائی یہ زیادہ جامع تعریف ہے۔

علامہ ابوالعباس قرطبی مالکی نے المفہم میں کبیرہ کی جو تعریف کی ہے وہ سب سے احسن تعریف ہے۔

ہر وہ معصیت جس کے متعلق کتاب، سنت یا اجماع میں یہ تصریح ہو یہ کبیرہ ہے یا عظیم ہے۔

یا اس کے متعلق فرمایا ہو کہ

اس کے مرتکب کو عذاب ہوگا یا اس پر حد معلق کی ہو یا اس معصیت کی شدید مذمت کی ہو وہ کبیرہ ہے۔

علامہ الحلیمی نے المنہاج میں لکھا ہے کہ

ہر گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ ہے اور کبھی کسی قرینہ کی بناء پر صغیرہ بھی کبیرہ ہو جاتا ہے (مثلاً صغیرہ کا ارتکاب معمولی سمجھ کر کرے اس پر نادم اور تائب ہوئے بغیر دوبارہ صغیرہ کرے اس کو صغیرہ پر اصرار کرتے ہیں اور اگر شامت نفس سے صغیرہ کا ارتکاب کیا نادم ہوا اور اس پر توبہ کر لی پھر دوبارہ شامت نفس سے صغیرہ کر لیا اور اس پر پھر نادم اور تائب ہوا تو یہ تکرار معصیت ہے اصرار نہیں ہے اور اس صورت میں وہ صغیرہ ہی رہے گا بعض علماء نے کہا ہے کہ فرض کا ترک اور حرام کا ارتکاب کبیرہ ہے اور واجب کا ترک اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب صغیرہ ہے)

علامہ الحلیمی نے لکھا ہے کہ

کبیرہ کی دو قسمیں ہیں۔

ایک فاحش

اور دوسرا افحش

مثلاً ناحق قتل کرنا کبیرہ ہے لیکن اگر کسی شخص نے اپنی اولاد کو قتل کیا یا باپ دادا کو قتل کیا یا کسی نواسے یا نواسی کو قتل کیا یا حرم میں کیا یا حرمت والے مہینوں میں قتل کیا یا رمضان میں قتل کیا تو یہ کبیرہ فاحشہ ہے اسی طرح زنا کرنا گناہ صغیرہ ہے اور اگر اس نے کسی کی بیوی سے زنا کیا یا کسی رشتہ دار سے زنا کیا یا ماہ رمضان میں یا حرم میں زنا کیا تو یہ کبیرہ فاحشہ ہے۔ اسی طرح شراب پینا کبیرہ ہے اور اگر ماہ رمضان میں دن کے وقت شراب پی یا حرم میں شراب پی یا علی الاعلان شراب پی تو یہ کبیرہ فاحشہ ہے اگر کسی اجنبی عورت کی رانوں سے لذت حاصل کی تو یہ صغیرہ ہے اور اگر اپنے باپ کی بیوی یا بہو یا کسی نواسی یا بھانجی، بھتیجی کی رانوں سے لذت حاصل کی تو یہ گناہ کبیرہ ہے وغیرہ وغیرہ۔

(فتح الباری: ج:14، ص:159 تا 160 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

گناہ کبیرہ و صغیرہ کے متعلق مذاہب

گناہ کبیرہ و صغیرہ کے متعلق مذاہب ہیں۔

جمہور کا مسلک یہ ہے کہ

بعض گناہ کبائر ہیں اور بعض گناہ صغائر ہیں۔

استاذ ابو اسحاق اسفرائنی نے کہا ہے کہ

گناہوں میں کوئی گناہ صغیرہ نہیں ہے بلکہ ہر جس کام سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا اس کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے۔

اور ان کی دلیل یہ ہے کہ

ہر جس کام سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے وہ اس کی جلال ذات کے اعتبار سے گناہ کبیرہ ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ

اشاعرہ کہتے ہیں تمام معاصی کبائر ہیں اور بعض معاصی کو صغیرہ ان سے بڑے کبائر کے لحاظ سے کہا جاتا ہے جیسے اجنبی عورت کا بوسہ لینا حرام ہے لیکن اس کو زنا کے اعتبار سے صغیرہ کہا جاتا ہے اور ہمارے نزدیک تمام گناہ کبائر ہیں اور مرتکب اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے وہ چاہے تو اس گناہ کو معاف کر دے اور چاہے تو سزا دے اور کسی گناہ کی مغفرت لازم نہیں ہے۔

(فتح الباری: ج:12، ص:14 تا 15 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

صحیح قول جمہور کا ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

گناہ کبیرہ وہ ہے جس کے ارتکاب پر حد لازم ہو۔

دوسری تعریف یہ ہے کہ

جس کام کے ارتکاب پر وعید شدید ہو وہ گناہ کبیرہ ہے اور صغیرہ پر اصرار کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

کیونکہ حدیث مبارکہ میں ہے:

لا صغيرة مع الاصرار

ترجمہ:۔ اصرار کے ساتھ گناہ صغیرہ نہیں ہوتا۔

(شرح مسلم: ج:1، ص:141 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

علامہ ابن نجیم نے گناہوں کے بیان میں ایک رسالہ تحریر کیا ہے۔

اس میں ہے کہ

ہر مکروہ تحریمی گناہ صغیرہ ہے اور گناہ صغیرہ پر دوام کرنا گناہ کبیرہ ہے اس سے عدالت ساقط ہو جاتی ہے۔

(عمدۃ القاری: ج:3، ص:116 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر)

گناہ کبیرہ کی تعداد

گناہ کبیرہ کی تعداد کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ بعض کے نزدیک ستر (70) ہیں اور بعض کے نزدیک سات سو (700) ہیں اس کی تصدیق میں روایت موجود ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

کبائر سات ہیں۔

اور ان سے ایک روایت ہے کہ

کبائر ستر (70) ہیں۔

اور ایک روایت ہے کہ

کبائر سات سو ہیں۔

(فتح الباری: ج:14، ص:6857 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ محمد بن احمد ذہبی متوفی 748ھ نے الکبائر کے نام سے کتاب لکھی ہے جس میں قرآن مجید کی آیات اور احادیث مبارکہ کے حوالہ جات سے ستر گناہ کبیرہ لکھے ہیں۔ ان کے دلائل کو ترک کر کے صرف ان کبیرہ گناہوں کے عنوانات عرض کرتا ہوں۔

وہ یہ ہیں۔

1۔ جس کام سے اللہ تعالیٰ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے منع فرمایا ہو۔

2۔ قتل ناحق

3۔ جادو

4-ترک نماز

5-ترک زکوٰۃ

6-بلاعذر رمضان کا روزہ ترک کرنا

7-باوجود قدرت کے حج نہ کرنا

8-ماں باپ کی نافرمانی کرنا

9-رشتہ داروں سے ترک تعلق کرنا

10-زنا

11-قوم لوط کا عمل: (یعنی لواطت کرنا)

12-سود کھانا

13-ظلماً یتیم کا مال کھانا

14-اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا

15-میدان جہاد سے بھاگنا

16-سربراہ مسلمین کا عوام پر ظلم کرنا یا عوام کا اس پر ظلم کرنا

17-فخر و تکبر کرنا اور اترانا

18-جھوٹی گواہی دینا

19-شراب پینا

20-جوا کھیلنا

21-مسلمان پاک دامن عورتوں کو بدکاری کی تہمت لگانا

22-مال غنیمت میں خیانت کرنا

23-چوری کرنا

24-ڈاکہ ڈالنا

25-جھوٹی قسم کھانا

26-ظلم کرنا

27-سلطان کے حکم کے بغیر ٹیکس جمع کرنا

28-حرام کھانا یا کسی طریقہ سے بھی حرام کو استعمال کرنا

29-خودکشی کرنا

30-باتوں میں بہ کثرت جھوٹ بولنا

31-ناجائز فیصلے کرنا

32-رشوت لینا

33-عورتوں کا مردوں کی اور مردوں کا عورت کی مشابہت کرنا

34-دیوثی کرنا

35-طلاق دینے کی شرط سے حلالہ کرنا

36-پیشاب کے قطروں سے نہ بچنا

37-علم کو چھپانا

38-دنیا کے لئے علم دین حاصل کرنا

39-خیانت کرنا

40-احسان جتانا

41-تقدیر کو جھٹلانا

42-لوگوں کو سنانے کے لئے نیک کام کرنا

43-چغلی کرنا

44-ایک دوسرے پر لعنت کرنا

45-عہد شکنی کرنا

46-نجومی کی تصدیق کرنا

47-بیوی کا خاوند کی نافرمانی کرنا

48-تصویر بنانا

49-نوحہ اور ماتم کرنا اپنے آپ کو پیٹنا

50-حاکم کے خلاف بغاوت کرنا

51-کمزور باندیوں، نوکروں اور بیویوں پر تشدد کرنا

52-پڑوسی کو اذیت دینا

53-مسلمانوں کو ایذاء دینا اور ان کو گالی دینا

54-اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اذیت پہنچانا اور ان پر سختی کرنا

55-قدموں کے نیچے گھسٹتے ہوئے کپڑے پہننا یا تکبر سے ٹخنوں کے نیچے کپڑوں کو لٹکانا

56-مردوں کا سونے اور ریشم کا لباس پہننا

57-غلام کا بھاگنا

58-غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا
59-اپنے باپ کے علاوہ کسی اور سے نسب قائم کرنا
60-شرعی جواز کے بغیر جھگڑا کرنا
61-فاضل پانی دینے سے منع کرنا
62-ناپ تول میں کمی کرنا
63-اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہونا
64-اولیاء اللہ کو اذیت دینا
65-اولیاء اللہ سے عداوت رکھنا
66-بغیر عذر شرعی کے جماعت کو ترک کرنا
67-بغیر عذر شرعی کے جماعت اور جمعہ کو ترک کرنا
68-دھوکہ اور فریب کرنا
69-مسلمانوں کے عیوب تلاش کرنا اور ان کو بیان کرنا
70-صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو سب وشتم کرنا (یعنی گالیاں دینا)

(الکبائر: دار الغد العربی قاہرہ مصر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

1-سب سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر دے گا۔ (المائدہ: 72)

2-اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا گناہ کبیرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے صرف کافر ہی مایوس ہوتے ہیں۔ (یوسف: 87)

3-اور والدین کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کی نافرمانی کرنے والے کو جبار اشقیا فرمایا ہے۔

4-اور قتل ناحق گناہ کبیرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ناحق قتل کرنے والا دوزخ کی سزا کا مستحق ہے۔ (النساء: 93)

5-اور یتیم کا مال کھانا گناہ کبیرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ایسے لوگ اپنے پیٹوں میں صرف آگ بھر رہے ہیں۔اور وہ عنقریب دوزخ میں داخل ہوں گے۔(النساء:10)

6-اور پاک دامن عورت کو زنا کی تہمت لگانا گناہ کبیرہ ہے۔(النور:23)

7-میدان جہاد سے پیٹھ موڑ کر بھاگنا گناہ کبیرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اور جو شخص اس دن پیٹھ پھیرے گا ماسوا اس کے جو جنگ میں محاذ بدل رہا ہو یا اپنی جماعت کی طرف آ رہا ہو وہ اللہ کے غضب سے لوٹے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور وہ بہت بری جگہ ہے۔(الانفال:16)

8-اور سود کھانا گناہ کبیرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن اس طرح کھڑے ہوں گے جس طرح وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جس کو شیطان نے چھو کر خبطی بنا دیا ہو۔(البقرہ:275)

9-اور جادو کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

بے شک وہ جانتے ہیں کہ جس نے جادو کو خریدا اس کے لئے آخرت میں (اجر کا) کوئی حصہ نہیں ہے۔(البقرہ: 102)

10-اور زنا کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اور جس نے زنا کیا وہ سخت عذاب سے ملاقات کرے گا قیامت کے دن اس کا عذاب دگنا کیا جائے گا اور وہ ذلت وخواری کے ساتھ اس عذاب میں ہمیشہ گرفتار رہے گا۔(الفرقان:69 تا 70)

11-اور جھوٹی قسم کھانا گناہ کبیرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت کے عوض فروخت کر دیتے ہیں ان کے لئے آخرت میں اجر کا کوئی حصہ نہیں ہے۔(آل عمران:77)

12-اور خیانت کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ہر خیانت کرنے والا خیانت کے مال کو قیامت کے دن لے کر حاضر ہوگا۔(آل عمران:161)

13-اور زکوٰۃ کا ادا نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اس دن ان کے مال کو دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے گا اور اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں اور ان کے پہلوؤں کو اور ان کی پیٹھوں کو تپایا جائے گا۔(التوبہ:35)

14-اور گواہی کو چھپانا گناہ کبیرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا:

اور جو گواہی کو چھپاتا ہے اس کا دل گناہ گار ہے۔(البقرہ:283)

15-اور خمر(شراب) پینا گناہ کبیرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا:

شراب اور جوا اور بتوں کے لئے قربانی کی جگہ اور فال نکالنے کے تیر یہ سب نجس، شیطانی کام ہیں سوان سے باز رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔(المائدہ:90)

16-اور فرض نماز کو عمداً ترک کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

جس نے عمداً نماز کو ترک کیا اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا ذمہ بری ہو گیا۔

17-اور عہد شکنی گناہ کبیرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا:

اور عہد پورا کرو بے شک عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا۔(بنی اسرائیل:34)

18-اور رحم کو قطع کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا:

اور تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم حاکم بن جاؤ تو تم زمین میں فساد برپا کرو اور رحم کے رشتوں کو توڑ ڈالو۔(محمد:22)

(المعجم الکبیر:ج:12،ص:195 تا196،رقم الحدیث:13023)

گناہ صغیرہ اور کبیرہ کی تحقیق پر حرف آخر

اب میں گناہ کبیرہ اور صغیرہ کو دلائل کے ساتھ مفسرین اور دوسرے علماء کے اقوال سے عرض کرتا ہوں۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

بعض عرفاء نے کہا ہے کہ

یہ مت سوچو کہ گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ یہ غور کرو کہ تم کس ذات کی نافرمانی کر رہے ہو اور اس اعتبار سے تمام گناہ گناہ کبیرہ ہیں۔

قاضی ابوبکر بن طیب، استاد ابواسحاق اسفرائنی، ابوالمعالی ابونصر عبدالرحیم قشیری وغیرہم کا یہی قول ہے۔

انہوں نے کہا ہے کہ

گناہوں کو اضافی طور پر صغیرہ یا کبیرہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً زنا کفر کی بہ نسبت صغیرہ ہے اور بوس و کنار زنا کی بہ نسبت صغیرہ ہے اور کسی گناہ سے اجتناب کی وجہ سے دوسرے گناہ کی مغفرت نہیں ہوتی بلکہ تمام گناہوں کی مغفرت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت داخل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ (النساء:48)

اللہ شرک کے گناہ کو نہیں بخشے گا اور شرک کے سوا تمام گناہوں کو جس کے لئے چاہے گا بخش دے گا۔

اور یہ جو قرآن مجید میں ہے:

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ (النساء:31)

اس آیت میں کبائر سے مراد انواع کفر ہیں یعنی اگر تمام انواع کفر سے بچو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا۔

نیز صحیح مسلم اور دوسری کتب حدیث میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے قسم کھا کر کسی مسلمان شخص کا حق مارا اللہ تعالیٰ اس آدمی پر دوزخ واجب کر دے گا اور اس پر جنت حرام کر دے گا۔

ایک شخص نے کہا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہر چند کہ (اس شخص کا حق) تھوڑی سی چیز ہو؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہر چند کہ وہ پیلو کے درخت کی ایک شاخ ہی کیوں نہ ہو! پس معمولی معصیت پر بھی ایسی شدید وعید ہے جیسی بڑی معصیت پر وعید ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ

جن چیزوں سے منع کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس ممانعت کو جہنم یا غضب یا لعنت یا عذاب کے ذکر پر ختم کیا ہے وہ گناہ کبیرہ ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

سورہ نساء کی تینتیس (33) آیتوں میں جن چیزوں سے منع کیا ہے۔

اور پھر ارشاد فرمایا ہے۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ

وہ سب کبیرہ گناہ ہیں۔

طاؤس نے کہا ہے کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ کیا کبائر سات (7) ہیں۔

ارشاد فرمایا:

یہ ستر کے قریب ہیں۔

اور سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا:

کیا کبائر سات ہیں۔

ارشاد فرمایا:

یہ سات سو کے قریب ہیں۔ البتہ استغفار کے بعد کوئی گناہ کبیرہ نہیں رہتا اور اصرار سے کوئی گناہ صغیرہ نہیں رہتا (بلکہ کبیرہ ہو جاتا ہے)

گناہ کبیرہ کی تعداد اور ان کے حصر میں علماء کرام کا اختلاف ہے کیونکہ ان میں آثار مختلف ہیں۔

میں یہ کہتا ہوں کہ

گناہ کبیرہ کے متعلق صحیح اور حسن بکثرت احادیث ہیں اور ان سے حصر مقصود نہیں ہے البتہ بعض گناہ بعض دوسرے گناہ سے زیادہ بڑے ہیں اور شرک سب سے بڑا گناہ ہے جس کی مغفرت نہیں ہو سکتی اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا ہے کیونکہ اس میں قرآن مجید کی تکذیب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ

ترجمہ:- میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ○ (یوسف:87)

ترجمہ:- میری رحمت سے کافروں کے سوا کوئی مایوس نہیں ہوتا۔

اس کے بعد تیسرا درجہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہونا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر تکیہ کر کے بے خوفی سے گناہ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ (الاعراف:99)

"کیا یہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہیں! تو اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے صرف تباہ ہونے والے ہی بے خوف ہوتے ہیں۔"

اس کے بعد چوتھے درجے پر قتل سب سے بڑا گناہ ہے اور اس کے بعد لواطت ہے پھر زنا ہے پھر شراب نوشی ہے پھر

اور اذان کا ترک کرنا ہے پھر جھوٹی گواہی دینا ہے اور ہر وہ گناہ جس پر عذاب شدید کی وعید ہے یا اس کا ضرر عظیم ہے وہ گناہ کبیرہ ہے اور اس کا ماسوا گناہ صغیرہ ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج: 5، ص: 159 تا 161 مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی 676ھ لکھتے ہیں:

گناہ صغیرہ اور کبیرہ دو قسم کے ہیں۔

استاد ابو اسحاق نے کہا ہے کہ

کوئی گناہ صغیرہ نہیں ہوتا لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔

گناہ کبیرہ کی چار تعریفیں ہیں۔

1- جس معصیت پر حد واجب ہوتی ہے وہ گناہ کبیرہ ہے۔

2- جس معصیت پر کتاب اور سنت میں وعید شدید ہو وہ گناہ کبیرہ ہے۔

3- امام نے ارشاد میں لکھا ہے کہ

جس گناہ کو لاپرواہی کے ساتھ کیا گیا ہو وہ گناہ کبیرہ ہے۔

4- جس کام کو قرآن مجید نے حرام قرار دیا ہو یا جس کام کی جنس میں قتل وغیرہ کی سزا ہو یا جو کام علی الفور فرض ہو اس کو ترک کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

علامہ نووی نے دوسری تعریف کو ترجیح دی ہے۔

پھر علامہ نووی لکھتے ہیں کہ

یہ گناہ کبیرہ کی منضبط تعریفات ہیں۔

بعض علماء کرام نے گناہ کبیرہ کو تفصیلاً شمار بھی کیا ہے۔

ان کی تفصیل یہ ہے۔

1- قتل

2- زنا

3- لواطت

4- شراب پینا

5- چوری

6- قذف (تہمت لگانا)

7- جھوٹی گواہی دینا

8- مال غصب کرنا

9- میدان جنگ سے بھاگنا

10-سود کھانا
11-مال یتیم کھانا
12-والدین کی نافرمانی کرنا
13-رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمداً جھوٹ باندھنا
14-بلاعذر شہادت کو چھپانا
15-رمضان میں بلاعذر روزہ نہ رکھنا
16-جھوٹی قسم کھانا
17-قطع رحم کرنا
18-ناپ اور تول میں خیانت کرنا
19-نماز کو وقت سے پہلے پڑھنا
20-بلاعذر نماز کو قضاء کرنا
21-مسلمان کو ناحق مارنا
22-صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ناحق مارنا
23-صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سب وشتم کرنا
24-رشوت لینا
25-دیوثی (فاحشہ عورت کے لئے گاہک لانا)
26-حاکم کے پاس چغلی کھانا
27-زکوۃ نہ دینا
28-نیکی کا حکم نہ دینا
29-باوجود قدرت کے برائی سے نہ روکنا
30-قرآن مجید بھلانا
31-حیوان کو جلانا
32-عورت کا بلاسبب خاوند کے پاس نہ جانا
33-اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا
34-اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہونا
35-علماء کرام کی توہین کرنا
36-ظہار

37-بلا عذر خنزیر یا مردار کا گوشت کھانا

38-جادو کرنا

39-حالت حیض میں وطی کرنا

40-اور چغلی کھانا

یہ سب کبیرہ گناہ ہیں۔

پھر علامہ نووی نے گناہ صغیرہ میں ان گناہوں کو تحریر کیا ہے۔

1-اجنبی عورت کو دیکھنا

2-غیبت کرنا

3-ایسا جھوٹ جس کی حد ہے نہ ضرر

4-لوگوں کے گھروں میں جھانکنا

5-تین دن سے زیادہ کسی مسلمان سے قطع تعلق کرنا

6-زیادہ لڑائی جھگڑا کرنا اگرچہ حق پر ہو

7-غیبت پر سکوت کرنا

8-مردہ پر بین کرنا

9-مصیبت میں گریبان چاک کرنا اور چلانا

10-اترا اترا کر چلنا

11-فاسقوں سے دوستی رکھنا اور ان کے پاس بیٹھنا

12-اوقات مکروہہ میں نماز پڑھنا

13-مسجد میں خرید و فروخت کرنا

14-بچوں اور پاگلوں کو مسجد میں لانا

15-جس شخص کو لوگ کسی عیب کی وجہ سے ناپسند کرتے ہوں اس کا امام بننا

16-نماز میں عبث کام کرنا

17-جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگنا

18-قبلہ رخ بول و براز کرنا

19-عام راستہ پر بول و براز کرنا

20-جس شخص کو غلبہ شہوت کا خطرہ ہو اس کا روزہ میں بوسہ لینا

21-صوم وصال رکھنا

22-استمناء (یعنی ہاتھ سے منی نکالنا)

23-بغیر جماع کے اجنبیہ سے مباشرت کرنا (یعنی بوس وکنار اور بغل گیر ہونا)

24-بغیر کفارے کے مظاہر کا اپنی عورت سے جماع کرنا

25-اجنبی عورت سے خلوت کرنا

26-عورت کا بغیر محرم اور خاوند کے سفر کرنا یا بغیر ثقہ عورتوں کے سفر کرنا (یہ مذہب شافعی کے ساتھ خاص ہے)

27-بخش

28-احتکار (غلہ روک لینا)

29-مسلمان کی بیع پر بیع کرنا

30-اسی طرح مسلمان کی قیمت پر قیمت لگانا اور منگنی پر منگنی کرنا

31-شہری کا دیہاتی سے بیع کرنا

32-دیہاتی قافلہ سے بیع کے لئے ملاقات کرنا

33-تصریہ (بیع کے لئے تھنوں میں دودھ روک لینا)

34-بغیر عیب بیان کیے ہوئے عیب دار چیز کو فروخت کرنا

35-بلاضرورت کتا رکھنا

36-مسلمان کا کافر کو قرآن مجید اور دینی کتابوں کو فروخت کرنا

37-بلاضرورت نجاست کو بدن پر لگانا اور بلاضرورت خلوت میں اپنی شرم گاہ کھولنا

عدالت (نیکی چلنی) میں صغائر سے بالکل اجتناب کرنا شرط نہیں ہے لیکن صغیرہ پر اصرار یعنی بلا توبہ بار بار صغیرہ کا ارتکاب کرنا صغیرہ گناہ کو کبیرہ بنا دیتا ہے۔

(روضۃ الطالبین وعمدۃ المتقین: ج:12، ص:222 تا 225 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

علامہ شمس الدین مقدسی محمد بن مفلح حنبلی متوفی 763ھ لکھتے ہیں:

گناہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر حد ہو یا اس پر وعید ہو یا اس پر غضب ہو یا لعنت ہو یا اس فعل کے مرتکب سے ایمان کی نفی کی گئی ہو جس طرح حدیث میں ہے۔

''جس نے دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

یعنی یہ وہ کام ہے جو ہمارے احکام میں سے نہیں ہے یا ہمارے اخلاق میں سے نہیں ہے یا ہماری سنت میں سے نہیں ہے

اور فصول اور غنیۃ اور مستوعب میں ہے کہ

غیبت اور چغلی صغائر میں سے ہے۔

اور قاضی نے معتمد میں کہا ہے کہ

کبیرہ وہ ہے جس کا عتاب زیادہ ہو اور صغیرہ وہ ہے جس کا عتاب کم ہو۔

بن حامد نے کہا ہے کہ

صغائر خواہ کسی نوع کے ہوں وہ تکرار سے کبیرہ ہو جاتے ہیں۔

اور ہمارے بعض فقہاء نے کہا ہے کہ

تکرار سے صغیرہ کبیرہ نہیں ہوتا جیسا کہ جو امور غیر کفر ہوں وہ تکرار سے کفر نہیں ہوتے۔

(کتاب الفروع: ج:6،ص:564 تا565 مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

علامہ منصور بن یونس بن ادریس بھوتی حنبلی متوفی 1046ھ لکھتے ہیں:

گناہ کبیرہ وہ ہے جس پر دنیا میں حد ہو اور آخرت میں وعید ہو جیسا کہ سود کھانا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔

اور شیخ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ

جس فعل پر غضب ہو یا لعنت ہو یا اس فعل کے مرتکب سے ایمان کی نفی ہو جھوٹ بولنا گناہ صغیرہ ہے بشرطیکہ اس پر دوام اور ... البتہ جھوٹی گواہ دینا، نبی پر جھوٹ باندھنا یا کسی پر جھوٹی تہمت لگانا گناہ کبیرہ ہے اور صلح کرانے کے لئے، بیوی کو راضی کرنے کے لئے اور جنگی چال کے لئے جھوٹ بولنا مباح ہے۔

علامہ ابن جوزی نے کہا ہے کہ

ہر وہ نیک مقصد جو جھوٹ کے بغیر حاصل نہ کیا جا سکتا ہو اس کے لئے جھوٹی بولنا مباح ہے۔

غیبت میں اختلاف ہے۔

علامہ قرطبی نے اس کو کبائر (گناہ) میں شمار کیا ہے۔

اور ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ

صغیرہ گناہ ہے۔

صاحب الفصول، صاحب الغنیہ اور صاحب المستوعب کی یہی تحقیق ہے۔

امام ابوداؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

مسلمان شخص کی عزت پر ناحق ظلم کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

اور پیشاب کے قطروں سے نہ بچنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے متعلق بلا علم کچھ کہنا گناہ کبیرہ ہے۔

ضرورت کے وقت علم چھپانا گناہ کبیرہ ہے۔

اور غرور کے لئے علم حاصل کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

جاندار کی تصویر بنانا گناہ کبیرہ ہے۔

کاہن اور نجومی کے پاس جانا اور ان کی تصدیق کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

غیر اللہ کو سجدہ کرنا

بدعت کی دعوت دینا

خیانت کرنا

بدفالی نکالنا

سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا

وصیت میں زیادتی کرنا

شراب بیچنا

سودی معاملہ لکھنا

اور سود پر گواہی دینا گناہ کبیرہ ہیں۔

دو چہروں والا ہونا یعنی بظاہر دوستی رکھنا اور بباطن دشمنی رکھنا گناہ کبیرہ ہے۔

خود کو کسی اور نسب کی منسوب کرنا

جانور سے بدفعلی کرنا

بلا عذر جمعہ ترک کرنا

نشہ آور اشیاء استعمال کرنا

نیکی کر کے احسان جتلانا

لوگوں کی مرضی کے بغیر ان کی باتیں کان لگا کر سننا

کسی پر بلا استحقاق لعنت کرنا

غیر اللہ کی قسم کھانا یہ تمام امور گناہ کبیرہ ہیں۔

اور جو مسائل اجتہادیہ ہیں ان کو کسی مجتہد کی اتباع میں کرنا معصیت نہیں ہے۔

مثال کے طور پر

امام ابوحنیفہ کے نزدیک بغیر ولی کے نکاح کرنا جائز ہے اور امام شافعی کے نزدیک جائز نہیں ہے اور امام مالک کے نزدیک بغیر گواہوں کے نکاح جائز ہے اور باقی آئمہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ علامہ بھوتی حنبلی کے ذکر کردہ کبیرہ گناہوں میں سے نے ان گناہوں کو حذف کر دیا جن کو اس سے پہلے ہم علامہ نووی کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں۔

(کشاف القناع: ج:6، ص:419 تا 422 مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

توبہ کے بعد دوبارہ گناہ کرنا کیسا ہے

توبہ کے بعد دوبارہ گناہ کرنا ایسا ہے جیسا کہ اس نے استغفار کو ختم کر دیا اور گناہ کی جرأت کی اور توبہ کو کھیل اور مشغلہ بنا دیا

علامہ السنوسی مالکی متوفی 895ھ لکھتے ہیں کہ

جب اس نے دوبارہ گناہ کیا تو وہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس نے پہلے استغفار کو ختم کر دیا۔

اور یہ بالکل واضح ہے کہ

گناہ پر اصرار کرنے کے باوجود اس گناہ پر استغفار کرنا بجائے خود معصیت ہے کیونکہ یہ استغفار اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس نے توبہ کو کھیل اور مشغلہ بنالیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ استہزاء کررہا ہے اور اس سے یہ مطالبہ کررہا ہے کہ وہ اس گناہ کو اس کے لئے مباح کردے۔

(اکمال اکمال المعلم مع مکمل اکمال الاکمال: ج:9،ص:170 تا 171 مطبوعہ دارالکتب بیروت)

میں کہتا ہوں کہ

اس عبارت کا محمل یہ ہے کہ جب آدمی کو دوبارہ گناہ کرتے وقت یہ یاد ہو کہ وہ اس گناہ سے پہلے توبہ کرچکا ہے لیکن وہ اس سے ممانعت کو غیر اہم اور معمولی سمجھ کر پھر دوبارہ وہ گناہ کرے اور یہ سوچے کہ اگر دوبارہ گناہ کربھی لیا تو کیا ہوا پھر توبہ کرلیں گے ایسی توبہ ہے جو کھیل اور مشغلہ کے مشابہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ استہزاء کے مترادف ہے اور حدیث مبارکہ میں یہ صورت نہیں ہے بلکہ حدیث مبارکہ میں یہ صورت ہے کہ ایک شخص نے کسی گناہ کے ارتکاب کے بعد اخلاص کے ساتھ پکی توبہ کی پھر شامت نفس، اغواء شیطان اور نفسانیت کے غلبہ سے اس نے پھر وہی گناہ کرلیا پھر اس کے بعد وہ نادم ہوا اور تائب ہوا اور پکی توبہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا خواہ وہ بار بار گناہ میں مبتلا ہو اور بار بار توبہ کرتا رہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی 676ھ لکھتے ہیں:

اگر وہ سو یا ہزار بار یا اس سے بھی زیادہ بار گناہ کرے اور ہر بار توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہو جائے گی اور اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے اور اگر تمام گناہوں سے ایک ہی بار توبہ کرے تب بھی اس کی توبہ صحیح ہے۔

(صحیح مسلم مع الشرح النووی: ج:11،ص:6881 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

ہر گناہوں کو بخشنا

بندہ جس قدر گناہ کرے پھر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے پھر وہ بندہ دوبارہ گناہ کر بیٹھے اور توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ دوبارہ اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے حتیٰ کہ بندہ گناہ کرتا رہتا ہے اور بار بار توبہ کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے بار بار گناہ معاف فرماتا رہتا ہے۔

علامہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

غفار کا معنیٰ جو بار بار بندہ کے گناہوں کو بخش دے۔ جب بندہ کے گناہ بہت زیادہ ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت بہت ہوتی ہے۔ غفر کا لغوی معنیٰ ہے ستر کرنا چھپانا پس غفار وہ ہے جو اپنے بندوں کے گناہوں کو چھپالے اور اپنے کرم سے ان پر ذیل دے۔

(زادالمسیر: ج:5،ص:311 تا 312 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

اور حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب عزوجل سے روایت کرتے ہیں کہ
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
میرا بندہ کوئی گناہ کرتا ہے۔
پھر کہتا ہے کہ
اے اللہ عزوجل! میرے گناہ کو بخش دے۔
تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔
میرے بندے نے گناہ کیا اور اس کا یقین ہے کہ اس کا رب عزوجل جو گناہوں کو بخشتا ہے اور وہ گناہوں پر گرفت بھی فرماتا ہے وہ پھر دوبارہ گناہ کرتا ہے۔
اور کہتا ہے کہ
اے رب عزوجل میرے گناہ کو بخش دے۔
پس اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔
میرے بندے نے گناہ کیا اور اس کا یقین ہے کہ اس کا رب عزوجل ہے جو گناہوں کو بخشتا ہے اور وہ گناہوں پر گرفت بھی فرماتا ہے وہ پھر گناہ کرتا ہے۔
اور کہتا ہے کہ
اے میرے رب عزوجل! میرے گناہ کو بخش دے۔
تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔
میرے نے گناہ کیا اور اس کو یقین ہے کہ اس کا رب عزوجل ہے جو گناہ کو بخشتا ہے اور گناہوں پر گرفت بھی فرماتا ہے تو جو چاہے عمل کر میں نے تجھ کو بخش دیا ہے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث 7507، صحیح مسلم: رقم الحدیث 2758)

اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ معاف فرمانا

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جو شخص توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بہت زیادہ معاف فرماتا ہے۔
قرآن مجید میں ہے:
وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ○ (طٰہٰ:82)
''اور بے شک میں اس کو ضرور بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہوں جو توبہ کرتا ہے۔ ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے پھر ہدایت پر جم جاتا ہے۔''
اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی صفت غافر، غفور اور غفار سے کی ہے۔
غَافِرِ الذَّنْۢبِ (المؤمن:3)

گناہوں کو بخشنے والا۔

اور غفور اور غفار مبالغ کے صیغے ہیں۔

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ط (الکہف:58)

آپ کا رب بہت زیادہ بخشنے والا ہے۔ رحمت والا ہے۔

وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ (طٰہٰ:82)

اور جو توبہ کرے میں اس کو بہت زیادہ بخشنے والا ہوں۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے افعال میں غفر اور یغفر ماضی اور مستقبل کے صیغے استعمال فرماتے ہیں اور مغفرت کا ذکر فرمایا ہے۔

مغفرت کا ذکر اس آیت مبارکہ میں ہے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ (الرعد:6)

اور بے شک آپ کا رب ضرور لوگوں کی مغفرت کرنے والا ہے۔

اور غفر کا ذکر اس آیت مبارکہ میں ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ط (ص:25)

سو ہم نے ان کا یہ کام معاف فرمادیا۔

اور یغفر کا ذکر اس آیت میں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ط (الزمر:53)

بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔

پہلا ماضی اور دوسرا مستقبل کا صیغہ ہے۔

انسان کے گناہ صغیرہ ہوتے ہیں یا کبیرہ، صغیرہ گناہوں کو اللہ تعالیٰ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کی وجہ سے معاف فرمادیتا

قرآن مجید میں ہے:

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ (النساء:31)

اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتے رہو گے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے تو ہم تمہارے صغیرہ گناہوں کو مٹا دیں گے۔

نیز صغیرہ گناہوں کو نیک اعمال کرنے کی وجہ سے بھی معاف فرمادیتا ہے۔

اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ط (ھود:114)

بے شک نیک اعمال گناہوں کو دور کر دیتے ہیں۔

واضح رہے کہ اولیٰ اور مستحب کا ترک اور مکروہ تنزیہی کا ارتکاب سرے سے گناہ ہی نہیں ہے اور واجب کا ترک اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب گناہ صغیرہ ہے اور فرض کا ترک اور حرام کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے اور گناہ کبیرہ کو اللہ تعالیٰ توبہ سے بھی معاف فرماتا ہے۔

جیسا کہ اس آیت مبارکہ میں ہے۔

بے شک میں اس کو بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہوں جو توبہ کرتا ہے ایمان لاتا ہے نیک عمل کرتا ہے پھر ہدایت پر جم جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ (الشوریٰ:25)

بے شک آپ کا رب لوگوں کے گناہوں کے باوجود ان کو ضرور بخشنے والا ہے۔

ان آیات کریمہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بہت زیادہ بخشنے والا ہے۔

پانچ وقت کی نماز سے گناہوں کا معاف ہونا

پانچ وقت کی نماز سے گناہوں کے معاف ہونے کے متعلق آیات کریمہ اور احادیث مبارکہ ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰی لِلذّٰكِرِیْنَ ۝ (ھود:114)

اور دن کی دونوں طرفین میں اور (ابتدائی) رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم رکھیے بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں یہ ان لوگوں کے لئے نصیحت ہے جو نصیحت کو قبول کرنے والے ہیں۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت مجاہد اور مجاہد بن کعب قرظی رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ

دن کے دو طرفوں سے مراد فجر اور ظہر اور عصر ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن اور ابن زید رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

دن کی دو طرفوں سے مراد فجر اور مغرب ہیں۔

حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اس سے مراد فجر اور عصر ہیں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہ ہی قول ہے۔

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ان اقوال میں اولیٰ یہ ہے کہ دن کی دو طرفوں سے مراد فجر اور مغرب کو لیا جائے۔

جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

اوراس کی وجہ یہ ہے کہ

اس پر سب کا اجماع ہے کہ دن کی دو طرفوں میں سے ایک فجر ہے اور یہ نماز طلوع آفتاب سے پہلے پڑھی جاتی ہے تو پھر دن کی دوسری طرف مغرب ہونی چاہئے کیونکہ مغرب کی نماز غروب آفتاب کے بعد پڑھی جاتی ہے۔

(جامع البیان: جز:12،ص:167 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

دن کی دو طرفوں کے متعلق اقوال ہیں اور ان میں صحت کے زیادہ قریب قول یہ ہے کہ اس سے مراد فجر اور عصر کی نمازیں ہیں کیونکہ دن کی دو طرفوں میں سے ایک طرف طلوع شمس ہے اور دوسری طرف غروب شمس ہے۔ پس طرف اول فجر کی نماز ہے اور طرف ثانی سے مغرب کی نماز مراد لینا جائز نہیں کیونکہ وہ زلفا من اللیل (ابتدائی رات کے کچھ حصے) میں داخل ہے۔ پس واجب ہے کہ طرف ثانی سے مراد عصر کی نماز ہو اور جب یہ بات واضح ہوگئی تو یہ آیت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر دلیل ہے کہ فجر کو روشن کر کے نماز پڑھنا افضل ہے (فجر کے ابتدائی وقت میں اندھیرا ہوتا ہے اور اس کو مؤخر کیا جائے حتیٰ کہ سفیدی اور روشنی پھیل جائے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس وقت میں نماز پڑھنا افضل ہے جبکہ امام شافعی کے نزدیک فجر کے ابتدائی وقت میں جب اندھیرا ہوتا ہے نماز پڑھنا افضل ہے)

اور یہ آیت اس پر دلیل ہے کہ

عصر کی نماز کو مؤخر کر کے پڑھنا افضل ہے کیونکہ اس آیت کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ نماز کو دن کی دو طرفوں میں پڑھنا واجب ہے اور دن کی دو طرفیں طلوع شمس کا اول وقت ہے اور اسی طرح غروب شمس کا اول وقت ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ ان وقتوں میں بغیر ضرورت شرعیہ کے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے لہٰذا اس آیت کے ظاہر پر عمل کرنا بہت مشکل ہے لہٰذا اس آیت کو مجاز پر محمول کرنا واجب ہے۔ اس لیے اب اس آیت کا معنیٰ اس طرح ہوا کہ نماز کو اس وقت ادا کیجئے جو دن کی دو طرفوں کے قریب ہے کیونکہ کسی چیز کے قریب پر بھی اس چیز کا اطلاق کر دیا جاتا ہے لہٰذا صبح کی نماز اس وقت پڑھی جائے جو طلوع شمس کے قریب ہے اور یہ وہ وقت ہے جب سفیدی اور روشنی ہوتی ہے کیونکہ اندھیرے وقت بہ نسبت سفیدی کا وقت طلوع شمس کے زیادہ قریب ہے اور عصر کی نماز اس وقت پڑھی جائے جو غروب شمس کے قریب ہے اور یہ وہ وقت ہے جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو چکا ہوتا ہے اور ایک مثل سایہ کی بہ نسبت دو مثل سایہ کا وقت غروب شمس کے زیادہ قریب ہے اور مجاز حقیقت کے جتنا زیادہ قریب ہو اس پر لفظ کو محمول کرنا زیادہ اولیٰ ہے پس ثابت ہو گیا کہ اس آیت کا ظاہر ان دونوں مسئلوں میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ کے مذہب کی تقویت اور تائید کرتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

و زلفا من اللیل

اور زلف جمع کا صیغہ ہے سو اس کا معنیٰ ہے رات کے تین قریبی اوقات کیونکہ کم از کم جمع کا اطلاع تین پر ہوتا ہے اور ایک مغرب کے لئے ہے اور دوسرا وقت عشاء کے لئے ہے تو تیسرا وقت وتر کے لئے ہونا چاہئے اور اس سے یہ ماننا پڑے گا

کہ وتر کی نماز واجب ہے اور یہ بھی امام ابوحنیفہ کے قول کی تائید کرتا ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ نے یہ فرمایا ہے کہ وتر کی نماز واجب ہے۔

(تفسیر کبیر: ج:6، ص:408 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

حضرت محمد بن کعب قرظی

حضرت مجاہد

حضرت حسن

حضرت عبداللہ بن مسعود

حضرت سلمان فارسی

اور حضرت مسروق رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے کہ

ان نیکیوں سے مراد پانچ نمازیں ہیں۔ یہ پانچ نمازیں گناہوں کو اس طرح مٹا دیتی ہیں جس طرح پانی میل کو مٹا دیتا ہے اور دھوڈالتا ہے۔

(جامع البیان: جز:12، ص:171 تا 172 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

کثیر احادیث مبارکہ ایسی ہیں جن میں پانچ وقت نماز پڑھنے سے گناہوں کی مغفرت کی بشارت ہے۔ چند ملاحظہ ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

یہ بتاؤ کہ اگر تم میں سے کسی شخص کے دروازے پر ایک دریا ہو جس میں وہ ہر روز دن میں پانچ بار غسل کرتا ہو تو تم کیا کہتے ہو۔ کیا اس کے بدن پر میل باقی رہے گی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

اس کے بدن پر میل باقی نہیں رہے گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

پانچ نمازوں کی ایسی ہی مثال ہے اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے اس کے گناہوں کو مٹا دے گا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:528)

(صحیح مسلم: رقم الحدیث:667)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام حمران بیان فرماتے ہیں کہ

انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ انہوں نے پانی کا ایک برتن منگوایا پھر اس میں سے تین مرتبہ پانی انڈیل کر اپنے ہاتھوں کو دھویا۔ پھر اپنا دایاں ہاتھ برتن میں ڈال کر پانی لیا اور کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا۔ پھر تین مرتبہ اپنے چہرے کو دھویا، پھر تین مرتبہ اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھویا، پھر اپنے سر کا مسح کیا، پھر تین مرتبہ اپنے پیروں کو ٹخنوں سمیت دھویا۔

پھر کہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے میرے اس وضو کی مثل وضو کیا پھر اس نے دو رکعت نماز پڑھی کہ اس نماز میں اس نے اپنے آپ سے باتیں نہیں کیں (دل میں از خود خیال آنا ممنوع نہیں ہے ممنوع یہ ہے کہ انسان خود دنیاوی باتوں کو سوچنا اور ان میں غور و فکر کرنا شروع کر دے) تو اس کے تمام پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 159) (صحیح مسلم: رقم الحدیث 226)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ پس ایک شخص آیا۔

اور اس نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے حد کا ارتکاب کر لیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر حد جاری فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا۔ پھر نماز کا وقت آ گیا تو اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو وہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

اور کہنے لگا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے ایک حد کا ارتکاب کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر کتاب اللہ کا حکم نافذ فرمائیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی؟

اس نے کہا:

جی پڑھی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے تمہارے گناہ یا ارشاد فرمایا تمہاری حد کو معاف فرما دیا ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 6823، صحیح مسلم: رقم الحدیث 2764)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے کھڑا تھا، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے ایک شاخ پکڑ کر زور زور سے ہلانا شروع کیا حتیٰ کہ اس کے پتے جھڑنے لگے۔

پھر کہا۔

اے ابوعثمان (رضی اللہ عنہ)! تم مجھ سے پوچھتے نہیں کہ میں ایسا کیوں کر رہا ہوں؟

میں نے کہا:

آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔

انہوں نے کہا:

جب مسلمان وضو کرتا ہے اور اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر پانچ نمازیں پڑھتا ہے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح یہ پتے جھڑ رہے ہیں اور پھر انہوں نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۝ (ھود:114)

اور دن کی دونوں طرفوں اور (ابتدائی) رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم رکھیے بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔ یہ ان لوگوں کے لئے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں۔

(مسند احمد: رقم الحدیث 24108)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا۔ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر اس واقعہ کی خبر دی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ (ھود:114)

اس شخص نے پوچھا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا یہ حکم صرف میرے لیے ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ حکم میری تمام امت کے لئے ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 526، صحیح مسلم: رقم الحدیث 2763)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا۔

اور اس نے کہا:

میں نے مدینہ منورہ کے ایک سرے پر ایک عورت کو گرالیا اور میں نے جماع کے سوا اس سے سب کچھ کرلیا اور اب میں حاضر ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے فیصلہ فرمائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے تجھ پر پردہ رکھ لیا تھا کاش تو بھی اپنا پردہ رکھتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ شخص چلا گیا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بھیج کر اسے بلوایا اور اس پر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۝ (ھود:114)

قوم میں سے ایک شخص نے کہا:

کیا یہ حکم اس کے ساتھ خاص ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نہیں! یہ حکم تمام لوگوں کے لئے ہے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث 6763)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک شخص حاضر ہوا۔

اور اس نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ بتائیے کہ ایک آدمی ایک عورت سے ملا ان کے درمیان جان پہچان نہیں تھی اور ایک مرد ایک عورت کے ساتھ جماع کے علاوہ جو کچھ کرسکتا ہے وہ اس نے کرلیا۔

تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ الاية (ھود:114)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ وہ وضو کرکے نماز پڑھے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

میں نے پوچھا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ حکم اس کے ساتھ خاص ہے یا تمام مومنین کے لئے ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ حکم تمام مومنین کے لئے ہے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث 3113)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میرے پاس ایک عورت کھجوریں خریدنے کے لئے آئی۔
میں نے اس سے کہا:
اس سے زیادہ اچھی کھجوریں میرے گھر میں ہیں۔ پھر میں نے اس سے نفسانی خواہش کا قصد کیا اور اس کا بوسہ لے لیا
پھر میں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔
انہوں نے فرمایا:
تم اپنے اوپر پردہ رکھو۔ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو اور کسی سے یہ واقعہ بیان نہ کرنا لیکن مجھ سے صبر نہ ہوسکا۔ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔
انہوں نے (بھی) فرمایا:
توبہ کرو اور کسی کو نہ بتاؤ۔
مجھ سے پھر صبر نہ ہوسکا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر دی۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:
کیا تم نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کسی غازی کے گھر والوں کی اس کی غیر موجودگی میں خبر گیری کی ہے؟
میں نے کہا:
نہیں!
(امام ابن جریر کی روایت میں ہے کہ پھر پوچھا کیا تم نے کسی غازی کو جہاد کا سامان مہیا کیا ہے میں نے کہا نہیں)
حتیٰ کہ میں نے یہ تمنا کی کہ کاش میں اس وقت اسلام لایا ہوتا اور میں نے یہ گمان کیا کہ میں دوزخیوں میں سے ہوں۔
راوی نے کہا کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑی دیر تک سر جھکائے بیٹھے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔
وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّھَارِ الایۃ (ھود:114)
حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ
پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر اس آیت کی تلاوت فرمائی۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ آیت اس کے ساتھ خاص ہے یا تمام لوگوں کے لئے عام ہے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تمام لوگوں کے لئے عام ہے۔

ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ پانچ وقت کی نماز بندے کے گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔

عبادات سے گناہوں کا معاف ہونا

نماز کے علاوہ دیگر عبادات بھی گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔اس بارے میں کثیر احادیث مبارکہ ہیں مگر میں رضا الٰہی عزوجل کی نیت سے چند عرض کرتا ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے لیلۃ القدر میں قیام فرمایا اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:35، صحیح مسلم: رقم الحدیث:760)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے روزہ رکھا اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:38)(صحیح مسلم: رقم الحدیث:76)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے رمضان میں قیام کیا اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:37، صحیح مسلم: رقم الحدیث:759)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے لئے حج کیا۔اس نے دوران حج نہ جماع کیا نہ جماع کی باتیں کیں نہ کوئی گناہ کیا تو وہ حج کر کے اس طرح لوٹے گا جس طرح اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:1521)(صحیح مسلم: رقم الحدیث:1350)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا

اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا سب سے افضل عمل ہیں۔
ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا۔
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ بتلایئے! اگر میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا اس سے میرے تمام گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ہاں! اگر تم اس حال میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیئے جاؤ کہ تم صبر کرنے والے ہو۔
ثواب کی نیت کرنے والے ہو۔
آگے بڑھ کر حملہ کرنے والے ہو۔
اور دشمن سے پیٹھ پھیرنے والے نہ ہو۔
پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تم نے کیا کہا تھا۔
انہوں نے عرض کیا:
یہ بتایئے کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا اس سے میرے تمام گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ہاں!
بشرطیکہ تم صبر کرنے والے ہو۔
ثواب کی نیت کرنے والے ہو۔
آگے بڑھ کر حملہ کرنے والے ہو۔
اور دشمن سے پیٹھ پھیرنے والے نہ ہو (تو تب گناہ معاف کر دیئے جائیں گے)
ماسوا قرض کے، یہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھ سے ابھی کہا ہے۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث 1885) (سنن ترمذی: رقم الحدیث 1712)
ایک اور روایت میں ہے۔
ابن شماسہ بیان فرماتے ہیں کہ
ہم حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، اس وقت وہ موت کے قریب تھے اور رو رہے تھے۔
انہوں نے کہا:
جب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام ڈالا تو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔
میں نے عرض کیا:
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اپنا ہاتھ بڑھایئے تا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ

نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اے عمرو! کیا ہوا؟
میں نے عرض کیا:
میرا ارادہ ہے کہ میں کچھ شرط لگاؤں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار فرمایا:
تم کیا شرط عائد کرتے ہو؟
میں نے عرض کیا:
میری مغفرت کردی جائے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
کیا تم کو معلوم نہیں۔ اے عمرو! اسلام پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور ہجرت پہلے گناہوں کو مٹا دیتی ہے اور حج پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 121)

ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ دیگر عبادات بھی گناہوں کو مٹا دیتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا خاص قرب عطا کرتی ہیں۔ میں نے صرف اپنے دعویٰ کی دلیل کے لئے یہ احادیث مبارکہ عرض کی ہیں ورنہ متعدد احادیث مبارکہ گناہوں کے مٹانے پر دلالت کرتی ہیں۔ اگر میں ان کو نقل کروں تو کئی صفحات بڑھ جائیں گے اور یہ موضوع طویل ہو جائے گا۔

ظاہری اور پوشیدہ گناہ کی ممانعت

اللہ تعالیٰ نے ظاہری اور پوشیدہ گناہ سے منع فرمایا ہے اور جو لوگ اس طرح گناہ کرتے ہیں تو ان کے بارے سخت سزا دینے کی وعید ہے۔
قرآن مجید میں ہے:
وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَیُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ ۝
(الانعام: 120)
اور کھلا گناہ اور پوشیدہ گناہ چھوڑ دو بے شک جو لوگ گناہ کرتے ہیں ان کو عنقریب ان کے اعمال کی سزا دی جائے گی۔
قرآن مجید کی ایک اور آیت میں بھی ظاہری اور خفی گناہوں سے منع فرمایا ہے۔
قرآن مجید میں ہے:
وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ (الانعام: 151)
اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ جو ان میں سے ظاہر ہوں اور جو پوشیدہ۔

حضرت ضحاک نے روایت کیا ہے کہ

زمانہ جاہلیت میں جو لوگ چھپ کر زنا کرتے تھے اس کو وہ حلال کہتے تھے۔

اور عدی نے بیان کیا ہے کہ

جو لوگ بدکار عورتوں کی دکانوں پر جا کر زنا کرتے تھے اس کو برا جانتے تھے۔

اور سعید بن جبیر نے کہا:

ظاہری گناہ ماؤں، بیٹیوں اور بہنوں سے نکاح کرنا تھا اور باطنی گناہ کرنا تھا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے گناہوں کی ممانعت کر دی۔

(جامع البیان: جز:8، ص:20 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ظاہر گناہ سے مراد وہ گناہ ہیں جو اعلانیہ اور کھلم کھلا کیے جائیں اور پوشیدہ گناہوں سے مراد وہ گناہ ہیں جو چھپ کر کیے جائیں۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ

ظاہری گناہ سے مراد وہ گناہ ہیں جو ظاہری اعضاء سے کیے جائیں اور پوشیدہ گناہ سے مراد وہ گناہ ہیں جو دل سے کیے جائیں۔

مثال کے طور پر

تکبر

حسد

خود پسندی

مسلمانوں کا برا چاہنا

حرام کاموں کا ارادہ کرنا

بدگمانی کرنا

بے حیائی کے کاموں سے محبت کرنا

بعض علماء کرام نے یہ کہا ہے کہ

صرف اعضاء کی معصیت پر مواخذہ ہوتا ہے اور دل کے برے کاموں پر مواخذہ نہیں ہوتا۔ یہ قول صحیح نہیں ہے اور قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے مردود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ

(النور:19)

بے شک جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی کی بات پھیلنے کو پسند کرتے ہیں ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک

عذاب ہے۔

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کے اندر بے حیائی کی بات پھیلنے کے پسند کرنے پر عذاب کی وعید فرمائی ہے اور یہ پسند کرنا دل کا فعل ہے۔

حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں اس شخص (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی مدد کرنے کے لئے جانے لگا تو میری ملاقات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔

انہوں نے پوچھا:

تم کہاں جا رہے ہو۔

میں نے کہا:

میں اس شخص کی مدد کروں گا۔

انہوں نے کہا:

لوٹ جاؤ کیونکہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

جب دو مسلمان تلواروں سے لڑتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں۔

میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو قاتل ہے مقتول کا کیا قصور ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ بھی اپنے مقابل کو قتل کرنے پر حریص تھا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 31)

اس حدیث مبارکہ میں کسی مسلمان کو قتل کرنے کی حرص پر عذاب کی وعید ہے اور یہ حرص دل کا فعل ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

ایک شخص نے کہا:

ایک آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں۔ اس کی جوتی اچھی ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے، تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 259)

(سنن ترمذی: رقم الحدیث 2086)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو۔
دشمنی نہ رکھو۔
بغض نہ رکھو۔
حسد نہ کرو۔
اللہ تعالیٰ کے بندے اور بھائی بھائی بن جاؤ اور کسی مسلمان کے لئے تین دن سے زیادہ اپنے بھائی کو چھوڑنا جائز نہیں ہے۔
(سنن ترمذی: ج:3، رقم الحدیث 1942)

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ظاہری اور پوشیدہ گناہوں سے منع فرمایا گیا ہے اور احادیث مبارکہ میں جن افعال کی مذمت کی گئی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر دال ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہیں لہٰذا گناہ تو گناہ ہی ہے اگر چہ وہ ظاہر طور پر کیا جائے یا پوشیدہ طور پر کیا جائے وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے اور عذاب کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ فرمائے۔
آمین بجاہ النبی الامین وصلی اللہ علیہ وسلم!

ہر گناہ پر سزا

ہر گناہ پر سزا کے متعلق آیت کریمہ اور احادیث مبارکہ ہیں۔
قرآن مجید میں ہے:
مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ (النساء:123)
جو شخص کوئی برا کام کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی۔
☆ جس نے بھی کوئی برا کام کیا اسے اس کی سزا دی جائے گی اور برا کام عام ہے خواہ وہ صغیرہ گناہ ہو یا کبیرہ گناہ ہو۔
اس آیت مبارکہ کی دو تفسیریں ہیں۔
ایک تفسیر یہ ہے کہ
یہ آیت مسلمانوں کے گناہوں کے متعلق ہے۔
اس تقدیر پر یہ اشکال ہے کہ اگر ہر گناہ کی سزا ملے تو پھر مسلمانوں کی نجات بہت مشکل ہوگی۔ اس اشکال کے حسب ذیل جوابات ہیں۔
پہلا جواب یہ ہے کہ

مسلمانوں پر دنیا میں جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب یہ آیت مبارکہ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ نازل ہوئی تو مسلمانوں پر یہ آیت کریمہ بہت دشوار ہوئی اور ان کو بہت تشویش لاحق ہوئی اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نیک عمل کرنے کی کوشش کرتے رہو، مسلمان کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے وہ اس (کے گناہوں) کا کفارہ ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اگر اس کے کوئی کانٹا بھی چبھ جائے تو وہ بھی اس کے لئے کفارہ ہو جاتا ہے۔

(مسند احمد: ج:3، رقم الحدیث 7390)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

انہوں نے عرض کیا:

یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس آیت کے بعد کس طرح بہتری ہوگی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

کون سی آیت کے بعد

عرض کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

نہ تمہاری آرزوں کے مطابق ہوگا نہ اہل کتاب کی خواہشوں کے مطابق ہوگا جو بھی برا کام کرے گا اس کو اس کی سزا دی جائے گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا تم بیمار نہیں ہوتے؟

کیا تم غمگین نہیں ہوتے؟

کیا تم کو مصیبت نہیں پہنچتی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تمہاری برائیوں کی یہی سزا ہو جاتی ہے۔

(مسند احمد: ج:1، رقم الحدیث:71)

دوسرا جواب یہ ہے کہ

گناہ کبیرہ سے اجتناب کی وجہ سے بھی گناہ مٹ جاتے ہیں اور نیک کاموں کی وجہ سے بھی برے کام مٹا دیئے جاتے

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا (النساء:31)

اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتے رہے جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو ہم تمہارے صغیرہ گناہوں کو مٹادیں گے اور تم کو عزت کی جگہ داخل کردیں گے۔

اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (هود:114)

بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کردیتی ہیں۔

وضو کرنے سے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ایک نماز سے دوسری نماز کے درمیان کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ایک نماز جمعہ سے دوسری نماز جمعہ کے درمیان کے گناہ جھڑ جاتے ہیں،عرفہ کا روزہ رکھنے سے ایک پچھلے اور ایک اگلے سال کے گناہ جھڑ جاتے ہیں اور حج کرنے سے ساری عمر کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ

جب مسلمان اپنے گناہوں پر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو مٹادیتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ (الشوریٰ:25)

وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں کو مٹادیتا ہے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے گناہوں کو انبیاء کرام علیہم السلام،ملائکہ عظام علیہم السلام،اولیاء کرام،علماء کرام شہداء کرام اور نیک اولاد کی شفاعت کی وجہ سے معاف فرمادے گا۔

پانچواں جواب یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے گناہوں کو اپنے فضل محض سے بھی معاف فرمائے گا۔

قرآن مجید میں بہت سے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ہے۔

يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ

وہ جسے چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

صفوان بن محرز مازنی سے روایت ہے کہ

ایک دن میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ان کا ہاتھ پکڑے ہوئے جارہا تھا کہ ان کے پاس ایک شخص آیا۔

اور پوچھا:

آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نجوٰی (سرگوشی کرنا) کی کیا تفسیر سنی ہے؟

انہوں نے کہا:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

اللہ تعالیٰ مومن کو اپنے قریب کر کے اس کے اوپر (اپنی رحمت کا) پردہ رکھ دے گا اور اس کو چھپا لے گا۔

اور ارشاد فرمائے گا کہ

تو فلاں گناہ کو پہچانتا ہے؟

کیا تو فلاں گناہ کو پہچانتا ہے؟

وہ عرض کرے گا۔

ہاں! اے میرے رب عزوجل!

حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے اس کے تمام گناہوں کا اقرار کرا لے گا اور وہ شخص یہ سمجھے گا کہ وہ اب ہلاک ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

میں نے دنیا میں تیرا پردہ رکھا تھا اور آج میں تجھے بخش دوں گا پھر اس کو اس کی نیکیوں کی کتاب دی جائے گی اور رہے کافر اور منافق تو اللہ تعالیٰ لوگوں کے سامنے فرمائے گا ان لوگوں نے اپنے رب عزوجل کی تکذیب کی۔

خوب سن لو!

ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 2441)

صحیح مسلم: رقم الحدیث 2768)

گناہ پر اصرار کرنا

گناہ صغیرہ پر اصرار کرنے سے وہ گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ

استغفار کے ساتھ گناہ کبیرہ نہیں رہتا اور اصرار کے ساتھ گناہ صغیرہ نہیں رہتا (یعنی کبیرہ ہو جاتا ہے)

(الجامع الاحکام القرآن: ج:5، ص:159 مطبوعہ ایران)

اصرار کے ساتھ گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے اس پر یہ حدیث صراحتاً دلالت کرتی ہے۔

علامہ آلوسی امام بیہقی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً روایت ہے کہ

جس گناہ پر اصرار کرے (یعنی گناہ کے بعد توبہ نہ کرے) وہ گناہ کبیرہ ہے اور جب بندہ کسی گناہ پر توبہ کر لے تو وہ گناہ کبیرہ نہیں رہتا ہے۔

(روح المعانی: ج:4، ص:62 مطبوعہ بیروت)

اگر گناہ صغیرہ کرنے کے بعد انسان نادم ہو اور اس پر استغفار کرلے اور پھر دوبارہ شامت نفس سے وہ صغیرہ گناہ کرلے تو یہ اصرار نہیں ہے تکرار ہے اور گناہ صغیرہ کرنے کے بعد نادم اور تائب نہ ہو اور بلا جھجک اس گناہ کا اعادہ کرے تو پھر یہ اصرار ہے اور یہ کبیرہ اس وجہ سے ہو گیا کہ اس نے اس گناہ کو معمولی سمجھا اور بے وقعتی گناہ کبیرہ ہے جبکہ شریعت کی توہین کفر ہے، فرض اور واجب تو دور کی بات ہے جو فعل مسنون ہو اس کی تخفیف اور بے وقعتی بھی گناہ کبیرہ ہے اور اس کی توہین کرنا کفر ہے۔ العیاذ باللہ۔

اس بحث کو لکھتے وقت میں نے اس سوال پر غور کیا تو مجھ پر منکشف ہوا کہ قرآن و حدیث میں معصیت پر اصرار کرنے کو کبیرہ قرار دیا ہے خواہ وہ کسی درجہ کی معصیت ہو معصیت پر نفس اصرار گناہ کبیرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ قف وَ مَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ قف وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اُولٰٓـئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ (آل عمران:135،136)

''اور جب وہ لوگ بے حیائی کا کام یا اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اللہ تعالیٰ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کون گناہوں کو بخشتا ہے اور وہ لوگ جان بوجھ کر اپنے کیے (یعنی گناہوں) پر اصرار نہ کریں۔ ایسے لوگوں کی جزاء ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور وہ جنات ہیں جن کے نیچے دریا جاری ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور (نیک) کام کرنے والوں کا کیا ہی اچھا بدلہ ہے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اخروی انعامات کو عدم اصرار معصیت پر مرتب فرمایا ہے اس کا لازمی مفہوم یہ ہے کہ معصیت پر اصرار کرنا اخروی عذاب کو مستلزم ہے اور اس سے بھی زیادہ صریح یہ آیت ہے۔

عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ط وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ط وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُوانْتِقَامٍ ۝ (المائدہ:95)

''جو ہو چکا ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا اور جس نے دوبارہ یہ کام کیا تو اللہ اس سے بدلہ لے گا اور اللہ بڑا غالب ہے بدلہ لینے والا۔''

ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اصرار پر وعید فرمائی ہے اور وعید گناہ کبیرہ پر ہوتی ہے۔

امام احمد بن حنبل متوفی 241ھ روایت فرماتے ہیں کہ

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان لوگوں کے لئے عذاب ہو جو اپنے کیے ہوئے (گناہ) پر جان بوجھ کر اصرار کرتے ہیں۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی 279ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جس شخص نے (گناہ) پر استغفار کرلیا تو یہ اس کا اصرار نہیں ہے خواہ وہ دن میں ستر بار گناہ کرے۔
(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث 1514)

اس حدیث مبارکہ سے یہ واضح ہوا کہ گناہ کے بعد استغفار کرلیا جائے تو یہ تکرار ہے اور گناہ کے بعد پھر گناہ کرے اور توبہ نہ کرے تو پھر یہ اصرار ہے جیسا کہ پیچھے ذکر کیا گیا ہے۔

قرآن مجید کی آیات اور احادیث مبارکہ سے یہ واضح ہوگیا کہ

گناہ پر اصرار کرنا (یعنی گناہ کے بعد توبہ نہ کرنا) اس گناہ کو کبیرہ بنادیتا ہے خواہ وہ گناہ کسی درجہ کا ہو۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ

گناہ کے بعد توبہ نہ کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ شخص اس گناہ کو معمولی اور بے وقعت سمجھتا ہے اور اس کا یہ عمل اس بات کا مظہر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے کو اہمیت نہیں دیتا اور ان کے احکام کی پرواہ نہیں کرتا اور شریعت کو معمولی اور بے وقعت سمجھتا ہے اور اس سے لاپرواہی برتنا ہی کبیرہ گناہ ہے۔

تمام گناہوں کی اصل

تمام گناہوں کی اصل قرآن مجید کی آیت مبارکہ سے ثابت ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (الاعراف:33)

آپ فرمادیجئے کہ میرے رب نے تو صرف بے حیائی کے کاموں کو حرام کیا ہے خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کو اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ شریک بناؤ جس کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی اور یہ کہ تم اللہ کے متعلق ایسی بات کہو جسے تم نہیں جانتے۔

☆ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کن چیزوں کو حرام فرمایا ہے سو فرمایا اللہ تعالیٰ نے خواہش کو اثم (گناہ) کو ناحق زیادتی کو، شرک کو اور بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کے متعلق کوئی بات کہنے کو حرام فرمایا ہے۔

فواحش سے مراد گناہ کبیرہ ہیں اور اثم سے مراد مطلق گناہ ہے خواہ کبیرہ ہو یا صغیرہ ہو۔ اس کے بعد تین چیزوں کا ذکر فرمایا

یعنی ناحق زیادتی، شرک اور بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کے متعلق کوئی بات کہنا ہر چند کہ یہ بھی گناہ کبیرہ میں داخل ہیں لیکن چونکہ زیادہ سنگین جرم ہیں اس لئے ان کا خصوصیت کے ساتھ علیحدہ ذکر کیا۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ

فواحش سے مراد ہے زنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ (بنی اسرائیل:32)

اور زنا کے قریب نہ جاؤ بے شک وہ بے حیائی ہے۔

خواہ ظاہر ہو خواہ پوشیدہ ہو۔ ظاہر سے مراد علی الاعلان بدکاری ہے جس طرح لوگ اجرت دے کر پیشہ ور عورتوں سے بدکاری کرتے ہیں یا جس طرح آج کل کال گرلز اور سوسائٹی گرلز کو کلبوں اور ہوٹلوں سے بک کیا جاتا ہے اور پوشیدہ سے مراد ہے کسی لڑکی یا عورت سے عشق ومحبت کے نتیجہ میں خفیہ طریقہ سے یہ کام کیا جائے۔ اور اثم سے مراد ہے شراب نوشی اور جوا کھیلنا جیسا کہ اس آیت میں ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ (البقرہ:219)

لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں آپ فرمادیجئے ان میں بڑا گناہ ہے۔

بعض اوقات شراب کے نشہ میں انسان دوسروں کی عزت پر حملہ آور ہوتا ہے ان کو گالیاں دیتا ہے اور ان پر تہمت لگاتا ہے اور جوئے کے نتیجہ میں مال حرام کھایا جاتا ہے اور بعض اوقات لڑائی جھگڑا اور مار پیٹ بھی ہوتی ہے سو یہ تمام گناہ اس میں داخل ہیں۔ اور ناحق زیادتی سے مراد ہے کسی کا ناحق مال چھین لینا یا کسی کو ناحق قتل کر دینا اور شرک سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی توحید کے منافی یا اس کے خلاف کوئی بات کرنا اور بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کے متعلق کوئی بات کرنے سے مراد یہ ہے کہ بغیر علم اور تحقیق کے کوئی عقیدہ بنالینا اور یہ پانچ گناہ تمام گناہوں کی اصل ہیں اور باقی تمام بدعقیدگیاں اور ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہ ان پانچ گناہوں میں داخل ہیں۔

ایمان لانے سے سابقہ گناہ معاف

ایمان لانے سے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس بارے میں کثیر آیات کریمہ واحادیث مبارکہ ہیں۔ پہلے دو آیات کریمہ پیش کی جاتی ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ○

(الانفال:38)

آپ کافروں سے فرمادیجئے کہ اگر وہ (کفر سے) باز آجائیں تو ان کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور اگر انہوں نے پھر وہی کام کیے تو (اس معاملہ میں) پہلوں کی سنت گزر چکی ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ○ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ○ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○

(الفرقان:68تا70)

اور جولوگ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی پرستش نہیں کرتے اور اس شخص کو قتل نہیں کرتے جس کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام کردیا ہے اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو ایسا کرے گا وہ سزا پائے گا۔ قیامت کے دن اس کو دگنا عذاب دیا جائے گا اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ ذلت سے رہے گا۔ البتہ جس نے توبہ کرلی اور ایمان لے آیا اور نیک کام کیے تو اللہ ان کے گناہوں کو بھی نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

اور کفر کے ترک کرنے اور ایمان لانے سے گناہوں کے مٹ جانے کے متعلق کثیر احادیث مبارکہ ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

ابن شہامہ مہری سے روایت ہے کہ

ہم حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس گئے وہ اس وقت قریب المرگ تھے وہ بہت دیر تک روتے رہے۔ پھر انہوں نے دیوار کی طرف منہ کرلیا۔

ان کے بیٹے نے کہا:

اے ابا جان! کیا آپ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں چیز کی بشارت نہیں دی۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف منہ کر کے ارشاد فرمایا:

ہمارے نزدیک سب سے افضل عبادت لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُـحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی شہادت دینا ہے اور میری زندگی میں تین دور گزرے ہیں۔ ایک وہ دور تھا کہ میرے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی مبغوض نہیں تھا اور میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ بات یہ تھی کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قدرت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیتا۔ اگر میں اس دور میں مرجاتا تو میں بلاشبہ اہل دوزخ میں سے ہوتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام ڈال دیا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

میں نے عرض کیا:

اپنے ہاتھ پھیلایئے تاکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کروں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ پھیلایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

اے عمرو کیا ہوا؟

میں نے عرض کیا:

میں ایک شرط لگانا چاہتا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم کیا شرط لگانا چاہتے ہو؟

میں نے عرض کیا:

میں یہ چاہتا ہوں کہ میری مغفرت کر دی جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام پہلے کے کیے ہوئے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور ہجرت پہلے کے کیے ہوئے گناہوں کو مٹا دیتی ہے اور حج پہلے کے کیے ہوئے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اس وقت مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی محبوب نہیں تھا اور نہ میری آنکھوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی بزرگ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلال کی وجہ سے میں یہ طاقت نہیں رکھتا تھا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر بھر کر دیکھ سکوں اور اگر کوئی مجھ سے یہ سوال کرتا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصیہ بیان کروں تو میں اس پر قادر نہ تھا کیونکہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر بھر نہیں دیکھا تھا اور اگر میں اس دور میں مر جاتا تو مجھے امید ہے کہ میں اہل جنت میں سے ہوتا پھر ہمیں چند مناصب پر فائز کیا گیا اور میں نہیں جانتا کہ ان میں میرا کیا حال ہے۔ پس اگر میں مر جاؤں تو میرے ساتھ کوئی نوحہ کرنے والی نہ ہو نہ آگ ہو اور جب تم مجھے دفن کر چکو تو میری قبر پر مٹی چھڑک دینا اور پھر میری قبر پر اپنی دیر ٹھہرنا جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے اس کے گوشت کو تقسیم کیا جاتا ہے حتیٰ کہ میں تم سے مانوس ہو جاؤں اور دیکھ لوں کہ میں اپنے رب عز و جل کے بھیجے ہوئے فرشتوں کو کیا جواب دیتا ہوں۔

(صحیح مسلم:192 مطبوعہ مکتبہ نزار المصطفی الباز مکہ مکرمہ)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی 656ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث مبارکہ سے مقصود یہ ہے کہ

اسلام، ہجرت اور حج پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتے ہیں خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ ہوں۔ اور حدیث مبارکہ کے الفاظ کے عموم سے یہ متضاد ہوتا ہے کہ ان اعمال سے حقوق شرعیہ اور حقوق آدمیہ دونوں معاف ہو جاتے ہیں لہٰذا کافر حربی جب مسلمان ہو جائے تو اس سے کسی حق کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا خواہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا کسی کا مال غصب کیا ہو۔

(المفہم: ج:1 ص:329 مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا زمانہ جاہلیت کے اعمال کا ہم سے مواخذہ کیا جائے گا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم میں سے جس نے اسلام میں نیک عمل کیے اس سے مواخذہ نہیں کیا جائے گا اور جس نے برے عمل کیے اس سے جاہلیت اور اسلام کے اعمال کا مواخذہ کیا جائے گا۔

دوسری روایت میں ہے کہ

اس سے اول و آخر کا مواخذہ کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:6921)

علامہ ابو العباس القرطبی المالکی المتوفی 656ھ لکھتے ہیں: اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو یہ ارشاد ہے کہ

ں نے اسلام میں نیک عمل کیے اس سے مراد یہ ہے کہ اس کا دین اسلام میں دخول صحیح ہو۔ وہ اسلام میں اخلاص سے داخل ہو تا حیات اسلام پر قائم رہے، مرتد نہ ہو اور اس حدیث مبارکہ میں اساعت، کفر اور نفاق کے مقابلہ میں ہے اور حدیث مبارکہ ں اساعت سے گناہ کبیرہ اور صغیرہ کا ارادہ کرنا صحیح نہیں ہے ورنہ اس سے یہ لازم آئے گا اسلام اسی شخص کے سابقہ گناہوں کو ئے گا جس نے اسلام لانے کے بعد تا حیات کوئی گناہ نہ کیا ہو اور یہ قطعاً باطل ہے۔ قرآن مجید، حدیث صحیح اور اجماع کے ف ہے اور مواخذہ سے مراد یہ ہے کہ اس نے زمانہ جاہلیت اور اسلام میں جو گناہ کیے ہیں ان پر سزا ہوگی اور یہ مواخذہ اس ں سے ہوگا جو نفاق سے اسلام میں داخل ہوا ہو یا اسلام کے بعد مرتد ہو گیا ہو۔

(المفہم: ج:1، ص:327 مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی 676ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث مبارکہ میں احسان اور نیک عمل سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص ظاہر اور باطن دونوں اعتبار سے اسلام میں داخل ہوا اور یہ کہ وہ حقیقی مسلمان ہو تو اس کے سابقہ گناہ قرآن مجید کے نصوص صریح، حدیث صحیح اور اجماع سے معاف کر دیئے جائیں ے۔ اور برے عمل اور اساعت سے مراد یہ ہے کہ وہ دل سے اسلام میں داخل نہ ہو بلکہ وہ صرف بہ ظاہر کلمہ شہادت پڑھے اور ں سے اسلام کا معتقد نہ ہو۔ پس ایسا شخص منافق ہے اور وہ اپنے کفر پر باقی ہے لہٰذا اس سے صورۃً اسلام کے اظہار سے پہلے اس کے بعد کے تمام گناہوں پر مواخذہ ہوگا اور اس کو سزا ملے گی کیونکہ وہ اپنے کفر پر دوام اور استمراد کے ساتھ قائم ہے۔

(شرح النووی مع المسلم: ج:1، ص:810 مطبوعہ مکتبہ نزار المصطفیٰ مکہ مکرمہ)

اللہ تعالیٰ کافر کے جو پچھلے تمام گناہ بخش دیتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا مخلوق پر بہت لطف و کرم ہے کیونکہ کفار انواع واقسام کے کفر جرائم، فواحش و منکرات اور معاصی میں مبتلا رہتے ہیں اگر ان کے سابقہ گناہوں پر مواخذہ کیا جاتا تو وہ توبہ سے ان گناہوں کی ی کبھی بھی نہیں کر سکتے تھے اور ان کو مغفرت کبھی بھی حاصل نہیں ہو سکتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر قبول توبہ کو آسان کر دیا اور ام کے بعد ان کے پچھلے گناہوں کی مغفرت کا اعلان کر دیا تا کہ ان کا دین اسلام میں داخل ہونا آسان ہو جائے اور اگر ان کو وم ہوتا کہ ان کے پچھلے گناہوں پر ضرور مواخذہ ہوگا تو وہ توبہ کرتے نہ اسلام لاتے کیونکہ انسان کو جب معلوم ہو کہ اس کو اس جرائم کی معافی نہیں مل سکتی تو پھر وہ بغاوت پر اتر آتا ہے اور کھل کر جرائم کا ارتکاب کرتا ہے۔

اس کی نظیر یہ حدیث مبارکہ ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم سے پہلی امتوں میں ایک شخص نے ننانوے قتل کیے۔

اس نے پوچھا:

روئے زمین پر سب سے بڑا عالم کون ہے؟

تو ایک راہب (عیسائیوں کا پیر) کی جانب اس کی رہنمائی کی گئی وہ گیا۔

اور اس سے پوچھا کہ

اس نے ننانوے قتل کیے ہیں کیا اس کی توبہ ہو سکتی ہے؟

اس نے کہا:

نہیں۔

اس شخص نے اس راہب کو بھی قتل کر دیا اور ایک سینکڑا پورا کر دیا۔

اس نے پوچھا کہ

روئے زمین پر سب سے بڑا عالم کون ہے؟

تو ایک عالم کی طرف اس کی رہنمائی کی گئی۔

اس نے اس سے پوچھا کہ

اس نے سو قتل کیے ہیں کیا اس کی توبہ ہو سکتی ہے؟

اس نے کہا:

ہاں۔

توبہ اور اس کے درمیان کوئی حائل ہو سکتا ہے۔ تم فلاں فلاں جگہ چلے جاؤ وہاں کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں تم بھی ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور اپنے علاقے کی طرف لوٹ کر نہ جانا وہ بری جگہ ہے۔ وہ وہاں سے چل پڑا۔ ابھی راستے میں پہنچا تھا کہ اس کو موت نے آلیا پھر اس کے متعلق رحمت کے فرشتوں اور عذاب کے فرشتوں کے درمیان مباحثہ ہوا۔

رحمت کے فرشتوں نے کہا:

یہ شخص توبہ کرتا ہوا اور اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہوا آ رہا تھا۔

عذاب کے فرشتوں نے کہا:

اس نے کوئی نیک عمل بالکل نہیں کیا تب ان کے پاس ایک اور فرشتہ آدمی کی صورت میں آیا انہوں نے اس کو اپنے درمیان حکم (منصف) بنا لیا۔

اس نے کہا:

ان دونوں زمینوں کے درمیان پیمائش کرو جس زمین کے وہ زیادہ قریب ہو اس کو اسی کے ساتھ لاحق کر دو۔ انہوں نے پیمائش کی تو وہ اس زمین کے زیادہ قریب تھا جس کا اس نے ارادہ کیا تھا تب اس کو رحمت کے فرشتوں نے لے لیا۔

امام مسلم کی دوسری سند کے ساتھ جو روایت ہے۔

اس میں ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو حکم دیا کہ تو دور ہو جا (یعنی اس کے علاقہ کی زمین) اور اس زمین (جہاں نیک لوگ رہتے تھے) کو حکم دیا کہ تو قریب ہو جا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 3470) (صحیح مسلم 6875، 6877)

نیکیوں سے کون سے گناہ مٹتے ہیں

گناہ دو قسم کے ہیں۔

1-گناہ صغیرہ

2-اور گناہ کبیرہ

فرض کا ترک اور حرام کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے اور واجب کا ترک اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب گناہ صغیرہ ہے۔

فقہاء اسلام نے یہ کہا ہے کہ

نیکیوں سے صرف گناہ صغیرہ معاف ہوتے ہیں اور گناہ کبیرہ توبہ سے معاف ہوتے ہیں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے یا اللہ تعالیٰ کے فضل محض سے، نیکیوں سے گناہ کبیرہ معاف نہیں ہوتے، صرف گناہ صغیرہ معاف ہوتے ہیں۔

اس پر دلیل یہ حدیث مبارکہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔

پانچ نمازیں، ایک جمعہ سے دوسرا جمعہ اور ایک رمضان سے دوسرا رمضان ان کے درمیان گناہوں کا کفارہ ہیں جب کہ کبائر سے اجتناب کرے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث 233) (سنن ترمذی: رقم الحدیث 214)

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ

اس حدیث مبارکہ کا معنیٰ یہ ہے کہ نیکیوں سے کبائر کے سوا تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، کبائر نیکیوں سے معاف نہیں ہوتے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ

جو حدیث مبارکہ میں مذکور ہے کہ یہی اہل سنت کا مذہب ہے۔

کبائر کی معافی توبہ سے ہوتی ہے یا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اور اس کے فضل سے۔

علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقات میں لکھا ہے کہ

نماز، روزہ اور حج کبائر کا کفارہ نہیں ہوتے۔ کبائر کا کفارہ صرف توبہ ہے۔

امام ابن عبد البر نے لکھا ہے کہ

اس پر اجماع ہے۔

(میں کہتا ہوں کہ حج میں انسان میدان عرفات میں توبہ کرتا ہے اور اس توبہ سے کبائر سمیت تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں)

علامہ طاہر پٹنی نے کہا ہے کہ

حقوق العباد میں قصاص ضرور لیا جائے گا خواہ صغیرہ ہوں اور کبائر توبہ سے معاف ہوں گے۔ جب صغائر معاف ہو کے بعد نیکیاں بچ جائیں تو ان نیکیوں سے کبائر میں تخفیف ہو جائے گی اور اگر کسی انسان کی صرف نیکیاں ہوں اور اس کا کوئی گناہ نہ ہو، صغیرہ نہ کبیرہ تو پھر نیکیوں سے اس کے درجات بلند ہو جائیں گے۔

(تحفۃ الاحوذی: ج: 1 ص: 654 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا توبہ اور بغیر توبہ کے گناہ معاف فرمانا

اللہ تعالیٰ توبہ اور بغیر توبہ کے بھی گناہ معاف فرماتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ (ابراہیم: 10)

وہ تمہیں اس لیے بلاتا ہے کہ تمہارے گناہوں کو بخش دے۔

امام رازی کی تحقیق یہ ہے کہ

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بغیر توبہ کے گناہوں کے بخشنے کی نوید سنائی ہے۔

(تفسیر کبیر: ج: 7 ص: 72 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اسی طرح کی کثیر آیات کریمہ ہیں۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط (آل عمران: 31)

آپ فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

يُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط (الاحزاب: 71)

اللہ تمہارے اعمال کو درست کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ (الاحقاف: 31)

اے ہماری قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کی بات مان لو اور اس پر ایمان لے آؤ اللہ تمہارے گناہوں میں سے بخش دے گا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (الصف: 12)

تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:
وَاِنَّ رَبَّکَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلْمِهِمْ (الرعد:6)
بے شک آپ کا رب لوگوں کے ظلم کے باوجود ان کی مغفرت کرنے والا ہے۔
اس آیت مبارکہ کے تحت امام رازی نے لکھا ہے کہ
اللہ تعالیٰ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو بغیر توبہ کے (بھی) بخش دیتا ہے۔
(تفسیر کبیر: ج:7، ص:12 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)
اور بعض آیتوں میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کے بعد گناہ معاف فرمادیتا ہے۔
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝ (النساء:110)
اور جو شخص برے کام کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بہت بخشنے والا بہت مہربان پائے گا۔
ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:
وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ۝ (النساء:64)
اور اگر انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کرلیا تو وہ آپ کے پاس آجائیں پھر اللہ سے استغفار کریں اور رسول بھی ان کے لئے استغفار کریں تو وہ اللہ کو بہت توبہ کرنے والا بہت مہربان پائیں گے۔
ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:
وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ قف وَ مَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ﵎ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝ اُولٰٓىِٕكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ۝ (آل عمران:135، 136)
اور وہ لوگ جنہوں نے بے حیائی کا کوئی کام کرلیا یا وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تو انہوں نے اپنے گناہوں پر استغفار کیا اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشتا ہے اور وہ اپنے کاموں پر عمداً اصرار نہ کریں ان لوگوں کی جزاء ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور نیک عمل کرنے والوں کی کیسی اچھی جزا ہے۔
ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی توبہ کرنے سے بھی ان کے گناہ معاف فرماتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کرنے سے بھی ان کے گناہ معاف فرماتا ہے اور اپنے فضل اور کرم سے بغیر توبہ اور شفاعت کے بھی گناہ معاف فرماتا ہے جیسا کہ سورہ ابراہیم کی اس زیر تفسیر آیت میں ہے۔
یَدْعُوْكُمْ لِیَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ (ابراہیم:10)

اسی آیت مبارکہ میں من تبعیض کے لئے ہے۔
اس کا معنیٰ ہے۔
اللہ تمہیں بلاتا ہے تا کہ تمہارے بعض گناہوں کو بخش دے۔
اور یہ وہ بعض گناہ ہیں جو کفر کے علاوہ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ شرک کو نہیں بخشے گا۔
ارشاد فرمایا:
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء:48)
بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک کیا جائے اور اس کے کم جو گناہ ہو گا اس کو جس کے لئے چاہے گا بخش دے گا۔
اس سے واضح ہو گیا کہ
کفر اور شرک کے سوا جو گناہ ہیں ان کو اللہ تعالیٰ بغیر توبہ کے بھی بخش دیتا ہے اور اس پر واضح دلیل ہے کہ کافر جب اسلام قبول کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے تمام گناہوں کو اس کی توبہ کے بغیر معاف کر دیتا ہے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا:
کیا تم کو معلوم نہیں کہ اسلام پہلے کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث:121)
تو مسلمان کے متعلق زیادہ توقع اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بغیر توبہ کے معاف فرما دے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر بہت بڑا فضل اور کرم ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمان توبہ کرنے سے غافل اور بے پرواہ ہو جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے کے بعد بھی اگر ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے تو یہ اس کا انتہائی فضل اور کرم ہے۔ لہٰذا بندوں کو چاہئے کہ وہ ہر وقت اور ہر لمحہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں پر اور اس کی نعمتوں کا کما حقہ شکر ادا نہ کرنے پر اس کی بارگاہ میں توبہ کرتے رہیں اور ہر وقت اس مقدس ذات سے ڈرتے رہیں جس نے نافرمانی پر عذاب دینا ہے اور فرمانبرداری پر جنت عطا فرمانی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے گناہ میں پڑنے سے قید ہونے کی دعا فرمائی

حضرت یوسف علیہ السلام نے گناہ کرنے کے بجائے قید ہونے کی دعا کی۔
قرآن مجید میں ہے:
قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ (یوسف:33)
یوسف نے کہا اے میرے رب مجھے قید ہونا اس گناہ سے پسند ہے جس کی طرف مجھے یہ دعوت دیتی ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا گناہ سے بچنے کے لئے سجدہ میں جا کر دعا کرنا

حضرت یوسف علیہ السلام نے گناہ سے بچنے کے لئے سجدے میں جا کر دعا کی کہ اے اللہ عزوجل مجھے اس گناہ سے قید

ب ہے۔
تفسیر نعیمی میں یوں رقم ہے۔
(حضرت) یوسف (علیہ السلام) تو ساتھ کمرے میں تھے اور باقی عورتیں اپنے درد میں نڈھال تھیں زلیخا اپنی ہی وارفتگی مذکورہ باتیں کیے جا رہی تھی، عورتیں اس کی وارفتگی کو سمجھتے ہوئے ترس کھائے ہوئے ہاں میں ہاں ملائے جا رہی تھیں یہ وں کی نرم طبیعت ہی کا باعث ہے کہ کل تک جس عیب پر زلیخا کو لعن طعن کر رہی تھیں اور جس لعن طعن پر زلیخا پریشان ہوگئی آج ذرا سی باتیں سن کر ترس کھانے میں آگئیں۔
اسی لیے حکماء کہتے ہیں کہ
عورتوں کی بات کبھی قابل اعتماد نہیں ہوتی مثلاً پاءِ خسہ، جہاں دل چاہے ٹھہر جائے جب زلیخا یہ باتیں کر چکی۔
تب کچھ عورتوں نے کہا:
ہم یوسف (علیہ السلام) کو سمجھائیں گی۔
حضرت یوسف علیہ السلام ان عورتوں کی کتر زبانیوں سے پہلے ہی گھبرائے ہوئے تھے اب جب یہ سب گفتگو اور ان تمام رتوں کا زلیخا کے ہم زبان ہونا اور خود حضرت یوسف علیہ السلام کو سمجھانے ورغلانے کا سنا تو وہیں سجدے میں گر گئے۔
اور عرض کیا۔
مولا (عزوجل) ایک طرف سزاء قید ہے اور ایک طرف حسن و جمال کی معصیت ہے، ایک طرف عذاب دنیا ہے ایک طرف عذاب آخرت مجھ کو دنیا کی تکالیف اور قید خانہ زیادہ محبوب ہے اس سے جس کی طرف یہ عورتیں مجھ کو بلا رہی ہیں یا یہ زلیخا دعوت دے رہی ہے۔
(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:472 نعیمی کتب خانہ لاہور)

ش کو دور نہ کرنے پر مائل ہونا

حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ اے خالق باری تعالیٰ اگر تو نے ان کی سازش مجھ سے دور تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور میں جاہلوں سے ہو جاؤں گا۔
قرآن مجید میں ہے:
وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ○ (یوسف:33)
اور اگر تو نے ان کی سازش مجھ سے دور نہ کی تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور میں جاہلوں سے ہو جاؤں گا۔

ت جبرائیل علیہ السلام کا حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آنا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لے آئے۔
تفسیر در منثور میں ہے۔
اس وقت جبرائیل علیہ السلام تشریف لے آئے اور ان کے سامنے ایک چٹان ظاہر کی۔

اور کہا:

آپ علیہ السلام کیا دیکھتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا:

میں ایک چیونٹی دیکھ رہا ہوں جو چٹان کو کاٹ رہی ہے۔

فرمایا:

تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے۔

میں تو اس چیونٹی کو نہیں بھولتا پھر تجھے کیسے بھولوں گا، میں نے تجھے اس لیے روکے رکھا کیونکہ تو نے خود دعا کی تھی۔ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ۔

(تفسیر درمنثور: ج:4، ص:53)

حضرت یوسف علیہ السلام کا رو کر گڑ گڑا کر دعا مانگنے سے فرشتوں کا رونا

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رو کر گڑ گڑا کر دعا کی تو فرشتے بھی رو پڑے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے رو کر گڑ گڑا کر ایسی دعا مانگی کہ فرشتے بھی رو پڑے۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:473 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا کا قبول ہونا

حضرت یوسف علیہ السلام نے جو اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی اللہ تعالیٰ نے وہ دعا قبول فرمائی۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ (یوسف:34)

پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو عورتوں کی سازش سے محفوظ کر دیا بے شک وہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

سات لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنا سایہ عطا فرمائے گا

اللہ تعالیٰ سات لوگوں کو اپنا سایہ عطا فرمائے گا۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

سات لوگ ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنا سایہ عطا فرمائے گا جس دن سوائے اس کے سایہ کے اور کوئی سایہ نہیں ہوگا۔

1- عادل فرمانروا۔

2- وہ جوان جو عبادت الٰہی عزوجل میں مشغول رہا۔

3- وہ شخص جس کا دل مسجد کے ساتھ معلق رہے جب وہ مسجد سے نکلے تو اس کی طرف لوٹنے کا اس کے ذہن میں ہو۔

4-وہ دو اشخاص جو محض رضائے الٰہی عزوجل کے لئے آپس میں محبت کریں اسی پر جمع ہوں اور اسی پر الگ الگ ہوں۔
5-ایسا شخص جو چھپا کر صدقہ کرے یہاں تک کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی یہ نہ معلوم ہو کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا دیا ہے۔
6-ایسا شخص جسے جاہ و منصب والی خوبصورت عورت اپنی طرف بلائے لیکن وہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔
7-اور وہ شخص جو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں بہہ پڑیں۔
(تفسیر ابن کثیر:ج:2،ص:823تا824)

حضرت یوسف علیہ السلام کو حضرت جبرائیل علیہ السلام کا دعا قبول ہونے کی مبارک دینا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر دعا کی تو آپ علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور حضرت جبرائیل علیہ السلام دعا قبول ہونے کی مبارک دینے آئے۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر بارگاہ ہوئے۔
اور عرض کیا۔
اے یوسف (علیہ السلام) مبارک ہو کہ تمہارے رب عزوجل نے تمہاری دعا قبول فرمالی۔
(تفسیر نعیمی:ج:12،ص:473 نعیمی کتب خانہ لاہور)

چھ دعائیں جس طرح مانگی گئیں ویسے ہی قبول ہوئیں

چھ دعائیں جس طرح مانگی گئیں ویسے ہی قبول ہوئیں۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
روایت میں ہے کہ
چھ دعائیں اسی طرح قبول ہوئیں جس طرح مانگی گئیں۔
1-ایک یہی حضرت یونس علیہ السلام کی دعا
2-حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا
3-حضرت نوح علیہ السلام کی دعا
4-حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کی دعا
5-حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا
6-حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ دعا
(تفسیر نعیمی:ج:12،ص:473 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کو قید کرنے کی رائے

جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکبازی کی علامات بھی دیکھ لیں پھر بھی آپ علیہ السلام کو قید کرنے کی

رائے پر جمع ہوئے۔

قرآن مجید میں ہے:

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ (یوسف:35)

پھر (یوسف کی پاکبازی کی) علامات دیکھنے کے باوجود ان کی یہی رائے ہوئی کہ وہ کچھ عرصہ کے لئے یوسف کو ضرور قید کردیں۔

عزیز مصر بیوی کے کہنے پر بدنامی سے بچنے کے لئے قید کرنے پر متفق ہوئے

عزیز مصر کی بیوی نے جب یہ دیکھا کہ یہ غلام کسی طرح بھی ہتھے نہیں چڑھ رہا تو اس نے جا کر اپنے خاوند کو کہا کہ یہ غلام مجھے رسوا کررہا ہے لوگوں سے میرے ورغلانے کا ذکر کررہا ہے لہٰذا اس کو قید کردو تو عزیز مصر بیوی کے کہنے پر قید کرنے پر متفق ہوا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

جب عزیز مصر پر حضرت یوسف علیہ السلام کی تہمت سے برأت ظاہر ہوگئی تو واضح طور پر اس نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کوئی تعرض نہیں کیا، ادھر وہ عورت اپنی تمام حیلہ سازیوں اور مکر وفریب کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی موافقت پر ابھارتی رہی اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی پھر جب وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے مایوس ہو گئی تو اس نے اپنا انتقام لینے کے لئے اپنے خاوند سے کہا اس عبرانی غلام نے مجھے لوگوں کے درمیان رسوا کردیا ہے۔

یہ لوگوں سے کہتا پھرتا ہے کہ

اس عورت نے اپنی خواہش پوری کرنے کے لئے مجھے بہکایا اور ورغلایا تھا اور میں ہر شخص کے سامنے جا کر اپنا عذر نہیں بیان کرسکتی اس لیے اس فحش بات کا چرچا روکنے کے لئے اس غلام کو قید کردیا جائے۔

عزیز مصر نے سوچا کہ

اس طرح اس کی بھی بدنامی ہورہی ہے اس لیے مصلحت اسی میں ہے کہ لوگوں کی زبانیں بند کرنے کے لئے اس کو قید کردیا جائے۔

(جامع البیان: جز:12، ص:279 ملخصا بیروت)

کون سی علامات دیکھ چکے تھے؟

علامات کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

امام ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ رحمہم اللہ نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

وہ فرماتے ہیں۔

میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق پوچھا:

توانہوں نے فرمایا:

مجھ سے ان نشانیوں کے متعلق تجھ سے پہلے کسی نے نہیں پوچھا:

یہ نشانیاں یہ تھیں۔

قمیص کا پھٹا ہوا ہونا

عورت کا اثر آپ علیہ السلام کے جسم پر ہونا

چھریوں سے عورتوں کا ہاتھ کاٹنا

عزیز مصر کی بیوی نے اپنے خاوند سے کہا تھا کہ

اگر تم یوسف علیہ السلام کو قید نہیں کرو گے تو لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کی تصدیق کریں گے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

یہ نشانیاں یہ تھیں۔

قمیص کا پھٹنا

اور چہرے پر خراشوں کا ہونا

(جامع البیان: ج:12 ص:253 بیروت)

دوسرا قول یہ نقل فرماتے ہیں۔

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نشانیوں سے مراد قمیص کا پیچھے سے پھٹا ہوا ہونا ہے۔

(جامع البیان: ج:12 ص:253 بیروت)

تیسرا قول یہ نقل فرمایا ہے کہ

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

آیات سے مراد عورتوں کا اپنے ہاتھ کاٹنا اور قمیص کا پیچھے سے پھٹا ہوا ہونا ہے۔

(جامع البیان: ج:12 ص:254 بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی پر پانچ نشانیاں دیکھیں

حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی پر عدلیہ نے پانچ نشانیاں ملاحظہ کیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

ان حکام مصر یعنی عزیز مصر اور اس کے مشیروں کو حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت و پاکدامنی کی تمام نشانیاں دیکھنے سمجھنے کے بعد پھر بھی یہی عقل آئی کہ البتہ ضرور قید کریں اس یوسف (علیہ السلام) کو کچھ مدت کے لئے۔

اس عدلیہ نے یوسف (علیہ السلام) کی پاکدامنی پر پانچ نشانیاں دیکھیں۔

1- تالوں کا ٹوٹنا

2- بچے کی وضاحت

3- پیچھے سے قمیص کا پھٹا ہونا

4- عورتوں کا حسن یوسفی کو دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹنا

5- اور خود زلیخا کا اپنے جرم کا اقرار کرتے ہوئے یوسف علیہ السلام کا بچار ہنا بیان کرنا

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:473 نعیمی کتب خانہ لاہور)

چھ اشخاص نے چھ چیزوں کو پسند فرمایا

تفسیر نعیمی میں ہے۔

چھ شخصوں نے چھ چیزوں کو پسند کیا اور مصیبت وغم اٹھایا۔

1- نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کنعان کو پسند کیا تو وہ ڈوبا۔

2- حضرت آدم علیہ السلام نے ہابیل کو پسند کیا تو وہ شہید ہو گیا۔

3- شیطان نے آگ کو پسند کیا کہ

کہا۔

خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ "

تو دائمی آگ کا دکھ اٹھایا۔

4- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو پسند کیا تو وہ طور پر جل مری۔

5- حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو پسند کیا تو وہ جدائی کا غم دے گئی اور خود بھی ہزار مصیبتوں سے پریشان ہوئے۔

6- حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل کو پسند کیا تو جیل کا دکھ ملا۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:474 نعیمی کتب خانہ لاہور)

عزیز مصر کی بیوی کو قید کیوں نہ کیا گیا؟

گناہ کا ارادہ عزیز مصر کی بیوی نے کیا تھا اور ورغلانے کی بہت کوششیں کیں جرم عزیز مصر کی بیوی کا تھا مگر عزیز مصر کی بیوی کو قید کرنے کے بجائے حضرت یوسف علیہ السلام کو کیوں قید کیا گیا اس کی چند وجوہات ہیں جو کہ تفسیر نعیمی میں ذکر کی گئی ہیں۔

انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ زلیخا کو سزا ہوتی حضرت یوسف علیہ السلام کو بری کیا جاتا مگر معاملہ الٹ ہوا۔

1- ایک یہ کہ منشاء الٰہی عزوجل یہی تھا کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل پسند کی تھی۔

زلیخا کو اس لیے قید نہ کیا کہ مصر میں عورتوں کی جیل کوئی نہ تھی اور پھر کئی سفارشیں آجاتیں کہ گورنر کی بیوی تھی۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:474 نعیمی کتب خانہ لاہور)

شاہ مصر نے تین طرح کی جیل بنوائی ہوئی تھی

شاہ مصر نے تین طرح کی جیل بنوائی ہوئی تھی۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
شاہ مصر نے تین طرح کی جیل بنوائی ہوئی تھیں۔
1-سجن العذاب
یہ جیل تہہ خانے میں بھی اس میں سانپ، بچھو، چوہے وغیرہ بکثرت تھے۔
طرح طرح سے تڑپایا جاتا اور توبہ کرا کر باہر نکال لیا جاتا چند دن سزا دی جاتی قیدی خواہ مجرم ہو یا مظلوم۔
2-سجن القتل
یہ جیل بھی تہہ خانے بلکہ چالیس گز لمبے چوڑے کنوئیں میں تھی اس میں بارادۂ قتل ڈال دیا یہاں تک کہ قیدی مر جاتا۔
3-سجن العافیہ
یہ جیل زمین پر تھی بہت شاندار آرام دہ محل کے قریب تھی سیاسی اور زیر تفتیش مجرموں کو یہاں رکھا جاتا تھا۔
(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:474 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل میں کیوں بھیجا گیا

اس بارے میں طویل مفسرین کرام نے وجہ بیان کی ہے مگر چند وجوہات تفسیر نعیمی کے حوالے سے عرض کی جاتی ہیں۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
انصاف کا تقاضہ تو یہ تھا کہ زلیخا کو سزا ہوتی یوسف علیہ السلام کو بری کیا جاتا مگر معاملہ الٹا ہوا تین وجوہ سے
ایک یہ کہ
منشاء الٰہی عزوجل یہ ہی تھی کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل پسند کی تھی اگر آپ علیہ السلام اَحَبُّ اِلَیَّ نہ کہتے تو لا قیدی بری ہوتے پسند کرنا ہی مصیبت اور بلا ہے۔
دوسری وجہ یہ ہے کہ
اس واقعے کا بہت سخت چرچا ہو گیا اب (حضرت) یوسف علیہ السلام کو زلیخا کے گھر رکھنا خطرناک ہو گیا نہ بھی کچھ ہوتا پھر بھی بدنامی تھی باتیں بنتی چلی جاتیں زلیخا نے عورتوں کے سامنے جو آئندہ اپنا ارادہ پیش کیا تھا وہ بھی نشر ہو گیا اس لیے یہ خبر بادشاہ یان تک پہنچی تب سوچ و بچار، غور و فکر کے بعد یہی فیصلہ کیا کہ اس کا حل یہی ہے (حضرت) یوسف (علیہ السلام) کو جدا کر دیا جائے اور ایسی جگہ رکھا جائے جہاں سے زلیخا کا ملنا ناممکن اور دشوار ہو۔ اگر کسی گھر میں نظر بند کیا جاتا تو زلیخا کسی نہ کسی طرح ملنے کا سبب پیدا کر لیتی۔
سوم یہ کہ
جرم سزا کے قابل نہ تھا صرف ارادے پر سزا نہیں ہوتی (حضرت) یوسف علیہ السلام کو جیل بھیجنا بھی سزا نہ تھی صرف جدائی

مقصود تھی تا کہ یہ بات آگے نہ بڑھے اور پچھلے واقعات لوگوں کے ذہن سے محو ہو جائیں۔

چہارم یہ کہ

زلیخا کو جدائی اور فراق کی مار ہی کافی تھی۔

پانچویں وجہ کہ

یہ فیصلہ سراسر ظلم اور ناانصافی شمار کیا جائے کہ اہل مصر نے یہ ظلم کیا اور (حضرت) یوسف (علیہ السلام) کو جیل بھیجا یہ اس لیے کیا تا کہ لوگ جو شاہی خاندان کو بدنام کر رہے ہیں اس فیصلے سے سمجھ جائیں کہ یوسف (علیہ السلام) مجرم ہیں مگران کے دل کہہ رہے تھے کہ یوسف علیہ السلام پاکدامن ہیں۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:474 نعیمی کتب خانہ لاہور)

عزیز مصر کی بیوی کا جیل کے داروغے کو حضرت یوسف علیہ السلام کیلئے خفیہ طور پر آرام دہ کمرہ جیل میں بنانے کا کہنا

عزیز مصر کی بیوی نے جیل کے داروغے کو حکم دیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے جیل میں آرام دہ اور خوبصورت کمرہ بنوائے اور اس کا خرچہ میں خود اٹھاتی ہوں۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

زلیخا نے خفیہ طور پر جیل کے داروغہ سے کہا کہ

ایک خوبصورت کمرہ ہر طرح آرام والا حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے جیل میں بنادو میں خرچہ دیتی ہوں اس کی بات مانی گئی۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:474 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کتنا عرصہ قید خانے میں رہے؟

حضرت یوسف علیہ السلام کے قید خانے میں رہنے کے متعلق چند اقوال ہیں۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

عکرمہ نے بیان کیا ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام سات سال قید خانے میں رہے۔

(جامع البیان: رقم الحدیث 14740)

تفسیر امام ابن ابی حاتم میں ہے۔

طارق اور سعید بن جبیر نے کہا ہے کہ

یہ مدت چھ ماہ تھی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 11591)

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

یہ مدت پانچ سال تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک اور روایت ہے کہ

یہ مدت ایک سال تھی۔

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سات سال کی روایت کی ہے۔

عطا نے کہا:

یہ قید اس وقت تک کے لئے تھی حتیٰ کہ لوگوں کی زبانیں اس واقعہ کے ذکر سے بند ہو جائیں۔

الماوردی نے کہا:

اس قید کی کوئی مدت معین نہیں کی گئی تھی اور ان کو غیر محدود مدت کے لئے قید کیا گیا تھا اور یہی قول صحیح ہے۔

(زاد المسیر: ج:4،ص:222 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے۔

اس میں چار قول ہیں۔

1-غیر معین مدت

2-پانچ سال

3-سات سال

4-بارہ سال

(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:474 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کون سی جیل میں رہے

حضرت یوسف علیہ السلام کو سجن العافیہ جیل میں رکھا گیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

سجن العافیہ یہ جیل زمین پر تھی بہت شاندار آرام دہ محل کے قریب تھی۔ سیاسی اور زیر تفتیش مجرموں کو یہاں رکھا جاتا تھا۔ اسی جیل میں حضرت یوسف علیہ السلام کو رکھا گیا۔

(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:474 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کو تین مرتبہ سزا دی گئی

امام عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابو الشیخ اور حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

فرماتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو تین مرتبہ سزا دی گئی۔

پہلی مرتبہ قید کے ساتھ جب آپ علیہ السلام نے عورت کا ارادہ کیا تھا۔
دوسری مرتبہ جب آپ علیہ السلام نے قید خانہ کے ساتھی سے کہا تھا کہ
اپنے بادشاہ کے پاس میرا ذکر کرنا۔
پس آپ علیہ السلام کئی سال جیل میں رہے تو آپ علیہ السلام کو قید میں اضافہ کر کے سزا دی گئی۔
تیسری مرتبہ جب آپ علیہ السلام نے کہا:
اَیَّتُھَا الْعِیْرُ اِنَّکُمْ لَسٰرِقُوْنَ○ (یوسف:70)
تو آپ علیہ السلام کو کہا گیا۔
اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ (یوسف:77)
اگر اس نے چوری کی ہے تو اس کے بھائی نے بھی اس سے پہلے چوری کی ہے۔
(مستدرک: ج:2،ص:377 دارالفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ دو نوجوانوں کا قید ہونا

جس جیل میں حضرت یوسف علیہ السلام کو رکھا گیا تھا وہاں پر دو نوجوانوں کو بھی قید کیا گیا۔
قرآن مجید میں ہے:
وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ (یوسف:36)
اور یوسف کے ساتھ دو نوجوان (بھی) قید خانے میں داخل ہوئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو دراز گوش پر سوار کرا کے قید خانہ میں لے جایا گیا

حضرت یوسف علیہ السلام کو دراز گوش پر سوار کر کے قید خانہ میں لے جایا گیا۔
علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:
وہب بن منبہ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ
حضرت یوسف علیہ السلام کو دراز گوش پر سوار کرا کے قید خانہ میں لے جایا گیا۔
اور ایک آدمی ان کے ساتھ یہ کہتا ہوا جا رہا تھا جو شخص اپنی مالکہ کا کہنا نہ مانے اس کی یہی سزا ہوتی ہے۔
اور حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے تھے۔
دوزخ کی آگ،
تارکول کی قمیص پہننے
گرم کھولتے ہوئے پانی کو پینے
اور تھور کو کھانے کے مقابلے میں یہ سزا بہت کم ہے۔
(الجامع الاحکام القرآن: جز:9،ص:164 بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بہت سخت سزا کے قیدیوں کو بشارت دینا

حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانے میں موجود پہلے قیدیوں کی رہائی کی بشارت دی اور صبر کرنے کی تلقین فرمائی۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت یوسف علیہ السلام قید خانے میں پہنچے تو وہاں کئی ایسے لوگ دیکھے جو رہائی سے ناامید ہو چکے تھے اور ان کی سزا سخت تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام ان سے فرماتے تم صبر کرو اور بشارت قبول کرو تم کو اجر ملے گا۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:9، ص:164 بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا قیدیوں کو اپنے آباء و اجداد کے نام بتانا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے قیدیوں کو رہائی کی بشارت دی اور صبر کی تلقین کی تو قیدیوں نے آپ علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ علیہ السلام کون ہیں کس کے بیٹے ہیں۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

انہوں نے کہا: اے نوجوان! آپ علیہ السلام کس قدر نیک باتیں کرتے ہیں۔ آپ علیہ السلام کے قرب میں ہم کو برکت ملے گی۔ آخر آپ علیہ السلام کون ہیں؟

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

میں اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندے یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام کا بیٹا ہوں۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:9، ص:165 بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام قیدیوں کو تسلی دیتے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتے تھے

حضرت یوسف علیہ السلام قید خانے میں قیدیوں کو تسلی عطا فرماتے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتے تھے۔

تفسیر امام ابن ابی حاتم میں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام غمزدہ لوگوں کو قید خانے میں تسلی دیتے تھے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتے تھے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:7، ص:2141 بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کے قید خانہ میں خوف خدا عزوجل میں رونے سے در و دیوار پر گریہ زاری کا طاری ہونا

حضرت یوسف علیہ السلام قید خانے میں ساری رات نماز پڑھتے تھے اور خوف خدا عزوجل میں اس قدر روتے تھے کہ قید کی چھت اور در و دیوار پر گریہ طاری ہو جاتی تھی۔

تفسیر امام ابن حاتم میں ہے۔

آپ علیہ السلام ساری رات نماز پڑھتے تھے اور خوف خدا عزوجل سے اس قدر روتے تھے کہ کوٹھڑی (جیل خانہ) کی دیواریں اور دروازوں پر بھی گریہ طاری ہو جاتا تھا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:7، ص:2141 بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام سے تمام قیدی مانوس ہو گئے

حضرت یوسف علیہ السلام سے تمام قیدی مانوس ہو گئے اور جب کوئی قیدی رہائی پاتا تو جانے سے پہلے آپ علیہ السلام کے پاس ضرور حاضری دیتا۔

تفسیر امام ابن ابی حاتم میں ہے۔

آپ علیہ السلام سے تمام قیدی مانوس ہو گئے تھے اور جب کوئی قیدی رہائی پاتا تو جانے سے پہلے آپ علیہ السلام کے ضرور حاضری دیتا۔

تفسیر امام ابن ابی حاتم میں ہے۔

آپ علیہ السلام سے تمام قیدی مانوس ہو گئے تھے اور جب کوئی قیدی، قید سے رہائی پاتا تو جانے سے پہلے آپ علیہ السلام کے پاس بیٹھ جاتا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:7، ص:2142 بیروت)

قید خانہ کے داروغہ کو اپنی محبت کے اظہار پر حضرت یوسف علیہ السلام کا جواب دینا

قید خانہ کا داروغہ بھی حضرت یوسف علیہ السلام سے محبت کرتا تھا ایک دن اس نے اپنی محبت کا اظہار کیا تو آپ علیہ السلام نے اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی۔

تفسیر امام ابن حاتم میں ہے۔

قید خانہ کا داروغہ بھی آپ علیہ السلام سے محبت کرتا تھا اور آپ علیہ السلام کو بہت آرام پہنچاتا تھا۔

ایک دن اس نے کہا:

اے یوسف علیہ السلام! میں آپ علیہ السلام سے اتنی محبت کرتا ہوں کہ کسی اور سے اتنی محبت نہیں کرتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

میں تمہاری محبت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں۔

اس نے پوچھا:

اس کی وجہ کیا ہے؟

آپ علیہ السلام نے بتایا کہ

میرے باپ نے مجھ سے محبت کی تو میرے بھائیوں نے میرے ساتھ ظالمانہ سلوک کیا۔ میری مالکہ نے مجھ سے محبت کی اس کے نتیجہ میں، میں آج اس قید میں ہوں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:7، ص:2143 بیروت)

مصر کے بادشاہ نے کن دونو جوانوں کو قید میں ڈلوایا

مصر کے جس بادشاہ نے دونو جوانوں کو قید میں ڈلوایا ان میں سے ایک کا نام منجا تھا اور دوسرے کا نام مجلث تھا۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی متوفی 450ھ لکھتے ہیں جب حضرت یوسف علیہ السلام قید خانہ میں تھے تو ...کا سب سے بڑا بادشاہ جس کا نام ریان بن الولید تھا وہ بوڑھا ہو چکا تھا اس کو اپنے نان بائی اور ساقی پر شک ہوا وہ اس کو زہر ...ینے والے ہیں۔ اس نے ان دونوں کو قید میں ڈلوایا۔

ثعلبی نے حضرت کعب علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ

ساقی کا نام منجا تھا۔

اور نانبائی کا نام مجلث تھا۔ (النکت والعیون: ج:3، ص:35 بیروت)

...رت یوسف علیہ السلام کے ساتھ جن دونو جوانوں کو قید کیا گیا تھا وہ کیا کرتے تھے

حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ جن دونو جوانوں کو قید کیا گیا تھا ان میں سے ایک مطبخ کا ناظم تھا اور دوسرا محفل عیش و ...رب کا نگران تھا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جن دو شخصوں کو قید خانہ میں ڈالا گیا تھا، ایک بادشاہ کے مطبخ کا ناظم تھا اور دوسرا محفل عیش وطرب کا نگران تھا۔

(جامع البیان: ج:12، ص:255 داراحیاء التراث العربی بیروت)

...نوں نو جوان بادشاہ کے غلام تھے

جن دونو جوانوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ قید کیا گیا وہ بادشاہ الریان بن الولید کے غلام تھے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت محمد بن اسحاق سے روایت ہے کہ

یہ دونوں نو جوان، بڑے بادشاہ الریان بن الولید کے غلام تھے۔ ایک محفل شراب کا منتظم تھا اور دوسرا کسی اور کام پر مامور ...وہ ان دونوں پر ناراض ہوا۔ ایک کا نام مجلب تھا اور دوسرے کا نام نبوا تھا جو شراب کا منتظم تھا۔

(جامع البیان: ج:12، ص:255 داراحیاء التراث العربی بیروت)

...جوانوں کے نام

جن دونو جوانوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ قید میں ڈالا گیا ان میں سے ایک کا نام نبوا تھا اور دوسرے کا نام ...ث تھا۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

جو دونو جوان آپ علیہ السلام کے ساتھ ہی جیل میں داخل ہوئے ان میں سے ایک بادشاہ کا ساقی تھا جس کا نام نبوا تھا اور ...ابا ورچی تھا جس کا نام مجلث تھا۔

(فتح الباری: کتاب التعبیر: ج:12، ص:381 دار... بیروت)

بادشاہ نے دونوں نوجوانوں کو زہر ملانے کی وجہ سے قید میں ڈلوایا

جن دونوں نوجوانوں کو بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ قید خانہ میں ڈلوایا انہوں نے کھانے اور شراب میں زہر ملایا تھا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی التوفی 516ھ لکھتے ہیں:

ان دونوں نوجوانوں کو قید کرنے کا سبب یہ تھا کہ ایک گروہ نے بادشاہ کو دھوکے اور فریب سے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے ان دونوں کو رشوت دینے کی ضمانت دی اس بات پر کہ وہ بادشاہ کو کھانے اور شراب میں زہر دے دیں۔ دونوں لالچ میں آگئے اور ان سے متفق ہو گئے لیکن بعد میں شراب پلانے والے نے اپنے محسن سے ایسی خیانت کرنے سے انکار کر دیا لیکن دوسرے نے رشوت لے لی اور بادشاہ کے کھانے میں زہر ملا دی جب کھانا لایا گیا تو شراب پلانے والے نے کہا:

بادشاہ سلامت کھانا نہ کھائیے اس میں زہر ہے۔

روٹیاں پیش کرنے والے نے کہا:

شراب نہ پیجئے اس میں زہر ہے۔

بادشاہ نے ساقی کو کہا۔

تو خود یہ شراب پی تو اس نے پی لی۔

پھر بادشاہ نے خباز سے کھانا کھانے کو کہا۔

تو اس نے انکار کر دیا۔

کھانا ایک جانور کے آگے ڈالا گیا اس نے کھایا تو وہ مر گیا۔ بادشاہ نے دونوں کو قید کرنے کا حکم دیا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:281 دار الفکر بیروت)

دونوں نوجوانوں کا حضرت یوسف علیہ السلام سے خواب کی تعبیر پوچھنا

حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ جو دو نوجوان قید ہوئے ایک نے کہا میں نے خواب میں شراب نچوڑنا دیکھ رہا ہوں دوسرے نے کہا میں خواب میں سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں جن کو پرندے کھا رہے ہیں لہٰذا ان کی ہمیں تعبیر بتائیے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اَحَدُهُمَاۤ اِنِّیْۤ اَرٰىنِیْۤ اَعْصِرُ خَمْرًاۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّیْۤ اَرٰىنِیْۤ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْهُؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِیْلِهٖۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ○ (یوسف:36)

ان میں سے ایک نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں شرب (کے لئے انگور) نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں جن سے پرندے کھا رہے ہیں۔ آپ ہمیں اس کی تعبیر بتائیے ہمارا گمان ہے کہ آپ نیک لوگوں میں سے ہیں۔

دونوں نوجوانوں کا تجربہ کرنے کے لئے خواب کی تعبیر پوچھنا

حضرت یوسف علیہ السلام سے دونوں نوجوانوں نے خواب کی تعبیر تجربہ کرنے کے لئے پوچھی تھی۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی متوفی 450ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام نے قیدیوں سے کہا تھا کہ وہ خواب کی تعبیر بتاتے ہیں تو نانبائی اور ساقی نے ایک دوسرے سے کہا آؤ ہم اس عبرانی غلام کا تجربہ کریں پھر ان دونوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے خواب کی تعبیر پوچھی۔

ساقی نے کہا:

میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں بادشاہ کے لئے انگور نچوڑ رہا ہوں۔

اور نانبائی نے کہا:

میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے جا رہا ہوں اور پرندے اس سے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں ہمارا گمان ہے کہ آپ علیہ السلام نیک لوگوں میں سے ہیں۔

(النکت والعیون: ج:3،ص:36 دار الفکر بیروت)

دونوں نوجوانوں کے خواب سچے تھے یا جھوٹے

حضرت یوسف علیہ السلام کو جو دو نوجوانوں نے خواب بتائے تھے وہ سچے تھے یا جھوٹے اس میں تین اقوال ہیں۔

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

1-حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

انہوں نے جھوٹا خواب بیان کیا تھا انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے صرف تجربہ کے طور پر سوال کیا تھا۔

2-حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ اور امام ابن اسحاق رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ

انہوں نے سچا خواب بیان کیا تھا اور انہوں نے واقعی خواب دیکھا تھا۔

3-ابومجلز نے کہا ہے کہ

نانبائی نے جھوٹا خواب بیان کیا تھا اور ساقی نے سچا خواب بیان کیا تھا۔

(زاد المسیر: ج:4،ص:223 مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت)

دونوں نوجوانوں کا محبت کرنے کا کہنا

دونوں نوجوانوں نے آپ علیہ السلام سے محبت کا اظہار کیا اور آپ علیہ السلام نے اس میں برکت کی دعا فرمائی اور اس کے ساتھ اپنی ضرر کا بھی ذکر کیا۔

امام حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

دونوں نوجوان آپ علیہ السلام سے مانوس ہو گئے اور شدید محبت کرنے لگے۔

اور آپ علیہ السلام سے کہتے کہ

ہمیں آپ علیہ السلام سے بڑی محبت ہے۔

آپ علیہ السلام فرماتے:

اللہ تعالیٰ تم دونوں میں برکت ڈالے لیکن ایک بات یاد رکھیے کہ جس نے بھی میرے ساتھ محبت کی وہ محبت میرے ضرر کا باعث بنی۔ میری پھوپھی نے میرے ساتھ محبت کی اس کی وجہ سے مجھے نقصان ہوا، اپنے والد محترم کی محبت کے باعث مجھے ایذاء دی گئی، عزیز مصر کی بیوی نے میرے ساتھ محبت کی تو بھی ایسا ہی ہوا۔

وہ دونوں کہنے لگ کہ

ہمیں اس محبت پر ضبط نہیں ہے۔

(تفسیر ابن کثیر: ج:2،ص:825)

حضرت یوسف علیہ السلام کو آزمانے کے لئے خواب کی تعبیر کا پوچھنا

جو دو نوجوان آپ علیہ السلام کے ساتھ قید ہوئے انہوں نے آپ علیہ السلام سے خواب صرف آزمانے کے لئے پوچھے تھے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

انہوں نے خواب نہیں دیکھے تھے بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو آزمانے کے لئے انہوں نے مصنوعی خواب بیان دیئے۔

(جامع البیان: ج:12،ص:214 بیروت)

مجھ سے محبت نہ کرو

جب دونوں نوجوانوں نے محبت کا اظہار کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا مجھ سے محبت نہ کرو۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

جب ان دونوں کی حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

تو انہوں نے کہا:

اے نوجوان! اللہ تعالیٰ کی قسم! جب سے ہم نے آپ علیہ السلام کو دیکھا ہے ہم آپ علیہ السلام سے محبت کرتے ہیں

ابن اسحاق نے کہا ہے کہ

مجھے عبد اللہ بن ابی نجیح نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں جواباً ارشاد فرمایا:

تم دونوں خدا کے لئے مجھ سے محبت نہ کرو کیونکہ جب کبھی کوئی مجھ سے محبت کرتا ہے تو اس کی محبت کی وجہ سے مصیبت نازل ہو جاتی ہے۔ میری پھوپھی نے مجھ سے محبت کی تو اس کی وجہ سے مجھ پر مصیبت نازل ہوئی۔ پھر میرے با

سے محبت کی تو اس کی محبت کی وجہ سے میں مصیبت میں گرفتار ہوا پھر میرے ساتھی کی بیوی نے مجھ سے محبت کی تو اس کی محبت کی وجہ سے مجھ پر مصیبت اتری تم مجھ سے محبت نہ کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا فرمائے لیکن انہوں نے آپ علیہ السلام سے محبت کی کیونکہ وہ آپ علیہ السلام کی فہم وفراست کو دیکھ کر بہت مسحور ہوئے تھے۔

(جامع البیان: ج:12، ص:259 تا 261 دار احیاء التراث العربی بیروت)

میں تمہیں خواب کی تعبیریں بتاؤں گا

حضرت یوسف علیہ السلام قید خانے میں قیدیوں کو تعلیم دیتے تھے اور ان سے فرماتے تھے کہ میں تمہیں تعبیریں بھی بتاؤں گا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام جب قید خانے میں بند ہوئے تو آپ علیہ السلام نے وہاں بھی تعلیم کا سلسلہ شروع فرما دیا۔

آپ قیدیوں سے فرماتے تھے کہ

میں تمہیں خواب کی تعبیریں بتاؤں گا۔

ان دونوں جوانوں میں سے ایک نے دوسرے کو کہا۔

آیئے ہم اس کنعانی غلام کا تجربہ کریں۔ ان دونوں نے آپ علیہ السلام سے ایسے خوابوں کی تعبیر پوچھی جو دیکھے نہ تھے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

انہوں نے کچھ بھی نہیں دیکھا تھا صرف حضرت یوسف علیہ السلام کا تجربہ کرنے کے لئے بات بنائی تھی۔

بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ

انہوں نے حقیقتاً یہ خواب دیکھے تھے پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں مغموم دیکھا تو ان سے وجہ پوچھی۔

انہوں نے کہا:

ہم بادشاہ کے خاص لوگوں میں سے تھے آج ہم نے خواب دیکھے ہیں جو ہمیں غمزدہ کیے ہوئے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

جو کچھ تم نے خواب میں دیکھا ہے بیان کرو پس دونوں نے وہ خواب بیان کیے۔

اس نے یوں کہا کہ

میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں ایک باغ میں ہوں۔ پھر میں ایک ایسی انگور کی بیل کے پاس ہوں جس پر انگور کے تین گچھے ہیں۔ میں وہ لے کر آیا بادشاہ کا جام میرے ہاتھ میں ہے پھر میں نے ان انگوروں کو اس میں نچوڑ دیا ہے پھر میں نے بادشاہ کو پلایا تو وہ پی گیا۔

(دوسرے نے کہا کہ)

میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں نے اپنے سر پر تین ٹوکرے اٹھائے ہوئے ہیں جن میں روٹی اور رنگ برنگے کھانے

ہیں اور پرندے انہیں نوچ رہے ہیں۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:281 تا 282 دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا قیدیوں کو خوش کرنا

حضرت یوسف علیہ السلام نے ان قیدیوں کو تسلی عطا فرمائی جن کی امیدیں رہائی کی ختم ہو چکی تھیں اور وہ خوش ہو گئے۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

کہا جاتا ہے کہ

جب آپ علیہ السلام قید خانہ میں داخل ہوئے تو ایک قوم دیکھی جن کی تکلیف سخت تھی ان کی امیدیں کٹ چکی تھیں اور اندوہ طویل ہو چکا تھا۔

آپ علیہ السلام نے انہیں تسلی دی اور ارشاد فرمایا:

خوش رہو اور صبر کرو تمہیں اجر ملے گا۔

انہوں نے کہا کہ

اے نوجوان! اللہ تعالیٰ تجھ میں برکت دے،

تیرا چہرہ کتنا خوبصورت ہے؟

تیرا اخلاق کتنا بلند ہے؟

تیری باتیں کتنی شیریں اور میٹھی ہیں۔

تیری صحبت کی وجہ سے ہم پر برکت ہوئی ہے۔

تو کون ہے اے نوجوان؟

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

میں یوسف بن صفی اللہ یعقوب بن ذبیح اللہ اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام ہوں۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:283 دار الفکر بیروت)

جیل کے داروغے کا حضرت یوسف علیہ السلام سے کلام کرنا

جیل کا داروغہ بھی حضرت یوسف علیہ السلام سے محبت کرتا تھا اس نے آپ علیہ السلام کو کہا کہ اگر مجھے طاقت ہوتی تو میں آپ علیہ السلام کو چھوڑ دیتا مگر میں آپ علیہ السلام کو یہ اجازت دوں گا کہ جیل کے جس کمرے میں چاہیں رہائش رکھ لیں۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

ایک جیل کے داروغہ نے کہا:

اگر مجھے طاقت ہوتی تو میں آپ علیہ السلام کو چھوڑ دیتا لیکن میں تجھ سے یہ احسان کروں گا کہ جیل کے جس کمرے میں آپ علیہ السلام رہیں آپ علیہ السلام کو اجازت ہے۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:283 دار الفکر بیروت)

اور امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

قید خانہ کے افسر نے کہا:

اے نوجوان اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر میرے بس میں ہوتا تو میں تجھے آزاد کر دیتا لیکن میں تجھ سے اچھا سلوک کروں گا اور تجھے اچھا پڑوس دوں گا تم جس قید خانے کے کمرہ میں رہنا چاہتے ہو رہو اذن عام ہے۔

(جامع البیان: ج:12، ص:258 دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کو محسنین کہنے کی وجوہ کثیرہ

حضرت یوسف علیہ السلام کو محسنین کہنے کی مفسرین نے چند وجوہات بیان کی ہیں۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ

ضحاک بن مزاحم سے اِنَّا نَرٰکَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ کے قول کے بارے میں پوچھا گیا کہ آپ علیہ السلام کا احسان کیا تھا جو آپ علیہ السلام کو محسن کہا گیا ہے۔

توانہوں نے فرمایا:

آپ علیہ السلام جیل میں مریضوں کی عیادت کرتے

ان کی دیکھ بھال کرتے

جب مجلس تنگ ہوتی تو ان کے لئے کھلا کرتے

جب انہیں کسی چیز کی حاجت ہوتی تو جمع کرتے۔

اس کے ساتھ ساتھ عبادت وریاضت بھی بڑے ذوق وشوق سے کرتے۔

ساری ساری رات اپنے پروردگار عزوجل کی بارگاہ میں ہاتھ باندھے کھڑے رہتے۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:282 دار الفکر بیروت)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

پوچھا گیا کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کا احسان کیا تھا۔

فرمایا:

جب قید خانہ میں کوئی انسان مریض ہو جاتا تو آپ علیہ السلام اس کی دیکھ بھال کرتے جب کسی کے لئے جگہ تنگ ہو جاتی تو اس کے لئے کشادگی کا سامان کرتے۔ جب کوئی محتاج ہوتا تو اس کے لئے سامان جمع کرتے۔

(جامع البیان: ج:12، ص:257 دار احیاء التراث العربی بیروت)

قیدیوں نے محسن کی بارہ صفات حضرت یوسف علیہ السلام میں پائیں

قیدیوں نے محسن کی بارہ صفات حضرت یوسف علیہ السلام میں ملاحظہ کیں۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
محسن کی بارہ صفتیں ہیں۔
1- قائم اللیل
2- صائم النہار
3- اچھی نصیحت کرنے والا
4- بااخلاق
5- صابر
6- باوفا
7- بیماروں کی عیادت کرنے والا
8- غم زدہ کے غم دور کرنے والا
9- اچھی صورت والا
10- خوش خبری دینے والا
11- بہت علم والا
12- سخاوت کرنے والا
یہ ساری صفات حضرت یوسف علیہ السلام میں ان لوگوں نے پائیں۔
اس لیے کہا۔
اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ○
بے شک ہم آپ کو محسنین میں جانتے ہیں۔
(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:475 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کا دونوں نوجوانوں کو خواب کی تعبیر بتانے کا کہنا

حضرت یوسف علیہ السلام نے دونوں نوجوانوں سے فرمایا میں تمہیں ان خوابوں کی تعبیر تم تک کھانا پہنچنے سے پہلے ہی بتا دوں گا۔
قرآن مجید میں ہے:
قَالَ لَا یَاْتِیْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِیْلِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّاْتِیَكُمَاؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْؕ اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ○ (یوسف:37)

یوسف نے کہا تم کو جو کھانا دیا جاتا ہے تم تک اس کے پہنچنے سے پہلے میں تم کو اس کی حقیقت بتادوں گا یہ ان علوم میں سے ہے جن کو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور جو لوگ آخرت کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں میں نے ان کے دین کو ترک کر دیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا کھانا پہنچنے سے پہلے تعبیر بتانے کا فرمانا

حضرت یوسف علیہ السلام نے دونوں نوجوانوں کو فرمایا میں تمہیں کھانا پہنچنے سے پہلے ان خوابوں کی تعبیر بتادوں گا۔

امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

تمہیں جب بھی بیداری میں کھانا دیا جائے گا میں تم تک کھانا پہنچنے سے پہلے بتادوں گا کہ تمہارے پاس کیا کھانا آئے گا کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف غائب شدہ چیزوں کی خبر دیتے تھے۔

اور سدی نے بیان کیا کہ

تم کو خواب میں جو دکھایا دیا جائے گا بیداری میں اس کھانے کے پہنچنے سے پہلے میں تم کو اس کی حقیقت بتادوں گا۔

(زادالمسیر :ج:4،ص:224 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کو علم غیب عطا فرمایا گیا

حضرت یوسف علیہ السلام کو علم غیب عطا فرمایا گیا کیونکہ آپ علیہ السلام نے خود ہی ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں کھانا آنے سے پہلے ہی ان خوابوں کی تعبیر بتادوں گا۔

اور یہ قرآن مجید سے ثابت ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا:

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ

(یوسف:37)

یوسف نے کہا تم کو جو کھانا دیا جاتا ہے تم تک اس کے پہنچے سے پہلے میں تم کو اس کی حقیقت بتادوں گا۔ یہ ان علوم میں سے ہے جن کو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے۔

اس آیت کریمہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کا علم غیب ثابت ہوتا ہے۔ اب انبیاء کرام علیہم السلام کے علم غیب کے متعلق چند دلائل عرض کرتا ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے علم غیب عطا ہونے پر دلائل

حضرت یوسف علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو علم غیب عطا فرمایا گیا اور ان مقدس انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی اپنی امت کو اس علم غیب کے ذریعے ان کے اچھے اور برے افعال و اعمال کی خبریں بھی دیں اور ان کے سوالوں کا جواب بھی عطا فرمایا جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ رسولوں کو علم غیب عطا فرمایا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے علم غیب عطا ہونے پر قرآن مجید کی کئی آیات کریمہ دلیل ہیں۔ جن میں سے ایک یہ بھی ہے قرآن مجید میں ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ (آل عمران:179)

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ تم (عام مسلمانوں) کو غیب پر مطلع کرے لیکن اللہ (غیب پر مطلع کرنے کے لئے) جن کو چاہتا ہے، چن لیتا ہے اور وہ اللہ کے (سب) رسول ہیں، سو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان (برقرار) رکھو اور اگر تم ایمان اور تقویٰ پر (برقرار) رہے تو تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہے۔

اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان بریلوی متوفی 1340ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ اے عام لوگو تمہیں غیب کا علم دے دے ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔

(آل عمران:179)

محدث اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1961ء لکھتے ہیں:

اور نہیں ہے اللہ کہ آگاہی بخشے تم سب کو غیب پر لیکن اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔ (آل عمران: 179)

علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی 1418ھ لکھتے ہیں:

اور نہیں ہے اللہ (کی شان) کہ آگاہ کرے تمہیں غیب پر البتہ اللہ (غیب کے علم کے لئے) چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہتا ہے۔ (آل عمران:179)

☆ اس آیت کریمہ سے مراد یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ تم عام مسلمانوں کو لوگوں کے دلوں کے احوال پر مطلع کر دے اور تم لوگوں کو دیکھ کر یہ جان لو کہ فلاں شخص مخلص مومن ہے اور فلاں منافق ہے اور فلاں کافر ہے البتہ اللہ تعالیٰ مصائب، آلام اور آزمائشوں کے ذریعہ مومنوں اور منافقوں کو تمیز کر دیتا ہے جیسا کہ جنگ احد میں منافق مسلمانوں سے الگ ہو گئے اسی طرح اسلام کی راہ میں جب بھی جہاد کا موقع آیا منافق پیچھے ہٹ گئے اور مسلمان آگے بڑھے ماسوا رسولوں کے جن کو اللہ تعالیٰ غیب پر مطلع کرنے کے لئے چن لیتا ہے اور ان کو لوگوں کے دلوں کے احوال پر مطلع فرماتا ہے اور وہ نور نبوت سے جان لیتے ہیں کہ کس کے دل میں ایمان ہے اور کس کے دل میں نفاق ہے۔

اس آیت میں یہ صراحت سے بیان فرمایا ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام غیب پر مطلع ہوتے ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ

غیب پر مطلع ہونا غیب کے علم کو مستلزم ہے۔سو یہ آیت انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے علم غیب کے ثبوت میں قطعی الدلالۃ ہے۔

بعض متاخرین علماء نے یہ کہا ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کو علم غیب نہیں دیا گیا اور علم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے البتہ انبیاء کرام علیہم السلام کو غیب کی خبریں دی گئی ہیں اور غیب کی خبروں کا حاصل ہونا اور چیز ہے اور علم الغیب اور چیز ہے۔

ان علماء کی مراد یہ ہے کہ

علم الغیب میں اضافت اور الغیب میں لام استغراق کے لئے ہے۔

اور اس سے مراد ہے کہ

تمام امور غیبیہ غیر متناہیہ کا علم۔

اور ظاہر ہے کہ

یہ علم الغیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے علم الغیب کی اپنے غیر سے مطلقاً نفی کی ہے۔

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ (النمل:65)

آپ فرما دیجئے کہ آسمانوں اور زمینوں میں اللہ کے سوا کسی کو علم الغیب نہیں ہے۔

اب اگر انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے علم الغیب مانا جائے تو ظاہر ہے کہ قرآن سے تعارض لازم آئے گا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ

جب مطلقاً علم الغیب کا اطلاق کیا جائے تو اس سے متبادر علم الغیب ذاتی اور مستقل ہوتا ہے جس کا ثبوت بغیر کسی کی عطا کے ہوتا ہے اس لیے جب مطلقاً یہ کہا جائے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو علم الغیب ہے تو اس سے یہ وہم ہوگا کہ ان کو ذاتی مستقل طور پر علم الغیب ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1340ھ لکھتے ہیں:

علم جب کہ مطلق بولا جائے خصوصاً جب کہ غیب کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے۔اس کی تشریح حاشیہ کشاف پر میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ نے کر دی ہے اور یہ یقیناً حق ہے،کوئی شخص کسی مخلوق کے لئے ایک ذرہ کا بھی علم ذاتی مانے یقیناً کافر ہے۔

(الملفوظ:ج:3،ص:47 مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور)

دوسری طرف قرآن مجید کی متعدد آیات اور بہ کثرت احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو عموماً اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصاً غیب کا علم دیا گیا ہے۔اس لیے ان میں تطبیق کے لئے بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ

یوں کہا جائے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کو بعض علوم غیبیہ عطا کئے گئے ہیں۔
واضح رہے کہ یہ علوم اللہ کے اعتبار سے بعض ہیں۔
علامہ آلوسی نے کہا ہے کہ
یوں کہا جائے کہ
انبیاء کرام علیہم السلام کو غیب کا علم دیا گیا یا وہ غیب پر مطلع کئے گئے۔
علماء دیوبند نے اس کی یہ تعبیر کی کہ
انبیاء کرام علیہم السلام کو غیب کی خبریں دی گئی ہیں۔
بہر حال اس پر سب متفق ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام غیب پر مطلع کئے گئے ہیں اور ان کو بلا واسطہ اطلاع دی گئی ہے اور امت کو ان کے واسطے سے غیب پر مطلع کیا جاتا ہے۔اب اس کے ثبوت میں مستند مفسرین کی عبارات نقل کی جاتی ہیں۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:
اللہ تعالیٰ تم سب کو غیب کا عالم نہیں بنائے گا جیسے رسول کو علم ہے حتیٰ کہ تم رسول سے مستغنی ہو جاؤ بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے رسالت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور باقی لوگوں کو ان رسولوں کی اطاعت کا مکلف کرتا ہے نیز اس سے پہلے امام رازی ن لکھا ہے کہ غیب پر مطلع ہونا انبیاء کرام علیہم السلام کے خواص میں سے ہے۔
(تفسیر کبیر: ج:3،ص:106 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:
اللہ تعالیٰ غیب پر مطلع کرنے کے لئے اپنے رسولوں کو چن لیتا ہے۔
(الجامع الاحکام القرآن: ج:4،ص:289 مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

علامہ ابو لا حیان محمد بن یوسف غرناطی اندلسی متوفی 754ھ لکھتے ہیں:
اللہ تعالیٰ علم الغیب سے جس پر چاہے اپنے رسولوں کو مطلع فرماتا ہے پس رسول کا غیب پر مطلع ہونا اللہ تعالیٰ کی اس کی طرف وحی کے ذریعہ ہے سو اللہ تعالیٰ غیب سے یہ خبر دیتا ہے کہ فلاں شخص میں اخلاص ہے اور فلاں میں نفاق ہے اور یہ ان کو وحی کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے خود بہ خود بغیر واسطہ کے معلوم نہیں ہوتا۔
(البحر المحیط: ج:3،ص:449 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:
واحدی نے سدی سے نقل کیا ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
مجھ پر میری امت اپنی صورتوں میں پیش کی گئی جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کی گئی تھی اور مجھے یہ علم دیا گیا کہ کون مجھ پر ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا۔منافقوں کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے مذاق اڑایا۔
اور کہا:

(سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا زعم یہ ہے کہ انہیں ان پر ایمان لانے والوں اور کفر کرنے والوں کا علم ہے اور ہم ان کے ساتھ ہیں اور ان کو ہمارا علم نہیں ہے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

نیز علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ کبھی اللہ تعالیٰ نفوس قدسیہ میں سے بعض اہل کشف کو بھی غیب پر مطلع فرماتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

یہ بہ طور وراثت ہے یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کے واسطے سے اور انبیاء کرام علیہم السلام کو بلا واسطہ غیب پر مطلع فرماتا ہے۔

(روح المعانی: ج: 4، ص: 138 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی 1339ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ

عام لوگوں کو بلا واسطہ کسی یقینی غیب کی اطلاع نہیں دی جاتی انبیاء کرام علیہم السلام کو دی جاتی ہے مگر جس قدر خدا (عزوجل) چاہے۔

اشرف علی تھانوی متوفی 1362ھ لکھتے ہیں:

اور اس آیت سے کسی کو شبہ نہ ہو کہ جو علم غیب خصائص باری تعالیٰ سے ہے اس میں رسل کی شرکت ہوگئی کیونکہ خواص باری تعالیٰ سے دو امر ہیں اس علم کا ذاتی ہونا اور اس علم کا محیط ہونا یہاں ذاتی اس لیے نہیں ہے کہ وحی سے ہے اور محیط اس لیے نہیں کہ بعض امور خاص مراد ہیں۔

(بیان القرآن: ج: 1، ص: 150 مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی 1396ھ لکھتے ہیں:

حق تعالیٰ خود بذریعہ وحی اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو جو امور غیبیہ بتاتے ہیں وہ حقیقتاً علم غیب نہیں بلکہ غیب کی خبریں ہیں جو انبیاء کرام علیہم السلام کو دی گئی ہیں جس کو خود قرآن کریم نے کئی جگہ انباء الغیب کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔

(معارف القرآن: ج: 2، ص: 248 مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی)

ہمارے نزدیک یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کو جو غیب کی خبریں بتلائی گئی ہیں اس سے ان کو علم غیب حاصل نہیں ہوا کیونکہ شرح عقائد اور دیگر علم کلام کی کتابوں میں مذکور ہے کہ علم کے تین اسباب ہیں۔

خبر صادق

حواس سلیمہ

اور عقل

اور وحی بھی خبر صادق ہے تو جب انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے غیب کی خبریں دیں تو ان کو علم غیب حاصل ہوگیا۔

اس لیے صحیح یہ ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کو وحی سے علم غیب حاصل ہوتا ہے لیکن یہ علم محیط یا علم ذاتی نہیں ہے۔
سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی 1399ھ نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے مگر اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ تم کو غیب پر مطلع کردے۔
غیب کی باتیں بتانے کے لئے تو وہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔
یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے۔
کیونکہ اس ترجمہ کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب رسولوں کو غیب پر مطلع نہیں فرماتا بلکہ منتخب رسولوں کو غیب پر مطلع فرماتا ہے۔
اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو علم غیب عطا فرمایا گیا اس پر کثیر احادیث مبارکہ ہیں۔ چند ملاحظہ ہوں۔
حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے چند چیزوں کے متعلق سوال کیا گیا جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند کیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سوالات کئے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہوئے۔
اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے ارشاد فرمایا:
تم جو چاہو سوال کرو۔
ایک شخص نے کہا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا باپ کون ہے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تمہارا باپ حزافہ ہے۔
دوسرے شخص نے کہا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا باپ کون ہے!
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تمہارا شیبہ کا غلام سالم ہے۔
جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے میں غضب کے آثار دیکھے۔
تو عرض کیا۔
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اللہ عزوجل سے توبہ کرتے ہیں۔
(صحیح بخاری: ج:1، ص:19 تا 20 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)
اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا مجھ سے جو چاہو سوال کرو یہ اسی وقت درست ہو سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر سوال کے جواب کا علم عطا فرمایا ہو خواہ کسی شخص کے متعلق سوال کیا جائے یا ماضی اور مستقبل کی خبروں کے متعلق

کیا جائے یا اسرار تکوینیہ کے متعلق سوال کیا جائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو عموم پر ہی محمول کیا تھا اس لیے دو
ب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے نسب کے متعلق سوال کیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کے باپ کے متعلق

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان ایک مجلس میں کھڑے ہوئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء خلق سے
بیان کرنا شروع کیں حتیٰ کہ جنتیوں کے اپنے ٹھکانوں تک جانے اور جہنمیوں کے اپنے ٹھکانوں تک جانے کی خبریں بیان
جس شخص نے ان کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے ان کو بھلا دیا اس نے ان کو بھلا دیا۔

(صحیح بخاری: ج: 1، ص: 453 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں ایک تقریر فرمائی اور اس میں قیامت تک ہونے والے تمام امور بیان فرما دیئے جس
نے اسے جان لیا اس نے جان لیا اور جس نے نہ جانا اس نے نہ جانا۔

(صحیح البخاری: ج: 2، ص: 977 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابوزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ ظہر کا وقت آ
۔ پھر منبر سے اترے اور ظہر کی نماز پڑھائی اور پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر کا وقت آ گیا پھر آپ
اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور عصر کی نماز پڑھائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا حتیٰ کہ سورج غروب
پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تمام ما کان و ما یکون کی خبریں دیں سو جو ہم میں زیادہ حافظہ والا تھا اس کو ان کا زیادہ علم

(صحیح مسلم: ج: 4، ص: 2217، رقم الحدیث: 2892 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کو میرے لیے لپیٹ دیا اور میں نے اس کے تمام مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔

(صحیح مسلم: ج: 4، ص: 2216، رقم الحدیث: 2889 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے لئے آنے میں دیر کی حتیٰ کہ عنقریب ہم سورج کو دیکھ لیتے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی سے آئے اور نماز کی اقامت کہی گئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر نماز پڑھائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر کر ہم سے بہ آواز بلند فرمایا جس طرح اپنی صفوں میں بیٹھے ہو بیٹھے رہو۔ پھر ہماری طرف مڑے۔

اور ارشاد فرمایا:

میں اب تم سے یہ بیان کروں گا کہ مجھے صبح کی نماز کے لئے آنے میں دیر کیوں ہوگئی۔ میں رات کو اٹھا اور وضو کر کے میں نے اتنی نماز پڑھی جتنی میرے لیے مقدر کی گئی تھی پھر مجھے نماز میں اونگھ آ گئی پھر مجھے گہری نیند آ گئی۔ اچانک میں نے اچھی صورت میں اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو دیکھا۔

رب تعالیٰ نے فرمایا:

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

میں نے کہا:

اے میرے رب عزوجل میں حاضر ہوں۔

ارشاد فرمایا:

ملاءِ اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں۔

میں نے کہا:

میں نہیں جانتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا اور اس کے پوروں کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی پھر ہر چیز مجھ پر منکشف ہوگئی اور میں نے اس کو جان لیا۔

(الجامع الصحیح: ج:5، ص:369، رقم الحدیث:3235 مطبوعہ بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں نے (خواب میں) اپنے رب عزوجل کو حسین صورت میں دیکھا۔

میرے رب عزوجل نے فرمایا:

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)!

میں نے کہا:

حاضر ہوں یارب عزوجل۔

ارشاد فرمایا: ملاءِ اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟

میں نے کہا:

اے رب عزوجل! میں نہیں جانتا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی، پھر میں نے جان لیا جو کچھ مشرق اور مغرب کے درمیان ہے۔

(الجامع الصحیح: ج:5، ص:367، رقم الحدیث:3234 مطبوعہ بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت انس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ عزوجل نے دنیا کو میرے لیے اٹھالیا اور میں دنیا کی طرف اور قیامت تک دنیا میں جو کچھ ہونے والا ہے اس کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے اپنے ان ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو دیکھ رہا ہوں جو اللہ عزوجل کے حکم سے روشن ہیں۔ اس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ان کو روشن کیا جس طرح پہلے نبیوں کے لئے روشن کیا تھا۔

(الجامع الکبیر: رقم الحدیث:4849)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں تشریف فرما ہوئے اور قیامت تک جو امور پیش ہونے والے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑا اور وہ سب امور بیان فرما دیئے جس نے ان کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے ان کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا اور میرے ان اصحاب کو ان کا علم ہے۔ ان میں سے کئی ایسی چیزیں واقع ہوئیں جن کو میں بھول چکا تھا۔ جب میں نے ان کو دیکھا تو وہ یاد آ گئیں جیسے کوئی شخص غائب ہو جائے تو اس کا چہرہ دیکھ کر اس کو یاد آ جاتا ہے کہ اس نے اس کو دیکھا تھا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:6604)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوزید عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صبح کی نماز پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ ظہر آ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور نماز پڑھائی، پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر آ گئی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہم کو خطبہ دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ما کان و ما یکون (جو ہو چکا ہے اور جو ہونے والا ہے) کی خبریں دیں پس ہم میں سے زیادہ عالم وہ تھا جو سب سے زیادہ حافظہ والا تھا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث:7134)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت سواد بن اقارب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں چند اشعار سنائے۔

جن میں سے ایک شعر یہ ہے۔

فاشهد ان الله لا رب غيره　　وانك مامون على كل غائب

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رب نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ہر غیب پر امین ہیں۔

حضرت سواد بن اقارب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اشعار سن کر مجھ سے بہت خوش ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس سے خوشی کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

افلحت یا سواد

اے سواد تم کامیاب ہو گئے۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم: ج: 1، ص: 114)

ان احادیث مبارکہ سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو علم غیب عطا فرمایا اب علماء کرام کے اقوال ملاحظہ فرمائیں جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب ثابت ہوتا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

اولین و آخرین کی خبروں اور ما کان و ما یکون میں سے جس جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتے تھے اس سب کا اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم دے دیا۔

(جامع البیان: جز: 5، ص: 373، دار الفکر بیروت)

امام عبد الرحمان بن محمد بن ادریس رازی ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا اور آخرت کے بیان کا علم دیا اور حلال اور حرام کا علم دیا تا کہ اس علم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے سامنے استدلال کریں۔

حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیر اور شر کا علم دیا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج: 4، ص: 1064، رقم الحدیث: 5958 مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

امام الحسین بن مسعود بغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم احکام میں سے جو کچھ نہیں جانتے تھے۔

اور ایک قول ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم علم غیب سے جو کچھ نہیں جانتے تھے اس کا علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا۔

(معالم التنزیل: ج: 1، ص: 700 دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

1-اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب اور حکمت نازل کی اور ان کے اسرار پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا اور ان کے حقائق سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کیا حالانکہ اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں سے کسی چیز کا علم نہیں تھا۔ اسی طرح آئندہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع فرمائے گا تا کہ منافقین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پھسلانے پر قادر نہ ہوسکیں۔

2-اس سے مراد یہ ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اولین کی خبروں سے مطلع کیا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کے مکر وفریب سے محفوظ رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو جو علم عطا فرمایا۔ اس کے متعلق ارشاد کیا وہ بہت کم ہے۔

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل: 85)

اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے متعلق فرمایا وہ عظیم ہے۔

وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ (النساء: 113)

یہ آپ کے علم کے شرف عظیم پر دلیل ہے۔

(تفسیر کبیر: ج: 4، ص: 217 دار احیاء التراث العربی بیروت)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی 685ھ لکھتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مخفی چیزوں اور امور دنیا اور احکام میں سے جو کچھ نہیں جانتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم دے دیا۔

(تفسیر بیضاوی مع عنایۃ القاضی: ج: 3، ص: 349 دار الکتب العلمیہ بیروت)

تفسیر بیضاوی کی شرح میں علامہ اسماعیل بن محمد قونوی حنفی متوفی 1195ھ لکھتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مخفی امور کا علم دے دیا جو غیب ہیں جن کا حواس ادراک کر سکتے ہیں نہ بداہت عقل ان کا تقاضہ کرتی ہے۔

(حاشیۃ القونوی: ج: 7، ص: 296 دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ علاء الدین علی بن محمد الخازن متوفی 741ھ لکھتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام شرع اور امور دین میں سے جن کا علم نہیں تھا ان کا علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا۔

ایک قول یہ ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب سے جن چیزوں کا علم نہیں تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخفی چیزوں، دلوں کی باتوں، منافقین کے احوال اور ان کے مکر و فریب کا علم دے دیا۔

(تفسیر الخازن: ج:1، ص:426 دار الفکر بیروت)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی 1137ھ لکھتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جن مخفی امور اور غیب کو نہیں جانتے تھے ان کا علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا۔

(روح البیان: ج:2، ص:343 دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جن مخفی امور، دل کی باتوں، منافقوں کی سازشوں، امور دین اور احکام شرع کو نہیں جانتے تھے ان سب کا علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کے اسرار سے مطلع اور حقائق شرع سے واقف کر دیا۔

(روح المعانی: جز:4، ص:210 دار الفکر بیروت)

علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

اولین اور آخرین کی خبروں اور ما کان و ما یکون میں سے جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتے تھے وہ سب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلا دیا۔

(جامع البیان: جز:5، ص:373 مطبوعہ بیروت)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی 544ھ لکھتے ہیں:

آسمانوں اور زمینوں کی نشانیاں

اللہ تعالیٰ کی مخلوق

اللہ تعالیٰ کے اسماء کی تعیین

آیات کبریٰ

امور آخرت

علامات قیامت

اچھے اور برے لوگوں کے احوال

اور ما کان و ما یکون کا علم اسی قبیل سے ہے جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر ولی کے نہیں جانا۔

(الشفاء، ج:2، ص:100 مطبوعہ ملتان)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی 1014ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کلیات اور جزئیات کو محیط ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ

لوح و قلم، علوم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ٹکڑا اس لیے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم انواع ہیں۔

کلیات

جزئیات

حقائق

دقائق

عوارف

اور معارف کہ

ذات وصفات الٰہی عزوجل سے متعلق ہیں اور لوح وقلم کا علم تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب علم سے ایک سطر اور اس کے سمندروں سے ایک نہر ہے، پھر بایں ہمہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے تو ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

(الزبدۃ شرح قصیدہ بردہ: ص:116 مطبوعہ پیر جو گوٹھ سندھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

نبوت کی بیالیسویں صفت یہ ہے کہ

ان کو ما یکون (امور مستقبلہ) کا علم ہو۔

اور تینتالیسویں صفت یہ ہے کہ

ان کو ما کان (امور ماضیہ) کا علم ہو۔

جن کو ان سے پہلے کسی نے نہ بیان کیا ہو۔

(فتح الباری: ج:12، ص:367)

علامہ ابو الفضل سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت علم کے ساتھ تجلی کر کے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کیا۔ جس صفت علم سے آسمانوں اور زمین کا کوئی ذرہ غائب نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ما کان وما یکون کو جان لیا۔

(روح المعانی: ج:6، ص:22)

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وقت تک وصال نہیں ہوا جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس چیز کو نہیں جان لیا جس کا علم ممکن ہے۔

(روح المعانی: ج:15، ص:154)

شیخ اشرف علی تھانوی کے خلیفہ مجاز شیخ مرتضیٰ حسین چاند پوری لکھتے ہیں:

حاصل یہ ہے کہ

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم مغیبات اس قدر دیا گیا تھا کہ دنیا کے تمام علوم بھی اگر ملائے جائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک علم کے برابر نہ ہوں۔

(توضیح البیان فی حفظ الایمان: ص:12)

اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان بریلوی متوفی 1340ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ما کان و ما یکون کا علم ہے وہ قرآن عظیم سے مستفاد ہے اور قرآن مجید میں ہر چیز کی تفصیل ہے اور قرآن مجید دفعۃً نازل نہیں ہوا بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے تدریجاً تئیس سال میں نازل ہوا ہے پس جب بھی کوئی آیت یا کوئی سورت نازل ہوتی تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم میں اضافہ کرتی حتیٰ کہ قرآن مجید کا نزول مکمل ہو گیا۔ پس ہر چیز کی تفصیل اور اس کا بیان مکمل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر نعمت کو مکمل کر دیا جیسا کہ اس نے قرآن مجید میں اس کا وعدہ فرمایا ہے پس اگر قرآن مجید کے نزول کی تکمیل سے پہلے اعتراض کیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض نبیوں کا قصہ بیان نہیں کیا گیا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کا علم نہیں تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قصہ یا واقعہ میں توقف فرمایا (جیسا کہ اصحاب کہف، ذوالقرنین اور روح کے سوال کے موقع پر ایسا ہوا) حتیٰ کہ وحی نازل ہو گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سوال کردہ امور منکشف ہو گئے تو وہ قرآن مجید میں ہر چیز کے بیان ہونے کے منافی نہیں ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کلی ہونے کے منافی ہے۔ جیسا کہ کسی بھی عقل مند پر مخفی نہیں ہے۔ پس منکرین علم غیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی نفی کے لئے جب بھی بعض واقعات اور روایات سے استدلال کریں گے۔ خواہ ان واقعات اور روایات کی تاریخ کا علم نہ ہو تو ان کا استدلال باطل ہو گا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ واقعہ قرآن مجید کے نزول کی تکمیل سے پہلے کا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کلی کی تکمیل قرآن مجید کے نزول کی تکمیل کے ساتھ ہوئی۔ ہے اور اگر وہ واقعہ قرآن مجید کے نزول کی تکمیل کے بعد کا ہو تو منکرین کو اس پر صریح نص پیش کرنی ہوگی اور اس کے بغیر ان کا دعویٰ محض باطل ہوگا اور منکرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی تقصیر اور تنقیص اس کے بغیر ثابت نہیں کر سکتے۔

اور اگر بہ فرض محال وہ کوئی ایسی روایت لے آئیں جس کے متعلق قطعیت سے ثابت ہو کہ وہ قرآن مجید کے نزول کی تکمیل کے بعد کی ہے اور اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض علم کی نفی ہوتی ہو۔ تب بھی وہ ہمیں مضر نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَ عَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ (النساء:113)

اور اللہ نے آپ کو ان تمام چیزوں کا علم دے دیا جن کو آپ پہلے نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔

اور ہم اس آیت قطعی الدلالۃ سے آپ کا علم کلی ثابت کر چکے ہیں اور جو روایات خبر واحد کے قبیل سے ہوں اور وہ قرآن مجید کے معارض ہوں تو ان کو نہ سنا جاتا ہے نہ قبول کیا جاتا ہے بلکہ ان کو مسترد کر دیا جاتا ہے اور منکرین کے سرخیل شیخ انبیٹھوی نے لکھا ہے کہ

عقائد کے مسائل قیاسی نہیں کہ قیاس سے ثابت ہو جائیں بلکہ قطعی ہیں، قطعیات نصوص سے ثابت ہوتے ہیں، خبر واحد بھی یہاں مفید نہیں۔

(براہین قاطعہ، ص:51 مطبع بلالی، ہند)

سو منکرین پر لازم ہے کہ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کلی کی نفی ثابت کرنا چاہتے ہیں تو وہ قرآن مجید کی آیت یا حدیث متواتر کی طرح کوئی ایسی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ روایت پیش کریں جس سے یہ ثابت ہو کہ قرآن مجید کے نزول کی

تکمیل کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فلاں چیز کا اصلاً علم نہیں ہوا اور اس طرح نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تو تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مخفی رکھا کئی ایسی چیزیں ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا علم تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ظاہر نہیں کیا اور اس کو مخفی رکھا اور اس دلیل سے یہ بھی ثابت ہو کہ مکمل توجہ کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم نہیں ہوا کیونکہ بسا اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی چیز کا علم ہوتا ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ نہیں ہوتی۔

(الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ: ص:83 تا85 ملخصا مرکز اہل السنۃ برکات رضا)

حضرت یوسف علیہ السلام نے کھانا آنے سے پہلے بتادیا

حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب عطا فرمایا تھا۔ آپ علیہ السلام نے ان دونو جوانوں کو کھانا ملنے سے پہلے بتادیا کہ تمہیں یہ کھانا ملنے والا ہے۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے فرمایا:

کل تمہارے پاس تمہارے گھروں سے کھانا پہنچنے سے پہلے میں تمہیں اس کھانے کی خبر دے دوں گا تا کہ تم کو یقین ہو جائے کہ میں خواب کی تعبیر کا علم بھی رکھتا ہوں۔

انہوں نے کہا:

آپ علیہ السلام اسی طرح کریں۔

تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

تمہارے پاس فلاں فلاں کھانے کی چیز آئے گی سو ایسا ہی ہوا اور یہ علم غیب تھا جو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ مختص تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس علم کے ساتھ اس لیے مخصوص فرمایا ہے کہ انہوں نے اس قوم کے دین کو ترک کر دیا جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتی یعنی بادشاہ کے دین کو۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:9، ص:166 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

مجھے میرے رب عزوجل نے اس کی تعلیم دی ہے

☆ حضرت یوسف علیہ السلام سے دونوں نوجوانوں نے پوچھا کہ کھانا پہنچنے سے قبل آپ علیہ السلام کو اس کا کیسے پتہ چل جاتا ہے حالانکہ آپ علیہ السلام نہ تو جادوگر ہیں اور نہ نجومی ہیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا مجھے میرے رب عزوجل نے تعلیم دی ہے۔

امام عبد الرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

ساقی اور نانبائی نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ

کھانا پہنچنے سے پہلے آپ علیہ السلام کو اس کی حقیقت کا کیسے پتہ چل جاتا ہے حالانکہ آپ علیہ السلام نہ تو جادوگر ہیں اور نہ

نجومی ہیں۔

تو آپ علیہ السلام نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا:

مجھے میرے رب عزوجل نے اس کی تعلیم دی ہے۔

(زاد المسیر: ج:4، ص:224 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

اعتراض

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ساقی اور نانبائی نے تو حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنے خوابوں کی تعبیر کے متعلق سوال کیا تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو یہ بتانا شروع کر دیا کہ تمہارے پاس کس قسم کا کھانا آئے گا اور کتنا آئے گا اور کس وقت آئے گا تو ان کا یہ جواب ان دونوں کے سوال کے مطابق تو نہیں ہے؟

جواب

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ نے اس کے حسب ذیل جوابات ذکر کیے ہیں۔

1-حضرت یوسف علیہ السلام کو علم تھا کہ ان میں سے ایک کے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ ان کو سولی پر چڑھا دیا جائے گا اور جب وہ اس جواب کو سنے گا تو بہت غمزدہ ہوگا اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے وعظ نصیحت اور ان کی دیگر باتوں کے سننے سے متنفر ہو جائے گا۔ اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے اس میں مصلحت دیکھی پہلے ایسی باتیں کریں جن سے حضرت یوسف علیہ السلام کا علم اور ان کا کلام ان کے دلوں میں موثر ہوحتیٰ کہ جب آپ علیہ السلام ان خواب کی تعبیر بیان کریں تو اس کو عداوت اور تہمت پر محمول نہ کیا جائے۔

2-حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ ارادہ کیا کہ ان کو یہ بیان کریں کہ ان کے علم کا مرتبہ ان کے اندازہ سے بہت بلند اور بہت فائق ہے کیونکہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے خواب کی تعبیر پوچھی تھی اور خواب کی تعبیر ظن اور تخمین پر مبنی ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے ان پر یہ ظاہر کہ وہ غیب کی خبریں دیتے ہیں کیونکہ وہ کھانا آنے سے پہلے بتا دیتے تھے۔ آج ان کے گھروں سے کیا کھانا آئے گا اور حضرت یوسف علیہ السلام غیب کی خبریں قطعی اور یقینی علم کی بناء پر بتاتے تھے جس سے باقی عاجز تھی اور اسی سے یہ واضح ہوگیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام خواب کی جو تعبیر بتائیں گے وہ بھی محض ظن اور تخمین پر مبنی نہیں ہوگی بلکہ قطعی اور یقینی ہوگی۔ اور اس سے یہ مقصود تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام خواب کی تعبیر بتانے کے جس مرتبہ پر فائز ہیں اس درجہ تک کوئی اور نہیں پہنچا۔

3-جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ دیکھ لیا کہ وہ دونوں آپ علیہ السلام کے معتقد ہو چکے ہیں تو آپ علیہ السلام نے ان کو بت پرستی ترک کرنے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دی کیونکہ دین کی اصلاح کرنا دنیا کی باتیں بتانے سے اولیٰ ہے۔

4-نانبائی کے متعلق حضرت یوسف علیہ السلام کو علم تھا کہ اس کو سولی دی جائے گی۔

تو آپ علیہ السلام نے یہ چاہا کہ

اس کو مرنے سے پہلے مسلمان کرنے کی کوشش کی جائے تا کہ وہ کفر پر نہ مرے اور عذاب شدید کا مستحق نہ ہو۔
جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔
لِیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَّ یَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَیِّنَةٍ (الانفال:42)
تا کہ جس نے ہلاک ہونا ہے وہ دلیل سے ہلاک ہو اور جس نے زندہ رہنا ہے وہ دلیل سے زندہ رہے۔
5-اس کا معنیٰ یہ ہے کہ
تمہارے پاس بیداری میں جو کھانا بھی آئے گا میں اس کے پہنچنے سے پہلے بتادوں گا کہ وہ کس قسم کا کھانا ہے۔
اس کا رنگ کیسا ہے؟
اور اس کی مقدار کتنی ہے؟
اور اس کھانے کا انجام کیا ہوگا؟
یعنی اس کے کھانے کے بعد انسان کی صحت قائم رہے گی یا وہ بیمار ہو جائے گا۔
اور اس کا ایک محمل یہ بھی ہے کہ
بادشاہ جب کسی قیدی کو مارنا چاہتا تھا تو اس کے کھانے میں زہر ملوا کر بھیجتا تھا اور جب قید خانہ میں کھانا آتا تو حضرت یوسف علیہ السلام بتا دیتے کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے یا نہیں۔
اور یہ جو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا۔
میں کھانا پہنچنے سے پہلے اس کی حقیقت بتادوں گا اس سے یہی مراد ہے۔
اور اس کا حاصل یہ ہے کہ
حضرت یوسف علیہ السلام غیب کی خبر بتانے کا دعویٰ کرتے تھے اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس قول کے قائم مقام ہے۔
وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِكُمْ (آل عمران:49)
اور میں تمہیں اس چیز کی خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور اس چیز کی خبر دیتا ہوں جو تم اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو۔
پس پہلی دو وجوہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ
حضرت یوسف علیہ السلام خواب کی تعبیر بتانے میں تمام لوگوں پر فائق تھے اور آخری تین وجوہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچے نبی تھے اور غیب کی خبر دینا آپ علیہ السلام کا معجزہ تھا۔
اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ
اس آیت کو معجزہ پر محمول کرنا کس طرح درست ہوگا جبکہ اس سے پہلے ان کے دعویٰ نبوت کا ذکر نہیں ہے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ
ان آیتوں میں ہر چند کہ صراحتاً دعویٰ نبوت کا ذکر نہیں ہے لیکن ان آیتوں میں ایسے اشارے ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے نبوت کا دعویٰ فرمایا تھا۔

مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ ؕ (یوسف:37)

یہ (غیب کی خبریں) میرے رب کی تعلیم (وحی) کی وجہ سے ہے۔

یعنی میں تم کو جو یہ غیب کی خبریں دے رہا ہوں یہ کوئی علم نجوم یا کہانت یا سحر کی وجہ سے نہیں ہے۔

یا اس وجہ سے ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے ان باتوں کی میری طرف وحی فرمائی ہے۔

نیز فرمایا:

میں نے اپنے باپ دادا کے دین کی پیروی کی ہے۔

(تفسیر کبیر: ج:6، ص:455 دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا ان کے دین کو ترک کرنے کا معنیٰ

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

میں نے ان کے دین کو ترک کر دیا ہے۔

اس قول سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے پہلے ان کے دین کو اختیار کیا پھر اس کو ناپسند کر کے ترک کر دیا حالانکہ نبی کے لئے یہ محال ہے کہ وہ ایک آن کے لئے بھی کفار کے دین کو اختیار کرے۔

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

ترک کا معنیٰ یہ ہے کہ

انسان کسی چیز کے ساتھ تعرض نہ کرے اور اس کی یہ شرط نہیں ہے کہ پہلے انسان نے اس کو اختیار کیا ہو۔

اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام ان کے زعم کے اعتبار سے ان کے غلام تھے اور شاید وہ ان کے خوف کی وجہ سے بر سبیل تقیہ ان کے سامنے توحید اور ایمان کو ظاہر نہیں کرتے تھے۔ پھر اس وقت انہوں نے توحید اور ایمان کو ظاہر فرمایا اور اس وقت میں ان کا توحید اور ایمان کو ظاہر فرمانا ان کافروں کے دین کو ترک کرنے کے قائم مقام تھا اور یہ جواب زیادہ صحیح ہے۔

(تفسیر کبیر: ج:6، ص:456 دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام رازی کا اس جواب کو زیادہ صحیح فرمانا صحیح نہیں بلکہ یہ جواب اصلاً درست نہیں ہے کیونکہ تقیہ کرنا نبی کی شان نہیں ہے جان کے خوف سے باطل کی موافقت کرنا نبی کی شان نہیں ہے۔ نبی ہر وقت ہر حال میں حق کا اظہار کرتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کے ساتھ بھی تقیہ نہیں کیا اور صاف فرما دیا کہ یہ عورت ہی مجھے گناہ کی طرف راغب کر رہی تھی اور اس عورت سے بھی موافقت نہیں کی بلکہ اس کو ملامت کی اور اس سے دامن چھڑا کر بھاگے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے دین کی طرف راغب کرنا

حضرت یوسف علیہ السلام نے ساقی اور نانبائی کی محبت کو دیکھ کر ان کو اپنے دین کی طرف راغب کیا۔

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی 754ھ لکھتے ہیں:

چونکہ ساقی اور نانبائی حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن اخلاق اور ان کے علم کی وجہ سے ان سے محبت کرنے لگے تھے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ ان کے سامنے اپنے دین کا اظہار کریں تا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام دین میں ان کی قوم کے مخالف ہیں تا کہ وہ بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے دین کی اتباع کریں۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

اگر تمہاری وجہ سے اللہ ایک شخص کو ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہت بہتر ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3701)

حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کافروں کے دین کو بالکل بھی نہیں اپنایا تھا۔

اس کے باوجود فرمایا:

میں نے ان کے دین کو ترک کر دیا۔

یہاں ترک کا معنیٰ یہ ہے کہ

وہ ابتداء سے اس دین سے مجتنب رہے ہیں۔

اور اس کو ترک سے اس لیے تعبیر فرمایا تا کہ وہ دونوں اس دین کو ترک کر دیں اور حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت میں اس کے ترک کی طرف راغب ہوں۔

(البحر المحیط: ج:6، ص:276 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ نے مجھے غیب کا علم دیا

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے غیب کا علم دیا۔

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی 754ھ لکھتے ہیں:

یہ قول حضرت یوسف علیہ السلام کے پہلے قول کی دلیل ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے غیب کا علم دیا اور میری طرف وحی فرمائی کہ میں نے ابتداء سے کافروں کے دین کو ترک کر دیا تھا اور انبیاء کرام علیہم السلام کے دین کی پیروی کی تھی۔

(البحر المحیط: ج:6، ص:277 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کفار کے دین سے متصف نہیں تھے

حضرت یوسف علیہ السلام نے جو یہ فرمایا کہ میں نے ان کے دین کو ترک کیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ علیہ السلام ان کے دین سے متصف ہوں۔

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر خفاجی متوفی 1069ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

میں نے ان کے دین کو ترک کر دیا ہے۔

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ

میں نے تمہارے سامنے اپنے ترک کرنے کو ظاہر کیا ہے۔اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام اس دین کے ساتھ متصف تھے۔

(عنایت القاضی: ج:5،ص:306 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام نے دونوں کو خوابوں کی تعبیر بتائی

حضرت یوسف علیہ السلام نے دونوں نوجوانوں کو خوابوں کی تعبیر بیان فرمائی تھی۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں فوراً تعبیر بتانے کو ناپسند کیا اور ان کو دوسرا جواب دیا تاکہ وہ جان لیں کہ ان کے پاس ایک خاص علم ہے۔اس وقت کا بادشاہ جب کسی انسان کو قتل کرنے کا ارادہ کرتا تھا تو اس کے لئے مخصوص کھانا تیار کیا جاتا تھا اس شخص کو اس کھانے پر بلایا جاتا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

نہیں آئے گا تمہارے پاس کھانا جو تمہیں کھلایا جاتا ہے۔

پس ان دونوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو نہ چھوڑا حتیٰ کہ آپ علیہ السلام نے ان کے خوابوں کی تعبیر فرمائی۔ وہ آپ علیہ السلام کے ساتھ رہے۔

پھر آپ علیہ السلام نے ان کے خوابوں کی تعبیر بیان فرمائی۔

(جامع البیان: ج:12،ص:260 دار احیاء التراث العربی بیروت)

ایک اور جگہ راقم ہیں۔

ان دونوں نے قید خانے میں داخل ہونے کے وقت خواب دیکھا۔

مجلب نے یہ دیکھا تھا کہ

وہ سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہیں جنہیں پرندے کھا رہے ہیں۔

اور نبوا نے یہ دیکھا کہ

وہ شراب نچوڑ رہا ہے۔

انہوں نے ان خوابوں کی تعبیر حضرت یوسف علیہ السلام سے پوچھی۔

اور کہا:

ہمیں اس کی تعبیر بتاؤ ہم آپ علیہ السلام کو نیکو کاروں میں سے دیکھتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

تمہارا شام کا کھانا آنے سے پہلے میں تمہیں ان خوابوں کی تعبیر بتا دوں گا۔ پھر آپ علیہ السلام نے پہلے ان دونوں کو اللہ اور اسلام کی طرف بلایا۔

اور ارشاد فرمایا:

اے قید خانہ کے میرے دو رفیقو! (یہ تو بتاؤ) کیا بہت سے جدا جدا رب بہتر ہیں یا ایک اللہ جو سب پر غالب ہے۔

پھر آپ علیہ السلام نے مجلب سے فرمایا:

تجھے سولی پر لٹکایا جائے گا اور پرندے تیرے سر سے نوچ کھائیں گے۔

اور نبوا کو ارشاد فرمایا:

تو پھر دوبارہ اپنے کام پر لوٹا دیا جائے گا اور تجھ سے تیرا مالک راضی ہو جائے گا۔

اصل فیصلہ ہو چکا ہے اس بات کا جس کے متعلق تم دریافت کرتے ہو۔

(جامع البیان: ج:12، ص:263 دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بتانے سے پہلے اسلام کی تبلیغ کیوں کی

حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بتانے سے پہلے اسلام کی تبلیغ اس لیے کی تاکہ خواب کی تعبیر بتانا ہی اصل مقصود نہ رہے بلکہ مقصود ہدایت اور راہ راست پر لانا ہو اور یہ کام بھی نیکیوں میں لکھا جائے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کی تعبیر کا فوراً پتہ لگ گیا تھا کہ ایک بچنے والا ہے اور ایک مرنے والا ہے اس لیے آپ علیہ السلام نے چاہا کہ موت سے پہلے ان کو اسلام کی تبلیغ کر دینی چاہیے تاکہ خواب کی تعبیر بتانا ہی اصل مقصود نہ رہے بلکہ مقصود ہدایت اور راہ راست پر لانا ہو اور یہ کام بھی نیکیوں میں لکھا جائے اس لیے آپ علیہ السلام نے کلام کی تمہید باندھتے ہوئے تعبیر سے پہلے تعارضی کلام دراز فرمایا کہ اے میرے جیل کے ساتھیو نہیں آئے گا تمہارے پاس حسب معمول دوپہر کا کھانا جو دیا جاتا ہے تم کو مگر میں تم دونوں کو اس کی تعبیر بتا دوں گا اس سے پہلے کہ وہ کھانا ناشتہ تم دونوں کے پاس آئے یہ بعد ناشتہ صبح وقت آخری تھا۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:480، 481 نعیمی کتب خانہ لاہور)

شاہ مصر کا مارنے کا طریقہ

تفسیر نعیمی میں ہے کہ

شاہ مصر کا طریقہ یہ تھا کہ

جو مجرم ملکی ہوتا مثلاً چور، ڈاکو، قاتل اس کو تو ظاہر ظہور مجمع قتل میں پھینک کر مار ڈالتا یا بر سر عام قتل کراتا لیکن خطرناک سیاسی

قیدیوں کو جو اس کی جان یا سلطنت کے دشمن ہوتے ان کو جن عافیت میں رکھتا تا کہ عوام پر ظاہر ہو کہ تفتیش ہو رہی ہے مگر کسی کھانے میں زہر ڈلوا کر مروا دیتا یا ہلکا زہر ڈلواتا جس سے قیدی کو مہلک بیماری لگ جاتی جس سے آہستہ آہستہ کڑھ کڑھ کر جاتا۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:481 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کا جیل میں پہلا وعظ

حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل میں پہلا وعظ فرمایا جس سے آپ علیہ السلام کی تبلیغ نبوت کا دور شروع ہوا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

دونوں قیدی سخت متعجب ہوئے۔

اور بولے۔

اے یوسف (علیہ السلام)! کیا تم جادوگر ہو؟

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

نہیں۔

بولے۔

کیا تم کاہن ہو یا نجومی ہو۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

نہیں۔

تو بولے۔

پھر یہ علم تم کو کہاں سے آیا۔

تب آپ علیہ السلام نے جواب دیا کہ

تم دونوں کی یہ خوابوں کی تعبیر یا چیز آنے سے پہلے اِس کی حقیقی پوری خبر دینا۔ یہ ان علموں میں سے ہے جو مجھ کو میرے رب عزوجل نے سکھایا۔

قیدی بولے۔

آپ علیہ السلام کا رب عزوجل کون ہے؟ اور اس نے آپ علیہ السلام کو کیوں سکھایا؟

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

میرا رب عزوجل اللہ تعالیٰ میرا تمہارا خالق ہے۔

اور مجھ کو یہ علم اس لیے سکھایا کہ

میں نے شروع سے ہی وہ دین چھوڑے رکھا۔ اس قوم کا دین میں نے مانا ہی نہیں جو اللہ عزوجل پر ایمان نہیں لاتے اور

م والے سرے سے آخرت کے ہی کافر ہیں یعنی انکار کرنے والے ہیں۔

یہ تھا وہ پہلا وعظ جو حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل کی کوٹھڑی میں نہایت مشرکانہ ماحول میں باطل کے سامنے سنایا ان سے آپ علیہ السلام کی تبلیغ نبوت شروع ہوتی ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:481 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کی مصلحانہ نصیحت

حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل میں مصلحانہ نصیحت فرمائی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

روایت ہے کہ

سارے قیدی اور جیل کا عملہ جمع ہوگیا تو آپ علیہ السلام نے مصلحانہ نصیحت آمیز کلام مزید دراز فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اے لوگو تم میرے علم سے متاثر مت ہو میرے حسن سے بھی متاثر نہ ہو یہ بندوں کے پاس امانت پروردگار ہے۔ دنیا میں ہر ایک چیز کبھی فائدے مند کبھی نقصان دہ، یاد رکھو کہ سات چیزیں سات چیزوں کے لئے آفت ہیں۔

1-تکبر حسن و جمال کے لئے آفت ہے

2-بے عملی علم کے لئے آفت ہے

3-خاندان کی بڑائی کے لئے سرکشی آفت ہے

4-فضول خرچی سخاوت کی آفت ہے

5-شیخی اور ریاکاری فضول خرچی کی آفت ہے

6-خواہش نفسانی دین کی آفت ہے

7-سستی عبادت کی آفت ہے۔

تم اس پر نظر رکھو جس نے یہ نعمتیں دی ہیں اور اس کی طرف دوڑو جس کی وجہ سے نعمتیں ملیں تم سب باطل دین اور غلط راستے پر ہو میں نے وہ دین چھوڑا۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:481 تا 482 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے باپ دادا کے دین کی اتباع کا فرمانا

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔ میں نے اپنے باپ دادا حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے دین کی اتباع کی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ۝ (یوسف:38)

اور میں نے اپنے باپ، دادا، ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے دین کی اتباع کی ہے۔ ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک قرار دیں یہ ہم پر اور لوگوں پر اللہ کا فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکرادا نہیں کرتے۔

دین و شریعت کے معانی

دین و شریعت میں علماء کرام کے چند اقوال ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی 816ھ لکھتے ہیں:

دین ایک الٰہی دستور ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتا ہے جو عقل والوں کو قبول کرنے کی دعوت دیتا ہے دین اور ملت متحد بالذات ہیں اور مختلف بالاعتبار ہیں کیونکہ شریعت بہ حیثیت اطاعت دین ہے اور بہ حیثیت ضبط اور تحریر ملت ہے اور جس حیثیت سے اس کی طرف رجوع کیا جائے مذہب ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ

دین اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے اور ملت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے اور مذہب مجتہد کی طرف منسوب ہے۔

(کتاب التعریفات: ص:47 مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر)

نیز فرماتے ہیں۔

عبودیت کا التزام کر کے حکم ماننا شریعت ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ

شریعت دین کا ایک راستہ ہے۔

(کتاب التعریفات: ص:55 مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:

شرعۃ ومنھاجا کی تفسیر میں قتادہ نے کہا:

دین ایک ہے اور شریعت مختلف ہے۔

(عمدۃ القاری: ج:1، ص:117 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اہل تورات کے لئے تورات مقرر کی اور اہل انجیل کے لئے انجیل اور اہل قرآن کے لئے قرآن مقرر کیا اور یہ تقرر شریعتوں اور عبادتوں میں ہے اور اصل توحید ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:6، ص:211 مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

امام بخاری متوفی 256ھ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حضرت نوح علیہ السلام کو ایک ہی دین کی وصیت کی ہے۔

(صحیح بخاری: ج:1، ص:6 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

...ت پر دین آسان

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو آسان اور پیارا دین عطا فرمایا۔ اس بارے میں کثیر احادیث ...ارکہ ہیں چند ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دین آسان ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:39)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لوگوں پر آسان احکام بیان کرو اور مشکل احکام نہ بیان کرو اور لوگوں کو خوش خبری سناؤ اور لوگوں کو بددل اور متنفر نہ کرو۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:69)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک دیہاتی کھڑا ہوا اور اس نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ لوگ اس کی طرف جھپٹے۔

تو ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اس کو چھوڑ دو اور اس جگہ کے اوپر ایک یا دو ڈول پانی بہا دو کیونکہ تم آسانی کے لئے بھیجے گئے ہو اور مشکل میں ڈالنے کے لئے نہیں بھیجے گئے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:220)

ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو آسان دین عطا فرمایا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا نسب بیان فرمانا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یوسف علیہ السلام کا نسب مبارک خود بھی بیان فرمایا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کریم بن کریم بن کریم بن کریم، یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں۔

(مستدرک: ذکر یوسف بن یعقوب علیہم السلام: ج:2، ص:623 مطبوعہ بیروت)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا حضرت یوسف علیہ السلام کا سلسلہ نسب بیان فرمانا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کا سلسلہ نسب بیان فرمایا۔

ابوالاحوص سے روایت ہے کہ

وہ فرماتے ہیں۔

حضرت اسماء بن خارجہ الفز اری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو پیچھے دھکیل کر فرمایا:

میں الاشیاخ الکرام کی اولاد ہوں۔ (کریم شیوخ)

تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

وہ یوسف بن یعقوب بن اسحاق ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ ہیں۔

(مستدرک: ذکر یوسف بن یعقوب علیہما السلام: ج:2،ص:623 مطبوعہ بیروت)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت یوسف علیہ السلام کا سلسلہ نسب بیان فرمانا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کا سلسلہ نسب پوچھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ان سے ایک شخص نے ملاقات کی اجازت مانگی۔

تو اس نے دربانوں سے کہا۔

ابن اخیار (نیکوں کے بیٹے) کے لئے اجازت طلب کرو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اس کو اندر آنے دو۔

جب وہ گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

تم کون ہو؟ اپنا شجرہ نسب بیان کرو۔

تو اس نے زمانۂ جاہلیت کے اشراف لوگوں کا ذکر کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

کیا تو یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہو۔

اس نے کہا: نہیں۔

ارشاد فرمایا:

وہ اخیار میں سے تھے تو تو اشرار میں سے ہے۔ تو میرے سامنے دوزخیوں کے پہاڑوں کو شمار کر رہا ہے۔

(مستدرک: ذکر یوسف بن یعقوب علیہما السلام: ج:2،ص:378 مطبوعہ بیروت)

فضل ہے کہ اس نے ہمیں انبیاء علیہم السلام بنایا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا کے تحت فرمایا ہے کہ

اللہ کا ہم پر فضل ہے کہ اس نے ہمیں انبیاء علیہم السلام بنایا۔

وَعَلَى النَّاسِ لوگوں پر احسان فرمایا کہ

ہمیں ان کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔

(جامع البیان: ج:12، ص:260 دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا معجزہ

تفسیر نعیمی میں ہے۔

ابھی آپ علیہ السلام کا وعظ مبارک ختم نہیں ہوا تھا کہ سب قیدی اور جیل کا اکثر عملہ مسلمان ہو گیا۔ یہ دونوں بھی مسلمان ہو گئے۔

آپ علیہ السلام نے قیدیوں سے فرمایا کہ

اے قیدیو تم کفر کی قید سے آزاد ہو چکے ہو اب بتاؤ اس جیل میں رہنا چاہتے ہو یا آزاد ہو کر اپنے گھروں میں جا کر عبادت عزوجل میں مشغول ہونا چاہتے ہو۔ اس وقت جیل میں ایک ہزار چار سو قیدی تھے۔

ایک ہزار نے کہا:

ہم جیل سے نکلنا چاہتے ہیں۔

بعض نے کہا:

یہ سب مظلوم اور متہم تھے زیر تفتیش تھے مگر بادشاہ کی لاپرواہی کی وجہ سے تفتیش ختم نہ ہوتی تھی، حضرت یوسف علیہ السلام اپنے علم غیب سے یہ سب کچھ جان لیا تو آپ علیہ السلام نے ان کو آزاد کرنا چاہا۔

لیکن قیدیوں نے عرض کیا:

یا حضرت ہمارے پیروں میں بیڑیاں ہیں۔ گلے میں طوق ہیں۔

ہم کس طرح آزاد ہوں گے؟

آپ علیہ السلام نے بیڑیوں اور طوق کو نظر بھر کر دیکھا تو وہ کھل گئے۔

پھر قیدیوں نے عرض کیا:

ہم لوگ اسی مصر کے رہنے والے ہیں جانے پہچانے ہوئے ہیں۔ ہم کو پہچان لیا جائے گا اور پھر پکڑے جائیں گے۔

تب آپ علیہ السلام نے دعا کی رب عزوجل نے سب کی صورتیں بدل دیں اور رنگ بھی بدل گئے اسی طرح وہ سب آزاد ہو گئے۔

چار سو قیدی لوگوں نے کہا:

ہم کو آپ علیہ السلام سے محبت ہے ہم آپ علیہ السلام کی صحبت پاک میں رہنا چاہتے ہیں۔

آپ علیہ السلام نے درد بھرے لہجے میں فرمایا:

میرے دوستو مجھ سے محبت نہ کرو جس نے مجھ سے محبت کی اس کی محبت سے مجھ کو مصیبت اور غم آیا۔ مجھ سے میرے والد نے محبت کی تو جدائی کی مصیبت آئی مجھ سے زلیخا نے محبت کی تو قید کی مصیبت آئی نہ معلوم تمہاری محبت سے کیا مصیبت ہو۔ سب رونے لگے اور آپ علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کیں۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:483، نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کا دونوں ساتھیوں سے خدا کے متعلق سوال کرنا

حضرت یوسف علیہ السلام نے قید کے دونوں ساتھیوں سے پوچھا کہ متعدد خدا بہتر ہیں یا ایک اللہ تعالیٰ جو کہ سب پر غالب ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ○ (یوسف:39)

اے قید کے دونوں ساتھیو! آیا متعدد خدا بہتر ہیں یا ایک اللہ جو غالب ہے۔

اللہ تعالیٰ ایک ہے

اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے اس کے ساتھ کوئی عبادت میں شریک نہیں وہ ایک ہے اور اس کی کوئی اولاد نہیں نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کا کوئی ہمسر ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ○ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ○ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ○ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ ○ (الاخلاص:1تا4)

آپ فرما دیجئے۔ وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے اس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے۔

اللہ تعالیٰ کے وحدہ لاشریک ہونے پر دلائل

اللہ تعالیٰ کے وحدہ لاشریک ہونے پر کئی دلائل ہیں۔ جو کہ درج ذیل ہیں۔

1- ہم کہتے ہیں کہ تمام کائنات کی تخلیق کے لئے ایک صانع، عالم، قادر اور مدبر کافی ہے۔ اگر ایک صانع کی ضرورت نہیں تو ہم پوچھتے ہیں کتنے صانعین کی ضرورت ہے؟ اگر تم کسی عدد کی تخصیص کرو مثلاً تین یا چار کی تو یہ ترجیح بلا مرجح ہے کیونکہ تمام اعداد مساوی ہیں اور اگر تم کسی عدد میں صانع کا حصر نہ کرو تو غیر متناہی صانعین کا ہونا لازم آئے گا اور یہ براہین ابطال تسلسل سے باطل ہے۔

2- ہم کہتے ہیں کہ

تمام کائنات کو پیدا کرنے کے لئے ایک کافی ہے جو تمام معلومات کا عالم ہو اور تمام ممکنات پر قادر اور مدبر ہو۔ اب اگر دو صانع فرض کیا جائے تو یا تو ان دونوں میں سے ایک اس جہان کے حوادث میں سے کسی چیز کو وجود میں لانے کا مستقل فاعل ہوگا اور دوسرے کو اس میں مداخلت کرنے سے مانع ہوگا۔ ایسی صورت میں کسی چیز کو موجود کرنے کے لئے ان دونوں میں صرف ایک کافی ہوگا اور دوسرا عاجز اور معطل ہوگا اور اگر کسی چیز کو موجود کرنے کے لئے وہ دونوں باہم اشتراک اور تعاون کے محتاج ہوں تو یہ باطل ہے کیونکہ جو محتاج ہو وہ الوہیت اور خدائی کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

3- اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو ضروری ہے کہ وہ دونوں صفات کمال کے جامع ہوں اور اس صورت میں تمام صفات کمال ان دونوں میں مشترک ہوں گی۔ پھر ان دونوں میں امتیاز کے لئے ایک امر ممیز ماننا بھی ضروری ہے کیونکہ تعدد اور اثنینیت بلا امتیاز باطل ہے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ وہ امر ممیز صفات کمال ہے یا صفت نقص، اگر وہ صفت کمال ہے تو پھر دونوں تمام صفات کمال کے جامع نہ رہے کیونکہ یہ ایک اور صفت کمال ہے اور اگر وہ انہی صفت کمال میں سے ہے تو یہ ما بہ الاشتراک ہے ما بہ الامتیاز نہیں ہے اور اگر یہ ممیز صفت نقص ہے تو نقص کا حامل الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

4- اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو وجوب وجود اور قدم ان میں مشترک ہوگا اور کیونکہ اثنینیت بلا امتیاز باطل ہے۔ اس لیے ان میں ایک امر ممیز ہوگا اور ہر خدا دو چیزوں سے مرکب ہوگا امر مشترک اور امر ممیز اور جو مرکب ہو وہ اپنے اجزاء کا محتاج ہوتا ہے اور جو محتاج ہوتا ہے وہ الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

5- اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو اگر ایک معین وقت میں مثلاً ایک خدا زید کو متحرک کرنے کا ارادہ کرے اور دوسرا اس کو ساکن کرنے کا ارادہ کرے تو دونوں کا ارادہ پورا ہونا محال ہے کیونکہ یہ اجتماع ضدین ہے۔ اس صورت میں صرف ایک کا ارادہ پورا ہوگا اور وہی غالب ہوگا اور دوسرا مغلوب ہوگا اور مغلوب الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ

وہ دونوں اتفاق کر لیتے ہیں اور اختلاف نہیں کرتے۔

تو ہم کہتے ہیں کہ

ان میں اختلاف کرنا ممکن ہے یا نہیں۔ اگر اختلاف کرنا ممکن نہیں تو وہ عاجز ہوں گے اور عاجز الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا اور اگر اختلاف کر سکتے ہیں تو پھر وہی پہلی تقریر جاری ہوگی۔

نیز ہم کہتے ہیں کہ

اگر وہ اتفاق کرتے ہیں تو ضرور ایک دوسرے کی موافقت کرے گا اور جو موافقت کرے گا وہ تابع ہوگا اور تابع الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

اس دلیل کی طرف اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں اشارہ فرمایا ہے۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۙ (المومنون: 91)

اللہ نے کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ اس کے ساتھ اور کوئی معبود ہے ورنہ ہر معبود اپنی مخلوق کو الگ لے جاتا اور ہر ایک معبود دوسرے پر غلبہ پاتا۔ اللہ ان چیزوں سے پاک اور بالاتر ہے۔ جو وہ اس کے متعلق بیان کرتے ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ (الانبیاء:22)

اگر آسمانوں اور زمینوں میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو ضرور وہ دونوں (آسمان اور زمین) تباہ ہو جاتے۔

6- اگر دو خدا ہوں تو یا تو وہ صفات ذاتیہ میں ایک دوسرے کے بالکل مساوی ہوں گے یا ایک اعلیٰ اور دوسرا ادنیٰ پہلی صورت اس لیے باطل ہے کہ اثنینیت بلا امتیاز محال ہے اور دوسری صورت اس لیے باطل ہے کہ جو ادنیٰ ہو وہ الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

7- اگر دو خدا ہوں تو یا تو ان میں سے ہر ایک اپنی مصنوع پر خصوصی دلیل قائم کرنے پر قادر ہوگا یا کوئی قادر نہیں یا صرف ایک قادر ہوگا۔ مؤخر الذکر دونوں صورتیں اس لیے باطل ہیں کہ قادر نہ ہونا عجز ہے اور عاجز الوہیت کی صلاحیت نہیں اور اول الذکر صورت اس لیے باطل ہے کہ جب فی الواقع کسی مصنوع کے دو صانع ہوں تو عقل کے نزدیک یہ محال ہے کہ اس کی دلالت کسی ایک صانع پر ہو، نہ کہ دوسرے پر۔ مثلاً ایک درخت ہل رہا ہے اب اس کا ہلنا اس پر دلیل ہے کہ اس کا کوئی ہلانے والا ہے لیکن عقل کے نزدیک اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اس کا ہلانے والا فلاں ہے اور فلاں نہیں ہے۔

8- اگر دو خدا ہوں تو ہم پوچھتے کہ

ایک خدا اپنی مخلوق کو دوسرے خدا سے چھپانے پر قادر ہے یا نہیں اگر وہ قادر نہ ہو تو اس کا عجز لازم آئے گا اور اگر وہ مخلوق کو دوسرے خدا سے چھپانے پر قادر ہو تو دوسرے خدا کا جہل لازم آئے گا اور نہ عاجز خدا ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے نہ جاہل۔

9- اگر دو خدا ہوں تو ہم پوچھتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے تعاون کے مستقلاً تمام جہان کو پیدا کرنے پر قادر ہے یا نہیں؟ اگر وہ اس پر قادر نہیں ہے تو عاجز ہوگا اور عاجز الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا اگر ان میں سے ہر ایک بغیر دوسرے کے تعاون کے مستقلاً تمام جہان کو پیدا کرنے پر قادر ہے تو دوسرے کو معطل ہونا لازم آئے گا اور اس کو خدا ماننا عبث ہوگا۔

10- ہم دیکھتے ہیں کہ

تمام جہان کا نظام ایک نمط اور طرز واحد پر چل رہا ہے اور کبھی اس میں تغیر نہیں ہوتا۔ مثلاً سورج، چاند اور ستارے ایک مخصوص جہت سے طلوع ہوتے ہیں اور اس کے مقابل جانب غروب ہوتے ہیں۔ بارش آسمان کی جانب سے ہوتی ہے غلہ زمین سے پیدا ہوتا ہے کبھی اس کے برعکس نہیں ہوتا۔

انسان کے ہاں ہمیشہ انسان پیدا ہوتا ہے، بندر یا لنگور پیدا نہیں ہوتا اور شیر کے ہاں شیر پیدا ہوتا ہے کبھی لومڑی پیدا نہیں ہوتی۔ سیب کے درخت میں کبھی تربوز نہیں لگتا اور گندم کی بالیوں میں کبھی جوار نہیں لگتا۔ یہ ساری کائنات نظام واحد پر چل رہی ہے اور اس کا نظام واحد پر جاری ہونا زبان حال سے بتاتا ہے کہ اس کا ناظم بھی واحد ہے۔ اگر اس کائنات کے خالق متعدد ہوتے تو اس میں متعدد نظام ہوتے اور اس میں یکسانیت اور وحدت نہ ہوتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے سامنے

طرف اشارہ فرمایا تھا۔

قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ (البقرہ:258)

ابراہیم نے کہا کہ اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال۔

11- ہم دیکھتے ہیں کہ

اس دنیا میں ہر کثرت کسی وحدت کے تابع ہوتی ہے اور جو کثرت کسی وحدت کے تابع نہ ہو تو اس کا نظام فاسد ہو جاتا ہے۔ مثلاً کلاس میں طلباء کسی ایک استاد کے تابع ہیں اور جب اسکول میں متعدد استاد ہوں تو وہ کسی ہیڈ ماسٹر کے تابع ہوتے ہیں۔ صوبہ میں جب کئی وزیر ہوں تو ان کے اوپر وزیر اعلیٰ واحد ہوتا ہے اور متعدد مرکزی وزراء پر وزیر اعظم واحد ہوتا ہے۔ کسی ملک میں دو بادشاہ نہیں ہوتے نہ دو صدر ہوتے ہیں نہ دو وزیر ہوتے ہیں نہ کسی فوج کے دو کمانڈر انچیف ہوتے ہیں نہ کسی ادارہ میں دو مینیجنگ ڈائریکٹر ہوتے ہیں۔ ہر شعبہ کا مرکزی اقتدار صرف ایک کے پاس ہوتا ہے اور ہر کثرت کسی وحدت کے تابع ہوتی ہے سو اسی طرح اس کائنات کا کارساز مطلق اور مقتدر اعلیٰ بھی واحد ہے۔ اگر اس کائنات کے صانع اور مدبر بھی دو یا دو سے زائد ہوتے تو اس کا نظام بھی فاسد ہو جاتا اور جس طرح کسی مملکت کے دو صدر نہیں ہو سکتے اسی طرح اس کائنات کے بھی دو خدا نہیں ہو سکتے۔

12- اس کائنات میں ہر انسان ایک دوسرے سے الگ دکھائی دیتا ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان کا صانع کوئی عظیم ہے اور وہ صرف اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھ بدکار و خطار و گنار کا اور تمام امت مسلمہ کا مرتے دم تک یہی عقیدہ قائم رکھے اور ایمان پر خاتمہ نصیب فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین وصلی اللہ علیہ وسلم!

حضرت یوسف علیہ السلام نے دونوں کو ان کے حصے کی طرف بلایا

حضرت یوسف علیہ السلام نے جان لیا کہ ان میں سے ایک مقتول ہے تو پھر آپ علیہ السلام نے ان دونوں کو ان کے حصے کی طرف بلایا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت یوسف علیہ السلام نے جان لیا کہ ان میں سے ایک مقتول ہے تو دونوں کو ان کے اس حصے کی طرف بلایا جو ان کے مالک کی طرف سے ملنا تھا اور جو انہیں ان کی آخرت سے حصہ ملنا تھا۔

(جامع البیان: ج:12، ص:261 دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا قیدیوں کو اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کی دعوت دینا

حضرت یوسف علیہ السلام نے قیدیوں کو اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کی دعوت دی اور دعوت دینے کا ایسا پیارا انداز اپنایا کہ جس

سے انہیں فوراً تکلیف نہ ہو بلکہ ایک اچھوتا انداز اپنا کر ان کو اللہ تعالیٰ کی واحدانیت پر قائل کیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی اور اپنے خاندان کی نبوت کا ذکر فرما کر اصل مقصد کی طرف ان کفار کے ذہنوں کو پھیرا۔ ندا اپنے قریب بیٹھے ہوئے قیدیوں کو کی مگر خطاب سب سامعین سے ہے کیونکہ اس وقت اصل مقصود تبلیغ کا ان دونوں کو سمجھانا یا اس لیے کہ یہ جانے والے تھے۔ دوسرے قیدیوں کو بعد میں بھی تبلیغ ہو سکتی ہے جیسا کہ آپ علیہ السلام سات سال جیل میں درس دیتے رہے اور چونکہ یہ بڑے پرانے خاندانی کافر جن کو اپنے جھوٹے معبودوں سے بہت محبت تھی اس لیے ایک دم نہ کہا کہ تمہارے بت جھوٹے (ہیں) بلکہ پیار محبت کے انداز میں خود ان کے اعتقاد کو سامنے رکھ کر ان ہی سے پوچھتے ہیں کہ اے لوگو میں تمہاری عقیدت کو چیلنج نہیں کرتا تم اپنی عقلوں ذہنوں سے پوچھو کہ کفار نے ہزاروں قسم کے رب بنا لیے ہیں۔

چاند

سورج

ستارے

فلک

درخت

سفر اور حضر اور ہر موسم کا بت علیحدہ بنا لیا ہے کیا یہ اتنے بہت سے متفرق اور مختلف رب اچھے تم کو لگتے ہیں یا ایک ہی رب (عزوجل) جو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک سب پر قہار و غالب ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے کمال ذہانت وخطانت سے ہر قسم کے مختلف عقیدے رکھنے والے کفار کو عقل سے سوچنے سمجھنے کی دعوت دی۔ ابھی تک یہ لوگ لکیر کے فقیر بنے ہوتے تھے بلا سوچے سمجھے بتوں کو رب کہے جا رہے تھے۔ بس باپ دادا کی اڑتی خبروں کی نقل کیے جا رہے تھے۔ اب جب دعوت فکر ملی ذہن کی کھڑکیاں کھل گئیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے اس مختصر کلام میں چھ دلائل قائم فرمائے اور بتایا کہ جب تم میری اس بات کو عقل وفراست سے سوچو گے تو تم کو اپنے اپنے دین میں چھ خرابیاں نظر آئیں گی۔

پہلی یہ کہ

کائنات کسی نظام کی محتاج ہے اور اس کے لئے ناظم ضروری ہے ایک سے زیادہ منتظم ہوں اور سب کے اختیار ایک درجے کے ہوں تو ہر ایک نے اپنی مرضی کرنی ہے ہمہ وقت متفق ہونا محال ہے لہٰذا کائنات میں خلل پڑ جائے گا۔

دوسری خرابی یہ کہ

یہ بت وغیرہ چاند، سورج، ستارے، درخت تم دیکھتے ہوا گتے بگڑتے ٹوٹتے بنتے اور چاند کو ایک نہایت پابندی سے مقرر سمت پر دوڑتے چلے جاتے ہیں اپنی مرضی سے ان کو کبھی کسی نے رکتے چھپتے نہ دیکھا ثابت ہوا کہ یہ کسی کے حکم کے بندے ہیں لہٰذا یہ قاہر نہیں مقہور عامل نہیں معمولی ہیں حالانکہ معبود وہ ہوتا ہے جو عبد پر قاہر و عامل ہو۔

تیسری خرابی یہ کہ

بہت سے معبودوں میں نہیں پتہ لگتا کہ

کون پیدا کر رہا ہے؟
کون مار رہا ہے؟
کون رزق دیتا ہے؟
کون مصیبتیں دور کرتا ہے۔
لہٰذا کون ہماری عبادت کا مستحق ہے۔
یہ پتہ نہیں لگتا مگر ایک معبود مان کر یہ دشواری نہیں ہوتی۔
چوتھی خرابی یہ کہ
زیادہ معبود ہوں تو کس کس کو راضی کرو گے۔
ایک کو راضی کیا تو دوسرا ناراض
اس کو راضی کیا تو وہ ناراض
پانچویں خرابی (یہ کہ)
کفار کہتے ہیں کہ
ہمارے یہ معبود نفع دیتے ہیں مگر ان کے نفع کے وقت مقرر ایک وقت میں فلاں بت کی باری ہے دوسرے وقت میں فلاں کی اس طرح نفع کی قسمیں بھی بٹی ہوئی ہیں یہ نفع اتنے بت دیں گے اور وہ نفع اتنے بت یہ بارش برسانے والے یہ دولت بانٹنے والے لہٰذا اس جنجال سے بہتر یہ نہیں ہے کہ ایک ہی اس معبود کو مانے چلے جاؤ جو ہمیشہ سے ہمیشہ تک قاہر و غالب ہے اور اس کا واحد ہونا ہی اس کی عبادت کو واجب کر رہا ہے۔
چھٹی خرابی (یہ کہ)
تمہارے معبودوں میں کوئی اعلیٰ، کوئی ادنیٰ، کوئی زیادہ، کوئی تھوڑا لہٰذا ان کو کوئی بگاڑنے والا، کوئی بنانے والا حالانکہ رب اور معبود ہونے کے وہ لائق ہے جو واحد ہو سب پر غالب ہو سب سے اعلیٰ ہو ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہو۔ واجب الوجود ہو۔ ممکن یعنی قابل فنا نہ ہو۔ قاہر ہو مقہور نہ ہو جو واجب ہوگا وہی قاہر ہوگا مقہور نہ ہوگا عامل ہوگا معمول نہ ہوگا غالب ہوگا مغلوب نہ ہوگا لیکن ممکن ہوگا مقہور معمول مغلوب ہوگا کیونکہ جو اس کو فنا کردے بگاڑ دے توڑ دے مروڑ دے وہ اس پر غالب ہو گیا لہٰذا بہت سے مغلوب مقہور رب اچھے یا ایک غالب قاہر معبود اچھا۔
(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:490 تا 491 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بتوں کو چند اسماء فرمانا

حضرت یوسف علیہ السلام نے قیدیوں کو مزید واحدانیت کے دلائل دیتے ہوئے بتوں کو چند اسماء فرمایا۔
قرآن مجید میں ہے:
مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍؕ اِنِ

الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

(یوسف:40)

تم اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو وہ صرف چند اسماء ہیں جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیا ہے۔ اللہ نے ان کے ساتھ کوئی سند نازل نہیں کی حکم صرف اللہ کا ہے اس نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو یہی صحیح دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے بتوں کو چند اسماء کیوں فرمایا

حضرت یوسف علیہ السلام نے پہلے فرمایا کہ کیا متعدد اور متفرق رب ماننا بہتر ہے یا ایک اللہ تعالیٰ کو جو قہار ہے۔ اس آ[یت] سے معلوم ہوتا ہے کہ ان متفرق ارباب کے مسمیات اور ان کے مصادیق موجود ہیں اور پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے فر[مایا] کہ ان کے صرف اسماء ہیں یعنی مسمیات اور مصادیق نہیں ہیں اور یہ ان دو آیتوں میں کھلا ہوا تعارض ہے۔ اس کے دو جوا[ب] ہیں۔

1- وہ ان بتوں کو الٰہ اور معبود کہتے تھے حالانکہ ان بتوں میں الوہی صفات موجود نہیں تھیں پس یہ بت نام کے الٰہ اور مع[بود] تھے۔ الٰہ اور معبود کے مصداق اور مسمیٰ نہ تھے اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ جن کی تم پرستش کرتے ہو وہ صرف اسماء ہیں اور اس ـ پہلی آیت میں یہ فرمایا وہ ان کے خودساختہ رب ہیں نہ کہ فی الواقع رب ہیں۔

2- روایت ہے کہ

وہ بت پرست مشبہ تھے ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اصل اللہ نور اعظم ہے اور ملائکہ انوار صغیرہ ہیں اور انہوں نے ان انوا[ر] صورتوں پر بت تراش لیے تھے اور حقیقت میں ان کے معبود انوار سماویہ تھے اور یہی مشبہ کا قول ہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ا[یک] بہت بڑا جسم عرش پر مستقر ہے اور وہ اس کی عبادت کرتے ہیں اور حقیقت میں ان کا تصور شدہ جسم موجود نہیں ہے پس وہ ا[ن] اسماء کی عبادت کرتے تھے۔

(تفسیر کبیر: ج:6،ص:459 بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام نے قیدیوں کو اتنا طویل کلام کیوں کیا؟

حضرت یوسف علیہ السلام نے ان دو قیدیوں کو اتنا طویل کلام اس لیے کیا تا کہ ان کو ان چیزوں کی طرف متوجہ کر[یں] کیونکہ ان کے لئے تعبیر فوراً بتانا نقصان دہ تھی۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

تعبیر بتانے سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں مذکورہ چیزوں کی طرف متوجہ کیا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ

آپ علیہ السلام کو معلوم تھا کہ ان میں سے ایک کے حق میں تعبیر نقصان دہ ہے اس لیے آپ علیہ السلام نے یہ بہتر [سمجھا کہ] انہیں کسی اور چیز میں مشغول کر دیں تا کہ وہ دوبارہ تعبیر نہ پوچھیں۔ جب انہوں نے دوبارہ رجوع کیا تو آپ علیہ السلا[م]

انہیں پھر وعظ و نصیحت شروع کر دی۔

(جامع البیان: ج: 12، ص: 217 دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بتوں کی عبادت کا رد فرمانا

حضرت یوسف علیہ السلام نے قیدیوں کو خطاب کرتے ہوئے بتوں کی عبادت کو رد فرمایا اور فرمایا کہ وہ تو عبادت کے مستحق ہی نہیں ہیں۔

تفسیر بیضاوی میں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

جنہیں تم خدا کہتے ہو اور جن کے سامنے جبیں فرسائی کرتے ہو وہ عبادت کے مستحق ہی نہیں ہیں کیونکہ عبادت کا استحقاق یا ذاتی ہوتا ہے یا بالغیر ہوتا ہے اور ان سے دونوں استحقاق منتفی ہیں پھر نص قائم فرمائی اس پر کہ دین مستقیم اور حق قویم ہے، عقل جس کے سوا کو چاہتی ہی نہیں اور علم جس کے علاوہ کسی کو پسند ہی نہیں کرتا۔

(تفسیر بیضاوی مع حاشیہ شیخ زادہ: ج: 5، ص: 37 العلمیہ بیروت)

بت پرستی کی ابتداء کس طرح ہوئی؟

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

محمد بن قیس سے روایت ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان کچھ نیک لوگ تھے اور ان کے پیروکاران کی اقتداء کرتے تھے۔ جب وہ نیک لوگ فوت ہو گئے۔

تو ان کے پیروکاروں نے کہا:

اگر ہم ان کی تصویریں بنالیں تو اس سے ہماری عبادت میں زیادہ ذوق اور شوق ہوگا سو انہوں نے ان نیک لوگوں کی تصویریں بنالیں۔ جب وہ فوت ہو گئے اور ان کی دوسری نسل آئی تو ابلیس نے ان کے دل میں یہ خیال ڈالا کہ ان کے آباء ان تصویروں کی عبادت کرتے تھے اور اسی سبب سے ان پر بارش ہوتی تھی۔ سو انہوں نے ان تصویروں کی عبادت کرنی شروع کر دی۔

اور امام ابن ابی حاتم نے عروہ بن الزبیر سے روایت کیا ہے کہ

ود، یغوث، یعوق، سواع اور نسر حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور ''ود'' ان میں سب سے نیک تھے۔

(جامع البیان: ج: 29، ص: 122 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابن ابی حاتم نے باقر سے روایت کیا ہے کہ

ود ایک نیک شخص تھا اور وہ اپنی قوم میں بہت محبوب تھا۔ جب وہ فوت ہو گیا تو اس کی قوم کے لوگ بابل کی سرزمین میں اس کی قبر کے گرد بیٹھ کر روتے رہے۔ جب ابلیس نے ان کی آہ و بکا دیکھی تو وہ ایک انسان کی صورت میں متشکل ہو کر آیا۔

اور کہنے لگا۔

میں نے تمہارے رونے کو دیکھا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے لیے ود کی ایک تصویر بنا دوں۔ تم اپنی مجالس میں اس تصویر کو دیکھ کر اسے یاد کیا کرو۔ انہوں نے اس سے اتفاق کیا۔ اس نے ود کی تصویر بنا دی جس کو وہ اپنی مجلسوں میں رکھ کر اس کا ذکر کیا کرتے تھے۔ جب ابلیس نے یہ منظر دیکھا۔

تو کہا۔

میں تم میں سے ہر ایک کے گھر میں ود کا ایک مجسمہ (بت) بنا کر رکھ دوں تا کہ تم میں سے ہر شخص اپنے گھر میں ود کا ذکر کرے انہوں نے اس کو مان لیا پھر ہر گھر میں ود کا ایک بت بنا کر رکھ دیا پھر ان کی اولاد بھی یہی کچھ کرنے لگی پھر اس کے بعد نسلیں آئیں وہ یہ بھول گئیں کہ ود ایک انسان تھا وہ اس کو خدا مان کر اس کی عبادت کرنے لگیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس بات کی پرستش شروع کر دی سو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جس بت کی سب سے پہلے پرستش شروع کی گئی وہ ود نام کا بت تھا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:10، ص:3375 تا 3376 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

محمد بن قیس نے کہا ہے کہ

یغوث، یعوق اور نسر حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیانی عہد کے لوگ ہیں۔ یہ بہت نیک لوگ تھے اور ان کے بہت پیروکار تھے۔ جب یہ نیک لوگ فوت ہو گئے۔

تو ان کے پیروکاروں نے کہا:

اگر ہم ان کی امثال کے مجسمے بنالیں تو ہماری عبادت میں زیادہ ذوق اور شوق ہوگا پھر انہوں نے ان کی امثال کے مجسمے لیے پھر جب ان کی نسل ختم ہوگئی اور ان کی دوسری نسل آئی تو ابلیس نے ان کے دماغوں میں یہ خیال ڈال دیا کہ تمہارے آباء و اجداد ان بتوں کی عبادت کرتے تھے اور ان ہی کی وجہ سے بارش ہوتی تھی۔ سو انہوں نے ان کی عبادت کرنی شروع کر دی۔

اس کے بعد حافظ ابن کثیر نے حافظ ابن عساکر کی یہ روایت نقل کی ہے۔

حافظ ابن عساکر نے حضرت شیث علیہ السلام کی سوانح میں یہ روایت ذکر کی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

حضرت آدم علیہ السلام کی چالیس اولاد ہوئی، بیس بیٹے اور بیس بیٹیاں۔ ان میں سے جو زندہ رہے وہ ہابیل اور قابیل اور صالح اور عبدالرحمان جن کا نام عبدالحارث رکھا تھا اور ود کو ہی شیث کہا جاتا تھا۔ اور ان کو ہبۃ اللہ بھی کہا جاتا تھا اور ان کے بھائیوں نے ان کو سردار بنا دیا تھا اور ان کے بیٹوں کے نام سواع، یغوث، یعوق اور نسر تھے۔

(تفسیر ابن کثیر: ج:4، ص:470 دار الفکر بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

یہ بھی حکایت بیان کی جاتی ہے کہ ود کا بت مرد کی صورت کا تھا سواع کا بت عورت کی صورت کا تھا۔ یغوث کا بت شیر کی صورت کا تھا۔ یعوق کا بت گھوڑے کی صورت کا تھا اور نسر کا بت گدھ کی صورت کا تھا اور یہ حکایت ان تصریحات کے منافی

کہ یہ بت نیک انسانوں کی صورتوں پر بنائے گئے تھے اور یہ تصریحات ہی اصح ہیں۔

(روح المعانی: ج:29،ص:133 دار الفکر بیروت)

لات، عزیٰ اور منات بتوں کی تحقیق

علامہ محمود بن عمر زمخشری خوارزمی متوفی 538ھ ان اسماء کی لفظی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لات، عزیٰ اور منات ان بتوں کے نام ہیں اور یہ مؤنثات ہیں۔ پس لات ثقیف کی دیوی کا بت ہے اس کی طائف میں پرستش کی جاتی تھی۔

اور ایک قول یہ ہے کہ

اس کی نخلہ (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک مقام) میں پرستش کی جاتی تھی اور لات کا لفظ ''لوی'' سے بنا ہے، لات کا لفظ اصل میں لویۃ تھا۔ واؤ متحرک ماقبل مفتوح اس کو الف سے بدل دیا اور یا خلاف قیاس گر گئی تو یہ لات ہو گیا۔

لوی کا معنیٰ ہے۔

کسی کی پرستش کرنا اور اس پر آسن جما کر بیٹھنا یا کسی چیز کے گرد طواف کرنا وہ اس دیوی کے بت کی پرستش کرتے تھے اس کے پاس دھرنا مار کر بیٹھتے تھے اس لفظ کو لام کی تشدید کے ساتھ ''اللات'' بھی پڑھا گیا ہے اور ان کا زعم یہ تھا کہ اللات ایک شخص کا نام تھا جو ستو میں گھی ملا کر حجاج کو پلاتا تھا (مگر از روئے قرآن یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ لات کسی مرد کا نام نہیں بلکہ دیوی کا نام ہے) جب وہ مر گیا تو انہوں نے اس کی قبر کی پرستش کرنی شروع کر دی پھر اس کا بت بنالیا اور اس کی پرستش شروع کر دی۔

اور عزیٰ اعز کی تانیث ہے یہ ببول کا درخت تھا مقام نخلہ میں قبیلہ غطفان کے لوگ اس کی پرستش کرتے تھے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ

یہ طائف کے درمیان مقام نخلہ میں ببول کے تین درخت تھے ان پر گنبد بنا ہوا تھا اور چادریں چڑھی ہوئی تھیں ان میں ایک جنیہ ظاہر ہوئی تھی۔

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اسے مسمار کرنے کے لئے بھیجا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے یہ درخت کاٹ ڈالے اور گنبد مسمار کر دیا اور واپس آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم نے کچھ نہیں کیا۔ دوبارہ جاؤ، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جب دوبارہ گئے تو وہاں کے محافظوں اور خادموں نے بہت شور و غل کیا اور ''یا عزیٰ، یا عزیٰ'' کہہ کر اس کی دہائی دی، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے دیکھا وہاں ایک برہنہ عورت ہے جس کے بال بکھرے ہوئے ہیں اور وہ اپنے سر پر مٹی ڈال رہی ہے آپ رضی اللہ عنہ نے تلوار مار کر اس کا کام تمام کر

آپ نے فرمایا:

یہی عزیٰ تھا اب اس کی کبھی پرستش نہیں ہوگی۔

اور منات ایک بت تھا یہ مشلل کی طرف سمندر کے کنارے قدید میں تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مسمار کرنے کے لئے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا جنہوں نے اس کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ قبیلہ ہذیل اور خزاعہ اس کی پرستش کرتے تھے اس کو منات اس لیے کہتے ہیں کہ منیٰ کے معنیٰ قربانی کرنا ہے اور مشرکین اس کے استھان پر اس کا تقرب حاصل کرنے کے لئے جانوروں کی قربانی کرتے تھے اور اس سے بارش طلب کرتے تھے اور لات کو مسمار کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو اور حضرت ابوسفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا۔

(الکشاف: ج:4، ص:424 بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا دونوں ساتھیوں کو خواب کی تعبیر بتانا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے دونوں قیدیوں کو واحدانیت کی دعوت دے دی تو بعد میں ان کو ان کے خوابوں کی تعبیر بتائی۔

قرآن مجید میں ہے:

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ ؕ (یوسف:41)

قید کے دونوں ساتھیو! تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلایا کرے گا اور رہا دوسرا تو اس کو سولی دی جائے گی پھر پرندے اس کے سر سے (گوشت نوچ کر) کھائیں گے تم جس کے متعلق سوال کرتے تھے اس کا (اسی طرح) فیصلہ ہو چکا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے وحی کے ذریعے سے تعبیر بتائی

حضرت یوسف علیہ السلام نے ساقی اور نانبائی کو وحی کے ذریعے سے تعبیر بتائی تھی۔

ابن السائب نے بیان کیا ہے کہ

جب ساقی نے حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنا خواب بیان کیا۔

اور کہا:

میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں انگور کے تین خوشوں سے شراب نچوڑ رہا ہوں۔

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے۔ تین خوشوں سے مراد تین دن ہیں۔ تین دن گزرنے کے بعد بادشاہ تم کو بلوائے گا اور تم کو دوبارہ تمہارے منصب پر بحال کر دے گا۔

اور نانبائی سے فرمایا:

تم نے برا خواب دیکھا ہے۔ تم نے خواب دیکھا ہے کہ تم روٹی کی تین انجیریں اٹھائے ہوئے ہو۔ تین انجیروں سے

ان ہیں، تین دن گزرنے کے بعد بادشاہ تم کو بلائے گا اور تم کو قتل کر کے سولی پر چڑھادے گا اور تمہارے سر سے گوشت نوچ نوچ کر پرندے کھائیں گے۔

ان دونوں نے کہا:

ہم نے تو کوئی خواب نہیں دیکھا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

جس چیز کے متعلق تم نے سوال کیا ہے اس کا اسی طرح فیصلہ ہو چکا ہے یعنی اس معاملہ سے فراغت ہو چکی ہے خواہ تم نے سچ بولا ہو یا جھوٹ بولا ہو۔ عنقریب اسی طرح واقع ہوگا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے تاویل کے واقع ہونے کو حتمی اور یقینی طور پر کیوں فرمایا جبکہ خواب کی تعبیر ظنی ہوتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آ چکی تھی اور انہوں نے وحی کے ذریعہ جان کر یہ تعبیر بتائی تھی۔

(زاد المسیر: ج:4،ص:597 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام نے فیصلہ کو اٹل فرمایا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے ان دونوں قیدیوں کو خواب کی تعبیر بتادی تو انہوں نے کہا کہ ہم تو صرف آپ علیہ السلام کے علم کا تجربہ کر رہے تھے ہم نے تو کوئی خواب نہیں دیکھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اب تو تعبیر واقع ہو چکی ہے۔

امام ابو محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ان دونوں ساتھیوں نے خواب نہیں دیکھے تھے بلکہ انہوں نے آپ علیہ السلام کے علم کا تجربہ کرنے کے لئے یہ خواب بنا کر کیے جب آپ علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بتائی۔

تو دونوں نے کہا:

ہم نے خواب نہیں دیکھے تھے صرف دل لگی کی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ یعنی تعبیر واقع ہو چکی ہے اور یوسف علیہ السلام کی تعبیر کے مطابق فیصلہ اٹل ہو چکا

(جامع البیان: ج:12،ص:263 دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب انہوں نے کہا کہ
ہم نے خواب نہیں دیکھے تھے۔ ہم نے تو صرف مزاح کیا ہے۔
آپ علیہ السلام نے فرمایا:
جو میں نے تعبیر بیان کی ہے اس کے مطابق فیصلہ ہو چکا ہے۔
(جامع البیان: ج:12، ص:264 دار احیاء التراث العربی بیروت)

خواب پرندے کے پاؤں کے ساتھ معلق

روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
خواب پرندے کے پاؤں کے ساتھ معلق رہتا ہے جب تک اس کی تعبیر نہ لی جائے اور جب تعبیر لے لی جائے تو وہ وقوع پذیر ہو جاتا ہے۔
(سنن ابن ماجہ: کتاب الرؤیا: ج:2، ص:1288)

خواب سب سے پہلے بتانے والے کے لئے ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے۔
خواب سب سے پہلے تعبیر بتانے والے کے لئے ہے۔
(مسند ابی یعلیٰ: ج:7، ص:159)

خواب کے متعلق احادیث مبارکہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ
میں نے آج رات یہ خواب دیکھا ہے کہ ایک سائبان سے گھی اور شہد ٹپک رہا ہے۔ میں نے دیکھا کہ لوگ اس کو ہتھیلیوں میں جمع کر رہے ہیں بعض لوگ زیادہ جمع کر رہے ہیں اور بعض کم اور میں نے دیکھا کہ آسمان سے زمین تک ایک رسی پہنچ رہی ہے۔ میں نے دیکھا کہ آپ اس رسی کو پکڑ کر اوپر چڑھنے لگے۔ پھر ایک شخص نے اس رسی کو پکڑا اور اس کو پکڑ کر اوپر چڑھنے لگا پھر دوسرا شخص اس رسی کو پکڑ کر اوپر چڑھا۔ پھر تیسرے شخص نے رسی کو پکڑا تو وہ رسی ٹوٹ گئی پھر رسی جڑ گئی۔
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا:
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم اس خواب کی تعبیر بتانے کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت عطا فرمائیں۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تم تعبیر بیان کرو۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

اس سائبان سے مراد اسلام ہے اور جو شہد اور گھی سائبان سے ٹپک رہا تھا وہ قرآن مجید اور اس کی حلاوت ہے۔ پس بعض زیادہ قرآن مجید حاصل کرتے ہیں اور بعض کم اور وہ رسی جو آسمان سے زمین تک پہنچ رہی ہے اس سے مراد وہ حق ہے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم قائم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حق سے عمل کرتے رہیں گے پھر اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بلالے گا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور شخص اس پر عمل کرے گا حتیٰ کہ اس کو بھی اللہ تعالیٰ اپنے پاس بلالے گا دوسرا شخص اس پر عمل کرے گا پھر تیسرا شخص اس پر عمل کرے گا پھر وہ حق منقطع ہو جائے گا پھر اس شخص کے لئے جوڑ دیا جائے گا اور وہ اس پر عمل کرے گا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرا باپ فدا ہو۔ مجھے یہ بتائیے کہ میں نے صحیح تعبیر کی ہے یا غلط۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تمہاری بعض تعبیر صحیح ہے اور بعض غلط۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ضرور بتائیے کہ میں نے کیا غلطی کی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قسم مت کھاؤ۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 7046)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں نے خواب میں ایک سیاہ فام عورت کو دیکھا جس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ مدینہ سے باہر نکلی اور جحفۃ میں جا کر ٹھہر گئی۔ میں نے اس کی یہ تعبیر نکالی کہ مدینہ کی وبا جحفۃ کی طرف منتقل کر دی جائے گی۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 7038)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب میں سویا ہوا تھا مجھے (خواب) میں دودھ کا پیالہ دیا گیا۔ میں نے اس سے دودھ پی لیا حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ میرے ناخنوں سے سیرابی نکل رہی ہے اور میں نے اپنا بچا ہوا دودھ عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کو دے دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھے ہوئے صحابہ کرام علیہم الرضوان نے پوچھا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (دودھ) سے کیا تعبیر لی ہے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

علم۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 7007، سنن ترمذی: 2284)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ام العلاء انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی، جب مہاجرین کی رہائش کے لئے انصار نے قرعہ اندازی کی تو رہائش کے لئے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ہمارے حصہ میں آ گئے وہ بیمار پڑ گئے۔ ہم نے ان کی تیمارداری کی وہ فوت ہو گئے۔ ہم نے ان کو کفن میں لپیٹ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے کہا:

اے ابو السائب! تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔ میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری تکریم فرمائے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار فرمایا:

تمہیں یہ کیسے پتا چلا؟

میں نے کہا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نہیں جانتی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رہے عثمان بن مظعون تو ان پر موت آ چکی ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے خیر کی توقع کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی قسم! میں از خود نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

حضرت ام العلاء رضی اللہ عنہا نے کہا:

پس اللہ تعالیٰ کی قسم! اس کے بعد میں نے کسی کی ستائش نہیں کی۔

انہوں نے کہا:

میں نے خواب دیکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے ایک چشمہ بہہ رہا ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس خواب کا ذکر کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس سے مراد اس کا جاری رہنے والا عمل ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 7018)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے ایک خواب بیان کیا جس کو اس نے نہیں دیکھا اس کو (قیامت کے دن) دو جو کے درمیان گرہ لگانے کا حکم دیا جائے گا اور وہ اس میں ہرگز گرہ نہیں لگا سکے گا اور جس نے کچھ لوگوں کی باتیں کان لگا کر سننے کی کوشش کی جبکہ وہ اس کو ناپسند

کرتے ہوں یا اس سے بھاگتے ہوں، قیامت کے دن اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا اور جس شخص نے تصویر بنائی اس کو عذاب دیا جائے گا اور اس کو اس بات کا مکلف کیا جائے گا کہ وہ اس میں روح پھونکے اور وہ اس میں ہرگز روح نہیں پھونک سکے گا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 7042)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں مکہ سے ایسی زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں جس میں کھجور کے درخت ہیں۔ مجھے یہ گمان ہوا کہ یہ جگہ یمامہ یا ہجر ہے لیکن وہ مدینہ یثرب تھی اور میں نے اس میں گائے کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ کی قسم خیر کو دیکھا۔ گائے سے مراد وہ ہے کہ جنگ احد میں جب مسلمانوں نے کفار کی یورش سے بھاگنے کا ارادہ کیا تھا اور خیر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ جنگ بدر میں خیر (فتح) لایا تھا۔

(صحیح البخاری: 7035)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب زمانہ قریب ہو جائے گا تو زیادہ تر مسلمان کا خواب جھوٹا نہیں ہوگا اور مومن (کامل) کا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جز ہے۔

محمد بن سیرین نے کہا:

میں بھی یہی کہتا ہوں۔

انہوں نے کہا:

اور یہ کہا جاتا تھا کہ خواب کی تین قسمیں ہیں۔

انسان جو کچھ سوچتا ہے وہ خواب میں دیکھتا ہے اور شیطان ڈراؤنے خواب دکھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خواب میں بشارتیں ملتی ہیں سو جو شخص خواب میں کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھے وہ اس خواب کو کسی کے سامنے بیان نہ کرے اور اٹھ کر نماز پڑھے اور وہ خواب میں (گلے میں) طوق دیکھنا ناپسند کرتے تھے اور خواب میں بیڑیاں دیکھنا پسند کرتے تھے۔

اور یہ کہا جاتا تھا کہ

بیڑی سے مراد دین میں ثابت قدم رہنا ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 7017)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس وقت میں سویا ہوا تھا میں نے خواب دیکھا کہ لوگ قمیص پہنے ہوئے میرے سامنے پیش ہو رہے ہیں، بعض کی قمیص پستانوں تک تھی اور بعض کی قمیص اس سے بھی کم تھی۔ پھر حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) تشریف لائے اور ان کی قمیص پیروں کے نیچے سے گھسٹ رہی تھی۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے پوچھا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قمیص سے کیا تعبیر لی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دین۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: 7008)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں نے خواب میں یہ دیکھا کہ میں نے تلوار کو لہرایا تو اس کا اگلا حصہ ٹوٹ گیا اور اس کی تعبیر وہ تھی جو جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ پھر میں نے دوبارہ تلوار کو لہرایا وہ پہلے سے اچھی حالت میں ہوگئی اور اس کی تعبیر وہ تھی جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا کی تھی اور مسلمان مجتمع ہو گئے تھے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: 7041)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک باغ میں ہوں اور باغ کے وسط میں ایک ستون ہے اور ستون کے اوپر ایک دستہ ہے۔

مجھ سے کہا گیا۔

اس درخت پر چڑھو۔

میں نے کہا:

میں اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ پھر ایک لڑکا آیا۔ اس نے میرے کپڑے اوپر اٹھائے میں اس درخت پر چڑھا اور میں نے اس دستہ کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور میں اس حال میں بیدار ہوا کہ میں اس دستہ کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھا۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ خواب بیان کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ باغ اسلام کا باغ ہے اور دستہ سے مراد مضبوط دستہ ہے تم تا دم مرگ اسلام پر مضبوطی سے قائم رہو گے۔

(مسند احمد، رقم الحدیث: 2884 مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

خواب کی تعبیر ہر شخص نہیں بتا سکتا بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ پر مکمل عبور رکھتا ہو اور ان کے الفاظ کے معانی، ان کے کنایات اور مجازات پر نظر ہو اور خواب دیکھنے والے کے احوال اور اس کے معمولات سے واقف ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ متقی بھی ہو کیونکہ یہ وہبی علم ہے اور جب تک وہ گناہوں سے پاک نہیں ہوگا تو اس پر اسرار الٰہیہ عزوجل کیسے منکشف ہوں گے۔ لہٰذا اپنے اٹکل پچو سے خواب کی تعبیر نہ بتائی جائے۔

ہم نے خواب نہیں دیکھا بلکہ مذاق کیا ہے

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے ان دونوں قیدیوں کو خواب کی تعبیر بتا دی تو انہوں نے کہا کہ ہم نے تو کچھ بھی نہیں دیکھا ہم نے مذاق کیا ہے۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب ان دونوں نے آپ علیہ السلام کی یہ تعبیر سنی۔

تو کہنے لگے کہ

ہم نے تو کچھ بھی نہیں دیکھا تھا بلکہ ہم نے مذاق کیا ہے۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:286 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دنیا میں سب سے پہلے سولی کی موت کس کو دی گئی؟

دنیا میں سب سے پہلے سولی باورچی یعنی نانبائی کو دی گئی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

سولی کی موت دنیا میں سب سے پہلے اسی باورچی کو دی گئی (جو بادشاہ کا نانبائی تھا)

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:493 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کی خواب کی تعبیر سچی ہوئی

اگرچہ بعض روایات کی رو سے کہ ان دونوں قیدیوں نے جھوٹا خواب بیان کیا تھا مگر حضرت یوسف علیہ السلام صادق نبی کی مقدس زبان سے جو نکلا وہی ہو کر رہا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

اور میرے قید کے دونوں ساتھیو! لیکن تم میں سے جس نے تین شاخوں سے انگور نچوڑتے خود کو دیکھا تھا وہ تین دن بعد جرم سے بری نوکری پر بحال اور پہلے سے زیادہ عزت دیکھے گا اور لیکن دوسرا جس نے تین ٹوکرے روٹیوں کے اپنے سر پر دیکھے تھے وہ تین دن بعد سولی دیا جائے گا تو پرندے اس کے سر سے گوشت کھائیں گے۔ یہ تعبیر سن کر پہلا تو خاموش رہا لیکن دوسرا گھبرا کر بولا۔

ہم نے یہ خوابیں بناوٹ کی تھیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

اب کچھ نہیں ہوسکتا جو میرے منہ سے تعبیر نکل گئی اسی کا تقدیر ازلی سے فیصلہ کر دیا گیا اگر چہ بناوٹی تھیں لیکن تم نے تو اپنے منہ سے ان خوابوں کو بیان کر کے ہی فتویٰ مانگا تھا جب تم نے بیان کیا وہ اسی وقت خواب بن گئی اور میری تعبیر سے نتیجہ ہو کر رہے گا۔ تین دن بعد وہی ہوا کہ ایک کو سولی دی گئی اور دوسرے کو بادشاہ نے بری کر کے شراب پلانے پر اسی طرح ملازم رکھ لیا۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:493 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کا قید سے رہا پانے والے قیدی کو بادشاہ کے سامنے اپنا ذکر کرنے کا حکم

حضرت یوسف علیہ السلام نے قید سے رہائی پانے والے شخص کو فرمایا کہ میرا اس بات کا ذکر بادشاہ کے سامنے کرنا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَ لِلَّذِىْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِىْ عِنْدَ رَبِّكَ (یوسف:42)

اور جس کے متعلق یوسف کا گمان تھا کہ وہ ان دونوں میں سے نجات پانے والا ہے۔

اس سے انہوں نے کہا تم اپنے آقا کے سامنے میرا ذکر کرنا۔

میرا ذکر کرنے کا معنیٰ

حضرت یوسف علیہ السلام نے ساقی جو قید سے رہائی پانے والا تھا اس کو اپنے آقا کے سامنے ذکر کرنے کا فرمایا کا معنیٰ یہ ہے کہ تم بادشاہ کو یہ بتانا کہ میں اپنے بھائیوں کی طرف سے پہلے ہی مظلوم تھا انہوں نے مجھے گھر سے نکال کر فروخت کر دیا پھر مجھ پر اس واقعہ کی وجہ سے ظلم ہوا اور مجھ پر تہمت لگا کر مجھے قید کر دیا گیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے کس کے سامنے ذکر کرنے کا فرمایا

حضرت یوسف علیہ السلام نے ساقی کے بادشاہ کے سامنے ذکر کرنے کا فرمایا تھا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن سابط سے روایت ہے کہ

اس آیت میں رَبِّكَ سے مراد بادشاہ ہے۔

جامع البیان: ج:12، ص:264 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

شیطان نے ذکر کرنا بھلا دیا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے ساقی کو بادشاہ کے سامنے اپنا ذکر کرنے کا فرمایا تو شیطان نے اس کو بھلا دیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ (یوسف:42)

پس شیطان نے ان کو اپنے رب سے ذکر کرنا بھلا دیا۔

شیطان نے کس کو بھلایا؟

شیطان نے ساقی کو بادشاہ کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر کرنا بھلایا تھا یا حضرت یوسف علیہ السلام کو

تھا۔اس بارے میں دو اقوال ہیں۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

بادشاہ کے سامنے ذکر کرنا شیطان نے ساقی کو بھلا دیا۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 14782)

لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ اس تفسیر کی موافقت نہیں کرتے۔اس صورت میں آیت یوں ہونی چاہئے تھی۔

فَاَنسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ

پس ساقی کو شیطان نے اس کے آقا سے یوسف کا ذکر کرنا بھلا دیا۔

جبکہ آیت کے الفاظ اس طرح ہیں۔

فَاَنسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ

پس یوسف کو شیطان نے اپنے رب سے ذکر کرنا بھلا دیا۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ

شیطان کے لئے وسوسہ ڈالنا تو ممکن ہے لیکن نسیان طاری کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ نسیان کا معنیٰ ہے دل سے علم کو زائل کر دینا اور اس پر شیطان کو قدرت نہیں ہے ورنہ وہ تمام بنو آدم کے دلوں سے اللہ تعالیٰ کی معرفت کو زائل کر دیتا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ

شیطان انسان کے دل میں مختلف چیزوں کے وسوسے ڈالتا ہے اور کسی چیز کے وسوسے ڈال کر کسی اور چیز سے اس کا دھیان ہٹا دیتا ہے۔شیطان نے کئی چیزوں کی طرف حضرت یوسف علیہ السلام کو متوجہ کیا حتیٰ کہ ان میں الجھ کر حضرت یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے عرض اور التجا کرنا بھول گئے۔

اور انہوں نے ساقی سے فرمایا:

تم بادشاہ کے سامنے میرا ذکر کرنا کہ مجھے ظلماً قید کیا گیا ہے تاکہ میری رہائی کا سبب ہو جائے۔

نسیان کے معانی

جو چیز انسان کی قوت حافظہ میں ہو اور اس کی طرف سے توجہ ہٹ جائے تو اس کو سہو اور ذہول کہتے ہیں اور جب وہ چیز حافظہ سے نکل جائے تو اس کو نسیان کہتے ہیں اور نسیان کے لغوی معنیٰ ہیں۔

کسی چیز کا یاد نہ رہنا اور اس کو بھول جانا۔

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی متوفی 1069ھ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سہو ہوتا تھا نسیان نہیں ہوتا تھا۔

(الشفاء: ج:2،ص:123 مطبوعہ بیروت)

اس کی وجہ یہ ہے کہ سہو اور نسیان میں فرق ہے۔

حافظ العلائی نے کہا ہے کہ

نسیان غفلت اور آفت ہے اور سہو کسی چیز میں دل کے مشغو ہونے سے ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سہو ہوتا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے غافل نہیں ہوتے تھے۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں تمہاری مثل بشر ہوں جس طرح تم بھولتے ہو اسی طرح میں بھولتا ہوں۔

اور آئمہ لغت نے ان دونوں کو مساوی قرار دیا ہے کیونکہ دونوں کی تفسیر یہ کی ہے۔

غفلت، دل سے کسی چیز کا نکل جانا۔

علامہ راغب نے کہا ہے کہ

غفلت سے کسی چیز میں خطا کرنا سہو ہے۔

اور اس کی دو قسمیں ہیں۔

ایک قسم وہ ہے جس میں انسان کی تقصیر نہیں ہوتی۔ یہ وہ ہے جس کا سبب اس سے صادر نہ ہو۔

دوسری قسم وہ ہے جس میں اس نے سبب صادر کیا ہو۔

مثال کے طور پر

اس نے کوئی نشہ آور چیز قصداً استعمال کی جس کی وجہ سے غافل ہوا۔

غفلت کی یہ قسم مذموم ہے، تہذیب، صحاح اور محکم میں اسی طرح مذکور ہے۔

اور النہایہ میں مذکور ہے۔

بغیر علم کے کسی چیز کو ترک کر دینا سہو ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سہو علم کے باوجود کسی چیز کو ترک کرنا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نماز میں سہو ہوا اسی قسم کا ہے۔

اور میں یہ کہتا ہوں کہ

سہو اور نسیان میں بلاشبہ فرق ہے جو چیز قوت حافظہ میں ہو اس سے معمولی غفلت سہو ہے حتی کہ ادنیٰ تنبیہ سے انسان اس چیز پر متنبہ ہو جائے۔

اور نسیان یہ ہے کہ

وہ قوت حافظہ سے بالکل زائل ہو جائے۔

(نسیم الریاض: ج:3،ص:161 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

نسیان کا ایک معنیٰ ہے۔

کسی چیز کا یاد نہ آنا اور اس کو بھول جانا۔

اس معنیٰ میں نسیان پر اللہ تعالیٰ نے مواخذہ نہیں فرمایا۔

اور نسیان کا دوسرا معنیٰ ہے۔

کسی چیز کو بالکل ترک کر دینا اور اس کام کو کبھی نہ کرنا۔

اس معنیٰ میں نسیان پر اللہ تعالیٰ مواخذہ فرماتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سہو اور نسیان ہونے یا نہ ہونے کے متعلق اقوال

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسیان یا سہو ہونے یا نہ ہونے کے متعلق اقوال علماء ہیں۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

آئمہ کرام نے کہا ہے کہ

جب انبیاء کرام علیہم السلام پر نسیان طاری ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو اس نسیان پر برقرار نہیں رکھتا بلکہ ان کو اس پر متنبہ فرما دیتا ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ان کو علی الفور متنبہ فرماتا ہے یا تاخیر سے۔

قاضی ابوبکر اور کثیر علماء اولی الذکر کے قائل ہیں اور ابوالمعالی ثانی الذکر کے قائل ہیں۔ علماء کی ایک جماعت نے افعال بلاغیہ اور عبادات شرعیہ میں سہو کو منع کیا ہے اور اقوال تبلیغیہ میں سہو اتفاقاً ممنوع ہے۔

اور فرقہ باطنیہ نے یہ کہا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سہو اور نسیان جائز نہیں ہے۔ آپ قصداً اور عمداً نسیان کی صورت طاری کرتے ہیں تاکہ احکام شرعیہ مسنون ہو جائیں۔

ایک بہت بڑے امام ابوالمظفر الاسفرائنی نے بھی اپنی کتاب الاوسط میں یہی لکھا ہے لیکن یہ نظریہ صحیح نہیں ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:7،ص:15 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

اس میں کسی مسلمان کو شک نہیں ہے کہ شیطان کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں وسوسے ڈال کر سہو اور نسیان پیدا کرنا محال ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ

بلاشبہ حق یہ ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کی کسی بھی خبر میں غلطی واقع ہونا محال ہے۔خواہ سہواً یا عمداً، تندرستی میں یا بیماری میں، خوشی میں غضب میں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال، جن مجموعہ سے ہر موافق ومخالف ومومن اور منکر واقف ہے۔

ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی غلط بات نہیں فرمائی نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کسی بات یا کسی کلمہ میں وہم ہوا۔ ایسا ہوا تو یہ منقول ہوتا جیسا کہ نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سہو واقع ہونا منقول ہے۔البتہ دنیاوی معاملات میں بعض مر آپ نے اپنی رائے سے رجوع فرمایا جیسے گھوڑوں میں پیوند لگانے کا واقعہ ہے۔

(روح المعانی: جز:7، ص:183 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اور امام مالک بن انس اصبحی متوفی 241ھ روایت کرتے ہیں۔

انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک میں بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں تا کہ (کسی کام کو) سنت کروں۔

(مؤطا امام مالک: رقم الحدیث:225 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ ابن عبد البر مالکی کا قول

حافظ ابو عمر ویوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر مالکی متوفی 463ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ

امت کے لئے طریقہ معین کروں کہ وہ سہو کی صورت میں کس طرح عمل کریں اور میرے فعل کی اقتداء کریں۔

(الاستذکار: ج:4، ص:402 مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

نیز حافظ ابن عبد البر مالکی لکھتے ہیں:

امام مالک نے از ابن شہاب، از سعید بن مسیب روایت کیا ہے کہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شب خیبر سے واپس ہوئے جب رات کا آخری حصہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ قیام فرمایا۔

اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

تم صبح تک ہمارا پہرہ دینا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سو گئے۔جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی تقدیر میں تھا وہ پہرہ دیتے رہے پھر انہوں نے اپنی سواری سے ٹیک لگالی وہ اس وقت فجر کے مقا تھے پھر ان کی آنکھوں پر نیند غالب آگئی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے نہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ قافلہ کا اور کوئی فر کہ ان پر دھوپ آگئی۔پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا گئے۔

پس حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے نفس کو بھی اسی ذات نے پکڑ لیا تھا جس نے آپ کے نفس کو پکڑ لیا تھا۔

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہاں سے کوچ کرو تو انہوں نے اپنی سواریاں اٹھائیں اور وہاں سے کچھ دور چلے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو نماز کی اقامت کہنے کا حکم دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صبح کی نماز پڑھائی۔

پھر نماز ادا کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص نماز کو بھول جائے تو جب اسے یاد آئے وہ نماز پڑھے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

مجھے یاد کرنے کے لئے نماز پڑھو۔

(مؤطا امام مالک: رقم الحدیث: 25)

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کبھی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام آدمیوں کی طرح سو جاتے تھے اور ایسا بہت کم ہوتا تھا تاکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت پوری ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے ایک ایسی سنت قائم ہو جائے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باقی رہے اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے میں البتہ بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں کہ میں کسی کام کو سنت کروں۔

اور علاء بن خباب کی حدیث میں ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر اللہ تعالیٰ ہمیں بیدار کرنا چاہتا تو بیدار کرتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا تمہارے بعد والوں کے لئے یہ سنت ہو جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو طبعی، فطری اور معروف طریقہ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبیوں کا بھی۔

وہ یہ ہے کہ

جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بیان فرمایا کہ بے شک میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس معمول کو مطلقاً بیان فرمایا ہے اور کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں فرمایا۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

ہم گروہ انبیاء کرام علیہم السلام کی آنکھیں سوتی ہیں اور ہمارے دل نہیں سوتے۔

اس حدیث مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ

تمام نبیوں کا یہی معمول ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

صف میں مل کر کھڑے ہو کیونکہ میں تم کو اپنے پس پشت بھی دیکھتا ہوں سو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جبلت، فطرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت ہے باقی رہا سفر میں نماز کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سوتے ہوئے رہ جانا تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کے خلاف تھا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] نماز کا عمل ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم

امت کو یہ تعلیم دیں کہ جو شخص نماز کے وقت سوتا رہا حتیٰ کہ نماز کا وقت نکل گیا اس پر کیا کرنا واجب ہے اور وہ کس طرح کرے اور اس وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند کو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے تعلیم کا سبب بنا دیا۔

(التمہید: ج:6، ص:385 تا 396 مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ لاہور)

نیز حافظ ابن عبدالبر مالکی متوفی 463ھ لکھتے ہیں:

اس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صبح کی نماز کے وقت طلوع آفتاب تک سوتے رہنا یہ وہ امر ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت اور طبیعت سے خارج ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں اور ان کا دل نہیں سوتا اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نینداس لیے تھی کہ یہ امر سنت ہو جائے اور مسلمانوں کو یہ امر معلوم ہو جائے کہ جو نماز کے وقت سوتا رہے یا نماز پڑھنا بھول جائے حتیٰ کہ نماز کا وقت نکل جائے اس کے لئے کیا حکم ہے۔

اور یہ اس قبیل سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک میں بھول جاتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں تا کہ کوئی کام سنت ہو جائے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت اور عادت یہ تھی کہ

نیند آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو نہیں ڈھانپتی تھی اور یہ ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا اور یہ حکم عام ہے۔

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

ہم گروہ انبیاء علیہم کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتا۔

(جامع الصغیر: ج:1، رقم الحدیث:2526)

اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو قضاء نماز کا طریقہ تعلیم فرمائے تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو قبض فرمایا اور جو مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، ان کی روحوں کو بھی نیند میں قبض فرمالیا اور سورج طلوع ہونے کے بعد سب روحوں کو لوٹا دیا تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے اللہ تعالیٰ ان پر اپنی مراد بیان فرمائے۔ فقہاء اور محدثین نے اس حدیث کی یہی تاویل کی ہے اور یہ بالکل واضح ہے اور اس کی مخالفت کرنے والا بدعتی ہے۔

(التمہید: ج:5، ص:205 تا 206 مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ لاہور)

نیز حافظ ابن عبدالبر مالکی متوفی 463ھ لکھتے ہیں:

امام مالک از ابن شہاب، از عبدالرحمٰن الرج، از عبداللہ بن بحسینہ روایت کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے بغیر کھڑے ہو گئے۔ لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری نماز پڑھ لی تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھیرنے کے منتظر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اکبر کہا اور بیٹھ کر سلام سے پہلے دو سجدے کیے پھر سلام پھیر دیا۔

(مؤطا امام مالک: رقم الحدیث:218 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اس حدیث مبارکہ سے یہ معلوم ہوا کہ

مخلوق میں سے کوئی شخص بھی وہم اور نسیان سے محفوظ نہیں ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو نسیان طاری ہوتا ہے وہ ت کے نسیان کی طرح نہیں کیا تم نہیں دیکھتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک میں بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں تاکہ (کوئی کام) سنت ہو جائے۔

(التمہید: ج:10،ص:183 تا 184 مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ لاہور)

لامہ سلیمان بن خلف باجی مالکی کا قول

علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف الباجی المالکی متوفی 494ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث مبارکہ میں جو فرمایا ہے۔

یا بھلا دیا جاتا ہوں۔

یہ شک کے لئے نہیں ہے۔

اس حدیث مبارکہ کا معنیٰ یہ ہے کہ

میں خود بھولتا ہوں یا اللہ تعالیٰ مجھے بھلا دیتا ہے۔

حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھولیں تب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ ہی بھلاتا ہے اس یے یہ حدیث دو معنوں کا احتمال رکھتی ہے۔

1- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھولنا بیداری میں ہو گا یا نیند میں۔

بیداری میں بھولنے کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف فرمائی کیونکہ بیداری میں بھول سے احتراز کے بہت اقع ہیں اور نیند میں بھولنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف فرمائی کیونکہ نیند میں بھول سے احتراز کے مواقع نہیں ہیں۔

2- کبھی کسی امر اور حکم سے میری توجہ ہٹ جاتی ہے تو مجھے سہو اور ذہول ہو جاتا ہے اور کبھی مجھے وہ حکم یاد ہوتا ہے لیکن اللہ لی اپنی کسی حکمت کو پورا کرنے کے لئے میری توجہ اس طرف سے ہٹا دیتا ہے تاکہ میں تمہارے سہو اور نسیان کی صورت میں ارے لیے یہ نمونہ قائم کروں کہ ایسی صورت میں تمہیں کیا کرنا چاہئے۔

(المنتقی: ج:1،ص:182 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

ی ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی کا قول

قاضی ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی اندلسی المتوفی 543ھ لکھتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نمازوں میں سہو ہوا ہے وہ اس غفلت کی مثل ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند میں ہوتی ہے سی آفت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نسیان نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ افعال نماز سے ہٹا ہے تاکہ اس وجہ سے ... احکام شرعیہ بیان فرمائے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر احکام زبانی بیان فرما

دیتے لیکن کوئی کام کر کے دکھانا زبانی بیان کرنے سے زیادہ قوی ہے اور اس میں لوگوں کی زیادہ تسلی ہے۔

(القبس فی شرح مؤطا ابن انس: ج:1 ص:241 مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت)

علامہ محمد بن عبد الباقی الزرقانی کا قول

علامہ محمد بن عبد الباقی الزرقانی المتوفی 1122ھ لکھتے ہیں:

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں بھولتا ہوں۔

تو اس کا محمل یہ ہے کہ

بھولنے کی صفت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قائم ہے۔

اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھے بھلا دیا جاتا ہے۔

تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ

بھولنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کا تقاضا نہیں ہے اور نہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایجاد سے ہے اس کا موجد صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

(شرح الزرقانی للمؤطا: ج:1 ص:315 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

شیطان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہرگز نہیں بھلا سکتا

شیطان کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تسلط ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی بات بھلا دے ایسا ہرگز ممکن نہیں ہے کیونکہ شیطان اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کو نہیں بھلا سکتا۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ۝ (الحجر:42)

''بے شک میرے خاص بندوں پر تجھے غلبہ نہیں ہوگا البتہ جو تیری پیروی کرے گمراہوں میں سے۔''

اور شیطان نے خود بھی اعتراف کیا کہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں پر اس کا کوئی زور نہیں چل سکے گا۔

قَالَ فَبِعِزَّتِکَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ۝ (ص:82تا83)

شیطان نے کہا: پس تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو ضرور بہکاؤں گا ماسوا ان کے جو ان میں سے تیرے خاص بندے ہیں۔

ان آیات کریمہ سے ثابت ہوا کہ شیطان اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کو نہیں بھلا سکتا اور نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اور کون خاص ہے کہ جس کے متعلق خود خالق کائنات نے فرمایا:

لو لاک لما اظھرت الربوبیة

اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اگر تجھے پیدا نہ کرتا تو اپنا رب ہونا بھی ظاہر نہ فرماتا۔

اور فرمایا:

لولاک لما خلقت الجن والانس

اے محبوب اگر تجھے پیدا نہ فرماتا تو جن وانس کو بھی پیدا نہ فرماتا۔

جس سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے خاص بندے اور رسول ہیں اور پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سب سے زیادہ خاص بندے کو شیطان بھلادے۔

افعال تبلیغیہ اور اقوال تبلیغیہ میں سہو اور نسیان پر اقوال

افعال تبلیغیہ اور اقوال تبلیغیہ میں سہو اور نسیان پر اقوال علماء کرام ہیں۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا قول

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی 544ھ لکھتے ہیں:

اکثر فقہاء اور متکلمین کا یہ مذہب ہے کہ

افعال تبلیغیہ اور اعمال شرعیہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا قصد اور سہواً مخالفت کا واقع ہونا جائز ہے جیسا کہ نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سہو سے متعلق احادیث مبارکہ ہیں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 401، صحیح مسلم: رقم الحدیث: 572)

اور اقوال تبلیغیہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سہو کا واقعہ ہونا جائز نہیں ہے کیونکہ اقوال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم صدق پر معجزہ قائم ہے اور اس میں مخالفت کا واقع ہونا معجزہ کے خلاف ہے اور افعال میں سہو کا واقع ہونا معجزہ کے خلاف نہیں ہے اور نہ نبوت میں طعن اور اعتراض کا موجب ہے بلکہ یہ دل پر غفلت طاری ہونے اور فعل میں غلطی واقع ہونے کے قبیل سے ہے جو کہ بشری تقاضا ہے۔

اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں صرف بشر ہوں (یعنی خدا نہیں ہوں) اور جس طرح تم بھولتے ہو اسی طرح میں بھی بھول جاتا ہوں پس میں جب بھول جاؤں تو تم مجھے یاد دلایا کرو۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 572)

بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں سہو اور نسیان کا طاری ہونا علم کا فیضان کرنے اور شریعت کو مقرر کرنے کا سبب ہے جیسا کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا:

میں اس لیے بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں کہ میں کسی فعل کو سنت کروں۔

بلکہ یہ بھی مروی ہے کہ

میں بھولتا نہیں لیکن میں بھلا دیا جاتا ہوں۔
بلکہ سہو اور نسیان کی حالت، تبلیغ میں اضافہ ہے اور نعمت کو مکمل کرنا ہے اور نقص اور اعتراض سے بہت دور ہے کیونکہ جو
کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سہو کے قائل ہیں۔
وہ کہتے ہیں کہ
رسولوں کو سہو اور غلطی پر برقرار نہیں رکھا جاتا بلکہ ان کو فوراً تنبیہہ کر دی جاتی ہے اور وہ فی الفور صحیح حکم کو پہچان لیتے ہیں۔
اور صوفیہ کی ایک جماعت کا یہ مسلک ہے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سہو، نسیان اور غفلت کا طاری ہونا بالکل جائز نہیں ہے اور جن احادیث مبارکہ میں نماز میں
واقع ہونے کا ذکر ہے ان کی انہوں نے اپنے طور پر تشریح کی ہے۔
(الشفاء: ج:1، ص:131 تا 132 مطبوعہ دار الفکر بیروت)
حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ہم (خیبر سے واپسی کے موقع پر) ایک رات کو سفر کر رہے تھے۔
بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر ہم رات کے آخری حصہ میں یہاں قیام کر لیں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
مجھے یہ خطرہ ہے کہ تم سوتے رہو گے اور فجر کی نماز کے لئے نہیں اٹھ سکو گے۔
حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا:
میں آپ سب کو بیدار کر دوں گا پس وہ سب لیٹ گئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنی سواری سے ٹیک لگالی ان
نیند کا غلبہ ہوا اور وہ سو گئے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو سورج کی بھول طلوع ہو چکی تھی۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اے بلال (رضی اللہ عنہ) تم نے جو کہا تھا اس کا کیا ہوا؟
حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا:
آج سے پہلے مجھے کبھی اتنی گہری نیند نہیں آئی تھی۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے تمہاری روحوں کو قبض کر لیتا ہے اور جب چاہتا ہے تمہیں وہ روح لوٹا دیتا ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اے بلال (رضی اللہ عنہ)! تم لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر اذان دو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور جب
بلند ہو کر سفید ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر نماز پڑھائی۔
امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھانے کے بعد ارشاد فرمایا:
جو شخص نماز کو بھول جائے تو اس کو جب یاد آجائے تو وہ نماز پڑھ لے۔
کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔
مجھے یاد کرنے کے لئے نماز پڑھو۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث:595، صحیح مسلم: رقم الحدیث:680)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اے عائشہ (رضی اللہ عنہا)! میری آنکھیں سو جاتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث:1147)
اس حدیث مبارکہ کی بنیاد پر یہ سوال قائم ہوتا ہے کہ
جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بیدار تھا تو غزوۂ خیبر سے واپسی کے موقع پر رات کے آخری حصہ میں سونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کیوں نہیں کھلی حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ اس وقت کھلی جب فجر کی نماز قضا ہو چکی تھی اور سورج طلوع ہو چکا تھا۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث:595)
علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل یادِ الٰہی عزوجل میں بیدار تھا لیکن فجر کے وقت کو دیکھنے کا تعلق آنکھوں سے ہے اور آنکھیں نیند میں تھیں یعنی قلب جو معقولات اور انوار و تجلیات کا منبع اور مرکز ہے وہ بیدار تھا اور محسوسات اور مبصرات کے ادراک کا تعلق آنکھوں سے ہے وہ محوِ خواب تھیں۔
اور علامہ عینی اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ
غالب احوال میں دل جاگتا رہتا تھا لیکن کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر عام انسانوں کی طرح ایسی نیند وارد ہوتی تھی جس میں دل بھی محوِ خواب ہوتا تھا اور یہ واقعہ ایسے ہی احوال میں سے ہے کیونکہ اس موقع پر فرمایا تھا۔
اللہ تعالیٰ نے ہماری روحیں قبض کر لی تھیں۔
ایک اور حدیث مبارکہ میں فرمایا:
اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہمیں بیدار کر دیتا۔
(مؤطا امام مالک: رقم الحدیث:26)
تیسرا جواب یہ ہے کہ
دل جاگنے کا مطلب یہ ہے کہ
جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سوتی تھیں تو نیند قلب پر مستغرق نہیں ہوتی تھی کہ وضو ٹوٹ جائے۔
کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو جاتے تھے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خراٹے سنتے تھے۔اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سن کر بغیر وضو کے نماز پڑھانے چلے جاتے تھے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:117)

چوتھا جواب یہ ہے کہ

دل اس لیے جاگتا رہتا ہے کہ نیند میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں۔لہٰذا دل کی بیداری کا معاملہ صرف وحی ربانی سے رابطہ ہے، فجر کے طلوع اور عدم طلوع سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس موقع پر جو نماز قضا ہوئی وہ ظاہر کے اعتبار سے ادا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اتباع وحی کے بغیر نہیں ہوتا اور اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی وقت میں فجر کی نماز پڑھنے کا حکم تھا تا کہ امت کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قضا نماز پڑھنے کا اسوہ اور نمونہ قائم ہو۔

لطف کی بات یہ ہے کہ

جب ہم ادا نماز پڑھتے ہیں تو عام طور پر ہمارا دل دنیا میں مشغول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر نہیں ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس حال میں نماز بظاہر قضا تھی اس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر اور مستغرق تھا سو جن کی قضا کی یہ کیفیت ہے ان کی ادا کا کیا عالم ہوگا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

غزوۂ خندق کے دن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ غروب آفتاب کے بعد آئے اور انہوں نے کفار قریش کو برا کہنا شروع کر دیا۔

انہوں نے کہا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سورج غروب ہو گیا اور میں عصر کی نماز نہیں پڑھ سکا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے بھی عصر کی نماز نہیں پڑھی پھر ہم وادی بطحان میں کھڑے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور ہم نے بھی نماز کے لئے وضو کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غروب آفتاب کے بعد پہلے عصر کی نماز پڑھی پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز پڑھی۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:596، صحیح مسلم: رقم الحدیث:631)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی عسقلانی کا قول

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

مؤطا امام مالک میں سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دن ظہر اور عصر کی نماز قضا ہو گئی تھی۔

(مؤطا امام مالک: رقم الحدیث:443)

اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دن ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں قضا ہوگئی تھیں جو انہوں نے رات شروع ہو جانے کے بعد پڑھیں۔

(سنن نسائی: رقم الحدیث: 660)

اور سنن ترمذی اور سنن نسائی میں یہ روایت ہے کہ
ان کی چار نمازیں قضا ہوگئی تھیں۔
قاضی ابو بکر ابن العربی نے کہا ہے کہ
ان کی صرف عصر کی نماز قضا ہوئی تھی۔
جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے۔
اور بعض علماء نے ان روایات میں تطبیق دی ہے کہ
خندق کی جنگ کئی دنوں تک ہوتی رہی ہے اور نمازوں کے قضاء ہونے کے واقعات کئی دنوں کے ہیں۔ کسی دن صرف عصر کی نماز قضا ہوئی جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے۔

(صحیح بخاری: رقم الحدیث: 596، صحیح مسلم: رقم الحدیث: 631)

اور کسی دن ظہر اور عصر کی دو نمازیں قضا ہوئیں جیسا کہ مؤطا میں ہے۔

(مؤطا امام مالک: رقم الحدیث: 443)

اور کسی دن ظہر، عصر اور مغرب کی تین نمازیں قضا ہوئیں جیسا کہ سنن نسائی میں ہے۔

(سنن نسائی: رقم الحدیث: 660)

اس کو ہم عنقریب ذکر کریں گے اور کسی دن چار نمازیں قضا ہوئیں جیسا کہ درج ذیل روایت میں ہے۔

(فتح الباری: ج: 2، ص: 69 تا 70 مطبوعہ لاہور)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ خندق کے دن چار نمازیں پڑھنے سے مشغول رکھا حتیٰ کہ رات کا جتنا حصہ اللہ تعالیٰ نے چاہا گزر گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا تو انہوں نے اذان دی پھر اقامت کہی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی پھر اقامت کہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی پھر اقامت کہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب پڑھی پھر اقامت کہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء پڑھی۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 179، سنن نسائی: رقم الحدیث: 662)

علامہ بدر الدین محمود حنفی کا قول

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق [illegible] نسیاناً مؤخر فرمایا تھا یا عمداً۔

ایک قول یہ ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نمازوں کو نسیانا مؤخر فرمایا تھا۔

اور اس کی دلیل یہ حدیث مبارکہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احزاب کے دن مغرب کی نماز پڑھی۔

پھر نماز سے فارغ ہو کر ارشاد فرمایا:

کیا تم میں سے کسی کو علم ہے کہ میں نے عصر کی نماز پڑھی ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا:

نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز نہیں پڑھی۔

تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤذن کو حکم دیا اس نے اقامت کہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھی اور مغرب کی نماز دہرائی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نمازیں عمداً ترک کی تھیں۔

لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ

مشرکین نے مسلمانوں کی لڑائی میں مسلسل مشغول رکھا اور انہوں نے مسلمانوں کو نماز پڑھنے کی مہلت نہیں دی۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ

آیا اب دشمن کے ساتھ لڑائی میں مشغول ہونے کی وجہ سے نماز کو مؤخر کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اب نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کر کے پڑھنا جائز نہیں ہے بلکہ اب صلوٰۃ خوف پڑھی جائے یعنی ایک جماعت دشمن کے سامنے کھڑی رہے اور دوسری جماعت نماز پڑھے اور غزوہ خندق میں اشتغال کی وجہ سے تاخیر کا عذر تھا کیونکہ اس وقت تک صلوٰۃ خوف نازل نہیں ہوئی تھی۔

(عمدۃ القاری: ج:5، ص: 91 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر)

علامہ بدر الدین عینی نے جو کہا ہے کہ

غزوہ خندق کے وقت تک صلوٰۃ خوف نازل نہیں ہوئی تھی اس کی دلیل یہ حدیث مبارکہ ہے۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

مشرکین نے جنگ خندق کے دن ہمیں نمازوں سے مشغول رکھا۔ نماز ظہر سے غروب آفتاب تک، اس وقت نماز خوف کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ جس میں اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ط (الاحزاب:25)

اور اللہ نے مومنین کو قتال سے کفایت فرما دی۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے ظہر کی اقامت کہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ظہر کی نماز پڑھی جس طرح اپنے وقت میں ظہر پڑھتے تھے پھر انہوں نے عصر کی اقامت کہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھی جس طرح اپنے وقت میں عصر پڑھتے تھے۔ پھر انہوں نے مغرب کی اذان دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح مغرب کی نماز پڑھی جس طرح اپنے وقت میں مغرب پڑھتے تھے۔

(سنن نسائی: رقم الحدیث: 660 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق کے موقع پر چار نمازیں مؤخر کی تھیں۔

اس میں یہ حکمت بھی تھی کہ

امت کو یہ مسئلہ بتایا جائے کہ جو شخص صاحب ترتیب ہو (یعنی جس شخص کی بلوغت کے بعد پانچ یا اس سے زائد نمازیں چھوٹی ہوئی نہ ہوں) وہ اس وقت تک ادا نماز نہیں پڑھے گا جب تک کہ اپنی قضا نماز نہ پڑھ لے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں پڑھیں پھر عشاء کی نماز پڑھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نمازوں میں سہو لاحق ہوا اس کے متعلق تین احادیث مبارکہ ہیں۔

ایک حضرت ذوالیدین کی حدیث مبارکہ ہے کہ

ظہر یا عصر کی نماز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 482)

دوسری حدیث مبارکہ حضرت ابن بحینہ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز میں دو رکعت کے بعد قعدہ اولیٰ نہیں کیا اور کھڑے ہو گئے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 829)

تیسری حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث مبارکہ ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز میں پانچ رکعات پڑھا دیں۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 92)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام صورتوں میں سجدہ سہو کیا۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سہو واقع نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازیں تو ہو جاتیں لیکن جب ہماری نمازوں میں سہو ہوتا تو ہماری نمازیں کس کے دامن میں پناہ لیتیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس طرح تم بھول جاتے ہو اسی طرح میں بھی بھول جاتا ہوں۔

یہ تشبیہ نفس انسان میں ہے ورنہ نسیان کی کیفیت میں بہت فرق ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو نماز میں بھول گئے تھے اس کی تحقیق یہ ہے کہ

نماز پڑھتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم یاد الٰہی عزوجل میں اس قدر مستغرق ہوئے کہ افعال نماز سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم توجہ ہٹ گئی اور چار رکعات کے بجائے پانچ رکعات نماز پڑھا دی۔ جبکہ ہمارا بھولنا عموماً اس وجہ سے ہوتا ہے کہ ہم دنیاوی

معاملات میں مستغرق ہو جاتے ہیں اور افعال نماز کی طرف توجہ نہیں رہتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ

ہم دنیا کی محبت میں بھولتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی محبت میں بھولتے ہیں۔

ہمارا بھولنا نقص ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھولنا کمال ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یونہی تو نہیں کہا تھا۔

یا لیتنی سھو محمد ۔

کاش میں سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سہو ہی ہو جاتا۔

(مکتوبات دفتر اول حصہ:پنجم ص:161)

حافظ ابوعمرو یوسف مالکی کا قول

امام مالک فرماتے ہیں کہ

ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک میں بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں تا کہ میری سنت قائم کی جائے۔

(مؤطا امام مالک:رقم الحدیث:225)

حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر مالکی متوفی 463ھ لکھتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ

میں اپنی امت کے لئے اس چیز کو سنت قرار دوں کہ جب ان کو سہو ہو جائے تو وہ کس طرح عمل کریں تا کہ وہ میری اقتدا کریں اور میرے فعل کی اتباع کریں۔

(الاستذکار:ج:2،ص:402 مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق نسیان کے اقوال

انبیاء کرام علیہم السلام کے نسیان کے متعلق متعدد آیات و احادیث و اقوال ہیں۔

یاد رہے کہ قرآن و حدیث کے علاوہ انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف نسیان کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہے مگر پھر بھی کچھ یہاں کلام کیا ہے۔

شیخ ابوجعفر محمد حسن الطوسی المتوفی 460ھ لکھتے ہیں:

جبائی نے کہا ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام پر سہو اور نسیان جائز ہے۔

اس کے برخلاف رافضی یہ کہتے ہیں کہ

انبیاء کرام علیہم السلام پر سہو اور نسیان جائز نہیں ہے۔
جبائی کا یہ قول صحیح نہیں ہے۔
کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ
جن امور کو انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ادا کرتے ہیں ان میں سہو اور نسیان جائز نہیں ہے اور جن امور کو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ادا نہیں کرتے ان میں سہو اور نسیان جائز ہے اور ان پر سہو اور نسیان کیسے جائز نہیں ہوگا حالانکہ وہ سوتے ہیں اور بیمار ہوتے ہیں اور ان پر بے ہوشی طاری ہوتی ہے اور نیند بھی سہو ہے اور وہ اپنے بہت سے تصرفات میں بھول جاتے ہیں۔

(التبیان: ج:4،ص:165 تا 166 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قرآن مجید میں متعدد آیات ہیں۔
حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا گیا۔
فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ۝ (طٰہٰ:115)
سو وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا کوئی عزم نہیں پایا۔
اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا:
لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ (الکہف:73)
میرے بھولنے کی وجہ سے مجھ سے مواخذہ نہ کریں۔
اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا گیا۔
وَاذْكُرْ رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ (الکہف:24)
اور جب آپ بھول جائیں تو (یاد آتے ہی) اپنے رب کا ذکر کیجئے۔
اور متعدد احادیث مبارکہ اس بارے میں وارد ہوئی ہیں۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
حضرت آدم علیہ السلام بھول گئے سو ان کی اولاد بھی بھول گئی۔

(سنن ترمذی: ج:5، رقم الحدیث:3087 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ زیادتی یا کمی کی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا۔
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔

نماز میں کوئی نیا حکم آیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

کیوں؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اس طرح نماز پڑھائی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیر موڑے اور قبلہ کی طرف منہ کیا سجدے کیے پھر سلام پھیر دیا۔

پھر ہماری طرف منہ کر کے ارشاد فرمایا:

اگر نماز میں کوئی نیا حکم آتا تو میں تم کو خبر دیتا لیکن میں محض تمہاری طرح بشر ہوں میں اسی طرح بھولتا ہوں جس طرح بھولتے ہو۔پس جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلایا کرو اور جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو تو وہ صحیح امر پر غور کرے نماز پوری کرے اور پھر (سہو کے) دو سجدے کرلے۔

(صحیح البخاری:ج:١،رقم الحدیث:401)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت ایک شخص کو ایک سورت پڑھتے ہوئے سنا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے اس نے مجھے فلاں فلاں آیت یاد دلادی جس کو میں فلاں فلاں سورت سے بھلا دیا گیا تھا۔

(صحیح البخاری:ج:6،رقم الحدیث:5038)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد انصاری مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

آئمہ نے کہا ہے کہ

جب انبیاء کرام علیہم السلام پر نسیان طاری ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو اس نسیان پر برقرار نہیں رکھتا بلکہ ان کو اس پر متنبہ فرما دیتا ہے۔البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ان کو علی الفور متنبہ فرماتا ہے یا تاخیر سے۔

قاضی ابوبکر اور اکثر علماء اول الذکر کے قائل ہیں اور ابو المعالی ثانی الذکر کے قائل ہیں۔

علماء کی ایک جماعت نے افعال بلاغیہ اور عبادات شرعیہ میں سہو کو منع کیا ہے اور اقوال تبلیغیہ میں سہوا تفاقا ممنوع ہے۔

اور فرقہ باطنیہ نے یہ کہا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سہو اور نسیان جائز نہیں ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم قصداً اور عمداً نسیان کی صورت طاری کرتے ہیں تاکہ احکام شرعیہ مسنون ہو جائیں۔ایک بہت بڑے امام ابو المظفر الاسفرائنی نے بھی اپنی کتاب الاوسط میں یہی لکھا ہے لیکن یہ نظریہ صحیح نہیں ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن:جز:7،ص:15 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا نسیان

حضرت یوسف علیہ السلام کے نسیان کے متعلق بھی اقوال ہیں۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے نسیان کی شیطان کی طرف نسبت کرنا کس طرح درست ہوگا لانکہ انبیاء کرام علیہم السلام پر شیطان کا بالکل تسلط نہیں ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کا نسیان صرف اس صورت میں محال ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام بندوں تک پہنچاتے ہیں یعنی وحی الٰہی عزوجل کی تبلیغ میں۔ وہ اس میں معصوم ہوتے ہیں اور جن صورتوں میں ان سے نسیان ہونا جائز ہے ان صورتوں میں ان کے نسیان کو شیطان کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے اور یہ نسبت وہیں کی جا سکتی ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو نسیان کی خبر دی ہو اور ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم ان کی طرف نسیان کی نسبت کریں۔

قرآن مجید میں ہے: وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝ (طٰہٰ:115)

"اور بے شک ہم نے اس سے پہلے آدم سے عہد لیا تھا تو وہ بھول گئے اور ہم نے ان (کی معصیت) کا کوئی قصد نہیں پایا۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت آدم علیہ السلام بھول گئے تو ان کی اولاد بھی بھول گئی۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3076)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں محض بشر ہوں میں اسی طرح بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 401)

(الجامع الاحکام القرآن: ج:9، ص:172 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ نظام الدین الحسن بن محمد القمی النیشاپوری متوفی 728ھ لکھتے ہیں:

شیطان کی طرف بھلا دینے کی نسبت مجاز ہے کیونکہ بھلانے کا معنیٰ ہے دل سے علم کو زائل کر دینا اور شیطان کو اس پر بالکل قدرت نہیں ہے ورنہ وہ بنو آدم کے دلوں سے اللہ تعالیٰ کی معرفت کو زائل کر دیتا۔ اس نے صرف دل میں وسوسے ڈالے اور دل میں ایسے خیالات ڈالے اور ایسے کاموں کی طرف دل کو متوجہ کیا جو نسیان کا سبب بن گئے۔

(غرائب القرآن ورغائب الفرقان: ج:4، ص:90 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی متوفی 1069ھ لکھتے ہیں:

شیطان کا بھلانا اس کے اغوا اور گمراہ کرنے کے قبیل سے نہیں تھا بلکہ بلند مرتبہ خواص کے ترک اولیٰ کے قبیل سے تھا۔

(عنایت القاضی: ج:5، ص:309 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

یہ پہلے ذکر کر دیا گیا ہے کہ اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا۔
پس شیطان نے ان کو اپنے رب سے ذکر کرنا بھلا دیا۔
اس آیت کے دو محمل ہیں۔
ایک یہ کہ
ساقی کو بادشاہ کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر بھلا دیا۔
دوسرا یہ کہ
شیطان نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا بھلا دیا اور یہ اسناد مجازی ہے بھلانے والا تو اللہ تعالیٰ ہے لیکن شیطان اس کا سبب بنا اس نے آپ علیہ السلام کا ذہن اپنی پریشانیوں اور دوسرے عوارض کی طرف متوجہ کر دیا اور آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اور التجا کرنا بھول گئے۔
اور آپ علیہ السلام نے ساقی سے کہا۔
تم بادشاہ کے سامنے میری مظلومیت کا ذکر کرنا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی مظلومیت میں دوسرے کو حاجت روا بنایا

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:
اچھا یہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنی مظلومیت میں مخلوق میں سے کسی شخص کی طرف رجوع نہ کرتے اور اللہ تعالیٰ کے سوال کسی کے سامنے اپنی حاجت پیش نہ کرتے اور اپنے جد کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اقتداء کرتے کیونکہ جب آپ علیہ السلام کو منجنیق میں رکھ کر آگ میں ڈالنے لگے تو آپ علیہ السلام کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے۔
اور کہا:
کیا آپ علیہ السلام کو کوئی حاجت ہے؟
آپ علیہ السلام نے کہا:
تمہاری طرف کوئی حاجت نہیں ہے۔
اور چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی حاجت اس ساقی کے سامنے پیش کی۔
اور اس سے کہا کہ
تم بادشاہ سے میرا ذکر کرنا۔
اور مخلوق سے مدد مانگنا ہر چند کہ ناجائز نہیں ہے لیکن یہ چیز حضرت یوسف علیہ السلام کی پیغمبرانہ شان کے خلاف تھی حضرت یوسف علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جس توحید کے وارث تھے اس کے مناسب نہ تھی اس لیے ان پر عتاب کیا اور وہ مزید دو سال قید میں رکھے گئے۔
امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

میری عمر اب ستاون سال کی ہوگئی اور میری پوری زندگی کا یہ تجربہ ہے انسان جب بھی اپنے کسی معاملہ کو غیر اللہ کے سپرد کرتا ہے اور اپنے کسی کام میں غیر اللہ پر اعتماد کرتا ہے تو وہ کسی آزمائش اور امتحان میں مبتلا ہو جاتا ہے اور کسی مصیبت اور بلا میں گرفتار ہو جاتا ہے اور انسان جب اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرتا ہے اور مخلوق میں سے کسی کی طرف رجوع نہیں کرتا تو اس کا مطلوب اور مقصود نہایت عمدہ طریقہ سے پورا ہو جاتا ہے اور اب میرے دل میں یہ بات جاگزیں ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان کے سوا کسی اور پر اعتماد کرنا اور اپنی حاجات اور مہمات میں اللہ تعالیٰ کے غیر کی طرف رجوع کرنا کوئی اچھا کام نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر: ج:6، ص:461 تا 462 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

کیا دوسرے کو حاجت روا بنانا جائز ہے

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ دوسرے کو حاجت روا کس طرح بنایا جا سکتا ہے جب کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

جب تم سوال کرو تو اللہ تعالیٰ سے سوال کرو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2516)

لہٰذا ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کو حاجت روا بنانا جائز نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کو حاجت روا بنانا بھی جائز ہے جبکہ عقیدہ یہ ہو کہ حقیقی حاجت روا اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

حاجت روائی پر قرآن مجید کی صریح آیات کریمہ ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ (المائدہ:2)

نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ (پارہ:26، سورہ محمد، آیت:7)

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ (پارہ:3، آیت:81)

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝ (پارہ:10، آیت:64)

اے نبی آپ کو اللہ اور آپ کے مطیع مسلمان کافی ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ (پارہ:2، آیت:153)

نماز اور صبر سے مدد طلب کرو۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (پارہ:10،آیت:62)

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِیْرٌ ۝ (پارہ:28،آیت:4)

رسول کے مددگار اللہ اور جبریل اور متقی مسلمان ہیں بعد میں فرشتے ان کے مددگار ہیں۔

ان آیات میں غیر اللہ سے حاجت روائی مانگی گئی ہے کیا پھر یہ ناجائز ہے سب کچھ یا جائز؟ اگر ناجائز کہتے ہو تو پھر سب سے پہلے یہ حاجت روائی کا ناجائز ہونے کا سلسلہ نعوذ باللہ قرآن مجید سے شروع ہوتا ہے پھر نہ تو ہمارا دین بچتا ہے اور نہ ہی ایمان بچتا ہے۔لہٰذا اس مقدس کلام پر اور اس مقدس ذات پر ایمان ہے کہ جس نے اس کلام کو صادق مخبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا اور حق و سچ نازل فرمایا ہے اور اس میں غیر اللہ سے حاجت روائی کو جائز فرمایا۔حاجت روائی کے سلسلے میں کئی احادیث مبارکہ ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا:

کچھ مانگ لو۔

میں نے عرض کیا:

میں جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت مانگتا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کچھ اور مانگتا ہے۔

میں نے عرض کیا:

صرف یہ ہی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اپنے نفس پر زیادہ نوافل سے میری مدد کرو۔

(صحیح مسلم:رقم الحدیث:489)

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ صحابی حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت میں رفاقت مانگی اور آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ تم نے شرک کرلیا ہے لہٰذا تم کافر ہو گئے ہو بلکہ یہ ارشاد فرمایا اس کے علاوہ بھی کچھ مانگو تجھے دیتا ہوں۔قربان جایئے اس معظم و معطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اپنے بے چین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حاجت روائی فرماتے تھے اور آج بھی فرماتے ہیں۔اور بڑی پیاری بات یہ ہے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم بھی میری نوافل سے مدد کرو۔نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم ہو کر اپنے صحابی سے حاجت روائی مانگی،کیا پھر یہ شرک ہوگا اور ناجائز ہوگا۔ ۔۔۔ عقل کو لگام ۔۔۔ گئیں اور قرآن و احادیث پس پشت نہ ڈالیں

ت کو حق اور سچ بتائیں۔

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات میرے ہاں قیام فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کے لئے اٹھے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کے دوران ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔

میں حاضر ہوں مدد کو پہنچا تمہاری مدد کر دی گئی ہے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت وضو میں تین بار لبیک لبیک نصرت نصرت فرماتے ہوئے سنا گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی انسان سے گفتگو فرما رہے تھے کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہاں بنی کعب کا راجز مجھے مدد کے لئے پکار رہا تھا۔

(دلائل النبوۃ للاصبہانی: ص: 74، رقم الحدیث: 59 مطبوعہ دار طیبہ الریاض)

امام عبدالملک بن ہشام متوفی 213ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے عمر تمہاری مدد کی گئی۔

(السیرۃ النبوۃ المعروف، سیرت ابن ہشام: ج: 5، ص: 49 مطبوعہ دار الجیل بیروت)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے عمرو بن سالم! تمہاری مدد ہو چکی ہے۔

(تاریخ الامم والملوک: ج: 2، ص: 154 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام محمد بن سعد متوفی 230ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمرو بن سالم خزاعی رضی اللہ عنہ چالیس خزاعی سواروں کے ساتھ روانہ ہوئے یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مصیبت کی خبر دی جو انہیں پیش آئی اور مدد کی درخواست کی۔

(طبقات الکبریٰ ابن سعد: ج: 2، ص: 134 مطبوعہ دار صادر بیروت)

امام ابی الربیع سلیمان بن موسیٰ الکلاعی الاندلسی متوفی 634ھ لکھتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے عمرو بن سالم! (رضی اللہ عنہ) تمہاری مدد ہو چکی ہے۔

(الاکتفاء: ج: 2، ص: 216 مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

محمد بن ابی بکر الدمشقی الشہیر با بن قیم الجوزیہ متوفی 751ھ لکھتے ہیں:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اے عمرو بن سالم (رضی اللہ عنہ) تمہاری مدد ہو چکی ہے۔
(زاد المعاد فی ہدی خیر العباد: ج:3، ص:396 مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)
حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اے عمرو بن سالم (رضی اللہ عنہ) تمہاری مدد ہو چکی ہے۔
(السیرۃ النبویہ: ج:3، ص:496 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)
امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اے عمرو بن سالم (رضی اللہ عنہ) تمہاری مدد ہو چکی ہے۔
(خصائص الکبریٰ: ج:1، ص:435 مطبوعہ دار الکتاب العلمیہ بیروت)
ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم راجز کو ملاحظہ بھی فرمارہے تھے اور ان کی آواز بھی سن رہے تھے اور نصرت فرما کر ان کی حاجت روائی بھی فرمارہے تھے۔ جس سے ثابت ہوا کہ غیر اللہ سے حاجت روائی جائز ہے
حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی 360ھ روایت فرماتے ہیں۔
حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب تم کوئی چیز گم کرلو یا مدد کا ارادہ کرلو اور اگر تم ایسی جگہ پر ہو کہ وہاں پر تمہارا کوئی انیس نہیں ہے تو اس طرح کہنا چاہیے
اے اللہ تعالیٰ کے بندو! میری فریاد رسی کرو۔
اے اللہ تعالیٰ کے بندو! میری فریاد رسی کرو۔
(طبرانی کبیر: ج:17، ص:117، رقم الحدیث:290 مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)
حصن حصین میں ہے۔
جب مدد لینا چاہے تو کہے۔
اے اللہ تعالیٰ کے بندو میری مدد کرو۔
اے اللہ تعالیٰ کے بندو میری مدد کرو۔
اے اللہ تعالیٰ کے بندو میری مدد کرو۔
(الحصن الحصین للجزری، ص:22 مطبوعہ مصر)
اس کی شرح الحرز الثمین میں ہے۔

یعنی جب جنگل میں کسی کا جانور بھاگ جائے تو آواز دو کہ

اے اللہ تعالیٰ کے بندو اسے روک دو۔

(الحرز الثمین شرح حصن حصین: ص:202 مطبوعہ میریہ سعودی عرب مکہ مکرمہ)

عباد اللہ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

یعنی بندوں سے یا تو فرشتے یا مسلمان یا جن یا رجال الغیب یعنی ابدال مراد ہیں۔

(الحرز الثمین شرح حصن حصین: ص:202 مطبوعہ میریہ سعودی عرب مکہ مکرمہ)

پھر فرماتے ہیں۔

یہ حدیث حسن ہے مسافروں کو اس حدیث مبارکہ کی سخت ضرورت ہے اور یہ عمل مجرب ہے۔

(الحرز الثمین شرح حصن حصین: ص:202 مطبوعہ میریہ سعودی عرب مکہ مکرمہ)

ردالمحتار میں ہے۔

جس کسی کی کوئی چیز گم ہو جاوے اور وہ چاہے کہ خدا وہ چیز واپس ملا دے تو کسی اونچی جگہ پر قبلہ منہ کر کے کھڑا ہو اور سورہ فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ کرے پھر سید احمد ابن علوان اگر آپ نے میری چیز نہ دی تو میں آپ کو دفتر اولیاء سے نکال لوں گا۔ پس خدا تعالیٰ اس کی گمی ہوئی چیز ان کی برکت سے ملا دے گا۔

(ردالمحتار: باب اللقطہ: ج:3: ص:324 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس دعا میں سید احمد بن علوان کو پکارا اور ان سے حاجت روائی بھی مانگی اور گم ہوئی چیز بھی طلب کی اور یہ دعا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بتائی ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اے موجودات سے اکرم اور نعمت الٰہی کے خزانے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے مجھے بھی دیجئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو راضی کیا ہے مجھے بھی آپ راضی فرمائیے۔ میں آپ کی سخاوت کا امیدوار ہوں آپ کے سوا ابو حنیفہ کا خلقت میں کوئی نہیں۔

اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صریح مدد لی گئی ہے۔

قصیدہ بردہ میں ہے۔

یا اکرم الخلق مالی من الوذبہ — سواك عند حلول الحادث العمم

اے تمام مخلوق سے بہتر میرا آپ کے سوا کوئی نہیں — جس کی میں پناہ لوں مصیبت کے وقت

(شرح خرپوتی علی البردۃ: ص:218 مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

اگر ہم ان علماء و فقہاء کا کلام جمع کریں جس میں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد مانگی ہے تو اس کے لئے دفتر درکار ہیں صرف اتنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ نیز ہم سفر برائے زیارت قبور میں شامی کی عبارت نقل کریں گے۔

جس میں امام شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

جب مجھے کوئی حاجت پیش ہوتی ہے تو امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر آتا ہوں ان کی برکت سے کام ہو جاتا

ہے۔

(اخبار ابی حنیفہ واصحابہ: ص:89 مطبوعہ مکتبہ عزیزیہ)

امام خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حضرت علی بن میمون نے فرمایا کہ

میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ

بے شک میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ برکت حاصل کرتا ہوں اور ہر روز ان کی قبر کی زیارت کے لئے آتا ہوں جب مجھے کوئی حاجت پیش آئے تو میں دو رکعت نماز پڑھتا ہوں اور امام حنیفہ رضی اللہ عنہ کی قبر پر حاضری دیتا ہوں اور قبر کے پاس اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہوں تو وہ میری حاجت بہت جلد پوری ہو جاتی ہے۔

تاریخ بغداد: ج:1،ص:123 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نزہۃ الخاطر الفاتر فی ترجمہ سیدی الشریف عبد القادر مصنفہ ملا علی قاری ص 61 میں حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل فرمایا۔

یعنی جو کوئی رنج وغم میں مجھ سے مدد مانگے اس کا رنج وغم دور ہوگا اور جو سختی کے وقت میرا نام لے کر مجھے پکارے تو وہ شدت دفع ہوگی اور جو کسی حاجت میں رب کی طرف مجھے وسیلہ بنائے تو اس کی حاجت پوری ہوگی۔

(بہجۃ الاسرار: ص:102 مطبوعہ مکتبہ مصطفیٰ البابی مصر)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک سال قحط پڑ گیا تو حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر حاضر ہوئے۔

اور عرض کیا۔

اپنی امت کے لئے بارش کی دعا فرمایئے۔

حافظ ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

مالک الدار، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وزیر خوراک تھے۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں (ایک بار) لوگوں پر قحط آ گیا۔

ایک شخص (حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر گیا اور عرض کیا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی امت کے لئے بارش کی دعا کیجئے کیونکہ وہ (قحط سے) ہلاک ہو رہے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے خواب میں تشریف لائے۔

اور ارشاد فرمایا:

عمر (رضی اللہ عنہ) کے پاس جاؤ۔ ان کو سلام کہو اور یہ خبر دو کہ تم پر یقیناً بارش ہوگی۔

اور ان سے کہو کہ

تم پرسوجھ بوجھ لازم ہے۔ پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کو یہ خبر دی۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور کہا:
اے اللہ عزوجل! میں صرف اسی چیز کو ترک کرتا ہوں جس سے میں عاجز ہوں۔
(مصنف ابن ابی شیبہ: ج:12،ص:32)
حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں کہ
اس حدیث کی سند صحیح ہے۔
(فتح الباری: ج:2،ص:496 طبع لاہور)
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر حاجت روائی کی درخواست کی۔
حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ایک شخص اپنے کسی کام سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے اور نہ اس کے کام کی طرف دھیان دیتے تھے۔ ایک دن اس شخص کی حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے اس بات کی شکایت کی۔
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا:
تم وضو خانہ جا کر وضو کرو، پھر مسجد میں جاؤ اور وہاں دو رکعت نماز پڑھو۔
پھر یہ کہو کہ
اے اللہ عزوجل! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور ہمارے نبی، نبی رحمت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔
اے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب عزوجل کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ میری حاجت روائی کرے اور اپنی حاجت کا ذکر کرنا پھر میرے پاس آنا حتیٰ کہ میں تمہارے ساتھ ہو جاؤں وہ شخص گیا اور اس نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کیا۔ پھر وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ دربان نے ان کے لئے دروازہ کھولا اور ان کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا۔
اور پوچھا:
تمہارا کیا کام ہے۔
اس نے اپنا کام ذکر کیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کا کام کر دیا۔
اور فرمایا:
تم نے اس سے پہلے اب تک اپنے کام کا ذکر کیوں نہیں کیا

اور ارشاد فرمایا:

جب بھی تمہیں کوئی کام ہو تو ہمارے پاس آجانا پھر وہ شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے چلا گیا اور جب اس کی حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔

تو اس نے کہا:

اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میری طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے اور میرے معاملہ میں غور نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ آپ نے ان سے میری سفارش کی۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے کہا:

بخدا (عزوجل)! میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کوئی بات نہیں کی لیکن ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک نابینا شخص آیا اور اس نے اپنی نابینائی کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا تم اس پر صبر کرو گے۔

اس نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے راستہ دکھانے والا کوئی نہیں ہے اور مجھے بڑی مشکل ہوتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا:

تم وضو خانہ جاؤ اور وضو کرو پھر دو رکعت نماز پڑھو پھر ان کلمات سے دعا کرو۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ

ابھی ہم الگ نہیں ہوئے تھے اور نہ ابھی زیادہ باتیں ہوئی تھیں کہ وہ نابینا شخص آیا درآنحالیکہ اس میں بالکل نابینائی نہیں تھی۔

(معجم الصغیر: ج:1،ص:184، معجم الکبیر، رقم الحدیث:8311)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

مفسرین کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ

ان میں الشیخ ابو منصور الصباغ بھی ہیں انہوں نے اپنی کتاب الشامل میں عتبی کی یہ مشہور حکایت لکھی ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر بیٹھا ہوا تھا کہ

ایک اعرابی نے آکر کہا۔

السلام علیک یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

میں نے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد سنا ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ

اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گیا ہوں اور اپنے گناہ پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اور اپنے رب عزوجل کی بارگاہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت طلب کرنے والا ہوں۔

پھر اس نے دو شعر پڑھے۔

اے وہ زمین کے مدفونین میں سب سے بہتر ہیں۔

جن کی خوشبو سے زمین اور ٹیلے خوشبودار ہو گئے۔

میری جان اس قبر پر فدا ہو جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساکن ہیں۔

اسی میں عفو ہے اس میں سخاوت ہے اور لطف وکرم ہے۔

پھر وہ اعرابی چلا گیا۔

عتبی بیان کرتے ہیں کہ

مجھ پر نیند غالب ہو گئی۔ میں نے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے عتبی! (رضی اللہ عنہ) اس اعرابی کے پاس جا کر اس کو خوشخبری دو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کر دی ہے۔

(تفسیر بن کثیر: ج: 1، ص: 589 مطبوعہ بیروت)

آخر میں گستاخوں کے وڈیرے کے اقوال نقل کرتا ہوں جس میں انہوں نے حاجت روائی کو جائز کہا ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:

وصال پانے والے اولیاء اور دیگر صلحاء مومنین سے استفادہ اور استعانت جاری وساری ہے اور ان اولیاء وصلحاء سے افادہ اور امداد بھی متصور ہے، بخلاف ان مردوں کے جن کو جلا دیا جاتا ہے کیونکہ ان سے یہ امور ان کے مذہب میں بھی جائز نہیں ہیں۔

(تفسیر عزیزی: پ: 30، ص: 50 مطبوعہ افغانستان)

مزید لکھتے ہیں:

وہ خاص اولیاء اللہ جنہوں نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے اپنے آپ کو وقف کیا ہوا ہے وفات کے بعد بھی دنیا میں تصرف کرنے کی طاقت پاتے ہیں۔ اور ان کا امور اخروی میں مستغرق ہونا بسبب وسعت ادراک کے دنیا کی طرف توجہ کرنے سے مانع نہیں ہوتا۔ اویسی سلسلہ کے حضرات اپنے باطنی کمالات ان کی طرف منسوب کرتے ہیں اور حاجت مندان سے حاجت طلب کرتے ہیں اور مراد پاتے ہیں اور ان کی زبان حال اس وقت یوں گویا ہوتی ہے کہ اگر تم بدن سے میری طرف بڑھو گے تو میں روح سے تمہاری طرف پیش قدمی کروں گا۔

(تفسیر عزیزی: پ: 30، ص: 113 مطبوعہ افغانستان)

گستاخوں کے اس وڈیرے کے اقوال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر اللہ سے حاجت روائی جائز ہے اور جو اس کو ناجائز کہتے ہیں وہ ہٹ دھرم یا دین سے دور ہیں۔ میں نے مناسب سمجھا کہ غیر اللہ سے حاجت روائی پر کچھ عرض کروں تو وہ میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے عرض کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اور اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور حقیقی معنوں میں اطاعت کی توفیق عطا فرمائے
آمین بجاہ النبی الامین وصلی اللہ علیہ وسلم

حضرت یوسف علیہ السلام نے غیر اللہ سے مدد مانگی

حضرت یوسف علیہ السلام نے غیر اللہ سے مدد مانگی تھی۔

قرآن مجید میں ہے:

اذْكُرْنِي عِندَ رَبِّكَ (یوسف:42)

اس سے انہوں نے کہا تم اپنے آقا کے سامنے میرا ذکر کرنا۔

حضرت یوسف علیہ السلام پر عتاب کیوں کیا گیا؟

جب غیر اللہ سے مدد مانگنا جائز ہے تو پھر حضرت یوسف علیہ السلام پر کیوں عتاب کیا گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام سے دین کا کام لینا ہے اور واحدانیت کی دعوت دینی ہے اگر انبیاء کرام علیہم السلام مخلوق سے مدد لیں تو ان کے عقائد اور زیادہ خراب ہو جائیں گے اور وہ کہنے لگ جائیں گے کہ جب ان کا خدا بھی حاجت روا نہیں ہوسکتا تو ان کا دین کس طرح درست ہوسکتا ہے۔ پھر وہ دین میں داخل ہی نہیں ہوں گے اور کفار ہی رہیں گے ایمان نہیں لائیں گے۔

اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ

یہ فعل انبیاء کرام علیہم السلام کی شایان شان کے منافی ہے۔

علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ کا اعتراض اور جواب

علامہ محمود بن عمر زمخشری خوارزمی متوفی 538ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے غیر اللہ سے جو مدد لی تھی اس پر کیوں عتاب کیا گیا جبکہ قرآن اور احادیث کی روشنی میں اللہ سے مدد لینا جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (المائدہ:2)

نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس قول کی حکایت کی ہے۔

مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَى اللّٰهِ (آل عمران:52)

اللہ کی طرف میرے کون مددگار ہیں۔

اور اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث مبارکہ ہیں۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو شخص کسی مسلمان کی دنیاوی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کا پردہ رکھے اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کا پردہ رکھے گا اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک اپنے بندہ کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2699) (سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 4946)
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اس پر نہ ظلم کرے نہ اس کو ہلاکت میں ڈالے اور جو شخص اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد میں رہتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی سختی کو دور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کی سختیوں میں سے کوئی سختی دور کر دیتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کا پردہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا پردہ رکھے گا۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 2442) (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2580)
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ
مدینہ منورہ آنے کے ابتدائی ایام میں ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار ہوئے۔
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
کاش میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی نیک شخص آج رات میری حفاظت کرتا! پھر ہم نے ہتھیاروں کی آواز سنی۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ کون ہے؟
انہوں نے کہا:
میں سعد بن ابی وقاص ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے آیا ہوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 2885، صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2410)
پھر علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ
مخلوق میں سے کسی کام میں مدد حاصل کرنا ایسا ہی ہے جیسے مرض کے ازالہ کے لئے دواؤں کو تناول کرنا اور طاقت حاصل کرنے کے لئے کھانا پینا خواہ کافر سے مدد لی جائے کیونکہ وہ بادشاہ کافر تھا کیونکہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ ظلم سے بچنے کے لئے یا دریا میں ڈوبنے اور آگ میں جلنے سے بچنے کے لئے اور اسی طرح کی دوسری مصیبتوں میں کفار سے مدد لینا جائز ہے۔
اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ

مخلوق سے مدد لینا جائز ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اگر اس بادشاہ سے مدد طلب کی تھی تو ان پر عتاب کیوں گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے جس طرح انبیاء کرام کو تمام مخلوق سے بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے اسی طرح ان کے تمام احوال اور افعال کو عام لوگوں کے احوال اور افعال سے بلند رکھا ہے۔

اور نبی کے لئے احسن اور اولیٰ یہ ہے کہ

جب وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو تو وہ اپنے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے سپرد نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے مدد طلب نہ کرے خصوصاً کسی کافر سے مدد طلب نہ کرے تا کہ کفار اس سے خوش نہ ہوں۔

اور یہ نہ کہیں کہ

اگر یہ نبی حق پر ہوتا اور واقعی اس کا رب واحد ہوتا تو یہ اسی سے مدد طلب کرتا اور ہم سے مدد طلب نہ کرتا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جب وہ اس آیت کو پڑھتے تو بہت روتے اور یہ دعا کرتے کہ

اے اللہ عزوجل اگر ہم کسی مصیبت میں مبتلا ہوں تو ہم کو مخلوق کے سپرد نہ کرنا۔

(الکشاف:ج:2،ص:445 تا 446 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کی گرفت پر اشکال

علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام کے مخلوق سے مدد طلب کرنے پر جو گرفت کی گئی اس پر یہ اشکال نہ کیا جائے کہ مصائب کو دور کرنے کے لئے بندوں سے جو مدد طلب کی جاتی ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ حکم اشخاص کے اختلاف سے مختلف ہو جاتا ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کے مناصب یہ لائق ہے کہ وہ مخلوق سے استعانت کو ترک کر دیں اور عزیمت پر عمل کریں۔

(روح المعانی:ج:12،ص:373 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام نے بطور استعانت تنگی میں کشادگی کو طلب کرنے کے لئے فرمایا

حضرت یوسف علیہ السلام نے بطور استعانت تنگی میں کشادگی کو طلب کرنے کے لئے فرمایا تھا۔

علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی 754ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام نے ساقی سے کہا۔

بادشاہ سے میری مظلومیت کا ذکر کرنا یہ بتانا کہ مجھے ناحق امتحان میں ڈالا گیا ہے اور اسے میرا مرتبہ اور مقام بتانا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہے اس کا ذکر کرنا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بطور استعانت تنگی میں کشادگی کو طلب کرنے کے لئے کہا تھا اور ان کے نزدیک یہ ان کی قید سے رہائی کا سبب تھا جیسا کہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا۔

مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ؕ

(البحر المحیط: ج:6، ص:279 مطبوعہ دار الکتب بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کے بلند کردار پر محض اتہام لگایا گیا

حضرت یوسف علیہ السلام کے بلند کردار پر محض اتہام لگایا گیا۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

ظلم کو دور کرنے کے لئے غیر اللہ سے مدد حاصل کرنا شریعت میں جائز ہے اور اس پر اعتراض نہیں ہے لیکن جو حضرات عبودیت کے سمندر میں غرق ہوتے ہیں جیسے حضرت یوسف علیہ السلام وہ اگر ایسا کریں تو ان پر عتاب ہوتا ہے اور جب اتنی سی بات پر حضرت یوسف علیہ السلام پر عتاب کیا گیا اور ان کی قید کی مدت میں سات سال اضافہ کر دیا گیا کیونکہ ساقی کو سات سال بعد بادشاہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کے ذکر کرنے کا خیال آیا تو اگر عزیز مصر کی بیوی کے ساتھ انہوں نے وہ کچھ کیا ہوتا جس کا بعض من گھڑت روایات میں ذکر ہے تو ان پر سخت گرفت ہوتی لیکن جب اس سلسلے میں ان کے ساتھ کوئی تعرض نہیں کیا گیا تو معلوم ہوا ان روایات میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بلند کردار پر محض اتہام لگایا گیا ہے۔

(تفسیر کبیر: ج:6، ص:462 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

استعانت مانگنا انبیاء کرام علیہم السلام کی شایان شان نہیں

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی 685ھ لکھتے ہیں:

مصائب سے نجات حاصل کرنے کے لئے مخلوق سے استمداد اور استعانت کرنا ہر چند کے لائق تحسین ہے لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کی شایان شان نہیں ہے۔

(انوار التنزیل: مع عنایت القاضی: ج:5، ص:310 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

استعانت مانگنا انبیاء کرام علیہم السلام کی شان کے لائق ترک کر دینا ہے

علامہ شہاب احمد بن محمد خفاجی متوفی 1069ھ لکھتے ہیں:

اس میں یہ اشارہ ہے کہ بادشاہ سے مدد طلب کرنے پر حضرت یوسف علیہ السلام پر کیوں عتاب کیا گیا۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَتَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰی ۪ (المائدہ:2)

اور اس کی تائید میں احادیث مبارکہ بھی ہیں۔

اس کا یہ جواب دیا ہے کہ

ہر چند کہ مخلوق سے استعانت قابل تعریف ہے لیکن خصوصاً انبیاء کرام علیہم السلام کی شان کے لائق اس کو ترک کر دینا ہے۔

(عنایت القاضی: ج:5، ص:310 مطبوعہ دار صادر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کی طویل قید کی وجوہ

حضرت یوسف علیہ السلام کو بھلایا گیا جس کی وجہ سے آپ علیہ السلام سات سال قید میں رہے۔
امام محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ روایت کرتے ہیں۔
حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو بات حضرت یوسف علیہ السلام نے کہی تھی اگر وہ نہ کہتے تو اتنی مدت تک قید میں نہ رہتے۔
(جامع البیان: رقم الحدیث: 14777)
مزید روایت کرتے ہیں۔
حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام پر رحم فرمائے اگر ان کی وہ بات نہ ہوتی تو وہ اتنی مدت تک قید میں نہ رہتے۔
(جامع البیان: رقم الحدیث: 14778)
مزید روایت کرتے ہیں۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اگر یوسف علیہ السلام وہ بات نہ کہتے تو اتنی مدت تک قید میں نہ رہتے یعنی انہوں نے غیر اللہ سے رہائی کو طلب کیا تھا۔
(جامع البیان: رقم الحدیث: 14779)
مزید روایت فرماتے ہیں۔
حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ
ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اگر یوسف علیہ السلام بادشاہ کے پاس شفاعت کو طلب نہ کرتے تو اتنی مدت قید میں نہ رہتے یعنی انہوں نے غیر اللہ سے رہائی کو طلب کیا تھا۔
(جامع البیان: رقم الحدیث: 14779)
مزید روایت فرماتے ہیں۔
حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔
ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر یوسف علیہ السلام بادشاہ کے پاس شفاعت کو طلب نہ کرتے تو اتنی مدت تک قید میں نہ رہتے لیکن ان پر اس لیے عتاب کیا کہ انہوں نے بادشاہ کے پاس شفاعت کو طلب کیا تھا۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 14780)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر مفسرین فرماتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو شیطان نے اپنے رب عزوجل کا ذکر فراموش کرا دیا حتیٰ کہ آپ علیہ السلام نے غیر سے خلاصی طلب کی اور مخلوق سے مدد طلب کی۔ یہ وہ غفلت ہے جو شیطان کے ذریعے حضرت یوسف علیہ السلام کو لاحق ہوئی۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:286 دار الفکر بیروت)

مزید لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ میرے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام پر رحم فرمائے اگر وہ اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ نہ کہتے تو اتنی طویل مدت جیل میں بند نہ رہتے جتنا کہ رہے تھے۔ اس حدیث کو ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:286 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ یوسف علیہ السلام پر رحم فرمائے اگر وہ اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ نہ کہتے تو اتنا زیادہ عرصہ جیل میں نہ رہتے جتنا کہ وہ رہے ہیں۔

(جامع البیان: ج:12، ص:266 دار احیاء التراث العربی بیروت)

مزید لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اگر یوسف علیہ السلام اپنے آقا کے لئے سفارش طلب نہ کرتے تو اتنی دیر جیل میں نہ رہتے جتنا کہ وہ رہے ہیں لیکن انہیں سفارش طلب کرنے پر یہ سزا دی گئی تھی۔

(جامع البیان: ج:12، ص:266 دار احیاء التراث العربی بیروت)

میں تیری قید میں اضافہ کروں گا

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفرا البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے ساقی کو کہا

اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ

تو یوسف علیہ السلام کو کہا گیا۔

تو نے میرے سوا کو اپنا کارساز بنایا ہے، میں تیری قید میں اضافہ کروں گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام یہ سن کر رونے لگے۔

اور کہا:

اے میرے پروردگار! کثرت بلوئی یعنی کثیر آزمائش نے میرے دل کو بھلا دیا ہے میں نے ایک کلمہ کہا ہے لیکن آئندہ یہ کلمہ زبان پر نہ لاؤں گا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:286 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا رونا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے ساقی سے کہا۔

اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ

تو یوسف علیہ السلام سے کہا گیا۔

اے یوسف (علیہ السلام)! کیا تم نے میرے علاوہ کارساز بنایا ہے میں تیری قید کے زمانہ کو لمبا کروں گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام رونے لگے اور عرض کی۔

اے میرے پروردگار عزوجل! میرا دل مصیبت کی وجہ سے مشغول ہو گیا تھا اور میں نے ایسی بات کہہ ڈالی۔

(جامع البیان: ج:12، ص:265 دار احیاء التراث العربی بیروت)

مجھے بھول کر انسان کو یاد کیا ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف وحی کی گئی کہ تمہیں قتل ہونے سے کس نے بچایا تھا جب تمہارے بھائیوں نے تمہیں قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا:

یا رب عزوجل! تو نے بچایا تھا۔

ارشاد فرمایا:

تجھے کنویں میں سے کس نے نکالا تھا جب تمہارے بھائیوں نے تمہیں اس میں ڈالا تھا۔

کہا۔

یارب عزوجل! تو نے۔

ارشاد فرمایا:

تجھے عورت سے کس نے بچایا تھا جب تو نے اس کا ارادہ کیا تھا؟

کہا۔

یارب عزوجل! تو نے۔

ارشاد فرمایا:

پھر کیا ہوا تو مجھے بھول گیا ہے اور تو نے ایک انسان کو یاد کیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے روتے ہوئے کہا۔

یہ ایک کلمہ تھا جو زبان سے نکل گیا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

میری عزت کی قسم! میں تجھے کئی سال جیل میں رکھوں گا۔ اسی وجہ سے آپ علیہ السلام کئی سال جیل میں رہے۔

(کتاب الزہد: زہد یوسف علیہ السلام: ص: 104 مطبوعہ بیروت)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جیل میں آنا

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جیل میں آئے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں دیکھا تو پہچان گئے۔

اور فرمایا:

اے ڈرانے والے کے بھائی! آپ خطا کاروں کے درمیان کیسے آ گئے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

یا طاھرین بن طاھرین

اے پاک بازوں کے پاک بیٹے! رب العالمین تمہیں سلام فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ

جب تو نے انسانوں سے شفاعت طلب کی ہے تو تو نے مجھے بھلا دیا ہے۔

مجھے اپنی عزت کی قسم! میں تجھے چند سال اور قید میں رکھوں گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا:

میرا رب عزوجل! مجھ پر راضی ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

ہاں!
تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:
پھر مجھے اس صعوبت کی کوئی پرواہ نہیں۔
(معالم التنزیل:ج:3،ص:286دارالفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کا رب تعالیٰ کے چند سوالات کرنا

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفرا البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:
حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔
حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کہا۔
اللہ تعالیٰ نے استفسار فرمایا ہے کہ تجھے کس نے پیدا فرمایا۔
آپ علیہ السلام نے کہا:
اللہ تعالیٰ نے۔
پھر پوچھا:
تجھے تیرے باپ کے نزدیک محبوب کس نے بنایا؟
آپ علیہ السلام نے کہا:
اللہ تعالیٰ نے۔
(پھر پوچھا)
تجھے کنویں سے نجات کس نے دی؟
آپ علیہ السلام نے کہا:
اللہ تعالیٰ نے۔
پھر پوچھا:
تجھے خوابوں کی تعبیر کا علم کس نے دیا؟
آپ علیہ السلام نے کہا:
اللہ تعالیٰ نے۔
پھر پوچھا:
تجھ سے گناہ صغیرہ اور کبیرہ کو کس نے دور کیا؟
آپ علیہ السلام نے کہا:
اللہ تعالیٰ نے۔

پھر فرمایا:
تو پھر اپنے جیسوں سے سفارش کیوں طلب کی ہے۔
(معالم التنزیل: ج:3،ص:287 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کو شیطان نے رب تعالیٰ کا ذکر بھلا دیا اور بادشاہ کا ذکر کرا دیا

حضرت یوسف علیہ السلام کو شیطان نے رب تعالیٰ کا ذکر بھلا دیا اور بادشاہ کا ذکر کرا دیا۔
امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:
حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
حضرت یوسف علیہ السلام نے اس شخص سے کہا جس کو نجات ملی تھی کہ
تو میرا اپنے آقا کے پاس ذکر کرنا، اس نے آپ علیہ السلام کا ذکر نہ کیا حتیٰ کہ بادشاہ نے خواب دیکھا، حضرت یوسف علیہ السلام کو شیطان نے اپنے رب تعالیٰ کا ذکر بھلا دیا اور بادشاہ کا ذکر کرا دیا اور بادشاہ سے رہائی چاہنے کا حکم دیا۔ پس یوسف علیہ السلام اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ کا کلمہ کہنے کی وجہ سے کئی سال بطور عقوبت جیل میں رہے۔
(جامع البیان: ج:12،ص:266 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

دو قیدی حضرت یوسف علیہ السلام کے تین دن فرمانے سے جلدی رہائی پا گئے

جن دو قیدیوں کو رہائی جلدی ملی وہ صرف حضرت یوسف علیہ السلام کے تین دن فرمانے کی وجہ سے ملی ان میں سے ایک تو واپس بادشاہ کے پاس چلا گیا دوسرے کو زہر دی گئی۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
یہ دو قیدی صرف اس لیے جلدی آزاد ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کے منہ مبارک سے تین دن کی مہلت نکل گئی تھی اور عمر بھی اس کی موت پر ہو گیا تھا۔
(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:499 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کتنا عرصہ قید میں رہے؟

حضرت یوسف علیہ السلام کی مدت قید میں مختلف اقوال ہیں۔
امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:
حضرت قتادہ، وہب بن منبہ اور ابن جریج رحمۃ اللہ علیہم نے کہا:
حضرت یوسف علیہ السلام سات سال قید خانے میں رہے۔
(جامع البیان: جز:12،ص:293 مطبوعہ دارالفکر بیروت)
امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:
حضرت یوسف علیہ السلام کی قید کی مدت میں تین قول ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ فرمایا ہے کہ
یہ مدت بارہ سال ہے۔
ضحاک نے کہا:
یہ مدت چودہ سال ہے۔
حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا:
یہ مدت سات سال ہے۔
(زادالمسیر: ج:4،ص:228 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:
اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام پر جو گرفت کی تھی اس کی وجہ سے جو قید میں اضافہ ہوا اس کی مدت سات سال تھی اور اس سے پہلے وہ پانچ سال قید میں رہے تھے۔
اور قرآن مجید میں جو فرمایا ہے۔
پس وہ قید خانہ میں مزید چند سال رہے یہ اس عتاب کے نتیجہ میں قید کی مدت ہے نہ کہ کل قید کی مدت، اس لحاظ سے ان قید کی کل مدت بارہ سال یا نو سال ہے۔
(الجامع الاحکام القرآن: جز:9،ص:73 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفرا البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:
حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔
حضرت ایوب علیہ السلام کو سات سال تکلیف رہی۔
حضرت یوسف علیہ السلام سات سال جیل میں رہے۔
(معالم التنزیل: ج:3،ص:286 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:
حضرت وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ
حضرت یعقوب علیہ السلام کو سات سال تکلیف پہنچی، حضرت یوسف علیہ السلام سات سال قید میں رہے اور بخت نصر درندوں میں سات سال عذاب دیا گیا۔
(جامع البیان: ج:12،ص:267 داراحیاء التراث العربی بیروت)

امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ
حضرت یوسف علیہ السلام بارہ سال قید میں رہے۔
امام ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوبکر بن عیاش کی طرف سے کلبی سے روایت کیا ہے کہ
انہوں نے فرمایا:

حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک جملہ کہا جس کے بدلے سات سال قید خانہ میں رہے۔
حضرت ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:
اس سے پہلے پانچ سال قید کیے گئے تھے۔
امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت طاؤس اور ضحاک رحمہما اللہ سے روایت کیا ہے کہ
آپ علیہ السلام چودہ سال قید میں رہے۔
امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ
بضع کا اطلاق تین سے نو تک کی تعداد پر ہوتا ہے۔
اور امام ابن جریر نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔
(جامع البیان: ج:12، ص:267 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا قیدی کے چلے جانے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آنا

تفسیر نعیمی میں ہے۔
ایک روایت میں ہے۔
جب قیدی جیل سے چلا گیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر بارگاہ ہوئے۔
اور فرمایا:
اے حضرت یوسف (علیہ السلام) تم کو کنوئیں سے کس نے بچایا۔
فرمایا:
اللہ تعالیٰ نے۔
حضرت جبرائیل علیہ السلام بولے۔
تم کو تاجروں سے کس نے چھڑایا؟
تم کو زلیخا کے جال سے کس نے نکالا؟
تم کو پیدا کس نے کیا؟
والد کے دل میں تمہاری محبت کس نے ڈالی؟
تم کو علم کائنات
تعبیر بتانا
پرندوں کی بولی کس نے سکھائی؟
سب کے جواب میں حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے رہے۔
اللہ تعالیٰ نے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام بولے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اب تم نے بادشاہ سے مدد کیوں طلب کی۔

حضرت یوسف علیہ السلام یہ سن کر بہت روئے اور معذرت مانگی۔

حضرت جبرائیل بولے۔

اب تم کو سات سال اس کی پاداش میں قید بھگتنا ہے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

میرا رب عزوجل مجھ سے راضی ہے یا ناراض۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام بولے۔

راضی ہے۔

(آپ علیہ السلام نے) فرمایا:

تب مجھ کو قید کا کوئی غم نہیں۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:500 نعیمی کتب خانہ لاہور)

مدت قید گنتی کی رو سے بارہ سال

تفسیر نعیمی میں ہے۔

ایک روایت میں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام بارہ سال جیل میں رہے پانچ سال دونوں قیدیوں کے ساتھ اور سات سال بعد میں کیونکہ

سب مدت

اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ

کے بدلے میں سزا کے طور پر ہوئی پہلے پانچ سال اسی میں شامل کیے گئے۔

اس عبارت کے بھی بارہ حرف ہیں۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:500 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بارہ حروف اس طرح ہیں۔

1-الف

2-ذ

3-ک

4-ر

5-ن

6-ی

7-ع

8-ن

9-و

10-ر

11-ب

12-ک

اس لحاظ سے مدت قید بارہ سال ہے۔

واللہ ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم

عزیز مصر کی بیوی کی یاد اور ہر سال کے گزرنے پر حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی کا کہتی

عزیز مصر کی بیوی اپنے خاوند عزیز مصر کو ہر سال کے گزرنے پر حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی کا کہتی رہتی تھی اور حضرت یوسف علیہ السلام کو یاد کرتی رہتی تھی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل میں سات سال گزر گئے زلیخا کے سوا کسی کے دل میں یوسف (علیہ السلام) کی یاد نہ آئی۔ لیکن ہر سال کے گزرنے پر عزیز مصر یعنی اپنے خاوند سے کہتی کہ اب یوسف (علیہ السلام) کو چھڑا لو مگر عزیز مصر بادشاہ سے کوئی ذکر نہ کرتا اپنے ہی کاموں میں الجھا رہتا۔

(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:501 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں رہائی کی دعا

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو سات سال قید کے گزر گئے تو آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں قید سے رہائی کی دعا کی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

یہاں تک کہ سات سال پورے ہوئے۔

تب ایک رات حضرت یوسف علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں عرض کی کہ

اے میرے پروردگار اب مجھ کو جیل سے چھڑا دے بس اسی رات بادشاہ نے خواب دیکھی جب اٹھا تو سخت پریشان تھا اور صبح کو اپنے سب درباریوں کو جمع کیا۔

(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:501 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بادشاہ کا خواب دیکھنا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں قید سے رہائی کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی رہائی کے لئے بادشاہ کو خواب دیکھادی جس سے وہ بہت زیادہ مذبذب ہوا اور صبح کو اپنے درباریوں کو طلب کر کے اس تعبیر پوچھی۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍؕ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ۝ (یوسف:43)

اور بادشاہ نے کہا میں نے خواب میں دیکھا کہ سات فربہ گائیں ہیں جن کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور میں نے سات سرسبز خوشے دیکھے اور (سات) سوکھے ہوئے (خوشے دیکھے) اے میرے درباریو! میرے اس خواب کی تعبیر بتاؤ اگر تم خواب کی تعبیر بتا سکتے ہو۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو حضرت جبرائیل علیہ السلام کا رہائی کی خوشخبری دینا

جب حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی کے دن قریب آ گئے تو مصر کے بادشاہ نے خواب دیکھا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس قید سے رہائی کی خوشخبری لے کر آئے۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

جب اللہ تعالیٰ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کے اسباب مہیا فرما دیتا ہے جب حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی اور کشادگی کے دن قریب آ گئے تو مصر کے بادشاہ نے یہ خواب دیکھا، حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آئے ان کو سلام کیا اور ان کو کشادگی کی بشارت دی۔

اور کہا کہ

اللہ عزوجل آپ علیہ السلام کو قید سے نکالنے والا ہے اور آپ علیہ السلام کو اس زمین کا اقتدار عطا کرنے والا ہے۔ اس زمین کے بادشاہ آپ علیہ السلام کے تابع ہو جائیں گے اور سردار آپ علیہ السلام کی اطاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کو آپ علیہ السلام کے بھائیوں پر غلبہ عطا فرمائے گا۔

اور اس کا سبب یہ ہوگا کہ

بادشاہ ایسا خواب دیکھے گا اور اس کی ایسی ایسی تعبیر ہوگی پھر کچھ دن زیادہ نہیں گزرے تھے کہ بادشاہ نے خواب دیکھی جس کے نتیجہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کو رہائی مل گئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جو پہلا خواب دیکھا تھا وہ ان کے لئے سختی اور مصیبت کا سبب بن گیا تھا اور بادشاہ کا یہ خواب ان کے لئے کشادگی اور رحمت کا سبب بن گیا۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:9، ص:74 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بادشاہ کا سات موٹی تازی گائیں دیکھنا

مصر کے بادشاہ نے سات موٹی تازی گائیں دیکھیں جن کے پیچھے سات دبلی گائیں نکلی دیکھیں اور انہوں نے ان کو پکڑ کر کھالیا اسی طرح اس نے سات سرسبز خوشے بھی دیکھے۔

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

مصر کے بادشاہ الریان بن الولید نے خواب دیکھا کہ دریا سے موٹی تازی گائیں نکلیں اور ان کے پیچھے سات دبلی گائیں انہوں نے ان موٹی تازی گایوں کو کان سے پکڑا اور کھا گئیں اور اس نے سات سرسبز خوشے دیکھے اور سات سوکھے ہوئے خوشے دیکھے، ان سوکھے ہوئے خوشوں نے ان سرسبز خوشوں کو کھالیا اور ان میں سے کچھ باقی نہیں بچا اور سوکھے ہوئے خوشے اسی طرح سوکھے رہے اسی طرح دبلی گایوں نے موٹی گایوں کو کھالیا تھا وہ اسی طرح دبلی کی دبلی رہیں یہ خواب دیکھ کر بادشاہ گھبرا گیا۔ اس نے لوگوں کو اہل علم کو، نجومیوں کو، جادوگروں کو اور سرداروں کو بلایا اور ان کے سامنے یہ خواب بیان کر کے کہا۔

اگر تم خواب کی تعبیر بتا سکتے ہو تو مجھے اس خواب کی تعبیر بتاؤ۔

(زادالمسیر: ج:4، ص:229 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اپنے بندے کے متعلق اچھا جانتا ہے کہ میں نے اپنے بندے کو کیا عطا فرمانا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حسد کیا اور کنویں میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے قافلے والوں کو بھیج کر کنویں سے نجات دلوائی پھر بھائیوں نے قافلے والوں کو جھوٹ بولا کہ یہ ہمارا بھگوڑا غلام ہے اور ہم اس کو بیچنا چاہتے ہیں تو انہوں نے بھائی کو غلام بنا کر بیچ دیا اور اللہ تعالیٰ نے قافلہ والوں سے شاہی محل میں عزت عطا فرمائی اور عزیز مصر کی بیوی نے تہمت لگائی اور جیل میں گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی رہائی کا سبب بنا کر بادشاہ کو عجیب وغریب اور پریشان کن خواب دکھا دیا تاکہ وہ اس کی تعبیر حضرت یوسف علیہ السلام سے پوچھے اور حضرت یوسف علیہ السلام اس کی تعبیر بتائیں اور ہم ان کو سلطنت کا مالک فرما دیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اپنے بندے کے متعلق بہتر جانتا ہے۔

چار وجوہ سے خواب حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی کا سبب

تفسیر نعیمی میں ہے۔

یہ خواب حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی کا پیش خیمہ ہے چار وجوہ سے۔

1- بادشاہ نے خواب دیکھا نہ کہ کسی اور نے اگر کوئی اور یہ خواب دیکھتا تو اس کا کوئی اہتمام نہ ہوتا۔

2- بادشاہ خواب دیکھ کر سخت پریشان ہوگیا وہ سمجھا شاید میرے ملک میں اندرونی یا بیرونی کچھ گڑ بڑ ہونے والی ہے جو مجھ کو ایسا اشارہ ہوا ہے اگر بادشاہ پریشان نہ ہوتا تو بھی خواب کی پرواہ نہ ہوتی۔

3- بادشاہ کو بہت جلدی تعبیر کی فکر پڑی اگر تعبیر کا خیال نہ آتا تب بھی نہ معلوم کتنے دن پریشان رہ کر پھر ٹھیک ہو جاتا اور خواب بھول جاتا۔

4-کسی نجومی نے خواب کی تعبیر نہ سمجھی اگر نجومی ہی تعبیر خواب بتا دیتے تو بھی حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف خیال نہ جاتا۔ثابت ہوا کہ رب تعالیٰ نے اسی رات حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا قبول فرمالی۔خواب بھی ایسی عجیب تھی سب کو فکر میں ڈال دیا۔

بادشاہ نے خواب سنا کر پوچھا:

اے میرے درباری نجومیو،کاہنو،فتویٰ دو تم مجھ کو میری خواب کے بارے میں اگر تم خواب کی تعبیر دے سکتے اور تمہاری سمجھ میں یہ خواب آ گیا ہے تب بولنا،غلط بات نہ کرنا بالکل صحیح تعبیر دینا ہر شخص خوابیں دیکھتا ہے اور ہر خواب کی مراد ظاہر میں کچھ اور ہوتی ہے۔

اسی لیے بادشاہ نے تعبیر پوچھی۔

(تفسیر نعیمی:ج:12،ص:501 نعیمی کتب خانہ لاہور)

کاہنوں،نجومیوں کا خواب کی تعبیر نہ بتانے پر معذرت کرنا

جب بادشاہ نے کاہنوں اور نجومیوں کو بلا کر خواب کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے کہا یہ پریشان کن خواب ہے اور ہم ایسے خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ ○ (یوسف:44)

انہوں نے کہا: یہ تو پریشان خواب ہیں اور ہم پریشان خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے۔

اضغاث احلام کون سے خواب ہیں؟

اس آیت کریمہ میں اضغاث احلام کے الفاظ استعمال فرمائے گئے ہیں ان سے کون سے خواب مراد ہوتے ہیں۔اور ان کے معانی کیا ہیں اس کی وضاحت درج ذیل ہے۔

ضغث کا معنیٰ ہے۔

بے ربط اور خلط ملط باتیں

گھاس پھونس کا مٹھی بھر مجموعہ

ابوعبیدہ نے کہا:

جس خواب کو بہت لوگ دیکھیں اور ان کو جمع کر کے ایسا مجموعہ یا گٹھا بنا لیا جائے جیسے سوکھی ہوئی گھاس کا گٹھا ہوتا ہے اس سے مراد وہ خواب ہیں جس کی تعبیر نہ بیان کی جا سکے۔

الکسائی نے کہا:

اضغاث احلام کا معنیٰ ہے۔

ملے جلے اور خلط ملط خواب

ابن قتیبہ نے کہا:

اضغاث احلام کا معنی ہے۔

جس طرح آدمی مختلف گھاسوں کو ملا کر ایک گٹھا بنا تا ہے اور اس میں طرح طرح کی گھاس ہوتی ہے۔ اسی طرح جس خواب میں مختلف النوع باتیں دکھائی دیں۔

الزجاج نے کہا:

الضغث کا معنی ہے۔

کسی چیز کا گٹھا

مثال کے طور پر

سبزیوں یا ان جیسی چیزوں کا۔

ان کی مراد یہ تھی کہ

تم نے خواب میں چند ملی جلی چیزیں دیکھی ہیں یہ کوئی واضح خواب نہیں ہے اور ایسے ملے جلے خواب کی تعبیر کا ہمیں علم نہیں ہے۔

الاحلام حلم کی جمع ہے۔

انسان نیند میں جو خواب دیکھتا ہے اس کو حلم کہتے ہیں بعض خواب صحیح ہوتے ہیں اور بعض باطل ہوتے ہیں۔

(زاد المسیر: ج:4، ص:230 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

علامہ نظام الدین حسن بن محمد القمی النیشا پوری متوفی 728ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے نفس ناطقہ کو اس صلاحیت کے ساتھ پیدا کیا ہے کہ وہ عالم افلاک تک پہنچ سکتا ہے اور لوح محفوظ کا مطالعہ کر سکتا ہے لیکن بیداری میں نفس ناطقہ بدن کی تدبیر اور حواس میں تصرف کرنے میں مشغول ہوتا ہے اس مانع کی وجہ سے وہ بیداری میں لوح محفوظ کا مطالعہ نہیں کر سکتا اور نیند کے وقت یہ مشغولیات کم ہو جاتی ہیں تو نفس اس مطالعہ پر قوی ہو جاتا ہے اور جب روح ان احوال میں سے کسی حال پر واقف ہو جاتی ہے تو اگر وہ احوال اس مشاہدہ کے مطابق خیال میں منتقش ہو جاتے ہیں تو ان کی تعبیر میں کسی تاویل کی احتیاج نہیں ہوتی اور اگر ان احوال کی رموز یا ان کے اشارات خیال میں مرتسم ہوں تو پھر ان کی تعبیر کی تاویل کی احتیاج ہوتی ہے پھر اگر وہ رموز اور اشارات مربوط، مرتب اور منظم ہوں تو ان تخیلات سے حقائق روحانیہ کی طرف نقل ہونا اور ان کی تاویل کرنا تعبیر کرنے والے کے لئے سہل اور آسان ہوتا ہے اور بعض اوقات وہ رموز اور اشارات مختلط، مضطرب اور غیر منضبط ہوتے ہیں اور ان کی تحلیل اور ان کا تجزیہ کرنا دشوار ہوتا ہے اور ان کی ترتیب اور تالیف میں تشویش ہوتی ہے اور ان سے کسی چیز کی تصویر کشی کرنا بہت مشکل ہوتا ہے اور ایسے ہی خوابوں کو اضغاث احلام کہا جاتا ہے۔

اور اس کا سبب یہ ہے کہ

بدن کی قوتوں میں کسی فساد کی وجہ سے قوت متخیلہ میں تشویش پیدا ہوتی ہے یا خارج میں کسی غیر مانوس چیز سے سابقہ پڑتا ہے اور اس کو اضغاث اس لیے کہتے ہیں کہ یہ تعبیر بیان کرنے والوں کو تھکا دیتی ہے۔

(غرائب القرآن ورغائب الفرقان: ج:4،ص:92 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اضغاث احلام سے مراد جھوٹے خواب ہیں۔

(جامع البیان: ج:12،ص:269 داراحیاء التراث العربی بیروت)

اور حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی طرح روایت ہے کہ

اضغاث احلام سے مراد جھوٹے خواب ہیں۔

(جامع البیان: ج:12،ص:269 داراحیاء التراث العربی بیروت)

ساقی کو حضرت یوسف علیہ السلام کی تعبیر بتانے کا یاد آنا اور بادشاہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جانے کی اجازت مانگنا

جب تمام کاہنوں اور نجومیوں نے خواب کی تعبیر نہ بتائی تو ساقی جو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ قید میں تھا اور آپ علیہ السلام نے اس کو ان کے خواب کی تعبیر بتائی اور وہ رہائی پا گئے تو اس نے بادشاہ کو کہا مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جانے دو میں اس کی تعبیر بتا سکتا ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّکَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُکُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ۝ (یوسف:45)

ان دو قیدیوں میں سے جو نجات یافتہ تھا اس نے ایک مدت کے بعد یوسف کو یاد کیا۔ اس نے کہا میں تم کو اس خواب کی تعبیر بتا سکتا ہوں مجھے یوسف کے پاس بھیج دو۔

ساقی نے ڈر کی وجہ سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر نہ کیا

جب ساقی قید سے رہائی پا گیا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو فرمایا تھا کہ میرا ذکر بادشاہ کے سامنے کرنا تو وہ ساقی اس بات کو ڈر کی وجہ سے نہ بتا سکا کہ کہیں میرا جرم تازہ نہ ہو جائے۔

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

ابوصالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

ساقی نے اس وقت تک بادشاہ کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر نہیں کیا جب تک بادشاہ کو خواب کی تعبیر بتانے کے لئے کسی ماہر کی ضرورت نہیں پڑی۔

اس وقت اس نے بادشاہ کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر کیا کیونکہ اس کو ڈر تھا کہ اگر اس نے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بے قصور قید ہونے کا بتایا تو بادشاہ کے ذہن میں خود اس ساقی کا جرم پھر سے تازہ ہو جائے گا جس وجہ سے اس کو قید کیا گیا تھا اور اس کو خطرہ تھا کہ یہ امر اس کے لئے کسی مصیبت کا پیش خیمہ نہ

ئے۔

(زادالمسیر: ج:4،ص:231 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

ساقی کا بادشاہ کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کا تعبیر بتانے کا حال بیان کرنا

ساقی نے بادشاہ کے سامنے اپنا حال بیان کیا کہ جب میں قید میں تھا تو خواب کی تعبیر حضرت یوسف علیہ السلام نے سچ بتائی اور میں رہائی پا گیا لہٰذا حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مجھے جانے دو تا کہ اس خواب کی تعبیر بھی پوچھ آؤں۔

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

بادشاہ نے جب درباریوں سے خواب کے متعلق پوچھا اور وہ اس کی تعبیر نہ بتا سکے اس وقت اس ساقی نے کہا کہ قید خانے میں ایک شخص بہت عالم فاضل ہے اور بہت نیک ہے اور بہت عبادت گزار ہے۔ میں نے اور باورچی نے جو خواب دیکھے تھے ہم نے اس سے ان خوابوں کی تعبیر پوچھی تھی اور اس کی بتائی ہوئی تعبیر بالکل صحیح اور درست واقع ہوئی اگر آپ بھی اپنے خواب کی صحیح تعبیر جاننا چاہتے ہیں تو مجھے اس کے پاس قید خانے میں بھیج دیں میں اس سے صحیح تعبیر معلوم کر کے آپ کو بتا دوں گا۔

(تفسیر کبیر: ج:6،ص:464 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

ساقی نے بادشاہ کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر نہ کیا

ساقی نے بادشاہ کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر نہ کیا بلکہ یہ کہا کہ قید خانہ میں ایک شخص ہے جو خوابوں کی تعبیر بتاتا ہے۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفرا البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

ساقی بادشاہ کے سامنے بیٹھا۔

اور کہا:

قید خانہ میں ایک شخص ہے جو خوابوں کی تعبیر بتاتا ہے۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:288 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے۔

اے بادشاہ تم کو اس خواب کی تعبیر لا کر دیتا ہوں میں جب جیل میں تھا تو وہاں میری ملاقات ایک بہت ہی عابد، زاہد، کامل، عالم، خوش خلق، حسین خوبصورت بزرگ سے ہوئی وہ اس کی تعبیر ضرور بتا دیں گے کیونکہ ہم نے بھی ایک دفعہ جیل میں ان سے خواب کی تعبیر پوچھی تھی تو جیسی تعبیر انہوں نے بتائی ویسا ہی ہوا تم مجھ کو وہاں بھیج دو یعنی جانے کی اجازت دو۔

(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:509 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بادشاہ کا ساقی کو جیل میں جانے کی اجازت دینا

جب ساقی نے جیل میں جا کر تعبیر پوچھنے کا کہا تو بادشاہ نے ساقی کو جیل میں جانے کی اجازت دے دی۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفرا البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

(ساقی نے کہا)

مجھے قید خانہ تک جانے دو پس بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کی طرف اس کو بھیج دیا پس وہ قید خانہ میں پہنچایا گیا۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:288 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

بادشاہ نے خوش ہو کر ساقی کو جیل میں جانے کی اجازت دی

جب ساقی نے جیل میں جانے کی اجازت مانگی کہ جیل میں ایک شخص ہے وہ تعبیر بتاتا ہے لہٰذا مجھے ان کے پاس جانے اجازت دیں تو بادشاہ نے خوش ہو کر اجازت دے دی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

بادشاہ نے خوش ہو کر فوراً اجازت دے دی۔

(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:509 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قید خانہ شہر کے اندر نہ تھا

جس قید خانے میں حضرت یوسف علیہ السلام کو رکھا گیا وہ شہر میں نہیں تھا بلکہ شہر سے باہر تھا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفرا البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

قید خانہ شہر کے اندر نہ تھا۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:288 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

ساقی کا حضرت یوسف علیہ السلام سے بادشاہ کے خواب کی تعبیر پوچھنا

جب ساقی کو بادشاہ نے قید خانے میں جا کر خواب پوچھنے کی اجازت دے دی تو ساقی نے جا کر بادشاہ کا خواب بیان اور اس کی تعبیر پوچھی۔

قرآن مجید میں ہے:

يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ يٰبِسٰتٍ لَّعَلِّيْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ۝ (یوسف:46)

اے یوسف! اے بہت سچ بولنے والے! ہمیں اس خواب کی تعبیر بتائیے کہ سات فربہ گائیں ہیں جن کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سرسبز خوشے ہیں اور سات سوکھے ہوئے (خوشے ہیں) تاکہ میں لوگوں کے پاس یہ تعبیر لے کر جاؤں شاید وہ آپ کا مرتبہ جان لیں۔

موٹی گائیوں اور لاغر گائیوں سے مراد

موٹی گائیوں سے مراد سرسبز و شاداب سال اور لاغر گائیوں سے مراد قحط زدہ سال ہیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
موٹی گائیوں سے مراد سرسبز وشاداب سال ہیں اور لاغر گائیوں سے مراد قحط زدہ سال ہیں۔
(جامع البیان: ج:12، ص:273 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

سات سبز خوشوں اور خشک خوشوں سے مراد

سات سبز خوشوں سے مراد سرسبز وشاداب سال ہیں جن میں زمین زیادہ پیداوار دے اور خشک خوشوں سے وہ سال مراد ہیں جن میں کوئی پیداوار نہ ہو۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:
حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ
سات سبز خوشوں سے بھی سرسبز وشاداب سال ہیں جن میں زمین خوب پیداوار دیتی ہے اور خشک خوشوں سے مراد ایسے سال ہیں جن میں کوئی پیداوار نہیں ہوتی۔
(جامع البیان: ج:12، ص:273 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ساقی کا جاتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام سے معافی مانگنا

جب ساقی حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو پہلے معافی مانگی کہ مجھ سے غلطی ہوگئی اور مجھے آپ علیہ السلام بھول گئے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کو سات سال کے بعد پہچان لیا اور اس سے رنجیدگی کا اظہار نہ فرمایا۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
آزاد شدہ غلام خدمت عالیہ میں حاضر ہوا پہلے تو بہت معافی مانگی کہ مجھ سے غلطی ہوگئی آپ علیہ السلام کی بات میرے ذہن سے بالکل اتر گئی میں بھول گیا حضرت یوسف علیہ السلام نے سات سال بعد بھی اس کو پہچان لیا اور کچھ رنجیدگی کا اظہار نہ فرمایا۔
(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:509 نعیمی کتب خانہ لاہور)

ساقی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو صدیق کیوں کہا

ساقی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو صدیق اس لیے کہا کیونکہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ قید خانہ میں رہ چکا تھا اور آپ علیہ السلام کی سچائیوں کو دیکھ چکا تھا اور جو حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بیان فرمائی تھی ویسے ہو چکی تھی اس لیے اس نے صدیق کا لفظ کہا۔ اور آپ علیہ السلام کو اچھے الفاظ کے ساتھ ندا کی۔

صدیق کا معنیٰ

صدیق وہ شخص ہے جو اپنے قول وفعل اور اعتقاد میں صادق ہو۔
اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ
جو دین کے تمام احکام کی بغیر کسی شک وشبہ کے تصدیق کرے وہ صدیق ہے۔
اور تفسیر نعیمی میں ہے۔

صادق بھی سچے کو کہتے ہیں اور صدیق بھی مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ

جیسا واقعہ ہو ویسا ہی کہلائے وہ صادق ہے اور اگر واقعے میں ایک چیز نہ ہوئی اور اس نیک بندے کی زبان سے نکل جائے تو رب تعالیٰ ویسے ہی کر دے اس کو صدیق کہا جاتا ہے اس لیے اس قیدی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو صادق نہ کہا بلکہ صدیق کہا کیونکہ دیکھ چکا تھا کہ ہم نے جھوٹی خوابیں بنا کر تعبیر پوچھی مگر ان کی زبان سے جو تعبیر نکل گئی وہ ہو کر رہی۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:509 نعیمی کتب خانہ لاہور)

ساقی نے شک کا لفظ کیوں کہا

تفسیر نعیمی میں مفصل رقم ہے کہ

(ساقی نے کہا)

بادشاہ نے آج گزشتہ رات خواب دیکھا ہے کہ سات موٹی گایوں کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سبز سٹوں کو گندم کے سات خشک سٹوں نے سکھا کر خراب کر دیا آپ اس کی تعبیر دیں۔ اپنی خواب تو سنا کر اس نے آج سے سات سال پہلے بہت سچی اور مفید تعبیر لے لی تھی جس سے یہ بہت خوش ہوا تھا لیکن آج بھی شش و پنج اور وسوسوں میں تھا کہ پتہ نہیں اس خواب کی تعبیر ان کو سمجھ آتی ہے یا نہیں کیونکہ وہ دیکھ چکا تھا کہ دربار کے اتنے بڑے عمر رسیدہ کاہن، نجومی اس کی تعبیر سے عاجز بیٹھے تھے یا یہ خیال آیا کہ اگر تعبیر بھی بتا دیں تو کہیں بہت خطرناک بادشاہ یا ملک کے حق میں بری ہو تو میں کس طرح جا کر بتاؤں گا اس لیے شک کا صیغہ

لَّعَلِّیْ اَرْجِعُ

شاید یہ آپ سے تعبیر سن کر صحیح طرح خوشی خوشی ان لوگوں کے پاس جا سکوں۔

دوسرا تردد اس ساقی کو یہ ہوا کہ

اس تعبیر کو سن کر میں تو پسند کر لوں کیونکہ میں پہلے ہی حضرت یوسف علیہ السلام کے تقویٰ، طہارت، علم و فضل کا قائل ہوں اس لیے کہ مسلمان ہوں اور سب کچھ سابقہ مدت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں لیکن نہ معلوم یہ تعبیر سن کر وہ کاہن آپ علیہ السلام کے علم و فضل کے قائل ہوتے ہیں یا نہیں اور مرضی اس کی یہی تھی کہ چونکہ بیچ میں میرا واسطہ ہے اور میں نے وہاں بہت تعریف کی ہے اس لیے اچھی اور صاف تعبیر بتایئے "لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ" شاید کہ وہ آپ علیہ السلام کے علم و فضل کو جان لیں یا تعبیر سمجھائیں اور جو عمل کرنے والے کام ہوں ان پر عمل کریں۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:510 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کا ساقی کو بادشاہ کے خواب کی تعبیر بتانا

جب ساقی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بادشاہ کا خواب بیان کر دیا تو آپ علیہ السلام نے ساقی کو بادشاہ کے خواب کی تعبیر بتائی۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِىْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ○ (یوسف:47)

یوسف نے کہا تم حسب معمول سات سال تک کاشت کاری کرو گے پھر تم جو کھیت کاٹو تو تمام غلے کو ان کے خوشوں میں چھوڑ دینا ماسوا ان قلیل غلے کے جن کو تم کھاؤ۔

پھر ارشاد فرمایا:

ثُمَّ يَاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ○ ثُمَّ يَاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ○ (یوسف:48تا49)

پھر اس کے بعد سات خشک سالی کے سخت سال آئیں گے وہ اس غلے کو کھا جائیں گے جو تم نے پہلے جمع کر کے رکھا تھا ماسوا تھوڑے سے غلے کے جن کو تم محفوظ رکھو گے پھر اس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا جس میں لوگوں پر بارش ہو گی اور اس میں لوگ پھلوں کو نچوڑیں گے۔

مجھے یوسف علیہ السلام پر اوران کے صبر اور کرم پر تعجب ہوا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھے یوسف پر اوران کے صبر پر اور کرم پر تعجب ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے جب ان سے لاغر گائیوں کے متعلق پوچھا گیا۔ اگر میں ان کی جگہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ جب بادشاہ کا پیغام رساں ان کے پاس آیا تھا تو میں دروازے کی طرف بھاگ جاتا لیکن انہوں نے اپنے بے قصور ثابت ہونے کا ارادہ کیا تھا۔

(جامع البیان: ج:12،ص:280 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام نے خوشوں میں اناج رکھنے کی تدبیر کیوں بتائی؟

حضرت یوسف علیہ السلام نے خوشوں میں اناج رکھنے کی تدبیر اس لیے بتائی تا کہ اناج کافی مدت تک باقی رہے اور لوگ ان کو کھاتے رہیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں خوشوں میں اناج رکھنے کی تدبیر اس لیے بتائی کہ تا کہ اناج زیادہ مدت باقی رہے۔

(جامع البیان: ج:12،ص:274 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص کا کھانا دو کے لئے تیار کیا جاتا

حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص کا کھانا دو کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔

امام ابن ابی حاتم نے حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص نے کے لئے دو آدمیوں کا کھانا تیار کیا جاتا پھر وہ اسے پیش کیا جاتا نصف کھاتا اور نصف چھوڑ دیتا تھا حتیٰ کہ جب ایسا دن تھا کہ اس کے سامنے ہی کھانا پیش کیا گیا تو اس نے اسے کھالیا۔

اسے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

یہ ان سخت سات سالوں کا پہلا دن تھا۔

سبع شداد سے مراد

سبع شداد سے مراد قحط والے سخت سات سال ہیں جو کہ ذخیرہ شدہ چیزوں کو کھا جائیں گے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

سبع شداد سے مراد قحط زدہ سخت سات سال ہیں وہ اس ذخیرہ کو کھا جائیں گے جو تم نے جمع کر رکھا ہوگا مگر تھوڑا سا جو تم جمع کرلو گے۔

(جامع البیان: ج:12،ص:275 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

انگوروں کا رس نچوڑ کر تیل نکالنا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

مِمَّا تُحْصِنُوْنَ کا معنیٰ تخزنون ہے۔

یعنی محفوظ کرلو گے۔

وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ

یعنی وہ انگوروں کا رس اور تیل نکالیں گے۔

(جامع البیان: ج:12،ص:276 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

زیتون اور تمام پھلوں کا تیل نکالنا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

آپ رضی اللہ عنہ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

اس سال میں لوگوں کے لئے مینہ برسایا جائے گا۔

اور وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

اس سال وہ انگوروں کا رس نکالیں گے، زیتون کا تیل نکالیں گے اور تمام پھلوں کا رس نکالیں گے۔

(جامع البیان: ج:12،ص:277 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ھ دوہنا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:
ایک دوسرے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
وَفِيهِ يَعْصِرُوْنَ کا مطلب ہے کہ
وہ اس سال دودھ دوھیں گے۔
(جامع البیان: ج:12، ص:277 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)
اور مزید فرماتے ہیں کہ
حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ
يَعْصِرُوْنَ کا معنیٰ يحتلبون ہے۔
یعنی وہ دودھ دوھیں گے۔
(جامع البیان: ج:12، ص:277 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ علم بتایا

حضرت یوسف علیہ السلام نے وہ علم بتایا جو آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا۔
امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:
حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ
فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ کا مطلب یہ ہے کہ
بارش برسائی جائے گی اور اس سال وہ انگوروں، زیتون اور پھلوں کا رس نکالیں گے یہ وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو عطا فرمایا تھا اور اس کے متعلق آپ علیہ السلام سے سوال نہیں کیا گیا تھا۔
(جامع البیان: ج:12، ص:277 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

لوگوں پر بارش برسانا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:
حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ (سے مراد)
اس سال میں لوگوں پر مینہ برسایا جائے گا۔
فِيهِ يَعْصِرُوْنَ
اور وہ انگوروں کا رس نکالیں گے۔
(جامع البیان: ج:12، ص:277 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

مزید راقم ہیں:

حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ (سے مراد)

یعنی اس سال میں لوگوں پر بارش برسائی جائے گی۔

فِیْهِ یَعْصِرُوْنَ

اور اس میں زیتون کا تیل نکالیں گے۔

(جامع البیان: ج: 12، ص: 276 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام نے دودھ دوہنے کا بھی بتایا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت علی بن طلحہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فِیْهِ یَعْصِرُوْنَ (یعنی بالتاء) پڑھتے تھے۔

یعنی تم دودھ دوہو گے۔

(جامع البیان: ج: 12، ص: 277 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام نے وہ کچھ بتایا جو انوں نے پوچھا بھی نہیں تھا

حضرت یوسف علیہ السلام نے ساقی کو بہت کچھ بتایا جن کا اس نے سوال بھی نہیں کیا تھا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں زیادہ معلومات فراہم کیں جن کے متعلق انہوں نے پوچھا نہیں تھا۔

(جامع البیان: ج: 12، ص: 276 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کو وحی کے ذریعے علم

امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ

شاید آپ علیہ السلام کو وحی کے ذریعے اس خوشحالی کے سال کا علم ہوا ہو یا اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں پر دستی کے بعد وسعت فرماتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(تفسیر بیضاوی مع حاشیہ شیخ زادہ: ج: 5، ص: 44 مطبوعہ العلمیہ بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کی تعداد کے مطابق گیارہ معجزے عطا فرمانا

حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کی تعداد کے مطابق گیارہ معجزے عطا فرمائے گئے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے بھائیوں کی تعداد کے مطابق گیارہ معجزے عطا فرمائے تھے۔

1-خوش خلقی

2-کھاری کنوئیں کا میٹھا ہونا

3-پرندوں کا آپ علیہ السلام سے کلام کرنا

4-عزیز مصر کے خزانے بھر جانا

5-زلیخا کے تالے ٹوٹ جانا

6-شیر خوار بچے کا گواہی دینا

7-قیدیوں کی بیڑیاں ٹوٹنا اور شکلیں بدلنا

8-گناہ سے بچنا اور عورتوں کا مکر ٹوٹنا بوجہ عصمت کیونکہ عصمت بھی نبوت کے معجزات میں شمار ہے۔

9-تعبیر کا علم

10-غیب کی خبریں دینا

11-حسن یوسفی کہ اسی کو دیکھ کر عورتوں نے انگلیاں کاٹ لیں۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:517 نعیمی کتب خانہ لاہور)

چار انبیاء کرام علیہم السلام کو حسن کا نور عطا فرمانا

اللہ تعالیٰ نے چار انبیاء کرام علیہم السلام کو حسن کا نور عطا فرمایا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

رب تعالیٰ نے چار پیغمبروں کو حسن کا نور عطا فرمایا۔

1-حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بالوں اور داڑھی شریف میں کہ سب سے پہلے دنیا میں آپ کے بال مبارک مثل نور کے سفید ہوئے اسی حسن بزرگی کے طفیل نار نمرود سے نجات پائی۔

2-حضرت یوسف علیہ السلام ان کے چہرے میں حسن کا نور رکھا انہوں نے اسی حسن کے ذریعہ کنوئیں سے نجات پائی۔

3-حضرت موسیٰ علیہ السلام کے داہنے ہاتھ میں حسن کا نور عطا فرمایا۔ انہوں نے اسی حسن کے ذریعہ دریا سے نجات پائی۔

4-سید المرسلین خاتم النبیین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک میں حسن کا نور رکھا اسی کے ذریعے آپ علیہ السلام معراج میں لامکان تک پہنچے۔ اسی حسن کی وجہ سے بار دو عالم کا ذمہ رب تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈال دیا کہ قرآن کریم جیسی عظیم امانت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھالی۔

اعلیٰ حضرت بلوی قدس سرہ نے فرمایا:

جس کو بار دو عالم کی پرواہ نہیں ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:517 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کا غلہ جمع کرنے کا تعبیر فرمانا

حضرت یوسف علیہ السلام نے ساقی کو تعبیر بتاتے وقت یہ بھی فرمایا کہ تم غلہ اپنے سلطانی گوداموں حکومت کے قبضے میں جمع کراتے جاؤ یا اپنے گھر میں جمع کر کے رکھو۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

جو کچھ تم کو گندم وغیرہ ملے تم کاٹو گے تو ان کو ان کی بالیوں میں چھوڑ دینا اور اپنے سلطانی گوداموں حکومت کے قبضے میں کراتے جاؤ یا اگر اپنے گھروں میں گنجائش ہو تو وہیں چھوڑے رکھو۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:518 نعیمی کتب خانہ لاہور)

احتکار کے معانی

علامہ ابن منظور افریقی متوفی 716ھ لکھتے ہیں:

الحکر ار خار الطعام للتربص

حکر کا معنیٰ ہے کھانے پینے کی چیزوں کو (مہنگائی کے) انتظار میں ذخیرہ کرنا۔

اور ابن سرہ نے کہا ہے۔

الاحتکار جمع الطعام ونحوہ مما یوکل واحتباسہ انتظار وقت الغلاء بہ

کھانے پینے کی چیزوں کو مہنگائی کے وقت کے لئے جمع کرنا۔

(لسان العرب: ج:4، ص:208 مطبوعہ نشر ادب الحوذۃ قم ایران)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی 1252ھ لکھتے ہیں:

کھانے پینے کی چیزوں کو مہنگائی کے انتظار میں چالیس دن تک ذخیرہ کرنا شرعاً احتکار ہے۔

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من احتکر علی المسلمین اربعین یوماً ضربہ اللہ بالجزام والافلاس

و فی روایۃ

فقد بریٔ من اللہ و بری اللہ منہ

جس شخص نے مسلمانوں پر چالیس دن ذخیرہ اندوزی کی اللہ تعالیٰ اس پر جذام (کوڑھ) اور افلاس کو مسلط کر دے گا۔

ایک اور روایت میں ہے۔

وہ اللہ تعالیٰ سے بری ہو گیا اور اللہ تعالیٰ اس سے بیزار ہو گیا۔

ایک اور روایت میں ہے۔

اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کا نہ فرض قبول فرمائے گا نہ نفل۔

چالیس دن کی مدت اس پر دنیاوی سزا مثلاً تعزیر جاری کرنے کے لئے ہے گناہ کے لئے یہ قید نہیں ہے اگر چند دن بھی مہنگائی کے انتظار میں ذخیرہ اندوزی کی تو گناہ گار ہوگا۔ احتکار کی تعریف میں کھانے پینے کی چیزوں کی قید امام ابوحنیفہ اور امام محمد نے لگائی ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک ہر وہ چیز جس کی ذخیرہ اندوزی سے مسلمانوں کو ضرر ہو وہ احتکار ہے۔

(ردالمحتار: ج:5،ص:351 مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول)

احتکار میں مذاہب فقہاء

احتکار میں فقہاء کے مذاہب ہیں جو درج ذیل ہیں۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی 676ھ لکھتے ہیں:

کھانے پینے کے علاوہ دوسری چیزوں میں ہمارے نزدیک احتکار بالکل نہیں ہے۔

علماء کرام نے کہا ہے کہ

احتکار کی حکمت یہ ہے کہ عام لوگوں سے ضرر کو دور کیا جائے اور علماء کرام کا اس پر اجماع ہے اگر کسی شخص کے پاس طعام ہو اور لوگوں کو اس طعام کی سخت ضرورت ہو اور اس کے علاوہ کہیں اور سے طعام نہ ملے تو لوگوں کو ضرر سے بچانے کے لئے اس کو طعام فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

صحیح مسلم کی حدیث مبارکہ میں جو حضرت سعید بن مسیب اور حضرت معمر رضی اللہ عنہما کے احتکار کا ذکر ہے اس کے متعلق علامہ ابن عبدالبر اور دوسرے محققین نے یہ کہا ہے کہ

وہ زیتون کے تیل کا احتکار کرتے تھے اور ان کے نزدیک احتکار ان چیزوں میں تھا جو رمق حیات کے لئے ضروری ہیں۔

امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہما نے بھی احتکار کو اسی پر محمول کیا ہے اور یہی صحیح ہے۔

(شرح مسلم: ج:2،ص:31 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

احتکار کی شرائط

احتکار کی تین شرائط ہیں۔

علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی 620ھ لکھتے ہیں:

احتکار حرام کی تین شرائط ہیں۔

1- کسی چیز کو خرید کر ذخیرہ اندوزی کرے اگر کوئی چیز اس کو آمدنی یا کسی اور طریقہ سے حاصل ہوئی تو وہ احتکار نہیں ہے۔

2- ایسی چیز میں ذخیرہ اندوزی کی جائے جو قوت ہو، سالن، حلواء، شہد، زیتون کا تیل اور جانوروں کے چارے میں ذخیرہ اندوزی ممنوع نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے۔

3- اس چیز کے خریدنے سے لوگوں پر تنگی ہو اور اس کی دو صورتیں ہیں۔

الف۔ شہر میں اس کی آبادی بمشکل سماتی ہو جیسے حرمین اور بغداد ایسے وسیع شہر میں احتکار موثر نہیں ہے۔

ب۔ جس وقت کسی چیز کی قلت ہو اس وقت اس چیز کو خرید کر ذخیرہ اندوزی کی جائے اور جب وہ چیز عام ہو پھر خرید کر جمع

کر لی جائے تو یہ احتکار نہیں ہے۔

(المغنی: ج:4،ص:154 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

کھانے پینے کی چیزوں میں ذخیرہ اندوزی کی مذمت

کھانے پینے کی چیزوں میں ذخیرہ اندوزی کی مذمت پر کثیر احادیث مبارکہ ہیں۔

چند درج ذیل ہیں۔

حضرت معمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے ذخیرہ اندوزی کی وہ گناہ گار ہے۔

سعید بن مسیب سے کہا گیا۔

آپ رضی اللہ عنہ تو خود ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں۔

انہوں نے کہا:

حضرت معمر جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ بھی ذخیرہ اندوزی کرتے تھے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 4010)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ذخیرہ اندوزی صرف گناہ گار شخص کرتا ہے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 4011)

ایک اور روایت میں ہے۔

عدی بن کعب کے ایک فرد معمر بن ابی معمر سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

پھر حسب سابق حدیث بیان کی۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 4012)

ایک اور روایت میں ہے۔

امام داؤد سلیمان بن اشعث متوفی 275ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

احتکار کرنے والا گناہ گار ہے۔

(سنن ابوداؤد: ج:2،ص:132 مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور)

ایک اور حدیث میں ہے۔
امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی 273ھ لکھتے ہیں:
حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
احتکار کرنے والا لعنتی ہے۔
(سنن ابن ماجہ، ص:156 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت یوسف علیہ السلام نے ذخیرہ اندوزی سے معیشت کی اصلاح کا طریقہ بتایا

حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو ذخیرہ اندوزی سے معیشت کی اصلاح کا طریقہ بتایا کہ وہ خوش حالی اور غلہ کی فراوانی کے سالوں میں ضرورت سے زیادہ غلہ کو خرچ نہ کریں اور بے تحاشا خرچ کر کے ضائع نہ کریں بلکہ مستقبل میں آنے والے قحط کے سات سالوں کے لئے غلہ کو بچا کر رکھیں اور اس میں یہ دلیل ہے کہ
مستقبل کے لئے مال پس انداز کرنا مصلحت کے اعتبار سے ضروری ہے۔
نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ
قومی ضرورت کے وقت ذخیرہ اندوزی جائز ہے منع اس صورت میں ہے جب لوگ بھوک سے مر رہے ہوں اور تاجر اپنا نفع بڑھانے کے لئے غلہ کو گوداموں میں چھپا کر رکھیں اور مارکیٹ میں فروخت کے لئے نہ لائیں، تو اس صورت میں ذخیرہ اندوزی منع ہے۔

بادشاہ کا حضرت یوسف علیہ السلام کو بلوانے کا کہنا

جب بادشاہ کو ساقی نے آکر تعبیر بتائی تو بادشاہ کو حضرت یوسف علیہ السلام کی تعبیر بہت زیادہ پسند آئی اور اس نے کہا:
یوسف علیہ السلام کو میرے پاس لے کر آؤ۔
قرآن مجید میں ہے:
وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ ۚ (یوسف:50)
اور بادشاہ نے کہا یوسف کو میرے پاس لے کر آؤ۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو بادشاہ کا بلانا علم کی وجہ سے

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب ساقی کو خواب کی تعبیر بتا دی تو بادشاہ آپ علیہ السلام کے علم غیب کے مرتبے کو سمجھ گیا اور اس نے آپ علیہ السلام کو بلانے کے لئے کہا جس سے ثابت ہوا کہ علم انسان کی عزت و مرتبہ کو بلند کرتا ہے۔

علماء اور علم کے متعلق فضائل

علماء اور علم کے متعلق کثیر فضائل ہیں۔ علماء کرام کو اللہ تعالیٰ نے کیا مقام دنیا میں عطا فرمایا ہے اور کیا مقام آخرت میں عطا فرمائے گا وہ سب علم دین کی وجہ سے ہے اس کے متعلق چند احادیث درج ذیل ہیں۔

حضرت ثعلبہ بن الحکم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ عزوجل! جب بندوں پر اپنا فضل کرنے کے لئے اپنی کرسی پر تشریف فرما ہوگا تو وہ علماء کرام سے فرمائے گا۔
میں نے اپنا علم اور اپنا حکم (نظام، قانون) تم کو صرف اس لیے عطا کیا تھا کہ میں تمہاری مغفرت کرنا چاہتا تھا اور میں بے نیاز ہوں۔
(معجم الکبیر: رقم الحدیث: 1381)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ قیامت کے دن علماء کرام کو اٹھائے گا۔
اور ارشاد فرمائے گا۔
میں نے اپنا علم تم میں اس لیے نہیں رکھا تھا کہ تم کو عذاب دوں جاؤ میں نے تم کو بخش دیا ہے۔
(معجم الصغیر: رقم الحدیث: 591)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ علماء کرام کو جمع کر کے فرمائے گا۔
میں نے تمہارے دلوں میں حکمت اس لیے نہیں رکھی تھی کہ میں تمہیں عذاب دینا چاہتا ہوں۔ جنت میں داخل ہو جاؤ۔
(کنز العمال: رقم الحدیث: 28894)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ
اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین کی فقہ (سمجھ) عطا فرماتا ہے۔
(صحیح بخاری: ج:۱، ص:16 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو شخص علم کی تلاش میں کسی راستہ پر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے

گھروں میں سے کسی گھر میں جو قوم کتاب اللہ کی تلاوت کرے اور ایک دوسرے کے ساتھ درس کا تکرار کرے ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے۔ انہیں رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنے پاس فرشتوں میں کرتا ہے اور جس شخص کو اس کا عمل پیچھے کر دے تو اس کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھاتا۔

(صحیح مسلم: ج:2،ص:345 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایک فقیہ ہزار عابدوں سے زیادہ شیطان پر بھاری ہے۔

(جامع ترمذی: ص:384 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بہ خدا اگر اللہ تعالیٰ تمہارے سبب سے کسی ایک آدمی کو ہدایت دے دے تو وہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

(سنن ابوداؤد: ج:2،ص:159 مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روائت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے قرآن مجید پڑھا اور اس کو حفظ کر لیا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا اور اس کو اس کے گھر کے ان دس افراد کیلئے شفاعت کرنے والا بنائے گا جو سب جہنم کے مستحق ہو چکے ہوں گے۔

(سنن ابن ماجہ: ص:19 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا ایک عابد تھا دوسرا عالم تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عالم کی عابد پر ایسی فضیلت ہے جس طرح میری تم میں سے کسی ادنیٰ شخص پر فضیلت ہے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام فرشتے اور تمام آسمانوں اور زمینوں والے حتیٰ کہ چیونٹی بھی اپنے سوراخ میں لوگوں کو نیکی کی تعلیم دینے والے کے لئے دعا کرتی ہے۔ (جامع ترمذی: ص:377 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ
جو شخص علم کی تلاش میں کسی راستہ پر چلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے راستہ پر چلاتا ہے اور بے شک طالب علم کی رضا جو کے لئے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں اور آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں حتیٰ کہ پانی کی مچھلیاں بھی عالم کی مغفرت کی دعا کرتی ہیں اور عالم کی عابد پر ایسی فضیلت ہے جیسے چاند کی ستاروں پر اور بے شک علماء انبیاء (علیہم السلام) کے وارث ہیں اور انبیاء علیہم السلام کسی کو دینار اور درہم کا وارث نہیں بناتے وہ صرف علم کا وارث بناتے ہیں سو جس شخص نے علم کو حاصل کر لیا اس نے عظیم حصہ کو حاصل کر لیا۔

(جامع ترمذی: ص: 384 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی 458ھ روایت کرتے ہیں۔
ابو جعفر نے کہا:
عالم کی موت ابلیس کے نزدیک ستر عابدوں کی موت سے زیادہ محبوب ہے۔

(شعب الایمان: ج: 2، ص: 267 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
قیامت کے دن تین (گروہ) شفاعت کریں گے۔
1- انبیاء کرام علیہم السلام
2- پھر علماء کرام
3- پھر شہداء کرام۔

(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 4313)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو شخص ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے اور ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے عالم کا حق نہ پہچانے وہ میری امت سے نہیں ہے۔

(معجم الکبیر: رقم الحدیث: 8791)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تین شخصوں کی تخفیف صرف منافق کرتا ہے۔
1-جو شخص اسلام میں سفید ریش ہو۔
2-عالم
3-اور امام عادل۔
(معجم الکبیر: رقم الحدیث:3442)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جس شخص نے کسی بندہ کو کتاب اللہ کی ایک آیت کی تعلیم دی تو وہ اس بندہ کا مولیٰ ہے وہ بندہ اس استاذ کو نا امید کرے نہ اس پر اپنے آپ کو ترجیح دے اگر اس نے ایسا کیا تو اس نے اسلام کی گرہوں میں سے ایک گرہ کھول دی۔
(معجم الکبیر: رقم الحدیث:7528)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت حماد انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جس شخص نے کسی کو قرآن کی تعلیم دی تو وہ اس کا مولا ہے وہ اس کو نامراد کرے نہ اس پر اپنے آپ کو فضیلت دے۔
(کنز العمال: رقم الحدیث:2382)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
علم سیکھو اور علم کے لئے طمانیت اور وقار حاصل کرو اور جس سے علم حاصل کیا ہے ان کے سامنے تواضع اور انکسار کرو۔
(معجم الاوسط: رقم الحدیث:6184)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
علم سیکھو اور علم کے لئے طمانیت اور وقار حاصل کرو اور جس سے علم حاصل کرو اس کے سامنے ڈکٹیٹر نہ بنو۔
(کتاب الزہد: رقم الحدیث:275)
ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جن سے تم علم حاصل کرتے ہو ان کے سامنے عاجزی کرو اور جو تم سے علم حاصل کرتے ہیں وہ تمہارے سامنے عاجزی کریں اور تم اساتذہ پر حکم نہ چلاؤ اور تمہارے علم کے ساتھ جہالت کے کام نہ ہوں۔

(المدخل الی السنن للبیہقی: ص:333)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

عالم کا تم پر یہ حق ہے کہ تم مجلس میں لوگوں کو بالعموم سلام کرو اور عالم کو خصوصیت کے ساتھ علیحدہ سلام کرو تم ان کے سامنے بیٹھو ان کے سامنے ہاتھ سے اشارہ نہ کرو اور نہ آنکھوں سے اشارے کرو۔ جب وہ کوئی مسئلہ بتائے تو یہ نہ کہو کہ فلاں نے اس کے خلاف کہا ہے۔ اس کے سامنے کسی کی غیبت نہ کرو نہ اس کی مجلس میں کسی سے سرگوشی کرو، اس کے کپڑے کو نہ پکڑو۔ جب وہ اکتا جائے تو اس کے پاس نہ جاؤ اس کی لمبی معیت سے احتراز نہ کرو کیونکہ وہ کھجور کے درخت کی طرح ہے۔ تم منتظر رہو کہ تم پر کب اس سے کوئی پھل گرتا ہے کیونکہ مومن عالم کا اجر روزہ دار اور قیام کرنے والے عابد اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں مجاہد سے زیادہ ہے اور جب عالم مرتا ہے تو اسلام میں ایسا سوراخ ہو جاتا ہے جس کو قیامت تک کوئی چیز بند نہیں کر سکتی۔

(الجامع للخطیب: رقم الحدیث:347)

ایک اور روایت میں ہے۔

عمرو بن دینار سے روایت ہے کہ

حضرت ابن عباس اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما ایک جنازہ میں گئے جب حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سواری پر سوار ہونے لگے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی سواری کی رکاب تھام لی۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا:

اے میرے بھتیجے ایک طرف ہٹ جائیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا:

علماء کے ساتھ اس طرح کیا جاتا ہے۔

(مستدرک: رقم الحدیث:5808)

ایک اور روایت میں ہے۔

طاؤس نے روایت کیا ہے کہ

سنت یہ ہے کہ چار اشخاص کی تعظیم و توقیر کی جائے۔

1- عالم کی

2- سفید ریش کی

3- سلطان کی

4-اور والد کی اور یہ جفا سے ہے کہ کوئی شخص اپنے والد کو اس کا نام لے کر بلائے۔

(مصنف عبدالرزاق:رقم الحدیث:20302)

ایک اور روایت میں ہے۔

ایوب بن القریۃ سے روایت ہے کہ

سب سے زیادہ تعظیم کے مستحق تین ہیں۔

1-علماء

2-بھائی

3-اور سلطان

جس نے علماء کی بے ادبی کی اس کا دین فاسد ہو جاتا ہے اور بھائیوں کی توہین سے اس کی مروت فاسد ہو جاتی ہے اور سلطان کے استخفاف سے اس کا دین فاسد ہو جاتا ہے اور عاقل ان میں سے کسی کی توقیر میں کمی نہیں کرتا۔

(جامع بیان العلم وفضلہ:رقم الحدیث:996،ج:1،ص:581 مطبوعہ دار ابن الجوزیہ السعودیہ)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی 505ھ لکھتے ہیں:

شاگرد کو چاہئے کہ استاذ کو کسی چیز کا حکم نہ دے بلکہ اپنے تمام معاملات کی لگام استاذ کو بالکلیہ سونپ دے اور جس طرح مریض مشفق اور حاذق طبیب کی خیر خواہی پر یقین رکھتا ہے اسی طرح استاذ کی خیر خواہی پر یقین رکھے اور اپنے استاذ کے سامنے عاجزی کرے اور اس کی خدمت کر کے شرف اور ثواب کو حاصل کرے۔ جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی رکاب تھام لی تھی اور استاذ کے سامنے تکبر نہ کرے اور اس سے استفادہ کرنے کو عار نہ سمجھے اور جو کچھ کہے اس کو توجہ سے سنے اس سے خوش رہے اس کا شکر ادا کرے اور اس کا احسان مانے، استاذ کے نظریات کی تقلید کرے۔ اس کے سامنے اپنی رائے کو چھوڑ دے کیونکہ استاذ کی خطاء اس کی صحت سے زیادہ نفع آور ہے کیونکہ باریک بینی اور تجربہ کی باتیں زیادہ مفید ہوتی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے قصہ میں متنبہ فرمایا اس لیے استاذ سے استفادہ کرنے کی شرط یہ ہے کہ اس کے سامنے خاموش رہے اور اس پر اعتراض نہ کرے جب تک استاذ اس کو نہ بتائے۔ پھر امام غزالی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نصیحت کو لکھا جس کو ہم ذکر کر چکے ہیں۔

(احیاء علوم الدین:ج:1،ص:52 تا 53 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک القشیری متوفی 465ھ لکھتے ہیں:

مرید کے لئے اپنے شیخ سے، شاگرد کے لئے اپنے استاذ سے اور عام آدمی کے لئے عالم اور مفتی سے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ آپ کے قول سے یا آپ کی رائے سے یا آپ کے فتویٰ سے اختلاف ہے۔

(لطائف الاشارات:ج:2،ص:228 دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

جو استاذ کامل اور متبحر ہو اس کے سامنے شاگرد کو اعتراض نہیں کرنا چاہئے اگر اس نے تین مرتبہ سے زیادہ اعتراض کیے تو

پھر ان میں انقطاع ہو جائے گا جیسا کہ حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے قصہ میں ہوا۔

(تفسیر کبیر: ج:7،ص:484 مطبوعہ دار الکتب احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ بدر الدین محمود بن عینی حنفی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:

استاذ کا سفر میں خدمت کے لئے اپنے کسی شاگرد کو ساتھ لے جانا درست ہے اور یہ تعلیم کا عوض نہیں ہے جیسے حضرت علیہ السلام اپنے ساتھ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو لے گئے تھے۔

(عمدۃ القاری: ج:2،ص:97 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ شہاب احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

ہر حال میں تواضع کو لازم رکھنا چاہئے اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام باوجود کلیم اللہ ہونے کے حضرت خضر علیہ السلام پاس گئے اور ان سے علم کو طلب کیا تاکہ ان کی امت بھی ان کی سیرت پر عمل کرے۔

(فتح الباری: ج:1،ص:248 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی 1137ھ لکھتے ہیں:

امام ابو منصور ماتریدی متوفی 335ھ نے التاویلات النجمیہ میں فرمایا ہے شاگرد اور مرید کے آداب میں سے یہ ہے کہ تواضع اور انکسار کرتے ہوئے اور اپنے شیخ اور استاذ کی تعظیم کرتے ہوئے اس سے استفادہ کرنے اور تعلیم حاصل کرنے کی اجازت طلب کرے اور اس کا استاذ اور شیخ جس چیز کا حکم دے اس پر عمل کرے اور جس سے منع کرے اس سے باز رہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے کلیم تھے نبی اور رسول تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام ان کے پاس آتے تھے ان پر تورات نازل کی گئی تھی وہ اللہ تعالیٰ سے کلام کرتے تھے۔ بنی اسرائیل ان کی اقتداء کرتے تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کی اتباع کی اور ان کے سامنے تواضع اور انکسار کو اختیار کیا اپنے اہل اور متبعین کو چھوڑا اور اپنے مناصب اور مناقب کو ترک کیا اور حضرت خضر علیہ السلام کی ارادت کے دامن کو پکڑ لیا اور ان کے اوامر اور نواہی کی اطاعت کی۔

نیز امام ابو منصور ماتریدی نے فرمایا:

شاگردی کے آداب میں سے یہ ہے کہ

اگر استاذ اس کو بار بار رد کرے اور انہیں شاگردی میں لینے سے انکار کرے پھر بھی اس کے دامن کو نہ چھوڑے کیونکہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکیں گے اور آپ اس چیز پر صبر کیسے کر سکتے ہیں جس کا آپ کے علم نے احاطہ نہیں کیا۔ موسیٰ نے کہا آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

(روح البیان: ج:5،ص:326 تا 327 دار احیاء التراث العربی بیروت)

نیز علامہ اسماعیل حقی حنفی لکھتے ہیں:

اسکندر سے پوچھا گیا اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ اپنے والد سے زیادہ اپنے استاذ کی تعظیم کرتے ہیں۔
اسکندر نے جواب دیا۔

میرے والد مجھے آسمان سے زمین کی طرف لائے اور میرے استاذ مجھے زمین سے اٹھا کر آسمان کی طرف لے گئے۔

بزرجمہر سے پوچھا گیا۔

اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ اپنے والد سے زیادہ اپنے استاذ کی تعظیم کرتے ہیں۔

اس نے کہا:

کیونکہ میرے والد میری حیات فانی کے سبب ہیں اور میرے استاذ میری حیات باقی کے سبب ہیں۔

(روح البیان: ج:7، ص:95 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

عالم اور استاذ کے ساتھ ادب کا استعمال کرنا اور مشائخ کا احترام کرنا اور ان کے اقوال، افعال اور ان کی حرکات پر اعتراض نہ کرنا اور ان کی مناسب تاویل کرنا مستحب ہے۔

(روح المعانی: جز:16، ص:31 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ محمد بن محمد ابن البزار الکردری الحنفی متوفی 827ھ لکھتے ہیں:

نوجوان عالم دین بوڑھے غیر عالم پر مقدم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ (المجادلہ:11)

"تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جن کو علم دیا گیا ہے اللہ ان کے درجات بلند کر دے گا۔"

پس جن کے درجات کو اللہ تعالیٰ بلند کرنے والا ہو جوان کو پست اور نیچا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں گرا دے گا اور عالم عالم قرشی پر مقدم ہے۔

اور اس کی دلیل ہے کہ

حضرت ابو بکر اور حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم پر مقدم ہیں حالانکہ داماد کا رشتہ خسر سے زیادہ قریب

اور علامہ الزندویستی نے کہا:

عالم کا حق جاہل پر اور استاذ کا حق شاگرد پر برابر ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ

شاگرد استاذ سے پہلے کلام نہ کرے اور استاذ خواہ غائب ہو اس کی جگہ پر نہ بیٹھے اس کی بات کو رد نہ کرے، چلنے میں اس آگے نہ بڑھے اور شوہر کا حق بیوی پر اس سے بھی زیادہ ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ

ہر جائز کام میں اس کی اطاعت کرے۔

(فتاویٰ بزازیہ علی ہامش الہندیہ: ج:6، ص:352 مطبوعہ مطبع امیریہ کبریٰ بولاق مصر)

علامہ خیر الدین رملی حنفی متوفی 1081ھ نے بھی اس عبارت کو نقل کیا ہے۔
اور یہ لکھا ہے کہ
فقیہ کو تصغیر کے ساتھ فقیہ پڑھنا کفر ہے۔
(فتاویٰ خیریہ علی ہامش تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ: ج:2، ص:263 مکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ)
علامہ عثمان بن علی الزیلعی الحنفی متوفی 743ھ لکھتے ہیں:
علماء کو غیر علماء پر کیوں نہیں مقدم کیا جائے گا جبکہ قرآن مجید میں علی الاطلاق وارد ہے۔
قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ط (الزمر:9)
"آپ فرمادیجئے کہ کیا علم والے اور بغیر علم والے برابر ہو سکتے ہیں"۔
اسی وجہ سے نماز میں عالم کو مقدم کیا جاتا ہے حالانکہ ایمان لانے کے بعد سب سے پہلے نماز پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے۔
اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔
(تبیین الحقائق: ج:6، ص:229 مکتبہ امدادیہ ملتان)
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی متوفی 1340ھ لکھتے ہیں:
1- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کیا۔
(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث:4811)
اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ٥ (ابراہیم:7)
"اگر تم شکر کرو گے تو میں تم کو زیادہ (نعمتیں) دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بہت سخت ہے۔"
اور استاذ نے شاگرد کو جو تعلیم کی نعمت دی ہے اس کا شکر یہ ہے کہ اس کی خدمت اور اس کی تعظیم و تکریم کی جائے اور اگر اس کے خلاف کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وعید ہے۔
2- استاذ کے حقوق سے انکار کرنا نہ صرف مسلمانوں کے اجماع کے خلاف ہے بلکہ تمام عقل والوں کے اتفاق کے خلاف ہے۔
3- استاذ کی تعظیم اور اس کی خدمت نہ کرنا اس کے احسان کا انکار کرنا ہے۔
حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
کسی کی نیکی کو حقیر نہ جانو خواہ وہ تم سے مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ ملتا ہو (یعنی اس کی اس نیکی کو بھی معمولی نہ سمجھو)
(صحیح مسلم: رقم الحدیث:2626)

4-استاذ کی نیکیوں کو حقیر جاننا قرآن، حدیث اور فقہ کو حقیر جاننا ہے جن کی اس نے تعلیم دی ہے اور ان کو حقیر جاننا کفر ہے۔

5-استاذ کا حق ماں باپ کے حق سے زیادہ ہے کیونکہ ماں باپ سے بدنی حیات ملی اور استاذ سے روحانی حیات ملی۔

6-حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

جس نے مجھے ایک حرف پڑھایا اس نے مجھے اپنا غلام بنالیا خواہ وہ مجھے فروخت کردے یا آزاد کردے اور استاذ کی نافرمانی کرنا غلام کے بھاگنے کے مترادف ہے۔

(معجم الکبیر:رقم الحدیث:7528)

7-امام طبرانی اور امام ابن عدی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

علم حاصل کرو، طمانیت اور وقار کے لئے علم حاصل کرو اور جس سے علم حاصل کرو اور ان سے عاجزی کرو۔

(معجم الکبیر:رقم الحدیث:7528)

کتنے شاگرد استاذ کی برکت اور اس کا فیض حاصل کرنے کے لئے اس کے پیروں کی خاک اپنے چہروں پر ملتے تھے۔

8-استاذ کا شاگرد پر حق یہ ہے کہ استاذ کی غیر موجودگی میں بھی شاگرد اس کی جگہ پر نہ بیٹھے اس کے کلام کو رد نہ کرے اور اس کے آگے نہ چلے۔

اس کو علامہ شامی نے بزازیہ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

9-جب استاذ سے آگے چلنا بھی جائز نہیں ہے تو استاذ کی نافرمانی کرنا اور اس کی تحقیر کرنا کب جائز ہوگا۔

10-استاذ کی دل آزاری کرنا اور اس کو رنج پہنچانا حرام ہے کیونکہ یہ ایک مسلمان کو ایذا دینا ہے اور مسلمانوں کو ایذا پہنچانا حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا۝

(الاحزاب:58)

جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بغیر کسی جرم کے ایذاء پہنچاتے ہیں وہ ان پر بہتان باندھتے ہیں اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے کسی مسلمان کو ایذاء دی اس نے مجھے ایذاء دی اور جس نے مجھے ایذاء دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذاء دی۔

(معجم الکبیر:رقم الحدیث:3632)

11-استاذ کی بے توقیری کرنا ایک مسلمان کے لئے موجب تذلیل ہے اور مسلمان کی تذلیل حرام ہے۔

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جس شخص کے سامنے کسی مومن کو ذلیل کیا گیا اور اس نے اس کی مدد نہیں کی جبکہ وہ اس کی مدد پر قادر تھا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں کے سامنے ذلیل کردے گا۔
(مسند احمد: ج:3، ص:487)

12- عالم او استاذ کی بے توقیری کرنے کی ایک وجہ اس سے حسد کرنا ہے اور حسد حرام ہے۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
حسد کرنے سے اجتناب کرو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔
(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث:4903)

13- استاذ کی بے توقیری کرنا ظلم ہے۔
اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ٥ (ہود:18)
سو ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

14- جو شخص استاذ کی عزت نہیں کرتا وہ اپنے بڑوں کی بے توقیری کرتا ہے۔
اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو شخص ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے اور ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے عالم کا حق نہ پہچانے وہ میری امت سے نہیں۔
(معجم الکبیر: رقم الحدیث:7819)

15- جو شخص بزرگ عالم دین کی عزت نہ کرے اس پر وعید فرمائی۔
(معجم الکبیر: رقم الحدیث:7819)

16- وہ علماء اور اساتذہ جو بالخصوص سادات ہوں ان کی تعظیم اور تکریم واجب ہے۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جس نے میرے اہل بیت، انصار اور عرب کا حق نہیں پہچانا یا تو وہ منافق ہوگا یا ولد الزنا ہوگا۔ یا وہ ہوگا جس کا حمل اس کی ماں کو ناپاکی کی حالت میں ہوا ہو۔
(الفردوس بماثور الخطاب: رقم الحدیث:5955)

17- جو عالم دین سید اور متقی ہو وہ تعظیم اور تکریم کا مستحق ہے اور اس کی بے توقیری اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرنا

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ (الطلاق:1)

جس شخص نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

(فتاویٰ رضویہ: ج:10،ص:19 تا 22 مطبوعہ دار العلوم امجدیہ، مکتبہ رضویہ کراچی)

علماء راسخین اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ اور صفات مقدسہ کو دلائل یقینیہ قطعیہ سے جانتے ہیں اور قرآن اور حدیث میں مہارت رکھتے ہیں اور تمام اصول اور فروع کو جانتے ہیں۔ ان سے عقائد اسلام اور احکام شرعیہ کے متعلق جو بھی سوال کیا جائے وہ اس کا جواب عنایت فرماتے ہیں۔

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

علماء راسخین سے مراد ایسے علماء ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کو دلائل یقینیہ قطعیہ سے جانتے ہوں اور ان کو دلائل قطعیہ سے معلوم ہو کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور جب وہ کسی آیت کو دیکھیں کہ اس کا ظاہری معنی قطعی طور پر مراد نہیں ہے تو قطعیت سے جان لیں کہ یہ آیت متشابہ ہے اور اس کی مراد کا صرف اللہ تعالیٰ کو ہی علم ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی عقل سے قرآن مجید میں غور کرتے ہیں اور جس آیت کا معنیٰ ظاہری دلائل شرعیہ کے مطابق ہوتا ہے اس کو محکم قرار دیتے ہیں اور جس کا ظاہر دلائل شرعیہ کے خلاف ہوتا ہے اس کو متشابہ قرار دیتے ہیں۔ اس آیت مبارکہ سے متکلمین کی قدر و منزلت کا علم ہوتا ہے جو دلائل عقلیہ سے بحث کرتے ہیں اور ان سے اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور افعال کی معرفت حاصل کرتے ہیں اور دلائل عقلیہ، لغت، قواعد عربیہ اور احادیث اور آثار سے قرآن مجید کی تفسیر کرتے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تفسیر کرنے کے لئے لغت، قواعد عربیہ اور احادیث اور آثار میں تبحر درکار ہے اور جو شخص ان علوم میں تبحر حاصل کئے بغیر قرآن مجید کی تفسیر کرے گا وہ اللہ تعالیٰ سے بہت دور ہوگا۔

اور اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

جس شخص نے اپنی رائے سے قرآن مجید کی تفسیر کی وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔

(تفسیر کبیر: ج:2،ص:401 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اور امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابو درداء اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ

علم میں راسخ کون ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو اپنی قسم پوری کرے اور اس کی زبان سچی ہو اور اس کا دل (حق پر) مستقیم ہو اور اس کا پیٹ اور اس کی شرم گاہ حرام سے باز ہو۔

(جامع البیان: ج:3،ص:123 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

میں کہتا ہوں کہ

علماء راسخین کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ علم کے تقاضوں پر عامل ہوں اور جس شخص کو اصول اور فروع کے مسائل ہوں اور وہ عمل سے خالی ہو یا بدعمل ہو وہ علماء راسخین میں سے نہیں ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ (الجمعہ:5)

''ان لوگوں کی مثال جن پر تورات کا بوجھ رکھا گیا پھر انہوں نے اسے نہ اٹھایا (اس پر عمل نہیں کیا) اس گدھے کی طرح ہے جس کی پیٹھ پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہے۔''

یہ تو وہ بیان کیا گیا جو علماء کرام کے فضائل پر مشتمل تھا اب آخر میں علماء وعلم کے فضائل کو قرآن مجید اور احادیث مبارکہ ثابت کرتا ہوں جس میں واضح طور پر علم دین اور علماء کے فضائل بیان کیے گئے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ (المجادلہ:11)

تم میں سے جو کامل ایمان والے اور علم والے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے گا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ؕ (الزمر:9)

آپ فرمادیجئے! کیا جو لوگ جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے برابر ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ (فاطر:28)

اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء اللہ سے ڈرتے ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًۢا بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ ۙ وَ مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۠ (الرعد:43)

آپ فرمادیجئے! میرے اور تمہارے درمیان کافی گواہ اللہ ہے اور وہ جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا علم ہے۔

اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَ مَا یَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۝ (العنکبوت:43)

اور یہ مثالیں جن کو ہم لوگوں کے لئے بیان فرماتے ہیں ان کو صرف علم والے سمجھتے ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ (آل عمران:18)

اللہ نے گواہی دی ہے کہ اس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں ہے اور فرشتوں اور علم والوں نے (یہ گواہی دی) در آں

حالیکہ وہ قائم بالعدل تھے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (النساء:83)

اور اگر وہ اس کو رسول اور صاحبان امر کی طرف لوٹا دیتے تو اس (کی مصلحت) کو وہ لوگ جان لیتے جو ان میں سے استنباط کر سکتے ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ (العنکبوت:49)

بلکہ یہ ان لوگوں کے سینہ میں روشن آیتیں ہیں جنہیں علم دیا گیا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ○ (طٰہٰ:114)

اور دعا کیجئے کہ اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ فرما۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ○ (النساء:113)

''اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی اور جن چیزوں کا آپ کو (پہلے) علم نہیں تھا ان کا علم دے دیا اور (یہ) آپ پر اللہ کا عظیم فضل ہے۔''

یہ علم دین کے فضائل پر آیات کریمہ تھیں اب احادیث مبارکہ درج ذیل ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

اللہ تعالیٰ جس شخص کے لئے خیر کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:71)

یہ حدیث مبارکہ گزشتہ اوراق میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی نقل کی گئی ہے۔

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص علم ڈھونڈنے کے لئے کسی راستہ پر چلا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کی طرف راستہ کو آسان کر دیتا ہے۔

(سنن ترمذی:2646)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
جو شخص علم کی طلب میں نکلا وہ واپس آنے تک اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے۔
(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2647)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت سنجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو شخص علم کی طلب کے لئے نکلا تو اس کا نکلنا اس کے پچھلے گناہوں کے لئے کفارہ ہو جاتا ہے۔
(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2648)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
جو شخص علم کی طلب میں کسی راستہ پر گیا اللہ تعالیٰ جنت کے راستوں کو اس کے لئے آسان کر دیتا ہے اور فرشتے عالم علم کی رضا کے لئے اپنے پر جھکاتے ہیں اور آسمانوں اور زمینوں کی تمام مخلوق طالب علم کی مغفرت کے لئے دعا کرتی ہے حتیٰ کہ پانی میں مچھلیاں بھی اور بے شک عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہے اور بے شک علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کسی کو دینار اور درہم کا وارث نہیں بناتے وہ علم کا وارث بناتے ہیں سو جس نے علم کو حاصل کیا اس نے عظیم حصہ کو حاصل کیا۔
(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 3642)
(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2682)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ
طالب کی رضا کو طلب کرنے کے لئے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں۔
(کنز العمال: رقم الحدیث: 28725)
امام ابن الاثیر الجزری متوفی 606ھ لکھتے ہیں:
فرشتوں کے پر جھکانے یا پر بچھانے کا معنی یہ ہے کہ
وہ طالب علم کی تعظیم اور توقیر کرتے ہیں۔
یہ بھی کہا گیا ہے کہ
وہ اپنا اڑنا موقوف کر کے طالب علم کے ساتھ رہنے کو اختیار کرتے ہیں۔
ایک قول یہ ہے کہ

وہ اپنے پروں پر طالب علم جہاں جانا چاہے اس کو اٹھا کر لے جاتے ہیں یعنی اس کی مدد کرتے ہیں۔
(جامع الاصول: ج:8، ص:6 دار الکتب العلمیہ بیروت)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
علم کی تین اقسام ہیں اس کے ماسوا زائد ہیں۔
1- آیت محکمہ
2- سنت محکمہ
3- یا فریضہ عادلہ
(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 2885)
آیت محکمہ سے مراد یہ ہے کہ
قرآن مجید کی ان آیات کا علم ہو جن میں کوئی اشتباہ یا اختلاف نہ ہو اور وہ منسوخ نہ ہوں۔
اور سنت محکمہ سے مراد یہ ہے کہ
وہ احادیث صحیحہ جن کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو۔
اور فرائض عادلہ سے مراد یہ ہے کہ
اس کو احکام شرعیہ کا علم ہو۔
حسان بن سنان سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
طالب علم، جاہلوں کے درمیان اس طرح ہے جس طرح زندہ مردوں کے درمیان ہو۔
(جمع الجوامع: رقم الحدیث: 13882)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
طالب علم، طالب رحمت ہے۔
طالب علم، اسلام کا رکن ہے اس کو انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ اجر دیا جائے گا۔
(کنز العمال: رقم الحدیث: 8729)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے لئے علم کو طلب کرنے والا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک مجاہد فی سبیل اللہ سے افضل ہے۔

(جمع الجوامع: رقم الحدیث: 13885)

ایک اور روایت ہے۔

حضرت عمار اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ کے لئے علم کی طلب کرنے والا اس شخص کی مثل ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے صبح اور شام جہاد کرنے والا ہو۔

(کنز العمال: رقم الحدیث: 28728)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔

یا رسول اللہ! کون سا عمل سب سے افضل ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ عزوجل کا علم۔

اس نے عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کون سا عمل سب سے افضل ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ عزوجل کا علم۔

اس نے عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمل کے متعلق سوال کر رہا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے علم کی خبر دے رہے ہیں۔

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کم عمل علم کے ساتھ نفع دیتا ہے اور زیادہ عمل جہل کے ساتھ نفع نہیں دیتا۔

(جامع بیان العلم وفضلہ، رقم الحدیث: 214 دار ابن الجوزیہ ریاض)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی 458ھ لکھتے ہیں:

جب علم کا لفظ مطلقاً بولا جائے تو اس سے مراد علم دین ہوتا ہے۔

اور اس کی متعدد اقسام ہیں۔

1- اللہ عزوجل کی معرفت کا علم اس کو علم الاصل کہتے ہیں۔

2- اللہ عزوجل کی طرف سے نازل شدہ چیزوں کا علم، اس میں علم نبوت اور علم احکام اللہ بھی داخل ہے۔

3- کتاب وسنت کی نصوص اوران کے معانی کا علم، اس میں مراتب نصوص ناسخ اور منسوخ، اجتہاد، قیاس، صحابہ، تابعین تبع تابعین کے اقوال کا علم اوران کے اتفاق اوراختلاف کا علم بھی داخل ہے۔

4- جن علوم سے کتاب وسنت کی معرفت اوراحکام شرعیہ کا علم ممکن ہواس میں لغت عرب، نحو، صرف اور محاورات عرب کی معرفت داخل ہے۔ جو شخص علم دین کے حصول کا ارادہ کرے اوروہ اہل عرب سے نہ ہواس پر لازم ہے کہ وہ پہلے عربی زبان اور اس کے قواعد کا علم حاصل کرے اوراس میں مہارت پیدا کرے پھر قرآن مجید کے علم کو حاصل کرے اور بغیر احادیث کی معرفت کے قرآن مجید کے معانی کی وضاحت ممکن نہیں ہے اوراحادیث کا علم، آثار صحابہ کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں ہے اورآثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معرفت کے لئے تابعین اور تبع تابعین کے اقوال کی معرفت ضروری ہے کیونکہ علم دین ہم تک اسی طرح درجہ بدرجہ پہنچا ہے اور جب قرآن، سنت، آثار صحابہ اوراقاویل تابعین اور تبع تابعین کا علم حاصل ہو جائے تو پھر اجتہاد کرے اور متقدمین کے مختلف اقوال میں غور کرے اور جو قول اس کے نزدیک دلائل سے راجح ہواس کو اختیار کرے اور جو نئے مسائل پیدا ہوں ان کا قیاس کے ذریعہ حل تلاش کرے۔

(شعب الایمان: ج:2، ص:251)

1- اس مفصل بحث سے ثابت ہوا کہ علماء کرام وعلم کے کثیر فضائل ہیں۔ اور علماء کرام انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں۔ لہٰذا علماء کرام کی عزت وقدر کرنی چاہئے اور جس قدر ممکن ہوان کی صحبت اختیار کرنی چاہئے کیونکہ یہی تو وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کو سب سے زیادہ جانتے ہیں اوراحکام شرعیہ کے مفتی ہیں جن سے دین ودنیا کے مسائل سیکھے جاسکتے ہیں۔

بادشاہ حضرت یوسف علیہ السلام کے علم کا معترف ہوگیا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے ساقی کو خواب کی تعبیر بتادی اور ساقی نے جا کر اپنے بادشاہ کو تعبیر سنائی تو بادشاہ آپ علیہ السلام کے علم تعبیر خواب کی مہارت اورآپ علیہ السلام کے فضائل کا معترف ہوگیا اوراس نے آپ علیہ السلام کو بلانے کے لئے کہا۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

جب بادشاہ کو خواب کی تعبیر سے مطلع کیا گیا تو وہ بہت خوش ہوا اوراسے اطمینان حاصل ہوگیا۔ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی فضیلت، علم، تعبیر خواب کی مہارت، حسن اخلاق اور مصری رعایا کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کا معترف ہوگیا۔

کہنے لگا کہ

(حضرت) یوسف (علیہ السلام) کو قید خانے سے نکال کر میرے پاس لائیں۔

(تفسیر ابن کثیر: ج:2، ص:830)

تفسیر نعیمی میں ہے۔

ساقی یہ تعبیر اور نصیحتیں اور خوشخبریاں سن کر دوڑ آیا دربار میں وہاں وہ سب لوگ جمع تھے نجومی، کاہن، بادشاہ، وزراء، امراء،

عزیز وغیرہ ساقی نے بڑے اچھے انداز سے سب تقریر کو مکمل طریقے سے سنا دیا سب لوگ حیران و متعجب ہوئے کہ اتنا بڑا فاضل دانشور ہماری قید میں پڑا ہے اور ہمیں خبر نہیں پھر سوچا کہ اتنے سخت آنے والے زمانے کا ہم مقابلہ نہیں کر سکتے لہذا عقل والے انسان کی اور اس کے عظیم مشوروں کی امور سلطنت کے لئے سخت ضرورت ہے۔

تب بادشاہ نے اسی ساقی کو کہا کہ

جاؤ یہ پروانہ لے جاؤ اور لے آؤ میرے پاس بزرگ کو ائتوا فعل امر جمع کا صیغہ ہے جس سے ثابت ہوا کہ اس تعبیر بادشاہ اتنا متاثر ہوا کہ پہلے تو صرف ساقی کو تعبیر پوچھنے کے لئے بھیجا تھا مگر اب ساقی کے ساتھ اور معززین کو بھی بھیجا کہ نہایت عزت سے اس کو لے کر آؤ۔ اس جلوس کا سالار وہی ساقی تھا کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کہاں ہیں بادشاہ آپ علیہ السلام کے علم اور فضل سے آپ علیہ السلام کے اعمال کا پتہ چل گیا اس لیے یہ عزت کی۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:526 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بادشاہ کے بلانے پر نہ جانا

جب بادشاہ نے ساقی کو حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف بھیجا تا کہ آپ علیہ السلام کو میرے پاس لے آئیں اور میں ان کو عزت و مرتبہ عطا فرماؤں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا پہلے اپنے بادشاہ کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ۝ (یوسف:50)

جب ان کے پاس قاصد آیا تو انہوں نے کہا اپنے آقا کے پاس جاؤ۔ اور ان سے پوچھو ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے بے شک میرا رب ان کی سازش کو خوب جاننے والا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ کے بلانے پر کیوں نہیں گئے

حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ کے بلانے پر اس لیے نہیں گئے کہ آپ علیہ السلام اپنے آپ کو بے قصور ہونا ثابت فرما چاہتے تھے اور ساری حقیقت واضح کرنا چاہتے تھے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانہ سے نکلنے سے پہلے اپنا بے قصور ہونا ثابت کرنا چاہا۔

اور فرمایا تھا کہ

تو اپنے بادشاہ کے پاس لوٹ جا اور پوچھ کہ حقیقت حال کیا تھی ان عورتوں کی جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے۔

(جامع البیان: ج:12، ص:280 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام پر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار تعجب فرمانا

جب حضرت یوسف علیہ السلام سے بادشاہ نے خواب کی تعبیر پچھوائی اور آپ علیہ السلام نے فوراً بتادی تو اس پر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار تعجب صبر کی وجہ سے فرمایا۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھے اپنے بھائی یوسف علیہ السلام کے صبر اور کرم پر تعجب ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے کہ جب ان سے خواب کی تعبیر پوچھنے کے لئے قاصد آیا تو آپ علیہ السلام نے اسے تعبیر بتادی۔ اگر میں ہوتا تو میں ایسا نہ کرتا حتیٰ کہ قید خانہ سے باہر آجاتا۔

(درمنثور: ج:4، ص:42 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعریف کرنا

جب بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بلایا تو آپ علیہ السلام فوراً تشریف نہ لے گئے بلکہ جانے سے پہلے اپنا بے قصور ہونا ثابت کروایا اس پر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر میں اتنی مدت قید خانہ میں رہتا تو میں چلا جاتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الکریم بن الکریم بن الکریم بن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم (علیہم السلام) ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر میں قید خانہ میں اتنی مدت رہتا جتنی مدت حضرت یوسف علیہ السلام رہے تھے پھر مجھے قاصد بلانے آتا تو میں اس کے بلانے پر چلا جاتا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ (یوسف:50)

جب ان کے پاس قاصد آیا تو انہوں نے کہا اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ اور اس سے پوچھو ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث:3116)

اگر مجھے بلایا جاتا تو میں فوراً چلا جاتا

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو بادشاہ نے بلایا تو آپ علیہ السلام نہ تشریف لے گئے اس پر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر مجھے بلایا جاتا تو میں فوراً چلا جاتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اگر مجھے بلایا جاتا تو میں فوراً چلا جاتا اور اپنے بے قصور ہونے کی حجت تلاش نہ کرتا۔
(جامع البیان: جز:12، ص:307 مطبوعہ بیروت)

اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کی مغفرت فرمائے

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر اور ان کے کرم پر تعجب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے جب ان سے موٹی اور دبلی گایوں کے متعلق سوال کیا گیا، اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو ان کو بالکل جواب نہ دیتا اور یہ شرط رکھتا کہ پہلے وہ مجھے قید سے نکالیں اور مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر اور ان کے کرم پر تعجب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے جب ان کے پاس قاصد آیا تو اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو میں دروازے سے نکلنے کی طرف جلدی کرتا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ ارادہ کیا کہ ان کے بے قصور ہونے کی حجت ظاہر ہو جائے۔
(مسند احمد: ج:3، رقم الحدیث:8337)

اللہ تعالیٰ میرے بھائی یوسف علیہ السلام پر رحم فرمائے۔
حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ میرے بھائی یوسف (علیہ السلام) پر رحم فرمائے اگر اتنی لمبی قید کے بعد میرے پاس قاصد آتا تو میں فوراً اس کی بات کو قبول کرتا جبکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے قاصد سے کہا لوٹ جاؤ اپنے بادشاہ کے پاس اور اس سے پوچھو کہ حقیقت حال کیا تھی ان عورتوں کی جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے۔
(کتاب الزہد: باب زہد یوسف علیہ السلام، ص:103 بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت یوسف علیہ السلام کی تحسین کرنا

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تحسین وتعریف بیان فرمائی کہ جب آپ علیہ السلام بادشاہ کے بلانے پر فوراً تشریف نہ لے گئے بلکہ پہلے اپنا بے قصور ہونا ثابت فرمایا۔
امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ ......الایۃ تلاوت فرمائی۔
پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر میں ہوتا تو میں فوراً دعوت قبول کرتا اور اپنا عذر نہ چاہتا۔

(جامع البیان: ج:12، ص:280 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

مزید راقم ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام پر رحم فرمائے وہ کتنے برداشت کرنے والے اور حلیم تھے اگر میں محبوس ہوتا تو میری طرف بلاوا آتا تو میں فوراً نکل پڑتا۔

(جامع البیان: ج:12، ص:279 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

کسی کی تعریف و تحسین کرنا کیسا؟

کسی کی اتنی تعریف کرنا کہ فتنے میں پڑنے کا اندیشہ ہو ممنوع ہے۔

اس بارے میں متعدد احادیث مبارکہ ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص نے کسی کی تعریف کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم پر افسوس ہے تم نے تو اپنے صاحب کی گردن کاٹ دی یہ جملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار ارشاد فرمایا۔ جب تم میں کسی شخص نے اپنے صاحب کی لامحالہ تعریف کرنی ہو تو

یوں کہو کہ

میرا فلاں کے متعلق یہ گمان ہے اور اس کو حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا ہے اور میں کسی کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سراہا نہیں کہتا۔ خواہ وہ اس کے متعلق اسی طرح جانتا ہو۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 7369)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کا ذکر کیا گیا۔

ایک شخص نے کہا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص فلاں فلاں چیز میں اس سے افضل نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم پر افسوس ہے۔ تم نے تو اپنے صاحب کی گردن کاٹ دی۔ یہ جملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار فرمایا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اگر تم میں سے کسی شخص نے خواہ مخواہ اپنے بھائی کی تعریف کرنی ہو تو
یہ کہے کہ
میرا فلاں کے متعلق یہ گمان ہے خواہ وہ اس کو اسی طرح سمجھتا ہو۔
اور وہ یہ نہ کہے کہ
اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا ہی ہے۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 7370)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کسی کی بہت مبالغہ کے ساتھ تعریف کرتے ہوئے سنا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تم نے اس کو ہلاک کر دیا۔
یا ارشاد فرمایا:
تم نے اس شخص کی پیٹھ کاٹ دی۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 7372)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابو معمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ایک شخص کھڑا ہو کر امراء میں سے کسی امیر کی تعریف کر رہا تھا۔
حضرت مقداد رضی اللہ عنہ اس پر مٹی ڈالنے لگے۔
اور کہا:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ ہم تعریف کرنے والوں کے منہ میں مٹی ڈال دیں۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 7373)
ایک اور روایت میں ہے۔
ہمام بن حارث سے روایت ہے کہ
ایک شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تعریف کر رہا تھا۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بھاری جسم کے تھے وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور اس کے منہ پر کنکریاں ڈالنے لگے۔
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
تم کیا کر رہے ہو؟

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے کہا:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔
جب تم تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ میں مٹی ڈال دو۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 7374)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مسواک کر رہا ہوں۔ مجھے دو آدمیوں نے کھینچا۔ ان میں سے ایک دوسرے سے بڑا تھا۔ میں نے چھوٹے شخص کو مسواک دی۔
مجھ سے کہا گیا کہ
بڑے کو دو، پھر میں نے بڑے کو مسواک دے دی۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 7376)
اور کسی کے منہ پر تعریف کرنا بھی ممنوع ہے۔ اس بارے میں یہ احادیث مبارکہ ہیں۔
طارق بن شہاب سے روایت ہے کہ
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے کہا:
ایک شخص باہر نکلتا ہے اور اس کے ساتھ اس کا دین ہوتا ہے اور جب لوٹ کر آتا ہے تو اس کے پاس بالکل دین نہیں ہوتا وہ ایک ایسے شخص کے پاس جاتا ہے جو اس کے لئے اور خود اپنے لیے کسی نفع کا مالک ہوتا ہے نہ نقصان کا اور وہ اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ تم ایسے ہو اور ایسے ہو پھر وہ ایسے حال میں لوٹتا ہے کہ اس کی کوئی ضرورت پوری نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے۔ (مجمع الزوائد: ج:8، ص:118 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ
جب تم تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ میں مٹی ڈال دو۔
(مجمع الزوائد: ج:8، ص:118 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)
ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ کسی کے منہ پر تعریف و تحسین کرنا ممنوع ہے اور یہ بھی فرمایا گیا کہ کسی کے منہ پر تعریف کرنا ایسا ہے جیسا کہ اس کو ذلیل کرنا ہے۔

کسی کے منہ پر تعریف و تحسین کرنے کا جواز

کسی کے منہ پر تعریف کرنا بھی جائز ہے جیسا کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف و

تحسین بیان فرمائی اور آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی تعریف بھی بیان فرمائی ہے۔ کثیر احادیث مبارکہ کسی کے منہ پر تعریف و تحسین کے جواز پر دال ہیں۔ جو کہ درج ذیل ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی غیرت دار نہیں ہے اسی وجہ سے اس نے بے حیائی کے کاموں کو حرام کر دیا اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کسی کی تعریف پسند نہیں ہے اسی وجہ سے اس نے خود اپنی تعریف کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کسی کے عذر کو قبول کرنا پسند نہیں ہے اسی وجہ سے وہ اپنی مخلوق کا عذر قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کسی کو حمد پسند نہیں ہے اسی وجہ سے اس نے خود اپنی حمد کی ہے۔

(مجمع الزوائد: ج:8، ص:119 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

خلاد بن سائب نے کہا ہے کہ

میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے پاس گیا انہوں نے میری میرے منہ پر تعریف کی۔

اور کہا کہ

میرے لیے تمہارے منہ پر تمہاری تعریف کرنے کا باعث یہ ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

جب مومن کے منہ پر اس کی تعریف کی جائے تو اس کے دل میں اس کا ایمان بڑھتا ہے۔

(مجمع الزوائد: ج:8، ص:119 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی تعریف و تحسین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بیان فرمائی جس سے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کریمی ثابت ہوتی ہے۔ کثیر احادیث مبارکہ اس بارے میں دال ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی مثال ایسے ہے جیسے کسی شخص نے بہت حسین و جمیل مکان بنایا اور اس کے کسی کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی پس جو شخص اس کو دیکھتا ہوا گزرتا ہے وہ تعجب سے کہتا ہے کہ اس مکان میں اس ایک اینٹ کو کیوں نہیں رکھا گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں وہ اینٹ ہوں اور میں ہی خاتم النبیین ہوں۔

(صحیح بخاری: رقم الحدیث: 3535)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

رعب سے میری مدد کی گئی اور مجھے جوامع الکلم دیئے گئے ہیں۔ اور جس وقت میں سویا ہوا تھا تو مجھے روئے زمین کی چابیاں دی گئیں اور میرے سامنے رکھ دی گئیں۔

صحیح مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ

مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنایا گیا ہے اور مجھ پر انبیاء کرام علیہم السلام کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔

(صحیح بخاری: رقم الحدیث: 2971، صحیح مسلم: رقم الحدیث: 523)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور میں وہ ہوں جس سے سب سے پہلے زمین کھلے گی۔ اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میں وہ ہوں جس کی شفاعت سب سے پہلے قبول کی جائے گی۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2278)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

میں وہ ہوں جس سے قیامت کے دن سب سے پہلے زمین کھلے گی اور میں یہ فخریہ نہیں کہتا اور مجھ ہی کو حمد کا جھنڈا دیا جائے گا اور میں یہ فخریہ نہیں کہتا اور میں ہی قیامت کے دن سب لوگوں کا سردار ہوں اور میں یہ فخریہ نہیں کہتا۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3148)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس وقت میں سویا ہوا تھا تو مجھے دکھایا گیا کہ میں جنت کی سیر کر رہا ہوں اس وقت میں نے ایک دریا دیکھا جس کے دونوں کناروں پر کھوکھلے موتیوں کے گنبد تھے۔

میں نے کہا:

اے جبرائیل (علیہ السلام) یہ کیا ہے؟

انہوں نے کہا:

یہ وہ کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا ہے پھر فرشتہ نے اپنا ہاتھ لگایا تو اس کی مٹی میں مشک کی خوشبو

تھی۔

(صحیح بخاری: رقم الحدیث: 6581)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرا حوض اتنا بڑا ہے جتنا صنعاء اور ایلہ میں فاصلہ ہے اور اس میں ستاروں کے عدد کے برابر کوزے ہیں۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2445)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کی نماز جنازہ ادا فرمائی پھر منبر پر چڑھ کر یہ خطبہ دیا کہ میں حوض پر تمہارا پیش رو ہوں اور میں تمہارے حق میں گواہی دینے والا ہوں اور میں اپنے حوض کو اب بھی دیکھ رہا ہوں جبکہ میں اس مقام میں ہوں اور بے شک اللہ تعالیٰ کی قسم! مجھے یہ خطرہ نہیں ہے کہ میرے بعد تم (سب) شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے لیکن مجھے یہ دکھایا گیا ہے کہ مجھے تمام روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا فرمائی گئی ہیں اور مجھے یہ خطرہ ہے کہ تم اس میں رغبت کرو گے۔

(صحیح بخاری: رقم الحدیث: 1344)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ستر ہزار کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کر دے گا۔

ایک شخص نے عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حوض کتنا وسیع ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عدن اور عمان سے زیادہ وسیع ہے۔ اس میں سونے اور چاندی کے دو پرنالے ہیں۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا اور مشک سے زیادہ خوشبودار ہے جس نے اس کو پی لیا وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا اور اس کا منہ کبھی سیاہ نہیں ہوگا۔

(معجم الکبیر: رقم الحدیث: 7672)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قیامت کے دن میرے متبعین تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے پیروکاروں سے زیادہ ہوں گے اور میں سب

ت کروں گا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 331)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر (یا یہ فرمایا کہ) میری امت کو تمام امتوں پر چار خصوصیات کے فضیلت عطا فرمائی ہے۔

مجھے تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔

پوری زمین کو میرے لیے اور میری امت کے لئے سجدہ گاہ اور پاکیزگی حاصل کرنے کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ سو میرا امتی جہاں نماز وقت پالے وہی جگہ اس کے لئے سجدہ گاہ اور پاکیزگی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی جو کہ میرے ایک ماہ کی مسافت تک قائم ہوتا ہے اور میرے دشمنوں کے دلوں میں میری دھاک بٹھاتا ہے اور میرے لیے مال غنیمت کو حلال کیا گیا ہے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 521)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھے چار چیزوں کے ذریعہ لوگوں پر فضیلت دی گئی ہے۔

1- بہادری

2- سخاوت

3- کثرت جماع

4- اور شدت ضبط۔

(مجمع الزوائد: ج:8، ص:269 مطبوعہ بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہر نبی کو اتنے معجزات عطا کیے گئے ہیں جن کی مثل پر کوئی بشر ایمان لا سکتا ہے اور مجھے جو چیز عطا کی گئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی وحی ہے جو اس نے میری طرف فرمائی۔ سو مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے متبعین سب سے زیادہ ہوں گے۔

(صحیح بخاری: رقم الحدیث: 4981)

ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی تعریف و تحسین بیان فرمائی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کریمی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بھی خود تعریف بیان فرمائی ہے جس کے متعلق کثیر احادیث ہیں جو درج ذیل ہیں۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک کپڑا اوڑھے ہوئے آئے تھے جو ان کے گھٹنوں سے ہٹا ہوا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تمہارا ساتھی کس سے ناراض ہوا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سلام کیا اور عرض کیا۔

میرے اور ابن خطاب (رضی اللہ عنہ) کے درمیان کچھ مناقشہ ہو گیا۔ میں نادم ہو کر جلد ان کے پاس گیا اور ان سے معافی کا سوال کیا انہوں نے مجھ سے انکار کیا تو میں آپ کے پاس آیا۔

آپ نے تین بار فرمایا:

اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) تمہیں اللہ تعالیٰ معاف کرے۔

ادھر عمر (رضی اللہ عنہ) نادم ہوئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر گئے۔

اور پوچھا:

کیا وہاں ابوبکر ہیں۔

گھر والوں نے کہا:

نہیں!

پھر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ غصہ سے متغیر ہو رہا تھا حتیٰ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ڈر گئے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کہنے لگے کہ

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بخدا میں زیادہ ظلم کرنے والا تھا۔ یہ دو بار کہا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے پاس بھیجا تم نے مجھے جھٹلایا اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے تصدیق کی اور اپنی جان اور مال سے میری غمخواری کی۔ کیا تم میرے صاحب کو میری خاطر چھوڑنے والے ہو۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار ارشاد فرمایا۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایذاء نہیں دی گئی۔

(صحیح بخاری: ج:1، ص:516 تا 517 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے منہ پر ان کی تعریف و تحسین فرمائی ہے
سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی کے منہ پر تعریف اس کی تعریف کرنا جائز ہے۔

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ
جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی چیز کے بھی دو جوڑے خرچ کیے اس کو جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا۔ اے اللہ تعالیٰ کے بندے یہ خیر ہے۔ سو جو شخص نمازیوں سے ہوگا اس کو باب الصلوٰۃ سے بلایا جائے گا اور جو شخص مجاہدوں میں سے ہو اس کو باب الجہاد سے بلایا جائے گا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا:
کسی شخص کو ان تمام دروازوں سے بلائے جانے کی کیا ضرورت ہے اور یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسا شخص بھی ہے اس کو ان تمام دروازوں سے بلایا جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ہاں اور مجھے امید ہے۔ اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) تم انہی لوگوں میں ہو گے۔

(صحیح بخاری: ج:1،ص:517 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو دنیا اور جو اس کے پاس ہے اس کے درمیان اختیار دیا تو اس نے اس چیز کو اختیار کر لیا جو اللہ کے پاس ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ سن کر رونے لگے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ
میں نے دل میں سوچا! اگر اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو دنیا اور جو اس کے پاس ہے اس کے درمیان اختیار دے دیا ہے اور اس نے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اس کو پسند کر لیا تو اس بوڑھے کو کیا چیز رلاتی ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں بندے سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ عالم تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) مت روؤ! بے شک اپنی صحبت اور مال سے مجھ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ہیں اور اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو بناتا لیکن اسلام کی اخوت اور محبت رہے گی اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے دروازے کے سوا مسجد میں (کھلنے والا) ہر دروازہ بند کر دیا جائے باقی نہ رکھا جائے۔

(صحیح بخاری: ج:1،ص:516 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ٹخنوں سے نیچے) چادر لٹکانے کی وعید سنائی (کہ جس نے تکبر سے چادر لٹکائی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر نظر رحمت نہیں فرمائے گا)
حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری چادر ایک جانب سے لٹک جاتی ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو!
(صحیح بخاری: ج،2،ص:895 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابو عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا:
تم میرے حوض کے بھی صاحب ہو اور غار کے بھی صاحب ہو۔
(جامع ترمذی: ص:527 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)
اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سقیفہ بنو ساعدہ میں بیعت کے وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے منہ پر ان کی تعریف فرمائی۔
امام بخاری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک طویل روایت میں ذکر فرماتے ہیں کہ
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:
نہیں بلکہ ہم آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ ہمارے سردار ہیں۔ ہم میں سب سے بہتر ہیں اور ہم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں۔
(صحیح بخاری: ج:1، ص:518 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)
ان تمام احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے منہ پر خود آپ رضی اللہ عنہ کی تعریف و تحسین بیان فرمائی جس سے ثابت ہوا کسی کے منہ پر اس کی تعریف بیان کرنا جائز ہے
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منہ پر آپ رضی اللہ عنہ کی بھی تعریف بیان فرمائی ہے جس کے بارے میں کثیر احادیث مبارکہ ہیں مگر طوالت سے بچنے کے لئے ایک پر اکتفا کرتا ہوں۔
حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں داخل ہو گیا تو میں ابوطلحہ کی بیوی رمیصا کے پاس تھا۔ اور میں نے ایک آہٹ

میں نے پوچھا:
یہ کون ہے۔
کہا۔
یہ بلال ہیں۔
پھر میں نے ایک محل دیکھا جس کے صحن میں ایک لڑکی تھی۔
میں نے پوچھا:
یہ کس کا محل ہے۔
کہا۔
عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) کا۔
میں نے ارادہ کیا کہ میں اندر جا کر اس محل کو دیکھوں تو مجھے تمہاری غیرت یاد آئی۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ قربان ہوں کیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غیرت کروں گا۔
(صحیح بخاری: ج: 1 ص: 520 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)
اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے منہ پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کی تعریف بیان فرمائی۔
حضرت عبدالرحمان بن خباب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں اس وقت حاضر تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کے لشکر کی مدد کے لئے ترغیب دے رہے تھے۔
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا۔
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کاٹھیوں اور گدوں کے ساتھ سو اونٹ اللہ تعالیٰ کی راہ میں میرے ذمہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر لشکر کی مدد پر برانگیختہ کیا۔
پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کاٹھیوں اور گدوں کے ساتھ دو سو اونٹ اللہ تعالیٰ کی راہ میں میرے ذمہ ہیں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر لشکر کی مدد کی ترغیب دی۔
پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاٹھیوں اور گدوں کے ساتھ تین سو اونٹ اللہ تعالیٰ کی راہ میں میرے ذمہ ہیں۔
پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترتے ہوئے فرما رہے تھے آج کے بعد عثمان

(رضی اللہ عنہ) جو بھی عمل کرے اس کو ضرر نہیں ہوگا۔

آج کے بعد عثمان (رضی اللہ عنہ) جو بھی عمل کرے گا اس کو ضرر نہیں ہوگا۔

(جامع ترمذی: ص: 531 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم احد (پہاڑ) پر چڑھے وہ ہلنے لگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے احد ساکن ہو جا۔ تجھ پر صرف نبی، صدیق اور دو شہید ہیں۔

(جامع ترمذی: ص: 530 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے آپ رضی اللہ عنہ کی تعریف بیان کی جس سے ثابت ہوا کہ کسی کے سامنے اس کی تعریف کرنا جائز ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے بھی آپ رضی اللہ عنہ کی تعریف بیان کی۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

تم میرے لیے ایسے ہو جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہارون علیہ السلام تھے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

(جامع ترمذی: ص: 535 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا:

تم دنیا و آخرت میں بھائی ہو۔

(جامع ترمذی: ص: 534 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

میرے اور تمہارے علاوہ اور کسی کے لئے اس مسجد میں جنابت کے ساتھ آنا جائز نہیں ہے۔

(جامع ترمذی: ص: 535 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ عہد کیا ہے کہ تم سے صرف مومن محبت کرے گا اور صرف منافق بغض رکھے گا۔

(جامع ترمذی: ص:535 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ان احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے منہ پر آپ رضی اللہ عنہ کی تعریف کی جس سے ثابت ہوا کہ کسی کے منہ پر اس کی تعریف وتحسین کرنا جائز ہے۔

اعتراض

بعض احادیث مبارکہ ایسی ذکر کی گئی ہیں جن میں کسی کے سامنے اس کی تعریف کو منع کیا گیا ہے اور بعض ایسی احادیث مبارکہ ذکر کی گئی ہیں جن میں کسی کے سامنے اس کی تعریف کو جائز کہا گیا ہے تو پھر ان دونوں میں تطبیق کس طرح ہوگی؟

جواب

ان احادیث مبارکہ میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ اگر کسی کے سامنے اس کی تعریف کرنے سے اس کے فتنہ میں مبتلاء ہونے کا خدشہ ہو تو پھر اس کے سامنے اس کی تعریف نہ کی جائے اور اگر یہ خدشہ نہ ہو تو پھر اس کے سامنے اس کی تعریف جائز ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی 676ھ لکھتے ہیں:

امام مسلم نے اسی باب میں وہ احادیث مبارکہ ذکر کی ہیں جن میں کسی کے منہ پر تعریف کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور بکثرت کتب حدیث میں ایسی روایات بھی ہیں جن میں منہ پر تعریف کی گئی ہے ان احادیث مبارکہ میں تطبیق اس طرح ہے کہ کسی کی بے جا تعریف کرنا یا تعریف میں مبالغہ کرنا یا دنیاوی طمع کی وجہ سے تعریف کرنا یا جس شخص کے متعلق یہ اندیشہ ہے کہ وہ تعریف سن کر اکڑ جائے گا یا تکبر میں مبتلاء ہو جائے گا اس کے منہ پر تعریف کرنا منع ہے اور جس شخص کے کمال تقویٰ اور عقل میں پختگی کی وجہ سے یہ خدشہ نہ ہو اس کے منہ پر تعریف کرنا منع نہیں ہے بہ شرطیکہ وہ بے جا تعریف نہ ہو اور دنیاوی طمع کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اگر کسی دینی مصلحت کی وجہ سے تعریف کی جائے یا کسی شخص میں کسی نیک خصلت کے حصول یا اس کی زیادتی کے لیے یا اس کو اس نیک خصلت پر برقرار رکھنے کے لئے یا اس نیک خصلت کی اقتداء کے لئے اس کے منہ پر تعریف کی جائے تو یہ تعریف کرنا مستحب ہے۔

(شرح مسلم: ج:2، ص:414 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

علامہ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 815ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ

ممانعت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص کسی کی ان اوصاف کے ساتھ تعریف کرے گا جو اس میں نہ ہوں تو ہو سکتا ہے کہ وہ شخص اپنے متعلق ان اوصاف کا یقین کر لے اور ان اوصاف پر اعتماد کر کے وہ شخص اپنے اعمال ضائع کر دے اور نیکی کی جدوجہد کرنا چھوڑ دے (مثلاً ایک شخص کسی سے کہے میں نے تم کو خواب میں بارگاہ رسالت میں دیکھا ہے اور تمہارے جنتی ہونے کی بشارت سنی ہے یا کہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو تمہارے ہاتھ پر بیعت کرے گا وہ جنتی ہوگا یا جو تمہارے وعظ میں شریک ہوگا وہ جنتی ہوگا نعوذ باللہ) اس لیے جس حدیث مبارکہ میں یہ ہے کہ ''تعریف کرنے والوں کے منہ میں مٹی ڈال دو''

اس کا مطلب یہ ہے کہ جھوٹی تعریف کرنے والوں کے منہ میں مٹی ڈال دو اور جس شخص نے ان اوصاف کے ساتھ تعریف کی جو موصوف میں موجود ہو جو وہ اس حکم میں داخل نہیں ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے اشعار اور خطاب میں آپ کی تعریف کی اور آپ نے ان کے منہ پر مٹی نہیں ڈالی۔ علامہ ابن بطال کا کلام ختم ہوا۔

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ

کسی شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کی تعریف کی تو حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے اس کے منہ پر کنکریاں پھینکیں اور مذکور الصدر حدیث سے استدلال کیا۔

اس حدیث کا دوسرا محمل یہ ہے کہ

منہ پر مٹی ڈالنے کا مطلب ہے اس کو ناکام اور نامراد کرنا یعنی جھوٹی تعریف کرنے والے کی غرض اور مقصد کو پورا نہ کرو۔

تیسری توجیہ یہ ہے کہ

اس سے کہو تمہارے منہ میں مٹی۔

چوتھی توجیہ یہ ہے کہ

ممدوح اور موصوف اس جھوٹی تعریف سے دھوکا نہ کھا جائے اور تعریف کرنے والے سے کہے تم غلط کہہ رہے ہو میں ایسا نہیں ہوں اور یہ اس کے منہ میں مٹی ڈالنا ہے۔

پانچویں توجیہ یہ ہے کہ

وہ شخص جس مقصد اور غرض سے تعریف کر رہا ہے اس کا وہ مقصد پورا کر کے اس کا منہ بند کر دیا جائے اور اس کو روانہ کر دیا جائے۔ مثلاً کوئی شخص کسی سے کچھ رقم مانگنے کے لئے اس کی بے جا تعریف کر رہا ہے تو وہ اس کو وہ رقم دے کر کہے یہ رقم لو اور جاؤ اور یہ اس کے منہ کو بند کرنا ہے جو اس کے منہ میں مٹی ڈالنے کے مترادف ہے۔

علامہ بیضاوی اور علامہ طیبی نے اسی توجیہ کو اختیار کیا ہے۔

امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ

مدح کی آفت یہ ہے کہ مدح کرنے والا کبھی جھوٹ بولتا ہے اور کبھی اپنی مدح سے ممدوح کو مزید برائی میں مبتلاء کرتا ہے خصوصاً جب وہ فاسق یا ظالم کی مدح کرے۔

امام ابو یعلیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

جب فاسق کی مدح کی جائے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور کبھی وہ ایسی تعریف کرتا ہے جو اس کے نزدیک محقق نہیں ہے اور جس شخص کی مدح کی جائے وہ اس خطرہ سے خالی نہیں ہے کہ وہ اترانے لگے یا تکبر کرے یا تعریف کی شہرت پر اعتماد کر کے عمل میں کمی کر دے۔ اگر تعریف ان قباحتوں سے خالی ہو تو پھر اس میں حرج نہیں ہے بلکہ بعض اوقات تعریف مستحب ہے۔

ابن عیینہ نے کہا ہے کہ

جو شخص اپنے نفس کو پہچانتا ہو اس کو کسی کی تعریف سے ضرر نہیں ہوتا۔
اور بعض سلف نے کہا:
جب کسی کے منہ پر تعریف کی جائے تو وہ یہ دعا کرے۔
اے اللہ عزوجل! میرے ان کاموں کو بخش دے جن کو یہ لوگ نہیں جانتے اور ان کی تعریف کی وجہ سے میری پکڑ نہ کر اور مجھے ان کے گمان سے بہتر بنا دے۔
(فتح الباری: ج:10، ص:477 تا 478 مطبوعہ دار نشر الکتب اسلامیہ لاہور)
اور میں کہتا ہوں کہ
اگر کوئی شخص مومن ہے اور نیک آدمی ہے اگر اس کی تعریف بیان کی جائے تو وہ اس کے حق میں بشارت ہے۔
جیسا کہ احادیث مبارکہ میں ہے۔
حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا۔
یہ ارشاد فرمایئے کہ ایک شخص اچھے کام کرتا ہے اور لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ مومن کی فوری بشارت ہے۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 6597)
ایک روایت میں ہے۔
لوگ اس سے محبت کرتے ہیں اور اس کی تعریف کرتے ہیں۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 6598)
لوگوں کا کسی نیک شخص سے محبت کرنا اور اس کی تعریف کرنا اس کے حق میں دنیاوی بشارت اور جزاء ہے۔
قرآن مجید میں ہے:
اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝ (مریم: 96)
بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے عنقریب رحمٰن ان کے لئے (اپنے بندوں کے دلوں میں) محبت پیدا کردے گا۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔
وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ۝ (شعراء: 84)
اور میرے لیے میرے بعد آنے والوں میں ذکر جمیل (نیکیوں کی تعریف) کو جاری رکھ۔
اب بحث سے ثابت ہوا کہ نیک مومن شخص کی تعریف کرنا اس کے حق میں بشارت ہے۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تعریف وتحسین بذریعہ اتم فرمائی

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تعریف وتحسین بذریعہ اتم فرمائی کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے صبر کیا اور خود کو بے قصور ٹھہرانے کے لئے نہ تشریف لے گئے۔ اگر میں ہوتا تو ایسا نہ کرتا بلکہ فوراً نکل آتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھے اپنے بھائی یوسف (علیہ السلام) کے صبر اور کرم پر تعجب ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے۔ جب ان کو خواب کی تعبیر کے لئے بلایا گیا۔ اگر میں ہوتا تو ایسا نہ کرتا حتیٰ کہ فوراً نکل آتا اور مجھے ان کے صبر اور کرم پر بھی تعجب ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے۔ قاصد آیا تاکہ وہ قید سے باہر آ جائیں لیکن وہ نہ آئے حتیٰ کہ آپ علیہ السلام نے انہیں اپنے عذر کی خبر دی۔ اگر میں ہوتا تو دروازے کی طرف دوڑ پڑتا لیکن انہوں نے پہلے اپنے آپ کو بے قصور ثابت کرنا پسند کیا۔

(معجم الکبیر: ج:11، ص:249 مطبوعہ مکتبۃ العلوم دار الحکم بغداد)

اگر یوسف علیہ السلام کے جیل میں ٹھہرنے کی مدت میں گزارتا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہم ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کے مستحق ہیں۔

جب انہوں نے کہا:

رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ (البقرہ:260)

اے میرے رب! دکھا مجھے کہ تو کیسے زندہ فرماتا ہے مردوں کو۔

اور اللہ تعالیٰ لوط علیہ السلام پر رحم فرمائے انہوں نے ایک مضبوط سہارے (اللہ تعالیٰ) کی پناہ لی تھی۔

اگر یوسف علیہ السلام کے جیل میں ٹھہرنے کی مدت میں گزارتا تو فوراً رہائی کا پیغام لانے والے کے پیغام کو قبول کر لیتا۔

(مسند احمد: ج:2، ص:389)

حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے بلاوے کو سن کر خوشی کا اظہار نہ فرمایا

حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے بلاوے کو سن کر خوشی کا اظہار نہ فرمایا کہ اب قید خانہ سے جان چھوٹ رہی ہے بلکہ یہ فرمایا کہ بادشاہ سے پوچھ کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جن عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

پس جبکہ آیا وہ قاصد اس کے پاس۔ اس گمان سے جلدی جلدی آپ کے پاس آیا کہ آپ (علیہ السلام) فوراً تیار ہو جائیں گے آتے ہی کہتا ہے کہ

مبارک ہو تم کو بادشاہ نے بلایا ہے۔

آپ علیہ السلام نے اس کی گفتگو اور پیغام سن کر کچھ خوشی کا اظہار نہ فرمایا اور نہ ہی آپ (علیہ السلام) جانے کے لئے تیار ہوئے۔ قاصد بڑا حیران ہوا کہ اتنی بڑی خوش خبری سن کر بھی آپ (علیہ السلام) متاثر نہ ہوئے۔

آپ علیہ السلام نے نہایت بردباری، تحمل اور اطمینان سے جواب دیا۔

جا واپس لوٹ جا اپنے مربی بادشاہ کی طرف کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ میں جیل سے گھبرا کر ایسے ہی ایک پیغام پر چلا جاؤں گا۔

یا تو یہ سمجھتا ہے کہ

میں نے جو تجھ سے اپنے تذکرے کے متعلق پہلے کہا تھا وہ جیل سے گھبرا کر کہا تھا یا میں فقط جیل سے آزاد ہونے کا خواہش مند ہوں، ہرگز نہیں بلکہ میں اس وقت بھی اب بھی یہ چاہتا ہوں کہ بادشاہ سے پوچھ کہ پہلے یہ تفتیش کر لے کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے شاہ مصر شاید عورتوں کے مکر سے ناواقف ہو اور حقیقت حال کو نہ جانتا ہو مگر میرا رب تعالیٰ بے شک ان عورتوں کے مکر کو بخوبی جانتا ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:527 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام نے زلیخا کے بجائے عورتوں کا نام کیوں لیا

تفسیر نعیمی میں اس کی چند وجوہات ذکر کی گئی ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جب ساقی آیا تو آپ علیہ السلام نے یہ کیوں فرمایا کہ ان عورتوں کا حال پوچھ جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے زلیخا کا نام کیوں نہ لیا۔

چنانچہ تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے عورتوں کا نام لیا مگر زلیخا کا نام نہ لیا۔

ہمارے مفسر کہتے ہیں کہ

زلیخا کے ادب و احترام کے لیے۔

میں کہتا ہوں کہ

یہ غلط ہے کیونکہ زلیخا اس وقت تک کافرہ بھی تھی اور راودہ اور فاسقہ بھی، مجرمہ بھی اور نبی (علیہ السلام) کی شان کے لائق نہیں کہ کافر کا احترام و ادب کریں۔ صرف اسی لیے نام نہ لیا کہ یہاں تفتیش میں گواہیوں کی ضرورت تھی۔ زلیخا تو اب مدعی علیہ ہوگی اس کو خود ہی حاضر ہونا پڑے گا پوچھا تو عورتوں سے جائے گا کہ تم نے یوسف (علیہ السلام) کو کیسا پایا۔ جب عورتیں ہی گواہی دے دیں گی تو زلیخا خود کاذبہ ثابت ہو جائے گی یا اس لیے نام نہ لیا کہ زلیخا اب بھی وارفتۂ محبت ہے جیسا کہ جیل میں اطلاعیں ملتی رہتی تھیں جس کا دماغ وارفتہ ہو چکا ہے اس نے کیا صحیح بات کرنی ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:527 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کے نہ جانے پر بادشاہ کا اور زیادہ متاثر ہونا

جب بادشاہ نے آپ علیہ السلام کو اپنے بلانے کے لئے ساقی کو بھیجا تو آپ علیہ السلام نہ تشریف لے گئے بلکہ فرمایا کہ بادشاہ سے کہو کہ ان عورتوں کا حال پوچھے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ ساقی نے جا کر حضرت یوسف علیہ السلام کا تمام

قول بیان کر دیا جس سے بادشاہ اور زیادہ متاثر ہوا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

قاصد نے واپس جا کر اسی طرح سب کچھ سنا دیا بادشاہ جو پہلے ہی آپ (علیہ السلام) سے متاثر ہو چکا تھا اس برداشت، خودداری کو سن کر اور بھی متاثر و مرغوب ہوا فوراً ان تمام عورتوں کو بلایا۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:528 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بادشاہ کا عورتوں کو بلانا اور سارا معاملہ پوچھنا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے نہ آنے کا عذر بیان فرمایا تو اس سے بادشاہ بہت زیادہ متاثر ہوا اور اس نے عورتوں کو بلا کر حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق پوچھا:

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ (یوسف:51)

بادشاہ نے (ان عورتوں کو بلا کر) پوچھا اس وقت کیا ہوا تھا جب تم نے یوسف کو اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کی تھی۔

عورتوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی بیان کرنا

جب عورتوں کو بادشاہ نے بلا کر حضرت یوسف علیہ السلام والے معاملے کے متعلق پوچھا تو ان عورتوں نے آپ علیہ السلام کی پاکدامنی بیان کی۔

قرآن مجید میں ہے:

قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ (یوسف:51)

انہوں نے (عورتوں) کہا حاش للہ! ہم نے اس میں کوئی برائی نہیں جانی۔

عزیز مصر کی بیوی کا حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی بیان کرنا

جب بادشاہ نے عورتوں کو بلایا تو ان میں عزیز مصر کی بیوی بھی تھی اس نے خود اعتراف کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام پاکدامن ہیں میں نے خود ہی ان کو ورغلایا تھا اور اپنی طرف راغب کیا تھا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (یوسف:51)

عزیز مصر کی بیوی نے کہا اب تو حق بات ظاہر ہو گئی ہے میں خود اس کو اپنے نفس کی طرف راغب کرتی تھی اور بے شک وہ سچوں میں سے تھے۔

سب عورتوں نے یک زبان ہو کر پاکدامنی بیان کی

سب عورتوں نے یک زبان ہو کر حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی بیان کی۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

• حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
جب بادشاہ نے عورتوں کو جمع کیا اور کہا کیا تم نے یوسف (علیہ السلام) کو بہلایا تھا مطلب براری کے لئے۔
سب نے یک زبان کہا۔
حاشاللہ! ہمیں تو اس میں کوئی برائی معلوم نہیں ہوئی۔
(جامع البیان: ج:13، ص:5 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے۔
کہا بادشاہ نے۔
اے عورتو! تمہارا کیا بیان ہے عدالت کے سامنے اس وقت کے بارے میں جب تم نے زلیخا کے کہنے پر یوسف (علیہ السلام) کو بہلانے پھسلانے کا جال پھیلانا چاہا تھا اس کے قلب کے بارے یعنی دل میں وسوسہ ڈالنا چاہا تھا کیا تم نے یوسف (علیہ السلام) میں کچھ میلان یا نرمی یا بگاڑ محسوس کیا تھا۔
بیک زبان سب بولیں۔
پاک ہے اللہ (عزوجل) یا قسم خدا (عزوجل) کی قطعاً محسوس نہ کیا ہم نے یوسف (علیہ السلام) پر ذرہ برائی کا۔
(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:528 نعیمی کتب خانہ لاہور)

عورتوں سے پوچھ گچھ کس مقام پر کی گئی

عورتوں پوچھ گچھ کس مقام پر کی گئی آیا شاہی دربار میں، جیل میں۔ اس بارے میں تین اقوال ہیں۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
اس میں تین قول ہیں کہ اس وقت یوسف علیہ السلام کہاں اور یہ کلام کہاں ہوا؟
1- (حضرت) یوسف علیہ السلام جیل میں تھے اور کلام بھی جیل میں ہوا۔
بادشاہ نے اپنی کچہری وہیں لگا کر عورتوں کو وہیں بلالیا تھا مگر یہ ضعیف ہے عقل میں نہیں آتا۔
2- دوسرا یہ کہ
دربار شاہی میں حضرت یوسف علیہ السلام آ گئے تھے اور ان کے سامنے یہ سب کچھ کلام ہوا۔
3- تیسرا قول یہ ہے کہ
دربار میں سب کلام ہوا مگر (حضرت) یوسف (علیہ السلام) کو یہ کلام سن کر بعد میں بلایا گیا۔
(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:528 نعیمی کتب خانہ لاہور)

شاہ کا عورتوں سے پوچھ گچھ کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کو بلانا

جب بادشاہ نے عورتوں سے تمام معاملے کی پوچھ گچھ کر لی اور حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی ظاہر ہو گئی تو اس

نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بلایا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

بادشاہ نے یہ سارے بیان سن کر جیل میں پیغام بھیجا کہ اے یوسف (علیہ السلام) سب عورتوں سے تفتیش کرالی گئی سب عورتوں اور زلیخا نے اپنے جرم کا اقرار کرلیا ہے اب آؤ تا کہ تمہارے سامنے سزا سنائی جائے۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:528 نعیمی کتب خانہ لاہور)

سچ ہمیشہ نجات دلاتا ہے

جب بادشاہ سے عورتوں نے سچ بیان کر دیا تو بادشاہ ان عورتوں پر کوئی قید کا حکم نہ لگایا نہ سزا کا آرڈر جاری کیا اور زلیخا نے 12 سال کے بعد سچ بیان کر دیا تو بادشاہ نے اس پر سزا جاری نہ کی بلکہ اس کو کچھ نہ کہا اور حضرت یوسف علیہ السلام ہمیشہ سچ بیان فرماتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو قید خانہ سے نجات عطا فرمائی اور عزت و مقام عطا فرمایا۔ بولنے پر کئی احادیث مبارکہ ہیں جو رضا الٰہی عزوجل کی نیت سے نقل کرتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سچ نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنت کی طرف رہنمائی کرتی ہے ایک آدمی سچ بولتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ صدیق لکھا جاتا ہے اور جھوٹ فسق کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور فسق جہنم کا راستہ دکھاتا ہے۔ ایک آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث:6513)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سچ نیکی ہے اور نیکی جنت کی رہنمائی کرتی ہے اور بندہ سچ کا قصد کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صدیق لکھا جاتا ہے اور جھوٹ فسق ہے اور فسق جہنم کی طرف لے جاتا ہے اور بندہ جھوٹ کا قصد کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث:6514)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سچ کو لازم رکھو کیونکہ سچ نیکی کی ہدایت دیتا ہے اور نیکی جنت کی ہدایت دیتی ہے۔ انسان ہمیشہ سچ بولتا رہتا ہے اور قصد کرتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صدیق لکھ دیا جاتا ہے اور جھوٹ سے اجتناب کرو کیونکہ جھوٹ گناہ کا راستہ دکھاتا ہے اور جہنم کی طرف لے جاتا ہے انسان ہمیشہ جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کا قصد کرتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک

جاتا ہے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 6515)

ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

اور عرض کیا کہ

میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا چاہتا ہوں مگر میں شراب نوشی، زنا کرنے، چوری کرنے اور جھوٹ بولنے سے محبت کرتا ہوں۔

اور لوگ یہ کہتے ہیں کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کو حرام کہتے ہیں اور مجھ میں ان تمام چیزوں کے ترک کرنے کی طاقت نہیں ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر قناعت کرلیں کہ میں ان میں سے کسی ایک چیز کو ترک کر دوں تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آتا ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم جھوٹ بولنا چھوڑ دو اس نے اس کو قبول کرلیا اور مسلمان ہو گیا۔

جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گیا تو اس کو شراب پیش کی گئی اس نے سوچا اگر میں نے شراب پی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے شراب پینے کے متعلق سوال کیا اور میں نے جھوٹ بولا تو عہد شکنی ہو گی اور اگر میں نے سچ بولا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر حد قائم کردیں گے پھر اس نے شراب کو ترک کر دیا پھر اس کو زنا کی پیش کش ہوئی اس کے دل میں یہی خیال آیا اس نے پھر اس کو بھی ترک کر دیا، اسی طرح چوری کا معاملہ ہوا پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

اور اس نے کہا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت اچھا کیا کہ مجھے جھوٹ بولنے سے روک دیا اور اس نے مجھ پر تمام گناہوں کے دروازے بند کر دیئے اور پھر وہ تمام گناہوں سے تائب ہو گیا۔

(تفسیر کبیر: ج:6، ص:168 مطبوعہ بیروت)

اس بحث سے ثابت ہوا کہ سچ ہمیشہ دنیا و آخرت میں نجات دلائے گا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم بھی راضی رہیں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنی پاک دامنی بیان فرمانا

حضرت یوسف علیہ السلام نے عورتوں کا حال اس لیے پچھوایا تا کہ آپ علیہ السلام اپنی پاک دامنی کو ظاہر کریں۔

قرآن مجید میں ہے:

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّىْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ○ (یوسف: 52)

اس نے کہا میں نے یہ اس لیے کیا تا کہ وہ جان لے کہ میں نے اس کے پس پشت اس کی خیانت نہیں کی اور یہ بھی جا
لے کہ بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کی سازش کو کامیاب ہونے نہیں دیتا۔

پس پشت خیانت نہ کرنے کی وضاحت

میں نے اس کے پس پشت اس کی خیانت کی یہ کس کا قول ہے اس بارے میں مفسرین کے اقوال ہیں۔

اس آیت کے دو محمل ہیں۔

ایک یہ ہے کہ

یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قول ہے۔

اور دوسرا یہ ہے کہ

یہ عزیز مصر کی بیوی کا قول ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت مجاہد، حضرت قتادہ اور ابو صالح رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے کہ

یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قول ہے۔

(جامع البیان: جز:12، ص:311 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

اگر یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا کلام ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ کلام کس موقع پر ارشاد فرمایا تھا۔

اس کے متعلق دو اقوال ہیں۔

1 - جب ساقی حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس لوٹ کر قید خانہ میں آیا تو اس وقت انہوں نے فرمایا میں نے یہ تفتیش اس لیے کرائی ہے کہ اس کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کے پس پشت خیانت نہیں کی۔

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

2 - حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا دوسرا قول یہ ہے کہ

جب حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ کے دربار میں پیش ہوئے اس وقت انہوں نے فرمایا۔ میں نے یہ تفتیش اس لیے کرائی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے پس پشت خیانت نہ کرنے کے قول کا کیا معنیٰ ہے۔

حضرت ابن عباس، حضرت حسن، حضرت مجاہد، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم اور جمہور نے کہا ہے کہ

اس سے مراد یہ ہے کہ

عزیز مصر کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کے پس پشت اس کی خیانت نہیں کی۔

اور ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا دوسرا قول روایت کیا ہے کہ

بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ میں نے عزیز مصر کے پس پشت اس کی خیانت نہیں کی۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ

بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کے پس پشت اس کی خیانت نہیں کی۔
اور بادشاہ کی خیانت کی توجیہ یہ ہے کہ
بادشاہ کے وزیر کی خیانت کرنا بھی بادشاہ کی خیانت ہے۔
(زاد المسیر :ج:4،ص:234 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

میں نے اپنے سردار سے خیانت نہیں کی

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا میں نے اپنے سردار سے خیانت نہیں کی ہے۔
امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:
حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا:
میں نے اپنے سردار سے خیانت نہیں کی ہے۔
(جامع البیان:ج:12،ص:286 دار احیاء التراث العربی بیروت)

بادشاہ کا حضرت یوسف علیہ السلام کو مخصوص رکھنے کے لئے بلانا

جب حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی ہر طرف سے ظاہر ہو گئی تو بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنا مخصوص رکھنے کے لئے بلایا۔
قرآن مجید میں ہے:
وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ (یوسف:54)
اور بادشاہ نے کہا اس کو میرے پاس لے کر آؤ میں اس کو اپنے لیے مخصوص رکھوں گا۔

کس بادشاہ نے بلایا؟

کس بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بلایا تھا اس بارے میں چند اقوال ہیں۔
امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:
بادشاہ سے مراد مصر کا بادشاہ ہے۔
امام ابن اسحاق نے کہا:
وہ الولید بن الریان ہے۔
(جامع البیان:جز:13،ص:6 مطبوعہ دار الفکر بیروت)
امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:
اس میں اختلاف ہے کہ اس بادشاہ سے مراد کون ہے۔
بعض نے کہا:

اس سے مراد عزیز مصر ہے یعنی اس کا وزیر۔
اور بعض نے کہا:
اس سے مراد بادشاہ ہے یعنی الولید بن الریان۔
اس پر دلیل یہ ہے کہ
بادشاہ نے کہا:
میں اس کو اپنے لیے مخصوص رکھوں گا اور اس سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے لئے مخصوص تھے۔
اس سے معلوم ہوا کہ
اس آیت میں الملک سے مراد بادشاہ ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو مخصوص کرنے کی وجوہات

بادشاہ حضرت یوسف علیہ السلام کو چند وجوہات کی بناء پر مخصوص کرنا چاہتا تھا۔

1 - بادشاہ حضرت یوسف علیہ السلام کے علم سے بہت متاثر ہوا تھا کیونکہ جب بادشاہ کے خواب کی تعبیر سے اس کے تمام ارکان دولت عاجز ہو گئے تو اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے برجستہ اس خواب کی تعبیر بتائی اور اس کو جو پریشانی لاحق ہونے والی تھی اور اس قوم پر جو مصیبت آنے والی تھی اس کو دور کرنے کا طریقہ بھی بتا دیا۔

2 - وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر اور ضبط سے بھی متاثر ہوا کیونکہ جب اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی کا حکم بھیجا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اس وقت تک قید خانے سے نکلنے سے انکار کر دیا جب تک کہ تمام الزاموں اور تہمتوں سے حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت ظاہر نہ ہو جائے۔

3 - وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ادب اور احترام اور ان کی پردہ پوشی کی صفت سے بھی بہت متاثر ہوا کیونکہ انہوں نے صرف یہ فرمایا کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے حالانکہ آپ علیہ السلام کی غرض عزیز مصر کی بیوی کا حال معلوم کرنا تھا جس نے آپ علیہ السلام پر تہمت لگائی تھی لیکن آپ علیہ السلام نے اس کا پردہ رکھا اور باقی عورتوں کا ذکر کیا جبکہ باقی عورتوں سے بھی آپ علیہ السلام کا واسطہ عزیز مصر کی بیوی کی وجہ سے ہی پڑا تھا اور آپ علیہ السلام اسی کی تہمت اور الزام کی وجہ سے اس قید میں گرفتار ہوئے تھے اور یہ آپ علیہ السلام کا نہایت درجہ کا ظرف اور حوصلہ تھا۔

4 - وہ آپ علیہ السلام کی پاکیزگی اور پارسائی اور آپ علیہ السلام کے ٹھوس اور پختہ کردار کی وجہ سے بھی متاثر ہوا کیونکہ آپ علیہ السلام پر تہمت لگانے والے تھے ان سب نے آپ علیہ السلام کی ان تہمتوں سے برأت کا اعتراف اور اقرار کر لیا۔

5 - آپ علیہ السلام کے ساتھ قید میں جو ساقی رہا تھا اس نے آپ علیہ السلام کی بہت تعریف کی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ عبادت کرتے ہیں اور دوسرے قیدیوں کے ساتھ بہت نیک سلوک کرتے ہیں۔ بیماروں کی عیادت کرتے ہیں اور ہر ایک کے کام آنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ ایسی وجوہ ہیں کہ ان میں سے ایک وجہ بھی کسی شخص میں پائی جائے تو اس شخص سے لوگ متاثر ہوں گے تو جس شخص

...م وجوہات پائی جائیں تو لوگ اس سے کس قدر زیادہ متاثر ہوں گے اور کتنے زیادہ اس کے عقیدت مند ہوں گے۔

جب بادشاہ حضرت یوسف علیہ السلام کی ان صفات اور ان کے ان شمائل اور خصائل پر مطلع ہوا تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ رکھنے کا خواہش مند ہوا اور وہ اس پر راغب ہوا کہ ان کو اپنے لیے مخصوص کر لے۔

(تفسیر کبیر: ج:6،ص:470 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

...صد کا حضرت یوسف علیہ السلام کو نئے کپڑے پہننے کا کہنا

جب قاصد حضرت یوسف علیہ السلام کو بلانے آیا تو اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کہا کہ پرانے کپڑے اتارو اور ...ے کپڑے پہنو اور بادشاہ کی طرف تشریف لے چلو۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

قاصد آیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو کہا کہ

قیدیوں والا لباس اتار دو، نئے کپڑے پہنو اور بادشاہ کی طرف تشریف لے چلو۔

(الدر المنثور: ج:4،ص:44 مطبوعہ العلمیہ بیروت)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جب بادشاہ کا قاصد آپ علیہ السلام کو بلانے کے لئے پہنچا۔

تو اس نے کہا:

آپ علیہ السلام نہا دھو کر، قید کے کپڑے اتار کر عمدہ لباس پہنیں اور میرے ساتھ بادشاہ کے پاس چلیں۔

(تفسیر کبیر: ج:6،ص:471 دار احیاء التراث العربی بیروت)

...ضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانہ سے نکلنے سے پہلے قید خانہ کے دروازے پر چند کلمات مبارکہ لکھے

جب حضرت یوسف علیہ السلام قید خانہ سے باہر تشریف لانے لگے تو قید خانہ سے نکلنے سے پہلے لکھا کہ

"یہ آزمائش اور امتحان کی جگہ یہ زندہ لوگوں کا قبرستان ہے، یہ دشمنوں کے ہنسنے کا موقع ہے اور سچوں کی تجربہ گاہ ہے۔"

امام فخر الدین محمد ضیاء الدین عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانہ سے نکلنے سے پہلے قید خانہ کے دروازہ پر لکھ دیا۔

یہ آزمائش اور امتحان کی جگہ

یہ زندہ لوگوں کا قبرستان ہے

یہ دشمنوں کے ہنسنے کا موقع ہے

اور سچوں کی تجربہ گاہ ہے۔

(تفسیر کبیر: ج:6،ص:471 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اورامام ابومحمد الحسین مسعود الفرا البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:
جب آپ علیہ السلام قید خانہ سے نکلے تو قید خانے کے دروازے پر لکھا۔

هذه قبور الاحياء

وبيت الاحزان

وتجربة الاصدقاء

وشماتة الاعداء

ترجمہ:- یہ زندہ لوگوں کا قبرستان ہے
یہ غمزدہ لوگوں کا گھر ہے
یہ دوستوں کی تجربہ گاہ ہے
اور دشمنوں کے خوش ہونے کی جگہ ہے۔
(معالم التنزیل: ج:3،ص:293 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانے سے نکلتے وقت قیدیوں کو جو دعا دی وہ پوری ہوئی

حضرت یوسف علیہ السلام جب قید خانے سے باہر تشریف لائے تو قیدیوں کے لئے دعا فرمائی کہ یا اللہ عزوجل نیک لوگوں کے دل ان کی طرف پھیر دے اوران پر خبروں کو پوشیدہ نہ رکھ تو وہ قیدی آپ علیہ السلام کی دعا کی برکت سے شہر والوں کی خبروں کو جان لیتے تھے۔

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:
آپ علیہ السلام کھڑے ہوئے اور قیدیوں کے لئے دعا فرمائی۔
اور کہا:
اے اللہ عزوجل! نیک لوگوں کے دلوں کو ان پر پھیر دے اوران پر خبروں کو پوشیدہ نہ فرما پس آپ علیہ السلام کی دعا سے وہ ہر شہر کی خبروں کو زیادہ جانتے تھے۔
(معالم التنزیل: ج:3،ص:292 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام شاہی لباس میں ہزاروں کے جلوس کے ساتھ بادشاہ کی طرف روانہ

حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ کی طرف اس طرح روانہ ہوئے کہ آپ علیہ السلام نے شاہی لباس زیب تن کیا ہوا تھا ہزاروں کا جلوس جو پیدل اور گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور آپ علیہ السلام بادشاہ کے خاص گھوڑے پر سوار تھے۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
بادشاہ نے یہ سارے بیان سن کر جیل میں پیغام بھیجا کہ اے یوسف علیہ السلام سب عورتوں سے تفتیش کرائی گئی ہے۔ سب عورتوں اور زلیخا نے اپنے جرم کا اقرار کرلیا ہے اب آؤ تا کہ تمہارے سامنے سزا سنائی جائے۔ تب حضرت یوسف علیہ السلام

میں تشریف لائے اس طرح کہ بادشاہ کا بھیجا ہوا شاہی لباس زیب تن تھا۔ ہزاروں کا جلوس پیادہ اور گھوڑا سوار ساتھ تھا۔ بادشاہ کے خاص گھوڑے پر سوار تھے مگر شکر الٰہی عزوجل میں نگاہیں نیچی، تشکر کے آنسو رواں ہیں۔ اس وقت عزت و توقیر اور شان میں آپ علیہ السلام کو وہ وقت یاد آیا جب اسی شہر میں بیڑیاں پہنے غلامانہ حیثیت سے اون کے پھٹے لباس کے ساتھ ہوئے تھے۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:529 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بادشاہ کا حضرت یوسف علیہ السلام کا استقبال کرنا

جب حضرت یوسف علیہ السلام محل کے دربار میں داخل ہوئے تو سارا دربار ادب کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور خود بادشاہ بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے استقبال کے لئے کھڑا ہو گیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

جب محل کے دربار میں داخل ہوئے تو سارا دربار بصد ادب اٹھ کھڑا ہوا خود بادشاہ بھی جس نے پہلی دفعہ حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تھا اور جو کبھی کسی کے لئے نہ اٹھا تھا آج جلال یوسفی کی تاب نہ لا کر اپنے ملک کے سارے خزانے قدم یوسف پر قربان کرنے کے لئے وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:529 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بادشاہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر دعا مانگنا

حضرت یوسف علیہ السلام جب بادشاہ کے دروازے پر پہنچے تو اپنے رب عزوجل کے کافی ہونے کی دعائیں کیں۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

وہب نے کہا ہے کہ

جب آپ علیہ السلام بادشاہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے تو یہ دعا پڑھی۔

حسبی ربی من دنیای و حسبی ربی من خلقه عزجاره وجل ثناؤهٗ ولا اله غیره

ترجمہ:۔ میری دنیا کی طرف سے میرا رب کافی ہے اور اپنی مخلوق کی طرف سے میرا رب کافی ہے اس کا پڑوس عزت والا ہے اس کی ثناء بلند ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

(معالم التنزیل: ج،3، ص:293 دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے پاس پہنچ کر دعا پڑھی

جب حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ کے پاس پہنچ گئے تو خیر کی دعا کی اور بادشاہ کے شر سے پناہ مانگی۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

جب آپ علیہ السلام بادشاہ کے پاس پہنچے تو یہ دعا پڑھی۔

اللھم اسئلك بخیرك من خیره و اعوذبك من شره و شر غیره

ترجمہ:- اے اللہ عزوجل میں تجھ سے تیری خیر کے واسطے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور تجھ سے اس کے شر اور اس کے علاوہ کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔

اور بادشاہ کو دیکھ کر یہ دعا مانگی۔

اللھم انی اسئلك بخیرك من خیرہ و اعوذ بعزتك من شرہ

ترجمہ:- اے اللہ عزوجل میں تجھ سے تیری خیر کے واسطہ سے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور تیری عزت کے واسطے سے اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔

اور یہ بھی روایت ہے کہ

جب حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ کے دربار میں پہنچے تو یہ دعا کی۔

اے اللہ عزوجل! میں اس کی خیر سے تیری خیر کا سوال کرتا ہوں اور اس کے شر سے تیری قدرت اور تیری عزت کی پناہ میں آتا ہوں۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:293 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

(تفسیر کبیر: ج،6، ص:476 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بادشاہ کا حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھانا

جب حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ کے دربار میں پہنچے تو بادشاہ نے آپ علیہ السلام کا استقبال بھی کیا اور آپ علیہ السلام کو اپنے ساتھ تخت پر بھی بٹھایا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

جب محل کے دربار میں داخل ہوئے تو سارا دربار بصد ادب کھڑا ہوا خود بادشاہ بھی جس نے پہلی دفعہ یوسف علیہ السلام دیکھا تھا اور جو کبھی کسی کے لئے نہ اٹھا تھا آج جلال یوسفی کی تاب نہ لا کر اپنے ملک کے سارے خزانے قدم یوسف پر قربان کرنے کے لئے وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا اور تخت کی سیڑھیوں سے نیچے اتر کر حضرت یوسف علیہ السلام کو تخت پر اپنے ساتھ بٹھایا۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:529 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ کو ہر زبان میں جواب دیتے

جب حضرت یوسف علیہ السلام سے بادشاہ کی ملاقات ہوئی اور ہم کلام ہوئے تو بادشاہ جس زبان میں کلام کرتا آپ علیہ السلام اسی زبان میں جواب دیتے تھے۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

بادشاہ جس زبان میں کلام کرتا حضرت یوسف علیہ السلام اسی زبان میں جواب دیتے اور آپ علیہ السلام کو عبرانی اور دو زبانیں زائد آتی تھیں۔ بادشاہ اس جوانی کے عالم میں اتنی زبانوں کی مہارت دیکھ کر بہت متعجب ہوا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:293 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

(حضرت) یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کو عربی زبان میں سلام کیا

جب حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ کے پاس پہنچے تو اسے عربی میں سلام کیا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

جب بادشاہ نے آپ علیہ السلام کی طرف دیکھا تو آپ علیہ السلام نے اسے عربی میں سلام کیا۔

(معالم التنزیل: ج:12، ص:293 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

(باد)شاہ کا حیرانگی سے عربی زبان کا پوچھنا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے عربی میں بادشاہ کو سلام کیا تو بادشاہ نے کہا یہ کون سی زبان ہے۔ آپ علیہ السلام نے (ف)رمایا یہ میرے چچا اسماعیل کی زبان ہے۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

جب بادشاہ نے آپ علیہ السلام کی طرف دیکھا تو آپ علیہ السلام نے اسے عربی زبان میں سلام کیا۔

بادشاہ نے کہا:

یہ کون سی زبان ہے؟

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

یہ میرے چچا اسماعیل کی زبان ہے۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:293 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

(ح)ضرت یوسف علیہ السلام کا عبرانی زبان میں دعا کرنا

حضرت یوسف علیہ السلام نے عربی زبان کے بعد عبرانی زبان میں دعا کی تو بادشاہ نے پھر سوال کیا کہ یہ کون سی زبان (ہ)ے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا یہ میرے آباء کی زبان ہے۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

پھر آپ علیہ السلام نے عبرانی زبان میں دعا کی۔

تو بادشاہ نے کہا:

یہ کون سی زبان ہے؟

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

یہ میرے آباء کی زبان ہے۔

بادشاہ یہ دونوں زبانیں نہیں جانتا تھا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:293 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بادشاہ ستر زبانیں جانتا تھا

بادشاہ ستر زبانیں جانتا تھا مگر پھر بھی حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان کو نہ سمجھ سکا۔

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

بادشاہ یہ دونوں زبانیں نہیں جانتا تھا۔

وہب نے کہا ہے کہ

بادشاہ ستر زبانیں جانتا تھا۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:293 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بادشاہ کا حضرت یوسف علیہ السلام کی زبانوں میں مہارت دیکھ کر حیران ہونا

بادشاہ جس زبان میں کلام کرتا حضرت یوسف علیہ السلام اسی زبان میں جواب عنایت فرماتے تو بادشاہ آپ علیہ السلا زبانوں میں مہارت دیکھ کر حیران ہوا۔

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

بادشاہ جس زبان میں کلام کرتا حضرت یوسف علیہ السلام اسی زبان میں جواب دیتے اور آپ علیہ السلام کو عبرانی اور دو زبانیں زائد آتی تھیں۔ بادشاہ اس جوانی کے عالم میں اتنی زبانوں کی مہارت دیکھ کر بہت حیران ہوا۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:293 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بادشاہ سے ہم کلام کے وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر مبارک 30 سال

جب حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ سے ہمکلام ہوئے تو اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر مبارک (30) تیس سال

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام اس وقت تیس سال کے تھے۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:293 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا سب مجرموں کو معاف فرمانا

حضرت یوسف علیہ السلام جب بادشاہ کے دربار میں پہنچے تو سب مجرموں کو معاف فرما دیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو تخت پر اپنے ساتھ بٹھایا اور بڑی محبت سے درخواست کی کہ مجرم حاضر ہیں جو چاہو سزا د عورتیں کانپ رہی ہیں زلیخا گھبرا رہی ہے درباری دیکھ رہے ہیں۔ بادشاہ منتظر ہے آج سب کی نگاہیں چہرہ یوسف علیہ السلام رہی ہیں جنبش لب کے انتظار میں عدالت کا قلم رکا ہوا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے کھڑے ہو کر پاکیزہ الفاظ میں فرمایا:

میں نے اپنے سب مجرموں کو معاف کیا۔

دربار میں نعرہ تحسین بلند ہوا اور تعجب سے بادشاہ نے یوسف (علیہ السلام) کو دیکھا کہ ایسا حوصلہ مند انسان کبھی نہیں دیکھا۔

(تفسیر نعیمی: ج:72،ص:529 نعیمی کتب خانہ لاہور)

عزیز مصر کا حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ صبح وشام کا کھانا تناول کرنا

عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کی نرم مزاجی، ذہانت وفطانت کو دیکھ کر اپنے پاس بلایا اور صبح وشام کا کھانا آپ علیہ السلام کے ساتھ کھاتا تھا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابومیسرہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جب عزیز نے حضرت یوسف علیہ السلام کی نرم مزاجی، ذہانت وفطانت اور عالی ظرفی کو دیکھا تو اس نے اپنے پاس بلایا پھر وہ صبح وشام کا کھانا آپ علیہ السلام کے ساتھ کھاتا تھا۔ جبکہ دوسرے خادموں کو قریب نہیں آنے دیتا تھا۔

(جامع البیان: ج:13،ص:9 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

عزیز مصر کی بیوی کا ساتھ کھانا کھانے سے روکنا

عزیز مصر کی بیوی نے اپنے خاوند عزیز مصر کو کہا کہ اس کو بھی دوسرے خادمین کے ساتھ کھانا کھانے کو کہیں یہ کیوں تمہارے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتا ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

اس کی بیوی اور حضرت یوسف علیہ السلام کے درمیان جو معاملہ ہوا تھا اس کی بناء پر اس کی بیوی نے کہا:

تو اپنے ملازمین سے اس کو کیوں اپنے قریب بٹھاتا ہے اس کو بھی کہو کہ وہ دوسرے غلاموں کے ساتھ کھانا کھائے۔

(جامع البیان: ج:13،ص:9 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

بادشاہ کا حضرت یوسف علیہ السلام کو غلاموں کے ساتھ کھانا کھانے کا کہنا

جب بیوی نے ساتھ کھانا کھلانے سے منع کیا تو بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو غلاموں کے ساتھ کھانا کھانے کا کہا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا۔

جاؤ تم دوسرے غلاموں کے ساتھ کھانا کھاؤ۔

(جامع البیان: ج:13،ص:9 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا غلاموں کے ساتھ کھانا کھانے پر جواب دینا

جب بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو غلاموں کے ساتھ کھانا کھانے کو کہا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا میں اس کا

زیادہ حق دار ہوں کہ میں تمہارے ساتھ کھانے کو ناپسند کروں میں تو ابن ابراہیم خلیل اللہ ہوں، میں ابن اسحاق ہوں، میں یعقوب ہوں۔ علیہم السلام

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

کیا تو میرے ساتھ کھانے کی رغبت رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قسم!

میں یوسف بن یعقوب نبی اللہ بن اسحٰق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام ہوں۔

(جامع البیان: ج:13، ص:9 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا ناراض ہونا

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو بادشاہ نے غلاموں کے ساتھ کھانا کھانے کو کہا تو آپ علیہ السلام ناراض ہوئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا۔

میں پسند کرتا ہوں کہ میرے اہل کے سوا باقی تمام چیزوں میں تو میرا ساتھی اور شریک ہو اور میں ناپسند کرتا ہوں کہ میرے ساتھ کھانا کھائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام ناراض ہوئے۔

اور ارشاد فرمایا:

میں اس کا زیادہ حق دار ہوں کہ میں تمہارے ساتھ کھانے کو ناپسند کروں میں ابن ابراہیم خلیل اللہ ہوں۔

میں ابن اسحاق ہوں۔

میں ابن یعقوب نبی اللہ علیہم السلام ہوں۔

(سنن سعید بن منصور: ج:5، ص:397 دار الصمیعی الریاض)

کیا تمہارا یہ خیال تھا کہ میں تمہارے ساتھ کھانا کھاؤں گا

جب بادشاہ نے کہا میں تمہیں اپنی بیوی اور کھانے کے سوا تمام چیزوں میں شریک کرنا چاہتا ہوں تو آپ علیہ السلام فرمایا کیا تمہارا یہ خیال تھا کہ میں تمہارے ساتھ کھانا کھاؤں گا۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

جب بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے گفتگو کی تو کہا۔

میں اپنی زوجہ اور طعام کے سوا تم کو اپنی ہر چیز میں شریک کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

کیا تمہارا یہ خیال تھا کہ میں تمہارے ساتھ کھانا کھاؤں گا حالانکہ میں یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام ہوں۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:9، ص:185 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

کھانا کھلانے کے فضائل

کھانا کھلانا ایک عظیم حسن عمل ہے جس کے فضائل بے شمار ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا کھلانے پر بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ
اسلام کے کون سے حکم پر عمل کرنا سب سے افضل ہے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تم جس شخص کو پہچانتے ہو خواہ نہ پہچانتے ہو اس کو کھانا کھلاؤ اور سلام کرو۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:12)

ایک اور روایت میں ہے۔

حبان بن ابی جبیلہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو صدقہ سب سے زیادہ سرعت کے ساتھ آسمان پر چڑھتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان بہت عمدہ کھانا تیار کرے اور پھر اپنے (مسلمان) بھائیوں کو کھلائے۔

(کنز العمال: ج:6، ص:424، رقم الحدیث:16369)

ایک اور روایت میں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
کسی بھوکے پیٹ والے کو سیر ہو کر کھانا کھلانے سے زیادہ کوئی عمل افضل نہیں ہے۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث:3367)

ایک اور روایت میں ہے۔

محمد بن منکدر سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
مغفرت کے موجبات سے یہ ہے کہ بھوکے مسلمان کو کھانا کھلایا جائے۔

(المستدرک: ج:2، ص:524، رقم الحدیث:3935)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے اپنے (مسلمان) بھائی کو روٹی کھلائی حتیٰ کہ وہ سیر ہو گیا اور اس کو پانی پلایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی سات خندقوں سے دور کر دے گا، ہر خندق کی مسافت پانچ سو سال ہے۔

(کنز العمال: رقم الحدیث: 16373)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلایا۔ اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھلوں سے کھلائے گا اور جس شخص نے کسی لباس مسلمان کو لباس پہنایا اللہ تعالیٰ اس کو جنت کا سبز لباس پہنائے گا اور جس شخص نے کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلایا اللہ تعالیٰ اس کو رحیق (شراب طہور) سے پلائے گا۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث: 3370)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے دروازوں میں سے اس دروازے میں داخل کرے گا جس میں سے صرف اس جیسے مسلمان داخل ہوں گے۔

(معجم الکبیر: ج: 20، رقم الحدیث: 162)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب تمہارے گناہ زیادہ ہوں تو پانی کے گھاٹ پر لوگوں کو پانی پلاؤ۔ تمہارے گناہ اس طرح جھڑ جائیں گے جس طرح آندھی سے درخت کے پتے گرتے ہیں۔

(کنز العمال: رقم الحدیث: 16377)

ایک اور روایت میں ہے۔

ابو جنیدہ الفہری اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے کسی پیاسے کو پانی پلا کر اس کو سیر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا ایک دروازہ کھول دے گا۔

اور اس سے کہا جائے گا۔

اس دروازے سے داخل ہو اور جس نے کسی بھوکے کو کھانا کھلا کر اس کو سیر کر دیا۔ اس کے لئے جنت کے تمام دروازے کھول دیئے جائیں گے۔

اور اس سے کہا جائے گا۔

جس دروازے سے چاہو داخل ہو جاؤ۔

(معجم الکبیر: ج:22، رقم الحدیث:939)

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ کھانا کھلانے کے بے شمار فضائل ہیں اور جنت کی بشارت ہے لہٰذا اپنے دستر خوان کو وسیع کیا جائے اور کھانا کھلانے میں کشادگی اختیار کی جائے۔

بادشاہ کا مسلمان ہونا

حضرت یوسف علیہ السلام جس بادشاہ کے ساتھ تھے وہ مسلمان ہو گیا تھا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام جس بادشاہ کے ساتھ تھے وہ مسلمان ہو گیا تھا۔

(جامع البیان: ج:13، ص:11 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بادشاہ کا بالمشافہ اپنے خواب کی تعبیر سننا

جب بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے حال و احوال پوچھ لیا تو بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ اب مجھے بالمشافہ خواب کی تعبیر سنائیں۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ

بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ

میں بالمشافہ آپ علیہ السلام سے اپنا جواب سننا چاہتا ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

ہاں میں سناتا ہوں۔ بادشاہ سلامت آپ نے سات گائیں دیکھی تھیں جو چتکبری تھیں۔ ان کی پیشانیاں سفید تھیں اور وہ بڑی خوبصورت تھیں دریائے نیل کے کنارے سے تجھے نظر آئیں ان کے تھنوں میں دودھ تھا پھر اس سے سات دبلی پتلی گائیں نظر آئیں جن کی نہ کھیریاں تھیں نہ دودھ۔ ان کی داڑھیں، دانت اور ہاتھ کتوں کی طرح تھے اور ان کی سونڈھیں درندوں کی طرح تھیں انہوں نے موٹی گائیوں پر درندوں کی طرح حملہ کر دیا۔ ان کا گوشت کھایا ان کی کھالیں پھاڑ دیں۔ ان کی ہڈیاں توڑ دیں اور ان کی ہڈیوں سے گودا چوس لیا یہ سب منظر تو دیکھ رہا تھا اور متعجب ہو رہا تھا پھر سات سبز خوشے اور سات سیاہ خوشے تو نے

دیکھے جن کا تنا ایک تھا۔ان کی جڑیں مٹی اور پانی میں تھیں اور تو دل میں سوچ رہا تھا کہ یہ کیسے ہے کہ یہ سات سبز اور پھل دار اور یہ خشک سیاہ ہیں جبکہ نیچے تنا ایک ہے اور ان کی جڑیں پانی میں ہیں۔ ہوا چلی پس خشک خوشوں کے پتے سبز خوشوں پر بکھر گئے پھر ان میں آگ بھڑک اٹھی اور اس نے اس کو جلا دیا پس وہ سیاہ ہو گئے یہ آپ نے خواب دیکھا تھا۔ پھر ڈر کر بیدار ہو گئے۔

بادشاہ سن کر کہنے لگا۔

قسم بخدا! جو میں نے آپ (علیہ السلام) سے سنا ہے یہ تو اس خواب سے بھی زیادہ عجیب ہے اگر چہ وہ خواب بھی عجیب تھا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:293 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بادشاہ نے جس طرح خواب دیکھا حضرت یوسف علیہ السلام نے ویسے منظر کشی فرمائی

بادشاہ نے جس طرح خواب دیکھا تھا حضرت یوسف علیہ السلام نے ویسے ہی خواب بیان فرمایا اور بادشاہ نے اس کی تصدیق کی۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

اے بادشاہ تم نے خواب میں دیکھا کہ سات بہت حسین و جمیل اور موٹی تازی گائیں ہیں جو بہت خوش نما اور بھلی معلوم ہوتی ہیں ان کے بچے ان کا دودھ پی رہے تھے۔وہ دریائے نیل سے نکل کر کنارے پر آئیں جس وقت آپ یہ حسین منظر دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔اچانک دریا کا پانی زمین میں دھنس گیا اور اس کی کیچڑ میں سے سات دبلی پتلی گائیں نمودار ہوئیں ان کے بال بکھرے ہوئے اور غبار آلود تھے۔ان کے پیٹ سکڑے ہوئے تھے۔ان کے ساتھ ان کے دودھ پینے والے بچے نہ تھے ان کے لمبے لمبے دانت اور داڑھیں تھیں کتے کی طرح ان کے پنجے تھے اور درندوں کی طرح ان کی سونڈھیں تھیں وہ ان فربہ گایوں پر حملہ آور ہوئیں اور دیکھتے دیکھتے انہوں نے درندوں کی طرح ان کو چیر پھاڑ ڈالا اور ان کا گوشت کھا گئیں اور ان کی کھال کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور ان کی ہڈیوں کو ریزہ ریزہ کر دیا۔آپ یہ منظر دیکھ کر اس پر تعجب کر رہے تھے کہ یہ دبلی پتلی گائیں کس طرح ان فربہ گایوں پر غالب آ گئیں اور ان گایوں کو کھانے کے باوجود ان دبلی گایوں کی جسامت میں کوئی اضافہ نہیں ہوا اچانک آپ نے سات تر و تازہ اور سرسبز خوشے دیکھے جو دانوں اور پانی سے بھرے ہوئے تھے اور اسی کھیت میں دوسری جانب سات خشک خوشے تھے وہ نہ سرسبز تھے نہ ان میں دانہ اور پانی تھا ان کی جڑیں کیچڑ اور پانی میں تھیں جس وقت آپ دل میں سوچ رہے تھے کہ یہ کیسا منظر ہے ایک طرف یہ سرسبز اور پھل دار خوشے ہیں اور دوسری طرف یہ سیاہ اور خشک خوشے ہیں دونوں ایک ہی کھیت میں ہیں اور ان کی جڑیں پانی میں ہیں جب تیز ہوا چلتی تو سیاہ اور خشک پودوں کے پتے اڑ کر سرسبز پودوں پر جا کر گر جاتے تو پھر ان میں آگ لگ جاتی اور وہ جل کر سیاہ ہو جاتے پھر اے بادشاہ آپ خوفزدگی کے عالم میں بیدار ہو گئے۔

پھر بادشاہ نے کہا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ بہت عجیب و غریب خواب تھا اور جس طرح آپ علیہ السلام نے منظر کشی کی ہے وہ بہت ہی دلربا

(الجامع الاحکام القرآن: ج:9،ص:185 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر کا حل بتایا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کا حرف بہ حرف خواب بتا دیا تو بادشاہ نے کہا کہ اس خواب کا کیا حل ہے تو پھر علیہ السلام نے خواب کا حل بتایا اور بادشاہ کو آنے والے مصائب میں دوچار ہونے سے بچایا۔

علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

بادشاہ نے کہا:

اے صدیق! آپ علیہ السلام کے نزدیک اس خواب کا حل کیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

میری رائے یہ ہے کہ خوش حالی کے ان سرسبز سالوں میں آپ غلے کو جمع کرلیں اور ان سالوں میں زیادہ سے زیادہ گندم کاشت کریں کیونکہ ان سالوں میں اگر آپ نے پتھر اور بجری میں بھی گندم بوئی تو اس سے بھی گندم اگ آئے گی۔ اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت روئیدگی اور برکت فرمائے گا پھر آپ گندم کو ان کے خوشوں میں رہنے دیں اور ان کو گوداموں میں ذخیرہ کرائیں اس گندم کا بھوسا جانوروں کے چارے میں استعمال ہوگا اور گندم لوگوں کی خوراک بنے گی پھر جس گندم کا آپ ذخیرہ کریں وہ مصر اور اس کے مضافات کے لئے کافی ہوگی اور دور دراز سے سفر کر کے لوگ آپ کے پاس گندم لینے کے لئے آئیں گے اس کو فروخت کرنے سے آپ کے پاس مال وزر کا اتنا بڑا خزانہ جمع ہو جائے گا جو آپ سے پہلے کسی کے پاس نہیں تھا۔

(روح المعانی: ج:13،ص:9 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اور امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

بادشاہ نے کہا:

اے صدیق! اس خواب کی تعبیر کا حل کیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

اس کی صورت یہ ہے کہ تو خوراک کو جمع کرا اور ان سالوں میں کثرت سے زراعت کروا اور پھر اس خوراک کو اپنے خوشوں اور بالیوں میں رہنے دے تاکہ پھلیاں اور خوشے چوپاؤں کا چارہ بنیں اور تو لوگوں کو خمس ادا کرنے کا حکم دے یہ خوراک جو تو جمع کرے گا یہ شہر والوں اور ارد گرد کے لوگوں کے لئے کافی ہے پھر لوگ تیرے پاس دور سے خوراک لینے کے لئے آئیں گے تیرے پاس اتنا خزانہ جمع ہو جائے گا کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوا ہوگا۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:293 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

بادشاہ کا حضرت یوسف علیہ السلام کو مقتدر اور امانت دار کہنا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کو خواب اور اس خواب کا حل بتا دیا تو بادشاہ نے کہا آج سے آپ علیہ السلام

ہمارے مقتدر اور امانت دار ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ٥ (یوسف:54)

پھر جب بادشاہ نے اس سے گفتگو کی تو (اے یوسف) آپ آج سے ہمارے نزدیک مقتدر اور امانت دار ہیں۔

بادشاہ کا نظام حوالے کرنے کا پوچھنا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر کا حل بتادیا تو بادشاہ نے کہا اس کام کی نگرانی اور اس کا انتظام کون کرے گا اگر میں تمام لوگوں کو بھی اکٹھا کرلوں تو وہ اس کام کو خوش اسلوبی سے نہیں کرسکیں گے اور ان سے ایمانداری اور دیانت داری کی توقع بھی نہیں ہے تب حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا آپ مجھے اپنے ملک کے خزانوں کا امیر مقرر کردیں۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

بادشاہ نے کہا یہ میرے لیے کون جمع کرے گا اور کون بیچے گا اور کون مجھے اتنے بڑے کام سے کفایت کرے گا۔

(معالم التنزیل:ج:3،ص:293 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

پھر بادشاہ نے کہا کہ

میرے اس کام کی نگرانی اور اس کا انتظام کون کرے گا اگر میں شہر کے تمام لوگوں کو بھی اکٹھا کرلوں تو وہ اس کام کو خوش اسلوبی سے نہیں کرسکیں گے اور ان سے ایمانداری اور دیانت داری کی بھی توقع نہیں ہے۔

تب حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

مجھے اپنے ملک کے خزانوں کا امیر مقرر کردیں۔

(روح المعانی:ج:13،ص:9 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا خود کو خزانوں پر مقرر ہونے کا فرمانا

جب بادشاہ نے کہا اس کام کی نگرانی اور انتظام کون کرے گا جو سخت مشکل معاملہ ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کردیں میں ہی ان کی حفاظت کروں گا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ٥ (یوسف:55)

(یوسف نے) کہا مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کردیں بے شک میں حفاظت کرنے والا ہوں۔

منصب کا طلب کرنا کیسا

منصب کا طلب کرنا جائز نہیں ہے اس بارے میں متعدد احادیث مبارکہ ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

اے عبدالرحمٰن امارت کا سوال نہ کرنا کیونکہ اگر تم کو سوال کے بعد امارت ملی تو تم اس کے سپرد کر دیئے جاؤ گے (یعنی اس کے ساتھ تائید خداوندی نہیں ہوگی) اور اگر تمہیں سوال کے بغیر امارت ملی تو تمہاری (منجانب اللہ) مدد کی جائے گی۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 4601)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں اور میرے دو عم زاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

ان دو میں سے ایک نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے جو ملک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے کسی ملک کی حکومت ہم کو عطا فرما دیجئے۔

اور دوسرے نے بھی ایسے کہا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم کسی ایسے شخص کو عامل نہیں بنائیں گے جو اس کا سوال کرے گا اور نہ اس شخص کو عامل بنائیں گے جو اس کی حرص کرے گا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 4603)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو اشعری شخصوں کے ساتھ حاضر ہوا ایک میری دائیں جانب تھا اور دوسرا بائیں جانب تھا۔ ان دونوں نے کسی منصب کا سوال کیا اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسواک فرما رہے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے ابو موسیٰ (رضی اللہ عنہ) تم کیا کہتے ہو۔

یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے عبد اللہ بن قیس ارشاد فرمایا۔

میں نے کہا:

اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے ان دونوں نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ ان کے دل میں کیا ہے اور نہ مجھے یہ پتا تھا کہ یہ منصب کا سوال کریں گے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا:

گویا میں دیکھ رہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونٹوں کے نیچے مسواک تھی جو گھس چکی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص منصب کا سوال کرے گا ہم اس کو ہرگز منصب پر فائز نہیں کریں گے لیکن اے ابو موسیٰ (رضی اللہ عنہ)

یا ارشاد فرمایا:

اے عبداللہ بن قیس (رضی اللہ عنہ) تم یمن جاؤ اور ان کو یمن بھیج دیا۔

جب حضرت معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) وہاں پہنچے۔

تو حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا:

آیئے اور ان کے لئے ایک گدا بچھا دیا وہاں اس وقت ایک شخص رسیوں سے بندھا ہوا تھا۔

حضرت ستاذ رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

یہ کون ہے؟

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا:

یہ ایک یہودی ہے یہ مسلمان ہو گیا تھا اور پھر اپنے برے دین کی طرف لوٹ گیا اور یہودی ہو گیا۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا:

میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق اس کو قتل نہ کر دیا جائے۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا:

ہم اس کو قتل کرتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ بیٹھیے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا:

میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک اس شخص کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق قتل نہیں کر دیا جائے گا۔ تین مرتبہ یہی مکالمہ ہوا بالآخر اس شخص کو قتل کر دیا گیا۔ پھر ان دونوں میں رات کے قیام کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا:

میں سوتا بھی ہوں اور قیام بھی کرتا ہوں اور میں اپنے قیام میں جس اجر کی امید رکھتا ہوں اسی اجر کی میں اپنی نیند میں بھی توقع رکھتا ہوں۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 4604)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے عامل نہیں بنائیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کندھے پر ہاتھ مار کر ارشاد فرمایا:

اے ابوذر (رضی اللہ عنہ) تم کمزور ہو اور یہ امارت امانت ہے اور یہ قیامت کے دن رسوائی اور شرمندگی کا باعث ہوگی البتہ امارت کے حقوق ادا کرے اور اس کی ذمہ داریاں پوری کرے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 4605)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے ابوذر (رضی اللہ عنہ)! میں تم کو کمزور پاتا ہوں اور میں تمہارے لیے وہی چیز پسند کرتا ہوں جسے اپنے لیے پسند کرتا ہوں تم دو آدمیوں پر بھی امیر نہ بننا اور نہ یتیم کے مال کا ولی بننا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 4606)

اور علامہ یحیٰی بن شرف نووی متوفی 676ھ لکھتے ہیں:

طالب منصب کو منصب نہ دینے میں حکمت یہ ہے کہ طالب منصب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور تائید شامل نہیں ہوتی۔

(شرح مسلم: ج: 2، ص: 120 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

منصب کے قبول کرنے میں خطرات زیادہ ہیں اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اجتناب کی تلقین فرمائی ہے اسی طرح علماء نے بھی اس سے دور رہنے کی وصیت کی ہے اور سلف و صالحین حکومت کے مناصب کو قبول نہیں کرتے تھے اور انہوں نے اس سلسلے میں بہت تکلیفیں اور اذیتیں اٹھائی ہیں۔ خود امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے منصب قضا کو قبول نہیں کیا اور اس کی سزا میں قید خانہ کی اذیتیں برداشت کیں اور بالآخر قید خانہ میں ہی وفات پائی۔

یقیناً منصب والے شخص سے ضرور پوچھ گچھ ہوگی اگر وہ عادل ہوگا تو اجر دیا جائے گا اور اگر ظالم ہوگا تو سزا دی جائے گی۔

جس طرح کہ کثیر احادیث مبارکہ اس سلسلے میں وارد ہوئی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عدل کرنے والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی دائیں جانب نور کے منبروں پر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے دونوں ہی ہاتھ میں وہ لوگ ہوں گے جو اپنے اہل و عیال اور اپنی رعایا میں عدل سے فیصلے کریں گے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 4607)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن شماسہ سے روایت ہے کہ

میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ پوچھنے کے لئے گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا:

تم کن لوگوں میں سے ہو۔

میں نے کہا:

میں مصر والوں میں سے ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا:

تمہارا حاکم جہاد میں تمہارے ساتھ کس طرح پیش آتا ہے۔

میں نے کہا:

ہمیں اس کی کوئی بات ناگوار نہیں گزری اگر ہمارے کسی شخص کا اونٹ مر جائے تو وہ اس کو اونٹ دے دیتا ہے اور اگر غلام مر جائے تو وہ اس کو غلام دے دیتا ہے اور اگر کسی کو خرچ کی ضرورت ہو تو وہ اس کو خرچ دے دیتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

میرے بھائی محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے ساتھ اس نے جو کچھ کیا ہے وہ مجھے اس حدیث کو بیان کرنے سے باز نہیں رکھ سکتا۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حجرے میں یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

اے اللہ عزوجل! میری امت کا جو شخص بھی کسی پر والی اور حاکم ہو اور وہ ان پر سختی رکھے تو تو بھی ان پر سختی کر اور اگر وہ ان نرمی کرے تو تو بھی ان پر نرمی کر۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 4608)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سنو تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہوگا سو جو امیر لوگوں پر حاکم ہے اس سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہوگا اور مرد اپنے اہل خانہ پر حاکم ہے اس سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہوگا اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں پر حاکم ہے اس سے ان کے متعلق سوال ہوگا اور نوکر اپنے مالک کے مال پر حاکم ہے اس سے اس کے متعلق سوال ہوگا۔ سنو تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہوگا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 4610)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

عبداللہ بن زیاد، حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی اس مرض میں عیادت کرنے کے لئے گیا جس میں ان کی وفات ہو گئی۔

حضرت معقل رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں تم کو ایک ایسی حدیث سناتا ہوں جس کو میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اگر مجھے یہ یقین ہوتا کہ

ں اور زندہ رہوں گا تو یہ حدیث نہ سناتا۔
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔
جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے کسی رعایا کا حاکم بنایا ہو اور وہ شخص جس دن مرے اس دن وہ اپنی رعایا کے ساتھ خیانت کرتا ہوا
ے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 4614)

ایک اور روایت میں ہے۔
ابو ملیح سے روایت ہے۔
عبد اللہ بن زیاد، حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بیماری میں ان کے پاس گیا۔
حضرت معقل رضی اللہ عنہ نے کہا:
میں تم کو ایک حدیث بیان کروں گا اور اگر میں مرض الموت میں نہ ہوتا تو پھر تم کو یہ حدیث نہ بیان کرتا۔
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ
جو امیر مسلمانوں پر حاکم ہو اور ان کی خیر خواہی میں جدوجہد نہ کرے وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 4616)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
سلطان زمین میں اللہ تعالیٰ کا سایہ ہے، اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ہر مظلوم اس کی پناہ میں آتا ہے اگر وہ عدل کرے تو ں کو ثواب ہو گا اور اس کی رعایا پر اس کا شکر ادا کرنا لازم ہے اور اگر وہ ظلم کرے تو اس کو عذاب ہو گا اور اس کی رعیت پر صبر کرنا زم ہو گا اور جب حکام سے جنگ کی جاتی ہے تو آسمان سے قحط نازل ہوتا ہے اور جب زکوٰۃ روک لی جاتی ہے تو مویشی ہلاک وجاتے ہیں اور جب زنا کا غلبہ ہوتا ہے تو فقر اور ذلت کا ظہور ہوتا ہے اور جب ذمیوں سے بدعہدی کی جاتی ہے تو کفار کا سلمانوں پر غلبہ ہو جاتا ہے۔
(مسند البزار: رقم الحدیث: 1590)

عتراض

بعض لوگ کہتے ہیں کہ منصب کو طلب کرنا جائز ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر کے بادشاہ سے منصب کومت کے عہدے کو طلب کیا تھا تو پھر آپ کا یہ کہنا کس طرح صحیح ہو گا کہ منصب عہدے کو طلب کرنا ناجائز ہے۔

واب

اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی شریعت میں جائز ہو اور وہ شریعت سابقہ ہے اور شریعت

سابقہ کے جو احکام ہماری شریعت کے خلاف ہوں وہ ہم پر حجت نہیں ہوتے ہمارے لیے یہ حکم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بخدا! ہم اس شخص کو عامل نہیں بنائیں گے جو اس کو طلب کرے گا اور نہ اس شخص کو عامل بنائیں گے جو اس کی حرص کرے گا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نبی تھے اور نبی کا تقویٰ قطعی اور یقینی ہوتا ہے نبی کو ولی کی تائید حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنے افعال کے متعلق اللہ تعالیٰ کی رضا سے مطلع رہتے ہیں جبکہ عام آدمی کا تقویٰ قطعی اور یقینی نہیں ہوتا اور غیر قطعی کو قطعی پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کا عہدہ طلب کرنا اللہ تعالیٰ کی اجازت سے تھا جو ان کو وحی سے حاصل ہوئی اور عام آدمی کے حق میں یہ متصور نہیں ہے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی قدرت کے کرشمے دکھانے تھے کہ آپ علیہ السلام کو کہاں سے کہاں پہنچایا اور کیا منصب عطا فرمایا۔

ظالم کا منصب پر فائز کرنا

منصب پر فائز کرنے والا اگر ظالم ہو تو اس کے متعلق چند اقوال ہیں۔

علامہ ماوردی شافعی متوفی 450ھ نے کہا ہے کہ

اگر منصب پر فائز کرنے والا ظالم ہو تو اس کی طرف سے منصب کو قبول کرنے کے متعلق اقوال ہیں۔

1- اس کو جس منصب پر فائز کیا گیا ہے وہ اس منصب کو قبول کرے اور اس منصب کے تقاضوں کے مطابق حق اور انصاف پر مبنی امور انجام دے کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کے فرعون (مصر کا بادشاہ الولید بن الریان) کی طرف سے منصب سونپا گیا اور انہوں نے اس کو قبول فرمایا اور اعتبار منصب قبول کرنے والے کے افعال کا ہوتا ہے نہ کہ منصب دینے والے کے افعال کا۔

2- کافر یا فاسق کی طرف سے منصب قبول کرنا جائز نہیں ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے فرعون کا جو منصب قبول کیا تھا اس کے دو جواب ہیں۔

پہلا جواب یہ ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کا فرعون نیک اور عادل شخص تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا فرعون ظالم

...ں تھا لہٰذا حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے فرعون سے عہدہ قبول کرنا محل اعتراض نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کی نظر اپنے دائرہ کار میں تھی انہوں نے اس کی طرف نظر نہیں کی کہ اس کو اس کام کی ذمہ داری ...ون سونپ رہا ہے۔

علامہ ماوردی نے کہا ہے۔

زیادہ صحیح یہ ہے کہ

کافر کی طرف سے منصب قبول کرنے کو مطلقاً جائز کہا جائے نہ مطلقاً ناجائز کہا جائے بلکہ اس کی تین قسمیں بیان کی جائیں۔

1۔ جن فرائض کی انجام دہی میں کسی شخص کے اجتہاد کا دخل نہیں ہے اور شریعت نے ان فرائض کی تعیین کی تصریح کر دی ہے مثلاً زکوٰۃ اور صداقت کی وصول یابی کہ اموال ظاہرہ میں ہر چیز کا نصاب مقرر ہے کہ جب مال تجارت دو سو درہم (چھ سو بارہ عشاریہ تین چھ گرام چاندی) کی مقدار یا اس سے زائد ہو تو اس میں سے اڑھائی فی صد زکوٰۃ وصول کی جائے گی یا چالیس سے ایک سو انیس جنگل کی گھاس چرنے والی بکریوں پر ایک بکری وصول کی جائے گی اور زرعی پیداوار سے اگر بارانی زمین ہو تو عشر وصول کیا جائے گا یعنی پیداوار کا دسواں حصہ ورنہ نصف عشر وصول کیا جائے گا یعنی پیداوار کا بیسواں حصہ، سو ان فرائض کی انجام دہی کسی عامل کے اجتہاد پر موقوف نہیں ہے اس لیے کسی ظالم اور فاسق فاجر حکمران سے اس قسم کا عہدہ قبول کرنا جائز ہے۔

2۔ جن فرائض کی انجام دہی میں اجتہاد کرنا پڑتا ہے جیسے اموال فے کے مصرف۔ ان میں ظالم کی طرف سے عہدہ قبول کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ اس میں ناحق تصرف کرنے کے لئے کہے گا اور اموال فے غیر مستحق کو دینے کے لئے کہے گا۔

3۔ جو شخص اہل ہوا س کے لئے جائز ہے کہ وہ ظالم کی طرف سے عہدہ قبول کر لے مثلاً ظالم کی طرف سے کسی کو قاضی بنایا جائے اور وہ یہ سمجھے کہ وہ مقدمات کا فیصلہ کرنے میں آزاد ہوگا تو اس کے لئے یہ عہدہ قبول کرنا جائز ہے۔

(النکت والعیون: ج:3، ص:50 تا 51 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام نے فوائد کثیرہ کی وجہ سے منصب قبول کیا

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب دیکھا کہ بادشاہ کوئی منصب دینے والا ہے تو آپ علیہ السلام نے اس منصب کو ترجیح دی جس میں فوائد کثیرہ تھے۔

علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قوجوی متوفی 951ھ لکھتے ہیں:

شاید حضرت یوسف علیہ السلام نے جب دیکھا کہ بادشاہ انہیں لامحالہ کسی عہدہ پر فائز کرنے والا ہے تو آپ علیہ السلام نے ایسے عہدہ کو ترجیح دی جس کے فوائد کثیر تھے اور منافع عظیم تھا۔

(تفسیر بیضاوی مع حاشیہ شیخ زادہ: ج:5، ص:49 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام ایک سال کے بعد منصب پر فائز ہوئے

حضرت یوسف علیہ السلام ایک سال کے بعد منصب پر فائز ہوئے

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ میرے بھائی یوسف (علیہ السلام) پر رحم فرمائے اگر وہ

اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ج

کہتے تو بادشاہ اسی وقت انہیں اس منصب پر فائز کر دیتا لیکن ایک سال بعد آپ علیہ السلام کو یہ منصب ملا تھا اور آپ علیہ السلام ایک سال بادشاہ کے ساتھ اس کے گھر میں رہے تھے۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:295 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کو منصب پر فائز کرنے سے پہلے بادشاہ نے تاج پہنایا

جب بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو منصب حکومت پر فائز کیا تو آپ علیہ السلام کو تاج پہنایا۔

امام ابومحمد الحسین ابن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جس سال آپ علیہ السلام نے منصب کا سوال کیا تھا وہ ختم ہو گیا تو بادشاہ نے آپ علیہ السلام کو بلایا تاج پہنایا اور اپنی تلوار دی۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:295 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے بادشاہ کا تخت سجانا

بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے تخت سجایا جو سونے کے موتیوں اور یاقوت سے مرصع تھا۔

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

پھر آپ علیہ السلام کے لئے سونے کے موتیوں اور یاقوت سے مرصع تخت سجایا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:295 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بادشاہ کا حضرت یوسف علیہ السلام کو قیمتی ریشمی لباس پہنانا

حضرت یوسف علیہ السلام کو بادشاہ نے قیمتی ریشمی لباس پہنایا۔

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

(بادشاہ نے) آپ علیہ السلام کو ریشمی قیمتی لباس پہنایا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:295 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تخت کی لمبائی

جو تخت حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے سجایا گیا اس کی لمبائی تیس ہاتھ، اور عرض دس ہاتھ تھا اور اس پر تیس بستر لگے ہوئے تھے اور ساٹھ مخملی چادریں بچھی ہوئی تھیں۔

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

اس تخت کی لمبائی تیس ہاتھ، عرض دس ہاتھ تھا اور اس پر تیس بستر لگے ہوئے تھے اور ساٹھ مخملی چادریں بچھی ہوئی تھیں۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:295 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بادشاہ کا حضرت یوسف علیہ السلام کو سر پر تاج رکھوا کر تخت پر بٹھانا

جب تخت کو سجا لیا گیا تو بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کہا کہ آپ علیہ السلام باہر تشریف لائیں۔ آپ علیہ السلام نے تاج کو سر پر سجایا اور چلتے چلتے تخت پر تشریف فرما ہوئے۔

علامہ ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

پھر بادشاہ نے آپ علیہ السلام کو باہر آنے کا حکم دیا آپ علیہ السلام باہر نکلے تو سر پر تاج رکھا جس کا رنگ سفید اولوں کی طرح تھا اور آپ علیہ السلام کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا دیکھنے والا اپنا چہرہ آپ علیہ السلام کی رنگت میں دیکھتا۔ آپ علیہ السلام چلتے چلتے تخت پر جا کر بیٹھ گئے۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:295 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

سارے علاقوں کے بادشاہوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کے قریب آ کر بیٹھنا

جب حضرت یوسف علیہ السلام تخت پر تشریف فرمائے تو سارے علاقے والے بادشاہ آپ علیہ السلام کے قریب آ کر بیٹھ گئے۔

علامہ ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

سارے علاقوں کے بادشاہ آپ علیہ السلام کے قریب آ کر بیٹھ گئے۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:295 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بادشاہ کا مصر کی بادشاہی حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد کرنا

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو تاج پہنا کر تخت پر بٹھا دیا تو بادشاہ نے مصر کی بادشاہی حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد کر دی۔

علامہ ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

پھر بادشاہ اپنے گھر میں داخل ہوا اور مصر کی بادشاہی آپ علیہ السلام کے سپرد کر دی اور قطفیر کا جو منصب تھا اس سے اس کو معزول کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کو وہ مقام عطا کر دیا۔ ابن اسحاق نے یہی لکھا ہے۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:295 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بادشاہ کا تمام خزانوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد کرنا اور آپ علیہ السلام کا ہر حکم نافذ کرنا

بادشاہ نے تمام خزانوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد کر دیا اور آپ علیہ السلام کے ہر حکم اور ہر فیصلہ کو نافذ کر دیا

علامہ ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن زید نے کہا ہے کہ

بادشاہ مصر ریان کے بہت سے خزانے تھے اس نے ان تمام خزانوں کو آپ علیہ السلام کے سپرد کر دیا تھا اور آپ علیہ السلام کے ہر حکم اور فیصلہ کو نافذ کر دیا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:295 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اور امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن زید نے کہا ہے کہ

فرعون کے طعام کے علاوہ بہت سے خزانے تھے اس نے تمام خزانے حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد کر دیے تھے ا
قضاء کا عہدہ بھی آپ علیہ السلام کو سونپ گیا تھا اور آپ علیہ السلام کا فیصلہ حتمی ہوتا تھا۔

(جامع البیان: ج:13، ص:10 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا خزانوں کا مالک ہو کر سیر ہو کر کھانا تناول نہ فرمانا

حضرت یوسف علیہ السلام زمین کے خزانوں کے مالک تھے مگر پھر بھی آپ علیہ السلام قوم کی فکر میں سیر ہو کر کھانا تناول فرماتے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام سیر ہو کر کھانا نہیں کھاتے تھے۔

آپ علیہ السلام سے پوچھا گیا۔

آپ علیہ السلام سیر ہو کر کھانا کیوں نہیں کھاتے جبکہ زمین کے خزانے آپ علیہ السلام کے قبضے میں ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

میں سیر ہو کر کھاؤں گا تو بھوکے کو بھول جاؤں گا۔

اور حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام سے عرض کیا گیا۔

آپ علیہ السلام بھوکے رہتے ہیں جبکہ زمین کے خزانے آپ علیہ السلام کی قدرت میں ہیں؟

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

مجھے اندیشہ ہے کہ میں سیر ہو کر کھاؤں گا تو بھوکوں کو بھول جاؤں گا۔

(شعب الایمان: ج:5، ص:37 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا تقویٰ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عامل بنانے کے لئے بلایا تو آپ رضی اللہ عنہ نے عامل بننے سے انکار فرما دیا جس سے آپ رضی اللہ عنہ کا تقویٰ عیاں ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بحرین کا عامل مقرر کیا پھر آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے معزول کر دیا اور مجھ پر بارہ ہزار جرمانہ کیا پھر بعد میں مجھے عامل بنانے کے لئے بلایا تو میں نے وہ منصب قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

آپ رضی اللہ عنہ کیوں انکار کر رہے ہو؟ حضرت یوسف علیہ السلام نے عامل بننے کا سوال کیا تھا اور وہ تجھ سے بہتر تھے۔

میں نے کہا:

حضرت یوسف علیہ السلام ابن نبی ابن نبی ابن نبی (علیہم السلام) تھے اور میں ابن امیمہ ہوں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میں کوئی بات بغیر برداشت کے کہہ دوں اور بغیر علم کے فتویٰ دے دوں مجھے اندیشہ ہے کہ میری پیٹھ پر مارا جائے میری عزت کو تار تار کیا جائے اور میرا مال لیا جائے۔

(مستدرک: ج:2،ص:338 مطبوعہ بیروت)

مجھے کھانا جمع کرنے پر مقرر کردے

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت شیبہ بن نعامہ الضبی رحمۃ اللہ علیہ نے اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ کے تحت روایت کیا ہے کہ

اس کا مطلب یہ ہے کہ

تو مجھے کھانا جمع کرنے پر مقرر کر دے میں بھوک کے سالوں کے لئے جو تو مجھے ودیعت کرے گا میں اس کی حفاظت کروں گا۔

(جامع البیان: ج:13،ص:10 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام نے حفیظ علیم کیوں کہا؟

حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کو فرمایا کہ میں حفاظت کرنے والا اور بہت علم والا ہوں، اس فرمان کے چند محمل ہیں۔

علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی متوفی 450ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام کے اس قول میں حفاظت کرنے والا ہوں، بہت علم والا ہوں کے چار محمل ہیں۔

1- حضرت ابن زید نے کہا:

میرے پاس جو چیز امانت رکھی جائے میں اس کی بہت حفاظت کرنے والا ہوں اور مجھ کو جو عہدہ دیا جائے میں اس کو بہت

جاننے والا ہوں۔

2-حضرت ابن سراقہ نے کہا ہے کہ

میں لکھائی کی بہت حفاظت کرنے والا ہوں اور حساب کو بہت جاننے والا ہوں کیونکہ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے کاغذ لکھا۔

3-حضرت اشجع نے حضرت سفیان سے روایت کیا ہے کہ

وہ حساب کی بہت حفاظت کرنے والے تھے اور زبانوں کو بہت جاننے والے تھے۔

4-حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ

تم نے جو منصب دیا ہے میں اس کی حفاظت کرنے والا ہوں۔

حضرت شیبہ الضبی نے کہا:

میں ایام قحط کی بھوک کو بہت جاننے والا ہوں۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جو علم وفضل دیا ہو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس علم وفضل کے ساتھ اپنے آپ کو موصوف کرے البتہ عام حالات میں اپنی صفات اور خوبیوں کا اظہار نہ کرنا اولیٰ ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بوقت ضرورت اپنی ان صفات کا اظہار کیا تھا۔

(النکت والعیون: ج:3، ص: 51، 52 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اعتراض

اپنی تعریف خود بیان کرنا منع ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ

فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۝ (النجم:32)

سو تم اپنی تعریفیں نہ کرو، پرہیزگاروں کو وہ خوب جانتا ہے۔

اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوا کہ اپنی تعریف بیان کرنا منع ہے تو پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی تعریف کیوں بیان فرمائی۔

جواب

اس کے چند جوابات ہیں۔

پہلا جواب یہ ہے کہ

فخر اور تکبر کی وجہ سے اپنی تعریف کرنا منع ہے اور تکبر ہلاک کر دیتا ہے۔

جس طرح کہ کثیر آیات کریمہ واحادیث مبارکہ اس بارے میں وارد ہوئی ہیں۔

پہلے قرآنی آیات پیش کی جاتی ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ○ (المومن:35)

اسی طرح ہر مغرور متکبر کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ○ (ابراہیم:15)

اور ہر متکبر معاند ہلاک ہو گیا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ○ (النحل:23)

بے شک وہ تکبر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ○ (المومن:60)

بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلت کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے۔

اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوا کہ اگر تکبر کی وجہ سے ہے تو منع ہے اور ہلاکت کا اپنے لیے سامان اکٹھا کرنا ہے۔

تکبر کی ہلاکت پر کثیر احادیث مبارکہ ہیں چند پیش خدمت ہیں۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ شخص جنت میں داخل ہو جائے گا جو اس حال میں مرا کہ وہ ان تین چیزوں سے بری تھا۔

1-تکبر

2-خیانت

3-اور قرض

(سنن ترمذی:رقم الحدیث:1578)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہمیشہ آدمی اپنے آپ کو بڑا سمجھتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کو متکبرین میں لکھ دیا جاتا ہے اور اس کو متکبرین کا عذاب پہنچتا ہے۔

(سنن ترمذی:رقم الحدیث:2007)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
دوزخ اور جنت نے مباحثہ کیا۔
دوزخ نے کہا:
مجھ میں متکبرین اور متجبرین داخل کیے گئے ہیں۔
اور جنت نے کہا:
مجھے کیا پرواہ ہے جب کہ مجھ میں صرف کمزور، عاجز اور متواضع لوگ داخل کیے گئے ہیں۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 4850)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ
کیا میں تم کو اہل جنت کی خبر نہ دوں، ہر کمزور شخص جس کو کمزور سمجھا جاتا ہے اگر وہ اللہ پر (کسی کام کی) قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو ضرور پورا کرے گا اور کیا میں تم کو اہل دوزخ کی خبر نہ دوں، ہر سرکش، اکڑ کر چلنے والا متکبر۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6657)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت نعیم بن ہماز الغطفانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
کیسا برا بندہ ہے وہ بندہ جو بڑا بنے اور تکبر کرے اور الکبیر المتعال (اللہ تعالیٰ جو حقیقتاً سب سے بڑا ہے) کو بھول جائے کیسا برا بندہ ہے وہ بندہ جو دین کے بدلہ میں دنیا لے اور کیسا برا بندہ ہے وہ بندہ جو لہو ولعب میں وقت گزارے اور قبروں کو اور ان کے بوسیدہ ہونے کو بھول جائے اور کیسا برا بندہ ہے وہ بندہ جو شبہات سے حرام کو حلال کرے اور کیسا برا بندہ ہے وہ بندہ جس کو خواہش (نفس) گمراہ کردے اور کیسا برا ہے وہ بندہ جو اس چیز میں رغبت کرے جو اس کو ذلیل کردے۔
(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2456)
ایک اور روایت میں ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد شدہ غلام حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
مسکین، متکبر، بوڑھا زانی اور اپنے عمل سے اللہ تعالیٰ پر احسان جتانے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔
(مجمع الزوائد: ج:6 ص:256 مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔
ایک شخص نے عرض کیا:
ایک انسان یہ چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے خوبصورت ہوں اس کی جوتی خوبصورت ہو؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال سے محبت کرتا ہے تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 91)

ایک اور روایت میں ہے۔
عمرو بن شعیب اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
قیامت کے دن تکبر کرنے والوں کو چیونٹیوں کی صورت میں اٹھایا جائے گا ان کو ہر طرف سے ذلت اور رسوائی گھیر لے گی ان کو دوزخ کے قید خانہ کی طرف ہانک کر لے جایا جائے گا جس کا نام بولس ہے جس میں ہر طرف اور اوپر تلے آگ ہوگی ان کو دوزخیوں کے جسموں سے نکلی ہوئی پیپ اور خون کا آمیزہ پلایا جائے گا۔
(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2492)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
پچھلی امتوں میں ایک آدمی اتراتا ہوا ایک حلہ (ایک قسم کی دو چادریں) پہن کر چل رہا تھا اس نے اپنے بالوں میں سیدھی کنگھی کی ہوئی تھی وہ تکبر سے چل رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا وہ قیامت تک زمین میں گڑگڑاہٹ کے ساتھ دھنستا رہے گا۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5788)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جس شخص نے تکبر سے (قدموں کے نیچے) کپڑا لٹکایا اللہ عزوجل قیامت کے دن اس کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5783)
لہٰذا تکبر کی وجہ سے اپنی تعریف کرنا منع ہے اور اسی طرح کسی ناجائز مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اپنی تعریف کرنا منع ہے

یا جو اوصاف انسان میں نہ ہوں ان اوصاف کے ساتھ اپنی تعریف کرنا منع ہے لیکن کسی ضرورت کی بناء پر ان اوصاف کے ساتھ اپنی تعریف کرنا جائز ہے جو اوصاف انسان میں موجود ہوں اور بعض دفعہ یہ تعریف کرنا ضروری ہوتی ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے معاملہ میں ایسا ہی تھا۔

اس تعریف کے ضروری ہونے کی حسب ذیل وجوہ ہیں۔

1- حضرت یوسف علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ علم تھا کہ چند سالوں کے بعد قحط پڑنے والا ہے سو اگر غلہ کی فراوانی کے سالوں میں حسن تدبیر اور دیانتداری سے غلہ کا ذخیرہ نہ کیا گیا تو لوگ بھوک سے مر جائیں گے اور آپ علیہ السلام کو یہ معلوم تھا کہ آپ علیہ السلام کے علاوہ اس ملک میں اور کوئی شخص نہیں ہے جو دیانت دار بھی ہو اور حسن تدبیر کا مالک بھی ہو، اس لیے مصر کے لوگوں کو ہلاکت سے بچانے کے لئے ضروری تھا کہ ملک کے خزانوں پر آپ علیہ السلام کو مقرر کیا جاتا اور اس ملک کے خزانوں پر آپ علیہ السلام کا مقرر کیا جانا اس پر موقوف تھا کہ بادشاہ کو آپ علیہ السلام کی صفات سے روشناس کرایا جاتا اور واجب کا مقدمہ ہوتا ہے اس لیے آپ علیہ السلام پر واجب تھا کہ آپ علیہ السلام بادشاہ کو اپنی قابلیت اور صلاحیت سے روشناس کراتے اس لیے آپ علیہ السلام نے فرمایا مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیں میں بہت زیادہ حفاظت کرنے والا بہت زیادہ علم والا ہوں۔

2- آپ علیہ السلام اللہ عزوجل کی طرف سے مخلوق کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیے گئے تھے اور رسول پر اپنی امت کی مصلحتوں کی رعایت بقدر امکان کرنا واجب ہے اور یہاں یہ رعایت اسی صورت میں ہو سکتی تھی کہ بادشاہ آپ علیہ السلام کو منصب سونپ دیتا اور بادشاہ اس وقت آپ علیہ السلام کو یہ منصب سپرد کرتا جب وہ آپ علیہ السلام کی اہلیت سے واقف ہوتا اور وہ اس وقت واقف ہوتا جب آپ بتاتے۔

3- مستحقین تک نفع پہنچانے کی کوشش کرنا اور ان سے ضرر کو دور کرنا جب انسان کے اختیار میں ہو تو پھر اس پر ایسا کرنا واجب ہوتا ہے۔

ان وجوہ کی بناء پر حضرت یوسف علیہ السلام پر واجب تھا کہ وہ اپنی ان صفات کا اظہار فرماتے۔

علامہ عبدالرحمٰن بن علی الجوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی مدح کیسے فرمائی حالانکہ انبیاء کرام علیہم السلام اور صالحین کا طریقہ تو اضع و انکسار ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

جب اپنی مدح فخر اور تکبر سے خالی ہو اور اس سے مراد اس حق تک پہنچنا ہو جس کو اس نے قائم کرنا ہو اور عدل کو زندہ کرنا اور ظلم کو مٹانا ہو تو پھر اپنی مدح کرنا جائز اور مستحسن ہے۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب لوگوں کو اٹھایا جائے گا تو میں سب سے پہلے قبر سے نکلوں گا اور جب لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے تو میں کلام کروں گا اور جب لوگ مایوس ہو جائیں گے تو میں ان کو خوشخبری سناؤں گا، حمد کا جھنڈا اس دن میرے ہاتھ میں ہو گا اور

علیہ السلام کی اولاد میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا میں ہوں گا۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3610)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں ہر آیت کے متعلق جانتا ہوں کہ وہ رات میں نازل ہوئی ہے یا دن میں۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ کوئی ایک شخص بھی مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کا علم رکھتا ہے اور اس تک پہنچنے کے لئے اونٹ پر بیٹھ کر سفر کرنا پڑتا ہے تو میں اس تک پہنچتا پس ان نفوس قدسیہ نے اپنی مدح میں جو کلمات طیبات فرمائے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے قائم مقام ہیں۔

اور قاضی ابویعلیٰ نے کہا ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں یہ دلیل ہے کہ اگر کسی صاحب فضیلت شخص کو لوگ جانتے نہ ہوں تو انہیں اپنا تعارف کرانے کے لئے اپنے فضائل کو بیان کرنا جائز ہے۔

(زاد المسیر ہ: ج:4، ص:244 تا 245 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

سات انبیاء کرام علیہم السلام کو علم کی وجہ سے بڑے فوائد حاصل ہوئے

سات انبیاء کرام علیہم السلام کو علم کی وجہ سے بڑے بڑے فوائد حاصل ہوئے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

سات پیغمبروں کو علم کی وجہ سے بڑے بڑے فائدے حاصل ہوئے۔

1- حضرت آدم علیہ السلام کو ان کے علم نے فرشتوں سے سجدہ کرادیا۔

2- حضرت خضر علیہ السلام کو علم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات عطا کی۔

3- حضرت یوسف علیہ السلام کو علم نے قید سے نکال کر تخت و تاج شاہی عطا کیا۔

4- حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم نے بلقیس جیسی صاحب جمال اور صاحب تخت و تاج والی بیوی عطا کی۔

5- حضرت داؤد علیہ السلام کو علم نے بادشاہی دی۔

6- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علم نے ان کی ماں سے تہمت دور کر دی۔

7- حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر خلافت الٰہیہ اور شفاعت کبریٰ کا سہرا باندھا۔

(تفسیر نعیمی: پارہ اول، ص:274 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام صاحب اقتدار

اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس نبی کو صاحب اقتدار بنایا اور مصر میں بادشاہی عطا فرمائی۔

قرآن مجید میں ہے:

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ۭ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (یوسف:56)

اور اسی طرح ہم نے یوسف کو اس میں اقتدار عطا کیا وہ اس ملک میں جہاں رہنا چاہتے تھے رہتے تھے ہم جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت پہنچاتے ہیں اور ہم نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔

اہل مصر کا غلام بننا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا آزاد فرمانا

حضرت یوسف علیہ السلام جب صاحب اقتدار ہو گئے تو مصر والوں کو مال، زیورات، زمینوں اور جان کے عوض ان کو غلہ عطا فرمایا حتیٰ کہ تمام اہل مصر غلام بن گئے پھر آپ علیہ السلام نے ان کو آزاد فرما دیا اور مال بھی واپس عطا فرما دیا۔

علامہ عبدالرحمٰن علی الجوزی الحنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر والوں کے مال، ان کے زیورات، ان کے مویشی، ان کی زمینوں اور ان کے غلاموں کے عوض ان کے ہاتھ غلہ فروخت کیا پھر ان کی اولاد اور پھر ان کی جانوں کے عوض ان کے ہاتھ ان کو غلہ فروخت کیا حتیٰ کہ تمام مصر والے حضرت یوسف علیہ السلام کے غلام بن گئے۔

پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

تم نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کیسا کرم کیا۔

بادشاہ نے کہا:

ہم بھی تمہارے تابع ہیں۔

پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں اور تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اہل مصر کو آزاد کر دیا اور میں نے ان کی املاک ان کو لوٹا دیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام ان ایام میں کبھی سیر ہو کر نہیں کھاتے تھے۔

اور فرماتے تھے۔

میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ میں کسی بھوکے کو بھول نہ جاؤں۔

(زادالمسیر: ج:4،ص:245 تا 246 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا غلہ کے بڑے بڑے گودام بنوانا

حضرت یوسف علیہ السلام نے غلہ کو جمع کرنے کے لئے بڑے بڑے گودام بنوائے حتیٰ کہ اس میں غلہ کو جمع کیا اور غلہ کی فراوانی کے سال گزر گئے اور قحط کے ایام شروع ہو گئے۔

امام ابوالحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی التوفی 516ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت یوسف علیہ السلام مطمئن ہو کر ملک کا انتظام چلانے لگے اور انہوں نے بڑے بڑے گودام بنوا کر ان میں غلہ جمع کر لیا حتیٰ کہ غلہ کی فراوانی کے سات سال گزر گئے اور قحط کے ایام شروع ہو گئے اور وہ ایسا زبردست قحط تھا کہ لوگوں نے

سے پہلے ایسا قحط نہیں دیکھا تھا۔

(معالم التنزیل: ج:2،ص:364 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

بادشاہ کا حضرت یوسف علیہ السلام کو بھوک کی شکایت کرنا

حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ اوران کے متعلقین کو دوپہر کے وقت کھانا بھجواتے تھے ایک روز بادشاہ نے آدھی رات کو حضرت یوسف علیہ السلام کو آواز دی کہ بھوک لگ رہی ہے کھانا میسر ہو جائے۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ اور اس کے متعلقین کو ہر روز دوپہر کے وقت کھانا بھجواتے تھے ایک دن آدھی رات کو بادشاہ نے آواز دی۔

اے یوسف (علیہ السلام) بھوک لگ رہی ہے۔

(معالم التنزیل: ج:2،ص:264 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

بادشاہ کو بھوک کی شکایت پر حضرت یوسف علیہ السلام کا جواب دینا

جب بادشاہ نے آدھی رات کو بھوک کی شکایت کی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا اب تو قحط کا وقت آ گیا ہے۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

اب تو قحط کا وقت آ پہنچا ہے۔

(معالم التنزیل: ج:2،ص:364 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

لوگوں سے قحط کے پہلے سال میں غلہ کا ختم ہونا

لوگوں نے قحط کے پہلے سال میں جو غلہ جمع کر کے رکھا ہوا تھا تو وہ سب ختم ہو گیا اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے خریدنے لگے۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

پس قحط کے پہلے سال میں لوگوں نے اپنے پاس جو طعام اور غلہ جمع کر کے رکھا تھا وہ سب ختم ہو گیا۔ پھر مصر کے لوگ حضرت یوسف علیہ السلام سے غلہ خریدنے لگے۔

(معالم التنزیل: ج:2،ص:364 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام نے پہلے سال نقد مال لے کر غلہ فروخت کیا

جب قحط کا پہلا سال شروع ہوا تو لوگوں کا جمع کیا ہوا غلہ ختم ہو گیا حضرت یوسف علیہ السلام نے اس قحط کے پہلے سال نقد مال لے کر غلہ فروخت کیا حتیٰ کہ ان کے پاس کوئی درہم و دینار باقی نہ بچا۔

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

پہلے سال حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے نقد مال لے کر غلہ فروخت کیا حتیٰ کہ مصر میں کسی شخص کے پاس کوئی درہم و دینار باقی نہ بچا۔ اور تمام نقد مال حضرت یوسف علیہ السلام کے قبضہ میں آ گیا۔

(معالم التنزیل: ج:6، ص:364 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام سے دوسرے سال مصر والوں نے زیورات و جواہرات کیساتھ غلہ خریدا

قحط کے دوسرے سال حضرت یوسف علیہ السلام سے مصر والوں نے زیورات و جواہرات کے ساتھ غلہ خریدا۔

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی 516ھ لکھتے ہیں:

دوسرے سال اہل مصر نے اپنے تمام زیورات اور جواہر کے بدلہ میں حضرت یوسف علیہ السلام سے غلہ خریدا۔

(معالم التنزیل: ج:2، ص:364 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام سے تیسرے سال مصر والوں نے مویشیوں اور جانوروں کے بدلہ میں غلہ خریدا

قحط کے تیسرے سال مصر والوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے مویشیوں اور جانوروں کے بدلہ میں غلہ خریدا۔

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی 516ھ لکھتے ہیں:

تیسرے سال انہوں نے اپنے تمام مویشیوں اور جانوروں کے بدلہ میں غلہ خریدا۔

(معالم التنزیل: ج:2، ص:364 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام سے چوتھے سال مصر والوں نے غلام اور باندیوں کے بدلہ میں غلہ خریدا

جب قحط کا چوتھا سال آیا تو مصر والوں نے بھوک کی شدت کی بناء پر غلام اور باندیوں کے بدلہ میں حضرت یوسف علیہ السلام سے غلہ خریدا۔

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

چوتھے سال انہوں نے اپنے تمام غلاموں اور باندیوں کے بدلہ میں غلہ خریدا حتیٰ کہ ان کے پاس کوئی غلام اور باندی نہ رہی۔

(معالم التنزیل: ج:2، ص:364 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام سے پانچویں سال مصر والوں نے زمینوں اور گھروں کے بدلہ میں غلہ خریدا

جب قحط کا پانچواں سال آیا تو مصر والوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے زمینوں، کھیتوں اور گھروں کے بدلہ میں غلہ خریدا۔

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

پانچویں سال انہوں نے اپنی زمینوں، کھیتوں اور گھروں کے بدلہ میں غلہ خریدا۔

(معالم التنزیل: ج:2، ص:364 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

...رت یوسف علیہ السلام سے چھٹے سال مصر والوں نے اپنی اولاد کے بدلہ میں غلہ خریدا

جب قحط کا چھٹا سال آیا تو مصر والوں نے بھوک کی شدت کی وجہ سے اپنی اولاد کے بدلہ میں غلہ خریدا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

چھٹے سال انہوں نے اپنی اولاد کے بدلہ میں غلہ خریدا حتیٰ کہ انہوں نے اپنی تمام اولاد کو حضرت یوسف علیہ السلام کا غلام بنا

(معالم التنزیل: ج:2، ص:364 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

...رت یوسف علیہ السلام سے ساتویں سال مصر والوں نے اپنی جانوں اور گردنوں کے بدلہ میں غلہ خریدا

جب قحط سالی کے سخت ایام آئے اور بھوک کی شدت نے مصر والوں کو تڑپایا تو مصر والوں نے خود کو فروخت کر دیا اور غلہ ...یدلیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے غلام بن گئے۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

ساتویں سال انہوں نے اپنی جانوں اور اپنی گردنوں کے بدلہ میں غلہ خریدا حتیٰ کہ مصر میں کوئی انسان باقی نہیں رہا مگر وہ ...رت یوسف علیہ السلام کے غلام تھے اور کوئی چیز باقی نہیں بچی مگر وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی ملکیت میں آ چکی تھی۔

(معالم التنزیل: ج:2، ص:364 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

...وں کا حضرت یوسف علیہ السلام کو جلیل بادشاہ کہنا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے سب کچھ مصر والوں کا لے لیا تو مصر والوں نے کہا کہ حضرت یوسف علیہ السلام جیسا ...ئی بڑا اور جلیل بادشاہ پہلے نہیں تھا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

اور لوگ کہنے لگے کہ

ہمارے علم میں حضرت یوسف علیہ السلام سے پہلے کوئی بڑا اور جلیل بادشاہ نہیں تھا۔

(معالم التنزیل: ج:2، ص:364 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

...رت یوسف علیہ السلام اہل مصر کو آزاد کرنا اور بادشاہ سے کلام

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب اہل مصر سے سب کچھ لے لیا تو بادشاہ سے آپ علیہ السلام نے طویل کلام فرمایا پھر ...ف علیہ السلام نے اہل مصر کو آزاد کر دیا' جس کو امام بغوی نے نقل فرمایا ہے۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے کہا۔

آپ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کیا کچھ عطا فرمایا ہے۔ اب آپ کی کیا رائے ہے۔

بادشاہ نے کہا:

میری وہی رائے ہے جو آپ علیہ السلام کی رائے ہے تمام معاملات آپ علیہ السلام کے سپرد ہیں۔ میں تو محض آپ علیہ السلام کے تابع ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

میں آپ کو اور اللہ تعالیٰ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے تمام اہل مصر کو آزاد کر دیا اور ان کی تمام املاک ان کو واپس دیں۔

(معالم التنزیل:ج:2،ص:364 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

بادشاہ کا بھوک کا مزہ چکھنا

حضرت یوسف علیہ السلام خود سیر ہو کر کھانا تناول نہیں فرماتے تھے اور آپ علیہ السلام نے باورچی کو حکم دیا کہ وہ بادشاہ کا ناشتہ دوپہر کو دیا کرے اور آپ علیہ السلام کی منشاء یہ تھی کہ بادشاہ بھی بھوک کا مزہ چکھے۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام ان ایام میں سیر ہو کر کھانا نہیں تناول فرماتے تھے۔

آپ علیہ السلام سے کہا گیا کہ

آپ علیہ السلام مصر کے تمام خزانوں کے مالک ہیں اس کے باوجود آپ علیہ السلام بھوکے رہتے ہیں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

مجھے یہ خدشہ ہے کہ اگر میں نے سیر ہو کر کھالیا تو میں بھوکوں کا حق بھول جاؤں گا۔

اور حضرت یوسف علیہ السلام نے باورچی کو حکم دیا کہ

وہ بادشاہ کا صبح کا کھانا اسے دوپہر کو دیا کرے اور اس سے حضرت یوسف علیہ السلام کا منشاء یہ تھا کہ بادشاہ بھی بھوک کا مزہ چکھے اور بھوکوں کو یاد رکھے۔

(معالم التنزیل:ج:2،ص:364 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کی منشاء

اللہ تعالیٰ کی منشاء ہے جس کو اقتدار دے اور جس کو کسی کا تابع کرے اور جس کو متبوع کرے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آیت (وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْاَرْضِ) کے تحت روایت کیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ

ہم نے انہیں مالک بنایا اس دنیا کا اس میں جو چاہیں کریں اور یہ ان کے سپرد کردی گئی تھی۔

فرمایا:

اگر وہ چاہتا کہ فرعون کو ماتحت (تابع) اور حضرت یوسف (علیہ السلام) کو مافوق (متبوع) کر دے تو ایسا کر سکتا تھا۔

(جامع البیان: ج:13، ص:11 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بادشاہ کے ساتھ کثیر لوگوں کا اسلام لانا

حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ اور ان کے ساتھ والے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے حتیٰ کہ وہ مسلمان ہو گئے۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 511ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ کو سلام کی دعوت دیتے اور اس سے شفقت و محبت کا سلوک کرتے رہے حتیٰ کہ وہ اسلام کی دولت سرمدی سے مشرف ہوا اور اس کے ساتھ اور بھی کثیر لوگ مسلمان ہوئے۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:296 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح مبارک

جب بادشاہ نے آپ علیہ السلام کو سب کچھ سنبھال دیا تو آپ علیہ السلام کا نکاح زلیخا سے کر دیا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 511ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ

ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

مصر کے بادشاہ کے بہت کثیر خزانے تھے۔ اس نے وہ تمام خزانے حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد کر دیئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے فرامین اور آپ علیہ السلام کے تمام فیصلوں کو پورے ملک میں نافذ العمل قرار دیا پھر انہی ایام میں قطفیر (عزیز مصر) کا انتقال ہو گیا پھر بادشاہ نے قطفیر کی بیوی راعیل (یا زلیخا) کا حضرت یوسف علیہ السلام سے نکاح کر دیا۔

(معالم التنزیل: ج:2، ص:363 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام نے زلیخا سے نکاح کیا

حضرت یوسف علیہ السلام نے زلیخا رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔

علامہ ابو الحسین علی بن محمد ماوردی متوفی 450ھ لکھتے ہیں:

زلیخا سے حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح ہو گیا تھا۔

(النکت والعیون: ج:3، ص:52 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

زلیخا کا حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق میں رو رو کر نابینا ہونا

زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت میں اس قدر منہمک ہوئی کہ فراق حضرت یوسف علیہ السلام میں نابینا ہو گئی۔

علامہ قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

زلیخا بوڑھی ہو چکی تھی اور حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق میں رو رو کر نابینا ہو چکی تھی اور اپنے شوہر کے مرنے کے بعد

بھیک مانگتی پھرتی تھی۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:9،ص:187 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

زلیخا کا حضرت یوسف علیہ السلام کو راستے میں ملنا اور اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا

ایک دن زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام کو راستے میں ملی اور کہا اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ جس نے غلاموں کو بادشاہی عطا اور بادشاہوں کو اپنی معصیت کی وجہ سے غلام بنایا۔

امام ابن ابی حاتم نے فضیل بن عیاض سے روایت کیا ہے کہ

انہوں نے فرمایا کہ

عزیز مصر کی بیوی راستہ پر کھڑی تھی حتیٰ کہ حضرت یوسف علیہ السلام گزرے۔

تو کہنے لگی کہ

الحمد لله الذی جعل العبید ملوکاً بطاعته و جعل الملوك عبید بمعصیتهٔ

ترجمہ:۔یعنی شکر ہے اس ذات کا جس نے اپنی اطاعت کی وجہ سے غلام کو بادشاہ بنایا اور بادشاہوں کو اپنی معصیت کی وجہ سے غلام بنایا۔

اور امام ابوالشیخ نے حضرت عبدالعزیز بن منبہ عن ربیہ کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ

انہوں نے فرمایا:

عزیز مصر کی بیوی کی ملاقات حضرت یوسف علیہ السلام سے راستے پر ہوئی۔

تو اس نے کہا:

شکر ہے اس خدا عزوجل کا جس نے معصیت کی وجہ سے بادشاہوں کو غلام بنا دیا اور اپنی اطاعت کی وجہ سے غلا بادشاہ بنا دیا۔آپ علیہ السلام نے اسے پہچان لیا پھر اس سے نکاح کیا تو اسے باکرہ پایا اس کا پہلا خاوند عورتوں کے قر جاتا تھا۔

اور امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ

ایک دن حضرت یوسف علیہ السلام کو راستہ میں عزیز مصر کی بیوی ملی۔

اور اس نے کہا:

اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے اطاعت کی وجہ سے غلاموں کو بادشاہ بنا دیا اور معصیت کی وجہ سے بادشاہوں کو غلام

(تفسیر ابن کثیر: ج:2،ص:534 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

کیا حضرت یوسف علیہ السلام نے زلیخا سے نکاح کیا تھا؟

حضرت یوسف علیہ السلام کا زلیخا سے نکاح کرنے میں مفسرین کی مختلف رائے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام

سے نکاح نہیں کیا تھا اور بعض نے کہا حضرت یوسف علیہ السلام نے زلیخا سے نکاح کیا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے زلیخا سے نکاح کیا تھا جس کے متعلق کثیر دلائل ہیں۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی متوفی 450ھ لکھتے ہیں:

امام ابوجعفر ابن جریر متوفی 311ھ نے لکھا ہے کہ

زلیخا سے حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح ہوگیا تھا۔

پھر لکھا ہے کہ

جن مؤرخین نے یہ گمان کیا ہے کہ وہ عورت زلیخا تھی انہوں نے لکھا ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے اس سے نکاح نہیں کیا تھا اور جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اقتدار کے زمانہ میں دیکھا تو اس نے کہا:

اللہ تعالیٰ کے لئے حمد ہے جس نے بادشاہوں کو معصیت کی وجہ سے غلام بنا دیا اور غلاموں کی اطاعت کی وجہ سے بادشاہ بنا دیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کو اپنے گھر میں رکھ لیا اور اس کی کفالت کی حتیٰ کہ وہ مرگئی اور اس سے نکاح نہیں کیا۔

(النکت والعیون: ج:3، ص:52 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ زمخشری متوفی 538ھ لکھتے ہیں:

عزیز مصر کے مرنے کے بعد اس کی بیوی کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح ہوگیا تھا۔

(الکشاف: ج:2، ص:456 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا سے زلیخا کا حسن وشباب و بینائی لوٹ آنا

حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی کہ یا خالق باری تعالیٰ اس کا حسن و شباب اور اس کی بینائی لوٹا دے تو اللہ تعالیٰ نے سب کچھ لوٹا دیا اور وہ پہلے سے زیادہ حسین ہوگئی۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

زلیخا بوڑھی ہوچکی تھی اور حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق میں رورو کر نابینا ہوچکی تھی اور اپنے شوہر کے مرنے کے بعد بھیک مانگتی پھرتی تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس سے نکاح کرلیا، حضرت یوسف علیہ السلام نے نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی اللہ تعالیٰ اس کا شباب اس کا حسن اور اس کی بینائی لوٹا دے، اللہ تعالیٰ نے اس کا شباب اس کا حسن اور اس کی بینائی لوٹا دی بلکہ وہ پہلے سے بھی زیادہ حسین ہوگئی اور اس دعا کا قبول کرنا حضرت یوسف علیہ السلام کے اکرام کی وجہ سے تھا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے دور رہے تھے۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:9، ص:187 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

زلیخا کا حضرت یوسف علیہ السلام کو محل میں دیکھ کر کلام کرنا

زلیخا کو کوئی حاجت پیش آئی تو اس سے کسی نے کہا کہ تم حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جا کر اپنی حاجت کا ذکر کرو تو

زلیخا نے لوگوں سے مشورہ کیا تو لوگوں نے منع کیا کہ تم سے ہمیں خطرہ ہے تو زلیخا نے کہا مجھے اس سے کوئی اندیشہ نہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے پھر زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس گئیں اور حضرت یوسف علیہ السلام کو شاہی محل میں دیکھ کر کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس نے غلاموں کو اپنی اطاعت کی وجہ سے بادشاہ بنایا۔

امام ابو عبداللہ محمد الحکیم الترمذی متوفی 320ھ لکھتے ہیں:

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

عزیز مصر کی بیوی کو ایک حاجت لاحق ہوئی۔

تو اس سے کہا گیا کہ

تو اس حاجت کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو اور ان سے سوال کر۔

پس عزیز مصر کی بیوی نے لوگوں سے مشورہ طلب کیا۔

تو لوگوں نے کہا:

ایسا نہ کر ہمیں تجھ پر خطرہ ہے۔

اس نے کہا:

ایسا ہرگز نہیں ہوگا مجھے اس سے کوئی اندیشہ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ پس وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس گئی۔ اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو شاہی محل میں دیکھا۔

تو اس نے کہا:

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے غلاموں کو اپنی اطاعت کی وجہ سے بادشاہ بنایا۔

اس نے اپنے آپ پر نظر کی۔

تو کہا۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اپنی معصیت کی وجہ سے بادشاہوں کو غلام بنایا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کی تمام ضروریات کا بندوبست کر دیا۔

(نوادر الاصول: باب فی طلب الخیر: ص:223 مطبوعہ دار صادر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا زلیخا کو گناہ سے نکاح کو بہتر فرمانا

حضرت یوسف علیہ السلام کا جب زلیخا سے نکاح ہو گیا تو آپ علیہ السلام کے پاس جب وہ آئی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کیا یہ بہتر نہیں ہے اس سے (یعنی گناہ سے) جس کا تو ارادہ کرتی تھی۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

علماء کرام نے فرمایا ہے کہ

اطفیر ان راتوں میں ہلاک ہوا اور بادشاہ ریان نے اس کی بیوی راعیل سے حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح کر دیا جب حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس گئی۔

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

کیا یہ بہتر نہیں ہے اس سے جس کا تو ارادہ کرتی تھی۔

(جامع البیان: ج: 13، ص: 10 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

زلیخا کا حضرت یوسف علیہ السلام کو حسین و جمیل ہونے کا جواب دینا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا یہ بہتر نہیں ہے اس سے جس کا تو ارادہ کرتی تھی تو زلیخا نے کہا اے صدیق مجھے ملامت نہ فرمایئے کیونکہ میں تو حسین و جمیل عورت تھی اور دنیا و ملک میں ناز و نعم سے رہتی تھی میرا خاوند عورتوں کے پاس نہیں جاتا تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو حسن و جمال کا پیکر بنایا ہے لہٰذا میں آپ علیہ السلام پر فریفتہ ہوگئی اور میرا نفس مجھ پر غالب آ گیا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ

علماء کرام نے بیان کیا ہے کہ

اس (زلیخا) نے کہا:

اے صدیق! مجھے ملامت نہ کر کیونکہ میں ایک حسین و جمیل عورت تھی اور دنیا و ملک میں ناز و نعم کے ساتھ رہتی تھی اور میرا خاوند عورتوں کے پاس نہیں جاتا تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو بھی حسن و جمال کا پیکر بنایا ہے پس (میں آپ علیہ السلام پر فریفتہ ہوگئی اور میرا نفس مجھ پر غالب آ گیا)۔

(جامع البیان: ج: 13، ص: 11 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی 516ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت یوسف علیہ السلام اس کے پاس خلوت میں گئے۔

تو آپ علیہ السلام نے اس سے فرمایا:

کیا یہ اس سے بہتر نہیں جس کا تم مجھ سے پہلے ارادہ کرتی تھی۔

اس نے کہا:

اے بہت سچے انسان! مجھے ملامت نہ کرو میں ایک حسین جوان عورت تھی اور میرا شوہر عورت کی خواہش پوری کرنے پر قادر نہ تھا اور آپ علیہ السلام (کیا) غیر معمولی حسن و جمال کے مالک تھے پس مجھ پر میرا نفس غالب آ گیا اور آپ علیہ السلام پر میری شہوت قوی ہوگئی اور تمہارے ساتھ جو میری محبت تھی وہ میری عقل کو کنٹرول نہ کر سکی۔

(معالم التنزیل: ج: 2، ص: 364 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

جب آپ علیہ السلام زلیخا کے پاس آئے۔

تو ارشاد فرمایا کہ

کیا یہ بہتر نہیں اس سے تو جو چاہتی تھی۔

زلیخا نے کہا:

اے صدیق مجھے ملامت نہ کیجئے، میں ایک حسین وجمیل عورت تھی جیسا کہ تو نے دیکھا اور دنیا اور بادشاہی کی وجہ سے نعم میں پرورش ہوئی تھی اور میرا خاوند وہ تھا جو عورتوں کے پاس آیا ہی نہ تھا اور آپ علیہ السلام حسن وجمال کے مرقع تھے اس مجھ پر آپ علیہ السلام کی محبت غالب آ گئی۔

(الدر المنثور: ج:4، ص:46 مطبوعہ مکتب العلمیہ بیروت)

امام ابو عبد اللہ محمد الحکیم الترمذی متوفی 320ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام نے اسے فرمایا:

کیا یہ صورت بہتر نہیں ہے اس سے جو تو چاہتی تھی۔

اس عورت نے کہا:

اے اللہ عزوجل کے نبی! میں آپ علیہ السلام کی وجہ سے چار چیزوں کے ساتھ آزمائی گئی تھی۔

آپ علیہ السلام تمام لوگوں میں سے حسین وجمیل تھے۔

اور میں اپنے زمانے کی عورتوں میں سے خوبصورت تھی۔

میں باکرہ تھی۔

جبکہ میرا خاوند نامرد تھا۔

(نوادر الاصول: باب فی طلب الخیر: ص:223 مطبوعہ دار صادر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام نے زلیخا کو باکرہ پایا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے زلیخا سے نکاح کیا اور ان کے پاس تشریف لے گئے تو ان کو باکرہ پایا۔

حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

علماء نے فرمایا ہے کہ

زلیخا کو آپ علیہ السلام نے کنوارہ پایا۔

(الدر المنثور: ج:4، ص:46 مطبوعہ مکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام نے زلیخا کو اس حال میں پایا کہ وہ کنواری تھی۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:9، ص:187 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کو کنواری پایا۔

(معالم التنزیل: ج:2، ص:364 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابو الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کی بیوی سے نکاح کیا تو اسے آپ علیہ السلام نے باکرہ (یعنی کنواری) پایا اس کا خاوند نامرد تھا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

آپ علیہ السلام نے اس کو کنواری پایا۔

(جامع البیان: ج:13، ص:11 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ابو الشیخ نے حضرت عبد العزیز بن منبہ عن ابیہ کے طریق سے روایت کیا ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے اس سے نکاح کیا تو اسے کنواری پایا اس کا پہلا خاوند عورتوں کے قریب نہیں جاتا تھا۔

- اور امام ابو عبد اللہ محمد الحکیم الترمذی متوفی 320ھ لکھتے ہیں:

آپ علیہ السلام نے اس سے نکاح کیا تو اسے کنواری پایا۔

(نوادر الاصول: باب فی طلب الخیر: ص:223 مطبوعہ دار صادر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح کب ہوا؟

حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح عزیز مصر کے فوت ہونے کے بعد ہوا۔ ایک قول یہ ہے کہ آٹھ ماہ بعد ہوا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

چند دن بعد عزیز مصر قطفیر فوت ہو گیا تو اسی دن حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح زلیخا سے کیا گیا۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:32 نعیمی کتب خانہ لاہور)

زلیخا کے بطن سے دو بیٹے ہوئے

زلیخا کے بطن اطہر سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔

حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

زلیخا کے بطن سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔

1- افرائیم

2- میشا

(الدر المنثور: ج:4، ص:46 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

زلیخا سے آپ علیہ السلام کے دو بیٹے پیدا ہوئے۔

1-افرائیم

2-اور میشا۔

(جامع البیان: ج:13، ص:11 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام کے اس سے دو بیٹے ہوئے۔

1-افرائیم بن یوسف

2-میشا بن یوسف

(معالم التنزیل: ج:2، ص:364 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

افرائیم بن یوسف سے نون پیدا ہوئے جو حضرت یوشع علیہ السلام کے والد محترم ہیں

حضرت یوسف علیہ السلام کے بیٹے افرائیم سے نون پیدا ہوئے جن کے والد محترم حضرت یوشع علیہ السلام ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

افرائیم کے ہاں نون پیدا ہوئے جو حضرت یوشع علیہ السلام کے والد ہیں اور ایک بیٹی رحمت نامی پیدا ہوئی جنہیں حضرت ایوب علیہ السلام کی زوجیت کا شرف حاصل ہوا۔

(تفسیر ابن کثیر: ج:2، ص:833)

قرآن مجید میں زلیخا نام کیوں نہ ذکر کیا گیا

علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی 1223ھ لکھتے ہیں:

وہ زلیخا تھی جس کا نام صراحتاً نہیں لیا گیا کیونکہ عورت کا نام عموماً بغیر قصد کے لینا بہتر نہیں ہے پردہ زیادہ مناسب ہوتا ہے اور اس میں ادب کی تعلیم بھی عطا فرمائی گئی گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ادب کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو نام لے کر نہ پکارے بلکہ ایسے الفاظ سے خطاب کرے جن میں واضح طور پر نام کا ذکر نہ ہو۔ قرآن مجید میں حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے سوا کسی عورت کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔

(حاشیۃ الصاوی علی الجلالین: ج:3، ص:191)

حضرت یوسف علیہ السلام کے عدل وانصاف کی وجہ سے تمام مصر والوں کا محبت کرنا

حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر میں عدل وانصاف قائم کیا حتیٰ کہ مصر کے تمام مرد اور عورتیں آپ علیہ السلام سے محبت کرنے لگیں۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر کے لوگوں میں عدل وانصاف قائم کیا اور مصر کے تمام مرد اور عورتیں آپ علیہ السلام

سے محبت کرنے لگے۔

(معالم التنزیل:ج:2،ص:264مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس غلہ لینے جانا

جب قحط سالی عروج کو پہنچی تو ہر آدمی کے پاس غلہ ختم ہو گیا اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس غلہ لینے آگئے حتیٰ کہ آپ علیہ السلام کے بھائی بھی غلہ لینے آگئے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَجَآءَ اِخْوَةُ یُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَیْهِ (یوسف:58)

اور یوسف کے بھائی (غلہ خریدنے مصر) آئے تو ان کے پاس گئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کو پہچاننا اور بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کو نہ پہچاننا

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی غلہ لینے گئے تو آپ علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو پہچان لیا مگر بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو نہ پہچانا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ○ (یوسف:58)

پس یوسف نے ان کو پہچان لیا اور وہ اس کو نہ پہچان سکے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو پہلی نظر میں پہچان لیا

حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جب بھائی گئے تو آپ علیہ السلام نے انہیں پہلی نظر میں پہچان لیا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس اور حضرت مجاہد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں پہلی نظر میں پہچان لیا۔

(معالم التنزیل:ج:3،ص:298مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائی چالیس سال کے بعد ملے

حضرت یوسف علیہ السلام کو جب بھائیوں نے کنویں میں پھینکا تھا تو اس عرصہ کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کے ملنے تک چالیس سال کا عرصہ گزر گیا تھا اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو چالیس سال کے بعد ملے جس کی وجہ سے وہ آپ علیہ السلام کو نہ پہچان سکے۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب سے انہوں نے آپ علیہ السلام کو کنویں میں پھینکا تھا اور اب جبکہ وہ آپ علیہ السلام کے پاس گئے ان کے درمیان

چالیس سال کا عرصہ گزر چکا تھا اس لیے نہ پہچانا تھا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:298 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کو نہ پہچاننے کی وجوہات

بھائیوں نے جو حضرت یوسف علیہ السلام کو نہ پہچانا اس کی وجوہات یہ تھیں کہ آپ علیہ السلام تخت شاہی پر جلوہ فرماتے اور آپ علیہ السلام کے سر پر شاہی تاج تھا اور ایک وجہ یہ تھی کہ آپ علیہ السلام نے بادشاہوں والا ریشمی لباس زیب تن کیا ہوا تھا اور آپ علیہ السلام کے گلے میں سونے کا طوق تھا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ

انہوں نے آپ علیہ السلام کو نہ پہچانا تھا کیونکہ آپ علیہ السلام تخت شاہی پر جلوہ فرماتے اور آپ علیہ السلام کے سر پر شاہی تاج تھا۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ

نہ پہچاننے کی وجہ یہ تھی کہ آپ علیہ السلام نے بادشاہوں والا ریشمی لباس زیب تن کیا ہوا تھا اور آپ علیہ السلام کے گلے میں سونے کا طوق تھا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:298 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام نے گلے میں سونے کا طوق پہنا

حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جب بھائی آئے تو آپ علیہ السلام نے گلے میں سونے کا طوق پہنا ہوا تھا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

آپ علیہ السلام کے گلے میں سونے کا طوق تھا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:298 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مرد کو سونے کی انگوٹھی پہننا حرام ہے

مرد کو سونے کی انگوٹھی پہننا حرام ہے۔ اس بارے میں متعدد احادیث مبارکہ ہیں چند درج ذیل ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی سے منع فرمایا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 5356)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اتار کر پھینک دیا۔

اور ارشاد فرمایا:
تم میں سے کوئی شخص آگ کے انگارے کو اپنے ہاتھ میں لینے کا قصد کرتا ہے۔
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانے کے بعد اس شخص سے کہا گیا۔
جاؤ اپنی انگوٹھی اٹھالو اور اس سے نفع حاصل کرو۔
اس نے کہا:
اللہ تعالیٰ کی قسم! جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھینک دیا ہو اس کو میں کبھی نہیں اٹھاؤں گا۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 5358)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دس چیزوں کو برا جانتے تھے۔
1- زردی یعنی مرد کو خلوق استعمال کرنا
2- سپید بالوں میں سیاہ خضاب کرنا
3- تہبند لٹکانا
4- سونے کی انگوٹھی پہننا
5- بے محل عورت کا زینت کو ظاہر کرنے یعنی شوہر اور محارم کے سوا دوسروں کے سامنے اظہار زینت۔
6- پانسا پھینکنا یعنی چوسر اور شطرنج وغیرہ کھیلنا
7- جھاڑ پھونک کرنا مگر معوذات سے یعنی جس میں ناجائز الفاظ ہوں ان سے جھاڑ پھونک منع ہے۔
8- تعویز باندھنا یعنی وہ تعویز باندھنا جس میں خلاف شرع الفاظ ہوں۔
9- پانی کو غیر محل میں گرانا یعنی وطی کے بعد منی کو باہر گرانا کہ یہ آزاد عورت میں بغیر اجازت ناجائز ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے اس سے مراد لواطت ہو۔
10- بچہ کو فاسد کر دینا مگر اس دسویں کو حرام نہیں کیا یعنی بچہ کے دودھ پینے کے زمانے میں اس کی ماں سے وطی کرنا کہ اگر حاملہ ہو گئی تو بچہ خراب ہو جائے گا۔
(سنن ابوداوٗد: رقم الحدیث: 4222)

ایک اور روایت میں ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے داہنے ہاتھ میں ریشم لیا اور بائیں ہاتھ میں سونا۔
پھر یہ فرمایا کہ
یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔
(سنن ابوداوٗد: رقم الحدیث: 57)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسی (یہ ایک قسم کا ریشمی کپڑا ہے) اور کسم کے رنگے ہوئے کپڑے اور سونے کی انگوٹھی سے اور رکوع میں قرآن مجید پڑھنے سے منع فرمایا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 29)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنوائی اس کو پہنتے وقت اس کا نگینہ ہتھیلی کی طرف کرلیا کرتے تھے سو لوگوں نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوالیں۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھے اور اس میں انگوٹھی کو اتار دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں اس انگوٹھی کو پہنتا تھا تو نگینہ کا رخ اندر کی طرف کرلیتا تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پھینک دیا۔

اور ارشاد فرمایا:

بخدا میں اس کو کبھی نہیں پہنوں گا پھر لوگوں نے بھی اپنی اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں۔

(صحیح مسلم: 3559)

اور درمختار میں ہے۔

سونے کی انگوٹھی بھی حرام ہے۔

(درمختار و ردالمحتار: کتاب الحظر والاباحۃ: فصل فی اللبس: ج:9،ص:593)

حضرت یوسف علیہ السلام کی شریعت میں سونے کا جواز

یہ جو روایت ذکر کی گئی ہے کہ آپ علیہ السلام کے گلے میں سونے کا طوق تھا اس سے یہ ہوسکتا ہے کہ شریعت یوسفی میں جائز ہو۔ نبی سے کبھی ناجائز فعل نہیں ہوسکتا ہے کہ وہ حرام کا ارتکاب کرے لہٰذا ماننا پڑے گا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے گلے میں سونے کا طوق پہنا وہ آپ علیہ السلام کی شریعت میں جواز پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا بیٹوں کو مصر روانہ فرمانا

تفسیر نعیمی میں ہے۔

ملک مصر میں تو پہلے ہی سب کو معلوم تھا کہ عزیز مصر غلہ دیتے ہیں اردگرد کے علاقوں، ملکوں میں کہیں اعلان کرایا گیا خود ہی پتہ لگ گیا ہر آنے والے کے ہاتھ افراد خانہ کے متعلق پوچھ کچھ کر کے سال کے لئے ایک اونٹ بوجھ (دو بوری) ناپ کر فروخت کی جاتی نہ کم نہ زیادہ اور یہ سب کچھ نہایت احتیاط سے ہوتا جس کے نگران اعلیٰ خود حضرت یوسف علیہ السلام یہاں تک کہ خبر پہنچتے پہنچتے تقسیم اول کے چھٹے ماہ کنعان میں حضرت یعقوب علیہ السلام کو یا پہلے ان کے بیٹوں کو یہ خبر پہنچی

وہاں بھی تھا اس لیے حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو بلایا۔

اور فرمایا کہ

جاؤ تم بھی اپنے اور گھر والوں کے لئے گندم خرید لاؤ۔

بیٹوں نے عرض کیا کہ

وہاں کے حکمران جابر اور عوام ظالم ہیں ہم کو نقصان نہ پہنچائیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے علم غیب کے ذریعہ فرمایا کہ

نہیں اب وہاں پہلے والے دور جہالت کے حالات نہیں ہیں۔

چنانچہ نہایت تیاریوں کے ساتھ والد گرامی کی پند ونصائح سن کر ملک مصر کی طرف چل پڑے جو کنعان سے اٹھائیس (28) منزل دور تھا ایک منزل تین کوس یعنی نومیل کی ہوتی تھی گویا صرف تقریباً سارا فاصلہ اسی (80) کوس یا بہتر (72) کوس بنتا ہے۔ جب مصر میں داخل ہوئے تو ان پر عوام یا اہل دربار نے جاسوسی کا شبہ کیا کیونکہ اتنا بڑا وفد ایک ہی علاقہ کا اس سے پہلے نہیں آیا تھا پھر ان کی زبان غیر تھی ان کی آپس کی گفتگو لوگوں کو شک میں ڈال دیتی تھی پولیس پیچھے لگ گئی یہاں تک کہ دربار شاہی کے پاس آ گئے وہاں تفتیش ہوئی انہوں نے قسمیں کھا کر یقین دہانی کرائی کہ ہم جاسوس نہیں بلکہ قحط زدہ ہیں غلہ لینے آئے ہیں۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:34 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں سے گھر کے تمام احوال پوچھنا

حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جب بھائی آ گئے تو آپ علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے گھر کے تمام احوال پوچھے اور اپنے بھائی کے بارے میں بھی پوچھا:

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں دیکھا اور انہوں نے آپ علیہ السلام سے عبرانی زبان میں کلام کی۔

تو آپ علیہ السلام نے پوچھا:

بتاؤ تم کون ہو اور تمہارا مدعا کیا ہے میں تو تمہارے کام کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔

انہوں نے کہا:

ہم شام سے آئے ہیں اور ہم جانور چراتے ہیں ہم سخت تکلیف میں مبتلا ہیں ہم آپ علیہ السلام کے پاس خوراک لینے آئے ہیں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

شاید تم میرے شہروں کو غیر محفوظ سمجھتے ہو۔

انہوں نے کہا:

نہیں! اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم جاسوس نہیں ہیں۔ ہم تمام آپس میں بھائی ہیں اور ایک ہی باپ کی اولاد ہیں۔ ہمارے بوڑھے اور سچے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے ایک نبی ہیں۔

آپ علیہ السلام نے پوچھا:

تم کتنے بھائی ہو؟

انہوں نے کہا:

ہم بارہ تھے اور ہمارا ایک چھوٹا بھائی جنگل کی طرف گیا تھا اور ہلاک ہو گیا تھا۔ وہ ہمارے والد صاحب کو بہت پیارا تھا

پھر آپ علیہ السلام نے پوچھا:

اب تم یہاں کتنے آئے ہو۔

انہوں نے کہا:

دس۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

گیارہواں بھائی کہاں ہے۔

انہوں نے کہا:

وہ ہمارے والد صاحب کے پاس ہے کیونکہ اس کا ماں کی طرف سے بھائی ہلاک ہو گیا ہے اس لیے ہمارے والد صاحب اس سے تسلی اور سکون حاصل کرتے ہیں۔

آپ علیہ السلام نے پوچھا:

کیسے پتہ چلے گا کہ تم سچ کہہ رہے ہو۔

انہوں نے کہا:

اے بادشاہ سلامت! ہم ایسی جگہ پر ہیں جہاں کوئی واقف نہیں ہے۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:298 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے اپنی ذات کے متعلق پوچھا

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے اپنی ذات کے متعلق پوچھا کہ کیا تمہارا کوئی یوسف (علیہ السلام) بھائی تھا جس کو تم کنویں میں پھینک آئے تھے تو بھائی ایک دوسرے کا منہ تکنے لگ گئے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی جب آپ علیہ السلام کے پاس آئے تو آپ علیہ السلام نے انہیں پہچان لیا لیکن آپ علیہ السلام کو نہ پہچان سکے۔ بادشاہ کا وہ پیالہ لایا گیا جس میں وہ پانی پیتا تھا وہ آپ علیہ السلام کے ہاتھ میں رکھ دیا

پ علیہ السلام اسے ٹھوکر مارتے تو وہ بجنے لگ جاتا پھر ٹھوکر مارتے تو بجنے لگ جاتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

یہ جام مجھے تمہارے متعلق خبر دے رہا ہے۔ کیا تمہارا کوئی علاتی بھائی تھا جس کا نام یوسف (علیہ السلام) تھا اس کا باپ تمہاری بنسبت اس سے زیادہ محبت کرتا تھا تم اس کو لے کر گئے تھے اور اسے کنویں میں پھینک دیا تھا اور تم نے اپنے باپ کو خبر دی تھی کہ اسے بھیڑیا کھا گیا ہے اور تم اس کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر لائے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ایک دوسرے کا منہ تکنے لگ گئے اور حیران ہوگئے کہ یہ جام تو ان کے متعلق سب کچھ بتا رہا ہے اسے کہاں سے پتہ چل گیا ہے۔

(جامع البیان: ج:12 ص:192 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کو جاسوس فرمانا

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب بھائیوں سے احوال پوچھا تو فرمایا کہ تم مجھے جاسوس لگ رہے ہو۔

حضرت ابی الجلد سے روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا۔

تمہارا معاملہ مجھے شک میں ڈال رہا ہے تم مجھے جاسوس لگتے ہو۔

انہوں نے کہا:

اے عزیز! ہمارا باپ بوڑھا ہے اور صدیق ہے اور ہم سچے لوگ ہیں اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کو زندہ فرماتا ہے جس طرح آسمان کی بارش سے زمین کو زندہ فرماتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ میں برتن تھا۔ آپ علیہ السلام اسے کھٹکھٹا رہے تھے گویا یہ تمہارے متعلق خبر دے رہا ہے کہ تم جاسوس ہو۔

(جامع البیان: ج:13 ص:12 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے بھائی بنیامین کے متعلق پوچھنا

حضرت یوسف علیہ السلام نے حال واحوال پوچھتے وقت اپنے بھائی کے متعلق بھی پوچھا:

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا:

تم کتنے بھائی ہو۔

انہوں نے کہا:

ہم بارہ تھے اور ہمارا ایک چھوٹا بھائی جنگل کی طرف گیا تھا اور ہلاک ہوگیا تھا۔ وہ ہمارے والد صاحب کو بہت پیارا تھا۔

پھر آپ علیہ السلام نے پوچھا:

اب تم یہاں کتنے آئے ہو۔

انہوں نے کہا:

دیں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

گیارہواں بھائی کہاں ہے۔

انہوں نے کہا:

وہ ہمارے والد صاحب کے پاس ہے کیونکہ اس کا ماں کی طرف سے بھائی ہلاک ہو گیا ہے اس لیے ہمارے والد صاحب اس سے تسلی اور سکون حاصل کرتے ہیں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

یہ کیسے پتہ چلے گا کہ تم سچ کہہ رہے ہو۔

انہوں نے کہا:

اے بادشاہ سلامت: ہم ایسی جگہ پر ہیں جہاں ہمارا کوئی واقف نہیں ہے۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:398 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام نے تمام بھائیوں کو ہر اونٹ پر غلہ دیا

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب سب گھر کے احوال پوچھ لیے تو تمام بھائیوں کو ہر اونٹ پر غلہ دیا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفرا البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام نے ان میں سے ہر ایک کو اونٹ کا بوجھ عطا فرمایا اور انہیں سامان خوراک مہیا کر دیا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:298 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا غلہ دینے کے بعد اپنے بھائی بنیامین کو لے کر آنے کا فرمانا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے تمام بھائیوں کو غلہ دے دیا تو فرمایا کہ اپنے باپ شریک بھائی کو میرے پاس لے آنا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُم مِّنْ أَبِيكُمْ ۚ أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ○ (یوسف:59)

اور جب یوسف نے ان کا سامان تیار کر دیا تو کہا تم اپنے باپ شریک بھائی کو میرے پاس لے کر آنا کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں پورا پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں بہترین مہمان نواز ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا بنیامین کو لے کر آنے پر مزید ایک اونٹ دینے کا فرمانا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو غلہ دے دیا تو فرمایا کہ اپنے بھائی کو لے کر آنا میں خوش ہو کر تمہیں تمہارے بھائی کی وجہ سے ایک اونٹ کا بوجھ زیادہ دوں گا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

جب آپ علیہ السلام نے ان کو سامان رسد و خوراک مہیا کر دیا۔

تو ارشاد فرمایا:

اپنے بھائی کو ساتھ لے کر آنا اگر تم سچے ہو میں تم سے خوش ہو کر تمہیں تمہارے بھائی کی وجہ سے ایک اونٹ کا بوجھ زیادہ دوں گا اور میں تمہیں مزید عزت سے نوازوں گا کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں کتنا پورا پیمانہ دیتا ہوں اور کچھ کمی نہیں کرتا، میں کتنا مہربان مہمان نواز ہوں اور آپ علیہ السلام نے ان کی خوب ضیافت کی تھی یہ مجاہد کا قول ہے۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:299 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بنیامین حضرت یوسف علیہ السلام کا سگا بھائی تھا

بنیامین حضرت یوسف علیہ السلام کا سگا بھائی تھا اور قرآن مجید میں جو باخ کا لفظ فرمایا گیا اس سے مراد سگا بھائی تھا جو کہ بنیامین ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

باخ سے مراد بنیامین ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے سگے بھائی تھے۔

(جامع البیان: ج:13، ص:13 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں سب سے زیادہ مہمان نواز

حضرت یوسف نے بھائیوں کو جب غلہ دے دیا تو فرمایا کہ میں مصر میں سب سے زیادہ مہمان نواز ہوں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

میں مصر کے مہمان نوازوں میں سے بہتر ہوں۔

(جامع البیان: ج:13، ص:12 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

مہمان نوازی عظیم نعمت

مہمان نوازی کرنا ایک عظیم نعمت ہے کہ جس سے مومن کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ ہے اور گناہوں کا کفارہ ہے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہمان نوازی کی ہے۔ مہمان نوازی کے ثبوت پر کثیر دلائل ہیں مگر چند عرض کیے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے احادیث مبارکہ نقل کی جاتی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ اچھی بات کہے یا پھر خاموش رہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 81)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کی عزت کرے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو وہ یا تو اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 82)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو شریح خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کی عزت کرے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو وہ یا تو اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 84)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر کہا۔

میں فاقہ سے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی زوجہ کی طرف پیغام بھیجا۔

انہوں نے کہا:

اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ میرے پاس تو پانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری زوجہ کے پاس پیغام بھیجا انہوں نے بھی اسی طرح کہا حتیٰ کہ سب نے یہی کہا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میرے پاس پانی کے سوا کچھ نہیں۔

بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اس کو آج رات مہمان بنائے گا اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا۔

انصار میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کو میں مہمان بناؤں گا۔ وہ شخص اس مہمان کو اپنے گھر لے گیا۔

اور بیوی سے پوچھا:

تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے۔

بیوی نے کہا:

صرف بچوں کا کھانا ہے۔

اس نے کہا:

بچوں کو کسی چیز سے بہلا دو جب ہمارا مہمان آئے تو چراغ بجھا دینا اور اس پر یہ ظاہر کرنا کہ ہم کھانا کھا رہے ہیں۔ جب وہ کھانا کھانے لگے تو تم چراغ کے پاس جا کر اس کو بجھا دینا پھر وہ سب بیٹھ گئے اور مہمان نے کھانا کھالیا جب صبح کو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم نے جو مہمان کے ساتھ (حسن) سلوک کیا اللہ تعالیٰ اس پر بہت خوش ہوا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 5242)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک انصاری کے پاس ایک مہمان نے رات گزاری۔ اس انصاری کے پاس صرف اپنا اور اپنے بچوں کا کھانا تھا۔

اس نے اپنی بیوی سے کہا۔

بچوں کو سلا دو اور چراغ بجھا دو اور تمہارے پاس جو کھانا ہے وہ مہمان کے آگے رکھ دو۔

تب یہ آیت نازل ہوئی۔

جو لوگ محتاج ہونے کے باوجود اپنی ضروریات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 5243)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بطور مہمان آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کی مہمانی کے لئے کچھ نہ تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا کوئی شخص اس کو مہمان نہیں بنائے گا اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا۔ انصار میں سے ابوطلحہ نام کے ایک شخص اٹھے اور وہ مہمان کو اپنے گھر لے گئے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 5244)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں اور میرے دونوں ساتھی آئے اس وقت (مسلسل) مشقت کرنے سے ہماری سماعت اور بصارت جاتی رہی تھی خود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر پیش کرتے لیکن ہم کو کوئی قبول نہیں کرتا تھا پھر ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اپنے گھر لے گئے وہاں پر تین بکریاں تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہمارے سامنے ان کا دودھ نکالو ہم ان کا دودھ نکالتے اور ہر شخص اپنا حصہ پی لیتا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ کا دودھ اٹھا کر رکھ دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تشریف لاتے اور اس طرح سلام کرتے جس طرح سے کوئی سونے والا بیدار نہ ہو اور جاگنے والا سن لے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں جا کر نماز پڑھتے پھر اپنے حصہ کا دودھ پیتے۔ ایک رات کو شیطان میرے پاس آیا، اس وقت میں اپنے حصہ کا دودھ پی چکا تھا۔

اس نے کہا:

(سیّدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) انصار کے پاس جاتے ہیں اور وہ ان کو ان کی ضروریات کے مطابق ہدیے اور تحفے دیتے ہیں اور یہ جو دو چار گھونٹ دودھ پڑا ہے اس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا حاجت ہوگی سو میں نے جا کر اس دودھ کو پی لیا اور جب وہ دودھ میرے پیٹ میں سما گیا اور میں نے جان لیا کہ اب اس کی کوئی سبیل نہیں ہے تو شیطان نے مجھے نادم کرنا شروع کر دیا۔

اور کہا:

تم پر افسوس ہے! یہ تم نے کیا کیا۔ تم نے (سیّدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دودھ پی لیا۔ اب جب وہ آئیں گے اور ان کو دودھ نہیں ملے گا تو وہ تم پر دعا ضرور کریں گے پھر تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ تمہاری دنیا و آخرت دونوں برباد ہو جائیں گی۔

میرے پاس ایک چادر تھی میں اگر اس کو پیروں پر ڈالتا تو سر کھل جاتا اور اگر سر پر ڈالتا تو پیر کھل جاتے مجھے نیند نہیں آرہی تھی اور میرے دونوں ساتھی سو رہے تھے انہوں نے وہ کام نہیں کیا جو میں نے کیا تھا آخر کار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب معمول سلام کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں جا کر نماز پڑھی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دودھ کے پاس آئے برتن کھولا تو اس میں کچھ بھی نہیں تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف سر اٹھایا میں نے دل میں سوچا اب میرے لیے دعائے ضرر فرمائیں گے اور میں ہلاک ہو جاؤں گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے اللہ عزوجل! جو مجھے کھلائے اس کو کھلا اور جو مجھے پلائے اس کو پلا یہ سن کر میں نے چادر کو مضبوط باندھا اور چھری لے کر چلا کہ جو موٹی سی بکری ہو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ذبح کروں میں نے دیکھا کہ اس کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہیں بلکہ سب بکریوں کے تھن بھرے ہوئے ہیں میں نے (سیّدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر والوں کے برتنوں میں سے وہ برتن لیا جس میں وہ دودھ دوہتے تھے پھر میں نے اس میں دودھ دوہا حتیٰ کہ وہ جھاگ سے بھر گیا پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تم نے رات کو اپنے حصہ کا دودھ پی لیا تھا۔
میں نے عرض کیا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پی لیجئے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پی لیا پھر مجھے دیا۔
میں نے عرض کیا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نوش فرمالیجئے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرما کر پھر مجھے دیا۔ جب میں نے جان لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیر ہو گئے ہیں اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو پالیا ہے تو میں کھلکھلا کر ہنس پڑا اور ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گیا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اے مقداد (رضی اللہ عنہ) یہ تمہاری ایک بری خصلت ہے۔
میں نے عرض کیا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ساتھ یہ معاملہ ہوا اور میں نے ایسے ایسے کیا۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ دودھ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت تھا تم نے مجھے اس وقت کیوں نہیں بتایا میں تمہارے دو ساتھیوں کو بھی جگا دیتا اور وہ بھی اس رحمت سے حصہ لے لیتے۔
میں نے عرض کیا:
قسم اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے جب یہ دودھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پی لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں نے بھی پی لیا تو اب مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ کوئی اور اس دودھ کو پیئے یا نہ پیئے۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 5245)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عبد الرحمان بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم ایک سو تیس آدمی تھے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تم میں سے کسی کے پاس کھانا ہے۔
ہمارے ساتھ ایک شخص تھا اس کے پاس تقریباً ایک صاع (چار کلو گرام) آٹا تھا وہ آٹا گوندھا گیا پھر ایک پراگندہ بالوں والا دراز قد مشرک آیا جو اپنی بکریوں کو چرا رہا تھا۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ بکریاں فروخت کرو گے یا یونہی بطور عطیہ ہبہ دو گے۔

اس نے کہا:

نہیں بلکہ فروخت کروں گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ایک بکری لے لی اس کا گوشت تیار کیا گیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کلیجی بھوننے کا حکم دیا۔

حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ایک سوتیس آدمیوں میں سے ہر شخص کو اس کلیجی سے ایک حصہ دیا جو شخص موجود تھا اس کو حصہ دے دیا اور جو موجود نہیں تھا اس کا حصہ رکھ لیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ گوشت دو پیالوں میں ڈالا اور ہم سب نے اس میں سے کھایا اور سیر ہو گئے ان پیالوں میں کھانا پھر بھی بچ گیا میں نے اس کو اونٹ پر رکھ لیا یا جس طرح راوی نے بیان کیا۔

(صحیح مسلم:رقم الحدیث:5247)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبدالرحمان بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اصحاب صفہ فقراء لوگ تھے۔

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ (ان میں سے) تیسرے کو لے جائے اور جس کے پاس چار کا کھانا ہو وہ پانچویں کو لے جائے یا چھٹے کو بھی لے جائے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تین کو لے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس کو لے کر گئے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تین کو لائے تھے۔

حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے کہا:

(گھر میں) میں میرے والد (یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) اور میری والدہ تھیں۔

راوی نے فرمایا ہے کہ

مجھے یاد نہیں شاید انہوں نے کہا تھا اور میری بیوی تھی اور ایک خادم تھا جو میرے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر مشترک تھے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ شام کا کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھاتے تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ٹھہرتے حتیٰ کہ عشاء کی نماز پڑھ لی جاتی پھر واپس لوٹتے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ٹھہرتے حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند آ لیتی پھر جب رات کا آدھا حصہ گزر گیا جتنا اللہ تعالیٰ کو منظور تھا تب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھر آئے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ان کی بیوی نے کہا:

آپ مہمانوں کو چھوڑ کر کہاں رہ گئے تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

کیا آپ لوگوں نے ان کو کھانا نہیں کھلایا۔
بیوی نے کہا:
انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے بغیر کھانے سے انکار کر دیا۔ان کے سامنے کھانا پیش کیا گیا مگر وہ نہیں مانے۔
حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ
میں (ڈر سے) بھاگ کر چھپ گیا۔
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
او جاہل! اللہ تعالیٰ تیری ناک کاٹ ڈالے اور مجھے برا بھلا کہنے لگے اور مہمانوں سے فرمایا کھانا کھاؤ۔اللہ کرے تمہارے لیے یہ کھانا خوش گوار نہ ہو۔
اور ارشاد فرمایا:
بخدا میں (یہ کھانا) اب کبھی بھی نہیں کھاؤں گا۔
حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ
بخدا ہم جو لقمہ بھی اٹھاتے تھے نیچے سے اور نکل آتا تھا اور کھانا پہلے سے زیادہ ہو جاتا تھا حتیٰ کہ ہم سیر ہو گئے اور وہ کھانا پہلے سے زیادہ ہو گیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب کھانے کو دیکھا تو وہ پہلے جتنا بلکہ اس سے زیادہ تھا۔
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے کہا۔
اے بنو فراس کی بہن! یہ کیا ہے۔
انہوں نے کہا:
میری آنکھوں کی ٹھنڈک کی قسم! یہ کھانا تو پہلے سے تین گنا زیادہ ہے پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کھانے میں سے کھایا۔
اور فرمایا:
ان کا وہ قسم کھانا محض شیطانی فعل تھا۔
پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ کھانا لے گئے آپ کے پاس صبح تک وہ کھانا رہا ان دنوں ہمارا ایک قوم سے معاہدہ تھا اور اب وہ مدت ختم ہو چکی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے بارہ افسر مقرر کیے اور ہر افسر کے ساتھ ایک جماعت تھی۔اللہ تعالیٰ جانے ان کی کتنی تعداد تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کھانا ان کے پاس بھیج دیا اور ان سب نے وہ کھانا کھایا۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث:5248)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عبدالرحمان بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
ہمارے گھر کچھ مہمان آئے اور میرے والد رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتے رہتے تھے وہ

چلے گئے۔

اور مجھ سے فرمایا:

اے عبدالرحمان (رضی اللہ عنہ) اپنے مہمانوں کی خدمت کرنا۔

جب شام ہوئی تو ہم نے ان کے سامنے کھانا پیش کیا۔

انہوں نے کہا:

جب تک گھر والے ہمارے ساتھ کھانا نہیں کھائیں گے ہم کھانا نہیں کھائیں گے۔

میں نے کہا:

وہ (میرے ابو) بہت تیز مزاج آدمی ہیں اگر تم نے کھانا نہیں کھایا تو مجھے خدشہ ہے کہ مجھے ان کی ڈانٹ سننی پڑے گی لیکن وہ نہیں مانے۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے تو سب سے پہلے انہوں نے مہمانوں کے متعلق پوچھا:

کیا تم مہمانوں کو کھلا کر فارغ ہو گئے۔

گھر والوں نے کہا:

بخدا ابھی ہم فارغ نہیں ہوئے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

کیا میں نے عبدالرحمان (رضی اللہ عنہ) کو اس کے متعلق نہیں کہا تھا۔

حضرت عبدالرحمان (رضی اللہ عنہ) نے کہا:

میں ایک طرف ہٹ گیا۔

انہوں نے آواز دی۔

اے عبدالرحمان! (رضی اللہ عنہ) میں کھسک گیا۔

پھر انہوں نے کہا:

اے بیوقوف! میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ اگر تو میری آواز سن رہا ہے تو آ جا۔

حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

میں آ گیا۔

میں نے کہا:

بخدا میرا کوئی قصور نہیں ہے یہ آپ کے مہمان موجود ہیں ان سے پوچھ لیجئے میں ان کے پاس کھانا لایا تھا انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے بغیر کھانے سے انکار کر دیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا۔

کیا سبب ہے تم نے ہمارا پیش کیا ہوا کھانا کیوں نہیں کھایا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا:
اللہ تعالیٰ کی قسم! میں آج رات کھانا نہیں کھاؤں گا۔
مہمانوں نے کہا:
بخدا ہم بھی نہیں کھائیں گے آپ کے بغیر۔
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
آج سے بدتر رات میں نے کبھی نہیں دیکھی تم لوگوں پر افسوس ہے تم لوگ ہماری دعوت کیوں نہیں قبول کرتے۔
پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا:
میرا قسم کھانا شیطانی کام تھا چلو کھانا لاؤ۔
حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ
پھر کھانا لایا گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھایا اور مہمانوں نے بھی کھایا۔ صبح کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔
اور عرض کیا۔
مہمانوں کی قسم تو پوری ہو گئی اور میری قسم پوری نہیں ہوئی۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پورا واقعہ سنایا۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
نہیں! تمہاری قسم سب سے زیادہ پوری ہوئی اور تم سب سے بہتر ہو۔
حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ
مجھے یہ یاد نہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس قسم کا کفارہ دیا تھا یا نہیں۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 5249)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ایک انصاری جن کی کنیت ابو شعیب تھی۔
انہوں نے اپنے غلام سے کہا کہ
اتنا کھانا پکاؤ جو پانچ شخصوں کے لئے کفایت کرے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مع چار اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے دعوت کروں گا۔ تھوڑا سا کھانا تیار کیا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلانے آئے۔ ایک شخص حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہولیا۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ابو شعیب ہمارے ساتھ یہ شخص چلا آیا اگر تم چاہو اسے اجازت دو اور چاہو تو نہ اجازت دو۔
انہوں نے عرض کیا:

میں نے ان کو اجازت دی۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5461)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوشریح کعبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ مہمان کا اکرام کرے ایک دن رات اس کا جائزہ ہے اور ضیافت تین دن ہے اور تین دن کے بعد صدقہ ہے۔ مہمان کے لئے یہ حلال نہیں کہ اس کے یہاں ٹھہرا رہے کہ اسے حرج میں ڈال دے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6138)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوالاحوص جشمی اپنے والد سے روایت فرماتے ہیں کہ

میں نے عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ فرمایئے کہ جس ایک شخص کے یہاں گیا اس نے میری مہمانی نہیں کی اب وہ میرے یہاں آئے تو اس کی مہمانی کروں یا بدلہ دوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بلکہ تم اس کی مہمانی کرو۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2013)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سنت یہ ہے کہ مہمان کو دروازہ تک رخصت کرنے جائے۔

(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 3358)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوشریح الخزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مہمان نوازی تین دن ہے اور جائزہ (خاطر مدارات) ایک دن ہے اور کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کے پاس اتنے دن قیام کرے کہ اس کو گناہ میں مبتلا کرے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ اس کو گناہ میں کیسے مبتلا کرے گا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
وہ اس کے پاس ایسی حالت میں قیام کرے کہ اس کے پاس اس کی مہمان نوازی کے لئے کچھ نہ ہو۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 4435)
قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی 544ھ لکھتے ہیں:
جائزہ کا معنیٰ ہے مہمان کو تحفہ وغیرہ پیش کرنا۔
ایک قول یہ ہے کہ
تین دن مہمان کو کھانا کھلانے کے بعد اس کو روانہ کرے اور اس کے سفر کے لئے ایک دن ایک رات کا زادراہ پیش کرے یہ جائزہ ہے۔
تین دن سے زیادہ مہمان کا ٹھہرنا اس لیے حرام ہے کہ میزبان اس کی ضیافت کے لئے کسی ناجائز ذریعہ کو تلاش نہ کرے یا تنگ آکر مہمان سے کوئی ناجائز بات نہ کرے۔
ایک قول یہ ہے کہ
مہمان کے لئے تین دن سے زیادہ قیام کرنا اس وقت حرام ہے جب اس کو یہ علم ہو کہ میزبان کے پاس تین دن سے زیادہ اس کو کھلانے کے جائز وسائل نہیں ہیں۔ اور اس کی وجہ سے میزبان کسی حرام کام میں مبتلا ہو جائے گا۔
تین دن سے زیادہ کی مہمان نوازی ضرورت مند پر صدقہ ہے اور جو غنی ہو اس کے لئے میزبان کی رضا اور خوشی کے بغیر مزید قیام کرنا حرام ہے۔
(اکمال المعلم بفوائد مسلم: ج:6، ص:21 تا 22 مطبوعہ دارالوفاء بیروت)
علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی 676ھ لکھتے ہیں:
ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ مہمان کی خاطر تواضع کرنی چاہئے اور اس کا خصوصی اہتمام کرنا چاہئے۔ تمام مسلمانوں کا مہمان نوازی کرنے پر اجماع ہے۔ امام شافعی، امام مالک، امام اعظم ابوحنیفہ رحمہم اللہ اور جمہور علماء کرام کے نزدیک مہمان نوازی سنت ہے واجب نہیں ہے اور لیث اور امام احمد کے نزدیک ایک دن اور ایک رات کی مہمان نوازی کرنا واجب ہے۔
ایک دن اور ایک رات کی مہمان کی خوب خاطر مدارات کرنی چاہئے اور حسب توفیق اس کو ہدیے وغیرہ دیئے جائیں اور دوسرے اور تیسرے دن اس کو معمول کے مطابق کھانا کھلائے۔ مہمان تین دن سے زیادہ قیام نہ کرے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس کے زیادہ قیام کی وجہ سے میزبان اس کی غیبت کرے یا اس کی وجہ سے مہمان کے معمولات میں خلل ہو، مہمان کی مصروفیات کی وجہ سے میزبان کو ضرر پہنچے یا وہ اس کے متعلق بدگمانی کرے اور گناہ میں مبتلا ہو۔
کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔
اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (الحجرات:12)
زیادہ گمان کرنے سے بچو بے شک بعض گمان گناہ ہیں۔

یہ اس صورت میں ہے جب مہمان، میزبان کے مطالبہ کے بغیر تین دن سے زیادہ قیام کرے لیکن اگر میزبان نے خود اس کو زیادہ قیام کے لئے کہا یا اس کو علم ہو یا گمان ہو کہ اس کا زیادہ قیام میزبان پر بار نہیں ہے بلکہ وہ اس پر خوش ہے تو پھر اس کے قیام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(شرح مسلم: ج:8، ص:4758 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

بعض نے کہا کہ مہمان نوازی واجب ہے اور ان کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں (مختلف مہمات پر) روانہ کرتے ہیں، (بعض اوقات) ایسے لوگوں کے پاس قیام کرنا پڑتا ہے جو ہماری ضیافت نہیں کرتے (اس صورت میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حکم ہے۔

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر تم لوگوں کے پاس جاؤ اور وہ تمہاری معمول کے مطابق مہمان نوازی کریں (تو فبہا) اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان سے اس قدر وصول کرلو جتنا مہمان کا میزبان پر حق ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:6137)

حضرت ابو کریمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایک رات تو مسلمان پر مہمان کا حق ہے جو شخص کسی مسلمان کے گھر رہے تو وہ اس مسلمان پر قرض ہے اب مہمان چاہے میزبان سے قرض وصول کرے اور چاہے چھوڑ دے۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث:3750)

حضرت ابو کریمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص کسی قوم کے ہاں مہمان ہو اور صبح تک وہ مہمان محروم رہے تو اس کی مدد کرنا ہر مسلمان پر حق ہے حتیٰ کہ اس مہمان کی ضیافت اس قوم کے مال اور ان کے کھیت سے وصول کرلی جائے۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث:3751)

یہ احادیث امام احمد اور لیث کے دلائل ہیں کہ ایک رات کی مہمان نوازی کرنا میزبان پر واجب ہے۔

قاضی عیاض مالکی متوفی 544ھ اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

یہ احادیث مبارکہ ابتداء اسلام پر محمول ہیں جب بالعموم مسلمان تنگ دست تھے اس وقت لوگوں پر یہ واجب تھا کہ مسافروں اور مہمانوں کی ضیافت کریں اور اگر وہ ضیافت نہ کریں تو مہمان کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ بقدر ضیافت ان سے وصول کرلے اور جب اللہ تعالیٰ نے فتوحات اور مال غنیمت کے ذریعہ مسلمانوں کو اس سے مستغنی کر دیا تو یہ حکم ساقط ہو گیا

خصوصاً اس آیت مبارکہ سے

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (البقرہ:188)

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ

یہ حدیث اضطرار کی حالت پر محمول ہے یعنی جب مہمان یا مسافر کو کھانے کے لئے کچھ نہ ملے اور نہ کھانے کی صورت میں اس کو موت کا خطرہ ہو تب وہ اتنی مقدار جبراً بھی لے سکتا ہے جس سے اس کی جان بچ جائے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ

پہلے اہل ذمہ پر یہ شرط لگائی گئی تھی کہ جب مجاہدین ان کے علاقے سے گزریں تو ان پر واجب ہے کہ وہ مسلمانوں کی ضیافت کریں اور یہ ان علاقوں میں شرط تھی جن کو جنگ کے ذریعہ فتح کیا گیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جو علاقے فتح کیے گئے تھے ان میں یہ شرط تھی۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم: ج:6،ص:23 مطبوعہ دارالوفاء بیروت)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی 676ھ نے ان احادیث کو استحباب کی تاکید پر محمول کیا ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے ہر بالغ پر غسل جمعہ واجب ہے۔

دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ

جو لوگ مہمان کی ضیافت نہ کریں ان کی مذمت کرنا مباح ہے۔

اور تیسرا جواب یہ دیا ہے کہ

یہ احادیث مبارکہ اضطرار کی حالت پر محمول ہیں اور قاضی عیاض کے باقی جوابوں کا رد کیا ہے۔

(شرح مسلم: ج:8،ص:4759 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کی ایک دن اور ایک رات مہمان نوازی کی

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو ایک دن اور ایک رات شاہی مہمان خانے میں بٹھایا اور خوب مہمان نوازی کی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک دن ایک رات ان کو ٹھہرایا اور عزت افزائی کی بہترین مہمان خانے میں بٹھایا بہت اچھے عمدہ کھانے اور پھل کھلائے حالانکہ خود حضرت یوسف علیہ السلام ان قحط کے سات سالوں میں روزے رکھتے رہے اور سحری افطار بھی بالکل معمولی فرماتے بادشاہ اور اہل دربار کو صرف چوبیس گھنٹے میں دو پہر کا کھانا دیا جاتا باقی رعایا کو دو وقت مگر تین تہائی کے حساب سے ماہانہ خوراک ملتی اور دیگر مہمانوں کو عام لنگر خانے سے پوری خوراک دو وقت ملتی لیکن ان کو مہمان خصوصی کی حیثیت سے شاہی مہمان خانے میں رکھا گیا۔

(تفسیر نعیمی: ج:13،ص:41 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بنیامین کو نہ لانے پر حضرت یوسف علیہ السلام کا غلہ نہ دینے کا کہنا

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب بھائیوں کو غلہ دے دیا تو فرمایا کہ اپنے باپ شریک بھائی کو میرے پاس لے کر آ تم نہیں دیکھتے کہ میں پورا پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں بہترین مہمان نواز ہوں اگر تم ان کو میرے پاس نہ لائے تو میرے پا تمہارے لیے کوئی غلہ نہیں ہوگا اور نہ ہی تم میرے قریب آ سکو گے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِیْ بِهٖ فَلَا كَیْلَ لَكُمْ عِنْدِیْ وَ لَا تَقْرَبُوْنِ ۝ (یوسف:60)

پس اگر تم اس کو میرے پاس نہیں لائے تو میرے پاس تمہارے لیے بالکل غلہ نہیں ہوگا اور نہ ہی تم میرے قریب آسکو گ

جس سامان کے بدلہ میں بھائیوں نے غلہ خریدا وہ سامان واپس چپکے سے حضرت یوسف علیہ السلام نے بوریوں میں رکھوادیا

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کی عزت واحترام کیا اور انہوں نے جس سامان کے بدلہ میں غلہ خرید حضرت یوسف علیہ السلام نے چپکے سے وہ سامان دوبارہ بوریوں میں رکھوادیا تا کہ یہ دوبارہ غلہ خریدنے آئیں۔

حافظ ابن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

جب بھائی واپسی کی تیاری کرنے لگے تو آپ علیہ السلام نے اپنے کارندوں سے کہا کہ جس سامان کے عوض انہوں غلہ خریدا ہے وہ ان کی بوریوں میں واپس رکھ دو اس طرح کہ انہیں محسوس تک نہ ہوتا کہ یہ اسے لے کر دوبارہ لوٹ سکیں۔

(تفسیر ابن کثیر:ج:2،ص:835)

حضرت یوسف علیہ السلام نے بوریوں میں غلہ کے عوض کا سامان دوبارہ کیوں رکھوایا؟

حضرت یوسف علیہ السلام نے جس سامان کے عوض غلہ دیا تھا کہ وہ سامان کیوں رکھوایا تھا اس کی چند وجوہات ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

فرمایا گیا کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ اندیشہ تھا کہ ان کے پاس اور سامان نہیں ہوگا جس کے عوض غلہ خریدنے کے لئے یہ دوبار سکیں۔

بعض نے کہا:

آپ علیہ السلام نے اپنے باپ اور بھائیوں سے غلہ کا معاوضہ لینا مناسب نہ سمجھا۔

اور بعض نے کہا ہے کہ

آپ علیہ السلام کا خیال یہ تھا کہ جب وہ غلہ کھولیں گے اور اس میں یہ چیزیں پائیں گے تو انہیں اپنے پاس رکھنا منا نہیں سمجھیں گے اور ضرور واپس کرنے کے لئے لوٹیں گے۔

(تفسیر ابن کثیر:ج:2،ص:835......)

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائی کی قید ضروری کیوں لگائی

تفسیر نعیمی میں ہے۔

علماء کرام فرماتے ہیں کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے بِاَخٍ لَّکُمْ فرمایا باخیکم نہ فرمایا تا کہ پتہ لگے کہ تمہارا ایک اور بھائی ہونا تمہارے قول کے اوپر ہے نہ معلوم سچ ہے یا جھوٹ اس لیے اس کو لانا ضروری ہے دو وجہ سے۔

ایک وجہ یہ ہے کہ

غلہ صرف قحط زدہ لوگوں کو دیا جاتا ہے تم لوگوں کے علاقہ میں قحط ہے یا نہیں اس کا علم تو تم کو ہے مگر ثبوت دینا پڑے گا جس کا طریقہ یہ ہے کہ تم نے اپنے بھائی کا ذکر کیا ہے اس کو لاؤ اگر یہ بات سچی ثابت ہوئی تو باقی باتیں بھی سچی ثابت ہو جائیں گی اگر یہ ہی جھوٹی ہوئی تو باقی باتیں قحط زدہ ہونے کی وغیرہ وغیرہ بھی غلط ہوں گی اس لیے پھر تم کو کچھ نہ ملے گا اور جھوٹے ہونے کی بنا پر تم میرے قرب خاص اور شاہی مہمان بننے کے لائق نہ رہو گے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ

اس دفعہ تم لوگوں کے کہنے کی بناء پر ان لوگوں کا غلہ بھی تم کو دیا گیا جو یہاں آئے نہیں اور یہ صرف تمہاری خصوصیت ہے ورنہ اور کسی شخص کسی قافلے والے کے ساتھ نہ ایسا حسن سلوک کیا گیا نہ غیر موجود کا حصہ دیا گیا اس لیے ہماری اس رعایت سے ناجائز فائدہ نہ اٹھانا بلکہ آئندہ اپنے بھائی کو لے کر آنا تا کہ آئندہ کا حصہ اور سابقہ کا ثبوت مہیا ہو۔ اور کسی بھی معترض کو اعتراض کا موقعہ نہ ملے اگر چہ کسی کو اعتراض کی مجال تو نہیں مگر انصاف کا تقاضہ یہی ہے کہ دامن عدل بے داغ ہونا چاہئے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:42 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بنیامین کو لانے کا وعدہ

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم بنیامین کو نہ لائے تو میں آئندہ تمہیں غلہ نہیں دوں گا تو بھائیوں نے کہا ہم اس بارے میں اس کے باپ کو راضی کریں گے اور ہم یہ ضرور کرنے والے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ٥ (یوسف:61)

انہوں نے کہا ہم اس کے متعلق باپ کو راضی کریں گے اور ہم یہ ضرور کرنے والے ہیں۔

اعتراض

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو معلوم تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام بنیامین سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں اور اس کی جدائی میں ان کو بہت رنج اور قلق ہوگا تو انہوں نے بنیامین کو اپنے باپ کے پاس سے بلوانے کے لئے کیوں اقدام کیا اور اپنے باپ کو رنج اور قلق میں ڈالنے کا کیوں انتظام کیا؟

جواب

اس اعتراض کے چند جوابات ہیں۔

1- ہوسکتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہو کہ وہ بنیامین کو بلوائیں اور انہوں نے اتباع وحی میں یہ اقدام کیا تا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام مزید رنج وغم میں مبتلا ہوں اور اس طرح ان کا ثواب اور زیادہ ہو۔

2- ہوسکتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ ارادہ ہو کہ اس کاروائی سے حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے زندہ ہونے پر متنبہ ہو جائیں کیونکہ خصوصیت سے بنیامین کو بلوانے والے حضرت یوسف علیہ السلام ہی ہوسکتے تھے دونوں سگے بھائی تھے۔

3- حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ ارادہ ہو کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کو اچانک دونوں بیٹے ملیں گے تو ان کو بہت زیادہ خوشی ہوگی۔

4- حضرت یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو صرف ملاقات کے لئے بلایا تھا۔

اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ

اس کو مستقل اپنے ساتھ رکھ لیں گے اور جانے نہیں دیں گے لیکن جب بنیامین کی حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور دونوں نے اپنا اپنا حال سنایا تو بنیامین نے واپس جانے سے انکار کر دیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس رہنے پر اصرار کیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا:

تم کو روکنے کی یہی صورت ہے کہ تم پر چوری کا الزام لگوا دیا جائے۔

بنیامین نے کہا:

مجھے منظور ہے۔

(زاد المسیر: ج:4،ص:249 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

ضمانت کے طور پر شمعون کو روکنا

جب بھائیوں نے کہا کہ ہم بنیامین کو ضرور لائیں گے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا اس کی ضمانت میں ایک بھائی چھوڑ جاؤ تو انہوں نے قرعہ اندازی کر کے شمعون کو حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس چھوڑ دیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

تب سب بیک آواز بولے اسی وقت یا کچھ دیر علیحدہ مشورہ کرنے کے بعد سب کی طرف سے ایک شخص بولا کہ اچھا ہم کوشش کر دیکھیں گے یا اس طرح کہ صاف صاف یہ سب گفتگو بتا دیں جس سے وہ مجبور ہو جائیں بھیجنے پر یا اس طرح کہ ہم ان سے اپنی بھی خواہش ظاہر کریں کہ ہاں واقعی بھیجنا چاہئے یا کوئی اور تدبیر سوچیں گے جس سے اس بھائی کے بارے میں اس کے باپ کو ہم بہلا پھسلا سکیں اور بے شک ہم اے عزیز مصر ہم سب مل کر اس کام کو کر ڈالیں گے۔ ہمیں یقین ہے۔

تفاسیر میں ہے کہ
اس بات کو سن کر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:
اپنی بات کرنے کے لئے تم ضمانت کے طور پر ایک بھائی کو ہمارے پاس چھوڑ جاؤ تو انہوں نے قرعہ ڈالا کئی بار نام شمعون کا نکلتا رہا یہ شمعون دوسرے نمبر پر بڑا بھائی تھا عمر میں بڑا بھائی سب سے روبیل تھا۔ شمعون شروع سے ہی (حضرت) یوسف علیہ السلام کا خیر خواہ تھا اسی نے مشورہ دیا تھا کہ قتل مت کرو کنوئیں میں ڈال دو اب قرعہ میں بھی اسی کا نام نکلا لہٰذا اس کو روک لیا گیا اور اس کا غلہ بھیج دیا گیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:42 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کا پیسوں کی تھیلی سامان میں رکھوانا

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے سامان میں پیسوں کی تھیلی رکھوائی تا کہ واپس لوٹ آئیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○ (یوسف:62)

یوسف نے اپنے کارندوں سے کہا ان کے پیسوں کی تھیلی ان کے سامان میں رکھ دو تا کہ جب یہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹیں تو اس کو پہچان لیں شاید وہ (پھر) واپس آ جائیں۔

بھائیوں کا ثمن چمڑا تھا

حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ
وہ ثمن چمڑا تھا۔
بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ
وہ مقل (گوگل) کے ستو کی آٹھ بوریاں تھیں۔
امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔
پہلا قول اصح ہے۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:299 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام نے پیسے واپس سامان میں کیوں رکھے؟

حضرت یوسف علیہ السلام کو جو بھائیوں نے پیسے دیئے تھے وہ واپس رکھوا دیئے۔ علماء کرام نے ان پیسوں کو واپس رکھنے کی چند وجوہات بیان کی ہیں۔

1- شاید وہ لوٹانے کا حق پہچان لیں اور دونوں بدلوں کو لوٹانے کی تکریم کے حق کو پہچان لیں جب وہ مصر کی طرف واپس آئیں۔

2۔بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے احسان اور نیکی اور ان کی عزت کی خاطر ان کے پیسے واپس لوٹا دیئے تھے تا کہ دوبارہ آنے کی انہیں زیادہ ترغیب ملے یعنی

لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ

تا کہ وہ ہمارے اپنی عزت پہچان لیں۔

3۔بعض علماء کرام فرماتے ہیں۔

جب آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ باپ اور بھائیوں سے ان کی حاجت کے باوجود ان سے قیمت وصول کرنا باعث ملامت اور اخلاق عالیہ کے خلاف ہے تو آپ علیہ السلام نے ان کی رقم واپس کر دی اور پھر مہربانی کرتے ہوئے اس طرح واپس کی انہیں پتہ بھی نہ چلا۔

4۔الکلبی نے کہا ہے کہ

اس خوف سے واپس کی کہ والد صاحب کے مزید دراہم نہ ہوں گے جو یہ دوبارہ لے کر آئیں گے۔

5۔بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے ایسا اس لیے کیا کہ آپ علیہ السلام کو معلوم ہو چکا تھا کہ ان کی دیانت انہیں پیسے لوٹانے پر ابھیختہ کرنے کی غلطی کو دور کرنے کے لئے اور اس کو وہ اپنے پاس رکھنا حلال نہ سمجھیں گے (اور پیسے واپس لوٹنے ضرور آئیں گے)

(معالم التنزیل: ج:3،ص:300 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

6۔امام ابن اسحاق نے کہا ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے کارندوں سے کہا کہ

انہوں نے غلہ کی جو قیمت دی ہے وہ ان کی بوریوں میں رکھ دو اور اس طرح رکھو کہ ان کو بالکل پتا ہی نہ چلے تا کہ جب گھر لوٹیں تو اس رقم کو دیکھ کر دوبارہ آجائیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے کسی حکمت کی وجہ سے وہ تھیلی ان کی بوریوں میں رکھوائی تھی۔

اس کی حسب ذیل وجوہات ہیں۔

1۔جب وہ گھر جا کر بوریاں کھولیں گے اور ان کو اپنی قیمت واپس مل جائے گی تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے کرم اور آپ علیہ السلام کی سخاوت سے متاثر ہوں گے اور دوبارہ جانے کے لئے راغب ہوں گے جب کہ انہیں غلہ کی طلب بھی تھی۔

2۔حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ خطرہ تھا کہ شاید ان کے والد محترم کے پاس مزید غلہ خریدنے کے لئے رقم نہ ہو اس لئے انہوں نے وہ قیمت بوریوں میں رکھ دی۔

3۔حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ ارادہ کیا کہ وہ قحط کا زمانہ ہے ہوسکتا ہے کہ ان کے والد محترم کا ہاتھ تنگ ہو تو وہ اس طرح باپ کی کچھ خدمت کر دیں۔

4-ایام قحط میں جبکہ ان کے بھائیوں اور باپ کو غلہ کی سخت ضرورت تھی تو ایسے حالات میں انہوں نے ان کو قیمتاً غلہ دینا رحم کے خلاف اور برا جانا اس لیے چپکے سے وہ رقم واپس کر دی۔

5-حضرت یوسف علیہ السلام کا گمان تھا کہ جب ان کے بھائی سامان میں رقم کی تھیلی دیکھیں گے تو یہ خیال کریں گے کہ شاید سہو اور نسیان سے ان کی یہ رقم ہماری بوریوں میں آ گئی ہے اور وہ انبیاء کرام علیہم السلام کی اولاد ہیں اور وہ ضرور اس رقم کو واپس کرنے آئیں گے یا یہ معلوم کرنے آئیں گے کہ آخر کس سبب سے ہماری بوریوں میں یہ رقم کی تھیلی آ گئی۔

6-حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہا اور ایسے طریقہ سے کہ ان پر حضرت یوسف علیہ السلام کا احسان ظاہر ہو اور نہ ان کو عار محسوس ہو۔

7-حضرت یوسف علیہ السلام یہ چاہتے تھے کہ ان کے والد کو یہ معلوم ہو جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام ان کے بیٹوں پر کریم ہیں تا کہ وہ اپنے بیٹے کو ان کے پاس بھیجنے میں خطرہ محسوس نہ کریں۔

8-حضرت یوسف علیہ السلام یہ چاہتے تھے کہ وہ یہ جان لیں کہ میں جو ان کے بھائی کو بلوا رہا ہوں تو اس پر ظلم کرنے کے لئے نہیں بلا رہا اور نہ غلہ کے دام چڑھانے کے لئے بلا رہا ہوں۔

9-چونکہ یہ تنگی کا زمانہ تھا اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام یہ چاہتے تھے کہ ان کی کچھ مدد کی جائے اور چونکہ چوروں اور ڈاکوؤں کا خطرہ تھا اس لیے اس رقم کو بوریوں میں چھپا کر رکھ دیا۔

10-حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اس کے ساتھ انتہائی ظالمانہ اور بے رحمانہ سلوک کیا تھا جواب میں حضرت یوسف علیہ السلام یہ چاہتے تھے کہ ان کے ساتھ انتہائی کریمانہ اور فیاضانہ سلوک کریں۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے سب سے افضل عمل بتائیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے عقبہ (رضی اللہ عنہ) جو شخص تم سے تعلق توڑے تم اس سے تعلق جوڑو جو تم کو محروم کرے اس کو عطا کرو اور جو تم پر ظلم کرے اس سے درگزر کرو۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث:2406)

امام ابن النجار نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص تم سے تعلق توڑے تو اس سے تعلق جوڑو اور جو تم سے برا سلوک کرے تم اس سے اچھا سلوک کرو اور حق بات کہو خواہ تمہارے خلاف ہو۔

(کنز العمال: رقم الحدیث:6929)

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کے ساتھ حسن اخلاق کیا

حضرت یوسف علیہ السلام پر بھائیوں نے ظلم کیے آپ علیہ السلام کو پہلے کنویں میں ڈالا پھر قافلے والوں کے ہاتھ فروخت کیا اور آپ علیہ السلام کو مارا بھی اور قتل کی دھمکی بھی دی الغرض حضرت یوسف علیہ السلام پر بھائیوں نے ظلم وستم کیے مگر آپ علیہ السلام نے برائی کا جواب برائی سے نہیں دیا بلکہ اپنے ان ظلم کرنے والے بھائیوں کے ساتھ حسن اخلاق کیا جب بھائی آپ علیہ السلام کے پاس آئے تو اپنے بھائیوں کو پہچان لیا اور ان کو شاہی مہمان خانے میں رکھا اور اعلیٰ سے اعلیٰ مہمان نوازی کی جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بھائیوں کا اتنا ظلم کرنے کے باوجود حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن اخلاق کرنا آپ علیہ السلام کی شان نبوت ہے کہ نبی اپنی قوم پر شفیق ہوتا ہے۔

حسن اخلاق کی تاکید

حسن اخلاق ایک عظیم عمل ہے جس سے بندہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے اور جب بندہ اللہ تعالیٰ کا قرب خاص حاصل کر لیتا ہے تو اس کی دنیا وآخرت کامیاب ہو جاتی ہے اور وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا ہی میں رہتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق کرنے پر بے شمار فرامین ہیں چند درج ذیل ہیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آخری وصیت اس وقت کی جب میں گھوڑے کی رکاب میں پیر رکھ رہا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔

(مؤطا امام مالک: رقم الحدیث: 1716)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو کاموں کے درمیان اختیار دیا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے آسان کام کو اختیار کرتے تھے بہ شرطیکہ وہ گناہ نہ ہو اگر وہ گناہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کام سے سب سے زیادہ دور ہونے والے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی ذات کا انتقام نہیں لیا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حدود توڑی جائیں اگر اللہ تعالیٰ کی حدود توڑی جاتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے لئے انتقام لیتے تھے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3560)

حضرت علی بن حسین بن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کسی شخص کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ فضول اور بے مقصد باتوں اور کاموں کو ترک کر دے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2318)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت سعید بن مسیب نے روایت کیا ہے کہ
کیا میں تم کو اس کام کی خبر نہ دوں جس میں نماز اور صدقہ سے بہت زیادہ خیر ہے۔
لوگوں نے کہا:
کیوں نہیں۔
انہوں نے کہا:
دو آدمیوں میں صلح کرانا اور تم بغض رکھنے سے اجتناب کرو یہ نیکیوں کو کاٹ ڈالتا ہے۔
(مؤطا امام مالک: رقم الحدیث: 1722)
حضرت یحییٰ بن سعید نے روایت کیا ہے کہ
مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ
انسان اپنے حسن اخلاق سے رات کو نماز میں قیام کرنے والے اور دن میں روزہ رکھنے والے کے اجر کو پالیتا ہے۔
(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 4798)
امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میں تم میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ حسن اخلاق کو مکمل کردوں۔
(مؤطا امام مالک: رقم الحدیث: 1723)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کردیا لوگ اس کو مارنے کے لئے جھپٹے۔
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:
اس کو چھوڑ دو اور اس کے پیشاب کے اوپر ایک یا دو ڈول پانی بہا دو کیونکہ تم آسانی کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو مشکل میں ڈالنے کے لئے نہیں بھیجے گئے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6128)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جب تم کسی گناہ کے بعد کوئی نیک کام کرلو گے تو وہ اس گناہ کو مٹادے گا اور لوگوں کے ساتھ حسن خلق کے ساتھ پیش آؤ۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 1987)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ۔ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کے بندوں میں سے ایک ایسے بندہ کو پیش کیا گیا جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا:

تم نے دنیا میں کیا عمل کیا؟

اس نے عرض کیا:

اے میرے رب عز وجل! تو نے مجھے اپنا مال عطا فرمایا تھا اور میں لوگوں میں خرید و فروخت کرتا تھا اور میرا خلق یہ تھا کہ میں لوگوں سے درگزر کرتا تھا میں امیر آدمی کے لئے آسانی کرتا تھا اور غریب آدمی کو مہلت دیتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

میں تمہاری بہ نسبت درگزر کرنے کا زیادہ مستحق ہوں۔

(پھر فرشتوں سے فرمایا)

میرے اس بندے سے درگزر کرو۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3480)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مومنین میں سے سب سے کامل ایمان والا وہ شخص ہے جس کا خلق سب سے اچھا ہو اور تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جن کا اپنی بیویوں کے ساتھ خلق سب سے بہتر ہے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 1162)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں جنت کے وسط میں اس شخص کے گھر کا ضامن ہوں جو اپنا مؤقف برحق ہونے کے باوجود جھگڑے کو ترک کر دے اور اس شخص کے لئے جنت کے وسط میں گھر کا ضامن ہوں کہ وہ خواہ مذاق کر رہا ہو، جھوٹ نہ بولے اور اس شخص کے لئے جنت سب سے بلند درجہ میں گھر کا ضامن ہوں جس کا خلق سب سے اچھا ہو۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 4800)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھے اس لیے مبعوث کیا گیا ہے کہ میں صالح اخلاق کو پورا کر دوں۔

(مستدرک: ج:2، ص:613)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قیامت کے دن میرے نزدیک تم میں سب سے زیادہ محبوب اور سب سے زیادہ میری مجلس کے قریب وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق سب سے اچھے ہوں گے اور میرے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ مبغوض اور سب سے زیادہ میری مجلس سے دور وہ لوگ ہوں گے جو تکلف سے زیادہ باتیں کرتے ہوں گے اور فصاحت و بلاغت بگھارتے ہوں گے اور اپنے فضائل کا اظہار کر کے تکبر کرتے ہوں گے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث:2018)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ

کس چیز کی وجہ سے زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے ڈر اور حسن خلق کی وجہ سے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ

کس چیز کی وجہ سے زیادہ لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

منہ اور شرم گاہ کی وجہ سے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث:2004)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

(مجھ کو رخصت کرتے وقت) جب میرا پاؤں رکاب میں تھا تو سب سے آخر میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت اس میں ارشاد فرمایا:

اے معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق کے ساتھ پیش آنا۔

(مؤطاامام مالک: رقم الحدیث:1716)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

قیامت کے دن مومن کے میزان میں حسن خلق سے زیادہ کوئی چیز وزنی نہیں ہوگی اور اللہ تعالیٰ بے حیائی اور بری باتوں کے کرنے والے سے بغض رکھتا ہے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث:2002)

ایک اور روایت میں ہے کہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق سب سے اچھا تھا ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی کام سے بھیجا۔

میں نے کہا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نہیں جاؤں گا حالانکہ میرے دل میں یہ تھا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں گے تو میں چلا جاؤں گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

میں چلا گیا حتیٰ کہ میں بچوں کے پاس سے گزرا جو بازار میں کھیل رہے تھے اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے آکر مجھے گدی سے پکڑا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے تھے (یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبسم پر بے حد درود وسلام)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے انس (رضی اللہ عنہ) وہاں جاؤ جہاں جانے کا میں نے تمہیں حکم دیا ہے۔

میں نے کہا:

جی ہاں! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں جا رہا ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ کی قسم! میں سات سال یا نو سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا مجھے علم نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کے متعلق یہ فرمایا ہو کہ تم نے یہ کام کیوں کیا یا کسی کام کے متعلق یہ فرمایا ہو کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث:4773)

حضرت یوسف علیہ السلام سے بڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن اخلاق تمام اولین وآخرین سے بڑھ کر ہے حتیٰ کہ حضرت یوسف علیہ السلام سے بھی

کرہے۔حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ساتھ حسن اخلاق کیااوران کی مہمان نوازی کی جبکہ وہ آپ علیہ السلام کے خونی رشتہ دار بھائی تھے اورہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہے خونی رشتہ دار تھے یا غیر تھے حتیٰ کہ کفار کے ساتھ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن اخلاق کیااور ہمیشہ کرتے رہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق پر بے شماراحادیث مبارکہ ہیں مگر میں چند حصول رضاالٰہی عزوجل کے لئے نقل کرتا ہوں۔

ہشام بن عامر سے روایت ہے کہ

میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

اے ام المومنین رضی اللہ عنہا! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے متعلق بتایئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا:

کیاتم قرآن مجید نہیں پڑھتے؟

میں نے کہا:

کیوں نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا۔

(صحیح مسلم:رقم الحدیث:746)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے قد افلح المومنون سے لے کردس آیتیں پڑھیں۔

اور کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق سب سے اچھا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اوراہل بیت میں سے جو بھی بلاتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے:

لبیک اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ۝ (القلم:4)

بے شک آپ عظیم اخلاق پر فائز ہیں۔

جو بھی عمدہ اخلاق تھے وہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں پائے جاتے تھے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کو اسی لیے عظیم کہا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکارم اخلاق کے جامع تھے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ

بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے مکارم اخلاق کو مکمل کرنے کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔

(موطاامام مالک:رقم الحدیث:1677)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مجھ سے اف نہیں کہا اور میں نے جو کام کیا تو کبھی مجھ سے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا اور میں نے جس کام کو ترک کیا تو کبھی مجھ سے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے اس کام کو کیوں ترک کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سب سے اچھے تھے اور کوئی ریشم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے زیادہ ملائم نہیں تھا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ کی خوشبو سے بڑھ کر کسی مشک اور عطر کی خوشبو نہیں سونگھی۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6911)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ طبعاً فحش گفتار تھے نہ تکلفاً اور نہ بازار میں بلند آواز سے باتیں کرتے تھے اور نہ برائی کا جواب برائی سے دیتے تھے لیکن معاف کر دیتے تھے اور درگزر فرماتے تھے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2016)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا ما سوا جہاد فی سبیل اللہ کے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی خادم کو مارا اور نہ کسی عورت کو۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2328)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کی اجازت طلب کی اس وقت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ اپنے قبیلہ کا برا شخص ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اجازت دے دی جب وہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بہت نرمی سے بات کی جب وہ چلا گیا۔

تو میں نے عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے متعلق وہ فرمایا جو فرمایا تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بہت نرمی سے بات کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اے عائشہ (رضی اللہ عنہا) لوگوں میں سب سے برا شخص وہ ہے جس کو لوگ اس کی درشت کلامی (بدگفتاری) کی وجہ سے چھوڑ دیں۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6032)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
میں نے اپنے والد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے ہم نشینوں کے ساتھ سیرت کے متعلق سوال کیا۔
توانہوں نے کہا:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر ہمیشہ بشاشت رہتی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت نرم مزاج تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنا بہت سہل تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدمزاج اور سخت دل نہ تھے نہ بدگفتار تھے نہ لوگوں کے عیوب بیان کرتے تھے نہ بخل کرتے تھے۔ فضول باتوں کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی امید لے کر آتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو مایوس نہیں کرتے تھے اور کسی کو نامراد نہیں کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے تین چیزوں کو چھوڑ دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بحث و تکرار، زیادہ باتوں اور بے مقصد کاموں میں نہیں پڑتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے لئے بھی تین چیزیں چھوڑ دی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کی نہ مذمت کرتے تھے اور نہ اس کا عیب نکالتے تھے اور نہ کسی کی پوشیدہ چیز معلوم کرتے تھے اور صرف اسی معاملہ میں بات کرتے تھے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ثواب کی امید ہوتی تھی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرماتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم مجلس اس طرح اپنے سروں کو جھکا لیتے تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے ہوں اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوتے تب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات کرتے تھے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی بات میں بحث نہیں کرتے تھے اور جب کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرتا تو سب اس کی بات ختم ہونے تک خاموش رہتے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شرکائے مجلس ہنستے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے تھے اور جس چیز پر وہ تعجب کرتے آپ بھی اس پر تعجب کرتے تھے۔ جب کوئی اجنبی شخص سختی سے بات کرتا یا سوال کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبر کرتے تھے حتیٰ کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس پر سختی کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے۔
جب تم دیکھو کہ ضرورت مند اپنی حاجت کو طلب کر رہا ہے تو تم اس کے ساتھ نرمی کرو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر نوازش اور عطا کے اپنی تعریف کو قبول نہیں کرتے تھے۔ ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو کچھ عطا کرتے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبول کر لیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے کلام کو منقطع نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ وہ شخص حق سے تجاوز کرتا تو اس کی بات کاٹ کر اس کو روکتے یا اٹھ جاتے۔
(شمائل ترمذی: رقم الحدیث: 352)
ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی شخص کے مانگنے پر نہیں نہ فرمایا۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6034)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر کی بہت زیادہ سخاوت کرنے والے تھے اور سب سے زیادہ سخاوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے مہینہ میں کرتے تھے حتیٰ کہ رمضان ختم ہو جاتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ قرآن مجید دہراتے تھے اور جب حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم برسانے والی ہواؤں سے زیادہ سخاوت کرتے تھے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3220)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر سوال کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو کچھ عطا فرمائیں۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میرے پاس اس وقت کوئی چیز نہیں ہے لیکن تم میری ضمانت پر خرید لو میرے پاس مال آیا تو میں ادا کروں گا۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم عطا کر چکے ہیں اور جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم قادر نہیں ہیں اس کا اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکلف نہیں کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو ناپسند کیا۔
پھر انصار کے ایک شخص نے کہا:
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم خرچ کیجئے اور عرش والے سے مال میں کمی کا خوف نہ کریں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے خوشی ظاہر ہوئی۔
اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
مجھے اسی چیز کا حکم دیا گیا ہے۔
(شمائل ترمذی، رقم الحدیث: 356)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ربیع بن معوذ ابن عفراء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجوروں کا ایک خوشا اور کچھ ککڑیاں یا جو لے کر گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دونوں ہاتھوں میں زیورات اور سونا دیا۔ (شمائل ترمذی: 357)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول کرتے تھے اور اس کے جواب میں ہدیہ دیتے تھے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث:2585)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اگر مجھے ایک پائے کی دعوت بھی دی جائے تو میں اس کو قبول کر لوں گا۔
(سنن ترمذی: رقم الحدیث:1338)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی شخص محبوب نہیں تھا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ ان کو علم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ناپسند کرتے تھے۔
(سنن ترمذی: رقم الحدیث:2754)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کی روٹی اور پرانے گھی کی دعوت دی جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو قبول فرما لیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زرہ ایک یہودی کے پاس گروی رکھی ہوئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو تا حیات چھڑا نہیں سکے۔
(شمائل ترمذی: رقم الحدیث:4610)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔
اور کہنے لگی کہ
مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کام ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تم مدینہ منورہ کے جس راستہ میں چاہو بیٹھ جاؤ میں تمہارے پاس بیٹھ جاؤں گا۔
(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث:4818)
ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بلواتے اور میں آ کر وحی لکھتا اور ہم جب کا ذکر کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ دنیا کا ذکر کرتے اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ آخرت کا ذکر کرتے اور جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ کھانے کا ذکر کرتے۔

(شمائل ترمذی: رقم الحدیث: 344)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص تھا جس کے کپڑوں پر زعفران کے رنگ کے نشان تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کے منہ پر ایسی بات نہیں کہتے تھے جو اس کو ناگوار ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

تم اس شخص سے کہو کہ وہ ان نشانات کو دھو لے۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 4182)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

میں نے اپنے والد گرامی سے پوچھا کہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر کے اندر جاتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا معمولات تھے۔

انہوں نے کہا:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وقت کے تین حصے کرتے تھے۔

ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے

ایک حصہ گھر والوں کے حقوق کی ادائیگی کے لئے

اور ایک حصہ اپنی ذات کے لئے

پھر جو حصہ اپنی ذات کے لئے تھا اس کو اپنے اور لوگوں کے درمیان تقسیم فرماتے پس اپنے خصوصی فیوض کو خاص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے وسیلہ سے عام مسلمانوں تک پہنچا دیتے اور ان سے کوئی چیز روک کر نہ رکھتے اور جو وقت کا حصہ امت کے لئے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب فضیلت کو گھر میں آ کر ملاقات کرنے کی اجازت دیتے اور ان کی دینی فضیلت کی ترتیب کے اعتبار سے ان پر وقت کو تقسیم کرتے ان میں سے کسی کو ایک چیز کی ضرورت ہوتی کسی کو دو چیزوں کی ضرورت ہوتی اور کسی کی بہت ضروریات ہوتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ضروریات پوری کرنے میں مشغول ہوتے اور ان کو ان کی اپنی اور باقی امت کی اصلاح کے کاموں میں مصروف رکھتے اور ان سے ان کے مسائل معلوم کرتے اور ان کے حسب حال ان کو ہدایات دیتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے۔

تم میں سے حاضر، غائب تک یہ ہدایات پہنچادے اور تم میرے پاس ایسے شخص کی حاجت بھی پہنچادیا کرو جو اپنی حاجت نہیں پہنچا سکتا کیونکہ جو شخص کسی ایسے انسان کی حاجات صاحب اختیار تک پہنچاتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو ثابت قدم رکھے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسی ہی چیزوں کا ذکر کیا جاتا تھا اس کے علاوہ اور کسی (فضول) بات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبول نہیں کرتے تھے۔ مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس علم کی طلب لے کر آتے تھے اور جب واپس جاتے تھے تو علم کا ذائقہ چکھ چکے ہوتے تھے اور نیکی کے رہ نما بن چکے ہوتے تھے۔

پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے والد رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

گھر سے باہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا معمولات تھے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بتایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف با مقصد کلام کرتے تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تالیف کرتے تھے اور ان سے انسیت رکھتے تھے ان کو متنفر نہیں کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر قوم کے معزز آدمی کی تکریم کرتے اور اس کو اس کی قوم کا حاکم بنا دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈراتے اور لوگوں کے شر سے خود کو محفوظ رکھتے۔ اپنے اصحاب کے حالات کی تفتیش کرتے اور یہ معلوم کرتے کہ عام لوگ کس حال میں ہیں۔ اچھی چیز کی تحسین اور تقویت کرتے اور بری چیز کی مذمت کرتے اور اس کو کمزور کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ میانہ روی سے کام لیتے اور مسلمانوں کے احوال سے غافل نہ رہتے مبادا وہ غافل اور سست ہو جائیں یا اکتا جائیں ہر حالت کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکمل تیاری ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حق بات میں تقصیر کرتے نہ تجاوز کرتے۔ مسلمانوں میں سے بہترین لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم مجلس ہوتے جو شخص لوگوں کا زیادہ خیر خواہ ہوتا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بڑے درجہ والا ہوتا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے والد رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کیسی ہوتی تھی۔

انہوں نے فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نشست برخواست کرنے کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مجلس میں تشریف لے جاتے تو جس جگہ مجلس ختم ہوتی تھی وہاں بیٹھ جاتے تھے۔ اور مسلمانوں کو بھی اسی کا حکم دیتے تھے۔ اور اپنے ہم نشینوں میں سے ہر ایک کو اس کا حصہ دیتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ہم نشین یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ کوئی اور شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اس سے زیادہ معزز ہے۔ جب کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھتا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتا تو جب تک وہ خود نہ چلا جاتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے رہتے اور جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی حاجت پیش کرتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی حاجت پوری فرماتے یا نرمی سے عذر بیان کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کشادہ پیشانی اور خوش اخلاقی سب لوگوں کے لئے عام تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب مسلمانوں کے لئے بہ منزلہ باپ تھے اور

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب لوگوں کے حقوق یکساں تھے۔آپ صلی اللہ علیہ و
مجلس علم، حیاء، صبر اور امانت کی مجلس ہوتی تھی۔اس میں نہ آوازیں بلند ہوتی تھیں اور نہ کسی پر عیب لگایا جاتا تھا۔اگر بالفرض
سے غلطی ہو جائے تو اس کو آشکارا نہیں کیا جاتا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تمام مجلس والے برابر تھے بلکہ ان کو تقو
وجہ سے دوسروں پر برتری حاصل ہوتی تھی وہ سب منکسر اور متواضع تھے۔مجلس میں بڑوں کی تعظیم کرتے تھے اور چھوٹوں
شفقت کرتے تھے۔ضرورت مندوں کے لئے ایثار کرتے تھے اور مسافر کے حقوق کا خیال رکھتے تھے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2754)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چادر لے کر آئی جس کے کناروں پر بنائی کی ہوئی تھی۔

اس نے کہا:

میں نے اس چادر کو اپنے ہاتھ سے بنا ہے تا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہناؤں۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چادر کی
ضرورت تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے وہ چادر لے لی پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بہ طور تہبند باندھ کر
آئے۔ایک شخص نے اس چادر کی تحسین کی۔

اور کہا:

یہ بہت اچھی چادر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ چادر مجھے دے دیں۔

مسلمانوں نے اس شخص سے کہا۔

تم نے اچھا نہیں کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کی وجہ سے اس چادر کو پہنا تھا پھر تم نے آپ صلی اللہ علیہ و
سے وہ چادر مانگ لی حالانکہ تم کو معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کا سوال رد نہیں کرتے۔

اس نے کہا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے پہننے کے لئے یہ چادر نہیں مانگی میں نے تو اپنا کفن بنانے کے لئے یہ چادر مانگی ہے۔

حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے کہا:

پھر وہ چادر اس کا کفن بن گئی۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 1277)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

یہودیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا۔

السام علیکم (تم پر موت آئے)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا

تم پر موت آئے اور تم پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اور تم پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے عائشہ (رضی اللہ عنہا) رک جاؤ تم نرمی کو لازم رکھو اور تم موجب عار باتوں اور بد کلامی سے اجتناب کرو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا نہیں انہوں نے کیا کہا تھا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں نے ان کی بات ان پر لوٹا دی تھی اور ان کے متعلق میری دعا قبول ہوگی اور میرے متعلق ان کی دعا قبول نہیں ہوگی۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6030)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اہل مدینہ کی باندیوں میں سے کوئی باندی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتی وہاں لے جاتی۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6072)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف ایک غزوہ میں گئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آئے تو وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ واپس آ گئے۔ ایک وادی جس میں بہت زیادہ درخت تھے وہاں سب کو نیند آ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ٹھہر گئے اور لوگ منتشر ہو کر درختوں کے سائے میں آرام کرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے اترے اور اپنی تلوار درخت پر لٹکا دی اور ہم لوگ سو گئے اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بلا رہے تھے اور اس وقت اعرابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑا ہوا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس وقت میں سویا ہوا تھا تو اس اعرابی نے مجھ پر تلوار سونت لی میں بیدار ہوا تو وہ برہنہ تلوار لیے ہوئے کھڑا تھا۔

اس نے کہا:

تمہیں مجھ سے کون بچائے گا۔

میں نے تین بار کہا۔

اللہ تعالیٰ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سزا نہیں دی اور بیٹھ گئے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 2910)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو بوسہ دیا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس الا بن حابس تمیمی بھی بیٹھا ہوا تھا۔

اس نے کہا:

میرے دس بیٹے ہیں اور میں نے ان میں سے کسی کو بوسہ نہیں دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھ کر ارشاد فرمایا:

جو شخص کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5997)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی سائل آتا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حاجت طلب کی جاتی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے۔

تم (اس کی) سفارش کرو تم کو اجر دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان سے جو چاہے گا فیصلہ فرمائے گا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 1432)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر ایک نجرانی چادر تھی جس کے کنارے موٹے تھے۔ ایک اعرابی نے اس چادر کو پکڑ کر سختی کے ساتھ کھینچا میں نے دیکھا کہ اس چادر کو سختی کے ساتھ کھینچنے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر نشان پڑ گئے تھے۔

پھر اس اعرابی نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جو اللہ تعالیٰ کا مال ہے اس سے مجھے دینے کا حکم دیجئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کچھ عطا کرنے کا حکم دیا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6088)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے کی مذمت نہیں کی اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی چیز پسند ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو کھا لیتے ورنہ اس کو چھوڑ دیتے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3563)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا کسی بیوی کو نہ کسی خادم کو سوا اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے تھے اور جب بھی کسی شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے انتقام نہیں لیا۔ ہاں! اگر اللہ تعالیٰ کی حرمات اور اس کی حدود کو کسی نے پامال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے لئے انتقام لیتے تھے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2328)

ایک اور روایت میں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

ایک دن انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جنگ احد سے بھی زیادہ کوئی سخت دن آیا تھا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں نے تمہاری قوم کی طرف سے جو تکلیفیں اٹھائی ہیں وہ اٹھائی ہیں اور سب سے زیادہ تکلیف یوم عقبہ (جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کی گھاٹیوں میں جا کر تبلیغ کی تھی) کو اٹھائی تھی اس دن میں نے اپنے آپ کو ابن عبد یالیل بن عبد کلال پر پیش کیا میں جو کچھ کہتا تھا اس نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا پھر میں انتہائی افسردگی کے ساتھ چل پڑا میں اس وقت قرن الثعالب میں تھا اور میرا غم ابھی دور نہیں ہوا تھا میں نے سر اوپر اٹھایا تو ایک بادل نے مجھ پر سایہ کیا ہوا تھا میں نے دیکھا تو وہاں حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے۔

انہوں نے مجھے آواز دی اور کہا:

بے شک اللہ تعالیٰ نے سن لیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو کیا پیغام سنایا اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جواب دیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہاڑوں کے فرشتہ کو بھیجا ہے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو چاہیں اس کو حکم دیں پھر پہاڑوں کے فرشتے نے مجھے آواز دی اور مجھے سلام کیا۔

پھر کہا۔

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تو میں ان لوگوں کو دو پہاڑوں کے درمیان پیس ڈالوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بلکہ میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی پشتوں سے ایسے لوگوں کو نکالے گا جو اللہ وحدہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3231)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مشرکین کے خلاف دعا کیجئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا مجھے تو صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2599)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں مزاح بھی کرتا ہوں لیکن میں حق کے سوا کوئی بات نہیں کہتا۔

(مجمع الزوائد: رقم الحدیث: 14201)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم وعظ فرماتے تو ہم دل میں کہتے کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو عذاب سے ڈرائیں گے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کیفیت دور ہو جاتی تو میں دیکھتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ کشادہ رو سب سے زیادہ خوش طبع اور سب سے زیادہ حسین لگتے۔

(مسند البزار: رقم الحدیث: 2477)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے میں کنواری لڑکی کے چہرے سے زیادہ شرم وحیاء ہوتی تھی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی چیز ناگوار ہوتی تھی تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے جان لیتے تھے۔

(مجمع الزوائد: رقم الحدیث: 14205)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے میرے اوپر آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہوا جو مجھ سے پہلے کسی نبی پر نازل نہیں ہوا تھا اور نہ میرے بعد کسی پر نازل ہوگا اور وہ اسرافیل ہیں اور ان کے ساتھ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے۔

انہوں نے کہا:

السلام علیك یا محمد ۔
میں آپ کے پاس آپ کے رب عزوجل کا پیغام لانے والا ہوں مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار دوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں تو نبی اور عبد رہیں اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں تو نبی اور بادشاہ ہو جائیں میں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف دیکھا انہوں نے تواضع کرنے کا اشارہ کیا۔

پس اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا:
اگر میں نبی بادشاہ کہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چلتے۔
(معجم الکبیر: رقم الحدیث: 13309)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوا کپکپا رہا تھا۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا:
تم آرام اور اطمینان سے کھڑے رہو کیونکہ میں بادشاہ نہیں ہوں میں قریش کی ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو گوشت سکھا کر کھاتی تھی۔
(معجم الاوسط: رقم الحدیث: 1282)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آدھی رات کے وقت بھی جو کی روٹی کھانے کے لئے بلاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلے جاتے تھے۔
(معجم الصغیر: رقم الحدیث: 41)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد کی طرف گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ گیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتی ٹھیک کرنے لگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاتھ سے جوتی لے لی۔
اور ارشاد فرمایا:
یہ خود پسندی اور خود کو دوسرے پر ترجیح دینا ہے اور میں خود پسندی کو پسند نہیں کرتا۔
(مسند البزار: رقم الحدیث: 2468)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

وہ اپنے اونٹ پر سفر کر رہے تھے جس نے ان کو تھکا دیا تھا (یعنی وہ تیز نہیں چل رہا تھا) حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اسے چھوڑنے کا ارادہ کیا۔

وہ کہتے ہیں کہ

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے آ ملے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور اس اونٹ پر ایک ضرب لگائی پھر وہ اس قدر تیز چلنے لگا کہ اس طرح کوئی اونٹ نہیں چل رہا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھے یہ اونٹ چالیس دراہم کے عوض فروخت کر دو۔

میں نے کہا:

نہیں (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلا قیمت لے لیں)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ارشاد فرمایا کہ

مجھے فروخت کر دو تو میں نے چالیس دراہم کے عوض اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ فروخت کر دیا اور میں نے اس پر سوار ہو کر مدینہ اپنے گھر تک جانے کا استثناء کر لیا پس جب میں اپنے گھر پہنچ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اونٹ لے گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کی نقد قیمت ادا کر دی اور ایک قیراط زیادہ دی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بھیج کر مجھے بلوایا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے اونٹ خریدنے کے لئے تمہیں قیمت کم دی ہے جاؤ یہ اونٹ لے جاؤ اور یہ دراہم بھی لے جاؤ۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 715)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو پہاڑوں کے درمیان کی بکریاں مانگیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو وہ بکریاں عطا فرما دیں پھر وہ اپنی قوم کے پاس گیا۔

اور کہنے لگا کہ

اے میری قوم! سلام لے آؤ کیونکہ خدا کی قسم! بے شک (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اتنا دیتے ہیں کہ فقر و غربت کا خدشہ نہیں رہتا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2312)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پردہ میں رہنے والی کنواری لڑکی سے زیادہ حیاء فرمانے والے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ

کوئی چیز ناپسند ہوتی تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ سے جان لیتے۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2320)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو بوسہ دیا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس الاقرع بن حابس تمیمی بھی بیٹھا ہوا تھا۔
اس نے کہا:
میرے دس بیٹے ہیں اور میں نے ان میں سے کسی کو بوسہ نہیں دیا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا:
جو شخص کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5997)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
گویا کہ میں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں میں سے کسی نبی کا واقعہ بیان فرما رہے تھے ان کی قوم نے ان کو زدوکوب کیا اور ان کا چہرہ خون آلود کر دیا اور وہ اپنے چہرے سے خون پونچھتے ہوئے دعا کر رہے تھے کہ اے میرے رب عزوجل! میری قوم کو معاف کر دے کیونکہ وہ مجھے نہیں جانتے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6929)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے کی مذمت نہیں کی اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی چیز پسند ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو کھا لیتے ورنہ اس کو چھوڑ دیتے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3563)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں نے نہیں دیکھا کہ کبھی کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کان کے ساتھ اپنا منہ لگایا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پاس اپنا سر ہٹا لیا حتیٰ کہ وہ خود سر ہٹاتا تھا اور میں نے نہیں دیکھا کہ کسی شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا ہو حتیٰ کہ وہ خود اپنا ہاتھ چھڑا لیتا تھا۔
اور امام ترمذی کی روایت میں ہے۔

جب کوئی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا ہاتھ نہیں چھڑاتے تھے حتیٰ کہ وہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا ہاتھ چھڑا لیتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص سے چہرہ نہیں پھیرتے تھے حتیٰ کہ وہ شخص خود اپنا چہرہ پھیر لیتا تھا۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 4794) (سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2490)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک عورت نے مدینہ منورہ کے راستوں میں سے کسی راستہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی حاجت پیش کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے ام فلاں! تم مدینہ کی گلیوں میں سے کسی گلی میں بھی بیٹھ جاؤ میں تمہارے پاس بیٹھ جاؤں گا اس عورت نے ایسا ہی کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس بیٹھ گئے حتیٰ کہ اس کی حاجت پوری کر دی۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2326)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مریض کی عیادت کرتے تھے جنازہ کے ساتھ جاتے تھے خادم کی دعوت قبول کر لیتے تھے اور دراز گوش پر سوار ہو جاتے تھے۔ میں نے خود جنگ خیبر کے دن دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم دراز گوش پر سوار تھے اس کی لگام خشک گھاس کی تھی۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 1017)

ایک اور روایت میں ہے کہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دراز گوش کی ننگی پشت پر سوار ہوتے تھے اور خادم کی دعوت کو قبول فرما لیتے تھے اور زمین پر سوتے تھے اور زمین پر بیٹھ جاتے تھے اور زمین پر (بیٹھ کر) کھاتے تھے۔

اور فرماتے تھے کہ

اگر مجھے بکری کے ایک پائے کو کھانے کی بھی دعوت دی گئی تو میں چلا جاؤں گا اور اگر مجھے بکری کی ایک دستی کی بھی دعوت دی گئی تو میں اس کو قبول کر لوں گا۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 1338)

حضرت یوسف علیہ السلام نے رقم کجاووں میں رکھوائی یا بوریوں میں

حضرت یوسف علیہ السلام کو غلہ کے عوض جو بھائیوں نے رقم دی تھی وہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بوریوں میں دو

ہوائی تھی۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے کارندوں سے فرمایا کہ
ان لوگوں کی قیمت میں دی ہوئی پونجی ڈال دوان ہی کے سامان میں یا گندم کی بوریوں میں جس کو وہ سی رہے تھے یا ان کے کجاووں، بستروں میں۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ کجاوے اور بستر بھائیوں کے قبضے میں تھے اور بوریاں ابھی کارندوں کے پاس تھیں اور قیمت حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس اگر بستروں یا کجاووں میں قیمت واپس رکھی جاتی تو یا اسی وقت پتہ لگ جاتا یا راستے میں جب کبھی بستر کھولتے جبکہ گندم کی بوریاں گھر ہی جا کر کھلنی تھیں اور منشاء یوسفی بھی یہی تھا۔
(تفسیر نعیمی: ج:13،ص:51 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بھائیوں کا حضرت یعقوب علیہ السلام کو بنیامین ساتھ لے جانے کا کہنا

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی واپس گھر پہنچ گئے تو انہوں نے اپنے والد محترم حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ ہمیں غلہ لینے سے دوبارہ روک دیا گیا ہے آپ علیہ السلام ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیجئے تا کہ ہم دوبارہ غلہ لے آئیں۔ اور ہم اس کی حفاظت بھی کریں گے۔
قرآن مجید میں ہے:
فَلَمَّا رَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَبِیْهِمْ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَیْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَاۤ اَخَانَا نَكْتَلْ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ○
(یوسف:63)
پس جب وہ اپنے باپ کی طرف لوٹے تو انہوں نے کہا اے ہمارے باپ! ہمیں (آئندہ) غلہ لینے سے منع کر دیا گیا ہے آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیجئے تا کہ ہم غلہ لا سکیں اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کریں گے۔

سامان کھولنے سے پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام کو ساتھ لے جانے کا کہنا

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی گھر جاتے ہی اور سامان کھولنے سے پہلے ہی حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ بنیامین کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے ورنہ ہمیں غلہ نہیں ملے گا۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
جب وہ نو بھائی مصر سے واپس اپنے شہر اور اپنے گھر لوٹے تو جاتے ہی گھر میں گھستے ہی سب کہنے لگے کہ اے ہمارے ابا جان ہم آئندہ سال کے لئے غلہ لینے سے منع کر دیئے گئے ہیں۔
روایتوں میں ہے کہ
ابھی سامان بھی نہیں کھولا تھا کہ یہ پیغام سنا دیا یا اس لیے کہ دربار یوسفی کی گزری ہوئی چند گھڑیاں عزت افزائی، دعوتیں، محبت بھری گفتگو اتنی یاد آ رہی تھیں کہ جلد از جلد دوبارہ حاضری کے لئے دل بیقرار ہو رہے تھے اور محبت پھوٹی پڑ رہی تھی۔
(تفسیر نعیمی: ج:13،ص:52 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا شمعون کے متعلق پوچھنا

جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے شمعون کو حاضر نہ پایا تو ارشاد فرمایا کہ شمعون کہاں ہے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

والد محترم نے پوچھا:

شمعون کہاں ہے تو سارا واقعہ سنا دیا کہ ہم نے جب حاضری دی تو اہل مصر اور وہاں کی انتظامیہ نے ہم پر جاسوسی کی تہمت لگا کر عزیز مصر کی عدالت میں پیش کر دیا انہوں نے چھان بین کی تو ہم نے بتا دیا کہ ہمارا ایک بھائی اور بھی ہے جو گھر میں بوڑھے والد محترم کی خدمت کے لئے چھوڑ آئے ہیں۔

عزیز مصر نے کہا کہ

اگر تم سچے ہو تو اس کو لے کر آنا اور اس دفعہ ہم کو اسی بھائی کا حصہ اور آپ کا حصہ بھی دیا گیا ہے لیکن آئندہ سال جب تک بنیامین کو لے کر نہیں جائیں گے اس وقت بالکل گندم نہ ملے گی بلکہ ہو سکتا ہے کہ ہم کو جھوٹا سمجھا جائے اور دھوکہ دہی کے الزام میں قید ہی کر لیا جائے لہٰذا اے ابا جان تو ہمارے ساتھ ہمارے بھائی بنیامین کو بھیج دینا ضرور ضرور اور پہلی غلطی کو مدنظر مت رکھنا اب ایسی غلطی نہ ہو گی بلکہ بے شک ہم اس کی خوب حفاظت کرنے والے ہوں گے اگر یہ بھائی چلے تو ہم غلہ ناپ تول سے پا سکتے ہیں۔

(تفسیر نعیمی ج 13 ص 52 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو اعتبار یوسف علیہ السلام کی مانند اعتبار کا جواب دیا

جب بیٹوں نے کہا کہ بنیامین کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے ورنہ ہم کو دوبارہ غلہ نہیں ملے گا ہم اس کی خوب حفاظت کریں گے حضرت یعقوب علیہ السلام نے جواب ارشاد فرمایا کہ میں اس کے متعلق تم پر اس طرح اعتبار کروں گا جس طرح میں اس سے پہلے اس کے بھائی کے متعلق تم پر اعتبار کر چکا ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۝ (یوسف:64)

(ان کے باپ نے) کہا کیا اس کے متعلق میں تم پر اس طرح کروں جس طرح میں اس سے پہلے اس کے بھائی کے متعلق تم پر اعتبار کر چکا ہوں پس اللہ ہی سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور وہی سب سے رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

یہ تو خیر ہوئی کہ اللہ اس کی حفاظت فرمانے والا ہے

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تو خیر ہوئی کہ اللہ اس کی حفاظت فرمانے والا ہے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے جواباً ارشاد فرمایا:

اب بیٹو کیا اب پھر تم پر اعتماد کرلوں اس بنیامین کے بارے میں ویسا ہی جیسا کہ میں نے ایک دفعہ پہلے تم پر اعتبار کرلیا تھا کے بھائی یوسف (علیہ السلام) کے بارے میں یہ تو خیر ہوئی کہ اللہ اس کی حفاظت فرمانے والا ہے اور وہی اللہ سب ماں باپ دوست احباب، رشتے داروں وغیرہ سے زیادہ رحم کرنے والا ہے تو اب بھی اللہ ہی اچھا ہے حفاظت کرنے والا ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13،ص:52 نعیمی کتب خانہ لاہور)

سامان کھولتے وقت پیسوں کی تھیلی پانا

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے سامان کھولا تو انہوں نے سامان میں پیسوں کی تھیلی پائی۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ (یوسف:65)

اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو اس میں انہوں نے اپنے پیسوں کی تھیلی دیکھی جو ان کی طرف لوٹا دی گئی تھی۔

بوری میں دی ہوئی رقم اوپر رکھی ہوئی تھی

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے سامان کھولا اور بوریوں کو کھولا تو ہر بوری میں دی ہوئی قیمت اوپر ہی رکھی تھی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

گفت وشنید کے بعد اپنے سامان کی طرف متوجہ ہوئے یا خود والد محترم نے ان سے فرمایا کہ اچھا سامان کھولو تا کہ گھر میں آنے سے پہلے برکت کی دعا کی جائے سامان ابھی تک باہر اونٹوں پر ہی لدا ہوا تھا وہاں سے اٹھا کر لائے اور جب بوریوں کو کھولا ہر بوری میں اس کی دی ہوئی قیمت اوپر رکھی ہوئی تھی۔

(تفسیر نعیمی: ج:13،ص:61 نعیمی کتب خانہ لاہور)

رقم کی تھیلی پا کر حضرت یعقوب علیہ السلام کو مزید یقین دلانا

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے رقم کی تھیلی ہر بوری میں پائی تو بہت خوش ہوئے اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہنے لگے اے ہمارے والد محترم اس سے بڑھ کر اور ہمیں کیا چاہئے کہ ہماری رقم کی تھیلی واپس کردی گئی ہے ہم اپنے گھر والوں کے لئے غلہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت بھی کریں گے اور ایک اونٹ پر لدا ہوا غلہ زیادہ لائیں گے لہٰذا ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مَا نَبْغِیْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَیْنَا ۚ وَنَمِیْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَیْلَ بَعِیْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَیْلٌ یَّسِیْرٌ ۝ (یوسف:65)

انہوں نے کہا اے ہمارے باپ! ہمیں اور کیا چاہئے! یہ ہماری رقم کی تھیلی ہمیں لوٹا دی گئی ہے ہم اپنے گھر والوں

کے لئے غلہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ پر لدا ہوا غلہ زیادہ لائیں گے اور (بادشاہ کے لئے) یہ تو معمولی مقدار ہے۔

ہمیں رقم بھی واپس کردی گئی

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو مزید یقین دلایا کہ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی بھیج دیں اس سے بڑھ کر اور ہم کیا چاہتے ہیں کہ ہمیں رقم بھی واپس کردی گئی ہے اور ہمیں پورا پورا پیمانہ دیا گیا ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

(انہوں نے کہا)

اور ہم کیا چاہتے ہیں ہمارے پیسے بھی واپس کردیئے گئے ہیں اور ہمیں پورا پورا پیمانہ دیا گیا ہے ہم ایک اونٹ کا بوجھ زیادہ لائیں گے۔

(جامع البیان: ج:13، ص:17 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جانا دو وجہ سے ضروری ہوا

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جانا دو وجہ سے ضروری ہوا ایک غلہ لانا دوسرا شمعون کو چھڑانا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

چونکہ ہمیں جانا ضروری ہے دو وجہ سے۔

ایک یہ کہ

غلہ لانا ہے جس کے بغیر گزارہ نہیں۔

دوسرا یہ کہ

اپنے بھائی شمعون کو چھڑانا ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:61 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا بنیامین کو بھائیوں کے ساتھ بھیجنے پر بیٹوں سے عہد لینا

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بنیامین کو ساتھ بھیجنے پر بیٹوں سے یہ عہد لیا کہ ان کو واپس ضرور لے آؤ گے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِیْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یُّحَاطَ بِكُمْ ۚ (یوسف:66)

(ان کے باپ نے) کہا میں اس کو تمہارے ساتھ ہرگز نہیں بھیجوں گا حتیٰ کہ تم اللہ کو گواہ کر کے مجھ سے یہ عہد نہ کرو کہ تم اس کو ضرور میرے پاس لے کر آؤ گے ماسوا اس کے کہ تم کسی مصیبت میں گھر جاؤ۔

ں کا عہد پورا کرنے پر حامی بھرنا

جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں سے عہد لیا کہ تم بنیامین کو واپس ضرور لاؤ گے تو انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے عہد کرلیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝ (یوسف:66)

جب انہوں نے اپنے باپ سے عہد کرلیا تو اس نے کہا ہم جو عہد کر رہے ہیں اس پر اللہ گواہ ہے۔

ہد کا معنیٰ اور اقسام

عہد کا معنیٰ ہے قول، اقرار اور معاہدہ وغیرہ۔

علامہ راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:

کسی چیز کی حفاظت اور اس کی بتدریج رعایت کرنے کو عہد کہتے ہیں اور جس چیز کا عہد کیا جائے اس کو پورا کرنا لازم ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل:34)

اور عہد کو پورا کرو کیونکہ عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

عہد کی کئی قسمیں ہیں۔

1- اللہ تعالیٰ کا عہد کبھی ہماری عقلوں میں مرکوز اور ہماری فطرت میں پیوست ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا عہد ہماری عقلوں مرکوز ہے۔

2- اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی وساطت سے کتاب اور سنت کے ذریعہ ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ ہم اس کے تمام احکام پر عمل کریں گے۔

3- کبھی کوئی عبادت ابتداءً ہم پر لازم نہیں ہوتی ہم نذر مان کر اس عبادت کو اپنے اوپر فرض کر لیتے ہیں یہ نذر بھی ہمارا عہد ہے۔

4- دو عقد کرنے والے آپس میں کوئی بات طے کر لیتے ہیں اور اس کو وثیقہ یا اسٹامپ پیپر پر لکھ لیتے ہیں۔

5- مسلمان حکومتیں کافر حکومتوں سے باہمی دلچسپی کا کوئی معاملہ طے کر لیتی ہیں مثلاً تجارت یا صنعت و حرفت اور ثقافت سے متعلق امور۔

6- مسلمان حکومت اہل کتاب سے جزیہ لے کر ان کے جان و مال کی حفاظت کرنے کا وعدہ کرتی ہے اس کو بھی عہد کہتے ہیں عہد کی ان تمام اقسام کا پورا کرنا لازم ہے۔

(المفردات: ج:2، ص:455 مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ)

عہد کو پورا کرنے کا حکم

عہد کو پورا کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾ (بنی اسرائیل:34)

اور عہد کو پورا کرو کیونکہ عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

مومنوں کا اللہ تعالیٰ سے عہد

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات سے عاجز ہے کہ وہ ہر صبح وشام اللہ تعالیٰ سے عہد کرے۔

پوچھا گیا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کیسے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ ہر صبح اور شام کو یہ کہے کہ اے اللہ عزوجل! آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والے، غیب اور شہادت کو جاننے والے میں تیری طرف اس دنیا کی زندگی میں یہ عہد کرتا ہوں کہ میں یہ شہادت دوں گا کہ تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو واحد ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں ہے اور بے شک (سیّدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں تو مجھے میرے نفس کی طرف نہ سونپ دینا کیونکہ اگر تو نے مجھے میرے نفس کی طرف سونپ دیا تو وہ مجھے خیر سے دور اور شر سے قریب کر دے گا میں تیری رحمت کے سوا اور کسی چیز پر اعتماد نہیں کرتا پس تو میرے لیے اپنے پاس عہد کر لے جس کو تو قیامت کے دن پورا کرے بے شک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا پس جب وہ یہ کلمات پڑھ لے گا تو اللہ تعالیٰ ان کلمات پر مہر لگا کر ان کو عرش کے نیچے رکھ دے گا اور جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک منادی یہ ندا کرے گا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جن کا اللہ تعالیٰ کے پاس عہد ہے پھر وہ کھڑے ہو جائیں گے اور جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

(مستدرک: رقم الحدیث:3418)

عہد شکنی پر وعیدیں

جس نے کسی سے عہد کیا اسے پورا کرنا ضروری ہے کیونکہ عہد کے متعلق بروز قیامت پوچھا جائے گا عہد شکنی کے متعلق احادیث مبارکہ ہیں مگر چند نقل کرتا ہوں۔

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے نوکروں اور بال بچوں کو جمع کیا۔

اور ارشاد فرمایا:
میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ
عہد شکن کے لئے قیامت کے دن جھنڈا نصب کیا جائے گا اور ہم نے اس شخص سے بیعت کی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت ہے اور میرے علم میں اس سے بڑی عہد شکنی نہیں ہے کہ ایک شخص کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کرے اور پھر اس سے جنگ کرنا شروع کر دے اور مجھے تم میں سے جس شخص کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ وہ اس شخص سے بیعت توڑ رہا ہے اور اس بیعت کو قائم نہیں رکھا رہا میرے اور اس کے درمیان تعلق منقطع ہو جائے گا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:7111)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
قیامت کے دن عہد شکن کے لئے جھنڈا بلند کیا جائے گا۔
اور فرمایا جائے گا کہ
یہ فلاں بن فلاں کی عہد شکنی ہے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث:6177)

بیٹوں نے رب محمد عزوجل صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھائی

جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں سے عہد لیا کہ تم ان کو واپس ضرور لاؤ گے تو انہوں نے رب محمد عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھائی۔
تفسیر نعیمی میں ہے کہ
والد محترم کی یہ بات سن کر سب نے بڑے زوردار اور پر خلوص جذبات کے ساتھ قسمیں کھائیں۔
تفسیر مظہری میں ہے کہ
انہوں نے آخر میں کہا کہ
ہم کو رب محمد (عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم) کی قسم۔
تب حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کا قلبی خلوص اور جذبۂ محبت محسوس فرمالیا یہ جذبہ اور خلوص اس وقت نہ تھا جبکہ واقعہ یوسف پیش آیا خلوص قلبی کی شان ہی جداگانہ ہے خلوص ہو تو اشاروں کنایوں سے بھی ظاہر ہو جاتا ہے اسی خلوص کو دیکھ کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی باتوں کو بیٹوں کی باتوں کے ساتھ شامل فرما کر ایک درجہ دیتے ہوئے فرمایا:
اَللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ٥

(تفسیر نعیمی: ج:13،ص:62 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا بیٹوں کو الگ الگ دروازے سے داخل ہونے کا فرمانا

جب بیٹوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے عہد کرلیا کہ ہم بنیامین کو واپس ضرور لے آئیں گے تو آپ علیہ السلام فرمایا کہ تم ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ الگ الگ دروازے سے داخل ہونا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ قَالَ یٰبَنِیَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍؕ (یوسف:67)

اور اس نے کہا اے میرے بیٹو (شہر میں) تم سب ایک دروازے سے داخل نہ ہونا اور الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے نظر لگنے کی وجہ سے الگ الگ دروازے سے داخل ہونے کا فرمایا

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو الگ الگ دروازے سے داخل ہونے کا اس لیے فرمایا کہ ان کو نظر لگنے سے بچایا جائے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت یعقوب علیہ السلام کو بیٹوں پر نظر لگنے کا خطرہ تھا اس لیے انہوں نے علیحدہ علیحدہ دروازوں سے داخل ہونے کا حکم فرمایا تھا۔

(جامع البیان: ج:13،ص:17 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نظر لگنے کی تحقیق

نظر لگنا برحق ہے اور اس کے متعلق کئی احادیث مبارکہ وارد ہوئی ہیں۔ جن سے نظر لگنے پر تصریح ہے۔ جیسا کہ درج ذیل احادیث مبارکہ ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نظر برحق ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھورنے سے منع فرمایا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:5740)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نظر بد کے دم کرانے کا حکم فرمایا تھا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:5738)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو دم کرتے ہوئے فرماتے تھے۔ تمہارے باپ حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام بھی دم کرتے ہوئے فرماتے تھے میں (تم کو) شیطان، ہر زہریلے کیڑے اور نظر لگانے والی آنکھ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتا ہوں۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3371)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں نے اپنے والد کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ سہل بن حنیف نے خرار (مدینہ کی ایک وادی) میں غسل کیا اور انہوں نے اپنا جبہ اتارا اور عامر بن ربیعہ ان کو دیکھ رہے تھے اور سہل گورے رنگ کے بہت خوبصورت شخص تھے۔
عامر بن ربیعہ نے انہیں دیکھ کر کہا۔
اتنے گورے رنگ کا اتنا خوبصورت شخص میں نے اس سے پہلے نہیں دیکھا۔ سہل کو اس وقت بخار چڑھ گیا پھر ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر بتایا کہ سہل کو بہت تیز بخار چڑھ گیا ہے اور وہ آپ کے ساتھ نہیں جا سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سہل کے پاس تشریف لے گئے۔
اور سہل نے بتایا کہ
اس طرح مجھے عامر نے نظر بھر کر دیکھا تھا پھر مجھے بخار چڑھ گیا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر سے فرمایا کہ
تم کیوں اپنے بھائی کو قتل کرتے ہو اور تم نے یہ کیوں نہیں کہا۔
تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْهِ ۔
(جب دیکھنے والا کسی اچھی چیز کو دیکھ کر یہ کہے گا تو اس کی نظر نہیں لگے گی)
بے شک نظر کا لگنا برحق ہے تم اس کے لئے وضو کرو عامر نے ان کے لئے وضو کیا پھر وہ بالکل تندرست ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے گئے۔
سنن ابن ماجہ میں ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ
اپنے چہرے کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھوئے اور گھٹنوں کو اور ازار کے اندر جسم کا حصہ دھوئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کے غسالہ کو سہل کے اوپر بہایا جائے۔
(مؤطا امام مالک: 1747، سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 3509)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جعفر کی اولاد پر نظر بہت جلد لگتی ہے کیا میں اس پر دم کرایا کروں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہاں! اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت کر سکتی ہے تو نظر تقدیر پر سبقت کر سکتی ہے۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 2059)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر میں ایک بچی کو دیکھا جس کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو رہا تھا۔ (اس کا رنگ سرخی مائل سیاہ تھا یا زرد تھا بہر حال اس کے چہرے کا رنگ اصل رنگ کے خلاف تھا)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس پر دم کراؤ کیونکہ اس پر نظر لگی ہوئی ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5739)

ان احادیث مبارکہ میں یہ تصریح ہے کہ نظر کا لگنا برحق ہے اور نظر کبھی انسان کو قتل بھی کر دیتی ہے جیسا کہ مؤطا کی حدیث مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تم اپنے بھائی کو کیوں قتل کرتے ہو اس پر تمام امت کے علماء کا اجماع ہے اور یہی اہل سنت کا مذہب ہے بعض بدعتی فرقوں نے نظر لگنے کا انکار کیا ہے لیکن احادیث صحیحہ، امت کا اجماع اور مشاہدہ ان کے انکار کو رد کرتا ہے کتنے لوگ ایسے ہیں جو نظر لگنے کی وجہ سے اپنی جان کھو بیٹھے تاہم نظر لگنا یا نہ لگنا اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے اذن پر موقوف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ط (البقرہ:102)

اور وہ اللہ کے اذن کے بغیر اس جادو سے کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتے تھے۔

اصمعی نے کہا:

میں نے ایک شخص کو دیکھا اس کی نظر بہت لگتی تھی اس نے سنا کہ ایک گائے بہت زیادہ دودھ دیتی ہے اس کو یہ بہت اچھا لگا۔

اس نے پوچھا:

وہ کون سی گائے ہے۔

لوگوں نے کوئی اور گائے بتائی اور اس کو مخفی رکھا لیکن وہ دونوں گائیں مرگئیں۔

اصمعی نے کہا:

میں نے اس شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب مجھے کوئی اچھی چیز لگتی ہے اور میں اس کو دیکھتا ہوں تو میری آنکھوں سے ایک

کی حرارت خارج ہوتی ہے۔
ہر مسلمان پر واجب ہے کہ جب اس کو کوئی چیز اچھی لگے تو یہ کہے۔
تَبَارِكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْهِ
ترجمہ: ''اللہ برکت والا ہے جو سب سے حسین پیدا کرنے والا ہے اے اللہ! اس چیز میں برکت دے۔''
جب کوئی شخص کسی اچھی چیز کو دیکھ کر یہ کہے گا تو پھر اس کی نظر نہیں لگے گی جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر بن ربیعہ کو ارشاد فرمایا تھا۔
جس شخص نے یہ کلمات نہیں کہے اور اس کی نظر لگ گئی تو اس کو غسل کرنے کا حکم دیا جائے۔ اور اگر وہ غسل نہ کرے تو اس کو غسل کرنے پر مجبور کیا جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امر وجوب کے لئے ہے۔ خصوصاً اس صورت میں کہ جب اس شخص کی ہلاکت کا خطرہ ہو جس پر اس کی نظر لگی ہے اور کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کو نفع سے روکنا اور اس کو ضرر پہنچانا جائز نہیں ہے اور غسل کے بعد اس شخص کا غسالہ اس پر بہایا جائے جس پر نظر لگی ہے۔ جس شخص کی نظر کا لگنا مشہور ہو اس کو لوگوں کے پاس جانے سے روک دیا جائے تا کہ لوگوں کا ضرر نہ ہو۔
بعض علماء نے کہا کہ
قاضی یا حاکم کو چاہئے کہ اسے اس کے گھر میں بند کر دے اور اگر وہ تنگ دست ہو تو اس کو سرکاری طور پر رزق بھی مہیا کرے اور لوگوں کو اس کی اذیت سے بچائے۔
اور ایک قول یہ ہے کہ
اس کو شہر بدر کر دیا جائے لیکن مؤطا امام مالک کے حوالے سے جو حدیث ذکر کی ہے کہ وہ ان اقوال کو مسترد کرتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر بن ربیعہ کو گھر میں بند کیا تھا نہ شہر بدر کیا تھا بلکہ کبھی کسی نیک آدمی کی بھی نظر لگ جاتی ہے اور یہ کوئی عیب کی بات نہیں اور نہ ہی اس کی وجہ سے کسی کو فاسق کہا جا سکتا ہے۔ بعض احادیث مبارکہ میں نظر لگ جانے کے بعد دم کرانے کا ارشاد ہے اور بعض احادیث مبارکہ میں جس کی نظر لگی ہے اس کو غسل کرا کر اس کے غسالہ کو اس پر ڈالنے کا حکم ہے جس کی نظر لگی ہے۔ ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ اگر یہ معلوم نہ ہو کہ کس کی نظر لگی ہے تو اس کو غسل کرنے کا حکم دیا جائے۔
(الجامع الاحکام القرآن: جز:9، ص:197 تا 199 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

سوال

بعض لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ کسی شخص کے دیکھنے سے دوسرے شخص کو ضرر کیوں کر پہنچ جاتا ہے حالانکہ وہ اس کے جسم کو نہیں چھوتا جس کی وجہ سے ضرر کا حکم لگایا جائے۔

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں کے طبائع اور ان کے بدنوں کی کیفیات مختلف ہوتی ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دیکھنے والے کی آنکھ سے زہر نکل کر دوسرے کے بدن میں پہنچ جاتا ہے۔

اس کی نظیر یہ ہے کہ

جس شخص کو آشوب چشم ہو اور تندرست آدمی اس کو دیکھے تو اس کو بھی بیماری لگ جاتی ہے اس طرح بعض بیماریوں تندرست آدمی بیماریوں کے پاس بیٹھے تو اس کو وہ بیماری لگ جاتی ہے اگر کسی آدمی کو جمائیاں آ رہی ہوں تو اس کے پاس ہوئے شخص کو بھی جمائیاں آنے لگتی ہیں اسی طرح افعیٰ (سانپ) کے ساتھ نظر ملانے سے بھی اس کا زہر سرایت کر جاتا ہے اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ کسی شخص کی نظر سے ضرر کا پہنچنا اس وجہ سے ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے اور اس کے اذن اور اس کی مشیت پر موقوف ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر دوران خطبہ ارشاد فرمایا:

سفید دھاری دار سانپ اور دم بریدہ سانپ کو قتل کر دو کیونکہ یہ دونوں بصارت کو زائل کر دیتے ہیں اور حمل کو ساقط کر دیتے ہیں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3297)

اس حدیث مبارکہ میں یہ تصریح ہے کہ سفید دھاریوں والے سانپ کے دیکھنے سے بصارت چلی جاتی ہے اور حمل ساقط ہو جاتا ہے اس طرح بعض افاعی (سانپ) ایسے ہیں کہ ان کی نظر سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے اور یہ عام مشاہدہ ہے کہ اسی طرح انسان کا بعض لوگوں سے اس نوع کا تعلق ہوتا ہے کہ ان کے دیکھنے سے انسان کا چہرہ شرمندگی سے سرخ ہو جاتا ہے اور بعض لوگوں سے انسان اس قدر خوف زدہ ہو جاتا ہے کہ ان کے دیکھنے سے اس کا چہرہ زرد پڑ جاتا ہے اور یہ سب نظر کی تاثیرات ہیں اسی طرح بعض لوگوں کے دیکھنے سے انسان بیمار پڑ جاتا ہے اور بعض کو دیکھنے سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے اور یہ روح کی تاثیرات ہیں اور ارواح مختلف ہوتی ہیں۔ بعض روحوں کے طبائع، کیفیات، قوتیں اور خواص بہت جلد تاثیر کرتی ہیں کیونکہ وہ روح بہت خبیث ہوتی ہے اور محض کسی شخص کو دیکھتے ہی اس میں تاثیر کرتی ہے اور بعض روحیں دوسرے شخص کے بدن کے ساتھ اتصال کے بعد تاثیر کرتی ہیں اور اس کی آنکھوں سے ایک معنوی تیر نکل کر دوسرے کے جسم میں پیوست ہو جاتا ہے بہر حال اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی مشیت کے بغیر یہ تاثیر نہیں ہوتی۔

اور اس کا علاج یہ ہے کہ

اگر معلوم ہو کہ فلاں شخص کی نظر لگی ہے تو اس کو غسل کرا کر اس کا غسالہ نظر لگنے والے شخص پر ڈالا جائے ورنہ یہ دعا کر کے اس پر دم کیا جائے۔

اعوذ بکلمات اللہ التامة من کل شیطان وھامة ومن کل عین لامة.

(صحیح بخاری: رقم الحدیث: 3371)

میں ہر شیطان اور ہر زہریلے کیڑے اور ہر نظر بد سے اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ کی پناہ طلب کرتا ہوں۔

(فتح الباری: ج:3، ص:200 تا 201 مطبوعہ لاہور)

حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان پر نظر لگنے کا اندیشہ تھا

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو مختلف دروازوں سے داخل ہونے کا اس لیے فرمایا کہ آپ علیہ السلام کو ان پر نظر لگنے کا اندیشہ تھا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت محمد بن کعب سے روایت ہے کہ

آپ علیہ السلام کو ان پر نظر لگنے کا اندیشہ تھا۔

(جامع البیان: ج:13، ص:19 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے بیٹوں پر نظر لگنے کا خوف تھا

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو مختلف دروازوں سے داخل ہونے کا اس لیے فرمایا کہ آپ علیہ السلام کو اپنے بیٹوں پر نظر لگنے کا خوف تھا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

انہیں اپنے بیٹوں پر نظر کا خوف تھا۔

(جامع البیان: ج:13، ص:19 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اِلَّا حَاجَةً فِیْ نَفْسِ یَعْقُوْبَ قَضٰهَا فرماتے ہیں۔

اپنے بیٹوں پر آپ علیہ السلام کو نظر لگنے کا خوف تھا۔

(جامع البیان: ج:13، ص:18 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے انتہائی خوبصورت تھے

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے انتہائی خوبصورت تھے اس لیے ان پر نظر لگنے کے خوف کی وجہ سے علیحدہ علیحدہ دروازوں سے داخل ہونے کا فرمایا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے انتہائی خوبصورت تھے پس آپ علیہ السلام کو خطرہ لاحق ہوا کہ انہیں نظر نہ لگ جائے۔

(جامع البیان: ج:13، ص:18 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علیحدہ علیحدہ دروازے سے داخل ہونے کے فرمانے کی دوسری وجہ

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو جو علیحدہ علیحدہ دروازے سے داخل ہونے کا فرمایا مفسرین نے ان کی

دوسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ تا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائی سے خلوت میں ملاقات کر سکیں۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

آپ علیہ السلام نے متفرق دروازوں سے جانے کا حکم اس لیے دیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائی سے خلوت میں ملاقات کر سکیں۔

(سنن لسعید بن منصور:ج:5،ص:401 مطبوعہ دار الصمیعی الریاض)

تفسیر نعیمی میں ہے۔

مختلف دروازوں سے شہر میں داخل ہونے کا حکم دینا اس کی اصل حکمت اور وجہ تو یعقوب علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے مگر مفسرین نے تین وجہیں بیان کی ہیں۔

1- یا اس لیے کہ یہ اس وقت مع بنیامین دس بھائی ہیں جب یہ چار دروازوں سے مختلف ہو کر تین تین جائیں گے تو یقیناً بنیامین اکیلا ایک دروازے سے جائے گا جو محل کے سرا کا قریبی دروازہ ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جلدی خلوت میں پہنچ جائے گا کیونکہ کنعانی دروازہ محل کے قریب تھا یہ قول تفسیر خازن اور تفسیر کبیر نے بیان کیا اس توجیہ سے علم غیب کا ثبوت ملتا ہے۔

2- یا یہ وجہ تھی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے سب بیٹے نہایت وجیہہ، خوبصورت، دراز قد تھے تو آپ علیہ السلام نے اکٹھے ایک والد کی اولاد ہونے کی وجہ سے نظر بد سے بچنے کے لئے یہ حکم فرمایا اس لیے کہ نظر لگ جانا حق ہے اس کا ثبوت قرآن مجید کی سورہ نون والقلم میں آیت سے ہے۔ لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ (الخ)

اور متعدد احادیث مبارکہ سے بھی ہے۔

آقا دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن وحسین (رضی اللہ عنہما) کے لئے یہ دعا پڑھ کر پھونکتے تھے۔

اُعِيْذُكُماَ بِكَلِماَتِ اللّٰهِ التَّآمَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَةٍ وَّمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَاّمَّةٍ

اسی طرح نظر لگ جانے کے بعد نظر اتارنے کے لئے عملیات کی کتابوں میں بہت طریقے اور تعویز رائج ہیں جن سے واقعی فائدہ ہوتا ہے۔

مشہور ہے کہ چار شخصوں کی نظر بہت لگتی ہے۔

1- جو الٹا پیدا ہو۔

2- جس کی زبان کالی ہو۔

3- بھینگا آدمی۔

4- دو یا تین دن کا بھوکا آدمی۔

شریعت نے چار چیزوں کو برحق فرمایا۔

1- نظر

2- جادو

3-شگون لینا

4-نورانی تعویزات

حضرت یعقوب علیہ السلام نے پہلے اس لیے پابندی نہ لگائی کہ پہلے ان سے کوئی واقف نہ تھا اور ان کے جتھے پر جاسوسی کا الزام لگ گیا تھا اس لیے یہ پکڑے ہوئے دربار یوسفی میں لائے گئے تھے کسی کی نظر نے ان کے حسن و وجاہت پر غور نہ کیا تھا اور نظر لگنے کے لئے یہ قانون ہے کہ کسی عیب میں ملوث نہ ہو مجرم کو نظر نہیں لگتی کیونکہ دیکھنے والے کا دھیان اس کے عیب کی طرف ہے مگر تفسیری توجیہہ زیادہ مضبوط نہیں اگر چہ یہ مفسرین کا اغنی سے دلیل لیتے ہیں مگر مَا كَانَ يُغْنِيْ سے ان کی دلیل ٹوٹ گئی۔

3-تیسری وجہ یہ بیان کرتے ہیں تا کہ سابقہ عزت افزائی کی بناء پر کوئی حسد نہ کرے اور عزیز مصر کے سامنے ان کو آتا دیکھ کوئی جھوٹے الزامات اتہامات کی پہلے جعل سازی نہ کردے جس سے عزیز نظر میں یہ لوگ بے عزت نہ ہوں جیسا کہ پہلے تے ہوتے بچا تھا جب یہ متفرق ہوں گے تو کسی کو ان کے آنے کا پتہ نہ چلے گا مگر یہ بھی اتنی مضبوط توجیہہ نہیں کیونکہ ما یغنی سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ہو گیا جس کو حضرت یعقوب علیہ السلام ظاہراً نہ چاہتے تھے یعنی بنیامین کا باخیریت واپس آجانا چاہتے تھے روکا جانا نہ چاہتے تھے۔لہٰذا پہلی توجیہہ زیادہ مضبوط ہے۔دوسری وجہیں اس لیے نادرست ہیں کہ نہ کسی کو نظر لگی نہ حسد ہوا۔

(تفسیر نعیمی:ج:13،ص:72 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا بیٹوں کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے نہ بچانے کا قول

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو فرمایا کہ تم ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا اور میں تم کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے بالکل بچا نہیں سکتا۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ (یوسف:67)

اور میں تم کو اللہ کی تقدیر سے بالکل بچا نہیں سکتا حکم تو صرف اللہ کا چلتا ہے۔

تقدیر کے معانی و تعریفات

علماء کرام تقدیر کے کئی معانی اور تعریفات بیان کرتے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:

تقدیر کا معنیٰ ہے کسی چیز کی مقدار کو معین کرنا۔

اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا معنیٰ ہے۔

کسی چیز کو حکمت کے تقاضے سے مخصوص مقدار، مخصوص صفت اور مخصوص مدت کے لئے بنانا۔

اور اس کی دو قسمیں ہیں۔

1-کسی چیز کو دفعۃً اور ابتداءً کامل بنانا بایں طور کہ اس میں بعد میں زیادتی کی یا تبدیلی نہ ہو۔

مثال کے طور پر

سات آسمان۔

2۔اس چیز کے اصول موجود بالفعل ہوں اور اس کے اجزاء موجود بالقوۃ ہوں اور اس کو اس انداز سے بنایا جائے کہ اس سے وہ چیز موجود نہ ہو کہ کوئی اور چیز جیسے کھجور کی گٹھلی کو اس انداز سے بنایا کہ اس سے کھجور ہی پیدا ہوگی سیب پیدا نہیں ہوگا انسان کی مٹی کو اس انداز سے بنایا کہ اس سے انسان ہی پیدا ہوگا کوئی اور حیوان پیدا نہیں ہوگا۔

(المفردات:ج:2،ص:511 مطبوعہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

علامہ المبارک بن محمد بن الاثیر الجزری متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

احادیث مبارکہ میں تقدیر کا ذکر بہت زیادہ ہے۔

اس کا معنیٰ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جس کام کو کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اس کا حکم کر دیا۔

(النہایہ:ج:4،ص:20 دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی مصری متوفی 711ھ لکھتے ہیں:

تقدیر کے کئی معانی ہیں۔

1۔کسی چیز کو بنانے اور تیار کرنے میں غور وفکر کرنا۔

2۔کسی چیز کو ختم کرنے کے لئے علامات مقرر کرنا۔

3۔دل میں کسی چیز کو سوچنا اور قیاس کرنا۔

القدریہ وہ فرقہ ہے جو تقدیر کا انکار کرتا ہے۔

اور اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ

تقدیر اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کا نام ہے، انسان کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو انسان کا علم تھا اس کو علم تھا کہ کون انسان کفر کرے گا اور کون انسان ایمان لائے گا۔اس نے اپنے اس علم سابق کو لکھ دیا اور جس کے لئے جو لکھا ہے وہ اس پر آسان کر دیا

ابو منصور ماتریدی نے کہا:

اللہ تعالیٰ کو ہر انسان کے متعلق اندازہ (پیشگی علم) تھا کہ وہ جنتی ہوگا یا دوزخی ہوگا اور اسے انسان کو پیدا کرنے سے پہلے اس کا علم تھا سو اس نے اپنے اس پیشگی علم کو لکھ دیا اور یہی تقدیر ہے۔

(لسان العرب:ج:12،ص:37 مطبوعہ دار صادر بیروت)

علامہ تفتازانی تقدیر کا شرعی معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہر مخلوق کی اس کے حسن، قبح، نفع، ضرر، اس کے زمانہ (مدت حیات)، اس کے رہنے کی جگہ اور اس کے ثواب اور عذاب کی مقرر کردہ حد کا نام اس کی تقدیر ہے۔

(شرح مواقف:ص:643 مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ)

تقدیر کی اقسام

تقدیر کی دو اقسام ہیں۔

1-تقدیر معلق

2-تقدیر مبرم

تقدیر معلق بدلتی رہتی ہے اس میں محو اور اثبات ہوتا رہتا ہے۔

اور تقدیر مبرم اٹل اور محکم ہے اس میں تبدیلی محال ہے مثلاً ایک شخص کی قسمت میں اولاد نہیں ہے اور تقدیر معلق ہے لیکن مرد خدا کے دعا سے اس کے لئے اولاد مقدر کر دی جاتی ہے پہلے اس کی قسمت میں لاولد لکھا تھا اگر کسی مرد خدا نے دعا کر دی تو لاولد کو مٹا کر صاحب اولاد لکھ دیا جاتا ہے اور اگر کسی نے دعا نہیں کی تو وہ لاولد اسی طرح ثابت رہتا ہے اور یہ تقدیر معلق ہے جس کی طرف يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ میں اشارہ ہے اور تقدیر مبرم کا مرتبہ جس کی طرف عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ سے اشارہ ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا علم ہے اور اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے کہ وہ لاولد یا صاحب اولاد ہے اور اس کے علم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اسی طرح انسان اگر ماں باپ یا رشتہ داروں کے ساتھ نیکی کرے تو اس کی عمر بڑھ جاتی ہے یا اس کے رزق میں وسعت ہو جاتی ہے اور اگر ان کے ساتھ نیکی نہ کرے تو پھر عمر میں یا رزق میں اضافہ نہیں ہوتا مثلاً اس کی عمر پچاس سال لکھی ہوئی ہے اس نے رشتہ داروں کے ساتھ نیکی کی تو پچاس مٹا کر اس کی عمر ساٹھ سال لکھ دی جاتی ہے اور اگر وہ ان کے ساتھ نیکی نہ کرے تو اس کی عمر اسی طرح پچاس سال لکھی رہتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے کہ اس نے ان کے ساتھ نیکی کرنی ہے یا نہیں کرنی اور انجام کار اس کی عمر پچاس سال ہوگی یا ساٹھ سال اور ام الکتاب میں اس کی وہ عمر لکھی ہوئی ہوتی ہے اور یہی تقدیر مبرم ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

تقدیر مبرم اور تقدیر معلق کے متعلق اقوال علماء کرام

تقدیر مبرم اور تقدیر معلق کے متعلق مفسرین کے کثیر اقوال ہیں جو درج ذیل ہیں۔

امام رازی متوفی 606ھ يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ جو کچھ ہونا ہے اس کے متعلق حکم خشک ہو چکا ہے تو پھر لوح میں کسی کے مٹانے اور اس کو ثابت رکھنے کا کیا مطلب ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اس محو اور اثبات کے متعلق بھی قلم خشک ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ کے علم ازلی اور اس کی قضاء میں یہ پہلے سے تھا کہ کس چیز کو مٹانا اور کس چیز کو باقی رکھنا ہے اور اس آیت میں ام الکتاب سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔

(تفسیر کبیر: ج:5،ص:210 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ قرطبی 668ھ لکھتے ہیں:

عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قضاء میں کوئی تبدیلی نہیں ہے اور یہ محو اور اثبات قضاء میں پہلے سے تھا اور جو کچھ قضا ۔ میں مقر

ہو چکا ہے وہ حتمی طور پر واقع ہونا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ام الکتاب کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم ہے

علامہ آلوسی 1270ھ لکھتے ہیں:

بعض افاضل نے تقدیر کے مسئلہ میں یہ لکھا ہے کہ ہر چیز میں تغیر اور تبدل ممکن ہے حتیٰ کہ قضاء ازلی میں بھی تغیر اور تبدل ممکن ہے۔

ان کے بعض دلائل یہ ہیں۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت میں دعا کی۔

تو نے جو قضا کی ہے اس کے شر سے مجھے محفوظ رکھ۔

اس دعا میں قضاء ازلی کے شر سے محفوظ رہنے کی طلب ہے اور اگر قضاء ازلی میں تغیر ممکن نہ ہوتا تو اس سے محفوظ رہنے کی طلب صحیح نہیں تھی نیز جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کے لئے نہ آنے کا عذر بیان کیا۔

تو ارشاد فرمایا:

''مجھے یہ خدشہ ہے کہ تراویح تم پر فرض کر دی جائے گی اور تم اس کے پڑھنے سے عاجز ہو جاؤ گے۔''

کیونکہ اگر قضاء ازلی میں اس کا فرض ہونا تھا تو یہ ہر حال میں فرض ہوتی اور قضاء سابق میں اس کی فرضیت نہیں تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تراویح پڑھاتے رہتے تب بھی اس کا فرض ہونا محال تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تراویح کی فرضیت کا جو خدشہ تھا وہ اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب قضاء سابق میں تغیر ممکن ہو۔ نیز شب معراج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گیا کہ صرف پانچ نمازیں فرض ہوں گی اور ان کے علاوہ نماز فرض نہیں ہوگی اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خدشہ تھا کہ تراویح فرض نہ ہو جائے اور یہ خدشہ بھی صحیح ہو سکتا ہے جب قضاء سابق میں تغیر ممکن ہو۔ نیز جب سخت آندھی آتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خوف ہوتا کہ کہیں قیامت نہ آ گئی ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی تھی کہ قیامت آنے سے پہلے مہدی کا ظہور ہوگا، یاجوج ماجوج اور دابۃ الارض کا خروج ہوگا، حضرت عیسٰی علیہ السلام کا نزول ہوگا اور سورج مغرب سے طلوع ہوگا اور ان علامتوں کے ظہور سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے آنے کا خوف دامن گیر ہونا اسی وقت درست ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک قضاء سابق میں تغیر ممکن ہو۔ اسی طرح جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دے دی تھی وہ بھی دوزخ سے بہت ڈرتے تھے۔

حتیٰ کہ بعض یہ کہتے تھے کہ

کاش میری ماں نے مجھ کو جنا نہ ہوتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ فرماتے تھے کہ

اگر یہ اعلان کر دیا جائے کہ ایک شخص کے سوا سب جنت میں چلے جائیں گے تو مجھے یہ گمان ہوگا کہ وہ ایک میں ہوں اور مخبر صادق ان کے جنتی ہونے کی خبر دے چکے ہیں تو ان کے گمان کی صرف یہ وجہ ہے کہ قضاء میں تغیر ممکن ہے نیز اگر قضاء میں تغیر

نہ ہوتو پھر دعا کرنا لغو اور عبث ہوگا کیونکہ اگر وہ کام ہونا ہے تو دعا کرے یا نہ کرے وہ کام ہو جائے گا اور اگر نہیں ہونا تو دعا بے سود ہے اور اس کام کو طلب کرنا محال کو طلب کرنا ہے حالانکہ دعا کرنے کا حکم ہے اور اس کا یہ جواب صحیح نہیں ہے کہ محض عبودیت کے اظہار اور اللہ تعالیٰ کی طرف احتیاج کو بیان کرنے کے لئے دعا کی جاتی ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ

تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

نیز امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

تقدیر سے ڈرنے سے فائدہ نہیں ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ دعا کے سبب جو چاہتا ہے تقدیر سے مٹا دیتا ہے۔

امام ابن مردویہ اور امام ابن عساکر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت "یَمْحُو اللّٰہُ مَا یَشَآءُ" کے متعلق سوال کیا۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں اس آیت کی تفسیر کر کے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کروں گا اور میرے بعد میری امت کی آنکھیں تم ٹھنڈی کرنا، صحیح طریقہ سے صدقہ کرنا، ماں باپ سے حسن سلوک کرنا اور نیکی کے کام کرنا، شقاوت کو سعادت سے بدل دیتا ہے، عمر زیادہ کرتا ہے اور ناگہانی آفت سے محفوظ رکھتا ہے۔

اس حدیث کا معنیٰ اسی وقت درست ہوگا جب قضاء میں تغیر ممکن ہو اور تقدیر میں تغیر اور تبدل کے متعلق اس قدر زیادہ احادیث اور آثار ہیں جو شمار سے باہر ہیں لیکن اس کے جواب میں یہی کہا جائے گا کہ قضاء میں تغیر اور تبدل کے متعلق جس قدر احادیث مبارکہ اور آثار ہیں ان سب کا رجوع قضاء معلق کی طرف ہے اور قضاء میں تغیر اور تبدل کے بعد جو کچھ ہونا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو پہلے سے معلوم ہے اور وہی تقدیر مبرم ہے اور وہی اللہ تعالیٰ کا علم ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم میں تغیر اور تبدل ممکن نہیں ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا جہل لازم آئے گا۔

تعالَی اللہ عن ذالكَ علوًّا کبیرًا ۔

(روح المعانی: ج:13، ص:170 تا 171 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

تقدیر کے متعلق احادیث مبارکہ

تقدیر کے متعلق کثیر احادیث مبارکہ ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے متعلق سوال کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور قیامت پر اور

اس پر کہ ہر اچھی اور بری چیز اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے وابستہ ہے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 8)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی 676ھ لکھتے ہیں:

اہل حق کے نزدیک تقدیر ثابت ہے اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے اشیاء کا اندازہ کیا اور اللہ تعالیٰ کو علم کہ یہ چیزیں مخصوص صفات پر مخصوص اوقات میں واقع ہوں گی سو اسی علم کے موافق یہ چیزیں واقع ہوتی ہیں اور قدریہ نے اس انکار کیا۔

اور کہا:

اللہ تعالیٰ کو مخصوص صفات کے ساتھ چیزوں کے وقوع کا پیشگی علم نہیں ہوتا بلکہ چیزوں کے وقوع کے بعد ان کا علم ہوتا ہے

ابن قتیبہ اور امام نے کہا:

اہل حق تقدیر کو مانتے ہیں اور افعال کی تخلیق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں اور یہ جاہل قوم افعال کی تخلیق کی نسبت اپنی طرف کرتی ہے۔

علامہ خطابی نے کہا:

اکثر لوگ قضاء اور قدر کا یہ معنیٰ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تقدیر اور اپنی قضاء پر عمل کرنے کے لئے بندوں کو مجبور کر دیا لیکن قضاء قدر کا یہ معنیٰ نہیں ہے۔ قدر کا معنیٰ اللہ تعالیٰ کا پیشگی اندازہ ہے یعنی ازل میں اللہ تعالیٰ کا علم اور قضاء کا معنیٰ ہے اپنے علم کے موافق چیزوں کو پیدا کرنا۔

(صحیح مسلم: شرح النووی: ج: 1، ص: 447 تا 449 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اور آپ سب سے زیادہ سچے ہیں کہ تم میں سے کسی ایک کی تخلیق اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن نطفہ کی صورت میں رہتی ہے پھر چالیس دن جمے ہوئے خون کی صورت میں رہتی ہے پھر چالیس دن گوشت کے ٹکڑے کی صورت میں رہتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ کو چار کلمات دے کر بھیجتا ہے پس وہ اس کا عمل لکھتا ہے اور اس کی مدت حیات لکھتا ہے اور اس کا رزق لکھتا ہے اور یہ لکھتا ہے کہ وہ شقی ہے یا سعید ہے۔ (دوزخی ہے یا جنتی) پھر اس میں روح پھونک دیتا ہے سو اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تم میں سے ایک شخص اہل جنت کے سے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ (کا فاصلہ) رہ جاتا ہے پھر اس پر تقدیر غالب آجاتی ہے اور وہ اہل دوزخ کے سے عمل کرتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے اور تم میں سے ایک شخص اہل دوزخ کے سے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ (کا فاصلہ) رہ جاتا ہے پھر اس پر تقدیر غالب آجاتی ہے اور وہ اہل جنت کے سے عمل کرتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6614)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تم میں سے ہر شخص کا ٹھکانہ دوزخ میں لکھ دیا گیا ہے یا اس کا ٹھکانہ جنت میں لکھ دیا گیا ہے۔
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا:
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم اس لکھے ہوئے پر اعتماد کر کے عمل کرنا چھوڑ دیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
عمل کرتے رہو ہر شخص کے لئے اس چیز کو آسان کر دیا گیا ہے جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے جو شخص اہل سعادت میں سے ہے اس کے لئے اہل سعادت کے عمل آسان کر دیئے جائیں گے اور جو شخص اہل شقاوت میں سے ہے اس کے لئے اہل شقاوت کے عمل آسان کر دیئے جائیں گے۔
پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتیں پڑھیں۔
فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَ اتَّقٰی ۝ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۝ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی ۝ وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰی ۝ وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ۝ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی ۝ (اللیل:5تا10)
رہا وہ شخص جس نے عطا کیا اور اپنے رب سے ڈرا اور اس نے ہر نیکی کی تصدیق کی تو ہم عنقریب اس کے لئے نیک کاموں کو آسان کر دیں گے اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہی برتی اور اس نے ہر نیکی کی تکذیب کی تو ہم عنقریب اس کے لئے معصیت کا راستہ آسان کر دیں گے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث:4949)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
مزینہ کے دو شخصوں نے آ کر کہا۔
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ بتائیں کہ آج جو شخص عمل کرتے ہیں اور اس میں مشقت اٹھاتے ہیں آیا یہ وہ چیز ہے جو پہلے سے ان کے لئے مقدر کر دی گئی ہے یا جو کچھ ان کو ان کے نبی نے بتایا ہے یہ اس پر از خود عمل کر رہے ہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ وہ چیز ہے جو پہلے سے ان پر مقدر کر دی گئی ہے۔
اور اس کی تصدیق اللہ عزوجل کی کتاب میں ہے۔
وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا ۝ (الشمس:7تا8)
نفس کی قسم اور اس کو درست بنانے کی پھر اس کو بدکاری کی سمجھ دی اور اس سے بچنے کی۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث:2650)

ایک اور روایت میں ہے کہ
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں نے عرض کیا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نوجوان شخص ہوں اور مجھے اپنے اوپر زنا کا خطرہ ہے اور میرے پاس اتنا مال نہیں جس سے میں عورتوں سے شادی کرلوں گویا کہ وہ خصی ہونے کی اجازت طلب کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔
میں نے دوبارہ کہا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ خاموش رہے۔ میں نے سہ بار کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر خاموش رہے میں نے چوتھی بار کہا۔
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! جو کچھ تم نے کرنا ہے اس کو قلم (تقدیر) لکھ کر خشک ہو چکا ہے سو تم خصی ہو یا اس عمل کو چھوڑ دو۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5076)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا۔
اور اس سے ارشاد فرمایا:
لکھ۔
اس نے پوچھا:
کیا لکھوں؟
ارشاد فرمایا:
تقدیر لکھ۔
تو اس نے لکھ دیا جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ابد تک ہونے والا ہے۔
(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2155)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابوخزامہ رضی اللہ عنہا اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ
میں نے عرض کیا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم دم کراتے ہیں اور دوا سے علاج کراتے ہیں اور ڈھال وغیرہ کے ذریعہ حملوں سے بچتے ہیں کیا یہ چیزیں تقدیر کو ٹال دیتی ہیں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ چیزیں بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہیں۔
(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 3437)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بہت زیادہ کرتے تھے۔
اے دلوں کے بدلنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھنا۔
میں نے عرض کیا:
اے اللہ تعالیٰ کے نبی! ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے! کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہم پر خطرہ ہے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ہاں! بے شک تمام دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں اور وہ جس طرح چاہتا ہے ان دلوں کو پلٹتا رہتا ہے۔
(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2140)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
جس وقت ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے مستقبل میں پیش آنے والے امور کا ذکر کر رہے تھے۔
اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اگر تم یہ سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے تو اس کی تصدیق کر دینا اور جب تم یہ سنو کہ کسی شخص کی پیدائشی عادت بدل گئی ہے تو اس کی تصدیق نہ کرنا کیونکہ وہ اپنی فطرت پر ہی لوٹ جائے گا۔
(مسند احمد: ج:6، ص:443)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
القدریہ اس امت کے مجوسی ہیں اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ۔
(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 4691)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اہل قدر (تقدیر کے منکر) کی مجلس میں نہ بیٹھو اور نہ ان سے (سلام کی) ابتداء کرو۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 4720)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

چھ اشخاص پر میں نے لعنت کی ہے اور ان پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور ہر نبی مستجاب الدعا ہوتا ہے۔

1- کتاب اللہ میں زیادتی کرنے والا۔

2- اللہ تعالیٰ کی تقدیر کی تکذیب کرنے والا۔

3- قوت کے بل پر غلبہ پا کر حکومت اور اقتدار حاصل کرنے والا تاکہ عزت والوں کو ذلیل کرے اور ذلت والوں کو عزت دے۔

4- اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کاموں کو حلال کرنے والا۔

5- میری عترت (اہل بیت) میں ان کاموں کو حلال کرنے والا جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔

6- میری سنت کو ترک کرنے والا۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2154)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میری امت کے دو فرقے ایسے ہیں کہ ان کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے مرجۂ اور قدریہ۔

(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 73)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو لوگ کہتے ہیں کہ نیکی اور بدی ہمارے اختیار میں ہے ان کو میری شفاعت سے کوئی حصہ نہیں ملے گا نہ میں ان سے ہوں اور نہ وہ مجھ سے ہیں۔

(الفردوس بماثور الخطاب: رقم الحدیث: 4706)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جس چیز پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قسم کھاتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر ان لوگوں کے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو اور وہ اس کو

تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں تو اللہ تعالیٰ اس کو اس وقت تک قبول نہیں کرے گا جب تک کہ وہ تقدیر پر ایمان نہ لے آئیں۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث:8)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
کیا تم جانتے ہو یہ کیسی دو کتابیں ہیں۔
ہم نے عرض کیا:
نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ما سوا اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بتائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب کے موافق فرمایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں ہاتھ میں تھی یہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے اس میں اہل جنت کے اور ان کے آباء اور ان کے قبائل کے اسماء ہیں پھر ان کے آخر میں میزان کر دیا گیا ہے پس اس میں کوئی اضافہ کیا جائے گا نہ اس میں کوئی کمی کی جائے گی کبھی بھی، پھر اس کتاب کے متعلق فرمایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں ہاتھ میں تھی یہ رب العلمین کی طرف سے کتاب ہے اس میں دوزخ کے اور ان کے آباء کے اور ان کے قبائل کے اسماء ہیں پھر ان کے آخر میں میزان کر دیا گیا ہے پس اس میں نہ کوئی اضافہ کیا جائے گا نہ اس میں کوئی کمی کی جائے گی کبھی بھی۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم نے کہا:
پھر اگر تمام کاموں سے فراغت ہو چکی ہے تو پھر عمل کس لیے کیا جائے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تم ٹھیک ٹھیک اور صحیح کام کرتے ہو کیونکہ جنتی شخص کا خاتمہ اہل جنت کے عمل پر کیا جائے گا خواہ اس نے کوئی عمل کیا ہو اور دوزخی شخص کا خاتمہ اہل دوزخ کے عمل پر کیا جائے گا خواہ اس نے کوئی عمل کیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ جھاڑ دیئے۔
پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تمہارا رب عزوجل بندوں سے فارغ ہو چکا ہے ایک فریق جنت میں ہے اور ایک فریق دوزخ میں ہے۔
(سنن ترمذی: رقم الحدیث:2141)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر قریش تقدیر کے متعلق بحث کرنے لگے۔
تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔
يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ○ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ○ (القمر:48،49)

جس دن وہ آگ میں اوندھے منہ گھسیٹتے جائیں گے دوزخ کے عذاب کا مزہ چکھو۔ بے شک ہم نے ہر چیز کو تقدیر کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 83)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اس وقت ہم تقدیر کے متعلق بحث کر رہے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہوئے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ سرخ ہو گیا گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخساروں میں انار کے دانے کھل گئے ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا تم کو اس میں بحث کرنے کا حکم دیا گیا ہے یا میں اس میں بحث کرنے کے لئے تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں تم سے پہلی امتیں اس وقت ہلاک کر دی گئیں جب وہ اس میں بحث کر رہی تھیں میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ تم اس میں بحث مت کرو۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2133)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے تقدیر میں بحث کی اس سے قیامت کے دن اس کے متعلق سوال ہوگا اور جس نے بحث نہیں کی اس سے اس کے متعلق سوال نہیں ہوگا۔

(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 84)

ایک اور روایت میں ہے۔

ابن الدیلمی بیان کرتے ہیں کہ

میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔

اور کہا:

میرے دل میں تقدیر کے متعلق ایک شبہ پیدا ہوا ہے مجھے تقدیر کے متعلق کوئی حدیث بیان فرمائیے۔ شاید اللہ تعالیٰ میرے دل سے اس شبہ کو نکال دے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا:

اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمان والوں کو اور تمام زمین والوں کو عذاب دے تو وہ عذاب دے گا اور یہ اس کا ظلم نہیں ہے اور اگر رحم فرمائے تو اس کا رحم لوگوں کے اعمال سے بہتر ہے اور اگر تم احد پہاڑ جتنا سونا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیرات کرو تو اللہ تعالیٰ اس کو اس وقت تک تم سے قبول نہیں فرمائے گا جب تک تم تقدیر پر ایمان نہ لے آؤ اور جب تک تم یہ یقین نہ رکھو کہ تم پر جو مصیبت آئی ہے وہ تم سے ٹل نہیں سکتی تھی اور جو مصیبت تم سے ٹل چکی ہے وہ تم تک پہنچ نہیں سکتی تھی اور اگر تم اس عقیدہ کے خلاف پر مرے تو

دوزخ میں داخل ہو گئے پھر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا پھر میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی جو اس کی مثل تھی۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 4699)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام میں مباحثہ ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا۔

تم ہی وہ شخص ہو جس نے اپنے ذنب (اجتہادی خطا) کی وجہ سے لوگوں کو جنت سے نکالا اور ان کو بدنصیب بنایا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

اے موسیٰ (علیہ السلام)! تم ہی وہ شخص ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام سے سرفراز فرمایا۔ کیا تم مجھے اس چیز پر ملامت کر رہے ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کرنے سے پہلے مجھ پر لکھ دیا تھا۔

یا کہا۔

جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو پیدا کرنے سے پہلے میرے لیے مقدر کر دیا تھا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غلبہ پالیا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 4738)

تقدیر معلق کے متعلق احادیث مبارکہ

تقدیر معلق کے متعلق کثیر احادیث مبارکہ ہیں لیکن میں چند پر اکتفاء کرتا ہوں۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تقدیر کو صرف دعا ٹال سکتی ہے اور عمر صرف نیکی سے زیادہ ہوتی ہے۔

(جامع ترمذی: ص: 312 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عمر صرف نیکی سے زیادہ ہوتی ہے اور تقدیر صرف دعا سے ٹلتی ہے اور انسان اپنے گناہ کی وجہ سے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ: ص: 10 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

جس کو رزق کی کشادگی یا عمر میں زیادتی سے خوشی ہو وہ رشتہ داروں سے تعلق جوڑے۔

(صحیح بخاری: ج:1،ص:277 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

تقدیر مبرم کے متعلق احادیث مبارکہ

تقدیر مبرم کے متعلق کثیر احادیث مبارکہ ہیں مگر میں چند عرض کرتا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

مجھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تمہارے ساتھ جو کچھ ہونے والا ہے اس کے متعلق قلم خشک ہو چکا ہے۔

(صحیح البخاری: ج:2،ص:976 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ارشاد فرمایا:

اور آپ بہت سچے ہیں، بہ خدا تم میں سے کوئی شخص دوزخیوں کے سے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر اس پر تقدیر غالب آتی ہے اور وہ جنتیوں کے عمل کرتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور کوئی شخص جنتیوں کے سے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر اس پر تقدیر غالب آتی ہے اور وہ دوزخیوں کے عمل کرتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔

(صحیح البخاری: ج:2،ص:976 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

تقدیر مبرم اور تقدیر معلق کے متعلق محدثین کے اقوال

تقدیر مبرم اور تقدیر معلق کے متعلق کثیر محدثین کے اقوال ہیں مگر میں چند عرض کرتا ہوں۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی 676ھ لکھتے ہیں:

بعض احادیث مبارکہ میں جو نیک اعمال کی وجہ سے رزق اور عمر میں زیادتی کا ذکر ہے یہ فرشتوں اور لوح محفوظ کے اعتبار سے ہے مثلاً فرشتوں کے لئے یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ فلاں شخص کی عمر ساٹھ سال ہے البتہ اگر اس نے صلہ رحمی کی تو اس کی چالیس سال سے زیادہ کر دی جائے گی اور اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے کہ واقع میں اس کی عمر کتنی ہوگی۔ اور قرآن مجید کی آیت یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ سے یہی مراد ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے علم ازلی اور تقدیر مبرم کے اعتبار سے اس کی عمر میں کوئی زیادتی نہیں ہے بلکہ زیادتی محال ہے اور مخلوق پر جو لوح محفوظ سے ظاہر کیا جاتا ہے اس کے اعتبار سے زیادتی ہے اور یہی حدیث میں

ہے۔
(شرح صحیح مسلم: ج:2،ص:315 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)
حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:
جو چیز اللہ تعالیٰ کے علم سابق میں ہے اس میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہوتا اور جو چیز مخلوق کے علم میں ہے اس کے اعتبار سے تغیر اور تبدل جائز ہے اس علم کا تعلق کراماً کاتبین اور دیگر ان فرشتوں سے ہوتا ہے جو انسانوں کے ساتھ موکل ہوتے ہیں اور اسی علم میں محو اور اثبات واقع ہوتا ہے مثلاً علم کا زیادہ اور کم ہونا اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اس میں کوئی محو اور اثبات نہیں ہے اور حقیقی علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔
(فتح الباری: ج:11،ص:488 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)
حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:
حافظ ابو موسیٰ مدینی اپنی سند کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میں نے آج رات ایک عجیب خواب دیکھا میری امت میں سے ایک شخص کے پاس ملک الموت روح قبض کرنے کے لئے آیا تو اس کے پاس اس کے باپ کی نیکی آئی اور اس نے ملک الموت کو واپس کر دیا۔
انہوں نے کہا:
یہ حدیث بہت حسن ہے۔
نیز انہوں نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اے ابن آدم اپنے رب عزوجل سے ڈر اور اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کر اور اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کر اس سے تیری عمر میں اضافہ ہوگا، تیری آسانیاں (مزید) آسان ہوں گی، تیری مشکلات دور ہوں گی اور تیرا رزق آسان ہوگا۔
اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
صلہ رحمی عمر کو زیادہ کرتی ہے۔
اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
عمر میں زیادتی صرف ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے سے ہوتی ہے اور رزق میں زیادتی صرف صلہ رحمی سے ہوتی ہے۔
اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق پوچھا:
یَمْحُو اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ

اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

صحیح طریقہ سے صدقہ دینا، ماں باپ سے حسن سلوک کرنا، نیک کام کرنا اور صلہ رحمی کرنا بری تقدیر کو اچھی تقدیر سے بدل دیتا ہے، عمر زیادہ کرتا ہے اور ناگہانی آفات سے محفوظ رکھتا ہے۔

بعض روایات میں یہ بھی اضافہ ہے کہ

جس شخص نے ان میں سے ایک نیکی بھی کر لی اللہ تعالیٰ اس کو تینوں درجے عطا کرتا ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایک انسان صلہ رحمی کرتا رہتا ہے اور اس کی (مقرر کردہ) عمر میں سے صرف تین دن باقی ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کی عمر میں تیس سال (30) زیادہ کر دیتا ہے اور ایک آدمی قطع رحمی (رشتہ داروں سے تعلق منقطع) کرتا رہتا ہے اور ابھی اس کی (مقرر کردہ) عمر میں تیس سال (30) باقی ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کی عمر کم کر دیتا ہے حتیٰ کہ اس کی عمر میں صرف تین دن باقی رہ جاتے ہیں۔

پھر کہا۔

یہ حدیث حسن غریب ہے۔

اور انہوں نے داؤد بن عیسیٰ سے روایت کیا کہ

تورات میں لکھا ہے کہ

صلہ رحمی، حسن اخلاق اور رشتہ داروں سے نیکی کرنا، گھروں کو آباد رکھتا ہے۔ مال میں اضافہ کرتا ہے اور عمر زیادہ کرتا ہے خواہ لوگ کافر ہوں۔

پھر کہا۔

یہ حدیث حسن غریب ہے۔

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو تورات کے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ

رزق اور عمر تقدیر میں مقدر اور مقرر ہو چکا ہے پھر اس میں یہ کمی اور زیادتی کس طرح متصور ہوگی۔

علامہ ابوالفرج نے اس کے پانچ جواب دیتے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

1- رزق میں زیادتی سے مراد رزق کی وسعت اور عمر میں زیادتی سے مراد صحت بدن ہے کیونکہ غنی کو حیات اور فقر کو موت کہا جاتا ہے۔

2- انسان کی زندگی سو سال لکھی گئی اور اس کی نیکی کی زندگی کے اسی (80) سال لکھے گئے اور جب اس نے صلہ رحمی کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی نیکی میں بیس سال بڑھا دیئے یہ دونوں جواب علامہ ابن قتیبہ نے دیئے ہیں۔

3- عمر میں یہ زیادتی بھی ازل میں مقرر تھی لیکن اس اضافہ کو بہ طور انعام کے صلہ رحمی پر موقوف کیا گیا تھا گویا یوں لکھا گیا تھا کہ فلاں شخص پچاس سال زندہ رہے گا اور اگر اس نے صلہ رحمی کی تو ساٹھ سال زندہ رہے گا۔

4- یہ زیادتی لوح محفوظ میں لکھی گئی ہے (یعنی لوح میں پچاس سال مٹا کر ساٹھ سال لکھ دیا گیا) اور اللہ تعالیٰ کا علم لوح محفوظ کے مغائر ہے سو اللہ تعالیٰ کو جو انسان کی عمر کی انتہاء معلوم ہے اس میں کوئی تغیر نہیں ہے اور لوح محفوظ میں لکھی ہوئی عمر کو کبھی مٹا کر بڑھا دیا جاتا ہے اور کبھی اس کو برقرار رکھا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو انجام کار اس کی عمر کا جو علم ہے وہ حتمی اور قطعی ہے اس میں کوئی کمی بیشی اور تغیر اور تبدل نہیں ہے اگر یہ اشکال ہو کہ جب انسان کی حتمی عمر میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی تو لوح محفوظ میں لکھی ہوئی عمر میں کمی اور بیشی کا کیا فائدہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ

معاملات ظواہر پر مبنی ہیں اور معلوم باطن (اللہ تعالیٰ کا ازلی علم) مخفی ہے اس پر کوئی حکم معلق نہیں ہے پس یہ جائز ہے کہ لوح محفوظ کے لکھے گئے میں زیادتی اور کمی اور محو اور اثبات ہوتا کہ یہ کمی بیشی شارع علیہ السلام کی ترجمانی سے انسانوں تک پہنچے اور اس سے ماں باپ کے ساتھ نیکی کی فضیلت اور سعادت اور ماں باپ کی نافرمانی کی مذمت اور نحوست کا علم ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ اس زیادتی اور کمی کا ملائکہ علیہم السلام کے ساتھ تعلق ہو اور انہیں انسان کی عمر کو برقرار رکھنے اور اس میں تبدیلی کرنے کا حکم دیا جائے اور حتمی اور قطعی حکم پر ملائکہ علیہم السلام کا اجماع نہ ہو۔

5- عمر میں زیادتی سے مراد عمر میں برکت، نیک کاموں کی توفیق دینا اور کم عمر میں اپنی ان مہمات اور مقاصد کو انجام تک پہنچانا ہے جن کو دوسرے زیادہ عمر میں بہ مشکل پہنچا سکتے ہیں۔

اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا کہ

اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کی موت کے بعد اس کا ذکر خیر لوگوں کی زبانوں پر جاری رہے گا گویا کہ یہ مرا نہیں زندہ ہے۔

اور حکیم ترمذی نے کہا:

اس سے مراد برزخ میں کم عرصہ کا قیام ہے۔

(عمدۃ القاری: ج:11، ص:181 تا 182 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر)

تقدیر کے متعلق اہل سنت کا موقف

تقدیر کے متعلق علماء اہل سنت کے کثیر اقوال ہیں مگر میں چند عرض کرتا ہوں۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو مقدر فرمایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو اشیاء کے بنانے سے پہلے اس کی مقدار اور ان کے احوال کا علم تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازل کے موافق اس چیز کو پیدا کیا پس عالم علوی اور سفلی میں ہر چیز اس کے علم اس کی قدرت اور اس کے ارادہ سے صادر ہوتی ہے اور اس میں مخلوق کو کوئی دخل نہیں ہے اور مخلوق کو صرف ایک قسم کا کسب حاصل ہوتا ہے اور مخلوق جو کسب کرتی ہے اور کام انجام دیتی ہے وہ ان کو صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق اس کی قدرت اور اس کے الہام سے

حاصل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی خالق نہیں ہے جیسا کہ قرآن اور سنت میں اس کی تصریح ہے اور منکرین تقدیر کا یہ قول باطل ہے کہ اعمال کو ہم خلق کرتے ہیں اور ہماری اجل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:17، ص:135 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی 685ھ لکھتے ہیں:

یعنی ہم نے ہر چیز کو تقدیر (اندازے) سے حکمت کے تقاضے پر مرتب کر کے پیدا کیا ہے یا ہر چیز کو اس کے وقوع سے پہلے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے اور مقدر کر دیا ہے۔

(تفسیر بیضاوی مع عنایۃ القاضی: ج:9، ص:40 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ عصام الدین اسماعیل بن محمود القونوی الحنفی متوفی 1195ھ اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

کیونکہ مخلوق اس معین اندازہ پر مبنی ہے جو اس کی حکمت کا تقاضا ہے جس حکمت پر تخلیق موقوف ہے اور یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے کیونکہ علم کلام میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اپنی تخلیق میں حکمت کی رعایت رکھی ہے لیکن حکمت کی اس پر واجب نہیں ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ حکمت اور مصلحت ہمیں معلوم ہو کیونکہ ہمیں معلوم نہیں کہ کفار کو پیدا کرنے میں کیا مصلحت ہے اور بدکاروں کے لئے دوزخ کو پیدا کرنے میں کیا مصلحت ہے پس کفار اور دوزخ کو پیدا کرنے میں ضرور کوئی مصلحت ہے خواہ ہم کو وہ مصلحت معلوم نہیں ہے۔

علامہ بیضاوی کی دوسری عبارت کا حاصل یہ ہے کہ

ہر چیز کے واقع ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے مجرموں کی سزا کے متعلق بھی اس میں لکھا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کے بتانے سے ہمیں اس کا علم بھی ہے لیکن محض اس کے علم کی وجہ سے ان پر سزا واجب نہیں ہو گی تب واجب ہو گی جب وہ مجرم پیدا ہو جائیں گے اور اپنے اختیار سے کفر اور گناہ کبیرہ کریں گے ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے علم کا تعلق قدیم ہے اور ان کے افعال کے وقوع کے ساتھ تعلق ہے۔

(حاشیۃ القونوی علی البیضاوی: ج:18، ص:339 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی 676ھ لکھتے ہیں:

اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ تقدیر ثابت ہے اور تقدیر کا معنیٰ یہ ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو مقدر کیا (ان کا اندازہ کیا) اور اللہ تعالیٰ نے یہ جان لیا کہ یہ اشیاء ان اوقات میں اس طرح واقع ہوں گی جن کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے تو یہ اشیاء ان اوقات میں ان صفات کے مطابق واقع ہوتی ہیں جن کا اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا قدریہ (تقدیر کے منکروں) نے ان کا انکار کیا اور ان کا یہ زعم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کو پہلے مقدر نہیں کیا اور نہ پہلے اللہ تعالیٰ کو ان کا علم تھا۔ ان اشیاء کے واقع ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کو ان کا علم ہوتا ہے اس فرقہ کو قدریہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ فرقہ تقدیر کا انکار کرتا ہے۔

متکلمین نے کہا کہ

یہ فرقہ اب ختم ہو چکا ہے اور اب اہل قبلہ میں سے کسی کا یہ مذہب نہیں ہے البتہ بعد میں قدریہ ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو تقدیر کے معتقد ہیں لیکن وہ کہتے ہیں کہ خیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور شر اس کے غیر کی جانب سے ہے اہل حق تمام

اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض کرتے ہیں اور تقدیر اور تمام افعال کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور قدریہ افعال کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں۔

امام الحرمین نے کہا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قدریہ اس امت کے مجوسی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تشبیہ اس لیے دی ہے کہ مجوس دو خدا مانتے ہیں یزدان خالق خیر اور اہرمن خالق شر اسی طرح قدریہ بھی خیر کا خالق اللہ تعالیٰ کو اور شر کا خالق اپنے آپ کو قرار دیتے ہیں۔

یہ امام الحرمین اور امام ابن قتیبہ کا کلام ہے۔ امام الحرمین نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے اس کو امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں اور حاکم نے مستدرک میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ

بہت لوگوں کا یہ گمان ہے کہ قضا اور قدر کا یہ معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنے علم اور اپنے حکم کے مطابق عمل کرنے پر مجبور کر دیا ہے حالانکہ اس طرح معاملہ نہیں ہے۔

تقدیر کا معنیٰ یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی سے پہلے ہی یہ خبر دے دی ہے کہ بندہ اختیار اور ارادہ سے کیا کام کرے گا اور کیا کام نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے خیر اور شر میں سے کیا کیا پیدا کیا ہے۔

(شرح مسلم: ج:1، ص:27 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

فقیر نے تقدیر کا موضوع طویل اس لیے کیا ہے کہ ایک تو موقع مناسب تھا دوسرا اکثیر لوگوں کو تقدیر کے حقیقی فیصلے کا علم نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں عجیب طرح کے عقائد رکھتے ہیں بعض دفعہ تو کفر کی حد تک بھی پہنچ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مجھ سے اگر کہیں غلطی ہوگئی ہو تو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے معاف فرمائے اور تمام امت مسلمہ کی مغفرت فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین وصلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا توکل کرنے کا قول

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تم سب ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ الگ الگ دروازے سے داخل ہونا اور میں تم کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے بالکل بچا نہیں سکتا حکم تو صرف اللہ تعالیٰ کا چلتا ہے میں نے اسی پر توکل کیا ہے اور توکل کرنے والوں کو اسی پر توکل کرنا چاہیے۔

قرآن مجید میں ہے:

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَ عَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ○ (یوسف:67)

میں نے اسی پر توکل کیا ہے اور توکل کرنے والوں کو اسی پر توکل کرنا چاہئے۔

توکل نعمت عظمٰی

توکل ایک بہت بڑی نعمت ہے جس کو یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے خاص کرم ورحمت میں داخل ہو جاتا ہے اور وہ پھر کسی سے شکایت نہیں کرتا بلکہ ہر وقت خالق باری تعالیٰ کی جانب نظریں جمائے رکھتا ہے۔

امام بیہقی متوفی 458ھ لکھتے ہیں:

سہل بن تستری نے کہا کہ

توکل یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ایسا ہو جیسے غسل دینے والوں کے ہاتھوں میں مردہ ہوتا ہے وہ جس طرح چاہے اس کو الٹتا ہے پلٹتا ہے۔

ہجوری نے کہا:

حقیقت میں متوکل وہ شخص ہے جو مخلوق سے تعلق نہ رکھے وہ اپنے حال کی کسی سے شکایت نہ کرے اور اگر اس کو کوئی شخص کچھ نہ دے تو اس کی مذمت نہ کرے کیونکہ اس کا یقین ہے کہ دینا اور نہ دینا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔

اور ابو یزید سے پوچھا گیا کہ

بندہ متوکل کب ہوتا ہے۔

انہوں نے کہا:

جب وہ اپنے دل کو ہر موجود اور مفقود سے منقطع کر لیتا ہے۔

عامر بن عبد قیس نے کہا:

اللہ تعالیٰ کی تین آیات مبارکہ ایسی ہیں جو انسان کو تمام مخلوقات سے کفایت کرتی ہیں اور اس کو ان سے مستغنی کر دیتی ہیں

وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ (یونس:107)

اور اگر تجھے کوئی ضرر پہنچے تو اس کے سوا کوئی اسے دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تیرے لیے کسی خیر کا ارادہ کر لے تو اس کے سوا کوئی اور اس کے فضل کو روکنے والا نہیں۔

(دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا)

مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا یُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ○ (فاطر:2)

اللہ لوگوں کے لئے جو رحمت کھولتا ہے اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس چیز کو وہ روک لے تو اس کے بعد اسے کوئی چھوڑنے والا نہیں اور وہی غالب ہے حکمت والا ہے۔

(ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا)

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا وَیَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِیْ كِتٰبٍ

مُّبِیْنٍ o

(ھود:6)

اور زمین پر چلنے والے ہر جاندار کا رزق اللہ (کے ذمہ کرم) پر ہے وہ اس کے ٹھہرنے کی جگہ اور اس کے سپرد کیے جانے کی جگہ کو جانتا ہے سب کچھ روشن کتاب میں ہے۔

اصمعی بیان کرتے ہیں۔

ایک اعرابی اپنے بھائی کو نصیحت کر رہا تھا۔

اے بھائی! تم طالب بھی ہو اور مطلوب بھی، تم کو وہ طلب کرتا ہے جو فوت ہونے والا نہیں ہے اور تم اس چیز کو طلب کرتے جس سے تم مستغنی کر دیئے گئے ہو۔

اے بھائی!

تم دیکھتے ہو کہ کئی حریص لوگ محروم رہ جاتے ہیں اور کئی بے رغبت لوگ نواز دیئے جاتے ہیں۔

(شعب الایمان: ج:2،ص:109 تا 113 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی 458ھ لکھتے ہیں:

توکل کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے اور اسی پر توکل کرے۔

توکل یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے چلنے کے لئے جو راستہ بیان کیا ہے جب اس کے سامنے وہ راستہ ظاہر ہو تو وہ اسی راستہ پر ہیں اور اس کی مراد تک پہنچنے کا سبب حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد کریں کہ وہ ان کو ان کی کوششوں میں کامیاب فرمائے گا انہیں ان کی مراد تک پہنچائے گا اور جس نے توکل کو اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے اسباب سے خالی کر لیا اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے طریقہ پر نہیں چلا۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کو ایک رات نماز میں کسی چیز نے ڈنک مارا انہوں نے اس پر دم کیا۔

ان سے حصین نے پوچھا:

آپ کو دم کرنے پر کس نے برانگیختہ کیا۔

انہوں نے کہا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

صرف نظر لگنے یا ڈنک مارنے پر دم کیا جائے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر تم اللہ تعالیٰ پر کما حقہ توکل کرو تو تم کو پرندوں کی طرح رزق دیا جائے گا جو صبح کے وقت بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ

اس حدیث مبارکہ میں کسب اور رزق کو طلب کرنے کی نفی نہیں ہے کیونکہ پرندے صبح سے شام تک رزق کی طلب میں پھرتے رہتے ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

رزق کی طلب تاخیر نہ کرو کیونکہ اس وقت تک کوئی بندہ مر نہیں سکتا جب تک اسے اس کا آخری رزق نہ پہنچ جائے اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور رزق حلال کو اچھی طرح سے طلب کرو اور حرام کو چھوڑ دو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے تنگی اور فقر کی شکایت کی۔

اور اس نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے گھر والوں کے پاس سے آیا ہوں میرے پاس کوئی چیز نہیں جس کو میں ان کے پاس لے کر جاؤں حتیٰ کہ ان میں سے بعض مر جائیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جاؤ دیکھ کر آؤ گھر میں کیا چیزیں ہیں؟

وہ ایک چادر اور ایک پیالہ لے آیا۔

اس نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس چادر کے بعض کو ہم بچھا لیتے ہیں اور بعض کو ہم اوڑھ لیتے ہیں اور اس پیالہ سے پانی پیتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان کو مجھ سے کون ایک درہم میں خریدے گا۔

ایک شخص نے عرض کیا:

میں۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایک درہم سے زیادہ کون دے گا۔

ایک اور شخص نے کہا:

میں ان کو دو درہموں میں خریدوں گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا:

ایک درہم سے کلہاڑی خرید لو اور دوسرے درہم سے اپنے اہل کے لئے کھانا خریدو اس نے ایسا ہی کیا پھر وہ نبی کریم صلی علیہ وسلم کے پاس آیا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جاؤ جنگل میں جا کر لکڑیاں کاٹو اور پندرہ دن سے پہلے میرے پاس نہ آنا وہ پندرہ دن کے بعد آیا۔

تو اس نے عرض کیا:

میرے پاس دس درہم ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

پانچ درہم سے اپنے اہل کے لئے طعام خریدو اور پانچ درہم سے اپنے اہل کے لئے کپڑے خریدو۔

اس شخص نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس چیز کا حکم دیا تھا اس میں اللہ تعالیٰ نے مجھے بڑی برکت دی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ اس سے بہتر ہے کہ تم قیامت کے دن آؤ اور تمہارے چہرے پر سوال کرنے کی وجہ سے خراشیں پڑی ہوں، سوال کرنا صرف تین شخصوں کے لئے جائز ہے جو سخت بیمار ہو یا قرض میں ڈوبا ہوا ہو یا ہلاکت خیز تنگی میں مبتلا ہو۔

(الجامع الصحیح للترمذی کتاب البیوع: باب: 11 ما جاء فی بیع الدبر، السنن الکبریٰ للبیہقی: ج: 7، ص: 45)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اس حدیث مبارکہ میں کسب اور محنت کرنے کی دلیل ہے اور جو شخص کمانے پر قادر ہو اس کو سوال کرنے سے منع فرمایا ہے۔

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص غنی اور تندرست ہو اس کے لئے صدقہ لینا جائز نہیں ہے۔

(شعب الایمان: ج: 2، ص: 78 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ محمد بن اثیر جزری متوفی 630ھ لکھتے ہیں:

توکل کا معنیٰ ہے ضامن ہونا۔

حدیث مرفوع میں ہے۔

جو شخص دو جبڑوں اور دو ٹانگوں کے درمیان متوکل ہوا میں اس کے لئے جنت کا متوکل (ضامن) ہوں یعنی جس نے اپنے منہ کو حرام کھانے اور فرج کو حرام کاری سے بچایا میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں اور توکل کا معنیٰ پناہ میں دینا بھی ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

مجھے پلک جھپکنے کے لئے بھی غیر کے توکل (پناہ) میں نہ دے یا غیر کے سپرد نہ کر اور توکل کا معنیٰ اعتماد کرنا اور سپرد کرنا ہے اور کسی معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے اور اس میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد

کیا جائے۔

(النہایہ: ج:5،ص:221 مطبوعہ مؤسسہ مطبوعات ایران)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

جب انسان پر منکشف ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی فاعل نہیں ہے اور خلق ہو یا رزق ہو، دینا ہو یا روکنا ہو، زندہ کرنا ہو یا مارنا ہو، غنا ہو یا فقر ہو ہر چیز اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے تو پھر وہ اپنی ضرورتوں میں غیر کی طرف نہیں دیکھے گا اس کے دل میں اسی کا خوف ہوگا اور اسی سے امید ہوگی اسی پر بھروسہ ہوگا اور اسی پر اعتماد ہوگا کیونکہ صرف وہی مستقل فاعل ہے اور باقی چیزیں اس کے مسخر اور تابع ہیں۔ آسمان اور زمین میں سے کوئی ذرہ خود بہ خود حرکت نہیں کر سکتا اور جو شخص سبزہ اور فصل کی پیدائش میں بادل، بارش اور ہواؤں پر اعتماد کرتا ہے وہ فاعل حقیقی سے غافل ہے اور ایک قسم کے شرک میں مبتلا ہے۔

(احیاالعلوم: ج:5،ص:120 تا 121 مطبوعہ دارالخیر بیروت)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

توکل کا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ انسان اپنے آپ کو اور اپنی مساعی کو مہمل چھوڑ دے جیسا کہ بعض جاہل کہتے ہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اصحاب سے مشورہ کرنے کا حکم نہ دیتا بلکہ توکل یہ ہے کہ انسان اسباب ظاہرہ کی رعایت کرے لیکن دل سے اِن اسباب پر اعتماد نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت، اس کی تائید اور اس کی حمایت پر اعتماد کرے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ

لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے میں اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے اعراض کرنے میں رغبت دلائی جائے۔

(تفسیر کبیر: ج:3،ص:83 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری المتوفی 465ھ لکھتے ہیں:

سہل بن عبداللہ تستری نے کہا:

متوکل کی تین علامتیں ہیں۔

1- وہ خود سے سوال نہیں کرتا۔

2- کسی کی دی ہوئی چیز کو رد نہیں کرتا۔

3- کسی کی دی ہوئی چیز کو جمع نہیں کرتا۔

بایزید سے پوچھا گیا۔

توکل کی کیا تعریف ہے۔

انہوں نے پوچھا:

تمہارے نزدیک توکل کی کیا تعریف ہے؟

سائل نے کہا:
ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ
توکل یہ ہے کہ
اگر تمہارے بائیں اور دائیں درندے اور اژدھے ہوں تو تمہارے دل میں خوف نہ پیدا ہو۔
بایزید نے کہا:
ہاں یہ بھی درست ہے لیکن اگر اہل جنت کو جنت میں ثواب ہو رہا ہو اور اہل دوزخ کو دوزخ میں عذاب ہو رہا ہو اور تم ان میں تمیز کر رہے ہو تو تم متوکلین میں سے نکل جاؤ گے۔
سہل بن عبداللہ نے کہا:
توکل کا پہلا درجہ یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح ہو جس طرح مردہ غسال کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔
امام قشیری فرماتے ہیں کہ
توکل کا محل قلب ہے اور اس کی ظاہری حرکت قلب کے توکل کے منافی نہ ہو اور اس کے نزدیک تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اگر کوئی چیز مشکل ہو تو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہے اور اگر کوئی چیز آسان ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہے۔
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اونٹنی پر سوار ہو کر آیا۔
اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ
اونٹنی کو کھلا چھوڑ کر توکل کروں یا اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اونٹنی کو باندھ کر توکل کرو۔
(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2344)
ابراہیم خواص بیان کرتے ہیں کہ
وہ ایک دیہات میں جا رہے تھے انہوں نے ایک آواز سنی انہوں نے مڑ کر دیکھا تو ایک اعرابی جا رہا تھا۔
اس نے کہا:
اے ابراہیم! ہمارے نزدیک توکل یہ ہے کہ جب تم کسی شہر میں جاؤ تو شہر والوں سے تمہاری یہ امید نہ ہو کہ وہ تمہیں کھانا کھلائیں گے بلکہ اللہ پر توکل ہو۔
ابوتراب نخشی نے کہا کہ
توکل یہ ہے کہ تم اپنے بدن کو عبادت میں مشغول رکھو اور اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں مستغرق رکھو اور قدر ضروری پر مطمئن رہو اگر تم کو کچھ دیا جائے تو شکر کرو اور نہ دیا جائے تو صبر کرو۔
حمدون قصار سے توکل کے متعلق سوال کیا گیا

تو اس نے کہا:

اگر تمہارے پاس دس ہزار روپے ہوں اور تم پر ایک روپے کا قرض ہو تو تم موت سے بے خوف نہ ہو۔ ہوسکتا ہے کہ تم پر وہ قرض رہ جائے اور تمہارے اوپر دس ہزار روپے قرض ہو اور تمہارے پاس اس کی ادائیگی کے لئے رقم نہ ہو تو تم اللہ تعالیٰ سے مایوس نہ ہو کہ وہ تمہارے قرض کی ادائیگی کی سبیل کر دے گا۔

استاذ ابوعلی دقاق یہ کہتے ہیں کہ

متوکل کے تین درجات ہیں۔

1- التوکل

2- پھر تسلیم

3- پھر تفویض

اللہ تعالیٰ کے وعدے پر مطمئن ہونا توکل ہے اور اس کے علم پر قناعت کرنا تسلیم ہے اور اس کے حکم پر راضی رہنا تفویض ہے توکل ابتداء ہے تسلیم متوسط ہے اور تفویض انتہاء ہے۔

نیز استاذ ابوعلی دقاق کہتے تھے کہ

توکل مومنین کی صفت ہے۔ تسلیم اولیاء کی صفت ہے اور تفویض موحدین کی صفت ہے یا توکل عوام کی صفت ہے اور تسلیم خواص کی صفت ہے اور تفویض خواص و نخواص کی صفت ہے۔

نیز وہ کہتے تھے کہ

توکل عام انبیاء کرام علیہم السلام کی صفت ہے اور تسلیم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفت ہے اور تفویض ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے۔

(الرسالۃ القشیریہ: ص: 200 تا 204 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

بہت سے علماء کرام نے توکل کی یہ تعریف کی ہے انسان جس کام کا مالک ہو اور اس کے نفع اور ضرر پر قادر ہو اس کام کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے یہ توکل ہے۔

اور بعض علماء نے یہ کہا کہ

انسان پر کوئی ایسی مصیبت ٹوٹ پڑے جس کو وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے دور کر سکتا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اس مصیبت کو دور نہ کرے تو یہ توکل ہے۔

مثال کے طور پر

وہ جھوٹی گواہی پیش کر کے کسی الزام سے بچ سکتا ہو لیکن وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے ایسا نہ کرے تو یہ توکل ہے۔

اور بعض علماء نے کہا:

یہ توکل کا اولیٰ مرتبہ ہے۔

بعض عارفین سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے میں لوگوں کی تین قسمیں ہیں۔

1- انسان کسی چیز کے سبب کو حاصل کر کے اس کو طلب کرے اور اس کی نیت یہ ہو کہ وہ اس چیز سے مخلوق کو نفع پہنچائے گا۔

2- انسان کسی چیز کے حصول کے اسباب سے صرف نظر کرے نہ اس چیز کو طلب کرے نہ اس چیز کی حرص کرے اور اپنے آپ کو فرائض وواجبات کی ادائیگی میں مشغول رکھے۔

3- انسان کسی چیز کو طلب نہ کرے اور اس کے حصول کے لئے کوئی کوشش نہ کرے اور یہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو مہمل نہیں چھوڑا بلکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے اور اس کی تقدیر سے فارغ ہو چکا ہے اور اس نے ہر چیز کے حصول کو ایک وقت مقرر کے لئے مقدر کر دیا ہے پس متوکل وہ شخص ہے جس نے غور وفکر کرنے اور اشیاء کے اسباب کو تلاش کرنے سے اپنے نفس کو آرام اور راحت کے ساتھ رکھا ہوا ہے اور وہ اسی کا منتظر ہے کہ تقدیر سے اس کے لئے کیا چیز ظاہر ہوتی ہے اور اس کو یہ یقین ہے کہ طلب کرنے سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور توکل اس کو منع نہیں کرے گا اور جب وہ اپنے آپ کو اسباب کی غلامی سے نکال لے گا اور وہ اپنے توکل میں اللہ تعالیٰ کے حق کے سوا اور کسی چیز کا لحاظ نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر مہم میں کافی ہوگا۔

(روح المعانی: جز: 19، ص: 205 تا 206 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی متوفی 743ھ لکھتے ہیں:

حق توکل کا معنیٰ یہ ہے کہ

انسان کو یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کسی کام کو کرنے والا نہیں ہے اور مخلوق میں سے جو چیز بھی موجود ہے اس کو وہی رزق دیتا ہے وہی عطا کرتا ہے وہی منع کرتا ہے وہی زندگی دیتا ہے وہ موت دیتا ہے وہی غنی کرتا ہے اور وہی فقیر کرتا ہے اور جو چیز بھی موجود ہے اس کا وجود اللہ تعالیٰ سے ہی ہے پھر وہ اچھے طریقہ سے اپنے مطلوب کی طلب میں کوشش کرے اس کو پرندوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے کیونکہ پرندے صبح کو بھوکے نکلتے ہیں پھر وہ اپنی روزی اور رزق کی تلاش کرتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں۔

امام ابو حامد غزالی نے کہا ہے کہ

بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ توکل کا معنیٰ ہے بدن سے کسب اور کوشش کو ترک کرنا اور دل سے تدبیر کو ترک کرنا اور انسان زمین پر اس طرح پڑا رہے جیسے زمین پر کپڑے کا ٹکڑا پڑا ہو یا گوشت کی بوٹی پڑی ہو اور یہ جاہلوں کا گمان ہے اور ایسا توکل کرنا شریعت میں حرام ہے اور شریعت نے توکل کرنے والوں کی تعریف کی ہے تو جو شخص حرام کام کرے گا وہ کیسے تعریف اور تحسین کا مستحق ہوگا۔

اور توکل کا معنیٰ یہ ہے کہ

بندہ اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے اپنے عمل کو بروئے کار لائے اور سعی اور جدوجہد کرے۔

(الکاشف عن حقائق السنن: ج: 6، ص: 362 تا 363 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میری امت میں سے ستر ہزار افراد بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے یہ وہ لوگ ہیں جو نہ داغ لگواتے ہوں گے دم کرتے ہوں گے اور نہ بدفالی نکالتے ہوں گے اور صرف اپنے رب عزوجل پر توکل کرتے ہوں گے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6472)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی 676ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام عبداللہ المازری نے کہا ہے کہ

اس حدیث سے استدلال کر کے بعض علماء نے کہا کہ

دوا اور علاج کرنا مکروہ ہے اور جمہور علماء اس کے خلاف ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ کثرت احادیث مبارکہ میں دواؤں کے اور کھانے پینے کے فوائد بیان کیے ہیں اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دواؤں سے علاج کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوا کرنے اور دم کرنے سے شفاء کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہ کثرت احادیث منقول ہیں۔

اور احادیث صحیحہ میں ہے کہ

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بچھو کے کاٹے ہوئے پر دم کرنے کی اجرت لی اور جب یہ چیزیں ثابت ہیں تو پھر اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ حق توکل کے منافی وہ لوگ ہیں جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ دوائیں اپنی طبیعت سے نفع دیتی ہیں اور وہ شفاء کو اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض نہیں کرتے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

اکثر شارحین حدیث نے اس تاویل کو اختیار کیا ہے لیکن یہ تاویل درست نہیں ہے کہ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی زائد فضیلت کا ذکر کیا ہے کہ یہ لوگ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے اور ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے اور اگر یہ تاویل درست ہوتی تو پھر یہ لوگ اس فضیلت کے ساتھ مخصوص نہ ہوتے کیونکہ تمام مومنوں کا یہی عقیدہ ہے اور جس کا عقیدہ اس کے خلاف ہے وہ کافر ہے اور علماء اور اصحاب المعانی نے اس مسئلہ میں کلام کیا ہے۔

اور علامہ ابوسلیمان خطابی وغیرہ نے کہا ہے کہ

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اور اس کی تقدیر اور اس کی نازل کی ہوئی بیماری پر راضی رہتے ہوئے علاج اور دم کرانے اور دیگر اسباب کو ترک کر دیتے ہیں۔

علامہ خطابی نے کہا:

یہ مؤمنین کاملین کے بلند درجات میں سے ہے اور بہت علماء کا یہ مذہب ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

یہ اس حدیث مبارکہ کا ظاہر معنیٰ ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ داغ لگوانے، دم کرانے اور طب کی باقی انواع میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ سب حق توکل کے منافی ہیں۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ
حدیث مبارکہ کا ظاہر معنٰی وہی ہے جس کو علامہ خطابی نے اختیار کیا ہے اور حق توکل کرنے والے وہی لوگ ہیں جو اسباب ترک کردیں اور رہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علاج کرنا تو وہ بیان جواز کے لئے ہے کیونکہ حدیث صحیح میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو داغ لگوانے سے منع بھی فرمایا ہے (پہلے زمانہ میں درد کی جگہ پر لوہے کو گرم کر کے داغ لگا دیتے تھے اور یہ بھی علاج کی ایک قسم ہے)
توکل کی حقیقت میں متقدمین اور متاخرین علماء کرام کا اختلاف ہے۔
ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ
توکل کے اسم کا وہ ہر شخص مستحق ہے جس کے دل میں غیر اللہ کا خوف بالکل نہ ہو اس کو کسی درندہ کا خوف نہ ہو نہ کسی دشمن کا حتٰی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ضمانت پر اعتماد کرتے ہوئے رزق کے طلب کرنے کو بھی چھوڑ دے۔
ایک جماعت نے کہا:
توکل کی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنا اور یہ یقین رکھنا کہ اس کی تقدیر نافذ ہوگی اور اپنے مقاصد کے حصول کے لئے سعی اور جدوجہد کرنے میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنا خصوصاً کھانے پینے میں اور دشمنوں سے حفاظت کے معاملہ میں جیسا کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ سنت ہے۔
قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:
اول الذکر بعض متصوفہ اور اصحاب علم القلوب والاشارات کا مذہب ہے اور ثانی الذکر عامۃ الفقہاء کا مذہب ہے۔
اور صوفیاء میں سے محققین نے توکل کی تعریف میں یہ کہا ہے کہ
اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اسباب کو اختیار کرنا ضروری ہے لیکن جب انسان صرف اسباب پر قناعت کرے اور مطمئن ہو جائے تو یہ توکل نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کی حکمت کے مطابق اسباب کو اختیار کرے اور اس کا یہ یقین ہو کہ یہ اسباب کسی نفع کے حصول یا ضرر کو دفع کرنے میں مستقل اور مؤثر نہیں ہیں اور نفع اور ضرر اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادہ سے ہی ظاہر ہوگا یہ تمام کلام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔
(اکمال المعلم بفوائد مسلم: ج:1،ص:601 تا 604 مطبوعہ دار الوفاء بیروت)
(صحیح مسلم بشرح النووی: ج:2،ص:1099 تا 1100 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)
یہ اقوال تو توکل کے متعلق تھے اب توکل کے متعلق چند احادیث مبارکہ نقل کرتا ہوں۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
مجھ پر امتیں پیش کی گئیں ایک نبی اور دو نبیوں کے ساتھ (دس سے کم لوگوں کی) ایک جماعت تھی اور بعض نبی ایسے تھے کہ ان کے ساتھ ایک آدمی بھی نہیں تھا حتیٰ کہ میں نے ایک بہت بڑی جماعت دیکھی میں نے سوچا یہ کون سی جماعت ہے۔ کیا یہ میری امت ہے۔

کہا گیا۔

بلکہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور ان کی امت ہے۔

اور کہا گیا کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم افق کی طرف دیکھئے تو ایک جماعت نے افق کو بھر لیا تھا۔

پھر مجھ سے کہا گیا۔

ادھر ادھر آسمان کے کناروں میں دیکھئے تو ایک بہت بڑی جماعت تھی جس نے آسمان کے تمام کناروں کو بھر لیا تھا۔

کہا گیا کہ

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے اور ان میں سے ستر ہزار (70000) جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم (حجرہ میں) داخل ہو گئے اور یہ نہیں بیان فرمایا (کہ وہ ستر ہزار کون ہیں) لوگ (اس حدیث میں) بحث تمحیص کرنے لگے۔

انہوں نے کہا:

اس کا مصداق ہم لوگ ہیں ہم لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی ہم ہیں یا ہماری اولاد ہے جو اسلام میں پیدا ہوئی کیونکہ ہم جاہلیت میں پیدا ہوئے تھے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بحث پہنچی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ وہ لوگ ہیں جو (زمانہ جاہلیت) منتر نہیں کرتے تھے اور نہ پرندوں سے بدشگونی نکالتے تھے اور نہ (حصول شفا میں) داغ لگانے پر اعتماد کرتے تھے اور صرف اپنے رب عزوجل پر توکل کرتے تھے (اسباب کو مسببات پر مرتب کرکے نتیجہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے تھے اور اس پر اعتماد کرتے تھے)

حضرت عکاشہ بن محصن نے کہا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں بھی ان میں سے ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہاں۔

ایک دوسرا شخص کھڑا ہوا اس نے عرض کیا:

میں بھی ان میں سے ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم پر عکاشہ نے سبقت کر لی۔

(صحیح البخاری: ج:3، ص:83 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اگر تم اللہ تعالیٰ پر کما حقہ توکل کرو تو تم کو اسی طرح رزق دیا جائے گا جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے وہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں۔
(مسند احمد: ج:1،ص:52)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جس شخص کو تنگی اور فقر لاحق ہو اور وہ اس کو لوگوں کے سامنے پیش کرے اس کا فقر و فاقہ ختم نہیں ہوگا اور جس شخص کو فقر و فاقہ لاحق ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حاجت بیان کرے تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جلد یا بہ دیر رزق عطا فرمائے گا۔
(شعب الایمان للبیہقی: ج:2،ص:120)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو شخص اللہ عزوجل کی طرف رجوع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ہر مسئلہ کا ضامن ہوتا ہے اور اس کو وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا اور جو دنیا کی طرف رجوع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دنیا کے سپرد کر دیتا ہے۔
شعب الایمان: ج:2،ص:29 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت مطلب بن حنطب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ نے مجھے جن کاموں کا حکم دیا تھا میں نے تمہیں ان تمام کاموں کا حکم دے دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے جن کاموں سے منع کیا تھا میں نے تمہیں ان تمام کاموں سے منع کر دیا ہے اور بے شک الروح الامین نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک ہرگز نہیں مرے گا حتیٰ کہ وہ اپنے رزق کو پورا کر لے پس تم اچھی طرح طلب کرو۔

دوسری روایت میں ہے۔
حلال کو طلب کرو اور حرام کو ترک کر دو۔
(شعب الایمان: رقم الحدیث: 1186،1187)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

رزق بندہ کو اس طرح طلب کرتا ہے جس طرح اس کی موت اس کو طلب کرتی ہے۔

(صحیح ابن حبان: رقم الحدیث: 3227)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اہل یمن حج کرتے تھے اور زاد راہ نہیں لے جاتے تھے۔

اور کہتے تھے کہ

ہم توکل کرنے والے ہیں اور جب مکہ مکرمہ پہنچتے تو لوگوں سے سوال کرتے تھے۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی (البقرہ:197)

اور زاد راہ (سفر خرچ) لیا کرو بہترین زاد راہ تقویٰ ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:1523)

میں کہتا ہوں کہ

توکل کا معنیٰ اسباب کو ترک کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ کسی چیز کے حصول کے لئے پوری کوشش کی جائے اس کے تمام اسباب مہیا کیے جائیں اور پھر اس کے نتیجہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ جو شخص کسی چیز کے لیے اللہ تعالیٰ پر توکل کرے اس کو وہ چیز حاصل ہو جائے کیونکہ کئی متوکلین مصائب میں گرفتار ہوتے ہیں مگر پھر بھی وہ اپنی نظریں اللہ تعالیٰ کی جانب جمائے رکھتے ہیں اور اس کو حقیقی کارساز سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مجھ بدکار و خطا کار کو بھی توکل کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کو اللہ تعالیٰ پر توکل کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین وصلی اللہ علیہ وسلم!

بیٹوں کا دروازوں سے داخل ہونا

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو جن دروازوں سے داخل ہونے کا فرمایا بیٹے انہی دروازوں سے داخل ہوئے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَیْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ یُغْنِیْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِیْ نَفْسِ یَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ (یوسف:68)

اور جب وہ وہاں سے داخل ہوئے جہاں سے داخل ہونے کا ان کے باپ نے حکم دیا تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے بالکل نہیں بچا سکتا تھا مگر وہ یعقوب کے دل کی خواہش تھی جو اس نے پوری کرلی، بے شک وہ صاحب علم تھے کیونکہ ہم نے ان کو علم عطا کیا تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

بانوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی چھان بین کرنا

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی بازاروں سڑکوں سے گزر کر دربار یوسفی میں پہنچے تو دربانوں نے ان کی چھان بین کی کہ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو پھر انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بتایا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

جب یہ دس بھائی بنیامین وغیرہ بازاروں سڑکوں سے گزرتے ہوئے دربار یوسفی میں پہنچے اور دربانوں نے پورا پتہ لے کر کون ہو کہاں سے آئے ہو حضرت یوسف علیہ السلام کو مطلع کیا۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:80 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کو بلانا اور رہائش کے لئے کمرے عطا کرنا

جب دربانوں نے ان بھائیوں کے متعلق حضرت یوسف علیہ السلام کو مطلع کیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو اپنے پاس بلایا اور ان کو کمرے رہائش کے لئے عطا فرمائے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو اپنے پاس بلایا تو پہلے ان کو رہائش کے لئے کمرے عطا کیے اور حکم دیا کہ ایک کمرے میں دو شخص رہیں اور خود حضرت یوسف علیہ السلام نے ہی چناؤ کیا۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:81 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بھائیوں کا اپنے کمرے خود چننا

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کمروں میں رہائش کے لئے کمروں کو خود چنا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

ایک قول ہے کہ

بھائیوں نے جن میں شمعون بھی شامل ہو گئے تھے خود ہی اپنے آپ کو کمروں کے لئے چنا۔

بنیامین کا اکیلے رہنا اور رونا

جب تمام بھائیوں نے اپنے کمروں کا چناؤ کر لیا تو بنیامین اکیلے رہ گئے اور رونے لگ گئے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

ایک قول ہے کہ

بھائیوں نے جن میں شمعون بھی شامل ہو گئے تھے خود ہی اپنے آپ کو کمروں کے لئے چنا تو بنیامین اکیلے رہ گئے اور رونے لگ گئے۔ (تفسیر نعیمی: ج:13، ص:81 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بنیامین کے رونے پر حضرت یوسف علیہ السلام کا وجہ پوچھنا اور بنیامین کا بتانا

جب بنیامین اکیلے رہ گئے تو رونے لگ گئے حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا کیوں روتے ہو تو انہوں نے دو بھائی

ہونے کا ذکر کیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا:

کیوں روتے ہو۔

عرض کیا کہ

ہم بھی دو بھائی تھے ایک میرا بہت ہی پیارا حسین وجمیل نیک طیب طاہر بھولا بھالا بھائی تھا جن کو یہ بھائی جنگل میں لے گئے اور شام کو خون آلود کرتہ لا کر کہا تھا کہ اس کو بھیڑیا کھا گیا اگر آج وہ ہوتا تو میں اکیلا نہ ہوتا مجھے میرا بھائی ہر وقت یاد آتا ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:81 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بنیامین کا احوال بیان کرتے وقت بے ہوش ہونا اور گلاب چھڑک کر ہوش میں لانا

جب بنیامین حضرت یوسف علیہ السلام کو تمام احوال بیان کر رہے تھے تو اسی اثناء میں بے ہوش ہو گئے تو ان پر گلاب چھڑک کر ان کو ہوش میں لایا گیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت بنیامین اتنا روئے کہ بے ہوش ہو گئے گلاب چھڑک کر ہوش میں لایا گیا۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:81 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بنیامین کو ساتھ رکھنے کا فرمانا

جب بنیامین نے تمام احوال بیان کر دیئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تم میرے ساتھ رہو گے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

اچھا تم میرے ساتھ رہو گے پھر خلوت میں کچھ باتیں ہوئیں یہی مطلب ہے فرمان مقدس کا کہ اور جب سب داخل ہوئے یوسف (علیہ السلام) کے دربار میں تو یوسف (علیہ السلام) نے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس جگہ دی۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:81 نعیمی کتب خانہ لاہور)

مصر میں آ کر بنیامین کا تین بار رونا

جب بنیامین مصر میں آئے تو تین بار روئے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

مصر میں آ کر تین دفعہ حضرت بنیامین روئے۔

1- پہلی بار جب دروازہ مصر میں داخل ہونے لگے تو شام کا وقت تھا اور باقی دوسرے بھائی تین تین ہو کر دو دو دروازوں کی طرف چل پڑے بنیامین اکیلے اجنبی شام کا اداس وقت تن تنہا اس وقت بھائی یوسف (علیہ السلام) کو یاد

ئے کہ اگر (حضرت) یوسف (علیہ السلام) ہوتا تو مجھ کو اس طرح اکیلا نہ چھوڑتا۔

2-دوسری بار یہ کمروں کی تقسیم کے وقت۔

3-تیسری بار پہلی دفعہ سب بھائی کھانے کے لئے بیٹھے تو ایک ایک پلیٹ میں دو دو آدمی (کے) کھانے کا اہتمام تھا یہ دس ائی دو دو ہو گئے اور یہاں بھی بنیامین اکیلے رہ گئے تو رو پڑے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا:

اے بنیامین کیوں روتے ہو۔

عرض کیا۔

کاش آج یوسف (علیہ السلام) ہوتے میں اکیلا نہ رہتا۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:81 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بنیامین کا اکیلے دروازے سے داخل ہونا

جب مصر کے دروازوں سے تمام بھائی داخل ہونے لگے تو تین تین بھائیوں کا گروہ بن گیا اور بنیامین اکیلے بچ گئے، اور کیلے ہی دروازے سے داخل ہوئے۔ بنیامین کے رونے کی وجوہات میں اکیلے داخل ہونے کی وجہ رقم ہے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

پہلی بار جب دروازہ مصر میں داخل ہونے لگے تو شام کا وقت تھا۔ اور باقی دوسرے بھائی تین تین ہو کر دوسرے دروازوں کی طرف چل پڑے بنیامین اکیلے اجنبی شام کا اداس وقت تن تنہا اس وقت بھائی (حضرت) یوسف (علیہ السلام) کو یاد کر کے ئے کہ اگر میرا بھائی یوسف (علیہ السلام) ہوتا تو مجھ کو اس طرح اکیلا نہ چھوڑتا۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:81 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کی بنیامین سے اکیلے دروازے میں داخل ہوتے ہی ملاقات

بنیامین جب اکیلے دروازے سے داخل ہونے لگے تو اسی دروازے میں حضرت یوسف علیہ السلام کی بنیامین سے ملاقات ہوئی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ

یہیں حضرت یوسف علیہ السلام کی ملاقات تنہائی میں ہو گئی تھی کیونکہ یہ دروازہ محل شاہی کے قریب تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام اس طرف آئے ہوئے تھے کہ اتفاقی ملاقات ہوئی جس کی غیبی خبر کا اشارہ حضرت یعقوب علیہ السلام پہلے فرما چکے تھے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:81 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بنیامین سے شادی ہونے کے متعلق پوچھنا

جب کمروں کی تقسیم ہونے لگی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین سے شادی ہونے کے متعلق بھی پوچھا تمہاری شادی ہو چکی ہے تو بنیامین نے کہا ہاں۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ بھی پوچھا کہ

اے بنیامین! تمہاری شادی ہو چکی ہے۔

عرض کیا۔

ہاں! تین لڑکے سات لڑکیاں ہیں۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:81 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بنیامین کا اپنے بیٹوں کے نام حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کے مطابق رکھنا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بنیامین سے شادی کے متعلق پوچھا تو انہوں نے اثبات میں جواب دے کر یہ بھی کہ میں نے اپنے بیٹوں کے نام اپنے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے کے مطابق رکھے ہیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ بھی پوچھا کہ

اے بنیامین! تمہاری شادی ہو چکی ہے۔

عرض کیا۔

ہاں! اور تین لڑکے اور سات لڑکیاں ہیں۔ اور میں نے اپنے بیٹوں کے نام اپنے بھائی کے واقعے کے مطابق رکھے ہیں

ایک کا نام ذئب رکھا ہے کیونکہ کہا گیا تھا کہ ذئب نے کھایا ہے۔

ایک کا نام دم رکھا ہے کیونکہ دم یعنی خون ہی قمیص پر لگا کر لائے تھے۔

تیسرے کا نام یوسف ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:81 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائی کے محبت بھرے نام رکھے ہوئے سن کر رونا

جب بنیامین نے حضرت یوسف علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کے مطابق رکھے ہوئے اپنے بیٹوں نام سنائے تو حضرت یوسف علیہ السلام رونے لگ گئے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

یہ سن کر (یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے کے مطابق رکھے ہوئے نام) بھی رونے لگ گئے اور دل میں سوچنے لگے کہ جب بھائی کو اتنا غم ہے تو والد محترم کو کتنا غم ہوگا۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:81 نعیمی کتب خانہ لاہور)

کھانا کھاتے وقت بنیامین کا رونا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا پاس آ کر بیٹھنا

جب بھائی کھانا کھانے کے لئے بیٹھے تو ایک ایک پلیٹ میں دو دو بیٹھ گئے اور بنیامین اکیلے رہ گئے اور رونے

حضرت یوسف علیہ السلام پاس آکر بیٹھ گئے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

پہلی دفعہ سب بھائی کھانے کے لئے بیٹھے تو ایک ایک پلیٹ میں دو دو آدمی (کے) کھانے کا اہتمام تھا یہ دس بھائی دو دو ہو گئے اور یہاں بھی بنیامین اکیلے رہ گئے تو رو پڑے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

اے بنیامین کیوں روتے ہو؟

عرض کیا۔

کاش آج (حضرت) یوسف (علیہ السلام) ہوتے تو میں اکیلا نہ رہتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام پاس آکر بیٹھ گئے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:81 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بنیامین کو بھائی بن جانے کا فرمانا

جب بنیامین نے اکیلے ہونے کی حضرت یوسف علیہ السلام کو وجہ بتائی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں تمہارا بھائی بن جاؤں تو کیسا ہے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام پاس آکر بیٹھ گئے۔

اور (ارشاد) فرمایا:

مجھے تیرا بار بار غمزدہ ہونا اور رونا نہیں دیکھا جاتا اگر میں تیرا بھائی بن جاؤں تو کیسا ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:81 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی بننے کے فرمان پر بنیامین کا قول

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں تمہارا بھائی بن جاؤں تو کیسا ہے تو بنیامین نے کہا بھائی بننے پر کس کو ناز نہیں ہوگا مگر حضرت یعقوب علیہ السلام کی ولدیت اور راحیل کا لخت جگر ہونا تو آپ علیہ السلام کو میسر نہیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

(بنیامین نے) عرض کیا۔

آپ (علیہ السلام) کے بھائی بننے پر کس کو ناز نہ ہوگا مگر یعقوب کی ولدیت اور راحیل کا لخت جگر ہونا تو آپ (علیہ السلام) کو میسر نہیں۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:81 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بنیامین کے ساتھ کھانا تناول فرمانا

جب بنیامین نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائی بننے کی وجوہات بتادیں تو پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے بنیامین کے ساتھ کھانا تناول فرمایا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

(بنیامین نے) عرض کیا۔

آپ (علیہ السلام) کے بھائی بننے پر کس کو ناز نہ وہ گا مگر (حضرت) یعقوب (علیہ السلام) کی ولدیت اور راحیل کا لخت جگر ہونا تو آپ (علیہ السلام) کو میسر نہیں اس کے بعد حضرت یوسف (علیہ السلام) نے ساتھ کھانا شروع کیا یہ وقت تھا جب حضرت یوسف (علیہ السلام) بنیامین کے بہت قریب ہوئے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:81 نعیمی کتب خانہ لاہور)

کھانا تناول فرماتے وقت حضرت یوسف علیہ السلام کے چہرہ مقدس کو بنیامین کا تک تک کر دیکھنا

جب حضرت یوسف علیہ السلام بنیامین کے ساتھ کھانا تناول فرمانے لگے تو بنیامین آپ علیہ السلام کے چہرہ مقدس کو تک تک کر دیکھنے لگے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

اب بنیامین نے جب غور سے دیکھا تو دیکھتے ہی چلے گئے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:81 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بنیامین کو کھانا تناول کرنے کا فرمان

جب بنیامین حضرت یوسف علیہ السلام کو تک تک کر دیکھنے لگے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

اے بنیامین کھانا کھاؤ مجھے کیا دیکھے جا رہے ہو۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

اے بنیامین کھانا کھاؤ مجھے کیا دیکھے جا رہے ہو۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:82 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بنیامین کا فرمانا کہ مجھے آپ کا چہرہ اپنے بھائی (حضرت) یوسف (علیہ السلام) سے ملتا جلتا نظر آتا ہے

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا اے بنیامین کھانا کھاؤ مجھے کیا دیکھے جا رہے ہو تو بنیامین نے کہا اے عزیز مجھے آپ کا چہرہ اپنے بھائی (حضرت) یوسف (علیہ السلام) سے ملتا جلتا نظر آتا ہے۔ اس لیے جی بھر کے یہ چہرہ دیکھ دیجئے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

(بنیامین نے) عرض کیا۔

اے عزیز اے بادشاہ۔ اے محسن مجھے آپ (علیہ السلام) کا چہرہ اپنے بھائی (حضرت) یوسف (علیہ السلام) سے کچھ ملتا جلتا نظر آتا ہے اس لیے جی بھر کے یہ چہرہ دیکھ لینے دیجئے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:82 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بنیامین کا قول سن کر حضرت یوسف علیہ السلام تڑپ گئے

جب بنیامین نے کہا اے عزیز مصر مجھے آپ کا چہرہ اپنے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام سے کچھ ملتا جلتا نظر آتا ہے اس لیے جی بھر کے دیکھ لینے دیجئے تو حضرت یوسف علیہ السلام تڑپ گئے مگر ضبط کیا اور فرمایا اے بنیامین کھانا کھاؤ۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

(بنیامین نے) عرض کیا۔

اے عزیز مصر اے بادشاہ اے محسن! مجھے آپ کا چہرہ اپنے بھائی (حضرت) یوسف (علیہ السلام) سے کچھ ملتا جلتا نظر آتا ہے اس لیے جی بھر کے یہ چہرہ دیکھ لینے دیجئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام تڑپ گئے مگر ضبط کیا۔

اور (ارشاد) فرمایا:

اے بنیامین کھانا کھاؤ۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:82 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کا رب تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں جدائی کو ختم کرنے کی دعا کرنا

جب دونوں بھائیوں یعنی حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین کھانا تناول فرما چکے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں دعا کی کہ یا اللہ عزوجل دکھوں اور غموں والی جدائیوں کو ختم فرمادے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

کھانے کے بعد آپ (علیہ السلام) نے نہایت آہستہ سے دعا مانگی کہ الٰہی (عزوجل) ان دکھوں اور غموں والی جدائیوں کو ختم فرمادے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:82 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا مانگی کہ الٰہی عزوجل ان دکھوں اور غموں والی جدائیوں کو ختم فرمادے تو آپ علیہ السلام کو القاء ہوا کہ اے یوسف علیہ السلام تمہاری دعا قبول ہے جدائی ختم ہوئی اور خود کو بنیامین پر بھائی ظاہر کردے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

روایت ہے کہ

پھر ربی القاء ہوا کہ اے یوسف (علیہ السلام) صابروں کے سردار تمہاری دعا قبول ہے جدائی ختم اب اپنا آپ صرف اپنے

بھائی پر ظاہر کرو اور کسی کو ابھی نہ بتانا۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:82 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بنیامین پر بھائی ہونے کو ظاہر فرمانا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں دعا کی کہ یا اللہ عزوجل ان دکھوں اور غموں والی جدائیوں کو ختم فرما دے تو آپ علیہ السلام کو القاء ہوا کہ اے یوسف علیہ السلام تمہاری دعا قبول ہے اب خود کو بنیامین پر بھائی ظاہر کر دے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے بنیامین پر خود کو بھائی ہونا ظاہر فرما دیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○

(یوسف:69)

جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس ٹھہرایا اور بتایا کہ میں تمہارا بھائی ہوں سو تم اس بدسلوکی پر غمگین نہ ہونا جو یہ کرتے رہے تھے۔

بھائیوں کا بنیامین کو حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس لے کر جانا

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو یہ فرمایا تھا کہ تم واپس ضرور آنا اور بنیامین کو لے کر آنا تو بھائی بنیامین کو لے کر حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس لے گئے اور کہا ہم بنیامین کو لے کر آئے ہیں آپ علیہ السلام نے فرمایا تم نے بہت اچھا کیا ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

جب حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے، حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

اور عرض کیا۔

یہ ہمارا وہ بھائی ہے جس کے متعلق آپ علیہ السلام نے کہا تھا کہ اس کو لے کر آنا اب ہم اس کو لے کر آئے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

تم نے اچھا کیا اور درست کیا اور تم کو عنقریب اس پر انعام ملے گا۔

(جامع البیان: ج:13، ص:20 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کی ضیافت کرنا

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کی ضیافت کی۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(روایت کے آخری حصے کو نقل کرنے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کے قول کو نقل کیا کہ) حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

میں تمہاری ضیافت اور تکریم کرنا چاہتا ہوں پھر آپ علیہ السلام نے دو دو کو کھانے پر بٹھایا اور ان کو عمدہ کھانے پیش کیے۔

(جامع البیان: ج:13،ص:20 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بنیامین کو اپنے ساتھ کھانے میں شامل فرمانا

جب تمام بھائیوں کو کھانا عطا فرما دیا تو بنیامین اکیلے رہ گئے پھر آپ علیہ السلام نے ان کو اپنے ساتھ کھانے میں شامل فرما لیا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

پھر بنیامین کے متعلق ارشاد فرمایا:

یہ اکیلا رہ گیا ہے اس کو میں اپنے ساتھ بٹھا لیتا ہوں۔

(جامع البیان: ج:13،ص:21 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

امام عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی 255ھ روایت کرتے ہیں کہ

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے دو دو کو ایک ساتھ دستر خوان پر بٹھایا اور بنیامین کو اکیلا بٹھایا وہ رونے لگے۔

اور کہا:

اگر میرا بھی بھائی ہوتا تو آپ مجھے اس کے ساتھ بٹھاتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

میں اس کو اکیلا دیکھ رہا ہوں سو میں اس کو اپنے ساتھ بٹھا لیتا ہوں۔

(زاد المسیر: ج:4،ص:255 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

دو دو بھائیوں کو ایک کمرہ دینا

حضرت یوسف علیہ السلام نے بہت پیاری تقسیم یوں فرمائی کہ دو دو بھائیوں کو ایک کمرہ دیا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام نے دو دو کو ایک کمرے میں ٹھہرایا۔

(جامع البیان: ج:13،ص:21 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

امام عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی 255ھ لکھتے ہیں:

پھر جب رات ہوئی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے دو دو کو ایک کمرہ دیا۔

(زاد المسیر: ج:4،ص:255 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بنیامین کو اپنے کمرے میں ٹھہرانا

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کی رہائش کے متعلق بھی بہت پیاری تقسیم فرمائی دو دو بھائیوں کو ایک کمرہ دیا اور بنیامین کو اپنے کمرے میں ٹھہرایا گویا ہر کمرے میں دو دو بھائی قیام پذیر ہوئے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

پھر بنیامین کے متعلق حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

بنیامین کو میں اپنے کمرہ میں ٹھہرالیتا ہوں۔

(جامع البیان: جز:13،ص:21 مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت)

امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی 255ھ لکھتے ہیں:

بنیامین اکیلے رہ گئے۔

تو ارشاد فرمایا:

اس کو میں اپنے ساتھ کمرے میں رکھ لیتا ہوں۔

(زادالمسیر: ج:4،ص:256 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے کمرے میں جا کر بنیامین کو اپنا سگا بھائی بتایا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو اپنے کمرے میں رکھا تو وہاں آپ علیہ السلام نے یہ بھی ظاہر فرمادیا کہ میں تمہارا سگا بھائی حضرت یوسف علیہ السلام ہوں۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام نے تنہائی میں بنیامین کو بتایا کہ

میں تمہارا سگا بھائی ہوں تمہارے یہ بھائی جو کچھ بدسلوکی کرتے رہے ہیں تم اس پر غم نہ کرنا۔

(جامع البیان: جز:13،ص:21 مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت)

امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی 255ھ لکھتے ہیں:

تنہائی میں حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

کیا تمہارا کوئی ماں شریک بھائی ہے۔

اس نے کہا:

ہاں! میرا ایک ماں شریک بھائی تھا۔ وہ ہلاک ہوگیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا:

کیا تم یہ پسند کرو گے کہ تمہارے اس ہلاک شدہ بھائی کے قائم مقام میں تمہارا بھائی بن جاؤں۔

بنیامین نے کہا:

اے بادشاہ! آپ جیسا بھائی کس خوش نصیب کا ہوگا۔لیکن آپ حضرت یعقوب علیہ السلام سے پیدا نہ ہوئے نہ راحیل (والدہ محترمہ) سے۔پھر حضرت یوسف علیہ السلام رونے لگے اور اس کو گلے لگالیا۔

اور ارشاد فرمایا:

میں تمہارا (سگا) بھائی ہوں اور تم اب غم نہ کرنا یعنی وہ جو ہم پر حسد کرتے رہے تھے اور ہمارے باپ کی توجہ اپنی طرف پھیرنے کی جو کوشش کرتے رہے تھے اس پر اب تم غم نہ کرنا۔

(زادالمسیر :ج:4،ص:256 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا خلوت میں بنیامین کا نام پوچھنا

حضرت یوسف علیہ السلام جب خلوت میں بنیامین کو لے گئے تو آپ علیہ السلام نے بنیامین سے ان کا نام پوچھا تو انہوں نے کہا بنیامین،آپ علیہ السلام نے فرمایا کون سا بنیامین تو اس نے کہا جن کی ماں ان کے پیدا ہونے کے بعد فوت ہوگئی تھی۔

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

جب خلوت ہوئی تو آپ علیہ السلام نے اس (بنیامین) سے اس کا نام پوچھا:

تو اس نے کہا:

بنیامین۔

آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

کون سا بنیامین؟

اس نے کہا:

جس کی ماں اس کے پیدا ہونے کے بعد فوت ہوگئی تھی۔

آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

کیا تو پسند کرتا ہے کہ میں تیرا بھائی بن جاؤں اس کی جگہ جس کی محبت تجھ مضطرب کیے ہوئے ہے۔

بنیامین نے کہا:

اے بادشاہ! تیسرے جیسا بھائی کون پائے گا لیکن تو میرا بھائی کیسے ہوگا جبکہ تجھے حضرت یعقوب علیہ السلام اور راحیل نے جنا ہی نہیں۔حضرت یوسف علیہ السلام یہ سن کر رونے لگے اور اٹھ کر بنیامین سے معانقہ کیا۔

(معالم التنزیل:ج:3،ص:305 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا سگا بھائی ہونا سن کر بنیامین پر نیم غشی طاری ہونا

جب بنیامین کو حضرت یوسف علیہ السلام نے بتایا کہ میں تمہارا سگا بھائی حضرت یوسف علیہ السلام ہی ہوں تو بنیامین پر نیم غشی جیسی کیفیت طاری ہوگئی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

بس اس اچانک خوشخبری سے بنیامین پر نیم غشی کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:82 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بنیامین کا حضرت یوسف علیہ السلام سے اب جدا نہ ہونے کا قول

جب نیم غشی طاری ہونے کے بعد افاقہ ہوا تو بنیامین نے کہا اب تو میں تم سے جدا نہ ہوں گا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

جب افاقہ ہوا تو بنیامین نے عرض کیا:

اب تو میں تم سے جدا نہ ہوؤں گا کیونکہ مجھے ان سے یہ خطرہ ہے کہ جب آپ (علیہ السلام) سے والد محترم نے محبت کی انہوں نے آپ (علیہ السلام) کو نقصان پہنچایا اب آپ (علیہ السلام) نے کل سے مجھ پر مہربانی فرمائی ہے جس کو یہ بھائی د[یکھ] رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ان کو پھر حسد لگ جائے اور یہ مجھ پر بھی راستے میں ظلم کریں۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:82 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بنیامین کو غم نہ کرنے کا قول

جب بنیامین نے کہا کہ یہ راستے میں مجھ پر ظلم کریں گے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اے بنیامین تم اس کا غم نہ کرو جس طرح یہ پہلے کرتے رہے ہیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اے بنیامین تم اس کا غم نہ کرو جو یہ پہلے کرتے رہے اور ابھی اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کرنا اس کا بھی ابھی وقت نہیں میں تم [کو] ابھی روک نہیں سکتا ورنہ کوئی وجہ بتانی پڑے گی اور راز فاش ہونے کا اندیشہ ہے ہاں رب العزت مسبب الاسباب ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:82 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین کی آپس میں ملاقات کے وقت عمر مبارک

حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین کی آپس میں ملاقات کے وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر مبارک اکتالیس (41) سال تھی اور بنیامین کی عمر تقریباً سینتیس (37) سال تھی اور بنیامین چار سال چھوٹے تھے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

اس وقت (یعنی ملاقات کے وقت) حضرت یوسف (علیہ السلام) کی عمر (مبارک) اکتالیس (41) سال تھی بنیامین تقریباً 37 (سینتیس) سال تھی۔ آپ (علیہ السلام) چار سال تقریباً چھوٹے تھے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:82 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین کی جدائی کے وقت عمر مبارک کیا تھی

حضرت یوسف علیہ السلام کی بنیامین سے جدائی کے وقت گیارہ سال عمر مبارک تھی اور بنیامین کی سات سال عمر مبارک تھی

تفسیر نعیمی میں ہے۔

جدائی کے وقت حضرت یوسف علیہ السلام گیارہ سال بنیامین سات سال کے تھے۔

واللہ اعلم بالصواب ۔

(تفسیر نعیمی:ج:13،ص:82 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بنیامین کا واپس بھائیوں کے ساتھ جانے سے انکار کرنا

جب بنیامین کو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنا سگا بھائی ہونا بتا دیا تو بنیامین نے کہا میں اب تم سے جدا نہیں ہوں گا کیونکہ آپ نے مجھ پر مہربانی فرمائی ہے ہوسکتا ہے ان کو حسد لگ جائے اور راستے میں مجھ پر ظلم کریں لہٰذا میں ان کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

بنیامین نے عرض کیا:

.اب تو میں تم سے جدا نہ ہوؤں گا کیونکہ مجھے ان سے یہ خطرہ ہے کہ جب آپ سے والد محترم نے محبت کی تو انہوں نے آپ کو نقصان پہنچایا اب آپ نے کل سے مجھ پر مہربانی فرمائی ہے جس کو یہ بھائی دیکھ رہے ہیں ہوسکتا ہے کہ ان کو پھر حسد لگ جائے اور یہ مجھ پر بھی راستے میں ظلم کریں۔

(تفسیر نعیمی:ج:13،ص:82 نعیمی کتب خانہ لاہور)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو فرمایا کہ میں تمہارا بھائی ہوں۔

تو بنیامین نے کہا:

میں تم سے جدا نہ ہوں گا۔

(معالم التنزیل:ج:3،ص:306 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بنیامین کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے غم کی وجہ سے نہ روکنے کا قول

جب بنیامین نے کہا کہ میں اب آپ علیہ السلام سے جدا نہیں ہوں گا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا میں ابھی تم کو نہیں روک سکتا کیونکہ میری وجہ سے والد محترم کو بہت زیادہ غم ہے اور اگر آپ کو روکا تو والد محترم کا غم اور زیادہ ہو جائے گا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

میرے والد محترم کو جو میرا غم تھا اس کا تو تجھے علم ہے اگر میں تجھے یہاں روک لوں گا تو ان کے غم میں اضافہ ہو جائے گا۔

(معالم التنزیل:ج:3،ص:306 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے۔

(حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا) میں تم کو ابھی روک نہیں سکتا ورنہ کوئی وجہ بتانی پڑے گی۔ اور راز فاش ہونے کا اندیشہ ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:82 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائی کو روکنے کا عمل

حضرت یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو روکنے کے لئے یہ عمل کیا کہ بنیامین کے خورجین میں اپنا پیالہ چھپا دیا تا کہ چوری کا الزام لگوا کر بنیامین کو روک لیا جائے۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

میرے والد محترم کو جو میرا غم تھا اس کا تو تجھے علم ہے اگر میں تجھے یہاں روک لوں گا تو ان کے غم میں اضافہ ہو جائے گا اور یہ میرے لیے تب ممکن ہے جبکہ میں تمہاری طرف ایسے فعل کو منسوب کروں جو محمود نہیں ہے اور تجھے ایک امر مکروہ کے ساتھ مشہور نہ کروں۔

بنیامین نے کہا:

مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے جو چاہیں آپ علیہ السلام کریں میں آپ علیہ السلام کو کبھی بھی نہیں چھوڑوں گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

پھر آپ کی خورجین میں اپنا پیالہ چھپا دیتا ہوں پھر تم پر چوری کی منادی کروں گا تا کہ آپ کا لوٹنا میری طرف ممکن ہو جائے۔

حضرت بنیامین نے کہا:

تم ایسا کرو تو آپ علیہ السلام نے ایسا کر دیا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:306 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بنیامین کی بوری میں پیالہ رکھنا

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین کو روکنے کے لئے ان کی بوری میں پیالہ رکھ دیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ (یوسف:70)

پھر جب یوسف نے ان کا سامان تیار کیا تو اس نے (شاہی) پیالہ اپنے بھائی کی بوری میں رکھ دیا۔

پیالے کے متعلق اقوال

پیالے کے متعلق مختلف اقوال ہیں کہ وہ کس قسم کا تھا اور کس چیز کے لئے استعمال ہوتا تھا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری لکھتے ہیں:
حضرت حسن بصری، حضرت مجاہد اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہم سے روایت ہے کہ
یہ پانی پینے کا برتن تھا۔
(جامع البیان: ج:13، ص:22 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)
نیز مزید راقم ہیں۔
جَعَلَ السِّقَایَۃَ یعنی بادشاہ کا وہ پیالہ جس سے وہ شراب پیتا تھا۔
وہ فِیْ رَحْلِ اَخِیْہِ اپنے بھائی کی خورجین میں رکھ دیا۔
اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
السِّقَایَۃَ سے مراد جام ہے اور ہر وہ چیز جس میں کوئی چیز پی جائے وہ صواع کہلاتی ہے۔
اور حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
وہ فرماتے ہیں۔
سقایہ اور صواع ایک ہی چیز ہے اس میں حضرت یوسف علیہ السلام پانی پیتے تھے۔
نیز مزید راقم ہیں کہ
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ
صواع الملک سے مراد وہ چاندی کا پیالہ ہے جس میں لوگ پانی پیتے ہیں۔
اور عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ
انہوں نے فرمایا:
سقایہ سے مراد صواع ہے اور یہ علماء کے قول کے مطابق سونے کا پیالہ ہوتا تھا۔
اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
حضرت نافع بن الازرق رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے صواع الملک کے متعلق پوچھا:
تو آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا:
صواع اس پیالہ کو کہتے ہیں جس میں پانی پیا جاتا ہے۔
حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا:
کیا عرب اس کے معنیٰ کو جانتے ہیں۔
ارشاد فرمایا:
ہاں! کیا تو نے الاعشی کا قول نہیں سنا۔
له درمك فی راسه و مشارب
وقدر و طباخ وصاع و ديسق

نیز مزید راقم ہیں۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

صواع الملک سے مراد وہ پیالہ ہے جس کی دونوں طرفیں ملی ہوئی ہوتی ہیں اور اس میں عجمی لوگ پانی پیتے ہیں۔

اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

انہوں نے فرمایا:

صواع الملک یعنی بادشاہ کا پیالہ چاندی کا تھا۔

ایک اور روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ

بادشاہ کا پیالہ تانبے کا تھا۔

(جامع البیان: ج:13، ص:21 تا26 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے۔

بعض نے کہا:

اس سے پہلے بادشاہ پانی پیا کرتا تھا پھر ان قحط کے ہنگامی دنوں میں ادھر استعمال ہونے لگا مگر یہ اس لیے نہیں غلط ہے ا

اگلاس انسانی پینے کے لئے نہیں یہ تو پوری بالٹی برابر تھا بالٹی سے کون پیتا ہے۔

بعض نے کہا:

یہ جانوروں کو پلانے کے لئے تھا پھر ناپنے کے لئے استعمال ہونے لگا مگر یہ بھی غلط ہے اس لیے کہ جانوروں کا بر

بصورت اور قیمتی نہیں ہوتا اور پھر گم ہونے پر اتنا ڈھونڈا بھی نہ جاتا نہ عملے کو پریشانی ہوتی۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:83 نعیمی کتب خانہ لاہور)

پیالہ میں حضرت یوسف علیہ السلام پانی نوش فرماتے تھے

جو پیالہ بنیامین کی خورجین میں رکھا گیا اس میں حضرت یوسف علیہ السلام پانی نوش فرماتے تھے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

سقایہ اور صواع ایک ہی چیز ہے اس میں حضرت یوسف علیہ السلام پانی نوش فرماتے تھے۔

(جامع البیان: ج:13، ص:23 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

چاندی کا پیالہ تھا

جو پیالہ بنیامین کی خورجین میں رکھا گیا وہ چاندی کا تھا۔

حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ

بادشاہ کا پیالہ چاندی کا تھا۔

(جامع البیان: ج:13، ص:26 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

پیالہ کی تلاش کرنا

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا قافلہ کچھ دور چلا گیا تو پیالے کی تلاش ہونے لگی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

برادران یوسف (علیہ السلام) کا قافلہ مع دیگر لوگ اس راستے کے اہل قافلہ کے ساتھ چل پڑا اور کارندے دوسرے خریداروں سے بات چیت، لین دین میں مشغول ہو گئے جب دوسروں کو ناپ کر دینے کا وقت آیا تو وہ گلاس پیالہ ڈھونڈے نہ ملا تب اس شاہی پیالے اور عزیز مصر کے خوف سے کارندے دوڑ پڑے کہ ہو نہ ہو یہی لوگ خوبصورت اور قیمتی ہیروں یا موتیوں جڑا گلاس چرا کر چھپا کر لے گئے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:83 نعیمی کتب خانہ لاہور)

منادی کا قافلہ والوں کو چور ہونے کا اعلان کرنا

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا قافلہ کچھ دور چلا گیا تو ایک منادی نے اعلان کیا کہ اے قافلہ والو تم ضرور چور ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَیَّتُهَا الْعِیْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ۝ (یوسف:70)

پھر منادی نے اعلان کیا کہ اے قافلہ والو! بے شک تم ضرور چور ہو۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

پھر قریب پہنچ کر آواز دی ایک آواز دینے والے نے جو اس عملے کا ذمہ دار افسر تھا۔

اے اونٹوں کے قافلے والو! کیا بے شک تم ہی چور ہو۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:83 نعیمی کتب خانہ لاہور)

پیالہ پر شاہی مہر کا لگا ہونا

پیالہ بہت مضبوط و خوبصورت بنوایا گیا تھا اس پر شاہی مہر بھی لگی ہوئی تھی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

بادشاہی گلاس جو اسی ناپنے کے لئے بہت بڑا مضبوط اور قیمتی خوبصورت بنوایا گیا تھا اس پر شاہی مہر بھی لگی ہوئی تھی ایک صاع گندم اس میں آتی تھی یعنی ساڑھے چار سیر آج کل تقریباً چار کلوگرام پینے والے گلاس کی شکل کا تھا اس لیے اس کو سقایہ کہا جاتا تھا۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:82 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قافلہ والوں کا پوچھنا کہ تمہاری کیا چیز گم ہوئی ہے

جب منادی نے اعلان کیا کہ اے قافلہ والو تم بے شک ضرور چور ہو تو قافلہ والوں نے کہا کہ تمہاری کیا چیز گم ہوئی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا وَ اَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ○ (یوسف:71)

انہوں نے ان کی طرف متوجہ ہوکر پوچھا تمہاری کیا چیز گم ہوگئی ہے۔

کارندوں نے کہا بادشاہ کا پیالہ گم ہوگیا ہے

جب قافلہ والوں نے پوچھا کہ تمہاری کیا چیز گم ہوئی ہے تو کارندوں نے کہا بادشاہ کا پیالہ گم ہوگیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ (یوسف:72)

کارندوں نے کہا بادشاہ کا پیالہ گم ہوگیا ہے۔

پیالہ دینے پر غلہ سے لدا ایک اونٹ کے انعام کا اعلان

کارندے نے کہا جو اس پیالے کو لے کر آئے گا اس کو غلہ سے لدا ہوا ایک اونٹ ملے گا اور میں اس کا خود ضامن ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ○ (یوسف:72)

اور جو اس کو لے کر آئے گا اس کو غلہ سے لدا ہوا ایک اونٹ ملے گا اور میں اس کا ضامن ہوں۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

وہ سب کارندے جو پیالہ گم ہوجانے کی وجہ سے عزیز مصر کے خوف سے انتہائی پریشان تھے بولے ہم بادشاہ کا صاع پاتے ہیں اب ہم کس سے ناپ کر دیں گے اور قیمتی بھی بہت زیادہ ہے تم ہی لوگ آئے ہو مہربانی دوستو اگر تم میں سے کوئی گلاس ہم کو خود بخود دیدے تو انعام میں ایک غلہ اونٹ اس کو دیا جائے گا اور پہلا اعلان کرنے والا افسر بولا یہ انعام دلوانا میری ذمے داری ہے خواہ مجھ کو اپنے پاس سے خرید کر دینا پڑے میں معتبر اور ذمہ دار افسر ہوں۔

(تفسیر نعیمی:ج:13،ص:83 نعیمی کتب خانہ لاہور)

کیا حضرت یوسف علیہ السلام نے فریب کا کام کیا ہے؟

تفسیر نعیمی میں ہے۔

تفسیر سے ثابت ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے پیالہ چھپایا یہ کام فریب ہے جو شان نبوت کے خلاف ہے۔

جواب

جَعَلَ کی چند تفسیریں ہیں۔

ایک یہ بھی ہے جو معترض نے بیان کی اگر اس تفسیر کو تعلیم کیا جائے تب یہ اعتراض پڑتا ہے۔

اور جواب یہ ہے کہ

فریب وہ ہوتا ہے جس کا خاص کر فریب خوردہ کو پتہ نہ ہو مگر یہاں جس کو اس کام کا نقصان ہونا ہے اس کو پتہ ہے اس

مرضی سے ہو رہا ہے لہٰذا جائز ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13،ص:84 نعیمی کتب خانہ لاہور)

میں کہتا ہوں کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے فریب نہیں کیا اور نبی کبھی فریب کر ہی نہیں سکتا بلکہ نبی کے متعلق فریب کا تصور ہی نہیں ہو سکتا جب تصور ہی نہیں ہو سکتا تو پھر نبی پر فریب کا الزام لگانا بھی جائز نہیں۔

کیا حضرت یوسف علیہ السلام نے جھوٹا بہتان لگوایا تھا؟

تفسیر نعیمی میں ہے۔

اعتراض!

تفاسیر میں ہے کہ

حضرت یوسف (علیہ السلام) کے حکم سے افسر نے آواز دی کہ

اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ

تم چور ہو۔

یہ جھوٹا بہتان، تہمت اور بیگناہوں کو ستانا ہے جو سراسر ظلم ہے۔

جواب

امام ابن ابی بکر رازی نے اس کے تین جواب دیئے ہیں۔

پہلا یہ (ہے) کہ

یہ سب کام حیلہ شرعی ہے اور جائز ہے جیسے حضرت ایوب علیہ السلام کے لئے ان کی بیوی کے سو کوڑوں کی قسم پوری کرنے کے لئے رب تعالیٰ نے جھاڑو مار دینے کا حکم فرمایا اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا اپنی بیوی کو بہن کہہ دینا اسی طرح شریعت اسلامیہ میں کسی کو بچانے کے لئے یا خود بچنے کے لئے حیلہ کرنا جائز ہے۔

دوسرا جواب یہ (ہے) کہ

یہ کام اعلاانچی نے خود کیا حضرت یوسف (علیہ السلام) نے اس کا حکم نہ دیا تھا۔

تیسرا جواب یہ (ہے) کہ

حضرت یوسف (علیہ السلام) نے ان کے سابقہ ظلموں کی مشابہت دیتے ہوئے یہ سارقون کا لفظ توریۃً کہلوایا یعنی تمہارے تمام کام چوروں جیسے ظالمانہ ہیں۔

(تفسیر نعیمی: ج:13،ص:85 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قافلہ والوں کا کہنا کہ ہم زمین میں فساد کرنے نہیں آئے

قافلہ والوں نے کہا اللہ کی قسم ہم زمین میں فساد کرنے نہیں آئے

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِی الْاَرْضِ (یوسف:73)

انہوں نے کہا اللہ کی قسم! تم کو خوب معلوم ہے کہ ہم زمین میں فساد کرنے نہیں آئے۔

قافلہ والوں کا کہنا ہم چور نہیں ہیں

قافلہ والوں نے کہا کہ ہم چور نہیں ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ٥ (یوسف:73)

اور نہ ہم چور ہیں۔

بھائیوں کا اپنی پاکدامنی بیان کرنا

جب کارندوں نے چور ہونے کا کہا تو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنی پاکدامنی بیان کی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

برادران یوسف بولے اللہ (عزوجل) کی قسم کتنا تعجب ہے کہ تم نے البتہ بے شک ابھی تک کے ہمارے تمام ظاہری حالات کو جان لیا ہے کہ کسی دفعہ بھی نہیں آئے ہم کہ فساد پھیلاتے ہم زمین میں یہ تو ہماری ظاہری عادتیں اور خصلتیں تم نے آج تک مشاہدہ کیں کہ ہم نے اپنے اونٹوں کے منہ تک باندھ دیئے تھے جب بھی شہر، بستی، باغات وغیرہ سے گزرتے رہے تاکہ ہمارے جانور بھی کسی دکان یا باغ یا کسی کی چھوٹی موٹی کھیتی میں منہ نہ ماریں اور ہماری باطنی حالت یہ ہے کہ ہم کبھی بھی نہ چور ہوئے نہ ہیں نہ ہوں گے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:91 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی زادہ (علیہ السلام) ہونے کی وجہ سے متقی تھے

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی زادہ (علیہ السلام) ہونے کی وجہ سے متقی اور عبادت گزار تھے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

تاریخوں میں آتا ہے کہ

برادران یوسف نبی زادہ (علیہ السلام) ہونے کی وجہ سے بہت ہی نیک، متقی اور عبادت گزار تھے اگرچہ قحط سالی کی وجہ سے عام کھیت نہ تھے مگر اونٹ عموماً درختوں پر منہ مارتے ہیں اس لیے انہوں نے تمام اونٹوں کے منہ باندھ دیئے تھے۔ یہ ان کا انتہائی زہد تھا۔

بعض تفسیروں میں لکھا ہے کہ

اسی چکر میں برادران یوسف وہ ساری رقم واپس لے آئے تھے جو پہلے ان کی بوریوں میں نکلی تھی اس لیے کہہ رہے ہیں کہ تم جانتے ہو کہ ہم نہ فسادی ہیں نہ چور ہم نے تمہاری رکھی ہوئی رقم بھی تم کو لاکر واپس کردی اب بھی تم پر تعجب ہے کہ تم ہم کو چور

رہے ہو۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:91 نعیمی کتب خانہ لاہور)

کارندوں نے کہا اگر تم جھوٹے نکلے تو کیا سزا ہونی چاہیے؟

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی اپنی پاکدامنی بیان کر چکے تو کارندوں نے کہا اگر تم جھوٹے نکلے تو تمہاری کیا سزا ہونی چاہیے۔

قرآن مجید میں ہے: قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ○ (یوسف:74)

کارندوں نے کہا اگر تم جھوٹے نکلے تو تمہاری کیا سزا ہونی چاہیے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے چور کی سزا خود مقرر کی

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے چور کی سزا خود مقرر کی کہ جس کی بوری سے پیالہ نکلا اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو اس پیالہ کے بدلہ میں رکھ لیا جائے کیونکہ ظالموں کی یہی سزا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِیْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ○ (یوسف:75)

انہوں نے کہا جس کی بوری سے وہ (پیالہ) برآمد ہوا اس کی سزا یہ ہے کہ اسی کو رکھ لیا جائے ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں چور کی سزا چور کو غلام بنانا تھی

حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں چور کی سزا چور کو غلام بنانا تھی۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن زید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

انہوں نے قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ فرمایا ان کے بارے میں فیصلہ تم دے دو جو چور ہیں۔

انہوں نے کہا:

جس کی خورجی میں پایا گیا وہی اس کی جزاء ہے، حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں کے دور میں یہ فیصلہ ہوتا تھا کہ جس نے چوری کی ہے وہ غلام بنالیا جائے اس کا جس کی اس نے چوری کی ہے۔

نیز مزید راقم ہیں۔

حضرت الکلبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

انہوں نے وہ فیصلہ بتایا جو چور کے متعلق ان کے شہر میں کیا جاتا تھا اور وہ یہ تھا کہ چوری کرنے والا غلام بنالیا جاتا تھا۔

انہوں نے کہا:

جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِیْ رَحْلِهٖ

اس کی سزا یہ ہے کہ
جس کے سامان میں یہ پیالہ دستیاب ہو وہی اس کی جزاء ہے۔
(جامع البیان: ج:13،ص:30 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)
امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ
اس زمانہ میں ہر چور کو اس کی چوری کے جرم میں غلام بنالیا جاتا تھا اور ان کی شریعت میں چور کو غلام بنانا اس کے ہاتھ کاٹنے کے قائم مقام تھا۔
(تفسیر کبیر: ج:6،ص:477 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)
تفسیر نعیمی میں ہے۔
بولے اس چوری کا بدلہ وہی شخص ہے پائی جائے وہ چوری شدہ چیز جس کے سامان میں سے تو وہ چور ہی اس چوری کے جرم کا بدلہ ہے ہم تو اپنے قانون اپنی شریعت میں اسی طرح ظالموں کو مجرموں اور چوروں کو سزا دیتے ہیں۔
روایتوں میں آتا ہے کہ
حضرت یعقوب علیہ السلام صاحب شریعت رسول مکرم تھے اور آپ (علیہ السلام) کی شریعت میں چور کی سزا چور کو غلام بنانا تھا یعنی جس کی چوری کی ہے۔عدالت کا فیصلہ یہ ہوتا تھا کہ چور اسی کی غلامی میں ساری زندگی گزار دے۔اور اس کو بیچا بھی جا سکتا تھا گویا کہ غلامیت پورے حقوق کے ساتھ ہوتی تھی۔
روح البیان نے فرمایا کہ
ایک سال کی غلامیت ہوتی تھی مگر یہ غلط ہے کیونکہ غلامیت نام ہے ملکیت تامہ کا اور ملکیت مقتضی ہے پورے کی جس میں بیچنا بھی شامل ہے ایک سال کی غلامیت میں بیچا نہیں جا سکتا اور پھر جس کا مال چوری ہو گیا اس کو کیا فائدہ ہوا الٹا اس کو ایک سال تک کھلانا پلانا، رہائش، لباس کا خرچہ پڑ گیا مکمل غلامیت میں کم از کم اس کو بیچ کر اپنا نقصان تو پورا کر سکتا ہے یا اس سے کاروبار کرا کر اپنا مال نکلوا سکتا ہے۔
بعض نے فرمایا کہ
ایسے غلام بیچنا منع تھا صرف خدمت لے سکتا تھا یہ سب شریعت یعقوبی کے قانون تھے۔
(تفسیر نعیمی: ج:13،ص:92 نعیمی کتب خانہ لاہور)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں چور کی سزا ہاتھ کاٹنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں چور کے ہاتھ کاٹ دینے کا حکم ہے۔
قرآن مجید میں ہے:
وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ٥
(المائدہ:38)

چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے (دائیں) ہاتھ کو کاٹ دو یہ ان کے کیے ہوئے کی سزا ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک تعزیر ہے اور اللہ بہت غالب نہایت حکمت والا ہے۔

چوری کی حد اور اس کا نصاب

چوری کی حد اور اس کے نصاب کے متعلق احادیث مبارکہ اور فقہاء کرام کے متعدد اقوال ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ میں چور کا ہاتھ کاٹ دیتے تھے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث:4285)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

صرف چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ میں چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث:4287)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ

صرف چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ میں چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث:4288)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کسی چور کا ہاتھ ایک ڈھال کی قیمت سے کم پر نہیں کاٹا گیا اور یہ (یعنی ڈھال) قیمت والی چیز ہے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث:4291)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال کے عوض ایک چور کا ہاتھ کاٹ دیا اور اس ڈھال کی قیمت تین درہم تھی۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث:4293)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ چوری کرنے والے پر لعنت فرمائے وہ ایک بیضہ چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور ایک رسی چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: 4295)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف

امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس شافعی متوفی 204ھ لکھتے ہیں:

جب چور کسی چیز کو چرائے تو اس چیز کی قیمت کا اس دن سے لحاظ کیا جائے گا جس دن اس نے چوری کی تھی اگر اس کی قیمت چوتھائی دینار کو پہنچ گئی تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا ورنہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(الام: ج: 6، ص: 147 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام شافعی کا استدلال اس حدیث مبارکہ سے ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ میں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6789)

واضح رہے کہ چوتھائی دینار تین درہم کے مساوی ہے۔

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

چوتھائی دینار میں ہاتھ کاٹو اور اس سے کم میں نہ کاٹو اور ان دنوں میں چوتھائی دینار تین درہم کے برابر تھا اور دینار بارہ درہم کا تھا اور اگر چوری چوتھائی درہم سے کم ہوتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹنے کا نہ کہتی۔

(مسند احمد، بتحقیق احمد شاکر: ج: 17، رقم الحدیث: 24396 طبع قاہرہ)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف

امام سحنون بن سعید التنوخی مالکی متوفی 256ھ لکھتے ہیں:

میں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ

اگر کوئی شخص آج تین درہم کی چوری کرے اور وہ چوتھائی دینار کے برابر آج نہ ہوں کیونکہ دینار کی قیمت بڑھ گئی ہو تو آپ کے قول کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ہاں اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا جبکہ اس نے اس دن تین درہم کی مالیت کی چوری کی ہو۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین درہم کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تین درہم کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا۔

(المدونۃ الکبریٰ: ج:6، ص:265 مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر)

امام مالک کی دلیل یہ حدیث مبارکہ ہے۔

امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہما اصبحی متوفی 179ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا جس کی قیمت تین درہم تھی۔

(الموطا امام مالک: رقم الحدیث: 1572)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا موقف

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی 620ھ لکھتے ہیں:

تمام فقہاء کے نزدیک نصاب سے کم چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا البتہ حضرت حسن بصری، حضرت داؤد ظاہری، حضرت امام شافعی کے نواسے اور خوارج کا قول یہ ہے کہ

قلیل چیز کی چوری ہو یا کثیر کی چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا کیونکہ قرآن مجید میں مطلقاً ارشاد ہے۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا (المائدہ:38)

چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ چور پر لعنت فرمائے وہ رسی چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور وہ بیضہ چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے نیز قلیل چیز کی چوری کرنے والا بھی حرز (جس جگہ کی حفاظت ہو) سے چیز چراتا ہے تو کثیر چیز کی چوری کی طرح اس پر بھی اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

صرف تین چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا اور اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے اور اجماع کی وجہ سے آیت کے عموم میں تخصیص کی جائے گی اور ہو سکتا ہے کہ اس رسی پر ہاتھ کاٹا جائے جس کی مالیت ربع دینار ہو اور بیضہ سے مراد مرغی کا انڈا نہ ہو بلکہ لوہے کا بیضہ یعنی خود مراد ہو۔

امام احمد سے نصاب سرقہ میں مختلف روایات ہیں۔

ابو اسحاق جوزجانی سے ربع طلائی دینار یا تین چاندی کے درہموں کی روایت ہے یا جو ان کی مالیت ہو۔ امام مالک اور

اسحاق کا بھی یہی قول ہے اور اثرم سے یہ روایت ہے کہ اگر سونے یا چاندی کے علاوہ کسی چیز کی چوری کی ہے تو چوتھائی دینار یا تین درہم کی مالیت نصاب ہے اور ان میں سے کم تر مالیت کو نصاب مانا جائے گا لیث اور ابو ماثور سے بھی یہی مروی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

صرف چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔

حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے بھی یہی روایت ہے، عمر بن عبدالعزیز، اوزاعی، امام شافعی اور ابن منذر کا بھی یہی قول ہے۔

اور عثمان بتی نے کہا کہ

ایک درہم یا اس سے زیادہ کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

حضرت ابوہریرہ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

چار درہم یا اس سے زیادہ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

صرف پانچ درہم میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔

سلیمان بن یسار، ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ کا بھی یہی قول ہے۔

جوزجانی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس ڈھال کے عوض ہاتھ کاٹ دیا جس کی قیمت پانچ درہم تھی۔

عطاء، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا یہ قول ہے کہ

ایک دینار یا دس درہم سے کم کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ حجاج بن ارطاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال کے عوض ایک آدمی کا ہاتھ کاٹ دیا اس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم تھی۔

اور نخعی سے روایت ہے کہ

چالیس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

ہماری دلیل یہ ہے کہ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ڈھال کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا جس کی قیمت تین درہم تھی۔

علامہ ابن عبدالبر نے کہا:

یہ حدیث اس بات میں صحیح ترین حدیث ہے اور اس میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ کی جو پہلی حدیث (جس میں ایک دینار یا دس درہم کی ڈھال پر قطع ید کا ذکر ہے) اس پر دلالت نہیں کرتی کہ دس درہم سے کم میں ہاتھ کاٹا جا

نہیں کیونکہ جو تین درہم کی چوری پر ہاتھ کاٹتے ہیں وہ دس کی چوری پر بھی ہاتھ کاٹتے ہیں۔

(المغنی: ج:9 ص:94، 95 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی 483ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ڈھال کی قیمت کے ماسوا میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے اور ان دنوں اس کی قیمت دس درہم کے برابر تھی۔

اور اس میں یہ دلیل ہے کہ

چور کا ہاتھ کاٹنے کے لئے سرقہ میں نصاب معتبر ہے۔

پھر نصاب کی مقدار میں اختلاف ہے۔

ہمارے علماء کرام نے کہا:

یہ نصاب دس درہم یا ایک دینار ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

چوتھائی دینار ہے۔

امام مالک نے کہا:

تین درہم ہے۔

حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

چالیس درہم ہے۔

امام شافعی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

از زہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

چوتھائی درہم یا اس سے زیادہ میں ہاتھ کاٹا جائے گا اور اس لیے کہ ان کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صرف ڈھال کی قیمت میں ہاتھ کاٹا جاتا تھا۔

اور ڈھال کی قیمت میں اختلاف ہے اور اختلاف کے وقت اس کی کم سے کم قیمت کا اعتبار کیا جائے گا اور کم سے کم قیمت جو منقول ہے وہ تین درہم ہے اس لیے امام مالک نے سرقہ کا نصاب تین درہم قرار دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دینار کی قیمت بارہ درہم تھی تو تین درہم چوتھائی دینار ہو گئے اور ہمارے علماء کرام نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایک دینار یا دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفا اور مرفوعا مروی ہے کہ

ایک دینار یا دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

اور حدیث مبارکہ میں مشہور ہے کہ

دس درہم سے کم میں حد نہیں ہے اور دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

اور ایمن بن ابی ایمن، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جس ڈھال کی چوری میں ہاتھ کاٹا گیا تھا وہ دس درہم کی تھی اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قول کی طرف رجوع کرنا زیادہ لائق ہے کیونکہ وہ مجاہد میں سے تھے اور ہتھیاروں کی قیمت اور لوگوں کی بہ نسبت زیادہ جاننے والے تھے۔

اور یہ کہنا درست نہیں ہے کہ

ڈھال کی اس قیمت کا اعتبار کرنا چاہیے جو کم سے کم ہو کیونکہ چوری شدہ مال کی کم قیمت اس لیے لگائی جاتی ہے تاکہ حد ساقط کیا جا سکے اور یہاں حد کو ساقط کرنا اس وقت متحقق ہوگا جب ڈھال کی قیمت زیادہ سے زیادہ لگائی جائے۔

اور روایت ہے کہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک چور کو لایا گیا جس نے کپڑا چرایا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا:

اس کی چوری دس درہم کے مساوی نہیں ہے پھر اس کپڑے کی قیمت معلوم کی گئی تو اس کی قیمت آٹھ درہم ڈالی گئی تو اس شخص سے حد ساقط کردی گئی۔ یہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ نصاب سرقہ کا دس درہم ہونا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان معروف اور مشہور تھا نیز نصاب حد کو نصاب مہر پر قیاس کیا گیا ہے اور یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ کم از کم مہر دس درہم ہے اور نکاح اور ہاتھ کاٹنے دونوں میں ایک عوض پر تصرف کیا جاتا ہے جو شریعت میں تصرف کرنے سے محفوظ اور مامون ہے اس لیے اس تصرف کا استحقاق مال کثیر کے بغیر نہیں ہونا چاہیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے چوتھائی دینار کی جو حدیث مروی ہے اس میں بہت زیادہ اضطراب ہے اور اکثر محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مشہور قول یہ ہے کہ

کسی معمولی چیز کے عوض ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا بلکہ ڈھال کی قیمت کے عوض ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس چوتھائی دینار کی چوری پر ہاتھ کاٹا جاتا ہو بعد میں دس درہم کو نصاب سرقہ مقرر کرکے چوتھائی دینار کے حکم کو منسوخ کردیا تاکہ ناسخ حکم منسوخ حکم سے خفیف اور آسان ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ہم جس آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا اس کو بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کی مثل لے آتے ہیں۔

(المبسوط: ج:9،ص:136 تا 138 مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

علامہ سرخسی کی اس مفصل عبارت میں ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا جواب آ گیا ہے تاہم علامہ سرخسی نے جن احادیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے وہ حدیث مبارکہ درج ذیل ہیں:۔

امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی 303ھ روایت کرتے ہیں۔

ایمن بیان کرتے ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ڈھال کی قیمت میں ہاتھ کاٹا ہے اور اس دن ڈھال کی قیمت ایک دینار تھی۔ امام نسائی نے اس حدیث کو چھ مختلف سندوں سے روایت کیا ہے۔

حضرت ہارون بن عبداللہ کی روایت میں ہے۔

اس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم تھی۔

(سنن نسائی: رقم الحدیث: 4963،4962،4961)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

ڈھال کی قیمت اس دن دس درہم تھی۔

(سنن نسائی: رقم الحدیث: 4966)

امام نسائی از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود روایت کرتے ہیں۔

ڈھال کی قیمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دس درہم تھی۔

(سنن نسائی: رقم الحدیث: 4971)

از عمر بن شعیب از والد خود از جد خود سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دس درہم سے کم میں قطع ید (ہاتھ کاٹنا) نہیں ہے۔

(مسند احمد: تحقیق احمد شاکر: ج:6، رقم الحدیث: 6900)

امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی 211ھ روایت کرتے ہیں کہ

قاسم بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے کپڑا چرایا تھا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اس کی قیمت لگاؤ۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی آٹھ درہم قیمت لگائی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔

(المصنف: ج:10، ص:234 تا 235 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ایک دینار یا دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔
(مصنف عبدالرزاق: ج:10، ص:433)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ایک دینار یا دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔
(سنن دارقطنی: ج:3، رقم الحدیث:3398)

امام محمد بن حسن شیبانی متوفی 189ھ روایت کرتے ہیں۔
حضرت ابراہیم نخعی نے کہا کہ
ڈھال سے کم قیمت میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور اس وقت ڈھال کی قیمت دس درہم تھی اور اس سے کم میں نہیں کاٹا جائے گا۔
(کتاب الآثار: ص:137 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

ابن مسیب بیان فرماتے ہیں کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب چور اس قدر (مال کی) چوری کرے جو ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور اس ڈھال کی قیمت دس درہم تھی۔
(مصنف عبدالرزاق: ج:10، ص:233 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

چور کا دایاں ہاتھ پہنچے سے کاٹا جائے

جس شخص نے چوری کی ہے اس کا دایاں ہاتھ پہنچے سے کاٹا جائے گا تاکہ چور کو چوری کرنے کی سزا مل جائے اور مسلمانوں کے اموال کو محفوظ رکھا جائے کہ بعد والوں کو عبرت حاصل ہو۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔
حضرت ابراہیم نخعی نے کہا ہے کہ
ہماری قرأت میں ہے۔
فاقطعوا ایمانهما
چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے دائیں ہاتھ کو کاٹ دو۔
(سنن کبریٰ للبیہقی: ج:8، ص:270 مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

امام دارقطنی متوفی 385ھ روایت کرتے ہیں۔
از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود حضرت صفوان بن امیہ بن خلف مسجد میں سوئے ہوئے تھے ان کے سرہانے کپڑے تھے ایک چور آ کر وہ کپڑے لے گیا وہ اس چور کو پکڑ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے اس نے

اقرار کرلیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔

حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا عرب کے ایک شخص کا میرے کپڑوں کے عوض ہاتھ کاٹا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا میرے پاس پکڑ کر لانے سے پہلے یہ عرب نہیں تھے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب تک مجرم حاکم کے پاس نہ پہنچے تم شفاعت کر سکتے ہو اور جب وہ حاکم تک پہنچ گیا پھر اس کو معاف کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف نہ کرے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ پہنچے (ہتھیلی اور کلائی کا جوڑ) سے اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔

(سنن دار قطنی: ج:3، رقم الحدیث: 3430 دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی 458ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عدی بیان کرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کا ہاتھ ہتھیلی کے جوڑ سے کاٹ دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چور کا ہاتھ ہتھیلی کے جوڑ سے کاٹ دیا۔

عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ چور کا ہاتھ ہتھیلی کے جوڑ سے کاٹ دیتے تھے۔

(سنن کبریٰ: ج:8، ص:271 مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

جن صورتوں میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

ملا نظام الدین متوفی 1161ھ فتاویٰ عالمگیری میں لکھتے ہیں:

1- جو چیز دار الاسلام میں مباح یا خسیس اور حقیر ہو اس کے چرانے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

مثال کے طور پر

افتادہ لکڑی، گھاس پھوس، سرکنڈا، مچھلی، ہڑتال اور چونا وغیرہ۔

2- سونا، چاندی اگر مٹی یا پتھر میں محفوظ ہو اور اس کو اس شکل میں چرایا جائے تو اس پر حد سرقہ نہیں ہے۔

3- جو چیز جلد خراب ہو جاتی ہے۔

مثال کے طور پر

دودھ، گوشت اور تازہ پھل ان کے چرانے پر حد نہیں ہے۔

4- جو پھل درخت پر لگے ہوں یا گندم کھیت میں ہو اس کے چرانے پر حد نہیں ہے۔

5- قحط کے ایام میں طعام کی چوری پر حد نہیں ہے۔ خواہ طعام جلد خراب ہونے والا ہو یا نہ ہو۔ حفاظت میں رکھا گیا ہو یا نہ

ہو اور قحط کا سال نہ ہو لیکن جس طعام کو چرایا ہے وہ جلد خراب ہونے والا ہے پھر بھی حد نہیں ہے اور اگر طعام جلد خراب ہونے والا نہ ہو لیکن غیر محفوظ ہو پھر بھی حد نہیں ہے۔

6- مٹی کی دیگچی کی چوری میں حد نہیں ہے۔

7- درخت کو باغ سے جڑ سمیت چرانے پر حد نہیں ہے۔

8- ہاتھی کے دانت کی چوری میں حد نہیں ہے بشرطیکہ اس سے کوئی چیز بنائی نہ گئی ہو۔

9- شیشہ کی چوری میں حد نہیں ہے۔

10- جن جانوروں کا شکار کیا جاتا ہے ان کے چرانے پر حد نہیں ہے خواہ وہ وحشی ہوں یا غیر وحشی، بری ہوں یا بحری ہوں۔

11- مہندی، سبزیوں، تازہ پھلوں، گھاس، پانی، گٹھلی اور جانوروں کی کھالوں کے چرانے میں حد نہیں مگر یہ کہ کھال سے مصلّیٰ یا کوئی اور چیز بنائی گئی ہو۔

12- خمر، خنزیر، باقی پرندوں، وحشی جانوروں، کتے، چیتے، مرغی، بطخ اور کبوتر کے چرانے میں حد نہیں ہے۔

13- طنبور، دف، مزمار اور باقی گانے بجانے کے آلات چرانے میں حد نہیں ہے۔

14- طبل اور بربط اگر لہو ولعب کے لئے تو ان کے چرانے میں حد نہیں ہے اور اگر جہاد کا طبل ہے تو اس میں اختلاف ہے۔

15- پنیر اور روئی کے چرانے میں حد نہیں ہے۔

16- شطرنج اور چوسر خواہ سونے کی بنی ہوئی ہوں ان کے چرانے میں حد نہیں ہے۔

17- مصحف (قرآن مجید) کے چرانے میں حد نہیں ہے۔

18- فقہ، نحو، لغت اور شعر وادب کی کتابوں کے چرانے میں بھی حد نہیں ہے۔

19- تیر کے چرانے میں حد نہیں ہے۔

20- سونے یا چاندی کے صلیب یا بت کے چرانے میں حد نہیں ہے البتہ سونے اور چاندی کے جن سکوں پر تصویریں ہوں ان پر حد ہے۔

21- بڑی عمر یا سمجھدار غلام کے چرانے میں حد نہیں ہے۔

22- جس شخص نے اپنے مقروض سے دس درہم غیر مؤجل قرض لینا ہو اور وہ اس سے اتنی مالیت کی چیز چرالے تو حد نہیں ہے اور اگر قرض مؤجل ہو تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ حد ہو اور استحسان کا تقاضا ہے کہ حد نہیں ہے۔

23- اگر نابالغ بیٹے کے مقروض کے مال سے چوری کی تو حد نہیں ہے۔

24- اگر چاندی کے برتن میں نبیذ یا جلد خراب ہونے والی کوئی چیز (مثلاً دودھ) تھی اس کو چرالیا تو حد نہیں ہے۔

25- جس برتن میں شراب تھی اس کو چرالیا تو اس میں حد نہیں ہے۔

26-اگر قبر سے درہم، دینار یا کفن کے علاوہ کوئی اور چیز چرائی تو اس پر حد نہیں ہے۔
27-کفن چرانے پر حد نہیں ہے۔
28-مال غنیمت یا مسلمانوں کے بیت المال سے چوری کرنے پر حد نہیں ہے۔
29-جس چیز پر ایک بار حد لگ چکی ہو اس کو دوبارہ چرانے پر حد نہیں ہے۔
30-حربی متامن کے مال سے چوری کرنے پر حد نہیں ہے۔
علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:
31-مسجد کا سامان مثلاً چٹائیاں اور قندیل چرانے پر حد نہیں ہے۔
32-کعبہ کے پردوں کو چرانے پر حد نہیں ہے۔
33-جن کاغذوں پر کچھ لکھا ہوا یا چھپا ہوا ہو ان کے چرانے پر حد نہیں ہے۔
34-اگر کسی شخص نے امانت میں خیانت کی تو اس پر حد نہیں ہے۔
35-لٹیرے اور اچکے پر حد نہیں ہے۔
36-اگر کوئی شخص اپنے شریک کے مال سے چوری کرے تو اس پر حد نہیں ہے۔
37-ماں، باپ، اولاد یا دیگر محارم کے مال سے چوری پر حد نہیں ہے۔
38-اگر محرم کے گھر سے کسی اور کا مال چرایا تو اس پر حد نہیں ہے۔
39-اگر زوجین میں سے کسی ایک نے دوسرے کا مال چرایا تو اس پر حد نہیں ہے۔
40-غلام یا لونڈی نے اپنے مالک کا مال چرایا یا لونڈی نے اپنی مالکہ کے خاوند کا مال چرایا تو اس پر حد نہیں ہے۔
41-اگر مالک نے اپنے مکاتب کا مال چرایا تو اس پر حد نہیں ہے۔
42-حمام یا جس گھر میں جانے کا اذن عام ہو اس میں چوری کرنے پر حد نہیں ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری: ج:2، ص:175 تا 179 مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبری بولاق مصر)

زمانہ جاہلیت میں بھی چور کے ہاتھ کاٹے گئے

زمانہ جاہلیت میں بھی چور کے ہاتھ کاٹے گئے۔
علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:
زمانہ جاہلیت میں بھی چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا، زمانہ جاہلیت میں جس کا سب سے پہلے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا وہ ولید بن مغیرہ تھا۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:3، ص:111 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اسلام میں سب سے پہلے جن چوروں کے ہاتھ کاٹے گئے

اسلام میں سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں میں خیار بن عدی بن نوفل بن عبد مناف کا ہاتھ کاٹا اور

عورتوں میں سب سے پہلے مرہ بنت سفیان بن عبدالاسد کے ہاتھ کاٹے گئے۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

اسلام میں جس چور کا سب سے پہلے مردوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کاٹا وہ خیار بن عدی بن نوفل بن مناف تھے اور عورتوں میں جس چور کے سب سے پہلے ہاتھ کاٹے گئے وہ مرہ بنت سفیان بن عبدالاسد تھیں ان کا تعلق بنو مخزوم سے تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹا جس نے ہار چرایا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن ... کے بھائی کا ہاتھ کاٹا تھا۔ ان واقعات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:3، ص:111 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

چور کی سزا ان کو غلام بنانا

حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں چوری کی سزا یہ تھی کہ اس چور کو غلام بنالیا جاتا تھا اسی لیے تو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا کہ جس کی بوری سے پیالہ برآمد ہو سو اس کی سزا یہ ہے کہ اسی کو رکھ لیا جائے ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

اس زمانہ میں ہر چور کو اس چوری کے جرم میں غلام بنالیا جاتا تھا اور ان کی شریعت میں چور کو غلام بنانا اس کے ہاتھ کاٹنے کے قائم مقام تھا۔

(جامع البیان: ج:3، ص:28 مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت)

مصر میں چور کی سزا

مصر کے بادشاہ کا قانون چور کو غلام بنانا نہیں تھا بلکہ بادشاہ کا قانون اور تھا جن کے متعلق مختلف روایات ہیں۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

بادشاہ کے قانون میں چور کو غلام بنانا نہیں تھا۔

اور حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بادشاہ مصر کا قانون یہ تھا کہ جو کسی کی چوری کرتا تو اس سے چوری شدہ مال بھی لیا جاتا تھا اور اس کی مثل اس کے مال سے مزید لے کر مسروق (جس کی چوری ہو جاتی تھی) کو دیا جاتا تھا۔

اور حضرت الکلبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

بادشاہ کا یہ قانون تھا کہ جو چوری کرے اس سے چوری شدہ مال سے دوگنا جرمانہ وصول کیا جائے۔

(جامع البیان: ج:13، ص:32 تا 33 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

اور تفسیر نعیمی میں ہے۔

اور اس وقت مصر کا قانون بھی کچھ سزا مار پیٹ اور ملک بدر کرنا تھا۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:92 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قافلہ والوں کو کارندوں کا واپس لانا

جب کارندوں نے کہا بے شک تم ضرور چور ہو تو قافلہ والوں نے کہا ہم چور نہیں ہیں اور نہ زمین میں فساد کرنے آئے ہیں۔ کارندوں نے کہا اگر تم جھوٹے نکلے تو تمہاری کیا سزا ہونی چاہئے تو انہوں نے کہا جس کی بوری سے پیالہ برآمد ہوا اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو غلام بنالیا جائے تو کارندوں نے اسی بات کو پختہ کر کے کہ چور کو غلام بنالیا جائے قافلہ والوں کو واپس لے آئے۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ

وہ خادم انہیں حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف لوٹا کر لے گیا پھر حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے تفتیش کرنے کا حکم دیا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:308 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے۔

کارندوں نے یہ بات تسلیم کر لی اور سب کو واپس لے آئے۔ برادران یوسف کے علاوہ لوگوں کو بھی (واپس لے آئے)

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:92 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کا قافلہ والوں کی بوریوں سے تلاشی لینا

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یہ فیصلہ طے کر دیا کہ جس کی بوری سے وہ پیالہ نکل آیا تو اس کو غلام بنالیا جائے تو کارندوں نے کہا اب تمہاری تلاشی لینی ضروری ہوگئی ہے اور تمہارے سامان کی تلاشی بھی بادشاہ خود ہی لے گا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جب قافلہ والے پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائی کی بوریوں سے پہلے قافلہ والوں کی بوریوں سے تلاشی لینی شروع فرمادی۔

قرآن مجید میں ہے:

فَبَدَاَ بِاَوْعِیَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِیْهِ (یوسف:76)

تو یوسف نے اپنے بھائی کی بوری سے پہلے ان کی بوریوں کی تلاشی لینی شروع کردی۔

سامان کی تلاشی لینے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا

جب تلاشی لینی شروع ہوگئی تو کھولنے والے نے جس سامان سے تلاشی لینی ہوتی تھی تو وہ سامان کھولنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا تھا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

انہوں نے فرمایا:

فَبَدَاَ بِاَوْعِیَتِهِمْ

ہمیں بتایا گیا ہے کہ

وہ جب بھی کسی کا سامان کھولتا تھا تو اپنے اس فعل پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا حتیٰ کہ بنیامین کا سامان باقی بچ گیا۔

تو تلاشی لینے والے نے کہا:

میں گمان کرتا کہ اس نے کوئی چیز اٹھائی ہوگی۔

سب نے کہا:

واقعی یہ ایسا ہے پس اس نے اس کو سچا سمجھا۔

(جامع البیان: ج:13، ص:30 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بنیامین کے سامان کی تلاشی سے پہلے بھائیوں کا ضرور تلاشی لینے کا کہنا

جب بنیامین کے علاوہ تمام قافلہ والوں کی تلاشی ہوگئی تو بنیامین کی تلاشی لینے سے پہلے کہا کہ میرا خیال ہے کہ اس نے پیالہ اٹھایا ہوگا۔ بنیامین کے بھائیوں نے کہا ہم یہاں سے نہیں جائیں گے حتیٰ کہ آپ بنیامین کے سامان کی تلاشی لے کیونکہ یہی چیز ہمارے اور تمہارے لیے بہتر ہے۔

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

ہمیں بتایا گیا ہے کہ

سامان کھولنے والا سامان نہیں کھولتا تھا مگر پہلے اس گناہ کی معافی مانگتا تھا جو انہوں نے چور کہہ کر کیا تھا حتیٰ کہ جب صر بنیامین کا سامان باقی رہ گیا۔

تو اس نے کہا: میرا خیال ہے کہ اس نے وہ پیالہ اٹھایا ہوگا۔

بھائیوں نے کہا:

ہم نہیں جائیں گے یہاں تک کہ آپ اس کے سامان کی تلاشی لے لیں کیونکہ یہ چیز ہمارے اور تمہارے لیے بہتر اور پاکیزگی کا باعث ہے۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:308 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بنیامین کی بوری سے پیالہ برآمد ہونا

جب بنیامین کے سامان کی تلاشی لی گئی تو ان کی بوری سے پیالہ برآمد ہوا۔

قرآن مجید میں ہے:

ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَاءِ اَخِيْهِ ط (یوسف:76)

پھر اس پیالے کو اپنے بھائی کی بوری سے برآمد کر لیا۔

بھائیوں کا بنیامین کو برا بھلا کہنا

جب بنیامین کی بوری سے پیالہ نکل آیا تو بھائی بنیامین کو برا بھلا کہنے لگ گئے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

(حضرت) یوسف (علیہ السلام) کے بھائی بنیامین کی بوری سے وہ گلاس برآمد کر لیا اب تو ان کے ہوش اڑ گئے اور شرمندگی سے ان کے سر جھک گئے کسی کو اتنا ہوش نہ رہا کہ اب اپنے بھائی کی بیگناہی ثابت کرتے ہوئے یہ کہہ دیں کہ جناب بوریوں کو تو ہم نے ہاتھ بھی نہ لگایا تھا تم نے خود ہی بھر کر سی کر ہم کو دی تھیں تم نے خود ہی بھول کر یا جان کر یہ گلاس رکھا ہوگا۔ بس بنیامین کو برا بھلا کہنے لگے اور خوب بے عزتی کی۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:92 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بھائیوں کے قانون کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو اپنے پاس رکھ لیا

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا تھا کہ جس کی بوری میں پیالہ برآمد ہوا اسی کو غلام بنالیا جائے گا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کے قول و قانون کے مطابق بنیامین کو اپنے پاس رکھ لیا۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

بنیامین کے سامان کی تلاشی لینے سے پہلے بھائیوں کے سامان کی تلاشی شروع ہوئی آخر کار پیالہ بنیامین کے سامان سے برآمد ہو گیا اب حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے بتائے ہوئے قانون کے مطابق بنیامین کو اپنے پاس روک لیا۔

(تفسیر ابن کثیر: ج:2، ص:838)

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خفیہ تدبیر بتائی تھی

حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اسی طرح خفیہ تدبیر بتائی۔

قرآن مجید میں ہے:

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ط مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ط نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ط وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ o (یوسف:76)

ہم نے اسی طرح یوسف کو خفیہ تدبیر بتائی تھی وہ بادشاہ کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو نہیں رکھ سکتے تھے مگر یہ کہ اللہ چاہے ہم جس کو چاہتے ہیں درجات کی بلندی عطا کرتے ہیں اور ہر علم والے سے بڑھ کر ایک عظیم علم والا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

بادشاہ کا یہ قانون نہیں تھا کہ جو چوری کرتا اسے ہی رکھ لیا جاتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی کے لئے یہ تدبیر فرمائی حتیٰ کہ گفت وشنید ہوئی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے اپنے قول کے مطابق بنیامین کو پکڑ لیا۔ یہ بادشاہ کے قانون میں نہیں تھا۔

مزید راقم ہیں۔

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی خاطر ایسی تدبیر فرمائی۔

(جامع البیان: ج:13،ص:33 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے۔

اسی طرح ہم نے طریقہ تدبیر اور ارادہ اختیار فرمایا اپنے صابر صدیق نبی یوسف (علیہ السلام) کے لئے۔ یا یہ تدبیر کہ پیالہ ہی ہماری قدرت سے رکھا گیا یا کہ قافلہ دور یا گھر پہنچنے سے پہلے ہی پکڑا گیا یا یہ کہ وہ برادران خود سزا تجویز نہ کرتے اور (حضرت) یوسف علیہ السلام کو خود اپنے ملک کی سزا دینی پڑتی یا معاف کرتے یا یہ کہ وہ معافی معذرت مانگ لیتے یا یہ کہ پہلے ہی بنیامین کا سامان دیکھ لیا جاتا اور قافلے والوں کو شک گزر جاتا کہ کوئی سوچی سمجھی سکیم ہے یا یہ کہ بھائی کہہ دیتے کہ بوری میں سے پیالہ نکلنا ہمارا کام نہیں یا یہ کارندے پریشان ہو کر نہ دوڑتے اور خود ان سے سزا جزا کے متعلق نہ پوچھتے اگر یک لخت یہ ساری تدابیر حسنہ جمع نہ ہو جاتیں ایک بات بھی رہ جاتی تو البتہ (حضرت) یوسف (علیہ السلام) اپنے بھائی کو ہرگز نہ لے سکتے بادشاہی دین کے قانون میں مگر یہ چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ بلند فرمائیں ہم مرتبے اپنے جس بندے کے چاہیں ہر لحاظ سے اور دنیا جان گئی کہ ان تمام علم عقل تدبیر کرنے والوں سے اوپر زیادہ علم والا ہی ہے یعنی جن کو اللہ تعالیٰ نے علیم بنایا وہ اپنی ہر شان میں ہر وقت بلند ہی رہا۔

(تفسیر نعیمی: ج:13،ص:92 تا 93 نعیمی کتب خانہ لاہور)

اللہ تعالیٰ بلند علم والا ہے

اللہ تعالیٰ تمام علم والوں سے بہت زیادہ علم والا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے بلند علم کی بہت سی دلیلیں ہیں چند حصول رضا الٰہی عزوجل کے لئے پیش کرتا ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ (التوبہ:15)

اور اللہ بہت علم والا بے حد حکمت والا ہے۔

اگلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ (التوبہ:16)

اور اللہ تمہارے سب کاموں کی خوب خبر رکھتا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَ مَا تَزْدَادُ ؕ وَ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ○ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ○ (الرعد:8 تا9)

ہر مادہ کے حمل کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور ہر رحم میں جو کمی اور زیادتی ہوتی ہے اس کو بھی وہی جانتا ہے اور ہر چیز کا اس کے نزدیک ایک اندازہ ہے وہ ہر غیب اور ظاہر کو جاننے والا ہے۔ سب سے بڑا نہایت بلند ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ ؕ (الانعام:73)

یعنی جو چیزیں تم سے غائب ہیں اور جو چیزیں تمہارے سامنے حاضر ہیں وہ ان سب کا جاننے والا ہے۔

اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ (النحل:77)

اور آسمانوں اور زمینوں کا (سب) غیب (کا علم) اللہ ہی کے ساتھ خاص ہے۔

اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ○ (لقمان:16)

بے شک اللہ ہر باریکی کا جاننے والا ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کو تمام موجودات واجبہ، ممکنہ اور معدومات ممکنہ اور ممتنعہ کا علم ہے۔

اور امام الحرمین نے کہا ہے کہ

اللہ تعالیٰ کو غیر متناہی چیزوں کا علم ہے اور ان غیر متناہی چیزوں میں سے ہر چیز کا غیر متناہی وجوہ سے علم ہے۔

(تفسیر کبیر: ج:7، ص:15 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

ایک شخص دوسرے سے زیادہ عالم ہوتا ہے اس سے زیادہ ایک اور علم والا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر عالم سے بلند و برتر ہے۔

مزید راقم ہیں۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے تھے تو انہوں نے ایک حدیث بیان فرمائی۔

پھر ایک شخص نے کہا:

وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

تو نے بری بات کی ہے اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے اور وہی ہر عالم سے بلند علم والا ہے۔

مزید راقم ہیں۔

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر عالم کے علم سے بلند ہے۔

مزید راقم ہیں۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک سے زیادہ جاننے والا ہے۔

مزید راقم ہیں۔

ابوالشیخ نے الحسن سے اس آیت کے متعلق روایت کیا ہے کہ

ہر عالم سے بلند علم والا ہوتا ہے حتیٰ کہ علم کی انتہاء اللہ تعالیٰ تک ہوتی ہے اس سے علم کا آغاز ہوتا اور اسی کی طرف علم لوٹتا ہے۔

(جامع البیان: ج:13، ص:35 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان بریلوی متوفی 1340ھ اللہ تعالیٰ کے علم کے متعلق لکھتے ہیں:

اصل یہ ہے کہ کسی علم کی حضرت عزوجل سے تخصیص اور اس کی ذات پاک میں حصر اور اس کے غیر سے مطلقاً نفی چند وجہ پر ہے۔

اول

علم کا ذاتی ہونا کہ بذات خود بے عطائے غیر ہو۔

دوم

علم کا غنا کہ کسی آلہ وجارحہ وتدبیر وفکر ونظر والتفات وانفعال کا اصلاً محتاج نہ ہو۔

سوم

علم کا سرمدی ہونا کہ ازلاً ابداً ہو۔

چہارم

علم کا وجوب کہ کس طرح اس کا سلب ممکن نہ ہو۔

پنجم

علم کا ثبات واستمرار کہ کبھی کسی وجہ سے اس میں تغیر، تبدل، فرق، تفاوت کا امکان نہ ہو۔

ششم

علم کا اقصیٰ غایت کمال پر ہونا کہ معلوم کی ذات، ذاتیات، اعراض، احوال لازمہ، مفارقہ، ذاتیہ، اضافیہ، ماضیہ، آتیہ موجودہ، ممکنہ سے کوئی ذرہ کسی وجہ پر مخفی نہ ہو سکے۔ ان چھ وجوہ پر مطلق علم حضرت احدیت جل وعلا سے خاص اور اس کے غیر سے قطعاً مطلقاً منفی یعنی کسی کو کسی ذرہ کا ایسا علم جو ان چھ وجوہ میں سے ایک وجہ بھی رکھتا ہو حاصل ہونا ممکن نہیں جو کسی غیر الٰہی

کے لئے عقول مفارقہ ہوں خواہ نفوس ناطقہ ایک ذرہ کا ایسا علم ثابت کرے یقیناً اجماعاً کافر مشرک ہے۔

(الصمصام: ص: 6،7 مطبوعہ بزم عاشقان مصطفیٰ لاہور)

ذی علم اور علیم میں گیارہ طرح کا فرق

ذی علم اور علیم میں گیارہ طرح کا فرق ہے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

علماء کرام فرماتے ہیں۔

ذی علم اور علیم میں گیارہ طرح فرق ہے۔

1-ذی علم پڑھ کر یا کسی وسیلے سے علم لینے والا۔

علیم وہ جو بن پڑھے عالم ہو۔

2-ذی علم وہ جو ظاہری علم رکھے۔

علیم وہ جو ظاہری باطنی اشیاء کو جانے۔

3-ذی علم وہ جو عطا سے علم پائے۔

علیم وہ جو ذاتی علم کا مالک ہو اس معنیٰ میں علیم رب تعالیٰ کی خصوصی صفت ہے۔

4-ذی علم وہ جو معلومات سے علم پائے۔

علیم وہ جو صفات سے علم پائے۔

5-ذی علم وہ جو علم لے سکے۔

علیم وہ جو علم دے سکے۔

6-ذی علم وہ جو عالم ہو۔

علیم وہ جو معلم ہو۔

7-ذی علم وہ جس کی محنت علم ہو۔

علیم جس کی صفت علم ہو۔

8-ذی علم وہ جو مخلوق سے علم لے۔

علیم وہ جو خالق سے علم لے۔

9-ذی علم وہ جو بلوغت کے بعد علم حاصل کرے۔

علیم وہ جو بطن مادر میں علم پالے۔

10-ذی علم وہ جس کے علم کو فنا ہو جائے۔

علیم وہ جس کے علم کو فنا نہ ہو بقا ہی بقا ہو۔

11- ذی علم وہ جس کے علم کی کوئی حد ہو۔
علیم وہ جس کے علم کی کوئی حد نہ ہو۔
(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:93 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بنیامین کو اپنے ساتھ ملانا

جب چوری کا ثبوت ظاہر ہو گیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین کو پکڑ لیا اور اپنے ساتھ ملا لیا۔
امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:
حتیٰ کہ اس نے (حضرت یوسف علیہ السلام) بھائی کو پکڑ لیا اور اپنے ساتھ ملا لیا اور اس کے درمیان اور اس کے بھائیوں کے درمیان حائل ہو گئے۔
(معالم التنزیل: ج:3، ص:308 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اعتراض

اس مقام پر بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام ایک عظیم اور جلیل القدر نبی ہیں اور انہوں نے ایک حیلہ کر کے اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھ لیا اور اس حیلے کے نتیجے میں ان کے بے قصور بھائی پر چوری کا الزام آیا اور یہ اس کے لئے ذلت اور رسوائی کا باعث ہوا اور ان کے دوسرے بھائیوں کو اس پر طعن کا موقع ملا اور انہوں نے کہا اگر اس نے چوری کی ہے تو کوئی نئی بات نہیں ہے اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے تو ایک نبی کی شان کے یہ کس طرح لائق ہے کہ وہ محض اپنی محبت کی تسکین کی خاطر اپنے بے قصور بھائی پر چوری کا الزام لگوانے کا سامان مہیا کریں جس کے نتیجہ میں وہ بھی رسوا ہوا اور اس کے فراق میں اس کا باپ بھی زیادہ غم زدہ ہوا۔

جواب

اس اعتراض کے متعدد جوابات ہیں۔
1- حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ اقدام اللہ تعالیٰ کی وحی کی اتباع میں تھا اور اللہ تعالیٰ مالک ہے وہ اپنی مخلوق میں جیسا چاہے تصرف کرے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ٥ (الانبیاء:23)
اللہ جو کام کرتا ہے اس کے متعلق اس سے سوال نہیں کیا جا سکتا اور ان سب (بندوں) سے سوال کیا جائے گا۔
البتہ اللہ تعالیٰ کے کاموں میں حکمتیں ہوتی ہیں وہ انشاء اللہ عنقریب واضح ہو جائیں گی۔
2- رہا یہ سوال کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے دل کی تسکین کے لئے بے قصور بھائی پر چوری کا الزام لگوا دیا اور باپ کو غمزدہ کیا۔
اس کا جواب یہ ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کی اپنی یہ خواہش نہیں تھی کہ بنیامین ان کے پاس رہے بلکہ خود بنیامین حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس رہنا چاہتے تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے مسلسل منع کرنے کے باوجود نہیں مانے۔

اس کے ثبوت میں یہ روایت ہے۔

امام ابو محمد حسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت کعب نے بیان کیا ہے کہ

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بنیامین سے فرمایا:

میں تمہارا بھائی ہوں۔

تو بنیامین نے کہا:

میں اب آپ علیہ السلام سے جدا نہیں ہوں گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

تم کو معلوم ہے کہ والد میری وجہ سے پہلے ہی کتنے غمگین ہیں اگر اب تم بھی یہاں رہ گئے تو ان کا غم اور زیادہ ہوگا اور تمہارا یہاں رہنا اس وقت تک ممکن نہیں ہوگا جب تک کہ میں تم کو ایک خلاف اولیٰ کام سے منسوب نہ کروں اور تمہاری طرف ایسی چیز منسوب نہ کروں جو لائق شرم ہے۔

بنیامین نے کہا:

مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے آپ جو مناسب جانیں وہ کریں میں آپ علیہ السلام سے بالکل جدا نہیں ہوں گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

میں اپنا پیمانہ (پیالہ) تمہارے سامان میں چھپا دوں گا پھر میں تمہارے خلاف چوری کا اعلان کروں گا تا کہ تمہاری روانگی کے بعد میرے لیے تم کو واپس لانا ممکن ہو۔

بنیامین نے کہا:

آپ علیہ السلام جس طرح چاہتے ہیں کریں۔

(معالم التنزیل: ج:2، ص:368 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

3- اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ہم نے اسی طرح یوسف کو خفیہ تدبیر بتائی تھی۔ وہ بادشاہ کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو نہیں رکھ سکتے تھے اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ اپنے بھائی کو رکھنے کے سلسلہ میں حضرت یوسف علیہ السلام نے جو اقدام کیا تھا وہ اللہ تعالیٰ کے بتانے اور اس کی وحی سے کیا تھا اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کی اپنی رائے اور اجتہاد کا کوئی دخل نہیں تھا لہٰذا حضرت یوسف علیہ السلام پر کوئی اعتراض و طعن نہ ہوا۔

اعتراض

اگر کوئی یہ کہے کہ ہر ذی علم والے سے اوپر ایک عالم ہے اور اللہ تعالیٰ بھی ذی علم ہے پس لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کے اوپر

بھی ایک عالم ہو۔

جواب

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ

ذی علم سے مراد مخلوق ہے یعنی مخلوق میں ہر ذی علم کے اوپر ایک عالم ہے اور اب ہر ذی علم کے عموم میں اللہ تعالیٰ داخل نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ خالق ہے مخلوق نہیں ہے اور جو قاعدہ آپ نے بیان کیا ہے وہ اس قاعدے کے عموم سے اللہ تعالیٰ سے خارج ہے اور یہ عام مخصوص عند البعض ہے۔

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ اعتراض و جواب یوں لکھتے ہیں:

ہر ذی علم کے اوپر ایک عالم ہے اور اللہ تعالیٰ بھی ذی علم ہے پس لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کے اوپر بھی ایک عالم ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اس قاعدہ کے عموم سے اللہ تعالیٰ خارج ہے اور یہ عام مخصوص عند البعض ہے۔

(تفسیر کبیر: ج:6، ص:489 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی 685ھ نے اس جواب علاوہ دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ

ذی علم سے مراد مخلوق ہے یعنی مخلوق میں ہر ذی علم کے اوپر ایک عالم ہے اور اب ہر ذی علم کے عموم میں اللہ تعالیٰ داخل نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ خالق ہے مخلوق نہیں ہے۔

(انوار التنزیل مع الکازرانی: ج:3، ص:302 مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع مصر)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

ہر ذی علم کے اوپر ایک عالم ہے۔

اس سے لازم آئے گا کہ اللہ عزوجل کے اوپر بھی ایک عالم ہو اور یہ ظاہر البطلان ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

مخلوقات میں سے ہر ذی علم کے اوپر ایک عالم ہے کیونکہ یہاں گفتگو مخلوق میں ہو رہی ہے۔

اور دوسرا قرینہ یہ ہے کہ

علیم مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس کا معنیٰ ہے:

جو ہر ذی علم سے زیادہ جاننے والا ہے۔

پس متعین ہو گیا کہ

علیم سے مراد اللہ تعالیٰ ہے تو اب اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں جو ذی علم ذکر کیا گیا ہے وہ ذی علم لازماً مخلوقات میں سے ہوگا۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ

یہ عام مخصوص البعض ہے۔

(روح المعانی: جز:13، ص:44، 45 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بھائیوں کا قول کہ بنیامین کے بھائی نے بھی اسی طرح چوری کی

جب بنیامین پر چوری ثابت ہوگئی تو بھائیوں نے پہلے تو بنیامین کو ڈانٹ ڈپٹ کی پھرانہوں نے کہا اگراس نے چوری کی ہے تو اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْٓا اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ (یوسف:77)

انہوں نے کہا اگراس نے چوری کی ہے تو (کوئی نئی بات نہیں ہے) اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے۔

بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف چوری کی نسبت کرنا

بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ کہا کہ اگر بنیامین نے چوری کی ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے بھائیوں نے یہ بات حضرت یوسف علیہ السلام پر بہتان کے طور پر لگائی کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے چوری نہیں کی تھی۔ چوری کے متعلق بھائیوں نے جو بہتان لگایا اس کے متعلق روایات ہیں جس سے چوری ثابت ہوتی ہی نہیں اور نہ چوری کی تعریف صادق آتی ہے۔

روایات ملاحظہ فرمائیں۔

1-حضرت سعید بن جبیر نے کہا:

حضرت یوسف علیہ السلام کا نانا کافر تھا اور وہ بتوں کی عبادت کرتا تھا بچپن میں حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کی ماں نے کہا کہ

وہ ان بتوں کو چرا کر توڑ دیں اسی چوری کی طرف ان کے بھائیوں نے نسبت کی تھی۔

2-بچپن میں ان کے گھر کوئی سائل آیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے گھر سے کوئی چیز اٹھا کر سائل کو دی تھی۔

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے کہا:

وہ انڈا تھا۔

حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وہ بکری تھی۔

حضرت سفیان بن عیینہ نے کہا:

وہ مرغی تھی۔

3-حضرت عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

بھوک کے ایام میں حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بچپن میں باپ کے دستر خوان سے کچھ چیزیں اٹھا کر مانگنے والوں کو دے دیتے تھے۔

4-ابن ابی نجیح نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کی پھوپھی حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سب سے بڑی تھیں حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی گود میں پرورش پائی اور وہ آپ علیہ السلام سے محبت کرتی تھی جب وہ بڑے ہو گئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کو اپنی بہن سے طلب کیا۔

انہوں نے کہا:

میں اس کی جدائی برداشت نہیں کر سکتی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

بخدا میں اس کو اب نہیں چھوڑ سکتا پھر ان کی پھوپھی نے حضرت اسحاق علیہ السلام کا متبرک پٹکا (کمر پر باندھنے کی پٹی) حضرت یوسف علیہ السلام کے کپڑوں کے نیچے باندھ دیا۔

پھر انہوں نے کہا:

حضرت اسحاق علیہ السلام کا منطقہ گم ہو گیا تلاش کرو اس کو کس نے لیا ہے پھر وہ پٹکا حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس سے برآمد ہوا پھر انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس واقعہ کی خبر دی۔

اور اس نے کہا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! اب یوسف (علیہ السلام) میری ملکیت ہے اب میں جو چاہوں اس کے ساتھ کروں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا:

ٹھیک ہے۔

پھر جب تک حضرت یوسف علیہ السلام کی پھوپھی زندہ رہیں حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس رکھنے پر قادر نہ ہو سکے۔ سو یہ ہے وہ چیز جس کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ان کی طرف چوری کی نسبت کرتے تھے۔

(جامع البیان: جز: 13، ص: 38 تا 39 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت سعید بن جبیر اور حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ

آپ علیہ السلام کے نانا کا ایک بت تھا جس کی عبادت کی جاتی تھی حضرت یوسف علیہ السلام نے خفیہ طریقہ سے وہ اٹھایا اور اس کو توڑ کر راستہ میں پھینک دیا تا کہ اس کی عبادت نہ کی جائے۔

(معالم التنزیل: ج: 3، ص: 310 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مزید راقم ہیں۔

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس ایک سائل آیا تو آپ علیہ السلام نے ایک انڈا گھر سے لے کر اسے دے دیا۔

حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ
آپ علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے گھر سے ایک مرغی پکڑی اور سائل کو دیدی۔
حضرت وہب فرماتے ہیں کہ
آپ علیہ السلام فقراء کے لئے کھانا دسترخوان سے چھپا لیتے تھے۔
(معالم التنزیل: ج:3، ص:310 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بنیامین کا بھائیوں کو چور کہنا

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا اگر بنیامین نے چوری کی ہے تو اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے تو بنیامین نے کہا اگر میں چور ہوں اور میرا بھائی چور تھا تو تم سب سے بڑے چور ہو تم سب نے پہلی بار درہم چرا کر اپنی اپنی بوریوں میں رکھ لیے تھے۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
جب انہوں نے بھائی کو بھی تہمت اور چوری میں شامل کیا۔
تو بنیامین نے کہا:
اگر میں چور ہوں اور میرا بھائی چور تھا تو تم بھی بڑے چور ہو تم سب نے پہلی دفعہ درہم چرا کر اپنی اپنی بوری میں چھپائے تھے تب وہ بھائی خاموش ہوئے۔
(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:103 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بنیامین کو اپنے پاس رکھنے پر بھائیوں کا غصہ

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو پکڑ لیا تو دوسرے بڑے غصہ ہوئے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد جب غصے میں آتی تو پھر ان کا مقابلہ مشکل ہوتا۔ روبیل جب غصے میں آتا تو کوئی چیز اس کے غصے کے سامنے قائم نہ رہتی جب وہ چیخ مارتا تو حاملہ عورت بچہ گرا دیتی اور پھر جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا فرد اسے چھوتا تو اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا۔
بعض نے کہا ہے کہ
یہ شمعون کی صفت تھی جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے تھا۔
روایت ہے کہ
شمعون نے بھائیوں سے پوچھا:
مصر کے کتنے بازار ہیں۔
انہوں نے کہا:
دس۔

اس نے کہا:

تم بازاروں کی طرف سے میری کفایت کرو میں بازاروں کی طرف سے تمہاری کفایت کرتا ہوں، وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آئے۔

تو روبیل نے کہا:

تم ہمارا بھائی واپس کردو یا میں ایسی چیخ ماروں گا کہ ہر حاملہ عورت کا حمل گر جائے گا۔ روبیل کے جسم کا ہر بال کھڑا ہو گیا اور کپڑوں سے باہر نکل آیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے چھوٹے بیٹے کو کہا۔

روبیل کے پہلو میں کھڑا ہو جا اور اسے چھو۔

اور یہ بھی روایت ہے کہ

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اس کا ہاتھ پکڑ کر میرے پاس لے آ، بچہ گیا اور اس کو چھوا تو اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔

روبیل نے کہا:

یہاں حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا کوئی اثر ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

یہاں حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے موجود ہے۔

اور یہ بھی روایت ہے کہ

وہ دوبارہ غصے ہوا تو حضرت یوسف علیہ السلام اس کی طرف بڑھے اور اپنے پاؤں سے اسے ٹھوکر لگائی اور اسے گریبان سے پکڑ کر وہیں پر گرا دیا۔

اور فرمایا:

تم عبرانی گروہ ہو اور تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم پر کوئی غالب نہیں جب انہوں نے یہ صورت دیکھی تو سمجھ گئے کہ اب تو ہماری خلاصی کا کوئی راستہ نہیں رہا پس فوراً عجز و انکساری کا راستہ اختیار کیا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:311 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یہ روایات بیان کی گئی ہیں تفسیر نعیمی میں ان روایات کو اسرائیلی روایات کہا گیا ہے۔

چنانچہ تفسیر نعیمی میں ہے۔

برادران یوسف کے متعلق یہودیوں نے اپنی اسرائیلیات میں بہت کچھ لکھا ہے۔

لکھا ہے کہ

برادران کو جب غصہ آتا تو اتنی زور سے چیخیں مارتے کہ دہشت سے حاملہ کا حمل گر جاتا۔ جب بنیامین کو حضرت یوسف علیہ السلام نے بطور سزا رکھ لیا تو بھائیوں نے دھمکی دی کہ بنیامین کو چھوڑ دیا جائے ورنہ ہم چیخیں ماریں گے اور مصریوں کو قتل کریں

گے، حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ دھمکی سنی پھر یوسف (علیہ السلام) نے روبیل کو ٹھوکر ماری روبیل اور بھائی لڑنے پر آمادہ ہوئے تو (حضرت) یوسف (علیہ السلام) نے روبیل کا گریبان پکڑ کر زمین پر پٹخ دیا جس سے باقی بھائی بھی ڈر گئے۔

اسرائیلیات میں ہی ہے کہ

اولاد یعقوب کو جب غصہ آتا تھا تو کوئی اس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا اور جب تک اولاد یعقوب میں سے ہی کوئی اس کو ہاتھ نہ لگا تا غصہ ٹھنڈا نہ ہوتا تھا جب کوئی ولد یعقوبی کا فرد ہاتھ لگا دیتا تو غصہ باقی رہتا تھا نہ جوش وقوت۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو بھی یہ بات معلوم تھی جب شمعون کو غصہ آیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بڑے بیٹے افرائیم سے کہا کہ

پیچھے جا کر اس کو ہاتھ لگا کر آجا۔

جب اس نے ایسا کیا تو اس کا غصہ یکدم ختم ہو گیا اور پھر نہ آسکا۔

سب بھائیوں نے آپس میں کہا۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی اولاد یعقوب میں سے ہے کیونکہ اس کے سوا غصہ ختم نہ ہوتا تھا مگر حیران ہو کر خاموش رہے۔

ہمارے مفسرین نے بھی بلا سوچے سمجھے اس طرح کی باتیں لکھ ڈالی ہیں مگر یہ سب غلط ہیں روایتوں سے کہیں ثابت نہیں۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:102 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام پر چوری کے متعلق کی روایات اسرائیلی ہیں

حضرت یوسف علیہ السلام پر جو بھائیوں نے چوری کے بہتان لگائے اور جو حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق چوری کی روایات ہیں وہ اسرائیلیات میں سے ہیں جن کو تفسیر نعیمی میں اسرائیلی روایات کہا گیا ہے۔

چنانچہ تفسیر نعیمی میں ہے۔

اسرائیلیات میں حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف بچپن کی تین چوریاں منسوب ہیں۔

پہلی یہ (ہے) کہ

(حضرت) یوسف (علیہ السلام) کا نانا وابل کافر تھا ایک گھریلو بت کو پوجتا تھا حضرت یوسف (علیہ السلام) نے اس کو چھپ کر اٹھا لیا اور توڑ کر راستے میں پھینک دیا خود اپنی مرضی سے یا اپنی والدہ راحیل کے کہنے سے اور مشہور ہو گیا کہ یوسف (علیہ السلام) نے بت چرایا اور توڑ دیا۔

دوسری یہ (ہے) کہ

آپ (علیہ السلام) کو بھوکوں فقیروں سے بہت محبت تھی جب کوئی دروازے پر بھوکا آتا تو آپ (علیہ السلام) بغیر پوچھے اور بتائے دکھائے تھوڑا سا کھانا بھوکے کو کھلا دیا کرتے تھے اس کو بھی چوری سمجھا گیا۔

تیسری یہ (ہے) کہ

حضرت یوسف (علیہ السلام) کو (حضرت) یعقوب (علیہ السلام) بھی پیار کرتے تھے اور آپ (علیہ السلام) کی پھوپھی

یعنی یعقوب (علیہ السلام) کی بہن دونوں چاہتے تھے کہ (حضرت) یوسف (علیہ السلام) ہر وقت میرے پاس رہے تو پھو
نے قانونی طور پر اپنے پاس رکھنے کے لئے یہ چال چلی کہ اپنا ایک موروثی قیمتی پٹکا (حضرت) یوسف (علیہ السلام) کی کمر
لپیٹ دیا اوپر سے باقی کپڑے پہنا دیئے اور اس کی ڈھونڈائی شروع کر دی بہت تلاش کرنے لگے تو کسی نے (حضرت) یوسف
(علیہ السلام) کے کپڑوں کے نیچے دیکھ لیا اس طرح چار سالہ یوسف (علیہ السلام) چور بن گیا اور چور کا بدلہ خود چور کے قانو
سے پھوپھی نے اس کو غلام بنا لیا آج یہ بھائی اسی چوری کا طعنہ دے رہے ہیں۔ مگر پہلا قول صحیح ہے روایت میں بھی آیا ہے لیک
دوسرا قول یہودی سازش ہے انجیل میں پیدائش میں تو (حضرت) یوسف علیہ السلام کو معاذ اللہ چغل خور بھی کہا گیا ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:102 تا 103 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بھائیوں کا چور کہنے پر حضرت یوسف علیہ السلام کا بردباری اختیار فرمانا

جب بھائیوں نے کہا اگر بنیامین نے چوری کی ہے تو اس سے پہلے اس کا بھائی یوسف (علیہ السلام) بھی چوری کر چکا ہے
تو آپ علیہ السلام نے بردباری اختیار فرمائی اور اس بات کو دل میں رکھ لیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ○ (یوسف: 77)

سو یوسف نے اس بات کو دل میں چھپا لیا اور ان پر ظاہر نہیں کیا۔ اس نے (دل میں) کہا تم خود بدتر خصلت کے ہو
اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اسے اللہ خوب جانتا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے دل میں چھپا لیا اور ان کے سامنے ظاہر نہ کیا اس بات کو کہ تم بہت بری جگہ ہو اور ا
خوب جانتا ہے جو تم بیان کر رہے ہو۔

مزید راقم ہیں۔

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے (دل) میں فرمایا:

تم بہت بری جگہ ہو اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم کہہ رہے ہو۔

(جامع البیان: ج:13، ص:39 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام علم کے پہاڑ، بردبار، صابر و شاکر نبی نے کمال متانت سے اس بات کو دل میں اگرچہ محسوس ک
مگر پی لیا اور کسی کو بھی ظاہری باطنی طریقہ سے ان پر ظاہر نہ ہونے دیا نہ رویہ بدلا نہ چہرے پر شکن آنے دی۔

بس دل میں کہا کہ

تم اب بھی شر پسند ہو۔ رہی تمہاری بات کی حقیقت تو اس وقت اس کا کیا جواب دیا جا سکتا ہے اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں کو خوب جانتا ہے جو تم حسد و بغض کے جذبے سے کہتے ہو۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:102 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کو بنیامین کی جگہ کسی دوسرے بھائی کو پاس رکھنے کی التجا

بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کہا کہ اے عزیز مصران کا والد محترم بہت بوڑھا ہے اور وہ اس سے بہت زیادہ محبت رکھتا ہے لہٰذا اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیں آپ بہت نیک لوگوں میں سے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا یٰۤاَیُّهَا الْعَزِیْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَیْخًا كَبِیْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ (یوسف:78)

انہوں نے کہا! اے عزیز! اس کا باپ بہت بوڑھا ہے آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیں ہماری رائے میں آپ بہت زیادہ نیک لوگوں میں سے ہیں۔

سب بھائیوں کا مدعا ایک تھا

پہلے تو بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو تعارف کرایا پھر سب نے یہی مدعا ظاہر کیا کہ ان کے والد محترم بہت بوڑھے ہیں جوان سے محبت کرتے ہیں لہٰذا ان کی جگہ ہم میں سے کسی ایک کو رکھ لیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

پہلے تعارف کرایا کہ ہم سب ایک ماں کی اولاد ہیں اور نیک چال چلن، پاکدامن ہیں یہ بنیامین دو بھائی دوسری ماں سے تھے ہم اور یہ والد میں سگے ہیں والدہ میں سوتیلے، ہماری والدہ زندہ ہیں اس کی والدہ اس کی ولادت سے قبل فوت ہوگئی تھی اس لیے والد کو ان سے بہت پیار ہے وہ سب بولے کہ اے عزیز بے شک اس کا والد بوڑھا عمر رسیدہ ہے یہ اس کی زندگی کا پیارا سہارا ہے اس کو نہ پکڑو بلکہ اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو چوری کی سزا میں پکڑ لیجیے ہمیں امید ہے کہ ہماری یہ دردمندانہ التجا قبول ہوگی بے شک ہم نے شروع سے آپ کو بہت احسان کرنے والوں میں سے پایا کہ آپ نے ہم مسکینوں، غریبوں، بھوکوں، پیاسوں، مسافروں کی ایسی عزت مہمان نوازی کی جس کی مثال نہیں ملتی لہٰذا اب بھی یہ کرم نوازی فرمایئے یا یہ کہ آپ بنیامین کو چھوڑ کر ہم میں سے کسی کو لے لیں تب ہم آپ کو محسنین میں سے جانیں گے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:103 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کے قانون کی خلاف ورزی نہ کی

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا تھا چور کی سزا یہ ہے کہ اسی کو اس چوری کے بدلے غلام بنالیا جائے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے چوری کے ثابت ہونے پر بنیامین کو اپنے پاس رکھ لیا اب انہوں نے یہ کہا کہ اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی پناہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم نے جس کی بوری میں سامان پایا اس کے

بدلے کسی دوسرے کو رکھ لیں پھر تو ہم ظالم ٹھہرائے جائیں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ۝ (یوسف:79)

یوسف نے کہا اللہ کی پناہ! کہ ہم نے جس کی بوری میں اپنا سامان پایا ہے اس کے علاوہ ہم کسی اور کو رکھ لیں پھر تو ہم ظالم قرار پائیں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو بالآخر اپنے پاس ہی رکھا

جب بھائیوں نے کہا اے عزیز مصر آپ بنیامین کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیں تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ ہم اس کو کیسے پکڑ لیں جس کے سامان میں ہم نے اپنا سامان نہیں پایا۔ بالآخر حضرت یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو اپنے پاس ہی رکھا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

فرمایا یوسف علیہ السلام نے کہا

یہ ٹھیک ہے کہ میں نے تمہاری عزت خاطر تواضع سب سے زیادہ کی مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اب تمہارے کہنے پر اللہ تعالیٰ کے شرعی قانون کی خلاف ورزی کر کے اس کو گرفتار کر لوں اور غلام بنالوں جس کے پاس سے جرم ثابت نہیں ہوا اور وہ بے گناہ ہے تو بہ نعوذ باللہ میں ایسا گناہ نہیں کر سکتا کہ ہم اس کے سوا کو پکڑ لیں جس کے پاس سے ہم نے اپنا سامان پایا ہے اگر خدا نہ کرے ہم ایسا غلط کام کر بیٹھے تو ہم یقیناً البتہ ظالم ہوں گے ہرگز ایسا مشورہ نہ دو (بالآخر حضرت یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو اپنے پاس ہی رکھا)

(تفسیر نعیمی ج:13،ص:103 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بھائیوں کا بنیامین کے واپس نہ ملنے پر غمزدہ و مایوس ہو کر دربار یوسفی سے باہر نکلنا

بھائیوں کو جب بنیامین کے واپس نہ ملنے پر پک ہو گیا تو وہ غمزدہ اور مایوس ہو کر دربار یوسفی سے باہر چلے گئے اور کسی علیحدہ جگہ میں بیٹھ گئے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

پھر جب کافی بحث و مباحثہ، حالات و دلائل بیان کرنے کے بعد بالکل ہی عزیز مصر کے فیصلہ بدلنے سے یا رحم کی درخواست قبول ہونے سے بنیامین کے واپس ملنے سے مایوس ہو گئے یعنی برادران یوسف نے دربار یوسفی میں ہر طرح کی چارہ جوئی کر لی مگر (حضرت) یوسف علیہ السلام نے شریعت کے فیصلہ میں بالکل لچک نہ پیدا ہونے دی اور قرآن مجید نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کی یہ استقامت بیان فرما کر قیامت تک مجرم کی سفارش کا دروازہ بند کر دیا اور ہر شخص پر شرعی قانون کی بالادستی کر دی کہ دنیا کے بادشاہی قانون بھی قانون شریعت الٰہیہ (عزوجل) کے سامنے ٹھکرائے جا سکتے ہیں اور بھائیوں نے بھی سمجھ لیا کہ یہ ہمارا ہی بیان کردہ شرعی قانون ہے اس کی اہمیت کا حال مسلم ہے اس لیے رد و بدل کی گنجائش نہیں دی جا سکتی لہٰذا

سب دربار شاہی کی عدالت سے نکل کر کسی جگہ ایک کونے میں علیحدہ جا بیٹھے سب سے دور ہو کر اور بہت آہستہ آپس میں صلاح مشورہ بات چیت کرنے لگے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:113 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بھائیوں کا بنیامین کو دو سپاہیوں کے ہاتھ میں پکڑا ہوا دیکھ کر آبدیدہ ہونا

جب تمام بھائی دربار یوسفی سے نکل کر کسی ایک کونے میں جا بیٹھے تو انہوں نے بنیامین کو دیکھا کہ دو سپاہی بنیامین کو غلاموں کی طرح ہاتھوں اور گردن کو پکڑ کر دربار کے اندر لے گئے ہیں تو وہ بہت زیادہ آبدیدہ ہو گئے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

وہ سب دربار شاہی کی عدالت سے نکل کر کسی جگہ ایک کونے میں علیحدہ جا بیٹھے سب سے دور ہو کر اور بہت آہستہ آپس میں صلاح مشورہ بات چیت کرنے لگے ادھر ان کی آنکھوں کے سامنے ہی ظاہری جرم کی بناء پر مصری پولیس کے دو سپاہی بنیامین کو غلاموں کی طرح ہاتھوں کو اور گردن کو پکڑ کر دربار کے اندر کسی کمرے میں یا کسی طرف لے گئے جس کو دیکھ کر یہ سب آبدیدہ ہو گئے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:113 نعیمی کتب خانہ لاہور)

غم میں سب بھائیوں کا جگہ تبدیل کرنا

جس جگہ پر بیٹھے ہوئے بنیامین کو دو سپاہیوں کے ہاتھوں پکڑے ہوئے دیکھا تو غم کی وجہ سے وہ جگہ بھی تبدیل کر دی

تفسیر نعیمی میں ہے۔

اور انتہائی پریشانی، غم و فکر میں اس جگہ سے اٹھے۔

اور کہنے لگے کہ

جتنی پریشانی ہم کو آج پہنچی ہے ساری عمر کبھی نہیں (پہنچی)۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:113 نعیمی کتب خانہ لاہور)

ایک بھائی کا بڑوں کو ستانے کی بات یاد کرنا

جب وہ غم کی وجہ سے بیٹھی ہوئی جگہ سے ہٹ گئے تو ان میں سے ایک بھائی نے کہا ہم نے بھی ہمیشہ بڑوں کو ستایا ہے جس کا بدلہ کچھ تو ملنا ہے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

تاریخوں میں آتا ہے۔

ایک بھائی نے کہا:

ہم نے بھائی ہمیشہ اپنے بڑوں کو ستایا ہی ہے جس کا بدلہ تو کچھ ملنا ہی ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:113 نعیمی کتب خانہ لاہور)

ایک بھائی کا کہنا کہ آج پتہ چلا کہ کسی کے دل کا غم کیا ہوتا ہے

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا غم انتہاء کو پہنچا تو وہ غم کی وجہ سے دوسرے کے غم بھی یاد کرنے لگے اور ان میں سے ایک نے کہا آج پتہ چلا کہ کسی کے دل کا غم کیا ہوتا ہے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

ایک (بھائی) نے کہا کہ

آج پتہ لگا کہ کسی کے دل کا غم کیا ہوتا ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:113 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا تنہائی میں سرگوشی کرنا

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی جب حضرت یوسف علیہ السلام سے بنیامین کی واپسی سے مایوس ہو گئے تو دور جا کر تنہائی میں سرگوشی کرنے لگے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ط (یوسف:80)

جب یوسف کے بھائی اس سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے تنہائی میں سرگوشی کی۔

بھائیوں کا واپس گھر جانے کا پروگرام بنانا

تمام بھائی غم کے عالم میں نڈھال طرح طرح کی باتیں کرنے لگ گئے ان میں سے بڑے بھائی نے واپس جانے کے متعلق پوچھا:

تفسیر نعیمی میں ہے۔

ایک بھائی نے کہا کہ

آج پتہ لگا کہ کسی کے دل کا غم کیا ہوتا ہے یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ ان کے بڑے بھائی نے ادھر کی باتوں کا رخ موڑتے ہوئے آئندہ کے پروگرام کے متعلق کہا۔

بولا کہ

کیا تم کو معلوم نہیں کہ تم سے تمہارے والد نے قسمیں لی ہوئی ہیں جیسا کہ تم نے آ کر مجھ کو بتایا ہے اور اس سے پہلے یوسف (علیہ السلام) کے بارے میں جو ظلم زیادتیاں کر چکے ہو وہ بھی یاد ہیں (کیا)۔

سب نے کہا: اب ہم کس منہ سے جائیں گے اس لیے ہم کوئی نہیں جائیں گے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:113 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بڑے بھائی کا واپس گھر جانے سے انکار کرنا

جب تمام بھائی بیٹھے ہوئے گھر کے متعلق مشورہ کرنے لگے تو بڑے بھائی نے کہا کیا تم جانتے نہیں کہ تمہارے والد محترم نے اللہ

تعالیٰ کی قسم لے کر تم سے پختہ عہد لیا تھا اور اس سے قبل تم یوسف (علیہ السلام) کے متعلق بھی غلطی کر چکے ہو میں تو اس ملک سے نہیں جاؤں گا حتیٰ کہ میرا باپ مجھے آنے کی اجازت دے دے یا اللہ تعالیٰ میرے لیے کوئی فیصلہ فرما دے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِىْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِىْٓ اَبِىْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِىْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ○ (یوسف:80)

ان کے بڑے بھائی نے کہا کیا تم کو علم نہیں ہے کہ تمہارے باپ نے اللہ کی قسم لے کر تم سے پکا عہد لیا تھا اور اس سے پہلے تم یوسف کے معاملے میں تقصیر کر چکے ہو میں اس ملک سے ہرگز نہیں جاؤں گا حتیٰ کہ میرا باپ مجھے اجازت دے یا اللہ میرے لیے کوئی فیصلہ فرمائے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔

بڑے بھائی سے کون سا مراد ہے؟

جس بڑے بھائی نے بھائیوں کو سمجھایا اور واپس جانے سے انکار کیا اس کے متعلق چند اقوال ہیں کہ بڑے بھائی سے کیا مراد ہے۔ بڑے بھائی سے مراد عقل اور دانش مندی میں بڑا مراد ہے یا عمر میں بڑا مراد ہے۔

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

زیادہ عقل مند شمعون تھا اور عمر میں بڑا روبیل تھا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

یہاں روبیل سے مراد ہے جو عمر میں بڑا تھا جب بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے لگے تھے تو اسی نے ان کو قتل کرنے سے منع کیا تھا۔

(زاد المسیر: ج:4،ص:266 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

یہ کہنے والا یہودا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت الکلبی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح لکھا ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ

عمر میں بڑا مراد ہے اور وہ روبیل تھا اسی نے بھائیوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کے قتل سے روکا تھا۔

حضرت قتادہ اور حضرت السدی اور حضرت الضحاک کا یہی قول ہے۔

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وہ شمعون تھا اور اسے اپنے بھائیوں پر اقتدار حاصل تھا۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:3 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اور تفسیر نعیمی میں ہے۔

وہ بڑا بھائی یا روبیل تھا کیونکہ وہ عمر میں بڑا تھا یا یہودا تھا کہ وہ عقل وعلم میں باقی نو سے زیادہ تھا اور اس کی بات مانی جا
تھی یا شمعون تھا کہ وہ امیر قافلہ تھا۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:113 نعیمی کتب خانہ لاہور)

سب بھائیوں کا واپس گھر جانے سے انکار کرنا

جب بڑے بھائی نے والد محترم کی بات یاد دلائی اور پختہ عہد یاد دلایا کہ ہم ضرور بنیامین کو واپس لائیں گے اور حضر
یوسف علیہ السلام کے متعلق جو معاملہ کیا یاد دلایا تو انہوں نے کہا ہم واپس نہیں جائیں گے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

سب نے کہا واقعی اب ہم کس منہ سے جائیں گے اس لیے ہم کوئی نہیں جائیں گے سب کے سب یہیں کہیں منہ چھپا
پڑے رہو۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:113 نعیمی کتب خانہ لاہور)

ایک بھائی کا واپس گھر جانے کا تین وجوہ سے مشورہ دینا

جب تمام بھائیوں نے واپس جانے سے انکار کیا تو ایک بھائی کو گھر کے حالات کا خیال آیا کہ گھر نہیں جائیں گے تو بہ
سارے کام خراب ہو جائیں گے اسی لیے اس نے تین وجوہ سے واپس گھر جانے کا مشورہ دیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

پھر کسی نے کہا کہ

اس سے تو اور زیادہ خرابی پڑے گی (اگر ہم گھر نہ گئے تو)

ایک یہ کہ

وہاں گندم کا انتظار ہو رہا ہے گھر والے بھوکے ہیں۔

دوم یہ کہ

والد محترم سمجھیں گے شاید سب ہلاک ہو گئے تو انتہائی سخت غمزدہ ہو جائیں گے ایسا نہ ہو کہ غم سے فوت ہو جائیں۔

سوم یہ کہ

گھر میں ہمارے علاوہ جوان مرد اور کوئی نہیں والد بوڑھے کمزور اور بیمار غمزدہ ہیں ہم نہ جائیں تو کاروبار، دکانیں ک
چلائے گا اور گھر کی دیگر ضروریات کون پوری کرے گا اس لیے چلنا ضرور چاہیے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:113 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بڑے بھائی کا پھر بھی گھر جانے سے انکار کرنا

جب ایک بھائی نے گھر نہ جانے کی خرابیاں بیان کر دیں تو بڑے بھائی نے پھر بھی گھر جانے سے انکار کر دیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

بڑے نے کہا:

ٹھیک ہے تم سب جاؤ مگر میں اس وقت تک نہ جاؤں گا جب تک والد محترم مجھ کو خود اجازت نہ دیں یا اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے یا والد محترم پر وحی بھیج کر میرے لیے کوئی فیصلہ نہ فرما دے یا راہ ہموار نہ ہو جائے بنیامین کے نکالنے کی اور وہی اللہ تعالیٰ حاکموں میں سب سے اچھا حاکم ہے کہ اس کا فیصلہ ہمیشہ حق، مضبوط، عدل و شاندار ہوتا ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:113 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بڑے بھائی کا بھائیوں کو واپس حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس جانے کا کہنا

بڑے بھائی نے خود تو واپس حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس جانے سے انکار کر دیا مگر بھائیوں کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس جانے کا کہا۔

قرآن مجید میں ہے:

اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓی اَبِیْكُمْ (یوسف:81)

(بڑے بھائی نے کہا) اپنے باپ کی طرف واپس جاؤ۔

اور تفسیر نعیمی میں ہے۔

(بڑے بھائی نے کہا) اور اب تم باقی بھائی مجھے خدا (عزوجل) پر چھوڑ کر جلد از جلد لوٹ جاؤ سب ایک ساتھ اپنے والد کی خدمت میں جاؤ۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:113 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بھائیوں کا حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف جانے کا فیصلہ

بڑے بھائی نے کہا میں تو اس ملک سے ہرگز نہیں جاؤں گا حتیٰ کہ میرا باپ مجھے اجازت دیدے یا اللہ تعالیٰ میرے لیے کوئی فیصلہ فرمائے مگر اے بھائیو تم ضرور واپس والد محترم کی طرف جاؤ اور عرض کرو اے ہمارے والد محترم بے شک آپ علیہ السلام کے بیٹے نے چوری کی ہے اور ہم تو وہ گواہی دے سکتے ہیں جو ہمارے علم میں ہو اور ہم تو غیب کے نگہبان نہیں تھے اور آپ علیہ السلام اس بستی والوں سے بھی پوچھ لیجئے جس میں ہم تھے اور قافلہ والوں سے بھی پوچھ لیجئے جن کے ساتھ ہم آئے ہیں بے شک ہم تو ضرور سچے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓی اَبِیْكُمْ فَقُوْلُوْا یٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَیْبِ حٰفِظِیْنَ ○ وَسْــٴَـلِ الْقَرْیَةَ الَّتِیْ كُنَّا فِیْهَا وَالْعِیْرَ الَّتِیْٓ اَقْبَلْنَا فِیْهَا ؕ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ○ (یوسف:81،82)

اپنے باپ کی طرف واپس جاؤ اور کہو اے ہمارے باپ! بے شک آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے اور ہم صرف اسی بات کی گواہی دے سکتے ہیں جو ہمارے علم میں ہو اور ہم غیب کے نگہبان نہ تھے اور آپ اس بستی والوں سے

پوچھ لیجئے جس میں ہم تھے اور اس قافلہ سے پوچھ لیجئے جس کے ساتھ ہم آئے ہیں اور بے شک ہم ضرور سچے ہیں۔

غیب کے نگہبان کا مطلب

بھائیوں نے کہا ہم غیب کے نگہبان نہیں تھے اس کے متعلق مفسرین کے اقوال ہیں۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

ہم اس کی رات اس کے دن اور اس کے آنے جانے کی نگہبانی کرنے والے نہ تھے شاید رات کے وقت اس کے سامان میں چھپایا گیا تھا۔

حضرت مجاہد اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

اس کا معنی یہ ہے کہ

ہم نے جب آپ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا اس وقت ہمیں معلوم نہ تھا کہ آپ علیہ السلام کا بیٹا چوری کرے گا اور ہم ایسی صورت حال سے دوچار ہوں گے اور تم ایسی مصیبت میں گرفتار ہو گے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کی وجہ سے ہوئے تھے۔

ہم نے کہا تھا کہ

ہم اس کی حفاظت کریں گے جب تک ہمارا بس چلے گا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:314 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ کے تحت روایت ہے کہ

ہم نہیں جانتے تھے کہ وہ چوری کرے گا۔

اور مزید راقم ہیں۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم نہیں جانتے تھے کہ آپ علیہ السلام کا بیٹا چوری کرے گا۔

مزید راقم ہیں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

انہوں نے کہا:

ہم گمان بھی نہیں کرتے تھے کہ تمہارا بیٹا چوری کرے گا۔

(جامع البیان: ج:13، ص:45، 46 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

کون سی بستی مراد ہے؟

بستی سے مراد وہ بستی ہے جس میں انہیں منادی ملا تھا اور وہ اس بستی سے واپس مصر گئے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

قریہ سے مراد وہ بستی ہے جس بستی میں انہیں منادی ملا تھا اور اس سے وہ مصر واپس گئے تھے۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:314 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بڑے بھائی کو معلوم تھا کہ ان بھائیوں پر الزام لگے گا

جس بڑے بھائی نے اپنے بھائیوں کو والد محترم کے پاس بھیجا تھا اسے معلوم تھا کہ ان پر الزام لگے گا کیونکہ وہ پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ اسی طرح معاملہ کر چکے تھے۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جس بھائی نے مصر میں اپنے آپ کو محبوس کر دیا تھا اسے معلوم تھا کہ جب یہ والد محترم کے پاس پہنچیں گے تو ان پر الزام ہو گا (کہ یہ جھوٹے ہیں) کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے معاملہ میں وہ ایسے ثابت ہو چکے تھے اس لیے اس بھائی نے انہیں حکم دیا کہ اپنے باپ کو یہ کہنا کہ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ کہ ہم یقیناً سچے ہیں۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:314 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے پاس بنیامین کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے رکھا

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے پاس بنیامین کو اس لیے رکھا کیونکہ آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم تھا۔

امام ابو الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد محترم کے ساتھ ایسا معاملہ کیوں کیا اور اپنی رہائش گاہ کی خبر کیوں نہ دی اور اپنے بھائی کو محبوس کر لیا حالانکہ آپ علیہ السلام کو علم تھا کہ والد محترم ان سے انتہائی محبت رکھتے تھے۔ ان تمام امور میں والد پر ظلم، قطعیۃ الرحم اور قلت شفقت کا اظہار ہے۔

ہم کہتے ہیں۔

صحیح یہ ہے کہ یہ سب کچھ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی مصیبت میں اضافہ ہوتا کہ آپ علیہ السلام کا اجر کئی گنا ہو جائے اور اپنے آباء کرام کے درجہ تک پہنچ جائیں۔

بعض علماء کرام فرماتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے آپ کو ظاہر نہیں کیا کیونکہ آپ علیہ السلام کو اپنے بھائیوں کی سازش پر امن نہ تھا کہ کہیں پھر باپ سے یہ بات پوشیدہ نہ رکھیں پہلا اصح قول ہے۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:315 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بڑے بھائی نے بھائیوں کو سب کچھ سکھا کر بھیجا

بڑے بھائی نے اپنے بھائیوں کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس بھیجنے سے پہلے سب کچھ سکھایا کہ اس طرح والد محترم

کے پاس جا کر اپنی صفائی پیش کرنی ہے۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔

لوٹ جاؤ سب ایک ساتھ اپنے والد کی خدمت میں اور تم سے میرے اور بنیامین کے بارے میں پوچھیں اور بنیامین کے بارے تو یقیناً پوچھیں گے یا تم خود ہی پہل کر کے کہہ دینا صاف صاف کہ ہمارے والد محترم بے شک تمہارے لاڈلے چہیتے پیارے بیٹے بنیامین نے چوری کی ہے کہ کسی کو پتہ تک نہ چلا اور شاہی پیالہ اس کے سامان میں پہنچ گیا خبر نہیں کس وقت کس مہارت سے اس نے ڈال دیا لیکن ہم نے یہ بات صرف اپنی ظاہری معلومات کی بناء پر کی ہے یہ ہماری شہادت نہیں ہے کیونکہ گواہی تو واقعہ کے مشاہدے سے ہوتی ہے ہم نے چوری کا مشاہدہ نہیں کیا نہ اقرار جرم سنا ہم تو وہ خبر آپ کو دے رہے ہیں جو ہم نے وہاں جانی کہ جب ہم بستی مصر سے نکل کر ایک قریبی گاؤں کے اندر سے گزر رہے تھے اور کنعان کے دیگر لوگوں کا قافلہ بھی ہمارے ساتھ تھا تو شاہی کارندوں نے چوری کا اعلان کر کے ہم سب کو گرفتار کر لیا واپس جا کر تلاشی لی تو سب سے آخر میں بنیامین کی گندم میں سے پیالہ، گلاس نکل آیا پھر عزیز مصر کی عدالت میں پیشی ہوئی تو بھی بنیامین نے اپنی صفائی میں اپنے جرم کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھائی ہم نے برا بھلا کہا سپاہیوں نے گلے سے پکڑ کر گرفتار کیا ہم نے تو بہت کچھ شور واویلا کیا مگر بنیامین کچھ نہ بولا جس سے ہم نے اس کی خاموشی سے اقرار جرم کا اندازہ لگا لیا ہم نے اس کی حفاظت کا وعدہ واقعی آپ سے کیا تھا مگر اس کی غائبانہ حرکتوں پر کیسے نظر رکھی جاتی یا ہو سکتا ہے پہلے بھی وہ گھر بازار میں چھوٹی موٹی چوری کر لیتا ہو ہم تو غیب کے محافظ نہیں ہیں یا یہ سب کچھ جو ہم کو معلوم ہوا ہے وہ تو ظاہری حالات کی وجہ سے ہے حقیقت میں ہو سکتا ہے وہ چور نہ ہو اور اس کی خاموشی ناگہانی آفت کے غم شدید کی بناء پر ہو لیکن ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ اسی طرح ہے بے شک اگر آپ کو ہم پر یقین نہیں آتا تو اس بستی محلے والوں سے پوچھا جائے جس میں سے ہم کو واپس لے جایا گیا اور سب بازار والوں، گلی محلے والوں نے یہ نظارہ کیا یا مصر کی بستی سے پوچھیے پچھوا۔ ۔ ۔ ر نہیں تو اپنے محلے کے ان کنعانیوں سے پوچھ لیجئے جو قافلے میں ہمارے ساتھ تھے وہ بھی بتا دیں گے کہ ہم بے شک آپ سے ۔ لہہ رہے ہیں اور ہم سچے ہیں ظاہری بھی سچے باطنی بھی۔ آپ واقعات یوسف کو مدنظر رکھ کر ہم کو اب بھی جھوٹا خیال نہ فرمائیں ج تو ہمارے پاس اپنی سچائی پر بہت گواہ ہیں وہ قافلے والے، بستی والے، کارندے پولیس والے اور مصر کے بہت سے دیکھنے والے لوگ بلکہ خود عزیز مصر ہماری اس بیان کردہ سچائی پر گواہ ہیں آپ کسی کو بھیج کر پتہ لگا لیں غرض کہ انہوں نے خوب ہی مرچ مصالحے لگا کر بڑھا چڑھا کر اس واقعے کو بیان کیا تا کہ بنیامین والد کی نظروں سے گر جائے ہم قابل عزت بن جائیں اور والد محترم کا نیا غم پیدا نہ ہو۔

(تفسیر نعیمی، ج:13، ص:113 تا 114 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا بیٹوں کو چور کی سزا خود بتانے کا فرمانا

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا وہ چور کی سزا اسے غلام بنانا نہیں جانتا تھا مگر تم نے اسے خود ہی سزا بتائی ہوگی تو بیٹوں نے کہا ہم نے وہی بیان کیا جس کا ہمیں علم تھا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن زید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا۔

وہ شخص نہیں جانتا کہ چور ہی چوری کی وجہ سے پکڑلیا جاتا ہے مگر تمہاری بات سے ہی اسے علم ہوا ہوگا۔

بیٹوں نے کہا:

ہم نے وہی کچھ بیان کیا جس کا ہمیں علم تھا ہم نے جو یہ بیان کیا ہے کہ چور کی چوری کی وجہ سے پکڑلیا جاتا ہے تو ہم جانتے تھے۔

(جامع البیان: ج:13، ص:45 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تمہارے دلوں نے ایک بات گھڑلی ہے

جب بیٹوں نے بنیامین کی چوری کے متعلق بیان کردیا اور اپنی صفائی بیان کردی تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تمہارے دلوں نے ایک بات گھڑلی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا (یوسف:83)

یعقوب نے کہا بلکہ تمہارے دلوں نے ایک بات گھڑلی ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا صبر جمیل فرمانا

جب بیٹوں نے اپنی تمام صفائی بیان کردی تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تمہارے دلوں نے ایک بات گھڑلی ہے اب تو صبر جمیل ہی مناسب ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَصَبْرٌ جَمِيلٌ (یوسف:83)

اب تو صبر جمیل مناسب ہے۔

صبر جمیل کی تعریف

صبر جمیل یہ ہے کہ جس میں مخلوق کے سامنے شکوہ شکایت کا اظہار نہ کیا جائے۔

امام محمد بن محمد غزالی متوفی 505ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ سے شکوہ اور شکایت کرنا حرام ہے اور جب آدمی اپنے مرض یا مصیبت کا کسی کے سامنے اظہار کرتا ہے اور وہ اس مرض اور مصیبت کو ناپسند کرتا ہے اور اس سے ناراض ہوتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے فعل کی شکایت ہے اسی لیے یہ حرام ہے ہاں اگر اس پر قرائن ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فعل کو ناپسند نہیں کررہا اور نہ اس پر ناراض ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے شکوہ اور شکایت نہیں کررہا بلکہ اپنے درد اور مصیبت کا اظہار کررہا ہے تو پھر اپنی تکلیف اور مصیبت کا اظہار کرنا حرام نہیں ہے لیکن پھر بھی خلاف اولیٰ ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ وہ مصیبت کا اظہار بالکل نہ کرے کیونکہ اس سے شکایت کا وہم ہوتا ہے۔

بعض علماء نے فرمایا:

جس نے اپنی مصیبت کا اظہار کیا اس نے صبر نہیں کیا اور صبر جمیل کا معنیٰ یہ ہے کہ اس میں بالکل شکایت نہ ہو۔

(احیاء علوم الدین: ج:4،ص:255 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے۔

فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ

صبر جمیل وہ ہے جس میں مخلوق کے سامنے اظہار شکوہ شکایت نہ ہو یا غم کی حالت میں اپنا کسی کا نقصان نہ کیا جائے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13،ص:123 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا فرمانا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ ان سب کو میرے پاس لے آئے گا

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے لیے صبر جمیل فرما کر یہ فرمایا کہ

عنقریب اللہ تعالیٰ ان سب کو میرے پاس لے آئے گا بے شک وہ خوب جاننے والا بہت حکمت والا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَنِیْ بِهِمْ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ○ (یوسف:83)

عنقریب اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے گا بے شک وہ خوب جاننے والا بہت حکمت والا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی غم کی وجہ سے آنکھیں سفید ہونا

حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی کی وجہ سے سفید ہو گئیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ یٰۤاَسَفٰى عَلٰى یُوْسُفَ وَابْیَضَّتْ عَیْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِیْمٌ ○ (یوسف:84)

اور ان سے پشت پھیر لی اور کہا ہائے افسوس یوسف (کی جدائی) پر اور غم سے ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور وہ غم برداشت کرنے والے تھے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو سو شہیدوں کا ثواب

امام عبد الرحمٰن بن محمد رازی ابن ابی حاتم متوفی 327ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت لیث بن ابی سلیم روایت کرتے ہیں کہ

حضرت جبرائیل علیہ السلام قید خانہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس گئے حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا۔

تو ان سے فرمایا: اے مکرم فرشتے! کیا آپ علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کا علم ہے۔

کہا۔

ہاں۔

پوچھا:

کیا حال ہے۔

کہا۔

آپ علیہ السلام کے غم میں ان کی بینائی جاتی رہی۔

پھر پوچھا:

انہیں کتنا غم ہے۔

کہا۔

ستر درجہ زیادہ غم ہے۔

پوچھا:

ان کو اجر بھی ملے گا۔

کہا۔

ہاں! ان کو سو شہیدوں کا اجر ملے گا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:7، رقم الحدیث:11884 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

حضرت یعقوب علیہ السلام مسلسل اسی (80) سال تک روتے رہے

حضرت یعقوب علیہ السلام (80) اسی سال تک روتے رہے۔

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

حضرت یعقوب علیہ السلام مسلسل اسی (80) سال تک روتے رہے اور ان کی آنکھیں خشک نہیں ہوئیں اور جب سے ان کی بصارت چلی گئی تھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان سے زیادہ عزت والا کوئی نہیں تھا۔

(زادالمسیر: ج:4، ص:271 مطبوعہ کتب اسلامی بیروت)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت الحسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کی حضرت یعقوب علیہ السلام سے جدائی کی مدت اسی سال ہے اور اس عرصہ میں کبھی حضرت یعقوب علیہ السلام سے غم دور نہ ہوا ہر وقت آپ علیہ السلام کے رخساروں پر آنسو بہتے رہتے تھے اور ہمیشہ روتے رہتے حتیٰ کہ آپ علیہ السلام کی آنکھیں ضائع ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم ! سطح زمین پر اس وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضرت یعقوب علیہ السلام سے بڑا خلیفہ کوئی نہ تھا۔

(جامع البیان: ج:13، ص:60 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام کو ستر ماؤں کے فوت شدہ بیٹوں جتنا غم

حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی کی وجہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام کو ستر ماؤں کے فوت شدہ بیٹوں جتنا غم تھا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن ابی سلیم سے روایت ہے کہ

حضرت جبرائیل علیہ السلام قید خانہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے اسے پہچان لیا۔

اور کہا:

اے اللہ تعالیٰ کے معزز فرشتے! کیا تجھے یعقوب علیہ السلام کے متعلق بھی کوئی علم ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

ہاں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا:

ان کی کیا حالت ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

آپ علیہ السلام کی جدائی کے غم کی وجہ سے ان کی آنکھیں سفید ہو گئی ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا:

ان کو کتنا غم ہے؟

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

جتنا ان ستر ماؤں کو ہوتا ہے جن کے بچے فوت ہو گئے ہوتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا:

کیا اس پر ان کے لئے کوئی اجر بھی ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

ہاں سو شہیدوں کا اجر ہے۔

(جامع البیان: ج:13، ص:58 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

مزید راقم ہیں۔

حضرت عبداللہ بن ابی جعفر سے روایت ہے کہ

حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس قید خانہ میں گئے۔

تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے پوچھا:

اے جبرائیل (علیہ السلام)! میرے باپ کو کتنا غم لاحق ہوا ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

ایسی ستر عورتوں کا غم جن کے بچے فوت ہو گئے ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا:

ان کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر کیا ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا:

سو شہیدوں کا اجر ہے۔

(جامع البیان: ج:13، ص:59 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

مزید راقم ہیں۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جب حضرت جبرائیل علیہ السلام قید خانہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس خوش خبری لے کر آئے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پوچھا:

اے صدیق! کیا تم مجھے پہچانتے ہو۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

میں ایسی پاکیزہ صورت دیکھ رہا ہوں پاکیزہ خوشبو محسوس کر رہا ہوں جو خطا کاروں کے خوشبو کے مشابہ نہیں ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

میں رسول رب العالمین ہوں میں الروح الامین ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا:

آپ علیہ السلام کو اس مجرموں کے مدخل میں کس نے داخل کیا ہے آپ علیہ السلام تو پاکیزہ لوگوں میں سے پاکیزہ ترین ہیں آپ علیہ السلام تو مقربین کے سردار ہیں۔ رب العالمین کے امین ہیں۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

اے یوسف (علیہ السلام)! آپ علیہ السلام کو علم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ گھروں کو انبیائے کرام کی پاکیزگی کی وجہ سے پاک فرماتا ہے اور وہ زمین جس میں تم داخل ہوتے ہو وہ پاکیزہ ترین زمین ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی وجہ سے قید خانہ اور اس کے ماحول کو سب پاکیزہ لوگوں میں سے پاکیزہ ترین اور پاکیزہ لوگوں کے بیٹے کے ذریعے پاک کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کی طہارت اور آپ علیہ السلام کے صالح اور مخلص آباء کی طہارت کی وجہ سے پاک کرتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

آپ علیہ السلام مجھے صدیقین کے اسماء کے ساتھ کیسے یاد کرتے ہیں اور آپ علیہ السلام مجھے مخلصین میں کیسے شمار کر رہے ہیں جبکہ میں مجرموں کی جگہ میں داخل ہوں اور میں ضالین اور مفسدین کا نام دیا گیا ہوں۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

آپ علیہ السلام کا دل غم سے دوچار نہیں ہوا اور نہ آپ علیہ السلام کی حریت غلامی سے گدلی ہوئی ہے اور نہ تو نے اپنے عزوجل کی نافرمانی میں اپنی مالکن کی اطاعت کی تھی اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کا نام صدیقین کے نام کے رکھا ہے اور تجھے تیرے صالح بزرگوں کے ساتھ ملا دیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا:

کیا تجھے یعقوب علیہ السلام کے بارے کچھ علم ہے؟

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

ہاں! اللہ تعالیٰ نے انہیں صبر جمیل کی توفیق بخشی ہے اور انہیں غم میں مبتلا کیا تو وہ اپنے غم پر ضبط کیے ہوئے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا:

ان کے غم کی حد کیا ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

(70) ستر ایسی عورتیں جن کے بچے فوت ہو گئے ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا:

انہیں اجر کیا ملے گا۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

سو شہیدوں کا۔

(جامع البیان: ج:13، ص:59 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

مزید راقم ہیں۔

حضرت الحسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ

حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے بیٹے کا کتنا غم تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جتنا ستر ایسی عورتوں کا ہوتا ہے جن کے بچے فوت ہو گئے ہوں۔

پوچھا گیا۔

ان کا اجر کتنا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سو شہیدوں کا۔ انہوں نے دن یا رات میں کسی وقت بھی اللہ تعالیٰ کے متعلق برا گمان نہ کیا۔

(جامع البیان: ج:13، ص:57 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

مزید راقم ہیں۔

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت جبرائیل علیہ السلام قید خانہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آئے سلام عرض کیا۔

تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

اے بارگاہ رب عزوجل کے مکرم فرشتے! اے پاک خوشبو والے، اے طاہر لباس والے! کیا تجھے حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق کچھ علم ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

ہاں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا:

ان کا غم کتنا شدید ہے اور انہیں اس پر اجر کتنا ملے گا۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

ان کا غم ستر ایسی عورتوں کے غم کے برابر ہے جن کی اولاد فوت ہو گئی ہو۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا:

کیا میری ان سے ملاقات ہو گی۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

ہاں۔اس سے حضرت یوسف علیہ السلام خوش ہوئے۔

(جامع البیان: ج:13 ص:60 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام کو ستر شہداء کا اجر عظیم

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

مجھے بتایا گیا ہے کہ

حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مصر میں انسانی شکل میں آئے۔حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں دیکھ کر پہچان لیا آپ علیہ السلام استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے۔

اور فرمایا:

اے پاکیزہ خوشبو والے، اے پاکیزہ لباس والے، اے بارگاہ رب العزت کے معزز و مکرم فرشتے! کیا آپ علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق کچھ علم ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

ہاں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا:

وہ کیسے ہیں؟

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

ان کی آنکھیں ضائع ہوگئی ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا:

ان کی آنکھیں کس وجہ سے ضائع ہوئی ہیں۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

تیری جدائی کے غم کی وجہ سے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا:

اس پر انہیں کیا اجر ملے گا۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

ستر شہداء کا اجر ملے گا۔

(جامع البیان: ج:13، ص:58 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام کو تیس سال (30) غم یوسف (علیہ السلام)

سابقہ روایات میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا غم یوسف علیہ السلام اسی (80) سال بیان کیا گیا ہے مگر (30) سال کی روایت بھی ہے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

روایتوں میں آتا ہے کہ

حضرت یعقوب (علیہ السلام) کو تقریباً تیس (30) سال غم یوسف (علیہ السلام) کا ابتلاء رہا اور اسی غم میں اتنا رو آنسوؤں کی گرمی اور مسلسل روانی سے آنکھوں پر سفیدی چھا گئی اور کالی پتلی بالکل سفیدی کے پردے میں چھپ گئی جس کل سفید موتیا کہا جاتا ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:123 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بنیامین کی خبر لانے تک حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں سفید ہونے کو چھ سال گزر چکے تھے

جب بیٹے بنیامین کی خبر لائے تو اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں سفید ہونے کو چھ سال گزر چکے تھے

تفسیر نعیمی میں ہے۔

جب یہ بیٹے بنیامین کی خبر لائے تو اس وقت چھ سال بیت چکے تھے نابینا ہوئے اب یہ مزید دھچکا لگا تو سابقہ غم دوبالا ابھرا اور بے اختیار دبی ہوئی آہیں نکل پڑیں۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:123 تا 124 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بیٹوں کا حضرت یعقوب علیہ السلام کو غم یوسف (علیہ السلام) کرنے پر سخت بیمار ہونے کا کہنا

حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے غم میں مسلسل روتے رہتے تھے بیٹوں نے کہا آپ علیہ السلام (حضرت) یوسف (علیہ السلام) کو ہی یاد کرتے رہیں گے آپ علیہ السلام تو اس طرح سخت بیمار ہو جائیں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ○ (یوسف:85)

بیٹوں نے کہا آپ یوسف کو (ہی) یاد کرتے رہیں گے حتیٰ کہ آپ سخت بیمار ہو جائیں گے یا ہلاک ہونے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

بیٹوں کا وصال کر جانے کا قول

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے یہ معنیٰ روایت ہے کہ

آپ علیہ السلام ہمیشہ حضرت یوسف علیہ السلام کو یاد کرتے رہتے ہیں اور اس کی محبت تمہارے دل سے کمزور نہیں ہوتی حتیٰ کہ آپ علیہ السلام بوڑھے ہو جائیں گے یا وصال کر جائیں گے۔

(جامع البیان: ج:13، ص:55 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بیٹوں کا حضرت یعقوب علیہ السلام کے غم کی وجہ سے غم کرنا

جب بیٹوں نے دیکھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام تو اور زیادہ محبت یوسف علیہ السلام میں گھرے جا رہے ہیں تو انہیں اب احساس و غم ہوا کہ ہمیں حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ اس طرح نہ کرنا چاہیے تھا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

آج بیٹے اس بات کا غم کر رہے ہیں کہ کاش ہم کو معلوم ہوتا کہ محبت یوسف (علیہ السلام) اور عشق محبوب کے اتنے گہرے نقوش ہوتے ہیں تو ہم کبھی بھی (حضرت) یوسف (علیہ السلام) کو جدا نہ کرتے ہم تو یہی سمجھتے تھے کہ دو چار دن غم ہوگا پھر ہم سے یکتا محبت پدر ہوگی اب گویا مختلف قسم کے غموں میں سب گھر ہی مبتلا ہو گیا۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:124 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت صرف اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں

جب بیٹوں نے کہا کہ اے ہمارے والد محترم آپ علیہ السلام یوسف علیہ السلام کو یاد کرتے رہیں گے حتیٰ کہ آپ علیہ السلام سخت بیمار ہو جائیں گے یا ہلاک ہونے والوں میں سے ہو جائیں گے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت صرف اللہ تعالیٰ سے ہی کرتا ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّیْ وَ حُزْنِیْۤ اِلَى اللّٰهِ (یوسف:86)

یعقوب نے کہا میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت صرف اللہ سے ہی کرتا ہوں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا پڑوسی کو غم سے دوچار ہونے کی شکایت کرنا اور وحی کا نازل ہونا

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ

حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس آپ علیہ السلام کا پڑوسی آیا۔

اور اس نے عرض کیا:

اے یعقوب علیہ السلام! میں تجھے کیسے دیکھ رہا ہوں کہ آپ علیہ السلام بالکل ٹوٹ چکے ہیں اور فنا ہو چکے ہیں حالانکہ آپ علیہ السلام ابھی تو اس عمر کو نہیں پہنچے جس تک آپ علیہ السلام کے والد محترم پہنچا تھے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

مجھے اللہ تعالیٰ کی جانب سے یوسف (علیہ السلام) کے غم سے دوچار کرنے کی آزمائش نے توڑ دیا ہے اور فنا کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی! اے یعقوب (علیہ السلام)! اس میں شکایت میری مخلوق سے کر رہا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! مجھ سے خطا ہوئی ہے مجھے معاف فرما دے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

میں نے تجھے معاف کر دیا ہے۔

اس کے بعد جب آپ علیہ السلام سے پوچھا گیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اِنَّمَآ اَشۡكُوۡا بَثِّىۡ وَحُزۡنِىۡۤ اِلَى اللّٰهِ

مزید راقم ہیں کہ

حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا گیا کہ

اے حضرت یعقوب علیہ السلام! کس چیز نے تیری آنکھوں کی بینائی ختم کر دی ہے اور کس نے تیری کمر کو دوہرا کر دیا ہے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

(حضرت) یوسف (علیہ السلام) پر رونے نے میری بینائی ختم کر دی ہے اور اس کے بھائی کے غم نے میری کمر ٹیڑھی کر دی ہے تو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ کیا تو میری شکایت کر رہا ہے مجھے اپنی عزت کی قسم میں تیری تکلیف کو دور نہ کروں گا حتیٰ کہ میری بارگاہ میں فریاد کرے۔

تو اس وقت آپ علیہ السلام نے کہا:

اِنَّمَآ اَشۡكُوۡا بَثِّىۡ وَحُزۡنِىۡۤ اِلَى اللّٰهِ

اللہ تعالیٰ نے پھر وحی بھیجی کہ

مجھے اپنی عزت کی قسم اگر وہ دونوں مردہ بھی ہوتے تو میں ان دونوں کو تیری خاطر نکال لاتا۔

میں نے دیکھا کہ

تم نے ایک بکری ذبح کی تھی اور تمہارے دروازے پر مسکین تھا اور تم نے اسے کچھ بھی نہیں کھلایا تھا اور میرے نزدیک میری مخلوق سے محبوب ترین انبیاء (علیہم السلام)، پھر مساکین ہیں۔ پس اب کھانا کھاؤ اور اس پر مسکین کو دعوت دو آپ علیہ السلام نے کھانا پکایا پھر اعلان فرمایا جو روزہ دار ہو آج رات آل یعقوب کے پاس افطار کرے۔

روایت ہے کہ

اس کے بعد جب صبح ہوئی تو آپ علیہ السلام نے منادی کو حکم دیا کہ وہ ندا دے کہ جو صبح کھانا کھانا چاہتا ہے وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس آئے پس آپ علیہ السلام صبح وشام مساکین کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:317 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام سے حضرت یوسف علیہ السلام اسی (80) سال کیوں دور رہے

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف وحی بھیج کہ تو جانتا ہے کہ میں نے تجھے کیوں عتاب کیا ہے اور اسی (80) سال یوسف (علیہ السلام) کو کیوں تجھ سے دور رکھا ہے۔

آپ علیہ السلام نے عرض کیا:

نہیں! یا اللہ عزوجل۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

تو نے ایک بکری بھونی تھی اور اپنے پڑوسی پر کنجوسی کی تھی تو نے وہ بکری خود کھائی تھی اور پڑوسی کو نہیں کھلائی تھی۔

روایت ہے کہ

حضرت یعقوب علیہ السلام کو اس تکلیف میں اللہ تعالیٰ نے اس لیے مبتلا کیا تھا کہ آپ علیہ السلام نے ایک بچھڑا بچھڑے کی ماں کے سامنے ذبح کیا تھا اور وہ آواز نکال رہی تھی۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:317 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی آزمائش

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت طلحہ بن مصرف الایامی سے روایت ہے کہ

تین چیزوں کا ذکر نہ کر اور ان کے ذکر سے اجتناب کر، اپنی مرض کا شکوہ نہ کر، اپنی مصیبت کا شکوہ نہ کر اور اپنی خود تعریف نہ کر۔

فرماتے ہیں کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ
حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس ان کا پڑوسی گیا۔
تو اس نے کہا:
اے یعقوب (علیہ السلام)! کیا وجہ ہے کہ میں تجھے نحیف وکمزور دیکھ رہا ہوں حالانکہ آپ علیہ السلام ابھی تک اپنے باپ کی عمر کو نہیں پہنچے۔
حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:
میری یہ کیفیت اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یوسف (علیہ السلام) کے غم کی وجہ سے آزمائش میں ڈال دیا ہے۔
فرماتے ہیں کہ
اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو طرف وحی فرمائی۔
اے یعقوب (علیہ السلام)! تو میری شکایت میری مخلوق کے پاس کرتا ہے۔
حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا:
اے میرے رب عزوجل! مجھ سے غلطی ہوئی ہے مجھے معاف فرمادے۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
میں نے تجھے معاف کر دیا ہے اس کے بعد جب بھی آپ علیہ السلام سے پوچھا جاتا۔
تو آپ علیہ السلام فرماتے۔
اِنَّمَآ اَشْکُوْا بَثِّیْ وَ حُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰہِ
میں تو اپنی مصیبت اور دکھوں کا شکوہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کرتا ہوں۔
(جامع البیان: ج:13، ص:58 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)
مزید راقم ہیں۔
حضرت حبیب بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ
حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑھاپے کی وجہ سے ان کے ابرو آنکھوں پر چھا گئے تھے وہ انہیں کپڑے کے ساتھ اوپر اٹھائے رکھتے تھے۔
آپ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ
آپ علیہ السلام کی یہ کیفیت کیوں ہے؟
آپ علیہ السلام نے فرمایا:
زمانے کی طوالت اور غموں کی کثرت کی وجہ سے ہے۔
اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی۔
اے یعقوب (علیہ السلام)! کیا تو میری شکایت کرتا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے عرض کیا:

یا رب عزوجل! مجھ سے یہ خطا ہوئی ہے مجھے معاف فرما دے۔

اور حضرت نصر بن عربی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام پر جب حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی کا غم طویل ہو گیا اور آپ علیہ السلام کی آنکھیں غم کی وجہ سے ضائع ہو گئیں تو بیمار پرسی کرنے والے آپ علیہ السلام کے پاس آتے۔

اور کہتے۔

السلام علیک یا نبی اللہ

آپ علیہ السلام کیسے ہیں۔

آپ علیہ السلام فرماتے۔

بوڑھا آدمی ہوں آنکھیں ختم ہو چکی ہیں۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی۔

اے یعقوب (علیہ السلام)! تو نے میری اپنے تیمارداروں کے سامنے شکایت کی ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! مجھ سے یہ خطا ہوئی ہے آئندہ کبھی ایسا نہ ہوگا۔

اس کے بعد آپ علیہ السلام ہمیشہ یہی فرماتے تھے۔

اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ

میں اپنے دکھوں اور حزن کا شکوہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کرتا ہوں۔

(جامع البیان: ج:13، ص:58 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام عبدالرزاق سے روایت ہے کہ

ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ

حضرت یعقوب علیہ السلام نے عرض کی۔

یا رب عزوجل! تو نے میرا بچہ بھی لے لیا تو نے میری آنکھیں بھی لے لیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

کیوں نہیں! لیکن میری عزت اور میرے جلال کی قسم! میں تجھ پر رحم کروں گا اور تیری بینائی اور تیرا بچہ تجھ پر لوٹا دوں گا میں نے تجھے اس مصیبت سے آزمایا ہے کیونکہ تو نے ایک اونٹ ذبح کیا تھا پھر اسے بھونا تھا تیرے پڑوسی نے اس کی خوشبو محسوس کی تھی لیکن تو نے اسے وہ پیش نہیں کیا تھا۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت یعقوب علیہ السلام کا ایک منہ بولا بھائی تھا۔
اس نے ایک دن آپ علیہ السلام سے کہا۔
اے یعقوب علیہ السلام! کس چیز نے تیری آنکھیں ضائع کردی ہیں اور کس چیز نے تیری کمر دوہری کر دی ہے۔
حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:
(حضرت) یوسف (علیہ السلام) پر رونے کی وجہ سے میری آنکھیں ضائع ہوگئی ہیں اور بنیامین کی جدائی کے غم نے میری کمر ٹیڑھی کر دی ہے۔
اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا:
اے یعقوب علیہ السلام! اللہ تعالیٰ تمہیں سلام دیتا ہے۔
اور فرماتا ہے۔
تو میرا شکوہ غیروں کے پاس کرتا ہے۔
حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا:
اِنَّمَآ اَشْکُوْا بَثِّیْ وَ حُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰہِ
میں اپنے دکھ اور درد کا اظہار اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کرتا ہوں۔
حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:
اے یعقوب علیہ السلام! اللہ تعالیٰ تیرے شکوہ و شکایت کو جانتا ہے۔
پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا:
کیا تو بوڑھے آدمی پر رحم نہیں کرتا تو نے اس کی آنکھیں سلب کر لی ہیں اور میری پیٹھ دوہری کر دی ہے۔ میرے دونوں پھول مجھ پر لوٹا تا کہ میں موت سے پہلے انہیں سونگھ لوں پھر تو جو چاہے میرے ساتھ کر۔
حضرت جبرائیل علیہ السلام پھر آپ علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا:
اے یعقوب (علیہ السلام)! اللہ تعالیٰ تمہیں سلام فرماتا ہے۔
اور یہ ارشاد فرماتا ہے کہ
تو خوش ہو اور تیرا دل مسرور ہو۔ میری عزت کی قسم! اگر تیرے دونوں بچے مردہ بھی ہوئے تو میں انہیں زندہ کر دیتا پس تو مساکین کے لئے کھانا تیار کر کیونکہ میرے محبوب بندے انبیاء (علیہم السلام) اور مساکین ہیں تجھے معلوم ہے میں نے تیری آنکھیں کیوں سلب کی ہیں اور تیری پیٹھ کیوں دوہری کی ہے اور یوسف (علیہ السلام) کے بھائیوں نے یوسف (علیہ السلام) کے ساتھ جو کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے ایک بکری ذبح کی تھی پھر تمہارے پاس ایک روزہ دار مسکین آیا تھا تو تم نے اسے اس گوشت سے کچھ نہ دیا تھا۔ پھر حضرت یعقوب علیہ السلام جب صبح کا کھانا کھانے لگتے تو ندا دینے والے کو حکم دیتے کہ وہ یہ ندا لگائے جو مسکین صبح کا کھانا کھانا چاہتا ہو وہ (حضرت) یعقوب (علیہ السلام) کے ساتھ کھانا کھائے اور جب روزے سے ہوتے

تو ندا کرواتے کہ جو مساکین میں سے روزہ دار ہوا ہے یعقوب (علیہ السلام) کے ساتھ افطار کرنا چاہئے۔

(مستدرک،ج:2،ص:379 بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا فرمانا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان باتوں کا علم ہے جن کا تم کو نہیں ہے

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان باتوں کا علم ہے جن کا تم کو علم نہیں ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (یوسف:86)

اور مجھے اللہ کی طرف سے ان باتوں کا علم ہے جن کا تم کو علم نہیں ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا حضرت یوسف علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام سے ملاقات کا یقین دلانا

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت وہب اور سدی رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے کہ

حضرت جبرائیل علیہ السلام قید خانہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آئے۔

اور پوچھا:

اے صدیق! تم مجھے جانتے ہو۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

میں تمہیں ایک پاکیزہ صورت اور پاکیزہ خوشبو والا دیکھتا ہوں۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا:

میں رب العالمین کا رسول اور روح الامین ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا:

تمہیں گناہ گاروں کی جگہ میں کس نے داخل کیا ہے حالانکہ آپ علیہ السلام تو پاکیزہ میں سے پاکیزہ ترین اور مقربین کے سردار اور رب العالمین کے امین ہو۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

اے یوسف (علیہ السلام)! تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کی پاکیزگی کی وجہ سے گھروں کو پاک کرتا ہے اور وہ زمین جس میں انبیاء کرام علیہم السلام داخل ہوتے ہیں وہ تمام زمینوں سے پاکیزہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تیری وجہ سے قید خانہ اور اس کے اردگرد کو پاک کر دیا ہے اسے پاکیزہ لوگوں میں سے پاکیزہ ترین اور اسے نیک چیدہ لوگوں کی اولاد۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

میرا نام صدیقین کی فہرست میں کیسے آیا ہے اور تو نے مجھے مخلصین و طاہرین میں کیسے شمار کیا ہے حالانکہ میں مجرموں کی جگہ داخل کیا گیا ہوں اور مجھے فاسقین کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:
اس کی وجہ یہ ہے کہ تو نے اپنے دل کو فتنہ میں مبتلا نہیں کیا تھا اور اپنے رب عزوجل کی معصیت میں اپنی مالکن کی اطاعت نہیں کی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے صدیقین میں تیرا نام رکھا ہے اور تجھے مخلصین میں شمار کیا ہے اور تیرے نیک آباؤ اجداد کے ساتھ تجھے لاحق کیا ہے۔
حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا:
اے روح الامین! کیا تجھے حضرت یعقوب علیہ السلام کا علم ہے۔
حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:
ہاں! اللہ تعالیٰ نے انہیں صبر جمیل عطا فرمایا ہے اور تیرے غم کے ساتھ آزمایا ہے دراں حالیکہ وہ ضبط کیے ہوئے ہیں۔
حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا:
ان کے غم کا اندازہ کیا ہے؟
حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:
جتنا ان عورتوں کو غم ہوتا ہے جن کی اولاد فوت ہو گئی تھی۔
حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا:
ان کا اجر کتنا ہے۔
حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا:
سو شہیدوں کا۔
حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا:
کیا میری ان سے ملاقات ہوگی۔
حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا:
ہاں۔
حضرت یوسف علیہ السلام بڑے خوش ہوئے اور فرمایا:
اگر میں انہیں دیکھ لوں تو مجھے ان تکلیفوں کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔
(معالم التنزیل: ج:3 ص:317، 318 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا حضرت جبرائیل علیہ السلام سے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق پوچھنا

امام محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:
روایت ہے کہ
ملک الموت نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی زیارت کی۔
تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے پوچھا:

اے میرے فرشتے! جس کی خوشبو بڑی پیاری اور صورت بڑی دلربا ہے کیا تو نے میرے بچے کی روح قبض کر لی ہے۔

تو ملک الموت نے کہا:

نہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو قرار مل گیا اور ان کے دیدار کی امید کرنے لگے۔

بعض فرماتے ہیں۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ

میں جانتا ہوں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب سچا تھا اور میں اور تم عنقریب اس کو سجدہ کریں گے۔

جب حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے بیٹے نے بادشاہ کی سیرت کے متعلق بتایا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے نفس نے محسوس کیا اور امید کی اور فرمایا:

شاید وہ یوسف علیہ السلام ہو۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:317، 318 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت نضر بن عربی سے روایت ہے کہ

حضرت یعقوب علیہ السلام چوبیس (24) سال اس حالت میں رہے کہ آپ علیہ السلام کو علم نہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام زندہ ہے یا وصال فرما گیا ہے حتیٰ کہ ملک الموت انسانی شکل میں آئے۔

اور آپ علیہ السلام نے پوچھا:

تم کون ہو؟

اس نے کہا:

میں ملک الموت ہوں۔

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

میں تجھے خدا عزوجل کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ تو نے (حضرت) یوسف (علیہ السلام) کی روح قبض کر لی ہے۔

ملک الموت نے کہا:

نہیں۔

اس وقت آپ علیہ السلام نے فرمایا۔

(الدر المنثور: ج:4، ص:61 مطبوعہ العلمیہ بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا بیٹوں کو حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین کو تلاش کرنے کا حکم دینا

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ اے میرے بیٹو تم جاؤ یوسف (علیہ السلام) اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کافر ہی مایوس ہوتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

یٰبَنِیَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَاَخِیْهِ وَ لَا تَایْــٴَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِؕ اِنَّهٗ لَا یَایْــٴَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ○ (یوسف:87)

اے میرے بیٹو! جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو بے شک اللہ کی رحمت سے تو کافر ہی مایوس ہوتے ہیں۔

بیٹوں کا کہنا ہم یوسف (علیہ السلام) کو کہاں ڈھونڈیں

جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ اے میرے بیٹو جاؤ (حضرت) یوسف (علیہ السلام) اور اس کے بھائی کو ڈھونڈ آؤ تو بیٹوں نے کہا ہم یوسف (علیہ السلام) کو کہاں ڈھونڈیں وہ تو کب کا مر گیا اور اس کو بھیڑیا کھا گیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

بیٹوں نے عرض کیا:

ہم یوسف (علیہ السلام) کو کہاں ڈھونڈیں وہ تو کبھی کا مر گیا اس کو تو بھیڑیا کھا گیا تھا اور بنیامین کا پتہ ہی ہے کہ کہاں ہے جس کو بھیڑیا اٹھا کر لے گیا یقیناً اس نے کھا ہی لیا ہوگا ایسے فوت شدہ کو ہم کیا ڈھونڈیں۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:133 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا بیٹوں کو فرمانا کہ جاؤ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو

جب بیٹوں نے کہا ہم یوسف علیہ السلام کو کہاں سے ڈھونڈیں وہ تو مر گیا اس کو بھیڑیا کھا گیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا جاؤ ڈھونڈ لاؤ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو وہ کرم فرما دے گا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

اے بیٹو نہ مایوس ہو تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی زندگی سے اس کی عجیب حکمت سے اللہ تعالیٰ کی فرحت، کشادگی اور دی ہوئی خوشیوں سے۔ یا نہ مایوس ہو تم اس کی قدرت کاملہ، صنعت غریبہ اور اسباب عجیبہ سے تم اپنے حواس کو درست کر کے نکلو تو سہی پھر دیکھنا اس کا فضل کیا کرم کرتا ہے۔ بے شک نہیں مایوس ہوتے اللہ تعالیٰ کی رحمت و فضل و قدرت سے مگر کافر ناشکرے اور بد عقیدہ انسان۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:133 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یعقوب علیہ السلام کے سمجھانے پر بیٹوں کا مصر روانہ ہونا

جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو سمجھایا تو بیٹے مصر کی جانب روانہ ہو گئے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے سمجھانے بجھانے یا ویسے ہی گندم کے لئے گھر سے مصر کی طرف نکل پڑے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:134 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا بیٹوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف رقعہ لکھ دینے کی روایات

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ رقعہ کے الفاظ یوں لکھتے ہیں:

یعقوب اسرائیل اللہ بن اسحاق ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ کی جانب سے عزیز مصر کے نام!

حمد الٰہی عزوجل کے بعد ہم وہ لوگ ہیں جو نسل در نسل مصائب میں مبتلا ہیں، میرے دادا کے ہاتھ پاؤں باندھ کر انہیں آگ میں ڈال دیا گیا تھا تاکہ وہ جل جائیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات دے دی اور آگ کو ان پر ٹھنڈا اور سلامتی والا بنا دیا اور میرے باپ کے گلے پر چھری رکھی گئی تاکہ اس کو ذبح کر دیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کا فدیہ دے دیا اور رہا میں تو میرا جو سب سے محبوب بیٹا تھا اسے اس کے بھائی جنگل میں لے گئے پھر میرے پاس خون آلودہ قمیص لائے۔

اور کہا:

اس کو بھیڑیے نے کھا لیا میں جب سے اس کے فراق میں رو رہا ہوں اس کا ایک بھائی تھا جس سے مجھے تسلی رہتی تھی اس کے یہ بھائی اسے اپنے ساتھ لے گئے اور مجھے آکر یہ بتایا کہ اس نے آپ کے ہاں چوری کی ہے اور آپ نے اس کی سزا میں اس کو رکھ لیا ہے ہم لوگ نہ خود چور ہیں اور نہ ہماری اولاد چور ہے۔ اگر آپ نے میرے اس بیٹے کو واپس کر دیا تو میں آپ کو دعا دوں گا اور اگر آپ نے اس کو واپس نہیں کیا تو میں آپ کے خلاف دعاء کروں گا جس کا اثر ساتویں پشت تک آپ کی اولاد کو پہنچے گا۔

والسلام۔

(تفسیر کبیر: ج:5، ص:503 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے۔

تفسیر کبیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ

حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایک رقعہ بھی ساتھ لکھ کر دیا جس میں عزیز مصر کا سابقہ سلوک پر شکریہ ادا کیا اور اپنا تعارف کرایا اور بنیامین کو چھوڑنے بری کرنے کا لکھا مگر یہ غلط ہے اور یہودیوں کی من گھڑت ہے صرف اس لیے کہ اس میں یعقوب علیہ السلام کے رقعے میں یہ غلط بات شائع ہو جائے کہ یعقوب علیہ السلام نے لکھا کہ میں اسحاق ذبیح اللہ کا بیٹا ہوں۔ ابر صابر ہوئے آگ میں جا کر اور خلیل ہوئے آگ گلزار بنا کر اسحاق صابر رہے چھری کے نیچے آکر اور ذبیح اللہ ہوئے فدیہ لے کر حالانکہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل (علیہ السلام) ہیں۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:134 نعیمی کتب خانہ لاہور)

جس بڑے بھائی نے بھائیوں کو حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف بھیجا وہ مصر میں کیا کرتا رہا

جس بڑے بھائی نے اپنے بھائیوں کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں جن کو تفسیر نعیمی میں درج کیا ہے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

بقول مفسرین بھائیوں کو واپس بھیج کر وہ بڑا بھائی بھی عزیز مصر کے پاس ہی چلا گیا تھا اور انہی کے مہمان خانے میں بصد

عزت لطف اندوز تھا۔

بعض کے قول میں مصر میں ہی کہیں مزدوری کرنے لگ گیا تھا بہر کیف مصر میں تھا۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:133 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچنا اور اپنی اور گھر والوں کی تکلیف کا بتانا

جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا اے میرے بیٹو جاؤ یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت سے تو کافر ہی مایوس ہوتے ہیں تو بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بات مان کر حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے اور عرض گزار ہوئے اے عزیز مصر ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو تکلیف پہنچی ہے۔ اور ہم آپ کے پاس حقیر پونجی لے کر آئے ہیں آپ ہمیں پورا پورا غلہ ماپ کر عنایت فرمائیں اور ہم پر صدقہ کریں بے شک اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو جزائے خیر عطا فرماتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ۝ (یوسف:88)

سو جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا اے عزیز! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو تکلیف پہنچی ہے اور ہم آپ کے پاس حقیر پونجی لے کر آئے ہیں آپ ہمیں پورا غلہ ماپ کر دے دیں اور ہم پر صدقہ کریں بے شک اللہ صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا رقعہ پڑھ کر رونا

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ مکتوب کے مندرجات لکھنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ مکتوب پڑھا تو بے اختیار آپ علیہ السلام کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور بھائیوں نے پہچان لیا کہ یہ بادشاہ ہی دراصل یوسف (علیہ السلام) ہے۔

(تفسیر کبیر: ج:5، ص:504 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یہ مکتوب وضعی اور جعلی ہے اور اسرائیلی روایات میں سے ہے کیونکہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور اس روایت کے پچھلے مندرجات جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے رقعہ لکھنے کا ذکر کیا تھا اس میں ذبیح اللہ حضرت اسحاق علیہ السلام کو کہا گیا ہے جو کہ وضعی اور یہودیوں کی من گھڑت ہے۔

بھائیوں کے بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰةٍ قول کے معانی

بھائیوں نے بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰةٍ کہا اس کے متعلق مفسرین کے چند اقوال ہیں۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰةٍ سے مراد کھوٹے سکے ہیں۔

مزید راقم ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسرا قول یہ روایت ہے کہ

بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰةٍ کا مطلب پرانا مال، پرانی رسیاں، بورے وغیرہ ہیں۔

مزید راقم ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تیسرا قول یہ روایت ہے کہ

بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰةٍ سے مراد کھوٹے ردی سکے ہیں جو خرچ نہیں کیے جاتے حتیٰ کہ پھینک دیئے جاتے ہیں۔

(جامع البیان: ج:13، ص:63 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰةٍ سے مراد کھوٹے دراہم ہیں۔

(سنن سعید بن منصور: ج:5، ص:406 مطبوعہ دار الصمیعی الریاض)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت سعید بن جبیر اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہما سے دو معنی روایت ہیں۔

ایک نے اس کا معنیٰ ناقصہ اور دوسرے نے فلوس ردیہ کیا ہے۔

(جامع البیان: ج:13، ص:63 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

مزید راقم ہیں۔

حضرت عبداللہ بن الحارث رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اس سے مراد دیہاتیوں کا سامان ہے مثلاً اون اور گھی۔

مزید راقم ہیں۔

حضرت ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اس سے مراد حبۃ الخضراء صنوبر اور روئی ہے۔

اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اس سے مراد اونٹنیاں اور کمزور گائیں ہیں۔

مزید راقم ہیں۔

حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اس سے مراد کھوٹے سکے ہیں۔

(جامع البیان: ج:13، ص:63 تا 65 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کیا پیش کیا تھا

جب بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے کیا پیش کیا تھا اس کے متعلق چند اقوال ہیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

پس جب داخل ہوئے دربار یوسفی میں تو بولے۔

اے عزیز! اس دفعہ تو ہم بہت برے حالوں آئے ہم کو بھی اور گھر میں باقی ماندہ اہل خانہ کو بہت تکلیف اور غربت پہنچی بڑا بھائی جو کاروباری تھا وہ شرم کے مارے گھر نہ گیا کاروبار بند، قحط سالی زوروں پر، نہ کچھ کھانے کو نہ کمانے کو جو تھوڑی بہت دولت درہم ودینار کی شکل میں تھا وہ لے آئے ہیں مگر وہ ایک تو تھوڑی ہے گندم کے بھاؤ سے پوری نہیں۔

دوسرے یہ کہ

پرانا سکہ ہے جو آج کل کسی بازار میں چلتا نہیں کبھی کا گھر میں پڑا ہوا تھا آج انتہائی ضرورت کے پیش نظر اس کو نکالا مگر اس کو کوئی لیتا نہیں ہر جگہ پردکان سے آپ کا ہی آستانہ ہے جس پر آس لے کر آگئے ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ

گھر کا ادھڑا پدھڑا سامان تھا بستر، کمبل، چمڑہ، دری، چٹائی۔

ایک قول ہے کہ

وہ علاقۂ کنعان کا سکہ تھا مصر میں نہ چلتا تھا اس لیے یہاں کھوٹا اور مُـزْ جٰۃ تھا مگر یہ قول صحیح نہیں کیونکہ ہر علاقے کے سکے آ رہے تھے لیے جارہے تھے تو اس میں کیا قباحت ہوسکتی ہے اور پھر پہلی دو مرتبہ لے لیا گیا تو اب کیا مزا لقہ نیز پہلے زمانوں میں کاغذ یالوہے پیتل کے سکے نہ ہوتے تھے بلکہ خالص چاندی کے سکے جس کو درہم اور خالص سونے کے سکے جس کو دینار کہا جاتا تھا اور اسی رواج کی بناء پر آج تک سونا چاندی ہی اصل قیمت اور ثمن قرار پائی گئی ہے اور وہ کبھی مُـزْ جٰۃ یعنی کھوٹا سکہ نہیں ہوسکتا نہ پہلے کبھی نہ اب۔

قول پہلا ہی درست ہے کہ

اے عزیز ہم سے کھوٹے سکے پرانے درہم ہی قبول کرلو اس کے بدلے حسب سابق ہم کو ہمارے حصہ کا غلہ پورا ناپ کر دے دیجئے اور ہماری قیمت نہ دیکھئے اپنے کرم، حسن خلق اور فضل ورحمت کا صدقہ ہم پر کیجئے کیونکہ ہم اس وقت بے بس بے کس، غریب، قحط زدہ، غمناک اور افسردہ ہیں اور آپ صاحب ثروت، مالک دولت، حامل مروت وارث اخلاق حمیدہ ہیں۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:134 تا 135 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بھائیوں نے وہی درہم حضرت یوسف علیہ السلام کو دیئے جو حضرت یوسف علیہ السلام کو بیچ کر حاصل کیے تھے

بھائیوں نے غلہ خریدنے کے لئے وہی درہم حضرت یوسف علیہ السلام کو دیے جو حضرت یوسف علیہ السلام کو بیچ کر حاصل کیے تھے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

تاریخوں میں ہے کہ

یہ وہی درہم تھے جو برادران یوسف نے (حضرت) یوسف (علیہ السلام) کو بیچ کر حاصل کیے تھے اور کچھ چھوڑے تھے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:134 نعیمی کتب خانہ لاہور)

کیا مصر کے سکوں پر حضرت یوسف علیہ السلام کی تصویر ہوتی تھی

تفسیر نعیمی میں ہے:

تفسیر معانی اور کبیر نے لکھا ہے کہ

اس وقت مصر کے سکے پر (حضرت) یوسف علیہ السلام کی تصویر ہوتی تھی۔ مگر یہ اسرائیلی خرافات ہے جاندار کی تصویر ہر شریعت میں شروع سے حرام رہی۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:134 نعیمی کتب خانہ لاہور)

تمام بھائی قحط کے چوتھے سال حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس غلام بن کر صدقہ و خیرات مانگ رہے ہیں

تفسیر نعیمی میں ہے:

روایتوں میں ہے کہ

یہ قحط کا چوتھا سال تھا تمام وہ بھائی جنہوں نے کبھی (حضرت) یوسف علیہ السلام کو ذلیل و خوار کر کے غلام بنا کر بیچ دیا تھا آج منشاء قدرت سے اسی یوسف (علیہ السلام) کے سامنے انتہائی ذلیل و خوار ہو رہے ہیں گویا کہ غلام بن کر صدقہ و خیرات کی بھیک مانگ رہے ہیں یہی نہیں بلکہ علاقے کے سارے لوگ پہلے سال دولت درہم، دینار، دوسرے سال گھر کے زیورات، تیسرے سال گھر کا تمام سامان، چوتھے سال جانور، غلام وغیرہ، پانچویں سال اپنی بیوی بچوں کو بیچ کر غلام بنا کر غلہ لے کر گئے، چھٹے سال سب نے خود کو حضرت یوسف (علیہ السلام) کی غلامی میں بیچا، ساتویں سال سارا غلہ بھی ختم ہو گیا تو حضرت یوسف (علیہ السلام) نے اپنا جمال دیکھا کر لوگوں کی بھوک پیاس مٹائی اللہ اکبر۔ ایسا حسن تھا کہ جو دیکھتا اس کی بھوک پیاس مٹ جاتی یہ تو شان حسن یوسف (علیہ السلام) تھی مگر ہمارے آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام اور درود شریف کی شان یہ ہے بعض درود شریف بینائی بخشتے ہیں بعض درود شریف ٹھنڈک بخشتے ہیں بعض نور بعض سرور یہاں تک کہ عارفین کا تجربہ ہے کہ درود رحمت بھوک پیاس اور روزے کی شدت مٹا دیتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

مجھ کو نہ سردی لگتی ہے نہ گرمی۔

کسی نے وجہ پوچھی۔

تو ارشاد فرمایا:

میں نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ جلوہ دیکھا ہے جو شاید کسی نے نہ دیکھا ہو تب سے سردی گرمی ختم ہو گئی۔

ساتویں سال جب سب غلامی میں آ گئے اور نظارہ حسن یوسفی کر لیا تب دریاء رحمت پروردگار جوش کرم پر آئی اور خوب

بارش ہوئی بادشاہ مصر اپنی حکومت اور سب کچھ تاج و تخت شاہی آپ (علیہ السلام) کے سپرد کر کے گوشہ نشین ہو گیا۔

بعض نے فرمایا کہ

شاہ مصر چوتھے سال مومن بنا اور ساتویں سال فوت ہو گیا۔

واللہ اعلم بالصواب ۔

(تفسیر نعیمی: ج:13،ص:135 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کی فریادیں اور مسکینی دیکھ کر آبدیدہ ہونا

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب بھائیوں کی فریادیں التجائیں سنیں اور غربت و مسکینی دیکھی تو آبدیدہ ہو گئے اور جا گئے کہ اب منشاء الٰہی عزوجل میں اب پردہ اٹھنے کو ہے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کی یہ فریادیں التجائیں سنیں اور غربت و مسکینی دیکھی تو نہایت افسر غمزدہ آبدیدہ ہوئے اور رہا نہ گیا کہ اب چھپایا جائے اور سمجھ گئے کہ اب یہ وقت منشاء الٰہی میں پردہ اٹھنے کا ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13،ص:135 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کو گزشتہ سلوک یاد دلانا

جب بھائی حضرت یوسف علیہ السلام سے گفتگو کر رہے تھے تو اسی دوران حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کیا تمہیں ہے کہ تم نے یوسف (علیہ السلام) اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا جب تم جہالت میں تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ○ (یوسف:89)

یوسف نے کہا کیا تم کو یاد ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا جب تم جہالت میں تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو ان کا سلوک کس موقع پر یاد دلایا

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

الکلبی فرماتے ہیں کہ

یہ کلام آپ علیہ السلام نے اس وقت فرمایا جب بھائیوں کے سامنے بیان ہوا۔

مالک بن عمرو نے کہا:

میں نے کنویں میں اس کیفیت کا غلام پایا تھا اور پھر میں نے اسے اتنے درہم میں خریدا تھا۔

تو بھائی کہنے لگے۔

وہ غلام ہم نے اسے بیچا تھا۔

یہ سن کر حضرت یوسف علیہ السلام کو غصہ آ گیا اور ان کو قتل کرنے کا حکم دیا جب حضرت یوسف علیہ السلام کے کارند

کے قتل کرنے کے لئے جا رہے تھے۔

تو یہودا نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام ہم میں سے ایک کے مفقود ہونے پر اتنے غم زدہ ہوئے کہ آنکھوں کی بینائی ختم کر بیٹھے۔ سارے بیٹے قتل ہو جائیں گے تو اس وقت ان کی حالت کیا ہو گی۔

بھائی کہنے لگے کہ

اگر آپ علیہ السلام ہمارے ساتھ ایسا کرنا چاہتے ہیں تو ہمارا سامان فلاں جگہ ہمارے باپ کے پاس پہنچا دیں۔ یہ سن کر آپ علیہ السلام (حضرت یوسف علیہ السلام) کو رحم آ گیا اور پھر آپ علیہ السلام نے یہ کلام فرمایا (کیا تمہیں علم ہے جو سلوک تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا جب تم نادان تھے)

(معالم التنزیل: ج:3 ص: 321 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اور حضرت عبداللہ بن یزید بن ابی فروہ سے روایت کیا ہے کہ

حضرت یعقوب علیہ السلام کو جب بنیامین کے محبوس ہونے کی خبر پہنچی تو آپ علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے ہاتھ ایک خط روانہ کیا۔ جب وہ تیسری مرتبہ غلہ لینے جا رہے تھے۔

خط کی عبارت یہ تھی۔

یعقوب اسرائیل اللہ بن اسحاق ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ کی طرف سے بادشاہ مصر کی طرف!

ارشاد فرمایا:

ہم ایسے گھر والے ہیں جن پر آزمائش ڈالی گئی ہے میرا دادا ابراہیم کے ہاتھ پاؤں باندھ کر آگ میں ڈالا گیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر وہ آگ سرد اور ٹھنڈی کر دی۔ میرے باپ کے ہاتھ پاؤں باندھے گئے اور ان کے گلے پر چھری رکھی گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی جگہ فدیہ دیا اور میں، میرا ایک بیٹا جو مجھے تمام بیٹوں سے زیادہ پیارا تھا اسے اس کے بھائی جنگل کی طرف لے گئے اور پھر اس کی قمیص خون سے لت پت کر کے لے آئے۔

اور کہا:

اسے بھیڑیا کھا گیا ہے پس رو رو کر میری آنکھیں ختم ہو گئی ہیں پھر میرا ایک اور بیٹا تھا اس کی اور اس پہلے بیٹے کی ماں ایک تھی۔ میں اس سے اپنے دل کو تسلی دیتا تھا اسے تو نے روک لیا ہے اور تیرا خیال ہے کہ اس نے چوری کی ہے۔ ہم اہل بیت نہ چوری کرتے ہیں اور نہ چوروں کو جنم دیتے ہیں اگر تو میرا بیٹا واپس کر دے تو فبہا ورنہ میں تیرے لیے ایسی بددعا کروں گا جس کا اثر تیری ساتویں پشت تک ہو گا جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ خط پڑھا تو آپ علیہ السلام رونے لگے اور اپنے دل کی بات ظاہر کر دی۔

اور فرمایا:

تم نے یوسف اور اس کے بھائی کی لاعلمی کی وجہ سے کیا تھا وہ یاد ہے؟
یعنی تمہیں معلوم نہ تھا کہ معاملہ تو یوسف علیہ السلام کی طرف لوٹ جائے گا۔

بعض فرماتے ہیں۔

جٰھِلُوْنَ کا معنیٰ ہے جب تم مجرم وخطا کار تھے۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

جب تم جوان تھے اور تم پر جوانی کا خمار تھا۔

(معالم التنزیل: ج:13، ص: 321 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کو ایذائیں یاد دلانا

تفسیر نعیمی میں ہے۔

فرمایا اے آج انتہائی عاجز و مسکین بننے والے بھائیو کیا تم کو وہ سلوک معلوم ہے جو تم نے کبھی کیا تھا یوسف اور اس کے بھائی بنیامین کے ساتھ ایک کو ستا کر ایک کو تڑپا کر ایک کو گم کر کے اور ایک کو طرح طرح کی طعن و تشنیع اور برائی کی ایذائیں دے یا ایک کو جسمانی ایذائیں دے کر اور ایک کو قلبی ایذائیں یا ایک کو غلام بنا کر ایک کو چور بنا کر اور یہ سب کام اس وقت اس وجہ کیے تھے کہ تم لڑکپن کی وجہ سے نادان تھے یا انجام سے بے خبر تھے یا سوتیلے پن کے تعصب سے تم جاہل بنے ہوئے تھے یا محبت پدری میں تم نے یوسف (علیہ السلام) کو والد اور بھائی بہن سے جدا کیا اور چاہا کہ ہم ہی صرف باپ کے پیارے بنے رہیں مگر یہ تمہاری جہالت تھی یا یہ کہ تم ان تمام ظلم کے کاموں کی اخروی سزا سے ناواقف ہو اور نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو کیا سزا اور صابروں کو کیا جزاء دنیا و آخرت میں عطا فرماتا ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:136 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کا سلوک یاد دلاتے وقت اپنی بہن کا ذکر کیوں نہ کیا

تفسیر نعیمی میں ہے۔

تاریخوں میں آتا ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کی ایک بہن بھی تھی جس کا نام زینب تھا فراق یوسفی کے وقت وہ موجود تھی مگر اب وہ فوت ہو چکی تھی اس لیے اس کا ذکر نہ کیا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام سے چھوٹی بنیامین سے بڑی تھی۔ عربی قصوں میں بھی اس کا ذکر آتا ہے ایک قول میں وہ مصر آئی ہے اور اب تک زندہ تھی مگر مستورات کی وجہ سے اس کا ذکر نہیں آیا۔

واللہ اعلم بالصواب۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:136 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بھائیوں کا کہنا کیا واقعی آپ ہی یوسف (علیہ السلام) ہیں

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو ان کا کیا ہوا سلوک یاد دلوایا تو انہوں نے کہا:

کیا واقعی آپ ہی یوسف (علیہ السلام) ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ (یوسف:90)

انہوں نے کہا کیا واقعی آپ ہی یوسف ہیں۔

بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کو پہچاننا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کا کیا ہوا سلوک یاد دلوایا تو انہوں نے آپ علیہ السلام کو پہچان لیا اس پہچاننے کے متعلق مفسرین کے چند اقوال ہیں کہ انہوں نے کس نشانی سے حضرت یوسف علیہ السلام کو پہچانا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

حضرت یوسف علیہ السلام ان سے پردے کے پیچھے سے کلام کرتے تھے۔ جب آپ علیہ السلام نے هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ فرمایا تو پردہ اٹھا دیا جب پردہ اٹھایا تو بھائی پہچان گئے۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص: 321 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب آپ علیہ السلام نے یہ جملہ فرمایا تو آپ علیہ السلام مسکرا پڑے۔ بھائیوں نے آپ علیہ السلام کے موتیوں کی طرح چمکتے ہوئے دانت دیکھے تو انہوں نے بادشاہ مصر کو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دی۔

حضرت عطا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

بھائیوں نے آپ علیہ السلام کو نہ پہچانا حتیٰ کہ آپ علیہ السلام نے اپنے سر مبارک سے وہی شاہی تاج اتار کر رکھ دیا جو آپ علیہ السلام کے سر مبارک میں ایک علامت تھی اور حضرت یعقوب علیہ السلام میں بھی وہ علامت تھی۔ حضرت اسحاق علیہ السلام میں بھی ایسی علامت تھی اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی اسی کی مثل علامت تھی وہ شامہ کی مانند تھی پس انہوں نے اس علامت سے آپ علیہ السلام کو پہچان لیا۔

اور کہا:

تو یوسف (علیہ السلام) ہے۔

اور بعض علماء لکھتے ہیں:

انہوں نے یہ بطور تو ہم کہا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص: 321 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کو پہچاننے کی تین وجوہات

جن وجوہ سے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو پہچان لیا اس کی تین وجوہات بیان فرمائی گئی ہیں۔

1-حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

جب حضرت یوسف علیہ السلام مسکرائے تو انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے سامنے کے دانتوں سے پہچان لیا۔

2-حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا دوسرا قول یہ ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے ماتھے پر تل کی طرح ایک نشانی تھی اور حضرت یعقوب، حضرت اسحاق علیہما السلام اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے ماتھے پر بھی اسی طرح کی نشانی تھی۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے سر سے تاج اتارا تو بھائیوں نے اس تل کو دیکھ کر انہیں پہچان لیا۔

3-حضرت امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے اور ان کے درمیان حجاب رکھا ہوا تھا اور اس وقت وہ حجاب اٹھا دیا تھا اس لیے ان کے بھائیوں نے ان کو پہچان لیا۔

(زادالمسیر: ج:4،ص:281 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کو اپنا نام بتا دینا

جب بھائیوں نے کہا کیا آپ واقعی ہی یوسف (علیہ السلام) ہیں تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا میں ہی یوسف (علیہ السلام) ہوں اور یہ میرا بھائی ہے اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اَنَا یُوْسُفُ وَھٰذَآ اَخِیْ قَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَیْنَا ؕ اِنَّہٗ مَنْ یَّتَّقِ وَیَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ○ (یوسف:90)

یوسف نے کہا میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے بے شک اللہ نے ہم پر احسان فرمایا بے شک جو اللہ سے ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے بھائیوں کو تعارف کرانا

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

ہاں واقعی میں یوسف (علیہ السلام) ہی ہوں۔ مزید تعارف یہ کہ یہ بنیامین میرا بھائی ہے۔ جس کو تم نے مارا پیٹا کنویں میں پھینکا کھوٹے درہموں سے بیچا، غلام بنالیا اور بھگوڑا غلام ظاہر کیا میں وہی یوسف (علیہ السلام) ہوں اور جس کے قلب غمگین کو تم نے اپنے طعن و تشنیع، گالی گلوچ کے خنجروں سے اتنے سال زخمی کیا اور جس کے لئے تم نے صرف نفرتوں، حقارتوں کے بیج بوئے یہ وہی میرا بھائی ہے تم نے یہ سلوک کیا لیکن اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ نے ہم دونوں پر کیسا عظیم احسان کیا کہ

ظلم کے بعد رحمت

کنویں کے بعد ملک

غلامیت کے بعد آقائیت

قید کے بعد سلطنت

ابتلا کے بعد اخلاص

جدائی کے بعد ملاپ

وحشت کے بعد ہنسیت

غم کے بعد خوشی

عسر کے بعد یسر

محض اپنے کرم سے عطا فرمایا بندے کا کام صرف اتنا ہے کہ ہر کام ہر وقت ہر لحظہ اپنے رب عزوجل سے ڈرتا رہے اس طرح کہ ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچے حرام سے دور رہے اللہ تعالیٰ کے عذاب اور ناراضگی مولیٰ تعالیٰ سے خوف کھائے اس لیے کہ بے شک جو شخص بھی میں یا تم یا کوئی بھی ہر حال میں تقویٰ اختیار کرے گا اور تقویٰ کی بناء پر اگرچہ تکلیفیں، مصیبتیں بھی کبھی آجائیں اور صبر کرے تو اللہ کریم ایسے نیک لوگوں کا اجر و ثواب ضائع نہیں فرماتا، تعارف کراتے کراتے سبحان اللہ۔ کیا شاندار وعظ و نصیحت اور حمد باری تعالیٰ ہے گویا کہ آج صرف یوسف (علیہ السلام) ہونے کا تعارف نہیں کرایا بلکہ یوسف (علیہ السلام) ہونے، بھائی ہونے، مومن ہونے، صابر متقی ہونے اور اللہ تعالیٰ کا انعام یافتہ ہونے کا بھی تعارف کرادیا یہی مکمل تعارف ہے۔

تفسیر کبیر نے فرمایا:

بھائیوں کا پہلے یہ کہنا کہ "اِنَّ اللّٰہَ یَجْزِی الْمُتَصَدِّقِیْنَ" اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے اور یہ نہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ تم کو جزا دے گا اس لیے تھا کہ بھائی نہیں جانتے تھے کہ عزیز مصر مومن ہے یا کافر اگرچہ یہ قول کمزور ہے مگر حضرت یوسف علیہ السلام نے پورا تعارف کرا کر یہ اندیشہ دور کر دیا۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:145 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بھائیوں کا اپنی خطا تسلیم کرنا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنا تعارف کرادیا تو بھائیوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو ہم پر فضیلت دی اور بلاشبہ ہم خطا کار تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ○ (یوسف: 91)

انہوں نے کہا بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی اور بلاشبہ ہم خطا کار تھے۔

بھائیوں کا خطا تسلیم کرنے کا قول کس وقت ہوا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

یہ کلام انہوں نے (یعنی بھائیوں نے) اس وقت کیا۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں اپنا تعارف کرایا وہ ایک حلیم الطبع شخص سے ملے جس نے اپنے کسی دردالم کا اظہار نہیں کیا تھا اور نہ انہیں ان کے اعمال پر سرزنش کی تھی۔

(جامع البیان: ج:13، ص:69 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بھائیوں کا خوش ہو کر اعتراف جرم کرنا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی مدح کرنا

تفسیر نعیمی میں ہے۔

برادران یوسف اس تقریر دل پذیر اور تعارف دلگیر سے اتنے متاثر اور خوش ہوئے کہ بے ساختہ پکار اٹھے خدا کی قسم۔ آپ علیہ السلام بہت خوش قسمت ہو کہ البتہ بے شک آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر ہر طرح کئی درجے فضیلت دی کہ آپ علیہ السلام کو سارے زمانے کا مختار کل بنایا۔

امیر

غنی

دولت مند

سخی

خلیق

مہمان نواز

خوش باش

صحت مند

خوب صورت

متقی

صابر

حاکم ملک

عالم

علیم

محسن

حلیم

مشکل کشا

حاجت روا

دردمند

غمگسار

بادشاہ بنایا پھر اس کے باوجود انتہائی نرم دل بنایا اور ہر حال میں اپنے رب عزوجل کو یاد کرنے والا بنایا۔ اے پیارے یوسف (علیہ السلام) آج ہمیں اعتراف ہے کہ شروع سے بے شک ہم ہی البتہ غلطیاں کرنے والے تھے اور ہر لحہ ہم سے خطائیں سرزد ہوتی رہیں واقعی ہم نے ظلم وحسد میں کوئی وقت کوئی موقعہ خالی نہ جانے دیا بڑا ابڑا اثر پایا رلایا دکھ پہنچایا۔ اے یوسف (علیہ السلام) اب ہم اقراری بن کر مجرمانہ حیثیت سے در پر حاضر ہیں پکڑے گئے ہیں ہم سے وہی سلوک فرمائیے جس کے ہم لائق ہیں۔ اللہ اکبر۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:146،145 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کو معاف فرمانا

جب بھائیوں نے اعتراف جرم کر لیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو معاف فرمادیا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ (یوسف:92)

یوسف نے کہا آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں ہے اللہ تمہاری مغفرت فرمائے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشرکین کو معاف فرمانا

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو معاف کیا مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کو معاف کیا جو ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے (نعوذ باللہ) قتل کے در پے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو گھوڑوں پر سوار کرا کر روانہ کیا (الی قولہ)

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا:

جو شخص اپنے گھر میں بیٹھ گیا اس کو امان ہے اور جس نے ہتھیار ڈال دیے اس کو امان ہے قریش کے سردار کعبہ معظمہ میں داخل ہوئے اور ان سے جگہ تنگ ہو گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ معظمہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھی پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دروازہ کے دونوں چوکھٹ پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت اسلام کرنے لگے۔

اور اسی سند کے ساتھ یہ روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ معظمہ پر آئے اور دروازہ کی چوکھٹ کے دونوں بازو کو پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے (مشرکین مکہ سے) ارشاد فرمایا:
تم کیا کہتے ہو اور کیا گمان کرتے ہو۔
انہوں نے عرض کیا:
آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے برادر زادا اور عم زاد ہیں۔
انہوں نے یہ تین مرتبہ کہا۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میں اس طرح فرماتا ہوں جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا۔
لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ ؕ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ وَھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ○
ترجمہ: آج تمہیں کوئی ملامت نہیں ہے اللہ تمہاری مغفرت فرمائے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔
پھر مشرکین مکہ تیزی سے اسلام میں داخل ہونے لگے جیسے ان کی پیروں کی بیڑیاں کھول دی گئی ہوں۔
(سبل الہدیٰ والرشاد: ج:5،ص:242 مطبوعہ بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ابوسفیان اور ہند کو معاف فرمانا

امام ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی متوفی 630ھ روایت کرتے ہیں۔
جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کر لیا تو ابوسفیان بن الحارث اور عبداللہ بن ابی امیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کی سفارش کی۔
ابوسفیان نے کہا:
اگر مجھے باریاب ہونے کی اجازت نہیں ملی تو میں اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر زمین میں نکل جاؤں گا اور بھوکا پیاسا مر جاؤں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل نرم ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔
ایک قول یہ ہے کہ
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان سے کہا۔
تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کی طرف سے جانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی کہنا جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا تھا۔
اللہ تعالیٰ کی قسم!
اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی ہے اور بے شک ہم ہی قصوروار تھے۔
انہوں نے اسی طرح کہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں ہے اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائے اور وہ سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قریب بٹھایا اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور ابوسفیان نے اپنی پچھلی تمام زیادتیوں پر معافی مانگی۔

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابوسفیان فخر کو پسند کرتا ہے اس کو کوئی ایسی چیز عنایت فرمائیے جس کی وجہ سے یہ اپنی قوم میں فخر کرے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ٹھیک ہے جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگا اس کو امان ہے اور جو شخص حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہوگا اس کو امان ہے اور جو شخص مسجد میں داخل ہو گیا اس کو امان ہے اور جس نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا اس کو امان ہے۔

(الکامل فی التاریخ، ج:2،ص:164 تا 166 مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت)

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہند کو پیش کیا گیا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ ہند ہے۔

ہند نے کہا:

میں ہند ہوں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے آپ میری پچھلی باتوں کو معاف کر دیجئے ہند کے ساتھ اور بھی عورتیں تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عہد لیا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے، چوری نہیں کریں گے، بدکاری نہیں کریں گے، اولاد کو قتل نہیں کریں گی، کسی بے قصور پر بہتان نہیں باندھیں گی، کسی نیک کام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہیں کریں گی۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

ان سے بیعت لو اور ان سب کے لئے مغفرت کی دعا کی۔

ابوسفیان نے متعدد بار مدینے پر حملے کیے تھے اور ہمیشہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں لگا رہا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان پر قابو پا کر ان کو معاف فرما دیا۔ ہند نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ نکال کر کچا چبایا تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی معاف فرما دیا اور معاف فرما کر یہ عظیم درس جاری فرما دیا کہ بڑے سے بڑے مجرم کو بھی معاف کر دینا چاہیئے۔ قربان جائیں اس مقدس و عظیم ہستی پر جن کے سہارے دنیا قائم ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہبار بن الاسود کو معاف فرما دینا

ہبار بن الاسود نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری صاحبزادی حضرت سیدتا زینب رضی اللہ عنہا کو پشت میں نیزہ مارا

تھا اس وقت آپ رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں آپ رضی اللہ عنہا اونٹ سے گریں اور آپ رضی اللہ عنہا کا حمل مبارک ساقط ہو گیا مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ظالم شخص کو بھی معاف فرما دیا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کو اذیت دی تھی۔

امام محمد بن عمرو واقدی متوفی 207ھ روایت کرتے ہیں۔

ہبار بن اسود کا یہ جرم تھا کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت سیدتنا زینب رضی اللہ عنہا کو پشت میں نیزہ مارا تھا اس وقت وہ حاملہ تھیں وہ گر گئیں اور ان کا حمل ساقط ہو گیا جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ منورہ میں بیٹھے ہوئے تھے اچانک ہبار بن اسود آ گیا وہ بہت فصیح اللسان تھا۔

اس نے کہا:

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہا اس کو برا کہا گیا۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسلام کا اقرار کرنے آیا ہوں پھر اس نے کلمۂ شہادت پڑھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اسلام قبول کر لیا اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیز سلمہ آئیں اور انہوں نے ہبار سے کہا۔

اللہ تعالیٰ تیری آنکھوں کو ٹھنڈا نہ کرے تو وہی ہے جس نے فلاں کام کیا تھا اور فلاں کام کیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا؟

اسلام نے ان تمام کاموں کو مٹا دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برا کہنے اور اس کے پچھلے کام گنوانے سے منع فرمایا۔

(کتاب المغازی للواقدی: ج:2، ص:857 تا 858 مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صفوان بن امیہ کو معاف فرما دینا

صفوان بن امیہ نے عمیر بن وہب کو مدینہ منورہ بھیجا تا کہ (نعوذ باللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جانی دشمن کو بھی معاف فرما دیا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ

صفوان بن امیہ (یہی وہ شخص ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے عمیر بن وہب کو مدینہ منورہ بھیجا تھا) جدہ جانے کے لئے مکہ مکرمہ سے نکلا تا کہ جدہ سے یمن چلا جائے۔

حضرت عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! صفوان بن امیہ اپنی قوم کا سردار ہے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خوف سے بھاگ رہا ہے تا کہ اپنے آپ کو سمندر میں گرا دے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو امان دے دیجئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کو امان ہے۔

انہوں نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کوئی ایسی چیز عنایت کیجئے جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو امان دے دی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا وہ عمامہ عطا فرمایا جس کو پہن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے۔ حضرت عمیر وہ عمامہ لے کر گئے اور ان کو جدہ میں پالیا اس وقت وہ جہاز میں سوار ہونے کا ارادہ کر رہے تھے۔

انہوں نے کہا:

اے صفوان! اپنے آپ کو ہلاک کرنے کی بجائے اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرو دیکھو یہ امان ہے جو میں تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آیا ہوں۔

صفوان نے کہا:

تم چلے جاؤ۔

حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا:

وہ سب سے زیادہ افضل، سب سے زیادہ نیک، سب سے زیادہ حلیم اور سب سے اچھے ہیں۔ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ صفوان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔

صفوان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔

اس کا کہنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے امان دے دی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس نے سچ کہا۔

صفوان نے کہا:

مجھے اسلام لانے کے لئے دو ماہ کی مہلت دیجئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں تمہیں چار ماہ کی مہلت دیتا ہوں۔

(جامع البیان: ج:2، ص:338 تا 339 مطبوعہ بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وحشی کو معاف فرما دینا

وحشی نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو جنگ احد میں شہید کر دیا تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جانی دشمن کو بھی معاف فرما دیا۔

حافظ ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی کو بلایا اور ان کو اسلام کی دعوت دی۔

وحشی نے کہا:

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کس طرح اپنے دین کی دعوت دے رہے ہیں حالانکہ میں نے شرک کیا ہے قتل کیا ہے اور زنا کیا ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پڑھتے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ ج وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا ○ یُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَیَخْلُدْ فِیْهٖ مُهَانًا ○ (الفرقان:68 تا 69)

''اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی عبادت نہیں کرتے اور جس شخص کے قتل کو اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر حق کے ساتھ اور زنا نہیں کرتے اور جو شخص ایسا کرے گا وہ سزا پائے گا قیامت کے دن اس کے عذاب کو دگنا کر دیا جائے گا اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ ذلت کے ساتھ رہے گا۔''

جب وحشی نے یہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرما دی۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ○ (الفرقان:70)

لیکن جو توبہ کر لے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کرے تو اللہ ان لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

وحشی نے کہا:

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ بہت سخت شرط ہے کیونکہ اس میں ایمان لانے سے پہلے کے گناہوں کا ذکر ہے، ہو سکتا ہے۔ مجھ سے ایمان لانے کے بعد گناہ ہو جائیں تو پھر ایمان لانے کے بعد اگر میری بخشش نہ ہو تو پھر میرے ایمان لانے کا کیا فائدہ۔

تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ج (النساء:48)

بے شک اللہ اپنے ساتھ شرک کیے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے علاوہ جو گناہ ہوا سے جس کے لئے چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔

وحشی نے کہا:

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس آیت میں تو مغفرت اللہ تعالیٰ کے چاہنے پر موقوف ہے ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ مجھے بخشنا نہ چاہے پھر ایمان لانے کا کیا فائدہ۔

تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ط اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ○ (الزمر:53)

آپ فرما دیجئے کہ اے میرے بندو! جو اپنی جانوں پر زیادتیاں کر چکے ہو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو بے شک وہی بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

وحشی نے کہا:

اب مجھے اطمینان ہوا، پھر اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا:

یہ بشارت آیا صرف وحشی کے لیے ہے یا سب کے لئے ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سب کے لئے ہے۔

حضرت ابن رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

وحشی امان طلب کر کے آیا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام قبول کرنے کے متعلق یہی شرائط پیش کیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی جوابات عطا فرمائے۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:26، ص:262 تا 263 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عکرمہ بن ابی جہل کو معاف فرما دینا

عکرمہ بن ابی جہل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو موقع بہ موقع طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتا تھا مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو معاف فرما دیا۔

امام ابن اثیر شیبانی متوفی 630ھ لکھتے ہیں:

عکرمہ بن ابی جہل بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت رکھنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگوں میں پیسہ صرف کرنے میں اپنے باپ کی مثل تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو فتح کر لیا تو اس کو اپنی جان کا خوف ہوا اور وہ یمن کی طرف بھاگ گیا لیکن اس کی بیوی ام حکیم بنت الحارث مسلمان ہو گئیں اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عکرمہ کے لئے امان طلب کی اور اپنے ساتھ ایک رومی غلام لے کر اس کو ڈھونڈنے نکلیں۔ انہوں نے عرب کے بعض قبیلوں کی مدد سے عکرمہ کو پالیا۔ اس وقت عکرمہ سمندر کے سفر کا ارادہ کر رہے تھے۔

ام حکیم نے کہا:

میں تمہارے پاس اس شخص کے ہاں سے آئی ہوں جو لوگوں میں سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ہیں، سب سے زیادہ حلیم ہیں اور سب سے زیادہ کریم ہیں اور انہوں نے تم کو امان دے دی ہے جب عکرمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے پھر عکرمہ مسلمان ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ وہ اس کے لئے استغفار کریں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے استغفار کیا۔

(الکامل فی التاریخ: ج:2، ص:168 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابن عساکر متوفی 751ھ روایت کرتے ہیں۔
جب عکرمہ کشتی میں سوار ہوئے تو سخت تیز ہوا چلی انہوں نے اس وقت لات اور عزیٰ کو پکارا۔
کشتی والوں نے کہا:
اس موقع پر اخلاص کے ساتھ اللہ وحدہ لاشریک کو پکارا جائے اور کسی کو پکارنا جائز نہیں۔
عکرمہ نے سوچا۔
اگر سمندر میں صرف اسی کی الوہیت ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں ہے تو پھر خشکی میں بھی وہی وحدہ لاشریک ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر دل میں عہد کیا کہ وہ ضرور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جا کر رجوع کریں گے سو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کر لی۔
(مختصر تاریخ دمشق: ج:17،ص:134 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو معاف فرمایا ہے تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک ایک مجرم کو معاف فرمایا ہے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن معافی کا اعلان فرمایا جس سے ثابت ہوا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجرموں کو بہت زیادہ معاف فرمانے والے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی کرم نوازی

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔
حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ کرم نوازی تھی کہ انہوں نے جب آپ علیہ السلام کو پہچانا اور انہوں نے آپ علیہ السلام کی طرف پیغام بھیجا کہ جناب آپ علیہ السلام صبح و شام ہمیں کھانے پر بلاتے ہیں جبکہ ہم سے آپ علیہ السلام کے بارے میں جو کوتاہی ہوئی ہے اس کی وجہ سے ہمیں شرم محسوس ہو رہی ہے۔
تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:
اہل مصر مجھے پہلی نظر سے دیکھتے ہیں۔
اور کہتے ہیں۔
پاک ہے وہ ذات جس نے بیس درہموں سے خریدے ہوئے غلام کو اس عظیم مقام پر پہنچایا یقیناً میں نے تمہاری وجہ سے شرف پایا ہے اور ان کی نظروں میں تمہاری وجہ سے عظیم بنا ہوں کیونکہ اب انہیں پتہ چلا ہے کہ تم میرے بھائی ہو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہو۔
(تفسیر بیضاوی مع حاشیہ شیخ زادہ: ج:5،ص:75 مطبوعہ العلمیہ بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کو شکر بجالانے کا فرمانا

تفسیر نعیمی میں ہے۔
(بھائیوں کے) جسم سرد ہیں نگاہیں ندامت سے نیچی ہیں سارے دربار پر فرمان شاہی کے انتظار میں عجیب سناٹا طاری

ہے کہ اچانک نہایت ہی پیاری دھیمی میٹھی مترنم حمد وثناء میں ڈھلی ہوئی آواز بڑے جمال کے ساتھ ابھرتی ہے اے بھائیو نہ ڈرو نہ گھبراؤ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ ؕ آج تم پر کوئی قہر سزا بدلہ بلکہ ملامت تک نہیں۔ اپنا سر ندامت سے نیچا مت کرو بلکہ شکر الٰہی عزوجل سے بلند کرو کہ تمہارا بھائی صرف بادشاہ ہی نہیں نبی اور رسول بھی ہے۔ اس کی بارگاہ میں انتقام نہیں معافی ہے اس کے پاس بدلہ نہیں کرم ہے اور اے بھائیو صرف میری طرف سے معاف کرنا ہی نہیں بلکہ اپنے رحیم کریم رب جلیل سے بھی بخشش کے خزانے لے کر دوں گا وہ ضرور تم کو بخش دے گا اور وہی تو ساری کائنات سے سارے رحم والوں سے کہیں زیادہ رحم کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج: 13، ص: 146 نعیمی کتب خانہ لاہور)

یا اللہ عزوجل تو رحیم وکریم اور اپنے بندے کو بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہے تو مجھ بدکار وخطا کار و مجرم سزاوار کو نہ دیکھ بلکہ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ جس کے صدقے تو نے ساری کائنات بنائی۔ میں بدکار وخطا کار و گناہوں میں ڈوبا ہوا سزاوار کو اور تمام امت مسلمہ کو اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے معاف فرما۔ ہم اپنے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کرتے ہیں جو اپنی گناہ گار امت کی شفاعت فرماتے ہیں۔ ہم پر رحم فرما اور بخش دے اور ایمان پر خاتمہ فرمانا۔

آمین بجاہ النبی الامین وصلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق پوچھنا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں معاف فرما دیا اور تعارف کرایا تو اپنے بھائیوں سے اپنے والد محترم حضرت یعقوب علیہ السلام کے احوال کے متعلق پوچھا:

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں اپنا تعارف کرایا اور ان سے اپنے والد محترم کے بارے میں پوچھا:

اور ارشاد فرمایا:

میرے بعد میرے والد صاحب کا کیا حال ہوا؟

انہوں نے کہا:

ان کی رو رو کر آنکھیں چلی گئی ہیں۔

تو آپ علیہ السلام نے انہیں اپنی قمیص عطا فرمائی۔

(معالم التنزیل: ج: 3، ص: 322 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کو اپنی قمیص دے کر حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف بھیجنا

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو اپنی قمیص عطا فرما کر اپنے والد محترم حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف روانہ فرمایا تا کہ اس کو میرے والد محترم کے چہرے پر ڈالیں اور ان کی آنکھیں دیکھنے لگ جائیں۔

قرآن مجید میں ہے:

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا (یوسف:93)

میری اس قمیص کو لے کر جاؤ اور اس کو میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو تو ان کی آنکھیں دیکھنے لگیں گی۔

یہودا کا حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف قمیص لے کر جانا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی قمیص عطا فرمائی تا کہ اس قمیص کو والد محترم کے چہرہ مقدسہ پر ڈالیں اور ان کی آنکھیں دیکھنے لگ جائیں تو یہودا نے کہا اس قمیص کو میں ہی لے جاؤں گا کیوں کہ میں ہی خون آلودہ قمیص کو لے کر والد محترم کی طرف گیا تھا اور ان کو غمگین کیا تھا آج میں ہی جا کر والد محترم کو خوش خبری دوں گا۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد رازی المعروف بابن ابی حاتم متوفی 327ھ روایت کرتے ہیں۔

مطلب بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ

یہودا نے کہا:

پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس میں خون آلودہ قمیص لے کر گیا تھا۔

اور میں نے کہا تھا کہ

یوسف علیہ السلام کو بھیڑیے نے کھا لیا اب اس قمیص کو بھی میں لے کر جاؤں گا اور یہ بتاؤں گا کہ حضرت یوسف علیہ السلام زندہ ہیں جس طرح پہلے میں نے ان کو رنجیدہ کیا تھا اسی طرح اب میں جا کر ان کو خوش خبری دوں گا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:7، ص:2196 مطبوعہ مکہ مکرمہ)

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو جنتی قمیص دی

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو وہ قمیص دی جو جنت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے لائی گئی تھی اور پھر حضرت اسحاق علیہ السلام کو وراثت میں ملی پھر جب حضرت اسحاق علیہ السلام اس دنیا سے ظاہری پردہ فرما گئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو ملی اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو پہنائی۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وہ قمیص جنت کی بنی ہوئی تھی۔

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کو جبرائیل علیہ السلام نے کہا تھا کہ

آپ علیہ السلام اپنی قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف بھیجو اور یہ قمیص حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تھی یہ وہی قمیص تھی جو آپ علیہ السلام سے اتاری گئی تھی اور پھر آپ علیہ السلام کو برہنہ کر کے آگ میں ڈالا گیا تھا تو فوراً حضرت جبرائیل علیہ السلام جنت سے ریشمی قمیص لائے تھے اور آپ علیہ السلام کو پہنائی تھی تو قمیص پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وصال کے

حضرت اسحاق علیہ السلام کو وراثت میں ملی جب آپ علیہ السلام کا وصال ہوا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو ملی جب حضرت یوسف علیہ السلام جوان ہوئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان پر نظر بد کے لگنے کا خدشہ ہوا تو وہ قمیص آپ علیہ السلام نے ایک تعویز میں ڈال کر آپ علیہ السلام کے گلے میں ڈال دی۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو برہنہ کر کے کنویں میں ڈالا گیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور وہ قمیص اس تعویز سے نکال کر آپ علیہ السلام کو پہنا دی۔ اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آئے۔

اور کہا:

اپنی قمیص والد صاحب کی طرف بھیج دو کیونکہ اس میں جنت کی خوشبو ہے۔ کسی مصیبت زدہ اور بیمار کے اوپر ڈالی جائے تو اسے عافیت ہو جاتی ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے وہ قمیص اپنے بھائیوں کو دی۔

اور ارشاد فرمایا:

اسے میرے والد محترم کے چہرے پر ڈال دو وہ بینا ہو جائیں گے۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:322، 323 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام نے وراثتی پہنی ہوئی قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف بھیجی

حضرت یوسف علیہ السلام نے جو قمیص پہنی ہوئی تھی اور بھائیوں کو دے کر حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف بھیجی تھی وہ وراثتی تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت یعقوب علیہ السلام تک وراثت بنی ہوئی تھی اس بات کا ثبوت اس روایت سے حاصل ہوتا ہے۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد رازی متوفی 327ھ روایت کرتے ہیں۔

مطلب بن عبداللہ نے فرمایا ہے کہ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت کی قمیصوں میں سے ایک قمیص پہنائی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ قمیص حضرت اسحاق علیہ السلام کو پہنائی اور حضرت اسحاق علیہ السلام نے وہ قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کو پہنائی اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے وہ قمیص حضرت یوسف علیہ السلام کو پہنائی۔ پھر انہوں نے اس قمیص کو لپیٹ کر ایک چاندی کی نلکی میں رکھا اور اس کو حضرت یوسف علیہ السلام کے گلے میں ڈال دیا جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالا گیا اور جب ان کو قید میں رکھا گیا اور جس وقت ان کے پاس ان کے بھائی آئے ان تمام اوقات میں وہ نلکی ان کے گلے میں تھی اور اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے اس نلکی سے یہ قمیص نکال کر بھائیوں کے حوالے کی۔

اور فرمایا:

میری اس قمیص کو میرے والد محترم کے چہرے پر ڈال دو ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:7، ص:2196 مطبوعہ مکہ مکرمہ)

حضرت یوسف علیہ السلام کو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی جانب قمیص بھیجنے کا کہا

حضرت یوسف علیہ السلام کو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف قمیص بھیجنے کا کہا تھا۔

امام ابو محمد الحسن بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا تھا کہ آپ علیہ السلام اپنی قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف بھیج دیجئے......الخ

اس وقت (یعنی جب والد محترم حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں کی روشنائی چلی جانے کی خبر سن کر) حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آئے۔

اور فرمایا:

اپنی قمیص والد صاحب کی طرف بھیج دو کیونکہ اس میں جنت کی خوشبو ہے کسی مصیبت زدہ اور بیمار کے اوپر ڈالی جائے اسے عافیت ہو جاتی ہے۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:322 تا 323 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا گھر والوں کو ساتھ لے کر آنے کا حکم

جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے قمیص دے کر روانہ فرمایا تو اس وقت یہ بھی فرمایا کہ اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاْتُوْنِیْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ۝ (یوسف:93)

اور اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ۔

مصر سے قافلہ کی روانگی کے وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کا حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو محسوس کرنا

جب قافلہ مصر سے روانہ ہوا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا اگر تم مجھے بوڑھا سٹھیا نہ کہو تو مجھے یوسف علیہ السلام کی خوشبو آرہی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْ لَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ۝ (یوسف:94)

اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو ان کے باپ نے کہا اگر تم یہ نہ کہو کہ بوڑھا سٹھیا گیا ہے تو مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے قول تُفَنِّدُوْنِ کے معانی

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

لَوْ لَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ

اس لفظ کے پانچ معنیٰ بیان کیے گئے ہیں۔

1۔حضرت مقاتل نے فرمایا:

اس کا معنیٰ ہے۔

اگر تم مجھے جاہل قرار نہ دو۔

2۔حضرت عبداللہ بن ابی ہذیل نے کہا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اگر تم مجھے بے وقوف قرار نہ دو۔

3۔حضرت سعید بن جبیر اور حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا:

اگر تم مجھے جھوٹا نہ قرار دو۔

4۔حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اگر تم مجھے بڑھاپے کی وجہ سے زائل العقل نہ قرار دو۔

5۔حضرت ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اس کا معنیٰ ہے کہ

اگر تم مجھے ملامت نہ کرو۔

(زاد المسیر :ج:4،ص:285 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام نے کتنی مسافت دور سے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو محسوس کی

حضرت یعقوب علیہ السلام کا حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو محسوس کرنے کی مسافت کے متعلق چند اقوال ہیں۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

ایک مہینہ کی مسافت سے حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کی مسافت سونگھ لی تھی۔

حضرت محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

سات دن کی مسافت سے حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو سونگھ لی تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب قافلہ نکلا اور ہوا چلی تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کی خوشبو محسوس ہوئی۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

میں یوسف علیہ السلام کی خوشبو سونگھ رہا ہوں اگر تم مجھے بے وقوف خیال نہ کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے آٹھ دنوں کی مسافت سے خوشبو سونگھ لی تھی۔

(جامع البیان: ج:13،ص:71 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ سے بادِ نسیم نے اجازت مانگ کر حضرت یعقوب علیہ السلام تک خوشبو پہنچائی

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ

بادِ نسیم نے اللہ تعالیٰ سے یہ اذن طلب کیا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو پہلے پہنچا دے خوش خبری دینے والے کے پہنچنے سے پہلے۔

بعض فرماتے ہیں کہ

ہوا چلی تھی اور اس نے حضرت یعقوب علیہ السلام تک قمیص کی خوشبو پہنچائی تھی۔ پس حضرت یعقوب علیہ السلام نے جنت کی خوشبو پالی اور جان لیا کہ جنت کی خوشبو تو زمین پر اس قمیص میں ہی تھی۔

اس لیے فرماتے ہیں کہ

(حضرت) یوسف (علیہ السلام) کی خوشبو سونگھ رہا ہوں۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:323 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یہودا کی عرض گزاری اور کنعان کی طرف روانگی

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی قمیص بھائیوں کو دی۔ تو یہودا نے عرض کیا:

اے محترم یوسف (علیہ السلام)! یہ قمیص مجھ کو دے دیجئے کیونکہ میں وہ ہوں جو آپ علیہ السلام کی پہلی قمیص بھی خون آلود کر کے لے گیا اور میں نے ہی جھوٹی باتیں بنا کر وہ غم کی قمیص والد محترم کو دی تھی میں ہی وہ ہوں جس نے والد کو رلایا بھائی کو ستایا تھا میں ہی فراق ڈالنے والا تھا اس لیے میں ہی خوشی کی قمیص لے کر جاؤں گا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے چھپانے اور مسکرانے کو دیکھا تو آپ علیہ السلام بھی شکر الٰہی عزوجل سے مسرور ہوئے اور وہ قمیص یہودا کو ہی دی۔

ایک قول ہے۔

وہ شاہی جبہ تھا اور اونٹ بھی تازہ دم دے کر ان خوبصورت اونٹوں پر جاؤ اس خوشی میں نہ کسی کو کھانے کا ہوش تھا نہ پینے کا فوراً چل پڑے یہ بھائیوں کا تیسرا چکر تھا اس دفعہ بھی دو دن دو رات ٹھہرے تھے اور آج ہی قمیص دی گئی پھر ایک منٹ نہیں ٹھہرے۔ ادھر بھی وہ سب بھائی بستی مصر یا دربار مصر سے ذرا ہٹے ہی ہیں اور اونٹوں کا یہ عیر و قافلہ چلا ہی ہے ذرا سا فاصلہ ہوا ہی ہے کہ ادھر اسی (80) فرلانگ دور یعنی دو سو چالیس میل دور پیدل آٹھ راتوں کا سفر اونٹوں پر تین دن تین رات کا سفر تھا کہ (ارشاد) فرمایا ان کے والد محترم نے کہ

اے گھر والو، بہو بیٹیو پوتے پوتیو! اگر تم مجھ کو بوڑھا بیوقوف نہ سمجھو تو یا مجھ کو سٹھیایا ہوا بہکی باتیں کرنے والا، پریشان خیالوں والا

یا نفسیاتی بیمار نہ کہو تو میں تم سے کہوں کہ میں آج اپنے یوسف (علیہ السلام) کی دل آویز خوشبو محسوس کر رہا ہوں میری قوت شامہ (حضرت) یوسف (علیہ السلام) کی خوشبو سونگھ رہی ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:156 نعیمی کتب خانہ لاہور)

گھر والوں کا حضرت یعقوب علیہ السلام کو پرانی محبت میں مبتلا کہنا

جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے (حضرت) یوسف (علیہ السلام) کی خوشبو آ رہی ہے تو گھر والوں نے کہا اللہ کی قسم آپ اپنی اسی پرانی محبت میں مبتلا ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ۝ (یوسف:95)

گھر والوں نے کہا اللہ کی قسم آپ اپنی اسی پرانی محبت میں مبتلا ہیں۔

اعتراض

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام کے گھر کے قریب کنویں میں تھے تو آپ علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو نہیں آئی تو پھر اتنے فاصلہ سے آپ علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو کیسے آ گئی۔

جواب

اس اعتراض کے چند جوابات ہیں۔

1- اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں حضرت یوسف علیہ السلام کا معاملہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے مخفی رکھا تھا تاکہ حضرت یوسف علیہ السلام مکمل آزمائش میں رہیں اور اس پر صبر کرنے سے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس آزمائش کا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان کی جدائی کا پورا پورا اجر ملے اور جب آزمائش و جدائی کے ایام ختم ہو گئے اور کشادگی اور فرحت کا دور آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے فاصلہ کے زیادہ ہونے کے باوجود آپ علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو پہنچا دی۔

2- جیسا کہ پہلے بتایا تھا کہ وہ قمیض ایک چاندی کی نلکی میں تھی اور وہ نلکی حضرت یوسف علیہ السلام کے گلے میں تھی جب اس قمیض کو اس نلکی سے نکالا تو جنت کی خوشبوئیں فضا میں پھیل گئیں اور جب وہ مانوس خوشبوئیں ہواؤں کے دوش پر سوار ہو کر حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچیں تو آپ علیہ السلام نے انہیں پہچان لیا یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض کی خوشبو ہے اور جب حضرت یوسف علیہ السلام کنویں میں تھے تو وہ قمیض نلکی میں بند تھی اور اس کی ہوائیں حضرت یعقوب علیہ السلام تک نہیں پہنچی تھیں۔

3- باد صبا نے اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی تھی کہ خوش خبری دینے والے سے پہلے وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا دے تو اللہ عزوجل نے اس کو اجازت دے دی یہی وجہ ہے کہ ہر غم زدہ تک جب باد صبا کے جھونکے پہنچتے ہیں تو اس کی روح کو تازگی محسوس ہوتی ہے۔

(زاد المسیر: ج:4، ص:284 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

گھر والوں کا حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کا چالیس سال قبل وصال فرمانے کا کہنا

گھر والوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو کہا کہ ابا جان یوسف (علیہ السلام) تو چالیس سال قبل وصال فرما گئے اور آپ علیہ السلام تو ابھی تک ان کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

آپ علیہ السلام (حضرت یعقوب علیہ السلام) نے جب یہ خبر گھر والوں کو سنائی تو سب غمزدہ لہجے میں افسوسناک غمناک انداز میں بولے خدا کی قسم اے ابا جان بے شک آپ (علیہ السلام) تو ابھی تک اسی پرانی محبت والفت میں ڈوبے ہوئے ہو اس محبت نے آپ (علیہ السلام) کو ابھی تک اس حقیقت پر نہیں آنے دیا کہ (حضرت) یوسف (علیہ السلام) تو چالیس سال ہوئے کبھی کا مر چکا ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ

گھر والوں نے بہت برا بھلا کہا بروایت قتادہ مگر یہ غلط ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:156 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈالنا اور فوراً حضرت یعقوب علیہ السلام کا بینا ہونا

حضرت یعقوب علیہ السلام نے جس طرح گھر والوں کو فرمایا کہ مجھے یوسف علیہ السلام کی خوشبو آ رہی ہے وہ خبر ویسے ہی سچی ہوئی کہ خوش خبری سنانے والا آیا اور اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرۂ اقدس پر ڈالی تو حضرت یعقوب علیہ السلام فوراً دیکھنے والے ہو گئے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ (یوسف:96)

پھر جب خوش خبری سنانے والا آیا اور اس نے وہ قمیص اس کے چہرے پر ڈال دی تو وہ فوراً بینا ہو گئے۔

یہودا نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرہ اقدس پر قمیص ڈالی

خوش خبری سنانے والا یہودا تھا اور اسی نے ہی حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرہ اقدس پر قمیص ڈالی اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں بینا ہو گئیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

خوش خبری سنانے والے سے مراد یہودا بن یعقوب ہے۔

(جامع البیان: ج:13، ص:77 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

وہ یہودا تھا۔

حضرت سدی فرماتے ہیں۔

یہودا نے کہا:

خون سے لت پت قمیص بھی میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس لے گیا تھا۔

اور میں نے کہا تھا کہ

(حضرت) یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا گیا ہے تو آج بھی ان کے پاس قمیص لے جاتا ہوں انہیں بتایا ہوں کہ (حضرت) یوسف (علیہ السلام) زندہ ہیں پس میں ہی انہیں خوش کروں گا جیسے میں نے انہیں غمزدہ کیا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

یہودا نے قمیص اٹھائی اور ننگے پاؤں ننگے سر دوڑ پڑا اور اس کے ساتھ سات روٹیاں تھیں اس نے ابھی تمام روٹیوں کو نہیں کھایا تھا کہ وہ اپنے باپ کے پاس پہنچ گیا اور وہ (80) اسی فرسخ کی مسافت تھی۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ

وہ خوش خبری دینے والا مالک بن ذعر تھا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:324 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے۔

پھر کچھ دنوں کے بعد جب آیا خوش خبری لانے والا اکیلا یا قافلہ کے ساتھ۔

دو قول ہیں۔

ایک یہ کہ

یہودا جب بستی کے قریب پہنچا تو اپنا اونٹ ذرا تیز دوڑا کر خوشی میں جلدی گھر آ گیا اور آتے ہی سب باتیں سنا کر وہ قمیص والد محترم کے چہرہ پاک پر ڈال دی بس پھر کیا ایک دم آنکھوں میں روشنی، چہرے پر بشاشت، جسم پر تراوٹ، دل میں سرور، آنکھوں میں نور آ گیا۔ ابھی گھر میں یہی خوشیاں اور حیرانیاں ہو رہی تھیں کہ باقی بھائی بھی ہنستے مسکراتے کھل کھلاتے داخل ہوئے بنیامین بھی ساتھ ہیں۔

ایک قول ہے کہ

سب ایک ساتھ ہی آئے اور بالکل اسی طرح نقشہ بنایا جیسے پہلے غم کی خبر لے کر آئے تھے کہ آگے آگے یہودا قمیص اٹھائے ہوئے پیچھے پیچھے باقی سب۔ فرق صرف یہ تھا کہ اس وقت قمیص یوسفی جھوٹے خون میں لتھڑی ہوئی تھی آج قمیص خوشبو یوسفی میں بستی ہوئی وہ غم فراق کی قمیص تھی یہ سرور وصال کی۔ اس وقت سب بھائی جھوٹا رونا روتے آئے تھے آج سچی ہنسی ہنستے ہوئے والد محترم نے آج کافی زمانے کے بعد اپنی آنکھوں سے اپنے بیٹوں کے مسرور چہرے دیکھے سارے غم ڈھل گئے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:157 نعیمی کتب خانہ لاہور)

<u>جس طرح بھائی خون سے لتھڑی جھوٹی موٹی قمیص لائے ویسے آج خوشبوؤں کے ساتھ سچی مچی قمیص لائے</u>

تمام بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال کر جھوٹی موٹی خون سے لتھڑی ہوئی قمیص حضرت یعقوب علیہ

السلام کے پاس لائے تھے مگر قدرت باری تعالیٰ تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے ویسے ہی بھائیوں کے ہاتھوں سچی مچی خوشبودار سے معطر ومعنبر قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس بھجوائی۔ اس وقت تمام بھائی روتے روتے آئے تھے آج ہنستے کھل کھلاتے آئے۔ اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کو جھوٹی خبریں دے رہے تھے آج سچ اور حقیقت بیان کر رہے تھے، اس وقت دل میں حسد تھا مگر آج محبت کی انتہاء ہے اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی قدر نہ تھی مگر آج حضرت یوسف علیہ السلام کی عظمت ومقام کو سمجھے تھے، اس وقت تمام بھائی غمگین تھے مگر آج خوش تھے جس سے معلوم ہوا کہ جس کو اللہ تعالیٰ عظمت ومقام عطا فرمانا چاہے اس کا مقام وعظمت کوئی شخص نہیں کم کرسکتا اور نہ ہی ختم کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو جو مقام عطا فرمانا چاہتا ہے وہ مقام عطا فرما کر ہی رہتا ہے اگرچہ دنیا اس کی مخالف ہوجائے۔ جیسا کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اعلان نبوت فرمایا تو تمام مخالف ہوگئے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا بھی جان کے دشمن ہوگئے مگر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام وعظمت بلند فرمانا چاہا تو تمام کائنات والوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر جھکا دیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے محبین کی محبت عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین وصلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا گھر والوں کو عطا کردہ علم کا بتانا

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے گھر والوں کو بتایا کہ میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ بے شک مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان چیزوں کا علم ہے جن کا تم کو علم نہیں ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (یوسف:96)

یعقوب نے کہا کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ بے شک مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان چیزوں کا علم ہے جن کا تم کو علم نہیں ہے۔

بیٹوں کا حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرنے کا عرض کرنا

بیٹوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو عرض کیا کہ اے ہمارے والد محترم ہمارے گناہوں کی بخشش طلب کیجئے بے شک ہم گناہ گار ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا یٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا خٰطِـٕیْنَ ۝ (یوسف:97)

بیٹوں نے کہا اے ہمارے باپ! ہمارے گناہوں کی بخشش طلب کیجئے بے شک ہم گناہ گار ہیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

اور سب نے عرض کیا بیٹوں نے بھی اور گھر والوں نے بھی اے ابا جان آج ہم نے محسوس کیا ہے ہم سے آپ علیہ السلام کی شان میں بہت خطائیں ہوئیں بات بات پر آپ علیہ السلام کی خبروں کو جھٹلایا، طعنہ بازی کی، جھوٹ بول بول کر آپ (علیہ

السلام) کو ستایا، فراق یوسفی کی آگ میں جلایا، بنیامین کو رلایا، بارگاہ الٰہیہ کے خوف و خشیت کی بھی پرواہ نہ کی ہر طرف سے مجرم بنے، خطائیں کیں، ہم نے جرم و خطا میں کمی نہ کی۔ اے پیارے ابو جی اب آپ اپنے کریم رحیم غفار و ستار اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی بخشش مانگئے اور بخشش مانگنے میں آپ (علیہ السلام) کمی نہ فرمایئے۔ ہم خود اس کی بارگاہ کے لائق نہیں رہے کس منہ سے آج اس کے سامنے روئیں اور اس جبار و قہار کا جلال ہماری نافرمانیوں پر نہ معلوم کس غضب میں ہے اس لیے اے ہمارے اباجان ہمارے وسیلۂ عظمیٰ بن جایئے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:157 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا فرمانا میں عنقریب اپنے رب عزوجل سے تمہاری بخشش طلب کروں گا

جب بیٹوں نے کہا اے ہمارے باپ! ہمارے گناہوں کی بخشش طلب کیجئے بے شک ہم گناہ گار ہیں تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا میں عنقریب اپنے رب عزوجل سے تمہاری بخشش طلب کروں گا بے شک وہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ○ (یوسف:98)

یعقوب نے کہا! میں عنقریب اپنے رب عزوجل سے تمہاری بخشش طلب کروں گا بے شک وہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کے بخشش طلب کرنے کو کیوں مؤخر کیا

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا میں عنقریب اپنے رب عزوجل سے تمہاری بخشش طلب کروں گا، اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اسی وقت اپنے بیٹوں کے لئے دعا کیوں نہیں کی اور بیٹوں کے بخشش طلب کرنے کو کیوں مؤخر کیا حالانکہ چاہئے تو یہ تھا کہ فوراً ہی اللہ تعالیٰ سے بیٹوں کی بخشش طلب کرتے اور فوراً ہی بیٹوں کو خوش خبری دیتے؟

جواب

اس سوال کے چند جوابات ہیں۔

1- امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرے بھائی حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا تھا کہ میں عنقریب اپنے رب عزوجل سے تمہارے لیے بخشش طلب کروں گا۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ حتیٰ کہ جمعہ کی رات آجائے۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 15149 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے۔

اور انہوں نے کہا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں اور باپ فدا ہوں۔ میرے سینے سے قرآن نکل جاتا ہے اور میں اس کو یاد رکھنے پر قادر نہیں ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے ابوالحسن! (رضی اللہ عنہ) کیا میں تم کو ایسے کلمات نہ سکھاؤں جو تم کو نفع پہنچائیں اور جن کو تم وہ کلمات سکھاؤ ان کو بھی کلمات نفع پہنچائیں اور جو کچھ بھی تم یاد کرو وہ تمہارے سینہ میں محفوظ رہے۔

میں نے کہا:

ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سکھایئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب جمعہ کی شب ہو اگر تم سے ہو سکے تو رات کے آخری تہائی حصہ میں قیام کرو کیونکہ اس وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور اس وقت دعا قبول ہوتی ہے اور بھائی یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں سے کہا تھا کہ میں عنقریب اپنے رب عزوجل سے تمہارے لیے بخشش طلب کروں گا۔

ان کی مراد یہ تھی کہ

حتیٰ کہ جمعہ کی رات آ جائے اگر تم سے ہو سکے تو اس رات کے وسط میں قیام کرو اگر تم سے یہ نہ ہو سکے تو اسی رات کے اول میں قیام کرو اور چار رکعات نماز پڑھو پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورہ یٰسین پڑھو اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورہ الدخان پڑھو اور تیسری رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورہ الم السجدہ پڑھو اور چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورۃ تبارک الذی پڑھو اور جب ان رکعات سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کی حمد اور ثناء کرو اور مجھ پر اور باقی انبیاء کرام علیہم السلام پر اچھی طرح سے درود شریف پڑھو اور تمام مومنین و مومنات کے لئے استغفار کرو اور اپنے فوت شدہ مسلمان بھائیوں کے لیے دعا کرو۔

پھر آخر میں یہ دعا کرو۔

اے اللہ عزوجل! جب تک تو مجھے زندہ رکھے مجھے ہمیشہ گناہوں سے بچا کر مجھ پر رحم فرما اور فضول کاموں کی مشقت سے بچا کر مجھ پر رحم فرما۔ تو میرے جن کاموں سے راضی ہو مجھے ان میں حسن نظر عطا فرما۔ تو میرے جن کاموں سے راضی ہو مجھے ان میں حسن نظر عطا فرما۔ اے اللہ عزوجل آسمانوں اور زمینوں کو ابتداءً پیدا کرنے والے، اے جلال، اکرام اور غیر متصور غلبہ کے مالک۔ اے اللہ عزوجل۔ اے رحمٰن! میں تیرے جلال اور تیری ذات کے نور سے سوال کرتا ہوں کہ تو اپنی کتاب کے پڑھنے کے ساتھ میری آنکھوں کو منور کر دے اور اس کی تلاوت سے میری زبان کو رواں کر دے اور اس سے میرے دل میں کشادگی کر دے اور اس سے میرے سینے کو کھول دے اور اس سے میرے بدن کو صاف کر دے کیونکہ تیرے سوا میری حق پر کوئی مدد نہیں کر سکتا اور نہ تیرے سوا کوئی حق کو لا سکتا ہے اور گناہوں سے پھرنا اور نیکیوں کو کرنا اللہ تعالیٰ بلند و برتر کی مدد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

اے ابوالحسن! تم تین یا پانچ یا سات جمعہ تک یہ عمل کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے اذن سے تمہاری دعا قبول ہو گی۔ اس ذات کی قسم!

نے مجھے حق دے کر بھیجا ہے یہ دعا کسی مومن سے تجاوز نہیں کرے گی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ کی قسم! پانچ یا سات جمعہ گزرے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسی ہی ایک مجلس میں آئے۔

اور کہنے لگے۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پہلے میں چار یا پانچ آیتیں بہ مشکل یاد کرتا تھا جب میں ان کو یاد کرتا تو وہ میرے سینے سے نکل جاتی تھیں اور اب میں چالیس یا اس سے زیادہ آیتیں حفظ کر لیتا ہوں اور جب میں ان کو زبانی پڑھتا ہوں تو یوں لگتا ہے جیسے میرے سامنے کتاب اللہ موجود ہے اور پہلے میں حدیث سنتا تھا تو میرے سینہ سے نکل جاتی تھی اور اب میں احادیث سنتا ہوں اور پھر ان کو بیان کرتا ہوں تو ان سے ایک لفظ بھی کم نہیں ہوتا۔

آپ نے فرمایا:

رب کعبہ کی قسم! اے ابوالحسن! میں اس پر یقین کرتا ہوں۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3570 مطبوعہ الجیل بیروت)

2- ان سے جلدی دعا کرنے کا وعدہ کر کے ان کو اٹھا دیا۔

حضرت عطاء خراسانی نے فرمایا:

بوڑھوں کی بہ نسبت جوانوں سے حاجت جلد پوری ہو جاتی ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔

اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

میں عنقریب اپنے رب عزوجل سے تمہارے لیے بخشش طلب کروں گا۔

3- شعبی نے کہا:

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کے لئے دعا کو اس لیے مؤخر کر دیا تھا تا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے پوچھ لیں اگر انہوں نے اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا تو وہ ان کے لئے استغفار کریں گے۔

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

انہوں نے کہا:

اے ہمارے باپ! اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں معاف کر دیا تو ٹھیک ورنہ اس دنیا میں ہمارے لیے کوئی خوشی نہیں ہے پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے دعا کی اور حضرت یوسف علیہ السلام نے آمین کہی پھر بیس سال تک ان کی دعا قبول نہیں ہوئی۔

پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا:

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی اولاد کے متعلق آپ علیہ السلام کی دعا قبول کر لی ہے اور ان کی خطاؤں کو معاف کر دیا ہے

اور اس کے بعد ان سے نبوت کا عہد لیا گیا۔ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی نہیں تھے۔ کیونکہ نبی اعلان نبوت سے پہلے اور بعد تمام صغائر اور کبائر سے عمداً اور سہواً معصوم ہوتا ہے۔

(زاد المسیر: ج:4، ص:277، 278 مطبوعہ المکتب اسلامی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں بینا ہوئیں اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے اور بالوں سے بیماروں کو شفایابی حاصل ہوئی

حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں بینا ہوئیں اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں اور بالوں اور نعلین مبارک سے بیماروں اور مریضوں کو شفا حاصل ہوئی اور قیامت تک شفا حاصل ہوتی رہے گی۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ

میں نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو بتایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مطلقاً ریشم کو حرام کہتے ہیں۔

تو انہوں نے کہا:

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے۔ انہوں نے ایک طیالسیہ کسروانیہ جبہ نکالا جس میں ریشم کے پیوند لگے ہوئے تھے اور اس کے سامنے اور پیچھے کے چاک پر یا آستینوں پر ریشم کے بیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

یہ جبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا جب وہ فوت ہوگئیں تو میں نے اس پر قبضہ کرلیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پہنا کرتے تھے۔ ہم بیماروں کے لئے اس کو دھوتے ہیں اور اس (کے غسالہ دھوون) سے ان کے لئے شفا طلب کی جاتی ہے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2069)

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی متوفی 1069ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ کو دھو کر اس کا دھوون بیماروں کو پلاتے تھے اور ان کے بدنوں پر ملتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار سے برکت حاصل کرتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اللہ تعالیٰ بیماروں کو شفا عطا فرماتا تھا۔

(نسیم الریاض: ج:3، ص:134 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قاضی عیاض بن موسیٰ متوفی 544ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

ابو القاسم بن میمون بیان کرتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالوں میں سے ایک پیالہ تھا ہم بیماروں کے لئے اس میں پانی ڈالتے تھے اور وہ اس سے شفا حاصل کرتے تھے۔

(الشفاء: ج:1، ص:246 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی متوفی 1069ھ لکھتے ہیں:

بیمار اس پیالہ میں پانی ڈال کر پیتے تھے اور شفا طلب کرتے تھے اور اس کو پینے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کی برکت

سے ان کو شفا حاصل ہوتی تھی۔

(نسیم الریاض: ج:3، ص:134 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میرے گھر والوں نے ایک برتن میں پانی ڈال کر مجھے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا اسرائیل نے تین انگلیوں کو ملایا یعنی وہ چاندی سے ملمع کی ہوئی ایک چھوٹی سی ڈبیا تھی تین انگلی جتنی اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک بالوں میں سے کچھ بال تھے۔ جب کسی انسان کو نظر لگ جاتی یا اس کو اور کوئی بیماری ہو جاتی تو وہ آپ کے پاس ایک برتن بھیج دیتا۔ میں نے ایک گھنٹی کی شکل کی ایک ڈبیا دیکھی اس میں سرخ رنگ کے بال تھے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5896)

حافظ شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث مبارکہ سے مراد یہ ہے کہ

جو شخص بیمار ہو جاتا تو وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک برتن بھیجتا وہ اس برتن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان مبارک بالوں کو رکھتیں پھر اس برتن میں پانی ڈالتیں اور ان کا دھوون اس بیمار کو پلاتیں یا وہ آدمی شفا طلب کرنے کے لئے اس پانی سے غسل کرتا اور اس کو اس پانی کی برکت حاصل ہوتی۔

(فتح الباری: ج:10، ص:353 مطبوعہ لاہور)

امام حافظ احمد بن علی بن مثنی تمیمی متوفی 307ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

عبدالحمید بن جعفر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا:

ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک عمرہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کے بال منڈوائے۔ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال لینے کی طرف جھپٹے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کے بالوں کی طرف سبقت کی۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال لے کر ان کو اپنی ٹوپی میں رکھ لیا اور میں نے ان بالوں کو اپنی ٹوپی کے اگلے حصہ میں رکھا، اس کے بعد میں جس جنگ میں بھی گیا مجھے فتح حاصل ہوئی۔

(مسند ابی یعلیٰ: ج:13، رقم الحدیث:7183 مطبوعہ دار الثقافۃ العربیہ دمشق)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی 360ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

عبدالحمید بن جعفر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ

جنگ یرموک کے دن حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی گم ہو گئی۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کہا:

اس ٹوپی کو ڈھونڈو لوگوں کو وہ ٹوپی نہیں ملی۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے پھر کہا۔

اس ٹوپی کو تلاش کرو تو لوگوں کو وہ ٹوپی مل گئی وہ ایک پرانی ٹوپی تھی۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کیا اور اپنا سر منڈوایا۔ مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی طرف جھپٹے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کے بالوں کی طرف سبقت کی اور ان بالوں کو میں نے اس ٹوپی میں رکھ لیا پھر میں جس جنگ بھی گیا یہ ٹوپی میرے ساتھ رہی اور مجھے فتح عطا کی گئی۔

(معجم الکبیر: ج:4، رقم الحدیث: 3804 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں اور لعاب دہن سے برکت حاصل کرتے تھے حتیٰ کہ برکت حاصل کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے چادر بھی مانگ لیا کرتے تھے۔

جیسا کہ روایت میں ہے۔

حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاشیہ والی بنی ہوئی ایک چادر لے کر آئی۔

اس عورت نے کہا:

میں نے اس چادر کو اپنے ہاتھ سے بنا ہے تاکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہناؤں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے وہ چادر لے لی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت اس چادر کی ضرورت بھی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ چادر پہن کر ہمارے پاس آئے۔ ایک شخص نے اس چادر کی تعریف کی۔

اور کہنے لگا کہ

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ بہت خوب صورت چادر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ مجھے دے دیجئے۔

حاضرین نے کہا:

تم نے اچھا نہیں کیا۔ اس چادر کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہن لیا تھا در آں حالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ضرورت بھی تھی پھر بھی تم نے اس کو مانگ لیا اور تم کو معلوم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کا سوال رد نہیں فرماتے۔

اس شخص نے کہا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے پہننے کے لئے اس چادر کا سوال نہیں کیا تھا بلکہ میں نے اس چادر کا اس لیے سوال کیا تھا کہ یہ کفن ہو جائے۔

حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے کہا:

پھر وہ چادر اس شخص کا کفن ہو گئی۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 1277)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 855ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابو غسان کی روایت میں ہے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چادر کو پہن لیا ہے اس لیے مجھے اس چادر سے

برکت کی امید ہے۔اس حدیث مبارکہ کے فوائد میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن خلق ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جود وسخا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہدیہ قبول فرماتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم عموماً ہدیہ کے جواب میں ہدیہ عطا فرماتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

ایک دوسرے کو ہدیہ دو ایک دوسرے سے محبت بڑھے گی۔اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو ہدیہ نہیں دیا تاکہ یہ معلوم ہو کہ جواباً ہدیہ دینا واجب نہیں ہے۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ

بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ہدیہ دیا ہو۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ

کسی عمدہ لباس پہننے پر اس کی تحسین کرنی چاہئے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ

جب کوئی شخص ایسا کام کرے جو بظاہر خلاف ادب ہو تو اس کو ملامت کرنا چاہئے اور اس حدیث میں صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کا جواز ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ

کسی چیز کو وقت ضرورت سے پہلے تیار کر کے رکھنا چاہئے اور کفن کو وقت سے پہلے تیار کرنا جائز ہے بلکہ قبر کھدوانا بھی جائز ہے۔

(فتح الباری: ج:3،ص:144 مطبوعہ لاہور)

روایات سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں اور بالوں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم برکت حاصل کرتے تھے اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تو بالوں کی برکت سے جنگ سے فتح حاصل کر لیتے تھے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کے استغفار طلب کرنے کو کب تک مؤخر کیا

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کے گناہوں کے استغفار طلب کرنے کو جس وقت تک مؤخر کیا اس کے متعلق چند اقوال ہیں۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

امام طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ کے متعلق پوچھا:

توانہوں نے فرمایا کہ

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو سحر ہونے تک مؤخر کیا۔

(جامع البیان: ج:13،ص:79 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ
آپ علیہ السلام (یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام) نے اپنے بیٹوں کے لیے استغفار کو کیوں مؤخر فرمایا۔
تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ان کو سحری تک مؤخر کیا کیونکہ سحری کے وقت کی دعا مقبول ہوتی ہے۔
اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے قول سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ ؕ کے متعلق فرمایا کہ
جمعہ کی رات آئے گی تو میں تمہارے لیے استغفار کروں گا۔
(جامع البیان: ج:13، ص:79 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)
اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔
اور عرض کیا۔
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے سینے میں قرآن نہیں ٹھہرتا میں اسے یاد رکھنے پر قدرت نہیں رکھتا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اے ابو الحسن! میں تجھے ایسے کلمات نہ سکھاؤں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ تمہیں نفع عطا فرمائے گا اور اسے بھی نفع عطا فرمائے گا جس کو تو یہ کلمات سکھائے گا اور جو تو سیکھے گا وہ تیرے دل میں ٹھہر جائے گا۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور کرم کیجئے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب جمعہ کی رات ہو اور تمہیں طاقت ہو تو تم رات کے آخری (تیسرے) حصہ میں اٹھو کیونکہ وہ ایسی گھڑی ہے جس کی شہادت دی گئی ہے اور اس میں دعا قبول ہوتی ہے۔
میرے بھائی حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا۔
سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ ؕ
حتیٰ کہ جمعہ کی رات آ جائے اگر تجھے اس کی طاقت نہیں ہے تو رات کے نصف میں اٹھو اگر اس کی بھی طاقت نہیں ہے رات کی ابتداء میں اٹھو اور چار رکعت نماز ادا کرو۔ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ یٰسین، دوسری رکعت میں فاتحہ اور تبارک المفصل تلاوت کرو۔ جب تشہد سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرو اور مجھ پر اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر درود بھیجو مؤمن مردوں اور عورتوں کے لئے اور ایمان میں سبقت لے جانے والے بھائیوں کے لئے استغفار کرو۔
پھر آخر میں یہ کہو۔
اے اللہ عزوجل! جب تک تو مجھے زندہ رکھے مجھے ہمیشہ گناہوں سے بچا کر مجھ پر رحم فرما اور فضول کاموں کی مشقت سے

بچا کر مجھ پر رحم فرما تو میرے جن کاموں سے راضی ہو مجھے ان میں حسن نظر عطا فرما۔

اے اللہ عزوجل! آسمانوں اور زمینوں کو ابتداءً پیدا کرنے والے اے جلال، اکرام اور غیر متصور غلبہ کے مالک۔

اے اللہ عزوجل! اے رحمٰن! میں تیرے جلال اور تیری ذات کے نور کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ تو اپنی کتاب کے حفظ کرنے پر میرے دل کو لازم کر دے جیسا کہ تو نے مجھے اس کتاب کی تعلیم دی ہے اور مجھے اس طرح اس کی تلاوت کی توفیق دے جس طرح تو راضی ہو۔ اے اللہ عزوجل! آسمانوں اور زمینوں کو ابتداءً پیدا کرنے والے، اے جلال، اکرام اور غیر متصور غلبہ کے مالک، اے اللہ عزوجل، اے رحمٰن میں تیرے جلال اور تیری ذات کے نور سے سوال کرتا ہوں کہ تو اپنی کتاب کے پڑھنے کے ساتھ میری آنکھوں کو منور کر دے اور اس کی تلاوت سے میری زبان کو رواں کر دے اور اس سے میرے دل میں کشادگی کر دے اور اس سے میرے سینے کو کھول دے اور اس سے میرے بدن کو صاف کر دے کیونکہ تیرے سوا میری حق پر کوئی مدد نہیں کر سکتا اور نہ تیرے سوا کوئی حق کو لا سکتا ہے اور گناہوں سے پھرنا اور نیکیوں کو کرنا اللہ بلند و برتر کی مدد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے ابوالحسن! (رضی اللہ عنہ) یہ وظیفہ تین یا پانچ یا سات جمعہ کیا جائے تو قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ مومن کی دعا رد نہیں جائے گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! حضرت علی رضی اللہ عنہ پانچ یا سات مرتبہ یہ عمل کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اسی مجلس میں آئے۔

تو عرض کیا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے میری یہ کیفیت تھی کہ میں چار آیات بھی یاد نہیں کر سکتا تھا۔ جب کبھی میں چار آیات پڑھتا تو وہ مجھے بھول جاتی تھیں اور اب میں چالیس آیات سیکھتا ہوں پھر زبانی پڑھتا ہوں تو مجھے یوں لگتا ہے گویا کہ میری آنکھوں کے سامنے کتاب اللہ موجود ہے اور میں حدیث سنتا تھا پھر جب دوہراتا تھا تو وہ مجھے بھول چکی ہوتی تھی لیکن آج میں کئی احادیث مبارکہ سنتا ہوں اور ان میں سے کوئی بھی مجھے نہیں بھولتی۔

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے ابوالحسن رضی اللہ عنہ! رب کعبہ کی قسم! تو مومن ہے۔

(مستدرک: ج:1، ص:461، 462 مطبوعہ بیروت)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمرو بن قیس رحمۃ اللہ علیہ نے اَسۡتَغۡفِرُ لَكُمۡ رَبِّیۡ ؕ کے تحت فرمایا ہے۔

یعنی میں تمہارے لیے رات کی نماز میں استغفار کروں گا۔

(جامع البیان: ج:13، ص:79 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا بیٹوں سے حضرت یوسف علیہ السلام کے دین کے متعلق پوچھنا

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ

حضرت یعقوب علیہ السلام نے خوش خبری دینے والے سے پوچھا:

(حضرت) یوسف (علیہ السلام) کیسے ہیں۔

اس نے کہا:

وہ تو شاہ مصر ہیں۔

رت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

یں بادشاہی کو کیا کروں میں تو یہ پوچھ رہا ہوں کہ وہ کس دین پر ہیں۔

خوش خبری دینے والے نے کہا:

وہ اسلام کا پیرو ہے۔

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اب نعمت کی تکمیل ہوئی۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:325 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے بیٹوں کی مغفرت تہجد کے وقت مانگنا اور قبول ہونا

جب وقت آیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے نماز تہجد ادا فرمائی پھر جب فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھائے۔

اور کہا:

اے اللہ عزوجل! حضرت یوسف علیہ السلام پر جو میں نے جزع وفزع کی اور جو میں نے قلب صبر کا اظہار کیا وہ معاف فرما اور میری اولاد کی بھی وہ لغزش معاف فرما جو انہوں نے بھائی یوسف علیہ السلام کے ساتھ ظالمانہ سلوک کر کے کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی میں نے تجھے اور ان کو معاف کر دیا ہے۔

حضرت وہب فرماتے ہیں کہ

آپ علیہ السلام بیس سال (20) سے زیادہ ہر جمعہ کی رات ان کی مغفرت کی دعا کرتے رہے۔

حضرت طاؤس فرماتے ہیں کہ

آپ علیہ السلام نے جمعہ کی رات سحری کے وقت تک مؤخر کیا تو عاشوراء کی رات کی موافقت ہوگئی۔

حضرت شعبی فرماتے ہیں کہ

سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ ؕ کا معنیٰ یہ ہے کہ

میں پہلے (حضرت) یوسف (علیہ السلام) سے تمہاری معافی طلب کروں گا پھر اپنے رب عزوجل سے تمہاری معافی کی خواستگاری کروں گا۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:325 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا خوشی میں بیٹوں سے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق ایک سانس میں کئی سوال کرنا

حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق خبر پائی تو خوشی میں آ کر اپنے بیٹوں سے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق ایک سانس میں کئی سوال کر ڈالے کہ یوسف (علیہ السلام) کو کہاں دیکھا، کہیں راہ جاتے مل گیا کیسے مل گیا وغیرہ۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

آپ (حضرت یعقوب علیہ السلام) نے پوچھا:

(حضرت) یوسف (علیہ السلام) کو کہاں دیکھا کیا کہیں راہ جاتے مل گیا کیسے مل گیا کیسے پہچانا کیسی حالت کیسا لباس تھا تم ساتھ لے کر کیوں نہ آ گئے انتہائی خوشی کے عالم میں آپ علیہ السلام نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13،ص:157 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یعقوب علیہ السلام اور اہل وعیال کی حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف روانگی

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب خوش خبری دینے والے کو حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف بھیجا تو آپ علیہ السلام نے اس وقت دو سواریاں اور کثیر سامان بھیجا تا کہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو لے آئیں پھر جب خوش خبری حضرت یعقوب علیہ السلام نے سن لی تو مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے خوش خبری دینے والے کے ساتھ حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف دو سواریاں اور کثیر سامان بھیجا تا کہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام، آپ علیہ السلام کی ازواج اور آپ علیہ السلام کی اولاد کو لے آئیں پس جب حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے اہل واولاد کے ساتھ مصر کی طرف روانہ ہوئے تو مردوں اور عورتوں کی کل تعداد بہتر تھی۔

حضرت مسروق فرماتے ہیں۔

وہ ترانوے تھے۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:325 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

فرقد السنجی بیان کرتے ہیں کہ

جب حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر قمیص ڈالی گئی تو ان کی آنکھیں روشن ہو گئیں اور انہیں بتایا کہ حضرت یوسف

علیہ السلام نے ان سب کو بلایا ہے۔ پھر حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی مصر کی طرف روانہ ہوئے۔

(الجامع البیان: رقم الحدیث: 15151 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی روانگی کے وقت اہل وعیال کی تعداد

جب حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف روانہ ہوئے تو اس وقت آپ علیہ السلام کے اہل عیال کی تعداد ایک قول کے مطابق بہتر (72) اور ایک قول کے مطابق ترانوے (93) تھی۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے اہل واولاد کے ساتھ مصر کی طرف روانہ ہوئے تو مردوں اور عورتوں کی کل تعداد بہتر (72) تھی۔

حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ

وہ ترانوے تھے۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:325 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کی مصر سے خروج کے وقت تعداد چھ لاکھ تھی

جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد مصر میں داخل ہوئی تو اس وقت بہتر (72) تھی اور جب آپ علیہ السلام کی اولاد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مصر سے نکلی اس وقت تعداد چھ لاکھ تھی۔

حضرت ربیع بن انس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

جب حضرت یعقوب علیہ السلام مصر گئے تھے تو ان کے بیٹوں، پوتوں اور پڑپوتوں کی تعداد بہتر تھی پھر جب ان کی اولاد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مصر سے نکلی تو اس وقت ان کی تعداد چھ لاکھ تھی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:7، رقم الحدیث: 11988)

حضرت یوسف علیہ السلام کا حضرت یعقوب علیہ السلام کے استقبال کے لئے روانہ ہونا

حضرت یعقوب علیہ السلام جب مصر کے قریب پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام اور بادشاہ چار ہزار لشکریوں کے ساتھ حضرت یعقوب علیہ السلام کے استقبال کے لئے روانہ ہو گئے۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ

جب حضرت یعقوب علیہ السلام مصر کے قریب پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے سے اوپر والے بادشاہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی آمد کی بات کی تو حضرت یوسف علیہ السلام اور بادشاہ چار ہزار لشکیوں کے ساتھ استقبال کے لئے

روانہ ہوئے اور اس کے علاوہ اہل مصر بھی ان کے ساتھ تھے۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:325 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام مصر کے قریب پہنچ گئے ہیں تو آپ علیہ السلام ان کے استقبال کے لئے شہر سے باہر آئے اور آپ علیہ السلام کے ساتھ مصر کے تمام سردار اور معزز لوگ تھے۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 15151 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا ایک دن پہلے مصر سے باہر شاہی دروازے سے استقبال کے لئے نکلنا

حضرت یوسف علیہ السلام ایک دن پہلے دربار مصر سے باہر شہر کے شاہی دروازے کے باہر نکل آئے تھے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

روایتوں میں ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام ایک دن پہلے دربار مصر سے باہر شہر کے شاہی دروازے کے باہر نکل آئے تھے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13،ص:166 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کا چار ہزار فوجیوں کے ساتھ استقبال کرنا

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد محترم حضرت یعقوب علیہ السلام کا استقبال چار ہزار فوجیوں کے ساتھ کیا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ

جب حضرت یعقوب علیہ السلام مصر کے قریب پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے سے اوپر والے بادشاہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی آمد کی بات کی تو حضرت یوسف علیہ السلام اور بادشاہ چار ہزار لشکریوں کے ساتھ استقبال کے لئے نکلے اور اس کے علاوہ اہل مصر بھی ان کے ساتھ تھے۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:325 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

روایتوں میں ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام ایک دن پہلے دربار مصر سے باہر شہر کے شاہی دروازے کے باہر نکل آئے تھے اور چار ہزار فوج اور بادشاہ نہایت سجے ہوئے اونٹ، گھوڑے، جھنڈے لے کر خیمہ لگا کر استقبال کے لئے جمع ہو گئے تھے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13،ص:166 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہودا سے جلوس بادشاہ مصر کے متعلق پوچھنا

جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ گھوڑوں پر سوار سرداروں اور معزز لوگوں کو دیکھا تو پوچھا یہ مصر کا بادشاہ ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ گھوڑوں پر سوار سرداروں اور معززین کو دیکھا۔

تو یہودا سے پوچھا:

کیا یہ مصر کا بادشاہ ہے۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 15151 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ

وہ تمام حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے آئے جبکہ آپ علیہ السلام یہودا کے سہارے چل رہے تھے۔

آپ علیہ السلام نے گھوڑوں اور لوگوں کی کثیر تعداد دیکھی۔

تو پوچھا:

اس شان و شوکت کے ساتھ یہ فرعون مصر آرہا ہے۔

(معالم التنزیل: ج: 3، ص: 325 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے۔

جب حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے پورے کنبے کے ساتھ جو تقریباً بہتر افراد تھے حدود مصر میں داخل ہوئے تو حضرت یوسف علیہ السلام تین میل مزید آگے تشریف لائے حضرت یعقوب (علیہ السلام) یہودا کا ہاتھ پکڑ کر چل رہے تھے۔

(حضرت یعقوب علیہ السلام نے) پوچھا:

اے یہودا یہ جلوس کیسا ہے یہ صحرا لوگوں سے کیوں بھرا پڑا ہے کیا یہ مصر کا لشکر ہے۔ اس زمانے میں مصریوں کے ظلم سے اردگرد اور کنعان کے لوگ مصر میں نہ آتے۔

(تفسیر نعیمی: ج: 13، ص: 167 نعیمی کتب خانہ لاہور)

یہودا کا حضرت یعقوب علیہ السلام کو جواب دینا کہ یہ آپ علیہ السلام کا بیٹا اور ان کی فوج ہے

جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے کثیر لوگوں کا جلوس دیکھ کر حضرت یوسف علیہ السلام سے پوچھا کہ اے یہودا یہ مصر کا بادشاہ ہے تو یہودا نے کہا یہ آپ علیہ السلام کا بیٹا اور ان کی فوج ہے اور آپ علیہ السلام کے استقبال کے لئے شہر سے باہر آئے ہیں۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہودا سے پوچھا:

کیا یہ مصر کا بادشاہ ہے۔

اس نے کہا:

نہیں یہ آپ علیہ السلام کا بیٹا (حضرت یوسف علیہ السلام) ہے۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 15151 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ

آپ علیہ السلام (حضرت یعقوب علیہ السلام) نے گھوڑوں اور لوگوں کی کثیر تعداد دیکھی۔

تو یہودا سے پوچھا:

اس شان وشوکت کے ساتھ یہ فرعون مصر آرہا ہے۔

اس نے کہا:

یہ آپ علیہ السلام کا بیٹا ہے۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:325 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے۔

(حضرت یعقوب علیہ السلام نے) پوچھا:

اے یہودا یہ جلوس کیسا ہے یہ صحرا لوگوں سے کیوں بھرا پڑا ہے۔ کیا یہ فرعون مصر کا لشکر ہے۔

عرض کیا۔

اے ابا جان یہ آپ علیہ السلام کے بیٹے، حضرت یوسف علیہ السلام کے بیٹے، یوسف علیہ السلام کے غلام اور فوج ہے۔

آپ علیہ السلام کے استقبال کے لئے شہر سے باہر آئے ہیں۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:167 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا جواب یہودا سن کر حیران ہونا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کا آنا

حضرت یعقوب علیہ السلام کو جب یہودا نے یہ کہا کہ یہ آپ علیہ السلام کے بیٹے، حضرت یوسف علیہ السلام کے غلام اور فوج اور آپ علیہ السلام کے استقبال کے لئے شہر سے باہر آئے ہیں تو حضرت یعقوب علیہ السلام حیران ہو ہی رہے تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا کہ اے اللہ تعالیٰ کے نبی آپ علیہ السلام زمین کی فوج کو دیکھ کر حیران ہو رہے ہیں ذرا آسمانی فرشتوں سے بھری ہوئی ملائکہ کی قطاریں بھی ملاحظہ فرمائیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

(حضرت یعقوب علیہ السلام) نے پوچھا:

اے یہودا یہ جلوس کیسا ہے یہ صحرا لوگوں سے کیوں بھرا پڑا ہے کیا یہ فرعون مصر کا لشکر ہے۔

عرض کیا۔

اے ابا جان! یہ آپ علیہ السلام کے بیٹے یوسف (علیہ السلام) کے غلام اور فوج ہے۔ آپ (علیہ السلام) کے استقبال

کے لئے شہر سے باہر آئے ہیں ابھی حضرت یعقوب علیہ السلام یہ سن کر دیکھ کر حیران ہی ہو رہے تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر بارگاہ ہوئے۔

عرض کیا۔

اے اللہ عزوجل کے نبی! آپ علیہ السلام زمین کے فوجی جلوس کو دیکھ کر حیران ہو رہے ہیں ذرا نگاہ اٹھا کر دیکھئے فضائے آسمانی فرشتوں سے بھری ہے ملائکہ کی قطاریں اس جشن ملاقات میں شرکت کرنے کے لئے آئے ہیں یہ وہی ملائکہ ہیں جو آپ علیہ السلام کے غم میں آپ علیہ السلام کے ساتھ رویا کرتے تھے۔ آج خوشی میں بھی آپ علیہ السلام کے ساتھ شریک ہیں۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:167 نعیمی کتب خانہ لاہور)

جشن ملاقات میں فرشتوں کی شرکت

حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی آپس میں ملاقات کے وقت فرشتوں نے بھی شرکت فرمائی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر بارگاہ ہوئے۔

عرض کیا۔

اے اللہ تعالیٰ کے نبی آپ علیہ السلام زمین کے فوجی جلوس کو دیکھ کر حیران ہو رہے ہیں ذرا نگاہ اٹھا کر تو دیکھئے فضائے آسمانی فرشتوں سے بھری ہے ملائکہ کی قطاریں اس جشن ملاقات میں شرکت کرنے کے لئے آئے ہیں۔ یہ وہی ملائکہ ہیں جو آپ علیہ السلام کے غم میں آپ علیہ السلام کے ساتھ رویا کرتے تھے آج خوشی میں بھی آپ علیہ السلام کے ساتھ شریک ہیں۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:167 نعیمی کتب خانہ لاہور)

فرشتوں نے دو مقام پر قطاریں باندھ کر خوشی کا جلوس نکالا

فرشتوں نے دو مقام پر قطاریں باندھ کر خوشی کا جلوس نکالا۔ ایک حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی ملاقات کے وقت، دوسرا جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

ملائکہ آسمانی نے دو موقعہ پر زمین سے آسمانوں تک قطاریں باندھ کر خوشی کا جلوس نکالا۔

ایک یہ موقعہ ملاقات

اور دوسرا موقعہ جشن عید میلاد سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے تا فلک۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:167 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کو سلام کیا

حضرت یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ والد محترم کو پہلے سلام کروں مگر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کیا رب تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ والد محترم کی سلامتی کی دعائیں پہلے لو چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے پہلے سلام کیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام قریب ہوئے گھوڑے سے اترے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے پوچھا:

ان لوگوں میں میرا یوسف (علیہ السلام) کون ہے۔

یہودا نے جواب دیا۔

یہی جو سب سے عمدہ لباس میں ہے اور تاج شاہی پہنے ہوئے اور اس کے ساتھ دوسرے تاج میں بادشاہ مصر ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ پہلے سلام کریں مگر

حضرت جبرائیل امین (علیہ السلام) نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ

رب تعالیٰ کی مرضی ہے کہ والد ماجد کی سلامتی کی دعائیں پہلے لو۔

والد محترم نے سلام کیا بغل گیر ہوئے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13،ص:167 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

جب دونوں ملنے کے قریب ہوئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے سلام میں پہل کرنا چاہی تو ان کو منع کیا گیا۔

اور ان سے کہا گیا کہ

حضرت یعقوب علیہ السلام سلام کی ابتداء کرنے کے مستحق ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

تم پر سلام ہو! اے مجھ سے رنج و غم کو دور کرنے والے۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 15151 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہما السلام کے بغل گیر ہوتے وقت خوشی سے آنسو نکلنا

جب حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہما السلام آپس میں بغل گیر ہوئے تو خوشی سے دونوں کے آنسو جاری تھے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

والد محترم نے سلام کیا بغل گیر ہوئے دو طرفہ خوشی کے آنسو تھے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13،ص:167 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یعقوب علیہ السلام کے ملاقات کے وقت الفاظ سلام

حضرت یعقوب علیہ السلام جب حضرت یوسف علیہ السلام کو ملے تو فرمایا:

اے غموں کو دور کرنے والے تجھ پر ہمیشہ سلامتی ہو۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:
تم پر سلام ہو! اے مجھ سے رنج وغم کو دور کرنے والے۔
(جامع البیان: رقم الحدیث: 15151 مطبوعہ دار الفکر بیروت)
تفسیر نعیمی میں ہے۔
حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:
السلام علیك یایها الذاهب الاحزان .
اے غموں کو دور کرنے والے تجھ پر سدا سلامتی ہو۔
(تفسیر نعیمی: ج: 13، ص: 167 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کے جواباً الفاظ سلام

حضرت یوسف علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا اے فرحتوں والے تجھ پر سلام ہو۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
حضرت یوسف علیہ السلام نے جواباً عرض کیا۔
وعلیکم السلام یا ابا الفرحان .
اے فرحتوں والے تجھ پر سلام ہو۔
(تفسیر نعیمی: ج: 13، ص: 167 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کا حضرت یعقوب علیہ السلام و پورا خاندان سمیت شاہی خیمہ میں تشریف لانا

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کا استقبال کر لیا تو آپ علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام اور پورے خاندان کو شاہی خیمہ میں لے آئے جبکہ دوسرے لوگ دوسرے خیموں میں چلے گئے۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
وہاں سے واپسی ہوئی اور شاہی محل نما خیمہ میں تشریف لائے سب لوگ دیگر خیموں میں گئے اور حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والد محترم اور اپنی سوتیلی والدہ خالہ لیا کو بادشاہ مصر برادران یوسف بلکہ پورا کنبہ شاہی خیمہ میں تشریف فرما ہوئے۔
(تفسیر نعیمی: ج: 13، ص: 167 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام نے سب کو مصر میں رہنے کا فرمایا

جب حضرت یعقوب علیہ السلام و تمام کنبہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا آپ سب امن کے ساتھ مصر میں رہیں گے۔
قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ؈ (یوسف:99)

پھر جب وہ (سب) یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا ان شاء اللہ آپ سب امن کے ساتھ مصر میں رہیں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا حضرت یعقوب علیہ السلام سے رونے کی وجہ پوچھنا

جب دونوں باپ بیٹے آپس میں ملے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا اے میرے والد محترم! آپ علیہ السلام مجھ پر اس قدر روئے کہ اپنی آنکھیں بھی ضائع کر دیں کیا آپ علیہ السلام کو معلوم نہیں تھا قیامت کے دن ہم نے جمع ہونا ہے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا مجھے خوف تھا کہ کہیں تمہارا دین تجھ سے نہ چھن جائے اور یہی میرے اور تمہارے درمیان حائل نہ ہو جائے۔

امام ابوالحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا:

اے میرے والد محترم! آپ علیہ السلام مجھ پر اتنے روئے کہ آنکھیں بھی ضائع کر دیں کیا آپ علیہ السلام کو معلوم نہیں تھا کہ قیامت کے دن ہم نے جمع ہونا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

ہاں مجھے علم تھا اے میرے بیٹے لیکن مجھے یہ خوف تھا کہ کہیں تیرا دین تجھ سے نہ چھن جائے اور یہی چیز میرے اور تیرے درمیان حائل نہ ہو جائے۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:325 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا حضرت یوسف علیہ السلام سے بھائیوں کا کیا ہوا گزشتہ سلوک پوچھنا

جب حضرت یعقوب علیہ السلام اور تمام بیٹے جمع ہوئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام سے فرمایا کہ جو بھائیوں نے آپ (علیہ السلام) کے ساتھ سلوک کیا وہ بیان کرو تو حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کا کیا ہوا تمام سلوک بیان کیا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کو جمع فرمایا۔

تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا۔

آپ علیہ السلام مجھے وہ سب کچھ بیان کرو جو تمہارے بھائیوں نے تم سے کیا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے واقعہ بیان کرنا شروع کیا تو آپ علیہ السلام پر غشی طاری ہو گئی۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے والد محترم! جو کچھ انہوں نے میرے ساتھ کیا تھا اب اس کا بیان کرنا میرے لیے اس سے بھی مشکل ہے۔
حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:
تم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے کیے ہوئے پر معافی مانگنے سے ڈرتے ہو۔
بیٹوں نے کہا:
اے ہمارے والد محترم! آپ علیہ السلام ہمارے لیے استغفار فرمائیں اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہ عزت بخشی تھی کہ جب بھی وہ کوئی گزارش کرتے تھے اللہ تعالیٰ ان کی اس گزارش کو اسی دن یا دوسرے دن یا تیسرے دن ضرور شرف قبولیت عطا فرماتا تھا۔
حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:
جب سحری کا وقت ہو تو تم غسل کرنا پھر اچھا خوبصورت لباس پہن کر میرے پاس آجانا۔ بیٹوں نے یہ سب کچھ کیا اور سحری کے وقت آپ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام آگے کھڑے ہوئے ان کے پیچھے حضرت یوسف علیہ السلام کھڑے ہوئے اور باقی تمام حضرت یوسف علیہ السلام کے پیچھے کھڑے ہوئے سورج کے طلوع ہونے تک دعا مانگتے رہے لیکن توبہ نازل نہ ہوئی پھر دوسرے اور تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا۔ جب چوتھی رات تھی تو وہ سب سو گئے۔
تو حضرت یعقوب علیہ السلام ان کے پاس آئے اور ارشاد فرمایا:
اے بیٹو! تم سوئے ہوئے ہو جب کہ اللہ تعالیٰ تم سے ناراض ہے۔ اٹھو! حضرت یعقوب علیہ السلام کھڑے ہو گئے اور آپ علیہ السلام کے بیٹے بھی، بیس سال (20) تک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معافی طلب کرتے رہے پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ میں نے ان کی توبہ قبول فرمالی ہے۔
حضرت یعقوب علیہ السلام نے عرض کیا:
یارب عزوجل! نبوت بھی انہیں بخشی جائے۔
فرمایا:
میں نے نبیوں میں ان کا عہد لے لیا ہے۔
اور حضرت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ
حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:
میں تمہارے لیے اپنے رب عزوجل سے مغفرت طلب کروں گا۔
(جامع البیان: ج:13، ص:81 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کا مقصود

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:
حضرت ابوعمران الجونی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا واقعہ ہمارے سامنے اس لیے بیان نہیں کیا کہ وہ ان کو عار دلائے کیونکہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے تھے اور اہل جنت سے تھے بلکہ اس واقعہ کے بیان کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بندہ اس کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

(جامع البیان: ج:13، ص:91 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا حضرت یعقوب علیہ السلام اور والدہ کو تخت پر بٹھانا

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کریمین حضرت یعقوب علیہ السلام اور والدہ کو اپنے تخت پر بٹھایا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَى الْعَرْشِ (یوسف:100)

اور اس نے اپنے ماں باپ کو بلند تخت پر بٹھایا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ محترمہ تو وفات پا گئی تھیں پھر ان کو تخت پر کیسے بٹھایا

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ تو وفات پا گئی تھیں تو پھر ان کو تخت پر بٹھانے کا کیا مطلب ہے؟

اس کے چند جوابات ہیں۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

اس سے مراد آپ علیہ السلام کے والد محترم اور آپ علیہ السلام کی خالہ ہیں۔

(جامع البیان: رقم الحدیث:15154)

امام ابن ابی حاتم نے فرمایا ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ بنیامین کی ولادت کے وقت فوت ہوگئی تھیں اس لیے اس آیت میں ماں باپ سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے والد محترم اور آپ علیہ السلام کی خالہ ہیں۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کی خالہ سے نکاح کر چکے تھے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:7، ص:2201)

علامہ ابوعبداللہ قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں کہ

ایک قول یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کو زندہ کر دیا تھا تا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کریں اور حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر تحقیقی طور پر واقع ہو۔

قرآن مجید کی ظاہر آیت کے زیادہ موافق یہ ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کی ماں اوران کے والد محترم دونوں نے سجدہ کیا۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج: 9، ص: 230 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ محترمہ کو زندہ فرمادیا

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ محترمہ کو زندہ فرمادیا تھا اس بارے میں کئی اقوال ہیں۔

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ابویہ سے مراد آپ علیہ السلام کے ماں باپ ہیں اور وہ اس وقت زندہ تھی۔

اور تفاسیر میں ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی والدہ کو زندہ فرمایا تھا حتیٰ کہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ مصر آئی تھی۔

(معالم التنزیل: ج: 3، ص: 325 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابوعبداللہ قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کو زندہ فرمادیا تھا تا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کریں اور حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر تحقیقی طور پر واقع ہو۔

قرآن مجید کی ظاہر آیت کے زیادہ موافق یہ ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ محترمہ اور آپ علیہ السلام کے والد محترم دونوں نے سجدہ کیا۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج: 9، ص: 230 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے۔

ایک قول ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے اس موقعۂ ملاقات کے لئے زندہ فرمادیا تھا۔

واللہ اعلم بالصواب۔

(تفسیر نعیمی: ج: 13، ص: 167 نعیمی کتب خانہ لاہور)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا والدین کریمین کو زندہ فرمانا اور ایمان لانا

جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی والدہ محترمہ کو زندہ فرمایا تھا اسی طرح ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے والدین کریمین کو زندہ فرمایا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔ اس بارے میں کئی دلائل ہیں۔

علامہ ابوعبداللہ قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو بھی زندہ کر دیا تھا اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے

تھے۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج: 2، ص: 89 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ قرطبی نے التذکرہ میں لکھا ہے۔

امام ابوبکر احمد بن علی الخطیب نے اپنی کتاب السابق واللاحق میں اور امام ابوحفص عمر بن شاہین متوفی 385ھ نے الناسخ والمنسوخ میں دونوں نے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے کہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں حج کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو ساتھ لے کر عقبۃ الحجون کے پاس سے گزرے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم غم زدہ تھے اور رو رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روتا ہوا دیکھ کر میں بھی رونے لگی۔

میں نے عرض کیا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ فدا ہوں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے حمیرا ٹھہر جاؤ۔ میں نے اونٹ کے پہلو سے ٹیک لگالی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کافی دیر تک کھڑے رہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوشی سے مسکرا رہے تھے۔

میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ فدا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت غمگین تھے اور رو رہے تھے۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روتا دیکھ کر رونے لگی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوشی سے مسکرا رہے تھے۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا کیا سبب ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں اپنی ماں حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی قبر کے پاس سے گزرا میں نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا کہ اس کو زندہ کر دے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ فرمادیا پھر وہ مجھ پر ایمان لے آئیں۔

یا ارشاد فرمایا:

پھر وہ ایمان لے آئیں پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو اسی طرح لوٹا دیا۔

(الناسخ والمنسوخ: ص: 284، رقم الحدیث: 630 مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

یہ خطیب کی روایت کے الفاظ ہیں۔

اور امام سہیلی نے الروض الانف میں اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ماں اور باپ دونوں کو زندہ کیا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔

علامہ عبدالرحمٰن سہیلی متوفی 581ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل سے یہ دعا کی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کردے تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے (اکرام) سے ان کو زندہ کردیا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری کردی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کی رحمت اور قدرت کسی چیز سے عاجز نہیں ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے اہل ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے اپنے فضل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصیت عطا فرمائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت کی وجہ سے جو چاہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر انعام فرمائے۔

صلوات اللہ علیہ و آلہ وسلم ۔

(روض الانف: ج: 1، ص: 299 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ قرطبی فرماتے ہیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ

حدیث صحیح میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے استغفار کی اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کی اجازت نہیں دی گئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

الحمد للہ ان میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ استغفار سے ممانعت پہلے کا واقعہ ہے اور والدین کریمین کو زندہ کرنے کا واقعہ بعد کا ہے۔

امام ابن شاہین نے الناسخ والمنسوخ میں اسی طرح تحقیق کی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا باپ کون ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دوزخ میں۔

جب وہ واپس جانے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلا کر ارشاد فرمایا:

میرا باپ اور تمہارا باپ دوزخ میں ہیں۔

اس حدیث میں باپ سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب ہیں۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 347)

ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو زندہ کرنے کے متعلق جو حدیث مبارکہ ہے وہ موضوع ہے اور وہ قرآن مجید

اور اجماع کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَ لَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ○ (النساء:18)

اوران لوگوں کی توبہ (مقبول) نہیں ہے جو مسلسل گناہ کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی شخص کو موت آئے اور وہ کہے کہ میں نے اب توبہ کی اور نہ ان کی (توبہ مقبول) ہے جو کفر کی حالت میں مرجاتے ہیں۔ پس جو شخص کفر کی حالت میں مرگیا اس کو حشر میں ایمان نفع نہیں دے گا بلکہ عذاب کے مشاہدہ کے وقت بھی اس کو ایمان نفع نہیں دیتا تو دوبارہ زندہ کرنے پر ایمان کیسے نفع دے گا۔

حافظ ابوالخطاب عمر بن دحیہ نے کہا ہے کہ

اس پر یہ اعتراض ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل تسلسل اور تواتر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک ثابت ہوتے رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کرنا اور ان کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کے قبیل سے ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کا زندہ کرنا عقلاً اور شرعاً محال نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے کہ بنو اسرائیل کا مقتول زندہ کیا گیا اور اس نے اپنے قاتل کی خبر دی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے اسی طرح ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زندہ کیا اور جب ان کا زندہ ہونا محال نہیں ہے تو زندہ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے میں کیا چیز مانع ہے؟ اور سورہ نساء کی آیت (18) اٹھارہ سے جو استدلال کیا گیا ہے کہ جو کفر پر مرے اس کو ایمان نفع نہیں دیتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سورج کا غروب ہونے کے بعد طلوع ہونا ثابت ہے۔

اس کو امام ابوجعفر طحاوی نے ذکر کیا ہے۔

تو اگر سورج کا غروب ہونے کے بعد طلوع ہونا نافع نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ سورج کو نہ لوٹاتا اسی طرح اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو زندہ کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے کے لئے نفع بخش نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کو زندہ نہ فرماتا، حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے عذاب کے آثار دیکھ لیے تھے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کو قبول کرلیا اور ظاہر قرآن میں بھی اسی طرح ہے۔

اور جس طرح قرآن مجید میں ہے:

لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ (البقرہ:162)

کفار کے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی۔

اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ ابولہب اور ابوطالب کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی تو اس آیت کے عموم میں

تخصیص کی گئی ہے، اسی طرح مذکورالصدر دلائل کی بناء پر النساء (18) اٹھارہ میں بھی تخصیص کی جائے گی۔

اور اس کا یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ

والدین کریمین کا زندہ کیا جانا اور ان کا ایمان لانا پہلے کا واقعہ ہے اور یہ آیت بعد میں نازل ہوئی ہے۔

(التذکرہ: ج:1، ص:35 تا 37 مطبوعہ دارالبخاری المدینۃ المنورہ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ فرماتے ہیں۔

والدین کریمین کے ایمان لانے پر مجھے دلیل یہ ملی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اصحاب الکہف امام مہدی کے مددگار ہوں گے۔

امام ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ

اصحاب کہف اپنی موت کے بعد پھر زندہ کیے جائیں گے اور اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے لئے ایک عمر لکھ دی ہو پھر ان کی عمر پوری ہونے سے پہلے ان کی روحوں کو قبض کر لیا ہو پھر ان کو وفات کے بعد زندہ کر کے بقیہ زندگی عطا فرمائی ہو اور وہ اس زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے ہوں پھر ان کی زندگی پوری ہونے کے بعد پھر ان پر وفات طاری کر دی ہو جیسا کہ اصحاب کہف کے ساتھ ہوا اور دو موتوں کے درمیان جوان کو حیات عطا فرمائی یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کی وجہ سے ہو۔

حافظ فتح الدین سید الناس نے اپنی سیرت میں امام ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ

حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب اور حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین اسلام لائے اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد کریم کے متعلق بھی ایسی ہی روایت ہے اور یہ امام احمد کی اس روایت کے خلاف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا تمہاری ماں دوزخ میں ہے پھر جب اس نے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گزرے ہوئے گھر والے کہاں ہیں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہاری ماں میری ماں کے ساتھ ہو۔

ان روایات میں تطبیق اس طرح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تدریجاً کمالات اور فضائل کیے جاتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو یہ مقام حاصل نہ ہو اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کر کے یہ مقام عطا فرمایا ہو۔

(التعظیم والمنۃ: ص:20، 21 مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن)

صحیح یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین غیر معذب تھے کیونکہ وہ اہل فترت میں سے تھے۔

حافظ ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بنت رہم کی ماں سے روایت کیا ہے کہ جس بیماری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فوت ہوئیں اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پانچ سال تھی تو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ کر چند اشعار کہے۔

ان میں سے بعض یہ ہیں۔

فانت مبعوث الی الانام

من عندی الجلال والاکرام

دین ابیك ابر ابراهام

فالله اعناك عن الاصنام

آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی طرف مبعوث ہونے والے ہیں

رب ذوالجلال والاکرام کی جانب سے

اپنے نیک باپ ابراہیم (علیہ السلام) کے دین پر ہیں

پس اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بت پرستی سے منع کیا ہے۔

(التعظیم والمنۃ :ص:18 مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن)

حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے موحدہ ہونے کا قول کیونکر درست ہوسکتا ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے لئے استغفار کرنے کی اجازت نہیں دی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملیکہ کے دو بیٹوں سے فرمایا۔

میری ماں تمہاری ماں کے ساتھ دوزخ میں ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پہلے کا واقعہ ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ وحی نہیں کی گئی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین اہل جنت سے ہیں۔

اس کی نظیر یہ ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تبع کے متعلق فرمایا تھا میں نہیں جانتا وہ مومن تھا یا نہیں۔

(الناسخ والمنسوخ: رقم الحدیث: 631)

پھر اس کے متعلق فرمایا:

تبع کو برا نہ کہو وہ مسلمان ہو چکا تھا۔

(الناسخ والمنسوخ: رقم الحدیث: 632،633)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق پہلے سوال نہیں کیا تھا اور جاہلیت کے لوگوں کے متعلق عام قاعدہ ہے کہ وہ دوزخی ہیں اس اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میری ماں تمہاری ماں کے ساتھ دوزخ میں ہے اور بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی ان کے جنتی ہونے کے متعلق بتایا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے لئے استغفار کی اجازت نہیں دی گئی تھی اس سے ان کا کفر لازم نہیں آتا۔

اس کی نظیر یہ ہے کہ

پہلے جو مسلمان مقروض مرجاتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی فی الفور مغفرت ہو جائے اور مقروض کی اس وقت تک مغفرت نہیں ہوتی جب تک اس کا قرض ادا نہ کر دیا جائے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کو بھی برزخ میں جنت سے روک لیا گیا تھا اس کی وجہ کفر کے علاوہ دوسرے امور تھے۔ اس وجہ سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے لئے استغفار کی اجازت نہیں تھی حتیٰ کہ بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے لئے استغفار کی اجازت دے دی اور ان دونوں حدیثوں کا یہ جواب بھی دیا جاسکتا ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا موحدہ تھیں لیکن ابھی تک ان کو قیامت اور مرنے کے بعد اٹھنے کا علم نہیں تھا اور نہ اس پر ایمان تھا اور یہ اسلام کا بہت بڑا اصول ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا تھا حتیٰ کہ وہ قیامت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے تمام اصول اور مبادی پر ایمان لائیں اس لیے ان کے زندہ کرنے کے معاملہ کو حجۃ الوداع تک مؤخر کیا گیا حتیٰ کہ شریعت مکمل ہوگئی۔

اور یہ آیت کریمہ نازل ہوگئی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ

پھر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو زندہ کیا گیا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل شریعت پر ایمان لائیں۔

(التعظیم والمنۃ: ص:20، 21 مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن)

حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

میں نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی امہات پر غور کیا تو وہ سب مومنات ہیں تو ضروری ہوا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ بھی مومنہ ہوں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا ہیں اور وہ نص قرآن سے صدیقہ ہیں۔

وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ (المائدہ:75)

اور عیسیٰ کی ماں صدیقہ ہیں۔

اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی والدہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا ہیں ان کا بھی قرآن مجید میں ذکر ہے۔

فرشتوں نے ان سے کہا۔

اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ (ہود:73)

کیا آپ اللہ کی قدرت پر تعجب کر رہی ہیں! اے اس گھر کے لوگو! تم پر اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی ماں کا بھی قرآن مجید میں ذکر ہے۔

وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوْسٰۤى (القصص:7)

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کی۔

اور حضرت شیث علیہ السلام کی ماں حضرت حوا ام البشر ہیں

اور احادیث اور آثار میں وارد ہے کہ
حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ محترمہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا مومنہ تھیں اور حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد کی ماں مومنہ تھیں۔

اور حضرت داؤد علیہ السلام
حضرت سلیمان علیہ السلام
حضرت زکریا علیہ السلام
حضرت یحییٰ علیہ السلام
حضرت شمویل علیہ السلام
حضرت شمعون
حضرت ذوالکفل علیہ السلام
کی والدہ مومنہ تھیں۔

اور بعض مفسرین نے تصریح کی ہے کہ
حضرت نوح علیہ السلام کی والدہ مومنہ تھیں کیونکہ قرآن مجید میں ہے حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے والدین کے لیے دعا کی۔

رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ (نوح:28)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ
حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت آدم علیہ السلام تک ان کے آباء میں سے کسی نے کفر نہیں کیا۔
امام حاکم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ
دس کے سوا تمام انبیاء کرام علیہم السلام بنو اسرائیل سے تھے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام
حضرت نوح علیہ السلام
حضرت ھود علیہ السلام
حضرت صالح علیہ السلام
حضرت لوط علیہ السلام
حضرت شعیب علیہ السلام
حضرت ابراہیم علیہ السلام
حضرت اسماعیل علیہ السلام
حضرت اسحاق علیہ السلام

اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ان سب انبیاء کرام علیہم السلام کے سب آباء کرام مومن تھے ان میں سے کوئی کافر نہ تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا پس جس نے ان کے ساتھ کفر کیا اس نے کفر کیا۔

(تاریخ دمشق الکبیر: ج:67، ص:121، ص:237 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

پس بنو اسرائیل کے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی مائیں مومنات ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد امتوں میں کسی کو مبعوث نہیں کیا گیا اور رہے دس (10) انبیاء کرام علیہم السلام تو حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی ماں کا ایمان ثابت ہے اور حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ماں کے ایمان کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ دونوں نے اپنے والدین کریمین کی مغفرت کی دعا کی ہے۔ اب حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کی ماؤں کا ذکر رہ گیا اور ان کے ایمان کا ثبوت کسی نقل یا دلیل کا محتاج ہے اور ظاہر یہ ہے کہ وہ بھی مومنات ہیں اور جب سب انبیاء کرام علیہم السلام کی مائیں مومنات ہیں تو سید الانبیاء اور افضل الانبیاء کی ماں (حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا) مومنہ کیوں نہیں ہوں گی۔

(التعظیم والمنۃ: ص:21 تا 22 مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن)

حافظ سیوطی متوفی 911ھ فرماتے ہیں کہ

صحیحین میں ثابت ہے کہ

مرنے کے بعد ابولہب کو خواب میں دیکھا گیا۔

تو اس نے کہا:

میں نے تمہارے بعد کوئی خیر نہیں دیکھی سوا اس کے کہ ثویبہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے مجھے اس انگلی سے پلایا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:5101)

اور ثویبہ ابولہب کی باندی تھی۔ ابولہب نے اس کو آزاد کر دیا تھا اور اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا اور اس وجہ سے ابولہب کو دوزخ کے عذاب سے تخفیف ملی اور اس کی انگلی سے اس کو پلایا گیا۔ حالانکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید عداوت رکھتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تکلیفیں پہنچائی ہیں اور اس کے عذاب سے صرف اس وجہ سے تخفیف کی گئی کہ اس نے ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا تو تمہارا اس مقدس خاتون کے متعلق کیا گمان ہے جنہوں نے نو مہینے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیٹ میں رکھا کئی دنوں تک اپنا دودھ پلایا اور کئی سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کی اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ تھیں۔

(التعظیم والمنۃ: ص:23 مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن)

امام ابن عبد البر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین کی اولاد کے متعلق پوچھا:

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ اپنے آباء کے ساتھ ہوں گے۔

پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بعد سوال کیا۔
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے وہ کیسے اعمال کرنے والے تھے پھر میں نے اسلام کے مستحکم ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ج (الانعام:164)
کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
وہ فطرت (اسلام) پر ہیں اور وہ جنت میں ہیں۔
(الاستذکار: ج:8، ص: 401، رقم الحدیث: 12099.1 مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)
اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین کے متعلق پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔
وہ دوزخی ہیں۔
اس کے بعد جب فرمایا کہ
کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور وہ جنتی ہیں۔
تو اس سے وہ پہلی احادیث منسوخ ہو گئیں، اس طرح والدین کریمین کے متعلق جو پہلے فرمایا تھا وہ دوزخی ہیں وہ حجۃ الوداع کے موقع پر انہیں زندہ کرنے اور ان کے ایمان لانے کی حدیث سے منسوخ ہو گئیں۔
(التعظیم والمنۃ: ص: 24، 25 مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ مطبوعہ حیدر آباد دکن)
حافظ سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:
امام بزار نے اور امام حاکم نے سند کی صحت کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ورقہ بن نوفل کو برا نہ کہو کیونکہ میں نے اس کے لئے ایک جنت یا دو جنتیں دیکھی ہیں۔
(مسند البزار: رقم الحدیث: 2751) (کنز العمال: رقم الحدیث: 34076)
امام بزار نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ
ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زید بن عمرو بن نفیل کے متعلق سوال کیا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ زمانہ جاہلیت میں قبلہ کی طرف منہ کرتا تھا۔
اور کہتا تھا کہ
میرا دین ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے اور میرا خدا ابراہیم کا خدا ہے اور سجدہ کرتا تھا۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کا اس ایک امت میں حشر کیا جائے گا جو میرے اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے درمیان ہے۔

(دلائل النبوۃ: رقم الحدیث: 4673 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

(کنز العمال: رقم الحدیث: 37860)

امام ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

قیس بن ساعدہ عکاظ کے بازار میں اپنی قوم کو خطبہ دے رہے تھے انہوں نے اپنے خطبہ میں مکہ مکرمہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

اس طرف تمہارے پاس حق آئے گا۔

اور کہا:

وہ لوئی بن غالب کے نسب سے ایک شخص ہوگا جو تمہیں کلمہ اخلاص اور ابدی نجات اور نعمتوں کی دعوت دے گا، تم اس کی دعوت کو قبول کرنا اور اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں ان کی بعثت تک زندہ رہوں گا تو میں ان کی دعوت کو قبول کرنے میں سبقت کرتا۔

امام ابونعیم نے عمرو بن عبسہ سلمی سے روایت کیا ہے کہ

انہوں نے کہا:

مجھے یقین ہے کہ میری قوم باطل پر ہے اور وہ پتھروں کی عبادت کرتے ہیں۔

امام خرائطی اور امام ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ

اوس بن حارثہ دعوت حق کا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر کرتے تھے اور انہوں نے اپنی اولاد کو اس کی وصیت کی تھی۔

حضرت غالب بن ابجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قیس کا ذکر کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ قیس پر رحم فرمائے۔

(معجم الکبیر: ج:18، ص:265، رقم الحدیث:663)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ ہمارے باپ اسماعیل بن ابراہیم (علیہما السلام) کے دین پر تھے یہ سب لوگ زمانہ جاہلیت میں دین ابراہیم پر تھے اور مؤحد اور یہ سب غیر معذب اور جنتی ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین بھی اسی طرح ہیں۔

(التعظیم والمنۃ: ص:44، 45 مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی 1014ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی روئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گرد کے مسلمانوں کو بھی رلایا۔

اور ارشاد فرمایا:

میں نے اپنی والدہ کے استغفار کے لئے اپنے رب عزوجل سے اجازت طلب کی تو مجھے اجازت نہیں دی گئی پھر میں نے یہ اجازت طلب کی کہ میں ان کی قبر کی زیارت کروں تو مجھے اس کی اجازت دے دی گئی سو تم قبروں کی زیارت کیا کرو یہ موت کو یاد دلاتی ہیں۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 976)

امام ابن جوزی نے کتاب الوفا میں ذکر کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے والد (رضی اللہ عنہ) کی وفات کے بعد اپنی والدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چھ سال کی ہوئی تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ماموؤں کے پاس بنی عدی بن النجار کے پاس مدینہ منورہ میں لے گئیں۔ آپ (رضی اللہ عنہا) ان کی زیارت کے لئے گئیں پھر آپ (رضی اللہ عنہا) مکہ مکرمہ روانہ ہوئیں جب آپ (رضی اللہ عنہا) مقام الابواء پر پہنچیں تو آپ (رضی اللہ عنہا) وصال فرما گئیں۔ آپ (رضی اللہ عنہا) کی قبر وہیں پر ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو مقام الابواء میں آپ (رضی اللہ عنہا) کی قبر کی زیارت کی۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر فرمایا:

میں نے اپنے رب عزوجل سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی تھی تو مجھے اجازت دے دی اور میں نے ان کے لئے استغفار کی اجازت طلب کی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْۤا اُولِيْ قُرْبٰى (التوبۃ:113)

”نبی اور ایمان والوں کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لئے استغفار کریں خواہ وہ ان کے رشتہ دار ہوں۔“

علامہ ابن حجر مکی نے بہت عجیب بات کہی کہ شاید حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے لئے استغفار کی اجازت نہ دینے کی حکمت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نعمت کو مکمل کیا جائے کہ اس واقعہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو زندہ کیا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اکابر مومنین سے ہو جائیں یا ان کے زندہ کرنے اور ان کے ایمان لانے تک ان کے لئے استغفار کی اجازت کو مؤخر کیا تا کہ وہ اس وقت استغفار کامل کی مستحق ہو جائیں۔ (علامہ ابن حجر مکی کی عبارت ختم ہوئی)

اس عبارت پر یہ اعتراض ہے کہ

وہ ایمان لانے سے پہلے مطلقاً استغفار کی مستحق نہیں تھیں۔

پھر جمہور کا مؤقف یہ ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کفر پر مرے (العیاذ باللہ)
اور جو احادیث ان کے متعلق وارد ہیں ان میں صحیح ترین حدیث صحیح مسلم کی حدیث ہے۔
اور علامہ ابن حجر کا یہ کہنا کہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کرنے کی حدیث صحیح ہے۔
اور جن علماء نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے ان میں امام قرطبی ہیں اور الحافظ محمد بن ناصر الدین ہیں سو اگر اس حدیث کو صحیح مان بھی لیا جائے تو یہ حدیث اس کی صلاحیت نہیں رکھتی کہ وہ صحیح مسلم کی اس حدیث کے معارض ہو سکے۔ علاوہ ازیں حفاظ نے اس حدیث کی سند پر طعن کیا ہے اور ان کے ایمان لانے کے جواب سے یہ چیز مانع ہے کہ موت کے بعد ایمان لانا اجماعاً غیر مقبول ہے جیسا کہ اس پر کتاب اور سنت کے دلائل ہیں اور مکلف سے جو ایمان مطلوب ہے وہ ایمان غیبی ہے۔
اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔
وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (الانعام:28)
اور اگر ان (کافروں) کو دنیا کی طرف لوٹا دیا جائے تو وہ پھر دنیا میں وہی کریں گے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا۔
بعض علماء کرام نے یہ کہا ہے کہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اہل فترت میں سے تھے (یعنی اس دور کے لوگوں میں سے تھے جس کے لیے کسی نبی کی بعثت نہیں تھی اور وہ کسی حکم شرعی کے مکلف نہیں تھے) اور اہل فترت پر عذاب نہیں ہوتا، سو صحیح مسلم کی اس حدیث سے ان کا بھی رد ہو جاتا ہے۔
(مرقات: ج:4، ص:113 مطبوعہ مکتب امدادیہ ملتان)
امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:
انبیاء کرام علیہم السلام کے آباء کرام کافر نہ تھے۔ اس کے متعدد دلائل ہیں۔
پہلی دلیل یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
الَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ○ وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ ○ (الشعراء:218، 219)
کہا گیا ہے کہ اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ
آپ کی روح ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف منتقل ہو رہی تھی سو اسی تقدیر پر یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء کرام مسلمان تھے اور اس وقت یہ قطعی طور پر ثابت ہوگا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کافر نہ تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ
وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ کی اور بھی تفسیریں ہیں۔
ان میں سے ایک یہ ہے کہ
جب تہجد کی فرضیت منسوخ ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اپنے اصحاب کرام کے گھروں میں تفتیش کرتے

کہ وہ اپنے گھروں میں کیا کر رہے ہیں کیونکہ آپ کو اس پر شدید حرص تھی کہ وہ اس کے بعد رات کو عبادت کرتے رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ان کے گھروں سے اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کی ہلکی ہلکی آوازیں آ رہی تھیں اس اعتبار سے وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ کا معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے قیام کو دیکھتا ہے اور ساجدین میں آپ کے طواف کرنے اور گھومنے کو دیکھتا ہے۔

اور اس کا دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ

جب آپ لوگوں کو نماز پڑھاتے ہیں تو وہ آپ کو دیکھتا رہتا ہے۔

اور اس کا تیسرا معنیٰ یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال مخفی نہیں ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے ہیں اور ساجدین کے دینی مسائل اور معاملات میں مشغول ہوتے ہیں تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا رہتا ہے۔

اور اس کا چوتھا معنیٰ یہ ہے کہ

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نظر کو حرکت دے کر اپنے پیچھے سے نمازیوں کو دیکھتے ہیں تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا رہتا ہے۔

کیونکہ حدیث مبارکہ میں ہے:

اپنا اپنا رکوع اور سجود پورا پورا کیا کرو کیونکہ میں تم کو اپنے پس پشت بھی دیکھتا ہوں پس ہر چند کہ اس آیت مبارکہ میں ان چاروں تفسیروں کا بھی احتمال ہے مگر ہم نے جس تفسیر کا ذکر کیا ہے اس کا بھی اس تفسیر میں احتمال ہے اور ہر تفسیر کے متعلق احادیث وارد ہیں اور ان تفسیروں کے درمیان کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے پس اس آیت کو ان تمام تفسیروں پر محمول کرنا واجب ہے اور جب یہ صحیح ہے تو ثابت ہو گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد بت پرستوں میں سے نہ تھے۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء مشرک نہ تھے۔

اس پر دوسری دلیل یہ ہے کہ

حدیث مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ

میں ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا ہوں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ (التوبہ:28)

بے شک مشرکین نجس ہیں۔

یعنی بالکل پاک نہیں ہیں۔ پس اس سے واضح ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد میں سے کوئی بھی مشرک نہیں ہے۔

(اسرار التنزیل وانوار التنزیل: ص: 267، 268 مطبوعہ دار الکتب والوثائق بغداد عراق)

علامہ ابوالقاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلی متوفی 581ھ لکھتے ہیں:

حدیث مبارکہ میں ہے:
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ایک شخص نے عرض کیا:
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا باپ کہاں ہے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
دوزخ میں ہے۔
جب وہ پیٹھ پھیر کر جانے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میرا باپ اور تمہارا باپ دوزخ میں ہیں۔
(صحیح مسلم، رقم الحدیث:203)
اور ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ
ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق ایسی کوئی بات کہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچائیں۔
کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔
مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو ایذاء نہ پہنچاؤ۔
وہ حدیث مبارکہ یہ ہے۔
امام ابوالقاسم علی بن الحسین ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں۔
عمرو بیان کرتے ہیں جب حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ مدینہ میں آئے تو لوگ جمع ہو کر کہنے لگے۔
یہ ابوجہل کا بیٹا ہے یہ ابوجہل کا بیٹا ہے۔
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو ایذاء نہ پہنچاؤ۔
(تاریخ دمشق الکبیر، ج:43، ص:194، 195 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)
اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا (الاحزاب:57)
بے شک جو لوگ اللہ کو اور اس کے رسول کو ایذاء پہنچاتے ہیں ان پر اللہ دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور اس نے اس کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔
اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے والد کو کافر کہنا حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے لئے باعث اذیت ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو کافر کہنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کس قدر باعث ایذا ہوگا۔
اس کے بعد علامہ سہیلی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو زندہ کیے جانے کے متعلق دو حدیثیں لکھی ہیں جن کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔
اور لکھا ہے کہ

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور قدرت اس سے عاجز نہیں ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اہل ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس چیز کے ساتھ چاہے خاص کرے۔

(الروض الانف: ج: 1، ص: 299 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی 828ھ لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا باپ کہاں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دوزخ میں۔

جب وہ پیٹھ پھیر کر جانے لگا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرا باپ اور تمہارا باپ دوزخ میں ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دل جوئی کی وجہ سے فرمایا تھا تا کہ اس شخص کو تسلی ہو۔ (اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس حدیث میں باپ کا اطلاق چچا پر ہو اور اس سے مراد ابو طالب ہوں)

اس کے بعد علامہ ابی مالکی نے علامہ سہیلی کا پورا کلام ذکر کیا ہے۔ جس کو ہم نقل کر چکے ہیں اس کے بعد علامہ ابی مالکی نے علامہ نووی پر رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اہل فترت میں سے تھے اور اہل فترت پر عذاب نہیں ہوتا کیونکہ اہل فترت ان دو رسولوں کے درمیان کے لوگوں کو کہتے ہیں جن کی طرف پہلے رسول کو بھیجا نہ گیا ہو اور دوسرے رسول کو انہوں نے پایا نہ ہو جیسے وہ عرب جن کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث نہیں کیے گئے اور نہ انہوں نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا اور اس تعریف کے اعتبار سے فترت ہر ان لوگوں کو شامل ہے جو دو رسولوں کے درمیان ہوں۔

جیسا کہ

حضرت ادریس اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان کے لوگ

اور حضرت نوح اور حضرت ھود علیہما السلام کے درمیان کے لوگ

اور ان دونوں کے درمیان آٹھ سو سال ہیں۔

اور حضرت صالح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے درمیان کے لوگ اور ان کے درمیان چھ سو تیس سال ہیں لیکن فقہاء جب فترت میں کلام کرتے ہیں تو اس سے مراد ان لوگوں کو کہتے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی مکرم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کے لوگ ہیں۔

(اکمال اکمال المعلم: ج: 1، ص: 616، 617 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ مرابی مالکی کی تقریر کا مطلب یہ ہے کہ

بالفرض اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کا زندہ کیا جانا اوران کا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا نہ بھی تسلیم کیا جائے پھر بھی آپ اہل فترت میں سے ہیں اور العیاذ باللہ اہل دوزخ میں سے نہیں ہیں۔

نیز علامہ ابی مالکی نے لکھا ہے کہ

اہل فترت کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم وہ ہے جنہوں نے شرک کیا۔

دوسری قسم وہ ہے جنہوں نے شرک کیا اور دین میں تبدیلی کی اور اپنی طرف سے چیزوں کو حلال اور حرام کیا۔

ان دونوں قسم کے اہل فترت کو عذاب ہوگا۔

اور تیسری قسم کے اہل فترت وہ ہیں جنہوں نے نہ شرک کیا نہ کسی نبی کی شریعت میں تغیر اور تبدل کیا اور نہ اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام کیا اور نہ کسی دین کو اختراع کیا وہ ساری عمر غفلت اور جاہلیت میں رہے ان کو بالکل عذاب نہیں ہوگا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین اہل فترت کی اسی تیسری قسم میں سے تھے۔

(اکمال اکمال المعلم: ج:1،ص:620، 621 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ انبیاء کرام علیہم السلام کی پشتوں میں منقلب ہوتے رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین میں کوئی مشرک نہ ہوا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ محترمہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔

اس پر کثیر دلائل ہیں۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی 327ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کی پشتوں میں منقلب ہوتے رہے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 16029 مطبوعہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی 360ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں ایک نبی کی پشت سے دوسرے نبی کی پشت میں منتقل ہوتا رہا حتیٰ کہ میں نبی ہو گیا۔

(معجم الکبیر: رقم الحدیث: 12021)

(تاریخ دمشق الکبیر: ج:3، ص:226 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھے بنو آدم کے ہر قرن اور ہر طبقہ میں سب سے بہتر قرن اور طبقہ سے مبعوث کیا جاتا رہا حتیٰ کہ جس قرن میں، میں ہوں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3557)

قرن کا معنیٰ ہے کسی ایک زمانے کے تمام لوگوں کا ایک طبقہ۔
بعض علماء نے اس زمانے کی تحدید سو سال کے ساتھ کی ہے بعض نے ستر سال کے ساتھ کی ہے۔
اور صحیح یہ ہے کہ
جب کسی ایک زمانہ کے تمام لوگ ہلاک ہو جائیں اور ان میں سے کوئی باقی نہ رہے تو وہ زمانہ ایک قرن ہے۔
(التوشیح:ج:3،ص:387 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
بے شک اللہ عزوجل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چن لیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے بنو کنانہ کو چن لیا اور بنو کنانہ سے قریش کو چن لیا اور قریش سے بنو ہاشم کو چن لیا اور بنو ہاشم سے مجھے چن لیا۔
(سنن ترمذی، رقم الحدیث:3605)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ نے زمین کے دو حصے کیے اور مجھے ان میں سے سب سے اچھے حصے میں رکھا پھر اس نصف کے تین حصے کیے اور مجھے اس تیسرے حصہ میں رکھا جو سب سے اخیر، اچھا اور سب سے افضل تھا۔ پھر لوگوں میں سے عرب کو چن لیا پھر عرب میں سے قریش کو چن لیا پھر قریش میں سے بنو ہاشم کو چن لیا۔ پھر بنو ہاشم میں سے حضرت عبد المطلب کو چن لیا پھر حضرت عبد المطلب کی اولاد میں سے مجھ کو چن لیا۔
(الطبقات الکبریٰ:ج:1،ص:18، جمع الجوامع:رقم الحدیث:15307)
یہ حدیث مبارکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء کرام پر عمومی اور حضرت عبد المطلب کے ایمان پر خصوصی دلیل ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:
آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ فدا ہوں! جب حضرت آدم علیہ السلام جنت میں تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تھے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر ارشاد فرمایا:
میں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں تھا اور جب مجھے کشتی میں سوار کرایا گیا تو میں اپنے باپ حضرت نوح علیہ السلام کی پشت میں تھا اور جب مجھے (آگ میں) پھینکا گیا تو میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پشت میں تھا۔ میرے والدین کبھی بدکاری پر جمع نہیں ہوئے اور اللہ مجھے ہمیشہ معزز پشتوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل کرتا رہا۔ میری صفت مہدی ہے اور جب بھی دو شاخیں ملیں میں سب سے خیر (اچھی) شاخوں میں تھا اللہ تعالیٰ نے مجھ سے نبوت کا میثاق اور اسلام کا عہد لیا اور تورات اور انجیل

میں میرا ذکر پھیلایا اور ہر نبی نے میری صفت بیان کی اور زمین میرے نور سے چمک اٹھی اور بادل میرے چہرے سے برستا ہے اور مجھے اپنی کتاب کا علم دیا اور آسمانوں میں میرے شرف کو زیادہ کیا اور اپنے ناموں میں سے میرا نام بنایا پس عرش والا محمود ہے اور میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں۔

(البدایہ والنہایہ: ج:2،ص:21 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ بیان کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے قریش اللہ عزوجل کے سامنے ایک نور تھے یہ نور تسبیح کرتا تھا اور فرشتے اس کی تسبیح کے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو یہ نور ان کی پشت میں رکھ دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

پس اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں یہ نور آگ میں ڈالا گیا اور اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ مکرم پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل کرتا رہا حتیٰ کہ مجھے میرے ان والدین سے نکالا جو کبھی بدکاری پر جمع نہیں ہوئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں نکاح سے پیدا کیا گیا ہوں اور بدکاری سے پیدا نہیں کیا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حتیٰ کہ میں اپنی والدہ محترمہ سے پیدا ہوا اور مجھے زمانہ جاہلیت کی بدکاری سے کسی چیز نے نہیں چھوا۔

(المطالب العالیہ: ج:4،ص:177، رقم الحدیث:4256،4257 مکہ مکرمہ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ روایت کرتے ہیں کہ

امام ابن مردویہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت میں تھے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھیں مبارک ظاہر ہو گئیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں ان کی پشت میں تھا ان کو زمین پر اتارا گیا اس وقت بھی میں ان کی پشت میں تھا میں اپنے باپ حضرت نوح علیہ السلام کی پشت میں کشتی میں سوار ہوا اور اپنے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی پشت میں مجھے آگ میں ڈالا گیا اور میرے ماں باپ کبھی ایک دوسرے کے ساتھ بدکاری میں جمع نہیں ہوئے اور اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں میں منتقل کرتا رہا جبکہ وہ صاف اور مہذب تھے۔ جب بھی دو شاخیں باہم ملیں تو میں ان سے بہتر شاخوں میں تھا۔

اللہ تعالیٰ نے مجھ سے نبوت کا میثاق لیا اور مجھ کو اسلام کی ہدایت دی اور تورات اور انجیل میں میرا ذکر بیان کیا اور میری تمام صفات کو مشرق اور مغرب میں بیان کر دیا اور مجھ کو اپنی کتاب کا علم دیا اور اپنے اسماء میں میرا ذکر بلند کیا اور اپنے اسماء میں سے میرا اسم بنایا۔

سو عرش والا محمود ہے اور میں محمد ہوں اور مجھے حوض کے نزدیک کیا اور مجھے کوثر عطا کیا اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی اور مجھے اپنی امت کے سب سے بہتر قرن میں نکالا اور میری امت بہت حمد کرنے والی ہے اور نیکی کا حکم دینے والی ہے اور برائی سے روکنے والی ہے۔

(الدرالمنثور: ج:6، ص:298، 299 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حافظ ابو حفص عمر بن احمد بن عثمان المعروف با بن شاہین متوفی 385ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقام حجون پر بہت افسردگی اور غم کی حالت میں اترے اور جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب عزوجل نے چاہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ٹھہرے رہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے بہت خوش خوش واپس ہوئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری والدہ کو زندہ کر دیا وہ مجھ پر ایمان لائیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر موت کو لوٹا دیا۔

(الناسخ والمنسوخ: رقم الحدیث:630 مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ)

علامہ ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ السہیلی متوفی 581ھ لکھتے ہیں:

قاضی ابو عمران احمد بن ابی الحسن نے ایک سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ

مجھے خبر دی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل سے یہ سوال کیا کہ وہ اپنے والدین کو زندہ کر دے پس اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ان کو زندہ کر دیا اور وہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری کر دی۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کی رحمت اور قدرت کسی چیز سے عاجز نہیں ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اہل ہیں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس وصف سے چاہے اپنے فضل سے خاص کرے اور اپنے کرم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس نعمت سے چاہے نواز دے۔

صلوٰات اللہ علیہ و آلہ وسلم

(الروض الانف: ج:1، ص:299 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ عبدالعزیز پرہاروی لکھتے ہیں:

اسانید ضعیفہ سے مروی ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد اور آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کی والدہ کو زندہ کر دیا اور وہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔

اور امام رازی کا مختار یہ ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین نے ملت ابراہیم (علیہ السلام) پر وفات پائی اور ان کو زندہ کرنا تا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اس لیے تھا کہ ان کو یہ کرامت بھی حاصل ہو۔ اور محقق جلال الدین سیوطی نے ان کے ایمان کے اثبات میں چھ رسالے لکھے ہیں۔ ملا علی قاری نے ایک رسالہ میں ان کا کفر ثابت کیا ہے پھر ان کے استاذ علامہ ابن حجر مکی نے خواب میں دیکھا کہ ملا علی قاری چھت سے گر پڑے اور ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔

اور کہا گیا ہے کہ

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی توہین کی سزا ہے پھر جس طرح انہوں نے خواب دیکھا تھا ویسا ہی ہو گیا۔

(نبراس:ص:526 شاہ عبدالحق اکیڈمی بندیال)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ

اگر اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ کو زندہ فرما دیا تھا تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو بھی زندہ فرمایا تھا اور کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین العیاذ باللہ مشرک تھے بلکہ وہ اہل فترت میں سے تھے اور علماء امت کا اس پر اجماع ہے کہ اصحاب فترت غیر مکلف اور غیر معذب ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی والدہ محترمہ کے لئے استغفار سے اس لیے منع فرمایا کہ اگر غیر معصوم کے لئے استغفار کیا جا... ں کے متعلق گناہ کا وہم ہوتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت آمنہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے لئے استغفار کی اجازت اس لیے نہیں دی گئی کہ لوگ یہ گمان نہ کریں کہ وہ گناہ گار تھیں اس لیے ان کے لئے استغفار کیا اور یہ وجہ نہیں کہ وہ معاذ اللہ مشرکہ تھیں کیونکہ قبل از بعثت ان کا شرک بالکل ثابت نہیں وہ اصحاب فترت میں سے تھیں بلکہ وہ ملت ابراہیم (علیہ السلام) پر تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت آمنہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی قبر کی زیارت کی اجازت بھی دی گئی تھی جو کہ صحیح مسلم کی حدیث مبارکہ سے ثابت کر چکا ہوں۔ واللہ و رسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ کی مقدس بارگاہ میں دعا ہے کہ اگر مجھ سے کہیں غلطی و کوتاہی ہو گئی ہو تو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے معاف فرمائے۔

(آمین بجاہ النبی الامین وصلی اللہ علیہ وسلم)

تمام کا حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے سجدہ میں جانا

حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے تمام نے سجدہ کیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ (یوسف:100)

اور وہ سب یوسف کے لئے سجدہ میں گر گئے۔

تمام کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ شکرادا کرتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے گرنا

تمام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدۂ شکرادا کرتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے گر گئے۔

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ شکرادا کرتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے گر گئے۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:327 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یہ سجدہ بطور شرف تھا

حضرت یوسف علیہ السلام کو جو سجدہ کیا گیا وہ سجدہ بطور شرف تھا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن زید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

یہ سجدہ بطور شرف تھا (بطور عبادت نہ تھا) جیسا کہ ملائکہ عظام نے حضرت آدم علیہ السلام کو بطور شرف کا کیا تھا یہ سجدہ عبادت نہ تھا۔

(جامع البیان: ج:13،ص:84 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کو سب نے کس کیفیت سے سجدہ کیا تھا

حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے والدین اور بھائیوں نے سروں کے ساتھ اشارہ کر کے سجدہ کیا تھا جس طرح عجمی لوگ سر جھکا کر اشارہ کرتے ہیں۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے والدین اور بھائیوں نے سروں کے ساتھ اشارہ کر کے سجدہ کیا تھا جس طرح عجمی لوگ سر جھکا کر اشارہ کرتے ہیں۔ یہ سلام اس طرح تھا جس طرح آج لوگ کرتے ہیں۔

(جامع البیان: ج:13،ص:84 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

چاروں طرف گول دائرے میں مثل کعبہ سجدۂ شکر یہ یا تحیہ کیا

تفسیر نعیمی میں ہے۔

جب دربار شاہی میں پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے یہاں بھی ان کو اپنے قیمتی شاہی تخت پر بٹھایا۔ اس وقت خوشی ومحبت اور خداداد شوکت کے احترام میں ماں باپ نے اور بھائیوں نے بہت دیر تک تخت پر ہی حضرت یعقوب علیہ السلام کے حکم سے یا خود ہی سب نے کھڑے ہو کر سجدے میں گرے یا بیٹھے بیٹھے ہی سجدے میں گرے۔ پہلے والد پھر ان کو دیکھ کر باقی سب اس طرح کہ حضرت یوسف علیہ السلام درمیان میں تھے اور چاروں طرف گول دائرے میں مثل کعبہ سجدہ

شکریہ یا تحیہ کیا۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:168 نعیمی کتب خانہ لاہور)

ہماری شریعت میں سجدہ تعظیمی حرام

ہماری شریعت میں سجدہ تعظیمی حرام ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ دوسرے کے لئے سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 1159)

حضرت یوسف علیہ السلام کو گیارہ ستاروں، سورج اور چاند کا سجدہ کرنے والا خواب پورا ہونا

حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب میں دیکھا تھا کہ اے میرے ابا جان بے شک میں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس نبی کے اس خواب کو پورا کر کے دکھایا۔ دونوں والدین کریمین نے بھی سجدہ کیا اور گیارہ بھائیوں نے بھی سجدہ کیا یقیناً اللہ تعالیٰ کے نبی کا خواب سچا ہوتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا حضرت یعقوب علیہ السلام کو خواب سچ اور پورا ہونے کا بتانا

جب تمام نے سجدہ کر لیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو کہا کہ اے میرے باپ یہ میرے اس پہلے خواب کی تعبیر ہے جو میں نے دیکھا تھا بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کو سچ کر کے دکھایا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَ یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّاؕ (یوسف:100)

اور یوسف نے کہا اے میرے باپ! یہ میرے اس پہلے خواب کی تعبیر ہے بے شک میرے رب نے اس کو سچ کر دکھایا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کے پورے ہونے کی مدت

حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کے پورے ہونے کی مدت میں مختلف اقوال ہیں۔

علامہ ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب پورے ہونے کی مدت میں سات قول لکھتے ہیں:

- ایک قول یہ ہے کہ

40 سال مدت تھی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ

22 سال مدت تھی۔

تیسرا قول یہ ہے کہ

80سال مدت تھی۔

چوتھا قول یہ ہے کہ

36سال مدت تھی۔

پانچواں قول یہ ہے کہ

35سال مدت تھی۔

چھٹا قول یہ ہے کہ

70سال مدت تھی۔

ساتواں قول یہ ہے کہ

18سال مدت تھی۔

(زادالمسیر: ج:4،ص:291 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب اور اس کی تعبیر کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ تھا۔

مزید راقم ہیں۔

حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب اور اس کی تعبیر کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ تھا اور خواب کی انتہاء یہاں تک پہنچتی ہے۔

اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب اور اس کی تعبیر کے درمیان پینتیس سال کا فاصلہ تھا۔

مزید راقم ہیں۔

حضرت فضل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کی باپ سے جدائی اور ملاقات کے درمیان اسی سال کا فاصلہ تھا۔

(جامع البیان: ج:13،ص:86 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اسی سال کا فاصلہ تھا۔

(کتاب الزہد: باب زہد یوسف علیہ السلام: ص:107 مطبوعہ بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے درمیان جدائی کی مدت

حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے درمیان جدائی کی مدت میں چند اقوال ہیں۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت وہب بن منبہ نے بیان کیا ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کو سترہ سال کی عمر میں کنویں میں ڈالا گیا تھا اور وہ اپنے باپ سے اسی (80) سال غائب رہے اور اپنے باپ سے ملاقات کے بعد (23) سال مزید زندہ رہے اور عزیز مصر کی بیوی کے بطن سے حضرت یوسف علیہ السلام کے دو بیٹے پیدا ہوئے۔

1-افراثیم

2-اور منشا

اور رحمت نام کی ایک بیٹی تھی جو حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی بنی اور حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان چار سو سال کی مدت تھی۔

ایک قول یہ ہے کہ

حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کے درمیان (33) تینتیس سال جدائی رہی پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ملا دیا۔

امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

اٹھارہ سال جدائی رہی۔

ان کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:9،ص:231 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کی باپ سے جدائی اور ملاقات کے درمیان (80) اسی سال کا فاصلہ تھا۔

مزید راقم ہیں۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالا گیا تو آپ علیہ السلام کی عمر سترہ سال تھی اور پھر (80) اسی سال کے بعد اپنے باپ سے ملاقات ہوئی اس کے بعد آپ علیہ السلام تیئس (23) سال زندہ رہے۔ آپ علیہ السلام کا وصال ہوا تو آپ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس (120) سال تھی۔

(جامع البیان: ج:13،ص:86 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے۔

فراق یوسفی کی مدت میں اختلاف ہے۔

ایک قول اٹھارہ سال

ایک ہے بائیس سال

ایک ہے چھتیس سال

ایک ہے پینتیس سال

ایک مشہور روایت ہے کہ

چالیس سال۔ اسی پر اکثریت ہے۔

ایک ہے ستر سال

ایک ہے (80) اسی سال۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:177 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان چار سو سال کی مدت

حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان چار سو سال کی مدت تھی۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ

حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان چار سو سال کی مدت تھی۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:9، ص:231 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا حضرت یعقوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے احسان بتانا

حضرت یوسف علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو وہ احسانات بتائے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام پر کیے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْۤ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ○ (یوسف:100)

اور بے شک اس نے مجھ پر احسان کیا جب اس نے مجھ کو قید سے رہائی دی اور شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان جو عناد پیدا کر دیا تھا اس کے بعد آپ سب کو گاؤں سے لے آیا بے شک میرا رب جو چاہتا ہے وہ حسن تدبیر سے کرتا ہے بے شک وہ بے حد علم والا، بہت حکمت والا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے تمام خزانوں کی سیر کرانا

حضرت یوسف علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے تمام خزانوں کی سیر کرائی۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد محترم کو اپنے تمام خزانوں کی سیر کرائی۔

(تفسیر بیضاوی مع حاشیہ شیخ زادہ: ج:5،ص:81 مطبوعہ العلمیہ بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا حضرت یوسف علیہ السلام سے خط نہ لکھنے کی وجہ پوچھنا

جب حضرت یوسف علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کو سیر کراتے کراتے کاغذ خانے میں داخل ہوئے تو فرمایا اے بیٹے تیرے پاس اتنے کاغذ ہیں تو نے مجھے خط کیوں نہ لکھا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا مجھے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے خط نہ لکھنے کا فرمایا تھا۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

جب آپ علیہ السلام کاغذ کے خزانہ میں داخل ہوئے۔

تو ارشاد فرمایا:

اے بیٹے! تیرے پاس اتنے کاغذ کے خزانے ہیں تو تجھے کس چیز نے غافل رکھا کہ تو نے مجھے آٹھ مراحل پر خط نہ لکھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے عرض کیا:

مجھے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے خط نہ لکھنے کا حکم کیا تھا۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

تو نے اس سے اس کی وجہ نہ پوچھی تھی۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا:

آپ علیہ السلام مجھ سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔

تو آپ علیہ السلام نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے وجہ پوچھی۔

تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کا حکم دیا تھا کیونکہ آپ علیہ السلام نے خود کہا تھا کہ مجھے خوف ہے کہ اسے بھیڑیا کھا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

تو نے میرا خوف کیوں نہیں کیا۔

(تفسیر بیضاوی مع حاشیہ شیخ زادہ: ج:5،ص:81 مطبوعہ العلمیہ بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا وصال سے قبل وصیت فرمانا اور پوری ہونا

جب حضرت یعقوب علیہ السلام کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو وصیت فرمائی کہ مجھے والد محترم کے ساتھ رکھنا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے والد محترم حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت پر عمل فرمایا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ

حضرت یعقوب علیہ السلام مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس بڑے خوش وخرم اور عیش وسہولت میں رہے تھے۔ مصر میں ہی آپ علیہ السلام کا انتقال ہوا جب آپ علیہ السلام کی موت کا وقت قریب آیا تو آپ علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو وصیت فرمائی کہ میرا جسم میرے والدِ محترم حضرت اسحاق علیہ السلام کے پاس دفن کرنا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کی وصیت پر عمل کیا اور آپ علیہ السلام کو شام میں جا کر دفن کیا اور پھر مصر لوٹ آئے۔

امام احمد نے الزہد میں حضرت مالک سے روایت کیا ہے کہ

جب یعقوب علیہ السلام بھاری ہو گئے تو اپنے لختِ جگر حضرت یوسف علیہ السلام کو فرمایا اپنا ہاتھ میری صلب کے نیچے داخل کر اور رب یعقوب کی قسم اٹھا کہ تو مجھے میرے آباء کے ساتھ دفن کرے گا۔ میں عمل میں ان کا شریک رہا تو مجھے قبور میں ان کا شریک کر۔ پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کا وصال ہو گیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ایسا ہی کیا کہ آپ علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کو کنعان لے آئے اور آپ علیہ السلام کے آباء کرام کے ساتھ آپ علیہ السلام کو دفن کر دیا۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

حضرت یعقوب علیہ السلام کو شیشم کے تابوت میں بیت المقدس نقل کیا گیا تو اسی دن عیص بھی مرا تھا۔ دونوں کو ایک قبر میں دفن کیا گیا اور یہ دونوں ایک ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے اور دونوں کی عمر مبارک ایک سو چوہتر (174) سال تھی۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:328 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یعقوب علیہ السلام مصر میں چوبیس (24) سال رہے

حضرت یعقوب علیہ السلام مصر میں چوبیس (24) سال رہے اور وصال سے قبل حضرت یوسف علیہ السلام کو وصیت فرمائی کہ مجھے اپنے آباء کرام کے ساتھ رکھنا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدِ محترم حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت پر عمل کیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام مصر میں چوبیس (24) سال رہے یہیں وفات پائی اور وصیت فرمائی کہ میری میت کو میرے آبائی قبرستان فلسطین میں حضرت اسحاق علیہ السلام کے مزار کے پاس دفن کیا جائے چنانچہ اس پر عمل کیا گیا۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:177 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنا

حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر میں حکومت ملنے اور خوابوں کی تعبیر کا علم عطا فرمانے پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی۔

قرآن مجید میں ہے:

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۫ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۝ (یوسف:101)

اے میرے رب! تو نے مجھے (مصر کی) حکومت عطا کی اور مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم عطا کیا۔ اے آسمانوں اور زمینوں کو ابتداءً پیدا کرنے والے تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے۔ مجھے (دنیا سے) مسلمان اٹھانا اور مجھے نیک بندوں کے ساتھ ملا دینا۔

زلیخا کی وفات

زلیخا کی وفات میں دو قول ہیں ایک یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام سے قبل فوت ہوئیں اور ایک قول یہ ہے کہ ایک سال بعد فوت ہوئیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

زلیخا کی وفات میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ یوسف علیہ السلام کے ایک سال بعد فوت ہوئیں اور غم یوسفی میں پہلے کی طرح ہوگئی تھیں ایک قول ہے کچھ دن پہلے فوت ہوئیں۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:177 نعیمی کتب خانہ لاہور)

زلیخا کی کل عمر

زلیخا کی کل عمر (150) ایک سو پچاس سال تھی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

آپ علیہ السلام کی عمر شریف کل (120) ایک سو بیس سال اور زلیخا کی ایک سو پچاس سال۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:177 نعیمی کتب خانہ لاہور)

زلیخا اخیر عمر تک جوان ہی رہیں

زلیخا اخیر عمر تک جوان ہی رہیں کیونکہ آپ رضی اللہ عنہا کی یہ جوانی حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا کی برکت سے تھی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

اور وہ اخیر عمر تک جوان ہی رہیں کیونکہ یہ جوانی نبی کی دعا سے ملی تھی۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:177 نعیمی کتب خانہ لاہور)

زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام سے تقریباً بیس سال بڑی تھیں

زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام سے بیس سال بڑی تھیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

(حضرت) یوسف علیہ السلام سے تقریباً بیس سال (20) بڑی تھیں۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:177 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام وصال سے قبل اونچا نہ بولتے تھے

حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی تَوَفَّنِیْ یعنی تو مجھے اٹھالے تو اس دعا کے بعد ایک ہفتہ حیات رہے

اور آپ علیہ السلام کو کسی نے بھی اونچا بولتے نہ سنا۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
روایت ہے کہ
تَوَفَّنِیْ کی دعا کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام ایک ہفتہ حیات رہے اور یہ آپ علیہ السلام کا آخری کلام تھا پھر کسی نے آپ علیہ السلام کو اونچا بولتے نہ سنا۔
(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:179 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کے وصال سے قبل بنیامین کے علاوہ سب بھائیوں کا فوت ہونا

حضرت یوسف علیہ السلام کے وصال سے قبل بنیامین کے علاوہ سب بھائی فوت ہو گئے تھے۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
آپ علیہ السلام کے سب بھائی آپ علیہ السلام کی موجودگی میں فوت ہوئے صرف بنیامین چار سال کے بعد فوت ہوئے۔
(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:177 نعیمی کتب خانہ لاہور)
اس کے قول میں بھی اختلاف لگتا ہے کیونکہ آگے جو قول نقل کر رہا ہوں اس میں حضرت یوسف علیہ السلام نے یہودا کو بوقت وصال وصیت بھی کی اور یہودا کے بادشاہ ہونے کا قول بھی نقل ہے۔
واللہ و رسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت یوسف علیہ السلام کا بوقت وصال یہودا کو وصیت فرمانا

حضرت یوسف علیہ السلام نے وصال سے قبل یہودا کو وصیت فرمائی اور وصال فرما گئے۔
امام عبدالرحمٰن محمد بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:
جب حضرت یوسف علیہ السلام کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ علیہ السلام نے یہودا کو وصیت فرمائی اور وصال فرما گئے۔
(زاد المسیر: ج:4، ص:292 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کی وصیت پوری نہ کرنا

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو وصیت فرمائی تھی کہ مجھے اپنے باپ دادا کے ساتھ رکھنا لیکن انہوں نے اس وصیت کو پورا نہ کیا۔
امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی 327ھ روایت کرتے ہیں کہ
حضرت سعید بن عبدالعزیز بیان کرتے ہیں کہ
جب حضرت یوسف علیہ السلام پر وفات کا وقت آیا تو آپ علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو بلا کر فرمایا!
اے میرے بھائیو! میں نے دنیا میں کسی سے بھی اپنے اوپر کیے جانے والے ظلم کا بدلہ نہیں لیا اور مجھے یہ پسند تھا کہ میں

لوگوں کی نیکیاں ظاہر کروں اور ان کی برائیاں چھپاؤں اور دنیا سے میرا یہی آخرت کے لئے زادِ راہ ہے۔ اے میرے بھا میں نے اپنے باپ دادا جیسے عمل کیے ہیں تو تم مجھے ان کی قبروں کے ساتھ ملا دینا اور ان سے اس بات کا پکا وعدہ لیا لیکن انہوں نے اپنے وعدہ کو پورا نہیں کیا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:7، ص:2205، رقم الحدیث مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

لوگوں کا وصال کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کو حصول برکت کے لئے اپنے محلے میں دفن کرنے میں نزاع کرنا

جب حضرت یوسف علیہ السلام وصال فرما گئے تو لوگوں میں نزاع پیدا ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ہم اپنے محلے میں دفن کریں گے۔

امام عبدالرحمٰن محمد بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ علیہ السلام نے یہودا کو وصیت فرمائی اور رفوت ہو گئے تو لوگوں نے آپ علیہ السلام کی تدفین میں نزاع کیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی برکت کے حصول کے لئے ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ اس کے محلہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کو دفن کیا جائے۔

(زاد المسیر: ج:4، ص:292 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

جب آپ علیہ السلام کا وصال ہوا تو ہر محلہ والے جھگڑنے لگے کہ آپ علیہ السلام کو ہمارے محلہ میں دفن کیا جائے کیونکہ لوگ آپ علیہ السلام کی برکت کی امید رکھتے تھے یہاں تک کہ جھگڑا اقتال تک پہنچنے لگا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:329 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

سب لوگوں کا دریائے نیل میں دفن کرنے پر اتفاق تا کہ سب کو برکت ملے

جب نزاع بڑھا تو اس پر اتفاق ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو دریائے نیل میں دفن کیا جائے تا کہ حضرت یوسف علیہ السلام سے پانی گزر کر سب تک پہنچے اور سب برکت حاصل کریں۔

امام عبدالرحمٰن محمد بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام کی تدفین میں لوگوں نے نزاع کیا حضرت یوسف علیہ السلام کی برکت کے حصول کے لئے ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ اس کے محلہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کو دفن کیا جائے پھر انہوں نے اس پر اتفاق کر لیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو دریائے نیل میں دفن کر دیا جائے تا کہ ان پر سے پانی گزر کر سب تک پہنچ جائے۔

(زاد المسیر: ج:4، ص:292 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

جب آپ علیہ السلام کا وصال ہوا تو ہر محلے والے جھگڑنے لگے کہ آپ علیہ السلام کو ہمارے محلہ میں دفن کیا جائے کیونکہ لوگ آپ علیہ السلام کی برکت کی امید رکھتے تھے یہاں تک کہ جھگڑا اقتال تک پہنچنے لگا تو انہوں نے یہ طے کیا کہ آپ علیہ السلام کو دریائے نیل میں دفن کرتے ہیں جہاں سے پانی مصر پہنچتا ہے تو آپ علیہ السلام کے جسم سے پانی گزر کر آئے گا تو تمام کو بر

نصیب ہوگی۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:329 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کو لکڑی کے صندوق میں دفن کرنا

جب سب کا اتفاق ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو دریائے نیل میں دفن کرتے ہیں تا کہ ان پر سے پانی گزر کر سب کو پہنچے اور سب برکت حاصل کریں تو پھر انہوں نے لکڑی کے صندوق میں حضرت یوسف علیہ السلام کو دفن کر دیا۔

امام عبدالرحمٰن محمد بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام کی تدفین میں لوگوں نے نزاع کیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی برکت کے حصول کے لئے ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ اس کے محلہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کو دفن کیا جائے پھر انہوں نے اس پر اتفاق کر لیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو دریائے نیل میں دفن کر دیا جائے تا کہ آپ علیہ السلام پر سے پانی گزر کر سب تک پہنچ جائے پھر انہوں نے لکڑی کے صندوق میں حضرت یوسف علیہ السلام کو دفن کر دیا۔

(زاد المسیر: ج:4، ص:292 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کو سنگ مرمر کے صندوق میں دریائے نیل میں دفن کیا گیا

حضرت یوسف علیہ السلام کو سنگ مرمر کے صندوق میں دریائے نیل میں دفن کیا گیا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

آپ علیہ السلام کو سنگ مرمر کے صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں دفن کیا گیا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:329 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کو لکڑی اور سنگ مرمر کے صندوق میں رکھ کر دفن کرنے کے کئی اقوال ذکر کیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے۔

واللہ ورسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم ۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو دریائے نیل کی دائیں جانب دفن کرنے سے دائیں طرف سرسبز وشاداب

حضرت یوسف علیہ السلام کو دائیں جانب دفن کیا گیا تو دائیں طرف سرسبز وشاداب ہوگئی۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت عکرمہ فرماتے ہیں۔

آپ علیہ السلام کو دریائے نیل کی دائیں جانب دفن کیا گیا تو وہ طرف سرسبز ہوگئی اور دوسری جانب بنجر ہوگئی۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:329 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کو دریائے نیل کی بائیں جانب نقل کرنے سے بائیں جانب سرسبز وشاداب

حضرت یوسف علیہ السلام کو دوبارہ بائیں جانب نقل کیا گیا تو بائیں جانب سرسبز وشاداب ہوگئی۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت عکرمہ فرماتے ہیں۔

آپ علیہ السلام کو دریائے نیل کی دائیں جانب دفن کیا گیا تو وہ طرف سرسبز ہوگئی اور دوسری ف بنجر ہوگئی تو پھر آپ علیہ السلام کو دوسری بائیں جانب نقل کیا گیا تو وہ بائیں جانب سرسبز اور دائیں جانب بنجر ہوگئی۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:329 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کو دریائے نیل کے درمیان میں دفن کرنے سے دونوں طرفیں سرسبز و شاداب

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو دائیں جانب دفن کیا تو بائیں جانب بنجر اور جب بائیں جانب نقل کیا تو دائیں جانب بنجر ہوگئی حتیٰ کہ لوگوں نے دریائے نیل کے درمیان میں دفن کردیا تو دونوں اطراف سرسبز و شاداب رہیں۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت عکرمہ فرماتے ہیں۔

آپ علیہ السلام کو دریائے نیل کی دائیں جانب دفن کیا گیا تو وہ طرف سرسبز ہوگئی اور دوسری طرف بنجر ہوگئی تو پھر آپ علیہ السلام کو دوسری بائیں جانب نقل کیا گیا تو وہ بائیں جانب سرسبز اور دائیں جانب بنجر ہوگئی تو لوگوں نے آپ علیہ السلام کو درمیان میں دفن کردیا تو اس طرح دونوں اطراف سرسبز رہیں۔ (معالم التنزیل: ج:3،ص:329 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کا حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد حیات رہنے کا عرصہ

حضرت یوسف علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد ایک قول کے مطابق ساٹھ سال زندہ رہے اور ایک قول کی مدت بیان نہیں کی گئی۔

اور ایک قول کے مطابق تیرہ سال زندہ رہے۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء کرام فرماتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والد محترم کے وصال کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے۔

بعض نے زیادہ لکھے ہیں۔اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:329 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے۔

وفات والد کے بعد آپ علیہ السلام تیرہ سال حیات رہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13،ص:177 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کی بوقت وصال 120 سال عمر مبارک

حضرت یوسف علیہ السلام کی بوقت وصال (120) ایک سو بیس سال عمر مبارک تھی۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

جب آپ علیہ السلام کا وصال ہوا تو آپ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس (120) سال تھی۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:329 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت حسین رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالا گیا تو آپ علیہ السلام کی عمر سترہ سال تھی اور پھر اسی سال کے بعد اپنے والد محترم سے ملاقات ہوئی۔ اس کے بعد تیئس سال زندہ رہے۔ آپ علیہ السلام کا وصال ہوا تو آپ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال (120) تھی۔

(جامع البیان: ج:13، ص:86 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے۔

آپ علیہ السلام کی عمر شریف کل (120) ایک سو بیس سال (تھی)۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:177 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بنیامین کا حضرت یوسف علیہ السلام کے وصال کے بعد آپ علیہ السلام کی بیٹی حضرت رحمت کا نکاح حضرت ایوب علیہ السلام سے کر دینا

بنیامین نے حضرت یوسف علیہ السلام کے وصال کے بعد آپ علیہ السلام کی بیٹی حضرت رحمت کا نکاح حضرت ایوب علیہ السلام سے کر دیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی ایک ہی بیٹی تھی بی بی رحمت ان کا نکاح حضرت ایوب علیہ السلام سے بنیامین نے کرایا بعد وفات یوسف علیہ السلام۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:177 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کے وصال کے بعد یہودا کا بادشاہ بننا

ایک قول کے مطابق جب حضرت یوسف علیہ السلام وصال فرما گئے تو یہودا بادشاہ بنے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

ایک قول ہے کہ آپ علیہ السلام کے بعد یہودا بادشاہ بنے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:177 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کے وصال کے چار سال بعد بنیامین کا وفات پانا

بنیامین حضرت یوسف علیہ السلام کے وصال کے چار سال بعد وفات پا گئے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

آپ علیہ السلام کے سب بھائی آپ علیہ السلام کی موجودگی میں فوت ہوئے صرف بنیامین چار سال بعد فوت ہوئے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:177 نعیمی کتب خانہ لاہور)

میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے فوت ہونے میں چند اقوال ہیں کہ وہ آپ علیہ السلام سے پہلے فوت ہوئے یا بعد میں فوت ہوئے اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔

واللہ و رسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم ۔

کیا حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے موت کی درخواست کی

حضرت یوسف علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے موت کی درخواست کرنے کے متعلق چند اقوال ہیں۔

بعض نے کہا حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے موت کی درخواست کی اور بعض نے کہا موت کی درخواست نہیں کی بلکہ یوں کہا تھا کہ میری موت صفت اسلام پر آئے۔

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام نے موت کی دعا کی اور انہوں نے حضرت قتادہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل سے ملنے کی دعا کی اور ان سے پہلے کسی نبی نے موت کی دعا نہیں کی اور اکثر مفسرین کا یہی مختار ہے۔

پھر انہوں نے لکھا ہے کہ

ہر صاحب عقل زندگی کے مقابلہ میں موت کو ترجیح دے گا کیونکہ دنیا کی نعمتیں زائل ہونے والی ہیں اور آخرت کی نعمتیں باقی ہیں دنیا کی بڑی لذتیں کھانے، جماع کرنے اور حکومت اور اقتدار میں ہیں۔ کھانے کی لذت بہت عارضی ہے اور اس کے نتیجہ میں بال بچوں کی ذمہ داریاں پوری کرنے میں انسان تاحیات مشقت میں مبتلا رہتا ہے اور حکومت اور اقتدار کی لذت کے ساتھ ان گنت مسائل، پریشانیاں اور خطرات ہیں اور جب صاحب عقل ان معانی پر غور کرے گا تو وہ یہی تمنا کرے گا کہ حیات جسمانیہ زائل ہو جائے۔

امام رازی فرماتے ہیں۔

میرا بھی یہی حال ہے میں جسمانی لذت کے مصائب سے واقف ہوں اور میں تو ان کو خوب بیان کرنے میں بڑی ضخیم کتابیں لکھ سکتا ہوں اور اب اکثر اوقات میں، میں حضرت یوسف علیہ السلام کی، کی ہوئی دعا کرتا رہتا ہوں کہ مجھے دنیا سے مسلمان اٹھانا اور مجھے نیک بندوں کے ساتھ ملا دینا۔

(تفسیر کبیر: ج:6، ص:514، 517 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت الاعمش سے روایت ہے کہ

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے وصال کا شوق ہوا اور آپ علیہ السلام نے اپنے آباء کے ساتھ ملنے کو پسند کیا تو اللہ تعالیٰ سے وصال کی دعا مانگی اور اپنے آباء کرام سے لاحق کرنے کی درخواست کی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے علاوہ کسی نبی نے موت کی دعا نہیں مانگی۔

لیکن ابن جریج فرماتے ہیں میں کہتا ہوں کہ

قرآن مجید کی بعض آیات میں تَوَفَّنِیْ (تو مجھے موت) کے الفاظ آئے ہیں۔

مزید راقم ہیں۔

حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ

تو مجھے اپنی طاعت پر موت دے اور جب میرا وصال ہو تو تو مجھے معاف کر دے۔

اور حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو ملک عطا کیا تو آپ علیہ السلام کا نفس اپنے آباء کی طرف مشتاق ہوا۔

تو آپ علیہ السلام نے یہ دعا مانگی۔

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۟ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ○

بِالصّٰلِحِیْنَ سے مراد، حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام ہیں۔

اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے والد اور ان کے بھائی ان کے پاس آئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کے دل کو سکون و اطمینان بخشا اور آپ علیہ السلام کی آنکھوں کو ٹھنڈک عطا کی اس وقت آپ علیہ السلام پر نعمتوں کے انبار تھے۔ آپ علیہ السلام نے اپنے صالحین آباء سے ملنے کا شوق کیا یعنی حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام سے ملاقات کا اشتیاق ہوا۔ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے وصال کی درخواست کی کسی نبی اور غیر نبی نے حضرت یوسف علیہ السلام کے علاوہ موت کی درخواست نہیں کی۔

(جامع البیان: ج:13، ص:89 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ اے اللہ عزوجل! مجھ سے اسلام کو سلب نہ کرنا حتیٰ کہ تو مجھے موت عطا کرے۔

اور ابن عقیل کہتے تھے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے موت کی تمنا نہیں کی تھی۔

انہوں نے یہ سوال کیا تھا کہ

ان کی موت صفت اسلام پر آئے۔

اور اس دعا کا معنیٰ یہ ہے کہ
جب تو مجھے موت عطا فرمائے تو حالت اسلام پر موت عطا فرمانا۔
(زاد المسیر :ج:4،ص:292 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)
میں کہتا ہوں کہ
حضرت یوسف علیہ السلام نے موت کی درخواست نہیں کی تھی اور نہ ہی تمنا کی تھی بلکہ آپ علیہ السلام کی دعا یہ تھی کہ اے اللہ عزوجل جب تو میری روح کو قبض فرمائے تو حالت اسلام پر میری روح کو قبض فرمانا اس میں مرنے کی دعا نہیں ہے بلکہ تا حیات اسلام پر جینے کی دعا ہے۔
موت کی تمنا کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کی تمنا سے منع فرمایا ہے اس بارے میں کئی احادیث مبارکہ ہیں۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تم میں سے کوئی شخص ہرگز موت کی تمنا نہ کرے اگر وہ نیک شخص ہے تو ہوسکتا ہے کہ وہ زیادہ نیکیاں کرے اور اگر بدکار ہے تو ہوسکتا ہے وہ توبہ کرلے۔
(صحیح البخاری، رقم الحدیث:7235)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تم میں سے کوئی شخص کسی مصیبت کی وجہ سے ہرگز موت کی تمنا نہ کرے اور اگر اس نے ضرور دعا کرنی ہو تو وہ یوں دعا کرے۔
اے اللہ عزوجل! جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہو تو مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لیے موت بہتر ہو تو مجھے موت عطا کرے۔
(صحیح البخاری:رقم الحدیث:5671)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے اور نہ موت آنے سے پہلے اس کی دعا کرے جب تم میں سے کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے اور زندگی مومن میں صرف نیکیوں کو زیادہ کرتی ہے۔
(صحیح مسلم:رقم الحدیث:2682)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بڑھیا کے بتانے پر حضرت یوسف علیہ السلام کے صندوق کو دریائے نیل سے نکال کر والدین کریمین کے ساتھ دفن کرنا

وقت گزرتا رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کا صندوق مبارک ایک بڑھیا کی رہنمائی سے دریائے نیل سے نکال کر کنعان لے آئے اور حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے ساتھ دفن کر دیا۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی 327ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت سعید بن عبدالعزیز سے روایت ہے کہ

جب حضرت یوسف علیہ السلام پر وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بھائیوں کو بلا کر کہا اے میرے بھائیو! میں نے دنیا میں کسی سے بھی اپنے اوپر کیے جانے والے ظلم کا بدلہ نہیں لیا اور مجھے یہ پسند تھا کہ میں لوگوں کی نیکیاں ظاہر کروں اور ان کی برائیاں چھپاؤں اور دنیا سے میرا یہی آخرت کے لئے زادراہ ہے۔ اے میرے بھائیو! میں نے اپنے باپ دادا جیسے عمل کیے ہیں تو تم مجھے ان قبروں کے ساتھ ملا دینا اور ان سے اس بات کا پکا وعدہ لیا لیکن انہوں نے اپنے وعدہ کو پورا نہیں کیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا۔ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق معلوم کیا کہ ان کا صندوق کہاں دفن ہے تو صرف ایک بوڑھی عورت کو اس کا پتا تھا اس کا نام شارح بنت شیر بن یعقوب تھا۔

اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔

میں ایک شرط پر تم کو اس کا پتا بتاؤں گی۔

اس نے کہا:

ایک شرط تو یہ ہے کہ میں بوڑھی ہوں میں جوان ہو جاؤں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

منظور ہے۔

اس نے کہا:

دوسری شرط یہ ہے کہ

میں جنت میں آپ علیہ السلام کے درجہ میں آپ علیہ السلام کے ساتھ رہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سے گریز کر رہے تھے کہ آپ علیہ السلام پر وحی ہوئی کہ اس شرط کو بھی مان لو تو آپ علیہ السلام نے مان لیا پھر اس بڑھیا نے صندوق کی رہنمائی کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس صندوق کو نکال لیا۔ وہ عورت جب (52) باون سال کی عمر کو پہنچتی تو اس کی جسامت (32) بتیس سال کی ہو جاتی۔

اس نے 1600 یا 1400 کی عمر پائی اور حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے اس سے شادی کی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:7، ص:2205، رقم الحدیث: 12019 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

امام حافظ احمد بن علی بن تمیمی متوفی 307ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی عزت افزائی کی۔

اور ارشاد فرمایا:

ہمارے پاس آؤ۔

وہ آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا:

تم اپنی حاجت بیان کرو۔

اس نے عرض کیا:

مجھے سواری کے لئے ایک اونٹنی چاہیئے اور بکریاں چاہئیں جن کا ہم دودھ دوہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا تم بنو اسرائیل کی بڑھیا کی طرح ہونے سے بھی عاجز ہو؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل کو لے کر مصر سے روانہ ہوئے تو وہ راستہ بھول گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا:

اس کی کیا وجہ ہے؟

ان کے علماء کرام نے کہا کہ

جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات قریب ہوئی تو انہوں نے ہم سے (یعنی ہمارے آباء واجداد سے) یہ پختہ وعدہ لیا تھا اور اس پر قسم لی تھی کہ ہم مصر سے اس وقت تک روانہ نہیں ہوں گے جب تک ان کی نعش کو ساتھ نہیں لے جائیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا:

ان کی قبر کی جگہ کسی کو معلوم ہے۔

انہوں نے کہا:

بنو اسرائیل کی ایک بڑھیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو بلوایا پس وہ آئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر بتاؤ۔

اس نے عرض کیا:

اس وقت تک اس کا پتا نہیں بتاؤں گی حتیٰ کہ آپ علیہ السلام میری ایک درخواست منظور نہ کریں۔

آپ علیہ السلام نے پوچھا:

تمہاری کیا درخواست ہے؟

اس نے عرض کیا:

میں جنت میں آپ علیہ السلام کے ساتھ رہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ ماننا ناگوار ہوا تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ آپ علیہ السلام اس کی درخواست منظور کرلیں تو وہ آپ علیہ السلام کو دریائے نیل کی اس جگہ پر لے گئی جہاں کا پانی متغیر ہو چکا تھا۔

اس نے عرض کیا:

یہاں سے پانی نکالو۔

انہوں نے وہاں سے پانی نکالا۔

اس نے عرض کیا:

یہاں کھدائی کرو، کھدائی کے بعد وہاں سے حضرت یوسف علیہ السلام کی نعش برآمد کی جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی نعش اوپر اٹھائی تو ان کو گمشدہ راستہ روزروشن کی طرح مل گیا۔

(مسند ابویعلیٰ: ج:13، ص:236، 237، رقم الحدیث:7254 مطبوعہ دارالثقافت العربیہ)

امام ابوبکر محمد بن جعفر الخرائطی متوفی 327ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کسی کام کے متعلق سوال کیا جاتا۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ اسے کرنے کا ہوتا تو ارشاد فرماتے ہاں۔ اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ نہ کرنے کا ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کے متعلق ''نہ'' نہیں فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا اور اس نے کچھ سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ اس نے پھر سوال کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے پھر اس نے تیسری بار سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے گویا جھڑکنے کے انداز میں فرمایا۔

اے اعرابی مانگ کیا چاہتا ہے؟ ہمیں اس پر رشک آیا اور ہم نے گمان کیا کہ اب وہ جنت کا سوال کرے گا۔

اس نے عرض کیا:

میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سواری کا سوال کرتا ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ تمہیں مل جائے گی۔

پھر ارشاد فرمایا:

سوال کرو۔

اس نے عرض کیا:

اس کے پالان کا سوال کرتا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ تمہیں مل جائے گی۔
پھر ارشاد فرمایا:
سوال کرو۔
اس نے عرض کیا:
میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر خرچ کا سوال کرتا ہوں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ تمہیں مل جائے گا۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا:
ہمیں اس پر تعجب ہوا۔
پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اس اعرابی نے جن چیزوں کا سوال کیا وہ اس کو دے دو۔
پھر اس کو وہ چیزیں دے دی گئیں۔
پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اس اعرابی کے سوال میں اور بنی اسرائیل کی بڑھیا کے سوال میں کتنا فرق ہے۔
پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سمندر پار جانے کا حکم ہوا تو آپ علیہ السلام کے پاس سواری کے لئے جانور لائے گئے۔ وہ جانور سمندر کے کنارے پہنچے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے منہ پھیر دیئے اور خود بخود پلٹ آئے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:
اے رب عزوجل! یہ کیا ماجرا ہے۔
حکم ہوا کہ تم حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کے پاس ہو۔ اس کی نعش کو اپنے ساتھ لے جاؤ وہ قبر ہموار ہو چکی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پتا نہیں تھا کہ وہ قبر کہاں ہے۔
پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں سے سوال کیا کہ
تم میں سے کسی کو پتا ہے کہ وہ قبر کہاں ہے؟
لوگوں نے کہا:
اگر کوئی جاننے والا ہے تو وہ بنی اسرائیل کی ایک بڑھیا ہے اس کو معلوم ہے کہ وہ قبر کہاں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بڑھیا کو بلوایا جب وہ پہنچ گئیں۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:
کیا تمہیں حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کا علم ہے؟
اس نے کہا:
ہاں۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:
ہمیں بتاؤ۔
اس نے کہا:
نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم جب تک تم میرا سوال پورا نہیں کرو گے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:
بتاؤ تمہارا کیا سوال ہے؟
اس بڑھیا نے کہا:
میں یہ سوال کرتی ہوں کہ جنت کے جس درجہ میں تم رہو گے اسی درجہ میں میں رہوں۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:
صرف جنت کا سوال کرو۔
اس نے کہا:
نہیں! اللہ تعالیٰ کی قسم میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گی جب تک کہ میں تمہارے ساتھ جنت میں تمہارے درجہ میں نہ رہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو ٹالتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی اس کو وہ درجہ دے دو۔ اس سے تم کو کوئی کمی نہیں ہوگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو جنت کا وہ درجہ دے دیا۔ اس نے قبر بتائی اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی نعش لے کر سمندر کے پار گئے۔

(مکارم الاخلاق: ج:2، ص:626، رقم الحدیث:669 مطبوعہ مطبع المدنی مصر)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:
جب آپ علیہ السلام کا وصال ہوا تو ہر محلہ والے جھگڑنے لگے کہ انہیں ہمارے محلہ میں دفن کیا جائے کیونکہ لوگ آپ علیہ السلام کی برکت کی امید رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ جھگڑا اقتال تک پہنچنے لگا تو انہوں نے یہ طے کیا کہ آپ علیہ السلام کو دریائے نیل میں دفن کرتے ہیں جہاں سے پانی مصر پہنچتا ہے تو آپ علیہ السلام کے جسم سے پانی گزر کر آئے گا تو تمام کو برکت نصیب ہو گی۔

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ
آپ علیہ السلام کو دریائے نیل کی دائیں جانب دفن کیا گیا تو وہ طرف سرسبز ہوگئی اور دوسری طرف بنجر ہوگئی تو پھر آپ علیہ السلام کو بائیں جانب نقل کیا گیا تو وہ بائیں جانب سرسبز اور دائیں جانب بنجر ہوگئی تو لوگوں نے آپ علیہ السلام کو درمیان میں

دفن کر دیا تو اس طرح دونوں اطراف سرسبز رہیں یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ علیہ السلام کو نکال کر شام لے گئے اور آپ علیہ السلام کے آباء کے قریب انہیں دفن فرمایا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:329 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت سعید بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام پر جب موت کا وقت آیا۔

تو ارشاد فرمایا:

اے میرے بھائیو! میں نے کسی سے بھی انتقام نہیں لیا جس نے بھی دنیا میں مجھ پر ظلم کیا اور میری یہ پسند رہی ہے کہ میں نیکی کو ظاہر کروں اور برائی پر پردہ ڈالوں۔ دنیا میں میرا یہ زاد تھا۔ اے میرے بھائیو! میں اپنے آباء کے ساتھ اعمال میں شریک رہا ہوں پس ان کی قبور میں بھی مجھے ان کی رفاقت عطا کرنا۔ آپ علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے پختہ وعدہ لیا۔ لیکن بھائیوں نے ایسا نہ کیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کے متعلق دریافت کیا تو شارح بنت شیرا ابن یعقوب کے علاوہ کسی کو خبر نہ تھی۔

اس عورت نے کہا:

میں تمہیں ایک شرط پر یوسف علیہ السلام کی قبر کا پتہ بتاتی ہوں؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

میں تمہاری شرط پوری کروں گا۔

عورت نے کہا:

جب میری عمر زیادہ ہو جائے تب بھی میں جوان رہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

تیری یہ شرط منظور ہے۔

پھر اس عورت نے کہا:

قیامت کے دن میں آپ علیہ السلام کے ساتھ آپ علیہ السلام کے درجہ میں رہوں۔ اس شرط پر پہلے تو آپ علیہ السلام رکے لیکن حکم ہوا کہ اس کی یہ شرط بھی تسلیم کر لو۔ آپ علیہ السلام نے یہ شرط بھی قبول کر لی۔ اس عورت نے آپ علیہ السلام کی رہنمائی کی۔ آپ علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی قبر سے نکالا۔ اس عورت کی عمر جب پچاس سال تھی تو وہ تیس (30) سال کی لڑکی لگتی تھی حتیٰ کہ اس عورت نے ایک ہزار چھ سو سال یا ایک ہزار چار سو سال عمر گزاری حتیٰ کہ حضرت سلیمان داؤد علیہما السلام نے اس کو پالیا اور اس سے نکاح کیا۔

اور حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب بنی اسرائیل کو ساتھ لے جانے کا حکم دیا تو ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اپنے

یوسف علیہ السلام کے جسم کو بھی لے جاؤ۔ انہیں مصر میں نہ چھوڑو اور انہیں ارض مقدس میں جا کر دفن کرو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں سے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کے متعلق پوچھا تو بنی اسرائیل کی ایک بوڑھی عورت کے علاوہ کسی کو اس کا علم نہ تھا۔

اس بڑھیا نے کہا:

اے اللہ عزوجل کے نبی! میں وہ جگہ جانتی ہوں اگر تم مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ اور مجھے بھی مصر کی زمین پر نہ چھوڑو تو میں تمہیں بتاتی ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

میں ایسا ہی کروں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فجر کے طلوع ہونے کے وقت تک چلنے کا وعدہ کیا تھا۔ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کھودنے سے فارغ ہونے تک فجر کے طلوع کو مؤخر فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے فجر کو مؤخر فرما دیا۔ بڑھیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ساتھ لے کر باہر گئی اور دریائے نیل کے کنارے آپ علیہ السلام کی قبر دکھائی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مرمر کا صندوق نکالا اور اٹھا کر لے گئے۔

(الدر المنثور: ج:4، ص:591،591 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کو وصال کے بعد چار مرتبہ منتقل کیا جاتا رہا

حضرت یوسف علیہ السلام جب وصال فرما گئے تو آپ علیہ السلام کو چار بار منتقل کیا گیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

آپ علیہ السلام کی وفات کے بعد لوگوں نے سنگ مرمر کے صندوق میں آپ علیہ السلام کو دریائے نیل کے مصری جانب دفن فرمایا تو اس اطراف میں اتنی برکتیں کھیتیاں باغات ہوئے کہ لوگ ادھر کی زمینوں والے خوش حال ہو گئے۔ تو ادھر والوں نے رات کو خفیہ آپ علیہ السلام کا تابوت شریف نکال کر اپنی جانب کنارۂ نیل میں دفن کر دیا تو ادھر برکتیں شروع ہو گئیں جب ادھر کے لوگوں کو علم ہوا تو جھگڑا شروع ہو گیا چنانچہ آپ علیہ السلام کو تیسری مرتبہ دریائے نیل کے بیچ ایسی جگہ دفن کیا جو اونچی اور خشک جگہ تھی۔ صدیاں گزرنے کے بعد وہ جگہ پانی میں آ گئی تو چوتھی مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک بڑھیا کی نشان دہی پر بحکم ربانی فلسطین اپنے ساتھ لے جا کر حضرت یعقوب علیہ السلام کے پہلو میں دفن کیا۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:179 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کے دخول مصر سے خروج میت تک 400 چار سو سال کا عرصہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے دخول مصر سے خروج میت چار سو سال کا عرصہ ہے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے دخول مصر سے لے کر خروج میت تک چار سو (400) سال کا عرصہ ہے۔
(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:179 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بنی اسرائیل کے پہلے نبی حضرت یوسف علیہ السلام ہیں

بنی اسرائیل کے پہلے نبی حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
بنی اسرائیل کے پہلے نبی حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔
(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:179 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام

بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
بنی اسرائیل کے پہلے نبی حضرت یوسف علیہ السلام ہیں اور آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔
(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:179 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بنی اسرائیل میں کل انبیاء کرام علیہم السلام ایک لاکھ تیئس ہزار نو سو اکیاسی ہوئے

بنی اسرائیل میں کل انبیاء کرام علیہم السلام ایک لاکھ تیئس ہزار نو سو اکیاسی (123981) ہوئے۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
بنی اسرائیل میں کل انبیاء کرام علیہم السلام ایک لاکھ تیئس ہزار نو سو اکیاسی (123981) ہوئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔
(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:179 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کی امت ایک لاکھ ہوئی

حضرت یوسف علیہ السلام کی امت کی تعداد ایک لاکھ ہوئی۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
حضرت یوسف علیہ السلام کی امت ایک لاکھ ہوئی۔
(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:425 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان 2500 سو سال کا فاصلہ

حضرت یوسف علیہ السلام اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان (2500) پچیس سو سال کا فاصلہ ہے۔
تفسیر نعیمی میں ہے۔
تاریخوں سے ثابت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فاصلہ زمانی پچیس سو (2500) سال ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:260 نعیمی کتب خانہ لاہور)

مصر میں قوم عمالقہ کی حکومت پانچ سو سال

قوم عمالقہ نے مصر کو آباد کیا اور اس نے تقریباً پانچ سو سال مصر پر حکومت کی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

عمالیق کی اولاد قوم عمالقہ نے مصر کو آباد کیا اور اسی قوم کی حکومت تقریباً پانچ سو سال (500) مصر پر رہی۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص: 231 نعیمی کتب خانہ لاہور)

مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام نے اسی سال (80) سال حکومت کی

مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام نے اسی سال (80) حکومت فرمائی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

پھر حکومت حضرت یوسف علیہ السلام کے قبضے میں آئی اور اسی (80) سال بادشاہ مصر رہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص: 231 نعیمی کتب خانہ لاہور)

مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی یہودا نے دس سال حکومت کی

حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد یہودا نے مصر میں دس سال حکومت کی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

پھر آپ علیہ السلام نے اپنے بھائی یہودا کو حکومت دی اپنی وفات کے وقت اس کی حکومت دس سال رہی۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص: 231 نعیمی کتب خانہ لاہور)

مصر میں فرعون کی حکومت تین سو سال

مصر میں فرعون کی حکومت تین سو سال رہی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

پھر دیگر بنی اسرائیل حکومت کرتے رہے یہاں تک کہ قبطی قوم کے فرعون نے حکومت پر قبضہ کر لیا اور بنی اسرائیل کو ذلیل و خوار کیا، فرعون کی حکومت تین سو سال (300) رہی۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص: 231 نعیمی کتب خانہ لاہور)

یہودا کے بعد بنی اسرائیل کی حکومت ایک سو سال

یہودا کے بعد بنی اسرائیل کی حکومت ایک سو سال رہی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

یہودا کے بعد بنی اسرائیل کی حکومت ایک سو (100) سال رہی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ آیا اور فرعون غرق کیا گیا، قبط نام تھا حضرت نوح علیہ السلام کے ایک پوتے کا جس کی نسل کا نام قوم قبط ہوا یہ سب کافر ہی رہے اور کفر میں ہی غرق ہوئے سب کے سب اور اس طرح یہ نسل ختم کردی گئی۔ عمالیق نام تھا حضرت نوح علیہ السلام کے پڑپوتے کا اس کی اولاد قوم عمالقہ کہلائی یہ بھی سب کافر تھے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13،ص:231 نعیمی کتب خانہ لاہور)

ملک مصر پر قبل مسیح صرف تین قوموں کی حکومت رہی

ملک مصر پر قبل مسیح صرف تین قوموں کی حکومت رہی۔ عمالقہ، بنی اسرائیل، قبطی۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

ملک مصر پر قبل مسیح صرف تین قوموں کی حکومت رہی۔

1-عمالقہ

2-بنی اسرائیل

3-قبطی

(تفسیر نعیمی: ج:13،ص:231 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ پر چار ہزار مومن بنے

حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ پر چار ہزار مومن بنے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

عمالیق نام تھا نوح علیہ السلام کے پڑپوتے کا اس کی اولاد قوم عمالقہ کہلائی یہ بھی سب کافر تھے مگر حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ پر چار ہزار مومن بنے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13،ص:231 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت یوسف علیہ السلام کے خاندان کا اجمالی تذکرہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے خاندان کا اجمالی تذکرہ کچھ یوں ہے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی پہلی بیوی راحیل تھیں مگر ان کے تین بچے بڑھاپے میں ہوئے۔

لڑکا یوسف (علیہ السلام)

لڑکی زینب

دوسرا بیٹا بنیامین۔

دوسری بیوی لیا کے چھ بیٹے اور ایک بیٹی۔

زلفہ لونڈی سے

1-جاد

2-آشر

3-دن۔

لونڈی سے دو بیٹے

1-دان

2-نفتانی۔

دخول مصر کے وقت صرف لیا زندہ تھیں۔ اور بارہ بیٹے زندہ اوران کی اولاد بیویاں، حضرت یعقوب علیہ السلام کی دونوں بیٹیاں فوت ہو چکی تھیں۔صحیح یہ ہے کہ دونوں کی شادی نہ ہوئی تھی۔وفات نوجوانی میں ہوئی تھی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے گیارہ بھائیوں کے نام

1-روبیل

2-یہودا

3-شمعون

4-لاوی

5-یشجر

6-زیالون

7-جاد

8-آشر

9-دان

10-نفتالی

11-حضرت یوسف علیہ السلام

12-بنیامین

والد محترم حضرت یوسف علیہ السلام (کون)

حضرت یعقوب علیہ السلام

سگی والدہ (کون)؟

راحیل

(حضرت یعقوب علیہ السلام کی) دوسری زوجہ (کون)؟

لیا (سوتیلی ماں حضرت یوسف علیہ السلام)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی لونڈیاں (کون؟)

1-زلفہ

2-بلہہ

حضرت یوسف علیہ السلام کی بہنیں (کون؟)

سگی (بہن کون؟)

زینب

سوتیلی (بہن کون؟)

دنیہ

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص: 231 نعیمی کتب خانہ لاہور)

خلاصہ قصہ حضرت یوسف علیہ السلام

مجھ بدکار و خطار نے ادنٰی سی کوشش سے مختلف تفاسیر کا مطالعہ کر کے اس جلد میں چار انبیاء کرام علیہم السلام حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہم السلام کے احوال کو ذکر کیا ہے مگر حضرت یوسف علیہ السلام کے احوال و قصے کو تفصیل وطوالت کے ساتھ بیان کیا۔ اب آخر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کا خلاصہ میں رضا الٰہی عزوجل کی خاطر چند صفحات میں عرض کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی مقدس بارگاہ میں دعا ہے کہ اگر مجھ بدکار و خطا کار سے بتقضائے بشریت کوئی گستاخی یا غلطی ہو گئی ہو تو اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے معاف فرمائے اور تمام امت مسلمہ کی مغفرت فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین وصلی اللہ علیہ وسلم۔

ولادت مبارکہ اور نسب نامہ

حضرت یوسف علیہ السلام کی ولادت مبارکہ اور نسب نامہ کچھ اس طرح ہے۔

تفسیر نعیمی میں ہے۔

لفظ یوسف عبرانی ہے۔ عربی میں آ کر عجمی علم ہو کر غیر منصرف ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے پوتے ہیں یعنی پڑپوتے۔

بخاری اور احمد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

فرمایا آقا کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے

یوسف کریم الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے والد محترم یعقوب علیہ السلام کے متعلق بنی اسرائیل نے بڑی بڑی فضول کہاوتیں بنا رکھی ہیں آپ علیہ السلام کی پیدائش میں

بھی بہت فضولیات گھڑ رکھی ہیں۔

صحیح کلام اس طرح ہے کہ

حضرت اسحاق علیہ السلام کی بیوی حضرت حمصہ اور ایک روایت میں ربقہ کے بطن سے دو بیٹے بیک وقت پیدا ہوئے پہلے والا بیٹا اس کے جسم پر بہت سے بال اگے تھے مثل بکری کے اس لیے اس کا نام عیص یا عیسو رکھا۔لغت میں بالوں والے درخت کو عیص کہتے ہیں۔اس کی ایڑی کے بال دوسرے بیٹے کے سر کے بالوں سے جڑے تھے۔ایڑی کو ان کی زبان میں بھی عقب کہا جاتا تھا۔اس لیے ان کا نام یعقوب رکھا اور جیسے کہ فطری طور پر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ والد کو پہلی اولاد پیاری ہوتی ہے والدہ کو آخری۔اس طرح عیص بیٹا والد محترم کو پیارا لگا اور ساری عمر منظور نظر رہا اور حضرت یعقوب علیہ السلام والدہ کے منظور نظر بنے اور والدہ نے ان سے ہی زیادہ پیار کیا۔جب حضرت اسحاق علیہ السلام ایک سو اسی (180) سال کی عمر میں پہنچے تو انتہائی بڑھاپے کی وجہ سے آپ علیہ السلام کی بینائی کمزور ہوگئی۔تنہائی پسند اور خلوت نشین تو آپ علیہ السلام شروع سے ہی تھے اب اور بھی بتقضاء عمر اندھیری کوٹھڑی اور محراب خانہ میں ہمہ تن ذکر و اذکار میں مشغول ہوئے۔جب وفات شریف میں چند دن باقی رہ گئے تو آپ علیہ السلام نے اپنے لاڈلے بیٹے حضرت عیص کو بلایا۔

اور ارشاد فرمایا:

اے میرے بیٹے میری زندگی کے چند دن باقی ہیں۔میں چاہتا ہوں کہ آخری وقت میں تجھ کو قلبی دعا سے نوازوں لہٰذا تو میرے لیے بہترین شکار مار کر لا۔اور اس کا شاندار گوشت بنا کر مجھ کو کھلا تا کہ کھا کر میرے دل سے خود بخود دعا نکلے اور تجھ کو دعا کرانے کی حاجت نہ رہے بلکہ یہ تیری خدمت دعا لینے کا ذریعہ بن جائے۔یہ حکم عیص کو دینے میں تین وجہ تھیں۔

ایک یہ کہ

حضرت عیص بہت بڑے شکاری تھے اور ان کا کاروبار ہی شکار کی تجارت تھی جبکہ حضرت یعقوب علیہ السلام بکریوں، بھیڑوں کا کاروبار کرتے تھے۔

دوسری وجہ یہ کہ

قیامت تک کی مسلمان نسل کو سبق سکھانا تھا تا کہ دعا کرانا کمال نہیں دعا لینا کمال ہے اور دعا لینا خدمت سے ہوتا ہے۔

تیسری وجہ یہ کہ

سب سے بڑی خدمت اور دعا لینے کا ذریعہ کھانا کھلانا ہے اور وہ بھی اپنی محنت خون پسینے کی کمائی سے یہی وجہ ہے کہ بزرگان دین لنگر جاری کرتے ہیں۔اولیاء اللہ کے آستانوں پر دن رات لنگر خانے کھلے رہتے ہیں اس کی اصل یہی سنت اسحاق علیہ السلام ہے۔گیارہویں شریف، بارھویں شریف اور دیگر ختمات و عرس کی بھی یہی وجہ ہے اور فائدہ ہے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام نے یہ کلام خفیہ نہ فرمایا تھا بلکہ بلند آواز سے فرمایا تھا اس لیے کہ سنانا مقصود سب کو تھا۔حضرت عیص تو فوراً ہتھیار سنبھال کر شکار کو چل پڑے مگر حضرت اسحاق علیہ السلام کی بیوی جن کے نام کے بارے میں چار روایتیں ہیں۔

1-حمصہ

2-ریقہ

3-رائقہ

4-ریقہ آپ بہت ولی اللہ تھیں آپ کو معلوم تھا کہ ہر نبی کو ایک خصوصی دعا ملتی ہے جو لازمی قبول ہوتی ہے جس کو وہ نبی اکرم خاص موقع، خاص شخص کے لئے استعمال فرماتے ہیں۔

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

دنیا میں میں نے وہ دعا استعمال نہیں کی، میدان محشر میں شفاعت امت کے لئے بچار کھی ہے کیا کریمی ہے سبحان اللہ کیسے بخت ہیں ہم امتیوں کے۔

حضرت حمصہ نے اپنے لاڈلے یعقوب (علیہ السلام) کو بلایا۔

اور فرمایا کہ

بیٹے رب تعالیٰ نے سنہری موقعہ دیا ہے باپ کی دعا لینے کا اور باپ بھی وہ جماعت انبیاء میں رسول عظیم ہے۔فوراً ایک بہترین بکری لا کر ذبح کرو۔اور اس کی دستی کا گوشت خود پکا کر بہترین مزیدار والدمحترم کی خدمت میں پیش کرو اور جسم پر اس بکری کی کھال اوڑھ لینا۔حضرت یعقوب علیہ السلام نے جلدی جلدی سب کچھ کر کے پیش کیا۔

تو والدنے کہا کہ

آپ کا بیٹا گوشت پکا کر لے آیا ہے۔

حضرت اسحاق (علیہ السلام) نے اندھیرے میں بیٹھے ہوئے فرمایا:

عیص آ گیا۔

اس پر کسی نے جواب نہ دیا۔

تو حضرت اسحاق علیہ السلام نے پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔

اور فرمایا کہ

جسم تو عیص جیسا ہے مگر خوشبو یعقوب کی ہے۔

یہ نبی کی معجزانہ حس شامہ ہے ورنہ ہر شخص کو انسانی خوشبو نہیں آسکتی۔جب آپ علیہ السلام نے گوشت تناول فرمایا تو انتہائی لذیذ تھا کیونکہ نبی کے دست ید الہٰی نے پکایا تھا۔اس لیے کہ نبی کا ہر عمل بے مثل ہوتا ہے۔اس لذت سے سرشار ہو کر آپ علیہ السلام کے منہ سے قلبی دعائیں نکلیں یا اللہ میرے اس بیٹے کو نبی رسول بنا دے اور آپ نے اپنی وہ خصوصی دعا استعمال فرما دی۔

تھوڑی دیر بعد حضرت عیص شکار کا گوشت لے کر حاضر ہوئے۔

تو آپ نے فرمایا:

عیص تم اب آئے ہو۔خصوصی دعا تو یعقوب لے گیا۔

اچھا حسب وعدہ تم کو نسل کثیر کی دعا دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت اسحاق علیہ السلام کی یہ دعا بھی قبول ہوئی مگر عیص نے دل میں تہیہ کر لیا کہ میں یعقوب کو ہلاک کر دوں گا اس نے میرا حق چھینا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے علم غیب کے ذریعے جان لیا کہ عیص کا قلبی ارادہ کیا ہے۔ علیحدگی میں حضرت یعقوب علیہ السلام کو فرمایا کہ

مجھ کو خطرہ ہے کہ عیص تم کو نقصان پہنچائے گا لہٰذا تم اپنے ماموں لیابن ناہر کے پاس شام میں چلے جاؤ۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کنعان میں رہتے تھے آپ علیہ السلام کے بھائی حضرت اسحاق علیہ السلام مکہ مکرمہ رہتے تھے اس وصیت کے تیسرے دن حضرت اسحاق علیہ السلام کا انتقال ہو گیا ایک سو اسی سال میں۔ بعد تدفین حضرت یعقوب علیہ السلام ہجرت کر گئے۔ ماموں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے پاس بہت محبت سے رکھا ماموں لیابن ناہر کی دو بیٹیاں تھیں۔ بڑی لایا جو عمر میں حضرت یعقوب علیہ السلام سے بڑی تھیں۔

دوسری راحیل۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے نکاح کا پیغام اور خواہش کی۔

تو لیا نے کہا:

حق مہر کے لیے کچھ مال ہے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

نہیں۔

تو ماموں نے کہا:

سات سال میری خدمت کرو۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے منظور کی۔ سات سال بعد لیابن ناہر نے لایا بڑی بیٹی سے نکاح کر دیا اور ایک لونڈی جہیز میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی ملک کر دی۔ جب خلوت صحیحہ میں پہنچے تو دیکھا کہ بڑی لڑکی دلہن بنی ہوئی ہے آپ علیہ السلام نے سسر سے شکایت کی کہ میں نے چھوٹی بیٹی راحیل سے نکاح کی خواہش یا پیغام دیا تھا۔

سسر نے جواب دیا۔

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ بڑی بیٹی بیٹھی رہے اور میں چھوٹی کا نکاح کر دوں۔ اگر تیری خواہش چھوٹی سے ہے تو سات سال اور خدمت کرو چھوٹی سے بھی نکاح کر دوں گا۔ شریعت ابراہیمی میں دو بہنوں کو ایک کے نکاح میں جمع کرنا جائز تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت نے اس حکم کو منسوخ کیا۔ سات سال بعد راحیل سے بھی نکاح ہو گیا۔ اور ایک لونڈی جہیز میں حضرت یعقوب علیہ السلام کو دی گئی۔ اس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد چار عورتوں میں تقسیم ہوئی۔ دو بیویوں اور دو لونڈیوں میں۔ پہلی لونڈی کا نام زلفہ تھا دوسری کا نام بلھہ لایا۔

بیوی کے چھ بیٹے اور ایک بیٹی

1- روبیل

2-شمعون

3-یہودا

4-لاوی

5-یسجر

6-زیالون

بیٹی دنیہ

زلفہ لونڈی سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔

1-دان

2-یغثالی

ملبھہ لونڈی سے بھی دو بیٹے پیدا ہوئے۔

1-جادو

2-آشر

اس طرح دس بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئے۔

ابھی تک راحیل سے کوئی اولاد نہ ہوئی جب یہ بچے کچھ بڑے ہو گئے تو راحیل حاملہ ہوئیں۔ پہلا بچہ حضرت یوسف علیہ السلام پیدا ہوئے۔ پھر ایک سال بعد ایک لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام زینب رکھا۔ پھر ایک سال بعد ایک اور بیٹا پیدا ہوا جس کا نام بنیامین رکھا۔ ایام نفاس میں ہی راحیل کا انتقال ہو گیا تب تو بلھہ نے زینب کو پالا اور لیا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سنبھالا اور زلفہ نے بنیامین کو۔ چونکہ ان تینوں نازک بچوں کی والدہ نہ تھی اس لیے حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان سے بہت پیار تھا اگرچہ لایا وغیرہ نے بہت محبت سے ان کو پالا مگر ماں کی محبت نہ ملنے کی وجہ سے ان تینوں میں بہت ہی بھولپن تھا۔ اور اپنے دیگر بھائیوں کی طرف بہت ہی معصومانہ طریقے سے دیکھا کرتے تھے۔ نہ کبھی زیادہ کھیل سے رغبت نہ شرارتیں، تینوں ہی حسن کے پیکر تھے مگر حضرت یوسف علیہ السلام بے مثل تھے ان کی مسکینیت اور بے ماں کے بچے ہونے کی وجہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام کبھی ان تینوں کو اپنے سے جدا نہ کرتے تھے۔ اس محبت نے سب سے پہلے زلفہ کے دل میں حسد ڈالا۔ پھر لیا کے دل میں حسد پیدا ہوا۔ ان دونوں کے اکسانے پر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں میں حسد پیدا ہوا اس حسد کا حضرت یوسف علیہ السلام کو کوئی پتہ نہ تھا وہ اپنی ربیبہ ماں لیا سے انتہائی محبت کرتے تھے لیا چاہتی تھی کہ یوسف یہاں سے چلا جائے۔ لیا نے یوسف علیہ السلام سے چال چلی۔

اور کہا:

تمہارے ماموں یعنی لیا کے بھائی بت پرست ہیں۔ جاؤ ان کے بت توڑ دو اور جو نہ ٹوٹے وہ میرے پاس لے آنا۔ لیا کو پتہ تھا کہ ایک بت سونے کا ہے وہ نہیں ٹوٹے گا۔ حضرت یوسف علیہ السلام بھولے بھالے پانچ سال کے تھے، وہ گئے کچھ اٹھا کر پھینکتے وہ ٹوٹ گئے سونے کا بت نہ ٹوٹا تو اٹھا کر لے آئے اور لیا کو دے دیا۔ لیا نے وہ چھپا لیا اور خود ہی اپنے کافر بھائی سے مخبری کر دی کہ یہ حضرت یوسف علیہ السلام نے توڑا اور چرایا ہے۔ مقصد تھا وہاں کے قانون کے مطابق مجرمانہ حیثیت سے حضرت

یوسف علیہ السلام کو وہ بھائی لے لے گا مگر بھائی نے جب حضرت یوسف علیہ السلام بھانجے کو بلایا تو انہوں نے باوجود کم سنی کے سب کچھ بتادیا۔ادھر زینب بہن نے سب باتیں لیا کی سن لی تھیں۔اس نے گواہی دی اور کچھ حضرت یوسف علیہ السلام کا بچپنہ بھولا پن، ماموں نے کچھ نہ کہا مگر حضرت یعقوب علیہ السلام سب کچھ سمجھ گئے اس لیے لیا اور زلفہ کو وہیں چھوڑ کر باقی سب اولاد کو اور بلھہ کو لے کر آپ پھر کنعان میں حضرت اسحاق علیہ السلام کے گھر اپنے بھائی عیص کے پاس آ گئے۔اب عیص بھی چھیانوے سال کے تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام بھی چھیانوے سالہ تھے۔اب وہ دشمنیاں بھلائی جا چکی تھیں۔عیص بہت امیر تھے، سینکڑوں تک اولاد تھی۔ان کے بڑے بیٹے کا نام روم تھا اس کے نام سے نسل اور علاقے کا نام پڑ چکا تھا۔دور دور تک نسل علاقہ پھیلا ہوا تھا یہ والد نبی حضرت اسحاق علیہ السلام کی دعا کا اثر تھا جب حضرت یوسف علیہ السلام پیدا ہوئے اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی عمر نوے سال کی تھی جب شام سے کنعان واپس آئے تو حضرت یوسف علیہ السلام چھ سال کے تھے۔کنعان میں آئے ایک سال ہوا تب سات سالہ حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب دیکھی تھی۔

(تفسیر نعیمی:ج:12،ص:360 تا363 نعیمی کتب خانہ لاہور)

خواب میں گیارہ ستاروں، سورج اور چاند کو سجدہ کرتے دیکھنا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا بھائیوں کو بیان کرنے سے منع کرنا

حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ گیارہ ستارے، سورج اور چاند سجدہ کر رہے ہیں۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بچپن میں یہ خواب دیکھا تھا لیکن وہ کون سا معین زمانہ تھا اس کا علم سوائے خبر کے نہیں ہو سکتا۔

وہب بن منبہ نے کہا ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے سات سال کی عمر میں خواب میں دیکھا کہ گیارہ لاٹھیاں ایک دائرہ کی شکل میں زمین میں مرکوز ہیں اور ایک چھوٹی لاٹھی نے ان گیارہ بڑی لاٹھیوں کو نگل لیا۔حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد سے اس خواب کو بیان کیا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

خبردار یہ خواب اپنے بھائیوں سے ہرگز نہ بیان کرنا پھر بارہ سال کی عمر میں حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کر رہے ہیں۔انہوں نے پھر حضرت یعقوب علیہ السلام سے یہ خواب بیان کیا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

تم اپنے بھائیوں سے یہ خواب بیان نہ کرنا ورنہ تمہارے خلاف کوئی سازش کریں گے۔

(تفسیر کبیر:ج:6،ص:419 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کو محبوب دیکھ کر کنویں میں ڈالنے کا مشورہ

جب یوسف کے بھائیوں نے مشورہ کیا کہ یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کے نزدیک ہم سے زیادہ محبوب ہیں حالانکہ ہم پوری جماعت ہیں بے شک ہمارے باپ کی رائے درست نہیں ہے۔ یوسف کو قتل کر دو یا اس کو کسی ملک میں چھوڑ آؤ پھر تمہارے باپ کی توجہ صرف تمہاری طرف رہے گی اس کے بعد تم اچھی حالت میں ہو جاؤ گے۔ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا یوسف کو قتل نہ کرو اور اس کو کسی اندھے کنویں کی گہرائی میں ڈال دو اس کو کوئی قافلہ والا اٹھا لے گا اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو (تو اسی طرح کرو) انہوں نے (یعقوب سے) کہا اے ہمارے ابا! کیا بات ہے آپ یوسف کے معاملہ میں ہم پر بھروسہ نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کی خیر خواہی کرنے والے ہیں۔ اسے کل ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ وہ پھل کھائے اور کھیلے کودے اور بے شک ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ (یعقوب نے) کہا تمہارے اس کو لے جانے سے میں (اس کی جدائی میں) ضرور غمگین ہوں گا اور مجھے اندیشہ ہے کہ تم اس سے غافل ہو گے اور بھیڑیا اس کو کھا جائے گا۔ انہوں نے کہا ہماری پوری جماعت کے ہوتے ہوئے اگر اس کو بھیڑیا کھا گیا تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔ (یوسف: 8 تا 14)

حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کا کنویں میں ڈالنا

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے اصرار پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے انہیں حضرت یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کے ساتھ روانہ ہوئے تو انہوں نے راستہ میں ان کے ساتھ شدید عداوت کا اظہار کیا۔ ایک بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کو مارتا تو وہ دوسرے بھائی سے فریاد کرتے تو وہ بھی ان کو مارتا پیٹتا اور انہوں نے ان میں سے کسی کو رحم دل نہ پایا قریب تھا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کر دیتے اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کہہ رہے تھے۔ اے یعقوب علیہ السلام! کاش آپ علیہ السلام جانتے کہ آپ علیہ السلام کے بیٹے کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔

تب یہودا نے کہا:

کیا تم لوگوں نے مجھ سے یہ پکا عہد نہیں کیا تھا کہ تم لوگ اس کو قتل نہیں کرو گے تب وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں پر لے گئے اور ان کو کنویں کی منڈیر پر کھڑا کر کے ان کی قمیص اتار لی جس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس قمیص پر خون لگا کر حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے کہا۔

میری قمیص واپس کر دو تاکہ میں اس سے اپنے بدن کو چھپاؤں۔

بھائیوں نے کہا:

اب تم سورج، چاند اور گیارہ ستاروں کو بلاؤ تاکہ وہ اس کنویں میں تمہاری غمگساری کریں پھر انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں پھینک دیا تاکہ وہ پانی میں ڈوب کر مر جائیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام پانی میں گر گئے پھر انہوں نے کنویں کے ایک پتھر کی پناہ لی اور اس پتھر پر کھڑے ہو گئے وہ اس پر کھڑے ہوئے رو رہے تھے کہ ان کے بھائیوں نے آواز

دی۔ حضرت یوسف علیہ السلام یہ سمجھے کہ شاید ان کو رحم آگیا ہے۔

انہوں نے کہا:

لبیک۔

انہوں نے ایک بھاری پتھر اٹھا کر حضرت یوسف علیہ السلام کا نشانہ لیا۔ اب یہودا نے ان کو منع کیا اور یہودا ہی ان کو کنویں میں کھانا پہنچاتا رہا تھا۔

یہ بھی روایت ہے کہ

انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پکارا! اے وہ جو عاجز ہے غائب! اے وہ جو قریب ہے بعید نہیں۔ اے وہ غالب ہے مغلوب نہیں۔ میری اس مشکل کو آسان کر دے اور مجھے اس کنویں سے نجات عطا فرما۔

اور یہ بھی روایت ہے کہ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا اور ان کے کپڑے اتار لیے گئے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کو جنت کی ایک ریشمی قمیص پہنائی پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہ قمیص حضرت اسحاق علیہ السلام کو دی اور حضرت اسحاق علیہ السلام نے وہ قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کو دی اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس قمیص کو ایک غلاف میں ڈال کر وہ غلاف حضرت یوسف علیہ السلام کے گلے میں ڈال دیا پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام کنویں میں آئے اور غلاف سے وہ قمیص نکال کر حضرت یوسف علیہ السلام کو پہنا دی۔

(زاد المسیر: ج:4،ص:189، 190 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

بیٹوں کا جھوٹی بات بنا کر حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس روتے آنا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا سن کر بیٹوں سے قمیص کا پوچھنا

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی رات کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے۔
رات کے وقت کا انتخاب انہوں نے اس لیے کیا تھا کہ یہ وقت ان کے عذر پیش کرنے کے لئے زیادہ مناسب تھا۔

روایت ہے کہ

جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کے رونے کی آواز سنی۔

تو پوچھا:

کیا ہوا۔ تمہاری بکریوں کو کوئی حادثہ پیش آگیا۔

انہوں نے کہا:

نہیں۔

پوچھا:

حضرت یوسف علیہ السلام کہاں ہے؟

انہوں نے کہا:

ہم آپس میں دوڑنے کا مقابلہ کر رہے تھے تو اس اثناء میں اس کو بھیڑیا کھا گیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایک چیخ ماری اور رونے لگے۔

ایک روایت میں ہے۔

جب انہوں نے کہا:

اس کو بھیڑیا کھا گیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر گئے۔ انہوں نے ان کو ہوش میں لانے کے لئے پانی کے چھینٹے مارے لیکن انہوں نے حرکت نہ کی پھر انہوں نے ان کو پکارا تو انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر یہودا نے ان کے سانس نکلنے کے مواضع پر ہاتھ رکھا تو اس کو ان کے سانس لینے کا پتا نہیں چلا۔

تب یہودا نے کہا:

قیامت کے دن ہمیں سخت عذاب ہوگا ہم نے اپنے بھائی کو ضائع کر دیا اور اپنے باپ کو قتل کر دیا پھر سحری کے وقت سے پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام کو ہوش نہیں آیا۔ اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کا سر روبیل کی گود میں تھا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس سے کہا:

کیا میں نے اپنے بیٹے کو تمہارے پاس امانت نہیں رکھا تھا؟ اور کیا میں نے تم سے پختہ عہد نہیں لیا تھا؟

اس نے کہا:

اے ابا! اپنا رونا بند کریں تو میں آپ علیہ السلام کو اس کا سبب بتاؤں۔

پھر کہا۔

ہم آپس میں دوڑنے کا مقابلہ کر رہے تھے اور یوسف (علیہ السلام) کو ہم نے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا۔ اس اثناء میں اس کو بھیڑیا کھا گیا۔

پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے پوچھا:

اس کی قمیص کہاں ہے۔

تو انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر وہ قمیص پھینک دی حتیٰ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر بھی قمیص کا رنگ لگ گیا۔

(جامع البیان: ج: 12 ص: 211 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

قافلہ والوں کا کنویں سے نکالنا اور بھائیوں کا کھوٹے سکوں کے بدلے بیچنا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

ایک قافلہ آیا اور وہ اس کنویں کے قریب اترا پھر انہوں نے پانی لینے کے لئے اپنا آبکش بھیجا تو اس نے پانی نکالا تو یوسف

علیہ السلام بھی نکل آئے وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے وہ حضرت یوسف علیہ السلام کا بارگاہ رب العزت میں جو مقام و مرتبہ تھا اسے نہیں جانتے تھے ان کو حضرت یوسف علیہ السلام سے کوئی دلچسپی نہ تھی انہوں نے اسے بیچ دیا جبکہ اس کی بیع حرام تھی اور انہوں نے چند کھوٹے سکوں کے عوض فروخت کر دیا۔

(جامع البیان: ج:12، ص:207 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

مزید راقم ہیں۔

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ڈول والے اور اس کے ساتھیوں نے کہا:

یہ ہم نے یہ مال رضا کارانہ طور پر فروخت کرنے کے لئے لیا ہے تاکہ دوسرے ساتھی شرکت کا مطالبہ نہ کریں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے قافلہ والوں کا پیچھا کیا اور انہوں نے ڈول لٹکانے والے اور اس کے ساتھیوں سے کہا کہ اس کو مضبوطی سے باندھ دو تاکہ بھاگ نہ جائے حتیٰ کہ وہ مصر تک آپ علیہ السلام کو باندھ کر لے گئے۔

(جامع البیان: ج:12، ص:200 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

کنعان سے مصر میں فروخت ہونے تک کے واقعات

حضرت وہب بن منبہ اور دیگر نے کہا:

جب مالک بن دعر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں سے خرید لیا تو انہوں نے ایک دوسرے کو یہ دستاویز لکھ کر دی۔ مالک بن دعر نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے فلاں فلاں بیٹوں سے یہ غلام بیس درہم کے عوض خرید لیا ہے اور ان کے بھائیوں نے یہ شرط عائد کی تھی کہ یہ بھاگا ہوا غلام ہے اور اس کو زنجیروں اور بیڑیوں میں باندھ کر رکھا جائے اور انہوں نے اس پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنایا تھا۔

رخصتی کے وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے کہا۔

اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے۔ ہر چند کہ تم نے مجھے ضائع کر دیا ہے اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے ہر چند کہ تم نے مجھے رسوا کیا ہے اور اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے اگرچہ تم نے مجھ پر رحم نہیں کیا۔ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو زنجیروں سے باندھ کر ننگے پالان پر بٹھایا یعنی پالان پر کوئی فرش یا بچھونا نہیں تھا۔ جب وہ قافلہ آل کنعان کی قبروں کے پاس سے گزرا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی والدہ کی قبر کو دیکھا اور ایک سیاہ فام حبشی ان کے پہرے پر مامور تھا اس لمحہ وہ غافل ہو گیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے آپ کو اپنی والدہ کی قبر پر گرا دیا اور ان کی قبر پر لوٹ پوٹ ہونے لگے اور ان کی قبر سے گلے لگ گئے اور اضطراب سے کہنے لگے اے میری ماں! سر اٹھا کر اپنے بیٹے کو دیکھیے وہ کس طرح زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ گلے میں غلامی کا طوق پڑا ہوا ہے اس کو اس کے بھائیوں نے اس کے والد سے جدا کر دیا۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہم کو اپنی رحمت کے مستقر میں جمع کر دے۔ بے شک وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے ادھر جب اس حبشی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو پالان پر نہیں دیکھا تو وہ پیچھے دوڑا۔ اس نے دیکھا کہ وہ ایک قبر کے پاس ہیں۔ اس نے اپنے پیر سے خاک پر ٹھوکر ماری اور

حضرت یوسف علیہ السلام کو خاک پر لوٹ پوٹ کر دیا اور آپ علیہ السلام کو دردناک مار لگائی۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

مجھے مت مارو۔ اللہ تعالیٰ کی قسم میں بھاگا نہیں تھا۔ میں جب اپنی ماں کی قبر کے پاس سے گزرا تو میں نے چاہا کہ میں اپنی ماں کو الوداع کہوں اور میں دوبارہ ایسا کام نہیں کروں گا جو تم کو ناپسند ہو۔

اس حبشی نے کہا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! تو بہت برا غلام ہے تو کبھی اپنے باپ کو پکارتا ہے اور کبھی اپنی ماں کو پکارتا ہے تو نے اپنے مالکوں کے سامنے ایسا کیوں نہیں کیا تب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر دعا کی۔

اے اللہ عزوجل! اگر تیرے نزدیک میرے یہ کام خطا ہیں تو میں اپنے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں کہ تو مجھے معاف فرما دے اور مجھ پر رحم فرما۔ تب آسمان کے فرشتوں نے چیخ و پکار کی اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے۔

اور کہا:

اے یوسف (علیہ السلام)! اپنی آواز کو پست رکھیں۔ آپ علیہ السلام نے تو آسمان کے فرشتوں کو رلا دیا ہے۔ کیا آپ علیہ السلام یہ چاہتے ہیں کہ میں زمین کا اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر کر کے اس زمین کو الٹ پلٹ کر دوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

اے جبرائیل (علیہ السلام)! ٹھہرو! بے شک اللہ تعالیٰ حلیم ہے جلدی نہیں کرتا۔

تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے زمین پر اپنا پر مارا تو زمین پر اندھیرا چھا گیا اور گرد و غبار اڑنے لگا اور سورج کو گہن لگ گیا اور قافلہ اس حال میں تھا کہ کوئی شخص دوسرے کو نہیں پہچان رہا تھا۔

قافلہ کے سردار نے کہا:

تم میں سے کسی نے ضرور کوئی ایسا کام کیا ہے جو پہلے نہیں کیا گیا تھا۔

میں اتنے طویل عرصہ سے اس علاقہ میں سفر کر رہا ہوں اور میرے ساتھ کبھی اس قسم کا معاملہ پیش نہیں آیا۔

تب اس حبشی غلام نے کہا:

میں نے اس عبرانی غلام کو ایک تھپڑ مارا تھا۔

تب اس نے آسمان کی طرف اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور کچھ دعا کی۔ پتا نہیں اس نے کیا دعا کی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے ہمارے خلاف دعا کی تھی۔

سردار نے کہا:

تو نے ہمیں ہلاک کرنے کا سامان کر دیا۔ اس غلام کو ہمارے پاس لے کر آؤ، وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو لے کر آیا۔

سردار نے ان سے کہا۔

اے لڑکے! اس نے تم کو تھپڑ مارا جس کے نتیجہ میں ہم پر وہ عذاب آیا جس کو تم دیکھ رہے ہو اگر تم بدلہ لینا چاہتے ہو تو تم جس سے چاہو بدلہ لے لو اور اگر تم معاف کر دو تو تم سے یہی توقع ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

میں اس امید پر اس کو معاف کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما دے گا تو اسی وقت وہ گرد و غبار چھٹ گیا اور سورج ظاہر ہو گیا اور مشرق و مغرب میں روشنی پھیل گئی اور وہ سردار صبح و شام حضرت یوسف علیہ السلام کی زیارت کرتا تھا اور آپ علیہ السلام کی تعظیم و تکریم کرتا تھا حتیٰ کہ حضرت یوسف علیہ السلام مصر پہنچ گئے اور آپ علیہ السلام نے دریائے نیل میں غسل کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان سے سفر کی تھکاوٹ دور کر دی اور ان کا حسن و جمال لوٹا دیا۔ وہ سردار حضرت یوسف علیہ السلام کو لے کر دن میں شہر داخل ہوا اور ان کے چہرے کا نور شہر کی دیواروں پر پڑ رہا تھا۔ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدنے کے لئے پیش کیا تو بادشاہ کے وزیر قطفیر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خرید لیا۔

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

(معالم التنزیل: ج:2، ص:351 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

عزیز مصر کی بیوی کا ورغلانا

حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں جس عورت کے گھر میں تھے اس کے خاوند نے اس کو یہ تاکید کی تھی کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بہت تعظیم و تکریم کے ساتھ رکھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام بہت حسین و جمیل تھے اور وہ جوانی کی عمر کو پہنچ چکے تھے جب وہ عورت، حضرت یوسف علیہ السلام کو سات کمروں کے پیچھے ایک کوٹھڑی میں لے گئی اور ہر کمرہ کا دروازہ بند کر کے تالا لگاتی چلی گئی پھر حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے نفس کی طرف راغب کرنے کے لئے کہنے لگی۔

اے یوسف! تمہارے بال کتنے حسین ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

سب سے پہلے میرے جسم سے یہ بال الگ ہوں گے۔

اس نے کہا:

تمہاری آنکھیں کتنی حسین ہیں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

سب سے پہلے میرے جسم سے یہ آنکھیں بہہ جائیں گی۔

اس نے کہا:

تمہارا چہرہ کتنا حسین ہے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اس کو مٹی کھا جائے گی۔

اس نے کہا:

اے یوسف (علیہ السلام)! تمہاری صورت کتنی اچھی ہے۔
آپ علیہ السلام نے فرمایا:
میرے رب عزوجل نے یہ صورت رحم میں بنائی تھی۔
اس نے کہا:
اے یوسف (علیہ السلام) تمہاری صورت میرے جسم میں حلول کر چکی ہے۔
آپ علیہ السلام نے فرمایا:
اس میں شیطان تمہاری معاونت کر رہا ہے۔
اس نے کہا:
میں نے تمہارے لیے ریشم کا بستر بچھا دیا ہے اٹھو اور میری خواہش پوری کرو۔
آپ علیہ السلام نے فرمایا:
پھر جنت سے میرا حصہ جاتا رہے گا۔
اس نے کہا:
میرے ساتھ چھپ جاؤ۔
آپ علیہ السلام نے فرمایا:
میرے رب عزوجل سے کوئی چیز نہیں چھپ سکتی وہ اسی طرح آپ علیہ السلام کو مائل کرتی رہی اور آپ علیہ السلام اس سے گریز فرماتے رہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 11475)

دروازوں کی طرف دوڑنا اور عزیز مصر کی بیوی کی الزام تراشی

وہ دونوں دروازوں کی طرف دوڑے۔ اس عورت نے ان کی قمیص پیچھے سے پھاڑ ڈالی اور ان دونوں نے اس عورت کے خاوند کو دروازے کے قریب پایا اس عورت نے کہا اس شخص کی کیا سزا ہونی چاہئے جو آپ کی اہلیہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے سوائے اس کے اس کو قید کیا جائے یا اس کو دردناک عذاب دیا جائے۔ (یوسف: 25)

حضرت یوسف علیہ السلام قید خانے میں

جب عزیز مصر پر حضرت یوسف علیہ السلام کی تہمت ظاہر ہوگئی تو واضح طور پر اس نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کوئی تعرض نہیں کیا ادھر وہ عورت اپنی تمام حیلہ سازیوں اور مکر و فریب کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی موافقت پر ابھارتی رہی اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی پھر جب وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے مایوس ہوگئی تو اس نے اپنا انتقام لینے کے لئے اپنے خاوند سے کہا اس عبرانی غلام نے مجھے لوگوں کے درمیان رسوا کر دیا ہے یہ لوگوں سے کہتا پھرتا ہے کہ اس عورت نے اپنی خواہش پوری کرنے کے لئے مجھے بہکایا اور ورغلایا تھا اور میں ہر شخص کے سامنے جا کر اپنا عذر نہیں

بیان کر سکتی اس لیے اس فحش بات کا چرچا روکنے کے لئے اس غلام کو قید کر دیا جائے۔

عزیز مصر نے سوچا اس طرح اس کی بھی بدنامی ہو رہی ہے اس لیے مصلحت اسی میں ہے کہ لوگوں کی زبانیں بند کرنے کے لئے اس کو قید کر دیا جائے۔

(جامع البیان: ج:12، ص:279 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کو دراز گوش پر سوار کرا کے قید خانہ میں لے جایا گیا اور ایک آدمی ان کے ساتھ یہ کہتا ہوا جا رہا تھا جو شخص اپنی مالکہ کا کہنا نہ مانے اس کی یہی سزا ہوتی ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے تھے۔ دوزخ کی آگ، تارکول کی قمیص پہننے، گرم کھولتے ہوئے پانی کو پینے اور تھور کو کھانے کے مقابلہ میں یہ سزا بہت کم ہے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام قید خانے میں پہنچے تو وہاں کئی ایسے لوگ دیکھے جو رہائی سے ناامید ہو چکے تھے اور ان کی سزا بہت سخت تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام ان سے فرماتے تم صبر کرو اور بشارت قبول کرو تم کو اجر ملے گا۔

انہوں نے کہا:

اے نوجوان! آپ کس قدر نیک باتیں کرتے ہیں آپ کے قرب میں ہم کو برکت ملے گی۔ آخر آپ کون ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

میں اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندے حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام کا بیٹا یوسف علیہ السلام ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام غمزدہ لوگوں کو قید خانے میں تسلی دیتے تھے۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتے تھے۔ ساری رات نماز پڑھتے تھے اور خوف خدا عزوجل سے اس قدر روتے تھے کہ کوٹھری کی چھت، دیواریں اور دروازوں پر بھی گریہ طاری ہو جاتا تھا۔ تمام قیدی آپ علیہ السلام سے مانوس ہو گئے تھے اور جب کوئی قیدی، قید سے رہائی پاتا تو جانے سے پہلے آپ علیہ السلام کے پاس بیٹھ جاتا۔ قید خانہ کا داروغہ بھی آپ علیہ السلام سے محبت کرتا تھا اور آپ علیہ السلام کو بہت آرام پہنچاتا تھا۔

ایک دن اس نے کہا:

اے یوسف (علیہ السلام)! میں آپ علیہ السلام سے اتنی محبت کرتا ہوں کہ کسی اور سے اتنی محبت نہیں کرتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

میں تمہاری محبت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں۔

اس نے پوچھا:

اس کی کیا وجہ ہے؟

آپ علیہ السلام نے بتایا۔

میرے باپ نے مجھ سے محبت کی تو میرے بھائیوں نے میرے ساتھ ظالمانہ سلوک کیا۔ میری مالکہ نے مجھ سے محبت کی اس کے نتیجہ میں میں آج اس قید میں ہوں۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:9، ص:164، 165 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مصر کے بادشاہ کا خواب دیکھنا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا قید خانہ سے باہر تشریف لانا

جب اللہ تعالیٰ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کے اسباب مہیا فرما دیتا ہے جب حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی اور کشادگی کے دن قریب آ گئے تو مصر کے بادشاہ نے یہ خواب دیکھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آئے ان کو سلام کیا اور ان کو کشادگی کی بشارت دی۔

اور کہا کہ

اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کو قید خانے سے نکالنے والا ہے اور آپ علیہ السلام کو اس زمین کا اقتدار عطا کرنے والا ہے۔ اس زمین کے بادشاہ آپ علیہ السلام کے تابع ہو جائیں گے اور سردار آپ علیہ السلام کی اطاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کو آپ علیہ السلام کے بھائیوں پر غلبہ عطا فرمائے گا اور اس کا سبب یہ ہوگا کہ بادشاہ ایسا خواب دیکھے گا اور اس کی ایسی ایسی تعبیر ہوگی پھر کچھ زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ بادشاہ نے وہ خواب دیکھا جس کے نتیجہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کو رہائی مل گئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جو پہلا خواب دیکھا تھا وہ ان کے لئے سختی اور مصیبت کا سبب بن گیا تھا اور بادشاہ کا یہ خواب ان کے لئے کشادگی اور رحمت کا سبب بن گیا۔

مصر کے بادشاہ الریان بن الولید نے خواب دیکھا کہ دریا سے سات موٹی تازی گائیں نکلیں اور ان کے پیچھے سات دبلی گائیں نکلیں۔ انہوں نے ان موٹی تازی گایوں کو کان سے پکڑا اور کھا گئیں اور اس نے سات سرسبز خوشے دیکھے اور سات سوکھے ہوئے خوشے دیکھے۔ ان سوکھے ہوئے خوشوں نے ان سرسبز خوشوں کو کھا لیا اور ان میں سے کچھ باقی نہیں بچا اور سوکھے ہوئے خوشے اسی طرح سوکھے رہے۔ اسی طرح دبلی گایوں نے موٹی گایوں کو کھا لیا تھا اور وہ اسی طرح دبلی کی دبلی رہیں۔ یہ خواب دیکھ کر بادشاہ گھبرا گیا۔ اس نے لوگوں کو اہل علم کو، کاہنوں کو، نجومیوں کو، جادوگروں کو اور سرداروں کو بلایا اور ان کے سامنے یہ خواب بیان کر کے کہا اگر تم خواب کی تعبیر بتا سکتے ہو تو مجھے اس خواب کی تعبیر بتاؤ۔

(زاد المسیر: ج:4، ص:229 مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت)

بادشاہ نے جب درباریوں سے خواب کے متعلق پوچھا اور وہ اس کی تعبیر نہ بتا سکے اس وقت اس ساقی نے کہا کہ قید خانے میں ایک شخص بہت عالم فاضل ہے اور بہت نیک ہے اور بہت عبادت گزار ہے۔ میں نے اور باورچی نے جو خواب دیکھے تھے ہم نے اس سے ان خوابوں کی تعبیر پوچھی تھی اور اس کی بتائی ہوئی تعبیر بالکل صحیح اور درست واقع ہوئی اگر آپ بھی اپنے خواب کی صحیح تعبیر جاننا چاہتے ہیں تو مجھے اس کے پاس قید خانے میں بھیج دیں میں اس سے صحیح تعبیر معلوم کر کے آپ کو بتا دوں گا۔

(تفسیر کبیر: ج:6، ص:464 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

(اس نے یوسف کے پاس جا کر کہا) اے یوسف! اے بہت سچ بولنے والے ہمیں اس خواب کی تعبیر بتائیے کہ سات فربہ گائیں ہیں جن کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سرسبز خوشے ہیں اور سات سوکھے ہوئے (خوشے ہیں) تا کہ میں لوگوں کے پاس یہ تعبیر لے کر جاؤں شاید وہ آپ کا مرتبہ جان لیں۔

یوسف نے کہا تم حسب معمول سات سال تک کاشت کرو گے پھر تم جو کھیت کاٹو تو تمام غلے کو ان کے خوشوں میں چھوڑ دینا ماسوا اس قلیل غلے کے جن کو تم کھاؤ پھر اس کے بعد سات خشک سالی کے سخت سال آئیں گے وہ اس غلے کو کھا جائیں گے جو

نے پہلے جمع کر کے رکھا تھا ماسوا تھوڑے سے غلے کے جن کو تم محفوظ رکھو گے پھر اس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا جس میں لوگوں پر بارش ہوگی اور اس میں لوگ پھلوں کو نچوڑیں گے۔(یوسف:46تا49)

اور بادشاہ نے کہا اس کو میرے پاس لے کر آؤ اس کو اپنے لیے مخصوص رکھوں گا پھر جب بادشاہ نے اس سے گفتگو کی تو کہا (اے یوسف) آپ آج سے ہمارے نزدیک مقتدر اور امانت دار ہیں۔(یوسف نے) کہا مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیں بے شک میں حفاظت کرنے والا علم والا ہوں۔(یوسف:54،55)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بادشاہ بننا اور نکاح مبارک ہونا

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ میرے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام پر رحم فرمائے اگر وہ یہ نہ کہتے کہ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دو تو بادشاہ ان کو اسی وقت مقرر کر دیتا لیکن اس کہنے کی وجہ سے بادشاہ نے اس کام کو ایک سال مؤخر کر دیا اور وہ ایک سال بادشاہ کے ساتھ اس کے گھر میں رہے۔

اور اسی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

ایک سال گزرنے کے بعد بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بلایا ان کے سر پر تاج رکھا۔ان کی میان میں تلوار لٹکائی اور ان کے لئے سونے کا تخت رکھا جس پر یاقوت اور موتیوں سے کام کیا ہوا تھا اور ان کو ریشمی حلے پہنائے۔

پھر بادشاہ نے کہا:

آپ علیہ السلام تاج پہن کر تخت پر رونق افروز ہوں۔حضرت یوسف علیہ السلام تخت پر بیٹھ گئے اور دربار کے تمام سردار حضرت یوسف علیہ السلام کے اطاعت گزار ہو گئے۔بادشاہ گھر جا کر بیٹھ گیا اور مصر کے تمام معاملات حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد کر دیئے اور مصر کے سابق وزیر قطفیر (عزیز مصر) کو اس نے اس کے عہدے سے معزول کر دیا اور اس کے عہدہ پر حضرت یوسف علیہ السلام کو مقرر کر دیا۔

امام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ

حضرت ابن زید نے کہا ہے کہ

مصر کے بادشاہ کے بہت کثیر خزانے تھے اس نے وہ تمام خزانے حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد کر دیئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے فرامین اور آپ علیہ السلام کے تمام فیصلوں کو پورے ملک میں نافذ العمل قرار دیا پھر انہی ایام میں قطفیر (عزیز مصر) مر گیا۔پھر بادشاہ نے قطفیر کی بیوی راعیل (یا زلیخا) کا حضرت یوسف علیہ السلام سے نکاح کر دیا۔حضرت یوسف علیہ السلام اس کے پاس خلوت میں گئے تو آپ علیہ السلام نے اس سے فرمایا کیا یہ اس سے بہتر نہیں جس کا تم مجھ سے پہلے ارادہ کرتی تھی۔

اس نے کہا:

اے بہت اچھے انسان! مجھے ملامت نہ کرو میں ایک حسین جوان عورت تھی اور میرا شوہر عورت کی خواہش پوری کرنے پر قادر نہ تھا اور تم غیر معمولی حسن اور جمال کے مالک تھے۔ پس مجھ پر میرا نفس غالب آ گیا اور تم پر میری شہوت قوی ہو گئی اور تمہارے ساتھ جو میری محبت تھی وہ میری عقل کو کنٹرول نہ کر سکی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کو کنواری پایا۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کے اس سے دو بیٹے ہوئے۔

1- افرائیم بن یوسف

2- منیشا بن یوسف

حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر کے لوگوں میں عدل اور انصاف قائم کیا اور مصر کے تمام مرد اور عورتیں آپ علیہ السلام سے محبت کرنے لگے۔

(معالم التنزیل: ج:2، ص:363 تا364 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

بھائیوں کا مصر آنا اور بنیامین کو حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے پاس ٹھہرانا

اور یوسف کے بھائی (غلہ خریدنے مصر) آئے تو ان کے پاس گئے پس یوسف نے ان کو پہچان لیا اور وہ اس کو نہ پہچان سکے اور جب یوسف نے ان کا سامان تیار کر دیا تو کہا تم اپنے باپ شریک بھائی کو میرے پاس لے کر آنا کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں پورا پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں بہترین مہمان نواز ہوں پس اگر تم اس کو میرے پاس نہیں لائے تو میرے پاس تمہارے لیے بالکل غلہ نہیں ہوگا اور نہ ہی تم میرے قریب آسکو گے انہوں نے کہا ہم اس کے متعلق اس کے باپ کو راضی کریں گے اور ہم یہ ضرور کرنے والے ہیں۔ یوسف نے اپنے کارندوں سے کہا ان کے پیسوں کی تھیلی ان کے سامان میں رکھ دو تا کہ جب یہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹیں تو اس کو پہچان لیں شاید وہ (پھر) واپس آ جائیں پس جب وہ اپنے باپ کی طرف لوٹے تو انہوں نے کہا اے ہمارے باپ! ہمیں (آئندہ) غلہ لینے سے منع کر دیا گیا ہے آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیجئے تا کہ ہم غلہ لا سکیں اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کریں گے (ان کے باپ نے) کہا کیا اس کے متعلق میں تم پر اس طرح اعتبار کروں جس طرح میں اس سے پہلے اس کے بھائی کے متعلق تم پر اعتبار کر چکا ہوں۔ پس اللہ ہی سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور وہی سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو اس میں انہوں نے اپنے پیسوں کی تھیلی دیکھی جو ان کی طرف لوٹا دی گئی تھی انہوں نے کہا اے ہمارے باپ! ہمیں اور کیا چاہئے یہ ہماری رقم کی تھیلی ہمیں لوٹا دی گئی ہے ہم اپنے گھر والوں کے لئے غلہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ پر لدا ہوا غلہ زیادہ لائیں گے اور (بادشاہ کے لئے) یہ تو معمولی مقدار ہے۔ (ان کے باپ نے) کہا میں اس کو تمہارے ساتھ ہرگز نہیں بھیجوں گا حتیٰ کہ تم اللہ تعالیٰ کو گواہ کہہ کے مجھ سے یہ عہد نہ کرو کہ تم اس کو ضرور میرے پاس لے کر آؤ گے ماسوا اس کے کہ تم کسی مصیبت میں گھر جاؤ۔ جب انہوں نے اپنے باپ سے یہ عہد کر لیا تو اس نے کہا ہم جو عہد کر رہے ہیں اس پر اللہ گواہ ہے اور اس نے کہا اے میرے بیٹو (شہر میں) تم سب ایک دروازہ سے داخل نہ ہونا اور الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا اور میں تم کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے بالکل بچا نہیں سکتا حکم تو صرف اللہ تعالیٰ کا چلتا ہے میں نے اسی پر توکل کیا ہے اور توکل کرنے والوں کو اسی پر توکل کرنا چاہئے اور جب

وہ وہاں سے داخل ہوئے جہاں سے داخل ہونے کا ان کے باپ نے حکم دیا تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے بالکل بچا نہیں سکتا تھا مگر وہ یعقوب کے دل کی ایک خواہش تھی جو اس نے پوری کر لی بے شک وہ صاحب علم تھے کیونکہ ہم نے ان کو علم عطا کیا تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس ٹھہرایا اور بتایا کہ میں تمہارا بھائی ہوں سو تم اس بدسلوکی پر غمگین نہ ہونا جو یہ کرتے رہے تھے پھر جب یوسف نے ان کا سامان تیار کیا تو اس نے (شاہی) پیالہ اپنے بھائی کی بوری میں رکھ دیا پھر منادی نے اعلان کیا کہ اے قافلے والو بے شک تم ضرور چور ہو۔ انہوں نے ان کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا تمہاری کیا چیز گم ہو گئی ہے۔ کارندوں نے کہا بادشاہ کا پیالہ گم ہو گیا ہے اور جو اس کو لے کر آئے گا اس کو غلہ سے لدا ہوا ایک اونٹ ملے گا اور میں اس کا ضامن ہوں۔ انہوں نے کہا اللہ کی قسم! تم کو خوب معلوم ہے کہ ہم زمین میں فساد کرنے نہیں آئے اور نہ ہم چور ہیں۔ کارندوں نے کہا اگر تم جھوٹے نکلے تو تمہاری کیا سزا ہونی چاہیے۔ انہوں نے کہا جس کی بوری سے وہ برآمد ہو سو اس کی سزا یہ ہے کہ اسی کو رکھ لیا جائے ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔ تو یوسف نے اپنے بھائی کی بوری سے پہلے ان کی بوریوں کی تلاشی لینی شروع کر دی پھر اس پیالے کو اپنے بھائی کی بوری سے برآمد کر لیا ہم نے اسی طرح یوسف کو خفیہ تدبیر بتائی تھی وہ بادشاہ کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو نہیں رکھ سکتے تھے مگر یہ کہ اللہ چاہے ہم جس کو چاہتے ہیں درجات کی بلندی عطا کرتے ہیں۔ (یوسف: 58 تا 76)

بھائیوں کا حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف کنعان جانا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا دوبارہ مصر بھیجنا

جب یوسف کے بھائی اس سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے تنہائی میں سرگوشی کی ان کے بڑے بھائی نے کہا کیا تم کو علم نہیں ہے کہ تمہارے باپ نے اللہ تعالیٰ کی قسم لے کر تم سے پکا عہد لیا تھا اور اس سے پہلے تم یوسف کے معاملہ میں تقصیر کر چکے ہو۔ میں اس ملک سے ہرگز نہیں جاؤں گا حتیٰ کہ میرا باپ مجھے اجازت دے یا اللہ تعالیٰ میرے لیے کوئی فیصلہ فرمائے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔ اپنے باپ کی طرف واپس جاؤ اور کہو اے ہمارے باپ! بے شک آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے اور ہم صرف اسی بات کی گواہی دے سکتے ہیں جو ہمارے علم میں ہو اور ہم غیب کے نگہبان نہ تھے اور آپ اس بستی (والوں) سے پوچھ لیجئے جس میں ہم تھے اور اس قافلہ سے پوچھ لیجئے جس کے ساتھ ہم آئے ہیں اور بے شک ہم ضرور سچے ہیں۔ یعقوب نے کہا بلکہ تمہارے دلوں نے ایک بات گھڑ لی ہے تو اب صبر جمیل ہی مناسب ہے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ ان سب کو میرے پاس لے آئے گا بے شک وہ خوب جاننے والا بہت حکمت والا ہے اور ان سے پشت پھیر لی اور کہا ہائے افسوس یوسف (کی جدائی) پر اور غم سے ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور وہ غم برداشت کرنے والے تھے۔ بیٹوں نے کہا آپ یوسف کو (ہی) یاد کرتے رہیں گے حتیٰ کہ آپ سخت بیمار پڑ جائیں گے یا ہلاک ہونے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ یعقوب نے کہا میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں اور مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان باتوں کا علم ہے جن کا تم کو علم نہیں ہے اے میرے بیٹو جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت سے تو کافر مایوس ہوتے ہیں۔ (یوسف: 80 تا 87)

آخر حضرت یوسف علیہ السلام نے بھید کھول ہی دیا

سو جب وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا اے عزیز! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو تکلیف پہنچی ہے اور ہم آپ کے پاس حقیر پونجی لے کر آئے ہیں سو آپ ہمیں پورا غلہ دیں اور ہم پر صدقہ کریں بے شک اللہ!

صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔ یوسف نے کہا کیا تم کو یاد ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا جب تم جہالت میں تھے۔ انہوں نے کہا کیا واقعی آپ ہی یوسف ہیں۔ یوسف نے کہا میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا بے شک جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ انہوں نے کہا بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی اور بلاشبہ ہم خطا کار تھے۔ یوسف نے کہا آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں ہے اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔ (یوسف: 88 تا 92)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کو قمیص دے کر بھیجنا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا مصر تشریف لانا

(یوسف نے کہا) میری اس قمیص کو لے کر جاؤ اور اس کو میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو تو ان کی آنکھیں دیکھنے لگیں گی اور اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ۔ (یوسف: 93)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت فرقد السنجی سے روایت ہے کہ

جب حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر قمیص ڈالی گئی تو ان کی آنکھیں روشن ہو گئیں اور انہیں بتایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سب کو بلا لیا ہے پھر حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی مصر کی طرف روانہ ہوئے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ خبر پہنچی کہ وہ مصر کے قریب پہنچ گئے ہیں تو وہ ان کے استقبال کے لئے شہر سے باہر آئے اور ان کے ساتھ مصر کے تمام سردار اور معزز لوگ تھے۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام ایک دوسرے کے قریب پہنچے۔ اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے یہودا کے سہارے چل رہے تھے جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ گھوڑوں پر سوار سرداروں اور معززین کو دیکھا۔

تو یہودا سے پوچھا:

کیا یہ مصر کا بادشاہ ہے؟

اس نے کہا:

نہیں یہ آپ کا بیٹا ہے۔

جب دونوں ملنے کے قریب ہوئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے سلام میں پہل کرنا چاہی تو ان کو منع کیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام سلام کی ابتداء کرنے کے مستحق ہیں۔

تب حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا:

تم پر سلام ہو! اے مجھ سے رنج و غم کو دور کرنے والے۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 15151 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

وصال

امام عبد الرحمٰن محمد بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے یہودا کو وصیت کی اور فوت ہو گئے۔ ان کی تدفین میں لوگوں نے نزاع کیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی برکت کے حصول کے لئے ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ اس کے محلہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کو دفن کیا جائے پھر انہوں نے اس پر اتفاق کر لیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو دریائے نیل میں دفن کر دیا جائے تاکہ ان پر سے پانی گزر کر سب تک پہنچ جائے پھر انہوں نے لکڑی کے ایک صندوق میں حضرت یوسف علیہ السلام کو دفن کر دیا پھر حضرت یوسف علیہ السلام کا صندوق وہیں رہا حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے روانہ ہوئے تو وہ اپنے ساتھ اس صندوق کو لے گئے اور اس صندوق کو کنعان کی سرزمین میں دفن کر دیا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

حضرت یوسف علیہ السلام جب فوت ہوئے تو ان کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔

(زاد المسیر: ج:4، ص:292 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کا مزید مختصر خلاصہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کا مزید مختصر خلاصہ درج ذیل ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت یعقوب علیہ السلام شام میں سکونت پذیر تھے۔ آپ علیہ السلام یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی بنیامین کا خصوصی خیال رکھتے تھے۔ جب دوسرے بھائیوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اس محبت کو دیکھا تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے حسد کرنے لگے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک خواب میں دیکھا کہ گیارہ ستارے، سورج اور چاند ان کے سامنے سجدہ کر رہے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ خواب حضرت یعقوب علیہ السلام سے بیان کیا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

اے میرے بیٹے! نہ بیان کرنا اپنا خواب بھائیوں سے ورنہ وہ سازش کریں گے تیرے خلاف۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو اس خواب کی خبر پہنچی تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے حسد کرنے لگے۔

اور انہوں نے کہا:

ہمارے باپ کو حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کا بھائی بنیامین بہت زیادہ پیارا ہے حالانکہ ہم ایک مضبوط گروہ ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے باقی دس بھائی تھے۔

اور انہوں نے کہا:

ہمارا باپ ہمارے معاملہ میں کھلی غلطی کا شکار ہے قتل کر ڈالو یوسف علیہ السلام کو یا دور پھینک آؤ اسے کسی علاقہ میں (یوں) تنہا ہو جائے گا تمہاری طرف تمہارے باپ کا رخ اور ہو جانا اس کے بعد (توبہ کر کے) نیک قوم۔

یہ سن کر ان میں سے ایک بھائی یہودا نے کہا:

(حضرت) یوسف (علیہ السلام) کو قتل نہ کرو (بلکہ) اس کو گہرے تاریک کنویں میں ڈال دو اس کو کوئی راہ چلتے مسافر اٹھا لیں گے اگر تم نے یہ کرنا ہے تو۔

یہ طے کرنے کے بعد انہوں نے (آکر) کہا۔

اے ہمارے باپ! کیا ہوا آپ کو کہ آپ ہم پر یوسف کے متعلق اعتبار نہیں کرتے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

میں ہرگز اسے تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں کھا نہ جائے اس کو بھیڑیا اور تم سیر وتفریح کے باعث اس سے بے خبر ہو۔

کہنے لگے۔

اگر کھا جائے اسے بھیڑیا حالانکہ ہم مضبوط گروہ ہیں تو پھر تو ہم بڑے زیاں کار ہوئے۔ وہ بڑے اصرار سے حضرت یوسف علیہ السلام کو لے گئے تو آپ علیہ السلام پر عزت وکرامت کے آثار تھے۔ جب وہ باہر گئے تو آپ علیہ السلام سے دشمنی کا اظہار کرنے لگے انہوں نے آپ علیہ السلام کو زدوکوب کرنا شروع کر دیا۔ آپ علیہ السلام جس کی پناہ لیتے وہ مارنا شروع کر دیتا۔ آپ علیہ السلام نے کوئی بھی رحم کرنے والا نہ پایا تمام نے آپ علیہ السلام کو اتنا مارا کہ آپ علیہ السلام قریب الموت ہو گئے۔ آپ علیہ السلام چیخ کر آوازیں لگاتے اے میرے باپ! اے یعقوب (علیہ السلام) کاش آپ علیہ السلام جان لیتے کہ آپ علیہ السلام کے بیٹے کے ساتھ لونڈیوں کے بیٹوں نے کیا کیا ہے۔ جب وہ آپ علیہ السلام کو قتل کرنے کے قریب پہنچے۔

تو یہودا نے کہا:

کیا تم نے میرے ساتھ وعدہ نہیں کیا تھا کہ تم اسے قتل نہیں کرو گے حتیٰ کہ انہوں نے قتل کا ارادہ ترک کر دیا' وہ سب آپ علیہ السلام کو لے کر کنویں کی طرف چلے تاکہ انہیں اس میں ڈال دیں۔ وہ آپ علیہ السلام کو کنویں میں لٹکانے لگے آپ علیہ السلام پہلے تو کنویں کی منڈیر سے چمٹ گئے بھائیوں نے ان کے ہاتھ باندھ دیئے اور ان کی قمیص بھی اتار لی۔ آپ علیہ السلام نے بھائیوں سے التجاء کی کہ تم میری قمیص واپس کر دو تاکہ میں اس کے ذریعے کنویں میں چھپ جاؤں۔

بھائیوں نے کہا:

اب مدد کے لئے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو بلاؤ تاکہ وہ تمہاری دستگیری کریں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

میں نے تو کچھ نہیں دیکھا۔

پس انہوں نے آپ علیہ السلام کو کنویں میں لٹکا دیا حتیٰ کہ جب آپ علیہ السلام کنویں کے درمیان میں پہنچے تو انہوں نے آپ علیہ السلام کو چھوڑ دیا تاکہ آپ علیہ السلام کا وصال ہو جائے۔ کنویں کے اندر پانی تھا آپ علیہ السلام گرے تو آپ علیہ السلام کو کچھ نہ ہوا۔ آپ علیہ السلام نے کنویں میں ایک چٹان کے ساتھ پناہ لی۔ آپ علیہ السلام اسی کے اوپر کھڑے ہو گئے آپ علیہ السلام نے رونا شروع کر دیا اور اپنے بھائیوں کو آوازیں لگائیں شاید انہیں ترس آ جائے اور میری بات کا جواب دیں۔ اب انہوں نے ارادہ کیا کہ اوپر سے پتھر گرا کر انہیں کنویں کے اندر ہی کچل دیں لیکن یہودا نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا۔

اس نے کہا:

تم نے مجھے کہا تھا کہ ہم اس کو قتل نہیں کریں گے۔

یہودا آپ علیہ السلام کے پاس کھانا لاتا تھا۔ وہ صبح کے بعد اپنے باپ کے پاس واپس آئے تو انہوں نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا اور اس کا خون حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص پر لگا دیا۔ پھر اپنے باپ کے پاس عشاء کے وقت گریہ وزاری کرتے ہوئے آئے۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کی آواز سنی تو گھبرا گئے۔

اور پوچھا:

اے بیٹو! کیا ہوا؟ کیا تمہاری بکریوں پر کوئی آفت آ گئی ہے۔

انہوں نے کہا:

نہیں۔

پھر پوچھا:

(حضرت) یوسف (علیہ السلام) کا کیا ہوا۔

انہوں نے کہا:

ابو جی! ہم ذرا گئے کہ دوڑ لگائیں اور ہم یوسف (علیہ السلام) کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے۔ ہائے افسوس ان کو بھیڑیا کھا گیا اور آپ علیہ السلام ہماری بات نہیں مانیں گے اگر چہ ہم سچے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام رونے لگے اور بلند آواز سے چیخ ماری۔

پھر ارشاد فرمایا:

(حضرت) یوسف (علیہ السلام) کی قمیص کہاں ہے؟

وہ قمیص لے کر آئے تو اس پر جھوٹا خون لگا ہوا تھا۔ پس آپ علیہ السلام نے قمیص لے کر اپنے چہرے پر ڈال دی۔ پھر آپ علیہ السلام روتے رہے حتیٰ کہ قمیص پر لگے خون کی وجہ سے آپ علیہ السلام کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

پھر ارشاد فرمایا:

اے بیٹو! یہ بھیڑیا کتنا مہربان تھا کہ اس نے یوسف (علیہ السلام) کا گوشت کھایا اور اس کی قمیص نہیں پھاڑی۔ پھر ایک قافلہ تھوڑی دیر بعد آیا تو انہوں نے پانی لانے کے لئے آبکش بھیجا اس نے اپنا ڈول لٹکایا تو حضرت یوسف علیہ السلام اس کی رسی سے چمٹ گئے اور باہر نکل آئے۔ جب آبکش نے آپ کو دیکھا تو اپنے ایک ساتھی جس کا نام بشریٰ تھا اسے بلایا۔

اور کہا:

اے بشریٰ! کتنا خوبصورت بچہ ہے۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آواز سنی تو دوڑ آئے۔

اور کہا کہ

یہ بچہ ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے۔

اور اپنی زبان میں (حضرت) یوسف (علیہ السلام) سے کہا کہ

تم نے ہمارا غلام ہونے سے انکار کیا تو ہم تجھے قتل کر دیں گے۔ کیا تیرا گمان ہے کہ ہم تجھے (حضرت) یعقوب (علیہ السلام) کے پاس لے جائیں گے حالانکہ ہم اسے بتا چکے ہیں کہ بھیڑیا اسے کھا گیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا۔

تم مجھے اپنے باپ (حضرت) یعقوب (علیہ السلام) کے پاس لے جاؤ تو میں تمہیں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ وہ تم سے راضی ہو جائیں گے اور میں تمہارے اس فعل کا کبھی ان سے تذکرہ نہیں کروں گا۔ انہوں نے اس بات کا انکار کیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

میں ان کا غلام ہوں۔

پھر آپ علیہ السلام کو دو آدمیوں نے خرید لیا تو وہ دونوں اپنے ساتھیوں سے جدا ہو گئے اور یہ سوچا کہ ساتھیوں نے ان کے متعلق پوچھا اور شرکت کا مطالبہ کیا تو ہم کہیں گے کہ ہمیں یہ مال کنویں سے ملا ہے۔ اسی کا تذکرہ قرآن نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

''انہوں نے چھپا دیا اسے متاع سمجھتے ہوئے (قیمتی چیز) پھر انہوں نے بیچ ڈالا یوسف کو حقیری قیمت پر چند درہموں کے عوض۔''

اور یہ قیمت بیس درہم تھی اور وہ پہلے ہی حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق دلچسپی نہیں رکھتے تھے وہ اسے مصر لے گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام کو بادشاہ مصر العزیز نے خرید لیا وہ آپ علیہ السلام کو محل میں لے گیا۔

اور اپنی بیوی سے کہا۔

عزت و اکرام کے ساتھ ٹھہرو شاید ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اسے اپنا فرزند بنا لیں۔ اس کی بیوی نے آپ علیہ السلام سے پیار و محبت کا اظہار کیا۔

اور حضرت یوسف علیہ السلام سے فرمایا:

اے (حضرت) یوسف (علیہ السلام) تیرے یہ بال کتنے خوبصورت ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

یہ سب سے پہلے میرے جسم سے جدا ہوں گے۔

اس نے کہا:

اے یوسف علیہ السلام! تیری یہ آنکھیں کتنی حسین و جمیل ہیں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

سب سے پہلے یہ میرے جسم سے جدا ہو کر زمین پر بہیں گی۔

عزیز کی بیوی نے کہا:

اے یوسف (علیہ السلام) تیرا مکھڑا کتنا جاذب ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

یہ مٹی کے لئے ہے اسے وہ کھا جائے گی۔
کچھ عرصہ بعد عزیز کی بیوی آپ علیہ السلام کے حسن و جمال پر فریفتہ ہوگئی۔
تو کہنے لگی۔
بس آ بھی جا۔
حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:
اللہ تعالیٰ کی پناہ یوں نہیں ہوسکتا (تیرا خاوند) میرا محسن ہے۔ اس نے مجھے بڑی عزت سے ٹھہرایا ہے میں اس کے گھر والوں کے ساتھ خیانت نہیں کروں گا وہ آپ علیہ السلام کو ورغلانے کے لئے جتن کرتی رہی لیکن آپ علیہ السلام نے اسے مایوس کر دیا اور آپ علیہ السلام اس کے دام فریب میں نہ آئے۔ اس عورت نے ارادہ کیا تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام بھی قصد کر لیتے اس کا اگر نہ دیکھتے اپنے رب عزوجل کی روشن دلیل۔
اس عورت نے محل کے تمام دروازے بند کر دیئے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام تہہ بند اتارنے لگے تو آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام سامنے محل کے اندر اپنی انگلی کاٹتے ہوئے کھڑے تھے۔
اور فرما رہے تھے کہ
اے یوسف (علیہ السلام) اس عورت سے میل جول نہ کرو۔ تیری مثال اب اس پرندے کی ہے جو آسمان کی فضا میں ہوتا ہے اور اس کو پکڑا نہیں جاسکتا اور جب آپ میل جول کر لیں گے تو اس پرندے کی طرح ہو جائیں گے جو مر کر زمین پر گر پڑتا ہے اور اپنا بچاؤ بھی نہیں کر سکتا اور اب آپ علیہ السلام کی مثال اس غیر مطیع بیل کی ہے جس پر کوئی کام نہیں کیا جاسکتا اور جب آپ سے یہ فعل شنیع ہو گیا تو آپ کی مثال اس بیل کی ہوگی جو پانی میں داخل ہو کر اپنے سینگوں کے بل گر کر مر جاتا ہے اور اپنا بچاؤ بھی نہیں کر سکتا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی شلوار باندھ لی اور باہر نکل گئے (مجھے اس روایت سے اتفاق نہیں کہ کیونکہ نبی ارادۂ گناہ بھی کر سکتا) اس عورت نے آپ علیہ السلام کو قمیص سے پکڑ لیا اور اسے پھاڑ دیا حتیٰ کہ اس نے آپ علیہ السلام کی قمیص اتار لی۔ حضرت یوسف علیہ السلام قمیص چھوڑ کر بھاگ گئے۔ دروازے کی طرف بھاگے تو دونوں نے اپنے مربی اور سردار کو دروازے پر کھڑے ہوئے پایا اور وہاں عورت کے چچا کا بیٹا بھی تھا۔ جب عورت نے اسے دیکھا تو جھٹ بول اٹھی۔
(میرے سرتاج بتایئے) کیا سزا ہے اس کی جو ارادہ کرے تیری بیوی کے ساتھ برائی کا بجز اس کے کہ اسے قید کیا جائے یا اسے دردناک عذاب دیا جائے۔
کہنے لگی۔
اس نے مجھے بہلانا چاہا ہے میں نے انکار کیا اور بھاگ نکلا اس نے مجھے میری قمیص سے پکڑا اور اسے پھاڑ ڈالا۔
اس عورت کے چچا کے بیٹے نے کہا:
قمیص سے معاملہ واضح ہو جائے گا۔
اس نے کہا:
اگر قمیص آگے کی طرف سے پھٹی ہوئی ہے تو عورت سچی ہے اور یہ جھوٹے ہیں اور اگر قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو یوسف

علیہ السلام سچوں میں سے ہیں جب قمیص لائی گئی تو وہ پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی۔

عزیز نے کہا:

یہ سب تم عورتوں کا فریب ہے۔ بے شک تم عورتوں کا فریب بڑا خطرناک ہوتا ہے۔اے یوسف (علیہ السلام) اس بات کو جانے دو اور (اے عورت) اپنے گناہ کی معافی مانگ اور پھر ایسا ہر گز نہ کرنا۔

اور کہنے لگی عورتیں شہر میں کہ

عزیز کی بیوی بہلاتی ہے اپنے (نوجوان) غلام کو تا کہ اس سے مطلب براری کرے اس کے دل میں گھر کر گئی ہے اس کی محبت ۔ جب زلیخا نے سنا ان کی مکارانہ باتوں کو تو اس نے انہیں بلا بھیجا اور تیار کیں مسندیں جب وہ آ گئیں تو دے دی ہر ایک کو ان میں سے ایک ایک چھری اور ایک ایک اترج (لیموں جیسا پھل) تا کہ اسے کاٹ کر کھائیں۔ جب وہ اپنی مسندوں پر بیٹھ گئیں تو اس نے یوسف علیہ السلام سے کہا ان کے پاس باہر آ جاؤ۔

جب آپ علیہ السلام باہر تشریف لائے اور عورتوں نے آپ علیہ السلام کے پیکر حسن کو دیکھا تو وہ آپ علیہ السلام کی عظمت کی قائل ہو گئیں اور وارفتگی کے عالم میں اپنے ہاتھوں کو کاٹ بیٹھیں یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ پھل کاٹ رہی ہیں۔

پھر کہہ اٹھیں کہ

سبحان اللہ! یہ انسان نہیں یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے۔

زلیخا فاتحانہ انداز میں بولی۔

یہ ہے وہ (پیکر رعنائی) جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کیا کرتی تھیں۔ بے شک میں نے اسے بہت بہلایا پھسلایا لیکن وہ بچا ہی رہا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا:

اے میرے رب عزوجل! قید خانہ کی صعوبتیں مجھے زیادہ پسند ہیں اس گناہ سے جس کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں۔

پھر عورت نے اپنے خاوند سے کہا۔

اس عبرانی غلام نے مجھے بھرے مجمع میں ذلیل و رسوا کیا ہے اور یہ غلام لوگوں کے سامنے اپنی عذر خواہی کر رہا ہے اور بتا رہا ہے کہ اس نے مجھے خود بہلانے پھسلانے کی کوشش کی ہے اور میں خود باہر نکل کر اپنا عذر پیش نہیں کر سکتی یا تو تم مجھے اجازت دو کہ میں باہر نکل کر لوگوں کے سامنے اپنا عذر پیش کروں جس طرح یہ غلام اپنا عذر پیش کر رہا ہے یا تو اسے بھی قید کر دے جس طرح تو نے مجھے قید کر رکھا ہے۔انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو قید کر دیں کچھ عرصہ تک۔ قید خانہ میں آپ علیہ السلام کے ساتھ دو نوجوان تھے۔ یہ دونوں جوان وہ تھے جو بادشاہ کے ملازم تھے ایک مطبخ کا ناظم تھا اس نے بادشاہ اس وجہ سے ناراض ہوا کہ اس نے بادشاہ کو زہر دینے کا ارادہ کیا تھا۔ اس نے اسے بھی قید کر دیا اور اس کے ساتھی جو محفل عیش و طرب کا نگران تھا اس کو بھی قید کر دیا۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام قید خانہ میں گئے تو فرمایا:

میں خوابوں کی تعبیر بتا تا ہوں۔

ان دونوں جوانوں میں سے ایک نے کہا:

آیئے ہم اس عبرانی غلام کے اس علم کا تجربہ کریں پس دونوں نے عجیب عجیب خواب بیان کیے جو انہوں نے دیکھے نہیں تھے بلکہ انہوں نے اپنی طرف سے گھڑے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے گھڑے ہوئے خوابوں کی تعبیر بتادی۔

جو ساقی تھا اس نے کہا کہ

میں نے (خواب میں) اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں۔

اور خباز نے کہا:

میں نے خواب میں اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں ان سے پرندے کھا رہے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

تمہارا کھانا آنے سے پہلے میں تمہیں خواب کی تعبیر بتادوں گا۔

پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اے میرے قید خانہ کے دو ساتھیو! اب خوابوں کی تعبیر سنو۔ تم میں سے ایک (یعنی پہلا) تو پلایا کرے گا اپنے مالک کو شراب یعنی وہ قید سے رہائی پا کر اپنے منصب پر پھر فائز ہو جائے گا لیکن دوسرا سولی دیا جائے گا اور (نواح) کھائیں گے پرندے اس کے سر سے۔ پس دونوں یہ خواب کی تعبیر سن کر گھبرا گئے۔

اور کہنے لگے کہ

اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم نے تو کوئی خواب وغیرہ نہیں دیکھا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

اس بات کا حتمی فیصلہ ہو چکا ہے جس کے متعلق تم نے سوال کیا ہے اب یہ ایسا ہی ہوگا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے ساقی سے کہا۔

تم میرا تذکرہ بادشاہ کے پاس کرنا لیکن شیطان نے اسے بھلا دیا پھر اللہ تعالیٰ نے بادشاہ کو خواب دکھایا۔ اس نے سات موٹی گائیں دیکھیں جنہیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سرسبز خوشے ہیں اور دوسرے سات خشک سوکھے ہوئے خوشے ہیں۔ بادشاہ نے تمام جادوگروں، کاہنوں اور قیافہ شناسوں کو جمع کیا اور ان لوگوں کو بلایا جو پرندوں کو جھڑکتے اور وہ انہیں حالات و واقعات بتاتے تھے۔

ان سب نے کہا:

اے بادشاہ سلامت! یہ خواب پریشان کن ہیں اور ہم پریشان کن خوابوں کی تعبیر جاننے والے نہیں ہیں۔

اس پر وہ شخص بولا جو قید خانہ سے بچ گیا تھا ان دو قیدیوں میں سے اور (اب) اسے یاد آئی ایک عرصہ بعد!

میں بتاتا ہوں تمہیں اس خواب کی تعبیر مجھے قید خانے تک جانے دو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

قید خانہ شہر میں نہیں تھا۔ وہ ساقی حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آیا

اور عرض کی۔

ہمیں اس خواب کی تعبیر بتائیں (پھر اس نے بادشاہ کا خواب بیان کیا) تا کہ میں آپ کا جواب لے کر واپس جاؤں لوگوں کی طرف شاید وہ آپ کے علم وفضل کو جان لیں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

تم کاشت کرو گے سات سال تک حسب دستور تو جو تم کاٹو اسے رہنے دو خوشوں میں اس طرح تمہارا اناج تا دیر باقی رہے گا مگر تھوڑا سا عرصہ ضرورت کے لئے نکال لو جسے تم کھالو۔ پھر اس خوشحالی کے بعد تم پر ایسے سات سال آئیں گے جو تمہارے اس ذخیرہ شدہ مال کو کھا جائیں گے جو تم نے ان سالوں کے لئے تھوڑا سا محفوظ کر لیا ہوگا پھر اس کے بعد ایک سال آئے گا جس میں مینہ برسایا جائے گا لوگوں کے لئے اور اس سال وہ پھلوں کا رس نکالیں گے۔ جب وہ قاصد آیا اور بادشاہ کو اس خواب کی تعبیر بتائی۔

تو بادشاہ نے کہا:

اس (یوسف علیہ السلام) کو فوراً میرے پاس لے آؤ۔

جب وہ قاصد آیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اپنے بادشاہ کے پاس لوٹ جاؤ اور اس سے پوچھو کہ حقیقت حال کیا تھی ان عورتوں کی جنہوں نے کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ۔

امام سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

اگر حضرت یوسف علیہ السلام اس وقت باہر آ جاتے اس سے پہلے کہ بادشاہ کو آپ علیہ السلام کی عظمت شان کا علم ہوتا تو ہمیشہ بادشاہ کے ذہن میں خلش رہتی اور کہتا رہتا کہ اس نے میری بیوی کو بہلایا پھسلایا تھا۔ بادشاہ نے کہا:

ان عورتوں کو میرے پاس لاؤ۔

بادشاہ نے ان عورتوں سے پوچھا:

کیا معاملہ ہوا تھا جب تم نے یوسف (علیہ السلام) کو بہلایا تھا اپنی مطلب براری کے لئے اور وہ اس کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا تھا اور شلوار کھولی تھی اور پھر باندھ لی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی (کہ اسے کیا ہوا تھا کہ اس نے کوئی غیر اخلاقی عمل نہیں کیا)

عزیز کی بیوی نے کہا:

اب تو آشکارا ہو گیا حق کا (کہا) میں نے ہی اسے پھسلایا تھا اپنی مطلب براری کے لئے بخدا وہ تو سچا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

یہ میں نے اس لیے کیا تھا تا کہ عزیز جان لے کہ میں نے اس کی غیر حاضری میں خیانت نہیں کی اور اللہ تعالیٰ کامیاب نہیں ہونے دیتا دغا بازوں کی فریب کاری کو۔

عزیز کی بیوی نے کہا:

اے یوسف (علیہ السلام)! جب تو نے شلوار کھولی تھی تو اس وقت یہ برائی نہیں تھی۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:
میں اپنے نفس کی برأت کا دعوی نہیں کرتا (مجھے اس روایت سے اتفاق نہیں)
جب بادشاہ پر حضرت یوسف علیہ السلام کا عذر ظاہر ہو گیا تو کہا۔
یوسف (علیہ السلام) کو میرے پاس لے آؤ میں اسے اپنی ذات کے لئے چن لوں گا میں اسے اپنا معتمد علیہ بنالوں گا۔
پس اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کا عامل بنا دیا اور اس کی معیشت اور خرید و فروخت کی قوانین کی تیاری اور نفاذ آپ علیہ السلام کے سپرد کر دیا۔ پھر زمین پر بھوک کا دور شروع ہوا اور حضرت یعقوب علیہ السلام جس علاقہ میں رہتے تھے وہاں قحط پڑ گیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو مصر کی طرف خوراک لانے کے لئے بھیجا لیکن بنیامین کو ان کے ساتھ نہ بھیجا۔ جب وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو آپ علیہ السلام نے انہیں پہچان لیا لیکن وہ آپ علیہ السلام کو نہ پہچان سکے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو دیکھا تو انہیں اپنے محل میں داخل کیا۔
اور پوچھا کہ
مجھے اپنا تعارف کراؤ میں تمہیں صحیح پہچان نہیں سکا۔
ان کے بھائیوں نے کہا:
ہم شام کی زمین کے باشندے ہیں۔
آپ علیہ السلام نے پوچھا:
تم کیسے آئے ہو؟
انہوں نے کہا:
ہم خوراک لے جانے کے لئے آئے ہیں۔
حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:
تم نے جھوٹ بولا ہے۔ تم جاسوس ہو۔ تم کتنے افراد ہو۔
انہوں نے کہا:
ہم دس افراد ہیں۔
آپ علیہ السلام نے فرمایا:
تم دس ہزار ہو تم میں سے ہر ایک ہزار افراد کا امیر ہے تم مجھے صحیح صحیح اپنی بات بتاؤ۔
انہوں نے کہا:
ہم تمام ایک سچے شخص کے بیٹے ہیں اور آپس میں بھائی ہیں ہم کل بارہ بھائی تھے ہمارے والد صاحب ہمارے ایک بھائی سے بہت پیار کرتے تھے وہ ایک دفعہ ہمارے ساتھ جنگل میں گیا تو وہ ہلاک ہو گیا وہ ہمارے والد صاحب کو ہم میں سب سے زیادہ پیارا تھا۔
حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا:

اب تمہارے والد صاحب کس بیٹے کے پاس رہتے ہیں۔

انہوں نے کہا:

اس کے پاس جو اس بھائی سے چھوٹا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

تم اپنے والد صاحب کو کیسے صدیق کہہ رہے ہو جبکہ وہ بڑوں کو چھوڑ کر چھوٹوں سے پیار کرتا ہے۔ تم اپنے اس بھائی کو میرے پاس لے آؤ تا کہ میں اسے دیکھ لوں اور اگر تم اسے میرے پاس نہ لائے تو (سن لو) کوئی پیمانہ تمہارے لیے میرے پاس نہ ہوگا اور تم میرے قریب نہ آسکو گے۔

انہوں نے کہا:

ہم ضرور اس کے باپ سے اس کے بھیجنے کا مطالبہ کریں گے اور ہم ضرور ایسا کریں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

مجھے خطرہ ہے کہ تم اسے میرے پاس نہیں لاؤ گے اس لیے تم کسی کو میرے پاس رہن رکھو حتیٰ کہ تم واپس آؤ۔ پس شمعون کو ان کے پاس رہن رکھا گیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے غلاموں کو کہا کہ

تم چپکے سے ان کا سامان ان کی خورجیوں میں رکھ دو جس کے عوض انہوں نے غلہ خریدا تھا تا کہ وہ پہچان لیں۔ جب وہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹیں شاید وہ لوٹ کر آئیں۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے غلہ لے کر واپس آئے تو انہوں نے اپنے باپ کو بتایا کہ مصر کے بادشاہ نے ہماری بہت عزت وتکریم کی ہے اگر وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں میں سے کوئی ہوتا تو کبھی ہماری اتنی تکریم نہ کرتا۔ اس نے شمعون کو رہن رکھ لیا ہے اور اس نے ہمیں یہ بھی کہا ہے کہ تم میرے پاس اس بھائی کو لے آؤ جس کے ساتھ تمہارا باپ زیادہ محبت کرتا ہے۔ اس کے بڑے بھائی کے ہلاک ہونے کے بعد تا کہ میں اس کو دیکھ لوں۔

اور اس نے یہ بھی کہا ہے کہ

اگر تم اپنے بھائی کو میرے پاس نہ لائے تو کبھی بھی تم میرے علاقہ میں نہیں آسکو گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں سے فرمایا:

جب تم بادشاہ مصر کے پاس جاؤ تو انہیں میرا سلام کہنا اور یہ کہنا کہ تمہارا باپ تمہارے لیے دعا کرتا ہے اس نوازش پر جو تو نے ہمارے اوپر کی ہے۔ جب انہوں نے اس ابتدائی ملاقات کے بعد اپنی خورجیوں کو کھولا تو انہوں نے دیکھا کہ ان کا وہ مال واپس کر دیا گیا ہے جس کے عوض انہوں نے غلہ خریدا تھا وہ اپنے باپ کے پاس آئے۔

اور کہا:

اے ہمارے والد محترم! اور ہم کیا چاہتے ہیں یہ دیکھئے ہمارا مال بھی لوٹا دیا گیا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب یہ معاملہ دیکھا۔

تو ارشاد فرمایا:

میں بنیامین کو تمہارے ساتھ ہرگز نہیں بھیجوں گا حتیٰ کہ تم میرے ساتھ قسم کے ساتھ مؤکد وعدہ کرو کہ تم اسے میرے پاس لے آؤ گے مگر یہ کہ تمہیں بے بس کر دیا جائے انہوں نے پختہ وعدہ کر دیا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

جو ہم گفتگو کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے نظر بد سے بچانے کے لئے فرمایا کہ

تم مصر میں مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔ ایک دروازے سے داخل نہ ہونا پس جب وہ یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین کو پہچان لیا۔ آپ علیہ السلام نے انہیں ایک مقام پر ٹھہرایا اور کھانا کھلانے کے احکامات جاری فرمادیئے۔

جب رات ہوئی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

ہر بستر پر دو دو آدمی سوئیں گے۔

اس تقسیم سے بنیامین اکیلے رہ گئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

یہ میرے ساتھ میرے بستر پر سوئے گا۔

بنیامین نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ رات گزاری۔ آپ علیہ السلام اسے رات بھر پیار کرتے رہے اور ان کی خوشبو سونگھتے رہے حتیٰ کہ صبح ہوگئی۔

روبیل نے کہا:

ہم نے اس کی مثل کوئی شخص نہیں دیکھا۔ اگر ہم اس سے نجات پا جائیں پھر جب انہیں سامان خوراک مہیا کر دیا تو اپنا پیالہ اپنے بھائی کی خورجی میں رکھ دیا جبکہ بھائی کو اس بات کا علم نہ تھا۔ جب وہ چلنے لگے تو ایک پکارنے والے نے پکارا۔

اے قافلے والو! بلاشبہ تم چور ہو۔

وہ حیرت زدہ ہو کر بولے جبکہ وہ ان کی طرف متوجہ تھے کہ کون سی چیز تم نے گم کی ہے۔

انہوں نے کہا:

ہم نے بادشاہ کا پیالہ گم کیا ہے۔ جو شخص وہ پیالہ ڈھونڈ لائے گا اسے بطور انعام بار شتر غلہ دیا جائے گا اور میں اس کا ضامن ہوں۔

کہنے لگے کہ

خدا عزوجل کی قسم! تم خوب جانتے ہو کہ ہم یہاں زمین میں فساد برپا کرنے کے لئے نہیں آئے اور نہ ہی ہم چور ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے خدام نے کہا:

پھر اس کی سزا کیا ہے اگر تم جھوٹے ثابت ہو جاؤ۔

انہوں نے کہا:

اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں وہ پیالہ دستیاب ہو جائے تو وہ خود ہی اس کا بدلہ ہے۔ اسی طرح ہم ظالموں کو سزا دیا کرتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی کے سامان کی تلاشی سے پہلے دوسروں کے سامان کی تلاشی شروع کی۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی کا سامان باقی رہ گیا۔

تو اس نے کہا:

اس غلام کو زیب نہیں دیتا کہ وہ پیالہ اٹھائے۔

انہوں نے کہا:

اسے نہیں چھوڑا جائے گا حتیٰ کہ تم اس کے سامان کو دیکھ لو تا کہ ہم جائیں تو ہمارے دل خوش اور مطمئن ہوں۔ تلاش کرنے والے نے اپنا ہاتھ اس کے سامان میں ڈالا اور پیالہ اس کے سامان سے نکال لایا یوں تدبیر کی ہم نے (حضرت) یوسف علیہ السلام کے لئے کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ مصر کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو ساتھ نہیں رکھ سکتے تھے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے ملازمین نے کہا:

یہی شخص اس پیالہ کا بدلہ ہے۔

جب اس خادم نے بنیامین کے سامان سے پیالہ نکالا تو بھائیوں کی کمریں ٹوٹ گئیں اور ہلاک ہونے لگیں۔

اور کہا:

اے راحیل کے بیٹو! ہمیشہ تمہاری وجہ سے ہم مسائل میں گرفتار رہے حتیٰ کہ تم نے یہ پیالہ بھی اٹھالیا۔

بنیامین نے کہا:

بنو راحیل کو ہمیشہ تمہاری وجہ سے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ تم میرے بھائی کو ساتھ لے گئے تھے تم نے اسے جنگل میں ہلاک کر دیا تھا اور یہ پیالہ بھی میرے سامان میں اس نے رکھا ہے جس نے تمہارے سامان میں پہلی مرتبہ دراہم رکھے تھے۔

بھائیوں نے کہا:

ان دراہم کا ذکر نہ کرو وہ بھی وصول کئے جائیں گے۔ بھائی بنیامین کو مارنے لگے اور اسے گالی گلوچ کی۔ جب ملازمین پکڑ کر تمام بھائیوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے وہ پیالہ منگوایا اور پھر اس پر ناخن سے چوٹ لگا کر اسے بجایا پھر اسے اپنے کان کے قریب کیا۔

اور ارشاد فرمایا:

یہ میرا پیالہ مجھے بتا رہا ہے کہ تم بارہ بھائی تھے تم نے اپنے ایک بھائی کو بیچ دیا تھا۔ جب بنیامین نے یہ بات سنی تو کھڑے ہو گئے اور پھر حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا۔

اور ارشاد فرمایا:

اے بادشاہ اپنے پیالہ سے پوچھو! کیا وہ میرا بھائی زندہ ہے یا فوت ہو گیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے پھر اس میں ٹھوکر لگائی۔

اور ارشاد فرمایا:

ہاں وہ زندہ ہے اور عنقریب تو اسے دیکھ لے گا۔

بنیامین نے کہا:

جو تم چاہو میرے ساتھ معاملہ کرو کیونکہ وہ میرے متعلق زیادہ جانتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اندر تشریف لائے تو رونے لگے پھر وضو کیا پھر باہر تشریف لائے۔

بنیامین نے کہا:

اے بادشاہ! میں دیکھتا ہوں کہ تم اپنے پیالے کے ذریعہ سچی بات بتاتے ہو پس تم اس سے بھائی (یوسف علیہ السلام) کے متعلق پوچھو۔

اس نے اس کو ٹھکورا پھر فرمایا:

میرا یہ پیالہ ناراض ہے اور غصہ میں ہے۔

اور کہتا ہے کہ

تم مجھ سے میرے ساتھی کے متعلق پوچھتے ہو جبکہ تم دیکھ چکے ہو۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے جب غصے میں ہوتے تھے تو ان کو مغلوب نہیں کیا جا سکتا تھا۔ روبیل غصہ میں ہوا تو اٹھ کر کہنے لگا۔

اے بادشاہ اللہ تعالیٰ کی قسم! تو ہمیں چھوڑے گا ورنہ میں ایسی چیخ ماروں گا کہ ہر حاملہ عورت کا بچہ گر جائے گا۔ غصہ کی وجہ سے روبیل کے جسم کا ہر بال کھڑا ہو چکا تھا اور اس کے کپڑوں سے باہر آ گیا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا کہ

روبیل کے پاس سے گزر اور اسے مس کر بس اس نے مس کیا تو روبیل کا غصہ ختم ہو گیا۔

روبیل نے کہا:

یہ کون ہے؟

روبیل غصہ میں آ کر کہنے لگا۔

اے بادشاہ! یعقوب (علیہ السلام) کا تذکرہ نہ کر وہ اللہ تعالیٰ کی بشارت ہیں اور ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بیٹے ذبیح اللہ کی اولاد ہے۔

(یہ روایت اسرائیلی ہے)

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

پھر تو سچا ہے۔ جب تم اپنے باپ کے پاس جانا تو انہیں میری طرف سے سلام عرض کرنا اور انہیں کہنا کہ مصر کا بادشاہ تمہیں دعا دیتا ہے کہ تمہیں موت نہ آئے یہاں تک کہ تم اپنے بیٹے یوسف (علیہ السلام) کو دیکھ لوحتیٰ کہ تمہارا باپ جان لے زمین میں اس کی مثل اور بھی صدیقین موجود ہیں۔ جب برادران یوسف مایوس ہو گئے تو یوسف علیہ السلام نے ان کے لئے شمعون کو باہر نکالا جس کو رہن رکھا گیا تھا۔ جب وہ علیحدہ ہوئے تو آپس میں سرگوشی کرنے لگے۔ روبیل جوان سے علم کے اعتبار سے بڑا تھا۔

اس نے کہا:

کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ نے تم سے اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ پختہ وعدہ لیا تھا اور اس سے پہلے جو زیادتی یوسف (علیہ السلام) کے حق میں تم کر چکے ہو (وہ بھی تمہیں یاد ہے) پس میں تو اس زمین کو نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ میرے والد صاحب مجھے اجازت نہ دیں یا فیصلہ فرمائے اللہ تعالیٰ میرے لیے وہ تمام فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے۔ روبیل مصر میں ٹھہر گیا اور باقی نو بھائی حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے بنیامین کے بارے میں خبر دی تو آپ علیہ السلام رو پڑے۔

اور فرمایا:

اے بیٹو جب بھی تم کسی کام کے لئے گئے ہو ایک بھائی کم کر کے آئے ہو۔

پہلی دفعہ گئے تھے تو (حضرت) یوسف (علیہ السلام) کو چھوڑ کر آئے تھے دوسری دفعہ گئے تھے تو شمعون کو چھوڑ آئے تھے پھر تیسری مرتبہ گئے تو بنیامین اور روبیل کو چھوڑ آئے ہو۔ میرے لیے اب صبر ہی زیبا ہے قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ لے آئے گا میرے پاس ان سب کو۔ بے شک وہ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں سے منہ پھیر لیا۔

اور فرمایا:

ہائے افسوس! یوسف (علیہ السلام) کی جدائی پر اور سفید ہو گئیں ان کی دونوں آنکھیں غم کے باعث اور وہ اپنے غم کو ضبط کیے ہوئے تھے۔

بیٹوں نے عرض کیا:

بخدا! آپ علیہ السلام ہر وقت یاد کرتے رہتے ہیں یوسف (علیہ السلام) کو کہیں بگڑ نہ جائے آپ علیہ السلام کی صحت یا آپ علیہ السلام ہلاک نہ ہو جائیں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

میں تو شکوہ کر رہا ہوں اپنی مصیبت اور اپنے دکھوں کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اور میں جانتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے۔ حضرت یوسف علیہ السلام قید خانہ میں تھے تو جبرائیل علیہ السلام آئے اور سلام پیش کیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام انتہائی خوش شکل انسان کی شکل میں آئے۔ آپ علیہ السلام کی خوشبو بڑی پاکیزہ تھی اور لباس انتہائی اجلا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اس سے کہا:

اے بادشاہ حسن! اے اپنے رب عزوجل کی بارگاہ کے معزز، اے پاکیزہ خوشبو والے مجھے یعقوب کے بارے میں بتائیے وہ کیسے ہیں۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

وہ تمہاری وجہ سے بہت پریشان ہیں۔

پوچھا:

کتنے پریشان ہیں۔

فرمایا:

اتنے پریشان ہیں جتنا کہ ستر ایسی عورتیں پریشان ہوتی ہیں جن کے بچے فوت ہو چکے ہوں۔

پوچھا:

ان کا اجر کتنا ہے؟

فرمایا:

ستر شہداء کا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا:

میرے بعد وہ کس کے پاس رہے؟

فرمایا:

تمہارے بھائی بنیامین کے پاس رہے۔

پوچھا:

کیا میری ان سے ملاقات ہوگی؟

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

ہاں۔ اپنے والد کی پریشانی اور تکالیف سن کر یوسف علیہ السلام رونے لگے۔

پھر فرمایا:

مجھے ان پریشانیوں کی کوئی پرواہ نہیں اگر مجھے اللہ تعالیٰ انہیں دکھا دے۔ جب بیٹوں نے بادشاہ کے بلاوے کی خبر دی تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی صحت اچھی ہوگئی۔

اور فرمایا:

زمین میں میرے بیٹے کے سوا کوئی صدیق نہیں ہے۔ آپ علیہ السلام خواہش کرنے لگے کہ شاید یہ (بادشاہ مصر) میرا بیٹا ہی ہو۔

فرمایا:

اے میرے بیٹو! جاؤ اور یوسف (علیہ السلام) اور اس کے بھائی بنیامین کا سراغ لگاؤ اور مایوس نہ ہو جاؤ رحمت الٰہی عزوجل سے۔یعنی یوسف علیہ السلام کی واپسی سے مایوس نہ ہو جاؤ جب وہ واپس آئے۔

توانہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا۔

اے عزیز! ہمیں اور ہمارے اہل خانہ کو مصیبت پہنچی ہے اور اس مرتبہ ہم حقیری پونجی لے آئے ہیں پس ہمیں پورا ناپ کر دیں پیمانہ یعنی ان ردی دراہم کے ساتھ بھی وہ غلہ عطا کرو جو تم ہمیں اچھے دراہم کے ساتھ دیتے تھے اور اس کے علاوہ ہم پر خیرات بھی کریں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

کیا تمہیں علم ہے جو تم نے یوسف (علیہ السلام) اور اس کے بھائی سے سلوک کیا تھا جبکہ تم نادان تھے۔

حیرانی سے کہنے لگے کہ

سچ مچ آپ یوسف (علیہ السلام) ہی ہیں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

ہاں میں یوسف (علیہ السلام) ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔

تمام بھائیوں نے معذرت کی اور کہنے لگے۔

اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو ہم پر بزرگی عطا فرمائی بے شک ہم ہی خطا کار تھے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

تم پر آج کے دن کوئی گرفت نہیں ہے میں تمہارا جرم ذکر بھی نہیں کرتا۔اللہ تعالیٰ تمہارے قصوروں کو معاف فرمائے۔

پھر آپ علیہ السلام نے پوچھا:

میرے بعد میرے والد محترم کا کیا ہوا؟

انہوں نے کہا:

غم کی وجہ سے نابینا ہو گئے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

یہ میرا پیراہن لے جاؤ اور اسے میرے باپ کے چہرے پر ڈالو وہ بینا ہو جائیں گے اور جا کر لے آؤ میرے پاس اپنے سب اہل وعیال کو۔

یہودا نے کہا:

قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس میں لے گیا تھا جبکہ وہ خون سے لت پت تھی۔

میں نے کہا تھا کہ

(حضرت) یوسف (علیہ السلام) کو بھیڑیا کھا گیا ہے آج بھی میں یہ قمیص لے جاتا ہوں اور انہیں بتاتا ہوں کہ یوسف علیہ السلام زندہ ہیں۔ پس میں انہیں خوش کروں گا جیسے میں نے انہیں پریشان کیا تھا۔

شہادت دینے والا یہودا تھا جب قافلہ مصر سے شام کی طرف روانہ ہوا تو کنعان میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے خوشبو محسوس کی۔

آپ علیہ السلام نے اپنے پوتوں سے کہا۔

میں یوسف (علیہ السلام) کی خوشبو سونگھ رہا ہوں اگر تم مجھے بے وقوف خیال نہ کرو۔

آپ علیہ السلام کے پوتوں نے کہا:

بخدا! آپ علیہ السلام اپنی پرانی محبت میں مبتلا ہیں جب خوش خبری سنانے والا (یہودا) آ پہنچا اور اس نے وہ قمیص آپ علیہ السلام کے چہرے پر ڈالی تو آپ علیہ السلام فوراً بینا ہو گئے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

کیا میں نہیں کہا کرتا تھا تمہیں کہ میں جانتا ہوں اللہ تعالیٰ کے بتانے سے جو تم نہیں جانتے؟ پھر ان بیٹوں نے اپنے اہل و عیال کو سواریوں پر سوار کیا اور مصر کی طرف چل پڑے۔ جب مصر پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے سے اوپر والے بادشاہ سے بات کی۔ حضرت یوسف علیہ السلام اور وہ بادشاہ ان کے استقبال کے لئے نکلے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام اپنے اہل وعیال سے ملے۔

تو فرمایا:

مصر میں داخل ہو جاؤ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تم خیر و عافیت سے رہو گے جب وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے روبرو ہوئے تو آپ علیہ السلام نے اپنے والدین کو اپنے پاس جگہ دی یعنی آپ علیہ السلام نے اپنے والد اور خالہ کو اپنے عرش کے اوپر بٹھایا (ایک قول ہے کہ آپ علیہ السلام کی والدہ کو اللہ تعالیٰ نے زندہ فرما دیا تھا وہ تخت پر بیٹھیں) جب حضرت یعقوب علیہ السلام پر موت کا وقت قریب آیا تو آپ علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو وصیت کی کہ انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا وصال ہو گیا آپ پر انہوں نے الرپڑھ کر پھونکی پھر آپ علیہ السلام کو شام لے جایا گیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

اے میرے رب عزوجل! تو نے مجھے یہ ملک عطا فرمایا مجھے باتوں کے انجام کا علم سکھایا اے آسمانوں اور زمین کے بنانے والے! تو ہی میرا کارساز ہے دنیا و آخرت میں، مجھے ایسی حالت میں وفات دے جبکہ میں مسلمان ہوں اور مجھے نیک بندوں کے ساتھ ملا دے۔

(جامع البیان: ج:12، ص:29، 18، 9، 201، 94، 93، 91، 84، 181 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام عبدالرحمٰن محمد بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے یہودا کو وصیت کی اور فوت ہو گئے۔ ان کی تدفین

میں لوگوں نے نزاع کیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی برکت کے حصول کے لئے ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ اس کے محلہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کو دفن کیا جائے پھر انہوں نے اس پر اتفاق کرلیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو دریائے نیل میں دفن کردیا جائے تاکہ ان پر سے پانی گزر کر سب تک پہنچ جائے پھر انہوں نے لکڑی کے ایک صندوق میں حضرت یوسف علیہ السلام کو دفن کر دیا پھر حضرت یوسف علیہ السلام کا صندوق وہیں رہا حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے روانہ ہوئے تو وہ اپنے ساتھ اس صندوق کو لے گئے اور اس صندوق کو کنعان کی سرزمین میں دفن کر دیا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

حضرت یوسف علیہ السلام جب فوت ہوئے تو آپ علیہ السلام کی عمر مبارک ایک سو بیس (120) سال تھی۔

(زاد المسیر: ج:4، ص:292 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

آخری التجاء

مجھ بدکار و خطا کار نے ادنیٰ سی کوشش کر کے اس جلد ثانی کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مکمل کیا۔ اس جلد ثانی میں چار انبیاء کرام علیہم السلام حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہم السلام کا ذکر خیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مقدس بارگاہ میں دعا ہے کہ اگر کہیں کوئی غلطی یا کوتاہی ہوگئی ہو تو اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے معاف فرمائے اور مجھ بدکار و خطا کار اور تمام امت مسلمہ خصوص بالخصوص میرے خاندان کے گناہوں کو معاف فرمائے اور ہم سب کا ایمان پر خاتمہ فرما کر قبر میں زیارت حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نصیب فرما کر قیامت کے دن شفاعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نصیب فرما کر جنت الفردوس میں اپنے پیارے نبی مکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمین شریفین میں پڑوس عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین و صلی اللہ علیہ وسلم

طالب غم مدینہ و مدفن جنت البقیع

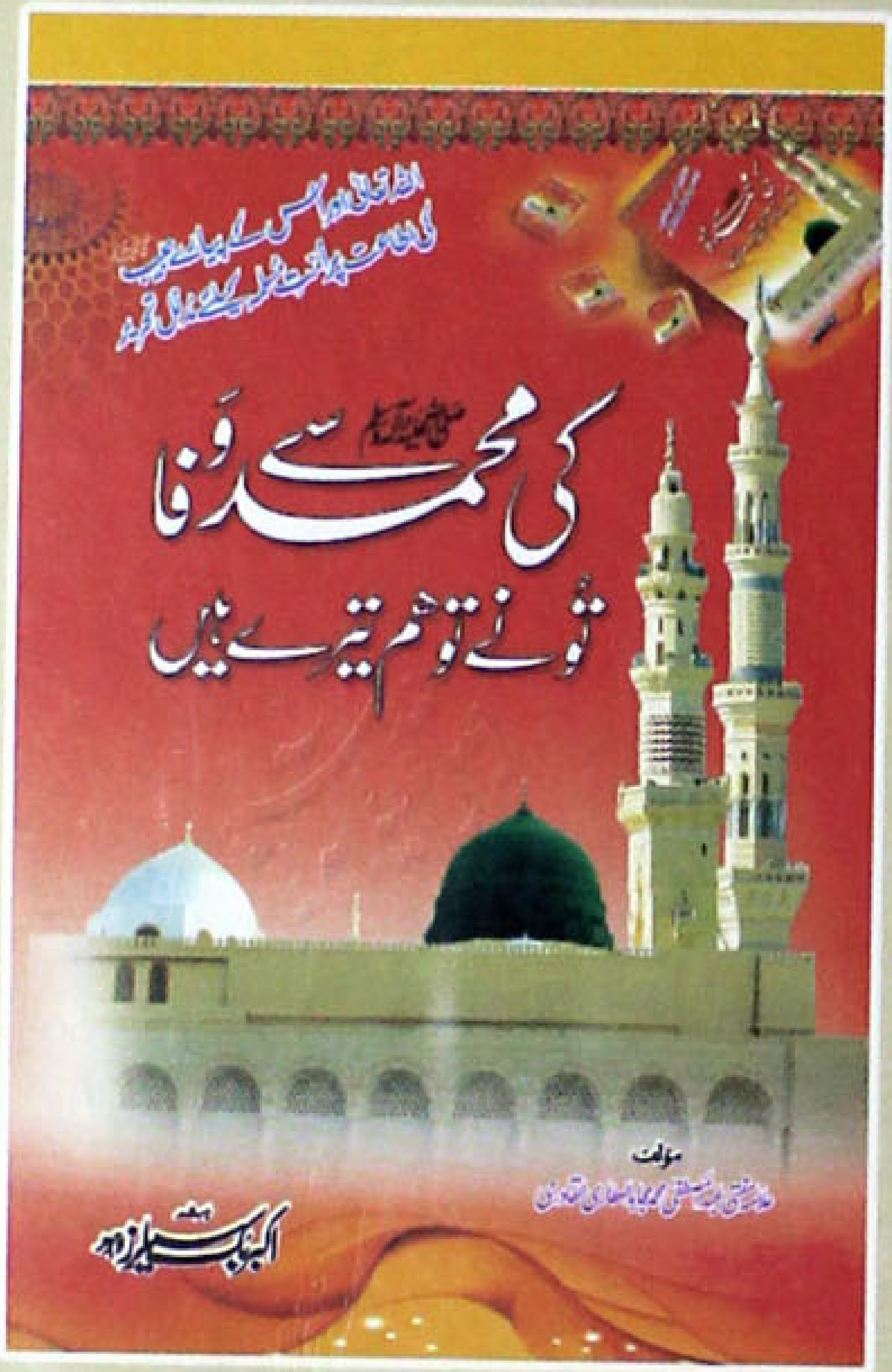
عبد المصطفیٰ محمد مجاہد عطاری قادری عفی عنہ

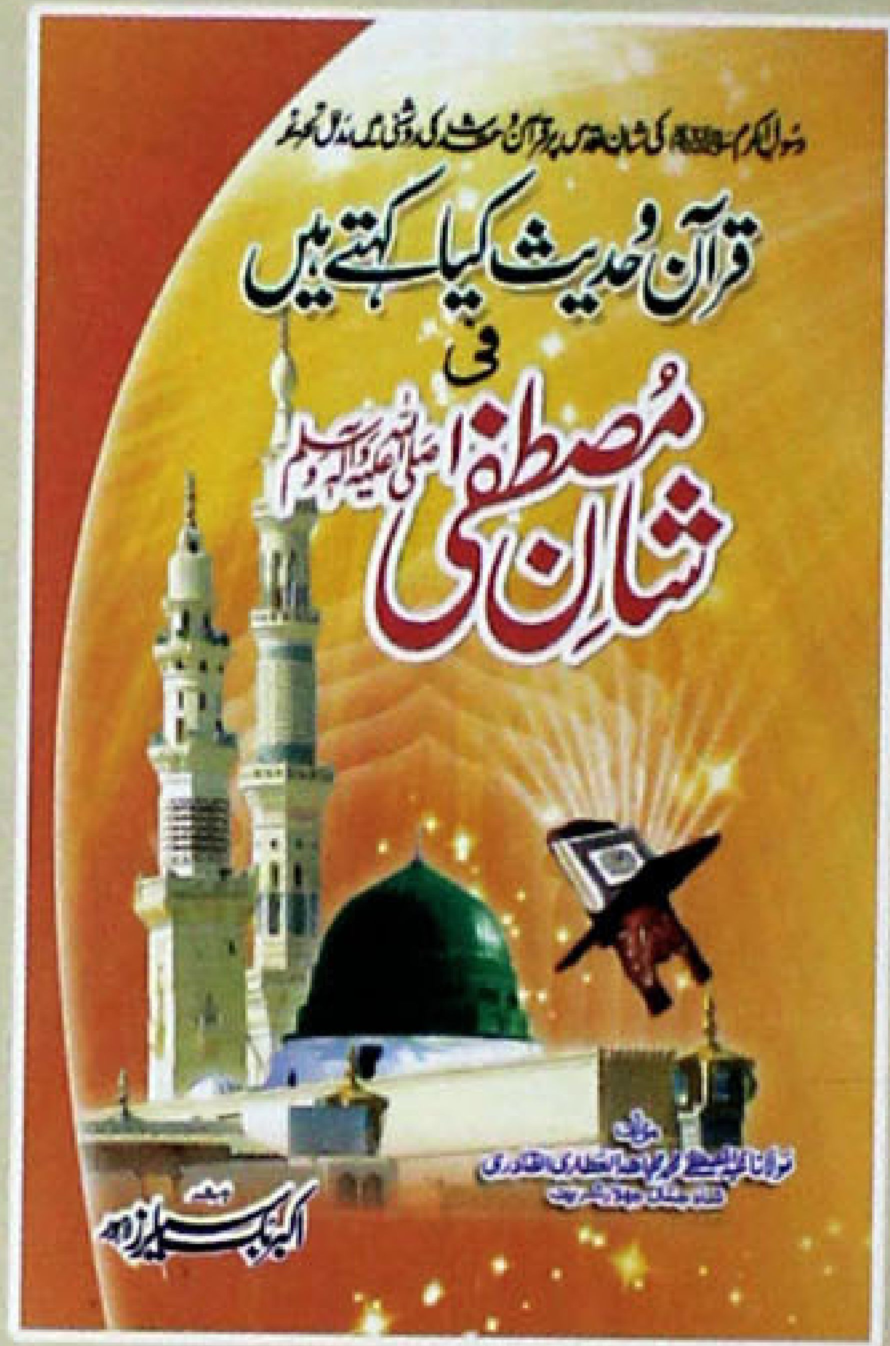
آستانہ عالیہ چشتیہ جھلار شریف شاہ جمال مظفر گڑھ۔

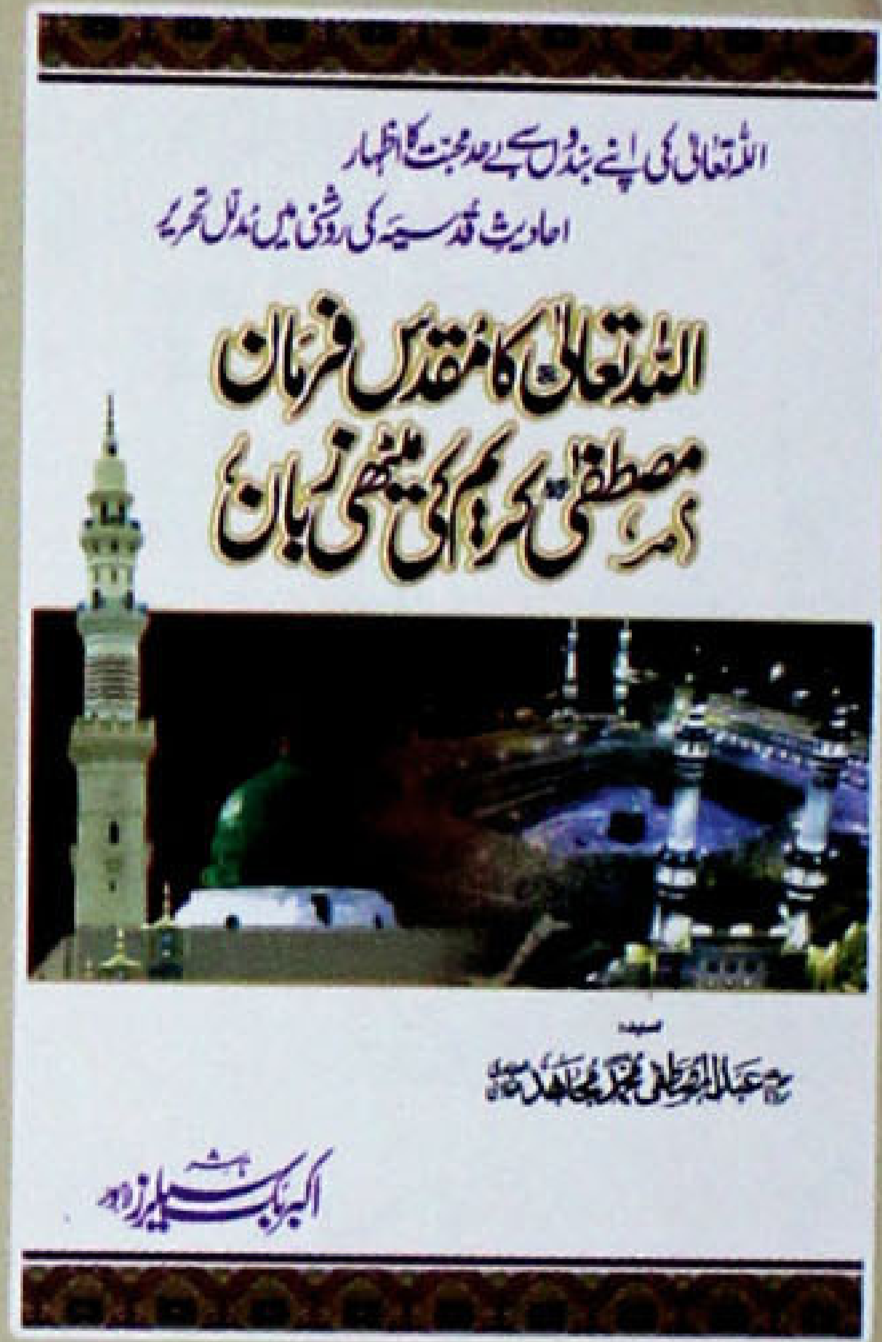
اختتام کتاب: 8 فروری 2014ء بمطابق 7 ربیع الغوث 1435ھ

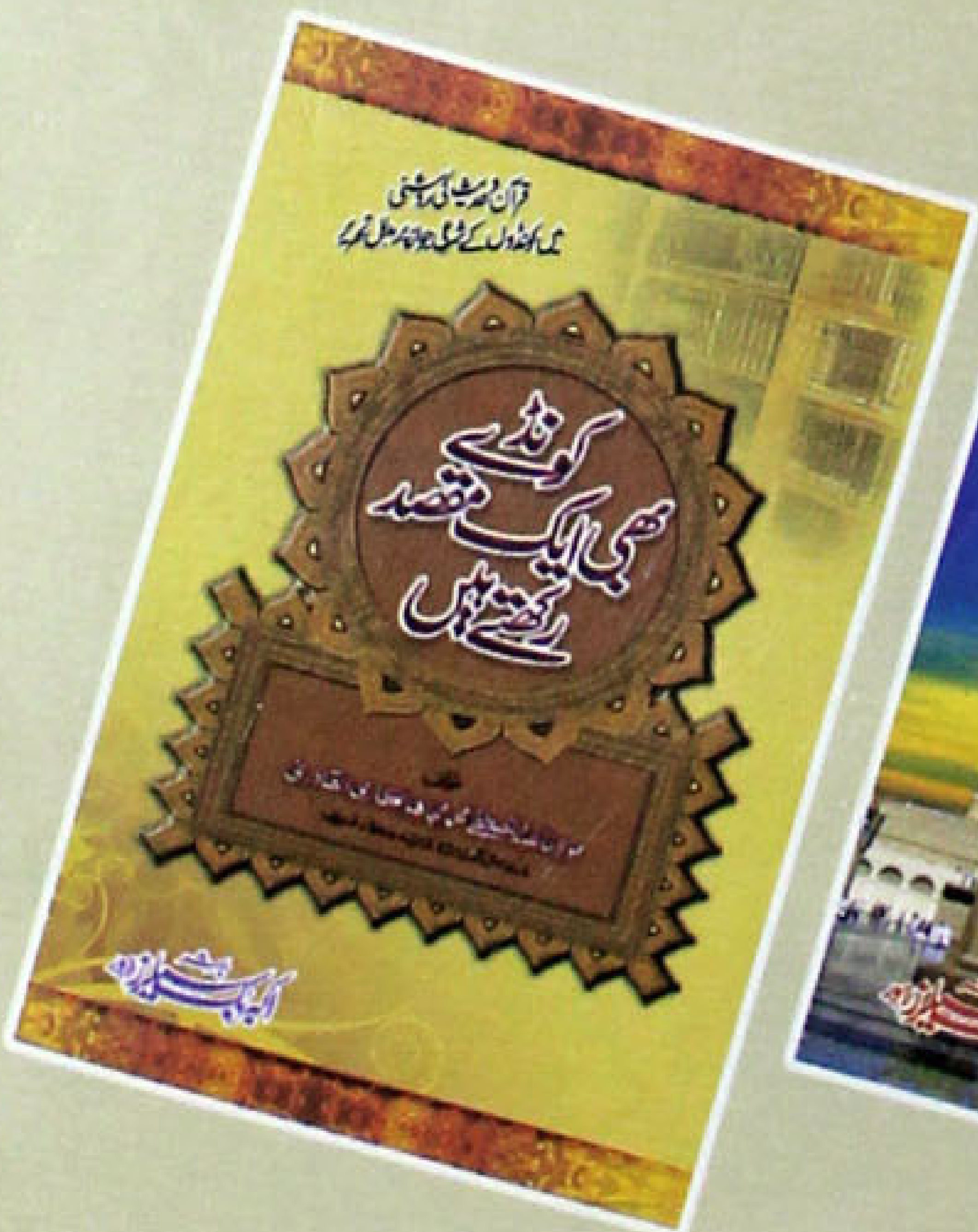
مولانا عبدالمصطفیٰ محمد مجاہد العطاری القادری
شاہ جمال آستانۂ عالیہ جھلار شریف

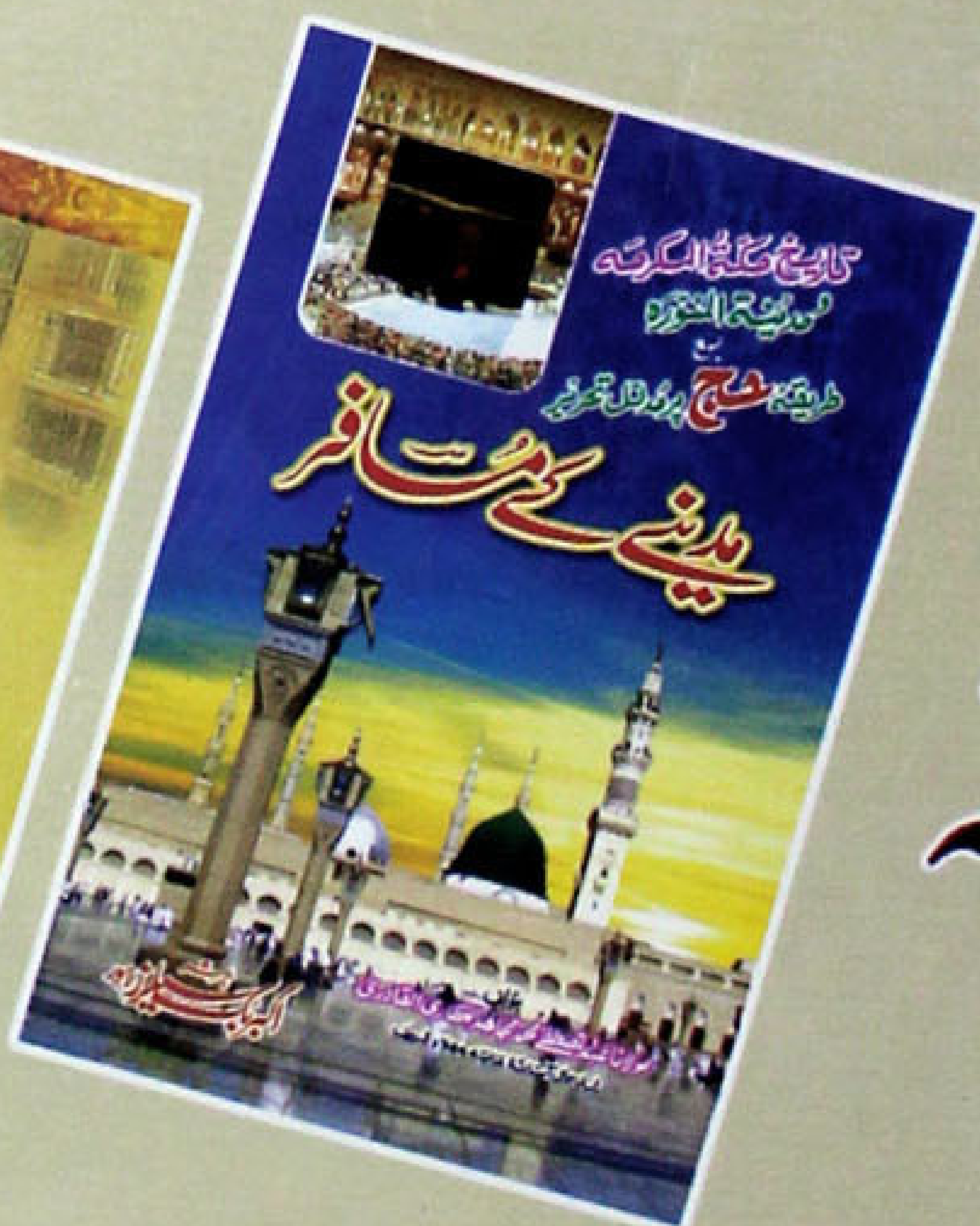
کی دیگر تصانیف وتراجم











جدید تخریج شدہ

الصوائق المحرقہ

(مترجم)

ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور Ph: 37352022



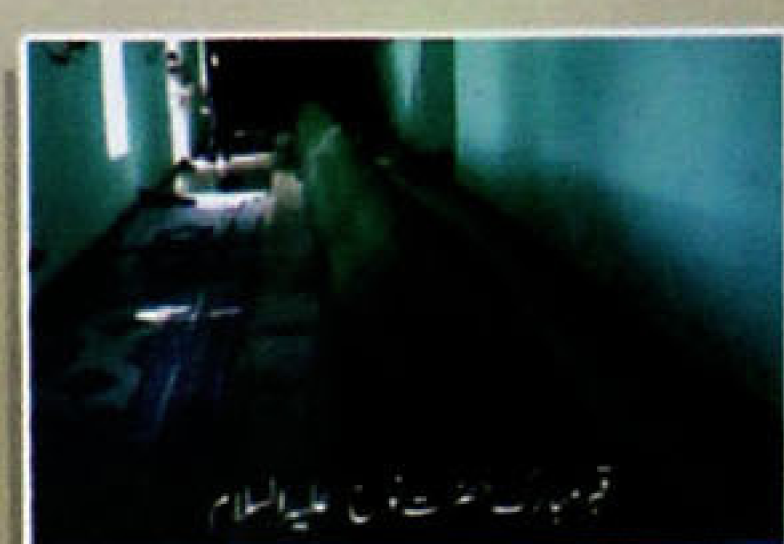


قرآن وحدیث کی روشنی میں انبیاء کرام علیہم السلام
اور اُن کی قوموں کے حالات و واقعات پر مدلل تحریر

انبیاء کرام علیہم السلام اور اُنکی قوموں کے احوال

جلد سوم













مؤلف:
مولانا عبدالمصطفیٰ محمد مجاہد العطاری القادری
شاہ جمال آستانۂ عالیہ جھلار شریف

ناشر
اکبر بک سیلرز لاہور

قرآن و حدیث کی روشنی میں انبیاء کرام علیہم السلام
اور اُن کی قوموں کے حالات و واقعات پر مدلّل تحریر

انبیاء کرام علیہم السلام اور اُنکی قوموں کے احوال

جلد سوم

مؤلف:
مولانا عبدالمصطفیٰ محمد مجاہد العطاری القادری
شاہ جمال آستانہ عالیہ جھلاد شریف

ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور Ph: 37352022

نام کتاب	....	انبیاء کرام علیہم السلام اوران کی قوموں کے احوال (جلد سوم)
مصنف	....	مولانا عبدالمصطفیٰ محمد مجاہد العطاری القادری
صفحات	....	۹۶۰
تعداد	....	۶۰۰
کمپوزنگ	....	زاہد اقبال
تاریخ اشاعت	....	اگست ۲۰۱۴ء
ناشر	....	محمد اکبر قادری
قیمت	....	850روپے

ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر
اردو بازار لاہور

فہرست مضامین

حضرت ھود علیہ الصلوٰۃ والسلام

عنوان	صفحہ

حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام

عنوان	صفحہ

شرفِ انتساب

میں اپنی اس ادنیٰ کاوش کو استاد محترم واستاذ العلماء حضرت علامہ مفتی محمد ایاز العطاری القادری المدنی دامت برکاتہم العالیہ کی طرف منسوب کرتا ہوں کہ جن کے علم سے کئی طلباء کرام علم دین سیکھنے کی پیاس کو بجھا رہے ہیں اور انشاء اللہ عزوجل بجھاتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی مقدس بارگاہ میں دعا ہے کہ میرے تمام اساتذہ کرام کو درازیٔ عمر بالخیر عطا فرمائے اور تا دائم وقائم مجھ بیحد گناہ گار پر سایۂ شفقت قائم فرمائے اور ہم تمام امت مسلمہ کی بے حساب بخشش ومغفرت فرما کر ایمان پر خاتمہ وزیارت رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم وبروز حشر شفاعت شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم نصیب فرما کر جنت الفردوس میں بے چین دلوں کے چین نانائے حسنین کریمین کے قدمین شریفین میں پڑوس عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین و صلی اللہ علیہ وسلم

طالب غم مدینہ ومغفرت ومدفن جنت البقیع
عبد المصطفیٰ محمد مجاہد العطاری القادری المدنی عفی عنہ
آستانہ عالیہ چشتیہ جھلار شریف شاہ جمال مظفر گڑھ

اظہارِ تشکر

اللہ تعالیٰ نے مجھ حقیر پر اپنا بہت زیادہ کرم اور فضل فرمایا کہ مجھے مسلمان بنا کر اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا ادنیٰ سا امتی بنایا پھر ان مقدس فقہاء کرام اور علماء کرام کی جوتیوں کی خاک اٹھانے اور ان کو سر پر رکھنے کا شرف بخشا کہ جن کا سونا بھی عبادت ہے، جن کا کلام فرمانا بھی عبادت میں لکھا جاتا ہے۔ میں ان اساتذہ کرام و علماء کرام کا تہہ دل سے مشکور ہوں کہ جنہوں نے اپنے پیارے شاگردوں میں سے مجھ حقیر کو بھی اپنے حلقہ درس میں بیٹھنے کا شرف بخشا اور وہ علم دین سکھایا جن کی گہرائی میں اگر ڈوبا جائے تو کنارہ ہی نہیں ملتا اور نہ ہی اس کے بناء سکون میسر ہوتا ہے۔

الحمد للہ عزوجل! انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کی قوموں کے احوال سے موسوم دو جلدیں مکمل کرنے کے بعد آج تیسری جلد شروع کرنے کا شرف نصیب ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مقدس بارگاہ میں دعا ہے کہ اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے اور مجھے اپنی اور اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اطاعت و محبت عطا فرمائے اور میرے اساتذہ کرام، پیر و مرشد اور والدین کریمین کا سایہ مجھ پر تا دائم و قائم فرمائے اور تمام امت مسلمہ کی بخشش و مغفرت فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین و صلی اللہ علیہ وسلم

طالب غم مدینہ و مغفرت و جنت البقیع

عبد المصطفیٰ محمد مجاہد العطاری القادری عفی عنہ

آستانہ عالیہ چشتیہ جھلار شریف شاہ جمال مظفر گڑھ

نعت شریف

خراب حال کیا دل کو پرملال کیا — تمہارے کوچہ سے رخصت کیا نہال کیا

نہ روئے گل ابھی دیکھا نہ بوئے گل سونگھی — قضا نے لا کے نفس میں شکستہ بال کیا

وہ دل کہ خوں شدہ ارماں تھے جس میں مل ڈالا — فغاں کہ گور شہیداں کو پائمال کیا

یہ رائے کیا تھی وہاں سے پلٹنے کی اے نفس — ستم گر الٹی چھری سے ہمیں حلال کیا

یہ کب کی مجھ سے عداوت تھی تجھ کو اے ظالم — چھڑا کے سنگ در پاک سرو بال کیا

چمن سے پھینک دیا آشیانہ بلبل — اجاڑا خانۂ بے کس بڑا کمال کیا

ترا ستم زدہ آنکھوں نے کیا بگاڑا تھا — یہ کیا سمائی کہ دوران سے وہ جمال کیا

مصور ان کے خیال وطن مٹانا تھا — ہم آپ مٹ گئے اچھا فراغ بال کیا

نہ گھر کا رکھا نہ اس در کا ہائے ناکامی — ہماری بے بسی پر بھی نہ کچھ خیال کیا

جو دل نے مر کے جلایا تھا منتوں کا چراغ — ستم کہ عرض رہ صر صر زوال کیا

مدینہ چھوڑ کے ویرانہ ہند کا چھایا — یہ کیسا ہائے حواسوں نے اختلال کیا

تو جس کے واسطے چھوڑ آیا طیبہ سا محبوب — بتا تو اس ستم آراء نے کیا نہال کیا

الٰہی سن لے رضا جیتے جی کہ مولیٰ نے
سگان کوچہ میں چہرہ مرا بحال کیا

﴿کلامِ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ﴾

ہائے دکھ مجاہد تیری زندگی کا
تو نے یہاں رہ کے خود کو سر و بال کیا

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اوران کی قوموں کے احوال

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نُوْرَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

درود شریف کی فضیلت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قیامت کے دن میرے قریب سب سے زیادہ شخص وہ ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھتا ہوگا۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 488)

قیامت کا دن ایسا ہوگا کہ ہر نبی ارشاد فرمائے گا اذھبوا الی غیری، اذھبوا الی غیری، اذھبوا الی غیری مگر میرے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے والے کے لئے بشارت ہو کہ بے چین دلوں کے چین نانائے حسنین کریمین وشفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں گے میں ہی اسی لیے ہوں حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرما کر اپنے امتی کو قرب خاص عطا فرمائیں گے۔ سبحان اللہ عزوجل! درود شریف پڑھنے کے کس قدر فضائل و برکات ہیں لہٰذا امتی کو چاہئے کہ اپنے نبی محترم رسول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود شریف پڑھے تا کہ دنیا و آخرت بہتر ہو۔

الحمد للہ عزوجل! انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کی قوموں کے احوال کی دو جلدیں مکمل کرنے کے بعد اب تیسری شروع کرنے کا شرف حاصل ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پایہ تکمیل تک پہنچائے۔ آمین بجاہ النبی الامین وصلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت لوط علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مقدس نبی ہیں۔ آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرما کر آپ علیہ السلام کی قوم پر احسان عظیم فرمایا مگر افسوس کہ قوم نے بجائے ایمان لانے کے لواطت میں دلچسپی لی حتیٰ کہ ان کو نیست و نابود کر دیا گیا اور آنے والے لوگوں کے لئے عبرت کا نشان بنا دیا گیا۔

حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شجرۂ نسب

حضرت لوط علیہ السلام کا شجرۂ نسب یوں ہے:

امام ابوالقاسم علی ابن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں: آپ علیہ السلام کا شجرۂ نسب یہ ہے۔

لوط بن ہاران (ہاران حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی تھے) بن تارخ بن ناحور بن ساروع بن ارعو بن نافع بن غابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح بن لمک بن متوسلخ بن خنوخ (یہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں) بن مہلاییل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج: 21، ص: 236 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں: حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج: 2، ص: 236 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت لوط علیہ السلام رسول

حضرت لوط علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے قوم کی طرف مبعوث فرمایا تاکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کا قائل کریں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے روکیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم و کرم فرمائے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ○ (الصافات: 133)

اور بے شک لوط ضرور رسولوں میں سے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کا ایمان لانا

حضرت لوط علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر آپ علیہ السلام کی نبوت اور رسالت کی تصدیق فرمائی تھی۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ (العنکبوت:26)

سو لوط ان پر ایمان لائے۔

ایمان لانے سے مراد

حضرت لوط علیہ السلام کے ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تمام باتوں کی تصدیق فرمائی حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دعویٰ نبوت کی بھی تصدیق فرمائی۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں: فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ یعنی حضرت لوط علیہ السلام نے اس کی تصدیق کی۔

(جامع البیان: ج:20،ص:164 دار احیاء التراث العربی بیروت)

مزید روایت نقل فرماتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصدیق کی۔

(جامع البیان: ج:20،ص:166 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ایمان کی تحقیق

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں: ایمان امن سے ماخوذ ہے اور امن کا معنیٰ ہے نفس کا مطمئن ہونا اور خوف کا زائل ہونا۔ امن امانت اور امان اصل میں مصادر ہیں۔ امان انسان کی حالت کو امن کہتے ہیں۔ انسان کے پاس جو چیز حفاظت کے لئے رکھی جائے اس کو امانت کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ (الانفال:27)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔

نیز قرآن مجید میں ہے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ (الاحزاب:72)

ہم نے آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر اپنی امانت پیش کی۔

اور قرآن مجید میں ہے:

وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًاؕ (آل عمران:97)

اور جو حرم میں داخل ہوا وہ بے خوف ہو گیا۔

یعنی وہ دوزخ سے بے خوف ہو گیا یا وہ دنیا کی مصیبتوں سے بے خوف ہو گیا۔

اس کا معنٰی ہے کہ

حرم میں اس سے قصاص لیا جائے گا نہ اس کو قتل کیا جائے گا۔

ایمان کا استعمال کبھی اس شریعت کو ماننے کے لئے کیا جاتا ہے جس کو حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے لے کر آئے اس استعمال کے مطابق قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَادُوْا وَ النَّصٰرٰى وَ الصّٰبِـٕیْنَ (البقرہ:62)

بے شک اسلام قبول کرنے والے، یہودی، عیسائی اور ستارہ پرست۔

ایمان کے ساتھ ہر اس شخص کو متصف کیا جاتا ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں داخل ہو در آں حالیکہ وہ اللہ تعالیٰ کا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کرتا ہو۔

اور کبھی ایمان کا استعمال بر سبیل مدح کیا جاتا ہے اور اس سے مراد ذہن کا بہ طور تصدیق حق کو ماننا اور قبول کرنا ہے اور اس کا تحقق دل کے ماننے، زبان سے اقرار کرنے اور اعضاء کے عمل کرنے سے ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے ایمان کا اطلاق قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ سے ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖۤ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ ﳓ وَ الشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَ نُوْرُهُمْؕ (الحدید:19)

تصدیق بالقلب، اقرار باللسان اور عمل بالارکان میں سے ہر ایک پر ایمان کا اطلاق کیا جاتا ہے تصدیق بالقلب پر ایمان کا اطلاق قرآن مجید کی آیت مبارکہ میں ہے:

اُولٰٓىٕكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ (المجادلہ:22)

وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت فرما دیا۔

دل میں صرف تصدیق ہوتی ہے اس لیے اس آیت سے مراد صرف تصدیق ہے قرآن مجید کی اس آیت میں بھی ایمان کا اطلاق تصدیق پر کیا گیا ہے۔

وَ مَاۤ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَ لَوْ كُنَّا صٰدِقِیْنَ (یوسف:17)

اور آپ ہماری بات کی تصدیق کرنے والے نہیں ہیں خواہ ہم سچے ہوں۔

اور اعمال صالحہ پر ایمان کا اطلاق قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ میں ہے:

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَكُمْؕ (البقرہ:143)

اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ تمہاری نمازوں کو ضائع کر دے۔
جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے متعلق سوال کیا۔
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اس کے فرشتوں، اس کے صحیفوں، اس کے رسولوں، قیامت اور ہر اچھی اور بری چیز کو تقدیر کے ساتھ وابستہ ماننا ایمان ہے۔
اس حدیث مبارکہ میں چھ چیزوں کے ماننے پر اطلاق کیا گیا ہے۔ یہ حدیث مبارکہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور حدیث مبارکہ کی دوسری مشہور کتابوں میں ہے:
(المفردات: ص: 25، 26 مطبوعہ المکتبہ المرتضویہ ایران)

علامہ زبیدی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی 1205ھ لکھتے ہیں: ایمان تصدیق ہے۔
علامہ زمخشری نے ''اساس'' میں اسی پر اعتماد کیا ہے اور اہل علم میں سے اہل لغت وغیرہ کا اسی پر اتفاق ہے۔
علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ
ایمان کا حقیقی معنیٰ تصدیق ہے۔
اور کشاف میں لکھا ہے کہ
کسی شخص پر ایمان لانے کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کو تکذیب سے مامون اور محفوظ رکھا جائے۔
بعض محققین نے کہا ہے کہ
ایمان کا معنیٰ تصدیق ہو تو یہ بنفسہ متعدی ہوتا ہے اور جب اس کا معنیٰ اذعان (ماننا اور قبول کرنا) ہو تو لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے اور جب اس کا معنیٰ اعتراف ہو تب بھی لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے۔
ازہری نے کہا ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے بندے کو جس امانت پر امین بنایا ہے اس میں صدق کے ساتھ داخل ہونا ایمان ہے۔ اگر بندہ جس طرح زبان سے تصدیق کرتا ہے اسی طرح دل سے بھی تصدیق کرے تو وہ مومن ہے اور جو صرف زبان سے اقرار کرے اور دل سے تصدیق نہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانت کو ادا نہیں کر رہا وہ منافق ہے اور جس کا یہ زعم ہے کہ تصدیق بالقلب کے بغیر صرف زبان سے اظہار کرنا ایمان ہے وہ یا منافق ہوگا یا جاہل۔
میں کہتا ہوں۔
کبھی صرف زبانی اقرار پر بھی ایمان کا اطلاق کیا جاتا ہے۔
جیسا کہ قرآن مجید کی آیت مبارکہ میں

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (المنافقون:3)
یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ (زبان سے) ایمان لائے پھر انہوں نے (دل کا) کفر (ظاہر) کیا تو ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی۔

اور اس آیت میں بھی زبانی اظہار پر ایمان کا اطلاق ہے۔
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا (النساء:137)
بے شک جو لوگ زبان سے ایمان لائے پھر دل سے کافر ہوئے پھر (زبان سے) ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر وہ کفر میں اور بڑھ گئے۔

زجاج نے کہا ہے کہ
کبھی ایمان کا اطلاق اظہار خشوع پر کیا جاتا ہے اور کبھی شریعت کے قبول کرنے پر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر آئے ہیں اس پر اعتقاد رکھنے اور دل سے اس کی تصدیق کرنے پر ایمان کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

امام راغب اصفہانی نے فرمایا ہے کہ
ایمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کا نام ہے اور کبھی بہ طور مدح حق کی تصدیق کرنے اور ماننے کو بھی کہتے ہیں۔ ایمان تصدیق، اقرار اور عمل سے متحقق ہوتا ہے اور ان سے ہر ایک پر الگ الگ بھی ایمان کا اطلاق کیا جاتا ہے۔
مومن اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جس کا معنیٰ ہے مخلوق کو ظلم سے امن دینے والا یا اپنے اولیاء کو عذاب سے امن میں رکھنے والا۔

منذری نے ابو العباس سے روایت کیا ہے کہ
جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ امتوں سے اپنے رسولوں کی تبلیغ کے متعلق سوال کرے گا اور وہ امتیں انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب کریں گی اور اللہ تعالیٰ کے مسلمان بندے انبیاء کرام علیہم السلام کی تصدیق کریں گے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لایا جائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی تصدیق کریں گے اور اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی تصدیق فرمائے گا اور اسی تصدیق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا نام مومن ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کیے ہوئے وعدے کو پورا کرتا ہے اور وہ اس اعتبار سے مومن ہے۔
ایک قول یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں کو عذاب سے امان میں رکھے گا اس وجہ سے وہ مومن ہے۔
یہ علامہ ابن اثیر کا قول ہے۔ (تاج العروس: ج:9، ص:125 مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر)

علامہ بدر الدین حنفی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ لکھتے ہیں ایمان کے شرعی معنیٰ میں اہل قبلہ کے چار قول ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ

ایمان قلب کا فعل ہے اور اس میں پھر دو نظریئے ہیں۔

محققین، امام اشعری، قاضی عبدالجبار، استاذ ابواسحق اسفرائنی، حسین بن فضل اور دیگر ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ ایمان صرف تصدیق بالقلب کا نام ہے۔ یعنی ہر وہ چیز جس کے متعلق بداہۃً علم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اللہ تعالیٰ کے پاس سے لائے ہیں اس کی تصدیق کرنا ایمان ہے۔

دوسرا نظریہ جہم بن صفوان کا ہے کہ ایمان فقط دل سے اللہ تعالیٰ کی معرفت کا نام ہے اور زبان سے اقرار کرنا اس کے لئے شرط یا رکن نہیں ہے حتیٰ کہ جس شخص کو دل سے اللہ تعالیٰ کی معرفت ہو خواہ وہ زبان سے اقرار نہ کرے اور اسی حال پر مر جائے وہ بھی کامل مومن ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ

ایمان زبان سے اقرار کرنے کا نام ہے اس میں بھی دو نظریے ہیں۔

غیلان بن مسلم دمشقی اور فضل رقاشی کا یہ نظریہ ہے کہ

ایمان زبان سے اقرار کا نام ہے لیکن اس کی شرط معرفت بالقلب ہے۔

اور کرامیہ کا قول یہ ہے کہ

لفظ زبان سے اقرار کرنا ایمان ہے۔

ان کا زعم یہ ہے کہ

منافق بہ ظاہر مومن ہے اور بہ باطن کافر ہے۔ دنیا میں منافق مومنوں کے حکم میں ہے اور آخرت میں کافروں کے حکم میں ہے:

تیسرا قول یہ ہے کہ

ایمان اقرار باللسان اور معرفت بالقلب کا مجموعہ ہے اس میں بھی متعدد نظریات ہیں۔

1۔ امام ابوحنیفہ، عامۃ الفقہاء اور بعض متکلمین کے نزدیک ایمان اقرار باللسان اور معرفۃ بالقلب کا مجموعہ ہے۔

2۔ بشر المریسی اور ابوالحسن اشعری کا نظریہ یہ ہے کہ

ایمان زبان اور دل دونوں سے تصدیق کرنے کا نام ہے۔

3۔ زبان سے اقرار اور دل کے اخلاص کا نام ایمان ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر معرفت بالقلب کا کیا معنیٰ ہے؟ اس کی دو تفسیریں ہیں۔

1۔ معرفت بالقلب سے مراد اعتقاد جازم ہے عالم ازیں کہ وہ اعتقاد تقلید سے حاصل ہو یا استدلال سے، اکثر علماء نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے اسی لیے وہ کہتے ہیں کہ مقلد کا ایمان صحیح ہے۔

2-معرفت بالقلب سے مراد وہ اعتقاد ہے جو دلیل سے حاصل ہو۔اس تفسیر کے مطابق مقلد کا ایمان صحیح نہیں ہے اس قول کے قائلین میں یہ اختلاف بھی ہے کہ اقرار باللسان ایمان کا جز ہے یا ایمان کی شرط ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ،امام ابومنصور ماتری کا مذہب اور امام ابوالحسن اشعری کا قول یہ ہے کہ

اقرار باللسان ایمان کی شرط ہے حتیٰ کہ جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تمام چیزوں کی تصدیق کی وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن ہوگا خواہ اس نے زبان سے اقرار نہ کیا ہو۔

اور بعض علماء نے یہ کہا کہ

اقرار ایمان کی جز ہے مگر یہ اصلی جز نہیں ہے،زائد جز ہے حتیٰ کہ حالت اکراہ میں اقرار ساقط ہو جاتا ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ

ایمان تصدیق،اقرار اور اعمال کے مجموعہ کا نام ہے۔یہ امام مالک،امام اشعری،امام احمد،امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہم اور محدثین کا قول ہے۔معتزلہ،خوارج اور زیدیہ کا بھی یہی قول ہے۔

محدثین کے اس قول میں تین نظریات ہیں۔

1-عبداللہ بن سعید کا قول یہ ہے کہ

معرفت ایمان کامل ہے اور یہ اصل ہے پھر ہر اطاعت الگ الگ ایمان ہے اور جحود اور دل سے انکار کرنا کفر ہے۔پھر اس کی ہر معصیت الگ الگ کفر ہے اور بغیر معرفت کے کوئی اطاعت ایمان نہیں ہے اور بغیر انکار کے کوئی معصیت کفر نہیں ہے۔

2-فرائض اور نوافل تمام عبادات کے مجموعہ کا نام ایمان ہے جس نے کسی ایک فرض کو ترک کیا اس کا ایمان ناقص ہو گیا اور جس نے نفل کو ترک کیا اس کے ایمان میں کمی نہیں ہوئی۔

3-ایمان فرائض کے مجموعہ کا نام ہے نہ کہ نوافل کا۔

معتزلہ کے بھی اس قول میں متعدد نظریات ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

1-واصل بن عطاء،ابوالہذیل اور قاضی عبدالجبار کا مسلک یہ ہے کہ

ایمان تمام عبادات کے مجموعہ کا نام ہے خواہ وہ واجب ہوں یا مستحب۔

2-ابوعلی جبائی اور ابوہاشم کا مسلک یہ ہے کہ

ایمان فقط عبادات واجبہ کا نام ہے نہ کہ مستحبہ کا۔

3-نظام معتزلی کا مذہب یہ ہے کہ

ہر وہ کام جس پر وعید ہے اس کے ترک کا نام ایمان ہے۔

خوارج کا اس پر اتفاق ہے کہ

اللہ تعالیٰ کی معرفت،اس کے تمام احکام [illegible] خواہ صغائر ہوں یا کبائر اس کے مجموعہ کا

نام ایمان ہے۔ ان کا مذہب معتزلہ اور سلف وصالحین کے قریب ہے مگر ان کے مذاہب میں فرق یہ ہے کہ معصیت کبیرہ کے ارتکاب سے معتزلہ کے نزدیک انسان ایمان سے خارج ہو جاتا ہے اور سلف کے نزدیک ارتکاب معصیت سے انسان فاسق ہو جاتا ہے ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ

ایمان تصدیق، اقرار اور عمل کا نام ہے جس کی تصدیق میں خلل ہو وہ منافق ہے جس کے اقرار میں خلل ہو وہ کافر ہے اور جس کے عمل میں خلل ہو وہ فاسق ہے وہ دوزخ کے دائمی عذاب سے نجات پالے گا اور جنت میں داخل ہو جائے گا۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس مسلک پر قوی اشکال ہے کہ جب اعمال ایمان کی جز ہیں اور جز کی نفی سے کل کی نفی ہو جاتی ہے تو بے عمل شخص مومن کیسے ہوگا اور وہ کیسے دوزخ سے خارج اور جنت میں داخل ہوگا؟

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ

شارع کے کلام میں ایمان کبھی اصل ایمان کے معنیٰ میں ہوتا ہے اور اصل ایمان میں اعمال کا اعتبار نہیں ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس سے ملاقات پر، اس کے رسولوں پر اور مرنے کے بعد اٹھنے پر ایمان لاؤ اور اسلام یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور نماز قائم کرو اور فرض زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔

اور کبھی شارع کے کلام میں ایمان، ایمان کامل کے معنیٰ میں ہوتا ہے جس میں اعمال داخل ہوتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد عبدالقیس سے فرمایا۔

کیا تم جانتے ہو کہ اللہ وحدہ پر ایمان لانا کیا ہے۔

انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت خمس ادا کرنا۔

پہلی حدیث مبارکہ میں ایمان اصل ایمان یا نفس ایمان کے معنیٰ میں ہے اور اس دوسری حدیث مبارکہ میں ایمان، ایمان کامل کے معنیٰ میں ہے اور جن احادیث مبارکہ میں اعمال کی نفی سے ایمان کی نفی کی گئی ہے ان میں ایمان سے مراد ایمان کامل ہے اور جن احادیث مبارکہ میں عمل کی نفی کے باوجود ایمان کا اطلاق کیا گیا ہے اور جنت کی بشارت دی گئی ہے ان میں ایمان سے مراد نفس ایمان ہے۔

اس کی مثال یہ ہے۔

جس وقت زانی زنا کرتا ہے اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔

اس حدیث مبارکہ میں ایمان کامل کی نفی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

جس شخص نے بھی لا الٰہ الا اللہ کہا پھر اسی پر مر گیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

میں نے کہا: خواہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خواہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو۔

اس حدیث مبارکہ میں نفس ایمان مراد ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ

اس مسئلہ میں اختلاف لفظی ہے کیونکہ اس کا رجوع کی تغیر کی طرف ہے اور ایمان کا کون سا معنیٰ شرعی ہے اور کون سا معنیٰ مجاز ہے اس میں اختلاف ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جس ایمان کی وجہ سے دوزخ میں دخول سے نجات ملتی ہے وہ ایمان کامل ہے اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے اور جس ایمان کی وجہ سے دوزخ کے خلود سے نجات ملتی ہے وہ نفس ایمان ہے اس میں اہل سنت کا اتفاق اور خوارج اور معتزلہ کا اس میں اختلاف ہے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ

سلف اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اعمال کو ایمان کی جز کہا ہے اس ایمان سے ان کی مراد ایمان کامل ہے نہ کہ نفس ایمان یا اصل ایمان مراد ہے اور جب وہ کسی بے عمل یا بدعمل شخص پر مومن کا اطلاق کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد نفس ایمان ہوتی ہے نہ کہ ایمان کامل۔

وہ کہتے ہیں کہ

اس شخص میں ہر چند کہ ایمان کامل نہیں ہے مگر وہ نفس ایمان کی وجہ سے نجات پا جائے گا۔

ایمان کی تعریف میں جو تصدیق بالقلب معتبر ہے اس سے مراد علم، معرفت اور جاننا نہیں ہے بلکہ اس نے مراد اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کو تسلیم کرنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کی تصدیق کرنا اور آپ کو مخبر صادق ماننا ہے کیونکہ بعض کفار بھی حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو جانتے تھے لیکن وہ مومن نہیں تھے۔

قرآن مجید میں ہے: اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ (بقرہ:146)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس نبی کو ایسے پہچانتے ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حکایت کی ہے انہوں نے فرعون سے فرمایا۔

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ

مَثْبُوْرًا o (بنی اسرائیل:102)

موسیٰ نے فرمایا یقیناً تو جانتا ہے کہ ان (چمکتی ہوئی نشانیوں) کو آسمانوں اور زمینوں کے رب نے ہی اتارا ہے جو آنکھیں کھولنے والی ہیں اور اے فرعون میں گمان کرتا ہوں کہ تو ہلاک ہونے والا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا کفار اور فرعون کو علم تھا اس کے باوجود وہ کافر تھے اور وہ مومن نہیں تھے۔ نیز اس سے واضح ہوا کہ ایمان کے تحقق کے لئے صرف جاننا کافی نہیں ہے ماننا ضروری ہے یعنی اپنے قصد اور اختیار سے مخبر کی طرف صدق کو منسوب کرے اور اسے اس کی دی ہوئی خبروں میں صادق قرار دے۔

(عمدۃ القاری: ج: 1 ص 102 تا 105 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر)

نیز اسلام اور ایمان کے متحد یا متغائر ہونے کی بحث میں رقمطراز ہیں کہ

ایک بحث یہ ہے کہ اسلام اور ایمان متغائر ہیں یا متحد ہیں پس ہم کہتے ہیں کہ لغت میں اسلام کا معنیٰ ہے انقیاد (اطاعت) اور اذعان (ماننا اور تصحیح کرنا) اور اسلام کا شرعی معنیٰ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مان کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا، کلمہ شہادت پڑھنا، واجبات پر عمل کرنا اور ممنوعات کو ترک کرنا۔

کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے متعلق دریافت کیا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اسلام یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ مفروضہ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اور اسلام کا اطلاق دین محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) پر بھی کیا جاتا ہے جیسے کہتے ہیں کہ دین یہودیت، دین نصرانیت۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﻗﻒ (آل عمران:19)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو رب عزوجل مان لیا اور اسلام کو دین مان لیا اس نے اسلام کا ذائقہ چکھ لیا۔

پھر اس میں اختلاف ہے۔

محققین کا مذہب یہ ہے کہ

ایمان اور اسلام متغائر ہیں اور یہی صحیح ہے۔

اور بعض محدثین، متکلمین اور جمہور معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ
ایمان اور اسلام شرعاً مترادف ہیں۔

علامہ خطابی نے کہا: ایمان اور اسلام مطلقاً متحد یا متغائر نہیں ہیں کیونکہ مسلم بعض اوقات مسلم ہوتا ہے اور بعض اوقات مسلم نہیں ہوتا (یعنی بعض اسلام کے احکام کی پیروی کرتا ہے اور بعض اوقات نہیں کرتا) اور مومن ہر وقت مومن ہوتا ہے (یعنی ہر وقت انقیاد باطن کرتا ہے) لہٰذا ہر مسلم مومن ہوتا ہے اور ہر مومن مسلم نہیں ہوتا۔

ایمان کی اصل تصدیق ہے اور اسلام کی اصل استسلام اور انقیاد (اطاعت) ہے بسا اوقات انسان ظاہر میں اطاعت گزار ہوتا ہے اور باطن میں اطاعت گزار نہیں ہوتا اور کبھی باطن میں صادق ہوتا ہے اور ظاہر میں اطاعت گزار نہیں ہوتا۔

میں کہتا ہوں کہ:

اس کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام اور ایمان میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے جیسا کہ بعض فضلاء نے اس کی تصریح کی ہے۔

اور تحقیق یہ ہے کہ

ان میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے کیونکہ کبھی ایمان بغیر اسلام کے ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص کسی پہاڑ کی چوٹی پر اپنی عقل سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے اور کسی نبی کی دعوت پہنچنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی وحدت اور اس کی تمام صفات کی تصدیق کرے۔ اسی طرح کوئی شخص تمام ضروریات دین پر ایمان لے آئے اور اقرار اور عمل کرنے سے پہلے اچانک مر جائے تو یہ مومن ہے اور مسلم نہیں ہے کیونکہ اس نے باطنی اطاعت کی اور ظاہری اطاعت نہیں کی اور منافقین ظاہری اطاعت کرتے تھے اور باطنی اطاعت نہیں کرتے تھے تو وہ مسلم تھے مومن نہیں تھے اور صحابہ کرام، تابعین عظام رضی اللہ عنہم اور بعد کے مسلمان مومن بھی ہیں اور مسلم بھی ہیں لہٰذا ایمان اور اسلام میں ایک مادہ اجتماعی اور دو مادے افتراقی ہیں۔

(عمدۃ القاری: ج: 1، ص: 109 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ مصر)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی 791ھ لکھتے ہیں: ایمان اور اسلام واحد ہیں کیونکہ اسلام خضوع اور انقیاد ہے یعنی احکام کو قبول کرنا اور ماننا اور یہی ایمان کی حقیقت ہے اور اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ سے ہوتی ہے:

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (ذاریات: 35 تا 36)

اس بستی میں جو مومنین تھے ہم نے ان سب کو نکال لیا تو ہم نے اس میں مسلمین کے ایک گھر کے سوا (اور گھر) نہ پایا۔

اگر اسلام ایمان کا غیر ہو تو اس آیت مبارکہ میں مومنین سے مسلمین کا استثناء صحیح نہیں ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ

شریعت میں کہنا صحیح نہیں ہے کہ فلاں شخص مومن ہے اور مسلم نہیں ہے یا مسلم ہے اور مومن نہیں ہے۔ ایمان اور اسلام کے

اتحاد سے ہماری یہی مراد ہے اور مشائخ کے کلام سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایمان اور اسلام کو مصداق کے لحاظ سے واحد اور مفہوم کے لحاظ سے مغائر مانتے ہیں جیسا کہ کفایہ میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی خبروں اس کے اوامر اور نواہی کی تصدیق کرنے کا نام ایمان ہے اور انقیاد اور خضوع (اطاعت) کا نام اسلام ہے اور جب تک انسان اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کی تصدیق نہیں کرے گا انقیاد متحقق نہیں ہوگا اس لیے ایمان اسلام سے مصداق کے لحاظ سے الگ نہیں ہوتا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید میں ہے:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا (حجرات:14)

دیہاتیوں نے کہا ہم ایمان لائے آپ فرمائیں تم ایمان نہیں لائے ہاں یہ کہو کہ ہم اسلام لائے۔

اس آیت میں ایمان کے بغیر اسلام کے تحقیق کی تصریح ہے۔

ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ

شریعت میں جو اسلام معتبر ہے وہ ایمان کے بغیر متحقق نہیں ہوتا۔ اور اس آیت میں اسلام کا شرعی معنیٰ مراد نہیں ہے بلکہ لغوی معنیٰ مراد ہے یعنی تم ظاہری اطاعت کر رہے ہو؟ باطنی اطاعت نہیں کر رہے جیسے کوئی شخص بغیر تصدیق کے کلمہ شہادت پڑھ لے۔

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ

جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے متعلق سوال کیا۔

تو آپ نے فرمایا:

اسلام یہ ہے کہ تم یہ گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور یہ کہ (سیدنا) محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اور اگر تم کو استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرو۔

اس حدیث مبارکہ میں یہ دلیل ہے کہ

اسلام اعمال کا نام ہے نہ کہ تصدیق قلبی کا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اس حدیث مبارکہ میں اسلام سے مراد اسلام کے ثمرات اور اس کی علامات ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ عبدالقیس کے وفد سے فرمایا:

کیا تم جانتے ہو کہ فقط اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا کیا معنیٰ ہے۔

انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ علم ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے

رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت میں سے خمس ادا کرنا۔

اس حدیث مبارکہ میں بھی ایمان سے مراد ایمان کی علامات اور اس کے ثمرات ہیں۔

اور جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایمان کے ستر اور کچھ حصے ہیں۔ سب سے اعلیٰ درجہ لا الٰہ الا اللہ کہنا ہے اور ادنیٰ درجہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے۔

(شرح عقائد نسفی: ص 94 تا 96)

مزید راقم ہیں۔

حشویہ اور بعض معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ

ایمان اور اسلام میں تغائر ہے کیونکہ ایمان کا معنیٰ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنا اور اسلام کا معنیٰ ہے تسلیم کرنا اور اطاعت کرنا اور تصدیق کا متعلق ہے خبر دینا اور اسلام کا متعلق ہے اوامر اور نواہی کو تسلیم کرنا۔ ان کی ایک دلیل تو سورۃ حجرات کی آیت نمبر 14 ہے جس کا جواب ہم ذکر کر چکے ہیں۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (احزاب: 35)

بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں۔

اس آیت میں ایمان کا اسلام پر عطف کیا گیا ہے اور عطف تغائر کو چاہتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

عطف کے لئے تغائر بالمفہوم کافی ہے۔ اور ہم یہی کہتے ہیں کہ ایمان اور اسلام مفہوماً متغائر اور مصداقاً متحد ہیں۔

اور تحقیق یہ ہے کہ

اسلام اور ایمان دونوں کا مرجع اذعان اور قبول ہے اور تصدیق کا تعلق جس طرح خبر دینے سے ہے اسی طرح اس کا تعلق اوامر اور نواہی سے بھی ہے بایں طور کہ تمام اوامر اور نواہی حق ہیں۔

علامہ تفتازانی نے ایمان اور اسلام کے اتحاد پر اس سے استدلال کیا ہے کہ قرآن مجید میں ایمان کی جگہ اسلام اور اسلام کی جگہ ایمان کا استعمال کیا ہے۔

یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ

(حجرات: 17)

سیاق کلام میں اسلام کا ذکر تھا مگر اللہ تعالیٰ نے آخر میں اسلام کی جگہ ایمان کا ذکر کیا اس سے معلوم ہوا کہ اسلام اور ایمان واحد ہیں۔

اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ (نمل: 81)

آپ صرف ان ہی کو سناتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں تو وہی مسلمان ہیں۔

اور مقام پر ارشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝ (آل عمران:102)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم کو صرف حالت اسلام میں ہی موت آئے۔

ان آیات کریمہ میں اسلام کی جگہ ایمان کا اور ایمان کی جگہ اسلام کا اطلاق کیا گیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ ایمان اور اسلام واحد ہیں ان آیات کریمہ کے علاوہ اور بھی بہت آیات ہیں۔

(شرح مقاصد: ج:2،ص:261 مطبوعہ دار المعارف النعمانیہ)

علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی 861ھ لکھتے ہیں: اہل حق یعنی اشاعرہ اور حنفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ایمان اسلام کے بغیر اور اسلام ایمان کے بغیر معتبر نہیں ہے۔ (مسائرہ مع المسامرہ: ج:2،ص:310 مطبوعہ دار المعارف الاسلامیہ مکران بلوچستان)

اس عبارت کی شرح میں علامہ کمال بن ابی شریف متوفی 905ھ لکھتے ہیں:

یعنی ایمان کے بغیر اسلام معتبر نہیں ہے ان میں سے کوئی دوسرے کے بغیر متحقق نہیں ہوتا۔

(مسامرہ: ج:2،ص:311 مطبوعہ دار المعارف الاسلامیہ مکران بلوچستان)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی 816ھ لکھتے ہیں:

اسلام اور ایمان واحد ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر ایمان، اسلام کا غیر ہوتا تو پھر ایمان لانے والے کا ایمان مقبول نہ ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جس نے اسلام کے سوا کوئی اور دین قبول کیا تو وہ ہرگز قبول نہیں ہوگا۔

(شرح مواقف: ص:720 مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ)

مومن اور مسلمان کی تعریف درج ذیل ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی 791ھ لکھتے ہیں: شریعت میں ایمان کا معنیٰ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے جو کچھ (احکام اور خبریں) لے کر آئے ہیں ان سب کی تصدیق کی جائے یعنی جن چیزوں کے متعلق بداہت کے ساتھ یہ اجمالاً معلوم ہو کہ آپ ان کو اللہ تعالیٰ کے پاس سے لے کر آئے ہیں ان کو دل سے مان لینا مومن ہونے کے لئے کافی ہے۔ (شرح عقائد: ص:90 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے پر ایمان کے مدارج اور مراتب ہیں۔

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں: توحید کے چار مراتب ہیں۔

1- زبان سے توحید کا اقرار کرنا۔

2- دل میں توحید کا اعتقاد رکھنا۔

3- دلائل سے اس اعتقاد کی تائید کرنا۔

4- بندہ بحر توحید میں اس طرح غرق ہو جائے کہ اس کے دل میں ماسوا اللہ تعالیٰ کی معرفت کے اور کوئی خیال نہ آئے۔

اگر کوئی شخص زبان سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرے اور اس کا دل اس کے اعتقاد سے خالی ہو تو وہ منافق ہے اور اگر اس کے دل میں توحید کا اعتقاد ہو اور اس نے زبان سے توحید کا اقرار نہ کیا ہو تو اس کی حسب ذیل صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ

ایک شخص نے دلائل میں غور و فکر کیا اور اس کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی معرفت ہو گئی مگر اس سے پہلے کہ وہ توحید کا اقرار کرتا اس کو موت آ گئی۔

ایک قوم نے یہ کہا۔

اس کا ایمان مکمل نہیں ہوا اور حق یہ ہے کہ اس کا ایمان مکمل ہو گیا کیونکہ جس چیز کا وہ مکلف تھا اس کو اس نے ادا کر لیا اور وقت کی مہلت نہ ملنے کی وجہ سے وہ کلمہ پڑھنے سے عاجز رہا۔

اور میں نے بعض کتابوں میں یہ پڑھا ہے کہ

ملک الموت کی پیشانی پر لا الٰہ الا اللہ لکھا ہوا ہے تاکہ جب مومن ملک الموت کی طرف دیکھے تو اس کو کلمہ پڑھنا یاد آ جائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ

ایک شخص نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا اور اس پر اتنا وقت گزر گیا جس میں وہ کلمہ پڑھ سکتا تھا لیکن اس نے کوتاہی کی اس کے متعلق بھی اختلاف ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا کہ

زبان دل کی ترجمان ہے جب اس کے دل میں ایمان آ چکا اور پھر اس نے زبان سے اقرار کرنے میں تقصیر کی تو یہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے میں کوتاہی کرے تو وہ کیسے اہل دوزخ میں سے ہو گا۔

جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ

جس کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی ایمان ہو گا اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔

اور اس شخص کا دل تو ایمان سے بھرا ہوا ہے۔

اور بعض علماء کرام نے یہ کہا کہ

ایمان اور کفر امور شرعیہ ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ جو شخص کلمہ نہ پڑھے وہ کافر ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ

جس نے دلائل میں غور و فکر کیے بغیر زبان سے اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا اقرار کیا اور دل میں اس کا اعتقاد رکھا تو یہ مقلد کا ایمان ہے اور اس کے صحیح ہونے میں اختلاف مشہور ہے۔ (تفسیر کبیر ج:8، ص:12، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

میں کہتا ہوں کہ

اس ایمان کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں ہے عہد صحابہ کرام وتابعین عظام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک نوے فیصد سے زیادہ مسلمان اس لیے مسلمان ہیں کہ ان کے ماں باپ مسلمان تھے ان کے ماں باپ نے انہیں کلمہ پڑھایا اور اسلام کے بنیادی عقائد کی تعلیم دی اور اسلام کے احکام پر عمل کرایا۔ یہ اور بات ہے کہ بعد میں پڑھ لکھ کر ان میں سے بعض کو توحید ورسالت کے دلائل پر اطلاع ہو گئی لیکن ان میں بہ کثرت ایسے مسلمان ہیں کہ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ اللہ تعالیٰ کے واحد شریک ہونے پر کیا دلیل ہے تو وہ کوئی دلیل نہیں بتا سکیں گے یا آپ ان سے پوچھیں کہ سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر کیا دلیل ہے تو وہ آپ کو کوئی دلیل بتا سکیں گے اس لیے یہ کہنا کہ مقلد کا ایمان صحیح نہیں ہے دراصل بے شمار مسلمانوں کے ایمان کی نفی کرنا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جو شخص اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا اعتراف کرتا یا آپ کی نبوت کا اقرار کرتا آپ اس سے یہ سوال نہیں کرتے تھے کہ تم کس دلیل سے اللہ تعالیٰ کو واحد مانتے ہو یا کس دلیل سے مجھ کو نبی مانتے ہو۔

حضرت معاویہ بن الحکم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔

اور میں نے عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری ایک باندی تھی جو میری بکریاں چراتی تھی ایک دن میں اس کے پاس گیا اور میری بکریوں میں سے ایک بکری نہیں تھی۔ میں نے اس سے اس بکری کے متعلق سوال کیا اس نے بتایا کہ اس کو ایک بھیڑیا کھا گیا اور میں بھی بنو آدم سے ہوں۔ میں نے اس کے چہرے پر ایک تھپڑ مارا اور میرے ذمہ ایک غلام کو آزاد کرنا ہے۔ کیا میں اس باندی کو آزاد کر دوں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی سے پوچھا۔

اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟

اس نے عرض کیا: آسمان میں!

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

میں کون ہوں؟

اس نے عرض کیا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ ہیں۔

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کو آزاد کر دو۔

(مؤطا امام مالک: رقم الحدیث: 1534)

حضرت عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔
انصار میں سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سیاہ فام باندی لے کر آیا۔
اور عرض کیا کہ
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ذمہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ باندی مومنہ ہو تو میں اس کو آزاد کر دوں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم یہ گواہی دیتی ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے مستحق نہیں ہے؟
اس نے عرض کیا: ہاں!
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم یہ گواہی دیتی ہو کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔
اس نے عرض کیا: ہاں!
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم مرنے کے بعد اٹھنے پر یقین رکھتی ہو؟
اس نے عرض کیا: ہاں!
تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کو آزاد کر دو۔ (مؤطا امام مالک: رقم الحدیث: 1535)

ان دونوں احادیث مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باندیوں سے صرف کلمہ سن کر ان کو مومنہ قرار دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں پوچھا کہ وہ کس دلیل سے اللہ تعالیٰ کو واحد اور سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مانتی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کے مومن ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ دلائل سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو مانے۔

حافظ ابو عمر ابن عبد البر مالکی متوفی 463ھ لکھتے ہیں: عطاء بن ابی رباح نے کہا: ہر وہ غلام جو اسلام میں پیدا ہوا اس کو کفارہ میں آزاد کرنا درست ہے۔
اوزاعی نے کہا ہے کہ
میں نے زہری سے پوچھا آیا دودھ پیتے بچے کو کفارہ قتل میں آزاد کرنا درست ہے۔
انہوں نے کہا: ہاں! کیونکہ وہ فطرت پر پیدا ہوا ہے اور یہی اوزاعی کا قول ہے۔
امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب کسی غلام کے ماں باپ میں سے ایک مومن ہو تو اس کو کفارہ قتل میں آزاد کرنا جائز ہے۔
یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے مگر ان کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ
وہ امام کی تصریح کرے۔
امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا کہ
اس صورت میں اس کے باپ کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔

حافظ ابو عمر نے کہا ہے کہ

تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص مسلمان والدین کے ہاں پیدا ہوا اور وہ اختیار اور تمیز کی حد کو نہ پہنچا ہو تو وہ وراثت میں مسلمان اور مومن کے حکم میں ہے اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔ (الاستذکار: ج:23، ص:173 مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

اس حدیث مبارکہ میں یہ دلیل ہے کہ

جس شخص نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دی وہ مومن ہے جبکہ وہ اس کی دل سے تصدیق کرتا ہو اور زبان سے اس کا اظہار کرتا ہو خواہ وہ روزہ رکھتا ہو نہ نماز پڑھتا اور اسی طرح وہ بچہ جو مسلمان ماں باپ کے درمیان رہتا ہو۔ کیونکہ اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی سے اس شہادت کے سوا اور کسی چیز کا سوال نہیں کیا۔

(التمہید: ج:4، ص:119 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) (فتح المالک: ج:8، ص:442 مطبوعہ بیروت)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی 676ھ لکھتے ہیں: اس حدیث مبارکہ سے یہ معلوم ہوا کہ

کافر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اقرار کے بغیر مومن نہیں ہوتا اور اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ جس شخص نے ان دونوں شہادتوں کا اقرار کیا اور اس پر مضبوط یقین رکھا وہ اس کے ایمان کی صحت کے لئے کافی ہے اور اس کے اہل قبلہ اور اہل جنت سے ہونے کے لئے بھی کافی ہے اور اس کو مکلف نہیں کیا جائے گا کہ وہ اس اعتقاد کو دلیل اور برہان سے بھی ثابت کرے اور نہ اس پر یہ لازم ہے کہ وہ اس کی دلیل کو جانے اور یہی صحیح مذہب ہے جس پر جمہور ہیں۔

(شرح للنواوی: ج:13، ص:1810 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

ایمان کی کتنی شاخیں ہیں اس بارے میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی 676ھ لکھتے ہیں: امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

ایمان کی ستر اور کچھ شاخیں ہیں۔

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بعض اسانید سے ساٹھ اور کچھ شاخوں کی حدیث مبارکہ روایت کی ہیں۔ اور اس میں علماء کرام کا اختلاف ہے کہ کون سی روایت راجح ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ستر شاخوں والی روایت صحیح ہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ترجیح دی ہے اور بعض علماء کرام نے ساٹھ شاخوں والی روایت کو ترجیح دی ہے پھر ان ساٹھ شاخوں کی تعیین میں بھی تفصیل ہے۔

امام ابو عبد اللہ حلیمی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے اور اسی کی ٹکر کی ایک کتاب امام بیہقی رحمۃ اللہ

علیہ نے لکھی ہے جس کا نام انہوں نے شعب الایمان رکھا ہے۔

(شرح طلوا وی: ج:1،ص:47 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی 855ھ لکھتے ہیں: ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں ہیں۔ ان کی تفصیل اور تعیین میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ

ایمان کی اصل تین چیزیں ہیں۔

1-تصدیق بالقلب　　2-اقرار باللسان　　3-اور عمل بالارکان

تصدیق کے لحاظ سے ایمان کی اکتیس شاخیں ہیں۔ اقرار کے لحاظ سے سات اور عمل کے لحاظ سے چالیس شاخیں ہیں اور یہ کل اٹھہتر شاخیں ہیں۔

تصدیق بالقلب کے لحاظ سے ایمان کی شاخیں یہ ہیں۔

1-اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور واحدانیت پر ایمان لانا بایں طور کہ اس کی کوئی مثل نہیں ہے۔

2-اللہ تعالیٰ کے ماسوا ہر چیز کے حادث ہونے پر ایمان لانا۔

3-فرشتوں پر ایمان لانا۔

4-اللہ تعالیٰ کی تمام کتابوں پر ایمان لانا۔

5-اللہ تعالیٰ کے تمام رسولوں پر ایمان لانا۔

6-ہر خیر اور ہر شر کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے ساتھ وابستہ ماننا۔

7-قیامت پر ایمان لانا۔

اس میں قبر کے سوال اور عذاب، مرنے کے بعد اٹھنا، حساب میزان اور پل صراط پر ایمان لانا داخل ہے۔

8-جنت کے وعدہ اور اس کے دوام پر ایمان لانا۔

9-دوزخ کی وعید اس کے عذاب اور اس کے غیر فانی ہونے پر ایمان لانا۔

10-اللہ تعالیٰ کی محبت پر ایمان لانا۔

11-اللہ تعالیٰ کے لئے محبت اور اللہ تعالیٰ کے لئے بغض مثلاً مہاجرین اور انصار تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل سے محبت کرنا اور کافروں سے بغض رکھنا۔

12-رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی اتباع کرنا۔

13-اخلاص، اس میں ریاء اور نفاق کو ترک کرنا داخل ہے۔

14-توبہ کرنا اور نادم ہونا۔
15-اللہ تعالیٰ سے ڈرنا۔
16-اللہ تعالیٰ سے امید رکھنا۔
17-ناامیدی کوترک کرنا۔
18-شکر کرنا۔
19-عہد پورا کرنا۔
20-صبر کرنا۔
21-تواضع کرنا اور بڑوں کی تعظیم کرنا۔
22-رحمت کرنا اور چھوٹوں پر شفقت کرنا۔
23-قضاء وقدر پر راضی رہنا۔
24-توکل کرنا۔
25-تکبر کوترک کرنا، اس میں خود سرائی اور خود پسندی کوترک کرنا بھی داخل ہے۔
26-حسد کوترک کرنا۔
27-کینہ اور بغض کوترک کرنا۔
28-غیظ وغضب کوترک کرنا۔
29-دھوکہ دہی کوترک کرنا، بدگمانی اور مکر وفریب کوترک کرنا بھی اس میں داخل ہے۔
30-دنیا یعنی مال اور جاہ کی محبت کوترک کرنا۔
31-حیاء کرنا یعنی خوف خدا عزوجل سے گناہوں اور بری باتوں کوترک کرنا۔

اقرار باللسان کے لحاظ سے ایمان کی شاخیں

1-توحید ورسالت کا اقرار کرنا۔
2-قرآن مجید کی تلاوت کرنا۔
3-علم دین حاصل کرنا۔
4-علم دین پڑھانا۔
5-دعا کرنا۔
6-ذکر کرنا، اس میں استغفار کرنا بھی داخل ہے۔
7-فضول باتوں سے اجتناب کرنا۔

عمل بالارکان یعنی بدن کے اعمال کے اعتبار سے ایمان کی شاخیں

1- پاکیزگی حاصل کرنا، یعنی بدن، کپڑے اور جگہ کو پاک کرنا اس میں وضو اور غسل جنابت اور حیض ونفاس کے انقطاع کے بعد غسل کرنا داخل ہے۔

2- نماز پڑھنا، اس میں فرائض، نوافل اور قضاء نمازوں کا پڑھنا داخل ہے۔

3- زکوٰۃ ادا کرنا، اس میں صدقہ فطر اور دیگر صدقات داخل ہیں۔ مہمانوں کی ضیافت کرنا اور کھانا کھلانا بھی اس میں داخل ہے۔

4- روزہ رکھنا خواہ فرض ہو یا نفل۔

5- حج وعمرہ کرنا۔

6- اعتکاف کرنا اور لیلۃ القدر کو تلاش کرنا۔

7- دین کو بچانے کے لئے جنگل کی طرف بھاگنا اور دار الکفر سے ہجرت کرنا۔

8- نذر پوری کرنا۔

9- قسم پوری کرنا۔

10- کفارہ ادا کرنا۔

11- شرم گاہ کی حفاظت کرنا، خواہ نماز کی حالت ہو یا غیر حالت نماز۔

12- قربانی کرنا۔

13- نماز جنازہ پڑھنا۔

14- قرض ادا کرنا۔

15- معاملات میں صدق اور اخلاص سے کام لینا اور ریاء سے احتراز کرنا۔

16- سچی گواہی دینا اور گواہی چھپانے سے احتراز کرنا۔

17- نکاح کے ذریعے پاکیزگی حاصل کرنا۔

18- اہل وعیال اور خدام کے حقوق ادا کرنا۔

19- ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا اور ان کی نافرمانی سے اجتناب کرنا۔

20- اولاد کی تعلیم وتربیت کرنا۔

21- رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنا۔

22- مالک کی اطاعت کرنا۔

23- لوگوں کے درمیان صلح کرانا اور خوارج اور باغیوں سے جنگ کرنا۔

24-عدل سے حکومت کرنا۔

25-جماعت کی پیروی کرنا۔

26-حکام کی اطاعت کرنا۔

27-نیکی میں تعاون کرنا۔

28-نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔

29-حدود قائم کرنا۔

30-جہاد کرنا اور سرحدوں کی حفاظت کرنا۔

31-قرض کو وقت پر ادا کرنا۔

32-پڑوسی کے حقوق ادا کرنا۔

33-حسن معاشرت سے کام لینا۔

34-مال کو صحیح طریقہ سے خرچ کرنا اور بخل اور اسراف سے اجتناب کرنا۔

35-سلام کا جواب دینا۔

36-چھینک کا جواب دینا۔

37-لوگوں کو اپنے ضرر سے محفوظ رکھنا۔

38-لہو ولعب سے اجتناب کرنا۔

39-راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹانا۔

ایمان کی یہ اُنھتر شاخیں ہیں۔

(عمدۃ القاری: ج: 1 ص 128 تا 129 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ مصر)

تمام اہل ملل کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں (سیدنا) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے۔ اس امت میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جو میری نبوت (کی خبر) سنے خواہ وہ یہودی یا عیسائی پھر وہ شخص اس حال میں مرے کہ وہ میرے لائے ہوئے دین پر ایمان نہ لایا ہو تو وہ شخص دوزخی ہی ہوگا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 153)

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ تمام دین داروں پر فرض و واجب ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر

ایمان لائیں یہود و نصاریٰ کا خصوصیت سے اس حدیث مبارکہ میں اس لیے ذکر ہے کہ وہ اہل کتاب ہیں اور جب اہل کتاب پر یہ واجب ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں تو دوسروں پر بطریق اولیٰ واجب ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لائیں۔

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی 544ھ لکھتے ہیں: اس حدیث مبارکہ کی یہ دلیل ہے کہ جو شخص زمین کے دور دراز علاقوں میں رہتا ہو یا سمندر کے جزیروں میں رہتا ہو جو آباد دنیا سے منقطع ہوں اور اس کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر نہ پہنچی ہو تو اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے تو اس سے گرفت نہیں ہوگی۔

کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

جس نے میری نبوت کی خبر سنی اور مجھ پر ایمان لائے بغیر مر گیا تو وہ دوزخی ہوگا لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اس پر موقوف ہے کہ کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کا مشاہدہ کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام حیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق کو جانے اور جس نے مشاہدہ نہیں کیا اس تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کی خبر پہنچی ہو اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی توحید کو ماننا ہر اس شخص پر ضروری ہے خواہ متمدن دنیا میں نہ ہو اور غیر آباد علاقوں میں رہتا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو عقل عطا کی ہے اور غور و فکر کر کے ہر شخص اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی توحید کی معرفت حاصل کر سکتا ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم: ج: 1 ص: 468 مطبوعہ دار الوفاء)

حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان نبی زادہ تھا مگر چونکہ وہ ایمان اور اعمال صالحہ کی دولت سے محروم تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے اس کا رشتہ کاٹ دیا اور ارشاد فرمایا وہ تمہارے اہل سے نہیں ہے۔ بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ علم اور تقویٰ کی فضیلت عارضی ہے اور سادات کی فضیلت ذاتی ہے یہ درست نہیں ہے اگر معاذ اللہ کوئی سید مرتد ہو جائے یا کسی گمراہ فرقے سے متعلق ہو جائے تو کیا اس کی فضیلت زائل ہو جائے گی۔ پس معلوم ہوا کہ نسب کی فضیلت اور برتری ایمان اور تقویٰ کے ساتھ مربوط ہے اصل چیز ایمان اور تقویٰ ہے نسب کی فضیلت ثانوی چیز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ وَّاُنۡثٰى وَجَعَلۡنٰكُمۡ شُعُوۡبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا ؕ اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰٮكُمۡ ؕ (الحجرات:13)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہاری شناخت کے لئے الگ خاندان اور قبیلے بنائے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن خطبہ میں ارشاد فرمایا:

اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانہ جاہلیت کی عیب جوئی اور اپنے باپ دادا پر فخر کرنے کو دور کر دیا ہے۔
لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔
مومن، متقی، کریم اور فاجر، درشت خو اور ذلیل۔
سب لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔
(شعب الایمان: ج:4، ص:284)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا:
اے لوگو تمہارا رب عزوجل ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے سو کسی عربی کی کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ عجمی کی عربی پر کوئی فضیلت ہے۔ کسی گورے کی کالے پر کوئی فضیلت ہے نہ کسی کالے کی گورے پر کوئی فضیلت ہے مگر تقوی سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ سنو کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:
کیوں نہیں! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
پھر حاضر غائب کو تبلیغ کر دے۔
(شعب الایمان: ج:4، ص:289 دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایمان لانے یا نہ لانے میں انسان کا اپنا نفع اور نقصان ہے کسی کے ایمان لانے سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ نہ ہوگا نہ اس کے ایمان لانے سے اس کو کوئی نقصان ہوگا۔
جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَ اِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا (بنی اسرائیل:7)
اگر تم نے اچھے کام کیے تو خود اپنے فائدہ کے لئے اور اگر برے کام کیے تو وہ بھی اپنے لیے۔
اور حدیث مبارکہ میں ہے:
حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔
اے میرے بندو! تم سب گمراہ ماسوا ان کے جن کو میں نے ہدایت دی۔ مجھ سے ہدایت کا سوال کرو میں تم کو ہدایت دوں

گا۔تم سب محتاج ہو ماسوا ان کے جن کو میں غنی کروں تم مجھ سے سوال کرو میں تم کو رزق دوں گا۔تم سب گناہ گار ہو ماسوا ان کے جن کو میں عافیت سے رکھوں۔پس تم میں سے جس شخص کو یہ علم ہو کہ میں مغفرت پر قادر ہوں اور اس نے مجھ سے مغفرت طلب کی تو اس کو میں بخش دوں گا اور مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے اور اگر تمہارے اول اور آخر اور تمہارے زندہ اور مردہ اور تمہارے تر اور خشک سب مل کر میرے بندوں میں سے سب سے متقی بندے کی طرح ہو جائیں تو اس سے میرے ملک میں مچھر کے پر کے برابر بھی اضافہ نہیں ہوگا اور اگر تمہارے اول اور آخر اور زندہ اور مردہ اور تر اور خشک سب مل کر میرے بندوں میں سے سب سے برے بندے کی طرح ہو جائیں تو میرے ملک میں مچھر کے پر کے برابر بھی کمی نہیں ہوگی اور اگر تمہارے اول اور آخر اور تمہارے زندہ اور مردہ اور تر اور خشک سب مل کر ایک میدان میں کھڑے ہو جائیں پھر تم میں سے ہر شخص اپنی خواہشوں کا سوال کرے اور میں تم میں سے ہر سوال کرنے والے کا سوال پورا کر دوں تو میرے ملک میں صرف اتنی کم ہوگی جیسے تم میں سے کوئی شخص سمندر میں سوئی ڈبو کر اپنی طرف نکال لے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ

میں جواد، واجد ماجد (بہت فیاض اور بہت بزرگ) ہوں۔میں جو چاہوں وہ کرتا ہوں۔میری عطا (بھی) میرا کلام ہے اور میرا عذاب (بھی) میرا کلام ہے۔میں جب کسی چیز کا ارادہ کروں تو میں صرف اتنا کہتا ہوں کہ ہو جا سو وہ ہو جاتی ہے۔

(سنن ترمذی:رقم الحدیث:2495)

معجزہ کی دلالت بھی ایمان لانے کا سبب ہے اور دنیا کی تبلیغ بھی لوگوں کے ایمان لانے کا سبب ہے مگر اصل اور حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے نہ تھے وہ آپ علیہ السلام کے مخالف تھے اور آپ علیہ السلام سے مقابلہ کرنے کے لئے آئے تھے اور انہوں نے صرف ایک معجزہ دیکھا اور ایمان لے آئے انہیں اس ایمان کی خاطر دنیا میں بہت سخت سزا برداشت کرنی پڑی جانب مخالف سے ان کے ہاتھ پیر کاٹے گئے۔ان کو سولی پر لٹکایا گیا لیکن کوئی چیز ان کو ایمان سے متزلزل نہ کر سکی۔اس کے برعکس یہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھے انہوں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اژدھا بن گیا اور جادوگروں کی رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل گیا پھر دوبارہ اسی طرح عصا بن گیا اور انہوں نے دیکھا کہ جادوگروں نے اعتراف کیا کہ یہ جادو نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشانی ہے پھر ایک بڑے عرصہ میں انہوں نے مزید نشانیاں دیکھیں۔قبطیوں کے گھروں پر خون کی، مینڈکوں کی اور ٹڈیوں کی بارش ہوئی اور بنی اسرائیل کے گھر محفوظ رہے۔اسی طرح کی انہوں نے نو نشانیاں دیکھیں پھر انہوں نے دیکھا کہ ان کے لئے سمندر میں بارہ خشک راستے بنا دیئے گئے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو غرق سے محفوظ رکھا اور ان کے دشمن کو غرق کر دیا انہوں نے اتنے کثیر معجزات دیکھے تھے پھر جیسے ہی وہ سمندر سے نکلے تو انہوں نے ساحل پر کچھ لوگوں کو بتوں کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا۔ابھی ان کے پاؤں خشک بھی نہیں ہوئے تھے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا ہمارے لیے بھی ایسا خدا بنا دیں جیسا ان کا خدا ہے پھر جیسے ہی انہوں نے سونے کے مجسمہ [illegible] لئے آسن جما کر بیٹھ گئے۔اس سے معلوم ہوا

کہ ہدایت دلائل اور معجزات سے حاصل نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حاصل ہوتی ہے اور ایمان کی دولت اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ملتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم قرآن مجید کو سن کر اس پر ایمان لاتے مگر ان کا ایمان لانا بھی اس قدر باعث تحسین اور موجب حیرت نہیں ہے کیونکہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مقدسہ سے قرآن مجید کو سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار معجزات کا مشاہدہ کیا کمال تو ان کا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بن دیکھے ایمان لائے جنہوں نے نبوت کو چلتے پھرتے نہیں دیکھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے قرآن مجید نہیں سنا اس کے باوجود قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے پر ایمان لے آئے۔ اس معنیٰ پر حسب ذیل احادیث مبارکہ میں دلیل ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میری امت میں مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد آئیں گے۔ ان میں سے ایک شخص یہ چاہے گا کہ کاش! اس کا سارا مال اور اس کے سارے اہل جاتے رہیں اور وہ مجھے ایک نظر دیکھ لے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2832)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے کوئی از خود نہیں جانتا کہ اس کے اول میں خیر ہے یا اس کے آخر میں خیر ہے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2869)

ایک اور روایت میں ہے:

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) سے پوچھا۔

تمہارے نزدیک مخلوق میں سب سے عمدہ ایمان لانے والے کون ہیں؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

فرشتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ ایمان کیوں کر نہیں لائیں گے حالانکہ وہ اپنے رب عزوجل کے پاس ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

پھر انبیاء کرام علیہم السلام۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
وہ ایمان کیوں نہیں لائیں گے حالانکہ ان کے اوپر وحی نازل ہوتی ہے۔
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:
پھر ہم ہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تم ایمان کیوں نہیں لاؤ گے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔
تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میرے نزدیک تمام مخلوق میں سب سے عمدہ ایمان لانے والے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد ہوں گے وہ ان صحیفوں کو پائیں گے جن میں اللہ تعالیٰ کی کتاب ہوگی اور وہ اس پوری کتاب پر ایمان لائیں گے۔
(دلائل النبوۃ للبیہقی: ج:6، ص:538)
ایک اور روایت میں ہے:
عبدالرحمٰن بن العلاء الحضرمی سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع کرنے والے ایک شخص نے مجھ سے کہا۔
اس امت کے آخر میں ایسے لوگ ہوں گے جن کو پہلوں کی طرح اجر ملے گا وہ نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے اور فتنہ باز لوگوں سے قتال کریں گے۔
(دلائل النبوۃ: ج:6، ص:513)
ایک اور روایت میں ہے:
حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
اس شخص کے لئے ایک خوشی ہو جس نے مجھ کو دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور اس شخص کے لئے سات خوشیاں ہوں جس نے مجھ کو نہیں دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا۔
ابومحیرز سے روایت ہے کہ
انہوں نے ایک صحابی رسول ابی جمعہ رضی اللہ عنہ سے کہا۔
ہمیں ایسی حدیث مبارکہ سنائیں جس کو آپ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو۔
انہوں نے کہا: ہاں! میں تم کو ایک جید حدیث مبارکہ سناتا ہوں۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ناشتہ کیا اور ہمارے ساتھ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ بھی تھے۔
انہوں نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم سے افضل بھی کوئی ہے؟ ہم اسلام لائے اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کے ساتھ جہاد کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہاں! جولوگ تمہارے بعد آئیں گے وہ مجھ پر ایمان لائیں گے حالانکہ انہوں نے مجھ کو دیکھا نہیں ہوگا۔

(سنن دارمی: رقم الحدیث: 2744)

ہم نے ذکر کیا تھا کہ محققین کا مذہب یہ ہے کہ

ایمان کی حقیقت فقط تصدیق بالقلب ہے اس پر محققین نے حسب ذیل دلائل پیش کئے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ (المجادلہ: 22)

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت فرمادیا۔

اور مقام پر ارشاد فرمایا:

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ (المائدہ: 41)

انہوں نے اپنے منہ سے کہا ہم ایمان لائے ہیں حالانکہ ان کے دل مومن نہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ

(الحجرات: 14)

درمیان کے لوگوں نے کہا ہم ایمان لائے۔ آپ فرمائیں تم ایمان نہیں لائے بلکہ یہ کہو۔ ہم نے اطاعت کی ہے اور ابھی تک تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

ان آیات کریمہ میں ایمان کا محل قلب کو قرار دیا ہے اور قلب میں تصدیق ہوتی ہے اقرار کا محل زبان اور اعمال کا تعلق باقی اعضاء سے ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان صرف تصدیق بالقلب کا نام ہے۔

صرف اقرار باللسان کے ایمان نہ ہونے پر قرآن مجید کی یہ آیات دلیل ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ ۘ (البقرہ: 8)

اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لے آئے حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں۔

زبان سے اقرار کے باوجود ان لوگوں کو اس لیے مومن قرار نہیں دیا گیا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کی تصدیق نہیں کی تھی۔

قرآن مجید میں ہے:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (المنافقون:1)

جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یقیناً ضرور آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافق ضرور جھوٹے ہیں۔

اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں اس پر قرآن مجید کی درج ذیل آیات کریمہ دلیل ہیں۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝ (الکہف:107)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کے لئے جنت الفردوس کی مہمانی ہے۔

اس آیت کریمہ میں اعمال کا ایمان پر عطف کیا گیا ہے اور عطف میں اصل تغائر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعمال ایمان کا غیر ہیں اور ایمان میں داخل نہیں ہیں۔ اور قرآن مجید میں ایسی بہت آیات ہیں۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ (النحل:97)

جس نے نیک عمل کیے خواہ وہ مرد ہو یا عورت بہ شرطیکہ وہ مؤمن ہو تو ہم اس کو ضرور پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے۔

اس آیت کریمہ میں اعمال کو مشروط اور ایمان کو شرط قرار دیا ہے اور مشروط شرط سے خارج ہوتا ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ اعمال ایمان سے خارج ہیں اور اسی نہج پر یہ آیات کریمہ ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ (النساء:124)

اور جس نے نیک کام کئے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔

اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ۝ (طٰہٰ:112)

اور جس نے نیک کام کئے بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو اس کو ظلم کا خوف ہو گا نہ کسی نقصان کا۔

اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (الانفال:1)

اور اپنے باہمی معاملات درست رکھو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو بہ شرطیکہ تم مومن ہو۔

قرآن مجید میں مرتکب کبیرہ پر بھی مومن کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اگر نیک اعمال ایمان کا جز ہوتے تو معصیت کبیرہ کرنے والے پر مومن کا اطلاق نہ کیا جاتا۔

قرآن مجید میں ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰى ؕ (البقرہ:178)

اے ایمان والو! تم پران کا بدلہ فرض کیا گیا ہے جن کو ناحق قتل کیا گیا ہے۔

قصاص قاتل پر فرض کیا جاتا ہے اور اس آیت کریمہ میں قاتل پر مومن کا اطلاق کیا گیا ہے اور قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ۚ (الحجرات:9)

اور اگر ایمان والوں کی دو جماعتیں آپس میں قتال کریں تو ان میں صلح کرادو۔

جب دو جماعتیں قتال کریں گی تو ان میں سے ایک حق پر اور دوسری باطل پر ہوگی اور اس آیت کریمہ میں دونوں جماعتوں پر مومنوں کا اطلاق کیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ (النور:31)

اے مومنو! تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرو۔

توبہ معصیت پر واجب ہوتی ہے اس آیت کریمہ میں مومنین کو توبہ کا حکم دیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ معصیت ایمان کے منافی نہیں ہے۔

اور اسی نہج پر یہ آیت کریمہ ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ (التحریم:8)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی طرف خالص توبہ کرو۔

حضرت لوط علیہ السلام کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت پر ایمان لانے کا معنیٰ

امام ابن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت پر آپ علیہ السلام کی قوم میں سے صرف آپ علیہ السلام کے بھتیجے حضرت لوط بن ہاران بن آزر اور آپ علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا آپ علیہ السلام پر ایمان لائے لیکن اس آیت اور اس حدیث مبارکہ میں تطبیق کس طرح ہوگی جس میں آتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ظالم بادشاہ کے علاقہ سے گزرے تو اس نے اس سے پوچھا کہ سارہ (رضی اللہ عنہا) تمہارا کیا رشتہ ہے؟

آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

یہ میری (دینی) بہن ہے۔

پھر آپ علیہ السلام حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور ارشاد فرمایا:

میں نے تمہاری بابت بادشاہ سے کہا ہے کہ تم میری بہن ہو۔ اب بادشاہ کے سامنے مجھے مت جھٹلانا اور یہی رشتہ بتانا کیونکہ اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے علاوہ کوئی ایسا جوڑا نہیں جو اسلام پر کاربند ہو۔ آپ علیہ السلام کی قوم میں سے صرف حضرت لوط علیہ السلام آپ علیہ السلام پر ایمان لائے اور آپ علیہ السلام کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کی پھر آپ علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں ہی رسول بنا کر اہل سدوم کی طرف بھیجا گیا۔ (تفسیر ابن کثیر: ج:3، ص:691)

حضرت صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی 1367ھ لکھتے ہیں: یعنی حضرت لوط علیہ السلام نے یہ معجزہ دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رسالت کی تصدیق کی۔ آپ علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سب سے پہلے تصدیق کرنے والے ہیں۔ ایمان سے تصدیق رسالت ہی مراد ہے کیونکہ اصل توحید کا اعتقاد تو ان کو ہمیشہ سے حاصل ہے اس لیے انبیاء کرام علیہم السلام ہمیشہ ہی مومن ہوتے ہیں اور کفران سے کسی حال میں متصور نہیں۔

(کنز الایمان: ص:718 مطبوعہ اتفاق پبلشرز لاہور)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی ثابت ہے حضرت لوط علیہ السلام پیدائشی مومن تھے اور ان کو نبوت عطا فرمائی گئی تھی کہ وہ پیدائشی نبی اور مومن تھے اور حضرت یحییٰ علیہ السلام سے متعلق بھی قرآن مجید میں ہے کہ ان کو بچپن میں نبوت ملی اور مومن تھے اور ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی پیدائشی نبی تھے۔

کیونکہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبوت کب واجب ہوئی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(جامع ترمذی: ص:519 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

بعض مفسرین کرام نے نبوت عطا کرنے کی چالیس سال کی عمر کی قید لگائی ہے۔ جس کی تحقیق یہ ہے۔

علامہ محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی متوفی 538ھ لکھتے ہیں: ہر نبی کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیا جاتا ہے۔

(الکشاف: ج:3، ص:402 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں: روایت ہے کہ

ہر نبی کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیا گیا ہے اور اس کی حکمت ظاہر ہے کیونکہ جب انسان چالیس سال کی عمر میں پہنچ جاتا ہے تو اس کے غضب اور شہوت کی قوت کم ہونے لگتی ہے۔

اور اس کی عقل بڑھنے لگتی ہے اور اس وقت انسان جسمانی اعتبار سے کامل ہو جاتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کرنے کے لئے اس عمر کو اختیار فرمایا۔ (تفسیر کبیر: ج:8، ص:583 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ بیضاوی متوفی 685ھ لکھتے ہیں: چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا کی جاتی ہے۔
(تفسیر البیضاوی مع الکازرونی: ج:4، ص:286 مطبوعہ دار الفکر بیروت)
اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی متوفی 852ھ نے لکھا ہے۔
مجھے یہ روایت نہیں ملی۔ (الکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف: ج:3، ص:397)
علامہ احمد خفاجی حنفی متوفی 1069ھ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں نبوت عطا کی۔
وَ اٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّاۙ (مریم:62)
اور ہم نے اس کو بچپن میں نبوت عطا کی۔
اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تینتیس (33) سال کی عمر میں مبعوث کیا گیا اور چالیس سال (40) کی عمر میں آسمانوں پر اٹھایا گیا اس لیے چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا کرنے یا مبعوث کیے جانے کا حکم تغلیبی ہے (یعنی یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے اکثر یہ ہے) (عنایۃ القاضی: ج:7، ص:285 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)
علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی 1137ھ لکھتے ہیں: بعض علماء کرام نے کہا ہے کہ
انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث کرنے کے لئے چالیس سال کی عمر کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تینتیس سال کی عمر میں نبی بنایا گیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو اٹھارہ (18) سال کی عمر میں (جب ان کو کنویں میں گرایا گیا تھا) نبی بنایا گیا تھا کیونکہ اس وقت ان پر یہ وحی کی گئی تھی۔
وَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ۠ (یوسف:15)
اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ (گھبراؤ نہیں) عنقریب تم ان کو ان کے اس سلوک سے آگاہ کرو گے اور ان کو اس کی خبر بھی نہیں ہوگی۔
جمہور علماء کرام کے نزدیک آدھی نبوت تھی اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بالغ ہونے سے پہلے نبوت دی گئی۔
(روح البیان: ج:6، ص:498 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)
علامہ عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی الحنفی متوفی 973ھ لکھتے ہیں:
جن لوگوں کو یہ شبہ ہوا کہ نبوت کسبی ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ
انہوں نے دیکھا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اظہار رسالت سے پہلے یا تو مخلوق سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں یا پھر وہ عبادت کرتے ہیں اور ان میں وحی کو قبول کرنے کی استعداد اور صلاحیت ہوتی ہے تا کہ وہ اس حالت کی طرف لوٹ جائیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مقدر کی ہے سو جو لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ پہلے مخلوق سے کنارہ کش تھے اور عبادت کرتے تھے پھر ان کو نبوت حاصل ہوئی وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کو نبوت ان کے کسب سے حاصل ہوئی لیکن یہ ان کا وہم ہے اور ان کی نظر کی کوتاہی ہے۔
اور شیخ محی الدین ابن عربی متوفی 638ھ نے الفتوحات المکیہ کے باب 298 میں کہا ہے کہ

جس نے یہ کہا ہے کہ
نبوت کسب ہوتی ہے اس نے خطا کی۔ نبوت صرف اللہ تعالیٰ کی عطاء کے ساتھ مختص ہے۔

(الیواقیت والجواہر: ص:353 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

صدر الشریعۃ علامہ امجد علی اعظمی متوفی 1376ھ لکھتے ہیں:
نبوت کسبی نہیں کہ آدمی عبادت وریاضت کے ذریعہ حاصل کر سکے بلکہ محض عطائے الٰہی ہے کہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے دیتا ہے۔ ہاں دیتا اسی کو ہے جسے اس منصب عظیم کے قابل بناتا ہے جو قبل حصول نبوت تمام اخلاق رذیلہ سے پاک اور تمام اخلاق فاضلہ سے مزین ہو کر جملہ مدارج ولایت طے کر چکتا ہے اور اپنے نسب وجسم وقول وفعل وحرکات وسکنات میں ہر ایسی بات سے منزہ ہوتا ہے جو باعث نفرت ہو اس کو عقل کامل عطا کی جاتی ہے جو اوروں کی عقل سے بدرجہا زائد ہے کسی حکیم اور کسی فلسفی کی عقل اس کی لاکھویں حصہ تک نہیں پہنچ سکتی۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ ؕ (الانعام:124)
اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔
ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝ (الجمعۃ:4)
یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔
اور جو اس کو کسبی مانے کہ آدمی اپنے کسب وریاضت سے منصب نبوت تک پہنچ سکتا ہے کافر ہے۔

(بہار شریعت: ج:1، ص:8 مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

نیز مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:
انبیاء کرام علیہم السلام شرک وکفر اور ہر ایسے امر سے جو خلق کے لئے باعث نفرت ہو جیسے کذب وخیانت وجہل وغیرہا صفات ذمیمہ سے نیز ایسے افعال سے جو وجاہت اور مروت کے خلاف ہیں قبل نبوت اور بعد نبوت بالاجماع معلوم ہیں اور کبائر سے بھی مطلقاً معصوم ہیں اور حق یہ ہے کہ تعمد صغائر سے بھی قبل نبوت اور بعد معلوم ہیں۔

(بہار شریعت: ج:1، ص:8 مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیدائشی نبی تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدائش سے بھی پہلے نبی بنا دیا گیا تھا۔ ممکنہ حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان تھے۔

جس طرح کہ احادیث مبارکہ میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
مسلمانوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبوت کب واجب ہوئی؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس وقت حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(المستدرک: ج:2، ص:609)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور اس وقت حضرت آدم علیہ السلام اپنی مٹی کے خمیر میں تھے اور میں عنقریب تم کو اپنی ابتداء کے متعلق بتاؤں گا، (میں) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور میں اپنی ماں کا وہ خواب ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا ان کے لئے ایک نور نکلا جس سے ان کے لئے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ (مسند البزار: رقم الحدیث: 2365)

علامہ عبدالوہاب بن احمد بن علی شعرانی حنفی متوفی 973ھ لکھتے ہیں:
اگر تم یہ پوچھو کہ آیا سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کو بھی اس وقت نبوت دی گئی جب حضرت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے؟
اس کا جواب یہ ہے کہ ہم تک یہ حدیث مبارکہ کسی اور کو بھی یہ مقام دیا گیا۔ باقی انبیاء کرام علیہم السلام صرف اپنی رسالت کے ایام مخصوصہ میں ہی نبی تھے۔
اگر تم یہ پوچھو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں نہیں فرمایا کہ میں اس وقت بھی انسان تھا یا اس وقت بھی موجود تھا؟
تو اس کا جواب یہ ہے کہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ نبوت کا ذکر یہ بتانے کے لئے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے پہلے نبوت دی گئی کیونکہ نبوت اسی وقت ملتی ہے جو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وقت مقرر ہوتا ہے۔
نیز علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ
شیخ محی الدین ابن عربی نے الفتوحات المکیہ میں لکھا ہے کہ
تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور رسل عظام علیہم السلام کے مدد طلب کرنے کی جگہ سیدنا محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی روح ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قطب الاقطاب ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تمام اولین و آخرین لوگوں کی مدد کرنے والے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہر نبی اور ولی کی مدد کرنے والے ہیں خواہ ان کا ظہور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیب میں تھے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم شہادت میں ظاہر ہو گئے اور یا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم برزخ میں منتقل ہو چکے ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے انوار متقدمین اور متاخرین کے عالم سے کبھی منقطع نہیں ہوئے۔
اگر تم یہ کہو کہ
ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا۔
اور ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا تو ان میں کس طرح تطبیق ہوگی؟
اس کا جواب یہ ہے کہ

ان دونوں احادیث مبارکہ کا معنیٰ واحد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے سیدنا محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی حقیقت کو پیدا کیا اور اس حقیقت کو کبھی عقل سے تعبیر فرمایا اور کبھی نور سے۔

(الیواقیت والجواہر: ص: 339 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

بلکہ ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم وجود کا فیضان کرنے کے لئے تمام موجودات کے لئے وسیلہ ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے واسطہ سے تمام مخلوق پر جو فیضان ہوا ہے اس کے لئے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم وسیلہ ہیں کیونکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار کی شعاعیں ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار کے عکوس ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی النور الحق اور النبی المطلق ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم علیہ السلام مٹی اور پانی کے درمیان تھے اور جب انبیاء کرام علیہم السلام ارحام اور اصلاب کے حجاب میں تھے اس وقت بھی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض لے رہے تھے اور اس وقت بھی جب وہ اس عالم میں ظاہر ہوئے اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجاب میں تھے جیسے جب رات کو ستارے ظاہر ہوتے ہیں اور سورج ظاہر نہیں ہوتا لیکن وہ ستارے اسی کے فیض سے روشن ہوتے ہیں اور جب سورج ظاہر ہوتا ہے تو ستارے چھپ جاتے ہیں اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں جلوہ گر ہوئے تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام چھپ گئے اور ان کی شریعتیں منسوخ ہوگئیں اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت باقی رہی۔

(روح المعانی: ج: 9، ص: 162 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ علی بن محمد الماوردی متوفی 450ھ لکھتے ہیں: زید بن اسلم نے کہا: اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں کیا حتیٰ کہ وہ چالیس سال کی عمر کو پہنچ گیا۔ (النکت والعیون: ج: 5، ص: 277 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام علی بن احمد واحدی متوفی 468ھ نے کہا ہے کہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال کی ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا دیا گیا۔

(الوسیط: ج: 4، ص: 107)

امام الحسین بن مسعود البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کو پہنچ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنایا گیا۔

(معالم التنزیل: ج: 4، ص: 195 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں: مفسرین نے کہا ہے کہ

جس نبی کو بھی مبعوث کیا گیا ہے تو اس کو چالیس سال کے بعد مبعوث کیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اشکال ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی عمر کے اول میں ہی نبی بنا دیا

مگر اس کا جواب یہ ہے کہ

اغلب یہ ہے کہ ان پر وحی آنے کا سلسلہ چالیس سال کے بعد شروع ہوا ہو اور ہمارے رسول سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی معاملہ اسی طرح ہوا تھا۔ (تفسیر کبیر: ج:10 ص:18 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال تھی۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:16 ص:181 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ علی بن محمد خازن متوفی 725ھ لکھتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال کو پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا اکرام کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت کے ساتھ خاص کر لیا۔

(تفسیر خازن: ج:4 ص:125 مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور)

علامہ ابراہیم بن عمر البقائی متوفی 885ھ لکھتے ہیں: اسی وجہ سے چالیس سال کی عمر مبارک انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا وقت ہے۔ (نظم الدرر: ج:7 ص:128 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

قاضی ابو السعود محمد بن محمد الحنفی متوفی 982ھ لکھتے ہیں: کہا گیا کہ

کسی نبی کو چالیس سال سے قبل مبعوث نہیں کیا جاتا۔ (تفسیر ابو السعود: ج:6 ص:73 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی 1137ھ لکھتے ہیں: کہا گیا ہے کہ کسی نبی کو چالیس سال سے پہلے مبعوث نہیں کیا گیا اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام سے اعتراض ہوتا ہے کیونکہ ان کو چالیس سال سے پہلے مبعوث کیا گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ غالب اور اکثری قاعدہ ہے کلیہ نہیں ہے۔

(روح البیان: ج:8 ص:639 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں: ایک جماعت نے یہ تصریح کی ہے کہ

اعم اور اغلب یہ ہے کہ نبی کو چالیس سال کے بعد مبعوث کیا جاتا ہے جیسا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے واقع ہوا۔ (روح المعانی: جز:26 ص:30 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی 1367ھ لکھتے ہیں: جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال کی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت و رسالت کے ساتھ سرفراز فرمایا۔

(خزائن العرفان علی ہامش کنز الایمان: ص:801 تاج کمپنی لاہور)

عام طور پر یہ مشہور ہے کہ نبوت چالیس سال کی عمر میں عطا کی جاتی ہے اس لیے کہا جاتا ہے کہ سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی چالیس سال سے پہلے نبی نہ تھے لیکن یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے بعض انبیاء کرام علیہم السلام کو بچپن میں نبوت دی گئی جیسے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو دو یا تین سال کی عمر مبارک میں نبوت عطا فرمائی گئی

قرآن مجید میں ہے:

یٰیَحۡیٰی خُذِ الۡکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ ؕ وَ اٰتَیۡنٰہُ الۡحُکۡمَ صَبِیًّا ۙ (مریم:12)۔

اے یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لیجئے اور ہم نے ان کو بچپن میں نبوت عطا فرمادی۔

امام ابو منصور ماتریدی سمرقندی متوفی 333ھ لکھتے ہیں: معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ نبوت کسی استحقاق کی بناء پر ملتی ہے۔ اس آیت کریمہ میں ان کا رد ہے کیونکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں بغیر کسی استحقاق کے نبوت عطا فرمائی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کو نبوت عطا فرمانا محض اللہ تعالیٰ کا انعام اور افضال تھا ان کا استحقاق نہ تھا۔ (تاویلات اہل السنۃ: ج:3،ص:260 مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ ناشرون)

امام ابو الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں حکم سے مراد نبوت ہے اور جب ان کو نبوت دی گئی تو ان کی عمر مبارک تین سال تھی۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:227 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ فرماتے ہیں: اس آیت کریمہ میں حکم کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں۔

1- حکمت یعنی تورات کی فہم اور دین کی فقہ۔ 2- عقل

3- اس سے مراد نبوت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بچپن میں ان کی عقل کو پختہ کر دیا اور ان کی طرف وحی کی اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو بچپن میں اعلان نبوت کا حکم دیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر مبارک میں اعلان نبوت کا حکم دیا تھا۔

اور اس آیت کریمہ میں حکم کو نبوت پر محمول کرنے کی دو دلیلیں ہیں۔

1- اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صفات شریفہ بیان فرمائی ہیں اور یہ معلوم ہے کہ انسان کی سب سے اشرف صفت نبوت ہے اور مقام مدح میں نبوت کی صفت کو ذکر کرنا دوسری صفات کی بہ نسبت زیادہ لائق ہے لہٰذا اس آیت کریمہ میں حکم کو نبوت پر محمول کرنا واجب ہے۔

2- حکم سے مراد وہ حکم ہے جس کو غیر پر نافذ کیا جا سکے اور ایسا حکم صرف نبی دیتا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ

بچپن میں نبوت کا ملنا کیسے معقول ہو سکتا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ

یہ معترض معجزہ کا قائل ہے یا نہیں؟ اگر وہ معجزہ کا قائل نہیں ہے تو اثبات نبوت کا دروازہ بند ہو جائے گا اور اگر وہ معجزہ کا قائل ہے تو بچہ میں عقل اور نبوت کا ہونا شق القمر اور سمندر کو چیرنے سے زیادہ مستبعد نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر: ج:7،ص:517 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں: اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ

حکم سے مراد نبوت ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو سات یا دو یا تین سال کی عمر میں نبوت دی گئی اور اکثر انبیاء کرام علیہم السلام کو چالیس سال سے پہلے نبی نہیں بنایا گیا۔ (روح المعانی: ج: 16، ص: 105 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نیز یہی سید محمود آلوسی لکھتے ہیں: جب بعض انبیاء کرام علیہم السلام کو بچپن میں دو یا تین سال کی عمر میں نبوت دی گئی ہے تو ہمارے نبی سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ لائق ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بچپن میں اس نوع کی نبوت دی جائے اور جس کو سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کا علم ہے اور اس کی تصدیق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے وہ حبیب ہیں جو اس وقت بھی نبی جب حضرت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے تو وہ اس کو متبعد نہیں قرار دے گا۔

(روح المعانی: ج: 25، ص: 92 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر بچپن میں ہونا نبوت کی نشانی ہے جیسا کہ حسب ذیل روایات سے ثابت ہے۔

عتبہ بن عبد السلمی نے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی پہلی نشانی کیا تھی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں بنو سعد بن بکر کے ہاں اپنی دایہ کے پاس تھا میں اور ان کا بیٹا بکریاں چرانے گئے۔ ہم نے اپنے ساتھ ناشتہ نہیں لیا تھا۔

میں نے کہا: اے بھائی! جاؤ ہماری ماں کے پاس سے ناشتہ لے آؤ۔ چنانچہ میرا بھائی چلا گیا اور میں بکریوں کے ساتھ رہا پھر گدھ کی طرح دو سفید پرندے آئے۔

ایک نے دوسرے سے کہا: کیا یہ وہی ہے؟

اس نے کہا: ہاں! پھر وہ دونوں میری طرف جھپٹے۔ ان دونوں نے مجھے پکڑ کر زمین پر پیٹھ کے بل گرا دیا۔ پھر انہوں نے میرا سینہ چاک کیا اور میرا دل نکالا اور اس سے دو سیاہ لوتھڑے نکالے۔

پھر ایک نے دوسرے سے کہا: برف کا پانی لاؤ۔ پھر انہوں نے اس پانی سے میرے پیٹ کو دھویا۔

پھر کہا: ٹھنڈا پانی لاؤ۔

پھر کہا: چھری لاؤ۔ پھر ٹھنڈا پانی میرے دل پر چھڑکا۔

پھر کہا: اس دل کو سیو اور اس پر نبوت کی مہر لگا دو۔

پھر ایک نے دوسرے سے کہا: ان کو پلڑے میں رکھو اور ان کی امت کو دوسرے پلڑے میں رکھو پھر میں اپنے اوپر ہزاروں آدمیوں کو دیکھ رہا تھا اور مجھے ڈر تھا کہ ان میں سے بعض مجھ پر گر پڑیں گے۔

پھر ان میں سے کسی نے کہا: اگر ان کا امت کے ساتھ وزن کیا گیا تو ان کا پلڑا بھاری ہوگا جو میں اپنی رضاعی ماں کے پاس گیا اور ان کو اس واقعہ کی خبر دی۔ ان کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں مجھ پر کوئی افتاد آ جائے گی۔

انہوں نے کہا: میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتی ہوں وہ اپنے اونٹ پر سوار ہوئیں اور مجھے اپنے پیچھے پالان پر بٹھایا حتیٰ میری والدہ (رضی اللہ عنہا) تک پہنچ گئے۔

میری رضاعی ماں نے کہا: کیا میں نے اپنی امانت ادا کر دی اور اپنے ذمہ کو پورا کر دیا؟ اور وہ واقعہ بیان کیا جو مجھے پیش آیا میری والدہ اس سے خوف زدہ نہیں ہوئیں۔

اور فرمایا: میں نے دیکھا تھا کہ مجھ سے ایک نور نکلا تھا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے تھے۔

(مسند احمد: رقم الحدیث: 17648)

اس حدیث مبارکہ میں یہ تصریح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بچپن میں شق صدر کیا گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شق صدر کے اس واقعہ کو اپنی نبوت کی نشانی قرار دیا اور اس واقعہ سے اپنی نبوت کو پہچانا اور اس حدیث مبارکہ میں یہ دلیل ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں نبوت عطا کر دی گئی تھی اور اس میں نبوت کا ثبوت ہے اور نبوت کے احکام اس وقت جاری ہوئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے چالیس سال پورے ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلان نبوت کا حکم دیا اس کی وضاحت اس حدیث مبارکہ میں ہے: امام ابو نعیم الاصبہانی متوفی 430ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور وہ سوال پر بہت زیادہ حریص تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چیزوں کے متعلق سوال کرتے تھے جن کے متعلق دوسرے سوال نہیں کرتے تھے۔

انہوں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ابتداء کس طرح ہوئی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم نے یہ سوال کیا ہے تو سنو! میں دس سال کی عمر میں صحراء میں جا رہا تھا۔ میں نے اپنے اوپر دو آدمیوں کی بات سنی۔ ان میں سے ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا۔

کیا یہ وہی ہے؟

دوسرے نے کہا: ہاں!

ان دونوں نے مجھے پکڑ کر گرا دیا پھر میرا پیٹ شق کیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام سونے کے طشت میں پانی لا رہے تھے اور حضرت میکائیل علیہ السلام میرے پیٹ کو دھو رہے تھے۔

پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔

ان کا سینہ چیرو اور جب میرا سینہ چیرا گیا تو مجھے کوئی درد نہیں ہوا۔

ایک روایت میں ہے: نہ میرا خون نکلا اور نہ مجھے درد ہوا۔

(مجمع الزوائد: رقم الحدیث: 13843)

پھر کہا: ان کا دل چیرو پھر میرا دل چیرا گیا

پھر کہا: اس میں سے کینہ اور حسد نکال دو۔ پھر جمے ہوئے خون کے مشابہ کوئی چیز نکال کر پھینک دی گئی۔

پھر کہا: ان کے دل میں شفقت اور رحمت داخل کر دو۔ پھر چاندی کی مثل کوئی چیز داخل کی ان کے پاس کوئی سفوف تھا اس کو چھڑکا۔

پھر میرے انگوٹھے کو نرمی سے دبا کر کہا۔

اب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) جائیں۔ پھر میرے دل میں چھوٹوں کے لئے بہت رحمت اور بڑوں کے لئے دل میں بہت نرمی تھی۔ (دلائل النبوۃ: رقم الحدیث: 166)

ان دونوں صحیح احادیث مبارکہ میں اس امر کی تصریح کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عالم عناصر میں بچپن میں نبوت دی گئی اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نبی ہونے کا یقین کیسے ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شق صدر کے اس مذکور الصدر واقعہ سے اپنی نبوت پر استدلال فرمایا سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں نبوت عطا فرما دی گئی تھی البتہ چالیس سال کی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلان نبوت کا حکم دیا گیا۔ امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کردہ حدیث مبارکہ میں یہ تصریح ہے کہ جب بچپن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا اور جو شخص نبی نہ ہوگا اور وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھے وہ آخر میں نابینا ہو جاتا ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سو گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد تھا۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر دیکھا اور ارشاد فرمایا:

اے میرے پیارے! تم کب آئے؟

انہوں نے عرض کیا: ایک ساعت ہوئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم نے میرے پاس کسی شخص کو دیکھا؟

انہوں نے کہا: ہاں! میں نے ایک مرد کو دیکھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ جبرائیل علیہ السلام تھے اور جبرائیل علیہ السلام کو مخلوق میں سے جو بھی دیکھے گا وہ نابینا ہو جائے گا سوا اس کے کہ وہ نبی ہو لیکن تم کو آخر عمر میں نابینا کیا جائے گا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے دعا فرمائی کہ!

اے اللہ عزوجل! اس کو تاویل کا علم عطا فرما اور اس کو دین کی سمجھ عطا فرما اور اس کو اہل ایمان سے رکھ۔

(المستدرک: رقم الحدیث: 6287)

حاکم نے کہا: یہ حدیث مبارکہ صحیح الاسناد ہے اور شیخین نے اس کو روایت نہیں کیا۔

علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 974ھ نے اس حدیث مبارکہ سے اس پر استدلال کیا ہے کہ جو شخص نبی نہ ہو اور وہ اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھنے میں منفرد ہو وہ آخر عمر میں نابینا ہو جاتا ہے۔

(الفتاویٰ الحدیثیہ: ص: 91 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ملاحظہ فرمایئے کہ!

اگر ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم بچپن میں نبی نہ ہوتے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھنے کی وجہ سے اپنے ارشاد کے مطابق آخر عمر میں نابینا ہو جاتے اور جبکہ ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا جس وقت بچپن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا تھا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی تھے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مطہرہ چیرا گیا تو نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو درد ہوا نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون نکلا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو چیرا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تمام امور ملاحظہ فرما رہے تھے جبکہ عام بشر اور انسان کے لئے یہ امور متصور نہیں ہیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ

اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدائشی نبی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس سال تک تبلیغ نہیں کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گناہ گار ہونا لازم آئے گا اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدائش کے بعد چالیس سال تک نبی نہ تھے بلکہ ولی تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس سال تک تبلیغ اس لیے نہیں کی کہ اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کرنے کا سب سے پہلا حکم ان آیات میں دیا گیا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُۙ قُمْ فَاَنْذِرْ۪ۙ (المدثر: 1، 2)

اے کپڑا لپیٹنے والے اٹھیں اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایئے۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہم اور محدثین کی ایک جماعت نے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

قرآن مجید کی سب سے پہلی سورت یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ہے اور اس حدیث مبارکہ کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَۚ سے پہلے نازل ہوئی ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَۚ پہلے نازل ہوئی ہے اور اکثر امت کا یہی مختار ہے۔

(روح المعانی: جز: 29، ص: 199 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کردہ احادیث مبارکہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں نبوت عطا فرمائی گئی تھی مگر ملا علی قاری کی ایک عبارت اس کلام کے خلاف ہے۔

علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی 1014ھ لکھتے ہیں: سید نے الازہار سے نقل کر کے یہ کہا ہے کہ

علماء کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (اعلان) نبوت سے قبل آیا کس شریعت کے موافق عبادت کرتے تھے؟

کہا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شریعت ابراہیم علیہ السلام پر تھے۔

ایک قول یہ ہے کہ شریعت موسیٰ علیہ السلام پر تھے۔

ایک قول یہ ہے کہ شریعت عیسیٰ علیہ السلام پر تھے۔

اور صحیح یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی شریعت کے موافق عبادت نہیں کرتے تھے کیونکہ تمام شرائع حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے منسوخ ہو چکی تھیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت محرف اور مبدل ہو چکی تھی۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: آپ از خود نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سابقہ شرائع اور احکام کو نہیں جانتے تھے۔

اور اس پر یہ اعتراض ہے کہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف مبعوث تھے اس لیے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شریعت کے لئے ناسخ نہیں تھے۔

علماء کرام نے فرمایا ہے کہ

ہمارے نبی اعلان نبوت سے پہلے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے تھے اور اس پر اجماع ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بت کی عبادت نہیں کی اور ہمیں معلوم نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کس طرح عبادت کرتے تھے۔

ابن برہان نے کہا: شاید اللہ تعالیٰ نے اس کو مخفی رکھا ہے اور اس کو چھپانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے۔

میں کہتا ہوں۔ اس میں بحث ہے۔

پھر سید نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت (اعلان نبوت) سے پہلے کچھ ایسی چیزیں ظاہر ہوتی تھیں جو معجزات کے مشابہ ہوتی تھیں جن کو رہاص کہا جاتا ہے۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال سے پہلے نبی ہوں۔

اور اس پر اجماع ہے کہ اعلان نبوت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شریعت کے علاوہ اور کسی شریعت پر نہ تھے۔

اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال سے پہلے ولی تھے پھر اس کے بعد نبی ہوئے۔

پھر اس کے بعد رسول ہوئے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ج:3، ص:308 مطبوعہ پشاور)

ملا علی قاری کی مذکور الصدر عبارت میں حسب ذیل امور قابل توجہ ہیں۔

1- ملا علی قاری نے لکھا ہے

اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال پہلے نبی ہوں رسول نہ ہوں۔ اور ملا علی قاری نے کسی دلیل سے اس احتمال کو رد نہیں کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ملا علی قاری کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ اعلان نبوت سے چالیس سال پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوں۔

2- ملا علی قاری نے یہ لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لازماً اعلان نبوت سے چالیس سال پہلے ولی تھے بلکہ یہ لکھا ہے کہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال سے پہلے ولی تھے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعلان نبوت سے پہلے بھی نبی تھے البتہ یہ زیادہ ظاہر نہیں ہے۔

3- ملا علی قاری نے اس عبارت کے آخر میں لکھا ہے کہ

اعلان نبوت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوئے پھر اس کے بعد رسول ہوئے۔ ملا علی قاری نے بغیر کسی دلیل کے یہ لکھا ہے کہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی پھر رسالت ملی۔ اس لیے ان کا یہ قول مردود ہے۔ علماء امت میں سے کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نزول قرآن کے بعد نبوت اور رسالت کے فصل کا قائل نہیں ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کی پہلی آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صاحب کتاب ہو گئے اور رسول وہی ہوتا ہے جو صاحب کتاب ہو اور ہر رسول نبی بھی ہوتا ہے۔ نیز نبی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سے تھے نزول قرآن مجید کے بعد رسول بھی ہو گئے اور جب سورہ المدثر کی آیت کریمہ نمبر 2 نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کا اور اعلان نبوت اور رسالت کا حکم دیا گیا۔

4- ہم متعدد احادیث صحیحہ سے یہ واضح کر چکے ہیں کہ ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں نبوت عطا کر دی گئی تھی اور ملا علی قاری کے قول میں اتنی قوت نہیں ہے کہ وہ ان احادیث صحیحہ کے مزاحم ہو سکے۔

علماء کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بچپن میں ثابت کیا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے نبی محترم و مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے اور اس وقت بھی نبی تھے جب اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں انبیاء کرام علیہم السلام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اقرار کا وعدہ لیا اور مدد کا وعدہ لیا۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبوت کب واجب ہوئی؟

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (مشکوۃ المصابیح: رقم الحدیث: 5758)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی 1014ھ اس حدیث مبارکہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس حال میں میرے لیے نبوت واجب ہوگئی جب حضرت آدم علیہ السلام کا جسم زمین پر بغیر روح کے رکھا ہوا تھا۔

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ابھی حضرت آدم علیہ السلام کی روح کا تعلق ان کے جسم کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔
اس حدیث مبارکہ کو امام ابن سعد نے ابن ابی الجدعا سے روایت کیا ہے۔
(الطبقات الکبریٰ: ج:1،ص:118 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)
امام ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں میسرۃ الفخر سے روایت کیا ہے۔ (حلیۃ الاولیاء: ج:7،ص:122 مطبوعہ دارالکتب العربی)
اور امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے معجم الکبیر میں اس حدیث مبارکہ کو ان الفاظ کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔
میں اس حالت میں نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (معجم الکبیر: رقم الحدیث:833)
اسی طرح جامع الاصول میں ہے:
(جامع الاصول: رقم الحدیث:6350)
ابن ربیع نے کہا: اس حدیث مبارکہ کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد: رقم الحدیث:20596)
اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث مبارکہ کو اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے۔ (التاریخ الکبیر: رقم الحدیث:10944)
اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث مبارکہ کو صحیح قرار دیا ہے۔ (المستدرک: رقم الحدیث:4209)
اور امام ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ میں تخلیق میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے پہلا ہوں اور بعثت میں سب کے آخر ہوں۔
(دلائل النبوۃ: رقم الحدیث:3) (مرقاۃ المفاتیح: ج:10،ص:28 مکتبہ حقانیہ پشاور)
امام محمد بن سعد متوفی 230ھ روایت کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کب نبی تھے؟
لوگوں نے کہا: چپ کر، چپ کر۔
تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کو چھوڑو، میں نبی تھا اور اس وقت حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔
ابوالجد بیان کرتے ہیں کہ
میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کب نبی تھے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس وقت حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسد کے درمیان تھے۔
مطرف بن عبداللہ سے روایت ہے کہ
ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کب نبی تھے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور مٹی کے درمیان تھے۔

عامر بیان کرتے ہیں کہ

ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کب نبی بنایا گیا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب مجھ سے میثاق لیا گیا اس وقت حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسد کے درمیان تھے۔ (الطبقات الکبریٰ: ج:1 ص:118 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی متوفی 543ھ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کئی وجوہ سے نبوت کو واجب فرمایا۔

1- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اس لیے واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں جیسا کہ ہر چیز کا وجود اللہ تعالیٰ کے علم سے واجب ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اس وقت واجب ہوئی جب اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا۔

اور اس سے ارشاد فرمایا: لکھ! تو اس نے قیامت تک ہونے والی ہر چیز کو لکھا۔ سو اس میں سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کریمہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ شریفہ کے ساتھ ذکر تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبوت اس وقت واجب ہوئی جب حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا بنا کر زمین پر رکھا گیا اور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے وجوب کے ذکر میں یہ حکمت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قول میں تھی فعل میں نہیں تھی اور جب حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بالفعل ہوگئی کیونکہ اصل کی تخلیق فرع کی تخلیق ہے۔ خصوصاً جب حضرت آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کو ان کی پشت سے نکالا گیا تو وہ سب زندہ موجود تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اپنی ربوبیت پر شاہد بنایا۔

(عارضۃ الاحوذی: ج:7 ص:87 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا جب حضرت آدم علیہ السلام اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے۔ (صحیح ابن عباس: رقم الحدیث: 2093)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی 1052ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں: اس جگہ یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت جو تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے تھی اس سے کیا مراد ہے؟

اگر اس سے مراد یہ ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے علم میں اس وقت نبی تھے تو اس پر اشکال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تو اس وقت تمام انبیاء کرام علیہم السلام نبی تھے۔

اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بالفعل نبی تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بالفعل نبی ہونا تو دنیا میں تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اس سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود عنصری سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا فرشتوں اور روحوں میں اظہار ہے۔

جیسا کہ احادیث مبارکہ میں وارد ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک عرش پر، آسمانوں پر، جنت کے محلات اور بالا خانوں پر، حوران بہشت کے سینوں، درختوں کے پتوں پر، جنت کے درختوں پر اور فرشتوں کی بھوؤں اور آنکھوں پر لکھا ہوا تھا۔

اور بعض عارفین نے کہا ہے کہ

اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ نبی تھی اور عالم ارواح میں روحوں کی تربیت کر رہی تھی جیسا کہ اس عالم عنصری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم شریف اجسام کی تربیت کر رہا ہے اور یہ چیز ثابت ہے کہ ارواح کو اجسام سے پہلے پیدا کیا گیا ہے۔ (اشعۃ اللمعات: ج:4، ص:475 مطبع تیج کار لکھنؤ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: شیخ تقی الدین سبکی نے اپنی کتاب (التعظیم والمنتہ) میں لتومنن به ولتنصرنه کی تقریر میں لکھا ہے کہ

اسی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کی بلندی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رتبہ عالیہ کی جو عظمت ہے وہ مخفی نہیں ہے اور اس کے ساتھ آیت میں یہ بات بھی موجود ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ان کے زمانے میں ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کی طرف رسول ہوتے سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر قیامت تک جمیع مخلوق کو عام ہے اور سب انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "بعثت الی الناس کافة" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر قیامت تک کے لوگوں کے لئے مخصوص نہیں بلکہ اس سے پہلے لوگوں کو بھی شامل ہے اور اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان مقدسہ کی بھی وضاحت ہو گئی۔

کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد

اور جس شخص نے اس حدیث مبارکہ کا یہ مطلب بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم علم الٰہی میں نبی تھے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مستقبل میں نبی ہوں گے۔ اس کی اس معنیٰ تک رسائی نہیں ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم تو جمیع اشیاء کو محیط ہے پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت نبوت سے موصوف کرنا اس مفہوم کو چاہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اس وقت میں ثابت تھی۔

یہی وجہ ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اقدس کو عرش پر لکھا ہوا دیکھا۔

محمد رسول اللہ

لہٰذا ضروری ہے کہ اس حدیث مبارکہ کا یہ معنیٰ ہو کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت متحقق تھی اور اگر اس سے مراد فقط علم ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مستقبل میں نبی ہوں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی کوئی خصوصیت نہیں رہے گی کہ "میں اس وقت نبی تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے" اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت کو اس وقت اور اس سے پہلے جانتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خصوصیت کو ثابت اور متحقق مانا جائے اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس خصوصیت سے آگاہ فرمایا تاکہ امت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مرتبہ کی معرفت حاصل ہو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے پھر انہیں اس معرفت کے ذریعے خیر حاصل ہو۔

پس اگر تم کہو کہ

ہم ارادہ رکھتے ہیں کہ ہم اس اضافی رتبہ کو سمجھیں تو (آیئے ہم بتلاتے ہیں) بے شک نبوت ایک صفت ہے جس کے لئے موصوف کا ہونا ضروری ہے اور موصوف چالیس برس کے بعد ہوگا تو کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجنے سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے متصف کیا جا سکتا ہے؟ پس اگر یہ اتصاف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صحیح ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر کے لئے بھی اسی طرح صحیح ہوگا۔

ہم کہتے ہیں کہ بے شک احادیث مبارکہ میں آیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے روحوں کو جسموں سے پہلے پیدا فرمایا ہے۔

لہٰذا "کنت نبیاً" کے الفاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی روح کی طرف اشارہ فرمایا یا اپنی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا اور حقائق کو سمجھنے سے ہماری عقلیں قاصر ہیں۔ حقائق کو صرف ان کا خالق جانتا ہے یا وہ نفوس مبارکہ جانتے ہیں نور الٰہی جن کی مدد کرتا ہے پھر ان حقائق میں سے کسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے جس وقت چاہا کوئی (وصف) عطا فرما دیا پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حقیقت جو تخلیق حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے موجود تھی اللہ تعالیٰ نے اس کو وصف نبوت عطا فرمایا اور اسی وقت اس کو فیض عطا فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہو گئے اور باری تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارکہ کو عرش پر لکھ دیا اور ملائکہ اور دیگر مخلوق کو اس پر آگاہ کر دیا تاکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ ہے وہ اس کو پہچان لیں سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت اسی وقت موجود تھی اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کا ظہور بعد میں ہوا۔ فی الجملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت اسی وقت سے بارگاہ الٰہیہ عزوجل سے اوصاف شریفہ سے متصف ہے۔ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور تبلیغ کو مؤخر رکھا گیا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر اس کمال کو پہنچا جس سے (ظاہری) تبلیغ کا حصول ممکن ہو۔ اسی طرح بارگاہ الٰہی عزوجل سے پہنچنے والی ہر چیز مؤخر رکھی گئی جس کا تعلق جسم شریف کے کمال کے ساتھ ہو سکتا تھا لیکن آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کو نبوت کے حاصل ہونے اور کتاب وحکمت کے عطا ہونے سے بھی کوئی تاخر نہیں ہے تاخر صرف بعثت فرمانے اور دنیا میں جلوہ گر ہونے میں ہے۔ (الخصائص الکبریٰ: ج: 1، ص 8 تا 11 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ عبدالوہاب شعرانی حنفی متوفی 973ھ لکھتے ہیں: اگر تم یہ سوال کرو کہ

کیا سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کو بھی اس وقت نبوت دی گئی جب حضرت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم تک یہ حدیث مبارکہ نہیں پہنچی کہ کسی اور کو اس وقت نبوت عطا کی گئی دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنے ایام رسالت محسوسہ میں نبی بنائے گئے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں فرمایا۔ میں اس وقت نبی تھا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں نہیں فرمایا۔ میں اس وقت انسان تھا یا موجود تھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ نبوت کا ذکر کر کے اس طرف اشارہ فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے پہلے نبوت دی گئی کیونکہ نبوت اسی وقت متحقق ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر کی ہوئی شریعت کی معرفت ہو جائے۔ (الیواقیت والجواہر: ص: 338 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1340ھ لکھتے ہیں:

علامہ شمس الدین ابن الجوزی اپنے رسالہ میلاد میں ناقل ہیں کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جناب مولی المسلمین علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے ارشاد فرمایا:

اے ابوالحسن! بے شک (سیدنا) محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم رب العٰلمین کے رسول ہیں اور پیغمبروں کے خاتم اور روشن رو اور روشن دست و پا والوں کے پیشوا، تمام انبیاء کرام ومرسلین عظام علیہم السلام کے سردار نبی ہوئے جبکہ حضرت آدم علیہ السلام آب وگل میں تھے۔ (تجلی الیقین: ص: 81 مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور)

اب ایک بحث یہ رہتی ہے کہ چالیس سال کی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا یعنی اعلان نبوت کا حکم دیا گیا تو اس سے پہلے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی تھے یا نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت کا علم تھا یا نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پہلے بھی نبی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت کا علم تھا۔

چنانچہ حدیث مبارکہ میں ہے: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں مکہ مکرمہ کے ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو بعثت (اعلان نبوت) سے پہلے مجھ پر سلام عرض کیا کرتا تھا میں اس پتھر کو اب بھی پہچانتا ہوں۔ (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2277)

اس حدیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بعثت سے قبل بھی اپنے نبی بنائے جانے کا علم تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت سے پہلے ابو طالب کے ساتھ شام کو جو سفر کیا تھا اس میں بھی یہ تصریح ہے کہ راہب نے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

یہ سید العلمین ہیں۔

یہ رسول رب العلمین ہیں۔

ان کو اللہ تعالیٰ رحمۃ للعلمین بنا کر مبعوث فرمائے گا۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3620)

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے پتھروں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا علم تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعثت سے پہلے اپنی نبوت کا علم کیوں نہیں ہوگا؟

طویل کلام کا ثمرہ

اس طویل کلام کا ثمرہ یہ ہے کہ کسی شخص کو یہ وہم نہ ہو کہ حضرت لوط علیہ السلام جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کے گلزار ہونے کا معجزہ دیکھ کر ایمان لائے کہ اس سے پہلے وہ کافر تھے یہ مراد نہیں بلکہ جو بھی نبی بنایا جاتا ہے وہ پیدائشی مومن ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں نبی ہوتا ہے اور ہر گناہ سے معصوم ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اپنے نبی کو تبلیغ کا حکم ارشاد فرماتا ہے اور وہ مقدس نبی اپنی قوم کو احکام الٰہیہ عزوجل کی تبلیغ فرماتا ہے لہٰذا حضرت لوط علیہ السلام کے ایمان لانے سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معجزہ کی تصدیق کرنا ہے نہ کہ کفر کے بعد ایمان لانا مراد ہے۔

علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں: بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ حضرت لوط علیہ السلام اس وقت ایمان لے آئے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے نہیں جلایا تو یہ عقل و نقل کے صریح مخالف اور ضعیف قول ہے کیونکہ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام کا پہلے ایمان نہیں تھا اور یہ نبی کی شان کے لائق نہیں۔

(تفسیر آلوسی: باب: 26، جز: 15، ص: 263)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں: "فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ" یعنی حضرت لوط علیہ السلام نے اس کی (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کی تصدیق فرمائی۔

(جامع البیان: ج: 20، ص: 164 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

مزید روایت نقل فرماتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت لوط علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصدیق فرمائی۔

(جامع البیان: ج: 20، ص: 166 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی 1367ھ لکھتے ہیں:

("فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ") یعنی حضرت لوط علیہ السلام نے یہ معجزہ دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رسالت کی تصدیق کی آپ علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام ... تصدیق کرنے والے ہیں۔ ایمان سے تصدیق رسالت ہی

مراد ہے کیونکہ اصل توحید کا اعتقاد تو ان کو ہمیشہ سے حاصل ہے اس لیے کہ انبیاء کرام علیہم السلام ہمیشہ ہی مومن ہوتے ہیں اور کفران سے کسی حال میں متصور نہیں۔ (کنزالایمان: ص: 718 مطبوعہ اتفاق پبلشرز لاہور)

حضرت لوط علیہ السلام کی سب سے پہلے ہجرت

حضرت لوط علیہ السلام وہ مقدس نبی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی خاطر میں سے پہلے ہجرت فرمائی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت رقیہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حبشہ کی سرزمین کی طرف ہجرت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ان کی خبر پہنچنے میں دیر ہوگئی۔

پس قریش کی ایک عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا۔

یا محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد کو ایک خاتون کے ساتھ دیکھا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کس حال میں دیکھا؟

اس نے عرض کیا: میں نے ان کو ایک دراز گوش پر دیکھا جو ست روی سے جا رہا تھا۔

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ان کی رفاقت کو قائم رکھے بے شک حضرت لوط علیہ السلام کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی اہلیہ کے ساتھ ہجرت کی۔

(معجم الکبیر: رقم الحدیث: 143)

ہجرت کے معانی

علامہ مجد الدین المبارک بن محمد بن اثیر الجزری متوفی 606ھ لکھتے ہیں: حدیث مبارکہ میں ہجرت کا بہت زیادہ ذکر ہے۔

ایک حدیث مبارکہ میں ہے: فتح مکہ مکرمہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3079)

اور ایک حدیث مبارکہ میں ہے: ہجرت اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک کہ توبہ منقطع نہ ہو۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 226)

ہجر کا لغوی معنیٰ وصل کی ضد ہے یعنی فراق پھر اس کا غالب اطلاق ایک زمین سے دوسری زمین کی طرف نکلنے اور دوسری زمین کی خاطر پہلی زمین کو ترک کرنے پر کیا جائے گا۔

ہجرت کی دو قسمیں ہیں: ایک ہجرت وہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (التوبۃ: 111)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی جانوں اور ان کے مالوں کو جنت کے بدلہ خرید لیا۔''

ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے اہل وعیال اور مال چھوڑ کر آجاتا اور ان میں سے کسی چیز کی طرف رجوع نہ کرتا اور جس جگہ ہجرت کی تاحیات وہیں رہتا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اِس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ کوئی شخص اس جگہ مر جائے جہاں سے اس نے ہجرت کی تھی۔ اسی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کی مکہ مکرمہ میں موت پر افسوس کیا وہ حج کے لئے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آئے اور وہیں فوت ہو گئے تھے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:1295)

اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ

اے اللہ عزوجل! ہمیں مکہ مکرمہ میں موت نہ دینا۔

(مسند احمد: ج:2، :25)

اور جب مکہ مکرمہ دارالاسلام بن گیا تو وہ مدینہ منورہ کی طرح ہو گیا اور ہجرت منقطع ہو گئی۔

ہجرت کی دوسری قسم وہ ہے جو دیہاتیوں نے ہجرت کی اور مسلمانوں کے ساتھ غزوات میں شریک ہوئے مگر انہوں نے اس طرح کے افعال نہیں کیے جس طرح پہلی ہجرت کرنے والوں نے کیے تھے پس وہ مہاجر تو ہیں لیکن مہاجرین اولین کی فضیلت میں داخل نہیں ہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا ہے کہ

ہجرت اس وقت تک منقطع نہیں ہو گی جب تک کہ توبہ منقطع نہ ہو اس سے یہی ہجرت مراد ہے۔

ان ہی احادیث مبارکہ میں ایک یہ حدیث مبارکہ ہے کہ

ہجرت کرو اور تکلف اور تصنع سے مہاجر نہ بنو۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص سے ہجرت کرو اور بغیر صحیح ہجرت کے مہاجرین کے ساتھ مشابہت نہ کرو۔

ان احادیث مبارکہ میں سے یہ حدیث مبارکہ بھی ہے کہ

کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ہجرت کرے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث:6412)

اس ہجرت سے اصل کی ضد مراد ہے یعنی ایک مسلمان دوسرے کسی مسلمان کی کسی دنیاوی کوتاہی کی بناء پر اس سے ترک تعلق نہ کرے البتہ دین میں کسی بدعقیدگی کی بناء پر یا کسی غیر شرعی کام کی بناء پر ترک تعلق جائز ہے کیونکہ اہل اہواء اور اہل بدعت سے دائمی ہجرت (ترک تعلق) رکھنا ضروری ہے اسی طرح جب کوئی شخص اعلانیہ معصیت سے توبہ نہ کرے اس سے ہجرت ضروری ہے کیونکہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دیگر اصحاب نے بلا عذر غزوہ تبوک میں شرکت نہیں کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ان سے ہجرت کر لیں یعنی ترک تعلق کریں حتیٰ کہ ازواج کو بھی ان سے ترک تعلق کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے ان سے پچاس دن تک ان سے ترک تعلق رکھا اور ان کی ازواج نے ان سے ایک ماہ تک اور

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک ماہ تک حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ سے ترک تعلق رکھا۔

اسی طرح ایک حدیث مبارکہ میں ہے: بعض لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر صرف اس حال میں کرتے ہیں کہ وہ مہاجر ہوتے ہیں یعنی ان کے قلب نے زبان سے ہجرت کی ہوئی ہوتی ہے زبان ذکر کرتی ہے اور دل غافل ہوتا ہے یعنی وہ اخلاص سے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے۔ (النہایہ: ج:5، ص 211 تا 213 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں: ہجر اور ہجران کا معنیٰ ہے انسان اپنے غیر سے الگ ہو جائے خواہ اجتماعی طور پر الگ ہو یا زبان سے یا قلب سے۔

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ متوفی 620ھ لکھتے ہیں: ہجرت کی تعریف ہے دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف جانا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىٕكَةُ ظَالِمِیْۤ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ قَالُوْۤا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ فَاُولٰٓىٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۝ (النساء:97)

”جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے (یعنی جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی) جب فرشتوں نے ان کی روحوں کو قبض کرتے وقت پوچھا۔ تم کیا کرتے رہے؟ انہوں نے کہا ہم زمین میں کمزور اور بے بس تھے۔ فرشتوں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور یہ برا ٹھکانہ ہے۔“

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ

میں اس مسلمان سے بیزار ہوں جو مشرکوں کے درمیان رہتا ہے ان دونوں کی آگ (ایک جگہ) دکھائی نہ دے۔

یعنی مسلمان ایسی جگہ نہ رہیں جہاں سے ان کی آگ مشرکوں کو دکھائی دے اور مشرکوں کی آگ مسلمانوں کو دکھائی دے۔

اس موضوع کے متعلق بکثرت احادیث مبارکہ ہیں۔ جمہور فقہاء کے نزدیک قیامت تک ہجرت کا حکم باقی ہے۔

اور بعض فقہاء کا یہ نظریہ ہے کہ

اب ہجرت منقطع ہو چکی ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فتح مکہ مکرمہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہجرت منقطع ہو چکی ہے اور جہاد اور نیت باقی ہے۔

روایت ہے کہ

جب صفوان بن امیہ اسلام لائے تو ان سے کہا گیا کہ

جو شخص ہجرت نہ کرے اس کا دین نہیں ہے سو وہ مدینہ منورہ آئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا۔

اے ابو وہب تم یہاں کیوں آئے ہو؟

انہوں نے کہا: مجھے بتایا گیا ہے کہ جو ہجرت نہ کرے اس کا کوئی دین نہیں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابو وہب! مکہ مکرمہ کی وادیوں میں لوٹ جاؤ اور اپنے گھروں میں رہو کیونکہ اب ہجرت ختم ہو چکی ہے تاہم جہاد اور نیت باقی ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ

ہجرت اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک توبہ منقطع نہیں ہوگی اور جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو توبہ منقطع نہیں ہوگی۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ جب تک جہاد سے ہجرت منقطع نہیں ہوگی اس کے علاوہ قرآن مجید کی آیات کریمہ اور احادیث مبارکہ ہجرت کے عموم اور اطلاق پر دلالت کرتی ہیں۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ ہجرت ہر زمانہ میں مشروع ہے اور جس حدیث مبارکہ میں یہ ہے کہ فتح مکہ مکرمہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔

اس حدیث مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ جو شہر فتح ہو گیا اس سے منتقل ہونا ہجرت نہیں ہے اور صفوان کی جس روایت میں ہے ہجرت منقطع ہو گئی اس کا مطلب یہ ہے کہ مکہ مکرمہ سے ہجرت منقطع ہو گئی کیونکہ ہجرت کا معنیٰ ہے کفار کے شہر سے نکلنا اور جب کوئی شہر فتح ہو گیا تو پھر وہ کافروں کا شہر نہیں رہا۔ اس لیے اب اس شہر سے ہجرت کا حکم باقی نہیں رہا۔ ہر شہر کا یہی حکم ہے اس لیے ہجرت کے اعتبار سے لوگوں کی تین اقسام ہیں۔

1- جو لوگ کفار کے شہر میں ہوں اور اس شہر سے ہجرت پر قادر ہوں اور ان کے لئے ان کافروں کے ساتھ رہتے ہوئے دین کا اظہار کرنا اور فرائض وواجبات کو ادا کرنا ممکن نہ ہو ان لوگوں پر ہجرت کرنا واجب ہے۔

کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ (النساء:97)

کیا اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر لیتے ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور یہ برا ٹھکانہ ہے اور یہ بہت شدید وعید ہے جو وجوب پر دلالت کرتی ہے نیز اس لیے کہ واجب کا مقدمہ واجب ہوتا ہے اور واجبات کی ادائیگی ہجرت پر موقوف ہو تو ہجرت واجب ہو جائے گی۔

2- جو شخص کفار کے ملک میں فرائض وغیرہ کے ادا کرنے پر قادر نہ ہو اور کسی عذر کی بناء پر ہجرت نہ کر سکتا ہو مثلاً اس کو جبراً ٹھہرایا گیا ہو یا عورتوں اور بچوں کا ضعف ہو اس پر ہجرت واجب نہیں ہے۔

کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۝ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝ (النساء:98،99)

ہاں! جو مرد، عورتیں اور بے واقعی بے بس ہوں اور (کفار کے شہروں سے) نکلنے کا کوئی راستہ اور ذریعہ نہیں پاتے ان سے شاید اللہ تعالیٰ درگزر فرمائے اور اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا اور بہت درگزر کرنے والا ہے۔

3- جو لوگ دارالکفر میں رہتے ہیں اور اس شہر سے ہجرت کرنے پر قادر ہوں مگر وہ دارلکفر میں دین کے اظہار و واجبات کی ادائیگی بھی بخوبی کر سکتے ہوں ان کے لئے ہجرت کرنا مستحب ہے واجب نہیں ہے اور یہ استحباب اس وجہ سے ہے کہ وہ دارالاسلام میں رہ کر مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شامل ہوسکیں گے اور مسلمانوں کی افرادی قوت میں اضافہ کا سبب بنیں گے اور دیگر معاملات میں ان کے معاون ہوں گے اور کفار کے ساتھ اختلاط، ان کی عددی قوت میں اضافہ اور ان کے فواحش اور منکرات کو دیکھنے سے بچے رہیں گے اور ان پر ہجرت کرنا واجب اس لیے نہیں ہے کہ وہ ہجرت کے بغیر بھی فرائض اور واجبات کو ادا کر سکتے ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے باوجود مکہ مکرمہ میں مقیم رہے۔

اور روایت ہے کہ حضرت نعیم نحام نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کی قوم (بنو عدی) ان کے پاس گئی۔

اور کہا: تم اپنے دین پر قائم رہو اور ہمارے پاس ٹھہرو اور جو شخص تمہیں اذیت پہنچانے کا ارادہ کرے گا ہم تم کو اس سے محفوظ رکھیں گے اور تم جو ہماری کفالت کیا کرتے تھے وہ کرتے رہنا (حضرت نعیم رضی اللہ عنہ بنو عدی کے یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کرتے تھے) سو ایک مدت تک انہوں نے ہجرت نہیں کی اور کافی عرصہ کے بعد انہوں نے ہجرت کی۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا: تمہاری قوم میری قوم سے بہتر ہے۔ میری قوم نے مجھے وطن سے نکال دیا اور مجھے قتل کرنے کا ارادہ کیا اور تمہاری قوم نے تمہاری حفاظت اور حمایت کی اور تمہیں جانے نہیں دیا۔

حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور دشمن کے خلاف جہاد کرنے کی طرف نکالا اور میری قوم نے مجھے ہجرت اور اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روک لیا۔ (المغنی: ج:9، ص:236 تا 237 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

ہجرت کی اقسام

حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ لکھتے ہیں: ہجرت کی درج ذیل اقسام ہیں۔

1- دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنا۔

جیسا کہ فتح مکہ مکرمہ سے پہلے مسلمانوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی یا اب بھارت سے پاکستان کی طرف ہجرت کرنا۔ اسی طرح جو شخص دارالکفر میں اظہار دین پر قادر نہ ہو اس کا دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنا۔

2- دارالخوف سے دارالامن کی طرف ہجرت کرنا۔

جیسا کہ مسلمانوں نے مکہ مکرمہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی یا اب ہندوستان کے مسلمان ہندوؤں کے مظالم سے تنگ آ کر انگلینڈ، امریکہ یا مغربی جرمنی کی طرف ہجرت کر جائیں۔

3-قرب قیامت میں فتنوں کے ظہور کے وقت مسلمانوں کا شام کی طرف ہجرت کرنا چنانچہ سنن ابوداؤد میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عنقریب ایک ہجرت کے بعد دوسری ہجرت ہوگی سوروئے زمین کے اچھے لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کی جگہ (شام) میں چلے جائیں گے اور باقی زمین پر بدترین لوگ رہ جائیں گے۔

4-برائیوں اور گناہوں سے ہجرت کرنا۔ (عمدۃ القاری: ج: 1 ص: 35 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر)

قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی مالکی متوفی 543ھ لکھتے ہیں:

1-دارالحرب سے دارالسلام کی طرف ہجرت کرنا۔

ہجرت کی یہ قسم قیامت تک کے لئے ہے سو جو شخص دارالحرب میں اسلام قبول کرے اس پر دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنا فرض ہے اگر وہ دارالحرب میں ہی مقیم رہا تو گناہ گار ہوگا۔

2-جس علاقہ میں اہل بدعت کا غلبہ ہو اور سلف صالحین پر وہاں تبرا کیا جاتا ہو اور صالح مسلمان اپنی قوت سے اس بدعت کو مٹانے پر قادر نہ ہوں اس علاقہ سے ان مسلمانوں کا ہجرت کرنا واجب ہے اس کی اصل قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ ہے۔

وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ؕ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (الانعام: 68)

اور (اے مخاطب) جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں میں کج بحثی کرتے ہیں تو ان سے اعراض کرو حتیٰ کہ وہ کسی اور موضوع پر بحث کرنے لگیں اور اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔

3-جس سرزمین پر حرام کاموں کا غلبہ ہو اس سرزمین سے نکل جائے کیونکہ حلال کو طلب کرنا اور حرام سے بچنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

4-جس علاقہ میں مسلمان کو اپنے جسم کے نقصان کا خطرہ ہو اس پر واجب ہے کہ وہ کسی محفوظ علاقہ میں چلا جائے۔

جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّیْ ؕ (العنکبوت: 26)

میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ٘ قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (القصص: 21)

سو موسیٰ اس شہر سے ڈرتے ہوئے نکلے وہ انتظار کرتے تھے (کہ اب کیا ہوگا) انہوں نے دعا کی کہ اے میرے رب مجھے ظالم قوم سے بچالے۔

5-جس شہر میں کوئی متعدی مرض پھیلا ہوا ہو اس شہر سے ایسی جگہ چلا جائے جہاں وہ وبا نہ ہو۔ اس قاعدہ سے صرف مستثنیٰ ہے۔

6- جس علاقہ میں مسلمان کو اپنے مال کے ضائع ہونے والی یا مالی نقصان کا یقینی خطرہ ہو اس جگہ سے انسان کسی پر امن علاقہ میں چلا جائے۔

7- اسی طرح جس جگہ انسان کی عزت اور ناموس کو یقینی خطرہ ہو اس علاقہ سے بھی نکلنا واجب ہے کیونکہ مسلمان پر اپنی جان، مال اور عزت کی حفاظت کرنا فرض ہے۔

امام ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا: یہ حج اکبر کا دن ہے تمہارا خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تم پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح آج کے دن اس شہر کی حرمت ہے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 1739)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اسلام میں تقیہ جائز نہیں ہے ورنہ ہجرت فرض نہ ہوتی کیونکہ انسان تقیہ کر کے کافروں اور فاسقوں سے ظاہری موافقت کر کے ایسی جگہ رہ سکتا ہے۔ یہ ہجرت کی وہ اقسام ہیں جن میں کسی ضرر سے بچنے کے لئے ہجرت کی جاتی ہے اور ہجرت کی بعض اقسام وہ ہیں جن میں کسی نفع کے حصول کے لئے ہجرت کی جاتی ہے۔

ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

1- کسی علاقہ کے آثار عذاب سے عبرت حاصل کرنے کے لئے اپنے ملک سے دوسرے ملک جانا جائز ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ (یوسف: 109)

کیا یہ لوگ زمین میں سفر نہیں کرتے تاکہ یہ دیکھیں کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیسا انجام ہوا۔

اس نوع کی قرآن مجید میں بہت آیتیں ہیں۔

اور کہا جاتا ہے کہ ذوالقرنین نے زمین میں اس لیے سفر کیا تھا کہ زمین کے عجائبات دیکھے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ اس نے باطل کو مٹانے اور حق کو نافذ کرنے کے لئے زمین میں سفر کیا تھا۔

2- حج کرنے کے لئے سفر کرنا۔

یہ سفر زندگی میں ایک بار بشرط استطاعت فرض ہے اور بار بار مستحب ہے۔

3- جہاد کے لئے سفر کرنا۔

اگر دشمن اسلامی ملک کی سرحد پر حملہ آور ہو تو سربراہ ملک جن لوگوں کو جہاد کے لئے بلائے ان کا جانا فرض عین ہے اور تبلیغ اسلام کے لئے جہاد کرنا فرض کفایہ ہے مگر یہ بھی امام یا امیر کی دعوت پر موقوف ہے۔

4- اگر اپنے شہر میں رزق حلال اور معاش کا حصول متعذر اور مشکل ہو اور کسی دوسرے شہر میں رزق حلال کے ذرائع حاصل ہوں تو اس شہر میں جانا اس پر فرض ہے کیونکہ رزق حلال کو طلب کرنا فرض ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (المزمل:20)

اور کچھ لوگ زمین میں سفر کریں گے اس کا فضل تلاش کرتے ہوئے۔

5-تجارت کے لئے سفر کرنا اور ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں تجارت کے لئے جانا۔

اللہ تعالیٰ نے سفر حج میں بھی تجارت کی اجازت دی ہے۔

لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ (البقرہ:198)

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم اپنے رب کے فضل کو تلاش کرو۔

6-علم دین اور علم نافع کی طلب کے لئے سفر کرنا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ وَ لِیُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْۤا اِلَیْهِمْ لَعَلَّهُمْ یَحْذَرُوْنَ۠ (التوبہ:122)

تو (مسلمانوں کے) ہر گروہ سے کیوں نہ ایک جماعت دین سیکھنے کے لئے روانہ ہوئی تا کہ وہ واپس آ کر اپنی قوم کو ڈرائیں شاید وہ گناہ سے بچتے رہیں۔

7-متبرک مقامات کی زیارت کے لئے سفر کرنا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین مساجد کے سوا سامان سفر نہ باندھنا میری یہ مسجد، مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:1189)

8-اسلام کی سرحدوں کی حفاظت کے لئے سفر کرنا اور دشمن سے مقابلوں کے لئے مجاہدوں کا جمع ہونا۔

9-ماں باپ کی زیارت کے لئے سفر کرنا، رشتہ داروں اور بیوی، بچوں کے حقوق کی ادائیگی کے لئے سفر کرنا۔

10-ملک کے نظم و نسق چلانے اور انتظامی امور کے لئے سفر کرنا۔

(احکام القرآن: ج:1، ص 611 تا 612 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن محمد عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں: علامہ خطابی وغیرہ نے کہا ہے کہ ابتداء اسلام میں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنا فرض تھا کیونکہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی اور انہیں جمعیت کی ضرورت تھی لیکن جب اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو فتح کر دیا اور لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے تو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت منسوخ ہو گئی اور تبلیغ اسلام اور دشمن سے مدافعت کے لئے جہاد کی فرضیت باقی رہی۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ابتداء میں مدینہ منورہ ہجرت کرنا اس لیے بھی فرض تھا کہ جو شخص اسلام قبول کرتا تھا اس کو کفار ایذاء دیتے تھے اور اس وقت تک اس پر ظلم کرتے رہتے تھے جب تک کہ وہ (العیاذ باللہ) دین اسلام کو چھوڑ نہیں دیتا

اور انہی لوگوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۙ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّلَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا ۙ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝ (النساء:97تا99)

’’بے شک جن لوگوں کی جانیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں تم کیا کرتے رہے؟ وہ کہتے ہیں ہم زمین میں بے بس تھے۔ فرشتے کہتے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے! ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے البتہ مردوں، عورتوں اور بچوں میں سے جو بے بس ہیں جو کسی تدبیر کی استطاعت رکھتے ہیں اور نہ کہیں کا راستہ جانتے ہیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے درگزر فرمائے اور اللہ تعالیٰ بہت معاف فرمانے والا اور بے حد بخشنے والا ہے۔‘‘

جو شخص دارالکفر میں اسلام لائے اور اس سے نکلنے پر قادر ہو اس کے حق میں ہجرت اب بھی باقی ہے۔

کیونکہ سنن نسائی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ مشرک کے اسلام قبول کرنے کے بعد اس کے کسی عمل کو اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک کہ وہ مشرکین سے علیحدہ نہ ہو جائے۔

اور سنن ابوداؤد میں حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں ہر اس مسلمان سے بیزار ہوں جو مشرکین کے درمیان رہتا ہے۔ یہ حدیث مبارکہ ان لوگوں پر محمول ہے جن کو یہ خدشہ ہو کہ اگر وہ دارالکفر میں رہے تو ان کا دین خطرہ میں پڑ جائے گا۔

(فتح الباری: ج:6، ص:190 مطبوعہ لاہور)

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: فتح کے بعد ہجرت نہیں ہے کا ایک معنیٰ یہ بھی ہے کہ مطلقاً فتح کے بعد ہجرت نہیں ہے خواہ مکہ مکرمہ فتح ہو یا کوئی اور شہر، لہٰذا اب اگر مسلمان کسی شہر کو فتح کر لیں تو ان پر ہجرت واجب نہیں ہے لیکن اگر کسی شہر کو مسلمانوں نے فتح نہیں کیا تو وہاں کے رہنے والوں کے متعلق تین قول ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ جو شخص دارالکفر میں دین کا اظہار نہ کر سکتا ہو اور فرائض اور واجبات کو ادا نہ کر سکتا ہو اور وہ دارالکفر سے نکلنے کی استطاعت رکھتا ہو اس پر ہجرت کرنا واجب ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ مسلمان دارالکفر میں فرائض اور واجبات کو آزادی سے ادا کر سکتے ہوں اور ہجرت کرنے کی بھی استطاعت رکھتے ہوں پھر بھی ان کے لئے دارالکفر سے ہجرت کرنا مستحب ہے تا کہ دارالاسلام میں مسلمانوں کی کثرت اور جمعیت ہو اور وہ بوقت ضرورت مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شامل ہو سکیں اور دارالکفر میں کفار کی بدعہدی اور فتنہ سے محفوظ

رہیں اور کافروں کی تہذیب اور ثقافت اور ان کے معاشرے کی بے راہ روی، بدچلنی اور فحاشی کے برے اثرات سے مامون رہیں اور کفار اپنے دین کی اشاعت اور مسلمانوں کو اسلام سے منحرف کرنے کی جو کوششیں کرتے ہیں ان کے خطرات سے مسلمان محفوظ رہیں۔

تیسرا قول یہ ہے کہ جو مسلمان قید، مرض یا کسی اور عذر کی بناء پر دارالکفر سے ہجرت نہ کرسکتا ہو اس کے لئے دارالکفر میں رہنا جائز ہے اس کے باوجود اگر وہ تکلیف اور مشقت اٹھا کر ہجرت کرے تو ماجور ہوگا۔(فتح الباری: ج:6، ص:38 مطبوعہ لاہور)

ان ہجرت کی اقسام میں سے اس قسم کا اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

ماسوا اللہ تعالیٰ کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کرنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کرنے سے مراد یہ ہے کہ

انسان اپنے آپ کو رضائے الٰہی عزوجل میں اس طرح ڈھال لے کہ اس کے دل میں ہر کام کا محرک اور داعی اللہ کا حکم ہو اور طبعی تقاضے شرعی تقاضوں کے مظہر ہو جائیں حتیٰ کہ وہ اس منزل پر آ جائے کہ اس کا کھانا پینا بھی اسی نیت سے ہو کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کا حکم دیا ہے اس لیے وہ کھاتا پیتا ہے ورنہ اس کو لاکھ بھوک اور پیاس لگتی ہو وہ کھانے پینے کی طرف التفات نہ کرتا۔

اس کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ

بندے کے ہر کام کی نیت اور جذبہ یہ ہو کہ چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس لیے وہ اس کام کو کر رہا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہوتا تو خواہ کچھ ہوتا وہ اس کام کو نہ کرتا۔ اسی مرتبہ کو اللہ تعالیٰ نے صبغۃ اللہ سے تعبیر فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مقام کی طرف اس حدیث مبارکہ میں ہدایات دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہو جاؤ۔

اقبال نے اسی منزل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

در دشت جنون من جبریل زبوں صیدے
یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ

یعنی انسان کے لئے ملکوتی صفات اپنانا حتیٰ کہ مظہر جبرائیل علیہ السلام ہونا بھی کمال نہیں ہے۔ اس کا مقام تو یہ ہے وہ الٰہی صفات اپنا کر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگ لے اور مظہر رب جبرائیل ہو جائے۔ چنانچہ بندہ اگر کسی پر رحم کرے اس لیے کہ اس کا رب رحیم ہے اور اگر کسی پر غضب ناک ہو تو اس لیے کہ اس کا رب قہار ہے اور انہیں پر رحم کرے جن پر اس کا رب عزوجل رحم کرنا چاہتا ہے اور انہیں پر غضب ناک ہو جن پر اس کا رب عزوجل اس سے غضب ناک ہونے کا تقاضا کرتا

اسی طرح ہجرت الی الرسول کا مطلب بھی یہ ہے کہ

اپنی سیرت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے تابع کرے اور چونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی اور حکم الگ الگ اور مغائر نہیں ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنا اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنا ہی اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کرنا ہے۔

قرآن مجید سے ہجرت کا ثبوت

قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْأَرْضِ ؕ قَالُوْٓا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَأُولٰٓئِكَ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۝

(النساء: 97 تا 98)

”بے شک فرشتے جن لوگوں کی روحیں اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے۔ فرشتے کہتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم زمین میں کمزور تھے وہ (فرشتے) کہتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر لیتے یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ کیسا برا ٹھکانہ ہے مگر جو کمزور ہوں مردوں، عورتوں اور بچوں میں سے جو کسی خفیہ تدبیر پر قدرت نہ رکھتے ہوں اور نہ راستہ جانتے ہوں۔“

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ہجرت کو فرض فرمایا ہے اور مکہ مکرمہ کے جن مسلمانوں نے ابھی تک ہجرت نہیں کی تھی ان پر سخت وعید فرمائی ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ روایت کرتے ہیں: عبدالرحمان بن اسود بیان کرتے ہیں کہ اہل مدینہ سے جنگ کے لئے ایک لشکر تیار کیا گیا۔ میرا نام بھی اس میں لکھا گیا تھا اس وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا آزاد کردہ غلام حضرت عکرمہ سے میری ملاقات ہوئی انہوں نے مجھے اس جنگ میں شامل ہونے سے سختی سے منع کیا۔ اور کہا۔

ت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ (مکہ کے) کچھ مسلمان (جنگ بدر میں) مشرکین (کی تعداد بڑھا۔ کے لئے ان) کے ساتھ تھے یہ لشکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لئے آیا تھا۔ آپ کے لشکر کی طرف سے کوئی تیر آکر ان مسلمانوں کے لگتا اور وہ ہلاک ہو جاتا یا لڑائی میں مارا جاتا۔ اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5496)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ...

میری ماں ان کمزور لوگوں میں سے تھی جن کا اللہ تعالیٰ نے کفر کی سرزمین سے ہجرت کرنے کے حکم سے استثناء فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 4597)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 311ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ

یہ آیت کریمہ مکہ مکرمہ کے ان مسلمانوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی جو ان میں سے مکہ مکرمہ میں فوت ہوگئے وہ ہلاک ہوگئے ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

بے شک فرشتے جن لوگوں کی روحیں اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے (فرشتے کہتے ہیں کہ) تم کس حال میں تھے۔

وہ کہتے ہیں کہ ہم زمین میں کمزور تھے تو یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ کیسا برا ٹھکانہ ہے مگر جو (واقعی) کمزور ہوں مردوں، عورتوں اور بچوں میں سے۔ سو یہ لوگ ہیں اللہ تعالیٰ عنقریب ان سے درگزر فرمائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

میں اور میری والدہ ان کمزور لوگوں میں سے تھے۔

عکرمہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کمزور لوگوں میں سے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اہل مکہ مکرمہ میں سے کچھ لوگ مسلمان ہوگئے اور وہ اپنے اسلام کو مخفی رکھتے تھے جنگ بدر کے دن مشرکین ان کو اپنے ساتھ لے گئے۔ ان میں سے بعض مسلمان جنگ میں مارے گئے۔

مسلمانوں نے کہا: ہمارے یہ اصحاب مسلمان تھے ان کو زبردستی جنگ میں لایا گیا تھا۔ انہوں نے ان کے لئے استغفار کیا اس موقع پر سورہ نساء کی یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ تب مکہ مکرمہ میں باقی ماندہ مسلمانوں کو یہ آیت لکھ کر بھیجی گئی۔

اوران سے یہ کہا گیا کہ

اب ان کے لئے ہجرت میں کسی عذر کی گنجائش نہیں ہے وہ مکہ مکرمہ سے نکلے تو مشرکین ان کے مقابلہ میں آئے اور وہ فتنہ میں پڑ گئے۔

اس وقت ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ (العنکبوت: 10)

اور کچھ لوگ کہتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے پھر جب انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوئی تکلیف دی جائے تو وہ لوگوں کے فتنہ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرح کردیتے ہیں۔

(جامع البیان: جز: 5، ص 316 تا 317 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

احادیث مبارکہ سے ہجرت کا ثبوت

ہجرت کا ثبوت کثیر احادیث مبارکہ سے ہے جو کہ درج ذیل ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

ہجرت اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک کہ توبہ منقطع نہ ہو اور توبہ اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 2479)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عبداللہ بن واقد السعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں ایک وفد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ہم اپنی کوئی حاجت طلب کر رہے تھے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سب سے آخر میں پیش ہوا۔

میں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے اپنے پیچھے کچھ لوگوں کو چھوڑا ہوا ہے اور ان کا یہ گمان ہے کہ اب ہجرت منقطع ہو چکی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب تک کفار سے قتال کیا جاتا رہے گا ہجرت منقطع نہیں ہوگی۔

(سنن النسائی: رقم الحدیث: 4183)

ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ ہجرت قیامت تک باقی ہے۔

اور ان احادیث مبارکہ سے ہجرت منقطع ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فتح (مکہ) کے بعد ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت ہے اور جب تم کو جہاد کے لئے طلب کیا جائے تو تم جہاد کے لئے روانہ ہو جاؤ۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 2783)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بلند آواز اور بے باک اعرابی آیا۔

اور عرض کیا۔
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کس جگہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں بھی ہوں یا کسی خاص سرزمین کی طرف یا کسی خاص قوم کی طرف یا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما جائیں گے تو ہجرت منقطع ہو جائے گی؟
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر خاموش رہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
وہ ہجرت کے متعلق سوال کرنے والا کہاں گیا؟
اس نے عرض کیا:
میں یہاں ہوں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ہجرت یہ ہے کہ تم بے حیائی کے کاموں کو ترک کردو خواہ وہ کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور تم نماز پڑھو اور زکوۃ ادا کرو تو تم مہاجر ہو خواہ تم حضر موت میں فوت ہو۔

(مسند احمد: رقم الحدیث: 7095)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت مجاشع بن مسعود سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے حاضر ہوا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ہجرت تو اصحاب ہجرت کے لئے گزر چکی مگر تم اسلام، جہاد اور خیر پر بیعت کرو۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 2962)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت عبید بن عمر لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کے متعلق سوال کیا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
آج کل ہجرت نہیں ہے۔ پہلے مومنین اپنے دین کی حفاظت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بھاگ کر آتے تھے اس خوف سے کہ کہیں وہ دین کی وجہ سے کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں لیکن آج اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرما دیا ہے آج وہ جہاں چاہے اپنے رب عزوجل کی عبادت کرے مگر جہاد اور اس کی نیت باقی ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3900)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت یعلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں فتح مکہ کے دن اپنے والد محترم کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔
میں نے عرض کیا:
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے والد محترم کو ہجرت پر بیعت کر لیجئے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میں اس کو جہاد پر بیعت کروں گا ہجرت تو منقطع ہو چکی ہے۔
(سنن نسائی: رقم الحدیث: 4179)
ایک اور روایت میں ہے:
حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک اعرابی آیا جو بہت نڈر اور بے باک تھا۔
اس نے عرض کیا:
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کی کون سی جگہ ہے؟ وہ کوئی خاص جگہ ہے یا کسی خاص قوم کا علاقہ یا آپ کی وفات کے بعد ہجرت منقطع ہو جائے گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر خاموش رہے۔
پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ہجرت کے متعلق پوچھنے والا کہاں ہے؟
اس نے عرض کیا:
میں یہاں ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب تم نماز پڑھو اور زکوٰۃ ادا کرو تو تم مہاجر ہو خواہ تم حضر موت میں فوت ہو یعنی یمامہ کی سرزمین میں۔
(مسند احمد: رقم الحدیث: 6890)
ایک اور روایت میں ہے:
حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی آیا اور اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کے متعلق سوال کیا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم پر افسوس ہے ہجرت کا معاملہ تو بہت سخت ہے۔

کیا تمہارے اونٹ ہیں؟

اس نے عرض کیا:

جی ہاں! (یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس دن تم اونٹنیوں کو پانی پلانے لے جاتے ہو اس دن تم ان کا دودھ دوہ کر لوگوں کو پلاتے ہو؟

اس نے عرض کیا:

جی ہاں! (یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم سمندروں کے پار عمل کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں سے کسی چیز کو (قبول کیے بغیر) ترک نہیں کرے گا۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3923)

ایک اور روایت میں ہے: نعیم بن دجاجہ سے روایت ہے کہ

میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہجرت نہیں ہے۔

(سنن النسائی: رقم الحدیث: 4179)

بہ ظاہر ان دونوں قسم کی احادیث مبارکہ میں یہ تعارض ہے کہ پہلی قسم کی احادیث مبارکہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب ہجرت ختم ہو چکی ہے اور دوسری قسم کی احادیث مبارکہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت قیامت تک باقی رہے گی تو ان میں تطبیق کس طرح ہوئی۔

علامہ محمد بن محمد خطابی متوفی 388ھ ان میں تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ابتداء اسلام میں ہجرت مستحب تھی فرض نہیں تھی۔

جیسا کہ اس آیت مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ (النساء:100)

جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت جگہ اور وسعت پائے گا۔

پھر جب مشرکوں کی ایذاء رسانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت بڑھ گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے اور مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفار کے خلاف جہاد کا حکم دیا گیا تا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں اور جہاد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کریں تو اس وقت ہجرت فرض کر دی گئی تا کہ مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین سیکھیں اور شریعت کا علم حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات کریمہ میں ہجرت کا حکم مؤکد فرمایا ہے حتیٰ جن مسلمانوں نے ہجرت نہیں کی ان کی دوسرے مسلمان کے ساتھ حمایت، نصرت اور ولایت کو منقطع کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ (الانفال:72)

''اور جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی تمہارے لیے ان کی حمایت جائز نہیں ہے حتیٰ کہ وہ ہجرت کرلیں۔''

اس زمانہ میں سب سے زیادہ خطرہ قریش مکہ مکرمہ سے تھا۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہوگیا اور اہل مکہ مکرمہ نے اطاعت کرلی تو ہجرت کے فرض ہونے کی علت زائل ہوگئی اور ہجرت کا حکم پھر ندب اور استحباب کی طرف لوٹ آیا پس یہاں دو ہجرتیں ہیں جو ہجرت منقطع ہوچکی ہے یہ وہ ہجرت ہے جو فرض تھی اور جو ہجرت باقی ہے یہ وہ ہجرت ہے جو مستحب ہے۔

امام الحسین بن مسعود بغوی متوفی 516ھ علامہ خطابی کا مذکورہ جواب نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ان دونوں احادیث مبارکہ کو ایک اور طریقے سے بھی جمع کیا جاسکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جس حدیث مبارکہ میں ہے کہ فتح مکہ مکرمہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔ اس سے مراد خاص ہجرت ہے یعنی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف منتقل ہونا اب ہجرت نہیں ہے کیونکہ مکہ مکرمہ بھی دارالاسلام ہے۔

اور جس حدیث مبارکہ میں ہے کہ ہجرت منقطع نہیں ہوگی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو آدمی دارالکفر میں مسلمان ہوا اس پر واجب ہے کہ وہ دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف منتقل ہوجائے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے درمیان رہے۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو مشرک کے ساتھ جمع ہیں اور اس نے ان کے ساتھ سکونت کی وہ اس کی مثل ہے۔ (شرح السنۃ: ج:10، ص373 تا 374 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ علامہ خطابی اور امام بغوی کے جوابوں کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: زیادہ ظاہر یہ ہے کہ جس حدیث مبارکہ میں ہے کہ فتح مکہ مکرمہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ

جس شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی اور آپ کی اجازت کے بغیر اس کا اپنے وطن کی طرف جانا جائز نہ ہو ایسی ہجرت فتح مکہ مکرمہ کے بعد نہیں ہے۔

اور جس حدیث مبارکہ میں ہے کہ

ہجرت منقطع نہیں ہوگی اس سے مراد وہ ہجرت ہے جو اس طرح نہ ہو جیسا کہ مختلف علاقوں سے ہجرت کرکے اعرابی آتے تھے اور اس کی تائید ان احادیث مبارکہ سے ہوتی ہے کہ

اسماعیل نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: فتح مکہ مکرمہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت منقطع ہوگئی اور جب تک کفار کے ساتھ جہاد کیا جاتا رہے گا۔ ہجرت منقطع نہیں ہوگی یعنی جب تک دنیا میں کفر ہے تو ان لوگوں پر ہجرت کرنا واجب ہے جو دارالکفر میں مسلمان ہوئے اور ان کو یہ خطرہ ہو کہ وہ اپنے دین کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے اور اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر وہ دارالکفر میں بغیر فتنہ کے رہ سکیں تو ان پر وہاں سے ہجرت کرنا واجب نہیں ہے۔

(فتح الباری: ج: 7، ص: 230 مطبوعہ لاہور)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ لکھتے ہیں: علامہ خطابی نے کہا ہے کہ

ابتداء اسلام میں ہجرت فرض تھی پھر فتح مکہ مکرمہ کے بعد ہجرت کرنا مستحب ہے۔

علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ ہجرت کی دو قسمیں ہیں:

ایک ہجرت وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے۔ ایک مسلمان اپنے اہل، مال اور گھر بار کو چھوڑ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلا جاتا تھا فتح مکہ مکرمہ کے بعد یہ ہجرت منسوخ ہوگئی۔

اور دوسری ہجرت وہ ہے جیسے اعراب ہجرت کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے تھے اور اول الذکر کی طرح ہجرت نہیں کرتے تھے۔ یہ ہجرت قیامت تک باقی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ہجرت کی اور قسم بھی ہے وہ ہے گناہوں سے ہجرت کرنا۔

امام احمد حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہجرت کی دو قسمیں ہیں۔

ایک قسم یہ ہے کہ

تم برائیوں اور گناہوں سے ہجرت کرو۔

اور دوسری قسم یہ ہے کہ

تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرو اور جب تک توبہ منقطع نہ ہو یہ ہجرت منقطع نہیں ہوگی اور جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو توبہ منقطع نہیں ہوگی۔ (عمدۃ القاری: ج: 1، ص 29 تا 30 مطبوعہ مصر)

فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اب ہجرت نہیں ہے۔

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے حالانکہ سنن ابوداؤد اور نسائی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تک توبہ منقطع نہ ہو اس وقت تک ہجرت منقطع نہیں ہوگی اور جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو توبہ منقطع نہیں ہوگی۔ اس وجہ سے ان دونوں احادیث مبارکہ میں تعارض ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی 855ھ نے اس اشکال کے جواب میں لکھا ہے کہ

علامہ خطابی اس اشکال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ

ابتداءِ اسلام میں ہجرت فرض تھی اور فتح مکہ کے بعد ہجرت فرض نہیں رہی مستحب ہوگئی۔ پس جو ہجرت منقطع ہوگئی وہ فرض ہے اور جو ہجرت باقی ہے وہ مستحب ہے۔ علاوہ ازیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مبارکہ کی سند میں کچھ ضعف بھی ہے۔

علامہ ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ہجرت کی دو اقسام ہیں:

1- ایک قسم وہ ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ نے جنت کی بشارت دی ہے۔ ایک شخص اپنے اہل اور مال کو چھوڑ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلا جاتا اور اسے اپنے مال میں سے کچھ واپس نہیں ملتا تھا۔ مکہ فتح ہونے کے بعد یہ ہجرت منقطع ہوگئی۔

2- دوسری ہجرت وہ ہے جو اعرابی کرتے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ جہاد کرتے تھے اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ہجرت نہیں کرتے تھے جنہوں نے اپنے مال اور اہل و عیال کو چھوڑ کر ہجرت کی تھی اور یہی وہ ہجرت ہے جو توبہ منقطع ہونے تک منقطع نہیں ہوگی۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ دوسری حدیث مبارکہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو ہجرت انقطاع توبہ تک باقی رہے گی یہ ہجرت برے اعمال کو چھوڑنا اور ان سے ہجرت ہے کیونکہ حضرت معاویہ، حضرت عبدالرحمان بن عوف، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم سے مسند احمد میں روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہجرت کی دو اقسام ہیں۔

1- ایک ہجرت برائیوں کو چھوڑنا اور ان سے ہجرت ہے۔

2- دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی جائے اور ہجرت اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک توبہ منقطع نہ ہو اور جب تک سورج مغرب سے طلوع نہیں ہوتا توبہ قبول ہوتی رہے گی اور جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو جس شخص کے دل میں جو کچھ ہوگا اللہ تعالیٰ اسی پر مہر لگا دے گا اور لوگوں کا عمل کافی ہوگا۔

نیز حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مسند احمد میں روایت ہے کہ

ایک اعرابی نے آ کر کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کس جگہ کرنی ہے؟ آیا کسی معروف اور معین جگہ ہجرت ہے یا جس جگہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوں وہاں ہجرت کرنی ہے؟ کیا کسی خاص قوم کے لئے ہجرت ہے یا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو جائے تو ہجرت نہیں رہے گی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر خاموش رہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ شخص کہاں ہے جو ہجرت کے بارے میں سوال کر رہا تھا۔

اس نے عرض کیا: میں یہاں ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تک تم نماز پڑھتے ہو اور زکوٰۃ ادا کرتے ہو تو تم مہاجر ہو خواہ تم ارض یمامہ میں فوت ہو اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں ہے تم ظاہری اور باطنی برائیوں سے ہجرت کرو اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرو تو تم مہاجر ہو خواہ تم ارض یمامہ میں فوت ہو جاؤ۔ (عمدۃ القاری: ج: ۱ ص: 30 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ مصر)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی 676ھ لکھتے ہیں: دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف ہجرت قیامت تک باقی ہے اور اس حدیث مبارکہ کی تاویل میں دو قول ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد اب مکہ مکرمہ سے آنا ہجرت نہیں رہا کیونکہ اب مکہ مکرمہ دارالاسلام ہو گیا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد اب ہجرت کی وہ فضیلت نہیں رہی جو فتح مکہ مکرمہ سے پہلے تھی۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جن لوگوں نے فتح مکہ مکرمہ سے پہلے اسلام کی راہ میں خرچ کیا اور جہاد کیا تم میں سے کوئی شخص ان کے برابر نہیں ہو سکتا۔ (شرح مسلم: ج: 1 ص: 437 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی بایں طور کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مقدس کو سنا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی مجلس میں رہا خواہ یہ صحبت ایک لمحہ کی بھی ہو اور وہ شخص ایمان پر ہی تادم مرگ حتیٰ کہ حالت ایمان میں اس کو موت آئی تو وہ شخص صحابی ہے۔ ان میں سے مہاجرین وہ ہیں جنہوں نے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی اور انصار وہ ہیں جنہوں نے مدینہ منورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جگہ عطا کی۔ ان مہاجرین و انصار کے فضائل کثیر ہیں اور میں چند احادیث مبارکہ نقل کرتا ہوں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا نہ کہو اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ جتنا سونا بھی خیرات کرے تو وہ ان کے دیئے ہوئے ایک مد یا نصف (ایک کلو گرام یا نصف) کے برابر نہیں ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3673)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا کہتے ہیں تو کہو تمہارے شر پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ (سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3866)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ میرے بعد ان کو اپنے طعن کا نشانہ نہ بناؤ جس نے ان سے محبت رکھی

تو اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو اس نے مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا اور جس نے ایذا دی اس نے مجھ کو ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی عنقریب وہ اس کو پکڑ لے گا۔ (صحیح ابن حبان: رقم الحدیث: 7256)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں کے سامنے مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم میں ایک جماعت انصار کی تھی۔ ایک جماعت مہاجرین کی اور ایک جماعت بنو ہاشم کی۔ ہم میں یہ بحث ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کون زیادہ قریب ہے اور کون آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوت ہے۔

ہم نے عرض کیا: ہمارا انصار کا گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے لڑے تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب اور زیادہ محبوب ہیں۔

اور ہمارے بھائیوں مہاجرین نے کہا: ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی اور ہم نے اپنے خاندان، اہل وعیال اور اموال کو چھوڑ دیا اور جن معرکوں میں تم حاضر رہے ان میں ہم بھی حاضر تھے تو ہم اور لوگوں کی بہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب اور زیادہ محبوب ہیں۔

اور ہمارے بھائیوں بنو ہاشم نے کہا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ہیں اور جن مواقع پر تم حاضر تھے ان میں ہم بھی حاضر تھے تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ محبوب ہیں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے۔

اور ہماری طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا: تم کیا کہہ رہے تھے۔

ہم (گروہ انصار) نے اپنی بات دہرائی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم نے سچ کہا، تمہاری بات کو کون مسترد کر سکتا ہے۔ پھر ہمارے مہاجر بھائیوں نے اپنی بات کو دہرایا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انہوں نے سچ کہا۔ ان کی بات کو کون مسترد کر سکتا ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہارے درمیان فیصلہ نہ کروں؟

ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمارے ماں باپ فدا ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے انصار کے گروہ! میں صرف تمہارا بھائی ہوں۔

تو انہوں نے کہا: اللہ اکبر! ہم بازی لے گئے۔

اور رہے تم اے گروہ مہاجرین! تو میں صرف تم میں سے ہوں۔

تو ہم سب خوش ہو گئے اور ہم سب راضی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحسین کرتے تھے۔

(مجمع الزوائد: رقم الحدیث: 16372)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انصار سے صرف مومن محبت رکھتا ہے اور ان سے صرف منافق بغض رکھتا ہے پس جو ان سے محبت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے بغض رکھے گا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3783)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایمان کی علامت انصار سے محبت کرنا ہے اور نفاق کی علامت انصار سے بغض رکھنا ہے۔ (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 74)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مہاجرین عام لوگوں سے چالیس سال پہلے (جنت کی) نعمتوں میں ہوں گے اور لوگ حساب میں گرفتار ہوں گے۔ (مجمع الزوائد: رقم الحدیث: 16372)

ان مہاجرین اور انصار میں سے سابقین اولین ایمان لانے والوں کے متعلق چند اقوال ہیں جو حصول رضا الٰہی عزوجل کی نیت سے عرض کرتا ہوں۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 316ھ متعدد اسانید کے ساتھ عامر اور شعبی سے روایت کیا ہے کہ

یہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو بیعت رضوان کے موقع پر حاضر تھے۔

اور حضرت ابوموسیٰ اشعری، سعید بن مسیب، ابن سیرین اور قتادہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ

یہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دونوں قبلوں بیت اللہ اور بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی سو وہ مہاجرین اولین میں سے ہیں۔

(جامع البیان: جز: 11، ص: 10، 11 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

1- حضرت ابوموسیٰ اشعری، سعید بن مسیب، ابن سیرین اور قتادہ رضی اللہ عنہم کا یہ قول ہے کہ اس (آیت توبہ: 100) مراد وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دونوں قبلوں کی طرف منہ کرکے نماز

2- شعبی نے کہا: یہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت رضوان کی تھی اور یہ حدیبیہ ہے۔

3 - عطاء بن ابی رباح نے کہا: ان سے مراد اہل بدر ہیں۔

4 - محمد بن کعب القرطبی نے کہا: ان سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب ہیں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں سبقت حاصل ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مغفرت کر دی ہے اور ان کے لئے جنت کو واجب کر دیا ہے خواہ وہ نیکوکار ہوں یا خطا کار۔

5 - علامہ ماوردی نے کہا: ان سے مراد وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جنہوں نے موت اور شہادت میں سبقت کی اور اللہ تعالیٰ کے ثواب کی طرف سبقت کی۔

6 - قاضی ابو یعلیٰ نے کہا: ان سے مراد وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو ہجرت سے پہلے اسلام لے آئے۔

(زاد المسیر: ج 3، ص 490، 491 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں: میرے نزدیک اس آیت کریمہ کا مصداق وہ شخص ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت میں سب سے سابق اور سب سے اولیٰ ہوا اور وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور ہر مقام اور ہر جگہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے تھے اس لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت زیادہ بلند ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اگرچہ مہاجرین اولین میں سے ہیں مگر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد ہجرت کی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمات کو انجام دینے کے لئے مکہ مکرمہ میں رہے مگر ہجرت میں سبقت کرنے کا شرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت میں بھی سبقت کا شرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے۔

(تفسیر کبیر: ج 6، ص 137 تا 138 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں: اس میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے کون اسلام لایا جبکہ اس پر اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اسلام لائیں۔

بعض علماء کرام نے کہا: سب سے پہلے جو ایمان لائے اور جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

اور امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ دس سال کی عمر میں اسلام لائے تھے۔

اور بعض نے کہا: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد جو سب سے پہلے اسلام لائے وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابراہیم نخعی اور شعبی کا قول ہے۔

اور بعض نے کہا: سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔

اور یہ زہری اور عروہ بن الزبیر کا قول ہے اور اسحاق بن ابراہیم حنظلی نے ان اقوال کو جمع کیا ہے۔

انہوں نے کہا: مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور عورتوں میں ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور بچوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ۔

امام ابن اسحاق نے کہا کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو انہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دعوت دی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ قریش میں عمدہ نسب کے تھے۔ نرم مزاج تھے، تاجر تھے اور ان کی خوش اخلاقی بہت مشہور تھی۔ لوگ ان کے پاس آتے تھے اور متعدد معاملات میں ان سے الفت رکھتے تھے کیونکہ وہ ان کے حسن معاملہ کو جانتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جس شخص پر اعتماد ہوتا وہ اس کو اسلام کی دعوت دیتے۔

لہٰذا حضرت عثمان بن عفان، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم ان کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور نماز پڑھ لی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر آئے۔ یہ وہ آٹھ شخص تھے جنہوں نے اسلام کی طرف سبقت کی تھی۔ پھر لوگ پے در پے اسلام میں داخل ہونے لگے اور رہے انصار میں سے سبقت کرنے والے تو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیلۃ العقبۃ میں بیعت کی تھی۔ العقبۃ الاولیٰ (مکہ مکرمہ کے قریب ایک گھاٹی تھی مدینہ منورہ کے لوگ حج کے لئے آتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس گھاٹی میں تبلیغ فرماتے۔ پہلی بار چھ شخص مسلمان ہوئے تھے ان کو اصحاب العقبۃ الاولیٰ کہا جاتا ہے) میں چھ شخص مسلمان ہوئے تھے اور دوسرے سال چھ اور آ کر مسلمان ہوئے یہ بھی اصحاب العقبۃ ہیں۔ ان کے بعد (70) ستر شخص مسلمان ہوئے تھے۔ یہ اصحاب العقبۃ الثانیۃ ہیں۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ان کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے پھر ان کے ساتھ انصار کے مردوں، عورتوں اور بچوں کی ایک بڑی تعداد اسلام لے آئی۔

(معالم التنزیل: ج:2،ص:271 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

مہاجرین سے مراد وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اپنی قوم، اپنے قبیلہ اور اپنے وطن کو چھوڑ دیا۔

امام محمد بن سعد متوفی 230ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایام حج میں تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ سے آئے ہوئے چھ شخص ملے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: کیا تم یہود کے حلیف ہو؟

انہوں نے کہا: ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی اور ان پر اسلام پیش کیا اور ان کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کی سو وہ مسلمان ہو گئے اور یہ بنو النجار میں سے اسعد بن زرارہ اور عوف بن الحارث اور بنو زریق میں رافع بن مالک اور بنو سلمہ سے قطبہ بن عامر بن حدیدہ اور بنو حرام سے عقبہ بن عامر بن نابی اور بنو عبید بن عدی بن سلمہ سے عبداللہ بن رئاب تھے اور ان سے پہلے مدینہ منورہ آ کر کوئی مسلمان نہیں ہوا تھا۔ ان پر سب کا اجماع ہے پھر یہ چھ صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ گئے اور انہوں نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی۔ پس جس نے اسلام لانا تھا وہ اسلام لے آیا۔ ان دونوں انصار کے ہر گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو رہا تھا اس کے دوسرے سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس گھاٹی میں ان چھ کے ساتھ چھ اور نفر آئے ان میں بنی عوف بن الخزرج میں سے عبادہ بن الصامت اور یزید بن ثعلبہ اور بنو عامر سے عباس بن عبادہ بن نصلہ تھے اور بنو زریق میں سے ذکوان بن عبد قیس تھے یہ دس افراد خزرج میں سے تھے اور اوس میں سے دو شخص تھے۔ ابو الہیثم ابن التیہان یہ بنو عبد الاشہل کے حلیف تھے اور بنو عمرو بن عوف میں سے عویم بن ساعدہ تھے یہ سب مسلمان ہو گئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر بیعت کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے اور نہ چوری کریں گے نہ زنا کریں گے اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گے اور نہ کسی پر بہتان لگائیں گے اور نیک کام میں کسی کی مخالفت نہیں کریں گے۔

آپ نے فرمایا: اگر تم نے اس عہد کو پورا کیا تو تمہارے لیے جنت ہے اور جس نے ان ممنوع کاموں میں سے کوئی کام کر لیا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے وہ چاہے تو ان کو معاف کر دے اور چاہے تو ان کو عذاب دے۔ اس وقت تک جہاد فرض نہیں ہوا تھا وہ مدینہ منورہ چلے گئے اور اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا اور حضرت اسعد بن زرارہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کو جمعہ کی نماز پڑھاتے تھے اور یہ سب سے پہلے جمعہ کی نماز تھی۔ یہ بارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اصحاب عقبہ اولیٰ ہیں اور انصار میں سے سابقین اولین ہیں ان کے بعد ستر نفر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی گھاٹیوں میں آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسلمان کیا یہ اصحاب عقبہ ثانیہ ہیں۔ (الطبقات الکبریٰ: ج:1، ص:170 تا 171 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ)

تاہم اس سے کوئی چیز مانع نہیں ہے کہ ان تمام اقسام کو اس آیت کریمہ کا مصداق قرار دیا جائے۔

ابو منصور بغدادی نے کہا کہ ہمارے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں افضل خلفاء اربعہ ہیں۔ پھر عشرہ مبشرہ میں باقی چھ (حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید، حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم۔ پھر اصحاب بدر، پھر اصحاب احد، پھر حدیبیہ میں اہل بیعت رضوان۔ (فتح القدیر: ج:2، ص:563 مطبوعہ دار الوفاء بیروت)

جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہجرت فرمائی اسی طرح صحابیات رضی اللہ عنہن نے بھی ہجرت کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اپنے اہل وعیال اور مال کو ترک کر دیا۔ صلح حدیبیہ کے تقاضے سے صرف مہاجر مسلمانوں کا کفار کی طرف واپسی کرنا واجب تھا نہ کہ مہاجر خواتین کا بھی۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے ہجرت کی اور ان کے گھر والے آئے کہ واپس کر دیجیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو واپس نہ کیا جن کی تفصیل یہ ہے۔

امام ابو الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

مروان اور مسور بن مخرمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے روایت کرتے ہیں کہ

سہیل بن عمرو نے حدیبیہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو صلح نامہ میں یہ شرط لکھوائی تھی کہ جو شخص بھی مشرکین میں

سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے گا خواہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر ہوا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری طرف واپس کرنا ہوگا۔ اسی شرط کے مطابق اس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کو ان کے باپ سہیل بن عمرو کی طرف واپس کر دیا تھا اور اس مدت میں مردوں میں سے جو بھی مسلمان ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو واپس کر دیا اور مؤمنات بھی ہجرت کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور حضرت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہا بھی ان خواتین میں سے تھیں جو ہجرت کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں۔ تب ان کے گھر والے آپ کے پاس گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو ان کی طرف واپس کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو ان کی طرف واپس نہیں فرمایا کیونکہ یہ آیت کریمہ نازل ہو چکی تھی کہ اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو آزما لیا کرو۔ اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے پھر اگر تم کو ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو پھر ان کو کفار کی طرف مت لوٹاؤ۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 2712)

اس جگہ پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے کیونکہ معاہدہ میں یہ مذکور نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ مکرمہ سے جو بھی آئے گا خواہ مرد ہو یا عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسے واپس کرنا بلکہ معاہدہ میں مردوں کی واپسی کی شرط تھی، عورتوں کی واپسی کی شرط نہیں تھی۔

معاہدہ کے الفاظ یہ تھے: سہیل نے کہا: اور شرط یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہمارا جو مرد بھی آئے خواہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسے ہمیں واپس کرنا ہوگا۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 2732)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے جا رہے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو مشرکین مکہ مکرمہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر صلح کر لی کہ اہل مکہ مکرمہ میں سے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو واپس کر دیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم میں سے جو ان کے پاس آئے گا وہ اس کو واپس نہیں کریں گے۔ اس پر صلح نامہ لکھا جا چکا تھا۔ لکھنے کے بعد حضرت سبیعہ بنت الحارث الاسلمیہ مسلمان ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں۔ پھر ان کے خاوند مسافر بن مخزوم آئے اور ان کو طلب کیا۔

اور کہا کہ اے محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم)! میری بیوی واپس کر دو کیونکہ تم یہ شرط مان چکے ہو کہ ہمارے پاس سے جو بھی تمہارے پاس آئے گا تم اس کو واپس کر دو گے اور ابھی تو اس صلح نامہ کی سیاہی بھی خشک نہیں ہوئی ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت (الممتحنة: 10) نازل فرمائی یعنی یہ شرط مردوں کے متعلق تھی خواتین اس میں داخل نہیں ہیں لہٰذا پوری مدت معاہدہ میں مسلمان ہو کر آنے والے مردوں کو تو مشرکین کی طرف واپس کیا گیا مگر جو خواتین مسلمان ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس نہیں کیا۔

زہری نے کہا: اس آیت کریمہ الممتحنۃ:10 کا شان نزول یہ ہے کہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی مکہ مکرمہ میں دو ازواج مطہرات تھیں اور وہ دونوں مشرکہ تھیں۔ سو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہجرت کے بعد ان کا ان مشرکہ بیویوں سے نکاح منقطع ہو گیا پھر بعد میں حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ میں ان مشرکہ عورتوں میں سے ایک کے ساتھ نکاح کر لیا اور دوسری ام کلثوم بنت عمرو تھی اس سے ابوجہم بن حذافہ نے نکاح کر لیا۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 2733)

مدینہ منورہ سے اسلام کو ترک کر کے کفار کی طرف جانے والی عورتیں یہ تھیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

چھ مسلمان اور مہاجر خواتین کفار کے پاس چلی گئی تھیں۔

1- ام الحکم بنت ابی سفیان، یہ حضرت عیاض بن شداد فہری رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھی۔

2- فاطمہ بنت ابی امیہ، یہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔

3- بروع بنت عقبہ، یہ حضرت شماس بن عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھی۔

4- عزہ بنت عبد العزیز، یہ حضرت عمرو بن عبدود رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھی۔

5- ہند بنت ابی جہل، یہ حضرت ہشام بن العاص بن وائل رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔

6- ام کلثوم بنت جرول، یہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھی۔

یہ سب عورتیں اسلام سے مرتد ہو گئی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مسلمان شوہروں کو مال غنیمت سے ان عورتوں کے مہر پر خرچ ہونے والی رقوم ادا کر دیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ ان عورتوں کے سابق شوہروں کو ان کے مہر کی رقم واپس کرنا اب بھی واجب ہے یا نہیں۔

بعض علماء کرام نے کہا: اب یہ حکم واجب نہیں ہے اور یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

اور بعض علماء کرام نے کہا: یہ حکم غیر منسوخ ہے اور اب بھی واجب العمل ہے۔

امام ابوبکر رازی حنفی نے کہا ہے کہ

ہمارے نزدیک یہ حکم اب منسوخ ہو چکا ہے اور اس حکم کی ناسخ یہ آیت ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (البقرہ:188)

اور تم ایک دوسرے کا مال ناحق ذریعہ سے نہ کھاؤ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی اس کے لئے ناسخ ہے۔

کسی مسلمان شخص کا مال اس کی مرضی کے بغیر لینا حلال نہیں ہے۔ (احکام القرآن: ج:3، ص:441 مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

ہجرت کر کے دار الاسلام میں آنے والی مسلمان خاتون کے نکاح سابق کے انقطاع میں آئمہ کرام کا اختلاف ہے۔

شوافع کا مذہب یہ ہے۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی متوفی 450ھ لکھتے ہیں: اگر بیوی بت پرست ہو یا بیوی مسلمان ہو جائے اور اہل کتاب میں سے ہو یا بت پرست ہو تو ہر صورت میں ان میں سے کسی ایک کے مسلمان ہونے کے بعد نکاح میں جمع رہنا ہے اور ان میں سے کسی ایک کے اسلام کو دیکھا جائے تو اگر مباشرت سے پہلے ان میں سے کوئی ایک اسلام لایا ہو تو نکاح فسخ ہو جائے گا اور مباشرت کے بعد کوئی ایک اسلام لایا ہو تو پھر نکاح عدت پوری ہونے پر موقوف رہے گا۔ اگر عدت ختم ہونے سے پہلے ان میں سے کوئی ایک شرک کو ترک کر کے اسلام لے آیا ہو تو وہ دونوں نکاح پر برقرار رہیں گے اور اگر عدت پوری ہونے تک ان میں سے کوئی بھی اسلام نہیں لایا تو نکاح باطل ہو جائے گا خواہ شوہر پہلے اسلام لایا ہو یا بیوی پہلے اسلام لائی ہو اور خواہ ان دونوں میں سے کوئی ایک دار الحرب میں اسلام لایا ہو یا دار الاسلام میں اسلام لایا ہو۔

(الحاوی الکبیر: ج: 11، ص: 354 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

شوافع کا مذہب یہ ہے: امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی متوفی 256ھ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں۔

راوی نے کہا: اگر شوہر اور بیوی دونوں مجوسی ہوں یا دونوں نصرانی ہوں یا دونوں یہودی ہوں؟

علامہ سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان سب کا حکم ایک ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اگر خاوند اس عورت کی عدت میں اسلام لے آئے تو وہ اس عورت کا مالک ہے اور اگر اس کی عدت پوری ہو چکی ہو تو پھر خاوند کا اس پر کوئی اختیار نہیں ہے خواہ وہ اس کے بعد اسلام لے آئے۔

میں نے پوچھا: جب ان میں تفریق ہو گئی تو آیا یہ تفریق نکاح کا فسخ ہو گی یا طلاق۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ فسخ نکاح ہے طلاق نہیں ہے۔

ابن شہاب سے روایت ہے کہ

ہمیں یہ حدیث مبارکہ پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عورتیں اپنی سرزمین میں اسلام لے آتی اور ہجرت نہیں کرتی تھیں اور ان کے شوہر اس وقت کافر ہوتے تھے جیسے ولید بن مغیرہ کی بیٹی، صفوان بن امیہ کے نکاح میں تھی۔ وہ فتح مکہ مکرمہ کے دن مسلمان ہو گئیں اور صفوان اسلام سے بھاگ کر سمندر میں سوار ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عم زاد وہب بن عمیر کو ان کے پیچھے امان کے پیغام کے ساتھ بھیجا اور نشانی کے طور پر اپنی چادر دی۔

اور ارشاد فرمایا: تم اسلام لے آؤ اور تم کو غور و فکر کے لئے دو ماہ کی مہلت ہے پھر جب وہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چار ماہ کی مہلت دے دی اور وہ حالت کفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ ہوازن میں رہے اور غزوہ حنین میں رہے اور اس دوران ان کی بیوی مسلمان رہیں۔

ابن شہاب نے کہا: صفوان اور ان کی بیوی کے اسلام لانے کے درمیان ایک ماہ کا عرصہ تھا۔

(موطا امام مالک: رقم الحدیث: 1178)

نیز ابن شہاب سے روایت ہے کہ ام حکیم بنت الحارث بن ہشام فتح مکہ کے دن اسلام لے آئیں اور ان کے شوہر عکرمہ بن ابی جہل اسلام سے بھاگ کر یمن چلے گئے پھر حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا ان کے ساتھ یمن گئیں اور ان کو اسلام کی دعوت دی اور عکرمہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے پھر وہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے ان کو گلے لگایا اور ان کو بیعت کر لیا۔ (مؤطا امام مالک: رقم الحدیث: 1180)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ہمیں یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی کے درمیان تفریق کی ہو اور وہ اسی نکاح کے ساتھ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہیں۔

عطاء بن ابی رباح سے روایت ہے کہ حضرت سیدہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو العاص بن الربیع کے نکاح میں تھیں وہ اسلام لے آئیں اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں آگئیں اور ان کے خاوند نے اسلام کو ناپسند کیا اور تجارت کے لئے شام چلے گئے وہاں چند انصاریوں نے ان کو قید کر لیا۔

پس سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے کہا: جس کو زینب (رضی اللہ عنہا) نے پناہ دی اس کو ہم نے پناہ دی پھر ابو العاص مسلمان ہو گئے اور ابھی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا عدت میں تھیں اور وہ اپنے نکاح پر برقرار رہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ کسی عورت کا خاوند عدت کے اندر ہجرت کر کے آ گیا ہو پھر بھی اس کا نکاح فسخ کر دیا گیا ہو۔ (المدونۃ الکبریٰ: ج:2، ص:298 تا 306 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حنابلہ کا مذہب یہ ہے: علامہ موفق الدین عبداللہ بن قدامہ مقدسی حنبلی متوفی 620ھ لکھتے ہیں:

اگر شوہر اور بیوی معاً اسلام لائے ہوں تو وہ اپنے نکاح پر برقرار رہیں گے خواہ وہ مباشرت سے پہلے اسلام لائے ہوں یا مباشرت کے بعد اسلام لائے ہوں کیونکہ اس پر اجماع ہے اور اگر ان میں سے کوئی ایک پہلے اسلام لایا ہو اور وہ اہل کتاب بیوی کا شوہر ہو تب بھی ان کا نکاح برقرار رہے گا کیونکہ ابتداءً ان کا نکاح بھی جائز ہے اور اگر عورت پہلے اسلام لائی ہو یا شوہر اور بیوی دونوں بت پرست ہوں اور مباشرت سے پہلے بیوی اسلام لائی ہو تو ان کا نکاح منقطع ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ط (الممتحنۃ:10)

نہ وہ مومنات کفار کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کفار ان مومنات کے لئے حلال ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ (الممتحنۃ:10)

اور (اے مسلمانو) تم بھی کافر عورتوں کو روکے نہ رکھو۔

اور ان دونوں میں سے جو بھی پہلے اسلام لے آئے گا تو نکاح منقطع ہو جائے گا کیونکہ اس سے دونوں کے دین میں اختلاف ہو جائے گا اور اگر دونوں میں سے کوئی ایک مباشرت کے بعد اسلام لایا ہے تو اس میں دو قول ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ اس صورت میں بھی فی الفور نکاح منقطع ہو جائے گا۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ نکاح عدت گزرنے پر موقوف ہے اگر عدت پوری ہونے سے پہلے دوسرا فریق مسلمان ہو گیا تو ان کا نکاح برقرار رہے گا اور اگر عدت پوری ہونے کے بعد تک دوسرا فریق مسلمان نہیں ہوا تو پھر ان کا نکاح منقطع ہو جائے گا اور اس عورت سے پہلے مسلمان ہو جاتا تھا اور عورت مرد سے پہلے مسلمان ہو جاتی تھی اور جو بھی عورت کی عدت پوری ہونے سے پہلے مسلمان ہو جاتا تو اس کا نکاح برقرار رہتا تھا اور اگر عورت کی عدت گزرنے کے بعد اسلام لاتا تھا تو اس کا نکاح منقطع ہو جاتا تھا۔ اور یہ معلوم نہیں ہوا کہ جب شوہر اور بیوی ایک ساتھ اسلام لائے ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان تفریق کی ہو جب کہ مردوں کی ایک جماعت اپنی بیویوں سے پہلے اسلام لائی۔ جیسے ابوسفیان بن حرب اور مردوں کی دوسری جماعت سے پہلے ان کی بیویاں اسلام لے آئی تھیں جیسے صفوان بن امیہ، عکرمہ اور ابوالعاص بن الربیع اور جو تفریق ان کے درمیان واقع ہوئی وہ نکاح کا فسخ ہونا تھا۔ (الکافی: ج:3،ص:50، 51 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد ابن ہمام حنفی متوفی 861ھ آئمہ ثلاثہ کے دلائل کے جواب میں لکھتے ہیں:

صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل کا جواب یہ ہے کہ

وہ مکہ مکرمہ کی حدود سے باہر نہیں نکلے تھے اس لیے آپ نے ان کا نکاح ان کی بیویوں سے برقرار رکھا۔ ابوسفیان اور ہندہ کا بھی یہی جواب ہے اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ملک شام چلے گئے تھے اس لیے ان کا نکاح برقرار نہیں رہا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے دوبارہ پڑھایا تھا جیسا کہ اس حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ (فتح القدیر: ج:3،ص:400 مطبوعہ بیروت)

عمرو بن شعیب اپنے والد محترم سے اور وہ اپنے دادا محترم سے روایت کرتے ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحب زادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو حضرت ابوالعاص بن الربیع کی طرف نکاح جدید اور مہر جدید کے ساتھ لوٹایا۔ (سنن ترمذی: رقم الحدیث: 1142)

علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعۃ ابن مازہ البخاری الحنفی متوفی 616ھ لکھتے ہیں: جب زوجین میں سے کوئی ایک دارالحرب چھوڑ کر مسلمان ہو کر دارالاسلام میں آ جائے اور دوسرا فریق دارالحرب میں بہ دستور کافر ہو تو ہمارے نزدیک ان دونوں میں فی الفور تفریق ہو جائے گی اگر دارالاسلام میں آنے والا فریق شوہر ہو تو اس کی بیوی پر بالاتفاق عدت نہیں ہے اور اگر دارالاسلام میں آنے والی فریق عورت ہو تو صرف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر عدت نہیں ہے اور صاحبین کا اس میں اختلاف ہے۔ (المحیط البرہانی: ج:4،ص:194 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

تعارض

سورۂ بنی اسرائیل کی آیت کریمہ 76 سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے نہیں نکال سکتے تھے

اور یہ تعارض ہے۔

جواب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کے نکالنے کی وجہ سے مکہ مکرمہ سے نہیں نکلے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے کا حکم دیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم کی تعمیل میں مکہ مکرمہ سے باہر آئے اور سورہ محمد میں جو یہ فرمایا ہے اس بستی نے یا اس بستی والوں نے آپ کو نکال دیا یہ اسناد ظاہری اور صوری اعتبار سے ہے کیونکہ بظاہر مکہ مکرمہ کے مشرکین نے آپ کو نکالا تھا اور حقیقتاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکہ مکرمہ سے باہر آئے تھے اور اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ یہی سنت رہی ہے کہ نبی کے وطن میں اس کے مخالفین اس کو وطن سے ہجرت پر مجبور کر دیتے ہیں پھر کچھ عرصہ بعد نبی فاتحانہ شان سے وطن لوٹتا ہے اور اس کے مخالفین کو شکست فاش ہو جاتی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے مدین کی طرف ہجرت کی اور پھر مصر واپس آئے اور آپ کے دشمن فرعون اور قبطیوں کو شکست فاش ہوئی۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی اور پھر فاتحانہ شان سے مکہ مکرمہ واپس آئے اور قیامت تک کے لئے مشرکین کا مکہ مکرمہ میں ٹھہرنا ممنوع ہو گیا۔
تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہی دستور رہا ہے کہ جس قوم نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل یا جلا وطن کیا پھر وہ قوم اپنے وطن میں زیادہ عرصہ نہ ٹھہر سکی پھر یا تو وہ عذاب الٰہی میں ہلاک کر دی گئی جیسے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم یا اس کی دشمن قوم کو اس پر مسلط کر دیا گیا جیسے بنی اسرائیل یا اس قوم کو خود اس نبی یا اس کے پیروکاروں نے مغلوب کر دیا جیسے سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ مکرمہ کو مغلوب کر دیا۔

اعتراض

اگر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مامون کر دیا تھا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوفزدہ کیوں ہوئے اور مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ کیوں گئے اور اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً خوف زدہ رہے؟

جواب

امام فخر الدین متوفی 606ھ اس کے جواب میں لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کامیابی اور نصرت کا وعدہ مطلقاً کیا تھا کسی خاص وقت کو کامیابی اور نصرت کے لئے معین نہیں فرمایا تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت خوفزدہ رہتے تھے کہ کہیں اس وقت میں شکست کا سامنا نہ ہو جائے۔ (تفسیر کبیر: ج:6، ص:279 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ہماری رائے میں یہ جواب درست نہیں ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے خوف سے ہجرت نہیں کی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے خوف زدہ کیسے ہو سکتے تھے وہ برہنہ تلواریں لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مبارکہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورہ یٰسین پڑھتے ہوئے ان کے درمیان سے نکل آئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہجرت فرمانا اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق تھا کیونکہ ہر نبی ایک بار کفار کے علاقہ سے ہجرت کرتا ہے اور پھر دوبارہ فاتح کی حیثیت سے

وہیں لوٹتا ہے۔ تین دن غار میں چھپنا بھی کفار کے ڈر اور خوف کی وجہ سے نہ تھا بلکہ ظاہری اسباب اختیار کرنے کی وجہ سے تھا۔ اسی غار میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا، غم نہ کر اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ اسی طرح جنگ بدر میں فتح کے لئے گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا بھی اظہار عبودیت کے لئے تھا کفار کے خوف کی وجہ سے نہ تھا بلکہ فتح مکہ مکرمہ کے دن کفار اس خوف میں تھے کہ ہمیں قتل کر دیا جائے گا اور ہماری نسلیں ختم ہو جائیں گی مگر رحمۃ للعٰلمین آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو معاف فرما دیا اور دنیا میں معاف کرنے کی ایک اعلیٰ مثال قائم فرمائی لہٰذا معلوم ہوا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے خوف کی وجہ سے ہجرت نہیں کی تھی۔

والله ورسوله اعلم عزوجل و صلى الله عليه وسلم

حضرت لوط علیہ السلام کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف ہجرت کرنا

حضرت لوط علیہ السلام وہ پہلے مقدس نبی ہیں جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف ہجرت فرمائی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

سب سے پہلے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں جس طرح حضرت لوط علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف ہجرت کی۔

(معجم الکبیر: ج:5، ص:154 مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم بغداد)

حضرت عثمان ورقیہ رضی اللہ عنہما اور حضرت لوط علیہ السلام کے درمیان کوئی مہاجر نہیں تھا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت عثمان، رقیہ رضی اللہ عنہما اور حضرت لوط علیہ السلام کے درمیان کوئی مہاجر نہیں تھا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (حضرت) عثمان اور رقیہ (رضی اللہ عنہما) اور حضرت لوط علیہ السلام کے درمیان کوئی مہاجر نہیں تھا۔ یعنی حضرت عثمان اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہما حبشہ کی طرف سب سے پہلے ہجرت کرنے والے تھے۔ (معجم الکبیر: رقم الحدیث: 4881)

حضرت لوط علیہ السلام کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہجرت کرنے والے

حضرت لوط علیہ السلام کے بعد جس نے سب سے پہلے ہجرت کی وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

سب سے پہلے اپنے گھر والوں کے ساتھ جس نے حبشہ کی طرف ہجرت کی وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ان دونوں کی صبح بخیر کرے۔ حضرت لوط علیہ السلام کے بعد حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے گھر والوں کے ساتھ ہجرت کی۔(تفسیر درمنثور:ج:5،ص:417)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کے وقت حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کا ساتھ ہونا

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت فرمائی تو اس ہجرت کے وقت حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا بھی ساتھ تھے۔

امام ابن اسحاق نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب ہجرت فرمائی تو ان کے ساتھ حضرت لوط علیہ السلام بھی تھے اور آپ علیہ السلام کی عم زاد حضرت سارہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں جس کے بعد انہوں نے نکاح کر لیا تھا وہ پہلے جران میں گئے پھر وہاں سے ہجرت کر کے مصر میں پہنچے وہاں فراعنہ مصر میں سے ایک فرعون تھا اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا آپ علیہ السلام کی حکم عدولی نہیں کرتی تھیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو عزت عطا فرمائی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم:رقم الحدیث:17251)

اشکال

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اے سارہ رضی اللہ عنہا اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا اور کوئی مومن نہیں ہے۔اس بات کی تائید اس حدیث مبارکہ میں ہے اور اسی میں اشکال ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین (ظاہری) جھوٹ بولے تھے دو ان میں سے اللہ تعالیٰ کے لئے تھے۔

ایک ان کا یہ قول ہے:اِنِّیْ سَقِیْمٌ ٥ (الصافات:89)

میں بیمار ہوں۔

دوسرا ان کا یہ قول ہے:بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا (الانبیاء:63)

بلکہ یہ کام ان کے اس بڑے نے کیا ہے۔

ایک دن وہ اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سفر کر رہے تھے وہ ایک ظالم بادشاہ کے ملک میں گئے اس بادشاہ کو بتایا گیا کہ یہاں ایک شخص آیا ہے اس کی بیوی تمام لوگوں سے زیادہ حسین ہے۔اس بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلوا کر پوچھا۔

یہ عورت کون ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:یہ میری بہن ہے۔

پھر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور ان سے ارشاد فرمایا:اے سارہ رضی اللہ عنہا اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا اور کوئی مومن نہیں ہے اور اس بادشاہ نے مجھ سے تمہارے متعلق سوال کیا تھا تو میں نے اس کو بتا دیا تھا کہ

میری بہن ہو سو تم میرے بیان کی تکذیب نہ کرنا۔
بہ ظاہر یہ حدیث مبارکہ ایسی ہے جو کہ قرآن مجید کے خلاف ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے کہ اس وقت حضرت لوط علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے اور دیگر احادیث مبارکہ میں ہے کہ وہ بھی ان کے ساتھ سفر کر رہے تھے؟

جواب

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا شوہر اور بیوی کا اور کوئی جوڑا مومن نہیں ہے اس لیے اس وقت حضرت لوط علیہ السلام کا بھی مومن ہونا اس حدیث مبارکہ کے خلاف نہیں ہے۔
اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ
اس خاص علاقہ میں ان کے ساتھ حضرت لوط علیہ السلام نہیں تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ اس علاقہ میں میرے اور تمہارے سوا اور کوئی مومن نہیں ہے۔
اس حدیث مبارکہ کا بقیہ حصہ اس طرح ہے۔
اس بادشاہ نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو بلوایا جب اس نے بری نیت سے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا پر ہاتھ ڈالنا چاہا تو اس کا ہاتھ مفلوج ہو گیا۔
اس نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے کہا۔
تم اللہ تعالیٰ سے میرے واسطے دعا کرو میں تم کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے دعا کی تو اس کا ہاتھ ٹھیک ہو گیا اس نے دوسری بار بری نیت سے ہاتھ بڑھایا تو پھر اس کا ہاتھ مفلوج ہو گیا۔
اس نے کہا: تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو میں تم کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے دعا کی تو اس کا ہاتھ ٹھیک ہو گیا پھر اس نے اپنے بعض پہرے داروں کو بلایا۔
اور ان سے کہا کہ
تم میرے پاس کسی انسان کو نہیں لائے بلکہ جنیہ عورت کو لے آئے ہو۔ پھر اس نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ہاجرہ بہ طور خادمہ دے دی وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں وہ اس وقت کھڑے ہوئے نماز ادا فرما رہے تھے۔
انہوں نے اشارہ سے کہا۔
کیا ہوا؟
حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے کافر کی سازش کو خود اس پر الٹ دیا اور اس نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا بہ طور خادمہ ہدیہ کر دی۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے زمزم کے بیٹو وہ تمہاری ماں ہیں۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3358)
علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ اس حدیث مبارکہ کی شرح میں لکھتے ہیں: اس حدیث مبارکہ میں جن

اقوال پر جھوٹ کا اطلاق فرمایا ہے وہ محض صوری اور ظاہری ہے۔ حقیقت میں ان میں سے کوئی قول جھوٹ نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو فرمایا تھا میں بیمار ہوں۔

اس کا محمل یہ ہے کہ

میں عنقریب بیمار ہوں گا کیونکہ ہر انسان پر کبھی نہ کبھی بیماری آتی ہے اور انہوں نے بتوں کو توڑنے کی نسبت بڑے بت کی طرف کی تھی تو یہ سبب کی طرف نسبت ہے کیونکہ انہوں نے اس کی خدائی کو باطل کرنے کے سبب سے چھوٹے بتوں کو توڑا تھا تا کہ یہ ظاہر ہو کہ اس کے سامنے ان تمام بتوں کو توڑ دیا گیا اور یہ ان کا دفاع نہیں کر سکا اور انہوں نے اپنی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو جو فرمایا تھا یہ میری بہن ہے اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ یہ میری دینی بہن ہے۔

اور فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ

اگر ظلم سے بچنا جھوٹ بولنے پر موقوف ہو تو جھوٹ بولنا جائز ہے بلکہ بعض صورتوں میں واجب ہے۔ مثلاً کسی شخص کے پاس کسی شخص کی امانت رکھی ہو اور ظالم اس امانت کو غصب کرنے کے لئے اس سے طلب کرے تو اس پر واجب ہے کہ وہ جھوٹ بول کر کہے مجھے پتہ نہیں وہ کہاں رکھی ہے بلکہ وہ اس پر حلف بھی اٹھا لے۔

اس حدیث مبارکہ میں یہ دلیل بھی ہے کہ

بیوی کو بہن کہنے سے نکاح پر اثر نہیں پڑتا اور طلاق واقع نہیں ہوتی لیکن بلا ضرورت بیوی کو بہن یا بلا تاویل اس کو بہن کہنا جھوٹ ہے اور گناہ ہے۔

یہ ظالم بادشاہ مصر کے فراعنہ میں سے پہلا فرعون تھا اور بہت عرصہ تک زندہ رہا۔

بعض احادیث مبارکہ میں ہے کہ

جب اس نے بری نیت سے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ زمین میں دھنس گیا۔

اور بعض روایات میں ہے کہ

اس کا پورا ہاتھ سینہ تک سوکھ گیا تھا۔

ہاجر سریانی لفظ ہے یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ماں ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ

ان کے والد محترم قبط کے بادشاہوں میں سے تھے ان کا وطن مصر کا ایک علاقہ تھا جس کو حضن کہا جاتا ہے۔ اس ظالم نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو ہدیہ میں حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا بہ طور خادمہ دی اور انہوں نے قبول کیا اس سے معلوم ہوا کہ مشرک سے ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔

بعض احادیث مبارکہ میں ہے کہ

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے اس کے خلاف دعا کرنے سے پہلے وضو کر کے نماز پڑھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلی امتوں

میں بھی وضو کرنا مشروع تھا اور یہ کہ جب انسان پر کوئی ناگہانی آفت یا مصیبت آئے تو وہ نماز کی پناہ میں آئے اور یہ کہ جب انسان اخلاص کے ساتھ دعا کرے تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور ظالم سے نجات دیتا ہے۔ اس حدیث مبارکہ میں حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی کرامت کا ثبوت ہے۔

(عمدۃ القاری: ج:15، ص 342 تا 345 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت لوط علیہ السلام کو نبوت عطا فرمانا

اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی۔

قرآن مجید میں ہے: وَلُوۡطًا اٰتَيۡنٰهُ حُكۡمًا وَّ عِلۡمًا (الانبیاء: 74)

اور ہم نے لوط کو نبوت اور علم عطا فرمایا۔

نبی کون؟

نبی وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف کی ہوئی وحی کی تبلیغ کے لئے بھیجا ہو۔

علامہ ابن ہمام 861ھ لکھتے ہیں: نبی وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف کی ہوئی وحی کی تبلیغ کے لئے بھیجا ہو۔ رسول کی بھی یہی تعریف ہے اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ رسول وہ انسان ہے جس کے پاس شریعت ہو اور اس پر کتاب نازل کی گئی ہو یا اس کے لئے پہلی شریعت کا کچھ حصہ منسوخ کیا گیا ہو۔ (مسایرہ مع المسامرہ: ص: 207 مطبوعہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ مکران)

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی تعریفیں لکھی ہیں پھر دوسری تعریف کے اعتبار سے رسول کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: رسول نبی سے خاص ہے۔ رسول وہ ہے جس کی اپنی شریعت ہو اور اس کے پاس کتاب ہو۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ

حدیث مبارکہ میں رسولوں کی تعداد کتابوں سے زیادہ بیان کی گئی ہے اس لیے کہ رسول کی تعریف میں یہ تاویل کی گئی ہے کہ اس کے پاس کتاب ہو یا شریعت سابقہ میں سے کچھ احکام اس کے لئے مخصوص کئے گئے ہوں جیسے حضرت یوشع علیہ السلام۔ (شرح المقاصد: ج:5، ص:6 مطبوعہ منشورات الرضی ایران)

صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ 1376ھ لکھتے ہیں:

نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لئے وحی بھیجی ہو اور رسول بشر ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ملائکہ میں رسول ہیں۔ (بہار شریعت: ج:1 ص:9 مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ لاہور)

حصول نبوت کا معیار

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ فرماتے ہیں: حصول نبوت کے مسئلہ میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔

بعض علماء کرام یہ فرماتے ہیں کہ

نفس حقیقت کے لحاظ سے تمام انسان حصول نبوت میں مساوی ہیں اور بعض انسانوں کا رسالت کے ساتھ مخصوص ہونا یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے۔

اور بعض علماء کرام نے یہ کہا کہ

نفوس انسانیہ اپنی ذات کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ بعض روح پاکیزہ ہوتی ہیں۔ تعلیقات جسمانیہ سے منزہ اور انوار الٰہیہ سے منور ہوتی ہیں۔ اور بعض روحیں خسیس اور مکدر ہوتی ہیں اور جسمانی تعلقات میں جکڑی ہوئی ہوتی ہیں پس اس قسم کی روحیں حصول وحی کی صلاحیت نہیں رکھتیں اور پہلی قسم کی روحیں حصول وحی کی صلاحیت رکھتی ہیں پھر ان میں بھی مراتب اور درجات ہیں اس لیے نبیوں اور رسولوں کے درجات بھی متفاوت ہیں۔ بعض کی عمر اور معجزات زیادہ ہوتے ہیں اور ان کے پیروکار کم ہوتے ہیں اور بعض کی عمر اور معجزات کم ہوتے ہیں اور ان کے پیروکار زیادہ ہوتے ہیں۔

(تفسیر کبیر: ج:5، ص136 تا 137 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

رسولوں کو بھیجنے کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ جو لوگ عبادات میں سخت ریاضات کریں اور خلوت میں مجاہدے کریں اور دنیا سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور جن کے جوہر ذات میں گناہوں کی کدورتوں اور ظلمتوں سے تجرد اور تنزہ ہو اور ان کی فطرت باوقار اور روشن ہو اور وہ غایت درجہ کے ذکی ہوں۔ ان کو اللہ تعالیٰ رسول بنالیتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے لہٰذا نبوت اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی عطا ہے جو اس کی مشیت کے ساتھ متعلق ہے اور اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کس جگہ رکھے گا؟ (الانعام: 124) اور یہی اہل حق کا مذہب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قادر مختار ہے وہ جو چاہتا ہے اور جو پسند کرتا ہے وہی کرتا ہے۔

اس کے برخلاف فلاسفہ نے یہ کہا کہ نبی وہ شخص ہے جس میں تین خواص مجتمع ہو جائیں۔

1- اس کو ماضی، حال اور مستقبل کے تمام مغیبات پر اطلاع ہو۔

2- اس کا مجردات عالیہ اور نفوس سماویہ کے ساتھ ارتباط اور تعلق ہو اور اس کے کانوں میں کلام منتظم سنائی دے جس کو یاد کیا جائے اور جس کی تلاوت کی جائے اور یہی وحی ہے۔

3- اس پر فرشتہ اور کتاب کا نزول ہو جس میں نظام معاش، نجات، آخرت اور بندوں کی اصلاح اور فلاح کے احکام بیان ہو۔

ان کے نزدیک جو شخص اوصاف ثلاثہ کا حامل ہو اس کا نبی ہونا واجب ہے لیکن سورہ انعام: 124 کی روشنی میں ان کا یہ قول باطل ہے نیز اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے اور ان میں سے بعض اوصاف غیر نبی میں بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اولیاء اللہ کو بھی بعض مغیبات کا علم ہوتا ہے اور تمام اوصاف بعض انبیاء کرام علیہم السلام میں نہیں پائے جاتے۔ مثلاً ہر نبی پر کتاب نزول نہیں ہوتا۔ (شرح مقاصد: ج:5، ص19 تا 25 مطبوعہ ایران)

اہل حق کے نزدیک ثبوت نبوت کا منشاء کچھ یوں ہے: علامہ محمد اسفارینی حنبلی متوفی 1188ھ لکھتے ہیں:
رسولوں کو بھیجنا، کتاب کو نازل کرنا اور شریعتوں کو مقرر کرنا اللہ تعالیٰ کا احسان اور فضل ہے یہ اس پر واجب نہیں ہے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک اللہ تعالیٰ نے جس قدر نبی اور رسول بھیجے یہ اللہ تعالیٰ کا لطف اور کرم ہے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے امر اور نہی اور وعد اور وعید کو بیان کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں کو یہ بتائیں کہ وہ اپنے معاش اور معاد میں کن احکام کے محتاج ہیں۔

بندے تین اصولوں کی معرفت میں رسولوں کے محتاج ہیں۔

1- اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کی صفات، تقدیر، ملائکہ اور اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور اعداء کے انجام کا بیان۔

2- احکام شرعیہ کی تفصیل کیا چیز حلال ہے اور کیا چیز حرام ہے اور اللہ تعالیٰ کو کیا پسند اور کیا ناپسند ہے۔

3- قیامت، جنت اور دوزخ، حساب و کتاب اور ثواب اور عذاب۔

نبی کے لئے ضروری ہے کہ وہ جس قوم کی طرف مبعوث ہو وہ اس میں سب سے اشرف اور مکرم ہو اور وہ آزاد ہو کیونکہ غلامی ایک نقص ہے جو مقام نبوت کے لائق نہیں ہے اور مرد ہو۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ (یوسف:109)

اور ہم نے آپ سے پہلے مردوں کے سوا کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجا۔

اس آیت کی بناء پر جمہور اہل سنت کے نزدیک عورت کا نبی ہونا جائز نہیں ہے۔

امام ابوالحسن اور علامہ قرطبی مالکی رحمۃ اللہ علیہما کا اس میں اختلاف ہے۔ یہ حضرات حضرت مریم، حضرت آسیہ، حضرت سارہ، حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہن اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی نبوت کے قائل ہیں۔ نیز نبی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ذکی ہو، فہیم اور عالم ہو اور اس کے اخلاق عمدہ ہوں تا کہ لوگ سہولت کے ساتھ اس سے استفادہ کر سکیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام بخل، بزدلی، لغو اور بے فائدہ کاموں اور تمام رذائل سے مجتنب ہوتے ہیں اسی طرح وہ دنیا کی حرص سے بھی منزہ ہوتے ہیں اور قوم میں ان کا نسب سب سے عمدہ اور اشرف ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عقل، ذکاوت اور شجاعت کے لحاظ سے وہ نوع انسان کے کامل ترین فرد ہوتے ہیں اور ہر ایسی صفت و نسبت سے منزہ ہوتے ہیں جس سے طبیعت سلیمہ متنفر ہو۔ مثلاً ان کے آباء میں کوئی رذالت نہیں ہوتی نہ ان کی ماؤں کی طرف بدکاری کی نسبت ہوتی ہے اور نہ ان پر کوئی ایسی بیماری آتی ہے جس سے لوگ متنفر ہوں۔ مثلاً برص اور جذام وغیرہ۔ اور نہ وہ ایسے کام کرتے ہیں۔ مثلاً بازاروں میں چلتے پھرتے اور کھاتے نہیں اور نہ کوئی ایسا کسب کرتے ہیں جو لوگوں میں معیوب سمجھا جائے۔ بدن کو گناہوں کی کدورت سے پاک کرنے اور عمدہ اخلاق کے ساتھ متصف ہونے اور سخت عبادت اور ریاضت کرنے سے نبوت و رسالت حاصل نہیں ہوتی یہ صرف اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے

نبوت عطا فرماتا ہے لیکن استقرار تام اور تتبع سے اور قرآن مجید اور حدیث مبارکہ کے دلائل سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو بھی نبوت عطا فرمائی وہ مذکور الصدر صفات کا حامل تھا لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جس شخص میں یہ صفات ہوں وہ نبی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ کس جگہ اپنی نبوت کو رکھے گا۔ پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور آخری نبی سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہو سکتا۔

اولو العزم پانچ ہیں:

حضرت نوح علیہ السلام　　حضرت ابراہیم علیہ السلام　　حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام　　اور ہمارے نبی سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

کل نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں۔

(لوامع الانوار البہیہ: ج:2، ص256 تا269 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

نبوت کب عطا فرمائی جاتی ہے؟

نبی کو نبوت عطا فرمانے میں چند اقوال ہیں جس کی تحقیق درج ذیل ہے۔

علامہ محمود بن عمر زمخشری الخوارزمی متوفی 538ھ لکھتے ہیں: ہر نبی کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیا جاتا ہے۔

(الکشاف: ج:3، ص:402 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں: روایت ہے کہ

ہر نبی کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیا گیا ہے اور اس کی حکمت ظاہر ہے کیونکہ جب انسان چالیس سال کی عمر میں پہنچ جاتا ہے تو اس کے غضب اور شہوت کی قوت کم ہونے لگتی ہے اور اس کی عقل بڑھنے لگتی ہے اور اس وقت انسان جسمانی اعتبار سے کامل ہو جاتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کرنے کے لئے اس عمر کو اختیار فرمایا۔

(تفسیر کبیر: ج:8، ص:583 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ بیضاوی متوفی 685ھ لکھتے ہیں:

چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا فرمائی جاتی ہے۔ (تفسیر البیضاوی مع الکازرانی: ج:4، ص:286)

علامہ عبد الوہاب بن احمد بن علی الشعرانی حنفی متوفی 973ھ لکھتے ہیں:

جن لوگوں کو یہ شبہ ہوا کہ نبوت کسبی ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اظہار رسالت سے پہلے یا تو مخلوق سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں یا پھر وہ عبادت کرتے ہیں اور ان میں وحی کو قبول کرنے کی استعداد اور صلاحیت ہوتی ہے تاکہ وہ اس حالت کی طرف لوٹ جائیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مقدر کی ہے سو جو لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ پہلے مخلوق سے کنارہ کش تھے اور عبادت کرتے تھے پھر ان کو نبوت حاصل ہوئی وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کو نبوت ان کے کسب سے حاصل ہوئی مگر یہ ان کا وہم ہے اور ان کی نظر کی کوتاہی ہے۔

اور شیخ محی الدین ابن عربی متوفی 638ھ نے الفتوحات المکیہ کے باب 298 میں کہا ہے کہ جس نے یہ کہا ہے کہ نبوت کسب سے حاصل ہوتی ہے اس نے خطا کی۔ نبوت صرف اللہ تعالیٰ کی عطا کے ساتھ مختص ہے۔

(الیواقیت والجواہر: ص:353 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

صدر الشریعہ علامہ مفتی امجد علی اعظمی متوفی 1376ھ لکھتے ہیں:

نبوت کسبی نہیں کہ آدمی عبادت و ریاضت کے ذریعہ حاصل کر سکے بلکہ محض عطائے الٰہی عز و جل ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اپنے فضل سے دیتا ہے ہاں دیتا اسی کو ہے جسے اس منصب عظیم کے قابل بناتا ہے جو قبل حصول نبوت تمام اخلاق رذیلہ سے پاک اور تمام اخلاق فاضلہ سے مزین ہو کر مجلّہ مدارج ولایت طے کر چکتا ہے اور اپنے نسب و جسم و قول و فعل و حرکات و سکنات میں ہر ایسی بات سے منزہ ہوتا ہے جو باعث نفرت ہو اسے عقل کامل عطا کی جاتی ہے جو اوروں کی عقل سے بدرجہ زائد ہے کسی حکیم اور کسی فلسفی کی عقل اس کی لاکھویں حصہ تک نہیں پہنچ سکتی۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ (الانعام:124)

اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (الجمعہ:4)

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے اللہ تعالیٰ چاہے دے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

اور جو اس کو کسبی مانے کہ آدمی اپنے کسب و ریاضت سے منصب نبوت تک پہنچ سکتا ہے کافر ہے۔

(بہار شریعت: ج:1، ص:8 مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

علامہ احمد خفاجی حنفی متوفی 1069ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں نبوت عطا فرمائی۔

وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا (مریم:12)

اور ہم نے اس کو بچپن میں نبوت عطا کی۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تینتیس سال (33) کی عمر میں مبعوث کیا گیا اور چالیس سال کی عمر میں آسمانوں پر اٹھایا گیا ہے چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا کرنے یا مبعوث کیے جانے کا حکم تغلیبی ہے (یعنی یہ قاعدہ کلیہ نہیں اکثریہ ہے)

(عنایۃ القاضی: ج:7، ص:285 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی 1137ھ لکھتے ہیں: بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث کرنے کے لئے چالیس سال کی عمر کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو (33) سال کی عمر میں نبی بنایا گیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو اٹھارہ (18) سال کی عمر میں (جب آپ علیہ السلام کو کنویں میں گرایا گیا تھا) نبی بنایا گیا تھا کیونکہ اس وقت ان پر یہ وحی کی گئی تھی۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ o (یوسف:15)

اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ عنقریب تم ان کو ان کے سلوک سے آگاہ کرو گے اور ان کو اس کی خبر بھی نہ ہوگی۔

جمہور علماء کے نزدیک یہ وحی نبوت تھی اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بالغ ہونے سے پہلے نبوت دی گئی۔

(روح البیان: ج:6، ص:498 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدائشی نبی ہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدائش سے قبل نبی بنا دیا گیا تھا جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

مسلمانوں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبوت کب واجب ہوئی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس وقت حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3609)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور اس وقت حضرت آدم علیہ السلام اپنی مٹی کے خمیر میں تھے اور میں عنقریب تم کو ابتداء کے متعلق بتاؤں گا (میں) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور میں اپنی ماں کا وہ خواب ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا ان کے لئے ایک نور نکلا جس سے ان کے لئے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ (مسند البزار: رقم الحدیث: 2365)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی 1052ھ اس حدیث مبارکہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس جگہ یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت جو تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے تھی اس سے مراد ہے؟ اگر اس سے یہ مراد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے علم میں اس وقت نبی تھے تو اس پر یہ اشکال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تو اس وقت تمام انبیاء کرام علیہم السلام نبی تھے اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بالفعل تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بالفعل نبی ہونا تو دنیا میں تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود عنصری سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا فرشتوں اور روحوں میں اظہار ہے جیسا کہ احادیث مبارکہ میں وارد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم شریف عرش پر، آسمانوں پر، جنت کے محلات اور بالا خانوں پر، حوران بہشت کے سینوں پر، درختوں کے پتوں پر، جنت کے درختوں پر اور فرشتوں کی بھوؤں اور آنکھوں پر لکھا ہوا تھا۔

بعض عارفین نے کہا ہے کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح شریف نبی تھی اور عالم ارواح میں روحوں کی تربیت ... تھے ... آپ صلی اللہ علیہ وسلم ... اجسام کی تربیت کر رہا ہے اور یہ چیز ثابت ہے کہ اللہ

اجسام سے پہلے پیدا کیا گیا ہے۔ (اشعۃ اللمعات: ج: 4، ص 474 تا 475 مطبع تیج کمار لکھنو)

عتبہ بن عبد السلمی نے روایت کیا ہے کہ

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی پہلی نشانی کیا تھی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں بنو سعد بن بکر کے ہاں اپنی دایہ کے پاس تھا میں اور ان کا بیٹا بکریاں چرانے گئے ہم نے اپنے ساتھ ناشتہ نہیں لیا تھا۔

میں نے کہا: اے بھائی! جاؤ ہماری ماں کے پاس سے ناشتہ لے آؤ۔ میرا بھائی چلا گیا اور میں بکریوں کے پاس رہا پھر گدھ کی طرح دو سفید پرندے آئے۔

ایک نے دوسرے سے کہا: کیا یہ وہی ہے؟

اس نے کہا: ہاں! پھر وہ دونوں میری طرف جھپٹے ان دونوں نے مجھے پکڑ کر زمین پر پیٹھ کے بل گرا دیا پھر انہوں نے میرا سینہ چاک کیا اور میرا دل نکالا اور اس سے دو سیاہ لوتھڑے نکالے۔

پھر ایک نے دوسرے سے کہا: برف کا پانی لاؤ۔ پھر انہوں نے اس پانی سے میرے پیٹ کو دھویا۔

پھر کہا: ٹھنڈا پانی لاؤ۔

پھر کہا: چھری لاؤ، پھر ٹھنڈا پانی میرے دل پر چھڑکا۔

پھر کہا: اس دل کو سیو اور اس پر نبوت کی مہر لگا دو۔

پھر ایک نے دوسرے سے کہا: ان کو ایک پلڑے میں رکھو اور ان کی امت کو دوسرے پلڑے میں رکھو۔ پھر میں اپنے اوپر ہزاروں آدمیوں کو دیکھ رہا تھا اور مجھے ڈر تھا کہ ان میں سے بعض مجھ پر گر پڑیں گے۔

پھر ان میں سے کسی نے کہا: اگر ان کا امت کے ساتھ وزن کیا گیا تو ان کا پلڑا بھاری ہوگا۔ میں اپنی رضاعی ماں کے پاس گیا اور ان کو اس واقعہ کی خبر دی ان کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں مجھ پر کوئی افتاد آ جائے گی۔

انہوں نے کہا: میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتی ہوں وہ اپنے اونٹ پر سوار ہوئیں اور مجھے اپنے پیچھے پالان پر بٹھایا حتیٰ کہ ہم میری والدہ تک پہنچ گئے۔

میری رضاعی ماں نے کہا: کیا میں نے اپنی امانت ادا کر دی اور اپنے ذمہ کو پورا کر دیا؟ اور وہ واقعہ بیان کیا جو مجھے پیش آیا میری والدہ اس سے خوف زدہ نہیں ہوئیں۔

اور ارشاد فرمایا: میں نے دیکھا تھا کہ مجھ سے ایک نور نکلا تھا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے تھے۔

(سنن دارمی: رقم الحدیث: 13)

امام ابو نعیم الاصبہانی متوفی 430ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور وہ سوال پر بہت حریص تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چیزوں کے متعلق سوال کرتے تھے جن کے متعلق دوسرے سوال نہیں کرتے تھے۔

انہوں نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ابتداء کیسے ہوئی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم نے یہ سوال کیا ہے تو سنو! میں دس سال کی عمر میں صحرا میں جارہا تھا۔ میں نے اپنے اوپر دو آدمیوں کی بات سنی۔

ان میں سے ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا۔

کیا یہ وہی ہے؟

دوسرے نے کہا: ہاں!

ان دونوں نے مجھے پکڑ کر گرادیا۔ پھر میرا پیٹ شق کیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام سونے کے طشت میں پانی لارہے تھے اور حضرت میکائیل علیہ السلام میرے پیٹ کو دھورہے تھے۔

پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔

ان کا سینہ چیرو اور جب میرا سینہ چیرا گیا تو مجھے کوئی درد نہیں ہوا۔

پھر کہا: ان کا دل چیرو۔ پھر میرا دل چیرا گیا۔

پھر کہا: اس میں سے کینہ اور حسد نکال دو۔ پھر جمے ہوئے خون کے مشابہ کوئی چیز نکال کر پھینک دی گئی۔

پھر کہا: ان کے دل میں شفقت اور رحمت داخل کردو۔ پھر چاندی کی مثل کوئی چیز داخل کی ان کے پاس کوئی سفوف تھا اس کو چھڑکا۔

پھر میرے انگوٹھے کو نرمی سے دبا کر کہا۔

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جائیں پھر میرے دل میں چھوٹوں کے لئے بہت رحمت اور بڑوں کے لئے دل میں بہت نرمی تھی۔ (دلائل النبوۃ: رقم الحدیث: 166)

ان دونوں صحیح احادیث مبارکہ میں اس امر کی تصریح کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عالم عناصر میں بچپن میں نبوت دی گئی اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نبی ہونے کا کیسے یقین ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شق صدر کے اس مذکور الصدر واقعہ سے اپنی نبوت پر استدلال فرمایا سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں نبوت عطا کردی گئی تھی البتہ چالیس سال کی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلان نبوت کا حکم دیا گیا۔ امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کردہ حدیث مبارکہ میں یہ تصریح ہے کہ جب بچپن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر کیا گیا تو آپ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا اور جو شخص نبی نہ ہو اور وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھے وہ آخر عمر میں نابینا ہو جاتا ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سو گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد تھا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر دیکھا۔
اور ارشاد فرمایا: اے میرے پیارے! تم کب آئے؟
انہوں نے کہا: ایک ساعت ہوئی۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم نے میرے پاس کسی شخص کو دیکھا؟
انہوں نے کہا: ہاں! میں نے ایک مرد کو دیکھا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ جبرائیل علیہ السلام تھے اور جبرائیل علیہ السلام کو مخلوق میں سے جو بھی دیکھے گا وہ نابینا ہو جائے گا سوا اس کے کہ وہ نبی ہو لیکن تم کو آخر عمر میں نابینا کیا جائے گا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے دعا کی۔ اے اللہ عزوجل! اس کو تاویل کا علم عطا کر اور اس کو دین کی سمجھ عطا فرما اور اس کو اہل ایمان سے بنا۔ (مستدرک: رقم الحدیث: 6287)

علامہ ابن حجر مکی متوفی 974ھ نے اس حدیث مبارکہ سے اس پر استدلال کیا ہے کہ
جو شخص نبی نہ ہو اور وہ اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھنے میں منفرد ہو وہ آخر عمر میں نابینا ہو جاتا ہے۔
(الفتاوی الحدیثیہ: ص: 91 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچپن میں نبی نہ ہوتے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھنے کی وجہ سے اپنے ارشاد مبارک کے مطابق آخر عمر میں نابینا ہو جاتے اور جب کہ ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا جس وقت بچپن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا تھا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی تھے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ چیرا گیا تو نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو درد ہوا نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون نکلا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو چیرا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تمام امور ملاحظہ فرما رہے تھے جبکہ عالم بشر اور انسان کے لئے یہ امور متصور نہیں ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر سے اپنی نبوت پر استدلال فرمانا اور بچپن میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھنے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نابینا نہ ہونا اس امر پر واضح دلیل ہے کہ اس وقت نبی تھے۔ عام طور پر مشہور ہے کہ نبوت چالیس سال کی عمر میں عطا کی جاتی ہے لہٰذا یہ کہا جاتا ہے کہ سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی چالیس سال سے پہلے نبی نہ تھے یہ کہنا درست نہیں اور نہ ہی قاعدہ کلیہ ہے بعض انبیاء کرام علیہم السلام کو بچپن میں نبوت دی گئی ہے جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو دو یا تین سال کی عمر میں نبوت دی گئی۔
قرآن مجید میں ہے:
یٰیَحْیٰی خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَ اٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا ۝ (مریم: 12)
یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لیجئے اور ہم نے ان کو بچپن میں نبوت عطا فرما دی۔

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی 333ھ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ

نبوت کسی استحقاق کی بناء پر ملتی ہے۔ اس آیت میں ان کا رد ہے کیونکہ یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں بغیر کسی استحقاق کے نبوت عطا کی گئی اس سے معلوم ہوا کہ ان کو نبوت عطا فرمانا محض اللہ تعالیٰ کا انعام اور افضال تھا ان کا استحقاق نہ تھا۔

(تاویلات اہل السنۃ: ج:3، ص:260 مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ ناشرون)

امام الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ اس آیت میں حکم سے مراد نبوت ہے اور جب ان کو نبوت دی گئی تو ان کی عمر تین سال تھی۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:227 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ فرماتے ہیں: اس آیت میں حکم کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں۔

1- حکمت یعنی تورات کی فہم اور دین کی فقہ 2- عقل

3- اس سے مراد نبوت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بچپن میں ان کی عقل کو پختہ کر دیا اور ان کی طرف وحی کی اور حضرت یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کو بچپن میں اعلان نبوت کا حکم دیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر میں اعلان نبوت کا حکم دیا تھا اور اس آیت میں حکم کو نبوت پر محمول کرنے کی دو دلیلیں ہیں۔

1- اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صفات شریفہ بیان فرمائی ہیں اور یہ معلوم ہے کہ انسان کی سب سے اشرف صفت نبوت ہے اور مقام مدح میں نبوت کی صفت کو ذکر کرنا دوسری صفات کی بہ نسبت زیادہ لائق ہے لہٰذا اس آیت کریمہ میں حکم کو نبوت پر محمول کرنا واجب ہے۔

2- حکم سے مراد وہ حکم ہے جس کو غیر پر نافذ کیا جا سکے اور ایسا حکم صرف نبی دیتا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ

بچپن میں نبوت کا ملنا کیسے معقول ہو سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ

یہ معترض معجزہ کا قائل ہے یا نہیں۔

اگر وہ معجزہ کا قائل نہیں ہے تو اثبات نبوت کا دروازہ بند ہو جائے گا اور اگر وہ معجزہ کا قائل ہے تو بچہ میں عقل اور نبوت کا ہونا شق القمر اور سمندر کو چیرنے سے زیادہ مستبعد نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر: ج:7، ص:516 تا 517 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں: اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ حکم سے مراد نبوت ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو سات یا دو یا تین سال کی عمر میں نبوت دی گئی اور اکثر انبیاء کرام علیہم السلام کو چالیس سال سے پہلے نبی نہیں بنایا گیا۔

(روح المعانی: ج:16، ص:105 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نیز سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں: جب بعض انبیاء کرام علیہم السلام کو بچپن میں دو یا تین سال کی عمر میں نبوت دی گئی ہے تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ لائق ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں اس نوع کی نبوت دی جائے اور جس کو سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کا علم ہے اور اس کی تصدیق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے وہ حبیب ہیں جو اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے تو وہ اس کو متبعد نہیں قرار دے گا۔

(روح المعانی: ج:25، ص:92 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم ارواح میں نبی ہونا ثابت ہے، جس کی تحقیق یوں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبوت کب واجب ہوئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (مشکوٰۃ: رقم الحدیث: 5758)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی 1014ھ اس حدیث مبارکہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس حال میں میرے لیے نبوت واجب ہوگئی جب حضرت آدم علیہ السلام کا جسم زمین پر بغیر روح کے رکھا ہوا تھا اس کا معنی یہ ہے کہ ابھی حضرت آدم علیہ السلام کی روح کا تعلق ان کے جسم کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔ اس حدیث مبارکہ کو امام ابن سعد نے ابن ابی الجدعا سے روایت کیا ہے۔ (الطبقات الکبریٰ: ج:1، ص:118 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں اس حال میں نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (معجم الکبیر: رقم الحدیث: 833)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: شیخ تقی الدین سبکی نے اپنی کتاب (التعظیم والمنۃ) میں لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ (آل عمران: 81) کی تقریر میں لکھا ہے۔

اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کی بلندی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رتبۂ عالیہ کی جو عظمت ہے وہ مخفی نہیں ہے اس کے ساتھ آیت میں یہ بات بھی موجود ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ان کے زمانے میں ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کی طرف رسول ہوتے۔ سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر قیامت تک جمیع مخلوق کو عام ہے اور سب انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بعثت الی الناس کافۃ (مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر قیامت تک کے لوگوں کے لئے مخصوص نہیں بلکہ اس سے پہلے لوگوں کو بھی شامل ہے اور اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی بھی وضاحت ہوگئی میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے اور جس شخص نے اس حدیث مبارکہ کا یہ مطلب بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم علم الٰہی عزوجل میں نبی تھے یعنی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مستقبل میں نبی ہوں گے۔ اس کی اس معنیٰ تک رسائی نہیں ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم تو جمیع اشیاء کو محیط ہے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت نبوت سے موصوف کرنا اس مفہوم کو چاہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اس وقت میں ثابت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اقدس کو عرش پر لکھا ہوا دیکھا ''محمد رسول اللہ'' لہٰذا ضروری ہے کہ اس حدیث مبارکہ کا یہ معنیٰ ہو کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت متحقق تھی اور اگر اس سے مراد فقط علم ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مستقبل میں نبی ہوں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی کوئی خصوصیت نہیں رہے گی کہ ''میں اس وقت نبی تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے'' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت کو اس وقت اور اس سے پہلے جانتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خصوصیت کو ثابت اور متحقق مانا جائے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس خصوصیت سے آگاہ فرمایا تا کہ امت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مرتبہ کی معرفت حاصل ہو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے پھر انہیں اس معرفت کے ذریعے خیر حاصل ہو۔

پس اگر تم کہو کہ ہم ارادہ رکھتے ہیں کہ ہم اس اضافی رتبہ کو سمجھیں تو (آیئے ہم بتلاتے ہیں کہ) بے شک نبوت ایک صفت ہے جس کے لئے موصوف کا ہونا ضروری ہے اور موصوف چالیس برس کے بعد ہوگا تو کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجنے سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے متصف کیا جا سکتا ہے؟ پس اگر یہ اتصاف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صحیح ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر کے لئے بھی اسی طرح صحیح ہوگا۔

ہم کہتے ہیں کہ بے شک احادیث مبارکہ میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روحوں کو جسموں سے پہلے پیدا فرمایا ہے لہٰذا میں نبی تھا کے الفاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی روح کی طرف اشارہ فرمایا۔ یا اپنی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا اور حقائق کو سمجھنے سے ہماری عقلیں قاصر ہیں۔ حقائق کو صرف ان کا خالق جانتا ہے یا وہ نفوس مبارکہ جانتے ہیں۔ نور الٰہی جن کی مدد کرتا ہے پھر ان حقائق میں سے کسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے جس وقت چاہا کوئی (وصف) عطا فرما دیا۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حقیقت جو تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے موجود تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو وصف نبوت عطا فرمایا اور اسی وقت اس کو فیض عطا فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہو گئے اور باری تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم کو عرش پر لکھ دیا اور ملائکہ اور دیگر مخلوق کو اس پر آگاہ کر دیا تا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ ہے وہ اس کو پہچان لیں سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت اسی وقت موجود تھی اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کا ظہور بعد میں ہوا۔ فی الجملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت اسی وقت سے بارگاہ الٰہیہ سے اوصاف شریفہ سے متصف ہے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور تبلیغ کو مؤخر رکھا گیا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر اس کمال کو نہیں پہنچا جس سے (ظاہری) تبلیغ کا حصول ممکن ہوا اسی طرح بارگاہ الٰہی سے پہنچنے والی ہر وہ چیز مؤخر رکھی گئی جس کا تعلق جسم شریف کے کمال کے ساتھ ہو سکتا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت معجل ہے اس میں کوئی تاخر نہیں اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کے حاصل ہونے اور کتاب حکمت کے عطا ہونے میں بھی کوئی تاخر

میں ہے تاخر صرف بعثت فرمانے اور دنیا میں جلوہ گر ہونے میں ہے۔ (الخصائص الکبریٰ: ج: 1، ص 8 تا 11 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام محمد بن سعد متوفی 230ھ نے اس حدیث مبارکہ کو حسب ذیل متعدد طرق سے روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ

ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کب نبی تھے؟

لوگوں نے کہا: چپ کر، چپ کر۔

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کو چھوڑو میں نبی تھا اور اس وقت حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

ابوالجد عابیان کرتے ہیں کہ

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کب نبی تھے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس وقت حضرت آدم علیہ السلام روح اور مٹی کے درمیان تھے۔

عامر بیان کرتے ہیں کہ

ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کب نبی بنایا گیا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب مجھ سے میثاق لیا گیا اس وقت حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسد کے درمیان تھے۔ (الطبقات الکبریٰ: ج: 1، ص: 118 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی حنفی متوفی 973ھ لکھتے ہیں: اگر تم یہ پوچھو کہ آیا سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کو بھی اس وقت نبوت دی گئی جب حضرت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم تک یہ حدیث مبارکہ نہیں پہنچی کہ کسی اور کو بھی یہ مقام دیا گیا باقی انبیاء کرام علیہم السلام اپنی رسالت کے ایام محسوسہ میں ہی نبی تھے۔

اگر تم یہ پوچھو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں نہیں فرمایا کہ میں اس وقت بھی انسان تھا یا اس وقت بھی موجود تھا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ نبوت کا ذکر یہ بتانے کے لئے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے پہلے نبوت دی گئی کیونکہ نبوت اسی وقت ملتی ہے جو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وقت مقرر ہوتا ہے۔

نیز علامہ شعرانی نے لکھا ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے الفتوحات المکیہ میں لکھا ہے کہ تمام انبیاء کرام و رسل عظام علیہم السلام کی مدد طلب کرنے کی جگہ سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی قطب الاقطاب ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تمام اولین و آخرین لوگوں کی مدد کرنے والے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہر نبی اور ولی کی مدد

کرنے والے ہیں خواہ ان کا ظہور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیب میں تھے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم شہادت میں ظاہر ہو گئے اور یا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم برزخ میں منتقل ہو چکے ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے انوار متقدمین اور متاخرین کے عالم سے کبھی منقطع نہیں ہوئے۔

اگر تم یہ کہو کہ ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا۔

اور ایک حدیث مبارکہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا تو ان میں کس طرح تطبیق ہو گی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں احادیث کا معنیٰ واحد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کو پیدا کیا اور اس حقیقت کو کبھی عقل سے تعبیر فرمایا اور کبھی نور سے۔

(الیواقیت والجواہر: ص: 339 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں: بلکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وجود کا فیضان کرنے کے لئے تمام موجودات کے لئے وسیلہ ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے واسطہ سے تمام مخلوق پر جو فیضان ہوا اس کے لئے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم وسیلہ ہیں کیونکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار کی شعاعیں ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار کے عکوس ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی النور الحق اور النبی المطلق ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم علیہ السلام مٹی اور پانی کے درمیان تھے اور جب انبیاء کرام علیہم السلام ارحام اور اصلاب کے حجاب میں تھے اس وقت بھی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض لے رہے تھے اور اس وقت بھی جب وہ اس عالم میں ظاہر ہوئے اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجاب میں تھے جیسے جب رات کو ستارے ظاہر ہوتے ہیں اور سورج ظاہر نہیں ہوتا لیکن وہ ستارے اس کے فیض سے روشن ہوتے ہیں اور جب سورج ظاہر ہوتا ہے تو ستارے چھپ جاتے ہیں اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں جلوہ گر ہوئے تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام چھپ گئے اور ان کی شریعتیں منسوخ ہو گئیں اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت باقی رہی۔ (روح المعانی: جز: 15، ص: 183 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نیز علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا الست بربکم تو سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح نے بلیٰ کہا۔ (روح المعانی: جز: 9، ص: 162 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان بریلوی متوفی 1340ھ لکھتے ہیں:

علامہ شمس الدین ابن الجوزی اپنے رسالہ میلاد میں ناقل ہیں کہ

حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جناب مولیٰ المسلمین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اے ابوالحسن! بے شک (سیدنا) محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم رب العلمین کے رسول ہیں اور پیغمبروں کے خاتم اور روشن رو اور روشن دست و پا والوں کے پیشوا تمام انبیاء کرام و رسل عظام علیہم السلام کے سردار نبی ہوئے جبکہ حضرت آدم علیہ السلام آب و گل میں تھے۔ (تجلی الیقین: ص: 8 حامد اینڈ کمپنی لاہور)

جن کو نبوت عطا فرمائی گئی

نبی وہ ہے جن کو نبوت عطا فرمائی گئی اور انبیاء کرام علیہم السلام کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! انبیاء کرام کتنے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار!

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! رسول کتنے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین سوتیرہ جم غفیر ہیں۔

میں نے کہا: بہت اچھے ہیں۔

میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پہلا نبی کون ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام۔

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا وہ نبی مرسل ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں! اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا اور ان میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی پھر ان کو اپنے سامنے بنایا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابوذر رضی اللہ عنہ! چار نبی سریانی ہیں۔

1-حضرت آدم علیہ السلام 2-حضرت شیث علیہ السلام 3-حضرت خنوخ علیہ السلام

4-حضرت ادریس رضی اللہ عنہ جنہوں نے سب سے پہلے قلم سے خط کھینچا اور نوح علیہ السلام۔

اور چار نبی عرب ہیں۔

1-حضرت ہود علیہ السلام 2-حضرت صالح علیہ السلام 3-حضرت شعیب علیہ السلام

4-اور تمہارے نبی (مکرم صلی اللہ علیہ وسلم)! اے ابوذر (رضی اللہ عنہ)

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل کیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سو صحیفے اور چار کتابیں حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس صحیفے نازل کیے گئے۔

نوح پر تیس صحیفے نازل کیے گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے نازل کیے گئے۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات سے پہلے دس صحیفے نازل کیے گئے اور تورات، انجیل، زبور اور فرقان کو نازل کیا گیا۔

(حلیۃ الاولیاء، ج:1، ص:167 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

حافظ سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: امام عبد بن حمید، امام حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں امام حاکم اور امام ابن عساکر نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! انبیاء کرام کتنے تھے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: ایک لاکھ اور چوبیس ہزار نبی تھے۔

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان میں سے رسول کتنے تھے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: تین سو تیرہ کا جم غفیر تھا۔

(درمنثور: ج: 2، ص: 691 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت دوجگہ ذکر کی ہے اس میں ذکر ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں اور تین سو پندرہ رسول ہیں۔

(جامع المسانید والسنن: رقم الحدیث: 10232)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں اور ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں۔

اس حدیث مبارکہ کو امام ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے۔ (فتح الباری: ج: 6، ص: 361 مطبوعہ دارنشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

علامہ سعدالدین تفتازانی متوفی 791ھ لکھتے ہیں: ایک روایت میں ہے: دولاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام ہیں۔

(شرح عقائد: ص: 97 مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار نبی مبعوث کیے چار ہزار بنو اسرائیل کی طرف اور چار ہزار باقی لوگوں کی طرف۔ (مسند ابویعلیٰ: ج: 4، ص: 157 مطبوعہ دارالمامون تراث بیروت)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! انبیاء کرام علیہم السلام کی کتنی تعداد ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار، ان میں سے جم غفیر رسول ہیں تین سو پندرہ۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 16944 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

بہرحال محدثین کا اعتماد حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت پر ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں۔ ان سب پر ایمان لانا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی اور رسول بنایا وہ سب صادق اور برحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جوان کو پیغام دے کر بھیجا وہ صحیح اور صادق ہے۔

قرآن مجید میں اٹھائیس (28) انبیاء کرام علیہم السلام کے نام مذکور ہیں۔

1-حضرت آدم علیہ السلام 2-حضرت نوح علیہ السلام 3-حضرت ادریس علیہ السلام
4-حضرت صالح علیہ السلام 5-حضرت ہود علیہ السلام 6-حضرت ابراہیم علیہ السلام
7-حضرت اسماعیل علیہ السلام 8-حضرت اسحاق علیہ السلام 9-حضرت یعقوب علیہ السلام
10-حضرت یوسف علیہ السلام 11-حضرت لوط علیہ السلام 12-حضرت موسیٰ علیہ السلام
13-حضرت ہارون علیہ السلام 14-حضرت شعیب علیہ السلام 15-حضرت زکریا علیہ السلام
16-حضرت یحییٰ علیہ السلام 17-حضرت عیسیٰ علیہ السلام 18-حضرت داؤد علیہ السلام
19-حضرت سلیمان علیہ السلام 20-حضرت الیاس علیہ السلام 21-حضرت الیسع علیہ السلام
22-حضرت ذوالکفل علیہ السلام 23-حضرت ایوب علیہ السلام 24-حضرت یونس علیہ السلام
25-حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

ان کے علاوہ تین اسماء مقدسہ کا ذکر ہے۔

1-حضرت ذوالقرنین 2-حضرت عزیر 3-حضرت لقمان (علیہم السلام)

مگران کی نبوت میں اختلاف ہے۔بعض نبیوں کا قرآن مجید میں اشارۃً ذکر ہے۔

ارشاد فرمایا: وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ (البقرہ:247)

اس میں حضرت شمویل علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ (البقرہ:259)

اس میں حضرت ارمیاہ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ (الکہف:60)

اس میں حضرت یوشع علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ (الکہف:65)

اس میں حضرت خضر علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔

واللہ ورسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم

نبی کی خصوصیات وامتیازات

نبی کی خصوصیات وامتیازات کثیر ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں: علامہ حلیمی نے انبیاء کرام علیہم السلام کے ان خواص ذکر کیے ہیں یہ وہ خواص ہیں جن کی وجہ سے انبیاء کرام علیہم السلام عام انسانوں سے ممتاز ہوتے ہیں ان خواص کی تفصیل درج ذیل ہے:

1- نبی اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ کلام کرتا ہے۔

2- بغیر کلام کے نبی پر الہام ہوتا ہے بلکہ نبی اپنے نفس میں بغیر تقدم اور تاخر کے ایک معنیٰ پاتا ہے جس کو محسوس نہیں کیا جا سکتا۔

3- فرشتہ کو دیکھ کر اس سے وحی سنتا ہے اور اس سے کلام کرتا ہے۔

4- فرشتہ نبی کے قلب پر وحی القاء کرتا ہے اور یہ القاء احکام، وعد اور وعید پر مشتمل ہوتا ہے جبکہ اولیاء اللہ کے قلب پر جو واردات ہوتی ہیں وہ حوادث اور واقعات کی اطلاعات پر مشتمل ہوتی ہیں۔

5- نبی کی عقل کامل ہوتی ہے اور اس کی عقل کو کبھی کوئی عارضہ لاحق نہیں ہوتا۔

6- نبی کی قوت حافظہ غیر معمولی ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ طویل ترین سورت کو صرف ایک بار سن کر حفظ کر لیتا ہے اور اس کا ایک لفظ بھی نہیں بھولتا۔

7- نبی اپنے اجتہاد میں خطاء سے محفوظ رہتا ہے۔

8- نبی کی ذکاوت غیر معمولی ہوتی ہے اور اس کا استنباط بھی غیر معمولی ہوتا ہے۔

9- نبی کی بصر بہت تیز ہوتی ہے اور وہ زمین کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ کی چیز دیکھ لیتا ہے۔

10- نبی کی سماعت بہت تیز ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ زمین کے ایک حصہ سے دوسرے حصے کی آواز سن لیتا ہے جس کو دوسرا نہیں سن سکتا۔

11- نبی کی قوت شامہ غیر معمولی ہوتی ہے جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا دور سے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض کی خوشبو سونگھ لینا۔

12- نبی کا جسم بہت قوی ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ ایک رات میں ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتا ہے۔

13- نبی کا آسمان پر جانا۔

14- گھنٹی کی آواز کی صورت میں وحی کو پالینا۔

15- بکریوں سے کلام کرنا۔

16- نباتات سے کلام کرنا۔

17- درخت کے تنا (شہتیر) سے کلام کرنا (جیسے استن حنانہ)

18- پتھروں سے کلام کرنا۔

19- بھیڑیے کی آواز سے اس کا مطلب سمجھ لینا۔

20- اونٹ کی بلبلاہٹ کو سمجھ لینا۔

21- متکلم کو دیکھے بغیر اس کی آواز سننا۔

22- جنات کا مشاہدہ کرنا۔
23- اشیاء غائبہ کی مثالوں کا نبی پر پیش کیا جانا جیسا کہ معراج کے موقع پر آپ کے سامنے بیت المقدس کی مثال پیش کی گئی۔
24- کسی حادثہ سے اس کی عاقبت کو جان لینا جب آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی تو فرمایا اس کو اس ذات نے روک لیا جس نے ہاتھیوں کو روک لیا تھا۔
25- کسی نام سے فال نکالنا کیونکہ جب سہیل بن عمرو آیا تو آپ نے فرمایا اب اللہ تعالیٰ نے تمہارا معاملہ سہل کر دیا ہے۔
26- کسی آسمانی چیز کو دیکھ کر زمین کے حادثہ پر استدلال کرنا جیسا کہ فرمایا یہ بادل بنو کعب کی مدد کا اعلان کر رہا ہے۔
27- پس پشت دیکھنا۔
28- کسی شخص کی موت سے پہلے اس کے حال پر مطلع ہونا جیسا کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا میں نے دیکھا فرشتے اس کو غسل دے رہے ہیں اور وہ حالت جنابت میں شہید ہوئے۔
29- مستقبل کی فتح کا آپ پر اظہار کر دینا جیسا کہ غزوۂ خندق میں ہوا۔
30- دنیا میں جنت اور دوزخ کو دیکھ لینا۔
31- فراست۔
32- درخت کا آپ کے حکم کی اطاعت کرنا حتیٰ کہ آپ کے بلانے پر درخت جڑوں اور ٹہنیوں سمیت آیا اور آپ کے حکم سے واپس چلا گیا۔
33- ہرنی کا آپ سے شکایت کرنا۔
34- بغیر خطاء کے خواب کی تعبیر بیان کرنا۔
35- کھجور کے درخت کے بارے میں صحیح اندازہ لگانا کہ اس میں اتنے وسق کھجوریں ہوں گی۔
36- احکام کی ہدایت دینا۔
37- دین اور دنیا کے انتظام اور سیاست کی ہدایت دینا۔
38- عالم کی ہیئت اور ترکیب کی ہدایت دینا۔
39- بدن انسان سے متعلق طبی امور کی ہدایت دینا۔
40- عبادات کی ہدایت دینا۔
41- صنعتوں کی ہدایت دینا۔
42- ماسیکون پر مطلع ہونا۔
43- ماکان پر مطلع ہونا۔

44-لوگوں کی پوشیدہ باتوں اور بھیدوں پر مطلع ہونا۔

45-استدلال کے طریقوں کی تعلیم دینا۔

46-حسن معاشرت کے طریقوں پر مطلع ہونا۔

علامہ حلیمی نے لکھا ہے کہ

یہ نبوت کے چھیالیس خصائص ہیں ہر چند کہ ان میں سے بعض اوصاف غیر نبی کو بھی حاصل ہوتے ہیں لیکن یہ اوصاف نبوت کے خصائص اس وجہ سے ہیں کہ ان میں نبی کو اصلاً خطا نہیں ہوتی جب کہ غیر نبی کو ان میں خطاء لاحق ہو جاتی ہے۔

(فتح الباری: ج:12، ص366 تا367 مطبوعہ نشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی 505ھ لکھتے ہیں: نبوت ان اوصاف کو کہتے ہیں جو نبی کے ساتھ خاص ہوں اور ان اوصاف کی وجہ سے نبی اپنے غیر سے ممتاز ہو اور یہ کئی قسم کے خصائص ہیں۔

نبی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، فرشتوں اور آخرت کے حقائق کو اس طرح جانتا ہے جس طرح ان کو کوئی نہیں جانتا کیونکہ نبی کو ان کی جتنی معلومات ہوتی ہیں اور ان پر جتنا یقین ہوتا ہے اور جتنی تحقیق ہوتی ہے کسی اور کو نہیں ہوتی اور نبی کی ایک خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ جس طرح غیر نبی کو افعال اختیاریہ پر قدرت ہوتی ہے اسی طرح نبی کو افعال خارقہ للعادات (یعنی معجزات) پر قدرت ہوتی ہے۔

اور نبی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کو ایسی صفت حاصل ہوتی ہے جس سے وہ فرشتوں کو دیکھتا ہے اور عالم ملکوت کا مشاہدہ کرتا ہے جس طرح ہم میں بینا اور نابینا کا فرق ہے۔

اور نبی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کو ایسی صفت حاصل ہوتی ہے جس سے وہ مستقبل میں ہونے والے امور غیبیہ کا ادراک کر لیتا ہے اور لوح محفوظ کا مطالعہ کرتا ہے جس طرح انسان میں ذہانت کی صفت ہوتی ہے اور اس صفت سے وہ بے وقوف شخص سے ممتاز ہوتا ہے۔ (احیاء علوم الدین: ج:4، ص189 تا190 مطبوعہ دار الکتب العربیہ مصر)

نبوت کا ایک عظیم مرتبہ ہے جو عقل سے ماوراء ہے۔

امام غزالی متوفی 505ھ لکھتے ہیں: اور عقل کے ماوراء ایک اور عالم ہے جس میں ادراک کی ایک اور آنکھ کھلتی ہے جس سے انسان غیب کا ادراک کرتا ہے اور مستقبل میں ہونے والے امور غیبیہ اور بہت سے امور کو جان لیتا ہے جن تک عقل کی رسائی نہیں ہے جیسے قوت، تمیز، معقولات کا ادراک نہیں کر سکتی اور جس طرح حواس قوت تمیز کے مدرکات کو نہیں پاسکتے (اسی طرح عقل، قوت ادراک غیب کے مدرکات کو نہیں پا سکتی) اور جس طرح صاحب تمیز کے سامنے عقل کے سامنے مدرکات پیش کیے جائیں تو وہ ان کو بعید سمجھ کر ان کا انکار کرتا ہے اسی طرح بعض عقل والوں کے سامنے نبوت کے مدرکات پیش کیے گئے تو انہوں نے ان کا انکار کر دیا اور یہ خالص جہالت ہے۔ (المنقذ من الضلال: ص:54 مطبوعہ ہیئۃ الاوقاف لاہور)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں: علامہ حلیمی نے کتاب المنہاج میں لکھا ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کا دوسرے انسانوں سے جسمانی اور روحانی قوتوں میں مختلف ہونا ضروری ہے۔

(تفسیر کبیر: ج:2، ص:433 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

پھر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفصیل میں علامہ حلیمی سے نقل کرتے ہیں کہ

قوت جسمانیہ کی دو قسمیں ہیں:

1- مدرکہ 2- اور محرکہ

اور مدرکہ کی دو قسمیں ہیں:

1- حواس ظاہرہ 2- حواس باطنہ

اور حواس ظاہرہ پانچ ہیں (جو کہ یہ ہیں)

1- (قوت باصرہ)

قوت باصرہ کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کی یہ دلیل ہے کہ آپ نے فرمایا:
میرے لیے تمام روئے زمین سمیٹ دی گئی اور میں نے اس کے تمام مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔
نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنی صفیں قائم کرو اور مل کر کھڑے ہو کیونکہ میں تم کو پس پشت بھی دیکھتا ہوں۔

اس کی قوت کی نظیر یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے فرمایا:

وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

اور اسی طرح ہم (حضرت) ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی نشانیاں دکھاتے ہیں۔
اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بصر کو قوی کر دیا حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اعلیٰ سے لے کر اسفل تک تمام نشانیاں دیکھ لیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میرے لیے تمام آسمان اور زمین منکشف ہو گئے اور ایک روایت میں ہے کہ "میں نے تمام آسمانوں اور زمین کو جان لیا۔ (مسند احمد: ج:1، ص:368)

2- (قوت سامعہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سماعت تمام انسانوں سے زیادہ تھی کیونکہ آپ نے فرمایا:
آسمان چرچراتا ہے اور اس کا چرچرانا بجا ہے۔ آسمان میں ایک قدم کی جگہ بھی نہیں ہے مگر اس میں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدہ

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کے چرچرانے کی آواز سنی۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک پتھر جہنم میں گرایا جارہا ہے جو ابھی تک جہنم کی تہہ تک نہیں پہنچا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی آواز سنی۔ اس قوت کی نظیر حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی عطا کی گئی کیونکہ انہوں نے چیونٹی کی آواز سنی۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَتْ نَمْلَةٌ يَّاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ

ایک چیونٹی نے کہا اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو چیونٹی کا کلام سنایا اور اس کے معنیٰ پر مطلع کیا اور یہ قوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل تھی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیڑیئے اور اونٹ سے کلام فرمایا۔ اونٹ سے کلام کرنے کی مثال یہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر مجھے اپنے ساتھ بٹھایا پھر مجھے چپکے سے ایک بات بتائی جو میں کبھی بھی کسی کو نہیں بتاؤں گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لئے کسی ٹیلہ یا گنجان اور گھنے کھجور کے درختوں کی اوٹ میں جانا پسند کرتے تھے۔ آپ انصار کے باغوں میں سے ایک باغ میں داخل ہوئے وہاں ایک اونٹ آیا اور اس نے بڑبڑ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ کہا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کان کی ہڈی کے پیچھے ہاتھ پھیرا تو وہ پرسکون ہو گیا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ اونٹ کس کا ہے؟

انصار کا ایک نوجوان آیا اور اس نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ اونٹ میرا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم ان جانوروں کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے؟ جن کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں مالک بنا دیا ہے اس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ اس کو تم بھوکا رکھتے ہو اور کام لے لے کر اس کو تھکا دیتے ہو۔

(مسند احمد: رقم الحدیث: 1745)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت یعلیٰ بن مرہ الثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تین چیزیں دیکھیں۔ ایک دن ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں جا رہے تھے۔ ہمارا ایک اونٹ کے پاس سے گزر ہوا جب اونٹ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو بڑبڑ کرنے لگا اور اپنی گردن آگے بڑھائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس ٹھہر گئے۔

اور ارشاد فرمایا: اس کا مالک کون ہے؟ وہ شخص آ گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس اونٹ کو بیچ دو۔

اس نے کہا: نہیں میں اس کو ہبہ کرتا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں مجھ کو فروخت کر دو۔
اس نے کہا: میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کرتا ہوں۔ ہمارے گھر والوں کی گزر اوقات کے لئے اس کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم نے یہ کہا ہے تو سنو! اس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اس سے کام زیادہ لیتے ہو اور اس کو چارہ کم ڈالتے ہو اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

(مسند احمد: رقم الحدیث: 17570)

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرنی سے بھی کلام فرمایا جس طرح کہ روایت میں ہے:
حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہرنی کے پاس سے گزرے جو ایک خیمہ میں بندھی ہوئی تھی۔
اس ہرنی نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کھول دیجئے تا کہ میں اپنے بچوں کو جا کر دودھ پلا آؤں پھر میں واپس آ جاؤں گی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے باندھ دیں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ ایک قوم کا شکار ہے اور اس کی باندھی ہوئی ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے عہد لیا کہ وہ ضرور واپس آئے گی پھر اس کو کھول دیا۔ وہ تھوڑی دیر میں واپس آ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو باندھ دیا پھر خیمہ والے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ان سے مانگ لیا۔ انہوں نے وہ ہرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کھول دیا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی: ج: 6، ص: 34)
امام بیہقی کی ایک روایت میں ہے: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے دیکھا وہ ہرنی جنگل میں چلاتی ہوئی جا رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی: ج: 6، ص: 35)
اسی طرح درخت کے تنے نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کیا۔
چنانچہ روایت میں ہے: حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخت کے ستون سے ارشاد فرمایا! تو پر سکون ہو جا اگر تو چاہے تو میں تجھ کو جنت میں اگا دوں تیرا پھل نیک لوگ کھائیں گے اور اگر تو چاہے تو میں تجھے دنیا میں پہلے کی طرح تر و تازہ درخت اگا دوں تو اس درخت نے آخرت کو دنیا پر اختیار کر لیا۔ (سنن دارمی: رقم الحدیث: 36 (عطاری غفرلہ)

قوت شامہ

... کی قوت شامہ کی خصوصیت پر حضرت یعقوب علیہ السلام کا واقعہ دلیل ہے کیونکہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ

حکم دیا کہ میری قمیض لے جاؤ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈال دو اور قافلہ وہ قمیض لے کر روانہ ہوا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

انی لا جد ریح یوسف مجھے حضرت یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض کی خوشبو کئی دن کی مسافت کے فاصلہ سے سونگھ لی۔

4-قوت ذائقہ

نبی کے چکھنے کی قوت کی خصوصیت کی دلیل یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت کا ایک ٹکڑا چکھا تو فرمایا۔ اس میں زہر ملا ہوا ہے۔

5-قوت لامسہ

نبی کی قوت لامسہ کی خصوصیت کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو وہ آگ ان پر ٹھنڈک اور سلامتی والی ہوگئی۔

(دوسری قسم: حواس باطنہ)

2-اور حواس باطنہ میں قوت حافظہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: سنقرئك فلا تنسى

ہم عنقریب آپ کو پڑھائیں گے پس آپ نہیں بھولیں گے۔

اور قوت ذکاوت ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے علم کے ایک ہزار باب سکھائے اور میں نے ہر باب سے ہزار باب مستنبط کیے اور جب ولی کی ذکاوت کا یہ حال ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذکاوت کا کیا عالم ہوگا اور قوت محرکہ کی خصوصیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج پر جانا دلیل ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ چوتھے آسمان پر جانا اور حضرت ادریس اور حضرت الیاس علیہما السلام کا آسمانوں پر جانا اس کی دلیل ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی روحانی اور عقلی قوتیں بھی انتہائی کامل ہوتی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ نفس قدسیہ نبویہ اپنی ماہیت میں باقی نفوس سے مختلف ہوتا ہے اور نفس نبویہ کے لوازم سے یہ ہے کہ اس کی ذکاوت، ذہانت اور حریت انتہائی کامل ہو اور وہ جسمانیات اور شہوانیات سے منزہ ہو اور جب نبی کی روح غایت صفا اور شرف میں ہوگی تو اس کا بدن بھی انتہائی صاف اور پاکیزہ ہوگا اور اس کی قوت مدرکہ اور قوت محرکہ بھی انتہائی کامل ہوگی کیونکہ یہ قوتیں ان انوار کے قائم مقام ہیں جو انوار جوہر روح سے صادر ہوتے ہیں اور نبی کے بدن سے واصل ہوتے ہیں اور جب فاعل (روح) اور قابل (بدن) انتہائی کامل ہوں گے تو ان کے آثار بھی انتہائی کامل، مشرف اور صاف ہوں گے۔ (تفسیر کبیر: ج: 2، ص: 433 تا 434 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت لوط علیہ السلام رسولوں میں سے ہیں

حضرت لوط علیہ السلام ضرور رسولوں میں سے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے: وَ اِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۝ (الصافات:133)

اور بے شک لوط ضرور رسولوں میں سے ہیں۔

قوم لوط شرم گاہ ننگی رکھتی تھی

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم شرم گاہ کو ننگی رکھتی تھی۔

امام ابو القاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

تین خصلتوں کے سوا قوم لوط کی تمام خصلتیں مٹ چکی ہیں۔

1-تلواروں کے غلاف کو گھسیٹنا

2-ناخنوں کو رنگنا

3-اور شرم گاہ ننگی کرنا۔

(تاریخ دمشق الکبیر: رقم الحدیث:11723)

قوم لوط ناخنوں کو رنگتی تھی

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم ناخنوں کو رنگتی تھی۔

امام ابو القاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

تین خصلتوں کے سوا قوم لوط کی تمام خصلتیں مٹ چکی ہیں۔

1-تلواروں کے غلاف کو گھسیٹنا

2-ناخنوں کو رنگنا اور شرم گاہ ننگی کرنا۔(تاریخ دمشق الکبیر: رقم الحدیث:11723)

قوم لوط کا کبوتروں سے کھیلنا

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کبوتروں سے کھیلتی تھی اور کبوتر بازی کرتی تھی۔

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قوم لوط دس خصلتوں کی وجہ سے پہچانی جاتی تھی۔

1-کبوتروں سے کھیلنا۔

(بقیہ حصہ حدیث مبارکہ کا آگے بیان کیا گیا ہے)۔(تاریخ دمشق الکبیر: رقم الحدیث: 11724)

حدیث مبارکہ سے کبوتر بازی کی مذمت

کبوتر بازی کی مذمت حدیث مبارکہ سے ثابت ہے چنانچہ حدیث مبارکہ میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کبوتر کا پیچھا کرتے ہوئے دیکھا جس سے وہ کھیل رہا تھا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

شیطان، شیطان کا پیچھا کر رہا ہے۔(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 4940)

کبوتر بازی کے متعلق فقہاء کرام کے اقوال

علامہ شمس الدین محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی 483ھ لکھتے ہیں:

جو شخص کبوتروں سے کھیلتا ہو اور کبوتر اڑاتا ہو اس کی گواہی جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں شدت غفلت ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ

وہ شخص عام طور پر کبوتر بازی میں مشغول رہتا ہو اور دوسرے امور کی طرف کم توجہ دیتا ہو پھر وہ شخص لہو ولعب پر اصرار کرنے والا ہو۔

حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

میں کھیلنے کودنے والوں میں سے نہیں ہوں اور نہ کھیل کود میرا شغل ہے۔(مسند البزار: رقم الحدیث: 2402)

اور کبوتر باز کا غالب حال یہ ہے کہ وہ چھتوں پر گھومتا پھرتا رہتا ہے اور لوگوں کی خواتین کو تاڑتا ہے اور یہ فسق ہے اور جو شخص اپنے گھر میں کابک میں کبوتروں کو رکھے تاکہ ان سے انس اور محبت کرے اور ان کو عادتاً اڑاتا نہ ہو تو وہ شخص نیک ہے اور اس کی شہادت مقبول ہوگی کیونکہ گھروں میں کبوتروں کو رکھنا مباح ہے۔ لوگ کبوتروں کے لئے برج بناتے ہیں اور اس کو کسی نے منع نہیں کیا اور جو شخص گانے گاتا ہو اور اس پر مجمع لگاتا ہو اس کی گواہی جائز نہیں ہے اسی طرح نوحہ کرنے والی عورت کی بھی گواہی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کے فسق پر اصرار کرتے ہیں اور نیک لوگوں کے نزدیک ان کی عزت اور وقار نہیں ہے اور ان سے ساز بجانا اور جھوٹ بولنا بعید نہیں ہے اس لیے ان کی گواہی قبول نہیں ہوگی۔

(المبسوط: ج: 16، ص: 155 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ حسن بن منصور اوزجندی متوفی 592ھ لکھتے ہیں: جو شخص کبوتروں کے ساتھ کھیلتا ہو اور ان کو اڑاتا ہو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی کیوں کہ ان کے ساتھ اس کی مشغولیت زیادہ ہوگی اور اس کی غفلت شدید ہوگی اور اس سے یہ خطرہ ہے کہ اس کی نظر مسلمانوں کی خواتین پر پڑے گی لیکن اگر وہ کبوتر کو انس کے لئے اپنے گھر میں بند رکھے اور اس کو اڑائے نہیں تو پھر اس

کی گواہی کو قبول کرنا جائز ہے کیونکہ جس کے پاس کبوتروں کا برج (چھتہ) ہو تو وہ فاسق نہیں ہوتا۔

(فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیہ: ج:2، ص:460 مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیریہ بولاق مصر)

کیا کبوتر بازی لہو ولعب ہے؟

اس بارے میں علماء کرام کی تحقیق یہ ہے

چنانچہ علامہ مجد الدین المبارک بن محمد ابن اثیر الجزری متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

جس کام میں انسان اس قدر مشغول ہو جائے کہ اس کام کے علاوہ دوسرے کاموں سے غافل ہو جائے تو اس کام کو لہو ولعب کہتے ہیں۔ (النہایہ: ج:4، ص:242 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی کام میں اشتغال اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے غافل نہ کرے تو وہ لہو نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری: ج:22، ص:274 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ مصر)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ لہو باطل ہے جس کی مشغولیت انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے غافل کر دے۔

علامہ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

مطلقاً کسی فعل میں مشغول ہونا اس فعل کی اجازت ہو یا وہ فعل ممنوع ہو لہو ہے مثلاً کوئی شخص نفل نماز میں مشغول ہو یا تلاوت میں مشغول ہو یا ذکر میں یا قرآن کے معانی کے اندر غور وفکر کرنے میں حتیٰ کہ فرض نماز کا وقت عمداً نکل جائے تو وہ بھی لہو ہے اور جب مرغوب اشیاء میں اشتغال کا یہ حکم ہے تو اس سے کم درجہ کی چیزوں میں اشتغال کا کیا حال ہوگا۔

(فتح الباری: ج:12، ص:367 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اور کثیر احادیث مبارکہ لہو ولعب کے متعلق ہیں جو کہ یہ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ ایک تیر کی وجہ سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرماتا ہے۔

1- تیر کا بنانے والا جو اس کے بنانے میں خیر اور ثواب کی نیت رکھتا ہو۔

2- تیر پھینکنے والا۔

3- اور اس کی امداد کرنے والا۔

تم تیر اندازی کرو اور سواری کرو اور تیر اندازی کرنا سواری کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ ہر وہ چیز جس سے مسلمان لہو کرتا ہے وہ باطل ہے ماسوا اس کا کمان سے تیر پھینکنا اور اپنے گھوڑے کو تربیت دینا اور بیوی سے دل لگی کرنا کیونکہ یہ برحق کام ہیں۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث:1637)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سورج غروب ہونے کے بعد تم اپنے مویشیوں اور بچوں کو باہر نہ نکالو حتیٰ کہ عشاء کی سیاہی غائب ہو جائے کیونکہ سورج غروب ہونے کے بعد شیاطین کھیلتے رہتے ہیں حتیٰ کہ عشاء کی سیاہی غائب ہو جائے۔ (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2013)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت یزید بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی کوئی چیز مذاق سے نہ لے اور نہ سنجیدگی سے یا دل لگی اور کھیل کود کے طور پر لے نہ سنجیدگی سے اور جس شخص نے اپنے بھائی کی لاٹھی لی ہے وہ اس کو واپس کر دے۔ (سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 3003)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ثرید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ
جس نے کسی چڑیا کو بے فائدہ قتل کیا وہ قیامت کے دن اللہ عزوجل سے فریاد کرے گی کہ فلاں شخص نے مجھے عبث قتل کیا اور مجھے کسی فائدہ کے لئے قتل نہیں کیا۔ (سنن النسائی: رقم الحدیث: 4360)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت معاویہ بن بہز رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ
اس شخص کے لئے ہلاکت ہو جو لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولتا ہے اس کے لئے ہلاکت ہو پھر اس کے لئے ہلاکت ہو۔ (سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2315)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں دو میں سے ہوں نہ دو مجھ سے ہے۔ (مسند البزار: رقم الحدیث: 2402)
علامہ ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: دو کا معنیٰ ہے لہو ولعب یعنی میں کھیلنے کودنے والوں میں سے نہیں ہوں اور نہ کھیل کود میرا شغل ہے۔ (النہایہ: ج: 2 ص: 103)
ابو محمد یحییٰ بن محمد نے کہا: دو کا معنیٰ ہے باطل۔ (مجمع الزوائد: ج: 8 ص: 225)
حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص کسی کھیل کے مہروں (مثلاً لوڈو کی گوٹیوں) کے ساتھ کھیلا اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔ (سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 4938)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص نردشیر (چوسر یا شطرنج کے مہروں) کے ساتھ کھیلا پس گویا کہ اس نے اپنا ہاتھ خنزیر کے گوشت اور خون میں رنگ لیا۔ (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2260)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کولڑانے سے منع فرمایا۔ (سنن ترمذی:1709)

ملا علی بن سلطان محمد القاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی 1014ھ لکھتے ہیں: جس طرح تیراندازی اور گھوڑے کوتربیت دینے میں اشتغال لہو باطل نہیں ہے بلکہ برحق امور میں سے ہے اسی طرح ہر وہ کام جو حق میں معاونت کرتا ہو خواہ علم ہو یا عمل جبکہ وہ امور مباحہ میں سے ہو تو اس میں اشتغال لہو باطل نہیں ہے اور برحق امور میں سے جیسا کہ کسی شخص کا گھوڑوں اور اونٹوں میں بغیر شرط باندھے مقابلہ کرانا یا کسی شخص کا بدن کی قوت بحال رکھنے یا قوت حاصل کرنے کے لئے دوڑنا، بھاگنا یا دماغ کی تازگی کے لئے آلات موسیقی کے بغیر حمد، نعت اور حکیمانہ اشعار سننا۔ (مرقات: ج:7،ص:318 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

اور ان کاموں کی وجہ سے انسان فاسق ہو جاتا ہے اور اس کی شہادت قبول نہیں کی جاتی۔

علامہ حسن بن منصور اوزجندی متوفی 592ھ لکھتے ہیں: جو شخص کبوتروں کے ساتھ کھیلتا ہو اور ان کو اڑاتا ہو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ ان کے ساتھ اس کی مشغولیت زیادہ ہوگی اور اس کی غفلت شدید ہوگی اور اس سے یہ خطرہ ہے کہ اس کی نظر مسلمانوں کی خواتین پر پڑے گی لیکن اگر وہ کبوتر کو انس کے لئے اپنے گھر میں بند رکھے اور اس کو اڑائے نہیں تو پھر اس کی گواہی کو قبول کرنا جائز ہے کیونکہ جس کے پاس کبوتروں کا برج (چھتہ) ہو تو وہ فاسق نہیں ہوتا اور جو شخص شرط لگا کر شطرنج کھیلے (یعنی اگر وہ ہار گیا تو وہ اتنی رقم دے گا نہ ہارا تو اتنی رقم لے گا) یا کسی اور چیز کے ساتھ جوا کھیلے تو اس کی گواہی قبول کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ جوا کھیلنا کبیرہ ہے اور اگر بغیر شرط اور جوئے کے شطرنج کھیلے تو اگر وہ دائماً شطرنج کھیلتا ہو حتیٰ کہ وہ کھیل اس کو نمازوں سے غافل کر دے یا وہ کھیل کے دوران جھوٹی قسمیں کھائے تو اس کی گواہی کو قبول کرنا جائز نہیں ہے اور اگر کوئی شخص تھوڑی مقدار میں کوئی کھیل کھیلے جو اس کو فرائض سے غافل نہ کرے تو اس کی عدالت ساقط نہیں ہوگی اور بیوی اور تیر کمان اور گھوڑے کے ساتھ کھیلنے سے اس وقت تک عدالت ساقط نہیں ہوگی جب تک کہ یہ مشغولیت اس کو فرائض سے غافل نہ کر دے اور اگر آلات لہو سے کھیلنا اس کے فرائض سے مانع نہ ہو لیکن لوگوں کے نزدیک وہ کھیل مذموم ہو جیسے مزامیر اور بانسریاں اور اگر لوگوں کے نزدیک مذموم نہ ہوں جیسے گاگا کر اونٹوں کو ہانکنے والے جیسے سرکنڈے کی بانسری بجانا اس سے اس کی عدالت باطل نہیں ہوگی ماسوا اس کے کہ وہ بہت زیادہ گائے بجائے اور لوگ اس کی دھن پر رقص کریں اور اصل (امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی مبسوط) میں مذکور ہے کہ جو شخص گا گا کر مجمع لگاتا ہو اس کی گواہی مقبول نہیں ہے کیونکہ وہ معصیت کا اظہار کر رہا ہے اس طرح جو شخص شرابیوں کی مجلس میں بیٹھے خواہ وہ شراب نہ پئے اور اس کو نشہ نہ آئے اس کی گواہی قبول نہیں ہوگی اور نوحہ کرنے والے مردوں اور عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اور نہ ان لوگوں کی جو سود خوری میں مشہور اور معروف ہوں اور جو نیک شخص فحش اشعار پڑھے اس کی عدالت ساقط نہیں ہوگی کیونکہ وہ دوسروں کے اشعار نقل کرتا ہے اور جو شخص ترنم سے اشعار پڑھے اس کی عدالت بھی ساقط نہیں ہوگی اور جو شخص فرائض کو ان کے وقت کے بعد ادا کرے تو اگر ان فرائض کا وقت معین ہے

جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق اس کی عدالت ساقط نہیں ہوگی۔

اور امام محمد بن مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔

اور بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ

اگر اس نے زکوٰۃ اور حج کو بغیر عذر کے مؤخر کر دیا تو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی اور فقیہ ابو اللیث نے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے امالی میں لکھا ہے کہ

حج فوراً واجب ہوتا ہے اور صحیح یہ ہے کہ زکوٰۃ کی تاخیر سے اس کی عدالت باطل نہیں ہوگی اور جس شخص نے جمعہ سے اعراض کرتے ہوئے بغیر عذر کے تین مسلسل جمعہ نہیں پڑھے تو وہ فاسق ہے اور اس کی عدالت ساقط ہوگئی۔

یہ شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ

جس شخص نے ایک جمعہ بھی بلا عذر ترک کر دیا اس کا یہی حکم ہے اور شمس الائمہ حلوانی کا اسی پر فتویٰ ہے اور اگر اس نے کسی عذر یا مرض یا بعد مسافت کی وجہ سے یا کسی تاویل سے جمعہ کو ترک کیا مثلاً اس کے نزدیک امام فاسق ہے یا گمراہ ہے تو پھر اس کا یہ حکم نہیں ہے اور اگر کسی نماز کی جماعت کو ترک کیا اور اس کو گناہ نہیں جانا جیسا کہ عوام کرتے ہیں تو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی اور اگر اس نے کسی تاویل سے باجماعت نماز نہیں پڑھی مثلاً اس کے نزدیک امام فاسق ہے یا گمراہ ہے تو پھر اس کا یہ حکم نہیں ہے اور جو شخص جھوٹ بولنے میں مشہور ہو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی اور جو شخص اپنی اولاد کو اپنی بیوی کو اور پڑوسیوں کو گالیاں دیتا ہو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی۔

ایک قول یہ ہے کہ

اگر عادۃً ایسا کرتا ہو تو اس کی عدالت ساقط ہوگی اور اگر کبھی کبھی ایسا کرتا ہو تو عدالت ساقط نہیں ہوگی اور جو شخص صرف شلوار پہن کر بازار میں چلتا ہو یا راستہ میں کھاتا ہو تو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی کیونکہ یہ افعال حیا اور آداب کے خلاف ہیں اور جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو گالیاں دیتا ہو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی۔ فاسق جب توبہ کر لے تو اس کی شہادت اس وقت تک قابل قبول نہیں ہوگی جب تک کہ اتنا عرصہ نہ گزر جائے جس میں اس کی توبہ کا اثر ظاہر ہو جائے۔

(فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیہ: ج:2، ص:460 مطبوعہ کبریٰ امیریہ بولاق مصر)

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی متوفی 593ھ لکھتے ہیں: مخنث کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی اور نہ نوحہ کرنے والی کی اور نہ گانے والی کی کیونکہ یہ دونوں حرام کی مرتکب ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی اور گانے والی کی آوازوں سے منع فرمایا ہے اور نہ اس کی شہادت قبول ہوگی جو دواماً سرور حاصل کرنے کے لئے شراب پیتا ہو اور نہ اس شخص کی جو پرندے اڑاتا ہو کیونکہ اس سے غفلت پیدا ہوتی ہے اور نہ اس شخص کی جو مجمع لگا کر گاتا ہو کیونکہ یہ گناہ کبیرہ ہے اور نہ اس شخص کی

گواہی قبول ہوگی جو کسی ایسے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے جس پر حد واجب ہو اور نہ اس شخص کی جو شطرنج میں اشتغال کی وجہ سے نماز ترک کر دے اور نہ اس کی جو سود کھانے میں مشہور ہو اور نہ اس شخص کی جو راستہ میں پیشاب کرتا ہو یا کھاتا پیتا ہو اور نہ اس شخص کی جو اصحاب رسول کو سب وشتم کرے اور نہ رافضیوں کی۔ (ہدایہ اخیرین: ص 162 تا 163 مطبوعہ شرکت علمیہ بیروت)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی 1252ھ لکھتے ہیں:

ہر لہو یعنی عبث اور لعب (فضول کام) مکروہ ہے اس عبارت کا اطلاق نفس فعل کو بھی شامل ہے اور اس کے سننے کو بھی۔ مثلاً رقص کرنا، مذاق اڑانا، تالی بجانا، ستار، سارنگی اور وائلن کے تار بجانا، ہارمونیم اور بانسری بجانا، جھانجھنی بجانا اور بگل اور نرسنگھا بجانا (گٹار بھی اسی حکم میں ہے) یہ تمام افعال مکروہ ہیں کیونکہ یہ افعال کفار کے مشابہ ہیں اور ڈھول اور بانسری وغیرہ کی آواز سننا حرام ہے اور اگر کسی نے اچانک سن لیا تو وہ معذور ہوگا اور اس پر واجب ہے کہ وہ نہ سننے کی کوشش کرے۔

(ردالمختار: ج: 9، ص: 482 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نیز علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: آلات لہو بداھتاً حرام نہیں ہیں بلکہ لہو ولعب کے قصد سے ناجائز ہیں خواہ ان کو سننے والا ہو یا ان کو بجانے والا ہو کیا تم نہیں دیکھتے کہ اختلاف نیت اور اختلاف مقاصد سے یہ آلات موسیقی کبھی حلال ہوتے ہیں اور کبھی حرام اور اس قول میں ہمارے سادات صوفیہ کی دلیل ہے جو سماع سے ان ہی امور کا قصد کرتے تھے جن کا ان ہی کو علم تھا لہٰذا معترض ان پر انکار کرنے میں جلدی نہ کرے تاکہ ان کی برکتوں سے محروم نہ ہو کیونکہ وہ ہمارے بہترین سردار ہیں اللہ تعالیٰ ان کی امداد سے ہماری مدد فرمائے اور ان کی نیک دعاؤں اور برکتوں کو ہم تک پہنچائے۔ اس تمام بحث کو میں نے ملتقی کے حواشی میں لکھا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

شادی کے مواقع پر دف بجانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور میں کہتا ہوں کہ

رمضان میں سوئے ہوئے لوگوں کو جگانے کے لئے طبل بجانا بھی حمام کے بگل بجانے کی طرح جائز ہے۔

(ردالمختار: ج: 9، ص: 427 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

التمیز میں مذکور ہے: شیخ الائمہ الحلوانی سے پوچھا گیا کہ

جو لوگ اپنے آپ کو صوفیہ کہتے ہیں وہ مخصوص قسم کا لباس پہنتے ہیں اور لہو اور رقص میں مشغول رہتے ہیں اور اپنے لیے منزلت کے ایک مرتبہ کے مدعی ہوتے ہیں۔

تو علامہ حلوانی نے کہا: ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا اور بہتان باندھا۔

ان سے پوچھا گیا: اگر وہ غیر شرعی کام کریں تو ان کو شہر بدر کیا جائے گا؟ تاکہ عام لوگوں پر ان کے فتنہ کا اثر نہ ہو۔

انہوں نے کہا: تکلیف دہ چیز کو راستہ سے ہٹانا ایمان کا شعبہ ہے اور اس کو الگ کرنا ضروری ہے۔

اسی طرح تاتارخانیہ میں مذکور ہے۔

سماع اور اشعار کا تکرار اور رقص جس کو ہمارے زمانہ کے بناوٹی صوفی کرتے ہیں حرام ہے اس کا قصد کرنا اور اس کی مجلس میں بیٹھنا جائز نہیں ہے وہ اور غنا اور مزامیر برابر ہیں۔ ان کو بناوٹی صوفیوں نے جائز کیا ہے اور متقدمین مشائخ کے افعال سے استدلال کرتے ہیں۔

الحلوانی نے کہا: میرے نزدیک متقدمین مشائخ کے افعال ایسے نہیں تھے کیونکہ ان کے زمانہ میں ایسا شعر پڑھا جاتا تھا جو ان کے حال کے موافق تھا جس کا دل نرم ہوتا تھا اس کے دل پر غشی طاری ہو جاتی تھی وہ غیر اختیاری طور پر کھڑا ہو جاتا تھا اور اس سے اس کے ارادہ اور اختیار کے بغیر کچھ حرکات صادر ہوتی تھیں۔ ان کے جواز کے متعلق کچھ استبعاد نہیں ہے اور ان افعال پر گرفت نہیں ہوگی اور ان مشائخ کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جائے گا کہ وہ اس قسم کے افعال کرتے تھے جس قسم کے افعال ہمارے زمانے کے فاسقین کرتے ہیں اور جن لوگوں کو احکام شرع کا کوئی علم نہیں ہے۔ استدلال صرف دین دار لوگوں کے افعال سے کیا جاتا ہے۔

اسی طرح جواہر الفتاوی میں مذکور ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ

شادی کے علاوہ دیگر مواقع پر فسق کے بغیر عورتیں ڈھول بجائیں تو کیا آپ اس کو مکروہ کہتے ہیں۔

انہوں نے کہا: میں اس کو مکروہ نہیں کہتا لیکن جس گانے میں لعب فاحش ہوں میں اس کو مکروہ کہتا ہوں۔

عید کے دن دف بجانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (فتاوی عالمگیری: ج:5، ص:352 مطبوعہ امیریہ کبری بولاق مصر)

علامہ ابراہیم بن محمد حلبی متوفی 956ھ لکھتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ

آپ نے قرآن مجید پڑھتے وقت، جنازہ میں، وعظ میں اور جہاد میں آواز بلند کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے تو تمہارا اس غنا (گانے) کے متعلق کیا گمان ہے جس کو یہ لوگ وجد کہتے ہیں۔ (ملتقی الابحر: ج:4، ص:219 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس کی شرح میں علامہ محمد بن محمد الحصکفی متوفی 1088ھ لکھتے ہیں:

جس غنا کو یہ لوگ وجد اور محبت کہتے ہیں یہ مکروہ ہے اس کی دین میں کوئی اصل نہیں ہے۔

الجوہر میں مذکور ہے کہ ہمارے زمانہ میں بناوٹی صوفی جو کچھ کرتے ہیں وہ حرام ہے اس کا قصد کرنا اور ان کی مجلس میں بیٹھنا جائز نہیں ہے اور ان سے پہلے لوگوں نے یہ کام نہیں کیے۔

اسی طرح جو منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعار سنے ہیں وہ غنا کی اباحت پر دلالت نہیں کرتا وہ اشعار حکمت اور وعظ و نصیحت پر مبنی تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تواجد کی حدیث مبارکہ صحیح نہیں ہے۔ اور نصر اباذی سماع کرتے تھے ان کو ملامت کی گئی۔

تو انہوں نے کہا: سماع غیبت کرنے سے بہتر ہے۔

ان سے کہا گیا: ہیہات! بلکہ سماع کی لغزش غیبت سے برتر ہے۔

سری سقطی نے کہا: وجد کرنے کی شرط یہ ہے کہ وجد کرنے والا حالت وجد میں اس حد پر ہو کہ اگر اس کے چہرے پر تلوار ماری جائے تو اس کو درد کا احساس نہ ہو البتہ تنہائی میں بیٹھ کر گنگنانا اور شادی اور دعوت کے موقع پر اشعار پڑھنا جائز ہے۔

(الدر المنتقی: ج:4، ص:219 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

قوم لوط کا غلیل بازی کرنا

قوم لوط کی بری خصلتوں میں سے ایک خصلت یہ بھی تھی کہ وہ غلیل بازی کرتی تھی۔

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قوم لوط دس خصلتوں کی وجہ سے پہچانی جاتی تھی۔

1-کبوتروں سے کھیلنا 2-غلیل بازی کرنا۔ (تاریخ دمشق الکبیر: رقم الحدیث: 11724)

قوم لوط کا سیٹیاں بجانا

قوم لوط کی ایک بری خصلت یہ بھی تھی کہ وہ سیٹیاں بجاتے تھے۔

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قوم لوط دس خصلتوں کی وجہ سے پہچانی جاتی تھی۔

1-کبوتروں سے کھیلنا 2-غلیل بازی کرنا 3-سیٹیاں بجانا۔

(تاریخ دمشق الکبیر: رقم الحدیث: 11724)

قوم لوط کا مجلس میں کنکر پھینکنا

قوم لوط جہاں مجلس لگی ہوتی تھی تو وہاں پر کنکر پھینکتے تھے۔

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قوم لوط دس خصلتوں کی وجہ سے پہچانی جاتی تھی۔

1-کبوتر سے کھیلنا 2-غلیل بازی کرنا 3-سیٹیاں بجانا 4-مجلس میں کنکر پھینکنا۔

(تاریخ دمشق الکبیر: رقم الحدیث: 11724)

قوم لوط کا سر کے بال سیدھے سنوارنا

قوم لوط اپنے سر کے بالوں کو سیدھے سنوارتے تھے۔

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قوم لوط دس خصلتوں کی وجہ سے پہچانی جاتی تھی۔

1- کبوتروں سے کھیلنا 2- غلیل بازی کرنا 3- سیٹیاں بجانا 4- مجلس میں کنکر پھینکنا

5- سر کے بال سیدھے سنوارنا۔ (تاریخ دمشق الکبیر: رقم الحدیث: 11724)

قوم لوط کا دنداسہ لگانا

قوم لوط کی ایک بری خصلت یہ بھی تھی کہ وہ دنداسہ لگاتے تھے۔

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قوم لوط دس خصلتوں کی وجہ سے پہچانی جاتی تھی۔

1- کبوتروں سے کھیلنا 2- غلیل بازی کرنا 3- سیٹیاں بجانا 4- مجلس میں کنکر پھینکنا

5- سر کے بال سیدھے سنوارنا 6- دنداسہ لگانا۔ (تاریخ دمشق الکبیر: رقم الحدیث: 11724)

قوم لوط کا چادر کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا

قوم لوط چادر کو ٹخنوں سے نیچے لٹکاتی تھی جو کہ تکبر کی علامت ہے۔

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قوم لوط دس خصلتوں کی وجہ سے پہچانی جاتی تھی۔

1- کبوتروں سے کھیلنا 2- غلیل بازی کرنا 3- سیٹیاں بجانا 4- مجلس میں کنکر پھینکنا

5- سر کے بال سیدھے سنوارنا 6- دنداسہ لگانا 7- چادر کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا۔

(تاریخ دمشق الکبیر: رقم الحدیث: 11724)

کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے میں مذمت

کپڑوں کو نیچے لٹکانا منع ہے جس کی تائید میں بے کثیر احادیث مبارکہ اور فقہاء کرام کی آراء ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تہبند کا جو حصہ ٹخنوں کے نیچے ہوگا وہ جہنم میں ہوگا۔

(صحیح بخاری: ج:2، ص:861 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے تہبند کو آدھی پنڈلیوں تک اونچا رکھو اور اگر ایسا نہ کرو تو ٹخنوں تک اونچا رکھو اور تہبند لٹکانے سے اجتناب کرو کیونکہ یہ تکبر کی علامت ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں کرتا۔

(سنن ابوداؤد: ج:2، ص:208 مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ایک شخص اپنے تہبند کو گھسیٹ کر چلتا تھا اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔
(صحیح بخاری: ج:2،ص: 861 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)
ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مومن کے تہبند کی حد پنڈلیوں کے نصف تک ہے اگر ٹخنوں تک ہو تو کوئی حرج نہیں ہے اور جو ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم میں ہے۔ (المصنف: ج:8،ص:203 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)
ایک اور روایت میں ہے: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری پنڈلی یا اپنی پنڈلی کے پٹھوں کو پکڑ کر فرمایا: یہ تہبند کی جگہ ہے اگر تم ایسا نہ کرو تو اس سے نیچے اور اگر ایسا نہ کرو تو اس سے ذرا اور نیچے اور اگر تم ایسا نہ کرو تو ٹخنوں پر تہبند کا کوئی حق نہیں ہے۔
(المصنف: ج:8،ص:202 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)
ایک اور روایت میں ہے:
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ایک شخص تہبند لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا جا کر وضو کرو۔ اس نے جا کر وضو کیا اور پھر آیا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جاؤ وضو کرو۔
ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو وضو کرنے کا حکم کیوں دیا ہے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔
پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ شخص تہبند لٹکا کر نماز پڑھ رہا تھا اور اللہ تعالیٰ تہبند لٹکانے والے کی نماز کو قبول نہیں کرتا۔ (المصنف: ج:8،ص:201 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)
ایک اور روایت میں ہے: حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ
جس شخص کا تہبند ٹخنوں کو چھوئے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ (المصنف: ج:8،ص:201 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)
ایک اور روایت میں ہے: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا جس نے اپنا کپڑا تکبر کی وجہ سے (ٹخنوں سے نیچے) لٹکایا۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5783)

حنابلہ کا موقف

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی 620ھ لکھتے ہیں:

قیصوں، تہبندوں اور شلواروں کو تکبر سے لٹکانا مکروہ ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جس شخص نے اپنے کپڑوں کو تکبر سے لٹکایا اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا۔

اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے نماز میں تکبر کی وجہ سے کپڑا لٹکایا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی حلال میں ہے نہ حرام میں۔ (المغنی: ج: 1، ص: 341 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فقہاء شافعیہ کا مؤقف

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی 676ھ لکھتے ہیں: تہبند، قمیض اور عمامہ ان میں سے ہر ایک کو ٹخنوں کے نیچے تکبر سے لٹکانا منع ہے اور بغیر تکبر کے لٹکانا مکروہ ہے چونکہ احادیث مبارکہ میں کپڑا لٹکانے کی ممانعت کو تکبر کے ساتھ مقید کیا ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ تحریم تکبر کے ساتھ مخصوص ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس فرق کی تصریح کی ہے اور عورتوں کے لئے کپڑا لٹکانے کی اجازت ہے اس کے جواز کی احادیث مبارکہ میں تصریح ہے اور اس کے جواز پر علماء کرام کا اجماع ہے۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔

مومن کا تہبند پنڈلیوں کے نصف سے لے کر ٹخنوں تک نیچے ہو تو کوئی حرج نہیں ہے اور جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم میں ہے لہٰذا پنڈلیوں کے نصف تک لٹکانا مستحب ہے اور ٹخنوں تک نیچے کرنا بلا کراہت جائز ہے اور تہبند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا اگر تکبر کی وجہ سے ہو تو مکروہ تحریمی ہے اور صغیر تکبر کے مکروہ تنزیہی ہے اور جن احادیث مبارکہ میں مطلقاً آیا ہے کہ جو کپڑا ٹخنوں سے نیچے ہو تو وہ جہنم میں ہے اس سے مراد وہ کپڑا ہے جو تکبر کی وجہ سے لٹکایا گیا ہو کیونکہ یہ احادیث مبارکہ مطلق ہیں اور مطلق کو مقید پر حمل کرنا واجب ہے۔ (شرح مسلم: ج: 2، ص: 195 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

ان احادیث مبارکہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تکبر سے تہبند لٹکانا گناہ کبیرہ ہے اور بغیر تکبر کے تہبند لٹکانا بھی بظاہر احادیث مبارکہ سے حرام ہی معلوم ہوتا ہے مگر احادیث مبارکہ میں جو تکبر کی قید لگائی گئی ہے اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جن احادیث مبارکہ میں تہبند لٹکانے سے مطلقاً منع کیا ہے وہ بھی تکبر سے لٹکانے پر محمول ہیں لہٰذا بغیر تکبر کے تہبند لٹکانا حرام نہیں ہے۔

علامہ ابن عبد البر (مالکی) نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث مبارکہ کے مفہوم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بغیر تکبر کے تہبند لٹکانے پر وعید نہیں ہے البتہ قیص اور دیگر کپڑوں کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا ہر حال میں مذموم ہے۔

(فتح الباری: ج: 10، ص: 263 مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی متوفی 786ھ لکھتے ہیں: تہبند گھسیٹ کر چلنا اس وقت حرام ہے جب تکبر کی وجہ سے ہو اور جب تکبر نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

فقہاء کرام نے کہا ہے کہ

قمیض اور تہبند کی لمبائی میں مستحب یہ ہے کہ پنڈلیوں کے نصف تک ہو اور ٹخنوں تک بلا کراہت جائز ہے اور اگر ٹخنوں سے نیچے ہو تو یہ تکبر کے ساتھ مکروہ تحریمی ہے اور بغیر تکبر کے مکروہ تنزیہی ہے۔

(تحقیق الکوکب الدراری شرح بخاری: ج:21، ص:53 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فقہاء مالکیہ کا مؤقف

علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی 828ھ لکھتے ہیں:

یہ احادیث مبارکہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے کی ممانعت تکبر کی وجہ سے ہے سو جو شخص جلدی کی وجہ سے کپڑا گھسیٹ کر چلا یا اس کا تہبند قائم نہیں رہتا اور پھسل کر نیچے آجاتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح میدان جنگ میں کفار کے سامنے تکبر سے تہبند لٹکانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس میں اسلام کی عزت اور دشمن اسلام کی تحقیر ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہر حال میں کراہت منقول ہے۔

(اکمال اکمال المعلم: ج:5، ص:385 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن یوسف سنوسی مالکی متوفی 895ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث مبارکہ کا معنیٰ یہ ہے کہ جس شخص کے لباس کا جو حصہ ٹخنوں کے نیچے ہو گا وہ جہنم میں ہو گا بہ شرطیکہ وہ تکبر کی بناء پر ہو کیونکہ حدیث مبارکہ مطلق ہے اس لیے کہ اس کو مقید پر محمول کیا جائے گا اور اگر تکبر کی بناء پر لباس نہ لٹکایا گیا ہو تو پھر وہ مکروہ تنزیہی) ہے۔ (مکمل اکمال الاکمال: ج:5، ص:385 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر مالکی اندلسی متوفی 463ھ لکھتے ہیں: (مؤطا امام مالک کی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کردہ) یہ حدیث مبارکہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس شخص نے بغیر تکبر کے اپنے تہبند کو گھسیٹا اور نہ اس میں کوئی حرج ہے تو اس کو وعید مذکور لاحق نہیں ہوگی البتہ تہبند قمیص اور باقی کپڑوں کو گھسیٹتے ہوئے چلنا ہر حال میں مذموم ہے اور جو تکبر سے گھسیٹے اس کو یہ وعید بہر حال لاحق ہوگی۔ (التمہید: ج:3، ص:244 مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ لاہور)

نیز حافظ ابن عبدالبر مالکی لکھتے ہیں: اس حدیث مبارکہ میں یہ دلیل ہے کہ جس شخص نے اپنے تہبند یا کپڑے کو تکبر یا اکڑ کے بغیر گھسیٹا تو اس کو یہ وعید مذکور لاحق نہیں ہوگی اور خیلاء اور بطر کا معنیٰ ہے تکبر کرنا، اکڑ کر چلنا اور لوگوں کو حقیر جاننا۔

(الاستذکار: ج:26، ص:187 مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ)

احناف کا مؤقف

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ لکھتے ہیں: جس شخص نے بغیر قصد تکبر کے تہبند ٹخنوں کے نیچے باندھا تو کوئی کراہت نہیں ہے نہ کوئی حرج ہے اسی طرح کسی ضرر کو دور کرنے کے لئے بھی ٹخنوں سے نیچے لباس لٹکانا جائز ہے مثلاً

اس کے ٹخنوں کے نیچے کوئی زخم ہو یا خارش ہو یا اگر وہ ٹخنوں کو نہ ڈھانپے تو اس پر مکھیاں اور دیگر حشرات الارض کے بیٹھنے کا خطرہ ہو اور لمبی قمیص یا لمبا تہبند اور کوئی چیز ڈھانپنے کے لئے میسر نہ ہو۔ (عمدۃ القاری: ج:21،ص:295 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ مصر)

مزید راقم ہیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے تہبند کے ایک جانب پھسل جانے کا ذکر کیا۔

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم تکبر سے ایسا نہیں کرتے۔

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ جس شخص کا تہبند بلا قصد پھسل جائے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اگر یہ اعتراض ہو کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہر حال میں تہبند لٹکانے کو مکروہ کہتے تھے۔

اس کے جواب میں علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ

یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی تشدیدات میں سے ہے ورنہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تو خود اس حدیث مبارکہ کے راوی ہیں ان سے یہ حکم کیسے مخفی ہو سکتا ہے۔

(عمدۃ القاری: ج:21،ص:296 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ مصر)

مزید راقم ہیں: نماز کسوف کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی سے اپنا تہبند گھسیٹتے ہوئے کھڑے ہوئے۔

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ بغیر تکبر کے تہبند گھسیٹ کر چلنا حرام نہیں ہے لیکن مکروہ تنزیہی ہے۔

(عمدۃ القاری: ج:21،ص:296 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ مصر)

ملا علی بن سلطان محمد القاری حنفی متوفی 1014ھ لکھتے ہیں:

بخاری کی حدیث مبارکہ سے یہ معلوم ہوا کہ بغیر تکبر کے تہبند گھسیٹ کر چلنا حرام نہیں ہے لیکن یہ مکروہ تنزیہی ہے۔

(المرقات: ج:8،ص:238 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی متوفی 1052ھ لکھتے ہیں: اگر کوئی شخص تکبر، اسراف اور طغیان (سرکشی) کی نیت سے اپنا تہبند کو لمبا بناتا ہے اور اس کو گھسیٹتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف لطف وعنایت کی نظر نہیں فرمائے گا۔ اس قید سے معلوم ہوا کہ اگر تہبند اس طرح نہ ہو تو حرام نہیں ہے لیکن مکروہ تنزیہی ہے اور اگر کوئی عذر ہو مثلاً سردی ہو یا کوئی بیماری تو بالکل مکروہ نہیں ہے۔ (اشعۃ اللمعات: ج:3،ص:537 مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ)

مزید راقم ہیں: حرام وہ صورت ہے جب کوئی شخص عجب اور تکبر سے کپڑا لٹکائے۔

(اشعۃ اللمعات: ج:3،ص:555 مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ)

مزید راقم ہیں: طعام اور لباس میں توسیع، اسراف اور تکبر کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہے اور اگر اس طرح نہ ہو تو مباح ہے۔

(اشعۃ اللمعات: ج:3،ص:558 مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: مرد کا تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکانا اگر تکبر کی وجہ سے نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری، ج:5،ص:333 مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1340ھ لکھتے ہیں:

پائینچوں کا کعبین (ٹخنوں) سے نیچا ہونا جسے عربی میں اسبال کہتے ہیں اگر براہ عجب وتکبر ہے تو قطعاً ممنوع وحرام ہے اور اس پر وعید شدید وارد۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے تکبر کی وجہ سے اپنی چادر کو لٹکایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا۔

امام ابوداؤد، امام ابن ماجہ، امام نسائی اور امام ترمذی نے بھی الفاظ متقاربہ کے ساتھ اسی طرح روایت کیا ہے۔

اگر بوجہ تکبر نہیں تو بحکم ظاہر احادیث مردوں کو بھی جائز ہے جیسے کہ تکبر کی قید سے تم کو خود معلوم ہوگا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری ازار ایک جانب سے لٹک جاتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آپ ان میں سے نہیں ہیں جو ایسا براہ تکبر کرتے ہوں۔

احادیث مبارکہ میں جو اس پر وعید ہے اس سے یہی صورت مراد ہے کہ بہ تکبر اسبال کرتا ہو ورنہ ہرگز یہ وعید شدید اس پر وارد نہیں مگر علماء کرام درصورت عدم تکبر حکم کراہت تنزیہی دیتے ہیں۔

فتاوی عالمگیری میں ہے: اگر اسبال تکبر سے نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔ اسی طرح غرائب میں ہے۔

بالجملہ اسبال اگر براہ عجب وتکبر ہے تو حرام ورنہ مکروہ اور خلاف اولیٰ نہ حرام و مستحق وعید اور یہ بھی اس صورت میں ہے کہ پیچھے جانب پاشنہ نیچے ہوں اور اگر اس طرف کعبین سے بلند ہیں گو پنجہ کی جانب پشت پا پر ہوں ہرگز کچھ مضائقہ نہیں۔ اس طرح کا لٹکانا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بلکہ خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ

عکرمہ نے دیکھا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے چادر باندھی اور اگلی جانب سے چادران کے قدم کی پشت پر تھی اور اس کی پچھلی جانب اوپر اٹھی ہوئی تھی۔

میں نے پوچھا: آپ نے اس طرح چادر کیوں باندھی ہے؟

انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح چادر باندھے ہوئے دیکھا ہے۔

اس حدیث مبارکہ کے تمام راوی ثقہ اور عدول ہیں جن سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں کہ

اس جگہ سے معلوم ہوا کہ اسبال کی نفی میں ایک جانب سے اونچا کرنا کافی ہے۔

عالمگیری میں ہے کہ ہاں اس میں شبہ نہیں کہ نصف ساق تک پائینچوں کا ہونا بہتر وعزیمت ہے اکثر ازار پر انوار سید الابرار

یہیں تک ہوتی تھیں۔ (فتاویٰ رضویہ: ج:10 ،ص:110، 295 مطبوعہ ادارۃ تصنیفات امام احمد رضا کراچی)

دیوبندیوں کا موقف اوران کارد

علماء دیوبندی کا موقف اس طرح ہے: (سوال 114) زید کا خیال ہے کہ ازار تحت الکعبین ممنوع اس وقت ہے جبکہ براہ تکبر وخیلاء ہو جیسا کہ عرب کا دستور تھا کہ اس پر فخر کیا کرتے تھے اور جبکہ تکبرانہ ہو محض خوبصورتی اور زینت کے لئے ایسا کرے تو جائز ہے چنانچہ احادیث مبارکہ میں اکثر یہ قید مذکور ہے کہ جس نے اپنے تہبند کو تکبر سے گھسیٹا وغیرہ میں نے خیلاء کی قید ضرور ہے اور جو احادیث مبارکہ مطلق ہیں جیسے جو کپڑا ٹخنوں سے نیچے ہو وہ دوزخ میں ہے وہ بھی حسب دستور عرب اسی قید پر محمول ہیں اور مطلق کا مقید پر محمول نہ ہونا اس وقت ہے جبکہ مطلق ومقید دونوں دو واقعہ پر آئے ہوں جیسے کفارہ قتل و کفارہ ظہار اور اتحاد واقعہ کے وقت حسب اصول حنفیہ مطلق مقید پر محمول ہو جاتا ہے جیسے کفارہ قسم کا۔ قرأت ابن مسعود میں متتابعات کے ساتھ مقید ہو جانا۔ نیز اس کی مؤید وہ حدیث مبارکہ ہے کہ حضرت نے ما اسفل من الکعبین کی وعید بیان کی۔

اور فرمایا: جس نے تکبر کی وجہ سے اپنا کپڑا گھسیٹا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری ازار لٹک پڑتی ہے مگر یہ کہ میں اس کی دیکھ بھال کروں۔

تو حضرت نے فرمایا: تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔

پس اگر مطلقاً جر ازار (تہبند گھسیٹنا) ممنوع ہوتا تو آپ اجازت نہ دیتے تو معلوم ہوا کہ یہ وعید خیلا (تکبر) ہی کی صورت ہے اور بلا اس کے جائز ہے اس شبہ کا حل مطلوب ہے؟

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی 1364ھ اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: نور الانوار میں ایک حکم میں مطلق کو مقید پر محمول کرنے کی بحث میں ہے۔

صدقہ فطر کے سبب میں دو نصیں وارد ہیں اور اسباب میں کوئی مزاحمت نہیں ہے پس ان کے درمیان جمع کرنا واجب ہے یعنی ہم نے جو کہا ہے کہ حادثہ واحدہ اور حکم واحد میں مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا یہ اس وقت ہے جب مطلق اور مقید دونوں حکم میں وارد ہوں تضاد کی وجہ سے لیکن جب مطلق اور مقید اسباب یا شروط میں وارد ہوں تو پھر کوئی مضائقہ اور تضاد نہیں ہے پس یہ ممکن ہے کہ مطلق اپنے اطلاق کے ساتھ سبب ہو اور مقید اپنی تقیید کے ساتھ سبب ہو اور مانحن فیہ (زیر بحث صورت) میں حکم معصیت ہے اور مطلق جر اور جر للخیلاء اسباب اس کے ہیں یہاں مطلق کو مقید پر محمول کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے پس مطلق جر کو بھی حرام کہیں گے اور جر للخیلاء کو بھی۔

(مطلق تہبند گھسیٹنا بھی حرام ہے اور تکبر کی وجہ سے گھسیٹنا بھی حرام ہے)

(امداد الفتاویٰ: ج:4،ص 121 تا 122 مطبوعہ مکتبہ دارالعلوم کراچی)

بلیغ

شیخ تھانوی کا مذکورہ جواب درست نہیں ہے۔اس جواب کا رد کرنے سے پہلے ہم پسند کرتے ہیں کہ فقہاءِ احناف کے نزدیک مطلق کو مقید پر محمول کرنے اور نہ کرنے کے قواعد کی وضاحت کر دیں تاکہ عام قارئین بھی اس مسئلہ کو آسانی سے سمجھ سکیں۔فقہاءِ احناف کے نزدیک جب کسی واقعہ میں ایک حکم ایک جگہ مطلق ہو اور دوسری جگہ مقید ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کرنا واجب ہے ورنہ حکم میں تضاد ہو گا۔ایک جگہ مطلق ہے اور ایک جگہ مقید ہے۔

اس کی یہ مثال ہے: اللہ تعالیٰ نے قسم توڑنے کا کفارہ بیان فرمایا کہ وہ دس مسکینوں کو متوسط درجہ کا کھانا کھلائے یا ان کو کپڑے پہنائے یا ایک غلام آزاد کرے۔

پھر اس کے بعد فرمایا: فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ (المائدہ:89)

اور جو ان میں سے کچھ نہ پائے تو وہ تین دن کے روزے رکھے۔

اس آیت کریمہ میں تین دن کے روزے مطلق ہیں مگر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ہے۔

فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ متتابعات

تین دن کے روزے مسلسل ہیں۔

پہلا حکم مطلق تھا اور دوسرا حکم مقید تھا۔اب اگر مطلق کو مقید پر محمول نہ کیا جائے تو حکم میں تضاد لازم آئے گا جو کہ درست نہیں ہے اس لیے یہاں مطلق کو مقید پر محمول کرنا واجب ہے اور تین دن کے روزے پے در پے رکھنا قسم کفارہ ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ

جب مطلق اور مقید حکم میں وارد ہوں تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے مگر جب مطلق اور مقید سبب میں وارد ہوں مثلاً ایک واقعہ میں ایک جگہ حکم کا سبب مطلق ہے اور دوسری جگہ اس واقعہ میں حکم کا سبب مقید ہے تو اب مطلق کو مقید پر محمول کرنا واجب نہیں کیونکہ ایک حکم کے کئی سبب ہو سکتے ہیں تو جائز ہے کہ ایک سبب مطلق ہو اور دوسرا سبب مقید ہو اور اس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

جیسے ایک حدیث مبارکہ میں ہے۔

ہر آزاد اور غلام کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرو۔

اور دوسری حدیث مبارکہ میں ہے۔

ہر آزاد اور مسلمان غلام کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرو۔

پہلی حدیث مبارکہ میں مطلق غلام کا ذکر ہے اور دوسری حدیث مبارکہ میں مقید ہے یعنی مسلمان غلام کا ذکر ہے۔اب مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جائے گا کیونکہ صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کا سبب سر (شخص) ہے۔پہلی حدیث میں اس حکم کا سبب مطلق سر یعنی (مطلق) غلام ہے اور دوسری حدیث مبارکہ میں مقید سر (شخص) یعنی مسلمان غلام اس کا سبب ہے اور ایک حکم کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں ان میں تضاد نہیں ہے اس لیے یہاں مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جائے

گا۔ (نور الانوار: ص 159 تا 160، کشف الاسرار: ج:2، ص 535 تا 536)

اس تمہید کے بعد ہم یہ واضح کرتے ہیں کہ شیخ تھانوی کا جواب صحیح نہیں ہے۔

انہوں نے لکھا ہے کہ

زیر بحث صورت میں حکم معصیت (نافرمانی) ہے اور مطلق جر اور جر للخیلاء اسباب اس کے ہیں۔ (امداد الفتاوٰی: ص:122)

جر ثوب اور جر ثوب للخیلاء (کپڑا گھسیٹنا یا تکبر کی وجہ سے کپڑا گھسیٹنا) یہی تو بعینہ معصیت اور نافرمانی ہے۔ تھانوی صاحب اسی کو حکم بھی قرار دے رہے ہیں اور اسی کو حکم کے اسباب بھی قرار دے رہے ہیں اور یہ صریح کون الشیء سبباً لنفسہ (کسی چیز کا خود اپنا سبب ہونا) ہے اور یہ بداہۃً باطل ہے۔ سبب مقدم ہوتا ہے اور اس کا حکم مؤخر ہوتا ہے اور جب ایک چیز خود اپنا سبب ہوگی تو وہ اپنے آپ پر مقدم ہوگی اور یہ علمی اصطلاح میں دور لازم آ رہا ہے جو عقلاً محال اور باطل ہے۔

نیز تھانوی صاحب نے لکھا ہے کہ اس بحث میں حکم معصیت ہے۔ (امداد الفتاوٰی: ص:122)

واضح رہے کہ حکم کے دو معنی ہیں ایک حکم منطقی یا نحوی ہے۔ اس کی تعریف ہے ایک امر کا دوسرے امر کی طرف ایجاباً یا سلباً، اسناد اور دوسرا حکم شرعی ہے اس کی تعریف ہے اللہ تعالیٰ کا حکم جو مکلفین کے افعال سے متعلق ہو۔ (التعریفات: ص:66 مطبوعہ مکہ مکرمہ)

اور مطلق اور مقید کی اس بحث میں حکم سے مراد حکم شرعی ہے یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول کا حکم۔ پہلے حکم کی مثال ہے کفارہ قسم میں تین دن کے یا مسلسل تین دن کے روزے رکھنا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور دوسرے حکم کی مثال ہے ہر آزاد اور غلام کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرو یا ہر آزاد اور مسلمان غلام کی طرف سے صدقہ ادا کرو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مثال ہے۔

اس جواب میں دوسری غلطی یہ ہے کہ اس جواب میں معصیت کو حکم کہا گیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم معصیت کا حکم نہیں دیتے بلکہ معصیت نہ کرنے کا حکم دیتے تھے اس حدیث مبارکہ میں سرے سے کوئی حکم ہی نہیں ہے بلکہ ایک مخصوص فعل پر اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت نہ کرنے کی وعید سنائی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ حدیث مبارکہ اس مخصوص فعل (تکبر سے کپڑا گھسیٹنے) کی ممانعت یا اس سے اجتناب کے حکم کو متضمن ہے۔

ہم اس حدیث مبارکہ کو بیان کر کے اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے تکبر کے سبب اپنا کپڑا گھسیٹا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے تہبند کی ایک جانب ڈھلک جاتی ہے سوا اس کے کہ میں اس کی دیکھ بھال کروں۔

پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو یہ تکبر سے کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5784)

اس حدیث مبارکہ میں تہبند گھسیٹنے پر وعید کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وجوداً اور عدماً خیلاء (تکبر) پر معلق فرمایا ہے۔

وجوداً کی دلیل یہ ہے کہ جو شخص تکبر سے تہبند گھسیٹے اس پر آپ نے وعید سنائی ہے۔

عدماً کی دلیل یہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم تکبر سے ایسا نہیں کرتے یعنی تم کو یہ وعید لاحق نہیں ہوگی۔

شیخ تھانوی نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ چونکہ خیلاء سبب ہوتا ہے تعمد کا اس لیے سبب بول کر سبب مراد لیا گیا۔

(امداد الفتاویٰ: ج:4، ص:123)

یعنی آپ نے جو فرمایا ہے کہ تم تکبر سے ایسا نہیں کرتے اس کا معنیٰ ہے تم عمداً ایسا نہیں کرتے اور تکبر سے مراد عمد ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ تاویل باطل ہے کیونکہ سبب بول کر مسبب مراد لینا مجاز ہے اور مجاز کا ارادہ اس وقت کیا جاتا ہے جب حقیقت محال یا متعذر ہو اور یہاں پر اس کلام کو حقیقت پر محمول کرنے اور تکبر کا معنیٰ مراد لینے پر کوئی عقلی یا شرعی مانع نہیں ہے اس لیے کلام رسول کو اپنی خواہش کا معنیٰ بلاوجہ پہنانا باطل ہے۔ جب یہ واضح ہو گیا کہ کپڑا لٹکانے یا گھسیٹنے کی علت تکبر ہے تو جس صورت میں تکبر نہیں ہوگا اس صورت میں وعید بھی لاحق نہیں ہوگی دیکھیے ربا بالفضل کی حرمت کی علت قدر اور جنس کا اتحاد اور بیع کا ادھار ہونا ہے اور جب یہ علت نہیں ہوگی تو ربا بالفضل حرام نہیں ہوگا یا جیسے نماز کی شرط وضو ہے جب وضو نہیں ہوگا تو نماز نہیں ہوگی یا جیسے مغرب کی نماز کا سبب غروب آفتاب ہے جب غروب آفتاب نہیں ہوگا تو مغرب کی نماز فرض نہیں ہوگی اسی طرح جب کپڑا لٹکانے میں تکبر نہیں ہوگا تو اس کی وعید بھی لاحق نہیں ہوگی۔

شیخ انور شاہ کشمیری متوفی 1352ھ لکھتے ہیں: ہمارے نزدیک کپڑے کو گھسیٹنا مطلقاً ممنوع ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ممانعت کو تکبر کی صورت میں منحصر کیا ہے اور اگر تکبر کے بغیر کپڑا گھسیٹا جائے تو وہ جائز ہے اور اس وقت یہ حدیث مبارکہ احکام لباس سے نہیں ہوگی اور حق کے زیادہ قریب فقہاء احناف کا مذہب ہے کیونکہ تکبر فی نفسہ ممنوع ہے اور اس کی کپڑا گھسیٹنے کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جو فرمایا تھا کہ تم تکبر کی وجہ سے تہبند نہیں گھسیٹتے تو اس میں تکبر کو ایک مناسب علت کے طور پر بیان فرمایا ہے ہر چند کہ تکبر پر ممانعت کا مدار نہیں ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے تہبند گھسیٹنے کے جواز کی علت یہ تھی کہ جب تک وہ خوب احتیاط سے تہبند نہ باندھیں ان کا تہبند پھسل جاتا تھا البتہ عدم تکبر کو آپ نے ایک زائد علت کے طور پر بیان فرمایا جو جواز کی مقید ہے اور اس کی تاکید کرتی ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی مسئلہ کا پوچھنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک ممانعت بہ طور عموم تھی (یعنی تکبر ہو یا نہ ہو تہبند گھسیٹنا ممنوع ہے) اور اگر ان کے نزدیک یہ ممانعت تکبر کی وجہ سے ہوتی تو پھر ان کے سوال کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ سوال کیا تھا کہ

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے تہبند کی ایک جانب پھسل جاتی ہے مگر یہ کہ میں اس کو خوب احتیاط سے باندھوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہوں۔

اور کسی مناسب امر کو بہ طور علت بیان کرنا معروف طریقہ ہے اور ہمارے لیے یہ کہنا جائز ہے کہ تکبر سے گھسیٹنا اس شخص کے لئے ممنوع ہے جو مضبوطی سے تہبند باندھ سکتا ہو اس لیے فقط تکبر پر ممانعت کا مدار نہیں ہے۔

شیخ بدر عالم میرٹھی اس عبارت پر حاشیہ لکھتے ہیں: میں یہ کہتا ہوں کہ

شریعت نے صرف گھسیٹنے کو تکبر قرار دیا ہے کیونکہ جو لوگ اپنے کپڑوں کو گھسیٹتے ہیں وہ صرف تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں اور ہم نے اپنے زمانہ میں بھی اس کا تجربہ کیا ہے اور اگر ہمارے زمانہ میں اس طرح نہ ہوتا تو عرب میں بہر حال اس طرح ہوتا تھا اور اب اس حکم میں سبب کو مسبب کے قائم مقام کرنا ہے (کپڑا گھسیٹنا سبب ہے اور تکبر مسبب ہے اور کپڑا گھسیٹنے سے اس لیے منع کیا ہے کہ وہ تکبر کا سبب ہے) جیسے نیند حدث (وضو ٹوٹنا) نہیں ہے لیکن وہ پٹھوں کے ڈھیلے ہونے کا سبب ہے جس سے عموماً ہوا خارج ہو جاتی ہے اس لیے نیند کو حدث کا سبب قرار دے دیا۔ اسی طرح سفر مشقت کے قائم مقام ہے اور مباشرت فاحشہ بھی کسی چیز کے نکلنے کا عادتاً سبب ہے اس لیے مباشرت فاحشہ کو حدث اکبر کا سبب قرار دے دیا اسی طرح کپڑا گھسیٹنا بھی تکبر کا سبب ہے اور یہ ایک پوشیدہ چیز ہے جس کا ادراک کرنا مشکل ہے جیسے سفر میں مشقت اور نیند میں حدث اور مباشرت فاحشہ میں کسی چیز کا نکلنا اس لیے کپڑا گھسیٹنے پر ممانعت کا حکم لگا دیا گیا۔ علاوہ ازیں ہم نے تجربہ کیا ہے کہ ظاہر کا باطن میں اثر ہوتا ہے اسی وجہ سے نیک اور اچھے نام رکھنے کا حکم ہے اور جس شخص نے کپڑا گھسیٹا وہ اس بات سے محفوظ نہیں ہے کہ اس کے باطن میں تکبر سرایت کر جائے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ نصف پنڈلیوں تک باندھو اور اگر تم انکار کرو تو ٹخنوں میں تمہارا حق نہیں ہے۔

اس میں یہ دلیل ہے کہ یہ حدیث مبارکہ احکام لباس سے ہے اور ٹخنوں سے نیچے ہمارا حق نہیں ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ممانعت میں تکبر کی خصوصیت نہیں ہے اور اس سے بھی زیادہ واضح یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو بھی ایک بالشت سے زیادہ لباس لٹکانے کی اجازت نہیں دی حالانکہ ان کو لباس لٹکانے کی بہت زیادہ ضرورت ہے اور انہوں نے آپ سے اس کے متعلق سوال کیا اور آپ نے جواب میں تکبر یا عدم تکبر کا فرق نہیں کیا۔

(فیض الباری مع الحاشیہ: ج:4،ص:373 تا 374 مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند)

شیخ بدر عالم میرٹھی نے لکھا ہے کہ جس طرح نیند حدث کا سبب ہے اور مباشرت فاحشہ حدث اکبر کا سبب ہے اور سفر مشقت کا سبب ہے اسی طرح ہم جرثواب (کپڑا گھسیٹنے) کو تکبر کا سبب قرار دیتے ہیں ان کی اتباع میں جسٹس محمد تقی عثمانی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ نیند کا حدث کے لئے سبب ہونا اور مباشرت فاحشہ کا حدث اکبر کے لئے سبب ہونا خلاف قیاس ہے اور خلاف قیاس اپنے مورد میں بند رہتا ہے اس پر دوسری چیزوں کو قیاس کرنا جائز نہیں ہے نیز ان چیزوں کو شارع علیہ السلام نے سبب قرار دیا ہے اس لیے وہ ثابت ہیں۔ ہمارا یہ منصب نہیں ہے کہ ہم از خود کسی چیز کو کسی چیز کا سبب قرار دیں

اور وہ حجت شرعیہ ہو جائے۔ نیز شیخ کشمیری اور شیخ میرٹھی کا کلام جر ثوب میں ہے اور وہ ہمارے نزدیک بھی جائز ہے۔ ہمارے نزدیک وہ لباس جائز ہے جو بغیر تکبر کے ٹخنوں سے نیچے لٹکا ہوا ہو اور پہننے والے کے قد سے متجاوز نہ ہو اور اس کے جواز میں مذاہب اربعہ کے فقہاء متفق ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں بہت کلام کیا ہے جس کو جسٹس محمد تقی عثمانی نے بتمامہ نقل کیا ہے اس کے بعد انہوں نے شیخ بدر عالم میرٹھی کے کلام کا خلاصہ لکھا ہے اور آخر میں بہ طور حاصل بحث یہ لکھا ہے کہ اگر انسان قصداً اسبال کرے تو وہ مطلقاً ممنوع ہے خواہ وہ تکبر سے ہو یا بغیر تکبر کے اور اگر اس کا تہبند بلاقصد ٹخنوں سے نیچا رہا تو یہ وہ صورت ہے جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے جائز فرمایا تھا۔

(تکملہ فتح الملہم: ج:4، ص:123 مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی)

جو کام بلاقصد ہو وہ خارج از بحث ہے کیونکہ ارادتاً کسی کام پر مکروہ یا غیر مکروہ ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے اور اسبال ثوب اگر انسان کی قامت سے متجاوز نہ ہو اور بغیر تکبر کے ہو تو وہ مذاہب اربعہ کے فقہاء کرام کے نزدیک جائز ہے اور جر ثوب مطلقاً ممنوع ہے جیسا کہ گزر چکا ہے اس لیے جسٹس صاحب کا اسبال ثوب کو مطلقاً ممنوع کہنا غیر مسموع ہے۔ البتہ مشہور دیو بندی محدث شیخ محمد ادریس کاندھلوی متوفی 1394ھ نے فقہاء مذاہب اربعہ کے مطابق لکھا ہے۔

اس حدیث مبارکہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بغیر تکبر کے کپڑا لٹکانا حرام نہیں ہے مکروہ تنزیہی ہے۔

(التعلیق الصبیح: ج:4، ص:395 مطبوعہ لاہور)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں: اگر کسی شخص کا لباس بغیر تکبر کے ٹخنوں سے نیچے لٹک رہا ہو تو اس کا حال مختلف ہے اگر وہ کپڑا اس کے ٹخنوں کے نیچے لٹک رہا ہو لیکن وہ کپڑا پہننے والے کے قد اور اس کی قامت کے برابر ہو تو اس میں تحریم ظاہر نہیں ہوگی خصوصاً جبکہ بلاقصد ایسا ہو (یعنی غیر ارادی طور پر تہبند یا شلوار پیٹ سے پھسل کر ٹخنوں سے نیچے لٹک گئی ہو) جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے اس طرح واقع ہوا اور اگر کپڑا پہننے والے کے قد اور قامت سے زائد ہو تو اس سے منع کیا جائے گا۔ کیونکہ اس میں اسراف ہے اور اس کو حرام کہا جائے گا اور یہ اس وجہ سے بھی ممنوع ہوگا کہ اس میں عورتوں کی مشابہت ہے اور یہ پہلی وجہ سے زیادہ قوی وجہ ہے کیونکہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے تصحیح سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کے لباس کی نوع کا لباس پہنتا ہے اور یہ اس وجہ سے بھی ممنوع ہوگا کہ اس طرح کا لباس پہننے والا اس خدشہ سے محفوظ نہیں ہوگا کہ اس کے لباس پر نجاست لگ جائے اور اس بالعنت کی طرف اشارہ ہے۔ اس حدیث مبارکہ میں ہے کہ جس کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے شمائل میں اور امام نسائی رحمۃ اللہ نے سنن کبریٰ میں حضرت عبید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

انہوں نے کہا ہے کہ میں ایک تہبند باندھے ہوئے جا رہا تھا اور وہ تہبند زمین پر گھسٹ رہا تھا۔

ناگاہ ایک شخص نے کہا: اپنا کپڑا اوپر اٹھاؤ اس میں زیادہ صفائی اور زیادہ بقا ہے میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تھی۔

میں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو ایک سیاہ اور سفید دھاریوں والا تہبند ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تمہارے لیے میری شخصیت میں نمونہ نہیں ہے؟

میں نے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدھی پنڈلیوں تک تہبند باندھا ہوا تھا اور اس وجہ سے بھی ممنوع ہے کہ کپڑ گھسیٹنے میں تکبر کی بدگمانی ہوتی ہے۔ قامت سے نیچے کپڑا لٹکانا کپڑا گھسیٹنے کو مستلزم ہے اور کپڑا گھسیٹنا تکبر کو مستلزم ہے خواہ پہننے والے نے تکبر کا قصد نہ کیا ہو اور اس کی تائید اس حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے۔

احمد بن منیع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم تہبند کو گھسیٹنے سے بچو کیونکہ تہبند کو گھسیٹنا تکبر سے ہے۔ (فتح الباری: ج:10، ص263 تا 264 مطبوعہ نشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

قوم لوط کا اچکنوں کو بند کرنا

قوم لوط اچکنوں کو بند کرتے تھے۔

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قوم لوط دس خصلتوں کی وجہ سے پہچانی جاتی تھی۔

1- کبوتروں سے کھیلنا 2- غلیل بازی کرنا 3- سیٹیاں بجانا 4- مجلس میں کنکر پھینکنا

5- سر کے بال سیدھے سنوارنا 6- دنداسہ لگانا 7- چادر کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا

8- اچکنوں کو بند کرنا۔ (تاریخ دمشق الکبیر: رقم الحدیث: 11724)

قوم لوط کا مردوں سے خواہش پوری کرنا

قوم لوط کی سب سے بڑی گندی خصلت یہ تھی کہ وہ مردوں سے اپنی خواہش کو پوری کرتے تھے۔

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قوم لوط دس خصلتوں کی وجہ سے پہچانی جاتی تھی۔

1- کبوتروں سے کھیلنا 2- غلیل بازی کرنا 3- سیٹیاں بجانا

4- مجلس میں کنکر پھینکنا 5- سر کے بال سیدھے سنوارنا 6- دنداسہ لگانا

7- چادر کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا 8- اچکنوں کو بند کرنا 9- مردوں سے خواہش پوری کرنا۔

(تاریخ دمشق الکبیر: رقم الحدیث: 11724)

قوم لوط کا دائماً شراب پینا

قوم لوط میں ایک بری خصلت یہ بھی تھی کہ وہ دائماً شراب پیتے تھے۔

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قوم لوط دس خصلتوں کی وجہ سے پہچانی جاتی تھی۔

1-کبوتروں سے کھیلنا 2-غلیل بازی کرنا 3-سیٹیاں بجانا

4-مجلس میں کنکر پھینکنا 5-سر کے بال سیدھے سنوارنا 6-دنداسہ لگانا

7-چادر کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا 8-اچکنوں کو بند کرنا 9-مردوں سے خواہش پوری کرنا

10-اور دائماً شراب پینا۔ (تاریخ دمشق الکبیر: رقم الحدیث: 11724)

قرآن مجید واحادیث مبارکہ کی روشنی میں شراب کی حرمت

شراب ایک حرام فعل ہے اور اس کی حرمت پر قرآن مجید اور احادیث مبارکہ شاہد ہیں۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ وَ یَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۝ (المائدہ: 90، 91)

اے ایمان والو! شراب، جوا، بتوں کے چڑھاووں کی جگہ اور بتوں کے پاس فال نکالنے کے تیر محض ناپاک ہیں، شیطانی کاموں سے ہیں ان سے اجتناب کرو تا کہ تم فلاح پاؤ، شیطان کا صرف یہ ارادہ ہے کہ وہ شراب اور جوئے کے سبب سے تمہارے درمیان بغض اور عداوت پیدا کر دے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی یاد اور نماز سے روک دے تو کیا تم باز آنے والے ہو۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

یَسْــٴَـلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِؕ قُلْ فِیْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِثْمُهُمَاۤ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَاؕ (البقرہ: 219)

لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہیے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے (بھی) ہیں اور ان کا گناہ ان کے فائدے سے زیادہ بڑا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (النساء: 43)

اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں تم نماز کے قریب نہ جاؤ حتیٰ کہ تم یہ جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔

ان آیات کریمہ سے ثابت ہوا کہ شراب پینا حرام فعل ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے دنیا میں شراب پی وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

زنا کرتے وقت زانی میں ایمان (کامل) نہیں ہوتا اور شراب پیتے وقت شرابی میں ایمان (کامل) نہیں ہوتا اور چوری کرتے وقت چور میں ایمان (کامل) نہیں ہوتا۔ (صحیح بخاری: ج:2، ص:836 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں حضرت ابوعبیدہ، حضرت ابوطلحہ اور حضرت ابی بن کعب کو ادھ پکی کھجوروں اور چھواروں کی شراب پلا رہا تھا کہ ایک آنے والے نے کہا: شراب کو حرام کر دیا گیا۔

تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے انس (رضی اللہ عنہ)! اٹھو اور اس تمام شراب کو انڈیل دو۔

حضرت ابو مالک یا حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عنقریب میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور آلات موسیقی کو حلال کہیں گے اور عنقریب کچھ لوگ پہاڑ کے دامن میں رہیں گے جب شام کو وہ اپنے جانوروں کا ریوڑ لے کر آئیں گے اور ان کے پاس کوئی فقیر اپنی حاجت لے کر آئے گا۔

تو کہیں گے: کل آنا۔ اللہ تعالیٰ پہاڑ گرا کر ان کو ہلاک کر دے گا اور دوسرے لوگوں کو مسخ کر کے قیامت کے دن بندر اور خنزیر بنا دے گا۔

(صحیح بخاری: ج:2، ص:837 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

(حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) نے پھر دعا کی کہ اے اللہ عزوجل! شراب کے متعلق شافی حکم بیان فرما تو سورہ بقرہ کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ط (البقرہ:219)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر دعا کی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى (النساء:43)

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک منادی نے ندا کی کہ کوئی شخص نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر دعا کی کہ

اے اللہ عزوجل! شراب کے متعلق شافی حکم نازل فرما تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ○ (المائدہ: 91)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم باز آ گئے۔ (سنن ابوداؤد: ج: 2، ص: 161 مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے شراب پر لعنت فرمائی ہے اور خمر پینے والے پر، پلانے والے پر، بیچنے والے پر، خریدنے والے پر، شراب کو نچوڑنے والے پر، اس کو بنانے والے پر، شراب کو لانے والے پر اور جس کے پاس لا کر لائی جائے۔ (سنن ابوداؤد: ج: 2، ص: 161 مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر وہ چیز جو عقل کو ڈھانپ لے وہ شراب ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور جس نے کسی نشہ آور چیز کو پیا اس کی چالیس دن کی نمازیں ناقص ہو جائیں گی اگر اس نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لے گا اور اگر اس نے چوتھی بار شراب پی تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اس کو طینۃ الخبال سے پلائے۔

پوچھا گیا: طینۃ الخبال کیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دوزخیوں کی پیپ۔

(سنن ابوداؤد: ج: 2، ص: 162 مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص شراب پئے اس کو کوڑے مارو اگر وہ چوتھی بار پئے تو اس کو قتل کر دو۔

(جامع ترمذی: ص: 228 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص شراب پئے اس کو اسی کوڑے مارو۔

(شرح معانی الآثار: ج: 3، ص: 91 مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

شراب پینے کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کوڑے مارے۔ (المصنف: ج: 7، ص: 379 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

ایک اور روایت میں ہے: امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی 261ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

میری وجہ سے کئی آیات نازل ہوئی ہیں:

1-ایک (لقمان:15) ہے۔ 2-دوسری (انفال:1) ہے۔

میں مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت کے پاس گیا۔

انہوں نے کہا: چلو ہم تمہیں کچھ کھلائیں اور شراب پلائیں اور یہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے میں ان کے ساتھ باغ میں گیا وہاں ان کے پاس ایک اونٹ کا بھنا ہوا سر تھا اور ایک مشک میں شراب تھی۔ میں نے اس میں سے کھایا اور شراب پی پھر ان کے درمیان مہاجرین اور انصار کا ذکر چھڑ گیا۔

میں نے کہا: مہاجرین انصار سے زیادہ اچھے ہیں۔ ایک شخص نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی میری ناک پر ماری جس سے میری ناک زخمی ہوگئی۔ میں نے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر دی۔ تب اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے شراب کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 1748)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ روایت کرتے ہیں۔

محمد بن قیس سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ آئے تو لوگ شراب پیتے تھے اور جوا کھیلتے تھے مسلمانوں نے آپ سے اس کے متعلق سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہیے کہ اس میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے (وقتی) فائدے ہیں اور ان کا گناہ ان کے فائدوں سے زیادہ بڑا ہے۔ (البقرہ: 219)

تو لوگوں نے کہا: اس میں ہمارے لیے رخصت ہے ہم شراب پئیں گے اور جوا کھیلیں گے اور اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کریں گے حتیٰ کہ ایک شخص نے سورۂ کافرون کی پہلی آیت اس طرح پڑھی۔

قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ۝ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ۝

آپ فرما دیجئے کہ اے کافرو! میں اس کی عبادت کرتا ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو اور ان کو پتہ نہیں چلا کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں۔

تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

اے ایمان والو! تم نماز کے قریب مت جاؤ درآنحالیکہ تم نشہ میں ہو۔ (النساء: 43)

پھر بھی لوگ شراب پیتے رہے اور جب نماز کا وقت آتا تو شراب پینا چھوڑ دیتے اور اس وقت نماز پڑھتے جب انہیں علم ہو کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں وہ اسی معمول پر برقرار رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی۔

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں...... کیا تم باز آنے والے ہو۔

تو مسلمانوں نے کہا: اے رب عزوجل! ہم باز آ گئے۔

(جامع البیان: ج:7، ص:45 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مزید روایت فرماتے ہیں کہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم مجلس شراب میں بیٹھے ہوئے شراب پی رہے تھے۔ اس وقت شراب حلال تھی اچانک میں اٹھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو سلام پیش کیا۔ اس وقت شراب کی تحریم کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں۔ (المائدہ: 90)

اور اس کے آخر میں تھا۔

کیا تم باز آنے والے ہو؟

میں اپنے اصحاب کے پاس گیا اور ان پر یہ دو آیتیں پڑھیں۔ بعض کے ہاتھ میں شراب کا گلاس تھا جس سے انہوں نے شراب پی لی تھی اور بعض کی شراب برتن میں تھی۔ انہوں نے گلاس سے شراب انڈیل دی اور برتن کی شراب بہادی۔

اور کہنے لگے کہ

اے ہمارے رب عزوجل! ہم باز آ گئے!

اے ہمارے رب عزوجل! ہم باز آ گئے!

(جامع البیان: ج:7، ص:47 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

شراب کب حرام ہوئی؟

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 685ھ لکھتے ہیں: سورہ مائدہ کی آیت نمبر 90 تا 91 نازل ہونے سے پہلے شراب حرام نہیں تھی اس کی تحریم تین ہجری میں غزوہ احد کے بعد نازل ہوئی اور غزوہ احد تین ہجری، شوال کے مہینہ میں ہوا تھا شراب کی حرمت تدریجاً کئی حادثات کے بعد نازل ہوئی کیونکہ عرب کے لوگ شراب پینے کے خوگر اور رسیا تھے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (البقرہ: 219)

"لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرمادیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں اور ان کے فائدے سے ان کا گناہ زیادہ بڑا ہے۔"

جب یہ آیت نازل ہوئی تو بعض لوگوں نے شراب کو ترک کر دیا۔

اور کہنے لگے کہ

ہمیں اس کام کو کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جس میں بڑا گناہ ہو۔

اور بعض لوگوں نے شراب کو ترک نہیں کیا اور کہا۔

ہم اس کے گناہ کو ترک کریں گے اور اس کی منفعت کو حاصل کریں گے تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَاتَقُوْلُوْنَ (نساء:43)

''اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ حتیٰ کہ تم یہ سمجھنے لگو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔''

پھر بعض لوگوں نے شراب کو ترک کر دیا اور کہا۔

جس چیز کی وجہ سے ہم کو نماز ترک کرنی پڑے ہمیں اس کو پینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور بعض دوسرے لوگ اوقات نماز کے علاوہ شراب پیتے رہے حتیٰ کہ پھر یہ آیت کریمہ نازل ہوگئی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (مائدہ:90)

اے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور فال کے تیر صرف شیطانی کام ہیں سو تم ان کاموں سے بچو تا کہ تم کامیاب ہو سکو۔

اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد شراب کلیۃً حرام ہوگئی۔

ابو میسرہ نے کہا: شراب کی تحریم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سبب سے نازل ہوئی ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کی خرابیاں بیان کیں اور یہ بیان کیا کہ شراب پینے سے لوگوں کی کیا حالت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے شراب کی تحریم نازل کرنے کی دعا کی۔

اور کہا: اللهم بين لنافي الخمر بيانا شافيا

اے اللہ عزوجل! ہمارے لیے شراب کے متعلق واضح حکم نازل فرما تب یہ آیات نازل ہوئیں۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:6، ص285 تا 286 مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

خمر کا بعینہ حرام ہونا اور غیر خمر کا مقدار نشہ میں حرام ہونا۔

آئمہ ثلاثہ کے نزدیک ہر نشہ آور مشروب مطلقاً حرام ہے خواہ اس کی مقدار کثیر ہو یا قلیل اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خمر تو مطلقاً حرام ہے اور خمر کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات جس مقدار میں نشہ آور ہوں اس مقدار میں حرام ہیں اور اس سے کم مقدار میں حرام ہیں نہ نجس اور ان کا پینا حلال ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال ان احادیث مبارکہ سے ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

خمر کو بعینہ حرام کیا گیا ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر اور ہر مشروب میں سے نشہ آور (مقدار) کو حرام کیا گیا ہے۔

(سنن النسائی: رقم الحدیث:5702)

جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار کے جائز ہونے پر فقہاء احناف نے اس سے بھی استدلال کیا

جب نبیذ میں شدت اور حدت ہو اور وہ اس شدت کی بناء پر نشہ آور ہو اس نبیذ میں پانی ملا کر اس کی شدت کو کم کر کے اور اس حدت کو توڑ کر پینا جائز ہے اور یہ عمل خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بہ کثرت صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔

امام محمد بن حسن شیبانی متوفی 189ھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک نشہ میں مدہوش اعرابی لایا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے عذر طلب کیا تو وہ اپنی مدہوشی کی وجہ سے کچھ نہ بتا سکا۔

تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کو باندھ دو جب اس کو ہوش آ جائے تو اس کو کوڑے لگا دینا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس اعرابی کے مشکیزہ میں بچے ہوئے مشروب کو منگوایا پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو چکھا تو وہ بہت تیز اور سخت تلخ نبیذ تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پانی منگوا کر اس کی شدت اور حدت کو توڑا پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو پیا اور اپنے ساتھیوں کو پلایا۔

پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب اس کی تیزی اور نشہ تم پر غالب آ جائے تو اس کو پانی سے توڑ لیا کرو۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہمارا اس پر عمل ہے اور یہی امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔

(کتاب الآثار، ص: 184)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سبیل پر آئے اور ارشاد فرمایا: مجھے اس سے پانی پلاؤ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ چیز نہ پلائیں جس کو ہم اپنے گھر میں تیار کرتے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں مجھ کو وہ چیز پلاؤ جس کو لوگ پیتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبیذ کا ایک پیالہ لے کر آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چکھا پھر ماتھے پر شکن ڈال کر فرمایا پانی لاؤ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں پانی ملایا۔

دو یا تین بار ارشاد فرمایا: اور زیادہ ملاؤ۔

ارشاد فرمایا: جب تم کو (نبیذ) تیز لگے تو اسی طرح کیا کرو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج: 8، ص: 140)

اور روایت میں ہے: حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے گرد طواف کر رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت پیاس لگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی مانگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک برتن سے نبیذ لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سونگھا اور پھر تیوری ڈال کر ارشاد فرمایا۔ میرے پاس زمزم کا ڈول لاؤ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں پانی ملا کر اس کو پی لیا۔

ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا یہ حرام ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں۔ (سنن النسائی، رقم الحدیث: 5719)

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی 483ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:
خمر کو بعینہ حرام کیا گیا ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر، اور ہر مشروب میں سے نشہ آور کو حرام کیا گیا ہے۔
اس حدیث مبارکہ میں یہ دلیل ہے کہ
کسی مشروب کا وہ آخری گھونٹ حرام ہے جس سے نشہ پیدا ہو اور خمر بعینہ حرام ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر۔

(المبسوط: ج:24،ص:8 مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی 855ھ لکھتے ہیں: قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ نشہ آور چیز کی قلیل مقدار حرام نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خمر کو حرام کرنے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ خمر اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکتی ہے اور بغض اور عداوت پیدا کرتی ہے اور نشہ آور مشروب کی قلیل مقدار میں پینے سے یہ اوصاف پیدا نہیں ہوتے اور اگر ہم ظاہر آیت کا لحاظ کریں تو قلیل مقدار میں بھی خمر حرام نہیں ہونی چاہئے لیکن ہم نے خمر کی قلیل مقدار میں اس قیاس کو چھوڑ دیا کیونکہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ خمر مطلقاً حرام ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر البتہ خمر کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات میں ظاہر آیت کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ ان کی قلیل مقدار اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روکتی ہے نہ نماز سے اور نہ بغض و عداوت پیدا کرتی ہے۔ (البنایہ: ج:11،ص:443 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی 1252ھ لکھتے ہیں: خمر کے علاوہ دیگر مشروبات جو کثیر مقدار میں نشہ آور ہوں اور قلیل مقدار میں نشہ آور نہ ہوں تو اگر ان کی قلیل مقدار پینے سے کھانے کو ہضم کرنے کا ارادہ کیا جائے اور قیام لیل پر قوت حاصل کرنے کا ارادہ کیا جائے یا دن میں روزہ رکھنے پر قوت کے حصول کا ارادہ کیا جائے یا اعداء اسلام سے قتال کی صورت حصول کا ارادہ کیا جائے یا مرض کو دور کرنے اور دوا کے قصد سے ان کو پیا جائے تو یہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ کے نزدیک حلال ہیں اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلقاً حرام ہیں خواہ ان کی مقدار قلیل ہو یا کثیر اور چونکہ اب فساد عام ہو گیا ہے اور لوگ عیش و طرب اور لہو و لعب کے لئے ہی ان مشروبات کو پیتے ہیں اس لیے متاخرین نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ (رد المحتار: ج:5،ص:293 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی 593ھ لکھتے ہیں: خمر بعینہ حرام ہے اس کا حرام ہونا نشہ پر موقوف نہیں۔ بعض لوگوں نے خمر کے بعینہ حرام ہونے کا انکار کیا اور یہ کہا کہ جو خمر نشہ آور ہو وہ حرام ہے کیونکہ اسی خمر کے پینے سے فساد ہوتا اور وہی اللہ تعالیٰ کی یاد سے روکتی ہے اور یہ قول کفر ہے کیونکہ یہ کتاب اللہ کا انکار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خمر کو رجس قرار دیا ہے رجس بعینہ حرام ہوتا ہے اور سنت متواترہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خمر کو حرام قرار دیا اور اس پر اجماع ہو چکا ہے۔ (ہدایہ اخیرین: ص:493 مطبوعہ شرکۃ علمیہ ملتان)

کیا گزشتہ امتوں میں شراب حلال تھی؟

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی 855ھ لکھتے ہیں: نشہ آور مشروبات کی تحریم کی حرمت بالکل واضح ہے ... ہونا موقوف ہے۔

البتہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر شرائع سابقہ میں شراب کو کیوں حلال قرار دیا گیا تھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ گزشتہ امتوں کی عمریں بہت لمبی تھیں اور ان کے اجسام بہت مضبوط تھے ان کے جسموں میں ایسی قوت مدافعت رکھی گئی تھی جو شراب کی خرابیوں کا توڑ کر لیتی تھی۔ اس کے برخلاف اس امت کی عمریں کم ہیں اور اجسام کمزور ہیں اس وجہ سے وہ شراب کی فتنہ انگیزیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لیے ان کی بھلائی اسی میں تھی کہ ان پر شراب کلیۃً حرام کر دی گئی اور ابتداءً اسلام میں شراب کو حرام نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ لوگ شراب کی خرابیوں کا خود مشاہدہ کر لیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلام نے احکام تدریجاً نازل کیے تا کہ لوگوں پر ان کا عمل کرنا دشوار نہ ہو۔

(عمدۃ القاری: ج: 4، ص: 322 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ مصر)

عورتوں کا عورتوں سے جنسی خواہش پوری کرنا

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قوم لوط دس خصلتوں کی وجہ سے پہچانی جاتی تھی۔

1- کبوتروں سے کھیلنا
2- غلیل بازی کرنا
3- سیٹیاں بجانا
4- مجلس میں کنکر پھینکنا
5- سر کے بال سیدھے سنوارنا
6- دنداسہ لگانا
7- چادر کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا
8- اچکنوں کو بند کرنا
9- مردوں سے خواہش پوری کرنا
10- اور دائماً شراب پینا

اور یہ امت ایک اور برائی کا اضافہ کرے گی، عورتیں عورتوں سے جنسی خواہش پوری کریں گی۔

(تاریخ دمشق الکبیر: رقم الحدیث: 11724)

قوم لوط کا دف بجانا

قوم لوط دف بجاتی تھی۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قوم لوط دس خصلتوں کی وجہ سے ہلاک کی گئی اور میری امت ان سے ایک کام زیادہ کرے گی۔

1- مرد، مردوں سے جنسی عمل کرتے تھے
2- غلیل سے نشانہ لگاتے تھے
3- مجلس میں کنکر پھینکتے تھے
4- کبوتر بازی کرتے تھے
5- دف بجاتے تھے
6- شراب پیتے تھے۔

(تاریخ دمشق الکبیر: رقم الحدیث: 11724)

قوم لوط کا داڑھی کاٹنا

قوم لوط کی بری خصلتوں میں سے ایک خصلت یہ بھی تھی کہ وہ داڑھی کاٹتے تھے۔

حضرت حسن سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قوم لوط دس خصلتوں کی وجہ سے ہلاک کی گئی اور میری امت ان سے ایک کام زیادہ کرے گی۔

1- مرد، مردوں سے جنسی عمل کرتے تھے
2- غلیل سے نشانہ لگاتے تھے
3- مجلس میں کنکر پھینکتے تھے
4- کبوتر بازی کرتے تھے
5- دف بجاتے تھے
6- شراب پیتے تھے
7- داڑھی کاٹتے تھے۔

(تاریخ دمشق الکبیر، رقم الحدیث:11724)

داڑھی رکھنے کا حکم

داڑھی رکھنے کا حکم احادیث مبارکہ سے ثابت ہے جس کی حد ایک مٹھی تک ہے اور اس سے زائد کاٹنا واجب ہے اور داڑھی کاٹنا حرام ہے جس کی تحقیق درج ذیل ہے۔

پہلے احادیث مبارکہ پیش کی جاتی ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مونچھوں کو بہت کم کرو اور داڑھیوں کو چھوڑ دو (یعنی نہ کاٹو)

(صحیح مسلم: ج:1، ص:129 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مونچھوں کو بہت کم کرو اور داڑھیوں کو چھوڑ دو (یعنی بڑھاؤ)

(صحیح بخاری: ج:2، ص:875 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مشرکین مونچھیں بڑھاتے ہیں اور داڑھیاں بہت زیادہ کترواتے ہیں سو تم ان کی مخالفت کرو داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں بہت زیادہ کم کراؤ۔ (مجمع الزوائد: ج:5، ص:166 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مونچھوں کو بہت کم کرنے اور داڑھی کے بڑھانے کا حکم دیا۔

(صحیح مسلم: ج:1، ص:129 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے: عبید اللہ بن عتبہ فرماتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مجوسی آیا در آں حالیکہ اس نے داڑھی منڈائی ہوئی تھی اور مونچھیں لمبی رکھی تھیں۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا: یہ کیا ہے؟
اس نے عرض کیا: یہ ہمارے دین میں ہے!
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہمارے دین میں یہ ہے کہ ہم مونچھیں کم کرائیں اور داڑھی بڑھائیں۔
(المصنف: ج:8،ص:379 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجوسی کی مخالفت کرو مونچھیں کم کراؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔
(مجمع الزوائد: ج:5،ص:166 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مونچھیں تراشو اور داڑھی کو دراز کرو اور مجوس کی مخالفت کرو۔
(صحیح مسلم: ج:1،ص:129 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح کیا تو ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب اور اس کی قیمت لینے کو حرام کر دیا۔
اور ارشاد فرمایا: مونچھیں کم کراؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ اور بغیر تہبند پہنے بازاروں میں مت چلو کیونکہ جو شخص ہمارے غیر کے طریقہ پر عمل کرے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (مجمع الزوائد: ج:5،ص:169 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دس چیزیں انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہیں۔

1-مونچھیں کاٹنا	2-داڑھی دراز کرنا	3-مسواک کرنا
4-ناک میں پانی ڈالنا	5-ناخن کاٹنا	6-جوڑوں کو دھونا
7-بغلوں کے بال نوچنا	8-زیر ناف بال مونڈنا	9-اور پانی سے استنجاء کرنا

مصعب نے کہا ہے کہ
دسویں چیز میں بھول گیا مگر یہ کہ وہ کلی کرنا ہو۔ (صحیح مسلم: ج:1،ص:129 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مجوس کا ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
وہ لمبی مونچھیں رکھتے تھے اور داڑھیاں منڈواتے ہیں سو تم ان کی مخالفت کرو۔

(صحیح ابن حبان: ج:8، ص:408 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مشرکین کی مخالفت کرو، مونچھیں باریک کرو اور داڑھی بڑھاؤ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب حج یا عمرہ کرتے تو اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑتے اور جو مقدار فاضل ہوتی اس کو کاٹ دیتے۔

(صحیح بخاری: ج:2، ص:875 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت نافع فرماتے ہیں کہ
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما لوہا گرم کر کے جسم پر داغ لگاتے تھے اور زہر کی وجہ سے دم کراتے تھے اور داڑھی سے کچھ کم کرتے۔

(کتاب الآثار: ص:235 مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑتے اور مٹھی سے زائد داڑھی کو کاٹ دیتے۔

(المصنف: ج:8، ص:374 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

داڑھی کی مقدار میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے چنانچہ اس بارے میں آئمہ اربعہ کے مذاہب بیان کیے جاتے ہیں۔

فقہاء مالکیہ کا مذہب

علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی 828ھ لکھتے ہیں:
قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ
داڑھی منڈوانا اور کٹوانا مکروہ ہے حدیث مبارکہ میں اس کی مذمت ہے اور لمبی داڑھی رکھنا بھی اسی طرح مکروہ ہے جس طرح داڑھی کٹوانا مکروہ ہے اور داڑھی کو طولاً اور عرضاً کاٹ کر کم کرنا مستحسن ہے۔ بعض متقدمین نے داڑھی کم کرنے کی کوئی حد مقرر نہیں کی۔
اور یہ کہا ہے کہ داڑھی کو حد تمسخر تک نہ چھوڑا جائے اور بعض علماء کرام نے قبضہ کو حد مقرر کیا۔
اور بعض علماء کرام نے کہا: حج اور عمرہ کے سوا داڑھی کو کم نہ کیا جائے۔
علامہ ابی فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو داڑھی کے ساتھ مزین کیا ہے اور جب داڑھی زینت ہے اور اس کو طولاً اور عرضاً کم کر کے حسین بنانا مستحسن ہے اور کاٹنے کی حد یہ ہے کہ قبضہ سے زائد داڑھی کو کاٹ دیا جائے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے قبضہ

زائد داڑھی کو کاٹ دیا تھا یہ اس شخص کے متعلق ہے جس کی داڑھی زیادہ ہو لیکن جس کی داڑھی زیادہ نہ ہو تو وہ مقدار کے بعد داڑھی کو طولاً و عرضاً کاٹ دے جس سے داڑھی میں حسن ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔

اگر یہ اعتراض ہو کہ داڑھی کو طولاً و عرضاً کاٹ کر حسین بنانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے خلاف ہے کہ داڑھی چھوڑ دو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ داڑھی چھوڑنے یا بڑھانے کا حکم مشرکین کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ داڑھی منڈاتے تھے اور ان سے مخالفت اس طرح ہوگی کہ یا تو داڑھی بالکل نہ کاٹی جائے یا تحسین کے لئے تھوڑی سی کاٹ لی جائے۔ اسی لیے صحیح وہی ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج:2،ص:39 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابوالولید سلیمان بن خلف باجی مالکی اندلسی متوفی 464ھ لکھتے ہیں:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک داڑھی اور مونچھوں کو اتنی مقدار تک کاٹنا مستحب ہے جس سے ان کا پیدائشی جمال متغیر نہ ہو اور داڑھی اور مونچھوں کو بالکلیہ کاٹ دینا مثلہ ہے جیسے عورت کے سر کے بال کاٹنا مثلہ ہے اس لیے داڑھی اور مونچھوں کو بالکلیہ کاٹنے سے منع کیا جائے گا اسی طرح داڑھی اور مونچھوں میں ایسے کام سے منع کیا جائے گا جس سے ان کی خلقت متغیر ہو اور مثلہ کا ارتکاب لازم آئے اور اگر داڑھی اتنی زیادہ ہو جائے جس کی وجہ سے وہ خوب صورتی کی حد سے نکل جائے اور بکھری ہوئی اور منتشر ہونے کی حد کو پہنچ جائے اور اتنی لمبی داڑھی کو باقی رکھنا مثلہ ہو تو اس کو کم کرنا مشروع ہے۔

(المنتقی ج:3،ص:32 مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر)

فقہاء حنابلہ کا مذہب

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں: فقہاء حنابلہ اور مالکیہ نے داڑھی مونڈنے کو حرام قرار دیا ہے اور قبضہ سے زائد داڑھی کو کاٹنا مکروہ نہیں ہے اور حلق کے نیچے کے بالوں کا کاٹنا مکروہ نہیں ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بال کاٹے تھے۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج:1،ص:308 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فقہاء شافعیہ کا مذہب

امام محمد بن محمد غزالی شافعی متوفی 505ھ لکھتے ہیں: لمبی داڑھی میں اختلاف ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ

قبضہ (ایک مشت) سے زائد داڑھی کاٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور تابعین کی ایک جماعت نے ایسا ہی کیا ہے اور شعبی اور ابن سیرین نے اس کو مستحسن کہا ہے حسن اور قتادہ نے اس کو مکروہ کہا ہے۔

انہوں نے کہا ہے کہ

داڑھی کو چھوڑ دینا (نہ کاٹنا) مستحب ہے۔

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

داڑھی بڑھاؤ۔

اور اقرب بالحق داڑھی کو کم کرنا ہے بشرطیکہ بہت زیادہ نہ کاٹا جائے کیونکہ بہت لمبی داڑھی سے شکل بدنما ہو جاتی ہے اور لوگوں کو غیبت کرنے کا موقع ملتا ہے لہٰذا اس نیت سے اس کے طول سے احتراز کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

نخعی فرماتے ہیں کہ

جو شخص عقل مند ہو اور لمبی داڑھی رکھتا ہو مجھے اس پر تعجب ہوتا ہے وہ اپنی داڑھی کم کر کے اس کو دو جبڑوں کے درمیان کیوں نہیں کرتا کیونکہ ہر چیز میں میانہ روی مستحسن ہے اس لیے یہ کہا گیا ہے کہ جب کسی شخص کی داڑھی لمبی ہوتی ہے تو اس کی عقل کم ہوتی ہے۔ (احیاء العلوم علی ہامش اتحاف السادۃ المتقین: ج:2،ص:419 تا 420 مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی 676ھ لکھتے ہیں: ظاہر احادیث مبارکہ کا تقاضہ یہ ہے کہ

داڑھی کو چھوڑ دیا جائے اور کاٹا نہ جائے۔

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ

داڑھی منڈانا، کاٹنا اور جلانا مکروہ ہے اور اس کو عرضاً اور طولاً کاٹنا مستحسن ہے۔ داڑھی کو زیادہ لمبا کر کے حد تمسخر تک رکھنا کاٹنے کی طرح مکروہ ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ

متقدمین کا اس میں اختلاف تھا کہ داڑھی کی کوئی حد ہے یا نہیں؟ بعض علماء کرام نے اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی۔ البتہ انہوں نے کہا ہے کہ داڑھی اتنی دراز نہ کرے جس سے تمسخر کی حد کو پہنچے اور اس حد سے داڑھی کم رکھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے داڑھی کے بہت زیادہ طول کو مکروہ کہا ہے۔

بعض علماء کرام نے کہا ہے کہ اس کی حد قبضہ ہے اور قبضہ کے بعد داڑھی کاٹ دی جائے۔

اور بعض علماء کرام نے کہا کہ حج اور عمرہ کے موقع کے سوا داڑھی کا کاٹنا مکروہ ہے۔

(شرح مسلم: ج:1،ص:129 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

فقہاء احناف کا مذہب

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی 855ھ لکھتے ہیں: علامہ کاکی نے کہا ہے کہ

ہمارے نزدیک داڑھی کا طول ایک قبضہ کی مقدار ہے اور اس سے زیادہ داڑھی کو کاٹنا واجب ہے۔

ابو موسیٰ اسحاق نے اپنی جامع میں روایت کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی [illegible]

اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی کو طول اور عرض سے کاٹ کر کم کرتے تھے۔
میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث مبارکہ اس پر دلالت نہیں کرتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی کو قبضہ کے بعد کاٹتے تھے ہاں اس سلسلہ میں دو اثر مروی ہیں۔
امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہما نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک قبضہ کے بعد داڑھی کاٹتے تھے۔
امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو تعلیقاً ذکر کیا ہے۔
اور امام ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ قبضہ کے بعد داڑھی کاٹتے تھے۔
البتہ یہ آثار اس حدیث مبارکہ کے معارض ہیں جس میں ہے کہ مونچھیں ترشواؤ اور داڑھیوں کو بڑھاؤ۔
اس کا یہ جواب ممکن ہے کہ داڑھی بڑھانے سے یہ مراد ہے کہ ساری داڑھی کو منڈایا نہ جائے جس طرح مجوس منڈاتے ہیں۔
اس کی دلیل یہ ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ
مونچھیں ترشواؤ، داڑھیاں بڑھاؤ اور مجوس کی مخالفت کرو کیونکہ مجوس داڑھیاں منڈاتے تھے اور مونچھیں بالکل نہیں کاٹتے تھے۔
محیط میں ہے: داڑھی بڑھانے میں اختلاف ہے۔
بعض علماء کرام نے کہا کہ داڑھی کو چھوڑ دے حتیٰ کہ داڑھی گھنی اور بڑی ہو جائے اور کاٹ کر کم کرنا سنت ہے جو داڑھی قبضہ سے زائد ہو اس کو کاٹ دے۔ (بنایہ: ج: 1 ص: 1344 مطبوعہ مطبعہ منشی لکھنؤ لکشور)
مزید راقم ہیں: اگر یہ کہا جائے کہ
اعفوا اللحی کا کیا معنی ہے، کیونکہ تم جانتے ہو کہ اعفاء اکثار ہے اور جب داڑھی کو چھوڑ دیا جائے تو وہ طولاً عرضاً بہت بڑھ جائے گی اور لوگ اس کا مذاق اڑائیں گے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ داڑھی کا بڑھانا ممنوع ہے اور اس کا کاٹنا واجب ہے اور اس کی حد میں متقدمین کا اختلاف ہے کہ جب داڑھی طولاً قبضہ سے بڑھ جائے اور عرضاً پھیل جائے تو یہ قبیح ہے۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص اپنی داڑھی کو چھوڑا ہوا تھا آپ نے اس کی داڑھی کھینچا۔
اور کہا۔
میرے پاس قینچی لاؤ۔

پھر ایک شخص سے کہا۔
اس کے ہاتھ کے نیچے جو داڑھی ہو اس کو کاٹ دو۔
پھر ارشاد فرمایا: جاؤ اپنے بالوں کو سنوارو یا خراب کرو۔ تم میں سے کوئی شخص اپنے آپ کو اس طرح چھوڑ دیتا ہے جیسے وہ درندوں میں سے ایک درندہ ہو اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک قبضہ کے بعد داڑھی کاٹ دیتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح روایت ہے۔

(عمدۃ القاری: ج:22، ص:46 تا 47 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ مصر)

ملا علی قاری حنفی متوفی 1014ھ لکھتے ہیں: نہایہ شرح ہدایہ میں ہے کہ ہمارے نزدیک داڑھی کا طول بہ قدر قبضہ ہے اور ایک قبضہ کے بعد داڑھی کو کاٹنا واجب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی کو طولاً و عرضاً کاٹتے تھے۔

(مرقات: ج:8، ص:298 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی 861ھ لکھتے ہیں: نہایہ میں مذکور ہے کہ
قبضہ سے زائد داڑھی کا کاٹنا واجب ہے۔
امام ابو عیسیٰ ترمذی نے اپنی جامع میں روایت کیا ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی داڑھی کو طولاً و عرضاً کاٹتے تھے۔
اگر یہ اعتراض ہو کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مونچھیں کم کراؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔
- اور داڑھی کاٹنا داڑھی بڑھانے کے حکم کے خلاف ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث مبارکہ کے راوی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں اور وہ قبضہ سے زائد داڑھی کو کاٹتے تھے اس حدیث مبارکہ کو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الآثار میں اور امام ابو داؤد اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہما نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا تعلیقاً ذکر کیا ہے۔

اور امام ابن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی قبضہ سے زائد داڑھی کاٹ دیتے تھے۔

یہاں راوی کا عمل اس کی روایت کے خلاف ہے سو اگر اس کو نسخ پر محمول نہ کیا جائے جیسا کہ ہمارا قاعدہ ہے تو اعفوا اللحی۔ کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ پوری داڑھی منڈانے یا داڑھی کا غالب حصہ یا کل داڑھی کاٹنے کے بجائے اس کو چھوڑ دیا جائے جیسا کہ عجم کے مجوسیوں کا طریقہ ہے کہ وہ داڑھیاں منڈاتے ہیں اور ہندوؤں اور فرنگیوں میں بھی اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے اور اب عام مسلمانوں نے بھی یہ روش اختیار کر لی ہے کہ وہ داڑھیاں منڈاتے ہیں اور بعض حضور کے فرمان کے بالکل برعکس مونچھیں لمبی رکھتے ہیں اور داڑھیاں منڈاتے ہیں۔ (فتح القدیر: ج:2، ص:270 مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی متوفی 970ھ لکھتے ہیں: نہایہ میں جو لکھا ہے کہ قبضہ کے بعد داڑھی کو کاٹنا واجب ہے۔

اس کا تقاضہ یہ ہے کہ

اگر کسی نے داڑھی کو چھوڑ دیا (یعنی نہیں کاٹا) تو وہ گناہ گار ہوگا۔ (البحر الرائق: ج:2،ص:280 مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر)

داڑھی مونڈنا حرام

داڑھی مونڈنا حرام ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی 1252ھ لکھتے ہیں: داڑھی مونڈنا حرام ہے اور یہ فرنگیوں، ہندوؤں اور جھولا شاہیوں جو قلندریہ کہلاتے ہیں کا طریقہ اور روش ہے۔ (اشعۃ اللمعات: ج:1،ص:212 مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر)

اور فتح المعین بشرح قرۃ العین میں ہے۔

داڑھی مونڈنا حرام ہے۔ (فتح المعین شرح قرۃ العین: ص:219 مطبوعہ مطبعہ عامر الاسلام پور بہرس)

علامہ شہاب خفاجی نسیم الریاض میں فرماتے ہیں:

داڑھی مونڈنا منع ہے کہ یہ کافروں کی عادت ہے۔ (نسیم الریاض: ج:1،ص:44 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی 1252ھ لکھتے ہیں: داڑھی مونڈنے کی وجہ حرمت یہی ہے۔

(اشعۃ اللمعات: ج:3،ص:572 مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

امام ملک العلماء ابوبکر کاسانی بدائع الصنائع میں فرماتے ہیں:

داڑھی مونڈنا از قسم مثلہ کے ہے۔ (بدائع الصنائع: ج:2،ص:141 مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

تبیین الحقائق میں ہے: کسی عورت کا اپنے سر کے بال مونڈنا مثلہ ہے جیسے مرد کا داڑھی مونڈنا۔

(تبیین الحقائق: ج:2،ص:39 مطبوعہ مطبعۃ الکبریٰ الامیریہ بولاق مصر)

بحر الرائق میں ہے: کوئی عورت بال نہ مونڈے اس لیے کہ ایسا کرنا مثلہ ہے جیسے مرد کے لئے داڑھی مونڈنا مثلہ ہے۔

(بحر الرائق: ج:2،ص:355 مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

شرح نقایہ میں ہے: عورت کے لئے اپنے سر کے بال مونڈنا مثلہ ہے جیسے مرد کے لئے داڑھی مونڈنا۔

(شرح نقایہ: ج:1،ص:243 مطبوعہ نولکشور لکھنؤ)

اور المسلک المتقسط فی المنسک المتقسط مع ارشاد الساری میں ہے۔

عورت کے لئے صرف بال کترنے جائز ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ عورت کا اپنے سر کے بال مونڈنا مرد کے داڑھی مونڈنے کے مترادف ہے اور ایسا کرنا مثلہ ہے۔

(المسلک المتقسط فی المنسک المتقسط مع ارشاد الساری: ص:151 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

ہدایہ میں ہے: عورت کا بال مونڈنا مثلہ یعنی حلیہ بگاڑنے کے مترادف ہے جیسا کہ مردوں کا داڑھی مونڈنا۔

(ہدایہ: ج:1،ص:235 مطبوعہ مکتبۃ العربیہ کراچی)

قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب میں ہے۔

داڑھی (حد ضرورت سے) کم کرنا مثلہ ہے۔ (قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب: ج:2،ص:143 مطبوعہ دار صادر بیروت)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی لعنت اس پر جو کسی جاندار کے ساتھ مثلہ کرے۔

(صحیح البخاری: ج:2،ص:829)

طبرانی نے بسند حسن ان سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو کسی جاندار کے ساتھ مثلہ کرے اس پر اللہ تعالیٰ و ملائکہ و بنی آدم سب کی لعنت۔

(کنز العمال: ج:15،ص:38 مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں:

داڑھی منڈانا مثلہ یعنی صورت بگاڑنا ہے اور مثلہ حرام۔ (فتاویٰ رضویہ: ج:22،ص:657 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

داڑھی منڈانا حرام ہے اور اس پر یہ جواب کہ میری طبیعت کا اختیار ہے گناہ پر اصرار اور سخت سزا کا سزاوار ہے مگر اسے حرام کو حلال نہیں سمجھا جاتا اس کہنے میں کہ میری طبیعت کا اختیار ہے اور میری طبیعت کو اختیار ہے، بہت فرق ہے دوم بھی تحلیل حرام میں صریح نہیں نہ کہ اول۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ: ج:14،ص:709 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

اور داڑھی کترواکر ایک مشت سے کم رکھنا حرام ہے۔ (فتاویٰ رضویہ: ج:23،ص:38 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

قوم لوط مونچھیں لمبی رکھتے تھے

قوم لوط میں ایک بری خصلت یہ بھی تھی کہ مونچھوں کو لمبی رکھتے تھے۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قوم لوط دس خصلتوں کی وجہ سے ہلاک کی گئی اور میری امت ان سے ایک زیادہ کرے گی۔

1 - مرد، مردوں سے جنسی عمل ... 2 - غلیل سے نشانہ لگاتے تھے

3-مجلس میں کنکر پھینکتے تھے
4-کبوتر بازی کرتے تھے
5-دف بجاتے تھے
6-شراب پیتے تھے
7-داڑھی کاٹتے تھے
8-مونچھیں لمبی رکھتے تھے۔

(تاریخ دمشق الکبیر، رقم الحدیث:11724)

مونچھوں کا شرعی حکم

مونچھیں کم کرنا سنت ہے جس کی تحقیق درج ذیل ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مونچھوں کو بہت کم کرو اور داڑھیوں کو (اپنے حال پر) چھوڑ دو (یعنی بڑھاؤ)

(صحیح بخاری: ج:2،ص:875 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مونچھوں کو بہت کم کرو اور داڑھیوں کو چھوڑ دو۔ (صحیح مسلم: ج:1،ص:129 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مشرکین مونچھیں بڑھاتے ہیں اور داڑھیاں بہت زیادہ کترواتے ہیں سو تم ان کی مخالفت کرو اور داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں بہت زیادہ کم کرو۔ (مجمع الزوائد: ج:5،ص:166 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

دس چیزیں انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہیں۔

1-مونچھیں کاٹنا
2-داڑھی دراز کرنا
3-مسواک کرنا
4-ناک میں پانی ڈالنا
5-ناخن کاٹنا
6-جوڑوں کو دھونا
7-بغلوں کے بال نوچنا
8-زیر ناف بال مونڈنا
9-اور پانی سے استنجاء کرنا

مصعب نے کہا ہے کہ

دسویں چیز میں بھول گیا مگر یہ کہ وہ کلی کرنا ہو۔ (صحیح مسلم: ج:1،ص:129 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مجوس کا ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ لمبی مونچھیں رکھتے ہیں اور داڑھیاں منڈاتے ہیں سو تم ان کی مخالفت کرو۔

(صحیح ابن حبان: ج:8،ص:408 مطبوعہ دار الکتاب العلمیہ بیروت)

ایک اور روایت میں ہے: عبید اللہ بن عتبہ فرماتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک مجوسی آیا در آں حالیکہ اس نے داڑھی منڈائی ہوئی تھی اور مونچھیں لمبی رکھی ہوئی تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا: یہ کیا ہے؟

اس نے کہا: یہ ہمارے دین میں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہمارے دین میں یہ ہے کہ ہم مونچھیں کم کرائیں اور داڑھی بڑھائیں۔

(المصنف: ج:8،ص:379 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح کیا تو ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب پینے اور اس کی قیمت لینے کو حرام کر دیا۔

اور ارشاد فرمایا: مونچھیں کم کراؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ اور بغیر تہبند پہنے بازاروں میں مت چلو کیونکہ جو شخص ہمارے غیر کے طریقہ پر عمل کرے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (مجمع الزوائد: ج:5،ص:169 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجوس کی مخالفت کرو مونچھیں کم کراؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔

(مجمع الزوائد: ج:5،ص:166 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مونچھوں کو بہت کم کرنے اور داڑھی کے بڑھانے کا حکم دیا۔

(صحیح مسلم: ج:1،ص:129 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مونچھیں تراشو اور داڑھی کو دراز کرو اور مجوس کی مخالفت کرو۔

(صحیح مسلم: ج:1،ص:129 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے: نافع سے روایت ہے کہ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب حج یا عمرہ میں سر منڈاتے تو داڑھی اور مونچھوں کو کاٹتے۔

(مؤطا امام مالک: ص:421 مطبوعہ ...)

ایک اور روایت میں ہے: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تک یہ حدیث مبارکہ پہنچی ہے کہ سالم بن عبداللہ جب احرام باندھنے کا ارادہ کرتے تو سوار ہونے اور باندھنے سے پہلے قینچی منگوا کر اپنی مونچھوں کو کم کرتے اور داڑھی کاٹتے۔

(مؤطا امام مالک: ص: 422 مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور)

ایک اور روایت میں ہے: افلح سے روایت ہے کہ

قاسم جب اپنا سر منڈاتے تو اپنی داڑھی اور مونچھوں کو کم کرتے۔ (المصنف: ج: 8، ص: 375 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی متوفی 855ھ لکھتے ہیں: امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ

بعض اہل مدینہ منورہ کے نزدیک مونچھیں ترشوانا احفاء سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ حضرت حسن بصری، محمد بن سیرین، عطاء بن ابی رباح اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہم کا یہی مذہب ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مونچھیں منڈوانے کو مکروہ کہتے تھے اور جمہور علماء، مکحول، محمد بن عجلان، نافع اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم یہ فرماتے ہیں کہ مونچھوں کا احفاء مستحب ہے اور وہ مونچھیں ترشوانے سے افضل ہے۔

حضرت ابن عمر، حضرت ابوسعید خدری، حضرت رافع بن خدیج، حضرت سلمہ بن اکوع، حضرت جابر بن عبداللہ وغیرہ رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے۔ امام ابن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تمام آثار اسانید کے ساتھ روایت کیے ہیں اور مونچھیں منڈانے کو حدیث مبارکہ میں خارجیوں کی علامت قرار دیا ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے: سیماھم

یہاں پر سنت غیر مؤکدہ لغوی معنیٰ میں ہے اس کا مخصوص فقہی اصطلاحی معنیٰ مراد نہیں ہے کیونکہ اس کو مستحب بھی کہا گیا ہے، ان کی علامت مونچھیں منڈانا اور مونچھوں کو جڑ سے صاف کرنا ہے۔

(عمدۃ القاری: ج: 22، ص: 44 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ مصر)

اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مونچھیں اتنی بڑھانا کہ منہ میں آئیں حرام وگناہ وسنت مشرکین ومجوس ویہود ونصاریٰ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ درجہ کی حدیث صحیح میں فرماتے ہیں:

مونچھیں کتر کر خوب پست کرو اور داڑھیاں بڑھاؤ یہودیوں اور مجوسیوں کی صورت نہ بنو۔ امام ابوجعفر طحاوی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اس کو روایت کیا ہے اور صحیح مسلم کے الفاظ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ مونچھیں کترو اور داڑھیاں چھوڑو اور مجوس کی مخالفت کرو۔ (فتاویٰ رضویہ: ج: 22، ص: 684 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

تالیاں بجاتے تھے

قوم لوط تالیاں بجاتے تھے۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قوم لوط دس خصلتوں کی وجہ سے ہلاک کی گئی اور میری امت ان سے ایک کام زیادہ کرے گی۔

1- مرد، مردوں سے جنسی عمل کرتے تھے
2- غلیل سے نشانہ لگاتے تھے
3- مجلس میں کنکر پھینکتے تھے
4- کبوتر بازی کرتے تھے
5- دف بجاتے تھے
6- شراب پیتے تھے
7- داڑھی کاٹتے تھے
8- مونچھیں لمبی رکھتے تھے
9- سیٹی بجاتے تھے
10- تالی بجاتے تھے۔

(تاریخ دمشق الکبیر: رقم الحدیث: 11724)

قوم لوط ریشم پہنتی تھی

قوم لوط کی بری خصلتوں میں سے ایک خصلت یہ بھی تھی کہ ریشم پہنتے تھے حالانکہ ریشم مردوں پر حرام ہے۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قوم لوط دس خصلتوں کی وجہ سے ہلاک کی گئی اور میری امت ان سے ایک کام زیادہ کرے گی۔

مرد، مردوں سے جنسی عمل کرتے تھے

غلیل سے نشانہ لگاتے تھے

مجلس میں کنکر پھینکتے تھے

کبوتر بازی کرتے تھے

دف بجاتے تھے

شراب پیتے تھے

داڑھی کاٹتے تھے

مونچھیں لمبی رکھتے تھے

سیٹی بجاتے تھے

تالی بجاتے تھے

ریشم پہنتے تھے

اور میری امت ان سے ایک کام زیادہ کرے گی، عورتیں عورتوں سے جنسی خواہش پوری کریں گی۔

(تاریخ دمشق الکبیر: رقم الحدیث: 11724)

مردوں پر ریشم حرام ہے

مردوں پر ریشم حرام ہے۔

حضرت عمر و حضرت انس و حضرت ابن زبیر و حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو دنیا میں ریشم پہنے گا وہ آخرت میں نہیں پہنے گا۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5834)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو دنیا میں ریشم پہنے گا اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5834)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے کی ممانعت فرمائی مگر اتنا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو انگلیاں بیچ والی اور بیچ کی انگلیوں کو ملا کر ارشاد فرمایا۔ (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2069)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے کی ممانعت فرمائی ہے مگر دو یا تین یا چار انگلیوں کے برابر یعنی کسی کپڑے میں اتنی ریشم کی گوٹ لگائی جاسکتی ہے۔ (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 15)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لئے حلال ہے اور مردوں پر حرام۔
(سنن النسائی: رقم الحدیث: 5158)

علامہ علاؤ الدین حصکفی متوفی 1088ھ لکھتے ہیں: ریشم کے کپڑے مرد کے لئے حرام ہیں۔ بدن اور کپڑوں کے درمیان دوسرا کپڑا حائل ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں حرام ہیں اور جنگ کے موقع پر بھی نرے ریشم کے کپڑے حرام ہیں ہاں اگر تانا سوت ہو اور بانا ریشم تو لڑائی کے موقع پر پہننا جائز ہے اور اگر تانا ریشم ہو اور بانا سوت ہو تو ہر شخص کے لئے ہر موقع پر جائز ہے مجاہد اور غیر مجاہد دونوں پہن سکتے ہیں۔ لڑائی کے موقع پر ایسا کپڑا پہننا جس کا بانا ریشم ہو اس وقت جائز ہے جبکہ کپڑا موٹا ہو اور باریک ہو تو ناجائز ہے کہ اس کا جو فائدہ تھا اس صورت میں حاصل نہ ہوگا۔ (درمختار: ج: 9، ص: 580)

مزید رقم ہیں: مردوں کے کپڑوں میں ریشم کی گوٹ چار انگل تک کی جائز ہے اس سے زیادہ ناجائز یعنی اس کی چوڑائی چار انگل تک ہو لمبائی کا شمار نہیں، اسی طرح اگر کپڑے کا کنارہ ریشم سے بنا ہو جیسا کہ بعض عمامے یا چادروں یا تہبند کے کنارے ایسے ہوتے ہیں اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر چار انگل تک کا کنارہ ہو تو جائز ورنہ ناجائز۔ (درمختار: ج: 9، ص: 580)

...بلکہ قوت میں ہے۔

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ریشمی کپڑا مرد کو پہننا جائز ہے یا نہیں۔

بینوا و توجروا

الجواب

نہ بلکہ حرام ہے۔ حدیث مبارکہ میں اس پر سخت وعیدیں وارد۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ریشم نہ پہنو کہ جو اسے دنیا میں پہنے گا آخرت میں نہ پہنے گا۔

اس کو امام بخاری و مسلم نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ نسائی، ابن حبان اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور ابن حبان نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

نسائی کی ایک روایت میں ہے: فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم

جو دنیا میں ریشم پہنے گا جنت میں نہ جائے گا۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم

ریشم وہ پہنے گا جس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔

اس کو شیخین (بخاری و مسلم) نے روایت کیا ہے اور الفاظ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔

ایک حدیث مبارکہ میں ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو ریشم پہنے گا اللہ عزوجل اسے قیامت کے دن آگ کا کپڑا پہنائے گا۔

امام احمد و طبرانی نے اس کو سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو ریشم پہنے گا اللہ تعالیٰ اسے ایک دن کامل آگ پہنائے گا وہ دن تمہارے دنوں میں سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ان لمبے دنوں سے یعنی ہزار برس کا ایک دن۔

(اس کو امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا)

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: بے شک تمہارے رب عزوجل کے نزدیک ایک دن تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال کے برابر ہے۔

سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث مبارکہ میں ہے۔

میں نے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دہنے ہاتھ میں ریشم اور بائیں میں سونا لیا۔

پھر ارشاد فرمایا: بے شک یہ دونوں (ریشم اور سونا) میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔

امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہما نے اسے روایت کیا۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ: ج:22، ص:157 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

قوم لوط راستہ میں جانے والوں کو کنکر مارتے اور ان کا مذاق اڑاتے

قوم لوط کی ایک بری خصلت یہ بھی تھی کہ وہ راستہ میں جانے والوں کو کنکر مارتے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

غلیل بازی، سیٹی بجانا، کنکر پھینکنا اور دنداسہ چبانا قوم لوط کے برے اخلاق میں سے ہیں۔

(تاریخ دمشق الکبیر: رقم الحدیث:11724)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں پوچھا۔

وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْکُمُ الْمُنْکَرَ (العنکبوت:29)

تم اپنی عام مجلسوں میں برے کام کرتے ہو۔

میں نے پوچھا: یہ بتایئے وہ کیا برا کام کرتے تھے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ راستہ میں جانے والوں کو کنکر مارتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے۔

(تاریخ دمشق الکبیر: رقم الحدیث:11725)

کنکر مارنے سے اجتناب کرو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکر مارنے سے منع فرمایا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قوم لوط کے لوگ اپنی مجلس میں بیٹھے ہوتے تھے اور ہر ایک کے سامنے کنکریوں سے بھرا ہوا ایک پیالہ ہوتا تھا جو شخص راستہ سے گزرتا وہ اس پر کنکر مارتے تھے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کنکر مارنے سے اجتناب کرو کیونکہ اس سے دشمن ہلاک ہوتا ہے نہ شکار ہوتا ہے لیکن اس سے آنکھ پھوٹ جاتی ہے اور دانت ٹوٹ جاتا ہے۔ (مسند احمد: ج:5، ص:54)

قوم لوط اپنی مجلس میں گوز لگاتے تھے

قوم لوط کی ایک بری خصلت یہ بھی تھی کہ وہ اپنی مجالس میں گوز لگاتے تھے۔

علامہ عبدالرحمان بن محمد بن مخلوف ثعالبی مالکی متوفی 875ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

وہ اپنی مجالس میں گوز لگاتے تھے۔(الجواہر الحسان للثعالبی: ج:4،ص:294 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قوم لوط ایک دوسرے کو تھپڑ مارتے تھے

قوم لوط جب مجالس میں بیٹھتے تو گوز لگاتے اور ایک دوسرے کو تھپڑ مارتے تھے۔

علامہ عبدالرحمان بن محمد بن مخلوف ثعالبی مالکی متوفی 875ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

وہ اپنی مجالس میں گوز لگاتے تھے اور ایک دوسرے کو تھپڑ مارتے تھے۔

(الجواہر الحسان للثعالبی: ج:4،ص:294 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قوم لوط مجلس میں بدکاری کے دوران ایک دوسرے کو دیکھتے رہتے

قوم لوط جب مجلس میں بیٹھتے تو مرد مردوں کے ساتھ بدکاری کرتے اور ایک دوسرے کو دیکھتے رہتے تھے۔

علامہ عبدالرحمان بن محمد بن مخلوف ثعالبی مالکی متوفی 875ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان کے مرد مردوں کے ساتھ اپنی مجلسوں میں بدکاری کرتے اور ایک دوسرے کو دیکھتے رہتے تھے۔(الجواہر الحسان للثعالبی: ج:4،ص:294 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

مکحول نے کہا: قوم لوط کے (برے) اخلاق میں سے یہ چیزیں تھیں وہ دنداسہ چباتے تھے، انگلیوں پر مہندی لگاتے تھے، تہبند کھول دیتے تھے، سیٹیاں بجاتے تھے اور ہم جنس پرستی کرتے تھے۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:556 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قوم لوط ایک دوسرے پر تھوکتی تھی

قوم لوط کی ایک بری خصلت یہ بھی تھی کہ وہ ایک دوسرے پر تھوکتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

وہ ایک دوسرے پر تھوکتے تھے۔(معالم التنزیل: ج:3،ص:555 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قوم لوط ایک دوسرے پر ظلم کرتی تھی

قوم لوط کی بری خصلتوں میں سے یہ بھی بری خصلت تھی کہ وہ ایک دوسرے پر ظلم کرتے تھے۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

قوم لوط بے حیائی کے علاوہ اور بھی برے کام کرتی تھی۔ وہ ایک دوسرے پر ظلم کرتے تھے۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:13،ص:303 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

ظلم کی مذمت

ظلم ایک قبیح فعل ہے اور کثیر احادیث مبارکہ میں ظلم کرنے سے ممانعت فرمائی گئی ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ
اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: اے میرے بندو! بے شک میں نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام کر لیا ہے اور تمہارے درمیان بھی آپس میں ظلم کو حرام کر دیا سو تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2577)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ظلم کرنے سے بچو کیونکہ ظلم کرنے سے قیامت کے دن اندھیرے ہوں گے اور بخل کرنے سے بچو، بخل نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا کیونکہ بخل نے انہیں خونریزی کرنے پر اور حرام کاموں کو حلال کرنے پر ابھارا۔ (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2578)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ عزوجل ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے پھر جب وہ اس کو اپنی گرفت میں لے گا تو پھر اس کو نہیں چھوڑے گا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔
وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰی وَهِیَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ ○ (ھود: 102)
اور اسی طرح آپ کے رب کی گرفت ہے جب وہ بستیوں پر اس حالت میں گرفت کرتا ہے کہ وہ ظلم کر رہی ہوتی ہے بے شک اس کی گرفت سخت دردناک ہے۔

حضرت اوس بن شرحبیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
جو شخص ظالم کی مدد کرنے کے لئے اس کے ساتھ گیا جبکہ اس کو علم تھا کہ وہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔
(کنزالعمال: رقم الحدیث: 7596)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو شخص کسی ظالم کے ساتھ گیا اس نے ظلم کیا۔
اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ○ (السجدہ: 22)
بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں۔ (جمع الجوامع: رقم الحدیث: 23171)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے اپنے بھائی کی عزت پر یا اس کی کسی اور چیز پر ظلم کیا ہو وہ اس دن کے آنے سے پہلے اس کو حلال (معاف) کرا لے جس دن کوئی نہ دینار ہوگا نہ ہی درہم ہوگا اگر اس کا کوئی نیک عمل ہوگا تو اس کو اس کے ظلم کے برابر وصول کرلیا جائے گا اور اگر اس ظالم کی نیکیاں نہیں ہوں گی تو مظلوم کے گناہوں کو اس پر ڈال دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 2449)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مظلوم کی دعا سے بچو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے حق کا سوال کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی حق دار کو اس کے حق سے منع نہیں فرماتا۔

حضرت اویس بن شرجیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص کو یہ علم ہو کہ فلاں شخص ظالم ہے اور اس کی معاونت کے لئے اس کے ساتھ گیا وہ اسلام سے نکل گیا۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث: 7464)

اور ایک روایت میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کے شر) سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 10)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

مسلمانوں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کون سا صاحب اسلام سب سے افضل ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس کی زبان اور ہاتھ (کے ظلم) سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 42)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ظلم قیامت کے اندھیرے ہیں۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 2447)
ایک اور روایت میں ہے:
حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تم لوگوں کی مثل عمل نہ کرو کہ تم کہو کہ اگر لوگ ہمارے ساتھ اچھا سلوک کریں گے تو ہم بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں اور اگر وہ ہم پر ظلم کریں گے تو ہم بھی ان پر ظلم کریں گے لیکن تم اپنے آپ کو اس کا عادی بناؤ کہ اگر لوگ تمہارے ساتھ نیک سلوک کریں تو تم بھی ان کے ساتھ نیک سلوک کرو اور اگر وہ تم پر ظلم کریں تو تم ان پر ظلم نہ کرو۔
(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2007)
ایک اور روایت میں ہے:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
انہوں نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ظالم صرف اپنے نفس کو ضرر پہنچاتا ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں! اللہ تعالیٰ کی قسم! حتیٰ کہ سرخاب پرندہ جو اپنے گھونسلے میں بھوک اور کمزوری سے مر جاتا ہے وہ بھی ظالم کے ظلم (کے ضرر) سے ہے۔
(شعب الایمان: رقم الحدیث: 7675)
ایک اور روایت میں ہے:
حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
بے شک اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب اس کو پکڑ لیتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں ہے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 4686)

لوگ ایک دوسرے کو گالیاں دیتے تھے

قوم لوط میں ایک بری خصلت یہ بھی تھی کہ وہ ایک دوسرے کو گالیاں دیتے تھے۔
علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:
قوم لوط بے حیائی کے علاوہ اور بھی برے کام کرتی تھی وہ ایک دوسرے پر ظلم کرتے تھے ایک دوسرے کو گالیاں دیتے

تھے۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:13،ص:303 مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت)

گالی گلوچ کی مذمت

کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ دوسرے کو گالی دے کیونکہ وہ جب دوسرے کو گالی دے گا تو وہ بھی پھر اس کو گالی دے گا حتیٰ کہ نزاع پیدا ہو جائے گا اور قتل وغارت تک سلسلہ جا پہنچے گا اس لیے گالی گلوچ کرنا جائز نہیں اور اس کی مذمت وممانعت حدیث مبارکہ سے ثابت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مسلمان سے گالی گلوچ کرنا فسق ہے اور اس سے قتال کفر ہے۔

(صحیح بخاری: رقم الحدیث: 6044)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت انس و حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دو شخص گالی گلوچ کرنے والے انہوں نے جو کچھ کہا سب کا وبال اس کے ذمہ ہے جس نے شروع کیا ہے جب تک مظلوم تجاوز نہ کرے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 68)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اگر کوئی کسی کو برا بھلا کہنا ہی چاہتا ہے تو نہ اس پر افترا کرے نہ اس کے والدین کو گالی دے نہ اس کی قوم کو گالی دے ہاں اگر اس میں ایسی بات ہے جو اس کے علم میں ہے تو یوں کہے کہ تو بخیل ہے یا تو بزدل ہے یا تو جھوٹا ہے یا بہت سونے والا ہے۔

(معجم الکبیر: رقم الحدیث: 703)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فحش جس چیز میں ہوگا اسے عیب دار کردے گا اور حیا جس میں ہوگی اسے آراستہ کردے گی۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 1981)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مومن پر لعنت کرنا اس کے قتل کی مثل ہے اور جو شخص مومن مرد یا عورت پر کفر کی تہمت لگائے تو یہ اس کے قتل کی مثل ہے۔

(معجم الکبیر: رقم الحدیث: 1330)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص دوسرے کو فسق اور کفر کی تہمت لگائے اور وہ ایسا نہ ہو تو اس کہنے والے پر لوٹتا ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6045)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اپنے بھائی کو کافر کہے تو اس کلمہ کے ساتھ دونوں میں سے ایک لوٹے گا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6104)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ ایک شخص نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نازیبا کلمہ کہہ کر اذیت دی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموش رہے۔ اس نے دوبارہ اذیت دی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر خاموش رہے جب اس نے تین بار اذیت دی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بدلہ لیا۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بدلہ لے لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجلس سے اٹھ کر چلے گئے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے خفا ہو گئے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب اس شخص نے تم کو برا کہا تو آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہو کر اس کی تکذیب کر رہا تھا اور جب تم نے خود بدلہ لیا تو شیطان آ پہنچا اور جہاں شیطان آ پہنچے تو میں وہاں نہیں بیٹھتا

ایک اور سند کے ساتھ یہ حدیث مبارکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اس کے آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے۔

اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ)! جس شخص پر ظلم کیا جائے اور وہ اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے تو اس شخص کی طرف سے اللہ تعالیٰ بدلہ لیتا ہے۔ (تہذیب الایمان: ج:5،ص:284 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب دو شخص ایک دوسرے کو گالیاں دیں تو اس کا گناہ ابتداء کرنے والے کو ہوگا بہ شرطیکہ مظلوم حد سے تجاوز نہ کرے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 6467)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی 676ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ جب دو شخص ایک دوسرے کو گالیاں دیں تو اس کا تمام گناہ گالی دینے کی ابتداء کرنے والے کو ہوگا بہ شرطیکہ دوسرا شخص بدلہ لینے میں حد سے تجاوز نہ کرے۔ اس حدیث مبارکہ میں بدلہ لینے کے جواز کا بیان ہے اس پر کتاب اور سنت میں بہ کثرت دلائل ہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی تصریح ہے کہ اگر انسان بدلہ لینے کے بجائے صبر کرے اور معاف کردے تو یہ زیادہ افضل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اور وہ لوگ جب انہیں سرکشی پہنچتی ہے تو وہ اس کا بدلہ لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے پھر جو معاف کردے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور بے شک جو لوگ اپنے مظلوم ہونے کے بعد بدلہ لیں تو ان پر (گرفت کی) کوئی راہ نہیں راہ صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ناحق سرکشی کرتے ہیں ان کے لئے نہایت دردناک عذاب ہے اور جو صبر کرے اور معاف کردے تو یہ یقیناً ہمت کے کاموں میں ہے۔''

مسلمانوں کو گالی دینا حرام ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔

جس شخص کو گالی دی جائے وہ جواب میں اتنی ہی گالی دے سکتا ہے بہ شرطیکہ وہ گالی جھوٹ، قذف (زنا کی تہمت) اسلاف کے خلاف بدزبانی نہ ہو۔ ظالم اور احمق اور ان جیسے الفاظ کے ساتھ بدلہ لینا جائز ہے کیونکہ بہت کم لوگ ان اوصاف سے خالی ہوتے ہیں۔ گالی کھانے والا جب جواباً گالی دے چکے تو گالی دینے والا بری الذمہ ہو جاتا ہے البتہ اس پر ابتداء کرنے کا گناہ ہوگا اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ

جب گالی کھانے والا جواباً گالی دے دے تو اب گالی دینے والے پر کوئی حق اور کوئی گناہ نہیں رہا البتہ ابتداء گالی دینے کی وجہ سے وہ مذمت اور ملامت کا مستحق ہے۔

(شرح مسلم: ج:2،ص:321 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

قوم لوط کا چوسر اور شطرنج کھیلنا

قوم لوط میں ایک بری خصلت یہ بھی تھی کہ وہ چوسر اور شطرنج کھیلتے تھے۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

قوم لوط بے حیائی کے علاوہ اور بھی کام کرتی تھی۔ وہ ایک دوسرے پر ظلم کرتے تھے، ایک دوسرے کو گالیاں دیتے تھے، مجلس میں گوز لگاتے تھے، گزرنے والوں پر کنکر مارتے تھے، چوسر اور شطرنج کھیلتے تھے۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:13، ص:303 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

چوسر کی حرمت

چوسر کھیلنا حرام ہے اور اس کی حرمت حدیث مبارکہ سے ثابت ہے۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے چوسر کو کھیلا اس نے گویا اپنے ہاتھوں کو خنزیر کے خون اور گوشت میں رنگ لیا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث:5780)

فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ یحیٰی بن شرف نووی شافعی متوفی 676ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور فقہاء کے نزدیک نردشیر (چوسر) حرام ہے۔ بعض فقہاء شافعیہ کے نزدیک چوسر کھیلنا مکروہ تنزیہی ہے۔

اور شطرنج کے متعلق ہمارا مذہب یہ ہے کہ

وہ مکروہ تنزیہی ہے حرام نہیں ہے تابعین کی جماعت سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے کہ

شطرنج حرام ہے۔ انہوں نے چوسر پر قیاس کیا ہے۔ ہمارے فقہاء کرام اس قیاس کو نہیں مانتے۔

اور فرماتے ہیں کہ

شطرنج چوسر سے کم درجہ کی چیز ہے۔

(شرح مسلم: ج:2،ص:240 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

شرح المہذب میں ہے۔

شطرنج کھیلنا مکروہ ہے کیونکہ یہ ایک کھیل ہے جس سے دنیا میں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور نہ اس کھیل کی کوئی ضرورت ہے اس لیے اس کا ترک اولیٰ ہے لیکن یہ حرام نہیں ہے کیونکہ حضرت ابن عباس، حضرت ابن زبیر، حضرت ابوہریرہ اور سعید بن مسیب رضی اللہ عنہم سے شطرنج کھیلنا منقول ہے، جو شخص شرط لگائے بغیر کھیلے اور کسی وجہ سے فرض اور اچھے کاموں کو ترک نہ کرے اس کی شہادت مردود نہیں ہوگی اور جو شخص شرط لگا کر کھیلے تو وہ جوا کھیلنے والا ہے اس کی عدالت ساقط ہوگی اور اس کی شہادت مقبول نہیں ہوگی اور چوسر مطلقاً حرام ہے اس کی حرمت کے متعلق حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہما سے احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

(شرح المہذب: ج:20،ص:228 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی 620ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ کھیل جس میں قمار ہو وہ حرام ہے اور جس کھیل میں کسی بھی جانب سے کسی عوض کی شرط نہ ہو ان میں سے بعض حرام ہیں اور بعض مباح ہیں۔ حرام تو چوسر ہے۔ امام ابوحنیفہ اور اکثر شافعیہ کا یہی قول ہے۔

اور بعض فقہاء کرام نے کہا: یہ مکروہ ہے۔ حرام نہیں ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے چوسر کھیلا اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔

اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

جس نے چوسر کھیلا اس نے اپنے ہاتھ خنزیر کے خون اور گوشت میں رنگ لیے۔

اور سعید بن جبیر جب چوسر کھیلنے والوں کے پاس سے گزرتے تو ان کو سلام نہیں کرتے تھے۔

ان دلائل کی بناء پر جو شخص بار بار نردشیر (چوسر) کھیلے اس کی گواہی مقبول نہیں، عام ازیں کہ وہ جوئے کے ساتھ کھیلے یا بغیر جوئے سے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ظاہر مذہب ہے۔ شطرنج بھی چوسر کی طرح [illegible] ہے کیونکہ اس کی حرمت میں صریح نص وارد ہے

شطرنج کو چوسر پر قیاس کر کے حرام کہا گیا ہے۔

قاضی ابوالحسین نے ذکر کیا ہے کہ

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم، سعید بن مسیب، قاسم سالم عمروہ بن علی بن حسین، وراق اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک شطرنج حرام ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

شطرنج مباح ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، سعید بن مسیب اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما کا بھی یہی مذہب ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ

اصل اشیاء میں اباحت ہے اور شطرنج کی تحریم میں کوئی نص وارد نہیں ہے اور نہ ہی شطرنج اور چوسر میں کوئی علت مشترکہ ہے یہ اپنی اصل پر مباح ہے نیز چوسر سے جنگی چالوں کی مشق ہوتی ہے لہٰذا یہ نیزہ بازی، تیر اندازی اور گھوڑے سواری کے مشابہ ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے میسر یعنی جوئے کو حرام کیا ہے۔ (مائدہ:90)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی شطرنج کو میسر فرمایا اور شطرنج کھیلنے والے اس کھیل سے جنگی چالوں کی تربیت حاصل کرنے کا قصد نہیں کرتے ان کا اس سے قصد صرف کھیل یا جوا ہوتا ہے نیز اس میں مشغول ہو کر انسان نمازوں اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے۔

اسی وجہ سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

شطرنج کھیلنے والے کی شہادت بھی مردود ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کا بھی یہی قول ہے۔

ابوبکر نے کہا: جو شخص شطرنج کو حرام سمجھتا ہوا گر وہ شطرنج کو کھیلے تو یہ فعل حرام ہے اور اگر اس کو مباح سمجھنے والا کھیلے تو اس کی شہادت مسترد نہیں ہوگی مگر یہ کہ اس کھیل کی وجہ سے وہ نمازوں سے غافل ہو جائے یا اس کھیل میں وہ جھوٹی قسمیں کھائے یا راستوں میں بیٹھ کر کھیلے یا اس کی وجہ سے کوئی اور سستی اور بے وقعت حرکت ہو۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے سو شطرنج کا یہی حکم ہے جو باقی مختلف فیہ مسائل کا حکم ہوتا ہے۔ (المغنی: ج:10، ص 171 تا 172 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ ابوالولید سلیمان بن خلف باجی مالکی اندلسی متوفی 464ھ لکھتے ہیں:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چوسر اور شطرنج کھیلنا جائز نہیں ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

شطرنج غافل کرنے والی اور شر ہے اس کو کھیلنے والا زیادہ تر اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے۔ نیز یہ جوئے کی ایک قسم ہے اس کی وجہ سے ایک ایسی چیز میں بکثرت وقت صرف کرنا ہے جس میں کوئی دینی اور دنیاوی فائدہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام فرمایا اور اس کی خرابیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا، اس کی وجہ سے شیطان تمہارے اندر ایک دوسرے کی عداوت اور بغض پیدا کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یاد اور نماز سے روکتا ہے۔ کیا تم باز آنے والے ہو۔ یہ تمام خرابیاں شطرنج میں بھی ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ

حضرت عبداللہ بن مغفل، شعبی اور عکرمہ شطرنج کھیلتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

ان تک اس کی ممانعت نہیں پہنچی اور ان کے اجتہاد نے خطاء کی۔

جو شخص شرط لگائے بغیر عادۃً شطرنج کھیلتا ہو یعنی دائماً کھیلتا ہو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی شہادت قبول نہیں ہوگی کیونکہ یہ باطل چیز پر دوام ہے نیز ہمیشہ شطرنج کھیلنے والا جھوٹی قسمیں کھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد اور نمازوں سے غافل رہتا ہے اور جو شخص کبھی کبھی شطرنج کھیلتا ہے وہ ہر چند کہ برا کام کرتا ہے اور اس کے لئے شطرنج کو ترک کر دینا مستحب ہے لیکن اس کی عدالت ساقط نہیں ہوگی یعنی اس کی شہادت قبول ہوگی۔ (منتقی: ج:7، ص:279 مطبوعہ مطبع السادۃ)

فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ علاؤالدین حصکفی متوفی 1088ھ لکھتے ہیں:

چوسر اور شطرنج کھیلنا مکروہ تحریمی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے شطرنج کھیلنے کو مباح کہا ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہی ہے یہ اس وقت ہے جب اس میں شرط نہ لگائی جائے اور نہ اس کو کھیلنے کی عادت بنائی جائے اور نہ اس میں مشغولیت کی بناء پر کسی واجب کو ترک کیا جائے ورنہ شطرنج کھیلنا بالا جماع حرام ہے۔

(درمختار: ج:5، ص:347 مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول)

قوم لوط مرغ لڑاتے تھے

قوم لوط میں ایک بری خصلت یہ بھی تھی کہ وہ مرغ لڑاتے تھے۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

قوم لوط بے حیائی کے علاوہ اور بھی برے کام کرتی تھی۔ وہ ایک دوسرے پر ظلم کرتے تھے۔ ایک دوسرے کو گالیاں دیتے تھے، مجلس میں گوز لگاتے تھے، گزرنے والوں پر کنکر مارتے تھے، چوسر اور شطرنج کھیلتے تھے، رنگدار کپڑے پہنتے تھے، مرغ لڑاتے تھے۔ (الجامع الاحکام القرآن: جز:13، ص:303 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

قوم لوط مینڈھے لڑاتی تھی

قوم لوط کی بری خصلت مینڈھے لڑانا بھی تھی۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

قوم لوط بے حیائی کے علاوہ اور بھی برے کام کرتی تھی وہ ایک دوسرے پر ظلم کرتے تھے، ایک دوسرے کو گالیاں دیتے تھے، مجلس میں گوز لگاتے تھے، گزرنے والوں پر کنکر پھینکتے تھے، چوسر اور شطرنج کھیلتے تھے، رنگدار کپڑے پہنتے تھے، مرغ لڑاتے تھے، مینڈھے لڑاتے تھے۔ (الجامع الاحکام القرآن: ج:13، ص:303 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

قوم لوط انگلیاں مہندی سے رنگتی تھی

قوم لوط اپنی انگلیوں کو مہندی سے رنگتی تھی۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

قوم لوط بے حیائی کے علاوہ اور بھی برے کام کرتی تھی وہ ایک دوسرے پر ظلم کرتے تھے، ایک دوسرے کو گالیاں دیتے تھے، مجلس میں گوز لگاتے تھے، گزرنے والوں پر کنکر مارتے تھے، چوسر اور شطرنج کھیلتے تھے، رنگدار کپڑے پہنتے تھے، مرغ لڑاتے تھے، مینڈھے لڑاتے تھے، انگلیاں مہندی سے رنگتے تھے۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:13، ص:303 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

قوم لوط میں مرد عورتوں کا لباس پہنتے تھے

قوم لوط میں ایک بری خصلت یہ بھی تھی کہ مرد عورتوں کا لباس پہنتے تھے۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

قوم لوط بے حیائی کے علاوہ اور بھی برے کام کرتی تھی وہ ایک دوسرے پر ظلم کرتے تھے، ایک دوسرے کو گالیاں دیتے تھے، مجلس میں گوز لگاتے تھے، گزرنے والوں پر کنکر مارتے تھے، چوسر اور شطرنج کھیلتے تھے، رنگدار کپڑے پہنتے تھے، مرغ لڑاتے تھے، مینڈھے لڑاتے تھے، انگلیاں مہندی سے رنگتے تھے، مرد عورتوں کا لباس پہنتے تھے اور عورتیں مردوں کا لباس پہنتی تھیں۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:13، ص:304 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

عورتوں کا مردوں اور مردوں کا عورتوں کی وضع قطع بنانا حرام

عورتوں کا مردوں اور مردوں کا عورتوں کی وضع قطع بنانا ناجائز و حرام ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ کی لعنت ان عورتوں پر کہ مردوں کی وضع بنائیں اور ان مردوں پر کہ عورتوں کی وضع قطع اختیار کریں۔

(مسند احمد بن حنبل: ج:1،ص:339 مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ کی لعنت اس مرد پر کہ عورتوں کے پہننے کی چیز پہنے اور اس عورت پر کہ مردوں کے پہننے کی چیز استعمال کرے۔

(سنن ابوداؤد: ج:2،ص:210 آفتاب عالم پریس لاہور)

ایک اور روایت میں ہے:
ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کی گئی کہ
فلاں عورت مردانہ جوتا پہنتی ہے۔
تو ارشاد فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اس عورت پر کہ مردانی وضع لے۔

(سنن ابوداؤد: ج:2،ص:210 مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور)

ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ کسی ایک بات پر بھی مرد کو عورت، عورت کو مرد کی وضع لینی حرام و موجب لعنت ہے۔
درمختار میں ہے۔
کسی مرد کا کسی عورت کے بال گوندنے کی طرح اور اس کی ہیئت پر بال گوندنا مکروہ فعل ہے۔

(درمختار: ج:2،ص:253 مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی)

ردالمحتار میں ہے۔
اس لیے کہ اس میں عورتوں سے مشابہت ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں پر لعنت فرمائی جو عورتوں سے مشابہت کریں اور ان عورتوں پر بھی لعنت فرمائی جو مردوں سے مشابہت اختیار کریں۔

(ردالمحتار: ج:5،ص:374 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

اشعۃ اللمعات میں ہے۔
عورتوں کا مردوں سے مشابہت اختیار کرنی مکروہ ہے اور اس کا لحاظ اس حد تک ہے کہ عورتوں کو چاندی کی انگوٹھی پہننی مکروہ ہے اگر کبھی اتفاقاً پہننی پڑے تو اسے زعفران وغیرہ سے رنگ لے۔

(اشعۃ اللمعات: ج:3،ص:581 مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

درمختار میں ہے:

کسی مرد کا عورتوں کی طرح چرخے پر سوت کاتنا مکروہ ہے۔ (درمختار: ج:2،ص:253 مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی)

طحطاوی میں ہے۔

اس لیے کہ اس میں تشبہ ہے (اور وہ ممنوع ہے) کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے مشابہت کرنے والے مردوں اور مردوں سے مشابہت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (طحطاوی: ج:4،ص:211 مطبوعہ مکتبۃ العربیہ کوئٹہ)

اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مرد کو زنانی وضع کی کوئی بات اختیار کرنا حرام ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لعنت فرمائی ہے۔

(فتاویٰ رضویہ: ج:21،ص:600 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

لہٰذا ثابت ہوا کہ مردوں کا عورتوں جیسا لباس پہننا اور عورتوں کا مردوں جیسا لباس پہننا حرام وناجائز ہے۔

قوم لوط راستے سے گزرنے والوں سے ٹیکس لیتے تھے

قوم لوط کی ایک بری خصلت یہ بھی تھی کہ جب بھی ان کے راستے سے کوئی گزرتا تو ان میں سے ہر ایک سے ٹیکس لیتے تھے۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

قوم لوط بے حیائی کے علاوہ اور بھی برے کام کرتی تھی وہ ایک دوسرے پر ظلم کرتے تھے، ایک دوسرے کو گالیاں دیتے تھے، مجلس میں گوز لگاتے تھے، گزرنے والوں پر کنکر مارتے تھے، چوسر اور شطرنج کھیلتے تھے، رنگدار کپڑے پہنتے تھے، مرغ لڑاتے تھے، مینڈھے لڑاتے تھے، انگلیاں مہندی سے رنگتے تھے، مرد عورتوں کا لباس پہنتے تھے اور عورتیں مردوں کا لباس پہنتی تھیں، ہر گزرنے والے سے ٹیکس لیتے تھے۔ (الجامع الاحکام القرآن: جز:13،ص:304 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

قوم لوط کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا

قوم لوط جس سب سے بڑے گناہ میں مبتلا تھی وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

قوم لوط بے حیائی کے علاوہ اور بھی برے کام کرتی تھی وہ ایک دوسرے پر ظلم کرتے تھے، ایک دوسرے کو گالیاں دیتے تھے، مجلس میں گوز لگاتے تھے، گزرنے والوں پر کنکر مارتے تھے، چوسر اور شطرنج کھیلتے تھے، رنگدار کپڑے پہنتے تھے، مرغ لڑاتے تھے، مینڈھے لڑاتے تھے، انگلیاں مہندی سے رنگتے تھے، مرد عورتوں کا لباس پہنتے تھے اور عورتیں مردوں کا لباس پہنتی تھیں، ہر گزرنے والوں سے ٹیکس لیتے تھے ان تمام کاموں کے علاوہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے تھے۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:13،ص:304 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

شرک کیا ہے؟

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی 791ھ لکھتے ہیں:

شرک یہ ہے کہ کسی کو الوہیت میں شریک مانا جائے۔ خواہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے سوا واجب الوجود مانا جائے جیسا کہ مجوسی مانتے ہیں یا کسی کو عبادت کا مستحق مانا جائے جیسا کہ بت پرست مانتے ہیں۔

(شرح العقائد: ص:56 مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیری حنفی متوفی 1205ھ لکھتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ○ (النحل:100)

کی تفسیر میں ابو العباس نے کہا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے ساتھ شیطان کی عبادت بھی کرتے ہیں اسی وجہ سے یہ مشرک ہو گئے۔ (تاج العروس: ج:7 ص:148 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

شرک سب سے بڑا گناہ

شرک تمام گناہوں سے بڑا گناہ ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کہ تم کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کا شریک بناؤ حالانکہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے۔

میں نے عرض کیا:

واقعی یہ بہت بڑا گناہ ہے اس کے بعد کون سی چیز بڑا گناہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کر ڈالو کہ وہ تمہارے ساتھ کھانا کھائے گی۔

میں نے پوچھا۔

اس کے بعد؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ بدکاری کرو۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث:165)

قوم لوط میں ہم جنسی کی سب سے پہلے ابتداء ہوئی

قوم لوط وہ بد بخت قوم تھی جنہوں نے ہم جنسی سب سے پہلے کی تھی۔

امام ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

قوم لوط بے حیائی کے علاوہ اور بھی برے کام کرتی تھی وہ ایک دوسرے پر ظلم کرتے تھے، ایک دوسرے کو گالیاں دیتے مجلس میں گوز لگاتے تھے، گزرنے والوں پر کنکر مارتے تھے، چوسر اور شطرنج کھیلتے تھے، رنگدار کپڑے پہنتے تھے، مرغ لڑاتے تھے مینڈھے لڑاتے تھے، انگلیاں مہندی سے رنگتے تھے، مرد عورتوں کا لباس پہنتے تھے اور عورتیں مردوں کا لباس پہنتی تھیں، ہر گزرنے والے سے ٹیکس لیتے تھے۔ ان تمام کاموں کے علاوہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے تھے اور ہم جنسی کی ابتداء سب سے پہلے ان میں ہوئی تھی۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:13 ص:304 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

ہم جنس پرستی کی ابتداء کس طرح ہوئی؟

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم میں عورتوں کی بجائے مردوں سے نفسانی خواہش پوری کرنے کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ان کے باغات میں پھل تھے اور ان کے کچھ پھل باغات سے اور ان کے گھروں سے باہر لٹکتے رہتے تھے۔ ایک بار ان کے ہاں قحط پڑ گیا اور پھلوں میں کمی ہو گئی انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جو پھل باہر لٹکے ہوئے ہوتے ہیں اگر تم مسافروں کو ان کے کھانے سے منع کر دو تو تمہارے لیے کشادگی ہو جائے گی۔ انہوں نے سوچا کس طرح منع کریں پھر انہوں نے یہ قانون بنایا کہ جو مسافر بھی پھل توڑے گا اس کو ان کے ساتھ نکاح کرنا ہو گا اور اس کو چار درہم جرمانہ دینا ہو گا اس طرح تمہارے پھل محفوظ ہو جائیں گے اور یوں ان کو ہم جنس پرستی کی لت پڑ گئی اور یہ وہ قبیح فعل تھا جو ان سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کیا تھا۔

قوم لوط میں اس عمل کی ابتداء کی دوسری وجہ یہ ہے کہ

ایک دن ان کے مردوں کے پاس شیطان انتہائی خوبصورت بچے کی شکل میں آیا اور اس نے ان کو اپنے ساتھ اس عمل کی دعوت دی انہوں نے اس کے ساتھ یہ عمل کیا پھر ان کو اس عمل کی لت پڑ گئی۔

امام اسحاق بن بشر اور ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول بیان کیا ہے کہ وہ چیز جس نے ان کو عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ بے حیائی کا فعل کرنے پر ابھارا وہ یہ تھی کہ ان کے گھروں اور ان کے باغات میں ان کے پھل لگے ہوئے تھے اور وہ پھل راستے کی جانب باہر لٹکے ہوئے تھے ایک بار ان پر قحط پڑا اور پھل کی قلت آ گئی۔

انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو کہا۔

اگر تم اس ظاہر سامنے والے پھل کو مسافروں سے محفوظ رکھو گے تو اس میں تمہارے لیے عیش و خوش حالی ہو گی۔

انہوں نے کہا: ہم کون سی چیز کے سبب اس پھل کو بچا سکتے ہیں

تو انہوں نے کہا: تم یہ اصول بنالو کہ اپنے شہر میں جس اجنبی شخص کو پکڑلو تو اس کے بارے میں یہ طریقہ کرو کہ تم اس کے ساتھ وطی کرواور اس پر چار درہم جرمانہ لگادو کیونکہ جب تم اس طرح کرو گے تو تمہارے شہر کی طرف نہیں آئیں گے پس یہی چیز ہے جس نے انہیں اتنی بڑی بے حیائی کے ارتکاب پر ابھارا جس کا ارتکاب اس سے قبل پوری دنیا میں کسی نے نہیں کیا تھا۔

(تاریخ مدینہ دمشق: ج:50، ص:313 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

قوم لوط کا ابلیس کے ساتھ لواطت کرنا

جب قوم لوط نے پھل توڑنے کی سزا میں لواطت کا فعل مقرر کرلیا تو ابلیس ان کے پاس خوبصورت شکل میں مجلس میں آیا انہوں نے اس ابلیس لعین کو دیکھ کر اپنی جانب بلایا پھر انہوں نے اس سے لواطت کا فعل کیا۔

امام اسحاق بن بشر اور ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

قوم لوط کے عمل کا آغاز اس طرح ہوا کہ ابلیس ایک انتہائی خوبصورت بچے کی شکل میں ان کی مخصوص مجلس ذکر میں ان کے پاس آیا۔ جب ان لوگوں نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے انہیں اپنی جانب بلایا چنانچہ انہوں نے اس کے ساتھ لواطت کی پھر انہوں نے اس عمل کو جاری رکھا۔

(تاریخ مدینہ دمشق: ج:50، ص:313 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

قوم لوط نے لواطت کا عمل پہلے عورتوں کے ساتھ کیا

قوم لوط نے سب سے پہلے لواطت کا عمل عورتوں کے ساتھ کیا۔

امام ابن ابی الدنیا اور ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ان سے ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو عورت کے ساتھ دبر کے راستے سے ملاپ کرتا ہے؟

تو انہوں نے کہا: اس کا آغاز قوم لوط نے کیا تھا پہلے مردوں نے یہ فعل عورتوں کے ساتھ کیا اور پھر یہی فعل مردوں نے مردوں کے ساتھ کیا۔ (تاریخ مدینہ دمشق: ج:50، ص:320 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

قوم لوط میں عورتوں کی دبر میں لواطت کا عمل چالیس برس تک جاری رہا

قوم لوط نے جب لواطت کا فعل شروع کیا تو ان میں یہ مرض چالیس برس تک جاری رہا۔

امام ابن ابی الدنیا، ابن ابی حاتم، بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت ابو صخرہ جامع بن شداد رحمۃ اللہ علیہ سے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ

قوم لوط میں لواطت کا عمل مردوں میں شروع ہونے سے قبل عورتوں میں چالیس برس تک جاری رہا۔

(شعب الایمان: ج:4، ص:375 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

لوط سے قبل کسی نے لواطت کا فعل نہیں کیا

قوم لوط ہی وہ سب سے پہلی قوم تھی جنہوں نے لواطت کا فعل شروع کیا اس سے قبل کسی نے یہ فعل نہیں کیا۔

امام ابن ابی شیبہ، ابن ابی الدنیا، ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابوالشیخ، بیہقی اور ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہم نے بیان کیا ہے کہ "ما سبقکم بھا من احد من العلمین" کی تفسیر میں حضرت عمرو بن دینار نے کہا کہ

کسی مرد نے مرد کے ساتھ اس طرح کی بے حیائی کا فعل نہیں کیا تھا یہاں تک کہ قوم لوط آئی اور انہوں نے اس کا ارتکاب

(شعب الایمان: ج:4، ص:359 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

لوط میں عورتیں عورتوں سے لطف اندوز ہوتی تھیں

قوم لوط میں جب لواطت کا فعل شروع ہوا تو انہوں نے مردوں کے ساتھ ہی لواطت کا فعل کیا اور عورتوں سے مستغنی ہو اور پھر عورتوں نے عورتوں سے لواطت کا فعل کیا۔

امام ابن ابی الدنیا، ابوالشیخ، بیہقی اور ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ قوم کے بارے میں پختہ قول یہ ہے کہ اس وقت عورتیں عورتوں کے سبب اور مرد مردوں کے سبب ایک دوسرے سے مستغنی اور نیاز تھے (یعنی عورتیں عورتوں سے اور مرد مردوں سے لطف اندوز ہوتے تھے)

(تاریخ مدینہ دمشق: ج:50، ص:320 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

آن مجید سے لواطت کی حرمت

قرآن مجید میں لواطت کی حرمت بیان فرمائی گئی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ قبیح فعل ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝ (الاعراف:80 تا 81)

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ (النمل:54، 55)

اور لوط کو جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تم دیکھتے ہوئے بے حیائی کرتے ہو بے شک عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے نفسانی خواہش پوری کرتے ہو بلکہ تم جاہل لوگ ہو۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ○ وَ تَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ○ (الشعراء:165 تا166)

کیا تم جہان والوں میں سے مردوں کے پاس آتے ہو اور اپنی ان بیویوں کو چھوڑ دیتے ہو جو تمہارے رب نے تمہارے لیے پیدا کی ہیں بلکہ تم لوگ حد سے بڑھنے والے ہو۔

احادیث مبارکہ سے لواطت کی حرمت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لواطت کے متعلق مذمت بیان فرمائی ہے اور اس کو برا فعل بیان فرمایا ہے اور اس کی حرمت میں کئی فرامین ارشاد فرمائے ہیں۔

اس امت پر عمل قوم لوط کا خوف

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس چیز کا مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ خوف ہے وہ قوم لوط کا عمل ہے۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث:1457)

لواطت کرنے اور کروانے والے کو قتل کردو

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص کو تم قوم لوط کا عمل کرتے ہوئے دیکھو تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کردو۔

(سنن ابوداؤد، رقم الحدیث:4462)

قوم لوط کا عمل کرنے والا ملعون ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے سات آدمیوں پر سات آسمانوں کے اوپر سے لعنت کرتا ہے اور ان میں سے ایک شخص پر تین بار لعنت کرتا ہے اور ہر ایک پر ایسی لعنت کرتا ہے جو اس کی کافی ہوگی۔

ارشاد فرمایا:

جو قوم لوط کا عمل کرے وہ ملعون ہے

جو قوم لوط کا عمل کرے وہ ملعون ہے۔

جو قوم لوط کا عمل کرے وہ ملعون ہے۔

جو غیر اللہ کے لئے ذبح کرے وہ ملعون ہے۔

جو کسی جانور سے بدفعلی کرے وہ ملعون ہے۔

جو شخص ماں باپ کی نافرمانی کرے وہ ملعون ہے۔

جو شخص ایک عورت اور اس کی بیٹی کو نکاح میں جمع کرے وہ ملعون ہے۔

جو شخص زمین کی حدود میں تبدیلی کرے وہ ملعون ہے۔

جو شخص اپنے مولیٰ کے غیر کی طرف منسوب ہو وہ ملعون ہے۔

(معجم الاوسط: رقم الحدیث: 8492)

اللہ تعالیٰ کا لواطت کرنے والوں پر غضب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

چار آدمی اللہ تعالیٰ کے غضب میں صبح کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے غضب میں شام کرتے ہیں۔

میں نے پوچھا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

1- وہ مرد جو عورت کی مشابہت کریں۔

2- اور وہ عورتیں جو مردوں کی مشابہت کریں۔

3- اور جو شخص جانوروں سے بدفعلی کرے۔

4- اور جو مرد، مرد سے بدفعلی کرے۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث: 5385)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا لواطت کرنے والے کو آگ میں جلانے کا متفقہ فیصلہ

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی 458ھ روایت کرتے ہیں۔

محمد بن منکدر سے روایت ہے کہ

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ عرب کے بعض قبائل میں ان کو ایک مرد ملا جو مرد کے ساتھ بدفعلی کرتا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو جمع کیا جن میں حضرت علی

رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

یہ ایک ایسا گناہ ہے جس کو صرف ایک امت نے کیا تھا اور تمہیں معلوم ہے اللہ تعالیٰ نے ان پر کیسا عذاب بھیجا۔

میری رائے یہ ہے کہ

اس شخص کو آگ میں جلا دیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر اتفاق کر لیا کہ اس شخص کو آگ میں جلا دیا جائے پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو آگ میں جلانے کا حکم دیا۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث: 5385)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ زندیق لائے گئے تو انہوں نے ان کو جلا دیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ خبر پہنچی۔

توانہوں نے فرمایا:

اگر میں وہاں ہوتا تو ان کو نہ جلاتا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے عذاب کے ساتھ سزا دینے سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6992)

اللہ تعالیٰ لواطت کرنے والوں سے دست رحمت اٹھا لے گا

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب اہل ذمہ پر ظلم کیا جائے گا تو دشمن کی حکومت ہو جائے گی اور جب زنا بہ کثرت ہوگا تو قیدی بہ کثرت ہوں گے اور جب قوم لوط کا عمل کرنے والے زیادہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنا دست رحمت مخلوق سے اٹھا لے گا پھر وہ کوئی پرواہ نہیں کرے گا کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوتے ہیں۔

(معجم الکبیر: رقم الحدیث: 1755)

اللہ تعالیٰ لواطت کرنے والوں پر نظر رحمت نہیں فرماتا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ عزوجل اس مرد کی طرف نظر رحمت نہیں فرماتا جو مرد سے جنسی خواہش پوری کرے یا عورت سے عمل معکوس کرے۔

([illegible] (1168

لواطت کرنے والوں کو سنگسار کردو

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جو شخص قوم لوط کا عمل کرتا ہو اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اوپر والے اور نیچے والے دونوں کو سنگسار کردو۔

(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 2562)

لواطت کرنے والے کو اونچی عمارت سے پھینک کر سنگسار کردیا جائے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ

لوطی کی حد کیا ہے؟

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اس کو شہر کی سب سے اونچی عمارت سے نیچے پھینکا جائے پھر اس کو سنگسار کردیا جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج: 9، ص: 529)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوطی کو سنگسار کیا

یزید بن قیس نے بیان کیا کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوطی کو سنگسار کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج: 9، ص: 530)

لوطی شادی شدہ کو سنگسار کرو اور کنوارے کو سو کوڑے مارو

زہری نے روایت کیا ہے کہ

اگر لوطی شادی شدہ ہو تو اس کو سنگسار کیا جائے اور اگر کنوارا ہو تو اس کو کوڑے مارے جائیں۔

(سنن الکبریٰ: ج: 8، ص: 333)

لواطت گھٹیا فعل ہے

امام ابن ابی شیبہ، ابن منذر، ابن ابی حاتم اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہم نے سنن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ بیان کیا ہے کہ

آپ رضی اللہ عنہ نے منبر پر ارشاد فرمایا:

مجھ سے سوال کرو۔

تو ابن الکواء نے کہا: کیا عورتوں کے ساتھ ان کی دبروں میں اختلاط کیا جاسکتا ہے؟

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

یہ گھٹیا (فعل) ہے اللہ تعالیٰ تجھے ذلیل کرے کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا۔

اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج:3، ص:530 مکتبۃ الزمان مدینہ منورہ)

لوطی کی حد

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا۔

لوطی کی حد کیا ہے؟

تو آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

اسے گاؤں کی سب سے اونچی عمارت پر کھڑا کر کے دکھایا جائے پھر اسے اوندھا کر کے وہاں سے نیچے پھینک دیا جائے پھر اس پر پتھر برسائے جائیں۔

(شعب الایمان: ج:4، ص:357 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابن ابی شیبہ، ابن ابی الدنیا اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہم نے حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول بیان کیا ہے کہ اگر کسی کے لئے مناسب ہوتا کہ اسے دو بار رجم کیا جائے تو بالیقین لوطی کو (دوبار) رجم کیا جاتا۔

(شعب الایمان: ج:4، ص:358 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت حسن اور حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہما دونوں نے کہا: لوطی کی حد زانی کی حد کی مثل ہے اگر وہ محصن ہو تو اس کو رجم کیا جائے گا ورنہ حد لگائی جائے گی۔ (شعب الایمان: ج:4، ص:358 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ مقدسہ میں ایک آدمی قوم لوط کے قبیح عمل کے ساتھ متہم ہوا تو آپ نے قریش کے بعض نوجوانوں کو حکم فرمایا کہ وہ اس کی مجالست اختیار نہ کریں۔

(شعب الایمان: ج:4، ص:358 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

چوپائیوں، خنزیر اور گدھے کے علاوہ کوئی بھی لواطت نہیں کرتا

حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

چوپائیوں میں خنزیر اور گدھے کے سوا کوئی بھی قوم لوط کا عمل نہیں کرتا۔

(شعب الایمان: ج:4، ص:359 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

لواطت کرنے والوں کی تین اقسام

امام ابن ابی الدنیا اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہما نے روایت کیا ہے کہ

حضرت ابن سہل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:
عنقریب اس امت میں ایک قوم ہوگی جنہیں لواطت کرنے والا کہا جائے گا ان کی تین قسمیں ہوں گی۔
1-ایک قسم کے لوگ نظر بازی کریں گے
2-دوسری قسم کے لوگ مصافحہ کریں گے
3-تیسری قسم کے لوگ قوم لوط جیسا عمل کریں گے۔
(شعب الایمان: ج:4، ص:360 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

لواطت کرنے والا آسمان سے گرنے والے ہر قطرے اور زمین میں نکلنے والے ہر قطرے کے ساتھ بھی غسل کرے تو وہ پھر بھی ناپاک رہے گا

امام ابن ابی الدنیا اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے یہ قول بیان کیا ہے کہ وہ آدمی جو قوم لوط جیسا عمل کرتا ہے اگر وہ آسمان سے گرنے والے ہر قطرے اور زمین میں نکلنے والے پانی کے ہر قطرے کے ساتھ بھی غسل کرے تو وہ پھر بھی ناپاک ہی رہے گا۔
(شعب الایمان: ج:4، ص:358 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قوم لوط جیسا عمل دیکھ کر غمگین ہونا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ
انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غمزدہ حالت میں دیکھا۔
تو عرض کیا۔
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کون سی چیز ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غمگین کر رہی ہے؟
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میں اپنی امت کے بارے میں یہ خوف کھا رہا ہوں کہ وہ میرے بعد قوم لوط کے عمل جیسے عمل میں مبتلا ہو جائے گی۔
(مصنف عبدالرزاق: ج:7، ص:365 مطبوعہ مجلس العلمی بیروت)

قوم لوط جیسا عمل کرنے والے کا خون حلال

امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو حصین رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ
حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے گھر کے محاصرے کے دن اوپر سے لوگوں پر جھانک کر ارشاد فرمایا:
کیا تم نہیں جانتے کہ چار کے سوا کسی مسلمان کا خون حلال نہیں۔
1-ایک وہ آدمی جس نے قتل کیا تو اسے قتل کیا جائے گا

2-دوسرا وہ آدمی جو محصن ہونے کے بعد زنا کرے

3-تیسرا وہ آدمی جو اسلام لانے کے بعد پھر مرتد ہو جائے

4-اور چوتھا وہ آدمی جو قوم لوط کے عمل کی مثل عمل کرے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج:5،ص:498 مکتبۃ الزمان مدینہ منورہ)

دبر کی حرمت فرج کی حرمت سے زیادہ شدید ہے

حضرت جابر بن زید رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ دبر کی حرمت فرج کی حرمت سے زیادہ شدید ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج:5،ص:497 مکتبۃ الزمان مدینہ منورہ)

عمل قوم لوط کی عقلی خرابیاں

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ نے قوم لوط کے عمل کی حسب ذیل عقلی خرابیاں بیان فرمائی ہیں۔

1-اکثر لوگ اولاد کے حصول سے احتراز کرتے ہیں کیونکہ اولاد کی وجہ سے انسان پر ان کی پرورش کا بوجھ پڑ جاتا ہے جس کو اٹھانے کے لئے انسان کو زیادہ مشقت کرنی پڑتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جماع کو بہت بڑی لذت کے حصول کا سبب بنا دیا ہے۔انسان اس لذت کے حصول کے لئے جماع کے فعل کا اقدام کرتا ہے اور جماع کے بعد خواہی نخواہی بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کی بقاء کے لئے جماع میں یہ لذت رکھی ہے۔اب اگر انسان اس لذت کو کسی اور طریقہ سے حاصل کرے جس سے بچہ پیدا نہ ہو تو اس سے وہ حکمت مطلوبہ حاصل نہیں ہوگی اور اس سے نسل انسانی منقطع ہوگی اور یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہے اس سے اس عمل کا حرام ہونا ضروری ہوا۔

2-مرد اپنی فطرت اور وضع کے اعتبار سے فاعل ہے اور عورت منفعل ہے اور جب اس عمل کے نتیجہ میں مرد خود منفعل ہوگا تو یہ فطرت اور حکمت کے خلاف ہے۔

3-قضاء شہوت کے لئے مرد کا عورت کے ساتھ یہ عمل کرنا جانوروں کے شہوانی عمل کے مشابہ ہے۔اس عمل کو صرف اس وجہ سے اچھا قرار دیا گیا ہے کہ یہ حصول اولاد کا سبب ہے اور جب یہ عمل اس طریقہ سے کیا جائے جس میں حصول اولاد ممکن نہ ہو تو یہ نری حیوانیت ہے اور انسانیت کے بلند مقام سے حیوانوں کی پستی مین جا گرنا ہے۔

4-جب مرد، مرد کے ساتھ یہ فعل کرے گا تو مان لیا کہ فاعل کو اس عمل سے لذت حاصل ہوگی مگر اس سے مفعول کو بہت بڑا عار اور عیب لاحق ہوگا جو تمام عمر اس کی ذلت اور رسوائی کا سبب ہوگا اور وہ کبھی فاعل کے ساتھ آنکھ ملا کر بات نہیں کر سکے گا تو اس چند منٹ کی خسیس اور گھٹیا لذت کے حصول کا کیا فائدہ جس سے دوسرے شخص کو تمام عمر کے لئے عیب لگ جائے۔

5-اس عمل کے بعد فاعل اور مفعول میں دائمی عداوت ہو جاتی ہے اور مفعول کو فاعل کی شکل سے نفرت ہو جاتی ہے اور بعض اوقات مفعول فاعل کو قتل کرنے کا منصوبہ بناتا ہے اس کے برعکس شوہر اپنی بیوی کے ساتھ جب یہ عمل کرتا ہے تو ان کے

الفت اور محبت اور بڑھتی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ط (الروم:21)

اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کیے تا کہ تم ان سے سکون پاؤ اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھ دی ہے۔

6-اللہ تعالیٰ نے رحم میں منی کو جذب کرنے کی بہت زبردست قوت رکھی ہے پس جب مرد عورت کے ساتھ یہ عمل کرتا ہے تو مرد کے عضو کی نالی سے منی کے تمام قطرات منجذب ہو کر عورت کے رحم میں پہنچ جاتے ہیں اس کے برعکس جب مرد مرد کے ساتھ یہ عمل کرے گا تو مفعول کی مقعد میں چونکہ منی کو جذب کرنے کی صلاحیت نہیں ہے تو اس عمل کے بعد فاعل کے عضو کی نالی میں کچھ قطرات اور ذرات رہ جاتے ہیں جن میں تعفن پیدا ہو جاتا ہے جس سے عضو سوج جاتا ہے اور مہلک قسم کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں مثلاً سوزاک وغیرہ۔

اور فقیر وحقیر کہتا ہے کہ

لواطت ایک ایسا فعل ہے جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی اور ناراضگی کا سبب ہے اگر اس عمل سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو گئے تو قیامت کے دن کس طرح منہ دکھائیں گے لہٰذا اس قبیح فعل سے بچنا واجب ہے۔اور بچنا ہی دنیا وآخرت کے لئے بہتری ہے۔

عمل قوم لوط کی سزا میں مذاہب آئمہ اربعہ

عمل قوم لوط کی سزا میں مذاہب آئمہ اربعہ کی تفصیل درج ذیل ہے۔

فقہاء حنبلیہ کا مذہب

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی 620ھ لکھتے ہیں:

اس فعل کی سزا میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مختلف روایتیں ہیں۔

ایک روایت یہ ہے کہ

اس کی سزا یہ ہے کہ وہ کنوارہ یا شادی شدہ اس کو سنگسار کر دیا جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت جابر بن زید رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن معمر اور زہری رحمہما اللہ علیہما کا بھی یہی مسلک ہے۔

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

جب مرد، مرد سے خواہش پوری کرے تو وہ دونوں زانی ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ ہے کہ

اس کو جلا دیا جائے۔

اور دوسری روایت یہ ہے کہ

دونوں کو قتل کر دیا جائے۔

کیونکہ سنن ابوداؤد میں یہ حدیث مبارکہ ہے کہ

تم جن کو قوم لوط کا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول بہ دونوں کو قتل کر دو۔ (المغنی: ج:9، ص:58 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فقہاء شافعیہ کا مذہب

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر وہ شادی شدہ ہے تو اس کو سنگسار کیا جائے گا اگر وہ کنوارہ ہے تو اس کو کوڑے مارے جائیں گے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ فعل زنا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ فعل وطی حرام ہونے میں زنا کے مشابہ ہے۔

(شرح المہذب: ج:20، ص:22 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی متوفی 450ھ لکھتے ہیں:

عمل قوم لوط سب سے بڑی بے حیائی کا کام ہے اس لیے اس پر سب سے بڑی حد ہے۔

اس میں دو قول ہیں۔

1- امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ

شادی شدہ ہو یا کنوارہ اس کو پتھر مار مار کر قتل کر دیا جائے۔

(کتاب الام: ج:7، ص:83)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت سعید بن مسیب، حضرت امام مالک، حضرت امام احمد اور حضرت اسحاق رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی قول ہے۔

قتل کرنے کے دو طریقے ہیں۔

یا تو رجم کر دیا جائے یہ فقہائے بغداد کا قول ہے

یا تلوار سے قتل کر دیا جائے یہ فقہائے بصرہ کا قول ہے۔

2- شادی شدہ کو رجم کر دیا جائے اور کنوارے کو سو کوڑے لگائے جائیں اور اس کو ایک سال کے لئے شہر بدر کر دیا جائے

اس کی حد میں فاعل اور مفعول بہ برابر ہیں البتہ اگر مفعول نابالغ ہو تو اس پر تعزیر ہے۔

(الحاوی الکبیر: ج:17، ص:62 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فقہاء مالکیہ کا مذہب

علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن علی الخرشی مالکی متوفی 1101ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے قوم لوط کا عمل کیا ہو تو فاعل اور مفعول بہ دونوں کو رجم کر دیا جائے خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ،

بھی اس بات میں تصدیق نہیں کی جائے گی کہ اس نے خوشی سے یہ فعل کیا تھا یا مجبوراً، اگر مفعول کے ساتھ جبراً یہ فعل کیا گیا یا بچہ کے ساتھ اس کی خوشی کے ساتھ کیا گیا ہو تو اس کو رجم نہیں کیا جائے گا اور صرف فاعل کو رجم کیا جائے گا اس کے ثبوت کے لئے بھی چار گواہ ضروری ہیں جس طرح زنا میں چار مرد گواہوں کی شرط ہے۔ (الخرشی علی مختصر سیدی خلیل: ج:8، ص:82 مطبوعہ دار صادر بیروت)

فقہاء احناف کا مذہب

علامہ علاؤالدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی 1088ھ لکھتے ہیں:

درر غرر میں مذکور ہے کہ

جو شخص عمل قوم لوط کرے اس کو تعزیر لگائی جائے گی مثلاً اس کو آگ میں جلا دیا جائے گا اور اس پر دیوار گرا دی جائے گی اور اس کو کسی بلند جگہ سے الٹا کر کے گرا دیا جائے گا اور اس پر پتھر مارے جائیں گے۔

اور الحاوی میں مذکور ہے کہ

اس کو کوڑے مارنا زیادہ صحیح ہے۔

فتح القدیر میں ہے کہ

اس پر تعزیر ہے اور اس کو اس وقت تک قید میں رکھا جائے حتیٰ کہ وہ مر جائے یا توبہ کر لے۔ اور اگر وہ دوبارہ یہ عمل کرے تو اس کو امام سیاستہ قتل کر دے۔ امام کی قید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کو یہ اختیار نہیں ہے۔ اسی طرح استمناء حرام ہے۔

صحیح مذہب یہ ہے کہ

جنت میں عمل قوم لوط نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت کی ہے اور اس کو قبیح اور خبیث فعل قرار دیا ہے اور جنت اس عمل سے پاک ہے۔

اور الاشباہ والنظائر میں ہے۔

اس فعل کی حرکت عقلی ہے اس لیے جنت میں اس کا وجود نہیں ہوگا۔

ایک قول یہ ہے کہ

اس کی حرمت شرعی ہے۔

البحر میں مذکور ہے کہ

اس کی حرمت عقلاً، شرعاً اور طبعاً زنا سے زیادہ شدید ہے اور زنا کی حرمت طبعاً نہیں ہے کیونکہ جس عورت کی طرف طبیعت راغب ہو اس سے نکاح کیا جا سکتا ہے اور اگر وہ کنیز ہو تو اس کو خرید کر اس سے شہوت پوری کی جا سکتی ہے اس کے برخلاف اگر لڑکے پر طبیعت راغب ہو تو اس سے قضاء شہوت کا کوئی جائز ذریعہ نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر حد ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ کم درجہ کا جرم ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ حد مجرم کو جرم سے پاک کر دیتی ہے (یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے) بلکہ حد نہ ہونا اس جرم کی شدت کی وجہ سے ہے اور جو شخص اس عمل کو جائز سمجھے وہ جمہور کے نزدیک کافر

ہے۔ (الدر مختار: ج:3، ص155 تا156 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی 1252ھ لکھتے ہیں:

زیادات میں مذکور ہے کہ

اس کے فاعل کی سزا امام کی رائے پر موقوف ہے جبکہ فاعل عادی ہو خواہ اس کو قتل کردے خواہ اس کو مارے اور قید کر دے۔

الاشباہ میں مذکور ہے کہ

جب تک وہ بار بار یہ فعل نہ کرے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

علامہ بسیری نے کہا ہے کہ

دوبارہ اس فعل کے کرنے پر اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

فتح القدیر میں ہے کہ

اس کو بلندی سے گرانے کی سزا اس لیے ہے تاکہ قوم لوط کی سزا سے مشابہت ہو کیونکہ ان کی زمین کو الٹ پلٹ کر دیا گیا تھا۔

ابن الولید معتزلی نے کہا: جنت میں اس فعل کے اندر کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ اس فعل سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ اس سے نسل منقطع ہو جاتی ہے اور یہ فعل محل نجاست میں ہوتا ہے اور جنت میں یہ دونوں چیزیں نہیں ہیں اس لیے جنت میں شراب حلال ہے کیونکہ اس میں نشہ نہ ہوگا اور نہ عقل زائل ہوگی۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا ہے کہ

مردوں کی طرف جنسی میلان کرنا ان کے لئے باعث عار ہوتا ہے اور یہ فی نفسہ قبیح ہے کیونکہ ان کو اس عمل کے لئے نہیں کیا گیا اسی وجہ سے اس فعل کو کسی شریعت میں جائز نہیں کیا گیا اس کے برعکس شراب بعض شریعتوں میں جائز تھی اور جنت باعث عار اور قابل نفرت کاموں سے پاک رکھا گیا ہے۔

لیکن ابن الولید نہیں مانا اس نے کہا: عار کی وجہ یہ ہے کہ اس میں نجاست کے ساتھ تلویث ہے اور جب جنت میں نجاست نہیں ہوگی تو عار بھی نہیں ہوگا اس کے ثبوت کے لئے دو گواہ کافی ہیں نہ کہ چار اور اس میں صاحبین کا اختلاف ہے۔

(ردالمحتار: ج:3، ص155 تا156 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

عمل قوم لوط جنت میں ہوگا یا نہیں؟

عمل قوم لوط جنت میں ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے۔

علامہ ابن ہمام متوفی 861ھ لکھتے ہیں کہ

اگر اس کی حرمت عقلاً اور شرعاً ہے تو یہ فعل جنت میں نہیں ہوگا اور اگر اس کی حرمت فقط شرعاً ہو تو پھر یہ فعل جنت میں ہو ہے۔

اور صحیح یہ ہے کہ
یہ فعل جنت میں نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مستبعد وقبیح قرار دیا ہے۔
اور قرآن مجید میں ہے:
اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ٘ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ○ (العنکبوت:28)
بے شک بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔
اور اللہ تعالیٰ نے اس فعل کو خبیث فرمایا۔
كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ط (الانبیاء:74)
اس بستی کے لوگ خبیث کام کرتے تھے۔
اور جنت خبیث کاموں سے منزہ ہے۔ (فتح القدیر: ج:5،ص:250 مطبوعہ دار الفکر بیروت)
علامہ حمولی نے اس دلیل پر اعتراض کیا ہے کہ
کسی چیز کا خبیث ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ جنت میں اس کا وجود نہ ہو کیا تم نہیں دیکھتے کہ شراب دنیا میں ام الخبائث ہے اس کے باوجود شراب جنت میں ملے گی۔
اور اس میں بحث ہے کیونکہ شراب کا خبث دنیا میں اس وجہ سے ہے کہ وہ عقل کو زائل کر دیتی ہے اور عقل ہی ہر برے کام سے روکتی ہے اور جنت کی شراب میں یہ وصف نہیں ہوگا اور قوم لوط کا یہ فعل اس طرح نہیں ہے۔
الفتوحات المکیہ میں یہ لکھا ہوا ہے کہ
اہل جنت کی صفت یہ ہے کہ ان کے دبر (سرین) نہیں ہوگی کیونکہ دبر پاخانہ نکلنے کا راستہ ہے اور جنت نجس چیزوں کا محل نہیں ہے اس بناء پر جنت میں اس فعل کا نہ ہونا بالکل ظاہر ہے اور میرا گمان نہیں ہے کہ کوئی سچا اور غیور شخص جنت میں یہ فعل کریا ظاہراً کروائے گا اور اگر اس فعل کے وقوع کو ممکن مانا جائے تو یہ اس کو مستلزم ہے کہ جب کسی شخص کو اس فعل کے کرنے کی خواہش ہو دوسرا شخص خوشی سے یہ کام کروائے یا وہ شخص جبراً اس کے ساتھ یہ کام کرے اور کوئی غیور شخص خوشی سے تو یہ فعل نہیں کروائے گا نہیں اور جنت میں کسی پر جبر ہو نہیں سکتا۔ ہر چند کہ یہ جنت میں اس فعل کے عدم وقوع پر قطعی دلیل نہیں ہے مگر اس سے عدم وقوع کا قول مستحکم ہوتا ہے۔
(روح المعانی: ج:20،ص:233 تا 234 مطبوعہ دار الفکر بیروت)
علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی 1252ھ لکھتے ہیں:
ابن الولید معتزلی نے کہا: جنت میں اس فعل کے اندر کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ دنیا میں اس فعل سے اس لیے منع کیا گیا کہ اس سے نسل منقطع ہوتی ہے اور یہ فعل محل نجاست میں ہوتا ہے اور جنت میں یہ دونوں چیزیں نہیں ہیں اس لیے جنت میں یہ فعل حلال ہے کیونکہ اس میں نشہ نہیں ہوگا اور نہ عقل زائل ہوگی۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جواب دیا کہ
مردوں کی طرف جنسی میلان کرنا ان کے لئے باعث عار ہوتا ہے اور یہ فی نفسہ قبیح ہے کیونکہ ان کو اس عمل کے لئے پیدا نہیں کیا گیا اسی وجہ سے اس فعل کو کسی شریعت میں جائز نہیں کیا گیا اس کے برعکس شراب بعض شریعتوں میں جائز تھی اور جنت کو باعث عار اور قابل نفرت کاموں سے پاک رکھا گیا ہے۔
لیکن ابن الولید نہیں مانا اس نے کہا: عار کی وجہ یہ ہے کہ اس میں نجاست کے ساتھ تلویث ہے اور جب جنت میں نجاست نہیں ہوگی تو عار بھی نہیں ہوگا اس کے ثبوت کے لئے دو گواہ کافی ہیں نہ کہ چار اور اس میں صاحبین کا اختلاف ہے۔

(ردالمختار: ج:3، ص155 تا 156 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

میں کہتا ہوں (یعنی مجاہد عفی عنہ)
جنت میں یہ فعل نہیں ہوگا کیونکہ یہ فعل ناجائز وحرام ہے اور تمام ناجائز وحرام کی ترغیب شیطان کی طرف سے ہوتی ہے اور جس کی ترغیب شیطان کی طرف سے ہو وہ جنت میں نہیں ہوگی اور شیطان لعین خود دوزخ میں ہوگا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ
اس قبیح فعل کی خواہش ہی پیدا نہیں ہوگی بلکہ خواہش صرف جائز اشیاء پر ہوگی۔
علامہ علاؤالدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی 1088ھ لکھتے ہیں:
صحیح مذہب یہ ہے کہ جنت میں عمل قوم لوط نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت کی ہے اور اس کو قبیح اور خبیث فعل قرار دیا ہے اور جنت اس عمل سے پاک ہے۔
الاشباہ والنظائر میں ہے کہ
اس فعل کی حرمت عقلی ہے اس لیے جنت میں اس کا وجود نہیں ہوگا۔
ایک قول یہ ہے کہ
اس کی حرمت شرعی ہے۔

(درمختار: ج:3، ص155 تا 156 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اعتراض

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جنت میں تو خواہش پوری کی جائے گی جیسا کہ
قرآن مجید میں ہے:
وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ۝ (حم السجدہ:31)
اور جنت میں تم کو ہر وہ چیز ملے گی جس کی تم خواہش کرو گے اور جس کو تم طلب کرو گے۔

اس قبیح اور غیر فطری فعل کی خواہش فساق اور فجار کرتے ہیں اور جنت میں فساق اور فجار نہیں ہوں گے بلکہ پاک صاف اور لوگ ہوں گے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ

یہ آیت کریمہ اپنے عموم پر نہیں ہے بلکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کی ہر جائز خواہش اور ہر جائز طلب پوری کی جائے گی اور اس کو عموم پر محمول کیا جائے تو بہت ساری خرابیاں لازم آتی ہیں۔ یعنی عموم پر محمول سے مراد ہر خواہش پوری ہوگی خواہ جائز ہو یا ناجائز تو یہ خرابیاں لازم آئیں گی کہ اگر کوئی شخص بالفرض یہ خواہش کرے کہ جنت میں اس کا مقام نبی کے مقام سے بڑھ کر ہو یا خواہش کرے کہ میں ان تمام کا سردار ہو جاؤں تو کیا اس کی یہ ناپاک حرکات و خواہش پوری کی جائیں گی لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہ آیت اپنے عموم پر محمول نہیں ہے اسی وجہ سے جنت میں صرف جائز خواہش ہی پوری کی جائے گی ناجائز اور حرام خواہش کا نام و نشان بھی نہ ہوگا۔

حضرت لوط علیہ السلام کو چار شہروں کی طرف مبعوث فرمایا گیا

حضرت لوط علیہ السلام کو سدوم، اموراء، عاموراء اور صبوبراء کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ارض مقدسہ کی طرف بھیجا گیا اور حضرت لوط علیہ السلام کو چار شہروں کی طرف بھیجا گیا۔

1- سدوم

2- اموراء

3- عاموراء

4- صبویراء (مختصر تاریخ دمشق: ج: 21، ص: 238 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ان میں ایک لاکھ جنگ جو چار لاکھ تھے

حضرت لوط علیہ السلام کو جن چار شہروں کی طرف مبعوث فرمایا گیا ان میں سے ہر شہر میں ایک لاکھ جنگ جو لوگ تھے جن کا کل چار لاکھ تھا۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ارض مقدسہ کی طرف مبعوث فرمایا گیا اور حضرت لوط علیہ السلام کو چار شہروں کی طرف مبعوث

1- سدوم 2- اموراء 3- عاموراء 4- اور صبویراء

ان میں سے ہر شہر میں ایک لاکھ جنگ جو لوگ تھے ان کا مجموعہ چار لاکھ تھا۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج: 21، ص: 238 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

سب سے بڑا شہر سدوم تھا

حضرت لوط علیہ السلام کو جن شہروں کی طرف مبعوث فرمایا گیا ان میں سے بڑا شہر سدوم تھا۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

ان میں سب سے بڑا شہر سدوم تھا۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج: 21، ص: 238 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت لوط علیہ السلام سدوم میں قیام پذیر تھے

حضرت لوط علیہ السلام کی رہائش شہر سدوم میں تھی۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

ان میں سب سے بڑا شہر سدوم تھا حضرت لوط علیہ السلام اسی میں رہتے تھے۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج: 21، ص: 238 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

سدوم شام کا شہر ہے

جس شہر سدوم میں حضرت لوط علیہ السلام قیام پذیر تھے وہ شام کے شہروں میں سے ایک شہر ہے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

ان میں سب سے بڑا شہر سدوم تھا حضرت لوط علیہ السلام اسی میں رہتے تھے یہ شام کے شہروں میں سے ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج: 21، ص: 238 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

سدوم فلسطین سے ایک دن اور رات کی مسافت پر واقع ہے

سدوم وہ شہر ہے جو فلسطین سے ایک دن اور ایک رات کی مسافت پر واقع ہے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

ان میں سب سے بڑا شہر سدوم تھا حضرت لوط علیہ السلام اسی میں رہتے تھے یہ شام کے شہروں میں سے ہے اور فلسطین سے ایک دن اور رات کی مسافت پر واقع ہے۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج: 21، ص: 238 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

آج کل سدوم کو شرق اردن کہا جاتا ہے

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم جس علاقہ میں رہتی تھی اس کو آج کل شرق اردن کہا جاتا ہے۔

حضرت ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم جس علاقہ میں رہتی تھی اس کو آج کل شرق اردن کہا جاتا ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج: 21، ص: 239 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ق اردن عراق اور فلسطین کے درمیان واقع ہے

شرق اردن وہ علاقہ ہے جو عراق اور فلسطین کے درمیان میں واقع ہے۔

حضرت امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم جس علاقہ میں رہتی تھی اس کو آج کل شرق اردن کہا جاتا ہے۔ یہ جگہ عراق اور فلسطین کے یان میں واقع ہے۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:21، ص:239 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

رات میں شرق اردن کو سدوم کا نام بتایا گیا

تورات میں شرق اردن کو سدوم کا نام بتایا گیا ہے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم جس علاقہ میں رہتی تھی اس کو آج کل شرق اردن کہا جاتا ہے یہ جگہ عراق اور فلسطین کے یان واقع ہے تورات میں اس علاقہ کے صدر مقام کا نام سدوم بتایا گیا ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:21، ص:239 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دوم بحیرہ مردار کے قریب کسی جگہ واقع تھا

سدوم وہ شہر ہے جو بحیرہ مردار کے قریب کسی جگہ واقع تھا یا اب بحیرہ مردار میں غرق ہو چکا ہے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

تورات میں اس علاقہ کے صدر مقام کا نام سدوم بتایا گیا ہے جو یا تو بحیرہ مردار کے قریب کسی جگہ واقع تھا یا اب بحیرہ مردار غرق ہو چکا ہے۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:21، ص:239 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

وم کی یاد آج تک بحر لوط سے کی جاتی ہے

سدوم وہ شہر ہے جس کو بحیرہ مردار سے یاد کیا جاتا ہے اور اسے آج تک بحر لوط کہا جاتا ہے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

تورات میں اس علاقہ کے صدر مقام کا نام سدوم بتایا گیا ہے جو یا تو بحیرہ مردار کے قریب کسی جگہ واقع تھا یا اب بحیرہ مردار ق ہو چکا ہے اب صرف بحیرہ مردار ہی اس کی ایک یادگار باقی ہے جس کو آج تک بحر لوط کہا جاتا ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:21، ص:239 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

م کا نام بحر مردار اور بحر لوط کیسے ہوا؟

سدوم کی زمین کو الٹ دیا گیا جس سے یہ زمین تقریباً چار سو میٹر سمندر سے نیچے چلی گئی اور پانی ابھر آیا اسی وجہ سے اس کا دار اور بحر لوط ہو گیا۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

اردن کی وہ جانب جہاں آج بحر مردار یا بحر لوط واقع ہے اس کے قریب رہنے والوں کا اعتقاد ہے کہ یہ تمام حصہ جو اب سمندر نظر آتا ہے کسی زمانہ میں یہ خشک زمین تھی اور اس پر شہر آباد تھے سدوم اور عاموراء وغیرہ یہیں تھے۔ جب قوم لوط پر عذاب آیا اور اس زمین کا تختہ الٹ دیا گیا اور سخت زلزلے آئے تب یہ زمین تقریباً چار سو میٹر سمندر سے نیچے چلی گئی اور پانی ابھر آیا اس سے اس کا نام بحر مردار اور بحر لوط ہو گیا۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:21 ص:240 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

محققین کا تیقن

اس زمانہ کے محققین نے بھی بحر مردار کے ساحل پر بعض تباہ شدہ بستیوں کے آثار دیکھ کر یہ یقین کر لیا ہے کہ یہی وہ جگہ ہے جس جگہ کا قرآن مجید نے ذکر فرمایا ہے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

اس زمانہ کے محققین نے بھی بحر مردار کے ساحل پر بعض تباہ شدہ بستیوں کے آثار دیکھ کر یہ یقین کر لیا ہے کہ یہی وہ جگہ ہے جس جگہ کا قرآن مجید نے ذکر کیا ہے۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:21 ص:240 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت لوط علیہ السلام کا اپنی قوم کو ہم جنس پرستی سے روکنا

حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو ہم جنس پرستی سے روکا۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ○ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ○ (الاعراف:80 تا 81)

اور ہم نے لوط کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ایسی بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کی بے شک تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس نفسانی خواہش کے لئے آتے ہو بلکہ تم (حیوانوں کی) حد سے (بھی) تجاوز کرنے والے ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی قوم لوط کو نصیحت فرمائی

قوم لوط کی بے حیائی دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو اس قبیح فعل سے منع فرمایا

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو مہلت دی تھی انہوں نے اسلامی شرم و حیاء کے حجاب چاک کر دیئے اور بہت بڑی بے حیائی کا ارتکاب کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے دراز گوش پر سوار ہو کر قوم لوط کے شہروں میں جاتے اور ان کو نصیحت فرماتے وہ ان کی نصیحت کو قبول کرنے سے انکار کرتے تھے۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:2 ص:237 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو تبلیغ

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو بے حیائی کے کاموں سے منع فرمایا اور اللہ تعالیٰ اور اپنی اطاعت کرنے کا حکم فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَ لَا تَتَّقُوْنَ ٥ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ٥ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ٥ وَمَآ اَسْــٴَـلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ٥ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ ٥ وَ تَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ٥ (الشعراء:161 تا166)

جب ان سے ان کے ہم قوم لوط نے کہا کیا تم نہیں ڈرتے؟ بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس (تبلیغ دین) پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا میرا اجر تو صرف رب العلمین پر ہے کیا تم جہان والوں میں سے مردوں کے پاس آتے ہو اور تمہارے رب نے تمہارے لیے تمہاری بیویوں میں جو چیز پیدا کی ہے اس کو چھوڑ دیتے ہو! بلکہ تم حد سے تجاوز کرنے والے ہو۔

قوم لوط کا تکذیب کرنا

قوم لوط نے صرف حضرت لوط علیہ السلام کی تکذیب کی بلکہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان سے پہلے والے رسل عظام علیہم السلام کی بھی تکذیب کی۔

قرآن مجید میں ہے:

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْــٴَـیْكَةِ الْمُرْسَلِیْنَ ٥ (الشعراء:176)

لوط کی قوم نے رسولوں کی تکذیب کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نصیحت پر قوم لوط کا انکار

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب قوم لوط کو نصیحت فرمائی تو انہوں نے اس سے انکار کر دیا۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام دراز گوش پر سوار ہو کر قوم لوط کے پاس گئے اور ان کو نصیحت کی انہوں نے اس نصیحت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اس کے بعد وہ سدوم کی طرف جاتے اور اس کو دیکھ کر کہتے! اے سدوم اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیرا کون سا دن ہے؟ میں تمہیں ان کاموں سے منع کرتا ہوں تا کہ تم اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق نہ بنو۔

(تاریخ دمشق الکبیر، ج:53، ص:238 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اہل سدوم کا فر تھے

اہل سدوم کافر تھے اور لواطت کرتے تھے اور حضرت لوط علیہ السلام ان کو کفر اور بے حیائی کے کاموں سے روکتے تھے۔

علامہ عبدالرحمان بن علی جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام اپنے عم محترم حضرت ابراہیم علیہ السلام (کے معجزے) پر ایمان لائے تھے اور ان کی اتباع کرتے تھے اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کی تھی پھر وہ مصر چلے گئے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نصف عمر گزر چکی تھی تب اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو اہل سدوم کی طرف رسول بنا کر بھیج دیا اہل سدوم کافر تھے اور مردم پرستی میں مبتلا تھے اور حضرت لوط علیہ السلام ان کو کفر اور بے حیائی کے کاموں سے روکتے تھے اور منع کرتے تھے۔

(المنتظم: ج:1،ص:170 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قوم لوط کا عورتوں سے عمل معکوس کرنا

حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا تمہارے رب عزوجل نے تمہاری بیویوں میں جو چیز پیدا کی ہے اس کو چھوڑ دیتے ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ تَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ○ (الشعراء:166)

اور تمہارے رب نے تمہارے لیے تمہاری بیویوں میں جو چیز پیدا کی ہے اس کو چھوڑ دیتے ہو بلکہ تم لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہو۔

☆ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

(اس کا مطلب یہ ہے کہ) تم عورتوں کی اندام نہانی کو چھوڑ کر مردوں اور عورتوں کی پشت میں دخول کرتے ہو۔

(جامع البیان: رقم الحدیث:20323)

عورتوں سے عمل معکوس کرنے کی مذمت

احادیث مبارکہ میں عورتوں سے عمل معکوس کرنے کی مذمت بیان فرمائی گئی ہے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں: حضرت ابوصخرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قوم لوط مردوں کے ساتھ یہ عمل کرنے سے چالیس سال پہلے عورتوں کے ساتھ یہ عمل کرتی تھی۔

طاؤس سے سوال کیا گیا کہ

اگر کوئی شخص اپنی عورت کی سرین میں یہ عمل کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

انہوں نے کہا: یہ اس کا کفر ہے۔ قوم لوط نے اس عمل کی ابتداء کی تھی پہلے وہ عورتوں کے ساتھ یہ عمل کرتے تھے پھر مردوں کے ساتھ یہ عمل کرنے لگے۔

(تاریخ دمشق الکبیر: ج:53،ص:246 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرماتا جو اپنی بیوی کی پچھلی جانب میں جماع کرتا ہے۔
(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 1923)
ایک اور روایت میں ہے:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ اس مرد کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرماتا جو کسی مرد یا عورت کی سرین میں دخول کرے۔
(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 1165)
ایک اور روایت میں ہے:
حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار ارشاد فرمایا:
بے شک اللہ تعالیٰ حق بات سے حیاء نہیں فرماتا تم عورتوں کی پچھلی جانب میں دخول نہ کرو۔
(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 1924)
ایک اور روایت میں ہے:
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب تم میں سے کسی شخص کی ریح خارج ہو تو وہ وضو کرے اور تم عورتوں کی پچھلی جانب میں نہ آؤ۔
(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 1166)

قوم لوط کا حضرت لوط علیہ السلام کو بستی سے نکال دینے کا کہنا

حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کو مسلسل نصیحت فرماتے رہے حتیٰ کہ ان کی قوم نے کہا اگر تم باز نہ آئے تو آپ ضرور ان لوگوں میں سے ہو جائیں گے جن کو بستی سے نکال دیا گیا ہے۔
قرآن مجید میں ہے:
قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ○ (الشعراء: 167)
انہوں نے کہا اے لوط! اگر آپ باز نہ آئے تو آپ ضرور ان لوگوں میں سے ہو جائیں گے جن کو بستی سے نکال دیا گیا ہے۔

ایک اور مقام پرارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝ (الاعراف:82)

ان کی قوم کا صرف یہی جواب تھا کہ انہوں نے کہا ان کو اپنی بستی سے نکال دو بے شک یہ بڑے پارسا لوگ ہیں۔

ایک اور مقام پرارشاد فرمایا:

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝ (النمل:54 تا56)

اور لوط نے اپنی قوم سے کہا کیا تم دیکھنے کے باوجود بے حیائی کرتے ہو؟ کیا تم نفسانی خواہش پوری کرنے کے لئے ضرور عورتوں کو چھوڑ کر امردوں کے پاس جاتے ہو بلکہ تم جاہل لوگ ہو۔ سو ان کی قوم کا صرف یہ جواب تھا انہوں نے کہا آل لوط کو شہر سے نکال دو۔ یہ لوگ بہت پاک باز بن رہے ہیں۔

قوم لوط نے عذاب سے ڈرانے والے رسولوں کی تکذیب کی

قوم لوط نے نہ صرف حضرت لوط علیہ السلام کے عذاب سے ڈرانے سے تکذیب کی بلکہ انہوں نے عذاب سے ڈرانے والے دوسرے رسولوں کی بھی تکذیب کی۔

قرآن مجید میں ہے:

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ ۝ (القمر:33)

لوط کی قوم نے عذاب سے ڈرانے والے رسولوں کی تکذیب کی۔

حضرت لوط علیہ السلام کا قوم لوط سے ناراض ہونا

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا کہ میں تمہارے کام کی وجہ سے تم سے سخت ناراض ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ۝ (الشعراء:168)

لوط نے کہا میں تمہارے کام کی وجہ سے تم سے سخت ناراض ہوں۔

نبط کے بادشاہ کا حضرت لوط علیہ السلام اور اہل کو قید کرنا

نبط کے بادشاہ نے حضرت لوط علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے اہل پر حملہ کر کے ان کو قید کر لیا۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حسان بن عطیہ نے بیان کیا ہے کہ

نبط (عراقیوں کی ایک قوم) کے بادشاہ نے حضرت لوط علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے اہل پر حملہ کر کے ان کو قید کر لیا۔

(تاریخ دمشق الکبیر: ج:53، ص:236 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نبط کے بادشاہ سے جنگ کر کے حضرت لوط علیہ السلام کو چھڑانا

جب نبط کے بادشاہ نے حضرت لوط علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے اہل کو قید کر لیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس بادشاہ سے جنگ کر کے حضرت لوط علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے اہل کو چھڑا لیا۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حسان بن عطیہ نے بیان کیا ہے کہ

نبط (عراقیوں کی ایک قوم) کے بادشاہ نے حضرت لوط علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے اہل پر حملہ کر کے ان کو قید کر لیا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت لوط علیہ السلام کو چھڑانے کے لئے اس سے جنگ کی اور حضرت لوط علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے اہل کو چھڑا لیا۔

(تاریخ دمشق الکبیر: ج:53، ص:236 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت لوط علیہ السلام کا بدکاری سے نجات مانگنا

حضرت لوط علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی کہ اے میرے رب عزوجل مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کی بدکاریوں سے نجات عطا فرما دے۔

قرآن مجید میں ہے: رَبِّ نَجِّنِیْ وَ اَهْلِیْ مِمَّا یَعْمَلُوْنَ ○ (الشعراء:169)

اے میرے رب! مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کی بدکاریوں سے نجات عطا فرما دے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی دعا مقبول

جب حضرت لوط علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنے اور گھر والوں کے لئے قوم کی بدکاریوں سے نجات کی دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی دعا کو قبول فرما کر نجات عطا فرما دی۔

قرآن مجید میں ہے:

فَنَجَّیْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ○ (الشعراء:170)

سو ہم نے ان کو اور ان کے تمام گھر والوں کو نجات عطا فرما دی۔

انبیاء کرام علیہم مستجاب الدعوات

انبیاء کرام علیہم السلام کی دعائیں مستجاب الدعوات ہوتی ہیں۔

سیدی اعلیٰ حضرت مجدد دین ملت الشاہ امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی سب دعائیں مستجاب ہیں۔ مومنین سے حضرات عزت کا وعدہ ہے مجھ سے دعا کرو میں قبول فرماؤں گا اور اس کے علاوہ خلاف نہیں ہو سکتے پھر انبیاء کرام علیہم السلام تو انبیاء کرام علیہم السلام۔ بعض اوقات وہ اس اظہار کے لئے کہ یہ امیر خلاف مقدر ہے اسے صورت دعا میں ظاہر کرتے ہیں وہ اعلیٰ درجہ پر قبول ہوتی ہیں مگر مطلوب ظاہری واقع نہیں ہوتا نظر ظاہر سے عدم قبول سے تعبیر کرتی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ: ج:29، ص:334 مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

انبیاء کرام علیہم السلام کی دعائیں قانون سے ماوراء

انبیاء کرام علیہم السلام کی دعائیں قانون سے ماوراء ہوتی ہیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

ہم لوگوں کو اللہ تعالیٰ شرعی احکام قانون کے مطابق دیتا ہے نماز روزہ وغیرہ تو ہماری دعاؤں کے لئے بھی قید ہے کہ قانون کے مطابق دعا مانگو خلاف قانون کی چیز کی دعا نہ کرو مگر انبیاء کرام علیہم السلام خصوصاً حضرت خلیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے قانون سے ماوراء احکام دیئے بیٹا ذبح کرو خود نمرودی آگ میں جاؤ وغیرہ جن پر آپ علیہ السلام نے بے تامل عمل کیا تو وہ حضرات بھی قانون سے ماوراء دعائیں مانگ لیتے ہیں اللہ تعالیٰ پوری فرماتا ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام نے ایک بار دعا کی کہ مجھے دکھا تو مردے کیسے زندہ کرے گا تو وہ دکھا دیا گیا ایک بار دعا کی کہ مولیٰ عزوجل مجھے اپنا سارا ملک دکھا تو وہ دکھا دیا گیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ مجھے اپنا دیدار دے اس سے بھی منع نہیں کیا گیا غرض کہ قانون سے ماوراء احکام پر عمل کرتے ہیں تو قانون سے ماوراء دعائیں منظور کرا لیتے ہیں۔ (تفسیر نعیمی: ج:7، ص:556 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

دعا کرنے کا حکم اور اس کی قبولیت

دعا کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے اور اس کی قبولیت کی بھی بشارت دی گئی ہے درج ذیل احادیث مبارکہ دعا کرنے کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہمارا رب عزوجل ہر رات کے آخری حصہ میں آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے۔

اور ارشاد فرماتا ہے کہ

کون مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرلوں کون مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اس کو عطا کروں اور کون مجھ سے مغفرت طلب کرتا ہے تو میں اس کی مغفرت کردوں۔

(صحیح البخاری: ج:2، ص:936 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔

(جامع ترمذی: ص: 486 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

میں ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے بیٹے! میں تم کو چند کلمات کی تعلیم دیتا ہوں تم اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت کرو اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے گا تم اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت کرو تم اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو اپنے سامنے پاؤ گے جب تم سوال کرو تو اللہ تعالیٰ سے سوال کرو اور جب مدد چاہو تو اللہ تعالیٰ سے مدد چاہو۔

(جامع ترمذی: ص: 361 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص کو اس سے خوشی ہو کہ اللہ تعالیٰ سختیوں اور مصیبتوں میں اس کی دعا قبول کرے وہ عیش و آرام میں اللہ تعالیٰ سے بہ کثرت دعا کرے۔

(جامع ترمذی: ص: 487 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دعا عبادت کا مغز ہے۔

(جامع ترمذی: ص: 486 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تمہارا رب عزوجل حیاوالا کریم ہے جب اس کا کوئی بندہ اس کی طرف اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ ان کو خالی لوٹانے سے حیا فرماتا ہے۔
(سنن ابوداؤد: ج:1، ص:209 مطبوعہ مطبع مجتبائی لاہور)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں ہاتھ بلند کرتے اور ہاتھوں کو نیچے نہ گراتے حتیٰ کہ ان کو چہرے پر مل لیتے۔
(جامع ترمذی: ص:488 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت مالک بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو اپنی ہتھیلیوں کے باطن سے سوال کرو اور ہتھیلیوں کی پشت سے سوال نہ کرو۔
(سنن ابوداؤد: ج:1، ص:209 مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی کو پڑھا اس کو جنت میں داخل ہونے سے موت کے سوا اور کوئی چیز مانع نہیں ہو گی۔
(سنن کبریٰ: ج:6، ص:30 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
عرض کیا گیا۔
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کس وقت کی دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
رات کے آخری حصہ میں اور فرض نمازوں کے بعد۔
(جامع ترمذی: ص:504 مطبوعہ [illegible])

ایک اورروایت میں ہے:
حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اے معاذ (رضی اللہ عنہ)! میں تم سے محبت کرتا ہوں تم کسی نماز کے بعد یہ دعا نہ چھوڑو۔
اللهم اعنی علی ذکرك وشکرك وحسن عبادتك .
(عمل الیوم واللیلۃ: ص: 41 مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن)
ایک اورروایت میں ہے:
حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:
جو شخص نماز پڑھائے اور دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی مغفرت کر دیتا ہے۔
(مجمع الزوائد: ج: 10، ص: 111 مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت)
ایک اورروایت میں ہے:
حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کا سلام پھیرنے کے بعد دعا فرماتے۔
اے اللہ عزوجل! میں تجھ سے علم نافع، پاک رزق اور عمل مقبول کا سوال کرتا ہوں۔
(المصنف: ج: 10، ص: 234 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)
ایک اورروایت میں ہے:
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز ادا کر لیتے تو اپنا دایاں ہاتھ پیشانی پر پھیرتے۔
پھر پڑھتے۔
اشهد ان لا اله الا الرحمٰن الرحيم
اس کے بعد دعا کرتے۔
اے اللہ عزوجل! مجھ سے غم اور فکر دور کر دے۔ (عمل الیوم واللیلۃ: ص: 39 مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن)
ایک اورروایت میں ہے:
حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں جب بھی کسی فرض یا نفل نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرتے

ہوئے سنا۔

اے اللہ عزوجل! میرے گناہوں اور خطاؤں کو بخش دے۔

اے اللہ عزوجل! مجھے ہلاکت سے بچا۔

اے اللہ عزوجل! مجھے نیک اعمال اور اخلاق کی ہدایت دے تیرے سوا کوئی نیک اعمال کی ہدایت دینے والا نہیں ہے اور تیرے سوا کوئی برے اعمال سے بچانے والا نہیں ہے۔ (عمل الیوم واللیلۃ: ص: 41 مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی ہم کو فرض نماز پڑھائی اس کے بعد ہماری طرف منہ کر کے یہ دعا کی۔

اے اللہ عزوجل! میں اس ہر عمل سے تیری پناہ میں آتا ہوں جو مجھے شرمندہ کرے میں ہر اس شخص سے تیری پناہ میں آتا ہوں جو مجھے ہلاک کرے اور ہر اس امید سے تیری پناہ میں آتا ہوں جو مجھے غافل کر دے میں ہر اس فقر سے تیری پناہ میں آتا ہوں جو تجھے بھلا دے اور ہر اس غنی سے تیری پناہ میں آتا ہوں جو مجھے سرکش بنا دے۔ (عمل الیوم واللیلۃ: ص: 42 مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز کے بعد یہ دعا کرتے۔

اے اللہ عزوجل! میری آخری زندگی کو خیر کر دے اور میرے سب سے اچھے عمل پر میرا خاتمہ کر اور میرا سب سے اچھا دن وہ بنا دے جس دن تجھ سے ملاقات ہو۔ (عمل الیوم واللیلۃ: ص: 42 مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں صبح کی نماز پڑھنے کے بعد تین بار بلند آواز سے یہ دعا فرماتے۔

اے اللہ عزوجل! میرے دین کی اصلاح فرما جس کو تو نے میرے امر کی حفاظت بنایا ہے۔

اے اللہ عزوجل! میری دنیا کی حفاظت فرما جس کو تو نے میری معاش بنایا ہے۔

اور تین بار یہ دعا فرماتے۔

اے اللہ عزوجل! میری آخرت کی اصلاح فرما جس کو تو نے میرا مرجع بنایا ہے۔

اور تین بار فرماتے۔

اے اللہ عزوجل! میں تیری ناراضگی سے تیری رضا کی پناہ میں آتا ہوں۔

اے اللہ عزوجل! میں تجھ سے تیری پناہ میں آتا ہوں جو تو عطا کرے اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جس کو تو روک دے

کوئی دینے والا نہیں اور تیرے مقابلہ میں کسی کی کوشش نفع نہیں دے سکتی۔

(مجمع الزوائد: ج:10، ص:111 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے جب بھی تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد یہ دعا کی۔

اے اللہ عزوجل! میری کل خطاؤں اور ذنوب کو بخش دے۔

اے اللہ عزوجل! مجھے ہلاکت سے بچا میرے ٹوٹے ہوئے کام جوڑ دے اور مجھے نیک اعمال اور اخلاق کی ہدایت دے تیرے سوا نیک اعمال کی ہدایت دینے والا اور برے اعمال سے بچانے والا کوئی نہیں ہے۔

(مجمع الزوائد: ج:10، ص:111 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

ایک اور روایت میں ہے: زازاق کہتے ہیں کہ

ایک انصاری صحابی نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد سو بار دعا کرتے۔

اے اللہ عزوجل! میری مغفرت فرما۔

میری توبہ قبول فرما بے شک تو بہت توبہ قبول فرمانے والا اور بہت زیادہ بخشنے والا ہے۔

(المصنف: ج:10، ص:235 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد پڑھتے تھے۔

لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک و لہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر اللھم لامانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد ۔

(المصنف: ج:10، ص:231 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد فرماتے تھے۔

انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذالجلال والاکرام ۔

(المصنف: ج:10، ص:232 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابوالزبیر سے روایت ہے کہ

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہر نماز کے بعد بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریك له له الملك وله الحمد وهو علی كل شیء قدیر ولا حول ولا قوة الا باللہ ولا نعبد الا ایاہ له النعمة وله الفضل وله الثناء الحسن، لا الٰہ الا اللہ مخلصین له الدین ولو كرہ الكافرون ۔

پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد ان کلمات کو بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

(المصنف: ج:10، ص:232 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:

ابوبکر بن ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جب نماز سے فارغ ہوتے تو یہ دعا کرتے۔

اے اللہ عزوجل! میرے گناہ کو بخش دے میرے معاملہ کو آسان کر اور میرے رزق میں برکت دے۔

(المصنف: ج:10، ص:229 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:

مسلم بن ابی بکرہ سے روایت ہے کہ

میرے والد ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے۔

اے اللہ عزوجل! میں کفر، فقر اور عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ میں بھی یہ دعا کرنے لگا۔

میرے والد محترم نے پوچھا۔

اے بیٹے! یہ دعا کہاں سے حاصل کی؟

میں نے کہا: آپ رضی اللہ عنہ سے!

انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے۔

(سنن نسائی: ج:1، ص:136 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت لوط علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام نسل مبارک سے نہیں ہیں

حضرت لوط علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل مبارک سے نہیں ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ

دس انبیاء کرام علیہم السلام کے سوا تمام انبیاء کرام علیہم السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔

1- سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

2- حضرت اسماعیل علیہ السلام

3- حضرت ابراہیم علیہ السلام

4- حضرت اسحاق علیہ السلام

5- حضرت یعقوب علیہ السلام

6- حضرت لوط علیہ السلام

7- حضرت ھود علیہ السلام

8- حضرت شعیب علیہ السلام

9- حضرت صالح علیہ السلام

10- حضرت نوح علیہ السلام۔

(تاریخ دمشق الکبیر: ج:53، ص:237 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قوم لوط کا عذاب سے ڈرانے کے باوجود بے حیائی پر ڈٹے رہنا

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو بے حیائی کے کاموں سے منع فرمایا مگر وہ اس قدر لذت میں منہمک ہوئے کہ اس کی لت پر ڈٹے رہے اور جب عذاب سے ڈرایا گیا تو انہوں نے سوائے ہنسی مذاق کے اور کچھ نہ کیا حتیٰ کہ ان کا انجام برا ہوا کیونکہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا اور تعجب کرتا ہے ان کا انجام بھی برا ہوتا ہے۔

قوم لوط کا اللہ تعالیٰ کے عذاب کو خود طلب کرنا

جب حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو بے حیائی کے کام کرنے سے منع فرمایا تو قوم نے کہا: اگر آپ سچے ہیں تو ہم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب لے آئیں۔

قرآن مجید میں ہے:

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ (العنکبوت:29)

تو ان کی قوم کا صرف یہ جواب تھا کہ اگر آپ سچے ہیں تو ہم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب لے آئیں۔

اللہ تعالیٰ کے عذاب کو جلد طلب کرنے کی مذمت

اللہ تعالیٰ کے عذاب کو جلد طلب کرنے کی مذمت بیان کی گئی ہے کہ جب عذاب آئے گا تو کہیں گے اب ہمیں کچھ مہلت

دے دیں اور جب ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا تو انہوں نے کہا آپ کب تک ہم کو عذاب سے ڈراتے رہیں گے اور جس عذاب سے ڈرا رہے ہیں وہ کب آئے گا تب اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ○ (الشعراء:204)

کیا وہ ہمارے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں۔

کبھی وہ کفار یوں کہتے تھے۔

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ○ (الانفال:32)

اور جب ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن واقعی آپ ہی کی طرف سے (منزل) ہے تو پھر تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا تو ہم پر کوئی دردناک عذاب واقع کر دے۔

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافروں نے کہا تھا۔

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ○ (ھود:32)

انہوں نے کہا اے نوح تم نے ہم سے بحث کی ہے اور بہت زیادہ بحث کی ہے سو اب تم جس عذاب سے ہم کو ڈرا رہے ہو وہ لے ہی آؤ اگر تم سچوں میں سے ہو۔

اور جب ان پر عذاب نازل کیا جاتا تو ان کا حال یہ ہوتا تھا کہ وہ اس سے پناہ مانگتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم کو اس دردناک عذاب سے کچھ مہلت دی جائے اور ہم سے اس عذاب کو مؤخر کر دیا جائے اور ان کی ان دونوں باتوں میں کس قدر تنافی اور تضاد ہے وہ بالکل واضح ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں سے ایک شخص کی عیادت کی جو کمزور ہو کر بالکل چوزہ ہو چکا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا۔

کیا تم اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کی دعا کرتے تھے یا اس سے کوئی سوال کرتے تھے؟

اس نے کہا: میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا تھا!

اے اللہ عزوجل! اگر تو مجھے آخرت میں کوئی عذاب دینا چاہتا ہے تو مجھے وہ عذاب دنیا میں ہی دے دے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سبحان اللہ! تم آخرت کے عذاب کی طاقت نہیں رکھتے۔ تم نے یہ دعا کیوں نہیں کی۔

اے اللہ عزوجل! ہمیں دنیا میں بھی اچھائی عطا فرما اور آخرت میں بھی اچھائی عطا فرما اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے

پھر آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی تو اس کو شفا ہو گئی۔

ان آیات کریمہ اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو طلب کرنا درست نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب کوئی نہیں برداشت کر سکے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے عافیت عطا فرمائے۔ آمین۔

قوم لوط کا عذاب میں شک کرنا

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو جب وعظ و نصیحت فرمائی اور عذاب سے ڈرایا تو انہوں نے عذاب میں شک کیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ۝ (القمر:36)

اور بے شک لوط نے انہیں ہماری گرفت سے ڈرایا تھا تو انہوں نے ان کے ڈرانے میں شک کیا۔

قوم لوط پر عذاب نازل کرنے سے قبل فرشتوں کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنا

جب فرشتے قوم لوط پر عذاب نازل کرنے آئے تو سب سے پہلے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی مہمانی کی۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ۝ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَ اَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ۝ (ھود:69تا70)

اور بے شک ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے انہوں نے کہا سلام۔ کہا سلام پھر تھوڑی دیر بعد وہ گائے کا بھنا ہوا بچھڑا لے آئے پھر جب ابراہیم نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے تک نہیں بڑھ رہے تو ابراہیم نے ان کو اجنبی سمجھا اور اپنے دل میں ان سے ڈرنے لگے۔ فرشتوں نے کہا آپ مت ڈریں بے شک ہمیں قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنے والے فرشتوں کی تعداد

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جو فرشتے آئے ان کی تعداد میں مختلف اقوال ہیں۔

امام جمال الدین عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

1۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت سعید بن جبیر نے کہا: یہ حضرت جبرائیل علیہ السلام

حضرت میکائیل علیہ السلام

حضرت اسرافیل علیہ السلام تھے۔

۔ مقاتل نے کہا: یہ حضرت جبرائیل علیہ السلام

حضرت میکائیل علیہ السلام

اور حضرت عزرائیل علیہ السلام تھے۔

3-حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا دوسرا قول یہ ہے کہ

یہ بارہ فرشتے تھے۔

4-محمد بن کعب نے کہا ہے کہ

یہ آٹھ فرشتے تھے۔

5-ضحاک نے کہا: یہ نو فرشتے تھے۔

6-ماوردی نے کہا: یہ چار فرشتے تھے۔ (زادالمسیر: ج:5،ص:127 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

کس چیز کی بشارت دی؟

فرشتوں نے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دی اس میں چند اقوال ہیں۔

امام جمال الدین عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

یہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جو بشارت لے کر آئے تھے اس بشارت کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں۔

1-حسن نے کہا: وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت دینے آئے تھے۔

2-قتادہ نے کہا: وہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کی خوشخبری دینے آئے تھے۔

3-عکرمہ نے کہا: وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت کی خوشخبری دینے آئے تھے۔

4-الماوردی نے کہا: وہ بشارت دینے آئے تھے کہ سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی پشت سے خروج ہوگا۔

(زادالمسیر: ج:5،ص:127 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں کی مہمانی کی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جب فرشتے آئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں کی مہمانی کے لئے بھنا ہوا بچھڑا پیش کیا جس سے ثابت ہوا کہ مہمان نوازی سنت ابراہیم اور سنت مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اسی کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم بھی فرمایا ہے جس طرح کہ احادیث مبارکہ میں ہے۔

حضرت ابوشریح العدوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میرے کانوں نے سنا اور میری آنکھوں نے دیکھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا:

جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ مہمان کی تکریم کرے اور اس کو جائزہ دے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جائزہ کیا ہے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ایک دن اور ایک رات اس کی زیادہ خاطر مدارات کرے اور تین دن اس کی ضیافت کرے اور اس سے زیادہ دن اس کی طرف سے صدقہ ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو اور وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6019)
ایک اور روایت میں ہے:
حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:
آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں (مختلف مہمات پر) روانہ کرتے ہیں ہمیں (بعض اوقات) ایسے لوگوں کے پاس قیام کرنا پڑتا ہے جو ہماری ضیافت نہیں کرتے (اس صورت میں) آپ کا کیا حکم ہے۔
تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اگر تم لوگوں کے پاس جاؤ اور وہ تمہاری معمول کے مطابق مہمان نوازی کریں تو ٹھیک ورنہ اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان سے اس قدر وصول کر لو جتنا مہمان کا میزبان پر حق ہوتا ہے۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 1727)
ایک اور روایت میں ہے:
حضرت ابو کریمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ایک رات تو مسلمان پر مہمان کا حق ہے جو شخص کسی مسلمان کے گھر رہے تو وہ اس مسلمان پر قرض ہے اب مہمان چاہے تو ان سے قرض وصول کرے اور چاہے تو چھوڑ دے۔
(سنن ابو داؤد: رقم الحدیث: 3750)
ایک اور روایت میں ہے:
حضرت ابو کریمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو شخص کسی قوم کے ہاں مہمان ہو اور صبح تک وہ مہمان محروم رہے تو اس کی مدد کرنا ہر مسلمان پر حق ہے حتیٰ کہ اس مہمان کی اس قوم کے مال اور ان کے کھیت سے وصول کر لی جائے۔
(سنن ابو داؤد: رقم الحدیث: 3751)

فرشتوں کا کھانا نہ کھانے پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بات کو جان لینا

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے آئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے سامنے بھنا ہوا بچھڑا لے آئے تو انہوں نے اس کو نہیں کھایا تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ جان لیا کہ یہ خیر اور اچھے ارادے سے نہیں آئے بلکہ دل میں کوئی شر اور برائی کا ارادہ ہے۔

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جب ان کے پاس کوئی مہمان آتا اور وہ ان کے کھانے میں سے کچھ نہ کھاتا تو وہ یہ جان لیتے کہ خیر اور اچھے ارادے سے نہیں آیا بے شک یہ اپنے دل میں کوئی شر اور برائی رکھتا ہے پھر جب انہوں نے اس کے بارے گفتگو کی جس کی بشارت کے لئے وہ آئے تھے تو آپ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ ہنس پڑیں۔

(تفسیر عبدالرزاق: ج:2،ص:189 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

فرشتوں کا ثمن دیئے بغیر نہ کھانے کا قول

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں کو کھانا پیش کیا تو فرشتوں نے کہا: ہم ثمن دیئے بغیر کھانا نہیں کھائیں گے۔

امام ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ جب ملائکہ علیہم السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس مہمان بن کر تشریف لائے تو آپ علیہ السلام نے ان کے سامنے بچھڑا رکھا۔

انہوں نے کہا: ہم اسے نہیں کھائیں گے مگر ثمن کے عوض۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

کھاؤ اور اس کے ثمن ادا کرو۔

انہوں نے پوچھا۔

اس کے ثمن کیا ہیں؟

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

جب تم کھاؤ تو اللہ تعالیٰ کا نام لینا (یعنی شروع کرنے سے قبل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا) اور جب فارغ ہو تو اللہ تعالیٰ حمد و ثناء بیان کرنا (یعنی الحمد للہ کہنا)

آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ

انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو خلیل بنایا ہے۔

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول بیان کیا ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ نے ملائکہ علیہم السلام کو بھیجا تا کہ وہ قوم لوط کو تباہ و برباد کر دیں تو وہ نوجوان مردوں کی صورت میں چلتے ئے یہاں تک کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آکر ٹھہرے اوران کے مہمان بن گئے جب آپ علیہ السلام نے ان طرف دیکھا تو آپ علیہ السلام جلدی سے اپنے گھر والوں کی طرف گئے اورایک موٹا سا بچھڑا لا کراس کو ذبح کر دیا۔ پھراس کو م پتھروں پر بھونا اور یہی حنیذ ہے پھر آپ علیہ السلام ان کے پاس آئے اوران کے ساتھ بیٹھ گئے۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کے لئے کھڑی رہیں۔

پس اس کے بارے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وامراته قائمة

اور قرأت ابن مسعود میں ہے کہ

آپ علیہ السلام کی بیوی کھڑی تھی اور آپ علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے پس جب آپ علیہ السلام نے کھانا ان کے قریب کیا کہا کیا تم نہیں کھاؤ گے۔

انہوں نے جواب دیا۔

اے ابراہیم (علیہ السلام) بے شک ہم ثمن ادا کیے بغیر کھانا نہیں کھائیں گے۔

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

بلاشبہ اس کے بھی ثمن ہیں۔

انہوں نے پوچھا۔

اس کے ثمن کیا ہیں؟

آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ

اس کے شروع میں تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور آخر میں اس کی حمد وثناء بیان کرو۔

تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت میکائیل علیہ السلام کی طرف دیکھا اور کہا۔

ان کا حق ہے کہ ان کا رب عزوجل انہیں خلیل بنائے۔ پس جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ نے کی طرف نہیں بڑھ رہے۔

تو فرمانے لگے۔

وہ نہیں کھائیں گے آپ علیہ السلام ان سے گھبرا گئے اور دل میں دل میں ڈر محسوس کرنے لگے۔ جب حضرت سارہ رضی نہا نے آپ علیہ السلام کی طرف دیکھا کہ آپ علیہ السلام ان کی عزت وتکریم کے لئے بذات خود خدمت میں لگے ہوئے آپ رضی اللہ عنہا ہنس پڑیں۔

اور کہا:

ہمارے یہ مہمان بھی عجیب ہیں کہ ہم ان کی عزت وتکریم کے لئے بذات خود خدمت میں لگے ہوئے ہیں اور یہ ہمارا کھانا نہیں کھاتے۔

اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ علیہ السلام سے کہا۔

تجھے بچے کی خوش خبری ہو اس کا نام اسحاق ہے اور اسحاق کے پیچھے یعقوب ہے۔

تو آپ رضی اللہ عنہا نے تعجب کے ساتھ ہاتھ چہرے پر مارا اسی کے بارے میں یہ ارشاد ہے۔

فصکت وجهها قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ٥

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ٥

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اس کی نشانی کیا ہے۔

تو انہوں نے اپنے ہاتھ میں ایک خشک ٹہنی پکڑی اور اس کو اپنی انگلیوں کے درمیان ٹیڑھا کیا پھر اس کو ہلایا تو وہ سبز ہوگئی۔

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

تب وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ذبح کیا جائے گا۔

(جامع البیان: ج: 12، ص 86 تا 87 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اسی وقت فرشتوں نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو بیٹے کی بشارت دی

جب فرشتے قوم لوط پر عذاب نازل کرنے آئے تو پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے اور وہاں پر ہی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو بیٹے کی بشارت دی۔

قرآن مجید میں ہے:

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ٥ (ھود: 71)

ابراہیم کی بیوی جو کھڑی ہوئی تھی وہ ہنس پڑی تو ہم نے اس کو اسحاق کی پیدائش کی خوش خبری سنائی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی۔

امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

آپ نے فرمایا:

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کا نام یسارہ تھا۔ پھر جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے انہیں بلایا اے سارہ (رضی اللہ عنہا)

تو آپ نے فرمایا:

بے شک میرا نام تو یسارہ ہے تو آپ مجھے سارہ کیسے کہہ رہے ہیں؟

حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

یسارہ اس بانجھ عورت کو کہتے ہیں جو ... اور سارہ اس عورت کو کہتے ہیں جو آزاد رحم والی ہو اور بچہ

کے قابل ہو۔

پس حضرت جبرائیل علیہ السلام نے انہیں کہا۔

بے شک آپ پیارہ تھیں حاملہ ہونے کے قابل نہ تھیں لیکن اب سارہ ہو گئی ہیں اور بچے کے ساتھ حاملہ ہونے اور اسے جننے کے قابل ہیں۔

اس پر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے جبرائیل (علیہ السلام)! تم نے میرا نام کم کر دیا ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ فرمایا ہے کہ آپ کے نام کے اس حرف کو آنے والے زمانے میں آپ کی اولاد میں سے ایک بچے کے نام میں رکھے گا اور وہ یہ کہ اس کا نام اللہ تعالیٰ کے نزدیک زندہ ہے پس اس کا نام یحییٰ رکھا۔

(تاریخ ابن عساکر: ج:69، ص:181 مطبوعہ بیروت)

امام ابن جریر متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

ان کو حیض آنے لگا جبکہ ان کی عمر نوے سال سے زائد تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو سال تھی۔

(جامع البیان: ج:12، ص:88 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت لوط علیہ السلام کے چند احوال

امام ابو جعفر ابن جریر متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب قوم نے آگ میں پھینکنے کے واقعہ کے بعد وطن سے نکال دیا تو آپ علیہ السلام اپنی رفیقہ حیات حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر نکلے۔ آپ علیہ السلام کے ساتھ ان کے بھائی حضرت لوط علیہ السلام بھی تھے یہ دونوں آپ علیہ السلام کے بھائی کی اولاد تھے چنانچہ یہ دونوں سرزمین شام کی طرف متوجہ ہوئے اور پھر مصر میں پہنچے۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا حسین ترین لوگوں میں سے تھیں۔ جب وہ مصر میں داخل ہوئیں تو لوگ ان کے حسن و جمال کی باتیں کرنے لگے انہوں نے اس پر انتہائی اظہار تعجب کیا یہاں تک کہ یہ خبر بادشاہ وقت تک پہنچ گئی اس نے آپ کے خاوند کو بلا بھیجا اور ان سے ان کے متعلقہ سوال کیا پس آپ کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر اس کو خاوند ہونے کے بارے میں بتایا تو وہ آپ کو قتل کر دے

اس لیے آپ نے کہا: میں اس کا بھائی ہوں۔

تو بادشاہ نے کہا: تو مجھ سے اس کی شادی کر دے۔

پس وہ اسی حال پر تھا حتیٰ کہ وہ رات کے وقت سو گیا اور اسے ایک خواب آیا سو اس نے اس کا گلا گھونٹا اور اس کو خوب

خوفزدہ کیا پس وہ خود اور اس کے اہل خانہ انتہائی خوفزدہ ہو گئے اور ڈر گئے حتیٰ کہ اسے یہ معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی جانب سے آیا ہے چنانچہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلایا۔

اور کہا۔

تجھے کس چیز نے اس پر ابھارا ہے کہ تو مجھے دھوکہ دے کہ تو نے یہ کہا کہ یہ تیری بہن ہے۔

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

بے شک مجھے یہ خوف ہوا کہ اگر میں نے یہ ذکر کیا کہ یہ میری بہن ہے تو تیری جانب سے مجھے ایسی صورت حال کا سامنا ہوگا جسے میں پسند نہیں کروں گا تو اس نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو ہاجرہ عطا کی جو کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ محترمہ ہے اس نے انہیں سوار کیا اور انہیں ساز و سامان مہیا کیا حتیٰ کہ جبل ایلیاء پر ان کی سکونت کو مزید پختہ کر دیا پس وہ وہیں رہے حتیٰ کہ ان کے اموال اور ان کے مویشی انتہائی کثیر ہو گئے پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چرواہوں اور حضرت لوط علیہ السلام کے چرواہوں کے درمیان باہم حق جوار بھی تھا اور لڑائی جھگڑا بھی۔

تو حضرت لوط علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا۔

ان چرواہوں کے درمیان فساد برپا ہو گیا ہے اور چراگاہیں ان کے لئے تنگ ہو گئی ہیں اور ہمیں یہ خوف ہے کہ یہ زمین ہمیں برداشت نہیں کرے گی سو اگر آپ پسند کریں کہ میں آپ کے لئے تخفیف کر دوں تو میں کر دیتا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اگر آپ چاہتے ہیں تو میں بھی چاہتا ہوں پس اگر آپ پسند کریں تو آپ یہاں سے منتقل ہو جائیں اور اگر آپ چاہیں تو میں یہاں سے کسی اور طرف منتقل ہو جاتا ہوں۔

حضرت لوط علیہ السلام نے کہا: نہیں بلکہ میں زیادہ حق رکھتا ہوں کہ میں آپ کے لئے تخفیف اور آسانی پیدا کروں چنانچہ آپ علیہ السلام اپنے اہل و عیال اور مال کو ساتھ لے کر اردن کی سرزمین کی طرف چلے گئے اسی مقام پر تھے کہ فلسطین کے رہنے والوں نے آپ علیہ السلام پر حملہ کر دیا اور آپ علیہ السلام کے اہل و عیال اور مال کو انہوں نے قید کر لیا پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ خبر پہنچی تو آپ علیہ السلام نے اپنے اہل اور غلاموں وغیرہ سے مل کر ان پر حملہ کر دیا۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تین سو زائد افراد تھے اور آپ علیہ السلام نے فلسطینیوں کی قید سے اہل لوط کو رہائی دلائی حتیٰ کہ ان کو اپنے مسکن کی طرف لوٹا دیا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس اپنے شہر کی طرف آ گئے۔ اہل سدوم وہ ہیں جن میں حضرت لوط علیہ السلام تشریف فرما تھے یہ ایک ایسی قوم تھی جو مردوں کے سبب عورتوں سے مستغنی تھے (یعنی یہ لواطت کے عادی تھے) پس جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اس حال میں دیکھا تو ملائکہ کو بھیجا تاکہ وہ انہیں عذاب دیں چنانچہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے جب آپ نے انہیں دیکھا تو ان کی ہیئت اور ان کے جمال نے آپ علیہ السلام کو مضطرب کر دیا انہوں نے آپ علیہ السلام کو سلام پیش کیا اور آپ علیہ السلام کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ علیہ السلام اٹھے تاکہ مہمان نوازی کے لئے ان کے قریب ہوں۔

تو انہوں نے کہا: آپ علیہ السلام اپنی جگہ پر رہیے۔
آپ علیہ السلام نے کہا: بلکہ تم مجھے اجازت دو میں تمہاری ضرورت کی چیز (کھانا) لے کر آتا ہوں کیونکہ یہ تمہارا حق ہے ے پاس تم سے بڑھ کر عزت وتکریم کا حق دار کوئی نہیں آیا۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے ایک موٹا تازہ بچھڑا ذبح کرنے کا حکم وراسے ان کے لئے بھون دیا گیا اور آپ علیہ السلام نے کھانا ان کے قریب رکھا۔ پس جب آپ نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ نے کی طرف نہیں بڑھ رہے تو آپ نے انہیں اجنبی خیال کیا اور دل ہی دل میں ان سے اندیشہ کرنے لگے اور حضرت سارہ اللہ عنہا دروازے کے پیچھے سن رہی تھیں۔
فرشتوں نے کہا: ڈریئے نہیں بے شک ہم تجھے ایک بردبار بچے کی خوش خبری دیتے ہیں جو سراپا برکت ہوگا تو آپ نے یہ ں خبری اپنی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو سنائی تو وہ ہنس پڑیں تعجب کا اظہار کیا کہ مجھ سے آپ کا بیٹا کیسے ہوسکتا ہے انکہ میں بھی بوڑھی ہوں اور آپ بھی بوڑھے ہوچکے ہیں۔
فرشتوں نے کہا: تم اللہ تعالیٰ کے حکم پر تعجب کرتی ہو حالانکہ وہ جو چاہتا ہے اس کی قدرت رکھتا ہے تحقیق اللہ تعالیٰ نے بیٹا یں عطا فرمایا ہے لہٰذا تمہیں اس کی بشارت ہو پھر وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ان کے ساتھ اکٹھے چل پڑے۔
آپ نے ان سے پوچھا۔
مجھے یہ تو بتاؤ تم کیوں بھیجے گئے ہو اور تم نے کہاں جانا ہے۔
تو فرشتوں نے جواب دیا۔
ہم اہل سدوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم انہیں تباہ وبرباد کردیں کیونکہ وہ انتہائی بری قوم ہے ان کی صورت حال یہ ہے مردوں کے سبب عورتوں سے مستغنی ہوچکے ہیں۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: بلاشبہ ان میں صالحین اور نیک کار لوگوں کی جماعت بھی ہے پس انہیں وہ عذاب کیسے جس میں بدکاری کا عمل کرنے والے مبتلا ہوں گے۔
فرشتوں نے پوچھا۔
ان کی کتنی تعداد ہے؟
آپ نے جواب دیا۔
تمہارا کیا خیال ہے اگر اس میں پچاس نیک اور صالح آدمی ہوں؟
فرشتوں نے کہا: تب ہم انہیں عذاب نہیں دیں گے۔
آپ نے پھر پوچھا۔
اگر ان میں چالیس افراد نیک ہوں؟

تو انہوں نے جواب دیا۔

تب بھی ہم انہیں عذاب نہیں دیں گے پس آپ اسی طرح کم کرتے رہے حتی کہ آپ دس تک پہنچ گئے۔

پھر آپ نے کہا: تو اہل بیت کا کیا ہوگا۔

فرشتوں نے جواباً کہا۔

پس اگر بستی میں کوئی صالح گھر ہوا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے گھر والے کیا ہیں؟

انہوں نے جواب دیا۔

بلاشبہ ان کی بیوی کی خواہشات اور پسند قوم کے ساتھ ہے پس ایسی بستی والوں سے (عذاب) کو کیسے پھیرا جا سکتا ہے جس میں صالحین کے اہل بیت بھی کامل نہیں۔

(جامع البیان: ج:12،ص86 تا87 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فرشتوں کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قوم لوط پر عذاب نازل کرنے کا مباحثہ

فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قوم لوط پر عذاب نازل کرنے کا مباحثہ کیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَ جَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍؕ (ھود:74)

پھر جب ابراہیم کا خوف دور ہو گیا اور ان کے پاس بشارت پہنچ گئی تو وہ ہم سے قوم لوط کے متعلق بحث کرنے لگے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرشتوں کے آنے کی وجہ پوچھنا

جب فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تم کس کام سے آئے ہو۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا۔

تم کس کام سے آئے ہو؟

(جامع البیان: رقم الحدیث:14162)

فرشتوں کا قوم لوط پر عذاب نازل کرنے کا کہنا

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے آنے کی وجہ پوچھی تو فرشتوں نے کہا ہم قوم لوط پر عذاب نازل کرنے آئے ہیں۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا۔
تم کس کام سے آئے ہو؟
انہوں نے کہا: ہمیں قوم لوط پر عذاب نازل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔
(جامع البیان: رقم الحدیث: 14162)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بستی میں مسلمان ہونے پر عذاب نازل کرنے پر مباحثہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے بستی میں مسلمان ہونے پر عذاب نازل کرنے پر مباحثہ کیا۔
امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا۔
تم کس کام سے آئے ہو؟
انہوں نے کہا: ہمیں قوم لوط پر عذاب نازل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: یہ بتاؤ اگر اس بستی میں ایک سو مسلمان ہوئے تو کیا تم اس بستی کو ہلاک کردو گے۔
انہوں نے کہا: نہیں۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اگر پچاس مسلمان ہوں؟
انہوں نے کہا: نہیں۔
پھر کم کرتے کرتے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا:
اگر دس مسلمان ہوں؟
تو انہوں نے کہا: اگر اس بستی میں دس مسلمان ہوں تب بھی ہم ان کو ہلاک نہیں کریں گے۔
پھر فرشتوں نے کہا: اے ابراہیم (علیہ السلام) اس بحث کو چھوڑیں اس بستی میں مسلمانوں کا صرف ایک گھر ہے اور وہ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے گھر والے ہیں۔
پھر کہا: اے ابراہیم (علیہ السلام) اس بات کو چھوڑ دیں ان پر ایسا عذاب آنے والا ہے جو ٹلنے والا نہیں ہے اور یہ آپ علیہ السلام کے رب عزوجل کا حکم ہے۔
امام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا۔
یہ بتاؤ اگر سو مومن ہوں تو تم ان کو ہلاک کردو گے۔
انہوں نے کہا: نہیں۔

پھر کہا: اگر نوے مومن ہوں تو تم ان کو ہلاک کر دو گے؟

انہوں نے کہا: نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

اگر اسی ہوں؟

انہوں نے کہا: نہیں۔

کہا: اگر ستر (70) ہوں؟

تو انہوں نے کہا: نہیں۔

کہا: اگر ساٹھ ہوں۔

تو انہوں نے کہا: نہیں۔

کہا: اگر پچاس ہوں تو؟

انہوں نے کہا: نہیں۔

کہا: اگر ان میں صرف ایک مسلمان ہو تو؟

انہوں نے کہا: نہیں۔

جب انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ نہیں بتایا تھا کہ ان میں صرف ایک مسلمان ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اس بستی میں لوط علیہ السلام ہیں۔

فرشتوں نے کہا: ان سے اللہ تعالیٰ کا عذاب دور کر دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِیْهَا لَنُنَجِّیَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ○** (العنکبوت:32)

فرشتوں نے کہا ہم ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو ان میں ہیں ہم لوط کو اور ان کے گھر والوں کو ضرور نجات دیں گے ماسوا ان کی عورت کے وہ باقی رہ جانے والوں میں سے ہے۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 14162)

تمہارا مدعا کیا ہے؟

جب فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا تمہارا مدعا کیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَیُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ○ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِیْنَ ○ لِنُرْسِلَ عَلَیْهِمْ حِجَارَةً

مِّنْ طِيْنٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ۝ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ وَ تَرَكْنَا فِيْهَاۤ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝

(الذاریات:31تا37)

ابراہیم نے کہا اے بھیجے ہوئے فرشتو تمہارا مدعا کیا ہے انہوں نے کہا ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تا کہ ہم ان پر مٹی کے پتھر برسائیں جن پر حد سے تجاوز کرنے والوں کے لیے آپ کے رب کے پاس نشان لگے ہوئے ہیں سو ہم نے اس بستی سے تمام ایمان والوں کو نکال لیا تو ہم نے اس بستی میں مسلمانوں کے ایک گھر کے سوا اور کوئی گھر نہ پایا اور جو لوگ دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں ہم نے ان کے لئے اس بستی میں ایک نشانی باقی رکھی۔

فرشتوں کا حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے اہل و عیال پر عذاب نازل نہ کرنے کا وعدہ کرنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جب فرشتوں سے ایمان والوں کے ہونے پر عذاب نازل نہ کرنے پر مباحثہ ہوا تو فرشتوں نے کہا ہم ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو ان میں ہیں ہم لوط کو اور ان کے گھر والوں کو ضرور نجات دیں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ۫ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ (العنکبوت:32)

فرشتوں نے کہا! ہم ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو ان میں ہیں ہم لوط کو اور ان کے گھر والوں کو ضرور نجات دیں گے ماسوا ان کی عورت کے وہ باقی رہ جانے والوں میں سے ہے۔

عذاب کے فرشتوں کا حضرت لوط علیہ السلام کے پاس جانا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ہو کر عذاب کے فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس گئے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ۝ (ھود:77)

اور جب ہمارے فرشتے (خوبصورت لڑکوں کی شکل میں) لوط کے پاس گئے تو وہ ان کی آمد سے غمگین ہوئے اور ان کا دل تنگ ہوا اور انہوں نے کہا آج کا دن بہت بڑا سخت ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ۨ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ (الحجر:61)

پھر جب فرشتے لوط کے گھر گئے۔

حضرت لوط علیہ السلام کا فرشتوں کو نا آشنا لوگ کہنا

جب فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس گئے تو حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا بے شک تم نا آشنا لوگ ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اِنَّکُمْ قَوْمٌ مُّنْکَرُوْنَ ٥ (الحجر:62)

لوط نے کہا بے شک تم نا آشنا لوگ ہو۔

جب فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو آپ علیہ السلام زمین میں کام کر رہے تھے

جب فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو آپ علیہ السلام اپنی زمین میں کام کر رہے تھے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

جب فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو وہ اپنی زمین میں کام کر رہے تھے۔

(جامع البیان: رقم الحدیث:14167)

فرشتوں کا حضرت لوط علیہ السلام کے پاس خوبصورت لڑکوں کی شکل میں جانا

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام کا دل اس لیے تنگ ہوا تھا کہ فرشتے حسین لڑکوں کی شکل میں ان کے پاس آئے اور وہ جانتے تھے کہ ان کی قوم امرد پرست اور اغلام باز ہے تو ان کو پریشانی ہوگئی کہ وہ ان خوبصورت لڑکوں کو اپنی بدکردار قوم سے کیسے بچائیں گے۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:9، ص:66 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت لوط علیہ السلام کو فرشتوں کا رات گزارنے کا کہنا

حضرت لوط علیہ السلام کو فرشتوں نے کہا ہم آج رات آپ علیہ السلام کے گھر بطور مہمان گزارنا چاہتے ہیں۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ

ہم آج رات آپ علیہ السلام کے پاس بطور مہمان رہنا چاہتے ہیں۔

(جامع البیان: رقم الحدیث:14167)

حضرت لوط علیہ السلام کا فرشتوں کو بستی والوں کے قبیح فعل کی خبر دینا

جب فرشتوں نے کہا ہم آج رات آپ علیہ السلام کے پاس بطور مہمان رہنا چاہتے ہیں۔

تو حضرت لوط علیہ السلام نے کہا کیا تم جانتے ہو کہ اس بستی والے کیسے کام کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی قسم میں تمام زمین پر ان سے زیادہ خبیث لوگوں کو نہیں جانتا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ

ہم آج رات آپ علیہ السلام کے پاس بطور مہمان رہنا چاہتے ہیں۔

کچھ دیر بعد حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے کہا۔

کیا تم کو معلوم ہے کہ اس بستی والے کیسے کام کرتے ہیں بخدا میں روئے زمین پر ان سے زیادہ خبیث لوگوں کو نہیں جانتا۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 14167)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کس مقام پر قیام پذیر تھے

حضرت لوط علیہ السلام شہر سدوم میں رہتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام چھ میل کے مقام پر مقام الخلیل میں قیام پذیر تھے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

حضرت لوط علیہ السلام شہر سدوم میں رہتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام چھ میل ادھر مقام الخلیل میں جو فلسطین کے حدی علاقوں میں ہے پہلے اس کا نام کچھ اور تھا اب اس کا نام الخلیل ہے۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:225 نعیمی کتب خانہ لاہور)

فرشتوں کا حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچنے سے قبل کنویں پر جانا

ایک روایت میں یہ ہے کہ فرشتے بغیر راستہ پوچھے سیدھے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ جب بستی میں داخل ہوئے تو کنویں پر پہنچے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

ایک روایت میں ہے کہ ملائکہ بغیر راستہ پوچھے سیدھے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے۔

اور دوسری روایت میں ہے۔

آپ جب بستی میں داخل ہوئے تو کنویں پر پہنچے۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:225 نعیمی کتب خانہ لاہور)

فرشتوں کا کنویں پر حضرت لوط علیہ السلام کی صاحبزادیوں کو پانی بھرتے پانا

جب فرشتے کنویں پر پہنچے تو حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹیاں اور چند عورتیں پانی بھر رہی تھیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

دوسری روایت میں ہے کہ

آپ جب بستی میں داخل ہوئے تو کنویں پر پہنچے وہاں حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹیاں اور کچھ عورتیں پانی بھر رہی تھیں۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:225 نعیمی کتب خانہ لاہور)

لڑکوں کو دیکھ کر بھاگ جانے کا کہنا

جب فرشتے کنویں پر پہنچے تو حضرت لوط علیہ السلام کی صاحبزادیوں اور عورتوں نے کہا تم یہاں کس لیے آئے یہاں سے

جلدی بھاگ جاؤ ورنہ یہاں کے لوگ تمہیں غلام بنالیں گے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

دوسری روایت میں ہے۔

آپ جب بستی میں داخل ہوئے تو کنویں پر پہنچے وہاں حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹیاں اور کچھ عورتیں پانی بھر رہی تھیں ان اجنبی لڑکوں کو دیکھا تو پوچھا کہ تم یہاں کیوں آئے ہو جلدی بھاگ جاؤ ورنہ یہاں کے لوگ تم کو پکڑ کر غلام بنالیں گے۔ یہ بات انہوں نے بدلا کر بہت شرم سے کی۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:225 نعیمی کتب خانہ لاہور)

فرشتوں کا کہنا کہ یہاں کوئی مہمان نواز نہیں ہے؟

جب حضرت لوط علیہ السلام کی صاحبزادیوں اور چند عورتوں نے اجنبی لڑکوں کو دیکھ کر کہا کہ یہاں کیوں آئے جلدی بھاگ جاؤ ورنہ یہاں کے لوگ تمہیں غلام بنالیں گے تو انہوں نے کہا کیا یہاں پر کوئی مہمان نواز نہیں ہے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

دوسری روایت میں ہے کہ

آپ جب بستی میں داخل ہوئے تو کنویں پر پہنچے وہاں حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹیاں اور کچھ عورتیں پانی بھر رہی تھیں۔ ان اجنبی لڑکوں کو دیکھا تو پوچھا کہ تم یہاں کیوں آئے ہو جلدی بھاگ جاؤ ورنہ یہاں کے لوگ تم کو پکڑ کر غلام بنالیں گے۔ بات انہوں نے بدلا کر بہت شرم سے کی۔

ملائکہ بولے۔

کیا یہاں کوئی مہمان نواز نہیں ہے جو کچھ دیر ہمیں ٹھہرائے۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:225 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی محترمہ کا اپنے گھر کی طرف مہمان نوازی کا اشارہ کرنا

جب فرشتوں نے کہا یہاں کوئی مہمان نواز نہیں ہے جو کچھ دیر ہمیں ٹھہرائے تو حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی محترمہ نے اپنے گھر کی طرف اشارہ کیا کہ وہاں چلے جائیے وہ بزرگ آپ لوگوں کو ٹھہرا سکیں گے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

ملائکہ بولے۔

کیا یہاں کوئی مہمان نواز نہیں ہے جو کچھ دیر ہمیں ٹھہرائے تو حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی محترمہ نے اپنے گھر کی طرف اشارہ کیا کہ وہاں چلے جائیے وہ بزرگ آپ لوگوں کو ٹھہرا سکیں گے۔ (تفسیر نعیمی: ج:۱۲، ص:۲۲۵، نعیمی کتب خانہ لاہور)

فرشتوں کا حضرت لوط علیہ السلام کے پاس جانا اور حضرت لوط علیہ السلام کا خوبصورت لڑکے دیکھ کر گھبرا جانا

جب فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو آپ علیہ السلام اپنے گھر کے کھیتوں میں کام کر رہے تھے تو آپ

...لام خوبصورت لڑکوں کو دیکھ کر گھبرا گئے کہ قوم ان کا مطالبہ کرے گی۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

وہ سب وہاں گئے تو سلام کیا حضرت لوط علیہ السلام اپنے گھریلو کھیت میں کچھ کام کر رہے تھے اجنبی مہمانوں کو جو ...صورت قریب البلوغ لڑکوں کی شکل میں تھے دیکھا گھبرا کر کھڑے ہو گئے پریشان ہوئے، پریشانی اس لیے لاحق ہوئی کہ اس ...پہلے بھی آپ علیہ السلام اجنبی ان مہمانوں کو اپنی پناہ میں لے لیتے تھے جو بدمعاشوں سے گھبرا کر بھاگتے پناہ ڈھونڈتے تھے ...علیہ السلام کی قوم آپ علیہ السلام سے لڑتی تھی کہ تم ان کو کیوں چھپاتے ہو ہمارے حوالے کرو۔ حضرت لوط علیہ السلام ان کو ...کتے لعنت ملامت کرتے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کو کفار نے لالچ دے کر کافر بنا لیا تھا وہ چھپے ہوؤں کی مخبری جا کر ...تی تھی تو قوم آ کر جھگڑتی تھی اس سے چند دن پیشتر ایسا ہی واقعہ ہو چکا تھا اور قوم نے کہہ دیا تھا کہ اب اگر آپ نے کسی مہمان ...گھر میں رکھا یا پناہ دی تو ہم جبراً آپ علیہ السلام کی پناہ توڑ کر ان کو اٹھا کر لے جائیں گے اس لیے اب ان بھولے بھالے ...صورت بچوں کو دیکھ کر ان کی معصوم شکلوں کو دیکھ کر ترس کھاتے ہوئے غم زدہ ہوئے کہ ابھی قوم کو پتہ لگ جائے گا اور وہ ...ت سرکش لوگ ان کی بھی بے عزتی کریں گے اور میری بھی توہین ہو جائے گی۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:225 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

...رت لوط علیہ السلام کا فرشتوں کو گھر لے جانا

حضرت لوط علیہ السلام اپنی زمین سے فرشتوں کو گھر لے گئے اور وہاں جا کر ان کو اپنی قوم کے بارے میں خبر دی۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے کہا۔

کیا تم کو معلوم ہے کہ اس بستی والے کیسے کام کرتے ہیں؟ بخدا روئے زمین پر ان سے زیادہ خبیث لوگوں کو نہیں جانتا پھر ...لے کر گھر کی طرف چلے پھر دوبارہ ان سے یہی کہا اور ان کو لے کر چل پڑے۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 14167)

...ت لوط علیہ السلام پریشان کیوں ہوئے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

...رشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے اٹھ کر حضرت لوط علیہ السلام کی بستی میں گئے اور ان دونوں بستیوں کے ...چار فرسخ (بارہ شرعی میل) کا فاصلہ تھا وہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس انتہائی خوبصورت بے ریش لڑکوں کی شکل میں ...رت لوط علیہ السلام یہ نہیں پہچان سکے کہ یہ فرشتے ہیں۔

...ت لوط علیہ السلام کی پریشانی کی وجہ یہ تھی کہ

انہیں اپنی قوم کی خباثت کی وجہ سے ان لڑکوں کی عزت کا خطرہ تھا اور وہ تن تنہا ان کا مقابلہ کرنے سے عاجز تھے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ

اس رات آپ علیہ السلام کے پاس لڑکوں کی ضیافت کے لئے کوئی سامان نہیں تھا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ

ان کی قوم نے ان سے کہا ہوا تھا کہ آپ علیہ السلام اپنے ہاں کسی مہمان کو نہ ٹھہرائیں۔

(تفسیر کبیر: ج:6، ص:377 تا 378 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت لوط علیہ السلام کا اپنی بیوی کو گھر بیٹھے رہنے کا فرمانا

جب حضرت لوط علیہ السلام فرشتوں کو جو انتہائی خوبصورت تھے لے کر گھر تشریف لائے تو اپنی بیوی کو دیکھ کر کہا اپنے گھر بیٹھی رہو اور گھر میں چھپ جاؤ کسی کو نہ بتانا۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

(حضرت لوط علیہ السلام نے) پھر اپنی بیوی کو دیکھا اور کہا۔

تجھ کو ہلاکت ہو اندر چھپ جا کسی کو نہ بتانا۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:226 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا گھر گھر جا کر خوبصورت مہمان لڑکوں کی خبر دینا

حضرت لوط علیہ السلام کے اپنی بیوی کو منع فرمانے کے باوجود بیوی نے گھر گھر جا کر یہ خبر دی کہ ہمارے گھر میں خوبصورت لڑکے مہمان ہوئے ہیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی نے ان کو دیکھا تو وہاں کے لوگوں کو جا کر بتایا۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 14167)

تفسیر نعیمی میں ہے:

پھر اپنی بیوی کو دیکھا اور کہا کہ

تجھ کو ہلاکت ہو اندر چھپ جا کسی کو نہ بتانا کفار سے اس کو (بیوی کو) لالچ تھی تھوڑی دیر توجہ سے پاس بیٹھی رہی پھر پیشاب یا کسی ضرورت کا بہانہ کر کے باہر نکلی تو گھر گھر خبر دیتی آئی اور بتاتی آئی کہ ایسے خوبصورت چہرے، جسم، اچھے لباس والے خوشبودار مہمان لڑکے ہمارے گھر آئے ہیں۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:226 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کی خیانت

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی بیوی کو منع فرمایا کہ گھر بیٹھی رہو اور کسی کو نہ بتانا مگر اس نے گھر گھر جا کر مہمانوں کی

اور یوں اس نے امانت میں خیانت کی۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ جب ان کے پاس فرشتے بہ صورت مہمان آئے تو اس نے لوگوں کو جا کر بتا دیا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس مہمان آئے ہیں۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج: 21، ص: 241 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

خیانت کی مذمت

خیانت کی مذمت قرآن مجید واحادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا سبب ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ (البقرہ:283)

پس اگر تم میں سے ایک کو دوسرے پر اعتبار ہو تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے اسے چاہیئے کہ وہ اس کی امانت ادا کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (النساء:58)

بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں یہ حکم دیتا ہے تم امانت والوں کو ان کی امانت ادا کرو۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ٥ (الاحزاب:72)

ہم نے آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں پر اپنی امانت کو پیش کیا انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کیا اور ڈرے اور انسان نے اس میں خیانت کی بے شک وہ ظالم اور جاہل ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ٥ (المومنون:8)

اور جو لوگ اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرنے والے ہیں۔

خیانت کی مذمت کے متعلق کثیر احادیث مبارکہ وآثار ہیں۔ جو کہ درج ذیل ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

منافق کی تین نشانیاں ہیں

1-جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔
2-جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے۔
3-اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث:35)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو تمہارے پاس امانت رکھے اس کی امانت ادا کرو اور جو تم سے خیانت کرے اس کے ساتھ خیانت مت کرو۔
(سنن ترمذی: رقم الحدیث:1271)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
بہت بڑی خیانت یہ ہے کہ تمہارا بھائی تم سے کوئی بات کہے اور وہ اس میں سچا ہو اور تم اس کو جھوٹا کہو۔
(مسند احمد: ج:4،ص:183)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تم میرے لیے چھ چیزوں کے ضامن ہو جاؤ تو میں تمہارے لیے جنت کا ضامن ہوں۔
1-جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو تم اس کو ادا کرو۔
2-جب تم عہد کرو تو اس کو پورا کرو۔
3-جب تم بات کرو تو سچ بولو۔
4-تم اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو۔
5-اپنی نظروں کو نیچا رکھو۔
6-اور اپنے ہاتھوں کو کسی کے آگے نہ پھیلاؤ۔
(شعب الایمان: رقم الحدیث:5255)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
سب سے پہلے لوگوں سے جو چیز اٹھالی جائے گی وہ امانت ہے اور آخر میں جو چیز باقی رہ جائے گی وہ نماز ہے اور بہت سے نمازی ایسے ہیں کہ ان کی نماز میں کوئی خیر نہیں ہے۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث: 5274)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تمہارے دین میں سے جو چیز سب سے پہلے گم ہوگی وہ امانت ہے اور آخر میں نماز گم ہوگی۔
ثابت بنانی نے کہا: ایک شخص روزے رکھتا ہے نماز پڑھتا ہے لیکن جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ امانت ادا نہیں کرتا۔

(معجم الکبیر: رقم الحدیث: 8699)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مومن وہ ہے جس کو لوگ اپنی جان اور مال میں امین سمجھیں۔

(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 3934)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت میں جبار داخل ہوگا نہ بخیل نہ خائن اور نہ بدخلق۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 1953)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عنقریب لوگوں کے اوپر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں سچے کو جھوٹا کہا جائے گا جھوٹے کو سچا کہا جائے گا اور خائن کو امانت دار کہا جائے گا اور امانت دار کو خائن کہا جائے گا۔ (مکارم الاخلاق: رقم الحدیث: 167)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی خطبہ دیا تو ارشاد فرمایا:
سنو جو امانت ادا نہ کرے وہ ایمان دار نہیں اور جو عہد پورا نہ کرے وہ دین دار نہیں۔ (مکارم الاخلاق: رقم الحدیث: 147)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تم کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں اور سچ بولنے کی

اور عہد پورا کرنے کی اور امانت ادا کرنے کی اور خیانت ترک کرنے اور پڑوسی کی حفاظت کرنے کی اور یتیم پر رحم کرنے کی اور ملائمت سے بات کرنے کی اور ہر (مسلمان کو) سلام کرنے کی اور تواضع اور عاجزی کی۔ (حلیۃ الاولیاء: ج:1 ص:241)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت حسن سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم کسی شخص کی نماز اور اس کے روزے سے دھوکہ نہ کھانا جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے نماز پڑھے لیکن جو امانت دار نہیں وہ دین دار نہیں۔

(مصنف عبدالرزاق: رقم الحدیث: 20192)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دو احادیث مبارکہ بیان فرمائی تھیں۔ ایک تو پوری ہو چکی ہے اور دوسری کا میں انتظار کر رہا ہوں۔

آپ نے فرمایا: امانت لوگوں کے دلوں کی گہرائی میں اتری پھر قرآن نازل ہوا اور لوگوں نے قرآن مجید اور احادیث کا علم حاصل کیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امانت اٹھ جانے کی پیش گوئی بیان فرمائی۔

اور ارشاد فرمایا: ایک شخص تھوڑی دیر سوئے گا اور امانت اس کے دل سے نکل جائے گی اور چھالے کی طرح اس کا اثر رہ جائے گا جس طرح پیر کے نیچے انگارہ آنے سے آبلہ پڑ جاتا ہے اور اس کے اندر کچھ نہیں ہوتا پھر آپ نے کنکری لے کر اس کو اپنے پیر پر لڑھکا دیا۔

اور ارشاد فرمایا: پھر لوگ خرید و فروخت کریں گے اور ان میں سے کوئی بھی امانت داری اور دیانت داری سے کام نہیں لے گا حتیٰ کہ لوگ کہیں گے کہ فلاں قبیلہ میں ایک دیانت دار شخص ہوا کرتا تھا اور یہ کہ فلاں شخص کس قدر بیدار مغز، خوش مزاج اور زیرک ہے لیکن اس کے دل میں ایمان کا ایک ذرہ بھی نہیں ہے۔

اس کے بعد حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک وہ وقت تھا جب میں ہر شخص سے بغیر کسی خدشہ اور کھٹکے کے خرید و فروخت کر لیتا تھا اور سوچتا تھا کہ یہ شخص اگر مسلمان ہے تو اس کا دین اس کو خیانت سے روکے گا اور اگر وہ یہودی یا نصرانی ہے تو حاکم کے خوف سے خیانت نہیں کرے گا لیکن اس زمانے میں میں فلاں فلاں شخص کے علاوہ خرید و فروخت میں اور کسی پر اعتماد نہیں کرتا۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6497)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو صدقات وصول کرنے کا عامل بنایا جب وہ آیا تو اس نے کہا یہ چیزیں تمہارے لیے ہیں اور یہ چیزیں مجھے ہدیہ کی گئی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد کے بعد ارشاد فرمایا:

ان لوگوں کا کیا حال ہے جن کو اپنے بعض مناصب پر عامل بناتے ہیں پھر وہ ہمارے پاس آ کر یہ کہتا ہے کہ یہ چیز تمہارے

ہے اور یہ چیز مجھے ہدیہ کی گئی ہے وہ اپنی ماں کے گھر میں یا اپنے باپ کے گھر میں کیوں نہ بیٹھ گیا پھر یہ دیکھا جاتا کہ اس کو کوئی چیز ہدیہ کی گئی ہے یا نہیں۔

اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے تم میں سے جو شخص بھی کوئی چیز لے گا وہ قیامت کے دن اس کی گردن پر سوار ہوگی اگر وہ اونٹ ہے تو بڑبڑا رہا ہوگا اگر وہ گائے ہے تو وہ ڈکرا رہی ہوگی اور اگر وہ بکری ہے تو وہ ممیا رہی ہوگی۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بلند کر کے تین بار ارشاد فرمایا:

اے اللہ عزوجل! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 2597)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

کسی شخص کی نماز کو نہ دیکھو نہ اس کے روزے کو یہ دیکھو کہ وہ اپنی بات میں کس قدر سچا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ کس قدر امانت دار ہے اور جب اس پر دنیا پیش کی جائے تو وہ کس قدر متقی ہے۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث: 8436)

ایک اور روایت میں ہے:

عطاء خراسانی بیان کرتے ہیں کہ

ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔

انہوں نے فرمایا:

جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس نے کسی شخص کی امانت ادا نہیں کی ہوگی اللہ عزوجل اس کی نیکیوں کو لے لے گا جبکہ وہاں دینار ہوگا نہ درہم۔ (مکارم الاخلاق: رقم الحدیث: 148)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

جب کسی گھر میں خیانت نہ ہو تو اس سے برکت چلی جاتی ہے۔ (مکارم الاخلاق: رقم الحدیث: 151)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے کہا: دھوکہ اور خیانت دوزخ میں ہیں اور مکر اور خیانت مومن کے اخلاق میں سے نہیں ہیں۔ (مکارم الاخلاق: رقم الحدیث: 158)

ایک اور روایت میں ہے: میمون بن مہران نے کہا: تین چیزیں ہر نیک اور بد کو ادا کی جائیں گی۔

1- صلہ رحمی کرو خواہ نیک ہو یا بد۔

2- عہد جس سے بھی کیا ہے پورا کرو خواہ نیک ہو یا بد۔

3- ہر ایک کی امانت ادا کرو خواہ نیک ہو یا بد۔ (مکارم الاخلاق: رقم الحدیث: 159)

اللہ تعالیٰ اور رسول سے خیانت کی ممانعت

اللہ تعالیٰ اور رسول سے خیانت ممنوع ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (الانفال: 27)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو حالانکہ تمہیں علم ہو۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

عطاء بن ابی رباح سے روایت ہے کہ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے مجھے یہ حدیث مبارکہ بیان فرمائی کہ

ابوسفیان مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔

اور بتایا کہ

ابوسفیان فلاں فلاں جگہ میں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا کہ

ابوسفیان فلاں فلاں جگہ میں ہے تم اس کی طرف روانہ ہو اور اس خبر کو چھپا کر رکھنا۔ ایک شخص نے ابوسفیان کو یہ پیغام بھیج دیا کہ

(سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) تم پر حملہ کرنے کے لئے آ رہے ہیں سو تم اپنے دفاع اور اپنی حفاظت کا بندوبست کر لو

تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور رسول سے خیانت نہ کرو۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 12358)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ابو مرثد کو اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا ہم سب گھوڑوں پر سوار تھے۔

آپ نے فرمایا:

یہاں سے روانہ ہو اور روضہ خاخ پر پہنچ جاؤ وہاں مشرکین کی ایک عورت ملے گی جس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ کا مشرکین کی طرف لکھا ہوا ایک خط ہوگا ہم نے اس عورت کا پیچھا کیا جس جگہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نشاندہی کی تھی وہاں وہ ایک اونٹ پر سوار ہو کر جا رہی تھی۔

ہم نے اس سے کہا۔

وہ خط لاؤ۔

اس نے کہا: میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔

ہم نے اس کے اونٹ کو بٹھالیا اور اس کی تلاشی لی ہمیں اس کے پاس سے خط نہیں ملا۔

ہم نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلط نہیں فرمایا تھا تم وہ خط نکالو ورنہ ہم تمہارے کپڑے اتار دیں گے۔ جب اس نے دیکھا کہ ہم اس معاملہ میں بالکل سنجیدہ ہیں تو اس نے اپنے بالوں کے جوڑے میں سے وہ خط نکال کر ہمیں دیا۔ ہم وہ خط لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس شخص نے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے خیانت کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیں تاکہ میں اس کی گردن مار دوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔

تم نے کس وجہ سے یہ کام کیا؟

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! میرے دل میں یہ نہیں تھا کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والا نہ رہوں۔ میرا ارادہ صرف یہ تھا کہ میرا ان مشرکین پر کوئی احسان ہو جائے اس احسان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ میرے اہل اور مال سے ان کے شر کو دور رکھے اور آپ کے اصحاب میں سے ہر شخص کا وہاں کوئی قبیلہ ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے اہل اور ان کے مال سے کافروں کے شر کو دور رکھتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اس نے سچ کہا ہے اور اس کے حق میں سوائے خیر کے اور کوئی کلمہ نہ کہنا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اس شخص نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت کی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیں کہ میں اس کی گردن اڑا دوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا یہ اہل بدر سے نہیں ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اہل بدر کی طرف متوجہ ہوا۔

اور ارشاد فرمایا:

تم جو چاہو عمل کرو میں نے تمہارے لیے جنت کو واجب کر دیا ہے۔

یا ارشاد فرمایا:

میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3983)

ایک اور روایت میں ہے:

امام عبدالملک بن ہشام متوفی 218ھ روایت کرتے ہیں۔

بنو قریظہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس ابولبابہ بن عبدالمنذر کو بھیجیں ان کا تعلق بنو عمرو بن عوف سے تھا اور یہ اوس کے حلیف تھے تاکہ ہم اپنے معاملہ میں ان سے مشورہ کریں۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو بنو قریظہ کی طرف بھیجا جب بنو قریظہ نے ان کو دیکھا تو ان کے مردان کے پاس کھڑے ہو گئے اور ان کی عورتیں فریاد کرنے لگیں اور بچے ان کے سامنے رونے لگے یہ دیکھ کر ان کے لئے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا دل نرم ہو گیا۔

بنو قریظہ نے ان سے کہا۔

اے ابولبابہ آپ کا کیا مشورہ ہے کیا ہم (سیدنا) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم پر قلعہ سے نکل آئیں؟

انہوں نے کہا: ہاں! اور ہاتھ سے اپنے گلے کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ وہ تم کو ذبح کر دیں گے۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! ابھی میں نے وہاں سے قدم نہیں اٹھائے تھے کہ میں نے یہ جان لیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت کی ہے۔ پھر حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سیدھے واپس گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے حتیٰ کہ انہوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ لیا۔

اور کہا۔

میں اس وقت تک بندھا رہوں گا جب تک کہ میری اس خیانت پر اللہ تعالیٰ توبہ قبول نہیں فرماتا اور اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا کہ میں آئندہ کبھی بنو قریظہ کے پاس نہیں جاؤں گا اور نہ کبھی اس شہر میں جاؤں گا جس میں میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خیانت کی تھی۔

عبداللہ بن ابی قتادہ روایت کرتے ہیں کہ

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی!

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت نہ کرو۔

امام ابن اسحاق سے روایت ہے کہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی۔

تو آپ نے فرمایا:

اگر وہ میرے پاس آجاتے تو میں ان کے لئے استغفار کرتا اور جب انہوں نے اپنے آپ کو باندھ لیا ہے تو میں ان کو اس وقت تک نہیں کھولوں گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول نہیں فرما لیتا۔

امام ابن اسحاق سے روایت ہے کہ

جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تھے اس دن سحری کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ پر حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ کی قبولیت نازل ہوئی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

میں نے سحری کے وقت دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس رہے تھے۔

میں نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ ہنستا ہوا رکھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس سے ہنس رہے تھے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابولبابہ (رضی اللہ عنہ) کی توبہ قبول کرلی گئی۔

میں نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں ان کو یہ خوش خبری نہ دوں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیوں نہیں! اگر تم چاہو تو۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حجرہ کے دروازے پر کھڑی ہوگئیں۔ یہ پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے ابولبابہ (رضی اللہ عنہ)! تمہیں مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرما

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مسلمان انہیں کھولنے کے لئے جھپٹے۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی آکر اپنے مقدس ہاتھوں سے مجھے کھولیں اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھول دیا۔

امام ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ ستون کے ساتھ چھ راتیں بندھے رہے ان کی بیوی ہر نماز کے وقت آکر ان کو کھول دیتی تھیں نماز پڑھتے اور پھر ستون کے ساتھ بندھ جاتے۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ کے متعلق جو آیت کریمہ نازل ہوئی وہ یہ

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (التوبہ:102)

اور دوسرے مسلمان جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیا انہوں نے کچھ نیک کاموں کو کچھ برے کاموں کے ساتھ ملالیا عنقریب اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گا بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام: ج:3 ص360 تا362 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ زہری سے روایت کیا ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول فرمائی۔
تو انہوں نے کہا: یا نبی اللہ! میری توبہ یہ ہے کہ میں اس قوم کے اس علاقہ کو چھوڑ دوں جس میں میں نے گناہ کیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں رہوں اور اپنا تمام مال اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صدقہ کر دوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارے لیے صرف تہائی مال کا صدقہ کرنا کافی ہے۔

(مصنف عبدالرزاق: رقم الحدیث: 16397)

حافظ ابوعمر فرماتے ہیں کہ
یہ بھی کہا گیا ہے کہ
حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا گناہ یہ تھا کہ وہ بنو قریظہ کے حلیفوں میں سے تھے اور انہوں نے بنو قریظہ کو یہ اشارہ کیا تھا کہ اگر تم سعد بن معاذ کے حکم پر قلعہ سے نکل آئے تو تم کو ذبح کر دیا جائے گا اور انہوں نے اپنے حلقوم کی طرف اشارہ کیا تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور رسول سے خیانت نہ کرو۔ (الاستیعاب: ج:4، ص:305 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کی بیویوں نے خیانت کی تھی

حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کی بیویوں نے خیانت کی تھی۔
امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں: حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں نے خیانت کی تھی۔ ان کی یہ خیانت زنا نہیں تھی۔
حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی نے یہ خیانت کی تھی کہ
اس نے حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق لوگوں سے یہ کہا تھا کہ یہ مجنون ہیں۔
اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ
جب ان کے پاس فرشتے بہ صورت مہمان آئے تو اس نے لوگوں کو جا کر بتا دیا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس مہمان آئے ہوئے ہیں۔
ضحاک نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیویوں کی خیانت چغلی کرنا تھی۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:21، ص:241 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

پھر آن مجید میں ہے:
ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا وَّقِیْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیْنَ ○ (التحریم:10)
اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال بیان فرمائی جو ہمارے دو نیک بندوں کے

نکاح میں تھیں انہوں نے ان سے خیانت کی تو وہ انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہ بچا سکے اور ان سے کہا گیا تم دونوں دوزخ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں: اس آیت کریمہ میں ہے کہ

ان دونوں نے خیانت کی۔

حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ

وہ لوگوں سے حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق یہ کہتی تھی کہ یہ مجنون ہیں۔

اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ

ان کے گھر جو مہمان آتے تھے وہ لوگوں کو ان کی خبر پہنچا دیتی تھی۔

خیانت سے مراد یہ نہیں ہے کہ

وہ بے حیائی کے کام کرتی تھیں کیونکہ کبھی کسی نبی کی بیوی نے بے حیائی کا کام نہیں کیا۔

(تفسیر کبیر: ج:10، ص:574 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

کسی نبی کی بیوی نے کبھی بھی بے حیائی کا کام نہیں کیا۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 26710)

امام ابو القاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

اشرف خراسانی سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کسی نبی کی بیوی نے کبھی زنا نہیں کیا۔

(تاریخ دمشق الکبیر: رقم الحدیث: 11722)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

ان کی خیانت یہ تھی کہ

وہ ان دونوں مقدس ہستیوں کے دین پر نہ تھیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی لوگوں سے یہ کہتی تھی کہ

مجنون ہیں۔ جب کوئی حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لاتا تو وہ قوم کے سرداروں کو بتا دیتی۔

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ)

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی قوم کے لوگوں کو مہمانوں کے بارے میں بتاتی

(معالم التنزیل: ج:5،ص:417 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی اگر دن کو مہمان آتا تو دھواں ڈال دیتی

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی مہمانوں کی قوم کو خبر دینے کے لئے اگر دن کو کوئی مہمان آتا تو دھواں ڈال دیتی۔

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

جب دن کے وقت کوئی مہمان آتا تو وہ دھواں ڈال دیتی تاکہ قوم کو پتہ چل جائے کہ کوئی مہمان آیا ہے۔

(معالم التنزیل: ج:5،ص:417 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی جب رات کو مہمان آتا تو آگ روشن کر دیتی

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی قوم کو مہمانوں کی خبر دینے کے لئے اگر رات کو کوئی مہمان آ بھی جاتا تو آگ روشن کر دیتی جس سے قوم کو ان مہمانوں کی خبر ہو جاتی۔

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی قوم کے لوگوں کو مہمانوں کے بارے میں بتاتی جب بھی کوئی رات کے وقت مہمان آتا تو وہ آگ کو روشن کر دیتی......تاکہ پتہ چل جائے کہ ان کے ہاں کوئی مہمان آیا ہے۔(معالم التنزیل: ج:5،ص:417 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

دونوں کی خیانت

حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام دونوں کی بیویوں نے خیانت کی۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

ان دونوں نے زنا نہیں کیا تھا۔

البتہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ

وہ لوگوں کو کہا کرتی تھی کہ یہ مجنون ہے۔

اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ

وہ مہمانوں پر جرأت کرتی تھی اور مخالفت کرتی تھی پس یہی ان دونوں کی خیانت تھی۔

(جامع البیان: ج:28،ص:190 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کا نام

حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کا نام والہہ تھا۔

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کا نام والہہ تھا۔ (تفسیر کبیر: ج: 10، ص: 574 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

کنز الایمان میں ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی عورت والہہ اپنی قوم سے حضرت نوح علیہ السلام کی نسبت کہتی تھی کہ وہ مجنون ہیں۔

(کنز الایمان: ص: 1010 مطبوعہ اتفاق پبلشرز لاہور)

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا نام واہلہ تھا

ایک قول کے مطابق حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا نام واہلہ تھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ والعہ تھا۔

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا نام والعہ تھا۔ (تفسیر کبیر: ج: 10، ص: 574 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

کنز الایمان میں ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی عورت واہلہ اپنا نفاق چھپاتی تھی اور جو مہمان آپ کے یہاں آتے تھے آگ جلا کر اپنی قوم کو ان کے آنے سے خبردار کرتی تھی۔

(کنز الایمان: ص: 1010 مطبوعہ اتفاق پبلشرز لاہور)

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا چھت پر چڑھ کر حسین و جمیل مہمانوں کی قوم کو خبر دینا

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی چھت پر چڑھی اور قوم کو حسین و جمیل مہمانوں کی خبر دی۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی اپنے گھر کی چھت پر چڑھی اس نے اپنے کپڑے سے اشارہ کیا تو فاسق لوگ اس کے پاس بھاگتے ہوئے آئے۔

اور اس سے پوچھا۔

تمہارے پاس کوئی خبر ہے؟

اس نے کہا: ہاں! بے شک اللہ تعالیٰ کی قسم! ہمارے پاس ایسے حسین و جمیل مہمان آئے ہیں اور ان سے ایسی اچھی خوشبو آ رہی ہے میں نے ایسے لوگ ساری زندگی نہیں دیکھے۔

(تاریخ دمشق الکبیر: رقم الحدیث: 11722)

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا اپنی قوم کو گھر کے دروازے پر لے آنا

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی اپنی قوم کے لوگوں کو حضرت لوط علیہ السلام کے گھر کے دروازے پر لے آئی۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

جب وہ فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے گھر داخل ہوئے تو وہ کافرہ بوڑھی اپنی قوم کے پاس گئی اوران کو حضرت لوط علیہ السلام کے گھر کے دروازے پر لے آئی۔

(تاریخ دمشق الکبیر: ج:53، ص:244 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

قوم کا حضرت لوط علیہ السلام کے پاس دوڑتے ہوئے آنا

جب قوم کو حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے ہوئے مہمانوں کی اطلاع مل گئی تو وہ دوڑتے ہوئے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ (ھود:78)

اوران کی قوم کے لوگ ان کے پاس دوڑتے ہوئے آئے اوروہ پہلے ہی برے کام کرتے تھے۔

حضرت لوط علیہ السلام کے پاس قوم کا اظہار خوشی سے آنا

جب قوم کو حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے ہوئے مہمانوں کی خبر ہوئی تو وہ اظہار خوشی سے دوڑتے ہوئے آئے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ٥ (الحجر:67)

دریں اثناء شہر کے لوگ اظہار خوشی کرتے ہوئے آگئے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق نے فرمایا کہ

جب فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے اوران کی قوم کو یہ خبر ملی کہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس حسین وجمیل بے ریش لڑکے آئے ہیں ان کو یہ خبر حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی نے پہنچائی تھی۔

اس نے ان سے کہا۔

میں نے اس سے پہلے اتنے حسین اور جمیل لڑکے نہیں دیکھے اوروہ لوگ عورتوں کے بجائے مردوں سے اپنی شہوت پوری کرتے تھے اوران سے پہلے کسی نے یہ خلاف فطرت کام نہیں کیا تھا تو وہ دوڑتے ہوئے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے

(جامع البیان: رقم الحدیث:14190)

قوم لوط کا عجیب انداز میں بھاگ کر آنا

قوم لوط کو جب حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے ہوئے مہمانوں کی خبر ملی تو ان کے آنے کا انداز یوں تھا کہ کوئی

ب کرلا رہا ہے یا ایک دوسرے کو اکسا کرلا رہے ہیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

اور اس حال میں کہ حضرت لوط علیہ السلام اپنے مہمانوں کے سامنے اس قسم کی قوم کے متعلق باتیں کر رہے تھے اور چاہتے کہ یہ لوگ چلے جائیں آپ علیہ السلام کی کافر قوم سب کی سب اس طرح دندناتی بھاگتی آئی گویا ان کو ہانکا جا رہا ہے یا ایک رے کو اکساتے دھکیلتے لئے چلے آئے یا ان کی شہوت ان کو دھکیلتی لائی یا خود ہی گرتے پڑتے بے حیائی دکھاتے ہوئے چلے ئے کچھ تو بھاگنے کی وجہ سے اور کچھ جوش شہوت سے جسموں پر کپکپی طاری تھی سیدھے حضرت لوط علیہ السلام کی طرف چلتے ئے یہ خبر ان کو حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی نے دی ان پیسوں کے لالچ میں جو کفار نے لالچ دے رکھا تھا یا کسی اور نے راہ دیکھ کر۔ آج اس بے غیرتی، بے حیائی سے اس لیے آ گئے کہ ان کی شرم و حیا پہلے سے اتری ہوئی تھی۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:232 نعیمی کتب خانہ لاہور)

رت لوط علیہ السلام کی بیوی کا قوم کو اپنے گھر کے دروازے پر لے آنا اور فرشتے کا دروازہ بند کر دینا

جب حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی قوم کو گھر کے دروازے پر لے آئی تو فرشتے نے اپنی قوت سے دروازہ بند کر دیا۔

امام ابو القاسم علی ابن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

جب وہ فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے گھر داخل ہوئے تو وہ کافرہ بوڑھی اپنی قوم کے پاس گئی اور ان کو حضرت لوط علیہ ام کے گھر کے دروازے پر لے آئی ایک فرشتہ اٹھا اور اس نے پوری قوت کے ساتھ دروازہ بند کر دیا۔

(تاریخ دمشق الکبیر: ج:53، ص:244 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

رت لوط علیہ السلام کا قوم کو مہمانوں کے متعلق شرمندہ نہ کرنے کا فرمانا

حضرت لوط علیہ السلام نے دیوار کے اوپر سے جھانک کر قوم کو فرمایا کہ یہ میرے مہمان ہیں تم ان کے معاملہ میں مجھے ہ نہ کرو۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِىْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ○ (الحجر:68)

لوط نے کہا بے شک یہ میرے مہمان ہیں تم (ان کے معاملہ میں) مجھے شرمندہ نہ کرو۔

ت لوط علیہ السلام کا قوم کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا فرمانا

وم جب بے حیائی پر آ ہی گئی تو حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو فرمایا کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مجھے بے آبرو نہ

آن مجید میں ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ٥ (الحجر:69)

اوراللہ سے ڈرواور مجھے بے آبرو نہ کرو۔

قوم کا کہنا کہ کیا ہم نے دنیا کے مہمانوں کوٹھہرانے سے منع نہیں کیا تھا

جب حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے مہمانوں کے متعلق شرمندہ نہ کرواور اللہ تعالیٰ سے ڈرواور مجھے بے آبرو نہ کرو تو انہوں نے کہا کیا ہم نے آپ کو دنیا کے لوگوں کوٹھہرانے سے منع نہیں کیا تھا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ٥ (الحجر:70)

ان لوگوں نے کہا: کیا ہم نے آپ کو دنیا کے لوگوں (کوٹھہرانے) سے منع نہیں کیا تھا۔

حضرت لوط علیہ السلام کا قوم کی بیٹیاں نکاح کے لئے پیش کرنا

جب قوم بے حیائی پر آہی گئی تو حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں تم ان سے نکاح کرلو۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ٥ (الحجر:71)

لوط نے کہا یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں (ان سے نکاح کرلو) اگر تم کچھ کرنے والے ہو۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ۗ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ٥ (هود:78)

لوط نے کہا اے میری قوم! یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں یہ تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرواور میرے مہمانوں کے بارے میں مجھے شرمندہ نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی نیک شخص نہیں ہے۔

کیا حضرت لوط علیہ السلام نے نکاح کے لئے اپنی بیٹیاں پیش کی تھیں؟

حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کو نکاح کے لئے اپنی بیٹیاں پیش نہیں کی تھیں بلکہ وہ قوم کی ہی لڑکیاں تھیں جن کو حضرت لوط علیہ السلام نے نکاح کے لئے پیش کیا تھا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

وہ حضرت لوط علیہ السلام کی اپنی بیٹیاں نہیں تھیں وہ ان کی امت کی بیٹیاں تھیں اور ہر نبی اپنی امت کا باپ ہوتا ہے

(جامع البیان: رقم الحدیث:14183)

مزید راقم ہیں۔

سعید بن جبیر نے فرمایا:

یعنی قوم کی عورتوں سے نکاح کرلو جوان کی بیٹیاں ہیں اور وہ ان کے نبی ہیں کیونکہ نبی امت کا بمنزلہ باپ ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ (الاحزاب:6)

اور نبی کی ازواج امت کی مائیں ہیں۔

(جامع البیان: رقم الحدیث:14188)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم پر اپنی بیٹیاں پیش نہیں کیں نہ زنا کے لئے اور نہ ہی نکاح کے لئے۔

بلکہ انہوں نے صرف یہ کہا کہ

یہ تمہاری عورتوں کی بیٹیاں ہیں کیونکہ نبی جب اپنی قوم کے درمیان موجود ہو تو وہ ان کا باپ ہوتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ (الاحزاب:6)

اور حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ہے۔

نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں اور نبی خود ان کا باپ ہے۔

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

آپ علیہ السلام نے ان پر اپنی امت کی عورتیں پیش کیں اور ہر نبی سو اپنی امت کا باپ ہوتا ہے۔

(تاریخ ابن عساکر: ج:50، ص:317 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے:

بولے اے میری قوم یہ سب پاس کھڑی قوم کی عورتیں میری بیٹیاں ہیں ان لوگوں کی اس بے تحاشہ بھاگ دوڑ کا تماشہ دیکھنے کے لئے بچے، بوڑھے اور عورتیں سب جمع ہو گئے تھے۔

اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

ان میں سے بعض تمہاری بیویاں ہیں تم ان کے خاوند ہو بعض غیر شادی شدہ ہیں تو تم میں کنوارے لوگ عام شریفانہ رواج کے مطابق ان سے نکاح کرو۔ یہ میری قومی بیٹیاں ہیں تمہارے لیے بہت ہی پاکیزہ ہیں۔

تفسیر روح البیان نے کہا کہ

بیٹیوں سے مراد نسبی بیٹیاں ہیں مگر عقد [illegible]

اولاً اس لیے کہ

حضرت لوط علیہ السلام کی صرف دو بیٹیاں تھیں اور اس وقت نابالغہ تھیں ان کا نام

1-زنتا

2-زعوراء تھا۔

دوم اس لیے کہ

اگر اپنی بیٹیوں سے نکاح کرانا ہوتا تو پہلے کیوں نہ کر دیا ہوتا۔

سوم اس لیے کہ

قوم کے سینکڑوں آدمی آئے تھے بلکہ سارے ہی جیسا کہ قومہ کے اطلاق بلا حرف بعضیت سے ظاہر ہے تو دو بیٹیوں والا ساری قوم کو دعوت کس طرح دے سکتا ہے۔

چہارم اس لیے کہ

قوم کے کفر کے متعلق تو کہا جاسکتا ہے کہ اس شریعت میں کفار سے مومنہ کا نکاح جائز تھا جیسا کہ ابتداءً اسلام میں بھی جائز تھا۔ مگر عام شریف آدمی بھی گوارہ نہیں کرتا کہ میری بیٹی کا نکاح گندے بے غیرت بدمعاش سے ہو تو اللہ تعالیٰ کا مکرم (نبی) اس نکاح کا خیال تک کیسے کر سکتا ہے۔ (تفسیر نعیمی: ج:12،ص232 تا 233 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کی بیٹیاں بطور نکاح مہمانوں کی عزت بچانے کے لئے پیش کی تھیں

حضرت لوط علیہ السلام نے جو قوم کو ان کی بیٹیاں بطور نکاح پیش کیں وہ صرف مہمانوں کی عزت بچانے کے لئے پیش کی تھیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا:

ان عورتوں سے نکاح کر لو اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے نبی کی یہ تھی کہ ان قومی بیٹیوں سے نکاح کے ذریعہ اپنے مہمانوں کی عزت بچائیں۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 14186)

مزید راقم ہیں۔

امام محمد بن اسحاق نے فرمایا کہ

حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا:

اے میری قوم! یہ میری قومی بیٹیاں ... ان سے نکاح کرنے کو اپنے مہمانوں کا ...

بیناہوں اور حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو یہ دعوت دی تھی کہ وہ حرام کام کو ترک کر کے حلال نکاح کر لیں۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 14190)

نکاح کا معنیٰ اور اس کے فضائل

قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری لکھتے ہیں:

لغت میں نکاح کا معنیٰ جمع کرنا اور ملانا ہے اور شریعت میں نکاح اس عقد کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ سے کسی عورت کے جسم سے فائدہ اٹھانے کا مالک بنایا جاتا ہے اگر کسی انسان کی شہوت معتدل ہو تو نکاح کرنا سنت ہے اور اگر کسی انسان پر شہوت بہت غالب ہو تو اس پر نکاح کرنا واجب ہے اور جب اس کو اپنے نفس پر ظلم کا خدشہ ہو تو پھر اس کا نکاح کرنا مکروہ ہے اور اگر وہ جماع کرنے پر قادر نہ ہو تو پھر اس کا نکاح کرنا حرام ہے۔ جو نکاح بغیر تشہیر کے خفیہ کیا جائے اس کو نکاح السر کہتے ہیں اگر کوئی شخص کسی عورت سے یہ کہے یہ دس روپے لو میں اس کے عوض دس دن تم سے جماع کروں گا تو اس کو نکاح المتعۃ یا النکاح الموقت کہتے ہیں یہ نکاح باطل اور حرام ہے اگر کوئی شخص کسی کی بہن سے نکاح کرے اور مہر کے بجائے یہ مقرر کرے کہ وہ دوسرا شخص اس کی بہن سے نکاح کرلے تو اس کو نکاح اشغار کہتے ہیں۔

اس کا حکم یہ ہے کہ

یہ نکاح صحیح ہے اور فریقین کو مہر مثل دینا لازم ہوگا اور اگر کوئی شخص فریقین میں سے کسی ایک سے یا دونوں سے اجازت لیے بغیر کسی مرد اور عورت کا معروف طریقہ سے نکاح کردے تو یہ نکاح الفضول کہا جاتا ہے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ

جب فریقین اس نکاح کو برقرار رکھیں تو یہ نکاح صحیح اور نافذ ہو جاتا ہے۔

(دستور العلماء: ج:3، ص289 تا 290 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ سید محمد بن علی بن محمد الحصکفی حنفی متوفی 1088ھ لکھتے ہیں:

ایمان اور نکاح کے سوا کوئی اور ایسی عبادت نہیں ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے عہد سے لے کر اب تک مشروع رہی

اور فقہاء کے نزدیک اس عقد کو کہتے ہیں جس سے مرد کا عورت کے جسم سے فائدہ حاصل کرنا حلال ہو جائے جبکہ کوئی شرعی مانع نہ ہو عورت کی قید سے مرد، خنثیٰ، مشکل اور جنیہ خارج ہو گئے اور مانع شرعی کی قید سے محارم خارج ہو گئے البتہ حسن نے جنیہ سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔ نکاح کا لفظ جماع کرنے میں حقیقت ہے اور عقد میں مجاز ہے نکاح فریقین میں سے کسی ایک کے ایجاب اور دوسرے کے قبول کرنے سے منعقد ہو جاتا ہے اور اس میں دو آزاد مسلمان مکلف گواہوں کا حاضر ہونا شرط ہے جو ایجاب وقبول کرنے والوں کا کلام معاً سن رہے ہوں خواہ وہ فاسق ہوں یا مردود الشہادۃ ہوں یا نابینا ہوں۔

(درمختار: ج:4، ص:76 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نکاح کی ترغیب اور اس کے فضائل میں کثیر احادیث مبارکہ ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے نوجوانو! تم میں سے جو شخص گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہے وہ نکاح کر لے کیونکہ نکاح نظر کو نیچے رکھتا ہے اور شرم گاہ کی حفاظت کرتا ہے اور جو نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتا وہ روزے رکھے کیونکہ روزے شہوت کو کم کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5066)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب بندہ نے نکاح کر لیا تو اس کا نصف ایمان کامل ہو گیا اب اس کو چاہئے کہ باقی نصف میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث: 5486)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص یہ چاہتا ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے پاکیزہ حالت میں ملاقات کرے اس کو چاہئے کہ وہ آزاد عورتوں سے نکاح کر لے۔

(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 1862)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ابن آدم کی سعادت (نیک بختی) سے تین چیزیں ہیں۔

1- نیک بیوی

2- آرام دہ مکان

3- آرام دہ سواری۔

اور ابن آدم کی شقاوت (بدبختی) سے تین چیزیں ہیں۔

1- بری بیوی

2- بے آرام مکان

3-اور بری سواری۔

(صحیح ابن حبان: رقم الحدیث: 9021)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجروں میں چند مسلمان آئے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق دریافت کیا۔ جب انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق بتایا گیا تو انہوں نے اس عبادت کو کم خیال کیا۔

اور انہوں نے کہا: کہاں ہم کہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اگلے اور پچھلے بظاہر خلاف اولیٰ سب کام بخش دیئے ہیں۔

ان میں سے ایک نے کہا: رہا میں تو میں ہمیشہ تمام رات نماز پڑھتا رہوں گا۔

اور دوسرے نے کہا: میں ساری عمر مسلسل روزے رکھوں گا اور کبھی روزہ ترک نہیں کروں گا۔

اور تیسرے نے کہا: میں ہمیشہ عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے اور ارشاد فرمایا:

تم وہ لوگ ہو جنہوں نے اس طرح اس طرح کہا تھا اور میں بے شک اللہ تعالیٰ کی قسم تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ متقی ہوں لیکن میں روزہ (نفلی) رکھتا ہوں اور (نفلی) روزہ چھوڑتا بھی ہوں اور (رات) نماز بھی پڑھتا ہوں اور نیند بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں سو جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5063)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چار چیزیں رسولوں کی سنت ہیں۔

1-ختنہ کرنا

2-عطر لگانا

3-مسواک کرنا

4-اور نکاح کرنا۔ (سنن ترمذی: رقم الحدیث: 1080)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے از راہ کرم تین اشخاص کی مدد اپنے ذمہ لے لی ہے۔

1-اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔

2-وہ مکاتب جو اپنا بدل کتابت ادا کرنے کی نیت رکھتا ہو۔

3-اور وہ شخص جو پاک دامن رہنے کی نیت سے نکاح کرے۔(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 2518)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دنیا ایک متاع ہے اور دنیا کی بہترین متاع نیک بیوی ہے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 1467)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کے بعد مومن کی سب سے بڑی خیر یہ ہے کہ اس کی بیوی نیک ہو اگر وہ اس کو کوئی حکم دے تو وہ اس کی اطاعت کرے اگر وہ اس کی طرف دیکھے تو وہ اس کو خوش کرے اور اگر وہ اس کے اوپر کوئی قسم کھائے تو وہ اس کو پورا کرے اور اگر وہ کہیں چلا جائے تو وہ اپنی ذات اور اس کے مال کی حفاظت کرے۔

(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 1857)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی عورت سے اس کی عزت کی وجہ سے نکاح کرے گا اس شخص کی ذلت میں اللہ تعالیٰ اضافہ کرے گا اور جو شخص کسی عورت سے اس کے مال کی وجہ سے نکاح کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے فقر میں اضافہ کرے گا اور جو شخص کسی عورت سے اس کے منصب کی وجہ سے نکاح کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی پستی میں اضافہ کرے گا اور جو شخص کسی عورت سے اس وجہ سے نکاح کرے گا کہ اس کی نظر نیچی رہے یا اس کی شرم گاہ گناہ سے بچتی رہے یا رشتہ جوڑنے کے لئے نکاح کرے گا اللہ تعالیٰ اس شخص کو اس نکاح میں برکت دے گا اور اس عورت کو بھی اس نکاح میں برکت دے گا۔

(معجم الاوسط: رقم الحدیث: 2527)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عورت سے اس کے جمال، اس کے مال، اس کے اخلاق اور اس کی دین داری کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے تم اس کی دین داری اور اس کے اخلاق کے سبب کو لازم کرلو۔

(مسند ابویعلیٰ: رقم الحدیث: 1012)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر عرض کیا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے ایک عزت والی مال دار اور منصب والی عورت مل رہی ہے لیکن اس کے ہاں اولاد

تی کیا میں اس سے نکاح کرلوں؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع فرمایا وہ پھر آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پھر منع فرمایا پھر وہ تیسری بار آیا۔
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: محبت کرنے والی اور بچے دینے والی عورت سے نکاح کرو کیونکہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 2050)

ایک اور روایت میں ہے: ابو نجیح سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص خوش حال ہو اور نکاح کی طاقت رکھتا ہو پھر بھی نکاح نہ کرے وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث: 5482)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نکاح میری سنت ہے جس نے میری سنت پر عمل نہیں کیا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے نکاح کرو کیونکہ تمہاری وجہ سے میری امت دوسری امتوں سے زیادہ ہوگی جس کے پاس طاقت ہو وہ نکاح کرے اور جس کے پاس طاقت نہ ہو وہ روزے رکھے کیونکہ روزے اس کی شہوت کو کم کریں گے۔

(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 1846)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دنیا کی (یہ چیزیں) میرے نزدیک محبوب کی گئی ہیں۔
1-عورتیں
2-خوشبو
3-اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں بنائی گئی ہے۔

(سنن النسائی: رقم الحدیث: 3949)

ایک اور روایت میں ہے: عبید بن سعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو میری فطرت سے محبت رکھتا ہے وہ میری سنت پر عمل کرے اور میری سنت نکاح

(مسند ابو یعلی: رقم الحدیث: 2740)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے قریش کے نوجوانو! زنا نہ کرو جس نے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی اس کے لیے جنت ہے (لہٰذا نکاح کرلو)۔ (معجم الاوسط: رقم الحدیث: 6896)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب انسان مر جاتا ہے تو تین چیزوں کے سوا اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔

1-صدقہ جاریہ

2-یا وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے

3-یا نیک بیٹا جو اس کے لئے دعا کرے۔ (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 1631)

ان تمام احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ نکاح کرنا کثیر فضائل سے خالی نہیں۔ انسان زنا سے بچ جاتا ہے اولاد کی اچھی تربیت کر کے ملک کی تعمیر او استحکام کے لئے افراد مہیا کرتا ہے۔ جب انسان بوڑھا ہو جاتا ہے تو اولاد اس کا سہارا بن جاتی ہے۔ بچوں کی وجہ سے انسان کے دل میں رحم اور ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ نیک اولاد کی وجہ سے ماں باپ کی مغفرت ہو جاتی ہے انسان کو بیوی کے ذریعہ سے سکون ملتا ہے۔

جس طرح کہ قرآن مجید میں ہے:

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ (الاعراف:189)

اللہ وہ ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی بنائی تا کہ وہ اس سے سکون حاصل کرے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اچھی طرح نماز پڑھتا ہو اس کے بچے زیادہ ہوں اور مال کم ہو اور وہ شخص مسلمانوں کی غیبت نہ کرتا ہو میں اور وہ جنت میں ایک ساتھ ہوں گے۔

(کنز العمال: رقم الحدیث: 43478)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

جب کسی شخص کے گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو بال بچوں کے غم میں مبتلا کر دیتا ہے۔

(مسند احمد: ج:6، ص:157)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

جس شخص نے اپنی دو بیٹیوں یا دو بہنوں یا اپنی دو رشتہ دار لڑکیوں پر خرچ کیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے غنی کر دیا یا ان سے کفایت کر دی تو وہ اس کے لئے دوزخ سے حجاب ہو جائیں گی۔

(معجم الکبیر: رقم الحدیث: 392)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے ارشاد فرمایا: تم میں سے جو عورت تین نابالغ بچوں کی موت پر صبر کرے گی وہ اس کے لئے دوزخ سے حجاب بن جائیں گے۔

ایک عورت نے پوچھا: اور دو پر؟

ارشاد فرمایا: دو پر بھی۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 1605)

اس سے ثابت ہوا کہ نکاح کرنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔ یتیم لڑکی سے نکاح کرنے اور حق مہر ادا کرنے کے متعلق یہ حدیث مبارکہ ہے۔

عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ

انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت (النساء: 3) کے متعلق سوال کیا۔

انہوں نے کہا: اے بھتیجے ایک سرپرست کے زیر پرورش ایک یتیم لڑکی ہوتی جو اس کے مال میں شریک ہوتی اس شخص کو اس کا مال اور اس کا حسن و جمال پسند آتا وہ اس کے مہر میں عدل و انصاف کئے بغیر اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا اور اس لڑکی کو مہر دوسرے لوگ دیتے اس سے کم مہر دینا چاہتا تو ایسے لوگوں کو ایسی یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے سے منع کیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ ان کے مہر میں عدل و انصاف کریں اور رواج کے مطابق ان جیسی لڑکیوں کو جتنا مہر ملتا ہے اتنا مہر ان کو ادا کریں تو ان یتیم لڑکیوں کے سوا اور لڑکیاں جو ان کو پسند ہوں ان سے نکاح کرلیں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 2494)

اور جہاں بہتری ماں باپ دیکھیں وہاں جس قدر جلدی ہو سکے تو ان کا نکاح کردیں جس طرح کہ احادیث مبارکہ میں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب تم کو وہ شخص نکاح کا پیغام دے جس کے دین اور اس کے خلق پر تم راضی ہو تو اس سے تم نکاح کردو اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو زمین میں فتنہ ہوگا اور بہت بڑا فساد ہوگا۔

(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 1967)

ایک اور روایت میں ہے: یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تمہارے پاس وہ شخص آئے جس کی امانت اور خلق پر تم راضی ہو تو اس کے ساتھ نکاح کردو خواہ وہ کوئی شخص ہو اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں بہت بڑا فتنہ ہوگا اور بہت بڑا فساد ہوگا۔

(مصنف عبدالرزاق: رقم الحدیث: 10325)

حضرت فاطمہ بن قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

حضرت ابو عمرو بن حفص رضی اللہ عنہ نے مجھے طلاق دے دی درآں حالیکہ وہ غائب تھے ان کے وکیل نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ جو بھیجے وہ ناراض ہو گئیں۔

وکیل نے کہا: بہ خدا! تمہارا ہم پر اور کوئی حق نہیں ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں اور یہ واقعہ بیان کیا۔

آپ نے فرمایا: تمہارا اس پر کوئی نفقہ واجب نہیں ہے۔ پھر آپ نے ان کو حکم دیا کہ وہ ام شریک کے گھر عدت گزاریں۔ پھر فرمایا: ان کے ہاں تو میرے اصحاب آتے رہتے ہیں تم ابن ام مکتوم کے گھر عدت گزارو کیونکہ وہ ایک نابینا شخص ہے آرام سے اپنے کپڑے رکھ سکو گی اور جب تمہاری عدت پوری ہو جائے تو مجھے خبر دینا۔

وہ کہتی ہیں کہ

جب میری عدت پوری ہو گئی تو میں نے آپ کو بتایا کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان اور حضرت ابو جہم رضی اللہ عنہما نے مجھے نکاح کا پیغام دیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ابو جہم تو اپنے کندھے سے لاٹھی اتارتا ہی نہیں اور رہے معاویہ تو وہ مفلس آدمی ہیں۔ ان کے پاس مال نہیں ہے تم اسامہ بن زید سے نکاح کرلو۔ میں نے ان کو ناپسند کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ارشاد فرمایا:

اسامہ سے نکاح کرلو تو میں نے ان سے نکاح کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے اس نکاح میں بہت خیر کی اور عورتیں مجھ پر رشک کرتی تھیں۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 1480)

اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کا حکم

علامہ شہاب الدین ابو الفضل سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

حربی عورتوں سے نکاح جائز نہیں ہے یہ آیت (مائدہ: 25) ذمی عورتوں کیساتھ خاص ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (مجادلہ: 22)

جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے ہیں آپ ان لوگوں کو ان سے محبت کرنے والا نہ پائیں گے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے عداوت رکھتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے دشمنوں کے ساتھ محبت اور مؤدت رکھنے سے منع فرمایا ہے اور نکاح ...ت کا سبب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَ جَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ط (روم: 21)

اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کیے تا کہ تم ان سے سکون پاؤ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھ دی ہے۔

علامہ ابو بکر حصاص نے فرمایا ہے کہ

ہمارے نزدیک اس دلیل سے کراہت ثابت ہوتی ہے اور ہمارے اصحاب حربی عورتوں سے نکاح کرنے کو مکروہ کہتے ہیں ...شیعہ حضرات حربی عورتوں سے نکاح کرنے کو ناجائز کہتے ہیں۔

ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان مہاجر عورتوں کے ماسوا تمام عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے اور ...ام کے سوا کسی اور دین کی عورتوں سے نکاح کرنے کو حرام فرمایا ہے۔

اور امام عبد الرزاق اور امام ابن منذر نے روایت کیا ہے کہ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے یہودی اور نصرانی عورتوں سے نکاح کے بارے میں سوال کیا گیا۔

تو انہوں نے فرمایا:

ہم نے فتح مکہ مکرمہ کے زمانہ میں جب مسلمان عورتیں کثرت سے دستیاب نہ تھیں ان سے نکاح کیا اور جب ہم لوٹے تو ان کو طلاق دے دی۔

ابن جریر نے حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ

ان سے پوچھا گیا۔

کیا کوئی شخص اہل کتاب کی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے؟

انہوں نے کہا: اس کا اہل کتاب سے کیا واسطہ؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتیں بکثرت پیدا کی ہیں اگر اس نے کتابیہ ...ح کرنا ہی ہو تو غیر مسافحہ سے نکاح کرے۔

...چھا گیا: مسافحہ کون ہے؟

...مایا: جس کو مرد آنکھ سے اشارہ کرے تو وہ اس کے ساتھ چل پڑے۔

...ح المعانی: ج: 6، ص: 66 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

...سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی 1252ھ

اہل کتاب عورتوں سے دار الکفر میں نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ وہاں کفار کا غلبہ ہوتا ہے اور مسلمان وہاں آزاد شرح صدر کے ساتھ اپنے بچوں کو تعلیم اور تربیت نہیں دے سکے گا اور دار الاسلام میں بلا ضرورت اہل کتاب عورتوں سے کرنا مکروہ تنزیہی ہے واضح رہے کہ اہل کتاب سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو اللہ تعالیٰ کو، نبی کو اور آسمانی کتاب کو مانتے خواہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے قائل ہوں۔ (ردالمحتار: ج:4،ص:101 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

درمختار میں ہے: کتابیہ عورت سے نکاح صحیح ہے اگر چہ مکروہ تنزیہی ہے بشرطیکہ وہ عورت کسی مرسل نبی پر ایمان رکھتی کسی منزل من اللہ کتاب کا اقرار کرتی ہو اگر چہ عمومی طور پر وہ نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو الٰہ مانتے ہوں یونہی ان کا ذبیحہ بھی میں حلال ہے۔ (درمختار: ج:1،ص:189 مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی)

فتح القدیر بحوالہ المستصفی میں ہے: ان کا ذبیحہ کھانا اور ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔

(فتح القدیر بحوالہ المستصفی: ج:3،ص:135 مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

نکاح غیر کفو

نکاح غیر کفو کے سلسلے میں سب سے پہلے احادیث مبارکہ بیان کی جاتی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم کو وہ شخص نکاح کا پیغام دے جس کے دین اور خلق پر تم راضی ہو سے تم (اپنی لڑکی کا) نکاح کر دو اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو زمین میں فتنہ ہو گا اور بہت بڑا فساد ہو گا۔

(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 1967)

ایک اور روایت میں ہے: یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تمہارے پاس وہ شخص آئے جس کی امانت اور خلق پر تم راضی ہو تو ساتھ نکاح کر دو خواہ وہ کوئی شخص ہو اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں بہت بڑا فتنہ ہو گا اور بہت بڑا فساد ہو گا۔

(مصنف عبد الرزاق: رقم الحدیث: 10325)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

حضرت ابو عمرو بن حفص رضی اللہ عنہ نے مجھے طلاق دے دی درآں حالیکہ وہ غائب تھے ان کے وکیل نے حضرت رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ جو بھیجے وہ ناراض ہو گئیں۔

وکیل نے کہا: بہ خدا تمہارا ہم پر اور کوئی حق نہیں ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور یہ واقعہ بیان کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارا اس پر کوئی نفقہ واجب نہیں ہے پھر آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ ام گھر عدت گزاریں۔

پھر ارشاد فرمایا: ان کے ہاں تو میرے اصحاب آتے رہتے ہیں تم ابن ام مکتوم کے گھر عدت گزارو کیونکہ وہ ایک نابینا شخص ہے تم آرام سے اپنے کپڑے رکھ سکوگی اور جب تمہاری عدت پوری ہو جائے تو مجھے خبر دینا۔

وہ فرماتی ہیں کہ

جب میری عدت پوری ہو گئی تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان اور حضرت ابوجہم رضی اللہ عنہما نے مجھے نکاح کا پیغام دیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ابوجہم تو اپنے کندھے سے لاٹھی اتارتا ہی نہیں اور رہے معاویہ (رضی اللہ عنہ) تو وہ مفلس آدمی ہیں ان کے پاس مال نہیں ہے تم اسامہ بن زید سے نکاح کر لو۔ میں نے ان کو ناپسند کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اسامہ سے نکاح کر لو میں نے ان سے نکاح کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے اس نکاح میں بہت خیر کی اور عورتیں مجھ پر رشک کرتی تھیں۔

حضرت فاطمہ بن قیس رضی اللہ عنہا قریش کے ایک معزز گھرانے کی خاتون تھیں۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ غلام زادے تھے ان کے کفو نہ تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نکاح کر کے یہ واضح فرما دیا کہ غیر کفو میں نکاح جائز ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

عتبہ بن ربیعہ بن عبدالشمس کے بیٹے ابو حذیفہ جنگ بدر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے سالم کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا۔ سالم ایک انصاری عورت کے غلام تھے۔ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے سالم کے ساتھ اپنی سگی بھتیجی ہند بنت الولید بن عتبہ بن ربیعہ کا نکاح کر دیا تھا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5088)

اس حدیث مبارکہ میں بھی یہ مذکور ہے کہ ایک آزاد قریشیہ کا نکاح ایک غلام سے کیا گیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کسی عورت کے ساتھ چار وجوہ سے نکاح کیا جاتا ہے اس کے مال کی وجہ سے اس کے خاندانی محاسین کی وجہ سے اس کے جمال کی وجہ سے اور اس کی دین داری کی وجہ سے سو تم اس کی دین داری میں کوشش کرو تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5090)

ان احادیث مبارکہ میں یہ تصریح ہے کہ نکاح کے جواز کے لئے نسب میں کفو اور مماثلت کی شرط لگانا از روئے اسلام صحیح نہیں ہے بلکہ جہاں متقی لڑکا دیکھو تو وہاں اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح کر دو کیونکہ یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔

فقہاءاربعہ کا نظریہ

فقہاء اربعہ کے غیر کفو میں نکاح کے متعلق درج ذیل نظریات ہیں۔

مالکیہ کا نظریہ

امام سحنون بن سعید تنوخی متوفی 256ھ امام عبدالرحمٰن بن قاسم مالکی سے پوچھتے ہیں۔

میں نے کہا: یہ بتلایئے کہ اگر بیوہ عورت کو کوئی شخص نکاح کا پیغام دے اور اس کا والد یا ولی اس شخص سے نکاح کرنے سے انکار کرے اور یہ مقدمہ قاضی کے پاس لے جائے اور پیغام دینے والا حسب اور شرف میں ہر چند کہ لڑکی سے کم ہو لیکن دین میں اس کو کفو ہو اور لڑکی اس سے نکاح پر راضی ہو اور ولی راضی نہ ہو۔

امام ابن قاسم نے جواب دیا کہ

قاضی اس شخص سے نکاح کر دے اور لڑکی کی رضا مندی کے بعد باپ اور ولی کے قول کی طرف نہ دیکھے وہ دین میں اس کا کفو ہے۔

امام ابن قاسم نے کہا: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہی نظریہ ہے۔

میں نے کہا: یہ بتلایئے کہ اگر وہ دین میں اس کا کفو ہو اور مال میں اس کا کفو نہ ہو لڑکی اس کے ساتھ نکاح پر راضی ہو اور اس کا ولی راضی نہ ہو ایسی صورت میں قاضی اس عورت کا اس شخص سے نکاح کرے یا نہیں۔

امام ابن قاسم نے کہا: میں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مسئلہ نہیں سنا لیکن ان سے یہ سنا ہے کہ غلاموں کا عرب خواتین سے نکاح جائز ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری شناخت کے لیے تمہیں گروہوں اور قبائل میں بنایا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

میں نے کہا: یہ بتلایئے کہ اگر ایک عرب عورت کسی غلام سے نکاح پر راضی ہو اور اس کا باپ ولی راضی نہ ہو در آں حالیکہ عورت بیوہ ہو کیا قاضی اس کا نکاح کر سکتا ہے۔

امام ابن قاسم نے کہا: اس کا بھی وہی جواب ہے یعنی کر سکتا ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا۔

بعض لوگ غلاموں اور عربیوں میں فرق کرتے ہیں تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بہت بھاری سمجھا۔

اور ارشاد فرمایا:

تمام اہل اسلام ایک دوسرے کے کفو ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىٕلَ لِتَعَارَفُوْاؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْؕ (المدونۃ الکبریٰ: ج:2،ص:144 تا 145 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فقہاء شافعیہ کا نظریہ

امام محمد بن ادریس شافعی متوفی 204ھ فرماتے ہیں:

جب ولی اقرب لڑکی کی اجازت سے غیر کفو میں نکاح کر دیں تو باقی اولیاء کو اس نکاح کے مسترد کرانے کا حق نہیں ہے جن کی بہ نسبت یہ ولی اقرب ہے کیونکہ اس کے مقابلہ میں ان کی ولایت نہیں ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

غیر کفو میں نکاح حرام نہیں ہوتا جو مطلقاً رد کر دیا جائے غیر کفو کی وجہ سے لڑکی اور اس کے اولیاء پر نقص ہے اور جب وہ اس نقص کو برداشت کرنے پر تیار ہیں تو میں اس نکاح کو رد نہیں کروں گا۔

(کتاب الام: ج:5،ص:15 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی 973ھ لکھتے ہیں:

آئمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ

جب لڑکی اور اس کے اولیاء راضی ہوں تو غیر کفو میں نکاح صحیح ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں صحیح نہیں ہے۔

(المیزان الکبریٰ: ج:2،ص:110 مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البابی مصر)

فقہاء حنبلیہ کا موقف

علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد قدامہ حنبلی متوفی 620ھ لکھتے ہیں:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ

کفو ہونا نکاح کی شرط نہیں ہے اور یہی اکثر اہل علم کا قول ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ

حضرت عبید بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حماد بن ابی سلمان رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابن عون رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

اور فقہاء احناف کا یہی نظریہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ نے سالم کو بیٹا بنایا اور ان کے ساتھ اپنی بھتیجی ہند بنت الولید بن عتبہ (قرشیہ) کا نکاح کر دیا حالانکہ حضرت سالم ایک انصاری عورت کے آزاد شدہ غلام تھے۔

اس حدیث مبارکہ کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس (قرشیہ) رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ وہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے نکاح کریں اور حضرت زینب بنت جحش اسعدیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے باپ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کر دیا حالانکہ وہ آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن سے کہا۔

میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ تم صرف مسلمان سے نکاح کرنا خواہ وہ گورا رومی ہو یا کالا حبشی، نیز کفو کی وجہ سے عورت اس کے ولی یا دونوں کے نکاح کرنے کا حق اور اختیار ختم نہیں ہوتا اس لیے جس طرح عیب سے بری ہونا نکاح میں شرط نہیں ہے اسی طرح کفو بھی نکاح میں شرط نہیں ہے۔ (المغنی: ج:7، ص:26 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فقہاء احناف کا نظریہ

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی 483ھ لکھتے ہیں:

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

جب عورت غیر کفو میں شادی کرے اور اس کے اولیاء میں سے کوئی ایک راضی ہو تو نکاح جائز ہے اور اس جیسا یا اس سے دور کا ولی اس نکاح کو مسترد کرنے کا مجاز نہیں ہے البتہ اگر اس سے زیادہ قریب ولی اختلاف کرے تو وہ تفریق کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ (المبسوط: ج:5، ص:26 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

علامہ محمد شہاب الدین ابن بزاز کردی حنفی متوفی 827ھ لکھتے ہیں:

عالم، عربی، قرشی اور علوی کا کفو ہے۔ (فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الہندیہ: ج: 4، ص: 116 مطبوعہ بولاق مصر)

علامہ داؤد آفندی حنفی متوفی 1078ھ لکھتے ہیں:

اگر عورت غیر کفو میں نکاح کرے تو اس کے ولی کو تفریق کرانے کا حق ہے اور اگر اولیاء میں سے ایک بھی راضی ہو جائے تو دوسرے کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔

(مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر: ج: ۱، ص: 343 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ عثمان بن علی زیلعی حنفی متوفی 743ھ لکھتے ہیں:

جو عورت غیر کفو میں نکاح کرے تو ولی اس کے تفریق کرا سکتا ہے اور ظاہر الروایت کے مطابق نکاح صحیح ہے اور اگر بعض راضی ہو جائیں تو یہ کل کی رضا کے برابر ہے مگر یہ کہ ولی اقرب راضی نہ ہو۔ (تبیین الحقائق: ج: 2، ص: 128 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی متوفی 1088ھ لکھتے ہیں:

لڑکی اور اولیاء کی مرضی سے غیر کفو میں نکاح جائز ہے اور اگر اولیاء راضی نہ ہوں تو ان کو فسخ کا اختیار ہے۔

(درمختار: ج: 2، ص: 437 مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول)

ملا نظام الدین متوفی 1157ھ لکھتے ہیں:

جب عورت از خود غیر کفو میں نکاح کرے تو ظاہر الروایۃ کے مطابق نکاح صحیح ہے۔

امام ابو حنیفہ، امام ابو حسن اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم کا آخری قول یہی ہے البتہ اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہے۔

(عالمگیری: ج: ۱، ص: 292 مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر)

علامہ سید ابن عابدین شامی حنفی متوفی 1252ھ لکھتے ہیں:

علامہ نوح نے حاشیہ درر میں لکھا ہے کہ

امام ابو الحسن الکرخی اور امام ابو بکر جصاص یہ دونوں عراق کے بہت بڑے عالم تھے انہوں نے اور جو مشائخ عراق ان کے پیروکار تھے ان سب نے کہا ہے کہ نکاح میں کفو کا اعتبار نہیں ہے اور اگر ان اماموں کے نزدیک امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایسا قول ہوتا تو وہ اس قول کو اختیار نہ کرتے۔ (ردالمحتار: ج: 4، ص: 150 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

سادات کا غیر فاطمیوں سے نکاح

تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ سیدات کے نکاح غیر فاطمی مردوں سے کیے گئے ہیں۔

امام بخاری متوفی 256ھ لکھتے ہیں:

ثعلبہ بن ابی مالک سے روایت ہے کہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کی خواتین میں چادریں تقسیم فرمائیں ایک قیمتی چادر بچ گئی۔

بعض اہل مجلس نے کہا: اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ! یہ چادر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کو دے دیجئے جو

آپ کے نکاح میں ہیں۔ان کی مراد حضرت سیدہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا تھی۔

(صحیح البخاری: ج:1 ص:403 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

امام محمد بن عبد اللہ بن مسلم ابن قتیبہ متوفی 276ھ لکھتے ہیں:

حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا جو حضرت سیدتنا فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی تھیں وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں اور ان کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اولاد بھی ہوئی۔(المعارف: ص:92 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی متوفی 456ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دختر تھیں ان کا نکاح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ہوا اور ان سے زید پیدا ہوئے۔(جمہرۃ انساب العرب: ص:38 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت سیدہ فاطمہ بنت حسین اور حضرت سیدہ سکینہ بنت حسین رضی اللہ عنہن کے غیر فاطمی نوجوانوں سے نکاح ہوئے۔

امام ابو محمد عبد اللہ بن مسلم ابن قتیبہ متوفی 276ھ لکھتے ہیں:

حضرت سیدہ فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہا کا حسن بن حسن بن علی سے نکاح ہوا پھر ان کے بعد ان کا نکاح عبد اللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان سے ہوا۔

اور حضرت سیدہ سکینہ بنت حسین رضی اللہ عنہا کا نکاح مصعب بن زبیر سے ہوا۔ان کی وفات کے بعد ان کا نکاح عبد اللہ بن عثمان بن عبد اللہ بن حکیم بن حزم سے ہوا۔ان سے قرین پیدا ہوئے اور ان کی نسل چلی۔پھر حضرت سکینہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اصبغ بن عبد العزیز بن مروان سے ہوا انہوں نے دخول سے پہلے آپ کو طلاق دے دی پھر آپ کا نکاح زید بن عمرو بن عثمان بن عفان سے ہوا۔انہوں نے سلیمان بن عبد الملک کے حکم سے آپ کو طلاق دے دی اور ہشام کی خلافت کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں آپ کی وفات ہوگئی۔یہ ابو الیقظان کا قول ہے۔

اور ہیثم بن عدی نے بیان کیا ہے کہ

سیدہ سکینہ رضی اللہ عنہا کا نکاح عمرو بن حکیم بن حزم سے ہوا اس کے بعد آپ کا نکاح عمرو بن عثمان بن عفان سے ہوا اس کے بعد آپ کا نکاح مصعب بن زبیر سے ہوا۔

اور ابن الکلبی نے کہا کہ

سکینہ کے پہلے شوہر اصبغ بن عبد العزیز تھے جو عمر بن عبد العزیز کے بھائی تھے وہ مصر میں آپ کو دیکھنے سے پہلے فوت ہو گئے اس کے بعد آپ کا نکاح زید بن عمرو بن عثمان بن عفان سے ہوا پھر اس کے بعد آپ کا نکاح مصعب بن زبیر سے ہوا۔پھر آپ کا نکاح عبد اللہ بن عثمان بن عبد اللہ بن حکیم بن حزام سے ہوا۔ان سے عثمان پیدا ہوئے جن کو قرین کہتے ہیں اور مصعب سے آپ کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی اس کے بعد آپ کا نکاح ابراہیم بن عبد الرحمان بن عوف سے ہوا جو ابراہیم بن سعد کے دادا تھے۔(المعارف: ص:93 تا 94 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

امام محمد بن سعد متوفی 230ھ لکھتے ہیں:

حضرت سیدہ سکینہ بنت حسین رضی اللہ عنہا سے سب سے پہلے حضرت مصعب بن زبیر نے عقد کیا ان سے فاطمہ پیدا ہوئیں پھر وہ شہید ہو گئے تو ان کا عقد عبداللہ بن عثمان بن عبداللہ بن حکیم بن حزام سے ہوا ان سے عثمان حکیم اور ربیحہ پیدا ہوئے ان کی وفات کے بعد ان کا نکاح زید بن عمرو بن عثمان بن عفان سے ہوا اور ان کی وفات کے بعد سیدہ سکینہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ابراہیم بن عبدالرحمان بن عوف زہری سے ہوا یہ نکاح سیدہ سکینہ رضی اللہ عنہا نے از خود کیا تھا۔

وہ تین ماہ ان کے ساتھ رہیں پھر ہشام بن عبدالملک نے مدینہ کے والی کو حکم دیا کہ ان میں تفریق کر دی جائے (کیونکہ بعض فقہاء کے نزدیک عورت اپنا نکاح خود نہیں کر سکتی) سو ان میں تفریق کر دی گئی۔

بعض علماء کرام نے کہا ہے کہ

زید بن عمرو بن عثمان کی وفات کے بعد سکینہ کا نکاح اصبغ بن عبدالعزیز بن مروان سے ہوا۔

(طبقات کبریٰ: ج:8، ص:475 مطبوعہ دار صادر بیروت)

حضرت حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کی صاحبزادیوں کے نکاح غیر فاطمی نوجوانوں سے ہوئے۔

شیخ ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی متوفی 456ھ لکھتے ہیں:

حضرت حسن بن حسن کی صاحبزادیوں کی تفصیل

1-سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

یہ عبداللہ، ابراہیم اور حسن کی بہن ہیں۔ ان کا نکاح ولید بن عبدالملک بن مروان سے ہوا۔

2-سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا

یہ بھی ان کی بہن ہیں ان کا نکاح اپنے عم زاد محمد بن علی بن الحسین سے ہوا۔

3-اور سیدہ فاطمہ بنت الحسن بن الحسن رضی اللہ عنہا

ان کا نکاح معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب سے ہوا۔

اور ان سے حسن، صالح اور یزید پیدا ہوئے۔ یہ فاطمہ ام ولد کی لڑکی تھیں اس کے بعد ان کا نکاح ایوب بن مسلمہ بن عبداللہ بن ابو سید بن مغیرہ سے ہوا۔

4-اور سیدہ ملیکہ بنت الحسن بن الحسن رضی اللہ عنہا ہیں۔

یہ جعفر اور داؤد کی بہن ہیں ان کا نکاح جعفر بن معدوب بن زبیر سے ہوا ان سے ایک لڑکی ہوئی۔

5-اور سیدہ ام القاسم بنت الحسن بن الحسن رضی اللہ عنہا ہیں۔

یہ سیدہ ملیکہ کی بہن ہیں ان کا نکاح مروان بن ابان بن عثمان سے ہوا اور ان سے محمد پیدا ہوئے۔ اس کے بعد ان کا نکاح اپنے عم زاد علی بن الحسین رضی اللہ عنہما سے ہوا۔ (جمہرۃ انساب العرب، ص:42 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ)

حضرت علی بن حسین بن علی بن ابی طالب (زین العابدین) کی چھ صاحبزادیاں ہوئیں ان میں سے صرف ا[یک]
صاحبزادی کا نکاح فاطمی نوجوان سے باقی پانچ صاحبزادیوں کا نکاح غیر فاطمی نوجوانوں سے ہوا۔
شیخ ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی متوفی 456ھ لکھتے ہیں:
1- سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نکاح محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب سے ہوا۔
2- سیدہ عبرہ رضی اللہ عنہا کا نکاح محمد بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب سے ہوا۔
اس کے بعد ان کا نکاح علی بن الحسن بن الحسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب سے ہوا۔
اس کے بعد ان کا نکاح نوح بن ابراہیم بن محمد بن طلحہ بن عبیداللہ سے ہوا۔
3- اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح داؤد بن الحسن بن الحسن سے ہوا۔
4- اور سیدہ ام الحسن رضی اللہ عنہا کا نکاح داؤد بن علی بن عبیداللہ بن العباس بن عبدالمطلب سے ہوا ان سے موسیٰ پیدا ہوئے۔
5- اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں ان کا نکاح داؤد بن علی بن عبداللہ ابی طالب سے ہوا اس کے بعد ان کا نکاح عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر سے ہوا۔
6- اور سیدہ ام الحسین رضی اللہ عنہا ہیں ان کا نکاح ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس سے ہوا۔
(جمہرۃ انساب العرب: ص: 52 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ)
اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سیدہ کے غیر سید سے جواز پر کئی فتاویٰ ہیں۔
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں:
مسئلہ: از پردہ ضلع ہوشنگ آباد محلہ مانپورہ مسئولہ حافظ شاہ افضل خان صاحب: 27 محرم 1336ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرح متین مسائل ذیل میں براہ کرم جواب سے مع دلائل نقلی کے مشرف وممنون فرمائیں۔
1- ایک عورت ہے جو نسبی سیدہ ہے اس سے کسی شخص نے جو نسباً سید نہیں ہے نکاح کیا تو اس کو لوگ کافر کہتے ہیں کیا شخص مذکورہ کافر ہوا یا نہیں اگر نہیں ہوا تو کہنے والوں پر شریعت کا کیا حکم ہے۔
2- عورت بالغہ ہے جو نسباً سیدہ ہے باکرہ ہو یا مطلقہ کسی شخص سے جو نسباً سید نہیں ہے نکاح کرے تو جائز ہوگا یا نہیں؟
3- مرد غیر سید نے سید عورت سے نکاح کیا اور اگر وہ نکاح جائز ہوا تو جو اولاد اس سے پیدا ہوگی وہ نسباً سید کہلائے گی یا نہیں۔ بینوا و توجروا

الجواب

1- حاشا اللہ اسے کفر سے کیا علاقہ کافر کہنے والوں کو تجدید اسلام چاہئے کہ بلاوجہ مسلمان کو کافر کہتے ہیں۔ امیر المؤ[منین]

مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے اپنی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے بطن پاک حضرت بتول زہراء رضی اللہ عنہا سے تھیں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دیں۔ اور ان سے حضرت زید بن عمر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نسباً سادات سے نہیں۔

2-سیدہ عاقلہ بالغہ اگر ولی رکھتی ہے تو جس کفو سے نکاح کرے گی ہو جائے گا اگرچہ سید نہ ہو مثلاً شیخ صدیقی یا فاروقی یا عثمانی یا علوی یا عباسی اور اگر غیر کفو سے بے اجازت صریحہ ولی نکاح کرے گی تو نہ ہوگا جیسے کسی شیخ انصاری یا مغل پٹھان سے مگر جبکہ وہ معزز عالم دین ہو۔

3-جب باپ سید نہ ہو اولاد سید نہیں ہو سکتی اگرچہ ماں سیدانی ہو۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ: ج:5، ص:299 مطبوعہ سنی دارالاشاعت فیصل آباد)

نیز اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

مسئلہ: از شہر کہنہ 4 رمضان المبارک 1313ھ

ما قولھم رحمھم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ پٹھان کے لڑکے اور سید کی لڑکی سے نکاح جائز ہے یا نہیں۔

بینوا و توجروا

الجواب

سائل مظہر کہ لڑکی جوان ہے اور اس کا باپ زندہ دونوں کو معلوم ہے کہ یہ پٹھان ہے اور دونوں اس عقد پر راضی ہیں۔ باپ خود اس کے سامان میں ہے جب صورت یہ ہے تو اس نکاح کے جواز میں اصلاً شبہ نہیں **کما نص علیہ فی رد المحتار وغیرہ من الاسفار**

واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ: ج:5، ص:287 مطبوعہ دارالاشاعت فیصل آباد)

مسئلہ: مرسلہ حاجی موسیٰ عربی 3 ذی قعدہ 1323ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ سادات کرام بیبیوں سے غیر قوم غیر سید مثل شیخ، مغل، پٹھان وغیرہ کا نکاح جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

سید ہر قوم کی عورت سے نکاح کر سکتے ہیں اور سیدانی کا نکاح قریش کے ہر قبیلے سے ہو سکتا ہے خواہ علوی یا عباسی یا جعفری یا صدیقی یا فاروقی یا عثمانی یا اموی۔ رہے غیر قریش جیسے انصاری یا مغل یا پٹھان ان میں جو عالم دین معظم مسلمین ہو اس سے بھی اس کا نکاح ہو سکتا ہے ورنہ اگر سیدانی نابالغہ ہے اور اس غیر قریش کے ساتھ اس کا نکاح کرنے والا ولی باپ یا دادا نہیں تو نکاح نہ ہوگا اگرچہ چچا یا سگا بھائی کرے اور اگر [illegible] پہلے کر چکے ہوں تو اب ان کے کیے بھی نہ ہو

سکے گا اور اگر بالغہ ہے اور اس کا کوئی ولی نہیں تو وہ اپنی خوشی سے اس غیر قریشی سے اپنا نکاح کر سکتی ہے اور اگر اس کا کوئی ولی یعنی باپ، دادا، پردادا ان کی اولاد و نسل سے کوئی مرد موجود ہے اور اس نے پیش از نکاح اس شخص کو غیر قریشی جان کر صراحتہً اس نکاح کی اجازت دے دی جب بھی جائز ہوگا ورنہ بالغہ کا کیا ہوا بھی باطل محض ہوگا۔ ان تمام مسائل کی تفصیل درمختار و ردالمحتار وغیرہا کتب معتمدہ مذہب اور فقیر کے فتاویٰ میں متعدد جگہ ہیں۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ: ج:5، ص:292 تا 293 مطبوعہ سنی دارالاشاعت فیصل آباد)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: سوال: اس مسئلہ میں آپ کا کیا ارشاد ہے کہ آیا عجمی عالم سیدہ کا کفو ہے یا نہیں؟

قرآن مجید سے اس کا جواب دیں اور اجر پائیں!

(جواب) ہاں دیندار عالم سیدہ کا کفو ہے کیونکہ علم کی فضیلت نسب کی فضیلت سے زائد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں کو بلند کرتا ہے اور عالموں کو بہت درجات بلندیاں دیتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

کیا علم والے اور بے علم برابر ہیں؟

اور امام کردری نے وجیز میں لکھا ہے کہ

عالم، جاہل، عربی کا کفو ہے کیونکہ علم کا مرتبہ زیادہ بلند اور زیادہ قوی ہے اسی طرح فقیر عالم جاہل غنی کا کفو ہے اور غیر قرشی عالم جاہل قرشی اور جاہل علوی کا کفو ہے۔ (فتاوی رضویہ: ج:5، ص: 291 مطبوعہ سنی دارالاشاعت فیصل آباد)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی 1252ھ لکھتے ہیں:

علامہ حامد آفندی حنفی سے سوال کیا گیا کہ

ایک ہاشمی شخص نے دانستہ اپنی مرضی سے اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح ایک غیر ہاشمی شخص سے کر دیا آیا یہ نکاح صحیح ہے۔

جواب

ہاں اس صورت میں نکاح صحیح ہے۔ (تنقیح الفتاوی الحامدیہ: ج:1، ص: 21 مطبوعہ کوئٹہ)

نکاح سے قبل عورت کے چہرے کو دیکھنا

انسان جب نکاح کا ارادہ کرے تو نکاح کرنے سے قبل اس کو چاہئے عورت کو دیکھ لے اور یہ جائز ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک انصاری نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا۔

کیا تم نے اس عورت کو دیکھا ہے؟
انہوں نے کہا: نہیں۔
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ اس کو دیکھ لیں۔
(سنن النسائی: رقم الحدیث: 3234)

ایک اور روایت میں ہے:
بکر بن عبداللہ مزنی سے روایت ہے کہ
حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔
تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اس کو دیکھ لو تمہارے درمیان دائمی رفاقت کے لئے یہ زیادہ مناسب ہے۔
(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 1087)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیٹھا ہوا تھا۔
ایک شخص نے آ کر عرض کیا کہ
اس نے ایک انصاری عورت سے نکاح کر لیا ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
کیا تم نے اس کو دیکھ لیا تھا۔
اس نے عرض کیا:
نہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جاؤ جا کر دیکھ لو کیونکہ انصار کی آنکھوں میں کچھ (عیب) ہوتا ہے۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 3381)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی 676ھ لکھتے ہیں:
امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ مستحب ہے کہ جو شخص کسی عورت سے نکاح کا ارادہ رکھتا ہو وہ نکاح سے قبل اس عورت کو دیکھ لے۔
قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

بعض علماء کرام کے نزدیک یہ مکروہ ہے لیکن یہ قول خطاء پر مبنی ہے اور اس باب کی احادیث مبارکہ کے خلاف ہے۔ امت کا اس پر اجماع ہے کہ ضرورت کے وقت عورت کا چہرہ دیکھنا جائز ہے مثلاً خرید وفروخت یا شہادت کے وقت، نکاح لئے صرف عورت کے چہرے اور ہاتھوں کو دیکھنا جائز ہے کیونکہ ان اعضاء کا چھپانا ضروری نہیں ہے نیز چہرے سے عورت حسین ہونے یا نہ ہونے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور ہاتھوں سے بدن کی خصوصیات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ہمارا اور جمہ یہی نظریہ ہے۔

اور شیخ داؤد ظاہری نے یہ کہا ہے کہ (وہابی)

عورت کے تمام بدن کو دیکھنا جائز ہے یہ قول غلط اور فاحش ہے اور اصول سنت اور اجماع کے خلاف ہے۔

پھر ہمارا اور جمہور کا نظریہ یہ ہے کہ

عورت کو دیکھنے کے لیے اس کی رضامندی ضروری نہیں ہے بلکہ عورت کو اطلاع دیئے بغیر اس کی لاعلمی میں اس کو دیکھ چاہئے۔

(شرح مسلم للنواوی: ج:1، ص:457 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

قوم لوط کا نکاح کرنے کو مسترد کرنا اور اپنی قبیح خواہش کا اظہار کرنا

جب حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں ان سے نکاح کرلو تو قوم لوط نے کہا آپ خوب جا ہیں کہ ان میں ہماری کوئی دلچسپی نہیں ہے اور آپ خوب جانتے ہیں کہ ہماری کیا خواہش ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ۝ (ھود:79)

انہوں نے کہا آپ خوب جانتے ہیں کہ آپ کی (قوم) کی بیٹیوں میں ہماری کوئی دلچسپی نہیں ہے اور آپ خوب جانتے ہیں کہ ہماری کیا خواہش ہے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

سب بیک زبان بولے یا ایک ان سب میں زیادہ بے باک سب کی طرف سے بولا اے لوط (علیہ السلام) البتہ پہلے ہی جانا ہوا ہے کہ نہیں ہے ہمیں کوئی حاجت تیری ان قومی بیٹیوں میں جو ہماری بیویاں بنی ہوئی ہیں۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:233 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قوم لوط کی بیویوں کا حضرت لوط علیہ السلام کے پاس حق زوجیت کی شکایت لے کر آنا

قوم لوط اپنی بیویوں کے پاس مباشرت کے لئے نہیں جاتے تھے اور نہ ہی ان میں کوئی رغبت رکھتے تھے تو وہ عور زوجیت کی سفارش کے لئے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آتی تھیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

یعنی تو ہم کو پہلے سے ہی جانتا ہے ہماری بیویاں حق زوجیت ادا نہ کرنے کی شکایت تیرے پاس ہی لے کر آتی ہیں یا تو نے ...کھوں سے کئی دفع دیکھا ہوگا کہ ہم بیویوں سے بالکل دور ہیں ہم کو بیویوں سے بالکل شہوت نہیں آتی لہٰذا اب ہمیں ان کی کیا ...اجت رہی۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:233 نعیمی کتب خانہ لاہور)

...وم لوط کی طبیعت کتوں جیسی ہو گئی تھی

قوم لوط کی طبیعت کتوں جیسی ہو گئی تھی جس طرح کہ کتے کو اس وقت تک شہوت نہیں آتی جب تک کتیا میں خاص بو پیدا ...یں ہوتی۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

تاریخوں میں لکھا ہے کہ

ان کی طبیعت بالکل کتوں اور جانوروں جیسی ہو گئی تھی جس طرح کتے کو اس وقت تک شہوت نہیں آتی جب تک کتیا میں وہ ...اص بو پیدا نہیں ہوتی۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:233 نعیمی کتب خانہ لاہور)

...م لوط کا بیویوں کو دیکھ کر یا خلوت صحیحہ میں بھی شہوت نہیں آتی تھی

قوم لوط وہ بد بخت قوم تھی جن کی شہوت اپنی عورتوں پر ختم ہو چکی تھی اگر چہ وہ بیوی کو دیکھتے رہتے یا ان کے ساتھ خلوت صحیحہ ...ں ہوتے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

تاریخوں میں لکھا ہے کہ

ان کی طبیعت بالکل کتوں اور جانوروں جیسی ہو گئی تھی جس طرح کتے کو اس وقت تک شہوت نہیں آتی جب تک کتیا میں وہ ...ں بو نہیں پیدا ہوتی اسی طرح ان لوگوں کو بیویوں کو دیکھ کر یا خلوت صحیحہ میں جا کر بھی شہوت نہیں پیدا ہوتی تھی۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:233 نعیمی کتب خانہ لاہور)

...لوط کی کافرہ عورتیں دن دہاڑے زنا کراتی پھرتی تھیں

قوم لوط کے مرد اپنی عورتوں کے بجائے مردوں سے اپنی خواہش کو پوری کرتے تھے جس کی وجہ سے ان کی عورتیں دن ...ے زنا کرواتی پھرتی تھیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

اور یہ بات عام مشہور ہو چکی تھی ان کی کافرہ عورتیں دوسروں سے زنا کراتی پھرتی تھیں اور سب کچھ دن دہاڑے ہوا کرتا

...سیر نعیمی: ج:12، ص:233 نعیمی کتب خانہ لاہور)

زنا کی ممانعت

زنا ایک قبیح فعل ہے اور اس کی سزا دنیا و آخرت میں بہت زیادہ سخت ہے جس کو کوئی برداشت نہیں کر سکے گا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا سبب ہے جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو جائیں اس کی دنیا و آخرت تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ زنا کی ممانعت قرآن مجید و احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔

جس کے دلائل درج ذیل ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل:32)

اور زنا کے قریب بھی مت جاؤ بے شک وہ بے حیائی کا کام ہے اور برا راستہ ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (النور:2)

زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد ان میں سے ہر ایک کو تم سو کوڑے مارو اور ان پر شرعی حکم نافذ کرنے میں تم کو ان پر رحم نہ آئے اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر ہونی چاہیے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (الممتحنہ:12)

اے نبی جب آپ کے پاس مومن عورتیں ان چیزوں پر بیعت کرنے کے لئے آئیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی نہ چوری کریں گی نہ زنا کریں گی نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ کوئی ایسا بہتان باندھیں گی جس کو وہ خود اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے گھڑ لیں اور نہ کسی نیک کام میں آپ کی حکم عدولی کریں گی تو آپ ان کو بیعت کر لیں اور ان کے لئے استغفار کریں بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝ (الفرقان:68تا69)

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر

دیا ہے اس کو ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا نہیں کرتے اور جو شخص یہ کام کرے گا وہ سخت عذاب کا سامنا کرے گا۔ قیامت کے دن اس کے عذاب کو دگنا کر دیا جائے گا اور وہ ہمیشہ ذلت والے عذاب میں رہے گا۔

کثیر احادیث مبارکہ سے زنا کی ممانعت ثابت ہوتی ہے جو کہ درج ذیل ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔

1-بوڑھا زانی

2-جھوٹا بادشاہ

3-اور متکبر فقیر۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 107)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے زنا کیا یا شراب پی اللہ تعالیٰ اس سے ایمان کو نکال لیتا ہے جیسے انسان اپنے سر سے قمیص کو اتارتا ہے۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث: 5366)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس وقت زانی زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت شرابی شراب پیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت چور چوری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت کوئی لٹیرا کسی شریف آدمی کو لوٹتا ہے اور لوگ اس کو نظریں اٹھا کر دیکھتے ہیں تو وہ مومن نہیں ہوتا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5578)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بوڑھے زانی اور بوڑھی زانیہ کی طرف نہیں دیکھے گا۔

(معجم الاوسط: رقم الحدیث: 8396)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب کوئی شخص زنا کرتا ہے تو اس کا ایمان نکل جاتا ہے گویا کہ وہ اس کے اوپر سائبان ہو اور جب وہ اس سے توبہ کرتا ہے اس کا ایمان لوٹ آتا ہے۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 4690)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ علم اٹھالیا جائے گا، جہل برقرار رہے گا، شراب پی جائے گی اور زنا کا ظہور ہوگا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 80)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عادتاً زنا کرنے والا بت پرست کی مثل ہے۔ (الترغیب والترہیب: رقم الحدیث: 3541)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج کو گہن لگ گیا اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سورج اور چاند کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں ان کو کسی کی موت کی وجہ سے گہن لگتا ہے نہ کسی کی حیات کی وجہ

پس جب تم ان نشانیوں کو دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔ اللہ اکبر کہو اور نماز پڑھو اور صدقہ کرو۔

پھر ارشاد فرمایا:

اے امت محمد! اللہ تعالیٰ کی قسم! کسی شخص کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ اس پر غیرت نہیں آتی کہ اس کا بندہ زنا کرے یا اس کی بندی زنا کرے۔

اے امت محمد! اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم ضرور کم ہنسو اور تم ضرور زیادہ روؤ۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 901)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ام المومنین میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میری امت اس وقت تک اچھے حال میں رہے گی جب تک ان کی اولاد زنا کی کثرت سے نہ ہو اور جب ان کی اولاد زنا کثرت سے ہوگی تو عنقریب اللہ تعالیٰ ان میں عام عذاب نازل فرمائے گا۔

(مسند ابو یعلیٰ: رقم الحدیث: 7091)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو عورت خوشبو لگا کر لوگوں کے سامنے سے گزرتی ہے تا کہ لوگوں کو اس کی خوشبو آئے وہ عورت زانیہ ہے۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 4173)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جس قوم میں خیانت کا ظہور ہوتا ہے اس قوم کے دلوں میں رعب ڈال دیا جاتا ہے اور جس قوم میں زنا بہ کثرت ہوتا ہے اس میں موت بہ کثرت ہوتی ہے اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے ان سے رزق منقطع ہو جاتا ہے اور جو قوم ناحق فیصلے کرتی ہے ان میں خون ریزی زیادہ ہوتی ہے اور جو قوم عہد شکنی کرتی ہے ان پر اللہ تعالیٰ دشمن کو مسلط کر دیتا ہے۔

(الموطا: رقم الحدیث: 1020)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم زنا سے بچتے رہو کیونکہ اس میں چار خصلتیں ہیں۔

1- اس سے چہرے کی رونق چلی جاتی ہے۔

2- رزق منقطع ہو جاتا ہے۔

3- رحمان ناراض ہوتا ہے۔

4- اور دوزخ میں خلود ہوتا ہے۔

(المعجم الاوسط: رقم الحدیث: 7092)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس بستی میں زنا اور سود کا ظہور ہو انہوں نے اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے عذاب کو حلال کر لیا۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث: 5417)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اور تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ بغض رکھتا ہے۔

جن تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے وہ یہ ہیں۔

ایک شخص لوگوں کے پاس جا کر سوال کرے اس کا سوال ان کے ساتھ کسی رشتہ داری کی بناء پر نہ ہو اور وہ لوگ اس کو منع دیں پھر ایک شخص ان کے پیچھے سے جائے اور چپکے سے اس کو دے دے اور اس کے عطیہ کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہ جانتا ہو یا شخص جس کو اس نے عطیہ دیا تھا اور وہ لوگ جو رات کو سفر کریں حتیٰ کہ نیند ان کو بہت زیادہ مرغوب ہو جائے پھر وہ ٹھہر جائیں اپنے سر رکھ کر سو جائیں پھر ان میں سے ایک شخص بیدار ہو کر نماز میں قیام کرے اور میری حمد و ثناء کرے اور میری آیات تلاوت کرے اور وہ شخص جو کسی لشکر میں ہو اس کا دشمن سے مقابلہ ہو وہ لشکر شکست کھا جائے اور وہ شخص آگے بڑھ کر حملہ کرے کہ وہ شخص شہید ہو جائے یا فتح یاب ہو جائے۔

اور جن تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ بغض رکھتا ہے وہ یہ ہیں۔

1- بوڑھا زانی

2- متکبر فقیر

3- اور مالدار ظالم۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2568)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بنی اسرائیل کے ایک عابد نے ساٹھ سال اپنے گرجے میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی پھر بارش ہوئی اور زمین سرسبز ہو راہب نے اپنے گرجے سے باہر جھانکا اور سوچا کہ گرجے سے باہر نکل کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کروں گا اور زیادہ نیکی حاصل کروں

جے سے اترا اس کے ہاتھ میں ایک روٹی یا دو روٹیاں بھی تھیں جس وقت وہ باہر کھڑا ہوا تھا تو ایک عورت آ کر اس سے ملی وہ ں ایک دوسرے سے کافی دیر تک باتیں کرتے رہے حتیٰ کہ اس عابد نے اس سے اپنی خواہش پوری کر لی پھر اس پر بے ہوشی ی ہو گئی پھر وہ ایک گرم تالاب میں نہایا اس کے بعد ایک سائل آیا تو اس نے ان دو روٹیوں کی طرف اشارہ کیا پھر اس کی ٹھ سال کی عبادت کا زنا کے گناہ کے ساتھ وزن کیا گیا تو گناہ کا پلڑا بھاری نکلا پھر ان دو روٹیوں کی نیکی کا وزن کیا گیا تو ں کا پلڑا بھاری نکلا سو اس کو بخش دیا گیا۔

اس حدیث مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا بیان ہے ساٹھ سال کی عبادت ایک زنا کے گناہ سے ضائع کر دی اور دو ٹیوں کو صدقہ کرنے کی نیکی سے اس کے گناہ کو بخش دیا وہ جس گناہ پر چاہے پکڑ لیتا ہے اور جس نیکی کو چاہتا ہے نواز دیتا ہے۔

(صحیح ابن حبان: رقم الحدیث: 379)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب سے اکثر یہ فرمایا کرتے تھے۔

کیا تم میں سے کسی شخص نے خواب دیکھا ہے پھر کوئی شخص جو اللہ تعالیٰ چاہتا وہ خواب بیان کرتا۔

ایک دن صبح کے وقت فرمایا:

بے شک آج رات دو فرشتے آئے اور وہ مجھے اٹھا کر لے گئے۔

انہوں نے مجھ سے کہا۔

آپ چلئے میں ان کے ساتھ چلتا رہا میں نے دیکھا کہ ننگے مرد اور ننگی عورتیں ایک تنور کی مثل میں تھے ان کا بالائی حصہ تنگ ور نچلا حصہ کشادہ تھا اور اس کے نیچے سے آگ جل رہی تھی جب آگ سے شعلے بھڑکتے تو وہ لوگ اوپر اٹھ جاتے اور جب کم ہوتی تو وہ نیچے گر جاتے۔ فرشتوں نے بتایا وہ زانی اور زانی عورتیں تھیں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 7047)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت شریک صحابی سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص زنا کرتا ہے اس سے ایمان نکل جاتا ہے پس اگر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث: 5366)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم اللہ تعالیٰ کا شریک بناؤ حالانکہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے۔

اس نے پوچھا۔

پھر کون سا ہے؟

ارشاد فرمایا:

تم کھانے کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل کر دو۔

اس نے پوچھا۔

پھر کون سا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ (الفرقان:68)

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ کسی ایسے شخص کو قتل کرتے ہیں جس کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو شخص یہ کام کرے گا اس کو عذاب کا سامنا ہوگا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6861)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے عرب کی ہلاک ہونے والی عورتو! مجھے سب سے زیادہ تم پر زنا کا اور شہوت خفیہ کا خوف ہے۔

(حلیۃ الاولیاء: ج:7، ص:122)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

متکبر، مسکین، بوڑھا زانی اور اپنے عمل سے اللہ تعالیٰ پر احسان جتانے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

(الترغیب والترہیب: رقم الحدیث: 3536)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ معمر زانی اور متکبر فقیر کی طرف نہیں دیکھے گا۔

(معجم الکبیر: رقم الحدیث: 13195)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

زنا فقر پیدا کرتا ہے۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث: 5418)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے گا اس کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہیں دیکھے گا اور نہ اس کو پاک کرے گا ئے گا دوزخ میں دوزخیوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ (الترغیب والترہیب: رقم الحدیث: 3548)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جو شخص اس عورت کے بستر پر بیٹھا جس کا شوہر غائب ہو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک اژدھے کو اس کے اوپر قادر کر دے

(معجم الاوسط: رقم الحدیث: 3237)

یک اور روایت میں ہے:

ضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نوں کے چہروں میں آگ بھڑک رہی ہو گی۔ (الترغیب والترہیب: رقم الحدیث: 3524)

اور روایت میں ہے:

رت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جس قوم میں زنا اور سود کا ظہور ہوا انہوں نے اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے عذاب کو حلال کر لیا۔

(مسند ابو یعلیٰ: رقم الحدیث: 4981)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب اہل ذمہ پر ظلم کیا جائے گا تو دشمنوں کی حکومت ہو جائے گی اور جب کثرت کے ساتھ زنا کیا جائے گا تو لوگ کثرت قید ہوں گے اور جب قوم لوط کا عمل بہ کثرت کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ مخلوق کے اوپر سے اپنا ہاتھ اٹھائے گا پھر یہ پرواہ نہیں کرے گا کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوتے ہیں۔

(معجم الکبیر: رقم الحدیث: 1752)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور ہم اکٹھے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے مسلمانوں کی جماعت اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور رشتہ داروں سے ملاپ رکھو، رشتہ داروں سے میل جول سے زیادہ جلد پہنچنے والا اور کوئی ثواب نہیں ہے اور بغاوت سے بچو کیونکہ اس سے زیادہ جلد پہنچنے والا اور کوئی عذاب نہیں ہے اور تم ماں باپ نافرمانی سے بچو کیونکہ ایک ہزار سال کی مسافت سے جنت کی خوشبو آتی ہے اور ماں باپ کا نافرمان، رشتہ منقطع کرنے والا بوڑھا زانی اور تکبر سے تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا اس خوشبو کو نہیں پائے گا کبریائی صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔

(الترغیب والترہیب: رقم الحدیث: 3019)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قبیلہ اسلم کا ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے بتایا کہ وہ زنا کر چکا ہے اور اس نے چار مرتبہ کر اپنے متعلق زنا کرنے کا اقرار کیا اور وہ شخص شادی شدہ تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رجم کر دیا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6814)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

تین آدمی جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔

1-بوڑھا زانی

2-امام کذاب

3-اور متکبر فقیر۔

(مسند البزار: رقم الحدیث:1308)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

آدھی رات کو آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں پھر ایک منادی نداء کرتا ہے کہ کوئی دعا کرنے والا ہو تو اس کی دعا قبول کی جائے۔کوئی سائل ہو تو اس کو عطا کیا جائے کوئی مصیبت زدہ ہو تو اس کی مصیبت دور کر دی جائے پس ہر دعا کرنے والے مسلمان کی دعا قبول کر لی جائے گی سوا اس عورت کے جو پیسے لے کر زنا کراتی ہے اور سوا اس شخص کے جو ظالمانہ ٹیکس لیتا ہے۔

(معجم الاوسط: رقم الحدیث:2790)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں سویا ہوا تھا میرے پاس دو شخص آئے ان دونوں نے مجھے میری بغلوں سے پکڑ کر اٹھایا اور مجھے ایک سخت چڑھائی والے پہاڑ پر لے گئے۔

اور مجھ سے کہا۔

اس پر چڑھیے۔

میں نے کہا: میں اس کی طاقت نہیں رکھتا۔

انہوں نے کہا: ہم آپ کے لئے چڑھنا آسان کر دیں گے پھر میں چڑھا حتیٰ کہ میں اس پہاڑ کے وسط میں پہنچ گیا ناگاہ میں نے بہت زور کی آوازیں سنیں۔

میں نے پوچھا۔

یہ کیسی آوازیں ہیں؟

انہوں نے کہا: یہ دوزخ کے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں ہیں۔

ہم چلتے رہے حتیٰ کہ میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے بدن پھولے ہوئے تھے اور ان سے سخت بدبو آ رہی تھی۔

میں نے پوچھا۔

یہ کون ہیں؟

انہوں نے کہا: یہ مقتولین کفار ہیں وہ پھر مجھے آگے لے گئے وہاں ایسے لوگ تھے جن کے بدن بہت پھولے ہوئے اوران سے سخت بدبو آ رہی تھی گویا کہ وہ پاخانے کی بدبو تھی۔

میں نے پوچھا۔

یہ کون لوگ ہیں؟

ارشاد فرمایا:

یہ زنا کرنے والے مرد اور زنا کرنے والی عورتیں ہیں۔

(صحیح ابن حبان: رقم الحدیث: 7448)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھ سے حکم لو، مجھ سے حکم لو، اللہ تعالیٰ نے زنا کرنے والیوں کی سزا کی راہ بیان فرمادی اگر کنواری کنوارے کے ساتھ کرے تو ان کو سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لئے شہر بدر کردو اور اگر شادی شدہ، شادی شدہ کے ساتھ زنا کرے تو ان کو رجم کر دو۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 1690)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

سات آسمان اور سات زمینیں بوڑھے زانی پر لعنت کرتی ہیں اور زانیوں کی خروج کی بدبو سے اہل دوزخ کو بھی ایذا ہوگی

(مسند البزار: رقم الحدیث: 1548)

ایک اور روایت میں ہے:

راشد بن سعد المقرائی سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب مجھے معراج کرائی گئی تو میرا ایسے لوگوں کے پاس سے گزر ہوا جن کی کھال آگ کی قینچیوں سے کاٹی جارہی تھی۔

میں نے کہا: اے جبرائیل (علیہ السلام)! یہ کون لوگ ہیں؟

انہوں نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو زنا کرنے کے لئے مزین ہوتے تھے پھر میں ایک کنویں کے پاس سے گزرا جس

سخت بدبو آرہی تھی۔

میں نے پوچھا۔

اے جبرائیل (علیہ السلام)! یہ کون لوگ ہیں؟

انہوں نے کہا: یہ وہ خواتین ہیں جو زنا کرانے کے لئے خود کو مزین کرتی تھیں اور وہ کام کرتی تھیں جو ان کے لئے جائز نہ تھے۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث: 6750)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے پوچھا کہ

تم زنا کے متعلق کیا کہتے ہو؟

انہوں نے کہا: یہ حرام ہے اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کیا ہے۔ یہ قیامت تک کے لئے حرام ہے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

اگر کوئی شخص دس عورتوں سے زنا کرے تو یہ اس کی بہ نسبت زیادہ آسان ہے کہ وہ اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔

(الترغیب والترہیب: رقم الحدیث: 3543)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجاہدین کی بیویوں کی حرمت جہاد پر نہ جانے والوں کے لئے ان کی ماؤں کی مثل ہے اور مجاہد جس شخص کے اوپر اپنی اہلیہ کو چھوڑ کر جائے اور وہ اس میں خیانت کرے تو اس کو قیامت کے دن کھڑا کیا جائے گا اور مجاہد اس کی نیکیوں میں سے جس قدر چاہے گا لے لے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ اس کی کوئی نیکی چھوڑ دے گا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 1897)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص کی نظر کسی عورت کے حسن کی طرف پڑ جائے پھر وہ اپنی نظر پھیر لے اللہ تعالیٰ اس کے دل میں اس کی عبادت میں حلاوت اور لذت پیدا کر دیتا ہے۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث: 5431)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اس عورت کے بستر پر بیٹھا جس کا شوہر غائب ہو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک اژدھے کو اس کے اوپر قادر کردے گا۔ (الترغیب والترھیب: رقم الحدیث: 3539)

قوم لوط کی عورتوں کا زنا کروانا اور ان کی غیرت کا ختم ہو جانا

قوم لوط کی عورتیں دن دہاڑے زنا کرواتی پھرتی تھیں کسی کی غیرت روکنے والی نہ تھی۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

ان کی کافرہ عورتیں دوسروں سے زنا کرواتی پھرتی تھیں اور سب کچھ دن دہاڑے ہوا کرتا تھا کسی کی غیرت روکنے والی تھی۔ (تفسیر نعیمی: ج: 12 ص: 233 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قوم لوط کا حضرت لوط علیہ السلام کو اندر مہمانوں کے پاس جانے کا کہنا

قوم لوط بے حیائی میں اس قدر منہمک ہوگئی تھی کہ انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی کوئی بات نہ مانی اور اندر مہمانوں کے پاس جانے کا کہتے رہے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

انہوں نے کہا: "مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ج" کہ جس کو تم اپنی بیٹیاں کہہ رہے ہو ہمیں ان کی حاجت نہیں اور بے شک یہ بھی جانتے ہو کہ ہمارے ارادے کیا ہیں اسی لیے ہم نے پہلے ہی تم سے کہہ دیا تھا کہ ہر ایک کو تم پناہ مت دیا کرو اور ہمارے راستے کے لئے رکاوٹ نہ بن جایا کرو لہٰذا اب بھی دروازہ چھوڑ دو اور ہمیں اندر جانے دو جہاں وہ اجنبی مہمان بیٹھے ہیں۔

(تفسیر نعیمی: ج: 12 ص: 233 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت لوط علیہ السلام کا مقابلہ کی قوت کی خواہش کرنا

جب قوم بے حیائی پر آ ہی گئی کہ اس کے کرنے کے سوا ان کا اور کوئی ذہن ہی نہیں تھا تو حضرت لوط علیہ السلام نے کاش مجھ میں تم سے مقابلہ کی قوت ہوتی۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً (ھود:80)

لوط نے کہا کاش مجھ میں تم سے مقابلہ کی قوت ہوتی۔

کاش میں تنہا اس بے حیائی کو روکنے پر قادر ہوتا

حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کی ہٹ دھرمی دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ کاش میں تنہا تم کو اس بے حیائی کے کام سے روکنے پر قادر ہوتا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا:

کاش مجھ میں تم سے مقابلہ کی قوت ہوتی یعنی کاش میں تنہا تم کو اس بے حیائی کے کام سے روکنے پر قادر ہوتا۔

(جامع البیان: جز:12،ص:113 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت لوط علیہ السلام کا مضبوط پناہ گاہ میں پناہ لینے کا قول

حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کی بے حیائی سے نہ رکنے پر ارشاد فرمایا کاش میں کسی مضبوط پناہ گاہ میں پناہ لے لیتا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْ اٰوِیْ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ○ (ھود:80)

لوط نے کہا کاش مجھ میں تم سے مقابلہ کی قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط پناہ گاہ میں پناہ لیتا۔

حضرت لوط علیہ السلام کا مضبوط قبیلہ کی پناہ مانگنا

جب قوم بے حیائی پر تل ہی گئی تو آپ علیہ السلام نے مضبوط قبیلہ کی پناہ لینے کی خواہش کی۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

اور کہا (لوط علیہ السلام نے)

میں کسی مضبوط پناہ گاہ میں پناہ لے لیتا یعنی کاش میرے پاس ایک لشکر ہوتا جس کی مدد سے میں برائی کو روکتا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اس سے مراد یہ ہے کہ کاش میری حمایت میں کوئی قبیلہ ہوتا۔

(جامع البیان: جز:12،ص:113 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت لوط علیہ السلام کے بعد ہر نبی کی پشت پر قبیلہ تھا

حضرت لوط علیہ السلام کے بعد ہر نبی کی پشت پر قبیلہ تھا جن کے ذریعے مخالف کا مقابلہ کیا جاتا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

ابن جریج نے کہا ہے کہ

ہمیں یہ حدیث مبارکہ پہنچی ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کے بعد جو نبی بھیجا گیا اس کی پشت پر کوئی قبیلہ ہوتا تھا حتی ہمارے نبی سیدنا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر بھی بنو ہاشم کا قبیلہ تھا۔

(جامع البیان: جز: 12، ص: 113 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جو بھی نبی بھیجا اس کو اس کی قوم کے مضبوط قبیلہ سے بھیجا۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3116)

حضرت لوط علیہ السلام کا قوم سے آخری کلام سننے کے بعد کا قول

حضرت لوط علیہ السلام نے جب قوم سے آخری کلام سن لیا تو فرمایا میرے لیے تمہارے سامنے کچھ قوت ہوتی یا دوسری کے لوگوں کو بلا لاتا جو تم لوگوں سے لڑتے اور تمہیں مار کر بھگا دیتے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

حضرت لوط علیہ السلام نے جب ان کی بے غیرتی کا ظاہر ظہور یہ حال دیکھا تو آخری تبلیغ کے بعد ان کی ہدایت اور سے بالکل مایوس ہو کر بولے کاش اس وقت میرے لیے تمہارے سامنے کچھ قوت ہوتی کہ تم کو یہاں سے بھگا سکتا یا اس طرح کہ با قاعدہ ہتھیار لے کر تم سے اکیلا ہی جنگ کرتا یا دوسری قوم کے لوگوں کو بلا کر لاتا جو تم سے نمٹتے اور تم کو مار بھگاتے مگر حالات ایسے پیدا ہو گئے ہیں کہ میں کہیں جا نہیں سکتا تم سے زیادہ دیر جھگڑا کر نہیں سکتا گھر میں مہمان بیٹھے ہیں میں اکیلا ہی ان کا میز ہوں وہ اجنبی مسافر ہیں تم ان کے در پے ہو میں ان کی حفاظت میں ہوں میرے ساتھ اور کوئی معاون بھی نہیں تم کو ذرا غیر نہیں مہمان تمہارے متعلق کیا سوچیں گے کیا دنیا میں تم جیسا کوئی بے حمیت اور مہمانوں کو ستانے والا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کا کوئی بیٹا نہ تھا جیسا کہ تاریخوں سے ظاہر ہے۔

مقصد کلام کا یہ ہے کہ

اگر مجھ کو پہلے پتہ ہوتا کہ تم نے آج ایسی سخت بے حیائی دکھانی ہے تو میں یا تو پہلے ہی تیاری کر لیتا یا کسی پہاڑ کے رکن غار میں چھپ کر پناہ پکڑ لیتا اور مضبوط رکن جو بہت خفیہ ہوتا وہاں جا چھپتا تا کہ میں نہ یہاں ہوتا نہ یہ مہمان یہاں ٹھہرتے آج اس طرح ان پیارے مہمانوں کے سامنے رسوا ہوتا۔ (تفسیر نعیمی: ج: 12، ص: 234 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت لوط علیہ السلام کے مضبوط قبیلہ کی پناہ طلب کرنے کا محمل

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی 544ھ لکھتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام نے جو کہا۔

کاش میں کسی مضبوط رکن کی پناہ لے لیتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس قول پر تنقید کی اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے رحمت اور مغفرت طلب کی کیونکہ رکن سے ان کی مراد قبیلہ تھی تا کہ وہ قبیلہ قوم سے ان کی حفاظت کرے اور ان کے مہمانوں کو قوم کی بے حیائی کی بھینٹ چڑھنے سے بچائے اور چونکہ قوم کی زبردستی اور زیادتی کی وجہ سے ان کا دل تنگ تھا اور ان کی بدسلوکی کی وجہ سے ان کا دل آزردہ تھا اسی وجہ سے وہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب اور اس سے مدد چاہنا بھول گئے اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق میں طریقہ اور عادت یہ ہے کہ بعض لوگ بعض دوسرے لوگوں کی مدد کرتے ہیں سو انہوں نے اس معاملہ کو بھی اسی پر محمول کیا اور سب سے زیادہ مضبوط، سب سے قوی اور سب سے زیادہ حفاظت کرنے والا رکن تو اللہ تعالیٰ ہے۔ (فتح الباری: ج:6، ص 415 تا 416 مطبوعہ لاہور)

علامہ محمد بن خلیفہ الوشتانی الابی مالکی متوفی 828ھ قاضی عیاض مالکی کی اس کو شرح رد کرکے لکھتے ہیں:

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت مسلمانوں کے لئے غیر مانوس ہے علاوہ ازیں یہ تقریر بھی غلط ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت لوط علیہ السلام پر تنقید نہیں کی اور نہ حضرت لوط علیہ السلام اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا بھولے تھے انہوں نے جو کچھ کہا وہ مہمانوں کے دلوں کو مطمئن کرنے کے لئے تھا اور ان کے سامنے اپنا عذر ظاہر کرنے کے لئے تھا کیونکہ عرف اور عادت یہی ہے کہ لوگ اپنی طاقت اور اپنے قبیلہ کی بناء پر مدافعت کرتے ہیں اور یہ حقیقت میں حضرت لوط علیہ السلام کے عمدہ اخلاق تھے جن کی بناء پر وہ تعریف کے مستحق ہیں۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ حضرت لوط علیہ السلام پر رحم فرمائے۔

یہ درحقیقت ان کی تعریف ہے ان پر تنقید نہیں ہے اور یہ خطاب میں عرب کے عرف کے مطابق ہے۔

وہ کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ بادشاہ کی تائید کرے اور اللہ تعالیٰ میری اصلاح کرے۔

اور اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ (التوبہ:43)

اللہ تعالیٰ آپ کو معاف کرے آپ نے ان (منافقین) کو کیوں اجازت دی۔

کیونکہ آپ نے ان پر نرمی کرنے کے لئے اور ان کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لئے ان کو اجازت دی تھی اور یہ آپ کے مکارم اخلاق میں سے تھا۔

پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کو معاف کرے یعنی آپ نے ان کو اجازت دے کر اپنے آپ کو مشقت اور تکلیف میں ڈالا اور یہ ایسا ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

طٰهٰ ۝ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ۝ (طٰہٰ: 1تا2)

ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نہیں نازل کیا کہ آپ مشقت اٹھائیں۔

(اکمال المعلم: ج: 1، ص 436 تا 437 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابی کے شاگرد علامہ سنوسی مالکی متوفی 895ھ علامہ ابی کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ علامہ ابی کو جزائے خیر عطا فرمائے انہوں نے اس حدیث مبارکہ کی شرح کا حق ادا کر دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا۔

اللہ تعالیٰ حضرت لوط علیہ السلام پر رحم فرمائے۔

اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی تاکید کرنا چاہتے تھے کہ حضرت لوط علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی پناہ کے طالب تھے اس لیے آپ نے حدیث مبارکہ کے شروع میں تاکید کا کلمہ فرمایا یعنی بے شک، پس یہ حدیث مبارکہ اس اعتراض کو دور کرنے کے لئے ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام غیر اللہ کی پناہ کے طالب تھے جیسا کہ اس حدیث مبارکہ کے شروع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تنزیہ بیان کرتے فرمایا! ہم ابراہیم کی بہ نسبت شک کرنے کے زیادہ حقدار ہیں اور اس سے مقصود یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا تھا کہ ''اے رب عزوجل! تو مجھے دکھا تو کیسے مردوں کو زندہ کرے گا'' یہ سوال اس لیے نہیں تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر شک تھا بلکہ کسی اور وجہ سے تھا۔ (مکمل اکمال الاکمال: ج: 1، ص 435 تا 437 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی 676ھ لکھتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام کو اپنے مہمانوں کے متعلق خوف ہوا اور ان کا حمایتی قبیلہ نہیں تھا جو ان کو ظالموں سے چھڑالیتا اس لیے ان کو اپنے مہمانوں کے متعلق سخت غم اور فکر لاحق ہوا جب ان پر اس پریشانی کا غلبہ ہوا۔

تو انہوں نے کہا: کاش! ان میں خود اتنی طاقت ہوتی یا ان کا کوئی حمایتی قبیلہ ہوتا جو ان کے مہمانوں کو قوم کے ان غنڈوں سے محفوظ رکھتا۔ اس جملہ سے حضرت لوط علیہ السلام کا مقصد اپنے مہمانوں سے معذرت کرنا تھا کہ وہ اگر ان سے اس برائی کی مصیبت کو دور کر سکتے تو ضرور کرتے اور انہوں نے اپنے مہمانوں کی تکریم میں اور ان سے اس مصیبت کو دور کرنے میں کوئی کمی نہیں اٹھا رکھی تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام کا یہ قول اللہ تعالیٰ کی مدد پر اعتماد کرنے سے اعراض نہیں تھا بلکہ ان کا یہ قول مہمانوں سے معذرت کے لئے تھا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اس وقت ان کی حمایت کے لئے اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کرنے کی دعا کر گئے ہوں اور مہمانوں کے سامنے اپنے دلی رنج والم کا اظہار کیا ہو۔ (شرح مسلم: ج: 1، ص: 86 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت لوط علیہ السلام کی تعریف کرنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت لوط علیہ السلام کی تعریف وثناء فرمائی جس پر درج ذیل احادیث مبارکہ دلائل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ حضرت لوط علیہ السلام کی مغفرت فرمائے وہ بے شک رکن شدید کی پناہ کی خواہش کرتے تھے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3375)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جب یہ آیت نازل ہوئی۔

لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ ○

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ میرے بھائی حضرت لوط علیہ السلام پر رحم فرمائے تحقیق وہ مضبوط سہارے کی طرف پناہ لیتے رہے سو کون سی چیز ہے لئے انہوں نے عاجزی اختیار کی۔

(جامع البیان: ج:12 ص:105 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

مزید راقم ہیں۔

حضرت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں بھیجا گیا مگر وہ جو اپنی قوم میں اہل ثروت میں سے تھا حتیٰ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔

(جامع البیان: ج:12 ص:104 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

مزید راقم ہیں۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ آیت پڑھا کرتے تو ارشاد فرماتے۔

اللہ تعالیٰ حضرت لوط علیہ السلام پر رحم فرمائے۔ بے شک وہ مضبوط سہارے کی طرف پناہ لیتے رہے۔

ہمیں بتایا گیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں بھیجا مگر وہ جو کہ اپنی قوم میں سے صاحب ثروت تھا حتیٰ کہ اللہ نے تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنی قوم میں سے ثروت میں بھیجا۔

(جامع البیان: ج:12 ص:106 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

کسی کی تعریف کرنا کیسا؟

نیک آدمی کی تعریف کرنا اس کے حق میں بشارت ہے جس طرح کہ حدیث مبارکہ میں ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا۔

یہ ارشاد فرمایئے کہ ایک شخص اچھے کام کرتا ہے اور لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ مومن کی فوری بشارت ہے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 6597)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔

وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿ (شعراء: 84)

اور میرے لیے میرے بعد آنے والوں میں ذکر جمیل (نیکیوں کی تعریف) کو جاری رکھ۔

اور کسی شخص کا کسی کی اتنی زیادہ تعریف کرنا کہ جس سے اس کے فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو تو پھر تعریف کرنا ممنوع ہے۔

جس طرح کہ احادیث مبارکہ میں ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص نے کسی کی تعریف کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم پر افسوس ہے تم نے تو اپنے صاحب کی گردن کاٹ دی یہ جملہ کئی بار فرمایا جب تم میں سے کسی شخص نے اپنے صاحب کی لامحالہ تعریف کرنی ہو تو یوں کہو۔

میرا فلاں کے متعلق یہ گمان ہے اور اس کو حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا ہے اور میں کسی کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سرا ہوا نہیں کہتا خواہ وہ اس کے متعلق اسی طرح جانتا ہو۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 7369)

ایک اور روایت میں ہے:

ہمام بن حارث سے روایت ہے کہ

ایک شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تعریف کر رہا تھا۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بھاری جسم کے تھے وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور اس کے منہ پر کنکریاں ڈالنے لگے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

تم کیا کر رہے ہو؟

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

جب تم تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ میں مٹی ڈال دو۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: 7374)

ایک اور روایت میں ہے:

طارق بن شہاب سے روایت ہے کہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ایک شخص باہر نکلتا ہے اور اس کے ساتھ اس کا دین ہوتا ہے اور جب لوٹ کر آتا ہے تو اس کے پاس بالکل دین نہیں ہوتا ایک ایسے شخص کے پاس جاتا ہے جو اس کے لئے اور خود اپنے لیے کسی نفع کا مالک ہوتا ہے نہ نقصان کا اور وہ اس کے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ تم ایسے ہو اور ایسے ہو پھر وہ ایسے حال میں لوٹتا ہے کہ اس کی کوئی ضرورت پوری نہیں ہوتی تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے۔

(مجمع الزوائد، ج: 8، ص: 118 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

جب تم تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ میں مٹی ڈال دو۔

(مجمع الزوائد، ج: 8، ص: 118 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

جس شخص کے کمال تقویٰ اور عقل میں پختگی کی وجہ سے تعریف کرنے سے تکبر میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو پھر اس کے منہ پر تعریف کرنا منع نہیں ہے بشرطیکہ وہ بے جا تعریف نہ ہو اور نہ ہی کوئی دنیاوی طمع کی وجہ سے ہو بلکہ کسی دینی مصلحت کی وجہ سے ہو۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا اس وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ایک کپڑا اوڑھے ہوئے آرہے تھے گھٹنوں سے ہٹا ہوا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تمہارا ساتھی کسی سے ناراض ہوا ہے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سلام کیا اور عرض کیا۔

میرے اور ابن خطاب کے درمیان کچھ مناقشہ ہوگیا میں نادم ہوکر جلد ان کے پاس گیا اور ان سے معافی کا سوال کیا انہوں نے مجھ سے انکار کیا تو میں آپ کے پاس آیا۔

آپ نے تین بار فرمایا:

اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ)! تمہیں اللہ تعالیٰ معاف کرے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نادم ہوئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر گئے۔

اور پوچھا۔

کیا وہاں ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ہیں۔

گھر والوں نے کہا: نہیں۔

پھر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ غصہ سے متغیر ہو رہا تھا حتیٰ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ڈر گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کہنے لگے۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بہ خدا میں زیادہ کرنے والا تھا یہ دوبار کہا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے پاس بھیجا تم نے مجھے جھٹلایا اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے تصدیق کی اور اپنی جان اور مال میری غم خواری کی۔ کیا تم میرے صاحب کو میری خاطر چھوڑنے والے ہو؟ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبار ارشاد فرمایا۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایذاء نہیں دی گئی۔

(صحیح بخاری: ج: 1، ص: 517 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی غیرت دار نہیں ہے اسی وجہ سے اس نے بے حیائی کے کاموں کو حرام کر دیا اور اللہ تعالیٰ سے کسی کو تعریف پسند نہیں ہے اسی وجہ سے اس نے خود اپنی تعریف کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کسی عذر کو قبول کرنا پسند نہیں اسی وجہ سے وہ اپنی مخلوق کا عذر قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کسی کو حمد پسند نہیں ہے اور اسی وجہ سے اس نے خود اپنی ہے۔

(مجمع الزوائد: ج: 8، ص: 119 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

ایک اور روایت میں ہے:

خلاد بن سائب فرماتے ہیں کہ

میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے پاس گیا انہوں نے میری میرے منہ پر تعریف کی۔

اور کہا۔

میرے لیے تمہارے منہ پر تعریف کرنے کا باعث یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جب مومن کے منہ پر اس کی تعریف کی جائے تو اس کے دل میں اس کا ایمان بڑھتا ہے۔

(مجمع الزوائد: ج:8،ص:119 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی چیز کے بھی دو جوڑے خرچ کیے اس کو جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا۔ اے اللہ عزوجل کے بندے یہ خیر ہے! سو جو شخص نمازیوں سے ہوگا اس کو باب الصلوٰۃ سے بلایا جائے گا اور جو شخص مجاہدوں میں سے ہوگا اس کو باب الجہاد سے بلایا جائے گا اور جو شخص صدقہ کرنے والوں میں سے ہوگا اس کو باب الصدقہ سے بلایا جائے گا اور جو شخص روزہ داروں میں سے ہوگا اس کو باب الصیام باب ریان سے بلایا جائے گا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

کسی شخص کو ان تمام دروازوں سے بلائے جانے کی کیا ضرورت ہے؟ اور یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسا شخص بھی ہے جس کو ان تمام دروازوں سے بلایا جائے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہاں اور مجھے امید ہے کہ اے ابو بکر (رضی اللہ عنہ) تم انہی لوگوں میں سے ہوگے۔

(صحیح البخاری: ج:1،ص:517 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو دنیا اور جو اس کے پاس ہے اس کے درمیان اختیار دیا تو اس نے اس چیز کو اختیار کر لیا جو اللہ کے پاس ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ یہ سن کر رونے لگے۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

میں نے دل میں سوچا! اگر اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو دنیا اور جو اس کے پاس ہے اس کے درمیان اختیار دے دیا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اس کو پسند کر لیا ہے تو اس بوڑھے کو کیا چیز رلا رہی ہے؟ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد

میں بندے سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ عالم تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے ابوبکر! (رضی اللہ عنہ) مت روؤ! بے شک اپنی صحبت اور مال سے مجھ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ہیں اور اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو بناتا لیکن اسلام کی اخوت اور محبت قائم رہے گی اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے دروازے کے سوا مسجد میں (کھلنے والا) ہر دروازہ بند کر دیا جائے باقی نہ رکھا جائے۔

(صحیح بخاری: ج:1، ص:516 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر لٹکانے کی وعید سنائی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری چادر ایک جانب سے لٹک جاتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو۔

(صحیح بخاری: ج:2، ص:895 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا:

تم میرے حوض کے بھی صاحب ہو اور غار کے بھی صاحب ہو۔

(جامع ترمذی: ص:527 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں داخل ہو گیا تو میں ابوطلحہ کی بیوی رمیصا کے پاس تھا اور میں نے ایک آہٹ سنی۔

میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟

کہا: یہ بلال (رضی اللہ عنہ) ہیں۔

پھر میں نے ایک محل دیکھا جس کے صحن میں ایک لڑکی تھی

میں نے پوچھا۔
یہ کس کا محل ہے؟
اس نے کہا: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا۔
میں نے ارادہ کیا کہ میں اندر جا کر اس محل کو دیکھوں تو مجھے تمہاری غیرت یاد آئی۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ قربان ہوں! کیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غیرت کروں گا۔

(صحیح البخاری: ج: 1 ص: 520 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت عبد الرحمان بن خباب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں اس وقت حاضر تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کے لشکر کی مدد کے لئے ترغیب دے رہے تھے۔
حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا۔
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کاٹھیوں اور گدوں کے ساتھ سو اونٹ اللہ تعالیٰ کی راہ میں میرے ذمہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر لشکر کی مدد کی ترغیب دی پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔
اور عرض کیا۔
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کاٹھیوں اور گدوں کے ساتھ تین سو اونٹ اللہ تعالیٰ کی راہ میں میرے ذمہ ہیں۔ پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترتے ہوئے فرما رہے تھے آج کے بعد عثمان (رضی اللہ عنہ) جو بھی عمل کرے اس کو ضرر نہیں ہوگا آج کے بعد عثمان (رضی اللہ عنہ) جو بھی عمل کرے گا اس کو ضرر نہیں ہوگا۔

(جامع ترمذی: ص: 531 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم احد (پہاڑ) پر چڑھے وہ ہلنے لگا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اے احد ساکن ہو جا! تجھ پر صرف نبی، صدیق اور دو شہید ہیں۔

(جامع ترمذی: ص: 530 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا:

تم میرے لیے ایسے ہو جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہارون علیہ السلام تھے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

(جامع ترمذی: ص: 535 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ عہد کیا ہے کہ تم سے صرف مومن محبت کرے گا اور صرف منافق بغض رکھے گا۔

(جامع ترمذی: ص: 535 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا:

تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔

(جامع ترمذی: ص: 534 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

میرے اور تمہارے علاوہ اور کسی کے لئے اس مسجد میں جنابت کے ساتھ آنا جائز نہیں ہے۔

علامہ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ

ممانعت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص کسی کی ان اوصاف کے ساتھ تعریف کرے گا جو اس میں نہ ہوں تو ہو سکتا ہے کہ وہ شخص اپنے متعلق ان اوصاف کا یقین کر لے اور ان اوصاف پر اعتماد کر کے وہ شخص اپنے اعمال ضائع کر دے اور نیکی کی جدوجہد کرنا چھوڑ دے اس لیے جس حدیث مبارکہ میں یہ ہے کہ تعریف کرنے والوں کے منہ میں مٹی ڈال دو، اس کا مطلب یہ ہے کہ جھوٹی تعریف کرنے والوں کے منہ میں مٹی ڈال دو اور جس شخص نے ان اوصاف کے ساتھ تعریف کی جو موصوف میں موجود ہوں جو اس حکم میں داخل نہیں ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے اشعار اور خطاب میں آپ کی تعریف کی اور آپ نے ان کے منہ میں مٹی نہیں ڈالی۔

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ

کسی شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کی تعریف کی تو حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے اس کے منہ

کنکریاں پھینکیں اور مذکور الصدر حدیث مبارکہ سے استدلال کیا۔

اس حدیث مبارکہ کا دوسرا محمل یہ ہے کہ

منہ پر مٹی ڈالنے کا مطلب ہے اس کو ناکام اور نامراد کرنا یعنی جھوٹی تعریف کرنے والے کی غرض اور مقصد کو پورا نہ کرو۔

تیسری توجیہ یہ ہے کہ

اس سے کہو تمہارے منہ میں مٹی۔

چوتھی توجیہ یہ ہے کہ

ممدوح اور موصوف اس جھوٹی تعریف سے دھوکہ نہ کھائے اور تعریف کرنے والے سے کہے تم غلط کہہ رہے ہو میں ایسا نہیں ہوں اور یہ اس کے منہ میں مٹی ڈالنا ہے۔

پانچویں توجیہ یہ ہے کہ

وہ شخص جس مقصد اور غرض سے تعریف کر رہا ہے اس کا وہ مقصد پورا کر کے اس کا منہ بند کر دیا جائے اور اس کو روانہ کر دیا جائے مثلاً کوئی شخص کسی سے کچھ رقم مانگنے کے لئے اس کی بے جا تعریف کر رہا ہے تو وہ اس کو وہ رقم دے کر کہے یہ رقم لو اور جاؤ اور اس کے منہ کو بند کرنا ہے جو اس کے منہ میں مٹی ڈالنے کے مترادف ہے۔

علامہ بیضاوی اور علامہ طیبی نے اسی توجیہ کو اختیار کیا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ

مدح کی آفت یہ ہے کہ مدح کرنے والا کبھی جھوٹ بولتا ہے اور کبھی اپنی مدح سے ممدوح کو مزید برائی میں مبتلاء کرتا ہے۔ خصوصاً جب وہ فاسق یا ظالم کی مدح کرے۔

امام ابو یعلی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

جب فاسق کی مدح کی جائے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور کبھی وہ ایسی تعریف کرتا ہے جو اس کے نزدیک متحقق نہیں ہوتی جس شخص کی مدح کی جائے وہ اس خطرہ سے خالی نہیں ہے کہ وہ اترانے لگے یا تکبر کرے یا تعریف کی شہرت پر اعتماد کر کے عمل میں کمی کر دے۔ اگر تعریف ان قباحتوں سے خالی ہو تو پھر اس میں حرج نہیں ہے بلکہ بعض اوقات تعریف مستحب ہوتی ہے۔

ابن عیینہ نے کہا: جو شخص اپنے نفس کو پہچانتا ہو اس کو کسی کی تعریف سے ضرر نہیں ہوتا۔

اور بعض سلف نے کہا: جب کسی کے منہ پر تعریف کی جائے تو وہ یہ دعا کرے۔

اے اللہ عزوجل! میرے ان کاموں کو بخش دے جن کو یہ لوگ نہیں جانتے اور ان کی تعریف کی وجہ سے میری پکڑ نہ کر اور مجھے ان کے گمان سے بہتر بنا دے۔ (فتح الباری: ج:10، ص 477 تا 478 مطبوعہ دار نشر الکتب اسلامیہ لاہور)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی 676ھ لکھتے ہیں:

امام مسلم نے اس باب میں وہ احادیث مبارکہ ذکر کی ہیں جن میں کسی کے منہ پر تعریف کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ بخاری، صحیح مسلم اور بکثرت کتب حدیث میں ایسی روایات بھی ہیں جن میں منہ پر تعریف کی گئی ہے۔ ان احادیث مبارکہ میں تطبیق اس طرح ہے کہ کسی کی بے جا تعریف کرنا یا تعریف میں مبالغہ کرنا یا دنیاوی طمع کی وجہ سے تعریف کرنا یا جس شخص کے متعلق یہ اندیشہ ہے کہ وہ تعریف سن کر اکڑ جائے گا یا تکبر میں مبتلا ہو جائے گا اس کے منہ پر تعریف کرنا منع ہے اور جس شخص کے کمال تقویٰ اور عقل میں پختگی کی وجہ سے یہ خدشہ نہ ہو اس کے منہ پر تعریف کرنا منع نہیں ہے بہ شرطیکہ وہ بے جا تعریف نہ ہو اور دنیاوی طمع کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اگر کسی دینی مصلحت کی وجہ سے تعریف کی جائے یا کسی شخص میں کسی نیک خصلت کے حصول یا اس کی زیادتی کے لیے یا اس کو اس نیک خصلت پر برقرار رکھنے کے لئے یا اس نیک خصلت کی اقتداء کے لئے اس کے منہ پر تعریف کی جائے تو یہ تعریف کرنا مستحب ہے۔ (شرح مسلم: ج:2، ص:414 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

حضرت لوط علیہ السلام نے مضبوط قبیلہ کی پناہ کیوں طلب کی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

قوم لوط میں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جس کا حضرت لوط علیہ السلام کے نسب سے تعلق ہو کیونکہ حضرت لوط علیہ السلام شام کے علاقہ سدوم سے تعلق رکھتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کا خاندان عراق میں تھا اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شام کی طرف ہجرت کی تو ان کے ساتھ حضرت لوط علیہ السلام نے بھی شام کی طرف ہجرت کی پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو اہل سدوم کی طرف بھیجا۔

تو انہوں نے کہا: کاش میرے ساتھ لشکر یا میرے رشتہ دار اور میرا قبیلہ ہوتا تو میں اپنے مہمانوں کی عزت بچانے کے لیے ان سے مدد حاصل کرتا۔

امام ابن مردویہ نے روایت کیا ہے کہ

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہا: اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تم کو سنگسار کر دیتے۔

رکن شدید سے ان کی مراد قبیلہ تھی کیونکہ جس طرح رکن سے سہارا لیتے ہیں اسی طرح قبیلہ سے بھی سہارا لیتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا تھا۔

اللہ تعالیٰ حضرت لوط علیہ السلام کی مغفرت فرمائے اس کی وجہ یہ تھی کہ

انہوں نے اللہ تعالیٰ کی پناہ نہیں لی۔

علامہ نووی نے کہا ہے کہ

ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے باطن میں اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کی ہو اور ظاہر یہ کیا ہو کہ ان کی مدد کے لئے ان کے کوئی قوت یا ان کی پشت پر کوئی قبیلہ نہیں ہے تا کہ مہمانوں پر ان کا عذر ظاہر ہو جائے۔

(فتح الباری: ج:6، ص:216 مطبوعہ لاہور)

قوم لوط کا اندر آنے کے لئے دروازہ توڑنے کی کوشش کرنا

حضرت لوط علیہ السلام کی نصیحت پر عمل کرنے کے بجائے قوم بے حیائی پر تل گئی بالآخر وہ اس بری مستی میں دروازہ توڑنے لگے۔

علامہ ابو عبداللہ قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام پر ان کی قوم غالب آنے لگی وہ لوگ دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:9، ص:70 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت لوط علیہ السلام کا دروازہ بند رکھنے کی کوشش کرنا

قوم لوط دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہے تھے اور حضرت لوط علیہ السلام دروازہ بند رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

علامہ ابو عبداللہ قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام پر ان کی قوم غالب آنے لگی وہ لوگ دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہے تھے اور حضرت لوط علیہ السلام دروازہ بند رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:9، ص:70 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فرشتوں کا حضرت لوط علیہ السلام کو دروازہ سے ہٹ جانے کا کہنا

جب قوم لوط بے حیائی کے لئے اندر آنے پر ضد کرنے لگ گئی اور دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہی تھی تو فرشتوں نے کہا آپ علیہ السلام دروازے سے ہٹ جائیں۔

علامہ ابو عبداللہ قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام پر ان کی قوم غالب آنے لگی وہ لوگ دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہے تھے اور حضرت لوط علیہ السلام دروازہ بند رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

اس وقت فرشتوں نے آپ علیہ السلام سے کہا۔

آپ علیہ السلام دروازہ سے ہٹ جائیں۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:9، ص:70 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت لوط علیہ السلام کا دروازہ سے ہٹ جانا

جب فرشتوں نے کہا کہ آپ علیہ السلام دروازے سے ہٹ جائیں تو حضرت لوط علیہ السلام دروازے سے ہٹ گئے۔

علامہ ابو عبداللہ قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام پر ان کی قوم غالب آنے لگی وہ لوگ دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہے تھے اور حضرت لوط علیہ السلام

دروازہ بند رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

اس وقت ان سے فرشتوں نے کہا: آپ علیہ السلام دروازہ سے ہٹ جائیں تو حضرت لوط علیہ السلام ہٹ گئے۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:9، ص:70 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دروازہ کھل جانا اور قوم لوط کا اندر داخل ہونا

جب حضرت لوط علیہ السلام دروازے سے ہٹ گئے تو دروازہ کھل گیا اور قوم لوط اندر داخل ہو گئے۔

علامہ ابو عبداللہ قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام پر ان کی قوم غالب آنے لگی وہ لوگ دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہے تھے اور حضرت لوط علیہ السلام دروازہ کو بند رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

اس وقت ان سے فرشتوں نے کہا: آپ علیہ السلام دروازے سے ہٹ جائیں حضرت لوط علیہ السلام دروازہ سے ہٹ گئے اور دروازہ کھل گیا (تو قوم لوط اندر داخل ہو گئی)

(الجامع الاحکام القرآن: ج:9، ص:70 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فرشتوں کا دروازہ کھول دینے کا کہنا اور حضرت لوط علیہ السلام کا فرشتوں کو پہچان لینا

فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے فرمایا کہ دروازہ کھول دیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

(فرشتوں نے کہا) آپ علیہ السلام دروازہ کھول دیں یہ لوگ آپ علیہ السلام پر کسی قسم کا کوئی حملہ نہ کر سکیں گے اور اب آپ علیہ السلام کے سامنے بڑھ چڑھ کر چرب زبانی کر کے آپ علیہ السلام کی بے ادبی کر سکیں گے کیونکہ آپ علیہ السلام کا رکن یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ بہت شدید اور قوی ہے اب آپ علیہ السلام نے اس طرف توجہ دی اور فوراً پہچان لیا کہ یہ جبرائیل علیہ السلام، یہ میکائیل علیہ السلام وغیرہ پھر سجدہ شکر کر کے دروازہ کھول دیا۔ ملائکہ تو کہہ رہے ہیں کہ دروازہ کھول دو یہ آپ علیہ السلام تکلیف نہ دے سکیں گے مگر حضرت لوط علیہ السلام کو اپنا خطرہ نہ تھا نہ اس سے پہلے ورنہ دروازے سے باہر کھڑے ہو کر اتنی دلیری بہادری سے کلام نہ فرماتے بلکہ کافر قوم بھی جانتی ہے کہ نبی کا ہم کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ رعب کا عالم یہ ہے کہ دور سے کھڑے باتیں تو بنا رہے ہیں مگر قریب آ کر خود دروازہ کھولنے کی جرأت نہیں کرتے۔ اتنا کثیر مجمع ہے لیکن حضرت لوط علیہ السلام کو دروازے سے کوئی ہٹا نہیں سکتا۔ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے اندر سے دروازہ بند کر لیا تھا اور خود بھی مہمانوں کے ساتھ مقید ہو گئے تھے اور یہ ساری گفتگو اندر سے کواڑوں کی درزوں سے کی یہ سب بناوٹی اور غلط باتیں ہیں روش کلام بتا رہی ہے یہ بالمشافہ گفتگو ہو گی کیونکہ آپ علیہ السلام نے دور کھڑی عورتوں کو دیکھ کر ھؤلاء سے اشارہ کیا کواڑ کی درزوں سے دور کی نظر نہیں آتی اور پھر اگر اندر مقید ہو کر اتنی دلیرانہ گفتگو فرماتے تو قوم طعنہ دے سکتی تھی ثابت ہوا کہ دروازہ باہر سے بند کیا صرف نوعمر لڑکے مہمانوں کی حفاظت کے لئے۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:241 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کے پر مارنے سے قوم لوط کا اندھا ہونا

جب قوم لوط اندر داخل ہونے لگے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنے پر مارے جس کی وجہ سے وہ اندھے ہو گئے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِیْ وَ نُذُرِ ﴿القمر:37﴾

اور بے شک انہوں نے لوط سے ان کے مہمانوں کو طلب کیا تو ہم نے ان کی آنکھیں اندھی کر دیں پس میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ چکھو۔

علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام پر ان کی قوم غالب آنے لگی وہ لوگ دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہے تھے اور حضرت لوط علیہ السلام دروازہ بند رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

اس وقت فرشتوں نے کہا: آپ علیہ السلام دروازے سے ہٹ جائیں حضرت لوط علیہ السلام دروازے سے ہٹ گئے اور دروازہ کھل گیا پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنا پر مارا تو وہ سب اندھے ہو گئے۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:9، ص:70 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم سے روایت ہے کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ کے فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس گئے تو وہ یہ سمجھے کہ یہ ان کے مہمان ہیں۔ وہ فرشتے بے ریش لڑکوں کی شکل میں تھے انہوں نے اپنے اور اپنی بیٹیوں کے درمیان ان لڑکوں کو بٹھا دیا۔ قوم کو پتہ چلا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس بے ریش لڑکے آئے ہوئے ہیں تو وہ دوڑتے ہوئے ان کے پاس آئے۔

حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا:

تم میری (قوم کی) بیٹیوں سے نکاح کر لو یہ تمہارے لیے پاکیزہ ہیں۔

ان کی قوم نے کہا: تم کو معلوم ہے ہماری خواہش کیا ہے؟

تب حضرت لوط علیہ السلام نے کہا: کاش میرے پاس کوئی مضبوط جتھا ہوتا جو مجھے مہمانوں کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچاتا۔ تب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مڑ کر حضرت لوط علیہ السلام سے کہا۔

آپ علیہ السلام پریشان نہ ہوں ہم آپ علیہ السلام کے رب عزوجل کے بھیجے ہوئے ہیں یہ ہم تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے وہ بہ زور گھر کے اندر داخل ہوئے تو ان کی آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث:16493)

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی 405ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

جب حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا:

کاش مجھ میں تم سے مقابلہ کی قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط قبیلہ کی پناہ میں ہوتا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنے پر پھیلائے اوران کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔ (المستدرک: ج:2، ص:563 مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

اور تفسیر کنز الایمان میں ہے۔

فوراً وہ اندھے ہو گئے اور آنکھیں ایسی ناپید ہو گئیں کہ نشان بھی باقی نہ رہا چہرے سپاٹ گئے حیرت زدہ مارے مارے پھرتے تھے دروازہ ہاتھ نہ آتا تھا حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں دروازے سے باہر کیا۔

(کنز الایمان: ص:956 مطبوعہ اتفاق پبلشرز لاہور)

تفسیر نعیمی میں ہے:

ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ کفار اندر داخل ہوئے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کچھ کرنے کی اجازت مانگی اجازت مل گئی تب حضرت جبرائیل امین علیہ السلام اپنی اصلی شکل میں آ کر یا اسی طرح ان کے چہروں پر یکدم اپنا ہاتھ یا پر پھیرا تو سب کے سب ایک دم اس طرح اندھے ہو گئے کہ آنکھیں سرے سے نابود ہو گئیں۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:241 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

قوم لوط کا اندر جادوگر کہتے ہوئے چیختے چلاتے نکل جانا

جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنا پر مارا تو سب کی آنکھیں اندھی ہو گئیں اور وہ چیختے چلاتے ہوئے یوں کہتے ہوئے نکل گئے کہ لوط علیہ السلام کے گھر تو روئے زمین کا سب سے بڑا جادوگر ہے۔

امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی 405ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایک طویل حدیث مبارکہ روایت ہے جس کے آخر میں ہے۔

جب حضرت لوط علیہ السلام نے کہا: کاش مجھ میں تم سے مقابلہ کی قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط قبیلہ کی پناہ میں ہوتا حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنے پر پھیلائے اوران کی آنکھوں کو اندھا کر دیا اور وہ بچاؤ بچاؤ کہتے ہوئے الٹے پیر بھاگے انہوں نے کہا کہ

(حضرت) لوط (علیہ السلام) کے گھر میں تو روئے زمین کا سب سے بڑا جادوگر ہے۔

(المستدرک: ج:2، ص:563 مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

علامہ ابو عبداللہ قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام پر ان کی قوم غالب آنے لگی تو وہ لوگ دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہے تھے اور حضرت لوط علیہ السلام دروازہ کو بند رکھنے کی کوشش کر رہے تھے

اس وقت اُن سے فرشتوں نے کہا: آپ علیہ السلام دروازہ سے ہٹ جائیں۔ حضرت لوط علیہ السلام ہٹ گئے اور دروازہ کھل گیا پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنا پر مارا تو وہ سب اندھے ہو گئے اور الٹے پاؤں بچاؤ بچاؤ چیختے ہوئے بھاگے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَ نُذُرِ ○ (القمر:37)

اور انہوں نے لوط کے مہمانوں کے ساتھ برے کام کا ارادہ کیا تو ہم نے ان کی آنکھوں کو مٹا دیا سو اب میرے عذاب اور میری وعید کا مزہ چکھو۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:9، ص:70 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ کے فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس گئے تو وہ یہ سمجھے کہ یہ ان کے مہمان ہیں وہ فرشتے بے ریش لڑکوں کی شکل میں تھے انہوں نے اپنے اور اپنی بیٹیوں کے درمیان ان لڑکوں کو بٹھا دیا قوم کو پتہ چلا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس بے ریش لڑکے آئے ہوئے ہیں تو وہ دوڑتے ہوئے ان کے پاس آئے۔

حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا:

تم میری (قوم کی) بیٹیوں سے نکاح کرلو یہ تمہارے لیے پاکیزہ ہیں۔

ان کی قوم نے کہا: آپ جانتے ہیں کہ ہماری خواہش کیا ہے؟

تب حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا:

کاش میرے پاس کوئی مضبوط جتھا ہوتا جو مجھے مہمانوں کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچالیتا۔

تب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مڑ کر حضرت لوط علیہ السلام سے کہا۔

آپ علیہ السلام پریشان نہ ہوں ہم آپ علیہ السلام کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں یہ ہم تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے جب وہ لوگ در گھر کے اندر داخل ہوئے تو ان کی آنکھیں اندھی ہو گئیں پھر وہ ایک دوسرے پر گرتے ہوئے واپس بھاگے اور کہنے لگے ہم سب سے بڑے جادوگر کے پاس سے آرہے ہیں ہماری بینائی جاتی رہی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث:16493)

تفسیر نعیمی میں ہے:

روتے چیختے گرتے پڑتے پیچھے بھاگے یہ کاروائی آناً فاناً ہوئی کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ کیا ہوا بس یہی پکارتے تھے کہ بچاؤ یہاں تو جادوگر ہیں۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:241 نعیمی کتب خانہ لاہور)

توبہ کے بجائے حضرت لوط علیہ السلام کو برا بھلا کہتے ہوئے نکلنا

جب قوم کی آنکھیں اندھی ہو گئیں تو وہ چیختے چلاتے ہوئے فوراً حضرت لوط علیہ السلام کے گھر سے نکلے اور بجائے توبہ کے

حضرت لوط علیہ السلام کو برا بھلا کہنے لگے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

اور پھر بجائے توبہ کے حضرت لوط علیہ السلام کو برا بھلا کہتے ہوئے بھاگے جاتے تھے جیسے اندھا بھاگتا ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:241 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قوم کا حضرت لوط علیہ السلام کو کل سزا دینے کا کہنا

جب قوم حضرت لوط علیہ السلام کے گھر سے چیختی چلاتی ہوئی باہر نکلی تو وہ کہنے لگی کہ اے لوط (علیہ السلام) ہم آپ کو کل کی سزا دیں گے اور کل آپ دیکھ لینا کہ ہم تمہارے ساتھ کیا کرتے ہیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

اور کہتے جاتے تھے کہ اے لوط (علیہ السلام) ہم تجھ کو کل اس کی سزا دیں گے اور کل تو دیکھے گا کہ ہم تیرے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ (تفسیر نعیمی: ج:12،ص:241 نعیمی کتب خانہ لاہور)

فرشتوں کا حضرت لوط علیہ السلام کو آپ علیہ السلام کے رب عزوجل کی طرف سے بھیجے ہوئے کی خبر دینا

جب فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا اے لوط علیہ السلام! ہم آپ علیہ السلام کے رب عزوجل کی طرف بھیجے ہوئے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ یَّصِلُوْۤا اِلَیْكَ (ھود:81)

فرشتوں نے کہا اے لوط! ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں یہ آپ تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے۔

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی 405ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے جس کے آخر میں ہے۔

جب حضرت لوط علیہ السلام نے کہا: کاش مجھ میں تم سے مقابلہ کی قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط قبیلہ کی پناہ میں ہو
حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنے پر پھیلائے اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا اور وہ بچاؤ بچاؤ کہتے ہوئے الٹے پیر بھا
انہوں نے کہا: لوط (علیہ السلام) کے گھر میں روئے زمین کا سب سے بڑا جادوگر ہے۔

فرشتوں نے کہا: اے لوط (علیہ السلام)! ہم آپ علیہ السلام کے رب عزوجل کے بھیجے ہوئے ہیں یہ لوگ ہرگز آپ علیہ السلام تک نہیں پہنچ سکتے۔ (مستدرک: ج:2،ص:563 مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

فرشتوں کا حضرت لوط علیہ السلام کو عذاب لے کر آنے کی خبر دینا

فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا ہم آپ علیہ السلام کے پاس اس عذاب کو لے کر آئے ہیں جس میں

ک کرتے ہیں اور ہم آپ علیہ السلام کے پاس برحق عذاب لے کر آئے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ○ وَ اَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ○ (الحجر:63تا64)

فرشتوں نے کہا بے شک ہم آپ کے پاس اس عذاب کو لے کر آئے ہیں جس میں یہ لوگ شک کرتے ہیں اور ہم آپ کے پاس برحق عذاب لے کر آئے ہیں اور بے شک ہم ضرور سچے ہیں۔

رت لوط علیہ السلام کو قوم کی جڑ کاٹ دینے کی خبر دینا

حضرت لوط علیہ السلام کو خبر دی گئی کہ جب یہ لوگ صبح کر رہے ہوں گے تو ان کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ○ (الحجر:66)

اور ہم نے لوط کو اس فیصلہ سے مطلع کیا کہ جس وقت یہ لوگ صبح کر رہے ہوں گے تو ان کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔

توں کا آسمان سے عذاب نازل کرنے کی خبر دینا

فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو بتایا کہ ہم آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ○ (العنکبوت:34)

بے شک ہم اس بستی پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں۔

وں کو عذاب نازل کرنے کا حکم دیا گیا

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اس وجہ سے بھیجا کہ وہ قوم لوط پر عذاب نازل کریں تو فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا ان پر عذاب دینے کا حکم فرمایا گیا ہے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

ہمیں ان کو عذاب دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:21، ص:238 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

ں کے فرائض منصبی

رشتے اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان واسطہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مقدس مخلوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے وجود کی اور ان کے کاموں کی خبر دی ہے جس پر ہمیں ایمان لانا واجب ہے۔

علامہ بیضاوی لکھتے ہیں:

ملکہ کا لفظ ملاک کی جمع ہے یہ الولۃ سے بنا ہے جس کا معنیٰ رسالت (پیغام پہنچانا) ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے

درمیان واسطہ ہیں ان میں سے بعض حقیقۃً رسول ہیں مثلاً جو فرشتے خود ان کے لئے رسول ہیں ان کی حقیقت میں عقلاء کا اختلاف ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ جوہر ہیں جو قائم بذاتہ ہے اکثر مسلمانوں کا یہ نظریہ ہے کہ یہ اجسام لطیفہ ہیں جو مختلف شکلوں میں متشکل ہونے پر قادر ہیں کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام ان کو اسی طرح دیکھتے تھے۔

ان کی دو قسمیں ہیں۔

ایک وہ ہیں جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی معرفت میں مستغرق رہتے ہیں۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ○ (الانبیاء:20)

وہ رات اور دن اس کی تسبیح کرتے ہیں اور تھکتے نہیں ہیں۔

ان فرشتوں کو عبس اور ملائکہ مقربین کہا جاتا ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ کے تکوینی نظام کی تدبیر کرتے ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی سر مو مخالفت یا نافرمانی نہیں کرتے۔

قرآن مجید میں ہے:

لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ○ (التحریم:6)

وہ اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

ان فرشتوں کو المدبرات امراً کہا جاتا ہے ان میں سے بعض فرشتے آسمانوں کے تکوینی نظام کی تدبیر کرتے ہیں اور بعض زمین کے تکوینی نظام کی تدبیر کرتے ہیں۔ (انوار التنزیل: ص:59 مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

محمد مرشد رضا لکھتے ہیں:

سلف صالحین نے فرشتوں کے متعلق یہ کہا ہے کہ

فرشتے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے وجود کی اور ان کے بعض کاموں کی خبر دی ہے جس پر ہمیں ایمان لانا واجب ہے اور یہ ایمان لانا ان کی حقیقت جاننے پر موقوف نہیں ہے اس لیے ہم ان کی حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتے ہیں جب شریعت میں یہ وارد ہے کہ فرشتوں کے پر ہیں تو ہم اس پر ایمان لاتے ہیں لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمیں ان پروں کی کیفیت کا علم نہیں ہے اور جب شریعت میں یہ وارد ہے کہ فرشتے سمندروں اور سبزہ زاروں پر مقرر کئے گئے ہیں تو ان سے ہم استدلال کرتے ہیں کہ اس کائنات میں اس عالم محسوس سے زیادہ لطیف ایک اور عالم ہے اور اس عالم میں فرشتے اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں اور عقل کے نزدیک یہ جائز ہے اور وحی اس کی تصدیق کرتی ہے۔

(المنار: ج:1، ص:254 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

فرشتے جو محیر العقول کارنامے انجام دیتے ہیں اور ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں آسمان سے زمین پر پہنچ جاتے ہیں

آسمانوں کی خبریں زمین تک پہنچاتے ہیں سائنس کی ترقی اور کمپیوٹر کے اس دور میں اس کا سمجھنا آسان ہو گیا جب خلائی سیاروں اور برقی لہروں کے ذریعہ ایک براعظم سے دوسرے بعید براعظم تک ایک آن میں آواز اور تصویر پہنچ سکتی ہے اور چاند سے زمین پر ٹیلی فون سے گفتگو ہو سکتی ہے تو فرشتوں کے تصرفات اور نظام عالم میں ان کی تدبیروں کا واقع ہونا اب بعید از فہم نہیں رہا۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

کبھی فرشتے ایسے بدنوں میں ظاہر ہوتے ہیں جن کو ہر خاص اور عام دیکھ لیتا ہے درآں حالیکہ وہ اپنی اصل صورت پر بھی قائم رہتے ہیں حتیٰ کہ کہا گیا ہے کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ مقدسہ میں حاضر ہوتے تھے تو اس وقت سدرۃ المنتہیٰ میں بھی موجود ہوتے تھے اور کامل ولی اللہ بھی اسی طرح بیک وقت کئی جگہ موجود ہوتا ہے اور ہر چند کہ یہ چیز بہ ظاہر عقل سے بعید ہے لیکن میرا اس پر ایمان ہے۔

(روح المعانی: ج:1، ص:219 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قرآن مجید میں ہے:

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝ وَّ النّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝ وَّ السّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝

(النازعات: 1 تا 5)

ان فرشتوں کی قسم جو نہایت سختی سے (کافر کی جان) کھینچتے ہیں اور جو بہت نرمی سے (مومن کی جان کی گرہ) کھولتے ہیں اور جو (زمین و آسمان میں) سرعت سے تیرتے پھرتے ہیں اور جو پوری قوت سے آگے بڑھتے ہیں اور جو تدبیر کرتے ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۝ (الذاریات: 4)

اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو کام تقسیم کرنے والے ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ (حم السجدہ: 30)

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ اس پر مضبوطی سے قائم رہے ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ خوف اور غم نہ کرو اور اس جنت کے ساتھ خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَرُسُلُنَا لَدَیْهِمْ یَكْتُبُوْنَ ۝ (الزخرف: 80)

اور ہمارے فرشتے ان کے پاس لکھ رہے ہیں

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَ اِنَّ عَلَيۡكُمۡ لَحٰفِظِيۡنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيۡنَ ۝ يَعۡلَمُوۡنَ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ۝ (الانفطار:10 تا 12)

اور بے شک ضرور تم پر نگہبان ہیں معزز فرشتے لکھنے والے وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔

فرشتوں کا حضرت لوط علیہ السلام سے عذاب دینے پر تین بار شہادت لینا

فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے قوم پر عذاب نازل کرنے پر تین بار شہادت حاصل کی۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے وہ اس وقت کوئی کام کر رہے تھے۔

انہوں نے کہا: ہم آج رات آپ علیہ السلام کے پاس مہمان رہیں گے حضرت لوط علیہ السلام ان کو ساتھ لے کر اپنے گھر کی طرف چل پڑے۔

حضرت لوط علیہ السلام نے راستہ میں ان کی طرف مڑ کر ارشاد فرمایا:

کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ اس بستی کے لوگ کس طرح کے کام کرتے ہیں۔ تمام روئے زمین میں ان سے زیادہ برے کام کرنے والا اور کوئی نہیں ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے یہ بات ان سے تین بار کہی۔

اور ان فرشتوں سے یہ کہا گیا تھا کہ

ان کو اس وقت تک عذاب نہ دیں جب تک کہ تین بار ان کے خلاف شہادت نہ حاصل کر لیں۔

(تاریخ دمشق الکبیر: ج:53، ص:244 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ

جب قوم لوط کی طرف فرشتے بھیجے گئے تا کہ وہ انہیں ہلاک کر دیں تو ان سے کہا گیا تم قوم لوط کو تباہ نہ کرنا حتیٰ کہ تین حضرت لوط علیہ السلام ان کے خلاف شہادت دے دیں۔ (مستدرک: ج:2، ص:375 مطبوعہ بیروت)

حضرت لوط علیہ السلام کا فرشتوں سے عذاب نازل کرنے کا وقت معلوم کرنا

جب قوم چلی گئی تو حضرت لوط علیہ السلام نے ملائکہ سے پوچھا کہ عذاب کب نازل ہوگا۔

تفسیر نعیمی میں ہے: جب وہ سب نکل گئے تو حضرت لوط علیہ السلام نے ملائکہ سے پوچھا کہ عذاب کب ہوگا؟ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:241 نعیمی کتب خانہ لاہور)

فرشتوں کا عذاب نازل کرنے کا وقت صبح کا بتانا

جب حضرت لوط علیہ السلام نے فرشتوں سے عذاب نازل کرنے کا وقت پوچھا تو فرشتوں نے کہا عذاب نازل کر

ت صبح کا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ مَوۡعِدَهُمُ الصُّبۡحُ ؕ (ھود:81)

عذاب کے وعدے کا وقت صبح سویرے ہے۔

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی 405ھ لکھتے ہیں:

فرشتوں نے کہا: ہمیں صبح کے وقت انہیں ہلاک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (المستدرک: ج:2، ص:563 مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ)

حضرت لوط علیہ السلام کا فرمانا کہ ان کو اسی وقت ہلاک کردو

جب فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو صبح کے وقت عذاب نازل کرنے کا بتایا تو حضرت لوط علیہ السلام نے کہا ان کو اسی وقت ہلاک کردو۔

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی 405ھ لکھتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام نے کہا: ان کو اسی وقت ہلاک کردو۔ (المستدرک: ج:2، ص:563 مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ)

تفسیر نعیمی میں ہے:

حضرت لوط علیہ السلام کو چونکہ ان کے گندے وجود سے سخت نفرت تھی اور اب اس واقعے سے اور بھی دل تنگ ہو گیا پوچھا کہ اس سے جلدی عذاب شروع کردو۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:242 نعیمی کتب خانہ لاہور)

فرشتوں نے کہا کیا صبح کا وقت قریب نہیں

جب حضرت لوط علیہ السلام نے کہا ابھی اسی وقت ان کو ہلاک کردو تو فرشتوں نے کہا کیا صبح کا وقت قریب نہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

اَلَيۡسَ الصُّبۡحُ بِقَرِيۡبٍ ۝ (ھود:81)

کیا صبح کا وقت قریب نہیں۔

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی 405ھ لکھتے ہیں:

فرشتوں نے کہا: ہمیں صبح کے وقت انہیں ہلاک کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیا صبح کا وقت نہیں۔

(المستدرک: ج:2، ص:563 مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ)

تفسیر نعیمی میں ہے:

ملائکہ نے بڑے ادب سے عرض کیا:

اے لوط علیہ السلام اَلَيۡسَ الصُّبۡحُ بِقَرِيۡبٍ ۝ کیا صبح بالکل ہی قریب نہیں۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:242 نعیمی کتب خانہ لاہور)

صبح تک عذاب کی تاخیر حضرت لوط علیہ السلام کو شہر سے چلے جانے کی وجہ سے تھا

صبح تک عذاب کی تاخیر کی وجہ حضرت لوط علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے اہل کو شہر سے چلے جانے کی وجہ سے تھا۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

عذاب کی یہ تاخیر اہل بیت کو نکالنے کی خاطر تھی۔(تفسیر نعیمی:ج:12،ص:242 نعیمی کتب خانہ لاہور)

صبح کے وقت عذاب کیوں آتے ہیں؟

صبح کے وقت عذاب آنے کی کئی وجوہات ہیں مگر تفسیر نعیمی میں دو مذکور ہیں۔

چنانچہ تفسیر نعیمی میں ہے:

صبح کے وقت عذاب دو وجہ سے آتے ہیں۔

1۔یہ وقت کافروں کی غفلت و آرام کا ہوتا ہے اس وقت کے عذاب سے بھاگنا تو درکنار سنبھلنے کا موقع نہیں ملتا۔

2۔عبرت کے لئے تاکہ لوگ اس وقت میں خاص طور پر جاگیں۔(تفسیر نعیمی:ج:12،ص:242 نعیمی کتب خانہ لاہور)

فرشتوں کا حضرت لوط علیہ السلام کو رات کے حصے میں روانہ ہو جانے کا کہنا

جب قوم لوط پر عذاب نازل کرنے کا فیصلہ اٹل ہو چکا تو فرشتوں نے کہا آپ علیہ السلام رات کے ایک حصہ میں اپنے گھر والوں کے ساتھ یہاں سے روانہ ہو جائیں۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ (ھود:81)

آپ رات کے ایک حصہ میں اپنے گھر والوں کے ساتھ یہاں سے روانہ ہو جائیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ (الحجر:65)

سو آپ کچھ رات گزارنے کے بعد اپنے گھر والوں کو لے کر روانہ ہوں۔

حضرت لوط علیہ السلام کو اہل کے پیچھے چلنے کا حکم

حضرت لوط علیہ السلام کو روانہ ہونے کے دوران سب کے پیچھے چلنے کا حکم فرمایا گیا۔

قرآن مجید میں ہے: وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ (الحجر:65)

اور آپ ان سب کے پیچھے چلیں۔

پیچھے مڑ کر نہ دیکھنے کا حکم

جب حضرت لوط علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے اہل کو روانہ کا حکم فرمایا گیا تو ساتھ یہ بھی حکم فرمایا گیا کہ جب

پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ (الحجر:65)

اور آپ میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ (ھود:81)

اور آپ میں سے کوئی شخص مڑ کر پیچھے نہ دیکھے۔

سب کے پیچھے چلنے اور مڑ کر نہ دیکھنے کی وجوہ

سب کے پیچھے چلنے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے کوئی واپس نہ جا سکے مبادا اس پر بھی عذاب نازل ہو جائے اور آپ میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ عذاب کو دیکھ کر اس پر دہشت طاری ہو اور اس کے ہوش وحواس جاتے رہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کو اپنی بیوی ساتھ نہ لے جانے کا حکم

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی چونکہ کافرہ تھی اس لیے حضرت لوط علیہ السلام کو حکم فرمایا گیا کہ ان کو ساتھ نہ لے جانا۔

قرآن مجید میں ہے:

اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْ ؕ (ھود:81)

البتہ اپنی بیوی کو ساتھ نہ لیں بے شک اس کو وہی (عذاب) پہنچنے والا ہے جو انہیں پہنچے گا۔

حضرت لوط علیہ السلام اور اہل سمیت کا رات کے پچھلے پہر روانہ ہونا

جب حضرت لوط علیہ السلام کو رات کے حصے میں روانہ ہونے کا حکم فرمایا گیا تو حضرت لوط علیہ السلام رات کے پچھلے پہر روانہ ہو گئے۔

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی 405ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایک طویل حدیث مبارکہ روایت ہے کہ جس کے آخر میں ہے۔

جب حضرت لوط علیہ السلام نے کہا: کاش مجھ میں تم سے مقابلہ کی قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط قبیلہ کی پناہ میں ہوتا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنے پر پھیلائے اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا اور وہ بچاؤ بچاؤ کہتے ہوئے الٹے پاؤں گئے۔

انہوں نے کہا کہ

لوط کے گھر میں روئے زمین کا سب سے بڑا جادوگر ہے۔

فرشتوں نے کہا: اے لوط علیہ السلام! ہم آپ علیہ السلام کے رب عزوجل کے فرستادہ ہیں یہ لوگ ہرگز آپ علیہ السلام تک نہیں پہنچ سکتے۔ آپ علیہ السلام اپنے اہل کے ساتھ رات کے ایک حصہ میں روانہ ہو جائیں اور آپ علیہ السلام میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے البتہ اپنی بیوی کو ساتھ نہ لیں اللہ تعالیٰ ان کو شام کی طرف لے گیا۔

حضرت لوط علیہ السلام نے کہا: ان کو اسی وقت ہلاک کر دو۔

فرشتوں نے کہا: ہمیں صبح کے وقت انہیں ہلاک کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیا صبح قریب نہیں پھر رات کے پچھلے پہر حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے اہل روانہ ہو چکے تھے۔ (المستدرک: ج:2،ص:563 مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ)

حضرت لوط علیہ السلام بستی سے چل کر ایک پہاڑی پر تشریف فرما ہوئے

جب حضرت لوط علیہ السلام کو چلے جانے کا حکم فرمایا گیا تو آپ علیہ السلام اور اہل رات کے پچھلے پہر بستی سے نکل کر ایک پہاڑی پر جا بیٹھے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

حضرت لوط علیہ السلام چل پڑے اور بستی سے نکل کر ایک پہاڑی پر جا بیٹھے۔ (تفسیر نعیمی: ج:12،ص:242 نعیمی کتب خانہ لاہور)

پہاڑی پر تہجد کے وقت تشریف فرما ہوئے

حضرت لوط علیہ السلام اور اہل جب پہاڑی پر تشریف فرما ہوئے تو تہجد کا وقت تھا۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

حضرت لوط علیہ السلام چل پڑے اور بستی سے نکل کر ایک پہاڑی پر جا بیٹھے یہ تہجد کا وقت (تھا)

(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:242 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت لوط علیہ السلام اور دو بیٹیاں پہاڑی پر پہنچ کر ذکر الٰہی میں مشغول ہوئے

حضرت لوط علیہ السلام اور دو بیٹیاں پہاڑی پر پہنچ کر ذکر الٰہی عزوجل میں مشغول ہو گئے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

حضرت لوط علیہ السلام چل پڑے اور بستی سے نکل کر ایک پہاڑی پر جا بیٹھے یہ تہجد کا وقت (تھا) یہ تینوں حضرات ایک اور دو بیٹیاں ذکر الٰہی عزوجل میں مشغول رہیں۔ (تفسیر نعیمی: ج:12،ص:242 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت لوط علیہ السلام کو شام کی طرف جانے کا حکم دیا گیا

حضرت لوط علیہ السلام کو شام کی طرف جانے کا حکم فرمایا گیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ○ (الحجر:65)

اور آپ سب وہاں جائیں جہاں کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہمانے فرمایا:

اس سے مراد ملک شام ہے۔

اور اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی 405ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایک طویل حدیث روایت ہے جس کے میں ہے۔

جب حضرت لوط علیہ السلام نے کہا: کاش مجھ میں تم سے مقابلہ کی قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط قبیلہ کی پناہ میں ہوتا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنے پر پھیلائے اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا اور وہ بچاؤ بچاؤ کہتے ہوئے الٹے پیر بھاگے۔

انہوں نے کہا: لوط کے گھر میں روئے زمین کا سب سے بڑا جادوگر ہے۔

فرشتوں نے کہا: اے لوط (علیہ السلام)! ہم آپ علیہ السلام کے رب عزوجل کے فرستادہ ہیں یہ لوگ ہرگز آپ علیہ السلام تک نہیں پہنچ سکتے۔ آپ علیہ السلام اپنے اہل کے ساتھ رات کے ایک حصہ میں روانہ ہو جائیں اور آپ علیہ السلام میں سے کوئی مڑ کر نہ دیکھے البتہ اپنی بیوی کو اپنے ساتھ نہ لیں اللہ تعالیٰ ان کو شام کی طرف لے گیا۔

(المستدرک: ج:5،ص:563 مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا رب تعالیٰ سے عذاب نازل کرنے کی اجازت طلب کرنا اور مل جانا

جب حضرت لوط علیہ السلام محفوظ مقام پر تشریف فرما ہو گئے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس وقت اللہ تعالیٰ سے عذاب نازل کرنے کی اجازت طلب کی تو اجازت مل گئی۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب قوم لوط کی طرف فرشتے بھیجے گئے تا کہ وہ انہیں ہلاک کر دیں۔

تو ان سے کہا گیا کہ

تم قوم لوط کو تباہ نہ کرنا حتیٰ کہ تین بار حضرت لوط علیہ السلام ان کے خلاف شہادت دے دیں وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے پاس سے ہو کر آئے تھے۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَ جَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ○ (هود:74)

آپ کا ان کے ساتھ مجادلہ اس طرح تھا کہ آپ نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر ان میں پچاس مومن ہوں تو کیا تم

انہیں ہلاک کر دو گے۔

فرشتوں نے جواب دیا۔

نہیں۔

پھر آپ علیہ السلام نے کہا: اگر چالیس ہوں تو؟

انہوں نے جواب دیا۔

نہیں۔حتیٰ کہ آپ علیہ السلام اس تعداد کو کم کرتے کرتے دس یا پانچ تک پہنچ گئے۔

راوی فرماتے ہیں کہ

پھر وہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے اور آپ علیہ السلام اپنی اس زمین میں تھے جہاں کام کرتے تھے تو آپ علیہ السلام نے ان کو مہمان خیال کیا پس آپ علیہ السلام اپنے گھر والوں کی طرف آئے حتیٰ کہ شام ہوگئی اور وہ بھی آپ علیہ السلام کے ساتھ چل پڑے۔

آپ علیہ السلام ان کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا۔

تم کیا رائے رکھتے ہو اس کے بارے جو کچھ یہ کر رہے ہیں؟

فرشتوں نے پوچھا۔

یہ کیا کرتے ہیں؟

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

لوگوں میں کوئی بھی ان سے بڑھ کر شریر اور بد کردار کوئی نہیں پس وہ آپ علیہ السلام کے ساتھ چلتے رہے حتیٰ کہ تین بار کہا اور آپ علیہ السلام ان کو لے کر اپنے گھر والوں کے پاس پہنچ گئے تو آپ علیہ السلام کی عورت جو کہ بد اخلاق بڑھیا تھی تو چل نکلی۔

اور آپ کی قوم کے پاس آ کر کہا۔

آج کی رات حضرت لوط علیہ السلام نے ایسی قوم کو مہمان بنایا ہے کہ میں نے ان سے بڑھ کر حسین اور پاکیزہ خوشبو والے کبھی نہیں دیکھے پس وہ دوڑتے ہوئے آپ علیہ السلام کے گھر کی طرف آئے اور انہوں نے دروازے کو دھکیلنا شروع کر دیا کہ وہ آپ پر غالب آنے کے قریب ہو گئے تو ایک فرشتے نے اپنے پر کے ساتھ ان پر دروازہ بند کر دیا اور آپ علیہ السلام چڑھ گئے اور وہ بھی آپ علیہ السلام کے ساتھ اوپر چڑھے۔

تو اس وقت آپ علیہ السلام یہ فرمانے لگے۔

هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ ۔الخ

تو فرشتوں نے کہا:

اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ

پس اسی وقت آپ علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھیجے ہوئے ہیں اور ایک فرشتے نے اپنا پر مارا۔ اس ان میں سے ہر کوئی پر لگنے کے سبب اندھا ہو گیا۔ پس انہوں نے اندھے ہو کر انتہائی تکلیف کی حالت میں رات گزاری عذاب کا انتظار کرنے لگے پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کی ہلاکت اور تباہی کے بارے میں اجازت طلب کی تو اجازت دے دی گئی۔ (مستدرک: ج:2، ص:375 مطبوعہ بیروت)

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے وہ اس وقت کوئی کام کر رہے تھے۔

انہوں نے کہا: ہم آج رات آپ علیہ السلام کے پاس مہمان رہیں گے۔ حضرت لوط علیہ السلام ان کو ساتھ لے کر اپنے گھر کی طرف چل پڑے۔

حضرت لوط علیہ السلام نے راستے میں ان کی طرف مڑ کر ارشاد فرمایا:

کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ اس بستی کے لوگ کس طرح کے کام کرتے ہیں؟ تمام روئے زمین میں ان سے زیادہ برے کام کرنے والا اور کوئی نہیں ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام نے یہ بات تین بار کہی۔

اور ان فرشتوں سے کہا گیا تھا کہ

ان کو اس وقت تک عذاب نہ دیں جب تک کہ تین بار ان کے خلاف شہادت حاصل نہ کر لیں۔ جب وہ فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے گھر داخل ہوئے تو وہ کافرہ بوڑھی اپنی قوم کے پاس گئی اور ان کو حضرت لوط علیہ السلام کے گھر کے دروازے پر لے آئی۔ ایک فرشتہ اٹھا اور اس نے پوری قوت کے ساتھ دروازہ کو بند کر دیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کو عذاب دینے کے لئے اپنے رب عزوجل سے اجازت طلب کی اللہ تعالیٰ نے ان کو اجازت دے دی۔

(تاریخ دمشق الکبیر: ج:53، ص:244 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا بستی کو درمیان سے پکڑ کر آسمان پر لے جانا پھر پلٹ دینا

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بستی کو درمیان سے پکڑ کر اٹھایا اور آسمان کی طرف لے جا کر اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا اوپر کر دیا۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

[illegible] ... حضرت جبرائیل علیہ السلام ... کو درمیان سے پکڑ کر اٹھایا اور اس کو آسمان کی

طرف لے کر چڑھے حتیٰ کہ آسمان والوں نے اس بستی کے کتوں کی آوازیں سنیں پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس بستی کو پلٹ دیا اس کے اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر کر دیا۔

(تاریخ دمشق الکبیر: ج:53،ص:244 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

زمین کو بلندی سے پلٹ کر اوندھا کر دیا گیا

جب قوم لوط پر عذاب آیا تو زمین کو آسمان پر لے جایا گیا پھر زمین کو بلندی سے پلٹ کر اوندھا کر دیا گیا۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ کے فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس گئے تو وہ یہ سمجھے کہ یہ ان کے مہمان ہیں وہ فرشتے بے ریش لڑکوں کی شکل میں تھے انہوں نے اپنے اور اپنی بیٹیوں کے درمیان ان لڑکوں کو بٹھا دیا قوم کو پتہ چلا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس بے ریش لڑکے آئے ہوئے ہیں تو وہ دوڑتے ہوئے ان کے پاس آئے۔

حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا:

تم میری (قوم کی) بیٹیوں سے نکاح کر لو یہ تمہارے لیے پاکیزہ ہیں۔

ان کی قوم نے کہا: تمہیں معلوم ہے ہماری خواہش کیا ہے؟

تب حضرت لوط علیہ السلام نے کہا: کاش میرے پاس کوئی مضبوط جتھا ہوتا جو مجھے مہمانوں کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچا لیتا۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مڑ کر حضرت لوط علیہ السلام سے کہا۔

آپ علیہ السلام پریشان نہ ہوں ہم آپ علیہ السلام کے رب عزوجل کے بھیجے ہوئے ہیں یہ ہم تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے جب وہ لوگ بہ زور گھر کے اندر داخل ہوئے تو ان کی آنکھیں اندھی ہو گئیں پھر وہ ایک دوسرے پر گرتے ہوئے واپس بھاگے اور کہنے لگے ہم بہت بڑے جادوگر کے پاس سے آ رہے ہیں ہماری بینائی جاتی رہی وہ آدھی رات کے وقت شہر لوٹے اور اسی وقت اس زمین کو اوپر اٹھا لیا گیا اور ان پر آسمان سے لگاتار پتھر برسائے گئے اور اس زمین کو بلندی سے پلٹ کر اوندھا کر دیا گیا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 16499)

بستیوں کے اوپر کے حصہ کو نیچے کا حصہ کر دیا

قوم لوط کو عذاب دینے کے لئے بستیوں کے اوپر کے حصہ کو نیچے کا حصہ کر دیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا (الحجر:74)

پس ہم نے ان کی بستیوں کے اوپر کے حصہ کو نیچے کا حصہ کر دیا

قوم لوط کو سورج چمکنے کے وقت زبردست چیخ کا پکڑنا

جب قوم لوط پر سورج چمک رہا تھا تو ان کو ایک زبردست چیخ نے پکڑ لیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ مُشۡرِقِيۡنَ ۝ (الحجر:73)

سو جب ان پر سورج چمک رہا تھا تو ایک زبردست چیخ نے ان کو پکڑ لیا۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا اپنے پروں کو زمین کے نیچے داخل کرنا اور بلندی پر لے جا کر پلٹ دینا

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے زمین کے نیچے اپنے پروں کو داخل فرمایا اور بلندی پر لے جا کر پلٹ دیا۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا انہوں نے اپنا پر ان شہروں کے نیچے داخل کیا اور اس زمین کو اکھاڑ کر بلند کیا حتیٰ کہ آسمان والوں نے کتوں اور مرغوں کی چیخ و پکار کو سنا پھر انہوں نے بلندی سے اس زمین کو پلٹ دیا اور ان پر پتھروں کی بارشیں برسائیں۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز: 7، ص: 223 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی 405ھ روایت کرتے ہیں۔

(طویل روایت کے بعد لکھتے ہیں) پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کی ہلاکت اور تباہی کے بارے اجازت طلب کی اور انہیں اجازت دے دی گئی تو آپ نے اس زمین کو اٹھا لیا جس پر وہ رہتے تھے اور انہیں اتنی بلندی تک لے گئے یہاں تک کہ آسمان دنیا کے باسیوں نے ان کے کتوں کی آوازیں سنیں اور آپ نے ان کے نیچے آگ جلائی پھر آپ نے اس زمین کو ان کے ساتھ الٹا کر دیا۔ (مستدرک: ج: 2، ص: 375 مطبوعہ بیروت)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت لوط علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا۔

انہیں اسی وقت ہلاک کر دو۔

تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کو بتایا۔

اَلَيۡسَ الصُّبۡحُ بِقَرِيۡبٍ ۝ یعنی کیا صبح کا وقت قریب نہیں، تو حضرت لوط علیہ السلام پر یہ نازل کی گئی۔

اَلَيۡسَ الصُّبۡحُ بِقَرِيۡبٍ ۝

ارشاد فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو حکم دیا ہے کہ وہ رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو ساتھ لے کر چلے جائیں سوائے اپنی بیوی کے اور تم میں سے کوئی بھی پیچھے کی طرف نہ دیکھے پس آپ علیہ السلام چلے گئے اور جب وہ وقت ہوا جس میں انہیں ہلاک کیا گیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنا پر زمین میں داخل کیا اور اس زمین کو اٹھالیا یہاں تک کہ آسمان کے باسیوں نے مرغ کی چیخ اور کتوں کے بھونکنے کی آواز سنی اور انہیں اوپر لے جا کر نیچے گرادیا اور ہم نے ان پر آگ میں پکے ہوئے پتھر برسائے۔

(جامع البیان: ج:12، ص:107 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کی شدید قوت و کیفیت کا عالم

حضرت جبرائیل علیہ السلام شدید قوت کے مالک تھے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں کو اپنے ایک پر کے اوپر اٹھایا پھر ان کو آسمان پر لے جاکر دوبارہ زمین پر پلٹ دیا۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت جبرائیل علیہ السلام کی قوت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں کو اپنے ایک پر کے اوپر اٹھالیا پھر ان بستیوں کو اٹھا کر آسمان تک لے گئے حتیٰ کہ آسمان والوں نے مرغوں کی بانگ اور کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں پھر ان تمام بستیوں کو پلٹ کر زمین پر پھینک دیا اور ان کی شدت کی کیفیت یہ تھی کہ

انہوں نے دیکھا کہ ابلیس حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ارض مقدسہ کی کسی گھاٹی میں کلام کر رہا ہے انہوں نے اپنے پر سے پھونک مار کر سرزمین ہند کے دور دراز پہاڑ پر پھینک دیا۔

اور ان کی شدت کا یہ عالم تھا کہ

قوم ثمود جو بہت جسیم اور بہت طاقت ور تھے اور ان کی ایک چیخ سے وہ ہلاک ہوگئی۔

اور یہ ان کی قوت تھی کہ

وہ آسمان سے انبیاء کرام علیہم السلام پر نازل ہوتے اور پلک جھپکنے سے پہلے آسمان پر پہنچ جاتے۔

اور ان کی عقل کی عظمت یہ تھی کہ

اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی وحی پر امین بنایا۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:17، ص79 تا 80 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اصل صورت میں دوبار دیکھا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اصل صورت میں صرف دوبار دیکھا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں صرف دوبار دیکھا۔

1- ایک باراس وقت جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ان کی اصل صورت میں دیکھنے کا سوال کیا تو انہوں نے ان کے کنارے کو بھر لیا۔

2- دوسری باراس وقت جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ آسمان پر چڑھے اس وقت وہ اعلیٰ پر تھے۔

(معجم الکبیر: رقم الحدیث:10547)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کے چھ سو پر

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اصل صورت میں دیکھا تو آپ علیہ السلام کے چھ سو پر

ابووائل سے روایت ہے کہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اصل صورت میں دیکھا اور ان کے چھ سو پر تھے ہر پر نے افق بھر لیا تھا اور ان سے موتی، یاقوت اور جواہر جھڑ رہے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر: ج:4، ص:273 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید کے علاوہ دیگر احکام کی خبر دینا

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید نازل کیا بلکہ ان کے علاوہ دیگر احکام بھی نازل کیے۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن مردویہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سنو! الروح الامین نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ کسی شخص کو اس وقت تک موت نہیں آتی جب تک کہ اس کا رزق مکمل نہ ہو جائے خواہ اس میں تاخیر ہو۔

امام ابن ابی شیبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہر وہ کام جو تم کو جنت کے قریب کرے گا اور دوزخ سے دور کرے گا میں تم کو اس کا حکم دے چکا ہوں اور ہر وہ کام جو تم کو دوزخ کے قریب اور جنت سے دور کرے گا میں تم کو اس کام سے منع کر چکا ہوں اور بے شک الروح الامین نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ جب تک کوئی شخص اپنے رزق کو مکمل نہیں کر لے گا اس کو موت نہیں آئے گی پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اچھے طریقے سے طلب کرو اور حصول رزق کی تاخیر تم کو معصیت پر نہ ابھارے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کی اطاعت

سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: رقم الحدیث: 34321) (الدر المنثور: ج: 6، ص: 289 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت جبرائیل علیہ السلام زیادہ کیوں نہ نازل ہوتے تھے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ

آپ علیہ السلام ہم سے ملاقات کے لئے جتنی بار آتے ہیں اس سے زیادہ کیوں نہیں آتے تو یہ آیت (مریم: 64، اور ہم فرشتے صرف آپ کے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں ہمارے آگے اور پیچھے اور جو اس کے درمیان ہے وہ سب اس کی ملکیت ہے اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے) نازل ہوئی۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 4731)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کی چھ صفات

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی چھ صفات کا ذکر فرمایا اور ان صفات کو امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ذکر فرمایا ہے۔

چنانچہ امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ان آیات (التکویر کی) میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کی چھ صفات کا ذکر فرمایا ہے۔

1- پہلی صفت یہ ہے کہ

وہ رسول ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں سو وہ رسول اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام ان کی امت ہیں۔

درج ذیل آیتوں میں بھی یہی مراد ہے۔

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ (النحل: 2)

وہی جبرائیل کو وحی کے ساتھ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں جس پر چاہے نازل فرماتا ہے۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ o عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ o (الشعراء: 193 تا 194)

جس کو الروح الامین (جبرائیل) لے کر نازل ہوئے ہیں آپ کے قلب کے اوپر تا کہ آپ (اللہ تعالیٰ کے عذاب سے) ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں۔

2- اور دوسری صفت یہ ہے کہ

وہ کریم ہیں اور ان کا کرم یہ ہے کہ وہ افضل چیز عطا کرتے ہیں اور وہ معرفت اور ہدایت ہے۔

3، 4- تیسری اور چوتھی صفت یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔
وہ قوی ہیں اور عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ہیں۔ (التکویر:20)
ان کی قوت یہ ہے کہ
ایک روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے کہا۔
اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی قوم کا ذکر فرمایا ہے تو آپ علیہ السلام کی قوت کا کیا اندازہ ہے؟
انہوں نے کہا کہ
میں نے حضرت لوط علیہ السلام کی چار بستیوں کو اپنے ایک پر کے ساتھ آسمان کی طرف اٹھالیا تھا حتیٰ کہ آسمان والوں نے کتوں اور مرغیوں کی آوازیں سنیں۔
اور مقاتل نے ذکر کیا ہے کہ
ابیض نامی شیطان نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس کو معمولی سی ضرب لگائی جس کے نتیجہ میں وہ مکہ مکرمہ سے ہند کے پرلے سرے میں جا پڑا۔
اور بعض مفسرین نے کہا: اس قوت سے مراد ہے! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا اور اس میں خلل نہ آنے دینا ان کی تخلیق کی ابتداء سے لے کر آخرت تک اور ان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے جلال ذات کے مشاہدہ کی جو قدرت ہے وہ یہاں مراد ہے۔

4-چوتھی صفت یہ ہے کہ
وہ عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت معزز اور بہت مکرم ہیں۔
5-پانچویں صفت یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
ان کی (آسمانوں میں) اطاعت کی جاتی ہے (عرش والے کے نزدیک) امانت دار ہیں۔ (التکویر:21)
اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرشتوں میں واجب الاطاعت ہیں وہ ان ہی کے حکم سے آتے ہیں اور جاتے ہیں۔

6-چھٹی صفت یہ ہے کہ
وہ اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کا پیغام پہنچانے میں امانت دار ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو خیانت کرنے سے اور لغزش کرنے سے محفوظ اور مامون رکھا ہے۔ (تفسیر کبیر: ج:11 ص69 تا 70 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بستیوں کو بنیادوں سے ہلا دیا

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جب بستیوں کو اٹھایا تو ان کی بنیادوں کو ہلا دیا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب انہوں نے صبح کی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کی بستیوں کو اٹھایا اور انہیں ان کی بنیادوں سے ہلا دیا اپنے پر ان کے نیچے داخل کیے اور انہیں اپنے پروں کے اطراف پر ان میں موجود ہر شے کے ساتھ اٹھالیا پھر انہیں آسمان بلند لے گئے حتیٰ کہ آسمان کے باسیوں نے ان کے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں پھر انہیں الٹا کیا ان میں سے جو سب پہلے نیچے گرے وہ ان کے بالا خانہ تھے اور کسی قوم کو وہ عذاب نہیں دیا گیا جو انہیں دیا گیا پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کو ختم کیا پھر ان کی بستیوں کو الٹا کیا۔

(جامع البیان: ج:12، ص:117 مطبوعہ دار احیاء التراب العربی بیروت)

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے زمین کو سات زمینوں کے ساتھ اکھیڑا

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے زمین کو سات زمینوں کے ساتھ اکھیڑا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جب انہوں نے صبح کی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام اترے اور زمین کو سات زمینوں سے اکھیڑا پھر اسے اٹھایا حتیٰ آسمان دنیا تک لے گئے پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اسے زمین کی طرف پھینک دیا۔

(جامع البیان: ج:12، ص:117 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قوم لوط پر لگا تار پتھر برسائے گئے

جب قوم لوط پر عذاب نازل کیا گیا تو لگا تار پتھر برسائے گئے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ مَّنْضُوْدٍ o مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ o (ھود:82)

اور ہم نے ان کے اوپر پتھر کے کنکر لگا تار برسائے جو (کنکر) آپ کے رب کی طرف سے نشان زدہ تھے اور یہ ان ظالموں سے کچھ دور نہ تھی۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِیْنَ o (الاعراف:84)

سو ہم نے ان پر پتھر برسائے سو دیکھو مجرموں کا کیسا انجام ہوا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰی قَوْمٍ مُّجْرِمِیْنَ ○ لِنُرْسِلَ عَلَیْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِیْنٍ ○ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِیْنَ ○ (الذاریات:32 تا 34)

فرشتوں نے کہا بے شک ہمیں ایک مجرم قوم کی طرف بھیجا گیا ہے تا کہ ہم ان پر مٹی سے بنے ہوئے پتھر برسائیں جو پتھر آپ کے رب کی طرف سے نشان زدہ ہیں (یہ) ان کے لئے ہیں جو حد سے گزر جانے والے ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّیْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ○ (القمر:34)

بے شک ہم نے ان پر پتھر برسائے ماسوا آل لوط کے ہم نے ان کو سحری کے وقت بچالیا۔

کھنگر کے سنگریزے برسائے گئے

قوم لوط پر کھنگر کے سنگریزے برسائے گئے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ ○ (الحجر:74)

اور ہم نے ان پر کھنگر کے سنگریزے برسائے۔

پتھروں کی کنکریاں برسائیں

قوم لوط پر پتھروں کی کنکریاں برسائی گئیں۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا انہوں نے اپنا پر ان شہروں کے نیچے داخل کیا اور اس زمین کو اکھاڑ کر بلند کیا حتیٰ کہ آسمانوں والوں نے کتوں اور مرغوں کی چیخ و پکار کو سنا پھر انہوں نے بلندی سے اس زمین کو پلٹ دیا اور ان پر پتھروں کی کنکریاں برسائیں۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:7،ص:222 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

قوم لوط کو سنگسار کر کے ہلاک کر دیا گیا

قوم لوط نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی جس کی وجہ سے ان کو سنگسار کر کے ہلاک کر دیا گیا تھا۔

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی 405ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایک طویل حدیث مبارکہ روایت ہے کہ جس کے آخر میں ہے۔

جب حضرت لوط علیہ السلام نے کہا: کاش مجھ میں تم سے مقابلہ کی قوت ہوتی! یا میں کسی مضبوط قبیلہ کی پناہ میں ہو
حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنے پر پھیلائے اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا اور وہ بچاؤ بچاؤ کہتے ہوئے الٹے پیر بھاگے
انہوں نے کہا کہ
(حضرت) لوط (علیہ السلام) کے گھر میں روئے زمین کا سب سے بڑا جادوگر ہے۔
فرشتوں نے کہا: اے لوط علیہ السلام! ہم آپ علیہ السلام کے رب عزوجل کے فرستادہ ہیں یہ لوگ ہرگز آپ علیہ السلام
تک نہیں پہنچ سکتے۔ آپ علیہ السلام اپنے اہل کے ساتھ رات کے ایک حصہ میں روانہ ہو جائیں اور آپ علیہ السلام میں سے
شخص مڑ کر نہ دیکھے البتہ اپنی بیوی کو اپنے ساتھ نہ لیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو شام کی طرف لے گیا۔
حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا:
ان کو اسی وقت ہلاک کر دو۔
فرشتوں نے کہا: ہمیں صبح کے وقت انہیں ہلاک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیا صبح قریب نہیں؟ پھر رات کے پچھلے
حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے اہل روانہ ہو چکے تھے اور ان کی قوم کو سنگسار کر کے ہلاک کر دیا گیا تھا۔
جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّیْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ۝ (القمر:34)
بے شک ہم نے ان پر سنگ باری کا عذاب بھیجا ماسوا آل لوط کے ہم نے رات کے پچھلے پہر ان کو نجات دی۔
(المستدرک: ج:2، ص:563 مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

آسمان سے پتھروں کا برساؤ

قوم لوط پر آسمان سے لگاتار پتھر برسائے گئے۔
امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
جب اللہ تعالیٰ کے فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس گئے تو وہ یہ سمجھے کہ یہ ان کے مہمان ہیں وہ فرشتے
لڑکوں کی شکل میں تھے انہوں نے اپنے اور اپنی بیٹیوں کے درمیان ان لڑکوں کو بٹھا دیا قوم کو پتہ چلا کہ حضرت لوط علیہ السلام
پاس بے ریش لڑکے آئے ہوئے ہیں تو وہ دوڑتے ہوئے ان کے پاس آئے۔
حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا:
تم میری (قوم کی) بیٹیوں سے نکاح کر لو یہ تمہارے لیے پاکیزہ ہیں۔
ان کی قوم نے کہا: تمہیں معلوم ہے کہ ہماری خواہش کیا ہے؟
تب حضرت لوط علیہ السلام نے کہا: کاش میرے پاس کوئی مضبوط جتھا ہوتا جو مجھے مہمانوں کے سامنے شرمندہ ہو

اٹھالیتا۔

تب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مڑ کر حضرت لوط علیہ السلام سے کہا۔

آپ علیہ السلام پریشان نہ ہوں ہم آپ علیہ السلام کے رب عزوجل کے بھیجے ہوئے ہیں یہ ہم تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے۔

جب وہ لوگ بہ زور گھر کے اندر داخل ہوئے تو ان کی آنکھیں اندھی ہوگئیں پھر وہ ایک دوسرے پر گرتے ہوئے واپس بھاگے اور کہنے لگے ہم بہت بڑے جادوگر کے پاس سے آرہے ہیں ہماری بینائی جاتی رہی وہ آدھی رات کے وقت شہر لوٹے اور اسی وقت اس زمین کو اوپر اٹھالیا گیا اور ان پر آسمان سے لگاتار پتھر برسائے گئے اور اس زمین کو بلندی سے پلٹ کر اوندھا کر دیا گیا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 16493)

آگ جلائی گئی

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کے نیچے آگ جلائی۔

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی 405ھ روایت کرتے ہیں۔

(روایت کے آخر میں ہے) پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کی ہلاکت اور تباہی کے بارے اجازت طلب کی اور انہیں اجازت دے دی گئی تو آپ علیہ السلام نے اس زمین کو اٹھالیا جس پر وہ رہتے تھے انہیں اتنی بلندی تک لے گئے حتیٰ کہ آسمان دنیا کے باسیوں نے ان کے کتوں کی آوازیں سنیں اور آپ علیہ السلام نے ان کے نیچے آگ جلائی پھر آپ علیہ السلام نے اس زمین کو ان کے ساتھ الٹا کر دیا۔ (مستدرک: ج:3،ص:375،مطبوعہ بیروت)

آگ میں پکے ہوئے پتھر برسائے

قوم لوط پر آگ میں پکے ہوئے پتھر برسائے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت لوط علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا۔

انہیں اسی وقت ہلاک کر دو۔

تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کو بتایا۔

اَلَیۡسَ الصُّبۡحُ بِقَرِیۡبٍ ۝ تو حضرت لوط علیہ السلام پر یہ نازل کی گئی اَلَیۡسَ الصُّبۡحُ بِقَرِیۡبٍ ۝ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ رات کے کسی حصے میں اپنے گھر والوں کو ساتھ لے کر چلے جائیں سوائے اپنی بیوی کے اور تم میں سے کوئی بھی پیچھے کی طرف نہ دیکھے پس آپ علیہ السلام چلے گئے اور جب وہ وقت ہوا جس میں انہیں ہلاک کیا گیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنا پر زمین میں داخل کیا اور اس زمین کو اٹھالیا حتیٰ کہ آسمان کے باسیوں نے مرغ کی چیخ اور کتوں کے

بھونکنے کی آواز سنی اور انہیں اوپر لے جا کر نیچے گرا دیا اور ہم نے ان پر آگ میں پکے ہوئے پتھر برسائے۔

(جامع البیان: ج:12،ص:107 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

مزید راقم ہیں۔

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

جب انہوں نے صبح کی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کی بستیوں پر حملہ کیا اور انہیں ان کی بنیادوں سے ہلا دیا پھر اپنے پر ان کے نیچے داخل کیے اور انہیں اپنے پروں کے اطراف پر ان میں موجود ہر شے کے ساتھ اٹھا لیا پھر انہیں آسمان تک بلند لے گئے حتیٰ کہ آسمان کے باسیوں نے ان کے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں پھر انہیں الٹا کیا ان میں سے جو سب سے پہلے نیچے گرے وہ ان کے بالا خانے تھے اور کسی قوم کو وہ عذاب نہیں دیا گیا جو انہیں دیا گیا پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں ضائع کیا پھر ان کی بستیوں کو الٹا کیا اور پھر ان پر آگ میں پکے ہوئے پتھر برسائے۔

(جامع البیان: ج:12،ص:117 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

گندھک اور آگ برسائی

قوم لوط پر گندھک اور آگ برسائی گئی۔

امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت صالح رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ

حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت لوط علیہ السلام کی بستی میں آئے اور اپنا ہاتھ بستی کے نیچے داخل کیا اور اسے اٹھا لیا کہ آسمان دنیا کے مکینوں نے کتوں کے بھونکنے کی اور مرغوں کے اذان دینے کی آوازیں سنیں اور اللہ تعالیٰ نے ان پر گندھک آگ برسائی۔

(درمنثور: ج:3،ص:1051)

مزید راقم ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

آگ پر پکے ہوئے پتھر مٹی کے بنے ہوئے تھے۔

(درمنثور: ج:3،ص:1051)

مزید راقم ہیں۔

حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

مطر سے مراد گندھک اور آگ کی بارش ہے یعنی ہم نے ان پر گندھک اور آگ کی بارش برسائی۔

(درمنثور: ج:3،ص:321)

اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پتھروں کی بارش برسائی

قوم لوط پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسائی گئی۔

امام عبدالرزاق نے بیان کیا ہے کہ

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

بقیہ قوم لوط پر اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پتھروں کی بارش برسائی اور اس نے انہیں ہلاک اور تباہ و برباد کر دیا۔

(تفسیر عبدالرزاق: ج:2، ص:85 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

کھردرے پتھر برسائے گئے

قوم لوط پر کھردرے پتھر برسائے گئے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

ہم نے ان بستیوں پر پتھر برسائے جو کھردرے تھے۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:243 نعیمی کتب خانہ لاہور)

نوکدار پتھر برسائے گئے

قوم لوط پر نوکدار پتھر برسائے گئے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

سارے پتھروں کی حالت کھردری نوک دار تھی چکنے صاف پتھر نہ تھے کیونکہ صاف پتھر کی چوٹ سے کم زخم ہوتے ہیں۔ اور برسائے اس طرح پے در پے کہ موسلا دھار بارش کی طرح۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:243 نعیمی کتب خانہ لاہور)

پتھر پر لگنے والا کا نام لکھا ہوا تھا

جس کو پتھر لگتا اس کا نام اس پر لکھا ہوا تھا۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

قدرت الٰہیہ سے ان پر ہر مجرم کا نام لکھا تھا وہ اسی کو لگتا جس کا نام لکھا ہوتا۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:243 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بدکاری کی دعوت دینے والوں پر عذاب

قوم لوط میں جو بدکاری کی دعوت دیتے تھے ان سب پر عذاب نازل کیا گیا۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

بدکاری کی دعوت دینے والوں پر کنکریاں برسائی گئیں اور ان میں سے کوئی نہ بچ سکا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث:10100)

بدکاری کی مجلسیں برپا کرنے والوں پر عذاب

قوم لوط میں جو بدکاری کی مجلس برپا کرتے تھے ان سب پر عذاب نازل کیا گیا۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

بدکاری کی مجلسیں برپا کرنے والوں پر کنکریاں برسائی گئیں اور ان میں سے کوئی نہ بچ سکا۔

(تفسیر امام ابی حاتم: رقم الحدیث: 10100)

بدکاری کی مجلس میں جانے والوں پر عذاب

قوم لوط میں جو بھی بدکاری کی مجلس میں جاتا تھا سب پر عذاب نازل کیا گیا۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

بدکاری کی مجلس میں جانے والے سب پر کنکریاں برسائی گئیں اور ان میں سے کوئی نہ بچ سکا۔

(تفسیر امام ابی حاتم: رقم الحدیث: 10100)

پتھر چرواہوں، تاجروں اور جو شہر سے باہر تھے سب تک پہنچے

پتھر چرواہوں، تاجروں اور جو لوگ اپنے شہر سے باہر تھے ان تمام تک پہنچے اور ان کو تباہ و برباد کر دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عذاب دینے کا ارادہ فرماتا تو بے شک رات کے پہلے حصہ میں وہ عذاب تیار کرتا پھر صبح طلوع ہوتے ہی ان پر عذاب مسلط کر دیتا۔

ارشاد فرمایا:

قوم لوط کے لئے رات کے پہلے حصہ میں پتھر تیار کئے گئے تا کہ صبح کے وقت وہ پتھر ان پر برسائے جائیں اسی طرح عاد و ثمود کو بھی صبح سویرے عذاب دیا گیا پس جب صبح طلوع ہوئی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام قوم لوط کی ان بستیوں کی طرف گئے جن میں ان کے مرد، عورتیں اور باغات وغیرہ تھے اور انہیں اڑا دیا پہلے انہیں اکٹھا کیا اور لپیٹا پھر انہیں زمین کی جڑ سے پھر نیچے سے اپنے پر کے ساتھ انہیں اٹھا لیا اور آسمان دنیا تک انہیں بلند کر دیا کہ آسمان دنیا کے باسیوں نے کتوں، پرندوں، عورتوں اور مردوں کی آوازیں جبرائیل علیہ السلام کے پر کے نیچے سے سنیں پھر انہیں الٹا کر کے چھوڑ دیا پھر اس کے بعد پتھر برسائے اور وہ پتھر چرواہوں، تاجروں اور جو لوگ اپنے شہروں سے باہر تھے ان تمام تک پہنچے (اور وہ سب تباہ و برباد ہو گئے)

(تاریخ ابن عساکر: ج:50، ص:214، مطبوعہ بیروت)

مسافروں پر بھی پتھروں کی بارش ہوئی

قوم لوط میں جو مسافرت پر گئے ہوئے تھے ان پر بھی پتھروں کی بارش ہوئی۔

حضرت کعب علیہ السلام نے وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا کی تفسیر میں فرمایا:

ہم نے ان کے بادیہ نشینوں، چرواہوں اور مسافروں پر پتھروں کی بارش برسائی اور ان میں سے کوئی بھی نہ بچ سکا۔

(درمنثور، ج:3، ص:321 مطبوعہ کراچی)

آسمان والوں نے کتوں اور مرغوں کی آوازیں سنیں

جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنے پر شہروں کے نیچے داخل کیے اور زمین کو اکھاڑ کر بلند کیا تو آسمان والوں نے کتوں اور مرغوں کی چیخ و پکار کو سنا۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا انہوں نے اپنا پر ان شہروں کے نیچے داخل کیا اور اس زمین کو اکھاڑ کر بلند کیا حتیٰ کہ آسمان والوں نے کتوں اور مرغوں کی چیخ و پکار کو سنا پھر انہوں نے بلندی سے اس زمین کو پلٹ دیا اور ان پر پتھروں کی کنکریاں برسائیں۔

(الجامع الاحکام القرآن، جز:7، ص:222 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

محمد بن کعب القرظی نے فرمایا کہ

جن بستیوں میں قوم لوط رہتی تھی حضرت جبرائیل علیہ السلام ان کے نیچے اپنا سر رکھ کر ان بستیوں کو آسمان کی طرف لے کر گئے حتیٰ کہ آسمان والوں نے کتوں کے بھونکنے اور مرغوں کی آوازیں سنیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر لگاتار نشان زدہ پتھر برسائے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس زمین کو الٹ دیا اور نیچے کا حصہ اوپر اور اوپر کا حصہ نیچے کر دیا۔

(تفسیر امام ابی حاتم، رقم الحدیث:11098)

آسمان دنیا کے باسیوں نے کتوں، پرندوں، عورتوں اور مردوں کی آوازیں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے پر کے نیچے سے سنیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عذاب دینے کا ارادہ فرماتا تو بے شک رات کے پہلے حصہ میں وہ عذاب تیار کرتا ہے پھر صبح طلوع ہوتے ہی ان پر عذاب مسلط کر دیتا ہے۔

ارشاد فرمایا:

قوم لوط کے لئے رات کے پہلے حصہ میں پتھر تیار کئے گئے تا کہ صبح کے وقت وہ پتھر ان پر برسائے جائیں۔اسی طرح قوم عاد اور ثمود کو بھی صبح سویرے عذاب دیا گیا پس جب صبح طلوع ہوئی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام قوم لوط کی ان بستیوں کی طرف گئے جن میں ان کے مرد، عورتیں اور باغات وغیرہ تھے اور انہیں اڑا دیا پہلے انہیں اکٹھا کیا اور لپیٹا پھر انہیں زمین کی جڑ سے اکھیڑ پھر نیچے سے اپنے پر کے ساتھ انہیں اٹھا لیا اور آسمان دنیا تک انہیں بلند کر دیا کہ آسمان دنیا کے باسویں نے کتوں، پرندوں عورتوں اور مردوں کی آوازیں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے پر کے نیچے سنیں۔پھر انہیں الٹا کر کے چھوڑ دیا پھر اس کے بعد ان پر پتھر برسائے۔

(تاریخ ابن عساکر: ج:50،ص:314 مطبوعہ بیروت)

آسمان دنیا والوں نے کتوں کے بھونکنے کی آواز سنی

جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بستیوں کو اکھاڑ کر بلند کیا تو آسمان دنیا والوں نے کتوں کے بھونکنے کی آواز سنی۔

امام جلال عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنے مہمانوں پر دروازہ بند کر لیا پس وہ آئے اور انہوں نے دروازہ توڑا اور اندر داخل ہو گئے۔حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کی آنکھوں پر پر سے ضرب لگائی تو ان کی بینائی ختم ہو گئی۔

انہوں نے کہا: اے لوط علیہ السلام! تو ہمارے پاس جادوگر لے آیا ہے چنانچہ انہوں نے آپ علیہ السلام کو بڑی دھمکیاں دیں اور آپ علیہ السلام دل ہی دل میں ڈرنے لگے کہ یہ جب چلے جائیں گے تو وہ مجھے اذیتیں دیں گے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا: لَا تَخَفْ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ بے شک انہیں عذاب دینے کا مقررہ وقت صبح کا وقت ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام نے کہا: اسی وقت؟

تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا: "اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ۝" کیا صبح قریب ہی نہیں۔

تو آپ علیہ السلام نے کہا: اسی وقت چنانچہ بستی کو اٹھا لیا گیا حتیٰ کہ آسمان دنیا والوں نے کتوں کے بھونکنے کی آواز سنی انہیں الٹا کیا گیا اور ان پر پتھر برسائے گئے۔

(درمنثور: ج:3،ص:1049، مطبوعہ کراچی)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں: حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت لوط علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا۔

انہیں اسی وقت ہلاک کر دو!

تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کو بتایا۔

اَلَیۡسَ الصُّبۡحُ بِقَرِیۡبٍ۝ تو حضرت لوط علیہ السلام پر یہ نازل کی گئی اَلَیۡسَ الصُّبۡحُ بِقَرِیۡبٍ۝
ارشاد فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو ساتھ لے کر چلے جائیں سوائے اپنی بیوی کے اور تم میں سے کوئی بھی پیچھے کی طرف نہ دیکھے پس آپ علیہ السلام چلے گئے اور جب وہ وقت ہوا جس میں انہیں ہلاک کیا گیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنا پر زمین میں داخل کیا اور اس زمین کو اٹھالیا حتیٰ کہ آسمان کے باسیوں نے مرغ کی چیخ اور کتوں کے بھونکنے کی آواز سنی اور انہیں اوپر لے جا کر نیچے گرادیا اور ہم نے ان پر آگ میں پکے ہوئے پتھر برسائے۔

(جامع البیان: ج:12،ص:107 تا 108 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت صالح علیہ السلام نے روایت کیا ہے کہ

حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت لوط علیہ السلام کی بستی میں آئے اور اپنا ہاتھ بستی کے نیچے سے داخل کیا اور اسے اٹھالیا حتیٰ کہ آسمان دنیا کے مکینوں نے کتوں کے بھونکنے کی اور مرغوں کے اذان دینے کی آواز سنی اور اللہ تعالیٰ سے ان پر گندھک اور آگ برسائی۔

(درمنثور: ج:3،ص:1051، مطبوعہ کراچی)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کی شدت وقوت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں کو اپنے ایک پر کے اوپر اٹھالیا پھر ان بستیوں کو اٹھا کر آسمان تک لے گئے حتیٰ کہ آسمان والوں نے مرغوں کی بانگ اور کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں پھر ان تمام بستیوں کو پلٹ کر زمین پر پھینک دیا۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:17،ص:79 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قوم لوط کی پانچ بستیوں کو پلٹا گیا

قوم لوط کی پانچ بستیوں کو پلٹا گیا۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

محمد بن کعب قرظی نے فرمایا کہ

(روایت کے آخر میں ہے) اور جن بستیوں کو پلٹ گیا تھا وہ پانچ تھیں۔

1-صیغہ
2-صغرہ
3-عمرہ

4- دوما

5- سدوم۔ اور یہ سب سے بڑی بستی تھی۔ (تفسیر امام ابی حاتم: رقم الحدیث: 11098)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت محمد بن کعب قرظی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ

مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ان بستیوں کی طرف بھیجا جنہیں الٹا دیا گیا یہ قوم لوط کی بستیاں تھیں تو آپ علیہ السلام نے انہیں اپنے پر کے ساتھ اٹھا لیا پھر انہیں اوپر لے گئے حتیٰ کہ آسمان کے مسکینوں نے ان کے کتوں کے بھونکنے اور ان کے مرغوں کی آوازیں سنیں پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر پتھر برسائے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ

تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان الٹائی جانے والی بستیوں کے ارد گرد رہنے والوں کو ہلاک کر دیا اور وہ پانچ بستیاں تھیں۔

1- صنعۃ

2- صغرۃ

3- عصرۃ

4- دوما

5- اور سدوم اور یہی بڑی بستی تھی۔

(جامع البیان۔ ج:12،ص:118 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے:

ہم نے اپنی پوری قوت کاملہ سے بذریعہ ملائکہ ان بستیوں کو الٹا کر دیا اس طرح کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حکم پروردگار سے ان پانچ بستیوں والے صوبے کو اٹھایا بلندیوں پر لے جا کر الٹا کر پھینک دیا کہ نیچے کی جگہ اوپر اور اوپر کی نیچے ہوگئی قوم لوط حضرت لوط علیہ السلام کا خاندان نہ تھی اس لیے حضرت لوط علیہ السلام کو قوم کا بھائی نہ فرمایا گیا بلکہ آپ علیہ السلام غیر قوم کی طرف مبعوث ہوئے اس قوم کی تعداد (مردم شماری کے مطابق) چار لاکھ تھی جو پانچ قریبی شہروں میں آباد تھی اس صوبے کا نام موتفکات تھا ان کا بڑا شہر سدوم تھا یہیں حضرت لوط علیہ السلام کی رہائش تھی کوئی بھی ایمان نہ لایا تو پانچوں بستیاں الٹا دی گئیں۔ (تفسیر نعیمی: ج:12،ص:242 تا 243 نعیمی کتب خانہ لاہور)

عذاب صبح کے وقت آیا

قوم لوط پر علی الصباح عذاب نازل کیا گیا جس کی وجہ سے وہ تباہ و برباد ہو گئے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ۝ (القمر:38)

اور بے شک ان کو طے شدہ عذاب نے علی الصباح تباہ کر دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عذاب دینے کا ارادہ فرماتا ہے تو بے شک رات کے پہلے حصہ میں وہ عذاب تیار کرتا پھر صبح طلوع ہوتے ہی ان پر عذاب مسلط کر دیتا۔

ارشاد فرمایا:

قوم لوط کے لئے رات کے پہلے حصہ میں پتھر تیار کئے گئے تا کہ صبح کے وقت وہ پتھر ان پر برسائے جائیں اسی طرح قوم اور ثمود کو بھی صبح سویرے عذاب دیا گیا پس جب صبح طلوع ہوئی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام قوم لوط کی ان بستیوں کی طرف گئے جن میں ان کے مرد، عورتیں اور باغات وغیرہ تھے اور انہیں اڑا دیا پہلے انہیں اکٹھا کیا اور لپیٹا پھر انہیں زمین کی جڑ سے اکھیڑا اور نیچے سے اپنے پر کے ساتھ انہیں اٹھالیا اور آسمان دنیا تک انہیں بلند کر دیا کہ آسمان دنیا کے باسیوں نے کتوں، پرندوں، عورتوں اور مردوں کی آوازیں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے پر کے نیچے سے سنیں پھر انہیں الٹا کر کے چھوڑ دیا پھر اس کے بعد ان پر پتھر برسائے۔

(تاریخ ابن عساکر: ج:50، ص313 تا 314 مطبوعہ بیروت)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا کی تفسیر میں حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

جب انہوں نے صبح کی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کی بستیوں پر حملہ کیا اور انہیں ان کی بنیادوں سے ہلا دیا پھر پر ان کے نیچے داخل کیے اور انہیں اپنے پروں کے اطراف پر ان میں موجود ہر شے کے ساتھ اٹھالیا پھر انہیں آسمان تک لے گئے حتیٰ کہ آسمان کے باسیوں نے ان کے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں پھر انہیں الٹا کیا ان میں سے جو سب سے نیچے گرے وہ ان کے بالا خانہ تھے اور کسی قوم کو وہ عذاب نہیں دیا گیا جو انہیں دیا گیا پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کو ضائع کیا پھر ان کی بستیوں کو الٹا کیا اور پھر ان پر آگ سے پکے ہوئے پتھر برسائے۔

(جامع البیان: ج:12، ص116 تا 117 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے:

جب صبح ہوئی تو عذاب نازل ہو گیا۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:242 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قوم لوط کے چار لاکھ لوگوں کو عذاب ہوا

قوم لوط کے جن لوگوں کو عذاب ہوا ان کی تعداد چار لاکھ تھی۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں کہ

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس بستی کو درمیان سے پکڑ کر اٹھایا اور اس کو آسمانوں کی طرف لے کر چڑھے حتیٰ کہ آسمان والوں نے اس بستی کے کتوں کی آوازیں سنیں پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس بستی کو پلٹ اس کے اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر کر دیا پھر ان پر لگاتار پتھر برسائے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ہمیں یہ حدیث مبارکہ پہنچی ہے کہ ان کی تعداد چار لاکھ تھی۔

(تاریخ دمشق الکبیر: ج:53، ص:244 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے:

ہم نے اپنی پوری قدرت کاملہ سے بذریعہ ملائکہ ان بستیوں کو الٹا کر دیا اس طرح کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بحکم پروردگار ان پانچ بستیوں والے صوبے کو اٹھایا یا بلندیوں پر لے جا کر الٹا کر پھینک دیا کہ نیچے کی جگہ اوپر اور اوپر کی نیچی ہوگئی۔ قوم لوط حضرت لوط علیہ السلام کا خاندان نہ تھی اس لیے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا بھائی نہ فرمایا گیا بلکہ آپ علیہ السلام غیر قوم کی طرف مبعوث ہوئے اس قوم کی تعداد (مردم شماری کے مطابق) چار لاکھ تھی جو پانچ قریبی شہروں میں آباد تھی اس صوبے کا نام موتفکات تھا ان میں بڑا شہر سدوم تھا یہیں حضرت لوط علیہ السلام کی رہائش تھی کوئی بھی ایمان نہ لایا تو پانچوں بستیاں الٹادی گئیں اور ساتھ ہی ہم نے ان بستیوں پر پتھر برسائے جو کھر درے تھے۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:242 تا 243 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا آواز سن کر پیچھے دیکھنے کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہونا

اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو حکم فرمایا تھا کہ آپ خود اپنے گھر والوں کو لے کر روانہ ہوں اور کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے ورنہ وہ عذاب میں مبتلا کیا جائے گا تو جب حضرت لوط علیہ السلام اور گھر والے جا رہے تھے تو آپ علیہ السلام کی بیوی نے مڑ کر دیکھا ان پر آ کر پتھر لگا جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہوگئیں۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں۔

(کچھ روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں) حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کو عذاب دینے کے لئے اپنے رب عزوجل سے اجازت طلب کی اللہ تعالیٰ نے ان کو اجازت عطا فرما دی پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کے اوپر اپنا پر مارا جس سے وہ اندھے ہوگئے اور انہوں نے بہت بری حالت میں رات گزاری۔

پھر فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا۔

قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ یَّصِلُوْۤا اِلَیْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَ لَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِیْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْ ؕ (ھود:81)

فرشتوں نے کہا: اے لوطؑ! ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں یہ لوگ آپ تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے۔ آپ رات کے ایک حصے میں اپنے گھر والوں کے ساتھ یہاں سے روانہ ہو جائیں اور آپ میں سے کوئی شخص مڑ کر نہ دیکھے البتہ اپنی بیوی کو ساتھ نہ لیں بے شک اس کو (بھی) وہی (عذاب) پہنچنے والا ہے جو انہیں پہنچے گا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

مجھے یہ حدیث مبارکہ پہنچی ہے کہ اس بوڑھی عورت نے ایک آواز سنی تو اس نے اس آواز کی طرف مڑ کر دیکھا تو اس کو ایک پتھر آ کر لگا وہ اس وقت اپنی قوم سے الگ جگہ پر تھی (اور ہلاک کر دی گئی)

(تاریخ دمشق الکبیر: ج:53،ص:244 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی 405ھ روایت کرتے ہیں۔

(روایت کے آخر میں ہے) پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کی ہلاکت وتباہی کے بارے اجازت طلب کی اور انہیں اجازت دے دی گئی تو آپ علیہ السلام نے اس زمین کو اٹھالیا جس پر وہ رہتے تھے اور انہیں اتنی بلندی تک لے گئے حتیٰ کہ آسمان دنیا کے باسیوں نے ان کے کتوں کی آوازیں سنیں اور آپ علیہ السلام نے ان کے نیچے آگ جلائی پھر آپ علیہ السلام نے اس زمین کو ان کے ساتھ الٹا کر دیا۔ پس حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی نے ایک دھماکہ سنا اور وہ ان کے ساتھ تھی وہ متوجہ ہوئی تو اتنے میں عذاب اسے پہنچ گیا۔ (مستدرک: ج:2،ص:375 مطبوعہ بیروت)

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا ہائے میری قوم کہنا اور ہلاک ہونا

جب حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی نے دھماکہ کی آواز سنی تو اس نے کہا ہائے میری قوم! اتنے میں ایک پتھر آ کر اسے لگا جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہو گئی۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت لوط علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا۔

انہیں اسی وقت ہلاک کر دو۔

تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کو بتایا کہ

اَلَيۡسَ الصُّبۡحُ بِقَرِيۡبٍ۝ تو حضرت لوط علیہ السلام پر یہ نازل کی گئی اَلَيۡسَ الصُّبۡحُ بِقَرِيۡبٍ۝

ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو ساتھ لے کر چلے جائیں سوائے اپنی بیوی کے۔ اور تم میں سے کوئی بھی پیچھے کی طرف مڑ کر نہ دیکھے۔ پس آپ علیہ السلام چلے گئے اور جب وہ وقت ہوا جس میں ہلاک کیا گیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنا پر ان کی زمین میں داخل کیا اور اس زمین کو اٹھالیا حتیٰ کہ آسمان کے باسیوں

نے مرغ کی چیخ اور کتوں کے بھونکنے کی آواز سنی اور انہیں اوپر لے جا کر نیچے گرا دیا اور ہم نے ان پر آگ میں پکے ہوئے پتھر برسائے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی نے دھماکہ کی آواز سنی۔

اور کہا۔

ہائے میری قوم! تو اتنے میں ایک پتھر آ کر اس کو لگا جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہو گئی۔

(جامع البیان: ج: ؟؟ ص 107 تا 108 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی قوم کی یاد لے کر جا رہی تھی ہواؤں پتھروں کی شائیں شائیں کی آوازیں زور و شور پر تھیں اس نے اچانک مڑ کر دیکھا اور مرتے ہوؤں کو دیکھ کر کہا ہائے قوم تو ایک پتھر آ کر لگا جس کی وجہ سے وہ بھی ہلاک ہو گئیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

بیوی پیچھے پیچھے قوم کی یاد لئے جا رہی تھی ہواؤں پتھروں کی شائیں شائیں (کی آوازیں) برابر آ رہی تھیں بیوی نے اچانک مڑ کر دیکھا۔

اور مرتے ہوؤں کو دیکھ کر کہا۔

ہائے قوم! بس ایک پتھر آیا کہ اس کا کام بھی تمام ہو گیا۔ (تفسیر نعیمی: ج: 12: ص: 242 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی پر عذاب نازل کرنے میں مبتلاء ہونے پر آیات کریمہ شاہد

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کو عذاب میں مبتلاء کیا گیا جس پر درج ذیل آیات کریمہ شاہد ہیں۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

فَاَنْجَیْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ﰳ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ۝ (الاعراف:83)

پس ہم نے لوط اور اس کے گھر والوں کو نجات دی سوا ان کی بیوی کے وہ عذاب میں باقی رہنے والوں میں سے ہو گئی۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَیْــٴًـا وَّ قِیْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیْنَ ۝ (التحریم:10)

اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال بیان فرمائی ہے یہ دونوں ہمارے نیک بندوں میں سے دو بندوں کے نکاح میں تھیں۔ پھر ان دونوں نے ان دونوں سے خیانت کی۔ پس وہ دونوں نیک بندے ان سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو بالکل دور نہ کر سکے اور ان (عورتوں) سے کہا جائے گا اے عورتو! تم دونوں بھی دوزخ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

اور ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ (ھود:81)

اور آپ میں سے کوئی شخص مڑ کر نہ دیکھے البتہ اپنی بیوی کو ساتھ نہ لیں بے شک ان کو (بھی) وہی (عذاب) پہنچنے والا ہے جو انہیں پہنچے گا بے شک صبح کو ان کی وعید کا وقت ہے۔

اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ٥ (العنکبوت:33)

سوائے آپ کی بیوی کے وہ (عذاب میں) باقی والوں میں سے ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ٥ (الصافات:135)

سوا ایک بڑھیا کے جو (عذاب میں) باقی رہ جانے والوں میں سے ہوئی۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ٥ (الشعراء:171)

سوائے ایک بوڑھی عورت کے جو (عذاب میں) باقی رہنے والوں میں سے تھی۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ٥ (النمل:57)

سو ہم نے لوط کی بیوی کے سوا ان کو اور ان کے گھر والوں کو نجات دے دی ہم نے اس کو ان (لوگوں) میں مقدر کر دیا تھا جو عذاب میں رہ جانے والے تھے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کو پتھر میں بدلنا اور ہر ماہ کے شروع میں حیض ہونا

امام ابن عساکر نے حضرت ابوالحلہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول بیان فرمایا ہے کہ

میں نے حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کو دیکھا اسے پتھر میں بدل دیا گیا ہے اور اسے ہر ماہ کے شروع میں حیض آتا ہے۔

(تاریخ ابن عساکر: ج:50، ص:327 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

قوم لوط کی عورتوں کو ان کے مردوں کے سبب عذاب دیا

قوم لوط کی عورتوں کو ان کے مردوں کے سبب عذاب دیا گیا۔

حضرت ابوحمزہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

میں نے محمد بن علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ

اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کی عورتوں کو ان کے مردوں کے سبب عذاب دیا ہے؟

تو انہوں نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں انتہائی عدل وانصاف فرمایا ہے اس وقت مرد مردوں سے اور عورتیں عورتوں سے لطف اندوز ہوتی تھیں۔ (تاریخ مدینہ دمشق: ج:50،ص:320 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اس امت کو سنگسار کرنا

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عنقریب میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے کہ مرد مردوں سے جنسی لذت حاصل کریں گے اور عورتیں عورتوں سے ا...
جب ایسا ہو تو تم ان پر قوم لوط کے عذاب کا انتظار کرنا کہ اللہ تعالیٰ ان پر سجیل کی کنکریاں برسائے گا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کریمہ کی تلاوت کی۔

وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ

دوسری روایت یہ ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دن اور رات کا سلسلہ چلتا رہے گا حتیٰ کہ اس امت کے مرد مردوں کی پشت کو حلال کرلیں گے جیسا کہ انہوں نے عورتوں کی پشت کو حلال کرلیا ہے پھر امت کے ان لوگوں پر سنگ باری ہوگی۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:9،ص:34 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قوم لوط دس کاموں کی وجہ سے ہلاک کی گئی اور میری امت ان سے ایک کام زیادہ کرے گی (وہ دس کام یہ ہیں)

1-مردوں کا مردوں سے جنسی خواہش پوری کرنا

2-غلیل مارنا

3-کنکر مارنا

4-حمام میں کھیلنا

5-دف بجانا

6-شراب پینا

7-داڑھی کاٹنا

8-مونچھیں لمبی رکھنا

9-سیٹی اور تالی بجانا

10- ریشم پہننا

اور میری امت ایک کام زیادہ کرے گی وہ ہے عورتوں کا عورتوں سے جنسی خواہش پوری کرنا۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج: 21، ص: 240 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

عمل قوم لوط آخرت تباہ کر دیتا ہے

عمل قوم لوط ایسا عمل ہے جو دنیا و آخرت تباہ و برباد کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے اس قبیح فعل کی مذمت احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جن لوگوں کو تم قوم لوط کا عمل کرتے پاؤ تو فاعل اور مفعول یہ دونوں کو قتل کر دو۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 4462)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھے اپنی امت پر جس چیز کا سب سے زیادہ خوف ہے وہ قوم لوط کا عمل ہے۔

(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 2563)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

چار ایسے شخص ہیں جو اللہ تعالیٰ کے غضب میں صبح کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں شام کرتے ہیں۔

میں نے پوچھا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ مرد جو عورتوں کی مشابہت کریں اور وہ عورتیں جو مردوں کی مشابہت کریں اور جو لوگ جانوروں سے بدفعلی کریں اور جو مردوں سے خواہش پوری کریں۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث: 5830)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ عزوجل! اس مرد کی طرف نظر رحمت نہیں فرماتا جو مرد سے جنسی خواہش پوری کرے یا عورت سے عمل معکوس کرے

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 1168)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جو شخص قوم لوط کا عمل کرتا ہو اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اوپر والے اور نیچے والے دونوں کو رجم (سنگسار) کردو۔

(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 2562)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ

لوطی کی حد کیا ہے؟

ارشاد فرمایا:

اس کو شہر کی سب سے اونچی عمارت سے نیچے پھینکا جائے پھر اس کو سنگسار کردیا جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج: 9، ص: 529)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب اہل ذمہ پر ظلم کیا جائے گا تو دشمن کی حکومت ہوجائے گی اور جب زنا بہ کثرت ہوگا تو قیدی بہ کثرت ہوں گے جب قوم لوط کا عمل کرنے والے زیادہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنا دست رحمت مخلوق سے اٹھالے گا پھر وہ کوئی پرواہ نہیں کرے گا وہ کس وادی میں ہلاک ہوتے ہیں۔

(معجم الکبیر: رقم الحدیث: 1755)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے سات قسم کے لوگوں کو سات آسمانوں کے اوپر سے لعنت فرماتا ہے اور ان میں سے ہر ا

ین بار لعنت کو دہراتا ہے۔

ارشاد فرمایا:

جس نے قوم لوط کا عمل کیا وہ ملعون ہے۔

جس نے قوم لوط کا عمل کیا وہ ملعون ہے۔

جس نے قوم لوط کا عمل کیا وہ ملعون ہے۔

جس نے غیر اللہ کے لئے ذبح کیا وہ ملعون ہے۔

جس نے جانوروں کے ساتھ بدفعلی کی وہ ملعون ہے۔

جس نے اپنے ماں باپ سے تعلق توڑا وہ ملعون ہے۔

جس نے ایک عورت اور اس کی ایک بیٹی کو ایک نکاح میں جمع کیا وہ ملعون ہے۔

جس نے اللہ تعالیٰ کی حدود کو بدلا وہ ملعون ہے۔

جس نے اپنے آپ کو اپنے مالکوں کے غیر کی طرف منسوب کیا وہ ملعون ہے۔

(معجم الاوسط: رقم الحدیث: 8492)

ایک اور روایت میں ہے:

محمد بن المنکدر سے روایت ہے کہ

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ میں نے عرب کے بعض قبیلوں میں یہ دیکھا ہے کہ وہاں مرد کے ساتھ اس طرح فعل کیا جاتا ہے جس طرح عورتوں کے ساتھ فعل کیا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے مشورہ کیا۔ ان میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

انہوں نے کہا: یہ وہ گناہ ہے جس کو صرف ایک امت نے کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو اس امت پر عذاب بھیجا اس کا آپ سب لوگوں کو علم ہے۔

میری رائے یہ ہے کہ

اس شخص کو آگ میں جلا دیا جائے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہو گیا کہ اس کو آگ میں جلا دیا جائے پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو آگ میں جلانے کا حکم دیا۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث: 5389)

قوم لوط پر تین قسم کا عذاب نازل ہوا

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر تین قسم کا عذاب نازل ہوا، ایک زبردست چنگھاڑ نے ان کو پکڑا دوسرا زمین کو پلٹ دیا گیا

اور تیسرا ان پر کھنگر کی کنکریاں برسائی گئیں۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ۝ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝

(الحجر:73تا74)

سو جب ان پر سورج چمک رہا تھا تو ایک زبردست چیخ نے ان کو پکڑ لیا پس ہم نے ان کی بستیوں کے اوپر کے حصہ کو نیچے کا حصہ کر دیا اور ہم نے ان پر کھنگر کے سنگریزے برسائے۔

☆ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ قوم لوط پر تین قسم کے عذاب آئے تھے ایک تو زبردست ہولناک چنگھاڑ تھی دوسرا ان کی زمین کو پلٹ دیا گیا تھا اور تیسرا ان پر کھنگر کی کنکریاں برسائی گئی تھیں۔

حضرت لوط علیہ السلام اور گھر والوں کو نجات عطا فرمائی گئی

اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے گھر والوں کو نجات عطا فرمائی۔

قرآن مجید میں ہے:

فَنَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ۝ (الشعراء:170)

سو ہم نے ان کو اور ان کے تمام گھر والوں کو نجات دے دی۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ (النمل:57)

سو ہم نے لوط کی بیوی کے سوا ان کو اور ان کے گھر والوں کو نجات دے دی۔ ہم نے اس کو ان (لوگوں) میں مقدر کر دیا تھا جو عذاب میں رہ جانے والے تھے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ۝ (الصافات:134)

جب ہم نے ان کو اور ان کے تمام گھر والوں کو نجات دی۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَ اَهْلَكَ (العنکبوت:33)

یقیناً ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو (عذاب سے) بچانے والے ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ (الانبیاء:74)

اور لوط کو اس شہر سے نجات دی جس کے لوگ بے حیائی کے کام کرتے تھے۔

حضرت لوط علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت میں داخل فرمالیا

اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے گھر والوں کو نجات عطا فرمادی اور آپ علیہ السلام کو اپنی رحمت میں داخل فرمالیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ (الانبیاء:75)

اور ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں داخل کرلیا۔

حضرت لوط علیہ السلام نیکوکاروں میں تھے

حضرت لوط علیہ السلام نیکوکاروں میں سے تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ (الانبیاء:75)

بے شک وہ نیکوکاروں میں سے تھے۔

آل لوط پر پتھر نہ برسائے گئے

حضرت لوط علیہ السلام کی آل پر پتھر نہ برسائے گئے بلکہ قوم لوط پر برسائے گئے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ حَاصِبًا اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ ؕ (القمر:34)

بے شک ہم نے ان پر پتھر برسائے ماسوا آل لوط کے۔

☆ یعنی قوم لوط پر تو پتھر برسائے آل لوط پر نہ برسائے۔

آل لوط کو سحری کے وقت بچالیا

اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی آل کو سحری کے وقت بچالیا۔

قرآن مجید میں ہے:

نَجَّیْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ۝ (القمر:34)

ہم نے ان کو سحری کے وقت بچالیا۔

حضرت لوط علیہ السلام ایک آن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے

اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کے لئے طے ارض فرما کر آن کی آن میں پہنچادیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

آپ علیہ السلام (یعنی حضرت لوط علیہ السلام) مع اہل بیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف چل پڑے بیوی پیچھے قوم کی یاد لئے جا رہی تھی ہواؤں پتھروں کی شائیں شائیں برابر آ رہی تھیں بیوی نے اچانک مڑ کر کہا۔

اور مرتے ہوؤں کو دیکھ کر کہا۔

ہائے قوم! بس ایک پتھر آیا کہ اس کا کام بھی تمام ہو گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دولت خانہ اگرچہ چھ میل کے فاصلے پر تھا مگر رب کریم نے طے ارض فرما کر آن کی آن پہنچا دیا۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:242 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ نے قوم لوط پر عذاب نازل کیا تو حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس چلے گئے اور انہی کے ساتھ رہے۔

(تاریخ مدینہ دمشق: ج:50، ص:326 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابو الفضل سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام اپنے ساتھ اپنی بیوی کے علاوہ تمام گھر والوں کو لے کر رات کے وقت روانہ ہو گئے اللہ تعالیٰ نے زمین کو حضرت لوط علیہ السلام کی خاطر لپیٹ دیا اس طرح حضرت لوط علیہ السلام مع اہل بیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے۔

(روح المعانی: ج:7، ص:113 مطبوعہ بیروت)

ایک کافر کا حرم کعبہ معظمہ میں چھپ جانا اور اس کے نام کا پتھر چالیس دن تک زمین و آسمان کے درمیان معلق رہنا جب نکلا تو لگنا اور مر جانا

ایک کافر حرم کعبہ معظمہ میں چھپ گیا تو اس کے نام کا پتھر چالیس دن تک زمین و آسمان کے درمیان معلق رہا جب اطمینان ہوا تو نکلا اور اس کو پتھر آ کر لگا جس کی وجہ سے وہ مر گیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

روایت ہے کہ

ایک کافر حرم کعبہ معظمہ میں چھپ گیا تو اس کے نام کا پتھر چالیس دن تک زمین و آسمان کے درمیان لٹکا رہا جب وہ ہو کر نکلا تو پتھر لگا اور مر گیا۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:243 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حرم پاک میں فرشتوں کا پتھر نہ لگنے دینا اور پتھر کا چالیس دن معلق رہنا نکلنے پر لگنا

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

انہوں نے سوال کیا کہ
کیا قوم لوط میں سے کوئی بچا بھی تھا؟
ارشاد فرمایا:
نہیں۔مگر ایک آدمی چالیس دن تک باقی رہا وہ مکہ مکرمہ میں تجارت کرتا تھا تو ایک پتھر آیا تا کہ اسے حرم پاک میں آ کر لگے حرم پاک کے فرشتے اس کے سامنے کھڑے ہو گئے۔
اور انہوں نے پتھر کو کہا۔
جہاں سے آیا ہے وہاں واپس لوٹ جا کیونکہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کے حرم میں ہے چنانچہ وہ پتھر لوٹ گیا اور حرم سے باہر چالیس دن تک زمین و آسمان کے درمیان ٹھہرا رہا حتیٰ کہ وہ آدمی اپنی تجارت سے فارغ ہوا پس جب وہ حرم سے باہر نکلا تو وہ پتھر اسے آ کر لگا۔
اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ
یعنی یہ اس امت کے ظالموں سے دور نہیں۔
(تاریخ ابن عساکر: ج:50، ص:326 مطبوعہ بیروت)

قوم لوط حضرت لوط علیہ السلام کا خاندان نہ تھی

قوم لوط حضرت لوط علیہ السلام کا خاندان نہ تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو ان کی طرف مبعوث فرمایا اور آپ علیہ السلام کا علاقہ شام تھا۔
تفسیر نعیمی میں ہے:
قوم لوط حضرت لوط علیہ السلام کا خاندان نہ تھی اس لیے حضرت لوط علیہ السلام کو قوم کا بھائی نہ فرمایا گیا بلکہ آپ علیہ السلام اس کی طرف مبعوث ہوئے۔اس قوم کی تعداد (مردم شاری کے مطابق) چار لاکھ تھی جو پانچ قریبی شہروں میں آباد تھی اس کا نام موتفکات تھا ان میں بڑا شہر سدوم تھا حضرت لوط علیہ السلام کی رہائش یہیں پر تھی کوئی بھی ایمان نہ لایا تو پانچوں بستیاں الٹادی گئیں۔(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:242 تا 243 نعیمی کتب خانہ لاہور)

بستی میں حضرت لوط علیہ السلام کے گھر کے سوا کوئی مومن نہ تھا

بستی میں حضرت لوط علیہ السلام کے گھر کے سوا کوئی مومن نہ تھا۔
علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:
اس بستی میں حضرت لوط علیہ السلام کے گھر کے سوا اور کوئی مومن نہیں تھا۔
(الجامع الاحکام القرآن: ج:7، ج:13، ص:124 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت لوط علیہ السلام مومن تھے

اس بستی میں مومنین تھے ان میں سے حضرت لوط علیہ السلام بھی تھے۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

اس بستی میں حضرت لوط علیہ السلام کے گھر کے سوا اور کوئی بھی مومن نہیں تھا۔

حضرت لوط علیہ السلام مومن تھے۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:13،ص:124 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت لوط علیہ السلام کی دو صاحبزادیاں مومنہ تھیں

اس بستی میں حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ آپ علیہ السلام کی دو صاحبزادیاں بھی مومنہ تھیں۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

اس بستی میں حضرت لوط علیہ السلام کے گھر کے سوا اور کوئی مومن نہیں تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام مومن تھے اور آپ علیہ السلام کی دو صاحبزادیاں مومنہ تھیں۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:13،ص:124 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت لوط علیہ السلام کے داماد مومنین تھے

بستی میں حضرت لوط علیہ السلام، آپ علیہ السلام کی دو صاحبزادیاں اور دو داماد مومنین تھے۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی 668ھ لکھتے ہیں:

اس بستی میں حضرت لوط علیہ السلام کے گھر کے سوا اور کوئی مومن نہیں تھا حضرت لوط علیہ السلام مومن تھے اور آپ علیہ السلام کی دو صاحبزادیاں اور آپ علیہ السلام کے دو داماد مومنین تھے۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:13،ص:124 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

مومن کی تعریف

علامہ سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی 791ھ لکھتے ہیں:

شریعت میں ایمان کا معنیٰ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پاس سے جو کچھ لے کر آئے ہیں ان سب کی تصدیق کی جائے یعنی جن چیزوں کے متعلق بداہت کے ساتھ یہ اجمالاً معلوم ہو کہ آپ ان کو اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئے ہیں ان کو دل سے مان لینا مومن ہونے کے لئے کافی ہے۔ (شرح عقائد: ص:90 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

اللہ تعالیٰ مومنین کا مددگار ہے

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مددگار ہے

قرآن مجید میں ہے:

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ط (البقرہ:257)

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مددگار ہے انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے۔

مومنین کے زندہ ہونے کی مثال

اللہ تعالیٰ نے مومنین کے زندہ ہونے کی مثال بیان فرمائی۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ کَمَنْ مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ط کَذٰلِكَ زُیِّنَ لِلْکٰفِرِیْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○ (الانعام:122)

کیا جو شخص پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور ہم نے اس کے لئے ایک نور بنایا جس کی وجہ سے وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے وہ اس کی مثل ہوسکتا ہے جو اندھیروں میں ہو اور ان سے نکل نہ سکتا ہو اسی طرح کافر جو عمل کررہے ہیں وہ ان کے لئے خوشنما بنادیے گئے ہیں۔

امام ابن ابی حاتم متوفی 327ھ روایت کرتے ہیں کہ

حضرت زید بن اسلم سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے اللہ عزوجل! ابوجہل بن ہشام یا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ میں سے کسی ایک کو اسلام کے غلبہ کا سبب بنادے یہ دونوں گمراہی میں مردہ پڑے ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسلام سے زندہ فرمایا اور ان کو عزت دی اور ابوجہل کو گمراہی کی موت میں برقرار رکھا۔

زید بن اسلم نے کہا ہے:

یہ آیت کریمہ ان دونوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:4، ص: 381 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ)

مومن کے واسطے مصیبت اور راحت دونوں خیر ہیں

مومن کے واسطے مصیبت اور راحت دونوں خیر ہیں اور ان کے لئے اجر عظیم کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

مسلمان کے حال پر تعجب ہوتا ہے اس کے ہر حال میں خیر ہے اور یہ مومن کے سوا اور کسی کا وصف نہیں ہے اگر اس کو راحت ہو تو شکر کرتا ہے اور وہ اس کے لئے خیر ہے اور اگر اس کو مصیبت پہنچے تو صبر کرتا ہے اور وہ (بھی) اس کے لئے خیر ہے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث:2999)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو سعید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

مومن کو جو بھی درد ہو یا تھکاوٹ ہو یا بیماری ہو یا غم ہو یا فکر اور پریشانی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:5642)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

مومن اور مومنہ پر اس کی جان میں اس کی اولاد میں اور اس کے مال میں مصائب نازل ہوتے رہتے ہیں حتیٰ کہ وہ اس حال میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرتے ہیں کہ ان پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث:2399)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بڑی مصیبت کا بڑا اجر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو ان کو کسی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے جو اس سے راضی ہو تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوتا ہے اور جو اس سے ناراض ہو تو اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث:2396)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مسلمان کو کانٹا یا اس سے کم کوئی چیز چبھے تو اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے اس کا ایک درجہ بلند کر دیتا ہے اور اس کا ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث:965)

مومن کی پاکیزہ زندگی رکھنا

جو شخص نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو پاکیزہ زندگی کے ساتھ ضرور زندہ رکھے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (النحل:97)

جس نے نیک عمل کیے خواہ وہ مرد ہو یا عورت بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو اس کو پاکیزہ زندگی کے ساتھ ضرور زندہ رکھے گا۔

☆اس میں اختلاف ہے کہ وہ پاکیزہ زندگی کہاں میسر ہوگی۔

مفسرین کے اس میں تین قول ہیں۔

1 -العوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

یہ پاکیزہ زندگی دنیا میں میسر ہوگی۔ پھر دنیا میں اس پاکیزہ زندگی سے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں۔

(الف) حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ایک روایت کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ایک روایت کے مطابق حضرت حسن بصری اور وہب بن منبہ نے کہا اس کا مصداق قناعت ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قناعت ایک ایسا مال ہے جو ختم نہیں ہوتا اور ایک ایسا خزانہ ہے جو فنا نہیں ہوتا۔ (اسنی المطالب: رقم الحدیث: 1021)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ شخص کامیاب ہو گیا جو اسلام لایا اور اس کو بقدر کفایت رزق دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو جو کچھ بھی دیا تھا اس میں اس کو قناعت کرنے والا بنا دیا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 1054)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ

اے اللہ عزوجل آل محمد کا رزق بقدر کفایت کر دے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2361)

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ کی تفسیر میں فرمایا:

اس سے مراد قناعت ہے۔

انہوں نے بیان کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے۔

اے اللہ عزوجل! تو نے مجھے رزق دیا ہے اس میں مجھے قناعت کرنے والا بنادے اور اس میں میرے لیے برکت رکھ دے اور میرے لیے ہر غائب چیز میں خیر رکھ دے۔ (المستدرک: رقم الحدیث: 3411)

دنیا میں اطمینان کے ساتھ وہی شخص زندگی گزارتا ہے جو قناعت کرتا ہو حریص شخص تو ہر وقت زیادہ سے زیادہ مال کی طلب میں سرگرداں رہتا ہے اور اپنے جسم اور ذہن کو زیادہ سے زیادہ مال کی طلب میں تھکا تا رہتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر ابن آدم کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کی تلاش کرے گا اور مٹی کے سوا ابن آدم کا کوئی چیز پیٹ نہیں بھر سکتی اور جو شخص توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 2436)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ابن آدم بوڑھا ہو جاتا ہے اس میں دو خصلتیں جوان ہو جاتی ہیں۔

1- مال کی حرص

2- عمر کی حرص۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6421)

(ب) ابو مالک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

دنیا کی پاکیزہ زندگی سے مراد حلال ہے۔

ضحاک نے کہا: وہ حلال کھاتا ہو اور حلال پہنتا ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے لوگو! اللہ تعالیٰ طیب ہے اور وہ صرف طیب چیز کو قبول کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مومنین کو وہی حکم دیا ہے جو اس نے رسولوں کو حکم دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یٰٓاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (المؤمنون: 51)

اے رسولو! پاک چیزوں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو۔

اور مسلمانوں کو حکم دیا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ (البقرہ:172)

اے ایمان والو! ان پاک چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایک آدمی لمبا سفر کرتا ہے اس کے بال غبار آلود ہوتے ہیں پھر وہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے اے میرے رب عزوجل! اے میرے رب عزوجل! اس کا کھانا حرام ہے اور اس کا پینا حرام ہے اس کا لباس حرام ہے اور اس کو حرام غذا دی گئی تو اس کی دعا کیسے قبول ہوگی۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث:1015)(سنن ترمذی: رقم الحدیث:2989)

(ج) حضرت علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ دنیا کی زندگی سے مراد سعادت ہے۔

(د) حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: دنیا کی پاکیزہ زندگی سے مراد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے۔

(ہ) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس سے مراد ہر روز رزق کا ملنا ہے۔

(و) اسماعیل بن ابی خالد نے کہا: اس سے مراد رزق طیب اور عمل صالح ہے۔

(ز) ابوبکر وراق نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں مٹھاس کا ذائقہ محسوس کرنا ہے۔

(ح) الماوردی نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہنا ہے اور بلاؤں اور مصیبتوں میں کسی قسم کی شکایت نہ کرنا ہے۔

(2) حضرت حسن، حضرت مجاہد، حضرت سعید بن جبیر، حضرت قتادہ اور حضرت ابن زید رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم یہ فرماتے ہیں کہ مومنین کو یہ حیات طیبہ جنت میں حاصل ہوگی۔

(3) ابوغسان نے شریک سے روایت کیا ہے کہ ایمان والوں کو یہ حیات طیبہ قبر میں حاصل ہوگی۔(زاد المسیر: ج:4،ص488 تا 489 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

مومنین کے لئے آخرت کی بشارتیں

ان مومنین کے لئے آخرت کی بشارتیں ہیں انہوں نے نیک اعمال کیے اور خود کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضا میں فنا

کر دیا۔

قرآن مجید میں ہے:

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (یونس:26)

جن لوگوں نے نیک کام کیے ان کے لئے نیک انجام ہے اور مزید اجر ہے ان کے چہروں پر نہ سیاہی چھائے گی نہ ذلت یہی لوگ جنتی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ِۨالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ○ (الکہف:88)

اور جو شخص ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے تو اس کے لئے آخرت میں نیک انجام ہے اور عنقریب ہم اسے آسان سے احکام دیں گے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ○ (المومنون:57تا61)

بے شک جو لوگ اپنے رب کے جلال سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ شریک نہیں کرتے اور جو لوگ (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) جو کچھ دیتے ہیں وہ خوفزدہ دلوں کے ساتھ دیتے ہیں (اس یقین کیساتھ) کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والے ہیں وہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور وہی نیکیوں میں سب سے بڑھنے والے ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (لقمان:4تا5)

جو لوگ نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہی آخرت پر یقین رکھتے ہیں وہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر قائم ہیں اور وہی کامیاب ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ○ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (لقمان:8تا9)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اُن ہی کے لئے نعمت والی جنتیں ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا برحق وعدہ ہے اور وہی بہت غالب حکمت والا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ○ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ○ نِالَّذِیْۤ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ ○ (فاطر:33تا35)

یہ لوگ دائمی جنتوں میں داخل ہوں گے ان کو وہاں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور جنت میں ان کا لباس ریشم کا ہوگا اور وہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا بے شک ہمارا رب عزوجل بہت بخشنے والا بہت قدردان ہے جس نے اپنے فضل سے ہم کو دائمی مقام میں ٹھہرایا جہاں ہم کو نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ کوئی تھکاوٹ ہوگی۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ○ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ○ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ○ عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ○ یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ ○ بَیْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ○ لَا فِیْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا یُنْزَفُوْنَ ○ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِیْنٌ ○ كَاَنَّهُنَّ بَیْضٌ مَّكْنُوْنٌ ○ (الصافات:41تا49)

ان کے لئے معزز روزی ہے عمدہ میوے ہیں اور وہ عزت دار ہوں گے نعمت والی جنتوں میں وہ ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر مسند نشین ہوں گے ان پر چھلکتی ہوئی شراب کا جام گردش کر رہا ہوگا وہ سفید اور پینے والوں کے لئے لذیذ ہوگی نہ اس سے درد سر ہوگا اور نہ وہ اس سے بہکیں گے اور ان کے پاس نیچی نظر رکھنے والی بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہونگی گویا کہ وہ پوشیدہ انڈے ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ○ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ ○ (البینۃ:7تا8)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے وہ تمام مخلوق میں بہترین ہیں ان کی جزاء ان کے رب کے پاس ہے جو دائمی جنتیں ہیں جن کے نیچے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے یہ (جزاء) اس کے لئے جو اپنے رب عزوجل سے ڈرتا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِۚ (الرحمٰن:46)

جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِۚ (الرحمٰن:62)

اور ان دو جنتوں کے علاوہ اور دو جنتیں ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌۙ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌۙ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍۙ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةًؕ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌۘ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌۙ وَّ اَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌۙ وَّ نَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌۙ وَّ زَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌؕ (الغاشیۃ:8تا16)

بہت چہرے اس دن خوش وخرم ہوں گے اپنے نیک اعمال پر شاداں ہونگے بلند جنت میں جس میں کوئی شخص بے ہودہ بات نہیں سنے گا۔ اس میں بہتے ہوئے چشمے ہونگے اس میں بلند مسندیں ہونگی اور ترتیب میں رکھے ہوئے جام ہوں گے اور صف بہ صف گاؤ تکیے رکھے ہوں گے اور بہترین فرش بچھے ہوں گے۔

قیامت کے دن مومنوں کا نور

قیامت کے دن مومنوں کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا بعض کا نور اس قدر ہوگا کہ اس سے مدینہ منورہ سے عدن تک روشن ہو جائے گا اور بعض کا قدموں کی جگہ تک ہوگا بعض کا کھجور کے درخت جتنا ہوگا، بعض کا مرد کی قامت جتنا ہوگا۔

قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُۚ (الحدید:12)

جس دن آپ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا (ان سے کہا جائے گا) آج تمہیں ان جنتوں کی بشارت ہے جن کے نیچے دریا بہہ رہے ہیں تم ان میں ہمیشہ رہنے والے ہو یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ

بعض مومنوں کا نور اس قدر ہوگا کہ اس سے مدینہ منورہ سے عدن تک روشن ہو جائے گا اور بعض مومنوں کے نور سے صرف ان کے قدموں کی جگہ روشن ہوگی۔

(جامع البیان: رقم الحدیث:26024)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے کہ

مومنوں کو ان کے نیک اعمال کے حساب سے نور دیا جائے گا بعض کا نور کھجور کے درخت جتنا ہوگا۔ بعض کا نور مرد کی قامت کے برابر ہوگا۔ کم سے کم نور انسان کے انگوٹھے کے برابر ہوگا۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 26025)

اللہ تعالیٰ کا مومنین کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ خریدنا

بے شک اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا کیونکہ انہوں نے جہاد کیا اور شہید ہوگئے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِى التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِىْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ (التوبہ:111)

بے شک اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے پس قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے تورات میں اور انجیل میں قرآن میں اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا اور کون ہے پس تم اپنی اس بیع کے ساتھ خوش ہو جاؤ جو تم نے بیع کی ہے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

آگے ارشاد فرمایا:

اَلتَّـآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (التوبہ:112)

توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے حمد کرنے والے روزہ رکھے والے روزہ کرنے والے سجدہ کرنے والے نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرنے والے اور آپ ایمان والوں کو خوش خبری سنا دیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا ہے اور اس کو اپنے گھر سے نکالنے کا محرک صرف اس کی راہ میں جہاد کرنے کا جذبہ ہوتا اس کے کلام کی تصدیق کرنا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس شخص کے لئے اس بات کا ضامن ہوگیا ہے کہ اس کو جنت میں داخل کر

دے یا اس کو اس کے گھر اجر اور مال غنیمت کے ساتھ لوٹا دے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 7463)

محمد بن کعب قرظی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب عزوجل کے لئے اور اپنی ذات کے لئے جو چاہیں شرط لگالیں!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں اپنے رب عزوجل کے لئے شرط لگاتا ہوں کہ تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور اپنے لیے یہ شرط لگاتا ہوں کہ تم میری حفاظت اس طرح کرو گے جس طرح تم اپنی جانوں اور مالوں کی حفاظت کرتے ہو۔

انہوں نے کہا: جب ہم یہ کرلیں گے تو ہمیں کیا ملے گا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت (کا دائمی مقام)

انہوں نے کہا: یہ نفع والی بیع ہے ہم نہ اس کو خود فسخ کریں نہ اس کے فسخ کرنے کو پسند کریں گے۔

(جامع البیان: جز: 11، ص: 49 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

روئے زمین پر جو مومن بھی ہیں وہ اس بیع میں داخل ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج: 6، ص: 1886 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

جو شخص توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دیتا ہے اور اسے جنت کا دائمی مقام عطا فرمائے گا جس میں اسے موت نہیں آئے گی وہ وہاں شاد و خرم ہوگا۔

قرآن مجید میں ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ (آل عمران: 31)

آپ کہیے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ (الاحزاب: 71)

اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو درست کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

یٰقَوْمَنَاۤ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ (الاحقاف: 31)

اے ہماری قوم! اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی بات مان لو اور اس پر ایمان لے آؤ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں میں سے بخش دے گا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (الصف:12)

وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ج (الرعد:6)

بے شک آپ کا رب لوگوں کے ظلم کے باوجود ان کی مغفرت کرنے والا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ؕ (النساء:110)

اور جو شخص برے کام کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بہت بخشنے والا بہت مہربان پائے گا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ؕ (النساء:64)

اگر انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کر لیا تو وہ آپ کے پاس آجائیں پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں اور رسول بھی ان کے لئے استغفار کریں تو وہ اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا بہت مہربان پائیں گے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ قف وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڛ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ؕ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ؕ (آل عمران:135 تا 136)

اور وہ لوگ جنہوں نے بے حیائی کا کوئی کام کر لیا یا وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تو انہوں نے اپنے گناہوں پر استغفار کیا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کون گناہوں کو بخشتا ہے اور اپنے کاموں پر عمداً اصرار نہ کریں۔ ان لوگوں کی جزاء ان کے رب پاس سے مغفرت ہے اور ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور نیک عمل کرنے والوں کی کیسی اچھی جزا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تم میں سے کسی شخص کو اپنی گمشدہ سواری کے مل جانے سے جتنی خوشی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کو تمہاری توبہ سے اس سے خوشی ہوتی ہے۔
(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3538)
ایک اور روایت میں ہے:
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ نہ کیا ہو۔
(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 4250)
ایک اور روایت میں ہے:
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
(اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا) اے ابن آدم! بے شک تو نے مجھ سے دعا کی اور مجھ سے امید رکھی تم میں جو بھی گناہ تھا میں نے معاف کر دیا اور مجھے پرواہ نہیں اے ابن آدم! اگر تو پوری روئے زمین کے برابر گناہ لے کر آیا پھر تو نے مجھ سے ملا کی تو میں تیرے پاس اتنی ہی مغفرت لاؤں گا بشرطیکہ تو نے شرک نہ کیا ہو۔
(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 3540)
اور جو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے بھی جنت عطا فرمائے گا۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
سب سے پہلے جنت میں ان لوگوں کو بلایا جائے گا جو راحت اور تکلیف میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں۔
(شعب الایمان: رقم الحدیث: 4373)
ایک اور روایت میں ہے:
عمرو بن شعیب اپنے والد محترم سے اور وہ اپنے دادا محترم سے روایت کرتے ہیں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جس نے سو مرتبہ صبح اور سو مرتبہ شام کو سبحان اللہ کہا اس نے گویا سو حج کیے اور جس نے سو مرتبہ صبح اور سو مرتبہ شام کو ا... نے گویا جہاد فی سبیل اللہ کے لئے سو گھوڑے مہیا کیے۔

(جامع ترمذی: ص:500 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ روایت کرتے ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب تم کہتے ہو "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" تو تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہو اور وہ تم کو زیادہ نعمت دے گا۔

(جامع البیان: ج:1، ص:46 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

امام ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی 668ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ بندہ کی اس بات سے خوش ہوتا ہے کہ وہ کچھ کھائے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور کچھ پئے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی کسی نعمت پر الحمد للہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور کچھ پئے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی کسی نعمت پر الحمد للہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس سے افضل نعمت عطا فرماتا ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:1، ص:131 مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

اسی طرح جو روزہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دیتا ہے اور اس کے لئے جنت کے دائمی مقام کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

روزہ ڈھال ہے روزہ دار نہ جماع کرے نہ جہالت کی باتیں کرے اگر کوئی شخص اس سے لڑے یا اس کو گالی دے تو وہ دو مرتبہ یہ کہے کہ میں روزہ دار ہوں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پسند ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ اپنے کھانے، پینے اور نفس کی خواہش کو میری وجہ سے ترک کرتا ہے روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزاء دوں اور نیکیوں کا اجر دس گنا ہے۔

(صحیح بخاری: ج:1، ص:254 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے کہ

حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جنت میں ایک دروازہ ہے جس کا نام ریان ہے اس دروازہ سے قیامت کے دن روزہ دار داخل ہوں گے ان کے علاوہ اور کوئی اس دروازہ سے داخل نہیں ہوگا۔
فرمایا جائے گا کہ
روزہ دار کہاں ہیں؟ پھر روزہ دار کھڑے ہو جائیں گے ان کے علاوہ اور کوئی اس دروازہ سے داخل نہیں ہوگا ان کے داخل ہونے کے بعد اس دروازہ کو بند کر دیا جائے گا پھر اس میں کوئی داخل نہیں ہوگا۔

(صحیح البخاری: ج: 1 ص: 254 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔
روزے کے سوا ابن آدم کا ہر عمل اس کے لئے ہوتا ہے روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا روزہ ڈھال ہے اور جب تم میں سے کوئی شخص روزہ سے ہو تو وہ نہ جماع کی باتیں کرے نہ شور و شغب کرے اگر کوئی شخص اس کو گالی دے اس سے لڑے تو وہ یہ کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں۔ ایک خوشی افطار کے وقت، ایک خوشی اپنے رب عزوجل سے ملاقات کے وقت ہوگی اس وقت وہ اپنے روزہ سے خوش ہوگا۔

(صحیح بخاری: ج: 1 ص: 255 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو شخص ایک دن اللہ تعالیٰ کی راہ میں روزہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے چہرہ کو جہنم سے ستر سال کی مسافت دور کر دیتا ہے۔

(صحیح مسلم: ج: 1 ص: 364 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

امام زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری متوفی 656ھ لکھتے ہیں:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

پانچ نمازیں ایک جمعہ سے دوسرا جمعہ اور ایک رمضان سے دوسرا رمضان ان کے درمیان ہونے والے گناہوں کا کفارہ ہیں جبکہ گناہ کبیرہ سے بچا جائے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کے آخری دن خطبہ ارشاد فرمایا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے لوگو! تمہارے پاس ایک عظیم اور مبارک مہینہ آ پہنچا ہے اس مہینہ میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مہینہ میں روزہ کو فرض کر دیا ہے اور اس کی رات میں قیام کو نفل کر دیا ہے جو شخص اس مہینہ میں کوئی نیکی کرے تو وہ دوسرے مہینہ میں فرض ادا کرنے کی مثل ہے اور جو شخص اس مہینہ میں فرض ادا کرے تو وہ ایسا ہے جیسے دوسرے مہینہ میں ستر فرض ادا کیے یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے یہ غم گساری کرنے کا مہینہ ہے یہ وہ مہینہ ہے جس میں مومن کے رزق میں زیادتی کی جاتی ہے۔ اس مہینہ میں جو کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے اس کے لئے گناہوں کی مغفرت ہے اور اس کی گردن کے لئے دوزخ سے آزادی ہے اور اس کو بھی روزہ دار کی مثل اجر ملے گا اور اس روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں سے ہر شخص کی یہ استطاعت نہیں ہے کہ وہ روزہ دار کو افطار کرا سکے۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی عطا فرمائے گا جو روزہ دار کو ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی یا ایک گھونٹ دودھ سے روزہ افطار کرائے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس کا اول رحمت ہے جس کا وسط مغفرت ہے اور جس کا آخر جہنم سے آزادی ہے جس شخص نے اس مہینہ میں اپنے خادم سے کام لینے میں تخفیف کی اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے گا اور اس کو دوزخ سے آزاد کر دے گا۔ اس مہینہ میں چار خصلتوں کو جمع کر دو۔ دو خصلتوں سے تم اپنے رب عزوجل کو راضی کر دو اور دو خصلتوں کے بغیر تمہارے لیے کوئی چارہ کار نہیں ہے جن دو خصلتوں سے تم اپنے رب عزوجل کو راضی کرو گے وہ کلمہ شہادت پڑھنا ہے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا ہے اور جن دو خصلتوں کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے وہ یہ ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرو اور اس سے دوزخ سے پناہ طلب کرو اور جو شخص کسی روزہ دار کو پانی پلائے گا اللہ تعالیٰ اس کو میرے حوض سے پلائے گا جس سے پھر کبھی پیاس نہیں لگے گی حتیٰ کہ وہ جنت میں چلا جائے گا۔

امام حبان نے روایت کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے رمضان کے مہینہ میں اپنی حلال کمائی سے کسی روزہ دار کو روزہ افطار کرایا تو رمضان کی تمام راتوں میں فرشتے اس کے لئے استغفار کرتے ہیں اور لیلۃ القدر میں حضرت جبرائیل علیہ السلام اس سے مصافحہ کرتے ہیں اور جس سے جبرائیل علیہ السلام مصافحہ کرتے ہیں اس کے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکلتے ہیں۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ ارشاد فرمایئے اگر کسی شخص کے پاس افطار کرانے کے لئے کچھ نہ ہو؟

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ ایک مٹھی طعام دے دے۔

میں نے عرض کیا: یہ ارشاد فرمایئے اگر اس کے پاس روٹی کا ایک لقمہ بھی نہ ہو تو؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ ایک گھونٹ دودھ دے دے۔

میں نے عرض کیا: اگر اس کے پاس وہ بھی نہ ہو تو؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک گھونٹ پانی دے دے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب رمضان آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تمہارے پاس رمضان آ گیا ہے یہ برکت کا مہینہ ہے اللہ تعالیٰ تم کو اس میں ڈھانپ لیتا ہے اس میں رحمت نازل ہوتی ہے اور گناہ جھڑ جاتے ہیں اور اس میں دعا مقبول ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس مہینہ میں تمہاری رغبت کو دیکھتا ہے سو تم اللہ تعالیٰ کو اس مہینہ میں نیک کام کر کے دکھاؤ کیونکہ وہ شخص بد بخت ہے جو اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم رہا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب ماہ رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو جنتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور پھر پورے ماہ ان میں ایک دروازہ بھی بند نہیں کیا جاتا اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور پھر پورے ماہ ان میں سے کوئی دروازہ نہیں کھولا جاتا اور سرکش جنوں کے گلوں میں طوق ڈال دیا جاتا ہے اور ہر رات صبح تک ایک منادی آسمان سے ندا کرتا ہے۔ اے نیکی کے طلب کرنے والے! نیکی کا قصد کر اور زیادہ نیکی کر اور اے برائی کے طلب کرنے والے! برائی کی کمی کر (بلکہ چھوڑ دے) اور آخرت میں غور و فکر کر، کوئی مغفرت طلب کرنے والا ہے تو اس کی مغفرت کر دی جائے اور کوئی توبہ کرنے والا ہے تو اس کی توبہ قبول کی جائے اور کوئی دعا کرنے والا ہے تو اس کی دعا قبول کی جائے اور کوئی سوال کرنے والا ہے تو اس کا سوال پورا کیا جائے اور اللہ تعالیٰ ماہ رمضان کی ہر رات میں ساٹھ ہزار لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے اور رمضان کی ہر رات میں جتنے لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے عید کے دن اس سے تین گنا زیادہ لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے۔

حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ رمضان کا ذکر فرمایا اور تمام مہینوں پر اس کی فضیلت بیان فرمائی۔

پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے رمضان میں ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے قیام کیا وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا جس طرح آج ہی اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا ہے۔

حضرت عمرہ بن مرہ جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ ارشاد فرمایئے اگر میں اللہ تعالیٰ کے وحدہ لاشریک ہونے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی گواہی دوں اور پانچوں نمازیں پڑھوں اور زکوٰۃ ادا کروں اور رمضان کے روزے رکھوں اور قیام کروں تو میرا کن لوگوں میں شمار ہوگا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
صدیقین اور شہداء میں۔ (الترغیب والترہیب: ج:2، ص:92 تا 106 مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ)
اسی طرح اللہ تعالیٰ رکوع وسجود کرنے والوں یعنی نماز ادا کرنے والوں کی بھی مغفرت فرما دیتا ہے اور قیامت کے دن اسے جنت کا دائمی مقام عطا فرمائے گا جس میں نمازی ہمیشہ رہے گا اسے کبھی تکلیف نہ ہوگی اور وہ ہمیشہ سکون واطمینان سے رہے گا۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
بندہ سے قیامت کے دن سب سے پہلے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے اگر وہ مکمل ہوئی تو مکمل لکھی جائے گی اور اس میں کچھ کمی ہوئی تو کہا جائے گا دیکھو کیا اس کی کچھ نفلی نمازیں ہیں جن سے اس کے فرض کی کمی کو پورا کر دیا جائے گا پھر باقی اعمال کا اسی طرح حساب لیا جائے گا۔
(سنن النسائی: ج:1، ص:82 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کراچی)
ایک اور روایت میں ہے: ابو عثمان سے روایت ہے کہ
میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے کھڑا تھا انہوں نے ایک خشک شاخ پکڑ کر اس کو ہلایا کہ اس کے پتے گرنے لگے۔
پھر انہوں نے فرمایا: اے ابو عثمان! کیا تم مجھ سے سوال نہیں کرو گے کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟
میں نے عرض کیا: آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟
انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کیا تھا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک درخت کے نیچے تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خشک شاخ کو پکڑ کر اسے ہلایا حتیٰ کہ اس کے پتے جھڑنے لگے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے سلمان (رضی اللہ عنہ)! کیا تم مجھ سے سوال نہیں کرو گے کہ میں نے ایسا کیوں کیا ہے؟
میں نے عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیوں کیا؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب مسلمان اچھی طرح وضو کرتا ہے اور پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ

اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح اس درخت کے پتے گر رہے ہیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ○ (ھود:114)

اور دن کے دونوں کناروں اور رات کے کچھ حصوں میں نماز کو قائم رکھو بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں یہ ان لوگوں کے لئے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں۔

(مسند احمد: ج:5، ص:439 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

ایک اور روایت میں ہے: ابووائل سے روایت ہے کہ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب بندہ نماز پڑھتا ہے تو اس کے سر کے اوپر اس کے گناہ جمع ہو جاتے ہیں اور جب وہ سجدہ کرتا ہے تو گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔

(جامع الاحادیث الکبیر: ج:19، ص:518 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص وضو کرے اور تین بار اپنے ہاتھوں کو دھوئے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں کے ہر گناہ کو مٹا دیتا ہے اور جو کلی کرے اور ناک میں پانی ڈالے تو اللہ تعالیٰ اس کی زبان اور ہونٹوں کے ہر گناہ کو مٹا دیتا ہے اور جو اچھی طرح وضو کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھے وہ گناہوں سے اس طرح صاف ہو جاتا ہے جس طرح اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا ہو۔

راوی نے پوچھا: آپ نے اس حدیث مبارکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے؟

ارشاد فرمایا: ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھ بار نہیں بے شمار مرتبہ سنا ہے۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:4، ص:40 مطبوعہ دار الفکر دمشق)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

یہ بتاؤ کہ اگر تم میں سے کسی شخص کے دروازے پر ایک دریا ہو جس میں وہ ہر روز دن میں پانچ بار غسل کرتا ہو تو کیا کہتے ہو اس کے بدن پر میل باقی رہے گی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اس کے بدن پر میل باقی نہیں رہے گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پانچ نمازوں کی ایسی ہی مثال ہے اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے اس کے گناہوں کو مٹا دے گا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:528)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام حمران سے روایت ہے کہ
انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا انہوں نے پانی کا ایک برتن منگایا پھر اس میں تین بار پانی انڈیل کر اپنے ہاتھوں کو دھویا پھر اپنا دایاں ہاتھ برتن میں ڈال کر پانی لیا اور کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا پھر تین بار اپنے چہرے کو دھویا پھر تین بار اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھویا پھر اپنے سر کا مسح کیا پھر تین بار اپنے پیروں کو ٹخنوں سمیت دھویا۔
پھر ارشاد فرمایا کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے میرے اس وضو کے مثل وضو کیا پھر اس نے دو رکعت نماز پڑھی کہ اس نماز میں اس نے اپنے آپ سے باتیں نہیں کیں تو اس کے تمام پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 159)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا پس ایک شخص آیا۔
اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے حد کا ارتکاب کر لیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر حد جاری فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا پھر نماز کا وقت ہو گیا تو اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو وہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جا کھڑا ہوا۔
اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے حد کا ارتکاب کر لیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر کتاب اللہ کا حکم نافذ فرمائیے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی؟
اس نے عرض کیا: جی پڑھی ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے گناہ کو یا ارشاد فرمایا تمہاری حد کو معاف فرما دیا ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6823)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عنقریب تم اپنے رب عزوجل کو اس طرح دیکھو گے جس طرح تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو اور تمہیں اس کو دیکھنے میں کوئی تکلیف نہیں ہو گی پس اگر تم طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے نماز پڑھنے میں کسی سے مغلوب نہ ہو تو ایسا کر لو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:
وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۝ (ق: 39)
یعنی یہ نمازیں تم سے قضا نہ ہونے پائیں (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 554)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! سلام پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ اور رشتہ داروں سے مل جل کر رہو اور رات کو اٹھ کر نماز پڑھو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔ (سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2485)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہمارا رب تعالیٰ ہر رات کو آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے جب رات کا ایک تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو ارشاد فرماتا ہے کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کرلوں۔ کوئی ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو عطا کروں۔ کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت چاہے تو میں اس کی مغفرت کر دوں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 1145)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں جا رہا تھا۔ میں صبح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے ایسا عمل بتایئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے اور دوزخ سے دور کر دے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم نے مجھ سے ایک عظیم چیز کا سوال کیا ہے بے شک یہ اسی پر آسان ہے جس پر اللہ تعالیٰ اس کو آسان کر دے تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو۔

پھر ارشاد فرمایا: کیا میں تم کو نیکی کے ابواب کی رہنمائی نہ کروں؟ روزہ ڈھال ہے اور صدقہ گناہ کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح آگ پانی کو بجھا دیتی ہے اور انسان کا آدھی رات کو پڑھنا بھی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (السجدہ: 16)

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2616)

مومنین صالحین کی فرشتوں پر فضیلت

مومنین صالحین کی فرشتوں پر فضیلت اس طرح ثابت ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ (البینہ: 7)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے وہ تمام مخلوق میں بہترین ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فرشتوں کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو مرتبہ ہے کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے قیامت کے دن بندہ مومن کا جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرتبہ ہوگا وہ فرشتوں کے مرتبہ سے ضرور بہت زیادہ عظیم ہوگا اور تم چاہو تو اس آیت کو پڑھو۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ۝ (البینہ:7)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے وہ تمام مخلوق میں بہتر ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث:19432)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام مخلوق میں سب سے زیادہ کون مکرم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! کیا تم یہ آیت نہیں پڑھتیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ۝

(روح المعانی: ج:30، ص:370 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

مومن کا آخرت میں دیدار الٰہی عزوجل کرنا

اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ آخرت میں مومنین اللہ تعالیٰ کا سر کی آنکھوں سے دیدار کریں گے اور کفار اس نعمت عظمیٰ سے محروم رہیں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۝ (قیامہ:22تا23)

کچھ چہرے اس دن اپنے رب کو دیکھتے ہوئے تروتازہ ہوں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ۝ (المطففین:15)

بے شک وہ اس دن اپنے رب (کے دیدار) سے محروم ہوں گے۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں: امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ دشمنوں کو اپنے دیدار سے محروم رکھے گا اور وہ اس کو نہیں دیکھ سکیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے لئے اپنے دیدار کی تجلی فرمائے گا اور وہ اس کو دیکھ لیں گے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کفار پر ناراضگی کی وجہ سے ان کو اپنے دیدار سے محروم رکھے گا تو جب اللہ مومنین سے راضی ہے تو ان کو اپنا دیدار عطا فرمائے گا۔ سنو! اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر محمد بن ادریس کو یہ یقین نہ ہوتا اور وہ قیامت میں اپنے رب عزوجل کو دیکھے گا تو وہ دنیا میں اس کی عبادت نہ کرتا۔

الحسین بن الفضل نے کہا کہ

اللہ تعالیٰ نے کفار کو دنیا میں اپنی توحید پر ایمان کے نور سے محروم رکھا اور آخرت میں ان کو اپنے دیدار سے محروم رکھے گا۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:19 ص:224 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا:

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ (یونس:26)

جن لوگوں نے نیک کام کیے ہیں ان کے لئے نیک انجام اور زیادہ انعام ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اہل جنت، جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ایک منادی ندا کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس تمہارے لیے ایک وعدہ ہے۔

وہ کہیں گے۔

کیا ہمارا چہرہ سفید نہیں کیا گیا اور ہم کو دوزخ سے نجات نہیں دی گئی اور ہم کو جنت میں داخل کیا گیا۔

وہ کہیں گے۔

کیوں نہیں! پھر (ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان) حجاب کو کھول دیا جائے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پس اللہ تعالیٰ کی قسم اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار سے زیادہ محبوب ان کو کوئی چیز عطا نہیں فرمائی۔ (سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2552)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔

کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب عزوجل کو دیکھیں گے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں!

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب سورج نصف النہار پر ہو اور اس کے بالمقابل کوئی بادل بھی نہ ہو تو کیا تمہیں سورج کو دیکھنے میں دشواری ہوتی ہے اور جب چودھویں شب کو آسمان پر چاند جلوہ آراء ہو اور اس کے بالمقابل کوئی بادل نہ ہو کیا چاند کو دیکھنے سے تمہیں کوئی تکلیف ہوتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پس جس کیفیت کے ساتھ تم دنیا میں سورج یا چاند کو دیکھتے ہو اسی کیفیت کے ساتھ تم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا دیدار کرلو گے۔ قیامت کے دن ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ ہر گروہ اس کی پیروی کرے جس کی وہ دنیا میں عبادت کیا کرتا تھا۔ اس اعلان کے بعد جس قدر لوگ بھی اللہ تعالیٰ کے سوا بتوں وغیرہ

عبادت کرتے تھے سب جہنم میں جا گریں گے اور صرف وہ لوگ باقی بچ جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے خواہ نیک ہوں یا بد اور کچھ لوگ اہل کتاب میں سے بھی باقی رہیں گے۔

پھر یہود کو بلا کر ان سے پوچھا جائے گا۔

تم دنیا میں کس کی عبادت کرتے تھے؟

وہ کہیں گے۔

ہم دنیا میں اللہ تعالیٰ کے بیٹے عزیر کی عبادت کرتے تھے۔

ان سے کہا جائے گا۔

تم جھوٹے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی کوئی نہ بیوی ہے نہ کوئی بیٹا ہے اب تم کیا چاہتے ہو؟

وہ کہیں گے۔

اے رب عزوجل! ہم پیاسے ہیں ہم کو پانی پلا دے پھر ان سے اشارہ سے کہا جائے گا تم پانی کی طرف کیوں نہیں جاتے پھر جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا وہ جہنم سراب کی طرح دکھائی دے گی پھر وہ جہنم میں جا پڑیں گے۔

پھر عیسائیوں کو بلایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ

تم دنیا میں کس چیز کی عبادت کرتے تھے۔

وہ کہیں گے کہ

ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے مسیح کی عبادت کرتے تھے۔

ان سے کہا جائے گا۔

تم جھوٹے ہو اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ کوئی اس کی اولاد ہے۔

پھر ان سے کہا جائے گا۔

اب تم کیا چاہتے ہو؟

وہ کہیں گے۔

اے ہمارے رب عزوجل! ہم بہت پیاسے ہیں ہمیں پانی پلا دے۔

ان سے اشارہ سے کہا جائے گا۔

تم پانی کی طرف کیوں نہیں جاتے پھر انہیں جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا وہ جہنم سراب کی طرح دکھائی دے گا پھر وہ جہنم میں جا پڑیں گے۔

حتیٰ کہ صرف وہ لوگ بچ جائیں گے جو دنیا میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے خواہ نیک ہوں یا بدکار پھر ان کے پاس اللہ تعالیٰ ایک ایسی صورت بھیجے گا جس صورت کو وہ دنیا میں کسی نہ کسی وجہ سے جانتے ہوں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔

اب تمہیں کس بات کا انتظار ہے ہر گروہ اپنے معبود کے ساتھ جا چکا۔

مسلمان عرض کریں گے۔

اے باری تعالیٰ! ہم دنیا میں ان لوگوں سے الگ رہے حالانکہ ہم ان کے سب سے زیادہ محتاج تھے اور ہم نے ان لوگوں کا بھی ساتھ نہیں دیا۔

اس صورت سے آواز آئے گی۔

میں تمہارا رب ہوں۔

مسلمان کہیں گے۔

ہم تم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے مسلمان یہ کلمات دو یا تین بار دہرائیں گے یہ ایسا وقت ہوگا کہ بعض مسلمانوں کے دل ڈگمگانے لگیں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔

کیا تمہارے علم میں کوئی ایسی نشانی ہے جس سے تم اللہ تعالیٰ کو پہچان سکتے ہو؟

مسلمان کہیں گے۔

ہاں! پھر اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی منکشف فرمائے گا اس منظر کو دیکھ کر جو شخص بھی دنیا میں محض اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی رضا کے لئے سجدہ کرتا ہے اس کو سجدہ کرن کی اجازت دی جائے گی اور جو شخص کسی دنیاوی خوف یا ریا کاری کے لئے دنیا میں سجدہ کرتا تھا اس کو سجدہ کی اجازت نہیں ملے گی۔ اس کی پیٹھ ایک تختہ کی طرح ہو جائے گی اور جب وہ بھی سجدہ کرنا چاہے گا اپنی پیٹھ کے بل گر جائے گا پھر مسلمان اپنا سر سجدہ سے اٹھائیں گے اور اللہ تعالیٰ اسی صورت میں ہوگا جس صورت میں انہوں نے اسے دیکھا تھا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔

میں تمہارا رب ہوں!

مسلمان کہیں گے۔

تو ہمارا رب ہے۔

پھر جہنم کے اوپر پل صراط بچھا دیا جائے گا اور شفاعت کی اجازت دی جائے گی۔

اس وقت سب کہیں گے۔

اللھم سلم سلم

اے اللہ عزوجل! سلامت رکھ، سلامت رکھ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔

وہ پل کیسا ہوگا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایک پھسلان چیز ہوگی اور اس میں دندانے دار کانٹے ہوں گے وہ لوہے کے کانٹے سعدان نامی جھاڑی کے کانٹوں کی طرح ہوں گے بعض مسلمان اس پل سے پلک جھپکنے میں گزر جائیں گے، بعض بجلی کی طرح، بعض آندھی کی طرح، بعض پرندوں کی طرح، بعض تیز رفتار اعلیٰ نسل کے گھوڑوں کی طرح اور بعض اونٹوں کی طرح یہ سب صحیح سلامت پار پہنچ جائیں گے اور بعض مسلمان کانٹوں سے الجھتے ہوئے پار پہنچ جائیں گے اور بعض مسلمان کانٹوں سے زخمی ہوکر جہنم میں گر جائیں گے اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو مومن نجات پاکر جنت میں چلے جائیں گے وہ اپنے ان مسلمان بھائیوں کو جو جہنم میں پڑے ہوں گے جہنم سے چھڑانے کے لئے اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کریں گے جیسا جھگڑا کوئی شخص اپنا حق مانگنے کے لئے بھی نہیں کرتا۔

اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے۔

اے ہمارے رب عزوجل! یہ لوگ ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے، ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے، ہمارے ساتھ حج کرتے تھے۔

ان سے کہا جائے گا۔

جن لوگوں کو تم پہچانتے ہو ان کو دوزخ سے نکال لو ان لوگوں پر دوزخ کی آگ حرام کردی جائے گی پھر جنتی مسلمان کثیر تعداد میں ان لوگوں کو دوزخ سے نکال لائیں گے جن میں سے بعض کی نصف پنڈلیوں کو اور بعض کو گھٹنوں تک دوزخ کی آگ نے جلا ڈالا تھا۔

پھر جنتی لوگ کہیں گے۔

اے اللہ عزوجل! اب ان لوگوں میں سے کوئی باقی نہیں بچا جن کو جہنم سے نکال لانے کا تو نے حکم دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔

پھر جاؤ اور جس کے دل میں ایک دینار کے برابر بھی نیکی ہے اس کو جہنم سے نکال لاؤ پھر جنتی لوگ کثیر تعداد میں لوگوں کو دوزخ سے نکال لائیں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے۔

اے اللہ عزوجل! جن کو تو نے جہنم سے نکالنے کا حکم دیا تھا ہم نے ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑا۔

اللہ تعالیٰ پھر ارشاد فرمائے گا۔

جاؤ جس کے دل میں نصف دینار کے برابر بھی نیکی ہو اس کو جہنم سے نکال لاؤ جنتی لوگ پھر جائیں گے اور کثیر تعداد میں

لوگوں کو جہنم سے نکال لائیں گے۔

اور پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے۔

اے ہمارے رب عز وجل! جن لوگوں کو تو نے دوزخ سے نکالنے کا حکم دیا تھا ہم نے ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑا۔

اللہ تعالیٰ پھر ارشاد فرمائے گا۔

جس شخص کے دل میں تم کو ایک ذرہ کے برابر بھی نیکی ملے اس کو جہنم سے نکال لاؤ جنتی لوگ پھر جائیں گے اور جہنم سے بہت بڑی تعداد میں خلق خدا کو نکال لائیں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے۔

اے اللہ عز وجل! اب دوزخ میں نیکی کا ایک ذرہ بھی نہیں ہے۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اگر تم میری اس بیان کردہ حدیث کی تصدیق نہیں کرتے تو قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کو پڑھو۔

''لاریب اللہ تعالیٰ ایک ذرہ کے برابر بھی کسی کے ساتھ زیادتی نہیں فرمائے گا اور جس شخص نے ایک نیکی بھی کی ہو تو اس کو دگنا کردے گا اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرمائے گا۔''

پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔

فرشتے، انبیاء علیہم السلام اور تمام مسلمان شفاعت کر کے فارغ ہو گئے اب گناہ گاروں کے لئے سوائے ارحم الراحمین کے کوئی باقی نہیں رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک مٹھی بھر کر دوزخ میں سے ان لوگوں کو نکال لے گا جنہوں نے اصلاً کوئی نیکی نہیں کی ہوگی اور وہ لوگ جل کر کوئلہ بن چکے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت کے دروازہ پر آب حیات کی نہر میں ڈال دے گا اور وہ اس سے اس طرح تر و تازہ نکل کھڑے ہوں گے جیسے سیلاب کی مٹی میں سے دانہ اگ پڑتا ہے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو دانہ پتھر درخت کے پاس آفتاب کے رخ پر ہوتا ہے وہ زرد یا سبز رنگ کا پودا بن جاتا ہے جو دانہ سائے کی جانب ہوتا ہے اس کا پودا سفید رنگ کا ہوتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ تو زرعی معاملات کو اسی طرح بیان فرما رہے ہیں جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنگلوں میں جانور چراتے رہے ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ لوگ اس نہر سے موتیوں کی طرح چمکتے ہوئے نکلیں گے اور ان کی گردنوں میں سونے کے پٹے پڑے ہوئے ہوں جن کی وجہ سے اہل جنت انہیں پہچان لیں گے اور ان کے بارے میں کہیں گے یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی عمل کے جہنم سے آزاد کر دیا ہے اور جنت میں داخل کر دیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا۔
جنت میں داخل ہو جاؤ اور جس چیز کو تم دیکھو گے وہ تمہاری ہو جائے گی۔
وہ لوگ کہیں گے۔
اے ہمارے رب عزوجل! تو نے ہم کو وہ کچھ عطا فرمایا ہے جو جہان والوں میں سے کسی کو عطا نہیں فرمایا۔
اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔
میرے پاس تمہارے لیے اس سے افضل چیز ہے۔
وہ لوگ کہیں گے۔
اے ہمارے رب عزوجل! وہ کیا چیز ہے۔
اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔
میری رضا! اس کے بعد اب میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 362)
ایک اور روایت میں ہے:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:
آیا ہم آخرت میں اپنے رب عزوجل کو دیکھیں گے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب آسمان پر ماہ تمام جلوہ گر ہو تو کیا اس کو دیکھنے میں تمہیں کوئی دشواری ہوتی ہے۔
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:
نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب آسمان پر مہر تاباں جلوہ افروز ہو تو کیا اس کو دیکھنے میں تمہیں کوئی دقت ہوتی ہے۔
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:
بالکل نہیں!
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تم اللہ تعالیٰ کو بھی اسی طرح دیکھو گے۔ الخ
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 359)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اہل جنت میں سے ادنیٰ درجہ اس شخص کا ہے جو ایک ہزار سال کی مسافت سے اپنے باغات کی طرف دیکھ رہا ہوگا اور ازواج کی طرف اور اپنی نعمت کی طرف اور اپنے خادموں کی طرف اور اپنی مسہریوں کی طرف اور اہل جنت میں سے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم ہوگا وہ ہر صبح اور شام کو اللہ تعالیٰ کے چہرے کی طرف دیکھے گا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ٥ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ٥ (قیامہ:22تا23)

اس دن بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے وہ اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث:2553)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک رات ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کی طرف دیکھا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک تم اپنے رب عزوجل کو عنقریب اس طرح دیکھو گے جس طرح تم دیکھ رہے ہو تمہیں اس کو دیکھنے میں کوئی تنگی نہ ہوگی پس اگر طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے نماز پڑھنے کی طاقت رکھو تو ضرور ان نمازوں کو پڑھو۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ٥ (ق:39)

طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 554)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور ان کے ہاتھ میں ایک شفاف آئینہ تھا جس میں ایک سیاہ نشان تھا۔

میں نے پوچھا۔

اے جبرائیل علیہ السلام! یہ کیا آئینہ ہے؟

انہوں نے کہا: یہ جمعہ ہے جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب عزوجل آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش فرمائے گا تاکہ یہ دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عید ہو جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اول ہیں اور یہود و نصاریٰ کے لئے اس کے بعد کا دن ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار فرمایا: ہمارے لیے اس دن میں کیا ہے؟

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس دن میں خیر ہے اس دن میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اس ساعت میں جو شخص بھی اپنے رب عزوجل سے کسی خیر کی دعا کرے جو اس کا مقسوم ہو تو اس کا رب عزوجل اس کو وہ عطا فرمائے گا اور اگر وہ چیز اس کے مقسوم میں نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ عظیم چیز کو اس کے لئے مقدر فرما دے گا اور اگر اس نے کسی چیز سے پناہ طلب کی اور وہ اس کے مقدر میں ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو اس چیز سے پناہ میں رکھے گا اور اگر اس سے پناہ اس کے مقدر میں نہ ہو تو اس سے زیادہ مضر چیز سے اس کو پناہ میں رکھے گا۔

میں نے اس سے پوچھا۔

اس آئینہ میں یہ سیاہ نشان کیسا ہے؟

انہوں نے کہا: یہ قیامت ہے جو جمعہ کے دن قائم ہوگی اور ہمارے نزدیک جمعہ تمام دنوں کا سردار ہے اور ہم آخرت میں اس کو یوم المزید کہتے ہیں۔

میں نے پوچھا: آپ علیہ السلام اس کو یوم المزید کیوں کہتے ہیں؟

انہوں نے کہا: کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب عزوجل نے جنت میں ایک سفید وادی بنائی ہے جو مشک سے زیادہ خوشبودار ہے پس جب جمعہ کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ علیین سے اپنی کرسی پر نازل ہوگا حتیٰ کہ نور کے منبر کرسی کا احاطہ کرلیں گے اور انبیاء کرام علیہم السلام ان منبروں پر بیٹھ جائیں گے پھر سونے کی کرسیاں ان منبروں کا احاطہ کرلیں گی پھر صدیقین اور شہداء آکر ان کرسیوں پر بیٹھ جائیں گے پھر اہل جنت آکر ٹیلوں پر بیٹھ جائیں گے۔ پھر ان کے سامنے ان کا رب تعالیٰ جلوہ فرما ہوگا حتیٰ کہ وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھیں گے۔

اور وہ ارشاد فرمائے گا۔

میں وہ ہوں جس نے اپنے وعدہ کو سچا کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو مکمل کر دیا اور یہ میری کرامت کی جگہ ہے سو تم مجھ سے سوال کرو تو وہ اس سے اس کی رضا کا سوال کریں گے۔

پس اللہ عزوجل فرمائے گا۔

میں نے تم پر اپنی رضا کو حلال کر دیا اور میری کرامت تمہارے ہی لیے ہے سو تم مجھ سے سوال کرو پھر وہ اس سے سوال کرتے رہیں گے حتیٰ کہ ان کی رغبت ختم ہو جائے گی پھر ان کے لئے ایسی نعمتیں کھول دی جائیں گی جن کو کسی آنکھ نے نہ دیکھا ہو کسی کان نے سنا ہوگا اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا ہوگا یہ مجلس اتنی دیر رہے گی جتنی دیر میں لوگ نماز جمعہ سے فارغ

ہوتے ہیں۔ پھر رب تعالیٰ اپنی کرسی پر چڑھ جائے گا اور اس کے ساتھ شہداء اور صدیقین بھی چڑھ جائیں گے اور بالا خانے والے بالا خانوں میں چلے جائیں گے (جنت میں) ایک سفید موتی ہے جس میں کوئی شگاف نہیں ہوگا یا سرخ یاقوت ہے یا سبز زمرد ہے اس میں بالا خانے اور ان کے دروازے ہوں گے اس میں دریا ہوں گے اس میں پھل لٹکے ہوئے ہوں گے اور اس میں ان کی بیویاں اور ان کے خادم ہوں گے تاہم جمعہ کے دن سے زیادہ ان کو کسی چیز کی احتیاج نہیں ہوگی تاکہ اس دن ان کو زیادہ کرامت حاصل ہو اور اس دن میں اللہ تعالیٰ کے چہرے کی طرف زیادہ نظر بھر کر دیکھیں اسی وجہ سے اس دن کا نام یوم المزید ہے۔

(مسند ابو یعلیٰ: رقم الحدیث:4228)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ان کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ وہ مجھے اور تمہیں جنت کے بازار میں جمع کر دے۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا جنت میں بازار بھی ہوں گے؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ جنت میں جب جنتی داخل ہوں گے تو ان کو ان کے اعمال کے اعتبار سے فضیلت دی جائے گی پھر جتنے عرصہ میں دنیا میں جمعہ کا دن آتا ہے اتنا عرصہ گزرنے کے بعد وہ اپنے رب عزوجل کی زیارت کریں گے اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ کا عرش ظاہر کیا جائے گا اور وہ عرش جنت کے باغات میں سے ایک باغ میں ظاہر کیا جائے گا پھر ان کے لئے اس میں کچھ نور کے منبر رکھے جائیں گے اور کچھ موتیوں کے منبر ہوں گے اور کچھ یاقوت کے منبر ہوں گے اور کچھ زمرد کے منبر ہوں گے اور کچھ سونے کے منبر ہوں گے اور کچھ چاندی کے منبر ہوں گے ان میں سے ادنیٰ درجہ کے جنتی مشک اور کافور کے ٹیلوں پر بیٹھیں گے حالانکہ ان میں کوئی ادنیٰ درجہ کا نہیں ہوگا اور وہ یہ نہیں سمجھیں گے کہ کرسیوں پر بیٹھنے والے ان سے افضل ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ

میں نے عرض کیا:

کیا ہم اپنے رب عزوجل کو دیکھیں گے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہاں! کیا تمہیں سورج کے دیکھنے سے یا چودھویں رات میں چاند کو دیکھنے سے کوئی تکلیف ہوتی ہے۔

ہم نے کہا: نہیں!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسی طرح تم کو اپنے رب عزوجل کے دیکھنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی اس مجلس کے ہر شخص سے اللہ تعالیٰ بلا حجاب گفتگو فرمائے گا حتیٰ کہ ان میں سے ایک شخص سے ارشاد فرمائے گا۔

اے فلاں بن فلاں! کیا تجھ کو فلاں دن یاد ہے جب تو نے فلاں فلاں بات کہی تھی پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس کے بعض گناہ یاد دلائے گا۔

وہ شخص کہے گا۔

اے میرے رب عزوجل! کیا تو نے مجھے بخش نہیں دیا تھا؟

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔

کیوں نہیں! تم میرے بخشنے ہی کی وجہ سے تو اپنے اس درجہ تک پہنچے ہو لوگ اسی کیفیت میں ہوں گے کہ ان پر ایک بادل چھا جائے گا اور ان پر ایسی خوشبو کی بارش ہوگی کہ اس جیسی خوشبو انہوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں سونگھی ہوگی۔

اور ہمارا رب تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔

اس انعام و اکرام کی طرف اٹھو جو میں نے تمہارے لیے تیار کر رکھا ہے پھر جس کی تمہیں خواہش ہو وہ لے لو پھر ہم ایک بازار میں جائیں گے جس کو فرشتوں نے گھیرا ہوا ہوگا اس بازار میں ایسی چیزیں ہوں گی جن کو اس سے پہلے آنکھوں نے نہیں دیکھا ہوگا اور نہ کانوں نے سنا ہوگا اور نہ دلوں میں ان کا خیال آیا ہوگا پھر جس چیز کی ہمیں خواہش ہوگی وہ ہمیں دے دی جائے گی اس بازار میں کوئی چیز فروخت کی جائے گی نہ خریدی جائے گی اور اس بازار میں اہل جنت ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے اور بلند درجہ والے کا لباس دیکھ کر غمگین ہوں گے ابھی ان کی بات ختم نہیں ہوگی کہ وہ دیکھے گا کہ اس کے اوپر اس سے بھی عمدہ لباس ہے اس کا سبب یہ ہے کہ جنت میں کوئی شخص غمگین نہیں ہوگا پھر ہم اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ جائیں گے ہماری بیویاں ہم سے ملاقات کر کے کہیں گی۔ مرحبا خوش آمدید۔ جس وقت یہاں سے گئے تھے اس وقت کی بہ نسبت آپ کا حسن و جمال اب بہت زیادہ ہے۔

ہم کہیں گے۔

آج ہمیں اپنے رب عزوجل کے دربار میں بیٹھنا نصیب ہوا تھا لہٰذا ہمیں ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث: 2549)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ اہل جنت سے ارشاد فرمائے گا۔

اے اہل جنت!

وہ عرض کریں گے۔

(اے رب عزوجل) ہم تیرے پاس حاضر ہیں اور تیری اطاعت پر کمربستہ ہیں اور تمام خیر تیرے ہاتھوں میں ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔

کیا تم راضی ہوگئے؟

وہ کہیں گے۔

اے ہمارے رب عزوجل! ہمارے راضی نہ ہونے کی کیا وجہ ہوگی تو نے ہمیں وہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں عطا کیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔

کیا میں تم کو اس سے بھی افضل نعمت عطا نہ کروں۔

وہ عرض کریں گے۔

اے ہمارے رب عزوجل! اس سے افضل اور کون سی نعمت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔

میں تم پر اپنی رضا کو حلال کر دیتا ہوں اس کے بعد میں تم پر کبھی بھی ناراض نہیں ہوں گا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: 6549)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب جنت والے جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔

اے میرے بندو! کیا تم مجھ سے کسی چیز کا سوال کرو گے تاکہ میں تم کو وہ چیز دوں۔

وہ عرض کریں گے۔

اے ہمارے رب عزوجل! تو نے ہم کو جو چیزیں عطا فرمائی ہیں ان میں سے کس چیز میں زیادہ خیر ہے؟

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔

میری رضا بہت بڑی چیز ہے۔

(مجمع الزوائد، رقم الحدیث: 18773)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی 676ھ لکھتے ہیں:

مذہب یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ کی رؤیت عقلاً ممکن ہے محال نہیں ہے اور اس پر اجماع ہے کہ رؤیت آخرت میں واقع ہوگی اور مومن اللہ تعالیٰ

ہیں گے اور کافر نہیں دیکھیں گے اور اہل بدعت میں سے معتزلہ، خوارج اور بعض مرجیہ کا مذہب یہ ہے کہ مخلوق میں اللہ تعالیٰ کو کوئی نہیں دیکھے گا اور اللہ تعالیٰ کی رؤیت عقلاً محال ہے اور ان کا یہ قول خطاء صریح اور جہل قبیح ہے کتاب اور سنت کے دلائل اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد اخیار امت کا اس پر اجماع ہے کہ مومنین کے لئے اللہ تعالیٰ کی رؤیت آخرت میں واقع ہو اور بیس سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس نوع کی احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ

رؤیت ایک قوت ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں پیدا کرتا ہے اس کے لئے شعاع بصری کا احاطہ کرنا اور مرئی کا دیکھنے والے کے بالمقابل ہونا شرط نہیں ہے البتہ ہم جو ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں اس میں یہ چیز اتفاقاً پائی جاتی ہے لیکن یہ شرط نہیں ہے اور جب مومن اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے تو اس سے اللہ تعالیٰ کا مقابل جہت میں ہونا لازم نہیں آئے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ اب ہمیں دیکھتا ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے بالمقابل ہو۔ (شرح مسلم: ج:1، ص:99 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

حضرت لوط علیہ السلام کی بستی میں مومنین کی تعداد

جس بستی میں حضرت لوط علیہ السلام تشریف فرما تھے ان میں حضرت لوط علیہ السلام کے علاوہ چار مومنین تھے دو آپ علیہ السلام کی صاحبزادیاں اور دو داماد تھے۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

اس بستی میں حضرت لوط علیہ السلام کے گھر کے سوا اور کوئی مومن نہیں تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام مومن تھے اور آپ علیہ السلام کی دو صاحبزادیاں اور آپ علیہ السلام کے داماد مومن تھے۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:13، ص:124 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت لوط علیہ السلام کی بڑی صاحبزادی کا وصال

حضرت لوط علیہ السلام جب شام کے کسی علاقہ میں پہنچے تو آپ علیہ السلام کی بڑی صاحبزادی کا وصال ہو گیا۔

امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

(روایت کے آخر میں ہے) حضرت لوط علیہ السلام اپنی صاحبزادیوں کو ساتھ لے کر سفر پر نکلے حتیٰ کہ جب آپ علیہ السلام شام کے فلاں مقام تک پہنچے تو آپ علیہ السلام کی بڑی صاحبزادی کا وصال ہو گیا۔

(در منثور: ج:3، ص:1048، مطبوعہ کراچی)

حضرت لوط علیہ السلام کی بڑی صاحبزادی کے پاس چشمہ کا جاری ہونا

جس مقام پر حضرت لوط علیہ السلام کی بڑی صاحبزادی کا وصال ہو گیا تو ان کے پاس ایک چشمہ جاری ہو گیا۔

امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

(روایت کے آخر میں ہے) حضرت لوط علیہ السلام اپنی صاحبزادیوں کو ساتھ لے کر سفر پر نکلے حتیٰ کہ جب آپ علیہ السلام شام کے فلاں مقام تک پہنچے تو آپ علیہ السلام کی بڑی صاحبزادی کا وصال ہو گیا پس اس کے پاس ایک چشمہ جاری ہو گیا۔

(درمنثور، ج:3،ص:1048، مطبوعہ کراچی)

حضرت لوط علیہ السلام کی چھوٹی صاحبزادی کا وصال

حضرت لوط علیہ السلام کچھ دور چلے جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ علیہ السلام پہنچے کہ وہاں آپ علیہ السلام کی چھوٹی صاحبزادی کا بھی وصال ہو گیا۔

امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

(روایت کے آخر میں ہے) پھر آپ علیہ السلام وہاں تک چلے جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ آپ علیہ السلام پہنچیں تو وہاں آپ علیہ السلام کی چھوٹی صاحبزادی کا بھی وصال ہو گیا۔

(درمنثور، ج:3،ص:1048، مطبوعہ کراچی)

چھوٹی صاحبزادی کے پاس چشمہ کا جاری ہونا

جس مقام پر حضرت لوط علیہ السلام کی چھوٹی صاحبزادی کا وصال ہوا تو ان کے ساتھ ایک چشمہ بھی جاری ہو گیا۔

امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

(روایت کے آخر میں ہے) پھر آپ علیہ السلام وہاں تک پہنچے جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ آپ علیہ السلام پہنچیں تو وہاں آپ علیہ السلام کی چھوٹی صاحبزادی کا وصال ہو گیا اور ان کے پاس بھی چشمہ جاری ہو گیا۔

(درمنثور، ج:3،ص:1048، مطبوعہ کراچی)

حضرت لوط علیہ السلام کے پاس صرف درمیانی صاحبزادی حیات رہیں

جب حضرت لوط علیہ السلام کی بڑی صاحبزادی اور چھوٹی صاحبزادی کا وصال ہو گیا تو آپ علیہ السلام کے پاس صرف درمیانی صاحبزادی حیات رہیں۔

امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

(روایت کے آخر میں ہے) حضرت لوط علیہ السلام اپنی صاحبزادیوں کو ساتھ لے کر سفر پر نکلے حتیٰ کہ جب آپ علیہ السلام شام کے فلاں مقام تک پہنچے تو آپ علیہ السلام کی بڑی صاحبزادی کا وصال ہو گیا پس ان کے پاس ایک چشمہ جاری ہو گیا پھر آپ علیہ السلام وہاں تک چلے جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ آپ علیہ السلام پہنچیں تو وہاں آپ علیہ السلام کی چھوٹی بیٹی کا وصال ہو گیا اور ان کے پاس بھی چشمہ جاری ہو گیا۔ نتیجتاً صرف درمیانی صاحبزادی آپ علیہ السلام کے پاس حیات رہیں۔

(درمنثور: ج:3، ص:1048، مطبوعہ کراچی)

اللہ تعالیٰ کا حضرت لوط علیہ السلام اور ایمان والوں پر انعام

جو اللہ تعالیٰ اور حضرت لوط علیہ السلام پر ایمان لے آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عذاب سے مامون و محفوظ فرمایا اور ان پر احسان فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّـآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّيْنٰـهُمْ بِسَحَرٍ ۝ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِىْ مَنْ شَكَرَ ۝ (القمر:34تا35)

بے شک ہم نے ان پر پتھر برسائے ماسوا آل لوط کے، ہم نے ان کو سحری کے وقت بچالیا یہ ہماری طرف سے احسان تھا اور ہم شکر کرنے والوں کو یونہی اجر دیتے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام سفید رنگت والے تھے

حضرت لوط علیہ السلام کا رنگ سفید تھا۔

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت لوط علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی کے بیٹے تھے اور آپ علیہ السلام سفید رنگت والے تھے۔ (مستدرک: رقم الحدیث:4057)

حضرت لوط علیہ السلام خوبصورت چہرے والے تھے

حضرت لوط علیہ السلام کا چہرہ خوبصورت تھا۔

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت لوط علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی کے بیٹے تھے اور آپ علیہ السلام سفید رنگت والے اور خوبصورت چہرے والے تھے۔ (مستدرک: رقم الحدیث:4057)

حضرت لوط علیہ السلام باریک ناک والے تھے

حضرت لوط علیہ السلام کا ناک مبارک باریک ... خوبصورتی کی نشانی ...

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت لوط علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی کے بیٹے تھے اور آپ علیہ السلام سفید رنگت والے، خوبصورت چہرے والے، باریک ناک والے تھے۔ (مستدرک: رقم الحدیث: 4057)

حضرت لوط علیہ السلام چھوٹے کانوں والے تھے

حضرت لوط علیہ السلام چھوٹے کانوں والے تھے جو کہ خوبصورتی کی نشانی ہے۔

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت لوط علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی کے بیٹے تھے اور آپ علیہ السلام سفید رنگت والے، خوبصورت چہرے والے، باریک ناک والے (اور) چھوٹے کانوں والے تھے۔ (مستدرک: رقم الحدیث: 4057)

حضرت لوط علیہ السلام لمبی انگلیوں والے تھے

حضرت لوط علیہ السلام کی انگلیاں لمبی تھیں جو کہ خوبصورتی کی نشانی ہے۔

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت لوط علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی کے بیٹے تھے اور آپ علیہ السلام سفید رنگت والے، خوبصورت چہرے والے، باریک ناک والے، چھوٹے کانوں والے (اور) لمبی انگلیوں والے تھے۔ (مستدرک: رقم الحدیث: 4057)

حضرت لوط علیہ السلام خوبصورت دانتوں والے تھے

حضرت لوط علیہ السلام خوبصورت دانتوں والے تھے۔

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت لوط علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی کے بیٹے تھے اور آپ علیہ السلام سفید رنگت والے، خوبصورت چہرے والے، باریک ناک والے، چھوٹے کانوں والے، لمبی انگلیوں والے، خوبصورت دانتوں والے تھے۔ (مستدرک: رقم الحدیث: 4057)

حضرت لوط علیہ السلام ہنستے وقت تمام لوگوں سے بڑھ کر خوبصورت لگتے تھے

حضرت لوط علیہ السلام جب ہنستے تھے تو تمام لوگوں سے بڑھ کر خوبصورت لگتے تھے۔

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت لوط علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی کے بیٹے تھے اور آپ علیہ السلام سفید رنگت والے، خوبصورت چہرے والے، باریک ناک والے، چھوٹے کانوں والے، لمبی انگلیوں والے، خوبصورت دا

تھے جب ہنستے تو تمام لوگوں سے بڑھ کر خوبصورت لگتے تھے۔ (مستدرک: رقم الحدیث: 4057)

حضرت لوط علیہ السلام لوگوں میں سب سے زیادہ حسین تھے

حضرت لوط علیہ السلام لوگوں میں سب سے زیادہ حسین تھے۔

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ نے روایت ہے کہ

حضرت لوط علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی کے بیٹے تھے اور آپ علیہ السلام سفید والے، خوبصورت چہرے والے، باریک ناک والے، چھوٹے کانوں والے، لمبی انگلیوں والے، خوبصورت دانتوں تھے جب ہنستے تھے تو تمام لوگوں سے بڑھ کر خوبصورت لگتے تھے آپ علیہ السلام لوگوں میں سب سے زیادہ حسین تھے۔

(مستدرک: رقم الحدیث: 4057)

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن و جمال

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن و جمال تمام مخلوق سے بڑھ کر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ہاں نور تھے دنیا میں تشریف آوری ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ آپ علیہ السلام سب سے زیادہ حسین و جمیل تھے جس کی تحقیق درج ذیل ہے۔

علامہ احمد قسطلانی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اُن کو الہام فرمایا کہ وہ یہ کہیں۔

اے میرے رب عزوجل! تو نے میری کنیت ابو محمد کیوں رکھی ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے آدم (علیہ السلام)! اپنا سر اٹھاؤ! تو آپ علیہ السلام نے سر اٹھایا نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش کے پردوں میں دیکھا۔

(حضرت آدم علیہ السلام نے) عرض کیا۔

اے میرے رب عزوجل! یہ نور کیسا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

نور تیری اولاد میں سے ایک نبی کا نور ہے اس کا نام آسمانوں میں احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور زمین میں محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اگر یہ نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا اور نہ ہی آسمان و زمین کو پیدا کرتا۔

(مواہب اللدنیہ: ج: 1، ص: 47 مطبوعہ توفیقیہ قاہرہ مصر)

اسماعیل حقی حنفی متوفی 1137ھ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو ان کی پشت میں رکھ دیا تو وہ

ان کی پیشانی سے چمکتا تھا۔ (تفسیر روح البیان: ج:3،ص:543 مطبوعہ بیروت)

مزید راقم ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو ان کی پشت میں رکھ دیا تو وہ ان کی پیشانی میں چمکتا تھا پھر یہ نور حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام کی طرف منتقل ہو گیا جو کہ ان کے وصی تھے اور ان کی اولاد میں سے تیسرے تھے۔ حضرت حواء رضی اللہ عنہا ایک بچہ اور ایک بچی اکٹھے پیدا کرتی تھیں۔ صرف حضرت شیث علیہ السلام کو اکیلے پیدا کیا۔ نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے۔ پھر نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یکے بعد دیگرے ان اولاد میں منتقل ہوتا رہا حتیٰ کہ حضرت عبدالمطلب کے پاس آیا پھر ان کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور پھر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لایا۔ (تفسیر روح البیان: ج:3،ص:543 مطبوعہ بیروت)

سیرت حلبیہ میں ہے۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ اپنے والد ماجد سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سے اور وہ اپنے والد محترم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں پیدائش آدم علیہ السلام سے چودہ ہزار برس پہلے اپنے رب عزوجل کے حضور میں ایک نور تھا۔ (سیرت حلبیہ: ج:1،ص: 47 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی 1014ھ لکھتے ہیں:

حاصل کلام یہ کہ

نور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آباء کرام سے منتقل ہوتا رہا حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پشت اطہر میں ظاہر ہوا۔ (شرح شفاء: ج:1،ص:50 مطبوعہ بیروت)

علامہ احمد قسطلانی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبدالمطلب سے مشک کی خوشبو آتی تھی اور نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پیشانی میں چمکتا تھا۔ جب قریش قحط میں مبتلا ہوتے تو وہ حضرت عبدالمطلب کا ہاتھ پکڑ کر کوہ ثبیر کی طرف لے جاتے اور ان کے ذریعہ تقرب خداوندی عزوجل طلب کرتے اور بارش کے لئے دعائیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے کثرت سے بارش فرماتا۔ (مواہب اللدنیہ: ج:1،ص:63 مطبوعہ مکتبہ توفیقیہ قاہرہ مصر)

مزید راقم ہیں۔

یمن کا بادشاہ ابرہہ جب (نعوذ باللہ) بیت اللہ کو منہدم کرنے کے لئے آیا حضرت عبدالمطلب تک یہ بات پہنچی۔ تو انہوں نے قریش کو کہا۔

اے گروہ قریش! وہ بیت اللہ کو نہیں گرا سکے گا کیونکہ یہ رب عزوجل کا گھر ہے وہ ہی اس کی حفاظت فرمائے گا پھر جب شہ آیا تو وہ قریش کے اونٹوں کو ہنکا کر لے گیا۔ حضرت عبدالمطلب کوہ ثبیر پر چڑھے تو نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہلال (چاند) شکل میں ان کی پیشانی میں اس قوت سے چمکا کہ اس کی شعاعیں چراغ کی طرح خانہ کعبہ پر پڑیں جب حضرت عبدالمطلب نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خانہ کعبہ پر چمکتا ہوا دیکھا۔

تو ارشاد فرمایا:

اے گروہ قریش! واپس چلو تمہیں یہ امر کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم جب بھی یہ نور مجھ پر اس طرح چمکتا ہے تو فتح ہماری ہوتی تمام لوگ متفرق ہو کر واپس آ گئے۔ (مواہب اللدنیہ: ج: 1، ص: 63 مطبوعہ مکتبہ توفیقیہ قاہرہ مصر)

مزید راقم ہیں۔

جب حضرت عبدالمطلب ابرہہ کے پاس تشریف لے گئے تو ابرہہ نے سائیس کو حکم دیا کہ بڑے سفید ہاتھی کو لائے یہ سفید تھا کہ (سدھانے کے باوجود) جس نے کبھی ابرہہ کو سجدہ نہیں کیا تھا حالانکہ باقی سارے ہاتھی اسے سجدہ کرتے تھے جب کی نظر حضرت عبدالمطلب کے چہرے پر پڑی تو ان کے سامنے ادب سے اس طرح بیٹھ گیا جیسے اونٹ بیٹھتا ہے پھر سجدہ کرتا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے قوت گویائی عطا فرمائی۔

تو ہاتھی نے کہا: سلام ہو اس نور پر جو تمہاری پیٹھ میں ہے اے عبدالمطلب۔

(مواہب اللدنیہ: ج: 1، ص: 64 مطبوعہ مکتبہ توفیقیہ قاہرہ مصر)

امام ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی متوفی 430ھ روایت کرتے ہیں کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب عبدالمطلب اپنے لخت جگر کی شادی کے لئے نکلے تو اہل تبالہ کی ایک یہودی کاہنہ پر گزر ہوا اس نے کتب بھی پڑھ اس کو فاطمہ بنت مر خثعمیہ کہا جاتا تھا اس نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے رخ زیبا میں ایک نور دیکھا۔

اس نے کہا: اے نوجوان! کیا تو ابھی میرے ساتھ جماع کی رغبت رکھتا ہے اور میں تجھے ایک سو اونٹ دوں گی۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

رہا حرام تو اس کے ارتکاب سے موت اچھی اور حلال ابھی ہے نہیں تو میں اس کے بارے میں ابھی غور کروں گا پس لیے وہ امر کیسے ممکن ہے جس کی تو دعوت دیتی ہے پھر والد گرامی کے ساتھ آگے تشریف لے گئے اور حضرت آمنہ بنت عبد مناف بن زہرہ رضی اللہ عنہا سے عقد فرمایا اور تین شبانہ روز آپ رضی اللہ عنہا کے پاس گزارے پھر آپ رضی اللہ ب مبارک میں اس کا خیال تشریف لایا جس کی خثعمیہ عورت نے دعوت دی تھی تو آپ رضی اللہ عنہ اس کے پاس

نے کہا کہ اے نوجوان تو نے میرے بعد کیا کیا؟

تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے آمنہ بنت وہب سے شادی کی اور اس کے پاس تین دن ٹھہرا رہا۔
تو اس عورت نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! میں مشکوک عورت نہیں لیکن میں نے تیرے چہرے میں نور دیکھا تو میری خوا
ہوئی کہ وہ نور مجھ میں تشریف لائے لیکن اللہ تعالیٰ کو جہاں وہ نور رکھنا محبوب ہوو ہیں اس نے رکھا۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم: ج: 1، ص: 131 مطبوعہ دار النفائس بیروت)

حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ کی والدہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے موقع پر میں موجود تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت قریب ہو
ستارے اتنے قریب ہو گئے کہ میں نے کہا ستارے مجھ پر گر جائیں گے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو ایسا نو
جس نے کمرے اور گھر کو بھر دیا نور کے علاوہ کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی۔

(معجم الکبیر: ج: 1، ص: 147 مطبوعہ مکتبہ ابن تیمیہ قاہرہ)

امام احمد بن حنبل متوفی 241ھ روایت کرتے ہیں۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور (میری ولادت کے وقت
میری والدہ ماجدہ نے دیکھا کہ ان کے جسم اطہر سے ایک نور نکلا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔

(مستدرک: رقم الحدیث: 22315)

امام محمد بن سعد متوفی 230ھ لکھتے ہیں:
جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تو ساتھ ہی ایسا نور نکلا جس سے مشرق تا مغرب سب آفاق روشن ہو

(طبقات ابن سعد: ج: 1، ص: 102 مطبوعہ دار صادر بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو دانتوں میں جھری تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کلام فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ
وسلم کے سامنے دانتوں سے نور کی طرح نکلتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی: ج: 1، ص: 215 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ہند ابن ابی ہالہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عظمت والے وجاہت والے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور ایسا جگمگاتا تھا جیسے
شب کا پورا چاند۔ (شمائل محمدیہ وفضائل مصطفویہ: رقم الحدیث: 696)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ
میں سحری کے وقت سی رہی تھی مجھ سے سوئی گر گئی میں نے اس کو ڈھونڈا لیکن وہ مجھے نہیں ملی۔ رسول اللہ صلی اللہ

شریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس کے نور کی شعاع سے وہ سوئی مل گئی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے حمیرا! افسوس ہو پھر تین بار ارشاد فرمایا اس شخص کے لئے افسوس ہو جو میرا چہرہ دیکھنے سے محروم رہا۔ (خصائص الکبریٰ: ج: ص: 107 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک چاندنی رات میں دیکھا میں کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتا اور کبھی چاند کی طرف۔

اللہ تعالیٰ کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے نزدیک چاند سے زیادہ حسین تھے۔

(سنن دارمی: رقم الحدیث: 57)

علامہ احمد قسطلانی متوفی 911ھ روایت کرتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور میں دیوار منعکس نظر آتی تھی۔ (مواہب اللدنیہ: ج: 1، ص: 251 مکتبہ توفیقیہ قاہرہ مصر)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی سورج کے سامنے جلوہ افروز نہ ہوئے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور سورج کے نور پر غالب آ گیا اور نہ ہی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم چراغ کے سامنے کھڑے ہوئے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی چراغ کی روشنی پر غالب آ گئی۔

ابن سبع نے کہا کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب دھوپ اور چاندنی میں چلتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ ظاہر نہ ہوتا کیونکہ نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ (شرح الزرقانی: ج: 4، ص: 220 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

حضرت لوط علیہ السلام وقار والے تھے

حضرت لوط علیہ السلام وقار والے تھے۔

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت لوط علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی کے بیٹے تھے اور آپ علیہ السلام سفید رنگ والے، خوبصورت چہرے والے، باریک ناک والے، چھوٹے کانوں والے، لمبی انگلیوں والے، خوبصورت دانتوں والے تھے جب ہنستے تھے تو عام لوگوں سے بڑھ کر خوبصورت لگتے تھے آپ علیہ السلام لوگوں میں سب سے زیادہ حسین، وقار

والے تھے۔(مستدرک:رقم الحدیث:4057)

حضرت لوط علیہ السلام حکمت والے تھے

حضرت لوط علیہ السلام حکمت والے مقدس نبی تھے۔

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت لوط علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی کے بیٹے تھے اور آپ علیہ السلام سفید رنگت والے، خوبصورت چہرے والے، باریک ناک والے، چھوٹے کانوں والے، لمبی انگلیوں والے، خوبصورت دانتوں والے، جب ہنستے تھے تو تمام لوگوں سے بڑھ کر خوبصورت لگتے تھے۔ آپ علیہ السلام لوگوں میں سب سے زیادہ حسین، وقار اور حکمت والے تھے۔(مستدرک:رقم الحدیث:4057)

حضرت لوط علیہ السلام سب سے کم اپنی قوم کو تکلیف دینے والے تھے

حضرت لوط علیہ السلام سب سے کم اپنی قوم کو تکلیف دینے والے تھے۔

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت لوط علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی کے بیٹے تھے اور آپ علیہ السلام سفید رنگت والے، خوبصورت چہرے والے، باریک ناک والے، چھوٹے کانوں والے، لمبی انگلیوں والے، خوبصورت دانتوں والے تھے، جب ہنستے تھے تو تمام لوگوں سے بڑھ کر خوبصورت لگتے تھے۔ آپ علیہ السلام لوگوں میں سب سے زیادہ حسین، وقار والے اور حکمت والے اور سب سے کم اپنی قوم کو تکلیف دینے والے تھے اور جب آپ علیہ السلام کو اپنی قوم کی طرف سے تکلیف پہنچی جو بھی پہنچی جس کا آپ علیہ السلام کی قوم نے آپ علیہ السلام کے لیے ارادہ کیا تھا جیسا کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا۔

''اگر مجھ میں تمہارے مقابلہ کی ہمت ہوتی یا میں (آج) کسی مضبوط قلعہ میں پناہ لے سکتا۔''

(مستدرک:رقم الحدیث:4057)

حضرت لوط علیہ السلام کو چار لاکھ قوم کی تعداد میں مبعوث فرمایا گیا تھا

حضرت لوط علیہ السلام کو کثیر قوم کی تعداد میں بھیجا گیا تھا جن کی تعداد چار لاکھ تھی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ''یا میں (آج) کسی مضبوط قلعہ میں پناہ لے سکتا'' کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ حضرت لوط علیہ السلام پر رحم فرمائے آپ علیہ السلام مضبوط قلعہ میں پناہ لینے کی بات کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کے بعد کسی نبی کو نہیں بھیجا مگر ان کی قوم کی کثیر تعداد میں۔(سنن ترمذی:رقم الحدیث:3116)

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں۔
حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمیں یہ حدیث مبارکہ پہنچی ہے کہ ان (قوم لوط) کی تعداد چار لاکھ تھی۔

(تاریخ دمشق الکبیر: ج:53، ص:244 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قوم لوط کا قصہ اہل فراست کے لئے نشانیاں ہیں

قوم لوط کے قصہ میں اہل فراست کے لئے نشانیاں ہیں۔
قرآن مجید میں ہے:
اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُتَوَسِّمِیۡنَ ۝ (الحجر:75)
بے شک اس (قصہ) میں اہل فراست کے لئے نشانیاں ہیں۔

فراست کیا ہے؟

علامہ ابوالسعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر جزری متوفی 606ھ لکھتے ہیں: فراست کے دو معنیٰ ہیں۔
1- اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے دل میں جو چیز ڈالتا ہے جس سے انہیں بعض لوگوں کے احوال کا علم ہو جاتا ہے یہ کبھی کرامت سے ہوتا ہے اور کبھی صحیح گمان سے اور کبھی حدس سے (اچانک کسی چیز کے یاد آنے کو حدس کہتے ہیں)
2- دلائل، تجربہ ظاہری صورت کی کیفیت اور باطنی اوصاف کی مدد سے لوگوں کے احوال کو جان لینا۔

(النہایہ: ج:3، ص:383 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی متوفی 1014ھ لکھتے ہیں:
فراست ایک نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ قلب میں القا کرتا ہے حتیٰ کہ اس سے بعض مغیبات منکشف ہو کر بالکل مشاہد ہو جاتے ہیں اور یہ اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو علم اور عمل میں مرتبہ کمال کو پہنچ جائے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میری امت میں ملھمین ہوں گے (جن پر الہام کیا جائے گا)
اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔
جس نے چالیس روز تک اخلاص سے عمل کیا اس کے قلب سے اس کی زبان پر حکمت کے چشمے ظاہر ہوتے ہیں۔

(مرقات: ج:3، ص:4 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

مزید راقم ہیں:
یافعی نے حکایت کی ہے کہ امام الحرمین ابوالمعالی ابن الامام ابو محمد الجوینی ایک دن صبح کی نماز کے بعد مسجد میں بیٹھے ہوئے رہے تھے۔ اسی اثناء میں شیوخ الصوفیہ اپنے اصحاب کے ساتھ کہیں دعوت میں جاتے ہوئے گزرے۔
امام جوینی نے دل میں سوچا کہ

ان صوفیہ کو سوائے کھانے اور رقص کرنے کے اور کیا کام ہے؟

وہ شیخ الصوفیہ دعوت سے واپسی میں پھر اس مقام سے گزرے اور امام جوینی سے کہا۔

اے فقیہ! اس شخص کے متعلق آپ کا کیا فتویٰ ہے جو حالت جنابت میں صبح کی نماز پڑھادے اور پھر اسی حال میں مسجد بیٹھ کر علوم کا درس دے اور لوگوں کی غیبت کرے۔ تب امام الحرمین کو یاد آیا کہ ان پر تو غسل واجب تھا پھر اس کے بعد صوفیہ متعلق ان کا اعتقاد اچھا ہو گیا۔

(مرقات: ج:3، ص:19 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

فراست کس شخص کو حاصل ہوتی ہے؟

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

ثعلب نے کہا: جو شخص تم کو سر سے لے کر قدم تک دیکھے وہ اسم ہے۔ فراست اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جس کا دل پاک اور صاف ہو اور دنیاوی تفکرات سے خالی ہو اور وہ شخص گناہوں کے میل، برے اخلاق کی کدورت اور لایعنی کاموں سے مبرا خالی ہو۔

صوفیاء کا گمان یہ ہے کہ

فراست کرامت ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ

فراست کسی چیز پر علامات سے استدلال کرنا ہے۔ بعض علامتیں وہ ہوتی ہیں جو پہلی نظر ہی میں ہر شخص کو نظر آجاتی ہیں بعض علامات مخفی اور دقیق ہوتی ہیں وہ ہر شخص پر منکشف ہوتی ہیں اور بادی النظر میں ان کا پتا چلتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: متوسمین وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان آیتوں میں غور و فکر کر کے یہ جان لیا کہ ذات قوم لوط کو ہلاک کرنے پر قادر ہے وہ اس زمانے کے کافروں کو بھی ہلاک کرنے پر قادر ہے اور یہ ظاہری دلائل سے کسی چیز کو جان لینا ہے۔

امام شافعی اور امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہما سے روایت ہے کہ

وہ دونوں کعبہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے اور ایک شخص مسجد کے دروازہ پر تھا۔

ان میں سے ایک نے کہا: میرا گمان یہ ہے کہ یہ شخص بڑھئی ہے۔

دوسرے نے کہا: میرا گمان یہ ہے کہ یہ شخص لوہار ہے۔

اس شخص سے پوچھا گیا۔

تو اس نے کہا: پہلے میں بڑھئی تھا اور اب لوہار ہوں۔

روایت ہے کہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس مذحج کی ایک قوم آئی اور ان میں اشتر بھی تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو سر سے پاؤں کی طرف دیکھا۔

پھر پوچھا۔

یہ کون ہے؟

لوگوں نے کہا: یہ مالک بن الحارث ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کرے میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کی وجہ سے مسلمانوں پر ایک سخت مصیبت کا دن آئے گا پھر اس کے فتنہ سے جو ہونا تھا وہ ہوا (یہ شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں میں سے تھا)

اور روایت ہے کہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بازار میں گئے اور ایک عورت کی طرف دیکھا پھر وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔

تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: تم میں سے کوئی شخص ہمارے پاس آتا ہے اور اس کی آنکھوں میں زنا کا اثر ہوتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی وحی نازل ہونے لگی؟

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں! یہ برہان اور فراست ہے۔

اور صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم سے ایسی بہت مثالیں منقول ہیں۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:10 ص:40 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مومن کی فراست

مومن اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے جب ان کے پاس بیٹھا جائے تو اپنے اذہان وقلوب کو سنبھال کر بیٹھا جائے کیونکہ وہ اذہان وقلوب کی باتوں کو پہچان لیتے ہیں۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے اور اس کی توفیق سے بولتا ہے۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 16064)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے ہیں جو لوگوں کو فراست سے پہچان لیتے ہیں۔ (معجم الاوسط: رقم الحدیث: 2960)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ o

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3127)

لوگوں میں سب سے زیادہ اہل فراست تین اشخاص

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لوگوں میں سب سے زیادہ فراست والے تین شخص تھے۔

1- حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کی خاتون جس نے کہا تھا۔

یٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۫ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ o (القصص: 26)

اے ابا جان آپ انہیں اجرت پر رکھ لیں بے شک بہترین آدمی جس کو آپ اجرت پر رکھیں وہی ہے جو طاقت ور اور امانت دار ہو۔

استفسار فرمایا:

تمہیں اس کی قوت کیسے معلوم ہوئی۔

عرض کیا: یہ کنویں پر آئے اس پر بہت بھاری پتھر تھا جس کو انہوں نے اٹھالیا۔

استفسار فرمایا:

تمہیں اس کے امانت دار ہونے کا کیسے علم ہوا۔

عرض کیا۔

میں ان کے آگے آگے چل رہی تھی انہوں نے مجھے اپنے پیچھے کر دیا۔

2- اور دوسرا حضرت یوسف علیہ السلام کے دور کا آدمی ہے۔

جس نے کہا:

وَ قَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ یَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ (یوسف: 21)

اور مصر کے جس شخص نے انہیں خریدا تھا اس نے بیوی سے کہا اعزاز و اکرام سے ان کی رہائش کا اہتمام کرو شاید یہ ہم کو نفع پہنچائیں یا ہم ان کو بیٹا بنا لیں۔

3-اور تیسرے شخص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں جب انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنایا۔

(معجم الکبیر، رقم الحدیث: 2829)

قوم لوط کا عذاب شدہ علاقہ بحر لوط کے مشرق اور جنوب میں واقع ہے

قوم لوط کے جس علاقہ پر عذاب نازل کیا گیا وہ علاقہ بحر لوط کے مشرق اور جنوب میں واقع ہے۔

تفہیم القرآن میں ہے۔

حجاز سے شام اور عراق سے مصر جاتے ہوئے یہ عذاب شدہ علاقہ راستہ میں پڑتا ہے اور عموماً قافلوں کے لوگ تباہی کے ان آثار کو دیکھتے ہیں جو اس پورے علاقہ میں آج تک نمایاں ہیں۔ یہ علاقہ بحر لوط (بحیرہ مردار) کے مشرق اور جنوب میں واقع ہے اور خصوصیت کے ساتھ اس کے جنوبی حصہ کے متعلق جغرافیہ دانوں کا بیان ہے کہ یہاں اس درجہ ویرانی پائی جاتی ہے جس کی نظیر روئے زمین پر اور کہیں نہیں دیکھی گئی۔ (تفہیم القرآن: ج:2،ص:515 مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور)

اہل ایمان کے لئے قوم لوط کی بستیاں نشانی ہیں

ایمان والوں کے لئے قوم لوط کی تباہ شدہ بستیاں نشانی ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الحجر:76تا77)

اور بے شک وہ بستیاں عام راستے پر واقع ہیں اور بے شک اس میں ایمان والوں کے لئے نشانی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حضرت لوط علیہ السلام کو اپنی رحمت میں داخل فرمانا

اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو بے حیائی کے شہر سے نجات عطا فرمائی اور آپ علیہ السلام کو اپنی رحمت میں داخل فرما

قرآن مجید میں ہے:

وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا وَّ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ۝ وَ اَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (الانبیاء:74تا75)

اور ہم نے لوط کو حکم (نبوت) اور علم عطا فرمایا اور ان کو اس شہر سے نجات دی جس کے لوگ بے حیائی کے کام کرتے تھے بے شک وہ نافرمانی کرنے والے بدترین لوگ تھے اور ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا بے شک وہ نیکو کاروں میں سے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا قیامت کے دن اپنی رحمت کے پر میں چھپانا

صفوان بن محرز سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا۔

آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ''نجوی'' کے متعلق کس طرح سنا تھا۔

انہوں نے کہا: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

قیامت کے دن ایک مومن اپنے رب عزوجل کے قریب ہوگا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت کے پر میں چھپائے گا پھر اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا۔

اور ارشاد فرمائے گا کہ

کیا تو اس گناہ کو پہچانتا ہے۔

عرض کرے گا۔

ہاں میرے رب عزوجل میں پہچانتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔

میں نے دنیا میں تیرے گناہ کو چھپایا تھا اور میں آج تیرے گناہ کو معاف کر دیتا ہوں پھر اس کو اس کی نیکیوں کا اعمال نامہ دے دیا جائے گا اور کفار اور منافقوں کو لوگوں کے سامنے بلایا جائے گا (اور کہا جائے گا) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی تکذیب کی تھی۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 6887)

اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے

اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا فرمایا تو عرش کے اوپر اپنے پاس کتاب میں لکھ دیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 6843)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 6844)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کر لیا تو اس نے اپنے پاس رکھی ہوئی کتاب میں لکھ دیا اس نے اوپر لازم کر لیا ہے اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 6845)

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سو حصے

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصے کیے ایک حصہ مخلوق میں رکھا اور ننانوے حصے اپنے پاس رکھے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے رحمت کے ایک سو حصے کیے ننانوے حصے اپنے پاس رکھ لیے اور ایک حصہ زمین پر نازل کیا۔ اسی ایک حصے سے مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے حتیٰ کہ چوپایہ اپنے بچے کے اوپر سے اپنا پیر ہٹا لیتا ہے تا کہ ان کو تکلیف نہ ہو۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 6846)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے سو رحمتیں پیدا کی ہیں ایک رحمت اس نے اپنی مخلوق میں رکھی اور ننانوے رحمتیں اس نے اپنے پاس رکھیں۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 6847)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے پاس سو رحمتیں ہیں اس نے ان میں سے ایک رحمت جن، انس، حیوانات اور حشرات الارض میں نازل کی جس سے وہ ایک دوسرے پر شفقت کرتے ہیں اور رحم کرتے ہیں اسی سے وحشی جانور اپنے بچوں پر رحم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ننانوے رحمتیں بچا رکھی ہیں ان سے قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 6848)

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا۔
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
سیدھی راہ چلو، میانہ روی رکھو اور خوش خبری دو بے شک کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا۔
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھ کو بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مجھے چھپا لے اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل ہے جس میں سب سے زیادہ دوام ہو اگرچہ وہ عمل کم ہو۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 6995)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا۔

پوچھا گیا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھے بھی نہیں! ہاں مگر یہ کہ میرا رب عزوجل مجھے اپنی رحمت میں چھپا لے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 6986)

حضرت لوط علیہ السلام کا وصال

جب قوم لوط پر عذاب نازل کیا گیا تو حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس چلے گئے اور اپنی آخری عمر مبارک وہیں پر بسر فرمائی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اپنے پاس بلا لیا۔

حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ نے قوم لوط پر عذاب نازل کیا تو حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس چلے گئے اور انہیں کے ساتھ رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی روح مبارک کو قبض فرما لیا۔

(تاریخ مدینہ دمشق: ج:50، ص:326 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نُوْرَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

الحمد للہ عزوجل! حضرت لوط علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کی قوم کے حالات وواقعات مکمل ہوئے۔

حضرت ھود علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت ھود علیہ السلام ایک مقدس نبی ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو قوم عاد کی طرف مبعوث فرمایا تا کہ ان کو بت پرستی سے منع فرمائیں اور اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کا اقرار کروائیں مگر افسوس قوم نے آپ علیہ السلام کی تکذیب کی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر خشک آندھی سات راتیں اور آٹھ دن بھیجی جن سے قوم عاد تباہ و برباد ہوگئی اور آنے والے لوگوں کے لئے عبرت کا نشانہ بن گئی۔

حضرت ھود علیہ السلام کا شجرہ نسب

حضرت ھود علیہ السلام کا شجرہ نسب اس طرح ہے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت ھود علیہ السلام کا شجرہ نسب یہ ہے۔

ھود بن عبداللہ بن رباح بن الجارود بن عاد بن عوض بن ارم بن سام بن نوح نبی اللہ علیہ السلام

(مختصر تاریخ دمشق: ج:27،ص:146 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے:

ان کے شجرۂ نسب میں اختلاف ہے صحیح تر یہ ہے۔

ھود بن شالخ عبداللہ بن رباح بن خلود بن عوص بن ارم بن سام بن نوح۔

شالخ کا اصل نام عبداللہ تھا مومن موحد تھے عوص کا اصل نام عاد تھا۔

بعض نے کہا کہ

عاد عوص کے بیٹے تھے تو شجرہ اس طرح ہوا۔

ھود بن عبداللہ بن رباح بن خلود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح۔

(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:158 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت ہود علیہ السلام بنواسرائیل کے علاوہ مبعوث ہوئے

حضرت ہود علیہ السلام وہ مقدس نبی ہیں جو بنواسرائیل کے علاوہ مبعوث ہوئے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

دس انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ باقی تمام انبیاء کرام علیہم السلام بنواسرائیل سے مبعوث ہوئے ہیں وہ دس مقدس انبیاء کرام علیہم السلام یہ ہیں۔

1- حضرت نوح علیہ السلام

2- حضرت ہود علیہ السلام

3- حضرت لوط علیہ السلام

4- حضرت صالح علیہ السلام

5- حضرت شعیب علیہ السلام

6- حضرت ابراہیم علیہ السلام

7- حضرت اسماعیل علیہ السلام

8- حضرت اسحاق علیہ السلام

9- حضرت یعقوب علیہ السلام

10- حضرت عیسیٰ علیہ السلام

11- اور حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

(ان کی تعداد گیارہ بنتی ہے مگر امام ابن عساکر نے دس کہہ کر گیارہ بیان کیے ہیں)

(مختصر تاریخ دمشق: ج:27، ص:147 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ہود علیہ السلام کس نبی کے بعد مبعوث ہوئے

حضرت ہود علیہ السلام حضرت لوط علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے جو سب سے پہلا نبی مبعوث کیا وہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔

پھر حضرت نوح علیہ السلام

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام

پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام

پھر حضرت اسحاق علیہ السلام

پھر حضرت یعقوب علیہ السلام

پھر حضرت یوسف علیہ السلام

پھر حضرت لوط علیہ السلام

پھر حضرت ھود بن عبداللہ علیہ السلام (مختصر تاریخ دمشق: ج: 27، ص: 147 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

یادر ہے کہ میں انبیاء کرام علیہم السلام کی جس ترتیب کو بیان کرر ہا ہوں وہ امام ابن عساکر کی تحقیق سے بیان کرر ہا ہوں باقی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ بہتر جانتے ہیں۔

حضرت ھود علیہ السلام کا اسم گرامی

حضرت ھود علیہ السلام کا اسم گرامی شریف عابر تھا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911 ھ لکھتے ہیں:

حضرت شرفی بن قطامی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت ھود علیہ السلام کا اسم گرامی عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام ہے۔

(درمنثور: ج: 3، ص: 305، مطبوعہ کراچی)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی متوفی 1239 ھ لکھتے ہیں:

شیخ ابوبکر نے شرح خلاصہ السیر میں لکھا ہے کہ

حضرت ھود علیہ السلام کا نام عابر بفتح باء اور بکر باء (عابر) بروزن ناصر تھا۔

بعض نے لکھا ہے کہ

عمیر تھا۔

بعض نے لکھا ہے۔

غبیر تھا۔ (تفسیر مظہری: ج: 3، ص: 424، مطبوعہ کراچی)

حضرت ھود علیہ السلام کا لقب

آپ علیہ السلام کا لقب ھود ہے اور نام اوپر بیان کر دیا ہے۔

حضرت ھود علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا نام

حضرت ھود علیہ السلام کی والدہ کا نام مرجانہ تھا

قاضی ثناءاللہ پانی پتی متوفی 1239ھ لکھتے ہیں:

آپ علیہ السلام کی والدہ کا نام مرجانہ تھا۔(تفسیر مظہری:ج:3،ص:424،مطبوعہ کراچی)

حضرت ھود علیہ السلام کی والدہ محترمہ پاکدامن عورت

حضرت ھود علیہ السلام کی والدہ محترمہ پاکدامن عورتوں میں سے تھیں۔

قاضی ثناءاللہ پانی پتی متوفی 1239ھ لکھتے ہیں:

آپ پاکدامن عورتوں میں سے تھیں۔(تفسیر مظہری:ج:3،ص:424،مطبوعہ کراچی)

حضرت ھود علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا شجرہ نسب

حضرت ھود علیہ السلام کا شجرہ نسب یہ ہے۔

مکعبہ بنت عویلم بن سام بن نوح۔

قاضی ثناءاللہ پانی پتی متوفی 1239ھ لکھتے ہیں:

حضرت ھود علیہ السلام کی والدہ کا شجرہ نسب یہ ہے۔

مکعبہ بنت عویلم بن سام بن نوح۔(تفسیر مظہری:ج:3،ص:424،مطبوعہ کراچی)

حضرت ھود علیہ السلام کا تعلق حضرموت کے ایک قبیلہ بنی عبدالضخم سے تھا

حضرت ھود علیہ السلام کا تعلق حضرموت کے ایک قبیلہ بنی عبدالضخم سے تھا۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت ھود علیہ السلام کا تعلق حضرموت کے ایک قبیلہ بنی عبدالضخم سے تھا۔

(درمنثور:ج:3،ص:305،مطبوعہ کراچی)

حضرت ھود علیہ السلام سب سے پہلے عربی میں کلام فرمانے والے تھے

حضرت ھود علیہ السلام وہ مقدس نبی ہیں جنہوں نے عربی میں سب سے پہلے کلام فرمایا۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت ھود علیہ السلام وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے عربی زبان میں کلام کیا۔

(درمنثور:ج:3،ص:305،مطبوعہ کراچی)

حضرت ھود علیہ السلام کے چار صاحبزادے ہوئے

حضرت ھود علیہ السلام کے چار صاحبزادے ہوئے،قحطان،مقحط،قاحط اور فالغ۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت ھود علیہ السلام وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے عربی زبان میں کلام فرمایا۔ آپ علیہ السلام کے ہاں چار صاحبزادے ہوئے۔

1-قحطان 2-مقحط

3-قاحط 4-اور فالغ۔

(درمنثور: ج:3، ص305 تا306، مطبوعہ کراچی)

حضرت ھود علیہ السلام کے صاحبزادے فالغ ابو مضر ہیں

حضرت ھود علیہ السلام کے صاحبزادے فالغ ابو مضر ہیں یعنی یہ قبیلہ مضر کے جد امجد ہیں۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

(روایت کے آخر میں ہے) اور فالغ اور یہی ابو مضر یعنی قبیلہ ابو مضر کے جد امجد ہیں۔

(درمنثور: ج:3، ص:306، مطبوعہ کراچی)

حضرت ھود علیہ السلام کے صاحبزادے قحطان ابوالیمن ہیں

حضرت ھود علیہ السلام کے صاحبزادے قحطان ابوالیمن والے ہیں۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

(روایت کے آخر میں ہے) اور قحطان ابوالیمن ہیں۔

(درمنثور: ج:3، ص:306، مطبوعہ کراچی)

حضرت ھود علیہ السلام کے صاحبزادگان فالغ اور قحطان کے علاوہ کسی کی نسل نہیں چلی

حضرت ھود علیہ السلام کے صاحبزادگان فالغ اور قحطان کے علاوہ باقیوں میں سے کسی کی نسل نہیں چلی۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

(روایت کے آخر میں ہے) اور فالغ اور یہی ابو مضر ہیں اور قحطان ابوالیمن ہیں اور باقیوں کی کوئی نسل نہیں چلی۔

(درمنثور: ج:3، ص:306، مطبوعہ کراچی)

حضرت ھودعلیہ السلام کے چہرے انور سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک چمکتا تھا

حضرت ھودعلیہ السلام کے چہرے انور سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک چمکتا تھا۔

قاضی ثناءاللہ پانی پتی متوفی 1239ھ لکھتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک حضرت ھودعلیہ السلام کی پیشانی مبارک میں چمکتا تھا۔

(تفسیر مظہری: ج:3،ص:424،مطبوعہ کراچی)

لوگوں کا حضرت ھودعلیہ السلام کی پیشانی میں نور مبارک دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا کہنا

جب لوگوں نے حضرت ھودعلیہ السلام کی پیشانی مبارک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مقدس دیکھا تو انہوں نے یہ شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گا اور بتوں کو ترک کردے گا۔

قاضی ثناءاللہ پانی پتی متوفی 1239ھ لکھتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک حضرت ھودعلیہ السلام کی پیشانی مبارک میں چمکتا تھا جب لوگوں نے یہ نور دیکھا کہنے لگے یہ شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گا اور بتوں کو چھوڑ دے گا۔ (تفسیر مظہری: ج:3،ص:424،مطبوعہ کراچی)

لوگوں کا نور مقدس کی تعظیم کرنا

لوگوں نے نور مقدس کو دیکھ کر حضرت ھودعلیہ السلام کی تعظیم کرنے لگے۔

قاضی ثناءاللہ پانی پتی متوفی 1239ھ لکھتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک حضرت ھودعلیہ السلام کی پیشانی میں چمکتا تھا جب لوگوں نے یہ نور دیکھا تو کہنے یہ شخص ایک خدا کی عبادت کرے گا اور بتوں کو چھوڑ دے گا لوگوں نے (اس کی وجہ سے) آپ علیہ السلام کی بڑی تعظیم کی۔

(تفسیر مظہری: ج:3،ص:424،مطبوعہ کراچی)

حضرت ھودعلیہ السلام نسب کے اعتبار سے شریف تھے

حضرت ھودعلیہ السلام نسب کے اعتبار سے شریف تھے۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ھودعلیہ السلام جس قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اس کو خلود کہا جاتا تھا آپ علیہ السلام نسب کے اعتبار سے شریف

(درمنثور: ج:3،ص:306،مطبوعہ کراچی)

حضرت ھودعلیہ السلام انتہائی حسین اور وجیہ تھے

حضرت ھودعلیہ السلام شکل وصورت کے لحاظ سے انتہائی حسین اور وجیہ تھے۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

آپ علیہ السلام نسب کے اعتبار سے شریف اور شکل وصورت کے اعتبار سے انتہائی حسین اور وجیہ تھے۔

(درمنثور:ج:3،ص:306،مطبوعہ کراچی)

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت ھود علیہ السلام متوسط نسب کے تھے اور مکرم جگہ کے رہنے والے تھے بہت حسین وجمیل تھے اور عاد کی طرح جسیم تھے۔ (مختصر تاریخ دمشق:ج:27،ص:148 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ھود علیہ السلام سفید جسم تھے

حضرت ھود علیہ السلام کا جسم مبارک اپنے زمانے کے لوگوں کی بنسبت سفید جسم رکھتے تھے۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

آپ علیہ السلام جسمانی اعتبار سے اپنے زمانے کے لوگوں کی نسبت سفید جسم رکھتے تھے۔

(درمنثور:ج:3،ص:306،مطبوعہ کراچی)

حضرت ھود علیہ السلام کی داڑھی مبارک خاصی طویل تھی

حضرت لوط علیہ السلام کی داڑھی مبارک خاصی طویل تھی۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

اور آپ علیہ السلام کی داڑھی مبارک بہت دراز تھی۔ (مختصر تاریخ دمشق:ج:27،ص:148 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

آپ علیہ السلام باریش تھے اور آپ علیہ السلام کی داڑھی مبارک خاصی طویل تھی۔

(درمنثور:ج:3،ص:306،مطبوعہ کراچی)

...ی رکھنے کا حکم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی رکھنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے جس کی حد ایک قبضہ کی مقدار ہے اور اس سے زیادہ داڑھی ...ٹنا واجب ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مونچھوں کو بہت کم کرو اور داڑھیوں کو چھوڑ دو یعنی بڑھاؤ۔

(صحیح بخاری:ج:2،ص:875 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
مونچھوں کو بہت کم کرو اور داڑھیوں کو چھوڑ دو۔
(صحیح مسلم: ج:1، ص:129، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مونچھوں کو بہت کم کرنے اور داڑھی کے بڑھانے کا حکم دیا۔
(صحیح مسلم: ج:1، ص:129، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
مشرکین مونچھیں بڑھاتے ہیں اور داڑھیاں بہت زیادہ کترواتے ہیں۔ سو تم ان کی مخالفت کرو داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں بہت زیادہ کم کراؤ۔
(مجمع الزوائد: ج:5، ص:166، مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
مونچھیں تراشو اور داڑھی کو دراز کرو اور مجوس کی مخالفت کرو۔
(صحیح مسلم: ج:1، ص:129، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت عبید اللہ بن عتبہ فرماتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک مجوسی آیا درآں حالیکہ اس نے داڑھی منڈائی ہوئی تھی اور مونچھیں رکھی ہوئی تھیں۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا:
یہ کیا ہے؟
اس نے کہا: یہ ہمارے دین میں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہمارے دین میں یہ ہے کہ ہم مونچھیں کم کرائیں اور داڑھی بڑھائیں۔

(المصنف: ج:8،ص:379 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجوس کی مخالفت کرو، مونچھیں کم کراؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔

(مجمع الزوائد: ج:5،ص:166 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دس چیزیں انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہیں۔

1- مونچھیں کاٹنا

2- داڑھی دراز کرنا

3- مسواک کرنا

4- ناک میں پانی ڈالنا

5- ناخن کاٹنا

6- جوڑوں کو دھونا

7- بغلوں کے بال نوچنا

8- زیر ناف بال مونڈنا

9- اور پانی سے استنجاء کرنا

10- مصعب کہتے ہیں کہ دسویں چیز میں بھول گیا مگر یہ کہ کلی کرنا ہو۔

(صحیح مسلم: ج:1،ص:129 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مجوس کا ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ لوگ مونچھیں رکھتے ہیں اور داڑھیاں منڈواتے ہیں سو تم ان کی مخالفت کرو۔

(الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان: ج:8،ص:408 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایک اور روایت میں ہے:

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے درآں حالیکہ ان کی داڑھی کے منتشر تھے۔

راوی فرماتے ہیں کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کاش تم (یہ بال) کم کرلو اور ان کی داڑھی کے اطراف کی طرف اشارہ فرمایا۔

(مسند امام اعظم: ص: 359 مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مشرکین کی مخالفت کرو مونچھیں باریک کرو اور داڑھی بڑھاؤ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب حج یا عمرہ کرتے تو داڑھی کو مٹھی میں پکڑتے اور جو مقدار فاضل ہوتی اس کو کاٹ دیتے تھے۔

(صحیح بخاری: ج: 2، ص: 875 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت نافع سے روایت ہے کہ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما لوہا گرم کر کے جسم پر داغ لگاتے تھے اور زہر کی وجہ سے دم کراتے تھے اور داڑھی سے کم کرتے۔

(الکتاب الآثار: ص: 235 مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل)۔

ایک اور روایت میں ہے:

سماک بن یزید سے روایت ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے چہرے کے قریب سے داڑھی کاٹتے تھے۔ (المصنف: ج: 8، ص: 374 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے سر اور داڑھی کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے دیکھے۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم میں سے ایک شخص گزشتہ دنوں میں کیوں بدشکل بنا رہا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی داڑھی اور سر کی طرف اشارہ کر کے ارشاد فرمایا:

اپنی داڑھی اور سر کے بالوں کو کاٹ کر کم کراؤ۔

(شعب الایمان: ج:5،ص: 221 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایک اور روایت میں ہے:

عمرو بن شعیب اپنے والد محترم سے اور وہ اپنے دادا محترم سے روایت کرتے ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی داڑھی کو طول اور عرض سے کم کرتے تھے۔

(جامع ترمذی: ص: 394 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)۔

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا:

ہم حج اور عمرہ کے سوا داڑھی کو طول میں کم نہیں کراتے تھے۔ (المصنف: ج:8،ص: 375 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابراہیم سے روایت ہے کہ

لوگ داڑھی کو اطراف سے کاٹ کر منزہ کرتے تھے۔

(شعب الایمان: ج:5،ص:220 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت نافع سے روایت ہے کہ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی داڑھی سے کچھ کم کرتے تھے۔

(کتاب الآثار: ص:2340 مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل)

ایک اور روایت میں ہے: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تک یہ حدیث مبارکہ پہنچی ہے کہ سالم بن عبد اللہ جب احرام باندھنے کا ارادہ کرتے تو سوار ہونے اور احرام باندھنے سے پہلے قینچی منگا کر اپنی مونچھوں کو کم کرتے اور داڑھی کاٹتے۔

(مؤطا امام مالک: ص:422 مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت نافع سے روایت ہے کہ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب حج یا عمرہ میں سر منڈاتے تو داڑھی اور مونچھوں کو کاٹتے۔

(مؤطا امام مالک: ص: 421 مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور)

ایک اور روایت میں ہے کہ
حضرت ابراہیم سے روایت ہے کہ
لوگ داڑھی کو اطراف سے کاٹ کر منزہ کرتے تھے۔
(شعب الایمان: ج:5، ص:220 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)
ایک اور روایت میں ہے:
حضرت ابوزرعہ سے روایت ہے کہ
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑتے اور مٹھی سے زائد داڑھی کو کاٹ دیتے۔ (المصنف: ج:8، ص:374 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)
علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:
علامہ کاکی نے کہا ہے کہ
ہمارے نزدیک داڑھی کا طول ایک قبضہ کی مقدار ہے اور اس سے زیادہ داڑھی کو کاٹنا واجب ہے۔ (بنایہ: ج:1، ص:1344 مطبوعہ مطبعہ منشی نولکشور لکھنؤ)
علامہ ملا علی بن سلطان محمد القاری حنفی متوفی 1014ھ لکھتے ہیں:
نہایہ شرح ہدایہ میں ہے کہ
ہمارے نزدیک داڑھی کا طول بہ قدر قبضہ ہے اور ایک قبضہ کے بعد داڑھی کو کاٹنا واجب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی کو طولاً و عرضاً کاٹتے تھے۔
(مرقات: ج:8، ص:2981 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)
علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی 861ھ لکھتے ہیں:
نہایہ میں ہے کہ
قبضہ سے زائد داڑھی کو کاٹنا واجب ہے۔ (فتح القدیر: ج:2، ص:270 مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)
علامہ زین العابدین ابن نجیم مصری حنفی متوفی 970ھ لکھتے ہیں:
نہایہ میں جو لکھا ہے کہ قبضہ کے بعد داڑھی کو کاٹنا واجب ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی نے داڑھی کو چھوڑ دیا (یعنی نہیں کاٹا) تو وہ گناہ گار ہوگا۔ (البحر الرائق: ج:2، ص:280 مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر)

حضرت ھود علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کے مشابہ تھے

حضرت ھود علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کے مشابہ تھے۔
حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت ھود علیہ السلام تمام لوگوں سے بڑھ کر حضرت آدم علیہ السلام کے مشابہ تھے۔

(مستدرک: رقم الحدیث: 4064)

قوم عاد بت پرست تھی

قوم عاد بت پرستی کرتی تھی۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

آپ علیہ السلام کی قوم بت پرست تھی اس لیے آپ علیہ السلام نے پہلی تبلیغ میں فرمایا اے میری قوم عبادت کرو تم اللہ تعالیٰ کی اس کی وجہ یہ ہے کہ کائنات میں بجز اس کے کوئی بھی معبود نہیں تمہاری عبادت کے لائق وہی ہے نہ کہ اس کا غیر، لہذا اسی کے لیے عبادت خاص کردو یہ جو کچھ تم بت پرستی کرتے ہو یہ تمہاری خود ساختہ چیزیں ہیں یا بناوٹی عقیدے ہیں یا ہاتھ کے بنے ہوئے بت ہیں۔ اپنے ہاتھ سے بنا کر پھر ان ہی کو کہتے ہو کہ یہ بت جن کو ہم نے بنایا ہے ہمارے خالق ہیں کیسی صاف عقل میں آنے والی حماقت ہے جو تم کرتے ہو یا یہ افتراء ہے کہ تم کہتے ہو بت پرستی کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج: 12، ص: 158 نعیمی کتب خانہ لاہور)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

عاد بت پرست تھے وہ انہی کی عبادت کرتے تھے۔

(درمنثور: ج: 3، ص: 306، مطبوعہ کراچی)

قوم عاد نے کئی بت بنا رکھے تھے

قوم عاد نے ود، سواع، یغوث اور نسر نامی بت بنا رکھے تھے جس کی وہ عبادت کرتے تھے۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

عاد بت پرست تھے وہ انہی کی عبادت کرتے تھے انہوں نے کئی بت بنا رکھے تھے مثلاً ود، سواع، یغوث اور نسر۔

(درمنثور: ج: 3، ص: 306، مطبوعہ کراچی)

ود، یغوث، سواع اور نسر کون تھے جن کی عبادت کی جاتی تھی؟

ود، یغوث، یعوق، سواع اور نسر حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ روایت کرتے ہیں کہ

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان کچھ نیک لوگ تھے اور ان کے پیروکار ان کی اقتداء کرتے

تھے جب وہ نیک لوگ فوت ہو گئے۔

تو ان کے پیروکاروں نے کہا: اگر ہم ان کی تصویریں بنالیں تو اس سے ہماری عبادت میں زیادہ ذوق اور شوق ہوگا انہوں نے ان نیک لوگوں کی تصویریں بنالیں جب وہ فوت ہو گئے اور ان کی دوسری نسل آئی تو ابلیس نے ان کے دل میں خیال ڈالا کہ ان کے آباء ان تصویروں کی عبادت کرتے تھے اور اسی سبب سے ان پر بارش ہوتی تھی سو انہوں نے ان تصویروں کی عبادت کرنی شروع کر دی۔

اور امام ابن ابی حاتم نے عروہ بن الزبیر سے روایت کیا ہے کہ

ود، یغوث، یعوق، سواع اور نسر حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور ود ان میں سب سے نیک تھا۔

(جامع البیان: ج: 29، ص: 122 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابن ابی حاتم نے باقر سے روایت کیا ہے کہ

ود ایک نیک شخص تھا اور وہ اپنی قوم میں بہت محبوب تھا جب وہ فوت ہو گیا تو اس کی قوم کے لوگ بابل کی سرزمین میں اس کی قبر کے گرد بیٹھ کر روتے رہے۔ جب ابلیس نے ان کی آہ و بکا دیکھی تو وہ ایک انسان کی صورت میں متمثل ہو کر آیا۔

اور کہنے لگا: میں نے تمہارے رونے کو دیکھا ہے کیا خیال ہے میں تمہارے لیے ود کی ایک صورت بنا دوں تم اپنی مجالس میں اس تصویر کو دیکھ کر اسے یاد کیا کرو انہوں نے اس سے اتفاق کیا اس نے ود کی تصویر بنا دی جس کو وہ اپنی مجلسوں میں رکھ کر اس کا ذکر کیا کرتے تھے۔ جب ابلیس نے یہ منظر دیکھا۔

تو کہا: میں تم میں سے ہر ایک کے گھر میں ود کا ایک مجسمہ (بت) بنا کر رکھ دوں تاکہ تم میں سے ہر شخص اپنے گھر میں ود کا ذکر کیا کرے انہوں نے اس کو مان لیا پھر ہر گھر میں ود کا ایک مجسمہ (بت) بنا کر رکھ دیا پھر ان کی اولاد بھی یہی کرنے لگی پھر ان کے بعد جو نسلیں آئیں وہ یہ بھول گئیں کہ ود ایک انسان تھا وہ اس کو خدا مان کر اس کی عبادت کرنے لگیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس بت کی پرستش شروع کر دی سو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جس بت کی سب سے پہلے پرستش شروع کی گئی وہ ود نام کا بت تھا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج: 10، ص: 3375 تا 3376 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

حضرت ام حبیبہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہن نے بیان کیا کہ انہوں نے حبشہ میں ایک گرجا دیکھا جس کا نام ماریہ تھا انہوں نے اس کی خوبصورت کا اور اس میں رکھی ہوئی تصاویر کا ذکر کیا۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب ان میں کوئی نیک شخص مر جاتا تھا تو وہ اس کی قبر کو سجدہ گاہ بنا لیتے اور اس میں یہ تصویریں رکھ دیتے تھے یہ لوگ اللہ عزوجل کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 427)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ود دومۃ الجندل میں بنو کلب کا بت تھا اور سواع رباط میں ہذیل کا بت تھا اور یغوث جوف میں مراد کے بنو غطیف کا بت تھا میں تھا یعوق بلخ میں ہمدان کا بت تھا اور نسر ذی کلاع کا بت تھا جو حمیر سے تھے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

یہ وہ بت تھے جن کی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم عبادت کرتی تھی پھر بعد میں اہل عرب نے ان کو اپنا معبود بنالیا۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 27156)

امام ابو جعفر متوفی 310ھ نے ود کا ذکر کیا اور کہا۔

ود ایک مسلمان شخص تھا اور بہت نیک تھا اور اپنی قوم میں بہت محبوب تھا جب وہ فوت ہو گیا تو لوگ اس کی قبر پر ارض بابل گئے اور اس کی یاد میں رونے لگے جب ابلیس نے ان کی آہ وزاری کو دیکھا تو وہ ان کے پاس انسانی شکل میں آیا۔

اور کہنے لگا کہ

اس شخص کی یاد میں، میں تمہارے رنج وغم کو دیکھ رہا ہوں، تمہارا کیا خیال ہے میں اس شخص کی مثال کا ایک مجسمہ تمہارے بنادوں۔ تم اس مجسمہ کو اپنی مجلس میں رکھ لینا پھر تمہارا دل بہل جائے گا۔

انہوں نے کہا: ہاں ٹھیک ہے سو اس نے ود کی مثل کا ایک مجسمہ بنادیا اور انہوں نے اس کو اپنی مجلس میں رکھ لیا اور وہ اس کو کرتے رہتے تھے۔ جب ابلیس نے دیکھا کہ وہ اس کو بہت یاد کرتے ہیں۔

تو اس نے ان لوگوں سے کہا۔

کیا خیال ہے میں تم میں سے ہر شخص کے گھر میں ود کی مثال کا ایک مجسمہ بنا کر رکھ دوں ان لوگوں نے اس پیش کش کو قبول لیا اور وہ ان مجسموں کو دیکھ کر ود کو یاد کرتے رہے پھر ان کی نسل نے اپنے آباء واجداد کو یہ کرتے ہوئے دیکھا اور وہ یہ بھول گئے کہ ان کے آباء واجداد صرف ان بتوں کو دیکھ کر ود کو یاد کرتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان بتوں کو اپنا معبود بنا پھر وہ نسل در نسل ان بتوں کی عبادت کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جس بت کی سب سے پہلے عبادت کی گئی وہ ود کا بت

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 18997)

امام ابو القاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

حضرت آدم علیہ السلام کی چالیس اولاد ہوئی، بیس بیٹے اور بیس بیٹیاں ان میں سے جو زندہ رہے وہ ہابیل اور قابیل تھے صالح اور عبدالرحمان جن کا نام عبدالحارث رکھا تھا اور ود کو ہی شیث کہا جاتا تھا اور ان کو ہبۃ اللہ بھی کہا جاتا تھا اور ان کے بیٹوں نے ان کو سردار بنادیا تھا اور ان کے بیٹوں کے نام یہ تھے۔

1- سواع

2-یغوث

3-یعوق

4-اور نسر۔

(تاریخ دمشق الکبیر: ج: 25، ص: 185 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

یہ بھی حکایت بیان کی جاتی ہے کہ ود کا بت مرد کی صورت کا تھا سواع کا بت عورت کی صورت کا تھا۔ یغوث کا بت شیر کی صورت کا تھا۔ یعوق کا بت گھوڑے کی صورت پر تھا اور نسر کا بت گدھ کی صورت کا تھا اور یہ حکایت ان تصریحات کے منافی ہے کہ یہ بت نیک انسانوں کی صورتوں پر بنائے گئے تھے اور یہ تصریحات ہی اصح ہیں۔

(روح المعانی: ج: 29، ص: 133 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

ابن جریج سے روایت ہے کہ

عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ

قوم نوح جن بتوں کی عبادت کرتی تھی وہ بت عرب میں اب بھی ہیں رہا ود تو وہ دومۃ الجندل میں بنو کلب کا معبود ہے رہا سواع تو وہ ہذیل کا معبود ہے رہا یغوث تو وہ مراد کا معبود ہے پھر بنو غطیف کا جوف میں سبا کے پاس معبود ہے رہا یعوق تو ہمدان کا معبود ہے اور رہا نسر تو وہ حمیر کا ذی الکلاع کے لئے معبود ہے یہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگوں کے اسماء ہیں جب یہ نیک فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ جن مجالس میں وہ بیٹھتے ہیں وہاں ان نیک لوگوں کے مجسمے بنا کر رکھ دیئے جائیں اور ان نیک لوگوں کے ناموں پر ان بتوں کے نام رکھ دیئے جائیں پھر جب تک ان لوگوں کی نسل باقی رہی ان بتوں کی عبادت نہیں کی گئی اور جب وہ لوگ فوت ہو گئے اور ان کا علم نہ رہا تو ان کی عبادت کی جانے لگی۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 4920)

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں: یہ پانچ بت سب سے بڑے بت تھے پھر یہ بت حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے اہل عرب کی طرف منتقل ہوئے پس ود بنو کلب کا ہو گیا اور سواع ہمدان کا ہو گیا۔ یغوث مذحج کا ہو گیا، یعوق مراد کا ہو گیا اور نسر حمیر کا ہو گیا۔ اسی وجہ سے اہل عرب کو عبد ود اور عبد یغوث کہا جاتا تھا۔

تاریخی کتب میں اسی طرح مذکور ہے اور اس پر اشکال یہ ہے کہ

طوفان کے زمانہ میں تمام دنیا ملیامیٹ ہو چکی تھی تو یہ بت کیسے باقی بچ گئے اور عرب کی طرف منتقل ہوئے اور یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ان بتوں کو اپنے ساتھ کشتی میں لے آئے تھے پھر انہوں نے ان بتوں کو حفاظت کے ساتھ رکھا تا آنکہ یہ امانت عربوں کے پاس پہنچ گئی کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام بتوں کے محافظ نہیں تھے بت شکن تھے۔

(تفسیر کبیر: ج: 10، ص: 657 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

قوم عاد کا صمود بت بنانا

قوم عاد نے ایک صمود نامی بت بنایا جس کی وہ پوجا کرتے تھے۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

(کچھ روایت پیچھے گزر گئی ہے) انہوں نے ایک بت بنایا اسے صمود کہا جاتا تھا (جس کی وہ عبادت کرتے تھے)

(درمنثور: ج:3، ص:306، مطبوعہ کراچی)

قوم عاد کا ہتار بت بنانا

قوم عاد نے ایک ہتار نامی بت بنایا جس کی وہ عباد کرتے تھے۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

(کچھ روایت نقل کرنے کے بعد ہے) انہوں نے ایک بت بنایا اس کو صمود کہا جاتا تھا اور ایک بت کو ہتار کہا جاتا تھا (جس کی وہ پوجا کرتے تھے)

(درمنثور: ج:3، ص:306، مطبوعہ کراچی)

قوم عاد کا ایک بت ہبار تھا

قوم عاد کا ایک بت ہبار تھا جس کی وہ عبادت کرتے تھے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت ھود علیہ السلام کی قوم عاد تھی یہ لوگ بت پرست تھے انہوں نے بھی ود، سواع، یغوث اور نسر کی طرح بت بنا لیے تھے ان کے ایک بت کا نام ہبار تھا اور ایک بت کا نام صمود تھا۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:27، ص:148 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

بت پرستی صرف کھیل اور تماشا ہے

بت پرستی سوائے کھیل اور تماشے کے کچھ نہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی ناراضگی کا سبب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں وہی عبادت کے لائق ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَعِبًا وَّ لَهْوًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا (الانعام:70)

اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنالیا ہے اور جن کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا ہے۔

بتوں کی مذمت

بت صرف دنیاوی دھوکہ ہیں کہ اس سے دنیا و آخرت تباہ و برباد ہوتی ہے اور یہ ایک فضول اور لغو چیز ہے کہ یہ نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے اور نہ ہی کسی کے کام آتا ہے اور رب تعالیٰ وہ مقدس ذات ہے جو اپنے بندے کی سنتا بھی ہے اور اپنے بندے کو دیکھتا بھی ہے اور اپنے بندے کی حاجات کو پورا بھی فرماتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْــٴًـا٥ (مریم:42)

جب انہوں نے اپنے (عرفی) باپ سے کہا! اے میرے ابا جان۔ آپ اس کی کیوں عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے اور نہ کسی کے کام آتا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

قَالَ هَلْ یَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ٥ اَوْ یَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ یَضُرُّوْنَ٥ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ یَفْعَلُوْنَ٥ (الشعراء:72 تا 74)

ابراہیم نے کہا کیا وہ تمہاری فریاد سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو! یا وہ تمہیں نفع اور نقصان بھی دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا (نہیں) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے ہوئے پایا۔

قیامت کے دن بتوں کا اپنی عبادت سے بے زاری کا اظہار کرنا

قیامت کے دن بت پجاریوں سے بے زار ہوں گے اور ان کے دشمن ہوں گے اور وہ کہیں گے کہ یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِیْنَ٥ (الاحقاف:6)

اور جب لوگوں کو (میدان حشر) میں جمع کیا جائے گا تو (ان کے خودساختہ معبود) ان کے دشمن ہوں گے اور وہ ان کی عبادت کے منکر ہوں گے۔

روز قیامت بت پرستوں کی ناکامی اور نامرادی

اللہ تعالیٰ روز قیامت بت پرستوں یعنی مشرکین کو فرمائے گا وہ شرکاء کہاں ہیں جن پر تم لوگوں کو ناز تھا اور جن کی تم عبادت کرتے تھے حتیٰ کہ ان کا وہ افتراء بروز قیامت کھل کر ظاہر ہو جائے گا اور بت پرست ناکام و نامراد ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَكُوْۤا اَیْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ٥ ثُمَّ لَمْ

تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ○ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○ (الانعام:22 تا24)

اور جس دن ہم سب کو جمع کریں گے پھر مشرکین سے کہیں گے تمہارے (وہ) شرکاء کہاں ہیں جن پر تم گھمنڈ کرتے تھے پھر وہ صرف یہی فتنہ اٹھا سکیں گے کہ کہیں اللہ تعالیٰ کی قسم جو ہمارا رب ہے ہم شرک کرنے والے نہ تھے دیکھئے انہوں نے اپنے اوپر کیسا جھوٹ باندھا اور (دنیا میں) جو وہ افتراء باندھتے تھے وہ سب گم ہو گئے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِىَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ○ (القصص:62)

اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو ندا کر کے فرمائے گا میرے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کو تم (میرا شریک) زعم کرتے تھے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ط لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ○ (الانعام:94)

ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارش کرنے والوں کو نہیں دیکھ رہے جن کے متعلق تم یہ زعم کرتے تھے کہ وہ تمہارے کاموں میں (ہمارے) شریک ہیں۔ بے شک تمہارا (خودساختہ) رب ٹوٹ گیا اور تم دنیا میں جو زعم کرتے تھے وہ ٹوٹ گیا۔

قوم عاد کا لوگوں پر ظلم کرنا

قوم عاد جب کسی کو گرفتار کرتے تو اس کو سزا دینے کے لئے کوڑے مارتے اور اس کو قتل کر دیتے جس طرح ظالم اور جابر ان کے دل میں کوئی نہ نرمی ہوتی ہے اور نہ کوئی ترس ہوتا ہے اس طرح وہ یوں لوگوں پر ظلم کرتے تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ○ (الشعراء:130)

اور جب تم کسی کو پکڑتے ہو تو سخت جبر سے پکڑتے ہو۔

ظلم کی مذمت

کسی پر ظلم کرنا قبیح فعل ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا سبب ہے۔ ظلم کرنے کی مذمت کی احادیث مبارکہ ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے میرے بندو! بے شک میں نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام کرلیا ہے اور تمہارے درمیان بھی آپس میں ظلم کو حرام کردیا، ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2577)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی نہ درہم ہو اور نہ کوئی سامان ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میری امت میں مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز، روزے اور زکوٰۃ لے کر آئے اور اس نے اس شخص کو گالی دی ہو اور اس شخص پر تہمت لگائی ہو اور اس شخص کا مال کھایا ہو اور اس شخص کا خون بہایا ہو اور اس شخص کو مارا ہو پھر وہ اس کو اپنی نیکیاں دے پھر جو اس پر حقوق ہیں ان کے ختم ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں تو ان کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے پھر اس کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2581)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص کسی ظالم کے ساتھ گیا اس نے ظلم کیا۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ۝ (السجدہ: 22)

بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں۔ (جمع الجوامع: رقم الحدیث: 32171)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ عزوجل ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے پھر جب وہ اس کو اپنی گرفت میں لے گا تو پھر اس کو نہیں چھوڑے گا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ○ (ھود:102)

اور اسی طرح آپ کے رب کی گرفت ہے جب وہ بستیوں پر اس حالت میں گرفت کرتا ہے کہ وہ ظلم کر رہی ہوتی ہیں بے شک اس کی گرفت سخت دردناک ہے۔

حضرت اوس بن شرجیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جو شخص ظالم کی مدد کرنے کے لئے اس کے ساتھ گیا جبکہ اس کو علم تھا کہ وہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔

(کنز العمال: رقم الحدیث: 7896)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ظلم کرنے سے بچو کیونکہ ظلم کرنے سے قیامت کے دن اندھیرے ہوں گے اور بخل کرنے سے بچو بخل نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا کیونکہ بخل نے انہیں خونریزی کرنے پر اور حرام کاموں کو حلال کرنے پر ابھارا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2578)

سرزنش کے لئے اور تادیباً زیادہ سزا نہ دینا

اگر کوئی شخص کسی کو ادب سکھانے کے لئے اس کو معمولی سرزنش کرے تو یہ درست ہے یا کسی ظالم سے مظلوم کا بدلہ لینے کے لئے بہ قدر ظلم اس کو سزا دے تو یہ جائز ہے اور قصاص اور بدلہ لینا بھی جائز ہے لیکن اس میں بھی حد سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے۔ میں نے کئی بار دیکھا کہ ماں باپ اور استاد بچوں کو سزا دینے کے لئے ان کو بڑ کے پائپوں یا لکڑیوں کے ڈنڈوں سے بہت سخت مارتے ہیں اور ان کے منہ پر طمانچہ یا تھپڑ مارتے ہیں اسلام میں منہ پر طمانچہ یا تھپڑ مارنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی شکل و صورت پر پیدا فرمایا اور کسی بچے یا بڑے کو سزا دینے کے لئے دس ڈنڈوں سے زیادہ مارنا جائز نہیں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرے پر مارنے سے منع فرمایا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5541)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
کوئی شخص چہرے پر نہ مارے۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2117)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ
بیوی کا خاوند پر کیا حق ہے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو وہ خود کھاتا ہے وہی اس کو کھلائے جو وہ خود پہنتا ہے وہی اس کو پہنائے چہرے پر نہ مارے نہ اس کو بدنما کرے اور اس صرف گھر میں چھوڑے۔
(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 1850)

اسی طرح حدود کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر سزائیں دی ہیں یا مقرر فرمائی ہیں اس سے زیادہ کسی تادیب یا سرزنش کرنے کے لئے زیادہ سزا نہ دی جائے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اپنی بیوی کے اوپر لاٹھی نہ اٹھاؤ اور ان کے معاملات میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔
(معجم الصغیر: رقم الحدیث: 114)

ایک اور روایت میں ہے:
اسد بن وداعہ سے روایت ہے کہ
حضرت جزلی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔
اور عرض کیا:
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری بیوی میری نافرمانی کرتی ہے میں اس کو کس چیز سے سزا دوں؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اس کو معاف کر دو جب اس نے دوسری یا تیسری بار پوچھا۔
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اگر تم اس کو سزا دو تو اس کو بہ قدر قصور سزا دو اور اس کے چہرے پر مارنے سے اجتناب کرو۔
(معجم الکبیر: رقم الحدیث: 2130)

ایک اور روایت میں ہے:

ربیع بن سبرہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں۔

سات سال کی عمر میں بچے کو نماز سکھاؤ اور دس سال کی عمر میں اس کو مار کر نماز پڑھاؤ۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 407)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک قوم کو (زندہ) آگ میں جلا دیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ خبر پہنچی۔

تو انہوں نے فرمایا:

اگر میں اس موقع پر ہوتا تو ان لوگوں کو آگ میں نہ جلاتا۔

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

اللہ تعالی کے عذاب کے ساتھ کسی کو عذاب نہ دو اور میں ان کو قتل کر دیتا۔

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کو قتل کر دو۔

(صحیح بخاری: رقم الحدیث: 3017)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں اپنے ایک غلام کو مار رہا تھا تو میں نے اپنے پیچھے سے ایک آواز سنی اے ابو مسعود! یہ جان لو کہ جتنا تم اس پر قادر ہو اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ تم پر قدرت رکھتا ہے میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

عرض کیا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے آزاد ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر تم ایسا نہ کرتے تو تم کو دوزخ کی آگ جلاتی۔

(سنن ابو داود: رقم الحدیث: 5159)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کسی شخص کو دس کوڑوں سے زیادہ نہ مارا جائے ماسوا اللہ تعالیٰ کی حدود کے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6848)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

معزز اور باوقار لوگوں کی لغزشوں کو معاف کر دو۔

(مجمع الزوائد: رقم الحدیث: 10965)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

سخی کے جرم سے درگزر کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ سخی کی لغزش سے اپنا ہاتھ اٹھا لیتا ہے۔

(معجم الاوسط: رقم الحدیث: 1221)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب تم میں سے کوئی شخص اپنے خادم کو مارے پس وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے تو تم اس سے اپنے ہاتھ اٹھا لو۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 1950)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں خادم کو کتنی بار معاف کروں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہر روز ستر بار۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 5164)

علامہ محمد بن عبدالواحد ابن ہمام متوفی 861ھ لکھتے ہیں:

تعزیر دینے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔ تعزیر کا معنیٰ ہے برے کاموں پر ملامت اور سرزنش کرنا تاکہ کوئی شخص اس برائی کا عادی اور خوگر نہ ہو جائے اور پہلی بار سے بڑھ کر برائی اور بے حیائی کے کام نہ کرنے لگے اس لیے برے کام پر سرزنش کرنا واجب ہے۔

علامہ تمرتاشی سے ذکر کیا ہے کہ علامہ سرخسی نے کہا ہے کہ

تعزیر میں کوئی سزا مقرر نہیں ہے بلکہ یہ سزا قاضی کو صواب دید پر موقوف ہے کیونکہ اس سے مقصد زجر و توبیخ اور سرزنش کرنا ہے اور لوگوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں بعض لوگ صرف ڈانٹ ڈپٹ سن کر اصلاح کر لیتے ہیں اور بعض لوگ ایک آدھ تھپڑ یا ایک آدھ ڈنڈی سے سدھر جاتے ہیں اور بعض لوگوں کو قید خانے میں ڈالنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

الشافی میں مذکور ہے کہ

تعزیر کے کئی مراتب ہیں امراء اور اشراف کو صرف قاضی کے پاس لے جانے اور مقدمہ کرنے کی دھمکی کافی ہوتی ہے اور متوسط درجہ کے لوگوں کو قید میں ڈالنے کی ضرورت ہوتی ہے اور نچلے درجے کے لوگوں کو قید اور مار دونوں کی ضرورت پڑتی ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ

سلطان مالی جرمانہ بھی کر سکتا ہے اور امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک مالی جرمانہ عائد کرنا جائز نہیں ہے۔

اور خلاصہ میں مذکور ہے کہ

اگر قاضی یا والی مناسب سمجھے تو مالی جرمانہ کر سکتا ہے جو آدمی جماعت میں حاضر نہیں ہوتا اس پر مشائخ نے مالی جرمانہ کرنے میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ (فتح القدیر: ج:5، ص329 تا 330 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ علاؤ الدین ابو الحسن علی بن خلیل الطرابلسی حنفی لکھتے ہیں:

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں مالی جرمانے کی سزا دینا جائز ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے اور جن علماء کرام نے یہ کہا ہے کہ مالی سزا منسوخ ہو گئی ہے ان کا قول غلط ہے۔

تعزیر کی کم از کم سزا تین ڈنڈیاں ہیں اور زیادہ سے زیادہ انتالیس ڈنڈیاں یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تعزیر بہر حال چالیس ڈنڈیوں سے کم ہو اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ظاہر حدیث پر عمل کیا ہے اور کہا تعزیر میں دس ڈنڈیوں سے زیادہ نہ ماری جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کسی کو قید کیا ہے یا نہیں اس میں آثار مختلف ہیں۔

بعض نے ذکر کیا ہے کہ

ان کا کوئی قید خانہ نہیں تھا اور نہ انہوں نے کسی کو قید کیا ہے۔

اور بعض نے ذکر کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو قتل کے الزام میں قید کر لیا تھا۔

اس حدیث مبارکہ کو امام عبد الرزاق اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہما نے روایت کیا ہے۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ایک ... کچھ وقت قید میں رکھا پھر رہا کر دیا۔

اس سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قید کیا ہے ہر چند کہ اس کے لئے کوئی قید خانہ بنا ہوا نہیں تھا۔ حضرت [عمر] رضی اللہ عنہ نے حطیۃ نام کے ایک آدمی کو ہجو کرنے کی بنا پر قید خانے میں ڈال دیا تھا اور صابی بن الحارث نام کا ایک شخص [بنو ...] کے چوروں میں سے ایک تھا اس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قید خانہ میں ڈال دیا تھا جو وہیں مر گیا اور حضرت علی رضی اللہ [عنہ] نے کوفہ میں قید خانہ بنایا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی قید خانہ بنایا تھا۔

(معین الاحکام: ص: 195 مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البابی واولادہ مصر)

نیز علامہ کمال الدین ابن ہمام لکھتے ہیں:

علامہ تمرتاشی نے لکھا ہے کہ

ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نائب ہو کر کسی جرم پر تعزیر لگائے۔

امام ابوجعفر ہندوانی سے سوال کیا گیا کہ

ایک شخص کسی مرد کو عورت کے ساتھ دیکھے تو کیا اس کے لئے اس کو قتل کرنا جائز ہے؟

انہوں نے کہا: اگر اس کو یہ یقین ہو کہ یہ شخص صرف ڈانٹ ڈپٹ کرنے سے زنا سے باز نہیں آئے گا تو اس کے لئے اس [کو] قتل کرنا جائز ہے اور اگر عورت خوشی سے اس سے زنا کرا رہی ہو تو اس کو قتل کرنا بھی جائز ہے اور اس میں یہ تصریح ہے کہ ہر انسان کو تعزیر جاری کرنے کا اختیار ہے خواہ وہ محتسب (عامل یا حاکم) نہ ہو۔ منتقی میں اس کی تصریح ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ برائی کو اپنے ہاتھ سے مٹانے کے باب سے ہے اور شارع علیہ السلام نے ہر شخص کو اس کا اختیار دیا ہے۔

حدیث مبارک میں ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم میں سے جس شخص نے کسی برائی کو دیکھا وہ اس کو اپنے ہاتھ سے مٹائے اور اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھے تو پھر زبان [سے] اس کا رد کرے اور اگر وہ اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو پھر دل سے اس کو برا جانے اور یہ سب سے کمزور درجہ کا ایمان ہے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 78)

البتہ حدود کو حکام کے سوا اور کوئی جاری نہیں کر سکتا اسی طرح وہ تعزیر جو کسی بندے کے حق کی وجہ سے واجب ہو مثلاً قذف (زنا کی تہمت) وغیرہ کیونکہ اس کا پہلے حاکم کے سامنے دعویٰ کیا جائے گا پھر وہ فیصلہ کرے گا ہاں اگر دونوں فریق کسی شخص کو حاکم بنا لیں تو پھر اس کو تعزیر لگانے کا اختیار ہو گا۔ (فتح القدیر: ج:5، ص:330 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

قوم عاد کبوتر باز

قوم عاد اونچے مکان بنا کر اس کے اوپر برج بناتے تھے اور اس برج میں کبوتر رکھتے تھے اور ان کو اڑاتے تھے۔

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت سعید بن جبیر اور حضرت مجاہد رضی اللہ عنہما نے فرمایا:
قوم عاد عمارت بنا کر اس کے اوپر برج بناتے تھے اور اس برج میں کبوتر رکھتے تھے۔
(زاد المسیر: ج:6،ص:136 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

کبوتر باز شیطان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کبوتر کا پیچھا کرتے ہوئے دیکھا جس سے وہ کھیل رہا تھا۔
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
شیطان، شیطان کا پیچھا کر رہا ہے۔
(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 4940، سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 3765)

کبوتر بازی کا حکم

علامہ شمس الدین محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی 483ھ لکھتے ہیں:
جو شخص کبوتروں سے کھیلتا ہو اور کبوتر اڑاتا ہو اس کی گواہی جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں شدت غفلت ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ وہ عام طور پر کبوتر بازی میں مشغول رہتا ہو اور دوسرے امور کی طرف کم توجہ دیتا ہو پھر وہ شخص لہو ولعب پر اصرار کرنے والا ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے میں کھیلنے کودنے والوں میں سے نہیں ہوں اور نہ کھیل کود میرا مشغل ہے۔
(مسند البزار: رقم الحدیث: 2402)

اور کبوتر باز کا غالب حال یہ ہے کہ وہ چھتوں پر گھومتا پھرتا ہے اور لوگوں کی خواتین کو تاڑتا ہے اور یہ فسق ہے اور جو شخص اپنے گھر میں کابک میں کبوتروں کو رکھے تا کہ ان سے انس اور محبت کرے اور ان کو عادتاً اڑاتا نہ ہو تو وہ شخص نیک ہے اور اس کی شہادت قبول ہوگی کیونکہ گھروں میں کبوتروں کو بند رکھنا مباح ہے۔ لوگ کبوتروں کے لئے برج بناتے ہیں اور اس کو کسی نے منع نہیں کیا اور جو شخص گانے گاتا ہو اور اس پر مجمع لگاتا ہو اس کی گواہی جائز نہیں ہے اسی طرح نوحہ کرنے والی عورت کی بھی گواہی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا فسق پر اصرار کرتے ہیں اور نیک لوگوں کے نزدیک ان کی عزت اور وقار نہیں ہے اور ان سے بچنا اور جھوٹ بولنا بعید نہیں ہے اس لیے ان کی گواہی قبول نہیں ہوگی۔ (المبسوط: ج:16، ص:155 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ حسن بن منصور اوزجندی متوفی 592ھ لکھتے ہیں:
جو شخص کبوتروں کے ساتھ کھیلتا ہو اور ان کو اڑاتا ہو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ ان کے ساتھ اس کی مشغولیت ہوگی اور اس کی غفلت شدید ہوگی اور اس سے یہ خطرہ ہے کہ اس کی نظر مسلمانوں کی خواتین پر پڑے گی لیکن اگر وہ کبوتر کو انس کے لئے اپنے گھر میں بند رکھے اور اس کو اڑاتا نہ ہو تو اس کی گواہی قبول کرنا جائز ہے کیونکہ جس کے پاس کبوتروں کا

برج (چھت پر گنبد) ہو تو وہ فاسق نہیں ہوتا۔ (فتاوٰی قاضی خان علی ہامش الہندیہ: ج:2، ص:460 مطبوعہ مطبعہ کبرٰی امیریہ بولاق)

قوم عاد تکبر کرتے تھے

قوم عاد متکبر تھے اور خود کہتے تھے کہ ہم سب سے زیادہ قوت والے ہیں اور دوسروں پر اپنا فائق ہونا ظاہر کرتے تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (حم السجدہ:15)

بہر حال عاد تو انہوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور کہا ہم سے زیادہ قوت والا کون ہے۔

تکبر کی مذمت

تکبر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا سبب ہے اور جو شخص تکبر کرتا ہے اس کے متعلق قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں سخت وعیدیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔

تکبر کے معانی

امام راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:

دل میں اپنے آپ کو دوسروں سے اچھا اور بڑا سمجھنے کی وجہ سے انسان کو جو حالت حاصل ہوتی ہے اس کو تکبر کہتے ہیں اور سب سے بڑا تکبر یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے تکبر کرے اور حق کو ماننے اور قبول کرنے سے انکار کرے اور عبادت کرنے سے عار محسوس کرے اگر انسان بڑائی کو حاصل کرنے کے لئے تگ و دو کرے تو یہ محمود ہے اور اگر انسان اپنی بڑائی ظاہر کرنے اور اس میں وہ بڑے اوصاف نہ ہوں تو یہ مذموم ہے۔

(المفردات: ج:2، ص:545 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفٰی الباب مکہ مکرمہ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں: وہ تکبر کرتے ہیں۔ اس کا معنٰی یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو افضل الخلق سمجھتے ہیں اور ان کو وہ اختیار حاصل ہے جو ان کے غیر کو حاصل نہیں ہے اور یہ تکبر صرف اللہ تعالیٰ کو زیبا ہے کیونکہ وہی الیسی قدرت اور ایسی فضیلت کا مالک ہے جو کسی اور کے لئے ممکن نہیں ہے اس لیے وہی متکبر کی صفت کا مستحق ہے۔

بعض علماء کرام نے یہ کہا کہ

تکبر کی تعریف یہ ہے کہ انسان دوسروں پر اپنی بڑائی ظاہر کرے اور تمام بندوں کے حق میں تکبر کی صفت مذموم ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق میں تکبر کی صفت محمود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات کا مستحق ہے کہ وہ دوسروں پر اپنی بڑائی ظاہر فرمائے اور اس کے لئے یہ حق ہے اور دوسروں کے لئے باطل ہے۔ (تفسیر کبیر: ج:5، ص:366 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قرآن مجید و احادیث مبارکہ سے تکبر کی مذمت

قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں تکبر کی مذمت بیان فرمائی گئی ہے جس کے دلائل درج ذیل ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ٥ (المومن:35)

اسی طرح ہر مغرور متکبر کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ط (الاعراف:146)

میں عنقریب ان لوگوں (کے دلوں) کو اپنی آیات سے پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ٥ (النحل:23)

بے شک وہ تکبر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ٥ (ابراہیم:15)

اور ہر متکبر معاند ہلاک ہو گیا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ٥ (المومن:60)

بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلت کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے۔

اور احادیث مبارکہ تکبر کی مذمت پر درج ذیل ہیں:

حضرت ابو سعید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ

عزت میرا تہبند ہے اور کبرائی میری چادر ہے جس شخص نے ان میں سے کسی کو بھی کھینچا میں اس کو عذاب دوں گا۔

امام ابو داؤد کی روایت میں ہے۔

جس نے ان میں سے ایک کپڑے کو بھی کھینچا میں اس کو دوزخ میں ڈال دوں گا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 6557، سنن ابو داؤد: رقم الحدیث: 4090)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دوزخ اور جنت نے مباحثہ کیا۔
دوزخ نے کہا: مجھ میں متکبرین اور متجبرین داخل کیے گئے ہیں۔
اور جنت نے کہا: مجھے کیا پرواہ ہے جبکہ مجھ میں صرف کمزور، عاجز اور متواضع لوگ داخل کیے گئے
(صحیح البخاری: رقم الحدیث:4850)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
بے شک تمہارا رب عزوجل واحد ہے اور تمہارا باپ واحد ہے پس کسی عربی کو عجمی پر اور کسی گورے کو کالے پر تقویٰ سوال اور کسی وجہ سے فضیلت نہیں ہے۔
(معجم الاوسط: رقم الحدیث:4143)

ایک اور روایت میں ہے:
عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
متکبروں کو قیامت کے دن مردوں کی صورت میں چیونٹی کی جسامت میں جمع کیا جائے گا ان کو ہر طرف سے ذلت ڈھانپ لے گی ان کو دوزخ کے قید خانہ کی طرف ہنکایا جائے گا جس کا نام بولس ہے اس میں آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہوں گے ان کو دوزخیوں کی پیپ پلائی جائے گی۔
(سنن ترمذی: رقم الحدیث:2492)

ایک اور روایت میں ہے:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد شدہ غلام نافع سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
مسکین متکبر، بوڑھا زانی اور اپنے عمل سے اللہ تعالیٰ پر احسان جتانے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔
(مجمع الزوائد: ج:6، ص:256 مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
وہ شخص جنت میں داخل ہو جائے گا جو اس حال میں مرا کہ وہ ان تین چیزوں سے بری تھا۔

1-تکبر

2-خیانت

3-اور قرض۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 1578)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہمیشہ آدمی اپنے آپ کو بڑا سمجھتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کو متکبرین میں لکھ دیا جاتا ہے اور اس کو متکبرین کا عذاب پہنچتا ہے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2007)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت نعیم بن ہماز الغطفانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیسا برا بندہ ہے وہ بندہ جو بڑا بنے اور تکبر کرے اور الکبیر المتعال (اللہ تعالیٰ جو حقیقتاً بڑا ہے) کو بھول جائے اور کیسا برا بندہ ہے جو بندہ دین کے بدلے میں دنیا لے اور کیسا برا بندہ ہے وہ بندہ جو لہو و لعب میں وقت گزارے اور قبروں کو اور جسم کے بوسیدہ ہونے کو بھول جائے اور کیسا برا بندہ ہے وہ بندہ جو شبہات سے حرام کو حلال کرے اور کیسا برا بندہ ہے وہ بندہ جس کو خواہش (نفس) گمراہ کردے اور کیسا برا ہے وہ بندہ جو اس چیز میں رغبت کرے جو اس کو ذلیل کردے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2456)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔

کیا میں تم کو اہل جنت کی خبر نہ دوں؟ ہر کمزور شخص جس کو بے حد کمزور سمجھا جاتا ہو اگر وہ اللہ تعالیٰ پر (کسی کام کی) قسم کھا لے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو ضرور پورا کرے گا اور کیا میں تمہیں اہل دوزخ کی خبر نہ دوں؟ ہر سرکش، اکڑ کر چلنے والا متکبر۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6657)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا جس نے اپنا کپڑا تکبر کی وجہ سے (ٹخنوں نیچے) لٹکایا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5783)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

روئے زمین پر کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ جو اس حال میں مرے کہ اس کے دل میں رائی کے برابر بھی تکبر ہو مگر اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں داخل فرما دے گا جب حضرت عبداللہ بن قیس انصاری نے یہ حدیث مبارکہ سنی تو وہ رونے لگے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

اے عبداللہ بن قیس! (رضی اللہ عنہ)! تم کیوں رو رہے ہو؟

انہوں نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی وجہ سے!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تمہیں مبارک ہو تم جنت میں ہو گے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اس میں انہوں نے جہاد کیا اور شہادت پائی۔ آپ نے پھر اس حدیث مبارکہ کو تین بار دہرایا۔

انصار میں سے ایک شخص نے کہا: یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں جمال سے محبت کرتا ہوں، میں تلوار حمائل کرتا ہوں اور میلے کپڑے دھوتا ہوں، اپنی جوتی اور اس کے تسموں کو حسین بناتا ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میری مراد یہ نہیں ہے۔ تکبر حق کا انکار کرنا ہے اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔

اس نے کہا: یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حق کے انکار کرنے اور لوگوں کو حقیر جاننے کا کیا معنیٰ ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حق کا انکار یہ ہے کہ تمہارا کسی شخص پر مال ہو وہ اس کا انکار کر دے اور کہے کہ اس کے اوپر کوئی حق نہیں ہے پھر کوئی شخص اس کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دے تو وہ اس کا انکار کرے اور لوگوں کو حقیر جاننا یہ ہے کہ ایک شخص ناک چھڑ کر آئے اور جب پس ماندہ اور فقراء لوگوں کو دیکھے تو ان کو سلام نہ کرے اور ان کو بے وقعت جان کر ان کے پاس نہ بیٹھے پس یہ وہ شخص ہے جو لوگوں کو حقیر جانتا ہے۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنے اور جوتی کی مرمت کی اور دراز گوش پر سوار ہوا اور نوکر جب بیمار ہوں تو ان

ت کی اور بکری کا دودھ دوھا تو وہ تکبر سے بری ہو گیا۔ (المطالب العالیہ: رقم الحدیث: 2675)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

ایک شخص نے کہا: آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو اور اس کی جوتی اچھی ہو؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے تکبر حق بات کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 259)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا:

اے لوگو! بے شک اللہ عزوجل نے تم سے زمانہ جاہلیت کے بوجھ کو اتار دیا ہے اور تمہارے باپ دادا کی بڑائی کو ختم کر دیا ۔اب لوگوں کی دو قسمیں ہیں نیک پرہیزگار، وہ اللہ عزوجل کے نزدیک کریم ہے۔

اور فاجر بدبخت، وہ اللہ عزوجل کے نزدیک ذلیل ہے۔

تمام لوگ آدم (علیہ السلام) کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آدم (علیہ السلام) کو مٹی سے پیدا کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تمہاری مختلف قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ تم ایک ے کی شناخت کرو بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3277)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو غلام تھے ایک حبشی تھا دوسرا نبطی تھا۔

دونوں نے ایک دوسرے کو برا کہا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے تھے ایک نے دوسرے سے کہا! اے نبطی، دوسرے ں کو کہا اے حبشی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم دونوں اس طرح نہ کہو تم دونوں (سیدنا) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب میں سے ہو۔

(مسند ابویعلیٰ: رقم الحدیث: 4146)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

پچھلی امتوں میں ایک شخص اتراتا ہوا ایک حلہ پہن کر چل رہا تھا اس نے اپنے بالوں میں سیدھی کنگھی کی ہوئی تھی وہ ... سے چل رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا وہ قیامت تک زمین میں گڑگڑاہٹ کے ساتھ دھنستا رہے گا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5788)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

انہوں نے لوگوں سے کہا۔

تم مجھے کہتے ہو کہ مجھ میں تکبر ہے حالانکہ میں گدھے پر سواری کرتا ہوں اور چوڑی چادر پہنتا ہوں اور بکری کا دودھ دو... ہوں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص یہ کام کرے گا اس میں بالکل تکبر نہیں ہوگا۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2001)

قوم عاد کا بلند جگہ پر اونچے اور مضبوط مکان بنانا

قوم عاد ایسی بدبخت قوم تھی جو بلند جگہ پر اونچے اور مضبوط مکان بناتے تھے کہ ہم اس میں ہمیشہ رہیں گے حالانکہ وہ یہ جانتے تھے کہ ہم نے مرنا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اَتَبۡنُوۡنَ بِكُلِّ رِيۡعٍ اٰيَةً تَعۡبَثُوۡنَ ۝ وَ تَتَّخِذُوۡنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمۡ تَخۡلُدُوۡنَ ۝ (الشعراء: 128 تا 129)

کیا تم ہر اونچی جگہ پر لہو و لعب کی ایک یادگار تعمیر کر رہے ہو اور تم اس توقع پر مضبوط مکان بنا رہے ہو تم ہمیشہ رہو گے۔

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

وہ اونچی جگہ پر مکان بناتے تھے جس میں وہ رہائش کا ارادہ نہیں رکھتے تھے اس لیے اس کو عبث فرمایا۔

(زادالمسیر: ج:6، ص:135 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بلند گنبد کی عمارت بنانے والے سے اعراض

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بلند گنبد بنا ہوا دیکھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کس کا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

یہ انصار کے فلاں شخص کا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سن کر خاموش رہے اور اس کو دل میں رکھ لیا حتیٰ کہ وہ گنبد بنانے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مجلس میں آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض فرمایا اس نے کئی بار سلام کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعراض فرمانے کو دیکھا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم سے شکایت کی۔

اس نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدلا ہوا دیکھ رہا ہوں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارا بنایا ہوا گنبد دیکھا تھا وہ شخص اسی وقت لوٹ گیا اور اس نے گنبد کو منہدم کر دیا حتیٰ کہ اس عمارت کو پیوند زمین کر دیا۔ پھر ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ گنبد نظر نہیں آیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

اس گنبد کا کیا ہوا؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

اس نے ہم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عدم التفات کی شکایت کی تھی ہم نے اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناپسندیدگی کی خبر دی تو اس نے اس گنبد کو گرا دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سنو! ہر عمارت اس کے بنانے والے پر وبال سوا اس عمارت کے جس کے بغیر اور کوئی چارہ کار نہ ہو۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 5237)

چرواہوں کا بلند عمارتیں بنانا قیامت کی نشانی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجلس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بیٹھے ہوئے تھے ناگاہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایمان کی تعریف کیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ کہ تم اللہ تعالیٰ اس کے تمام فرشتوں اس کی تمام کتابوں اس سے ملاقات کرنے اس کے تمام رسولوں اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کو مان لو۔

اس نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اسلام کی کیا تعریف ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، فرض نماز ادا کرو، فرض زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔

اس نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! احسان کی تعریف فرمایئے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی اس حال میں عبادت کرو کہ گویا تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو اور اگر اس کیفیت کو نہ پا سکو تو وہ تو تم کو بہر حال دیکھ رہا ہے۔

اس نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قیامت کب قائم ہوگی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس بارے میں جواب دینے والا سوال کرنے والے سے زیادہ جاننے والا نہیں ہے لیکن میں تم کو قیامت کی نشانیاں بتاتا ہوں، جب برہنہ تن، برہنہ پا لوگوں کے سردار بن جائیں گے تو یہ قیامت کی علامت ہے۔ اور جب چرواہے بڑی بڑی عمارتیں بنانے لگیں تو یہ قیامت کی علامت ہے اور یہ علم ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی۔

''قیامت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے وہی بارش برساتا ہے وہی جانتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ وہ کہاں فوت ہوگا بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا خبر دینے والا ہے''

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 9) (صحیح بخاری: 5)

قوم عاد بلند عمارت پر کھڑے ہو کر آنے جانے والوں کو دیکھتے اور ان کا مذاق اڑاتے

قوم عاد بلند جگہ پر عمارت بناتے اور اس میں کھڑے ہو کر آنے جانے والوں کو دیکھتے اور ان کا مذاق اڑاتے۔

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت ضحاک نے کہا: قوم عاد بلند جگہ پر ایک عمارت بناتے اور اس میں کھڑے ہوکر آنے جانے والوں کو دیکھتے اور ان مذاق اڑاتے۔ (زاد المسیر: ج:6، ص:136 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

مذاق اڑانے والوں کے لئے سخت وعید

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو لوگ دنیا میں لوگوں کا مذاق اڑاتے تھے آخرت میں ان کے لئے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا! آؤ! آؤ! وہ اپنے غم اور پریشانی کے باوجود وہاں جائیں گے اور جب وہاں پہنچیں گے تو وہ دروازہ بند کر دیا جائے گا پھر دوسرا دروازہ کھولا جائے گا۔

اور ان سے کہا جائے گا۔

آؤ! آؤ! وہ اپنے غم اور پریشانی کے باوجود وہاں جائیں گے اور جب وہاں پہنچیں گے تو وہ دروازہ بند کر دیا جائے گا اور یہی ہوتا رہے گا حتیٰ کہ ان میں سے کسی ایک کے لئے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا۔

اور اس سے کہا جائے گا۔

آؤ اور وہ مایوس ہوکر نہیں جائے گا۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث: 6333)

قوم عاد احقاف میں رہتی تھی

قوم عاد احقاف کے علاقہ میں رہائش پذیر تھی جس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس فرمان مقدس میں ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ (الاحقاف: 21)

اور یاد کرو عاد کے ہم قوم کو جب اس نے ان کو سرزمین احقاف میں ڈرایا۔

علامہ محمد بن مکرم بن منظور الافریقی المصری المتوفی 711ھ لکھتے ہیں:

الاحقاف کا معنیٰ ہے ریگستان۔

جوہری نے کہا: الاحقاف عاد کا وطن ہے۔

ازہری نے کہا: یہ یمن کے شہروں کا ریگستان ہے قوم عاد یہاں رہتی تھی۔ (لسان العرب: ج:9، ص:52 مطبوعہ نشر ادب الحوذۃ ایران)

احقاف ارض مہرہ اور عمان کے درمیان ایک وادی ہے

الاحقاف یہ ایک ایسی جگہ ہے جو ارض مہرہ اور عمان کے درمیان ایک وادی ہے۔

علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی حنفی متوفی 1205ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

الاحقاف ارض مہرہ اور عمان کے درمیان ایک وادی ہے۔(تاج العروس:ج:6،ص:74)

(معجم البلدان:ج:1،ص:115 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

الاحقاف عمان سے لے کر حضر موت تک ایک وادی ہے

الاحقاف یہ ایک ایسا علاقہ ہے جو عمان سے لے کر حضر موت تک ایک وادی ہے۔

علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی حنفی متوفی 1205ھ لکھتے ہیں:

ابن اسحاق نے کہا: الاحقاف عمان سے لے کر حضر موت تک ایک وادی ہے۔

(تاج العروس:ج:6،ص:74)(معجم البلدان:ج:1،ص:115 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

الاحقاف ارض یمن میں بلندی پر ایک ریگستان ہے

الاحقاف وہ جگہ جو ارض یمن میں بلندی پر ایک ریگستان ہے۔

علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی حنفی متوفی 1205ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

الاحقاف ارض یمن میں بلندی پر ایک ریگستان ہے۔

• یاقوت حموی نے کہا: ان تینوں اقوال میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(تاج العروس:ج:6،ص:74 مطبوعہ مطبعہ خیریہ مصر)(معجم البلدان:ج:1،ص:115 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

الاحقاف کا کل رقبہ تین لاکھ مربع میل

الاحقاف کا کل رقبہ تین لاکھ مربع میل بتایا جاتا ہے۔

علامہ پیر کرم شاہ الازہری متوفی 1418ھ لکھتے ہیں:

قرآن کریم میں احقاف سے مراد وہ ریگستان ہے جو عمان سے حضر موت تک پھیلا ہوا ہے اس کا کل رقبہ تین لاکھ مربع میل بتایا جاتا ہے۔(ضیاء القرآن:ج:4،ص:490 مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

الاحقاف کو الربع الخالی بھی کہا جاتا ہے

الاحقاف کو الربع الخالی بھی کہا جاتا ہے۔

علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی 1418ھ لکھتے ہیں:

(الاحقاف) اس کو الربع الخالی بھی کہا جاتا ہے (ضیاء القرآن:ج:4،ص:490 مطبوعہ ایضاً)

احقاف کو ریتلے ہونے کی وجہ سے بڑے بڑے مہم جو سیاح عبور نہیں کر سکتے

الاحقاف کے بعض مقامات ریتلے ہیں جو بھی وہاں پہنچے وہ اندر دھنستا چلا جاتا ہے بڑے بڑے مہم جو سیاح اس کو عبور کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔

علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی 1418ھ لکھتے ہیں:

بعض مقامات پر ریت اتنی باریک ہے کہ جو چیز بھی وہاں پہنچے اندر دھنستی چلی جاتی ہے بڑے بڑے مہم جو سیاح بھی اس کو عبور کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔ یہی وہ علاقہ ہے جہاں کسی زمانہ میں اپنے عہد کی ایک طاقتور زبردست اور متمول قوم آباد تھی۔

(ضیاء القرآن: ج:4، ص:490 مطبوعہ ایضا)

احقاف کی تاریخی حیثیت

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی 1399ھ لکھتے ہیں:

الاحقاف صحرائے عرب (الربع الخالی) کے جنوب مغربی حصہ کا نام ہے جہاں آج کوئی آبادی نہیں ہے۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ

عاد کا علاقہ عمان سے یمن تک پھیلا ہوا تھا اور قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ ان کا اصل وطن الاحقاف تھا جہاں سے نکل کر وہ گردوپیش کے ممالک میں پھیلے اور کمزور قوموں پر چھا گئے آج کے زمانہ تک بھی جنوبی عرب کے باشندوں میں یہی بات مشہور ہے کہ عاد اسی علاقہ میں آباد تھے موجودہ شہر مکلا سے تقریباً 152 میل کے فاصلہ پر شمال کی جانب میں حضرموت میں ایک مقام ہے جہاں لوگوں نے حضرت ھود علیہ السلام کا مزار بنا رکھا ہے اور وہ قبر ھود علیہ السلام کے نام سے ہی مشہور ہے ہر سال پندرہ شعبان کو وہاں عرس ہوتا ہے اور عرب کے مختلف حصوں سے ہزاروں آدمی وہاں جمع ہوتے ہیں یہ قبر اگرچہ تاریخی طور پر ثابت نہیں ہے لیکن اس کا وہاں بنایا جانا اور جنوبی عرب کے لوگوں کا کثرت سے اس کی طرف رجوع کرنا کم از کم اس بات کا ثبوت ضرور ہے کہ مقامی روایات اسی علاقہ کو قوم عاد کا علاقہ قرار دیتی ہیں۔ الاحقاف کی موجودہ حالت کو دیکھ کر کوئی شخص یہ گمان نہیں کر سکتا کہ کبھی یہاں ایک شاندار تمدن رکھنے والی طاقتور قوم آباد ہوگی اغلب یہ ہے کہ ہزاروں برس پہلے یہ ایک شاداب علاقہ ہوگا بعد میں آب و ہوا کی تبدیلی نے اسے ریگ زار بنا دیا ہوگا۔ آج اس کی حالت یہ ہے کہ وہ ایک لق و دق ریگستان ہے جس کے اندرونی حصوں میں جانے کی بھی کوئی ہمت نہیں رکھتا۔ 1843ء میں بویریا کا ایک فوجی آدمی اس کے جنوبی کنارہ پر پہنچ گیا۔

وہ کہتا ہے کہ

حضرموت کی شمالی سطح مرتفع پر سے کھڑے ہو کر دیکھا جائے تو یہ صحراء ایک ہزار فیٹ نشیب میں نظر آتا ہے اس میں جگہ جگہ ایسے قطعے ہیں جن میں کوئی چیز گر جائے تو وہ ریت میں غرق ہوتی چلی جاتی ہے اور بالکل بوسیدہ ہو جاتی ہے۔ عرب کے بدو اس سے بہت ڈرتے ہیں اور کسی قیمت پر وہاں جانے کے لئے راضی نہیں ہوتے۔ ایک موقع پر جب بدو اسے وہاں لے جانے پر راضی نہ ہوئے تو وہ اکیلا وہاں گیا۔

اس کا بیان ہے کہ
یہاں کی ریت بالکل سفوف کی طرح ہے میں نے دور سے ایک شاقول اس میں پھینکا تو وہ پانچ منٹ کے اندر اس غرق ہو گیا اور اس رسی کا سرا جل گیا جس کے ساتھ وہ بندھا ہوا تھا۔

(تفہیم القرآن، ج:4،ص:615 مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور1983ء)

قوم عاد کے گھر ریت کے بنے ہوئے تھے

قوم عاد کے گھر ریت کے بنے ہوئے تھے۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

قوم عاد کے گھر ریت کے بنے ہوئے تھے اور وہ یمن میں عمان اور حضر موت کے درمیان آباد تھے۔

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ

قوم عاد کے لوگ یمن میں ریت کے گھروں میں آباد تھے۔

(درمنثور، ج:3،ص:306، مطبوعہ کراچی)

عاد کا نام

عاد کا نام ہے عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح۔

پھر لفظ عاد اس کے قبیلہ کا نام بن گیا پھر اس قبیلہ کے متقدمین کو عاد اولیٰ کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اَنَّـهٗۤ اَهۡلَكَ عَادَا ۨ الۡاُوۡلٰىۙ ○ (النجم:50)

بے شک اس نے عاد اولیٰ کو ہلاک کر دیا۔

اور متاخرین کو عادۃ الاخیرۃ کہا جاتا ہے اور رہا ارم تو وہ عاد کے دادا کا نام ہے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

عوص کا اصل نام عاد تھا۔

بعض نے کہا کہ

عاد عوص کے بیٹے تھے تو شجرہ اس طرح ہوا۔

ھود بن عبداللہ بن رباح بن خلود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح پھر یہ قبیلے کا نام ہوا۔

بعض نے کہا: یہ عاد علاقے کا نام تھا نہ کہ کسی مرد کا مگر یہ غلط ہے دونوں میں مطابقت اس طرح ہو سکتی ہے کہ پہلے مر ہو پھر اس کی اولاد نے ہی علاقے کا نام رکھ دیا ہو جیسے کہ ہند، سندھ ملتان مشہور ہے کہ آدم علیہ السلام کے بیٹے پوتوں کا نام

ـا کہ فی زمانہ عام طور پر بڑے لوگوں کے نام پر شہروں، علاقوں کے نام رکھے جاتے ہیں۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:158 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

ـم عاد یمن اور شام کے درمیان چیونٹیوں کی مثل تھی

قوم عاد یمن اور شام کے درمیان چیونٹیوں کی مثل تھی۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

قوم عاد یمن اور شام کے درمیان چیونٹیوں کی مثل تھی۔

(درمنثور: ج:3، ص:306، مطبوعہ کراچی)

ـم عاد کے لوگوں کا قد

قوم عاد کے لوگوں کا قد ایک سو بیس فٹ تھا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

قوم عاد کے لوگوں کی قامت اسی ذراع (ایک سو بیس فٹ) تھی۔ (معالم التنزیل: ج:2، ص:142 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ

قوم عاد کا ایک شخص ان کے ہاتھوں کے مطابق ساٹھ ہاتھ لمبا تھا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ہمیں بتایا گیا ہے کہ وہ لوگ بارہ بارہ ہاتھ لمبے تھے۔ (درمنثور: ج:2 3، ص:306 تا 307، مطبوعہ کراچی)

ـعاد ستونوں جیسے لمبے قد والے تھے

قوم عاد ستونوں جیسے لمبے قد والے تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ (الفجر:7)

وہ ارم کے لوگ تھے ستونوں جیسے لمبے قد والے۔

ـلیٰ نے قوم عاد کی جسامت کو بڑھا دیا

ـم عاد پہلے چیونٹیوں کی مثل تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی جسامت کو بڑھا دیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَّ زَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً (الاعراف:69)

اور تمہاری جسامت کو بڑھادیا۔

قوم عاد کے ایک شخص کا سر بڑے گنبد کی مثل تھا

قوم عاد کے ایک شخص کا سر بڑے گنبد کی مثل تھا۔

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ

قوم عاد میں سے ایک شخص کا سر بڑے گنبد کی مثل تھا۔ (معالم التنزیل: ج:2،ص:142 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

قوم عاد کے ایک شخص کی آنکھیں اتنی بڑی کہ درندے ان میں بچے جن سکتے تھے

قوم عاد کے ایک شخص کی آنکھیں اس قدر بڑی تھیں کہ درندے ان میں بچے جن سکتے تھے اور نتھنے بھی اسی طرح تھے۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

قوم عاد کا ایک شخص ان کے ہاتھوں کے مطابق ساٹھ ہاتھ لمبا تھا اور اس شخص کی کھوپڑی بہت بڑے گنبد کی مثل تھی اور آنکھیں اتنی بڑی تھیں کہ درندے ان میں بچے جن سکتے تھے اور نتھنے بھی اسی طرح تھے۔

(درمنثور: ج:3،ص:306، مطبوعہ کراچی)

قوم عاد میں ایک شخص کے دونوں کندھوں کے درمیان ایک میل کا فاصلہ تھا

قوم عاد میں ایک شخص ایسا تھا کہ اس کے دونوں کندھوں کے درمیان ایک میل کا فاصلہ تھا۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

تم سے پہلے لوگوں میں ایسا شخص بھی تھا کہ اس کے دونوں کندھوں کے درمیان ایک میل کا فاصلہ تھا۔

(درمنثور: ج:3،ص:307، مطبوعہ کراچی)

قوم عاد میں گندم کا ایک دانہ گائے کے گردے کی مثل تھا

قوم عاد میں گندم کا ایک دانہ گائے کے گردے کی مثل تھا۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جسمانی اعتبار سے ایک شخص کا قد اسی باع تھا (باع سے مراد دو بازوؤں کو پھیلانے کی مقدار ہے) ان میں گندم کا ایک دانہ گائے کے گردے کی مثل تھا۔

(درمنثور: ج:3، ص:307، مطبوعہ کراچی)

قوم عاد کے ایک انار کے چھلکے میں دس افراد بیٹھ سکتے تھے

قوم عاد میں ایک انار اس قدر بڑا تھا کہ اس میں دس افراد بیٹھ سکتے تھے۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

(قوم عاد میں) جسمانی اعتبار سے ایک شخص کا قد اسی باع تھا۔ ان میں گندم کا ایک دانہ گائے کے گردے کی مثل تھا اور ایک انار کے چھلکے میں دس افراد بیٹھ سکتے تھے۔

(درمنثور: ج:3، ص:307، مطبوعہ کراچی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک شخص کو دیکھنا جس کا سر مدینہ منورہ میں اور پاؤں ذی الحلیفہ میں تھا

اللہ تعالیٰ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم عاد کے ایک شخص کو دیکھنے کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا شخص دکھایا جس کا سر مدینہ منورہ میں تھا اور پاؤں ذی الحلیفہ میں تھا۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ہزین بن حمزہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل سے یہ سوال کیا کہ وہ انہیں قوم عاد کا کوئی شخص دکھائے تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک شخص کو پردے سے ظاہر کیا تو اس کا سر مدینہ منورہ میں تھا اور پاؤں ذی الحلیفہ میں یعنی اس کی لمبائی چار میل تھی۔ (درمنثور: ج:3، ص:309، مطبوعہ کراچی)

قوم عاد کے ایک شخص کی قوت وطاقت کا عالم

قوم عاد کے اشخاص بہت طاقت ور تھے جس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اگر قوم عاد کا ایک شخص ہوتا کہ وہ پتھر سے دروازے کا ایک پٹ بنا دیتا تو پھر اگر اس امت کے پانچ سو اشخاص بھی اسے مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کرنے کے لئے جمع ہو جائیں تو وہ یہ طاقت نہیں رکھتے۔

(درمنثور: ج:3، ص:307، مطبوعہ کراچی)

قوم عاد کا اگر کوئی شخص زمین میں پاؤں داخل کرے تو دوسرا اس کے اندر گھس جائے

قوم عاد کے اشخاص کی قوت وطاقت کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی شخص زمین میں پاؤں دبائے تو دوسرا اس کے اندر گھس جائے

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

(روایت کے آخر میں ہے) اور اگر ان میں سے کوئی شخص اپنا پاؤں زمین میں داخل کرے تو اس کے اندر ہی گھس جائے

(درمنثور: ج:3،ص:307، مطبوعہ کراچی)

عاد کی امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خزانہ نکالنے کی روایت

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ثور بن زید دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ

میں نے ایک کتاب پڑھی (جس میں لکھا ہوا تھا) میں شداد بن عاد ہوں میں وہ ہوں جس نے بلند و بالا عمارتیں بنا

میں وہ ہوں جس نے وادی کے بطن سے بدر (ماہ تمام) کو روک دیا اور میں وہ ہوں جس نے سمندر میں نو ہاتھ فاصلے پر خزانہ دفن

کیا جسے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے سوا کوئی نہیں نکال سکے گا۔

(درمنثور: ج:3،ص:307، مطبوعہ کراچی)

حضرت ثور بن زید رحمۃ اللہ علیہ کا طویل شخص دیکھ کر متعجب ہونا

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ثور بن زید رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ

میں یمن آیا تو اچانک میری نظر ایک شخص پر پڑی جس سے بڑھ کر طویل آدمی میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا تو اس پر مجھے تعجب

ہوا۔

انہوں نے کہا: تو تعجب کر رہا ہے کہ یہ کون ہے؟

میں نے کہا: قسم بخدا! اس سے طویل آدمی میں نے کبھی نہیں دیکھا۔

تو انہوں نے کہا: قسم بخدا! ہم نے ایک پنڈلی یا ایک بازو پایا ہے ہم نے اسی ذراع کے ساتھ اس کی پیمائش کی تو ہم نے

اسے سولہ (16) ذراع پایا ہے۔

(درمنثور: ج:3،ص:307، مطبوعہ کراچی)

پہلے زمانہ میں چار سو سال تک کوئی جنازہ سنائی نہ دیتا تھا

پہلے زمانہ میں چار سو سال گزر جاتے تھے مگر کسی ایک جنازے کے متعلق بھی سنائی نہ دیتا تھا۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

پہلے زمانے میں چار سو سال گزر جاتے تھے اور کسی ایک جنازے کے بارے میں بھی نہیں سنائی دیتا تھا۔

(درمنثور: ج:3، ص:307، مطبوعہ کراچی)

قوم عاد خود کو طاقت ور سمجھتی تھی

قوم عاد کہتی تھی کہ ہم سے زیادہ طاقت ور کوئی نہیں ہے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

اور انہوں نے کہا: ہم سے زیادہ طاقت ور کون ہے۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:27، ص:149 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قوم عاد اللہ تعالیٰ کے سوا بتوں کی عبادت کرتے تھے

قوم عاد اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرتے تھے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت ھود علیہ السلام کی قوم عاد تھی یہ لوگ بت پرست تھے انہوں نے بھی ود، سواع، یغوث اور نسر کی طرح بت بنا لیے ان کے ایک بت کا نام الخلو دتھا اور ایک بت کا نام صمود تھا۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:27، ص:148 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ھود علیہ السلام کی بعثت

اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کو بت پرستی سے روکنے اور بہت سارے کبیرہ گناہوں سے روکنے کے لئے حضرت ھود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ (الاعراف:65)

اور ہم نے عاد کی طرف ان کے بھائی ھود کو بھیجا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ (ھود:50)

اور قوم عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ھود کو بھیجا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

فَاَرْسَلْنَا فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (المومنون:32)

پس ہم نے ان میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا حضرت ہود علیہ السلام کا تعلق اس قبیلہ سے تھا جس کا نام الخلو دتھا۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:27، ص:148 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

عاد بت پرست تھے وہ انہی کی عبادت کرتے تھے۔ انہوں نے کئی بت بنا رکھے تھے مثلاً وداع، سواع، یغوث اور نسر انہوں نے ایک بت بنایا اسے صمود کہا جاتا تھا اور ایک بت کو ہتار کہا جاتا تھا ایسے ہی حالات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو ان کی طرف مبعوث فرمایا۔ حضرت ہود علیہ السلام جس قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اسے خلود کہا جاتا تھا۔

(درمنثور: ج:3، ص:306، مطبوعہ کراچی)

تفسیر نعیمی میں ہے:

اور بھیجا ہم نے ہود علیہ السلام کو ان کی قوم عاد کی طرف جو ان کے قومی بھائی لگتے تھے علاقہ یمن میں یہ قوم آباد تھی عربی النسل تھے چونکہ تھے دادا عاد سے اس قبیلے کا نام خیلا تھا۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:158 نعیمی کتب خانہ لاہور)

اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو اپنی قوم کی طرف اس وجہ سے بھیجا تاکہ حضرت ہود علیہ السلام ان کو بتوں کی عبادت سے منع کریں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا حکم فرمائیں تو حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کی تبلیغ کی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا حکم دیا مگر افسوس قوم اپنی ہٹ دھرمی پر ڈٹی رہی اور انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی حضرت ہود علیہ السلام کی تکذیب کی جس کی وجہ سے ان کو ہلاک کردیا گیا۔

کیا حضرت ہود علیہ السلام قوم عاد کے بھائی تھے؟

قرآن مجید میں جس طرح فرمایا گیا ہے کہ ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ یہاں بھائی سے مراد ان کے قبیلہ کے ایک فرد تھے آپ علیہ السلام کا قبیلہ عرب کا قبیلہ تھا اور وہ لوگ یمن کی جانب رہتے تھے۔ حضرت ہود علیہ السلام ان کے دینی بھائی نہ تھے اور نہ ہی آپ علیہ السلام ان کے نسبی بھائی تھے۔

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں: حضرت ہود علیہ السلام عاد کے قبیلہ کے ایک فرد تھے اور ان کو نبی بنایا گیا حضرت صالح علیہ السلام ثمود کے قبیلہ کے ایک فرد تھے اور ان کو نبی بنایا گیا تو (سیدنا) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے قبیلہ کے ایک فرد ہیں اور ان کو نبی بنایا گیا ہے تو اس میں حیرت اور تعجب کی کیا بات ہے اور یہ کون سی نئی بات ہے۔

(تفسیر کبیر: ج:6، ص:362 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آپ علیہ السلام ان کے دینی بھائی نہیں تھے بلکہ ان کے نسبی بھائی چونکہ حضرت

علیہ السلام ان میں سے تھے اس لیے آپ علیہ السلام کو ان کا بھائی کہا گیا۔

(درمنثور: ج:3، ص:305، مطبوعہ کراچی)

کیا امتی نبی کو اپنا بھائی کہہ سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کا مالک اور انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے مقدس نبی ہیں اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کو جو کچھ فرمائے وہ اس کو زیبا ہے مگر امتی کے لئے جائز نہیں کہ وہ نبی کو اپنا بھائی کہے۔ جن گمراہ بد دین لوگوں نے نبی کو اپنا بھائی کہا ان میں سے شیخ اسماعیل دہلوی بھی ہیں۔

چنانچہ شیخ اسماعیل دہلوی متوفی 242ھ لکھتے ہیں:

مشکوٰۃ کے باب عشرۃ النساء میں لکھا ہے کہ

امام احمد نے ذکر کیا کہ بی بی عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے نقل کیا ہے کہ پیغمبر خدا مہاجرین اور انصار میں بیٹھے تھے کہ آیا ایک اونٹ پھر اس نے سجدہ کیا پیغمبر خدا کو سو ان کے اصحاب کہنے لگے! اے پیغمبر خدا تم کو سجدہ کرتے ہیں جانور اور درخت سو ہم کو ضرور چاہئے کہ تم کو سجدہ کریں۔

سو فرمایا:

بندگی اپنے رب کی اور تعظیم کرو اپنے بھائی کی۔

شیخ اسماعیل دہلوی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد کا عنوان قائم کر کے اس حدیث کا فائدہ لکھتے ہیں کہ یعنی انسان آپس میں سب بھائی ہیں جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے سو اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے اور مالک سب کا اللہ ہے بندگی اس کی چاہئے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولیاء و انبیاء، امام و امام زادہ، پیر و شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی مگر ان کو اللہ نے بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے ہم کو ان کی فرماں برداری کا حکم ہے ہم ان کے چھوٹے بھائی ہیں سو ان کی تعظیم انسانوں کی سی کرنی چاہئے نہ خدا کی سی۔

(تقویۃ الایمان کلاں: ص:41، 42 مطبوعہ مطبع علیمی لاہور)

شیخ اسماعیل دہلوی کے ایک وکیل شیخ سرفراز احمد صفدر نے اس حدیث مبارکہ کے علاوہ قرآن مجید کی آیات سے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہنے پر استدلال کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا الایۃ وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صٰلِحًا الایۃ

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا الایۃ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ الایۃ

قرآن کریم میں صریح طور پر یہ الفاظ موجود ہیں کون مسلمان اپنی اپنی قوم کے لئے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اخوت سے انکار کر سکتا ہے۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اخوت بہ ایثار خود اور بہ فرمان الٰہی ثابت ہے اور اس کا انکار قرآن اور حدیث کا انکار ہے۔ (عبارت اکابر: ص:69 مطبوعہ گوجرانوالہ)

ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کا مالک اور مولیٰ ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام اس کے مقدس نبی اور رسول ہیں وہ اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو جو کچھ فرمادے وہ اس کو زیب دیتا ہے اس کی مرضی ہے وہ جس انداز اور طریقے سے بلائے مگر امتی کو یہ روا نہیں کہ وہ نبی کو اپنا بھائی کہے۔ بہت ساری مثالیں ایسی ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس انبیاء کرام علیہم السلام کو فرمایا ہے اگر ہم اس طرح کہیں تو کافر ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا:

وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ (طٰہٰ:121)

اور آدم نے اپنے رب کی معصیت کی پس وہ بے راہ ہوئے۔

علامہ ابن الحاج مالکی متوفی 737ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے اثناء تلاوت یا قرأت حدیث کے علاوہ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق کہا کہ انہوں نے معصیت کی وہ کافر ہو گیا۔ (المدخل: ج:2،ص:14 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اسی طرح حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تواضع اور انکسار سے اپنے متعلق جو کلمات فرمائیں اس سے یہ جواز نہیں نکلتا کہ امتی بھی ان کے متعلق وہ کلمات کہنے کی جرأت کرے۔

دیکھئے حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا (الاعراف:23)

دونوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ (القصص:16)

(موسیٰ نے) کہا اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا:

لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (الانبیاء:87)

تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں تو سبحان ہے بے شک میں ظالموں میں سے ہوں۔

اب کیا ان آیات کو دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت آدم، حضرت موسیٰ اور حضرت یونس علیہم السلام ظالم تھے حاشا للہ نہیں ہے بلکہ یہ ان کی عاجزی اور انکساری تھی۔

نیز حدیث مبارکہ میں ہے۔

جب لوگ قیامت کے دن حضرت آدم علیہ السلام کے پاس شفاعت کے لئے جائیں گے تو وہ فرمائیں گے کہ آج اللہ تعالیٰ اس قدر غضب میں ہے کہ پہلے کبھی اتنے غضب میں نہ تھا اور نہ آئندہ کبھی اتنے غضب میں ہو گا اس نے مجھے ایک درخت

نے سے منع کیا تھا میں نے اس کی معصیت کی۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: 4712)

اب کیا اس حدیث مبارکہ کو دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے معصیت کی تھی؟ اور یہ کہ ان نبیوں کا ظالم عاصی ہونا قرآن مجید اور حدیث مبارکہ سے ثابت ہے اور ان کے ظالم ہونے کا انکار کرنا قرآن و حدیث کا انکار کرنا ہے نعوذ باللہ۔

ہم اس قسم کے استدلال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی شان کبریائی سے حضرت ہود علیہ السلام کو قوم عاد کا بھائی فرمایا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم بھی انبیاء کرام علیہم السلام کو بھائی کہیں یا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تواضعاً خود کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھائی فرمایا یہ اس کو مستلزم نہیں ہے کہ ہم بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بھائی ہیں استدلال اس وقت صحیح ہوتا جب شیخ دہلوی یا ان کے وکیل شیخ سرفراز احمد صاحب یہ ثابت کرتے کہ قرآن مجید کی فلاں آیت کریمہ یا فلاں صحیح حدیث مبارکہ میں تصریح ہے کہ فلاں صالح امتی نے اپنے نبی کو بھائی کہا ہے اور یہ چیز ہرگز ثابت نہیں ہے لہٰذا امتی کے لئے اپنے نبی کو بھائی کہنا بھی ثابت نہیں ہے۔

شیخ اسماعیل دہلوی نے اس سیاق میں یہ بھی لکھا ہے کہ جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے سو اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے۔

ہمارے نبی سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کہنا کہ ان کی تعظیم بڑے بھائی کی سی کی جائے نہ صرف یہ کہ صراحتاً ہے بلکہ بارگاہ نبوت میں اہانت کے مترادف ہے۔

اللہ تعالیٰ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے متعلق یہ حکم ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ○ (الحجرات: 1)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی متوفی 450ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کلام کرنے سے منع فرمایا۔

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوبات نہ کرو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی زبان سے بتائے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھانے سے پہلے قربانی کر لی تو ان کو حکم دیا گیا کہ وہ دوبارہ قربانی

(النکت والعیون، ج: 5، ص 325 تا 326 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

کچھ مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے قربانی کر دی تو ان کو دوبارہ قربانی کرنے کا حکم اور یہ آیت نازل ہوئی۔

(درمنثور: ج: 7 ص: 547 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ظاہر ہے کہ اگر بڑے بھائی سے پہلے قربانی کر دی تو اس قربانی کا مقبول ہونا لازم نہیں آتا لیکن اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے قربانی کر دی تو وہ قربانی عبث اور رائیگاں ہو گئی۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ٥ (الحجرات:2)

اے ایمان والو! اس نبی کی آواز پر اپنی اونچی آواز نہ کرنا اور نہ اس کے سامنے اس طرح بلند آواز سے باتیں کرنا جس طرح تم ایک دوسرے کے ساتھ بلند آواز سے باتیں کرتے ہو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں پتا بھی نہ چلے۔

حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

ان کو ان کی قوم کا عامل بنا دیجئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان کو عامل نہ بنائیں۔ پھر ان دونوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بحث کی حتیٰ کہ ان کی آوازیں بلند ہو گئیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا۔

تم صرف میری مخالفت کا ارادہ کرتے ہو؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم صرف میری مخالفت کا ارادہ کرتے ہو۔

اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو اپنے نبی کی آواز پر بلند نہ کرو۔ اس کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بات کرتے تو ان کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی حتیٰ کہ ان سے پوچھا جاتا کہ آپ نے کیا کہا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 7302)

کیا بڑے بھائی کی آواز پر آواز اونچی ہونے سے بھی اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اور ایمان جاتا رہتا ہے ذرا سوچئے؟
ان تو اس وقت اکارت ہوگا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلند آواز سے بولا جائے۔
☆ بڑے بھائی کو مکان کے باہر سے آواز دے کر بلانا ممنوع نہیں ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکان کے باہر سے
آواز دے کر بلانا ممنوع ہے۔
قرآن مجید میں ہے:
اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ٥ (الحجرات:4)
بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں۔
اس کا شان نزول یہ ہے کہ
حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا۔
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک میری تعریف کرنا نیک عمل اور میری مذمت کرنا برا عمل ہے۔
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ صرف اللہ عزوجل کی شان ہے۔
(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3267)
علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی متوفی 450ھ نے یہ شان نزول لکھے ہیں۔
1- حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور حجرہ کے باہر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کی! یا محمد (مصطفیٰ صلی اللہ
علیہ وسلم) میری تعریف کرنا نیک عمل ہے اور میری مذمت کرنا برا عمل ہے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجرے سے باہر آئے اور ارشاد فرمایا:
تم پر افسوس ہے یہ تو صرف اللہ سبحانہ کی شان ہے اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔
2- حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ لوگ آئے انہوں نے کہا تھا کہ
اس شخص کے پاس چلو اگر یہ واقعی نبی ہیں تو ان کی اتباع کر کے ہم لوگوں میں سب سے زیادہ خوش قسمت ہوں گے اور اگر
فرشتے ہیں تو ہم ان کے پیروں کے سائے میں زندہ رہیں گے پھر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ صلی اللہ
علیہ وسلم کو ندا کی۔
یا محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ میں تھے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

3-ایک قول یہ ہے کہ
وہ بنو تمیم کا وفد تھا۔
مقاتل نے کہا: وہ نو افراد تھے۔ ان کے متعلق فرمایا! ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔
اس پر یہ اعتراض ہے کہ
انسان ہونے کی وجہ سے ان میں عقل تو تھی پھر ان کو بے عقل کیوں فرمایا؟
ابن الجحر نے کہا: اس کا معنیٰ ہے وہ بے علم ہیں اور علم کو عقل سے تعبیر کیا کیونکہ علم عقل کا ثمرہ ہے اور اس کا معنیٰ یہ بھی ہے کہ ان کا یہ فعل عقل والوں کے فعل کے خلاف تھا۔ (النکت والعیون: ج:5، ص 327 تا 328 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

☆ بڑے بھائی کے بلانے پر جانا فرض اور واجب نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر جانا فرض ہے اور شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر نہ جائے اس پر اللہ تعالیٰ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عام لوگوں کی طرح نہ بلایا جائے ورنہ سخت وعید سنائی گئی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:
لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْکُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ (النور:63)
رسول کے بلانے کو ایسا نہ بناؤ جیسا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو بے شک تم میں سے ان لوگوں کو جانتا ہے آڑ لے کر چپکے سے نکل جاتے ہیں سو جو لوگ رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنا چاہئے کہ ان کو کوئی مصیبت پہنچے یا ان کو دردناک عذاب پہنچ جائے۔

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری متوفی 465ھ لکھتے ہیں:
اس آیت کا معنیٰ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعظیم سے خطاب کرو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ادب کو ملحوظ رکھو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تعظیم اور توقیر کو لازم رکھو۔ دارین کی سعادت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اتباع کرنے میں ہے اور دونوں جہانوں کی بدبختی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی مخالفت کرنے کی وجہ سے ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی مخالفت کرنے کی سب سے کم اور ہلکی سزا یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی توفیق سے محروم ہو جاتا ہے اور پھر اس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے اور اس کے دل سے فلاح دارین کے حصول کی خواہش ساقط ہو جاتی ہے۔ (لطائف الاشارات: ج:2، ص:376 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابوالحسن بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:
تم اس سے بچو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو کر تمہارے خلاف دعا کریں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی

دعا تمہارے لیے مصائب کے نزول کا موجب ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے ضرر کسی دوسرے کی بد دعا کی طرح نہیں ہے۔

حضرت مجاہد اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر نہ بلاؤ جس طرح تم ایک دوسرے کو نام لے کر بلاتے ہو مثلاً یا محمد یا ابن عبد اللہ نہ کہو بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعظیم اور تکریم سے بلاؤ اور نرمی اور تواضع کے ساتھ یا نبی اللہ اور یا رسول اللہ کہو۔ (معالم التنزیل: ج:3، 433 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد کہہ کر نہ بلاؤ۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 19912)

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر تاخیر سے جانے سے منع فرمایا ہے جیسے ایک دوسرے کے بلانے پر دیر سے چلے جاتے ہیں۔ (النکت والعیون: ج:4، ص:128 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابو القاسم محمود بن عمر زمخشری الخوارزمی متوفی 538ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے کو اپنے بلانے پر قیاس نہ کرو۔

(الکشاف: ج:3، ص:265 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں: مبرد اور قفال کا مختار یہ ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے کے حکم کو ایسا نہ قرار دو جیسے تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر جانا فرض لازم ہے اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ اس آیت کے آخر میں فرمایا۔

سو جو لوگ رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ اس سے ڈریں کہ انہیں کوئی مصیبت پہنچ جائے یا انہیں کوئی دردناک عذاب پہنچ جائے۔ (تفسیر کبیر: ج:8، ص:425 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

مدارج جلد اول وصل از جملہ رعایت حقوق اولیت میں ہے۔

نبی علیہ السلام کو ان کا نام پاک لے کر نہ بلاؤ جیسے بعض بعض کو بلاتے ہیں۔

بلکہ یوں کہو۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) توقیر وعزت کے ساتھ۔

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی 1137ھ لکھتے ہیں:

معنی یہ ہے کہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا یا نام لینا ایسا نہ بناؤ جیسا کہ بعض بعض کو نام سے پکارتے ہیں جس طرح کہ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور یا ابن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وغیرہ لیکن ان کے عظمت والے القاب سے پکارو جس طرح کہ

یا نبی اللہ، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یا ایھا النبی، یا ایھا الرسول۔ (تفسیر روح البیان: ج:6،ص:240 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 710ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں پکارو۔

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

نرمی اور عاجزی کے ساتھ ''یا محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ کہا کرو۔

(تفسیر طبری: ج:19،ص:229 موضع مجمع الملک المصحف اشرف شاملہ مکہ)

علامہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی متوفی 375ھ لکھتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ''محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم) سے نہ پکارو جس طرح تم ایک دوسرے کو نام سے پکارتے ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کرو اور ''یا نبی اللہ''، ''یارسول اللہ'' یا ابا القاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) کہو۔

(تفسیر سمرقندی: ج:3،ص:232 مکتبہ شاملہ)

تفسیر اللباب لابن عادل میں ہے۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور کثیر جماعت نے فرمایا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے پکارتے ہوئے

''یا محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم)

نہ کہا کرو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو توقیر کے ساتھ پکارتے ہوئے

یارسول اللہ، یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہو۔ (تفسیر اللباب لابن عادل: ج:12،ص:153 مکتبہ شاملہ)

علامہ ابوبکر احمد رازی متوفی 543ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عاجزی اور تعظیم کے ساتھ ''یا نبی اللہ، یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)'' کہہ کر پکارو اور

ی اللہ علیہ وسلم)'' نہ کہو جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔(احکام القرآن:ج:3،ص:490 قدیمی کتب خانہ کراچی)

شیخ ابو محمد تریدی متوفی 333ھ فرماتے ہیں:

جب تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارو تو تمہارا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا ایسا نہ ہو جس طرح تم ایک دوسرے کو نام کے ساتھ پکارتے ہو ہاں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے نام سے پکارو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح خاص ہو کہ تم یہ بھی جانتے ہو کہ یہ نام تمہارے درمیان خاص ہے اور تمہاری مثل بھی نہیں۔

جس طرح کہ

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) (تاویلات اہل سنت:ج:3،ص:486 مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

علامہ حسین بن مسعود فراء بغوی 516ھ فرماتے ہیں:

حضرت مجاہد اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے پکارتے ہوئے

یا محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم)

یا عبد اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

نہ کہو جس طرح تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرو اور عاجزی اور نرمی سے

یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

کہا کرو۔(تفسیر بغوی:ج:3،ص:359 مطبوعہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی 538ھ فرماتے ہیں:

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لینے اور پکارنے کو اسی طرح نہ بنالو جس طرح تم ایک دوسرے کو اپنے والدین کے رکھے ہوئے ناموں سے پکارتے ہو اور

یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

کہہ کر نہ پکارو لیکن تعظیم و توقیر آہستہ آواز اور عاجزی کے ساتھ

یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

کہہ کر پکارا کرو۔(کشاف:ج:3،ص:260 مطبوعہ دارالکتب العربی بیروت)

امام عبد اللہ بن احمد بن محمود نسفی متوفی 760ھ فرماتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا اس طرح نہ بنالو جس طرح تم ایک دوسرے کو ا
والدین کے رکھے ہوئے نام سے بلاتے ہو اور
یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
نہ کہا کرو لیکن تعظیم وتوقیر کے ساتھ اور نرم آواز کے ساتھ
یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
کہا کرو۔ (تفسیر مدارک التنزیل: ج:3، ص:522 مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور)

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ فرماتے ہیں:
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح نہ پکارو جس طرح تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو اور
یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
نہ کہا کرو بلکہ
یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
کہا کرو۔ (تفسیر کبیر: ج:2، ص:425 مطبوعہ مکتبہ علوم اسلامیہ لاہور)

ابو عبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی متوفی 671ھ فرماتے ہیں:
(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو) نرمی اور آہستگی کے ساتھ
یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
کہہ کر پکارو اور ترش روئی کے ساتھ
"یا محمد" صلی اللہ علیہ وسلم
نہ کہا کرو۔ (قرطبی: ج:12، ص:294 مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

علامہ جلال الدین محلی متوفی 863ھ فرماتے ہیں:
تمہارا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا اور ان کا نام لینا ایسا نہ ہو جس طرح تم ایک دوسرے کو نام سے پکارتے ہو اور آپ
صلی اللہ علیہ وسلم کو
"یا محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم)
کہتے رہو بلکہ عاجزی اور نرمی اور نرم لہجے میں
یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
کہا کرو۔ (جلال الدین مع حاشیۃ الجمل: ج:5، ص:323 قدیمی کتب خانہ کراچی)
علامہ علاؤ الدین علی بن محمد الخازن متوفی 741ھ فرماتے ہیں:
اس کا معنیٰ یہ ہے کہ
نبی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے نہ پکارو جس طرح تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو اور
یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
یا عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
نہ کہا کرو لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر اور عظمت بیان کرتے ہوئے نرمی اور عاجزی کے ساتھ
یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
کہا کرو۔ (تفسیر خازن: ج:3، ص:365 مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)
علامہ شیخ سلمان متوفی 1204ھ فرماتے ہیں:
تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتے ہوئے
یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
اور کنیت کے ساتھ پکارتے ہوئے
یا ابا القاسم (صلی اللہ علیہ وسلم)
نہ کہا کرو بلکہ تعظیم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو
یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
کہتے ہوئے نداء کرو اور مخاطب کرو۔ (حاشیۃ الجمل علی الجلالین: ج:5، ص:323 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)
حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ فرماتے ہیں:
ابن ابی حاتم نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں روایت کی کہ
اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نرمی اور عاجزی کے ساتھ
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کہہ کر پکارا کرو اور ترش روئی کے ساتھ
یا محمد'' صلی اللہ علیہ وسلم

نہ کہا کرو۔

(در منثور: ج:6،ص:211 مطبوعہ مکتبہ حقانیہ لاہور)

علامہ شیخ اسماعیل حقی متوفی 1137ھ فرماتے ہیں:

اس کا مطلب یہ ہے کہ

تمہارا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا اور ان کا نام لینا ایسا نہ ہو جس طرح تم ایک دوسرے کو نام سے پکارتے ہو۔ جس طرح کہ

یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

یا ابن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور بلند آواز سے دور سے آواز یا باہر ہی سے آواز بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عظیم لقب سے جس طرح کہ

یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

جس طرح خود اللہ تعالیٰ نے

یا ایھا النبی

یا ایھا الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمایا۔ (تفسیر روح البیان: ج:9،ص:181 مطبوعہ مکتبہ شاملہ مکہ مکرمہ)

علامہ احمد بن صاوی متوفی 1241ھ فرماتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دوسرے کی طرح نہ پکارو یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نام اقدس سے پکارتے ہوئے

یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

نہ کہا کرو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت سے پکارتے ہوئے

یا ابا القاسم (صلی اللہ علیہ وسلم)

مت کہا کرو بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہونا یا پکارنا ہو تو تعظیم و توقیر سے پکارو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یا امام المرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم)

یا خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وسلم)

وغیرہ پکارو! اس آیت کریمہ سے یہ بھی فائدہ حاصل ہوا کہ وہ الفاظ جن میں تعظیم نہ ہو ان کے ساتھ نبی کو پکارنا جائز نہیں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کو ہلکا جانا وہ کافر ہے اور دنیا و آخرت میں ملعون ہوگا۔

(تفسیر صاوی: ج:4، ص: 1421 مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

قاضی عیاض مالکی متوفی 544ھ فرماتے ہیں:

ابو محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام میں سبقت نہ کرو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برے خطاب سے نہ پکارو۔

اور جس طرح تم ایک دوسرے کو نام سے پکارتے ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پکارو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کرو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان عظیم الفاظ سے پکارو جن کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا واجب ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یانبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

کہہ کر پکارو اور یہ اسی آیت کی طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا

رسول کو پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارنا ہے۔ (الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ: ج:2، ص: 40 مطبوعہ وحید کتب خانہ پشاور)

ملا علی قاری متوفی 1014ھ فرماتے ہیں:

اور جس طرح تم ایک دوسرے کو اپنے والدین کے رکھے ہوئے ناموں سے پکارتے ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے نہ پکارو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری و باطنی تعظیم و توقیر کرو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان عظیم الفاظ سے پکارو جن کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا جانا محبوب ہے یعنی جن کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا جانا اچھا لگتا (یعنی) نبوت و رسالت کے اوصاف کے ساتھ جس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یانبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یاخلیل اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

کہہ کر پکارا کرو اور یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور بعد از وصال بھی ہے۔

(شرح الشفاء: ج:3، ص: 386 مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتانی)

علامہ فضل رسول بدایونی متوفی 1289ھ فرماتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ظاہر و باطن ہر حالت میں واجب ہے۔

اللہ عزوجل نے فرمایا:

رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو ان کی آواز سے اپنی آواز کو بلند کرتے ہوئے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نام سے پکارتے ہوئے لہذا

یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

نہ کہا کرو بلکہ

یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

کہا کرو جس طرح خود اللہ تعالیٰ نے خطاب فرمایا ہے۔ (المعتقد والمنتقد: ص: 139 تا 140 مطبوعہ برکاتی پبلشرز کراچی)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ''یا محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم) یا کہ اے ابراہیم (علیہ السلام) کے باپ یا اے بھائی باوا وغیرہ برابری کے الفاظ سے یاد کرنا حرام ہے اور اگر اہانت کی نیت سے پکارا ہو تو کافر ہے۔

عالمگیری وغیرہ کتب فقہ میں ہے کہ

جو شخص حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہذا الرجل یہ مرد کی اہانت سے کہے تو کافر ہے بلکہ

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یا حبیب اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یا شفیع المذنبین (صلی اللہ علیہ وسلم)

عظمت کے کلمات سے یاد کرنا لازم ہے شعراء جو اشعار میں یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھ دیتے ہیں وہ تنگی موقع کی وجہ سے پڑھنے والے کو لازم ہے صلی اللہ علیہ وسلم کہہ لے (میں کہتا ہوں شعراء یا محمد کی جگہ یا رسول اللہ بھی لکھ سکتے ہیں یا یوں لکھیں یا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم)

اسی طرح جو کہتے ہیں کہ

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا

یہ تیرا انتہائی نازکا کلمہ ہے جیسے اے آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے تیرے قربان اے ماں تو کہاں ہے اے اللہ عزوجل تو ہم پر رحم فرما اس تو اور تیرے کی حیثیت اور ہے۔

1۔ قرآن مجید میں ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ط قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ج فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ○ (نور:63)

رسول کو پکارنے کو ایسا نہ ٹھہرالو جیسا کہ تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تم کو خبر نہ ہو۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ○

(الحجرات: پارہ:26، آیت:2)

اور ان کے خصوصیات چلا کر نہ کہو جیسے ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تم کو خبر نہ ہو ضبطی اعمال کفر کی وجہ سے ہوتی ہے۔

مدارج جلد اول وصل از جملہ رعایت حقوق اولیت میں ہے۔

نبی علیہ السلام کو ان کا نام پاک لے کر نہ بلاؤ جیسے بعض بعض کو بلاتے ہیں۔

بلکہ یوں کہو۔

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یانبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

توقیر و عزت کے ساتھ۔

تفسیر روح البیان زیر آیت لَا تَجْعَلُوْا ہے۔

معنیٰ یہ ہیں کہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا یا نام لینا ایسا نہ بناؤ جیسا کہ بعض بعض کو نام سے پکارتے ہیں جس طرح کہ

یامحمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

اور یا ابن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وغیرہ

لیکن ان کے عظمت والے القاب سے پکارو جس طرح کہ

یانبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

جیسا کہ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یاایھا النبی

یاایھا الرسول۔ (تفسیر روح البیان: ج:6، ص:240 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ان آیات قرآنیہ اور اقوال مفسرین سے معلوم ہوا کہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب ہر حال میں ملحوظ رکھا جائے، نداء میں کلام میں ہر ادا میں دنیاوی عظمت والوں کو بھی ان کا نام لے کر نہیں پکارا جاتا۔

ماں کو والدہ صاحبہ

باپ کو والد صاحب

(ان) جیسے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔

اگر کوئی اپنی ماں کو باپ کی بیوی

یا

باپ کو ماں کا شوہر کہے

یا

اس کا نام لے کر پکارے

یا

اس کو بھیا وغیرہ کہے تو اگر چہ بات تو سچی ہے مگر بے ادب اور گستاخ کہا جائے گا کہ برابری کے کلمات سے کیوں یاد کیا۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو خلیفۃ الاعظم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نام سے پکارنا یا بھائی وغیرہ کہنا یقیناً حرام ہے۔ گھر میں، بہن، بیوی، ماں، بیٹی، سب ہی عورتیں ہیں مگر ان کے نام و کام و احکام جدا گانہ جو ماں کو بیوی یا بیوی کو ماں کہہ کر پکارے وہ بے ایمان ہی ہے اور جوان سب کو ایک نگاہ سے دیکھے وہ مردود ہے۔

ایسے ہی جو نبی علیہ السلام کو امتی یا امتی کو نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرح سمجھے وہ ملعون ہے۔

دیوبندیوں نے نبی کو امتی کا درجہ دیا ان کے پیشوا مولوی اسماعیل نے سید احمد بریلوی کو نبی کے برابر کر دی۔

دیکھو صراط المستقیم کا خاتمہ، معاذ اللہ

2- رب تعالیٰ جس کو خاص درجہ عطا فرمائے اس کو عام القاب سے پکارنا اس کے ان مراتب عالیہ کا انکار کرنا ہے اگر دنیاوی سلطنت کی طرف سے کسی کو نواب یا خان بہادر کا خطاب ملے تو اس کو آدمی کا بچہ یا بھائی وغیرہ کہنا اور ان القاب کو یاد نہ کرنا جرم ہے کہ

اس کا مطلب تو یہ ہے کہ

تم حکومت کے عطا کئے ہوئے ان خطابات سے ناراض ہو تو جس ذات عالی کو رب عزوجل کی طرف سے نبی و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب ملے اس کو ان القاب کے علاوہ وغیرہ کہنا جرم ہے۔

3- خود پروردگار عزوجل نے قرآن مجید میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو

یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

یا

اخا مومنین

کہہ کر نہ پکارا بلکہ

یایھا النبی

یایھا الرسول

یایھا المزمل

یایھا المدثر

وغیرہ وغیرہ پیارے القاب سے پکارا حالانکہ وہ رب عزوجل ہے تو ہم غلام کو کیا حق ہے کہ ان کو بشر یا بھائی کہہ کر پکاریں۔

(...عید الحق فی تخریج جاء الحق: ص:394 مطبوعہ مکتبہ غوثیہ کراچی)

قرآن مجید واحادیث مبارکہ کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لفظ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ نہ پکارا جائے بلکہ ...ی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا جائے اسی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر ہے جن احادیث ...بارکہ میں لفظ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آیا ہے۔

ان کے حوالہ جات درج ذیل ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی طویل روایت میں ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: میں حاضر ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے قول میں تبدیلی نہیں ہوتی میں نے جس طرح آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ام الکتاب میر... ...ازیں) فرض کی ہیں تو ہر نیکی دس گنی ہے لہٰذا ام الکتاب میں پچاس نمازیں ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پانچ نمازیں (...ض) ہیں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: ج:2، ص:1121 مطبوعہ کراچی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔

میں اپنے رب عزوجل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان مسلسل آتا جاتا رہا۔

حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہر دن اور رات میں پانچ نمازیں (فرض) ہیں۔

(صحیح مسلم: ج:1، ص:91 مطبوعہ کراچی)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔
اچانک میں نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو بہترین صورت میں دیکھا۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
یا محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم)
میں نے کہا: اے میرے رب عزوجل! میں حاضر ہوں۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
ملاء اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں۔
(جامع ترمذی: ص: 466 مطبوعہ کراچی)
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
میں نے (خواب میں) اپنے رب عزوجل کو حسین صورت میں دیکھا۔
میرے رب عزوجل نے فرمایا:
یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
میں نے کہا: اے میرے رب عزوجل! میں حاضر ہوں۔
(جامع ترمذی: ص: 466 مطبوعہ کراچی)
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔
ایک رات کو یعنی خواب میں میرے پاس میرا رب عزوجل حسین ترین صورت میں آئے۔
اور ارشاد فرمایا:
یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) جانتے ہیں کہ ملاء اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں۔
(مسند احمد: ج: 1، ص: 368 مطبوعہ بیروت)
عبدالرحمٰن بن عائش سے روایت ہے کہ
آج رات میرے پاس میرا رب عزوجل بہترین صورت میں آیا۔
اور ارشاد فرمایا:
یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)!
(مسند احمد: ج: 4، ص: 66 مطبوعہ بیروت)
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

پھر کہا جائے گا۔
یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنا سر اٹھایئے کہیے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات سنی جائے گی اور مانگئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا جائے گا اور شفاعت کیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت قبول کی جائے گی۔
(صحیح البخاری: ج:2، ص: 11181 مطبوعہ کراچی)
حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
(جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو) مرد اور عورتیں گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے اور خدام راستوں میں پھیل گئے اور وہ نعرے لگا رہے تھے۔
یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
(صحیح مسلم: ج:2، ص: 419 مطبوعہ کراچی)
حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ایک اعرابی کی شکل میں حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔
یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اسلام کے متعلق بتایئے۔
(صحیح مسلم: ج:1، ص: 27 مطبوعہ کراچی)
عبدالرحمٰن بن سعد فرماتے ہیں:
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا پیر سن ہو گیا ان سے ایک شخص نے کہا: جو تمہیں سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو اس کو یاد کرو۔
انہوں نے کہا: یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)!
(الادب المفرد: ص: 250 مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل)
ان احادیث مبارکہ سے یہ استدلال نہ کیا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتے وقت یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہا جائے جس طرح کہ بعض جاہل لوگوں نے دلیل بنائی ہوئی ہے بلکہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے۔

اعتراض

شمائل ترمذی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ

انہوں نے فرمایا:

کان بشر من البشر

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بشروں میں سے ایک بشر تھے اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اپنی زوجیت سے مشرف فرمانا چاہا تو صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھائی ہوں کیا میری دختر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حلال ہے۔

دیکھو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بشر کہا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہا؟

جواب

بشر یا بھائی کہہ کر پکارنا یا محاورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہنا حرام ہے عقیدہ کے بیان یا دریافت مسائل کے احکام ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ عام گفتگو میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی یا بشر نہ کہتے تھے یہاں ضرورتاً اس کلمہ کو استعمال فرمایا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تو یہ فرما رہی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پاک نہایت بے تکلفی اور سادگی سے عام مسلمانوں کی طرح گزری کہ اپنا ہر کام اپنے ہاتھ ہی سے انجام دیتے تھے اسی طرح حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مسئلہ دریافت کیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خطاب اخوت سے نوازا ہے کیا اس پر حقیقی بھائی کے احکام جاری ہوں گے یا نہیں اور میری اولاد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو حلال ہوگی نہیں ہم بھی عقیدے کے ذکر میں کہتے ہیں کہ نبی بشر ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک ضرورت پر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو فرما دیا۔

هذ اختی

یہ میری بہن (دینی) ہے۔

حالانکہ آپ رضی اللہ عنہا آپ علیہ السلام کی بیوی تھیں اس سے لازم نہیں آتا کہ حضرت رضی اللہ عنہا اب آپ علیہ السلام کو بھائی کہہ کر پکارتیں۔ ہم ان حضرات کو عام محاورہ دکھاتے ہیں سب کو معلوم ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رشتہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے زوج مقدس اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بھائی کی اولاد مگر یہ حضرات کی حدیث روایت کرتے ہیں تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ نہیں فرماتیں کہ میرے زوج مقدس نے فرمایا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ سید نہیں فرماتے ہیں کہ ہمارے بھتیجے یا بھائی نے یہ فرمایا سب سب یہ ہی فرماتے ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تو جو رشتہ کے لحاظ سے بھائی ہیں وہ بھی بھائی نہیں کہہ رہے تو ہم کمینوں، بدکار، خطاکار، گناہ گار غلاموں کا کیا حق ہے کہ بھائی کہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ (المجادلہ: پارہ:28، سورہ:58، آیت:12)

یعنی اے ایمان والو! جب تم رسول سے کوئی بات آہستہ عرض کرنا چاہو تو اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقہ دے لو۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس پر بھی عمل کیا کہ ایک دینار خیرات کر کے دس مسائل دریافت کئے پھر یہ حکم اگرچہ منسوخ ہو گیا مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وشان کا پتا لگ گیا کہ نماز میں رب عزوجل سے ہم کلام ہو تو صرف وضو کر و لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض معروض کرنا چاہو تو پہلے صدقہ کرو پھر دیکھو جب یہ بات صاف واضح ہے تو بھائی بھائی کہنا کہاں جائز ہوا یا کہاں سے بھائی کہہ کر پکارنا درست ہوا۔ لہٰذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہنا حرام ہے اور اہانت کی نیت سے کہا تو کافر ہو جائے گا۔

اعتراض

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق فرمایا:

واکرموا اخاکم

تم اپنے بھائی کا اکرام کرو (ہمارا)

جس سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بھائی ہیں مگر بڑے بھائی ہیں نہ کہ چھوٹے بھائی ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اِلٰى مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ وَ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ (پارہ:8، سورہ:7)؟؟

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو مدین ثمود اور عاد کا بھائی فرمایا۔ معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام امتیوں کے بھائی ہیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کریم کریمانہ سے بطور تواضع وانکسار فرمایا۔ اخاکم اس فرمانے سے ہم کو بھائی کہنے کی اجازت کیسے ملی۔ ایک بادشاہ اپنی رعایا سے کہتا ہے کہ میں آپ لوگوں کا خادم ہوں تو رعایا کو حق نہیں کہ بادشاہ کو خادم کہہ کر

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

حضرت شعیب وصالح وہود علیہم السلام مدین اور ثمود اور عاد قوموں میں سے تھے کسی اور قوم کے نہ تھے یہ بتانے کے لئے فرمایا یہ کہاں فرمایا! ان کی قوم والوں کو بھائی کہنے کی اجازت دی گئی ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کو برابری کے القاب

سے پکارنا حرام اور لفظ بھائی برابری کا لفظ ہے۔ باپ گوارہ نہیں کرتا کہ اس کا بیٹا اس کو بھائی کہے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو بھائی کہنا حرام ہے۔

اعتراض

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (پارہ:26،سورہ:49،آیت:10)

مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

لہٰذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی مومن ہیں اور مسلمانوں کے بھائی ہوئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں نہ بھائی کہا جائے۔

جواب

پھر تو آپ لوگ اللہ تعالیٰ کو بھی بھائی کہو کیونکہ وہ بھی مومن ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ (پارہ:28،سورہ:59،آیت:23)

اور ہر مومن آپس میں بھائی ہیں لہٰذا خدا عزوجل بھی مسلمانوں کا بھائی معاذ اللہ نیز بھائی کی بیوی بھابھی ہوتی ہے اور اس سے نکاح حلال اور انبیاء کرام علیہم السلام کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں ان سے نکاح کرنا حرام ہے لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے مثل والد ہوئے والد کی بیوی ماں ہے نہ کہ بھائی کی جناب عالی ہم تو مومن ہیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم عین ایمان ہیں۔

قصیدہ بردہ شریف میں ہے۔

فالصدق فی الغار والصدیق لم یریا

ترجمہ: یعنی غار ثور میں صدیق بھی تھا صدیق بھی تھے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مومنین میں صرف لفظ مومن کا اشتراک ہے جس طرح اللہ تعالیٰ اور عام مومنین کہ حقیقت میں ہم اور طرح کے مومن ہیں لہٰذا انبیاء کرام علیہم السلام کو بھائی کہنا حرام ہے اور اگر اہانت کی نیت ہو تو کفر۔

☆ بڑے بھائی کے بلانے پر جانا فرض اور واجب نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر جانا فرض ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ (الانفال:24)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو جب تمہیں رسول اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہارے لیے حیات آفرین ہو۔

حضرت ابوسعید بن معلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نماز پڑھ رہا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا پس میں حاضر نہیں ہوا (جب میں نے نماز پڑھ لی) تو میں نے

عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھ رہا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا اللہ اور رسول کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو جاؤ۔

امام ابوداؤد اور امام نسائی نے اس طرح روایت کیا ہے کہ

میں نماز پڑھ کر حاضر ہوا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

میرے بلانے پر تم کیوں نہیں آئے تھے؟

میں نے عرض کیا:

میں نماز پڑھ رہا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا اللہ اور رسول کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو جاؤ۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5066، سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 1445، سنن النسائی: رقم الحدیث: 912)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے وہ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے ابی!

حضرت ابی (رضی اللہ عنہ) نے مڑ کر دیکھا اور حاضر نہیں ہوئے اور حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے جلدی جلدی نماز پڑھی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔

عرض کیا۔

السلام علیک یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
وعلیک السلام! اے ابی (رضی اللہ عنہ)! جب میں نے تمہیں بلایا تو کس چیز نے تمہیں حاضر ہونے سے روکا تھا؟
میں نے عرض کیا:
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نماز پڑھ رہا تھا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل کی ہے کیا تم نے اس میں یہ آیت نہیں پڑھی اللہ اور رسول کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو جاؤ
میں نے عرض کیا:
کیوں نہیں! اور میں انشاء اللہ دوبارہ اس طرح نہیں کروں گا۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2884)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:
اس آیت کریمہ سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو نماز میں بھی بلائیں تو اس پر حاضر ہونا واجب ہے۔
امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:
اس سے نماز باطل نہیں ہوگی کیونکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنا ہے۔

(روح المعانی: جز:9، ص:191 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کہنا کہ ان کی تعظیم بڑے بھائی کی سی کی جائے نہ صرف یہ کہ صراحتاً غلط ہے بلکہ بارگاہ نبوت میں اہانت ہے۔
شیخ احمد سہارنپوری متوفی 1346ھ لکھتے ہیں:
جو اس کا قائل ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم پر بس اتنی فضیلت ہے جتنی بڑے بھائی کو چھوٹے بھائی پر ہوتی ہے تو اس کے متعلق ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ دائرہ ایمان سے خارج ہے حضرت محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کا افضل البشر اور تمام مخلوقات سے اشرف اور جمیع پیغمبروں کا سردار اور سارے نبیوں کا امام ہونا ایسا قطعی امر ہے جس میں ادنیٰ سا مسلمان بھی تردد نہیں کر سکتا

(عقائد علماء دیوبند: ص:28 مطبوعہ مطبع سعید کراچی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر ہر حال میں فرض وواجب ہے۔
ہم امتی ہیں اور وہ نبی اور رسول ہیں۔ امتی کو یہ روا نہیں کہ وہ یہ کہے ان کی تعظیم بڑے بھائی کی سی کی جائے۔
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے چاہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات کے زمانہ میں یا ظاہری پردہ فرما جانے کے زمانہ میں ہر حال میں تعظیم وتوقیر کی ہے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر چیز کی تعظیم وتوقیر کی ہے جس کے دلائل حسب

ل ہیں۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

میرے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی محبوب نہیں تھا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی میری نگاہ میں بزرگ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجلال کی وجہ سے میں نگاہ بھر کر دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا اور اگر مجھ سے یہ سوال کیا جاتا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارکہ بیان کروں تو میں نہیں کر سکتا تھا کیونکہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نگاہ بھر کر نہیں دیکھا تھا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 314)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب مہاجرین اور انصار کے پاس جایا کرتے تھے اور وہ بیٹھے ہوئے ہوتے تھے۔ ان میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی ہوتے تھے پس حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے سوا کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا وہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف دیکھتے تھے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ کر مسکراتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف دیکھ کر مسکراتے تھے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3688)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات پوچھنا چاہتا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت کی وجہ سے اس کو برسوں ٹالتا رہا۔ (الشفاء: ج: 2، ص: 34 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے دیکھا کہ حجام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مونڈ رہا تھا اور صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیرے میں لیا ہوا تھا جب بھی کوئی بال گرتا تو وہ کسی نہ کسی صحابی کے ہاتھ میں ضرور ہوتا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 5929)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد اس طرح بیٹھے تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے ہوں۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 3855)

ایک اور روایت میں ہے:

قضیہ حدیبیہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ میں مشرکین کے پاس اپنا سفیر کر بھیجا۔

تو قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا۔

تم کعبہ کا طواف کرلو۔

تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس وقت تک کعبہ کا طواف نہیں کروں گا جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کا طواف نہ کرلیں۔

(دلائل النبوۃ: ج:4،ص:135)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام عبداللہ سے روایت ہے کہ

میں نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو بتایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مطلقاً ریشم کو حرام کہتے ہیں۔

تو انہوں نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے۔ انہوں نے ایک طیالسیہ کسروانیہ جبہ نکالا جس میں ریشم کے پیوند لگے ہوئے تھے اور اس کے سامنے اور پیچھے کے چاک پر یا آستینوں پر ریشم کے بیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

یہ جبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا جب وہ فوت ہوگئیں تو میں نے اس پر قبضہ کرلیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پہنا کرتے تھے۔ ہم بیماروں کے لئے اس کو دھوتے ہیں اور اس (کے دھوون) سے ان کے لئے شفاء طلب کی جاتی ہے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2069)

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی متوفی 1069ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ کو دھو کر اس کا دھوون بیماروں کو پلاتے تھے اور ان کے بدنوں پر ملتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار سے برکت حاصل کرتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اللہ تعالیٰ بیماروں کو شفاء عطا فرماتا تھا۔ (نسیم الریاض: ج:3،ص:134 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

قاضی عیاض بن موسیٰ متوفی 544ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

ابوالقاسم بن میمون سے روایت ہے کہ
ہمارے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالوں میں سے ایک پیالہ تھا۔ ہم بیماروں کے لئے اس میں پانی ڈالتے تھے اس سے شفاء حاصل کرتے تھے۔ (الشفاء: ج:1، ص:246 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی متوفی 1069ھ لکھتے ہیں:
بیمار اس پیالہ میں پانی ڈال کر پیتے تھے اور شفاء طلب کرتے تھے اور اس کو پینے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کی برکت سے ان کو شفاء حاصل ہوتی تھی۔ (نسیم الریاض: ج:3، ص:134 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

عثمان بن عبداللہ بن موہب سے روایت ہے کہ
میرے گھر والوں نے ایک برتن میں پانی ڈال کر مجھے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا۔ اسرائیل نے تین انگلیوں کو ملایا یعنی وہ چاندی سے ملمع کی ہوئی ایک چھوٹی سی ڈبیا تھی تین انگلی جتنی اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک بالوں میں سے کچھ بال تھے جب کسی انسان کو نظر لگ جاتی یا اس کو اور کوئی بیماری ہو جاتی تو وہ آپ کے پاس ایک برتن بھیج دیتا میں نے گھنٹی کی شکل کی ایک ڈبیا دیکھی اس میں سرخ رنگ کے بال تھے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5896)

حافظ شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:
اس حدیث مبارکہ سے مراد یہ ہے کہ
جو شخص بیمار ہو جاتا وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک برتن بھیجتا وہ اس برتن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک بالوں کو رکھتیں پھر اس برتن میں پانی ڈالتیں اور ان کا دھوون اس بیمار کو پلاتیں یا وہ آدمی شفاء طلب کرنے کے لئے اس سے غسل کرتا اور اس کو اس پانی کی برکت حاصل ہوتی۔ (فتح الباری: ج:10، ص:353 مطبوعہ لاہور)

عبدالحمید بن جعفر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ
حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک عمرہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کے بال منڈوائے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال لینے کی طرف جھپٹے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کے بالوں کی طرف سبقت کی میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال لے کر ان کو اپنی ٹوپی میں رکھ لیا اور میں نے ان بالوں کو اپنی ٹوپی کے اگلے حصہ میں رکھا اس کے بعد جس جنگ میں بھی گیا مجھے فتح حاصل ہوئی۔

(مسند ابو یعلیٰ: رقم الحدیث: 7183)

عبدالحمید بن جعفر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ
جنگ یرموک کے دن حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی گم ہو گئی۔
حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کہا: اس ٹوپی کو ڈھونڈو لوگوں کو وہ ٹوپی نہیں ملی

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے پھر کہا:
اس ٹوپی کو تلاش کرو تو لوگوں کو وہ ٹوپی مل گئی وہ ایک پرانی ٹوپی تھی۔
حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کیا اور اپنا سر منڈوایا۔ مسلمان آپ کے بالوں کی طرف جھپٹے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کے بالوں کی طرف سبقت کی اور ان بالوں کو میں نے اس ٹوپی میں رکھ لیا پھر میں جس جنگ میں بھی گیا یہ ٹوپی میرے ساتھ رہی اور مجھے فتح عطا کی گئی۔

(معجم الکبیر: رقم الحدیث: 3864)

ابن سیرین فرماتے ہیں کہ
میں نے عبیدہ سے کہا۔
ہمارے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بال ہے جو مجھے حضرت انس رضی اللہ عنہ یا حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر والوں سے ملا تھا۔
ابن سیرین نے فرمایا:
اگر میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بال بھی ہو تو وہ مجھے دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔

(صحیح بخاری: ج: 1 ص: 29 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سر منڈوایا تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال لیے۔
علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:
حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بال اس کی پاکیزگی اور نظافت کی وجہ سے بطور تبرک اپنی ٹوپی میں رکھا ہوا تھا وہ جہاد میں اس ٹوپی کو پہن کر جاتے اور اس کی برکت سے مدد طلب کرتے تھے جنگ یمامہ میں وہ ٹوپی گر گئی تو انہوں نے اس کو بہت شدید سمجھا۔
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس پر حیرت ہوئی۔
تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ
میں نے اس ٹوپی کی قیمت کی وجہ سے ایسا نہیں کیا بلکہ میں نے اس کو ناپسند کیا یہ ٹوپی مشرکین کے ہاتھوں میں پڑ جائے حالانکہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بال ہے۔

(عمدۃ القاری: ج:3،ص:37 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ مصر)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تو مدینہ منورہ کے خدام پانی سے بھرے ہوئے اپنے برتن لے کر آتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر برتن میں اپنا ہاتھ ڈبو دیتے۔ بسا اوقات سرد صبح میں یہ واقع ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ہاتھ ان میں ڈبو دیتے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 5922)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی 828ھ لکھتے ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کے لمس سے برکت حاصل کرنے کے لئے اپنے برتنوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ لگواتے تھے۔ (اکمال اکمال المعلم: ج:6،ص:124 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عرب کی ایک عورت کا ذکر کیا گیا آپ نے ابو اسید کو پیغام دینے کا حکم دیا حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ نے اس کو پیغام دیا وہ عورت آ کر بنو ساعدہ کے قلعوں میں ٹھہری۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے جب آپ اس کے پاس گئے تو وہ عورت سر جھکائے بیٹھی تھی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے گفتگو کی تو وہ عورت کہنے لگی میں آپ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتی ہوں۔

آپ نے فرمایا:

تم نے اپنے آپ کو مجھ سے محفوظ کر لیا۔

لوگوں نے اس سے کہا۔

کیا تم جانتی ہو کہ یہ کون ہیں؟

اس نے کہا: نہیں۔

لوگوں نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور تمہیں نکاح کا پیغام دینے تمہارے پاس آئے تھے۔

اس نے کہا: تب تو میں بہت بدنصیب ہوں۔

حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت تشریف لے آئے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم بنو ساعدہ کے چبوترہ میں بیٹھ گئے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے کہا۔

مجھے پلاؤ! پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ پیالہ نکالا پھر میں نے ان کو اس میں پلایا۔

ابو حازم نے کہا: سہل نے ہمارے لیے وہ پیالہ نکالا اور ہم نے بھی اس میں سے پی لیا پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے وہ پیالہ مانگ لیا۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے وہ پیالہ ان کو دے دیا۔

ابو بکر بن اسحاق کی روایت میں یہ ہے کہ

اے سہل (رضی اللہ عنہ) ہم کو پلاؤ۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 5119)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی 676ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کا ثبوت ہے جس چیز کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوا ہو اور جس کپڑے کو پہنا ہو یا جس برتن سے کچھ پیا ہو یا اس قسم کی اور کوئی چیز ہو اس پر سب کا اجماع ہے اور تمام متقدمین اور متاخرین کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلیٰ پر نماز پڑھنا اور روضہ کریمہ اور جس غار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے تھے۔ اس غار میں داخل ہونا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات کے حصول کی انواع ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو تقسیم کے لئے بال عطا فرمانا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی صاحبزادی کے لئے اپنا تہبند عطا فرمانا تاکہ اس میں ان کو کفن دیا جائے اور دو قبروں پر درخت کی دو شاخیں رکھنا اور حضرت بنت ملحان رضی اللہ عنہا کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ کو جمع کرنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے بچے ہوئے پانی کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہاتھ میں لے کر اسے اپنے بدن پر ملنا اور اس قسم کی دوسری چیزیں احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں ان سب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کا ثبوت ہے۔ (شرح مسلم: ج:2، ص:169 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور ان کے بستر پر سو گئے وہ آئیں تو ان کو بتایا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے گھر میں تمہارے بستر پر سوئے ہوئے ہیں وہ آئیں درآں حالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسینہ آ رہا تھا اور چمڑے کے بستر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ اکٹھا ہو گیا تھا۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اپنا ڈبہ کھولا اور پسینہ پونچھ کر اپنی شیشیوں میں بھرنے لگیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا کر اٹھ گئے۔

اور ارشاد فرمایا:

اے ام سلیم رضی اللہ عنہا! تم کیا کر رہی ہو؟

انہوں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اس میں اپنے بچوں کے لئے برکت کی امید رکھتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تمہاری امید درست ہے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 5936)

قاضی عیاض ابوالفضل عیاض بن موسیٰ متوفی 544ھ لکھتے ہیں:

وفات کے بعد بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر اور تعظیم لازم ہے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں لازم تھی اور اس کا موقع وہ ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ کا ذکر کیا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا ذکر کیا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا سماع کیا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اور عترت کے ساتھ کوئی معاملہ کیا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی تعظیم کی جائے۔

ابوابراہیم تجیبی نے کہا: ہر مومن پر واجب ہے کہ جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرے یا اس کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جائے تو وہ خضوع اور خشوع کی حالت میں ہو اور اس کی حرکات وسکنات وقار ظاہر ہو اور اس پر اسی طرح ہیبت طاری ہو جیسے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مؤدب کھڑا ہے۔

امیر المومنین ابوجعفر نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں مناظرہ کیا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا۔

امیر المومنین! آپ اس مسجد میں اپنی آواز اونچی نہ کریں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ ادب سکھایا ہے کہ تم نبی کی آواز پر اپنی آوازوں کو اونچا نہ کرو اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طرح بلند آواز سے بولو جس طرح تم آپس میں بلند آواز سے بولتے ہو۔

(ایسا نہ ہو کہ) تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں پتا بھی نہ چلے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی مذمت کی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجروں سے باہر پکار کر بلاتی تھی اور ان کو بے عقل فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام اب بھی اسی طرح ہے جس طرح زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام تھا۔

خلیفہ ابوجعفر نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی بات کو تسلیم کر لیا اور پوچھا۔

جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہہ شریف میں کھڑا ہو کر دعا کروں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ یا قبلہ کی طرف منہ کروں؟

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا رخ کیوں پھیرتے ہیں حالانکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ ہیں بلکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہی منہ کیجئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت طلب کیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے حق میں شفاعت قبول کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اور اگر وہ کبھی اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے تو وہ آپ کے پاس آجاتے پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول (بھی) ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے۔

مصعب بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا اور وہ اسی وقت جھک جاتے جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی وجہ پوچھی گئی۔

تو انہوں نے کہا: محمد بن المنکد رسید القراء تھے ہم جب ان سے کسی حدیث مبارکہ کے متعلق پوچھتے تو ان پر اس قدر گریہ طاری ہوتا کہ ہم ان کے لئے رحم کی دعا کرتے اور میں نے حضرت جعفر بن صادق رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا وہ بہت ہنس مکھ اور پر مزاح شخص تھے لیکن جب ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو ان کا چہرہ زرد پڑ جاتا اور میں نے ان کو کبھی بغیر وضو کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ بیان کرتے ہوئے نہیں دیکھا پھر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ عبدالرحمٰن بن قاسم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے تو ان کے رنگ کی طرف دیکھا جاتا لگتا تھا کہ ان کا خون نچوڑ لیا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت سے ان کی زبان خشک ہو گئی ہے اور عامر بن عبداللہ بن زبیر کے سامنے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو وہ اس قدر روتے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو ختم ہو جاتے اور زہری بہت خوش مزاج اور ملنسار شخص تھے لیکن جب ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو لگتا تھا کہ وہ اپنے مخاطب کو بالکل نہیں پہچانتے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور میں اس طرح مستغرق ہو جاتے کہ گردو پیش سے بیگانہ اور بے خبر ہو جاتے۔ صفوان بن سلیم بہت بڑے عابد اور زبردست مجتہد تھے ان کے سامنے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو وہ اس قدر روتے کہ لوگ ان کے پاس سے اٹھ کر چلے جاتے اور ابن سیرین ہنستے رہتے تھے اور جب ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ذکر کی جاتی تو ان پر خشوع طاری ہو جاتا اور عبدالرحمان بن مہدی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ پڑھتے تو لوگوں کو خاموش رہنے کا حکم دیتے اور یہ آیت کریمہ پڑھتے۔

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ (الحجرات:2)

اور اس کی یہ تاویل کرتے کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بات کرتے وقت خاموش ہونا ضروری ہے اسی طرح اس وقت خاموش ہونا ضروری ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ پڑھی جائے۔

ابراہیم بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ

امام مالک بن انس، امام ابو حازم کی مجلس کے پاس سے گزرے وہ اس وقت حدیث مبارکہ بیان کر رہے تھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وہاں سے چلے گئے۔

اور کہا: میرے بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی اور میں نے کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ کو سننا ناپسند کیا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ
ایک شخص نے ابن المسیب سے ایک حدیث مبارکہ پوچھی وہ اس وقت لیٹے ہوئے تھے وہ اٹھ کر بیٹھ گئے پھر حدیث مبارکہ بیان کی۔
اور کہا۔
میں نے اس کو ناپسند کیا کہ میں لیٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ بیان کروں۔
ابو مصعب سے روایت ہے کہ
امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ باوضو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ بیان کرتے تھے۔
مصعب بن عبداللہ سے روایت ہے کہ
امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ جب حدیث مبارکہ بیان کرتے تو وضو کرتے تیار ہوتے عمدہ لباس پہنتے پھر حدیث مبارکہ بیان کرتے۔
ابن ابی اویس نے کہا: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ راستہ میں یا کھڑے ہوئے یا جلدی کے وقت حدیث مبارکہ بیان کرنا ناپسند کرتے تھے۔
عبداللہ بن مبارک نے کہا: میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھا وہ ہم کو حدیث مبارکہ بیان کر رہے تھے ان کو بچھو نے سولہ مرتبہ ڈنک مارا۔ ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہو کر زرد پڑ گیا لیکن انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ قطع نہیں کی۔ جب مجلس ختم ہوگئی تو لوگوں نے آپ کے چہرے کے تغیر کا سبب پوچھا۔
امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:
ہاں! مجھے سولہ مرتبہ بچھو نے ڈنک مارا اور میں صبر کرتا رہا اور میرا صبر صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ کے احترام و تعظیم کی وجہ سے تھا۔
عبداللہ بن صالح نے کہا: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت لیث بغیر وضو کے حدیث مبارکہ نہیں لکھتے تھے۔
اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ
مستحب یہ ہے کہ بغیر وضو کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ نہ پڑھی جائیں اور اعمش جب بے وضو ہوتے حدیث مبارکہ بیان کرنے کا ارادہ کرتے تو تیمم کر لیا کرتے تھے۔ (الشفاء: ج:2،ص35 تا 39 مطبوعہ دار الفکر بیروت)
اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔
سو جو لوگ اس (نبی) پر ایمان لائے اور اس کی تعظیم کی اور اس کی نصرت اور حمایت کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ (الاعراف:157)
اس آیت کریمہ میں دو چیزیں بتائی گئی ہیں ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر جس پر سیر حاصل بحث ہوگئی ہے اور

کچھ آئندہ ہوگی۔ اور دوسری چیز یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کو اللہ تعالیٰ نے اتباع قرآن پر مقدم فرمایا ہے یہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کو قرآن مجید کے عمل پر مقدم رکھتے تھے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ط (النساء:29)

اور تم اپنی جانوں کو قتل نہ کرو۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ج (البقرہ:195)

اور تم اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

اس کے باوجود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غار ثور میں سانپوں کے بل پر اپنا پیر رکھ دیا سانپ ڈنک مارتے رہے لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا پیر نہیں ہٹایا۔

محب طبری ابو جعفر احمد متوفی 694ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے غار ثور میں پہنچے۔

پھر عرض کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے غار میں داخل نہ ہوں جب تک کہ اس میں، میں داخل نہ ہو جاؤں اگر اس میں کوئی مضر چیز ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مجھے ضرور لاحق ہو۔ وہ غار میں گئے تو انہیں کوئی چیز نظر نہیں آئی پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غار میں لے گئے اور غار میں جگہ جگہ سوراخ تھے انہوں نے اپنی قمیص پھاڑ کر اس کی دھجیاں ان سوراخوں میں بھر دیں اور ایک سوراخ باقی رہ گیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ خوف ہوا کہ کوئی سانپ نکل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء نہ پہنچائے انہوں نے باقی ماندہ سوراخ پر اپنا پیر رکھ دیا وہ سانپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ڈنک مار رہا تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ (الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ: ج:1 ص:106 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ احمد بن محمد قسطلانی متوفی 923ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے داخل ہوئے تاکہ کسی ناگہانی افتاد کو خود پر ڈال لیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ رہیں۔ انہوں نے غار میں ایک سوراخ دیکھا تو اس میں اپنی ایڑی داخل کر دی تاکہ اس میں سے کوئی چیز نکل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء نہ پہنچائے پھر سانپ ان کو ڈنک مارتا رہا اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گود میں سر رکھ کر سو گئے اس سوراخ سے

ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ڈنک مارا گیا اور انہوں نے بالکل حرکت نہیں کی لیکن آنسو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر گرے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ)! کیا ہوا؟

انہوں نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ فدا ہوں مجھے ڈنک مارا گیا ہے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن لگایا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تکلیف جاتی رہی۔ (المواہب اللدنیہ: ج:1 ص:149 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی 1252ھ لکھتے ہیں:

غار کی رات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے داخل ہونے دیجئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غار میں داخل ہوئے اور غار کی دیواروں میں ہاتھ لگا کر دیکھتے رہے اور جہاں سوراخ دیکھتے اپنی قمیض پھاڑ کر اس سوراخ کو بند کر دیتے حتیٰ کہ ان کی پوری قمیض پھٹ گئی اور ایک سوراخ رہ گیا اس میں انہوں نے اپنی ایڑی رکھ دی۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

میرے زانو پر سر رکھ کر آرام فرمائیں سانپ اور بچھو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ڈنک مارتے رہے اور انہوں نے بالکل جنبش نہیں کی مبادا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو جائیں لیکن ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے اور جب یہ آنسو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر گرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) غم نہ کرو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ (مدارج النبوت: ج:2، ص:58 مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

امام عبدالملک بن ہشام متوفی 218ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے نکلنے کا ارادہ کیا تو کسی کو اس کا علم نہیں تھا ماسوا حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور آل ابوبکر کے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں چھوڑ دیا تھا اور ان کو یہ حکم دیا تھا کہ لوگوں کی جو امانتیں آپ کے پاس ہیں وہ ان کو ادا کر دیں اس کے بعد مدینہ منورہ آجائیں اور مکہ مکرمہ میں جس شخص کے پاس بھی کوئی اہم چیز ہوتی تھی وہ اس کو آپ کے پاس رکھوا دیتا تھا کیونکہ سب لوگ آپ کی صداقت اور امانت پر یقین رکھتے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے نکلنے کا ارادہ کیا تو آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کے مکان کے پیچھے سے غار ثور کی طرف نکلے جو مکہ مکرمہ کے نشیب میں ایک پہاڑ ہے وہ دونوں اس پہاڑ میں داخل ہو گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے کہا تھا کہ وہ بغور سنیں کہ لوگ ان کے متعلق کیا باتیں کرتے ہیں

پھر شام کو آ کر ہمیں خبر دیں اور اپنے غلام عامر بن فہیرہ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ دن میں بکریاں چرائیں اور شام کو ان کے پاس جائیں اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا شام کو ان کے پاس کھانا لے کر آتی تھیں۔

امام ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رات کو غار میں پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غار میں داخل ہوئے اور غار کو ٹٹول کر دیکھا کہ اس میں کہیں سانپ یا بچھو تو نہیں ہے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے اثر سے محفوظ رکھیں۔ (سیرت ابن ہشام: ج:2، ص:99 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی 457ھ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی قسم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک رات اور ایک دن، عمر رضی اللہ عنہ کی تمام عمر سے افضل اور بہتر ہے کیا میں تمہیں ان کی ایک رات اور ایک دن کے متعلق بتاؤں؟

راوی نے کہا: ہاں!

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

رات تو وہ ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت فرمائی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلتے کبھی آگے چلتے کبھی دائیں چلتے کبھی بائیں چلتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ)! ایسا کیوں کر رہے ہو؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں طرف اس لیے چل رہا ہوں کہ اگر کوئی اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہو تو اس کا پہلا نشانہ میں بنوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس رات چلتے رہے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک پاؤں گھس گئے یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کندھوں پر اٹھالیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھا کر دوڑنا شروع کیا حتیٰ کہ غار ثور کے دہانہ پر پہنچ گئے وہاں انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتارا۔

اور عرض کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار میں داخل نہ ہوں پہلے میں داخل ہوں گا تاکہ اگر اس میں کوئی مضر چیز ہے تو پہلے مجھے اس کا ضرر پہنچے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غار میں گئے اور کوئی مضر چیز نہیں پائی۔ غار میں بہت سوراخ تھے جن میں مختلف اقسام کے سانپ تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ خوف ہوا کہ کہیں ان سوراخوں سے کوئی سانپ نکل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء نہ پہنچائے۔ انہوں نے سوراخ میں اپنا

م رکھ دیا سانپ ان کے پیر پر ڈنک مارنے لگے اور ڈسنے لگے اور تکلیف کی شدت سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے ابو بکر (رضی اللہ عنہ) غم نہ کرو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

یہ حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کی رات ہے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی: ج:2،ص:477 مطبوعہ بیروت)

امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم غار میں ہیں اگر کسی نے اپنے قدموں کے نشان کو دیکھا تو وہ ہمارے قدموں کے نشانوں کو بھی دیکھ لے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے ابو بکر (رضی اللہ عنہ)! تمہارا ان دونوں کے متعلق کیا گمان ہے جن کا تیسرا اللہ تعالیٰ ہے۔

نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

غار کی شب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے پہلے غار میں داخل ہونے دیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم داخل ہو۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ داخل ہو کر اپنے ہاتھ سے ٹٹول ٹٹول کر غار کے سوراخوں کو دیکھتے رہے پھر انہوں نے اپنے کپڑوں کو پھاڑ کر غار کے تمام سوراخ بند کر دیئے ایک سوراخ باقی رہ گیا تو اس میں اپنی ایڑی رکھ دی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

اے ابو بکر (رضی اللہ عنہ)! تمہارا کپڑا (قمیض) کہاں ہے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ بیان کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا فرمائی۔

اے اللہ عزوجل! ابو بکر کو جنت میں میرے ساتھ میرے درجہ میں رکھنا۔ (المنتظم: ج:2،ص:176 مطبوعہ دارالفکر بیروت) (سبل الہدی والرشاد: ج:3،ص:240 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ عبدالرحمان بن علی جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سوراخ پر اپنی ایڑی رکھ دی تو سانپ ان کی ایڑی میں ڈنک مارنے لگے اور حضرت

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔

اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! غم نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ تعالیٰ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل میں سکینہ نازل فرمایا۔ (الوفا: ج: 1، ص: 238 مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

امام ابوجعفر احمد المحب الطبری متوفی 694ھ لکھتے ہیں:

ابن سبحان نے کتاب الموافقہ میں بیان کیا ہے کہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غار میں داخل ہوئے اور اس میں جو سوراخ بھی دیکھا اس میں اپنی انگلی داخل کر دی حتیٰ کہ ایک بڑا سوراخ دیکھا اس میں ران تک اپنی ٹانگ داخل کر دی۔

پھر کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار میں آجائیے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جگہ تیار کر دی ہے۔ رات بھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ٹانگ میں ڈنک مارتے رہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بڑی تکلیف میں رات گزاری۔

صبح کو انہیں دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ)! یہ کیا ہوا؟ ان کی پوری ٹانگ سوجی ہوئی تھی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ سانپ کے ڈنک مارنے کا اثر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند کو خراب کرنا ناپسند کیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اپنا ہاتھ پھیرا تو ان کے جسم کا سارا درد جاتا رہا اور وہ بالکل ٹھیک ہو گئے۔ (الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ: ج: 1، ص: 102 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

مزید راقم ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک رات کی عظمت اور خصوصیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار ثور میں پہنچے۔

تو انہوں نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ... صلی اللہ علیہ وسلم پہلے داخل نہ ہوں پہلے میں داخل ہوتا ہوں تاکہ اگر

مضر چیز ہو تو اس کا ضرر مجھے لاحق ہو نہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غار میں داخل ہوئے تو اس میں بہت سوراخ تھے۔ انہوں نے اپنی چادر پھاڑ کر وہ تمام سوراخ بھر دیئے دو سوراخ باقی رہ گئے تو انہوں نے ان پر اپنا پیر رکھ دیا پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گود میں سر رکھ کر سو گئے۔ سانپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیر میں ڈنک مارنے شروع کر دیئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس ڈر کے مارے جنبش بھی نہیں کی کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار نہ ہو جائیں۔ ان کے آنسو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر گرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کیا ہوا؟

انہوں نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ فدا ہوں مجھے سانپ نے ڈس لیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیر پر لعاب دہن لگایا تو ان کی تمام تکلیف دور ہو گئی۔ (الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ: ج:1، ص:104 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ)

علامہ علی بن برہان الدین حلبی متوفی 1044ھ لکھتے ہیں:

روایت کیا گیا ہے کہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے غار میں داخل ہوئے تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرر سے بچا رکھیں۔ انہوں نے ایک سوراخ دیکھا تو اس میں اپنی ایڑی رکھ دی تا کہ اس میں سے کوئی سانپ نکل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرر نہ پہنچائے پھر سانپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایڑی پر ڈنک مارنے لگے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

ایک روایت میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا جب سانپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایڑی پر ڈنک مارا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آنسو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر گرے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

اے ابوبکر رضی اللہ عنہ کیا ہوا؟

انہوں نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ فدا ہوں مجھے سانپ نے کاٹ لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ لعاب دہن لگا دیا اس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تکلیف جاتی رہی۔ (انسان العیون: ج:2، ص:205 مطبوعہ مصر)

امام عبد الملک ابن ہشام متوفی 218ھ لکھتے ہیں:

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تین دن غار میں رہے اور قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس لانے کے لئے ایک سو اونٹ کا انعام مقرر کر دیا تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ بن ابی بکر دن میں قریش کی باتیں سنتے جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق کرتے تھے اور شام کو آکر ان کی خبر پہنچاتے تھے۔ عبداللہ بن ابی بکر کے جانے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ اس جگہ بکریوں کو لے جاتے اور بکریوں کے چلنے کی وجہ سے عبداللہ بن ابی بکر کے غار کے پاس چلنے کے نشان مٹ جاتے اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا تین دن تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے کھانا پہنچاتی رہیں پھر تین دن کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار سے نکل کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ (سیرت ابن ہشام: ج:2،ص 99 تا 100 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

قریش جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈنے میں ناکام ہو گئے تو وہ کھوجی کو لائے جو قدموں کے نشان سے اپنے ہدف تک پہنچتا تھا حتی کہ وہ شخص غار پر جا کر ٹھہر گیا۔

اس نے کہا: یہاں آکر نشانات ختم ہو گئے ہیں مکڑی نے اسی وقت غار کے منہ پر جالا تن دیا تھا اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکڑی کو مارنے سے منع فرمایا ہے جب انہوں نے مکڑی کے جالے کو دیکھا تو ان کو یقین ہو گیا کہ اس غار میں کوئی نہیں ہے اور وہ واپس چلے گئے۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:8،ص:75 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

☆ اور اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى (البقرہ:238)

سب نمازوں کی پابندی کرو اور درمیانی نماز کی۔

اس آیت کریمہ میں خصوصیت کے ساتھ عصر کی نماز کی پابندی کا حکم فرمایا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کی نماز ترک کر دی۔

امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی متوفی 321ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی جا رہی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی کہ سورج غروب ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے علی (رضی اللہ عنہ) تم نے نماز پڑھ لی ہے؟

انہوں نے کہا: نہیں!

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی۔

اے اللہ عزوجل! یہ تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا اس پر سورج کو لوٹا دے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

میں نے دیکھا کہ سورج غروب ہو گیا تھا پھر میں نے اس کو غروب کے بعد طلوع ہوتے ہوئے دیکھا۔

(مشکل الآثار: رقم الحدیث: 3850)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام صہباء میں ظہر کی نماز پڑھی پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی کام سے بھیجا وہ واپس آ گئے۔ اس اثناء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (عصر کی) نماز پڑھ چکے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں سر رکھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حرکت نہیں کی حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔

تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی۔

بے شک تیرے بندے علی (رضی اللہ عنہ) نے اپنے نفس کو تیرے نبی پر روک لیا تھا سو اس پر سورج کی روشنی لوٹا دے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

سورج طلوع ہو گیا حتیٰ کہ اس کی روشنی پہاڑوں اور زمین پر واقع ہوئی پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اٹھے انہوں نے وضو کیا عصر کی نماز پڑھ لی پھر سورج غروب ہو گیا یہ واقعہ صہباء میں ہوا تھا۔ (مشکل الآثار: رقم الحدیث: 3851)

☆اس کی تیسری مثال قرآن مجید کی یہ آیت ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ط (المائدہ:6)

اے ایمان والو! جب نماز کے لئے کھڑے ہونے کا ارادہ ہو تو اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پیروں کو ٹخنوں سمیت دھو لو۔

اس آیت کریمہ کی رو سے بغیر وضو کے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے حالانکہ ایک سفر پر جو مسلمان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار ڈھونڈنے گئے ہوئے تھے انہوں نے پانی نہ ہونے کی وجہ سے بغیر وضو کے نماز پڑھ لی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں گئے جب ہم مقام بیداء یا ذات الجیش میں پہنچے تو میرا ہار ٹوٹ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ڈھونڈنے کے لئے قافلہ کو ٹھہرا دیا اور لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ٹھہر گئے۔ اس

جگہ پانی نہ تھا نہ لوگوں کے پاس تھا۔

تب لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگے۔

کیا آپ رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کارنامے کو نہیں دیکھ رہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگوں کو ٹھہرالیا اور اس جگہ نہ پانی ہے نہ لوگوں کے پاس پانی ہے۔ تب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے زانو پر سر رکھے ہوئے سو رہے تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگوں کو ٹھہرالیا اور اس جگہ نہ پانی ہے اور نہ لوگوں کے پاس پانی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھے ڈانٹتے رہے اور جو اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ کہتے رہے اور وہ اپنے ہاتھ سے میری کوکھ کو مروڑ رہے تھے اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر میرے زانو پر تھا اس لیے میں ہل نہیں سکتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے رہے حتیٰ کہ بغیر پانی کے صبح ہوگئی۔ تب اللہ تعالیٰ نے تیمّم کی آیت نازل فرمائی اور مسلمانوں نے تیمم کرلیا۔

اس وقت حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے آل ابی بکر (رضی اللہ عنہ) یہ کوئی تمہاری پہلی برکت تو نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر میں سوار تھی تو ہمیں اس کے نیچے سے ہار مل گیا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 334)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

انہوں نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے عاریۃً ہار لیا وہ ان سے گم ہو گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب میں سے کچھ لوگوں کو اسے ڈھونڈنے کے لئے بھیجا پھر صبح کی نماز کا وقت آ گیا تو انہوں نے بغیر وضو کے نماز پڑھ لی اور جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو انہوں نے اس کی شکایت کی تب اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل کردی۔

اس وقت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے) کہا۔

اللہ تعالیٰ آپ رضی اللہ عنہا کو جزائے خیر دے جب بھی آپ پر کوئی مصیبت نازل ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس سے نجات کی راہ پیدا کردی اور مسلمانوں کے لئے اس میں برکت رکھ دی۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 795)

حضرت ھود علیہ السلام کا قوم عاد کو خود کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول فرمانا

حضرت ھود علیہ السلام نے قوم عاد کو فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ (الاعراف:67)

لیکن میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ۝ (الشعراء:125)

بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔

حضرت ھود علیہ السلام کا قوم عاد کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا فرمانا

حضرت ھود علیہ السلام نے قوم عاد کو فرمایا اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ۝ (ھود:50)

انہوں نے کہا! میری قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے تم اللہ پر (شریک کا) محض بہتان باندھنے والے ہو۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ۝ (الاعراف:65)

(ھود) انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے تو کیا تم نہیں ڈرتے۔

حضرت ھود علیہ السلام کا قوم عاد کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اپنی اطاعت کرنے کا فرمانا

حضرت ھود علیہ السلام نے قوم عاد کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اپنی اطاعت کرنے کا حکم فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ۝ (الشعراء:126)

سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

حضرت ھود علیہ السلام کو چالیس سال کے بعد تبلیغ کی اجازت ملی

حضرت ھود علیہ السلام کو چالیس سال کے بعد تبلیغ کی اجازت عطا فرمائی گئی۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

حضرت ھود علیہ السلام کو بھی چالیس سال بعد تبلیغ کی اجازت ملی چالیس سال تک آپ علیہ السلام عبادت وریاضت میں مشغول رہے۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:158 نعیمی کتب خانہ لاہور)

نبی کو کب مبعوث کیا جاتا ہے

نبی کے مبعوث ہونے میں چند اقوال ہیں۔

علامہ علی بن محمد الماوردی متوفی 450ھ لکھتے ہیں:

زین بن اسلم نے کہا: اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں کیا حتیٰ کہ وہ چالیس سال کی عمر کو پہنچ گیا۔

(النکت والعیون: ج:5، ص:277 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں: مفسرین نے کہا ہے کہ

جس نبی کو بھی مبعوث کیا گیا ہے تو اس کو چالیس سال کے بعد مبعوث کیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ

اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اشکال ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی عمر کے اول میں ہی نبی بنا دیا تھا۔

مگر اس کا جواب یہ ہے کہ

اغلب یہ ہے کہ ان پر وحی آنے کا سلسلہ چالیس سال کے بعد شروع ہوا اور ہمارے رسول سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی معاملہ اسی طرح ہوا تھا۔ (تفسیر کبیر: ج:10، ص:18 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قاضی عبد اللہ بن عمر البیضاوی متوفی 685ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ

جس کو بھی نبی بنایا گیا ہے چالیس سال کے بعد نبی بنایا گیا ہے۔

(تفسیر البیضاوی مع الخفاجی: ج:8، ص:470 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ محمد بن مصلح الدین القوجوی حنفی متوفی 951ھ لکھتے ہیں:

علامہ بیضاوی نے کہا ہے کہ ہر نبی کو چالیس سال کے بعد مبعوث کیا جاتا ہے۔ اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اشکال ہوتا ہے کہ ان کو بچپن کی ابتداء ہی میں نبی بنا دیا گیا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اغلب یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر وحی چالیس سال کے بعد کی جاتی ہے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی اسی طرح ہوا تھا۔ (حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی: ج:7، ص:599 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

قاضی ابو السعود محمد بن محمد الحنفی متوفی 982ھ لکھتے ہیں:

کہا گیا ہے کہ

کسی نبی کو چالیس سال سے پہلے مبعوث نہیں کیا جاتا۔ (تفسیر ابوالسعود: ج:6،ص:73 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی 1137ھ لکھتے ہیں:

کہا گیا ہے کہ

کسی نبی کو چالیس سے پہلے مبعوث نہیں کیا گیا۔

اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام سے اعتراض ہوتا ہے کیونکہ ان کو چالیس سال سے پہلے مبعوث کیا گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

یہ غالب اور اکثری قاعدہ ہے کلیہ نہیں ہے۔

(روح البیان: ج:8،ص:639 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

ایک جماعت نے یہ تصریح کی ہے کہ اعم اور اغلب یہ ہے کہ نبی کو چالیس سال کے بعد مبعوث کیا جاتا ہے جیسا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے واقع ہوا ہے۔

(روح المعانی: جز:26،ص:30 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

علامہ محمود بن عمر زمخشری الخوارزمی متوفی 538ھ لکھتے ہیں:

ہر نبی کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیا جاتا ہے۔

(الکشاف: ج:3،ص:402 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

امام محمد بن عمر فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں: روایت ہے کہ

ہر نبی کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیا گیا ہے اور اس کی حکمت ظاہر ہے کیونکہ جب انسان چالیس سال کی عمر میں پہنچ جاتا ہے تو اس کے غضب اور شہوت کی قوت کم ہونے لگتی ہے اور اس کی عقل بڑھنے لگتی ہے اور اس وقت انسان جسمانی اعتبار سے کامل ہو جاتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کرنے کے لئے اس عمر کو اختیار فرمایا۔

(تفسیر کبیر: ج:8،ص:583 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

علامہ احمد خفاجی حنفی متوفی 1069ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں نبوت عطا کی۔

وَ اٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّاۙ (مریم:12)

اور ہم نے اس کو بچپن میں نبوت عطا کی۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تینتیس (33) سال کی عمر میں مبعوث کیا گیا اور چالیس سال کی عمر میں آسمانوں پر اٹھایا گیا

اس لیے چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا کرنے یا مبعوث کیے جانے کا حکم تغلیبی ہے (یعنی یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے اکثر یہ ہے

(عنایۃ القاضی: ج:7،ص:285 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی 1137ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء کرام نے کہا ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث کرنے کے لئے چالیس سال کی عمر کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تینتیس (33) سال کی عمر میں نبی بنایا گیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو اٹھارہ (18) سال کی عمر میں (جب ان کو کنویں میں گرایا گیا تھا) نبی بنایا گیا تھا کیونکہ اس وقت ان پر یہ وحی کی گئی تھی۔

وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ٥ (یوسف:15)

اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ (گھبراؤ نہیں) عنقریب تم ان کو ان کے سلوک سے آگاہ کرو گے اور ان کو اس کی خبر بھی نہیں ہوگی۔

جمہور علماء کے نزدیک یہ وحی نبوت تھی اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بالغ ہونے سے پہلے نبوت دی گئی۔

(روح البیان: ج:6،ص:498 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

امام ابوالحسین بن مسعود بغوی شافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کو پہنچ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنایا گیا۔

(معالم التنزیل: ج:4،ص:195 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

امام علی بن احمد واحد متوفی 468ھ نے کہا ہے کہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال کی ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنایا گیا۔ (الوسیط: ج:4،ص:107

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال تھی۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:16،ص:181 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

علامہ علی بن محمد خازن متوفی 725ھ لکھتے ہیں:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال کو پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا اکرام فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت کے ساتھ خاص کرلیا۔ (تفسیر خازن: ج:4،ص:125 مطبوعہ دارالکتب العربیہ پشاور)

علامہ ابراہیم بن عمر البقاعی متوفی 885ھ لکھتے ہیں:

اسی وجہ سے چالیس سال کی عمر انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا وقت ہے۔

(نظم الدرر: ج:7،ص:128 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی 1367ھ لکھتے ہیں:

جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف چالیس سال کی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت و رسالت کے ساتھ سرفراز فرمایا۔ (خزائن العرفان علی ہامش کنز الایمان: ص: 801 مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور)

میں کہتا ہوں کہ

ہمارے نبی مکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف چالیس سال کی عمر میں نبی تھے نہ صرف بچپن میں نبی تھے نہ صرف حضرت آدم علیہ السلام کے روح اور جسم کے درمیان ہونے کے وقت نبی تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم ارواح میں جب انبیاء کرام علیہم السلام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کی گواہی لی جارہی تھی اس وقت بھی نبی اور رسول تھے۔ اور تخلیق کائنات سے پہلے بھی نبی اور رسول تھے۔

بچپن میں نبی ہونے پر دلائل حسب ذیل ہیں۔

عتبہ بن عبد السلمی نے بیان کیا ہے کہ

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا؟

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی پہلی نشانی کیا تھی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں بنو سعد بن بکر کے ہاں اپنی دایہ کے پاس تھا میں اوران کا بیٹا بکریاں چرانے گئے ہم نے اپنے ساتھ ناشتہ نہیں لیا تھا۔ میں نے کہا: اے بھائی جاؤ! ہماری ماں کے پاس سے ناشتہ لے کر آ ؤ۔ میرا بھائی چلا گیا اور میں بکریوں کے پاس رہا پھر گدھ کی طرح دو سفید پرندے آئے۔

ایک نے دوسرے سے کہا۔

کیا یہ وہی ہے؟

اس نے کہا: ہاں! پھر وہ دونوں میری طرف جھپٹے۔ ان دونوں نے مجھے پکڑ کر زمین پر پیٹھ کے بل گرادیا پھر انہوں نے میرا پیٹ چاک کیا اور میرا دل نکالا اور اس سے دو سیاہ لوتھڑے نکالے۔

پھر ایک نے دوسرے سے کہا۔

برف کا پانی لاؤ! پھر انہوں نے اس پانی سے میرے پیٹ کو دھویا۔

پھر کہا:

ٹھنڈا پانی لاؤ۔

پھر کہا:

چھری لاؤ، پھر ٹھنڈا پانی میرے دل پر چھڑکا۔

پھر کہا:

اس دل کو سیر کر اور اس پر نبوت کی مہر لگا دو۔

پھر ایک نے دوسرے سے کہا۔

ان کو ایک پلڑے میں رکھو اور ان کی امت کو دوسرے پلڑے میں رکھو۔ پھر میں اپنے اوپر ہزاروں آدمیوں کو دیکھ رہا تھا اور مجھے ڈر تھا کہ ان میں سے بعض مجھ پر گر پڑیں گے۔

پھر ان میں سے کسی نے کہا: اگر ان کا امت کے ساتھ وزن کیا گیا تو ان کا پلڑا بھاری ہوگا۔ پھر میں اپنی رضاعی ماں کے پاس گیا اور ان کو اس واقعہ کی خبر دی ان کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں مجھ پر افتاد آ جائے گی۔

انہوں نے کہا: میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی پناہ دیتی ہوں وہ اپنے اونٹ پر سوار ہوئیں اور مجھے اپنے پیچھے پالان پر بٹھا دیا حتیٰ کہ ہم میری والدہ تک پہنچ گئے۔

میری رضاعی ماں نے کہا: کیا میں نے اپنی امانت ادا کر دی اور اپنے ذمہ کو پورا کر دیا۔

اور وہ واقعہ بیان کیا جو مجھے پیش آیا تھا۔ میری والدہ اس سے خوفزدہ نہیں ہوئیں۔

اور ارشاد فرمایا:

میں نے دیکھا تھا کہ مجھ سے ایک نور نکلا تھا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے تھے۔

(مسند احمد: رقم الحدیث: 17648)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور وہ سوال پر بہت حریص تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چیزوں کے متعلق سوال کرتے تھے جن کے متعلق دوسرے سوال نہیں کرتے تھے۔

انہوں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ابتداء کیسے ہوئی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب تم نے یہ سوال کیا ہے تو سنو! میں دس سال کی عمر میں صحراء میں جا رہا تھا میں نے اپنے اوپر دو آدمیوں کی بات سنی۔

ان میں سے ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا۔

کیا یہ وہی ہے؟

دوسرے نے کہا: ہاں! ان دونوں نے مجھے پکڑ کر گرا دیا پھر میرا پیٹ شق کیا حضرت جبرائیل علیہ السلام سونے کے طشت میں پانی لا رہے تھے اور حضرت میکائیل علیہ السلام میرے پیٹ کو دھو رہے تھے۔

پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا

ان کا سینہ چیرو اور جب میرا سینہ چیرا گیا تو مجھے کوئی درد نہیں ہوا۔

پھر کہا:

ان کا دل چیرو پھر میرا دل چیرا گیا۔

پھر کہا:

اس میں سے کینہ اور حسد نکال دو پھر جمے ہوئے خون کے مشابہ کوئی چیز نکال کر پھینک دی گئی۔

پھر کہا:

ان کے دل میں شفقت اور رحمت داخل کر دو۔ پھر چاندی کی مثل کوئی چیز داخل کی ان کے پاس کوئی سفوف تھا اس کو چھڑکا۔

پھر میرے انگوٹھے کو نرمی سے دبا کر کہا۔

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جائیں۔ پھر میرے دل میں چھوٹوں کے لئے بہت رحمت اور بڑوں کے لئے دل میں بہت نرمی تھی۔

(مجمع الزوائد: رقم الحدیث: 13543)

ان دونوں صحیح احادیث مبارکہ میں اس امر کی تصریح کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عالم عناصر میں بچپن میں نبوت دی گئی اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نبی ہونے کا کیسے یقین ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شق صدر کے اس مذکورہ بالا واقعہ سے اپنی نبوت پر استدلال فرمایا سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچپن میں بھی نبی تھے البتہ چالیس سال کی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلان نبوت کا حکم دیا گیا۔

مذکورہ روایت میں یہ تصریح ہے کہ جب بچپن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا اور جو شخص نبی نہ ہو اور وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھے وہ آخر عمر میں نابینا ہو جاتا ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سو گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد تھا۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر دیکھا اور ارشاد فرمایا:

اے میرے پیارے! تم کب آئے؟

انہوں نے کہا: ایک ساعت ہوئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

کیا تم نے میرے پاس کسی شخص کو دیکھا؟

انہوں نے کہا: ہاں! میں نے ایک مرد کو دیکھا!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ جبرائیل علیہ السلام تھے اور جبرائیل علیہ السلام کو مخلوق میں سے جو بھی دیکھے گا وہ نابینا ہو جائے گا سوا اس کے کہ وہ نبی ہو لیکن تم کو آخر عمر میں نابینا کیا جائے گا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے دعا کی۔

اے اللہ عزوجل! اس کو تاویل کا علم عطا کر اور اس کو دین کی سمجھ عطا فرما اور اس کو اہل ایمان سے رکھ۔

(المستدرک: رقم الحدیث: 6287)

علامہ ابن حجر مکی متوفی 974ھ لکھتے ہیں:

جو شخص نبی نہ ہو اور وہ اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھنے میں منفرد ہو وہ آخر عمر میں نابینا ہو جاتا ہے۔ (فتاویٰ الحدیثیہ: ص: 91 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچپن میں نبی نہ ہوتے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھنے کی وجہ سے اپنے ارشاد کے مطابق آخر عمر میں نابینا ہو جاتے اور جبکہ ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچپن میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا تھا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی تھے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں نبوت دی گئی تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے زیادہ لائق ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچپن میں نبی ہوں۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

حضرت یحییٰ علیہ السلام کو سات یا دو یا تین سال کی عمر میں نبوت دی گئی اور اکثر انبیاء کرام علیہم السلام کو چالیس سال سے پہلے نبی نہیں بنایا گیا۔

(روح المعانی: جز: 16، ص: 105 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یہی علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

جب بعض انبیاء کرام علیہم السلام کو بچپن میں دو یا تین سال کی عمر میں نبوت دی گئی ہے تو ہمارے نبی مکرم سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ لائق ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بچپن میں اس نوع کی نبوت دی جائے اور جس کو سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کا علم ہے اور اس کی تصدیق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے وہ حبیب ہیں جو اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے تو وہ اس کو مستبعد نہیں قرار دے گا۔

(روح المعانی: جز: 25، ص: 92 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تخلیق کائنات سے پہلے بھی نبی تھے اور عالم ارواح میں بھی نبی تھے جس کے دلائل حسب ذیل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبوت کب واجب ہوئی۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3609)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی 1014ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
یعنی اس حال میں میرے لیے نبوت واجب ہوگئی جب حضرت آدم علیہ السلام کا جسم زمین پر بغیر روح کے رکھا ہوا تھا اس معنی یہ ہے کہ ابھی حضرت آدم علیہ السلام کی روح کا تعلق ان کے جسم کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔

(مرقاۃ المفاتیح: ج:10، ص:28 مکتبہ حقانیہ پشاور)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
میں اس حال میں نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(معجم الکبیر: رقم الحدیث: 833)

ایک اور روایت میں ہے:
میں تخلیق میں تمام نبیوں سے پہلا ہوں اور بعثت میں آخر ہوں۔

(دلائل النبوۃ: رقم الحدیث: 3)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور اس وقت حضرت آدم علیہ السلام اپنی مٹی کے خمیر میں تھے اور میں عنقریب تم کو اپنی ابتداء کے متعلق بتاؤں گا۔ (میں) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور میں اپنی ماں کا وہ خواب ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا ان کے لیے ایک نور نکلا جس سے ان کے لئے شام کے محلات روشن ہو گئے۔

(مسند البزار: رقم الحدیث: 2365)

امام محمد بن سعد متوفی 230ھ روایت کرتے ہیں۔
حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کب نبی تھے؟
لوگوں نے کہا: چپ کر چپ کر۔
تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اس کو چھوڑ دو میں نبی تھا اور اس وقت حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔
ابوالجد عا سے روایت ہے کہ
میں نے عرض کیا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کب نبی تھے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جس وقت حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔
مطرف بن عبداللہ سے روایت ہے کہ
ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کب نبی تھے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب آدم علیہ السلام روح اور مٹی کے درمیان تھے۔
عامر سے روایت ہے کہ
ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کب نبی بنایا گیا؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب مجھ سے میثاق لیا گیا اس وقت حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(الطبقات الکبریٰ: ج:1، ص:118 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی مالکی متوفی 543ھ لکھتے ہیں:
اللہ سبحانہ نے سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کئی وجوہ سے نبوت کو واجب فرمایا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اس لیے واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں جیسا کہ ہر
کا وجود اللہ تعالیٰ کے علم سے واجب ہے [illegible] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی [illegible] وقت واجب ہوئی جب اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا

اور اس نے ارشاد فرمایا:

لکھ تو اس نے قیامت تک ہونے والی ہر چیز کو لکھا سو اس میں سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کریمہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ شریفہ کے ساتھ ذکر تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبوت اس وقت واجب ہوئی جب حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا بنا کر زمین پر رکھا گیا اور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے وجوب کے ذکر میں یہ حکمت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قول میں تھی فعل میں نہیں تھی اور جب حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بالفعل ہوگئی کیونکہ اصل کی تخلیق فرع کی تخلیق ہے خصوصاً جب حضرت آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کو ان کی پشت سے نکالا گیا تو وہ سب زندہ موجود تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اپنی ربوبیت پر شاہد بنایا۔ (عارضۃ الاحوذی: ج:7، جز:13، ص:87 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا جب حضرت آدم علیہ السلام اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے۔ (شرح السنۃ: رقم الحدیث: 3626)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی 1052ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس جگہ یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت جو تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے تھی اس سے کیا مراد ہے؟ اگر اس سے یہ مراد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سبحانہ کے علم میں اس وقت نبی تھے تو اس پر یہ اشکال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تو اس وقت تمام انبیاء کرام علیہم السلام نبی تھے اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بالفعل نبی تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بالفعل نبی ہونا تو دنیا میں تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اس سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود عنصری سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا فرشتوں اور روحوں پر اظہار ہے جیسا کہ احادیث مبارکہ میں وارد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم شریف عرش پر آسمانوں پر جنت کے محلات اور ایوانوں پر، حوران بہشت کے سینوں پر، درختوں کے پتوں پر، جنت کے درختوں پر اور فرشتوں کی بھوؤں اور آنکھوں پر لکھا ہوا ہے۔

اور بعض عارفین نے کہا ہے کہ

اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح شریف نبی تھی اور عالم ارواح میں روحوں کی تربیت کر رہی تھی جیسا کہ اس عالم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم شریف اجسام کی تربیت کر رہا ہے اور یہ چیز ثابت ہے کہ ارواح کو اجسام سے پہلے پیدا کیا گیا ہے۔

(اشعۃ اللمعات: ج:4، ص:474 تا 475 مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ)

علامہ عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی حنفی متوفی 973ھ لکھتے ہیں:
اگر تم یہ پوچھو کہ آیا سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کو بھی اس وقت نبوت دی گئی جب حضرت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ
ہم تک یہ حدیث مبارکہ نہیں پہنچی کہ کسی اور کو بھی یہ مقام دیا گیا باقی انبیاء کرام علیہم السلام صرف اپنی رسالت کے ایام محسوسہ میں ہی نبی تھے اگر تم یہ پوچھو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں نہیں فرمایا کہ میں اس وقت بھی انسان تھا یا اس وقت بھی موجود تھا۔
تو اس کا جواب یہ ہے کہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ نبوت کا ذکر یہ بتانے کے لئے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے پہلے نبوت دی گئی کیونکہ نبوت اسی وقت ملتی ہے جو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وقت مقرر ہوتا ہے۔
نیز علامہ شعرانی نے لکھا ہے کہ
شیخ محی الدین ابن عربی نے الفتوحات المکیہ میں لکھا ہے کہ
تمام انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم السلام کے مدد طلب کرنے کی جگہ سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی قطب الاقطاب ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تمام اولین اور آخرین لوگوں کی مدد کرنے والے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہر نبی اور ولی کی مدد کرنے والے ہیں خواہ ان کا ظہور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیب میں تھے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم شہادت میں ظاہر ہو گئے اور یا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم برزخ میں منتقل ہو چکے ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے انوار متقدمین اور متاخرین کے عا[illegible] ت[illegible] منقطع نہیں ہوئے۔
ا[illegible] م یہ کہو ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ
[illegible]ند تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا۔
اور ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا تو ان میں کس طرح تطبیق ہوگی۔
اس کا جواب یہ ہے کہ
ان دونوں حدیثوں کا معنیٰ واحد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کو پیدا[illegible] اور اس حقیقت کو کبھی عقل سے تعبیر فرمایا اور کبھی نور سے۔ (الیواقیت والجواہر، ص:339 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)
علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

بلکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وجود کا فیضان کرنے کے لئے تمام موجودات کے لئے وسیلہ ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے واسطہ سے تمام مخلوق پر جو فیضان ہوا ہے اس کے لئے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم وسیلہ ہیں کیونکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار کی شعاعیں ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار کے عکوس ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی النور الحق اور النبی المطلق ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم علیہ السلام مٹی اور پانی کے درمیان تھے اور جب انبیاء کرام علیہم السلام ارحام اور اصلاب کے حجاب میں تھے اس وقت بھی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض لے رہے تھے اور اس وقت بھی جب وہ اس عالم میں ظاہر ہوئے اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجاب میں تھے جیسے جب رات کو ستارے ظاہر ہوتے ہیں اور سورج ظاہر نہیں ہوتا لیکن وہ ستارے اسی کے فیض سے روشن ہوتے ہیں اور جب سورج ظاہر ہوتا ہے تو ستارے چھپ جاتے ہیں اس طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں جلوہ گر ہوئے تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام چھپ گئے اور ان کی شریعتیں منسوخ ہو گئیں اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت باقی رہی۔

(روح المعانی: جز:15، ص:183 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نیز سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"الست بربکم"

تو سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح نے بلیٰ کہا۔

(روح المعانی: جز:9، ص:162 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

شیخ تقی الدین سبکی نے اپنی کتاب (التعظیم والمنۃ) میں "لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ" (آل عمران: 81) کی تعزیر میں لکھا ہے۔

اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کی بلندی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رتبہ عالیہ کی جو عظمت ہے وہ مخفی نہیں ہے اور اس کے ساتھ آیت میں یہ بات بھی موجود ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ان کے زمانے میں ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کی طرف رسول ہوتے۔ سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر قیامت تک جمیع مخلوق کو عام ہے اور سب انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "بعثت الی الناس کافة" (مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر قیامت تک کے لوگوں کے لئے مخصوص نہیں بلکہ اس سے پہلے لوگوں کو بھی شامل ہے اور اس سے صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی بھی وضاحت ہو گئی۔

کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد

(میں نبی تھا اور ابھی آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے)

اور جس شخص نے اس حدیث کا یہ مطلب بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم علم الٰہی عزوجل میں نبی تھے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مستقبل میں نبی ہوں گے۔ اس کی اس معنیٰ تک رسائی نہیں ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم تو جمیع اشیاء کو محیط ہے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت نبوت سے موصوف کرنا اس مفہوم کو چاہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اس وقت میں ثابت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اقدس کو عرش پر لکھا ہوا دیکھا ''محمد رسول اللہ'' لہٰذا ضروری ہے کہ اس حدیث مبارکہ کا یہ معنیٰ ہو کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت متحقق تھی اور اگر اس سے مراد فقط علم ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مستقبل میں نبی ہوں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی کوئی خصوصیت نہیں رہے گی کہ ''میں اس وقت نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے'' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت کو اس وقت اور اس سے پہلے جانتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خصوصیت کو ثابت اور متحقق مانا جائے اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس خصوصیت سے آگاہ فرمایا تا کہ امت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مرتبہ کی معرفت حاصل ہو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے پھر انہیں اس معرفت کے ذریعے خیر حاصل ہو۔ پس اگر تم کہو کہ ہم ارادہ رکھتے ہیں کہ ہم اس اضافی رتبہ کو سمجھیں تو (ہم بتلاتے ہیں کہ) بے شک نبوت ایک صفت ہے جس کے لئے موصوف کا ہونا ضروری ہے اور موصوف چالیس برس کے بعد ہوگا تو کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجنے سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے متصف کیا جا سکتا ہے؟ پس اگر یہ اتصاف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صحیح ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر کے لئے بھی اسی طرح صحیح ہوگا۔

ہم کہتے ہیں کہ

بے شک احادیث مبارکہ میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روحوں کو جسموں سے پہلے پیدا فرمایا ہے لہٰذا ''کنت نبیا'' الفاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی روح کی طرف اشارہ فرمایا یا اپنی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا اور حقائق کو سمجھنے سے ہماری عقلیں قاصر ہیں۔ حقائق کو صرف ان کا خالق جانتا ہے یا وہ نفوس مبارکہ جانتے ہیں نور الٰہی عزوجل جن کی مدد کرتا ہے۔ ان حقائق میں سے کسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے جس وقت چاہا کوئی (وصف) عطا فرما دیا۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت جو تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے موجود تھی اللہ تعالیٰ نے اس کو وصف نبوت عطا فرمایا اور اسی وقت اس کو فیض عطا فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہو گئے اور باری تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم کو عرش پر لکھ دیا اور ملائکہ اور دیگر مخلوق کو اس سے آگاہ کر دیا تا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ ہے وہ اسے پہچان لیں۔ سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت اسی وقت موجود تھی اگر چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کا ظہور بعد میں ہوا۔ فی الجملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت اسی وقت سے بارگاہ الٰہیہ عزوجل سے اوصاف شریفہ سے متصف ہے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور تبلیغ کو مؤخر رکھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر اس کمال کو پہنچا جس سے (ظاہری) تبلیغ کا حصول ممکن ہوا اسی طرح بارگاہ الٰہی عزوجل

پہنچنے والی ہر چیز موٴخر رکھی گئی جس کا تعلق جسم شریف کے کمال کے ساتھ ہو سکتا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت معجّل ہے اس میں کوئی تاخر نہیں اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کے حاصل ہونے اور کتاب وحکمت کے عطا ہونے میں بھی کوئی تاخر نہیں ہے تاخر صرف بعثت فرمانے اور دنیا میں جلوہ گر ہونے میں ہے۔

(الخصائص الکبریٰ: ج:1 ص8 تا 11 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ عبدالوہاب شعرانی حنفی متوفی 973ھ لکھتے ہیں:

اگر تم یہ سوال کرو کہ کیا سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کو بھی اس وقت نبوت دی گئی جب حضرت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

ہم تک یہ حدیث مبارکہ نہیں پہنچی کہ کسی اور کو اس وقت نبوت عطا کی گئی دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنے ایام رسالت محسوسہ میں نبی بنائے گئے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں فرمایا میں اس وقت نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں نہیں فرمایا۔

میں اس وقت انسان تھا یا موجود تھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت سے نبوت کا ذکر کر کے اس طرف اشارہ فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے پہلے نبوت دی گئی کیونکہ نبوت اسی وقت متحقق ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر کی ہوئی شریعت کی معرفت ہو جائے۔ (الیواقیت والجواہر: ص:338 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی متوفی 1340ھ لکھتے ہیں:

علامہ شمس الدین ابن الجوزی اپنے رسالہ میلاد میں ناقل ہیں کہ

حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جناب مولیٰ المسلمین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے فرمایا:

اے ابوالحسن! بے شک (سیدنا) محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم رب العٰلمین کے رسول ہیں اور پیغمبروں کے خاتم اور روشن رو روشن دست و پا والوں کے پیشوا تمام انبیاء کرام علیہم السلام و رسل عظام علیہم السلام کے سردار نبی ہوئے جبکہ آدم علیہ السلام آب وگل میں تھے۔ (تجلی الیقین: ص:8 حامد اینڈ کمپنی لاہور)

حضرت ھود علیہ السلام نے پہلی تبلیغ میں قوم عاد کو کیا فرمایا

حضرت ھود علیہ السلام نے قوم کو پہلی تبلیغ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور بتوں کی عبادت نہ کرنے کا حکم فرمایا۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

آپ علیہ السلام کی قوم بت پرست تھی اس لیے آپ علیہ السلام نے پہلی تبلیغ میں فرمایا اے میری قوم عبادت کرو تم اللہ تعالیٰ کی اس کی وجہ یہ ہے کہ کائنات بجز میں اس کے کوئی بھی معبود نہیں تمہاری عبادت کے لائق وہی ہے نہ کہ اس کا غیر لہٰذا اسی کے لئے عبادت خاص کردو یہ جو کچھ تم بت پرستی کرتے یہ تمہاری خود ساختہ چیزیں ہیں یا بناوٹی عقیدے ہیں یا ہاتھ کے بنائے ہوئے بت ہیں اپنے ہاتھ سے بنا کر پھر ان ہی کو کہتے ہو کہ یہ بت جن کو ہم نے بنایا ہے ہمارے خالق ہیں یہ کیسی عقل میں آنے والی حماقت ہے جو تم کرتے ہو یا یہ افتراء ہے کہ تم کہتے ہو بت پرستی کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:158 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

قوم عاد کے سرداروں کا حضرت ھود علیہ السلام کو حماقت میں مبتلا کہنا

جب حضرت ھود علیہ السلام نے قوم عاد کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور بتوں کی عبادت سے منع فرمایا تو قوم کے سرداروں نے کہا ہم آپ کو حماقت میں مبتلا پاتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ (الاعراف:66)

ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا بے شک ہم آپ کو حماقت میں مبتلا پاتے ہیں۔

حضرت ھود علیہ السلام کا فرمانا کہ مجھ میں کوئی حماقت نہیں میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول ہوں

جب قوم عاد کے سرداروں نے کہا کہ ہم آپ کو حماقت میں مبتلا پاتے ہیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اے میری قوم مجھ میں کوئی حماقت نہیں میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝ (الاعراف:67)

انہوں نے کہا اے میری قوم! مجھ میں کوئی حماقت نہیں ہے لیکن میں رب العلمین کی طرف سے رسول ہوں۔

حضرت ھود علیہ السلام کا قوم عاد کو رب کی طرف سے پیغامات پہنچانے والا فرمانا

حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں اپنے رب عزوجل کے پیغامات پہنچاتا ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ (الاعراف:68)

میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں۔

حضرت ھود علیہ السلام کا قوم عاد کو اپنا خیر خواہ فرمانا

حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارشاد فرمایا میں تمہارا قابل اعتماد خیر خواہ ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ○ (الاعراف:68)

اور میں تمہارا قابل اعتماد خیر خواہ ہوں۔

حضرت ھود علیہ السلام کا قوم عاد کو تم ہی میں سے ایک مرد کے ذریعہ نصیحت آنے کا فرمانا

حضرت ھود علیہ السلام نے قوم عاد کو ارشاد فرمایا کہ کیا تمہیں اس پر تعجب ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب عزوجل کی طرف سے تم ہی میں سے ایک مرد کے ذریعہ ایک نصیحت آئی ہے تا کہ وہ تمہیں ڈرائے۔

قرآن مجید میں ہے:

اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ط (الاعراف:69)

کیا تمہیں اس پر تعجب نہیں ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم ہی میں سے ایک مرد کے ذریعہ ایک نصیحت آئی ہے تا کہ وہ تمہیں ڈرائے۔

حضرت ھود علیہ السلام کا قوم عاد کو ڈرنے کا فرمانا

حضرت ھود علیہ السلام نے قوم کو ارشاد فرمایا کیا تم ڈرتے نہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ (المومنون:32)

پس ہم نے ان میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا (جس نے کہا) کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہاری عبادت کا اور کوئی مستحق نہیں تو کیا تم نہیں ڈرتے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ○ (الشعراء:124)

جب ان سے ان کے ہم قوم ھود نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرنا

اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ایک عظیم نعمت ہے جس کو یہ حاصل ہو جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا میں آ جاتا ہے پھر جو وہ کہتا ہے وہی ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم فرمایا گیا ہے اور ڈرنے والے کے لئے عظیم بشارتیں سنائی گئی ہیں۔ متعدد آیات کریمہ و احادیث مبارکہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ق تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ج ثُمَّ

تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ (الزمر:23)

اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام نازل فرمایا ایسی کتاب جس کی تمام باتیں ایک جیسی ہیں بار بار دہرائی ہوئی جو مسلمان اپنے رب سے ڈرتے ہیں اس سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں پھر ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف نرم ہو جاتے ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ (المومنون:57)

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کے خوف سے کانپتے رہتے ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ (آل عمران:175)

یہ محض شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے سو تم ان سے نہ ڈرو اور صرف مجھ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ (المومنون:1تا2)

بے شک ایمان والے کامیاب ہو گئے وہ جو اپنی نماز میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَ اخْشَوْنِ (المائدہ:44)

سو تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِیْرٌ ۝ (الملک:12)

بے شک جو لوگ بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے مغفرت ہے اور بہت بڑا اجر ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى ۝ (النزعت:40تا41)

اور رہا وہ شخص جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس (امارہ) کو اس کی خواہش سے روکا تو بے شک اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝ (الرحمٰن:46)

اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ تقویٰ کو جاننے والا ہوں۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 20)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ کی قسم مجھے امید ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو جاننے والا ہوں۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2552)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
مجھے قرآن مجید سناؤ تو میں نے سورۃ النساء پڑھی حتیٰ کہ جب میں اس آیت پر پہنچا۔
فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًاo (النساء: 41)
اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور ہم آپ کو ان پر گواہ بنا کر لائیں گے۔
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ
میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 4194)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر کے کنارے بیٹھ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم رونے لگے حتیٰ کہ قبر کی مٹی بھیگ گئی۔
پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اے میرے بھائیو! اس کی مثل کے لئے تیار کرو۔
(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 4195)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک میں وہ چیزیں دیکھتا ہوں جس کو تم نہیں دیکھتے اور میں وہ آوازیں سنتا ہوں جن کو تم نہیں سنتے بے شک آسمان چرچرا رہا ہے اور اس پر حق ہے کہ وہ چرچرائے اور اللہ تعالیٰ کی قسم اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم ہنسو کم اور روؤ زیادہ اور تم بستروں پر عورتوں سے لطف اندوز ہونا چھوڑ دو اور تم گھر سے باہر صحن میں نکل جاؤ اور بہ آواز بلند اللہ تعالیٰ سے فریاد کرو۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! میری خواہش ہے کہ میں ایک درخت ہوتا جس کو کاٹ دیا جاتا۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2318)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

روؤ اگر تم رو نہ سکو تو رونے جیسی شکل بنالو۔

(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 4196)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس بندہ مومن کی آنکھ سے اللہ تعالیٰ کے خوف سے آنسو نکلے خواہ وہ مچھر کے سر جتنا ہو پھر وہ آنسو رخسار کے سامنے کے حصہ کو مس کرے اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ کو حرام کر دیتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 4197)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خوف خدا عزوجل انتہاء کو تھا حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو زندگی میں جنت کی بشارت عطا فرمادی تھی۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے درخت پر ایک پرندے کو بیٹھا دیکھ کر کہا۔

تیرے لیے کتنی خیر ہے اے پرندے تو پھل کھاتا اور درخت پر بیٹھتا ہے کاش میں ایک پھل ہوتا جس کو پرندے کھالیتے۔

(کتاب الزہد: رقم الحدیث: 240)

ایک اور روایت میں ہے:

یعقوب بن زید سے روایت ہے کہ

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے درخت پر ایک پرندے کو دیکھ کر کہا۔

کاش میں اس پرندہ کی جگہ ہوتا۔

(کتاب الزہد: رقم الحدیث: 165)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا جو آپ رضی اللہ عنہ کے لئے کما کر لاتا تھا ایک رات وہ آپ رضی اللہ عنہ کے لئے طعام لے کر آیا آپ رضی اللہ عنہ نے اس میں کچھ کھالیا۔

غلام نے کہا: کیا وجہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ ہر رات مجھ سے سوال کرتے تھے کہ یہ کہاں سے لائے ہو آج آپ رضی اللہ عنہ نے سوال نہیں کیا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں بھوک کی شدت کی وجہ سے ایسا نہ کر سکا تم یہ کہاں سے لائے ہو؟

اس نے کہا: میں زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگوں کے پاس سے گزرا اور میں نے منتر پڑھ کر ان کا علاج کیا تھا۔ انہوں نے مجھ سے معاوضہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ آج جب میرا وہاں سے گزر ہوا تو وہاں شادی تھی تو انہوں نے اس میں سے مجھے یہ طعام دیا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

افسوس! تم نے مجھے ہلاک کر دیا۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے حلق میں ہاتھ ڈال کر قے کرنے لگے اور چونکہ خالی پیٹ میں وہ لقمہ کھایا گیا تھا وہ نکل نہیں رہا تھا۔

ان سے کہا گیا کہ

بغیر پانی پئے یہ لقمہ نہیں نکلے گا پھر اپنی کا پیالہ منگایا گیا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پانی پیتے رہے اور اس لقمہ کو نکالنے کی کوشش کر رہے تھے۔

ان سے کہا گیا کہ

اللہ تعالیٰ آپ رضی اللہ عنہ پر رحم کرے آپ رضی اللہ عنہ نے اس ایک لقمہ کی وجہ سے اتنی مشقت اٹھائی؟

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جسم کا جو حصہ مال حرام سے بنا ہے وہ دوزخ کا مستحق ہے پس مجھے یہ خوف ہوا کہ میرے جسم کا کوئی حصہ اس لقمہ سے بن جائے گا۔

(کنز العمال: رقم الحدیث: 9259)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

ایک مرتبہ میں نے نئی قمیص پہنی وہ مجھے بہت اچھی لگ رہی تھی اور میں اس کو دیکھ رہی تھی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

تم کیا دیکھ رہی ہو کہ اللہ تعالیٰ تم پر نظر رحمت نہیں فرما رہا۔

پھر ارشاد فرمایا:

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جب بندہ دنیا کی زیب وزینت پر خوش ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو جاتا ہے حتیٰ کہ وہ اس زینت کو چھوڑ دے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: پھر میں نے اس قمیص کو اتار کر صدقہ کر دیا۔

تب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ہو سکتا ہے کہ اب یہ صدقہ تمہارا کفارہ ہو جائے۔ (حلیۃ الاولیاء: رقم الحدیث: 85)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خوف خدا عزوجل بھی انتہاء پر تھا جس پر دلائل ملاحظہ ہوں۔

حسن بن ابی الحسن سے روایت ہے کہ

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک زوجہ سے (ان کی وفات کے بعد) شادی کی۔

اور ان سے کہا۔

میں نے مال اور اولاد کی رغبت کی وجہ سے تم سے شادی نہیں کی۔ میں نے تم سے صرف اس وجہ سے شادی کی ہے کہ تم مجھے بتاؤ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کو نماز کس طرح پڑھتے تھے؟

انہوں نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ عشاء کی نماز پڑھتے پھر ہم سے فرماتے کہ میرے سرہانے پانی کا ایک برتن بھر کر رکھ دو پھر رات کو بیدار ہوتے اور اس پانی سے وضو کرتے پھر اللہ عزوجل کا ذکر کرتے رہتے حتیٰ کہ آپ کو اونگھ آجاتی پھر بیدار ہوتے حتیٰ کہ رات کی وہ ساعت آجاتی جس میں آپ رضی اللہ عنہ قیام کرتے تھے۔

(کتاب الزہد: ص: 148 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو تین صفوں تک ان کے رونے کی آواز پہنچتی تھی۔

(حلیۃ الاولیاء: رقم الحدیث: 134)

ایک اور روایت میں ہے:

داؤد بن علی کہتے ہیں کہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اگر فرات کے کنارے ایک بکری بھی ضائع ہوگئی تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کے متعلق سوال کرے گا۔

(حلیۃ الاولیاء: رقم الحدیث: 141)

ایک اور روایت میں ہے:

یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت ہے کہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اگر آسمان سے ایک منادی یہ ندا کرے کہ اے لوگو! تم سب کے سب جنت میں داخل ہو جاؤ سوا ایک شخص کے تو مجھے ڈر ہے کہ وہ ایک شخص میں ہوں گا اور اگر منادی یہ ندا کرے کہ اے لوگو! تم سب کے سب دوزخ میں داخل ہو جاؤ سوا ایک شخص کے مجھے امید ہے وہ ایک شخص میں ہوں گا۔ (حلیۃ الاولیاء: رقم الحدیث: 142)

ایک اور روایت میں ہے:

عمرو بن میمون سے روایت ہے کہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما)! ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور ان سے عرض کرو کہ

عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) آپ رضی اللہ عنہا کو سلام عرض کرتا ہے اور ان سے یہ سوال کرو کہ میں اپنے صاحبوں سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ) کے ساتھ دفن کر دیا جاؤں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

میں اپنے لیے اس جگہ دفن ہونے کا ارادہ رکھتی تھی لیکن آج میں عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں۔

جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما واپس آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

کیا ہوا؟

انہوں نے کہا: اے امیر المومنین (رضی اللہ عنہ)! انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو اجازت دے دی!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میرے نزدیک اس جگہ مدفون ہونے سے زیادہ اور کوئی اہم چیز نہیں تھی جب میں مدفون ہو جاؤں تو میرے جنازہ کو ام المومنین رضی اللہ عنہا کے پاس لے جانا ان کو سلام عرض کرنا پھر کہنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہا سے اجازت طلب کرتا ہے اگر وہ اجازت دے دیں تو مجھے دفن کر دینا ورنہ مجھے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔

پھر ارشاد فرمایا:

میرے نزدیک اس خلافت کا ان مسلمانوں سے زیادہ کوئی اور مستحق نہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وصال کے وقت راضی تھے پس میرے بعد جس کو بھی خلیفہ بنا دیا جائے تم سب اس کے احکام کو سننا اور اس کی اطاعت کرنا پھر حضرت رضی اللہ عنہ نے یہ نام لیے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

اس وقت انصار کا ایک نوجوان آیا اور کہا۔

اے امیر المومنین! آپ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری ہو آپ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ اسلام لانے میں مقدم ہیں پھر آپ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے عدل کیا پھر ان تمام (خوبیوں) کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کو شہادت ملی۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اے میرے بھتیجے! کاش کہ یہ سب برابر برابر ہو جائے مجھے عذاب ہو نہ ثواب ہو۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 1392)

ایک اور روایت میں ہے:

عبداللہ بن عیسیٰ سے روایت ہے کہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے چہرے پر مسلسل رونے کی وجہ سے دو سیاہ لکیریں پڑ گئی تھیں۔

(کتاب الزہد: ص: 150 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا انہوں نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا کاش! میں یہ تنکا ہوتا، کاش پیدا نہ کیا جاتا! کاش میری ماں مجھے نہ جنتی کاش میں کچھ بھی نہ ہوتا، کاش میں بھولا بسرا ہو جاتا۔

(صفوۃ الصفوۃ: ج: 1، ص: 128 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ ریاض)

ایک اور روایت میں ہے:

داؤد بن علی سے روایت ہے کہ
حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
اگر فرات کے کنارے ایک بکری بھی ضائع ہوگئی تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کے متعلق سوال کرے گا۔ (حلیۃ الاولیاء: رقم الحدیث: 141)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا خوف خدا عزوجل بھی انتہاء پر تھا حالانکہ آپ رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں جنت کی بشارت عطا فرمادی تھی۔
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد شدہ غلام ہانی سے روایت ہے کہ
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قوم کے پاس کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ ان کی داڑھی آنسوؤں سے بھیگ جاتی۔
ان سے پوچھا گیا کہ
آپ رضی اللہ عنہ جنت اور دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو نہیں روتے اور قبر کو دیکھ کر اس قدر روتے ہیں۔
تو انہوں نے فرمایا:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔
قبر آخرت کی منازل میں سے سب سے پہلی منزل ہے جو اس منزل سے نجات پا گیا اس کے لئے اس کے بعد کی منازل زیادہ آسان ہیں اور اگر اس سے نجات نہیں ہوئی تو بعد کی منازل زیادہ دشوار ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء: رقم الحدیث: 186)
ایک اور روایت میں ہے:
حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جن دنوں خلیفہ تھے وہ مسجد میں سوئے ہوئے تھے اور ان کی پشت پر کنکریوں کے نشان تھے اور یہ کہا جاتا تھا کہ یہ امیر المومنین ہیں یہ امیر المومنین ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء: رقم الحدیث: 179)
ایک اور روایت میں ہے:
زہیمہ سے روایت ہے کہ
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دن کو روزہ رکھتے تھے اور رات کو قیام کرتے تھے اور رات کے اول حصہ میں صرف تھوڑی دیر سوتے تھے۔ (صفوۃ الصفوۃ: ج: 1، ص: 136 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ ریاض)
ایک اور روایت میں ہے:
عبداللہ بن الرومی فرماتے ہیں کہ
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رات کو اٹھتے اور وضو کے لئے پانی لیتے۔

ان کی اہلیہ نے کہا: آپ رضی اللہ عنہ خادموں کو کیوں نہیں کہتے کہ وہ آپ رضی اللہ عنہ کے لئے پانی لے آئیں گے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

نہیں ان کو نیند میں آرام کرنے دو۔

(کتاب الزہد: ص: 158 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خوف خداعزوجل بھی انتہاء پر تھا حالانکہ آپ رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں جنت کی بشارت عطا فرمادی تھی۔

مجمع سے روایت ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیت المال کا سارا مال تقسیم کرنے کا حکم دیتے پھر اس میں جھاڑو دے کر اس کو دھو ڈالتے پھر اس میں نماز پڑھتے اور یہ امید رکھتے کہ قیامت کے دن یہ بیت المال گواہی دے گا کہ انہوں نے بیت المال کے مال کو مسلمانوں سے نہیں روکا۔

(کتاب الزہد: ص: 163 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایک اور روایت میں ہے:

ہارون بن عنزہ اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں کہ

میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ ایک چادر میں کپکپا رہے تھے۔

میں نے کہا: اے امیر المومنین! اللہ عزوجل نے آپ رضی اللہ عنہ کے لئے اور آپ رضی اللہ عنہ کے اہل کے لئے بھی اس بیت المال میں حصہ رکھا ہے اور آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا یہ حال بنا رکھا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں تمہارے مال میں سے کچھ کم نہیں کرنا چاہتا میرے پاس صرف یہ چادر ہے جو میں مدینہ سے لایا تھا۔ (صفوۃ الصفوۃ: ج: 1: ص: 143 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ ریاض)

ان خلفاء اربعہ کے علاوہ صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم کے خوف خداعزوجل کی مثالیں درج ذیل ہیں۔

حمید بن ہلال سے روایت ہے کہ

حرم بن حیان اور عبداللہ بن عامر اپنی سواریوں پر جا رہے تھے راستہ میں خشک گھاس ملی تو ان کی اونٹنیاں اس گھاس کی طرف دوڑیں اور ان میں سے ایک نے وہ گھاس کھالی۔

حرم نے عبداللہ سے کہا۔

کیا تم یہ پسند کرو گے کہ تم یہ گھاس ہوتے اور تم کو یہ اونٹنی کھا کر چلی جاتی۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! میں اس کو پسند نہیں کروں گا بے شک میں یہ امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ

جنت میں داخل کر دے گا بے شک میں یہ امید رکھتا ہوں بے شک میں یہ امید رکھتا ہوں۔

حرم نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ میرے دل کی بات مانی جائے گی تو میں یہ پسند کرتا کہ میں خشک گھاس ہوتا اور مجھے یہ اونٹنی کھا کر چلی جاتی۔

(کتاب الزہد: رقم الحدیث: 237)

ایک اور روایت میں ہے:

زیاد بن مخراق سے روایت ہے کہ

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: میری خواہش ہے کہ میں اپنے گھر کا ایک مینڈھا ہوتا گھر میں کوئی مہمان آتا اور مجھے ذبح کر دیا جاتا اور گھر والے مجھے کھا لیتے۔

(کتاب الزہد: رقم الحدیث: 238)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے کہا: کاش میں ایک مینڈھا ہوتا۔ مجھے گھر والے ذبح کر دیتے اور میرا گوشت کھا لیتے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ میں گھاس ہوتا اور مجھے تیز ہوا کے دن آندھی اڑا کر لے جاتی۔

(کتاب الزہد: رقم الحدیث: 241)

حضرت اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

کاش میں ایک درخت ہوتی جس کو کاٹ دیا جاتا، کاش میں پیدا نہ کی جاتی۔

(کتاب الزہد: رقم الحدیث: 161)

ایک اور روایت میں ہے:

ضحاک بن مزاحم سے روایت ہے کہ

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کاش میں پرندہ ہوتا۔

(کتاب الزہد: رقم الحدیث: 162)

ایک اور روایت میں ہے: قاسم بن عبدالرحمن سے روایت ہے کہ

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص نے کہا: میں اصحاب الیمین سے ہوتا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کاش مجھے مرنے کے بعد اٹھایا نہ جاتا۔

(کتاب الزہد: رقم الحدیث: 163)

ایک اور روایت میں ہے: یعقوب بن زید سے روایت ہے کہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے درخت پر ایک پرندے کو دیکھ کر کہا۔

کاش میں اس پرندہ کی جگہ ہوتا۔

(کتاب الزہد: رقم الحدیث: 165)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا خوف خدا عزوجل بھی انتہاء پر تھا۔

امام ابن بزاز کردری متوفی 827ھ لکھتے ہیں: امام زعفرانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ایک مرتبہ ہارون الرشید نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے کہا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف بیان کیجئے۔

ارشاد فرمایا: امام اعظم رضی اللہ عنہ محارم سے شدید اجتناب کرتے تھے بلا علم، دین میں کوئی بات کہنے سے سخت ڈرتے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں انتہائی مجاہدہ کرتے، اہل دنیا کے منہ پر کبھی ان کی تعریف نہیں کرتے تھے، اکثر خاموش رہتے مسائل دینیہ میں غور و فکر کرتے رہتے تھے۔ اتنے عظیم علم کے باوجود بے حد سادہ اور منکسر المزاج تھے۔ جب ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو کتاب وسنت کی طرف رجوع کرتے اور اگر اس کی نظیر قرآن مجید واحادیث مبارکہ میں نہ ملتی تو پھر قیاس کرتے کسی شخص سے طمع کرتے اور نہ بھلائی کے سوا کبھی کسی کا تذکرہ کرتے۔

ہارون الرشید یہ سنتے ہی کہنے لگا۔

صالحین کے اخلاق ایسے ہی ہوتے ہیں پھر اس نے کاتب کو ان اوصاف کے لکھنے کا حکم دیا۔

اور اپنے بیٹے سے کہا۔

ان اوصاف کو یاد کرلو۔ (مناقب کردری: ج: 1، ص: 226)

علامہ ابن حجر مکی متوفی 973ھ لکھتے ہیں: امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ

آپ رضی اللہ عنہ کی شب بیداری کا سبب یہ تھا کہ ایک بار ایک شخص نے آپ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر کہا۔

یہ وہ شخص ہیں جو عبادت میں رات جاگ کر گزارتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سنا تو فرمانے لگے۔

ہمیں لوگوں کے گمان کے مطابق بننا چاہئے۔ اس وقت سے آپ رضی اللہ عنہ نے رات کو جاگ کر عبادت کرنی شروع حتیٰ کہ عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھا کرتے اور چالیس سال تک لگاتار اس معمول پر قائم رہے۔ (الخیرات الحسان: ص: 82)

مزید راقم ہیں: فضیل بن وکیع ...

میں نے تابعین میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرح کسی شخص کو شدت خشوع سے نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ دعا کے وقت خوف خدا عزوجل سے آپ رضی اللہ عنہ کا چہرہ زرد ہو جاتا تھا اور کثرت عبادت کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کا بدن سال خوردہ مشک کی طرح مرجھایا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ ایک بار آپ رضی اللہ عنہ نے رات کو نماز میں قرآن کریم کی آیت کہ "بل الساعة موعدهم والساعة ادهى وامر" کی تلاوت کی پھر اس کی قرأت سے آپ رضی اللہ عنہ پر ایسا کیف طاری ہوا کہ بار بار اس آیت کریمہ کو دہراتے رہے یہاں تک کہ موذن نے صبح کی اذان کہہ دی۔ (الخیرات الحسان: ص: 83)

علماء کرام میں بھی خوف خدا عزوجل انتہاء کا ہوتا ہے اور ان کی رضا صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتی ہے وہ دنیاوی چیزوں سے محبت نہیں رکھتے صرف اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتے ہیں۔

مالک بن مقول سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے شعبی سے پوچھا۔

مجھے بتائیے کہ عالم کون ہے؟

انہوں نے کہا: عالم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتا ہو۔

(سنن دارمی: رقم الحدیث: 263)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

فقیہ (عالم) وہ ہے جو دنیا سے بے رغبتی کرے آخرت میں رغبت کرے اس کو اپنے دین پر بصیرت ہو اور اپنے رب عزوجل کی عبادت پر دوام اور ہمیشگی کرتا ہو۔

(سنن دارمی: رقم الحدیث: 299)

سعد بن ابراہیم سے پوچھا گیا کہ

اہل مدینہ منورہ میں سب سے بڑا فقیہ کون ہے؟

انہوں نے کہا: جو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو۔

(سنن دارمی: رقم الحدیث: 300)

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

فقیہ وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو۔

(سنن دارمی: رقم الحدیث: 301)

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لئے عظیم بشارتیں سنائی گئی ہیں اور ان کا دائمی مقام جنت ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ عزوجل! قیامت کے دن ارشاد فرمائے گا۔

ان کو دوزخ سے نکال لو جو میرا ذکر کرتے تھے یا جو کسی بھی دن کسی بھی جگہ پر مجھ سے ڈرتے تھے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2594)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق سوال کیا۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝ (المومنون: 60)

اور وہ جو کچھ (راہ خدا میں) دیتے ہیں وہ اس حال میں دیتے ہیں کہ ان کے دل (خوف خدا سے) کپکپا رہے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

کیا یہ آیت مبارکہ ان لوگوں کے متعلق ہے جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے صدیق (رضی اللہ عنہ) کی بیٹی! لیکن یہ وہ لوگ ہیں جو روزہ رکھتے ہیں، نماز پڑھتے اور صدقہ کرتے ہیں اور اس کے باوجود وہ اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کا یہ عمل قبول نہ کیا جائے گا اور یہ وہ لوگ ہیں جو نیک کام کرنے میں سبقت کرتے ہیں۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3175)

امام ابو القاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں۔

یحییٰ بن ایوب الخزاعی سے روایت ہے کہ

میں نے سنا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عبادت گزار نوجوان تھا جس نے مسجد کو لازم کرلیا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے بہت خوش تھے اس کا ایک بوڑھا باپ تھا وہ عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے باپ کی طرف لوٹ آتا اس کے راستہ میں ایک عورت کا دروازہ تھا وہ اس پر فریفتہ ہوگئی تھی وہ اس کے راستہ میں کھڑی ہو جاتی تھی۔ ایک رات وہ اس کے پاس سے گزرا تو وہ اس کو مسلسل بہکاتی رہی حتیٰ کہ وہ اس کے ساتھ چلا گیا جب وہ اس کے گھر کے دروازہ پر پہنچا تو وہ داخل ہوگئی۔ اس نوجوان نے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا شروع کیا اور اس کی زبان پر یہ آیت جاری ہوگئی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝ (الاعراف: 201)

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں انہیں اگر شیطان کی طرف سے کوئی خیال چھو بھی جاتا ہے تو وہ خبردار ہو جاتے ہیں اور اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

پھر وہ نوجوان بے ہوش ہو کر گر گیا۔ اس عورت نے اپنی باندی کو بلایا اور دونوں نے مل کر اس نوجوان کو اٹھایا اور اسے

کے گھر کے دروازہ پر چھوڑ آئیں اس کے گھر والے اسے اٹھا کر گھر میں لے گئے۔ کافی رات گزارنے کے بعد وہ نوجوان ہوش میں آیا۔

اس کے باپ نے پوچھا۔

اے بیٹے تمہیں کیا ہوا تھا؟

اس نے کہا: خیر ہے۔

باپ نے پھر پوچھا۔

تو اس نے پورا واقعہ سنایا۔

باپ نے پوچھا۔

اے بیٹے! تو نے کون سی آیت پڑھی تھی؟ تو اس نے اس آیت کو دہرایا جو اس نے پڑھی تھی اور پھر بے ہوش ہو کر گر گیا گھر والوں نے اس کو ہلایا جلایا لیکن وہ مر چکا تھا۔ انہوں نے اس کو غسل دیا اور لے جا کر دفن کر دیا۔ صبح ہوئی تو اس بات کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچی صبح کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے والد کے پاس تعزیت کے لئے آئے۔

اور ارشاد فرمایا:

تم نے مجھے کیوں خبر نہیں دی؟

اس کے باپ نے کہا: رات کا وقت تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ہمیں اس کی قبر کی طرف لے چلو۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب اس کی قبر پر گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے نوجوان! جو شخص اپنے رب عزوجل کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔

تو اس نوجوان نے قبر کے اندر سے جواب دیا۔

اے عمر (رضی اللہ عنہ)! مجھے میرے رب عزوجل نے جنت میں دو بار دو جنتیں عطا فرمائی ہیں۔

(مختصر تاریخ دمشق: رقم الحدیث: 114)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک نوجوان نے عبادت اور مسجد کو لازم کر لیا تھا ایک عورت اس پر عاشق ہو گئی وہ اس کے پاس خلوت میں آئی اور اس سے باتیں کیں اس کے دل میں بھی اس کے متعلق خیال آیا پھر اس نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گیا اس کا چچا آیا اور اس کو اٹھا کر لے گیا جب اس کو ہوش آیا

تو اس نے کہا: اے چچا! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جائیں اور ان سے میرا سلام کہیں اور پوچھیں کہ جو شخص اپنے رب عزوجل کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے اس کی کیا جزا ہے؟ اس کا چچا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اس نوجوان نے پھر چیخ ماری اور انتقال کر گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا:

تمہارے لیے دو جنتیں ہیں، تمہارے لیے دو جنتیں ہیں۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث: 736)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ شخص دوزخ میں داخل نہیں ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے رویا ہو حتیٰ کہ دودھ تھن میں لوٹ جائے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں پڑنے والا غبار اور دوزخ کا دھواں جمع نہیں ہوگا۔

(سنن نسائی: رقم الحدیث: 3107)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دو آنکھوں کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی۔

ایک وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے روئی ہو۔

اور دوسری وہ جس نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں پہرہ دیتے ہوئے رات گزاری ہو۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 1639)

جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہ مٹا دے گا اور اس کے ثواب کو بڑھا دے گا اور آخرت میں دائمی مقام جنت عطا فرمائے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ۝ (الطلاق: 5)

اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو مٹا دے گا اور اس کے ثواب کو بڑھا دے گا۔

حضرت ھود علیہ السلام کا قوم عاد کو قوم نوح کے بعد جانشین ہونا یاد دلانا

حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم عاد کو فرمایا کہ اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں

نوح کے بعد ان کا جانشین بنا دیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ (الاعراف:69)

اور یاد کرو جب قوم نوح کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کا جانشین بنا دیا۔

حضرت ھود علیہ السلام کا قوم عاد کو ان کی جسامت بڑھا دینا یاد کروانا

حضرت ھود علیہ السلام نے قوم عاد کو فرمایا کہ اس نعمت کو یاد کرو جب تمہاری جسامت چھوٹی ہوتی تھی اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے تمہاری جسامت کو بڑھا دیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَّ زَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً ۚ (الاعراف:69)

(اور یاد کرو) اور تمہاری جسامت کو بڑھا دیا۔

حضرت ھود علیہ السلام کا قوم عاد کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد کروانا

حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (الاعراف:69)

تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو۔

اللہ تعالیٰ کی انسان پر تین قسم کی نعمتیں

اللہ تعالیٰ کی ویسے تو انسان پر بے شمار نعمتیں ہیں مگر اس آیت میں تین قسم کی نعمتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (المومن:64)

اللہ تعالیٰ ہی نے زمین کو تمہارے لیے ٹھہرنے کی جگہ بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہاری صورتیں بنائیں سو سب سے اچھی صورتیں بنائیں اور تم کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا یہی اللہ تعالیٰ ہے جو تمہارا رب ہے سو اللہ تو بہت برکتوں والا ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور و فکر کرنے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں میں غور و فکر کرنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے کہ لوگوں کے لئے ان میں ضرور نشانیاں ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

(الجاثیہ:13)

اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں سب کو اس نے اپنی طرف سے تمہارے فوائد کے تابع کر دیا ہے بے شک اس میں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی عظمت میں اور جنت اور دوزخ میں ایک ساعت غور و فکر کرنا ایک رات کے قیام سے افضل ہے اور تمام لوگوں سے افضل وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور و فکر کرتے ہیں اور سب سے بدتر لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور و فکر نہیں کرتے۔

(کنزالعمال: رقم الحدیث:5712)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مخلوق میں غور و فکر کرو خالق میں غور و فکر نہ کرو کیونکہ تم اس کی قدر کا اندازہ نہیں کر سکتے۔

(جامع الصغیر: رقم الحدیث:3346)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں غور و فکر کرو اللہ تعالیٰ میں غور و فکر نہ کرو۔

(جامع الصغیر: رقم الحدیث:3347)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور و فکر کرو اللہ تعالیٰ میں غور و فکر نہ کرو۔

(معجم الاوسط: رقم الحدیث:6310)

دو آنکھیں، زبان اور دو ہونٹ نعمت

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں میں سے دو آنکھیں، زبان اور دو ہونٹ نعمتیں ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ○ وَلِسَانًا وَّشَفَتَیْنِ○ (البلد:8 تا 9)

کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں بنائیں اور زبان اور دو ہونٹ۔

امام ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے البلد:8 کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ کا ہمیں دو آنکھیں عطا فرمانا اس کی دو ظاہری نعمتیں ہیں جو ہم کو اس کا شکر ادا کرنے کی ترغیب دیتی ہیں۔

امام ابن عساکر نے مکحول سے روایت کیا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

اے ابن ابی آدم! میں نے تجھے بہت عظیم نعمتیں عطا کی ہیں جو عدد و شمار سے باہر ہیں اور جن کا تو شکر ادا نہیں کر سکتا اور میں نے تجھ کو جو نعمتیں دی ہیں وہ یہ ہیں کہ تیرے لیے دو آنکھیں بنا دی ہیں جن سے تو دیکھتا ہے اور میں نے ان آنکھوں کے لئے پردے (پلکیں) بنا دی ہیں تو اپنی آنکھوں سے حلال چیزوں کو دیکھ اور جب تو ان چیزوں کو دیکھے جن کو میں نے حرام کر دیا ہے تو ان پردوں (پلکوں) کو منطبق کر دے اور میں نے تجھ کو زبان دی ہے اور اس کے لئے غلاف بنا دیا ہے پس تو میرے حکم کے مطابق زبان سے بول جو باتیں تیرے لیے حلال ہیں اور اگر تیرے سامنے وہ چیزیں پیش ہوں جن کو میں نے تجھ پر حرام کر دیا ہے تو اپنی زبان پر تالا ڈال دے اور میں نے تیرے لیے شرم گاہ بنائی ہے اور اس کے لئے پردہ بنایا ہے تو اپنی شرم گاہ سے ان چیزوں کو حاصل کر جو میں نے تیرے لیے حلال کر دی ہیں اور جب تیرے سامنے کوئی حرام چیز آئے تو تو اس پر پردہ ڈال دے۔

اے ابن آدم میری ناراضگی کو نہ اٹھا اور تو میرے انتقام کی طاقت نہیں رکھتا۔

ابو حازم سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

اے ابن آدم! اگر تیری زبان اللہ تعالیٰ کے حرام کیے ہوئے کاموں کے کرنے کے متعلق تجھ سے جھگڑا کرے تو میں نے دو طباقوں سے تیری مدد کی ہے تو ان کو منطبق کر دے اور اگر تیری آنکھ حرام کاموں کے کرنے میں تجھ سے جھگڑا کرے تو میں نے دو طباقوں سے تیری مدد کی ہے تو ان کو منطبق کر دے اور اگر تیری شرم گاہ تجھ سے حرام کاموں میں جھگڑا کرے تو میں نے دو طباقوں سے تیری مدد کی ہے تو ان کو منطبق کر دے۔

(کنز العمال: رقم الحدیث: 43407)

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بیان کرنا

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بیان کرنا چاہئے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ (الضحیٰ:11)

اور اپنے رب کی نعمت کا (خوب) ذکر کریں۔

مجاہد بن القرشی المخزومی متوفی 104ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

انسان جو نیک عمل کرتا ہے اس کو چاہئے کہ وہ اپنے معتمد مسلمان بھائیوں کو وہ عمل بتائے تا کہ وہ بھی اس کی اقتداء کریں اور اس کی مثل عمل کریں۔ (تفسیر مجاہد: رقم الحدیث: 2031)

مقاتل بن سلیمان بلخی متوفی 150ھ لکھتے ہیں:

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے اوپر جن نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے ان کا شکر ادا کیجئے۔

(تفسیر مقاتل بن سلیمان: ج:3، ص:485 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

مقسم سے روایت ہے کہ

میں نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر پوچھی۔

تو انہوں نے فرمایا:

جب مومن شخص کوئی نیک عمل کرے تو وہ اپنے گھر والوں کو اس کی خبر دے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 19385)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب تمہیں کوئی خیر حاصل ہو تو تم اپنے مسلمان بھائیوں سے اس کا ذکر کرو۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 19386)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر ارشاد فرمایا:

جس نے کم نعمت کا شکر ادا نہیں کیا تو اس نے زیادہ نعمت کا بھی شکر ادا نہیں کیا اور جس نے لوگوں کا شکر ادا نہیں کیا اس نے اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا بیان کرنا شکر ہے اور اس کا بیان نہ کرنا کفران نعمت ہے اور جماعت رحمت ہے اور اس سے علیحدہ ہونا عذاب ہے۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث: 4419)

زازان کندی سے روایت ہے کہ

ہماری حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو ہم نے کہا: اپنے اصحاب کا حال بتائیے؟

آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

میرے کون سے اصحاب کا؟

اس نے کہا: سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا!

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب میرے اصحاب ہیں تم کن کے متعلق دریافت کرتے ہو؟

اس نے کہا: جن کا آپ محبت سے ذکر کرتے ہیں اور ان پر رحمت بھیجتے ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

ان میں سے کس کا؟

لوگوں نے کہا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

انہوں نے قرآن وسنت کا علم حاصل کرلیا اور وہ ان کے لئے کافی ہے۔

پھر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے لئے سوال کیا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

وہ بہت سوال کرتے تھے ان کو دیا بھی جاتا اور منع بھی کیا جاتا ہے وہ دین کا علم حاصل کرنے پر بہت حریص تھے ان کو ایک برتن میں علم دیا گیا سو وہ بھر گیا۔

لوگوں نے کہا: پھر حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے متعلق بتائیں؟

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ان کو منافقین کے ناموں کا علم دیا گیا وہ مشکل مسائل کے عالم ہیں۔

لوگوں نے کہا: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے متعلق بتائیں؟

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

وہ حکیم لقمان کی مثل ہیں وہ اہل بیت میں سے ہیں انہوں نے علم اول اور علم آخر کو حاصل کیا۔

لوگوں نے کہا: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے متعلق بتائیں؟

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

وہ ایسے شخص ہیں کہ ان کے گوشت ان کے خون اور ان کے بالوں میں ایمان رچا بسا ہوا ہے آگ ان کے جسم کو نہیں کھاتی۔

لوگوں نے کہا: آپ رضی اللہ عنہ اپنے متعلق بتائیے؟

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ٹھہرو! اللہ تعالیٰ نے خودستائی سے منع فرمایا ہے۔

ایک شخص نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ○ (الضحیٰ: 11)

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں اپنے رب عزوجل کی نعمت کو بیان کرتا ہوں میں جب سوال کرتا ہوں تو مجھے عطا کیا جاتا ہے اور جب میں چپ رہتا ہوں تو مجھے ابتداءً نعمت دی جاتی ہے۔

(معجم الکبیر: رقم الحدیث: 6041)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص کو کچھ عطا کیا گیا پس وہ اس کی خبر دے اور اگر کوئی نہ ملے تو وہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرے اگر اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی تو اس کا شکر ادا کیا اور جس نے اس کی عطا کو چھپایا تو اس نے کفران نعمت کیا۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 4813)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

جس شخص نے کوئی نیکی کی ہے اس کا صلہ دینا چاہئے اور اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھے تو اس کی نیکی کا ذکر کرنا چاہئے پس جس نے اس نیکی کا ذکر کیا اس نے شکر کیا۔

(مسند احمد: ج: 6، ص: 90 مطبوعہ مطبع قدیم)

ابونضرہ سے روایت ہے کہ

مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ نعمت کا شکر یہ ہے کہ اس کو بیان کیا جائے۔

(جامع البیان: جز: 30، ص: 294 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو نعمت عطا فرماتا ہے تو وہ اس کو پسند فرماتا ہے کہ اس نعمت کا اثر اس پر نظر آئے اور اس کی خستہ حالی کو ناپسند فرماتا ہے۔

(مسند احمد: ج: 3، ص: 474 مطبوعہ مطبع قدیم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی جانے والی نعمتیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی جانے والی نعمتیں بے شمار ہیں جن میں سے چند نعمتیں درج ذیل ہیں۔

حافظ شمس الدین محمد بن احمد بن ذہبی متوفی 748ھ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی جانے والی نعمتوں کے متعلق احادیث مبارکہ ذکر کی ہیں۔

1- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی مثال ایسے ہے جیسے کسی شخص نے بہت حسین وجمیل مکان بنایا اور اس کے کسی کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی پس جو شخص اس کو دیکھتا ہوا گزرتا ہے وہ تعجب سے یہ کہتا ہے کہ اس مکان میں اس ایک اینٹ کو کیوں نہیں رکھا گیا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میں وہ اینٹ ہوں اور میں ہی خاتم النبیین ہوں۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3535)

2- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میری رعب سے مدد کی گئی ہے اور مجھے جوامع الکلم دیئے گئے ہیں اور جس وقت میں سویا ہوا تھا تو مجھے روئے زمین کی چابیاں دی گئیں اور میرے سامنے رکھ دی گئیں۔
مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ
مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنایا گیا ہے اور مجھ پر انبیاء کرام علیہم السلام کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔
(صحیح بخاری: رقم الحدیث: 2971، صحیح مسلم: رقم الحدیث: 523)

3- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور میں وہ ہوں جس سے سب سے پہلے زمین کھلے گی اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میں وہ ہوں جس کی شفاعت سب سے پہلے قبول کی جائے گی۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2278)

4- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں وہ ہوں جس سے قیامت کے دن سب سے پہلے زمین کھلے گی اور میں یہ فخریہ نہیں کہتا اور مجھ ہی کو حمد کا جھنڈا دیا جائے گا اور میں یہ فخریہ نہیں کہتا اور میں ہی قیامت کے دن سب لوگوں کا امام ہوں اور میں یہ فخریہ نہیں کہتا۔ (سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 4308)

5-ابوالجوزاء حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبوب مخلوق کوئی نہیں پیدا کی اور میں نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کی زندگی کی قسم کھائی ہو پس اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۝ (الحجر:72)

آپ کی زندگی کی قسم! بے شک یہ لوگ اپنی مستی میں مدہوش ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء: ج:1 ص:413 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

6-حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس وقت میں سویا ہوا تھا تو مجھے دکھایا گیا کہ میں جنت میں سیر کر رہا ہوں اس وقت میں نے ایک دریا دیکھا جس کے دونوں کناروں پر کھوکھلے موتیوں کے گنبد تھے۔

میں نے کہا: اے جبرائیل علیہ السلام! یہ کیا ہے؟

انہوں نے کہا: یہ وہ کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا ہے پھر فرشتہ نے اپنا ہاتھ لگایا تو اس کی مٹی میں مشک کی خوشبو تھی۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6581)

7-حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرا حوض اتنا بڑا ہے جتنا صنعاء اور ایلہ میں فاصلہ ہے اور اس میں ستاروں کے عدد کے برابر کوزے ہیں۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2445)

8-حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کی نماز جنازہ ادا کی پھر منبر پر چڑھ کر یہ خطبہ دیا کہ میں حوض پر تمہارا پیش رو ہوں اور میں تمہارے حق میں گواہی دینے والا ہوں اور میں اپنے حوض کو اب بھی دیکھ رہا ہوں جبکہ میں اس مقام میں ہوں اور بے شک اللہ تعالیٰ کی قسم! مجھے یہ خطرہ نہیں ہے کہ میرے بعد تم (سب) شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے لیکن مجھے یہ دکھایا گیا ہے کہ مجھے تمام روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئی ہیں اور مجھے یہ خطرہ ہے کہ تم اس میں رغبت کرو گے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 1344)

9-حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ستر ہزار کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کر دے گا۔

ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حوض کتنا وسیع ہے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
عدن اور عمان سے زیادہ وسیع ہے اور اس میں سونے اور چاندی کے دو پرنالے ہیں اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا اور مشک سے زیادہ خوشبودار ہے جس نے اس کو پی لیا وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا اور اس کا منہ کبھی سیاہ نہیں ہوگا۔

(معجم الکبیر: رقم الحدیث: 7672)

10- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
الکوثر جنت میں ایک دریا ہے جس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں اس کے پانی کا بہاؤ موتی اور یاقوت پر ہے اور اس کی مٹی مشک سے زیادہ خوشبودار ہے اور برف سے زیادہ سفید ہے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3361)

11- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ
الکوثر وہ خیر کثیر ہے جو اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہے۔
اور سعید بن جبیر نے کہا: یہ جنت میں ایک دریا ہے جس میں خیر کثیر ہے۔

(صحیح بخاری: رقم الحدیث: 6578)

12- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
قیامت کے دن میرے متبعین تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے پیروکاروں سے زیادہ ہوں گے اور میں سب سے پہلے شفاعت کروں گا۔ (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 331)

13- حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر (یا یہ ارشاد فرمایا کہ) میری امت کو تمام امتوں پر چار خصوصیات کے ذریعہ فضیلت عطا فرمائی ہے مجھے تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے پوری زمین کو میرے لیے اور میری امت کے لئے سجدہ گاہ اور پاکیزگی حاصل کرنے کا ذریعہ بنا دیا ہے سو میرا امتی جہاں نماز کا موقع پالے وہی جگہ اس کے لئے سجدہ گاہ اور پاکیزگی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی ہے جو کہ میرے آگے ایک ماہ کی مسافت تک قائم ہوتا ہے میرے دشمنوں کے دلوں میں میری دھاک بٹھاتا ہے اور میرے لیے مال غنیمت کو حلال کیا گیا ہے۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 521)

14-حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھے چار چیزوں کے ذریعہ لوگوں پر فضیلت عطا کی گئی ہے۔

1-بہادری

2-سخاوت

3-کثرت جماع

4-اور شدت ضبط۔

(مجمع الزوائد:ج:8،ص:269)

15-حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہر نبی کو اتنے معجزات عطا کیے گئے ہیں جن کی مثل پر کوئی بشر ایمان لا سکتا ہے اور مجھے جو چیز عطا کی گئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی وحی ہے جو اس نے میری طرف فرمائی سو مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے متبعین سب سے زیادہ ہوں گے۔

(صحیح البخاری:رقم الحدیث:4981)(سیر اعلام النبلاء:ج:1،ص411تا416 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ھود علیہ السلام کا قوم عاد کو تبلیغ پر اجرت کا سوال نہ کرنے کا فرمانا

حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا کہ میں تم سے اس تبلیغ پر کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا میری اجرت تو صرف اللہ تعالیٰ پر ہے جس نے مجھے پیدا فرمایا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

یٰـقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى الَّذِیْ فَطَرَنِیْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (ھود:51)

اے میری قوم! میں تم سے اس تبلیغ پر کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا میری اجرت صرف اس پر ہے جس نے مجھے پیدا فرمایا ہے کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

حضرت ھود علیہ السلام کا قوم عاد کو مغفرت طلب کرنے اور توبہ کرنے کا فرمانا

حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارشاد فرمایا اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ یٰـقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ (ھود:52)

اے میری قوم! تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو پھر اس کی طرف توبہ کرو۔

توبہ کرنے کا حکم اور فضائل

جو شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچی توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمالیتا ہے اور اس کے لئے جنت کے دائمی وعدہ ہے جہاں ہر مومن خوش وخرم رہے گا۔قرآن مجید واحادیث مبارکہ میں توبہ کی ترغیب دلائی گئی ہے اور اس پر اجر عظیم وفرمایا گیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ (التحریم:8)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی طرف خالص توبہ کرو۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ (النساء:17)

اللہ پر توبہ (کا قبول کرنا) صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو (عذاب الٰہی سے) جہالت کی بناء پر گناہ کر بیٹھیں پھر جلدی سے توبہ کرلیں تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت جاننے والا اور بہت حکمت والا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

گناہ کی توبہ یہ ہے کہ توبہ کے بعد دوبارہ گناہ نہ کرے۔

(مسند احمد: ج:1،ص:446 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت معقل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ندامت توبہ ہے۔

(سنن ابن ماجہ: ص:313 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر تم خطائیں کرو حتیٰ کہ تمہاری خطاؤں سے آسمان بھر جائے پھر تم توبہ کرو اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول فرمالے گا۔

(سنن ابن ماجہ:ص:313 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص گناہ سے توبہ کرلے وہ اس شخص کی مثل ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو۔

(سنن ابن ماجہ:ص:313 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ غررہ موت (جب سانس اکھڑنے لگتا ہے) سے پہلے بندہ کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ:ص:314 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے استغفار کرلیا اس نے اصرار نہیں کیا خواہ وہ ایک دن میں ستر مرتبہ گناہ کرلے۔

(سنن ابوداؤد:ج:1،ص:212 مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے استغفار کرنے کو لازم کرلیا۔ اللہ تعالیٰ اس کی ہر پریشانی کا حل بنادے گا اور ہر تنگی سے اس کے لئے کشادگی کردے گا اور اس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں اس کا وہم وگمان نہ ہوگا۔ (مختصر تاریخ دمشق:ج:3،ص:154 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ عزوجل رات کو اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے تاکہ دن میں گناہ کرنے والا توبہ کرے اور دن میں اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے تاکہ

گناہ کرنے والا توبہ کرے (وہ یونہی کرتا رہے گا) حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے گا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2759)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اس سے پہلے توبہ کر لے کہ سورج مغرب سے طلوع ہو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالے گا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2703)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مغرب کی طرف توبہ کا ایک دروازہ ہے جس کی چوڑائی چالیس سال (40) یا ستر سال کی مسافت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دروازہ کو اس دن کھول دیا تھا جس دن اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا اور اس دروازہ کو اس وقت تک بند نہیں رہے گا جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث: 7076)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے اور جب وہ اس گناہ سے الگ ہو جاتا ہے اور استغفار کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ دوبارہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک اور نقطہ پڑ جاتا ہے حتیٰ کہ اس کا پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور یہ وہی رات ہے جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔

كَلَّا بَلْ سكتہ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ○ (المطففین: 14)

ہرگز نہیں! بلکہ ان کے دلوں پر ان کے (برے) کاموں نے زنگ چڑھا دیا۔

(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 4244)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے عرض کیا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے وصیت کیجئے!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم سے جس قدر ہو سکے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور ہر پتھر اور درخت کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور تم جو برا کام کرو اس کے بعد توبہ کرو پوشیدہ گناہ کی توبہ پوشیدہ کرو اور کھلم کھلا گناہ کی توبہ کھلم کھلا کرو۔

(معجم الکبیر: ج:20،ص:159)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے ابن آدم! بے شک تو نے مجھ سے دعا کی اور مجھ سے امید رکھی تم میں جو بھی گناہ تھا اس کو میں نے معاف کر دیا اور مجھے پرواہ نہیں۔

اے ابن آدم! اگر تو پوری روئے زمین کے برابر گناہ لے کر آیا پھر تو نے مجھ سے ملاقات کی تو میں تیرے پاس اتنی مغفرت لاؤں گا بشرطیکہ تو نے شرک نہ کیا ہو۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3540)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم میں سے کسی شخص کو اپنی گمشدہ سواری کے مل جانے سے جتنی خوشی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کو تمہاری توبہ سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔

(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 4247)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک بندہ گناہ کرتا ہے پھر جب وہ اپنے گناہ کو یاد کرتا ہے تو اپنے کیے ہوئے پر غمگین ہوتا ہے پھر جب اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ وہ اپنے کیے ہوئے پر غمگین ہے تو اس کو معاف فرما دیتا ہے۔

(مجمع الزوائد: رقم الحدیث: 17521)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
مومن اپنے گناہوں کو اس طرح سمجھتا ہے کہ گویا کہ وہ ایک پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہوا ہے اور اس کو یہ خطرہ ہے کہ وہ پہاڑ اس کے اوپر گر جائے گا اور فاجر اپنے گناہوں کو اس طرح دیکھتا ہے جیسے اس کی ناک پر مکھی بیٹھی ہوئی ہے اور وہ ہاتھ جھٹک کر اس مکھی کو اڑا دے گا۔
پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی توبہ پر اس شخص سے زیادہ خوشی ہوتی ہے جو اپنی سواری سے کسی مقام پر پہنچا اور اس سواری پر اس کے کھانے پینے کی چیزیں تھیں اس نے سواری سے اتر کر اپنا سر رکھا اور سو گیا اور جب وہ بیدار ہوا تو اس کی سواری وہاں سے جا چکی تھی گرمی بہت شدید تھی اور اس کو سخت پیاس لگی ہوئی تھی وہ پھر اپنی جگہ لوٹ آیا اور پھر سو گیا پھر سر اٹھا کر دیکھا تو اس کی سواری وہاں موجود تھی۔
(صحیح بخاری: رقم الحدیث: 6308)
ایک اور روایت میں ہے:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تم میں سے کوئی شخص یہ ہرگز نہ کہے کہ اے اللہ عزوجل! اگر تو چاہے تو میری مغفرت فرما اور اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما اس کو چاہئے کہ پورے عزم اور اصرار سے سوال کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی مجبور کرنے والا نہیں ہے۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2679)
ایک اور روایت میں ہے:
حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
بے شک تمہارا رب عزوجل حیادار کریم ہے جب اس کا بندہ اس کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ اس کے ہاتھوں کو خالی ہاتھ لوٹانے سے حیاء فرماتا ہے۔
(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 10273)
ایک اور روایت میں ہے:
ابی الجون سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ کو توبہ کرنے والے کی توبہ سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے جتنی پیاسے کو پانی پر جانے سے خوشی ہوتی ہے اور جتنی

بانجھ عورت کو بچہ کی پیدائش سے خوشی ہوتی ہے اور جتنی کسی شخص کو گم شدہ چیز کے ملنے پر خوشی ہوتی ہے پس جو شخص اللہ تعالیٰ خالص توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ کراماً کاتبین سے اور اس کے اپنے اعضاء سے وہ گناہ بھلا دیتا ہے اور تمام روئے زمین سے اس گناہوں کے آثار مٹا دیتا ہے۔

(جامع الصغیر، رقم الحدیث: 7194)

حضرت ھود علیہ السلام کا قوم عاد کو توبہ کرنے پر موسلا دھار بارش نازل کرنے کا فرمانا

حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارشاد فرمایا کہ اے میری قوم اپنے رب عزوجل سے مغفرت طلب کرو پھر اس طرف توبہ کرو وہ تم پر موسلا دھار بارش نازل فرمائے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا (ھود: 52)

وہ تم پر موسلا دھار بارش بھیجے گا۔

حضرت ھود علیہ السلام کا قوم عاد کو توبہ کرنے پر قوت میں اضافہ کرنے کا فرمانا

حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارشاد فرمایا کہ اے میری قوم تم اپنے رب عزوجل کی بارگاہ میں مغفرت طلب کرو اس کی بارگاہ میں توبہ کرو وہ تم پر موسلا دھار بارش بھیجے گا اور تمہاری قوت میں مزید اضافہ کرے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ (ھود: 52)

اور تمہاری قوت میں مزید طاقت کا اضافہ کرے گا۔

حضرت ھود علیہ السلام کا قوم عاد کو مجرموں کی طرح پیٹھ نہ پھیرنے کا فرمانا

حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو تبلیغ کرنے کے بعد ارشاد فرمایا اے میری قوم مجرموں کی طرح (حق سے) پھیرو۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ○ (ھود: 52)

اور مجرموں کی طرح (حق سے) پیٹھ نہ پھیرو۔

قوم عاد کا حضرت ھود علیہ السلام کو دلیل نہ لے کر آنے کا کہنا

جب حضرت ھود علیہ السلام قوم کو تبلیغ فرما چکے تو قوم نے کہا اے ھود تم تو ہمارے پاس کوئی دلیل بھی نہیں لے کر آئے تم کو کس طرح مانیں کہ تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا یٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ (هود:53)

قوم عاد نے کہا! اے ھود! تم ہمارے پاس کوئی دلیل لے کر نہیں آئے۔

قوم عاد کا حضرت ھود علیہ السلام کو اپنے بتوں کی عبادت نہ چھوڑنے کا کہنا

جب حضرت ھود علیہ السلام نے قوم کو بتوں کی عبادت سے منع فرمایا تو قوم نے کہا ہم تمہارے کہنے کی وجہ سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِیْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ (هود:53)

اور ہم (محض) تمہارے کہنے کی وجہ سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں۔

قوم عاد کا کہنا کہ ہم اپنے باپ دادوں کے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں

جب حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو بتوں کی عبادت سے منع فرمایا تو قوم نے کہا آپ ہمارے پاس اس واسطے آئے ہیں کہ ہم ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَ نَذَرَ مَا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَاۚ (الاعراف:70)

قوم عاد نے کہا! آپ ہمارے پاس اس لیے آئے ہیں کہ ہم ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور ان (معبودوں) کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے۔

قوم عاد کا حضرت ھود علیہ السلام کو کہنا کہ آپ ہمارے پاس اس واسطے آئے ہیں کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے برگشتہ کردیں

حضرت ھود علیہ السلام کی تبلیغ کرنے کے بعد قوم نے حضرت ھود علیہ السلام کو یہ جواب دیا کہ کیا آپ اس لیے ہمارے پاس آئے ہیں کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے برگشتہ کردیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَاۚ (الاحقاف:22)

قوم عاد نے کہا! کیا آپ اس لیے ہمارے پاس آئے ہیں کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے برگشتہ کردیں۔

قوم عاد کا حضرت ھود علیہ السلام کو کہنا کہ ہم آپ پر ایمان لانے والے نہیں

قوم عاد نے حضرت ھود علیہ السلام کو کہا کہ ہم آپ پر ایمان لانے والے نہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ○ (ھود:53)

اور ہم آپ پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

قوم عاد کا حضرت ھود علیہ السلام کو کہنا کہ ہمارے بعض معبودوں نے تم کو مجنون بنادیا ہے

قوم عاد نے حضرت ھود علیہ السلام پر ایمان لانے کے بجائے یہ کہا کہ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے بعض معبودوں نے تمہیں مجنون بنادیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ (ھود:54)

ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے بعض معبودوں نے تم کو مجنون بنادیا ہے۔

حضرت ھود علیہ السلام کا قوم عاد کو بتوں سے بیزار ہونے کا فرمانا

حضرت ھود علیہ السلام نے قوم کو فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہنا میں ان سے بے زار ہوں جن کو (اللہ تعالیٰ کا) شریک قرار دیتے ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَ اشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ (ھود:54)

میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں اور تم (بھی) گواہ رہنا میں ان سے بیزار ہوں جن کو تم (اللہ تعالیٰ کا) شریک قرار دیتے ہو۔

حضرت ھود علیہ السلام کا قوم عاد کو میرے خلاف سازش کرنے کا فرمانا

حضرت ھود علیہ السلام نے قوم عاد کو فرمایا اللہ تعالیٰ کے سوا تم سب مل کر میرے خلاف سازش کرو پھر تم مجھے مہلت نہ دو۔

قرآن مجید میں ہے:

مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنَ ○ (ھود:55)

اللہ تعالیٰ کے سوا تم سب مل کر میرے خلاف سازش کرو پھر تم مجھے مہلت نہ دو۔

حضرت ھود علیہ السلام کا فرمانا کہ میں نے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا

حضرت ھود علیہ السلام نے قوم کو فرمایا کہ بے شک میں نے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا جو میرا رب عزوجل ہے اور تمہارا رب عزوجل ہے۔ اس نے ہر جاندار کو اس کی پیشانی سے پکڑا ہوا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنِّىْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّىْ وَ رَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا ؕ (ھود:56)

بے شک میں نے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا جو میرا اور تمہارا رب ہے ہر جاندار کو اس نے اس کی پیشانی سے پکڑا ہوا ہے۔

توکل کے معانی

علامہ راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:

توکل کے دو معنیٰ ہیں ایک معنیٰ ہے کسی کو والی بنانا اور دوسرا معنیٰ ہے کسی پر اعتماد کرنا۔

(المفردات: ج:2،ص:689 مطبوعہ مکتب نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی 986ھ لکھتے ہیں:

توکل یہ ہے کہ تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا جائے جو مسبب الاسباب ہے اور اسباب عادیہ سے قطع نظر کر لی جائے۔

اور دوسری تعریف یہ ہے کہ

جو چیز انسان کی طاقت سے باہر ہے اس میں سعی اور کوشش کو ترک کر دیا جائے اور جو سبب اس کی طاقت میں ہے اس کے حصول کی سعی کی جائے اور یہ گمان نہ کرے کہ مسبب کا حصول اس سبب سے ہوا ہے بلکہ اس کے حصول کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے اعتقاد رکھے۔

اس کی تائید اس حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا اس کو کھلا چھوڑ کر توکل کروں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کو باندھ کر توکل کرو۔

(جامع الاصول: ج:11، رقم الحدیث:9505 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ محمد بن اثیر جزری متوفی 630ھ لکھتے ہیں:

توکل کا معنیٰ ہے ضامن ہونا۔

حدیث مرفوع میں ہے۔

جو شخص دو جبڑوں اور دو ٹانگوں کے درمیان کا متوکل ہوا میں اس کے لئے جنت کا متوکل ہوں یعنی جس نے اپنے منہ کو حرام کھانے اور فرج کو حرام کاری سے بچایا میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں اور توکل کا معنیٰ پناہ میں دینا بھی ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے۔

مجھے پلک جھپکنے کے لئے بھی غیر کے توکل (پناہ) میں نہ دے یا غیر کے سپرد نہ کر۔

اور توکل کا معنیٰ اعتماد کرنا اور سپرد کرنا ہے اور کسی معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے اور اس میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد کیا جائے۔ (النہایہ: ج:5،ص:221 مطبوعہ مؤسسۃ مطبوعات ایران)

امام محمد بن غزالی متوفی 606ھ لکھتے ہیں: جب انسان پر منکشف ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی فاعل نہیں ہے اور خلق ہو یا رزق ہو، دینا ہو یا روکنا ہو، زندہ کرنا ہو یا مارنا ہو، غنا ہو یا فقر ہو ہر چیز اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے تو پھر وہ اپنی ضرورتوں میں غیر کی طرف نہیں دیکھے گا اس کے دل میں اسی کا خوف ہوگا اور اسی سے امید ہوگی اسی پر بھروسہ ہوگا اور اسی پر اعتماد ہوگا کیونکہ صرف وہی مستقل فاعل ہے اور باقی چیزیں اس کے مسخر اور تابع ہیں۔ آسمان اور زمین میں سے کوئی ذرہ خود بخود حرکت نہیں کر سکتا اور جو شخص سبزہ اور فصل کی امیدوار میں بادل، بارش اور ہواؤں پر اعتماد کرتا ہے وہ فاعل حقیقی سے غافل ہے اور ایک قسم کے شرک میں مبتلا ہے۔ (احیاء العلوم: ج:5،ص:120 تا 121 مطبوعہ دارالخیر بیروت)

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں: توکل کا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ انسان اپنے آپ کو اور اپنی مساعی کو مہمل چھوڑ دے جیسا کہ بعض جاہل کہتے ہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اصحاب سے مشورہ کرنے کا حکم نہ دیتا بلکہ توکل یہ ہے کہ انسان اسباب ظاہری کی رعایت کرے لیکن دل سے ان اسباب پر اعتماد نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اس کی تائید اور اس کی حمایت پر اعتماد کرے۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ

لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے میں اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے اعراض کرنے میں رغبت دلائی جائے۔

(تفسیر کبیر: ج:3،ص:83 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

امام بیہقی متوفی 458ھ نے توکل کی حسب ذیل تصریحات نقل کی ہیں۔

سہل بن عبداللہ تستری نے کہا: توکل یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ایسا ہو جیسے غسل دینے والوں کے ہاتھوں میں مردہ ہوتا ہے وہ جس طرح چاہے اس کو الٹتا ہے پلٹتا ہے۔

نہر جوری نے کہا: حقیقت میں متوکل وہ شخص ہے جو مخلوق سے تعلق نہ رکھے وہ اپنے حال کی کسی سے شکایت نہ کرے اور اگر اس کو کوئی شخص کچھ نہ دے تو اس کی مذمت نہ کرے کیونکہ اس کا یقین ہے کہ دینا اور نہ دینا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔

ابو یزید سے پوچھا گیا کہ

بندہ متوکل کب ہوتا ہے۔

انہوں نے کہا: جب وہ اپنے دل کو ہر موجود اور مفقود سے منقطع کر لیتا ہے۔

عامر بن عبد قیس نے کہا: اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تین آیات ایسی ہیں جو انسان کو تمام مخلوقات سے کفایت کرتی ہیں اور اس سے مستغنی کر دیتی ہیں۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ (یونس: 107)

اور اللہ اگر تجھے کوئی ضرر پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اسے دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تیرے لیے کسی خیر کا ارادہ کرے تو اس کے سوا کوئی اور اس کے فضل کو روکنے والا نہیں۔

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (فاطر: 2)

اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے جو رحمت کھولتا ہے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جس چیز کو وہ روک لے تو اس کے بعد اسے کوئی چھوڑنے والا نہیں اور وہی غالب ہے حکمت والا ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○ (ھود: 6)

اور زمین پر چلنے والے ہر جاندار کا رزق اللہ تعالیٰ پر ہے وہ اس کے ٹھہرنے کی جگہ اور اس کے سپرد کیے جانے کی جگہ کو جانتا ہے سب کچھ روشن کتاب میں ہے۔

اصمعی بیان کرتے ہیں کہ

ایک اعرابی اپنے بھائی کو نصیحت کر رہا تھا! اے بھائی تم طالب بھی ہو اور مطلوب بھی، تم کو وہ طلب کرتا ہے جو فوت ہونے والا نہیں ہے اور تم اس چیز کو طلب کرتے ہو جس سے تم مستغنی کر دیے گئے ہو۔ اے بھائی! تم دیکھتے ہو کہ کئی حریص لوگ محروم رہتے ہیں اور کئی بے رغبت لوگ نواز دیے جاتے ہیں۔

(شعب الایمان، ج: 2، ص 109 تا 113 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

توکل کا قرآن مجید و احادیث مبارکہ، علماء کرام کے اقوال سے ثبوت

توکل ایک بہت بڑی نعمت ہے جس کا ثبوت قرآن مجید و احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (المائدہ: 23)

اور اگر تم مومن ہو تو صرف اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرو۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ (الزمر: 36)

کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو کافی نہیں ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (الطلاق:3)

اور جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے۔

اور احادیث مبارکہ میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھ پر امتیں پیش کی گئیں۔ایک نبی اور دو نبیوں کے ساتھ ایک جماعت تھی اور بعض نبی ایسے تھے کہ ان کے ساتھ ایک آدمی بھی نہیں تھا حتیٰ کہ میں نے ایک بہت بڑی جماعت دیکھی۔

میں نے سوچا۔

یہ کون سی جماعت ہے؟

کیا یہ میری امت ہے؟

کہا گیا کہ

بلکہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور ان کی امت ہے۔

اور کہا گیا کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم افق کی طرف دیکھئے تو ایک جماعت نے افق کو بھر لیا تھا۔

پھر مجھ سے کہا گیا کہ

ادھر ادھر آسمان کے کناروں کو دیکھئے تو ایک بہت بڑی جماعت تھی جس نے آسمان کے تمام کناروں کو بھر لیا تھا۔

کہا گیا کہ

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے اور ان میں سے ستر ہزار جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم (حجرہ میں) داخل ہو گئے اور یہ نہیں بیان فرمایا کہ (وہ ستر ہزار لوگ کون ہیں) لوگ (اس حدیث میں) بحث و تمحیص کرنے لگے۔

انہوں نے کہا: اس کا مصداق ہم لوگ ہیں ہم لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس کے رسول کی اتباع کی۔ہم ہیں یا پھر ہماری اولاد ہے جو اسلام میں پیدا ہوئی کیونکہ ہم جاہلیت میں پیدا ہوئے تھے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بحث پہنچی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ وہ لوگ ہیں جو منتر نہیں کرتے تھے اور نہ پرندوں سے بدشگونی کرتے تھے اور نہ داغ لگانے پر اعتماد کرتے تھے اور صرف

اپنے رب عزوجل پر توکل کرتے تھے۔
حضرت عکاشہ بن محصن نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ہاں!
ایک دوسرا شخص کھڑا ہوا اس نے کہا: کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تم پر عکاشہ نے سبقت کر لی۔
(صحیح بخاری: ج:3، ص:83 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اگر تم اللہ تعالیٰ پر کما حقہ توکل کرو تو تم کو اس طرح رزق دیا جائے گا جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے وہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں۔
(مسند احمد: ج:1، ص:52 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جس شخص کو تنگی اور فقر لاحق ہو اور وہ اس کو لوگوں کے سامنے پیش کرے اس کا فقر و فاقہ ختم نہیں ہوگا اور جس شخص کو فقر و فاقہ لاحق ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حاجت بیان کرے تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جلد یا بہ دیر رزق عطا فرمائے گا۔
(شعب الایمان: ج:2، ص:120 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت مطلب بن حنطب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ نے مجھے جن کاموں کا حکم دیا تھا میں نے تمہیں ان تمام کاموں کا حکم دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے جن کاموں سے منع کیا تھا میں نے تمہیں ان تمام کاموں سے منع کر دیا ہے اور بے شک الروح الامین نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک ہرگز نہیں مرے گا حتیٰ کہ وہ اپنے رزق کو پورا کر لے پس تم اچھی طرح طلب کرو۔

دوسری روایت میں ہے۔

حلال کو طلب کرو اور حرام کو ترک کر دو۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث: 1186)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

رزق بندہ کو اس طرح طلب کرتا ہے جس طرح اس کی موت اس کو طلب کرتی ہے۔

(مسند البزار: رقم الحدیث: 1254)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اہل یمن حج کرتے تھے اور زاد راہ نہیں لے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم توکل کرنے والے ہیں اور جب مکہ مکرمہ پہنچتے تو لوگوں سے سوال کرتے تھے۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی (البقرہ:197)

اور زاد راہ لیا کرو بہترین زاد راہ تقویٰ ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 1523)

ایک اور روایت میں ہے:

ذوالنون سے پوچھا گیا۔

توکل کیا ہے۔

انہوں نے کہا: توکل دنیا والوں سے مستغنی ہونا اور اسباب سے منقطع ہونا ہے۔

اور نہر جوری نے کہا: توکل کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان اختیار کو ترک کر دے۔

(شعب الایمان: ج:2، ص:105 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

بہت سے علماء کرام نے توکل کی تعریف یہ کی ہے کہ

انسان جس کام کا مالک ہو اور اس کے نفع اور ضرر پر قادر ہو اس کام کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے یہ توکل ہے۔

اور بعض علماء کرام نے یہ کہا ہے کہ

انسان پر کوئی ایسی مصیبت ٹوٹ پڑے جس کو وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے دور کر سکتا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے مصیبت کو دور نہ کرے تو یہ توکل ہے مثلاً وہ جھوٹی گواہی پیش کر کے کسی الزام سے بچ سکتا ہو لیکن وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے کرے تو یہ توکل ہے۔

اور بعض علماء کرام نے کہا: یہ توکل کا ادنیٰ مرتبہ ہے۔

بعض عارفین سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے میں لوگوں کی تین قسمیں ہیں۔

1- انسان کسی چیز کے سبب کو حاصل کر کے اس کو طلب کرے اور اس کی نیت یہ ہو کہ وہ اس چیز سے مخلوق کو نفع پہنچائے گا۔

2- انسان کسی چیز کے حصول کے اسباب سے صرف نظر کرے نہ اس چیز کو طلب کرے نہ اس چیز کو حرص کرے اور اپنے آپ کو فرائض اور واجبات کی ادائیگی میں مشغول رکھے۔

3- انسان کسی چیز کو طلب نہ کرے اور اس کے حصول کے لئے کوئی کوشش نہ کرے اور یہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی عمل نہیں چھوڑا بلکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے اور اس کی تقدیر سے فارغ ہو چکا ہے اور اس نے ہر چیز کے حصول کو ایک وقت مقرر کے لئے مقدر کر دیا ہے پس متوکل وہ شخص ہے جس نے غور و فکر کرنے اور اشیاء کے اسباب کو تلاش کرنے سے اپنے نفس کو آرام و راحت کے ساتھ رکھا ہوا ہے اور وہ اس کا منتظر ہے کہ تقدیر سے اس کے لئے کیا چیز ظاہر ہوتی ہے اور اس کو یہ یقین ہے کہ طلب کرنے سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا اور توکل اس کو منع نہیں کرے گا اور جب وہ اپنے آپ کو اسباب کی غلامی سے نکال لے اور وہ اپنے توکل میں اللہ تعالیٰ کے حق کے سوا اور کسی چیز کا لحاظ نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر مہم میں کافی ہو گا۔

(روح المعانی: جز: 19، ص 205 تا 206 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی متوفی 743ھ لکھتے ہیں:

حق توکل کا معنیٰ یہ ہے کہ

انسان کو یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کام کرنے والا نہیں ہے اور مخلوق میں سے جو چیز بھی موجود ہے اس کو وہی رزق دیتا ہے وہی عطا کرتا ہے وہی منع کرتا ہے وہی زندگی دیتا ہے وہی موت دیتا ہے وہی غنی کرتا ہے اور وہی فقیر کرتا ہے اور جو چیز بھی ہے اس کا وجود اللہ تعالیٰ سے ہی ہے پھر وہ اچھے طریقہ سے اپنے مطلوب کی طلب میں کوشش کرے اس کو پرندوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے کیونکہ پرندے صبح کو بھوکے نکلتے ہیں پھر وہ اپنی روزی اور رزق کو تلاش کرتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں۔

امام ابو حامد غزالی نے کہا ہے کہ

بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ توکل کا معنیٰ ہے بدن سے کسب اور کوشش کو ترک کرنا اور دل سے تدبیر کو ترک کرنا اور زمین پر اس طرح پڑا رہے جیسے زمین پر کوئی کپڑے کا ٹکڑا پڑا ہو یا گوشت کی بوٹی پڑی ہو اور یہ جاہلوں کا گمان ہے اور ایسا کرنا شریعت میں حرام ہے اور شریعت نے توکل کرنے والوں کی تعریف کی ہے تو جو شخص حرام کام کرے گا وہ کیسے تعریف

اور تحسین کا مستحق ہوگا۔

اور توکل کا معنیٰ یہ ہے کہ

بندہ اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے اپنے عمل کو بروئے کار لائے اور سعی اور جدو جہد کرے۔

(الکاشف عن حقائق السنن: ج:6، ص362 تا 363 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری متوفی 465ھ لکھتے ہیں:

سہل بن عبداللہ تستری نے کہا: متوکل کی تین علامتیں ہیں۔

1- وہ خود سے سوال نہیں کرتا۔

2- کسی کی دی ہوئی چیز کو رد نہیں کرتا۔

3- اور کسی کی دی ہوئی چیز کو جمع نہیں کرتا۔

بایزید سے پوچھا گیا کہ

توکل کی تعریف کیا ہے؟

انہوں نے پوچھا۔

تمہارے نزدیک توکل کی تعریف کیا ہے۔

سائل نے کہا: ہمارے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ توکل یہ ہے کہ اگر تمہارے دائیں اور بائیں درندے اور اژدھے ہوں تو تمہارے دل میں خوف نہ پیدا ہو۔

بایزید نے کہا: ہاں یہ بھی درست ہے لیکن اگر اہل جنت کو جنت میں ثواب ہو رہا ہو اور اہل دوزخ کو دوزخ میں عذاب ہو رہا ہو اور تم ان میں تمیز کر رہے ہو تو تم متوکلین میں سے نکل جاؤ گے۔

سہل بن عبداللہ نے کہا: توکل کا پہلا درجہ یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح ہو جس طرح مردہ غسال کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

توکل کا محل قلب ہے اور اس کی ظاہری حرکت قلب کے توکل کے منافی نہ ہو اور اس کے نزدیک تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اگر کوئی چیز مشکل ہو تو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہے اور اگر کوئی چیز آسان ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اونٹنی پر سوار ہو کر آیا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ

اونٹنی کو کھلا چھوڑ کر توکل کروں یا اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اونٹنی کو باندھ کر توکل کرو۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2344)

ابراہیم خواص بیان کرتے ہیں کہ

وہ ایک دیہات میں جا رہے تھے کہ انہوں نے ایک آواز سنی۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا تو ایک اعرابی جا رہا تھا۔

اس نے کہا: اے ابراہیم! ہمارے نزدیک توکل یہ ہے کہ جب تم کسی شہر میں جاؤ تو شہر والوں سے تمہاری یہ امید نہ ہو کہ وہ تمہیں کھانا کھلائیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکل ہو۔

ابو تراب نخشبی نے کہا: توکل یہ ہے کہ تم اپنے بدن کو عبادت میں مشغول رکھو اور اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں مستغرق رکھو اور قدر ضروری پر مطمئن رہو۔ اگر تمہیں کچھ دیا جائے تو شکر کرو اور نہ دیا جائے تو صبر کرو۔

حمدون قصار سے توکل کے متعلق سوال کیا گیا۔

تو اس نے کہا: اگر تمہارے پاس دس ہزار روپے ہوں اور تم پر ایک روپے کا قرض ہو تو تم موت سے بے خوف نہ ہو، ہو سکتا ہے کہ تم پر وہ قرض رہ جائے اور تمہارے اوپر دس ہزار روپے قرض ہو اور تمہارے پاس اس کی ادائیگی کے لئے رقم نہ ہو تو تم اللہ تعالیٰ سے مایوس نہ ہو کہ وہ تمہارے قرض کی ادائیگی کی سبیل کر دے گا۔

استاذ ابو علی دقاق یہ فرماتے تھے کہ

متوکل کے تین درجات ہیں۔

1- التوکل

2- پھر تسلیم

3- پھر تفویض

اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر مطمئن ہونا توکل ہے اور اس کے علم پر قناعت کرنا تسلیم ہے اور اس کے حکم پر راضی رہنا تفویض ہے۔

توکل ابتداء ہے تسلیم متوسط ہے اور تفویض انتہاء ہے۔

نیز استاذ ابو علی دقاق فرماتے تھے کہ

توکل مومنین کی صفت ہے۔ تسلیم اولیاء کی صفت ہے اور تفویض موحدین کی صفت ہے یا توکل عوام کی صفت ہے اور تسلیم خواص کی صفت ہے اور تفویض خواص الخواص کی صفت ہے۔ نیز وہ کہتے تھے کہ توکل عام انبیاء کرام علیہم السلام کی صفت ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفت ہے اور تفویض ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے۔

(الرسالۃ القشیریۃ: ص 200 تا 204 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی 676ھ لکھتے ہیں:

توکل کی حقیقت میں متقدمین اور متاخرین علماءِ کرام کا اختلاف ہے۔

ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ
توکل کے اسم کا وہ ہر شخص مستحق ہے جس کے دل میں غیر اللہ کا خوف بالکل نہ ہو اس کو کسی درندہ کا نہ خوف ہو نہ دشمن کا حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ضمانت پر اعتماد کرتے ہوئے رزق کے طلب کرنے کو بھی چھوڑ دے۔

اور ایک جماعت نے کہا: توکل کی تعریف یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنا اور یہ یقین رکھنا کہ اس کی تقدیر نافذ ہوگی اور اپنے مقاصد کے حصول کے لئے سعی اور جدوجہد کرنے میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنا خصوصاً کھانے پینے میں اور دشمنوں سے حفاظت کے معاملہ میں جیسا کہ تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام کی یہ سنت ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اول الذکر بعض متصوفہ اور اصحاب علم القلوب والاشارات کا مذہب ہے اور ثانی الذکر عامۃ الفقہاء کا مذہب ہے۔

اور صوفیاء میں سے محققین نے توکل کی تعریف میں یہ کہا ہے کہ
اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اسباب کو اختیار کرنا ضروری ہے لیکن جب انسان صرف اسباب پر قناعت کرے اور مطمئن ہو جائے تو یہ توکل نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کی حکمت کے مطابق اسباب کو اختیار کرے اور اس کا یہ یقین ہو کہ یہ اسباب کسی نفع کے حصول یا ضرر کو دفع کرنے میں مستقل اور موثر نہیں ہیں اور نفع اور ضرر اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادہ سے ہی ظاہر ہوگا۔ (شرح مسلم: ج:2، ص:1100 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

حضرت ھود علیہ السلام نے قوم عاد کو فرمایا کہ میں تمہیں دیا ہوا پیغام پہنچا چکا ہوں

حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا کہ اگر تم پیٹھ بھی پھیر جاؤ تو کوئی بات نہیں میں تو تم کو وہ پیغام پہنچا چکا ہوں جو مجھے دے کر بھیجا گیا تھا۔

قرآن مجید میں ہے:
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖۤ اِلَیْكُمْؕ (ھود:57)
اگر تم پیٹھ پھیرو (تو کوئی بات نہیں) میں تو تم کو وہ پیغام پہنچا چکا ہوں جو مجھے دے کر بھیجا گیا تھا۔

حضرت ھود علیہ السلام کا فرمانا کہ میرا رب عزوجل تمہاری جگہ دوسری قوم لا کر آباد کرے گا اور تم اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتے

حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو بہت سمجھایا اور تبلیغ کی مگر وہ آپ علیہ السلام کی تکذیب کرتے رہے حتیٰ کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا رب عزوجل تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم کو لا کر آباد کر دے گا اور تم اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ يَسْتَخْلِفُ رَبِّىْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّىْ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ حَفِيْظٌ ○ (ھود:57)

اور میرا رب تمہاری جگہ دوسری قوم کو لا کر آباد کر دے گا اور تم اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے بے شک میرا رب ہر چیز کا نگہبان ہے۔

حضرت ھود علیہ السلام کا قوم عاد کو امانت دار رسول فرمانا

حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا کہ میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ○ (الشعراء:125)

بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔

حضرت ھود علیہ السلام کا قوم عاد کو اپنی اطاعت کرنے کا فرمانا

حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ○ (الشعراء:126)

سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

اطاعت کی تاکید

قرآن مجید واحادیث مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر زور دیا گیا ہے اور اس پر اجر عظیم کا وعدہ بھی فرمایا گیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○ (النور:54)

آپ فرما دیجئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پس اگر تم نے روگردانی کی تو رسول کے ذمہ وہی ہے جو ان پر لازم کیا گیا ہے اور تمہارے ذمہ وہی ہے جو تم پر لازم کیا گیا ہے اور اگر تم رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے اور رسول کے ذمہ تو صرف احکام کو صاف صاف پہنچا دینا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ (النور:52)

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہتے ہیں تو وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

اسلم نے ذکر کیا ہے کہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمارے ساتھ مسجد نبوی میں کھڑے ہوئے تھے کہ روم کا ایک دیہاتی ان کے پاس آ کر کلمہ شہادت پڑھنے لگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا۔

تم یہ کلمہ کیوں پڑھ رہے ہو؟

اس نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کے لئے اسلام لایا ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: آیا اس کا کوئی خاص سبب ہے؟

اس نے کہا: ہاں! میں نے تورات، انجیل اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے صحائف پڑھے ہیں میں نے ایک قیدی سے قرآن مجید کی آیت سنی جو تمام کتب سابقہ کی تعلیمات اور احکام کی جامع ہے تب مجھے یقین ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نازل کیا کلام ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ کون سی آیت ہے تو اس نے یہ آیت کریمہ پڑھی۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ○

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

مجھے جوامع الکلم عطا فرمائے گئے ہیں۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:12، ص:274 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ (نساء:59)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت کرو۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا○ (نساء:69)

اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جس پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ (نساء:64)

اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے پاس حاضر ہوں پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہیں اور رسول اس کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ کرنے والا مہربان پائیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝ (نساء:80)

جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کا حکم مانا اور جس نے منہ پھیرا تو ہم نے ان کے بچانے کو نہ بھیجا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے میری اطاعت کی بلاشبہ اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی بلاشبہ اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 7137)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک میری مثال اور اس کی مثال جسے دے کر اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ایک آدمی کی مانند ہے جو ایک قوم کے پاس آیا۔

اور پھر اس نے کہا: اے میری قوم! میں نے ایک بہت بڑا لشکر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور میں کسی رکھ رکھاؤ کے بغیر عیاں خبردار کرنے والا ہوں اپنا بچاؤ کر لو اپنا بچاؤ کر لو پس اس کی قوم کے ایک گروہ نے اس کی بات مان لی اور منہ اندھیرے اٹھ کھڑے ہوئے پس وہ اطمینان سے وہاں سے روانہ ہو گئے تو وہ نجات پا گئے۔ اس آدمی کی قوم کے ایک گروہ نے اسے جھٹلایا اپنی اسی جگہ پر رہے تو صبح کے وقت اس لشکر نے ان پر حملہ کر دیا اور ان کی جڑیں کاٹ دیں پس یہ مثال اس خوش نصیب کی جس نے میری اطاعت کی اور جو میں حق لے کر آیا ہوں اس کی اتباع کی اور یہ اس شخص کی بھی مثال ہے جس نے میری نافرمانی کی اور جو میں حق لے کر آیا اس کی تکذیب کی۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 7283)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرا ہر امتی جنت میں داخل ہوگا مگر وہ جس نے انکار کردیا۔

عرض کیا گیا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! انکار کرنے والا کون ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔

(صحیح بخاری: رقم الحدیث: 7280)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ ارشاد فرمایا۔

اور دوران خطبہ ارشاد فرمایا:

بے شک میں تم میں وہ کچھ چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ تم اگر اس کو مضبوطی سے پکڑے رکھو تو ہرگز ہرگز گمراہ نہیں ہو گے۔ (مستدرک

ج: 1 ص: 93)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں تم ان دونوں پر عمل کے بعد گمراہ نہیں ہو سکتے۔

1- اللہ تعالیٰ کی کتاب

2- اور میری سنت

اور یہ میدان محشر میں حوض کوثر پر وارد ہونے تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے۔ (مستدرک: ج: 1 ص: 93)

حضرت ھود علیہ السلام کا تبلیغ پر اجرت طلب نہ کرنے کا فرمانا

حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارشاد فرمایا کہ میں تم سے اس دین کی تبلیغ پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا میرا اجر

اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥ (الشعراء:127)

اور میں تم سے اس (تبلیغ دین پر) کوئی اجرت طلب نہیں کرتا میرا اجر تو صرف رب العلمین پر ہے۔

حضرت ھود علیہ السلام کا قوم عاد کو اونچی جگہ پرلہو ولعب کی یادگار تعمیر کرنے کا فرمانا

حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا کہ کیا تم ہر اونچی جگہ پرلہو ولعب کی ایک یادگار تعمیر کر رہے ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ٥ (الشعراء:128)

کیا تم ہر اونچی جگہ پرلہو ولعب کی ایک یادگار تعمیر کر رہے ہو۔

حضرت ھود علیہ السلام کا قوم عاد کو فرمانا کہ تم اس توقع پر مضبوط مکان بنا رہے ہو کہ تم ہمیشہ رہو گے

حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارشاد فرمایا کہ تم اس امید پر مضبوط مکان بنا رہے ہو کہ تم ہمیشہ رہو گے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ تَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ٥ (الشعراء:129)

اور تم اس توقع پر مضبوط مکان بنا رہے ہو کہ تم ہمیشہ رہو گے۔

ریع کا معنیٰ

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:

ریع کا معنیٰ ہے۔

ٹیلا ہر وہ اونچی جگہ جو دور سے نظر آئے۔

(المفردات: ج:2،ص:274 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

عبث کیوں فرمایا گیا

آیت کریمہ میں تَعْبَثُوْنَ کا لفظ ہے یہ عبث سے بنا ہے اس کا معنیٰ ہے کھیل کود اور بے کار کام میں مشغول ہونا جس کام کی کوئی غرض صحیح نہ ہو اس کو عبث کہتے ہیں۔

(المفردات: ج:2،ص:416 مطبوعہ مرجع السابق)

اونچی جگہ پر یادگار تعمیر کرنے پر اقوال

قوم عاد اونچی جگہ پر جو ایک یادگار تعمیر کرتے تھے اس کے متعلق چند اقوال ہیں۔

علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

1۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

وہ اونچی جگہ پر مکان بناتے تھے جس میں وہ رہائش کا ارادہ نہیں رکھتے تھے اس لیے اس کو عبث فرمایا۔

2-حضرت سعید بن جبیر اور حضرت مجاہد رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

وہ عمارت بنا کر اس کے اوپر برج بناتے تھے اور اس برج میں کبوتر رکھتے تھے۔

3-حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وہ بلند جگہ پر ایک عمارت بناتے اور اس میں کھڑے ہو کر آنے جانے والوں کو دیکھتے اور ان کا مذاق اڑاتے۔

(زاد المسیر: ج:6،ص:135 تا136 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حضرت ھود علیہ السلام کا قوم عاد کو فرمانا کہ جب تم کسی کو پکڑتے ہو تو سخت جبر سے پکڑتے ہو

حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارشاد فرمایا جب تم کسی کو پکڑتے ہو تو سخت جبر سے پکڑتے ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ۝ (الشعراء:130 تا131)

اور جب تم کسی کو پکڑتے ہو تو سخت جبر سے پکڑتے ہو۔ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

☆ یعنی جب تم کسی کو گرفتار کرتے ہو اس کو سزا دینے کے لئے کوڑے مارتے ہو یا تلوار سے قتل کرتے ہو اور جس طرح کسی ظالم اور جابر شخص کے دل میں کوئی نرمی ہوتی ہے نہ ترس ہوتا ہے اسی طرح تمہارا معاملہ ہوتا ہے۔

حضرت ھود علیہ السلام کا فرمانا اس سے ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں سے مدد کی

حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارشاد فرمایا اے میری قوم تم اس سے ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں سے مدد کی جن کو تم جانتے ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاتَّقُوا الَّذِیْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (الشعراء:132)

اور اس سے ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں سے مدد کی جن کو تم جانتے ہو۔

حضرت ھود علیہ السلام کا فرمانا کہ اس نے تمہاری چوپایوں اور بیٹوں سے مدد کی

حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارشاد فرمایا کہ اس ذات مقدس سے ڈرو جس نے تمہاری چوپایوں اور بیٹوں سے مدد فرمائی۔

قرآن مجید میں ہے:

اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّ بَنِیْنَ ۝ (الشعراء:133)

اس نے تمہاری چوپایوں اور بیٹوں سے مدد کی۔

حضرت ھود علیہ السلام کا فرمانا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری باغوں اور چشموں سے مدد فرمائی

حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارشاد فرمایا کہ اس وحدہ لاشریک ذات اقدس سے ڈرو جس نے تمہاری باغوں اور چشموں سے مدد فرمائی۔

قرآن مجید میں ہے: وَ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ۝ (الشعراء:134)

(اور اس سے ڈرو جس نے تمہاری مدد کی) باغوں سے اور چشموں سے۔

حضرت ھود علیہ السلام کا قوم عاد کو فرمانا کہ مجھے تم پر عظیم دن کے عذاب کا خطرہ ہے

حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارشاد فرمایا کہ اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ورنہ مجھے تم پر عظیم دن کے عذاب کا خطرہ ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ (الشعراء:135)

بے شک مجھے تم پر عظیم دن کے عذاب کا خطرہ ہے۔

قوم عاد کا کہنا ہمارے لیے برابر ہے آپ نصیحت کریں یا نصیحت کرنے والوں میں سے نہ ہوں

حضرت ھود علیہ السلام کی تبلیغ پر قوم نے کہا کہ ہمارے لیے برابر ہے کہ آپ علیہ السلام نصیحت کریں یا نصیحت کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَیْنَاۤ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِیْنَ ۝ (الشعراء:136)

قوم عاد نے کہا ہمارے لیے برابر ہے کہ آپ ہمیں نصیحت کریں یا نصیحت کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔

قوم عاد کا کہنا یہ نصیحت کرنا تو پہلے لوگوں کا طریقہ ہے

حضرت ھود علیہ السلام کی تبلیغ پر عمل کرنے کے بجائے قوم اس قدر بدبخت تھی کہ انہوں نے کہا یہ نصیحت کرنا تو پہلے لوگوں کا طریقہ ہے صرف آپ نہیں کر رہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ (الشعراء:137)

یہ (نصیحت کرنا) صرف پہلے لوگوں کا طریقہ ہے۔

م عاد کا کہنا کہ ہمیں عذاب نہیں ہوگا

حضرت ھود علیہ السلام کی قوم نے عذاب ... نہیں ... گا

قرآن مجید میں ہے:

وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ○ (الشعراء:138)

اور ہم کو عذاب نہیں دیا جائے گا۔

قوم عاد کا رسولوں کی تکذیب کرنا

قوم عاد نے رسولوں کی تکذیب کی۔

قرآن مجید میں ہے:

كَذَّبَتْ عَادُ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ○ (الشعراء:123)

قوم عاد نے رسولوں کی تکذیب کی۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ○ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۭ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ○ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ۭ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ○ (ق:13 تا 15)

اور عاد اور فرعون اور لوط کے علاقے والوں نے اور ایکہ والوں نے اور تبع کی قوم نے ان میں سے ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا سو عذاب کی وعید برحق ہے تو کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے ہیں (نہیں) بلکہ وہ اپنے از سر نو پیدا ہونے کے متعلق شک میں مبتلا ہیں۔

قوم عاد کا حضرت ھود علیہ السلام کو جھٹلانا

قوم عاد نے حضرت ھود علیہ السلام کو جھٹلایا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَكَذَّبُوْهُ (الشعراء:139)

سو انہوں نے ھود کی تکذیب کی۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت ھود علیہ السلام نے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ایک مانیں اور لوگوں پر ظلم نہ کریں اس کے علاوہ انہیں اور کوئی حکم نہیں دیا اور انہیں نماز یا کسی اور حکم شرعی کی دعوت نہیں دی لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ماننے سے انکار کیا اور حضرت ھود علیہ السلام کی تکذیب کی۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:27، ص148 تا 149 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قوم عاد کا تعارف

عاد قوم عاد کے جد اعلیٰ کا نام ہے

مقاتل نے کہا ہے کہ

عاد اور ثمود ایک دوسرے کے عم زاد بھائی تھے عاد حضرت ھود علیہ السلام کی قوم تھی اور ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی، عاد اور ثمود دونوں کی ہلاکتوں کے درمیان پانچ سو سال کا عرصہ تھا۔

بعض مورخین نے کہا ہے کہ

عاد اور ثمود دونوں بھائی تھے اور ارم بن سام بن نوح کی اولاد سے تھے، عاد اور اس کے فرزندوں کا مسکن یمن میں تھا اور ثمود اور اس کے فرزندوں کا مسکن حجاز اور شام کے درمیان میں تھا ان سب کی زبان اور لغت عربی تھی یہ سب ختم ہو گئے اب ان کی نسل باقی نہیں ہے۔

(روح البیان: ج:6،ص:378 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ اسماعیل عمر بن کثیر شافعی دمشقی متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

حضرت ھود علیہ السلام کے قبیلہ کا نام عاد بن عوص بن سام بن نوح تھا یہ عرب تھے اور احقاف میں رہتے تھے یہ پہاڑوں کے درمیان ریگستان ہے یہ جگہ یمن میں عمان اور حضر موت کے درمیان ہے یہ لوگ مضبوط ستونوں والے خیموں میں رہتے تھے۔ صحیح ابن حبان میں انبیاء کرام ورسل عظام علیہم السلام کے ذکر میں ایک طویل مروی ہے اس میں ذکر ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے ابوذر! چار نبی عرب ہیں!

1-حضرت ھود علیہ السلام

2-حضرت صالح علیہ السلام

3-حضرت شعیب علیہ السلام

4-اور تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

ایک قول یہ ہے کہ

حضرت ھود علیہ السلام پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے عربی زبان میں کلام کیا۔

ایک قول یہ ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ یہ قول حق کے زیادہ قریب ہے۔

مقصود یہ ہے کہ

اس سے مراد عاد اولیٰ ہے یہ وہ پہلی قوم ہے جس نے طوفان نوح کے بعد بت پرستی کی ان کے تین بت تھے۔

1-صد

2-صمود

3- اور رہ ہر۔ (البدایہ والنہایہ: ج: 1، ص 188 تا 189 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قوم عاد کا حضرت ھود علیہ السلام سے عذاب کو طلب کرنا

قوم عاد نے نصیحت پر عمل کرنے کے بجائے حضرت ھود علیہ السلام سے عذاب کو طلب کیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ٥ (الاحقاف:22)

آپ وہ عذاب لے آئیں جس سے آپ ہم کو ڈرا رہے ہیں اگر آپ سچوں میں سے ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ٥ (الاعراف:70)

سو آپ ہمارے پاس وہ (عذاب) لے کر آئیں جس کا آپ ہم سے وعدہ کرتے رہے ہیں اگر آپ سچوں میں سے ہیں۔

حضرت ھود علیہ السلام کا فرمانا کہ اس کا علم تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے

حضرت ھود علیہ السلام کی قوم نے جب عذاب طلب کیا تو حضرت ھود علیہ السلام نے فرمایا اس کا علم تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے میں تم لوگوں کو وہ پیغام پہنچا رہا ہوں جو مجھے دے کر مبعوث فرمایا گیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ (الاحقاف:23)

ھود نے کہا! اس کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے میں تمہیں وہ پیغام پہنچا رہا ہوں جسے دے کر مجھے بھیجا گیا ہے۔

حضرت ھود علیہ السلام کا قوم عاد کو جاہل لوگ کہنا

جب قوم عاد نے حضرت ھود علیہ السلام سے عذاب کو طلب کیا تو حضرت ھود علیہ السلام نے فرمایا اس کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے میں تمہیں وہ پیغام پہنچا رہا ہوں جسے دے کر مجھے بھیجا گیا ہے لیکن میں تمہارے متعلق گمان کرتا ہوں کہ تم جاہل لوگ ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ٥ (الاحقاف:23)

لیکن میں تمہارے متعلق گمان کرتا ہوں کہ تم جاہل لوگ ہو۔

جہل کی مذمت

علامہ اسماعیل حقی متوفی 1137ھ لکھتے ہیں:

جو شخص بغیر علم کے عبادت کرتا ہے وہ چکی کے گدھے کی طرح ہے وہ اس کے گرد گھومتا رہتا ہے اور مسافت کو قطع نہیں کرتا۔

(روح البیان: ج:6 ص:420 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ العزیز متوفی 1340ھ لکھتے ہیں:

اعلیٰ حضرت سے سوال کیا گیا کہ بعض لوگ بغیر حدیث پڑھے بغیر بے خواندہ بے اجازت اساتذہ برسر بازار و مسجد وغیرہ بہ طور وعظ و نصائح کے بیان کرتے ہیں حالانکہ مطلب و معنیٰ میں کچھ مس نہیں فقط اردو کی کتابیں دیکھ کے کہتے ہیں یہ کہنا اور بیان کرنا ان لوگوں کے لئے شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

بینوا و توجروا

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

حرام ہے اور ایسا وعظ سننا بھی حرام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

جس نے بغیر علم کے قرآن مجید کے متعلق کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔

یہ حدیث مبارکہ امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ: ج:1 10/ ص:188 مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

نیز اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

زاہد جاہل کا اپنے آپ کو مولوی صاحب کہنا دونا گناہ ہے کہ اس کے ساتھ جھوٹ اور جھوٹی تعریف کا پسند کرنا بھی شامل ہوا۔

قال اللہ عزوجل

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَاۤ اَتَوْا وَّیُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۝

ہرگز نہ جانیو تو انہیں جو اتراتے ہیں اپنے کام پر اور دوست رکھتے ہیں اسے کہ تعریف کیے جائیں اس بات سے جو انہوں نے نہ کی تو ہرگز نہ جانیو انہیں عذاب سے پناہ کی جگہ میں اور ان کے لئے دکھ کی مار ہے۔

معالم شریف میں عکرمہ تابعی شاگرد عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے۔

یفرحون باضلالهم الناس و بنسبة الناس ایاهم الی العلم ولیسوا جاهل العلم

یعنی

خوش ہوتے ہیں لوگوں کو بہکانے پر اور اس پر کہ لوگ انہیں مولوی کہیں حالانکہ مولوی نہیں۔ جاہل کی وعظ گوئی بھی گناہ ہے۔

وعظ میں قرآن مجید کی تفسیر ہوگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ یا شریعت کا مسئلہ اور جاہل کو ان میں کسی چیز کا

بیان جائز نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوا مقعدہ من النار

جو بے علم قرآن کی تفسیر بیان کرے وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

من یقلِ علی مالم اقل فلیتبوا مقعدہ من النار

جو مجھ پر وہ بات کہے جو میں نے نہ فرمائی وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔

رواہ البخاری فی صحیحہ عن سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ

اور فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم

افتوا بغیر علم فضلوا و اضلوا

بے علم مسئلہ بیان کیا سو آپ بھی گمراہ ہوئے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا۔

رواہ الائمۃ احمد والشیخان والترمذی وابن ماجہ عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما

دوسری حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من افتی بغیر علم لعنۃ ملئکۃ اسماء والارض

جو بے علم فتویٰ دے اسے آسمان وزمین کے فرشتے لعنت کریں۔

رواہ ابن عساکر عن امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ

یونہی جاہل کا پیر بننا لوگوں کو مرید کرنا چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانا۔ چھوٹا منہ بڑی بات ہے پیر ہادی ہوتا ہے اور جاہل کی نسبت ابھی حدیثوں سے گزرا کہ ہدایت نہیں کرسکتا نہ قرآن سے نہ حدیث سے نہ فقہ سے کہ بے علم نتواں خدارا شناخت۔ زید مشرکین کی مدح وستائش علی الاعلان خصوصاً منبر ذکر شریف پر بیان کرنا خصوصاً انہیں مسلمانوں پر ترجیح دینا سخت ناپسند رب العزۃ جلاوعلا ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا مدح الفاسق غضب الرب واھتز لذلک العرش

جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے رب جل وعلا غضب فرماتا اور عرش الٰہی ہل جاتا ہے۔

رواہ ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبۃ ابو یعلی البیھقی فی السنن وانس بن مالک وابن عدی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہما

اس بیان سے تمام مراتب مسؤلہ سائلین کا جواب ہو گیا زید پر لازم کہ توبہ کرے اللہ عزوجل توفیق دینے والا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی رضویہ: ج: 10/1، ص: 96 مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

جاہل عالم کی فضیلت کو کسی طرح نہیں پہنچ سکتا جبکہ وہ عالم عالم دین ہو۔

قال اللہ تعالیٰ

قل هل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون

تم فرماؤ کیا برابر ہو جائیں گے علم والے اور بے علم۔

جاہل بوجہ جہل اپنی عبادت میں سو گناہ کر لیتا ہے اور مصیبت یہ کہ انہیں گناہ بھی نہیں جانتا اور عالم دین اپنے گناہ میں بھی وہ صفیہ خوف وندامت کا رکھتا ہے کہ اسے جلد نجات بخشتا ہے ولہٰذا

حدیث مبارکہ میں ارشاد ہوا کہ

عالم کا ہاتھ رب العزت کے دست قدرت میں ہے اگر وہ لغزش بھی کرے تو اللہ تعالیٰ جب چاہے اسے اٹھا لے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی رضویہ: ج: 10/2، ص: 72 مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

یحییٰ بن ابی کثیر نے کہا: جس شخص نے کہا: میں عالم ہوں وہ جاہل ہے۔

اور جس شخص نے کہا: میں جاہل ہوں وہ بھی جاہل ہے۔

اور جس شخص نے کہا: میں جنت میں ہوں وہ دوزخ میں ہے۔

اور جس نے کہا: میں دوزخ میں ہوں وہ بھی دوزخ میں ہے۔

(معجم الصغیر: رقم الحدیث: 176)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے کہا میں عالم ہوں وہ جاہل ہے۔

(معجم الاوسط: رقم الحدیث: 6842)

حضرت ھود علیہ السلام کا قوم عاد کو عذاب کے انتظار کا فرمانا

جب قوم عاد نے حضرت ھود علیہ السلام سے عذاب کو طلب کیا تو حضرت ھود علیہ السلام نے فرمایا یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر عذاب نازل ہو گیا کیا تم مجھ سے ان اسماء کے بارے میں جھگڑ رہے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی پس تم عذاب کا انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ○ (الاعراف:71)

ھود نے کہا! یقیناً تمہارے رب کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب نازل ہو گیا کیا تم مجھ سے ان کاموں کے متعلق جھگڑ رہے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہ کی سو تم (عذاب کا) انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

اعتراض

حضرت ھود علیہ السلام نے یہ کیسے فرمادیا کہ تم پر عذاب نازل ہو گیا حالانکہ اس وقت تک تو عذاب نازل نہیں ہوا تھا؟

جواب

جس چیز کا مستقبل میں واقع ہونا یقینی اور قطعی ہو اس کو ماضی کے ساتھ تعبیر کر دیتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے تم پر عذاب نازل کر دیا اس معنٰی میں ہے کہ اس نے تم پر عذاب نازل کرنے کا ارادہ کر لیا اور حضرت ھود علیہ السلام کے نزدیک اس عذاب کا واقع ہونا یقینی تھا۔

قوم عاد کا عذاب کو بادل کی طرح اپنی وادیوں میں دیکھ کر کہنا کہ ہم پر برسنے والا بادل ہے

قوم عاد نے جب عذاب کو بادل کی طرح اپنی وادیوں میں آتے دیکھا تو کہنے لگے یہ ہم پر برسنے والا بادل ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ (الاحقاف:24)

پھر جب انہوں نے اس (عذاب) کو بادل کی طرح اپنی وادیوں میں آتے دیکھا تو انہوں نے کہا یہ ہم پر برسنے والا بادل ہے۔

خوفناک آواز والی آندھی کا نزول

اللہ تعالیٰ نے قوم عاد پر خوفناک آواز والی آندھی بھیجی۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ○ (حم السجدہ:16)

سو ہم نے (ان کے) منحوس دنوں میں ان پر خوفناک آواز والی آندھی بھیجی تا کہ ہم انہیں دنیا کی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزا چکھائیں اور آخرت کا عذاب زیادہ رسوا کرنے والا ہے اور ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔

قوم عادکو دبور سے ہلاک کر دیا گیا

جو ہوا مشرق سے مغرب کی طرف چلے اس کو باد صبا کہتے ہیں اور جو ہوا مغرب سے مشرق کی طرف چلے اس کو باد بور کہتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میری صبا سے مدد کی گئی ہے اور قوم عاد کو دبور سے ہلاک کر دیا گیا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 1035)

منحوس دنوں میں آندھی بھیجی

قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا کہ "سو ہم نے (ان کے) منحوس دنوں میں ان پر خوفناک آواز والی آندھی بھیجی" منحوس دن کے متعلق کئی اقوال ہیں۔

چنانچہ امام فخرالدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی 606ھ لکھتے ہیں: نجومیوں نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ بعض دن منحوس ہوتے ہیں اور بعض دن مبارک ہوتے ہیں۔

اور متکلمین نے اس استدلال کا یہ جواب دیا ہے کہ

ایام نحسات کا معنیٰ یہ ہے کہ

وہ گرد و غبار والے دن تھے اور بہ کثرت خاک اور مٹی اڑنے کی وجہ سے کوئی چیز دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

نیز ایام نحسات کا یہ معنیٰ بھی ہے کہ

ان دنوں میں اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کو ہلاک کر دیا تھا تو ان کے حق میں یہ دن منحوس ثابت ہوئے۔

نجومیوں نے کہا: منحوس کا معنیٰ لغت میں نامبارک اور بے برکت ہے کیونکہ اس کے مقابلہ میں سعد کا لفظ ہے اور سعد کا معنیٰ مبارک ہے۔

اور متکلمین کے دوسرے جواب پر یہ اعتراض کیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ

اس نے منحوس دنوں میں ان پر عذاب نازل کیا۔

یہ نہیں فرمایا کہ چونکہ ان پر ان دنوں میں عذاب ہوا اس لیے وہ دن منحوس ہو گئے۔

(تفسیر کبیر: ج:9، ص:553 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی متوفی 450ھ لکھتے ہیں:

منحوس دنوں کی تفسیر میں چار اقوال ہیں۔

1- حضرت مجاہد اور قتادہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

یہ ایام منحوس اور بے برکت تھے ایک بدھ سے لے کر دوسرے بدھ تک ان پر عذاب آتا رہا تھا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِیْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِیَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَیْهِمْ سَبْعَ لَیَالٍ وَّ ثَمٰنِیَةَ اَیَّامٍ ۙ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِیْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِیَةٍ ۝ (الحاقۃ:6تا7)

اور رہی قوم عاد تو اس کو سرکش اور بے قابو خوف ناک آواز والی آندھی سے ہلاک کر دیا گیا۔ جس آندھی کو اللہ تعالیٰ نے ان پر لگاتار سات راتیں اور آٹھ دنوں تک مسلط رکھا پس آپ اس قوم کو دیکھتے ہیں وہ زمین پر اس طرح گرے ہوئے تھے جیسے کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں (یعنی بے جان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

ہر قوم کو بدھ کے دن عذاب دیا گیا تھا۔

2- نقاش نے کہا: نحسات سے مراد ہے بادات یعنی وہ موسم سرما کے سخت سرد ایام تھے اور سخت سردی کی وجہ سے وہ منجمد اور خاکستر ہو گئے تھے اور نحسات کا معروف معنیٰ جو بے برکت ہے وہ مراد نہیں ہے۔

3- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطیہ نے کہا: ایام نحسات سے مراد ہے ایام متتابعات، یعنی ان ایام میں مسلسل ان پر آندھی کا عذاب آتا رہا جیسا کہ الحاقۃ: 7 میں فرمایا ہے۔

ثَمٰنِیَةَ اَیَّامٍ ۙ حُسُوْمًا کا معنیٰ متواتر ہے اور نحسات کا معروف معنیٰ مراد نہیں ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی یہی تاویل کی ہے۔

4- ایام نحسات سے مراد ہے کہ ان ایام میں بہت زیادہ گرد و غبار اڑ رہا تھا اور دیکھنے والوں کو کچھ نظر نہیں آتا تھا اور اس سے نحسات کا معترف معنیٰ مراد نہیں ہے کہ وہ ایام منحوس اور بے برکت تھے۔

(النکت والعیون: ج:5، ص:174 تا 175 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

بعض دنوں کا منحوس ہونا

بعض دنوں کے منحوس ہونے کے متعلق احادیث مبارکہ ہیں اور ان کی تحقیق میں علماء کرام کے مختلف اقوال بیان کئے ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بدھ کے دن میں دائمی نحوست ہے۔

(معجم الاوسط: رقم الحدیث:6422)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے جمعرات کے دن فصد لگوائی اور بیمار ہو گیا تو وہ مر جائے گا۔

(جامع الصغیر: رقم الحدیث: 8329)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جس شخص نے بدھ کے دن یا ہفتہ کے دن فصد لگوائی پھر اس نے اپنے جسم میں برص کے داغ دیکھے تو وہ صرف اپنے نفس کو ملامت کرے۔

(کنز العمال: رقم الحدیث: 28116)

ایک اور روایت میں ہے:

کبسہ بنت ابی بکرہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتی ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

منگل کا دن خون بہنے کا دن ہے اور اس دن میں ایک ایسی ساعت ہے جس میں خون نہیں رکتا۔

(سنن ابو داؤد: رقم الحدیث: 3862)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نہار منہ فصد لگوانا زیادہ بہتر ہے اس سے عقل تیز ہے اور قوت حفظ زیادہ ہوتی ہے پس جو شخص فصد لگوائے وہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر جمعرات کے دن فصد لگوائے اور جمعہ، ہفتہ اور اتوار کے دن فصد لگوانے سے احتراز کرو اور پیر اور منگل کے دن فصد لگواؤ اور بدھ کے دن فصد لگوانے سے احتراز کرو کیونکہ یہی دن ہے جس میں حضرت ایوب علیہ السلام مرض میں مبتلا ہوئے تھے اور جذام اور برص کی ابتداء جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات سے ہوتی ہے۔

(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 3488)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہفتہ کا دن مکر اور دھوکے کا دن ہے اور اتوار کاشت کاری اور تعمیرات کا دن ہے اور پیر سفر اور طلب رزق کا دن ہے اور منگل لوہے کے کام کا دن ہے اور بدھ کے دن میں چیزیں جانے کا دن ہے چیزیں ملنے کا دن نہیں ہے اور جمعرات کا دن سلطان کے پاس جانے اور ضروریات طلب کرنے کا دن ہے اور جمعہ کا دن خطبہ اور نکاح کا دن ہے۔

(مسند ابو یعلیٰ: رقم الحدیث: 8996)

علامہ شمس الدین عبدالرؤف المناوی متوفی 1031ھ لکھتے ہیں:

حدیث مبارکہ میں ہے۔

جس نے بدھ کے دن یا ہفتہ کے دن فصد لگوائی اور اس کے جسم میں برص کے داغ ہو گئے وہ صرف اپنے نفس کو ملامت کرے۔ (الفردوس بماثور الخطاب: رقم الحدیث: 5905)

امام دیلمی نے ابو جعفر نیشاپوری سے روایت کیا ہے کہ

میں نے ایک دن کہا۔

یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور میں نے بدھ کے دن فصد لگوائی تو مجھے برص ہو گیا مجھے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میری حدیث کی اہانت کرنے سے احتراز کیا کرو۔

اس حدیث مبارکہ کی وجہ سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہفتہ اور بدھ کے دن فصد لگوانے کو مکروہ کہا ہے۔

امام حاکم نے کہا: اس حدیث مبارکہ کی سند صحیح ہے۔ حافظ ذہبی نے اس حدیث مبارکہ کو تلخیص میں رد کر دیا ہے اس کی سند میں سلیمان بن ارقم متروک الحدیث ہے۔

مہذب نے لکھا ہے کہ

سلیمان ضعیف راوی ہے۔ ابن الجوزی نے اس حدیث مبارکہ کو موضوعات میں ذکر کیا ہے۔

امام ابن حبان نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ہے۔

نیز ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے۔

جس نے جمعرات کے دن فصد لگوائی اور وہ بیمار ہو گیا تو وہ مر جائے گا۔

(جامع الصغیر: رقم الحدیث: 8329)

علامہ مناوی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام احادیث کو ذکر کرنے کے بعد کہا۔

ان احادیث میں سے کوئی چیز صحیح نہیں ہے۔

حنبل بن اسحاق نے کہا کہ
امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا خون جس دن اور جس وقت بھی جوش میں آتا وہ فصد لگوا لیتے تھے۔ (فیض القدیر: ج: 11، ص: 5591 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

علامہ اسماعیل بن العجلونی متوفی 1162ھ لکھتے ہیں:
جس شخص نے کسی چیز سے بدفالی نکالی اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کو ترک کر دیا اور جس کا توکل گم ہو گیا اس کے تصرفات میں نحوست ضرر دے گی۔
علامہ مناوی نے کہا: حاصل یہ ہے کہ جو شخص بدفالی کی وجہ سے بدھ کے دن فصد لگوانے کو ترک کرے گا اور نجومیوں پر اعتقاد رکھے گا تو یہ بہت شدید حرام ہے کیونکہ تمام دن اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور کوئی چیز اپنی ذات سے نفع اور ضرر نہیں پہنچاتی اور جس کا یہ یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی چیز کسی چیز میں اثر نہیں کرتی اس پر کسی بدشگونی کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ (کشف الخفاء: ج: 1، ص: 13 تا 14 مطبوعہ مکتبۃ الغزالی دمشق)

نجومی اور بعض غیر محقق علماء نے یہ کہا ہے کہ بعض دن نامبارک اور منحوس ہوتے ہیں ہم اس کا رد قرآن مجید و احادیث مبارکہ و اقوال علماء کرام سے کرتے ہیں کہ کسی چیز کو منحوس اور نامبارک اعتقاد کرنا کفار اور جاہلیت کا طریقہ ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ منحوس کا معنیٰ کیا ہے۔

امام خلیل بن احمد فراہیدی متوفی 175ھ لکھتے ہیں:
نحس خلاف سعد کو کہتے ہیں یعنی بے برکت چیز۔
(کتاب العین: ج: 3، ص: 1765 قم ایران)

علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری متوفی 398ھ لکھتے ہیں:
نحس سعد کی ضد ہے یعنی نامبارک۔ (الصحاح: ج: 3، ص: 98 دار العلم بیروت)

علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی 386ھ لکھتے ہیں:
نحسات کا معنیٰ ہے۔
مشؤمات یعنی نامبارک اور برے شگون والی چیزیں۔
(مجمع بحار الانوار: جز: 4، ص: 689 مکتبہ دار الایمان مدینہ منورہ)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:
نحسات کا معنیٰ ہے۔
مشؤمات یعنی وہ چیزیں جن سے برا شگون لیا جائے۔
ایک قول یہ ہے کہ

سخت ٹھنڈی چیزیں نحس کی اصل یہ ہے کہ آسمان کے کنارے سرخ ہو جائیں جیسے بغیر دھوئیں کے آگ کے شعلے ہوں یہ لفظ نحوست اور بدشگونی کے لیے ضرب المثل ہو گیا۔

(المفردات: ج:8، ص:627 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ بیروت)

علامہ محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی 711ھ لکھتے ہیں:

نحسات کا معنیٰ ہے۔

مشؤمات یعنی جن چیزوں سے براشگون لیا جائے۔

(نشر ادب الحوزۃ: مطبوعہ ایران)

علامہ محمد بن ابی بکر رازی متوفی 660ھ لکھتے ہیں:

نحس کا معنیٰ ہے۔

سعد کی ضد یعنی نامبارک۔

(مختار الصحاح: ص:374 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

منحوس کا معنیٰ ہے مشؤم اور مشؤم اس چیز کو کہتے ہیں جس سے بدشگونی لی جائے عربی میں اس کو طیرۃ، طائر اور تطیر کہتے ہیں اور قرآن مجید نے تطیر کا رد فرمایا ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام کے متعلق ان کی قوم ثمود نے کہا:

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ؕ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ○ (النمل:47)

ثمود نے کہا! ہم آپ سے اور آپ کے اصحاب سے بدشگونی لے رہے ہیں۔ صالح نے کہا: تمہاری بدشگونی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے بلکہ تم لوگ فتنہ پرور ہو۔

ثمود کا مطلب یہ تھا کہ

آپ کی نحوست سے ہم پر قحط آ گیا اور آپ کے آنے کے بعد ہم پر قحط آ گیا اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ تمہاری بدشگونی کا سبب اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یعنی حضرت صالح علیہ السلام کی مزعومہ نحوست کی وجہ سے تم پر قحط نہیں آیا بلکہ تمہاری اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے تم پر قحط آیا ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ○ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (الاعراف:130 تا 131)

”اور ہم نے آل فرعون کو قحط سالی اور پھلوں کی کم پیداوار میں مبتلا کیا تا کہ وہ نصیحت قبول کریں پس جب ان کے پاس خوش حالی اور زرخیزی آتی تو کہتے ہماری محنت کا ثمرہ ہے اور جب ان پر بدحالی آتی تو وہ اس کو موسیٰ اور ان

کے اصحاب کی نحوست قرار دیتے سنو! ان کی نحوست کا سبب اللہ تعالیٰ کے ہی پاس ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

یعنی ان کی بدحالی اور تنگ دستی کا سبب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مزعومہ نحوست نہیں ہے بلکہ ان کا کفر اور فسق ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا انکار کرنا ہے۔

قرآن مجید میں فرمایا گیا۔

قَالُوْۤا اِنَّا تَطَیَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَىٕنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَ لَیَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ قَالُوْا طَآىٕرُكُمْ مَّعَكُمْ ؕ اَىٕنْ ذُكِّرْتُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ○ (یٰسٓ:18 تا 19)

''اہل انطاکیہ نے رسولوں سے کہا! ہم تمہیں منحوس سمجھتے ہیں اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے اور تمہیں ہم سے دردناک سزا پہنچے گی۔ رسولوں نے کہا تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہے کیا تم نصیحت کیے جانے کو نحوست کہتے ہو بلکہ تم لوگ حد سے بڑھنے والے ہو۔''

ان کے کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش کو روک دیا تھا جس کو اہل انطاکیہ نے رسولوں کی نحوست کہا۔ رسولوں نے بتایا کہ تمہاری بدحالی تمہارے کفر کی وجہ سے ہے جو تمہارے ساتھ ہے۔

ان آیات کریمہ میں نحوست اور بدشگونی کے لئے تطیر اور طائر کا لفظ آیا ہے اس کا مادہ تطیر ہے جس کا معنیٰ اڑنا ہے۔ عرب کسی کام یا سفر کا ارادہ کرتے تو پرندے کو اڑاتے اگر وہ دائیں جانب اڑتا تو اس سے وہ نیک شگون لیتے تھے اور وہ کام کرتے یا سفر پر روانہ ہو جائے اور اگر وہ بائیں جانب اڑتا تو اس سے وہ بدشگونی مراد لیتے اور اس کام سے رک جاتے۔ نیک شگون کو وہ تفاءل کہتے تھے اور بدشگون اور نحوست کو وہ تطیر، طائر اور تشاءم کہتے تھے۔ اسلام میں کسی چیز سے بدشگونی لینا یا کسی چیز کو منحوس قرار دینا جائز نہیں ہے کیونکہ کسی چیز کو منحوس کہنا کفار اور جاہلیت کا طریقہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کوئی مرض خود بہ خود متعدی نہیں ہوتا اور نہ بدشگونی اور نحوست کی کوئی تاثیر ہے اور نہ الو کی نحوست کی کوئی تاثیر ہے اور نہ صفر کے مہینہ کو آگے پیچھے کرنے کا کوئی فائدہ ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5757)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

عرب یہ سمجھتے تھے ایک شخص بیمار ہو تو خود بہ خود اس سے بیماری دوسرے شخص کو لگ جاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی ہے کہ کوئی مرض خود بہ خود متعدی نہیں ہوتا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

طیرہ کی کوئی تاثیر نہیں ہے۔عرب جب پرندے اڑاتے یا ہرن بھگاتے تو اگر وہ دائیں جانب اڑتا یا بھاگتا تو اس کو... کہتے تھے اور اگر بائیں جانب اڑتا یا بھاگتا تو اس کو بوارح کہتے تھے اور اس سے بدشگونی لیتے اور اپنے مقصود کی طرف جاتے تھے۔شریعت اسلام نے اس کی نفی کی اس کو باطل قرار دیا اور اس سے منع فرمایا اور یہ بتایا کہ کسی نفع کو حاصل کرنے میں کسی ضرر کو دور کرنے میں اس مزعوم نحوست کے خلاف کرنے کی کوئی تاثیر نہیں ہے۔

اور آپ نے فرمایا:

اور نہ الو کی نحوست کی کوئی تاثیر ہے کیونکہ عرب والے الو کو منحوس کہتے تھے اور اس سے بدشگونی لیتے تھے اور عرب والے... کے مہینے کو بھی منحوس کہتے تھے اور محرم کو صفر تک مؤخر کردیتے تھے اور محرم کو صفر قرار دیتے تھے اسلام نے اس کو باطل کردیا۔

(عمدۃ القاری: ج:21، ص:368 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نہ کوئی مرض خود متعدی ہوتا ہے اور نہ بدشگونی کی کوئی تاثیر ہے اور مجھے اچھی فال پسند ہے اور وہ نیک الفاظ ہیں۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث:3916)

حافظ شہاب الدین محمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ اس کی شرح میں رقم طراز ہیں۔

ہر طیرہ (بدشگونی) میں کوئی خیر نہیں ہے اور نیک فال میں خیر ہوتی ہے۔جب کوئی شخص کوئی اچھی بات سن کر اس... مستقبل میں کوئی بات نکالے تو وہ فال ہے طیرہ اور فال میں فرق یہ ہے کہ فال ایک خبر ہے جو غیب سے حاصل ہوتی ہے اور ط... میں کسی پرندے یا جانور کی حرکت ہوتی ہے اور اس میں کسی چیز کا بیان نہیں ہوتا۔

ایک اور فرق یہ ہے کہ

فال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن ہوتا ہے اور طیرہ میں برا گمان ہوتا ہے اس لیے وہ مکروہ (تحریمی) ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ

فال عام ہے خیر اور شر دونوں میں مستعمل ہے اور طیرہ کا استعمال صرف بدشگونی میں ہوتا ہے اور شریعت میں فال خوشی... لئے ہے اور طیرہ رنج اور افسوس کے لیے ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی فطرت میں یہ بات رکھ دی ہے کہ وہ نیک اور اچھی بات کو سن کر خوش ہوتے ہیں جیسا کہ وہ صا... پانی اور خوشگوار منظر کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔

سنن ترمذی میں یہ حدیث مبارکہ ہے کہ

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کو جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سننا پسند کرتے تھے کہ کوئی شخص کہے۔

یا نجیح یا راشد (اے کامیاب! اے ہدایت یافتہ)

اور اس سے آپ کامیابی کی فال نکالتے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث:1616)

اور امام ابوداؤد نے سند حسن کے ساتھ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز سے بدشگونی نہیں لیتے تھے اور جب آپ کسی عامل کو بھیجتے تو اس سے اس کا نام پوچھتے اگر آپ کو اس کا نام اچھا لگتا تو آپ خوش ہوتے ہیں اور اگر آپ کو اس کا نام ناپسند ہوتا تو آپ کے چہرے سے ناگواری ظاہر ہوتی۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث:3960)

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حلیمی سے روایت کیا ہے کہ

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عرب جب کسی کام کے لئے روانہ ہوتے اس وقت کسی پرندے کو دھکیلا جاتا تو وہ اس سے براشگون لیتے اسی طرح وہ کوے کی آواز سے اور ہرن کے گزرنے سے بھی براشگون لیتے تھے اور ان چیزوں کو منحوس قرار دیتے تھے اور ان سب کو وہ تطیر کہتے تھے اور عجم میں یہ رواج تھا کہ جب وہ کسی کام کے لئے جاتے اور اس وقت کوئی بچہ استاذ کے پاس پڑھنے کے لئے جارہا ہوتا تو اس کو وہ نحوست سمجھتے اور اگر وہ استاذ کے پاس سے آرہا ہوتا تو اس کو مبارک سمجھتے۔ بدشگونی لینا اس وقت منع ہے جب انسان اس بدشگونی کو مؤثر جانے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے مدبر ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے لیکن اس کو تجربہ سے معلوم ہے کہ اس کے کام کے وقت اگر فلاں چیز پیش آجائے تو کام نہیں ہوتا۔ پس اگر ایسے مواقع پر وہ اپنے کام کو ترک کردے تو یہ مکروہ ہے اور اگر ایسے موقع پر وہ اللہ تعالیٰ سے خیر کا سوال کرے اور شر سے پناہ طلب کرے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اس کام کو کرگزرے پھر خواہ اس کے دل میں خیال آتا رہے کہ اب چونکہ وہ چیز پیش آگئی ہے لہٰذا کام نہیں ہوگا تو اس سے اس کو ضرر نہیں ہوگا اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس سے مواخذہ ہوگا اور کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی چیز کی نحوست کے اعتقاد کی وجہ سے اس کو وہ متوقع ضرر پیش آجاتا ہے جیسا کہ اکثر جاہلوں کے ساتھ ایسا ہوتا ہے اور یہ دراصل اس کی نحوست کے اعتقاد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا ملتی ہے۔

علامہ حلیمی نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نیک فال اس لیے پسند تھی کہ بدفالی اور بدشگونی میں بغیر کسی تحقیقی سبب کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی ہے اور نیک فال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن ہے اور مومن کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھے۔

علامہ طیبی نے کہا ہے کہ

نیک فال کی اجازت دینے اور بدشگونی سے منع کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ

اگر ایک شخص کوئی چیز دیکھے اور اس سے یہ نیک گمان کرے کہ اس کو دیکھنے کی وجہ سے اس کا مقصود حاصل ہوجائے گا تو اس

کو وہ کام کر لینا چاہئے اور اگر اس نے کوئی ایسی چیز دیکھی جس کو دیکھ کر اس کے دل میں خیال آئے کہ اس کو دیکھنے یا اس کے سامنے آجانے کی وجہ سے وہ ناکام ہو جائے گا تو اس کو اس بدگمانی کو قبول نہیں کرنا چاہئے بلکہ اپنے مقصود کے لئے جانا چاہئے اور اگر اس نے اس چیز کی نحوست کے اعتقاد کو قبول کر لیا اور اپنے مقصود پر جانے سے رک گیا تو یہی وہ بدفالی اور بدشگونی ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔

(الکاشف عن حقائق السنن الطیبی: ج:5، ص313 تا 314) (فتح الباری: ج:11، ص:376 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار ارشاد فرمایا:

الطیرۃ شرک ہے (یعنی بدشگونی اور نحوست کا اعتقاد شرک ہے)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ہم میں سے ہر شخص بدشگونی کے اعتقاد میں مبتلا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے توکل لے جاتا ہے۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث:2555)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی 1014ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شرک اس وجہ سے فرمایا ہے کہ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ جب بدشگونی کے تقاضے پر عمل کریں گے تو ان کو نفع حاصل ہوگا اور ان سے ضرر دور ہوگا تو گویا انہوں نے اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کر لیا اور یہ شرک خفی ہے۔

شارح نے کہا: یعنی جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز بالذات نفع پہنچاتی ہے یا ضرر پہنچاتی ہے تو اس نے شرک جلی کیا۔

علامہ طیبی نے کہا: اس کو شرک اس لیے فرمایا کہ ان کا اعتقاد تھا کہ جس چیز کو وہ منحوس سمجھتے تھے وہ نقصان دینے میں سبب موثر ہے اور فی نفسہ اسباب کو موثر جاننا شرک خفی ہے تو جب اس کے ساتھ بدعقیدگی اور جہالت بھی شامل ہو جائے تو وہ شرک کیوں نہ ہوگی۔

(مرقات: ج:8، ص:349 مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

حضرت قبیصہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

العیافۃ اور الطرق اور الطیرۃ جبت سے ہیں۔

(مصنف عبدالرزاق: رقم الحدیث:19502)

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی متوفی 743ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

العیافۃ کا معنیٰ ہے۔
پرندے کو اڑانے یا بھگانے کی کوشش کرنا تا کہ دیکھا جائے کہ وہ دائیں طرف جاتا ہے یا بائیں طرف اور پھر اس سے نیک یا بدفال نکالی جائے۔
الطرق کا معنیٰ ہے۔
رمل یعنی لکیریں ڈال کر زائچہ کھینچنا اور اس سے غیب کی بات معلوم کرنا۔
اور الطیرۃ کا معنیٰ ہے۔
نحوست اور بدشگونی کا اعتقاد رکھنا۔
اور جبت کا معنیٰ ہے۔
جادو اور کہانت کا عمل کرنا یا غیر اللہ کی عبادت کرنا۔
خلاصہ یہ ہے کہ
الطیرۃ یعنی بدشگونی کا عمل کرنا غیر اللہ کی عبادت کے قبیل سے ہے یا شرک ہے اور اس کی تائید سنن ابوداؤد کی اس حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار ارشاد فرمایا: الطیرۃ شرک ہے۔
(الکاشف عن حقائق السنن: ج:8، ص:318 تا 319 مطبوعہ دار القرآن کراچی)
علامہ الحسن التوریشتی متوفی 661ھ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ
ظاہر یہ ہے کہ یہ افعال کاہنوں کے افعال سے ہیں۔
(کتاب المیسر فی شرح مصابیح السنۃ: ج:3، ص:1013 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)
حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو شخص کسی چیز کو منحوس سمجھنے یا بدشگونی کی وجہ سے کسی کام سے رک گیا اس نے شرک کیا۔
مسلمانوں نے پوچھا۔
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کا کفارہ کیا ہے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
یہ دعا کرے! اے اللہ عزوجل! تیری خیر کے سوا اور کوئی خیر نہیں ہے اور تیری تقدیر کے سوا اور کوئی تقدیر نہیں ہے اور تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔
(مسند احمد: رقم الحدیث: 7045)
عروہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے الطیر ۃ (منحوس چیز) کا ذکر کیا گیا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان میں اچھی چیز نیک فال ہے اور وہ مسلمان کو کسی کام سے لوٹاتی نہیں ہے پھر جب تم کوئی منحوس چیز دیکھو تو یہ دعا کرو۔

اے اللہ عزوجل! صرف تو ہی اچھائیوں کو لانے والا ہے اور صرف تو ہی برائیوں کو دور کرنے والا ہے گناہ سے پھرنا اور نیکی کی طاقت صرف اللہ تعالیٰ کی مدد سے حاصل ہوگی۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 3919)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے کہانت کا عمل کیا یا فال کا تیر نکالا یا بدشگونی کی وجہ سے سفر پر نہیں گیا وہ قیامت کے دن جنت کے درجات کو نہیں دیکھ سکے گا۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث: 1134)

نحوست اور بدشگونی کے متعلق یہ حدیث مبارکہ بھی قابل غور ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

شوم (نحوست) صرف تین چیزوں میں ہے۔

1-گھوڑے میں

2-عورت میں

3-اور مکان میں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 2858)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث مبارکہ کا صحیح معنیٰ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے الطیر ۃ (نحوست اور بدشگونی) کی بالکلیہ نفی فرمادی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو فرمان مقدسہ ہے! شوم (نحوست) صرف تین چیزوں میں ہے اس ارشاد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ جاہلیت کے لوگوں کی حکایت کی ہے کیونکہ ان کا یہ اعتقاد تھا کہ نحوست ان تین چیزوں میں ہے اور اس حدیث مبارکہ کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ مسلمانوں کے اعتقاد میں بھی نحوست ان تین چیزوں میں ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نحوست کی بالکلیہ نفی کرتی تھیں۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ ابوحسان سے روایت کیا ہے کہ

بنو عامر کے دو شخص حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور بتایا کہ
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بیان کرتی ہیں کہ نحوست عورت میں، گھر میں اور گھوڑے میں ہے۔
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ سن کر سخت غصہ ہوئیں لگتا تھا کہ آپ کا ایک ٹکڑا زمین پر گرے گا اور ایک آسمان پر۔
پھر آپ نے فرمایا:
اس ذات کی قسم! جس نے سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کیا ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بالکل نہیں فرمائی۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ جاہلیت کے لوگوں کا یہ قول نقل کیا ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔
زمانہ جاہلیت کے لوگ ان چیزوں کو منحوس جانتے ہیں۔
یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے نہیں فرمائی۔ (شرح مشکل الآثار: رقم الحدیث: 795)
امام ابن عبدالبر نے بھی اس روایت کا ذکر فرمایا ہے اس روایت کے آخر میں ہے۔
پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا۔
مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۝ (الحدید: 22)
ہر وہ مصیبت جو دنیا میں آتی ہے یا تمہاری جانوں میں اس سے پہلے کہ ہم اس مصیبت کو پیدا کریں وہ ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے یہ کام اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہے۔
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مطلب یہ ہے کہ
انسان پر جو مصائب آتے ہیں بیماریاں آتی ہیں اور مقاصد میں ناکامی ہوتی ہے یا سفر میں نامرادی ہوتی ہے ان سب کا تعلق انسان کی تقدیر سے ہے اور ازل میں اللہ تعالیٰ کو ان سب چیزوں کا علم تھا کسی چیز کی نحوست یا بدشگونی کی وجہ سے اس پر کوئی مصیبت نہیں آتی۔
ابو حسان کی اس روایت کی یحییٰ بن معین اور امام ابن حبان نے توثیق کی ہے اور آئمہ حدیث مبارکہ کی ایک جماعت نے بہ شمول امام بخاری سب نے ابو حسان کی روایات سے استدلال کیا ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا یہ جھوٹ ہے یہ آپ نے تغلیظاً فرمایا ہے۔
اس روایت کا دوسرا جواب یہ ہے کہ

آپ نے فرمایا تھا کہ نحوست تین چیزوں میں ہے یہ آپ نے ابتداء اسلام میں زمانہ جاہلیت کے لوگوں کے اعتقاد کی خبر دی تھی پھر جب صریح قرآن اور سنت ثابتہ نے نحوست کا رد کر دیا تو اس حدیث سے جو حکم مستنبط ہوتا تھا وہ منسوخ ہو گیا نیز حدیث خبر واحد ہے اور اخبار احاد باب عقائد میں حجت نہیں ہیں اور نحوست کے صحیح ہونے کا تعلق عقیدہ سے ہے۔

اس روایت کا تیسرا جواب یہ ہے کہ

آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہر عورت اور ہر گھوڑا اور ہر گھر منحوس ہوتا ہے اس سے مراد بعض عورتیں، بعض گھوڑے اور بعض گھر ہیں اور بعض عورتیں بد خلق، حریص، ناشکری یا بانجھ ہوتی ہیں یہ عورتوں کی نحوست ہے اور بعض گھوڑے سرکش اور اکھڑ ہوتے ہیں وہ اپنی پشت پر کسی کو سوار نہیں ہونے دیتے یہ گھوڑوں کی نحوست ہے اور بعض مکان تنگ اور غیر ہوادار ہوتے ہیں یا ان مکانوں کے پڑوسی بد اخلاق اور بے دین ہوتے ہیں یہ گھروں کی نحوست ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض عورتوں، بعض گھوڑوں اور بعض مکانوں میں عیوب اور نقائص ہوتے ہیں اور یہی ان کی نحوست ہے اس نحوست سے یہ مراد نہیں ہے کہ ان چیزوں کو دیکھنے سے انسان پر کوئی آفت یا مصیبت آجائے گی۔

نیز امام ترمذی نے حضرت حکیم بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث مبارکہ کو بھی روایت کیا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔

کوئی نحوست نہیں ہے اور کبھی مکان میں عورت میں اور گھوڑے میں برکت بھی ہوتی ہے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2824)

اس حدیث مبارکہ سے ہمارے اس جواب کی تائید ہوتی ہے کہ آپ نے بعض عورتوں کے متعلق نحوست (بہ معنی نقص عیب) کی خبر دی ہے نہ کہ کل عورتوں کے بارے میں۔

اس روایت کا چوتھا جواب درج ذیل حدیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے۔

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر کسی چیز میں (نحوست) ہوتی تو عورت، گھوڑے اور مکان میں ہوتی۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 2859)

اس حدیث مبارکہ کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو ان تین چیزوں میں نحوست ہوتی اور جب ان چیزوں میں نحوست نہیں ہے تو پھر کسی چیز میں نحوست نہیں ہے اور شوم اور طیرہ (نحوست اور بدشگونی) دونوں ایک چیز ہیں اور بدشگونی شرک ہے۔ کیونکہ امام ابوداؤد نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار ارشاد فرمایا الطیرہ (بدشگونی) شرک ہے رہا یہ کہ اس پر کیا دلیل ہے کہ شوم اور طیرہ واحد ہیں تو اس کی دلیل یہ ہے کہ صحیح مسلم میں ہے اگر کسی چیز میں شوم ہو تو گھوڑے، مسکن اور عورت میں ہوگی۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 119)

اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کوئی مرض فی نفسہ متعدی نہیں ہوتا اور نہ کوئی طیرہ ہے اگر کسی چیز میں طیرہ ہو تو عورت، گھوڑے اور مکان میں ہوگی۔

ایک حدیث مبارکہ میں ان تین چیزوں کے لئے شوم کا ثبوت ہے اور دوسری حدیث مبارکہ میں طیرہ کا ثبوت ہے پس ضروری ہوا کہ ان دونوں سے مراد واحد ہو۔

(عمدۃ القاری: ج: 14، ص 211 تا 213 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ سید محمد امین بن عمر بن عبد العزیز شامی متوفی 1252ھ لکھتے ہیں:

علامہ حامد آفندی سے سوال کیا گیا! کیا بعض دن اور راتیں منحوس یا مبارک ہوتی ہیں جو سفر اور دیگر کام کی صلاحیت نہیں رکھتیں؟

تو انہوں نے جواب دیا کہ

جو شخص یہ سوال کرے کہ کیا بعض دن منحوس ہوتے ہیں اس کے جواب سے اعراض کیا اور اس کو جاہل اور بے وقوف قرار دیا جائے ایسا سمجھنا یہود کا طریقہ ہے مسلمانوں کا شیوہ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو اس سلسلہ میں روایت منقول ہے وہ جھوٹ اور باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے پس ایسے عقیدے سے احتراز کرنا چاہئے۔

(العقود الدریہ تنقیح الفتاوی الحامدیہ: ج: 2، ص: 367 مطبوعہ الحبیبہ کوئٹہ)

احادیث مبارکہ میں بعض ایام کو مبارک بھی فرمایا گیا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نہار منہ فصد لگوانا زیادہ بہتر ہے اور اس میں شفاء اور برکت ہے اور یہ عقل اور قوت حفظ کو زیادہ کرتی ہے پس اللہ تعالیٰ کی برکت سے جمعرات کے دن فصد لگواؤ اور بدھ، جمعہ اور اتوار کے دن فصد لگوانے سے احتراز کرو اور پیر اور منگل کے دن فصد لگواؤ کیونکہ یہی وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو مرض سے صحت عطا فرمائی اور بدھ کے دن ان کو مرض میں مبتلا فرمایا تھا کیونکہ جذام اور برص کی ابتداء بدھ کے دن یا بدھ کی رات کو ہوتی ہے۔

(سنن ابو ماجہ: رقم الحدیث: 3487)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اتوار کے دن فصد لگوانا شفاء ہے۔ (کنز العمال: رقم الحدیث: 28112)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے مہینہ کی سترہ اور انیس اور اکیس تاریخ کو فصد لگوائی اس کو ہر بیماری سے شفا حاصل ہوگی۔

(سنن ابو داؤد: رقم الحدیث: 28114)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے ہفتہ کے دن ناخن کاٹے اس سے بیماری نکل جائے گی اور اس میں شفاء حاصل ہوگی اور جس شخص نے اتوار کے دن ناخن کاٹے اس سے فقر و فاقہ نکل جائے گا اور تونگری داخل ہوگی اور جس نے پیر کے دن ناخن کاٹے اس سے جنون نکل جائے گا اور صحت داخل ہوگی اور جس نے منگل کے دن ناخن کاٹے اس سے مرض نکل جائے گا اور شفاء داخل ہوگی اور جس نے بدھ کے دن ناخن کاٹے اس سے وسوسہ اور خوف نکل جائے گا اور امن اور شفاء داخل ہوگی اور جس نے جمعرات کے دن ناخن کاٹے اس سے جذام نکل جائے گا اور عافیت داخل ہوگی اور جس نے جمعہ کے دن ناخن کاٹے اس میں رحمت داخل ہوگی اور گناہ نکل جائیں گے۔ (کشف الخفاء: ج:2، ص:397)

ریح کے متعلق احادیث مبارکہ و ریح اور ریاح میں فرق

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

جب تیز آندھی آتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے۔

اے اللہ عزوجل! میں تجھ سے اس کی خیر کا اور جو کچھ اس میں ہے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور جس چیز کو یہ ہوا لائی اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور میں اس کے شر سے پناہ میں آتا ہوں اور جب آسمان پر بارش کے آثار ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور متغیر ہو جاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی گھر کے اندر آتے کبھی گھر سے باہر جاتے اور جب بارش ہونے لگتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت ختم ہو جاتی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس لیے میں خوفزدہ ہوں کہ ایسا نہ ہو کہ جب قوم عاد نے آسمان پر گرد و غبار دیکھا تو کہا تھا۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِيْحٌ

فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (الاحقاف:24)

جب قوم عاد نے اپنی وادیوں کی طرف بادلوں کو منڈلاتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے یہ بادل ہم پر برسنے والا نہیں ہے بلکہ دراصل یہ وہ عذاب جس کو تم جلد طلب کر رہے تھے یہ آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔

اور ایک روایت میں ہے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بارش کو دیکھتے تو فرماتے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔(صحیح مسلم: رقم الحدیث:899)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

میں نے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر زیادہ ہنستے ہوئے نہیں دیکھا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلق کا حصہ دکھائی دے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرایا کرتے تھے اور جب بادل یا آندھی کو دیکھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر خوف کے آثار نظر آتے۔

میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! لوگ جب آندھی کو دیکھتے ہیں تو اس موقع سے خوش ہوتے ہیں کہ بارش ہوگی اور میں دیکھتی کہ بادلوں کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر ناگواری کے آثار ہوتے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھے کون چیز یہ اطمینان دلاسکتی ہے کہ ان بادلوں میں عذاب نہیں ہوگا ایک قوم کو آندھی کا عذاب دیا گیا تھا اور ایک قوم نے عذاب کو دیکھا تو کہا یہ ہم پر برسنے والا بادل ہے۔(صحیح البخاری: رقم الحدیث:4824)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب بھی کبھی ریح (سخت آندھی) آتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوزانو بیٹھ کر یہ دعا کرتے۔

اے اللہ عزوجل! اس ریح کو رحمت بنادے اور اس کو عذاب نہ بنا۔

اے اللہ عزوجل! اس کو ریاح بنادے اس کو ریح نہ بنا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے۔

اِنَّـآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا (القمر:19)

بے شک ہم نے ان پر خوفناک آواز والی آندھی بھیج دی۔

اور ارشاد فرمایا:

وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (الحجر:22)

اور ہم نے برسانے والی بوجھل ہوائیں بھیجیں پس ہم نے آسمان سے پانی برسایا۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیٰحَ مُبَشِّرٰتٍ (الروم:46)

اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے خوش خبری دینے والی ہواؤں کو بھیجنا ہے۔(مسند ابو یعلیٰ: رقم الحدیث:2456)

علامہ ابو عبداللہ فضل اللہ بن الصدر السعید الحسن التوریشتی متوفی 661ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ

ریاح (ہوائیں) جب کثیر ہوں تو وہ بادلوں کو کھینچ لیتی ہیں اور پھر بارش زیادہ ہوتی ہے اور اس سے غلہ اور پھل وافر میں ہوتے ہیں اور جب ریاح (ہوائیں) زیادہ نہ ہوں تو ایک ریح (ہوا) ہوتی ہے اور وہ بانجھ ہوتی ہے۔

عرب فرماتے ہیں کہ

بادل کو صرف ریاح ہی بوجھل کرتی ہیں اور میں نے دیکھا کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوعبید سے روایت کیا ہے کہ ہم قرآن مجید میں ریح اور ریاح کے لفظ کا تتبع کیا تو جب ریح کی جمع ریاح کا لفظ ہو تو وہ رحمت کے معنیٰ میں ہوتا ہے اور جب واحد ہو یعنی ریح تو یہ عذاب کے معنیٰ میں ہوتا ہے اور ہمارے نزدیک اس قاعدہ کی بنیاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ہے کہ

اے اللہ عزوجل! اس ہوا کو ریاح بنانا، ریح نہ بنانا۔

اس کے بعد امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ابوعبید نے جس حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے وہ ضعیف ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ میں اس قاعدہ کی کوئی بنیاد نہیں ہے بلکہ اس کے برخلاف قرآن مجید میں ریح کا لفظ رحمت ہوا کے معنیٰ میں بھی ہے۔

هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ وَ جَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ (یونس:22)

وہی اللہ عزوجل ہے جو تم کو خشکی اور سمندر میں سفر کراتا ہے حتیٰ کہ جب تم کشتیوں میں سوار ہوتے ہو اور ان کشتیوں کو رحمت والی ہوا لے کر چلتی ہے۔

اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ریح (ہوا) کو برا نہ کہو پس جب تم کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھو تو دعا کرو۔

اے اللہ عزوجل! ہم تجھ سے اس ریح (آندھی) کی خیر کا سوال کرتے ہیں اور اس چیز کی خیر کا سوال کرتے ہیں جس کا تو نے حکم دیا ہے اور ہم اس ریح کے شر سے اور جس چیز کا تو نے حکم دیا ہے اس کے شر سے تیری پناہ طلب کرتے ہیں۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث:2522)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

جب تیز ریح (آندھی) آتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے۔

اے اللہ عزوجل! میں اس کی خیر کا تجھ سے سوال کرتا ہوں اور جس چیز کو اس کے ساتھ بھیجا گیا ہے اس کی خیر کا تجھ سے سوال کرتا ہوں اور میں اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور جس چیز کو اس کے ساتھ بھیجا گیا ہے اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ (صحیح البخاری:3606)

امام ابوجعفر طحاوی متوفی 321ھ فرماتے ہیں:

ہم نے جو قرآن مجید کی آیت پیش کی ہے (یونس:22) اور دیگر احادیث مبارکہ صحیحہ جو بیان کی ہیں ان سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث ثابتہ میں ریح اور ریاح کا ایسا فرق نہیں ہے کہ ریح کا لفظ عذاب کے ساتھ خاص ہو اور ریاح کا لفظ رحمت کے ساتھ خاص ہو بلکہ قرآن مجید اور احادیث ثابتہ میں ریح کا لفظ جس طرح عذاب کے لئے آیا ہے اسی طرح ریح رحمت کے لئے بھی آیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جس حدیث مبارکہ سے ریح اور ریاح میں فرق پر استدلال کیا گیا ہے اس کی سند ضعیف ہے۔

علامہ توریشتی فرماتے ہیں کہ

امام ابوجعفر نے جو یہ فرمایا ہے کہ ریح اور ریاح میں یہ فرق نہیں ہے کہ ریح عذاب کے ساتھ خاص ہو اور ریاح رحمت کے ساتھ خاص ہو یہ بالکل بجا اور برحق ہے لیکن ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث مبارکہ کو رد کرنے کی جرأت نہیں کرتے اس حدیث مبارکہ کی سند کے ضعیف ہونے کے باوجود یہ حدیث مبارکہ ساقط الاعتبار نہیں ہے اس کی تاویل ممکن ہے اور اس کا محمل صحیح ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ہے۔

اے اللہ عزوجل! اس ریح کو رحمت بنا دے اور اس کو عذاب نہ بنا۔

اور اے اللہ عزوجل! اس کو ریاح بنا دے اور اس کو ریح نہ بنا۔

اس کی تاویل یہ ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلاکت سے نجات کی دعا کی ہے کیونکہ اگر یہ ریح ہلاک کرنے والی ہے تو اس کے بعد ادھر ادھر سے ہوائیں نہیں چلیں گی اور اگر یہ ہوا ہلاک کرنے والی نہیں ہے تو اس کے بعد شمال اور جنوب اور ادھر ادھر سے ہوائیں آتی رہیں گی تو گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں نہ فرمایا۔ اے اللہ عزوجل! ہمیں اس ریح سے ہلاک نہ کر دینا کہ اس کے بعد اور کسی طرف سے ہوا نہ چلے بلکہ ہمیں زندگی میں توبہ کرنے اور اپنی طرف رجوع کرنے کی مہلت اور توفیق دینا اور اس ریح کے بعد ریاح کثیرہ اور ہر طرف سے ہوائیں چلائے رکھنا۔

(کتاب المسیر فی شرح مصابیح السنۃ: ج:1،ص 361 تا 363 مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

قوم عاد کا عذاب کو وادیوں میں آتے دیکھنا

قوم عاد نے عذاب کو وادیوں میں آتے دیکھ کر کہا یہ ہم پر برسنے والا بادل ہے حالانکہ وہ سخت آندھی ان کے لئے عذاب تھا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ ۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰۤى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ○ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَاۤ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّ اَبْصَارًا وَّ اَفْئِدَةً فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَاۤ اَبْصَارُهُمْ وَلَاۤ اَفْئِدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○ (الاحقاف:24تا26)

پھر جب انہوں نے اس (عذاب) کو بادل کی طرح اپنی وادیوں میں آتے دیکھا تو انہوں نے کہا یہ ہم پر برسنے والا بادل ہے (نہیں) بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کو تم نے جلد طلب کیا تھا یہ زبردست آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے یہ اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو برباد کردے گی پھر وہ اسی طرح ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں اور بے شک ہم نے ان کو ان چیزوں پر اقتدار عطا کیا تھا جن چیزوں پر تمہیں قدرت دی ہے اور ہم نے ان کے کان، آنکھیں اور دل بنائے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے دل ان کے کسی کام نہ آسکے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور اس عذاب نے ان کا احاطہ کرلیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

☆مفسرین فرماتے ہیں کہ

بہت دنوں سے قوم عاد پر بارش نہیں ہوئی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف سیاہ بادل بھیجا وہ ان کی وادی کی طرف سے لگا وہ اس بادل کو دیکھ کر خوش ہوئے اور کہنے لگے یہ بادل ہم پر برسنے کے لئے آیا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ

حضرت ھود علیہ السلام اپنی قوم میں بیٹھے ہوئے تھے جب ایک گہرا بادل آیا تو انہوں نے کہا: یہ بادل ہم پر برسنے کے لئے آیا ہے۔

حضرت ھود علیہ السلام نے فرمایا:

نہیں! بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کو تم نے جلدی سے طلب کیا تھا پھر انہوں نے اس عذاب کی حقیقت بیان کی یہ زبردست آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے اس بادل کے عذاب ہونے کا انہیں اس وقت پتہ چلا جب زور سے آندھی چلنی ہوئی اور حضرت ھود علیہ السلام ان کے درمیان سے اٹھ کر چلے گئے اور آندھی کی شدت سے ان کے خیمے اکھڑ گئے اور ان

ؤں کے اوپر سے ان کے پالان گر گئے اور آندھی کے زور سے ان کے خیمے اور پالان ہوا میں ٹڈیوں کی طرح اڑنے لگے اور اڑ کر ان پر برسنے لگے اور آندھی کی شدت سے وہ خود اور ان کے مویشی زمین اور آسمان کے درمیان پرندوں کے پروں کی طرح اڑنے پھر گرنے لگے پھر وہ گھبرا کر اپنے گھروں میں داخل ہو گئے اور اپنے گھروں کے دروازے بند کر لیے آندھی کے زور نے ان کے دروازوں کو توڑ دیا اور ان کو اوندھا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا تو اس نے ان کے اوپر سے ریت کو ہٹا دیا اور ان کے مردہ اجسام کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا۔ قوم عاد کے ہر فرد کو اور ان کی تمام سواریوں، مویشیوں اور ان کے تمام مال و متاع کو اس آندھی نے تباہ و برباد کر دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آسمان پر کسی بادل کو دیکھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا کر کبھی باہر جاتے اور کبھی اندر آتے اور جب وہ بادل برس جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھبراہٹ دور ہو جاتی۔

اور ارشاد فرماتے۔

مجھے از خود پتا نہیں ہے شاید کہ یہ بادل وہی ہے جیسا کہ قوم عاد کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِیَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ (الاحقاف:24)

پھر جب انہوں نے اس عذاب کو بادل کی طرح اپنی وادیوں میں آتے دیکھا تو انہوں نے کہا یہ ہم پر برسنے والا بادل ہے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث:3206)

امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: حضرت ھود علیہ السلام اور مومنین میں سے جو ان کے اصحاب تھے وہ آندھی کے اس عذاب سے محفوظ رہے اور آندھی اپنے غیظ و غضب سے قوم عاد کو اٹھا اٹھا کر پٹک رہی تھی اور پتھروں سے ان کو کچل رہی تھی اور وہ ریت کے نیچے اس طرح دفن ہو گئے تھے کہ ان کے اجسام نہیں دکھائی دے رہے تھے صرف ان کے گھر دکھائی دے رہے تھے۔

قوم عاد کو آندھی کا اٹھا اٹھا کر زمین پر جڑ سے کٹے ہوئے کھجور کے تنے کی طرح مارنا

قوم عاد نے جب تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی آندھی بھیجی جو ان کو اٹھا کر زمین پر اس طرح مارتی تھی جس طرح وہ جڑ سے کٹے ہوئے کھجور کے تنے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَ نُذُرِ ۝ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا صَرْصَرًا فِیْ یَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۝ تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ۝ فَكَیْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَ نُذُرِ ۝ (القمر:18 تا 21)

عاد نے تکذیب کی تو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا اڈرانا۔ بے شک ہم نے ان پر تیز و تند مسلسل چلنے والی آندھی منحوس دن میں بھیجی جو ان کو اٹھا کر زمین پر اس طرح مارتی تھی جیسے وہ جڑ سے کٹے ہوئے کھجور کے تنے ہیں پس کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا اڈرانا۔

قوم عاد کو تیز گرجتی ہوئی آندھی سے ہلاک کر دیا گیا تھا

قوم عاد کو تیز گرجتی ہوئی آندھی سے ہلاک کر دیا گیا تھا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍo (الحاقۃ:6)

اور رہے عاد تو ان کو گرجتی ہوئی تیز آندھی سے ہلاک کر دیا گیا۔

آندھی کا معنیٰ اور احادیث مبارکہ

آیت کریمہ میں ریح، صرصر اور عاتیہ کے الفاظ ہیں۔

ریح کے معنیٰ ہیں۔

آندھی

اور صرصر کے معنیٰ ہیں۔

بہت تند و تیز آندھی جس کے چلنے سے صرصر کی آواز آ رہی ہو گرم لو اور باد سموم کو بھی صرصر کہتے ہیں جو مہلک ہوتی ہے سخت سرد ہوا کو بھی صرصر کہتے ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ

سخت سرد ہوا کے لئے اس کا استعمال عام ہے۔ (لسان العرب: ج:8، ص:224 مطبوعہ دار صادر بیروت)

اور کثیر احادیث مبارکہ آندھی کے متعلق ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

آندھی اللہ تعالیٰ کی خوشی کے آثار سے ہے آندھی رحمت کو بھی لاتی ہے اور عذاب کو بھی لاتی ہے تم آندھی کو برا نہ کہو۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس کی خیر کا سوال کرو اور اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو۔ (سنن ابوداؤد: رقم الحدیث:5097)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب بھی آندھی چلتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتے۔

اور یہ دعا کرتے کہ

اے اللہ عزوجل! اس آندھی کو رحمت بنا دے اور اس کو عذاب نہ بنا۔

اے اللہ عزوجل! اس کو ریاح (خوشگوار ہوا) بنا دے اور اس کو ریح (ناگوار آندھی) نہ بنا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

قرآن مجید میں آندھی کے بارے میں یہ آیتیں ہیں۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ○ (القمر:19)

بے شک ہم نے ان پر منحوس دن میں تیز لگا تار چلنے والی آندھی بھیجی۔

بدھ کی شام کو سخت سرد آندھی چلنی شروع ہوئی پھر لگا تار سات راتیں اور آٹھ دن چلتی رہی یہ آندھی گھروں میں بند انسانوں کو ان کے گھر کے دروازے توڑ کر اٹھاتی اور انہیں زمین پر اس طرح پٹختی کہ ان کے سر دھڑ سے الگ ہو جاتے۔

وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ○ (الذاریات:41)

اور قوم عاد میں عبرت ہے جب ہم نے ان پر خیر و برکت سے خالی آندھی بھیج۔

وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ج (الحجر:22)

اور ہم پانی سے بوجھل ہوائیں بھیجتے ہیں پھر آسمان سے پانی برسا کر تمہیں وہ پانی پلاتے ہیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيٰحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ (الروم:46)

اور اللہ تعالیٰ کی بعض نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ خوش خبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے تا کہ تمہیں اپنی رحمت سے چکھائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مطلب یہ ہے کہ

قرآن مجید میں اکثر طور پر ریح کا لفظ ضرر پہنچانے والی آندھی کے لئے آیا ہے اور ریاح کا لفظ نفع پہنچانے والی اور برسانے ہواؤں کے لئے آیا ہے۔

اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے تھے کہ

اے اللہ عزوجل! تو اس آندھی کو ریاح بنادے اور ریح نہ بنا۔ (مسند ابو یعلی: رقم الحدیث: 2456) (مسند شافعی: رقم الحدیث: 502)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آندھی پر لعنت کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

آندھی پر لعنت نہ کرو کیونکہ یہ حکم الٰہی عزوجل کے تابع ہے اور جو شخص کسی ایسی چیز پر لعنت کرے جو لعنت کی اہل نہ ہو تو اس شخص کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ (سنن ترمذی: رقم الحدیث: 1978)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آسمان سے ہمیں بادل دکھاتے تو اپنے کام کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہے اور یہ دعا کرتے!

اے اللہ عزوجل! میں اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور اگر وہ بادل چھٹ جاتا تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے اور اگر بادل برستا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے۔

اے اللہ عزوجل! اس کو نفع پہنچانے والا بنا دے۔(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث:3889)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

آندھی کو برا نہ کہو جب تم کوئی ناگوار چیز دیکھو تو کہو۔

اے اللہ عزوجل! ہم تجھ سے اس آندھی کی خیر کا سوال کرتے ہیں اور جو اس میں خیر ہے اس کا سوال کرتے ہیں اور جو چیز کا اس کو حکم دیا گیا ہے اس کی خیر کا سوال کرتے ہیں اور ہم اس آندھی کے شر سے تیری پناہ میں آتے ہیں اور جو شر اس میں ہے اور جس شر کا اس کو حکم دیا گیا ہے اس سے تیری پناہ میں آتے ہیں۔(سنن ترمذی: رقم الحدیث:2256)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بادل گرجنے اور بجلی کڑکنے کی آواز سنتے تو یہ دعا کرتے۔

اے اللہ عزوجل! ہمیں اپنے غضب سے ہلاک نہ کر اور ہمیں اپنے عذاب سے ہلاک نہ کر اور اس سے پہلے ہمیں عافیت میں رکھ۔(سنن ترمذی: رقم الحدیث:3450)

قوم عاد پر سخت طوفانی آندھی چلی جس نے درخت اکھاڑ ڈالے

قوم عاد نے جب تکذیب کی تو ان پر سخت طوفانی آندھی چلی جس نے درختوں کو اکھاڑ ڈالا۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

تو سخت آندھی چلی جس نے درخت اکھیڑے۔(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:181 نعیمی کتب خانہ لاہور)

سخت آندھی نے گھروں کو توڑا

جب سخت آندھی چلی تو اس نے گھروں کو توڑ ڈالا۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

تو سخت طوفانی آندھی چلی جس نے درخت اکھیڑے گھر توڑے۔(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:182 نعیمی کتب خانہ لاہور)

سخت آندھی نے کفار کو اٹھا اٹھا کر پھینکا

آندھی اس قدر سخت اور تیز چلی کہ اس نے کفار کو اٹھا اٹھا کر پھینک دیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

تو سخت طوفانی آندھی چلی جس نے درخت اکھیڑے، گھر توڑے، کفار کو اٹھا اٹھا کر پھینکا۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:182 نعیمی کتب خانہ لاہور)

ہوا ناک سے گھستی پیٹ کو خراب کرتی دبر سے نکل جاتی

قوم عاد پر جب سخت آندھی چلی تو ان کے ناک سے گھس کر پیٹ میں داخل ہو جاتی پھر پیٹ کو خراب کرتی ہوئی دبر کے مقام سے نکل جاتی تھی۔

تفسیر نعیمی میں ہے: تو سخت طوفانی آندھی چلی جس نے درخت اکھیڑے، گھر توڑے، کفار کو اٹھا اٹھا کر پھینکا اس طرح کہ ان کی ناکوں میں ہوا گھستی نظام بطن کو خراب کرتی ہوئی دبر کے راستے نکلتی۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:182 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قوم عاد کا سانس بند ہو جانا

سخت آندھی کی وجہ سے قوم عاد کا سانس بند ہو جاتا۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

(سخت آندھی کی وجہ سے قوم عاد کا) سانس بند ہو جاتا۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:182 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قوم عاد کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جاتی

ہوا کے دباؤ کی وجہ سے قوم عاد کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جاتی تھی۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

ہوا کے دباؤ سے ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جاتی۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:182 نعیمی کتب خانہ لاہور)

سخت آندھی کی وجہ سے قوم عاد مر جاتی

ہوا اس قدر تیز چلتی کہ قوم عاد کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جاتی اور وہ مر جاتے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

ہوا کے دباؤ سے ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جاتی اور کافر مر جاتا۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:182 نعیمی کتب خانہ لاہور)

قوم عاد پر اکثر بارشیں بند رہتی تھیں

قوم عاد پر اکثر بارشیں بند رہتی تھی جس کی وجہ سے وہ قحط زدہ رہتے تھے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

مفسرین فرماتے ہیں کہ

قوم عاد پر اکثر بارشیں بند رہتی تھیں اور قحط سالی کا نمونہ طاری رہتا تھا کیونکہ وہ یمنی علاقہ انتہائی مشرقی تھا جہاں خشکی زیادہ ہوتی تھی اس وقت بھی جب یہ تبلیغ فرما رہے ہیں تین سال بارشیں بند اولا دیا تو ہوتی نہیں یا ہوتی ہے تو سوکھی سڑی بیماری زدہ اس لیے حضرت ھود علیہ السلام نے سب سے پہلے استغفار کا حکم دیا کیونکہ استغفار کا وظیفہ رزق اور اولاد، عزت وخوشحالی کے لئے اکسیر ہے۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:166 نعیمی کتب خانہ لاہور)

آندھی بیل کے نتھنے کی مقدار بغیر کیل کے نکلی حتیٰ کہ مشرق ومغرب کے درمیان ساری زمین کانپ گئی

قوم عاد پر اس قدر سخت آندھی چلی کہ جس کی وجہ سے مشرق ومغرب کے درمیان ساری زمین کانپ گئی۔

حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے راوی ہیں کہ

جب اللہ تعالیٰ نے عقیم (تباہ کرنے والی آندھی) کی طرف وحی فرمائی وہ قوم عاد پر چلے اور ان سے اس کا انتقام لے وہ بیل کے نتھنے کی مقدار بغیر کیل کے نکلی حتیٰ کہ مشرق ومغرب کے درمیان ساری زمین کانپ گئی۔

(تفسیر درمنثور: ج:3، ص:308، مطبوعہ کراچی)

بیل کے نتھنے کی مقدار بغیر کیل والی آندھی کا لوٹ جانا

جب آندھی بیل کے نتھنے کی مقدار بغیر کیل کے نکلی کہ جس کی وجہ سے مشرق ومغرب کے درمیان ساری زمین کانپ گئی تو خزان نے کہا یا اللہ ہم اس کو برداشت نہیں کر سکیں گے اگر اس کی یہی حالت رہی تو مشرق اور مغرب کے درمیان سب کو تہس و نہس کر دے گی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف وحی فرما کر واپس لوٹا دیا اور وہ واپس لوٹ گئی۔

حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے راوی ہیں کہ

جب اللہ تعالیٰ نے عقیم کی طرف وحی فرمائی کہ وہ قوم عاد پر چلے اور ان سے اس کا انتقام لے وہ بیل کے نتھنے کی مقدار بغیر کیل کے نکلی حتیٰ کہ مشرق ومغرب کے درمیان ساری زمین کانپ گئی۔

تو خزان (خازن الامیر) نے کہا: اے ہمارے رب عزوجل! ہم اسے برداشت نہیں کر سکتے اگر یہ اسی حالت پر نکلتی رہی تو زمین کے مشارق ومغارب کے مابین ہر شے کو ہلاک اور تباہ وبرباد کر دے گی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف وحی فرمائی کہ واپس لوٹ آ تو وہ واپس لوٹ گئی۔

(تفسیر درمنثور: ج:3، ص:308، مطبوعہ کراچی)

ہوا انگوٹھی کے حلقے کے سوراخ کی مقدار نکلنا

جب ہوا کو اللہ تعالیٰ نے واپس لوٹا لیا تو پھر دوبارہ انگوٹھی کے حلقے کے سوراخ کی مقدار نکلی۔

حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے راوی ہیں کہ
جب اللہ تعالیٰ نے عقیم کی طرف وحی فرمائی کہ وہ قوم عاد پر چلے اور ان سے اس کا انتقام لے وہ بیل کے نتھنے کی مقدار بغیر کیل کے نکلی حتی کہ مشرق و مغرب کے درمیان ساری زمین کانپ گئی۔
تو خزان نے کہا: اے ہمارے رب عزوجل! ہم اسے ہرگز برداشت نہیں کر سکتے اگر یہ ایسی حالت پر نکلتی رہی تو زمین کے مشارق و مغارب کے مابین ہر چیز کو ہلاک اور تباہ و برباد کردے گی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف وحی فرمائی کہ واپس لوٹ آ تو وہ واپس لوٹ گئی۔ پھر انگوٹھی کے حلقے کے سوراخ کی مقدار نکلی۔ (تفسیر در منثور: ج:3، ص:308، مطبوعہ کراچی)

آندھی قوم عاد کو پتھروں کے ساتھ زخمی کرتی گئی

آندھی اس قدر سخت اور تیز چلی کہ قوم عاد کو پتھروں کے ساتھ زخمی کرتی گئی۔
اور ان کو تباہ و برباد کر دیا۔
حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے راوی ہیں کہ
(حدیث کے آخر میں ہے) لیکن قوم عاد سے زمین و آسمان کے درمیان پوری شدت کے ساتھ چلتی ہوئی گزری اور انہیں پتھروں کے ساتھ زخمی کرتی گئی۔ (تفسیر در منثور: ج:3، ص:308، مطبوعہ کراچی)

اللہ تعالیٰ کا سانپوں اور بچھوؤں کو حکم کہ قوم عاد کے راستوں پر بیٹھ جائیں

اللہ تعالیٰ نے سانپوں اور بچھوؤں کو حکم ارشاد فرمایا کہ وہ قوم عاد کے راستوں پر بیٹھ جائیں اور قوم عاد کے کسی فرد کو وہاں سے گزرنے نہ دیں۔
حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے راوی ہیں۔
(حدیث مبارکہ کے آخر میں ہے) اللہ تعالیٰ نے سانپوں اور بچھوؤں کو حکم دیا کہ وہ ان کے راستوں پر بیٹھ جائیں اور قوم عاد کے کسی فرد کو وہاں سے گزرنے نہ دیں۔ (تفسیر در منثور: ج:3، ص:308، مطبوعہ کراچی)

قوم عاد پر آندھی مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن جاری رہی

اللہ تعالیٰ کی قوم عاد پر اس قدر ناراضگی ہوئی کہ جب قوم عاد پر آندھی بھیجی تو مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن جاری رہی۔
قرآن مجید میں ہے:
سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا (الحاقۃ:7)
(اللہ تعالیٰ نے) اس آندھی کو ان پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن تک مسلط رکھا۔

مسلسل بدھ سے بدھ تک عذاب ہوا

اللہ تعالیٰ نے ان پر بدھ سے عذاب شروع فرمایا اور اگلے بدھ تک جاری رہا اور ہفتہ کے تمام دنوں میں ان پر مسلسل

عذاب جاری رہا۔

قوم عاد زمین پر کھجور کے کھوکھلے تنوں کی طرح گر گئے

جب ہوا مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن جاری رہی تو یہ لوگ زمین پر کھجور کے کھوکھلے تنوں کی طرح گر گئے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ۝ (الحاقۃ:7)

پس (اے مخاطب) تم دیکھتے کہ یہ لوگ زمین پر کھجور کے کھوکھلے تنوں کی طرح گر گئے۔

ہوا قوم عاد کے پچیس ہزار کے لئے عذاب

اللہ تعالیٰ نے ہوا کو قوم عاد کے مومنین کے لئے رحمت بنا دیا اور کفار کے لئے غضب کہ جس سے پچیس ہزار کفار ہلاک کر دیئے گئے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

قدرت کے کرشمے ہیں کہ پچیس ہزار کفار کے لئے وہی ہوا عذاب بنی ہوئی ہے اور چار ہزار مومنین کے لئے ایک نبی کے صدقے وہی رحمت ہے۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:182 نعیمی کتب خانہ لاہور)

ہوا کبھی انتہائی گرم لو بن جاتی کبھی انتہائی سرد بن جاتی

قوم عاد پر جو ہوا چلی وہ کبھی انتہائی گرم لو بن جاتی اور کبھی انتہائی سرد بن جاتی تھی۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

یہ عذاب آٹھ دن اور سات راتیں مسلسل ہوا کی صورت میں طاری رہا۔ یہ ہوا کبھی ایک دم انتہائی گرم لو بن جاتی پھر اچانک ایک دم انتہائی سرد ہو جاتی۔ جس سے سرد گرم ہو کر جان ختم ہو جاتی جانور یا انسان کے پیٹ میں داخل ہو کر پھکنے کی طرح اس کو اٹھاتی پھر نیچے گرا کر چکنا چور کر دیتی۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:182 نعیمی کتب خانہ لاہور)

ہر قوم کو بدھ کے دن عذاب دیا گیا تھا

ہر قوم کو بدھ کے دن عذاب دیا گیا تھا۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی متوفی 450ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

ہر قوم کو بدھ کے دن عذاب دیا گیا تھا۔ (النکت والعیون: ج:5، ص:175 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ھود علیہ السلام اور مومنین کی نجات

اللہ تعالیٰ نے حضرت ھود علیہ السلام اور آپ علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کو نجات عطا فرمائی اور تکذیب کرنے والوں

اہ و برباد کر دیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ قَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ○ (الاعراف:72)

پس ہم نے ھود کو اور ان کے اصحاب کو اپنی رحمت سے نجات دی اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ایمان والے نہ تھے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا هُوْدًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَ نَجَّیْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ ○ (ھود:58)

اور جب ہمارا عذاب آ گیا تو ہم نے ھود کو اور ان کے ساتھ ایمان والوں کو اپنی رحمت سے نجات دے دی اور ہم نے ان کو سخت عذاب سے بچالیا۔

تعالیٰ کا حضرت ھود علیہ السلام کو مومنین سمیت باڑے پر جانے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے جب قوم عاد پر عذاب نازل فرمانا چاہا تو حضرت ھود علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اپنے مومنین کو لے کر ایک ے میں علیحدگی اختیار کر لیں۔

حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے راوی ہیں کہ

(حدیث مبارکہ کے درمیان میں ہے) اللہ تعالیٰ نے حضرت ھود علیہ السلام کی طرف یہ وحی نازل فرمائی کہ وہ اپنے مومنین لے کر ایک باڑے میں علیحدگی اختیار کر لیں۔ (تفسیر درمنثور:ج:3،ص:308،مطبوعہ کراچی)

رت ھود علیہ السلام کا مومنین کو لے کر علیحدہ ہو جانا اور اپنے ارد گرد خط کھینچنا

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ھود علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اپنے سمیت مومنین کو لے کر باڑے میں چلے جاؤ تو حضرت ھود علیہ لام مومنین کو لے کر باڑہ میں تشریف لے گئے اور قوم سے علیحدہ ہو گئے جب وہ پہنچے تو اپنے ارد گرد خط کھینچ لیا تا کہ عذاب ل نہ ہو سکے۔

حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے راوی ہیں کہ

(حدیث مبارکہ کے درمیان میں ہے) چنانچہ آپ علیہ السلام اپنے ساتھیوں سمیت قوم سے علیحدہ ہو گئے اور آپ علیہ لام نے ان کے ارد گرد خط کھینچا۔ (تفسیر درمنثور:ج:3،ص:308،مطبوعہ کراچی)

ڑھی حضرت ھود علیہ السلام کے باڑے میں داخل نہ ہوئی اور نہ خط سے تجاوز کیا

جب حضرت ھود علیہ السلام مومنین سمیت باڑے میں تشریف فرما ہوئے تو آندھی باڑے میں داخل نہ ہوئی اور نہ ہی آپ السلام کے کھینچے ہوئے خط سے تجاوز کیا۔

حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے راوی ہیں کہ

(حدیث مبارکہ کے آخر میں ہے) پھر ہوا آئی مگر وہ حضرت ھود علیہ السلام کے باڑے میں داخل نہ ہوئی اور نہ ہی اس خط سے تجاوز کیا۔ (درمنثور: ج:3،ص:308،مطبوعہ کراچی)

حضرت ھود علیہ السلام اور مومنین پر صرف نفوس کو لطف اندوز کرنے والی ہوا چلی

حضرت ھود علیہ السلام اور مومنین پر ہوا صرف اس قدر چلی کہ ان کے نفوس لطف اندوز ہو سکیں۔

حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے راوی ہیں کہ

(حدیث مبارکہ کے آخر میں ہے) ان پر صرف اتنی مقدار میں ہوا چلی جس سے ان کے نفوس لطف اندوز ہوں اور ان کی جسمانی جلدیں نرم رہیں۔ (تفسیر درمنثور: ج:3،ص:308،مطبوعہ کراچی)

حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کی طرف ہوا کو بھیجا تو حضرت ھود علیہ السلام اپنے ساتھ اہل ایمان کو لے کر ایک باڑہ میں علیحدہ ہو گئے اور ان پر ہوا صرف اتنی مقدار میں پہنچی جس سے ان کی جلدیں نرم رہیں اور ان کے نفوس لذت اندوز ہو سکیں لیکن قوم عاد پر وہ اتنی شدت سے چلتی رہی کہ وہ انہیں زمین و آسمان کے درمیان اٹھا لیتی اور پتھروں کے ساتھ ان کے سر پٹخ دیتی۔

(تفسیر نعیمی: ج:3،ص:309)

حضرت ھود علیہ السلام کے مومنین کے عذاب سے بچنے والوں کی تعداد

حضرت ھود علیہ السلام کے جن مومنین کو بچایا گیا ان کی تعداد یا تو تین ہزار تھی یا چار ہزار تھی۔

(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:182 نعیمی کتب خانہ لاہور)

عاد کی زمین میں تانبے کا مینار عجائبات میں سے ہے

امام زبیر بن بکار رحمۃ اللہ علیہ نے موفقیات میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے یہ قول بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: دنیا کے عجائبات چار ہیں۔

ایک شیشہ جو کہ اسکندریہ کے منارہ سے معلق ہے پس بیٹھنے والا اس کے نیچے بیٹھتا ہے تو وہ وہاں سے قسطنطنیہ اور دونوں شہروں کے درمیان سمندر کے عرض کو دیکھ لیتا ہے اور ایک گھوڑا ہے جو کہ سر زمین اندلس میں تانبے کا بنا ہوا تھا وہ اپنی ہتھیلی کو جھکا کر اپنے ہاتھ کو پھیلائے ہوئے تھا یعنی اس کے پیچھے والے پاؤں نہیں تھے کوئی بھی ان شہروں تک نہیں پہنچا مگر چیونٹیوں نے ان کو کھا لیا ہے اور ایک تانبے کا مینار ہے جو عاد کی زمین میں ہے اور اس پر تانبے کا ایک سوار ہے سو جب اشہر حرام ہوتے تو اس سے پانی گرتا اور لوگ پیتے خوب سیراب ہوتے اور اپنے حوض بھر لیتے اور جب اشہر حرام اختتام کو پہنچتے تو وہ پانی گرنا بھی ختم ہو جاتا اور روم کی زمین میں تانبے کا ایک درخت ہے جس پر تانبے کی ایک چڑیا ہے جب زیتون کا موسم آتا ہے تو تانبے کی چڑیا زور

جاتی پھر اڑنے والی ہر چڑیا تین زیتون لے کر آتی دو دو اپنے پاؤں اور ایک زیتون اپنی چونچ میں حتیٰ کہ وہ اس تانبے کی چڑیا پر آ کر پھینکتیں اور اہل روم انہیں نچوڑ لیتے جو تیل انہیں آنے والے موسم سرما تک اپنے کھانے کے لئے اور چراغوں میں جلانے کے لئے کفایت کر جاتا۔ (تفسیر درمنثور: ج:3، ص:310، مطبوعہ کراچی)

قوم عاد کے پیچھے لعنت لگی رہنا

قوم عاد نے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا انکار کیا تو ان کو ہلاک کر دیا گیا اور اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت لگی رہی اور قیامت کے دن بھی ان کے پیچھے لعنت لگی رہے گی۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ تِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَ عَصَوْا رُسُلَهٗ وَ اتَّبَعُوْۤا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ ○ وَ اُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ○ (ھود: 59 تا 60)

اور یہ ہیں قوم عاد کے لوگ جنہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر ظالم ہٹ دھرم کا حکم مانا۔ اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت لگی رہی اور قیامت کے دن بھی (ان کے پیچھے لگی رہے گی) سنو بے شک قوم عاد نے اپنے رب کا کفر کیا سنو ھود کی قوم عاد کے لئے پھٹکار ہے۔

حضرت ھود علیہ السلام کا وادی عسفان سے گزر کر سرخ اونٹوں پر تلبیہ کہتے ہوئے بیت عتیق کا حج کرنے جانا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج پر تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر وادی عسفان کے پاس سے ہوا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس مقام سے حضرت ھود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام سرخ اونٹوں پر گزرے ہیں ان کی مہاریں کھجور کی چھال کی تھیں وہ چوغے پہنے ہوئے تھے اور ان پر دھاری دار چادریں تھیں وہ تلبیہ کہتے ہوئے بیت عتیق کا حج کرنے گئے تھے۔

(مسند احمد: ج:1، ص:432، مطبوعہ دار صادر بیروت)

حضرت ھود علیہ السلام عرب کے نبی تھے

حضرت ھود علیہ السلام عرب کے تھے۔

روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے ابوذر (رضی اللہ عنہ) چار انبیاء کرام علیہم السلام عرب کے تھے۔

1- حضرت ھود علیہ السلام

2-حضرت صالح علیہ السلام

3-حضرت شعیب علیہ السلام

4-اور تمہارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔(صحیح ابن حبان: رقم الحدیث: 361)

حضرت ھود علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل

امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سالم بن ابی جعد رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر کیا گیا تو جب حضرت ھود علیہ السلام کا ذکر ہوا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ذاك خليل الله" وہ تو اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔(تفسیر درمنثور: ج:3، ص:309، مطبوعہ کراچی)

خلیل کا معنیٰ

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:

خلیل کا لفظ خلی سے بنا ہے خلی کا معنیٰ ہے۔

کسی چیز کو دو چیزوں کے درمیان رکھنا۔

خلہ (بالکسر) کے معنیٰ ہیں۔

تلوار کی میان یا غلاف کیونکہ تلوار کے درمیان ہوتی ہے۔

خلہ (بالفتح) کا معنیٰ ہے۔

اختلال اور پریشانی

اور اس کی تفسیر احتیاج کے ساتھ کی گئی ہے۔

اور خلہ بالضم کے معنیٰ ہیں۔

محبت کیونکہ محبت نفس میں سرایت کر جاتی ہے اور اس کے وسط میں ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل فرمایا ہے کیونکہ وہ ہر حال میں صرف اللہ تعالیٰ کے محتاج تھے یا اس سے خلیل فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے شدید محبت کرتے تھے یا اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام سے محبت کرتا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے محبت کا معنیٰ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہر کام اور ہر بات کرنا اور ہر حال میں اس سے راضی رہنا۔

اور اللہ تعالیٰ کی آپ علیہ السلام سے محبت کا معنیٰ ہے۔

آپ علیہ السلام پر اکرام اور احسان کرنا اور دنیا و آخرت میں آپ علیہ السلام کی ثنائے جمیل کرنا۔

(المفردات: ص155 تا156 مطبوعہ المکتبہ المرتضویہ ایران)

خلیل اور حبیب میں فرق

حضرت قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 544ھ نے خلیل اور حبیب کا فرق بیان کرتے ہوئے امام ابوبکر بن فورک کے حوالے سے لکھا ہے۔

خلیل جو اللہ تعالیٰ تک بالواسطہ پہنچے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الانعام:75)

اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمینوں کی ساری بادشاہی دکھائی۔

اور حبیب وہ جو اللہ تعالیٰ تک بلاواسطہ پہنچے۔

قرآن مجید میں ہے:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ (النجم:8تا9)

پھر (اللہ تعالیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کے قریب ہوا پھر دو کمانوں کی مقدار کے برابر اللہ تعالیٰ کے قریب ہوئے یا اس سے بھی زیادہ قریب ہوئے۔

خلیل کی مغفرت کا بیان طمع میں ہے۔

وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝ (الشعراء:82)

اور جس سے میری امید وابستہ ہے وہ قیامت کے دن میری خطا معاف فرمادے گا۔

اور حبیب کی مغفرت کا بیان مرتبہ یقین ہے۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ (الفتح:1تا2)

بے شک ہم نے آپ کو روشن فتح عطا فرمائی تا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے لئے اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کام معاف فرمادے۔

خلیل نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ انہیں روز حشر شرمندہ نہ کرے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ۝ (الشعراء:87)

اور مجھے روز محشر شرمندہ نہ کرنا۔

اور حبیب کو بن مانگے یہ مقام عطا فرمایا۔

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ (التحریم:8)

جس دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو نہ شرمندہ کرے گا نہ ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو۔

امتحان کے موقع پر خلیل نے کہا:

حسبی اللہ

مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے۔

اور حبیب کے لئے اللہ تعالیٰ نے ازخود ارشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۠ (الانفال:64)

خلیل نے دعا کی۔

وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ (الشعراء:84)

اور بعد کے آنے والوں میں میرا ذکر جمیل جاری کردے۔

اور حبیب کے لئے ازخود فرمایا:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (الانشراح:4)

اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا۔

سو قیامت تک کلمہ، اذان، نماز اور خطبہ میں مسلمانوں کی زبان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بلند ہوتا رہے گا۔

خلیل نے دعا کی۔

وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (ابراہیم:35)

اور مجھے اور میرے (خاص) بیٹوں کو بتوں کی عبادت سے اجتناب پر برقرار رکھ۔

اور حبیب کے لئے بلا طلب ازخود فرمایا:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا (الاحزاب:33)

اے اہل بیت رسول! اللہ تعالیٰ یہی ارادہ فرماتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی ناپاکی دور کر کے تم کو خوب پاکیزہ کر دے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہم نے جو یہ چند آیات ذکر کی ہیں ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام فضیلت کی ایک جھلک معلوم ہو جاتی ہے اور ان آیات سے ہر شخص اپنے ذوق کے مطابق مفہوم اخذ کرتا ہے اور تمہارا عزوجل ہی بہتر جانتا ہے کہ کون احسن طریقہ پر ہے۔ (شفاء، ج:1، ص133 تا 134 مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان)

خلیل پر حبیب کو فضیلت کس طرح؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نجی بنایا۔

اور مجھے حبیب بنایا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! میں اپنے حبیب کو اپنے خلیل اور اپنے نجی پر فضیلت دوں گا۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث: 1494)

...کرام رضی اللہ عنہم کا خلیل اور کلیم کا ذکر کرنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے۔

ان میں سے بعض نے کہا: کس قدر حیرت کی بات ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔

دوسرے نے کہا: اس سے بھی حیرت اس پر ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلیم بنایا۔

ایک اور نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں۔

اور دوسرے نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے صفی اللہ بنایا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور ان کو سلام کیا۔

اور ارشاد فرمایا: میں نے تمہارا کلام سنا اور تمہارے تعجب کرنے پر مطلع ہوا۔ بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ ...ل ہیں اور وہ اسی طرح ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے صفی ہیں اور وہ اسی طرح ہیں۔

خوب سن لو!

میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں اور فخر نہیں اور میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں گا اور فخر نہیں ہے اور میں سب ...پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میری شفاعت سب سے پہلے قبول کی جائے گی اور فخر نہیں اور میں سب سے پہلے جنت کا ...کھٹکھٹاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ میرے لیے جنت کو کھولے گا اور میرے ساتھ فقراء مومنین داخل ہوں گے اور فخر نہیں اور میں تمام ...و آخرین میں سب سے زیادہ عزت والا ہوں اور فخر نہیں۔ (سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3636)

...ت ھود علیہ السلام کا مزار پر انوار

حضرت ھود علیہ السلام کے مزار پر انوار کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔

امام ابو القاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ

حضرت ھود علیہ السلام نے جامع دمشق میں ایک باغ بنایا تھا اور آپ علیہ السلام کا مزار مبارک وہیں پر ہے۔

...را قول یہ ہے کہ

آپ علیہ السلام کا مزار مبارک مکہ مکرمہ میں ہے۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ

آپ علیہ السلام کا مزار مبارک یمن میں ہے۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج: 27، ص: 146 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اور امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن سابط رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول بیان کیا ہے کہ

مقام ابراہیم، رکن اور چشمہ زمزم کے درمیان ننانوے انبیاء کرام علیہم السلام کے مزارات ہیں۔

اور حضرت نوح علیہ السلام

حضرت ھود علیہ السلام

حضرت شعیب علیہ السلام

حضرت صالح علیہ السلام

اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبور بھی اسی ٹکڑے میں ہیں۔ (تاریخ مدینہ دمشق: ج: 62، ص: 288 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

○ امام ابن سعد اور ابن عساکر نے حضرت اسحاق بن عبد اللہ بن ابی فروہ سے یہ قول بیان کیا ہے کہ

تین انبیاء کرام علیہم السلام کے سوا کسی نبی علیہ السلام کے مزار کا علم نہیں ہو سکا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر رکن بیت اللہ کے درمیان میزاب رحمت کے نیچے ہے۔ حضرت ھود علیہ السلام کی قبر یمن کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کے ریت میں ہے۔ اس پر درخت ہیں۔ اور وہ جگہ انتہائی سخت گرم ہے۔

اور تیسری حضور انور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا مزار انور ہے پس ان تین انبیاء کرام علیہم السلام کے مزارات حق ہیں

امام ابن عساکر نے حضرت عثمان بن ابی العاتکہ سے یہ قول بیان کیا ہے کہ

مسجد دمشق کا قبلہ حضرت ھود علیہ السلام کی قبر انور ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ سے یہ قول بیان کیا گیا ہے کہ

حضرت ھود علیہ السلام کی قبر مبارک حضرموت کے ایک سرخ ٹیلہ میں ہے۔ آپ علیہ السلام کے سر کی جانب درخت ہے۔ (تفسیر طبری: ج: 8، ص: 255 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

مقام ابراہیم، رکن اور چشمہ زمزم کے درمیان ننانوے انبیاء کرام علیہم السلام کے مزارات

مقام ابراہیم، رکن اور چشمہ زمزم کے درمیان ننانوے انبیاء کرام علیہم السلام کے مزارات ہیں۔

حضرت ابن سابط رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ

مقام ابراہیم، رکن اور چشمہ زمزم کے درمیان ننانوے انبیاء کرام علیہم السلام کے مزارات ہیں۔

اور حضرت نوح علیہ السلام

حضرت ھود علیہ السلام

حضرت شعیب علیہ السلام

حضرت صالح علیہ السلام

اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مزارات بھی اسی ٹکڑے میں ہیں۔ (تاریخ مدینہ دمشق: ج:62، ص:288 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ھود علیہ السلام کی عمر مبارک چار سو بہتر (472) برس تھی

حضرت ھود علیہ السلام کی عمر مبارک چار سو بہتر برس تھی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت ھود علیہ السلام کی عمر مبارک چار سو بہتر (472) برس تھی۔ (تفسیر در منثور: ج:3، ص:309، مطبوعہ کراچی)

حضرت ھود علیہ السلام وہ مقدس نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے قوم کی دنیاوی و اخروی بہتری کے لئے مبعوث فرمایا مگر افسوس کہ قوم نے تکذیب کی اور ہلاک کیے گئے اور ہمیشہ کے لئے عبرت کا نشانہ بن گئے اور جو ایمان لے آئے ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی رہے گی اور بروز حشر اللہ تعالیٰ ان کو اس کا صلہ عطا فرمائے گا۔

حضرت ھود علیہ السلام کا عرس مبارک ہر سال پندرہ شعبان المعظم کو ہوتا ہے

سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی 1399ھ لکھتے ہیں:

الاحقاف صحرائے عرب (الربع الخالی) کے جنوبی مغربی حصہ کا نام ہے جہاں آج کوئی آبادی نہیں ہے۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ

عاد کا علاقہ عمان سے یمن تک پھیلا ہوا تھا اور قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ ان کا اصل وطن الاحقاف تھا جہاں سے نکل کر وہ گردو پیش کے ممالک میں پھیلے اور کمزور قوموں پر چھا گئے۔ آج کے زمانہ تک بھی جنوبی عرب کے باشندوں میں یہی بات مشہور و معروف ہے کہ عاد اسی علاقہ میں آباد تھے۔ موجودہ شہر مکلا سے تقریباً ایک سو باون (152) میل کے فاصلہ پر شمال کی جانب حضر موت میں ایک مقام ہے جہاں لوگوں نے حضرت ھود علیہ السلام کا مزار بنا رکھا ہے اور وہ قبر ھود کے نام سے ہی مشہور ہے ہر سال پندرہ شعبان کو وہاں عرس مبارک ہوتا ہے اور عرب کے مختلف حصوں سے ہزاروں آدمی وہاں جمع ہوتے ہیں یہ قبر اگرچہ تاریخی طور پر ثابت نہیں ہے لیکن اس کا وہاں بنایا جانا اور جنوبی عرب کے لوگوں کا کثرت سے اس کی طرف رجوع کرنا کم از کم اس بات کا ثبوت ضرور ہے کہ مقامی روایات اسی علاقہ کو قوم عاد کا علاقہ قرار دیتی ہیں۔

(تفہیم القرآن: ج:4، ص:615 مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور)

سید ابو الاعلیٰ مودودی جو دیوبندیوں کے وڈیرے ہیں ان کی اس عبارت سے پتا چلتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا عرس مبارک ہوتا ہے اور یہ صرف اہل سنت، بریلویوں کی اختراع نہیں بلکہ دنیا کے ہر خطہ میں مسلمان بزرگوں کا عرس مناتے ہیں جس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ان کے نزدیک بزرگوں کا عرس منانا جائز ہے۔

اہلسنت و جماعت، بریلوی بزرگوں کے عرس منانے کے قائل ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ عرس کے لغوی معنیٰ ہیں شادی اس لیے دلہن کو عروس کہتے ہیں۔ بزرگان دین کی تاریخ وفات کو اس لیے عرس کہتے ہیں کہ جب نکیرین میت کا امتحان لیتے ہیں اور وہ کامیاب ہوتا ہے تو کہتے ہیں۔

نم کنومة العروس التی لا یوقظة الا احب اهله الیه۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص:25 مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

تو اس دلہن کی طرح سو جا جس کو سوائے اس کے پیارے کے کوئی نہیں اٹھا سکتا تو چونکہ اس دن نکیرین نے ان کو عروس کہا اس لیے وہ دن روز عرس کہلایا یا اس لیے کہ وہ جمال مصطفیٰ کو یم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے کا دن ہے کہ نکیرین دکھا کر پوچھتے ہیں کہ تو ان کو کیا کہتا تھا اور وہ تو خلقت کے دولہا ہیں تمام عالم ان ہی کی بہار ہے اور وصال محبوب کا دن عرس کا دن ہے لہٰذا یہ دن عرس کہلایا یا عرس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ ہر سال تاریخ وفات پر قبر کی زیارت کرنا اور قرآن خوانی و صدقات کا ثواب پہنچانا اس اصل عرس کا ثبوت حدیث مبارکہ اور اقوال فقہاء کرام سے ہے۔

امام محمد بن عمر الواقد متوفی 207ھ بیان کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال شہداء احد کی قبروں کی زیارت کرتے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھاٹی مین داخل ہوتے تو یہ آواز بلند فرماتے۔

السلام علیکم! کیونکہ تم نے صبر کیا پس آخرت کا گھر کیا ہی اچھا ہے۔

پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہر سال اسی طرح کرتے تھے پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اسی طرح کرتے تھے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (بھی اسی طرح کرتے تھے) (کتاب المغازی: ج:1 ص:313 مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

امام ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ اقدس میں ایک بار قحط پڑ گیا تو حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر عرض کیا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی امت کے لئے بارش کی دعا کیجئے کیونکہ وہ ہلاک ہو رہے ہیں۔

(المصنف: ج:12 ص:32 مطبوعہ کراچی)

شاہ عبدالعزیز صاحب فتاویٰ عزیزیہ صفحہ 45 میں فرماتے ہیں:

دوسرے یہ کہ بہت سے لوگ جمع ہوں اور ختم قرآن اور کھانے شیرینی پر فاتحہ کر کے حاضرین میں تقسیم کریں یہ قسم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں مروج نہ تھی لیکن اگر کوئی کرے تو حرج نہیں بلکہ زندوں کو مردوں سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ (فتاویٰ عزیزیہ ص:45)

زبدة النصائح فی مسائل الذبائح میں شاہ عبدالعزیز صاحب مولوی عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

یہ طعن لوگوں کے حالات سے خبردار نہ ہونے کی وجہ سے ہے کوئی شخص بھی شریعت کے مقرر کردہ فرائض کے سوا کوئی فرض جانتا ہاں صالحین کی قبروں سے برکت لینا اور ایصال ثواب اور تلاوت قرآن اور تقسیم شیرینی و طعام سے ان کی مدد کرنا علماء کرام سے اچھا ہے عرس کا دن اس لیے مقرر ہے کہ وہ دن ان کی وفات کو یاد دلاتا ہے ورنہ جس دن بھی یہ کام کیا ے اچھا ہے۔

مولوی عبدالقدوس گنگوہی مکتوب 182 میں مولانا جلال الدین کو لکھتے ہیں:

پیروں کا عرس پیروں کے طریقہ سے قوالی اور صفائی کے ساتھ جاری رکھیں۔

مولوی رشید احمد و اشرف علی صاحبان کے پیر حاجی امداد اللہ صاحب اپنے فیصلہ ہفت مسئلہ میں عرس کے جواز پر بہت زور ہیں خود اپنا عمل یوں بیان کرتے ہیں۔

فقیر کا مشرب اس امر میں ہے کہ ہر سال اپنے پیر و مرشد کی روح مبارک پر ایصال ثواب کرتا ہوں۔ اول قرآن خوانی ہے اور گاہ گاہ اگر وقت میں وسعت ہو تو مولود پڑھا جاتا ہے پھر ماحضر کھانا کھلایا جاتا ہے اور اس کا ثواب بخش دیا جاتا ہے۔

مولوی رشید بھی اصل عرس کو جائز مانتے ہیں۔

چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات ص 92 میں فرماتے ہیں:

بہت سی اشیاء ہیں کہ اول مباح تھیں پھر کسی وقت منع ہو گئیں۔ مجلس عرس و مولود بھی ایسا ہی ہے اہل عرب سے معلوم ہوا شریف کے لوگ حضرت سید احمد بدوی رحمۃ اللہ علیہ کا عرس بہت دھوم دھام سے کرتے ہیں خاص کر علماء مدینہ منورہ ت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا عرس کرتے رہے جن کا مزار مقدس احد پہاڑ پر ہے۔ غرضیکہ دنیا بھر کے مسلمان علماء صالحین اہل مدینہ عرس پر کاربند ہیں اور جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ عنداللہ بھی اچھا ہے عقل بھی چاہتی ہے کہ عرس بزرگان عمدہ اولاً تو اس لیے کہ عرس زیارت قبور اور صدقہ خیرات کا مجموعہ ہے زیارت قبور بھی سنت، صدقہ بھی سنت تو دو سنتوں کا مجموعہ نکر ہو سکتا ہے؟

مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

ہم نے تم کو زیارت قبور سے منع فرمایا تھا اب ضرور زیارت کیا کرو۔ اس سے ہر طرح زیارت قبور کا جواز معلوم ہوا خواہ ہو یا سال کے بعد اور خواہ تنہا زیارت کی جاوے یا کہ جمع ہو کر اب اپنی طرف سے اس میں قیود لگانا کہ مجمع کے ساتھ کرنا منع ہے سال کے بعد مقرر کر کے زیادہ کرنا منع ہے محض لغو ہے معین کر کے ہو یا بغیر معین کئے ہر طرح جائز ہے۔

م اس لیے کہ

عرس کی تاریخ مقرر ہونے سے لوگوں کو جمع ہونے میں آسانی ہوتی ہے اور لوگ جمع ہو کر قرآن خوانی، کلمہ طیبہ، درود پاک پڑھتے ہیں بہت سی برکات جمع ہوتی ہیں۔

سرے اس لیے کہ

ایک پیر کے مریدین اس تاریخ میں اپنے پیر بھائیوں سے بلا تکلف مل لیتے ہیں جس سے ایک دوسرے کے حالات سے واقفیت ہوتی ہے اور آپس میں محبت بڑھتی ہے۔

چوتھے اس لیے کہ

طالبان کو پیر تلاش کرنے میں آسانی ہے اگر کسی عرس میں پہنچے تو وہاں مختلف جگہ کے بزرگان دین جمع ہوتے ہیں علماء و صوفیاء کا مجمع ہوتا ہے سب کو دیکھ کر جس سے عقیدت ہو اسی سے بیعت کر لے۔

(سعید الحق فی تخریج جاء الحق: ص 627 تا 628 مطبوعہ غوثیہ کراچی)

بہر حال عرس کی حقیقت یہ ہے کہ سال کے سال صالحین اور بزرگان دین کے مزارات کی زیارت کی جائے ان پر سلام پیش کیا جائے اور ان کی تعریف و توصیف کے کلمات کہے جائیں اور اتنی مقدار سنت ہے اور قرآن مجید پڑھ کر اور صدقہ و خیرات کا انہیں ثواب پہنچانا یہ بھی دیگر احادیث مبارکہ صحیحہ سے ثابت ہے اور ان کے وسیلہ سے دعا کرنا اور ان سے اپنی حاجات میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے اور شفاعت کرنے کی درخواست کرنا اس کا ثبوت امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس حدیث مبارکہ سے ہے جس میں عثمان بن حنیف نے ایک شخص کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کی درخواست کرنے کی ہدایت کی۔ (معجم الصغیر: ج: 1 ص: 184 مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ

ہر سال صالحین کے مزارات کی زیارت کے لئے جانا ان کو سلام پیش کرنا اور ان کی تحسین کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کی سنت ہے اور ان کے لئے ایصال ثواب کرنا اور ان کے وسیلہ سے دعا کرنا اور ان سے شفاعت کی درخواست کرنا بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بزرگان دین سے سچی محبت عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین و صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ھود علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے آٹھ سو برس بعد کے تھے

حضرت ھود علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام سے آٹھ سو برس بعد پیدا ہوئے تھے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

حضرت ھود علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام سے آٹھ سو برس بعد پیدا ہوئے۔ (تفسیر نعیمی: ج: 8، ص: 513 نعیمی کتب خانہ ...)

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نَبِیَّ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نُوْرَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت صالح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مقدس نبی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اپنی قوم کی طرف مبعوث فرمایا تا کہ آپ علیہ السلام ان کو بتوں کی عبادت سے منع فرمائیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم فرمائیں مگر افسوس کہ قوم نے آپ علیہ السلام کی تکذیب کی جس کی وجہ سے انہیں تباہ و برباد کر دیا گیا اور قیامت تک کے لئے عبرت کا نشانہ بنا دیا گیا۔

حضرت صالح علیہ السلام کا نسب مبارک

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت صالح علیہ السلام کا نسب اس طرح لکھا ہے۔

صالح بن عبید بن آسف بن ماسح بن عبید بن خاور بن ثمود۔ (معالم التنزیل: ج:2، ص:145 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی 1137ھ لکھتے ہیں:

حضرت صالح علیہ السلام کا نسب یہ ہے۔

صالح بن عبید بن آصف بن کاشح بن حاذر بن ثمود۔ (روح البیان: ج:6، ص:382 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

تفسیر نعیمی میں نسب مبارک اس طرح لکھا ہوا ہے۔

صالح بن عبید بن آصف بن ماسح ابن عبید ابن حاذر ابن ثمود ابن ارم ابن سام ابن نوح علیہ السلام۔

(تفسیر نعیمی: ج:8، ص:538 مطبوعہ لاہور)

اسی تفسیر میں پارہ بارہ میں لکھا ہوا ہے۔

صالح بن عبید بن آسف بن ماسخ بن عبید بن خاور بن ثمود بن عاد بن ارم بن سام بن نوح علیہم السلام۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:190 مطبوعہ لاہور)

حضرت صالح علیہ السلام امانت دار رسول

حضرت صالح علیہ السلام امانت دار رسول تھے جس طرح کہ آپ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝ (الشعراء:143)

بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کی طرف بعثت

اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو قوم ثمود کی طرف مبعوث فرمایا تا کہ آپ علیہ السلام ان کو بتوں کی پوجا سے منع فرمائیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم فرمائیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ (النمل:45)

اور بے شک ہم نے ثمود کی طرف ان کے ہم قبیلہ صالح کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا (ھود:61)

اور قوم ثمود کی طرف ہم نے ان کے ہم قوم صالح کو بھیجا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا (الاعراف:73)

اور ہم نے (قوم) ثمود کی طرف ان کے (ہم قبیلہ) بھائی صالح کو بھیجا۔

حضرت صالح علیہ السلام حضرت ھود علیہ السلام کے سو سال بعد مبعوث ہوئے

حضرت صالح علیہ السلام حضرت ھود علیہ السلام کے سو سال بعد مبعوث ہوئے۔

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی 1137ھ لکھتے ہیں:

حضرت صالح علیہ السلام کو حضرت ھود علیہ السلام کے ایک سو سال بعد مبعوث کیا گیا تھا۔

(روح البیان: ج:6، ص:385 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے:

حضرت ھود علیہ السلام کی وفات کے سو سال بعد ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے قومی برادری خاندانی بھائی حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:183 مطبوعہ لاہور)

حضرت صالح علیہ السلام نے چالیس سال کی عمر میں تبلیغ فرمائی

حضرت صالح علیہ السلام نے چالیس سال کی عمر مبارک میں تبلیغ فرمانی شروع فرمائی۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

آپ علیہ السلام (حضرت صالح علیہ السلام) نے بھی چالیس سال کی عمر مبارک میں تبلیغ فرمانی شروع کی۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:190 مطبوعہ لاہور)

نبی کی بعثت کا زمانہ

نبی کی بعثت کے متعلق چند اقوال ہیں۔

علامہ محمود بن عمر زمخشری الخوارزمی متوفی 538ھ لکھتے ہیں:

ہر نبی کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیا جاتا ہے۔ (الکشاف: ج:3، ص:402 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ

ہر نبی کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیا گیا ہے اور اس کی حکمت ظاہر ہے کیونکہ جب انسان چالیس سال کی عمر میں پہنچ جاتا ہے تو اس کے غضب اور شہوت کی قوت کم ہونے لگتی ہے اور اس کی عقل بڑھنے لگتی ہے اور اس وقت انسان جسمانی اعتبار سے کامل ہو جاتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کرنے کے لئے اس عمر کو اختیار فرمایا۔

(تفسیر کبیر: ج:8، ص:583 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ بیضاوی متوفی 685ھ لکھتے ہیں:

چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا کی جاتی ہے۔ (تفسیر البیضاوی مع الکازرونی: ج:4، ص:286)

علامہ احمد خفاجی متوفی 1069ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں نبوت عطا فرمائی۔

وَ اٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا ۝ (مریم:12)

اور ہم نے اس کو بچپن میں نبوت عطا فرمائی۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تینتیس (33) سال کی عمر میں مبعوث فرمایا گیا اور چالیس کی عمر میں آسمانوں پر اٹھایا گیا اس لیے چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا کرنے یا مبعوث کیے جانے کا حکم تغلیبی ہے (یعنی یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے اکثریہ ہے)

(عنایۃ القاضی: ج:7، ص:285 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی 1137ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء کرام نے کہا ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث کرنے کے لئے چالیس سال کی عمر کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تینتیس (33) سال کی عمر میں نبی بنایا گیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو اٹھارہ سال کی عمر میں نبی بنایا گیا تھا کیونکہ اس وقت ان پر یہ وحی کی گئی تھی۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ (یوسف:15)

اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ عنقریب تم ان کو ان کے سلوک سے آگاہ کرو گے اور ان کو اس کی خبر بھی نہیں ہو گی۔

جمہور علماء کے نزدیک یہ وحی نبوت تھی۔

اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بالغ ہونے سے پہلے نبوت دی گئی۔

(روح البیان: ج:6، ص:498 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

مفسرین نے فرمایا ہے کہ

جس نبی کو بھی مبعوث کیا گیا ہے تو اس کو چالیس سال کے بعد مبعوث کیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ

اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اشکال ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی عمر کے اول میں ہی نبی بنا دیا تھا۔

مگر اس کا جواب یہ ہے کہ

اغلب یہ ہے کہ ان پر وحی آنے کا سلسلہ چالیس سال کے بعد شروع ہوا ہو اور ہمارے رسول سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی معاملہ اسی طرح ہوا تھا۔ (تفسیر کبیر: ج:10، ص:18 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ علی بن محمد الماوردی متوفی 450ھ لکھتے ہیں:

زید بن اسلم نے کہا: اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں کیا حتیٰ کہ وہ چالیس سال کی عمر کو پہنچ گیا۔

(النکت والعیون: ج:5، ص:277 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

قاضی عبداللہ بن عمر البیضاوی متوفی 685ھ لکھتے ہیں: ایک قول یہ ہے کہ

جس کو بھی نبی بنایا گیا ہے چالیس سال کے بعد نبی بنایا گیا ہے۔

(تفسیر البیضاوی مع الخفاجی: ج:8، ص:470 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی 1137ھ لکھتے ہیں: کہا گیا ہے کہ کسی نبی کو چالیس سال سے پہلے مبعوث نہیں کیا گیا اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام پر اعتراض ہوتا ہے کیونکہ ان کو چالیس سال سے پہلے مبعوث کیا گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

یہ غالب اور اکثری قاعدہ ہے کلیہ نہیں ہے۔ (روح البیان: ج:8، ص:639 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)۔

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی 1367ھ لکھتے ہیں:

جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف چالیس سال کی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت و رسالت

کے ساتھ سرفراز فرمایا۔ (خزائن العرفان: ص: 801 مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ)

امام الحسین بن مسعود البغوی شافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کو پہنچ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنایا گیا۔ (معالم التنزیل: ج: 4، ص: 135 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال تھی۔ (الجامع الاحکام القرآن: 16، ص: 181 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام علی بن احمد واحدی متوفی 468ھ لکھتے ہیں:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال کی ہوگئی تو آپ علیہ السلام کو نبی بنایا گیا۔

(الوسیط: ج: 4، ص: 107 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

ایک جماعت نے یہ تصریح کی ہے کہ

اعم اور اغلب یہ ہے کہ نبی کو چالیس سال کے بعد مبعوث کیا جاتا ہے جیسا کہ ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے واقع ہوا۔ (روح المعانی: ج: 26، ص: 30 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ محمد بن مصلح الدین القوجوی حنفی متوفی 951ھ لکھتے ہیں:

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ

ہر نبی کو چالیس سال کے بعد مبعوث کیا جاتا ہے اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اشکال ہوتا ہے کہ ان کو بچپن کی ابتداء میں ہی نبی بنادیا گیا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اغلب یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر وحی چالیس سال کے بعد کی جاتی ہے ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی اسی طرح ہوا تھا۔ (حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی: ج: 7، ص: 599 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ علی بن محمد خازن متوفی 725ھ لکھتے ہیں:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال کو پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا اکرام فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت کے ساتھ خاص کر لیا۔ (تفسیر خازن: ج: 4، ص: 125 مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور)

قاضی ابو السعود محمد بن محمد حنفی متوفی 982ھ لکھتے ہیں:

کہا گیا ہے کہ

کسی نبی کو چالیس سال سے پہلے مبعوث نہیں کیا جاتا۔ (تفسیر ابوالسعود: ج:6،ص:73 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابراہیم بن عمر البقاعی متوفی 885ھ علامہ علی بن محمد خازن کے قول کے بعد لکھتے ہیں:

اسی وجہ سے چالیس سال کی عمر انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا وقت ہے۔

(نظم الدرر: ج:7،ص:128 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

قرآن مجید میں ہے:

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَ اٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۙ (مریم:12)

اے یحیٰی! کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لیجئے اور ہم نے ان کو بچپن میں نبوت عطا فرما دی۔

امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی 333ھ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ

نبوت کسی استحقاق کی بناء پر ملتی ہے اس آیت کریمہ میں ان کا رد ہے کیونکہ حضرت یحیٰی علیہ السلام کو بچپن میں بغیر کسی استحقاق کے نبوت عطا کی گئی اس سے معلوم ہوا کہ ان کو نبوت عطا فرمانا محض اللہ تعالیٰ کا انعام اور افضال تھا ان کا استحقاق نہ تھا۔

(تاویلات اہل السنۃ: ج:3،ص:260 مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ ناشرون)

امام الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں:

اس آیت میں حکم سے مراد نبوت ہے اور جب ان کو نبوت دی گئی تو ان کی عمر تین سال تھی۔ (معالم التنزیل: ج:3،ص:60 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کریمہ میں حکم کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں۔

1-حکمت یعنی تورات کی فہم اور دین کی فقہ

2-عقل

3-اس سے مراد نبوت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بچپن میں ان کی عقل کو پختہ کر دیا اور ان کی طرف وحی فرمائی اور حضرت یحیٰی علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں اعلان نبوت کا حکم دیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی سیدنا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر میں اعلان نبوت کا حکم دیا تھا۔

اور اس آیت کریمہ میں حکم کو نبوت پر محمول کرنے کی دو دلیلیں ہیں۔

1-اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یحیٰی علیہ السلام کی صفات شریفہ بیان فرمائی ہیں اور یہ معلوم ہے کہ انسان کی سب سے اشرف صفت نبوت ہے اور مقام مدح میں نبوت کی صفت کا ذکر کرنا دوسری صفات کی بہ نسبت زیادہ لائق ہے لہٰذا

آیت میں حکم کو نبوت پر محمول کرنا واجب ہے۔

2-حکم سے مراد حکم ہے جس کو غیر پر نافذ کیا جاسکے اور ایسا حکم صرف نبی دیتا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ

بچپن میں نبوت کا ملنا کیسے معقول ہوسکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ

یہ معترض معجزہ کا قائل ہے یا نہیں۔ اگر وہ معجزہ کا قائل نہیں ہے تو اثبات نبوت کا دروازہ بند ہو جائے گا اور اگر وہ معجزہ کا قائل ہے تو بچہ میں عقل اور نبوت کا ہونا شق القمر اور سمندر کو چیرنے سے زیادہ مستبعد نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر: ج:7،ص:516 تا 517 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ

حکم سے مراد نبوت ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو سات یا دو یا تین سال کی عمر میں نبوت دی گئی اور اکثر انبیاء کرام علیہم السلام کو چالیس سال سے پہلے نبی نہیں بنایا گیا۔ (روح المعانی: جز:16،ص:105 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نیز مزید رقم ہیں۔

جب بعض انبیاء کرام علیہم السلام کو بچپن میں دو یا تین سال کی عمر میں نبوت دی گئی ہے تو ہمارے نبی سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ لائق ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بچپن میں اس نوع کی نبوت دی جائے اور جس کو سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کا علم ہے اور اس کی تصدیق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے وہ حبیب ہیں جو اس وقت نبی تھے جب حضرت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے تو وہ اس کو مستبعد نہیں قرار دے گا۔ (روح المعانی: ج:25،ص:92 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

میں کہتا ہوں کہ (مجاہد احقر)

ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف بچپن میں نبی تھے بلکہ جب کوئی چیز پیدا نہیں کی گئی تھی اس وقت بھی نبی تھے اور عالم ارواح میں میثاق کے وقت بھی نبی تھے، جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی نبی تھے۔

سب سے پہلے بچپن میں نبی ہونے پر دلائل ملاحظہ فرمائیے۔

عتبہ بن عبد السلمی نے بیان کیا ہے کہ

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی پہلی نشانی کیا تھی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں بنو سعد بن بکر کے ہاں اپنی دایہ کے پاس تھا میں اور ان کا بیٹا بکریاں چرانے گئے۔ہم نے اپنے ساتھ ناشتہ نہیں تھا۔

میں نے کہا: اے بھائی! جاؤ! ہماری ماں کے پاس سے ناشتہ لے کر آؤ۔میرا بھائی چلا گیا اور میں بکریوں کے پاس رہا گدھ کی طرح دو سفید پرندے آئے۔

ایک نے دوسرے سے کہا: کیا یہ وہی ہیں؟

اس نے کہا: ہاں! پھر وہ دونوں میری طرف جھپٹے۔ان دونوں نے مجھے پکڑ کر زمین پر پیٹھ کے بل گرا دیا پھر انہوں نے میرا سینہ چاک کیا اور میرا دل نکالا اور اس سے دو سیاہ لوتھڑے نکالے۔

پھر ایک نے دوسرے سے کہا۔

برف کا پانی لاؤ! پھر انہوں نے اس پانی سے میرے پیٹ کو دھویا۔

پھر کہا: ٹھنڈا پانی لاؤ۔

پھر کہا: چھری لاؤ۔

پھر ٹھنڈا پانی میرے دل پر چھڑکا۔

پھر کہا: اس دل کو سیو اور اس پر نبوت کی مہر لگا دو۔

پھر ایک نے دوسرے سے کہا۔

ان کو ایک پلڑے میں رکھو اور ان کی امت کو دوسرے پلڑے میں رکھو۔پھر میں اپنے اوپر ہزاروں آدمیوں کو دیکھ رہا تھا اور مجھے ڈر تھا کہ ان میں سے بعض مجھ پر گر پڑیں گے۔

پھر ان میں سے کسی نے کہا: اگر ان کا امت کے ساتھ وزن کیا گیا تو ان کا پلڑا بھاری ہوگا۔پھر میں اپنی رضاعی والدہ محترمہ کے پاس گیا اور ان کو اس واقعہ کی خبر دی۔ان کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں مجھ پر افتاد آ جائے گی۔

انہوں نے کہا: میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتی ہوں وہ اپنے اونٹ پر سوار ہوئیں اور مجھے اپنے پیچھے پالان پر بٹھایا کہ ہم میری والدہ محترمہ رضی اللہ عنہا تک پہنچ گئے۔

میری رضاعی والدہ محترمہ نے کہا: کیا میں نے اپنی امانت ادا کر دی اور اپنے ذمہ کو پورا کر دیا؟ اور وہ واقعہ بیان کیا جو پیش آیا تھا۔میری والدہ اس سے خوفزدہ نہیں ہوئیں۔

اور ارشاد فرمایا: میں نے دیکھا تھا کہ مجھ سے ایک نور نکلا تھا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے تھے۔

(معجم الکبیر: رقم الحدیث: 343، مجمع الزوائد: رقم الحدیث: 13841)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور وہ سوال پر بہت حریص تھے وہ آپ صلی اللہ

وسلم سے ان چیزوں کے متعلق سوال کرتے تھے جن کے متعلق دوسرے سوال نہیں کرتے تھے۔
انہوں نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ابتداء کیسے ہوئی؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم نے یہ سوال کیا ہے تو سنو!
میں دس سال کی عمر میں صحرا میں جارہا تھا میں نے اپنے اوپر دو آدمیوں کی بات سنی۔
ان میں سے ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا۔
کیا یہ وہی ہے؟
دوسرے نے کہا: ہاں! ان دونوں نے مجھے پکڑ کر گرادیا پھر میرا پیٹ شق کیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام سونے کے طشت پانی لارہے تھے اور حضرت میکائیل علیہ السلام میرے پیٹ کو دھورہے تھے۔
پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔
ان کا سینہ چیرو اور جب میرا سینہ چیرا گیا تو مجھے کوئی درد نہیں ہوا۔
پھر کہا: ان کا دل چیرو! پھر میرا دل چیرا گیا۔
پھر کہا: اس میں سے کینہ اور حسد نکال دو۔ پھر جمے ہوئے خون کے مشابہ کوئی چیز نکال کر پھینک دی گئی۔
پھر کہا: ان کے دل میں شفقت اور رحمت داخل کردو۔ پھر چاندی کی مثل کوئی چیز داخل کی ان کے پاس کوئی سفوف تھا اس کو ...ا۔
پھر میرے انگوٹھے کو نرمی سے دبا کر کہا۔
اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جائیں! پھر میرے دل میں چھوٹوں کے لئے بہت رحمت اور بڑوں کے لئے دل میں بہت نرمی ...۔ (دلائل النبوۃ: رقم الحدیث: 166، مجمع الزوائد: رقم الحدیث: 13543)
ان دونوں احادیث صحیحہ میں اس بات کی صراحت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچپن میں بھی نبی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کی دلیل پر شق صدر کا واقعہ بیان فرمایا۔
امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل النبوۃ میں یہ تصریح فرمائی ہے کہ جب بچپن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا اور جو شخص نبی نہ ہو اور وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھے تو عمر میں نابینا ہو جاتا ہے۔
حدیث مبارکہ میں ہے: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سو گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد (یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے)
پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر دیکھا اور ارشاد فرمایا: اے میرے پیارے! تم کب آئے؟

انہوں نے کہا: ایک ساعت ہوئی ہے!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار فرمایا: کیا تم نے میرے پاس کسی شخص کو دیکھا؟

انہوں نے کہا: ہاں! میں نے ایک مرد کو دیکھا!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے اور جبرائیل علیہ السلام کو مخلوق میں سے دیکھے گا تو وہ نابینا ہو جائے گا سوا اس کے کہ وہ نبی ہو لیکن تم کو آخر عمر میں نابینا کیا جائے گا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے دعا فرمائی۔

اے اللہ عزوجل! اس کو تاویل کا علم عطا فرما اور اس کو دین کی سمجھ عطا فرما اور اس کو اہل ایمان سے رکھ۔

(مستدرک: رقم الحدیث: 6287)

علامہ ابن حجر مکی متوفی 974ھ نے اس حدیث مبارکہ سے اس پر استدلال کیا ہے کہ جو شخص نبی نہ ہو اور وہ اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھنے میں منفرد ہو وہ آخر عمر میں نابینا ہو جاتا ہے۔

(الفتاوی الحدیثیہ: ص: 911 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اگر ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم بچپن میں نبی نہ ہوتے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھنے کی وجہ سے اپنے کے مطابق آخر عمر میں نابینا ہو جاتے اور جبکہ ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچپن میں جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا تھا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی تھے۔

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تخلیق کائنات سے بھی پہلے کے نبی تھے حتیٰ کہ عالم ارواح میں میثاق کے وقت بھی نبی تھے پر دلائل درج ذیل ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبوت کب ہوئی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس وقت حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3609)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور اس وقت حضرت آدم علیہ السلام اپنی مٹی کے خمیر میں تھے اور میں عنقریب تم کو اپنی ابتداء کے متعلق بتاؤں گا۔ (میں) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور میں اپنی والدہ محترمہ کا وہ خواب ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا ان کے لئے ایک نور نکلا جس سے ان کے لئے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ (معجم الکبیر: رقم الحدیث: 252)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی 1052ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس جگہ یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت جو تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے تھی اس سے کیا ہے؟ اگر اس سے یہ مراد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سبحانہ کے علم میں اس وقت نبی تھے تو اس پر یہ اشکال ہے کہ اللہ تعالیٰ میں تو اس وقت تمام انبیاء کرام علیہم السلام نبی تھے اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بالفعل نبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بالفعل نبی ہونا تو دنیا میں تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ
اس سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود عنصری سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا فرشتوں اور روحوں پر اظہار ہے جیسا کہ احادیث مبارکہ میں وارد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم شریف عرش پر، آسمان پر، جنت کے محلات اور غرفوں پر، حوران بہشت کے سینوں پر، درختوں کے پتوں پر، جنت کے درختوں پر اور فرشتوں کی بھوؤں اور آنکھوں پر لکھا ہوا

اور بعض عارفین نے کہا ہے کہ
اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح شریف نبی تھی اور عالم ارواح میں روحوں کی تربیت کر رہی تھی جیسا کہ اس عالم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم شریف اجسام کی تربیت کر رہا ہے اور یہ چیز ثابت ہے کہ ارواح کو اجسام سے پہلے پیدا کیا گیا۔ (اشعۃ اللمعات: ج:4، ص:474 تا 475 مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبوت کب واجب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔
(مشکوۃ المصابیح: رقم الحدیث: 5758)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی 1014ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں: یعنی اس حال میں میرے لیے نبوت واجب ہو گئی حضرت آدم علیہ السلام کا جسم زمین پر بغیر روح کے رکھا ہوا تھا۔
اس کا معنیٰ یہ ہے کہ
یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی روح کا تعلق ان کے جسم کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔ (الطبقات الکبریٰ: ج:1، ص:118 مطبوعہ دارالکتب بیروت) (مرقاۃ المفاتیح: ج:10، ص:28 مکتبہ پشاور)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
میں اس حال میں نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (معجم الکبیر: رقم الحدیث: 833)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں تخلیق میں تمام نبیوں سے پہلا ہوں اور بعثت میں سب کے آخر میں ہوں۔ (دلائل النبوۃ: رقم الحدیث: 3)

امام محمد بن سعد متوفی 230ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کب نبی تھے؟

لوگوں نے کہا: چپ کر، چپ کر۔

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کو چھوڑو میں نبی تھا اور اس وقت حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

ابوالجد عا سے روایت ہے کہ

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کب نبی تھے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس وقت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

مطرف بن عبداللہ سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کب نبی تھے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور مٹی کے درمیان تھے۔

عامر بیان کرتے ہیں کہ

ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کب نبی بنایا گیا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب مجھ سے میثاق لیا گیا اس وقت حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم درمیان تھے۔ (الطبقات الکبریٰ: ج: 1 ص: 118 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی مالکی متوفی 543ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کئی وجوہ سے نبوت کو واجب فرمایا۔

1- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ... کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں جیسا

چیز کا وجود اللہ تعالیٰ کے علم سے واجب ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اس وقت واجب ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں جیسا کہ ہر چیز کا وجود اللہ تعالیٰ کے علم سے واجب ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اس وقت واجب ہوئی جب اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا۔

اور اس سے ارشاد فرمایا:

لکھ! تو اس نے قیامت تک ہونے والی ہر چیز کو لکھا سو اس میں سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کریمہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ شریفہ کے ساتھ ذکر تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبوت اس وقت واجب ہوئی جب حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا بنا کر زمین پر رکھا گیا اور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے وجوب کے ذکر میں یہ حکمت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قول میں تھی فعل میں نہیں تھی اور جب حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بالفعل نبوت ہو گئی کیونکہ اصل کی تخلیق فرع کی تخلیق ہے۔ خصوصاً جب حضرت آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کو ان کی پشت سے نکالا گیا تو وہ سب زندہ تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اپنی ربوبیت پر شاہد بنایا۔ (عارضۃ الاحوذی: ج:13، ص:87 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی حنفی متوفی 973ھ لکھتے ہیں:

اگر تم یہ پوچھو کہ آیا سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کو بھی اس وقت نبوت دی گئی جب حضرت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

ہم تک یہ حدیث نہیں پہنچی کہ کسی اور کو بھی یہ مقام دیا گیا۔ باقی انبیاء کرام علیہم السلام صرف اپنی رسالت کے ایام محسوسہ میں ہی نبی تھے اگر تم یہ پوچھو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں نہیں فرمایا کہ میں اس وقت بھی انسان تھا یا اس وقت بھی موجود تھا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ نبوت کا ذکر یہ بتانے کے لئے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء کرام سے پہلے نبوت دی گئی کیونکہ نبوت اسی وقت ملتی ہے جو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وقت مقرر ہوتا ہے۔

نیز علامہ شعرانی نے لکھا ہے کہ

شیخ محی الدین ابن عربی نے الفتوحات المکیہ میں لکھا ہے کہ

تمام انبیاء کرام و رسل عظام علیہم السلام کے مدد طلب کرنے کی جگہ سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی قطب الاقطاب ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تمام اولین و آخرین لوگوں کی مدد کرنے والے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہر نبی اور ولی کی مدد فرمانے والے ہیں خواہ ان کا ظہور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہو جب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیب میں تھے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم شہادت میں ظاہر ہو گئے اور یا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم برزخ میں منتقل ہو چکے ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے انوار متقدمین اور متاخرین کے عالم سے کبھی منقطع نہیں ہوئے۔

اگر تم یہ کہو کہ

ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا اور ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا فرمایا۔

تو ان میں تطبیق کس طرح ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ

ان دونوں احادیث مبارکہ کا معنیٰ واحد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کو پیدا کیا اور اس حقیقت کو کبھی عقل سے تعبیر فرمایا اور کبھی نور سے۔ (الیواقیت والجواہر: ص: 339 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

بلکہ ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم وجود کا فیضان کرنے کے لئے تمام موجودات کے لئے وسیلہ ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے واسطہ سے تمام مخلوق پر جو فیضان ہوا ہے اس کے لئے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم وسیلہ ہیں کیونکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار کی شعاعیں ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار کے عکوس ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی النور الحق اور النبی المطلق ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم علیہ السلام مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔ اور جب انبیاء علیہم السلام ارحام اور اصلاب کے حجاب میں تھے جیسے جب رات کو ستارے ظاہر ہوتے ہیں اور سورج ظاہر نہیں ہوتا لیکن وہ ستارے اسی کے فیض سے روشن ہوتے ہیں اور جب سورج ظاہر ہوتا ہے تو ستارے چھپ جاتے ہیں اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں جلوہ گر ہوئے تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام چھپ گئے اور ان کی شریعتیں منسوخ ہو گئیں اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت باقی رہی۔ (روح المعانی: ج:7، 15: ص:183 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نیز مزید راقم ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

الست ربکم

تو سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح نے بلیٰ کہا۔ (روح المعانی: ج:9، ص:162 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

شیخ تقی الدین سبکی نے اپنی کتاب (التعظیم والمنۃ) میں لتومنن به ولتنصرنه کی تقریر میں لکھا ہے۔

اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کی بلندی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رتبہ عالیہ کی جو عظمت ہے وہ مخفی نہیں

ں کے ساتھ آیت میں یہ بات بھی موجود ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ان کے زمانے میں ہوتی تو
صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کی طرف رسول ہوتے سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت حضرت آدم علیہ السلام کے
نے سے لے کر قیامت تک جمیع مخلوق کو عام ہے اور سب انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت
لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "بعثت الی الناس کافة" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس سے لے کر قیامت
کے لوگوں کے لئے مخصوص نہیں بلکہ اس سے پہلے لوگوں کو بھی شامل ہے اور اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان
سہ کی بھی وضاحت ہوگئی۔

"کنت نبیا و اٰدم بین الروح والجسد"

اور جس شخص نے اس حدیث مبارکہ کا یہ مطلب بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم علم الٰہی عزوجل میں نبی تھے یعنی آپ صلی
علیہ وسلم مستقبل میں نبی ہوں گے اس کی اس معنیٰ تک رسائی نہیں ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم تو جمیع اشیاء کو محیط ہے۔ پس نبی
یم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت نبوت سے موصوف کرنا اس مفہوم کو چاہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اس وقت میں
ت تھی یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اقدس کو عرش پر لکھا ہوا دیکھا۔

"محمد رسول اللہ" (صلی اللہ علیہ وسلم)

۔لہٰذا ضروری ہے کہ اس حدیث مبارکہ کا یہ معنیٰ ہو کہ اس وقت کی نبوت متحقق تھی اور اگر اس سے مراد فقط علم ہو کہ آپ صلی
علیہ وسلم مستقبل میں نبی ہوں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی کوئی خصوصیت نہیں رہے گی کہ "میں اس وقت نبی
بکہ حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے" اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت کو اس
اور اس سے پہلے جانتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خصوصیت کو ثابت اور متحقق مانا جائے اس لیے
صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس خصوصیت سے آگاہ فرمایا تاکہ امت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مرتبہ کی معرفت
ل ہو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے پھر انہیں اس معرفت کے ذریعے خیر حاصل ہو۔

پس اگر تم کہو کہ

ہم ارادہ رکھتے ہیں کہ ہم اس اضافی رتبہ کو سمجھیں تو (ہم بتلاتے ہیں) بے شک نبوت ایک صفت ہے جس کے لئے
وف کا ہونا ضروری ہے اور موصوف چالیس برس کے بعد ہوگا تو کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے اور آپ صلی
علیہ وسلم کو بھیجنے سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے متصف کیا جا سکتا ہے؟ پس اگر یہ اتصاف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے
صحیح ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر کے لئے بھی اسی طرح صحیح ہوگا۔

ہم کہتے ہیں کہ

بے شک احادیث مبارکہ میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روحوں کو جسموں سے پہلے پیدا فرمایا ہے لہٰذا "کنت نبیا" کے
سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی روح کی طرف اشارہ فرمایا یا اپنی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا اور حقائق کو سمجھنے سے

ہماری عقلیں قاصر ہیں۔ حقائق کو صرف ان کا خالق جانتا ہے یا وہ نفوس مبارکہ جانتے ہیں نور الٰہی جن کی مدد کرتا ہے حقائق میں سے کسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے جس وقت چاہا کوئی (وصف) عطا فرمادیا پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حقیقت جو تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے موجود تھی اللہ تعالیٰ نے اس کو وصف نبوت عطا فرمایا اور اسی وقت اس کو فیض عطا فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہو گئے اور باری تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم کو عرش پر لکھ دیا اور ملائکہ اور دیگر مخلوق کو اس پر آگاہ کیا تا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ ہے وہ اس کو پہچان لیں۔ سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت اسی وقت موجود تھی اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کا ظہور بعد میں ہوا۔ فی الجملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت اسی وقت بارگاہ الٰہیہ سے اوصاف شریفہ سے متصف ہے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور تبلیغ کو مؤخر رکھا گیا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر اس کمال کو پہنچا جس سے تبلیغ کا حصول ممکن ہوا اسی طرح بارگاہ الٰہی عزوجل سے پہنچنے والی ہر چیز مؤخر نہیں جس کا تعلق جسم شریف کے کمال کے ساتھ ہو سکتا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت متجلی ہے اس میں کوئی تاخیر نہیں اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کے حاصل ہونے اور کتاب وحکمت کے عطا ہونے میں بھی کوئی تاخیر نہیں ہے تاخیر بعثت فرمانے اور جلوہ گر ہونے میں ہے۔ (الخصائص الکبریٰ: ج:1، ص:8 تا 11 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1340ھ لکھتے ہیں:

علامہ شمس الدین ابن الجوزی اپنے رسالہ میلاد میں ناقل ہیں کہ

حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جناب مولی المسلمین علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے فرمایا: ابو الحسن! بے شک (سیدنا) محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم رب العٰلمین کے رسول ہیں اور پیغمبروں کے خاتم اور روشن روا اور دست و پا والوں کے پیشوا تمام انبیاء ومرسلین کے سردار نبی ہوئے جب کہ آدم آب وگل میں تھے۔

(تجلی الیقین: ص:8 مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور)

حضرت صالح علیہ السلام پر بالغ ہونے کے بعد وحی نازل ہوئی

حضرت صالح علیہ السلام پر بالغ ہونے کے بعد وحی نازل ہوئی۔

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی 1137ھ لکھتے ہیں:

حضرت صالح علیہ السلام پر بالغ ہونے کے بعد وحی نازل ہوئی۔

(روح البیان: ج:6، ص:385 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت صالح علیہ السلام قوم ثمود کی طرف مبعوث ہوئے

اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو قوم ثمود کی طرف مبعوث فرمایا تھا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا (النمل:45)

اور بے شک ہم نے ثمود کی طرف ان کے ہم قبیلہ صالح کو مبعوث فرمایا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا (الاعراف:73)

اور ہم نے (قوم) ثمود کی طرف ان کے (ہم قبیلہ) بھائی صالح کو مبعوث فرمایا۔

ثمود کون؟

حضرت صالح علیہ السلام جس قوم میں پیدا ہوئے اس کا نام ثمود ہے، قوم ثمود، ثمود نام کے ایک شخص کی طرف منسوب ہے۔

ثمود کا نسب نامہ

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفرا البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

ثمود کا نسب یہ ہے۔

ثمود بن عامر بن ارم بن سام بن نوح۔ (معالم التنزیل: ج:2، ص:145 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

قوم ثمود کی رہائش مقام حجر میں تھی

قوم ثمود کی رہائش مقام حجر میں تھی۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

یہ قوم مقام الحجر میں رہتی تھی۔ (معالم التنزیل: ج:2، ص:145 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

مقام حجر حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ ہے

قوم ثمود مقام حجر میں رہائش پذیر تھی جو حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ ہے۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

یہ قوم مقام الحجر میں رہتی تھی جو حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ ہے۔

(معالم التنزیل: ج:2، ص:145 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

وادی القریٰ آج کل فج الناقہ سے مشہور و معروف ہے

حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ تک جو میدان نظر آتا ہے یہ سب الحجر ہے آج کل یہ جگہ فج الناقہ کے نام سے مشہور ہے ثمود کی بستیوں کے کھنڈرات اور آثار آج تک موجود ہیں اور اس زمانہ میں بھی بعض مصری محققین نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

ان کا بیان ہے کہ

انہوں نے ایک مکان دیکھا جس کو پہاڑ کاٹ کر بنایا گیا ہے اس میں متعدد کمرے اور ایک بڑا حوض ہے۔

مشہور مورخ مسعودی نے لکھا ہے کہ

الحجر کا یہ مقام جو حجر ثمود کہلاتا ہے شہر مدین سے جنوب مشرق میں اس طرح واقع ہے کہ خلیج عقبہ اس کے سامنے پڑتی ہے اور جس طرح عاد کو عاد ارم کہا گیا ہے اسی طرح ان کی ہلاکت کے بعد ان کو ثمود ارم یا عاد ثانیہ کہا جاتا ہے۔ ثمود کے زمانہ کا ٹھیک تعین تو نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ بات بہر حال یقینی ہے کہ یہ قوم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بہت پہلے صفحۂ ہستی پر نمودار ہو کر مٹ چکی تھی۔ ثمود بھی اپنے پیش رو بت پرستوں کی طرح ایک بت پرست قوم تھی اور اس کے عقائد اور اعمال کی اصلاح کے لئے حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔ قوم ثمود بھی سامی اقوام کی ایک شاخ ہے۔ عاد اولیٰ کی ہلاکت کے وقت جو ایمان والے حضرت ھود علیہ السلام کے ساتھ بچ گئے تھے یہ قوم ان ہی کی نسل سے ہے اس کو عاد ثانیہ کہا جاتا ہے۔

ثمود حضرت صالح علیہ السلام اور قوم کے چھٹے دادے کا نام ہے

ثمود حضرت صالح علیہ السلام اور قوم کے چھٹے دادے کا نام ہے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

ثمود حضرت صالح علیہ السلام اور قوم کے چھٹے دادے کا نام ہے۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:189 مطبوعہ لاہور)

ثمود کی رہائش سنگلاخ پہاڑوں میں تھی

قوم عاد کے چوتھے دادا عاد تھے دوسرے بیٹے ثمود نے اپنی رہائش یمن سے دور اپنی رہائش سنگلاخ پہاڑوں میں رکھی۔

تفسیر نعیمی میں ہے: قوم عاد کے چوتھے دادا عاد (تھے) دوسرے بیٹے ثمود نے اپنی رہائش یمن سے دور اپنی رہائش سنگلاخ پہاڑوں میں رکھی۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:189 مطبوعہ لاہور)

ثمود کی نسل بڑھ کر قوم ثمود کے نام سے مشہور ہوئی

ثمود نے چونکہ اپنی رہائش یمن سے دور سنگلاخ پہاڑوں میں رکھی اسی لیے ان کی نسل بڑھ کر قوم ثمود کے نام سے وہیں پر مشہور ہوئی۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

دوسرے بیٹے ثمود نے اپنی رہائش یمن سے دور سنگلاخ پہاڑوں میں رکھی وہیں اس کی نسل بڑھ کر قوم ثمود کے نام سے مشہور ہوئی۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:189 مطبوعہ لاہور)

ثمود کے متعلق دو اقوال

ثمود کے متعلق دو اقوال ہیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے:
ثمود کے متعلق دو قول ہیں۔
ایک یہ ہے کہ
اس کے معنیٰ ہیں تھوڑا پانی چونکہ مقام حجر جہاں یہ قوم آباد تھی وہاں پانی بہت تھوڑا تھا اس لیے اس قوم کو ثمود کہتے ہیں۔ یعنی تھوڑے پانی والی۔
دوسرے یہ کہ
یہ لوگ ثمود ابن عاد ابن ارم ابن سام ابن نوح علیہ السلام کی اولاد میں تھے اس لیے ان کو ثمود کہا جاتا تھا یعنی ثمود کی اولاد ثمود کی نسل یہ لوگ مقام حجر سے وادی قریٰ تک کی بستیوں میں رہتے تھے حجر حجاز اور شام کے درمیان واقع ہے۔
(تفسیر نعیمی، ج:8، ص:538 مطبوعہ لاہور)

قوم ثمود کو قوم عاد کے بعد جانشین بنانا

اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کو قوم عاد کے بعد جانشین بنایا۔
قرآن مجید میں ہے:
وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّ بَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ (الاعراف:74)
اور یاد کرو جب (قوم) عاد کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کا جانشین بنایا اور زمین میں تم کو بسایا۔

قوم ثمود کا نرم زمین میں محلات بنانا

قوم ثمود نرم زمین میں محلات بناتی تھی۔
قرآن مجید میں ہے:
تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا (الاعراف:74)

قوم ثمود کا پہاڑوں کو تراش کر گھر بنانا

قوم ثمود پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتی تھی۔
قرآن مجید میں ہے:
وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا (الاعراف:74)
اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو۔

پہاڑوں کو تراش کر اس لیے گھر بناتے تاکہ امن سے رہائش رکھیں

قوم ثمود پہاڑوں کو تراش کر گھر اس لیے بناتے تھے تاکہ امن سے زندگی گزار سکیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ○ (الحجر:82)

وہ پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے تاکہ امن سے رہیں۔

وادی میں پتھروں کی چٹانیں تراشیں

قوم ثمود نے وادی میں پتھروں کی چٹانیں تراشی تھیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ○ (الفجر:9)

اور ثمود کے لوگ تھے جنہوں نے وادی میں پتھروں کی چٹانیں تراشیں۔

قوم ثمود نے گرمیوں کے لئے نیچے زمین میں کوٹھیاں بنائی تھیں

قوم ثمود نے گرمیوں کے لئے زمین کے نیچے کوٹھیاں بنگلے بنائے تھے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

مفسرین فرماتے ہیں کہ

ان لوگوں نے گرمیوں کے لئے نیچی زمین میں مکانات، بنگلے، کوٹھیاں بنائی تھیں۔ (تفسیر نعیمی: ج:8، ص:545 مطبوعہ لاہور)

قوم ثمود نے سردیوں کے لئے پہاڑوں پر شاندار کوٹھیاں بنائیں

قوم ثمود نے سردیوں کے لئے پہاڑوں کے اوپر شاندار بنگلے اور کوٹھیاں تعمیر کیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

سردیوں کے لئے اوپر پہاڑوں میں شاندار بلڈنگیں بنائی تھیں کیونکہ وہ بہت مالدار تھے۔

(تفسیر نعیمی: ج:8، ص:545 مطبوعہ لاہور)

قوم ثمود پتھروں کی کوٹھیاں کیوں بناتے تھے؟

قوم ثمود پتھروں کی کوٹھیاں اس لیے بناتے تھے کہ ان کی عمریں طویل ہوتی تھیں اور ان کی زندگی میں زمینی مکان گر جاتے تھے اس لیے وہ پتھروں کی کوٹھیاں تعمیر کرتے تھے تاکہ پرسکون لمبی زندگی گزار سکیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے: بعض نے فرمایا کہ

ان کی عمریں اتنی دراز ہوتی تھیں کہ ان کے زمینی مکان ان کی زندگی میں گر جاتے تھے اس لیے انہوں نے پتھروں کی کوٹھیاں بنائی تھیں پہاڑوں میں غرضیکہ یہ لوگ بڑی عمر والے، بڑی دولت والے، بڑے ہنر مند تھے۔

(تفسیر نعیمی: ج:8، ص:545 مطبوعہ لاہور)

ثمود میں سنگ تراشی کی ابتداء

ایک قول کے مطابق سنگ تراشی کی ابتداء قوم ثمود سے ہوئی۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

سنگ تراشی کی ابتداء ایک قول کے مطابق انہی سے شروع ہوئی۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:190 مطبوعہ لاہور)

ثمود سنگ تراشی کی فنکار

قوم ثمود پہاڑوں میں خوب صورت مکان تعمیر کرنے کا فن جانتی تھی۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

یہ قوم پہاڑوں میں بہت خوبصورت مکان تعمیر کرنے کا فن جانتی تھی۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:190 مطبوعہ لاہور)

ثمود کے کثیر مکانات اور باغات بنانے پر ایک نبی کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے وجہ پوچھنا

قوم ثمود نے کثیر مکانات، عمارات اور باغات بنائے تھے ایک نبی نے اللہ تعالیٰ سے اس کی وجہ پوچھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا دنیا پرست، نوکر و خادم ہیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

روایت ہے کہ

قوم ثمود نے اتنی کثیر عمارات، مکانات اور باغات بنائے تھے کہ ایک نبی نے رب تعالیٰ سے عرض کیا مولیٰ اتنے مکانات کس لئے بنا رہے ہیں۔

رب تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا کہ

یہ دنیا پرست، نوکر و خادم اور بحیثیت غلام ہیں کہ بنائے جائیں پھر میرے پیارے بندے اس میں آرام کریں اور ان میں رہ کر، میرے نبیوں اور ولیوں کا چرچا ہو۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:190 مطبوعہ لاہور)

ثمود کی عمریں تین سو سال سے ایک ہزار سال تک ہوتی تھیں

اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کو اس قدر طویل عمریں دیں کہ ان کی عمریں تین سو سال سے ایک ہزار سال تک ہوتی تھیں۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

قوم ثمود کی عمریں تین سو سال سے ایک ہزار سال تک ہوتی تھیں۔ (الجامع الاحکام القرآن: ج:9، ص:51 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ثمود کی عمریں اس قدر طویل کہ ان کے زمینی مکان ان کی زندگی میں گر جاتے

اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کو اس قدر طویل عمریں عطا فرمائی تھیں کہ ان کے زمینی مکان ان کی زندگی میں گر جاتے تھے۔

تفسیر نعیمی میں ہے: بعض نے فرمایا کہ

ان کی عمریں اتنی دراز تھیں کہ ان کے زمینی مکان ان کی زندگی میں گر جاتے تھے۔ (تفسیر نعیمی: ج:8، ص:545 مطبوعہ لاہور)

ہر شخص کی عمر تین سو سال زیادہ سے زیادہ ہزار سال تھی

قوم ثمود میں ہر شخص کی عمر تین سو سال تھی زیادہ سے زیادہ ہزار سال تھی۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

تفسیر مدارک نے فرمایا کہ

ہر شخص کی عمر تین سو سال تھی زیادہ سے زیادہ ہزار سال تھی۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:190 مطبوعہ لاہور)

اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کو طویل عمریں عطا فرمائیں

اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کو طویل عمریں عطا فرمائی تھیں۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں آباد کیا اور انہیں لمبی عمریں عطا فرمائیں حتیٰ کہ ان میں سے کوئی مٹی سے اپنا گھر تعمیر کرتا تو وہ منہدم ہو جاتا اور وہ آدمی ابھی تک زندہ ہوتا سو جب انہوں نے ایسا دیکھا تو انہوں نے پہاڑوں میں اپنے گھر بنانے شروع کر دیئے وہ پہاڑوں کو کھودتے اور انہیں کاٹ کر ان میں غاریں سی بنا لیتے۔

(تفسیر در منثور: ج:3، ص:311 مطبوعہ کراچی)

قوم ثمود کا بتوں کی عبادت کرنا

قوم ثمود بت پرست تھی اور وہ بتوں کی عبادت کرتی تھی ان کے عقائد اور اعمال کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تا کہ حضرت صالح علیہ السلام ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم فرمائیں اور بتوں کی عبادت سے منع فرمائیں۔

حضرت صالح علیہ السلام کا قوم ثمود کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا حکم فرمانا

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم ثمود کو حکم ارشاد فرمایا کہ اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ (الاعراف:73)

صالح نے کہا! اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ (ھود:61)

صالح نے کہا! اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ (النمل:45)

اور بے شک ہم نے ثمود کی طرف ان کے ہم قبیلہ صالح کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔

قوم ثمود کا دو فریق بن کر جھگڑنا

جب حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیا تو وہ دو فریق بن کر جھگڑنے لگے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ۝ (النمل:45)

تو وہ دو فریق بن کر جھگڑنے لگے۔

حضرت صالح علیہ السلام کا قوم کو فرمانا کہ تم بھلائی کی طلب سے پہلے برائی کو کیوں جلدی طلب کر رہے ہو؟

جب دونوں فریق آپس میں جھگڑنے لگے تو حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارشاد فرمایا:

اے میری قوم تم بھلائی کی طلب سے پہلے برائی کی طلب میں کیوں جلدی کر رہے ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ (النمل:46)

صالح نے کہا! اے میری قوم کے لوگو! تم بھلائی کی طلب سے پہلے برائی کی طلب میں کیوں جلدی کر رہے ہو۔

حضرت صالح علیہ السلام کا قوم کو اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگنے کا فرمانا

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے ارشاد فرمایا! تم اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی بخشش کیوں طلب نہیں کرتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

قرآن مجید میں ہے:

لَوْ لَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (النمل:46)

تم اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی بخشش کیوں طلب نہیں کرتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

قوم ثمود کا حضرت صالح علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے اصحاب کو بدشگون کہنا

قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کو کہا ہم آپ علیہ السلام کو اور آپ علیہ السلام کے اصحاب کو بدشگون خیال کرتے

ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ط (النمل:47)

انہوں نے کہا ہم آپ کو اور آپ کے اصحاب کو بدشگون خیال کرتے ہیں۔

بدشگونی سے مراد؟

بدشگونی سے مراد نحوست ہے کسی انسان کی عقل کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ کسی چیز سے بدشگونی لے اور اس کو منحوس سمجھے بعض لوگوں کا گمان ہے کہ گائے کا ڈکرانا اور کوے کا کائیں کائیں کرنا نحوست ہے اور بعض الو کو منحوس کہتے ہیں یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ عرب بھی بدشگونی کے قائل تھے وہ کوئی کام کرنے سے پہلے پرندے کو اڑاتے اگر وہ ان کی دائیں طرف اڑ جاتا تو وہ اس کام کو مبارک سمجھتے اور اگر وہ پرندہ ان کی بائیں طرف اڑ جاتا تو وہ اس کام کو منحوس یعنی نامبارک اور بے برکت سمجھتے تھے۔

بدشگونی کی مذمت

احادیث مبارکہ میں بدشگونی کی مذمت بیان فرمائی گئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار ارشاد فرمایا:

بدشگونی لینا شرک ہے اور ہم میں سے اکثر لوگ اس میں مبتلا ہیں سوا ان کے جن کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے لیکن بدشگونی لینا توکل کو ختم کر دیتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث:3538)

ایک اور روایت میں ہے:

قطن بن قبیصہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

رمل (لکیریں کھینچ کر غیب کا حال معلوم کرنا) اور بدشگونی لینا اور فال نکالنے کے لئے پرندے کو اڑانا شیطان اعمال سے ہیں۔ (سنن ابوداؤد: رقم الحدیث:3902)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز سے بدشگونی نہیں لیتے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کو عامل بنا کر بھیجتے تو اس کا نام پوچھتے اگر اس کا نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھا لگتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر خوشی کے آثار ظاہر ہوتے اور اگر

صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا نام پسند نہ آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوتے۔

(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 3920)

حضرت صالح علیہ السلام کا قوم کو فرمانا کہ تمہاری بدشگونی اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو فرمایا کہ تمہاری بدشگونی اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ آپ علیہ السلام کے فرمان مقدسہ کا مطلب یہ ہے کہ جس شہر اور مصیبت کو تم نحوست قرار دے رہے ہو وہ تمہاری تقدیر میں پہلے سے لکھی ہوئی ہے اور تمہاری تقدیر وہ مصیبت تمہاری بداعمالیوں کی وجہ سے لکھی گئی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تم جس چیز کو بدشگونی اور مصیبت کہہ رہے ہو وہ تمہاری بداعمالیوں کا نتیجہ ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ طٰٓئِرُكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ تُفۡتَنُوۡنَ ○ (النمل: 47)

صالح نے کہا! تمہاری بدشگونی اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے بلکہ تم فتنہ میں مبتلا ہو۔

حضرت صالح علیہ السلام کا قوم کو فرمانا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اس میں آباد کیا

حضرت صالح علیہ السلام نے پہلے تو قوم کو ارشاد فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو کیونکہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں پھر ارشاد فرمایا اس نے تم کو زمین سے پیدا فرمایا اور اس میں آباد کیا۔

قرآن مجید میں ہے:

هُوَ اَنۡشَاَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ وَ اسۡتَعۡمَرَكُمۡ فِيۡهَا (ھود: 61)

اس نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اس میں آباد کیا۔

عمریٰ کی تحقیق

قرآن مجید کی اس آیت کریمہ میں اسۡتَعۡمَرَ کا لفظ آیا ہے اور یہ اعمر کے معنیٰ میں ہے۔ اعمر کا معنیٰ ہے عمر گزارنا اور اسی سے عمریٰ کا لفظ بنا ہے۔

علامہ زبیدی متوفی 1205ھ لکھتے ہیں: جو چیز تم کو تاحیات دی جائے وہ عمریٰ ہے۔

ثعلب نے کہا: عمریٰ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کو مکان دے اور یہ کہے کہ یہ مکان تمہارے لیے تاحیات ہے اور جب مر گیا تو وہ مکان دینے والے کی طرف لوٹ جائے گا۔

عمریٰ اصل میں عمر سے ماخوذ ہے اور رقبیٰ مراقبہ سے بنا ہے۔

رقبیٰ یہ ہے کہ

کوئی شخص یہ کہے کہ اگر میں پہلے مر گیا تو تم اس کے مالک ہو اور اگر تم پہلے مر گئے تو میں اس کا مالک ہوں گا اور ہر ایک

دوسرے کی موت کا انتظار کرتا رہے۔ (تاج العروس: ج:3، ص: 421 مطبوعہ مطبعہ خیریہ مصر)

عمریٰ کے متعلق احادیث مبارکہ درج ذیل ہیں: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے کسی شخص کو اور اس کے وارثوں کو تاحیات کوئی چیز دی۔ اور اس سے کہا کہ

''میں نے تم کو اور تمہارے وارثوں کو اس وقت تک کے لیے یہ چیز دی ہے جب تک تم میں سے کوئی باقی رہے'' سو یہ چیز اس کی ہو جائے گی جس کو دی گئی ہے اور اس چیز کے مالک کی طرف نہیں آئے گی کیونکہ اس نے ایسی چیز دی ہے جس میں وراثت جاری ہو جائے گی۔ (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 22)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو اور اس کے وارثوں کو تاحیات کوئی چیز دی گئی سو یہ چیز اسی کے لیے ہے جس کو دی گئی ہے۔ وہ چیز دینے والے کی طرف نہیں لوٹے گی کیونکہ اس نے ایسی چیز دی ہے جس میں وراثت جاری ہو گی۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 2625)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس شخص کو اور اس کے وارثوں کو تاحیات کوئی چیز دی گئی وہ قطعی طور پر اس کی ہے دینے والے کے لئے اس میں کوئی شرط لگانا جائز ہے نہ استثناء کرنا۔

ابو سلمہ نے کہا: کیونکہ اس نے ایسی چیز دی ہے جس میں وراثت جاری ہوئی ہے اور وراثت نے اس کا حق منقطع کر دیا۔ (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 24)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی 676ھ لکھتے ہیں: ایک شخص یہ کہے کہ میں نے تمام عمر کے لئے یہ مکان تم کو دیا جب تم فوت ہو جاؤ گے تو یہ مکان تمہارے وارثوں کا ہو گا یہ عمریٰ بالاتفاق صحیح ہے اور وہ شخص اس مکان کا مالک ہو جائے گا اور اس کی موت کے بعد اس کے وارث مالک ہوں گے اور اگر اس کے وارث نہ ہوں تو اس کی ملکیت بیت المال کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے۔ (شرح مسلم: ج:2، ص:38 مطبوعہ نور محمد کراچی)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی 544ھ لکھتے ہیں: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ عمریٰ کرنے والا یوں کہے کہ میں نے تم کو یہ مکان مدت عمر کے لئے دیا پھر یہ مکان تمہارے وارثوں کا ہے یا یوں کہے کہ میں نے تم کو یہ مکان مدت عمر کے لئے دیا اور قید نہ لگائے۔ ان صورتوں میں مکان لینے والے یا اس کے ورثاء کی موت کے بعد، مکان دینے والے یا اس کے وارثوں کی طرف لوٹ جائے گا کیونکہ مسلمانوں کی لگائی ہوئی شرائط کا اعتبار ہوتا ہے اور اس لفظ کا مدلول لغوی بھی یہی ہے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم القاضی عیاض: ج:5، ص:357 مطبوعہ دار الوفاء بیروت)

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے لکھا ہے کہ

جب عمریٰ کرنے والا اس کو مطلق رکھے تو جس کو وہ چیز دی گئی ہے وہ چیز اس کی اور اس کے ورثاء کی ملکیت ہے اور جب اس نے یہ شرط لگائی کہ جب تم مر گئے تو یہ چیز میری ہو جائے گی تو اس کے متعلق امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں۔

ایک روایت یہ ہے کہ

عقد اور شرط دونوں صحیح ہیں اور جب معمر لہ مر جائے گا تو وہ چیز دینے والے کی طرف لوٹ جائے گی۔

اور دوسری روایت یہ ہے کہ

عقد صحیح ہے اور شرط باطل ہے اور وہ چیز معمر لہ کے بعد اس کے وارثوں کی طرف لوٹ جائے گی۔

(المغنی: ج:5، ص: 401 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی 483ھ لکھتے ہیں: جب کسی شخص نے دوسرے شخص سے کہا۔

میں نے تم کو عمر بھر کے لئے یہ مکان اور وہ مکان اس کے سپرد کر دیا تو یہ ہبہ صحیح ہے اور جس کے لئے ہبہ کیا گیا ہے وہ اس کا مالک ہو جائے گا اور اس کی موت کے بعد اس کے ورثاء اس کے مالک ہوں گے اس لیے اس کی موت کے بعد اس کی واپسی کی شرط باطل ہے اور ہبہ فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا۔ (المبسوط: ج:12، ص: 94 تا 95 مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

حضرت صالح علیہ السلام کا قوم کو مغفرت طلب کرنے اور توبہ کرنے کا فرمانا

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو پھر اس کی طرف توبہ کرو پس میرا رب قریب ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ۝ (ہود: 61)

سو تم اس سے مغفرت طلب کرو پھر اس کی طرف توبہ کرو پس میرا رب قریب ہے دعا قبول کرنے والا ہے۔

قوم کا حضرت صالح علیہ السلام کو اپنے باپ دادا کے بتوں کی عبادت کرنے کا کہنا

جب حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو بتوں کی عبادت سے منع فرمایا تو قوم نے کہا اے صالح علیہ السلام اس سے قبل آپ علیہ السلام ہماری امیدوں کے مرکز تھے کیا آپ علیہ السلام ہمیں ان کی عبادت سے منع کرتے ہیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا (ہود: 62)

انہوں نے کہا! اے صالح اس سے پہلے آپ ہماری امیدوں کا مرکز تھے آپ ہمیں ان کی عبادت کرنے سے منع

کرتے ہیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے۔

قوم کا دین صالح علیہ السلام کو شک میں ڈالنے کا کہنا

حضرت صالح علیہ السلام کو قوم نے کہا آپ علیہ السلام ہمیں جس دین کی دعوت دے رہے اس نے ہمیں زبردست شک میں ڈال دیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اِنَّنَا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ ۝ (ھود:62)

بے شک آپ ہمیں جس دین کی دعوت دے رہے ہیں اس نے ہمیں زبردست شک میں ڈال دیا ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام سے قوم کی امیدوں کی وجوہات

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے حضرت صالح علیہ السلام سے جو اپنی امیدیں وابستہ کی ہوئی تھیں اس کی دو وجوہات تھیں۔

1۔ حضرت صالح علیہ السلام بہت ذکی و فہیم تھے اور فراخ دل اور بہت حوصلے والے تھے۔ اس لیے ان کی قوم کو یہ امید تھیں کہ وہ ان کے دین کی مدد کریں گے ان کے دین کو قوت اور استحکام پہنچائیں گے اور ان کے طریقوں اور مذہبی رسومات تائید کریں گے کیونکہ جب کسی قوم میں کوئی باصلاحیت نوجوان پیدا ہو تو اس سے اسی قسم کی امیدیں قائم کی جاتی ہیں۔

2۔ حضرت صالح علیہ السلام غریبوں کی مالی امداد کرتے تھے۔ مہمانوں کی خاطر مدارات کرتے تھے اور بیماروں کی عیادت اور خدمت کرتے تھے اس وجہ سے ان کی قوم یہ سمجھتی تھی کہ وہ ان کے مددگاروں اور دوستوں سے ہیں اور جب حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو بت پرستی سے منع کیا تو ان کو سخت تعجب ہوا کہ ان کو اچانک یہ کیا ہو گیا ہے اس لیے انہوں نے کہا آپ تو ہماری امیدوں کا مرکز تھے کیا آپ علیہ السلام ہمیں ان کی عبادت سے منع کرتے ہیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

ان سے اور تو کوئی جواب نہ بن پڑا تو بولے کہ اے صالح علیہ السلام بے شک تم تو ہم میں بہت لائق سمجھدار جانے جاتے تھے کیونکہ تمہارا حسن، تمہارا ڈیل ڈول، صحت، جوانی، تمہارا اٹھان پھر اس پر تمہاری شرافت، کم گوئی، نیچی نظریں، عبادت، ریاضت غرضیکہ تمہاری ہر ادا عجیب مثال تھی ہم کو تم سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں ہم تم کو اپنا سردار بنانے کی سوچ رہے تھے خیال تھا کہ تم اپنے باپ دادوں کا دین خوب چمکاؤ گے اچھے اچھے بت بنایا کرو گے خود بھی پوجو گے اور نئے نئے طریقوں کو بچاؤ گے۔ آج سے پہلے ہم امید لیے بیٹھے تھے کہ تم ہمارے بادشاہ بنو گے کیونکہ تم اچھے حسب نسب اور دولت والے کے ساتھ ساتھ نہایت حیادار، شرمیلے اور اسم بامسمیٰ تھے آج تم کو کیا ہو گیا ہے۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:192 مطبوعہ لاہور)

حضرت صالح علیہ السلام کا قوم کو اپنے رب عزوجل کی طرف سے روشن دلیل پر ہونے کا فرمانا

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارشاد فرمایا اے میری قوم یہ بتاؤ اگر میں اپنے رب عزوجل کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائی ہو تو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں میری کون مدد کرے گا اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو تم میرے لیے سوا نقصان کے کس چیز میں زیادتی کر رہے ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ وَ اٰتٰىنِىْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِىْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِىْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ۝ (ھود:63)

"صالح نے کہا! اے قوم! یہ بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائی ہو تو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں میری کون مدد کرے گا اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو تم میرے لیے سوائے نقصان کے کس چیز میں زیادتی کر رہے ہو۔"

☆ حضرت صالح علیہ السلام نے بصورت شک کہا! اگر میں اپنے رب عزوجل کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں حالانکہ حضرت صالح علیہ السلام کو اس پر یقین تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور شک کی صورت کو اسی لیے اختیار کیا تا کہ ان کے مخالفین کے لئے ان کا کلام قبول ہونے کے زیادہ قریب ہو گویا کہ انہوں نے یوں کہا کہ فرض کرو میرے پاس میرے رب عزوجل کی روشن اور پختہ دلیل ہو اور مجھے کامل یقین ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا نبی ہوں اور یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنے رب عزوجل کے احکام کی نافرمانی کر کے تمہارے طریقہ پر چلوں تو مجھے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کون بچائے گا تو اس صورت میں سوائے مجھے نقصان پہنچانے کے تم میرے حق میں کیا اضافہ کرو گے۔

حضرت صالح علیہ السلام کا قوم کو ڈرنے کا فرمانا

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو فرمایا کہ کیا تم نہیں ڈرتے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ (الشعراء:142)

جب ان سے ان کے ہم قبیلہ صالح نے کہا کیا تم نہیں ڈرتے؟

حضرت صالح علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اپنی اطاعت کرنے کا فرمانا

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارشاد فرمایا تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۝ (الشعراء:144)

سوتم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

حضرت صالح علیہ السلام کا قوم کو تبلیغ پر اجرت طلب نہ کرنے کا فرمانا

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو ارشاد فرمایا میں تم سے اس دین کی تبلیغ پر اجرت طلب نہیں کرتا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ (الشعراء:145)

اور میں تم سے اس (تبلیغ دین) پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا۔

حضرت صالح علیہ السلام کا رب العلمین کی طرف سے اجرت کا فرمانا

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو ارشاد فرمایا میں تم سے تبلیغ دین پر اجرت طلب نہیں کرتا میرا اجر تو رب العلمین پر ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (الشعراء:145)

میرا اجر صرف رب العلمین پر ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام کا قوم کو باغوں، چشموں، کھیتوں اور کھجور میں امن کے ساتھ رہنے کا استفہامیہ سوال کرنا

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو ارشاد فرمایا کہ کیا تم باغوں میں، چشموں میں، کھیتوں میں اور کھجور کے درختوں میں جن کے خوشے نرم ہیں یہاں تم ہمیشہ امن سے رہو گے۔

قرآن مجید میں ہے:

اَتُتْرَكُوْنَ فِىْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ۝ فِىْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّ نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ۝

(الشعراء:146 تا 148)

کیا تم یہاں کی چیزوں میں امن کے ساتھ رہو گے؟ باغوں میں اور چشموں میں، کھیتوں میں اور کھجور کے درختوں میں جن کے خوشے نرم ہیں۔

حضرت صالح علیہ السلام کا قوم کو خوشی سے اتراتے ہوئے پہاڑوں کو تراش کر گھر بنانے سے منع فرمانا

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو فرمایا تم خوشی سے اتراتے ہوئے پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو لہٰذا تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ تَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۝ (الشعراء:149 تا 150)

اور تم خوشی سے اتراتے ہوئے پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو سوتم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

پہاڑ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں

پہاڑ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں اور اس سے اللہ تعالیٰ کی واحدانیت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ یہ بلند و بالا پہاڑ کسی کے قائم کیے بغیر کھڑے نہیں ہو سکتے اور اس کو قائم کرنے والا خود ذات باری تعالیٰ ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ o (الغاشیہ:19)

اور پہاڑوں کو کہ وہ کیسے نصب کیے گئے ہیں۔

قیامت کے دن پہاڑوں کے چھ احوال

قیامت کے دن پہاڑوں کے چھ احوال ہوں گے۔

1- پہلا حال یہ ہے کہ

پہاڑوں پر ایک ضرب لگا کر ان کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائے گا اور اپنی جگہ سے ہٹا دیا جائے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً o (الحاقۃ:14)

اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا لیا جائے گا اور ان کو ایک ضرب سے توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔

2- دوسرا حال یہ ہے کہ

پہاڑ بکھرے ہوئے ذرات کے غبار کی طرح ہو جائیں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَّ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا o فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا o (واقعہ:5 تا 6)

اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے پھر وہ بکھرے ہوئے غبار کی طرح ہو جائیں گے۔

3- تیسرا حال یہ ہے کہ

وہ ریزہ ریزہ ہو کر سراب اور فریب نظر ہو جائیں گے اور حقیقت میں لاشی اور معدوم ہو جائیں گے اور جو شخص پہاڑوں کی جگہ دیکھے گا اس کو کوئی چیز نظر نہیں آئے گی جیسے کسی شخص کو دور سے ریگستان میں چمکتا ہوا پانی نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں وہاں پانی کا نام و نشان بھی نہیں ہوتا اور اس حال کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا۔

وَّ سُیِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا o (النباء:20)

اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ سراب بن جائیں گے۔

4- چوتھا حال یہ ہے کہ

پہاڑوں کو دھنک دیا جائے گا کیونکہ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ ہو کر زمین کے مختلف حصوں میں پڑے ہوں گے اللہ تعالیٰ ہواؤں کے ذریعہ ان کو دھنک ڈالے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ یَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًاۙ (طٰہٰ:105)

وہ آپ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں سو آپ فرما دیجئے کہ میرا رب ان کو ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا۔

5- پانچواں حال یہ ہے کہ

پہاڑ دھنی ہوئی رنگین اون کی طرح اڑ رہے ہوں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِؕ (القارعۃ:5)

اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے۔

6- چھٹا حال یہ ہے کہ

جس طرح کہ سوراخ یا روشن دان سے سورج کی شعاعیں نکلتی ہیں اور ان میں روشنی کے باریک ذرات کے غبار دکھائی دیتے ہیں اسی طرح جب اللہ تعالیٰ ہواؤں کو بھیجے گا تو وہ پہاڑوں کے ذرات کو اڑائیں گی اور وہ شعاعوں میں باریک ذرات کے غبار کی طرح دکھائی دیں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ یَوْمَ نُسَیِّرُ الْجِبَالَ وَ تَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةًۙ (الکہف:47)

اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور تم زمین کو صاف کھلی ہوئی حالت میں دیکھو گے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَ تَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّ هِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِؕ (النمل:88)

اور آپ پہاڑوں کو دیکھ کر گمان کرتے ہیں کہ یہ اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بھی بادلوں کی طرح اڑ رہے ہوں گے۔

حضرت صالح علیہ السلام کا قوم کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلانا

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارشاد فرمایا کہ یاد کرو جب قوم عاد کے بعد اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو ان کا جانشین بنایا اور زمین میں تم لوگوں کو بسایا تم نرم زمین میں محلات، کوٹھیاں، بنگلے بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو لہٰذا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَّ بَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ○ (الاعراف:74)

اور یاد کرو جب عاد کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کا جانشین بنایا اور زمین میں تم کو بسایا تم نرم زمین میں محلات بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو پس تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔

حضرت صالح علیہ السلام کا قوم کو حد سے تجاوز کرنے والوں کی اطاعت نہ کرنے کا فرمانا

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو ارشاد فرمایا تم حد سے تجاوز کرنے والوں کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ○ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ○ (الشعراء:151 تا 152)

اور حد سے تجاوز کرنے والوں کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔

قوم کا کہنا تم صرف ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کیا ہوا ہے

قوم نے حضرت صالح علیہ السلام کو کہا تم صرف ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کیا ہوا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ○ (الشعراء:153)

انہوں نے کہا! تم صرف ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کیا ہوا ہے۔

جادو کا لغوی و شرعی معانی

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی 817ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ فعل جس کا ماخذ نما مخفی اور دقیق ہو اور اس کا سبب مخفی ہو اس کو جادو کہتے ہیں۔ (القاموس المحیط: ج:2، ص:66 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی 986ھ لکھتے ہیں:

انسان اس وقت تک جادو میں مہارت حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کی شر کے ساتھ مناسبت نہ ہو۔

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ جادو کی حقیقت ہے اور اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جب انسان جادو کے مخصوص کلمات بولتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عادت ہے وہ اس وقت غیر معمولی امور پیدا فرما دیتا ہے یا وہ ایسے بعض اجسام یا قوی امتزاج سے چیزیں بناتا جن کو جادوگر ہی جانتا ہے کیونکہ بعض زہر قاتل ہوتے ہیں اور بعض زہریلی اشیاء انسان کو بیمار کر دیتی ہیں یا نقصان پہنچاتی ہیں۔ (مجمع بحار الانوار: ج:3، ص:47 مطبوعہ مکتبہ دار الایمان مدینہ منورہ)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:

جادو کا اطلاق چند معانی پر کیا جاتا ہے۔

1- دھوکہ دہی، نظر بندی۔

قرآن مجید میں ہے:

سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ (الاعراف:116)

فرعون کے جادوگروں نے لوگوں کی نظر بندی کر دی۔

2- شیطان کے تقرب اور اس کی مدد سے اپنا مقصد پورا کرنا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ (البقرہ:102)

لیکن شیاطین نے کفر کیا وہ لوگوں کو جادو کی تعلیم دیتے تھے۔

3- جادو اس فعل کا نام ہے جس کی قوت اور تاثیر سے اشیاء کی صورتیں اور حقیقتیں بدل جاتی ہیں سو جادوگر انسان کو گدھا بنا دیتا ہے۔ محصلین کے نزدیک اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

4- جس کا سمجھنا بہت غامض اور دقیق ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ (سبا:43)

یہ تو صرف کھلا ہوا جادو ہے۔

یعنی اس کلام کا سمجھنا بہت غامض اور دقیق ہے۔

سحر اور سحرۃ اس وقت کو کہتے ہیں جب رات کی ظلمت دن کی ضوء اور روشنی سے مختلط ہوتی ہے۔ (المفردات: ج:1، ص298، 299 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

جادو وہ غیر معمولی اور خلاف عادت کام ہے جس کو حاصل کرنے میں برے کام کر کے شیطان کے تقریب سے مدد حاصل کی جاتی ہے خواہ وہ برے کام زبان سے کیے جائیں جیسے وہ منتر جن میں شرکیہ الفاظ ہوں اور شیطان کی تعریف کی جائے یا وہ برے کام دیگر اعضاء سے کیے جائیں جیسے ستاروں کی عبادت کرنا اور کسی کا نقصان کرنا اور دیگر فسق و فجور کے کام یا وہ برے کام اعتقاد سے کیے جائیں مثلاً ان کاموں کو اچھا اعتقاد کرنا جن سے شیطان کا تقرب اور اس کی محبت حاصل ہوتی ہے اور وہی شخص جادو کر سکتا ہے جو شر اور نفس کی خباثت میں شیطان کے مناسب ہو کیونکہ تعاون اور مدد کے لئے مناسبت شرط ہے پس جس طرح سے فرشتے صرف نیک انسانوں کے ساتھ تعاون کرتے ہیں اور ان ہی پر فیضان کرتے ہیں جو دائمی عبادت کرنے اور اللہ تعالیٰ

تقرب حاصل کرنے میں فرشتوں کے مشابہ ہوں اسی طرح شیاطین بھی ان ہی فساق اور فجار کے ساتھ تعاون کرتے ہیں جو ل وفعل اور اعتقاد کی خباثت اور نجاست میں شیاطین کے مشابہ ہوں اور ہماری اس تعریف سے جادوگر نبی اور ولی سے ممتاز جاتا ہے۔(روح المعانی: ج:1،ص:534 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

سحر سے مراد وہ کام ہے جس کو حاصل کرنے میں شیطان سے مدد حاصل کی جاتی ہے اور وہی انسان اس مقصد کو حاصل کر سکتا ہے جو شر اور نفس کے خبث میں شیطان کے مناسب ہو کیونکہ کسی سے تعاون حاصل کرنے میں یہ شرط ہے کہ دونوں میں مناسبت ہو اور اسی قید سے جادوگر نبی اور ولی سے ممتاز ہو جاتا ہے اور بعض حیرت ناک اور تعجب خیز کام جو شعبدہ بازی سے، آلات، دوائیوں اور ہاتھ کی صفائی اور کرتبوں سے کیے جاتے ہیں وہ مذموم نہیں ہیں ان کو مجازاً جادو کہا جاتا ہے یا اس وجہ سے کہ ان کا ماخذ غامض اور دقیق ہوتا ہے اور ان کا سبب مخفی ہوتا ہے۔

(انوار التنزیل مع عنایت القاضی: ج:2،ص:347 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

کسی خبیث اور بدکار شخص کے مخصوص عمل کے ذریعہ کسی غیر معمولی اور خلاف عادت کام کے ظہور کو جادو کہتے ہیں اور یہ قاعدہ کسی استاذ کی تعلیم سے حاصل ہوتا ہے اور اسی تعریف سے جادو کا معجزہ اور کرامت سے فرق ظاہر ہو جاتا ہے کیونکہ معجزہ نبی کے ہاتھ سے ظاہر ہوتا ہے جس کی نیکی اور پاکیزگی معاشرہ میں مشہور ہوتی ہے اور جادو خبیث اور بدکار شخص سے ظاہر ہوتا ہے۔ جادو کسی استاذ سے سیکھا جاتا ہے جبکہ معجزہ نبی سے بغیر کسی شخص کی تعلیم کے ظاہر ہوتا ہے اور معجزہ نبی اس لیے پیش کرتا ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور نیکی اور پرہیزگاری کی دعوت دیتا ہے اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا فرستادہ اور رسول قرار دیتا ہے کہ جادوگر دعویٰ نبوت کی دلیل کے لئے جادو پیش کرتا ہے نہ وہ لوگوں کی عبادت اور پرہیزگاری کی دعوت دیتا ہے بلکہ اس کا مقصد لوگوں کو حیران کرنا اور کسی دنیاوی مفاد کو حاصل کرنا ہوتا ہے اور نبی دنیاوی مفادات سے بے نیاز ہوتا ہے اور اسی فرق سے جادو اور کرامت کا فرق بھی ظاہر ہو جاتا ہے کیونکہ کرامت بغیر تعلیم کے کسی نیک مسلمان کے ہاتھ سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور یہ کسبی نہیں وہبی ہوتی ہے جبکہ سحر کسب اور تعلیم سے کسی فاسق اور شریر شخص کے ہاتھ سے ظاہر ہوتا ہے جادو کسی شخص کی طبیعت یا اس کی صورت کا خاصہ نہیں ہے اور یہ بعض جگہوں، بعض اوقات اور بعض شرائط کے ساتھ مخصوص ہے جادو کا معاوضہ دیا جاتا ہے اور اس کو کوشش سے حاصل کیا جاتا ہے جادو کرنے والا فسق کے ساتھ ملعون ہوتا ہے ظاہری اور باطنی نجاست سے ملوث ہوتا ہے اور دنیا و آخرت میں رسوا ہوتا ہے اہل حق کے نزدیک جادو عقلاً جائز اور ثابت ہے قرآن اور سنت میں اس کا بیان ہے۔

معتزلہ نے کہا: جادو کی کوئی حقیقت نہیں ہے یہ محض نظر بندی ہے اور اس کا سبب کرتب، ہاتھ کی صفائی اور شعبدہ بازی

ہماری دلیل یہ قرآن مجید کی آیت ہے۔

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ (البقرہ:102)

اور سلیمان نے کوئی کفر نہیں کیا البتہ شیاطین ہی کفر کرتے تھے وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔

اسی آیت میں مذکور ہے جادو کے ذریعہ شوہر اور بیوی میں تفریق ہو جاتی تھی۔

نیز قرآن مجید میں ہے:

وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِo (الفلق:4)

آپ فرمادیجئے میں گرہوں میں بہت پھونک مارنے والی عورتوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

نیز حدیث مبارکہ میں ہے۔

ایک یہودی لبید بن اعصم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کر دیا تھا جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین راتیں بیمار رہے۔ (صحیح بخاری: رقم الحدیث: 7563)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے۔

يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰىo (طٰہٰ:66)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ خیال ڈالا گیا کہ ان کے جادو کی وجہ سے وہ لاٹھیاں اور رسیاں دوڑ رہی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جادو کی کوئی حقیقت نہیں ہے یہ صرف نظر بندی ہے اور کسی کے ذہن میں خیال ڈالنا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اس آیت کریمہ سے یہ معلوم ہوا کہ فرعون کے جادوگروں کا جادو یہی تخیل اور نظر بندی تھا لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جادو کی کوئی اور حقیقت نہیں ہے۔ (شرح المقاصد: ج:5، ص:79 تا 81 مطبوعہ ایران)

علامہ ابن منظور افریقی متوفی 711ھ لکھتے ہیں:

جادو وہ عمل ہے جس میں شیطان کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے اور اس کی مدد سے کوئی کام کیا جاتا ہے نظر بندی کو بھی جادو کہتے ہیں ایک چیز کسی صورت میں دکھائی دیتی ہے حالانکہ وہ اس کی اصلی صورت نہیں ہوتی۔ کسی چیز کی کیفیت کے پلٹ دینے کو بھی جادو کہتے ہیں کوئی شخص کسی بیمار کو تندرست کرے یا کسی کے بغض کو محبت سے بدل دے تو کہتے ہیں اس نے اس پر جادو کر دیا۔ (لسان العرب: ج:4، ص:348 مطبوعہ نشر ادب الحوزہ قم ایران)

جادو کی اقسام

علامہ ابن حجر ہیتمی شافعی مکی متوفی 947ھ لکھتے ہیں:

سحر کی درج ذیل اقسام ہیں۔

1- ستارہ پرستوں، افلاک پرستوں اور ان کو فاعل مختار ماننے والوں کا جادو۔

2- اصحاب الاوہام اور اصحاب نفوس قویہ کا جادو۔

3- ارواح ارضیہ مثلاً جنات سے استعانت کرنے والوں کا جادو۔

4- تخیلات، آنکھوں پر اثر ڈالنا کہ آنکھ ... خلاف ... کشتی میں سوار شخص کو کنارے پر کھڑے ہو

درخت دوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں اور بارش میں برسنے والے قطرات خطوط دکھائی دیتے ہیں۔

5- عجیب وغریب کام جو مختلف شعبدوں سے ظاہر ہوتے ہیں ان کے اسباب مخفی ہوتے ہیں جن کا عام لوگوں کو پتا نہیں چلتا۔

6- ایسی دواؤں سے جادو کرنا جو حواس کو معطل اور عقل کو زائل کر دیتی ہیں۔

7- کسی کے دل کو تابع کر لینا وہ یہ ہے کہ انسان یہ دعویٰ کرے کہ اس کو اسم اعظم معلوم ہے اور جن اس کا تابع ہے اور اس کی اطاعت کرتا ہے پس جو شخص نا سمجھ ہوگا وہ اس کے دعویٰ کو سچا گمان کرے گا اور وہ مرعوب اور خوفزدہ ہو جائے گا پھر جادوگر اس پر قادر ہوگا کہ اس میں جو فعل چاہے وہ کرے۔

علامہ قرطبی مالکی نے کہا ہے کہ

اس بات کا انکار نہیں کیا جاتا کہ ساحر کے ہاتھ سے ایسے خلاف عادت کاموں کا ظہور ہوتا ہے جو عام انسانوں کی طاقت میں نہیں ہوتے وہ لوگوں کو بیمار کر دیتے ہیں شوہر اس کی بیوی میں تفریق کر دیتے ہیں عقل کو زائل کر دیتے ہیں۔ اعضاء کو ٹیڑھا کر دیتے ہیں۔

علماء کرام نے کہا ہے کہ

جادوگر سے یہ بعید نہیں ہے کہ وہ اپنے جسم کو اس قدر پتلا کر لے کہ وہ سرکنڈے پر کھڑا ہو جائے، باریک دھاگے پر چلنے لگے، ہوا میں اڑنے لگے، پانی پر چلنے لگے اور کتے پر سواری کرے اور جادو ان کاموں کی علت ہے نہ موجب ہے ان کاموں کو جادو کے وقت اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے جیسا کہ وہ کھانے اور پینے کے بعد انسان کے اندر سیری پیدا کرتا ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:2 ص45 تا 46 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

جادو اور کرامت میں امتیاز

علامہ عبد النبی بن عبد الرسول احمد نگری لکھتے ہیں:

جادو اور کرامت میں حسب ذیل فرق ہے۔

1- جادو خبیث اور فاسق شخص سے ظاہر ہوتا ہے اور کرامت اس نیک مسلمان سے ظاہر ہوتی ہے جو دائمی عبادت کرتا ہو اور برے کاموں سے بچتا ہو۔

2- جادو چند مخصوص برے کاموں کا نام ہے اور کرامت کے مخصوص اعمال نہیں ہیں یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور دائمی شریعت کی اتباع سے ظاہر ہوتا ہے۔

3- جادو صرف تعلیم اور تعلم سے حاصل ہوتا ہے اور کرامت اس طرح نہیں ہے بلکہ کرامت وہبی ہوتی ہے اور محض اللہ تعالیٰ کی عطا سے حاصل ہوتی ہے۔

4- جادو طلب کرنے والوں کے مطالب کے موافق نہیں ہوتا بلکہ معین اوقات اور محدود مطالب کے ساتھ مخصوص ہے اور کرامت

طلب کرنے والوں کے مطالب کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے اور اس کے مخصوص مطالب نہیں ہیں۔

5- جادو مخصوص وقتوں، مخصوص جگہوں اور مخصوص شرائط سے ہوتا ہے اور کرامت کے لئے کسی وقت، کسی جگہ اور کوئی شرط ضروری نہیں ہے۔

6- جادوگر کو کبھی دوسرا جادوگر اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے چیلنج کرتا ہے اور کرامت میں ایک ولی دوسرے کو چیلنج نہیں کرتا۔

7- جادو بغیر کوشش اور سخت جدوجہد کے حاصل نہیں ہوتا اور کرامت خواہ ہزار بار حاصل ہو اس کے لئے کوئی کوشش نہیں کرنی پڑتی۔

8- جادوگر فاسقوں کے کام کرتا ہے اور ناپاک رہتا ہے بعض اوقات غسل جنابت بھی نہیں کرتا، استنجاء نہیں کرتا، ناپاک کپڑے نہیں دھوتا کیونکہ ناپاکی اور نجاست کی جادو کے ظہور میں بہت تاثیر ہوتی ہے یہ اس کی ظاہری نجاست ہے اور اس کی باطنی نجاست کر ہے اس کے برخلاف ولی کا ظاہر اور باطن پاک اور صاف ہوتا ہے۔

9- جادوگر خلاف شرع کاموں کا حکم دیتا ہے اور ولی شریعت کے موافق کاموں کا حکم دیتا ہے۔

ہم نے جادو اور کرامت میں جو فرق بیان کیے ہیں ان ہی سے جادو اور معجزہ میں بھی فرق معلوم ہو جاتا ہے۔

(دستور العلماء: ج:2، ص:120 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

جادو کا شرعی حکم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سات ہلاک کرنے والے کاموں سے بچو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون سے کام ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

1- اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا

2- جادو کرنا

3- جس کو قتل کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے اس کو ناحق قتل کرنا۔

4- سود کھانا

5- یتیم کا مال کھانا

6- میدان جہاد سے پیٹھ پھیر کر بھاگنا

7-اور مسلمان پاک دامن عورت کو زنا کی تہمت لگانا۔ (صحیح بخاری: ج: 1، ص: 388 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

فقہاء مالکیہ کے نزدیک جادو کا شرعی حکم یہ ہے۔

علامہ دردیر مالکی متوفی 1197ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن العربی نے جادو کی یہ تعریف کی ہے کہ

یہ وہ کلام ہے جس میں غیر اللہ کی تعظیم کی جاتی ہے اور اس کی طرف حوادث کائنات کو منسوب کیا جاتا ہے۔

امام رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ

جادو کا سیکھنا اور سکھانا کفر ہے خواہ اس سے جادو کا عمل نہ کیا جائے کیونکہ شیطان کی تعظیم کرنا اور حوادث کی نسبت اس کی طرف کرنا یہ ایسا کام ہے کہ کوئی عاقل مسلمان یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ یہ فعل کفر نہیں ہے اگر جادو کا توڑ اسی کی مثل جادو سے کیا جائے تو یہ بھی کفر ہے جادو کے توڑ کے لئے کسی کو کرایہ پر لینا جائز ہے بہ شرطیکہ جادو سے یہ توڑ نہ کیا جائے۔ جادو کے ذریعہ اموال اور صفات میں تغیر ہو جاتا ہے اور حقائق بدل جاتے ہیں اگر یہ کام آیات قرآنیہ اور اسماء الٰہیہ سے ہو جائیں تو پھر یہ کفر نہیں ہے البتہ اگر جادو کے ذریعہ دو آدمیوں کے درمیان عداوت پیدا کی جائے یا کسی کی جان اور مال کو نقصان پہنچایا جائے تو حرام ہے اگر کوئی شخص علی الاعلان جادو کرتا ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس کا مال فئی ہے بہ شرطیکہ وہ توبہ نہ کرے۔

(شرح الکبیر: ج: 4، ص: 302 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فقہاء حنبلیہ کے نزدیک جادو کا شرعی حکم یہ ہے۔

امام ابن قدامہ حنبلی متوفی 620ھ لکھتے ہیں:

جادو کا سیکھنا اور سکھانا حرام ہے اور ہمارے علم کے مطابق اس میں اہل علم کا اتفاق ہے جادو کے سیکھنے اور جادو کے عمل کی وجہ سے جادوگر کی تکفیر کی جائے گی خواہ وہ جادو کے حرام ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو یا اس کے مباح ہونے کا۔

اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ

اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

کیونکہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

عراف، کاہن اور جادوگر کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ

ان کے ان افعال پر ان سے توبہ طلب کی جائے کیونکہ میرے نزدیک وہ حکماً مرتد ہیں اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کو چھوڑ دیا جائے۔

راوی نے پوچھا: اگر توبہ نہ کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا؟

تو فرمایا: نہیں! بلکہ اس کو قید میں رکھا جائے گا حتیٰ کہ وہ توبہ کر لے۔

راوی نے پوچھا: اس کو قتل کیوں نہیں کیا جائے گا؟

ارشاد فرمایا: جب تک وہ نماز پڑھتا ہے تو اس کی توبہ اور رجوع کی توقع ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ جادوگر کافر نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ

سلیمان نے کفر نہیں کیا۔

یعنی انہوں نے جادو نہیں کیا حتیٰ کہ ان کی تکفیر کی جائے۔

اور فرشتوں نے کہا:

اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ط

ہم تو محض آزمائش ہیں تم تو جادو سیکھ کر کفر نہ کرو۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ جادو کرنا کفر ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جادوگر کافر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

حضرت حبیب بن کعب رضی اللہ عنہ

اور حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ

جادوگر کو بہ طور حد کے قتل کر دیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان کو قتل کرنا صرف تین وجوں سے جائز ہے۔

1- ایمان لانے کے بعد کفر کرے۔

2- شادی کرنے کے بعد زنا کرے۔

3- یا ناحق قتل کرے۔

جادوگر نے اس میں کوئی کام نہیں کیا اس لیے اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

جادو کرنا بھی ارتداد ہے۔

نیز حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ

جادوگر کی حد اس کو تلوار سے مارنا ہے۔

اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہر جادوگر کو قتل کر دو۔ (المغنی: ج:9، ص:34 تا 36 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

علامہ مرداوی حنبلی متوفی 885ھ لکھتے ہیں:

جادوگر کی تکفیر کی جائے گی اور اس کو قتل کیا جائے گا۔

یہی مذہب ہے اور یہی جمہور اصحاب کا نظریہ ہے۔

ایک روایت یہ ہے کہ

اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی اور جو شخص دواؤں اور دھوئیں سے شعبدہ بازی کرتا ہو اس کو صرف تعزیر دی جائے گی۔

(الانصاف: ج:10، ص:350 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

فقہاء شافعیہ کے نزدیک جادو کا شرعی حکم یہ ہے۔

علامہ نووی شافعی متوفی 676ھ لکھتے ہیں: جادو کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سات ہلاک کرنے والے کاموں میں شمار کیا ہے اس کا سیکھنا اور سکھانا بھی حرام ہے اگر جادو کرنے والے کے قول یا فعل میں کوئی چیز کفر کی مقتضی ہو تو جادو کرنا کفر ہے ورنہ نہیں بلکہ گناہ کبیرہ ہے اسی طرح جادو کے سیکھنے یا سکھانے میں کوئی قول یا فعل کفر کا مقتضی ہو تو کفر ہے ورنہ گناہ کبیرہ ہے۔

ہمارے نزدیک جادوگر کو قتل نہیں کیا جائے گا اس سے توبہ طلب کی جائے گی اگر اس نے توبہ کر لی تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔

ہمارے بعض اصحاب نے یہ کہا ہے کہ

جادو کا سیکھنا جائز ہے تا کہ انسان کو جادو کی معرفت ہو اور وہ جادو کے ضرر سے بچ سکے اور جادوگر کا رد کر سکے اور ان کے نزدیک جادو کی ممانعت جادو کرنے پر محمول ہے جادو سیکھنے پر نہیں۔ (شرح مسلم: ج:1، ص:65 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

فقہاء احناف کے نزدیک جادو کا شرعی حکم یہ ہے۔

علامہ ابن ہمام حنفی متوفی 861ھ لکھتے ہیں: جادو کی حقیقت ہے اور جسم کو تکلیف پہنچانے میں اس کی تاثیر ہے جادو کا سکھانا بالاتفاق حرام ہے اور اس کی اباحت کا اعتقاد کرنا کفر ہے۔

ہمارے بعض اصحاب، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ
جادو کا سیکھنا اور جادو کا کرنا کفر ہے خواہ اس کے حرام ہونے کا اعتقاد رکھے یا نہ رکھے اس کو قتل کر دیا جائے گا۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ
حضرت جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ
حضرت حبیب بن کعب رحمۃ اللہ علیہ
حضرت قیس بن سعد رحمۃ اللہ علیہ
اور حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جادوگر سے توبہ طلب کئے بغیر اس کے قتل کا فتویٰ دیا ہے۔
حضرت جندب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جادوگر کی حد یہ ہے کہ اس کو تلوار سے مار دیا جائے۔
امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ
جب تک جادوگر جادو کے مباح ہونے کا اعتقاد نہ رکھے اس کو کافر نہ کہا جائے اور نہ ہی اس کو قتل کیا جائے۔ جادوگر کو کافر قرار دینے نہ دینے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر عمل کرنا واجب ہے البتہ اس کو قتل کرنا واجب ہے جس شخص کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ کوشش کر کے جادو کرتا ہے اس سے توبہ طلب کیے بغیر اس کو قتل کر دیا جائے۔
(فتح القدیر: ج:5، ص232 تا233 مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)
علامہ شامی حنفی متوفی 1252ھ لکھتے ہیں: خلاصہ یہ ہے کہ
جادوگر جب تک کسی کفریہ امر کا اعتقاد نہ کرے اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔
النہر الفائق میں اسی پر اعتماد کیا ہے اور علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کی اتباع کی ہے اور جادوگر کو مطلقاً قتل کر دیا جائے گا۔
فتاویٰ قاضی خان میں مذکور ہے کہ
جو شخص کسی آدمی اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کرنے کے لئے کوئی عمل کرے وہ مرتد ہے اور اس کو قتل کر دیا جائے بہ شرطیکہ وہ تفریق میں اس عمل کی تاثیر کا اعتقاد رکھتا ہو اور جو شخص لوگوں کو ضرر پہنچانے کے لئے جادو کرتا ہے اس کو قتل کر دیا جائے گا اور جو جادوگر تجربہ کرنے کے لئے جادو کرتا ہو اور اس پر اعتماد نہ رکھتا ہو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔
امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:
جس شخص کا جادو کرنا اس کے اقرار یا گواہی سے ثابت ہو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس سے توبہ نہیں طلب کی جائے گی۔

اس میں مسلمان، ذمی، آزاد اور غلام برابر ہیں۔ جادو گر سے مراد وہ شخص نہیں ہے جو معوذات سے جادو کو دور کرتا ہو نہ طلسم کرنے والا مراد ہے۔

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے جو ہمارے بعض اصحاب سے جادو کا حکم کفر نقل کیا ہے وہ اسی پر مبنی ہے کہ جادو کا تحقق کلمات کفریہ کہنے پر موقوف ہے۔ (ردالمحتار: ج:3 ص295 تا296 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی متوفی 1088ھ لکھتے ہیں:

اگر پکڑے جانے سے پہلے جادو گر نے توبہ کر لی تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور قتل نہیں کیا جائے گا ورنہ توبہ قبول نہیں ہو گی اور قتل کیا جائے گا۔ (درمختار علی ہامش ردالمحتار: ج:3 ص:296 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیے جانے کی تحقیق

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا حتیٰ کہ آپ کا خیال یہ ہوتا کہ آپ اپنی ازواج کے پاس گئے ہیں حالانکہ آپ نہیں گئے تھے۔

سفیان نے کہا: اگرچہ ایسا ہوتا تو یہ جادو کی زبردست قسم ہے۔

پس آپ نے فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! کیا تمہیں نہیں معلوم ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے کچھ سوالات کیے تھے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے جوابات دیئے۔ میرے پاس دو آدمی آئے ایک میرے سر کی جانب بیٹھ گیا اور دوسرا میرے پیروں کی جانب جو آدمی سر کی جانب بیٹھا تھا۔

اس نے دوسرے سے کہا: اس شخص کا کیا حال ہے؟

اس نے کہا: اس پر جادو کیا گیا ہے!

اس نے پوچھا: اس پر کس نے جادو کیا ہے؟

اس نے کہا: لبید بن اعصم نے جو بنو زریق کے قبیلہ سے ہے اور یہود کا حلیف ہے یہ شخص منافق تھا۔

اس نے پوچھا: کس چیز پر جادو کیا ہے؟

اس نے کہا: کنگھی اور ان بالوں میں جو کنگھی میں جھڑ جاتے ہیں۔

آپ نے پوچھا: وہ کس جگہ ہیں؟

اس نے کہا: نر کھجور کے کھوکھلے شگوفے میں لپیٹ کر ذروان کے کنویں میں ایک پتھر کے نیچے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کنویں پر گئے حتیٰ کہ آپ نے اس کو نکال لیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہی وہ کنواں ہے جو مجھے (خواب میں) دکھایا گیا تھا اور اس کنویں کا پانی مہندی کے رنگ کی طرح تھا اور اس کے کھجور کے درخت شیطانوں کے سروں کی طرح تھے پھر جس پر جادو کیا گیا تھا اس کو کنویں میں

سے نکال لیا گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نشرہ (منتر) کیوں نہیں کیا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا دے دی اور میں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ میں کسی شخص کو برائی کی ترغیب دوں۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 2268)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ خیال ڈالا جاتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی کام کر لیا ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا حتیٰ کہ ایک دن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار دعا کی۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے میں نے اللہ تعالیٰ سے جو سوال کیے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب دے دیے ہیں۔

میں نے پوچھا: وہ کیا جواب ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے پاس دو آدمی آئے ایک میرے سر کی جانب اور دوسرا میرے پیروں کی جانب بیٹھ گیا۔

پھر ان میں سے ایک شخص نے دوسرے سے پوچھا۔

اس شخص کو کیا تکلیف کی ہے۔

اس نے کہا: ان پر جادو کیا گیا ہے۔

اس نے پوچھا: کس نے جادو کیا ہے؟

اس نے کہا: لبید بن اعصم یہودی نے جو بنو زریق سے ہے۔

اس نے پوچھا: کس چیز میں جادو کیا ہے؟

اس نے کہا: ایک کنگھی اور اس میں لگے ہوئے بالوں میں نر کھجور کے کھوکھلے شگوفے میں۔

اس نے کہا: وہ کہاں ہے۔

اس نے کہا: وہ ذی اروان کے کنویں میں ہے۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس کنویں پر گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا اس کے پاس کھجور کے درخت تھے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! اس کا پانی مہندی کی تلچھٹ کی طرح تھا اور گویا کہ اس کے درخت شیطانوں کے سر ہیں۔

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نکال لیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں! مجھے اللہ تعالیٰ نے اس عافیت میں رکھا اور شفا دے دی اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ اس فعل سے لوگوں میں شر پھیلے گا اور میں نے اس کنگھی کو دفن کرنے کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: 5766)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی 544ھ لکھتے ہیں: امام مازری نے کہا ہے کہ

بعض متبدعین نے اس حدیث مبارکہ کا انکار کیا ہے اور یہ زعم کیا ہے کہ یہ ماننے سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت میں کمی ہوتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں شک پیدا ہوتا اور احکام شرعیہ پر اعتماد نہیں ہوتا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال ڈالا جائے کہ آنے والا جبرائیل علیہ السلام ہے اور وہ حقیقت میں جبرائیل علیہ السلام نہ ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ خیال ڈالا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی گئی ہے اور واقع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی نہ کی گئی ہو۔ اور یہ جو کچھ انہوں نے کہا ہے باطل ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو چیز پہچانتے ہیں اس کے صدق پر معجزہ کی دلالت ہے اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معصوم ہونا دلائل سے ثابت ہے اور ان دلائل کے خلاف کسی چیز کو جائز قرار دینا باطل ہے اور جن کاموں کا تعلق امور دنیا سے ہے اور جن کاموں کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث نہیں کیا گیا اور نہ ان کاموں کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی فضیلت ہے اور وہ ایسے امور ہیں جو اکثر انسانوں کو عارض ہوتے رہتے ہیں تو یہ کچھ بعید نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بعض ایسی چیزوں کا خیال ڈالا جائے جن کی واقع میں کوئی حقیقت نہ ہو۔

بعض نے کہا: اس حدیث مبارکہ سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج سے عمل ازدواج کیا ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل نہیں کیا ہوتا تھا اور کبھی عام لوگوں کی طرف بھی نیند میں اس قسم کا خیال آجاتا ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی تو ہوسکتا ہے کہ بیداری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اس طرح کا کوئی خیال آجاتا ہو اور اس کی کوئی حقیقت نہ ہو۔

ہمارے بعض اصحاب نے کہا: ہوسکتا ہے کہ آپ کو یہ خیال آیا ہو کہ آپ نے کوئی کام کیا ہے اور آپ نے وہ کام نہ کیا ہو لیکن آپ نے یہ اعتقاد نہ کیا ہو کہ آپ کا تخیل صحیح ہے آپ کا اعتقاد اور یقین ہمیشہ درست رہتا ہے لہٰذا ملحدین کے اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث مبارکہ کی تاویل جو مجھ پر منکشف ہوئی وہ زیادہ ظاہر اور جلی ہے اور ملحدین کے اعتراض سے بہت دور ہے اور وہ تاویل اسی حدیث مبارکہ سے متضاد ہے اور یہ ہے کہ یہ حدیث مبارکہ عروہ اور ابن مسیب سے بھی مروی ہے۔

اور اس میں ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بنو زریق کے یہودیوں نے جادو کیا اور اس کو ایک کنویں میں ڈال دیا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی بینائی کمزور ہوگئی پھر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کنویں سے نکال لیا۔ (مصنف عبدالرزاق: رقم الحدیث: 19764)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے: عطا خراسانی یحییٰ بن معمر سے روایت کرتے ہیں کہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سال تک ان کے پاس نہیں جا سکے پھر جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوئے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو فرشتے آئے ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کی جانب بیٹھ گیا اور دوسرا پیروں کی جانب۔

پھر ایک نے دوسرے سے کہا۔

(سیدنا) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) پر جادو کیا گیا ہے۔

دوسرے نے کہا: ہاں! ان پر ابو فلاں نے کنویں میں جادو کیا ہے۔ پھر جب صبح کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نکالنے کا حکم دیا سو اس کو کنویں سے نکال لیا گیا۔ (مصنف عبدالرزاق: رقم الحدیث: 19765)

اور محمد بن سعد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے اور ازواج کے پاس جانے اور کھانے پینے پر قادر نہ ہوئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو فرشتے آئے اور اسی طرح مکالمہ کیا جس طرح صحیح بخاری میں ہے۔

اور اس کے آخر میں ہے۔

پھر جب وہ فرشتے چلے گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا تم اس کنویں پر جاؤ اس کا پانی مہندی کے رنگ کا ہوگا تم اس میں سے پتھر کے نیچے سے کھوکھلا شگوفہ نکالنا۔ انہوں نے اس میں سے وہ شگوفہ نکالا اس میں گیارہ گرہیں تھیں اور اس وقت یہ دو سورتیں نازل ہوئیں۔

1- قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ 2- قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک آیت پڑھتے گئے اور ایک ایک گرہ کھلتی گئی حتیٰ کہ ساری گرہیں کھل گئیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحت مند ہو گئے اور اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور کھانے پینے میں مشغول ہو گئے۔

(الطبقات الکبریٰ: ج: 2، ص 198 تا 199 مطبوعہ دار صادر)

پس ان روایات سے ظاہر ہو گیا کہ جادو کا اثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری اعضاء پر ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل سلیم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتقاد پر نہیں ہوا تھا اور حدیث مبارکہ میں یہ جو الفاظ ہیں کہ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ گمان کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اہلیہ کے پاس جائیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس نہیں جاتے تھے اور یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ خیال ڈالا جاتا تھا۔

ان کا معنیٰ یہ ہے کہ
پہلے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قدرت تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی پر خوش تھے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قریب جاتے تو جادو کے اثر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر قادر نہ ہوتے۔
اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو یہ فرمایا ہے کہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ خیال ڈالا جاتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام کیا ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا۔
اس کی وجہ یہ تھی کہ
جادو کے اثر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں فرق پڑ گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ گمان فرماتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج میں سے کسی کو کہیں دیکھا ہے یا کسی اور کو دیکھا ہے یا کسی اور کو کوئی کام کرتے ہوئے دیکھا ہے اور ایسا نہیں ہوتا تھا۔
اس کی وجہ یہ تھی کہ
جادو سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بصر بہت متاثر ہوگئی تھی۔ اس سے ظاہر ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا کوئی ایسا اثر نہیں ہوا تھا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی رسالت بارے کوئی اشتباہ یا التباس ہوگیا ہو اور نہ ایسی کوئی بات ہوئی تھی جس کی وجہ سے گمراہوں کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں کسی اعتراض یا طعن کی گنجائش ہو۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم: ج:7، ص86 تا 88 مطبوعہ دار الوفاء)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر مالکی قرطبی متوفی 656ھ اس حدیث مبارکہ کی شرح میں راقم ہیں۔
بعض کج روون نے اس حدیث مبارکہ کو نبوت میں طعن کا ذریعہ بنالیا ہے۔
انہوں نے کہا: جس شخص کا یہ حال ہو کہ اس نے ایک کام نہ کیا ہو اور اس کا گمان یہ ہو کہ اس نے وہ کام کرلیا ہے اس کے دعویٰ نبوت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔
اس کا جواب یہ ہے کہ
یہ اعتراض ان کی کم علمی اور کم فہمی کی وجہ سے صادر ہوا ہے۔
کم فہمی یہ ہے کہ
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ تھی کہ جماع کرنے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال یہ ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کام کرلیں گے لیکن جادو کے اثر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس عمل پر قادر نہ ہوتے تھے اور صحیح مسلم کے علاوہ دوسری حدیث میں اس کی تصریح ہے۔
اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھا پی سکیں گے لیکن جادو کی وجہ سے جو مرض عارض

ہوا تھا اس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے پینے پر قادر نہیں ہوتے تھے۔

اوران احادیث مبارکہ کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ

جادو کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل میں کوئی خلل ہو گیا تھا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام خلط ملط ہو گیا تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدق معجزہ ثابت ہے اور امور تبلیغیہ میں غلطی واقع ہونے سے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم رکھا ہے۔

اور معترض کی کم عقلی یہ ہے کہ

اس کو نبوات کے احکام اور معجزہ کی دلالت کا علم نہیں ہے گویا کہ وہ نہیں جانتے کہ انبیاء کرام علیہم السلام بھی بشر ہیں اور ا پر بیماری، درد، غضب، رنج اور غم، عجز، نظر لگنا، جادو کا کیا جانا اور دیگر تمام عوارض بشریہ کا اس طرح طاری ہونا ممکن ہے جس طر یہ عوارض دوسرے لوگوں پر طاری ہوتے ہیں لیکن انبیاء کرام علیہم السلام اس چیز سے معصوم ہیں کہ ان پر کوئی ایسی چیز طاری ہو معجزہ کی دلالت کے مناقض اور منافی ہو مثلاً اللہ تعالیٰ کی معرفت، ان کا صادق ہونا اور امور تبلیغیہ میں کسی غلطی کا واقع نہ ہونا اسی معنیٰ کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ (الکھف:110)

''آپ فرمادیجئے کہ میں محض تمہاری مثل بشر ہوں مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔''

بشر کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ تمام امور جائز ہیں جو دیگر انسانوں پر جائز ہیں اور نبوت کے خواص کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں سے ان تمام چیزوں میں ممتاز ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے شہادت دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بصر نے نہ کجی کی اور نہ حد سے بڑھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مشاہدہ کیا اس میں جھوٹ نہیں کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم قول اللہ تعالیٰ کی وحی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جاتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔

(المفہم: ج:5،ص570 تا 571 مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکی متوفی 828ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج کے پاس جائیں گے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم قادر نہ ہوتے۔

اور ایک روایت میں فرمایا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام کیا ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کام ہوتا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بینائی میں خلل ہوگیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ گمان ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی کو یا کسی اور شخص کو دیکھا ہے اور واقع میں ایسا نہیں ہوتا تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بصر میں کچھ قصور ہوگیا تھا یہ وجہ نہیں تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بصر کے علاوہ کسی اور عضو میں کچھ کمی ہوگئی تھی کیونکہ جادو کے اثر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں کوئی خلل نہیں ہوسکتا تھا اور اس میں گمراہوں کے لئے نبوت میں طعن کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (اکمال اکمال المعلم: ج:7،ص:365 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

7ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد زؤسا یہود نے لبید بن اعصم یہودی سے کہا تو اور تیری لڑکیاں جادوگری میں یکتا ہیں حضور پر جادو کر، لبید نے حضور کے ایک یہودی غلام سے حضور کی شکستہ کنگھی کے دندانے اور کچھ بال شریف حاصل کر لیے اور موم کا ایک پتلا بنایا اس میں گیارہ سوئیاں چبھوئیں۔ ایک تانت میں گیارہ گرہیں لگائیں یہ سب کچھ اس پتلے میں رکھ کر بیر اوان میں پانی کے نیچے دبا دیا۔ اس کا حضور کے خیال شریف میں یہ اثر ہوا کہ دنیاوی کاموں میں بھول ہوگئی۔ چھ ماہ تک اثر رہا پھر جبرائیل امین علیہ السلام یہ دونوں سورتیں فلق و ناس لائے جن میں گیارہ آیتیں ہیں اور حضور کو اس جادو کی خبر دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کنویں پر بھیجا گیا آپ نے جادو کا یہ سامان پانی کی تہہ سے نکالا۔ حضور نے یہ سورتیں پڑھیں ہر آیت پر ایک گرہ کھلتی تھی تمام گرہیں کھل گئیں اور حضور کو شفا ہوگئی۔

اس سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

ایک یہ کہ

جادو اور اس کی تاثیر حق ہے۔

دوسرے یہ کہ

نبی کے جسم پر جادو کا اثر ہوتا ہے جیسے تلوار، تیر اور نیزے کا۔

یہ اثر خلاف نبوت نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں جادوگر فیل ہوئے کیونکہ وہاں جادو سے معجزہ کا مقابلہ تھا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیال پر بھی اس جادو نے اثر کیا۔ (نور العرفان: ص:965 مطبوعہ ادارہ کتب اسلامیہ گجرات)

امام ابو بکر احمد بن علی رازی حصاص حنفی متوفی 370ھ لکھتے ہیں:

بعض لوگوں نے یہ زعم کیا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی جادو کا عمل کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہوا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام کیا ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کام نہیں کیا تھا اور ایک یہودی

عورت نے کھجور کے کھوکھلے شگوفے میں اور کنگھی کے دندانوں میں اور کنگھی میں لگے ہوئے بالوں میں عمل کیا تھا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک عورت نے کنگھی میں جادو کیا ہے جو راعوفہ کنویں کے نیچے ہے۔ اس کنگھی کو نکال لیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جادو کا اثر جاتا رہا اور اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس دعویٰ کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل:47)

''ظالم یہ کہتے ہیں کہ تم صرف ایسے شخص کی پیروی کر رہے ہو جس پر جادو کیا ہوا ہے۔''

اور اس قسم کی احادیث ملحدین کی گھڑی ہوئی ہیں جنہوں نے دین کو کھیل بنالیا ہے اور وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات کو باطل کرنے کی سعی میں لگے رہتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات میں اور جادوگروں کے افعال میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ ایک ہی قسم میں سے ہیں۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰی ۝ (طٰہٰ:69)

اور جادوگر جہاں سے بھی آئے کامیاب نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ جادوگروں کی تکذیب کرتا ہے اور یہ لوگ جادوگروں کی تصدیق کرتے ہیں۔

اور ہوسکتا ہے کہ

ایک یہودی عورت نے اپنی جہالت سے یہ کام کیا ہو اور یہ گمان کیا ہو اور اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد کیا ہو اور یہ گمان کیا ہو کہ جادو کا اجسام میں اثر ہوتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اثر ہوگا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو جادو کی جگہ پر مطلع فرمادیا اور اس عورت کی جہالت اور اس کے کرتوتوں کو اور اس کی توقعات کو ظاہر فرمادیا تاکہ یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل سے ہو جائے اور ایسا نہیں ہوا کہ اس جادو کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اثر ہوا ہو اور اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرر پہنچا ہو اور کسی راوی نے یہ نہیں کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر معاملات مشتبہ ہو جاتے تھے ان الفاظ کا حدیث مبارکہ میں اضافہ کیا گیا ہے اور ان کی کوئی اصل نہیں ہے اور معجزات اور جادو میں فرق ہوتا ہے کہ معجزات حقائق پر مبنی ہوتے ہیں اور ان کا باطن بھی ان کے ظاہر کی طرح ہوتا ہے اور جادو میں باطن ظاہر کی طرح نہیں ہوتا بلکہ وہ باطن میں کسی چالاکی اور شعبدہ بازی پر مبنی ہوتا ہے اور جادوگر اپنی قوت مخیلہ سے کام لیتا ہے اور انسان کو جو کچھ نظر آتا ہے وہ حقیقت میں نہیں ہوتی بلکہ جادوگر کی قوت مخیلہ کی کارستانی ہوتی ہے۔ (احکام القرآن: ج: 1 ص: 49 مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ ان روایات کے متعلق لکھتے ہیں:

معتزلہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیے جانے کا کئی وجوہ سے انکار کیا ہے۔

1- اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ○ (طٰہٰ:69)

جادوگر جہاں سے بھی آئے وہ کامیاب نہیں ہوتا۔

2-اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف میں یہ فرمایا ہے۔

وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ○ (الفرقان:8)

اور ظالموں نے کہا تم لوگ تو صرف جادو کیے ہوئے شخص کی پیروی کرتے ہو۔

اور اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہو جاتا تو کفار کے اس قول کی مذمت نہ کی جاتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا ہوا ہے۔

3-اگر جادو سے یہ کام ممکن ہوتا تو پھر معجزہ سے جادو ممتاز نہ ہوتا۔

پھر انہوں نے کہا: یہ دلائل یقینیہ ہیں اور جن روایات کا تم نے ذکر کیا ہے وہ سب اخبار احاد ہیں جو ان دلائل قطعیہ سے معارضہ کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ (تفسیر کبیر: ج:1،ص:626 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

سید محمد قطب شہید متوفی 1385ھ لکھتے ہیں: یہ روایات فعل اور قول میں عصمت نبویہ کی اصل کے مخالف ہیں اور جبکہ اعتقاد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال میں سے ہر فعل اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں سے ہر قول سنت اور شریعت ہے اور یہ روایات اس اعتقاد کے مخالف ہیں اسی طرح یہ روایات قرآن مجید کی نفی اور تکذیب کرتی ہیں کیونکہ قرآن مجید نے کفار کے اس قول کو باطل قرار دیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا ہے اور اس کو ظلم اور گمراہی فرمایا ہے اور ان روایات میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا ہے اس وجہ سے ہم ان روایات کو مستبعد سمجھتے ہیں اور اخبار احاد کا عقائد میں اعتبار نہیں کیا جاتا۔ عقائد میں صرف قرآن عظیم کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور احادیث متواترہ کی طرف اور عقائد اور اصول میں احادیث کو قبول کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ متواتر ہوں اور یہ روایات متواتر نہیں ہیں نیز ان روایات کے مطابق یہ واقعہ مدینہ منورہ میں ہوا ہے اور سورہ فلق اور سورہ ناس مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں اور ایک اور وجہ ہے جو ان روایات کی بنیاد کو کمزور کرتی ہے۔ (فی ظلال القرآن: جز:30،ص:294 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت صالح علیہ السلام کو قوم کا ہماری طرح بشر کہنا

حضرت صالح علیہ السلام کو قوم نے کہا تم ہماری طرح بشر ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ (الشعراء:154)

تم صرف ہماری مثل بشر ہو۔

بشر کا معنیٰ

علامہ راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:

کھال کے ظاہر کو بشرہ کہتے ہیں اور کھال کے باطن کو ادمۃ کہتے ہیں واحد اور جمع دونوں کے لئے بشر آتا ہے البتہ تشنیہ بشرین آتا ہے قرآن مجید میں جہاں بھی لفظ بشر آیا ہے اس سے مراد انسان کا جثہ اور اس کا ظاہر ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ○ (ص:71)

میں مٹی سے بشر بنانے والا ہوں۔

کفار انبیاء کرام علیہم السلام کا مرتبہ کم کرنے کے لئے ان کو بشر کہتے تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَقَالُوْۤا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗۤ اِنَّاۤ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ○ (القمر:24)

پس وہ کہنے لگے کیا ہم اپنے ہی میں سے ایک بشر کی اتباع کریں پھر تو بے شک ہم ضرور گمراہی اور عذاب میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بتانے کے لئے کہ تمام لوگ نفس بشریت میں برابر ہیں لیکن وہ دوسروں سے علوم عامیہ اور اعمال صالحہ کی وجہ سے ممتاز ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤى اِلَیَّ (الکہف:110)

(اے محبوب) آپ فرمادیجئے میں بظاہر تم جیسا ہی بشر ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

''میری طرف وحی کی جاتی ہے'' اس لیے فرمایا ہے کہ ہر چند کہ نفس بشریت میں، میں تمہاری مثل ہوں لیکن اس وصف میں، میں تم سے ممتاز ہوں کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ (المفردات: ج:1، ص:60 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

امام خلیل احمد فراہیدی متوفی 175ھ لکھتے ہیں:

البشر ایک انسان خواہ مرد ہو یا عورت وہ بشر ہے اس کا تثنیہ اور جمع نہیں آتا۔ ھو بشر، ھما بشر اور ھم بشر کہا جاتا ہے انسان کے چہرے اور جسم کی اوپری کھال کو بشرۃ کہتے ہیں۔ (کتاب العین: ج:1، ص:164 مطبوعہ ایران)

علامہ ابوالحسن علی بن اسماعیل بن سید المرسی متوفی 458ھ لکھتے ہیں:

بشر کا مادہ ہے۔

ب، ش، ر

اس سے ایک لفظ بنا ہے الشرب جس کا معنیٰ ہے پینا اس کا مقلوب ہے البشر اس کا معنیٰ ہے بالشت اور اس کا ایک مقلوب الاربش ہے اس کا معنیٰ ہے مختلف رنگوں والا اور اس کا ایک مقلوب ہے البرش اس کا معنیٰ ہے سرخ اور سیاہ مخلوط رنگ۔

اور البشر کا معنیٰ ہے۔

اس میں واحد، جمع اور مذکر اور مؤنث مساوی ہیں اور انسان کے چہرے، سر اور جسم کی اوپر والی کھال کو البشرہ کہتے ہیں جس کی خوش خبری دی جائے اس کو بشارت کہتے ہیں اور جماع کو مباشرت کہتے ہیں، مسکراہٹ اور خوشی کے اظہار کو البشر کہتے ہیں، بارش برسانے والی ہواؤں کو المبشرات کہتے ہیں، ہر چیز کے اول کو تباشر کہتے ہیں، خوبصورت چہرے والے کو البشیر کہتے ہیں۔

(المحکم المحیط الاعظم: ج: 8، ص 52 تا 60 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

انبیاء کرام علیہم السلام کا بشر ہونا ہمارے لیے وجہ احسان ہے

انسانوں کے لئے انسان کو رسول بنا کر بھیجنا ان کے لئے زیادہ مفید ہے اور اس سے استفادہ سہل اور آسان ہے کیونکہ اگر فرشتہ، جن یا کسی اور جنس سے ان کے لئے رسول بھیجا جاتا تو وہ اس کو نہ دیکھ سکتے نہ اس کی بات سن سکتے اور نہ اس کے اعمال کی اتباع اور اقتداء کر سکتے یہ تو اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا امتنان اور احسان ہے کہ اس نے انسان کے لئے ان کی جنس سے انسان کو رسول بنا کر بھیجا۔

اس لیے ارشاد فرمایا: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (آل عمران: 164)

بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنین پر بہت بڑا احسان فرمایا کہ اس نے ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (الجمعہ: 2)

وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (التوبہ: 128)

بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آگئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کی تھی کہ اے اللہ عزوجل! اہل مکہ میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیج دے۔

قرآن مجید میں ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (البقرہ: 129)

اے ہمارے رب! ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیج دے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ (یوسف: 109)

اور ہم نے آپ سے پہلے صرف مردوں کو رسول بنا کر بھیجا ہے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔

ان دلائل سے واضح ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا بشر ہونا ہمارے لیے وجہ احسان ہے ورنہ اگر فرشتہ ہوتا تو کوئی شخص بھی

احکام من وعن بجانہ لاسکتا اور نہ ہی ان سے استفادہ حاصل کرسکتا۔

کفار کا انبیاء کرام علیہم السلام کو بشر کہنے کی وجوہ

کفار انبیاء کرام علیہم السلام کو بشر اس لیے کہتے تھے کہ وہ بشریت کو نبوت کے منافی سمجھتے تھے وہ کہتے تھے کہ نبی کے لیے فرشتہ ہونا ضروری ہے۔

قرآن مجید نے کفار کا قول نقل فرمایا ہے۔

وَاَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ○ (الانبیاء:3)

اوران ظالموں نے چپکے چپکے سرگوشی کی یہ تو تمہاری ہی مثل بشر ہے کیا تم دیکھنے کے باوجود جادو میں جارہے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے کفار کا یوں رد فرمایا:

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ○ (الانعام:9)

اور اگر ہم رسول کو فرشتہ بناتے تو اسے مرد ہی بناتے اور ہم ان پر وہی شبہ ڈال دیتے جو شبہ وہ کر رہے ہیں۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نور

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے جس پر قرآن مجید واحادیث مبارکہ واقوال بزرگان دین شاہد ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ (مائدہ:15)

تحقیق تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا نور آ گیا۔

مفسرین کے اقوال

اس آیت کی تفسیر میں فرمایا گیا کہ نور سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہے۔

امام جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام جلال الدین محلی متوفی 863ھ فرماتے ہیں:

نور سے مراد نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔(تفسیر جلالین:ص:97 مطبوعہ اصح المطابع دہلی)

علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قوجوی کا قول

علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ متوفی 951ھ فرماتے ہیں:

مفسرین کا یہ قول ہے کہ یہاں نور سے مراد (سیدنا) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔

(تفسیر بیضاوی:ج:2،ص:307 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

علامہ علاؤ الدین علی بن محمد بغدادی کا قول

علامہ علاؤ الدین علی بن محمد بغدادی متوفی 741ھ فرماتے ہیں:

اس آیت کریمہ میں نور مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ نے انہیں نور اس لیے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے جس طرح کہ اندھیری میں نور سے ہدایت لی جاتی ہے۔ (تفسیر خازن: ج:2،ص:23 مطبوعہ مکتبۃ التجاریہ مصر)

علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی کا قول

علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی متوفی 710ھ فرماتے ہیں:

نور سے مراد محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت ملتی ہے جس طرح کہ رب عزوجل نے انہیں سورج فرمایا۔ (تفسیر مدارک التنزیل: ج:1،ص:276 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

حضرت احمد بن محمد صاوی مالکی کا قول

علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی خلوتی متوفی 1241ھ فرماتے ہیں:

رب تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو نور اس لیے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بصارتوں کو نورانی کرتے ہیں اور کامیابی کی طرف ہدایت دیتے ہیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہر حسی اور معنوی نور کی اصل ہیں۔

(تفسیر صاوی حاشیہ جلالین: ج:1،ص:258 مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر)

علامہ اسماعیل حقی حنفی کا قول

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی 1137ھ فرماتے ہیں:

نور سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے۔

(تفسیر روح البیان: ج:2،ص:447 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما متوفی 68ھ فرماتے ہیں:

بے شک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا نور یعنی محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

(تنویر المقباس: ص:72 مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر)

امام حسین بن مسعود بغوی کا قول

امام حسین بن مسعود بغوی متوفی 516ھ فرماتے ہیں:

تمہارے پاس نور آنے سے مراد محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (تفسیر بغوی: ج:2،ص:22 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

امام علی بن احمد واحدی کا قول

امام علی بن احمد الواحدی متوفی 468ھ فرماتے ہیں:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے۔

(الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز: ج:1،ص:313 مطبوعہ الدار الشامیہ بیروت)

علامہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی کا قول

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے فرمان مقدسہ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ کے متعلق حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وہ نور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (زاد المسیر: ج:2،ص:316 مطبوعہ مکتب الاسلامیہ بیروت)

امام عبدالرحمٰن بن محمد مخلوف ثعالبی کا قول

امام عبدالرحمٰن بن محمد مخلوف ثعالبی متوفی 875ھ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے فرمان مقدسہ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ سے مراد نور سیدنا محمد مصطفیٰ ہیں۔ (الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن: ج:1، ص:453 مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی مطبوعات بیروت)

امام محمد بن محمد عمادی ابو مسعود کا قول

امام محمد بن محمد عمادی ابو مسعود متوفی 951ھ فرماتے ہیں:

نور سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (تفسیر ابو مسعود: ج:3،ص:18 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ محمد بن علی شوکانی متوفی کا قول

غیر مقلدوں کے امام محمد بن علی شوکانی متوفی 1250ھ فرماتے ہیں:

حضرت زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وہ نور محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(تفسیر فتح القدیر: ج:2،ص:23 مطبوعہ دار الفکر بیروت) (تفسیر قرطبی: ج:6،ص:118 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

احادیث مبارکہ سے نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت

کثیر احادیث مبارکہ ایسی ہیں کہ جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ثابت ہوتا ہے جو کہ درج ذیل ہیں۔

حدیث مبارکہ: 1

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہوں مجھے خبر عطا فرمائیے کہ سب اشیاء سے پہلے
لٰی نے کس چیز کو پیدا فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے جابر (رضی اللہ عنہ) اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں سے پہلے تیرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو اپنے نور سے پیدا
پھر وہ نور قدرت الٰہی عزوجل سے جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا سیر کرتا رہا اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم نہ جنت نہ دوزخ نہ
تھے نہ آسمان نہ زمین نہ چاند نہ سورج نہ جن تھے اور نہ ہی انسان تھے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اور مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو
ر کے چار حصے کیے۔

1- ایک حصہ قلم سے

2- دوسرے سے لوح محفوظ

3- تیسرے سے عرش وغیرہ پیدا فرمایا۔ (مواہب اللدنیہ: ج:1 ص:71 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

ث مبارکہ:2

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کی اولاد کو ان کے سامنے کیا انہوں نے ایک دوسرے پر فضائل
ھا تو پھر مجھے پھیلتے ہوئے نور کی صورت میں دیکھا تو پوچھا۔

ے اللہ عزوجل! یہ کون ہے؟

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یہ تیرا فرزند احمد ہے وہ اول آخر اور سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہے۔

دلائل النبوۃ للبیہقی: ج:5 ص:483 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ث مبارکہ:3

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبوت کس وقت ثابت ہوئی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب حضرت آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (سنن ترمذی: ص: 519 مطبوعہ نور محمد کارخانہ کراچی)

حدیث مبارکہ: 4

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے اپنے والد محترم حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے انہوں نے اپنے والد محترم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہم حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے چودہ ہزار برس پہلے اپنے رب تعالیٰ کے ہاں ایک نور تھے۔

(خصائص الکبریٰ: ج: 1 ص: 7 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حدیث مبارکہ: 5

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا۔

مجھے کچھ نعت شریف پڑھنے کی اجازت عطا فرمائیے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہاں پڑھیے!

تو انہوں نے ایک نعتیہ قصیدہ پڑھا جس میں دو شعر یہ بھی تھے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے زمین اور کنارہ آسمان چمک گئے۔ تو ہم اس نور اور روشنی میں ہیں اور اسی سے ہدایت کے راستے طے کر رہے ہیں۔

(معجم الکبیر: ج: 4 ص: 213 مطبوعہ مطبعۃ الزہراء عراق)

حدیث مبارکہ: 6

حضرت کعب الاحبار سے روایت ہے کہ

جب نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبد المطلب کو ملا تو ان کے جسم سے مشک کی خوشبو آتی تھی اور نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پیشانی سے چمکتا تھا حضرت عبد المطلب ایسے مقبول الدعا تھے کہ مکہ والے ان کو سامنے رکھ کر بارش کی دعا کرتے تو بارش آتی تھی اس نور کی وجہ سے ابرہہ کے ہاتھیوں نے حضرت عبد المطلب کو سجدہ کیا۔

(مواہب اللدنیہ: ص: 21 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حدیث مبارکہ: 7

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

شب ولادت کے وقت حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے ایسا نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم دیکھا کہ مشرق و مغرب ان

پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش مبارکہ ہوئی اور پیدا ہوتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ فرمایا۔

(دلائل النبوہ لابی نعیم: ج:1،ص:76 مطبوعہ دارالنفائس بیروت)

حدیث مبارکہ:8

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ان کی والدہ محترمہ نے ان سے بیان کیا کہ جب ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت آیا تو میں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی میں دیکھ رہی تھی کہ ستارے آسمان سے نیچے ڈھلک کر قریب ہو رہے ہیں حتیٰ کہ میں نے محسوس کیا کہ وہ میرے اوپر گر پڑیں گے پھر جب ولادت پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہوئی تو سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا سے ایسا نور نکلا جس سے پورا گھر جس میں ہم تھے اور حویلی جگمگ کرنے لگی اور مجھے ہر چیز میں نور ہی نظر آیا۔ (معجم الکبیر: ج:25،ص:186 مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم موصل)

حدیث مبارکہ:9

امام احمد بن حنبل متوفی 241ھ روایت کرتے ہیں۔

میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور میری والدہ ماجدہ نے دیکھا کہ ان کے جسم اطہر سے ایک نور نکلا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ (مسند احمد: رقم الحدیث:22315)

حدیث مبارکہ:10

ہند بن ابی ہالہ سے روایت ہے کہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم عظمت والے وجاہت والے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور ایسا جگمگاتا تھا جیسے چودھویں رات کا چاند۔ (الشمائل المحمدیہ والخصائل المصطفویہ: ص:34 مطبوعہ دار الثقافیہ بیروت)

حدیث مبارکہ:11

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے دندان مبارک کے درمیان کھڑکی تھی جب کلام فرماتے تو دانتوں مبارکہ سے نور نکلتا

(سنن دارمی: رقم الحدیث:58)

حدیث مبارکہ:12

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

میں سحری کے وقت سی رہی تھی مجھ سے سوئی گر گئی میں نے اس کو ڈھونڈا لیکن وہ مجھے نہیں ملی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کی شعاع سے وہ سوئی مل گئی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے حمیرا!! افسوس ہو۔ پھر تین بار ارشاد فرمایا اس شخص کے لئے افسوس ہو جو میرا چہرہ دیکھنے سے محروم رہا۔

(خصائص الکبریٰ: ج:1، ص:107 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حدیث مبارکہ:13

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک چاندنی رات میں دیکھا میں کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتا اور چاند کی طرف ۔بخدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے نزدیک چاند سے زیادہ حسین تھے۔(سنن دارمی: رقم الحدیث:57)

علماء کرام کے اقوال

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے متعلق علماء کرام کے اقوال درج ذیل ہیں۔

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی شرح میں فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نور سے پیدا کیا جو عین ذات الٰہی ہے۔

(شرح زرقانی: ج:1، ص:55 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

علامہ شاہ عبد الغنی نابلسی کا قول

علامہ شاہ عبد الغنی نابلسی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں۔

ہر چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے بنائی گئی ہے جس طرح کہ احادیث مبارکہ صحیحہ میں وارد ہوا۔

(الحدیقۃ الندیہ: ج:2، ص:375 مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

امام ابن الحاج مالکی کا قول

امام ابن الحاج مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سب سے پہلے نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا اور اس نور سے تمام اشیاء کو پیدا فرمایا پس نور عرش نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے نور قلم نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لوح محفوظ کا نور نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ دن کا نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ معرفت کا نور شمس وقمر کا نور اور آنکھوں کا نور نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔

(المدخل لابن الحاج: ج:2، ص:34 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

علامہ شہاب سید محمود آلوسی بغدادی کا قول

علامہ شہاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی متوفی 1270ھ فرماتے ہیں:

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب کے لئے رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ممکنات پر نازل ہونے والے فیض الٰہی کا ان کی قابلیتوں کے مطابق واسطہ ہیں۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور سب سے پہلی مخلوق تھا۔

حدیث شریفہ میں ہے۔

اے جابر رضی اللہ عنہ! اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا فرمایا۔

یہ بھی آیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والا اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔ (تفسیر روح المعانی: ج:17 ص:105 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

امام ابن حجر مکی ہیتمی کا قول

امام ابن حجر مکی ہیتمی متوفی 974ھ لکھتے ہیں:

عبدالرزاق نے جو حدیث مبارکہ بیان کی ہے یہ وہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے اپنے نور سے نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا۔

(فتاویٰ حدیثیہ: ص:247 مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر)

عبدالحق محدث دہلوی کا قول

عبدالحق محدث دہلوی متوفی 1052ھ لکھتے ہیں:

در حدیث صحیح وارشدہ کہ اول ما خلق اللہ نوری۔ (مدارج النبوہ: ج:2 ص:2 مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

علامہ نظام حسین بن محمد قمی

علامہ نظام حسین بن محمد قمی متوفی 728ھ لکھتے ہیں:

جیسے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا کیا۔

(تفسیر نیشاپوری: ج:8 ص:66 مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر)

علامہ ملا علی بن سلطان محمد القاری کا قول

علامہ ملا علی بن سلطان محمد القاری حنفی متوفی 1014ھ فرماتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نور کا اطلاق کیا گیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندھیروں سے نور کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔

بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ

نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد قرآن ہے یہ دونوں قرآن مجید کے وصف ہیں اور عطف کے لئے لفظی تغایر کافی ہے ان کے مقابلہ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس سے کیا چیز مانع ہے کہ یہ دونوں لفظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور صفت ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور عظیم ہیں کیونکہ انوار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل ظہور ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب مبین ہیں

کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسرار کے جامع ہیں اور احکام، احوال اور اخبار کے ظاہر کرنے والے ہیں۔

(شرح الشفا علی ہامش نسیم الریاض: ج:1،ص:114 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کا قول

صدر الا فاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی 1367ھ لکھتے ہیں:

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نور فرمایا گیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تاریکی کفر دور ہوئی اور راہ حق واضح ہوئی۔ (خزائن العرفان: ص:176 مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد الفاسی المالکی کا قول

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد الفاسی المالکی اشہر با بن الحاج متوفی 737ھ لکھتے ہیں:

امام ابو عبد الرحمٰن الصقلی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الدلات میں نقل کیا ہے جس کی عبارت یہ ہے۔

اللہ عزوجل نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کی جو اس کو اس امت سے زیادہ محبوب ہو اور نہ اس امت کے نبی سے زیادہ کوئی عزت والا پیدا کیا ہے اور ان کے بعد نبیوں کا مرتبہ ہے پھر صدیقین کا اور پھر اولیاء کرام کا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا فرمایا اور وہ نور عرش کے ستون کے سامنے اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تقدیس کرتا رہا پھر سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کے نور سے باقی انبیاء کرام علیہم السلام کے نور کو پیدا کیا۔

اس کے بعد علامہ ابن الحاج لکھتے ہیں:

فقیہہ خطیب ابو الربیع نے اپنی کتاب شفاء الصدور میں چند عظیم باتیں لکھی ہیں۔

ان سے یہ روایت ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کو پیدا کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ وہ زمین پر جائیں اور زمین کے قلب سے مٹی لے کر آئیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام اور جنت کے فرشتے اور رفیق اعلیٰ کے فرشتے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی جگہ سے سفید نورانی مٹی لائے اس کو جنت کی نہروں کے پانی سے گوندھا گیا حتیٰ کہ وہ سفید موتی کی طرح ہو گئی اس مٹی کا نور تھا اور اس کی شعاع عظیم تھی حتیٰ کہ فرشتوں نے اسی مٹی کے ساتھ عرش، کرسی، آسمانوں، زمینوں، پہاڑوں اور سمندروں کے گرد طواف کیا اور فرشتوں نے اور تمام مخلوق نے سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کو پہچان لیا پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کی پشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مادہ خلقت کی مٹی رکھی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی پشت میں پرندوں کی آواز کی مانند اس کی آواز سنی۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب عزوجل! یہ کیسی آواز ہے؟

ارشاد فرمایا: یہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور کی تسبیح ہے وہ خاتم الانبیاء ہیں اللہ تعالیٰ ان کو تمہاری پشت سے نکالے گا تم میرے عہد اور میثاق پر قائم رہنا اور ان کو صرف پاکیزہ رحموں میں رکھنا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: میں تیرے عہد اور میثاق پر قائم ہوں اور ان کو صرف پاکیزہ مردوں اور پاکیزہ عورتوں میں رکھوں گا۔ حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں چمکتا تھا اور فرشتے ان کے پیچھے کھڑے ہو کر صف باندھے ہوئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو دیکھتے تھے اور سبحان اللہ کہتے تھے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں: اس روایت میں یہ ہے کہ

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو پیدا کیا اور یہ نور اللہ عزوجل کے سامنے سجدہ کرتا رہا پھر اللہ تعالیٰ نے اس نور کے چار حصے کیے۔

پہلے حصہ سے عرش کو پیدا کیا۔

دوسرے حصہ سے قلم کو پیدا کیا۔

تیسرے حصہ سے لوح کو پیدا کیا۔

پھر قلم سے ارشاد فرمایا:

چل لکھ!

اس نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں کیا لکھوں؟

ارشاد فرمایا:

میں قیامت تک جو کچھ پیدا کرنے والا ہوں۔ پھر قلم لوح پر چلنے لگا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وہ لکھ دیا۔ پھر چوتھا حصہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر اس نور کے چار حصے کیے۔

پہلے حصہ سے عقل کو پیدا فرمایا۔

دوسرے حصہ سے معرفت کو پیدا فرمایا اور اس کو لوگوں کے دلوں میں رکھا۔

تیسرے حصہ سے سورج اور چاند کے نور کو پیدا فرمایا اور آنکھوں کے نور کو پیدا فرمایا اور چوتھے حصہ کو اللہ تعالیٰ نے عرش کے گرد رکھا۔

حتیٰ کہ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو یہ نور ان میں ودیعت فرما دیا۔ پس عرش کا نور سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ہے اور قلم کا نور سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ہے اور لوح کا نور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ہے اور دن کا نور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ہے اور عقل کا نور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ہے اور معرفت کا نور آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ہے اور سورج، چاند اور آنکھوں کا نور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ہے۔

اس کے بعد علامہ ابن الحاج لکھتے ہیں:

اس معنیٰ میں بکثرت روایات ہیں جو ان پر مطلع ہونا چاہے وہ ابوالربیع کی کتاب الشفاء کا مطالعہ کرے اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اے وہ جو معنیٰ میں میرے باپ ہیں اور صورۃً میرے بیٹے ہیں۔

اور امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبوت کب ثابت ہوئی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ابھی حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (المدخل: ج:2، ص30 تا33 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

علامہ میر سید شریف جرجانی کا قول

علامہ میر سید شریف جرجانی متوفی 812ھ لکھتے ہیں:

حکماء نے کہا ہے کہ

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا ہے جس طرح کہ صریح حدیث میں وارد ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ

اس حدیث مبارکہ اور دوسری دو حدیثوں میں مطابقت ہے وہ حدیثیں یہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا۔

اور اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا۔

اور مطابقت اس طرح ہے کہ

معلول اول اس لحاظ سے کہ صرف اس کی ذات کا بہ حیثیت مبراء تعقل کیا جائے تو وہ عقل اور اس لحاظ سے کہ وہ موجودات اور نفوس علوم کے صدور میں واسطہ ہے تو وہ قلم ہے اور اس لحاظ سے کہ وہ انوار نبوت کے اضافہ میں واسطہ ہے وہ الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نور ہے۔ (شرح مواقف: ج:7، ص:254 مطبوعہ ایران)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی کا قول

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ

امام احمد اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہما نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا۔

پھر اس سے ارشاد فرمایا:

لکھ! تو اس نے قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس کو لکھ دیا۔

حضرت حسن، حضرت عطاء اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہم کا یہی مختار ہے اور ابن جریر اور ابن جوزی کا بھی یہی مذہب ہے

اور ابن جریر نے محمد بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نور اور ظلمت کو پیدا کیا پھر ان کو ممتاز کیا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو پیدا فرمایا تو ان مختلف روایات میں کس طرح موافقت ہوگی۔

میں کہتا ہوں کہ

ان میں موافقت اس طرح ہے کہ ہر چیز کی اولیت اضافی ہے اور ہر چیز اپنے بعد والوں کے اعتبار سے اول ہے۔

(عمدۃ القاری: ج:15، ص:109 مطبوعہ بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی کا قول

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

نور سے مراد نور عظیم ہے جو تمام انوار کا نور ہے اور وہ نبی مختار ہیں۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے اور یہ زجاج کا مختار ہے۔

ابو علی جبائی معتزلی نے کہا: نور سے مراد قرآن ہے کیونکہ وہ ہدایت اور یقین کے طریقوں کو منکشف کرتا ہے اور ظاہر کرتا ہے اور زمخشری نے اسی تفسیر پر اختصار کیا ہے اور اس صورت میں نور پر کتاب مبین کے عطف پر یہ اعتراض ہوگا کہ عطف تغائر کو چاہتا ہے اور جب دونوں سے مراد قرآن ہے تو تغائر کس طرح ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

یہاں عنوان کا تغائر کافی ہے معطوف علیہ میں قرآن مجید کو نور سے تعبیر کیا ہے اور معطوف میں اس کتاب مبین سے تعبیر کیا ہے اور عنوان کے تغائر کو تغائر بالذات کے قائم مقام کیا گیا ہے اور میرے نزدیک یہ بعید نہیں ہے کہ نور اور کتاب مبین سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور یہاں بھی صحت عطف کے لئے عنوان کا تغائر کافی ہوگا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نور اور کتاب مبین دونوں کے اطلاق کی صحت میں کوئی شک نہیں ہے۔ (روح المعانی: جز:6، ص:97 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری کا قول

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

(قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ) میں نور سے مراد سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے حق کو روشن کیا اسلام کو ظاہر کیا اور کفر کو مٹایا اسی نور کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ باتیں بیان فرما دیتے تھے جن کو یہودی چھپاتے تھے۔

(جامع البیان: ج:6،ص:220 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری کا قول

علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی 468ھ لکھتے ہیں:

(قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ میں نور سے مراد کے متعلق) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ (الوسیط: ج:2،ص:168 تا 169 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی حنفی کا قول

(قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ میں) نور سے مراد سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(تفسیر سمرقندی: ج:1،ص:424 مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی کا قول

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

(قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ میں) نور سے مراد سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(تفسیر کبیر: ج:3،ص:384 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے پر دیوبندیوں، وہابیوں کے اقوال

دیوبندیوں اور وہابیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو ثابت کیا ہے مگر افسوس آج کل کے دیوبندی، وہابی اپنے وڈیروں کے مذہب سے پھر گئے۔

اشرف علی تھانوی کا قول

دیوبندیوں کے پیشوا اشرف علی تھانوی نور محمدی کے باب میں لکھتے ہیں:

پہلی فصل نور محمدی کے بیان میں۔ اس فصل میں نور کی وہ تمام حدیثیں تحریر کرتے ہیں جو ہم بیان کر چکے ہیں اس ضمن میں لکھتے ہیں۔

(ف) اس سے نور محمدی کا اول الخلق ہونا باولیت حقیقت ثابت ہوا کیونکہ جن اشیاء کی نسبت روایات میں اولیت کا حکم ہے ان اشیاء کا نور محمدی سے تاخر ہونا اس حدیث میں منصوص ہے۔

(نشر الطیب: ص:6 مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور)

یہی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

نبی خود نور اور قرآن ملا نور
نہ ہو پھر مل کے کیوں نور علی نور

(ثلج الصدر،ص:2)

عبدالرحیم کا قول

شاہ عبدالرحیم لکھتے ہیں:

فرش سے عرش تک نوراور اعلیٰ فرشتے اسفل کی جنس سب کی سب حقیقت محمد یہ سے پیدا ہیں۔

حضور کا فرمان ہے۔

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا اور اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا اگر آپ نہ ہوتے تو اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔ (انفاس رحیمیہ،ص:13)

مولوی اسماعیل دہلوی کا قول

مولوی اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں:

چنانچہ روایت "اول ما خلق نوری" برآں دلالت می دارد یعنی جیسے کہ روایت اول ماخلق اللہ نوراس پر دلالت کرتی ہے۔ (یک روزہ،ص:11 مطبوعہ ملتان)

مولوی رشید گنگوہی کا قول

مولوی رشید گنگوہی لکھتے ہیں:

سوال اول ماخلق اللہ نوری اور لولاک لما خلقت الافلاک ۔ یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں یا وضعی؟

یہ حدیثیں صحاح میں موجود نہیں مگر شیخ عبدالحق نے اول ماخلق اللہ نوری کو نقل کیا ہے کہ اس کی کچھ اصل ہے۔

(فتاوٰی رشیدیہ،ص:157 مطبوعہ محمد سعید کمپنی کراچی)

مولوی اسماعیل کا دوسرا قول

مولوی اسماعیل لکھتے ہیں:

جو اندھا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور افشاں سے بے خبر ہے۔ (مذہب امامت،ص:16 مطبوعہ ہند)

ایک اور مقام پر راقم ہیں۔

لیکن برکت کا نازل ہونا تو اس کا بیان یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام کا وجود دنیا کو چمکانے والے سورج کی طرح ہے کہ اس کا نور دنیا میں پھیلتا ہے تو رات کی تاریکی دور ہو جاتی ہے۔

(منصب امامت،ص:16 مطبوعہ ہند)

مولوی حسین احمد کا قول

مولوی حسین احمد اپنا اور اپنے تمام دیوبندی علماء کا عقیدہ لکھتے ہیں:

ہمارے حضرات اکابر کے اقوال وعقائد کو ملاحظہ فرمایئے یہ جملہ حضرات ذات حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ سے اور ہمیشہ تک واسطہ فیوضات الٰہیہ وسراب رحمت غیر متناہیہ اعتقاد لیے بیٹھے ہوئے ہیں۔

ان کا عقیدہ یہ ہے کہ

ازل سے ابد تک جو رحمتیں عالم پر ہوئی ہیں اور ہوں گی عام ہے کہ وہ نعمت وجود کی ہو یا اور کسی قسم کی ان سب میں آپ کی ذات پاک اسی طرح پر واقع ہوئی ہے کہ پہلے آفتاب سے نور چاند میں آیا اور چاند سے نور ہزاروں آئینوں میں غرضیکہ حقیقت محمدیہ واسطہ جملہ کمالات عالم وعالمیان ہے یہ ہی معنیٰ لولاک لما خلقت الافلاک اور اول ما خلق اللہ نوری اور نبی الانبیاء کے ہیں۔ (کتاب الشہاب الثاقب:ص:50)

مولوی رشید کا دوسرا قول

مولوی رشید لکھتے ہیں:

اسی سبب سے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرمایا کہ تمہارے پاس حق تعالیٰ کی طرف سے نور اور کتاب مبین آئے۔

نور سے مراد حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے۔

نیز حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے آپ کو گواہ اور بشیر ونذیر اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا اور چمکانے والا سورج بنا بھیجا۔ منیر روشن کرنے والے اور نور دینے والے کو کہتے ہیں۔ (امداد السلوک:ص:85)

آگے مزید راقم ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے نور سے پیدا فرمایا اور مسلمانوں کو میرے نور سے پیدا فرمایا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کو اس طرح پاک فرمالیا کہ آپ خالص نور ہو گئے اور تواتر سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سایہ نہ رکھتے تھے اور ظاہر ہے کہ نور کے سوا تمام جسم سایہ رکھتے ہیں۔ (امداد السلوک:86)

نواب وحید الزمان کا قول

نواب وحید الزمان متوفی 1328ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے خلق کی ابتداء نور محمدی سے کی پھر عرش کو پیدا کیا پھر پانی کو پھر ہوا کو پھر دوات کو، قلم اور روح کو پیدا کیا

کو پیدا کیا پس آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے ان کی پیدائش کا مادہ اولیٰ نور محمدی ہے۔

(ہدیۃ المہدی: ص: 56 مطبوعہ سیالکوٹ)

اس تمام طویل بحث کا خلاصہ کلام یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو نور پیدا فرمایا ہے اور یہ نور حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے قبل کا ہے پھر بعد میں ودیعت ہوتے ہوتے اس دنیا میں تشریف لائے۔

نبی کو نام یا بشر یا بھائی وغیرہ کہنا حرام ہے

نبی جنس بشر میں آتے ہیں اور انسان ہی ہوتے ہیں جن یا بشر یا فرشتہ نہیں ہوتے یہ دنیاوی احکام ہیں ورنہ بشریت کی ابتداء آدم علیہ السلام سے ہوئی کیونکہ وہ ابوالبشر ہیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نبی ہیں جبکہ حضرت آدم علیہ السلام آب وگل میں ہیں۔

خود ہی ارشاد فرماتے ہیں:

کنت نبیا و اٰدم بین الماء والطین

اس وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں بشر نہیں سب کچھ صحیح لیکن ان کو بشر یا انسان کہہ کر پکارنا یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا کہ اے ابراہیم (علیہ السلام) کے باپ یا اے بھائی باوا وغیرہ برابری کے الفاظ سے یاد کرنا حرام ہے اور اگر اہانت کی نیت سے پکارا ہو تو کافر ہے۔

عالمگیری وغیرہ کتب فقہ میں ہے کہ

جو شخص حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ھذا الرجل یہ مرد کی اہانت سے کہے تو کافر ہے بلکہ یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ، یا شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم عظمت کے کلمات سے یاد کرنا لازم ہے۔ شعراء جو اشعار میں یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھ دیتے ہیں وہ تنگی موقع کی وجہ سے پڑھنے والے کو لازم ہے کہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ لے۔

اسی طرح جو کہتے ہیں کہ

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحیٰ تیرا

یہ تیرا انتہائی ناز کا کلمہ ہے جیسے اے آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تیرے قربان اے ماں تو کہاں ہے۔

اے اللہ عزوجل تو ہم پر رحم فرما۔

اس تو اور تیرے کی حیثیت اور ہے۔

1۔ قرآن کریم میں ہے۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (نور: 63)

رسول کو پکارنے کو ایسا نہ ٹھہرالو جیسا کہ تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تم کو خبر نہ ہو۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝

(پارہ:26، الحجرات: آیت نمبر:2)

اور ان کے خصوصیات چلا کر نہ کہو جیسے ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تم کو خبر نہ ہو۔ ضبطی اعمال کفر کی وجہ سے ہوتی ہے۔

مدارج جلد اول وصل از جملہ رعایت حقوق اولیت میں ہے۔

نبی علیہ السلام کو ان کا نام پاک لے کر نہ بلاؤ جیسے بعض بعض کو بلاتے ہیں۔

بلکہ یوں کہو۔

یارسول اللہ! یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تو قیر وعزت کے ساتھ۔

تفسیر روح البیان زیر آیت لَا تَجْعَلُوْا ہے۔

معنیٰ یہ ہیں کہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا یا نام لینا ایسا نہ بناؤ جیسا کہ بعض بعض کو نام سے پکارتے ہیں۔

جیسا کہ

یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور یا ابن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وغیرہ۔

لیکن ان کے عظمت والے القاب سے پکارو جس طرح کہ

یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یایھا النبی یایھا الرسول ۔ (تفسیر روح البیان: ج:6، ص:240 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ان آیت قرآنیہ اور اقوال مفسرین سے معلوم ہوا کہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب ہر حال میں ملحوظ رکھا جائے، نداء میں کلام میں ہر ادا میں دنیاوی عظمت والوں کو بھی ان نام لے کر نہیں پکارا جاتا۔

ماں کو والدہ صاحبہ

باپ کو والد ماجد

بھائی کو بھائی صاحب

(ان) جیسے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔

اگر کوئی اپنی ماں کو باپ کی بیوی

یا باپ کو ماں کا شوہر کہے

یا اس کا نام لے کر پکارے

یا اس کو بھیا وغیرہ کہے تو اگر چہ بات تو سچی ہے مگر بے ادب و گستاخ کہا جائے گا کہ برابری کے کلمات سے کیوں یاد کیا۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو خلیفۃ الاعظم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نام سے پکارنا یا بھائی وغیرہ (یا بشر) کہنا حرام ہے۔

گھر میں بہن، بیوی، ماں، بیٹی سب ہی عورتیں ہیں مگر ان کے نام و کام و احکام جدا گانہ جو ماں کو بیوی یا بیوی کو ماں کہہ کر پکارے وہ بے ایمان ہی ہے اور جوان سب کو ایک نگاہ سے دیکھے وہ مردود ہے ایسے ہی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو امتی یا امتی کو نبی کی طرح سمجھے وہ ملعون ہے۔

دیو بندیوں نے نبی کو امتی کا درجہ دیا انہوں نے پیشوا مولوی اسماعیل نے سید احمد بریلوی کو نبی کے برابر کرسی دی دیکھو صراط المستقیم کا خاتمہ، معاذ اللہ۔

رب تعالیٰ جس کو خاص درجہ عطا فرمائے اس کو عام القاب سے پکارنا اس کے ان مراتب عالیہ کا انکار کرنا ہے اگر دنیاوی سلطنت کی طرف سے کسی کو نواب یا خان بہادر کا خطاب ملے تو اس کو آدمی کا بچہ یا بھائی وغیرہ کہنا اور ان القاب کو یاد نہ کرنا حرام ہے۔

اس کا مطلب تو یہ ہے کہ

تم حکومت کے عطا کئے ہوئے ان خطابات سے ناراض ہو تو جس ذات عالی کو رب عزوجل سے نبی و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب ملے اس کو ان القاب کے علاوہ بھائی وغیرہ کہنا جرم ہے۔

خود پروردگار عزوجل نے قرآن مجید میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا اخا مومنین کہہ کر نہ پکارا بلکہ

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ

یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ

یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ

وغیرہ وغیرہ پیارے القاب سے پکارا حالانکہ وہ رب عزوجل ہے تو ہم غلاموں کو کیا حق ہے کہ ان کو بشر یا بھائی کہہ کر پکاریں۔

قرآن مجید نے کفار کا یہ طریقہ بتایا ہے کہ

وہ انبیاء کرام علیہم السلام کو بشر کہتے تھے۔

قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (پارہ:22، سورہ یٰسین:36، آیت:15)

کافر بولے نہیں ہو تم مگر ہم جیسے بشر۔

اور جگہ فرمایا گیا۔

وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ (پارہ:18، سورہ المومنون:23، آیت:34)

اگر تم نے اپنے جیسے بشر کی پیروی کی تو تم نقصان والے ہو۔

اس قسم کی بہت سی آیات کریمہ ہیں۔

اسی طرح مساوات بتانا یا انبیاء کرام علیہم السلام کی شان گھٹانا طریقہ ابلیس ہے کہ

اس نے کہا:

خلقتنی من نار و خلقة من طين

خدایا تو نے مجھے آگ سے اور ان کو مٹی سے پیدا فرمایا۔

مطلب یہ ہے کہ

ان سے افضل ہوں۔ اسی طرح اب یہ کہنا کہ ہم میں اور پیغمبروں میں کیا فرق ہے ہم بھی بشر وہ بھی بشر بلکہ ہم زندہ وہ مردہ

یہ سب ابلیسی کلام ہے۔ (سعید الحق فی تخریج جاء الحق: ص:394 مکتبہ غوثیہ کراچی)

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ فرماتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح نہ پکارو جس طرح تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو اور یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ کہو بلکہ

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہو۔ (تفسیر کبیر: ج:2، ص:425 مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ لاہور)

ابو عبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی متوفی 671ھ فرماتے ہیں:

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو) نرمی اور آہستگی کے ساتھ

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

کہہ کر پکارو اور ترش روئی کے ساتھ

یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

نہ کہا کرو۔ (قرطبی: ج:12، ص:294 مکتبہ حقانیہ پشاور)

شیخ ابو محمد تریدی متوفی 333ھ فرماتے ہیں:

جب تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارو تو تمہارا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا ایسا نہ ہو جس طرح تم ایک دوسرے کو نام کے ساتھ پکارتے ہو ہاں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے نام سے پکارو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح خاص ہو کہ تم یہ بھی جانتے ہو کہ یہ نام تمہارے درمیان خاص ہے اور تمہاری مثل بھی نہیں جس طرح کہ

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یانبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) (تاویلات اہل سنت: ج:3، ص:486 مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

علامہ حسین بن مسعود بغوی متوفی 516ھ فرماتے ہیں:

حضرت مجاہد اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے پکارتے ہوئے

یامحمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

یاعبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

نہ کہا کرو جس طرح تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرو اور عاجزی اور نرمی کے ساتھ

یانبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

کہا کرو۔ (تفسیر بغوی: ج:3، ص:359 مطبوعہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

امام ابوعبداللہ احمد بن محمود نسفی متوفی 710ھ فرماتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا اس طرح نہ بنالو جس طرح تم ایک دوسرے کو اپنے والدین کے رکھے ہوئے نام سے بلاتے ہو اور

یامحمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

نہ کہا کرو لیکن تعظیم وتوقیر اور نرم آواز کے ساتھ

یانبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

کہا کرو۔ (مدارک التنزیل: ج:3، ص:522 مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور)

علامہ علاؤالدین علی بن محمد الخازن متوفی 741ھ فرماتے ہیں:

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ

نبی کو آپ کے نام سے پکارو جس طرح تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو اور

یامحمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

یاعبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نہ کہا کرو لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور عظمت بیان کرتے ہوئے نرمی اور عاجزی کے ساتھ

یانبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

کہا کرو۔(تفسیر خازن: ج:3،ص:365 مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

علامہ جلال الدین محلی متوفی 863ھ فرماتے ہیں:

تمہارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا اوران کا نام لینا ایسا نہ ہو جس طرح تم ایک دوسرے کو نام سے پکارتے ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

یامحمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

کہتے رہو بلکہ عاجزی اور نرمی اور نرم لہجے میں

یانبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

کہا کرو۔(جلال الدین مع حاشیہ الجمل: ج:5،ص:323 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

ابوبکر احمد رازی لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عاجزی اور تعظیم کے ساتھ

یانبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

کہہ کر پکارو اور

یامحمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

نہ کہا کرو جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔(احکام القرآن جصاص: ج:3،ص:490 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

امام ابوجعفر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں پکارو

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

نرمی اور عاجزی کے ساتھ (اور)
یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
نہ کہا کرو۔ (تفسیر طبری: ج:19، ص:229 مطبوعہ موقع مجمع الملک المصحف الشریف)

علامہ ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی متوفی 375ھ لکھتے ہیں:
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نام کے ساتھ۔
محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
نہ پکارو جس طرح تم ایک دوسرے کو نام سے پکارتے ہو لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کرو اور
یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
یا ابا القاسم (صلی اللہ علیہ وسلم)
کہا کرو۔ (تفسیر سمرقندی: ج:3، ص:232 مطبوعہ مکتبہ شاملہ)

تفسیر اللباب لابن عادل میں ہے۔
حضرت سعید بن جبیر اور کثیر جماعت نے فرمایا:
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے پکارتے ہوئے
یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
نہ کہا کرو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت سے پکارتے ہوئے
یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
کہا کرو۔ (تفسیر اللباب لابن عادل: ج:12، ص:153 مکتبہ شاملہ)

علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی 538ھ لکھتے ہیں:
اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لینے اور پکارنے کو اسی طرح نہ بنالو جس طرح تم ایک دوسرے کو اپنے والدین کے رکھے ہوئے ناموں سے پکارتے ہو اور
یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
کہہ کر نہ پکارو لیکن تعظیم وتوقیر، آہستہ آواز اور عاجزی کے ساتھ
یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

کہہ کر پکارا کرو۔ (کشاف: ج:3، ص:260 مطبوعہ دارالکتب العربی بیروت)

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ فرماتے ہیں:

ابن ابی حاتم نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے اس آیت میں روایت کیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نرمی اور عاجزی کے ساتھ

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

کہہ کر پکارو اور ترش روی کے ساتھ

یامحمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

نہ کہا کرو۔ (درمنثور: ج:6، ص:211 مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی 1137ھ فرماتے ہیں:

اس کا مطلب یہ ہے کہ

تمہارا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا اور ان کا نام لینا ایسا نہ ہو جس طرح تم ایک دوسرے کو کہہ کر پکارتے ہو جس طرح کہ

یامحمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

یاابن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

اور بلند آواز سے دور سے آواز یا باہر ہی سے آواز بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عظیم لقب سے جس طرح کہ

یانبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

جس طرح خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یایھا النبی

یایھا الرسول۔ (تفسیر روح البیان: ج:9، ص:181 مکتبہ شاملہ مکہ مکرمہ)

علامہ شیخ سلمان جمل متوفی 1204ھ فرماتے ہیں:

تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتے ہوئے

یامحمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

اور کنیت کے ساتھ پکارتے ہوئے

یاابا القاسم (صلی اللہ علیہ وسلم)

نہ کہا کرو بلکہ تعظیم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

کہتے ہوئے ندا کرو اور مخاطب کرو۔ (حاشیۃ الجمل علی الجلالین: ج:5،ص:323 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

احمد بن صاوی متوفی 1241ھ فرماتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دوسرے کی طرح نہ پکارو یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نام اقدس سے پکارتے ہوئے

یامحمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

نہ کہا کرو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت سے پکارتے ہوئے

یاابا القاسم (صلی اللہ علیہ وسلم)

مت کہا کرو بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہونا ہو یا پکارنا ہو تو تعظیم وتوقیر سے پکارو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یاامام المرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم)

یارسول رب العالمین (صلی اللہ علیہ وسلم)

یاخاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وسلم)

وغیرہ پکارا کرو اس آیت کریمہ سے یہ بھی فائدہ حاصل ہوا کہ وہ الفاظ جن میں تعظیم نہ ہو ان کے ساتھ نبی کو پکارنا جائز نہیں نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ مقدسہ کو ہلکا جانا وہ کافر ہے اور دنیا و آخرت میں ملعون ہوگا۔

(تفسیر صاوی: ج:4،ص:1421 مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

علامہ فضل رسول بدایونی متوفی 1289ھ فرماتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ظاہر و باطن ہر حالت میں واجب ہے۔

اللہ عزوجل نے فرمایا:

رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جس طرح کہ تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو ان کی آواز سے اپنی آواز کو بلند کرتے ہوئے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نام سے پکارتے ہوئے

یامحمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

یامحمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

نہ کہا کرو بلکہ

یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

کہا کرو جس طرح خود اللہ تعالٰی نے خطاب فرمایا ہے۔ (المعتقد والمنتقد: ص139 تا140 مطبوعہ برکاتی پبلشرز کراچی)

قاضی عیاض مالکی متوفی 544ھ فرماتے ہیں:

ابو محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام میں سبقت نہ کرو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برے خطاب سے نہ پکارو۔

اور جس طرح تم ایک دوسرے کو نام سے پکارتے ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پکارو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کرو۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان عظیم الفاظ سے پکارو جن کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا واجب ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

کہہ کر پکارو اور یہ اسی آیت کی طرح ہے۔

اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا ط

ترجمہ: رسول کو پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرا لو جیسا تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ (الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی: ج:2، ص:40 مطبوعہ وحید کتب خانہ پشاور)

ملا علی قاری متوفی 1014ھ فرماتے ہیں:

اور جس طرح تم ایک دوسرے کو اپنے والدین کے رکھے ہوئے ناموں سے پکارتے ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے نہ پکارو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری و باطنی تعظیم وتوقیر کرو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان عظیم القابات سے پکارو جن کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا محبوب ہے یعنی جن کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا جانا اچھا لگتا (یعنی) نبوت و رسالت کے اوصاف کے ساتھ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یا نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یا حبیب اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یا خلیل اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
کہہ کر پکارا کرو اور یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور بعد از وصال بھی ہے۔

(شرح الشفاء: ج:3، ص:386 مطبوعہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی متوفی 1340ھ سے سوال کیا گیا۔
زید کا قول یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مثل ایک بشر تھے کیونکہ قرآن عظیم میں ارشاد ہے کہ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اور خصائص بشریت بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میں بلا شبہ موجود تھے کیا کھانا پینا، جماع کرنا، بیٹا ہونا، باپ ہونا، کفو ہونا، سونا وغیرہ امور خواص بشریت سے نہیں ہیں۔ جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میں بلا شبہ موجود تھے اگر کوئی بشریت کی بنا پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مساوات کا دعویٰ کرنے لگے تو یہ نالائق حرکت ہے جیسا کہ عارف بسطامی سے منقول ہے کہ لوائی ارفع من لواء محمد صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی میرا جھنڈا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے سے بلند ہے)؟

اس کے جواب میں آپ رحمۃ اللہ علیہ رقم ہیں۔

جواب

مستفتی کو تعجیل اور فقیر بتیس روز سے علیل اور مسئلہ ظاہر و بین غیر محتاج دلیل لہٰذا صرف ان اجمالی کلمات پر اختصار ہوتا ہے۔
زید کا قول مسلمانوں کا قول ہے اور زید نے وہی کہا جو کافر کہا کرتے تھے قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا کافر بولے! تم تو نہیں مگر ہم جیسے آدمی بلکہ زید مدعی اسلام کا قول ان کافروں کے قول سے بعید تر ہے وہ جو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنا سا بشر سمجھتے تھے اس لیے کہ ان کی رسالت سے منکر تھے کہ " قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ٥ ' '' تم تو نہیں مگر ہماری مثل بشر، اور رحمٰن نے کچھ نہیں اتارا تم نرا جھوٹ کہتے ہو' واقعی جب ان خبثا کے نزدیک وحی نبوت باطل تھی تو انہیں اپنی سی بشریت کے سوا کیا نظر آتا لیکن ان سے زیادہ دل کے اندھے وہ کہ وحی نبوت کا اقرار کریں اور پھر انہیں اپنا سا بشر جانیں۔ زید کو قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ سوجھا اور یوحی الی نہ سوجھا جو غیر متناہی فرق ظاہر کرتا، زید نے اتنا ہی ٹکڑا لیا جو کافر لیتے تھے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بشریت حضرت جبرائیل علیہ السلام کی ملکیت سے اعلیٰ ہے وہ ظاہری صورت میں ظاہر بینوں کی آنکھوں میں بشریت رکھتے تھے جس سے مقصود خلق کا ان سے انس حاصل کرنا اور ان سے فیض پانا لہٰذا ارشاد فرماتا ہے۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ٥
اور اگر ہم فرشتے کو رسول کر کے بھیجتے تو ضرور اسے مرد ہی کی شکل میں بھیجتے اور ضرور انہیں اس شبہ میں رکھتے جس دھوکے

میں اب ہیں۔ظاہر ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ظاہری صورت دیکھ کر انہیں اوروں کی مثل بشر سمجھنا ان کی بشریت کو اپنا جاننا ظاہر بینوں کو اباطنوں کا دھوکہ ہے۔شیطان کے دھوکے میں پڑے ہیں۔

ہمسری باولیا بر داشتند

انبیاء را ہمچو خود پند اشتند

ان کا کھانا پینا،سونا یہ افعال بشری اس لیے نہیں کہ وہ ان کے محتاج ہیں۔

حاشا لست کاحدکم انی ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی

ان کے یہ افعال بھی اقامت سنت وتعظیم امت کے لئے تھے کہ ہر بات میں طریقہ محمودہ لوگوں کو عملی طور سے دکھائیں سکھائیں جیسے ان کا سہو ونسیان۔

حدیث مبارکہ میں ہے۔

ان لاانسی ولکن انسی لیستن بی

میں بھولتا نہیں بھلایا جاتا ہوں تا کہ حالت سہو میں امت کو طریقہ سنت معلوم ہو۔

امام اجل محمد عبدری ابن الحاج مکی قدس سرہ مدخل میں فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال بشری کھانا پینا،سونا، جماع اپنے نفس کریم کے لئے نہ فرماتے تھے بلکہ بشر کو انس دلانے کے لئے کہ ان افعال میں حضور کی اقتداء کریں کیا نہیں دیکھتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں اور مجھے ان کی کچھ حاجت نہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھے تمہاری دنیا میں سے خوشبو اور عورتوں کی محبت دلائی گئی۔

یہ نہ فرمایا کہ

میں نے انہیں دوست رکھا۔

اور ارشاد فرمایا:

تمہاری دنیا میں سے تو اسے اوروں کی طرف اضافت فرمایا نہ اپنے نفس کریم کی طرف صلی اللہ علیہ وسلم!

معلوم ہوا کہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے مولیٰ عزوجل کے ساتھ خاص ہے جس پر یہ ارشاد کریمہ دلالت کرتا ہے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی۔تو حضور نور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہر صورت بشری اور باطن ملکی ہے تو حضور نور صلی اللہ علیہ وسلم یہ افعال بشری محض اپنی امت کو انس دلانے اور ان کے لئے شریعت قائم فرمانے کے واسطے کرتے تھے نہ یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں سے کسی چیز کی حاجت ہو جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے انہیں اوصاف جلیلہ وفضائل حمیدہ سے جہل

عث بے چارے جاہل یعنی کافر نے کہا اس رسول کو کیا ہوا کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔ عمرو نے سچ کہا کہ یہ قول حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے نہ فرمایا بلکہ اس کے فرمانے پر مامور ہوئے جس کی حکمت تعلیم، تواضع و تانیس امت وسد غلو نصرانیت ہے۔ اول، دوم، ظاہر اور سوم یہ کہ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی امت نے ان کے فضائل پر خدا اور خدا کا بیٹا کہا پھر فضائل محمد یہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ کی عظمت شان کا اندازہ کون کر سکتا ہے یہاں اس غلو کے سد باب کے لئے تعلیم باب کے لئے تعلیم فرمائی گئی کہ کہو میں تم جیسا بشر ہوں خدا یا خدا کا بیٹا نہیں۔ ہاں یوحی الی رسول ہوں۔ دفع افراط نصرانیت کے لئے پہلا کلمہ تھا اور دفع تفریط ابلیسیت کے لئے دوسرا کلمہ۔ اسی کی نظیر ہے جو دوسری جگہ ارشاد ہوا۔

قل سبحٰن ربی ھل کنت الابشرا رسولا

آپ فرمادیجئے پاکی ہے میرے رب کو میں خدا نہیں میں انسان رسول ہوں۔

انہیں دونوں کے دفع کو کلمہ شہادت میں دونوں لفظ کریم میں جمع فرمائے گئے۔

اشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ

بندے ہیں خدا نہیں رسول ہیں خدا سے جدا نہیں۔ شیطنت اس کی کہ دوسرا کلمہ امتیاز اعلیٰ چھوڑ کر پہلے کلمہ تواضع پر اختصار کرے۔ اسی ضلالت کا اثر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دعویٰ مساوات کو صرف نالائق حرکت کہا۔ نالائق حرکت تو یہ بھی ہے کہ کوئی بلاوجہ زید کو طمانچہ مار دے یعنی اس زید کو جس نے کفر وضلال نہ بکے ہوں پھر کہاں یہ اور کہاں وہ دعویٰ مساوات کہ کفر خالص ہے اور اس کا اولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف معاذ اللہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ارفعیت کا ادعا نسبت کرنا محض افترا اور کج فہمی ہے حاشا کوئی ولی کیسے ہی مرتبہ عظیمہ پر ہو سرکار کے دائرہ غلامی سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا۔ اکابر انبیاء تو دعویٰ مساوات کر نہیں سکتے۔ شیخ الانبیاء خلیل کبریاء علیہ الصلوٰۃ والثناء نے شب معراج حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سن کر تمام انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم سے فرمایا بھذا **فضلکم محمد صلی اللہ علیہ وسلم** ۔ ان وجوہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم سب سے افضل ہوئے۔ ولی کس منہ سے دعویٰ ارفعیت کرے گا اور جو کرے حاشا ولی نہ ہوگا شیطان ہوگا۔ حضرت سیدنا بایزید بسطامی اور ان کے امثال ونظائر رضی اللہ عنہ وقت ورود تجلی خاص شجرہ موسیٰ ہوتے ہیں۔ سیدنا موسیٰ کلیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو درخت میں سے سنائی دیا۔

یٰموسیٰ انی انا اللہ رب العلمین

اے موسیٰ! بے شک میں اللہ تعالیٰ ہوں رب سارے جہان کا۔

کیا پیڑ نے کہا تھا حاشا للہ بلکہ واحد قہار نے جس نے درخت پر تجلی فرمائی اور وہ بات درخت سے سننے میں آئی۔ کیا رب عزت ایک درخت پر تجلی فرما سکتا ہے اور اپنے محبوب بایزید پر نہیں نہیں نہیں وہ ضرور تجلی ربانی تھی کلام بایزید کی زبان سے سنا جاتا تھا جیسے درخت سے سنا گیا اور متکلم اللہ عزوجل تھا۔

اس نے وہاں فرمایا:

یموسیٰ انی انا اللہ رب العلمین

اسی نے یہاں بھی فرمایا:

سبحانی ما اعظم شانی ۔

اور ثابت ہو تو یہ بھی کہ

لوائی ارفع من لواء محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

بے شک لواء الٰہی لواء محمدی سے ارفع واعلیٰ ہے۔ (فتاویٰ رضویہ: ج:6،ص143 تا145 مطبوعہ دار العلوم امجدیہ کراچی)

حضرت صالح علیہ السلام کو بشر کہنے والے کافر تھے

جن لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو یہ کہا کہ تم صرف ہماری مثل بشر ہو وہ کافر تھے مومنین نے نہ کہا تھا کہ تم صرف ہماری مثل بشر ہو اس سے پتہ چلا کہ نبی کو محض بشر کہنا کفار کا طریقہ رہا ہے اور جو نبی کو محض بشر کہے وہ خود سوچ لے کہ میں کس زمرے میں آتا ہوں۔

قوم ثمود کا کہنا کہ کیا ہم اپنی جنس میں سے ایک بشر کی اتباع کریں

قوم ثمود نے کہا کیا ہم اپنی جنس میں سے ایک بشر کی پیروی کریں پھر تو ہم ضرور گمراہی اور دیوانگی میں ہوں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَقَالُوْٓا اَ بَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ۝ (القمر:24)

سوانہوں نے کہا! کیا ہم اپنی جنس میں سے ایک بشر کی اتباع کریں! بے شک پھر تو ہم ضرور گمراہی اور دیوانگی میں ہوں گے۔

قوم ثمود کا کہنا کہ کیا ہم میں سے صرف ان پر وحی کی گئی ہے

قوم ثمود نے یہ کہا کہ ہم میں سے صرف ان پر ہی وحی نازل کی گئی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

ءَاُلْقِیَ الذِّكْرُ عَلَیْهِ مِنْۢ بَیْنِنَا (القمر:25)

کیا ہم میں سے صرف ان ہی پر وحی نازل کی گئی ہے۔

☆ قوم ثمود کا مطلب یہ تھا کہ آل ثمود میں سے صرف ان کو رسالت کے ساتھ خاص کر لیا گیا ہے حالانکہ آل ثمود میں (حضرت) صالح (علیہ السلام) سے زیادہ خوش حال اور مال دار لوگ بھی رہتے ہیں پھر ان پر کس طرح وحی نازل ہو سکتی ہے۔

قوم ثمود کا حضرت صالح علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) جھوٹا متکبر کہنا

قوم ثمود اتنی بد بخت قوم تھی کہ حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لانے کی بجائے کہہ ڈالا کہ وہ بہت بڑے جھوٹے متکبر

ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ۝ (القمر:25)

بلکہ وہ بہت بڑے جھوٹے متکبر ہیں۔

☆ ان کا مطلب تھا کہ وہ اپنے دعویٰ کے مطابق رسول نہیں ہیں بلکہ وہ رسالت کا دعویٰ کر کے ناحق ہم پر اپنی بڑائی جتانا چاہتے ہیں اور خود کو یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ میں تم سے افضل و اعلیٰ ہوں حالانکہ وہ اس طرح نہیں لہٰذا جھوٹے متکبر ہیں۔ (نعوذ باللہ)

اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ کل ان کو معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا متکبر ہے

اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کا رد کرتے ہوئے فرمایا اے بدبختو تم میرے نبی کو جھوٹا متکبر کہتے ہو کل تمہیں سب کچھ پتا چل جائے گا کہ کون جھوٹا متکبر ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ۝ (القمر:26)

عنقریب کل انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا متکبر ہے۔

نبی کو معصوم نہ ماننا کلمہ کفر ہے

نبی تمام گناہوں سے منزہ ہوتے ہیں حتیٰ کہ جھوٹ جیسے کبیرہ گناہ سے بھی منزہ ہوتے ہیں۔

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ

ایک شخص کہتا ہے کہ جملہ انبیاء کرام و ملائکہ عظام علیہم السلام معصوم ہیں دوسرا شخص کہتا ہے کہ سوائے پنجتن پاک کے کوئی معصوم نہیں۔

تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب ارشاد فرمایا:

پہلے شخص کا قول حق و عقیدہ اہل سنت اور دوسرے کا قول صریح گمراہی و رفض و کلمہ کفر ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، ج:29، ص:333 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

انبیاء کرام کفر و شرک و دیگر کبائر سے معصوم ہوتے ہیں

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کفر و شرک اور دیگر کبائر سے معصوم ہوتے ہیں تو پھر حضرت صالح علیہ السلام کیسے جھوٹے متکبر ہو سکتے ہیں۔

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی 1137ھ فرماتے ہیں:

انبیاء کرام علیہم السلام کفر و شرک اور ہر ایسے امر سے جو خلق کے لئے باعث نفرت ہو جیسے کذب و خیانت و جہل وغیرہ صفات ضمیمہ سے نیز ایسے افعال جو وجاہت اور مروت کے خلاف ہیں قبل نبوت اور بعد نبوت بالا جماع معصوم ہیں اور سے بھی مطلقاً معصوم ہیں اور حق یہ ہے کہ تعمد صغائر سے بھی قبل نبوت اور بعد نبوت معصوم ہیں۔

(روح البیان: پ:23، ص:45، تحت الآیۃ:44)

نبی کا معصوم ہونا ضروری ہوتا ہے

نبی کا معصوم ہونا ضروری ہوتا ہے حتیٰ کہ جھوٹ تکبر سے بھی منزہ ہوتا ہے۔

منح الروض الازہر میں ہے۔

نبی کا معصوم ہونا ضروری ہے اور یہ عصمت نبی اور ملک کا خاصہ ہے کہ نبی اور فرشتہ کے سوا کوئی معصوم نہیں۔

(منح الروض الازہر، ص:56)

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جمہور اس نظریہ کے قائل ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنے کسب اور اختیار سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔

اس کے برخلاف حسین نجار (معتزلی) نے یہ کہا ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کو گناہوں پر بالکل قدرت نہیں ہوتی۔ (شفاء، ج:2، ص:125 مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان)

انبیاء کرام علیہم السلام کے معصوم ہونے پر مزید دلائل حسب ذیل ہیں:

1- اگر انبیاء کرام علیہم السلام سے گناہ صادر ہو جائے تو ان کی اتباع حرام ہوگی حالانکہ ان کی اتباع کرنا واجب ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط (آل عمران:31)

آپ فرما دیجئے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو تمہیں اللہ تعالیٰ محبوب بنالے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

2- جس سے گناہ صادر ہوں اس کی شہادت کو بلا تحقیق قبول کرنا جائز نہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا (الحجرات:6)

اے ایمان والو! اگر فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔

اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شہادت کو بلا تحقیق قبول کرنا واجب ہے۔

3- فاسق نبوت کا اہل نہیں ہے

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ (البقرہ:124)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ظالموں کو میرا عہد نہیں پہنچتا۔

اور کبھی بھی کوئی نبی فاسق نہیں ہوا۔

4- اگر نبی سے گناہ صادر ہو جائے تو ان کو (العیاذ باللہ) ملامت کرنا جائز ہوگا اور اس سے نبی کو ایذا پہنچے گی اور انبیاء کرام علیہم السلام کو ایذاء پہنچانا حرام ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (الاحزاب:57)

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

5- انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ۝ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ (ص:45،46)

اور ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو یاد کیجئے جو قوت اور نگاہ بصیرت والے ہیں۔ ہم نے ان کو مخلص کر دیا۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مخلص کو شیطان گمراہ نہیں کر سکتا۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ (ص:82تا83)

ابلیس نے کہا تیری عزت کی قسم۔ میں ان سب کو گمراہ کروں گا سوا تیرے مخلص بندوں کے۔

6- گناہ گار لائق مذمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی عزت افزائی کی ہے۔

وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ۝ (ص:47)

اور بے شک وہ ہماری بارگاہ میں ضرور پسندیدہ بندوں میں سے ہیں۔

7- انبیاء کرام علیہم السلام لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اگر وہ خود گناہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوگا۔

قرآن مجید میں ہے:

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (الصف:3)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات سخت ناراضگی کی موجب ہے کہ تم وہ بات کہو جو خود نہیں کرتے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام سے ہمیشہ کے لئے راضی ہے۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (جن:26تا27)

وہ عالم الغیب ہے تو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا بجز ان کے جن سے وہ راضی ہے اور اس کے رسول ہیں۔
اس آیت میں واضح فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ سب رسولوں سے راضی ہے اور نیکی کا حکم دے کر خود عمل نہ کرنے والے سے راضی نہیں ہے۔

8- اگر معاذ اللہ انبیاء کرام علیہم السلام سے گناہوں کا صدور ہوتا تو وہ مستحق عذاب ہوتے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا۝ (جن:23)

اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو لاریب اس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔

اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام جہنم سے محفوظ اور مامون ہیں اور ان کا مقام جنت خلد ہے۔

9- انبیاء کرام علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں اور فرشتوں سے گناہ صادر نہیں ہوتے تو انبیاء کرام علیہم السلام سے بطریق اولیٰ گناہ صادر نہیں ہونگے۔ فرشتوں سے افضلیت کی دلیل یہ ہے کہ فرشتے عالمین میں داخل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو تمام عالمین پر فضیلت دی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۝ (آل عمران:33)

بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم، نوح، آل ابراہیم و آل عمران کو تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے۔

اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝

اور ہم نے تمہیں نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت۔

معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہیں۔

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں: ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے زمانہ نبوت میں یقینی طور پر کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا نہ کبیرہ نہ صغیرہ۔

(تفسیر کبیر: ج:1، ص:302 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

میر سید شریف جرجانی لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام اپنے زمانہ میں مطلقاً گناہ کبیرہ سے اور عمداً صغیرہ سے معصوم ہوتے ہیں۔

(شرح مواقف: ص:689 مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ)

لہٰذا جب ثابت ہوا کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام گناہ صغیرہ اور گناہ کبیرہ سے معصوم ہوتے ہیں تو قوم ثمود ایک مقدس نبی پر کلمہ کفر کہہ کر کافر ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کی خود پاکدامنی بیان فرمائی

جب قوم ثمود نے کہا وہ بہت بڑے جھوٹے متکبر ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

تم میرے نبی کو جھوٹا متکبر کہتے ہو عنقریب کل تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا متکبر ہے یعنی میرے نبی سچے ہیں اور تم جھوٹے ہو قیامت کے دن تمہیں اپنے اعمالوں کا علم ہو جائے گا۔

جس طرح کہ قرآن مجید میں ہے:

سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ○ (القمر:26)

عنقریب کل انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا متکبر ہے۔

قوم ثمود کے متکبر سرداروں کا مومنین کو حضرت صالح علیہ السلام کا اپنے رب کی طرف سے مبعوث ہونے کا سوال کرنا

قوم ثمود کے متکبر سرداروں نے ان کمزور لوگوں سے کہا جو ان میں سے ایمان لا چکے تھے کیا تم لوگوں کو یہ یقین ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کئے گئے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ط (الاعراف:75)

ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے ان کمزور لوگوں سے کہا جو ان میں سے ایمان لا چکے تھے کیا تمہیں اس پر یقین ہے کہ صالح اپنے رب کی طرف سے مبعوث کئے گئے ہیں۔

مومنین کا قوم ثمود کے متکبر سرداروں کو منہ توڑ جواب دینا

جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے انہوں نے قوم ثمود کے متکبر سرداروں کو کہا کہ حضرت صالح علیہ السلام جس چیز کے ساتھ بھی بھیجے گئے ہیں ہم اس پر ایمان لانے والے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ○ (الاعراف:75)

انہوں نے کہا وہ جس چیز کے ساتھ بھیجے گئے ہیں ہم اس پر ایمان لانے والے ہیں۔

متکبرین کا کہنا کہ تم جس چیز پر ایمان لائے ہو ہم اس کا کفر کرنے والے ہیں

جب مومنین نے متکبر سرداروں کو یہ کہا کہ حضرت صالح علیہ السلام جس چیز کے ساتھ بھیجے گئے ہیں ہم اس پر ایمان لانے والے ہیں تو ان متکبروں نے کہا تم جس پر ایمان لائے ہو ہم اس کا کفر کرنے والے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ○ (الاعراف:76)

متکبرین نے کہا تم جس پر ایمان لائے ہو ہم اس کا کفر کرنے والے ہیں۔

کفر کا معنیٰ

علامہ راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:

لغت میں کفر کا معنیٰ ہے۔

کسی شے کو چھپانا۔

رات کو کافر کہتے ہیں کیونکہ وہ لوگوں کو چھپا لیتی ہے۔

کسان کو کافر کہتے ہیں کیونکہ وہ بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے۔

جو شخص نعمت کو چھپائے اور اس کا شکر ادا نہ کرے اس کے فعل کو کفر اور کفران کہتے ہیں۔

سب سے بڑا کفر واحدانیت یا شریعت یا نبوت کا انکار کرنا ہے۔

قرآن مجید میں کفر کا لفظ کفران نعمت اور کفر باللہ دونوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔

لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ○ (النمل:40)

تا کہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جس نے شکر کیا تو وہ اپنے ہی فائدہ کے لئے شکر کرتا ہے اور جس نے ناشکری کی تو بے شک میرا رب بے پرواہ بزرگی والا ہے۔

اس آیت میں کفر کا لفظ کفران نعمت اور ناشکری کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ (البقرہ:41)

اور تم سب سے پہلے اس کے منکر نہ بنو۔

اس آیت کریمہ میں کفر، کفر بالقرآن کے معنیٰ میں ہے۔ جب کافر کا لفظ مطلقاً بولا جائے تو اس سے متعارف وہ شخص جو واحدانیت یا شریعت یا نبوت یا ان تینوں کا انکار کرے۔ (المفردات: ص433 تا 434 مطبوعہ مکتبہ مرتضویہ ایران)

کفار کی تین اقسام

ایمان کے مقبول ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے کفار کی تین قسمیں ہیں۔

1- جو شخص اسلام قبول کرنے کے بعد کافر ہو جائے اور تادم مرگ کفر پر قائم رہے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہیں فرماتا اور اس کو جبراً یا سزاءً ہدایت نہیں دیتا۔ اس کے لئے سخت سزا ہے وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اس کے عذاب میں نہ تخفیف کی جائے گی اور نہ ہی اس کو مہلت دی جائے گی البتہ ان میں سے جو شخص نادم اور تائب ہو گیا اور اس نے بداعمالیوں کی تلافی کی اور نیک اعمال کر لیے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا اس کے لئے رحمت اور مغفرت کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

2- جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا اور مسلسل کفر کرتے رہے اور موت کو دیکھ کر توبہ کی یا صرف زبان سے توبہ کی اور دل سے توبہ نہیں کی اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کو قبول نہیں فرمائے گا۔

3- جو کافر کفر پر فوت ہو گیا اللہ تعالیٰ اس کی کسی نیکی کو ہرگز قبول نہیں فرمائے گا خواہ اس نے عبادت کی نیت سے روئے زمین کے برابر سونا خیرات کیا ہو اور نہ روئے زمین کے برابر سونا آخرت میں اس کے عذاب کا فدیہ ہو سکتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِیَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ٥ (المائدہ:36)

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اگر ان کے پاس روئے زمین کی تمام چیزیں ہوں اور اتنی ہی اور چیزیں (بھی) ہوں تاکہ وہ ان کو قیامت کے دن عذاب سے بچنے کے لئے فدیہ دیں تو وہ ان سے قبول نہیں کی جائیں گی اور ان کے لئے نہایت دردناک عذاب ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے۔

قیامت کے دن ایک کافر کو لایا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا یہ بتا کہ اگر تیرے پاس اتنا سونا ہو کہ تمام زمین کو بھر لے کیا تو اس کو فدیہ میں دے گا؟

وہ کہے گا۔

ہاں!

اس سے کہا جائے گا۔

تجھ سے تو دنیا میں اس سے کہیں آسان چیز (اللہ تعالیٰ کو واحد ماننے) کا سوال کیا گیا تھا۔ (صحیح بخاری: ج:2، ص:968 مطبوعہ نور اصح المطابع کراچی)

کفار سے دوستی کی ممانعت

مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ محبت اور دوستی رکھیں اور کفار کے ساتھ دوستی اور محبت نہ رکھیں کیونکہ کفار ہمیشہ سے مسلمانوں کے دشمن رہے ہیں مسلمانوں کو ہمیشہ دھوکہ میں رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ○ (آل عمران:28)

''ایمان والے مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جس نے ایسا کیا وہ اللہ تعالیٰ کی حمایت میں بالکل نہیں ہے ماسوا اس (صورت) کے تم ان سے بچاؤ کرنا چاہو اور اللہ تمہیں اپنی ذات (کے غضب) سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

☆ اس آیت کے شان نزول میں امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

یہودیوں میں سے کعب بن اشرف، ابن ابی الحقیق اور قیس بن زید کی بعض انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے باطنی دوستی تا کہ وہ ان مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کریں۔ حضرت رفاعہ بن منذر، حضرت عبداللہ بن جبیر اور حضرت سعد بن نے انصار سے کہا کہ

وہ ان یہودیوں کے ساتھ باطنی دوستی رکھنے سے اجتناب کریں لیکن یہ مسلمان نہیں مانے اور ان یہودیوں کے ساتھ دوستی رکھنے پر مصر رہے تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ ایمان والے مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جس نے کیا وہ اللہ تعالیٰ کی حمایت میں بالکل نہیں ہے۔ (جامع البیان: ج:2،ص:152 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

بعض مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے متعلق نازل ہوئی۔

امام بخاری متوفی 286ھ روایت فرماتے ہیں کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو اور حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

روضہ خاخ (جگہ کا نام) میں جاؤ وہاں ایک عورت سفر کر رہی ہوگی اس کے پاس ایک خط ہوگا وہ اس سے لے لو گھوڑے دوڑاتے ہوئے روانہ ہوئے حتیٰ کہ ہم روضہ میں پہنچ گئے تو وہاں وہ مسافرہ تھی۔

ہم نے اس سے کہا۔

وہ خط نکالو!

اس نے کہا: میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔

ہم نے کہا: وہ خط نکالو ورنہ تمہارے کپڑے اتار دیئے جائیں گے۔ تب اس نے اپنے بالوں کے گچھے سے وہ خط وہ خط لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اس خط میں لکھا ہوا تھا کہ یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے

طرف ہے۔ اس خط میں حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے مکہ کے مشرکوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اقدامات کی خبر دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے حاطب (رضی اللہ عنہ) یہ کیا معاملہ ہے؟

انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے متعلق فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کریں میں قریش کے قرابت داروں میں سے نہیں ہوں، میں ان سے مل جل کر رہنے والا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو مہاجرین ہیں ان کی مکہ والوں کے ساتھ رشتہ داریاں ہیں جس کی وجہ سے وہ مکہ مکرمہ میں اپنے رشتہ داروں اور اپنے اموال کی حفاظت کرلیں گے میں نے چاہا یہ کہ جب مکہ والوں کے ساتھ میری کوئی رشتہ داری نہیں ہے تو میں ان پر کوئی احسان کردوں اور اس احسان کی وجہ سے وہ میرے رشتہ داروں کی حفاظت کریں میں نے یہ فعل کسی کفر یا اسلام کے بعد کفر کو پسند کرنے کی وجہ سے نہیں کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس نے تم سے سچ کہا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اجازت عطا فرمایئے تاکہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ شخص بدر میں حاضر ہو چکا ہے تمہیں کیا پتا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اہل بدر کی طرف متوجہ ہوا۔

اور ارشاد فرمایا: تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا۔ (صحیح بخاری: ج: 1 ص: 422 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

کفار اور بدعقیدہ لوگوں سے موالات کی ممانعت فرمائی گئی جس پر قرآن مجید کی آیات کریمہ صراحتاً دلالت کرتی ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَ قَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّۚ (الممتحنۃ: 1)

اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم ان کو دوستی کا پیام بھیجتے ہو حالانکہ انہوں نے اس حق کا انکار کیا ہے جو تمہارے پاس آیا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًاؕ (آل عمران: 118)

اے ایمان والو! غیروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ وہ تمہاری تباہی میں کمی نہیں کریں گے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْؕ (المجادلۃ: 22)

(اے محبوب) جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں آپ انہیں اس حال پر نہ پائیں گے کہ وہ ان لوگوں سے محبت کریں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے عداوت رکھتے ہوں خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے قریبی رشتہ دار۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖۤ ؕ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ (النساء:140)

جب تم سنو کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا جارہا ہے اور ان کا استہزاء کیا جارہا ہے تو ان کے ساتھ نہ بیٹھو حتیٰ کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں (ورنہ) بلاشبہ اس وقت تم (بھی) انہی کی مثل ہو جاؤ گے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (الانعام:68)

اے جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیتوں میں کج بحثی کرتے ہیں تو ان سے منہ پھیر لے حتیٰ کہ وہ کسی اور بات میں بحث کرنے لگیں اور اگر تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظلم کرنے والی قوم کے ساتھ نہ بیٹھ۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ۝ (الممتحنۃ:13)

اے ایمان والو! ایسے لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا بے شک وہ آخرت سے مایوس ہو چکے ہیں جیسے کفار قبر والوں سے مایوس ہو چکے ہیں۔

☆ کفار اور بدعقیدہ لوگوں کے ساتھ محبت اور دوستی کے تعلقات قائم کرنا اور ان کی تعظیم اور تکریم کرنا تو مطلقاً حرام ممنوع ہے البتہ غیر حربی کافروں اور بدعقیدہ لوگوں کے ساتھ انسانی ہمدردی کے جذبہ سے نیکی اور صلہ رحمی کرنا جائز ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْۤا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ (الممتحنۃ:8)

اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور عدل کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے تم سے دین میں جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں میری والدہ محترمہ میرے پاس آئیں وہ اس وقت مشرکہ تھیں۔
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔
میری والدہ اسلام سے اعراض کرتی ہیں کیا میں ان سے صلہ رحمی کروں؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ہاں اپنی ماں سے صلہ رحمی کرو۔ (صحیح بخاری: ج:1، ص:355 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
قبیلہ بنت عبدالعزیٰ اپنی بیٹی اسماء بنت ابی بکر کے پاس گوہ، ترس (سبزی) اور گھی کا ہدیہ لے کر آئی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اس کا ہدیہ لینے سے انکار کیا اور اس کو اپنے گھر آنے سے بھی منع کر دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ عدل اور نیکی کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے دین میں تم سے جنگ نہیں کی" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہدیہ قبول کرنے اور اس کو گھر میں آنے کی اجازت دینے کا حکم دیا۔ (مسند احمد: ج:4 ص:4 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
روم کے بادشاہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ ہدیئے بھیجے جن میں ایک سونٹھ کا گھڑا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرما دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر انسان کو ایک ٹکڑا دیا اور مجھے بھی ایک ٹکڑا دیا۔
(الکامل فی ضعفاء الرجال: ج:5، ص:1787 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
دومۃ الجندل کے ایک عیسائی سردار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گوند کا ایک گھڑا ہدیہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کا ایک ایک ٹکڑا عطا فرمایا۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال: ج:5، ص:1787 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

ایک اور روایت میں ہے:
حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشک، عنبر اور کافور سے مرکب خوشبو کی ایک شیشی ہدیہ کی اور مسلمان ہو گیا۔
(الکامل فی ضعفاء الرجال: ج:6، ص:2114 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

قریش کو سخت قحط سالی پہنچی حتیٰ کہ انہوں نے سوکھی ہوئی ٹہنیاں بھی کھالیں اور اس وقت قریش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی خوش حال نہیں تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا۔

اے چچا! آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے بھائی ابو طالب کثیر العیال ہیں اور قریش کو جس قحط سالی کا سامنا ہے وہ بھی آپ کے علم میں ہے آیئے ان کے پاس چلیں اور ان سے ان کے بعض بچوں کو لے لیں پس وہ گئے۔

اور کہا:

اے ابو طالب! آپ کو اپنی قوم کا حال معلوم ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ آپ کی بھی یہی کیفیت ہے ہم آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں کہ آپ اپنے بعض بچوں کو ہمیں دے دیں۔

ابو طالب نے کہا: میرے لیے عقیل کو چھوڑ دو اور جو تمہیں پسند ہو وہ کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لے لیا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جعفر کو لے لیا وہ دونوں جب تک مستغنی نہ ہوئے ان کے پاس رہے۔

سلیمان بن داؤد نے کہا: حضرت جعفر عباس کے ساتھ رہے حتیٰ کہ انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

(مجمع الزوائد: ج:8،ص:53 مطبوعہ ادارۃ الکتاب العربی بیروت)

ذمی کافروں اور بدعقیدہ لوگوں کے ساتھ معاشرتی برتاؤ کرنا، خرید و فروخت، قرض کا لین دین، بیمار پرسی اور تعزیت وغیرہ کرنا جائز ہے البتہ مرتدین سے کسی قسم کا کوئی معاملہ کرنا جائز نہیں ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ روایت کرتے ہیں: حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ ایک طویل القامت لمبے اور بکھرے ہوئے بالوں والا مشرک آیا جو بکری لے کر جارہا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا۔

یہ بکری فروخت کرو گے یا بطور تحفہ دو گے؟

اس نے کہا: بلکہ میں فروخت کروں گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بکری خرید لی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے مدت معینہ کے ادھار پر طعام خریدا اور لوہے کی ایک زرہ گروی رکھ دی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو کی روٹی اور چربی لے کر گئے دراں حالیکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ

ں ایک یہودی کے پاس اپنی زرہ گروی رکھی ہوئی تھی اور آپ نے اپنے اہل کے لئے اس سے جو لئے تھے۔

(صحیح بخاری: ج:1 ،ص:295 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک یہودی لڑکا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا وہ بیمار ہو گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لئے گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا: اسلام قبول کرلو۔ اس نے اسلام قبول کرلیا۔

سعید بن مسیب اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں کہ

جب ابو طالب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لئے گئے۔

(صحیح بخاری: ج:2 ،ص:845 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے: عبدالرحمٰن بن ابی یعلیٰ سے روایت ہے کہ

سہل بن حنیف اور قیس بن سعد قادسیہ میں بیٹھے ہوئے تھے ان کے پاس سے ایک جنازہ گزرا وہ دونوں کھڑے ہو گئے انہیں بتایا گیا کہ یہ ذمی کا جنازہ تھا۔

انہوں نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک جنازہ گزرا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ

یہ ایک یہودی کا جنازہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا یہ روح نہیں ہے۔ (صحیح بخاری: ج:1 ،ص:175 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

کافروں، ظالموں اور بدعقیدہ لوگوں کے شر سے بچنے کے لئے ان کے ساتھ نرم رویہ اور ملائمت کے ساتھ پیش آنا، ان سے میٹھی باتیں کرنا اور ان سے ہنستے مسکراتے اور خوشی سے ملنا مدارات ہے تا کہ انسان ان کی اذیت رسانی، بدزبانی اور ان کے ہاتھوں بے عزتی سے محفوظ رہے اور یہ کفار سے دوستی، محبت اور موالات کے حکم میں نہیں ہے جو کہ ممنوع ہے یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ مسنون ہے۔

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی 455ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگوں کے ساتھ مدارات کرنا صدقہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عقل کی اصل مدارات ہے اور جو لوگ دنیا میں نیک ہیں وہی آخرت میں بھی نیک ہوں گے۔

ابن المسیب سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد بڑی عقل مندی یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ مدارات کی جائے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص میں تین خصلتوں میں سے کوئی خصلت بھی نہ ہو اس کے عمل میں کسی قابل ذکر چیز کا گمان نہ کرو۔

1- خوف خدا عزوجل جو اس کو اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے روکے۔

2- حلم کی وجہ سے وہ جاہل سے باز رہے۔

3- وہ خلق جس کی وجہ سے وہ لوگوں کے ساتھ حسن معاشرت کے ساتھ رہے۔

وہیب مکی سے روایت ہے کہ

جس شخص میں تین صفات نہ ہوں اس کے عمل کا اعتبار نہ کرو۔

1- خوف خدا جس کی وجہ سے وہ حرام کاموں سے باز رہے۔

2- حلم جس کی وجہ سے وہ جاہل کو لوٹا دے۔

3- وہ خلق جس کی وجہ سے لوگوں کی مدارات کرے۔ (شعب الایمان: ج:6،ص339 تا 344 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

سعید بن میتب سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد عقل کا کمال یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ محبت سے رہا جائے اور کوئی شخص مشورہ سے مستغنی نہیں ہے اور جو لوگ دنیا میں نیک ہیں وہی آخرت میں بھی نیک ہوں گے اور جو لوگ دنیا میں برے ہیں وہ آخرت میں بھی برے ہوں گے۔ (شعب الایمان: ج:6،ص: 501 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایک اور روایت میں ہے:

سعید بن میتب سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایمان لانے کے بعد عقل کا کمال یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ مدارات کی جائے مشورہ کے بعد کوئی شخص ہلاک نہیں ہوگا لوگ دنیا میں نیک ہیں وہی آخرت میں نیک ہوں گے۔ (المصنف: ج:8،ص: 361 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

ایک اور روایت میں ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اجازت طلب کی اس وقت میں بھی آپ کے ساتھ تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ اپنی قوم کا برا آدمی ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اجازت دے دی اور اس سے بہت نرم گفتگو کی جب وہ چلا گیا۔

تو میں نے پوچھا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق جو فرمایا تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ ملائمت کے ساتھ بات کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے عائشہ رضی اللہ عنہا! لوگوں میں سب سے برا شخص وہ ہے جس کی بدکلامی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا چھوڑ دیں۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم بعض لوگوں سے ہنس کر ملتے ہیں اور ہمارے دل ان پر لعنت کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ج:2،ص:905 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

مدارات کے جواز میں اور بھی احادیث مبارکہ ہیں تاہم اتنی مدارات نہیں کرنی چاہیے جس سے دینی حمیت جاتی رہے اور مدارات کرنے والے کے متعلق مداہنت کا گمان کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَدُّوْا لَوْتُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ۝ (القلم:9)

انہوں نے یہی چاہا کہ (دین کے معاملہ میں) آپ ان سے بے جا نرمی اختیار کریں تو وہ بھی نرم ہو جائیں۔

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی 1205ھ لکھتے ہیں:

دل میں جو بات چھپائی ہے اس کے خلاف بیان کرنا مداہنت ہے۔

ابو الہیثم نے کہا: مداہنت کا معنیٰ ہے قول میں نرمی اور کلام میں کسی کی موافقت کرنا۔

ہمارے شیخ نے کہا: اصل میں مداہنت کا معنیٰ ہے کسی چیز کو تیل لگا کر حسی طور پر نرم کرنا بعد میں اس کا استعمال معنوی نرمی میں ہوا اس کا مجازاً استعمال بہ طور تحقیر کیا جاتا ہے کیونکہ جو شخص اپنے دین یا اپنی رائے میں متصلب نہیں ہوتا وہ اس میں مداہنت کرتا ہے اور اب مداہنت کا لفظ اس معنیٰ میں حقیقت عرفیہ ہے اور مدارات کا معنیٰ کلام میں مطلقاً نرمی کرنا ہے۔

(تاج العروس: ج:9،ص:205 مطبوعہ مطبعۃ الخیریہ مصر)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی 855ھ لکھتے ہیں: کسی کی ناحق طرفداری کرنا مداہنت ہے جو شخص نیکی کا حکم دے نہ برائی کو مٹائے حقوق کو ضائع کرے اور دکھاوا کرے وہ مداہن ہے۔ (عمدۃ القاری: ج:13،ص:293 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ منیریہ مصر)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی 1052ھ لکھتے ہیں:

مداہنت یہ ہے کہ کوئی شخص برائی دیکھے اور اس کو نہ مٹائے اور باوجود قادر ہونے کے شرم کے سبب دینی بے غیرتی اور بے حمیتی سے رشوت لے کر یا کسی کی جانب داری کے سبب اس سے منع نہ کرے۔ (اشعۃ اللمعات: ج:4،ص:174 مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی حدود میں مداہنت کرنے اور اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑنے والوں کی مثال یہ ہے کہ بحری جہاز میں قرعہ اندازی کے ذریعہ کچھ لوگ بالائی منزل میں بیٹھے ہوں اور کچھ نچلی منزل میں، نچلی منزل والے پانی کے لئے بالائی منزل میں جاتے ہوں جس سے ان کو تکلیف ہوتی ہو تب نچلی منزل والوں نے ایک کلہاڑی لے کر جہاز کے نچلے حصہ کو توڑنا شروع کیا (تاکہ سمندر سے پانی لے لیں)

پھر بالائی منزل والوں نے توڑنے والوں سے کہا: یہ تم کیا کر رہے ہو؟

انہوں نے کہا: تم کو ہمارے پانی لینے سے تکلیف ہوتی ہے اور ہمیں پانی کی ضرورت ہے اب اگر انہوں نے توڑنے والوں کے ہاتھوں کو پکڑ لیا تو وہ ان کو بھی بچالیں گے اور خود کو بھی اور اگر انہوں نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا تو وہ ان کو بھی ہلاک کردیں گے اور خود کو بھی۔ (صحیح بخاری: ج:1،ص:369 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی 1014ھ لکھتے ہیں: مداہنت ممنوع ہے اور مدارات مطلوب ہے۔

اور ان میں فرق یہ ہے کہ

مداہنت کا شرعی معنی یہ ہے کہ کوئی شخص برائی کو دیکھے اور وہ اس کو روکنے پر قادر بھی ہو لیکن برائی کرنے والے یا کسی اور کی جانب داری کی وجہ سے یا خوف کے سبب یا طمع کی وجہ سے یا دینی بے حمیتی کی وجہ سے اس برائی کو نہ روکے۔

اور مدارات یہ ہے کہ

اپنی جان یا مال یا عزت کے تحفظ کی خاطر اور متوقع شر اور ضرر سے بچنے کے لئے خاموش رہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ

کسی باطل کام میں بے دینوں کی حمایت کرنا مداہنت ہے اور دین داروں کے حق کی حفاظت کی خاطر نرمی کرنا مدارات ہے۔ (مرقات: ج:9،ص:331 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی 1052ھ لکھتے ہیں: مدارات اور مداہنت میں فرق یہ ہے کہ

دین کی حفاظت اور ظالموں سے بچنے کے لئے جو نرمی کی جائے وہ مدارات ہے اور ذاتی منفعت، طلب دنیا اور لوگوں سے فوائد حاصل کرنے کے لئے دین کے معاملہ میں جو نرمی کی جائے وہ مداہنت ہے۔

(اشعۃ اللمعات: ج:4،ص:174 مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ)

بدعقیدہ لوگوں سے معاملات کی ممانعت کے کثیر احادیث مبارکہ و آثار ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کے آخر کے کچھ ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جو تمہارے سامنے ایسی حدیثیں بیان کریں گے جن کو تم نے سنا نہ ہوگا نہ تمہارے باپ دادا نے۔ تم ان سے دور رہنا وہ تم سے دور رہیں۔

(صحیح مسلم: ج: 1 ص: 9 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آخر زمانہ میں دجال اور کذاب ہوں گے جو تمہارے پاس ایسی احادیث لائیں گے جن کو تم نے سنا نہ ہوگا نہ تمہارے باپ دادا نے۔ تم ان سے دور رہنا وہ تم سے دور رہیں کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کر دیں اور تم کو فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ (صحیح مسلم: ج: 1 ص: 10 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا: جن لوگوں نے دین میں تفریق کی وہ ایک گروہ تھا اس سے مراد بدعتی اور گمراہ لوگ ہیں ان کی توبہ نہیں ہے میں ان سے بری ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں۔

(مجمع الزوائد: ج: 1 ص: 188 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

ایک اور روایت میں ہے: امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی 275ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو آیات متشابہات کی تاویل کرتے ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کے دلوں میں کجی ہے ان سے اجتناب کرو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قدریہ اس امت کے مجوس ہیں وہ اگر بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر امت کے مجوس ہیں اور اس امت کے مجوس وہ لوگ ہیں جو منکر تقدیر ہیں اور اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ اور اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرو۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

منکرین تقدیر کے ساتھ نہ بیٹھو اور نہ ان سے بحث کرو۔ (سنن ابو داؤد: ج: 2 ص 275 تا 293 مطبوعہ مجتبائی پاکستان لاہور)

ایک اور روایت میں ہے: وضین بن عطاء سے روایت ہے کہ

اللہ عز و جل نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ میں تمہاری قوم میں سے ایک لاکھ چالیس ہزار نیکو کاروں کو اور ساٹھ ہزار بدکاروں کو ہلاک کرنے والا ہوں۔

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب عز و جل! تو بدکاروں کو تو ہلاک فرمائے گا نیکوکاروں کو کیوں ہلاک فرمائے گا؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وہ بدکاروں کے پاس جاتے تھے ان کے ساتھ کھاتے اور پیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے غضب کی وجہ سے ان پر غضب ناک نہیں ہوتے تھے۔ (شعب الایمان: ج:7، ص:53 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایک اور روایت میں ہے: ایوب سے روایت ہے کہ

ابوقلابہ نے کہا: گمراہ فرقوں کے پاس نہ بیٹھو نہ ان سے بحث کرو کیونکہ مجھے یہ خدشہ ہے کہ وہ اپنی گمراہی میں تم کو مبتلا کردیں گے یا تمہارے عقائد کو تم پر مشتبہ کردیں گے۔ (سنن دارمی: ج:1، ص:90 مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

ایک اور روایت میں ہے: ابو جعفر فرماتے ہیں کہ

گمراہ فرقوں کے ساتھ نہ بیٹھو کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں کج بحثی کرتے ہیں۔

(شعب الایمان: ج:7، ص:60 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایک اور روایت میں ہے:

امام عقیلی نے کتاب الضعفاء میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے منتخب فرمالیا اور میرے لیے اصحاب اور سسرال کو منتخب فرمایا عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو میرے اصحاب اور سسرال والوں کو برا کہیں گے اور ان کے عیب نکالیں گے تم ان کے ساتھ مت بیٹھنا ان کے ساتھ نہ پینا نہ کھانا اور نہ ان کے ساتھ نکاح کرنا۔ (کتاب الضعفاء: ج:1، ص:126 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

کفار کے لئے دنیا میں عیش اور مسلمانوں کے لئے تنگی

کفار کے لئے دنیا میں عیش اور مسلمانوں کے لئے تنگی کے متعلق کثیر احادیث مبارکہ ہیں۔ جو کہ درج ذیل ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور چٹائی کے درمیان اور کوئی چیز نہیں تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروں اقدس کے پاس ایک درخت کے پتوں کا ڈھیر تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچی کھالیں لٹکی ہوئی تھیں اور میں نے دیکھا کہ چٹائی کے نشانات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں گڑ گئے تھے۔ میں رونے لگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم کس وجہ سے رو رہے ہو؟

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک قیصر و کسریٰ کس قدر عیش و آرام میں ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ ان کے لئے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت ہو۔
(صحیح بخاری: رقم الحدیث: 4913)
ایک اور حدیث میں روایت کرتے ہیں۔
میں نے نظر اٹھا کر گھر میں دیکھا تو خدا کی قسم مجھے تین کچی کھالوں کے سوا اور کچھ نہیں نظر آیا۔
میں نے عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیجئے اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر وسعت کرے کیونکہ فارس اور روم پر وسعت کی گئی اور ان کو دنیا دی گئی حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے ہوئے تھے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کیا تم کو شک ہے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کی اچھی چیزیں دنیا میں ہی دے دی گئی ہیں۔
میں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لیے استغفار کیجئے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 2468)
ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔ (مسند البزار: رقم الحدیث: 3645)
ایک اور روایت میں ہے: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مچھر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ بھی نہ عطا فرماتا۔ (سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 4110)
ایک اور روایت میں ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ
انصار کی ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر ایک مڑی ہوئی چادر دیکھی اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک گدا بھیجا جس میں اون بھرا ہوا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے۔
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! یہ کیا ہے؟
میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فلاں انصاری عورت میرے پاس آئی تھی اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر دیکھا تو وہ گئی اور اس نے یہ بستر بھیج دیا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ (رضی اللہ عنہا)! اس کو واپس کر دو۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر میں چاہوں تو اللہ تعالیٰ میرے ساتھ سونے اور چاندی کے پہاڑوں کو روانہ کر دے۔ (شعب الایمان: رقم الحدیث: 1468)
ایک اور روایت میں ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چارپائی پر سیاہ چادر پڑی ہوئی تھی۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر لیٹے ہوئے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

انہوں نے دیکھا کہ چار پائی کے نشانات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں نقش ہو گئے تھے۔
حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار پائی اور بستر کی سختی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر تکلیف پہنچتی ہے اور یہ قیصر اور کسریٰ ریشم اور دیباج کے بستر پر سوتے ہیں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایسا نہ کہو کسریٰ اور قیصر کے بستر دوزخ میں ہیں اور میرا یہ بستر اور میری چار پائی کا انجام جنت ہے۔ (صحیح ابن حبان: رقم الحدیث: 704)
ایک اور روایت میں ہے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی مومن پر ظلم نہیں کرتا اس کی نیکی کا صلہ دنیا میں دے دیا جاتا ہے اور اس کی پوری جزاء اس کو آخرت میں دی جائے گی اور کافر نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے لئے جو نیکیاں کی ہیں اس کی پوری جزا دنیا میں دے دی جاتی ہے حتیٰ کہ جب وہ آخرت میں پہنچے گا تو اس کی کوئی ایسی نیکی نہیں ہوگی جس کی جزا دی جائے۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2808)

آخرت میں کفار کے اعمال ضائع ہونا

آخرت میں کفار کے اعمال ضائع ہوں گے جو وہ نیکی سمجھ کر کرتے ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان کو جہنم میں سزا دے گا۔
قرآن مجید میں ہے:
اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْــٴًـاؕ وَاُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ۝ مَثَلُ مَا یُنْفِقُوْنَ فِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَثَلِ رِیْحٍ فِیْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ۝ (آل عمران: 116 تا 117)
بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ان کے مال اور ان کی اولاد ان کو اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے ہرگز نہیں بچا سکیں گے وہ جہنمی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے وہ جس چیز کو دنیا کی اس زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس ہوا کی طرح ہے جس میں (جلا دینے والی) سخت سردی ہو جو ان لوگوں کی کھیتوں پر پہنچے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے پھر وہ ہوا اس کھیت کو جلا ڈالے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔
ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:
یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ۝ (الشعراء: 88)
جس دن نہ مال نفع دے گا نہ بیٹے۔
ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:
فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖؕ (آل عمران: 91)
سو ان میں سے کسی سے زمین پر سونا (بھی) ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا خواہ وہ اسے فدیہ میں دے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ○ (الفرقان:23)

اور انہوں نے (اپنے زعم میں) جو بھی نیک عمل کیے ہم ان کی طرف قصد فرمائیں گے پھر ہم انہیں (فضا میں) بکھرے ہوئے (غبار کے) باریک ذرے بنا دیں گے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا (النور:39)

کافروں کے اعمال زمین میں چمکتے ہوئے ریت کی طرح ہیں جسے پیاسا پانی سمجھتا ہے حتیٰ کہ جب وہ اس کے پاس آیا تو اسے کچھ بھی نہ پایا۔

☆ جس طرح اللہ تعالیٰ ظالموں کے ظلم کے سبب ان کے کھیتوں کو جلا ڈالتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ آخرت میں کافروں کے اعمال کو برباد اور رائیگاں کر دے گا اور ان کے اعمال کو قبول نہ فرمانا اللہ تعالیٰ کا ظلم نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے برے اعمال کی سزا دی ہے انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا اور ایمان کے ساتھ ایسے اعمال کر کے نہ لائے جنہیں اللہ تعالیٰ قبول فرما لیتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ قاعدہ بیان فرما دیا ہے کہ وہ ایمان کے بغیر کسی شخص کا کوئی نیک عمل قبول نہیں فرماتا۔

قرآن مجید میں ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (النحل:97)

جس مرد یا عورت نے نیک عمل کیا بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اس کو ضرور پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے اور ہم ان کے بہترین کاموں کا ان کو ضرور اجر عطا فرمائیں گے۔

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح حکم فرما دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے کسی نیک عمل کو قبول نہیں فرماتا اور ان کے تمام اعمال آخرت میں ضائع ہو جائیں گے۔ نیک اعمال کے مقبول ہونے کی شرط ایمان ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان پر سلامت رکھے اور ایمان پر ہمارا خاتمہ عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین و صلی اللہ علیہ وسلم

کفار کو دوگنا عذاب

قیامت کے دن کفار کو دوگنا عذاب دیا جائے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ

الْعَذَابُ ؕ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝ (ھود:20تا22)

یہ لوگ زمین میں (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہ تھے اور نہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی مددگار تھا ان کے لئے عذاب کو دگنا کیا جائے گا یہ (شدت کفر کی وجہ سے حق کو) سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور نہ یہ (بغض کی وجہ سے حق کو) دیکھتے تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال دیا اور جو کچھ یہ افتراء کرتے تھے وہ ان سے جاتا رہا بلاشبہ یقیناً یہی لوگ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

کفار ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے

کفار ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ شَهِيْقٌ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝ (ھود:106تا107)

رہے بدبخت لوگ تو وہ دوزخ میں ہوں گے اور ان کے لئے اس میں چیخنا اور چلانا ہوگا وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین رہیں مگر جتنا آپ کا رب چاہے بے شک آپ کا رب جو بھی ارادہ کرتا ہے اس کو خوب پورا کرنے والا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ (البقرہ:161تا162)

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ کفر پر مر گئے ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ان کے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ۝ (الاعراف:40)

بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی اور ان سے تکبر کیا ان کے لئے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے اور ہم اسی طرح مجرموں کو سزا دیتے ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ (النساء:56)

بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا کفر کیا ہم عنقریب ان کو آگ میں داخل کر دیں گے جب بھی ان کی کھالیں جل کر پک جائیں گی ہم ان کی کھالوں کو دوسری کھالوں سے بدل دیں گے تا کہ وہ عذاب کو چکھیں۔

کفار کے لئے عذاب کی مہمانی

کفار کے لئے دوزخ میں سخت کھولتے ہوئے پانی کی مہمانی ہوگی اور وہ ہمیشہ دوزخ میں جلتے رہیں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ۙ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ۙ وَّ تَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ۙ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ۙ (الواقعہ:92تا95)

اور اگر وہ تکذیب کرنے والا گمراہوں میں سے ہے تو اس کے لئے سخت کھولتے ہوئے پانی کی ضیافت ہے اور دوزخ میں جلانا بے شک یہی ضرور حق الیقین ہے۔

کفار کا جہنم میں گھومنا

کفار جہنم میں گھومتے رہیں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۙ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ۙ (الرحمٰن:43تا44)

یہ ہے وہ جہنم جس کی مجرمین تکذیب کیا کرتے تھے وہ اس دن اس (جہنم) میں اور سخت کھولتے ہوئے پانی میں گھوم رہے ہوں گے۔

☆ جب کفار دوزخ کے قریب ہوں گے تو ان سے دوزخ کے پہرے دار کہیں گے یہ ہے وہ جہنم جس کی تم دنیا میں تکذیب کیا کرتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا دوزخ میں حال بیان فرمایا ان کو پینے کے لئے کھولتا ہوا مشروب دیا جائے گا اور ان پر بھوک مسلط کی جائے گی اور ان کو کھانے کے لئے شجر زقوم کا پھل دیا جائے گا وہ اس کو کھائیں گے تو وہ ان کے حلق میں پھنس جائے گا پھر وہ پانی کے لئے فریاد کریں گے۔

تو ان سے کہا جائے گا۔

کھولتے ہوئے پانی کے پاس جاؤ وہ اس کو پئیں گے تو وہ ان کے مونہوں کو جلا دے گا اور وہ پانی ان کے پیٹوں میں جوش مار رہا ہوگا اور ان کے پیٹوں میں جو کچھ ہوگا اس کو نکال کر باہر کر دے گا پھر ان پر دوبارہ بھوک مسلط کی جائے گی پھر دوبارہ کبھی تھوہر کے درخت کے پاس جائیں گے اور کبھی کھولتے ہوئے پانی کے پاس جائیں گے۔ (بحر العلوم: ج:3،ص:309)

دوزخ میں کفار کا تمنا کرنا کہ کاش وہ مسلمان ہوتے

دوزخ میں کفار گناہ گار مسلمانوں کو دوزخ سے نکلتے دیکھ کر یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم بھی مسلمان ہوتے۔

قرآن مجید میں ہے:

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝ (الحجر:2)

بسا اوقات کفار یہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔

حافظ ابوبکر عمرو بن ابی عاصم الضحاک الشیبانی متوفی 287ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب دوزخ والے دوزخ میں جمع ہوں گے اور ان کے ساتھ وہ اہل قبلہ بھی ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ چاہے گا۔

تو کفار کہیں گے۔

کیا تم مسلمان نہیں تھے؟

وہ کہیں گے۔

کیوں نہیں!

پھر کفار کہیں گے۔

تو تمہارے اسلام نے تم سے کون سا عذاب دور کر دیا تم بھی ہمارے ساتھ دوزخ میں آ گئے ہو۔

مسلمان کہیں گے۔

ہمارے گناہ تھے ان گناہوں کی وجہ سے ہم پر گرفت کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی باتیں سنے گا پھر ارشاد فرمائے گا۔

جو لوگ اہل قبلہ سے ہیں ان کو دوزخ سے نکال لو۔

جب دوزخی یہ معاملہ دیکھیں گے تو حسرت سے کہیں گے۔

کاش ہم بھی مسلمان ہوتے تو ہم کو بھی دوزخ سے اس طرح نکال لیا جاتا جس طرح ان کو نکال لیا گیا ہے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝ (الحجر:2)

بسا اوقات کفار یہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔ (کتاب السنۃ: رقم الحدیث:843)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ [illegible]

اللہ تعالیٰ مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کو بھی دوزخ میں ڈال دے گا۔
مشرکین کہیں گے۔
تم دنیا میں یہ گمان کرتے تھے کہ تم اللہ تعالیٰ کے اولیاء ہو پھر کیا وجہ ہے کہ تم ہمارے ساتھ دوزخ میں ہو۔ جب اللہ تعالیٰ ان کی اس بات کو سنے گا تو ان کے لئے شفاعت کی اجازت دے دے گا پھر فرشتے اور انبیاء کرام علیہم السلام اور مومنین شفاعت کریں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ان کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔
جب مشرکین یہ معاملہ دیکھیں گے تو کہیں گے کہ
کاش ہم بھی ان کی مثل ہوتے تو ہمیں بھی ان کے ساتھ دوزخ سے نکال لیا جاتا اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے۔
رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ۝
چونکہ دوزخ سے نکالے ہوئے ان مسلمانوں کے چہرے سیاہ ہوں گے تو جنت میں ان کا نام جہنمین رکھا جائے گا۔
پھر وہ دعا کریں گے۔
اے ہمارے رب عزوجل! ہم سے یہ نام دور کر دے اللہ تعالیٰ ان کو حکم دے گا کہ وہ جنت کے دریا میں نہائیں تو ان سے وہ سیاہی دور ہو جائے گی۔ (معجم الاوسط: رقم الحدیث: 8106)
ایک اور روایت میں ہے:
حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میری امت میں سے کچھ لوگوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا سو جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا وہ دوزخ میں رہیں گے پھر مشرکین ان کو عار دلائیں گے۔
اور کہیں گے کہ
تم اپنے ایمان اور اپنی تصدیق کی وجہ سے ہماری مخالفت کیا کرتے تھے اب ہم نہیں دیکھ رہے کہ تمہارے ایمان نے تمہیں کوئی نفع نہیں پہنچایا ہو پھر ہر موحد کو اللہ تعالیٰ دوزخ سے نکال لے گا۔
اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔
رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ۝ (معجم الاوسط: رقم الحدیث: 5142)

کفار کی دنیا اور آخرت میں رسوائی

کفار دنیا میں بھی رسوا ہیں اور آخرت میں بھی رسوا ہوں گے۔
قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۚ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۚ أَحْصَاهُ اللَّهُ وَنَسُوهُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ (المجادلۃ:5تا6)

بے شک جولوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے عداوت رکھتے ہیں وہ اسی طرح رسوا کیے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے لوگ رسوا کیے گئے تھے اور بے شک ہم نے واضح آیات نازل فرمائیں اور کافروں کے لئے ذلت والا عذاب ہے جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا پھر انہیں ان کے کیے ہوئے کاموں کی خبر دے گا جن کاموں کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ فرمالیا ہے اور وہ ان کو بھول چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگاہ رکھنے والا ہے۔

قیامت کے دن کفار کے چہروں پر غبار آلود اور سیاہی کا چھایا ہونا

قیامت کے دن کفار کے چہرے غبار آلود ہونگے اور ان پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی۔

قرآن مجید میں ہے:

وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝ (عبس:40تا42)

اور اس دن کئی چہرے غبار آلود ہوں گے ان پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی وہی لوگ کافر بدکار ہیں۔

کفار کو کوئی چیز عذاب سے نہ روک سکے گی

کفار کو مال و دولت و اولاد عذاب سے ہرگز نہ روک سکے گی۔

قرآن مجید میں ہے:

لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ (الرعد:18)

جن لوگوں نے اپنے رب کے دین کو قبول کیا ان کے لئے نیک انجام ہے اور جن لوگوں نے اس کے دین کو قبول نہیں کیا اگر ان کے پاس تمام روئے زمین کی چیزیں اور اتنی ہی اور چیزیں بھی ہوتیں تو وہ اپنے آپ کو (عذاب سے) چھڑانے کے لئے ان کو فدیہ میں دے دیتے ان ہی لوگوں کا سخت حساب ہوگا اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ ٹھہرنے کی کیسی بری جگہ ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ۝ (آل عمران

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ان کے مال اور ان کی اولاد ان کو اللہ (کے عذاب) سے ہرگز نہ بچا سکیں گے اور یہی

لوگ دوزخ کا ایندھن ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖؕ اُولٰٓىٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ۠ (آل عمران: 91)

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ کفر کی حالت میں مر گئے ان میں سے کسی سے تمام روئے زمین کے برابر سونا نہیں قبول کیا جائے گا خواہ وہ اس کو فدیہ میں دے ان کے لئے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہے۔

دوزخ میں کافروں کے سرداروں اور پیروکاروں کا مناظرہ

دوزخ میں کافروں کے سرداروں اور پیروکاروں کے درمیان مناظرہ ہوگا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اِنَّ لِلطّٰغِیْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍۙ جَهَنَّمَۚ یَصْلَوْنَهَاۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ هٰذَاۙ فَلْیَذُوْقُوْهُ حَمِیْمٌ وَّ غَسَّاقٌۙ وَّ اٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌؕ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْؕ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْؕ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَاۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِی النَّارِ وَ قَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِیًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ۠ (ص: 55 تا 64)

اور بے شک سرکشوں کا ضرور برا ٹھکانہ ہے (یعنی) جہنم جس میں وہ داخل ہوں گے کیا ہی برا بچھونا ہے یہ ہے پس وہ کھولتے ہوئے پانی اور پیپ کو چکھیں اور اسی طرح کا دوسرا عذاب ہے (وہ دیگر دوزخیوں کو دیکھ کر کہیں گے) یہ ایک اور گروہ ہے جو تمہارے ساتھ داخل ہو رہا ہے ان کو خوش آمدید نہ ہو بے شک یہ دوزخ میں داخل ہونے والے ہیں (آنے والے کہیں گے) بلکہ تم ہی وہ ہو جن کے لئے خوش آمدید نہیں ہے تم نے ہی یہ عذاب ہمارے لیے پیش کیا ہے سو وہ کیسی بری ٹھہرنے کی جگہ ہے وہ کہیں گے! اے ہمارے رب! جس نے ہمارے لیے اس عذاب کو مہیا کیا ہے اس کے عذاب کو دوزخ میں دگنا کر کے زیادہ کر دے۔ دوزخی کہیں گے کیا سبب ہے کہ ہمیں وہ لوگ نظر نہیں آ رہے جنہیں ہم (دنیا میں) برے لوگوں میں شمار کرتے تھے کیا ہم نے ناحق مذاق اڑایا تھا یا ہماری نگاہیں ان سے ہٹ گئی ہیں بے شک دوزخیوں کا یہ جھگڑا ضرور برحق ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔

قَالَ ادْخُلُوْا فِیْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ فِی النَّارِؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَاؕ حَتّٰۤى اِذَا ادَّارَكُوْا فِیْهَا جَمِیْعًاۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ۬ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ (الاعراف: 38)

اللہ تعالیٰ فرمائے گا! تم سب سے پہلے جنات اور انسانوں میں سے جو فرقے پہلے دوزخ میں داخل ہو چکے ہیں ان کے ساتھ تم بھی داخل ہو جاؤ جب بھی کوئی گروہ دوزخ میں داخل ہوگا وہ اپنی مثل کے دوسرے گروہ کو لعنت کرے گا حتیٰ کہ جب اس میں سب جمع ہو جائیں گے تو بعد والے پہلے والے لوگوں کے متعلق کہیں گے اے ہمارے رب! ان ہی لوگوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا سو تو ان کو دوزخ کا دگنا عذاب دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا سب ہی کا دوگنا عذاب ہے لیکن تم کو علم نہیں ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔

وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ○ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ○ (الاحزاب: 67 تا 68)

اور (پیروکار) کہیں گے! اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی پیروی کی جنھوں نے ہمیں گمراہ کر دیا اے ہمارے رب تو انہیں دوگنا عذاب دے اور ان پر بہت بڑی لعنت نازل فرما۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے اسلام میں کسی نیک طریقہ کو ایجاد کیا اس کو اس نیکی کا اجر ملے گا اور جو اس کے بعد اس نیک طریقہ پر عمل کرے گا اس کی نیکی کا بھی اجر ملے گا اور ان کی نیکیوں میں سے کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور جس نے اسلام میں کسی برے طریقہ کو ایجاد کیا خود اس کو بھی اس برے طریقہ کا گناہ ہوگا اور جو بعد میں اس برے طریقہ پر عمل کریں گے ان کی برائی کا بھی اس کو گناہ ہوگا اور ان کے گناہوں میں سے کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 1017)

حضرت صالح علیہ السلام کا قوم کو عذاب سے ڈرانا

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور بت پرستی ترک کرنے کی دعوت دی اور وعظ و نصیحت فرمائی اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ

ایک دن ثمود اپنی مجلس میں جمع ہوئے وہاں حضرت صالح علیہ السلام بھی آ گئے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے حسب معمول ان کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور بت پرستی ترک کرنے کی دعوت دی ان کو وعظ اور نصیحت اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا۔ (البدایہ والنہایہ: ج: 1 ص: 134 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قوم ثمود میں فقراء، غرباء کی دو اقسام

قوم ثمود میں بعض فقراء، غرباء وہ تھے جو ایمان لے آئے تھے اور بعض وہ تھے جو کفر پر ہٹ دھرم رہے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:
قوم ثمود میں فقراء، غرباء دو قسم کے تھے۔
بعض وہ جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لاچکے تھے۔
بعض وہ جو کافر رہے تھے۔ (تفسیر نعیمی: ج:8،ص:549 مطبوعہ لاہور)

قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کی ذات مقدسہ پر طعن کیا

حضرت صالح علیہ السلام نے جب قوم کو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات بتائیں تو قوم نے اللہ تعالیٰ یا اللہ تعالیٰ کی صفات پر کوئی اعتراض نہ کیا بلکہ حضرت صالح علیہ السلام کی ذات پر طعن کیا اور وہ بھی ان لوگوں کے سامنے جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:
حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو رب تعالیٰ کی ذات وصفات بتائیں قوم نے رب عزوجل یا اس کی صفات پر کوئی اعتراض نہ کیا بلکہ حضرت صالح علیہ السلام کی ذات مقدسہ پر طعن کیا وہ بھی غرباء مومنوں کے سامنے پتہ لگا کر اصل ایمان نبی کا ماننا ہے اصل کفران کا انکار غالباً یہ سوال بطور تعجب ان بدنصیبوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو نبی جان لینے پر تعجب کرتے ہوئے کہا کہ اے کم عقلو کیا تمہاری عقل میں یہ بات آگئی کیا تم نے مان لیا جان لیا کہ حضرت صالح علیہ السلام جیسے مسکین آدمی کو رب نے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا جن کے پاس نہ مال ہے نہ بڑی جماعت نہ جسمانی شہ زوری نہ کوئی اور کمال۔

(تفسیر نعیمی: ج:8،ص:550 مطبوعہ لاہور)

حضرت صالح علیہ السلام کو قوم کا عجیب وغریب جواب دینا

حضرت صالح علیہ السلام کو قوم نے عجیب وغریب جواب دیا۔
تفسیر نعیمی میں ہے:
اے صالح (علیہ السلام) غم ہم کو اس بات کا ہے کہ تم تو ہمارے ضعیفوں کے مددگار، یتیموں کے فریادرس، بیکسوں کے مشکل کشا تھے اس وجہ سے تم ہم کو سب سے پیارے تھے تم سے ہم لڑنا جھگڑنا تمہارا دشمن ہونا نہیں چاہتے تھے اب تم نے یہ کون سا راہ اختیار کیا کہ ہم کو دشمن ہونا پڑے گا کیونکہ معاملہ دین کا ہے۔ (تفسیر نعیمی: ج:12،ص:192 مطبوعہ لاہور)

حضرت صالح علیہ السلام سے قوم کا نبوت پر معجزہ طلب کرنا

قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا اگر تم سچوں میں سے ہو تو اپنی نبوت پر کوئی معجزہ لاؤ۔

قرآن مجید میں ہے:
فَاْتِ بِاٰیَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ (الشعراء:154)

اگر تم سچوں میں سے ہو (تو اپنی نبوت پر) کوئی معجزہ لاؤ۔

معجزہ کی تعریفات

معجزہ کی تعریف میں علماء کرام کے اقوال حسب ذیل ہیں۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی کا قول

علامہ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی شافعی متوفی 450ھ لکھتے ہیں:

معجزہ اس فعل کو کہتے ہیں جو عام بشر کی عادت اور اس کی طاقت کے خلاف ہو اور وہ فعل حقیقتاً صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت سے صادر ہوا ہو اور بہ ظاہر وہ مدعی نبوت سے صادر ہوا ہو۔ (اعلام النبوۃ: ص:42 مطبوعہ دار احیاء العلوم بیروت)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی کا قول

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی حنفی متوفی 816ھ لکھتے ہیں:

وہ کام جو اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ کے خلاف ہو اور خیر اور سعادت کی دعوت دیتا ہو اور اس کام کو پیش کرنے والا نبوت کا مدعی ہو اور اس خلاف عادت کام سے اس کے اس دعویٰ کے صدق کے اظہار کا قصد کیا گیا ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے اس خلاف عادت کام کو معجزہ کہتے ہیں۔ (کتاب التعریفات: ص:153 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ کمال الدین عبدالواحد بن ہمام کا قول

علامہ کمال الدین عبدالواحد بن ہمام حنفی متوفی 861ھ لکھتے ہیں:

معجزہ اس خلاف عادت کام کو کہتے ہیں جو دعویٰ نبوت سے مقرون ہو اور اس سے نبوت کے مدعی کا صدق ظاہر ہو۔

(المسامرہ: ص:213 مطبوعہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ مکران بلوچستان)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی کا قول

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی 793ھ لکھتے ہیں:

معجزہ وہ کام ہے جو خرق عادت ہو اور اس کے ساتھ اس کے معارضہ کا چیلنج مقرون ہو اور اس کا معارضہ نہ کیا جا سکے۔

ایک قول یہ ہے کہ

معجزہ وہ امر ہے جس سے نبوت یا رسالت کے مدعی کے صدق کے اظہار کا قصد کیا گیا ہو۔

اور بعض علماء کرام نے اس میں یہ قید بھی لگائی ہے کہ

وہ امر اس کے دعویٰ کے موافق ہو۔

اور بعض علماء کرام نے یہ قید بھی لگائی ہے کہ

وہ امر زمانہ تکلیف کے مقارن ہو کیونکہ [illegible] ختم ہونے کے بعد بھی خوارق کا ظہور ہوگا لیکن ان سے تصدیق

...صد نہیں کیا جائے گا۔ (شرح المقاصد: ج:5،ص:11 مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران)

معجزہ کی شرائط

علامہ احمد بن محمد قسطلانی متوفی 923ھ لکھتے ہیں:

معجزہ وہ کام ہے جو خلاف عادت ہو اور معارضہ کے چیلنج کے ساتھ مقرون ہو اور انبیاء کرام علیہم السلام کے صدق پر دلالت کرتا ہو اس کو معجزہ اس لیے کہتے ہیں کہ بشر اس کی مثال لانے سے عاجز ہے۔

اس کی حسب ذیل شرائط ہیں۔

1-معجزہ وہ کام ہونا چاہئے جو خلاف عادت ہو۔ جس طرح کہ

چاند کا دو ٹکڑے ہونا

انگلیوں سے پانی کا پھوٹ پڑنا

لاٹھی کا اژدھا بن جانا

پتھر سے اونٹنی کا نکالنا

اس قید سے وہ کام خارج ہو گئے جو عادت کے مطابق ہوں۔

2-اس فعل کے معارضہ اور مقابلہ کو طلب کیا جائے۔

اور بعض نے کہا: اس فعل کے ساتھ رسالت کا دعویٰ مقرون ہو۔

3-مدعی رسالت نے جس فعل کو صادر کیا ہے کوئی شخص اس فعل کی مثل نہ لا سکے۔

اور بعض نے کہا: معارضہ سے مامون ہونے کے ساتھ دعویٰ رسالت ہو اس قید سے وہ امور خلاف عادت نکل گئے جو دعویٰ ...ت سے پہلے صادر ہوں جیسے اعلان نبوت سے پہلے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بادل کا سایہ کرنا اور شق صدر وغیرہ ان کو ...ص کہتے ہیں۔ اسی طرح اس قید سے اولیاء اللہ کی کرامات بھی خارج ہو گئیں کیونکہ ان کے ساتھ دعویٰ نبوت مقرون نہیں

قاضی ابوبکر باقلانی نے کہا ہے کہ

معجزہ کی تعریف میں جو تحدی کی شرط لگائی گئی ہے یعنی اس فعل کے معارضہ اور مقابلہ کو طلب کیا جائے اس کی دلیل کتاب ...ہے نہ سنت میں نہ اس پر اجماع ہے اور بے شمار معجزات ایسے ہیں جن کی صدور میں معارضہ اور مقابلہ کو طلب نہیں کیا جاتا۔

...کے طور پر

کنکریوں کا کلمہ پڑھنا

انگلیوں سے پانی کا پھوٹ پڑنا

ایک صاع (چار کلوگرام) طعام سے دو سو آدمیوں کو پیٹ بھر کر کھلا دینا

آنکھ میں لعاب دہن ڈالنا

بکری کے گوشت کا کلام کرنا

اونٹ کا شکایت کرنا۔

اور بڑے بڑے معجزات اور تحقیق یہ ہے کہ

سوائے قرآن مجید کے اور کسی معجزہ میں تحدی نہیں کی گئی۔

4- چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ فعل مدعی نبوت کے دعویٰ کے موافق ہو اگر وہ خلاف عادت فعل مدعی نبوت کے خلاف ہو تو وہ معجزہ نہیں ہوگا بلکہ وہ اہانت ہوگی۔

واضح رہے کہ قرآن مجید اور حدیث مبارکہ میں معجزہ کا لفظ استعمال نہیں ہوا بلکہ معجزہ کے لئے آیت، بینہ اور برہان کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ (الانعام:124)

لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ (الاعراف:101)

فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ (القصص:32) (مواہب اللدنیہ: ج:2،ص191 تا 194 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

معجزات کا انبیاء کرام علیہم السلام کے اختیار میں ہونا

معجزات کا انبیاء کرام علیہم السلام کے اختیار میں ہونے پر محدثین، فقہاء کرام اور متکلمین کے چند اقوال ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

علامہ عبدالرحمٰن بن محمد الانباری کا قول

علامہ عبدالرحمٰن بن محمد الانباری متوفی 577ھ لکھتے ہیں:

معجزہ میں شرط یہ ہے کہ

وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہو کیونکہ معجزہ اس حیثیت سے دلالت کرتا ہے کہ وہ مدعی نبوت کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے تصدیق ہے اگر معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل نہ ہو تو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے مدعی نبوت کی تصدیق کی ہے۔

(کتاب الداعی الی الاسلام: ص: 281 مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ)

علامہ میر سید شریف جرجانی کا قول

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی 816ھ اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

ایک قوم نے معجزہ میں یہ شرط لگائی ہے کہ

وہ نبی کی قدرت میں نہ ہو کیونکہ اگر معجزہ نبی کا مقدور ہوگا جیسے اس کا ہوا کی طرف چڑھنا اور پانی پر چلنا تو وہ اللہ

طرف سے تصدیق کے قائم مقام نہیں ہوگا اور یہ اعتراض کچھ وزن نہیں رکھتا کیونکہ جب اس فعل پر قادر ہوگا اور دوسرا کوئی شخص اس پر قادر نہیں ہوگا تو وہ فعل معجزہ ہوگا۔

علامہ آمدی نے کہا: آیا معجزہ نبی کی قدرت میں ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

بعض آئمہ کرام نے یہ کہا ہے کہ

ہوا کی طرف چڑھنا اور پانی پر چلنا میں محض چڑھنا یا چلنا معجزہ نہیں ہے کیونکہ یہ نبی کے لئے مقدور ہوتا ہے اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نبی کے لئے اس پر قدرت پیدا کر دے۔ اس مثال میں جو چیز معجزہ ہے وہ اس مثال میں نفس قدرت ہے اور یہ قدرت نبی کا مقدور نہیں ہے۔

اور بعض آئمہ کرام نے کہا ہے کہ

اس مثال میں ہوا کی طرف چڑھنا یا پانی پر چلنا ہی معجزہ ہے کیونکہ یہ فعل خارق عادت ہے اور یہ فعل اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ (شرح المواقف: ج:8، ص:223 تا 224 مطبوعہ ایران)

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کا قول

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی متوفی 1067ھ اس قول کے زیادہ صحیح ہونے کی وجہ بیان کرتے ہیں کیونکہ مقصود یہ ہے کہ دوسرے اس فعل سے عاجز ہوں اور اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق حاصل ہو جائے گی اور یہی مقصود ہے۔

نیز لکھتے ہیں:

جو اس کے قائل ہیں کہ معجزہ نبی کی قدرت میں نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ نفس قدرت معجزہ ہے اور یہ نبی کا مقدور نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

ہم نفس قدرت کو معجزہ نہیں کہتے بلکہ اس خاص فعل کو معجزہ کہتے ہیں اور اس خاص فعل پر نبی قادر ہے اور اس کا غیر قادر نہیں ہے اور معجزہ سے یہی مقصود ہے۔ (حاشیہ سیالکوٹی علی شرح المواقف: ج:8، ص:224 مطبوعہ ایران)

امام محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام محمد بن محمد غزالی متوفی 505ھ لکھتے ہیں:

نبی کو فی نفسہ ایک ایسی صفت حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کے خلاف عادت افعال (معجزات) پورے ہوتے ہیں جس طرح ہماری ایک صفت ہے جس کی وجہ سے ہماری حرکات قدرت اور اختیار سے ہوتی ہیں اگرچہ قدرت اور مقدور دونوں اللہ تعالیٰ کا فعل ہیں۔ (احیاء العلوم: ج:5، ص:53 مطبوعہ دار الخیر بیروت)

علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 793ھ لکھتے ہیں:

ہم بیان کر چکے ہیں کہ ہر چیز کو وجود میں لانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے خاص طور پر

مردوں کو زندہ کرنے

لاٹھی کو سانپ بنانے

چاند کو شق کرنے

اور پتھر کو سلام کرنے میں۔

علاوہ ازیں حکیم قادر مختار نے انبیاء کرام علیہم السلام کو معجزات صادر کرنے کے لئے جو قدرت اور اختیار عطا کیا ہے وہ مطلوب کی افادیت میں کافی ہے اسی وجہ سے معتزلہ کا یہ مذہب ہے کہ معجزہ یا اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے یا اس کے حکم سے واقع ہوتا ہے یا اس کے قدرت اور اختیار دینے کی وجہ سے واقع ہوتا ہے۔ (شرح المقاصد: ج:5،ص:17 مطبوعہ ایران)

علامہ محمد بن احمد سفارینی حنبلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

علامہ محمد بن احمد سفارینی حنبلی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1188ھ لکھتے ہیں:

شیخ ابن تیمیہ نے کہا کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو معجزات، قدرت، فعل اور تاثیر سے متعلق ہیں۔

ان کی حسب ذیل انواع ہیں۔

1- بعض معجزات عالم علوی میں ہیں جیسے

چاند کا دو ٹکڑے ہونا

آسمان کا آگ کے گولوں سے محفوظ رہنا

اور آسمان کی طرف معراج۔

2- بعض فضا میں ہیں۔ جیسے استسقاء اور استصحاء میں بادلوں کا آنے اور جانے میں آپ کی اطاعت کرنا۔

3- انسانوں، جنات اور حیوانوں میں آپ کا تصرف کرنا۔

4- درختوں، لکڑیوں اور پتھروں میں آپ کا تصرف کرنا۔

5- آسمان کے فرشتوں کا آپ کی تائید کرنا۔

6- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا قبول ہونا۔

7- ماضی اور مستقبل کے غیوب کی خبریں دینا۔

8- کھانے پینے کی چیزوں اور پھلوں کا زیادہ ہو جانا اس کے علاوہ اور کئی انواع کے معجزات ہیں جن میں آپ کی نبوت اور رسالت کے دلائل اور علامات ہیں۔

(لوامع الانوار الالٰہیہ: ج:2،ص:293 تا 294 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

احادیث مبارکہ سے ثبوت

معجزات کا انبیاء کرام علیہم السلام کے اختیار میں ہونے پر کثیر احادیث مبارکہ ہیں جن میں سے جنات اور شیاطین پر تصرف کے متعلق یہ حدیث مبارکہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

گزشتہ رات ایک بہت زبردست جن نے مجھ پر حملہ کرنا چاہا تا کہ میری نماز خراب کر دے اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قدرت دی اور میں نے اس کو دھکا دیا میں نے ارادہ کیا کہ اس کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون کے ساتھ باندھ دوں حتیٰ کہ تم سب اس کو دیکھو پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی یہ دعا یاد آئی۔

اے اللہ عزوجل! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کو سزاوار نہ ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو ناکام لوٹا دیا۔ (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 1189)

درختوں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف کے متعلق یہ حدیث مبارکہ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا اور عرض کرنے لگا۔

کس طرح پہچانوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر میں کھجور کے اس خوشہ کو درخت سے بلاؤں تو تم گواہی دو گے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلایا تو کھجوروں کا وہ خوشہ درخت سے اترا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر گر گیا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لوٹ جاؤ تو وہ لوٹ گیا پھر وہ اعرابی مسلمان ہو گیا۔ (سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3668)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

مسجد کی چھت کھجور کے شہتیروں پر بنائی گئی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ایک شہتیر سے ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر بنایا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بیٹھ گئے تو ہم نے اس شہتیر کے رونے کی آواز سنی جس طرح اونٹنی اپنے بچے کے فراق میں روتی ہے حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ہاتھ رکھا تو وہ پر سکون ہو گیا۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3585)

اور انسانوں پر تصرف کے متعلق یہ حدیث مبارکہ ہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ تبوک کے لئے جا رہے تھے تو اثناء سفر میں ہم نے ایک سفید پوش شخص کو ریگستان سے آتے ہوئے دیکھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''کن ابا خیثمہ''

ابوخیثمہ ہو جا تو وہ ابوخیثمہ ہو گیا۔ (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 6883)

علامہ شرف الدین نووی متوفی 676ھ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

کن یہاں تحقیق اور وجود کے لئے ہے یعنی اے شخص تجھے چاہئے کہ تو حقیقتاً ابوخیثمہ ہو جا۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے جو کہا ہے وہ صحیح ہے۔ (صحیح مسلم: ج: 11، ص: 6910 مطبوعہ مکتبہ الباز مکہ مکرمہ)

اشکال

معجزات پر نبی کی قدرت نہ ہونے پر بعض علماء کرام نے اس آیت مبارکہ سے استدلال کیا ہے۔

وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ○ (الرعد: 38)

کسی رسول کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ کوئی نشانی لے آئے مگر اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہر وعدہ کے لئے ایک نوشتہ تقدیر ہے۔

جواب

اس آیت کریمہ میں نشانی سے مراد کفار کے فرمائشی معجزات ہیں اور اس آیت کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ تم جن معجزات کی فرمائش کرتے ہو وہ میں اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر پیش نہیں کر سکتا۔ اس آیت کریمہ میں یہ نہیں فرمایا کہ کوئی نبی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت اور قدرت سے بھی کوئی معجزہ پیش نہیں کر سکتا اور اللہ تعالیٰ جب معجزات پر قدرت عطا فرماتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا اذن ہی ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں تصریح ہے کہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے اذن سے مادرزاد اندھوں اور برص کے مریضوں کو تندرست کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے مردوں کو زندہ کرتے تھے۔

علامہ نووی شافعی متوفی 676ھ اور علامہ محمود بن احمد عینی متوفی 855ھ نے حدیث مبارکہ جریج کی شرح میں لکھا ہے کہ

بعض اوقات اولیاء اللہ کی کرامات ان کی طلب اور ان کے اختیار سے واقع ہوتی ہیں اور یہی صحیح مذہب ہے۔

(شرح مسلم: ج:2،ص:314 مطبوعہ کراچی، عمدۃ القاری: ج:7،ص:283 مطبوعہ مصر)

اور جب بعض اوقات اولیاء اللہ کی کرامات ان کے اختیار سے واقع ہوتی ہیں تو بعض اوقات انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات کا ان کے اختیار سے واقع ہونا زیادہ لائق ہے۔

معجزات کا انبیاء کرام علیہم السلام کے صدور میں دیو بند کا موقف

علماء دیو بند کے نزدیک معجزہ صرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہے ظاہراً اور حقیقتاً نبی کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے خلق کے لحاظ سے نہ کسب کے لحاظ سے اور نبی سے معجزہ کا صدور ایسے ہی ہے جیسے کاتب کے قلم سے لکھنے کا صدور ہو جیسے قلم بے اختیار ہوتا ہے ایسے ہی نبی بے اختیار ہوتا ہے۔

شیخ رشید احمد گنگوہی متوفی 1323ھ لکھتے ہیں:

بعض افعال خاصہ الہیہ بعض اوقات فرشتوں اور نبیوں میں ظاہر ہوتے ہیں اور ان افعال کے وقوع میں ان کی کوئی قوت اختیار، قدرت اور اقتدار نہیں ہوتا لہٰذا ان افعال کو کھانے اور پہننے کی طرح افعال اختیاریہ اور اعمال مقدور میں سے شمار نہیں کرنا چاہئے اور ان کی مثال کاتب اور قلم کی سی ہے جس طرح لکھنے میں قلم کی کوئی قدرت اور اختیار نہیں ہے اسی طرح ان افعال کے صدور میں نبیوں کا بھی کوئی اختیار نہیں ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص:173 مطبوعہ کراچی)

مولانا حیدر علی ٹونکی نے اپنی بعض تصنیفات میں لکھا ہے۔

اور وہ جو عوام کا گمان ہے کہ کرامت اولیاء کا خود اپنا فعل ہوتا ہے یہ باطل ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جس کو وہ ولی کے ہاتھ پر اس کی تکریم اور تعظیم کے لئے ظاہر فرماتا ہے اور ولی کا اور نہ ہی نبی کا اس کے صدور میں اختیار ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ و تقدس کے افعال میں کسی کا اختیار نہیں ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص:175 مطبوعہ کراچی)

بلکہ یہ اس پر مبنی ہے کہ معجزہ نبی کا فعل نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کا فعل ہے جس کو اس نے نبی کے ہاتھ پر ظاہر فرمایا ہے اس کے برخلاف دوسرے افعال میں ان افعال کا کسب بندہ سے ہے اور ان افعال کا خلق خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور معجزہ میں بندہ کا کسب بھی نہیں ہوتا۔

پس اس آیت کا معنیٰ یہ ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ۚ (الانفال:17)

آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی جبکہ آپ نے صورتاً خاک کی مٹھی پھینکی تھی لیکن وہ خاک کی مٹھی حقیقتاً اللہ نے پھینکی تھی۔

اور یہ معنیٰ مراد نہیں ہے کہ آپ نے خاک کی مٹھی خلقاً نہیں پھینکی جبکہ آپ نے خاک کی مٹھی کسباً پھینکی تھی اس لیے کہ یہ بھی تمام افعال میں جاری ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص:176 مطبوعہ کراچی)

سو افعال اختیاریہ میں عادتاً تصرف ہوتا ہے ظاہراً اور فعل حق تعالیٰ کا مخفی ہے اور معجزات و تصرفات میں ظاہر بھی عجز ہے قلم کے۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ص: 177 مطبوعہ کراچی)

معجزات کے صدور میں علماء اہل سنت کا موقف اور دیوبندیوں کا رد

اس مسئلہ میں ہمارا موقف یہ ہے کہ

معجزات اور کرامات ہوں یا عام افعال، تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ عام افعال عادیہ میں جس طرح عام مسلمانوں کا کسب اور اختیار ہوتا ہے اور ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اسی طرح معجزات اور کرامات میں کسب اور اختیار انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کا ہوتا ہے اور ان افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ جس طرح کہ ہم نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ سے صراحتاً نقل کیا ہے اور شیخ ابن تیمیہ، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ ایسے محدثین فقہاء کرام اور متکلمین کا بھی یہی نظریہ ہے البتہ بعض معجزات اور کرامات جو ان کے حاملین سے متصف اور مباشر نہیں ہوتے ان کے صدور میں انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کا مطلقاً دخل نہیں ہوتا خلقاً نہ کسباً جیسے

قرآن مجید کا نزول

مردوں کو زندہ کرنا

چاند کا شق ہونا وغیرہ۔

شیخ رشید احمد گنگوہی نے اپنے موقف کے ثبوت میں لکھا ہے کہ

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ آپ نے خلقاً خاک کی مٹھی نہیں پھینکی جبکہ آپ نے کسباً خاک کی مٹھی پھینکی تھی لیکن اہل سنت کے معتمد اور مستند مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاک کی مٹھی خلقاً نہیں پھینکی تھی جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاک کی مٹھی کسباً پھینکی تھی ان عبارات کو نقل کرنے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کا شان نزول اور پس منظر بیان کردیں۔

امام حسین بن محمد فراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

مفسرین نے بیان کیا ہے کہ

جب جنگ بدر کے دن مسلمانوں اور کافروں کے لشکر بالمقابل ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاک آلود کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر کفار کے چہروں پر ماری۔

اور ارشاد فرمایا:

ان کے چہرے قبیح ہوجائیں تو ہر کافر کی آنکھوں یا منہ یا نتھنوں میں اس میں سے کچھ نہ کچھ گر گیا اور اس کے بعد کافروں کو شکست ہوگئی۔ (معالم التنزیل: ج:2، ص:200 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

واضح رہے کہ مفسرین نے لکھا ہے کہ خاک کی مٹھی کفار کے چہروں پر مارنے کا واقعہ جنگ بدر میں پیش آیا تھا لیکن احادیث مبارکہ میں یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوہ حنین میں پیش آیا تھا۔ (صحیح مسلم مغازی: 4539)

بہر حال خاک کی مٹھی ایک ہزار کافروں کے منہ پر ماری جائے اور وہ خاک ہر کافر کی آنکھوں اور منہ میں چلی جائے یہ فعل خرق عادت اور معجزہ ہے تو اس کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ (الانفال: 17)

اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں ماری جب آپ نے ماری تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے وہ مٹھی ماری تھی۔

شیخ رشید احمد گنگوہی نے لکھا ہے کہ

اس میں خلق اور کسب دونوں کی نفی ہے اور یہ معنیٰ نہیں ہے کہ خاک کی مٹھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلقاً نہیں ماری جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مٹھی کسباً ماری تھی تا کہ معجزہ میں نبی کا کسب ثابت ہوتا ہو لیکن اس کے برخلاف اہل سنت کے مستند اور معتمد مفسرین نے اس آیت کی تفسیر یہی کی ہے کہ خاک کی مٹھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلقاً نہیں ماری جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مٹھی کسباً ماری تھی اور معجزہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کسب اور اختیار ثابت کیا ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاک کی مٹھی مارنے کو ثابت بھی کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی نفی بھی کی ہے اس لیے اس معنیٰ پر حمل کرنا واجب ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاک کی مٹھی خلقاً نہیں ماری اور کسباً ماری تھی۔ (تفسیر کبیر: ج:5، ص:466 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ نے بھی امام رازی کی عبارت کو نقل کر کے اس سے بندوں کا کسب کرنے پر استدلال کیا ہے۔ (روح المعانی: ج:9، ص:185)

اس کے بعد مزید لکھتے ہیں:

میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو خاک کی مٹھی کو پھینکنا ثابت کیا گیا ہے اس سے مراد وہی مخصوص پھینکنا ہو جس نے عقلوں کو حیران کر دیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کا اثبات حقیقتاً ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فعل اس قدرت سے کیا ہو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی تھی اور وہ قدرت اللہ تعالیٰ کے اذن سے مؤثر تھی لیکن چونکہ عام انسانوں کی قدرت سے اس قسم کا اثر واقع نہیں ہو سکتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس فعل کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفی کی اور اس کو اپنے لیے ثابت فرمایا۔ (روح المعانی: ج:9، ص:186 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی 710ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کریمہ میں بیان ہے کہ بندہ کا فعل بندہ کی طرف کسباً منسوب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف خلقاً منسوب ہوتا ہے۔ (مدارک علی ہامش الخازن: ج:2، ص:185 مطبوعہ ...)

علامہ احمد شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی 1069ھ لکھتے ہیں:
اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلقاً وہ مٹھی نہیں پھینکی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسباً وہ مٹھی پھینکی تھی۔ (عنایۃ القاضی علی البیضاوی: ج:4،ص:261 مطبوعہ دار صادر بیروت)
علامہ سلیمان بن عمر المعروف بالجمل متوفی 1204ھ لکھتے ہیں:
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فعل کی نفی باعتبار ایجاد کے حقیقتاً ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فعل کا اثبات باعتبار کسب ہے۔ (الفتوحات الالٰہیہ: ج:2،ص:235 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)
ان کثیر حوالہ جات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے بہ اعتبار کسب کے معجزات صادر ہوتے ہیں اور ان کو خلق اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اس کے اذن سے ان معجزات کو صادر کرتے ہیں۔

تمام انبیاء کرام علیہم السلام حامل معجزہ ہیں

اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام مقدس انبیاء کرام علیہم السلام کو معجزات سے نوازا جو انہوں نے اپنی قوم کے روبرو ظاہر فرمائے اور قوم ان انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان بھی لے آئی۔
قرآن مجید میں ہے:
وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ۚ (الاعراف:101)
بے شک ان بستیوں والوں کے پاس ان کے رسول واضح معجزات لے کر آئے ہیں۔
اس آیت مبارکہ سے یہ تو صراحتاً معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پانچ رسولوں کو واضح معجزات عطا فرمائے تھے اگر چہ ذکر صرف حضرت صالح علیہ السلام کے اس معجزہ کا کیا ہے کہ انہوں نے ایک پتھر کی چٹان سے اونٹنی نکالی اور اس آیت کریمہ سے اشارۃً یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو معجزہ دے کر بھیجا کیونکہ اگر نبی کے پاس معجزہ نہ ہو تو وہ کس بنیاد پر اپنی رسالت کو ثابت کرے گا اور اگر نبی کے پاس معجزہ نہ ہو تو نبی صادق اور نبی کاذب میں امتیاز کا کوئی ذریعہ نہیں رہے گا اس کے علاوہ بھی حدیث مبارکہ میں اس پر بھی دلیل ہے کہ ہر نبی کو معجزہ عطا فرمایا گیا۔
جیسا کہ روایت میں ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ہر نبی کو اس قدر معجزات دیئے گئے ہیں جن کی وجہ سے ایک بشر ان پر ایمان لے آئے اور مجھے وحی (قرآن مجید) عطا کی گئی جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل فرمائی پس مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے متبعین تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ ہوں گے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 4981)
اس آیت کریمہ اور حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو معجزات کی دولت سے

ہے۔

زمانے کے اعتبار سے معجزات کا ظہور

ہر نبی کو معجزات زمانے کے لحاظ سے دیئے جاتے ہیں جس قسم کے لوگ ہوں اور اس زمانے میں جس چیز کا چرچا ہو۔

جیسا کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادوگری کا چرچا تھا اور وہ لوگ جادوگری بڑی کثرت سے کیا کرتے تھے اور لوگوں کو اس سے حیران کن کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جادوگروں کے توڑ کے معجزات عطا فرمائے تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ○ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَ بَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ○ وَ اُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ○ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ○ (الاعراف:117 تا 122)

اور ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ تم اپنا عصا ڈال دو تو وہ فوراً ان کے جھوٹے طلسم کو نگلنے لگا سو حق کا غلبہ ثابت ہو گیا اور جو کچھ وہ کرتے تھے اس کا بطلان ظاہر ہو گیا پس فرعون اور اس کے درباری مغلوب ہو گئے اور ذلیل وخوار ہو کر واپس ہوئے اور جادوگر سجدے میں گر پڑے انہوں نے کہا ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔

☆ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ اقدس میں طب اور حکمت کا بہت غلبہ تھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیحائی کا ایسا کمال دے کر بھیجا جو ان کی تمام طب اور حکمت پر غالب آ گیا۔

قرآن مجید میں ہے:

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۭ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ○ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ○ قَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّىْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ○ (المائدہ:112 تا 115)

جب حواریوں نے کہا! اے عیسیٰ بن مریم! کیا آپ کا رب ہم پر آسمان سے خوان نازل کر سکتا ہے (عیسیٰ نے) کہا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو۔ انہوں نے کہا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس خوان سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہمیں یقین ہو جائے کہ آپ نے ہم سے سچ کہا تھا اور ہم اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں۔ عیسیٰ بن مریم نے دعا کی اے ہمارے رب ہم پر آسمان سے کھانے کا خوان نازل فرما تا کہ (وہ دن)

ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہو جائے اور تیری طرف سے نشان (ہو جائے) اور ہمیں رزق عطا فرما اور تو سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک میں اس خوان کو تم پر نازل فرمانے والا ہوں۔ پھر تم میں سے جو شخص اس کے بعد کفر کرے گا تو میں ضرور اس کو ایسا عذاب دوں گا جو تمام جہان والوں میں سے کسی کو بھی نہ دوں گا۔

امام ابو عبداللہ بن محمد المعروف بابی الشیخ الاصبہانی متوفی 396ھ لکھتے ہیں:

سلیمان الخیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مائدہ (طعام کا خوان) کا سوال کیا تو آپ علیہ السلام نے اس کو سخت ناپسند فرمایا۔

اور ارشاد فرمایا:

اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ نے تم کو جو رزق حلال زمین سے دیا ہے اس پر قناعت کرو اور آسمان سے مائدہ کا سوال نہ کرو کیونکہ اگر وہ تم پر نازل کیا گیا تو وہ تمہارے رب کی طرف سے نشانی ہوگی۔ تم سے پہلے قوم ثمود نے اپنے نبی سے نشانی کا سوال کیا تھا وہ اس نشانی میں مبتلا کیے گئے پھر اس نشانی کے تقاضے پورے نہ کرنے کی وجہ سے وہ ہلاک کر دیئے گئے جب ان کی قوم نے اصرار کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نماز پڑھی اور بہت گریہ وزاری سے دعا کی۔

اے اللہ عزوجل! ہم پر آسمان سے مائدہ نازل فرما! اللہ تعالیٰ نے دو بادلوں کے درمیان ان پر سرخ دستر خوان نازل کیا بنو اسرائیل اس کو نازل کرتے دیکھ کر خوش ہو رہے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام خوف زدہ ہو کر بار بار دعا کر رہے تھے کہ اے اللہ عزوجل اس خوان کو رحمت بنانا اور اس کو غضب نہ بنانا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دعا کر رہے تھے کہ وہ دستر خوان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آ کر ٹھہر گیا حواریوں کو اس سے خوشبو آئی جیسی انہوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں سونگھی تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ میں گر گئے یہود اس خوان کو دیکھ کر غیظ وغضب سے جل گئے حواری اس دستر خوان کے گرد بیٹھ گئے وہ خوان ایک رومال سے ڈھکا ہوا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

جو شخص سب سے زیادہ عبادت گزار اور اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہو گا وہ اس کو کھولے گا۔

حواریوں نے کہا: یا روح اللہ! آپ علیہ السلام اس کو کھولنے کے لائق ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ وضو کیا نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے رو رو کر اپنے اور قوم کے لئے برکت کی دعا کی۔ پھر اس کو کھولا تو اس میں بہت بڑی بھنی ہوئی مچھلی تھی جس میں کانٹے نہیں تھے اور اس سے گھی بہہ رہا تھا اور اس کے گرد ہر قسم کی سبزیاں تھیں اور نمک اور سرکہ تھا اور پانچ روٹیاں تھیں ایک روٹی پر زیتون ایک پر کھجور اور باقیوں پر انار تھے۔

شمعون نے کہا: یا روح اللہ علیہ السلام! یہ طعام دنیا کے طعام میں سے ہے یا آخرت کے طعام سے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا: یہ نہ دنیا کا طعام ہے نہ آخرت کا طعام ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

تم بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو اور اپنے رب عزوجل کا شکر ادا کرو وہ تم کو مزید عطا فرمائے گا۔

انہوں نے کہا: یا روح اللہ علیہ السلام! ہم چاہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام ہمیں اس نشانی میں ایک اور نشانی دکھائیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: سبحان اللہ عزوجل! کیا تمہارے لیے یہ نشانی کافی نہیں ہے جو اس کے علاوہ نشانی کا سوال کرتے ہو۔

جب انہوں نے اصرار کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مچھلی سے فرمایا: اے مچھلی! تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے دوبارہ زندہ ہو جا۔ وہ مچھلی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے دوبارہ زندہ ہوگئی وہ شیر کی طرح منہ پھاڑنے لگی اور اس کی آنکھیں گردش کرنے لگیں اور وہ پھڑکنے لگی۔ حواری خوفزدہ ہو کر بھاگنے لگے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: پہلے تم نے نشانی کا مطالبہ کیا تھا اب نشانی دیکھ کر ڈرتے کیوں ہو۔

پھر آپ علیہ السلام نے مچھلی سے ارشاد فرمایا:

اے مچھلی! اللہ تعالیٰ کے حکم سے دوبارہ پہلے کی طرح بھنی ہوئی ہو جا۔

پھر انہوں نے کہا: اے روح اللہ! آپ علیہ السلام کھانے کی ابتداء کریں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا: سبحان اللہ عزوجل! وہی کھانے کی ابتداء کرے گا جس نے اس کا مطالبہ کیا تھا۔ حواری اور ان کے اصحاب ڈرتے تھے کہ اس کھانے سے کہیں وہ مثلہ نہ ہو جائیں یا ان پر کوئی آفت نہ آئے تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فقراء اور اپاہجوں کو بلایا کہ تم اللہ تعالیٰ کے رزق اور اپنے نبی علیہ السلام کی دعا سے کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرو اور اللہ تعالیٰ کے شکر پر ختم کرو تم پر کوئی آفت نہیں آئے گی سو اس مائدہ سے تیرہ سو مردوں اور عورتوں نے کھایا اور ان میں سے ہر شخص سیر ہو گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حواریوں نے دیکھا وہ طعام اسی طرح تھا اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی پھر وہ مائدہ آسمان کی طرف اٹھایا گیا اور جس فقیر نے اس مائدہ سے کھایا تھا وہ غنی ہو گیا اور جس اپاہج نے کھایا وہ تندرست ہو گیا اور وہ لوگ تا دم حیات اسی طرح رہے پھر حواری اور ان کے اصحاب میں سے نہ کھانے پر پشیمان ہوئے اور تا دم مرگ ان کے دل میں اس سے کھانے کی حسرت رہی۔ چند دنوں بعد پھر مائدہ نازل ہوا پھر ہر جگہ سے امیر اور غریب، صحت مند اور بیمار، چھوٹے اور بڑے بنو اسرائیل اس پر ٹوٹ پڑے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ دیکھا تو باری مقرر فرما دی۔ ایک دن مائدہ نازل ہوتا اور ایک دن مائدہ نازل نہ ہوتا۔ چالیس دن تک یہی معمول رہا جب تک وہ کھاتے رہتے مائدہ ان کے سامنے رہتا اور جب وہ کھا چکتے تو وہ آسمان کی طرف اٹھ جاتا وہ اس کو دیکھتے رہتے حتیٰ کہ وہ ان کی نظروں سے غائب ہو جاتا پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اس مائدہ سے یتیموں، فقیروں اور اپاہجوں کو کھلایا جائے اور امیر لوگوں کو نہ کھلایا جائے۔ تب امیروں نے اس میں شک کرنا شروع کر دیا اور اس کے متعلق بری باتیں پھیلا دیں۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ
آپ علیہ السلام ہمیں مائدہ کے نزول کے متعلق مطمئن کریں کیونکہ بہت لوگ اس میں شک کرتے ہیں (کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا نہیں)
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر تم نے اس میں شک کیا تو ہلاک ہو جاؤ گے۔
اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ میں نے اس شرط سے مائدہ نازل کیا تھا جو اس کے بعد کفر کرے گا میں اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ دنیا میں ایسا عذاب کسی کو نہ دیا ہوگا۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ عزوجل! اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو بہت غالب اور حکمت والا ہے۔ شام کو شک کرنے والے بستروں پر اپنی عورتوں کے ساتھ لیٹے تو ان کی اچھی صورتیں تھیں اور رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو مسخ کر کے خنزیر بنا دیا۔ صبح کو وہ کوڑے اور گندگی کے ڈھیروں پر گندگی تلاش کر کے کھانے لگے۔ پھر باقی بنو اسرائیل خوفزدہ ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کرنے لگے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام باہر نکلتے تو وہ خنزیر دوڑتے ہوئے آپ علیہ السلام کے پاس آتے اور آپ علیہ السلام کے پیروں پر گرتے اور زار و قطار روتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان میں سے ہر شخص کا نام لے کر پکارتے۔ ان میں سے ہر ایک اپنا سر ہلاتا تھا اور بول نہیں سکتا تھا۔
آپ علیہ السلام فرماتے: میں تم کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتا تھا گویا میں پہلے سے یہ دیکھ رہا تھا وہ تین دن تک اسی طرح بلکتے رہے اور ان کے گھر والے ان کو دیکھ کر روتے رہے۔ لوگوں کے دل ان کا حال دیکھ کر پگھل گئے پھر چوتھے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان پر موت طاری کر دے سو چوتھے روز وہ مر گئے اور زمین پر ان کا مردہ نہیں دکھائی دیا۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان کے مردہ جسم کہاں گئے البتہ یہ ایسا عذاب تھا جس سے ان لوگوں کی جڑ کٹ گئی اور زمین پر ان کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ (کتاب العظمۃ: ص 363 تا 367 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)
علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو عبد الرحمان سلمی رضی اللہ عنہ نے کہا:
مائدہ کا طعام روٹی اور مچھلی تھا۔
حضرت عمار بن یاسر اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہما نے کہا: مائدہ آسمان سے نازل ہوتا تھا اور اس میں جنت کے پھل تھے
اور وہب بن منبہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جو کی روٹیاں اور مچھلیاں نازل فرمائی تھیں۔
اور یہ تین اقوال امام ترمذی کی حدیث مبارکہ کے خلاف ہیں۔ اس میں مذکور ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آسمان سے مائدہ نازل ہوا اس میں روٹیاں اور گوشت تھا۔
(الجامع الاحکام القرآن: ج:6، ص:287 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

☆اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام کے دور اقدس میں لوگ عجیب وغریب باتیں کیا کرتے تھے اور بتوں کو پوجتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو اونٹنی کا معجزہ عطا فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّ لَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ (الشعراء:155 تا 156)

صالح نے کہا یہ اونٹنی ہے ایک دن اس کے (پانی) پینے کا ہے اور ایک مقررہ دن تمہارے (پانی) پینے کا ہے تم اس کے ساتھ کوئی برائی نہ کرنا ورنہ بڑے دن کا عذاب تم کو پکڑ لے گا۔

روایت ہے کہ

انہوں نے کہا ہم یہ چاہتے ہیں کہ

اس چٹان سے ایک دس ماہ کی حاملہ اونٹنی نکلے اور وہ فوراً ایک بچہ جن دے۔ حضرت صالح علیہ السلام بیٹھ کر ان کے مطالبہ پر غور کرنے لگے۔ تب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آ کر کہا۔

آپ علیہ السلام اپنے رب عزوجل سے دعا کیجئے کہ وہ اس پتھر سے اونٹنی نکال دے تو اس چٹان سے ایک اونٹنی نکلی اور ان کے سامنے آ کر بیٹھ گئی اور فوراً اس سے ایک بچہ پیدا ہو گیا۔ (تفسیر کبیر: ج:8،ص:525، ج:19، ص:171)

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک میں گئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام حجر میں پہنچ کر فرمایا۔ اے لوگو نبی سے دلائل اور معجزات کا مطالبہ نہ کیا کرو یہ قوم صالح ہے جس نے اپنے نبی سے یہ سوال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی نشانی بھیجے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اونٹنی بھیج دی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 15866)

ایک روایت میں ہے: حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا۔

اگر تم سچوں میں سے ہو تو (اپنی نبوت پر) کوئی نشانی لاؤ۔

تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے ارشاد فرمایا: تم اس پہاڑ کی طرف جاؤ تو وہ پہاڑ اچانک حاملہ عورت کی طرح پھول گیا پھر وہ پہاڑ پھٹ گیا اور اس کے وسط سے اونٹنی نکلی۔

حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے ارشاد فرمایا: یہ اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی زمین پر چرنے چگنے کے لئے چھوڑ دو۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 15867)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اونٹنی بھیجی وہ اپنی باری پر ان کے راستے سے اپنا پانی

پیتی تھی اور جتنا وہ لوگ اس کے ناغہ کے دن پانی پیتے تھے اس سے اس دن اتنا دودھ دوہ لیتے تھے پھر وہ لوٹ جاتی تھی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 15868)

ایک اور روایت میں ہے: امام محمد بن اسحاق سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جو اونٹنی بطور نشانی نکالی تھی وہ قوم ثمود کی زمین میں درختوں کو چرتی تھی اور پانی پیتی تھی۔

حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے کہا۔

یہ اونٹنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے نشانی ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی زمین میں چرنے دو اور اس کو کوئی نقصان نہ پہنچاؤ ورنہ تم پر بڑے دن کا عذاب آئے گا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 15873)

☆ اسی طرح ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مقدسہ میں فصاحت و بلاغت کا بہت غلبہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا فصیح اور بلیغ کلام دے کر بھیجا جس کی نظیر لانے سے تمام جن وانس عاجز ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خود گھڑ لیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو فرما دیجئے کہ تم اس جیسی دس سورتیں لے کر آؤ۔

قرآن مجید میں ہے:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ (ھود: 13)

کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے قرآن کو از خود گھڑ لیا ہے آپ فرمایئے کہ پھر تم اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں لے آؤ (اور اپنی مدد کے لئے) اللہ تعالیٰ کے سوا جس کو بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم سچے ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قرآن مجید کے ساتھ چیلنج کیا کہ اگر یہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام ہے تو تم بھی اس جیسا کلام بنا کر لے آؤ لیکن مخالفین کی کثرت اور علوم وفنون اور زبان و بیان کی روز افزوں ترقی کے باوجود کوئی شخص قرآن مجید کی مثل کلام بنا کر نہیں لا سکا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ○ (بنی اسرائیل: 88)

آپ فرما دیجئے! اگر تمام انسان اور جن مل کر اس قرآن کی مثل لانا چاہیں تو وہ اس کی مثل نہیں لا سکتے خواہ وہ ایک دوسرے کی مدد (بھی) کریں۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ○ (الطور: 34)

اسی جیسی ایک بات بھی بنا کر پیش کر دو اگر تم سچے ہو۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ○ (البقرہ:23)

اور اگر تمہیں اس کتاب میں شک ہے جس کو ہم نے اپنے (محبوب) بندے پر نازل کیا ہے تو اس کی مانند کوئی ایک سورت بھی لا کر دکھا دو اور اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ (یونس:38)

آپ فرما دیجئے! تم اس کی مثل کوئی ایک سورت لے آؤ۔

پھر کفار نے جیسے جیسے معجزات طلب کیے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ویسے ویسے معجزات دکھائے جس طرح کہ چاند کا دو ٹکڑے فرما کر کفار کو دکھانا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوئے ان میں ولید بن مغیرہ

ابو جہل بن ہشام

العاص بن وائل

العاص بن ہشام

الاسود بن عبد یغوث

الاسود بن عبد المطلب بن اسد بن عبد العزی

زمعۃ بن الاسود

النصر بن الحارث وغیرہم تھے۔

پس انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے (رسول) ہیں تو ہمارے لیے چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائیں اس کا نصف ابو قبیس (مکہ کا پہاڑ) پر ہو اور اس کا نصف قعیقعان (مکہ کا دوسرا پہاڑ) پر ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

اگر میں نے ایسا کر دیا تو تم اس پر ایمان لے آؤ گے۔

انہوں نے کہا: ہاں۔ اور وہ چاند کی چودھویں رات تھی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو چاند کے

اسی طرح دو ٹکڑے ہو گئے ایک ٹکڑا ابو قبیس پر تھا اور دوسرا ٹکڑا قعیقعان پر تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نداء فرما رہے تھے۔

اے ابو سلمہ بن عبد الاسد اور اے الارقم بن ابی الارقم! گواہ ہو جاؤ۔ (دلائل النبوۃ: رقم الحدیث: 209)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم گواہ ہو جاؤ۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3636)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اہل مکہ مکرمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کوئی معجزہ دکھائیں تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چاند پھٹنا دکھا دیا۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3637)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا حتیٰ کہ ایک ٹکڑا پہاڑ کے ایک طرف تھا اور دوسرا ٹکڑا دوسری طرف تھا۔

لوگوں نے کہا: (سیدنا) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) نے جادو کر دیا۔

پھر ان میں سے بعض لوگوں نے کہا: اگر انہوں نے ہم پر جادو کیا ہے تو وہ سب لوگوں پر تو جادو نہیں کر سکتے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3289)

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ

شق القمر کا معجزہ بہت عظیم تھا اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات میں اس قسم کا معجزہ نہیں ہے کیونکہ یہ معجزہ اس عالم طبیعی سے خارج واقع ہوا اور کسی شخص کی دسترس میں نہیں ہے کہ وہ اس معجزہ کی نظیر لا سکے لہٰذا اس معجزہ کے ساتھ نبوت کو ثابت کرنا بہت واضح ہے۔ (فتح الباری: ج: 7، ص: 580 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں: شق القمر کا واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہجرت سے پانچ سال پہلے ہوا کیونکہ صحیح بخاری اور مسلم اور تفسیر ابن جریر میں ہے کہ

اہل مکہ مکرمہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو معجزہ دکھائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دکھایا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا حتیٰ کہ انہوں نے حرا پہاڑ کو ان دو ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔

امام ابوداؤد اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہما نے یہ روایت کی ہے کہ ہر طرف سے مکہ مکرمہ میں مسافرین آئے اور انہوں نے شہادت دی کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا ہے۔ (روح المعانی: جز: 17، ص: 113 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ ہے کہ

انہوں نے مکہ مکرمہ میں چاند کے دو ٹکڑے دیکھے اور ان سے دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے منیٰ میں چاند کے دو ٹکڑے دیکھے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3869)

اور ان دونوں احادیث مبارکہ میں ہے: اس کا جواب یہ ہے کہ

منیٰ بھی مکہ مکرمہ میں ہے اس لیے ان احادیث مبارکہ میں کوئی تعارض نہیں ہوا۔ قدیم فلاسفر نے چاند کے شق ہونے کا انکار کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک چاند پہلے آسمان میں ہے اور آسمانوں میں خرق اور التیام محال ہے اسی طرح ان کا شب معراج آسمان کے دروازوں کو کھلوانے پر بھی اعتراض ہے اسی طرح انہوں نے قیامت کے دن سورج کے لپیٹے جانے پر بھی اعتراض کیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ کافر ہیں تو پہلے ان سے اسلام کے ثبوت پر مناظرہ کیا جائے گا اور اگر وہ مسلمان ہیں تو جو چیز صریح قرآن مجید سے ثابت ہے جیسا کہ

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ○ (التکویر: 1)

اور

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ ○ (القمر: 1)

اس کا انکار کرنے سے وہ اسلام سے خارج ہو جائیں گے۔

بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ

اگر شق القمر ہوا ہوتا تو اس کو تمام دنیا کے لوگ دیکھتے اور اس کو نقل کرتے اور اس کا مشاہدہ صرف اہل مکہ کے ساتھ خاص نہ ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

شق القمر رات کے وقت ہوا اور اس وقت اکثر لوگ سوئے ہوئے تھے اور اس زمانہ میں شاذ و نادر ہی لوگ آسمان کی طرف جہات کر دیکھتے تھے اور کئی مرتبہ رات کو چاند گہن لگتا ہے اور بڑے بڑے ستارے ظاہر ہوتے ہیں لیکن بہت کم لوگ ہی ان کو دیکھتے ہیں اسی طرح چاند کا شق ہونا بھی رات کو وقوع پذیر ہوا نیز ایک لحظہ کے بعد چاند کے دونوں ٹکڑے پھر جڑ گئے تھے اس لیے اکثر لوگ اس کو نہیں دیکھ سکے اور چونکہ ایک لحظہ کے لئے چاند دو ٹکڑے ہوا تھا اس لیے کئی دیکھنے والوں نے اسے شدت حیرت کی وجہ سے نظر کے دھوکے پر محمول کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ رات بعض علاقہ والوں کے لئے چودھویں ہو اور بعض دوسرے علاقہ والوں کے لئے وہ چودھویں رات نہ ہو۔ بعض لوگوں نے شق القمر کا اس لیے انکار کیا کہ اگر یہ واقعہ ہوا ہوتا تو یہ عام لوگوں سے مخفی نہ رہتا کیونکہ یہ ایسی چیز ہے جس کا تعلق حس اور مشاہدہ سے ہے اور تمام لوگ اس کو دیکھ سکتے ہیں اور جو چیز عجیب و غریب ہو اس کو لوگ ضرور دیکھتے ہیں اور اگر یہ واقعہ ہوا ہوتا تو یہ ستاروں کے علم کی کتابوں میں ضرور درج ہوتا کیونکہ ان سب لوگوں کا اس کو ترک کرنے پر اتفاق کرنا ممکن نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

چاند کو شق کرنے کا واقعہ رات میں رونما ہوا کیونکہ دن میں چاند کا ظہور نہیں ہوتا اور رات کو اکثر لوگ اپنے گھروں میں سوئے ہوئے تھے اور بعض صحراء میں سفر کرنے والے بیدار ہوئے لیکن ہوسکتا ہے کہ وہ اس وقت کسی اور کام میں مشغول ہوں یہ واقعہ تو چشم زدن میں ہو گیا تھا اور یہ بہت بعید ہے کہ ستارہ شناس ہر وقت رصد گاہوں میں بیٹھ کر چاند کو تکتے رہیں اور کبھی غافل نہ ہوں اور یہ ہوسکتا تھا ہے کہ جب یہ واقعہ ہوا ہو تو اکثر لوگوں کو پتا نہ چلا ہو اور اس واقعہ کو ان ہی لوگوں نے دیکھا جنہوں نے اس کے دیکھنے کا مطالبہ کیا تھا اور یہ واقعہ تو صرف ایک لحظہ میں رونما ہو گیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ قرآن مجید کے سوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی معجزہ حد تواتر کو نہ پہنچے کیونکہ ہر نبی کا وہ معجزہ جو عامۃ الوقوع ہوا اور اس کا ادراک حس سے اور مشاہدہ سے ہوسکتا ہو اور پھر قوم اس کی تکذیب کرے تو اس قوم کو ہلاک کر دیا جاتا ہے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے اس لیے جس معجزہ کے ساتھ آپ نے دوسروں کو اس کی نظیر لانے کا چیلنج کیا وہ معجزہ عقلی تھا اس لیے اس معجزہ کے ساتھ ان ہی لوگوں سے معارضہ کیا گیا جن کو زیادہ عقل اور فہم دی گئی تھی۔

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ

کسی ستارہ شناس نے اس کا اعتراف نہیں کیا کہ اس نے چاند کے دو ٹکڑے دیکھے ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ

کسی ستارہ شناس نے یہ بھی نہیں کہا اس نے چاند کے دو ٹکڑے نہیں دیکھے۔ اس واقعہ کو بہ کثرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد تابعین عظام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے اور قرآن مجید میں اس کا صراحت کے ساتھ ذکر ہے اس کے علاوہ اہل مکہ نے مکہ مکرمہ کے اطراف میں لوگوں کو بھیجا تھا اور انہوں نے آ کر یہ خبر دی کہ انہوں نے چاند کو شق ہوتے ہوئے دیکھا ہے کیونکہ مسافر رات کو چاند کی روشنی میں سفر کرتے تھے اور انہوں نے یہ واقعہ دیکھا تھا۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ

جب آدمی کسی چیز کو قصداً دیکھنا نہ چاہے تو اس کو دیکھنے سے مانع بہت سی چیزیں ہوسکتی ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ مکرمہ کے علاوہ تمام روئے زمین کے لوگوں کی نگاہوں کو اس واقعہ سے پھیر لیا ہوتا کہ یہ مشاہدہ اہل مکہ کے ساتھ خاص ہو جائے جیسا کہ اور بہت سے معجزات کے مشاہدہ کے ساتھ اہل مکہ خاص تھے اور دوسروں کو صرف ان کے بیان کرنے سے معجزات کا علم ہوا ہو۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ

شق القمر کا معجزہ بہت عظیم معجزہ تھا اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات میں اس قسم کا کوئی معجزہ نہیں ہے کیونکہ یہ اس عالم طبیعی سے خارج میں واقع ہوا اور کسی شخص کی دسترس میں یہ نہیں ہے کہ وہ اس معجزہ کی نظیر لا سکے لہٰذا اس معجزہ کے ساتھ نبوت کو ثابت کرنا بہت واضح ہے۔ (فتح الباری: ج: 7، ص 580 تا 581 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابوعبدالرحمن سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم مدائن سے ایک فرسخ کے سفر پر رہتے تھے تو جمعہ کی نماز کا وقت ہو گیا لہٰذا میں اپنے باپ کی معیت میں جمعہ کی نماز پڑھنے آیا۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قیامت قریب آگئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔

سنو قیامت قریب آگئی ہے اور چاند کے ٹکڑے ہونے کا معجزہ ظاہر ہو گیا ہے تفکر کرو یہ فانی جہان ہے اور مقابلہ کا میدان ہے اور کل مقابلہ اور سبقت کرنے کا نتیجہ سامنے آئے گا۔

میں نے کہا: ابا جان! کیا مخلوق دوڑے گی۔

تو میرے باپ نے کہا: تو تو ہے ہی جاہل یہ اعمال کی دوڑ ہے۔

جب دوسرا جمعہ آیا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دوبارہ یہی واقعہ (چاند کا دو ٹکڑے ہونا) دہرایا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

چاند نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں دو ٹکڑے ہوا۔ آج مقابلہ کا میدان ہے اور کل مقابلہ اور سبقت کرنے کا نتیجہ سامنے آئے گا پیچھے رہنا دوزخ ہے سبقت کرنا جنت ہے۔ (مستدرک: جز: 4، ص: 651)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں چاند گرہن ہوا۔

تو مشرکین نے کہا: چاند پر جادو ہو گیا ہے تو یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں۔

قیامت قریب آگئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ (معجم الکبیر: جز: 11، ص: 250)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں چاند دو ٹکڑے ہوا ایک ٹکڑا پہاڑ کے ایک طرف اور دوسرا ٹکڑا پہاڑ کی دوسری طرف تھا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: گواہ رہو۔ (مسند احمد: ج: 7، ص: 303)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں چاند دو ٹکڑے ہوا۔

تو مشرکین نے کہا: یہ ابن ابی کبشہ کا جادو ہے۔

تو کچھ لوگوں نے کہا: (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمام لوگوں پر تو جادو نہیں کر سکتے دوسری جگہوں سے مسافرین کو آنے دو دیکھتے ہیں وہ کیا اس کے بارے میں کہتے ہیں پھر مختلف جگہوں سے مسافر آگئے تو تمام نے اس بات (یعنی چاند کے دو

ٹکڑے ہونے کی) تصدیق کی۔ (صحیح البخاری: جز: 11،ص: 467)

ایک اور روایت میں ہے: مکہ مکرمہ میں چاند دو ٹکڑے ہوا۔

تو مشرکین نے کہا: یہ ابن ابی کبشہ کا جادو ہے، مسافرین سے پوچھیں اگر انہوں نے دیکھا ہے تو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں اگر ان مسافروں نے نہیں دیکھا تو یہ جادو ہی ہے چنانچہ ہر اطراف سے آنے والوں سے پوچھا گیا تو انہوں نے چاند کے دو ٹکڑے ہونے کی گواہی دی۔ (مشکل الآثار للطحاوی: جز: 2،ص: 201)

اعتراض

اگر یہ کہا جائے کہ تمام روئے زمین کے دوسرے ملک والوں میں چاند کا ٹکڑے ہونا کیوں مشہور و معروف نہیں؟

جواب

اس کی نفی کون کرتا ہے بہت وقت گزر گیا ہے ہوسکتا ہے کہ ان کے علمی آثار اور ذخائر ضائع ہو گئے ہوں کفار اور نبوت کا انکار کرنے والے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرنے والے تھے ممکن ہے کہ جس وقت ان کو چاند کے دو ٹکڑے ہونے کی خبر ہوئی ہو تو انہوں نے اس خبر کو چھپا لیا ہو اور جان بوجھ کر بھلا دیا ہو۔ اس کے علاوہ بھی کئی سیاحت کرنے والوں کا قول ہے کہ ہندوستان میں ایک عالی شان اور دیوہیکل عمارت ہے جس پر یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ چاند کے ٹکڑے ہونے کی رات اس کی بنیاد رکھی گئی تھی اور یہ معجزہ کافی رات گزر جانے کے بعد ظہور ہوا اکثر وجوہات کی وجہ سے دوسرے مسلک والے اس کو ملاحظہ نہ کر سکے کیونکہ آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا بھی تھا اور کثیر لوگ سو رہے تھے اور ممالک میں چاند کے طلوع اور غروب ہونے کا ایک وقت بھی نہیں اس کے علاوہ بھی کئی وجوہات ہیں۔

اللہ تعالیٰ (اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم) بہتر جانتے ہیں۔ (معجزات النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ص: 164 اکبر بک سیلرز لاہور)

☆ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کے دو ٹکڑے کیے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کو بھی واپس لوٹایا تھا جس پر کثیر دلائل ہیں۔

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی جا رہی تھی اور ان کا سر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز نہیں پڑھی حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی۔

اے اللہ عزوجل! بے شک علی (رضی اللہ عنہ) تیری اطاعت اور تیرے رسول کی اطاعت میں مشغول تھا تو ان پر سورج لوٹا دے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے دیکھا کہ سورج غروب ہو گیا تھا پھر غروب کے بعد وہ طلوع ہو گیا۔

(معجم الکبیر: رقم الحدیث: 390)

ابوالاعلیٰ مودودی نے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق جو روایات بیان کی جاتی ہیں ان کے تمام طرق اور رجال پر بحث کر کے ابن تیمیہ نے اس کو موضوع ثابت کیا ہے اور ابن جوزی کہتے ہیں کہ یہ بلا شک و شبہ موضوع ہے۔ غزوہ خندق کے موقع پر سورج کے واپس والی روایت بھی بعض محدثین کے نزدیک ضعیف اور بعض کے نزدیک موضوع ہے۔

میں کہتا ہوں کہ مودودی صاحب نے تو پکا پکایا حلوہ کی صورت میں اقوال بیان کر دیئے مگر اس کی تہہ تک نہیں پہنچا۔ سورج کو لوٹانے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کو لوٹایا تھا جس طرح علماء و محدثین مفسرین کے اقوال سے ثابت کیا جاتا ہے۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں: سورج کو لوٹانا بہت عظیم معجزہ ہے اور ابن الجوزی نے اس حدیث مبارکہ کو موضوعات میں درج کر کے خطا کی ہے اور ابن تیمیہ نے بھی اس حدیث مبارکہ کو کتاب الرد علی الروافض میں درج کر کے اس کو موضوع کہا یہ اس کی بھی خطا ہے۔ (فتح الباری: ج:6، ص:247 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن عراقی الکنانی متوفی 963ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن جوزی نے کہا کہ

اس حدیث مبارکہ کی سند میں فضیل بن مرزوق ہے اور اس کو یحییٰ نے ضعیف قرار دیا ہے دوسری سند میں ابن عقدہ ہے اور رافضی ہے اس پر کذاب کی تہمت ہے نیز اس سند میں عبدالرحمٰن بن شریک ہے اس کے متعلق ابو حاتم نے کہا ہے کہ یہ ضعیف الحدیث ہے نیز یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اس کی سند میں داؤد بن فراہج ہے اس کو شعبہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

علامہ ابن جوزی کے ان اعتراضات کا جواب یہ ہے کہ

فضیل بن مرزوق ثقہ اور بہت زیادہ سچا راوی ہے صحیح مسلم اور سنن اربعہ کی مصنفین نے اس سے استدلال کیا ہے اور عبدالرحمٰن بن شریک کی ابو حاتم کے علاوہ دوسرے آئمہ کرام نے توثیق کی ہے اور امام بخاری نے کتاب الادب میں اس سے روایت کیا ہے اور ابن عقدہ بہت بڑے حفاظ میں سے ہیں اور ان کی جرح اور تعدیل میں لوگوں کا اختلاف ہے اور جن لوگوں نے ان پر حدیث وضع کرنے کی تہمت لگائی ہے ان کی امام دار قطنی نے تکذیب کی ہے۔

حمزہ السہمی نے کہا ہے کہ

ان پر وضع کی تہمت کو خلیجی ہی لگا سکتا ہے۔

اور داؤد بن فراہج کی ایک قوم نے توثیق کی ہے پھر اس حدیث کو آئمہ اور حفاظ کی ایک جماعت نے صحیح کہا ہے۔ ان میں امام طحاوی ہیں اور امام سیوطی نے اس حدیث مبارکہ کی اسانید کے تتبع میں ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام کشف اللبس فی حدیث رد الشمس ہے اور اس رسالہ کو امام شافعی کے اس قول پر ختم کیا ہے جس نبی کو بھی کوئی معجزہ دیا گیا ہمارے نبی کو اس جیسا یا اس سے بڑا معجزہ دیا گیا۔ (تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ: ج:1، ص:379 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ محمد بن ابراہیم السخاوی متوفی 902ھ اس حدیث مبارکہ کے متعلق لکھتے ہیں:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے امام جوزی نے بھی ان کی پیروی کی اور اس حدیث کو موضوعات میں درج کیا ہے لیکن امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور صاحب شفاء نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔ (المقاصد الحسنہ: ص: 236 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں: ابن اسحاق کی مغازی میں ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ معراج کی صبح کو جب کفار قریش کو یہ خبر دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا قافلہ دیکھا ہے اور وہ طلوع آفتاب کے ساتھ آ جائے گا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی حتیٰ کہ قافلہ آنے تک سورج رکا رہا۔ یہ حدیث منقطع ہے۔

لیکن امام طبرانی کی اوسط میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کو حکم دیا تو وہ کچھ دیر متاخر ہو گیا۔

اس حدیث مبارکہ کی سند حسن ہے۔

اور مسند احمد میں جو روایت ہے کہ

حضرت یوشع علیہ السلام کے سوا اور کسی کے لئے سورج نہیں ٹھہرایا گیا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ

انبیاء کرام سابقین علیہم السلام میں سے کسی اور کے لئے سورج نہیں ٹھہرایا گیا اور اس حدیث میں اس بات کی نفی نہیں کہ حضرت یوشع علیہ السلام کے بعد نبی کے لئے سورج ٹھہرایا گیا ہو۔

اور امام طحاوی، امام طبرانی، امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زانو پر سر رکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز عصر قضا ہو گئی تو سورج لوٹا دیا گیا حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھ لی اور اس کے بعد سورج غروب ہو گیا اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم معجزہ ہے۔

اور تحقیق یہ ہے کہ

ابن جوزی اور ابن تیمیہ نے اس حدیث مبارکہ کو موضوع قرار دینے کی خطا کی ہے۔

واللہ اعلم

البتہ! قاضی نے جو یہ نقل کیا ہے کہ

یوم خندق کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سورج کو لوٹایا گیا تھا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھ لی تو اگر یہ ثابت ہو تو پھر یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رد الشمس کا تیسرا

ہے۔(فتح الباری: ج:6،ص:222 مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

کسی راوی کے رافضی یا خارجی ہونے کی بناء پر اس کی روایت کے موضوع ہونے کا یقین کر لینا صحیح نہیں ہے اگر چہ وہ اپنے فاسد عقیدے میں ہے مگر اس عظیم معجزے کو نظر انداز کیا جائے اور ضعیف حدیث قرار دیا جائے یہ خطاء ہے۔

جیسا کہ ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی 1014ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن جوزی نے ابن عقدہ کی وجہ سے اس حدیث کو موضوع لکھا ہے کیونکہ وہ رافضی تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا کہتا تھا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

محض کسی راوی کے رافضی یا خارجی ہونے کی وجہ سے اس کی روایت کے موضوع ہونے کا یقین کر لینا صحیح نہیں ہے جبکہ وہ اپنے دین کے لحاظ سے ثقہ ہو اور غالباً اسی وجہ سے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث مبارکہ کو روایت کیا ہے اور اصل چیز راوی کی عدالت ہے۔(شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض: ج:3،ص:11 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اور بعض علماء کرام نے اس حدیث مبارکہ کی سند کو حسن کہا ہے۔

جیسا کہ حافظ ہیثمی متوفی 807ھ نے لکھا ہے کہ

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے معجم الاوسط میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کو ٹھہرنے کا حکم دیا تو وہ ایک ساعت ٹھہر گیا۔

اس حدیث مبارکہ کی سند حسن ہے اور ایک حدیث مبارکہ کی سند صحیح ہے وہ ابراہیم بن حسن سے مروی ہے اور وہ ثقہ راوی ہیں امام ابن حبان نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے۔(مجمع الزوائد: ج:8،ص:297 مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی 360ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی جارہی تھی اور ان کا سر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز نہیں پڑھی حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ

اے اللہ عزوجل! بے شک علی (رضی اللہ عنہ) تیری اطاعت اور تیرے رسول کی اطاعت میں مشغول تھے تو ان پر سورج لوٹا دے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

میں نے دیکھا کہ سورج غروب ہو گیا تھا اور پھر غروب ہونے کے بعد وہ طلوع ہو گیا۔(معجم الکبیر: رقم الحدیث:390)

امام ابو جعفر متوفی 321ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث نبوت کی عظیم علامتوں میں ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اپنے آپ کو پابند رکھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے سورج لوٹانے کی دعا کی اس سے نماز عصر کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

(شرح مشکل الآثار: ج:3، ص:98 مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

علامہ اسماعیل بن محمد عجلانی متوفی 1162ھ لکھتے ہیں: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس حدیث کی کوئی اصل نہیں۔

اور علامہ ابن جوزی نے کہا: یہ موضوع ہے۔

لیکن ان کی خطا ہے اسی وجہ سے حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

اس حدیث کو امام ابن مندہ اور امام ابن شاہین نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

اور امام ابن مردویہ نے حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ان دونوں حدیثوں کی سند حسن ہے اور امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس حدیث مبارکہ کو امام طبرانی اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہما نے اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

احمد بن صالح کہتے تھے کہ جو شخص علم حاصل کرنا چاہتا ہو اس کو حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی اس حدیث مبارکہ کو نہیں چھوڑنا چاہئے کیونکہ وہ نبوت کی بہت بڑی علامت ہے یہ حدیث متصل ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور ابن جوزی نے جو اس پر کلام کیا ہے اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔ (کشف الخفاء ومزیل الالباس: ج:1، ص:220 مطبوعہ مکتبۃ الغزالی دمشق)

علامہ سید محمد بن محمد زبیدی حنفی متوفی 1205ھ لکھتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور معجزات میں سے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سورج کو لوٹایا گیا۔

حافظ ابو جعفر طحاوی نے مشکل الآثار میں اور امام ابن مندہ اور امام ابن شاہین نے اور امام طبرانی نے معجم کبیر میں اسناد حسن کے ساتھ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں سر رکھا اور سو گئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہلایا نہیں حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے اللہ عزوجل! بے شک تیرا بندہ علی (رضی اللہ عنہ) اپنے نبی کی خدمت میں مشغول تھا پس اللہ تعالیٰ نے سورج کو لوٹا دیا حتیٰ کہ سورج پہاڑوں اور زمین پر ٹھہر گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اٹھے انہوں نے وضو کیا اور عصر کی نماز پڑھی اور سورج غروب ہو گیا یہ صہباء کا واقعہ ہے۔

اس حدیث مبارکہ کا دوسرا متن یہ ہے کہ

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اوپر کپڑا اوڑھ لیتے ایک دن آپ صلی اللہ

علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زانو پر سر رکھا ہوا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

کیا تم نے عصر کی نماز پڑھ لی ہے۔

انہوں نے عرض کیا:

نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اللہ تعالیٰ نے ان پر سورج لوٹا دیا حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز پڑھ لی۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

میں نے دیکھا کہ سورج غروب ہونے کے بعد طلوع ہو گیا۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث مبارکہ کو صحیح کہا ہے۔

اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے اس حدیث مبارکہ کو الشفاء میں نقل کیا ہے اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیح کو برقرار رکھا ہے۔

اور کہا ہے کہ

یہ سب معجزات سے ہے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ

امام احمد بن صالح یہ فرماتے ہیں کہ

جس شخص کا مقصد علم ہو اس کو چاہئے کہ وہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث مبارکہ کو حفظ کرے کیونکہ یہ نبوت کی علامات میں سے ہے۔

امام ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں درج کیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے تخریج رافعی میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نقل کیا ہے کہ اس حدیث مبارکہ کی کوئی اصل نہیں ہے اور ابن تیمیہ نے ان کی پیروی کی ہے اور روافض کے رد میں جو رسالہ لکھا ہے اس میں یہ تصریح کی ہے کہ یہ موضوع ہے۔

اور ابن جوزی نے یہ کہا ہے کہ

اس کی سند میں احمد بن داؤد ہے۔

دارقطنی نے اس کے متعلق کہا ہے۔

وہ متروک الحدیث ہے اور کذاب ہے۔

اور ابن حبان نے کہا ہے کہ

وہ حدیث وضع کرتا تھا۔

پھر ابن جوزی نے کہا: یہ حدیث باطل ہے اور جس نے اس کے موضوع ہونے سے غفلت کی اس سے اس میں محض فضیلت کی صورت کو دیکھا اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور سورج غروب ہونے کے بعد نماز قضا ہو جائے گی اور سورج کے لوٹ آنے سے وہ نماز ادا نہیں ہوگی۔

میں کہتا ہوں کہ

یہ ابن الجوزی کی غلطی ہے اس پر حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ رد کر چکے ہیں اور اہل علم کو معلوم ہے کہ ابن الجوزی احادیث صحیحہ کو احادیث موضوعہ میں درج کر دیتے ہیں اور اس پر ان کے معاصر اور ان کے بعد کے بکثرت علماء نے رد کیا ہے۔

جس طرح کہ

حافظ عراقی نے نکت الصلاح میں نقل کیا ہے اور اس حدیث کو متعدد حفاظ نے صحیح کہا ہے۔

حتیٰ کہ حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ

اس حدیث مبارکہ کا متعدد اسانید کے ساتھ مروی ہونا اس کی صحت پر شاہد ہے اس لیے ابن جوزی کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

اور ابن جوزی کا یہ کہنا کہ

اس میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔

اس کا جواب یہ ہے: اس میں فائدہ ہے اور یہ ہے کہ سورج کے لوٹنے سے وقت لوٹ آتا ہے۔

اور رہا اس کا یہ کہنا کہ

سورج کا لوٹ آنا قضا نماز کو ادا نہیں بناتا۔ اس کا حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے شرح ارشاد میں یہ جواب دیا ہے کہ جب سورج غروب ہو اور پھر لوٹ آئے تو اس کے لوٹ آنے سے وقت بھی لوٹ آئے گا۔

اور اس کی دلیل یہ حدیث مبارکہ ہے۔

اور شہاب الدین خفاجی نے شرح الشفاء میں لکھا ہے کہ

اگر سورج کے لوٹنے کے بعد بھی یہ نماز قضا ہی رہتی تو پھر سورج کے لوٹانے کا کیا فائدہ تھا کیونکہ یہ نماز ایک عذر کی بناء قضاء ہوئی تھی۔

اور عذر یہ تھا کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند میں خلل نہ ڈالا جائے اور یہ فضیلت ہے اور جب وہ نماز لوٹائی گئی تو وہ فضیلت حاصل

ئی۔

اور دوسرے علماء کرام نے لکھا ہے کہ

یہ نماز ادا ہوئی تھی۔ علامہ قرطبی نے التذکرہ میں اس کی تصریح کی ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ

جب سورج لوٹ آیا تو گویا وہ غروب نہیں ہوا۔

اور امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے معجم اوسط میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کو حکم دیا تو وہ ایک گھنٹہ مؤخر ہو گیا۔ (اتحاف السادۃ المتقین: ج:7، ص 191 تا 192 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ

ہر نبی کے معجزے کا صدور اس زمانے کے لحاظ سے ہوا کرتا ہے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مقدسہ میں فصاحت و بلاغت کا بہت غلبہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا فصیح اور بلیغ کلام دے کر مبعوث فرمایا جس کی نظیر لانے سے تمام جن وانس عاجز ہو گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سراپا معجزہ بنا کر مبعوث فرمایا گیا کفار نے چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا مطالبہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً چاند کو دو ٹکڑے فرما دیا اس قسم کے اور بھی معجزات عظیمہ ہیں۔

قوم ثمود کا نشانی لے کر آنے کا مطالبہ کرنا

قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ اگر آپ علیہ السلام سچے نبی ہیں تو کوئی نشانی لے آئیں۔

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی 211ھ روایت کرتے ہیں۔

ابوالطفیل سے روایت ہے کہ

قوم ثمود نے کہا: اے صالح! اگر آپ (علیہ السلام) سچے ہیں تو کوئی نشانی دکھائیں۔ (تفسیر عبدالرزاق: رقم الحدیث: 911)

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: حضرت ابوالطفیل رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا۔

ہمارے پاس کوئی نشانی (معجزہ) لے آئیں اگر آپ (علیہ السلام) سچے ہیں۔ (تفسیر در منثور: ج:3، ص:314 مطبوعہ کراچی)

ایک اور مقام پر راقم ہیں۔

امام ابوالشیخ نے حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول بیان کیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو قوم ثمود کی طرف بھیجا آپ علیہ السلام نے انہیں دعوت حق دی اور انہوں نے آپ علیہ السلام کو جھٹلایا اور یہ درخواست کر دی کہ آپ (علیہ السلام) ان کے پاس کوئی نشانی (معجزہ) لے آئیں۔

(تفسیر در منثور: ج:3، ص:316 مطبوعہ کراچی)

قوم ثمود کا ایمان لانے کے لئے دس ماہ کی گابھن اونٹنی کا مطالبہ کرنا جو فوراً بچہ جن دے

قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے آپ علیہ السلام کی نبوت پر یہ مطالبہ کیا کہ اگر آپ علیہ السلام واقعی سچے نبی ہیں تو آپ علیہ السلام اس چٹان سے ایسی ایسی صفت کی ایک اونٹنی نکالیں جو دس ماہ کی گابھن ہو اور فوراً ہی بچہ جن دے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

قوم ثمود نے پتھر کی ایک چٹان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

اگر آپ (علیہ السلام) اس چٹان سے ایسی ایسی صفت کی ایک اونٹنی نکالیں جو دس ماہ کی گابھن ہو اور فوراً بچہ جن دے تو آپ (علیہ السلام) پر ایمان لے آئیں گے۔ (البدایہ والنہایہ: ج:1، ص: 134 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت صالح علیہ السلام کا بیٹھ کر ان کے مطالبہ پر غور و فکر کرنا

جب قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا کہ اس چٹان سے ایک دس ماہ کی حاملہ اونٹنی نکلے اور وہ فوراً جن دے تو آپ علیہ السلام بیٹھ کر ان کے اس مطالبہ پر غور کرنے لگ گئے۔

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں: روایت ہے کہ انہوں نے کہا:

ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس چٹان سے ایک دس ماہ کی حاملہ اونٹنی نکلے اور وہ فوراً ایک بچہ جن دے۔ حضرت صالح علیہ السلام بیٹھ کر ان کے اس مطالبہ پر غور کرنے لگے۔ (تفسیر کبیر: ج:8، ص: 525 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا آ کر کہنا کہ اللہ تعالیٰ سے پتھر سے اونٹنی نکالنے کی دعا کرو

جب حضرت صالح علیہ السلام بیٹھ کر قوم کے مطالبہ پر غور و فکر فرما رہے تھے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آ کر کہا آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ اس پتھر سے اونٹنی نکال دے۔

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

حضرت صالح علیہ السلام بیٹھ کر ان کے اس مطالبہ پر غور کرنے لگے۔

تب ان سے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آ کر کہا۔

آپ علیہ السلام اپنے رب عزوجل سے دعا کیجئے کہ وہ اس پتھر سے اونٹنی نکال دے۔

(تفسیر کبیر: ج:8، ص: 525 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت صالح علیہ السلام کا مطالبہ پورا کرنے پر ایمان لانے پر قوم سے پختہ قسمیں لینا

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم سے پختہ قسمیں لیں کہ اونٹنی نکلنے کے بعد ایمان لے آئیں گے۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے پختہ قسمیں لیں کہ اونٹنی نکلنے کے بعد وہ ایمان لے آئیں گے۔

(البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:134 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت صالح علیہ السلام کا نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے اونٹنی نکال دینے کی دعا کرنا

حضرت صالح علیہ السلام نے نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان کا مطالبہ پورا فرما دے۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

پھر حضرت صالح علیہ السلام نے نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کا مطالبہ پورا کر دے۔

(البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:134 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت صالح علیہ السلام کا قوم کو زمین کے کسی پہاڑ کی طرف جانے کا حکم

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو فرمایا کہ زمین کے کسی پہاڑ کی طرف نکلو تا کہ تمہارا مطالبہ پورا کروں۔

امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی 211ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ثمود نے کہا: اے صالح! اگر آپ (علیہ السلام) سچے ہیں تو کوئی نشانی دکھائیں۔

حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے کہا۔

زمین کے کسی پہاڑ کی طرف نکلو۔ (تفسیر عبد الرزاق: رقم الحدیث: 911)

پہاڑ کا پھٹنا اور اونٹنی کا نکلنا

قوم کے مطالبہ سے پہاڑ پھٹ گیا اور اس سے اونٹنی اس طرح نکل آئی جس طرح حاملہ کے پیٹ سے بچہ نکلتا ہے۔

امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی 211ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ثمود نے کہا: اے صالح (علیہ السلام) اگر آپ علیہ السلام سچے ہیں تو کوئی نشانی دکھائیں؟

حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے کہا۔

زمین کے کسی پہاڑ کی طرف نکلو تو وہ پہاڑ پھٹ پڑا اور اس کے شگاف سے اونٹنی اسی طرح نکل آئی جس طرح حاملہ کے پیٹ سے بچہ نکلتا ہے۔ (تفسیر عبد الرزاق: رقم الحدیث: 911)

اللہ تعالیٰ کا چٹان سے قوم کے مطالبہ کے مطابق اونٹنی نکالنا

جب حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کے مطالبہ پر اللہ تعالیٰ سے پہاڑ سے اونٹنی نکالنے کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے قوم کے مطالبہ کے مطابق نکال دی۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:
حضرت صالح علیہ السلام نے نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کا مطالبہ پورا کردے تب اللہ تعالیٰ نے اس چٹان سے ایک بہت بڑی اونٹنی نکال دی جوان طلب کردہ صفات کے مطابق تھی۔ (البدایہ والنہایہ: ج:1،ص:134 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اونٹنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشانی

اونٹنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے قوم کے لئے نشانی بنائی گئی۔
قرآن مجید میں ہے:
قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً (الاعراف:73)
بے شک تمہارے پاس رب کی طرف سے نشانی آچکی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام کا قوم کو فرمانا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے ارشاد فرمایا اے میری قوم یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے نشانی ہے۔
قرآن مجید میں ہے:
وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً (ھود:64)
اے میری قوم! یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے نشانی ہے۔

اونٹنی حضرت صالح علیہ السلام کا معجزہ

اونٹنی حضرت صالح علیہ السلام کی نبوت پر معجزہ کئی وجوہ سے ہے۔
1- اللہ تعالیٰ نے اس چٹان سے اس اونٹنی کو پیدا فرمایا۔
2- اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کے اندر اس اونٹنی کو پیدا کیا پھر اس پہاڑ کو شق کر کے اس اونٹنی کو نکالا۔
3- اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی نر کے اس اونٹنی کو حاملہ بنایا۔
4- اللہ تعالیٰ نے بغیر ولادت کے مکمل جسامت اور شکل وصورت کے ساتھ اس اونٹنی کو پیدا کیا۔
5- روایت ہے کہ ایک ایک دن وہ کنویں سے پانی پیتی تھی اور ایک دن پوری قوم پیتی تھی۔
6- اس سے بہت زیادہ مقدار میں دودھ حاصل ہوتا تھا جو پوری قوم کے لئے کافی ہوتا تھا۔
یہ وہ وجوہات ہیں جو حضرت صالح علیہ السلام کی نبوت پر قوی دلیل ہیں۔

حضرت صالح علیہ السلام کا قوم کو فرمانا کہ یہ اونٹنی ہے

جب قوم نے اونٹنی کا مطالبہ کیا تو حضرت صالح علیہ السلام نے اونٹنی ان کے سامنے کھڑی کردی۔
قرآن مجید میں ہے:

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ (الشعراء:155)

صالح نے کہا! یہ اونٹنی ہے۔

پہاڑ کا حاملہ عورت کی طرح پھول کر پھٹنا اور وسط سے اونٹنی کا نکلنا

حضرت صالح علیہ السلام کی دعا سے پہاڑ حاملہ عورت کی طرح پھول کر پھٹ گیا اور اس کے وسط سے اونٹنی نکلی۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا۔

اگر تم سچوں میں سے ہو تو (اپنی نبوت پر) کوئی نشانی لاؤ۔

تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے ارشاد فرمایا:

تم اس پہاڑ کی طرف جاؤ تو وہ پہاڑ اچانک حاملہ عورت کی طرح پھول گیا پھر وہ پہاڑ پھٹ گیا اور اس کے وسط سے اونٹنی نکلی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 15867)

حضرت صالح علیہ السلام کا قوم کو میلہ میں تبلیغ کرنا

حضرت صالح علیہ السلام نے جو قوم کو تبلیغ کی وہ ایک میلہ میں کی تھی۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا:

اے میری قوم میں نے تم کو بہت اچھی طرح سمجھایا مگر تم نے نہ سمجھا تم اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں کہ میں نبی ہوں اور خدا تعالیٰ کا خاص پیغام، خالص سچا دین لے کر تمہارے پاس آیا ہوں تو اچھا اب اس طرح سمجھنے کی کوشش کرو اور خوب غور کرو اور بعد غور کے مجھ کو بتاؤ اگر میں ہوں سچائی پر اور حقیقت بھی یہی ہے اور جو کچھ میں نے تم کو تبلیغ کی ہے وہ بالکل درست ہے میرے رب عزوجل کی طرف سے ہے اور اس اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم اور حکمت بالغہ سے مجھ کو نبوت عطا کی ہو جس کو تمہاری عقلیں نہیں مانتیں حالانکہ یہ حقیقت اور یقین ہے جس کو میں ہی سمجھتا ہوں شک تو صرف تم کو ہے لہٰذا تم بتاؤ کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ کے عتاب سے کون بچائے گا اور کون میرا مددگار ہوگا اگر میں تمہاری منت وسماجت مان کر یا تمہارے ڈرانے دھمکانے سے مرعوب ہو کر اس اللہ جل شانہ کی نافرمانی کروں یا اس طرح کہ تبلیغ رسالت چھوڑ کر شرک وکفر کی برائی بیان کرنا چھوڑ کر بیٹھ جاؤں اور گوشۂ تنہائی اختیار کرلوں بس اپنی عبادت وریاضت میں لگا رہوں تم ڈوبتوں کو نہ بچاؤں جس ڈیوٹی، عہدے اور ذمہ کے ساتھ یہاں بھیجا گیا ہوں وہ انجام نہ دوں تو تم میں سے کون ہمت والا ہے جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچالے اس لیے کہ میری خلوت نشینی میرے لیے گناہ ہے ہر شخص کا گناہ اس کی ذمہ داریوں کے مطابق ہوتا ہے تمہاری ذمہ داری تو صرف عبادت خدا تعالیٰ کرنا ہے مگر میری ذمہ داری عبادت کرنا بھی ہے کیونکہ تمہارا کام تو فقط کفر، شرک، بت سازی، برائی سے بچنا ہے لیکن میرا

کام تم کو ان تمام برائیوں سے بچانا ہے۔ تمہاری خلوت نشینی کی عبادات تم کو مفید مگر مجھ کو میری خلوت نقصان دہ یا اس طرح تمہاری خواہش کے مطابق تمہارے دین کو سچا کہہ دوں۔ ذرا سوچو کہ تمہاری ان امیدوں سے جو تم نے مجھ سے لگائی ہوئی تھیں لگائی ہیں میرا فائدہ ہوگا کہ نقصان۔ یہ دوسرا طریقہ آسان ہے جس سے میں تم کو تبلیغ کر رہا ہوں مگر اب بھی تم سمجھنے کے قریب معلوم نہیں ہوتے تمہاری عقلیں نہ معلوم تم کو کس طرف لے جارہی ہیں مگر میں شروع سے سمجھتا ہوں کہ پس تم میرے لیے کچھ زیادہ نہ کرو گے سوائے اس کے کہ اور زیادہ میرا نقصان در نقصان ہوگا تمہارے ساتھ ملنے سے تو تم مجھ کو سرداری، بادشاہت لالچ دے رہے ہو مگر میں جانتا ہوں کہ تمہارے ساتھ لگنے سے میرا کتنا نقصان ہے۔ ناراض رب تعالیٰ، اعمال کی بربادی عذاب عتاب، ناشکری کی سزا وغیرہ وغیرہ اور غور کرو کہ جب میں تمہارے اس شرکیہ راستے کو تمہارا خسارہ کہہ رہا ہوں پس اگر میں اس میں مبتلا ہو گیا فرض محال تو پھر میں دگنے تگنے خسارے میں ہوں گا...... حضرت صالح علیہ السلام کی یہ تبلیغ بہت بڑے میلے میں ہوئی تھی۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص198 تا 199 مطبوعہ لاہور)

اونٹنی کا مطالبہ قوم کے سردار جندع بن عمرو نے کیا

جس نے اونٹنی کا مطالبہ کیا تھا وہ قوم کا سردار جندع بن عمرو تھا۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

حسب عادت مشرکوں نے معجزہ طلب کیا۔

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

کون سا معجزہ مانگتے ہو۔

تو ان کے سردار جندع بن عمرو نے کہا: اس کاثبہ نامی چٹان سے ایک موٹی تازی خوبصورت حاملہ اونٹنی پیدا ہو تب ہم سب آپ (علیہ السلام) پر ایمان لے آئیں گے۔ آپ علیہ السلام نے ان سے پختہ وعدے لے لئے ان کے اس مطالبہ کا ذکر سورہ شعراء میں ہے جب آپ علیہ السلام نے یہ ایمان لانے کا وعدہ سب کفار سے لے لیا تب آپ علیہ السلام نے نفل حاجت پڑھے اور اس معجزہ کے عطا کی دعا مانگی رب تعالیٰ نے قبول فرمالی دیکھتے دیکھتے اسی وقت چٹان پھولنا شروع ہوئی اور پھر پھٹی جس میں سے جوان خوبصورت حسب مطالبہ دس ماہ کی اونٹنی برآمد ہوئی۔

تب حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا:

اے میری قوم! یہ لو اپنا مطالبہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:199 مطبوعہ لاہور)

پہاڑ کے صخرہ سے اونٹنی نکالنے کا مطالبہ کیا تھا

قوم ثمود کے سردار جندع بن عمرو نے پہاڑ کے صخرہ سے اونٹنی نکالنے کا مطالبہ کیا تھا۔

تفسیر نعیمی میں ہے: ایک بار آپ علیہ السلام کی قوم نے کہا: ہم لوگ اپنے میلہ میں جارہے ہیں وہاں اپنے بتوں سے دعا کریں گے آپ اپنے رب سے دعا کریں اگر آپ کی دعا ... قبول کرلی تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے

آپ علیہ السلام نے فرمایا: بتاؤ! میں کیا دعا کروں۔ تو قوم کے سردار جندع بن عمرو نے ایک پہاڑ کے صخرہ کی طرف اشارہ کیا جس کا نام کاثبہ تھا کہ آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس چٹان سے ایک حاملہ اونٹنی خوب موٹی تازی نکالے جو نکلتے ہی بچہ جن دے۔ آپ علیہ السلام نے اس قوم سے عہد و پیمان لیا کہ اگر میں نے یہ معجزہ تم کو دکھادیا تو تم ایمان لانا سب نے عہد کیا۔ آپ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی عزوجل میں دعا کی۔ دعا کرتے ہی چٹان میں سے ایسی آواز آئی جیسے جانور بچہ جنتے وقت آواز نکالتا ہے پھر پتھر پھٹا اور ایک عظیم الجثہ موٹی تازی حاملہ اونٹنی اس میں سے نکلی اس نے نکلتے ہی بچہ جنا جو خود اس کے برابر تھا۔ آپ علیہ السلام نے اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ

یہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا شدہ اونٹنی جو تم نے مانگی تھی۔ (تفسیر نعیمی: ج:8، ص:539 مطبوعہ لاہور)

اونٹنی کو چند وجوہ سے نشانی فرمایا گیا

اونٹنی کو چند وجوہ سے نشانی فرمایا گیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

1- بغیر ماں باپ پیدا ہوئی۔

2- پتھر سے نکلی۔

3- خوب فربہ اور جوان پیدا ہوئی۔

4- حاملہ پیدا ہوئی پیدا ہوتے ہی بچہ دیا۔

5- بچہ چھوٹا سا نہیں دیا بلکہ اپنی برابر کا دیا۔

6- ایک دن چھوڑ کر ایک دن کنویں پر پانی پیتی تھی اور سارا کنواں پی جاتی تھی۔

7- جب پانی کی باری ہوتی تھی تو اس دن کوئی جانور کنویں پر پانی پینے نہیں آتا تھا۔

8- وہ اتنا دودھ دیتی تھی کہ ساری قوم ثمود کو کافی ہوتا تھا اور اس کی باری کے دن وہ لوگ اس دودھ سے گزارہ کرتے تھے ان کھیتوں، باغوں کو وہ چر لیتی تھی اس کے سبزہ اور پھل میں بہت برکت ہوتی تھی جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک معجزہ بہت سے معجزات کا مجموعہ تھا ان وجوہ سے وہ ایک نشانی نہ تھی بلکہ آیات یعنی نشانیوں کا مجموعہ تھی۔

(تفسیر نعیمی: ج:8، ص:540 مطبوعہ لاہور)

قدرت کی پانچ نشانیاں

اور مقام پر رقم ہے۔

اور دیں ہم نے قوم حجر کو بہت سی اپنی قدرت کی آیتیں (یعنی نشانیاں) یا اس طرح کہ چونکہ ان کو اپنی پتھر سازی پر ناز تھا یہ پتھر سے بڑے بڑے مکان پہاڑوں کے اندر ہی اندر کھودتے بناتے چلے جاتے تھے اور دیگر بڑے بڑے جانور تراشتے تھے ہم نے حضرت صالح علیہ السلام کو پتھر ہی کا معجزہ ... ایک اونٹنی گابھن دوڑتی نکل آئی جس میں ہماری قدرت

کی پانچ نشانیاں تھیں۔

1- بہت بڑی کہ آج تک اور تا قیامت اتنا بڑا کوئی جانور پیدا نہ ہوا نہ ہوگا۔

2- اور اونٹنی نے نکلتے ہی بہت بڑا بچہ جنا اور دو دن بعد پہاڑوں میں روپوش ہو گیا۔

روایتوں میں ہے کہ

قیامت کے قریب وہ دابۃ الارض کے نام سے نکلے گا۔

3- پہاڑ سے نکلنا کہ بہت بڑی چٹان پھٹی اس میں اونٹنی چیختی چلاتی نکل آئی چٹان پھر کافی دیر کے بعد اسی طرح بند ہو گئی۔

4- وہ اونٹنی بستی کا سارا پانی پی جاتی تھی اور ایک دن چھوڑ کر ایک دن پیتی اور کھاتی کچھ نہ تھی۔

5- ہر روز دودھ اتنا دیتی تھی کہ بستی کے ہزاروں انسانوں کو کافی سے زیادہ ہوتا تھا۔

(تفسیر نعیمی: ج:14، ص121 تا 122 مطبوعہ لاہور)

اونٹنی کا چٹان سے نکل کر قوم کے سامنے بیٹھنا اور فوراً بچہ جن دینا

قوم ثمود نے جب حضرت صالح علیہ السلام سے دس ماہ کی حاملہ اونٹنی کا پہاڑ سے نکلنے کا مطالبہ کیا جو فوراً بچہ جن دے تو حضرت صالح علیہ السلام نے دعا فرمائی تو اونٹنی پہاڑ کی چٹان سے نکلی جو قوم ثمود کے سامنے آ کر بیٹھ گئی اور فوراً بچہ جن دیا۔

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ

انہوں نے کہا ہم یہ چاہتے ہیں کہ

اس چٹان سے ایک دس ماہ کی حاملہ اونٹنی نکلے اور وہ فوراً ایک بچہ جن دے۔ حضرت صالح علیہ السلام بیٹھ کر ان کے اس مطالبہ پر غور کرنے لگے۔

تب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آ کر کہا۔

آپ علیہ السلام اپنے رب عزوجل سے دعا کیجئے کہ وہ اس پتھر سے اونٹنی نکال دے تو اس چٹان سے ایک اونٹنی نکلی اور ان کے سامنے آ کر بیٹھ گئی اور فوراً اس سے ایک بچہ پیدا ہو گیا۔ (تفسیر کبیر: ج:8، ص:525 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

معجزہ دیکھ کر بہت ساری قوم کا ایمان لے آنا

جب حضرت صالح علیہ السلام نے ان کے مطالبہ کے مطابق پہاڑ سے اونٹنی نکلوا دی تو ان میں سے بہت ساری قوم ایمان لے آئی۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

جب انہوں نے یہ عظیم الشان معجزہ دیکھا تو ان میں سے بہت لوگ ایمان لے آئے۔

(البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:134 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قوم کا سردار جندع ابن عمرو اور خاندان کا مسلمان ہو جانا

اونٹنی جیسے عظیم الشان معجزہ کو دیکھ کر قوم کا سردار جندع ابن عمرو اور اس کے خاندان والے ایمان لے آئے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

یہ معجزہ دیکھ کر جندع ابن عمرو اور اس کے خاندان کے لوگ مسلمان ہو گئے۔ (تفسیر نعیمی: ج: 8، ص: 540 مطبوعہ لاہور)

جندع ابن عمرو اور خاندان کے علاوہ باقی قوم کافر رہی

جندع ابن عمرو اور اس کا خاندان تو ایمان لے آئے مگر باقی قوم کافر ہی رہی۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

یہ معجزہ دیکھ کر جندع ابن عمرو اور اس کے خاندان کے لوگ مسلمان ہو گئے باقی قوم کافر رہی۔

(تفسیر نعیمی: ج: 8، ص: 540 مطبوعہ لاہور)

اکثر قوم کا کفر اور گمراہی پر ہٹ دھرم رہنا

عظیم الشان معجزہ کو دیکھ کر جندع ابن عمرو اور اس کا خاندان ایمان لے آئے مگر اکثر قوم کفر اور گمراہی پر قائم رہی۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمرو بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

جب انہوں نے یہ عظیم الشان معجزہ دیکھا تو ان میں سے بہت لوگ ایمان لے آئے لیکن اکثر اپنے کفر اور گمراہی پر قائم رہے۔ (البدایہ والنہایہ: ج: 1، ص: 134 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت صالح علیہ السلام کا قوم کو زمین میں اونٹنی کے چرنے چگنے کے لئے چھوڑ دینے کا فرمانا

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو ارشاد فرمایا کہ اے میری قوم یہ اونٹنی اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی زمین میں چرنے چگنے کے لئے چھوڑ دو۔

امام عبد الرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا۔

اگر تم سچوں میں سے ہو تو (اپنی نبوت پر) کوئی نشانی لاؤ۔

حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے ارشاد فرمایا:

تم اس پہاڑ کی طرف جاؤ تو وہ پہاڑ اچانک حاملہ عورت کی طرح پھول گیا پھر وہ پہاڑ پھٹ گیا اور اس کے وسط سے اونٹنی نکلی۔

حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے ارشاد فرمایا:

یہ اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی زمین میں چرنے چگنے کے لئے چھوڑ دو۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 15866)

اونٹنی قوم ثمود کی زمین میں درختوں کو چرتی اور پانی پیتی تھی

اونٹنی قوم ثمود کی زمین میں درختوں کو چرتی اور پانی پیتی تھی۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جو اونٹنی بطور نشانی نکالی تھی وہ قوم ثمود کی زمین میں درختوں کو چرتی تھی اور پانی پیتی تھی۔

حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے کہا۔

یہ اونٹنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے نشانی ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی زمین میں چرنے دو اور اس کو کوئی نقصان نہ پہنچانا ورنہ تم پر بڑے دن کا عذاب آئے گا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 15875)

اپنے نبی سے دلائل اور معجزات کا مطالبہ نہ کیا کرو

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک میں تشریف لے گئے تھے تو مقام حجر میں پہنچ کر ارشاد فرمایا کہ اے لوگو اپنے نبی سے دلائل اور معجزات کا مطالبہ نہ کیا کرو۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک میں گئے ہوئے تھے۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام حجر میں پہنچ کر ارشاد فرمایا:

اے لوگو! اپنے نبی سے دلائل اور معجزات کا مطالبہ نہ کیا کرو یہ قوم صالح ہے جس نے اپنے نبی سے سوال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی نشانی بھیجے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اونٹنی بھیج دی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 15866)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام حجر سے اونٹنی کو تیز دوڑانا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مقام حجر سے گزرے تو اپنی اونٹنی کو تیز دوڑایا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ الحجر سے گزرے۔

تو ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جن لوگوں نے اپنی جان پر ظلم کیا تھا ان کے گھروں کے پاس سے بغیر روئے نہ گزرنا کہ کہیں تم پر بھی عذاب نہ آ جائے پھر

پ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کو تیز دوڑایا اور اس مقام کو پیچھے چھوڑ دیا۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3380)

حضرت صالح علیہ السلام کا قوم کو کنویں سے ایک دن خود پانی پینے اور ایک دن اونٹنی کے پانی پینے کا فرمانا

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارشاد فرمایا کہ اے میری قوم یہ اونٹنی ہے ایک دن خود پانی پینا اور ایک دن اونٹنی پانی پئے گی۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّ لَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ٥ (الشعراء: 155)

صالح نے کہا یہ اونٹنی ہے ایک دن اس کے (پانی) پینے کا ہے اور ایک مقررہ دن تمہارے (پانی) پینے کا ہے۔

اونٹنی کا اپنی باری پر قوم کے راستے سے اپنا پانی پینا

جب حضرت صالح علیہ السلام نے قوم اور اونٹنی کے لئے پانی پینے کے دن مقرر فرما دیئے تو اونٹنی اپنی باری پر قوم کے راستے سے اپنا پانی پیتی تھی۔

امام عبد الرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اونٹنی بھیجی وہ اپنی باری پر ان کے (قوم) راستے سے اپنا پانی پیتی تھی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 15868)

اونٹنی اپنی باری پر کنویں کا سارا پانی پی جاتی

اونٹنی اپنی باری پر کنویں کا سارا پانی پی جاتی۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

ایک دن وہ پانی پینے جاتی اور ایک دن قوم ثمود جاتی اور جس دن وہ پانی پینے جاتی تو کنویں کا سارا پانی پی جاتی۔

(البدایہ والنہایہ: ج: 1، ص: 134 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قوم ثمود کا اپنی باری پر پانی پینا

قوم ثمود کے لئے جو پانی پینے کا دن مقرر تھا وہ اپنی باری پر پانی پیتے تھے۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

ایک دن وہ (اونٹنی) پانی پینے جاتی اور ایک دن قوم ثمود جاتی۔

(البدایہ والنہایہ: ج: 1، ص: 134 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قوم ثمود کا اپنی باری پر اگلے دن کا پانی جمع کر لینا

قوم ثمود کا چونکہ پانی پینے کا ایک دن مقرر تھا اس لیے وہ اگلے دن کے لئے بھی پانی جمع کر لیتے تھے۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

قوم ثمود اپنی باری پر اگلے دن کی ضروریات کے لئے پانی جمع کر کے رکھتے تھے۔

(البدایہ والنہایہ: ج: 1 ص: 134 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قوم ثمود اونٹنی کے پانی پینے کے دن اونٹنی کا دودھ دوہ کر پیتے

ایک قول یہ بھی ملتا ہے کہ قوم ثمود اونٹنی کے پانی پینے کے دن اونٹنی کا دودھ دوہ کر پی لیتے تھے۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ

اس دن وہ سب لوگ اس اونٹنی کا دودھ (دوہ کر) پی لیتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ: ج: 1 ص: 135 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قوم ثمود کا ناغہ کے دن اونٹنی سے دودھ دوہ لینا

قوم ثمود کی جس دن پانی پینے کی باری نہ ہوتی اس دن اونٹنی کا دودھ دوہ کر پیتے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اونٹنی بھیجی وہ اپنی باری پر ان کے راستے سے اپنا پانی پیتی تھی اور جتنا وہ لوگ اس کے ناغہ کے دن پانی پیتے تھے اس سے اس دن اُتنا دودھ دوہ لیتے تھے پھر وہ لوٹ جاتی تھی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 15868)

قوم ثمود اونٹنی کی باری پر اس کو کھلی فضاء میں لے جا کر دودھ دوہتے

جب اونٹنی کے پانی پینے کی باری کا دن ہوتا تو قوم ثمود اونٹنی کو کھلی فضا میں علیحدہ لے جاتے اور اس کا دودھ دوہ لیتے۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں آباد کیا اور انہیں بہت لمبی عمریں عطا فرمائیں حتیٰ کہ ان میں سے کوئی مٹی سے اپنا گھر تعمیر کرتا تو وہ منہدم ہو جاتا اور وہ آدمی ابھی تک زندہ ہوتا سو جب انہوں نے ایسا ہوتے دیکھا انہوں نے پہاڑوں میں اپنے گھر بنانے شروع کر دیے وہ پہاڑوں کو کھودتے اور انہیں کاٹ کر ان میں غاریں سی بنا لیتے کے ساتھ ساتھ وہ معاشی اعتبار سے خوشحال تھے۔

تو انہوں نے کہا: اے صالح (علیہ السلام) ہمارے لیے اپنے رب عزوجل سے دعا کیجئے کہ وہ کوئی ایسی نشانی ظاہر فرمائے جس کے سبب ہم یہ جان لیں کہ آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل کی بارگاہ میں دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایک اونٹنی پیدا فرمائی پانی پینے کے لئے ایک دن اس کے لئے اور ایک دن ان کے لئے مقرر تھا۔ پس جب اس کے پانی پینے کا دن ہوتا تو وہ اس کو کھلی فضا میں علیحدہ لے جاتے اور اس کا دودھ دوہ لیتے اور اپنے چھوٹے بڑے سب برتن اور مشکیزے وغیرہ بھر لیتے۔ (تفسیر درمنثور: ج:3، ص 311 تا 312 مطبوعہ کراچی)

قوم ثمود دودھ سے چھوٹے بڑے برتن اور مشکیزے بھر لیتی

قوم ثمود اونٹنی کا دودھ دوہ کر اپنے برتنوں اور مشکیزوں کو بھر لیتے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

اور اپنے چھوٹے بڑے سب برتن اور مشکیزے وغیرہ بھر لیتے۔ (تفسیر درمنثور: ج:3، ص:312 مطبوعہ کراچی)

قوم ثمود اونٹنی کے پانی پینے کے دن اونٹنی کو کنویں سے دور بھگا دیتے اور وہ پانی نہ پی سکتی

قوم ثمود اونٹنی کے پانی پینے کے دن اونٹنی کو کنویں سے دور بھگا دیتے اور وہ پانی نہ پی سکتی تھی حالانکہ وہ خود اپنے چھوٹے بڑے برتن سب بھر لیتے اور مشکیزوں کو بھی بھر لیتے تھے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

قوم ثمود اونٹنی کے پانی پینے کے دن اونٹنی کو کنویں سے دور بھگا دیتے اور وہ پانی نہ پی سکتی تھی حالانکہ وہ خود اپنے چھوٹے بڑے برتن سب بھر لیتے اور مشکیزوں کو بھی بھر لیتے تھے اور جب ان کے پانی پینے کا دن ہوتا تو اسے پانی سے دودھ بھگا دیتے اور وہ کوئی پانی نہ پی سکتی جبکہ وہ خود اپنے چھوٹے بڑے سب برتن اور مشکیزے وغیرہ بھر لیتے۔

(تفسیر درمنثور: ج:3، ص 311 تا 312 مطبوعہ کراچی)

اونٹنی نوسو یا پندرہ سو قبیلوں کو گھر گھر جا کر دودھ دیتی

اونٹنی نوسو یا پندرہ سو قبیلہ والوں کے گھر گھر کے سامنے جاتی اور وہ دودھ دوہ لیتے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

لو یہ میرا معجزہ ہے تمہارے لیے نشانی قدرت ہے اب وعدے کے مطابق ایمان لاؤ پس اس کی حالت پر اس کو چھوڑ دو یہ خود ہی اپنی غذا کھانا بھی پانی بھی حاصل کرتی رہے گی نہ اس کو باندھو نہ روکو نہ بھگاؤ نہ جھڑکو نہ اس کے غذا کی مشقت کرو یہ خود ہی کھیتوں کے پتے کھائے گی اور ایک دن کا سارا پانی کنویں، تالاب کا پئے گی اور تم کو اتنا کثیر دودھ دے گی کہ تم سارے قبیلے سے نہ ہو سکے گا وہ قبیلہ والے پندرہ سو تھے ایک روایت میں (900) نوسو تھے یہ اونٹنی خود ہی کھا پی کر بازار میں آ جاتی اور ہر گھر کے سامنے آ جاتی گھر والا نکلتا اور دودھ دوہ لیتا سارے برتن بھر لیتا جب آخری برتن بھر جاتا تو اونٹنی کو علم ہو جاتا تو خود ہی آگے چلی

جاتی حتیٰ کہ سارا قبیلہ دودھ حاصل کرتا اور جانے کی بھی لوگوں کو مشقت نہ کرنی پڑتی نہ تلاش کرنا پڑتا نہ انتظار۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:199 مطبوعہ لاہور)

اونٹنی کے دودھ سے لوگ تندرست، بچے اولاد موٹے تازے ہو گئے

قوم ثمود اونٹنی کے دودھ سے تندرست ہو گئے اور بچے اولاد موٹی تازی ہو گئی۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

(اونٹنی کے دودھ سے) لوگ تندرست ہو گئے بچے اولاد موٹی تازی ہو گئی۔ (تفسیر نعیمی: ج:13، ص:199 مطبوعہ لاہور)

قوم ثمود سے دودھ بچ جاتا کبھی کم نہ ہوا

قوم ثمود اس قدر اونٹنی سے دودھ دوہ لیتے کہ پیٹ بھر کر پینے کے باوجود بھی بچ جاتا ان سے کبھی دودھ کم نہ ہوا۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

(اونٹنی کے دودھ سے) لوگ تندرست ہو گئے اور بچے اولاد موٹی تازی ہو گئی دودھ بچ رہتا کمی نہ ہوتی اونٹنی سے فائدہ حاصل کرتے رہے۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:200 مطبوعہ لاہور)

قوم ثمود کا وعدۂ ایمان سے پھر جانا

قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ اس پہاڑ سے دس ماہ کی حاملہ اونٹنی کی نشانی دکھاؤ جو فوراً بچہ جن دے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ جب اونٹنی نے بچہ بھی جن دیا اور ان کو دودھ بھی پلاتی رہی مگر پھر بھی وہ بدبخت ایمان نہ لائے اور اپنے کیے ہوئے وعدہ سے پھر گئے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

(وہ) اونٹنی سے فائدہ حاصل کرتے رہے مگر اپنے وعدۂ ایمان سے پھر گئے اور ایمان نہ لائے۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:200 مطبوعہ لاہور)

قوم ثمود کی چاہت کے مطابق اونٹنی دودھ دیتی

قوم ثمود جس قدر چاہتی اتنا ہی اونٹنی ان کو دودھ دیتی۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جس دن اونٹنی کی باری ہوتی تو لوگ جتنا چاہتے اونٹنی انہیں دودھ دیتی۔ (تفسیر در منثور: ج:5، ص:266 مطبوعہ کراچی)

قوم ثمود ایمان سے کب پھری؟

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا وہ لوگ آپ علیہ السلام پر ایمان لے آئے پھر جب ان کا وصال ہوا تو ان کی قوم نے کفر اختیار کر لیا اور اسلام سے پھر گئے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے حضرت صالح علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کی طرف بھیجا۔

فرمایا کہ میں صالح ہوں۔

لوگوں نے کہا: حضرت صالح علیہ السلام تو فوت ہو چکے ہیں اگر تم صالح (علیہ السلام) ہو تو کوئی نشانی لاؤ اللہ تعالیٰ نے اونٹنی بھیج دی ان لوگوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور کفر اختیار کیا تو انہیں ہلاک کر دیا گیا ایک کپڑا بننے والے نے اس کی کونچیں کاٹی تھیں جسے قدار بن سالف کہتے تھے۔ (تفسیر در منثور: ج:5، ص:266 مطبوعہ کراچی)

قوم ثمود کے پانی پینے کے دن ان کے چوپائے بھی پانی پیتے اور زمینوں کے لئے بھی ہوتا

جس دن قوم ثمود کے پانی پینے کا دن ہوتا اس دن ان کے چوپائے بھی پانی پیتے اور زمینوں کے لئے بھی ہوتا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جس روز اونٹنی کی باری ہوتی تو وہ سارے کا سارا پانی پی جاتی اور جس روز لوگوں کی پانی کی باری ہوتی تو یہ ان کے لئے ان کے چوپاؤں اور ان کی زمینوں کے لئے ہوتا۔ (تفسیر در منثور: ج:5، ص:266 مطبوعہ کراچی)

حضرت صالح علیہ السلام کا قوم کو اونٹنی کو نقصان پہنچانے سے روکنا

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو اونٹنی کو نقصان پہنچانے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا:

اگر تم نے اس کو نقصان پہنچایا تو تم پر بڑے دن کا عذاب آئے گا۔

امام عبد الرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جو اونٹنی بہ طور نشانی نکالی تھی وہ قوم ثمود کی زمین میں درختوں کو چرتی تھی اور پانی پیتی تھی۔

حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے کہا۔

یہ اونٹنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے نشانی ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی زمین میں چرنے دو اور اس کو کوئی نقصان نہ پہنچانا ورنہ تم پر بڑے دن کا عذاب آئے گا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث:15873)

حضرت صالح علیہ السلام کا قوم کو اونٹنی کو برے ارادے سے چھونے سے منع فرمانا

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم سے ارشاد فرمایا کہ اے میری قوم یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے اس کو اللہ

تعالیٰ کی زمین میں چھوڑ دو تا کہ یہ کھاتی پھرتی رہے اور اس کو برائی کے ارادے سے نہ چھونا ورنہ تم کو دردناک عذاب اپنی گرفت میں لے لے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝ (الاعراف:73)

بے شک تمہارے پاس رب کی طرف سے نشانی آ چکی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے اس کو چھوڑ دو کہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں کھاتی پھرتی رہے اور اس کو برائی (کے ارادہ) سے نہ چھونا ورنہ تمہیں دردناک عذاب گرفت میں لے لے گا۔

اور روایت ہے کہ

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی 211ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ثمود نے کہا: اے صالح (علیہ السلام)! اگر آپ (علیہ السلام) سچے ہیں تو کوئی نشانی دکھائیں؟

حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا: زمین کے کسی پہاڑ کی طرف نکلو تو وہ پہاڑ پھٹ پڑا اور اس کے شگاف سے اونٹنی اس طرح نکل آئی جس طرح حاملہ کے پیٹ سے بچہ نکلتا ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی زمین میں چھوڑ دو تا کہ کھاتی پھرے اور اس کو برائی کے ارادہ سے نہ چھونا ورنہ تم کو دردناک عذاب اپنی گرفت میں لے لے گا اس کے لئے پانی کی باری ہے اور تمہارے لیے پینے کی باری کا ایک دن مقرر ہے۔ (تفسیر عبدالرزاق: رقم الحدیث: 911)

قوم ثمود کو شیطان کا فتنہ میں مبتلا کرنا

قوم ثمود اونٹنی کے پانی کی تقسیم سے تنگ آ گئی جس کی وجہ سے شیطان نے ان کو اونٹنی کے مارنے کے فتنے میں مبتلا کر دیا۔

حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں: مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ

ایک دن ثمود اپنی مجلس میں جمع ہوئے وہاں حضرت صالح علیہ السلام بھی آ گئے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے حسب معمول ان کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور بت پرستی ترک کرنے کی دعوت دی ان کو وعظ اور نصیحت کی اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا۔

ثمود نے پتھر کی ایک چٹان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

اگر آپ علیہ السلام! اس چٹان سے ایسی ایسی صفت کی ایک اونٹنی نکالیں جو دس ماہ کی گابھن ہو اور فوراً بچہ دے تو ہم آپ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے پختہ قسمیں لیں کہ اونٹنی نکلنے کے بعد وہ ایمان

آ ئیں گے پھر حضرت صالح علیہ السلام نے نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کا مطالبہ پورا کر دے۔ تب اللہ تعالیٰ نے اس چٹان سے ایک بہت بڑی اونٹنی نکال دی جو ان کی طلب کردہ صفات کے مطابق تھی۔ جب انہوں نے یہ عظیم الشان معجزہ دیکھا تو ان میں سے بہت سے لوگ ایمان لے آئے لیکن اکثر اپنے کفر اور گمراہی پر قائم رہے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے نشانی ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی زمین پر کھانے دو وہ جہاں چاہتی چرتی تھی ایک دن وہ پانی پینے جاتی اور ایک دن قوم ثمود جاتی اور جس دن وہ پانی پینے جاتی تو کنویں کا سارا پانی پی جاتی۔ ثمود اپنی باری پر اگلے دن کی ضروریات کے لئے پانی جمع کر کے رکھتے تھے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ

اس دن وہ سب لوگ اس اونٹنی کا دودھ پی لیتے تھے پھر شیطان نے ان کو فتنہ میں مبتلا کر دیا۔

(البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:134 تا 135 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قوم ثمود کا پانی کی باری کی تقسیم سے تنگ آنا

حضرت صالح علیہ السلام نے چونکہ قوم کے لئے ایک دن اور اونٹنی کے لئے ایک دن مقرر فرمایا تھا اسی لیے وہ اس پانی کی باری کی تقسیم سے تنگ آ گئے اور اونٹنی کو مارنے کا منصوبہ بنانے لگے۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

امام ابن جریر وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ

ثمود پانی کی باری کی تقسیم سے تنگ آ چکے تھے۔ (البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:135 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قوم ثمود کا اونٹنی کے خلاف مختلف سازشیں کرنا

جب قوم ثمود پانی کی باری کی تقسیم سے تنگ آ گئے تو اونٹنی کے خلاف مختلف سازشیں کرنے لگے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

(قوم ثمود) اونٹنی سے فائدہ حاصل کرتے رہے مگر اپنے وعدہ ایمان سے پھر گئے اور ایمان نہ لائے چند ماہ اسی طرح گزر گئے مگر چونکہ کافر تھے کافر ہمیشہ کا فسادی ہے اس کو ایمان کی کوئی چیز گوارہ نہیں ہوتی خواہ اس میں کتنا ہی آرام کتنی ہی لذت و نفع کیوں نہ ہو اسی فسادی طبیعت کی بناء پر حضرت صالح علیہ السلام کا معجزہ بھی گوارہ نہ ہوا تو اونٹنی کے خلاف مختلف سازشیں شروع ہو گئیں۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:200 مطبوعہ لاہور)

قوم ثمود کبھی کہتی اونٹنی سارا پانی پی جاتی ہے

قوم ثمود اونٹنی کے خلاف سازشوں میں کبھی یہ کہتی اونٹنی سارا پانی پی جاتی ہے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

اسی فسادی طبیعت کی بناء پر حضرت صالح علیہ السلام کا معجزہ بھی گوارہ نہ ہوا تو اونٹنی کے خلاف مختلف سازشیں شروع
گئیں کبھی کہتے اونٹنی سارا پانی پی جاتی ہے۔ (تفسیر نعیمی: ج:12 ص:200 مطبوعہ لاہور)

قوم ثمود کبھی کہتی ہمارا کھیت کھا جاتی ہے

قوم ثمود اونٹنی کے خلاف سازشوں میں کبھی یہ کہتی اونٹنی ہمارا کھیت کھا جاتی ہے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

اسی فسادی طبیعت کی بناء پر حضرت صالح علیہ السلام کا معجزہ بھی گوارہ نہ ہوا تو اونٹنی کے خلاف مختلف سازشیں شروع
گئیں کبھی کہتے اونٹنی سارا پانی پی جاتی ہے۔ کبھی کہتی ہمارے کھیت کھا جاتی ہے حالانکہ یہ جھوٹ تھا۔

(تفسیر نعیمی: ج:12 ص:200 مطبوعہ لاہور)

قوم ثمود کبھی کہتی اس کے جسم سے بدبو آتی ہے

قوم ثمود اونٹنی کے خلاف سازشوں میں کبھی یہ کہتی کہ اونٹنی کے جسم سے بدبو آتی ہے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

اسی فسادی طبیعت کی بناء پر حضرت صالح علیہ السلام کا معجزہ بھی گوارہ نہ ہوا تو اونٹنی کے خلاف مختلف سازشیں شروع
گئیں کبھی کہتے اونٹنی سارا پانی پی جاتی ہے۔ کبھی کہتی ہمارے کھیت کھا جاتی ہے حالانکہ یہ جھوٹ تھا۔ کبھی کہتے اس کے جسم
بدبو آتی ہے۔ (تفسیر نعیمی: ج:12 ص:200 مطبوعہ لاہور)

قوم ثمود کبھی کہتی اس سے ہمارے جانور ڈرتے ہیں

قوم ثمود اونٹنی کے خلاف سازشوں میں کبھی یہ کہتی کہ اونٹنی سے ہمارے جانور ڈرتے ہیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

اسی فسادی طبیعت کی بناء پر حضرت صالح علیہ السلام کا معجزہ بھی گوارہ نہ ہوا تو اونٹنی کے خلاف مختلف سازشیں شرو
گئیں کبھی کہتے اونٹنی سارا پانی پی جاتی ہے۔ کبھی کہتی ہمارے کھیت کھا جاتی ہے حالانکہ یہ جھوٹ تھا۔ کبھی کہتے اس کے جسم
بدبو آتی ہے۔ کبھی کہتے اس سے ہمارے جانور ڈرتے ہیں۔ (تفسیر نعیمی: ج:12 ص:200 مطبوعہ لاہور)

قوم ثمود کا سوائے ایک دن کے پانی پینے کے عذر کے کچھ نہ تھا

قوم ثمود کا زیادہ تر عذر یہ تھا کہ ایک دن کا سارا پانی پی جاتی ہے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

اسی فسادی طبیعت کی بناء پر حضرت صالح علیہ السلام کا معجزہ بھی گوارہ نہ ہوا تو اونٹنی کے خلاف مختلف سازشیں شرو
گئیں کبھی کہتے اونٹنی سارا پانی پی جاتی ہے۔ کبھی کہتی ہمارے کھیت کھا جاتی ہے حالانکہ یہ جھوٹ تھا۔ کبھی کہتے اس کے ج

بدبو آتی ہے۔ کبھی کہتے اس سے ہمارے جانور ڈرتے ہیں۔ زیادہ تر یہی عذر تھا کہ یہ ایک دن کا سارا پانی پی جاتی ہے اور ایک دن ہمارے لیے ہوتا ہے۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:200 مطبوعہ لاہور)

قوم ثمود یہ نہ سوچتی کہ پانی کے بدلے کتنا دودھ دیتی ہے

قوم ثمود پانی کا عذر تو بنا رہی تھی مگر یہ نہ سوچا کہ پانی کے بدلے تم کو کس قدر دودھ دیتی ہے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

اسی فسادی طبیعت کی بناء پر حضرت صالح علیہ السلام کا معجزہ بھی گوارہ نہ ہوا تو اونٹنی کے خلاف مختلف سازشیں شروع ہو گئیں کبھی کہتے اونٹنی سارا پانی پی جاتی ہے۔ کبھی کہتی ہمارے کھیت کھا جاتی ہے حالانکہ یہ جھوٹ تھا۔ کبھی کہتے اس کے جسم سے بدبو آتی ہے۔ کبھی کہتے اس سے ہمارے جانور ڈرتے ہیں۔ زیادہ تر یہی عذر تھا کہ یہ ایک دن کا سارا پانی پی جاتی ہے اور ایک دن ہمارے لیے ہوتا ہے۔ یہ نہ سوچتے کہ پانی کے بدلے تم کو کتنا دودھ دیتی ہے۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:200 مطبوعہ لاہور)

قوم ثمود کا اونٹنی کو قتل کرنے کی سازش کرنا

قوم ثمود نے پانی کی باری کی تقسیم سے تنگ آ کر یہ سازش سوچی کہ اونٹنی کو قتل کر دیا جائے۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

قوم ثمود نے یہ سازش کی تھی وہ اونٹنی کو قتل کر کے حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے اہل کو بھی قتل کر دیں گے۔

(البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:135 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ کا حضرت صالح علیہ السلام کو قوم کی سازش پر وحی فرمانا

اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ تیری قوم عنقریب اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالے گی۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ

تیری قوم عنقریب تیری اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالے گی۔ (تفسیر در منثور: ج:3، ص:312 مطبوعہ کراچی)

حضرت صالح علیہ السلام کا قوم سے سازش کرنے پر قوم کا انکاری ہونا

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم سے پوچھا کہ کیا تم اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالو گے تو انہوں نے کہا ہم تو اس طرح کرنے والے نہیں۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ تیری قوم عنقریب تیری اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالے گی۔

چنانچہ آپ علیہ السلام نے قوم سے اس بارے میں پوچھا۔

تو انہوں نے کہا: ہم اس طرح کرنے والے نہیں ہیں۔ (تفسیر درمنثور: ج:3،ص:312 مطبوعہ کراچی)

حضرت صالح علیہ السلام کا قوم سے فرمانا کہ عنقریب تم میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو اونٹنی کی کونچیں کاٹے گا

حضرت صالح علیہ السلام نے جب قوم سے اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کا پوچھا تو انہوں نے انکار کر دیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا عنقریب تم میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو اونٹنی کی اونچیں کاٹ ڈالے گا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ تیری قوم عنقریب تیری اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالے گی۔

چنانچہ آپ علیہ السلام نے قوم سے اس بارے میں پوچھا۔

تو انہوں نے کہا: ہم اس طرح کرنے والے نہیں ہیں۔

پھر آپ علیہ السلام نے قوم کو فرمایا: تم اس کی کونچیں نہیں کاٹو گے عنقریب تم میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو اس کی کونچیں کاٹ ڈالے گا۔ (تفسیر درمنثور: ج:3،ص:1029 مطبوعہ کراچی)

قوم کا پیدا ہونے والے بچہ کی علامت پوچھنا اور اس کو قتل کرنے کا کہنا

جب حضرت صالح علیہ السلام نے قوم سے یہ فرمایا کہ عنقریب تم میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالے گا تو قوم نے کہا اس پیدا ہونے والے بچے کی علامت کیا ہے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ تیری قوم عنقریب تیری اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالے گی۔

چنانچہ آپ علیہ السلام نے قوم سے اس بارے میں پوچھا۔

تو انہوں نے کہا: ہم اس طرح کرنے والے نہیں ہیں۔

پھر آپ علیہ السلام نے قوم کو فرمایا: تم اس کی کونچیں نہیں کاٹو گے عنقریب تم میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو اس کی کونچیں کاٹ ڈالے گا۔

قوم نے کہا: اس پیدا ہونے والے بچے کی علامت کیا ہے؟ قسم بخدا! جونہی ہم اس کو پائیں گے تو اس کو قتل کر ڈالیں گے۔

(تفسیر درمنثور: ج:3،ص:312 مطبوعہ کراچی)

حضرت صالح علیہ السلام کا بچہ کی علامات بتانا

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو بچہ کی علامات بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ بچہ زرد سرخ رنگ والا، نیلا، سرخی ملا سفید رنگ اور سرخ رنگ والا ہوگا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ تیری قوم

عنقریب تیری اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالے گی۔

چنانچہ آپ علیہ السلام نے قوم سے اس بارے میں پوچھا۔

تو انہوں نے کہا: ہم اس طرح کرنے والے نہیں ہیں۔

پھر آپ علیہ السلام نے قوم کو فرمایا: تم اس کی کونچیں نہیں کاٹو گے عنقریب تم میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو اس کی کونچیں کاٹ ڈالے گا۔

قوم نے کہا: اس پیدا ہونے والے بچے کی علامت کیا ہے؟ قسم بخدا! جونہی ہم اس کو پائیں گے تو اس کو قتل کر ڈالیں گے۔

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: وہ بچہ اشقر (زرد سرخ رنگ والا) ازرق (نیلا) اصہب (سرخی ملا سفید رنگ) اور احمر (سرخ رنگ والا) ہوگا۔ (تفسیر درمنثور: ج:3، ص:312 مطبوعہ کراچی)

وہ بچہ کیسے پیدا ہوا؟

وہ بچہ شیخ مرد اور عورت سے پیدا ہوا جو انہوں نے کفو نہ ملنے کی وجہ سے نکاح کیا تھا بعد میں وہ بچہ پیدا ہوا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

شہر میں تو انتہائی طاقتور اور غلبہ رکھنے والے شیخ تھے ان میں سے ایک بیٹا تھا جو نکاح کی رغبت رکھتا تھا اور دوسرے کی بیٹی تھی جس کے لئے وہ کوئی ہم کفو مرد نہیں پا رہا تھا وہ دونوں ایک مجلس میں اکٹھے ہوئے۔

تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: تیرے لیے کون سی شے مانع ہے کہ تو اپنے بیٹے کی شادی نہیں کر رہا؟

تو اس نے جواب دیا۔

میں اس کے لئے کوئی ہم کفو لڑکی نہیں پا رہا۔

تو اس نے کہا: میری بیٹی اس کی ہم کفو ہے میں اس کی شادی کر دیتا ہوں سو اس نے شادی کر دی تو ان دونوں کے ملنے سے وہ بچہ پیدا ہوا۔ (تفسیر درمنثور: ج:3، ص:312 مطبوعہ کراچی)

شہر کے آٹھ فسادی گروہ کا آٹھ دایوں کو لے کر پولیس مقرر کرنا اور بچہ کی تلاش کرنا

شہر میں آٹھ فسادی گروہ تھے جو فساد پھیلا رہے تھے تو انہوں نے بچہ کی تلاش کے لئے گاؤں سے آٹھ دایاں چنیں جن کے ساتھ پولیس مقرر کی تاکہ بچہ کی تلاش کریں۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: اس وقت شہر میں آٹھ گروہ تھے جو زمین میں فساد پھیلا رہے تھے جب حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ اس کی کونچیں کاٹنے والا تمہیں میں پیدا ہوگا تو انہوں نے گاؤں سے آٹھ دایاں عورتیں چنیں اور ان کے ساتھ پولیس مقرر کی کہ وہ سارے شہر میں چکر لگائیں اور جب وہ کسی عورت کو درد میں مبتلا دیکھیں تو پھر نظر رکھیں کہ اس کے ہاں کیا پیدا ہوا ہے؟ اگر پیدا ہونے والا بچہ ہو تو پھر اس کو خوب الٹ پلٹ کر کے دیکھیں کہ وہ کیسا ہے؟ اور

اگر وہ بچی ہو تو اس سے اعراض برت لیں۔ (تفسیر در منثور: ج:3، ص:312 مطبوعہ کراچی)

دایوں کا بچہ کو پانا اور شور مچانا

جب تلاش کے بعد بچہ مل گیا تو دایوں نے شور مچایا کہ یہی وہ بچہ ہے کہ جس کی حضرت صالح علیہ السلام نے نشاندہی فرمائی تھی۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: چنانچہ انہوں نے جب اس بچے کو پالیا تو ان عورتوں نے خوب شور مچایا کہ یہی وہ بچہ ہے جس کی نشاندہی اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت صالح علیہ السلام نے کی ہے۔

(تفسیر در منثور: ج:3، ص:312 مطبوعہ کراچی)

پولیس کا بچہ کو اٹھانے کا ارادہ کرنا مگر اس کا دادا حائل ہو جانا

جب پولیس نے بچے کو اٹھانے کا ارادہ کیا تو اس کا دادا ان کے درمیان حائل ہو گیا اور کہنے لگا کہ اگر حضرت صالح علیہ السلام نے اسی کا ارادہ کیا ہے تو ہم خود ہی اس کو قتل کر ڈالیں گے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

پولیس نے اس بچہ کو اٹھانے کا ارادہ کیا مگر اس کا دادا ان کے درمیان حائل ہو گیا۔

اور کہنے لگا۔

اگر (حضرت) صالح (علیہ السلام) نے اسی کا ارادہ کیا ہے تو ہم خود اس کو قتل کریں گے۔

(تفسیر در منثور: ج:3، ص:312 مطبوعہ کراچی)

بچہ دوسرے بچوں کی نسبت تیزی سے نشوونما پایا وہ ایک دن میں اس قدر بڑھتا جس قدر دوسرے بچے ایک ہفتہ میں بڑھتے ہیں اور ہفتہ میں اس قدر بڑھتا جس قدر دوسرے بچے ایک مہینہ میں بڑھتے ہیں اور ایک مہینہ میں اس قدر بڑھتا جس قدر دوسرے بچے سال میں بڑھتے ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

پولیس نے اس بچہ کو اٹھانے کا ارادہ کیا مگر اس کا دادا ان کے درمیان حائل ہو گیا۔

اور کہنے لگا۔

اگر (حضرت) صالح (علیہ السلام) نے اسی کا ارادہ کیا ہے تو ہم خود اس کو قتل کریں گے۔

یہ ایک شریر بچہ تھا۔ وہ ایک دن اتنا بڑھتا تھا جتنا دوسرے بچے ایک ہفتے میں بڑھتے ہیں وہ ایک ہفتہ میں اتنی نشوونما پالیتا تھا جس قدر دوسرے بچے ایک مہینہ میں نشوونما پاتے ہیں اور وہ ایک مہینہ میں اس قدر بڑھتا تھا جس قدر عام بچے ایک سال میں بڑھتے تھے۔ (تفسیر در منثور: ج:3، ص:312 مطبوعہ کراچی)

آٹھ فسادی گروہ اور شیخ برادران کا مل کر بچہ کو عامل بنا دینے کا کہنا

جو آٹھ فسادی گروہ تھے وہ اور دونوں شیخ برادران اکٹھے ہوئے تو انہوں نے اس بچہ کو اپنے اوپر عامل بنا دینے کا کہا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

پس وہ آٹھ گروہ جو زمین میں فساد پھیلاتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے وہ جمع ہوئے اور وہ دونوں شیخ بھی ان میں شامل ہوئے۔

تو انہوں نے کہا: اس بچے کے مقام ومرتبہ اور اس کے دادا کی عظمت وشرف کی وجہ سے اس بچے کو ہم پر عامل بنا دیجئے۔

(تفسیر درمنثور: ج:3، ص:312 مطبوعہ کراچی)

حضرت صالح علیہ السلام گاؤں میں نہ سوتے بلکہ اپنی مسجد میں رات گزارتے صبح کو آ کر تبلیغ فرماتے

حضرت صالح علیہ السلام اس فسادی قوم کے ساتھ گاؤں میں آرام نہ فرماتے بلکہ رات اپنی مسجد میں گزارتے اور صبح کو آ کر ان کو وعظ ونصیحت فرماتے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: حضرت صالح علیہ السلام گاؤں میں ان کے ساتھ نہیں سوتے تھے بلکہ وہ رات اپنی مسجد میں گزارتے تھے اور جب صبح ہوتی تو ان کے پاس آتے اور انہیں وعظ ونصیحت فرماتے۔ جب شام ہوتی تو اپنی عبادت گاہ کی طرف نکل جاتے اور وہیں رات گزارتے۔ (تفسیر درمنثور: ج:3، ص:312 مطبوعہ کراچی)

حضرت صالح علیہ السلام کا بچہ کو قتل کر دینے کا حکم فرمانا

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو حکم دیا کہ وہ اس بچہ کو قتل کر دیں۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: حجاج اور ابن جریج نے کہا ہے کہ جب حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں یہ فرمایا کہ عنقریب ایک بچہ پیدا ہوگا جس کے ہاتھ پیر تمہاری ہلاکت اور بربادی ہوگی۔

تو انہوں نے کہا: پھر آپ (علیہ السلام) ہمیں کیسا حکم دیتے ہیں؟

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہیں ان کو قتل کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ (تفسیر درمنثور: ج:3، ص:313 مطبوعہ کراچی)

ایک بچہ کے سوا سب کو قتل کر دینا

قوم نے ایک بچہ کے سوا سب کو قتل کر دیا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: حجاج اور ابن جریج نے کہا ہے کہ جب حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو یہ ارشاد فرمایا: عنقریب ایک بچہ پیدا ہوگا جس کے ہاتھ پیر تمہاری ہلاکت اور بربادی ہوگی۔

توانہوں نے کہا: پھر آپ (علیہ السلام) ہمیں کیسا حکم دیتے ہیں؟

تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں ان کے قتل کرنے کا حکم دیتا ہوں۔

چنانچہ انہوں نے ایک کے سوا سب بچوں کو قتل کر ڈالا۔ (تفسیر در منثور: ج:3،ص:313 مطبوعہ کراچی)

قوم کا اسی بچہ کو بالغ دیکھ کر خواہش کرنا کہ اگر ہم اپنی اولاد کو قتل نہ کرتے تو وہ بھی اسی کی مثل ہوتے

قوم نے جب اس بچہ کو بالغ دیکھا تو پچھتائے کہ کاش ہم اپنی اولاد کو اگر قتل نہ کرتے تو وہ بھی اس کے مثل بالغ ہوتے۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حجاج اور ابن جریج نے کہا ہے کہ

جب حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں یہ فرمایا کہ عنقریب ایک بچہ پیدا ہوگا جس کے ہاتھ پیر تمہاری ہلاکت اور بربادی ہوگی۔

توانہوں نے کہا: پھر آپ علیہ السلام ہمیں کیسا حکم دیتے ہیں؟

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہیں ان کو قتل کرنے کا حکم دیتا ہوں چنانچہ انہوں نے ایک کے سوا سب بچوں کو قتل کر ڈالا۔

آپ نے فرمایا: سو جب وہ بچہ بالغ ہوا تو انہوں نے کہا: (کاش!) اگر ہم اپنی اولاد کو قتل نہ کرتے تو ہم میں سے ہر آدمی کے لئے اسی کی مثل (بالغ وخوبصورت بچہ) ہوتا۔ یہ (حضرت) صالح (علیہ السلام) کا عمل ہے۔

(تفسیر در منثور: ج:1،ص:313 مطبوعہ کراچی)

اپنے بچوں کے قتل کے انتقام میں حضرت صالح علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کا منصوبہ بنانا

حضرت صالح علیہ السلام نے اس مخصوص بچہ کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا مگر انہوں نے خود ہی اپنی اولاد کو قتل کر ڈالا اب اس انتقام کے لئے وہ حضرت صالح علیہ السلام کو نعوذ باللہ قتل کرنے کا منصوبہ بنانے لگے۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: حجاج اور ابن جریج نے کہا ہے کہ

جب حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ عنقریب ایک بچہ پیدا ہوگا جس کے ہاتھ پیر تمہاری ہلاکت اور بربادی ہوگی۔

توانہوں نے کہا: پھر آپ علیہ السلام ہمیں کیسا حکم دیتے ہیں؟

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہیں ان کو قتل کرنے کا حکم دیتا ہوں۔

چنانچہ انہوں نے ایک بچہ کے سوا سب بچوں کو قتل کر ڈالا۔

آپ نے فرمایا: سو جب وہ بچہ بالغ ہوا تو انہوں نے کہا:

(کاش)! اگر ہم اپنی اولاد کو قتل نہ کرتے تو ہم میں سے ہر آدمی کے لئے اسی کی مثل (نوجوان بچہ) ہوتا۔ یہ (حضرت) صالح (علیہ السلام) کا عمل ہے چنانچہ انہوں نے آپس میں آپ علیہ السلام کو قتل کرنے کے لئے مشاورت کی۔

اور کہنے لگے: ہم مسافر بن کر نکلیں گے اور لوگ ہمیں ظاہراً اس حالت پر دیکھیں گے پھر ہم فلاں مہینے کی فلاں رات کو واپس لوٹیں گے اور اس کی عبادت گاہ کے قریب گھات لگا کر بیٹھ جائیں گے اور انہیں قتل کر دیں گے اور لوگ یہ گمان کریں گے کہ ابھی تک ہم سفر پر ہی ہیں جیسے پہلے تھے۔ (تفسیر درمنثور: ج:3، ص:313 مطبوعہ کراچی)

حضرت صالح علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کے لئے چٹان کے نیچے بیٹھنا اور چٹان کا ان کے اوپر گرنے کی وجہ سے ہلاک ہونا

قوم حضرت صالح علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کے لئے منصوبہ کے مطابق چٹان کے نیچے بیٹھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر چٹان کو گرا دیا جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہو گئے۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حجاج اور ابن جریج نے کہا ہے کہ

جب حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ عنقریب ایک بچہ پیدا ہوگا جس کے ہاتھ پیر تمہاری ہلاکت اور بربادی ہو گی۔

تو انہوں نے کہا: پھر آپ علیہ السلام ہمیں کیسا حکم دیتے ہیں؟

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہیں ان کو قتل کرنے کا حکم دیتا ہوں۔

چنانچہ انہوں نے ایک بچہ کے سوا سب بچوں کو قتل کر ڈالا۔

آپ نے فرمایا: سو جب وہ بچہ بالغ ہوا تو انہوں نے کہا: (کاش)! اگر ہم اپنی اولاد کو قتل نہ کرتے تو ہم میں سے ہر آدمی کے لئے اسی کی مثل (نوجوان بچہ) ہوتا۔ یہ (حضرت) صالح (علیہ السلام) کا عمل ہے چنانچہ انہوں نے آپس میں آپ علیہ السلام کو قتل کرنے کے لئے مشاورت کی۔

اور کہنے لگے: ہم مسافر بن کر نکلیں گے اور لوگ ہمیں ظاہراً اس حالت پر دیکھیں گے پھر ہم فلاں مہینے کی فلاں رات کو واپس لوٹیں گے اور اس کی عبادت گاہ کے قریب گھات لگا کر بیٹھ جائیں گے اور انہیں قتل کر دیں گے اور لوگ یہ گمان کریں گے کہ ابھی تک ہم سفر پر ہی ہیں جیسے پہلے تھے۔ چنانچہ وہ آئے اور آپ علیہ السلام کی تاک میں بیٹھنے کے لئے ایک چٹان کے نیچے داخل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس چٹان کو ان پر گرا دیا اور اس نے انہیں کچل ڈالا۔ پس انہوں نے کچلی ہوئی حالت میں صبح کی۔

(تفسیر درمنثور: ج:3، ص:313 مطبوعہ کراچی)

ہلاکت کی خبر سن کر لوگوں کا ان کی طرف دوڑے چلے جانا اور کچلا ہوا دیکھ کر چیختے چلاتے واپس گاؤں کو بھاگنا

قوم کے لوگوں نے جب ان ہلاک ہونے والوں کی خبر سنی تو وہ ان کی طرف دوڑ پڑے اور ان کو کچلا ہوا دیکھ کر گاؤں کو چیختے چلاتے پلٹ آئے۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: حجاج اور ابن جریج نے کہا ہے کہ

جب حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ عنقریب ایک بچہ پیدا ہوگا جس کے ہاتھ پیر تمہاری ہلاکت اور بربادی ہو گی۔

تو انہوں نے کہا: پھر آپ علیہ السلام ہمیں کیسا حکم دیتے ہیں؟

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہیں ان کو قتل کرنے کا حکم دیتا ہوں۔

چنانچہ انہوں نے ایک بچہ کے سوا سب بچوں کو قتل کر ڈالا۔

آپ نے فرمایا: سو جب وہ بچہ بالغ ہوا تو انہوں نے کہا:

(کاش)! اگر ہم اپنی اولاد کو قتل نہ کرتے تو ہم میں سے ہر آدمی کے لئے اسی کی مثل (نوجوان بچہ) ہوتا۔ یہ (حضرت) صالح (علیہ السلام) کا عمل ہے چنانچہ انہوں نے آپس میں آپ علیہ السلام کو قتل کرنے کے لئے مشاورت کی۔

اور کہنے لگے: ہم مسافر بن کر نکلیں گے اور لوگ ہمیں ظاہراً اس حالت پر دیکھیں گے پھر ہم فلاں مہینے کی فلاں رات کو واپس لوٹیں گے اور اس کی عبادت گاہ کے قریب گھات لگا کر بیٹھ جائیں گے اور انہیں قتل کر دیں گے اور لوگ یہ گمان کریں گے کہ ابھی تک ہم سفر پر ہی ہیں جیسے پہلے تھے۔ چنانچہ وہ آئے اور آپ علیہ السلام کی تاک میں بیٹھنے کے لئے ایک چٹان کے نیچے داخل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس چٹان کو ان پر گرا دیا اور اس نے انہیں کچل ڈالا۔ پس انہوں نے کچلی ہوئی حالت میں صبح کی۔ جیسے جیسے ان کے بارے لوگوں کو اطلاع ہوئی تو وہ ان کی طرف چلے اور انہیں دیکھا کہ وہ سب کچلے پڑے ہیں۔ لوگ چیختے چلاتے گاؤں کی طرف واپس لوٹے۔ (تفسیر در منثور، ج:3، ص:313 مطبوعہ کراچی)

قوم کا کہنا کہ اے اللہ تعالیٰ کے بندو! کیا حضرت صالح (علیہ السلام) اس پر راضی نہیں ہوئے کہ اس نے انہیں اپنے بچوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے ان کو قتل کر دیا؟

قوم کے لوگ جب چیختے چلاتے واپس گاؤں آ گئے تو انہوں نے کہا اے اللہ تعالیٰ کے بندو! کیا (حضرت) صالح (علیہ السلام) اس پر راضی نہیں ہوا کہ اس نے انہیں اپنے بچوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے ان کو قتل کر دیا؟

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: حجاج اور ابن جریج نے کہا ہے کہ

جب حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ عنقریب ایک بچہ پیدا ہوگا جس کے ہاتھ پیر تمہاری ہلاکت اور بربادی ہو گی۔

تو انہوں نے کہا: پھر آپ علیہ السلام ہمیں کیسا حکم دیتے ہیں؟

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہیں ان کو قتل کرنے کا حکم دیتا ہوں۔

چنانچہ انہوں نے ایک بچہ کے سوا سب بچوں کو قتل کر ڈالا۔

آپ نے فرمایا: سوجب وہ بچہ بالغ ہوا تو انہوں نے کہا: (کاش)! اگر ہم اپنی اولاد کو قتل نہ کرتے تو ہم میں سے ہر آدمی کے لئے اسی کی مثل (نوجوان بچہ) ہوتا۔ یہ (حضرت) صالح (علیہ السلام) کا عمل ہے چنانچہ انہوں نے آپس میں آپ علیہ السلام کو قتل کرنے کے لئے مشاورت کی۔

اور کہنے لگے: ہم مسافر بن کر نکلیں گے اور لوگ ہمیں ظاہراً اس حالت پر دیکھیں گے پھر ہم فلاں مہینے کی فلاں رات کو واپس لوٹیں گے اور اس کی عبادت گاہ کے قریب گھات لگا کر بیٹھ جائیں گے اور انہیں قتل کر دیں گے اور لوگ یہ گمان کریں گے کہ ابھی تک ہم سفر پر ہی ہیں جیسے پہلے تھے۔ چنانچہ وہ آئے اور آپ علیہ السلام کی تاک میں بیٹھنے کے لئے ایک چٹان کے نیچے داخل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس چٹان کو ان پر گرا دیا اور اس نے انہیں کچل ڈالا۔ پس انہوں نے کچلی ہوئی حالت میں صبح کی۔ جیسے جیسے ان کے بارے لوگوں کو اطلاع ہوئی تو وہ ان کی طرف چلے اور انہیں دیکھا کہ وہ سب کچلے پڑے ہیں۔ لوگ چیختے چلاتے گاؤں کی طرف واپس لوٹے۔

اے اللہ تعالیٰ کے بندو! کیا (حضرت) صالح (علیہ السلام) اس پر راضی نہیں ہوا کہ اس نے انہیں اپنے بچوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے ان کو قتل کر دیا۔ (تفسیر در منثور: ج:3، ص:313 مطبوعہ کراچی)

اونٹنی کو مارنے کے لئے تمام گاؤں والوں کا جمع ہونا مگر ڈر کر پیچھے ہٹ جانا

انتقام لینے کے لئے تمام گاؤں والے جمع ہوئے مگر عذاب کے ڈر کی وجہ سے پیچھے ہٹ گئے۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: حجاج اور ابن جریج نے کہا ہے کہ

جب حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ عنقریب ایک بچہ پیدا ہوگا جس کے ہاتھ پیر تمہاری ہلاکت اور بربادی ہو گی۔

تو انہوں نے کہا: پھر آپ علیہ السلام ہمیں کیسا حکم دیتے ہیں؟

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہیں ان کو قتل کرنے کا حکم دیتا ہوں۔

چنانچہ انہوں نے ایک بچہ کے سوا سب بچوں کو قتل کر ڈالا۔

آپ نے فرمایا: سوجب وہ بچہ بالغ ہوا تو انہوں نے کہا:

(کاش)! اگر ہم اپنی اولاد کو قتل نہ کرتے تو ہم میں سے ہر آدمی کے لئے اسی کی مثل (نوجوان بچہ) ہوتا۔ یہ (حضرت) صالح (علیہ السلام) کا عمل ہے چنانچہ انہوں نے آپس میں آپ علیہ السلام کو قتل کرنے کے لئے مشاورت کی۔

اور کہنے لگے: ہم مسافر بن کر نکلیں گے اور لوگ ہمیں ظاہراً اس حالت پر دیکھیں گے پھر ہم فلاں مہینے کی فلاں رات کو

واپس لوٹیں گے اور اس کی عبادت گاہ کے قریب گھات لگا کر بیٹھ جائیں گے اور انہیں قتل کر دیں گے اور لوگ یہ گمان کریں گے کہ ابھی تک ہم سفر پر ہی ہیں جیسے پہلے تھے۔ چنانچہ وہ آئے اور آپ علیہ السلام کی تاک میں بیٹھنے کے لئے ایک چٹان کے نیچے داخل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس چٹان کو ان پر گرا دیا اور اس نے انہیں کچل ڈالا۔ پس انہوں نے کچلی ہوئی حالت میں صبح کی۔ جیسے جیسے ان کے بارے لوگوں کو اطلاع ہوئی تو وہ ان کی طرف چلے اور انہیں دیکھا کہ وہ سب کچلے پڑے ہیں۔ لوگ چیختے چلاتے گاؤں کی طرف واپس لوٹے۔

اے اللہ تعالیٰ کے بندو! کیا (حضرت) صالح (علیہ السلام) اس پر راضی نہیں ہوا کہ اس نے انہیں اپنے بچوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے ان کو قتل کر دیا۔ چنانچہ اونٹنی کو مارنے کے لئے گاؤں کے تمام لوگ جمع ہوئے پھر ڈر کے مارے اس سے پیچھے ہٹ گئے۔ (تفسیر درمنثور: ج:3، ص:313 مطبوعہ کراچی)

مصدع اور قیدار کو صدوق نامی حسین لڑکی کا اونٹنی کے قتل پر خود کو اور ایک حسین عورت کو انعام کے طور پر پیش کرنا

جب کوئی شخص اونٹنی کے قتل پر راضی نہیں ہوا تو صدوق نام کی ایک حسین عورت نے مصدع اور قیدار کو یہ پیش کش کی کہ اونٹنی کے قتل پر میں خود اور ایک حسین لڑکی پیش کروں گی۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں: امام ابن جریر وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ ثمود پانی کی باری کی تقسیم سے تنگ آ چکے تھے لیکن وہ اس اونٹنی کو قتل کرنے سے ڈرتے تھے۔ تب صدوق نام کی ایک حسین اور مالدار عورت نے مصدع اور قیدار کے سامنے یہ پیشکش کی کہ اگر تم دونوں اس اونٹنی کو قتل کر دو تو میں خود اور ایک اور حسین لڑکی تم کو عیش کے لئے بطور انعام دی جائیں گی۔ (البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:135 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مصدع اور قیدار کے علاوہ سات اشخاص کا اونٹنی کو قتل کرنے کا منصوبہ بنانا

مصدع اور قیدار کے علاوہ سات اشخاص نے منصوبہ بنایا کہ جب اونٹنی چراگاہ کی طرف جائے تو اس کو قتل کر دیں گے۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں: امام ابن جریر وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ ثمود پانی کی باری کی تقسیم سے تنگ آ چکے تھے لیکن وہ اس اونٹنی کو قتل کرنے سے ڈرتے تھے تب صدوق نام کی ایک حسین اور مالدار عورت نے مصدع اور قیدار کے سامنے یہ پیشکش کی کہ اگر تم دونوں اس اونٹنی کو قتل کر دو تو میں اور ایک اور حسین لڑکی تم کو عیش کے لئے بطور انعام دی جائیں گی آخر یہ طے ہو گیا کہ وہ راستہ میں چھپ کر بیٹھ جائیں گے اور جب اونٹنی چراگاہ کی طرف جائے گی تو اس کو قتل کر دیں گے اور سات اور اشخاص نے ان کی مدد کی اور یہ نو آدمی مل کر اس اونٹنی کو قتل کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ (البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:135 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اونٹنی کے قتل کے منصوبہ کے بعد حضرت صالح علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے اہل خانہ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنانا

ان لوگوں نے یہ بھی سازش کی تھی کہ جب اونٹنی کو قتل کر ڈالیں گے تو اس کے بعد حضرت صالح علیہ السلام کو بھی قتل کر ڈالیں

کے پھران کے وارثوں سے کہیں گے کہ ہم تو موقع واردات پر موجود ہی نہ تھے۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں: امام ابن جریر وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ ثمود پانی کی باری کی تقسیم سے تنگ آ چکے تھے لیکن وہ اس اونٹنی کو قتل کرنے سے ڈرتے تھے تب صدوق نام کی ایک حسین اور مالدار عورت نے مصدع اور قیدار کے سامنے یہ پیشکش کی کہ اگر تم دونوں اس اونٹنی کو قتل کر دو تو میں خود اور ایک اور حسین لڑکی تم کو عیش کے لئے بطور انعام دی جائیں گی آخر یہ طے ہو گیا کہ وہ راستہ میں چھپ کر بیٹھ جائیں گے اور جب اونٹنی چراگاہ کی طرف جائے گی تو اس کو قتل کر دیں گے اور سات اور آدمیوں نے ان کی مدد کی اور یہ نو آدمی مل کر اس اونٹنی کو قتل کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

انہوں نے یہ سازش کی تھی کہ وہ اونٹنی کو قتل کر کے حضرت صالح علیہ السلام (نعوذ باللہ) اور ان کے اہل کو بھی قتل کر دیں گے پھران کے وارثوں سے کہیں گے کہ ہم تو موقع واردات پر موجود ہی نہ تھے۔ (البدایہ والنہایہ: ج:1 ص:134 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

نو آدمیوں کا گھات لگا کر بیٹھنا اور اونٹنی کے سامنے آنے پر مصدع کا تیر مارنا اور قیدار کا اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ کر ہلاک کرنا

نو اشخاص اونٹنی کو قتل کرنے کے لئے گھات لگا کر بیٹھ گئے اور جب اونٹنی سامنے آئی تو مصدع نے تیر مارا اور قیدار نے اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ کر ہلاک کر دیا۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں: امام ابن جریر وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ ثمود پانی کی باری کی تقسیم سے تنگ آ چکے تھے لیکن وہ اس اونٹنی کو قتل کرنے سے ڈرتے تھے تب صدوق نام کی ایک حسین اور مالدار عورت نے مصدع اور قیدار کے سامنے یہ پیشکش کی کہ اگر تم دونوں اس اونٹنی کو قتل کر دو تو میں خود اور ایک اور حسین لڑکی تم کو عیش کے لئے بطور انعام دی جائیں گی آخر یہ طے ہو گیا کہ وہ راستہ میں چھپ کر بیٹھ جائیں گے اور جب اونٹنی چراگاہ کی طرف جائے گی تو اس کو قتل کر دیں گے اور سات اور آدمیوں نے ان کی مدد کی اور یہ نو آدمی مل کر اس اونٹنی کو قتل کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

انہوں نے یہ سازش کی تھی کہ

وہ اونٹنی کو قتل کر کے حضرت صالح علیہ السلام (نعوذ باللہ) اور ان کے اہل کو بھی قتل کر دیں گے پھران کے وارثوں سے کہیں گے کہ ہم تو موقع واردات پر موجود ہی نہ تھے۔ یہ لوگ گھات لگا کر بیٹھ گئے اور جب اونٹنی سامنے آئی تو مصدع نے اس کو تیر مارا قیدار نے اس کی ٹانگیں کاٹ کر اس کو ہلاک کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ: ج:1 ص:134 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اونٹنی کی کونچیں کاٹنا

قوم ثمود کے اشخاص نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ... [illegible] ... کی۔

قرآن مجید میں ہے:

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَ عَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ (الاعراف:77)

پھرانہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں اوراپنے رب کے حکم سے سرکشی کی۔

اونٹنی سے تنگ آ کر کونچیں کاٹنا

قوم ثمود نے اونٹنی سے تنگ آ کراونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی 211ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ثمود نے کہا: اے صالح! اگر آپ (علیہ السلام) سچے ہیں تو کوئی نشانی دکھائیں۔

حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے کہا۔

زمین کے کسی پہاڑ کی طرف نکلو تو وہ پہاڑ پھٹ پڑا اوراس کے شگاف سے اونٹنی اس طرح نکل آئی جس طرح حاملہ کے پیٹ سے بچہ نکلتا ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی زمین میں چھوڑ دو تا کہ کھاتی پھرے اوراس کو برائی کے ارادے سے نہ چھونا ورنہ تم کو دردناک عذاب اپنی گرفت میں لے لے گا اس کے لئے پانی پینے کی باری ہے اورتمہارے لیے پینے کی باری کا ایک دن مقرر ہے جب وہ اس پابندی سے تنگ آ گئے تو انہوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ (تفسیر عبدالرزاق: رقم الحدیث: 911)

اونٹنی کی کونچیں کاٹنے پر پچھتاوا کرنا

جب قوم ثمود نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو پھر پچھتانے لگے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ○ (الشعراء:157)

پھر بھی انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں پس وہ پچھتائے۔

اونٹنی کو مصدع کا پنڈلی کے گوشت پر تیر مارنا قیدار کا کونچوں پر تلوار مارنا

مصدع نے اونٹنی کی پنڈلی کے گوشت پر مارا اور قیدار نے کونچوں پر تلوار ماری جس کی وجہ سے اونٹنی ہلاک ہوگئی۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں: امام محمد بن اسحاق سے روایت ہے کہ جب اونٹنی پانی پی کر لوٹ رہی تھی تو وہ اس کی گھات میں بیٹھے ہوئے تھے اس کے راستہ میں ایک چٹان تھی اس کے قیدار نامی ایک شخص چھپ کر بیٹھا ہوا تھا اوراس چٹان کے دوسرے نچلے حصہ میں مصدع نام کا ایک اور شخص چھپ کر بیٹھا ہوا

جب وہ اس کے پاس سے گزری تو مصدع نے اس کے گوشت پر تاک کر تیر مارا اور قیدار تلوار کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوا اور اس کی کونچوں پر تلوار ماری۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 10988)

اونٹنی کا چیخ کر گر جانا

جب مصدع نے اونٹنی کے گوشت پر تاک کر تیر مارا اور قیدار نے تلوار کو اس کی کونچوں پر مارا تو اونٹنی چیخ کر گر پڑی۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں: امام محمد بن اسحاق سے روایت ہے کہ

جب اونٹنی پانی پی کر لوٹ رہی تھی تو وہ اس کی گھات میں بیٹھے ہوئے تھے اس کے راستہ میں ایک چٹان تھی اس کے نیچے قیدار نامی ایک شخص چھپ کر بیٹھا ہوا تھا اور اس چٹان کے دوسرے نچلے حصہ میں مصدع نام کا ایک اور شخص چھپ کر بیٹھا ہوا تھا جب وہ اس کے پاس سے گزری تو مصدع نے اس کی پنڈلی کے گوشت پر تاک کر تیر مارا اور قیدار تلوار کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوا اور اس کی کونچوں پر تلوار ماری وہ چیخ مار کر گر پڑی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 10988)

اونٹنی کی ٹانگوں کو باندھنا پھر لبہ پر نیزہ مار کر نحر کر دینا

جب اونٹنی چیخ مار کر گر پڑی تو انہوں نے اس کی ٹانگوں کو باندھ دیا پھر اس کے لبہ پر نیزہ مارا اور اس کو نحر کر دیا۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم 327ھ روایت کرتے ہیں۔

امام ابن اسحاق سے روایت ہے کہ

جب اونٹنی پانی پی کر لوٹ رہی تھی تو وہ اس کی گھات میں بیٹھے ہوئے تھے اس کے راستہ میں ایک چٹان تھی اس کے نیچے قیدار نامی ایک شخص چھپ کر بیٹھا ہوا تھا اور اس چٹان کے دوسرے نچلے حصہ میں مصدع نام کا ایک اور شخص چھپ کر بیٹھا ہوا تھا جب وہ اس کے پاس سے گزری تو مصدع نے اس کی پنڈلی کے گوشت پر تاک کر مارا اور قیدار تلوار کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوا اور اس کی کونچوں پر تلوار ماردی وہ چیخ کر گر پڑی انہوں نے اس کی ٹانگوں کو باندھ دیا پھر اس کے لبہ (گردن کے نچلے حصہ) پر نیزہ مارا اور اس کو نحر (ذبح) کر دیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 10988)

قوم ثمود کا اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرکشی کر کے اونٹنی کی کونچیں کاٹنا

حضرت صالح علیہ السلام کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ اس اونٹنی کو قوم اذیت نہ دے ورنہ ان کو ہلاک کر دیا جائے گا تو قوم نے وہی کیا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرکشی کر کے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مقام حجر پر اترے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے لوگو! اپنے نبی سے علامات اور معجزات طلب نہ کرو کیونکہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے آپ علیہ السلام سے یہ

مطالبہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف کوئی نشانی بھیج دے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف اونٹنی کو بھیج دیا وہ اس درے سے آتی تھی اور اپنی باری کے دن ان کا سارا پانی پی جاتی تھی اور جس دن اس کی باری نہیں ہوتی تھی وہ اس کا دودھ اس طرح دوہتے تھے جیسا کہ وہ اس سے پانی لے رہے ہیں اور اسی درے سے واپس جاتی تھی پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرکشی کر لی اور اس کی کونچیں کاٹ دیں۔ (مستدرک: ج:2،ص:371 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

قوم کا حضرت صالح علیہ السلام پر غضب ناک اور ناراض ہونا

حضرت صالح علیہ السلام نے جب مخصوص بچہ کو قتل کرنے کا حکم دیا تو قوم کے نو اشخاص نے اپنے بچوں کو قتل کر ڈالا پھر جب دسواں بچہ جوان ہوا تو انہوں نے اس کو دیکھ کر کہا کہ کاش ہمارا بیٹا بھی زندہ ہوتا تو اسی طرح کا ہوتا چنانچہ وہ حضرت صالح علیہ السلام پر غضب ناک اور ناراض ہوئے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو قوم ثمود کی طرف بھیجا آپ علیہ السلام نے انہیں دعوت حق دی اور انہوں نے آپ علیہ السلام کو جھٹلایا اور یہ درخواست کردی کہ آپ علیہ السلام ان کے پاس کوئی نشانی (معجزہ) لے آئیں پس آپ علیہ السلام اونٹنی لے کر ان کے پاس آئے پانی پینے کے لئے ایک دن اس کے لئے مقرر تھا اور ایک دن ان کے لئے تو ان تمام نے اس کا اقرار کیا ناقہ کے لئے پانی پینے کا ایک دن مقرر تھا جس میں وہ پانی پیا کرتی تھی دو پہاڑوں کے درمیان ایک نہر تھی اور اس مقام سے دونوں پہاڑ بہت تنگ تھے اس نہر پر ناقہ کا نشان قیامت تک باقی رہے گا پانی پینے کے بعد وہ ناقہ واپس آئی اور ان کے لئے ٹھہری رہتی حتیٰ کہ وہ دودھ دوہ لیتے اور وہ انہیں خوب سیراب کرتی اور جس دن وہ پانی پینے کے لئے آتے تو وہ نہ آتی ناقہ کے ساتھ اس کا ایک بچہ بھی تھا۔

تو حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں فرمایا:

اس مہینہ میں تمہارے ہاں ایک بچہ پیدا ہوگا اور اس کے ہاتھ پر تم ہلاک ہو جاؤ گے تو اس مہینہ میں سے نو افراد کے گھر پیدا ہوئے اور انہوں نے اپنے بیٹوں کو ذبح کر دیا پھر دسویں آدمی کے گھر بیٹا پیدا ہوا تو اس نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ اس کے پاس اس سے قبل کوئی اولاد نہیں تھی اس دسویں بچے کا باپ سرخ نیلا تھا یہ بچہ بہت تیزی سے نشو ونما پاتا جب کبھی یہ نو افراد کے پاس سے گزرتا اور وہ اسے دیکھتے تو کہتے اگر ہمارے بیٹے بھی زندہ ہوتے تو اس کی مثل ہوتے چنانچہ تمام افراد حضرت صالح علیہ السلام پر غضب ناک اور ناراض ہوئے۔ (تفسیر در منثور: ج:3،ص:316 تا 317 مطبوعہ کراچی)

گوشت بنا کر سب کا تقسیم کر کے کھانا

قوم ثمود نے جب اونٹنی کو ذبح کر دیا تو انہوں نے گوشت بنایا پھر سب میں تقسیم کر کے کھا لیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

پس ان سب نے اونٹنی کے ٹخنے کی پچھلی رگیں کاٹ دیں جس سے سارا خون بہہ گیا اور اونٹنی مرگئی اور اس کا بچہ جنگل میں غائب ہوگیا یا پہلے کونچیں یعنی ٹخنے کی رگیں کاٹیں پھر ساتھ ہی گلا کاٹ کر ذبح کر دیا دونوں (روایتیں) ملتی ہیں ذبح کرنے والا اور کاٹنے والا صرف ایک شخص قیدار بن سالف تھا مگر چونکہ سب کفار کے مشورے اور حکم سے اس نے ایسا کیا اس لیے عقروا جمع فرمایا پھر گوشت بنا کر سب نے تقسیم کر کے کھالیا۔ (تفسیر نعیمی: ج:12،ص:200 مطبوعہ لاہور)

اونٹنی کا ذبیحہ چھپ کر بدھ کی رات کو ہوا تھا

جس دن اونٹنی کو ذبح کیا گیا وہ بدھ کی رات تھی۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

اونٹنی کا ذبیحہ چھپ کر بدھ کی رات کو ہوا تھا۔ (تفسیر نعیمی: ج:12،ص:200 مطبوعہ لاہور)

چھپنا حضرت صالح علیہ السلام کے رعب وجلال کی وجہ سے تھا

قوم ثمود نے جو چھپ کر رات کو ذبح کیا وہ چھپنا حضرت صالح علیہ السلام کے رعب اور ہیبت وجلال کی وجہ سے تھا۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

اونٹنی کا ذبیحہ چھپ کر بدھ کی رات کو ہوا تھا اور یہ چھپنا حضرت صالح علیہ السلام کے خداداد رعب اور ہیبت سے تھا اگرچہ حضرت صالح علیہ السلام اکیلے ہی تھے مگر رعب وجلال کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے سردار خوشامدی بنے رہتے تھے منہ اٹھا کر بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی اور کچھ خاموشی اور حق پرستی کا رعب بھی تھا۔ (تفسیر نعیمی: ج:12،ص:200 مطبوعہ لاہور)

اونٹنی سے قوم ثمود کے جانور بدکتے بھاگتے تھے

قوم ثمود کے جانور اونٹنی سے بدکتے تھے کیونکہ وہ بہت موٹی اور ڈیل ڈول والی تھی۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

قوم ثمود کے مطالبہ پر اللہ تعالیٰ نے پہاڑ سے غیبی اونٹنی پیدا فرمائی جس نے پیدا ہوتے ہی قد آور بچہ دیا یہ ماں اور بچہ ثمود کی بستی میں رہنے سہنے لگے قوم ثمود کو تین دشواریوں کا سامنا ہوا ایک یہ کہ وہ اونٹنی بہت موٹی اور ڈیل ڈول والی تھی۔ ان کے دوسرے جانور اسے دیکھ کر بدکتے بھاگتے تھے۔ (تفسیر نعیمی: ج:8،ص:555 مطبوعہ لاہور)

اونٹنی کے بیٹھنے کی جگہ سات ہاتھ تھی

اونٹنی جس جگہ بیٹھتی وہ جگہ سات ہاتھ تھی۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

میں ثمود کی زمین میں گیا میں نے وہ جگہ ناپی جس میں وہ اونٹنی بیٹھتی تھی سات ہاتھ تھی۔ (تفسیر نعیمی: ج:8،ص:555 مطبوعہ لاہور)

اونٹنی اور بچہ قوم ثمود کے کھیت کھاتے تھے

اونٹنی اور بچہ قوم ثمود کے کھیت کھاتے تھے کسی کو ان کے مارنے یا نکالنے کی اجازت نہ تھی۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

دوسری مصیبت انہیں یہ پڑی کہ یہ ماں اور بچہ ہر طرف پھرتے تھے ہر ایک کا کھیت کھاتے انہیں مارنے یا نکالنے یا ہانکنے کی اجازت نہ تھی جیسے آج حرم شریف کے شکاری جانور جنہیں بھڑ کانہ بھگانا حرام ہے انہیں یہ بات گراں معلوم ہوتی تھی۔

(تفسیر نعیمی: ج:8، ص:555 مطبوعہ لاہور)

قوم ثمود پر تیسری دشواری

قوم ثمود کو تیسری دشواری یہ لاحق تھی اونٹنی کنویں کا سارا پانی پی جاتی اور اس کو خشک کر دیتی ان میں سے کسی کو ایک قطرہ لینے کی اجازت نہ تھی۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

تیسری یہ کہ ہر تیسرے دن اونٹنی اس کنویں کا پانی سارا پی کر اس کو خشک کر دیتی تھی انہیں اس میں سے ایک قطرہ لینے کی اجازت نہ تھی پھر چوبیس گھنٹہ میں پانی کنویں میں جمع ہوتا پھر یہ پیتے اگر چہ وہ دودھ بھی اتنا دیتی تھی کہ یہ سب لوگ پی کر سیر جاتے۔ (تفسیر نعیمی: ج:8، ص:555 تا 556 مطبوعہ لاہور)

قوم ثمود کی دو حسینہ جمیلہ عورتوں کی فتنہ انگیزی

قوم ثمود کی دو حسینہ جمیلہ عورتیں اونٹنی کو قتل کرنے کا بھی سبب بنیں جو کہ انہوں نے اونٹنی کے قتل پر خود کو پیش کیا تھا۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

قوم ثمود میں دو عورتیں تھیں بڑی خوبصورت اور بڑی ہی مال دار جن کی لڑکیاں ان سے بھی بڑھ کر حسینہ جمیلہ تھیں ایک کا نام عنیزہ ام غنم، دوسری کا نام تھا صدقہ بنت مختار ان کی کھیتی باڑی بھی بہت تھی اور ان کے جانور بھی بہت زیادہ تھے ان دونوں کو حضرت صالح علیہ السلام سے سخت عداوت تھی یہ چاہتی تھیں کہ کسی صورت سے یہ اونٹنی ماردی جائے صدقہ نے اپنے چچا کے بھائی مصدع ابن دہر کو بلایا بولی میں بیوہ ہوں تجھ سے نکاح کرلوں گی بشرطیکہ تو اونٹنی کو ہلاک کردے پھر دوسرے شخص قیدار ابن سالف کو بلایا جو درحقیقت حرامی تھا اس سے بولی کہ تو بھی اونٹنی کے ذبح میں مدد کر اور میری جس بیٹی سے چاہے نکاح کر لے ان دونوں نے بہت خوشی سے یہ بات منظور کر لی ان دونوں نے اپنے ساتھ نو آدمی اور ملائے ساری قوم نے ان سے ہر طرح تعاون کا وعدہ کیا سکیم یہ بنائی کہ پہلے حضرت صالح علیہ السلام کو شہید کرو پھر اونٹنی کو ذبح کرو۔ صالح علیہ السلام دن بھر شہر میں رہتے تبلیغ کرتے تھے رات میں شہر کے باہر ایک پہاڑ کے دامن میں مسجد تھی وہاں عبادت کرتے تھے یہ لوگ پہاڑ کے غار میں چھپ گئے ان پر غار گر گیا وہ تو وہاں ہی ختم ہو گئے بقیہ ان دونوں نے شور مچا دیا کہ صالح علیہ السلام نے ہمارے نو آدمی مار

اس پر بستی کے لوگ طیش میں آ کر بولے کہ اب ہم اونٹنی ضرور ذبح کریں گے چنانچہ ان کے مشورہ سے قیدار اور مصدع دونوں اس پہاڑ کے دامن میں جا چھپے جہاں سے اونٹنی نکلی تھی جب اونٹنی مع اپنے بچہ کے ادھر سے نکلی کنویں کا پانی پی کر تو مصدع نے اس کے تیر مارا جس سے اونٹنی کی پنڈلی سخت زخمی ہو گئی اور وہ گر گئی پھر قیدار تلوار لئے ہوئے جلدی سے نکلا اس نے پہلے تو اونٹنی کے پاؤں کاٹے پھر اس کو ذبح کر دیا اونٹنی نے تین آوازیں نکالیں اور جان دے دی۔ (تفسیر نعیمی: ج:8، ص:556 مطبوعہ لاہور)

قوم ثمود کے قبیلہ میں ابوزمعہ کے شکل کی طرح کا قاتل

قوم ثمود کے قبیلہ میں ابوزمعہ کی شکل کی طرح کا ایک شخص تھا جو اونٹنی کو قتل کرنے کے لئے اٹھا۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن زمعہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

قوم ثمود کے قبیلہ میں ابوزمعہ کی شکل کی طرح کا ایک شخص تھا وہ اس اونٹنی کو قتل کرنے کے لئے اٹھا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 15866)

اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کے بعد بچہ کا چیختا ہوا پہاڑ کی طرف بھاگنا

جب اونٹنی کی کونچیں کاٹ دی گئیں تو بچہ چیختا ہوا پہاڑ کی طرف بھاگ گیا۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

ابوالہذیل سے روایت ہے کہ

جب اس اونٹنی کی کونچیں کاٹی گئیں تو اس کا بچہ چیختا ہوا پہاڑوں کی طرف بھاگ گیا پھر دوبارہ کو نہیں دیکھا گیا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 10989)

قوم ثمود کا بچہ کے پیچھے پکڑنے کے لئے بھاگنا

قوم ثمود بچہ کے پیچھے بھاگے تا کہ اس بچہ کو پکڑ لیں مگر اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو بلند ہونے کا حکم دیا وہ آسمان کی طرف اس قدر بلند ہوا کہ کوئی پرندہ بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

ارشاد فرمایا:

(روایت کچھ نقل کے بعد ہے) انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ مکر و فریب کا ارادہ کیا اور چل پڑے حتیٰ کہ حضرت صالح علیہ السلام کے راستے میں ایک گھاٹ پر آ پہنچے اور آٹھ افراد اس میں چھپ گئے۔

اور کہنے لگے۔

جب آپ ہماری طرف نکل کر آئیں گے تو ہم انہیں قتل کر دیں گے پھر ہم ان کے گھر والوں کے پاس آئیں گے اور ان کے ساتھ رات گزاریں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا تو وہ ان پر ہموار ہو گئی (یعنی وہ اس کے نیچے دب گئے) پھر وہ اکٹھے ہو کر ناقہ کی طرف چل پڑے وہ اس وقت اپنے حوض پر کھڑی تھی تو ایک بد بخت انسان نے ان میں سے ایک کو کہا۔

تو اس کے پاس آ اور اس کی کونچیں کاٹ دے چنانچہ وہ ناقہ کے پاس آیا مگر اس کام کو بہت بڑا کام سمجھ کر پیچھے ہٹ گیا پھر اس نے دوسرے کو بلایا تو اس نے بھی اسے انتہائی عظیم عمل سمجھ کر اس سے انکار کر دیا المختصر اس نے کئی افراد کو بلایا مگر کسی نے بھی ایسا کرنے کی جرأت نہیں کی حتیٰ کہ وہ خود چل کر اس کی طرف گیا اور بڑی تیزی کے ساتھ جا کر اس کی کونچوں پر ضرب لگائی جس کے نتیجہ میں ناقہ گر گئی اور پاؤں مارنے لگی تو اسی دوران ان میں سے ایک آدمی کی نظر حضرت صالح علیہ السلام پر پڑی۔

تو اس نے آپ علیہ السلام کو بلا کر کہا۔

اپنی ناقہ کو دیکھ لو اس کی کونچیں کاٹ دی گئی ہیں پس آپ علیہ السلام تشریف لائے تو وہ نکل کر آپ علیہ السلام سے ملاقات کرنے لگے اور آپ علیہ السلام سے معذرت کرنے لگے۔

اے اللہ تعالیٰ کے نبی! (علیہ السلام)!

فلاں نے اس کی کونچیں کاٹی ہیں اس لیے ہمارا اس میں کوئی گناہ نہیں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

تم دیکھو کیا تم اس کے بچے کو پا لو گے! سو اگر تم نے اس کو پا لیا تو قریب ہے اللہ تعالیٰ تم سے عذاب اٹھا لے چنانچہ وہ اس کی تلاش میں نکل پڑے پھر جب بچے نے اپنی ماں کو تڑپتے ہوئے دیکھا تو وہ پہاڑ کی طرف آ گیا جسے القارۃ قصیر کہا جاتا ہے اور اس کے اوپر چڑھ گیا وہ لوگ اس کے پیچھے گئے تا کہ اس کو پکڑ لیں لیکن اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو حکم دیا تو وہ آسمان کی طرف اتنا بلند ہو گیا کہ اس پر کوئی پرندہ بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ (تفسیر در منثور، ج:3، ص:315 مطبوعہ کراچی)

حضرت صالح علیہ السلام کو بچہ کا دیکھ کر رونا اور آنسو بہانا

حضرت صالح علیہ السلام جب گاؤں میں تشریف لے گئے تو اونٹنی کے بچہ نے آپ علیہ السلام کو دیکھا اور رونے لگا حتیٰ کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگ گئے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

ارشاد فرمایا:

انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ مکر و فریب کا ارادہ کیا اور چل پڑے حتیٰ کہ حضرت صالح علیہ السلام کے راستے میں ایک گھاٹ پر آ پہنچے اور آٹھ افراد اس میں چھپ گئے۔

اور کہنے لگے۔

جب آپ ہماری طرف نکل کر آئیں گے تو ہم انہیں قتل کر دیں گے پھر ہم ان کے گھر والوں کے پاس آئیں گے اور ا

کے ساتھ رات گزاریں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا تو وہ ان پر ہموار ہوگئی (یعنی وہ اس کے نیچے دب گئے) پھر وہ اکٹھے ہو کر ناقہ کی طرف چل پڑے وہ اس وقت اپنے حوض پر کھڑی تھی۔

تو ایک بدبخت انسان نے ان میں سے ایک کو کہا۔

تو اس کے پاس آ اور اس کی کونچیں کاٹ دے چنانچہ وہ ناقہ کے پاس آیا مگر اس کام کو بہت بڑا کام سمجھ کر پیچھے ہٹ گیا پھر اس نے دوسرے کو بلایا تو اس نے بھی اسے انتہائی عظیم عمل سمجھ کر اس سے انکار کر دیا المختصر اس نے کئی افراد کو بلایا مگر کسی نے بھی ایسا کرنے کی جرأت نہیں کی حتیٰ کہ وہ خود چل کر اس کی طرف گیا اور بڑی تیزی کے ساتھ جا کر اس کی کونچوں پر ضرب لگائی جس کے نتیجہ میں ناقہ گر گئی اور پاؤں مارنے لگی تو اسی دوران ان میں سے ایک آدمی کی نظر حضرت صالح علیہ السلام پر پڑی۔

تو اس نے آپ علیہ السلام کو بلا کر کہا۔

اپنی ناقہ کو دیکھو اس کی کونچیں کاٹ دی گئی ہیں پس آپ علیہ السلام تشریف لائے تو وہ نکل کر آپ علیہ السلام سے ملاقات کرنے لگے اور آپ علیہ السلام سے معذرت کرنے لگے۔

اے اللہ تعالیٰ کے نبی! (علیہ السلام)!

فلاں نے اس کی کونچیں کاٹی ہیں اس لیے ہمارا اس میں کوئی گناہ نہیں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

تم دیکھو کیا تم اس کے بچے کو پالو گے! سو اگر تم نے اس کو پالیا تو قریب ہے اللہ تعالیٰ تم سے عذاب اٹھا لے چنانچہ وہ اس کی تلاش میں نکل پڑے پھر جب بچے نے اپنی ماں کو تڑپتے ہوئے دیکھا تو وہ پہاڑ کی طرف آگیا جسے القارۃ قصیر کہا جاتا ہے اور اس کے اوپر چڑھ گیا وہ لوگ اس کے پیچھے گئے تا کہ اس کو پکڑ لیں لیکن اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو حکم دیا تو وہ آسمان کی طرف اتنا بلند ہوگیا کہ اس پر کوئی پرندہ بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام گاؤں میں تشریف لے گئے جب اونٹنی کے بچہ نے آپ علیہ السلام کو دیکھا تو رو پڑا حتیٰ کہ اس کے آنسو بہہ پڑے۔ (تفسیر در منثور، ج:3، ص:314 مطبوعہ کراچی)

بچہ کا حضرت صالح علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر خوب شدت سے تین بار بلبلانا

جب بچہ نے حضرت صالح علیہ السلام کو دیکھا تو اس قدر رویا کہ آنسو بہنے لگ گئے اور آپ علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر خوب شدت سے تین بار بلبلایا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

ارشاد فرمایا:

انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ مکر و فریب کا ارادہ کیا اور چل پڑے حتیٰ کہ حضرت صالح علیہ السلام کے راستے میں ایک گھاٹ پر آ پہنچے اور آٹھ افراد اس میں چھپ گئے۔

اور کہنے لگے۔

جب آپ ہماری طرف نکل کر آئیں گے تو ہم انہیں قتل کر دیں گے پھر ہم ان کے گھر والوں کے پاس آئیں گے اور ان کے ساتھ رات گزاریں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا تو وہ ان پر ہموار ہوگئی (یعنی وہ اس کے نیچے دب گئے) پھر اکٹھے ہو کر ناقہ کی طرف چل پڑے وہ اس وقت اپنے حوض پر کھڑی تھی۔

تو ایک بدبخت انسان نے ان میں سے ایک کو کہا۔

تو اس کے پاس آ اور اس کی کونچیں کاٹ دے چنانچہ وہ ناقہ کے پاس آیا مگر اس کام کو بہت بڑا کام سمجھ کر پیچھے ہٹ گیا اس نے دوسرے کو بلایا تو اس نے بھی اسے انتہائی عظیم عمل سمجھ کر اس سے انکار کر دیا الختصر اس نے کئی افراد کو بلایا مگر کسی نے بھی ایسا کرنے کی جرأت نہیں کی حتیٰ کہ وہ خود چل کر اس کی طرف گیا اور بڑی تیزی کے ساتھ جا کر اس کی کونچوں پر ضرب لگائی جس کے نتیجہ میں ناقہ گر گئی اور پاؤں مارنے لگی تو اسی دوران ان میں سے ایک آدمی کی نظر حضرت صالح علیہ السلام پر پڑی۔

تو اس نے آپ علیہ السلام کو بلا کر کہا۔

اپنی ناقہ کو دیکھ لو اس کی کونچیں کاٹ دی گئی ہیں پس آپ علیہ السلام تشریف لائے تو وہ نکل کر آپ علیہ السلام سے ملاقات کرنے لگے اور آپ علیہ السلام سے معذرت کرنے لگے۔

اے اللہ تعالیٰ کے نبی! (علیہ السلام)!

فلاں نے اس کی کونچیں کاٹی ہیں اس لیے ہمارا اس میں کوئی گناہ نہیں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

تم دیکھو کیا تم اس کے بچے کو پالو گے! سو اگر تم نے اس کو پا لیا تو قریب ہے اللہ تعالیٰ تم سے عذاب اٹھا لے چنانچہ وہ اس کی تلاش میں نکل پڑے پھر جب بچے نے اپنی ماں کو تڑپتے ہوئے دیکھا تو وہ پہاڑ کی طرف آ گیا جسے القارۃ قصیر کہا جاتا ہے اور اس کے اوپر چڑھ گیا وہ لوگ اس کے پیچھے گئے تا کہ اس کو پکڑ لیں لیکن اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو حکم دیا تو وہ آسمان کی طرف اتنا بلند ہو گیا کہ اس پر کوئی پرندہ بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام گاؤں میں تشریف لے گئے جب اونٹنی کے بچہ نے آپ علیہ السلام کو دیکھا تو رو پڑا حتیٰ کہ اس کے آنسو بہہ پڑے۔ پھر وہ آپ علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا اور خوب شدت سے بلبلایا پھر دوسری اور پھر تیسری بار بھی اسی طرح بلبلایا۔ (تفسیر در منثور: ج:3، ص:314 مطبوعہ کراچی)

حضرت صالح علیہ السلام کا فرمانا کہ بچہ کے ہر بلبلانے کے بدلہ موت ہے

جب بچہ تین بار خوب شدت سے بلبلایا تو حضرت صالح علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ہر بلبلانے کے بدلہ میں موت ہے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

ارشاد فرمایا:

انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی ناقہ کی کونچیں کاٹ دیں اور چل پڑے حتیٰ کہ حضرت صالح علیہ السلام

راستے میں ایک گھاٹ پر آپہنچے اور آٹھ افراد اس میں چھپ گئے۔

اور کہنے لگے۔

جب آپ ہماری طرف نکل کر آئیں گے تو ہم انہیں قتل کر دیں گے پھر ہم ان کے گھر والوں کے پاس آئیں گے اور ان کے ساتھ رات گزاریں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا تو وہ ان پر ہموار ہو گئی (یعنی وہ اس کے نیچے دب گئے) پھر وہ اکٹھے ہو کر ناقہ کی طرف چل پڑے وہ اس وقت اپنے حوض پر کھڑی تھی۔

تو ایک بد بخت انسان نے ان میں سے ایک کو کہا۔

تو اس کے پاس آ اور اس کی کونچیں کاٹ دے چنانچہ وہ ناقہ کے پاس آیا مگر اس کام کو بہت بڑا کام سمجھ کر پیچھے ہٹ گیا پھر اس نے دوسرے کو بلایا تو اس نے بھی اسے انتہائی عظیم عمل سمجھ کر اس سے انکار کر دیا المختصر اس نے کئی افراد کو بلایا مگر کسی نے بھی ایسا کرنے کی جرأت نہیں کی حتیٰ کہ وہ خود چل کر اس کی طرف گیا اور بڑی تیزی کے ساتھ جا کر اس کی کونچوں پر ضرب لگائی جس کے نتیجہ میں ناقہ گر گئی اور پاؤں مارنے لگی تو اسی دوران ان میں سے ایک آدمی کی نظر حضرت صالح علیہ السلام پر پڑی۔

تو اس نے آپ علیہ السلام کو بلا کر کہا۔

اپنی ناقہ کو دیکھ لو اس کی کونچیں کاٹ دی گئی ہیں پس آپ علیہ السلام تشریف لائے تو وہ نکل کر آپ علیہ السلام سے ملاقات کرنے لگے اور آپ علیہ السلام سے معذرت کرنے لگے۔

اے اللہ تعالیٰ کے نبی! (علیہ السلام)!

فلاں نے اس کی کونچیں کاٹی ہیں اس لیے ہمارا اس میں کوئی گناہ نہیں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

تم دیکھو کیا تم اس کے بچے کو پا لو گے! سو اگر تم نے اس کو پا لیا تو قریب ہے اللہ تعالیٰ تم سے عذاب اٹھا لے چنانچہ وہ اس کی تلاش میں نکل پڑے پھر جب بچے نے اپنی ماں کو تڑپتے ہوئے دیکھا تو وہ پہاڑ کی طرف آ گیا جسے القارۃ قصیر کہا جاتا ہے اور اس کے اوپر چڑھ گیا وہ لوگ اس کے پیچھے گئے تا کہ اس کو پکڑ لیں لیکن اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو حکم دیا تو وہ آسمان کی طرف اتنا بلند ہو گیا کہ اس پر کوئی پرندہ بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام گاؤں میں تشریف لے گئے جب اونٹنی کے بچہ نے آپ علیہ السلام کو دیکھا تو رو پڑا حتیٰ کہ اس کے آنسو بہہ پڑے۔ پھر وہ آپ علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا اور خوب شدت سے بلبلایا پھر دوسری اور پھر تیسری بار بھی اسی طرح بلبلایا۔

تو حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا:

(بچہ کے) ہر بار بلبلانے کے بدلہ ایک موت ہے۔ (تفسیر در منثور: ج:3، ص:314 مطبوعہ کراچی)

قوم ثمود کا آنکھوں سے ایک دوسرے کو اشارہ کر کے بچہ کو پکڑنے کا کہنا

قوم ثمود نے جب اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو آنکھوں سے ایک دوسرے کو اشارہ کرنے لگے اور کہنے لگے کہ تم پر لازم ہے

کہ اس کے بچے کو پکڑ لو۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

قوم ثمود نے جب اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو آنکھوں سے ایک دوسرے کو اشارہ کرنے لگے۔

اور کہنے لگے کہ

تم پر لازم ہے کہ اس کے بچے کو پکڑ لو۔ (تفسیر درمنثور: ج: 3، ص: 316 مطبوعہ کراچی)

اونٹنی کے بچہ کا قارہ پہاڑ پر چڑھ جانا

قوم ثمود نے بچہ کو پکڑنے کے لئے اشارہ کیا تو بچہ قارہ پہاڑ پر چڑھ گیا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

قوم ثمود نے جب اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو آنکھوں سے ایک دوسرے کو اشارہ کرنے لگے۔

اور کہنے لگے کہ

تم پر لازم ہے کہ اس کے بچے کو پکڑ لو۔ لیکن اونٹنی کا بچہ قارہ پہاڑ پر چڑھ گیا۔ (تفسیر درمنثور: ج: 3، ص: 316 مطبوعہ کراچی)

اونٹنی کے بچہ کا قبلہ شریف کی طرف منہ کر کے تین بار یارب میری ماں کہنا

جب اونٹنی کا بچہ قارہ پہاڑ پر چڑھ گیا قبلہ شریف کی طرف منہ کر کے کہنے لگا۔

یارب میری ماں! یارب میری ماں! یارب میری ماں!

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جب قوم ثمود نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو آنکھوں سے ایک دوسرے کو اشارہ کرنے لگے۔

اور کہنے لگے کہ

تم پر لازم ہے کہ اس کے بچے کو پکڑ لو لیکن اونٹنی کا بچہ قارہ پہاڑ پر چڑھ گیا حتیٰ کہ جب دن ہوا تو اس نے منہ قبلہ شریف کی طرف کیا۔

اور کہنے لگ گیا۔

یارب میری ماں! یارب میری ماں! یارب میری ماں!

تو اس وقت ان پر سخت اور کرخت بھیج دی گئی۔ (تفسیر درمنثور: ج: 3، ص: 316 مطبوعہ کراچی)

اونٹنی کے بچہ کا کہنا کہ یارب عزوجل میری ماں کہاں ہے؟

جب اونٹنی کا بچہ پہاڑ پر چڑھ گیا تو کہنے لگا کہ یارب عزوجل میری ماں کہاں ہے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جب قوم ثمود نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو اس کا بچہ چلا گیا اور ایک پہاڑ پر چڑھ گیا۔

اور اس نے کہا: اے میرے رب عزوجل! میری ماں کہاں ہے؟ (تفسیر درمنثور: ج:3،ص:317 مطبوعہ کراچی)

اونٹنی کے بچہ کا پہاڑ میں غائب ہو جانا

جب اونٹنی کو ذبح کر دیا گیا تو اس کا بچہ یہ دیکھ کر پہاڑی میں غائب ہو گیا۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

امام ابن جریر وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ

ثمود پانی کی باری کی تقسیم سے تنگ آچکے تھے لیکن وہ اس اونٹنی کو قتل کرنے سے ڈرتے تھے تب صدوق نام کی ایک حسین اور مالدار عورت نے مصدع اور قیدار کے سامنے یہ پیشکش کی اگر تم دونوں اس اونٹنی کو قتل کر دو تو میں خود اور ایک اور حسین لڑکی تم کو عیش کے لئے بطور انعام دی جائیں گی آخر یہ طے ہو گیا کہ وہ راستہ میں چھپ کر بیٹھ جائیں گے اور جب اونٹنی چراگاہ کی طرف جائے گی تو اس کو قتل کر دیں گے اور سات اور آدمیوں نے ان کی مدد کی اور یہ نو آدمی مل کر اس اونٹنی کو قتل کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

انہوں نے یہ سازش کی تھی کہ

وہ اونٹنی کو قتل کر کے حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے اہل کو بھی قتل کریں گے۔

پھر ان کے وارثوں سے کہیں گے کہ

ہم تو موقع واردات پر موجود ہی نہ تھے یہ لوگ گھات لگا کر بیٹھ گئے اور جب اونٹنی سامنے آئی تو مصدع نے اس کو تیر مارا اور قیدار نے اس کی ٹانگیں کاٹ کر اس کو ہلاک کر دیا اس کا بچہ یہ دیکھ کر پہاڑی میں غائب ہو گیا۔

(البدایہ والنہایہ: ج:1،ص:135 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

پہاڑ کا پھٹنا اور بچہ کا پہاڑ میں سما جانا

جب اونٹنی ماری گئی تو اس کا بچہ پہاڑ میں گیا وہ پہاڑ پھٹا جس مین بچہ سما گیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

(پچھلا قصہ نقل کے بعد لکھتے ہیں) چنانچہ قوم کے مشورہ سے قیدار اور مصدع دونوں اس پہاڑ کے دامن میں جا چھپے جہاں

سے اونٹنی نکلی تھی جب اونٹنی مع اپنے بچہ کے ادھر سے نکلی کنویں کا پانی پی کر تو مصدع نے اس کے تیر مارا جس سے اونٹنی کی پنڈلی سخت زخمی ہو گئی اور وہ گر گئی پھر قیدار تلوار لئے ہوئے جلدی سے نکلا اس نے پہلے تو اونٹنی کے پاؤں کاٹے پھر اس کو ذبح کر دیا اونٹنی نے تین آوازیں نکالیں اور جان دے دی اس کا بچہ اس پہاڑ میں گیا وہ پہاڑ پھٹا بچہ اس میں سما گیا قوم نے اونٹنی کا گوشت آپس میں تقسیم کر لیا۔ (تفسیر نعیمی: ج:8، ص:556 مطبوعہ لاہور)

قرب قیامت اونٹنی کا بچہ نکلے گا

قیامت کے قریب اونٹنی کا بچہ پہاڑ سے نکلے گا جس کو دابۃ الارض کہا جائے گا۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

بعض نے فرمایا کہ

(بچہ) وہ بھاگ کر اس میں غائب ہو گیا جہاں اس کی ماں نکلی تھی اس طرح کہ پتھر چرا اور وہ اس میں سما گیا قریب قیامت جو دابۃ الارض نکلے گا وہ وہی بچہ ہو گا جس کے متعلق قرآن مجید فرماتا ہے۔

اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ (تفسیر نعیمی: ج:8، ص:554 مطبوعہ لاہور)

قرب قیامت اونٹنی کا بچہ یا دابۃ الارض نکلنے کی تحقیق

آیا دابۃ الارض اونٹنی کا بچہ ہو گا یا کوئی اور چیز ہو گی؟ اور اس کی صورت کیا ہو گی؟ اور کہاں سے نکلے گا؟ اس کی تحقیق یہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب تین چیزوں کا ظہور ہو گا تو کسی ایسے شخص کے لئے ایمان لانا مفید نہیں ہو گا جو پہلے ایمان نہ لایا یا جس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک نہ کی ہو۔

1- سورج کا مغرب سے طلوع ہونا

2- دجال

3- اور دابۃ الارض۔ (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 158)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جانور (دابۃ الارض) کا ذکر فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کے دھر میں تین مرتبہ خروج ہوں گے وہ ایک جنگل کی انتہاء سے نکلے گا اور اس کا ذکر ایک شہر یعنی مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہو گا پھر وہ ایک لمبے عرصے تک چھپا رہے گا پھر وہ دوسری بار نکلے گا اور اس کا ذکر جنگل میں پھیل جائے گا اور اس کا ذکر شہر

مکہ مکرمہ میں بھی داخل ہو جائے گا پھر لوگ اس مسجد میں ہوں گے جس کی عزت اور حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام مساجد سب سے زیادہ ہے یعنی مسجد حرام میں۔ اس وقت وہ لوگ صرف اس بات سے خوف زدہ ہوں گے کہ حجر اسود اور مقام براہیم کے درمیان وہ اونٹنی کا بچہ بلبلا رہا ہوگا اور اپنے سر سے مٹی جھاڑ رہا ہوگا پھر کچھ لوگ اس کو دیکھ کر منتشر ہو جائیں گے اور مومنین کی ایک جماعت اپنی جگہ ثابت رہے گی اور وہ یہ جان لیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے سو وہ اونٹنی کا بچہ ان سے ابتداء کرے گا اور ان کے چہروں کو روشن کر دے گا حتیٰ کہ ان کے چہرے روشن ستارے کی مانند ہو جائیں گے وہ زمین میں پھرے گا کوئی شخص اس کو پکڑ نہیں سکے گا اور کوئی شخص اس سے بھاگ کر نجات نہیں پا سکے گا حتیٰ کہ کوئی شخص اس سے بچنے کے لیے نماز کی پناہ لے گا۔

تو وہ اس کے پیچھے آ کر کہے گا۔

اے فلاں! اب تو نماز پڑھ رہا ہے پھر وہ اس کے سامنے سے آ کر اس کے چہرے پر نشان لگا دے گا پھر چلا جائے گا لوگ اپنے کاروبار میں مشغول ہوں گے۔

مومن کافر سے کہہ رہا ہوگا۔

اے کافر میرا حق ادا کر۔ (سنن ابوداؤد طیالسی: رقم الحدیث: 1069)

ایک اور روایت میں یہ ہے کہ

اس کے جسم پر بالوں کے روئیں ہوں گے اس کی چار ٹانگیں ہوں گی اور وہ ساٹھ ہاتھ لمبا ہوگا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

وہ جساسہ ہے۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

وہ انسانوں کی شکل پر ہوگا اس کا اوپر کا دھڑ بادلوں میں ہوگا اور نچلا دھڑ زمین میں ہوگا۔

ایک روایت میں ہے۔

وہ تمام حیوانوں کی شکل کا جامع ہوگا۔

الماوردی اور الثعلبی نے ذکر کیا ہے کہ

حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

اس کا سر بیل کا سا ہوگا اور آنکھیں خنزیر کی سی ہوں گی، کان ہاتھی کی طرح ہوں گے، اس کے سینگ بارہ سنگھے کی طرح ہوں گے اور اس کی گردن شتر مرغ کی طرح ہوگی، اس کا سینہ شیر کی طرح ہوگا اور اس کا رنگ چیتے کی طرح ہوگا، اس کی کوکھ بلی کی طرح ہوگی اور دم مینڈھے کی طرح ہوگی اور اس کی ٹانگیں اونٹ کی طرح ہوں گی اور اس کے ہر جوڑ کے درمیان بارہ ہاتھ کا فاصلہ ہوگا وہ مومن کے چہرہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے سفید کر دے گا اور کافر کے چہرے کو حضرت سلیمان علیہ السلام

کی انگوٹھی سے سیاہ کر دے گا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 16597)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دابۃ (الارض) زمین سے نکلے گا اس کے پاس حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی انگوٹھی ہوگی اور حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کا عصا ہوگا وہ مومن کے چہرے پر عصا مار کر اس کو روشن کر دے گا اور کافر کی ناک کی چونچ پر انگوٹھی سے نشان لگا دے گا حتیٰ کہ گھروں سے نکل کر لوگ اس کے گرد جمع ہوں گے۔

وہ کہے گا۔

یہ مومن ہے اور یہ کافر ہے۔ (سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 4066)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مکہ مکرمہ کے قریب ایک جنگل میں لے گئے وہاں ایک خشک زمین تھی جس کے گرد ریت تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس جگہ سے دابۃ الارض نکلے گا۔ (سنن ابن ماجہ: 4067)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی متوفی 468ھ لکھتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے دابۃ الارض کے متعلق سوال کیا گیا۔

تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم اس کی دم بھی ہوگی اور اس کی داڑھی بھی ہوگی ہر چند کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تصریح نہیں کی مگر اس میں اشارہ ہے کہ وہ انسانوں میں سے ہوگا۔ (النکت والعیون: ج:6، ص:226 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ماوردی متوفی 450ھ لکھتے ہیں: جس زمین سے وہ نکلے گا اس کے متعلق چار قول ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

1- وہ تہامہ کی بعض وادیوں سے نکلے گا۔

2- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ اجیاد کی گھاٹیوں میں ایک چٹان سے نکلے گا۔

3- حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ صفا سے نکلے گا۔

4- حضرت ابن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وہ بحر سدوم سے نکلے گا۔ (النکت والعیون: ج:4، ص:227 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں: بعض متاخرین مفسرین نے کہا ہے کہ

دابۃ الارض انسان ہوگا وہ باتیں کرے گا اور کفار اور اہل بدعت سے مناظرہ اور مجادلہ کر کے ان کو ساکت کر دے گا سو جس نے ہلاک ہونا ہوگا وہ دلائل سے آگاہ ہو کر ہلاک ہوگا اور جس نے حق پر قائم رہنا ہوگا وہ دلائل سے آگاہ ہو کر حق پر قائم رہے گا۔

ہمارے استاذ امام ابوالعباس احمد بن عمر قرطبی متوفی 656ھ نے فرمایا ہے کہ

دابۃ الارض کی صورت کے متعلق کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔

جس نے کہا ہے کہ دابۃ الارض انسان ہوگا اس کا قول قرآن مجید کے ان الفاظ کے قریب ہے: ''وہ باتیں کرے گا''۔

لیکن اس کی بناء پر اس دابۃ الارض میں کوئی خارق (خلاف) عادت چیز نہیں ہوگی اور نہ وہ اس دن نشانیوں میں سے ہوگا جن کا حدیث میں ذکر ہے کیونکہ کفار اور اہل بدعت سے مناظرہ کرنے والے اور ان کو ساکت کرنے والے انسان تو بہت ہیں سو وہ کوئی خاص چیز نہیں ہوگا اور اس کا قیامت کی دس نشانیوں میں ذکر کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہوگی پھر ایسے فاضل، کامل اور مناظر انسان کو دابۃ الارض کہنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہوگی اور ایسے فاضل مناظر کو دابۃ الارض (زمین کا جانور) کہنا فصحاء کی عادت کے خلاف ہے اور تعظیم علماء اور دستور عقلاء کے منافی ہے۔ اس لیے دابۃ الارض کی صحیح تفسیر وہی جو ہم اس سے پہلے مفسرین سے نقل کر چکے ہیں اور جس تفسیر کا حدیث مبارکہ میں ذکر ہے۔ (الجامع الاحکام القرآن: جز: 13، ص: 218 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی غرناطی متوفی 754ھ لکھتے ہیں: دابۃ الارض کی ماہیت میں اس کی شکل میں اس کے نکلنے کی جگہ میں اس کی تعداد میں اس کی مقدار میں اور یہ کہ وہ لوگوں کے ساتھ کیا کرے گا اس میں بہت اختلاف ہے اور یہ اقوال آپس میں متعارض ہیں اور بعض اقوال بعض کی تکذیب کرتے ہیں اس لیے ہم نے اس کے ذکر کو ترک کر دیا کیونکہ اس کے ذکر کرنے میں اوراق کو سیاہ کرنا ہے اور وقت کو ضائع کرنا ہے۔ (البحرالمحیط: ج: 8، ص: 629 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں: علامہ ابوالحیان اندلسی کا یہ کلام برحق ہے اور میں نے اس سلسلہ میں اقوال نقل کیے ہیں وہ صرف اس لیے کہ جس کو دابۃ الارض کے متعلق تفصیل کو جاننے کا تجسس اور شوق ہو اس کی تسکین ہو سکے پھر دابۃ الارض کے متعلق جو احادیث مبارکہ ہیں ان میں سنن ترمذی کی حدیث اقرب الی القبول ہے اور وہ یہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دابۃ الارض نکلے گا اس کے پاس حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہوگی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہوگا عصا سے مومن کا چہرہ روشن کرے گا اور انگوٹھی سے کافر کی ناک پر مہر لگائے گا حتیٰ کہ گھروں سے لوگ اس کے گرد جمع ہوں گے۔

وہ کہے گا: سنو! یہ مومن ہے اور سنو یہ کافر ہے۔ (سنن ترمذی: رقم الحدیث: 87)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ

دابۃ الارض کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ چار پاؤں والا بہت عجیب و غریب جانور ہے یہ نوع انسان سے اصلاً نہیں ہے اللہ تعالیٰ آخر زمانہ میں اس کو زمین سے نکالے گا اور زمین میں یہ اشارہ ہے کہ یہ تو الد کے طریقہ سے نہیں

نکلے گا بلکہ اس طرح نکلے گا جس طرح زمین سے حشرات الارض نکلتے ہیں اور یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

(روح المعانی: جز:20،ص:36 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کے صحیح قول کے مطابق دابۃ الارض حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا بچہ ہے۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں: اس سلسلہ میں پہلا قول یہ ہے کہ یہ جانور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا بچہ ہے اور یہی سب سے صحیح قول ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:13،ص:217 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دو پہاڑوں کے درمیان موجودہ نہر پر اونٹنی کا نشان قیامت تک باقی رہے گا

دو پہاڑوں کے درمیان ایک نہر تھی اس نہر پر اونٹنی کا نشان قیامت تک باقی رہے گا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو قوم ثمود کی طرف بھیجا آپ علیہ السلام نے دعوت حق دی اور انہوں نے آپ علیہ السلام کو جھٹلا دیا اور یہ درخواست کر دی کہ آپ علیہ السلام ان کے پاس کوئی نشانی (معجزہ) لے آئیں۔ پس آپ علیہ السلام اونٹنی لے کر ان کے پاس آئے پانی پینے کے لئے ایک دن اس کے لئے مقرر تھا اور ایک دن ان کے لئے تو ان تمام نے اس کا اقرار کر لیا اونٹنی کے لئے پانی پینے کا ایک دن مقرر تھا جس سے وہ پانی پیا کرتی تھی دو پہاڑوں کے درمیان ایک نہر تھی اور اس مقام سے دونوں پہاڑ تنگ آ گئے تھے اس نہر پر اونٹنی کا نشان قیامت تک باقی رہے گا......الخ۔ (تفسیر درمنثور: ج:3،ص:316 مطبوعہ کراچی)

اونٹنی کو قتل کرنے والے نو اشخاص کے نام

اونٹنی کو قتل کرنے والے نو اشخاص کے نام درج ذیل ہیں۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ (جنہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں) ان کے نام یہ تھے۔

1-رعمی 2-رعیم 3-ہریم 4-ودار 5-صواب

6-ریاب 7-مسطع 8-مصداع

9-اور ان کا سردار قیدار بن سالف اس نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث:16466)

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کے نام یہ ہیں:

1-زعمی 2-زعیم 3-ہرمی 4-ہریم 5-داب

6-ہواب 7-ریاب 8-سیطع

9-اور قدادبن سالف جس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں۔(تفسیر در منثور:ج:5،ص:324 مطبوعہ کراچی)

قیدارابن سالف بدکاری سے پیدا ہوااور بدترین مخلوق میں سے ہے

قیدارابن سالف بدکاری سے پیدا ہوااور یہ بدترین مخلوق میں سے ہے۔

تفسیر نعیمی میں ہے: تفسیر ابن کثیر نے بیان کیا ہے کہ

قیدارابن سالف ابن خدع پستہ قد نیلی آنکھ سرخ رنگ تھا اس کی ماں تھی تو سالف کی بیوی مگر اس نے ایک شخص صہنان سے بدکاری کی جس سے یہ پیدا ہوا بدترین مخلوق میں سے قیدارابن سالف ہے۔(تفسیر نعیمی:ج:8،ص:556 مطبوعہ لاہور)

قوم ثمود کا اونٹنی کے قتل کے بعد حضرت صالح علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے اہل کو(نعوذ باللہ) قتل کرنے کی سازش

قوم ثمود نے یہ سازش کی تھی کہ اونٹنی کو جب قتل کرلیں گے تو بعد میں حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے اہل کو بھی (نعوذ باللہ) قتل کردیں گے۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

امام ابن جریر وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ

ثمود پانی کی باری کی تقسیم سے تنگ آچکے تھے لیکن وہ اونٹنی کو قتل کرنے سے ڈرتے تھے تب صدوق نام کی ایک حسین اور مالدار عورت نے مصدع اور قیدار کے سامنے یہ پیشکش کی اگر تم دونوں اس اونٹنی کو قتل کردو تو میں خود اور ایک اور حسین لڑکی تم کو عیش کے لئے بہ طور انعام دی جائیں گی آخر یہ طے ہوگیا کہ وہ راستہ میں چھپ کر بیٹھ جائیں گے اور جب اونٹنی چراگاہ کی طرف جائے گی تو اس کو قتل کردیں گے اور سات اور آدمیوں نے ان کی مدد کی اور یہ نو آدمی مل کر اس اونٹنی کو قتل کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

انہوں نے یہ سازش کی تھی کہ

وہ اونٹنی کو قتل کرکے حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے اہل کو بھی قتل کردیں گے۔

پھر ان کے وارثوں سے کہیں گے کہ

ہم تو موقع واردات پر موجود ہی نہ تھے......الخ۔(البدایہ والنہایہ:ج:1،ص:135 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

نو اشخاص کا حضرت صالح علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے اہل خانہ کو(نعوذ باللہ) قتل کرنے کی قسمیں کھانا

نو فسادی اشخاص نے قسمیں کھائیں کہ ہم ضرور رات کو حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے اہل خانہ پر شب خون ماریں گے پھر ان کے وارثوں سے کہیں گے ہم ان کے گھر والوں کے قتل کے موقع پر حاضر نہ تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ كَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ○ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ○ (النمل:48 تا49)

اور (ثمود کے) شہر میں نو شخص تھے جو زمین میں فساد پھیلا رہے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے انہوں نے کہا سب آپس میں یہ قسمیں کھا کر اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کرو کہ ہم ضرور رات کو صالح اور ان کے گھر والوں پر شب خون ماریں پھر ان کے وارث سے ہم یہ کہیں گے کہ ہم ان کے گھر والوں کے قتل کے موقع پر حاضر ہی نہ تھے اور بے شک ہم ضرور سچے ہیں۔

حضرت صالح علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کی مشاورت

قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کی مشاورت کی مگر وہ خود ہی تباہ و برباد ہو گئے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حجاج اور ابن جریج نے کہا ہے کہ

جب حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں یہ فرمایا کہ

عنقریب ایک بچہ پیدا ہوگا جس کے ہاتھ پیر تمہاری ہلاکت اور بربادی ہوگی۔

تو انہوں نے کہا: پھر آپ (علیہ السلام) ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہیں ان کو قتل کرنے کا حکم دیتا ہوں چنانچہ انہوں نے ایک کے سوا سب بچوں کو قتل کر ڈالا۔

آپ نے فرمایا: سو جب وہ بچہ بالغ ہوا تو انہوں نے کہا:

اگر ہم اپنی اولاد کو قتل نہ کرتے تو ہم میں سے ہر آدمی کے لئے اسی کی مثل (جوان لڑکا) ہوتا یہ (حضرت) صالح (علیہ السلام) کا عمل ہے چنانچہ انہوں نے آپس میں آپ علیہ السلام کو قتل کرنے کے لئے مشاورت کی۔

اور کہا: ہم مسافر بن کر نکلیں گے اور لوگ ہمیں ظاہراً اس حالت پر دیکھیں گے پھر ہم فلاں مہینے کی فلاں رات کو واپس لوٹیں گے اور اس کی عبادت گاہ کے قریب گھات لگا کر بیٹھ جائیں گے اور انہیں قتل کر دیں گے اور لوگ یہ گمان کریں گے کہ ابھی تک سفر پر ہی ہیں جیسے پہلے تھے۔ (تفسیر درمنثور، ج:3، ص:313 مطبوعہ کراچی)

قوم ثمود کا رات کے وقت حضرت صالح علیہ السلام کو پکڑنے اور (نعوذ باللہ) قتل کرنے کا منصوبہ

قوم ثمود میں نو افراد تھے جنہوں نے آپس میں یہ قسمیں کھائیں کہ حضرت صالح علیہ السلام کو رات کو پکڑ لیں گے اور (نعوذ باللہ) ان کو قتل کر دیں گے۔

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی 211ھ روایت کرتے ہیں: حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

قوم میں حضرت صالح علیہ السلام کی تصدیق کرنے والے اور تکذیب کرنے والے بھی تھے حق کو ماننے والے اور ان کی خدمت میں حاضر ہونے والے تھے اور حق کی تکذیب کرنے والے اور اس کو چھوڑنے والے تھے اس بارے میں قوم میں جھگڑا تھا۔

انہوں نے بدفالی لیتے ہوئے کہا: جو مصیبت پہنچی ہے وہ تیری اور تیرے ساتھیوں کی وجہ سے ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: تمہارے اعمال کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے بلکہ تم کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی نافرمانی میں آزمایا گیا ہے۔ شہر میں حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے نو افراد تھے جنہوں نے باہم یہ قسم اٹھائی کہ وہ رات کے وقت حضرت صالح علیہ السلام کو پکڑ لیں گے اور ان کو قتل کر دیں گے......الخ۔

(تفسیر عبدالرزاق: ج:2، ص:484 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضرت صالح علیہ السلام کو شہر کے افراد کا باہم قسم اٹھا کر (نعوذ باللہ) ہلاک کرنے کا منصوبہ

حضرت صالح علیہ السلام کو شہر کے افراد نے باہم یہ قسم اٹھائی کہ وہ آپ علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) ہلاک کر دیں گے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے فاذاھم فریقن لی یختصمون کی تفسیر میں ہے کہ

فریقن سے مراد مومن اور دوسرا فریق کافر ہے۔

مومن کہتے کہ حضرت صالح علیہ السلام اپنے رب عزوجل کی جانب سے بھیجے ہوئے ہیں۔

اور کافر کہتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھیجے ہوئے نہیں۔

انہوں نے کہا: ہم نے آپ (علیہ السلام) سے بدفالی لی۔

شہر میں حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے افراد تھے انہوں نے باہم یہ قسم اٹھائی تھی کہ وہ اس کو (حضرت صالح علیہ السلام) کو ہلاک کر دیں گے۔ (تفسیر طبری: ج:19، ص:197 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

قوم ثمود کا خفیہ سازش کرنا اور اللہ تعالیٰ کا خفیہ تدبیر فرمانا

قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے اہل وعیال کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کا سوچا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کرنے کی خفیہ تدبیر فرمائی۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ مَكَرُوْا مَكْرًا وَّ مَكَرْنَا مَكْرًا وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۝ (النمل:50)

اور انہوں نے خفیہ سازش کی اور ہم نے خفیہ تدبیر کی اور ان کو اس کا شعور بھی نہیں ہوا۔

فرشتوں کا خفیہ سازش کرنے والوں کو پتھروں سے ہلاک کرنا

قوم ثمود کے نو افراد حضرت صالح علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کے لئے جب آپ علیہ السلام کے گھر پہنچے فرشتوں نے ان پر پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں: امام محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ

ان نو آدمیوں نے مل کر اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔

پھر انہوں نے کہا: چلو مل کر (حضرت) صالح (علیہ السلام) کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیں اگر وہ سچے ہیں تو ان کے عذاب آنے سے پہلے ہم ان کو ہلاک کر چکے ہوں گے اور اگر وہ جھوٹے ہیں تو ہم ان کو ان کی اونٹنی کی طرح ان کے انجام تک پہنچا دیں گے وہ شب خون مارنے کے لئے رات کو حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پہنچے تو فرشتوں نے پتھر مار مار کر ان کو ہلاک کر دیا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 16468)

مقررہ وقت پر قتل کرنے والوں کا نہ پہنچنا اور قوم کا حضرت صالح علیہ السلام کے پاس جا کر ان کو ہلاک پانا

جب نو افراد مقررہ وقت پر نہ پہنچے تو قوم پریشان ہوئی اور اسی حالت میں حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پہنچے اور ان کو ہلاک پایا۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم روایت کرتے ہیں۔

امام محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ

ان نو آدمیوں نے مل کر اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔

پھر انہوں نے کہا: چلو مل کر (حضرت) صالح (علیہ السلام) کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیں اگر وہ سچے ہیں تو ان کے عذاب آنے سے پہلے ہم ان کو ہلاک کر چکے ہوں گے اور اگر وہ جھوٹے ہیں تو ہم ان کو ان کی اونٹنی کی طرح ان کے انجام تک پہنچا دیں گے وہ شب خون مارنے کے لئے رات کو حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پہنچے تو فرشتوں نے پتھر مار مار کر ان کو ہلاک کر دیا جب وہ مقررہ وقت پر اپنے ساتھیوں کے پاس نہیں پہنچے تو ان کے ساتھی ان کو تلاش کرتے ہوئے حضرت صالح علیہ السلام کے گھر گئے وہاں دیکھا کہ وہ خون میں لت پت پڑے تھے اور پتھروں سے ان کو کچل دیا گیا تھا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 16468)

قوم ثمود کا حضرت صالح علیہ السلام پر حملہ کرنے کا ارادہ کرنا اور قبیلہ والوں کا ہتھیار نکال لینا

قوم ثمود جب حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پہنچے تو اپنے ساتھیوں کو ہلاک پایا اور حضرت صالح علیہ السلام سے کہا آپ علیہ السلام نے ان کو ہلاک کیا ہے پھر وہ آپ علیہ السلام پر حملہ کرنے کے لئے کھڑے ہوئے تو قبیلہ والے آگے آئے ہتھیار نکال لئے کہ تم حضرت صالح علیہ السلام کو قتل نہیں کر سکتے۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم روایت کرتے ہیں۔

امام محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ

ان نو آدمیوں نے مل کر اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔

پھر انہوں نے کہا: چلو مل کر (حضرت) صالح (علیہ السلام) کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیں اگر وہ سچے ہیں تو ان کے عذاب آنے سے پہلے ہم ان کو ہلاک کر چکے ہوں گے اور اگر وہ جھوٹے ہیں تو ہم ان کو ان کی اونٹنی کی طرح ان کے انجام تک پہنچا دیں گے وہ شب خون مارنے کے لئے رات کو حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پہنچے تو فرشتوں نے پتھر مار مار کر ان کو ہلاک کر دیا۔ جب وہ مقررہ وقت پر اپنے ساتھیوں کے پاس نہیں پہنچے تو ان کے ساتھی ان کو تلاش کرتے ہوئے حضرت صالح علیہ السلام کے گھر گئے وہاں دیکھا کہ وہ خون میں لت پت پڑے تھے اور پتھروں سے ان کو کچل دیا گیا تھا۔

انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے پوچھا۔

کیا آپ علیہ السلام نے ان کو قتل کیا ہے اور انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت صالح علیہ السلام کے قبیلہ کے لوگ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ہتھیار نکال لیے۔

اور کہا: تم آپ علیہ السلام کو قتل نہیں کر سکتے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 16468)

حضرت صالح علیہ السلام کے قبیلہ والوں کا قوم ثمود کو عذاب کا وعدہ یاد کروانا

جب قوم نے حضرت صالح علیہ السلام پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو آپ علیہ السلام کے قبیلہ والوں نے ہتھیار نکال لیے اور کہا تم ان کو قتل نہیں کر سکتے انہوں نے تم سے وعدہ کیا ہے تم پر تین دن میں عذاب آئے گا اگر یہ سچے ہوئے تو تم اپنے رب عزوجل کو زیادہ غضب میں نہ لاؤ اگر بالفرض جھوٹے ہوئے تو تم تین دن کے بعد جو چاہے کر لینا۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں: امام محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ ان نو آدمیوں نے مل کر اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔

پھر انہوں نے کہا: چلو مل کر (حضرت) صالح (علیہ السلام) کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیں اگر وہ سچے ہیں تو ان کے عذاب آنے سے پہلے ہم ان کو ہلاک کر چکے ہوں گے اور اگر وہ جھوٹے ہیں تو ہم ان کو ان کی اونٹنی کی طرح ان کے انجام تک پہنچا دیں گے وہ شب خون مارنے کے لئے رات کو حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پہنچے تو فرشتوں نے پتھر مار مار کر ان کو ہلاک کر دیا۔ جب وہ مقررہ وقت پر اپنے ساتھیوں کے پاس نہیں پہنچے تو ان کے ساتھی ان کو تلاش کرتے ہوئے حضرت صالح علیہ السلام کے گھر گئے وہاں دیکھا کہ وہ خون میں لت پت پڑے تھے اور پتھروں سے ان کو کچل دیا گیا تھا۔

انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے پوچھا۔

کیا آپ علیہ السلام نے ان کو قتل کیا ہے اور انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت صالح علیہ السلام کے قبیلہ کے لوگ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ہتھیار نکال لیے۔

اور کہا: تم آپ علیہ السلام کو قتل نہیں کر سکتے۔

انہوں نے تم سے وعدہ کیا ہے کہ تم پر تین دن میں عذاب آئے گا اگر یہ سچے ہیں تو تم اپنے رب عزوجل کو زیادہ غضب میں نہ لاؤ اور اگر یہ (بالفرض) جھوٹے ہیں تو پھر تم تین دن کے بعد جو چاہے کر لینا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 16468)

قوم ثمود کا حضرت صالح علیہ السلام کے کیے ہوئے تین دن میں عذاب کے وعدے کے انتظار میں واپس جانا

جب حضرت صالح علیہ السلام کے قبیلہ والوں نے یہ کہا کہ انہوں نے تم سے وعدہ کیا ہے کہ تم پر تین دن میں عذاب آئے گا اگر یہ سچے ہیں تو تم اپنے رب عزوجل کو زیادہ غضب میں نہ لاؤ اور اگر یہ بالفرض جھوٹے ہیں تو پھر تم تین دن کے بعد جو چاہے کر لینا تو پھر ان نو اشخاص کے حمایتی واپس چلے گئے۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں: امام محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ ان نو آدمیوں نے مل کر اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔

پھر انہوں نے کہا: چلو مل کر (حضرت) صالح (علیہ السلام) کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیں اگر وہ سچے ہیں تو ان کے عذاب آنے سے پہلے ہم ان کو ہلاک کر چکے ہوں گے اور اگر وہ جھوٹے ہیں تو ہم ان کو ان کی اونٹنی کی طرح ان کے انجام تک پہنچا دیں گے وہ شب خون مارنے کے لئے رات کو حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پہنچے تو فرشتوں نے پتھر مار مار کر ان کو ہلاک کر دیا۔ جب وہ مقررہ وقت پر اپنے ساتھیوں کے پاس نہیں پہنچے تو ان کے ساتھی ان کو تلاش کرتے ہوئے حضرت صالح علیہ السلام کے گھر گئے وہاں دیکھا کہ وہ خون میں لت پت پڑے تھے اور پتھروں سے ان کو کچل دیا گیا تھا۔

انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے پوچھا: کیا آپ علیہ السلام نے ان کو قتل کیا ہے اور انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت صالح علیہ السلام کے قبیلہ کے لوگ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ہتھیار نکال لیے۔

اور کہا: تم آپ علیہ السلام کو قتل نہیں کر سکتے۔

انہوں نے تم سے وعدہ کیا ہے کہ تم پر تین دن میں عذاب آئے گا اگر یہ سچے ہیں تو تم اپنے رب عزوجل کو زیادہ غضب میں نہ لاؤ اور اگر یہ (بالفرض) جھوٹے ہیں تو پھر تم تین دن کے بعد جو چاہے کر لینا۔

تو پھر ان آدمیوں کے حمایتی واپس چلے گئے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 16468)

حضرت صالح علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے والے نو افراد کیسے ہلاک ہوئے

حضرت صالح علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے والے نو افراد پر چٹان گری اور وہ ہلاک ہو گئے۔ مگر بعض روایتوں میں فرشتوں کے پتھر مارنے کا ذکر ہے۔ تطبیق یہ ہے کہ چٹان بھی فرشتوں نے گرائی تھی اور پتھر بھی فرشتوں نے مارے۔

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی 211ھ لکھتے ہیں: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قوم میں حضرت صالح علیہ السلام کی تصدیق کرنے والے اور تکذیب کرنے والے بھی تھے حق کو ماننے والے اور ان

خدمت میں حاضر ہونے والے تھے اور حق کی تکذیب کرنے والے اور اس کو چھوڑنے والے بھی تھے۔ اس بارے میں قوم میں جھگڑا تھا۔

انہوں نے بدفالی لیتے ہوئے کہا: جو مصیبت پہنچی ہے وہ تیری اور تیرے ساتھیوں کی وجہ سے ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: تمہارے اعمال کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے بلکہ تمہیں تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی نافرمانی میں آزمایا گیا ہے۔

شہر میں حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے نو افراد تھے جنہوں نے باہم یہ قسم اٹھائی کہ وہ رات کے وقت حضرت صالح علیہ السلام کو پکڑ لیں گے اور ان کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیں گے۔ ہمارے سامنے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اسی اثناء میں کہ وہ جلدی جلدی حضرت صالح علیہ السلام کی طرف جا رہے تھے تا کہ وہ اسے قتل کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر چٹان کو گرا دیا جس نے ان سب کو ہلاک کر دیا۔ پھر ہم اس کے ولی سے کہیں گے یعنی حضرت صالح علیہ السلام کے قبیلہ والوں سے کہیں گے انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ مکر کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ یہ خفیہ تدبیر فرمائی کہ ان پر چٹان گرا دی جس نے سب کو ہلاک کر دیا دیکھو تو سہی ان کا مکر کیسا تھا اور ان کے مکر کا انجام کیسے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کی تمام قوم کو ہلاک کر دیا۔ (تفسیر عبدالرزاق: ج:2، ص:484 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

ان نو افراد نے (یعنی 1-زعمی، 2-زعیم، 3-ہرمی، 4-ہریم، 5-داب، 6-ہواب، 7-رياب، 8-سطیع، 9-قیدار بن سالف) ہی اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں جب انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹیں۔

تو انہوں نے کہا: ہم رات کے وقت حضرت صالح علیہ السلام اور اس کے گھر والوں پر حملہ کریں گے اور ان سب کو قتل کر دیں گے پھر حضرت صالح علیہ السلام کے اولیاء سے کہیں گے ہم نے تو اس میں سے کسی چیز کو نہیں دیکھا اور نہ ہی ہمیں اس کا کچھ علم ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ہلاک کر دیا۔ (جامع البیان: ج:19، ص:136 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

مزید راقم ہیں: حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے فاذاھم فریقن یختصمون کی تفسیر میں ہے کہ

فریقن سے مراد ایک فریق مومن اور دوسرا فریق کافر ہے۔

مومن کہتے کہ حضرت صالح علیہ السلام اپنے رب عزوجل کی جانب سے بھیجے ہوئے ہیں۔

اور کافر کہتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھیجے ہوئے نہیں۔

انہوں نے کہا: ہم نے آپ علیہ السلام سے بدفالی لی۔ شہر میں حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے افراد تھے انہوں نے باہم یہ قسم اٹھائی تھی کہ وہ ان کو ہلاک کر دیں گے وہ حضرت صالح علیہ السلام تک نہیں پہنچے حتیٰ کہ انہیں اور ان کی قوم کو ہلاک کر دیا گیا۔ (جامع البیان: ج:19، ص:195 تا 197 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس ... ہے کہ

جب حضرت صالح علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ عنقریب ایک بچہ پیدا ہوگا جس کے ہاتھ پیر تمہاری ہلاکت اور بربادی ہو گی۔

تو انہوں نے کہا: پھر آپ علیہ السلام ہمیں کیسا حکم دیتے ہیں؟

تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں ان کو قتل کرنے کا حکم دیتا ہوں چنانچہ انہوں نے ایک کے سوا سب بچوں کو قتل کر ڈالا۔

آپ نے فرمایا: سو جب وہ بالغ ہوا تو انہوں نے کہا:

اگر ہم اپنی اولاد کو قتل نہ کرتے تو ہم میں سے ہر آدمی کے لئے اسی کی مثل (نوجوان خوبصورت لڑکا) ہوتا یہ (حضرت) صالح (علیہ السلام) کا عمل ہے چنانچہ انہوں نے آپس میں آپ علیہ السلام کے قتل کرنے کے لئے مشاورت کی۔

اور کہا: ہم مسافر بن کر نکلیں گے اور لوگ ہمیں ظاہراً اس حالت پر دیکھیں گے پھر ہم فلاں مہینے کی فلاں رات کو واپس لوٹیں گے اور اس کی عبادت گاہ کے قریب گھات لگا کر بیٹھ جائیں گے اور انہیں قتل کر دیں گے اور لوگ یہ گمان کریں گے کہ ابھی تک ہم سفر پر ہی ہیں جیسے پہلے تھے چنانچہ وہ آئے اور آپ علیہ السلام کی تاک میں بیٹھنے کے لئے ایک چٹان کے نیچے داخل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس چٹان کو ان پر گرا دیا اور اس نے انہیں کچل ڈالا پس انہوں نے کچلی ہوئی حالت میں صبح کی جیسے جیسے ان کے بارے میں لوگوں کو اطلاع ہوئی تو وہ ان کی طرف چلے اور انہیں دیکھا کہ وہ سب کچلے پڑے ہیں لوگ چیختے ہوئے گاؤں کی طرف واپس لوٹے۔

اے اللہ تعالیٰ کے بندو! کیا (حضرت) صالح (علیہ السلام) اس پر راضی نہیں ہوئے کہ اس نے انہیں اپنے بچوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے انہیں قتل کر دیا چنانچہ اونٹنی کو مارنے کے لئے گاؤں کے تمام کے تمام لوگ جمع ہوئے پھر ڈر کے مارے اس سے پیچھے ہٹ گئے مگر اس دس سالہ بچے نے (اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں) (تفسیر درمنثور، ج:3، ص:313 مطبوعہ کراچی)

قوم ثمود کا اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کے بعد حضرت صالح علیہ السلام کی بارگاہ مقدس میں حاضر ہو کر معذرت کرنا

قوم ثمود کے جب نو افراد نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو قوم کے دوسرے لوگ حضرت صالح علیہ السلام کی بارگاہ مقدسہ میں حاضر ہو کر معذرت کرنے لگے کہ اے اللہ تعالیٰ کے نبی فلاں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹی ہیں ہمارا اس میں کوئی گناہ نہیں۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: ارشاد فرمایا: انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ مکر و فریب کا ارادہ کیا اور چل پڑے حتیٰ کہ حضرت صالح علیہ السلام کے راستے میں ایک گھاٹ پر آ پہنچے اور آٹھ افراد اس میں چھپ گئے۔ اور کہنے لگے۔

جب آپ (علیہ السلام) ہماری طرف نکل کر آئیں گے تو ہم انہیں قتل کر دیں گے پھر ہم ان کے گھر والوں کے پاس آئیں گے اور ان کے ساتھ (نعوذ باللہ) رات گزاریں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا تو وہ ان پر ہموار ہو گئی (یعنی وہ اس کے نیچے دب گئے) پھر وہ اکٹھے ہو کر ناقہ کی طرف چل پڑے ... پر کھڑی تھی تو ایک بد بخت انسان نے ان میں

سے ایک کو کہا۔

تو اس کے پاس آ اور اس کی کونچیں کاٹ دے چنانچہ وہ اس کے پاس آیا مگر اس کام کو بہت بڑا کام سمجھ کر پیچھے ہٹ گیا پھر اس نے دوسرے کو بلایا تو اس نے بھی اسے انتہائی عظیم عمل سمجھ کر اس سے انکار کر دیا۔ الختصر اس نے کئی افراد کو بلایا مگر کسی نے بھی ایسا کرنے کی جرأت نہیں کی حتیٰ کہ وہ خود چل کر اس کی طرف گیا اور بڑی تیزی کے ساتھ جا کر اس کی کونچوں پر ضرب لگائی جس کے نتیجہ میں اونٹنی گر گئی اور پاؤں مارنے لگی تو اسی دوران ان میں سے ایک آدمی کی نظر حضرت صالح علیہ السلام پر پڑی۔

تو اس نے آپ علیہ السلام کو بلا کر کہا۔

اپنی اونٹنی کو دیکھ لو اس کی کونچیں کاٹ دی گئی ہیں پس آپ علیہ السلام آئے تو وہ نکل کر آپ علیہ السلام سے ملاقات کرنے لگے اور آپ علیہ السلام سے معذرت کرنے لگے۔

اے اللہ عزوجل کے نبی!

فلاں نے اس کی کونچیں کاٹی ہیں اس لیے ہمارا اس میں کوئی گناہ نہیں۔ (تفسیر درمنثور: ج: 3، ص: 313 مطبوعہ کراچی)

حضرت صالح علیہ السلام کا قوم کو عذاب سے چھٹکارے کا حل بتانا

جب قوم حضرت صالح علیہ السلام کی بارگاہ مقدسہ میں حاضر ہو کر معذرت کرنے لگی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تم دیکھو کیا تم اونٹنی کے بچے کو پالو گے تو اگر تو تم نے پالیا پھر تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے عذاب اٹھا لے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: ارشاد فرمایا: انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ مکر و فریب کا ارادہ کیا اور چل پڑے حتیٰ کہ حضرت صالح علیہ السلام کے راستے میں ایک گھاٹ پر آ پہنچے اور آٹھ افراد اس میں چھپ گئے۔

اور کہنے لگے: جب آپ (علیہ السلام) ہماری طرف نکل کر آئیں گے تو ہم انہیں قتل کر دیں گے پھر ہم ان کے گھر والوں کے پاس آئیں گے اور ان کے ساتھ (نعوذ باللہ) رات گزاریں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا تو وہ ان پر ہموار ہو گئی (یعنی وہ اس کے نیچے دب گئے) پھر وہ اکٹھے ہو کر ناقہ کی طرف چل پڑے وہ اس وقت اپنے حوض پر کھڑی تھی تو ایک بدبخت انسان نے ان میں سے ایک کو کہا۔

تو اس کے پاس آ اور اس کی کونچیں کاٹ دے چنانچہ وہ اس کے پاس آیا مگر اس کام کو بہت بڑا کام سمجھ کر پیچھے ہٹ گیا پھر اس نے دوسرے کو بلایا تو اس نے بھی اسے انتہائی عظیم عمل سمجھ کر اس سے انکار کر دیا۔ الختصر اس نے کئی افراد کو بلایا مگر کسی نے بھی ایسا کرنے کی جرأت نہیں کی حتیٰ کہ وہ خود چل کر اس کی طرف گیا اور بڑی تیزی کے ساتھ جا کر اس کی کونچوں پر ضرب لگائی جس کے نتیجہ میں اونٹنی گر گئی اور پاؤں مارنے لگی تو اسی دوران ان میں سے ایک آدمی کی نظر حضرت صالح علیہ السلام پر پڑی۔

تو اس نے آپ علیہ السلام کو بلا کر کہا: اپنی اونٹنی کو دیکھ لو اس کی کونچیں کاٹ دی گئی ہیں پس آپ علیہ السلام آئے تو وہ نکل کر آپ علیہ السلام سے ملاقات کرنے لگے اور آپ علیہ السلام سے معذرت کرنے لگے۔

اے اللہ عزوجل کے نبی!

فلاں نے اس کی کونچیں کاٹی ہیں اب لیے ہمارا اس میں کوئی گناہ نہیں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا: تم دیکھو کیا تم اس کے بچے کو پا لو گے؟ سو اگر تم نے اس کو پالیا تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے عذاب اٹھا لے چنانچہ وہ اس کی تلاش میں نکل پڑے۔ پھر جب بچے نے اپنی ماں کو تڑپتے ہوئے دیکھا تو وہ پہاڑ کی طرف آ گیا جسے القارۃ قصیر کہا جاتا ہے اور اس کے اوپر چڑھ گیا وہ لوگ اس کے پیچھے گئے تا کہ وہ اس کو پکڑ لیں لیکن اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو حکم دیا تو وہ آسمان کی طرف اتنا بلند ہو گیا کہ اس پر کوئی پرندہ بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ (تفسیر در منثور، ج:3،ص313 تا314 مطبوعہ کراچی)

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو فرمایا کہ مجھے جس کا خوف تھا وہی ہوا

جب انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو آپ علیہ السلام کو اس کی خبر معلوم ہوئی اور آپ علیہ السلام نے قوم کو فرمایا آخر وہی ہوا جس کا مجھے خوف تھا۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں: امام ابن جریر وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ

ثمود پانی کی باری کی تقسیم سے تنگ آ چکے تھے لیکن وہ اس اونٹنی کو قتل کرنے سے ڈرتے تھے۔ تب صدوق نام کی ایک حسین اور مالدار عورت نے مصدع اور قیدار کے سامنے یہ پیشکش کی کہ اگر تم دونوں اس اونٹنی کو قتل کر دو تو میں خود اور ایک اور حسین لڑکی تم کو عیش کے لئے بہ طور انعام دی جائیں گی آخر یہ طے ہو گیا کہ وہ راستہ میں چھپ کر بیٹھ جائیں گے اور جب اونٹنی چراگاہ کی طرف جائے گی تو اس کو قتل کر دیں گے اور سات اور آدمیوں نے ان کی مدد کی اور یہ نو آدمی مل کر اس اونٹنی کو قتل کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

انہوں نے یہ سازش کی تھی کہ

وہ اونٹنی کو قتل کر کے حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے اہل کو بھی قتل کر دیں گے۔

پھر ان کے وارثوں سے کہیں گے کہ

ہم تو موقع واردات پر موجود ہی نہ تھے یہ لوگ گھات لگا کر بیٹھ گئے اور جب اونٹنی سامنے آئی تو مصدع نے اس کو تیر مارا اور قیدار نے اس کی ٹانگیں کاٹ کر اس کو ہلاک کر دیا اس کا یہ بچہ دیکھ کر پہاڑی میں غائب ہو گیا حضرت صالح علیہ السلام کو جب اس کی خبر ہوئی۔

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: آخر وہی ہوا جس کا مجھے خوف تھا۔ (البدایہ والنہایہ، ج:1،ص:135 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قوم ثمود کا عذاب طلب کرنا

جب قوم نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو حضرت صالح علیہ السلام سے کہنے لگے کہ اے صالح (علیہ السلام) ہم پر وہ عذاب لے آؤ جس سے تم ہم کو ڈراتے تھے اگر تم واقعی ہی رسولوں میں سے ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَ عَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَ قَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ○

(الاعراف:77)

پھر انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور کہا اے صالح! ہم پر وہ عذاب لے آؤ جس سے تم ہم کو ڈراتے تھے اگر تم رسولوں میں سے ہو۔

حضرت صالح علیہ السلام کا قوم کو تین دن کی مہلت کے بعد عذاب کی خبر دینا

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو ارشاد فرمایا کہ تم تین دن عیش کر لو تین دن کے بعد تم پر عذاب آئے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَیْرُ مَكْذُوْبٍ○ (ھود:65)

سو انہوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں تب (صالح نے) کہا تم صرف تین دن مزے اٹھالو (پھر تم پر عذاب آ جائے گا) یہ اللہ تعالیٰ کی وعید ہے جو (ہرگز) جھوٹی نہیں ہوگی۔

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی 211ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قوم ثمود نے کہا: اے صالح! (علیہ السلام)! اگر آپ علیہ السلام سچے ہیں تو کوئی نشانی دکھائیں۔

حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا: زمین کے کسی پہاڑ کی طرف نکلو تو وہ پہاڑ پھٹ پڑا اور اس کے شگاف سے اونٹنی اس طرح نکل آئی جس طرح حاملہ کے پیٹ سے بچہ نکلتا ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے ارشاد فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی زمین میں چھوڑ دو تا کہ کھاتی پھرے اور اس کو برائی کے ارادہ سے نہ چھونا ورنہ تم کو دردناک عذاب اپنی گرفت میں لے لے گا اس کے لئے پینے کی باری ہے اور تمہارے لیے پینے کی باری کا ایک دن مقرر ہے جب وہ اس سے تنگ آگئے تو انہوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔

حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے ارشاد فرمایا: تم صرف تین دن اپنے گھروں میں فائدہ اٹھالو پھر تم پر عذاب آئے گا۔

یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو کبھی جھوٹا نہ ہوگا......الخ۔ (تفسیر عبدالرزاق: رقم الحدیث: 911)

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اپنے رب عزوجل کی نافرمانی کی اور اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ وعید سنائی کہ وہ اپنے گھر میں تین دن تک عیش کر لیں یہ اللہ تعالیٰ کی وعید تھی جو جھوٹی نہیں تھی پھر ایک زبردست چنگھاڑ آئی اور زمین کے مشارق اور مغارب میں جس قدر لوگ تھے وہ سب ہلاک کر دیئے گئے

سوا ایک شخص کے جو اللہ تعالیٰ کے حرم میں تھا اس کو اللہ تعالیٰ کے حرم نے عذاب سے بچا لیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون شخص تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ ابورغال تھا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 15879)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں: امام ابن جریر وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ

ثمود پانی کی باری کی تقسیم سے تنگ آ چکے تھے لیکن وہ اس اونٹنی کو قتل کرنے سے ڈرتے تھے تب صدوق نام کی ایک حسین اور مالدار عورت نے مصدع اور قیدار کے سامنے یہ پیشکش کی کہ اگر تم دونوں اس اونٹنی کو قتل کر دو تو میں خود اور ایک اور حسین لڑکی تم کو عیش کے لئے بہ طور انعام دی جائیں گی آخر یہ طے ہو گیا کہ وہ راستہ میں چھپ کر بیٹھ جائیں گے اور جب اونٹنی چراگاہ کی طرف جائے گی تو اس کو قتل کر دیں گے اور سات اور آدمیوں نے ان کی مدد کی اور یہ نو آدمی مل کر اس اونٹنی کو قتل کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

انہوں نے یہ سازش کی تھی کہ

وہ اونٹنی کو قتل کر کے حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے اہل کو بھی قتل کر دیں گے۔

پھر ان کے وارثوں سے کہیں گے کہ

ہم تو موقع واردات پر موجود ہی نہ تھے یہ لوگ گھات لگا کر بیٹھ گئے اور جب اونٹنی سامنے آ گئی تو مصدع نے اس کو تیر مارا اور قیدار نے اس کی ٹانگیں کاٹ کر اس کو ہلاک کر دیا اس کا بچہ یہ دیکھ کر پہاڑی میں غائب ہو گیا۔

حضرت صالح علیہ السلام کو جب اس کی خبر معلوم ہوئی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

آخر وہی ہوا جس کا مجھے خوف تھا اب اللہ تعالیٰ کے عذاب کا انتظار کرو جو تین دن کے بعد تم کو تباہ کر دے گا۔

(البدایہ والنہایہ: ج: 1 ص: 135 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: ارشاد فرمایا: انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ مکر و فریب کا ارادہ کیا اور چل پڑے حتیٰ کہ حضرت صالح علیہ السلام کے راستے میں ایک گھاٹ پر آ پہنچے اور آٹھ افراد اس میں چھپ گئے۔

اور کہنے لگے۔

جب آپ علیہ السلام ہماری طرف نکل کر آئیں گے تو ہم ان کو قتل کر ڈالیں گے پھر ہم ان کے گھر والوں کے پاس آئیں گے اور ان کے ساتھ رات گزاریں گے (نعوذ باللہ) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا تو وہ ان پر ہموار ہو گئی پھر وہ اکٹھے ہو کر اونٹنی کی طرف چل پڑے وہ اس وقت اپنے حوض پر کھڑی تھی تو ایک بدبخت انسان نے ان میں سے ایک کو کہا۔

تو اس کے پاس آ اور اس کی کونچیں کاٹ دے چنانچہ وہ اونٹنی کے پاس آیا مگر اس کام کو بہت بڑا کام سمجھ کر پیچھے ہٹ گیا پھر اس نے دوسرے کو بلایا تو اس نے بھی اسے انتہائی عمل سمجھ کر اس سے انکار کر دیا المختصر اس نے کئی افراد کو بلایا مگر کسی نے بھی ایسا کرنے کی جرأت نہیں کی حتیٰ کہ وہ خود چل کر اس کی طرف گیا اور بڑی تیزی کے ساتھ جا کر اس کی کونچوں پر ضرب لگائی جس

کے نتیجے میں اونٹنی گر گئی اور پاؤں مارنے لگی تو اسی دوران ان میں سے ایک شخص کی نظر حضرت صالح علیہ السلام پر پڑی۔

تو آپ علیہ السلام کو بلا کر کہا: اپنی اونٹنی کو دیکھ لو اس کی کونچیں کاٹ دی گئی ہیں پس آپ علیہ السلام آئے تو وہ نکل کر آپ علیہ السلام سے ملاقات کرنے لگے اور آپ علیہ السلام سے معذرت کرنے لگے۔

اے اللہ عزوجل کے نبی!

فلاں نے اس کی کونچیں کاٹی ہیں اس لیے ہمارا اس میں کوئی گناہ نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دیکھو کیا تم اس کے بچے کو پالو گے! سو اگر تم نے اس کو پالیا تو قریب ہے اللہ تعالیٰ تم سے عذاب اٹھالے چنانچہ وہ اس کی تلاش میں نکل پڑے۔

پھر جب بچے نے اپنی ماں کو تڑپتے ہوئے دیکھا تو وہ پہاڑ کی طرف آ گیا جسے القارۃ قصیر کہا جاتا ہے اور اس کے اوپر چڑھ گیا وہ لوگ اس کے پیچھے گئے تا کہ اس کو پکڑ لیں لیکن اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو حکم دیا تو وہ آسمان کی طرف بلند ہو گیا کہ اس پر کوئی پرندہ بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔

حضرت صالح علیہ السلام گاؤں میں تشریف لے گئے جب اونٹنی کے بچے نے آپ علیہ السلام کو دیکھا تو رو پڑا حتیٰ کہ اس کے آنسو بہہ پڑے پھر وہ آپ علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا اور خوب شدت سے بلبلایا پھر دوسری بار پھر تیسری بار بھی اسی طرح بلبلایا۔

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا۔

ہر بار بلبلانے کے بدلے ایک موت ہے پس تم تین دن تک اپنے گھروں میں لطف اندوز ہو لو (پھر تم پر عذاب نازل ہو گا) یہ ایسا وعدہ ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ (تفسیر در منثور: ج:3، ص313 تا 314 مطبوعہ کراچی)

امام ابو جعفر ابن جریر متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابو الطفیل علیہ السلام سے روایت ہے کہ

قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا۔

ہمارے پاس کوئی نشانی (معجزہ) لے آئیں اگر آپ (علیہ السلام) سچے ہیں۔

تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

چلو! پس وہ آپ علیہ السلام کے ساتھ زمین کے ایک بلند حصے کی طرف نکل گئے تو اس پر وہ کیفیت طاری ہوئی جو حاملہ عورت پر دردِ زہ کے وقت طاری ہوتی ہے پھر وہ زمین پھٹ گئی تو اس کے اندر سے ایک اونٹنی باہر آئی۔

تو حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں ارشاد فرمایا:

''یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے پس تم اس کو چھوڑ دو کہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں کھاتی پھرے اور برائی کے ارادہ سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑ لے گا۔''

اور جب انہوں نے اکتا کر اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔

تو پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا:

لطف اٹھالو اپنے گھروں میں تین دن تک یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جس کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

(جامع البیان: ج:8، ص:264 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

کون سے تین دن عیش کرنے کو فرمایا

حضرت صالح علیہ السلام نے جو تین دن عیش کرنے کے بتائے وہ تین دن بدھ، جمعرات اور جمعہ تھے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

پس ان سب نے اونٹنی کے ٹخنے کی پچھلی رگیں کاٹ دیں جس سے سارا خون بہہ گیا اور اونٹنی مر گئی اور اس کا بچہ غائب ہو گیا یا پہلے کونچیں یعنی رگیں کاٹیں پھر ساتھ ہی گلا کاٹ کر ذبح کر دیا دونوں روایتیں ملتی ہیں۔ ذبح کرنے اور کاٹنے والا صرف ایک شخص قیدار بن سالف تھا مگر چونکہ سب کفار کے مشورہ اور حکم سے اس نے ایسا کیا اس لیے عقروا جمع فرمایا پھر گوشت بنا کر سب نے تقسیم کر کے کھالیا۔ کفار کی خباثت دیکھ کر انتہائی غم وغصہ وجلال کی حالت میں حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کرلو عیش اپنے اپنے شہر یا اپنے گھروں یا اپنے ٹھکانوں علاقوں میں ...... صرف تین دن

1- بدھ

2- جمعرات

3- جمعہ

اونٹنی کا ذبیحہ چھپ کر بدھ کی رات کو ہوا تھا۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص200 مطبوعہ لاہور)

حضرت صالح علیہ السلام کا قوم کو عذاب آنے کی نشانی بتانا

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو یہ ارشاد فرمایا کہ جب تم صبح اٹھو گے تو تمہارے چہرے زرد ہوں گے دوسری صبح کو سرخ ہوں گے تیسری صبح سیاہ ہوں گے۔

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی 211ھ روایت کرتے ہیں۔

روایت ہے کہ

حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے ارشاد فرمایا تم پر عذاب آنے کی نشانی یہ ہے کہ پہلے دن جب تم صبح کو اٹھو گے تمہارے چہرے زرد ہوں گے دوسری صبح کو تمہارے چہرے سرخ ہوں گے اور تیسرے دن صبح کو تمہارے چہرے سیاہ ہوں گے

(تفسیر عبدالرزاق: رقم الحدیث: 911)

حضرت صالح علیہ السلام کا عذاب کی خبر دیتے ہوئے فرمانا کہ پہلے دن تمہارے چہرے پیلے ہوں گے

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم ثمود کو ارشاد فرمایا کہ تم تین دن عیش کرلو پہلے دن تمہارے چہرے پیلے پڑ جائیں گے۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے ارشاد فرمایا:

اس عذاب کی علامت یہ ہے کہ پہلے دن تمہارے چہرے پیلے پڑ جائیں گے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 10993)

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی 211ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ

حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے ارشاد فرمایا:

تم پر عذاب آنے کی علامت یہ ہے کہ پہلے دن جب تم صبح کو اٹھو گے تو تمہارے چہرے پیلے ہوں گے۔

(تفسیر عبدالرزاق: رقم الحدیث: 911)

دوسرے دن صبح کو تمہارے چہرے سرخ ہو جائیں گے

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو عذاب کی نشانی بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جب دوسرے دن کی صبح ہو گی تو تمہارے چہرے سرخ ہو جائیں گے۔

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی 211ھ لکھتے ہیں:

ایک اور سند سے روایت ہے کہ

حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے ارشاد فرمایا:

تم پر عذاب آنے کی علامت یہ ہے پہلے دن تم صبح کو اٹھو گے تو تمہارے چہرے پیلے ہو جائیں گے دوسرے دن صبح کو تمہارے چہرے سرخ ہو جائیں گے...... الخ۔ (تفسیر عبدالرزاق: رقم الحدیث: 911)

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے ارشاد فرمایا:

اس عذاب کی علامت یہ ہے کہ پہلے دن تمہارے چہرے پیلے پڑ جائیں گے اور دوسرے دن تمہارے چہرے سرخ ہو جائیں گے۔ الخ۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 10993)

تیسرے دن صبح کو تمہارے چہرے سیاہ ہو جائیں گے

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو عذاب کی نشانی بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جب تیسرے دن کی صبح ہو گی تو تمہارے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے۔

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی 211ھ لکھتے ہیں:

ایک اور سند سے روایت ہے کہ

حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے ارشاد فرمایا:

تم پر عذاب آنے کی علامت یہ ہے کہ پہلے دن تم صبح کو اٹھو گے تو تمہارے چہرے پیلے پڑ جائیں گے دوسرے دن صبح کو تمہارے چہرے سرخ ہو جائیں گے اور تیسرے دن صبح کو تمہارے چہرے سیاہ ہو جائیں گے۔ الخ

(تفسیر عبدالرزاق: رقم الحدیث: 911)

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے ارشاد فرمایا:

اس عذاب کی علامت یہ ہے کہ پہلے دن تمہارے چہرے پیلے پڑ جائیں گے اور دوسرے دن تمہارے چہرے سرخ ہو جائیں گے اور تیسرے دن تمہارے چہرے سیاہ ہو جائیں گے۔ الخ۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 10993)

پہلے دن سرخ، دوسرے دن زرد اور تیسرے دن سیاہ ہونے کی روایت

پہلے جو روایات ذکر کی گئی ہیں ان میں پہلے دن قوم ثمود کے چہرے پیلے، دوسرے دن سرخ اور تیسرے دن سیاہ ہونے کے متعلق تھیں مگر یہ روایت بھی ملتی ہے کہ ان کے پہلے دن چہرے سرخ، دوسرے دن زرد اور تیسرے دن سیاہ ہو جائیں گے۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

ابن عطا اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ

جب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اس اونٹنی کو ذبح کر دیا۔

تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے ارشاد فرمایا:

تم پر عذاب آنے والا ہے۔

انہوں نے پوچھا۔

اس عذاب کی علامت کیا ہے؟

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا:

اس کی علامت یہ ہے کہ پہلے دن تمہارے چہرے سرخ ہو جائیں گے اور دوسرے دن تمہارے چہرے زرد ہو جائیں گے اور تیسرے دن تمہارے چہرے سیاہ ہو جائیں گے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 15880)

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت عطاء سے روایت ہے کہ

جب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اونٹنی کو قتل کر دیا۔

تو آپ علیہ السلام نے انہیں فرمایا:

بلاشبہ تم پر عذاب آنے والا ہے۔

توانہوں نے پوچھا۔

اس کی علامت کیا ہے۔

تو آپ علیہ السلام نے جواب دیا۔

پہلے دن تمہارے چہرے سرخ ہو جائیں گے دوسرے دن زرد ہو جائیں گے اور تیسرے دن سیاہ ہو جائیں گے۔

(تفسیر درمنثور: ج 3 ص 316 مطبوعہ کراچی)

حضرت صالح علیہ السلام کا قوم کو عذاب کی بشارت دینے پر قوم کا مذاق اڑانا

جب حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو عذاب کی بشارت دی تو قوم مذاق اڑانے لگی:

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق سے روایت ہے کہ

حضرت صالح علیہ السلام ان کے پاس گئے تو دیکھا کہ اونٹنی کی کونچیں کٹی ہوئی ہیں تو وہ رونے لگے۔

اور ارشاد فرمایا:

تم نے اللہ تعالیٰ کی نشانی کی بے حرمتی کی اب تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی ناراضگی کی بشارت ہو۔

انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

اچھا یہ عذاب کب آئے گا اور اس کی علامت کیا ہے؟ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 10992)

مذاق اڑانے پر جمعرات کے دن چہرے زرد ہونے کی خبر دینا

جب قوم نے مذاق اڑایا تو حضرت صالح علیہ السلام نے قوم سے فرمایا جب تم جمعرات کے دن اٹھو گے تو تمہارے چہرے زرد ہوں گے۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق سے روایت ہے کہ

حضرت صالح علیہ السلام ان کے پاس گئے تو دیکھا کہ اونٹنی کی کونچیں کٹی ہوئی ہیں تو وہ رونے لگے۔

اور ارشاد فرمایا:

تم نے اللہ تعالیٰ کی نشانی کی بے حرمتی کی اب تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی ناراضگی کی بشارت ہو۔

انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

اچھا یہ عذاب کب آئے گا اور اس کی علامت کیا ہے؟

اور انہوں نے دنوں کے اس طرح نام رکھے تھے۔

وہ اتوار کو اول کہتے تھے۔

پیر کو اہون (آسان) کہتے تھے۔

منگل کو دبار (مصیبت) کہتے تھے۔

بدھ کو جبار (درست) کہتے تھے۔

جمعرات کو مونس کہتے تھے۔

اور جمعہ کو عروبہ کہتے تھے۔

ہفتہ کو شبار (عمر) کہتے تھے۔

انہوں نے بدھ کے دن اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں۔

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا:

جب مونس (جمعرات) کے دن اٹھو گے تو تمہارے چہرے زرد ہوں گے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 10992)

مذاق اڑانے پر جمعہ کے دن چہرے سرخ ہونے کی خبر دینا

جب قوم نے حضرت صالح علیہ السلام کا مذاق اڑایا تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

جب تم جمعہ کے دن اٹھو گے تو تمہارے چہرے سرخ ہوں گے۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق سے روایت ہے کہ

حضرت صالح علیہ السلام ان کے پاس گئے تو دیکھا کہ اونٹنی کی کونچیں کٹی ہوئی ہیں تو وہ رونے لگے۔

اور ارشاد فرمایا:

تم نے اللہ تعالیٰ کی نشانی کی بے حرمتی کی اب تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی ناراضگی کی بشارت ہو۔

انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

اچھا یہ عذاب کب آئے گا اور اس کی علامت کیا ہے؟
اور انہوں نے دنوں کے اس طرح نام رکھے تھے۔
وہ اتوار کو اول کہتے تھے۔
پیر کو اہون (آسان) کہتے تھے۔
منگل کو دبار (مصیبت) کہتے تھے۔
بدھ کو جبار (درست) کہتے تھے۔
جمعرات کو مونس کہتے تھے۔
اور جمعہ کو عروبہ کہتے تھے۔
ہفتہ کو شبار (عمر) کہتے تھے۔
انہوں نے بدھ کے دن اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں۔
حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا:
جب مونس (جمعرات) کے دن اٹھو گے تو تمہارے چہرے زرد ہوں گے۔
جب تم عروبہ (جمعہ) کے دن اٹھو گے تو تمہارے چہرے سرخ ہوں گے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 10992)

مذاق اڑانے پر قوم کو ہفتہ کے دن چہرے سیاہ ہونے کی خبر دینا

جب قوم نے حضرت صالح علیہ السلام کا مذاق اڑایا تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جب تم ہفتہ کے دن اٹھو گے تو تمہارے چہرے سیاہ ہوں گے۔
امام عبدالرحمٰن بن محمد ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:
امام محمد بن اسحاق سے روایت ہے کہ
حضرت صالح علیہ السلام ان کے پاس گئے تو دیکھا کہ اونٹنی کی کونچیں کٹی ہوئی ہیں تو وہ رونے لگے۔
اور ارشاد فرمایا:
تم نے اللہ تعالیٰ کی نشانی کی بے حرمتی کی اب تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی ناراضگی کی بشارت ہو۔
انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔
اچھا یہ عذاب کب آئے گا اور اس کی علامت کیا ہے؟
اور انہوں نے دنوں کے اس طرح نام رکھے تھے۔
وہ اتوار کو اول کہتے تھے۔
پیر کو اہون (آسان) کہتے تھے۔

منگل کو دبار (مصیبت) کہتے تھے۔

بدھ کو جبار (درست) کہتے تھے۔

جمعرات کو مونس کہتے تھے۔

اور جمعہ کو عروبہ کہتے تھے۔

ہفتہ کو شبار (عمر) کہتے تھے۔

انہوں نے بدھ کے دن اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں۔

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا:

جب مونس (جمعرات) کے دن اٹھو گے تو تمہارے چہرے زرد ہوں گے۔

جب تم عروبہ (جمعہ) کے دن اٹھو گے تو تمہارے چہرے سرخ ہوں گے۔

جب تم شبار (ہفتہ) کے دن اٹھو گے تو تمہارے چہرے سیاہ ہوں گے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 10992)

مذاق اڑانے پر اتوار کے دن عذاب آنے کی خبر دینا

جب حضرت صالح علیہ السلام کا قوم نے مذاق اڑایا تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا پھر اتوار کے دن تم پر عذاب آ جائے گا۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق سے روایت ہے کہ

حضرت صالح علیہ السلام ان کے پاس گئے تو دیکھا کہ اونٹنی کی کونچیں کٹی ہوئی ہیں تو وہ رونے لگے۔

اور ارشاد فرمایا:

تم نے اللہ تعالیٰ کی نشانی کی بے حرمتی کی اب تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی ناراضگی کی بشارت ہو۔

انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

اچھا یہ عذاب کب آئے گا اور اس کی علامت کیا ہے؟

اور انہوں نے دنوں کے اس طرح نام رکھے تھے۔

وہ اتوار کو اول کہتے تھے۔

پیر کو اہون (آسان) کہتے تھے۔

منگل کو دبار (مصیبت) کہتے تھے۔

بدھ کو جبار (درست) کہتے تھے۔

جمعرات کو مونس کہتے تھے۔

اور جمعہ کو عروبہ کہتے تھے۔

ہفتہ کو شبار (عمر) کہتے تھے۔

انہوں نے بدھ کے دن اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں۔

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا:

جب مونس (جمعرات) کے دن اٹھو گے تو تمہارے چہرے زرد ہوں گے۔

جب تم عروبہ (جمعہ) کے دن اٹھو گے تو تمہارے چہرے سرخ ہوں گے۔

جب تم شبار (ہفتہ) کے دن اٹھو گے تو تمہارے چہرے سیاہ ہوں گے۔

پھر پہلے دن (اتوار) تم پر عذاب آجائے گا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 10992)

قوم ثمود میں دنوں کے نام

قوم ثمود میں دنوں کے نام اس طرح تھے وہ اتوار کو اول، سوموار کو اھون، منگل کو دبار، بدھ کو جبار، جمعرات کو مونس، جمعہ کو عروبہ اور ہفتہ کو شبار کہتے تھے۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق سے روایت ہے کہ

حضرت صالح علیہ السلام ان کے پاس گئے تو دیکھا کہ اونٹنی کی کونچیں کٹی ہوئی ہیں تو وہ رونے لگے۔

اور ارشاد فرمایا:

تم نے اللہ تعالیٰ کی نشانی کی بے حرمتی کی اب تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی ناراضگی کی بشارت ہو۔

انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

اچھا یہ عذاب کب آئے گا اور اس کی علامت کیا ہے؟

اور انہوں نے دنوں کے اس طرح نام رکھے تھے۔

وہ اتوار کو اول کہتے تھے۔

پیر کو اھون (آسان) کہتے تھے۔

منگل کو دبار (مصیبت) کہتے تھے۔

بدھ کو جبار (درست) کہتے تھے۔

جمعرات کو مونس کہتے تھے۔

اور جمعہ کو عروبہ کہتے تھے۔

ہفتہ کو شبار (عمر) کہتے تھے۔

انہوں نے بدھ کے دن اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں۔

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا:

جب مونس (جمعرات) کے دن اٹھو گے تو تمہارے چہرے زرد ہوں گے۔

جب تم عروبہ (جمعہ) کے دن اٹھو گے تو تمہارے چہرے سرخ ہوں گے۔

جب تم شبار (ہفتہ) کے دن اٹھو گے تو تمہارے چہرے سیاہ ہوں گے۔

پھر پہلے دن (اتوار) تم پر عذاب آ جائے گا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 10992)

پہلے دن کی صبح ہونے پر قوم ثمود کے چہرے سرخ ہونا

حضرت صالح علیہ السلام نے جس طرح قوم کو خبر دی کہ پہلے دن کی صبح تمہارے چہرے سرخ ہو جائیں گے تو حضرت صالح علیہ السلام کی خبر سچی ثابت ہوئی کہ ان کے پہلے دن کی صبح ہونے پر چہرے سرخ ہو گئے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔

تو آپ علیہ السلام نے انہیں ارشاد فرمایا:

بلاشبہ تم پر عذاب آنے والا ہے۔

تو انہوں نے پوچھا۔

اس کی علامت کیا ہے؟

تو آپ علیہ السلام نے جواب دیا۔

پہلے دن تمہارے چہرے سرخ ہو جائیں گے۔

دوسرے دن زرد ہو جائیں گے۔

تیسرے دن سیاہ ہو جائیں گے۔

سو جب پہلے دن انہوں نے صبح کی تو ان کے چہرے سرخ ہو چکے تھے۔ (تفسیر در منثور: ج:3، ص:316 مطبوعہ کراچی)

دوسرے دن کی صبح ہونے پر قوم ثمود کے چہرے زرد ہونا

جب دوسرے دن کی صبح ہوئی تو قوم کے چہرے زرد ہو گئے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔
تو آپ علیہ السلام نے انہیں ارشاد فرمایا:
بلاشبہ تم پر عذاب آنے والا ہے۔
توانہوں نے پوچھا۔
اس کی علامت کیا ہے؟
تو آپ علیہ السلام نے جواب دیا۔
پہلے دن تمہارے چہرے سرخ ہو جائیں گے۔
دوسرے دن زرد ہو جائیں گے۔
تیسرے دن سیاہ ہو جائیں گے۔
سو جب پہلے دن انہوں نے صبح کی تو ان کے چہرے سرخ ہو چکے تھے۔
جب دوسرا دن آیا تو ان کے چہرے زرد ہو گئے تھے۔(تفسیر در منثور: ج:3،ص:316 مطبوعہ کراچی)

تیسرے دن کی صبح ہونے پر قوم ثمود کے چہرے سیاہ ہونا

جب تیسرے دن کی صبح ہوئی تو قوم ثمود کے چہرے سیاہ ہو گئے۔
امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:
حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ
جب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔
تو آپ علیہ السلام نے انہیں ارشاد فرمایا:
بلاشبہ تم پر عذاب آنے والا ہے۔
توانہوں نے پوچھا۔
اس کی علامت کیا ہے؟
تو آپ علیہ السلام نے جواب دیا۔
پہلے دن تمہارے چہرے سرخ ہو جائیں گے۔
دوسرے دن زرد ہو جائیں گے۔
تیسرے دن سیاہ ہو جائیں گے۔
سو جب پہلے دن انہوں نے صبح کی تو ان کے چہرے سرخ ہو چکے تھے۔
جب دوسرا دن آیا تو ان کے چہرے زرد ہو گئے تھے۔

پھر جب تیسرا دن آیا توان کے چہرے سیاہ ہو گئے۔ (تفسیر در منثور: ج:3،ص:316 مطبوعہ کراچی)

قوم ثمود کا پہلے دن صبح کو چہرے سرخ ہونے پر ایک دوسرے سے پوچھنا کہ تمہارا چہرہ کیوں سرخ ہو گیا؟

جب پہلا دن صبح کا ہوا تو قوم ثمود کے چہرے سرخ ہو گئے تھے تو وہ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ تمہارا چہرہ سرخ کیوں ہو گیا ہے۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

ابن عطاء اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ

جب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اس اونٹنی کو ذبح کر دیا۔

تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے ارشاد فرمایا:

تم پر عذاب آنے والا ہے!

انہوں نے پوچھا۔

اس عذاب کی علامت کیا ہے؟

حضرت صالح علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اس کی علامت یہ ہے کہ پہلے دن تمہارے چہرے سرخ ہو جائیں گے اور دوسرے دن تمہارے چہرے زرد ہو جائیں گے۔

اور تیسرے دن تمہارے چہرے سیاہ ہو جائیں گے۔

پھر پہلے دن جب صبح ہوئی تو وہ ایک دوسرے کے چہرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

اور وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے۔

اے فلاں شخص تمہارا چہرہ سرخ کیوں ہو گیا؟ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث:15880)

قوم ثمود کا دوسرے دن صبح کو چہرے زرد ہونے پر ایک دوسرے سے پوچھنا کہ تمہارا چہرہ زرد کیوں ہو گیا؟

قوم ثمود پر جب دوسرے دن کی صبح ہوئی تو ان کے چہرے زرد ہو گئے تھے تو وہ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ تمہارا چہرہ زرد کیوں ہو گیا ہے۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

ابن عطاء اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ

جب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اس اونٹنی کو ذبح کر دیا۔

تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے ارشاد فرمایا:

تم پر عذاب آنے والا ہے!

انہوں نے پوچھا۔

اس عذاب کی علامت کیا ہے؟

حضرت صالح علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اس کی علامت یہ ہے کہ پہلے دن تمہارے چہرے سرخ ہو جائیں گے اور دوسرے دن تمہارے چہرے زرد ہو جائیں گے۔

اور تیسرے دن تمہارے چہرے سیاہ ہو جائیں گے۔

پھر پہلے دن جب صبح ہوئی تو وہ ایک دوسرے کے چہرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

اور وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے۔

اے فلاں شخص تمہارا چہرہ سرخ کیوں ہو گیا؟

اور جب دوسرا دن ہوا تو ان کے چہرے زرد ہو گئے اور وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے اے فلاں شخص! تمہارا چہرہ زرد کیوں ہو گیا؟ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 15880)

قوم ثمود کا تیسرے دن صبح کو چہرے سیاہ ہونے پر ایک دوسرے سے پوچھنا کہ تمہارا چہرہ سیاہ کیوں ہو گیا؟

جب قوم ثمود پر تیسرا دن ہوا تو ان کے چہرے سیاہ ہو گئے اور وہ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ تمہارا چہرہ سیاہ کیوں ہو گیا ہے۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

ابن عطاء اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ

جب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اس اونٹنی کو ذبح کر دیا۔

تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے ارشاد فرمایا:

تم پر عذاب آنے والا ہے!

انہوں نے پوچھا۔

اس عذاب کی علامت کیا ہے؟

حضرت صالح علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اس کی علامت یہ ہے کہ پہلے دن تمہارے چہرے سرخ ہو جائیں گے اور دوسرے دن تمہارے چہرے زرد ہو جائیں گے۔

اور تیسرے دن تمہارے چہرے سیاہ ہو جائیں گے۔

پھر پہلے دن جب صبح ہوئی تو وہ ایک دوسرے کے چہرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

اور وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے۔

اے فلاں شخص تمہارا چہرہ سرخ کیوں ہو گیا؟

اور جب دوسرا دن ہوا تو ان کے چہرے زرد ہو گئے اور وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے اے فلاں شخص! تمہارا چہرہ زرد کیوں ہو گیا؟

اور تیسرے دن ان کے چہرے سیاہ ہو گئے پھر وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے۔

اے فلاں شخص! تمہارا چہرہ سیاہ کیوں ہو گیا؟ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 15880)

قوم ثمود کو تیسرے دن کے بعد عذاب کا پختہ یقین ہونا

قوم ثمود کے جب پہلے دن چہرے سرخ، دوسرے دن زرد اور تیسرے دن سیاہ ہو گئے تو ان کو پختہ یقین ہو گیا کہ اب عذاب ضرور نازل ہونے والا ہے۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

ابن عطاء اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ

جب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اس اونٹنی کو ذبح کر دیا۔

تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے ارشاد فرمایا:

تم پر عذاب آنے والا ہے!

انہوں نے پوچھا۔

اس عذاب کی علامت کیا ہے؟

حضرت صالح علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اس کی علامت یہ ہے کہ پہلے دن تمہارے چہرے سرخ ہو جائیں گے اور دوسرے دن تمہارے چہرے زرد ہو جائیں گے۔

اور تیسرے دن تمہارے چہرے سیاہ ہو جائیں گے۔

پھر پہلے دن جب صبح ہوئی تو وہ ایک دوسرے کے چہرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

اور وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے۔

اے فلاں شخص تمہارا چہرہ سرخ کیوں ہو گیا؟

اور جب دوسرا دن ہوا تو ان کے چہرے زرد ہو گئے اور وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے اے فلاں شخص! تمہارا چہرہ زرد کیوں ہو گیا؟

اور تیسرے دن ان کے چہرے سیاہ ہو گئے پھر وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے۔
اے فلاں شخص! تمہارا چہرہ سیاہ کیوں ہو گیا؟
حتیٰ کہ ان کو عذاب کا یقین ہو گیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 15880)
امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:
حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ
جب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اونٹنی کو قتل کر دیا۔
تو آپ علیہ السلام نے انہیں ارشاد فرمایا:
بلاشبہ تم پر عذاب آنے والا ہے۔
تو انہوں نے پوچھا۔
اس کی علامت کیا ہے؟
تو آپ علیہ السلام نے جواب دیا۔
پہلے دن تمہارے چہرے سرخ ہو جائیں گے۔
دوسرے دن زرد ہو جائیں گے۔
تیسرے دن سیاہ ہو جائیں گے۔
تو جب پہلے دن انہوں نے صبح کی تو ان کے چہرے سرخ ہو چکے تھے اور جب دوسرا دن آیا تو ان کے چہرے زرد ہو گئے تھے۔ پھر جب تیسرا دن آیا تو ان کے چہرے سیاہ ہو گئے۔
تو اب ان کو عذاب کا یقین ہو گیا۔ (تفسیر در منثور: ج: 3، ص: 316 مطبوعہ کراچی)

قوم ثمود کا عذاب کے یقین ہونے پر خوشبو لگانا، کفن پہننا اور اپنے گھروں میں مقیم ہو جانا

قوم ثمود کو جب عذاب آنے کا یقین ہو گیا تو انہوں نے بدن پر خوشبو لگائی، کفن پہنا اور اپنے گھروں میں مقیم ہو گئے اور عذاب کا انتظار کرنے لگ گئے۔
امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:
حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ
جب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اونٹنی کو قتل کر دیا۔
تو آپ علیہ السلام نے انہیں ارشاد فرمایا:
بلاشبہ تم پر عذاب آنے والا ہے۔
تو انہوں نے پوچھا۔

اس کی علامت کیا ہے؟

تو آپ علیہ السلام نے جواب دیا۔

پہلے دن تمہارے چہرے سرخ ہو جائیں گے۔

دوسرے دن زرد ہو جائیں گے۔

تیسرے دن سیاہ ہو جائیں گے۔

تو جب پہلے دن انہوں نے صبح کی تو ان کے چہرے سرخ ہو چکے تھے اور جب دوسرا دن آیا تو ان کے چہرے زرد ہو گئے تھے۔ پھر جب تیسرا دن آیا تو ان کے چہرے سیاہ ہو گئے۔

تو اب ان کو عذاب کا یقین ہو گیا۔

چنانچہ انہوں نے خوشبو لگائی اور کفن پہن لیے اور اپنے گھروں میں مقیم ہو گئے۔ (تفسیر در منثور: ج:3، ص:316 مطبوعہ کراچی)

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

ابن عطاء اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ

جب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اس اونٹنی کو ذبح کر دیا۔

تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے ارشاد فرمایا:

تم پر عذاب آنے والا ہے۔

انہوں نے پوچھا۔

اس عذاب کی علامت کیا ہے؟

حضرت صالح علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اس کی علامت یہ ہے کہ پہلے دن تمہارے چہرے سرخ ہو جائیں گے۔

اور دوسرے دن تمہارے چہرے زرد ہو جائیں گے۔

اور تیسرے دن تمہارے چہرے سیاہ ہو جائیں گے۔

پھر پہلے دن جب صبح ہوئی تو وہ ایک دوسرے کے چہرے کی طرف دیکھ رہے تھے اور وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے اے فلاں شخص تمہارا چہرہ سرخ ہو گیا؟ اور جب دوسرا دن ہوا تو ان کے چہرے زرد ہو گئے اور وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے اے فلاں شخص تمہارا چہرہ زرد کیوں ہو گیا؟ اور تیسرے دن ان کے چہرے سیاہ ہو گئے پھر وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ تمہارا چہرہ سیاہ کیوں ہو گیا حتیٰ کہ ان کو عذاب کا یقین ہو گیا پھر انہوں نے خوشبو لگا لی، کفن پہنے اور اپنے گھروں میں ٹھہر گئے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 15880)

قوم ثمود کا خود قبر نما گڑھے کھود لینا

قوم ثمود نے گھروں میں خود قبر نما گڑھے کھود لیے تا کہ اس میں چھپ جائیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

تفسیر روح البیان نے فرمایا:

کافران تین دنوں میں خوف سے اپنے گھروں سے نہ نکلے بلکہ قبر نما گڑھے کھود لئے تا کہ ان میں چھپ جائیں۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:208 مطبوعہ لاہور)

قدرت نے خود ان سے قبریں کھدوالیں تا کہ مسلمان ان کو دفن نہ کرتے پھریں

قدرت باری تعالیٰ نے خود ہی ان سے قبریں کھدوالیں تا کہ مسلمان ان کو دفن کرتے نہ پھریں۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

تفسیر روح البیان نے فرمایا:

کافران تین دنوں میں خوف سے اپنے گھروں سے نہ نکلے بلکہ قبر نما گڑھے کھود لئے تا کہ ان میں چھپ جائیں قدرت نے خود ان سے قبریں کھدوالیں کہ مسلمان کہاں تک ان کو دفن کریں گے نہ کریں تو تعفن پھیل جائے۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:208 مطبوعہ لاہور)

قوم ثمود کا چوتھے دن سورج نکلنے سے عذاب نہ آنے پر خوشی سے گھروں سے دل لگی کرتے ہوئے نکلنا

جب چوتھا دن ہوا تو سورج نکلنے تک عذاب نہ آیا اور قوم ثمود خوشی خوشی مذاق اور دل لگی کرتے ہوئے گھروں سے باہر نکل آئے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

جب چوتھا دن ہوا تو سورج نکلنے تک کوئی عذاب نہ آیا سب خوشی خوشی مذاق اور دل لگی کرتے ہوئے گھروں سے باہر نکل آئے۔(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:208 مطبوعہ لاہور)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا ایک دم اپنی اصلی ہیبت ناک شکل میں قوم ثمود کے سامنے تشریف لانا

جب قوم خوشی خوشی مذاق اور دل لگی کرتے ہوئے گھروں سے باہر نکلی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیبت ناک شکل میں تشریف لائے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

جب چوتھا دن ہوا تو سورج نکلنے تک کوئی عذاب نہ آیا سب خوشی خوشی مذاق اور دل لگی کرتے ہوئے گھروں سے باہر نکل آئے تو یکدم حضرت جبرائیل علیہ السلام اپنی اصلی ہیبت ناک شکل میں نمودار ہوئے۔ سر آسمان تک، بہت سے پیر پر، سفید

دانت، پروں میں مختلف رنگ (تھے) (تفسیر نعیمی: ج:12،ص:208 مطبوعہ لاہور)

قوم ثمود کا حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ہیبت ناک شکل میں دیکھ کر الٹے پاؤں اپنے گھروں کو بھاگنا

جب قوم ثمود نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اپنی اصلی ہیبت ناک شکل میں دیکھا تو ڈر کے مارے اپنے گھروں کی طرف بھاگ گئے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

جب چوتھا دن ہوا تو سورج نکلنے تک عذاب نہ آیا سب خوشی خوشی مذاق اور دل لگی کرتے ہوئے گھروں سے باہر نکل آئے تو یکدم حضرت جبرائیل علیہ السلام اپنی اصلی ہیبت ناک شکل میں نمودار ہوئے سر آسمان تک، بہت سے پیر پر، سفید دانت، پروں میں مختلف رنگ اس خطرناک شکل کو دیکھ کر پھر الٹے پاؤں گھروں کو بھاگے۔ (تفسیر نعیمی: ج:12،ص:208 مطبوعہ لاہور)

قوم ثمود کا بھاگ کر قبر نما گڑھوں میں گھس جانا

جب حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ہیبت ناک شکل میں دیکھا تو الٹے پاؤں گھروں کو بھاگے اور ان ہی قبر نما گڑھوں میں جا کر گھس گئے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

جب چوتھا دن ہوا تو سورج نکلنے تک کوئی عذاب نہ آیا سب خوشی وشی مذاق اور دل لگی کرتے ہوئے گھروں سے باہر نکل آئے تو یکدم حضرت جبرائیل علیہ السلام اپنی اصلی ہیبت ناک شکل میں نمودار ہوئے سر آسمان تک، بہت سے پیر پر، سفید دانت، پروں میں مختلف رنگ اس خطرناک شکل کو دیکھ کر پھر الٹے پاؤں گھروں کو بھاگے اور ان ہی قبر نما گڑھوں میں جا گھسے۔

(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:208 مطبوعہ لاہور)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کی زبردست چیخ مارنے سے قوم ثمود کی روحیں جسموں سے نکل گئیں

جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے زبردست چیخ ماری تو قوم ثمود کی روحیں ان کے جسموں سے نکل گئیں۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

ابن عطاء اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ

جب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اس اونٹنی کو ذبح کر دیا۔

تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا:

تم پر عذاب آنے والا ہے!

انہوں نے پوچھا۔

اس عذاب کی علامت کیا ہے؟

حضرت صالح علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اس کی علامت یہ ہے کہ پہلے دن تمہارے چہرے سرخ ہو جائیں گے۔

اور دوسرے دن تمہارے چہرے زرد ہو جائیں گے۔

اور تیسرے دن تمہارے چہرے سیاہ ہو جائیں گے۔

پھر پہلے دن جب صبح ہوئی تو وہ ایک دوسرے کے چہرے کی طرف دیکھ رہے تھے اور وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے۔ اے فلاں شخص تمہارا چہرہ سرخ کیوں ہو گیا اور جب دوسرا دن ہوا تو ان کے چہرے زرد ہو گئے اور وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے اے فلاں شخص! تمہارا چہرہ زرد کیوں ہو گیا اور تیسرے دن ان کے چہرے سیاہ ہو گئے پھر وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ تمہارا چہرہ سیاہ کیوں ہو گیا؟ حتیٰ کہ ان کو عذاب کا یقین ہو گیا پھر انہوں نے خوشبو لگا لی، کفن پہنے اور اپنے گھروں میں ٹھہر گئے پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ایک چیخ ماری جس سے ان کے جسموں سے ان کی روحیں نکل گئیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 15880)

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اونٹنی کو قتل کر دیا۔

تو آپ علیہ السلام نے انہیں ارشاد فرمایا:

بلاشبہ تم پر عذاب آنے والا ہے!

تو انہوں نے پوچھا۔

اس کی علامت کیا ہے؟

تو آپ علیہ السلام نے جواب دیا۔

پہلے دن تمہارے چہرے سرخ ہو جائیں گے۔

دوسرے دن تمہارے چہرے زرد ہو جائیں گے۔

اور تیسرے دن تمہارے چہرے سیاہ ہو جائیں گے۔

سو جب پہلے دن انہوں نے صبح کی تو ان کے چہرے سرخ ہو چکے تھے اور جب دوسرا دن آیا تو ان کے چہرے زرد ہو گئے تھے پھر جب تیسرا دن آیا تو ان کے چہرے سیاہ ہو گئے۔

تو اب انہیں عذاب کا یقین ہو گیا چنانچہ انہوں نے خوشبو لگا لی اور کفن پہن لیے اور اپنے گھروں میں مقیم ہو گئے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان پر ایک سخت چیخ لگائی جس کے سبب ان تمام کی روحیں بدنوں سے نکل گئیں۔

(تفسیر درمنثور، ج:3، ص:316 مطبوعہ کراچی)

قوم ثمود کا زلزلہ کے عذاب سے صبح کو اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے ہونا

قوم ثمود کو زلزلہ کے عذاب نے پکڑ لیا جس کی وجہ سے صبح کو اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ o (الاعراف:78)

تو ان کو زلزلہ (کے عذاب) نے پکڑ لیا پس وہ صبح کو اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔

چمک اور کڑک کا عذاب آیا

تین دن کے بعد قوم ثمود پر چمک اور کڑک کا عذاب آیا اور سب کو تباہ کر دیا۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

امام ابن جریر وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ

ثمود پانی کی باری کی تقسیم سے تنگ آ چکے تھے لیکن وہ اونٹنی کو قتل کرنے سے ڈرتے تھے تب صدوق نام کی ایک حسین اور مالدار عورت نے مصدع اور قیدار کے سامنے یہ پیشکش کی اگر تم دونوں اس اونٹنی کو قتل کر دو تو میں خود اور ایک اور حسین لڑکی تم کو عیش کے لئے بطور انعام دی جائیں گی آخر یہ طے ہو گیا کہ وہ راستہ میں چھپ کر بیٹھ جائیں گے اور جب اونٹنی چراگاہ کی طرف جائے گی تو اس کو قتل کر دیں گے اور سات آدمیوں نے ان کی مدد کی اور یہ نو آدمی مل کر اس اونٹنی کو قتل کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

انہوں نے یہ سازش کی تھی کہ

وہ اونٹنی کو قتل کر کے حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے اہل کو بھی قتل کر دیں گے۔

پھر ان کے وارثوں سے کہیں گے کہ

ہم تو موقع واردات پر موجود ہی نہ تھے یہ لوگ گھات لگا کر بیٹھ گئے اور جب اونٹنی سامنے آئی تو مصدع نے اس کو تیر مارا اور قیدار نے اس کی ٹانگیں کاٹ کر اس کو ہلاک کر دیا اس کا بچہ دیکھ کر پہاڑی میں غائب ہو گیا۔

حضرت صالح علیہ السلام کو جب خبر ہوئی تو انہوں نے فرمایا:

آخر وہی ہوا جس کا مجھے خوف تھا اب اللہ تعالیٰ کے عذاب کا انتظار کرو جو تین دن کے بعد تم کو تباہ کر دے گا پھر چمک اور کڑک کا عذاب آیا اور اس نے رات میں سب کو تباہ کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:135 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قوم ثمود ہولناک چنگھاڑ کے سبب گھٹنوں کے بل پڑے رہ گئے گویا کہ کبھی رہے ہی نہ تھے

قوم ثمود پر ہولناک چنگھاڑ آئی جس کے سبب وہ سب گھٹنوں کے بل اوندھے پڑے رہ گئے گویا کہ کبھی رہے ہی نہ تھے

قرآن مجید میں ہے:

وَاَخَذَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ o كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ؕ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ

كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ۠ (ھود:67 تا68)

اور ظلم کرنے والوں کو ہولناک چنگھاڑ نے آ دبوچا تو وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل (اوندھے) پڑے رہ گئے گویا کہ وہ ان میں کبھی رہے ہی نہ تھے۔ سنو! بے شک قوم ثمود نے اپنے رب کا کفر کیا۔ سنو! قوم ثمود کے لئے پھٹکار ہے۔

زبردست چنگھاڑ نے مشرق ومغرب کے لوگوں کو ہلاک کر دیا

چنگھاڑ ایسی زبردست آئی کہ مشرق ومغرب کے لوگ ہلاک ہو گئے۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

غزوہ تبوک کے سفر میں جب ہم مقام حِجر پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں لوگوں کو معجزات طلب کرنے سے منع کرتا ہوں یہ صالح علیہ السلام کی قوم ہے جس نے اپنے نبی سے معجزہ طلب کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایک اونٹنی کو بھیج دیا وہ اس راستہ سے آتی تھی اور اپنی باری کے دن اس کا سارا پانی پی جاتی تھی اور جس دن وہ پانی پیتی تھی اس دن وہ قوم اس اونٹنی کا دودھ دوہ کر پیتی تھی اور پھر لوٹ جاتی تھی اس قوم نے رب تعالیٰ کی نافرمانی کی اور اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ وعید سنائی کہ وہ صرف تین دن اپنے گھروں میں مزے اڑا لیں (پھر اللہ تعالیٰ کا عذاب آ جائے گا) یہ اللہ تعالیٰ کی وعید ہے جو (ہرگز) جھوٹی نہیں ہوگی (پھر تین دن کے بعد) ایک زبردست چنگھاڑ کی آواز آئی جس نے اس زمین کے مشرق اور مغرب کے لوگوں کو ہلاک کر دیا سوا اس شخص کے جو اللہ تعالیٰ کے حرم میں تھے وہ اللہ تعالیٰ کے حرم میں ہونے کی وجہ سے بچ گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ ابورغال ہے۔

پوچھا گیا۔

وہ کون ہے؟

ارشاد فرمایا:

وہ ابوثقیف ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:6، ص:2050 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

اللہ تعالیٰ نے ہولناک چیخ بھیجی

قوم ثمود پر اللہ تعالیٰ نے ہولناک چیخ بھیجی جس نے ان کو ہلاک کر دیا۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے ارشاد فرمایا:

اس عذاب کی علامت یہ ہے کہ پہلے دن تمہارے چہرے پیلے پڑ جائیں گے اور دوسرے دن تمہارے چہرے سرخ ہو جائیں گے۔

اور تیسرے دن تمہارے چہرے سیاہ ہو جائیں گے۔

پھر ان کے چہروں پر نشان پڑ گئے پھر اللہ تعالیٰ نے ایک ہولناک چیخ بھیجی جس نے ان کو ہلاک کر دیا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:6، ص:2050 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

اتوار کی صبح کو دن چڑھنے کے بعد ہولناک چیخ کا آنا اور ہر چھوٹا اور بڑا ہلاک ہونا

جب اتوار کی صبح کو دن چڑھا تو ایک ہولناک چیخ آئی جس سے ہر چھوٹا اور بڑا ہلاک ہو گیا۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق سے روایت ہے کہ

اتوار کی صبح کو دن چڑھنے کے بعد ایک ہولناک چیخ آئی جس سے ہر چھوٹا اور بڑا ہلاک ہو گیا۔

(تفسیر امام ابن حاتم: رقم الحدیث: 10999)

بارہ ہزار قبیلے میں سے ہر قبیلہ کے بارہ ہزار جنگجو کا عذاب کے مقابلہ کے لئے تلواریں لے کر راستے پر بیٹھنا

جب قوم ثمود پر عذاب آنے کا یقین ہوا تو انہوں نے آپس میں کہا کہ اگر عذاب آ گیا تو کیا کرو گے پھر عذاب کے مقابلہ کے لئے بارہ ہزار قبیلہ میں سے ہر قبیلہ کے بارہ ہزار جنگجو تلواریں لے کر راستے پر بیٹھ گئے۔

علامہ قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

بعض تفاسیر میں ہے کہ

جب ان کو عذاب آنے کا یقین ہو گیا تو انہوں نے ایک دوسرے کو کہا۔

اگر وہ عذاب آ گیا تو تم کیا کرو گے پھر عذاب سے مقابلہ کے لئے انہوں نے اپنی تلواریں اور اپنے نیزے سنبھال لئے اور اپنے جتھوں کو تیار کر لیا ان کے بارہ ہزار قبیلے تھے اور ہر قبیلہ میں بارہ ہزار جنگجو تھے وہ تمام راستوں پر بیٹھ گئے اور وہ اپنے گمان میں عذاب سے لڑنے کے لئے تیار تھے۔ (الجامع الاحکام القرآن: جز:9، ص:55 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ کا فرشتے کو حکم دینا کہ ان کو گرمی کا عذاب پہنچائیں پھر سورج کی گرمی سے ان کے ہاتھ جل گئے

اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کو حکم دیا جو سورج کے ساتھ موکل ہے کہ ان کو گرمی کا عذاب پہنچائیں پھر سورج کی گرمی سے ان

کے ہاتھ جل گئے۔

علامہ قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کو حکم دیا جو سورج کے ساتھ مؤکل ہے کہ ان کو گرمی کا عذاب پہنچائیں پھر سورج کی گرمی سے ان کے ہاتھ جل گئے۔ (الجامع الاحکام القرآن: ج:9،ص:55 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

گرمی کی شدت سے زبانیں لٹک کر سینے تک آنا

قوم ثمود پر گرمی کی اتنی شدت ہوئی کہ پیاس کی شدت سے ان کی زبانیں لٹک کر سینے تک پہنچ گئیں۔

علامہ قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کو حکم دیا جو سورج کے ساتھ مؤکل ہے کہ ان کو گرمی کا عذاب پہنچائیں پھر سورج کی گرمی سے ان کے ہاتھ جل گئے اور پیاس کی شدت سے ان کی زبانیں لٹک کر سینے تک پہنچ گئیں۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:9،ص:55 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

جن کے ساتھ جانور تھے وہ بھی مر گئے

قوم ثمود میں سے جس کے ساتھ بھی جانور تھے وہ سب مر گئے۔

علامہ قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کو حکم دیا جو سورج کے ساتھ مؤکل ہے کہ ان کو گرمی کا عذاب پہنچائیں پھر سورج کی گرمی سے ان کے ہاتھ جل گئے اور جن کے ساتھ جانور تھے وہ بھی مر گئے۔ (الجامع الاحکام القرآن: ج:9،ص:56 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

چشموں کا پانی جوش سے ابلنے لگ گیا

سورج کی شدت سے چشموں کا پانی جوش سے ابلنے لگا۔

علامہ قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کو حکم دیا جو سورج کے ساتھ مؤکل ہے کہ ان کو گرمی کا عذاب پہنچائیں پھر سورج کی گرمی سے ان کے ہاتھ جل گئے اور جن کے ساتھ جانور تھے وہ بھی مر گئے اور چشموں کا پانی جوش سے ابلنے لگا۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:9،ص:56 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ کا موت کے فرشتے کو غروب آفتاب تک روحیں قبض کرنے کا حکم فرمانا

اللہ تعالیٰ نے موت کے فرشتے کو حکم دیا کہ قوم ثمود کی روحیں غروب آفتاب تک قبض کر لی جائیں۔

علامہ قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کو حکم دیا جو سورج کے ساتھ مؤکل ہے کہ ان کو گرمی کا عذاب پہنچائیں پھر سورج کی گرمی سے ان

کے ہاتھ جل گئے اور جن کے ساتھ جانور تھے وہ بھی مر گئے اور چشموں کا پانی جوش سے ابلنے لگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے موت کے فرشتے کو حکم دیا کہ غروب آفتاب تک ان کی روحیں قبض کر لی جائیں۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:9،ص:56 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

گرج دار چنگھاڑ سنائی دینے سے سب منہ کے بل گر کر ہلاک ہو گئے

اللہ تعالیٰ نے گرج دار چنگھاڑ بھیجی جس کو سننے سے قوم ثمود سب کے سب منہ کے بل گر کر ہلاک ہو گئے۔

علامہ قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کو حکم دیا جو سورج کے ساتھ مؤکل ہے کہ ان کو گرمی کا عذاب پہنچائیں پھر سورج کی گرمی سے ان کے ہاتھ جل گئے اور جن کے ساتھ جانور تھے وہ بھی مر گئے اور چشموں کا پانی جوش سے ابلنے لگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے موت کے فرشتے کو حکم دیا کہ غروب آفتاب تک ان کی روحیں قبض کر لی جائیں۔ پھر ایک گرج دار چنگھاڑ سنائی دی جس سے وہ سب منہ کے بل گر کر ہلاک ہو گئے۔ (الجامع الاحکام القرآن: ج:9،ص:56 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قوم ثمود کو کچھ بھی نہ بچا سکا

قوم ثمود پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تا کہ امن سے رہیں جب صبح ہوئی تو دردناک چنگھاڑ نے ان کو ہلاک کر دیا اور جو کچھ وہ کرتے رہے تھے وہ ان کو ہرگز نہ بچا سکا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ۝ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ (الحجر: 82تا84)

وہ پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے تا کہ امن سے رہیں پس صبح ہوتے ہی ایک چنگھاڑ نے ان کو پکڑ لیا اور جو کچھ وہ کرتے رہے تھے وہ ان کو نہ بچا سکا۔

جن کو عذاب نے پکڑا ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے

جن کو عذاب نے پکڑا ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ (الشعراء: 158تا159)

سو ان کو عذاب نے پکڑ لیا بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے بے شک آپ کا رب ہی ضرور غالب ہے بہت رحم فرمانے والا ہے۔

خفیہ سازش کرنے والوں کی ہلاکت

قوم ثمود کے نوافراد نے حضرت صالح علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے اہل کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کی سازش کی اور اللہ تعالیٰ نے ان تمام کو ہلاک کر دیا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَیِّتَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِیِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ○ وَ مَكَرُوْا مَكْرًا وَّ مَكَرْنَا مَكْرًا وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ○ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَ قَوْمَهُمْ اَجْمَعِیْنَ ○ فَتِلْكَ بُیُوْتُهُمْ خَاوِیَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ○

(النمل:49تا52)

انہوں نے کہا سب آپس میں قسمیں کھا کر اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کرو کہ ہم ضرور رات کو صالح اور ان کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے پھر ان کے وارث سے ہم یہ کہیں گے کہ ہم ان کے گھر والوں کے قتل کے موقع پر حاضر ہی نہ تھے اور بے شک ہم سچے ہیں اور انہوں نے خفیہ سازش کی اور ہم نے خفیہ تدبیر کی اور ان کو اس کا شعور بھی نہیں ہوا سو آپ دیکھئے کہ ان کی سازش کا کیسا انجام ہوا ہم نے ان کو اور ان کی ساری قوم کو ہلاک کر دیا پس یہ ہیں ان کے گھر جو ان کے ظلم کرنے کی وجہ سے گرے پڑے ہیں بے شک اس (واقعہ) میں اہل علم کے لئے ضرور نشانی ہے۔

بُیُوْتُهُمْ خَاوِیَةً کیوں فرمایا؟

قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

بُیُوْتُهُمْ خَاوِیَةً

اس کے متعلق علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:

خَاوِیَةً خوی سے بنا ہے اس کا معنیٰ ہے خالی ہونا اور کھوکھلا ہونا۔

عرب کہتے ہیں۔

نخوی بطنه من الطعام

اس کا پیٹ کھانے سے خالی ہے۔

اور جب کوئی گھر خالی ہو تو کہا جاتا ہے۔

خوی الدار

قوم ثمود کے مکان بھی اجڑے ہوئے تھے مکینوں سے خالی تھے۔

اس لیے ارشاد فرمایا:

فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً (المفردات:ج:1،ص:217مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفی مکہ مکرمہ)

قوم ثمود کا ہولناک کڑک کو دیکھتے دیکھتے ہلاک ہونا

قوم ثمود نے جب سرکشی کی تو اللہ تعالیٰ نے ہولناک کڑک کو بھیجا جس نے ان کو پکڑ لیا اور وہ اس عذاب کو دیکھ رہے تھے اور اسی میں ان کی ہلاکت ہو گئی۔

قرآن مجید میں ہے:

وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ۝ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ۝ (الذاریات:43تا45)

اور قوم ثمود میں (بھی عبرت انگیز نشانی ہے) جب ان سے کہا گیا کہ تم ایک عارضی مدت فائدہ اٹھالو تو انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی تو ان کو ایک ہولناک کڑک نے پکڑ لیا اور وہ دیکھ رہے تھے پس وہ نہ کھڑے ہو سکتے تھے اور نہ کسی سے مدد حاصل کر سکتے تھے۔

ہولناک آواز کی وجہ سے چورا چورا ہو گئے

قوم ثمود ہولناک آواز کی وجہ سے چورا چورا ہو گئے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ۝ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَ نُذُرِ ۝ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ۝ (القمر:29تا31)

سو انہوں نے اپنے صاحب کو پکارا تو (اس نے اونٹنی کو پکڑ کر) اس کی کونچیں کاٹ دیں پس کیسا تھا میرا عذاب اور کیسا تھا میرا اڈرانا بے شک ہم نے ان پر ایک ہولناک آواز بھیجی تو وہ باڑہ بنانے والے کی روندی گھاس کی طرح چورا چورا ہو گئے۔

☆ اس آیت کریمہ میں هَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ کے الفاظ ہیں۔

حظیرۃ محظورۃ کے معنیٰ میں ہے اس کا لفظی معنیٰ ہے ممنوعہ چیز رکاوٹ یہ اس باڑ کو کہتے ہیں جو خشک جھاڑیوں اور لکڑیوں سے جانوروں کی حفاظت کے لئے بنائی ہے۔

هَشِيْم کا معنیٰ ہے۔

خشک گھاس یا کٹا ہوا خشک کھیت۔

اس آیت کے معنیٰ کا خلاصہ یہ ہے کہ

جس طرح ایک باڑ بنانے والے کی خشک لکڑیاں اور جھاڑیاں مسلسل روندے جانے کی وجہ سے چورا چورا ہو جاتی ہیں

بھی اس باڑ کی مانند ہمارے عذاب سے چورا چورا یا ریزہ ریزہ ہو گئے۔

قوم ثمود نے کھڑکھڑانے والی کو جھٹلایا تو چنگھاڑ سے ہلاک کر دیا گیا

قوم ثمود نے کھڑکھڑانے والی کو جھٹلایا تو ان کو ایک چنگھاڑ سے ہلاک کر دیا گیا۔

قرآن مجید میں ہے:

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَ عَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ○ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ○ (الحاقۃ: 4 تا 5)

ثمود اور عاد نے اس کھڑکھڑانے والی کو جھٹلایا۔ بہرحال ثمود تو ان کو ایک چنگھاڑ سے ہلاک کر دیا گیا۔

قوم ثمود کو ان کے گناہ کی وجہ سے ہلاک کر کے ان کی بستی کو ہموار کر دیا

قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہ کی وجہ سے ان کو ہلاک کر کے ان کی بستی کو ہموار کر دیا۔

قرآن مجید میں ہے:

اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا○ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَ سُقْيٰهَا○ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا○ وَ لَا يَخَافُ عُقْبٰهَا○ (الشمس: 12 تا 15)

جب (اس قوم کا) سب سے بد بخت اٹھا سو اللہ کے رسول نے ان سے کہا اللہ تعالیٰ کی اونٹنی اور اس کے پینے کی باری کی حفاظت کرو انہوں نے اپنے رسول کو جھٹلایا اور اس (اونٹنی) کی کونچیں کاٹ دیں تو ان کے رب نے ان کے گناہ کی وجہ سے ان کو ہلاک کر کے ان کی بستی کو ہموار کر دیا اور ان سے انتقام لینے سے اسے کوئی خوف نہیں ہے۔

عذاب زمین میں بولنے والی ہر چیز کا بھی تھا جس کے ساتھ ان کے سینوں میں دل کٹ گئے

قوم ثمود پر جو عذاب آیا وہ ایک سخت آواز تھی اس میں ہر قسم کی گرج کی آواز بھی تھی اور زمین میں بولنے والی ہر شے کی آواز بھی تھی جس کے ساتھ ان کے سینوں میں دل کٹ گئے اور وہ اپنے گھروں میں ہی زمین پر پڑے رہ گئے۔

حجاج اور ابن جریج نے کہا ہے کہ

جب حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں ارشاد فرمایا کہ

عنقریب ایک بچہ پیدا ہو گا جس کے ہاتھ پیر تمہاری ہلاکت اور بربادی ہو گی۔

تو انہوں نے کہا: پھر آپ علیہ السلام ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟

تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں ان کو قتل کرنے کا حکم دیتا ہوں۔

چنانچہ انہوں نے ایک کے سوا سب بچوں کو قتل کر ڈالا!

آپ نے فرمایا: سو جب وہ بچہ بالغ ہوا تو انہوں نے کہا:

اگر ہم اپنی اولاد کو قتل نہ کرتے تو ہم میں سے ہر آدمی کے لئے اسی کی مثل (نوجوان لڑکا) ہوتا۔ یہ (حضرت) صالح (علیہ السلام) کا عمل ہے چنانچہ انہوں نے آپس میں آپ علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کے لئے مشاورت کی۔

اور کہنے لگے کہ

ہم مسافر بن کر نکلیں گے اور لوگ ہمیں ظاہراً اس حالت پر دیکھیں گے پھر ہم فلاں مہینے کی فلاں رات کو واپس لوٹیں گے اور اس کی عبادت گاہ کے قریب گھات لگا کر بیٹھ جائیں گے اور انہیں قتل کر دیں گے اور لوگ یہ گمان کریں گے کہ ابھی تک ہم سفر پر ہی ہیں جیسے پہلے تھے چنانچہ وہ آئے اور آپ علیہ السلام کی تاک میں بیٹھنے کے لئے ایک چٹان کے نیچے داخل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس چٹان کو ان پر گرا دیا اور اس نے انہیں کچل ڈالا پس انہوں نے کچلی ہوئی حالت میں صبح کی جیسے جیسے ان کے بارے لوگوں کو اطلاع ہوئی تو وہ ان کی طرف چلے اور انہیں دیکھا کہ وہ سب کچلے پڑے ہیں لوگ چیختے چلاتے گاؤں کی طرف واپس لوٹے۔

اے اللہ تعالیٰ کے بندو!

کیا (حضرت) صالح (علیہ السلام) اس پر راضی نہیں ہوئے کہ اس نے انہیں اپنے بچوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے ان کو قتل کر دیا۔ چنانچہ اونٹنی کو مارنے کے لئے گاؤں کے تمام کے تمام لوگ جمع ہوئے پھر ڈر۔ کے مارے اس سے پیچھے ہٹ گئے مگر اس دس سالہ بچے نے (اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں) پھر بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ کی طرف لوٹتی ہے۔

ارشاد فرمایا:

انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ مکر و فریب کا ارادہ کیا اور چل پڑے حتیٰ کہ حضرت صالح علیہ السلام کے راستے میں ایک گھاٹ پر آ پہنچے اور آٹھ افراد اس میں چھپ گئے۔

اور کہنے لگے کہ

جب آپ (علیہ السلام) ہماری طرف نکل کر آئیں گے تو ہم انہیں قتل کر دیں گے پھر ہم ان کے گھر والوں کے پاس آئیں گے اور ان کے ساتھ رات گزاریں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا تو وہ ان پر ہموار ہو گئی۔ پھر اکٹھے ہو کر اونٹنی کی طرف چل پڑے وہ اس وقت اپنے حوض پر کھڑی تھی۔ تو ایک بدبخت انسان نے ان میں سے ایک کو کہا۔

تو اس کے پاس آ اور اس کی کونچیں کاٹ دے چنانچہ وہ اونٹنی کے پاس آیا مگر اس کام کو بہت بڑا کام سمجھ کر پیچھے ہٹ گیا پھر اس نے دوسرے کو بلایا تو اس نے بھی اسے انتہائی عظیم عمل سمجھ کر اس سے انکار کر دیا۔ الغرض اس نے کئی افراد کو بلایا مگر کسی نے بھی ایسا کرنے کی جرأت نہیں کی حتیٰ کہ وہ خود چل کر اس کی طرف گیا اور بڑی تیزی کے ساتھ جا کر اس کی کونچوں پر ضرب لگائی جس کے نتیجہ میں ناقہ گر گئی اور پاؤں مارنے لگی تو اسی دوران ان میں سے ایک آدمی کی نظر حضرت صالح علیہ السلام پر پڑی۔

تو اس نے آپ علیہ السلام کو بلا کر کہا۔

اپنی اونٹنی کو دیکھ لو اس کی کونچیں کاٹ دی گئی ہیں۔
پس آپ علیہ السلام آئے تو وہ نکل کر آپ علیہ السلام سے ملاقات کرنے لگے اور آپ علیہ السلام سے معذرت کرنے لگے۔

اے اللہ عزوجل کے نبی!
فلاں نے اس کی کونچیں کاٹی ہیں اس لیے ہمارا اس میں کوئی گناہ نہیں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:
تم دیکھو کیا تم اس کے بچے کو پالو گے؟ سو اگر تم نے اس کو پالیا تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے عذاب اٹھالے۔ چنانچہ وہ اس کی تلاش میں نکل پڑے پھر جب بچے نے اپنی ماں کو تڑپتے ہوئے دیکھا تو وہ پہاڑ کی طرف گیا جسے القارۃ قصیر کہا جاتا ہے اور اس کے اوپر چڑھ گیا وہ لوگ اس کے پیچھے گئے تاکہ اس کو پکڑ لیں لیکن اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو حکم دیا تو وہ آسمان کی طرف اتنا بلند ہو گیا کہ اس پر کوئی پرندہ بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام گاؤں میں تشریف لے گئے جب اونٹنی کے بچہ نے آپ علیہ السلام کو دیکھا تو رو پڑا حتیٰ کہ اس کے آنسو بہہ پڑے۔ پھر وہ آپ علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا اور خوب شدت سے بلبلایا پھر دوسری بار پھر تیسری بار اور پھر تیسری بار بھی اسی طرح بلبلایا۔

تو حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے ارشاد فرمایا:
ہر بلبلانے کے بدلے ایک موت ہے۔ پس تم تین دن تک اپنے گھروں میں لطف اندوز ہو لو اور یہ ایسا وعدہ ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ خبردار! عذاب کی نشانی یہ ہے کہ پہلے دن تمہارے چہرے زرد ہو جائیں گے۔
دوسرے دن تمہارے چہرے سرخ ہو جائیں گے۔
اور تیسرے دن تمہارے چہرے سیاہ ہو جائیں گے۔
چنانچہ جب انہوں نے صبح کی تو ان کے چھوٹے بڑے اور مردوں اور عورتوں کے چہرے اس طرح زرد ہو چکے تھے گویا ان پر زعفران کا طلا کر دیا گیا ہے۔
جب شام ہوئی تو وہ سارے کے سارے چیخنے چلانے لگے۔ موت کا ایک دن گزر گیا اور عذاب تم پر آچکا ہے پھر جب انہوں نے دوسرے دن صبح کی تو ان کے چہرے اس طرح سرخ ہو چکے تھے گویا انہیں خون سے رنگ دیا گیا ہے وہ چیخ و پکار کرنے لگے، شور و غوغا مچانے لگے اور رونے لگے اور انہیں یہ یقین ہو گیا کہ یہ عذاب ہے پھر جب شام ہوئی تو مل جل کر چیخ و پکار کرنے لگے کہ ہمارے مقررہ وقت میں دو دن گزر گئے اور عذاب آچکا ہے اور جب انہوں نے تیسرے دن کی صبح کی تو ان کے چہرے اس طرح سیاہ ہو چکے تھے گویا ان پر تارکول کا طلا کر دیا گیا ہو وہ سارے کے سارے چلائے خبردار! تم پر عذاب آچکا ہے پس انہوں نے کفن پہن لیے اور خوشبو لگالی ان کی خوشبو صبر (ایلوا) اور مغر (گوند) تھا اور ان کے کفن چمڑے کے تھے پھر انہوں نے اپنے آپ کو زمین پر ڈال دیا اور وہ اپنی آنکھوں کو ادھر ادھر پھیرانے لگے کبھی وہ آسمان کی طرف دیکھتے اور کبھی وہ

زمین کی طرف وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ ان پر عذاب کہاں سے آئے گا کیا آسمان سے ان کے اوپر عذاب آئے گا یا پاؤں کے نیچے سے زمین کی طرف سے یعنی کیا انہیں زمین میں دھنسایا جائے یا ان کے اوپر پتھر برسائے جائیں گے پھر جب انہوں نے چوتھے دن کی صبح کی تو ان کے اوپر آسمان کی جانب سے ایک سخت آواز آئی اس میں ہر قسم کی گرج کی آواز بھی تھی اور زمین میں بولنے والی ہر چیز کی آواز بھی تھی اس کے ساتھ ان کے سینوں میں دل کٹ گئے اور وہ اپنے گھروں میں ہی زمین پر پڑے رہ گئے۔

(مستدرک: ج:2،ص:617 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایک ہی کرخت چیخ نے قوم ثمود کو ساکت کر دیا

قوم ثمود پر ایک ہی کرخت چیخ آئی جس نے ان کو ساکت کر دیا۔

امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی 211ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جس وقت انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹیں۔

تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے ارشاد فرمایا:

تین دن تک لطف اٹھالو۔

پھر آپ علیہ السلام نے ان کو ارشاد فرمایا:

تمہارے عذاب کی نشانی یہ ہے کہ کل صبح تمہارے چہرے زرد ہوں گے۔

پھر دوسرے دن سرخ ہو جائیں گے۔

اور پھر تیسرے دن سیاہ ہو جائیں گے۔

تو ان کے چہرے اس طرح ہو گئے پس جب تیرا دن آیا تو انہیں ہلاکت کا یقین ہو گیا تو انہوں نے کفن پہن لیے اور خوشبو لگائی پھر ایک ہی کرخت چیخ نے انہیں پکڑ لیا اور انہیں وہیں ساکت کر دیا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹنے والے نے کہا!

میں اسے قتل نہیں کروں گا حتیٰ کہ تمام کے تمام راضی ہو جائیں۔ پس وہ پردہ دار عورت کے پاس گئے اور انہیں جا کر کہا کیا تم اس پر راضی ہو؟

انہوں نے کہا: ہاں!

اور بچوں کے پاس بھی گئے حتیٰ کہ تمام نے رضامندی کا اظہار کر دیا تو انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔

(تفسیر عبد الرزاق: ج:2،ص:83 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

قوم ثمود کو اونٹنی کے بچہ کے بلبلانے کے وقت شدید اور کرخت آواز نے سب کو ہلاک کر دیا

جب قوم ثمود نے اونٹنی کو ذبح کر دیا تو اونٹنی کا بچہ سخت بلبلایا اسی وقت ایک شدید اور کرخت آواز آئی جس نے سب کو ہلاک

کر دیا۔

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی 211ھ لکھتے ہیں: حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جب قوم ثمود نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو اس کا بچہ چلا گیا اور ایک پہاڑ پر چڑھ گیا۔

اور اس نے کہا: اے میرے رب عزوجل! میری ماں کہاں ہے؟ وہ سخت بلبلایا تو اس وقت ایک شدید اور کرخت آواز نازل ہوئی اور اس نے تمام کو ہلاک کر دیا۔ (تفسیر عبدالرزاق: ج:2، ص:82 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

زلزلے سے تمام مکانات گر گئے اور بستی چٹیل میدان بن گئی

جب کرخت چیخ آئی تو قوم ثمود کے تمام لوگ ایک دم مر گئے اور زلزلے سے مکانات ایسے گر گئے کہ وہ بستی ایک چٹیل میدان کی طرح دکھائی دینے لگی۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

تفسیر روح البیان نے فرمایا:

کافران تین دنوں میں خوف سے اپنے گھروں سے نہ نکلے بلکہ قبر نما گڑھے کھود لئے تا کہ اس میں چھپ جائیں قدرت نے خود ان سے ان کی قبریں کھدوالیں کہ مسلمان کہاں تک ان کو دفن کریں گے نہ کریں تو تعفن پھیل جائے جب چوتھا دن ہوا تو سورج نکلنے تک کوئی عذاب نہ آیا سب خوشی خوشی مذاق اور دل لگی کرتے ہوئے گھروں سے باہر نکل آئے تو یکدم حضرت جبرائیل علیہ السلام اپنی اصلی ہیبت ناک شکل میں نمودار ہوئے سر آسمان تک، بہت سے پیر پر، سفید دانت، پروں میں مختلف رنگ اس خطرناک شکل کو دیکھ کر پھر الٹے پاؤں گھروں کو بھاگے اور ان ہی قبر نما گڑھوں میں جا گھسے تب چیخ آئی تو سب کے سب ایک دم مر گئے اور زلزلے سے تمام مکانات ایسے گر گئے کہ وہ بستی ایک ویران میدان چٹیل نظر آنے لگی۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:208 مطبوعہ لاہور)

عذاب اشراق کے وقت آیا

عذاب اشراق کے وقت آیا تھا۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

یہ عذاب اشراق کے وقت آیا۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:208 مطبوعہ لاہور)

مسلمانوں کا صبح کے وقت عذاب شدگان کو خرگوش کی طرح پیر نکال کر اوندھے پڑے دیکھنا

جب عذاب ختم ہوا تو مسلمان صبح کو اپنے گھروں سے باہر نکل آئے تو دیکھا کہ عذاب شدگان خرگوش کی طرح پاؤں نکال کر اوندھے پڑے ہوئے ہیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

جب عذاب ختم ہوا مسلمان اس بستی سے باہر آئے تو دیکھا کہ صبح ہی صبح اوندھے پڑے ہوئے ہیں اپنے گھروں میں...... یعنی اس طرح اوندھے پڑے تھے جس طرح خرگوش پڑے ہوتے ہیں پیر نکال کر کچھ لوگ سمجھے شاید زندہ ہیں مگر حرکت نہیں کرتے قریب جاکر معلوم ہوا کہ مردہ ہیں۔ (تفسیر نعیمی: ج:12 ص:208 مطبوعہ لاہور)

حرم شریف میں ابو رغال پر عذاب کا معلق ہونا مگر جب باہر آیا تو وہ بھی عذاب میں گرفتار ہو گیا

ابو رغال حرم شریف میں تھا تو عذاب اس پر معلق رہا حتیٰ کہ جب باہر آیا تو وہ بھی عذاب میں گرفتار ہو گیا۔

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی 211ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم الحجر کے پاس سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نشانیوں کا سوال نہ کرنا کیونکہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے نشانیوں کا سوال کیا تھا وہ اس راستہ سے آتے تھے اور اس راستہ سے لوٹتے تھے انہوں نے اپنے رب عزوجل کی حکم عدولی کی انہوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ ایک دن وہ اونٹنی ان کا پانی پیتی تھی اور ایک دن وہ اس کا دودھ پیتے تھے تو انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں پھر ایک ہولناک آواز نے ان کو پکڑ لیا آسمان کے نیچے جتنے بھی لوگ تھے اللہ تعالیٰ نے سب کو ہلاک کر دیا ماسوا ایک شخص کے جو اللہ تعالیٰ کے حرم میں تھا۔

عرض کیا گیا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ شخص کون تھا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ ابو رغال (تھا) جب وہ حرم سے باہر آیا تو وہ بھی اس عذاب میں گرفتار ہو گیا۔ (تفسیر عبدالرزاق: رقم الحدیث: 915)

ایک روایت میں یوں الفاظ ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

غزوہ تبوک کے سفر میں جب ہم مقام حجر پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ارشاد فرمایا:

میں لوگوں کو معجزہ طلب کرنے سے منع کرتا ہوں۔ یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ہے جس نے اپنے نبی سے معجزہ طلب کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایک اونٹنی کو بھیج دیا وہ اس راستہ سے آتی تھی اور اپنی باری کے دن اس کا سارا پانی پی جاتی تھی اور جس دن وہ پانی پیتی تھی اس دن وہ قوم اس اونٹنی کا دودھ دوہ کر پیتی تھی اور پھر لوٹ جاتی تھی اس قوم نے اپنے رب عزوجل کے حکم کی نافرمانی کی اور اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔

تب اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ وعید سنائی کہ

وہ صرف تین دن اپنے گھروں میں مزے اڑا لیں (پھر اللہ تعالیٰ کا عذاب آجائے گا)

یہ اللہ تعالیٰ کی وعید ہے جو ہرگز (جھوٹی) نہیں ہوگی (پھر تین دن کے بعد) ایک زبردست چنگھاڑ کی آواز آئی جس نے

اس زمین کے مشرق اور مغرب کے لوگوں کو ہلاک کر دیا سوا اس شخص کے جو اللہ تعالیٰ کے حرم میں تھا وہ اللہ تعالیٰ کے حرم میں ہونے کی وجہ سے بچ گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ ابورغال ہے۔

پوچھا گیا۔

وہ کون ہے؟

ارشاد فرمایا:

وہ ابوثقیف ہے۔(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 10990)

ابورغال کی قبر سے سونے کی شاخ نکالنا

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طائف گئے تو ہم ایک قبر کے پاس سے گزرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ ابورغال کی قبر ہے اس حرم شریف کی وجہ سے اس سے عذاب دور ہو گیا تھا جب وہ حرم سے نکلا تو اس جگہ اس کو وہی عذاب آپہنچا تو اس کو دفن کر دیا گیا۔

اور اس کی نشانی یہ ہے کہ

اس کے ساتھ سونے کی ایک شاخ بھی دفن کی گئی تھی اگر تم اس قبر کو کھودو گے تو اس شاخ کو حاصل کر لو گے تو لوگوں نے اس قبر کو کھود کر اس سے وہ سونے کی شاخ نکال لی۔(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 3088)

الذریعہ لڑکی کا چیخ کے عذاب سے بچنا مگر جب کنویں پر گئی تو پانی پیتے ہی مر گئی

قوم ثمود میں ایک الذریعہ لڑکی تھی جو حضرت صالح علیہ السلام سے سخت عداوت رکھتی تھی یہ ہولناک چیخ سے بچ گئی مگر جب کنویں پر پانی پینے کے لئے گئی تو پانی پیتے ہی مر گئی۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق سے روایت ہے کہ

اتوار کی صبح کو دن چڑھنے کے بعد ایک ہولناک چیخ آئی جس سے ہر چھوٹا اور بڑا ہلاک ہو گیا ماسوا الذریعہ نامی ایک لڑکی

کے وہ حضرت صالح علیہ السلام سے سخت عداوت رکھتی تھی اس نے تمام لوگوں کو عذاب میں گرفتار دیکھا پھر وہ کنویں پر گئی اور اس سے پانی پیتے ہی مرگئی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 10999)

عذاب کی روایات میں تطبیق

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی چیخ تھی بعض روایات سے پتہ چلتا ہے یہ آسمان سے چنگھاڑ تھی بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بجلی کی کڑک تھی ان میں تطبیق یہ ہے کہ یہ تھی تو چنگھاڑ ہی جو بجلی کی کڑک کی مانند تھی مگر اس کو بجالانے والے حضرت جبرائیل علیہ السلام ہی تھے۔

علامہ قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ

یہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی چیخ تھی۔

اور ایک قول یہ ہے کہ

یہ آسمان سے ایک چنگھاڑ آئی تھی جس میں ہر بجلی کی کڑک تھی جس کی ہیبت اور ہولناکی سے ان کے دل پھٹ گئے۔ (الجامع الاحکام القرآن: ج:9،ص:55 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

اس چیخ کے متعلق دو قول ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ

اس سے مراد بجلی کی کڑک ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ

یہ بہت زبردست اور ہولناک چیخ تھی جس کو سن کر وہ سب اپنے گھروں میں منہ کے بل اوندھے گر گئے اور اسی حال میں مر گئے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ وہ چیخ ماریں اور ان کی چیخ سے سب اسی وقت مر گئے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ

وہ چیخ موت کا سبب کیسے بن گئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ

اس چیخ سے ہوا میں تموج پیدا ہو گیا اور جب وہ زبردست تموج ان کے کانوں تک پہنچا تو ان کے کانوں کے پردے پھٹ گئے اور اس کا اثر ان کے دماغ تک پہنچا اور وہ علی الفور مر گئے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ

بادلوں کے پھٹنے سے وہ چیخ پیدا ہوئی ہو اور اس سے بجلی گری ہو اور اس بجلی سے وہ سب جل کر مر گئے ہوں۔

(تفسیر کبیر: ج:6،ص370 تا 371 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے:

کڑک دار چیخ نے جو ہیبت میں چنگھاڑ کی مثل تھی یا حضرت جبرائیل علیہ السلام کی آواز تھی یا آسمان کی طرف سے بجلی کی کڑک کی طرح تھی جس کی گونج ایسی تھی کہ ہر طرف سے بجلیوں کے کڑکے معلوم ہوتے تھے۔

صحیح یہ ہے کہ

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آسمان کی طرف سے ایک ہی چنگھاڑ ماری وہ گونج کی صورت میں کئی طرف سے آئی اور آناً فاناً تمام کفار کو ختم کر دیا اس چیخ سے زلزلہ بھی پیدا ہوا اس لیے اس کو رجفۃ کہا گیا ہے جیسا کہ اعراف میں ہے فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ یعنی اتنی سخت تھی کہ زمین بھی دہل گئی۔ (تفسیر نعیمی: ج:12،ص207 تا 208 مطبوعہ لاہور)

حضرت صالح علیہ السلام کی مقدس زبان سے نکلی ہوئی عذاب کی خبر پوری ہوئی

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم سے ارشاد فرمایا تھا کہ تم تین دن عیش کر لو تین دن کے بعد تم ہلاک ہو جاؤ گے تو یہ ایسا ہی ہوا جس طرح حضرت صالح علیہ السلام نے خبر دی تھی۔

تفسیر نعیمی میں ہے: بعض مفسرین نے فرمایا کہ

خزی سے مراد شرمندگی ہے کہ اگر چوتھے دن عذاب نہ آتا تو مسلمانوں کو اور حضرت صالح علیہ السلام کو کفار کے سامنے شرمندہ ہونا پڑتا وہ مذاق اور خوشی سے تالیاں بجاتے لیکن چونکہ ہمارے نبی کی زبان پاک سے نکل چکا تھا کہ تین دن بعد عذاب آئے گا ہم نے اپنے سارے قانونوں کو توڑ کر نبی کی بات رکھ لی اور اس دن کی رسوائی سے بچا لیا کیونکہ ہم کو جہان یا جہان کا قانون پیارا نہیں ہم کو تو اپنا نبی پیارا ہے قانون تو نبی کی اداؤں سے بنتے ہیں۔

جو شب کو کہہ دیا دن ہے تو دن نکل آیا
جو دن کو کہہ دیا شب ہے تو رات ہو کے رہی

(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:207 مطبوعہ لاہور)

قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو اونٹنی کی کونچیں کاٹنے سے منع فرمایا تھا مگر انہوں نے آپ علیہ السلام کے فرمان مقدسہ پر عمل نہ کر کے جھٹلایا۔ جس کی وجہ سے وہ ہلاک کر دیئے گئے۔ ان کے جھٹلانے پر یہ آیات کریمہ شاہد ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَآ ۝ (الشمس:11)

ثمود نے اپنی سرکشی سے (اپنے رسول کو) جھٹلایا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (الشعراء:141)

ثمود نے رسولوں کی تکذیب کی۔

☆ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ثمود نے رسولوں کی تکذیب کی۔

کسی ایک رسول کی تکذیب کرنا تمام رسولوں کی تکذیب کرنے کے مترادف ہے تمام رسولوں کا ایک ہی مشن ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ۝ (القمر:23)

ثمود نے عذاب سے ڈرانے والے رسولوں کی تکذیب کی۔

قوم ثمود کے کتنے افراد ہلاک ہوئے

قوم ثمود کے ہلاک ہونے والے ایک روایت کے مطابق چار ہزار تھے ایک روایت کے مطابق پندرہ سو تھے بعض کے مطابق نو سو تھے۔

تفسیر نعیمی میں ہے: (ہلاک ہونے والے) وہ ایک روایت کے مطابق چار ہزار تھے اتنے ہی ان کے مومن ہو گئے تھے۔

(تفسیر نعیمی: ج:13، ص:207 مطبوعہ لاہور)

ایک اور مقام پر راقم ہیں: اس میں اختلاف ہے کہ

تعداد کفار کتنی تھی۔

بعض نے کہا: پندرہ سو تھی۔

بعض نے نو سو بعض نے چار ہزار بتائی ہے۔

بعض نے کہا: مسلمانوں کی تعداد چار ہزار اور کفار پندرہ سو تھے۔

بعض نے کہا: قوم ثمود آٹھ ہزار نفر پر مشتمل تھی۔

ان میں مطابقت اس طرح ہو سکتی ہے کہ

مکانات پندرہ سو تھے ان میں آٹھ ہزار افراد قوم ثمود تھے جن میں صرف امراء وسردار نو سو تھے۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:208 مطبوعہ لاہور)

حضرت صالح علیہ السلام اور مومنین کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نجات

جب عذاب آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام اور مومنین کو اپنی رحمت سے نجات عطا فرمائی۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا صٰلِحًا وَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْیِ یَوْمِئِذٍؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ ۝ (ھود:66)

پس جب ہمارا عذاب آ گیا تو ہم نے صالح کو اور ان کے ساتھ ایمان والوں کو اپنی رحمت سے اس دن کی رسوائی سے نجات دے دی بے شک آپ کا رب ہی زبردست قوت والا بہت غلبہ والا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَ اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝ (النمل:53)

اور ہم نے ایمان والوں اور متقی لوگوں کو نجات دے دی۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَ نَجَّیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝ (حم السجدہ:18)

اور ہم نے ان لوگوں کو (اس عذاب سے) بچا لیا جو ایمان لے آئے تھے اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے۔

حضرت صالح علیہ السلام کا مومنین کو حرم شریف میں جانے کا حکم فرمانا

حضرت صالح علیہ السلام نے مومنین سے ارشاد فرمایا اس عذاب شدہ علاقے سے کوچ کر کے حرم شریف میں مقیم ہو جاؤ۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں نے نجات حاصل کر لی۔

تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اے میری قوم! یہ ایسی جگہ ہے جہاں اس کے باسیوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور عذاب ہوا ہے لہٰذا یہاں سے کوچ کر جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے حرم اور ان کے امن کے ساتھ جا ملو (یعنی سرزمین حرم میں جا کر مقیم ہو جاؤ)

(تفسیر در منثور، ج:3، ص:317 مطبوعہ کراچی)

حج کا چاند دیکھنا

جب حضرت صالح علیہ السلام نے مومنین کو حرم شریف جانے کا حکم فرمایا تو انہی ساعتوں میں انہوں نے حج کا چاند دیکھا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں نے نجات حاصل کر لی۔

تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اے میری قوم! یہ ایسی جگہ ہے جہاں اس کے باسیوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور عذاب ہوا ہے لہٰذا یہاں سے کوچ کر جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے حرم اور ان کے امن کے ساتھ جاملو (یعنی سرزمین حرم میں جا کر مقیم ہو جاؤ)

پس انہوں نے انہی ساعتوں میں حج کا چاند دیکھا۔ (تفسیر در منثور: ج:3، ص:317 مطبوعہ کراچی)

مسلمان اپنے مکانوں میں محفوظ رہے

عذاب کے وقت مسلمان اپنے مکانوں میں تھے تو وہ اس عذاب سے محفوظ رہے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

(عذاب سے) صرف مسلمان اپنے مکانوں میں محفوظ رہے..... جب عذاب ختم ہوا مسلمان بستی سے باہر آئے تو دیکھا کہ صبح ہی صبح اوندھے پڑے ہوئے ہیں اپنے گھروں میں۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:208 مطبوعہ لاہور)

مکہ مکرمہ جاتے وقت حضرت صالح علیہ السلام اور مومنین کا ہلاک شدہ کی لاشوں سے گزرنے پر غور سے حسرت سے دیکھ کر نفرت سے اپنا منہ پھیر لینا

حضرت صالح علیہ السلام نے جب مومنین کو مکہ مکرمہ جانے کا حکم ارشاد فرمایا تو ان کا گزر ہلاک شدگان کی لاشوں پر ہوا ان کی لاشوں کو غور سے حسرت کے ساتھ ملاحظہ فرما کر ان سے منہ پھیر لیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

حضرت صالح علیہ السلام کا یہ واقعہ عذاب الٰہی آنے سے کچھ دن بعد ہوا کیونکہ حضرت صالح علیہ السلام مومن جماعت کے ساتھ عذاب آنے سے پہلے ہی اس بستی سے نکل کر کسی دور جنگل میں تشریف لے گئے تھے جب ان پر عذاب آچکا اور یہ سب ہلاک ہو چکے تو آپ علیہ السلام اس جنگل سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے راہ میں اس بستی پر گزرے ان کی لاشیں غور سے حسرت سے ملاحظہ فرمائیں پھر نفرت سے ان سے منہ پھیر لیا۔ تولی کا فاعل حضرت صالح علیہ السلام ہیں اور عنھم میں ہم کا مرجع وہ ہلاک شدہ کفار ثمود ہیں یعنی عذاب آچکنے کے بعد حضرت صالح علیہ السلام مع مومن قوم کے ان کی لاشوں پر گزرے پھر نفرت کے ساتھ ان سے منہ پھیرا۔ (تفسیر نعیمی: ج:8، ص:559 تا 560 مطبوعہ لاہور)

ذریعہ بن سالف کے ہاتھ پاؤں کھلنا اور وادی القریٰ میں جا کر لوگوں کو عذاب کی خبر دینے کے بعد ہلاک ہونا

ذریعہ بن سالف حضرت صالح علیہ السلام سے عداوت رکھتی تھی اللہ تعالیٰ کی شان کہ اس کے ہاتھ پاؤں کھل گئے یہ ان

عذاب شدہ علاقہ سے بھاگ کر وادی القریٰ میں پہنچی وہاں وادی القریٰ والوں کو آنکھوں دیکھے عذاب کی خبر دی پھر اس نے کہا مجھے پیاس لگی ہے پانی پلاؤ جب پانی پلایا گیا تو پانی پینے سے وہاں ہی ہلاک ہوگئی اور اس کو اس قدر مہلت ہلاکت کی خبر پہنچانے کے لئے دی گئی تھی۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

ایک بے دست پا لونڈی جس کا نام ذریعہ بنت سالف تھا جسے حضرت صالح علیہ السلام سے بہت ہی عداوت تھی وہ بچ رہی اللہ تعالیٰ کی شان کہ اس کے ہاتھ پاؤں کھل گئے یہ اس علاقہ سے بھاگی حتیٰ کہ وادی القریٰ پہنچی وہاں کے باشندوں کو قوم ثمود کی ہلاکت کا آنکھوں دیکھا حال بتایا بولی مجھے سخت پیاس لگی ہے پانی پلاؤ اسے پانی پلایا گیا وہ پانی پیتے ہی وہاں ہی ڈھیر ہوگئی گویا اس لونڈی کو ہلاکت کی خبر پہنچانے کے لئے اتنی مہلت دی گئی۔ (تفسیر نعیمی: ج:8،ص:561 مطبوعہ لاہور)

حضرت صالح علیہ السلام اور مومنین کا مکہ مکرمہ پہنچنا اور وہاں ہی مقیم رہنا

حضرت صالح علیہ السلام اور مومنین جب مکہ مکرمہ میں پہنچ گئے تو وہیں پر ہی اپنی رہائش گاہیں بنالیں۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں نے نجات حاصل کرلی۔

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اے میری قوم! یہ ایسی جگہ ہے جہاں اس کے باسیوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور عذاب ہوا ہے لہٰذا تم یہاں سے کوچ کر جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے حرم اور ان کے امن کے ساتھ جاملو (یعنی سرزمین حرم میں جاکر رہو) پس انہی ساعتوں میں انہوں نے حج کا چاند دیکھا اور وہ چل پڑے حتیٰ کہ مکہ مکرمہ داخل ہوگئے اور پھر یہیں مقیم رہے۔ (تفسیر در منثور: ج:3،ص:317 مطبوعہ کراچی)

حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کی تعداد

ایک قول یہ ہے کہ دو ہزار آٹھ سو افراد ایمان لائے ایک قول یہ ہے کہ چار ہزار آدمی ایمان لائے تھے۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

قوم عاد میں سے مردوں اور عورتوں کو ملا کر دو ہزار آٹھ سو افراد ایمان لائے تھے۔

ایک قول یہ ہے کہ

چار ہزار آدمی ایمان لائے تھے۔

کعب احبار نے کہا: حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے بارہ ہزار قبیلے تھے اور ہر قبیلہ میں عورتوں اور بچوں کے سوا بارہ ہزار مرد تھے اور قوم عاد ان سے چھ گنا زیادہ تھی۔ (الجامع الاحکام القرآن: ج:7،ص:13، 122 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے: (ہلاک ہونے والے) وہ ایک روایت کے مطابق چار ہزار تھے اتنے ہی ان کے مومن ہو گئے تھے۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:207 مطبوعہ لاہور)

ایک اور مقام پر رقم ہیں: حضرت صالح علیہ السلام پر کل چار ہزار آدمی ایمان لائے۔ (تفسیر نعیمی: ج:8، ص:561 مطبوعہ لاہور)

قوم ثمود اور مدین کے عذابوں میں فرق

قوم ثمود اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو ایک ہی جیسا عذاب آیا فرق صرف یہ ہے کہ قوم ثمود پر نیچے سے چیخ آئی اور قوم شعیب علیہ السلام پر اوپر سے آئی۔

تفسیر نعیمی میں ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

بجز قوم صالح اور قوم مدین کے کسی زمانے میں دو قوموں کو ایک جیسا عذاب نہیں آیا یہ دونوں قومیں چیخ سے ہلاک ہوئیں اور زلزلہ بھی آیا اور اسی طرح اوندھے ہو کر مرے فرق صرف اتنا تھا کہ قوم صالح پر نیچے سے چیخ آئی اور قوم مدین پر اوپر سے۔

(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:285 مطبوعہ لاہور)

قوم ثمود کا گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دینا

اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کو ہدایت دی تھی لیکن انہوں نے گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دی جس کے سبب ہلاک کر دیئے گئے تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ (حم السجدہ:17)

اور رہے ثمود تو ہم نے ان کو ہدایت دی تھی لیکن انہوں نے گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دی سو ان کے کرتوتوں کے باعث سخت ذلت کے عذاب کی کڑک نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

سوال

جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت دی تھی تو پھر انہوں نے گمراہی کو ہدایت پر کیسے ترجیح دی اللہ تعالیٰ کے ہدایت دینے کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ تاحیات ایمان پر قائم رہتے۔

جواب

ہدایت کے دو معنیٰ ہیں۔

1- ایسے راستے کو دکھانا جو انسان کو مطلوب تک پہنچا دے خواہ انسان اس راستے پر چل کر مطلوب تک پہنچے یا نہ پہنچے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (الشوریٰ:52)

اور بے شک آپ ضرور سیدھا راستہ دکھاتے ہیں۔

2-ایسی رہنمائی کرنا جو انسان کو مطلوب تک پہنچانے والی ہو۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ○ (البقرہ:264)

اور اللہ تعالیٰ کافروں تک نہیں پہنچاتا یعنی ان کو صاحب ایمان نہیں بناتا۔

اس تمہید کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ

اس آیت میں ہدایت کا دوسرا معنیٰ مراد نہیں ہے بلکہ پہلا معنیٰ مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات وصفات پر دلائل قائم کر دیئے تھے اور ان کو عقل عطا کی تھی جس سے وہ ان نشانیوں کو دیکھ کر منزل تک پہنچ سکتے تھے پھر عقل کی مدد کے لئے رسولوں کو بھیجا اور ان کی معجزات سے تائید فرمائی لیکن انہوں نے اس ہدایت کو قبول کرنے کے بجائے اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید میں رہنا پسند کر لیا۔

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ

ہم یہاں پر ہدایت کا دوسرا معنیٰ بھی مراد لے سکتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے ہدایت دینے سے وہ ایمان لے آئے تھے اور انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا معجزہ دیکھنے کے بعد ان کی تصدیق کر دی تھی لیکن بعد میں وہ شیطان کے بہکانے میں آ گئے اور انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی اطاعت پر ان کی نافرمانی کو ترجیح دی اور ان کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام حجر پر پہنچتے وقت روتے گزرنے کا حکم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ الحجر سے گزرے تو ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جن لوگوں نے اپنی جان پر ظلم کیا تھا ان کے گھروں کے پاس سے بغیر روئے نہ گزرنا کہیں تم پر بھی ویسا عذاب نہ آ جائے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کو تیزی سے دوڑایا اور اس مقام کو پیچھے چھوڑ دیا۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث:3380)

حجر کا معنیٰ اور حجر کون سا علاقہ تھا

امام خلیل بن احمد فراہیدی متوفی 175ھ لکھتے ہیں: حجر کا معنیٰ حرام ہے زمانہ جاہلیت میں ایک شخص دوسرے سے حرمت والے مہینوں میں ملتا تو کہتا حجرا محجورا یعنی اس مہینہ میں تم سے لڑائی حرام ہے تو وہ اس سے لڑائی کی ابتداء نہیں کرے گا۔

(کتاب العین، ج:1، ص:348 مطبوعہ ایران)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں: حجر کا معنیٰ منع کرنا ہے۔

عقل کو بھی اس لیے حجر کہتے ہیں کہ وہ غلط کاموں اور خواہشات نفسانیہ سے منع کرتی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۝ (الفجر:5)

بے شک اس عقل والے کے لئے بہت بڑی قسم ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّ حَرْثٌ حِجْرٌ (الانعام:138)

اور مشرکین نے کہا یہ مویشی اور کھیت ممنوع ہیں۔

اور جس گھر کا پتھروں سے احاطہ کیا جائے اس کو بھی الحجر کہتے ہیں جیسا کہ سورہ الحجر میں ہے اور بے شک وادی حجر کے رہنے والوں نے رسولوں کی تکذیب کی۔ (الحجر:80)

ثمود کی آبادیاں پتھروں کو تراش کر بنائی گئی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک جاتے ہوئے اس شہر سے گزرتے تھے۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ مکہ مکرمہ اور تبوک کے درمیان ایک وادی ہے جس میں ثمود رہا کرتے تھے۔

طبری نے کہا: یہ حجاز اور شام کے درمیان کی سرزمین ہے اس میں حضرت صالح علیہ السلام کی قوم آباد تھی۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:10،ص:42 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مسلمانوں کا وادی حجر کے کنویں سے پانی بھرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انڈیل دینے کا حکم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی حجر میں ٹھہرے جو قوم ثمود کی سرزمین ہے مسلمانوں نے اس کے کنویں سے پانی پیا اور اس کنویں کے پانی سے آٹا گوندھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ حکم دیا کہ انہوں نے کنویں سے جو پانی نکالا ہے اس کو انڈیل دیں اور گندھا ہوا آٹا اونٹوں کو کھلا دیں اور ان کو یہ حکم دیا کہ اس کنویں سے پانی نکالیں جس کنویں پر اونٹنی آیا کرتی تھی۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:3379)

وادی حجر اور ممنوعہ علاقوں میں نماز پڑھنے کا حکم

قاضی ابوبکر ابن العربی متوفی 543ھ نے فرمایا ہے کہ

وادی حجر میں نماز پڑھنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ وہ جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کا عذاب نازل ہوا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ

بغیر روئے اس جگہ سے نہ گزرو۔

روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر اوڑھی اور اونٹنی کو تیز بھگا کر اس وادی سے نکل گئے تھے۔

اور وہ جو حدیث مبارکہ میں ہے کہ

میرے لیے تمام روئے زمین کو مسجد اور آلہ طہارت بنا دیا گیا ہے۔
وادی حجر کی زمین کا یہ ٹکڑا روئے زمین کے عموم سے مستثنیٰ ہے لہٰذا وادی حجر کی مٹی سے تیمم کرنا جائز نہیں ہے اور اس کے کنویں کے پانی سے وضو کرنا جائز ہے اور نہ اس جگہ نماز پڑھنا جائز ہے۔
نیز حدیث مبارکہ میں ہے: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: معتبرہ اور حمام کے سوا تمام روئے زمین مسجد ہے۔ (سنن ترمذی: رقم الحدیث: 317)
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات جگہوں پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔
1- جس جگہ جانور کی لید ڈالی جائے
2- جس جگہ جانور ذبح کیے جائیں
3- قبرستان
4- عام گزرگاہ سڑک
5- حمام
6- پانی کے پاس اونٹوں کے بٹھانے کی جگہ
7- بیت اللہ کی چھت۔ (سنن ترمذی: رقم الحدیث: 346)
قاضی ابن العربی مالکی فرماتے ہیں کہ
وادی حجر کو ان سات کے ساتھ ملا لیا جائے تو یہ آٹھ جگہیں ہوئیں۔
اور ہمارے علماء کرام نے ان کے ساتھ آٹھ اور جگہوں کا اضافہ فرمایا:
1- نجس زمین کا ٹکڑا
2- غصب کی ہوئی زمین
3- جب نمازی کے سامنے نجس دیوار ہو
4- عیسائیوں کا گرجا
5- یہودیوں کا معبد
6- جس گھر میں مجسم صورتیں ہوں
7- اونچی نیچی زمین
8- جس جگہ نمازی کے سامنے کوئی شخص سویا ہوا ہو یا کوئی شخص نمازی کی طرف منہ کر کے بیٹھا ہوا ہو۔
یہ کل ملا کر سولہ جگہیں ہیں جہاں نماز پڑھنا جائز نہیں۔

اوران ممنوعہ جگہوں میں سے وہ جگہ بھی ہے جس جگہ میں کسی دوسرے شخص کا حق ہو اور جس جگہ کوئی نجاست موجود ہو جہاں کسی نجاست کا غلبہ ہو اور جس جگہ کسی عبادت کی وجہ سے منع کیا گیا ہو۔ جس جگہ کسی نجاست کی وجہ سے نماز پڑھنا منع ہے وہاں اگر کوئی پاک کپڑا بچھا کر نماز پڑھ لی جائے تو نماز جائز ہے جیسے مقبرہ اور حمام میں المدونہ میں اس کو جائز قرار دیا گیا ہے اور ہمارے علماء کرام نے نجاست کی وجہ سے نئے اور پرانے قبرستان میں فرق کیا ہے اور جب قبرستان میں نجاست کی وجہ سے نماز پڑھنا ممکن ہے تو مشرکین کے قبرستان میں یہ ممانعت اور موکد ہو جاتی ہے اور اس لیے بھی کہ وہ وادی حجر کی طرح عذاب کا محل ہے۔

نیز یہ احادیث بھی ہیں۔

حضرت ابو مرثد الغنوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ قبروں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔ (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 972)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

جس مرض میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تھا۔

اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ یہود اور نصاریٰ پر لعنت کرے جنہوں نے انبیا کرام علیہم السلام کی قبور کو مساجد بنایا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 1330)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے المجموعۃ میں کہا ہے کہ

اونٹوں کے باڑے میں کپڑا بچھا کر بھی نماز نہ پڑھے اس کی گویا دو وجہیں ہیں۔

1- ایک نجاست

2- اور دوسرے اونٹوں کے حملہ کا خوف۔

اور اگر وہاں ایک اونٹ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔

جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ

اس صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ لیتے تھے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ

جس کپڑے پر تصویریں چھپی ہوں اس پر بغیر ضرورت کے نماز نہ پڑھے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غصب شدہ گھر میں نماز جائز نہیں ہے۔

قاضی ابن العربی فرماتے ہیں کہ

اگر غصب شدہ زمین پر مسجد بنالی ہے تو اس میں نماز جائز ہوگی۔

(احکام القرآن: ج:3،ص109 تا 111 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

کیا قوم ثمود نادم ہوئے تھے

قوم ثمود اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کے بعد نادم ہوئے تھے مگر اب نادم ہونا ان کا سودمند نہ تھا تو ان پر عذاب نے آلیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِیْنَ ۝ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝

(الشعراء: 157 تا 158)

پھر بھی انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں پس وہ نادم ہوئے سو ان کو عذاب نے پکڑ لیا بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے۔

اعتراض

اس جگہ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب وہ نادم ہو گئے تھے تو پھر ان پر عذاب کیوں نازل کیا گیا؟

جواب

اس کے دو جواب ہیں۔

ایک جواب یہ ہے کہ

ان کی ندامت توبہ کرنے والوں کی ندامت نہ تھی بلکہ وہ ڈرنے والوں اور خوف زدہ لوگوں کی ندامت تھی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ

اگر ان کی ندامت توبہ کرنے والوں کی ندامت بھی ہو تو وہ اس وقت نادم ہوئے جب ان کا نادم ہونا سودمند نہ تھا کیونکہ عذاب کا مشاہدہ اور معائنہ کرنے سے پہلے توبہ مفید ہوتی ہے اور انہوں نے عذاب کا مشاہدہ اور معائنہ کرنے کے بعد توبہ کی تھی۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَ لَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓىٕكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۝ (النساء: 18)

ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو برے کام کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آجاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں نے اب توبہ کر لی اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہوتی ہے جو حالت کفر میں مر جاتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

امام ابن ابی حاتم متوفی 327ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قوم عاد کے سواروں اور پیادوں نے عدن سے لے کر عمان تک کے علاقے کو بھرا ہوا تھا انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا تو ان کی وراثت کو میری ان جوتیوں کے بدلہ میں کون خریدے گا۔ پھر وہ خود کہتے کہ کوئی نہیں خریدے گا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 15882)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

ان کی ندامت سے ان کو اس لیے فائدہ نہیں ہوا کیونکہ انہوں نے ندامت کے باوجود توبہ نہیں کی بلکہ جب ان کو عذاب کا یقین ہو گیا تو پھر حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کے لئے انہیں ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔

ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ

وہ اونٹنی کی کونچیں کاٹنے پر نادم نہیں تھے بلکہ اس پر نادم تھے کہ انہوں نے اونٹنی کے ساتھ ہی اس کے بچہ کو بھی کیوں قتل نہیں کر دیا اور اس کو نکل کر بھاگنے کا موقع کیوں دیا لیکن یہ جواب بعید ہے۔ (الجامع الاحکام القرآن: ج:13، ص:122 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت صالح علیہ السلام کا معجزہ اونٹنی تھا

جب قوم نے کسی معجزہ کو طلب کیا تو حضرت صالح علیہ السلام نے اونٹنی کا معجزہ دکھایا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ یٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِیْبٌ ○ (ھود:64)

اے میری قوم! یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے نشانی ہے سو اس کو چھوڑ دو یہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں کھاتی پھرے اور اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچانا ورنہ تم کو عنقریب عذاب پہنچے گا۔

حضرت عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں آباد کیا اور انہیں بہت لمبی عمریں عطا فرمائیں حتیٰ کہ ان میں سے کوئی مٹی سے اپنا گھر تعمیر کرتا تو وہ منہدم ہو جاتا اور وہ آدمی ابھی تک زندہ ہوتا سو جب انہوں نے ایسا ہوتے دیکھا تو انہوں نے پہاڑوں میں اپنے گھر بنانے شروع کر دیئے وہ پہاڑوں کو کھودتے اور انہیں کاٹ کر ان میں غاریں سی بنا لیتے اس کے ساتھ ساتھ وہ معاشی اعتبار سے خوشحال تھے۔

تو انہوں نے کہا: اے (حضرت) صالح (علیہ السلام)! ہمارے لیے اپنے رب عزوجل سے دعا کیجئے کہ وہ کوئی ایسی نشانی ظاہر فرمائے جس کے سبب ہم یہ جان لیں کہ آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل کی بارگاہ مقدسہ میں دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایک اونٹنی پیدا فرمائی پانی پینے کے لئے ایک دن اس کے

لئے اور ایک دن ان کے لئے مقرر تھا پس جب اس کے پانی پینے کا دن ہوتا تو وہ اسے کھلی فضا میں علیحدہ لے جاتے اور اس کا دودھ دوہ لیتے اور اپنے چھوٹے بڑے سب برتن اور مشکیزے وغیرہ بھر لیتے اور جب ان کے پانی پینے کا دن ہوتا تو اسے پانی سے دور بھگا دیتے اور وہ کوئی پانی نہ پی سکتی جبکہ وہ خود اپنے چھوٹے بڑے سب برتن اور مشکیزے وغیرہ بھر لیتے۔

(مستدرک: ج:2، ص:617 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو قوم ثمود کی طرف مبعوث فرمایا آپ علیہ السلام نے ان کو دعوت حق دی اور انہوں نے آپ علیہ السلام کو جھٹلایا اور یہ درخواست کر دی کہ آپ علیہ السلام ان کے پاس کوئی نشانی (معجزہ) لے کر آئیں پس آپ علیہ السلام اونٹنی لے کر ان کے پاس آئے۔ پانی پینے کے لئے ایک دن اس کے لئے مقرر تھا اور ایک دن ان کے لئے تو ان تمام نے اس کا اقرار کر لیا۔ اونٹنی کے لئے پانی پینے کا ایک دن مقرر تھا جس میں وہ پانی پیا کرتی تھی دو پہاڑوں کے درمیان ایک نہر تھی اور اس مقام سے دونوں پہاڑ بہت تنگ تھے اس نہر پر اونٹنی کا نشان قیامت تک باقی رہے گا پانی پینے کے بعد وہ اونٹنی واپس آتی اور ان کے لئے ٹھہری رہتی حتیٰ کہ وہ دودھ دوہ لیتے اور انہیں خوب سیراب کرتی اور جس دن وہ پانی پینے کے لئے آتے تو وہ نہ آتی......الخ۔ (تفسیر در منثور: ج:3، ص:316 مطبوعہ کراچی)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ

ایک دن ثمود اپنی مجلس میں جمع ہوئے وہاں حضرت صالح علیہ السلام بھی آ گئے حضرت صالح علیہ السلام نے حسب معمول ان کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور بت پرستی ترک کرنے کی دعوت دی ان کو وعظ و نصیحت کی اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا۔

ثمود نے پتھر کی ایک چٹان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

اگر آپ علیہ السلام اس چٹان سے ایسی ایسی صفت کی ایک اونٹنی نکالیں جو دس ماہ کی گابھن ہو اور فوراً بچہ جن دے تو ہم آپ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے پختہ قسمیں لیں کہ اونٹنی نکلنے کے بعد وہ ایمان لے آئیں گے پھر حضرت صالح علیہ السلام نے نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کا مطالبہ پورا کر دے تب اللہ تعالیٰ نے اس چٹان سے ایک بہت بڑی اونٹنی نکال دی جوان کی طلب کردہ صفات کے مطابق تھی جب انہوں نے یہ عظیم الشان معجزہ دیکھا تو ان میں سے بہت سے لوگ ایمان لے آئے لیکن اکثر اپنے کفر اور گمراہی پر قائم رہے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے نشانی ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی زمین پر کھانے دو اور وہ جہاں چاہتی چرتی تھی ایک دن وہ پانی پینے جاتی اور ایک دن قوم ثمود جاتی اور جس دن وہ پانی پینے جاتی تو کنویں کا سارا پانی پی جاتی۔ ثمود اپنی باری پر اگلے دن کی ضروریات کے لئے پانی جمع کر کے رکھتے تھے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ

اس دن وہ سب لوگ اس اونٹنی کا دودھ پی لیتے تھے......الخ۔ (البدایہ والنہایہ: ج:1،ص:134 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی 211ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ثمود نے کہا: اے صالح علیہ السلام! اگر آپ علیہ السلام سچے ہیں تو کوئی نشانی دکھائیں؟

حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے ارشاد فرمایا: زمین کے کسی پہاڑ کی طرف نکلو تو وہ پہاڑ پھٹ پڑا اور اس کے شگاف سے اونٹنی اس طرح نکل آئی جس طرح کہ حاملہ کے پیٹ سے بچہ نکلتا ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے ارشاد فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی زمین میں چھوڑ دو تا کہ کھاتی پھرے اور اس کو برائی کے ارادے سے نہ چھونا ورنہ تم کو دردناک عذاب اپنی گرفت میں لے لے گا۔ اس کے لئے پینے کی باری ہے اور تمہارے لیے پینے کی باری کا ایک دن مقرر ہے۔ (تفسیر عبدالرزاق: رقم الحدیث: 911)

امام فخرالدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں: روایت ہے کہ

انہوں نے کہا: ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس چٹان سے ایک دس ماہ کی حاملہ اونٹنی نکلے اور فوراً وہ ایک بچہ جن دے۔ حضرت صالح علیہ السلام بیٹھ کر ان کے اس مطالبہ پر غور کرنے لگے۔

تب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آکر کہا۔

آپ علیہ السلام اپنے رب عزوجل سے دعا کیجئے کہ وہ اس پتھر سے اونٹنی نکال دے تو اس چٹان سے ایک اونٹنی نکلی اور ان کے سامنے آکر بیٹھ گئی اور فوراً اس سے ایک بچہ پیدا ہو گیا۔ (تفسیر کبیر: ج:8،ص:525 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک میں گئے ہوئے تھے۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام حجر میں پہنچ کر ارشاد فرمایا:

اے لوگو! اپنے نبی سے دلائل اور معجزات کا مطالبہ نہ کرو یہ قوم صالح ہے جس نے اپنے نبی سے یہ سوال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی نشانی بھیجے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اونٹنی بھیج دی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 15866)

مزید روایت فرماتے ہیں: حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا۔

اگر تم سچوں میں سے ہو تو (اپنی نبوت) پر کوئی نشانی لاؤ۔

تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے ارشاد فرمایا: تم اس پہاڑ کی طرف جاؤ تو وہ پہاڑ اچانک حاملہ عورت کی طرح پھول گیا پھر وہ پہاڑ پھٹ گیا اور اس کے اوسط سے اونٹنی نکلی۔

حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے ارشاد فرمایا: یہ اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی زمین میں چرنے چگنے کے لئے چھوڑ دو۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 15866)

مزید روایت فرماتے ہیں: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اونٹنی بھیجی وہ اپنی باری پر ان کے راستے سے اپنا پانی پیتی تھی اور جتنا وہ لوگ اس کے ناغہ کے دن پانی پیتے تھے اس سے اس دن اتنا دودھ دوہ لیتے تھے پھر وہ لوٹ جاتی تھی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 15868)

مزید روایت فرماتے ہیں: امام محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جو اونٹنی بہ طور نشانی نکالی تھی وہ قوم ثمود کی زمین میں درختوں کو چرتی تھی اور پانی پیتی تھی۔

حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے ارشاد فرمایا: یہ اونٹنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے نشانی ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی زمین میں چرنے دو اور اس کو کوئی نقصان نہ پہنچانا ورنہ تم پر بڑے دن کا عذاب آئے گا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 15875)

یہ وہ روایات ہیں جو حضرت صالح علیہ السلام کے معجزہ پر دلالت کرتی ہیں اور ان روایات کو گزشتہ واقعات میں ترتیب سے بھی عرض کیا تھا مگر یہاں معجزہ کے ثبوت کے لئے دوبارہ نقل کر دی ہیں۔

حضرت صالح علیہ السلام کا ذریعہ معاش تجارت تھا

حضرت صالح علیہ السلام کا ذریعہ معاش تجارت تھا۔

تفسیر نعیمی میں ہے: سب سے اول کپڑا بننے کا کام حضرت آدم علیہ السلام نے کیا اور بعد میں کھیتی باڑی کے کام میں مشغول رہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا ذریعہ معاش لکڑی کا تھا۔

حضرت ادریس رضی اللہ عنہ درزی گری۔

حضرت صالح علیہ السلام تجارت۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کھیتی باڑی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کچھ مدت بکریاں چرائیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اتنے بڑے بادشاہ ہو کر درختوں کے پتوں سے پنکھے اور زنبیلیں وغیرہ بنا کر گزر کرتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کوئی پیشہ اختیار نہیں کیا بلکہ ہمیشہ سیر فرماتے تھے۔

اور فرماتے تھے کہ

جس نے مجھے ناشتہ دیا ہے وہی شام کا کھانا بھی دے گا۔ (تفسیر نعیمی: ج: 1، ص: 304 مطبوعہ لاہور)

حضرت صالح علیہ السلام عرب کے نبی

حضرت صالح علیہ السلام عرب کے نبی تھے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کتنے انبیاء کرام علیہم السلام ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایک لاکھ چوبیس ہزار۔

میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول کتنے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تین سو تیرہ جم غیر ہیں۔

میں نے کہا: بہت اچھے ہیں۔

میں نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلا نبی کون ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام!

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا وہ نبی مرسل ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں! اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا فرمایا اپنے ہاتھ سے اور اپنی پسندیدہ روح پھونکی پھر ان کو اپنے سامنے بنایا۔

پھر ارشاد فرمایا: چار نبی سریانی ہیں۔

1- حضرت آدم علیہ السلام

2- حضرت شیث علیہ السلام

3- اور خنوخ یہ ادریس علیہ السلام ہیں۔

جنہوں نے قلم سے خط کھینچا۔

4- اور نوح علیہ السلام

اور چار نبی عرب سے ہیں۔

1- حضرت ھود علیہ السلام

2- حضرت صالح علیہ السلام

3-حضرت شعیب علیہ السلام

4-اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم !اے ابوذر!(رضی اللہ عنہ)!

میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم !اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل کیں؟

ارشاد فرمایا:

سو صحیفے اور چار کتابیں، شیث پر پچاس صحیفے، خنوخ پر تیس، ابراہیم پر دس صحیفے نازل کیے اور یونس علیہ السلام پر تورات سے پہلے دس صحیفے نازل کئے گئے اور تورات، انجیل، زبور اور فرقان کو نازل کیا گیا۔

(حلیۃ الاولیاء: ج:1، ص:67 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

حضرت صالح علیہ السلام کی کل عمر دوسو اسی (280) سال ہوئی

حضرت صالح علیہ السلام کی کل عمر دوسو اسی سال ہوئی۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

حضرت صالح علیہ السلام کی عمر کل دوسو اسی (280) سال ہوئی۔(تفسیر نعیمی: ج:12، ص:190 مطبوعہ لاہور)

حضرت صالح علیہ السلام دوسو بیس سال حیات رہے

حضرت صالح علیہ السلام دوسو بیس سال حیات رہے۔

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی 1137ھ لکھتے ہیں:

حضرت صالح علیہ السلام پر بالغ ہونے کے بعد وحی نازل ہوئی اور ان کو حضرت ھود علیہ السلام کے ایک سو سال بعد مبعوث کیا گیا تھا اور وہ دوسو بیس سال زندہ رہے۔(روح البیان: ج:6، ص:385 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت صالح علیہ السلام کا وصال مکہ مکرمہ میں ہوا

حضرت صالح علیہ السلام کا وصال مکہ مکرمہ میں ہوا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں نے نجات حاصل کر لی۔

تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اے میری قوم! یہ ایسی جگہ ہے جہاں اس کے باسیوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور عذاب ہوا ہے لہٰذا تم یہاں سے کوچ کر جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے حرم اور امن کے ساتھ جا ... انہی ساعتوں میں انہوں نے حج کا چاند دیکھا

اور چل پڑے حتیٰ کہ مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے اور پھر یہیں مقیم رہے حتیٰ کہ اس مقدس شہر میں فوت ہوئے اور ان کی قبور مکہ مکرمہ کے مغرب میں واقع ہیں۔ (تفسیر در منثور: ج:3، ص:317 مطبوعہ کراچی)

تفسیر نعیمی میں ہے:

حق یہ ہے کہ

حضرت صالح علیہ السلام مکہ معظمہ میں رہے وہاں ہی آپ علیہ السلام کی وفات ہوئی۔ (تفسیر نعیمی: ج:8، ص:561 مطبوعہ لاہور)

حضرت صالح علیہ السلام کا مزار شریف مطاف شریف میں ہے

حضرت صالح علیہ السلام کا مزار شریف مطاف شریف میں ہے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

مطاف شریف میں آپ علیہ السلام کی قبر ہے۔ (تفسیر نعیمی: ج:8، ص:561 مطبوعہ لاہور)

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نَبِیَّ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نُوْرَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت شعیب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مقدس نبی ہیں آپ علیہ السلام کا لقب خطیب الانبیاء ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اہل مدین' اصحاب الایکہ اور اصحاب الراس کی طرف مبعوث فرمایا تا کہ ان کو شرک جیسے کبیرہ گناہ سے منع فرمائیں اور میری عبادت کرنے کا حکم فرمائیں مگر افسوس کہ انہوں نے ایک مقدس نبی کو جھٹلایا جس کے سبب عذاب میں گرفتار ہوئے اور ہمیشہ کے لئے مستحق نار ہوئے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا نام ونسب مبارکہ

حضرت شعیب علیہ السلام کے نام مبارکہ میں علماء کرام کے چند اقوال ہیں۔

حافظ علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

آپ علیہ السلام کا نام مبارکہ یوں ہے۔

شعیب بن یوبب بن عنقاء بن مدین۔ (تاریخ دمشق الکبیر: ج:25، ص:48 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ ابوالفرج عبدالرحمان بن علی جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

آپ علیہ السلام کا نام مبارکہ

شعیب بن عینا بن ندیب بن مدین بن ابراہیم۔

اکثر مورخین نے اسی طرح لکھا ہے۔ (المنتظم: ج:1، ص:210 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی ابن الاثیر الجزری متوفی 630ھ لکھتے ہیں:

ایک یہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کا نام مبارکہ یہ ہے۔

شعیب یثرون بن ضیعون بن عنقا بن ثابت بن مدین بن ابراہیم۔

ایک قول یہ ہے کہ

آپ علیہ السلام کا نام مبارکہ یوں ہے۔

شعیب بن میکیل

اور وہ مدین کی اولاد سے ہیں۔ (الکامل فی التاریخ: ج: 1، ص: 88 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اسحاق بن بشر رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حضرت عبید اللہ بن زیاد بن سمعان رحمۃ اللہ علیہ نے کسی کتاب پڑھنے والے سے یہ خبر دی ہے کہ تورات کو ماننے والے یہ گمان رکھتے ہیں کہ تورات کو ماننے والے یہ گمان رکھتے ہیں کہ تورات میں حضرت شعیب علیہ السلام کا نام میکائیل ہے۔ سریانی زبان میں آپ علیہ السلام کا اسم گرامی جزی بن یشحر ہے۔

اور عبرانی زبان میں آپ علیہ السلام کا اسم گرامی شعیب بن یشخر بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام ہے۔

(تفسیر در منثور: ج: 3، ص: 326 مطبوعہ کراچی)

حافظ علی بن حسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ

اہل تورات کے نزدیک ان کا نام تورات میں میکائیل ہے۔

اور سریانی میں ان کا نام حری بن یسحر ہے۔

اور عبرانیہ میں ان کا نام شعیب ہے۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج: 10، ص: 308 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے:

شجرہ نسب اس طرح ہے۔

شعیب بن میکائیل بن یشجر بن مدین۔ (تفسیر نعیمی: ج: 12، ص: 249 مطبوعہ لاہور)

حضرت شعیب علیہ السلام کن کے بیٹے ہیں

حافظ علی بن حسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ

حضرت شعیب علیہ السلام ''بویب بن مدین بن ابراہیم'' کے بیٹے ہیں۔

اور ایک قول یہ ہے کہ

یہ شعیب بن صیحون بن عنقا بن ثابت بن مدین بن ابراہیم کے بیٹے ہیں۔

اور ایک قول یہ ہے کہ

یہ سحر بن لادی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم کے بیٹے ہیں۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج: 10، ص: 307 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت شعیب علیہ السلام کن کی اولاد سے ہیں

حافظ ابوالفرج عبدالرحمان بن علی الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

ان کا نام یہ ہے۔

شعیب بن عینا بن ندیب بن مدین بن ابراہیم۔

اکثر مورخین نے اسی طرح لکھا ہے۔

اور بعض نے یہ کہا ہے کہ

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے نہیں ہیں بلکہ یہ ان بعض لوگوں میں سے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ (المنتظم: ج:1، ص:210 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے:

عجمہ اور علم کی وجہ سے آپ علیہ السلام کے نسب شریف میں بہت اختلاف ہے مگر حق یہ ہے کہ آپ علیہ السلام مدین ابن ابراہیم کی اولاد سے ہیں حضرت اسحاق علیہ السلام ویعقوب علیہ السلام کے سلسلہ سے نہیں لہٰذا آپ علیہ السلام بنی اسرائیل سے نہیں ہیں آپ علیہ السلام ''شعیب ابن یکیل ابن یشجر ابن مدین ابن ابراہیم علیہ السلام'' ہیں۔

(تفسیر نعیمی: ج:8، ص:578 مطبوعہ لاہور)

لفظ شعیب کی تحقیق

شعیب کی تحقیق یہ ہے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

شعیب کے متعلق گفتگو ہے یہ لفظ عربی ہے یا عجمی۔

بعض کے خیال میں یہ لفظ عربی ہے بنا ہے شعب سے۔

یہ اس کی تصغیر ہے شعب کہتے ہیں پہاڑی راستہ کو۔ (تفسیر نعیمی: ج:8، ص:578 مطبوعہ لاہور)

حضرت شعیب علیہ السلام کا لقب خطیب الانبیاء ہے

حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو بہترین جواب دیتے تھے جس کی وجہ سے آپ علیہ السلام کا لقب خطیب الانبیاء ہے۔

حافظ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو بہترین جواب دیتے تھے اس لیے آپ علیہ السلام کو خطیب الانبیاء کہا جاتا تھا۔

(المنتظم: ج:1، ص:210 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

حضرت شعیب علیہ السلام بڑے حلیم، صادق اور انتہائی باوقار تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی آپ علیہ السلام کا ذکر فرماتے تو ارشاد فرماتے:

آپ علیہ السلام تو خطیب الانبیاء تھے اس لیے کہ جب آپ علیہ السلام اپنی قوم کو دعوت حق دیتے تو قوم کی طرف رجوع انداز انتہائی حسین اور دلکش ہوتا اور جب وہ آپ علیہ السلام کی دعوت کا انکار کرتے ہوئے آپ علیہ السلام کو جھٹلا دیتے اور آپ علیہ السلام کو رجم اور شہر سے باہر نکال دینے کی دھمکی دیتے تو ایسی حالت میں بھی آپ علیہ السلام کا انداز انتہائی شستہ اور پروقار ہوتا۔ (تفسیر درمنثور: ج:3، ص:327 مطبوعہ کراچی)

مزید راقم ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت شعیب علیہ السلام خطیب الانبیاء تھے۔ (تفسیر درمنثور: ج:3، ص:337 مطبوعہ کراچی)

مزید راقم ہیں:

حضرت ابن اسحاق سے روایت ہے کہ

میرے سامنے یعقوب بن ابی سلمہ نے یہ ذکر کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر فرماتے تو ارشاد فرماتے:

وہ تو خطیب الانبیاء تھے کیونکہ آپ علیہ السلام کا انداز قوم کی طرف انہیں دعوت حق دینے کی صورت میں اور پھر ان جانب سے انکار کی صورت میں انتہائی حسین اور دلکش تھا۔ الخ۔ (تفسیر درمنثور: ج:3، ص:331 مطبوعہ کراچی)

مزید راقم ہیں۔

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت شعیب علیہ السلام کو خطیب الانبیاء بھی کہا جاتا ہے۔ (تفسیر درمنثور: ج:3، ص:1060 مطبوعہ کراچی)

حضرت شعیب علیہ السلام حضرت لوط علیہ السلام کے نواسے تھے

حضرت شعیب علیہ السلام ایک قول کے مطابق حضرت لوط علیہ السلام کے نواسے تھے۔

امام ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی ابن الاثیر الجزری متوفی 630ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ

حضرت شعیب علیہ السلام کا نام شعیب یثرون بن ضیعون بن عنقا بن نابت بن مدین بن ابراہیم ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ

ان کا نام شعیب بن میکیل ہے ...

ایک قول یہ ہے کہ

وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے نہیں ہیں وہ ان بعض لوگوں کی اولاد سے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کی تھی لیکن وہ حضرت لوط علیہ السلام کے نواسے ہیں۔ (الکامل فی التاریخ: ج:1، ص:88 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے:

مدین نے حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی جناب ریتا سے نکاح کیا جس سے یشجر پیدا ہوئے لہٰذا آپ علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے اور حضرت لوط علیہ السلام کے نواسے ہیں۔ (تفسیر نعیمی: ج:8، ص:578 مطبوعہ لاہور)

حافظ ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

ان کا نام شعیب بن عینا بن ندیب بن مدین بن ابراہیم ہے۔

اکثر مورخین نے اسی طرح لکھا ہے۔

اور بعض نے لکھا ہے کہ

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے نہیں ہیں بلکہ یہ ان بعض لوگوں میں سے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے لیکن یہ حضرت لوط علیہ السلام کے نواسے ہیں۔ (المنتظم: ج:1، ص:210 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت شعیب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے

حضرت شعیب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے ہیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

مدین نے حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی جناب ریتا سے نکاح کیا جس سے یشجر پیدا ہوئے لہٰذا آپ علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے اور حضرت لوط علیہ السلام کے نواسے ہیں۔ (تفسیر نعیمی: ج:8، ص:578 مطبوعہ لاہور)

حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی حضرت شعیب علیہ السلام کی نانی تھیں

حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی حضرت شعیب علیہ السلام کی نانی تھیں۔

امام ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی ابن الاثیر جزری متوفی 630ھ لکھتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی حضرت شعیب علیہ السلام کی نانی تھیں۔

(الکامل فی التاریخ: ج:1، ص:88 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

حضرت شعیب علیہ السلام کا قبیلہ

حضرت شعیب علیہ السلام اس قبیلہ سے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اس دن ایمان لائے تھے جس دن آپ علیہ

السلام کو آگ میں ڈالا گیا اور آگ گلزار ہوگئی تھی اور انہوں نے شام کی طرف ہجرت کی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت لوط علیہ السلام کی صاحبزادیوں سے ان دونوں کا نکاح کر دیا تھا۔

حافظ علی بن حسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ

حضرت شعیب علیہ السلام اور بلعم اس قبیلہ سے تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اس دن ایمان لایا تھا جس دن ان کو آگ میں ڈالا گیا تھا اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کی اور حضرت لوط علیہ السلام کی صاحبزادیوں سے ان دونوں کا نکاح کر دیا۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:10،ص:308 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت شعیب علیہ السلام کس نسل سے ہیں

حضرت شعیب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کی نسل سے ہیں۔

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

مدین اس قوم کا نام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کی نسل سے ہے حضرت شعیب علیہ السلام بھی اس نسل سے تھے۔ (البدایہ والنہایہ: ج:1،ص:190 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت شعیب علیہ السلام علم الانساب کے ماہر جید عالم

حضرت شعیب علیہ السلام علم الانساب کے ماہر جید عالم تھے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: شرقی بن القطامی سے روایت ہے کہ

اور یہ (حضرت شعیب علیہ السلام) علم الانساب کے ماہر جید عالم تھے۔

انہوں نے کہا: عبرانی زبان میں آپ علیہ السلام کا اسم گرامی شیروب ہے۔

اور عربی زبان میں شعیب ابن عیفا بن یوبب بن ابراہیم علیہ السلام ہے۔ (تفسیر در منثور: ج:3،ص:326 مطبوعہ کراچی)

حضرت شعیب علیہ السلام بڑے حلیم تھے

حضرت شعیب علیہ السلام حلیم تھے۔

امام ابو جعفر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت شعیب علیہ السلام بڑے حلیم، صادق اور انتہائی باوقار تھے۔

(جامع البیان: ج:8،ص:280 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت شعیب علیہ السلام صادق تھے

حضرت شعیب علیہ السلام صادق تھے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
حضرت شعیب علیہ السلام بڑے حلیم، صادق اور انتہائی باوقار تھے۔

(جامع البیان: ج:8، ص:280 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت شعیب علیہ السلام انتہائی باوقار تھے

حضرت شعیب علیہ السلام انتہائی باوقار تھے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت شعیب علیہ السلام بڑے حلیم، صادق اور انتہائی باوقار تھے۔

(جامع البیان: ج:8، ص:280 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت شعیب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل کردہ کتاب کی تلاوت فرماتے تھے

حضرت شعیب علیہ السلام اس کتاب کی تلاوت فرماتے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل فرمائی گئی تھی۔

حافظ علی بن حسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت شعیب علیہ السلام اس کتاب کی تلاوت فرماتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی۔

(تاریخ مدینہ دمشق: ج:23، ص:78 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت شعیب علیہ السلام تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ نمازیں ادا فرماتے تھے

حضرت شعیب علیہ السلام تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ نمازیں ادا فرماتے تھے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت احنف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت شعیب علیہ السلام تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ نمازیں ادا فرماتے تھے۔

(تفسیر درمنثور: ج:3، ص:1055 مطبوعہ کراچی)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ نماز و روزے حضرت داؤد علیہ السلام کے تھے

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نماز و روزے حضرت داؤد علیہ السلام کے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ نماز حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ روزے حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نصف شب تک سوتے تھے پھر تہائی رات کو اٹھ کر نماز میں قیام کرتے تھے پھر رات کے چھٹے حصہ تک آرام کرتے تھے اور ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 1131)

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کا عالم

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ تعالیٰ کی رات کو جاگ جاگ کر بہت کثرت کے ساتھ عبادت فرماتے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن مجید کی آیات کریمہ نازل فرمادیں۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ۝ (مزمل: 1 تا 3)

اے چادر لپیٹنے والے! رات کو نماز میں قیام کریں مگر تھوڑا آدھی رات یا اس سے کچھ کم کردیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کی محبت میں رونا

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ ابن عساکر متوفی [571ھ] روایت کرتے ہیں۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی محبت میں اس قدر روئے کہ نابینا ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی لوٹا دی اور ان کی طرف یہ وحی فرمائی: اے شعیب (علیہ السلام)!

تم کس وجہ سے روتے ہو؟ آیا جنت کے اشتیاق میں روتے ہو یا دوزخ کے خوف سے!

حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا: اے میرے معبود اور میرے مالک! تو خوب جانتا ہے کہ میں جنت کے شوق میں روتا ہوں نہ دوزخ کے خوف سے! لیکن میں نے اپنے دل میں تیری محبت کو باندھ لیا ہے پس جب میں تیری طرف دیکھتا ہوں تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ تو کیا کر رہا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے شعیب (علیہ السلام)! اگر یہ برحق ہے تو اے شعیب علیہ السلام! تم کو میری ملاقات مبارک ہو اسی لیے میں نے اپنے کلیم موسیٰ بن عمران کو تمہارا خادم بنایا ہے۔ (تاریخ دمشق الکبیر: رقم الحدیث: 5262)

حضرت شعیب علیہ السلام کے اصحاب کا عالم

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اگر حضرت لوط علیہ السلام کے لئے بھی حضرت شعیب علیہ السلام کے اصحاب کی مثل ہوتے تو وہ یقیناً ان کی معاونت سے اپنی قوم سے جہاد فرماتے۔ (سنن سعید بن منصور: ج:5، ص:360 مطبوعہ دار الصمیعی الریاض)

حضرت شعیب علیہ السلام بہت امیر تھے

حضرت شعیب علیہ السلام بہت امیر بزرگ تھے۔
تفسیر نعیمی میں ہے: روایت سے ثابت ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام بہت امیر آدمی تھے۔
(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:266 مطبوعہ لاہور)

چھ انبیاء کرام علیہم السلام بہت مالدار گزرے

چھ انبیاء کرام علیہم السلام بہت مالدار گزرے ہیں۔
تفسیر نعیمی میں ہے: چھ پیغمبران کرام بہت مالدار گزرے۔
1-حضرت ابراہیم علیہ السلام 2-حضرت شعیب علیہ السلام 3-حضرت داؤد علیہ السلام
4-حضرت ایوب علیہ السلام 5-حضرت سلیمان علیہ السلام
6-حضرت ذی القرنین علیہ السلام ان کی نبوت میں اختلاف ہے۔ (تفسیر نعیمی: ج:12،ص:266 مطبوعہ لاہور)

حضرت شعیب علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر ہیں

حضرت شعیب علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر ہیں۔
تفسیر نعیمی میں ہے: حضرت شعیب علیہ السلام جناب موسیٰ علیہ السلام کے خسر ہیں کہ آپ علیہ السلام کی بیٹی صفورا حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے نکاح میں آئیں۔ (تفسیر نعیمی: ج:8،ص:578 مطبوعہ لاہور)

حضرت شعیب علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر کیسے بنے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعونیوں سے جب تشریف لے گئے تو مدین کے ایک کنویں پر تشریف لے گئے وہاں لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دو شہزادیاں کنویں کے دور کھڑی اپنی بکریوں کو پانی پلانے سے روک رہی تھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم اپنی بکریوں کو پانی کیوں نہیں پلا رہی انہوں نے کہا ہم ہجوم میں پانی نہیں پلا سکتیں اگر ہمارے والد صاحب ضعیف نہ ہوتے تو وہ خود آ کر پلا جاتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ سن کر بکریوں کو کنویں سے پانی پلا دیا پھر ان دونوں شہزادیوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس جا کر سارا ماجرا سنایا اور حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا ان کو میرے پاس بلا کر لے آئیں چنانچہ دونوں شہزادیاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معاوضہ دینے کے لئے بلا لائیں چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جا کر حضرت شعیب علیہ السلام کو سارا ماجرا سنایا تو دونوں شہزادیوں نے عرض کیا اے ابا جان ان کو اجرت پر رکھ لیں کیونکہ یہ طاقت ور ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے پوچھا تمہیں کس طرح معلوم ہے کہ یہ طاقتور ہیں تو انہوں نے کہا جس کنویں سے انہوں نے پانی پلایا اس پر ایک پتھر اس قدر بھاری رکھا ہوا تھا کہ اس کو دس آدمی اٹھاتے تھے مگر انہوں نے اکیلے ہی اٹھا لیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں ان دونوں

صاحبزادیوں میں سے ایک کا آپ علیہ السلام کے ساتھ نکاح کردوں اس شرط پر کہ آٹھ سال تک اجرت پر میرا کام کریں گے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام راضی ہو گئے تو حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت صفورا رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کر دیا۔
اس واقعہ کی تفصیل یوں ہے: حافظ علی بن حسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں: حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعونیوں سے خوفزدہ ہو کر اچانک مدین کی طرف چل پڑے تھے پہلے سے ان کا کوئی منصوبہ نہ تھا ان کے پاس سواری تھی نہ راستہ میں کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔
علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ وہ راستہ میں درختوں کے پتے کھا کر سفر کر رہے تھے۔ فرعون نے ان کی تلاش میں اپنے کارندے دوڑا دیئے تھے۔
اس نے کہا: ان کو راستہ کی گھاٹیوں سے پکڑ کر لاؤ ان کو مدین کا راستہ معلوم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو گھوڑے سوار کی صورت میں بھیجا۔
اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: آپ علیہ السلام میرے ساتھ چلیں یوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی کہ عنقریب مجھے میرا رب سیدھا راستہ دکھادے گا۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک کنویں پر پہنچے وہاں پر بہت لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے اور کنویں کی نچلی جانب دو لڑکیاں کھڑی ہوئی تھیں جو اپنی بکریوں کو کنویں کی جانب سے روک رہی تھیں۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا: تم اس طرح الگ کیوں کھڑی ہو؟ اور کیوں اپنی بکریوں کو روک رہی ہو۔
انہوں نے بتایا کہ وہ لوگوں کے ہجوم میں اور اتنے رش میں اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلا سکتیں اور ہمارے والد محترم بہت بوڑھے اور ضعیف ہیں اگر وہ طاقت ور ہوتے تو خود آ کر جانور کو پانی پلا دیتے اس لیے جب تک کہ سب چرواہے اپنی اپنی بکریوں کو پانی پلا کر نہ چلے جائیں وہ پانی نہیں پلا سکتیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی بکریوں کو کنویں سے پانی نکال کر پلایا پھر آ کر ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے۔ (تاریخ دمشق الکبیر: ج: 64، ص 25 تا 26 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)
علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں: ان دو لڑکیوں میں سے ایک کا نام لیا اور دوسری کا نام صفورا تھا۔
اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ
ان کے والد حضرت شعیب علیہ السلام تھے علامہ قرطبی کی رائے بھی یہی ہے۔
امام رازی نے لکھا ہے کہ
ان کے والد حضرت شعیب علیہ السلام کے بھتیجے یثرون تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نابینا ہونے کے بعد فوت ہو گئے تھے۔
یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور ابو عبیدہ کی بھی یہی رائے ہے۔

لیکن زیادہ تر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ
ان کے والد حضرت شعیب علیہ السلام ہی تھے۔
علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ ظاہر قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔
(الجامع الاحکام القرآن: جز:13، ص:249 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لڑکیوں کے ساتھ جو ایثار اور احسان کیا تھا انہوں نے گھر جا کر اس کا ذکر اپنے بوڑھے باپ سے کیا جس سے انہوں نے بھی اس احسان کا بدلہ احسان کے ساتھ دینا چاہا اور ان کو اپنے گھر بلایا۔

(پھر ان دونوں میں سے ایک شرماتی ہوئی آئی اور کہا بے شک میرے والد آپ کو بلاتے ہیں تا کہ جو آپ نے ہمارے مویشیوں کو پانی پلایا ہے اس کی جزا دیں۔ القصص:26)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ
جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے گھر پہنچے تو انہوں نے ان کو کھانا پیش کیا۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں کھانا نہیں کھاؤں گا میں نے یہ کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کیا ہے اور اگر تمام روئے زمین کو سونا بنا دیا جائے تو میں اس کے عوض بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کیے ہوئے کام کو فروخت نہیں کروں گا۔
حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: یہ آپ علیہ السلام کے پانی پلانے کا معاوضہ نہیں ہے لیکن مسافروں کو کھانا کھلانا اور مہمان نوازی کرنا ہمارے آباؤ اجداد کا طریقہ ہے۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کھانا کھالیا۔
ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک نے کہا: اے ابا جان آپ علیہ السلام ان کو اجرت پر رکھ لیجئے بے شک آپ علیہ السلام جس کو اجرت پر رکھیں ان میں بہترین وہی ہے جو طاقت ور اور ایماندار ہو۔
حضرت شعیب علیہ السلام نے پوچھا: تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ طاقت ور اور ایماندار ہیں؟
اس پر انہوں نے کہا: جس کنویں سے انہوں نے پانی پلایا تھا اس پر اتنا بھاری پتھر رکھا ہوتا ہے کہ دس آدمی مل کر اس پتھر کو اٹھاتے ہیں لیکن انہوں نے اکیلے ہی اس پتھر کو اٹھا لیا تھا یہ ان کے طاقت ور ہونے کی دلیل ہے اور ان کے ایمان دار اور متقی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ راستہ بتانے کے لئے میں ان کے آگے آگے چل رہی تھی ہوا سے بار بار میری چادر اڑ جاتی تھی۔
تو انہوں نے کہا: تم پیچھے پیچھے چلو میں آگے آگے چلتا ہوں تا کہ میری نظر تمہارے جسم کے کسی حصہ پر نہ پڑے اور راستہ کی نشاندہی کے لئے پیچھے سے کوئی پتھر یا کنکری مار دیا کرو۔ (تاریخ دمشق الکبیر: ج:4، ص:28 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

پھر بات قرآن مجید کی طرف لوٹتی ہے۔
ارشاد فرمایا گیا: انہوں نے کہا میرا ارادہ ہے میں اپنی دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح آپ کے ساتھ کر دوں اس شرط پر کہ آپ آٹھ سال تک اجرت پر میرا کام کریں گے اور اگر دس سال پورے کر دیئے تو یہ آپ کی طرف سے (احسان) ہوگا اور میں آپ کو مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا آپ انشاء اللہ! مجھے نیک لوگوں میں پائیں گے۔ موسیٰ نے

کہا یہ بات میرے اور آپ کے درمیان ہے میں نے ان دونوں میں سے جس مدت کو بھی پورا کر دیا تو مجھ سے کوئی زیادتی نہیں ہوگی اور ہمارے اس معاہدہ پر اللہ تعالیٰ نگہبان ہے۔ (القصص: 27 تا 28)

علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں: ایک قول یہ ہے کہ

کسی معین لڑکی (صفورا) کے ساتھ ایک معین مہر کے عوض یہ نکاح کر دیا گیا اور وہ مہر اس مذکورہ آٹھ سال اجرت پر کام کرنے کے علاوہ تھا اور اس اجرت کا ذکر باہمی معاہدہ کے طور پر کیا گیا ہے نہ کہ اس نکاح کو منعقد کرنے کے طریقہ پر گویا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے یوں فرمایا کہ

میرا ارادہ ہے کہ میں اپنی دو بیٹیوں میں سے ایک کا مہر معین کے عوض تمہارے ساتھ نکاح کر دوں جبکہ تم اجرت مقررہ کے عوض آٹھ سال میرے پاس کام کرو اب بتاؤ تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام راضی ہو گئے اور پھر حضرت شعیب علیہ السلام نے ایک معین لڑکی (صفورا) کے ساتھ نکاح کر دیا۔ (روح المعانی: ج: 20، ص: 103 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابوالسعود محمد بن محمد مصطفیٰ العمادی الحنفی متوفی 982ھ لکھتے ہیں: روایت ہے کہ

جب یہ عقد منعقد ہو گیا تو حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ

آپ علیہ السلام گھر میں جائیں وہاں پر لاٹھیاں رکھی ہیں آپ علیہ السلام ان سے کوئی لاٹھی لے لیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس انبیاء کرام علیہم السلام کی لاٹھیاں تھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ لاٹھی اٹھا لی جو حضرت آدم علیہ السلام کی لاٹھی تھی جس کو وہ جنت سے لائے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نابینا ہو چکے تھے انہوں نے اس لاٹھی کو چھو کر دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی لاٹھی ہے۔

انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: آپ علیہ السلام کوئی اور لاٹھی لے لیں لیکن ہر بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں یہی لاٹھی آئی تو حضرت شعیب علیہ السلام نے جان لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوئی عام شخص نہیں ہیں۔

(تفسیر ابوالسعود: ج: 5، ص: 121 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد ابن شیبہ متوفی 235ھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدین کے چشمہ پر پہنچے تو وہاں لوگوں کی ایک جماعت کو پایا جو جانوروں کو پانی پلا رہے تھے جب وہ پانی پلانے سے فارغ ہوئے تو کنویں پر پتھر رکھ دیا اسے دس آدمی ہی اٹھا سکتے تھے جبکہ وہ صرف دو عورتیں تھیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا: تمہارا کیا مسئلہ ہے؟

دونوں نے (مسئلہ) بتایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پتھر کے پاس پہنچے اور اکیلے ہی اس کو اٹھا دیا پھر جانوروں کو پانی پلایا۔ آپ علیہ السلام نے صرف ایک ڈول نکالا تھا کہ تمام ریوڑ کو پانی پلایا۔ دونوں عورتیں اپنے والد محترم کے پاس آئیں ان سے گفتگو کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سایہ کی طرف چل دیئے اور یوں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کی۔

رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر

ایک بچی حیا کا پیکر بن کر آئی اپنا کپڑا چہرے پر ڈالی ہوئی تھی وہ ان جری خواتین کی طرح نہ تھی جو مردوں کے پاس بے باک چلی جاتی ہیں۔

عورت نے کہا: میرے والد محترم آپ کو بلا رہے ہیں تا کہ جو تو نے ریوڑ کو پانی پلایا ہے اس کا تمہیں اجر دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔

اور ارشاد فرمایا: میرے پیچھے پیچھے چلو اور راستہ بتاتی جاؤ کیونکہ میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ ہوا تیرے کپڑے کو لگے اور تیرے جسم کی حالت کو بیان کر دے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے والد کے پاس پہنچے تو سب واقعہ سنایا۔

تو ان میں سے ایک نے کہا: اے والد محترم! ان کو اجرت پر رکھ لیجئے کیونکہ جس کو آپ علیہ السلام اجرت پر رکھ رہے ہیں وہ طاقتور اور امین ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے پوچھا: اے بیٹی اس کی امانت کے بارے میں تجھے کس نے بتایا؟

بچی نے کہا: اس کی قوت تو یہ ہے کہ اس نے پتھر اٹھا لیا جسے دس آدمی مل کر اٹھاتے ہیں جہاں تک اس کی امانت کا تعلق ہے۔

تو اس نے کہا: میرے پیچھے چلو اور مجھے راستہ بتاتی جاؤ کیونکہ میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ تیرے کپڑوں کو ہوا لگے اور تیرے جسم کی ساخت کو بیان کر دے۔

اس چیز نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے حضرت شعیب علیہ السلام کی رغبت میں اضافہ کر دیا۔

اور ارشاد فرمایا: میں ارادہ کرتا ہوں کہ ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تجھ سے کر دوں انشاء اللہ تو مجھے صالح لوگوں میں سے پائے گا یعنی جو میں نے بات کہی ہے اچھی سنگت والا اور وعدہ پورا کرنے والا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں جو مدت بھی پوری کروں تو اس کے بعد مجھ پر کوئی زیادتی نہ کی جائے گی۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: ٹھیک ہے۔

کہا: ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نگہبان ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی کی شادی آپ علیہ السلام سے کر دی اور اپنے پاس ٹھہرا لیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی خدمت کے لئے کافی ہو گئے بکریاں چرانے کی ان کی خدمت کرتے اور دوسرا کوئی کام ہوتا تو وہ بجا لاتے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت صفورا رضی اللہ عنہا سے آپ علیہ السلام کی شادی کر دی ان کی بہن کا نام شرفا تھا یہی پہلے دونوں ریوڑ چراتی تھیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ج: 6، ص: 334 مطبوعہ مکتبۃ الزمان مدینہ منورہ)

عقبہ بن منذر سلمی سے روایت ہے کہ

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ طٰہٰ پڑھی حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ تک پہنچے۔

اور ارشاد فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آٹھ سال یا دس سال اپنی پاکدامنی اور کھانے پر مزدوری کی جب مدت پوری کردی۔

عرض کیا گیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! انہوں نے کون سی مدت پوری کی تھی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جوان میں سے زیادہ قسم کی پوری کرنے والے اور کامل تھی۔ جب حضرت شعیب علیہ السلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے علیحدہ ہونے کا ارادہ کیا۔

تو اپنی بیوی سے کہا کہ

وہ اپنے والد محترم سے سوال کرے کہ وہ اپنے ریوڑ میں سے کچھ اس کو دے دے جن کے ساتھ وہ زندگی گزار سکیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی صاحبزادی کو وہ بکریاں عطا فرمادیں جنہوں نے اسی سال بدلے رنگوں والے بچے جنے تھے آپ علیہ السلام کا ریوڑ سیاہ رنگ کا حسین تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے عصا کی طرف گئے اس کی ایک طرف کو بلند فرمایا پھر اس کو حوض کی پست جگہ پر رکھ دیا پھر ریوڑ کو لے آئے اور انہیں پانی پلایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حوض کے سامنے کھڑے ہو گئے اس سے کوئی بکری واپس نہ جاتی مگر اس کے پہلو میں ایک ایک بکری کھڑی کرتے انہوں نے نشوونما پائی اور تین گنا ہو گئیں ان سب نے بدلے رنگوں والے بچے جنے یعنی اپنی ماں کے رنگ پر نہ تھے مگر ایک بکری یا دو بکریوں نے۔ ان میں سے کوئی بکری ایسی نہ تھی جس کا دودھ دوہے بغیر ہی بہت رہتا ہو۔ ان میں سے کوئی بکری ایسی نہ تھی جس کے تھن کا سوراخ تنگ ہو اور نہ ہی کوئی ایسی بکری تھی جس کا دودھ کم ہو اور نہ ہی کوئی ایسی بکری تھی جس کا تھن زائد ہو اور نہ ہی کوئی ایسی بکری تھی جس کے تھن چھوٹے ہوں جسے ہتھیلی گرفت میں نہ لے سکے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تم شام کے ملک میں جاؤ تو ان بکریوں میں سے باقی ماندہ بکریاں دیکھو گے یہی سامریہ ہیں۔

حضرت ابن الہیعہ نے کہا: خشوش سے مراد وہ بکری ہے جس کے تھن کا سوراخ کھلا ہو اس کا دودھ خود بہتا رہتا ہو۔

ضبوب سے مراد وہ بکری ہے جس کی کھیری لمبی ہو اور سوراخ تنگ ہو۔

غزور سے مراد وہ بکری ہے جس کی کھیری چھوٹی ہو۔

اور ثقول یا ثعول سے مراد جس کی کھیری پستان کی دو بھٹنیوں کی طرح اور کیشمہ سے مراد وہ بکری ہے جس کی کھیری اتنی چھوٹی ہو کہ ہاتھ اسے نہ پہنچ سکے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھی کو اس مدت کی طرف متوجہ کیا جو ان دونوں کے درمیان طے ہوئی تھی۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی نے کہا: ہر بکری جو اپنے رنگ پر بچہ جنے گی تو تیرے لیے اس رنگ کی بکریاں ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قصد کیا اور پانی پر ایک ڈھانچہ سا لگا دیا جب بکریوں نے وہ ڈھانچہ دیکھا تو یکبارگی پھر تو سب نے چتکبرے بچے جنے سوائے ایک بکری کے وہ سال ان سب کے رنگ لے گیا۔

(جامع البیان: ج:20،ص:82 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت شعیب علیہ السلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا ملا

حضرت شعیب علیہ السلام سے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا ملا۔

علامہ ابوالسعود محمد بن محمد مصطفیٰ العمادی حنفی متوفی 982ھ لکھتے ہیں: روایت ہے کہ

جب یہ عقد منعقد ہو گیا تو حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔

آپ گھر میں جائیں وہاں پر جو لاٹھیاں رکھی ہیں آپ علیہ السلام ان میں سے کوئی لاٹھی لے لیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس انبیاء کرام علیہم السلام کی لاٹھیاں تھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ لاٹھی اٹھالی جو حضرت آدم علیہ السلام کی لاٹھی تھی جس کو وہ جنت سے لائے تھے حضرت شعیب علیہ السلام نابینا ہو چکے تھے انہوں نے اس لاٹھی کو چھو کر دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی لاٹھی ہے۔

انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: آپ کوئی اور لاٹھی لے لیں۔

لیکن ہر بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں یہی لاٹھی آئی تو حضرت شعیب علیہ السلام نے جان لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوئی عام شخص نہیں ہیں۔ (تفسیر ابوالسعود: ج:5،ص:121 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے: آپ (حضرت شعیب علیہ السلام) ہی کے ہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا ملا جو حضرت آدم علیہ السلام سے چلا آرہا تھا۔ (تفسیر نعیمی: ج:8،ص:578 مطبوعہ لاہور)

حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں چرانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں بھی چرائیں۔

تفسیر نعیمی میں ہے: آپ (حضرت شعیب علیہ السلام) ہی کی بکریاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چرائیں۔

اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

(تفسیر نعیمی: ج:8،ص:578 مطبوعہ لاہور)

اللہ تعالیٰ کا حضرت شعیب علیہ السلام کو اپنی ملاقات کی بشارت عطا فرمانا

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی محبت میں اس قدر روئے کہ نابینا ہو گئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی لوٹا دی اور ان کی طرف یہ وحی فرمائی! اے شعیب (علیہ السلام)!

تم کس وجہ سے روتے ہو؟ آیا جنت کے اشتیاق میں روتے ہو یا دوزخ کے خوف سے؟

حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا: اے میرے معبود! اے میرے مالک! تو خوب جانتا ہے کہ میں نہ جنت کے شوق میں روتا ہوں نہ دوزخ کے خوف سے! لیکن میں نے اپنے دل میں تیری محبت کو باندھ لیا ہے پس جب میں تیری طرف دیکھتا ہوں تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ تو کیا کہہ رہا ہے!

پس اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ!

اے شعیب (علیہ السلام)! اگر یہ برحق ہے تو اے شعیب (علیہ السلام)! تم کو میری ملاقات مبارک ہو۔ اسی لیے میں نے اپنے کلیم موسیٰ بن عمران کو تمہارا خادم بنایا ہے۔ (تاریخ دمشق الکبیر: رقم الحدیث: 5262)

حضرت شعیب علیہ السلام کا معجزہ

حضرت شعیب علیہ السلام کا معجزہ یہ تھا کہ جس پہاڑ پر چڑھنا چاہتے تو وہ جھک جاتا اور آپ علیہ السلام آسانی کے ساتھ چڑھ جاتے۔

تفسیر نعیمی میں ہے: بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ

آپ علیہ السلام کا معجزہ یہ تھا کہ جب آپ علیہ السلام اونچے پہاڑ پر چڑھنا چاہتے تھے تو وہ پہاڑ خود جھک جاتا اور آپ علیہ السلام بہ آسانی اس پر چڑھ جاتے۔ (تفسیر نعیمی: ج:8، ص:579 مطبوعہ لاہور)

حضرت شعیب علیہ السلام عرب سے نبی

حضرت شعیب علیہ السلام عرب سے نبی تھے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! انبیاء کرام علیہم السلام کتنے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار۔

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پہلا نبی کون ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا وہ نبی مرسل ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ان میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی

پھر ان کو اپنے سامنے بنایا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابوذر (رضی اللہ عنہ)! چار نبی سریانی ہیں۔

1-حضرت آدم علیہ السلام 2-حضرت شیث علیہ السلام

3-اور خنوخ علیہ السلام یہ ادریس علیہ السلام ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قلم سے خط کھینچا۔

4-اور حضرت نوح علیہ السلام

اور چار نبی عرب کے ہیں:

1-حضرت ھود علیہ السلام 2-حضرت صالح علیہ السلام 3-حضرت شعیب علیہ السلام

4-اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اے ابوذر (رضی اللہ عنہ)!

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے کتابیں کتنی نازل فرمائیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سو صحیفے اور چار کتابیں۔

حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس صحیفے نازل کیے گئے۔

حضرت خنوخ علیہ السلام پر تیس صحیفے نازل کیے گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے نازل کیے گئے۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات سے قبل دس صحیفے نازل کیے گئے۔

اور تورات، انجیل، زبور اور فرقان کو نازل کیا گیا۔ (حلیۃ الاولیاء: ج: 1 ص: 167 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

اور صحیح ابن حبان میں یہ حدیث بھی درج ہے کہ

اے ابوذر رضی اللہ عنہ! چار نبی عرب سے ہیں۔

1-حضرت ھود علیہ السلام

2-حضرت صالح علیہ السلام

3-حضرت شعیب علیہ السلام

4-اور تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) (صحیح ابن حبان: رقم الحدیث: 361)

اللہ تعالیٰ کا حضرت شعیب علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خدمت کی بشارت دینا

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی محبت میں اس قدر روئے کہ نابینا ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی لوٹا دی اور ان کی طرف وحی فرمائی کہ

اے شعیب (علیہ السلام)! تم کس وجہ سے روتے ہو؟ آیا جنت کے اشتیاق میں روتے ہو یا دوزخ کے خوف سے؟

حضرت شعیب علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے معبود اور اے میرے مالک! تو خوب جانتا ہے کہ میں نہ جنت کے شوق میں روتا ہوں نہ دوزخ کے خوف سے! لیکن میں نے اپنے دل میں تیری محبت کو باندھ لیا ہے پس جب میں تیری طرف دیکھتا ہوں تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ تو کیا کہہ رہا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ

اے شعیب (علیہ السلام)! اگر یہ برحق ہے تو اے شعیب (علیہ السلام) تم کو میری ملاقات مبارک ہو اسی لیے میں نے اپنے کلیم موسیٰ بن عمران کو تمہارا خادم بنایا ہے۔ (تاریخ دمشق الکبیر: رقم الحدیث: 5262)

حضرت شعیب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد رسول اور نبی تھے

حضرت شعیب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد رسول اور نبی تھے۔

امام جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت شعیب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد رسول اور نبی تھے۔

(جامع البیان: ج:8، ص:280 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت شعیب علیہ السلام کی اہل مدین کی طرف بعثت

حضرت شعیب علیہ السلام کو اہل مدین کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًاؕ (الاعراف:85)

اور اہل مدین کی طرف ہم نے ان کے ہم قبیلہ بھائی شعیب کو بھیجا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًاؕ (ھود:84)

اور (ہم نے) مدین والوں کی طرف ان کے ہم قبیلہ شعیب کو بھیجا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًاۙ (العنکبوت:36)

اور (ہم نے) مدین کی طرف ان کے ہم قبیلہ شعیب کو بھیجا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کو مدین اور اصحاب الایکہ والوں کی طرف مبعوث فرمایا

حضرت شعیب علیہ السلام کو مدین اور اصحاب الایکہ والوں کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔

حافظ علی بن حسین بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا: مدین اور اصحاب الایکہ دو امتیں ہیں جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:10، ص:309 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ روایت کرتے ہیں: حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کو اصحاب الایکہ اور اہل مدین کی طرف مبعوث فرمایا گیا تھا۔ (جامع البیان: رقم الحدیث: 16072)

دونوں بستیاں عام گزرگاہ پر آباد تھیں

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم اور مدین دونوں عام گزرگاہ پر آباد تھیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ○ (الحجر: 79)

اور قوم لوط اور مدین بڑی شاہراہ پر آباد تھیں۔

مدین کس قوم کا نام ہے

مدین اس قوم کا نام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کی نسل سے ہے۔

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں: مدین اس قوم کا نام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کی نسل سے ہے۔ (البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:190 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مدین کا علاقہ سرسبز تھا

قوم مدین جس علاقہ میں آباد تھی وہ سبز جھاڑیوں پر مشتمل تھا۔

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

قوم مدین جس علاقہ میں آباد تھی وہ سرسبز جھاڑیوں پر مشتمل تھا۔ (البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:190 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اہل مدین کی رہائش گاہ

اہل مدین، مدین نام کے اس شہر میں رہتے تھے جو حجاز کی اس جانب آباد تھا جہاں اس کی سرحد شام سے جا ملتی ہے اس کے قریب بحیرہ قوم لوط تھا۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں: اہل مدین، مدین نام کے اس شہر میں رہتے تھے جو حجاز کے اس جانب آباد تھا جہاں اس کی سرحد شام سے جا ملتی ہے اس کے قریب بحیرہ قوم لوط تھا۔

(یہ شہر خلیج عقبہ کے شرقی اور غربی ساحلوں پر آباد تھا اور یہ سارا علاقہ مدین کہلاتا تھا اور اس علاقے کے مرکزی شہر کا نام بھی مدین تھا اس شہر میں جو قبیلہ تھا اس کا نام بھی مدین تھا) (البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:266 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بعض متاخرین نے لکھا ہے: مدین کا اصل علاقہ حجاز کے شمال مغرب اور فلسطین کے جنوب میں بحر احمر اور خلیج عقبہ کے

کنارے پر واقع تھا مگر جزیرہ نمائے سینا کے مشرقی ساحل پر بھی اس کا کچھ سلسلہ پھیلا ہوا تھا یہ ایک بڑی تجارت پیشہ قوم تھی۔ قدیم زمانہ میں جو تجارتی شاہراہ بحر احمر کے کنارے یمن سے مکہ مکرمہ اور ینبوع ہوتی ہوئی شام تک جاتی تھی اور ایک دوسری تجارتی شاہراہ جو عراق سے مصر کی طرف جاتی تھی اس کے عین چوراہے پر اس قوم کی بستیاں واقع تھیں اسی بناء پر عرب کا بچہ بچہ مدین سے واقع تھا اور اس کے مٹ جانے کے بعد بھی عرب میں اس کی شہرت برقرار رہی کیونکہ عربوں کے تجارتی قافلے مصر اور شام کی طرف جاتے ہوئے رات دن اس کے آثار قدیمہ کے درمیان سے گزرتے تھے۔

مدین پہلے آدمی کا نام تھا پھر قوم کا نام بن گیا پھر بستی کا نام ہو گیا

مدین ایک شخص کا نام تھا پھر یہ قوم کا نام بن گیا اس کے بعد یہ بستی کا نام ہو گیا۔

تفسیر نعیمی میں ہے: مدین اولاً ایک آدمی کا نام تھا پھر قوم کا پھر بستی کا نام ہوا۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:247 مطبوعہ لاہور)

مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پوتا یا بیٹا تھا

مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے کا نام یا بیٹے کا نام ہے۔

تفسیر نعیمی میں ہے: مدین ایک بزرگ آدمی کا نام تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پوتا تھا یا بیٹا پھر اس کی نسل کا نام اسی کے نام پر چلا اور قبیلہ مدین بن گیا۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:249 مطبوعہ لاہور)

قوم مدین نے اپنے علاقے کا نام مدین رکھا

قوم مدین نے اپنے علاقے کا نام مدین رکھا۔

تفسیر نعیمی میں ہے: مدین ایک بزرگ آدمی کا نام تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پوتا تھا یا بیٹا پھر اس کی نسل کا نام اسی کے نام پر چلا اور قبیلہ مدین بن گیا اسی قوم مدین نے اپنے علاقے کا نام بھی مدین رکھا۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:249 مطبوعہ لاہور)

مدین حجاز اور شام کے درمیان ہے

مدین کا علاقہ حجاز اور شام کے درمیان میں ہے۔

تفسیر نعیمی میں ہے: یہ علاقہ حجاز اور شام کے درمیان ہے۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:249 مطبوعہ لاہور)

مدین حضرت شعیب علیہ السلام کا تیسرا دادا ہے

مدین حضرت شعیب علیہ السلام کا تیسرا دادا ہے۔

تفسیر نعیمی میں ہے: مدین آپ علیہ السلام (حضرت شعیب علیہ السلام) کا تیسرا دادا ہے۔

شجرہ نسب اس طرح ہے۔

شعیب بن میکائیل بن یشجر بن مدین۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:249 مطبوعہ لاہور)

حضرت شعیب علیہ السلام مدین بستی کے نبی تھے

حضرت شعیب علیہ السلام مدین بستی کے نبی تھے۔

تفسیر نعیمی میں ہے: مدین کے متعلق بہت گفتگو ہے حق یہ ہے کہ

مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام ہے پھر ایک قبیلہ کا نام مدین ہوا جو مدین ابن ابراہیم کی اولاد تھا پھر ایک بستی کا نام ہوگیا جہاں یہ قبیلہ آباد تھا۔

بعض مفسرین نے کہا کہ

بستی کا نام ہے۔

بعض نے کہا: قبیلہ کا نام ہے۔

وہ سب ہی ٹھیک کہتے ہیں اس بستی اور اس قبیلہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔

(تفسیر نعیمی: ج:8،ص:578 مطبوعہ لاہور)

مدین شہر مصر سے آٹھ منزل پر یعنی افریقہ میں واقع تھا

مدین شہر مصر سے آٹھ منزل کے فاصلہ پر یعنی افریقہ میں واقع تھا۔

تفسیر نعیمی میں ہے: مدین شہر مصر سے آٹھ منزل کے فاصلہ پر یعنی افریقہ میں واقع تھا۔ (تفسیر نعیمی: ج:8،ص:578 مطبوعہ لاہور)

قوم مدین کی تعداد چار لاکھ تھی

قوم مدین کی تعداد چار لاکھ تھی۔

تفسیر نعیمی میں ہے: ایک غیر معروف روایت ہے کہ

قوم مدین کی تعداد بھی چار لاکھ تھی اور قوم لوط کی تعداد بھی اتنی ہی تھی۔ (تفسیر نعیمی: ج:12،ص:268 مطبوعہ لاہور)

اہل مدین کفار تھے

اہل مدین کفار تھے۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں: اہل مدین کفار تھے۔

(البدایہ والنہایہ: ج:1،ص:266 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اہل مدین راستے میں ڈاکہ ڈالتے تھے

اہل مدین مسافروں پر ڈاکہ ڈالتے تھے اور ان کو لوٹ لیتے تھے۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں: اہل مدین کفار تھے راستوں میں ڈاکے ڈالتے تھے۔

(البدایہ والنہایہ: ج:1،ص:266 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ڈاکہ کی تعریف و معنیٰ

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی متوفی 1205ھ لکھتے ہیں: حرب کا معنیٰ ہے جنگ، صلح کی ضد اور حرب کا معنیٰ ہے۔

کسی انسان کا سارا مال لوٹ لینا اور اس کو بالکل تہی دست چھوڑ دینا۔ (تاج العروس: ج:3، ص:396 مطبوعہ مطبعۃ الخیریہ مصر)

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں: باغیوں اور محاربین میں فرق یہ ہے کہ

باغی کسی تاویل سے حکومت کے خلاف جنگ کرتے ہیں اور ڈاکو بغیر کسی تاویل کے قتل اور غارت گری کرتے ہیں۔

فقہاء احناف نے ڈاکہ کی تعریف کو سرقہ کی تعریف کے ساتھ لاحق کر دیا ہے کیونکہ ڈاکہ بڑی چوری ہے مگر یہ مطلقاً چوری نہیں ہے کیونکہ خفیہ طریقہ سے کسی چیز کو لینا چوری کہلاتا ہے، چور محافظ، امام یا مالک سے چھپ کر کوئی چیز لیتا ہے اور ڈاکو اعلانیہ مار دھاڑ کر کے لوٹتا ہے اس لیے ڈاکہ کا ضرر چوری سے زیادہ ہے یہی وجہ ہے کہ ڈاکہ کی سزا بھی چوری سے زیادہ رکھی گئی ہے۔

ڈاکو ہر وہ مسلمان یا ذمی شخص ہے جس کی جان ڈاکہ ڈالنے سے پہلے محفوظ اور مامون ہو اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص نے قتل کیا اور مال لوٹا اس پر حد قائم کرنا واجب ہے اور ولی مقتول کے معاف کر دینے اور لوٹا ہوا مال واپس کر دینے سے اس کی حد ساقط نہیں ہوگی اور ڈاکہ ہر اس فعل کو کہتے ہیں جس میں اس طریقہ سے مال کو لوٹا جائے کہ عادتاً اس مال کو بچانا مشکل ہو۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ: ج:6، ص128 تا 129)

ڈاکہ کا رکن

ملک العلماء علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی متوفی 592ھ لکھتے ہیں: ڈاکہ کا رکن یہ ہے کہ

کوئی شخص غلبہ سے مسافروں کا مال لوٹنے کے لئے اس طرح نکلے کہ مسافروں کا اس راستہ پر سفر کرنا مشکل ہو جائے خواہ ڈاکہ ڈالنے والا ایک فرد ہو یا جماعت جبکہ ڈاکو کے پاس ڈاکہ ڈالنے کی قوت ہو خواہ اس کے پاس ہتھیار ہوں یا لاٹھی یا اینٹ پتھر ہوں کیونکہ ان میں سے ہر چیز کے ساتھ ڈاکہ ڈالا جا سکتا ہے خواہ سب حملہ کریں یا بعض حملہ کریں اور بعض معاون ہوں۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ ڈاکو اس فرد یا گروہ کو کہتے ہیں جس کے پاس ایسی قوت ہو جس کا مقابلہ کرنا مسافروں کے مشکل ہو اور وہ اپنی قوت سے مسافروں کا مال لوٹنے کا قصد کریں۔ (بدائع الصنائع: ج:7، ص:90 مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی)

ڈاکہ ڈالنے والے کی سزا

شمس الائمہ سرخسی حنفی متوفی 483ھ لکھتے ہیں: جب ڈاکو صرف راستہ میں ڈرائیں اور دھمکائیں نہ قتل کریں اور نہ لوٹیں تو ان کو تعزیر لگانے کے بعد اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا جب تک کہ وہ توبہ نہ کرلیں اور اللہ تعالیٰ کے قول "او من الارض" سے بھی یہی مراد ہے یعنی ان کو قید کر لیا جائے۔ اس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ علامہ سرخسی نے پہلے یہ بیان کیا ہے کہ جس شخص نے قتل کیا نہ مال لوٹا صرف ڈرایا اور دھمکایا اس نے معصیت کا ارادہ کیا اور قتل کرنا، ہاتھ پیر کاٹنا انتہائی سزا

ہیں اور جس شخص نے معصیت کا صرف ارادہ کیا ہو اس کو یہ سزائیں نہیں دی جائیں گی جس طرح چوری میں چوری کا صرف ارادہ کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا۔ اسی طرح یہاں بھی صرف ڈرانے کی وجہ سے اس کے ہاتھ پیر نہیں کاٹے جائیں گے۔

(مبسوط: ج:9،ص:195)

اور یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سے بہتر ہے۔ یعنی ان کو طلب کرنا تاکہ ان کو ہر جگہ سے بھگا دیا جائے کیونکہ قید کر کے سزا دینے کی شریعت میں نظیر ہے اور جس چیز کی شریعت میں نظیر ہو اس پر عمل کرنا اس کی بہ نسبت بہتر ہے جس کی شریعت میں نظیر نہ ہو۔ (المسبوط: ج:9،ص:199 مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی متوفی 587ھ لکھتے ہیں:

جس ڈاکو نے مال لوٹا اور قتل کیا اس کے متعلق امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام کو اختیار ہے اگر وہ چاہے تو اس کا ہاتھ اور پیر کاٹ دے پھر اس کو قتل کر دے یا سولی دے دے اور اگر چاہے تو اس کا ہاتھ اور پیر نہ کاٹے اور اس کو قتل کرے یا سولی دے دے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ وہ قطع اور قتل کو اس طرح جمع کرے کہ وہ اس کا ہاتھ اور پیر کاٹ دے پھر اس جگہ کو داغ نہ لگائے یونہی چھوڑ دے حتی کہ وہ مر جائے۔ (بدائع الصنائع: ج:7،ص:93 مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی)

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی متوفی 593ھ لکھتے ہیں: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا ہے کہ

ڈاکو کو قتل کیا جائے یا سولی دی جائے اور اس کا ہاتھ اور پیر نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ یہ ایک جرم ہے اس سے دو حدیں واجب نہیں ہوں گی نیز قتل سے کم سزا قتل میں داخل ہو جاتی ہے جیسا کہ حد سرقہ، حد رجم میں داخل ہو جاتی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ

ہاتھ اور پیر کاٹنا اور قتل کرنا ایک سزا ہے اور چونکہ ڈاکہ کا جرم زیادہ ہے اس لیے اس کی سزا بھی زیادہ ہے کیونکہ جو ڈاکو لوگوں کو قتل کرتا ہے اور ان کا مال لوٹتا ہے وہ امن میں خلل ڈالتا ہے یہی وجہ ہے کہ ڈاکہ میں ہاتھ اور پیر دونوں کاٹنا ایک حد ہے جبکہ چوری میں دونوں کو کاٹنا دو سزائیں ہیں۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جو حد رجم اور حد سرقہ کی مثال دی ہے وہاں دو حدوں کو ایک دوسرے میں داخل کیا گیا ہے اور یہاں ایک حد میں بحث ہو رہی ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ

سولی میں اختیار نہیں ہے اس کو ترک نہ کیا جائے کیونکہ اس کی قرآن مجید میں تصریح ہے اور مقصود یہ ہے کہ اس سزا کو شہرت دی جائے تاکہ دوسرے عبرت پکڑیں۔

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے جواب یہ ہے کہ

اصل شہرت قتل سے حاصل ہو جاتی ہے اور سولی پر چڑھانے میں مبالغہ ہے لہٰذا اس میں اختیار دیا جائے گا۔

(ہدایہ اولین: ص:536 مطبوعہ شرکت علمیہ)

اہل مدین گزرنے والوں کوخوف زدہ کرتے تھے

اہل مدین کی ایک بری خصلت یہ بھی تھی کہ گزرنے والوں کوخوف زدہ کرتے تھے۔

حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں: اہل مدین کفار تھے راستوں میں ڈاکے ڈالتے تھے اور گزرنے والوں کوخوفزدہ کرتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ: ج:1،ص:267 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اہل مدین ایکہ درخت کی عبادت کرتے تھے

اہل مدین کا سب سے بڑا شرک یہ تھا کہ وہ ایکہ درخت کی عبادت کرتے تھے۔

حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں: اہل مدین کفار تھے راستوں میں ڈاکے ڈالتے تھے اور گزرنے والوں کوخوفزدہ کرتے تھے اور الایکہ کی عبادت کرتے تھے اور ایکہ ایک درخت تھا اس کے گرد بہت گھنے جنگل تھے۔

(البدایہ والنہایہ: ج:1،ص:267 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اہل مدین لوگوں کے ساتھ بدمعاملہ کرتے تھے

اہل مدین کی بری خصلتوں میں سے ایک خصلت یہ بھی تھی کہ لوگوں کے ساتھ بدمعاملہ کرتے تھے۔

حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

اہل مدین کفار تھے راستوں میں ڈاکے ڈالتے تھے اور گزرنے والوں کوخوفزدہ کرتے تھے اور الایکہ کی عبادت کرتے تھے اور ایکہ ایک درخت تھا اس کے گرد بہت گھنے جنگل تھے اور وہ لوگوں کے ساتھ بہت بدمعاملہ تھے۔

(البدایہ والنہایہ: ج:1،ص:267 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اہل مدین ناپ اور تول میں کمی کرتے تھے

اہل مدین کی ایک بری خصلت یہ بھی تھی کہ وہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے۔

حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں: اہل مدین کفار تھے راستوں میں ڈاکے ڈالتے تھے اور گزرنے والوں کوخوفزدہ کرتے تھے اور الایکہ کی عبادت کرتے تھے اور ایکہ ایک درخت تھا اس کے گرد بہت گھنے جنگل تھے اور وہ لوگوں کے ساتھ بہت بدمعاملہ تھے ناپ اور تول میں کمی کرتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ: ج:1،ص:267 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اہل مدین کسی سے کچھ لینا ہوتا تو زیادہ لیتے اگر دینا ہوتا تو کم دیتے

اہل مدین کی بری خصلتوں میں سے یہ بھی بری خصلت تھی کہ اگر انہوں نے کسی سے کچھ لینا ہوتا تو زیادہ لیتے اور اگر کسی کو کچھ دینا ہوتا تو کم دیا کرتے تھے۔

حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں: اہل مدین کفار تھے راستوں میں ڈاکے ڈالتے تھے اور گزرنے والوں کوخوف زدہ کرتے تھے اور الایکہ کی عبادت کرتے تھے اور ایکہ ایک درخت تھا اس کے گرد بہت گھنے جنگل تھے

اور وہ لوگوں کے ساتھ بہت بد معاملہ تھے ناپ اور تول میں کمی کرتے تھے کسی سے کچھ لینا ہوتا تو زیادہ لیتے تھے اور دینا ہوتا تو کم دیتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:267 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اہل مدین کو اصحاب الایکہ کیوں کہا گیا

اہل مدین کو اصحاب الایکہ اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ ایکہ درخت کی پرستش کرتے تھے اور دوسرا قول یہ ہے کہ جس علاقہ میں رہتے تھے وہ علاقہ سر سبز جھاڑیوں والا تھا اس کو اصحاب الایکہ کہا گیا۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں: قوم مدین جس علاقہ میں آباد تھی وہ سر سبز جھاڑیوں پر مشتمل تھا اس لیے اس کو اصحاب الایکہ بھی کہا گیا ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ

اس علاقہ میں ایکہ نام کا ایک درخت تھا اور مدین اس درخت کی پرستش کرتے تھے اس لیے ان کو اصحاب الایکہ کہا گیا۔

(البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:190 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مدین اور اصحاب الایکہ ایک قوم ہے یا الگ الگ قوم ہے

مدین اور اصحاب الایکہ ایک قوم ہے یا الگ الگ قوم اس بارے میں علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ دونوں ایک ہی قوم کا نام ہے مگر بعض اقوال سے پتہ چلتا ہے یہ الگ الگ قومیں ہیں۔

حافظ علی بن حسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں: عکرمہ نے کہا ہے کہ

حضرت شعیب علیہ السلام کے سوا کسی نبی کو دو مرتبہ نہیں بھیجا گیا ان کو ایک مرتبہ مدین کی طرف بھیجا گیا پھر اس قوم کی نافرمانی کی بناء پر اس کو ایک زبردست گرج دار آواز سے ہلاک کر دیا گیا اور دوسری دفعہ ان کو اصحاب الایکہ کی طرف بھیجا گیا جن کو سائبان والے عذاب نے پکڑ لیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا: مدین اور اصحاب الایکہ دو امتیں ہیں جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جو اصحاب فرمایا ہے اس سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ مدین اور اصحاب الایکہ ان دونوں سے مراد ایک قوم ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:10، ص:309 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ کی تحقیق یہ ہے کہ

اصحاب الایکہ اور مدین دونوں سے مراد ایک ہی قوم ہے۔

فرماتے ہیں کہ مدین اس قوم کا نام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کی نسل سے ہے حضرت شعیب علیہ السلام بھی اسی نسل سے تھے اور قوم مدین جس علاقہ میں آباد تھی وہ سرسبز جھاڑیوں پر مشتمل تھا اس لیے اس کو اصحاب الایکہ بھی کہا گیا ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ

اس علاقہ میں ایکہ نام کا ایک درخت تھا اور مدین اس درخت کی پرستش کرتے تھے اس لیے ان کو اصحاب الایکہ کہا گیا ہے۔

بہر حال مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ

یہ الگ الگ قومیں ہیں یا یہ دونوں ایک قوم ہیں۔ (البدایہ والنہایہ: ج:1،ص:190 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت کے وقت عمر مبارک

حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت کے وقت عمر مبارک (20) بیس سال تھی۔

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں: علماء کرام نے فرمایا ہے کہ

جس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو مدین کی طرف مبعوث فرمایا تو ان کی عمر مبارک بیس سال تھی۔

(المنتظم: ج:1،ص:209 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت شعیب علیہ السلام کو دو قوموں کی طرف مبعوث کیے جانے کے اقوال

حضرت شعیب علیہ السلام کو دو قوموں کی طرف مبعوث کیے جانے میں علماء کرام کے چند اقوال ہیں۔

حافظ علی بن حسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں: حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ

حضرت شعیب علیہ السلام کے سوا کسی نبی کو دو مرتبہ نہیں بھیجا گیا۔

ان کو ایک مرتبہ مدین کی طرف بھیجا گیا پھر اس قوم کی نافرمانی پر اس کو ایک زبردست گرج دار آواز سے ہلاک کر دیا گیا اور دوسری دفعہ ان کو اصحاب الایکہ کی طرف بھیجا گیا جن کو سائبان والے عذاب نے پکڑ لیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا: مدین اور اصحاب الایکہ دو امتیں ہیں جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:10،ص:309 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حافظ ابوالفرج عبدالرحمان بن علی جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں: (حضرت شعیب علیہ السلام) ان کو دو امتوں کی طرف مبعوث کیا گیا۔

1- اہل مدین　　　2- اور اصحاب الایکہ

مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کا گھر تھا اور ایکہ کا علاقہ مدین کے پیچھے تھا۔ (المنتظم: ج:1، ص:210 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ

حضرت شعیب علیہ السلام کو دو قوموں کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔

جیسا کہ روایت میں ہے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اصحاب ایکہ سے مراد خیفہ ہیں جو ساحل سمندر سے مدین تک رہائش پذیر تھے وہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے اصحاب ایکہ نے شرک کرنے کے ساتھ اصحاب مدین والا کام شروع کر دیا۔

تو حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں فرمایا: میں تمہارے لیے رسول ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اور میری اطاعت کرو۔ الخ۔ (تفسیر در منثور: ج:5، ص:269 مطبوعہ کراچی)

اللہ تعالیٰ کا حضرت شعیب علیہ السلام کو اپنا رسول بنا کر مبعوث فرمانا

اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو اپنا رسول بنا کر مبعوث فرمایا۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں: اہل مدین کفار تھے راستوں میں ڈاکے ڈالتے تھے اور گزرنے والوں کو خوف زدہ کرتے تھے اور الا یکہ کی عبادت کرتے تھے اور ایکہ ایک درخت تھا اس کے گرد بہت گھنے جنگل تھے اور وہ لوگوں کے ساتھ بد معاملہ تھے ناپ اور تول میں کمی کرتے تھے کسی سے کچھ لینا ہوتا تو زیادہ لیتے تھے اور دینا ہوتا تو کم دیتے تھے سو اللہ تعالیٰ نے ان میں حضرت شعیب علیہ السلام کو اپنا رسول بنا کر مبعوث فرمایا۔

(البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:267 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت شعیب علیہ السلام کا قوم کو اللہ تعالیٰ کو معبود ماننے کا حکم فرمانا

حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کو حکم فرمایا کہ اے میری قوم تم صرف اللہ تعالیٰ کو معبود مانو اس کے علاوہ کسی کو معبود نہ مانو۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں: اہل مدین کفار تھے راستوں میں ڈاکے ڈالتے تھے اور گزرنے والوں کو خوف زدہ کرتے تھے اور الا یکہ کی عبادت کرتے تھے اور ایکہ ایک درخت تھا اس کے گرد بہت گھنے جنگل تھے اور وہ لوگوں کے ساتھ بد معاملہ تھے ناپ اور تول میں کمی کرتے تھے کسی سے کچھ لینا ہوتا تو زیادہ لیتے تھے اور دینا ہوتا تو کم دیتے تھے سو اللہ تعالیٰ نے ان میں حضرت شعیب علیہ السلام کو اپنا رسول بنا کر مبعوث فرمایا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو حکم دیا کہ تم صرف ایک اللہ تعالیٰ کو معبود مانو۔

(البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:267 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت شعیب علیہ السلام کا قوم کو شرک سے منع فرمانا

حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کو حکم ارشاد فرمایا کہ تم صرف اللہ تعالیٰ کو معبود مانو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں: اہل مدین کفار تھے راستوں میں ڈاکے ڈالتے تھے اور گزرنے والوں کو خوف زدہ کرتے تھے اور الایکہ کی عبادت کرتے تھے اور ایکہ ایک درخت تھا اس کے گرد بہت گھنے جنگل تھے اور وہ لوگوں کے ساتھ بدمعاملہ تھے ناپ اور تول میں کمی کرتے تھے کسی سے کچھ لینا ہوتا تو زیادہ لیتے تھے اور دینا ہوتا تو کم دیتے تھے سو اللہ تعالیٰ نے ان میں حضرت شعیب علیہ السلام کو اپنا رسول بنا کر مبعوث فرمایا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو حکم دیا کہ تم صرف ایک اللہ تعالیٰ کو معبود مانو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ (البدایہ والنہایہ: ج:1 ص:267 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کو توحید کی دعوت دی

قوم چونکہ ایکہ درخت کی عبادت کرتی تھی اسی لیے حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو توحید کی دعوت دی۔

حافظ ابو الفرج عبد الرحمان بن علی الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں: علماء کرام نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو بیس سال کی عمر میں مدین کی طرف مبعوث فرمایا یہ قوم ناپ اور تول میں کمی کرتی تھی حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو توحید کی دعوت دی۔ (المنتظم: ج:1 ص:210 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت شعیب علیہ السلام کا قوم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم فرمانا

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ایکہ درخت کی پرستش کرتی تھی تو حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا حکم فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ط (ھود:84)

شعیب نے کہا! اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو تمہارے لیے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَالَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ط قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (الاعراف:85)

شعیب نے کہا! اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے۔ بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آ چکی ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

فَقَالَ یَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ (العنکبوت:36)

شعیب نے کہا اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو

حضرت شعیب علیہ السلام کا قوم کو ناپ تول میں کمی کرنے سے منع فرمانا

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ناپ تول میں کمی کرتی تھی تو آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس قبیح فعل سے منع فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ (ھود:84)

اور ناپ اور تول میں کمی نہ کرو۔

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

علماء کرام نے فرمایا ہے کہ

جس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو مدین کی طرف مبعوث فرمایا تو ان کی عمر بیس سال تھی یہ لوگ ناپ اور تول میں کمی کیا کرتے تھے تو حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو کمی کرنے سے منع فرمایا۔

(المنتظم: ج:1، ص:209 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

اہل مدین کفار تھے راستوں میں ڈاکے ڈالتے تھے اور گزرنے والوں کو خوفزدہ کرتے تھے اور الایکہ کی عبادت کرتے تھے اور ایکہ ایک درخت تھا اس کے گرد بہت گھنے جنگل تھے اور وہ لوگوں کے ساتھ بہت بدمعاملہ تھے ناپ اور تول میں کمی کرتے تھے کسی سے کچھ لینا ہوتا تو زیادہ لیتے تھے اور دینا ہوتا تو کم دیتے تھے سو اللہ تعالیٰ نے ان میں حضرت شعیب علیہ السلام کو اپنا رسول بنا کر مبعوث فرمایا حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو حکم دیا کہ تم صرف ایک اللہ تعالیٰ کو معبود مانو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ان کو ان کے برے کاموں سے منع فرمایا۔

اور ان سے ارشاد فرمایا کہ

لوگوں کے مالوں میں کمی کرنا چھوڑ دو۔ (البدایہ والنہایہ: ج:1، ص266 تا 267 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے شدید عذاب

ناپ تول میں کمی کرنا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے اور اس کے لئے ہلاکت کی وعید سنائی گئی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

(المطففین: 1 تا 6)

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے شدید عذاب ہے وہ لوگ جب دوسروں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں اور

جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں کیا ان لوگوں کا یہ گمان نہیں ہے کہ ان کو (مرنے کے بعد) اٹھایا جائے گا بہت بڑے دن میں جب سب لوگ رب العٰلمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو اہل مدینہ ناپ تول میں سب سے زیادہ خبیث تھے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ○

پھر وہ عمدہ طریقہ سے ناپ تول کرنے لگے۔ (صحیح ابن عباس: رقم الحدیث: 4919)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سباع بن عرفطہ کو مدینہ منورہ کا عامل بنایا جب وہ خیبر کی طرف گئے تو انہوں نے یہ آیت کریمہ پڑھی۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ○

تو میں نے کہا: فلاں شخص ہو گیا اس کے پاس ایک صاع ہے جس سے وہ ناپ کر دیتا ہے اور ایک دوسرا صاع ہے جس سے وہ ناپ کر لیتا ہے۔ (مسند البزار: رقم الحدیث: 2281)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ایک شخص کسی ناپ تول کرنے والے کو ملازم رکھے اور اس کو علم ہو کہ یہ ناپ تول میں کمی کرتا ہے تو اس کا گناہ اس کے اوپر ہوگا۔ (مستدرک: رقم الحدیث: 3907)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ارشاد فرمایا:

اے مہاجرین کے گروہ! پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ تم ان میں مبتلا ہو جاؤ گے اور میں اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم ان میں مبتلا ہو۔

1۔ جس قوم میں بھی بے حیائی ظاہر ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ برسر عام بے حیائی کے کام کریں تو ان میں طاعون پھیل جاتا ہے اور وہ بیماریاں جو ان کے پہلے لوگوں میں نہیں تھیں۔

2۔ اور جو قوم بھی ناپ تول میں کمی کرتی ہے اس پر قحط آ جاتا ہے اور افلاس چھا جاتا ہے اور ان پر ظالم حکمران مسلط کر دیئے جاتے ہیں۔

3۔ اور جو لوگ اپنے اموال کی زکوٰۃ نہیں دیتے وہ آسمان کی بارش سے محروم کر دیئے جاتے ہیں اور اگر حیوانات نہ ہوتے تو ان پر بالکل بارش نہ ہوتی۔

4۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے عہد کو توڑتے ہیں ان کے اوپر ان کے مخالف دشمن کو مسلط کر دیا جاتا ہے

ان کے ہاتھوں سے مال چھین لیتا ہے۔

5-اور جو آئمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے احکام کو ترجیح نہیں دیتے اللہ تعالیٰ ان میں ایک دوسرے کا خوف پیدا کر دیتا ہے۔(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث:4019)

حضرت سوید بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں اور مخرمہ ہجر سے ایک بزاز کے پاس آئے ہم نے شلوار کی قیمت لگائی اور میرے پاس ایک شخص تھا جو اجرت پر وزن کرتا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا:

وزن کرو اور جھکتا ہوا دو۔(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث:3336)

حضرت شعیب علیہ السلام کا قوم کو پورا پورا ناپ اور تول کرنے کا حکم

حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کو حکم ارشاد فرمایا کہ اے میری قوم تم پورا پورا ناپ اور تول کرو اور لوگوں کو کم تول کر ان کی چیزیں نہ دیا کرو۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَ هُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَاؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (الاعراف:85)

پس تم پورا پورا ناپ اور تول کرو اور لوگوں کو کم تول کر ان کی چیزیں نہ دو اور زمین کی اصلاح کے بعد اس میں فساد نہ کرو اگر تم ایمان لانے والے ہو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَ هُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ (هود:85)

اے میری قوم! انصاف کے ساتھ پوری پوری ناپ تول کرو اور لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو اور زمین میں فساد کرتے ہوئے نہ پھرو۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ۝ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۝ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَ هُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ (الشعراء:181تا183)

پیمانہ پورا بھر کر دو اور کم تولنے والوں میں سے نہ بن جاؤ اور صحیح ترازو سے تول کر دیا کرو اور لوگوں کی چیزیں کم نہ کرو اور زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے حد سے تجاوز نہ کرو۔

قسطاس کا معنیٰ

اس آیت کریمہ میں قسطاس کا لفظ آیا ہے اس لیے یہاں پر قسطاس کا معنیٰ و چند احادیث مبارکہ عرض کی جاتی ہیں۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:

قسطاس کا معنیٰ میزان اور ترازو ہے اور اس کو عدالت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(المفردات: ج:2، ص:522 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

اور قسط کا معنیٰ ہے عدل اور انصاف کے ساتھ کسی چیز کا حصہ قرآن مجید میں ہے:

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ (یونس:4)

تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں اور اعمال صالحہ کرنے والوں کو انصاف کے ساتھ اجر دے۔

جب انسان کسی کا حصہ دوسرے کو دے دے تو اس کو بھی قسط کہتے ہیں۔

اور یہ ظلم کے معنیٰ میں ہے۔

اور قاسطون کا معنیٰ ہے۔

ظلم کرنے والے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۙ (الجن:15)

رہے ظلم کرنے والے تو وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔ (المفردات: ج:2، ص:521 تا 522 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی مصری متوفی 711ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک اسم ہے۔

المقسط، یعنی عادل، قسط یقسط۔

ضرب یضرب کے باب سے ہو تو اس کا معنیٰ ظلم کرنا۔

اور جب یہ باب افعال سے ہو تو اس میں ہمزہ سلب ماخذ کے لئے ہے اور اس کا معنیٰ ظلم کو دور کرنا اور عدل کرنا ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے۔

اللہ تعالیٰ سوتا نہیں ہے اور نہ سونا اس کی شان کے لائق ہے وہ قسط یعنی میزان کو جھکاتا ہے اور اس کو اوپر اٹھاتا ہے بندوں کے جو اعمال اس کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں ان میں سے نیک اعمال کے پلڑے کو وہ جھکاتا ہے اور برے اعمال پلڑے کو وہ اوپر اٹھاتا ہے۔

اور اس کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ

وہ میزان میں بندے کے رزق کو زیادہ کر کے اس کے پلڑے کو جھکا دیتا ہے اور ان کے رزق کے پلڑے کو رزق میں

کے اوپر اٹھا دیتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مجھے ناکثین اور قاسطین اور مارقین سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ناکثین کا معنیٰ ہے۔

عہد شکنی کرنے والے، اس سے مراد اہل جمل ہیں یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر والے، کیونکہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی خلاف ورزی کی۔

اور قاسطون کا معنیٰ ہے۔

ظلم کرنے والے ہیں اس سے مراد اہل صفین ہیں یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر والے کیونکہ انہوں نے خلیفہ برحق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم کی خلاف ورزی کی اور ان کے خلاف بغاوت کی۔

اور مارقون کا معنیٰ ہے۔

خارج ہونے والے اور اس سے مراد خوارج ہیں کیونکہ وہ دین سے اس طرح نکل گئے تھے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔

اقسط فی حکمه کا معنیٰ ہے۔

فلاں شخص نے عدل سے فیصلہ کیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○ (الحجرات:9)

اور عدل کرو بے شک اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اور قسط کا معنیٰ ہے۔

ظلم کرنا۔

اور قاسطون کا معنیٰ ہے۔

ظلم کرنے والے اور حق سے تجاوز کرنے والے۔ (لسان العرب: ج:7، ص:378 مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ ایران)

علامہ مناوی متوفی 1003ھ نے فرمایا ہے کہ

قسط کا معنیٰ ہے۔

عدل سے کسی چیز کا حصہ کرنا۔ (التوقیف علی مہمات التعریف: ص:271)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے، عنقریب تم میں ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے وہ عدل و انصاف کریں گے صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کردیں گے اور جزیہ کو موقوف کردیں گے اور مال و دولت کو اتنا تقسیم کریں گے پھر اس کو قبول کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ (سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 4282)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بوڑھے مسلمان اور جو شخص حامل قرآن ہو اور اس میں غلو نہ کرتا ہو اور اس کے ساتھ جفا نہ کرتا ہو اور صاحب اقتدار کی تکریم کرنا اللہ تعالیٰ کی تعظیم بجالانے کے حکم میں ہے۔ (سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 4843)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر دنیا کی بقا میں صرف ایک دن رہ جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس دن کو ضرور طویل کردے گا حتیٰ کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کو اس دن بھیجے گا جس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا اور جس کے والد کا نام میرے نام کے موافق ہوگا وہ زمین کو عدل وانصاف سے اس طرح بھردے گا جس طرح زمین پہلے ظلم اور بے انصاف سے بھری ہوئی تھی۔ (سنن ترمذی: رقم الحدیث: 2231)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

مجھے میرے والد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔

اور عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر گواہ ہو جائیں کہ میں نے نعمان کو اپنے مال سے اتنی اتنی چیزیں ہبہ کردی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم نے جتنی چیزیں نعمان کو دی ہیں کیا اپنے باقی بیٹوں کو بھی اتنی چیزیں دی ہیں۔

انہوں نے کہا: نہیں!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پھر تم اس پر میرے علاوہ کسی اور کو گواہ بناؤ۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم کو اس سے خوشی نہیں ہوگی کہ تمہارے تمام بیٹے تمہارے ساتھ نیکی کرنے میں برابر ہوں؟

انہوں نے کہا: کیوں نہیں!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پھر تم بھی ان کے ساتھ برابر کا سلوک کرو۔

ایک اور روایت میں ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھ کو گواہ نہ بناؤ کیونکہ میں ظلم پر گواہی نہیں دیتا۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 2650)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھر کے دروازے پر کھڑے ہوئے تھے جس میں قریش کی ایک جماعت تھی۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گھر کے دروازے کی چوکھٹ کو پکڑ کر فرمایا:
کیا اس گھر میں صرف قریشی ہیں؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا: اس میں فلاں شخص ہمارا بھانجا بھی ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی قوم کا بھانجا بھی اسی کی قوم میں شمار ہوتا ہے؟
پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ خلافت اس وقت تک قریش میں رہے گی جب تک ان سے رحم طلب کیا جائے تو یہ رحم کرتے ہیں اور جب تک یہ انصاف سے فیصلے کرتے رہیں اور یہ عدل سے تقسیم کرتے رہیں اور ان میں سے جو شخص اس طرح نہیں کرے گا اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو اس کا کوئی فرض قبول ہوگا نہ نفل۔

(مسند احمد: ج:4،ص:396)

ایک اور روایت میں ہے: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مقسطین (عدل کرنے والے) اللہ تعالیٰ کے پاس نور کے منبروں پر رحمٰن کی دائیں جانب بیٹھے ہوں گے اور رحمٰن کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں جو لوگ اپنے گھر والوں اور جن پر ان کو حاکم بنایا گیا ان میں عدل سے فیصلے کریں گے۔ (صحیح مسلم: رقم الحدیث:1827)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی 505ھ فرماتے ہیں: بندہ کا عدل میں حصہ بالکل ظاہر ہوا ہے اس میں کوئی خفا نہیں ہے عدل کے لئے اس کے نفس کی صفات میں سے اس کے لئے جو پہلی چیز واجب ہے وہ یہ ہے کہ اس کی شہوت اور اس کا غضب اس کی عقل اور اس کے دین کے تابع ہوں کیونکہ اگر اس نے اپنی عقل کو اپنی شہوت اور اپنے غضب کے تابع کر دیا تو اس نے اپنے اوپر ظلم کیا اور عدل کے لئے دوسری چیز یہ واجب ہے کہ وہ تمام معاملات میں حدود شرع کی رعایت کرے اور ہر عضو میں اس کا عدل یہ ہے کہ وہ اپنے ہر عضو کو شریعت کے اذن کے مطابق استعمال کرے اور اپنے اہل وعیال میں اس کا عدل یہ ہے کہ ان کے جائز حقوق کو ادا کرے اور اگر وہ حکومت کے کسی منصب پر فائز ہے تو اس کا عدل یہ ہے کہ وہ اپنے تمام فرائض کو دیانت داری سے ادا کرے۔ (المقصد الاسنیٰ فی شرح معانی اسماء اللہ الحسنیٰ: ص98 تا 101 مطبوعہ قبرص)

اور امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی 458ھ روایت کرتے ہیں: خرشہ بن الحر نے کہا ہے کہ
ایک شخص نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس شہادت دی۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تم کو نہیں پہچانتا اور اگر میں تم کو نہیں پہچانتا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے تم اس شخص کو لے کر آؤ جو تم کو پہچانتا ہو۔
قوم میں سے ایک شخص نے کہا: میں اس کو پہچانتا ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم کس وجہ سے اس کو پہچانتے ہو؟
اس نے کہا: عدل اور فضل سے۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا وہ تمہارا قریب ترین پڑوسی ہے تم جس کو دن رات دیکھتے ہو اور اس کے گھر سے نکلنے اور گھر میں داخل ہونے سے واقف ہو؟
اس نے کہا: نہیں!
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا تمہارا کبھی اس سے پیسوں کا لین دین ہوا ہے جس سے معاملات میں اس کی خدا خوفی پر استدلال کیا جا سکے؟
اس نے کہا: نہیں۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا یہ شخص کبھی سفر میں تمہارا رفیق رہا ہے جس سے اس کے مکارم اخلاق پر استدلال کیا جا سکے؟
اس نے کہا: نہیں۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر تم اس شخص کو نہیں پہچانتے!
پھر گواہی دینے والے شخص سے فرمایا: تم اس شخص کو لے کر آؤ جو تمہیں پہچانتا ہو۔
(سنن کبریٰ للبیہقی: ج:10، ص:145 مطبوعہ نشر السنہ ملتان)
امام مالک بن انس اصبحی متوفی 179ھ روایت کرتے ہیں۔
ربیعہ بن ابی عبدالرحمن سے روایت ہے کہ
عراق والوں میں سے کوئی شخص حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔
اور اس نے کہا: آپ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ایسے کام کے لئے آیا ہوں جس کا سر ہے نہ کوئی دم ہے۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ کیا ہے؟
اس نے کہا: ہمارے علاقے میں جھوٹی گواہیاں دینے کا بہت رواج ہو گیا ہے۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا واقعی ایسا ہوا ہے؟
اس نے کہا: ہاں!
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! عدل کے بغیر اسلام میں کوئی شخص خوشحال نہیں ہو سکتا۔
(مؤطا امام مالک: رقم الحدیث: 1465)
حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ روایت کرتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مثالیں بیان کی ہیں اور تمہارے لیے اقوال کو حاصل کیا اس کو اس سے نفع پہنچانا چاہیے بے شک عدل کی کچھ علامتیں ہیں

اور عدل کی کچھ خوشخبریاں ہیں۔ عدل کی علامتیں یہ ہیں حیاء، سخاوت، آسانی اور نرمی اور عدل کے لئے خوشخبری رحمت ہے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک دروازہ بنایا اور ہر دروازے میں ایک چابی بنائی ہے پس عدل کا دروازہ اعتبار ہے اور اس کی چابی زہد ہے اور اس کا اعتبار مال بھیج کر موت کو یاد کرنا اور اس کی تیاری کرنا ہے اور زید ہر اس شخص سے حق وصول کرتا ہے جس پر کسی کا حق ہو اور جس شخص کو بہ قدر ضرورت چیزیں مل جائیں ان پر قناعت کرتا ہے اور اگر اس کو بہ قدر ضرورت چیزیں کافی نہ ہوں تو اس کو کوئی چیز مستغنی نہیں کر سکتی۔ (البدایہ والنہایہ: ج:7،ص:37 مطبوعہ دارالریان القاہرہ)

اہل مدین کے پاس دو قسم کے ترازو

اہل مدین نے دو قسم کے پیمانے بنائے ہوئے تھے چھوٹے دینے کے لئے اور بڑے لینے کے لئے بنائے ہوئے تھے۔

تفسیر نعیمی میں ہے: قوم مدین والوں نے دو قسم کے پیمانے بنائے ہوئے تھے چھوٹے دینے کے لئے اور بڑے لینے کے لئے۔ (تفسیر نعیمی: ج:12،ص:249 مطبوعہ لاہور)

حضرت شعیب علیہ السلام کا قوم کو راستے پر بیٹھنے سے منع فرمانا

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم راستے پر بیٹھتی اور اہل ایمان کو ڈراتی تھی کہ وہ حضرت شعیب علیہ السلام تک نہ پہنچ سکیں تو حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو اس قبیح فعل سے منع فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ (الاعراف:86)

اور ہر راستہ پر اس لیے نہ بیٹھو کہ ایمان والوں کو ڈراؤ اور اللہ تعالیٰ کے راستہ پر چلنے سے روکو اور اس (سیدھے) کو ٹیڑھا کرنے کی کوشش کرو۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں: اہل مدین کفار تھے راستوں میں ڈاکے ڈالتے تھے اور گزرنے والوں کو خوفزدہ کرتے تھے اور الایکہ کی عبادت کرتے اور ایکہ ایک درخت تھا اس کے گرد بہت گھنے جنگل تھے اور وہ لوگوں کے ساتھ بدمعاملہ تھے ناپ اور تول میں کمی کرتے کسی سے کچھ لینا ہوتا تو زیادہ لیتے تھے اور دینا ہوتا تو کم دیتے تھے سو اللہ تعالیٰ نے ان میں حضرت شعیب علیہ السلام کو اپنا رسول بنا کر بھیجا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو حکم دیا کہ تم صرف ایک اللہ تعالیٰ کو معبود مانو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ان کو ان کے برے کاموں سے منع کیا۔

اور ان سے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کے مالوں میں کمی کرنا چھوڑ دو، راستے سے گزرنے والوں کو پریشان نہ کرو، ڈاکے نے ڈالو۔ (البدایہ والنہایہ: ج:1،ص:266 تا 267 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اہل مدین راستے پر اس لیے بیٹھتے تا کہ لوگوں کو حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس جانے سے روکیں

اہل مدین کا فسق اتنا انتہاء کو پہنچ چکا تھا کہ وہ ... حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس جانے والوں

کو بھی روکتے۔

حضرت ابن عباس، حضرت قتادہ اور حضرت مجاہد رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ وہ ان راستوں پر بیٹھ جاتے تھے جو حضرت شعیب علیہ السلام کی طرف جاتے تھے اور جو لوگ حضرت شعیب علیہ السلام کی طرف جانا چاہتے تھے ان کو روکتے تھے۔

اور کہتے تھے کہ ان کے پاس نہ جاؤ وہ کذاب ہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا قوم کو تعداد میں کم ہونے کا یاد دلانا

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کم تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تعداد کو بڑھا دیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ص (الاعراف:86)

اور یاد کرو جب تم تعداد میں کم تھے تو اللہ تعالیٰ نے تم کو زیادہ کر دیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا قوم کو مفسدوں کا انجام یاد دلانا

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو ڈرایا کہ پچھلی قوموں نے فتنہ وفساد کیا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانیاں کیں جس کی وجہ سے ان پر عذاب نازل کیا گیا اور وہ ہلاک ہو گئے لہٰذا ان مفسدوں کا انجام ذرا اپنی آنکھوں کے سامنے لاؤ اور تفکر کرو۔

قرآن مجید میں ہے: وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ o (الاعراف:86)

اور غور سے دیکھو مفسدوں کا کیا انجام ہوا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا قوم کو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کرنے کا فرمانا

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارشاد فرمایا کہ اگر تم میں سے ایک جماعت مجھ پر ایمان لے آئی جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے اور ایک جماعت ایمان نہیں لائی تو پھر تم صبر کرو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ فرمادے۔ کیونکہ وہی سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ o (الاعراف:87)

اگر تمہاری ایک جماعت اس (دین) پر ایمان لائی جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں اور ایک جماعت ایمان نہیں لائی تو صبر کرو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ فرمادے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔

قوم کے متکبر سرداروں کا حضرت شعیب علیہ السلام اور مومنین کو بستی سے نکال دینے کا کہنا

قوم کے متکبر سرداروں نے کہا اے (حضرت) شعیب (علیہ السلام) ہم آپ (علیہ السلام) کو اور جو آپ علیہ السلام پر ایمان لائے ہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ یٰشُعَیْبُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْیَتِنَاۤ (الاعراف:88)

ان (شعیب) کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا اے شعیب! ہم آپ کو اور ان لوگوں کو جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں ضرور اپنی بستی سے نکال دیں گے۔

قوم کا حضرت شعیب علیہ السلام کو بستی میں رہنے کے لئے ہمارے دین میں داخل ہونے کا کہنا

بدبخت قوم نے حضرت شعیب علیہ السلام پر ایمان لانے کی بجائے یہ کہہ دیا کہ ہم آپ کو اور جو آپ پر ایمان لائے ہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے یا اگر تم ہماری بستی میں رہنا چاہتے ہو یا اپنے فعل سے باز آنا چاہتے ہو تو پھر ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ۔

قرآن مجید میں ہے: اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَاؕ (الاعراف:88)

یا پھر تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا قوم کو منہ توڑ جواب دینا

جب قوم نے کہا تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ تو حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کو ارشاد فرمایا ہم تو اس کو ناپسند کرنے والے ہیں اگر ہم تمہارے دین میں داخل ہو گئے تو پھر تو ہم نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھ دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ تو ہم کو نجات دے چکا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِیْنَ۝ قَدِ افْتَرَیْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَاؕ وَمَا یَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّعُوْدَ فِیْهَاۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَاؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًاؕ (الاعراف:88تا89)

شعیب نے جواب دیا خواہ ہم اس کو ناپسند کرنے والے ہیں۔ بے شک ہم نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھ دیا اگر ہم تمہارے دین میں داخل ہو گئے سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی چاہے جو ہمارا رب ہے ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے اور فیصلہ کرنے کا فرمانا

حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کو جواب دینے کے بعد ارشاد فرمایا ہم نے اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کیا ہے اور کہا اے

ہمارے رب ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کا فیصلہ فرما دے کیونکہ تو ہی سب سے اچھا فیصلہ فرمانے والا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۝ (الاعراف:89)

ہم نے اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کیا ہے اے ہمارے رب! ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کا فیصلہ فرما دے اور تو سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔

قوم کے سرداروں کا لوگوں کو حضرت شعیب علیہ السلام کی اتباع کرنے میں نقصان اٹھانے کا کہنا

قوم کے کافر سرداروں نے لوگوں کو کہا اے لوگو اگر تم نے (حضرت) شعیب (علیہ السلام) کی اتباع کی تو تم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ (الاعراف:90)

اور اس کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا (اے لوگو) اگر تم نے شعیب کی اتباع کی تو تم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گے۔

قوم کا کہنا کہ آپ کی نماز آپ کو یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان کی عبادت کرنا چھوڑ دیں، جن کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے تھے

قوم اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہی اور ایمان لانے کے بجائے یہ کہہ دیا کہ اے (حضرت) شعیب (علیہ السلام) آپ (علیہ السلام) کی نماز آپ (علیہ السلام) کو صرف اتنا حکم دیتی ہے کہ ہم ان کی پرستش کرنا چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے آباؤ اجداد کرتے آئے تھے اور ہم اپنے مالوں کو اپنی خواہش کے مطابق کیا صرف کرنا چھوڑ دیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ (ھود:87)

قوم نے کہا! اے شعیب! کیا آپ کی نماز آپ کو یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے تھے اور ہم اپنے مالوں کو اپنی خواہش کے مطابق صرف کرنا چھوڑ دیں۔

قوم کا حضرت شعیب علیہ السلام کو بردبار اور راست باز کہنا

قوم جب یہ کہہ چکی کہ آپ کی نماز آپ کو یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے اور ہم اپنے مالوں کو اپنی خواہش کے مطابق صرف کرنا چھوڑ دیں بے شک آپ تو بہت بردبار اور راست باز ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ (ھود:87)

بے شک آپ تو بہت بردبار اور راست باز ہیں۔

قوم نے حضرت شعیب علیہ السلام کو راست باز اور بردبار از روئے تمسخر کہا

قوم نے حضرت شعیب علیہ السلام کو راست باز اور بردبار بطور تمسخر کہا تھا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

آپ علیہ السلام کی قوم کے افراد کہا کرتے تھے کہ تو نہ بردبار ہے اور نہ راست باز ہے تو وہ از روئے تمسخر آپ علیہ السلام کو کہا کرتے تھے۔

اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ

بس تم ہی ایک بردبار اور راست باز رہ گئے ہو۔ (تفسیر درمنثور: ج:3، ص:1055 مطبوعہ کراچی)

حضرت شعیب علیہ السلام کا قوم کو فرمانا کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ جن کاموں سے میں تم کو منع کرتا ہوں خود اس کے خلاف کروں

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے ارشاد فرمایا کہ اے میری قوم! یہ بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رزق بھی عمدہ عطا کیا ہو تو میں اس کا حکم کس طرح نہ مانوں اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ جن کاموں سے میں تم کو منع کرتا ہوں میں خود اس کے خلاف کروں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ وَ رَزَقَنِىْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ ؕ (ھود:88)

شعیب نے کہا! اے میری قوم! یہ بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے عمدہ رزق عطا کیا ہو تو (میں اس کا حکم کیسے نہ مانوں) اور میں یہ نہیں چاہتا کہ جن کاموں سے میں تم کو منع کرتا ہوں میں خود اس کے خلاف کروں۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا اپنی طاقت کے مطابق اصلاح کرنے کا فرمانا

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے ارشاد فرمایا کہ اے میری قوم میں تو صرف اپنی طاقت کے مطابق اصلاح کرنا چاہتا ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ (ھود:88)

میں تو صرف اپنی طاقت کے مطابق اصلاح کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا فرمانا کہ میری توفیق اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہے

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارشاد فرمایا کہ میں تو صرف اپنی طاقت کے مطابق اصلاح کرنا چاہتا ہوں اور میری توفیق صرف اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہے میں نے اسی پر ہی توکل کیا ہے اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَا تَوْفِیْقِیْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَیْهِ اُنِیْبُ۝ (ھود:88)

اور میری توفیق صرف اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہے میں نے اسی پر توکل کیا ہے اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا اپنی مخالفت کرنے پر قوم نوح، قوم ھود، قوم صالح، قوم لوط کا عذاب یاد دلانا

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے ارشاد فرمایا کہ اے میری قوم میرا بغض اور مجھ سے عداوت اور میری مخالفت دین سے نفرت تمہیں اس پر نہ ابھارے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر اور بت پرستی اور ناپ تول میں کمی کرنے اور توبہ اور استغفار کو ترک کرنے پر جمع رہو اور ڈٹے رہو حتیٰ کہ تم پر بھی ایسا عذاب آجائے جو تمہیں جڑ سے اکھاڑ کر ملیا میٹ کر دے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفان سے غرق کرنے کا عذاب آیا اور حضرت ھود علیہ السلام کی قوم پر ایک سخت اور زبردست آندھی کا عذاب آیا اور حضرت صالح علیہ السلام کی قوم پر ایک چنگھاڑ اور زلزلہ کا عذاب آیا اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر آگ برسانے کا عذاب آیا لہٰذا تم ان قوموں سے عبرت حاصل کرو اور سبق سیکھو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے سے خود کو بچاؤ ورنہ تم پر بھی پچھلی قوموں کی طرح عذاب آجائے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ یٰقَوْمِ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِیْۤ اَنْ یُّصِیْبَكُمْ مِّثْلُ مَاۤ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ (ھود:89)

اور اے میری قوم! میری مخالفت تم کو ان کاموں پر نہ ابھارے جن کاموں کی وجہ سے تم پر ایسا عذاب آجائے جیسا عذاب قوم نوح پر یا قوم ھود پر یا قوم صالح پر آیا تھا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا فرمانا کہ قوم لوط کوئی تم سے زیادہ دور تو نہیں ہے

حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب کے نازل ہونے کا یاد کروایا کہ ان پر کچھ عرصہ پہلے ہی عذاب دیا گیا ہے اسی سے ہی عبرت پکڑ لو اور میری اطاعت کرو۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ○ (ھود:89)

اور قوم لوط تم سے زیادہ دور تو نہیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ○ کے تحت فرمایا:

بے شک قوم نوح اور قوم ثمود کے بعد قوم لوط کا زمانہ میری گفتگو کے زیادہ قریب ہے۔

(جامع البیان: ج:12، ص:126 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت شعیب علیہ السلام کا قوم کو استغفار اور توبہ کرنے کا فرمانا

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے ارشاد فرمایا کہ اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں استغفار کرو پھر اس کی بارگاہ مقدسہ میں توبہ کرو۔ بے شک وہ اپنے بندوں پر رحم فرمانے والا اور محبت کرنے والا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ○ (ھود:90)

اور تم اپنے رب سے استغفار کرو پھر اس کی طرف توبہ کرو بے شک میرا رب رحم فرمانے والا محبت کرنے والا ہے۔

قوم کا حضرت شعیب علیہ السلام کو کہنا تمہاری اکثر باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں

جب حضرت شعیب علیہ السلام ان کو وعظ و نصیحت فرما چکے تو قوم نے کہا اے (حضرت) شعیب (علیہ السلام) تمہاری اکثر باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ (ھود:91)

کافروں نے کہا اے شعیب! تمہاری اکثر باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔

اعتراض

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے ان کی زبان میں گفتگو فرمائی تھی پھر کیا وجہ ہے کہ انہوں نے کہا تمہاری اکثر باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں؟

جواب

اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ذکر کیے گئے ہیں۔

1- چونکہ وہ لوگ حضرت شعیب علیہ السلام سے بہت سخت متنفر تھے اس لیے وہ حضرت شعیب علیہ السلام کی باتوں کو غور سے نہیں سنتے تھے اسی وجہ سے وہ ان کی باتوں کو نہیں سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے کافروں

کے متعلق بھی اسی طرح فرمایا ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ (الانعام:25)

اور ان میں سے بعض آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں تا کہ وہ (آپ کے کلام کو) نہ سمجھیں۔

2- وہ حضرت شعیب علیہ السلام کی باتوں کو سمجھتے تھے لیکن وہ آپ علیہ السلام کی باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے اور توہین اور تحقیر کی نیت سے کہتے تھے ہم آپ کی باتوں کو نہیں سمجھتے۔

3- ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ علیہ السلام نے توحید، رسالت، بعثت، ناپ تول میں کمی کرنے اور دیگر گناہوں کو ترک کرنے کے متعلق جو دلائل ذکر کیے ہیں وہ ان کے نزدیک ناکافی ہیں اور وہ ان سے مطمئن نہیں ہیں۔

تفسیر نعیمی میں یہ جواب بھی ملتا ہے کہ

بولے وہ سرکردہ قوم والے آپ کی مشفقانہ مخلصانہ تبلیغ کا تردیدی جواب دیتے ہوئے یا شعیب نہیں سمجھتے ہم یعنی نہیں پہچانتے ہم تمہاری ان بہت سی باتوں کو جو تم کہتے رہتے ہو یا یہ جواب اس لیے ہے کہ ہم تمہاری باتوں کو سنتے ہیں مگر ہمیں تمہاری باتوں سے باوجود سننے کے مقصد کا پتہ نہیں چلتا کہ تمہارے ارادے کیا ہیں یا یہ جواب اس لیے ہے ہماری سمجھ سے ماوراء باتیں کر رہے ہو۔ یہ فطری امر ہے کہ جب کسی کی قسمت میں سچا دین نہیں ہوتا تو اس کی عقل اوندھی ہو جاتی ہے صحیح صاف سیدھی باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آتیں۔

خدا جب دین لیتا ہے تو عقل بھی چھین لیتا ہے۔

یا یہ جواب ازراہ مذاق ہے کہ تم اے شعیب (علیہ السلام) انوکھی ہی عقل لے کر آئے ہو ہمارے پلے کچھ نہیں پڑتا۔

یا یہ جواب بطور بے پرواہی ہے کہ کرتے رہو باتیں ہم کچھ نہ سمجھیں گے ہمیں کوئی ہمت والا ہی سمجھا سکے گا تم میں بھلا کیا طاقت جو ہم کو بتوں کی عبادت اور ناپ تول کی کمی سے روک سکو حالانکہ بے شک ہم تم کو اپنے علاقے میں یا اپنے گروہ میں یا اپنے مقابلے میں انتہائی کمزور سمجھتے ہیں یا عقل میں کمزور یا جسم میں کہ تم وہ سیاست کاروباری نہیں جانتے جو ہم جانتے ہیں یا تم کو کوئی پوچھتا نہیں اپنے پاس نہیں بیٹھنے دیتے ہم خاندانی اور پارٹی والے آدمی ہیں تم اکیلے ہو تمہاری کوئی بات سننا پسند ہی نہیں کرتا اگر تم عقل کی باتیں کرتے تو لوگ تمہاری باتیں سنتے سناتے یا تم ویسے ہی اکیل مار ہو تمہارے ساتھ کون لگے۔

(تفسیر نعیمی، ج:12، ص275 تا 276 مطبوعہ لاہور)

قوم کا کہنا کہ بلاشبہ ہم سمجھتے ہیں کہ آپ ہم میں ضعیف ہو

قوم نے حضرت شعیب علیہ السلام کو کہا کہ اے شعیب (علیہ السلام) بلاشبہ ہم آپ کو یہ سمجھتے ہیں کہ آپ ہم میں ضعیف ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا (ھود:91)

اور بلاشبہ ہم سمجھتے ہیں کہ تم ہم میں ضعیف ہو۔

قوم نے حضرت شعیب علیہ السلام کو ضعیف کیوں کہا؟

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

آپ علیہ السلام کی قوم نے آپ علیہ السلام کو ضعیف اس لیے کہا کہ آپ علیہ السلام نابینا تھے اور آپ علیہ السلام کی بینائی اللہ تعالیٰ کی محبت میں کثرت سے رونے کی وجہ سے جاتی رہی۔

(جامع البیان: ج:12، ص:126 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ علی بن حسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

آیت میں ضعیفا سے مراد یہ ہے کہ

آپ علیہ السلام کی بصارت کمزور ہے۔ (تاریخ ابن عساکر: ج:23، ص:73 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مزید راقم ہیں۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی محبت میں اس قدر روئے کہ نابینا ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کی بینائی لوٹا دی۔

اور ان کی طرف یہ وحی فرمائی کہ

اے شعیب (علیہ السلام)! تم کس وجہ سے روتے ہو؟ آیا جنت کے اشتیاق میں روتے ہو یا دوزخ کے خوف سے؟

حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا:

اے میرے معبود اور میرے مالک! تو خوب جانتا ہے کہ میں جنت کے شوق میں روتا ہوں نہ دوزخ کے خوف سے! لیکن میں نے اپنے دل میں تیری محبت کو باندھ لیا ہے پس جب میں تیری طرف دیکھتا ہوں تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ تو کیا کر رہا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ

اے شعیب (علیہ السلام)! اگر یہ برحق ہے تو اے شعیب (علیہ السلام) تم کو میری ملاقات مبارک ہو اسی لیے میں نے اپنے کلیم موسیٰ بن عمران کو تمہارا خادم بنایا ہے۔ (تاریخ دمشق الکبیر، رقم الحدیث: 5262)

اعتراض

مفسرین حضرات ضعیفا کے معنیٰ اندھا ہونا لکھتے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام نابینا تھے اس لیے ان کو ضعیفا کہا گیا ہے کیونکہ اندھا آدمی ضعیف ہوتا ہے حالانکہ مذہب اہل سنت ہے کہ کوئی پیدائشی نابینا نہ ہوئے نہ ہی کسی معیوب بیماری میں مبتلا ہوئے تو یہ مطابقت کیونکر ہو۔

جواب

مطابقت کی کوئی ضرورت نہیں ان مفسرین کا قول بالکل غلط ہے جنہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو نابینا لکھا ہے مسلک اہلسنت برحق ہے یہ حقیقت ہے کہ کوئی نبی اللہ نابینا نہ ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں میں رونے کی کثرت سے چٹا موتیا اتر آیا تھا۔ رواجی و اصطلاحی طور پر بھی اس کو نابینا نہیں کہا جاتا۔ کتب تفاسیر میں ایک حدیث غیر مشہورہ بروایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شعیب علیہ السلام عشق الٰہی عزوجل میں بہت روئے تو رونے کی وجہ سے آپ علیہ السلام کی روشنی جاتی رہی مگر کچھ دن بعد فضل الٰہی عزوجل سے عود ہوئی۔

یہاں ضعیف سے مراد اندھا ہونا نہیں بلکہ جسمانی یا انفرادی کمزوری ہے جیسا کہ تفسیر عالمانہ میں چند احتمال بیان کیے گئے ہیں (بعض مفسروں نے ضعیف کا معنیٰ نابینا کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے مگر یہ سب کچھ غلط اور روایت ضعیف ہے مستدرک حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے لیکن تفسیر کبیر نے فرمایا حاکم کا کسی روایت کو صحیح قرار دینا محدثین کے نزدیک معتبر نہیں مذہب اہلسنت یہ ہے کہ کوئی نبی پیدائشی یا دائمی نابینا نہیں ہوئے حضرت یعقوب علیہ السلام کا آنکھوں پر سفید موتیا آجانا عارضی چیز تھی جو قمیض یوسفی سے جاتی رہی۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:276 مطبوعہ لاہور)

کیونکہ لفظ فینا بتا رہا ہے کہ یہاں کمزوری مراد ہے اگر اندھے ہوتے تو فینا نہ کہا جاتا کہ جو نابینا ہوتا ہے وہ ہر جگہ نابینا ہوتا ہے نہ کہ فینا اعمی ہونا کسی ملک قوم کسی جگہ کسی وقت سے خاص نہیں ہوتا۔ (تفسیر نعیمی: ج:12، ص:278 مطبوعہ لاہور)

قوم کا کہنا کہ اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر چکے ہوتے

قوم نے حضرت شعیب علیہ السلام کو یہ کہا کہ اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر چکے ہوتے اور تم ہم پر کوئی بھاری نہیں ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ لَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ○ (ھود:91)

اور اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر چکے ہوتے اور تم ہم پر کوئی بھاری نہیں ہو۔

قوم نے پتھر مار مار کر ہلاک کرنے کا کیوں کہا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ...

اس کی تفسیر میں بعض مفسرین نے کہا:

یعنی تم کو قتل کر دیتے یا تم کو گالیاں دیتے۔ (جامع البیان، ج:12، ص:138 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے:

حضرت شعیب علیہ السلام کو اس لیے ضعیف سمجھ رہے تھے کہ وہ اکیلے یا بوڑھے تھے بجائے احترام کے کس دیدہ دلیری سے کہتے ہیں کہ اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تم کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیتے یا تم کو سخت گالیاں دیتے لیکن یہ ہم لحاظ کیوں کر رہے ہیں؟ صرف اس لیے کہ تمہارے خاندان کے دس بارہ آدمی ہم میں سردار ہیں یا تمہاری برادری والے ہمارے دینی بھائی بنے ہوئے ہیں یا تمہارا خاندان پرانا اور اونچا خاندان ہے ہم تم سے یا تمہارے خاندان سے نہیں ڈرتے صرف قومی عزت واحترام ہے اور فقط تم ہم پر غالب نہیں ہو یا تم ہم کو بالکل پیارے نہیں ہو کہ تمہارا خیال یا تمہاری عزت یا تمہارا رعب ہم کو ہمارے ان اعمال سے روک دے یا تمہارے رجم وقتل سے ہم کو روک دے ہم تو صرف اپنے ان دینی بھائیوں کی وجہ سے تمہارا لحاظ رکھتے ہیں جو تمہارے خاندان کے اونچی عزت والے ہیں۔ (تفسیر نعیمی، ج:12، ص:276 مطبوعہ لاہور)

حضرت شعیب علیہ السلام کا فرمانا کہ اے میری قوم! کیا تمہارے نزدیک میرا قبیلہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ طاقت ور ہے

جب قوم نے حضرت شعیب علیہ السلام کو ایذاء پہنچانے اور قتل کرنے کی دھمکی دی تو حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو یہ جواب دیا کہ تم نے میرے قبیلہ کی رعایت کر کے مجھے چھوڑ دیا اور مجھے قتل کرنے سے باز رہے جبکہ میرے قبیلہ کی رعایت کی بجائے تمہیں اللہ تعالیٰ کی رعایت کرنی چاہئے تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ طاقت ور ہے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں میرا قبیلہ کیا چیز ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ یٰقَوْمِ اَرَهْطِیْۤ اَعَزُّ عَلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِؕ وَ اتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِیًّاؕ اِنَّ رَبِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ۝ (هود:92)

شعیب نے کہا! اے میری قوم! کیا تمہارے نزدیک میرا قبیلہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ طاقت ور ہے اور تم نے اللہ تعالیٰ کو بالکل نظر انداز کیا ہوا ہے بے شک میرا رب عزوجل تمہارے کاموں کا احاطہ کرنے والا ہے۔

قوم کا حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب کرنا

حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو برابر وعظ فرماتے رہے اور قوم آپ علیہ السلام کو الٹے جواب دیتی رہی اور انہوں نے آپ علیہ السلام کی تکذیب کی۔

قرآن مجید میں ہے:

فَكَذَّبُوْهُ (العنکبوت:37)

پس انہوں نے شعیب کی تکذیب کی۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا قوم کو عذاب کے انتظار کا فرمانا

جب قوم نے حضرت شعیب علیہ السلام کی ایک نہ مانی تو آپ علیہ السلام نے قوم کو ارشاد فرمایا اے میری قوم تم اپنی جگہ کام کرتے رہو اور میں اپنا کام کرنے والا ہوں تم جلد ہی جان لو گے کہ کس کے پاس عذاب آئے گا جو اس کو رسوا کر دے گا اور کون جھوٹا ہے تم (بھی) انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ رَقِیْبٌ ○ (ھود:93)

اور اے میری قوم! تم اپنی جگہ کام کرتے رہو اور میں اپنا کام کرنے والا ہوں عنقریب تم جان لو گے کہ کس کے پاس عذاب آئے گا جو اس کو رسوا کر دے گا اور کون جھوٹا ہے تم (بھی) انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں۔

ہولناک آواز کا عذاب

جب قوم نے حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ہولناک آواز کا عذاب بھیجا جس نے ان کو پکڑ لیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ (الاعراف:91)

سو ان کو ایک ہولناک آواز نے پکڑ لیا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔

وَاَخَذَتِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ (ھود:94)

اور ظالموں کو ایک زبردست چنگھاڑ نے پکڑ لیا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ (العنکبوت:37)

پس انہوں نے شعیب کی تکذیب کی تو انہیں ایک زلزلے نے پکڑ لیا۔

اہل مدین پر گرج دار آواز کا عذاب آیا تھا

اہل مدین نے جب حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر گرج دار آواز کا عذاب نازل کیا۔

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اہل مدین کو ایک زبردست گرج دار آواز کا عذاب آیا تھا۔ (المنتظم: ج:1، ص:210 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اہل مدین پر خوفناک عذاب بھیجا گیا

اللہ تعالیٰ نے اہل مدین پر خوفناک عذاب بھیجا۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

اہل مدین کفار تھے راستوں میں ڈاکہ ڈالتے تھے اور گزرنے والوں کو خوفزدہ کرتے تھے اور الایکہ کی عبادت کرتے تھے اور ایکہ ایک درخت تھا اس کے گرد بہت گھنے جنگل تھے اور وہ لوگوں کے ساتھ بہت بدمعاملہ تھے ناپ اور تول میں کمی کرتے تھے کسی سے کچھ لینا ہوتا تو زیادہ لیتے تھے اور دینا ہوتا تھا تو کم دیتے تھے سو اللہ تعالیٰ نے ان میں حضرت شعیب علیہ السلام کو اپنا رسول بنا کر مبعوث فرمایا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو حکم دیا کہ تم صرف ایک اللہ تعالیٰ کو معبود مانو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ان کو ان کے برے کاموں سے منع کیا۔

اور ان سے ارشاد فرمایا کہ

لوگوں کے مالوں میں کمی کرنا چھوڑ دو، راستے سے گزرنے والوں کو پریشان نہ کرو، ڈاکے نہ ڈالو۔ ان میں سے بعض حضرت شعیب علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور اکثر نے کفر کیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر خوفناک عذاب بھیجا۔

(البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:266 تا 267 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ کا حضرت جبرائیل علیہ السلام کو رات کے وقت اہل مدین کی طرف عذاب دینے کے لئے بھیجنا

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو رات کے وقت اہل مدین کی طرف بھیجا تاکہ ان کو اہل وعیال و مال کے ساتھ الٹا کر دیں۔

حافظ عماد الدین علی بن حسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت مبلۃ بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو نصف رات کے وقت اہل مدین کی طرف بھیجا تاکہ انہیں ان کے مال واسباب سمیت الٹا کریں۔ الخ۔ (تاریخ مدینہ دمشق: ج:23، ص:78 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت جبریل علیہ السلام کا تشریف لانا اور ایک شخص کو کتاب اللہ کی تلاوت کرتے پا کر واپس اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں پلٹ جانا

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اہل مدین کو عذاب دینے کے لئے بھیجا تو ایک شخص کتاب اللہ کی تلاوت

کررہا تھا آپ علیہ السلام کو پریشانی لاحق ہوئی کہ اس کو کس طرح ہلاک کروں حالانکہ یہ کتاب اللہ کی تلاوت کررہا ہے اسی وجہ سے آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں واپس پلٹ گئے۔

حافظ عمادالدین علی بن حسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو نصف رات کے وقت اہل مدین کی طرف بھیجا تا کہ انہیں ان کے مال واسباب سمیت الٹا کریں تو آپ علیہ السلام کی ملاقات ایک شخص سے ہوئی جو کھڑے ہوکر کتاب اللہ کی تلاوت کررہا تھا آپ علیہ السلام کو پریشانی لاحق ہوئی کہ آپ اس کو بھی ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک کردیں پھر آپ علیہ السلام بلندیوں کی جانب لوٹ کر گئے۔ (تاریخ مدینہ دمشق: ج:23،ص:78 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عذاب نہ دینے کی وجہ بتانا

جب حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں واپس پلٹ گئے تو عرض کیا! اے اللہ تیری ذات سراپا حمد وخوبی والی ہے تو نے مجھے مدین کی طرف بھیجا تا کہ ان کی بستیوں کو الٹا کردوں تو میں نے ایک شخص کو پایا جو کھڑے ہوکر کتاب اللہ کی تلاوت کررہا ہے۔

حافظ عمادالدین علی بن حسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو نصف رات کے وقت اہل مدین کی طرف بھیجا تا کہ انہیں ان کے مال واسباب سمیت الٹا کریں تو آپ علیہ السلام کی ملاقات ایک شخص سے ہوئی جو کھڑے ہوکر کتاب اللہ کی تلاوت کررہا تھا آپ علیہ السلام کو پریشانی لاحق ہوئی کہ آپ اس کو بھی ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک کردیں پھر آپ علیہ السلام بلندیوں کی جانب لوٹ کر گئے۔

اور عرض کیا۔

اے اللہ عزوجل! تیری ذات سراپا حمد وخوبی والی ہے اور تیری ذات پاک ہے تو نے مجھے مدین کی طرف بھیجا ہے تا کہ ان کی بستیوں کو الٹا کردوں تو میں نے ایک شخص کو پایا وہ کھڑے ہوکر کتاب اللہ کی تلاوت کررہا ہے۔

(تاریخ مدینہ دمشق: ج:23،ص:78 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ کا حضرت جبرائیل علیہ السلام کو فرمانا کہ پہلے کتاب اللہ کی تلاوت کرنے والے سے عذاب کا آغاز کرو

جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں عذاب نہ دینے کی وجہ بیان کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو فرمایا کہ وہ فلاں بن فلاں ہے اس نے مجھے نہیں پہچانا لہٰذا اسی سے عذاب کا آغاز کرو۔ کیونکہ اس نے میرے محارم کا دفاع نہیں کیا مگر صلح اور حالات سے سمجھوتہ کرتے ہوئے۔

حافظ عمادالدین علی بن حسن ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو نصف رات کے وقت اہل مدین کی طرف بھیجا تا کہ انہیں ان کے مال واسباب سمیت الٹا کریں تو آپ علیہ السلام کی ملاقات ایک شخص سے ہوئی جو کھڑے ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت کر رہا تھا آپ علیہ السلام کو پریشانی لاحق ہوئی کہ آپ اس کو بھی ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک کر دیں پھر آپ علیہ السلام بلندیوں کی جانب لوٹ کر گئے۔

اور عرض کیا۔

اے اللہ عزوجل! تیری ذات سراپا حمد وخوبی والی ہے اور تیری ذات پاک ہے تو نے مجھے مدین کی طرف بھیجا ہے تا کہ ان کی بستیوں کو الٹا کر دوں تو میں نے ایک شخص کو پایا وہ کھڑے ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت کر رہا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا:

وہ فلاں بن فلاں ہے اس نے مجھے نہیں پہچانا لہٰذا اسی سے (عذاب کا) آغاز کرو کیونکہ اس نے میرے محارم کا دفاع نہیں کیا مگر صلح اور حالات سے سمجھوتہ کرتے ہوئے۔ (تاریخ مدینہ دمشق: ج:23، ص:78 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا ایک سخت چیخ لگانا جس سے پہاڑ وزمین کا کانپ اٹھنا

حضرت جبرائیل علیہ السلام جب قوم مدین میں تشریف لائے تو ایک سخت چیخ لگائی جس سے پہاڑ وزمین کانپ اٹھی۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

آپ علیہ السلام کی قوم کے طاقتور لوگ کمزور لوگوں کو ڈراتے دھمکاتے ہوئے کہتے اگر تم شعیب (علیہ السلام) کی پیروی کرنے لگے تو یقیناً تم نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے۔

اس کے باوجود حضرت شعیب علیہ السلام انہیں دعوت حق دینے سے نہیں رکے پھر جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے خلاف سرکشی اختیار کی تو انہیں زلزلے نے پکڑ لیا وہ اس طرح کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور ان کے پاس آ کر ٹھہرے پھر ایک سخت چیخ لگائی جس سے پہاڑ اور زمین کانپ اٹھی۔ (جامع البیان: ج:8، ص:280 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کی سخت چیخ سے قوم مدین کی ارواح کا جسموں سے نکل جانا

جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ایک سخت چیخ لگائی تو قوم مدین کی ارواح ان کے جسموں سے نکل گئیں۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

آپ علیہ السلام کی قوم کے طاقتور لوگ کمزور لوگوں کو ڈراتے دھمکاتے ہوئے کہتے اگر تم شعیب (علیہ السلام) کی پیروی کرنے لگے تو یقیناً تم نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے۔

اس کے باوجود حضرت شعیب علیہ السلام انہیں دعوت حق دینے سے نہیں رکے پھر جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے خلاف سرکشی اختیار کی تو انہیں زلزلے نے پکڑ لیا وہ اس طرح کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور ان کے پاس آ کر ٹھہرے

پھر ایک سخت چیخ لگائی جس سے پہاڑ اور زمین کانپ اٹھی اور اس چیخ کے ساتھ ان کی ارواح ان کے جسموں سے نکل گئیں۔

اور اس کا ذکر اس آیت کریمہ میں فرمایا:

فَاَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ

وہ اس طرح کہ جب انہوں نے چیخ سنی تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کے سبب سخت گھبرا گئے اور خوف زدہ ہو گئے اور اسی دوران زمین لرز اٹھی اور اسی زلزلے نے انہیں مردہ حالت میں زمین پر پھینک دیا۔

(جامع البیان: ج:8، ص:280 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قوم مدین کا چنگھاڑ سے اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل اوندھے منہ پڑے رہنا

قوم مدین کو جب چنگھاڑ نے پکڑ لیا تو وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل اوندھے پڑے رہ گئے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاَخَذَتِ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوا الصَّیۡحَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دِیَارِهِمۡ جٰثِمِیۡنَ ○ (ھود:94)

اور ظالموں کو ایک زبردست چنگھاڑ نے پکڑ لیا تو وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل اوندھے پڑے رہ گئے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

فَاَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دَارِهِمۡ جٰثِمِیۡنَ ○ (الاعراف:91)

سو ان کو ایک ہولناک آواز (زلزلہ) نے پکڑ لیا اور صبح کے وقت وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ مردہ پڑے تھے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

فَکَذَّبُوۡهُ فَاَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دَارِهِمۡ جٰثِمِیۡنَ ○ (العنکبوت:37)

پس انہوں نے شعیب کی تکذیب کی تو انہیں ایک زلزلے نے پکڑ لیا سو وہ اپنے گھروں میں گھٹنے کے بل پڑے رہ گئے۔

عذاب کو نازل ہوتے وقت دیکھ کر عمرو بن حلہا کا شعر کہنا

جب عمرو بن حلہا نے عذاب نازل ہوتے دیکھا تو اس نے حسب ذیل شعر کہا۔

حضرت ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

وہ فرماتے ہیں کہ میرے سامنے یعقوب بن ابی سلمہ نے یہ ذکر کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر فرماتے۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے:

وہ تو خطیب الانبیاء تھے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کو طرف سے رجوع انہیں دعوت حق کی صورت میں اور پھر ان کی

جانب سے انکار کی صورت انتہائی حسین اور دلکش تھا پس جب انہوں نے آپ علیہ السلام کو جھٹلایا اور آپ علیہ السلام کو رجم کرنے اور شہر سے نکال دینے کی دھمکی دی اور اللہ تعالیٰ کے خلاف سرکشی اور تکبر اختیار کیا تو یوم الظلۃ کے عذاب نے انہیں پکڑ لیا۔

اور مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ

اہل مدین میں سے آدمی جس کو عمرو بن حلہا کہا جاتا تھا جب اس نے عذاب دیکھا۔

تو اس نے کہا:

یا قوم ان شعیب مرسل فذروا

عنکم سمیرا و عمران بن شداد

انی ارای عینہ یا قوم قد طلعت

تدعو بصوت علی ضمانہ الواد

وانہ لا یروی فیہ ضحی غد

الا الرقیم یحشی بین انجاد

یعنی

1- اے قوم بلاشبہ حضرت شعیب علیہ السلام رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں پس تم سمیر اور عمران بن شداد کو چھوڑ دو۔

2- اے قوم بلاشبہ میں دیکھ رہا ہوں کہ عذاب ظاہر ہو چکا ہے جو وادی کی بقاء کے خلاف آواز دے رہا ہے۔

3- کل دن کے وقت اس میں کوئی سیراب نہیں ہوگا سوائے کتے کے جو ساز و سامان کے درمیان گھوم پھر رہا ہوگا۔

سمیر اور عمران بن شداد دونوں ان کے کاہن تھے اور رقیم ان کا کتا تھا۔ (مستدرک: ج:2، ص:620 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اہل مدین حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب سے اس طرح صفحۂ ہستی سے مٹ گئے گویا کہ کبھی ان کے گھر آباد نہ تھے

جن اہل مدین نے حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی وہ صفحۂ ہستی سے اس طرح مٹ گئے گویا کہ وہ کبھی آباد ہی نہ تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۚ (الاعراف:92)

جن لوگوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی (وہ صفحۂ ہستی سے اس طرح مٹ گئے) گویا کہ کبھی ان گھروں میں بسے ہی نہ تھے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ (ھود:95)

گویا وہ ان گھروں میں کبھی آباد ہی نہ ہوئے تھے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب کرنے والے نقصان اٹھانے والوں میں تھے

جن قوم مدین نے حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ O (الاعراف:92)

جن لوگوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے تھے۔

دھتکار ہو اہل مدین کے لئے جیسے پھٹکار تھی ثمود کے لئے

جس طرح قوم ثمود رحمت سے دور کر دیئے گئے تھے اسی طرح اہل مدین کو بھی رحمت سے دور کر دیا گیا۔

قرآن مجید میں ہے:

اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ O (ھود:95)

سنو! دھتکار ہو اہل مدین کے لئے جیسے پھٹکار تھی ثمود کے لئے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے حضرت شعیب علیہ السلام اور مومنین کو نجات

جو حضرت شعیب علیہ السلام پر ایمان لے آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت سے نجات عطا فرمائی۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ (ھود:94)

اور جب ہمارا عذاب آ گیا تو ہم نے شعیب کو اپنی رحمت سے بچا لیا اور ان لوگوں کو (بھی) جو ان پر ایمان لائے تھے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا مقام مدین سے کنارہ کش ہو جانا

جب قوم مدین تباہ ہو گئی تو حضرت شعیب علیہ السلام ان سے یا ان کی جگہوں سے کنارہ کش ہو گئے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ (الاعراف:93)

پھر شعیب ان سے کنارہ کش ہو گئے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا کنارہ کش ہوتے وقت اہل مدین پر افسوس نہ کرنے کا فرمانا

جب حضرت شعیب علیہ السلام ان سے کنارہ کش ہونے لگے تو ارشاد فرمایا:

میں نے تم لوگوں تک اپنے رب عزوجل کے احکام پہنچادیئے تھے اور میں نے تو تم لوگوں کی خیرخواہی چاہی تھی تو اب میں کافروں کے عذاب پر کیوں کر افسوس کروں۔

قرآن مجید میں ہے:

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّىْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ۠ (الاعراف:93)

پھر شعیب ان سے کنارہ کش ہو گئے اور کہا اے میری قوم میں نے تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچادیئے تھے اور میں نے تمہاری خیرخواہی کی تھی تو اب میں کافروں (کے عذاب) پر کیوں کر افسوس کروں۔

حضرت شعیب علیہ السلام اہل مدین کی ہلاکت کے بعد اصحاب الایکہ والوں کے نبی بنے

حضرت شعیب علیہ السلام اہل مدین کی ہلاکت کے بعد اصحاب الایکہ والوں کے نبی بنے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

آپ علیہ السلام کی خصوصیت یہ ہے کہ

آپ علیہ السلام یکے بعد دیگرے چند قوموں کے نبی ہوئے پہلے قوم مدین کے ان کی ہلاکت کے بعد اصحاب الایکہ کے (نبی بنے) (تفسیر نعیمی: ج:8، ص:578 مطبوعہ لاہور)

اشکال

مدین اور اصحاب الایکہ دونوں ایک قوم کا نام ہے یا الگ الگ قومیں ہیں بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی قوم کا نام ہے اور بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ قومیں ہیں راجح قول کون سا ہے۔

جواب

راجح قول یہ ہے کہ دونوں الگ الگ قومیں ہیں کیونکہ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مقدس صادق آتا ہے اور علماء کرام کے کثیر اقوال سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے اور انہوں نے اس بارے میں الگ الگ عذاب کے نزول کا ذکر کیا ہے کہ اہل مدین پر زبردست چنگھاڑ آئی اور اصحاب الایکہ پر مسلسل سات دن گرمی مسلط کی گئی پھر اللہ تعالیٰ نے آگ بھیجی جس نے ان کو کھالیا اور یہی یوم الظلہ کا عذاب تھا۔

اس پر دلائل ملاحظہ ہوں۔

حافظ علی بن حسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ

حضرت شعیب علیہ السلام کے سوا کسی نبی کو دو مرتبہ نہیں بھیجا گیا ان کو ایک مرتبہ مدین کی طرف بھیجا گیا پر اس قوم کی

نافرمانی پر اس کو ایک زبردست گرج دار آواز سے ہلاک کر دیا گیا اور دوسری بار ان کو اصحاب الایکہ کی طرف بھیجا گیا جن کو سائبان والے عذاب نے پکڑ لیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا:

مدین اور اصحاب الایکہ الگ دو امتیں ہیں جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو اصحاب الرس فرمایا ہے۔

اس سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ہے۔

(یہ تیسری قوم ہے جو اصحاب الرس سے مشہور ہے جس کی دلیل اصحاب الایکہ کے حالات کے بعد ذکر کی جائے گی)

(مختصر تاریخ دمشق: ج:10، ص308 تا309 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

مدین کی ہلاکت کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام نے باقی عمر اصحاب الایکہ میں گزاری اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے رہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کو واحد ماننے اور اس کی اطاعت کرنے کا حکم دیتے رہے مگر ان کی سرکشی دن بدن بڑھتی رہی پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر گرمی مسلط کی اور ان پر بھی وہی عذاب آیا۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ

اہل مدین پر ایک زبردست گرج دار عذاب آیا تھا اور اصحاب الایکہ پر مسلسل سات دن گرمی مسلط کی گئی پھر اللہ تعالیٰ نے آگ بھیجی جس نے ان کو کھا لیا اور یہی یوم الظلہ کا عذاب تھا۔ (المنتظم: ج:1، ص208 تا 211 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت عکرمہ اور سدی سے منقول ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کے سوا کسی نبی کو دو بار نہیں بھیجا۔ ایک بار مدین کی طرف بھیجا تو اللہ تعالیٰ نے سخت چیخ اور زلزلہ کے ساتھ وہاں کے رہنے والوں کو گرفت میں لے لیا اور دوسری بار اصحاب الایکہ کی طرف بھیجا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو یوم الظلہ کے عذاب کے ساتھ پکڑ لیا۔ (تفسیر در منثور: ج:3، ص:328 مطبوعہ کراچی)

اور رہا حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا جواب تو انہوں نے خود یہ فرمایا ہے کہ بہر حال مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ الگ الگ قومیں ہیں یہ دونوں ایک قوم ہے یعنی انہوں نے کوئی راجح قول بیان نہیں فرمایا بس اتنا فرما دیا کہ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ الگ الگ قومیں ہیں یا یہ دونوں ایک قوم ہے۔

جیسا کہ حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

مدین اس قوم کا نام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کی نسل سے ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام بھی اسی

نسل سے تھے اور قوم مدین جس علاقہ میں آباد تھی وہ سر سبز جھاڑیوں پر مشتمل تھا اس لیے اس کو اصحاب الایکہ بھی کہا گیا ہے۔

ایک یہ بھی ہے کہ

اس علاقہ میں ایکہ نام کا ایک درخت تھا اور مدین اس درخت کی پرستش کرتے تھے اس لیے ان کو اصحاب الایکہ کہا گیا ہے۔

بہر حال مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ الگ الگ قومیں یا یہ دونوں ایک قوم ہے۔

(البدایہ والنہایہ: ج: 1، ص: 190 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت شعیب علیہ السلام کا اہل مدین کی ہلاکت کے بعد اصحاب الایکہ چلے جانا

جب اہل مدین ہلاک ہو گئے تو حضرت شعیب علیہ السلام اصحاب الایکہ چلے گئے اور باقی زندگی وہاں گزاری۔

علامہ ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

مدین کی ہلاکت کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام نے باقی عمر اصحاب الایکہ میں گزاری۔

(المنتظم: ج: 1، ص: 210 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اصحاب الایکہ کو اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کی دعوت دینا

جب حضرت شعیب علیہ السلام اصحاب الایکہ کے پاس چلے گئے تو ان کو یہ دعوت دی کہ اللہ تعالیٰ کو واحد مانیں اور اس کی اطاعت کریں۔

علامہ ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

مدین کی ہلاکت کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام نے باقی عمر اصحاب الایکہ میں گزاری اور انہیں اللہ سبحانہ کی طرف دعوت دیتے رہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کو واحد ماننے اور اس کی اطاعت کرنے کا حکم دیتے رہے۔

(المنتظم: ج: 1، ص: 210 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت شعیب علیہ السلام کو اہل مدین اور اصحاب الایکہ کی طرف مبعوث کیا گیا

حضرت شعیب علیہ السلام کو اہل مدین اور اصحاب الایکہ دونوں کی طرف مبعوث کیا گیا جب اہل مدین نے نافرمانی کی تو ہلاک کر دیئے گئے ان کی ہلاکت کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام اصحاب الایکہ چلے گئے اور ان کو اللہ تعالیٰ کے واحد ماننے کی دعوت دیتے رہے۔

حافظ علی بن حسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ

حضرت شعیب علیہ السلام کے سوا کسی نبی کو دو مرتبہ نہیں بھیجا گیا ان کو ایک مرتبہ مدین کی طرف بھیجا گیا پھر اس قوم

نافرمانی کی بناء پر اس کو ایک زبردست گرج دار آواز سے ہلاک کر دیا گیا اور دوسری دفعہ ان کو اصحاب الایکہ کی طرف مبعوث فرمایا گیا جن کو سائبان والے عذاب نے پکڑ لیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا:

مدین اور اصحاب الایکہ دو امتیں ہیں جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:10، ص:308 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی ابن الاثیر جزری متوفی 630ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ

حضرت شعیب علیہ السلام کو دو امتوں کی طرف مبعوث کیا گیا تھا۔

1- اہل مدین کی طرف

2- اور اصحاب الایکہ کی طرف۔ (الکامل فی التاریخ: ج:1، ص:88 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

اصحاب الایکہ کا تکذیب کرنا

حضرت شعیب علیہ السلام کی اصحاب الایکہ نے تکذیب کی۔

قرآن مجید میں ہے:

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْــَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (الشعراء:176)

اصحاب الایکہ نے رسولوں کی تکذیب کی۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا قوم کو ڈرنے کا فرمانا

حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کو ارشاد فرمایا تھا کہ کیا تم نہیں ڈرتے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ (الشعراء:177)

جب ان سے شعیب نے کہا کیا تم نہیں ڈرتے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا فرمانا کہ میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں

حضرت شعیب علیہ السلام نے اصحاب الایکہ سے ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ (الشعراء:178)

بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔

اصحاب الایکہ کہاں تک رہائش پذیر تھے

اصحاب الایکہ ساحل سمندر سے مدین تک رہائش پذیر تھے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اصحاب ایکہ سے مراد غیضہ ہیں جو ساحل سمندر سے مدین تک رہائش پذیر تھے۔(تفسیر در منثور: ج:5،ص:269 مطبوعہ کراچی)

اصحاب الایکہ کا شرک کرنے کے ساتھ اصحاب مدین والا کام شروع کرنا

اصحاب الایکہ ایک تو اللہ تعالیٰ کے سوا پرستش کرتے تھے۔

دوسرا وہ ناپ تول کی کمی بھی کرنے لگ گئے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اصحابِ الایکہ سے مراد غیضہ ہے جو ساحل سمندر سے مدین تک رہائش پذیر تھے وہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے اصحاب الایکہ نے شرک کرنے کے ساتھ اصحاب مدین والا کام شروع کیا۔(تفسیر در منثور: ج:5،ص:269 مطبوعہ کراچی)

حضرت شعیب علیہ السلام کا اصحاب الایکہ کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اپنی اطاعت کرنے کا حکم فرمانا

حضرت شعیب علیہ السلام نے اصحاب الایکہ کو حکم فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ؕ (الشعراء:179)

سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اصحاب ایکہ سے مراد غیضہ ہیں جو ساحل سمندر سے مدین تک رہائش پذیر تھے وہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے تھے۔اصحاب الایکہ نے شرک کرنے کے ساتھ اصحاب مدین والا کام شروع کیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں فرمایا:

میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

(تفسیر در منثور: ج:5،ص:269 مطبوعہ کراچی)

حضرت شعیب علیہ السلام کا اصحاب الا یکہ کو تبلیغ دین پر اجرت طلب نہ کرنے کا فرمانا اور اجر صرف رب العلمین پر کا فرمانا

حضرت شعیب علیہ السلام نے اصحاب الا یکہ کو اللہ تعالیٰ کے واحد ماننے اور اپنے رسول ہونے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے بعد ارشاد فرمایا میں جو تمہیں تبلیغ کر رہا ہوں اس کی تم سے اجرت طلب نہیں کرتا میرا اجر تو صرف رب العلمین کے پاس ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥ (الشعراء:180)

اور میں تم سے اس (تبلیغ دین) پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا میرا اجر تو صرف رب العلمین پر ہے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اصحاب الا یکہ سے مراد غیضہ ہیں جو ساحل سمندر سے مدین تک رہائش پذیر تھے وہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے۔ اصحاب الا یکہ نے شرک کرنے کے ساتھ اصحاب مدین والا کام شروع کیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں ارشاد فرمایا:

میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں جو تم لوگوں کو دعوت دیتا ہوں اس پر دنیا میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا میرا اجر تو صرف رب العلمین کے ذمہ کرم پر ہے۔

(تفسیر درمنثور: ج:5، ص:269 مطبوعہ کراچی)

پیمانہ پورا بھر کر دینے اور کم تولنے سے منع فرمانا

حضرت شعیب علیہ السلام نے اصحاب الا یکہ کو فرمایا کہ پیمانہ پورا بھر کر دو اور کم تولنے والوں میں سے نہ بن جاؤ۔

قرآن مجید میں ہے:

اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ٥ (الشعراء:181)

پیمانہ پورا بھر کر دو اور کم تولنے والوں میں سے نہ بن جاؤ۔

حضرت شعیب علیہ السلام قوم کو کفر اور ناپ اور تول میں کمی کرنے سے ڈراتے تھے

حضرت شعیب علیہ السلام قوم کو کفر سے اور ناپ اور تول میں کمی کرنے سے ڈراتے تھے۔

امام ابو الحسن علی بن ابی بکر الکرم الشیبانی ابن الاثیر الجزری متوفی 630ھ لکھتے ہیں:

حضرت شعیب علیہ السلام اس قوم کو کفر سے اور ناپ اور تول میں کمی کرنے سے ڈراتے تھے۔

(الکامل فی التاریخ: ج:1، ص:881 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

حضرت شعیب علیہ السلام کا ترازو سے تول کر دینے کا حکم

حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کو حکم ارشاد فرمایا کہ صحیح ترازو سے تول کر دیا کرو۔

قرآن مجید میں ہے:

وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ○ (الشعراء:182)

اور صحیح ترازو سے تول کر دیا کرو۔

لوگوں کی چیزیں کم کرنے سے منع فرمانا اور زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے حد سے تجاوز نہ کرنے کا فرمانا

حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کو ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کی چیزیں کم نہ کرو اور زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے حد سے تجاوز نہ کرو۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ○ (الشعراء:183)

اور لوگوں کی چیزیں کم نہ کرو اور زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے حد سے تجاوز نہ کرو۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا فرمانا کہ اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم سے پہلے لوگوں کی جبلت کو پیدا کیا ہے

حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کو ارشاد فرمایا کہ اس ذات باری تعالیٰ سے ڈرو جس نے تم لوگوں کو پیدا فرمایا اور تم سے پہلے لوگوں کی جبلت کو پیدا کیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ○ (الشعراء:184)

اور اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے اور تم سے پہلے لوگوں کی جبلت کو پیدا کیا ہے۔

جبلت کا معنیٰ

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں ہے:

وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ○ (الشعراء:184)

اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم سے پہلے لوگوں کی جبلت کو پیدا کیا۔

یعنی کافروں کے جو اوصاف ہیں وہ فطری اور جبلی ہیں تکبر، عناد اور ہٹ دھرمی ان کی سرشت میں ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ (الاسراء:84)

ہر شخص اپنی فطرت اور سرشت کے مطابق عمل کرتا ہے۔(المفردات: ج:1 ص:113 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

جبلت کے متعلق احادیث مبارکہ

جبلت کے متعلق کثیر احادیث مبارکہ ہیں مگر چند عرض کی جاتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ابن آدم کی چار چیزوں سے فراغت ہو چکی ہے۔

1-خَلق

2-اور خُلق

3-اور رزق

4-اور اجل سے۔(معجم الاوسط: رقم الحدیث:15830)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

چار چیزوں سے فراغت ہو چکی ہے۔

1-خَلق

2-خُلق

3-رزق سے

4-اور مدت حیات سے

اور کوئی شخص کسی سے زیادہ کسب کرنے والا نہیں ہے۔(معجم الکبیر: رقم الحدیث:8953)

ایک اور روایت میں ہے:

عبداللہ بن ربیعہ سے روایت ہے کہ

ہم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ لوگوں نے ایک شخص کے خُلق (جبلت) کا ذکر کیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

یہ بتاؤ کہ اگر تم کسی شخص کا سر کاٹ دو تو پھر کیا اس کو جوڑ سکتے ہو۔

لوگوں نے کہا:

نہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پھر فرمایا:

اگر تم اس کا ہاتھ کاٹ دو تو؟

لوگوں نے کہا:

نہیں!

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

اور اگر تم اس کا پیر کاٹ دو تو؟

لوگوں نے کہا:

نہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

بے شک تم کسی شخص سے خُلق (جبلت) کو اس وقت تک نہیں بدل سکتے جب تک کہ تم اس کے خَلق (اعضاء اور شکل و صورت) کو نہ بدل دو۔ پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس حدیث مبارکہ کو سنایا۔ (معجم الکبیر: رقم الحدیث: 8884)

ایک اور روایت میں ہے:

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے مستقبل کی باتیں کر رہے تھے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب تم یہ سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے تو اس کی تصدیق کرنا اور جب تم یہ سنو کسی شخص کا خُلق (جبلت) بدل گئی ہے تو اس کی تصدیق نہ کرنا وہ شخص اسی سرشت کی طرف لوٹ جائے گا جس پر اس کو پیدا کیا گیا ہے۔ (مسند احمد: رقم الحدیث: 27372)

حضرت شعیب علیہ السلام کا ہلاک کرنے والے اعمال سے منع فرمانا

حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کو ارشاد فرمایا کہ اس ذات باری تعالیٰ سے ڈرو جس نے تمہیں اور پہلے لوگوں کو پیدا فرمایا جو نافرمانیوں کے باعث ہلاک کر دیئے گئے اور ان جیسے اعمال کر کے تم ہلاک نہ ہو۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اصحاب ایکہ سے مراد غیضہ ہیں جو ساحل سمندر سے مدین تک رہائش پذیر تھے وہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے۔ اصحاب الایکہ نے شرک کرنے کے ساتھ اصحاب مدین والا کام شروع کیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں فرمایا:

میں تمہارے لیے رسول ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تمہیں جو دعوت دیتا ہوں اس پر دنیا میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا میرا اجر تو رب العلمین کے ذمہ کرم پر ہے اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں اور پہلے لوگوں کو پیدا فرمایا

جونافرمانیوں کے باعث ہلاک کردیئے گئے اوران جیسے اعمال کر کے تم ہلاک نہ ہو۔الخ۔

(تفسیر در منثور، ج:5،ص:269 مطبوعہ کراچی)

قوم کا کہنا کہ تم صرف ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کیا گیا ہے

حضرت شعیب علیہ السلام جب قوم کو تبلیغ کر کے فارغ ہوئے تو قوم نے ایمان لانے کے بجائے یہ کہہ دیا کہ تم صرف ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ ○ (الشعراء:185)

قوم نے کہا! تم صرف ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کیا گیا ہے۔

قوم کا ہماری طرح بشر کہنا

قوم نے حضرت شعیب علیہ السلام کو کہا کہ تم ہماری طرح بشر ہو کیونکہ رسول کے لئے ضروری ہے کہ وہ فرشتہ ہو اور جبکہ تم فرشتہ نہیں ہو تو تمہارا رسالت کا دعویٰ جھوٹا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (الشعراء:186)

اور تم صرف ہماری مثل بشر ہو۔

قوم کا کہنا کہ ہم تم کو ضرور جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں

حضرت شعیب علیہ السلام کو قوم نے کہا ہم تمہیں ضرور جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ○ (الشعراء:186)

اور بے شک ہم تم کو ضرور جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں۔

قوم کا کہنا کہ تم سچوں میں سے ہو تو ہمارے اوپر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو

حضرت شعیب علیہ السلام کو قوم نے کہا کہ اگر تم سچوں میں سے ہو تو ہمارے اوپر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو۔ مطلب ان کا یہ تھا کہ ہمارے اوپر عذاب لے آؤ۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ○ (الشعراء:187)

اگر تم سچوں میں سے ہو تو ہمارے اوپر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا قوم کو فرمانا کہ میرا رب عزوجل خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو

قوم کفر کرتی تھی اور ناپ اور تول میں کمی کرتی تھی جس کی وجہ سے حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا میرا رب عزوجل خوب جانتا ہے کہ جو کچھ تم کرتے ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ رَبِّیْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ؈ (الشعراء:188)

میرا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

قوم نے اللہ تعالیٰ کی حدود کو معطل کردیا تھا

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے اللہ تعالیٰ کی حدود کو معطل کردیا تھا۔

امام ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی ابن الاثیر جزری متوفی 630ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے اللہ تعالیٰ کی حد کو معطل کردیا تھا۔ (الکامل فی التاریخ: ج: 1 ص: 89 مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا قوم کے رزق میں توسیع کرنا

جب حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے اللہ تعالیٰ کی حدود کو معطل کردیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق میں توسیع کردی۔

امام ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی ابن الاثیر جزری متوفی 630ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے اللہ تعالیٰ کی حدود کو معطل کردیا تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق میں توسیع کردی۔ (الکامل فی التاریخ: ج: 1 ص: 89 مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت)

قوم کا پھر حد کو معطل کرنا

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے رزق میں توسیع کردی تو قوم نے پھر حد کو معطل کردیا۔

امام ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی ابن الاثیر جزری متوفی 630ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء کرام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے اللہ تعالیٰ کی حدود کو معطل کردیا تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق میں توسیع کردی انہوں نے پھر حد کو معطل کردیا۔

(الکامل فی التاریخ: ج: 1 ص: 89 مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ نے پھر ان کے رزق میں توسیع کر دی

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے جب دوبارہ اللہ تعالیٰ کی حد کو معطل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے پھر ان کے رزق میں توسیع فرمادی۔

امام ابوالحسن علی ابن ابی الکرم الشیبانی ابن الاثیر جزری متوفی 630ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء کرام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے اللہ تعالیٰ کی حدود کو معطل کر دیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق میں توسیع فرمادی انہوں نے پھر حد کو معطل کر دیا اللہ تعالیٰ نے پھر ان کے رزق میں توسیع فرمادی۔

(الکامل فی التاریخ: ج:1 ص:89 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

قوم کو حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی بناء پر سائبان والے دن کے عذاب کا پکڑنا

جب قوم نے حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی تو ان کو سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ (الشعراء:189)

سو انہوں نے شعیب کی تکذیب کر دی تو ان کو سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا بے شک وہ بہت دن کا عذاب تھا۔

اصحاب الایکہ کا بار بار اللہ تعالیٰ کی حد کو معطل کرنا اور اللہ تعالیٰ کا ان پر گرمی کو مسلط کرنا

جب قوم نے بار بار اللہ تعالیٰ کی حد کو معطل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسی گرمی مسلط کر دی جو ان کی برداشت سے باہر تھی۔

امام ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی ابن الاثیر الجزری متوفی 630ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء کرام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے اللہ تعالیٰ کی حد کو معطل کر دیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق میں توسیع کر دی انہوں نے پھر حد کو معطل کر دیا اللہ تعالیٰ نے پھر ان کے رزق میں توسیع کر دی پھر یونہی بار بار ہوتا رہا حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو ان پر ایسی گرمی مسلط کر دی جو ان کی برداشت سے باہر تھی۔

(الکامل فی التاریخ: ج:1 ص:89 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ نے جہنم سے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر باد سموم بھیجی

اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر جہنم سے باد سموم بھیجی۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اصحاب ایکہ سے مراد غیضہ ہیں جو ساحل سمندر سے مدین تک رہائش پذیر تھے وہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے اصحاب ایکہ نے شرک کرنے کے ساتھ اصحاب مدین والا کام شروع کیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں فرمایا:

میں تمہارے لیے رسول ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تمہیں جو دعوت دیتا ہوں اس پر دنیا میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا میرا اجر تو رب العلمین کے ذمہ کرم پر ہے اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں اور پہلے لوگوں کو پیدا کیا جو نافرمانیوں کے باعث ہلاک کر دیئے گئے اور ان جیسے اعمال کر کے تم ہلاک نہ ہو۔

انہوں نے کہا:

تو بھی بوسیدہ ہونے والوں میں سے ہے۔

کسفا کا معنیٰ ہے ٹکڑا اور عذاب یوم الظلۃ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم سے ان پر باد سموم بھیجی۔

(تفسیر در منثور: ج:5،ص:269 مطبوعہ کراچی)

باد سموم سات دن چلتی رہی

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر باد سموم سات دن چلتی رہی۔

امام جلال الدین متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اصحاب ایکہ سے مراد غیضہ ہیں جو ساحل سمندر سے مدین تک رہائش پذیر تھے وہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے اصحاب ایکہ نے شرک کرنے کے ساتھ اصحاب مدین والا کام شروع کیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں فرمایا:

میں تمہارے لیے رسول ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تمہیں جو دعوت دیتا ہوں اس پر دنیا میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا میرا اجر تو رب العلمین کے ذمہ کرم پر ہے اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں اور پہلے لوگوں کو پیدا کیا جو نافرمانیوں کے باعث ہلاک کر دیئے گئے اور ان جیسے اعمال کر کے تم ہلاک نہ ہو۔

انہوں نے کہا:

تو بھی بوسیدہ ہونے والوں میں سے ہے۔

کسفا کا معنیٰ ہے ٹکڑا اور عذاب یوم الظلۃ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم سے ان پر باد سموم بھیجی۔ وہ سات دن تک ان پر چلتی رہی حتیٰ کہ گرم ہوا نے انہیں پکا دیا۔

(تفسیر در منثور: ج:269 مطبوعہ کراچی)

اصحاب الا یکہ کے باد سموم کی وجہ سے گھر گرم ہو گئے

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر سات دن باد سموم چلنے کی وجہ سے ان کے گھر گرم ہو گئے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اصحاب ایکہ سے مراد غیضہ ہیں جو ساحل سمندر سے مدین تک رہائش پذیر تھے وہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے اصحاب ایکہ نے شرک کرنے کے ساتھ اصحاب مدین والا کام شروع کیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں فرمایا:

میں تمہارے لیے رسول ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تمہیں جو دعوت دیتا ہوں اس پر دنیا میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا میرا اجر تو رب العلمین کے ذمہ کرم پر ہے اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں اور پہلے لوگوں کو پیدا کیا جو نافرمانیوں کے باعث ہلاک کر دیئے گئے اور ان جیسے اعمال کر کے تم ہلاک نہ ہو۔

انہوں نے کہا:

تو بھی بوسیدہ ہونے والوں میں سے ہے۔

کسفا کا معنیٰ ہے ٹکڑا اور عذاب یوم الظلۃ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم سے ان پر باد سموم بھیجی۔ وہ سات دن تک ان پر چلتی رہی حتیٰ کہ گرم ہوا نے انہیں پکا دیا۔ ان کے گھر گرم ہو گئے۔ (تفسیر در منثور: ج:5، ص:269 مطبوعہ کراچی)

اصحاب الا یکہ کے پانی کنوؤں اور چشموں میں جوش مارنے لگے

باد سموم کی وجہ سے اصحاب الا یکہ کے پانی کنوؤں اور چشموں میں جوش مارنے لگے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اصحاب ایکہ سے مراد غیضہ ہیں جو ساحل سمندر سے مدین تک رہائش پذیر تھے وہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے اصحاب ایکہ نے شرک کرنے کے ساتھ اصحاب مدین والا کام شروع کیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں فرمایا:

میں تمہارے لیے رسول ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تمہیں جو دعوت دیتا ہوں اس پر دنیا میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا میرا اجر تو رب العلمین کے ذمہ کرم پر ہے اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں اور پہلے لوگوں کو پیدا کیا جو نافرمانیوں کے باعث ہلاک کر دیئے گئے اور ان جیسے اعمال کر کے تم ہلاک نہ ہو۔

انہوں نے کہا:

تو بھی بوسیدہ ہونے والوں میں سے ہے۔

کسفا کا معنیٰ ہے ٹکڑا اور عذاب یوم الظلۃ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم سے ان پر باد سموم بھیجی۔ وہ سات دن تک ان پر چلتی رہی حتیٰ کہ گرم ہوا نے انہیں پکا دیا۔ ان کے گھر گرم ہو گئے۔ ان کے پانی کنوؤں اور چشموں میں جوش مارنے لگے۔

(تفسیر در منثور: ج:1، ص:269 مطبوعہ کراچی)

اصحاب الایکہ گھروں اور محلوں سے بھاگتے ہوئے نکل پڑے جبکہ باد سموم ان کے ساتھ تھی

اصحاب الایکہ پر جب گرمی کی شدت ہوئی تو وہ گھروں اور محلوں سے بھاگتے ہوئے نکل پڑے اور باد سموم بھی ان کے ساتھ تھی۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اصحاب ایکہ سے مراد غیضہ ہیں جو ساحل سمندر سے مدین تک رہائش پذیر تھے وہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے اصحاب ایکہ نے شرک کرنے کے ساتھ اصحاب مدین والا کام شروع کیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں فرمایا:

میں تمہارے لیے رسول ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تمہیں جو دعوت دیتا ہوں اس پر دنیا میں سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا میرا اجر تو رب العلمین کے ذمہ کرم پر ہے اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں اور پہلے لوگوں کو پیدا کیا جو نافرمانیوں کے باعث ہلاک کر دیئے گئے اور ان جیسے اعمال کر کے تم ہلاک نہ ہو۔

انہوں نے کہا:

تو بھی بوسیدہ ہونے والوں میں سے ہے۔

کسفا کا معنیٰ ہے ٹکڑا اور عذاب یوم الظلۃ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم سے ان پر باد سموم بھیجی۔ وہ سات دن تک ان پر چلتی رہی حتیٰ کہ گرم ہوا نے انہیں پکا دیا۔ ان کے گھر گرم ہو گئے۔ ان کے پانی کنوؤں اور چشموں میں جوش مارنے لگے وہ اپنے گھروں اور محلوں سے بھاگتے ہوئے نکل پڑے جبکہ باد سموم ان کے ساتھ تھی۔ (تفسیر در منثور: ج:5، ص:269 مطبوعہ کراچی)

اللہ تعالیٰ نے اوپر سے سورج کو مسلط کر دیا

جب اصحاب الایکہ گھروں اور محلوں سے بھاگتے ہوئے نکلے ایک تو ان کے ساتھ باد سموم تھی دوسرا اللہ تعالیٰ نے ان پر سورج کو مسلط کر دیا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اصحاب ایکہ سے مراد غیضہ ہیں جو ساحل سمندر سے مدین تک رہائش پذیر تھے وہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے اصحاب ایکہ نے شرک کرنے کے ساتھ اصحاب مدین والا کام شروع کیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں فرمایا:

میں تمہارے لیے رسول ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تمہیں جو دعوت دیتا ہوں اس پر دنیا میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا میرا اجر تو رب العلمین کے ذمہ کرم پر ہے اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں اور پہلے لوگوں کو پیدا کیا جو نافرمانیوں کے باعث ہلاک کر دیئے گئے اور ان جیسے اعمال کر کے تم ہلاک نہ ہو۔

انہوں نے کہا:

تو بھی بوسیدہ ہونے والوں میں سے ہے۔

کسفا کا معنیٰ ہے ٹکڑا اور عذاب یوم الظلۃ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم سے ان پر باد سموم بھیجی۔ وہ سات دن تک ان پر چلتی رہی حتیٰ کہ گرم ہوا نے انہیں پکا دیا۔ ان کے گھر گرم ہو گئے۔ ان کے پانی کنوؤں اور چشموں میں جوش مارنے لگے۔ وہ اپنے گھروں اور محلوں سے بھاگتے ہوئے نکل پڑے جبکہ باد سموم ان کے ساتھ تھی۔ اوپر سے اللہ تعالیٰ نے ان پر سورج کو مسلط کر دیا۔ (تفسیر در منثور: ج:5،ص:269 مطبوعہ کراچی)

سورج سے کھوپڑیاں حرکت کرنے لگیں

اللہ تعالیٰ نے جب اصحاب الایکہ پر سورج کو مسلط کیا تو سورج نے ان کو ڈھانپ لیا جس کی وجہ سے ان کی کھوپڑیاں حرکت کرنے لگیں۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اصحاب ایکہ سے مراد غیضہ ہیں جو ساحل سمندر سے مدین تک رہائش پذیر تھے وہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے اصحاب ایکہ نے شرک کرنے کے ساتھ اصحاب مدین والا کام شروع کیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں فرمایا:

میں تمہارے لیے رسول ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تمہیں جو دعوت دیتا ہوں اس پر دنیا میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا میرا اجر تو رب العلمین کے ذمہ کرم پر ہے اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں اور پہلے لوگوں کو پیدا کیا جو نافرمانیوں کے باعث ہلاک کر دیئے گئے اور ان جیسے اعمال کر کے تم ہلاک نہ ہو۔

انہوں نے کہا:

تو بھی بوسیدہ ہونے والوں میں سے ہے۔

کسفا کا معنیٰ ہے ٹکڑا اور عذاب یوم الظلۃ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم سے ان پر باد سموم بھیجی۔ وہ سات دن تک

ان پر چلتی رہی حتیٰ کہ گرم ہوا نے انہیں پکا دیا۔ ان کے گھر گرم ہو گئے۔ ان کے پانی کنوؤں اور چشموں میں جوش مارنے لگے۔ وہ اپنے گھروں اور محلوں سے بھاگتے ہوئے نکل پڑے جبکہ بادسموم ان کے ساتھ تھی۔ اوپر سے اللہ تعالیٰ نے ان پر سورج کو مسلط کر دیا۔ اس (سورج) نے ڈھانپ لیا حتیٰ کہ ان کی کھوپڑیاں حرکت کرنے لگیں۔ (تفسیر در منثور: ج:5، ص:269 مطبوعہ کراچی)

اللہ تعالیٰ نے نیچے سے سخت گرمی پیدا فرمادی جن سے اصحاب الایکہ کے پاؤں کے گوشت گر گئے

اللہ تعالیٰ اس قوم پر اس قدر ناراض ہوا کہ ان کو ہر ہر طرح سے عذاب دیا گیا اللہ تعالیٰ نے نیچے سے سخت گرمی کو مسلط کر دیا حتیٰ کہ ان کے پاؤں کے گوشت گر گئے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اصحاب ایکہ سے مراد غیضہ ہیں جو ساحل سمندر سے مدین تک رہائش پذیر تھے وہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے اصحاب ایکہ نے شرک کرنے کے ساتھ اصحاب مدین والا کام شروع کیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں فرمایا:

میں تمہارے لیے رسول ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تمہیں جو دعوت دیتا ہوں اس پر دنیا میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا میرا اجر تو رب العلمین کے ذمہ کرم پر ہے اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں اور پہلے لوگوں کو پیدا کیا جو نافرمانیوں کے باعث ہلاک کر دیئے گئے اور ان جیسے اعمال کر کے تم ہلاک نہ ہو۔

انہوں نے کہا:

تو بھی بوسیدہ ہونے والوں میں سے ہے۔

کسفا کا معنیٰ ہے ٹکڑا اور عذاب یوم الظلۃ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم سے ان پر بادسموم بھیجی۔ وہ سات دن تک ان پر چلتی رہی حتیٰ کہ گرم ہوا نے انہیں پکا دیا۔ ان کے گھر گرم ہو گئے۔ ان کے پانی کنوؤں اور چشموں میں جوش مارنے لگے۔ وہ اپنے گھروں اور محلوں سے بھاگتے ہوئے نکل پڑے جبکہ بادسموم ان کے ساتھ تھی۔ اوپر سے اللہ تعالیٰ نے ان پر سورج کو مسلط کر دیا۔ اس (سورج) نے ڈھانپ لیا حتیٰ کہ ان کی کھوپڑیاں حرکت کرنے لگیں۔ اللہ تعالیٰ نے نیچے سے سخت گرمی کو مسلط کر دیا حتیٰ کہ ان کے پاؤں کے گوشت گر گئے۔ (تفسیر در منثور: ج:5، ص:269 مطبوعہ کراچی)

اصحاب الایکہ کے لئے سیاہ بادل جیسا سایہ پیدا کرنا

اللہ تعالیٰ نے اصحاب الایکہ کے لئے سیاہ بادل جیسا سایہ پیدا فرمادیا تاکہ یہ سائے کی طرف بھاگ کر جائیں اور اس کی پناہ لیں۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اصحاب ایکہ سے مراد غیضہ ہیں جو ساحل سمندر سے مدین تک رہائش پذیر تھے وہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے اصحاب ایکہ نے شرک کرنے کے ساتھ اصحاب مدین والا کام شروع کیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں فرمایا:

میں تمہارے لیے رسول ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تمہیں جو دعوت دیتا ہوں اس پر دنیا میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا میرا اجر تو رب العٰلمین کے ذمہ کرم پر ہے اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں اور پہلے لوگوں کو پیدا کیا جو نافرمانیوں کے باعث ہلاک کر دیئے گئے اور ان جیسے اعمال کر کے تم ہلاک نہ ہو۔

انہوں نے کہا:

تو بھی بوسیدہ ہونے والوں میں سے ہے۔

کسفا کا معنیٰ ہے ٹکڑا اور عذاب یوم الظلۃ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم سے ان پر باد سموم بھیجی۔ وہ سات دن تک ان پر چلتی رہی حتیٰ کہ گرم ہوا نے انہیں پکا دیا۔ ان کے گھر گرم ہو گئے۔ ان کے پانی کنوؤں اور چشموں میں جوش مارنے لگے۔ وہ اپنے گھروں اور محلوں سے بھاگتے ہوئے نکل پڑے جبکہ باد سموم ان کے ساتھ تھی۔ اوپر سے اللہ تعالیٰ نے ان پر سورج کو مسلط کر دیا۔ اس (سورج) نے ڈھانپ لیا حتیٰ کہ ان کی کھوپڑیاں حرکت کرنے لگیں۔ اللہ تعالیٰ نے نیچے سے سخت گرمی کو مسلط کر دیا حتیٰ کہ ان کے پاؤں کے گوشت گر گئے۔ پھر ان کے لئے سایہ پیدا کیا گیا جو سیاہ بادل جیسا تھا۔

(تفسیر در منثور: ج:5، ص:269 مطبوعہ کراچی)

سایہ کو دیکھ کر بھاگنا اور اس کے نیچے سب کا اکٹھا ہونا

جب اصحاب الایکہ نے سایہ کو دیکھا تو اس کی طرف بھاگ پڑے۔

حتیٰ کہ سب اس کے نیچے جمع ہو گئے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اصحاب ایکہ سے مراد غیضہ ہیں جو ساحل سمندر سے مدین تک رہائش پذیر تھے وہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے اصحاب ایکہ نے شرک کرنے کے ساتھ اصحاب مدین والا کام شروع کیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں فرمایا:

میں تمہارے لیے رسول ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تمہیں جو دعوت دیتا ہوں اس پر دنیا میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا میرا اجر تو رب العٰلمین کے ذمہ کرم پر ہے اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں اور پہلے لوگوں کو پیدا کیا جو نافرمانیوں کے باعث ہلاک کر دیئے گئے اور ان جیسے اعمال کر کے تم ہلاک نہ ہو۔

انہوں نے کہا:

تو بھی بوسیدہ ہونے والوں میں سے ہے۔

کسفا کا معنیٰ ہے ٹکڑا اور عذاب یوم الظلۃ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم سے ان پر بادسموم بھیجی۔ وہ سات دن تک ان پر چلتی رہی حتیٰ کہ گرم ہوا نے انہیں پکا دیا۔ ان کے گھر گرم ہو گئے۔ ان کے پانی کنوؤں اور چشموں میں جوش مارنے لگے۔ وہ اپنے گھروں اور محلوں سے بھاگتے ہوئے نکل پڑے جبکہ بادسموم ان کے ساتھ تھی۔ اوپر سے اللہ تعالیٰ نے ان پر سورج کو مسلط کر دیا۔ اس (سورج) نے ڈھانپ لیا حتیٰ کہ ان کی کھوپڑیاں حرکت کرنے لگیں۔ اللہ تعالیٰ نے نیچے سے سخت گرمی کو مسلط کر دیا حتیٰ کہ ان کے پاؤں کے گوشت گر گئے۔ پھر ان کے لئے سایہ پیدا کیا گیا جو سیاہ بادل جیسا تھا۔ جب انہوں نے اس سایہ کو دیکھا تو اس سے سایہ حاصل کرنے کے لئے جلدی کرنے لگے حتیٰ کہ سب اس کے نیچے اکٹھے ہو گئے۔

(تفسیر در منثور: ج:5، ص:269 مطبوعہ کراچی)

بادل کا اصحاب الایکہ پر گرنا اور سب کا ہلاک ہونا

جب اصحاب الایکہ تمام کے تمام بادل کے نیچے اکٹھے ہو گئے تو بادل ان پر گرا دیا گیا جس کی وجہ سے سب ہلاک ہو گئے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اصحاب ایکہ سے مراد غیضہ ہیں جو ساحل سمندر سے مدین تک رہائش پذیر تھے وہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے اصحاب ایکہ نے شرک کرنے کے ساتھ اصحاب مدین والا کام شروع کیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں فرمایا:

میں تمہارے لیے رسول ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تمہیں جو دعوت دیتا ہوں اس پر دنیا میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا میرا اجر تو رب العلمین کے ذمہ کرم پر ہے اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں اور پہلے لوگوں کو پیدا کیا جو نافرمانیوں کے باعث ہلاک کر دیئے گئے اور ان جیسے اعمال کر کے تم ہلاک نہ ہو۔

انہوں نے کہا:

تو بھی بوسیدہ ہونے والوں میں سے ہے۔

کسفا کا معنیٰ ہے ٹکڑا اور عذاب یوم الظلۃ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم سے ان پر بادسموم بھیجی۔ وہ سات دن تک ان پر چلتی رہی حتیٰ کہ گرم ہوا نے انہیں پکا دیا۔ ان کے گھر گرم ہو گئے۔ ان کے پانی کنوؤں اور چشموں میں جوش مارنے لگے۔ وہ اپنے گھروں اور محلوں سے بھاگتے ہوئے نکل پڑے جبکہ بادسموم ان کے ساتھ تھی۔ اوپر سے اللہ تعالیٰ نے ان پر سورج کو مسلط کر دیا۔ اس (سورج) نے ڈھانپ لیا حتیٰ کہ ان کی کھوپڑیاں حرکت کرنے لگیں۔ اللہ تعالیٰ نے نیچے سے سخت گرمی کو مسلط کر دیا حتیٰ کہ ان کے پاؤں کے گوشت گر گئے۔ پھر ان کے لئے سایہ پیدا کیا گیا جو سیاہ بادل جیسا تھا۔ جب انہوں نے اس

سایہ کو دیکھا تو اس سے سایہ حاصل کرنے کے لئے جلدی کرنے لگے حتیٰ کہ سب اس کے نیچے اکٹھے ہو گئے۔ وہ ان پر آپڑا اور سب ہلاک ہو گئے۔ (تفسیر در منثور: ج:5، ص:269 مطبوعہ کراچی)

اصحاب الایکہ تہہ خانوں میں داخل ہوتے تو عذاب تہہ خانوں میں داخل ہو جاتا

اللہ تعالیٰ کی اصحاب الایکہ پر اس قدر ناراضگی ہوئی کہ ان کو قدم قدم پر عذاب دیا گیا حتیٰ کہ وہ لوگ تہہ خانوں میں داخل ہوتے تو ان کو تہہ خانوں میں عذاب دیا جاتا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ "فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ" کے بارے میں پوچھا گیا۔

تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے ان پر رات کی گرمی اور سخت حرارت کو بھیجا اس نے ان کی سانسوں کو گرفت میں لے لیا وہ گھروں کے تہہ خانوں میں داخل ہو گئے تو یہ عذاب ان کے گھروں کے تہہ خانوں میں داخل ہو گیا۔ عذاب نے ان کی سانوں کو گرفت میں لے لیا وہ گھروں سے بھاگ کر میدان کی طرف نکل گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر بادل کو بھیجا جس نے انہیں سورج کی تپش سے سایہ دیا انہوں نے اس سایہ کی ٹھنڈک اور لذت پائی تو انہوں نے ایک دوسرے کو بلایا حتیٰ کہ جب وہ اس کے نیچے جمع ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر آگ گرا دی۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان مقدسہ کا یہی مفہوم ہے۔

(جامع البیان: ج:۱۹، ص:127 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بادل میں چیخ ماری گئی

اصحاب الایکہ پر بادل میں چیخ ماری گئی۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جو تمہیں یہ بتائے کہ عذاب یوم الظلۃ کیا ہے۔

ارشاد فرمایا:

انہیں شدید گرمی نے آلیا اور انہیں گھروں سے پریشانی کے عالم میں باہر نکال دیا تو ان کے لئے بادل تیار کیا گیا تو سارے لوگ اس بادل کے پاس گئے اس میں چیخ ماری گئی۔ (جامع البیان: ج:۱۹، ص:127 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اصحاب الایکہ کو کوئی چیز سایہ نہ دیتی نہ نفع دیتی تھی

اصحاب الایکہ پر جب عذاب آیا تو ان کو کوئی چیز نہ سایہ دیتی تھی اور نہ ہی نفع دیتی تھی۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کے متعلق روایت ہے کہ

ہمارے سامنے یہ کہا گیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے ان پر گرمی کو سات دن تک مسلط کیا انہیں نہ کوئی سایہ دیتا اور نہ ہی انہیں کوئی چیز نفع دیتی اللہ تعالیٰ نے ان پر بادل بھیجا تو وہ اس کے سایہ میں سکون چاہنے کے لئے آئے اللہ تعالیٰ نے اس کو ان کے لئے عذاب بنا دیا جس نے ان کو جلا دیا ان پر آگ بھیجی گئی وہ بھڑک اٹھی جو انہیں کھا گئی۔ یہی عذاب یوم الظلۃ ہے۔ (تفسیر در منثور: ج:5، ص:270 مطبوعہ کراچی)

عذاب سے کوئی بھی نہ بچا

جب اصحاب الایکہ پر عذاب نازل کیا گیا تو ان میں سے کوئی بھی نہ بچا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

انہیں شدید گرمی نے آلیا حتیٰ کہ اس نے ان کو پریشان کر دیا تو وہ باہر نکل گئے ان کے لئے بادل اٹھایا گیا وہ اس کی طرف چل دیئے جب وہ اس کا سایہ لینے لگے تو ان پر عذاب بھیجا گیا تو ان میں سے کوئی بھی نہ بچا۔

(تفسیر در منثور: ج:5، ص:271 مطبوعہ کراچی)

اصحاب الایکہ کو گھر کا سایہ اور پانی کی ٹھنڈک کوئی فائدہ نہ دیتی تھی

اصحاب الایکہ پر گرمی اس قدر شدت کی مسلط کر دی گئی کہ ان کو گھر کا سایہ اور پانی کی ٹھنڈک کوئی فائدہ نہ دیتی تھی۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر سات دن اور رات گرمی کو مسلط کر دیا حتیٰ کہ وہ گھر کے سایہ اور پانی کی ٹھنڈک سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے پھر کھلے میدان میں ان کے لئے ایک بادل بلند کیا گیا تو انہوں نے اس سایہ کے نیچے آرام پایا تو وہ ایک دوسرے کو بلانے لگے حتیٰ کہ جب وہ سب اس کے نیچے جمع ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر آگ کو بھڑکا دیا۔

(تفسیر در منثور: ج:5، ص:270 مطبوعہ کراچی)

اصحاب الایکہ یوں جل گئے جیسے مکڑی دیگچی میں جل جاتی ہے

اصحاب الایکہ یوں جل گئے جیسے مکڑی دیگچی میں جل جاتی ہے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت شعیب علیہ السلام ان کو دراہم کاٹنے سے منع فرماتے تھے تو انہیں سایہ والے عذاب نے آلیا جب جمع ہو گئے تو

تعالیٰ نے ان سے سایہ کو دور کر دیا اور سورج کو ان پر گرم کر دیا گیا تو سب یوں جل گئے جیسے مکڑی دیگچی میں جل جاتی ہے۔

(تفسیر در منثور: ج:5،ص:271 مطبوعہ کراچی)

اصحاب الایکہ کو عذاب نے ہر طرف سے گھیر لیا

اصحاب الایکہ جس طرف جاتے وہیں عذاب نازل ہو جاتا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو اصحاب الایکہ کی طرف بھیجا۔ ایکہ سے مراد جنگل ہے تو اس قوم نے حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلا دیا اور انہیں یوم الظلہ کے عذاب نے پکڑ لیا۔

فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ نے ان پر جہنم کا ایک دروازہ کھول دیا تو ان پر ایسی گرمی چھا گئی جس کی وہ طاقت نہ رکھتے تھے انہوں نے پانی اور دوسری چیزوں سے ٹھنڈک حاصل کی جن پر قدرت رکھتے تھے وہ اس حالت میں تھے کہ ان کے لئے ایک بادل اٹھایا گیا جس میں ٹھنڈی پاکیزہ ہوا تھی جب انہوں نے اس کی ٹھنڈک کو پایا تو اس سایہ کی طرف چل پڑے وہ ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے اس سایہ کے پاس آئے وہ پہلے جس چیز میں تھے سب اس سے نکل پڑے جب وہ سارے کے سارے اس کے نیچے جمع ہوئے تو عذاب نے انہیں ہر طرف سے گھیر لیا۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ سے یہی مراد ہے۔ (تفسیر در منثور: ج:5،ص:270 مطبوعہ کراچی)

اصحاب الایکہ پر آگ کا برساؤ

جب اصحاب الایکہ بادل کے نیچے جمع ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو آگ سے بھر دیا پھر آگ ان پر برسنے لگی۔

امام ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی ابن الاثیر الجزری متوفی 630ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء کرام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے اللہ تعالیٰ کی حدود کو معطل کر دیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق میں توسیع کر دی انہوں نے پھر حد کو معطل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر ان کے رزق میں توسیع کر دی پھر یونہی بار بار ہوتا رہا حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو ان پر ایسی گرمی مسلط کر دی جو ان کی برداشت سے باہر تھی ان کو کہیں سایہ میسر نہ تھا نہ ٹھنڈا پانی مہیا تھا۔

پھر ان میں سے کسی نے آ کر کہا۔

اس نے ایک جگہ بادل کا سایہ دیکھا ہے وہ سب اس کے ساتھ جا کر وہاں جمع ہو گئے اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو آگ سے

بھر دیا اور ان پر آگ برسنے لگی اور یہی یوم الظلۃ کا عذاب ہے۔ (الکامل فی التاریخ: ج: 1 ص: 89 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

سرکشی اور گمراہی کی وجہ سے گرمی کا عذاب مسلط کر دیا گیا

اصحاب الایکہ نے سرکشی اور گمراہی سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر گرمی کا عذاب مسلط کر دیا۔

حافظ علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

علماء کرام نے بیان کیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو بیس سال کی عمر میں مدین کی طرف مبعوث فرمایا یہ قوم ناپ اور تول میں کمی کرتی تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو توحید کی دعوت دی اور ان کو ناپ اور تول میں کمی کرنے سے منع کیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو بہترین جواب دیتے تھے اس لیے ان کو خطیب الانبیاء کہا جاتا تھا۔ جب اہل مدین کی سرکشی بہت بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سخت گرمی کا عذاب بھیجا وہ گرمی سے گھبرا کر اپنے گھروں کو چھوڑ کر جنگل کی طرف نکل گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر ایک بادل بھیجا جس نے سورج سے ان کے اوپر سایہ کر لیا اس سے ان کو ٹھنڈک اور لذت حاصل ہوئی۔ پھر ان میں سے بعض نے بعض کو بلایا حتیٰ کہ سب اس بادل کے نیچے جمع ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان سب کے اوپر ایک آگ بھیجی جس نے ان سب کو جلا ڈالا اور یہی یوم الظلہ کا عذاب ہے۔

پھر حضرت شعیب علیہ السلام نے باقی عمر اصحاب الایکہ کے ساتھ گزاری اور ان کو اللہ تعالیٰ کا پیغام سناتے رہے اور ان کو اللہ تعالیٰ پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے کی دعوت دیتے رہے اور اس کی اطاعت کرنے کا حکم دیتے رہے لیکن ان کی دعوت کا اثر ان پر برعکس ہوا۔ ان کی سرکشی اور گمراہی بڑھتی رہی پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر بھی گرمی مسلط کر دی۔

اور یہ ہو سکتا ہے کہ

دو امتوں پر ایک جیسا عذاب آیا ہو۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا ہے کہ

اہل مدین کو ایک چنگھاڑ نے ہلاک کر دیا تھا اور اصحاب الایکہ پر سات دن تک مسلسل سخت گرمی مسلط کی گئی پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک آگ بھیجی جو ان کو کھا گئی اور یہی یوم الظلۃ کا عذاب ہے۔ (المنتظم: ج: 1 ص: 210 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اصحاب مدین اور اصحاب الایکہ میں سے کتنے ایمان لائے

اصحاب مدین اور اصحاب الایکہ میں سے ایمان لانے والوں کی تعداد میں علماء کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی 1137ھ لکھتے ہیں:

اکثر اصحاب الایکہ ایمان لانے والے نہ تھے بلکہ کل اصحاب الایکہ ایمان لانے والے نہ تھے کیونکہ ان میں سے کسی شخص

کا بھی ایمان لانا منقول نہیں ہے اس کے برخلاف اصحاب مدین میں سے ایک جماعت ایمان لے آئی تھی۔

(روح البیان: ج:6،ص:392 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

دونوں امتوں میں سے نوسو (900) نفر حضرت شعیب علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:13،ص:127 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ اہل مدین کے ایمان کے متعلق لکھتے ہیں:

ان میں سے بعض حضرت شعیب علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔(البدایہ والنہایہ: ج:1،ص:267 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے:

مومنین ڈیڑھ لاکھ یا ایک لاکھ ایک ہی بستی میں حضرت شعیب علیہ السلام کے قریب ہی رہائش رکھتے تھے کچھ ابتداء نقل مکانی کر گئے تاکہ اطمینان سے سایۂ نبی میں عبادت کرسکیں۔(تفسیر نعیمی: ج:12،ص:285 مطبوعہ لاہور)

حضرت شعیب علیہ السلام اصحاب الایکہ کی ہلاکت کے بعد اصحاب الرس کے نبی بنے

حضرت شعیب علیہ السلام اصحاب الایکہ کی ہلاکت کے بعد اصحاب الرس کے نبی بنے۔

تفسیر نعیمی میں ہے:

آپ علیہ السلام کی خصوصیت یہ ہے کہ

آپ علیہ السلام یکے بعد دیگرے چند قوموں کے نبی ہوئے پہلے قوم مدین کے ان کی ہلاکت کے بعد ایکہ والوں کے ان کی ہلاکت کے بعد اصحاب الرس کے۔(تفسیر نعیمی: ج:8،ص:578 مطبوعہ لاہور)

اصحاب الرس بھی حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تھی

اصحاب الرس بھی حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تھی۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ!

اصحاب الرس سے مراد کنویں والے ہیں یہ بھی حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تھے۔

(تفسیر درمنثور: ج:5،ص:269 مطبوعہ کراچی)

اس قوم ثمود کی ایک بستی تھی

اس قوم ثمود کی ایک بستی تھی۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اس قوم ثمود کی ایک بستی تھی۔ (جامع البیان: ج:19، ص:19 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اصحاب الرس سے مراد یمامہ میں اہل فلج ہیں

اصحاب الرس سے مراد یمامہ میں اہل فلج ہیں اور وہ کنویں جن پر وہ رہائش پذیر تھے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہمیں بتایا گیا ہے کہ

اصحاب الرس سے مراد یمامہ میں اہل فلج ہیں اور وہ کنویں جن پر وہ رہائش پذیر تھے۔

(جامع البیان: ج:19، ص:19 مطبوعہ دار احیاء التراب العربی بیروت)

اصحاب الرس کنویں پر آباد تھی

اصحاب الرس کنویں پر آباد تھی۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اس سے مراد کنواں ہے جس پر ایک قوم آباد تھی جس کو اصحاب الرس کہتے ہیں۔

(جامع البیان: ج:19، ص:19 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اصحاب الرس نے اپنے نبی کو کنویں میں دفن کر دیا تھا

اصحاب الرس نے اپنے نبی کو کنویں میں دفن کر دیا تھا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اصحاب الرس نے اپنے نبی کو کنویں میں دفن کر دیا تھا۔ (جامع البیان: ج:19، ص:20 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

لوگوں نے اپنے نبی کو اس میں دھنسا دیا تھا اس لیے اس کنویں کو الرس کہتے ہیں۔

(زاد المسیر: ج:6، ص:90 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

اصحاب الرس درخت کی پوجا کرتی تھی

اصحاب الرس ایک درخت کی پوجا کرتی تھی۔

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اصحاب الرس ایک قوم ہے جو درخت کی پوجا کرتی تھی اللہ تعالیٰ نے یہوذا ابن یعقوب کی اولاد سے ان کی طرف ایک نبی بھیجا انہوں نے کنواں کھود کر اس نبی کو اس کنویں میں گرادیا اس کی پاداش میں ان کو عذاب سے ہلاک کردیا گیا۔

(زادالمسیر: ج:6،ص:90 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

اصحاب الرس نے کس نبی کو قتل کیا تھا

اصحاب الرس نے حضرت حنظلہ بن صفوان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا۔

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

یہ وہ قوم ہے جس کے نبی کا نام حضرت حنظلہ بن صفوان علیہ السلام تھا انہوں نے اپنے نبی کو قتل کردیا تو اللہ تعالیٰ نے عذاب بھیج کر ان کو ہلاک کردیا۔ (زادالمسیر: ج:6،ص:90 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

اصحاب الرس کہاں آباد تھے

اصحاب الرس ایک قوم کے پاس رہتے تھے یہ لوگ اس کنویں سے پانی پیتے اوران کے مویشی بھی تھے۔

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

وہب بن منبہ نے کہا:

یہ قوم ایک کنویں کے پاس رہتی تھی یہ لوگ کنویں سے پانی پیتے تھے اوران کے مویشی بھی تھے۔

(زادالمسیر: ج:6،ص:90 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

الرس کنواں کہاں واقع ہے

اس بارے میں تین قول ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ کنواں یمامہ میں ہے ایک قول یہ ہے یہ کنواں انطاکیہ میں ہے ایک قول یہ ہے کہ آذربائیجان میں ہے۔

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ

یہ کنواں آذربائیجان میں ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ

یہ کنواں یمامہ میں ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ

یہ کنواں انطاکیہ میں ہے۔(زادالمسیر :ج:6،ص:90 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

اصحاب الرس بتوں کی پوجا کرتے تھے

اصحاب الرس بتوں کی پوجا کرتے تھے۔

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت وہب بن منبہ نے کہا:

یہ لوگ بتوں کی عبادت کرتے تھے۔(زادالمسیر :ج:6،ص:90 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

اصحاب الرس کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کا مبعوث ہونا

اللہ تعالیٰ نے اصحاب الرس کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت وہب بن منبہ نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔(زادالمسیر :ج:6،ص:90 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

اصحاب الرس کی سرکشی کی وجہ سے کنواں منہدم ہو گیا

اصحاب الرس نے جب حضرت شعیب علیہ السلام کی کسی بات کو نہ مانا تو یہ کنواں منہدم ہو گیا۔

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں: حضرت وہب بن منبہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا مگر یہ لوگ اپنی سرکشی کی وجہ سے باز نہ آئے تو یہ کنواں منہدم ہو گیا۔

(زادالمسیر :ج:6،ص:90 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

اصحاب الرس اور ان کے گھروں کو کنویں میں دھنسا دیا گیا

جب اصحاب الرس نے حضرت شعیب علیہ السلام سے روگردانی اختیار کی تو ان کو اور ان کے گھروں کو کنویں میں دھنسا دیا گیا۔

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں: حضرت وہب بن منبہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا مگر یہ لوگ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے تو یہ کنواں منہدم ہو گیا اور ان لوگوں کو اور ان کے گھروں کو اس کنویں میں دھنسا دیا گیا۔(زادالمسیر :ج:6،ص:90 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حضرت شعیب علیہ السلام کا اپنی شہزادی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نکاح کر دینے کے بعد مکہ مکرمہ چلا جانا

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی شہزادی کا نکاح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کر دیا تو پھر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں: ابوالمنذر نے کہا ہے: پھر حضرت شعیب علیہ السلام نے

اپنی شہزادی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نکاح کر دیا پھر آپ علیہ السلام مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔

(المنتظم: ج:1، ص:211 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت شعیب علیہ السلام کا وصال

جب حضرت شعیب علیہ السلام مکہ مکرمہ چلے گئے تو وہیں پر ہی اپنی زندگی کے باقی ایام گزارے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اپنے پاس بلا لیا۔

یادرہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے وصال کے متعلق دو قول ملتے ہیں اور راجح قول مکہ مکرمہ والا ہے۔

شیخ محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی لکھتے ہیں: حضرموت میں ایک قبر ہے جو زیارت گاہ عوام و خواص ہے وہاں کے باشندوں کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ شعیب علیہ السلام کی قبر ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام مدین کی ہلاکت کے بعد یہاں بس گئے تھے اور یہیں پر ان کی وفات ہوئی حضرموت کے مشہور ''شون'' کے مغربی جانب ایک مقام ہے جس کو شبام کہتے ہیں اس جگہ اگر کوئی مسافر وادی ابن علی کی راہ ہوتا ہوا شمال کی جانب چلے تو وادی کے بعد وہ جگہ آتی ہے جہاں یہ قبر ہے یہاں مطلق کوئی آبادی نہیں ہے اور جو بھی شخص یہاں آتا ہے صرف زیارت کے لئے ہی آتا ہے۔

(قصص القرآن: ج:1، ص:354 مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

علامہ ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں: ابو المنذ ر نے کہا: پھر حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی شہزادی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نکاح کر دیا پھر آپ علیہ السلام مکہ مکرمہ چلے گئے اور وہیں پر وصال فرمایا۔

(المنتظم: ج:1، ص:211 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ علی بن حسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں: حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کا وصال مکہ مکرمہ میں ہوا اور آپ علیہ السلام کے ساتھ مومنین کی ایک جماعت بھی تھی ان تمام کے مزارات کعبہ معظمہ کی مغرب جانب ہیں اور وہ دار الندوہ اور باب السہم کے درمیان واقع ہیں۔

(تاریخ مدینہ دمشق: ج:23، ص:88 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت شعیب علیہ السلام کا مزار مبارکہ حجر اسود کے سامنے مسجد حرام میں ہے

حضرت شعیب علیہ السلام کا مزار مبارکہ حجر اسود کے سامنے مسجد حرام میں ہے۔

علامہ ابو الفرج عبد الرحمٰن علی الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں: ابو المنذ ر نے کہا: پھر حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نکاح کر دیا پھر آپ علیہ السلام مکہ مکرمہ چلے گئے اور وہیں پر ہی وصال فرمایا اور آپ علیہ السلام کی عمر مبارک ایک سو چالیس سال تھی اور آپ علیہ السلام کو حجر اسود کے سامنے مسجد حرام میں دفن کر دیا گیا۔

(المنتظم: ج:1، ص:211 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مسجد حرام میں حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مزار مبارکہ کے علاوہ کوئی قبر نہیں ہے

حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مزار مبارکہ کے علاوہ مسجد حرام میں کسی کی قبر نہیں ہے۔

حافظ ابوالقاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

مسجد حرام میں صرف دو مزار مبارکہ ہیں ان کے سوا اور کوئی قبر نہیں ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کے مزار مبارکہ ہیں۔ (تاریخ دمشق الکبیر: ج:25، ص:54 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مزار مبارک حطیم میں ہے

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مزار مبارک حطیم میں ہے۔

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

مسجد حرام میں صرف دو مزار مبارکہ ہیں ان کے سوا اور کوئی قبر نہیں ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کے مزار مبارکہ ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مزار مبارکہ حطیم میں ہے۔ (تاریخ دمشق الکبیر: ج:25، ص:54 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت شعیب علیہ السلام کا مزار مبارکہ حجر اسود کے بالمقابل ہے

حضرت شعیب علیہ السلام کا مزار مبارکہ حجر اسود کے بالمقابل ہے۔

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

مسجد حرام میں صرف دو مزار مبارکہ ہیں ان کے سوا اور کوئی قبر نہیں ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کے مزار مبارکہ ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مزار مبارکہ حطیم میں ہے اور حضرت شعیب علیہ السلام کا مزار مبارکہ حجر اسود کے بالمقابل ہے۔ (تاریخ دمشق الکبیر: ج:25، ص:54 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت شعیب علیہ السلام کی عمر مبارکہ ایک سو چالیس سال تھی

حضرت شعیب علیہ السلام کی عمر مبارکہ ایک سو چالیس سال تھی۔

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں: ابوالمنذر نے کہا: پھر حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی شہزادی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نکاح کر دیا پھر آپ علیہ السلام مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور وہیں پر ہی وصال فرمایا اور

آپ علیہ السلام کی عمر مبارکہ ایک سو چالیس سال (140) تھی اور آپ علیہ السلام کو حجر اسود کے سامنے مسجد حرام میں دفن کیا گیا۔
(المنتظم: ج:1، ص:211 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

آخری التجاء

الحمد للہ عزوجل اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آج انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کے احوال سے موسوم کتاب کی تیسری جلد مکمل ہوئی جس میں چار انبیاء کرام علیہم السلام 1- حضرت لوط علیہ السلام، 2- حضرت ھود علیہ السلام، 3- حضرت صالح علیہ السلام، 4- اور حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوموں کے احوال ذکر کیے گئے ہیں۔ پہلی جلد میں بھی چار انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کے احوال ذکر کیے گئے تھے اور دوسری میں بھی چار انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کے احوال ذکر کیے گئے تھے اب تیسری میں بھی چار انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کے احوال ذکر کیے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی مقدس بارگاہ میں دعا ہے کہ اگر مجھ سے کہیں بتقاضائے بشریت غلطی وکوتاہی ہوگئی ہو تو اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے معاف فرمائے۔ میری، میرے والدین کریمین، بہن بھائیوں، عزیز واقارب، اساتذہ کرام اور پوری امت مسلمہ کی پیرومرشد کے صدقے مغفرت فرمائے اور ہم سب کا ایمان پر خاتمہ، قبر میں زیارت مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حشر میں شفاعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور جنت الفردوس میں رسول عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمین شریفین میں پڑوس عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین و صلی اللہ علیہ وسلم

طالب غم مدینہ ومغفرت ومدفن جنت البقیع

عبدالمصطفیٰ محمد مجاہد العطاری القادری عفی عنہ

آستانہ عالیہ چشتیہ جھلار شریف شاہ جمال مظفرگڑھ

اختتام کتاب!

بروز سوموار پچیس رمضان المبارک 1435ھ بمطابق 24 جولائی 2014ء


مولانا عبد المصطفیٰ محمد مجاهد العطاری القادری
شاہ جمال آستانۂ عالیہ جھلار شریف
کی دیگر تصانیف وتراجم
نعمۃ الودود
سنن ابی داود
الصواعق المحرقہ
معجزات النبی
قرآن وحدیث کیا کہتے ہیں
فی شان مصطفیٰ
ماہ رمضان
بخشش کا سامان
شان امیر معاویہ
تطہیر الجنان واللسان
میلاد حبیب کبریا
مدینے کے مسافر
ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور
Ph: 37352022



قرآن و حدیث کی روشنی میں انبیاء کرام علیہم السلام
اور اُن کی قوموں کے حالات و واقعات پر مدلل تحریر



انبیاء کرام علیہم السلام اور اُنکی قوموں کے احوال

جلد چہارم








مؤلف:
مولانا عبد المصطفیٰ محمد مجاہد العطاری القادری
شاہ جمال آستانہ عالیہ جھلار شریف

ناشر
اکبر بک سیلرز لاہور

قرآن و حدیث کی روشنی میں انبیاء کرام علیہم السلام
اور اُن کی قوموں کے حالات و واقعات پر مدلل تحریر

انبیاء کرام علیہم السلام اور اُنکی قوموں کے احوال

جلد چہارم

ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر، ۴۰ اُردو بازار لاہور Ph: 37352022

نام کتاب .... انبیاء کرام علیہم السلام اوران کی قوموں کے احوال (جلد چہارم)

مصنف .... مولانا عبدالمصطفیٰ محمد مجاہد القادری

صفحات ۹۷۶

تعداد ۶۰۰

کمپوزنگ .... زاہد اقبال

تاریخ اشاعت .... فروری ۲۰۱۵ء

ناشر .... محمد اکبر قادری

قیمت 850روپے

ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور

شرف انتساب

میں اپنی اس ادنیٰ کاوش کو استادِ محترم و استاذ العلماء و شیخ الحدیث حضرت علامہ مفتی غلام شبیر سعیدی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی طرف منسوب کرتا ہوں کہ جن کے فیض سے کثیر طلباء کرام و علماء کرام علم و عمل سے پیراستہ ہوئے اور ان شاء اللہ عزوجل ہوتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ میرے استادِ محترم کے علم و عمل میں برکتیں عطا فرمائے اور عمر درازی بالخیر عطا فرمائے۔ مجھ حقیر پر سایہ شفقت تادائم و قائم فرمائے۔ میری، میرے والدین کریمین، بہن بھائیوں، عزیز و اقارب، اساتذہ کرام اور تمام امت مسلمہ کی مغفرت و ایمان پر خاتمہ، قبر میں زیارت رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم، قیامت میں شفاعت شفیع اعظم و جنت الفردوس میں نبی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمین شریفین میں پڑوس عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین و صلی اللہ علیہ وسلم

اظہار تشکر

الحمد للہ عزوجل انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کے احوال سے موسوم تین جلدیں مکمل کرنے کے بعد آج چوتھی جلد کا آغاز کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کے صدہا کروڑوں احسانات میں سے یہ بھی مجھ حقیر پر احسان ہے کہ مجھے علم دین کی خدمت کے لئے چنا اور علم دین دوسروں تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائی۔ وہ علم دین جن کی خدمت صحابہ کرام، تابعین عظام، تبع تابعین و علماء کرام رضی اللہ عنہم و رحمۃ اللہ علیہم کرتے چلے آئے ہیں اور ان شاء اللہ قیامت تک کرتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی مقدس بارگاہ میں دعا ہے کہ مجھے علم دین کی خدمت مرتے دم تک کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور میرے لئے بذریعۂ نجات بنائے۔

آمین بجاہ النبی الامین و صلی اللہ علیہ وسلم

طالب غم مدینہ و مغفرت و مدفن جنت البقیع

عبد المصطفیٰ محمد مجاہد القادری عفی عنہ

آستانہ عالیہ چشتیہ جھلار شریف شاہ جمال مظفر گڑھ

نعت شریف

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں
رخصت قافلہ کا شور غش سے ہمیں اٹھائے کیوں
سوتے ہیں ان کے سایہ میں کوئی ہمیں جگائے کیوں
بار نہ تھے حبیب کو پالتے ہی غریب کو
روئیں جواب نصیب کو چین کہو گنوائے کیوں
یاد حضور کی قسم غفلت عیش ہے ستم
خوب ہیں قید غم میں ہم کوئی ہمیں چھڑائے کیوں
دیکھ کے حضرت غنی پھیل پڑے فقیر بھی
چھائی ہے اب تو چھاؤنی حشر ہی آ نہ جائے کیوں
جان ہے عشق مصطفیٰ روز افزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں
ہم تو ہیں آپ دل فگار غم میں ہنسی ہے ناگوار
چھیڑ کے گل کو نو بہار خون ہمیں رلائے کیوں
یا تو یونہی تڑپ کے جائیں یا وہی دام سے چھڑائیں
منت غیر کیوں اٹھائیں کوئی ترس جتائے کیوں
ان کے جلال کا اثر دل سے لگائے ہے قہر
جو کہ ہو لوٹ زخم پر داغ جگر مٹائے کیوں
خوش رہے گل پہ عندلیب خار حرم مجھے نصیب
میری بلا بھی ذکر پر پھول کے خار کھائے کیوں
گرد ملال اگر دُھلے دل کی کلی اگر کھلے
برق سے آنکھ کیوں لگے رونے پہ مسکرائے کیوں

جان سفر نصیب کو کس نے کہا مزے سے سو
کھٹکا اگر سحر کا ہو شام سے موت آئے کیوں

اب تو نہ روک اے غنی عادت سگ بگڑ گئی
میرے کریم پہلے ہی لقمہ تر کھلائے کیوں

راہ نبی میں کیا کمی فرش بیاض دیدہ کی
چادر ظل ہے ملگجی زیر قدم بچھائے کیوں

سنگ در حضور سے ہم کو خدا نہ صبر دے
جانا ہے سر کو جا چکے دل کو قرار آئے کیوں

ہے تو رضا نرا ستم جرم پہ گر لجائیں ہم
کوئی بجائے سوز غم ساز طرب بجائے کیوں

کلام از: اعلیٰ حضرت امام الرضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

تم تو طلب گار ہو آخر مجاہد اس ساقی کوثر کے
مل جائے گا تمہیں بھی جام پھر بے قرار کیوں

فہرست جلد چہارم

انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کے حالات وواقعات

فہرست مضامین

عنوان — صفحہ

عنوان — صفحہ

انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کے احوال

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَآءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نُوْرَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

درود شریف کی فضیلت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو بندہ بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے تو فرشتہ اس درود کو لے کر اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچتا ہے۔
پھر ہمارا رب تبارک تعالیٰ فرماتا ہے۔
اس بندہ کی قبر پر جا کر اس بندہ کے لیے ایسا استغفار کرو جس سے اس بندہ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

(الفردوس بماثور الخطاب: رقم الحدیث: 6026)

سبحان اللہ عزوجل! نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے والے کے لئے فرشتے بھی استغفار کرتے ہیں جس سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں لہٰذا ہمیں اپنے آقائے دو عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود شریف پڑھنا چاہئے تاکہ ہماری دنیا و آخرت بہتر ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مقدس نبی اور کلیم ہیں کہ آپ علیہ السلام کوہ طور پر اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو تورات شریف عطا فرمائی جو بنی اسرائیل کے متعلق نازل فرمائی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا۔ فرعون وہ بدبخت شخص تھا جس نے خدائی دعویٰ کیا اور لوگوں کو اپنی عبادت کرنے کا حکم دیتا تھا۔ جب آپ علیہ السلام نے اس بدبخت کو اس شرکیہ فعل سے منع فرمایا تو اس نے آپ علیہ السلام کی تکذیب کی اور اللہ تعالیٰ نے اس بدبخت کو ایسا نیست و نابود فرمایا کہ آج تک عبرت کا نشانہ بنا ہوا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام مبارک

لفظ موسیٰ دو کلموں سے مل کر بنا ہے۔

1- مو

2- سیٰ

مو کا معنیٰ ہے پانی۔

اور سیٰ کا معنیٰ ہے درخت

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

لفظ موسیٰ عبرانی زبان کا لفظ ہے اور دو کلموں سے مل کر بنا ہے۔

مو کا معنیٰ ہے پانی

اور سیٰ کا معنیٰ ہے درخت

حضرت موسیٰ کو ان کی والدہ محترمہ نے فرعون کے خوف سے تابوت میں رکھ دیا تھا اور اس تابوت کو سمندر میں ڈال دیا۔ سمندر کی موجیں اس تابوت کو فرعون کے گھر کے قریب درختوں کے جھنڈ میں لے آئیں۔ فرعون کی بیوی آسیہ کو وہ تابوت ملا اس نے تابوت سے بچہ نکال لیا اور چونکہ یہ بچہ اسے پانی اور درختوں سے ملا تھا تو اس جگہ کی مناسبت سے اس کا نام موسیٰ (علیہ السلام) رکھ دیا۔ (تفسیر کبیر، ج 1، ص 343، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ایک وجہ یہ بھی لکھی گئی ہے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اسم گرامی موسیٰ اس لیے ہے کیونکہ آپ علیہ السلام کو پانی اور درخت کے درمیان القاء کیا گیا اور قبطی زبان میں مو کو پانی اور درخت کو سی کہتے ہیں۔ (تفسیر در منثور: ج:3، ص:337 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نسب شریف

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نسب شریف کے متعلق علماء کرام کے اقوال درج ذیل ہیں:

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام ونسب یہ ہے:۔

موسیٰ بن عمران بن یصہر بن قاعث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام۔

(تفسیر کبیر: ج:1، ص:343 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نسب اس طرح ہے۔

حضرت موسیٰ بن عمران بن قاہث بن عازر بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام۔

(البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:237 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کہاں اور کس طرح رہائش پذیر رہی؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام تک آپ علیہ السلام کی اولاد کنعان میں ہی رہائش پذیر رہی پھر حضرت یوسف علیہ السلام مصر تشریف لائے اور وہاں ہی رہائش پذیر ہوئے حتیٰ کہ آپ علیہ السلام کی اولاد کا مصر پر غلبہ ہو گیا اور وہ وہیں پر رہائش پذیر رہے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام تک ان کی اولاد کنعان میں ہی آباد رہی پھر حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کے حسد کی وجہ سے بظاہر غلام بن کر مصر میں تشریف لائے یہاں حق تعالیٰ نے ان کو بڑا عروج عطا فرمایا جب کنعان میں سخت قحط پڑا تب حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی ساری اولاد مصر میں تشریف لائے ان سب کو خدا تعالیٰ نے بڑھایا اور چند صدیوں میں مصر میں ان کے لاکھوں آدمی ہو گئے اور اس عرصہ میں وہاں اسرائیلیوں کا بہت دبدبہ رہا۔ حضرت یوسف علیہ السلام والا فرعون اور اس کے ساتھی مر کھپ گئے اور ملک میں بد نظمی پیدا ہوئی۔

(تفسیر نعیمی: ج:1، ص:318 مطبوعہ لاہور)

فرعون ایک غریب عطار تھا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون ایک غریب عطار تھا۔
حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:
ولید بن مصعب جو سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کا فرعون ہے یہ شہر اصفہان کا ایک غریب عطار تھا۔
(تفسیر نعیمی: ج:1، ص:318 مطبوعہ لاہور)

فرعون پر بہت سارا قرضہ ہونے کے بعد اصفہان سے شام کی جانب بھاگنا

چونکہ فرعون ایک غریب عطار تھا' اسی لیے جب اس پر بہت سارا قرضہ ہو گیا تو یہ اصفہان سے بھاگ کر شام پہنچا۔
حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:
یہ شہر کا ایک غریب عطار تھا جب اس پر بہت سارا قرض ہو گیا تو اصفہان سے بھاگ کر شام پہنچا۔
(تفسیر نعیمی: ج:1، ص:318 مطبوعہ لاہور)

فرعون کا شام میں ذریعہ معاش نہ ملنے پر مصر جانا

جب فرعون شام آیا تو اس کے ہاتھ میں کوئی معقول ذریعہ معاش نہ آیا تو وہ روزی کی تلاش میں مصر بھاگ آیا۔
حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:
ولید ابن مصعب جو سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کا فرعون ہے یہ شہر اصفہان کا ایک غریب عطار تھا جب اس پر بہت سارا قرض ہو گیا تو اصفہان سے بھاگ کر شام پہنچا لیکن وہاں کوئی ذریعہ معاش ہاتھ نہ آیا تب وہ تلاش روزی کے لئے مصر میں آیا۔
(تفسیر نعیمی: ج:1، ص:319 مطبوعہ لاہور)

فرعون کا مصر کے گاؤں میں سستے تربوز بکتے دیکھ کر شہر کی طرف لے جانا اور ٹیکس بھرتے بھرتے ایک تربوز بچ جانا

جب فرعون مصر میں روزی کی تلاش کے لئے آیا تو اس نے گاؤں میں تربوز بہت سستے بکتے دیکھے اور شہر میں بہت مہنگے بکتے دیکھے جس کی لالچ نے اسے شہر میں جانے پر مجبور کر دیا مگر جب وہ تربوز لے کر شہر کی جانب گیا تو راستہ میں جگہ جگہ پر اس سے ٹیکس لیا گیا اور اس کے پاس صرف ایک تربوز بچ گیا باقی سب محصول لینے والوں نے لے لیے۔
حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:
ولید ابن مصعب جو سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کا فرعون ہے یہ شہر اصفہان کا ایک غریب عطار تھا جب اس پر بہت سارا قرض ہو گیا تو اصفہان سے بھاگ کر شام پہنچا لیکن وہاں کوئی ذریعہ معاش ہاتھ نہ آیا تب وہ تلاش روزی کے لئے مصر میں آیا۔
یہاں اس نے دیکھا کہ گاؤں میں تربوز بہت سستے بکتے ہیں اور شہر میں مہنگے۔ دل میں سوچا کہ نفع بخش تجارت ہے چنانچہ اس نے گاؤں سے بہت تربوز خریدے مگر شہر کی طرف چلا تو راستے میں محصول لینے والوں نے کئی جگہ اس سے محصول لیا بازار

آتے آتے صرف اس کے پاس ایک تربوز بچا باقی سب محصول میں چلے گئے۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:319 مطبوعہ لاہور)

فرعون کا مصر میں ٹیکس کی وصولی سے سمجھ جانا کہ یہاں کوئی شاہی انتظام نہیں جو چاہے حاکم بن کر مال وصول کرتا پھرے

جب فرعون سے جگہ جگہ ٹیکس وصول کیے گئے تو وہ سمجھ گیا کہ یہاں کوئی شاہی انتظام نہیں جو چاہے حاکم بن کر مال وصول کر لے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

یہ سمجھ گیا کہ اس ملک میں کوئی شاہی انتظام نہیں جو چاہے حاکم بن کر مال وصول کرے۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:319 مطبوعہ لاہور)

مصر میں بہت سارے لوگوں کا وبائی بیماری سے مرنا اور فرعون کا قبرستان بیٹھ کر خود کو شاہی افسر کہہ کر فی مردہ پانچ درہم لینا اور بہت سارا مال جمع کر لینا

جب فرعون یہ سمجھ گیا کہ یہاں کوئی شاہی انتظام نہیں جو چاہے حاکم بن کر مال وصول کرے تو اس وقت مصر میں وبائی بیماری کی وجہ سے لوگوں کی کثیر اموات ہو رہی تھیں فرعون شاہی افسر بن کر قبرستان جا بیٹھا اور جو بھی مردہ دفن کرنے آتا تو کہتا میں شاہی افسر ہوں جو یہاں دفن کرنا چاہتا ہے وہ مجھے پہلے پانچ درہم دے بعد میں دفن کرے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

اس وقت مصر میں کوئی وبائی بیماری تھی لوگ بہت مر رہے تھے یہ قبرستان بیٹھ گیا۔

اور کہا کہ

میں شاہی افسر ہوں مردوں پر ٹیکس لگا ہے فی مردہ مجھے پانچ درہم دو اور دفن کر دو۔ اس بہانے سے اس نے چند روز میں اس نے بہت مال جمع کر لیا۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:319 مطبوعہ لاہور)

فرعون کا اتفاق سے گرفتار ہو کر بادشاہ کے پاس پہنچنا اور فرعون کا ان کے ملک کی بد نظامی بتانا

فرعون لوگوں سے فی مردہ پانچ درہم لے رہا تھا اتفاق سے کوئی بڑا آدمی فوت ہوا اور فرعون نے حسب دستور وہی رقم مانگی تو انہوں نے اس کو گرفتار کر لیا اور بادشاہ کے پاس پہنچا دیا۔

فرعون سے بادشاہ کے پوچھنے پر اس نے اس کے ملک کی تمام بد نظمی بتا دی اور اپنی تمام اکٹھی کی ہوئی رقم بھی اس کے سامنے رکھ دی۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

اتفاقاً ایک روز کوئی بڑا آدمی دفن کے واسطے لایا گیا اس نے اس کے وارثوں سے بھی روپے مانگے انہوں نے اس کو گرفتار کر کے بادشاہ تک پہنچا دیا اور سارا واقعہ بادشاہ کو بتایا۔

بادشاہ نے اس سے پوچھا۔

تجھے کس نے اس جگہ مقرر کیا ہے۔

ولید بولا کہ

میں نے آپ تک پہنچنے کا یہ بہانہ بنایا تھا میں آپ کو خبر کیے دیتا ہوں کہ آپ کے ملک میں بڑی بدنظمی ہے۔ میں نے تین مہینے کے عرصہ میں ظلماً اتنا مال جمع کر لیا ہے۔ آپ خیال کر سکتے ہیں کہ دوسرے حکام کیا کچھ نہ کرتے ہوں گے یہ کہہ کر وہ سارا مال بادشاہ کے سامنے ڈال دیا۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:319 مطبوعہ لاہور)

فرعون کا چالاکی سے آہستہ آہستہ تمام لشکر کا افسر بننا اور ملک کا نظام اچھا ہو جانا

بادشاہ نے فرعون سے تمام ماجرہ سن کر اس کو معمولی سا عہدہ دے دیا اور اس نے وہ طریقہ اختیار کیا جس سے بادشاہ بھی خوش رہا اور رعایا بھی خوش ہو گئی پھر یہ آہستہ آہستہ تمام لشکر کا امیر بنا دیا گیا اور ملک کا انتظام اچھا ہو گیا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

اور کہا کہ

اگر آپ انتظام میرے سپرد کر دیں تو میں آپ کا ملک درست کر دوں گا۔ بادشاہ کو یہ بات پسند آئی اور اسے کوئی معمولی عہدہ دے دیا۔ ولید نے وہ طریقہ اختیار کیا جس سے بادشاہ بھی خوش رہا اور رعایا بھی رفتہ رفتہ یہ تمام لشکر کا افسر بنا دیا گیا اور ملک کا انتظام اچھا ہو گیا۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:319 مطبوعہ لاہور)

بادشاہ کے مرنے کے بعد رعایا کا فرعون کو تخت پر بٹھا کر بادشاہ بنا دینا

جب بادشاہ مر گیا تو رعایا نے فرعون کو تخت پر بٹھا کر بادشاہ بنا دیا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

جب بادشاہ مصر مرا تو رعایا نے ولید کو تخت پر بٹھا دیا۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:319 مطبوعہ لاہور)

فرعون کا تخت پر بیٹھتے ہی رعایا کو خود کو سجدے کرنے کا حکم دینا

فرعون نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنی رعایا کو حکم دیا کہ مجھے سجدہ کیا کریں۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

اس نے تخت پر بیٹھتے ہی اعلان عام کیا کہ لوگ مجھے سجدہ کیا کریں۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:319 مطبوعہ لاہور)

سب سے پہلے وزیر ہامان کا فرعون کو سجدہ کرنا پھر امیروں اور سرداروں کے ذریعے لوگوں سے سجدہ کرانا

جب فرعون نے تخت پر بیٹھتے ہی سجدہ کا حکم دیا تو سب سے پہلے اس کے وزیر ہامان نے اس کو سجدہ کیا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

سب سے پہلے اس کے وزیر ہامان نے اس کو سجدہ کیا اور پھر دوسرے امیروں اور سرداروں کے ذریعے مصر کے لوگوں سے خود اپنے کو سجدہ کراتا تھا۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:319 مطبوعہ لاہور)

فرعون کا دور والوں کے لئے اپنے نام کے بت بنوا کر سجدہ کروانا

جو فرعون کے قرب و جوار میں رہتے تھے وہ تو فرعون کو سجدہ کرتے تھے مگر جو دور رہتے تھے ان کے لئے اس لعین نے اپنے نام کے بت بنوائے جن کے آگے لوگ سجدہ کرتے تھے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

اور دور والوں کے لئے اس نے اپنے نام کے بت بنا کر بھیج دیئے تھے کہ وہ ان بتوں کو سجدہ کیا کریں۔

(تفسیر نعیمی: ج:1 ص:319 مطبوعہ لاہور)

تمام اہل مصر کا فرعون کی پرستش میں گرفتار ہونا مگر بنی اسرائیل کا انکار کر دینا

تمام اہل مصر فرعون کی پرستش میں گرفتار ہو گئے مگر بنی اسرائیل نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

تمام اہل مصر فرعون کی پرستش میں گرفتار ہو گئے مگر بنی اسرائیل نے اس سے انکار کیا۔ (تفسیر نعیمی: ج:1 ص:319 مطبوعہ لاہور)

فرعون کا بنی اسرائیل کے سرداروں کو بلا کر ڈرانا دھمکانا مگر ان کا اس کی پرستش کرنے سے انکار کر دینا

جب بنی اسرائیل نے فرعون کی پرستش سے انکار کر دیا تو فرعون نے بنی اسرائیل کے سرداروں کو بلوایا اور ان کو ڈرایا دھمکایا کہ میری پرستش کرو مگر بنی اسرائیل کے سرداروں نے بھی اس کی پرستش سے انکار کر دیا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

فرعون نے ان کے سرداروں کو بلا کر بہت ڈرایا دھمکایا۔

مگر انہوں نے کہا: ہم تیری عبادت نہیں کر سکتے۔ (تفسیر نعیمی: ج:1 ص:319 مطبوعہ لاہور)

بنی اسرائیل کا فرعون کو رب تعالیٰ کی عبادت کرنے کا جواب دینا

جب فرعون نے بنی اسرائیل کو اپنی پرستش کرنے کا کہا تو بنی اسرائیل نے اس کی پرستش کرنے سے انکار کر دیا اور کہا ہم تیری عبادت نہیں کر سکتے صرف رب تعالیٰ کی عبادت کریں گے تو نے جو ہمارے خلاف کرنا ہے کر لے جو بگاڑنا ہے بگاڑ لے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

مگر انہوں نے کہا:

ہم تیری عبادت نہیں کر سکتے صرف رب تعالیٰ کی عبادت کریں گے جو چاہے سو کر۔ (تفسیر نعیمی: ج:1 ص:319 مطبوعہ لاہور)

فرعون کا غصے میں آ کر دیگوں میں زیتون کا تیل اور گندھک کھولا کر بنی اسرائیل پر ڈالنا

جب بنی اسرائیل نے فرعون کی پرستش سے انکار کر دیا تو اس نے دیگوں میں زیتون کا تیل اور گندھک کھولا کر بنی اسرائیل پر ڈالنا شروع کیا تا کہ یہ لوگ خوف کی وجہ سے میری پرستش کریں۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

فرعون غصے میں آ گیا اور دیگوں میں زیتون کا تیل اور گندھک کھولا کر بنی اسرائیل کو ڈالنا شروع کیا۔
(تفسیر نعیمی: ج:1، ص:319 مطبوعہ لاہور)

بنی اسرائیل کا فرعون کے ظلم سہنا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت پر کاربند رہنا

فرعون بنی اسرائیل پر زیتون کا تیل اور گندھک گرم کروا کر ڈالتا رہا مگر بنی اسرائیل نے اس بدبخت کے ظلم برداشت کیے لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منہ نہ موڑا اور نہ ہی فرعون کو سجدہ کیا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

بنی اسرائیل نے یہ سب کچھ برداشت کیا مگر رب تعالیٰ کی اطاعت سے منہ نہ موڑا اور فرعون کو سجدہ نہ کیا۔
(تفسیر نعیمی: ج:1، ص:319 مطبوعہ لاہور)

بہت سارے بنی اسرائیلی جلا دینے کے بعد ہامان کا فرعون کو بنی اسرائیل کو ذلیل کر کے رکھنے کا کہنا

جب بہت سارے بنی اسرائیلی جلا دیئے گئے تو ہامان نے فرعون کو کہا ان کو مہلت دے دو اور ذلیل کر کے رکھو۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

جب بہت سارے بنی اسرائیلی جلا دیئے گئے تب ہامان نے فرعون سے کہا کہ
ان کو مہلت دے اور ان کو دنیا میں ذلیل کر کے رکھ۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:319 مطبوعہ لاہور)

فرعون کا بنی اسرائیل کو جلانے سے ہاتھ کھینچنا اور ان پر سختیاں کرنا

جب ہامان نے فرعون سے یہ کہا کہ ان کو مہلت دے دو اور ان کو دنیا میں ذلیل کر کے رکھو تب فرعون نے بنی اسرائیل کو جلانے سے ہاتھ کھینچا اور ان پر سختیاں کرنا شروع کر دیں۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

تب اس نے جلانے سے ہاتھ کھینچا اور اسرائیلیوں پر بہت سختیاں شروع کر دیں۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:319 مطبوعہ لاہور)

فرعون بنی اسرائیل کو عذاب دیتا اور طرح طرح کے کام لیتا تھا

فرعون بنی اسرائیل کو عذاب دیتا تھا اور ان سے طرح طرح کے کام لیتا تھا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ متوفی 310ھ لکھتے ہیں: امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ
فرعون بنی اسرائیل کو عذاب دیتا تھا ان سے طرح طرح کے کام لیتا تھا۔ (تفسیر طبری: ج:1، ص:214 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

فرعون بنی اسرائیل سے مکان بنواتا تھا

فرعون بنی اسرائیل سے مکان بنواتا تھا جو کہ مشقت کا کام ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ متوفی 310ھ لکھتے ہیں:
امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ
فرعون بنی اسرائیل کو عذاب دیتا تھا ان سے طرح طرح کے کام لیتا تھا، بعض سے مکان بنواتا تھا۔
(تفسیر طبری: ج: 1، ص: 214 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

فرعون بعض بنی اسرائیل سے کاشتکاری کرواتا تھا

فرعون بعض بنی اسرائیل سے کاشتکاری کرواتا تھا جو کہ محنت کا کام ہے۔
امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ متوفی 310ھ لکھتے ہیں:
امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ
فرعون بنی اسرائیل کو عذاب دیتا تھا ان سے طرح طرح کے کام لیتا تھا، بعض سے مکان بنواتا بعض سے کاشتکاری کرواتا تھا۔ (تفسیر طبری: ج: 1، ص: 214 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

فرعون بعض بنی اسرائیل سے مزدوری لیتا تھا

فرعون بعض بنی اسرائیل سے مزدوری لیتا تھا۔
امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ متوفی 310ھ لکھتے ہیں:
امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ
فرعون بنی اسرائیل کو عذاب دیتا تھا ان سے طرح طرح کے کام لیتا تھا، بعض سے مکان بنواتا، بعض سے کاشتکاری کرواتا، بعض سے مزدوری لیتا تھا۔ (تفسیر طبری: ج: 1، ص: 214 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

فرعون جن بنی اسرائیل سے کوئی کام نہ لیتا ان سے جزیہ لیتا تھا

فرعون جن بنی اسرائیل سے کوئی کام نہ لیتا تو ان سے جزیہ لیتا تھا۔
امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ متوفی 310ھ لکھتے ہیں:
امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ
فرعون بنی اسرائیل کو عذاب دیتا تھا ان سے طرح طرح کے کام لیتا تھا، بعض سے مکان بنواتا، بعض سے کاشتکاری کرواتا، بعض سے مزدوری لیتا اور جن سے کوئی کام نہ لیتا ان سے جزیہ لیتا تھا۔ (جامع البیان: ج: 1، ص: 214 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

فرعون کا نام

فرعون مصر کے بادشاہ کا لقب ہے جیسے روم کے بادشاہ کا لقب قیصر ہے اور فارس کے بادشاہ کا لقب کسریٰ ہے اور یمن کے بادشاہ کا لقب تبع ہے اور حبشہ کے بادشاہ کا لقب نجاشی ہے۔ ترک کے بادشاہ کا لقب خاقان ہے۔ مسلمانوں کے بادشاہ کا لقب

سلطان، ہندوؤں کے بادشاہ کا لقب راجا اور انگلستان کے بادشاہ کا لقب جارج ہے۔

فرعون کا لفظ عجمہ اور علیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں جس فرعون کا ذکر ہے اس کا نام ولید بن مصعب بن الریان تھا۔

(تفسیر طبری: ج:1 ص:213 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

فرعون فارس کا رہنے والا اصطخر کا باشندہ تھا

فرعون فارس کا رہنے والا اصطخر کا باشندہ تھا:

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

فرعون فارس کا رہنے والا اصطخر کا باشندہ تھا۔ (تفسیر در منثور: ج:3 ص:337 مطبوعہ کراچی)

فرعون مصر کے باشندوں میں سے ایک تھا

فرعون مصر کے باشندوں میں سے ایک تھا۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 911ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن لہیعہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

فرعون مصر کے باشندوں میں سے ایک تھا۔ (تفسیر در منثور: ج:3 ص:337 مطبوعہ کراچی)

فرعون قبطی ولد الزنا تھا

فرعون قبطی ولد الزنا تھا۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

فرعون قبطی ولد الزنا تھا۔ (تفسیر در منثور: ج:3 ص:337 مطبوعہ کراچی)

فرعون کا قد سات بالشت تھا

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

فرعون قبطی ولد الزنا تھا اس کا قد سات بالشت تھا۔ (تفسیر در منثور: ج:3 ص:337 مطبوعہ کراچی)

فرعون ہمدان کا رہنے والا سخت کوش مضبوط آدمی تھا

فرعون ہمدان کا رہنے والا سخت کوش مضبوط آدمی تھا۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:
حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ
فرعون ہمدان کا رہنے والا سخت کوش مضبوط آدمی تھا۔(تفسیر درمنثور: ج:3،ص:337 مطبوعہ لاہور)

سب سے پہلے سیاہ خضاب فرعون نے لگایا تھا

سب سے پہلے سیاہ خضاب فرعون نے لگایا تھا۔
امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:
حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
سب سے پہلے فرعون نے (بالوں کو) سیاہ خضاب لگایا تھا۔(تفسیر درمنثور: ج:3،ص:337 مطبوعہ کراچی)

فرعون چارسوسال زندہ رہا مگر اس کے سر درد تک کبھی نہ ہوا

فرعون چارسوسال تک زندہ رہا مگر اس دوران اس کے سر کو درد تک کبھی نہیں ہوا۔
امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:
حضرت ابراہیم بن مقسم ہذلی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ
فرعون چارسوسال تک زندہ رہا اور اس دوران اس کے سر کو درد تک نہیں ہوا۔(تفسیر درمنثور: ج:3،ص:337 مطبوعہ کراچی)

فرعون چارسوسال تک زندہ رہا اس میں صبح وشام جوانی آتی رہی

فرعون چارسوسال تک زندہ رہا اس میں صبح وشام جوانی آتی رہی۔
امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:
ابوالاشرس سے روایت ہے کہ
فرعون چارسوسال تک زندہ رہا اور اس میں جوانی صبح وشام آتی رہی۔(تفسیر درمنثور: ج:3،ص:337 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تین دن فرمانے کے بعد فرعون کا خضاب اتر گیا

فرعون سیاہ خضاب لگاتا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اگر تو ایمان لے آتا تو اس کی بارگاہ میں التجاء کرتا کہ وہ تیرا شباب لوٹا دے اس نے اس کا ذکر ہامان سے کیا اور ہامان نے اس کو سیاہ خضاب سے رنگ دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا تیری معیاد صرف تین دن ہے تو جب تین دن گزر گئے تو اس کا خضاب بھی اتر گیا۔
امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:
حضرت حکم بن عتیبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ
سب سے پہلے بالوں کو سیاہ خضاب فرعون نے لگایا۔

تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے کہا:

اگر تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آتا تو اس کی بارگاہ میں التجاء کرتا کہ وہ تجھ پر تیرا شباب لوٹا دے تو اس نے اس کا ذکر ہامان سے کیا تو اس نے اسے سیاہ رنگ کے ساتھ رنگ دیا۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے کہا:

تیری معیاد تین دن ہے سو جب تین دن گزر گئے تو اس کا خضاب اتر گیا۔ (تفسیر در منثور: ج:3، ص:338 مطبوعہ کراچی)

فرعون کا خواب میں بیت المقدس سے آگ نمودار دیکھنا جس نے قبطیوں کو جلا ڈالا اور بنی اسرائیل کو چھوڑ دیا

فرعون کے ظلم و ستم بنی اسرائیل پر بڑھتے چلے جا رہے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا خواب دکھا دیا جس سے وہ سخت پریشان ہو گیا اس نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ ظاہر ہوئی اور مصر کے مکانوں کو لپیٹ میں لیتی ہوئی قبطیوں کو جلا ڈالا اور بنی اسرائیل کو چھوڑ دیا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ متوفی 310ھ لکھتے ہیں: حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ نمودار ہوئی اور مصر کے مکانوں کو لپیٹ میں لیتی ہوئی آئی اور قبطیوں کو جلا ڈالا اور بنو اسرائیل کو چھوڑ دیا۔ (تفسیر طبری: ج:1، ص:215 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ

فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ ظاہر ہوئی اور مصر کے گھروں تک پہنچ گئی اس نے قبطیوں کے گھر جلا دیئے اور بنی اسرائیل کے گھر چھوڑ دیئے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 16674)

علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی متوفی 450ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

فرعون نے ایک خواب دیکھا کہ بیت المقدس سے آگ نکلی اور مصر کے گھروں تک پہنچ گئی اس نے قبطیوں کے گھر جلا دیئے اور بنی اسرائیل کے گھروں کو چھوڑ دیا۔ (النکت والعیون: ج:4، ص:234 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

اس زمانہ میں فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ آئی جس نے تمام قبطیوں (فرعونیوں) کو جلا ڈالا مگر اسرائیلیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:319 مطبوعہ لاہور)

فرعون کا خواب دیکھنا کہ بنی اسرائیل کے محلّہ سے بڑا اژدھا نکلا جس نے اس کو تخت سے نیچے ڈال دیا

فرعون نے خواب دیکھا کہ بنی اسرائیل کے محلہ سے ایک بڑا اژدھا نکلا جس نے اس کو تخت سے نیچے ڈال دیا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

اور پھر (خواب) دیکھا کہ بنی اسرائیل کے محلے سے ایک بڑا اژدھا نکلا جس نے اس کو تخت سے نیچے ڈال دیا۔

(تفسیر نعیمی ج:1، ص:319 مطبوعہ لاہور)

فرعون کا نجومیوں اور کاہنوں کو خواب کی تعبیر کے لئے بلانا

فرعون نے جو خواب دیکھا اس سے وہ بہت زیادہ سخت پریشان ہوا تو اس نے کاہنوں اور نجومیوں کو اس خواب کی تعبیر کے لئے بلایا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ نمودار ہوئی اور مصر کے مکانوں کو لپیٹ میں لیتی ہوئی آئی اور قبطیوں کو جلا ڈالا اور بنی اسرائیل کو چھوڑ دیا اس نے جادوگروں اور کاہنوں کو خواب کی تعبیر کے لئے بلایا۔

(تفسیر در منثور: ج:1، ص:215 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

امام ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں: حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ

فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ ظاہر ہوئی اور مصر کے گھروں تک پہنچ گئی اس نے قبطیوں کے گھر جلا دیئے اور بنی اسرائیل کے گھر چھوڑ دیئے اس نے جادوگروں، کاہنوں، قیافہ شناسوں اور نجومیوں کو بلایا اور ان سے خواب کی تعبیر پوچھی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 16674)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی متوفی 450ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ نکلی اور مصر کے گھروں تک پہنچ گئی اس نے قبطیوں کے گھر جلا دیئے اور بنی اسرائیل کے گھروں کو چھوڑ دیا اس نے جادوگروں، کاہنوں، قیافہ شناسوں اور نجومیوں کو بلایا اور ان سے اس خواب کی تعبیر پوچھی۔ (النکت والعیون: ج:4، ص:234 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

اس زمانہ میں فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ آئی جس نے تمام قبطیوں (فرعونیوں) کو جلا ڈالا مگر اسرائیلیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچا اور پھر دیکھا کہ بنی اسرائیل کے محلے سے ایک بڑا اژدھا نکلا جس نے اس کو تخت سے نیچے ڈال دیا اس نے تعبیر دینے والوں سے اپنا خواب بیان کیا۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:319 مطبوعہ لاہور)

نجومیوں اور کاہنوں کا فرعون کی حکومت کو ٹکڑے ٹکڑے اور مصر والوں کو ہلاک کر دینے کی تعبیر بتانا

جب فرعون نے نجومیوں اور کاہنوں کو بلا کر ان کو اپنا خواب بیان کیا تو انہوں نے اس کی تعبیر یہ بتائی کہ وہ تیری حکومت کو

ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا اور مصر والے لوگ اس کے ہاتھوں مارے جائیں گے اور مصر تباہ ہو جائے گا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ نمودار ہوئی اور مصر کے مکانوں کو لپیٹ میں لیتی ہوئی آئی اور قبطیوں کو جلا ڈالا اور بنی اسرائیل کو چھوڑ دیا۔ اس نے جادوگروں اور کاہنوں کو بلایا اور اس خواب کی تعبیر معلوم کی۔

انہوں نے کہا:

جس شہر سے بنی اسرائیل آئے ہیں یعنی بیت المقدس سے وہاں ایک شخص پیدا ہو گا جس کے ہاتھ سے مصر کے لوگ مارے جائیں گے۔ (تفسیر طبری: ج:1،ص:215 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

امام ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ

فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ ظاہر ہوئی اور مصر کے گھروں تک پہنچ گئی اس نے قبطیوں کے گھر جلا دیئے اور بنی اسرائیل کے گھر چھوڑ دیئے۔ اس نے جادوگروں، کاہنوں، قیافہ شناسوں اور نجومیوں کو بلایا اور ان سے اس خواب کی تعبیر پوچھی۔

انہوں نے کہا:

جس شہر سے بنی اسرائیل آئے ہیں یعنی بیت المقدس سے اس شہر کے ایک شخص کے ہاتھوں سے مصر تباہ ہو جائے گا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث:16674)

علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی 450ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ نکلی اور مصر کے گھروں تک پہنچ گئی اس نے قبطیوں کے گھر جلا دیئے اور بنی اسرائیل کے گھر چھوڑ دیئے اس نے جادوگروں، کاہنوں، قیافہ شناسوں اور نجومیوں کو بلایا اور ان سے خواب کی تعبیر پوچھی۔

انہوں نے کہا:

جس شہر سے بنو اسرائیل آئے ہیں یعنی بیت المقدس سے اس شہر کے ایک شخص کے ہاتھوں سے مصر تباہ ہو جائے گا۔

(النکت والعیون: ج:4،ص:234 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

اس زمانہ میں فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ آئی جس نے تمام قبطیوں (فرعونیوں) کو

جلا ڈالا مگر اسرائیلیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچا اور پھر دیکھا کہ بنی اسرائیل کے محلّہ سے ایک بڑا اژدھا نکلا جس نے اس کو تخت سے نیچے ڈال دیا اس نے تعبیر دینے والوں سے اپنا خواب بیان کیا۔

انہوں نے کہا:

اے فرعون! بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیری حکومت کے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دے گا۔

(تفسیر نعیمی: ج:1،ص:319 مطبوعہ لاہور)

امام عبدالرحمان بن علی جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

علماء سیرت نے بیان کیا ہے کہ

کاہنوں نے فرعون سے کہا کہ

بنو اسرائیل میں ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں سے تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ (المنتظم: ج:1،ص:217 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

فرعون کا بنی اسرائیل کے ہر ہر پیدا ہونے والے بچہ کو قتل کرنے اور بچی کو قتل نہ کرنے کا حکم دینا

جب کاہنوں اور نجومیوں نے فرعون کو خواب کی یہ تعبیر بتائی کہ بنی اسرائیل سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کے ہاتھ سے مصر کے لوگ مارے جائیں گے اور وہ تیری حکومت کو پاش پاش کر دے گا تب فرعون نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں جو بچہ پیدا ہو اس کو قتل کر دیا جائے اور جو بچی پیدا ہو اس کو زندہ رہنے دیا جائے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ نمودار ہوئی اور مصر کے مکانوں کو لپیٹ میں لیتی ہوئی آئی اور قبطیوں کو جلا ڈالا اور بنی اسرائیل کو چھوڑ دیا اس نے جادوگروں اور کاہنوں کو بلایا اور اس خواب کی تعبیر معلوم کی۔

انہوں نے کہا: جس شہر سے بنی اسرائیل آئے ہیں یعنی بیت المقدس سے وہاں ایک شخص پیدا ہوگا جس کے ہاتھ سے مصر کے لوگ مارے جائیں گے۔

تب فرعون نے حکم دیا کہ

بنی اسرائیل کے ہاں جو لڑکا پیدا ہو اس کو قتل کر دیا جائے اور جو لڑکی پیدا ہو اس کو چھوڑ دیا جائے۔

(تفسیر طبری: ج:1،ص:215 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

امام ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ

فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ نکلی اور مصر کے گھروں تک پہنچ گئی اس نے قبطیوں کے گھر جلا دیئے اور بنی اسرائیل کے گھر چھوڑ دیئے اس نے جادوگروں، کاہنوں، قیافہ شناسوں اور نجومیوں کو بلایا اور ان سے خواب کی تعبیر

پوچھی۔

انہوں نے کہا:

جس شہر سے بنی اسرائیل آئے ہیں یعنی بیت المقدس سے اس شہر کے ایک شخص کے ہاتھوں سے مصر تباہ ہو جائے گا۔

تب فرعون نے حکم دیا کہ

بنو اسرائیل کے ہاں جو لڑکا پیدا ہو اس کو قتل کر دیا جائے اور جو لڑکی پیدا ہو اس کو چھوڑ دیا جائے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 16674)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی 450ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ نکلی اور مصر کے گھروں تک پہنچ گئی اس نے قبطیوں کے گھر جلا دیئے اور بنی اسرائیل کے گھر چھوڑ دیئے اس نے جادوگروں، کاہنوں، قیافہ شناسوں اور نجومیوں کو بلایا اور ان سے خواب کی تعبیر پوچھی۔

انہوں نے کہا:

جس شہر سے بنی اسرائیل آئے ہیں یعنی بیت المقدس سے اس شہر کے ایک شخص کے ہاتھوں سے مصر تباہ ہو جائے گا۔

تب فرعون نے حکم دیا کہ

بنی اسرائیل کے ہاں جو لڑکا پیدا ہو اس کو قتل کر دیا جائے اور جو لڑکی پیدا ہو اس کو چھوڑ دیا جائے۔

(النکت والعیون: ج:4، ص:234 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

نجومیوں اور کاہنوں کی تعبیر کے بعد فوراً فرعون کا کوتوال کو بلا کر ایک ہزار سپاہی ایک ہزار دائیوں کے ساتھ بنی اسرائیل کے محلّہ میں مقرر کرنا

جب کاہنوں اور نجومیوں نے خواب کی تعبیر بتا دی تو فرعون نے فوراً کوتوال کو بلایا اور اس کو حکم دیا کہ ایک ہزار سپاہی ہتھیار بند اور ایک ہزار دائیاں بنی اسرائیل کے محلّہ میں مقرر کر دو جس کے گھر میں بچہ پیدا ہو اس بچے کو قتل کر دو۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

اس زمانے میں فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ آئی جس نے تمام قبطیوں (فرعونیوں) کو جلا ڈالا مگر اسرائیلیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچا اور پھر دیکھا کہ بنی اسرائیل کے محلے سے ایک بڑا اژدھا نکلا جس نے اس کو تخت سے نیچے ڈال دیا اس نے تعبیر دینے والوں سے اپنا خواب بیان کیا۔

انہوں نے کہا:

اے فرعون! بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیری حکومت کے ٹکڑے اڑا دے گا۔

اس نے فوراً کوتوال شہر کو بلا کر حکم دیا کہ

ایک ہزار سپاہی ہتھیار بند اور ایک ہزار دائیاں بنی اسرائیل کے محلّہ میں مقرر کردو کہ جس گھر میں لڑکا پیدا ہو اسے قتل کر دیا جائے۔ (تفسیر نعیمی: ج:1،ص:319 مطبوعہ لاہور)

فرعون کا ستر ہزار بچے قتل کرا دینا اور نوے ہزار حمل گرا دینا

فرعون نے ایک روایت کے مطابق بارہ ہزار بچے قتل کرا دیئے اور ایک روایت کے مطابق ہے ستر ہزار بچے قتل کرا دیئے اور نوے ہزار حمل گروا دیئے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

چند سال میں بنی اسرائیل کے بارہ ہزار بچے اور ایک روایت میں ہے کہ ستر ہزار قتل کروا دیئے اور نوے ہزار حمل گرائے گئے۔ (تفسیر نعیمی: ج:1،ص:319 مطبوعہ لاہور)

امام عبدالرحمان بن علی جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت وہب بن منبہ نے بیان کیا ہے کہ

فرعون نے ستر ہزار نوزائیدہ لڑکوں کو قتل کرا دیا۔ (المنتظم: ج:1،ص:217 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

فرعون کا بنی اسرائیل سے ہیچ کام لینے کا حکم

فرعون نے قبطیوں سے کہا تمہارے جو غلام باہر کام کرتے ہیں ان کو بلا لو اور ان کی جگہ بنی اسرائیل سے ہیچ اور گھٹیا کام لو تا کہ یہ ذلیل وخوار ہو کر رہیں۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

(کچھ روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں)

اس نے قبطیوں سے کہا:

تمہارے جو غلام باہر کام کرتے ہیں ان کو بلا لو اور ان کی جگہ بنی اسرائیل سے کام لو اور ان سے ہیچ اور ذلیل کام لو۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ یُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَیَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ ؕ (القصص:4)

بے شک فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس نے (اپنے) اہل زمین میں الگ الگ گروہ کر کے ان میں ایک گروہ (بنی اسرائیل) کو کمزور کر رکھا تھا ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا۔

(جامع البیان: ج:1،ص:215 مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت)

امام ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ

(کچھ روایت پیچھے گزر گئی ہے اس کے بعد ہے)

اور قبطیوں سے کہا کہ

تم اپنے ہیچ کام بنی اسرائیل سے کرایا کرو۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 16674)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی متوفی 450ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

(کچھ روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں)

اور قبطیوں سے کہا کہ

تم اپنے گھٹیا کام بنی اسرائیل سے لیا کرو۔ (النکت والعیون: ج:4، ص:234 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

بنی اسرائیل کے بوڑھوں کا جلد مرجانا اور قبطیوں کا خدمت کے لئے شکایت کرنا

فرعون نومولود بچوں کو قتل کرا رہا تھا ادھر بنی اسرائیل کے بوڑھوں کی اموات جلد ہو رہی تھیں تو قبطیوں نے فرعون سے جا کر شکایت کی کہ اگر اسی طرح بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کیا جاتا رہا تو پھر ہماری خدمت کون کرے گا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

(کچھ روایت پیچھے گزر چکی ہے آگے لکھتے ہیں)

بنی اسرائیل کے بیٹے مارے جا رہے تھے اور بنو اسرائیل کے بوڑھے قضاء الٰہی سے مر رہے تھے ان میں سے کوئی بچہ بڑا نہیں ہوتا تھا۔

تب قبطیوں نے کہا:

بنی اسرائیل کے بچے بڑے نہیں ہو رہے اور بوڑھے مر رہے ہیں اس طرح ان میں کوئی مرد باقی نہیں رہے گا پھر ہمارے کام کون کرے گا؟ (تفسیر طبری: ج:1، ص:215 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

قبطیوں کا فرعون کو بنی اسرائیل کے بچوں کو ایک سال قتل کرنے اور ایک سال چھوڑ دینے کا کہنا

جب قبطیوں نے دیکھا کہ اگر اسی طرح بنی اسرائیل کے بچے قتل ہوتے رہے تو پھر گھٹیا کام ہمارے بچوں کو کرنا پڑ جائیں گے تو پھر انہوں نے فرعون سے کہا آپ اس طرح کریں کہ بنی اسرائیل کے ایک سال بچے قتل کرائیں اور ایک سال چھوڑ دیں تاکہ یہ بچے بڑے ہو کر ہماری خدمت کر سکیں۔

امام ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

(کچھ روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں) ادھر بنی اسرائیل کے بوڑھے جلد مر گئے۔

تب قبطیوں کے سردار فرعون کے پاس گئے اور کہا:

بنی اسرائیل کے بڑے تو مر رہے ہیں اگر ان کے بیٹوں کو یونہی قتل کیا جاتا رہا تو پھر ہمارے بیٹوں کو یہ ہی کام کرنے پڑیں گے۔ آپ ایسا کریں کہ ایک سال بنو اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرائیں اور ایک سال چھوڑ دیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 16674)

علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی متوفی 450ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ

(کچھ روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں)

ادھر بنی اسرائیل کے بوڑھے جلد مر گئے۔

تب قبطیوں کے سردار فرعون کے پاس گئے اور کہا:

بنی اسرائیل کے بڑے تو مر رہے ہیں اگر ان کے بیٹوں کو یونہی قتل کیا جاتا رہا تو پھر ہمارے بیٹوں کو یہ ہی کام کرنے پڑیں گے آپ یوں کریں کہ ایک سال بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کروا دیا کریں اور ایک سال چھوڑ دیا کریں۔

(النکت والعیون: ج: 4، ص: 234 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

فرعون کا بنی اسرائیل کے ایک سال بچوں کو قتل کر دینے اور ایک سال چھوڑ دینے کا حکم

جب قبطیوں نے فرعون سے کہا کہ آپ ایک سال بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کروائیں اور ایک سال چھوڑ دیں تاکہ یہ بڑے ہو کر ہماری خدمت کریں تو فرعون نے اس بات کو منظور کر لیا اور ایک سال بچوں کو قتل کروا دیتا اور ایک سال چھوڑ دیتا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

(کچھ روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں) بنی اسرائیل کے بیٹے مارے جا رہے تھے اور بنی اسرائیل کے بوڑھے قضاء الٰہی سے مر رہے تھے ان میں سے کوئی بچہ بڑا نہیں ہوتا تھا۔

تب قبطیوں نے کہا کہ

بنی اسرائیل کے بچے بڑے نہیں ہو رہے اور بوڑھے مر رہے ہیں اس طرح ان میں کوئی مرد باقی نہیں رہے گا پھر ہمارے کام کون کرے گا۔

تب فرعون نے حکم دیا کہ

ایک سال بنی اسرائیل کے بیٹے قتل کردیئے جائیں اور ایک سال چھوڑ دیئے جائیں۔
(جامع البیان: ج:1 ص:215 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

امام عبدالرحمان بن علی الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:
علماء سیرت نے بیان کیا ہے کہ
کاہنوں نے فرعون سے کہا کہ
بنی اسرائیل میں ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں سے تم ہلاک ہو جاؤ گے۔
تب فرعون نے حکم دیا کہ
بنی اسرائیل کے نومولود بیٹوں کو قتل کردیا جائے۔
پھر قبطیوں نے فرعون سے شکایت کی کہ
اگر تم اسی طرح بنی اسرائیل کے نومولود بیٹوں کو قتل کرتے رہے تو پھر ہماری خدمت کے لئے بنی اسرائیل میں کوئی باقی نہیں بچے گا تب وہ ایک سال پیدا ہونے والے بیٹوں کو قتل کردیتا اور ایک سال پیدا ہونے والے بیٹوں کو چھوڑ دیتا۔
(المنتظم: ج:1 ص:217 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:
خدا کی شان بنی اسرائیل کے بوڑھے بھی جلد جلد مرنے لگے۔
سب قبطیوں نے فرعون سے درخواست کی کہ
بنی اسرائیل میں موت کا بازار گرم ہے اور ادھر ان کے بچے قتل کیے جارہے ہیں اگر یہ حال رہا تو یہ قوم فنا ہو جائے گی پھر ہمیں خدمتگار کہاں سے ملیں گے۔
تب فرعون نے حکم دیا کہ
اچھا ایک سال بچے قتل کیے جایا کریں اور ایک سال چھوڑے جائیں۔(تفسیر نعیمی: ج:1 ص:320 مطبوعہ لاہور)

حضرت ہارون علیہ السلام کی قتل نہ کیے جانے والے سال پیدائش ہونا

جس سال بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل نہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا اسی سال حضرت ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے۔
امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ متوفی 310ھ لکھتے ہیں:
حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ
(روایت کے آخر میں ہے) جس سال وہ ذبح نہیں کرتے تھے اس سال حضرت ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان کو چھوڑ دیا گیا۔(جامع البیان: ج:1 ص:215 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)
امام ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

جس سال بنو اسرائیل کے بیٹوں کو چھوڑ نا تھا اس سال حضرت ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 16674)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی متوفی 450ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

جس سال بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل نہ کیا جاتا تھا' اسی سال حضرت ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے۔

(النکت والعیون: ج:4، ص:234 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام عبدالرحمٰن بن علی جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

علماء سیرت نے بیان کیا ہے کہ

(کچھ روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں) حضرت ہارون علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جس سال بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل نہیں کیا گیا تھا۔ (المنتظم: ج:1، ص:217 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

رب کی شان چھوڑنے کے سال میں حضرت ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:320 مطبوعہ لاہور)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قتل کرنے والے سال پیدا ہونا

فرعون اس مقدس بچے کو قتل کرنے کے لئے کئی بچوں کو قتل کرا رہا تھا مگر جس سال اس نے بچوں کو قتل کرانا ہوتا تھا' اسی سال اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ نمودار ہوئی اور مصر کے مکانوں کو لپیٹ میں لیتی ہوئی آئی اور قبطیوں کو جلا ڈالا اور بنی اسرائیل کو چھوڑ دیا اس نے جادوگروں اور کاہنوں کو بلایا اور اس خواب کی تعبیر معلوم کی۔

انہوں نے کہا:

جس شہر سے بنی اسرائیل آئے ہیں یعنی بیت المقدس سے وہاں ایک شخص پیدا ہوگا جس کے ہاتھ سے مصر کے لوگ مارے جائیں گے۔

تب فرعون نے حکم دیا کہ

بنی اسرائیل کے ہاں جو لڑکا پیدا ہو اس کو قتل کر دیا جائے اور جو لڑکی پیدا ہو اس کو چھوڑ دیا جائے۔

اس نے قبطیوں سے کہا:

تمہارے جو غلام باہر کام کرتے ہیں ان کو بلا لو اور ان کی جگہ بنی اسرائیل سے کام لو اور ان سے نیچ اور ذلیل کام لو۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ط (القصص:4)

"بے شک فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس نے (اپنے) اہل زمین میں الگ الگ گروہ کر کے ان میں ایک گروہ (بنی اسرائیل) کو کمزور کر رکھا تھا ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا۔"

بنی اسرائیل کے بیٹے مارے جا رہے تھے اور بنی اسرائیل کے بوڑھے قضاء الٰہی سے مر رہے تھے ان میں سے کوئی بچہ بھی بڑا نہیں ہوتا تھا۔

تب قبطیوں نے کہا کہ

بنی اسرائیل کے بچے بڑے نہیں ہو رہے اور بوڑھے مر رہے ہیں اس طرح ان میں کوئی مرد باقی نہیں رہے گا پھر ہمارے کام کون کرے گا؟

تب فرعون نے حکم دیا کہ

ایک سال بنی اسرائیل کے بیٹے ذبح کر دیئے جائیں اور ایک سال چھوڑ دیئے جائیں جس سال وہ ذبح نہیں کرتے تھے اس سال حضرت ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان کو چھوڑ دیا گیا اور جس سال بچوں کو ذبح کیا جاتا تھا اسی سال حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ (جامع البیان، ج:1، ص:215 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

امام ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

(کچھ روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں) جس سال بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کیا جاتا تھا اس سال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ حاملہ ہوئیں اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

اور حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

جس سال بنی اسرائیل کے لڑکوں کو چھوڑتا تھا اس سال حضرت ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے اور جس سال ان کے بیٹوں کو قتل کرتا تھا اس سال حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم، رقم الحدیث:16674)

امام عبد الرحمان بن علی جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

علماء سیرت نے بیان کیا ہے کہ

(کچھ روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں) حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جس سال بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرتا تھا۔ (المنتظم، ج:1، ص:217 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:
اور قتل کے سال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ (تفسیر نعیمی: ج:1 ص:320 مطبوعہ لاہور)

حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کتنے سال بڑے تھے

حضرت ہارون علیہ السلام ایک قول کے مطابق ایک سال بڑے تھے اور ایک قول کے مطابق تین سال بڑے تھے۔
امام ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:
حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ
فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ نکلی اور مصر کے گھروں تک پہنچ گئی اس نے قبطیوں کے گھر جلا دیئے اور بنی اسرائیل کے گھر چھوڑ دیئے اس نے جادوگروں، کاہنوں، قیافہ شناسوں اور نجومیوں کو بلایا اور ان سے خواب کی تعبیر پوچھی۔
انہوں نے کہا:
جس شہر سے بنی اسرائیل آئے ہیں یعنی بیت المقدس سے اس شہر کے ایک شخص کے ہاتھوں سے مصر تباہ و برباد ہو جائے گا۔
تب فرعون نے حکم دیا کہ
بنی اسرائیل کے ہاں جو لڑکا پیدا ہو اس کو قتل کر دیا جائے اور جو لڑکی پیدا ہو اس کو چھوڑ دیا جائے۔
اور قبطیوں سے کہا:
تم اپنے نیچ کام بنی اسرائیل سے کرایا کرو۔
ادھر بنی اسرائیل کے بوڑھے جلد مر گئے۔
تب قبطیوں کے سردار فرعون کے پاس گئے اور کہا:
بنی اسرائیل کے بڑے تو مر رہے ہیں اگر ان کے بیٹوں کو یونہی قتل کیا جاتا رہا تو پھر ہمارے بیٹوں کو یہ نیچ کام کرنے پڑیں گے آپ ایسا کریں کہ ایک سال بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرائیں اور ایک سال ان کو چھوڑ دیں اور جس سال بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کیا جاتا تھا اس سال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ حاملہ ہوئیں اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔
اور حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
جس سال بنی اسرائیل کے لڑکوں کو چھوڑنا تھا اس سال حضرت ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے اور جس سال ان کے بیٹوں کو قتل کرنا تھا اس سال حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت ہارون علیہ السلام سے ایک سال بڑے تھے۔
(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 16674)
امام عبد الرحمان بن علی جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں: ایک قول یہ ہے کہ
حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی پیدائش کے ایک سال بعد پیدا ہوئے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ

وہ حضرت ہارون علیہ السلام کی پیدائش کے تین سال بعد پیدا ہوئے۔ (المنتظم: ج:1، ص:217 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فرعون کا بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کر کے ظلم کرنا

فرعون بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کروا دیتا اور یوں وہ بنی اسرائیل کی نسل تباہ کر کے ان پر ظلم کرتا تھا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

کاہنوں نے فرعون سے کہا:

اس سال ایک بچہ پیدا ہوگا جو تیری بادشاہی کو ختم کر دے گا فرعون نے ہر ہزار عورتوں پر ایک سو آدمی نگرانی کے لئے مقرر کر دیئے اور ہر سو آدمیوں پر دس اور پھر تمام پر دس آدمی اور نگران مقرر کئے۔

اس نے کہا: شہر میں ہر حاملہ عورت کو دیکھو جب وہ بچہ جنم دے تو اس کو ذبح کر دو اگر وہ بچی جنم دے تو اس کو چھوڑ دو (چنانچہ اسی طرح کیا گیا) (جامع البیان: ج:1، ص:312 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فرعون بنی اسرائیل کا چار سو سال سے مالک تھا

فرعون بنی اسرائیل کا چار سو سال سے مالک تھا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے **سیو مونکم سوء العذاب** کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ

فرعون بنی اسرائیل کا چار سو سال سے مالک تھا۔

پس کاہنوں نے فرعون سے کہا:

اس سال مصر میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو تجھے ہلاک کر دے گا اس نے شہر میں عورتوں کے لئے دایہ عورتوں کو بھیجا جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو وہ اس کے پاس لایا جاتا وہ اسے قتل کر دیتا اور بچیوں کو زندہ رکھتا۔ (تفسیر در منثور: ج:1، ص:187 مطبوعہ کراچی)

فرعون نے بنی اسرائیل کے بچوں کو اپنی قوم کا غلام بنا لیا تھا

فرعون کا ظلم و ستم بچوں کو بھی نہ بچا سکا اس نے بچوں کو اپنی قوم کا غلام بنا لیا تھا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

فرعون کی سختیاں بنی اسرائیل پر بے پناہ تھیں ان کے بچوں کو اپنی قوم کا غلام بنا لیا تھا۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:317 مطبوعہ لاہور)

بنی اسرائیل کی عورتیں فرعونیوں کی خادمائیں تھیں

بنی اسرائیل کی عورتیں فرعونیوں کی خادمائیں تھیں۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

(بنی اسرائیل) ان کی عورتیں فرعونیوں کی خادمائیں تھیں۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:317 مطبوعہ لاہور)

نو جوان پتھر ڈھوتے جن سے ان کی کمر اور گردنیں زخمی ہوگئی تھیں

بنی اسرائیل کے نوجوانوں کے ذمہ سخت اور دشوار کام تھے وہ پتھر ڈھوتے تھے جس کی وجہ سے ان کی کمر اور گردنیں زخمی ہو گئی تھیں۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

(بنی اسرائیل) ان کے جوانوں کے ذمے سخت اور دشوار کام تھے وہ پتھر ڈھوتے تھے جس سے ان کی کمر اور گردنیں زخمی ہو گئی تھیں۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:317 مطبوعہ لاہور)

غریبوں پر ٹیکس مقرر تھے جو ادا نہ کرتا اس کے ہاتھ گردنوں کے ساتھ بندھوا دیئے جاتے تھے

بنی اسرائیل میں جو غریب تھے ان پر ٹیکس مقرر کیے گئے جو شام سے قبل وصول کر لئے جاتے تھے جو کسی دن کا بھی ٹیکس ادا نہ کرتا تو اس کے ہاتھ گردن کے ساتھ باندھ دیئے جاتے تھے اور مہینے بھر تک اس کو اسی مصیبت میں رکھا جاتا تھا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

غریبوں پر ٹیکس مقرر تھے جو روزانہ شام سے پہلے وصول کر لئے جاتے تھے اگر کسی سے ایک دن کا ٹیکس بھی ادا نہ ہوتا تو اس کے ہاتھ گردن کے ساتھ باندھ دیئے جاتے تھے اور مہینے بھر تک اس کو اس مصیبت میں رکھا جاتا تھا۔

(تفسیر نعیمی: ج:1، ص:317 مطبوعہ لاہور)

بنی اسرائیل کے کمزور بوڑھے اینٹیں بنا کر مکان بناتے ان کے پاخانوں اور گلیوں میں جھاڑو دیا کرتے تھے

بنی اسرائیل کے کمزور بوڑھے اینٹیں بنا کر پکاتے اور ان کے مکانات تعمیر کرتے تھے ان کے پاخانوں اور گلیوں میں جھاڑو دیا کرتے تھے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

کمزور بڈھے اسرائیلی نہایت ذلیل کام پر مقرر کئے گئے تھے چنانچہ فرعونیوں کے لئے اینٹیں بنا کر پکاتے تھے ان کے مکانات تیار کرتے تھے ان کے پاخانوں اور گلیوں میں جھاڑو دیا کرتے تھے۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:317 مطبوعہ لاہور)

بنی اسرائیل کی بوڑھی عورتیں فرعونیوں کے لئے سوت کات کر کپڑے بناتی تھیں

بنی اسرائیل کی بوڑھی عورتیں فرعونیوں کے لئے سوت کات کر کپڑے بناتی تھیں۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

ان کی بڈھی عورتیں فرعونیوں کے لئے سوت کات کر کپڑے بناتی تھیں وغیرہ وغیرہ۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:317 مطبوعہ لاہور)

حضرت عمران رضی اللہ عنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد محترم تھے

حضرت عمران رضی اللہ عنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد محترم تھے۔

مفسر شہیر حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

لاوی بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں حضرت عمران رضی اللہ عنہ اس وقت اپنی قوم کے سردار تھے ان کی بیوی کا نام حضرت عایذ رضی اللہ عنہا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں کے فرزند ہیں۔ (تفسیر نعیمی: ج:1 ص:320 مطبوعہ لاہور)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کے نام میں علماء کرام کے کئی اقوال ہیں۔

امام ابوالحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

ان کا نام یوحانذ بنت لاوی بن یعقوب تھا۔ (معالم التنزیل: ج:3 ص:524 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا نام اناجید تھا۔ (تاریخ طبری: ج:1 ص:371 مطبوعہ موسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

امام سہیلی نے کہا ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا نام ایارخا تھا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ۔

ایارخت تھا۔

اور علامہ ثعلبی نے کہا ہے کہ

ان کا نام لوحا بنت ہانذ بن لاوی بن یعقوب تھا۔ (الجامع الاحکام القرآن: جز:13 ص:232 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ

ان کا نام محیانہ بنت یصہر بن لاوی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ

ان کا نام یوحانذ ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ

یارخا ہے۔

ایک قول یہ ہے۔

یارخت ہے۔

اور ان کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔ (روح المعانی: ج:20، ص:68 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابوالمکرم محمد بن محمد ابن الاثیر الجزری متوفی 630ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا نام یوحانذ تھا۔ (الکامل: ج:1، ص:95 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

امام عبدالرحمان بن علی الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

ان کی والدہ محترمہ کا نام یوخانذ تھا۔ (المنتظم: ج:1، ص:215 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

لاوی بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں حضرت عمران رضی اللہ عنہ اس وقت اپنی قوم کے سردار تھے ان کی بیوی کا نام حضرت عایذ رضی اللہ عنہا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں کے فرزند ہیں۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:320 مطبوعہ لاہور)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا پیٹ حمل کے وقت دکھائی نہ دیتا تھا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ حاملہ ہوئیں تو حمل کے وقت ان کا پیٹ دکھائی نہ دیتا تھا کہ جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ حاملہ ہیں۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں: وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کو حمل ہوا تو ان کا پیٹ نہ پھولا اور نہ رنگ بدلا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:523 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

دائیوں کا پیٹ نہ دکھائی دینے کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ سے کوئی سروکار نہ رکھنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ جب حاملہ ہوئیں تو ان کا پیٹ نہ پھولا اور نہ ہی کوئی رنگ بدلا تو دائیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے کوئی سروکار نہیں رکھا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کو حمل ہوا تو ان کا پیٹ نہ پھولا اور نہ رنگ بدلا تو دائیوں نے ان سے کچھ سروکار نہیں رکھا۔ (معالم التنزیل: ج:3، ص:523 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کے حاملہ ہونے کا کسی کو علم نہ ہونا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ حاملہ ہوئیں تو ان کے حاملہ ہونے کا کسی کو علم نہ ہوا۔

امام ابوالحسین بن مسعود الفراء بغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا حمل ہو گیا تو انہوں نے اس کو لوگوں سے چھپایا اور ان کے حاملہ ہونے کا کسی کو پتہ نہیں چلا چونکہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر احسان کرنا چاہتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو مستور رکھا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:523 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سال دائیوں کا سختی سے تفتیش کرنا

جس سال حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے تو فرعون نے بنی اسرائیل کی عورتوں کی تفتیش کے لئے دائیوں کو بھیجا انہوں نے سختی سے بنی اسرائیل کی عورتوں کی تفتیش کی تاکہ اس بچہ کا علم ہو جائے اور وہ اس کو قتل کر دیں۔

امام ابوالحسین بن مسعود الفراء بغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ

جس سال حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے اس سال فرعون نے بنی اسرائیل کی عورتوں کی تفتیش کے لئے دائیوں کو بھیجا اور بہت سختی سے تلاشی لی گئی۔ جتنی اس سے پہلے کبھی تلاشی نہیں لی گئی تھی۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:523 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت کسی کو علم نہ ہوا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت کسی کو علم نہ ہوا۔

امام عبدالرحمان بن علی الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ

فرعون نے ستر ہزار نوزائیدہ لڑکوں کو قتل کرا دیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حمل ہوا تو کسی کو معلوم نہیں ہوا اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی۔ (المنتظم: ج:1، ص:217 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن مریم کے سوا کسی کو خبر نہ دی

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تو آپ علیہ السلام کی بہن مریم کے سوا کسی کو خبر نہ دی۔

امام عبدالرحمان بن علی الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ

فرعون نے ستر ہزار نوزائیدہ لڑکوں کو قتل کرا دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حمل ہوا تو کسی کو معلوم نہیں ہوا اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی ان کی بہن مریم کے سوا اور کسی کو خبر نہ دی۔

(المنتظم: ج:1، ص:217 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دائی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھتے ہی محبت میں وارفتہ ہونا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو دائی دیکھ کر محبت کرنے لگ گئی۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت عایذ رضی اللہ عنہا حاملہ ہوئیں تو فرعون کی دائیاں ان کے گھر میں اور سپاہی دروازے پر آنے لگے جب زمانہ ولادت قریب آیا تو ایک دائی ان کے گھر میں رہنے لگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام رات کے وقت پیدا ہوئے فرعون کی دائی ان کو دیکھ کر بے اختیار ان پر عاشق ہو گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو محبوبیت عامہ بخشی تھی جو انہیں دیکھتا عاشق ہو جاتا۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:320 مطبوعہ لاہور)

مخلص دائی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کی ایک دائی مخلص دوست اور سہیلی تھی جن کو آپ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے دردزہ کے وقت بلایا اس نے اپنی کاروائی کی حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے۔

امام ابوالحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے وضع حمل کا زمانہ قریب آ گیا فرعون نے دائیوں کو بنی اسرائیل کی حاملہ عورتوں کی نگرانی کے لئے مقرر کیا ہوا تھا ان میں سے ایک دائی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی سہیلی اور مخلص دوست تھی جب ان کو دردزہ کی سخت تکلیف ہوئی تو انہوں نے اپنی سہیلی کو بلوایا۔

اور کہا کہ

تم دیکھ رہی ہو کہ مجھے کتنی تکلیف ہے تمہاری محبت آج میرے کام آنی چاہیے اس نے اپنی کاروائی کی حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھوں میں جو نور تھا اس سے وہ دائی دہشت زدہ ہو گئی اور اس کا جوڑ جوڑ دہشت سے کانپنے لگا اور اس کے دل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت سما گئی۔

پھر اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ سے کہا:

جب تم نے مجھے بلایا تھا تو میرا ارادہ تھا کہ میں اس بچہ کو مار ڈالوں گی لیکن تمہارے اس بیٹے سے مجھے اتنی شدید محبت ہو گئی کہ اتنی محبت مجھے کسی سے نہیں ہوئی تھی تم اپنے بیٹے کی حفاظت کرنا کیونکہ اس کے بہت دشمن ہیں۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:522 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بچانے کے لئے دائی کا بکری کے بچہ کو ذبح کر کے سپاہیوں کو دکھانا

دائی کے دل میں چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت بیٹھ گئی تھی اس لیے اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بچانے کے لئے ان کی جگہ بکری کا بچہ ذبح کر کے ہانڈی میں ڈال کر سپاہیوں کو دکھایا اور کہا اس گھر میں لڑکا پیدا ہوا تھا جس کو میں نے ذبح کر

دیا اور دیکھو میں اس کو دفن کرنے کے لئے جنگل میں جارہی ہوں تو سپاہیوں نے مزید کوئی تحقیقات نہ کیں۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں: دائی نے ان کی والدہ محترمہ سے کہا کہ کسی صورت سے ان کو قتل ہونے سے بچاؤ یہ کہہ کر ایک بکری کا بچہ ذبح کیا ہوا ایک ہانڈی میں ڈال کر سپاہیوں سے کہا کہ اس گھر میں لڑکا پیدا ہوا تھا میں نے ذبح کر دیا ہے اور دیکھو میں اس کو دفن کرنے کے لئے جنگل میں جارہی ہوں۔ سپاہیوں نے اس پر اعتبار کیا اور کوئی زائد تحقیقات نہ کیں۔ (تفسیر نعیمی: ج: 1 ص: 320 مطبوعہ لاہور)

نجومیوں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا فرعون کو خبر دینا

نجومیوں نے کہا: جس بچے کے ہاتھوں تیری ہلاکت ہوگی وہ بچہ پیدا ہو چکا ہے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے گھر پر پرورش پاتے رہے مگر نجومیوں نے فرعون کو خبر دی کہ بنی اسرائیل میں وہ بچہ پیدا ہو چکا ہے۔ (تفسیر نعیمی: ج: 1 ص: 320 مطبوعہ لاہور)

فرعون کی پریشانی عروج پر ہوگئی

جب نجومیوں نے فرعون کو خبر دی کہ جس بچے کے ہاتھوں تیری ہلاکت ہوگی وہ پیدا ہو گیا ہے تو وہ سخت پریشان ہو گیا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

فرعون اس خبر سے (سخت) پریشان ہو گیا۔ (تفسیر نعیمی: ج: 1 ص: 320 مطبوعہ لاہور)

فرعون کا کوتوال کو تنبیہ کرنا اور کوتوال کا سپاہیوں پر سختی کرنا

فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی خبر سے پریشان ہو کر کوتوال کو تنبیہ کرنے لگ گیا اور کوتوال نے سپاہیوں پر سختی شروع کر دی۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

فرعون اس خبر سے (سخت) پریشان ہو گیا اور کوتوال کو سخت تنبیہ کی کوتوال نے سپاہیوں پر سختی کی۔
(تفسیر نعیمی: ج: 1 ص: 320 مطبوعہ لاہور)

سپاہیوں کا کوتوال کو حضرت عمران رضی اللہ عنہ کے گھر پیدا ہونے والے بچے کو خود قتل نہ کرنے کا بتانا

سپاہیوں نے کوتوال کو کہا کہ ہم نے سب کے بچے اپنے ہاتھوں سے قتل کیے مگر عمران کے گھر جو لڑکا پیدا ہوا اس کو دائی نے قتل کیا اور ہم نے اس دائی کے کہنے پر اعتماد کر لیا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

فرعون اس خبر سے پریشان ہو گیا اور کوتوال کو سخت تنبیہ کی کوتوال نے سپاہیوں پر سختی کی۔

انہوں نے کہا کہ

ہم نے بہت کوشش سے ان کے بچے قتل کئے مگر عمران کے لڑکے کو اپنے ہاتھ سے نہ مارا صرف دائی کے کہنے پر اعتماد کر لیا۔
(تفسیر نعیمی: ج: 1، ص: 320 مطبوعہ لاہور)

کوتوال کا سپاہیوں کو حضرت عمران رضی اللہ عنہ کے گھر کی تلاشی لینے کا حکم

سپاہیوں نے جب کوتوال کو بتایا کہ ہم نے بہت کوشش سے بنی اسرائیل کے بچے قتل کئے مگر عمران کے لڑکے کو اپنے ہاتھ سے نہ مارا صرف دائی کے کہنے پر اعتماد کر لیا تو کوتوال نے سپاہیوں کو کہا کہ فوراً ان کے گھر کی تلاشی لو اور بلا تامل گھس جاؤ۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

کوتوال نے کہا:

فوراً اس گھر کی تلاشی لو اور بلا تامل گھس جاؤ۔ (تفسیر نعیمی: ج: 1، ص: 320 مطبوعہ لاہور)

سپاہیوں کا بے پردہ حضرت عمران رضی اللہ عنہ کے گھر گھس آنا

کوتوال کے کہنے پر سپاہی بلا تامل پردہ کروائے بغیر حضرت عمران رضی اللہ عنہ کے گھر گھس آئے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

سپاہی بے پرواہ (حضرت) عمران (رضی اللہ عنہ) کے گھر میں گھس آئے۔ (تفسیر نعیمی: ج: 1، ص: 320 مطبوعہ لاہور)

سپاہیوں کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آپ علیہ السلام کی بہن مریم کا بھڑکتے ہوئے تنور میں ڈالنا

جب سپاہی حضرت عمران رضی اللہ عنہ کے گھر پردہ کروائے بغیر گھس آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ علیہ السلام کی بہن مریم کی گود میں تھے انہوں نے جب یہ ماجرا دیکھا تو فوراً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھڑکتے ہوئے تنور میں ڈال دیا اور سپاہیوں کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

سپاہی بے پردہ حضرت عمران رضی اللہ عنہ کے گھر میں گھس آئے اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بڑی بہن مریم کی گود میں تھے۔ مریم نے یہ ماجرا دیکھ کر فوراً ان کو بھڑکتے ہوئے تنور میں اس طرح ڈال دیا کہ سپاہیوں کو خبر بھی نہ ہوئی مریم نے خیال کیا کہ اگر پولیس نے بچہ دیکھ لیا تو یہ فرزند اور ہم قتل کر دیئے جائیں گے۔ (تفسیر نعیمی: ج: 1، ص: 320 مطبوعہ لاہور)

امام عبد الرحمان بن علی جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حمل ہوا تو کسی کو معلوم نہیں ہوا اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی ان کی بہن مریم کے سوا اور کسی کو خبر نہ دی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ڈھونڈنے والے ان کے پاس پہنچے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تنور میں ڈال دیا۔ (المنتظم: ج: 1، ص: 217 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دائی کا حضرت عمران رضی اللہ عنہ کے گھر سے نکلنے پر جاسوسوں کا گھر میں داخل ہونا

جب دائی حضرت عمران رضی اللہ عنہ کے گھر سے نکلی تو جاسوسوں نے اس کو دیکھ لیا تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملنے کے لئے ان کے گھر آئے اور آپ علیہ السلام کی بہن مریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھڑکتے ہوئے تنور میں ڈال دیا۔

امام ابوالحسین بن مسعود الفراء بغوی شافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کے وضع حمل کا زمانہ قریب آ گیا فرعون نے دائیوں کو بنی اسرائیل کی حاملہ عورتوں کی نگرانی کے لئے مقرر کیا ہوا تھا ان میں سے ایک دائی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی سہیلی اور مخلص دوست تھی جب ان کو دردزہ کی سخت تکلیف ہوئی تو انہوں نے اپنی سہیلی کو بلوایا۔

اور کہا:

تم دیکھ رہی ہو کہ مجھے کتنی تکلیف ہے تمہاری محبت آج میرے کام آنی چاہئے اس نے اپنی کاروائی کی حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھوں میں جو نور تھا اس سے وہ دائی دہشت زدہ ہو گئی اور اس کا جوڑ جوڑ دہشت سے کانپنے لگا اور اس کے دل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت سما گئی۔

پھر اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ سے کہا:

جب تم نے مجھے بلایا تھا تو میرا ارادہ تھا کہ میں اس بچہ کو مار ڈالوں گی لیکن تمہارے اس بیٹے سے مجھے اتنی شدید محبت ہو گئی کہ اتنی محبت مجھے کسی سے نہیں ہوئی تھی تم اپنے بیٹے کی حفاظت کرنا کیونکہ اس کے بہت دشمن ہیں جب دائی ان کے گھر سے نکلی تو فرعون کے بعض جاسوسوں نے اس کو دیکھ لیا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ سے ملنے کے لئے ان کے گھر آئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا:

اے اماں! دروازہ پر سپاہی کھڑے ہوئے ہیں اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کپڑے میں لپیٹ کر جلتے ہوئے تنور میں رکھ دیا اس وقت شدت خوف سے اس کی عقل خبط ہو چکی تھی اور اس کو کچھ ہوش نہیں تھا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:522 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

جاسوسوں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ سے دائی کے آنے کی وجہ پوچھنا

جب جاسوس حضرت عمران رضی اللہ عنہ کے گھر داخل ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ سکون سے بیٹھی ہوئی تھیں تو جاسوسوں نے کہا: یہ دائی تمہارے گھر کیوں آئی تھی۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

جب سپاہی گھر میں داخل ہوئے تو تنور جل رہا تھا انہوں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ اطمینان سے بیٹھی ہوئی تھیں۔

انہوں نے پوچھا

یہ دائی تمہارے ہاں کیوں آئی تھی۔ (معالم التنزیل: ج:3: ص:522 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا جاسوسوں کو دائی کا محبّ اور دوست ہونے کی بناء پر ملنے آنے کا بتانا

جب جاسوسوں نے کہا: یہ دائی تمہارے ہاں کیوں آئی تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے کہا:

وہ میری محبّ اور دوست ہے اور مجھے ملنے کے لئے آئی تھی۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے کہا:

وہ میری محبّ اور دوست ہے وہ مجھ سے ملنے کے لئے آئی تھی۔

(معالم التنزیل: ج:3: ص:522 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

سپاہیوں کا گھر کی تلاشی لینے کے بعد واپس چلے جانا

جب سپاہی گھر میں داخل ہوئے تو انہوں نے گھر کی تلاشی لی اور کچھ نہ پا کر واپس چلے گئے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

پولیس نے گھر کی تلاشی لی کچھ نہ پا کر واپس لوٹ گئی۔ (تفسیر نعیمی: ج:1: ص:320 مطبوعہ لاہور)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

سپاہی تلاشی لینے کے بعد واپس چلے گئے۔ (معالم التنزیل: ج:3: ص:522 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا اپنی بیٹی مریم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق پوچھنے پر لاعلمی کا اظہار کرنا

جب سپاہی گھر کی تلاشی لینے کے بعد واپس چلے گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے اپنی بیٹی مریم سے پوچھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہاں ہیں۔

تو انہوں نے کہا: مجھے پتہ نہیں ہے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

والدہ نے مریم سے پوچھا کہ

موسیٰ علیہ السلام کہاں ہیں؟ تو اس نے سب ماجرا کہا۔ (تفسیر نعیمی: ج:1: ص:320 مطبوعہ لاہور)

امام ابو الحسین بن مسعود الفراء بغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

پھر اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے پوچھا۔

بچہ کہاں ہے؟

اس نے کہا:

مجھے پتہ نہیں! (معالم التنزیل: ج:3، ص:522 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

تنور سے بچے کی رونے کی آواز سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا دیکھنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سلامت پانا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے تنور سے بچے کی رونے کی آواز سنی تو دوڑ کر تنور کی جانب گئیں اللہ تعالیٰ نے اس تنور کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ٹھنڈا اور سلامتی والا بنا دیا تھا تو آپ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے آپ علیہ السلام کو اٹھا لیا۔

امام ابوالحسین بن مسعود الفراء بغوی شافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

پھر اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے پوچھا۔

بچہ کہاں ہے۔

اس نے کہا:

مجھے پتہ نہیں!

پھر تنور سے بچے کے رونے کی آواز آئی۔ وہ دوڑ کر تنور کی طرف گئی اللہ تعالیٰ نے اس تنور کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ٹھنڈا اور سلامتی والا بنا دیا تھا انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اٹھا لیا۔ (معالم التنزیل: ج:3، ص:522 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

والدہ نے مریم سے پوچھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کہاں ہیں۔ اس نے سب ماجرا کہا ماں غم سے تڑپ گئی تنور میں جا کر دیکھا کہ آگ کے شعلے نکل رہے ہیں مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بدستور امن وامان سے ہیں۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:320 مطبوعہ لاہور)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دعویٰ نبوت سے پہلے معجزہ کا ظہور تنور سے سلامت رہنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب آپ علیہ السلام کی بہن نے تنور میں رکھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام پر آگ کو ٹھنڈا اور سلامتی والا بنا دیا اور آپ علیہ السلام سلامت رہے جو کہ آپ علیہ السلام کا دعویٰ نبوت سے پہلے معجزہ کا ظہور ہے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

والدہ نے مریم سے پوچھا کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کہاں ہیں اس نے سب ماجرا کہا۔ ماں غم سے تڑپ گئی تنور پر جا کر دیکھا کہ آگ کے شعلے نکل رہے ہیں مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بدستور امن وامان سے ہیں یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ارہاص ہو یعنی دعویٰ نبوت سے

پہلے معجزہ کا ظہور (ہوا)۔ (تفسیر نعیمی: ج:1،ص:320 مطبوعہ لاہور)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تین ماہ تک چھپا کر رکھنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گھر والوں نے تین ماہ چھپا کر رکھا۔

امام عبدالرحمان بن علی الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ڈھونڈنے والے ان کے پاس پہنچے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تنور میں ڈال دیا لیکن وہ سلامت رہے پھر انہوں نے تین ماہ تک ان کو چھپا کر رکھا۔ (المنتظم: ج:1،ص:218 مطبوعہ بیروت)

والدہ محترمہ کا تین ماہ تک دودھ پلانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے آپ علیہ السلام کو تنور سے سلامتی کے بعد تین ماہ تک دودھ پلایا۔

امام ابوالحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ آپ علیہ السلام کو گود میں تین ماہ تک دودھ پلاتی رہیں۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:523 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام تین ماہ کے دوران نہ روتے تھے نہ حرکت کرتے تھے

جن تین ماہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے آپ علیہ السلام کو چھپا رکھا تھا ان تین ماہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ تو روتے تھے اور نہ ہی حرکت کرتے تھے۔

امام ابوالحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ آپ علیہ السلام کو گود میں تین ماہ تک دودھ پلاتی رہیں آپ علیہ السلام گود میں نہ تو روتے تھے اور نہ ہی حرکت کرتے تھے۔ (معالم التنزیل: ج:3،ص:523 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا دریا میں ڈالنے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کو الہام فرمایا کہ میرے کلیم کو دودھ پلاؤ جب تمہیں اس کے اوپر خطرہ ہو تو اس کو دریا میں ڈال دینا اور نہ تو کوئی غم کرنا اور نہ ہی خوف۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوْسٰۤی اَنْ اَرْضِعِیْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ

(القصص:7)

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو الہام کیا کہ تم اس کو دودھ پلاؤ اور جب تم کو اس پر خطرہ ہو تو اس کو دریا میں ڈال دینا اور کسی قسم کا خوف اور غم نہ کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو والدہ محترمہ کی طرف واپس لوٹا دینے کا فرمانا

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کو حکم فرمایا کہ جب تمہیں اس پر کوئی خطرہ محسوس ہو تو ان کو دریا میں ڈال دینا اور کسی قسم کا خوف اور غم نہ کرنا ہم اسے ضرور واپس لوٹا دیں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ (القصص:7)

بے شک ہم اس کو تمہارے پاس واپس لائیں گے۔

والدہ محترمہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رسول بنانے کی بشارت

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کو تسلی عطا فرمادی کہ ہم اسے ضرور تمہارے پاس واپس لائیں گے تو اس وقت یہ بھی بشارت عطا فرمادی کہ ہم اس کو رسول بنانے والے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۝ (القصص:7)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا قوم فرعون کے بڑھئی سے صندوق خریدنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کو جب اللہ تعالیٰ نے دریا میں ڈالنے کا الہام فرمایا تو آپ علیہ السلام کی والدہ محترمہ قوم فرعون کے ایک بڑھئی کے پاس گئیں اور وہاں سے ایک صندوق خریدا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ قوم فرعون کے ایک بڑھئی کے پاس گئیں اور اس سے چھوٹا صندوق خریدا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:522 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بڑھئی کا صندوق لینے کی وجہ پوچھنا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے بڑھئی سے صندوق لیا تو اس بڑھئی نے پوچھا تم اس کا کیا کروگی۔

امام ابو الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ قوم فرعون کے ایک بڑھئی کے پاس گئیں اور اس سے ایک چھوٹا سا صندوق خریدا اس بڑھئی نے پوچھا تم اس صندوق کا کیا کروگی؟ (معالم التنزیل: ج:3، ص:522 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا بڑھئی کو بیٹا چھپانے کا جواب دینا

جب بڑھئی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ سے پوچھا کہ تم اس صندوق کا کیا کروگی تو آپ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے جواب دیا میں اس کے اندر اپنے بیٹے کو چھپاؤں گی۔

امام ابوالحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

بڑھئی نے پوچھا تم اس صندوق کا کیا کروگی تو انہوں نے فرمایا کہ میں اس صندوق کے اندر اپنے بیٹے کو چھپاؤں گی۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:522 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے جھوٹ بولنا ناپسند فرمایا

جب بڑھئی نے صندوق لینے کی وجہ پوچھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے سچ سچ بتایا کہ میں اس کے اندر اپنے بیٹے کو چھپاؤں گی اور آپ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے جھوٹ بولنے کو ناپسند کیا۔

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے جھوٹ بولنے کو ناپسند کیا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:522 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

جھوٹ کی مذمت

انسان جھوٹ بولتا رہتا ہے اور اپنا بچاؤ کرتا رہتا ہے ایک دن ایسا آتا ہے کہ وہ اس کو ہمیشہ کے لئے ہلاک کر دیتا ہے۔ جھوٹ کی مذمت کے متعلق کئی احادیث مبارکہ ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

حدیث مبارکہ: 1

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس وقت تک بندہ کا ایمان مکمل نہیں ہوگا جب تک کہ وہ جھوٹ کو ترک نہ کر دے حتیٰ کہ مذاق میں بھی جھوٹ نہ بولے اور ریا کو ترک کر دے خواہ وہ اس میں صادق ہو۔ (مسند احمد: ج:2، ص:364 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حدیث مبارکہ: 2

حضرت حفص بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ سنی سنائی بات کو بیان کر دے۔ (صحیح مسلم: ج:1، ص:8 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

حدیث مبارکہ: 3

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

آخر زمانہ میں ایسے دجال اور کذاب ہوں گے جو تم سے ایسی احادیث مبارکہ بیان کریں گے جو تم نے سنی ہوں گی نہ

تمہارے باپ دادا نے، تم ان سے دور رہو وہ تم سے رہیں کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کر دیں اور فتنے میں مبتلا نہ کر دیں۔

(صحیح مسلم: ج:1،ص:10 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

حدیث مبارکہ: 4

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اپنے آپ کو جھوٹ سے بچاؤ کیونکہ جھوٹ فجور (گناہ) تک پہنچاتا ہے اور فجور دوزخ تک پہنچاتا ہے ایک شخص جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ کے مواقع تلاش کرتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کو کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔

(سنن ابوداؤد: ج:2،ص:325 مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور)

حدیث مبارکہ: 5

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: میں نے رات کو خواب میں دیکھا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ارض مقدسہ میں لے گئے میں نے دیکھا وہاں ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا اور دوسرا آدمی اس کے پاس کھڑا ہوا تھا جس کے ہاتھ میں لوہے کا آنکڑا تھا اس نے وہ آنکڑا اس کی باچھ میں داخل کیا اور آنکڑے سے اس کی باچھ کو کھینچ کر گدی تک پہنچا دیا پھر وہ آنکڑا دوسری باچھ میں داخل کیا اور اس باچھ کو گدی تک پہنچا دیا اتنے میں پہلی باچھ مل گئی اور اس نے پھر اس میں آنکڑا ڈال دیا۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

جس شخص کی باچھ پھاڑ کر گدی تک پہنچائی جا رہی تھی یہ وہ شخص ہے جو جھوٹ بولتا تھا پھر اس سے وہ جھوٹ نقل ہو کے ساری دنیا میں پھیل جاتا تھا اس کو قیامت تک اسی طرح عذاب دیا جاتا رہے گا۔ (صحیح البخاری: ج:1،ص:185 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

حدیث مبارکہ: 6

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تین صورتوں کے سوا جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے:

1- ایک شخص اپنی بیوی کو راضی کرنے کے لئے جھوٹ بولے۔

2- جنگ میں جھوٹ بولنا۔

3- لوگوں میں صلح کرانے کے لئے جھوٹ بولنا۔ (جامع ترمذی: ص:287 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا سچ بتا کر صندوق لے کر چلے جانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ بڑھئی کو سچ بتا کے صندوق لے کر اپنے گھر چلی گئیں۔

بڑھئی کا فرعون کے ذبح کرنے والوں کے پاس خبر دینے کے لئے جانا اور گویائی سلب ہو جانا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ صندوق لے کر اپنے گھر کو چلی گئیں تو بڑھئی فرعون کے ذبح کرنے والوں کے پاس گیا اور یہ ارادہ کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ جو کچھ کرنے والی ہیں اس کی خبر دوں تو جب اس نے بولنے کا ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے اس کی گویائی کو سلب فرمالیا اور وہ کوئی بات نہ کر سکا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی شافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ صندوق لے کر چلی گئیں تو وہ بڑھئی فرعون کے ذبح کرنے والوں کے پاس گیا اور ارادہ کیا کہ ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کی کاروائی کی خبر دے۔ جب اس نے بولنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی گویائی سلب کر لی اور وہ کوئی بات نہ کر سکا۔ (معالم التنزیل: ج:3، ص:522 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

بڑھئی کا ہاتھوں سے اشارہ کر کے بتانا اور فرعونیوں کا پاگل سمجھ کے مار پیٹ کر نکال دینا

جب اللہ تعالیٰ نے بڑھئی کی گویائی سلب فرمائی تو وہ ہاتھوں سے اشارہ کر کے فرعونیوں کو بتانے لگا اور فرعونیوں نے اس کی کوئی بات نہ سمجھی تو انہوں نے پاگل سمجھ کے مار پیٹ کر وہاں سے نکال دیا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

جب بڑھئی نے بولنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی گویائی سلب فرمالی اور وہ کوئی بات نہ کر سکا اور ہاتھوں سے اشارہ کر کے بتانے لگا ان لوگوں کو کچھ سمجھ نہ آیا تو انہوں نے اس کو پاگل سمجھ کے مار پیٹ کر نکال دیا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:522 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا بڑھئی کے اپنے ٹھکانے پر پہنچنے کے بعد گویائی واپس فرمادینا

جب بڑھئی فرعونیوں سے واپس پلٹ کر اپنے ٹھکانے پر پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے بڑھئی کی گویائی واپس فرمادی۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

جب وہ بڑھئی اپنے ٹھکانے پر پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی گویائی واپس کر دی تو وہ بولنے لگا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:522 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

بڑھئی کا دوبارہ ذبح کرنے والے فرعونیوں کے پاس جانا اور گویائی سلب ہو جانا

بڑھئی دوبارہ ذبح کرنے والے فرعونیوں کے پاس گیا تا کہ اس کاروائی کی خبر دوں مگر جب وہاں پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی گویائی کو سلب فرمایا اور وہ بات نہ کر سکا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

بڑھئی پھر دوبارہ ذبح کرنے والوں کے پاس گیا وہاں جا کر پھر اس کی گویائی سلب ہو گئی (اور وہ بات نہ کر سکا)

(معالم التنزیل: ج:3، ص:523 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بڑھئی کا دوبارہ اشارہ سے بتانا اور فرعونیوں کا پاگل سمجھ کے مار پیٹ کر نکال دینا

جب بڑھئی کی گویائی سلب ہو گئی تو وہ ہاتھوں کے اشاروں سے بات بتانے لگا اور فرعونیوں نے پاگل سمجھ کے مار پیٹ کر دوبارہ نکال دیا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

بڑھئی نے دوبارہ اشاروں سے بات کرنی چاہی انہوں نے پھر اس کو مار پیٹ کر نکال دیا۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:523 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بڑھئی کا دوسری بار مار کھا کے گھر پہنچنے پر دوبارہ گویائی واپس آ جانا

بڑھئی کو جب دوسری بار فرعونیوں نے پاگل سمجھ کر مار پیٹ کے وہاں سے نکال دیا تو بڑھئی کے گھر پہنچنے پر اس کی گویائی واپس پلٹ آئی۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

جب بڑھئی دوسری بار مار کھا کر اپنے گھر پہنچا تو پھر اس کی گویائی واپس آ گئی۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:523 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بڑھئی کا تیسری بار ذبح کرنے والے فرعونیوں کے پاس جانا تو گویائی کے ساتھ بینائی بھی جاتی رہنا

بڑھئی کے دل میں بات نہ رہ سکی چنانچہ وہ تیسری بار ذبح کرنے والے فرعونیوں کے پاس گیا تا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی کاروائی کی خبر دوں تو اس وقت اس کی گویائی کے ساتھ بینائی بھی سلب کر لی گئی۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

بڑھئی (تیسری بار) پھر ذبح کرنے والوں کے پاس گیا تا کہ ان کو خبر دے اس بار اس کی گویائی بھی جاتی رہی اور اس کی بینائی بھی جاتی رہی اس کو نہ تو کچھ دکھائی دیا اور نہ ہی بات کر سکا۔ (معالم التنزیل: ج:3، ص:523 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بڑھئی کا تیسری بار فرعونیوں سے مار کھا کے گھر پہنچنا

بڑھئی تیسری بار فرعونیوں سے مار کھا کے اپنے گھر پہنچا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

بڑھئی پھر دوبارہ تیسری بار مار کھا کے پلٹا۔ (معالم التنزیل: ج:3، ص:523 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بڑھئی کا سچے دل سے توبہ کرنا کہ وہ زندگی بھر کسی کو یہ راز نہیں بتائے گا

بڑھئی نے سچے دل سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا کہ اگر اس بار اللہ تعالیٰ نے اس کی گویائی اور بینائی واپس فرمادی تو وہ یہ راز کسی پر فاش نہ کرے گا اور جب تک زندہ رہے گا اس کو راز ہی رکھے گا۔

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

بڑھئی نے اس بار (تیسری بار سچے دل سے توبہ کی) صدق دل سے عہد کیا کہ اگر اس بار اللہ تعالیٰ نے اس کی گویائی اور بینائی واپس کردی تو وہ یہ بات کسی کو نہیں بتائے گا اور جب تک زندہ رہے گا اس کو راز رکھے گا۔

(معالم التنزیل: ج:3،ص:523 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا بڑھئی کی توبہ کو قبول فرما کر گویائی اور بینائی واپس عطا فرمادینا

بڑھئی نے جب سچے دل سے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے صدق نیت کو جان لیا اور اس کی گویائی اور بینائی واپس فرما دی۔

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

(بڑھئی نے جب سچے دل سے توبہ کی اور صدق سے عہد کرلیا تو) اللہ تعالیٰ نے اس کے صدق نیت کو جان لیا اور اس کی گویائی اور بینائی واپس کردی۔ (معالم التنزیل: ج:3،ص:523 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

توبہ کا معنیٰ

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ جس کو سعادت دیتا وہ گناہ کی برائی اور اس کے ضرر پر متنبہ ہوجاتا ہے اور یہی تنبیہ توبہ کا باعث ہے کیونکہ گناہ ایسا زہر ہے جس کے ضرر سے دنیا و آخرت کی سعادت ضائع ہوجاتی ہے اور وہ دنیا اللہ تعالیٰ کی معرفت سے محجوب اور آخرت میں اس کے قرب سے محروم ہوجاتا ہے۔ گناہ گار اللہ تعالیٰ کے حق کو ضائع کرنے پر تائب ہوگا یا مخلوق کے حق کو ضائع کرنے پر توبہ کرے گا اللہ تعالیٰ کے حق کو ضائع کرنے پر توبہ یہ ہے کہ وہ آئندہ کے لئے اس گناہ کو ترک کردے اور اس کی جو قضا اور کفارہ مشروع ہے اس کو ادا کرے اور مخلوق کا حق ضائع کرنے پر توبہ یہ ہے کہ وہ مستحق کو اس کا حق ادا کرے ورنہ وہ اس گناہ کے ضرر سے نجات نہیں پائے گا اگر وہ پوری کوشش کرنے کے بعد بھی اس حق کو ادا نہ کرسکے تو اللہ تعالیٰ کے معاف کرنے کی امید رکھے۔

(فتح الباری: ج:11،ص:103 مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

توبہ کی شرائط

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

عبداللہ بن المبارک نے یہ کہا ہے کہ

توبہ کی شرائط یہ ہیں کیے ہوئے کام پر ندامت ہو، آئندہ نہ کرنے کا عزم ہو، حق واپس کرے اور جو فرائض رہ گئے ہیں ان کو ادا کرے اور حرام مال کھانے سے جو بدن بن گیا ہے اسے غم اور فکر سے گھلا دے حتیٰ کہ دوبارہ اس کے جسم پر پاکیزہ گوشت پیدا ہو جائے اور اپنے نفس کو اطاعت کی مشقت کا اس طرح مزہ چکھائے جس طرح اس نے معصیت کی لذت کا مزہ چکھا تھا۔ جن علماء نے توبہ کی تفسیر ندامت سے کی ہے انہوں نے اس حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے جس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے: ندامت توبہ ہے اور در حقیقت ندامت توبہ کا رکن عظیم ہے۔ بعض علماء کرام نے توبہ کی شرائط میں مزید اضافہ کیا ہے: وہ اس جگہ سے چلا جائے جہاں گناہ کیا تھا اور آخر عمر تک اس جگہ دوبارہ نہ جائے اور دوبارہ نہ کرے ورنہ اس کی توبہ باطل ہو جائے گی۔ پہلی اور دوسری شرط مستحب ہے اور آخری شرط باطل ہے کیونکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ حدیث مبارکہ ہے کہ بندہ بار بار گناہ کرے اور ہر گناہ کے بعد توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیتا ہے۔ (فتح الباری: ج:11 ص:104 مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

قرآن مجید سے توبہ کرنے کا ثبوت

قرآن مجید میں توبہ کرنے کے بارے میں کئی آیات کریمہ ہیں جس میں توبہ کرنے کا حکم ارشاد فرمایا گیا ہے۔

آیت نمبر:1

قرآن مجید میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ (التحریم:8)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی طرف خالص توبہ کرو۔

آیت نمبر:2

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ فَاُولٰٓىٕكَ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۝ وَ لَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَ لَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ ؕ (النساء:17 تا 18)

اللہ پر توبہ (کا قبول کرنا) صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو (عذاب الٰہی سے) جہالت کی وجہ سے گناہ کر بیٹھیں، پھر جلدی سے توبہ کر لیں تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت جاننے والا اور بہت حکمت والا ہے اور توبہ (کا قبول ہونا) ان لوگوں کے لئے نہیں ہے جو (مسلسل) گناہ کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے تو کہتا ہے میں نے اب توبہ کی اور نہ یہ (قبول توبہ) ان لوگوں کے لئے ہے جو کفر کی حالت میں مر جاتے ہیں۔

احادیث مبارکہ سے توبہ کا ثبوت

کثیر احادیث مبارکہ میں توبہ کرنے اور اس پر گناہوں کے معاف ہونے کی بشارت عطا فرمائی گئی ہے جو کہ درج ذیل ہیں۔

حدیث مبارکہ:1

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اگر تم خطائیں کرو حتیٰ کہ تمہاری خطاؤں سے آسمان بھر جائے پھر تم توبہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول فرمائے گا۔
(سنن ابن ماجہ: ص:313 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حدیث مبارکہ:2

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
گناہ کی توبہ یہ ہے کہ توبہ کے بعد دوبارہ گناہ نہ کرے۔ (مسند احمد: ج:1 ص:446 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حدیث مبارکہ:3

حضرت معقل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ندامت توبہ ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ص:313 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حدیث مبارکہ:4

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو شخص گناہ سے توبہ کر لے وہ اس شخص کی مثل ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو۔
(سنن ابن ماجہ: ص:313 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حدیث مبارکہ:5

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ غرغرہ موت (جب سانس اکھڑنے لگتا ہے) سے پہلے پہلے بندہ کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔
(سنن ابن ماجہ: ص:314 مطبوعہ نور محمد کارخانہ کتب کراچی)

حدیث مبارکہ:6

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے استغفار کرنے کو لازم کرلیا اللہ تعالیٰ اس کی ہر پریشانی کا حل بنادے گا اور ہر تنگی سے اس کے لئے کشادگی کر دے گا اور اس کو وہاں سے رزق عطا فرمائے گا جہاں سے اس کا وہم وگمان بھی نہ ہوگا۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:3، ص:154 مطبوعہ دار الفکر دمشق)

حدیث مبارکہ:7

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

گناہ کبیرہ استغفار کے بعد کبیرہ نہیں رہتا اور صغیرہ پر اصرار کرنے کے بعد وہ گناہ صغیرہ نہیں رہتا۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:4، ص:48 مطبوعہ دار الفکر دمشق)

حدیث مبارکہ:8

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے استغفار کرلیا اس نے اصرار نہیں کیا خواہ وہ ایک دن میں ستر بار گناہ کرے۔

(سنن ابوداؤد: ج:1، ص:212 مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور)

حدیث مبارکہ:9

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ عزوجل! رات کو اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے تاکہ دن میں گناہ کرنے والا توبہ کرے اور دن میں اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے تاکہ رات میں گناہ کرنے والا توبہ کرے حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے گا۔ (صحیح مسلم: رقم الحدیث:2759)

حدیث مبارکہ:10

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جوشخص اس سے پہلے توبہ کرلے کہ سورج مغرب سے طلوع ہو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالے گا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث:2703)

حدیث مبارکہ:11

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے اور جب وہ اس گناہ سے الگ ہو جاتا ہے اور استغفار کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ دوبارہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک اور نقطہ پڑ جاتا ہے حتیٰ کہ اس کا پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور یہ وہی راز ہے جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔

كَلَّا بَلْ سکتہ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ (المطففین:14)

ہرگز نہیں! بلکہ ان کے دلوں پر ان کے کاموں نے زنگ چڑھا دیا۔ (سنن الترمذی: رقم الحدیث:3334)

حدیث مبارکہ:12

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے ابن آدم! بے شک تو نے مجھ سے دعا کی اور مجھ سے امید رکھی تم میں جو بھی گناہ تھا اس کو میں نے معاف کر دیا اور مجھے پرواہ نہیں۔ اے ابن آدم! اگر تو پوری روئے زمین کے برابر گناہ لے کر آیا پھر تو نے مجھ سے ملاقات کی تو میں تیرے پاس اتنی ہی مغفرت لاؤں گا بشرطیکہ تو نے شرک نہ کیا ہو۔ (سنن الترمذی: رقم الحدیث:3540)

حدیث مبارکہ:13

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے وصیت کیجئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم سے جس قدر ہو سکے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور ہر پتھر اور درخت کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور تم جو برا کام کرو اس کے بعد توبہ کرو پوشیدہ گناہ کی توبہ پوشیدہ کرو اور کھلم کھلا گناہ کی توبہ کھلم کھلا کرو۔ (معجم الکبیر: ج:20، ص:159)

حدیث مبارکہ:14

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مغرب کی طرف توبہ کا ایک دروازہ ہے جس کی چوڑائی چالیس سال یا ستر سال کی مسافت ہے۔ اللہ عزوجل نے اس دروازہ کو اس دن کھول دیا تھا جس دن اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا اور اس دروازہ کو اس وقت تک بند نہیں فرمائے گا

جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔ (سنن الترمذی: رقم الحدیث: 3536)

حدیث مبارکہ: 15

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم میں سے کسی شخص کو اپنی گمشدہ سواری کے مل جانے سے جتنی خوشی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کو تمہاری توبہ سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ (سنن الترمذی: رقم الحدیث: 3538)

حضرت ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ کی توبہ کا قبول ہونا

امام عبدالملک بن ہشام متوفی 218ھ روایت کرتے ہیں:

بنو قریظہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس ابولبابہ بن عبدالمنذر کو بھیجیں ان کا تعلق بنو عمرو بن عوف سے تھا اور یہ اوس کے حلیف تھے تاکہ ہم اپنے معاملہ میں ان سے مشورہ کریں پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو بنو قریظہ کی طرف بھیجا جب بنو قریظہ نے ان کو دیکھا تو ان کے مردان کے پاس کھڑے ہو گئے اور ان کی عورتیں فریاد کرنے لگیں اور بچے ان کے سامنے رونے لگے۔ یہ دیکھ کر ان کے لئے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا دل نرم ہو گیا۔

بنو قریظہ نے ان سے کہا:

اے ابولبابہ (رضی اللہ عنہ)! آپ رضی اللہ عنہ کا کیا مشورہ ہے کیا ہم (سیّدنا) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم پر قلعہ سے نکل آئیں؟

انہوں نے کہا:

ہاں! اور ہاتھ سے اپنے گلے کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ وہ تمہیں ذبح کر دیں گے۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! ابھی میں نے وہاں سے قدم نہیں اٹھائے تھے کہ میں نے یہ جان لیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت کی ہے۔ پھر حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سیدھے واپس آ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے حتیٰ کہ انہوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ لیا اور کہا میں اس وقت تک بندھا رہوں گا جب تک کہ میری اس خیانت پر اللہ تعالیٰ توبہ قبول نہیں فرما لیتا اور اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا کہ میں آئندہ کبھی بنو قریظہ کے پاس نہیں جاؤں گا اور نہ کبھی اس شہر میں جاؤں گا جس میں میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خیانت کی تھی۔

عبداللہ بن ابی قتادہ سے روایت ہے کہ

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور رسول سے خیانت نہ کرو۔

امام ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر وہ میرے پاس آجاتے تو میں ان کے لئے استغفار کرتا اور جب انہوں نے اپنے آپ کو باندھ لیا ہے تو میں ان کو اس وقت تک نہیں کھولوں گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول نہیں فرمالیتا۔

امام ابن اسحاق روایت کرتے ہیں کہ

جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تھے اس دن سحری کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ کی قبولیت نازل ہوئی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

میں نے سحری کے وقت دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس رہے تھے۔

میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ ہنستا ہوا رکھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس وجہ سے ہنس رہے تھے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ابولبابہ (رضی اللہ عنہ) کی توبہ قبول کرلی گئی۔

میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں ان کو یہ خوش خبری نہ دوں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیوں نہیں اگر تم چاہو تو (دے سکتی ہو) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حجرہ کے دروازہ پر کھڑی ہوگئیں یہ پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

اے ابولبابہ (رضی اللہ عنہ)! تمہیں مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کرلی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

مسلمان ان کو کھولنے کے لئے جھپٹے تو حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی آکر اپنے ہاتھوں سے مجھے کھولیں گے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں تشریف لے گئے تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے مقدس ہاتھوں سے) انہیں کھول دیا۔

امام ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ ستون کے ساتھ چھ راتیں بندھے رہے آپ رضی اللہ عنہ کی بیوی ہر نماز کے وقت آ کر انہیں کھول دیتی تھیں وہ نماز پڑھتے اور پھر ستون کے ساتھ بندھ جاتے۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ کے متعلق جو آیت نازل ہوئی وہ یہ ہے۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا ؕ عَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ o (التوبہ:102)

اور دوسرے مسلمان جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیا انہوں نے کچھ نیک کاموں کو کچھ برے کاموں کے ساتھ ملالیا۔ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گا بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ (السیرۃ النبویہ:ج:3،ص260 تا262 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ زہری سے روایت کیا ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول فرمائی تو انہوں نے کہا: یا نبی اللہ! میری توبہ یہ ہے کہ میں اس قوم کے اس علاقہ کو چھوڑ دوں جس میں، میں نے گناہ کیا تھا اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں رہوں اور اپنا تمام مال اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صدقہ کروں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تمہارے لیے صرف تہائی مال کا صدقہ کرنا کافی ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: رقم الحدیث:16397)

حافظ ابوعمر یوسف بن محمد بن عبدالبر قرطبی متوفی 463ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے لوہے کی وزنی زنجیروں سے اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ کئی راتیں باندھے رکھا۔ حتیٰ کہ آپ رضی اللہ عنہ کی سماعت بہت کم ہوگئی اور بینائی بھی بہت کم ہوگئی۔ جب نماز کا وقت آتا یا انہوں نے قضاء حاجت کے لئے جانا ہوتا تو ان کی بیٹی ان کو کھول دیتی اور فارغ ہونے کے بعد پھر ان کو باندھ دیتیں۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے جو اپنے آپ کو باندھا تھا حافظ ابن عبدالبر نے اس کی کئی وجوہات بیان کی ہیں۔ اور سب سے عمدہ وجہ وہ ہے جو زہری سے مروی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ بھی غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے انہوں نے اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ لیا اور کہا اللہ تعالیٰ کی قسم! میں اپنے آپ کو نہیں کھولوں گا نہ تو کوئی چیز کھاؤں گا اور نہ ہی کچھ پیوں گا حتیٰ کہ اللہ عزوجل میری توبہ قبول فرمالے یا میں مرجاؤں وہ سات دن بندھے رہے نہ تو کچھ کھایا اور نہ ہی کچھ پیا حتیٰ کہ بے ہوش ہوگئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔

ان سے کہا گیا کہ

اے ابولبابہ! (رضی اللہ عنہ) اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی ہے۔

بہ خدا! میں اپنے آپ کو نہیں کھولوں گا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ کر مجھے کھولیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقدس ہاتھ سے آپ رضی اللہ عنہ کو کھولا۔

التوبہ: 102 کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی یہی فرمایا ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ سات، آٹھ یا نو افراد کے متعلق نازل ہوئی ہے جو غزوہ تبوک میں نہیں گئے تھے پھر نادم ہوئے اور انہوں نے توبہ کی اور انہوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ لیا تھا ان کا ایک عمل توبہ تھا اور ان کا برا عمل غزوہ تبوک سے رہ جانا تھا۔

حافظ ابو عمر یوسف بن محمد عبدالبر قرطبی فرماتے ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا گناہ یہ تھا کہ وہ بنو قریظہ کے حلیفوں میں سے تھے اور انہوں نے بنو قریظہ کو یہ اشارہ کیا تھا کہ اگر تم سعد بن معاذ کے حکم پر قلعہ سے نکل آئے تو تم کو ذبح کر دیا جائے گا اور انہوں نے اپنے حلقوم کی طرف اشارہ کیا تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور رسول سے خیانت نہ کرو۔

(الاستیعاب: ج:4، ص304 تا305 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کو کھول دیا تو حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے اموال لے کر آئے اور کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اموال لیجئے اور ان کو ہماری طرف سے صدقہ کر دیجئے۔ وہ کہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے استغفار کیجئے اور ہم کو پاک فرمایئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں اس وقت تک ان میں سے کوئی چیز نہیں لوں گا جب تک کہ مجھے اس کا حکم نہ دیا جائے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اموال سے زکوٰۃ لیجئے جس ذریعہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں پاک کریں گے اور ان کے باطن کو صاف کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے مغفرت کی دعا کریں بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے رحمت ان کے لئے طمانیت ہے یعنی ان سے جو گناہ سرزد ہو چکے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے استغفار فرمائیں۔

(جامع البیان: ج:11، ص:24 مطبوعہ بیروت)

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا یہ گناہ تھا کہ انہوں نے بنو قریظہ کو اشارہ سے یہ بتایا تھا کہ اگر تم محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم)

کے کہنے سے قلعہ سے نکل آئے تو وہ تمہیں ذبح کر دیں گے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ کو حلقوم پر رکھ کر اشارہ کیا تھا۔

امام ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

ان روایات میں اولیٰ یہ ہے کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک میں مسلمانوں کے ساتھ نہ جانے کی وجہ سے اپنے آپ کو مسجد کے ستون کے ساتھ باندھا تھا۔ (جامع البیان: ج: 11 ص: 22 مطبوعہ بیروت)

جلاس بن سوید کی توبہ

حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جب جلاس نے وہ کلمہ کفریہ کہا کہ اگر (سیّدنا) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) برحق ہیں تو ہم گدھے سے بھی بدتر ہیں تو ایک صحابی عمیر بن سعد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتا دیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کر پوچھا تو اس نے انکار کیا اور قسم کھالی کہ اس نے یہ کلمہ کفر نہیں کہا لیکن جب بعد میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہو گا تو جلاس نے اعتراف کیا کہ اس نے یہ کلمہ کفر کہا تھا اور اپنے اس قول سے صدق دل سے توبہ کر لی اور پھر نیک عمل کیے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمیر سے فرمایا: تمہارے رب عزوجل نے تمہاری تصدیق کر دی۔ (جامع البیان: رقم الحدیث: 13191)

حضرت کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع کی توبہ قبول ہونا

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں غزوہ تبوک کے علاوہ کبھی کسی غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نہیں رہا البتہ میں غزوۂ بدر میں بھی پیچھے رہ گیا تھا اور غزوہ بدر میں پیچھے رہ جانے والوں میں سے کسی پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب نہیں کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان قریش کے قافلہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اور ان کے دشمنوں کے درمیان اچانک مقابلہ کرا دیا۔ اور جب ہم نے اسلام کا عہد کیا تھا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عقبہ کی شب میں بھی حاضر ہوا تھا ہر چند کہ مسلمانوں میں شرکاء بدر کی وقعت بہت زیادہ ہے، لیکن میں شب عقبہ کی حاضری کے بدلہ میں اور کوئی فضیلت پسند نہیں کرتا۔ میرا واقعہ یہ ہے کہ جب میں غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گیا تھا اس وقت میں جس قدر قوی اور خوش حال تھا اس سے پہلے کبھی اس قدر قوی اور خوش حال نہیں تھا۔ اس وقت جہاد کے لیے میرے پاس دو اونٹنیاں تھیں جو اس سے پہلے کبھی کسی جہاد کے وقت میرے پاس نہیں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت گرمی میں جہاد کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دور دراز سفر کے لئے صحرا میں کثیر دشمنوں سے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر پورا معاملہ واضح کر دیا تھا تا کہ وہ دشمنوں سے جہاد کے لئے پوری تیاری کر لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اپنے ارادہ سے آگاہ کر دیا تھا اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور کسی رجسٹر میں مسلمانوں کی تعداد کا اندراج نہیں تھا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

بہت کم کوئی ایسا شخص ہوگا جو اس غزوہ سے غائب ہونے کا ارادہ کرے اور اس کا یہ گمان ہو کہ بغیر اللہ تعالیٰ کے وحی نازل کرنے کے آپ سے اس کا معاملہ مخفی رہے گا۔ جب درختوں پر پھل آ گئے تھے اور ان کے سائے گھنے ہو گئے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ کا ارادہ کیا میں اس وقت پھلوں اور درختوں میں مشغول تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان جہاد کی تیاری میں تھے میں ہر صبح جہاد کی تیاری کا سوچتا اور واپس آ جاتا میں کوئی فیصلہ نہیں کر پاتا اور سوچتا کہ میں جس وقت جانے کا ارادہ کروں گا جا سکوں گا میں یہی سوچتا رہا کہ حتیٰ کہ مسلمانوں نے سامان سفر باندھ لیا اور ایک صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو لے کر روانہ ہو گئے میں نے ابھی تیاری نہیں کی تھی میں صبح کو پھر گیا اور لوٹ آیا اور میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکا میں یونہی سوچ و بچار میں رہا حتیٰ کہ مجاہدین آگے بڑھ گئے اور میں یہی سوچتا رہا کہ میں روانہ ہو کر ان کے ساتھ جا ملوں گا۔ کاش میں ایسا کر لیتا لیکن یہ چیز میرے مقدر میں نہیں تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہوتا کہ میں جن لوگوں کے درمیان چلتا تھا یہ صرف وہی لوگ تھے جو نفاق سے متہم تھے یا وہ ضعیف لوگ تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے جہاد سے معذور رکھا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک پہنچنے سے پہلے میرا ذکر نہیں کیا جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کعب بن مالک (رضی اللہ عنہ) کو کیا ہوا؟

بنوسلمہ کے ایک شخص نے کہا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کو دو چادروں اور اپنے پہلوؤں کو دیکھنے نے روک لیا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا:

تم نے بری بات کہی ہے! بخدا! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اس کے متعلق خیر کے سوا اور کچھ نہیں جانتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے ابھی یہ بات ہو رہی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفید پوش شخص کو ریگستان سے آتے ہوئے دیکھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تو ابوخیثمہ ہو جا۔ تو وہ ابوخیثمہ ہو گیا یہ وہی شخص تھے جنہوں نے ایک صاع (چار کلوگرام) چھوارے صدقہ کیے تھے تو منافقین نے انہیں طعنہ دیا تھا۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

جب مجھے یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس آ رہے ہیں تو میری پریشانی پھر تازہ ہو گئی میں جھوٹی باتیں بنانے کے لئے سوچنے لگا اور یہ سوچنے لگا کہ میں کل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی سے کیسے بچوں گا اور اپنے گھر کے اصحاب رائے سے اس سلسلہ میں مشورہ لینے لگا۔ پھر جب مجھے یہ بتایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب تشریف لا

رہے ہیں تو میرے ذہن سے وہ سب جھوٹے بہانے نکل گئے اور میں نے یہ جان لیا کہ میں کسی (جھوٹی) بات سے کبھی نجات نہیں پاسکوں گا پھر میں نے سچ بولنے کا پختہ ارادہ کرلیا صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے آتے تھے تو پہلے مسجد میں جاتے تھے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھتے تھے پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم معمول کے مطابق فارغ ہو گئے تو جو لوگ غزوہ تبوک میں نہیں گئے تھے وہ آ آ کر عذر پیش کرنے لگے اور قسمیں کھانے لگے یہ لوگ اسی (80) سے زیادہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہری اعتبار سے ان کے عذر کو قبول کر لیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بیعت لی اور ان کے لئے استغفار کیا اور ان کے باطنی معاملہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا حتیٰ کہ میں آیا۔ جب میں نے سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی مسکراہٹ پر ہر دم سلام ہو) جیسے کوئی ناراض شخص مسکراتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارے نہ آنے کی کیا وجہ ہے؟ تم نے سواری نہیں خریدی تھی؟

میں نے عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بخدا! اگر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دنیا دار کے پاس بیٹھا ہوتا تو مجھے معلوم ہے کہ میں کوئی عذر پیش کر کے اس کی ناراضگی سے بچ جاتا کیونکہ مجھے کلام پر قدرت عطا فرمائی گئی ہے، لیکن بخدا مجھے معلوم ہے کہ اگر میں نے آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی جھوٹی بات کہہ دی حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے راضی بھی ہو گئے تو عنقریب اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے ناراض کر دے گا اور اگر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی بات کہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ناراض ہوں گے اور بے شک مجھے سچ میں اللہ تعالیٰ سے حسن عاقبت کی امید ہے۔ بخدا میرا کوئی عذر نہیں تھا اور جس وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے رہ گیا تھا تو مجھ سے زیادہ خوش حال کوئی نہیں تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بہر حال اس شخص نے سچ بولا ہے تم یہاں سے اٹھ جاؤ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے متعلق کوئی فیصلہ کر دے میں وہاں سے اٹھا اور بنو سلمہ کے لوگ بھی اٹھ کر میرے پاس آئے۔ انہوں نے مجھ سے کہا بخدا ہمیں یہ معلوم نہیں ہے کہ اس سے پہلے تم نے کوئی گناہ کیا ہو کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس قسم کا عذر پیش کرتے جس طرح دیگر نہ جانے والوں نے عذر پیش کیے تھے۔ تمہارے گناہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار کرنا کافی تھا۔ بخدا وہ مجھے مسلسل ملامت کرتے رہے حتیٰ کہ میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دوبارہ جاؤں اور اپنے پہلے قول کی تکذیب کر دوں۔

پھر میں نے ان سے پوچھا۔

کیا کسی اور کو بھی میرے جیسا معاملہ پیش آیا ہے۔

انہوں نے کہا:

دو اور اشخاص نے بھی تمہاری مثل کہا ہے ان سے بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی ارشاد فرمایا ہے جو تم سے ارشاد فرمایا تھا۔

میں نے پوچھا:

وہ کون ہیں؟

انہوں نے کہا:

وہ مرارہ بن ربیع عامری اور ہلال بن امیہ واقفی ہیں۔ انہوں نے مجھ سے ان دو نیک اشخاص کا ذکر کیا جو غزوۂ بدر میں حاضر ہوئے تھے وہ میرے لیے نمونہ تھے جب ان لوگوں نے ان دو صاحبوں کا ذکر کیا تو میں اپنے پہلے خیال پر قائم رہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہم تینوں سے گفتگو کرنے سے منع فرما دیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گئے تھے۔ پھر مسلمانوں نے ہم سے اجتناب کر لیا اور ہمارے لئے اجنبی ہو گئے حتیٰ کہ زمین بھی میرے لیے اجنبی ہو گئی یہ وہ زمین نہیں تھی جس کو میں پہلے پہچانتا تھا ہم لوگوں کو اسی حال پر پچاس راتیں گزر گئیں میرے دو ساتھی تو خانہ نشین ہو گئے تھے وہ اپنے گھروں میں ہی پڑے روتے رہتے تھے لیکن ان کی بہ نسبت میں جوان اور طاقتور تھا میں باہر نکلتا تھا نمازوں میں حاضر ہوتا تھا اور بازاروں میں گھومتا تھا۔ مجھ سے کوئی شخص بات نہیں کرتا تھا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آتا اور نماز کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نشست پر بیٹھتے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کرتا میں اپنے دل میں سوچتا کہ آیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دینے کے لئے اپنے ہونٹ ہلائے ہیں یا نہیں پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نماز پڑھتا اور نظریں چرا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا۔ سو جب میں نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف دیکھتے اور جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوتا تو مجھ سے اعراض کرتے حتیٰ کہ جب مسلمانوں کی بے رخی زیادہ بڑھ گئی تو میں ایک روز اپنے چچازاد حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے باغ کی دیوار پر چڑھ گیا وہ مجھے لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب تھے۔ میں نے ان کو سلام کیا بخدا انہوں نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔

میں نے ان سے کہا:

(یا) ابو قتادہ (رضی اللہ عنہ) میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کیا تمہیں علم ہے کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں وہ خاموش رہے۔ میں نے ان کو قسم دے کر سوال کیا وہ پھر بھی خاموش رہے۔ میں نے پھر ان کو قسم دی۔

تو انہوں نے کہا:

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ علم ہے۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے میں نے دیوار پھاندی

اور واپس آ گیا۔ ایک دن میں مدینہ منورہ کے بازار میں جارہا تھا تو اہل شام کا ایک شخص مدینہ منورہ میں غلہ بیچنے کے لئے آیا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ کوئی ہے جو مجھے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے ملا دے۔ لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا وہ میرے پاس آیا اور اس نے مجھے غسان کے بادشاہ کا ایک خط دیا میں چونکہ پڑھا لکھا تھا اس لیے میں نے اس کو پڑھا اس میں لکھا تھا ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے صاحب نے تم پر ظلم کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے تم کو ذلت اور رسوائی کی جگہ میں رہنے کے لئے پیدا نہیں کیا تم ہمارے پاس آ جاؤ ہم تمہاری دل جوئی کریں گے میں نے جب یہ خط پڑھا تو میں نے کہا: یہ بھی میرے لیے ایک آزمائش ہے میں نے اس خط کو تنور میں پھینک کر جلا دیا حتیٰ کہ جب پچاس میں سے چالیس دن گزر گئے اور وحی رکی رہی تو ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قاصد میرے پاس آیا۔

اس نے کہا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں یہ حکم دیتے ہیں کہ تم اپنی بیوی سے علیحدہ ہو جاؤ اور اس کے قریب نہ جاؤ۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھیوں کو بھی یہی حکم بھیجا۔

میں نے اپنی بیوی سے کہا:

تم اپنے میکہ چلی جاؤ اور وہیں رہو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ میرے متعلق کوئی حکم نازل فرمائے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

پھر حضرت ہلال بن امیہ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی۔

اس نے عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک حضرت ہلال بن امیہ بہت بوڑھے ہیں اور ان کی خدمت کرنے والا کوئی نہیں ہے کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ناپسند کرتے ہیں کہ میں اس کی خدمت کروں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نہیں! لیکن وہ تم سے مقاربت نہ کرے۔

ان کی بیوی نے کہا:

بخدا وہ تو کسی چیز کی طرف حرکت بھی نہیں کر سکتے اور جب سے یہ معاملہ ہوا ہے بخدا وہ اس دن سے مسلسل روتے رہتے ہیں۔

مجھ سے میرے گھر والوں نے کہا:

تم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح اجازت لے لو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کو ان کی خدمت کرنے کی اجازت دے دی ہے۔

میں نے عرض کیا:

میں اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت نہیں لوں گا مجھے پتہ نہیں کہ اگر میں نے اجازت طلب کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملہ میں کیا فرمائیں گے اور میں ایک جوان شخص ہوں۔ پھر میں اسی حال پر دس راتیں ٹھہرا رہا۔ پھر جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے گفتگو کی ممانعت کی تھی اس کو پچاس دن گزر گئے تھے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

پچاس دن کے بعد ایک صبح کو میں اپنے گھر کی چھت پر صبح کی نماز پڑھ رہا تھا پھر جس وقت میں اسی حال میں بیٹھا ہوا تھا جس کا اللہ عزوجل نے ہمارے متعلق ذکر کیا ہے: مجھ پر میرا نفس تنگ ہو گیا اور زمین اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئی۔ اچانک میں نے سلع پہاڑی کی چوٹی سے ایک چلانے والے کی آواز سنی جو بلند آواز سے کہہ رہا تھا۔ اے کعب بن مالک (رضی اللہ عنہ)! بشارت ہو۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

میں اسی وقت سجدہ میں گر پڑا اور میں نے جان لیا کہ اب کشادگی ہو گئی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھنے کے بعد لوگوں میں اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ قبول فرمائی ہے پھر لوگ آ کر ہم کو مبارک باد دیتے تھے پھر میرے ان دو ساتھیوں کی طرف لوگ مبارکباد دینے کے لئے گئے اور ایک شخص گھوڑا دوڑاتا ہوا میری طرف روانہ ہوا اور قبیلہ اسلم کے ایک شخص نے پہاڑ پر چڑھ کر بلند آواز سے مجھے ندا کی اور اس کی آواز گھوڑے سوار کے پہنچنے سے پہلے مجھ تک پہنچی۔ جب میرے پاس وہ شخص آیا جس کی بشارت کی آواز میں نے سنی تھی میں نے اپنے کپڑے اتار کر اس شخص کو بشارت کی خوشی میں پہنا دیئے۔ بخدا! اس وقت میرے پاس ان کپڑوں کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں تھی اور میں نے کسی سے عاریتاً کپڑے لے کر پہنے پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کے قصد سے روانہ ہوا۔ ادھر میری توبہ قبول ہونے پر فوج در فوج لوگ مجھے مبارک باد دینے کے لئے آ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تم کو اللہ تعالیٰ کا توبہ قبول کرنا مبارک ہو۔

جب میں مسجد میں داخل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہ جلدی سے اٹھے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی۔ بخدا مہاجرین میں سے ان کے علاوہ اور کوئی نہیں اٹھا تھا۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ طلحہ کو نہیں بھولتے تھے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو خوشی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ اقدس چمک رہا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے مبارک ہو جب سے تمہیں تمہاری ماں نے جنا ہے اس سے زیادہ اچھا دن تمہارے لیے نہیں آیا۔

میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
نہیں بلکہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ اقدس اس طرح منور ہو جاتا تھا جیسے وہ چاند کا ٹکڑا ہو۔
حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
ہم اس علامت کو پہچانتے تھے انہوں نے کہا: جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھا تو میں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنی توبہ کی خوشی میں اپنے مال کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اپنے لیے کچھ مال کو رکھ لو وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔
میں نے عرض کیا:
میں اپنے اس مال کو رکھ لیتا ہوں جو خیبر میں ہے اور میں نے عرض کیا:
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے مجھے صدق کی وجہ سے نجات دی ہے اور اب میری توبہ یہ ہے کہ میں اپنی باقی زندگی میں ہمیشہ سچ بولوں گا۔ انہوں نے کہا: بخدا! مجھے یہ معلوم نہیں کہ مسلمانوں میں سے کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے کی وجہ سے اس طرح سزا میں مبتلا کیا ہو اور جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا تھا اس وقت سے لے کر آج تک میں نے جھوٹ نہیں بولا اور آئندہ کے لئے بھی مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جھوٹ سے محفوظ رکھے گا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

''بے شک اللہ تعالیٰ نے نبی کی توبہ قبول کی اور ان مہاجرین اور انصار کی جنہوں نے سختی کے وقت نبی کا ساتھ دیا۔ اس کے بعد کہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل اپنی جگہ سے ہل جائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ بے شک وہ ان پر نہایت مہربان بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کی بھی توبہ قبول فرمائی جن کا معاملہ مؤخر کیا گیا تھا یہاں تک کہ جب زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہو گئی تھیں اور ان کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی کوئی جائے پناہ نہیں ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔'' التوبہ: (117 تا 119)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ
جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت اسلام کی نعمت دی ہے اس وقت سے لے کر اللہ تعالیٰ نے میرے نزدیک مجھے اس سے بڑی کوئی نعمت نہیں عطا فرمائی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچ بولا کیونکہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ بولا ہوتا تو میں بھی اسی طرح ہلاک ہو جاتا جس طرح وہ لوگ ہلاک ہو گئے جنہوں نے جھوٹ بولا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ

نے وحی نازل کی تو جتنی ان جھوٹوں کی مذمت فرمائی ہے کسی کی اتنی مذمت نہیں کی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھائیں گے تا کہ تم ان سے اپنی توجہ ہٹائے رکھو تو تم ان کی طرف التفات نہ کرو بے شک وہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ یہ ان کے کاموں کی سزا ہے وہ تمہیں راضی کرنے کے لئے قسمیں کھائیں گے سو اگر تم ان سے راضی ہو جاؤ تو بے شک اللہ تعالیٰ نافرمانی کرنے والوں سے راضی نہیں ہوگا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کا معاملہ ان لوگوں سے مؤخر کیا گیا تھا جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قسمیں کھائی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عذر قبول کر لیا تھا ان سے بیعت کر لی تھی اور ان کے لئے استغفار کیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے معاملہ کو مؤخر کر دیا تھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ کا فیصلہ کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تینوں کی توبہ بھی قبول فرمائی جن کا معاملہ مؤخر کیا گیا تھا۔ اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ غزوۂ تبوک میں جو پیچھے رہ گئے تھے اس کا ذکر ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قسم کھانے والوں کی بہ نسبت ہمارے معاملے کو مؤخر کیا گیا تھا جنہوں نے قسمیں کھائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عذر کو قبول فرمالیا تھا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 2757) (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 6883) (سنن الترمذی: رقم الحدیث: 3102)

اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی بار بار توبہ قبول فرماتا ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

ایک بندہ گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے اللہ عزوجل! میرے گناہ بخش دے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میرے بندہ نے گناہ کیا اور وہ جانتا ہے کہ اس کا رب عزوجل ہے جو گناہ بخشتا ہے اور گناہ پر گرفت فرماتا ہے وہ بندہ دوبارہ گناہ کرتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ اے میرے رب عزوجل! میرے گناہ کو بخش دے۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندہ نے گناہ کیا اور وہ جانتا ہے کہ اس کا رب عزوجل ہے جو گناہ بخشتا ہے اور گناہ پر گرفت فرماتا ہے وہ بندہ پھر تیسری بار گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے میرے رب عزوجل! میرے گناہ کو بخش دے پس رب تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔ میرے بندہ نے گناہ کیا اور اس کو معلوم ہے کہ اس کا رب عزوجل ہے جو گناہ بخشتا ہے اور گناہ پر گرفت فرماتا ہے تو جو چاہے کر میں نے تجھے بخش دیا۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 7507)

توبہ کی قبولیت کب تک ہے؟

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب تک غرغرہ موت (نزع روح) کا وقت نہ آئے اللہ تعالیٰ بندوں کی توبہ کو قبول فرماتا رہتا ہے۔

(سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3548)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جس شخص نے فرشتوں کو دیکھنے سے پہلے توبہ کر لی وہ اس کی عنقریب توبہ ہے۔ (در منثور: ج:3، ص:130 مطبوعہ ایران)

ضحاک سے روایت ہے کہ

موت سے پہلے ہر چیز عنقریب ہے۔ موت کے فرشتہ کو دیکھنے سے پہلے توبہ مقبول ہوتی ہے اور موت کے فرشتہ کو دیکھنے کے بعد توبہ مقبول نہیں ہوتی۔ (در منثور: ج:3، ص:130 مطبوعہ ایران)

فرعون چونکہ موت کے فرشتے اور عذاب کو دیکھنے کے بعد ایمان لایا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا ایمان قبول نہیں فرمایا۔

حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۝ آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ۝ (یونس:90تا91)

حتیٰ کہ فرعون کو جب غرق نے گھیر لیا تو اس نے کہا: میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں جس پر بنو اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں (فرمایا) تو اب ایمان لایا ہے حالانکہ اس سے پہلے تو نافرمانی کرتا رہتا تھا اور تو فساد کرنے والوں میں سے تھا۔

بڑھئی کا گویائی اور بینائی واپس ہونے پر اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ شکر کرنا

اللہ تعالیٰ نے جب بڑھئی کی گویائی اور بینائی واپس عطا فرما دی تو بڑھئی اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ شکر میں گر پڑا اور اس نے یہ بات جان لی کہ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس کے صدق نیت کو جان لیا اور اس کی گویائی اور بینائی واپس کر دی وہ اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ شکر میں گر پڑا اور اس نے جان لیا کہ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔ (معالم التنزیل: ج:3، ص:523 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بڑھئی کا نام سانوم تھا

جس بڑھئی سے صندوق بنوائی یا خریدی اس کا نام سانوم تھا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

گھر کے سب لوگوں نے مشورہ کر کے محلّہ کے ایک بڑھئی سے جس کا نام سانوم تھا ایک صندوقچہ لکڑی کا بنوا کر اس سے عہد لیا کہ کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا۔ سانوم نے صندوقچہ بنایا۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:372 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

بڑھئی کے زمین میں ٹخنوں تک دھنسنے کا قول

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق جب بڑھئی نے راز فاش کرنے کا ارادہ کیا تو اس کی گویائی اور بینائی کو سلب کر لیا اور حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق وہ زمین میں دھنس گیا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

ادھر فرعون کی طرف سے اعلان ہوا کہ جو شخص ہم کو اس لڑکے کا پتہ بتا دے جو کہ بنی اسرائیل کے گھر پیدا ہوا ہے تو اس کو بہت انعام دیا جائے گا۔ سانوم کو طمع ہوئی خبر دینے کے لئے نکلا اور دروازے پر پہنچا کہ زمین میں ٹخنوں تک دھنس گیا اور غیبی آواز آئی کہ اگر یہ راز تو نے ظاہر کیا تو تجھ کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:372 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

بڑھئی کا صندوق حضرت عمران کے گھر پہنچانا

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق صندوق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ لے گئیں اور حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق صندوق بڑھئی مکان پر پہنچا آیا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

سانوم (بڑھئی) گھبرا گیا اور صندوقچہ عمران کے مکان پر پہنچایا۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:372 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

بڑھئی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرہ اقدس کو دیکھنے کا کہنا

جب بڑھئی صندوق چھوڑنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے گھر پہنچا تو اس نے کہا: مجھے اس مقدس شہزادے کی صورت دکھا دیجئے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

سانوم گھبرا گیا اور صندوقچہ عمران کے مکان پر پہنچایا اور عرض کیا کہ مجھے اس پاکیزہ فرزند کی صورت دکھا دو۔

(تفسیر نعیمی: ج:2، ص:372 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

بڑھئی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قدمین شریفین پر اپنی آنکھیں ملنا

بڑھئی نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نورانی چمکتا دمکتا چہرہ اقدس دیکھا تو آپ علیہ السلام کے قدمین شریفین پر اپنی آنکھیں ملیں۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

(اس نے) عرض کیا کہ مجھے اس پاکیزہ فرزند کی صورت دکھا دو۔ والدہ محترمہ نے اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زیارت کرائی سانوم نے آپ علیہ السلام کے قدم پاک پر آنکھیں ملیں۔ (تفسیر نعیمی: ج:2، ص:372 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

بڑھئی کا ایمان لانا

بڑھئی نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زیارت کی تو آپ علیہ السلام پر ایمان لے آیا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

والدہ محترمہ نے اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زیارت کرائی سانوم نے آپ علیہ السلام کے قدم پاک پر آنکھیں ملیں اور آپ علیہ السلام پر ایمان لایا۔ (تفسیر نعیمی: ج:2، ص:372 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

سب سے پہلا مومن بڑھئی

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو سب سے پہلے ایمان لایا وہ بڑھئی ہی لایا چنانچہ یہ سب سے پہلا مومن ہے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

سانوم نے آپ علیہ السلام کے قدم پاک پر آنکھیں ملیں اور آپ علیہ السلام پر ایمان لایا چنانچہ سب سے پہلا مومن یہی ہے۔ (تفسیر نعیمی: ج: 1، ص: 372 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

بڑھئی نے صندوق کی اجرت نہ لی

بڑھئی نے جو صندوق بنا کر دیا تھا اس کی اس نے اجرت نہ لی۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

(اس نے) اس صندوقچہ کی اجرت بھی نہ لی۔ (تفسیر نعیمی: ج: 1، ص: 372 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

والدہ محترمہ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غسل دینا، عمدہ کپڑے پہنانا اور خوشبو لگانا

جب صندوق گھر آ گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان مقدسہ کو پورا کرنے کے لئے اپنے فرزند ارجمند کو غسل دیا، عمدہ کپڑے پہنائے اور خوشبو لگائی۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

والدہ ماجدہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غسل دیا، عمدہ کپڑے پہنائے، خوشبو لگائی۔

(تفسیر نعیمی: ج: 1، ص: 372 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

والدہ محترمہ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صندوقچہ میں رکھ کے روتے ہوئے دریائے نیل پر لے جانا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ آپ علیہ السلام کو غسل دے کر، کپڑے پہنا کر اور خوشبو لگا کر فارغ ہوئیں تو آپ علیہ السلام کو صندوق میں رکھا اور روتے ہوئے دریائے نیل پر لے گئیں۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

(حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ آپ علیہ السلام کو) صندوقچہ میں رکھ کر دریائے نیل پر روتی ہوئی لے گئیں۔

(تفسیر نعیمی: ج: 1، ص: 372 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

والدہ محترمہ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر کے صندوق کو دریا میں بہا دینا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر کے صندوق کو دریائے نیل میں بہا دیا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

(والدہ محترمہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو) صندوقچہ میں رکھ کر دریائے نیل پر روتی ہوئی لے گئیں اور خدا کے حوالے کر کے

دریا میں بہادیا۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:372 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ کراچی)

تین ماہ تک چھپانے کے بعد صندوق میں رکھ کر صندوق کو دریائے نیل میں ڈالنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے آپ علیہ السلام کو فرعونیوں سے تین ماہ تک چھپائے رکھا پھر آپ علیہ السلام کو صندوق میں رکھ کر صندوق کو دریا میں ڈال دیا۔

امام عبدالرحمان بن علی الجوزی المتوفی 597ھ لکھتے ہیں:

پھر انہوں نے تین ماہ تک آپ علیہ السلام کو چھپا کر رکھا پھر ان کو اندیشہ ہوا تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دیا۔ (المنتظم: ج:1، ص:218 مطبوعہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا صندوق میں رکھ کر ڈالنے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کی طرف وحی فرمائی تھی کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دو۔

قرآن مجید میں ہے:

اِذْ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّكَ مَا یُوْحٰٓیۙ اَنِ اقْذِفِیْهِ فِی التَّابُوْتِ فَاقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِّ فَلْیُلْقِهِ الْیَمُّ بِالسَّاحِلِ یَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّیْ وَ عَدُوٌّ لَّهٗؕ (طٰہٰ:38تا39)

جب ہم نے آپ کی ماں کی طرف وہ وحی کی تھی جو وحی آپ کی طرف کی جارہی ہے کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دو پھر دریا کو حکم دیا کہ وہ اس کو کنارے پر لے آئے اس کو میرا دشمن اور اس کا دشمن لے لے گا۔

والدہ محترمہ کا دل بے چین مگر قدرتی طور پر تسکین

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا بیٹے کو خود سے جدا کرنے پر دل اگر چہ بے چین تھا مگر قدرتی طور پر تسکین تھی کہ رب تعالیٰ نے جو فرمایا ہے وہی پورا ہوگا اور یہ بچہ میرے پاس واپس آئے گا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

(حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے) خدا کے حوالے کر کے دریا میں بہادیا دل بہت بے چین ہوا مگر قدرتی طور پر تسکین ہوئی کہ یہ بچہ پھر مجھ کو ہی ملے گا۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:372 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

رب تعالیٰ کا دریا کو صندوق کو کنارے پر لے آنے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا کہ اس صندوق کو کنارے پر لے آئے تا کہ میرا اور (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کا دشمن اس کو لے لے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلْیُلْقِهِ الْیَمُّ بِالسَّاحِلِ یَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّیْ وَ عَدُوٌّ لَّهٗؕ (طٰہٰ:39)

پھر دریا کو حکم دیا کہ وہ اس کو کنارے پر لے آئے تا کہ اس کو میرا دشمن اور اس کا دشمن لے لے گا۔

فرعون کی صرف ایک بیٹی تھی

فرعون کی صرف ایک بیٹی تھی اس کے علاوہ اس کی کوئی اولاد نہیں تھی۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس زمانہ میں فرعون کی صرف ایک بیٹی تھی اور اس کے علاوہ اس کی اور کوئی اولاد نہیں تھی۔

(معالم التنزیل: ج:2،ص:523 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

بیٹی کا فرعون کو سب سے زیادہ مکرم ہونا

فرعون کی چونکہ ایک بیٹی تھی اس لیے وہ اس کو بہت زیادہ مکرم تھی۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اس زمانہ میں فرعون کی صرف ایک بیٹی تھی اور اس کے علاوہ اس کی اور کوئی اولاد نہیں تھی اور فرعون کے نزدیک وہ سب سے زیادہ مکرم تھی۔ (معالم التنزیل: ج:2،ص:523 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

بیٹی کی ہر روز فرعون کے پاس تین فرمائشیں

فرعون کی بیٹی اپنے باپ کو ہر روز تین فرمائشیں کرتی تھی۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

اور فرعون کے پاس ہر روز اس کی تین فرمائشیں تھیں۔ (معالم التنزیل: ج:2،ص:523 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

فرعون کی بیٹی برص کی بیماری میں شدید مبتلا تھی

فرعون کی بیٹی کو برص کی بیماری لاحق تھی، جس کی وجہ سے وہ اس میں شدید مبتلا تھی۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

اس لڑکی کو برص کی شدید بیماری تھی۔ (معالم التنزیل: ج:2،ص:523 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

فرعون کا اپنی بیٹی کے علاج کے لئے تمام اطباء اور جادوگروں کو جمع کرنا

فرعون نے اپنی اکلوتی بیٹی کے علاج کے لئے تمام اطباء اور جادوگروں کو جمع کیا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی 516ھ لکھتے ہیں:

فرعون نے اس کے علاج کے لئے تمام اطباء اور جادوگروں کو جمع کیا تھا۔

(معالم التنزیل: ج:2،ص:523 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

فرعون کو اطباء اور جادوگروں کا دریا کی طرف سے تندرستی کا مشورہ دینا

اطباء اور جادوگروں نے معاملہ پر غور و فکر کر کے فرعون کو مشورہ دیا کہ تمہاری یہ بیٹی صرف دریا کی طرف سے تندرست ہو سکتی ہے۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

انہوں نے اس معاملہ میں غور کر کے کہا: اے بادشاہ! تمہاری یہ بیٹی صرف دریا کی طرف سے تندرست ہو سکتی ہے۔

(معالم التنزیل: ج:2، ص:523 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اطباء اور جادوگروں کا فرعون کو انسان کے مشابہ شخص کے لعاب دہن سے تندرست ہوتے کا بتانا

اطباء اور جادوگروں نے فرعون کو بتایا کہ اس دریا سے انسان کے مشابہ کوئی شخص ملے گا جس کے لعاب دہن سے تیری بیٹی تندرست ہوگی۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

اس دریا سے انسان کے مشابہ کوئی شخص ملے گا اس کے لعاب دہن کو جب اس کے برص پر لگایا جائے گا تو یہ تندرست ہو جائے گی۔ (معالم التنزیل: ج:2، ص:523 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اطباء اور جادوگروں کا فرعون کو اس کام کے لئے دن اور طلوع آفتاب کا وقت بتانا

اطباء اور جادوگروں نے فرعون کو بتایا کہ تیری بیٹی کے ٹھیک ہونے کا دن فلاں ہے اور فلاں وقت میں طلوع آفتاب کے بعد ہوگا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

اور یہ کام فلاں دن اور فلاں وقت میں طلوع آفتاب کے بعد ہوگا۔

(معالم التنزیل: ج:2، ص:524 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فرعون کا مقررہ دن و وقت میں مجلس لگا کر دریائے نیل کے کنارے بیٹھنا

اطباء اور جادوگروں نے جو دن و وقت بتایا تھا فرعون اسی دن و وقت میں دریائے نیل کے کنارے پر مجلس لگا کر بیٹھ گیا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

جب وہ دن آیا تو فرعون ایک مجلس میں دریائے نیل کے کنارے بیٹھ گیا۔

(معالم التنزیل: ج:2، ص:524 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

دریا سے ایک نہر نکال کر فرعون کے باغ میں پہنچائی گئی تھی

دریائے نیل سے ایک ایسی نہر نکالی گئی تھی جو فرعون کے باغ میں پہنچائی گئی تھی جس کا نام عین الشمس تھا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

دریا سے ایک نہر نکال کر فرعون کے باغ میں پہنچائی گئی تھی جس کا نام عین الشمس تھا۔

(تفسیر نعیمی: ج:1، ص:372 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

فرعون کی بیوی آسیہ کا ساتھ ہونا اور بیٹی کا سہیلیوں کے ساتھ کھیلنا

فرعون کی بیوی آسیہ اس کے ساتھ تھی اور اس کی بیٹی اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیل رہی تھی اور وہ ایک دوسرے پر پانی کے چھینٹے مار رہی تھیں کہ دریا کی موجیں ایک صندوق کو بہا کر لے آئیں۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی التوفی 516ھ لکھتے ہیں:

جب وہ دن آیا تو فرعون ایک مجلس میں دریائے نیل کے کنارے بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھ اس کی بیوی آسیہ بنت مزاحم بھی تھی اور فرعون کی بیٹی بھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ آکر بیٹھ گئی وہ ایک دوسرے کے ساتھ کھیل رہی تھیں اور ایک دوسرے پر پانی کے چھینٹے مار رہی تھیں کہ دریا کی موجیں تابوت کو لے کر آئیں۔ (معالم التنزیل: ج:2، ص:524 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

صندوق کا نہر میں داخل ہو کر فرعون کے باغ میں پہنچنا اور اس کو نکال کر فرعون کے پاس لے آنا

جس صندوق میں حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف فرما تھے یہ صندوق دریا سے نہر میں داخل ہو کر فرعون کے باغ میں پہنچا اور فرعون اس وقت باغ میں سیر کر رہا تھا اس کے ساتھ اس کی بیوی، بیٹی اور خاص لوگ بھی تھے انہوں نے جب اس صندوق کو دیکھا تو اسے نکال کر فرعون کے پاس لے گئے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

یہ صندوقچہ اس نہر میں داخل ہو کر فرعون کے باغ میں پہنچا اس وقت فرعون باغ کی سیر کر رہا تھا اور اس کی بی بی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا اور دیگر خاص لوگ ساتھ تھے یہ لوگ اس صندوقچہ کو اٹھا کر فرعون کے پاس لے آئے۔

(تفسیر نعیمی: ج:1، ص:372 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

فرعون کا صندوق لانے کو کہنا

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق صندوق نہر سے پکڑا گیا اور امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق دریا میں فرعون نے صندوق دیکھا تو کہا اس میں کوئی چیز ہے لہٰذا فرعون کے حکم سے وہ صندوق لایا گیا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

فرعون نے کہا:

دریا میں کوئی چیز ہے جو درخت کے ساتھ اٹک گئی ہے اس کو میرے پاس لاؤ۔ لوگ ہر طرف سے کشتیاں لے کر دوڑے

حتیٰ کہ اس تابوت کو فرعون کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ (معالم التنزیل: ج:2، ص:524 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

فرعون کا صندوق کھولنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حسین و جمیل صورت میں پانا

فرعون کے پاس جب صندوق لایا گیا تو اس نے اس صندوق کو کھولا جس میں اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حسین و جمیل صورت میں پایا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

فرعون نے جو اس (صندوق) کو کھولا تو اس میں حسین و جمیل (صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام) لڑکا پایا۔

(تفسیر نعیمی: ج:1، ص:372 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

صندوق کھولتے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھوں کے درمیان نور پانا

جب فرعون نے بڑی مشکل سے صندوق کھولا تو ایک حسین و جمیل صورت میں کم سن بچہ پایا جس کی آنکھوں کے درمیان نور تھا۔

امام ابوالحسن بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

انہوں نے بڑی مشکل سے اس صندوق کو کھولا تو اس میں کم سن بچہ (حضرت موسیٰ علیہ السلام) تھا آپ علیہ السلام کی آنکھوں کے درمیان نور تھا۔ (معالم التنزیل: ج:2، ص:524 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کا عالم

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھوں کے درمیان فرعون نے نور پایا مگر میرے نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم وہ نور تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا: قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر نور علیٰ نور تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کلام فرماتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک سے نور نکلتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی وجہ سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو گمشدہ سوئی مل گئی اس کے علاوہ کثیر احادیث مبارکہ و اقوال علماء کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت پر دلالت کرتے ہیں۔

آیت کریمہ سے نور مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا ثبوت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں جس کی شاہد یہ آیت کریمہ ہے۔

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ (مائدہ:15)

تحقیق تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا نور آ گیا۔

مفسرین کے اقوال سے نور مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا ثبوت

مفسرین کرام نے اس آیت کی تفسیر میں نور سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مراد لیا ہے چنانچہ ان علماء کرام کے

اقوال حسب ذیل ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما متوفی 68ھ فرماتے ہیں۔

بے شک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا نور یعنی محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

(تنویر المقیاس: ص:72 مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر)

امام علی بن احمد واحدی کا قول

امام علی بن احمد الواحدی متوفی 468ھ فرماتے ہیں۔

قَدْ جَآءَ کُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے۔

(الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز: ج:1، ص:313 مطبوعہ دار الشامیہ بیروت)

امام حسین بن مسعود بغوی کا قول

امام ابو محمد الحسین بن المسعود البغوی متوفی 516ھ فرماتے ہیں۔

تمہارے پاس نور آنے سے مراد محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (تفسیر بغوی: ج:2، ص:22 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی کا قول

علامہ ابو الفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان مقدسہ قَدْ جَآءَ کُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ کے متعلق حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وہ نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (زاد المسیر: ج:2، ص:316 مطبوعہ مکتب اسلامیہ بیروت)

علامہ ابو البرکات احمد بن محمد نسفی کا قول

علامہ ابو البرکات احمد بن محمد نسفی متوفی 710ھ فرماتے ہیں۔

نور سے مراد محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لیے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت ملتی ہے جس طرح کہ رب عزوجل نے انہیں سورج فرمایا۔ (مدارک التنزیل: ج:1، ص:276 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

علامہ علاؤ الدین علی بن محمد بغدادی کا قول

علامہ علاؤ الدین علی بن محمد بغدادی متوفی 741ھ فرماتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں نور مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ نے انہیں نور اس لیے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے جس طرح اندھیری رات میں نور سے ہدایت لی جاتی ہے۔

(تفسیر خازن: ج:2، ص:23 مطبوعہ مکتبۃ التجاریہ مصر)

امام جلال الدین کا قول

امام جلال الدین محلی متوفی 863ھ فرماتے ہیں۔

نور سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ (تفسیر جلالین: ص: 97 مطبوعہ اصح المطابع دہلی)

امام عبدالرحمٰن بن محمد مخلوف ثعالبی کا قول

امام عبدالرحمٰن بن محمد مخلوف ثعالبی متوفی 875ھ فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان مقدسہ قَدْ جَآءَكُم مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ سے مراد سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن: ج: 1، ص: 453 مطبوعہ موسسۃ الاعلمی مطبوعات بیروت)

علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قوجوی کا قول

علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ متوفی 951ھ فرماتے ہیں۔

مفسرین کا یہ قول ہے کہ یہاں نور سے مراد (سیدنا) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔

(تفسیر بیضاوی: ج: 2، ص: 307 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

امام محمد بن محمد عمادی ابو مسعود کا قول

امام محمد بن محمد عمادی ابو مسعود متوفی 951ھ فرماتے ہیں۔

نور سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (تفسیر ابو مسعود: ج: 3، ص: 18 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

علامہ اسماعیل حقی حنفی کا قول

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی 1137ھ فرماتے ہیں۔

نور سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے۔

(تفسیر روح البیان: ج: 2، ص: 447 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی کا قول

علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی خلوتی متوفی 1241ھ فرماتے ہیں۔

رب تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو نور اس لیے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بصارتوں کو نورانی کرتے ہیں اور کامیابی کی طرف ہدایت دیتے ہیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہر حسی اور معنوی نور کی اصل ہیں۔

(تفسیر صاوی حاشیہ جلالین: ج: 1، ص: 258 مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر)

محمد بن علی شوکانی کا قول

امام محمد بن علی شوکانی متوفی 1250ھ فرماتے ہیں:

حضرت زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وہ نور (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(تفسیر فتح القدیر: ج:2،ص:23 مطبوعہ دار الفکر بیروت) (تفسیر قرطبی: ج:6،ص:118 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

احادیث مبارکہ سے نور مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت

کثیر احادیث مبارکہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ثابت ہے جو کہ درج ذیل ہیں۔

حدیث مبارکہ: 1

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے عرض کیا! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہوں مجھے خبر دیجئے کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کس چیز کو پیدا فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے جابر (رضی اللہ عنہ) اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں سے قبل تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ پھر نور قدرت الٰہی عزوجل سے جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا سیر کرتا رہا اس وقت نہ لوح نہ قلم نہ جنت نہ دوزخ نہ فرشتے تھے نہ آسمان نہ زمین نہ چاند نہ سورج نہ جن تھے اور نہ ہی انسان تھے پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے کیے۔

1- ایک حصہ سے قلم

2- دوسرے سے لوح محفوظ

3- تیسرے سے عرش وغیرہ پیدا فرمایا۔ (مواہب اللدنیہ: ج:1،ص:71 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حدیث مبارکہ: 2

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کی اولاد کو ان کے سامنے کیا انہوں نے ایک دوسرے پر فضائل کو دیکھا تو پھر مجھے پھیلتے ہوئے نور کی صورت میں دیکھا تو پوچھا۔ اے اللہ عزوجل یہ کون ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یہ تیرا فرزند ارجمند احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے وہ اول و آخر اور سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی: ج:5،ص:483 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حدیث مبارکہ: 3

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے استفسار کیا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبوت کس وقت ثابت ہوئی؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب حضرت آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (سنن ترمذی: ص: 519 مطبوعہ نور محمد کارخانہ کراچی)

حدیث مبارکہ: 4

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے اپنے والد محترم حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے انہوں نے اپنے والد محترم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ہم حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے چودہ ہزار برس پہلے اپنے رب تعالیٰ کے ہاں ایک نور تھے۔
(خصائص الکبریٰ: ج: 1، ص: 7 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حدیث مبارکہ: 5

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ مقدسہ میں عرض کیا:
مجھے نعت شریف پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمایئے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ہاں پڑھئے۔ تو انہوں نے ایک نعتیہ قصیدہ پڑھا جس میں دو شعر یہ تھے۔
جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے زمین اور کنارہ آسمان چمک گئے تو ہم اسی نور اور روشنی میں ہیں اور اسی سے ہدایت کے راستے طے کر رہے ہیں۔ (معجم الکبیر: ج: 4، ص: 213 مطبوعہ مطبعۃ الزہراء عراق)

حدیث مبارکہ: 6

حضرت کعب الاحبار رحمۃ اللہ علیہ نے روایت ہے کہ
جب نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبد المطلب کو ملا تو ان کے جسم سے مشک کی خوشبو آتی تھی اور نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پیشانی میں چمکتا تھا حضرت عبد المطلب ایسے مقبول الدعا تھے کہ مکہ والے ان کو سامنے رکھ کر بارش کی دعا کرتے تھے تو فوراً بارش آتی تھی اس نور کی وجہ سے ابرہہ کے ہاتھیوں نے حضرت عبد المطلب کو سجدہ کیا۔
(مواہب اللدنیہ: ص: 21 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حدیث مبارکہ: 7

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
شب ولادت کے وقت حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے ایسا نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم دیکھا کہ مشرق و مغرب ان پر ظاہر ہو

گئے پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی اور پیدا ہوتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ فرمایا۔
(دلائل النبوۃ لابی نعیم: ج: 1 ص: 76 مطبوعہ دار النفائس بیروت)

حدیث مبارکہ: 8

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ان کی والدہ محترمہ نے ان سے بیان کیا کہ جب ولادت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت آیا تو میں حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی میں دیکھ رہی تھی کہ ستارے آسمان سے نیچے ڈھلک کر قریب ہو رہے ہیں حتیٰ کہ میں نے محسوس کیا کہ وہ میرے اوپر گر پڑیں گے پھر جب ولادت پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہوئی تو سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا سے ایسا نور نکلا جس سے پورا گھر جس میں ہم تھے اور حویلی جگمگ کرنے لگی اور مجھے ہر چیز میں نور ہی نظر آیا۔ (معجم الکبیر: ج: 25 ص: 186 مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم موصل)

حدیث مبارکہ: 9

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ متوفی 241ھ روایت کرتے ہیں:
میں اپنے والد محترم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور میری والدہ محترمہ نے دیکھا کہ ان کے جسم اطہر سے ایک نور نکلا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ (مسند احمد: رقم الحدیث: 22315)

حدیث مبارکہ: 10

ہند بن ابی ہالہ سے روایت ہے کہ
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم عظمت والے وجاہت والے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور ایسا جگمگاتا تھا جیسے چودھویں کا پورا چاند۔ (الشمائل المحمدیہ والخصائل المصطفویہ: ص: 34 دار الثقافیہ بیروت)

حدیث مبارکہ: 11

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے دندان مبارک کے درمیان کھڑکی تھی جب بھی کلام فرماتے تو دانتوں مبارکہ سے نور نکلتا تھا۔ (سنن دارمی: رقم الحدیث: 58)

حدیث مبارکہ: 12

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ
میں سحری کے وقت سی رہی تھی مجھ سے سوئی گر گئی میں نے اس کو ڈھونڈا لیکن وہ مجھے نہیں ملی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کی شعاع سے وہ سوئی مل گئی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے حمیرا! افسوس ہو۔ پھر تین بار ارشاد فرمایا اس شخص کے لئے افسوس ہو جو میرا چہرہ انور

دیکھنے سے محروم رہا۔ (خصائص الکبریٰ: ج:1،ص:107 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حدیث مبارکہ:13

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک چاندنی رات میں دیکھا میں کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتا اور کبھی چاند کی طرف بخدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے نزدیک چاند سے زیادہ حسین تھے۔ (سنن دارمی: رقم الحدیث:57)

علماء کرام کے اقوال سے نور مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت

علماء کرام کے کثیر اقوال نور مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ثبوت میں ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

امام ابن حجر مکی ہیتمی کا قول

امام ابن حجر مکی ہیتمی متوفی 974ھ لکھتے ہیں:

عبد الرزاق نے جو حدیث مبارکہ بیان فرمائی ہے یہ وہ ہے کہ حضور نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے قبل اپنے نور سے نور مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا۔ (فتاویٰ حدیثیہ: ص:247 مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر)

علامہ شاہ عبد الغنی نابلسی کا قول

علامہ شاہ عبد الغنی نابلسی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں۔

ہر چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے بنائی گئی ہے جس طرح کہ احادیث مبارکہ صحیحہ میں وارد ہوا ہے۔

(الطریقۃ الندیہ: ج:2،ص:375 مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

علامہ عبد الحق محدث دہلوی کا قول

علامہ عبد الحق محدث دہلوی متوفی 1052ھ لکھتے ہیں:

در حدیث صحیح وارشدہ کہ اول ما خلق اللہ نوری۔ (مدارج النبوۃ: ج:2،ص:2 مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

امام ابن الحاج مالکی کا قول

امام ابن الحاج مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

سب سے پہلے نور مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا اور اس نور سے تمام اشیاء کو پیدا فرمایا پس نور عرش نور مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ نور قلم نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ لوح محفوظ کا نور نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ دن کا نور مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ معرفت کا نور شمس و قمر اور آنکھوں کا نور نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔

(المدخل لابن الحاج: ج:2،ص:34 مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت)

علامہ زرقانی کا قول

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی شرح میں فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نور سے پیدا فرمایا جو عین ذات الٰہی ہے۔

(شرح زرقانی: ج:1 ص:55 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

علامہ شہاب سیّد محمود آلوسی بغدادی کا قول

علامہ شہاب الدین سیّد محمود آلوسی بغدادی متوفی 1270ھ فرماتے ہیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب کے لئے رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ممکنات پر نازل ہونے والے فیض الٰہی کا ان کی قابلیتوں کے مطابق واسطہ ہیں اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور سب سے پہلی مخلوق تھا۔

حدیث مبارکہ میں ہے۔

اے جابر رضی اللہ عنہ! اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا فرمایا۔

یہ بھی آیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والا اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔ (تفسیر روح المعانی: ج:17 ص:105 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ نظام حسین بن محمد قمی

علامہ نظام حسین بن محمد قمی متوفی 728ھ لکھتے ہیں:

جیسے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا فرمایا۔

(تفسیر نیشاپوری: ج:8 ص:66 مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر)

مولانا سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی کا قول

صدر الافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی 1367ھ لکھتے ہیں:

سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نور فرمایا گیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تاریکی کفر دور ہوئی اور راہ حق واضح ہوئی۔

(خزائن العرفان: ص:176 مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی)

علامہ ملا علی بن سلطان محمد القاری کا قول

علامہ ملا علی بن سلطان محمد القاری حنفی متوفی 1014ھ فرماتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نور کا اطلاق کیا گیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندھیروں سے نور کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔

بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ

نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد قرآن ہے یہ دونوں قرآن مجید کے وصف ہیں اور عطف کے لئے لفظی تغایر کافی ہے

اس کے مقابلہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سے کیا چیز مانع ہے کہ یہ دونوں لفظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور صفت ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور عظیم ہیں کیونکہ انوار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل ظہور ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب مبین ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسرار کے جامع ہیں اور احکام، احوال اور اخبار کے ظاہر کرنے والے ہیں۔

(شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض: ج:1، ص:114 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری کا قول

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

(قَدْ جَآءَ کُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ) میں نور سے مراد سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے حق کو روشن کیا اور اسلام کو ظاہر کیا اور کفر کو مٹایا اسی نور کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ باتیں بیان فرما دیتے تھے جن کو یہودی چھپاتے تھے۔

(جامع البیان: ج:6، ص:220 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی کا قول

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

(قَدْ جَآءَ کُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ میں) نور سے مراد سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(تفسیر کبیر: ج:3، ص:384 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی حنفی کا قول

علامہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی متوفی 375ھ لکھتے ہیں:

(قَدْ جَآءَ کُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ میں) نور سے مراد سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(تفسیر سمرقندی: ج:1، ص:424 مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری کا قول

علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی 468ھ لکھتے ہیں:

(قَدْ جَآءَ کُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ میں نور سے مراد کے متعلق) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ (الوسیط: ج:2، ص:169 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی کا قول

علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

نور سے مراد نور عظیم ہے جو تمام انوار کا نور ہے اور وہ نبی مختار ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا یہی مذہب ہے اور یہ زجاج کا مختار ہے۔

ابوعلی جبائی معتزلی نے کہا:

نور سے مراد قرآن ہے کیونکہ وہ ہدایت اور یقین کے طریقوں کو منکشف کرتا ہے اور ظاہر کرتا ہے۔

اور زمخشری نے اسی تفسیر پر اختصار کیا ہے اور اس صورت میں نور پر کتاب مبین کے عطف پر یہ اعتراض ہوگا کہ عطف تغائر کو چاہتا ہے اور جب دونوں سے مراد قرآن مجید ہے تو تغائر کس طرح ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

یہاں عنوان کا تغائر کافی ہے معطوف علیہ میں قرآن مجید کو نور سے تعبیر کیا ہے اور معطوف میں اس کتاب مبین سے تعبیر کیا ہے اور عنوان کے تغائر کو تغائر بالذات کے قائم مقام کیا گیا ہے اور میرے نزدیک یہ بعید نہیں ہے کہ نور اور کتاب مبین سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور یہاں بھی صحت عطف کے لئے عنوان کا تغائر کافی ہوگا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نور اور کتاب مبین دونوں کے اطلاق کی صحت میں کوئی شک نہیں ہے۔ (روح المعانی: جز:6،ص:97 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی کا قول

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امام احمد اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہما نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے: سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا۔ پھر اس سے ارشاد فرمایا: لکھ! تو اس نے قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس کو لکھ دیا۔

حضرت حسن، حضرت عطاء اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہم کا یہی مختار ہے اور ابن جریر اور ابن جوزی کا بھی یہی مذہب ہے۔

اور ابن جریر نے محمد بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نور اور ظلمت کو پیدا کیا پھر ان کو ممتاز کیا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو پیدا فرمایا تو ان مختلف روایات میں کس طرح موافقت ہوگی۔

میں کہتا ہوں کہ

ان میں موافقت اس طرح ہے کہ ہر چیز کی اولیت اضافی ہے اور ہر چیز اپنے بعد والوں کے اعتبار سے اول ہے۔

(عمدۃ القاری: ج:15،ص:109 مطبوعہ بیروت)

علامہ میر سیّد شریف جرجانی کا قول

علامہ میر سیّد شریف جرجانی متوفی 812ھ لکھتے ہیں:

حکماء نے کہا ہے کہ

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا ہے جس طرح کہ صریح حدیث مبارکہ میں وارد ہے۔

بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ

اس حدیث مبارکہ اور دوسری دو احادیث مبارکہ میں مطابقت ہے وہ احادیث مبارکہ یہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا۔

اور اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا۔

اور ان میں مطابقت اس طرح ہے کہ

معلول اول اس لحاظ سے کہ صرف اس کی ذات کا بہ حیثیت مبراء تعقل کیا جائے تو وہ عقل اور اس لحاظ سے کہ وہ باقی موجودات اور نفوس علوم کے صدور میں واسطہ ہے تو وہ قلم ہے اور اس لحاظ سے کہ وہ انوار نبوت کے اضافہ میں واسطہ ہے وہ سیّد الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نور ہے۔ (شرح مواقف: ج:7، ص:254 مطبوعہ ایران)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن محمد الفاسی المالکی کا قول

علامہ ابوعبداللہ محمد بن محمد الفاسی المالکی اشہر بابن الحاج متوفی 737ھ لکھتے ہیں:

امام ابوعبدالرحمٰن الصقلی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الدلات میں نقل کیا ہے جس کی عبارت یہ ہے۔

اللہ عزوجل نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں فرمائی جو اس کو اس امت سے زیادہ محبوب ہو اور نہ اس امت کے نبی سے زیادہ کوئی عزت والا پیدا کیا ہے اور ان کے بعد انبیاء کرام علیہم السلام کا مرتبہ ہے پھر صدیقین کا اور پھر اولیاء کرام کا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا فرمایا اور وہ نور عرش کے ستون کے سامنے اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تقدیس کرتا رہا پھر سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کے نور سے باقی انبیاء کرام علیہم السلام کے نور کو پیدا کیا۔

اس کے بعد علامہ ابن الحاج لکھتے ہیں۔

فقیہ خطیب ابوالربیع نے اپنی کتاب شفاء الصدور میں چند عظیم باتیں لکھی ہیں۔

ان سے یہ روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کو پیدا کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ وہ زمین پر جائیں اور زمین کے قلب سے مٹی لے کر آئیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام اور جنت کے فرشتے اور رفیق اعلیٰ کے فرشتے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی جگہ سے سفید نورانی مٹی لائے اس کو جنت کی نہروں کے پانی سے گوندھا گیا حتیٰ کہ وہ سفید موتی کی طرح ہو گئی اس مٹی کا نور تھا اور ان کی شعاع عظیم تھی حتیٰ کہ فرشتوں نے اس مٹی کے ساتھ عرش، کرسی، آسمانوں، زمینوں، پہاڑوں اور سمندروں کے گرد طواف کیا اور فرشتوں نے اور تمام

مخلوق نے سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کو پہچان لیا پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کی پشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مادہ خلقت کی مٹی رکھی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی پشت میں پرندوں کی آواز کی مانند اس کی آواز سنی۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

اے میرے رب عزوجل! یہ کیسی آواز ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یہ محمد (مصطفیٰ) علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور کی تسبیح ہے وہ خاتم الانبیاء ہیں اللہ تعالیٰ ان کو تمہاری پشت سے نکالے گا تم میرے عہد اور میثاق پر قائم رہنا اور ان کو صرف پاکیزہ رحموں میں رکھنا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

میں تیرے عہد اور میثاق پر قائم ہوں اور ان کو صرف پاکیزہ مردوں اور پاکیزہ عورتوں میں رکھوں گا۔ حضرت سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں چمکتا تھا اور فرشتے ان کے پیچھے کھڑے ہو کر صف باندھے ہوئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو دیکھتے تھے اور سبحان اللہ کہتے تھے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ

اس روایت میں یہ ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو پیدا کیا اور یہ نور اللہ عزوجل کے سامنے سجدہ کرتا رہا پھر اللہ تعالیٰ نے اس نور کے چار حصے کیے۔

پہلے حصہ سے عرش کو پیدا فرمایا۔

دوسرے حصہ سے قلم کو پیدا فرمایا۔

تیسرے حصہ سے لوح کو پیدا کیا۔

پھر قلم سے ارشاد فرمایا: چل لکھ۔

اس نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں کیا لکھوں۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

میں قیامت تک جو کچھ پیدا کرنے والا ہوں۔ پھر قلم لوح پر چلنے لگا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وہ لکھ دیا پھر چوتھا حصہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرتا رہا اللہ تعالیٰ نے پھر اس نور کے چار حصے کیے۔

1۔ پہلے حصہ سے عقل کو پیدا فرمایا۔

2۔ دوسرے حصہ سے معرفت کو پیدا فرمایا اور اس کو لوگوں کے دلوں میں رکھا۔

3-تیسرے حصہ سے سورج اور چاند کے نور کو پیدا کیا اور آنکھوں کے نور کو پیدا فرمایا اور چوتھے حصہ کو اللہ تعالیٰ نے عرش کے گرد رکھا حتیٰ کہ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو یہ نور ان میں ودیعت فرما دیا۔ پس عرش کا نور سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ہے اور قلم کا نور سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ہے اور لوح کا نور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ہے اور دن کا نور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ہے۔ اور عقل کا نور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ہے اور معرفت کا نور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ہے اور سورج، چاند اور آنکھوں کا نور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ہے۔

اس کے بعد علامہ ابن الحاج لکھتے ہیں۔

اس معنیٰ میں بکثرت روایات ہیں جو ان پر مطلع ہونا چاہے وہ ابوالربیع کی کتاب الشفاء کا مطالعہ کرے اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

اے وہ جو معنیٰ میں میرے باپ ہیں اور صورۃً میرے بیٹے ہیں۔

اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبوت کب ثابت ہوئی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ابھی حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (المدخل: ج:2، ص30 تا33 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

دوسرے مولویوں کے اقوال سے نور مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت

دوسرے مولویوں کے اقول درج ذیل ہیں:

مولوی اشرف علی تھانوی کا قول

مولوی اشرف علی تھانوی متوفی 1362ھ نور محمدی کے باب میں لکھتے ہیں۔

پہلی فصل نور محمدی کے بیان میں۔ اس فصل میں نور کی وہ تمام احادیث مبارکہ تحریر کرتے ہیں جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اس ضمن میں کہتے ہیں۔

(ف) اس سے نور محمدی کا اول الخلق ہونا باولیت حقیقت ثابت ہوا کیونکہ جن اشیاء کی نسبت روایات میں اولیت کا حکم آیا ہے ان اشیاء کا نور محمدی سے تاخر ہونا اس حدیث مبارکہ میں منصوص ہے۔ (نشر الطیب: ص:6 مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور)

یہی اشرف علی تھانوی متوفی 1362ھ لکھتے ہیں:

نبی خود نور اور قرآن ملا نور
نہ ہو پھر مل کے کیوں نور علیٰ نور

(شیخ الصدر، ص:2)

مولوی رشید احمد گنگوہی کا قول

مولوی رشید احمد گنگوہی متوفی 1323ھ لکھتے ہیں:

سوال

اول ماخلق اللہ نوری اورلولاک کما خلقت الافلاک یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں یا وضعی؟

یہ حدیثیں صحاح میں موجود ہیں مگر شیخ عبدالحق نے اول ماخلق اللہ نوری کو نقل کیا ہے: اس کی کچھ اصل ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ، ص: 157 مطبوعہ محمد سعید کمپنی کراچی)

یہی مولوی رشید احمد گنگوہی متوفی 1323ھ لکھتے ہیں:

اسی سبب سے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرمایا کہ تمہارے پاس حق تعالیٰ کی طرف سے نور اور کتاب مبین آئے۔ نور سے مراد حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے۔

نیز حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے آپ کو گواہ اور بشیر و نذیر اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا اور چمکانے والا سورج بنا کر بھیجا۔ منیر روشن کرنے والے اور نور دینے والے کو کہتے ہیں۔ (امداد السلوک، ص: 85)

مزید لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے نور سے پیدا فرمایا اور مسلمانوں کو میرے نور سے پیدا فرمایا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کو اس طرح پاک فرمالیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خالص نور ہو گئے اور تواتر سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سایہ نہ رکھتے تھے اور ظاہر ہے کہ نور کے سوا تمام جسم سایہ رکھتے ہیں۔ (امداد السلوک، ص: 86)

شاہ عبدالرحیم کا قول

شاہ عبدالرحیم لکھتے ہیں۔

فرش سے عرش تک نور اور اعلیٰ فرشتے اسفل کی جنس سب کی سب حقیقت محمد یہ سے پیدا ہیں۔

حضور کا فرمان ہے۔

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا اگر آپ نہ ہوتے تو میں اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔ (انفاس رحیمیہ، ص: 13)

مولوی اسماعیل کا قول

مولوی اسماعیل لکھتے ہیں۔

جو اندھا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور افشاں سے بے خبر ہے۔ (مذہب امامت: ص:16 مطبوعہ ہند)

یہی مولوی اسماعیل لکھتے ہیں:

لیکن برکت کا نازل ہونا تو اس کا بیان یہ ہے کہ حضرات انبیاءِ کرام علیہم السلام کا وجود دنیا کو چمکانے والے سورج کی طرح ہے کہ جب اس کا نور دنیا میں پھیلتا ہے تو رات کی تاریکی دور ہو جاتی ہے۔ (منصب امامت: ص:16 مطبوعہ ہند)

یہی مولوی اسماعیل لکھتے ہیں: چنانچہ روایت "اول ماخلق الله نوری" بر آں دلالت می دارد یعنی جیسے کہ روایت اول ماخلق الله نوری اس پر دلالت کرتی ہے۔ (یک روزہ: ص:11 مطبوعہ ملتان)

مولوی حسین احمد کا قول

مولوی حسین احمد اپنا اور اپنے تمام دیوبندی علماء کا عقیدہ یوں لکھتے ہیں۔

ہمارے حضرات اکابر کے اقوال و عقائد کو ملاحظہ فرمائیے یہ جملہ حضرات ذات حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ سے اور ہمیشہ تک واسطہ فیوضات الٰہیہ وسراب رحمت غیر متناہیہ اعتقاد لیے بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ازل سے ابد تک جو رحمتیں عالم پر ہوئی ہیں اور ہوں گی عام ہے کہ وہ نعمت وجود کی ہو یا اور کسی قسم کی ان سب میں آپ کی ذات پاک اسی طرح پر واقع ہوئی ہے کہ پہلے آفتاب سے نور چاند میں آیا اور چاند سے نور ہزاروں آئینوں میں غرضیکہ حقیقت محمدیہ واسطہ جملہ کمالات عالم و عالمیان ہے یہ ہی معنیٰ لولاك لما خلقت الافلاك اور اول ماخلق الله نوری اور نبی الانبیاء کے ہیں۔

(کتاب الشہاب الثاقب: ص:50)

نواب وحید الزمان کا قول

نواب وحید الزمان متوفی 1328ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے خلق کی ابتداء نور محمدی سے کی پھر عرش کو پیدا کیا پھر پانی کو پھر ہوا کو پھر دوات کو۔ قلم اور روح کو پیدا کیا پھر عقل کو پیدا کیا پس آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے ان کی پیدائش کا مادہ اولیٰ نور محمدی ہے۔

(ہدایۃ المہدی: ص:56 مطبوعہ سیالکوٹ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1340ھ سے سوال کیا گیا کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہ مضمون کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے اور ان کے نور سے باقی مخلوقات کس حدیث سے ثابت ہے اور وہ حدیث کس قسم کی ہے بینوا وتوجروا؟

الجواب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اے اللہ عزوجل! تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں۔ اے نور۔ اے نور کے نور۔ اے نور ہر نور سے پہلے اور اے نور ہر نور کے بعد۔ اے وہ ذات جس کے لئے نور ہے جس کے سبب سے نور ہے جس سے نور جس کی طرف نور ہے اور وہی نور ہے درود وسلام اور برکت نازل فرما اپنے نور پر جو روشن کرنے والا ہے جس کو تو نے اپنے نور سے پیدا فرمایا اور تمام مخلوق کو اس کے نور سے پیدا فرمایا۔ اور اس کے انوار کی شعاعوں پر اور اس کے آل واصحاب پر جو اس کے ستارے اور چاند ہیں سب پر۔ اے اللہ عزوجل ہماری دعا کو قبول فرما (آمین)

امام اجل سیدنا امام مالک رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور امام اَجل سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے استاذ اور امام بخاری وامام مسلم رحمۃ اللہ علیہما کے استاذ الاستاد حافظ الحدیث احد الاعلام عبدالرزاق ابوبکر بن ہمام نے اپنی مصنف میں حضرت سیدنا و ابن سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت کی یعنی وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ حضور پر قربان! مجھے خبر دیجئے کہ سب سے پہلے اللہ عزوجل نے کیا چیز بنائی ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے جابر (رضی اللہ عنہ)! بے شک بالیقین اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا وہ نور قدرت الٰہی سے جہاں خدا نے چاہا دورہ کرتا رہا اس وقت لوح، قلم، جنت، دوزخ، فرشتے، آسمان، زمین، سورج، چاند، جن، آدمی کچھ نہ تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا اس نور کے چار حصے فرمائے۔ پہلے سے قلم، دوسرے سے لوح، تیسرے سے عرش بنایا۔ پھر چوتھے کے چار حصے کئے۔ پہلے سے فرشتگان حامل عرش، دوسرے سے کرسی، تیسرے سے باقی ملائکہ پیدا کئے۔ پھر چوتھے کے چار حصے فرمائے۔ پہلے سے آسمان، دوسرے سے زمین، تیسرے سے بہشت، دوزخ بنائے، پھر چوتھے کے چار حصے کئے۔

یہ حدیث امام بیہقی نے بھی دلائل النبوۃ میں بنحوہ روایت کی اجلہ آئمہ دین مثل امام قسطلانی مواہب اللدنیہ اور امام ابن حجر مکی افضل القریٰ اور علامہ فاسی مطالع المسرات اور علامہ زرقانی شرح مواہب اور علامہ دیار بکری خمیس اور شیخ محقق دہلوی مدارج وغیرہا میں اس حدیث سے استناد اور اس پر تعویل واعتماد فرماتے ہیں۔ بالجملہ وہ تلقی امت بالقبول کا منصب جلیل پائے ہوئے ہے تو بلاشبہ حدیث حسن صالح مقبول معتمد ہے۔ تلقی علماء بالقبول وہ شے عظیم ہے جس کے بعد ملاحظہ سند کی حاجت نہیں رہتی بلکہ سند ضعیف بھی ہو تو حرج نہیں کرتی۔ جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ ''منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین'' میں اس کو بیان کیا ہے۔

لاجرم علامہ محقق عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں۔

بے شک ہر چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے بنی جیسا کہ حدیث صحیح اس معنیٰ میں وارد ہوئی۔

اس کو علامہ نابلسی نے نوع نمبر ساٹھ (60) جو کہ زبان کی آفتوں کے بیان میں ہے کے بعد کھانے کی برائی بیان کرنے

کے مسئلہ کے ضمن میں ذکر فرمایا ہے۔

مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات میں ہے۔

یعنی امام اجل امام اہلسنّت سیّدنا ابوالحسن اشعری قدس سرہ (جن کی طرف نسبت کر کے اہل سنّت کو اشارہ کیا جاتا ہے) ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نور ہے نہ اور نوروں کی مانند اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک اسی نور کی تابش ہے اور ملائکہ ان نوروں کے ایک پھول ہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور بنایا اور میرے ہی نور سے ہر چیز پیدا فرمائی اور اس کے سوا اور حدیثیں ہیں جو اسی مضمون میں وارد ہیں۔

واللہ سبحنہ و تعالٰی علم۔ (فتاویٰ رضویہ، ج:30، ص657 تا 660 مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ دوسرے مقام پر زاقم ہیں۔

امام علام حافظ جلال الملۃ والدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب خصائص الکبریٰ میں اس معنیٰ کے لئے ایک باب وضع فرمایا اور اس میں حدیث ذکوان ذکر کر کے نقل کیا یعنی ابن سبع نے کہا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص کریمہ سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہ پڑتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور محض تھے تو جب دھوپ یا چاندنی میں چلتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نظر نہ آتا بعض علماء کرام نے فرمایا اور اس کی شاہد ہے وہ حدیث مبارکہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا میں عرض کیا کہ مجھے نور کر دے۔

نیز انموذج اللبیب فی خصائص الحبیب صلی اللہ علیہ وسلم باب ثانی فصل رابع میں فرماتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہ پڑا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نظر نہ آیا نہ دھوپ میں نہ چاندنی میں۔

ابن سبع نے فرمایا:

اس لئے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں۔

امام رزین نے فرمایا:

اس لئے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار سب پر غالب ہیں۔

سیّدنا عبداللہ بن مبارک اور حافظ علامہ ابن جوزی محدث رحمہما اللہ تعالیٰ حضرت سیّدنا وابن سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سایہ نہ تھا اور نہ کھڑے ہوئے آفتاب کے سامنے مگر یہ ان کا نور عالم افروز خورشید کی روشنی پر غالب آ گیا اور نہ قیام فرمایا چراغ کی ضیاء میں مگر یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تابش نور نے اس کی چمک کو دبا لیا۔

امام علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفاء شریف میں فرماتے ہیں۔

یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل نبوت و آیات رسالت سے ہے وہ بات جو مذکور ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم انور کا سایہ نہ دھوپ میں ہوتا نہ چاندنی میں اس لئے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں۔

علامہ شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح نسیم الریاض میں فرماتے ہیں۔

دھوپ اور چاندنی اور جو روشنیاں کہ ان میں بسبب اس کے کہ اجسام، انوار کے حاجب ہوتے ہیں لہٰذا ان کا سایہ نہیں پڑتا جیسا کہ انوار حقیقت میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ پھر حدیث کتاب الوفاء ذکر کر کے اپنی ایک رباعی انشاد کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سایۂ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن بسبب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت وفضیلت کے زمین پر نہ کھینچا گیا اور تعجب ہے کہ باوجود اس کے تمام آدمی ان کے سایہ میں آرام کرتے ہیں۔

پھر ارشاد فرماتے ہیں۔

بہ تحقیق قرآن عظیم ناطق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور روشن ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بشر ہونا اس کے منافی نہیں جیسا کہ وہم کیا گیا اگر تو سمجھے تو وہ نور علیٰ نور ہیں۔

خفاجی کی عبارت یہ ہے۔

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل نبوت سے ہے وہ جو مذکور ہوا اور وہ جو ابن سبع نے ذکر فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشخص یعنی جسم اطہر ولطیف کا سایہ نہ ہوتا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دھوپ اور چاندنی میں تشریف فرما ہوتے یعنی وہ روشنیاں جن میں سائے دکھائی دیتے ہیں کیونکہ اجسام شمس وقمر وغیرہ کی روشنی کے لئے حاجب ہوتے ہیں۔

ابن سبع نے اس کی علت یہ بیان کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں اور انوار شفاف ولطیف ہوتے ہیں وہ غیر کے لئے حاجب نہیں ہوتے اور ان کا سایہ نہیں ہوتا جیسا کہ انوار حقیقت میں دیکھا جاتا ہے اس کو صاحب وفاء نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا نہ کھڑے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی سورج کے سامنے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور سورج پر غالب آ گیا اور نہ قیام فرمایا آپ نے چراغ کے سامنے مگر آپ کا نور چراغ کی روشنی پر غالب آ گیا۔ یہ اور اس پر کلام پہلے گزر چکا ہے۔ اور اس سلسلہ میں رباعی جو کہ یہ ہے ''حضرت امام الانبیاء احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سایۂ اقدس نے آپ کی کرامت وفضیلت کی وجہ سے دامن زمین پر نہیں کھینچا جیسا کہ لوگوں نے کہا: یہ کتنی عجیب بات ہے کہ عدم سایہ کے باوجود سب لوگ آپ کے سایۂ رحمت میں آرام کرتے ہیں۔''

یہاں قالوا، قیلولۃ سے مشتق ہے (نہ کہ قول سے) تحقیق قرآن عظیم ناطق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور روشن ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بشر ہونا اس کے منافی نہیں جیسا کہ وہم کیا گیا اگر تو سمجھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور علیٰ نور ہیں کیونکہ نور وہ ہے جو خود ظاہر اور دوسروں کو ظاہر کرنے والا ہو۔ اس کی تفصیل مشکوٰۃ الانوار میں ہے۔

امام علامہ احمد بن محمد خطیب قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ مواہب اللدنیہ ومنح محمدیہ میں فرماتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سایہ نہ تھا دھوپ میں نہ چاندنی میں۔

اسے حکیم ترمذی نے ذکوان سے پھر ابن سبع کا حضور کے نور استدلال اور حدیث اجعلنی نوراً (مجھے نور بنادے) سے استشہاد ذکر کیا حیث قال۔

(امام قسطلانی نے فرمایا)

دھوپ اور چاندنی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ ہوتا۔

اس کو ترمذی نے ذکوان سے روایت کیا۔

ابن نے کہا کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دھوپ اور چاندنی میں چلتے تو سایہ نظر نہ ہوتا۔ اس کے غیر نے کہا: اس کا شاہد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ قول ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں کہتے کہ اے اللہ عزوجل! مجھے نور بنادے۔

اسی طرح سیرت شامی میں ہے۔

یعنی امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اضافہ کیا اس میں حکمت یہ تھی کہ کوئی کافر سایہ اقدس پر پاؤں نہ رکھے کیونکہ اس میں آپ کی توہین ہے۔

اقول

سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تشریف لئے جاتے تھے۔ ایک یہودی حضرت کے گرد عجب حرکات اپنے پاؤں سے کرتا جاتا تھا اس سے دریافت فرمایا۔ بولا بات یہ ہے کہ اور تو کچھ قابو ہم تم پر نہیں پاتے جہاں جہاں تمہارا سایہ پڑتا ہے اسے اپنے پاؤں سے روندتا چلتا ہوں ایسے خبیثوں کی شرارتوں سے حضرت حق عز جلالہ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو محفوظ فرمایا۔ نیز اسی طرح سیرت حلبیہ میں ہے قدرما فی شفاء الصدور

محمد زرقانی رحمۃ اللہ علیہ شرح میں فرماتے ہیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سایہ نہ تھا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں جیسا کہ ابن سبع نے کہا:

اور حافظ رزین محدث فرماتے ہیں۔

سبب سا کا یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ساطع تمام انوار عالم پر غالب تھا اور بعض علماء کرام نے کہا کہ حکمت اس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانا ہے اس سے کہ کسی کافر کا پاؤں ان کے سایہ پر نہ پڑے۔

(زرقانی کی اصل عبارت)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا نہ دھوپ میں اور نہ ہی چاندنی میں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں جیسا کہ ابن سبع نے فرمایا:

رزین نے فرمایا:
عدم سایہ کا سبب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار کا غلبہ ہے۔
کہا گیا ہے کہ
اس کی حکمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانا ہے اس بات سے کہ کوئی کافر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ پر اپنا پاؤں رکھے اس کو حکیم ترمذی نے روایت کیا ہے۔ ذکوان ابو صالح السمان زیات المدنی سے یا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ابو عمرو المدنی سے اور وہ دونوں ثقہ تابعین میں سے ہیں چنانچہ یہ حدیث مبارکہ مرسل ہوئی مگر ابن مبارک اور ابن جوزی نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی سورج کے سامنے جلوہ افروز نہ ہوئے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور سورج کے نور پر غالب آ گیا اور نہ ہی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم چراغ کے سامنے کھڑے ہوئے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی چراغ کی روشنی پر غالب آ گئی۔
ابن سبع نے کہا کہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب دھوپ اور چاندنی میں چلتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نمودار نہ ہوتا کیونکہ نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ اس کے غیر نے کہا: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دعائیہ کلمات اس کے شاہد ہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اعضاء اور جہات کو نور بنا دے اور آخر میں یوں کہا۔ اے اللہ عزوجل! مجھے نور بنا دے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ اسی کے ساتھ استدلال تام ہوا۔
امام ابن حجر مکی افضل القریٰ میں زیر قول ماتن قدس سرہ
''انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام فضائل میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر نہ ہوئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی چمک اور رفعت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تک ان کے پہنچنے سے مانع ہوئی۔'' میں فرماتے ہیں۔
یعنی یہ معنیٰ اس سے لئے گئے ہیں کہ اللہ عزوجل نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نور رکھا مثلاً اس آیت میں کہ بے شک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور تشریف لائے اور روشن کیا۔
اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت یہ دعا فرماتے کہ الٰہی! میرے تمام حواس و اعضاء سارے بدن کو نور کر دے۔ اور اس دعا سے یہ مقصود نہ تھا کہ نور ابھی حاصل نہ تھا اس کا حصول مانگتے تھے بلکہ یہ دعا اس امر کے ظاہر فرمانے کے لئے تھی کہ واقع میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام جسم پاک نور ہے اور یہ فضل اللہ عزوجل نے حضور پر کر دیا تا کہ آپ اور آپ کی امت اس پر اللہ تعالیٰ کا زیادہ شکر ادا کریں۔ جیسے ہمیں حکم ہوا ہے کہ سورہ بقرہ شریف کے آخر کی دعا عرض کریں وہ بھی اسی اظہار وقوع وحصول فضل الٰہی کے لئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نور محض ہو جانے کی تائید اس سے ہے کہ دھوپ یا چاندنی میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ پیدا ہوتا اس لئے کہ سایہ تو کثیف کا ہوتا ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام جسمانی کثافتوں سے خالص کر کے نرا نور کر دیا لہٰذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سایہ اصلاً نہ تھا۔ مجمع البحار میں برمز شی یعنی زیدہ

شرح شفاء شریف میں ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک نور ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص سے شمار کیا گیا کہ دھوپ اور چاندنی میں چلتے تو سایہ نہ پیدا ہوتا۔

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ سورج اور چاند کی روشنی میں نہ تھا بروایت حکیم ترمذی از ذکوان اور تعجب یہ ہے کہ ان بزرگوں نے اس ضمن میں چراغ کا ذکر نہیں کیا اور نور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ میں سے ہے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔

فقیر کہتا ہے غفر اللہ لہ، استدلال امام ابن سبع کا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا نور ہونے سے جس پر بعض علماء کرام نے حدیث واجعلنی نوراً سے استشہاد اور علمائے لاحقین نے اسے اپنے کلمات میں بنظر احتجاج یاد کیا۔ ہمارے مدعا پر دلالت واضح یہ ہے۔ دلیل شکل اول بدیہی الانتاج دو مقدموں سے مرکب۔ صغریٰ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں اور کبریٰ یہ کہ نور کے لئے سایہ نہیں جو ان دونوں مقدمون کو تسلیم کرے گا نتیجہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سایہ نہ تھا آپ ہی پائے گا مگر دونوں مقدموں میں کوئی مقدمہ ایسا نہیں جس میں مسلمان ذی عقل کو گنجائش گفتگو ہو۔ کبریٰ تو ہر عاقل کے نزدیک بدیہی اور مشاہدہ بصر و شہادت بصیرت سے ثابت۔ سایہ اس جسم کا پڑے گا جو کثیف ہو اور انوار کو اپنے ماوراء سے حاجب۔ نور کا سایہ پڑے تو تنویر کون کرے۔ اس لیے دیکھو آفتاب کے لئے سایہ نہیں اور صغریٰ یعنی حضور والا کا نور ہونا مسلمان کا تو ایمان ہے حاجت بیان حجت نہیں مگر تبکیت معاندین کے لئے اس قدر اشارہ ضرور کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝

(احزاب:45 تا46)

اے نبی! ہم نے تمہیں بھیجا گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا اور خدا کی طرف بلانے والا اور چراغ چمکتا۔

یہاں سراج سے مراد چراغ ہے یا ماہ یا مہر۔ سب صورتیں ممکن ہیں اور خود قرآن عظیم میں آفتاب کو سراج فرمایا۔

وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝ (نوح:16)

اور بنایا پروردگار نے چاند کو نور آسمانوں میں اور بنایا سورج کو چراغ۔

اور فرماتا ہے۔

بتحقیق آیا تمہارے پاس خدا کی طرف سے ایک نور اور کتاب روشن۔

علماء فرماتے ہیں۔

یہاں نور سے مراد محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اسی طرح آیہ کریمہ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝ (النجم:1) (ان پیارے چمکتے تارے محمد مصطفیٰ کی قسم جب یہ معراج سے

اترے) میں امام جعفر صادق اور آیت کریمہ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الطَّارِقُ ۝ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝ (الطارق:2،3) (اور کچھ تم نے جانا وہ رات کو آنے والا کیا ہے چمکتا تارا) میں بعض مفسرین نجم اور نجم الثاقب سے ذات پاک سیّد لولاک صلی اللہ علیہ وسلم مراد لیتے ہیں۔ بخاری و مسلم وغیرہما کی احادیث مبارکہ میں بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دعا منقول جس کا خلاصہ یہ ہے۔

''الٰہی میرے دل اور میری جان اور میری آنکھ اور میرے کان اور میرے گوشت و پوست و خون و استخوان اور میرے زیر و بالا و پس و پیش و چپ و راست اور ہر عضو میں نور اور خود مجھے نور کر دے۔''

جب آپ یہ دعا فرماتے اور ان کے سننے والے نے انہیں ضیائے تابندہ و مہر درخشندہ و نور الٰہی کہا پھر اس جناب کے نور ہونے میں مسلمان کو کیا شبہ رہا۔ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ہے کہ ان کا نور چراغ و خورشید پر غالب آتا۔ اب خدا جانے غالب آنے سے یہ مراد کہ ان کی روشنیاں اس کے حضور پھیکی پڑ جاتیں جیسے چراغ پیش مہتاب یا یکسر ناپدید و کالعدم ہو جاتیں جیسے ستارے حضور آفتاب۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث مبارکہ میں ہے۔

جب کلام فرماتے دانتوں سے نور چھنتا نظر آتا۔

وصاف کی حدیث مبارکہ میں وارد ہے۔

یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا بلند بینی تھی اور اس پر ایک نور کا بکا متجلی رہتا کہ آدمی خیال نہ کرے تو ناک اس روشن نور کے سبب بہت اونچی معلوم ہو۔ کپڑوں سے باہر جو بدن تھا یعنی چہرہ اور ہتھیلیاں وغیرہ، نہایت روشن و تابندہ تھا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیٰ کل عضو من جسمه الانوار الاعطر وبارك وسلم۔

(اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم انور معطر کے ہر عضو پر درود و سلام اور برکت نازل فرمائے)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

گویا آفتاب ان کے چہرے میں رواں تھا۔

اور فرماتے ہیں۔

جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے دیواریں روشن ہو جاتیں۔

ربیع بنت مسعود فرماتی ہیں۔

اگر تو انہیں دیکھتا کہتا آفتاب طلوع کر رہا ہے۔

ابو قرصافہ کی ماں اور خالہ فرماتی ہیں۔

ہم نے نور سا نکلتے دیکھا ان کے دہان پاک سے۔

احادیث کثیرہ مشہورہ میں وارد، جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے ان کی روشنی سے بصرہ اور روم و شام کے محل

روشن ہو گئے۔

چند روایتوں میں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شرق سے غرب تک منور ہو گیا۔

اور بعض میں ہے۔

تمام دنیا نور سے بھر گئی۔

سیّدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ فرماتی ہیں۔

میں نے ان کے سر سے ایک نور بلند ہوتا دیکھا کہ آسمان تک پہنچا۔

ابن عساکر نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

میں سیتی تھی سوئی گر پڑی، تلاش کی، نہ ملی اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور رخ کی شعاع سے سوئی ظاہر ہو گئی۔

علامہ فاسی مطالع المسرات میں ابن سبع سے نقل کرتے ہیں۔

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے خانہ تاریک روشن ہو جاتا۔''

اب معلوم نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت نہ ہونے میں کلام کرنے والا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے کا انکار کرے گا یا انوار کے لئے بھی سایہ مانے گا یا مختصر طور پر یوں کہئے کہ یہ تو بالیقین معلوم کہ سایہ جسم کثیف کا پڑتا ہے نہ جسم لطیف کا اب مخالف سے پوچھنا چاہئے تیرا ایمان گواہی دیتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اقدس لطیف نہ تھا عیاذاً باللہ کثیف تھا اور جو اس سے تحاشی کرے تو پھر عدم سایہ کا کیوں انکار کرتا ہے۔ بالجملہ جبکہ حدیثیں اور اتنے اکابر آئمہ کی تصریحیں موجود کہ اگر مخالف اپنے کسی دعویٰ میں ان میں سے ایک کا قول پائے کس خوشی سے معرض استدلال میں لائے جاہلانہ انکار، عکابرہ و کج بحثی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ: ج:30، ص696 تا 710 مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے انگوٹھے سے دودھ چوسنا

جب صندوق کھولا گیا تو دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے انگوٹھے سے دودھ چوس رہے تھے۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

(کچھ روایت نقل کرنے کے بعد ہے) وہ (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام) اپنے انگوٹھے سے دودھ چوس رہے تھے۔

(معالم التنزیل: ج:2، ص:524، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فرعون کی بیٹی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لعاب دہن لگانے سے تندرست ہو جانا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صندوق سے نکالا گیا تو جہاں آپ علیہ السلام کا لعاب دہن گرا تھا فرعون کی بیٹی نے اسے

اٹھا کر اپنے برص کے داغوں پر لگایا تو وہ فوراً تندرست ہو گئی۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

(کچھ روایت نقل کے بعد ہے) جب اس بچہ (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام) کو صندوق سے نکالا تو جہاں اس کا لعاب دہن گرا تھا فرعون کی بیٹی نے اس کو اٹھا کر اپنے برص کے داغوں پر لگایا تو وہ فوراً تندرست ہو گئی۔

(معالم التنزیل: ج:2،ص:524 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چوم کر سینے سے لگانا

جب فرعون کی بیٹی تندرست ہو گئی تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چوما اور اپنے سینے سے لگایا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

(کچھ روایت نقل کے بعد ہے) اس نے اس بچہ کو چوما اور اپنے سینے سے لگایا۔

(معالم التنزیل: ج:2،ص:524 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قوم کے فرعونیوں کا فرعون کو قتل کا مشورہ دینا

فرعون کی قوم کے گمراہ لوگوں نے فرعون سے کہا: اے بادشاہ۔ ہمارا گمان ہے کہ یہی بنی اسرائیل کا وہ بچہ ہے جس سے ہمیں خطرہ تھا انہوں نے آپ کے خوف کی بناء سے اسے دریا میں ڈال دیا ہے لہٰذا آپ اسے قتل کر دیں۔

امام محمد ابو الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

(کچھ روایت نقل کے بعد ہے) فرعون کے گمراہ لوگوں نے کہا: اے بادشاہ! ہمارا گمان ہے کہ یہی بنی اسرائیل کا وہ بچہ ہے جس سے ہمیں خطرہ تھا انہوں نے اس کو آپ کے ڈر سے دریا میں ڈال دیا ہے آپ اس کو قتل کر دیں۔

(معالم التنزیل: ج:2،ص:524 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کا ارادہ کرنا

فرعون نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو کہنے لگا یہ وہی بچہ ہے جس کی نجومیوں نے خبر دی تھی یہ میرا کمال ہے کہ وہ خود بخود میرے پاس آ گیا اس کو فوراً قتل کر دیا جائے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

بولا کہ یہ وہی لڑکا ہے جس کی نجومیوں نے خبر دی تھی یہ میرا کمال ہے کہ وہ خود بخود میرے پاس آ گیا اس کو بھی فوراً قتل کر دیا جائے۔ (تفسیر نعیمی: ج:1،ص:372 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

اللہ تعالیٰ کا فرعون اور حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کے دل میں محبت ڈالنا

اللہ تعالیٰ نے فرعون اور حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کے دل میں محبت ڈال دی اور وہ آپ علیہ السلام سے محبت کرنے لگے۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

(روایت نقل کے بعد ہے) اللہ تعالیٰ نے آسیہ اور فرعون کے دل میں اس کی محبت ڈال دی۔

(معالم التنزیل: ج:2،ص:524 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کون؟

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا بنت مزاحم ہیں جو فرعون کے نکاح میں تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں تھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کی وجہ سے فرعون نے ان پر بہت ظلم کیا ان کے ہاتھ پیر باندھ کر ان میں کیلیں ٹھونک دیں انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے خالق باری تعالیٰ ان کو فرعون کے مظالم سے نجات دے تو اللہ تعالیٰ نے اسی حال میں آپ رضی اللہ عنہا کی روح قبض کر لی۔

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا عورتوں میں کاملہ

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مردوں میں بہت کامل ہیں اور عورتوں میں صرف چار کاملہ ہیں۔

1- آسیہ بنت مزاحم فرعون کی بیوی

2- مریم بنت عمران

3- خدیجہ بنت خویلد

4- فاطمہ بنت محمد رضی اللہ عنہن

اور عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: 3411)

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کا جنت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں ہونا

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اس وقت آپ رضی اللہ عنہا کی روح قبض ہونے والی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا! تمہاری تکلیف کو میں ناپسند کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے اس تکلیف میں بہت خیر رکھی ہے۔ جب تم اپنی سوکنوں کے پاس جاؤ تو ان کو میرا سلام کہنا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: وہ کون ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ آسیہ بنت مزاحم ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن حلیمہ ہیں۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:18، ص:188 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آنکھوں کی ٹھنڈک کہنا

جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یہ بچہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا لہٰذا آپ اس کو قتل نہ کریں۔

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

(روایت نقل کے بعد ہے) فرعون نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یہ بچہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا آپ اس کو قتل نہ کریں۔ (معالم التنزیل: ج:2، ص:524 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کا فرعون کو ایک سال سے بڑی عمر کا کہنا

جب فرعون نے کہا: یہ میرے دشمن عبرانیوں میں سے ہے اور یہ ذبح ہونے سے کس طرح محفوظ رہ گیا تو حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یہ ایک سال بڑی عمر کا ہے اور تم نے جو قتل کا حکم دیا تھا وہ اس سال پیدا ہونے والے بچوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا لہٰذا اس کو چھوڑ دو یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا۔

امام عبدالرحمان بن علی الجوزی المتوفی 597ھ لکھتے ہیں:

فرعون نے جب صندوق کھولا اور ان کو دیکھا تو کہا یہ میرے دشمن عبرانیوں میں سے ہے یہ ذبح ہونے سے کیسے بچ گیا۔

اس کی بیوی (حضرت) آسیہ (رضی اللہ عنہا) نے کہا:

یہ ایک سال سے بڑی عمر کا ہے اور تم نے اس سال پیدا ہونے والے لڑکوں کو قتل کا حکم دیا تھا اس کو چھوڑ دو یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا۔ (المنتظم: ج:1، ص:218 مطبوعہ بیروت)

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا جنتی عورتوں کی سردار

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جنت کی عورتوں کی سردار مریم بنت عمران (رضی اللہ عنہا) ہیں پھر (حضرت) فاطمہ بنت محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ عنہا) ہیں۔

پھر (حضرت) خدیجۃ (الکبریٰ رضی اللہ عنہا) ہیں۔

پھر (حضرت) آسیہ رضی اللہ عنہا ہیں فرعون کی بیوی۔ (معجم الاوسط: رقم الحدیث: 1111)

بے شک اللہ تعالیٰ نے فرعون کی بیوی سے میرا نکاح کردیا

حضرت سعد بن جنادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ عزوجل نے مریم بنت عمران، فرعون کی بیوی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے میرا نکاح کردیا۔

(معجم الکبیر: رقم الحدیث: 5485)

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا اہل جنت کی عورتوں سے افضل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین میں چار خطوط کھینچے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم جانتے ہو یہ کیسے خطوط ہیں؟

مسلمانوں نے عرض کیا:

اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اہل جنت کی عورتوں میں سب سے افضل خدیجہ بنت خویلد (رضی اللہ عنہا) ہیں اور فاطمہ بنت محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ عنہا) ہیں۔

اور مریم بنت عمران (رضی اللہ عنہا) ہیں۔

اور آسیہ بنت مزاحم ہیں جو فرعون کی بیوی ہیں۔ (معجم الکبیر: رقم الحدیث: 11928)

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بیٹا بنانے کا فرمانا

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے فرعون سے کہا اس بچہ (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام) کو قتل نہ کرو میرا کوئی بیٹا نہیں میں اس کو بیٹا بناؤں گی۔

اللہ تعالیٰ نے میری گود بھر دی ہے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

حضرت آسیہ (رضی اللہ عنہا) فرعون کی بی بی آپ علیہ السلام کا حسن و جمال دیکھ کر عاشق ہو گئیں اور فرعون سے بولیں کہ تو نے جس گمان سے ہزار بچے قتل کرا دیئے اس کو قتل نہ کر یہ بچہ شاید کسی اور جگہ سے آ رہا ہے بنی اسرائیل کا نہیں ہے میرا کوئی بیٹا نہیں ہے میں اس کو بیٹا بناؤں گی خدا تعالیٰ نے میری گود بھر دی۔ (تفسیر نعیمی: ج:1 ص372 تا 373 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

فرعون کا بیٹا بنانے کی بات مان لینا

جب حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بیٹا بنانے کی بات کی تو فرعون نے بیٹا بنانے کی بات مان لی۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

فرعون نے یہ بات مان لی۔ (تفسیر نعیمی: ج:1 ص:373 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کو دے دینا

جب حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے فرعون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بیٹا بنانے کا کہا تو فرعون نے بات مان کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

(روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں) فرعون نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو آسیہ نے کہا: یہ بچہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا آپ اس کو قتل نہ کریں ہو سکتا ہے کہ یہ ہم کو نفع دے یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنا لیں اور وہ بے اولاد تھی۔ اس نے فرعون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مانگ لیا اور فرعون نے اس کو دے دیا اور کہا مجھ کو اس کی ضرورت نہیں ہے۔

(معالم التنزیل: ج:2 ص:524 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے محبت کرنے لگا

فرعون کے ہاں کوئی بیٹا نہیں تھا اس لئے اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رہنے دیا اور آپ علیہ السلام سے محبت کرنے لگا۔

امام عبد الرحمان بن علی الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

فرعون کے ہاں صرف بیٹیاں پیدا ہوتی تھیں اس لئے اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رہنے دیا اور ان سے محبت کرنے لگا۔ (المنتظم: ج:1 ص:218 مطبوعہ بیروت)

اگر فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آنکھوں کی ٹھنڈک کہتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام آنکھوں کی ٹھنڈک ہو جاتے

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ روایت کرتے ہیں:

محمد بن قیس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر فرعون کہتا کہ یہ میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام دونوں آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہو جاتے۔ (جامع البیان: رقم الحدیث: 20694)

اگر فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آنکھوں کی ٹھنڈک کہتا تو اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرما دیتا

اگر فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آنکھوں کی ٹھنڈک کہتا تو اس کو اللہ تعالیٰ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کی طرح ہدایت عطا فرما دیتا۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

اگر فرعون کہتا یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی آسیہ کی طرح ہدایت دے دیتا۔

(معالم التنزیل: رقم الحدیث: 1609)

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کا قول

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے فرعون سے کہا یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کو قتل نہ کرنا شاید یہ ہم کو نفع پہنچائے یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ (القصص:9)

اور فرعون کی بیوی نے کہا: یہ (بچہ) میری اور تیری آنکھ کی ٹھنڈک ہے اس کو قتل نہ کرنا شاید یہ ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اس کو بیٹا بنالیں اور یہ لوگ (مستقبل) کا شعور نہیں رکھتے تھے۔

بہن کا والدہ محترمہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے پاس پہنچنے کی خبر دینا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن حضرت مریم رضی اللہ عنہا نے اپنی والدہ محترمہ کو خبر دی کہ جہاں سے ہم نے بچانا چاہا حضرت موسیٰ علیہ السلام تو اسی کے پاس پہنچ گئے ہیں۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

ادھر مریم (حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن) نے والدہ محترمہ کو خبر دی کہ بھائی تو فرعون کے پاس پہنچ گیا ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج 1، ص 373، مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا بے قرار ہونا اور رب تعالیٰ کی طرف سے تسلی کا القاء ہونا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے جب یہ سنا کہ بیٹا تو فرعون کے پاس پہنچ گیا ہے جس سے ہم نے بچایا وہ وہیں پہنچ گیا تو آپ علیہ السلام کی والدہ محترمہ بے قرار ہو گئیں تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء ہوا کہ گھبراؤ نہیں کہ یہ تمہارا بچہ تمہیں واپس لوٹا دیا جائے گا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

ماں بے قرار ہو گئی مگر رب تعالیٰ کی طرف سے القاء ہوا کہ گھبراؤ نہیں تمہارا بچہ تم کو ہی ملے گا۔

(تفسیر نعیمی: ج:1، ص:373 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا دل خالی ہونا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کو بیٹا فرعون کے پاس پہنچنے کی خبر معلوم ہوئی تو قرآن مجید میں اس کو دل خالی ہونے سے تعبیر کیا گیا۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وَ اَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْ لَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (القصص:10)

اور موسیٰ کی ماں کا دل خالی ہو گیا تھا اگر ہم نے ان کے دل کو ڈھارس نہ دی ہوتی تو قریب تھا کہ وہ موسیٰ کا راز فاش کر دیتیں (ہم نے اسی لیے ڈھارس دی) تاکہ وہ (اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر) اعتماد کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔

دل خالی ہونے کے محامل

1- حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ان کا دل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فکر اور ان کے غم کے سوا ہر فکر و غم سے خالی ہو گیا تھا۔

2- علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ان کا دل عقل سے خالی ہو گیا تھا کیونکہ جب انہوں نے سنا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس پہنچ گئے ہیں تو ان پر اس قدر گھبراہٹ اور دہشت طاری ہو گئی کہ ان کے ہوش و حواس اڑ گئے اور ان کی عقل ماؤف ہو گئی اور اس نے کام کرنا چھوڑ دیا۔

3- امام محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جو ان کی طرف الہام کیا تھا کہ تم اس کو دریا میں ڈال دو اور تم خوف اور غم نہ کرنا ہم اس کو تمہاری طرف واپس لائیں گے ان کا دل اس الہام سے خالی ہو گیا اور شیطان نے ان کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ فرعون تمہارے بیٹے کو قتل کر دے گا اور یہ خود تمہارا کیا دھرا ہے اور جب ان کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اب

فرعون کے ہاتھوں میں ہیں تو ان کو اللہ تعالیٰ کا کیا ہوا الہام بھول گیا اور اس عظیم صدمہ کی وجہ سے ان کو اللہ تعالیٰ کا کیا ہوا وعدہ یاد نہ رہا۔

4-حضرت ابوعبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ان کا دل غم اور فکر سے خالی تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر اعتماد تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کرے گا اور فرعون ان کو قتل کرنے پر قادر نہ ہو سکے گا۔

5-ابن قتیبہ نے اس معنیٰ پر اعتراض کیا ہے: اگر حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا دل ہر غم اور فکر سے خالی تھا اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق مطمئن تھیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی کیا توجیہ ہو گی کہ اگر ہم نے ان کے دل کو ڈھارس نہ دی ہوتی تو قریب تھا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کا راز فاش کر دیتیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

چونکہ اللہ تعالیٰ ان کو اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر کامل یقین تھا اس لیے وہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتی تھیں کہ لوگوں کو یہ بتا دیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے بیٹے ہیں جو فرعون کے گھر پہنچ گئے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس راز کو مخفی رکھنے پر ان کے دل کو مضبوط رکھا۔

اس سے واضح ہو گیا کہ ان کا دل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فکر مند نہیں تھا اور وہ مطمئن تھیں اور اس پر مزید قرینہ یہ ہے کہ ان کو خبر پہنچ گئی تھی کہ فرعون کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے ان کو اپنا بیٹا بنا لیا ہے اور فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انہیں ہبہ کر دیا ہے اور یہ اس لیے تھا کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر کامل وثوق اور اعتماد تھا۔

(تفسیر کبیر: ج:8، ص 581 تا 582 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بیٹی کو فرعون کے گھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معلوم کرنے کے لئے بھیجنا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کو یہ علم ہو گیا کہ بیٹا فرعون کے گھر پہنچ گیا ہے تو آپ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے بیٹی حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو فرعون کے گھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں معلوم کرنے کے لئے بھیجا تا کہ وہ یہ جان سکیں کہ فرعون نے اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے۔

امام عبدالرحمان بن علی الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر پہنچ گئے انہوں نے ان کی بہن حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو فرعون کے ہاں بھیجا تا کہ معلوم ہو کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے۔ (المنتظم: ج:1، ص:218 مطبوعہ بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا فرعون کے گھر جا کر دور دور سے دیکھنا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے اپنی بیٹی حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو فرعون کے حضرت موسیٰ علیہ السلام

کے ساتھ ہونے والے معاملہ کا پتہ کرنے کے لئے بھیجا تو آپ علیہ السلام کی بہن اس کو دور دور سے دیکھتی رہیں اور فرعونیوں کو اس کا شعور نہ ہوا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّیْهِ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ (القصص:11)

اور موسیٰ کی ماں نے ان کی بہن سے کہا تم اس کے پیچھے پیچھے جاؤ تو وہ اس کو دور دور سے دیکھتی رہی اور فرعونیوں کو اس کا شعور نہ ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کسی عورت کا دودھ نہ پینا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی عورت کا دودھ نہ پیا۔

قرآن مجید میں اس کو تعبیر فرمایا گیا۔

وَحَرَّمْنَا عَلَیْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ (القصص:12)

اور ہم نے اس (کے پہنچنے) سے پہلے موسیٰ پر دودھ پلانے والیوں کا دودھ حرام کر رکھا تھا۔

دودھ نہ پینے کی وجوہ

قرآن مجید میں جو یہ ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے ان پر دودھ پلانے والیوں کا دودھ حرام کر دیا تھا۔ یہاں پر دودھ کو حرام کرنے سے مراد شرعاً حرام کرنا نہیں بلکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ان پر ان کا دودھ طبعاً ممتنع کر دیا تھا اور باقی عورتوں کا دودھ پینے سے ان کو متنفر کر دیا تھا اور بھوک لگنے اور دودھ کی طلب کے باوجود ان عورتوں کا دودھ نہیں پی رہے تھے یا اللہ تعالیٰ نے دوسری دودھ پلانے والی عورتوں کے دودھ میں ایسی کڑواہٹ پیدا کر دی کہ انہوں نے بھوک کے باوجود ان کا دودھ نہیں پیا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی بنایا تھا اور آپ علیہ السلام کو فرعون کے گھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ سے پرورش کروانا چاہتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں کے ذریعے دودھ پلوایا تاکہ میری قدرت و طاقت معلوم ہو جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کے پاس جانا اور دودھ نہ پینے کا علم ہونا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن حضرت مریم رضی اللہ عنہا حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں اور وہاں سے یہ معلوم ہوا کہ بہت ساری دودھ پلانے والی عورتوں کو بلایا گیا ہے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی کا دودھ نہیں پیا۔

امام عبدالرحمن بن علی الجوزی المتوفی 597ھ لکھتے ہیں:

ان کی بہن دوسری عورتوں کے ساتھ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں اور وہاں معلوم ہوا کہ بہت سی دودھ پلانے والی عورتوں کو بلایا گیا ہے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی کا دودھ نہیں پیا۔ (المنتظم: ج:1، ص:218 مطبوعہ بیروت)

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کا شہر کی دائیاں بلوانا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دودھ نہ پینا

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلانے کے لئے شہر سے دودھ پلانے والی دائیاں بلوائیں تا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی جا سکے جب وہ دائیاں آئیں تو آپ علیہ السلام نے کسی کا دودھ نہیں پیا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

اب حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے شہر کی دائیاں (دودھ پلانے والیاں) بلوائیں جو کہ ان کو دودھ پلائیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی کا دودھ نہ پیا۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:373 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا پرورش کرنے والے گھر کا بتانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن حضرت مریم رضی اللہ عنہا نے جب یہ دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو کسی کا دودھ بھی نہیں پی رہے تو آپ علیہ السلام کی بہن نے کہا: میں تمہیں ایسا گھر بتاتی ہوں جو اس بچہ کی پرورش کرے اور وہ اس کے لئے خیر خواہ بھی ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ○ (القصص:12)

سو وہ کہنے لگی آیا میں تمہیں ایسا گھرانہ بتاؤں جو تمہارے اس بچہ کی پرورش کرے اور وہ اس کے لئے خیر خواہ ہو۔

علامہ عبد الرحمان بن علی الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی کا دودھ نہیں پیا تب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا:

هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ○ (القصص:12)

آیا میں تمہیں ایسے گھر والوں کی طرف راہنمائی کروں جو تمہارے لیے اس بچہ کی پرورش کریں اور وہ اس کے خیر خواہ ہوں۔ (المنتظم: ج:1، ص:218 مطبوعہ بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے پرورش کرنے والی کا پوچھنا کہ وہ کون ہے؟

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن حضرت مریم رضی اللہ عنہا نے کہا: آیا میں تمہیں ایسے گھر والوں کی طرف راہنمائی کروں جو تمہارے لیے اس بچہ کی پرورش کریں اور وہ اس کے خیر خواہ ہوں تو انہوں نے پوچھا کہ وہ کون ہے؟

امام عبد الرحمان بن علی الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

انہوں نے پوچھا: وہ کون ہے؟ (المنتظم: ج:1، ص:218 مطبوعہ بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا حضرت عمران کی بیوی کا بتانا

جب یہ پوچھا گیا کہ وہ کون ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن حضرت مریم رضی اللہ عنہا نے کہا: وہ حضرت عمران کی

زوجہ مطہرہ حسنہ ہے۔

امام عبدالرحمان بن علی الجوزی التوفی 597ھ لکھتے ہیں:

انہوں نے پوچھا:

وہ کون ہے؟

اس نے کہا:

وہ حضرت عمران کی بیوی حسنہ ہے۔(المنتظم:ج:1،ص:218 مطبوعہ بیروت)

فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کو بلانے کا کہنا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن حضرت مریم رضی اللہ عنہا نے حضرت عمران کی زوجہ مطہرہ کا بتادیا تو فرعون نے کہا: اس کو بلالاؤ۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

(اس نے کہا) فرماؤ تو میں اس کو بھی بلالاؤں فرعون بولا فوراً لاؤ۔(تفسیر نعیمی:ج:1،ص:373 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا والدہ محترمہ کو لے آنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دودھ پینا

جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے کہا اس کو فوراً لاؤ تو آپ علیہ السلام کی بہن فوراً والدہ محترمہ کو لے آئیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ محترمہ کا دودھ پیا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

فرعون بولا فوراً لاؤ تو وہ اپنی والدہ محترمہ کو لے گئیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دودھ پیا۔

(تفسیر نعیمی:ج:1،ص:373 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

رب تعالیٰ کی قدرت

رب تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جو کچھ کرنا چاہے اسے اس پر قدرت حاصل ہے فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کے لئے قتل و غارت کا بازار گرم کیا مگر رب تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اس سے محفوظ رکھا پھر والدہ محترمہ کو قتل کا خوف ہوا تو رب تعالیٰ نے دریا میں ڈالنے کا حکم فرمایا اور ساتھ یہ تسلی فرمائی کہ بے شک اس کو تمہارے پاس لائیں گے۔فرعون نے اٹھایا رب تعالیٰ نے دل میں محبت ڈال دی سب دائیوں کو دودھ کے لئے بلایا مگر رب تعالیٰ نے ان سب کا دودھ منع فرمادیا اور اسی والدہ محترمہ سے دودھ پلوایا جس کو واپس کرنے پر تسلی عطا فرمائی تھی۔یہ سب رب تعالیٰ کی قدرت عظیمہ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا والدہ محترمہ کی گود میں سونا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو والدہ محترمہ نے دودھ پلایا تو آپ علیہ السلام اپنی والدہ محترمہ کی گود میں سو گئے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دودھ پیا اوران کی گود میں سو گئے۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:373 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

امام عبد الرحمان بن علی الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ آئیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کا دودھ پیا اور سو گئے۔

(المنتظم: ج:1، ص:218 مطبوعہ بیروت)

ہامان کا کہنا تم ضرور اس بچہ کی ماں ہو؟

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ محترمہ کا دودھ پی کر سکون سے گود میں سو گئے تو ہامان بد بخت نے کہا: تم ضرور اس بچہ کی ماں ہو؟

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ محترمہ کے دودھ کو قبول کر لیا تو ہامان نے ان سے کہا تم ضرور اس بچہ کی ماں ہو؟

(تفسیر کبیر: ج:8، ص:583 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا انکار

جب ہامان نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ سے کہا تم ضرور اس بچہ کی ماں ہو تو آپ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے کہا نہیں۔

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

ہامان نے ان سے کہا:

تم ضرور اس بچہ کی ماں ہو؟

انہوں نے کہا:

نہیں۔ (تفسیر کبیر: ج:8، ص:583 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے جھوٹ بولا

جب نبی جھوٹ بولنے سے منزہ ہے تو پھر ان کی والدہ محترمہ جھوٹ جیسا کبیرہ گناہ کیونکر کر سکتی ہیں۔

جان، مال اور عزت بچانے کے لئے جھوٹ بولنے کی اجازت

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی 1252ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ نیک مقصد جس کو صدق اور کذب دونوں سے حاصل کیا جا سکتا ہو اس میں جھوٹ بولنا حرام ہے اور اگر کسی نیک مقصد

کو صرف جھوٹ بولنے سے حاصل کیا جا سکتا ہو اور وہ مقصد مباح ہو تو اس کے لئے جھوٹ بولنا مباح ہے اور اگر کسی نیک مقصد کو صرف جھوٹ بولنے سے حاصل کیا جا سکتا ہو اور وہ مقصد واجب ہو تو اس کے لئے جھوٹ بولنا واجب ہے مثلاً کسی شخص نے دیکھا کہ ایک ظالم کسی بے گناہ مسلمان کو قتل کر رہا ہے یا ایذاء پہنچا رہا ہے اور وہ جھوٹ بول کر اس کو بچا سکتا ہے تو اس صورت میں جھوٹ بولنا واجب ہے اسی طرح اگر ظالم اس سے کسی مسلمان کی امانت چھیننا چاہتا ہے تو اس کے لئے جھوٹ بولنا واجب ہے اسی طرح لڑائی میں صلح کرانے کے لئے اور کسی مظلوم کی دلجوئی کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے اسی طرح اگر کسی شخص نے چھپ کر زنا کیا یا شراب پی یا حاکم اس کے متعلق سوال کرے تو اس کے لئے یہ کہنا جائز ہے کہ یہ کام میں نے نہیں کیا کیونکہ یہ کام ہر چند کہ بے حیائی ہے، لیکن اس کا اظہار کرنا ایک اور بے حیائی ہے اسی طرح اس کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کا راز بتانے سے انکار کرے اور یہ دیکھنا چاہئے کہ جھوٹ بولنے پر جو خرابی مترتب ہو رہی ہے آیا وہ سچ پر مترتب ہونے والی خرابی سے زیادہ ہے یا نہیں۔ اگر جھوٹ بولنے سے زیادہ خرابی مترتب ہو تو جھوٹ نہ بولے ورنہ جھوٹ بول سکتا ہے اگر جھوٹ بولنے سے انسان کا اپنا حق ضائع ہوتا ہے تو عزیمت یہ ہے کہ جھوٹ نہ بولے اگر دوسرے مسلمان کا حق ضائع ہوتا ہے تو پھر اس پر واجب ہے کہ وہ جھوٹ بولے اور دوسرے مسلمان کے حق کی حفاظت کرے۔ (ردالمحتار: ج:5، ص:377 مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول)

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی 1088ھ لکھتے ہیں:

اپنے حق کو ثابت کرنے کے لئے اور اپنی ذات سے ظلم کو دور کرنے کے لئے جھوٹ بولنا مباح ہے اور اس سے مراد تعریض ہے کیونکہ بعینہ جھوٹ بولنا حرام ہے۔ (درمختار: ج:9، ص:535 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

جھوٹ سے بچنے کے لئے کلام میں تعریض استعمال کرنا

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک تعریض میں جھوٹ سے بچنے کی گنجائش ہے۔ (السنن الکبریٰ: ج:10، ص:199)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مسلمان کو جھوٹ سے بچنے کے لئے معاریض کافی ہیں۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مسلمان کو جھوٹ سے بچنے کے لئے جھوٹ میں بڑی گنجائش ہے۔ (الادب المفرد: رقم الحدیث:909 دار المعرفۃ بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا بیمار تھا وہ فوت ہو گیا۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ گھر سے باہر گئے ہوئے تھے ان کی بیوی حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے جب دیکھا کہ بچہ فوت ہو گیا تو انہوں نے اس کو گھر کی ایک جانب لٹا دیا اور جب حضرت ابوطلحہ

رضی اللہ عنہ گھر آئے اور بچہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: اس کو آرام ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ راحت میں ہے اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ان کو سچی گمان کیا۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 1301)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین جھوٹ بولے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3358)

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ اسی حدیث مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں۔

اس حدیث مبارکہ کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جھوٹا قرار دینے سے بہتر یہ ہے کہ ان راویوں کو جھوٹا کہا جائے جنہوں نے یہ حدیث روایت کی ہے کیونکہ اس پر قطعی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی مصلحت کی وجہ سے انبیاء کرام علیہم السلام کا جھوٹ بولنا جائز ہو تو یہ احتمال ان کی ہر حدیث مبارکہ میں جاری ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی خبر دیں گے اس میں یہ احتمال ہو گا کہ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے کسی مصلحت سے جھوٹ بولا ہو اور اس سے شریعت پر اعتماد ختم ہو جائے گا اور ہر بات پر جھوٹ کی تہمت ہوگی اور اگر بالفرض یہ حدیث مبارکہ صحیح ہو تو یہ معاریض پر محمول ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے معاریض میں جھوٹ سے بچنے کی گنجائش ہے۔ (تفسیر کبیر: ج: 8، ص: 156 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

ان فی معاریض الکلام مندوحة عن الکذب ۔

اس اثر کو امام بخاری نے الادب المفرد میں اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے التہذیب میں اور امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے معجم الکبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ایک اور سند کے ساتھ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے یعنی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اسی طرح امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مرفوعاً روایت کیا ہے۔

جوہری کہتے ہیں کہ

تعریض اس کلام کو کہتے ہیں جو تصریح کے خلاف ہو اور کلام میں معاریض کا معنیٰ یہ ہے ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ توریہ کیا جائے۔

اور الراغب نے کہا ہے کہ

تعریض اس کلام کو کہتے ہیں جس کے صدق اور کذب کے دو محمل ہوں یا ظاہر اور باطن کے دو محمل ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ (البقرہ: 235)

یعنی اگر تم عدت میں بیٹھی ہوئی عورت کو تعریض کے ساتھ نکاح کا پیغام دو تو کوئی حرج نہیں ہے مثلاً کہو تم خوبصورت ہو یا تم میں تو مرد بہت رغبت کرتے ہوں گے۔

لیکن اولیٰ یہ ہے کہ ایک کلام کے دو محمل ہوں۔ ایک کو مطلق کہا جائے اور دوسرا اس کو لازم ہو اور وہی مراد ہو۔ تعریض اور کنایہ میں فرق کا بہت سوال کیا جاتا ہے۔(فتح الباری: ج:12 ص:239 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

کنایہ اور تعریض میں فرق یہ ہے کہ

کنایہ کی تعریف یہ ہے کہ دل میں ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ تشبیہ دی جائے ذکر مشبہ کا ہو مراد بھی مشبہ ہو لیکن مشبہ بہ کے لوازم اور مناسبات کے ذکر کی وجہ سے ذہن مشبہ بہ کی طرف منتقل ہو جیسا کہ مصرع میں ہے۔

انشبت المنية اظفارها ۔

یعنی موت نے اپنے پنجے گاڑ دیئے۔

موت کو درندہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے موت مشبہ اور درندہ مشبہ بہ ہے ناخن درندہ کو لازم ہے اور گاڑنا ان کے مناسبات میں سے ہے ذکر موت کا ہے اور مراد بھی موت ہے، لیکن ناخنوں اور گاڑنے کی وجہ سے ذہن درندہ کی طرف متوجہ ہے یہ استعارہ بالکنایہ ہے اور ناخنوں کا ذکر استعارہ تخیلیہ ہے اور گاڑنے کا ذکر استعارہ ترشیحیہ ہے۔

اور تعریض یہ ہے کہ

کلام میں متکلم نے جس چیز کی طرف صراحتاً نسبت کی ہے وہ اس کا ارادہ نہ کرے بلکہ جس کی طرف اس نے اشارۃً نسبت کی ہے اس کا ارادہ کرے جیسا کہ جب عورت عدت میں بیٹھی ہو تو اس کو صراحتاً نکاح کا پیغام دینا منع ہے، لیکن تعریضاً نکاح کا پیغام دینا جائز ہے مثلاً اس سے کہے تم بہت حسین ہو یا کہے تم جیسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے تو بہت سے مرد رغبت کرتے ہیں۔ اب صراحتاً تو یہ کہا ہے کہ لوگ اس سے نکاح کی رغبت کرتے ہیں اور اس میں تعریضاً یہ کہا ہے کہ وہ خود اس سے نکاح میں رغبت کرتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ (البقرہ:235)

اور اگر تم نے (عدت والی) عورت کو بغیر صراحت کے نکاح کا پیغام دیا تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں تعریض کا استعمال

قرآن مجید میں تعریض کی مثال یہ ہے۔

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (الزمر:65)

اور اگر آپ نے (بالفرض) شرک کیا تو آپ کے عمل ضائع ہو جائیں گے۔

اس آیت کریمہ میں صراحت سے آپ کی طرف شرک کرنے کی نسبت ہے لیکن مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔

اور حدیث مبارکہ میں اس کی مثال یہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے کسی پر تعریضاً تہمت لگائی تو ہم بھی اس کو تعریضاً حد لگائیں گے۔ (سنن کبریٰ: ج:8، ص:43)

یعنی ہم اس پر حد جاری نہیں کریں گے بلکہ اس پر تعزیر جاری کریں گے۔

اس بارے میں دوسری احادیث مبارکہ درج ذیل ہیں۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی غزوہ میں جاتے تو اس کا توریہ کسی اور غزوہ سے کرتے (یعنی جہاں آپ کا قصد ہوتا اس کے بجائے کسی اور جگہ کا کنایۃً ذکر کرتے) حتیٰ کہ غزوہ تبوک آ گیا۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث:4418)

اس حدیث مبارکہ میں تعریض کے ساتھ کلام کرنے کی تصریح ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کو طلب کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں تمہیں اونٹنی کے بچہ پر سوار کروں گا۔

اس نے عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اونٹنی کے بچہ کا کیا کروں گا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تمام اونٹ اونٹنیوں کے بچے ہی ہوتے ہیں۔ (سنن ترمذی: رقم الحدیث:1991)

اس حدیث مبارکہ سے وجہ استدلال یہ ہے کہ ایک شخص نے سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ کا بچہ فرما رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد اونٹ کا بیٹا تھی۔

حضرت حسن سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بوڑھی عورت آئی اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے جنت میں داخل کر دے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے فلاں کی ماں! بے شک جنت میں کوئی بوڑھی عورت نہیں جائے گی۔

وہ عورت واپس جا کر رونے لگی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کوئی عورت بڑھاپے کی حالت میں جنت میں نہیں جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءًo فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًاo عُرُبًا اَتْرَابًا o (الواقعہ:35 تا37)

ہم نے جنتیوں کی بیویوں کو بنایا ہے ہم نے ان کو کنواریاں بنایا ہے محبت کرنے والیاں اور ہم عمر۔

(شمائل ترمذی: رقم الحدیث: 241)

اس حدیث مبارکہ سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اس بڑھیا نے سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے متعلق فرما رہے ہیں حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک آدمی جس کا نام زاہر بن حرام تھا وہ دیہات میں رہتا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے گاؤں سے ہدیے اور تحفے لاتا تھا اور جب وہ جانے لگا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کو کچھ سامان دیتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے زاہر ہمارا دیہاتی ہے اور ہم اس کے شہری ہیں۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا تھا اور وہ بدشکل تھا۔ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس اس وقت گئے جب وہ سودا بیچ رہا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے سے آ کر اس سے اس طرح بغل گیر ہوئے کہ وہ دیکھ نہیں سکا۔

اس نے عرض کیا:

کون ہے؟ مجھے چھوڑ دو پھر اس نے مڑ کر دیکھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا پھر اس نے اپنی پیٹھ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے سے چپکائے رکھا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔

یہ عبد (غلام) کون خریدے گا؟

اس نے عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تب مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھوٹا پائیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لیکن تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک کھوٹے نہیں ہو۔ (شمائل ترمذی: رقم الحدیث:240)

اس حدیث مبارکہ سے وجہ استدلال یہ ہے کہ بہ ظاہر عبد سے مراد غلام تھی لیکن وہ آزاد شخص تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے مراد تھی اللہ تعالیٰ کا بندہ۔

الزبیر بن بکار نے کتاب الفاکہہ میں زید بن اسلم سے مرسلاً روایت کیا ہے: ایک عورت جس کا نام ام ایمن تھا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا میرا خاوند آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا رہا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔

وہ کون ہے؟ کیا وہی جس کی آنکھوں میں سفیدی ہے؟

اس نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ کی قسم! اس کی آنکھوں میں سفیدی نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اس کی آنکھوں میں سفیدی ہے۔

اس نے عرض کیا:

نہیں! اللہ تعالیٰ کی قسم!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہر شخص کی آنکھوں میں سفیدی ہوتی ہے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد: ج:7،ص:114 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس حدیث مبارکہ سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اس عورت نے آنکھوں میں سفیدی سے یہ سمجھا کہ اس کے شوہر کی آنکھوں میں کوئی بیماری ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے مراد وہ سفیدی ہے جو ہر شخص کی آنکھوں میں ہوتی ہے۔

ان احادیث مبارکہ سے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 505ھ نے بھی کلام میں تعریض کے جواز پر استدلال کیا ہے۔

(احیاء العلوم: ج:3،ص:126 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ہامان کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ سے دودھ پینے کی وجہ پوچھنا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے ہامان کو بچہ نہ ہونے کا بتایا تو اس نے کہا: پھر وجہ کیا ہے: اس بچے نے تمہارے سوا اور کسی کا دودھ قبول نہیں کیا۔

امام فخر الدین رازی حنفی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

(کچھ روایت کے بعد ہے) اس نے کہا:

پھر کیا وجہ ہے کہ اس بچہ نے تمہارے سوا اور کسی کا دودھ نہیں قبول کیا۔

(تفسیر کبیر: ج:8،ص:583 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا خود کو پاکیزہ، خوشبو لگانے والی عورت کہنا

جب ہامان نے پوچھا کہ پھر کیا وجہ ہے کہ تمہارے سوا اس بچے نے کسی کا دودھ قبول نہیں کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے جواب ارشاد فرمایا: میں پاکیزہ اور خوشبو لگانے والی عورت ہوں اور میرا دودھ میٹھا ہے یہی تو وجہ ہے کہ اس بچہ نے مجھے سونگھتے ہی میرے دودھ کو قبول کر لیا۔

امام فخر الدین رازی حنفی متوفی 606ھ لکھتے ہیں: حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔

(کچھ روایت کے بعد ہے) انہوں نے کہا:

اے بادشاہ! میں صاف ستھری اور خوشبو لگانے والی عورت ہوں اور میرا دودھ میٹھا ہے یہی وجہ ہے کہ اس بچہ نے مجھے سونگھتے ہی میرے دودھ کو قبول کر لیا۔ (تفسیر کبیر: ج:8، ص:583 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فرعونیوں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کی بات کو سچا قرار دینا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے خود کو پاکیزہ اور خوشبو لگانے والی اور میٹھا دودھ والی عورت کہا تو فرعونیوں نے کہا: تم نے سچ کہا ہے۔

امام فخر الدین رازی حنفی متوفی 606ھ لکھتے ہیں: حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

(کچھ روایت کے بعد ہے) فرعونیوں نے کہا:

تم نے سچ کہا ہے۔ (تفسیر کبیر: ج:8، ص:583 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قوم فرعون کے تمام لوگوں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کو سونے اور جواہر تحفے میں دینا

قوم فرعون کے تمام لوگ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات سے راضی اور خوش ہو گئے تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کو سونے اور جواہر کے تحائف دیئے۔

امام فخر الدین رازی حنفی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

(روایت کے آخر میں ہے) پھر قوم فرعون کے تمام لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کو سونے اور جواہر کے ہدیے اور تحائف دیئے۔ (تفسیر کبیر: ج:8، ص:583 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کی آنکھیں ٹھنڈی ہونا

اللہ تعالیٰ نے جب دریا میں ڈالنے کا حکم فرمایا تھا تو ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ بے شک ہم اسے آپ کی طرف واپس لوٹا دیں گے تو اللہ تعالیٰ نے اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آپ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کی طرف واپس لوٹا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ وَ لِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۠

(القصص:13)

تو ہم نے موسیٰ کو اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور غم نہ کرے اور وہ یقین کر لے کہ

اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے' لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ؕ (طٰہٰ:40)

پھر ہم نے آپ کو آپ کی ماں کی طرف لوٹا دیا تا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور غم نہ کریں۔

اکثر لوگوں کے نہ جاننے کا محامل

اکثر لوگوں کے نہ جاننے کے درج ذیل محامل ہیں۔

1- اس زمانہ میں اور اس کے بعد بھی اکثر لوگ اس لیے نہیں جانتے تھے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں غور وفکر کرنے سے اعراض کرتے تھے۔

2- حضرت ضحاک اور مقاتل رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا:

اہل مصر کو یہ علم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں سے یہ وعدہ کیا ہے: وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی طرف لوٹا دیں گے۔

3- اس آیت کریمہ میں اگرچہ یہ فرمایا ہے کہ اکثر لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرمانے والا ہے اور نہ جاننے کی نسبت لوگوں کی طرف کی ہے' لیکن درحقیقت یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کی طرف تعریض ہے صراحتاً نہ جاننے کی نسبت لوگوں کی طرف ہے اور مراد وہ ہیں کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کے پاس پہنچنے کے بعد ان کو بہت غم ہوا تھا اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بہت فکر مند تھیں جبکہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کرنے کی وجہ سے ان کو مطمئن ہو جانا چاہیے تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جلد ان سے ملا دے گا لیکن بہرحال والدہ محترمہ کی ماتا بھی ایک طبعی چیز ہے اور وہ اپنے طبعی تقاضوں کو ختم کرنے پر قادر نہیں تھیں۔

4- اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو ان کی طرف لوٹا دیا تا کہ ان کو یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی طرف واپس کرنے سے اصل مقصود ایک دینی غرض تھی اور وہ یہ تھی کہ فرعون کا منصوبہ ناکام ہو جائے لیکن اکثر لوگ یہ نہیں چاہتے تھے کہ اصل مقصود کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا غم دور ہو جائے اور ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں ان کا ذکر بالتبع تھا۔

(تفسیر کبیر: ج:8، ص:582، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلانے کے عوض روزانہ ایک اشرفی مقرر کرنا

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلانے کے عوض آپ علیہ السلام کی والدہ کو روزانہ ایک اشرفی دینے کی اجرت مقرر کر دی اور کہا تم اس بچے کی پرورش کرو۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

فرعون نے ان کی ایک اشرفی روزانہ اجرت مقرر کر دی اور کہا تم اس بچہ کی پرورش کرو۔

(تفسیر نعیمی: ج:1،ص:373 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

اللہ تعالیٰ نے خود فرعون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کروائی

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کے لئے بارہ ہزار بچے ذبح کروائے مگر رب تعالیٰ کی قدرت تو دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرعون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کروائی۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

قدرت کے قربان فرعون نے جس کے ڈر سے بارہ ہزار بچے ذبح کرائے اس کو خود پرورش کر رہا ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:1،ص:373 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے سونے کا گھوارہ بنوانا اور ناز و نعمت سے پرورش کرنا

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے سونے کا گھوارہ بنوایا اور آپ علیہ السلام کی ناز و نعمت سے پرورش کی۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

(حضرت) آسیہ (رضی اللہ عنہا) نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے سونے کا گھوارہ تیار کروایا اور بہت ناز و نعمت سے ان کی پرورش کی۔ (تفسیر نعیمی: ج:1،ص:373 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

دو برس تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کو والدہ محترمہ کا پرورش کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے آپ علیہ السلام کی دو برس تک پرورش کی۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

دو برس تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے ان کی پرورش کی۔ (تفسیر نعیمی: ج:1،ص:373 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

دودھ پلانے کی مدت

بچے کو دودھ پلانے کی مدت کتنی ہے اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

آئمہ ثلاثہ کا موقف

قاضی ضیاء الدین ابو عمرو مارانی شافعی المتوفی 602ھ لکھتے ہیں:

ہمارے امام شافعی رضی اللہ عنہ، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور ایک روایت میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ بچہ کو دودھ پلانے کی انتہائی مدت دو سال ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مذہب ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دیگر امہات المومنین رضی اللہ عنہن کا بھی یہی مذہب ہے۔

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ

اس کی مدت پچیس ماہ ہے۔

اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی مدت تیس ماہ ہے اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی مدت تین سال یعنی چھتیس ماہ ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ط (البقرہ:233)

اور مائیں اپنے بچوں کو مکمل دو سال تک دودھ پلائیں یہ (مدت) ان کے لئے ہے جو دودھ پلانے کی مدت کو مکمل کرنے کا ارادہ کریں۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ

دودھ پلانے کی مدت صرف دو سال ہے۔ (سنن بیہقی: ج:7، ص:462)

اور اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ (لقمان:14)

دودھ چھڑانا دو سال میں ہے۔

اور قرآن مجید میں ہے:

وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ط (الاحقاف:15)

اور حمل کی مدت اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے۔

اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مذہب یہ ہے کہ

حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے تو پھر واجب ہے کہ دودھ چھڑانے کی مدت دو سال ہو۔

اور ابن کثیر نے کہا ہے کہ

اس آیت کریمہ سے یہ استنباط کرنا کہ کم از کم مدت حمل چھ ماہ ہے بہت قوی استنباط ہے۔

امام محمد بن اسحاق نے بعجہ بن عبد اللہ الجہنی سے روایت کیا ہے کہ

ہم میں سے ایک شخص نے جہینہ کی عورت سے نکاح کیا۔ نکاح کے پورے چھ ماہ بعد اس نے بچہ کو جنم دیا۔ اس کے شوہر

نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر یہ واقعہ بیان کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو رجم کرنے کا حکم دیا۔
جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔
یہ آپ رضی اللہ عنہ کیا کر رہے ہیں؟
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
اس نے نکاح کے پورے چھ ماہ بعد بچہ کو جنم دیا ہے کیا ایسا ہو سکتا ہے؟
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
کیا آپ رضی اللہ عنہ قرآن نہیں پڑھتے۔
آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
کیوں نہیں۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
قرآن مجید میں ہے:
وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ (الاحقاف:15)
حمل کی مدت اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے۔
اور دوسری آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا:
وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ (لقمان:14)
دودھ چھڑانا دو سال میں ہے۔
جب تیس ماہ میں سے دودھ چھڑانے کے دو سال نکال لیے تو حمل کی مدت کے لئے چھ ماہ بچے۔
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
میں اس نکتہ کو پہلے نہیں سمجھا تھا۔
اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا ہے کہ
الاحقاف:15 میں حمل سے مراد بچے کو پیٹ میں اٹھانا نہیں ہے کیونکہ اس کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے۔ بلکہ حمل سے مراد بچے کو ہاتھ میں یا گود میں اٹھانا ہے یعنی بچہ کو ہاتھ میں اٹھانے اور اس کے دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے۔
اس استدلال پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ
حمل کی یہ تفسیر خلاف ظاہر ہے اور اس کے معارض حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی احادیث مبارکہ ہیں جنہوں نے تصریح کی ہے کہ حمل سے مراد بچہ کو پیٹ میں اٹھانا ہے اور اس کے خلاف کوئی حدیث مبارکہ نہیں ہے۔
(تکملہ المجموع من شرح المہذب ج:22 ص:148 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ موفق الدین عبداللہ احمد بن قدامہ حنبلی متوفی 620ھ لکھتے ہیں:

جس دودھ پلانے سے تحریم ثابت ہوتی ہے اس کی مدت دو سال ہے یہ اکثر اہل علم کا قول ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہی مذہب ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ باقی امہات المومنین کا بھی یہی مذہب ہے۔ آئمہ کرام میں سے شعبی، ابن شبرمہ، اوزاعی، شافعی، اسحاق، ابو یوسف، محمد اور ابو یوسف کا بھی یہی مذہب ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ (المغنی: ج:8،ص:142 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

احناف کا موقف

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی حنفی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

دودھ پلانے کی مدت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تیس ماہ ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو سال ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے اور اس کو پیٹ میں اٹھانا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس ماہ میں تھا۔ (الاحقاف:15) اور کم از کم حمل کی مدت چھ ماہ ہے تو دودھ چھڑانے کے لئے دو سال بچے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دو سال کے بعد دودھ پلانا شرعاً نہیں ہے۔

اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کا ذکر فرمایا (یعنی حمل کا اور دودھ چھڑانے کا) اور دونوں کی مدت تیس ماہ بیان کی۔ پس ان میں سے ہر ایک (حمل اور دودھ چھڑانے) کی مدت مکمل تیس ماہ ہے جیسے دو قرضوں کی مدت بیان کی جائے لیکن ان میں سے ایک (یعنی حمل) کی مدت اڑھائی سال سے چھ ماہ کم ہونے پر دلیل قائم ہے (اور وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مبارکہ ہے) تو دوسرے (یعنی دودھ چھڑانے) کی کل مدت اپنے ظاہر پر تیس ماہ رہے گی اور اس لیے بھی کہ غذا کا متغیر ہونا ضروری ہے تاکہ بچہ کے جسم کی نشوونما جو دودھ سے ہو رہی تھی وہ غذا کی طرف منتقل ہو سکے اور اتنی مدت گزر جائے کہ بچہ کا جسم دوسری غذا کا عادی ہو سکے اس لیے اس کی مدت کا اندازہ دو سال کے بعد کم از کم مدت حمل سے کیا گیا۔

اس لیے کہ وہ مدت تغیر کرنے والی ہے کیونکہ پیٹ کے بچہ کی غذا دودھ پیتے بچے کی غذا کے مغائر ہے جس طرح دودھ پیتے بچے کی غذا روٹی کھانے والے بچے کی غذا کے مغائر ہے۔

اور حدیث مبارکہ میں جو ارشاد ہے کہ

دو سال کے بعد دودھ پلانا نہیں ہے اس کا مطلب ہے دو سال کے بعد دودھ پلانے کا استحقاق نہیں ہے۔ سو یہ مدت

استحقاق ہے مدت جواز نہیں ہے اور قرآن مجید میں جو ہے۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ (البقرہ:233)

اور مائیں مکمل دو سال دودھ پلائیں۔

یہ دو سال کی مدت بھی بچہ کے استحقاق کی مدت ہے دودھ پلانے کے جواز کی مدت نہیں ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد ارشاد فرمایا:

فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ (البقرہ:233)

پھر اگر ماں باپ اپنی رضامندی اور باہمی مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تمہارا ارادہ اپنی اولاد کو دودھ پلوانے کا ہو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں۔ (ہدایہ اولین، ص:350 مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

علامہ محمد بن محمد حصکفی حنفی متوفی 1088ھ لکھتے ہیں:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دودھ پلانے کی انتہائی مدت اڑھائی سال ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ مدت فقط دو سال ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے۔

وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ (الاحقاف:15)

یعنی حمل اور دودھ چھڑانے، ان میں سے ہر ایک کی مدت تیس ماہ ہے۔

البتہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مبارکہ کی بناء پر حمل کی مدت سے چھ ماہ کم کیے گئے ہیں۔

وہ حدیث مبارکہ یہ ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

حمل کی مدت دو سال سے صرف اتنی زیادہ ہے جتنی مدت میں چرخے کا سایہ پھرتا ہے یعنی بہت کم۔

ایک روایت میں ہے۔

جتنی دیر چرخے کی لکڑی کا سایہ پھرتا ہے۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع کے بغیر اس مدت کو نہیں بیان کر سکتیں اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ اس آیت میں حمل کی کم از کم مدت کا بیان ہے اور وہ چھ ماہ ہے اور دودھ چھڑانے کی زیادہ سے زیادہ مدت کا بیان ہے اور وہ دو سال ہے اور آیت کریمہ میں دونوں کی مجموعی مدت کا بیان ہے اور وہ تیس ماہ ہے اور مقلد پر واجب ہے کہ وہ مجتہد کے قول پر عمل کرے خواہ اس کی دلیل ظاہر نہ ہو خواہ مفتی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دے۔ خواہ صاحبین کے قول پر فتویٰ دے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اعتبار قوت دلیل کا

ہے۔(درمختار و رد المحتار: ج:4، ص292 تا294 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی متوفی 1367ھ لکھتے ہیں:

بچہ کو دو برس تک دودھ پلایا جائے اس سے زیادہ کی اجازت نہیں دودھ پلانے والا لڑکا ہو یا لڑکی اور یہ جو بعض عوام میں مشہور ہے کہ لڑکی کو دو برس تک اور لڑکے کو اڑھائی برس تک دودھ پلا سکتے ہیں یہ صحیح نہیں یہ حکم دودھ پلانے کا ہے اور نکاح حرام ہونے کے لئے اڑھائی برس کا زمانہ ہے یعنی دو برس کے بعد اگرچہ دودھ پلانا حرام ہے مگر اڑھائی برس کے اندر اگر دودھ پلا دے گی حرمت نکاح ثابت ہو جائے گی اور اس کے بعد اگر پیا تو حرمت نکاح نہیں اگرچہ پلانا جائز نہیں۔

(بہار شریعت: ج:1، ص:19 مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کو پرورش کرنے کی مدت گزرنے پر ایک خچر بھرا ہوا سونا اور کئی اونٹ لدے ہوئے نفیس تحائف کے ساتھ دینا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے دو سال پرورش کر دی تو اس مدت کے گزرنے پر آپ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کو ایک خچر بھرا ہوا سونا اور کئی اونٹ لدے ہوئے دیگر نفیس تحائف کے ساتھ دے کر رخصت کیا گیا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

اس مدت کے گزرنے پر ایک خچر بھرا ہوا سونا اور کئی اونٹ لدے ہوئے دیگر نفیس تحفے دے کر عایذ (حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ) کو رخصت کیا۔(تفسیر نعیمی: ج:1، ص:373 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

بچہ کی پرورش پر اجرت لینا کیسا؟

ماں اپنے بچہ کی پرورش کرنے پر اجرت نہیں لے سکتی کیونکہ اس پر واجب ہے اور واجب کی اجرت منع ہے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

ماں اپنے بچہ کی پرورش پر اجرت نہیں لے سکتی کیونکہ (یہ) اس پر واجب ہے اور واجب کی اجرت لینا منع (ہے)

(تفسیر نعیمی: ج:1، ص:373 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے پرورش پر اجرت کیوں لی؟

موذی کافر کا مال اگر ہاتھ میں آئے تو لینا جائز ہے اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے فرعون سے مال لے لیا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

ماں اپنے بچہ کی پرورش پر اجرت نہیں لے سکتی کیونکہ اس پر واجب ہے اور واجب کی اجرت لینا منع مگر موذی کافر کا مال جس طرح ہاتھ لگے لینا جائز ہے اس لیے عایذ (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ) نے فرعون سے یہ مال لیا۔ نیز اگر

وہ فرمادیتیں کہ میں اس کی ماں ہوں تو قتل کردی۔ اس عذر کی وجہ سے بھی اجرت لینی جائز ہوئی۔

(تفسیر نعیمی: ج:1،ص:373 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

دو سال گزرنے کے بعد حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کا خود پرورش کرنا اور فرعون کا محبت کرنا

دو سال گزرنے کے بعد حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خود پرورش شروع کردی اور فرعون بھی آپ علیہ السلام سے محبت کرنے لگا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

پھر حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے خود ان کی پرورش شروع کردی اور فرعون بھی ان سے محبت کرنے لگا۔

(تفسیر نعیمی: ج:1،ص:373 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

تین برس کے ہونے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کو داڑھی سے پکڑ کر طمانچہ مارنا

تین برس کے ہونے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون ایک دن اپنی گود میں کھلا رہا تھا کہ اچانک آپ علیہ السلام نے فرعون کی داڑھی کو پکڑ کر طمانچہ ماردیا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

جب آپ علیہ السلام تین برس کے ہوئے تو ایک دن فرعون آپ علیہ السلام کو گود میں کھلا رہا تھا کہ اچانک آپ علیہ السلام نے اس کی داڑھی پکڑ کر ایک طمانچہ مارا۔ (تفسیر نعیمی: ج:1،ص:373 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کی داڑھی پکڑ کر کھینچنا

ایک قول کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے داڑھی پکڑ کر طمانچہ مارا اور دوسرے قول کے مطابق داڑھی کو کھینچا۔

امام عبدالرحمان بن علی الجوزی المتوفی 597ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دودھ پینے کی مدت ختم ہوگئی تو ایک دن فرعون ان کو اپنی گود میں لے کر بیٹھا ہوا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی داڑھی پکڑ کر کھینچ لی۔ (المنتظم: ج:1،ص:219 مطبوعہ بیروت)

فرعون کا غصہ ہو کر وہی بچہ کہنا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی داڑھی پکڑ کر کھینچی یا طمانچہ مارا تو فرعون کو غصہ آیا اور کہنے لگا کہ یہ وہی بچہ لگتا ہے اس نے میری بے حرمتی کی ہے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

فرعون غصہ میں بھر کر (حضرت) آسیہ (رضی اللہ عنہا) سے بولا کہ یہ وہی بچہ معلوم ہوتا ہے دیکھو اس نے میری یہ بے حرمتی کی۔ (تفسیر نعیمی: ج:1،ص:373 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

فرعون کا جلاد کو بلا کر قتل کرنے کا قول

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی داڑھی پکڑ کر کھینچی تو اس نے کہا: جلاد کو بلاؤ کہ اس کو ابھی ذبح کراتے ہیں۔

امام عبدالرحمان بن علی الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

فرعون نے کہا: جلاد کو بلاؤ اس کو ابھی ذبح کراتے ہیں۔ (المنتظم: ج:1،ص:218 مطبوعہ بیروت)

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کا ناسمجھ بچہ کہہ کر بات کو ٹالنا

جب فرعون نے کہا: اس نے میری بے حرمتی کی ہے جلاد کو بلاؤ تا کہ اس کو ذبح کراتے ہیں تو حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ بچے ناسمجھ ہوتے ہیں ان کے کسی کام کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے یہ تو آگ میں بھی ہاتھ ڈال دیتے ہیں۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں کہ

بچے ناسمجھ ہوتے ہیں ان کے فعل کا اعتبار نہ کرنا چاہیے یہ تو آگ میں بھی ہاتھ ڈال دیتے ہیں۔

(تفسیر نعیمی: ج:1،ص:373 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آگ کے ذریعے امتحان لینے کا کہنا

جب حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: بچے ناسمجھ ہوتے ہیں یہ تو آگ میں بھی ہاتھ ڈال دیتے ہیں تو فرعون نے کہا: اس کا امتحان کر لیتے ہیں ایک طشت میں سونا رکھ دو اور دوسرے میں آگ رکھ دو اگر اس نے آگ میں ہاتھ ڈال دیا تو تم ٹھیک کہتی ہو ورنہ یہ وہی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسی طرح کیا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

فرعون نے کہا:

اچھا امتحان کرو ایک طشت میں سونا رکھ دو دوسرے میں آگ اگر یہ آگ میں ہاتھ ڈال دے تو واقعی تم ٹھیک کہتی ہو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (تفسیر نعیمی: ج:1،ص:373 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رخ تبدیل کر دینا

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا امتحان لینے کے لئے ایک طشت میں سونا رکھوایا اور دوسرے میں آگ تو قریب تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سونے کی طرف دوڑتے مگر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کا رخ آگ کی طرف کر دیا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

قریب تھا کہ آپ علیہ السلام سونے کی طرف دوڑتے مگر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کا رخ آگ کی

طرف کر دیا۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:373 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بڑا انگارہ اٹھا کر منہ میں ڈالنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے انگارے کی طرف بڑھے اور اس کو منہ میں ڈال لیا جس کی وجہ سے زبان پاک جل گئی اور اس میں لکنت پیدا ہو گئی۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

آپ علیہ السلام نے آگ میں ہاتھ ڈال کر ایک بڑا سا انگارہ منہ میں رکھ لیا جس سے آپ علیہ السلام کی زبان جل گئی اور آپ علیہ السلام کو لکنت ہو گئی۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:373 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

امام عبد الرحمان بن علی الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

یہ نا سمجھ بچہ ہے پھر اس نے یاقوت اور انگارے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے ڈالے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انگارہ اٹھا کر منہ میں ڈال لیا جس سے ان کی زبان مقدس جل گئی اور اس میں لکنت پیدا ہو گئی جس کو دور کرنے کے لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی۔

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۝ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ۝ (طٰہٰ:27،28)

اور میری زبان کی گرہ کھول دے تا کہ لوگ میری بات سمجھ لیں۔ (المنتظم: ج:1، ص:219 مطبوعہ بیروت)

فرعون کو حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کی بات پر پورا یقین ہوا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انگارے کو منہ میں ڈالا اور زبان اقدس جل گئی تو فرعون کو حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کی بات کا پورا یقین ہوا کہ بچے نا سمجھ ہوتے ہیں وہ تو آگ میں بھی ہاتھ ڈال دیتے ہیں۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

آپ علیہ السلام نے آگ میں ہاتھ ڈال کر ایک بڑا سا انگارہ منہ میں رکھ لیا جس سے آپ علیہ السلام کی زبان جل گئی اور آپ علیہ السلام کو لکنت ہو گئی۔ تب فرعون کو (حضرت) آسیہ (رضی اللہ عنہا) کی بات پر پورا یقین ہوا۔

(تفسیر نعیمی: ج:1، ص:373 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

زمانہ پرورش میں فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہت سے معجزے دیکھنا

زمانہ پرورش میں فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہت سے معجزے دیکھے جو کہ درج ذیل ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مرغ سے تسبیح پڑھوانے کا معجزہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں سے ہے کہ آپ علیہ السلام نے بچپن میں مرغ سے تسبیح پڑھوائی جو کہ فرعون نے

دیکھا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہی۔

آپ علیہ السلام کے زمانہ پرورش میں فرعون نے آپ علیہ السلام کے بہت سے معجزے دیکھے ایک بار آپ علیہ السلام نے مرغ سے تسبیح پڑھوائی۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:373 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پکے ہوئے مرغ کو زندہ کرنے کا معجزہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بچپن میں ایک بار پکے ہوئے مرغ کو زندہ کیا جو کہ آپ علیہ السلام کا معجزہ ہے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

ایک بار (حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بچپن میں) پکے ہوئے مرغ کو زندہ فرمایا۔

(تفسیر نعیمی: ج:1، ص:373 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

معجزہ کی تعریفات

معجزہ کی تعریف میں علماء کرام کے چند اقوال ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی شافعی کا قول

علامہ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی شافعی متوفی 450ھ لکھتے ہیں:

معجزہ اس فعل کو کہتے ہیں جو عام بشر کی عادت اور اس کی طاقت کے خلاف ہو اور وہ فعل حقیقتاً صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت سے صادر ہوا ہو اور بہ ظاہر وہ مدعی نبوت سے صادر ہوا ہو۔ (اعلام النبوہ: ص:42 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی کا قول

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی 793ھ لکھتے ہیں:

معجزہ وہ کام ہے جو خرق عادت ہو اور اس کے ساتھ اس کے معارضہ کا چیلنج مقرون ہو اور اس کا معارضہ نہ کیا جا سکے۔

ایک قول یہ ہے کہ

معجزہ وہ امر ہے جس سے نبوت یا رسالت کے مدعی کے صدق کے اظہار کا قصد کیا گیا ہو۔

اور بعض علماء کرام نے اس میں یہ قید بھی لگائی ہے کہ

وہ امر اس کے دعویٰ کے موافق ہو۔

اور بعض علماء کرام نے یہ قید بھی لگائی ہے کہ

وہ امر زمانہ تکلف کے مقارن ہو کیونکہ ایام تکلیف کے ختم ہونے کے بعد بھی خوارق کا ظہور ہو گا لیکن ان سے تصدیق کا قصد نہیں کیا جائے گا۔ (شرح المقاصد: ج:5، ص:11 مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران)

علامہ میر سیّد شریف علی بن محمد جرجانی کا قول

علامہ سیّد شریف علی بن محمد جرجانی حنفی متوفی 816ھ لکھتے ہیں:

وہ کام جو اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ کے خلاف ہو اور خیر اور سعادت کی دعوت دیتا ہو اور اس کام کو پیش کرنے والا نبوت کا مدعی ہو اور اس خلاف عادت کام سے اس کے اس دعویٰ کے صدق کے اظہار کا قصد کیا گیا ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے اسی خلاف عادت کام کو معجزہ کہتے ہیں۔ (کتاب التعریفات: ص: 153 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ کمال الدین عبد الواحد بن ہمام کا قول

علامہ کمال الدین عبد الواحد بن ہمام حنفی متوفی 861ھ لکھتے ہیں:

معجزہ اس خلاف عادت کام کو کہتے ہیں جو دعویٰ نبوت سے مقرون ہو اور اس سے نبوت کے مدعی کا صدق ظاہر ہو۔

(المسامرہ: ص: 213 مطبوعہ دائرۃ المعارف اسلامیہ مکران بلوچستان)

معجزہ کی شرائط

علامہ احمد بن محمد قسطلانی متوفی 923ھ لکھتے ہیں:

معجزہ وہ کام ہے جو خلاف عادت ہو اور معارضہ کے چیلنج کے ساتھ مقرون ہو اور انبیاء کرام علیہم السلام کے صدق پر دلالت کرتا ہو اس کو معجزہ اس لئے کہتے ہیں کہ بشر اس کی مثال لانے سے عاجز ہے۔

اس کی حسب ذیل شرائط ہیں۔

1- معجزہ وہ کام ہونا چاہئے جو خلاف عادت ہو جس طرح کہ

1- چاند کا دو ٹکڑے ہونا، 2- انگلیوں سے پانی کا پھوٹ پڑنا۔

3- لاٹھی کا اژدھا بن جانا، 4- پتھر سے اونٹنی کا نکلنا۔

اس قید سے وہ کام خارج ہو گئے جو عادت کے مطابق ہوں۔

2- اس فعل کے معارضہ اور مقابلہ کو طلب کیا جائے۔

اور بعض نے کہا:

اس فعل کے ساتھ رسالت کا دعویٰ مقرون ہو۔

3- مدعی رسالت نے جس فعل کو صادر کیا ہے کوئی شخص اس فعل کی مثل نہ لا سکے۔

اور بعض نے کہا:

معارضہ سے مامون ہونے کے ساتھ دعویٰ رسالت ہو اس قید سے وہ امور خلاف عادت نکل گئے جو دعویٰ نبوت سے پہلے صادر ہوں جیسے اعلان نبوت سے پہلے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بادل کا سایہ کرنا اور شق صدر وغیرہ ان کو ارحاص کہتے

ہیں اسی طرح اس قید سے اولیاء اللہ کی کرامات بھی خارج ہوگئیں کیونکہ ان کے ساتھ دعویٰ نبوت مقرون نہیں ہوتا۔

قاضی ابوبکر باقلانی نے کہا ہے کہ

معجزہ کی تعریف میں جو تحدی کی شرط لگائی گئی ہے یعنی اس فعل کے معارضہ اور مقابلہ کو طلب کیا جائے اس کی دلیل کتاب میں نہ سنت میں نہ اس پر اجماع ہے اور بے شمار معجزات ایسے ہیں جن کی صدور میں معارضہ اور مقابلہ کو طلب نہیں کیا جاتا مثال کے طور پر کنکریوں کا کلمہ پڑھنا، انگلیوں سے پانی کا پھوٹ پڑنا، ایک صاع (چار کلو گرام) طعام سے دو سو آدمیوں کو پیٹ بھر کر کھلا دینا، آنکھ میں لعاب دہن ڈالنا، بکری کے گوشت کا کلام کرنا، اونٹ کا شکایت کرنا اور بڑے بڑے معجزات اور تحقیق یہ ہے کہ سوائے قرآن مجید کے اور کسی معجزہ میں تحدی نہیں کی گئی۔

4۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ فعل مدعی نبوت کے دعویٰ کے موافق ہو اگر وہ خلاف عادت فعل مدعی نبوت کے خلاف ہو تو وہ معجزہ نہیں ہوگا بلکہ وہ اہانت ہوگی۔

واضح رہے کہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں معجزہ کا لفظ استعمال نہیں ہوا بلکہ معجزہ کے لئے آیت، بینہ اور برہان کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ (الانعام:124)

لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ (الاعراف:101)

فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ (القصص:32) (مواہب اللدنیہ: ج:2، ص 191 تا 194 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

معجزات کا انبیاء کرام علیہم السلام کے اختیار میں ہونا

معجزات کا انبیاء کرام علیہم السلام کے اختیار میں ہونے پر محدثین، فقہاء کرام اور متکلمین کے چند اقوال ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

امام محمد بن محمد غزالی کا قول

امام محمد بن محمد غزالی متوفی 505ھ لکھتے ہیں:

نبی کو فی نفسہ ایک ایسی صفت حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کے خلاف عادت افعال (معجزات) پورے ہوتے ہیں جس طرح ہماری ایک صفت ہے جس کی وجہ سے ہماری حرکات قدرت اور اختیار سے ہوتی ہیں اگرچہ قدرت اور مقدور دونوں اللہ تعالیٰ کا فعل ہیں۔ (احیاء العلوم: ج:5، ص:53 مطبوعہ دارالخیر بیروت)

علامہ عبدالرحمٰن بن محمد الانباری کا قول

علامہ عبدالرحمٰن بن محمد الانباری متوفی 577ھ لکھتے ہیں:

معجزہ کی شرط یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہو کیونکہ معجزہ اس حیثیت سے دلالت کرتا ہے کہ وہ مدعی نبوت کے لئے اللہ تعالیٰ

کی جانب سے تصدیق ہے اگر معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل نہ ہو تو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے مدعی نبوت کی تصدیق کی ہے۔

(کتاب الداعی الی الاسلام: ص: 281 مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ)

علامہ سعد الدین تفتازانی کا قول

علامہ سعد الدین تفتازانی متوفی 793ھ لکھتے ہیں:

ہم بیان کر چکے ہیں کہ ہر چیز کو وجود میں لانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے خاص طور پر مردوں کو زندہ کرنے، لاٹھی کو سانپ بنانے، چاند کو شق کرنے اور پتھر کو سلام کرنے میں۔ علاوہ ازیں حکیم قادر مختار نے انبیاء کرام علیہم السلام کو معجزات صادر کرنے کے لئے جو قدرت اور اختیار عطا کیا ہے وہ مطلوب کی افادیت میں کافی ہے اسی وجہ سے معتزلہ کا یہ مذہب ہے کہ معجزہ یا اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے یا اس کے حکم سے واقع ہوتا ہے یا اس کے قدرت اور اختیار دینے کی وجہ سے واقع ہوتا ہے۔

(شرح المقاصد: ج:5، ص:17 مطبوعہ ایران)

علامہ میر سیّد شریف جرجانی کا قول

علامہ میر سیّد شریف علی بن محمد جرجانی متوفی 816ھ لکھتے ہیں:

ایک قوم نے معجزہ میں یہ شرط لگائی ہے کہ وہ نبی کی قدرت میں نہ ہو کیونکہ اگر معجزہ نبی کا مقدور ہوگا جیسے اس کا ہوا کی طرف چڑھنا اور پانی پر چلنا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تصدیق کے قائم مقام نہیں ہوگا اور یہ اعتراض کچھ وزن نہیں رکھتا کیونکہ جب اس فعل پر قادر ہوگا اور دوسرا کوئی شخص اس پر قادر نہیں ہوگا تو وہ فعل معجزہ ہوگا۔

علامہ آمدی نے کہا:

آیا معجزہ نبی کی قدرت میں ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

بعض علماء کرام نے یہ فرمایا ہے کہ

ہوا کی طرف چڑھنا اور پانی پر چلنے میں محض چڑھنا یا چلنا معجزہ نہیں ہے کیونکہ یہ نبی کے لئے مقدور ہوتا ہے اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نبی کے لئے اس پر قدرت پیدا کر دے۔ اس مثال میں جو چیز معجزہ ہے وہ اس مثال میں نفس قدرت ہے اور یہ قدرت نبی کا مقدور نہیں ہے۔

اور بعض آئمہ کرام نے فرمایا ہے کہ

اس مثال میں ہوا کی طرف چڑھنا یا پانی پر چلنا ہی معجزہ ہے کیونکہ یہ فعل اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ (شرح المواقف: ج:8، ص:223 تا 224 مطبوعہ ایران)

علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی کا قول

علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی متوفی 1067ھ لکھتے ہیں:

مقصود یہ ہے کہ دوسرے اس فعل سے عاجز ہوں اور اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق حاصل کی جائے گی اور یہی مقصود ہے۔

مزید راقم ہیں۔

جو اس کے قائل ہیں کہ معجزہ نبی کی قدرت میں نہیں ہے وہ کہتے ہیں نفس قدرت معجزہ ہے اور یہ نبی کا مقدور نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

ہم نفس قدرت کو معجزہ نہیں کہتے بلکہ اس خاص فعل کو معجزہ کہتے ہیں اور خاص فعل پر نبی قادر ہے اور اس کا غیر قادر نہیں ہے اور معجزہ سے یہی مقصود ہے۔ (حاشیہ سیالکوٹی علی شرح المواقف: ج:8،ص:224 مطبوعہ ایران)

علامہ محمد بن احمد سفارینی حنبلی کا قول

علامہ محمد بن احمد سفارینی حنبلی متوفی 1188ھ لکھتے ہیں:

شیخ ابن تیمیہ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو معجزات قدرت، فعل اور تاثیر سے متعلق ہیں ان کی حسب ذیل انواع ہیں۔

1- بعض معجزات عالم علوی میں ہیں جیسے چاند کا دو ٹکڑے ہونا، آسمان کا آگ کے گولوں سے محفوظ رہنا اور آسمان کی طرف معراج۔

2- بعض فضا میں ہیں جیسے استسقاء اور استحساء میں بادلوں کا آنے اور جانے میں آپ کی اطاعت کرنا۔

3- انسانوں، جنات اور حیوانوں میں آپ کا تصرف کرنا۔

4- درختوں، لکڑیوں اور پتھروں میں آپ کا تصرف کرنا۔

5- آسمانوں کے فرشتوں کا آپ کی تائید کرنا۔

6- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا قبول ہونا۔

7- ماضی اور مستقبل کے غیوب کی خبریں دینا۔

8- کھانے پینے کی چیزوں اور پھلوں کا زیادہ ہو جانا اس کے علاوہ اور کئی انواع کے معجزات ہیں جن میں آپ کی نبوت اور رسالت کے دلائل اور علامات ہیں۔ (لوامع الانوار الالہیہ: ج:2،ص:293 تا 294 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

احادیث مبارکہ سے ثبوت

معجزات کا انبیاء کرام علیہم السلام کے اختیار میں ہونے پر کثیر احادیث مبارکہ ہیں جن میں سے جنات اور شیاطین پر تصرف کے متعلق یہ احادیث مبارکہ ہیں۔

حدیث مبارکہ: 1

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

گزشتہ رات ایک بہت زبردست جن نے مجھ پر حملہ کرنا چاہا تا کہ میری نماز خراب کردے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قدرت دی اور میں نے اس کو دھکا دیا میں نے ارادہ کیا کہ اس کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون کے ساتھ باندھ دوں حتیٰ کہ تم سب اس کو دیکھو پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی یہ دعا یاد آئی۔

اے اللہ عزوجل! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کو سزاوار نہ ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو نا کام لوٹا دیا۔ (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 1189)

حدیث مبارکہ: 2

درختوں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف کے بارے میں یہ حدیث مبارکہ ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا اور عرض کرنے لگا۔

میں کس طرح پہچانوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر میں کھجور کے اس خوشہ کو درخت سے بلاؤں تو تم گواہی دو گے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلایا تو کھجوروں کا وہ خوشہ درخت سے اترا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر گر گیا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لوٹ جاؤ تو وہ لوٹ گیا پھر وہ اعرابی مسلمان ہو گیا۔ (سنن الترمذی: رقم الحدیث: 3668)

حدیث مبارکہ: 3

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

مسجد کی چھت کھجور کے شہتیروں پر بنائی گئی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ایک شہتیر سے ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر بنایا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بیٹھ گئے تو ہم نے اس شہتیر کے رونے کی آواز سنی جس طرح اونٹنی اپنے بچے کے فراق میں روتی ہے حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ہاتھ رکھا تو وہ پرسکون ہو گیا۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3585)

حدیث مبارکہ: 4

انسانوں پر تصرف کے متعلق یہ حدیث مبارکہ ہے:

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ تبوک کے لئے جا رہے تھے تو اثناء سفر میں ہم نے ایک سفید پوش شخص کو ریگستان سے آتے ہوئے دیکھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"کن ابا خیثمہ"

ابوخیثمہ ہو جا تو وہ ابوخیثمہ ہو گیا۔ (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 6883)

علامہ شرف الدین نووی متوفی 676ھ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

کن یہاں تحقیق اور وجود کے لئے ہے یعنی اے شخص تجھے چاہئے کہ تو حقیقتاً ابوخیثمہ ہو جا۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے جو کہا ہے وہ صحیح ہے۔ (شرح للنواوی: ج: 11 ص: 6910 مطبوعہ مکتبۃ الباز مکہ مکرمہ)

معجزات کا انبیاء کرام علیہم السلام کے صدور میں ہونے پر دوسرے مولویوں کا مؤقف

دوسرے مولویوں کے نزدیک معجزہ صرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہے ظاہراً اور حقیقتاً نبی کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے خلق کے لحاظ سے نہ کسب کے لحاظ سے اور نبی سے معجزہ کا صدور ایسے ہی ہے جیسے کاتب کے قلم سے لکھنے کا صدور ہو جیسے قلم بے اختیار ہوتا ہے ایسے ہی نبی بے اختیار ہوتا ہے۔

شیخ رشید احمد گنگوہی متوفی 1323ھ لکھتے ہیں:

بعض افعال خاصہ الٰہیہ بعض اوقات فرشتوں اور نبیوں میں ظاہر ہوتے ہیں اور ان افعال کے وقوع میں ان کی کوئی قوت اختیار، قدرت اور اقتدار نہیں ہوتا لہٰذا ان افعال کو کھانے اور پہننے کی طرح افعال اختیاریہ اور اعمال مقدور میں سے شمار نہیں کرنا چاہئے اور ان کی مثال کاتب اور قلم کی سی ہے جس طرح لکھنے میں قلم کی کوئی قدرت اور اختیار نہیں ہے اسی طرح ان افعال کے صدور میں نبیوں کا بھی کوئی اختیار نہیں ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ص: 173 مطبوعہ کراچی)

مولانا حیدر علی ٹونکی نے اپنی بعض تصنیفات میں لکھا ہے۔

اور وہ جو عوام کا گمان ہے کہ کرامت اولیاء کا خود اپنا فعل ہوتا ہے یہ باطل ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جس کو وہ ولی کے ہاتھ پر اس کی تکریم اور تعظیم کے لئے ظاہر فرماتا ہے اور ولی کا اور نہ ہی نبی کا اس کے صدور میں اختیار ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ و تقدس کے افعال میں کسی کا اختیار نہیں ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ص: 175 مطبوعہ کراچی)

بلکہ یہ اس پر مبنی ہے کہ معجزہ نبی کا فعل نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کا فعل ہے جس کو اس نے نبی کے ہاتھ پر ظاہر فرمایا ہے اس کے برخلاف دوسرے افعال میں ان افعال کا کسب بندہ سے ہے اور ان افعال کا خلق خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور معجزہ میں بندہ کا کسب بھی نہیں ہوتا۔

پس اس آیت کا معنیٰ یہ ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ج (الانفال:17)

آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی بلکہ آپ نے صورتاً خاک کی مٹھی پھینکی تھی لیکن وہ خاک کی مٹھی حقیقتاً اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی۔

اور یہ معنیٰ مراد نہیں ہے کہ آپ نے خاک کی مٹھی خلقاً نہیں پھینکی جبکہ آپ نے خاک کی مٹھی کسباً پھینکی تھی اس لیے کہ یہ بھی تمام افعال میں جاری ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ:ص:176 مطبوعہ کراچی)

سو افعال اختیاریہ میں عادتاً تصرف ہوتا ہے ظاہراً اور فعل حق تعالیٰ کا مخفی ہے اور معجزات وتصرفات میں ظاہر بھی عجز ہے مثل قلم کے۔ (فتاویٰ رشیدیہ:ص:177 مطبوعہ کراچی)

معجزات کے صدور علماء اہل سنت کا موقف اور دوسرے مولویوں کا رد

اس مسئلہ میں ہمارا موقف یہ ہے کہ

معجزات اور کرامات ہوں یا عام افعال، تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے عام افعال عادیہ میں جس طرح عام مسلمانوں کا کسب اور اختیار ہوتا ہے اور ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اسی طرح معجزات اور کرامات میں کسب اور اختیار انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کا ہوتا ہے اور ان افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے جس طرح کہ ہم نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ سے صراحتاً نقل کیا ہے اور شیخ ابن تیمیہ، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ میر سیّد شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ ایسے محدثین، فقہاء کرام اور متکلمین کا بھی یہی نظریہ ہے البتہ بعض معجزات اور کرامات جو ان کے حاملین سے متصف اور مباشر نہیں ہوتے ان کے صدور میں انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کا مطلقاً دخل نہیں ہوتا خلقاً نہ کسباً جیسے قرآن مجید کا نزول، مردوں کو زندہ کرنا اور چاند کا شق ہونا وغیرہ۔

شیخ رشید احمد گنگوہی نے اپنے موقف کے ثبوت میں لکھا ہے کہ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ آپ نے خلقاً خاک مٹھی نہیں پھینکی جبکہ آپ نے کسباً خاک کی مٹھی پھینکی تھی لیکن اہل سنت کے معتمد اور مستند مفسرین نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاک کی مٹھی خلقاً نہیں پھینکی تھی جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاک کی مٹھی کسباً پھینکی تھی۔ ان عبارات کو نقل کرنے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کا شان نزول اور پس منظر بیان کر دیں۔

امام حسین بن محمد فراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں: مفسرین نے بیان کیا ہے کہ

جب جنگ بدر کے دن مسلمانوں اور کافروں کے لشکر بالمقابل ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاک آلود کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر کفار کے چہروں پر ماری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان کے چہرے قبیح ہو جائیں تو ہر کافر کی آنکھوں یا منہ یا نتھنوں میں اس میں سے کچھ نہ کچھ گر گیا اور اس کے بعد کافروں کو شکست ہو گئی۔

(معالم التنزیل:ج:2،ص:200 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

واضح رہے کہ مفسرین نے لکھا ہے کہ خاک کی مٹھی کفار کے چہروں پر مارنے کا واقعہ جنگ بدر میں پیش آیا تھا لیکن احادیث مبارکہ میں یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوہ حنین میں پیش آیا تھا۔ (صحیح مسلم:4539)

بہرحال خاک کی مٹھی ایک ہزار کافروں کے منہ پر ماری جائے اور وہ خاک ہر کافر کی آنکھوں اور منہ میں چلی جائے یہ فعل خرق عادت اور معجزہ ہے تو اس کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ (الانفال:17)

اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں ماری جب آپ نے ماری تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے وہ مٹھی ماری تھی۔

شیخ رشید احمد گنگوہی نے لکھا ہے کہ

اس میں خلق اور کسب دونوں کی نفی ہے اور یہ معنیٰ نہیں ہے کہ خاک کی مٹھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلقاً نہیں ماری جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مٹھی کسباً ماری تھی تا کہ معجزہ میں نبی کا کسب ثابت ہوتا ہو لیکن اس کے برخلاف اہل سنت کے مستند اور معتمد مفسرین نے اس آیت کریمہ کی تفسیر یہی کی ہے کہ خاک کی مٹھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلقاً نہیں ماری جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مٹھی کسباً ماری تھی اور معجزہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کسب اور اختیار ثابت کیا ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاک کی مٹھی مارنے کو ثابت بھی کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی نفی بھی کی ہے اس لیے اس معنیٰ پر حمل کرنا واجب ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاک کی مٹھی خلقاً نہیں ماری اور کسباً ماری تھی۔

(تفسیر کبیر: ج:5، ص:466 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ نے بھی امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کو نقل کر کے اس سے بندوں کا کسب کرنے پر استدلال کیا ہے۔ (روح المعانی: ج:9، ص:185)

اس کے بعد مزید لکھتے ہیں۔

میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو خاک کی مٹھی کو پھینکنا ثابت کیا گیا ہے اس سے مراد وہی مخصوص پھینکنا ہو جس نے عقلوں کو حیران کر دیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کا اثبات حقیقتاً ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فعل اس قدرت سے کیا ہو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی تھی اور وہ قدرت اللہ تعالیٰ کے اذن سے مؤثر تھی لیکن چونکہ عام انسانوں کی قدرت سے اس قسم کا اثر واقع نہیں ہو سکتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس فعل کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفی کی اور اس کو اپنے لیے ثابت فرمایا۔ (روح المعانی: ج:9، ص:186 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابو البرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی 710ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کریمہ میں بیان ہے کہ بندہ کا فعل بندہ کی طرف کسباً منسوب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف خلقاً منسوب ہوتا

ہے۔(مدارک علی ہامش الخازن:ج:2،ص:185 مطبوعہ پشاور)

علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی 1069ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلقاً وہ مٹھی نہیں پھینکی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسباً وہ مٹھی پھینکی تھی۔(عنایۃ القاضی علی البیضاوی:ج:4،ص:261 مطبوعہ دار صادر بیروت)

علامہ سلیمان بن عمر المعروف بالجمل متوفی 1204ھ لکھتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فعل کی نفی باعتبار ایجاد کے حقیقتاً ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فعل کا اثبات باعتبار کسب ہے۔(الفتوحات الالٰہیہ:ج:2،ص:235 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

ان کثیر حوالہ جات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے بہ اعتبار کسب کے معجزات صادر ہوتے ہیں اور ان کو خلق اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور ان کے اذن سے ان معجزات کو صادر کرتے ہیں۔

تمام انبیاء کرام علیہم السلام حامل معجزہ ہیں

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو معجزات سے نوازا جو انہوں نے اپنی قوم کے سامنے ظاہر فرمائے اور قوم ان انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان بھی لے آئی۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ۚ (الاعراف:101)

بے شک ان بستیوں والوں کے پاس ان کے رسول واضح معجزات لے کر آئے ہیں۔

اس آیت مبارکہ سے یہ تو صراحتاً معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پانچ رسولوں کو واضح معجزات عطا فرمائے تھے اگرچہ ذکر صرف حضرت صالح علیہ السلام کے اس معجزہ کا کیا ہے: انہوں نے ایک پتھر کی چٹان سے اونٹنی نکالی اور اس آیت کریمہ سے اشارۃً یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو معجزہ دے کر بھیجا کیونکہ اگر نبی کے پاس معجزہ نہ ہو تو وہ کس بنیاد پر اپنی رسالت کو ثابت کرے گا اور اگر نبی کے پاس معجزہ نہ ہو تو نبی صادق اور نبی کاذب میں امتیاز کا کوئی ذریعہ نہیں رہے گا اس کے علاوہ بھی حدیث مبارکہ میں اس پر بھی دلیل ہے کہ ہر نبی کو معجزہ عطا فرمایا گیا جیسا روایت میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہر نبی کو اس قدر معجزات دیئے گئے ہیں جن کی وجہ سے ایک بشر ان پر ایمان لے آئے اور مجھے وحی (قرآن مجید) عطا کی گئی جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل فرمائی پس مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے متبعین تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ ہوں گے۔(صحیح البخاری، رقم الحدیث:4981)

اس آیت کریمہ اور حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو معجزات کی دولت سے

نوازا ہے۔

زمانے کے اعتبار سے معجزات کا ظہور

ہر نبی کو معجزات زمانے کے لحاظ سے دیئے جاتے ہیں جس قسم کے لوگ ہوں اور اس زمانے میں جس چیز کا چرچا ہو ویسے ہی نبی کو معجزات دیئے جاتے ہیں۔ جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ مقدسہ میں جادوگری کا چرچا تھا اور لوگ جادوگری بڑی کثرت سے کیا کرتے تھے اور لوگوں کو اس سے حیران کن کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جادوگروں کے توڑ کے معجزات عطا فرمائے تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ۝ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَ بَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ۝ وَ اُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۝ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ۝ (الاعراف:117 تا 122)

اور ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ تم اپنا عصا ڈال دو تو وہ فوراً ان کے جھوٹے طلسم کو نگلنے لگا سو حق کا غلبہ ثابت ہو گیا اور جو کچھ وہ کرتے تھے اس کا بطلان ظاہر ہو گیا پس فرعون اور اس کے درباری مغلوب ہو گئے اور ذلیل وخوار ہو کر واپس ہوئے اور جادوگر سجدے میں گر پڑے انہوں نے کہا: ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔

☆ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ اقدس میں طب اور حکمت کا بہت غلبہ تھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیحائی کا ایسا کمال دے کر بھیجا جو ان کی تمام طب اور حکمت پر غالب آ گیا۔

قرآن مجید میں ہے:

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (المائدہ:112 تا 115)

جب حواریوں نے کہا! اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ کا رب ہم پر آسمان سے خوان نازل کر سکتا ہے (عیسیٰ علیہ السلام نے) کہا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو! انہوں نے کہا: ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس خوان سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہمیں یقین ہو جائے کہ آپ نے ہم سے سچ کہا تھا اور ہم اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں۔ عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی اے ہمارے رب ہم پر آسمان سے کھانے کا خوان

نازل فرماتا کہ (وہ دن) ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لئے عید ہو جائے اور تیری طرف سے نشان (ہو جائے) اور ہمیں رزق عطا فرما اور تو سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک میں اس خوان کو تم پر نازل فرمانے والا ہوں پھر تم میں سے جو شخص اس کے بعد کفر کرے گا تو میں ضرور اس کو ایسا عذاب دوں گا جو تمام جہان والوں میں سے کسی کو بھی نہ دوں گا۔

امام ابو عبداللہ بن محمد المعروف بابی الشیخ الاصبہانی متوفی 369ھ لکھتے ہیں:

سلیمان الخیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مائدہ (طعام کا خوان) کا سوال کیا تو آپ علیہ السلام نے اس کو سخت ناپسند فرمایا۔

اور آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو رزق حلال زمین سے دیا ہے اس پر قناعت کرو اور آسمان سے مائدہ کا سوال نہ کرو کیونکہ اگر وہ تم پر نازل کیا گیا تو وہ تمہارے رب عزوجل کی طرف سے نشانی ہو گی تم سے پہلے قوم ثمود نے اپنے نبی سے نشانی کا سوال کیا تھا وہ اس نشانی میں مبتلا کئے گئے پھر اس نشانی کے تقاضے پورے نہ کرنے کی وجہ سے وہ ہلاک کر دیئے گئے جب ان کی قوم نے اصرار کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نماز پڑھی اور بہت گریہ وزاری سے دعا کی۔

اے اللہ عزوجل! ہم پر آسمان سے مائدہ نازل فرما۔ اللہ تعالیٰ نے دو بادلوں کے درمیان ان پر سرخ دستر خوان نازل کیا بنو اسرائیل اس کو نازل کرتے دیکھ کر خوش ہو رہے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام خوف زدہ ہو کر بار بار دعا کر رہے تھے کہ اے اللہ عزوجل اس خوان کو رحمت بنانا اور اس کو غضب نہ بنانا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دعا کر رہے تھے کہ وہ دستر خوان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آکر ٹھہر گیا۔ حواریوں کو اس سے خوشبو آئی جیسی انہوں نے اس سے پہلے کبھی سونگھی نہیں تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ میں گر گئے۔ یہود اس خوان کو دیکھ کر غیظ و غضب سے جل گئے۔ حواری اس دستر خوان کے گرد بیٹھ گئے وہ خوان ایک رومال سے ڈھکا ہوا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

جو شخص سب سے زیادہ عبادت گزار اور اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہو گا وہ اس کو کھولے گا۔

حواریوں نے کہا:

یا روح اللہ! آپ علیہ السلام اس کو کھولنے کے لائق ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ وضو فرمایا نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے رو رو کر اپنے اور قوم کے لئے برکت کی دعا کی پھر اس کو کھولا تو اس میں بہت بڑی بھنی ہوئی مچھلی تھی جس میں کانٹے نہیں تھے اور اس سے گھی بہہ رہا تھا اور اس کے گرد ہر قسم کی سبزیاں تھیں اور نمک اور سرکہ تھا اور پانچ روٹیاں تھیں ایک روٹی پر زیتون ایک پر کھجور اور باقیوں پر انار تھے۔

شمعون نے کہا:

یاروح اللہ علیہ السلام! یہ طعام دنیا کے طعام میں سے ہے یا آخرت کے طعام سے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

یہ نہ دنیا کا طعام ہے نہ آخرت کا طعام ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

تم بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو اور اپنے رب عزوجل کا شکر ادا کرو وہ تم کو مزید عطا فرمائے گا۔

انہوں نے کہا:

یاروح اللہ علیہ السلام! ہم چاہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام ہمیں اس نشانی میں ایک اور نشانی دکھائیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

سبحان اللہ! کیا تمہارے لیے یہ نشانی کافی نہیں ہے جو اس کے علاوہ نشانی کا سوال کرتے ہو۔

جب انہوں نے اصرار کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مچھلی سے ارشاد فرمایا:

اے مچھلی! تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے دوبارہ زندہ ہو جا تو وہ مچھلی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے دوبارہ زندہ ہو گئی وہ شیر کی طرح منہ پھاڑنے لگی اور اس کی آنکھیں گردش کرنے لگیں اور پھڑکنے لگیں حواری خوفزدہ ہو کر بھاگنے لگے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

پہلے تم نے نشانی کا مطالبہ کیا تھا اب نشانی دیکھ کر ڈرتے کیوں ہو؟

پھر آپ علیہ السلام نے مچھلی سے ارشاد فرمایا:

اے مچھلی! اللہ تعالیٰ کے حکم سے دوبارہ پہلے کی طرح بھنی ہوئی ہو جا۔

پھر انہوں نے کہا:

اے روح اللہ! آپ علیہ السلام کھانے کی ابتداء کریں۔

آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

سبحان اللہ عزوجل! وہی کھانے کی ابتداء کرے گا جس نے اس کا مطالبہ کیا تھا۔ حواری اور ان کے اصحاب ڈرتے تھے کہ اس کھانے سے کہیں وہ مثلہ نہ ہو جائیں یا ان پر کوئی آفت نہ آئے تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فقراء اور اپاہجوں کو بلایا کہ تم اللہ تعالیٰ کے رزق اور اپنے نبی علیہ السلام کی دعا سے کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرو اور اللہ تعالیٰ کے شکر پر ختم کرو تم پر کوئی آفت نہیں آئے گی سو اس مائدہ سے تیرہ سو مردوں اور عورتوں نے کھایا اور ان میں سے ہر شخص سیر ہو گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حواریوں نے دیکھا وہ طعام اسی طرح تھا اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی پھر وہ مائدہ آسمان کی طرف اٹھایا گیا اور جس فقیر نے اس مائدہ سے کھایا تھا وہ غنی ہو گیا اور جس اپاہج نے کھایا وہ تندرست ہو گیا اور وہ لوگ تادم حیات اسی طرح رہے پھر

حواری اوران کے اصحاب میں سے نہ کھانے پر پشیمان ہوئے اور تادم مرگ ان کے دل میں اس سے کھانے کی حسرت رہی چند دنوں بعد پھر مائدہ نازل ہوا پھر ہر جگہ سے امیر اور غریب، صحت منداور بیمار، چھوٹے اور بڑے بنواسرائیلی اس پر ٹوٹ پڑے۔
جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ دیکھا تو باری مقرر فرمادی۔ ایک دن مائدہ نازل ہوتا اور ایک دن مائدہ نازل نہ ہوتا۔ چالیس دن تک یہی معمول رہا جب تک وہ کھاتے رہتے مائدہ ان کے سامنے رہتا اور جب وہ کھا چکتے تو مائدہ آسمان کی طرف اٹھ جاتا وہ اس کو دیکھتے رہتے حتیٰ کہ وہ ان کی نظروں سے غائب ہو جاتا پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اس مائدہ سے یتیموں، فقیروں اور اپاہجوں کو کھلایا جائے اور امیر لوگوں کو نہ کھلایا جائے۔ تب امیروں نے اس میں شک کرنا شروع کر دیا اور اس کے متعلق بری باتیں پھیلا دیں۔
اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ
آپ علیہ السلام ہمیں مائدہ کے نزول کے متعلق مطمئن کریں کیونکہ بہت لوگ اس میں شک کرتے ہیں (کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا نہیں)
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا!
اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر تم نے اس میں شک کیا تو ہلاک ہو جاؤ گے۔
اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ میں نے اس شرط سے مائدہ نازل کیا تھا جو اس کے بعد کفر کرے گا میں اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ دنیا میں ایسا عذاب کسی کو نہ دیا ہوگا۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا:
اے اللہ عزوجل! اگر ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو بہت غالب اور حکمت والا ہے۔ شام کو شک کرنے والے بستروں پر اپنی عورتوں کے ساتھ لیٹے تو ان کی اچھی صورتیں تھیں اور رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو مسخ کر کے خنزیر بنا دیا۔ صبح کو وہ کوڑے اور گندگی کے ڈھیروں پر گندگی تلاش کر کے کھانے لگے پھر باقی بنواسرائیلی خوفزدہ ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کرنے لگے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام باہر نکلتے تو وہ خنزیر دوڑتے ہوئے آپ علیہ السلام کے پاس آتے اور آپ علیہ السلام کے پیروں پر گرتے اور زاروقطار روتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان میں سے ہر شخص کا نام لے کر پکارتے۔ ان میں سے ہر ایک اپنا سر ہلاتا تھا اور بول نہیں سکتا تھا۔
آپ علیہ السلام ارشاد فرماتے۔
میں تم کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتا تھا گویا میں پہلے سے یہ دیکھ رہا تھا وہ تین دن تک اسی طرح بلکتے رہے اور ان کے گھر والے ان کو دیکھ کر روتے رہے۔ لوگوں کے دل ان کا حال دیکھ کر پگھل گئے پھر چوتھے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان پر موت طاری فرما دے سو چوتھے روز وہ مر گئے اور زمین پر ان کے مردہ جسم نہیں دکھائی دیئے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان کے مردہ جسم کہاں گئے البتہ یہ ایسا عذاب تھا جس سے ان لوگوں کی جڑ کٹ گئی اور زمین پر ان کا نام و

نشان باقی نہ رہا۔ (کتاب العظمۃ: ص363 تا 367 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو عبد الرحمان سلمی رضی اللہ عنہ نے کہا:

مائدہ کا طعام روٹی اور مچھلی تھا۔

حضرت عمار بن یاسر اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

مائدہ آسمان سے نازل ہوتا تھا اور اس میں جنت کے پھل تھے۔

اور وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے جو کی روٹیاں اور مچھلیاں نازل فرمائی تھیں۔

اور یہ تین اقوال امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث مبارکہ کے خلاف ہیں اس میں مذکور ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

آسمان سے مائدہ نازل ہوا اس میں روٹیاں اور گوشت تھا۔ (الجامع الاحکام القرآن: ج:6، ص:287 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

☆ اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام کے دور اقدس میں لوگ عجیب وغریب باتیں کیا کرتے تھے اور بتوں کو پوجتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو اونٹنی کا معجزہ عطا فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّ لَكُمْ شِرْبُ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابُ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ (الشعراء:155 تا 156)

صالح نے کہا: یہ اونٹنی ہے ایک دن اس کے (پانی) پینے کا ہے اور ایک مقررہ دن تمہارے (پانی) پینے کا ہے تم اس کے ساتھ کوئی برائی نہ کرنا ورنہ بڑے دن کا عذاب تم کو پکڑ لے گا۔

روایت ہے کہ انہوں نے کہا:

ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس چٹان سے ایک دس ماہ کی حاملہ اونٹنی نکلے اور وہ فوراً ایک بچہ جن دے۔ حضرت صالح علیہ السلام بیٹھ کر ان کے مطالبہ پر غور کرنے لگے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آ کر کہا۔

آپ علیہ السلام اپنے رب عزوجل سے دعا کیجئے کہ وہ اس پتھر سے اونٹنی نکال دے تو اس چٹان سے ایک اونٹنی نکلی اور ان کے سامنے آ کر بیٹھ گئی اور فوراً اس سے ایک بچہ پیدا ہو گیا۔ (تفسیر کبیر: ج:8، ص:525)

امام عبد الرحمان بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک میں گئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام حجر میں پہنچ کر فرمایا:
اے لوگو! نبی سے دلائل اور معجزات کا مطالبہ نہ کیا کرو یہ قوم صالح ہے جس نے اپنے نبی سے یہ سوال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی بھیجے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اونٹنی بھیج دی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 15866)

ایک روایت میں ہے۔
حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا:
اگر تم سچوں میں سے ہو تو (اپنی نبوت پر) کوئی نشانی لاؤ۔
تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے ارشاد فرمایا:
تم اس پہاڑ کی طرف جاؤ تو وہ پہاڑ اچانک حاملہ عورت کی طرح پھول گیا پھر وہ پہاڑ پھٹ گیا اور اس کے وسط سے اونٹنی نکلی۔
حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے ارشاد فرمایا:
یہ اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی زمین پر چرنے چگنے کے لئے چھوڑ دو۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 15867)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اونٹنی بھیجی وہ اپنی باری پر ان کے راستے سے اپنا پانی پیتی تھی اور جتنا وہ لوگ اس کے ناغہ کے دن پانی پیتے تھے اس سے اس دن اتنا دودھ دوھ لیتے تھے پھر وہ لوٹ جاتی تھی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 15868)
ایک اور روایت میں ہے۔
امام محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جو اونٹنی بطور نشانی نکالی تھی وہ قوم ثمود کی زمین میں درختوں کو چرتی تھی اور پانی پیتی تھی۔
حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا۔
یہ اونٹنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے نشانی ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی زمین پر چرنے دو اور اس کو کوئی نقصان نہ پہنچاؤ ورنہ تم پر بڑے دن کا عذاب آ جائے گا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 15873)
☆ اسی طرح ہمارے نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مقدسہ میں فصاحت و بلاغت کا بہت غلبہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا فصیح اور بلیغ کلام دے کر بھیجا جس کی نظیر لانے سے تمام جن و انس عاجز ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا: اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خود گھڑ لیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو فرما دیجئے کہ تم اس جیسی دس سورتیں لے کر آؤ۔

قرآن مجید میں ہے:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ (ھود:13)

''کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے قرآن مجید از خود گھڑ لیا ہے آپ فرمایئے کہ پھر تم اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں لے کر آؤ (اور اپنی مدد کے لئے) اللہ تعالیٰ کے سوا جس کو بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم سچے ہو۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قرآن مجید کے ساتھ چیلنج کیا کہ اگر یہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام ہے تو تم بھی اس جیسا کلام بنا کر لے آؤ لیکن مخالفین کی کثرت اور علوم وفنون اور زبان و بیان کی روز افزوں ترقی کے باوجود کوئی شخص قرآن مجید کی مثل کلام بنا کر نہیں لا سکا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ○ (بنی اسرائیل:88)

آپ فرما دیجئے! اگر تمام انسان اور جن مل کر اس قرآن کی مثل لانا چاہیں تو وہ اس کی مثل نہیں لا سکتے خواہ وہ ایک دوسرے کی مدد (بھی) کریں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ○ (الطور:34)

اس جیسی ایک بات بھی بنا کر پیش کرو اگر تم سچے ہو۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ (البقرہ:23)

اور اگر تمہیں اس کتاب میں شک ہے جس کو ہم نے اپنے (محبوب) بندے پر نازل کیا ہے تو اس کی مانند کوئی ایک سورت بھی لا کر دکھا دو اور اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ (یونس:38)

آپ فرما دیجئے! تم اس کی مثل کوئی ایک سورت لے آؤ۔

اس طرح پھر کفار نے جیسے جیسے معجزات طلب کیے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ویسے ویسے معجزات دکھائے جس طرح کہ چاند کا دو ٹکڑے فرما کر کفار کو دکھانا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوئے ان میں

1-ولید بن مغیرہ، 2-ابوجہل بن ہشام

3-العاص بن وائل، 4-العاص بن ہشام

5-الاسود بن عبد یغوث، 6-الاسود بن عبد المطلب بن اسد بن عبد العزی

7-زمعۃ بن الاسود، 8-النضر بن الحارث وغیرہم تھے۔

پس انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے (رسول) ہیں تو ہمارے لیے چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائیں اس کا نصف ابوقبیس (مکہ مکرمہ کا پہاڑ) پر ہو اور اس کا نصف قعیقعان (مکہ مکرمہ کا دوسرا پہاڑ) پر ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

اگر میں نے ایسا کر دیا تو تم اس پر ایمان لے آؤ گے۔

انہوں نے کہا:

ہاں! اور وہ چاند کی چودھویں رات تھی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو چاند کے اسی طرح دو ٹکڑے ہو گئے ایک ٹکڑا ابوقبیس پر تھا اور دوسرا ٹکڑا قعیقعان پر تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ندا فرما رہے تھے اے ابوسلمہ بن عبد الاسد اور اے الارقم بن ابی الارقم! گواہ ہو جاؤ۔ (دلائل النبوۃ: رقم الحدیث: 209)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مقدسہ میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم گواہ ہو جاؤ۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3636)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اہل مکہ مکرمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کوئی معجزہ دکھائیں تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چاند کا پھٹنا دکھایا۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3637)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مقدسہ میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا حتیٰ کہ ایک ٹکڑا پہاڑ کے ایک طرف تھا اور دوسرا ٹکڑا دوسری طرف تھا۔

لوگوں نے کہا:

(سیّدنا) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) نے جادو کر دیا۔

پھر ان میں سے بعض لوگوں نے کہا:

اگر انہوں نے ہم پر جادو کیا ہے تو وہ سب لوگوں پر تو جادو نہیں کر سکتے۔ (سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3289)

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ

شق القمر کا معجزہ بہت عظیم تھا اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات میں اس قسم کا معجزہ نہیں ہے کیونکہ یہ معجزہ اس عالم طبعی سے خارج واقع ہوا اور کسی شخص کی دسترس میں نہیں ہے کہ وہ اس معجزہ کی نظیر لا سکے لہٰذا اس معجزہ کے ساتھ نبوت کو ثابت کرنا بہت واضح ہے۔ (فتح الباری: ج: 7، ص: 580 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

شق القمر کا واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہجرت سے پہلے سال ہوا کیونکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور تفسیر ابن جریر میں ہے کہ اہل مکہ مکرمہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو معجزہ دکھائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دکھایا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا حتیٰ کہ انہوں نے حرا پہاڑ کو ان دو ٹکڑوں کے درمیان رکھا۔

امام ابوداؤد اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہما نے یہ روایت کیا ہے کہ

ہر طرف سے مکہ مکرمہ میں مسافرین آئے اور انہوں نے یہ شہادت دی کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا ہے۔

(روح المعانی: جز: 17، ص: 113 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے مکہ مکرمہ میں چاند کے دو ٹکڑے دیکھے اور ان سے دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے منیٰ میں چاند کے دو ٹکڑے دیکھے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3869)

اور ان دونوں احادیث مبارکہ میں تعارض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

منیٰ بھی مکہ مکرمہ میں ہے اس لیے ان احادیث مبارکہ میں کوئی تعارض نہیں ہوا۔ قدیم فلاسفر نے چاند کے شق ہونے کا انکار کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک چاند پہلے آسمان میں ہے اور آسمانوں میں خرق اور التیام محال ہے اسی طرح ان کا شب معراج

آسمان کے دروازوں کو کھلوانے پر بھی اعتراض ہے اسی طرح انہوں نے قیامت کے دن سورج کے لپیٹے جانے پر بھی اعتراض کیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اگر وہ کافر ہیں تو پہلے ان سے اسلام کے ثبوت پر مناظرہ کیا جائے گا اور اگر وہ مسلمان ہیں تو جو چیز صریح قرآن مجید سے ثابت ہے جیسا کہ

اِذَا الشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ ۞ (التکویر:1)

اور

اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انۡشَقَّ الۡقَمَرُ ۞ (القمر:1)

اس کا انکار کرنے سے وہ اسلام سے خارج ہو جائیں گے۔

بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ

اگر شق القمر ہوا ہوتا تو اس کو تمام دنیا کے لوگ دیکھتے اور اس کو نقل کرتے اور اس کا مشاہدہ کرتے اور اس کا مشاہدہ صرف اہل مکہ مکرمہ کے ساتھ خاص نہ ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

شق القمر کے رات کے وقت ہوا اور اس وقت اکثر لوگ سوئے ہوئے تھے اور اس زمانہ میں شاذ و نادر ہی لوگ آسمان کی طرف گھات کر دیکھتے ہیں اور کئی مرتبہ رات کو چاند گہن لگتا ہے اور بڑے بڑے ستارے ظاہر ہوتے ہیں لیکن بہت کم لوگ ہی ان کو دیکھتے ہیں اسی طرح چاند کا شق ہونا بھی رات کو وقوع پذیر ہوا نیز ایک لحظہ کے بعد چاند کے دو ٹکڑے پھر جڑ گئے تھے اس لیے اکثر لوگ اس کو نہیں دیکھ سکے اور چونکہ ایک لحظہ کے لئے چاند دو ٹکڑے ہوا تھا اس لیے کئی دیکھنے والوں نے اسے شدت حیرت کی وجہ سے نظر کے دھوکے پر محمول کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ رات بعض علاقہ والوں کے لئے چودھویں ہو اور بعض دوسرے علاقہ والوں کے لئے وہ چودھویں رات نہ ہو۔ بعض لوگوں نے شق القمر کا اس لیے انکار کیا کہ اگر یہ واقعہ ہوا ہوتا تو یہ عام لوگوں سے مخفی نہ رہتا کیونکہ یہ ایسی چیز ہے جس کا تعلق حس اور مشاہدہ سے ہے اور تمام لوگ اس کو دیکھ سکتے ہیں اور جو چیز عجیب و غریب ہو اس کو لوگ ضرور دیکھتے ہیں اور اگر یہ واقعہ ہوا ہوتا تو یہ ستاروں کے علم کی کتابوں میں ضرور درج ہوتا کیونکہ ان سب لوگوں کا اس کو ترک کرنے پر اتفاق کرنا ممکن نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

چاند کو شق کرنے کا واقعہ رات میں رونما ہوا کیونکہ دن میں چاندنی کا ظہور نہیں ہوتا اور رات کو اکثر لوگ اپنے گھروں میں سوئے ہوئے تھے اور بعض صحراء میں سفر کرنے والے بیدار ہوئے لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ اس وقت کسی اور کام میں مشغول ہوں اور یہ واقعہ تو چشم زدن میں ہو گیا تھا اور یہ بہت بعید ہے کہ ستارہ شناس ہر وقت رصد گاہوں میں بیٹھ کر چاند کو تکتے رہیں اور کبھی غافل

نہ ہوں اور یہ ہوسکتا ہے کہ جب یہ واقعہ ہوا ہو تو اکثر لوگوں کو پتہ نہ چلا ہو اور اس واقعہ کو ان ہی لوگوں نے دیکھا جنہوں نے اس کے دیکھنے کا مطالبہ کیا تھا اور یہ واقعہ تو صرف ایک لحظہ میں رونما ہو گیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ قرآن مجید کے سوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی معجزہ تواتر کو نہ پہنچے کیونکہ ہر نبی کا وہ معجزہ جو عامۃ الوقوع ہو اور اس کا ادراک حس سے اور مشاہدہ سے ہوسکتا ہو اور پھر قوم اس کی تکذیب کرے تو اس قوم کو ہلاک کر دیا جاتا ہے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے اسی لیے جس معجزہ کے ساتھ آپ نے دوسروں کو اس کی نظیر لانے کا چیلنج کیا وہ معجزہ عقلی تھا اس لیے اس معجزہ کے ساتھ ان ہی لوگوں سے معارضہ کیا گیا جن کو زیادہ عقل اور فہم دی گئی تھی۔

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ

کسی ستارہ شناس نے اس کا اعتراف نہیں کیا کہ اس نے چاند کے دو ٹکڑے دیکھے ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ

کسی ستارہ شناس نے یہ بھی نہیں کہا اس نے چاند کے دو ٹکڑے نہیں دیکھے۔ اس واقعہ کو بہ کثرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد تابعین عظام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے اور قرآن مجید میں اس کا صراحت کے ساتھ ذکر ہے اس کے علاوہ اہل مکہ مکرمہ نے مکہ مکرمہ کے اطراف میں لوگوں کو بھیجا تھا اور انہوں نے آ کر یہ خبر دی کہ انہوں نے چاند کو شق ہوتے ہوئے دیکھا ہے کیونکہ مسافر رات کو چاند کی روشنی میں سفر کرتے تھے اور انہوں نے یہ واقعہ دیکھا تھا۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

جب آدمی کسی چیز کو قصداً دیکھنا نہ چاہے تو اس کو دیکھنے سے مانع بہت سی چیزیں ہوسکتی ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ مکرمہ کے علاوہ تمام روئے زمین کے لوگوں کی نگاہوں کو اس واقعہ سے پھیر لیا ہوتا کہ یہ مشاہدہ اہل مکہ مکرمہ کے ساتھ خاص ہو جائے جیسا کہ اور بہت سے معجزات کے مشاہدہ کے ساتھ اہل مکہ مکرمہ خاص تھے اور دوسرے کو صرف ان کے بیان کرنے سے ان معجزات کا علم ہوا ہو۔

علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ

شق القمر کا معجزہ بہت عظیم معجزہ تھا اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات میں اس قسم کا کوئی معجزہ نہیں ہے کیونکہ یہ معجزہ اس عالم طبعی سے خارج میں واقع ہوا اور کسی شخص کی دسترس میں یہ نہیں ہے کہ وہ اس معجزہ کی نظیر لا سکے لہٰذا اس معجزہ کے ساتھ نبوت کو ثابت کرنا واضح ہے۔ (فتح الباری: ج:7، ص:580 تا 581 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابو عبد الرحمٰن سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم مدائن سے ایک فرسخ کے سفر پر رہتے تھے تو جمعہ کی نماز کا وقت ہو گیا لہٰذا میں اپنے والد محترم کی معیت میں جمعہ کی نماز پڑھنے آیا۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
قیامت قریب آ گئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔
میں نے عرض کیا:
اے ابا جان! کیا مخلوق دوڑے گی۔
تو میرے والد محترم نے کہا:
تو تو ہے ہی جاہل یہ اعمال کی دوڑ ہے۔
جب دوسرا جمعہ آیا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دوبارہ یہی واقعہ (چاند کا دو ٹکڑے ہونا) دہرایا۔
حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
چاند نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں دو ٹکڑے ہوا۔ آج مقابلہ کا میدان ہے اور کل مقابلہ اور سبقت کرنے کا نتیجہ سامنے آئے گا پیچھے رہنا دوزخ ہے سبقت کرنا جنت ہے۔ (مستدرک: ج:4،ص:651)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں چاند گرہن ہوا۔
تو مشرکین نے کہا:
چاند پر جادو ہو گیا ہے تو یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں۔
قیامت قریب آ گئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ (معجم الکبیر: ج:11،ص:250)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں چاند دو ٹکڑے ہوا ایک ٹکڑا پہاڑ کی ایک طرف اور دوسرا ٹکڑا پہاڑ کی دوسری طرف تھا۔
اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
گواہ رہو۔ (مسند احمد: ج:7،ص:303)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں چاند دو ٹکڑے ہوا۔
تو مشرکین نے کہا:

یہ ابن ابی کبشہ کا جادو ہے۔

تو کچھ لوگوں نے کہا:

(سیّدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمام لوگوں پر تو جادو نہیں کر سکتے دوسری جگہوں سے مسافرین کو آنے دو دیکھتے ہیں وہ کیا اس کے بارے کہتے ہیں پھر مختلف جگہوں سے مسافر آ گئے تو تمام نے اس بات (یعنی چاند کے دو ٹکڑے ہونے کی) تصدیق کی۔ (صحیح البخاری: ج:11، ص:467)

ایک اور روایت میں ہے۔

مکہ مکرمہ میں چاند دو ٹکڑے ہوا تو مشرکین نے کہا:

یہ ابن ابی کبشہ کا جادو ہے۔ مسافرین سے پوچھیں اگر انہوں نے دیکھا ہے تو (سیّدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں اگر ان مسافروں نے نہیں دیکھا تو یہ جادو ہی ہے چنانچہ ہر اطراف سے آنے والوں سے پوچھا گیا تو انہوں نے چاند کے ٹکڑے ہونے کی گواہی دی۔ (مشکل الاثار الطحاوی: ج:2، ص:201)

اعتراض

اگر یہ کہا جائے کہ تمام روئے زمین کے دوسرے ملک والوں میں چاند کا ٹکڑے ہونا کیوں مشہور و معروف نہیں؟

جواب

اس کی نفی کون کرتا ہے بہت وقت گزر گیا ہے ہو سکتا ہے کہ ان کے علمی آثار اور ذخائر ضائع ہو گئے ہوں۔ کفار اور نبوت کا انکار کرنے والے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرنے والے تھے ممکن ہے کہ جس وقت ان کو چاند کے دو ٹکڑے ہونے کی خبر معلوم ہوئی ہو تو انہوں نے اس خبر کو چھپا لیا ہو اور جان بوجھ کر بھلا دیا ہو۔ اس کے علاوہ بھی کئی سیاحت کرنے والوں کا قول ہے کہ ہندوستان میں ایک شان اور دیوہیکل عمارت ہے جس پر یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ چاند کے ٹکڑے ہونے کی رات اس کی بنیاد رکھی گئی تھی اور یہ معجزہ کافی رات گزر جانے کے بعد ظہور ہوا اکثر وجوہات کی وجہ سے دوسرے مسلک والے اس کو ملاحظہ نہ کر سکے کیونکہ آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا بھی تھا اور اکثر لوگ سو رہے تھے اور ممالک میں چاند کے طلوع اور غروب ہونے کا ایک وقت بھی نہیں۔ اس کے علاوہ بھی کئی وجوہات ہیں۔

اللہ تعالیٰ (اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) بہتر جانتے ہیں۔ (معجزات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ص:164 مطبوعہ اکبر بک سیلرز لاہور)

سورج کو واپس لوٹانا

جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کے دو ٹکڑے کیے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کو بھی واپس لوٹایا تھا جس پر کثیر دلائل ہیں۔

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی جارہی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر اقدس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز (عصر) نہیں پڑھی حتی کہ سورج غروب ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی۔

اے اللہ عزوجل! بے شک علی (رضی اللہ عنہ) تیری اطاعت اور تیرے رسول کی اطاعت میں مشغول تھا تو ان پر سورج لوٹا دے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

میں نے دیکھا کہ سورج غروب ہو گیا تھا پھر غروب کے بعد طلوع ہو گیا۔ (معجم الکبیر: رقم الحدیث: 390)

ابوالاعلی مودودی کہتے ہیں کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق جو روایات بیان کی جاتی ہیں ان کے تمام طرف اور رجال پر بحث کر کے ابن تیمیہ نے اس کو موضوع ثابت کیا ہے اور ابن جوزی کہتے ہیں کہ یہ بلاشک وشبہ موضوع ہے۔ غزوہ خندق کے موقع پر سورج کے واپس والی روایت بھی بعض محدثین کے نزدیک ضعیف اور بعض کے نزدیک موضوع ہے۔

عبدالمصطفیٰ کہتا ہے کہ

مودودی صاحب نے تو پکا پکایا حلوہ کی صورت میں اقوال بیان کر دیئے مگر اس کی تہہ تک نہیں پہنچا۔ سورج کو لوٹانے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کو لوٹایا جس طرح علماء و محدثین و مفسرین کے اقوال سے ثابت ہے اور وہ درج ذیل ہیں۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

سورج کو لوٹانا بہت عظیم معجزہ ہے اور ابن الجوزی نے اس حدیث مبارکہ کو موضوعات میں درج کر کے خطا کی ہے اور ابن تیمیہ نے بھی اس حدیث مبارکہ کو کتاب الرد علی الروافض میں درج کر کے اس کو موضوع کہا یہ اس کی بھی خطا ہے۔

(فتح الباری: ج: 6، ص: 247 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن عراقی الکنانی متوفی 963ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن جوزی نے کہا کہ

اس حدیث مبارکہ کی سند میں فضیل بن مرزوق ہے اور اس کو یحییٰ نے ضعیف قرار دیا ہے دوسری سند میں ابن عقدہ ہے اور رافضی ہے اس پر کذب کی تہمت ہے نیز اس سند میں عبدالرحمٰن بن شریک ہے اس کے متعلق ابو حاتم نے کہا ہے: یہ ضعیف الحدیث ہے نیز یہ حدیث مبارکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اس کی سند میں داؤد بن فراہج ہے اس کو شعبہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

علامہ ابن جوزی کے ان اعتراضات کا جواب یہ ہے کہ

فضیل بن مرزوق ثقہ اور بہت زیادہ سچا راوی ہے صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے مصنفین نے اس سے استدلال کیا ہے اور عبدالرحمٰن بن شریک کی ابوحاتم کے علاوہ دوسرے آئمہ کرام نے توثیق کی ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الادب میں اس سے روایت کیا ہے اور ابن عقدہ بہت بڑے حفاظ میں سے ہیں اور ان کی جرح اور تعدیل میں لوگوں کا اختلاف ہے اور جن لوگوں نے ان پر حدیث وضع کرنے کی تہمت لگائی ہے ان کی امام دار قطنی نے تکذیب کی ہے۔

حمزہ السہمی نے کہا ہے کہ

ان پر وضع کی تہمت کو طبلچی ہی لگا سکتا ہے۔

اور داؤد بن فراہیج کی ایک قوم نے توثیق کی ہے پھر اس حدیث مبارکہ کو آئمہ کرام اور حفاظ کرام کی ایک جماعت نے صحیح کہا ہے۔ان سے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث مبارکہ کی اسانید کے تتبع میں ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام کشف اللبس فی حدیث رد الشمس ہے اور اس رسالہ کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر ختم کیا ہے جس نبی کو بھی کو معجزہ دیا گیا ہمارے نبی کو اس جیسا یا اس سے بڑا معجزہ دیا گیا۔(تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ: ج:1 ص:379 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ محمد بن ابراہیم السخاوی متوفی 902ھ اس حدیث مبارکہ کے متعلق لکھتے ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے امام جوزی نے بھی ان کی اتباع کی اور اس حدیث کو موضوعات میں درج کیا ہے' لیکن امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور صاحب شفاء نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔

(المقاصد الحسنہ: ص:236 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

ابن اسحاق کی مغازی میں ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ معراج کی صبح کو جب کفار قریش کو یہ خبر دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا قافلہ دیکھا ہے اور وہ طلوع آفتاب کے ساتھ آ جائے گا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی حتیٰ کہ قافلہ آنے تک سورج ٹھہرا رہا۔ یہ حدیث منقطع ہے' لیکن امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کی اوسط میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کو حکم دیا تو وہ کچھ دیر متاخر ہو گیا۔

اس حدیث مبارکہ کی سند حسن ہے۔

اور مسند احمد میں جو روایت ہے کہ

حضرت یوشع علیہ السلام کے سوا اور کسی کے لیے سورج نہیں ٹھہرایا گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام سابقین علیہم السلام میں سے کسی اور کے لئے سورج نہیں ٹھہرایا گیا اور اس حدیث مبارکہ میں اس بات کی نفی نہیں ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام کے بعد نبی کے لئے سورج ٹھہرایا گیا ہو۔

اور امام طحاوی، امام طبرانی، امام حاکم اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہم نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زانو پر سر رکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز عصر فوت ہو گئی تو سورج لوٹا دیا گیا حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھ لی اور اس کے بعد سورج غروب ہو گیا اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم معجزہ ہے۔

اور تحقیق یہ ہے کہ

ابن جوزی اور ابن تیمیہ نے اس حدیث مبارکہ کو موضوع قرار دینے کی خطا کی ہے۔

واللہ اعلم

البتہ قاضی نے جو نقل کیا ہے: یوم خندق کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سورج کو لوٹایا گیا تھا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھ لی تو اگر یہ ثابت ہو تو پھر یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رد الشمس کا تیسرا واقعہ ہے۔

(فتح الباری: ج:6، ص:222 مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

کسی راوی کے رافضی یا خارجی ہونے کی بناء پر اس کی روایت کے موضوع ہونے کا یقین کر لینا صحیح نہیں ہے اگر چہ وہ اپنے فاسد عقیدے میں ہے مگر اس عظیم معجزے کو نظر انداز کیا جائے اور ضعیف حدیث قرار دیا جائے یہ خطاء ہے۔

جیسا کہ ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی 1014ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن جوزی نے ابن عقدہ کی وجہ سے اس حدیث مبارکہ کو موضوع لکھا ہے کیونکہ وہ رافضی تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا کہتا تھا۔

علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

محض کسی راوی کے رافضی یا خارجی ہونے کی وجہ سے اس کی روایت کے موضوع ہونے کا یقین کر لینا صحیح نہیں ہے جبکہ وہ اپنے دین کے لحاظ سے ثقہ ہو اور غالباً اسی وجہ سے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث مبارکہ کو روایت کیا ہے اور اصل چیز راوی کی عدالت ہے۔ (شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض: ج:3، ص:11 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اور بعض علماء کرام نے اس حدیث مبارکہ کی سند کو حسن کہا ہے۔

جیسا کہ حافظ ہیثمی متوفی 807ھ نے لکھا ہے کہ

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے معجم الاوسط میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کو ٹھہرانے کا حکم دیا تو وہ ایک ساعت ٹھہر گیا۔

اس حدیث مبارکہ کی سند حسن ہے اور ایک حدیث مبارکہ کی سند صحیح ہے وہ ابراہیم بن حسن سے مروی ہے اور وہ ثقہ راوی ہیں امام ابن حبان نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (مجمع الزوائد: ج:8، ص:297 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی 360ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی جارہی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر اقدس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز نہیں پڑھی حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ

اے اللہ عزوجل! بے شک علی (رضی اللہ عنہ) تیری اطاعت اور تیرے رسول کی اطاعت میں مشغول تھے تو ان پر سورج لوٹا دے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

میں نے دیکھا کہ سورج غروب ہو گیا تھا اور پھر غروب ہونے کے بعد وہ طلوع ہو گیا۔ (معجم الکبیر: رقم الحدیث: 390)

امام ابوجعفر متوفی 321ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث مبارکہ نبوت کی عظیم علامتوں میں سے ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اپنے آپ کو پابند رکھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے سورج لوٹانے کی دعا کی اس سے نماز عصر کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ (شرح معانی الآثار: ج:3، ص:98 مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

علامہ اسماعیل بن محمد عجلانی متوفی 1162ھ لکھتے ہیں:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

اس حدیث کی کوئی اصل نہیں۔

اور علامہ ابن جوزی نے کہا:

یہ موضوع ہے۔

لیکن ان کی خطا ہے اسی وجہ سے حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

اس حدیث مبارکہ کو امام ابن مندہ اور امام ابن شاہین نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور امام ابن مردویہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ان دونوں احادیث مبارکہ کی سند حسن ہے اور امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اس حدیث مبارکہ کو امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

احمد بن صالح کہتے تھے کہ جو شخص علم حاصل کرنا چاہتا ہو اس کو حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث مبارکہ کو نہیں چھوڑنا چاہیے کیونکہ وہ نبوت کی بہت بڑی علامت ہے۔ یہ حدیث مبارکہ متصل ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور ابن

جوزی نے جو اس پر کلام کیا ہے اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔

(کشف الخفاء ومزیل الالباس: ج:1 ص:220 مطبوعہ مکتبۃ الغزالی دمشق)

علامہ سیّد محمد بن محمد زبیدی حنفی متوفی 1205ھ لکھتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور معجزات میں سے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سورج کو لوٹایا گیا۔ حافظ ابو جعفر طحاوی نے مشکل الآثار اور امام ابن مندہ اور امام ابن شاہین نے اور امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہم نے معجم کبیر میں اسناد حسن کے ساتھ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں سر اقدس رکھا اور سو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہلایا نہیں حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے اللہ عزوجل! بے شک تیرا بندہ علی (رضی اللہ عنہ) اپنے نبی کی خدمت میں مشغول تھا پس اللہ تعالیٰ نے سورج کو لوٹا دیا حتیٰ کہ سورج پہاڑوں اور زمین پر ٹھہر گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اٹھے انہوں نے وضو کیا اور عصر کی نماز پڑھی اور سورج غروب ہو گیا یہ صہباء کا واقعہ ہے۔

اس حدیث مبارکہ کا دوسرا متن یہ ہے کہ

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اوپر کپڑا اوڑھ لیتے۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زانو پر سر انور رکھا ہوا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا:

کیا تم نے عصر کی نماز پڑھ لی ہے۔

انہوں نے عرض کیا:

نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اللہ تعالیٰ نے ان پر سورج لوٹا دیا حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز پڑھ لی۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

میں نے دیکھا کہ سورج غروب ہونے کے بعد طلوع ہو گیا۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث مبارکہ کو صحیح کہا ہے۔

اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے اس حدیث مبارکہ کو الشفاء میں نقل کیا ہے اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیح کو برقرار رکھا ہے اور کہا ہے کہ یہ سب معجزات سے ہے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ

امام احمد بن صالح یہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کا مقصد علم ہو اس کو چاہئے کہ وہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث مبارکہ کو حفظ کرے کیونکہ یہ نبوت کی علامات میں سے ہے۔

امام ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں درج کیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تخریج رافضی میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نقل کیا ہے: اس حدیث مبارکہ کی کوئی اصل نہیں ہے اور ابن تیمیہ نے ان کی پیروی کی ہے اور روافض کے رد میں جو رسالہ لکھا ہے اس میں یہ تصریح کی ہے کہ یہ موضوع ہے اور ابن جوزی نے یہ کہا ہے کہ اس کی سند میں احمد بن داؤد ہے۔ دار قطنی نے اس کے متعلق کہا ہے وہ متروک الحدیث اور کذاب ہے۔

اور ابن حبان نے کہا ہے کہ

وہ حدیث وضع کرتا تھا۔

پھر ابن جوزی نے کہا:

یہ حدیث باطل ہے اور جس نے اس کے موضوع ہونے سے غفلت کی اس سے اس میں محض فضیلت کی صورت کو دیکھا اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور سورج غروب ہونے کے بعد نماز قضا ہو جائے گی اور سورج کے لوٹ آنے سے وہ نماز ادا نہیں ہو گی۔

میں کہتا ہوں کہ

یہ ابن الجوزی کی غلطی ہے اس پر حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ رد کر چکے ہیں اور اہل علم کو معلوم ہے کہ ابن الجوزی احادیث صحیحہ کو احادیث موضوعہ میں درج کر دیتے ہیں اور اس پر ان کے معاصر اور ان کے بعد بکثرت علماء نے رد کیا ہے جس طرح کہ حافظ عراقی نے نکت الصلاح میں نقل کیا ہے اور اس حدیث کو متعدد حفاظ نے صحیح کہا ہے۔

حتیٰ کہ حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ

اس حدیث مبارکہ کا متعدد اسانید کے ساتھ مروی ہونا اس کی صحت پر شاہد ہے اس لیے ابن جوزی کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اور ابن جوزی کا یہ کہنا کہ اس میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اس میں فائدہ ہے اور یہ ہے کہ سورج کے لوٹنے سے وقت لوٹ آتا ہے اور رہا اس کا یہ کہنا کہ سورج کا لوٹ آنا قضا نماز کو ادا نہیں بناتا اس کا حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے شرح ارشاد میں یہ جواب دیا ہے کہ جب سورج غروب ہوا اور پھر لوٹ آئے تو اس کے لوٹ آنے سے وقت بھی لوٹ آئے گا۔

اور اس کی دلیل یہ حدیث مبارکہ ہے:

اور شہاب الدین خفاجی نے شرح الشفاء میں لکھا ہے کہ

اگر سورج کے لوٹنے کے بعد بھی یہ نماز قضا ہی رہتی تو پھر سورج کے لوٹانے کا کیا فائدہ تھا کیونکہ یہ نماز ایک عذر کی بناء پر قضاء ہوئی تھی اور عذر یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند میں خلل نہ ڈالا جائے اور یہ فضیلت ہے اور جب وہ نماز لوٹائی گئی تو وہ فضیلت حاصل ہوگئی۔

اور دوسرے علماء کرام نے لکھا ہے کہ

یہ نماز ادا ہوئی تھی۔ علامہ قرطبی نے التذکرہ میں اس کی تصریح کی ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ

جب سورج لوٹ آیا تو گویا وہ غروب نہیں ہوا۔

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے معجم الاوسط میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کو حکم دیا تو وہ ایک گھنٹہ مؤخر ہو گیا۔

(اتحاف السادۃ المتقین: ج:7، ص191 تا 192 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے فرعون کے دل میں رعب بیٹھنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کے زمانے میں فرعون نے آپ علیہ السلام کے بہت سارے معجزات دیکھے ایک بار آپ علیہ السلام نے مرغ سے تسبیح پڑھوائی ایک بار پکے ہوئے مرغ کو زندہ فرمایا جس سے فرعون کے دل میں آپ علیہ السلام کا رعب بیٹھ گیا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

آپ علیہ السلام کے زمانہ پرورش میں فرعون نے آپ علیہ السلام کے بہت سے معجزے دیکھے۔ ایک بار آپ علیہ السلام نے مرغ سے تسبیح پڑھوائی ایک دفعہ پکے ہوئے مرغ کو زندہ فرمایا جس سے کہ فرعون کے دل میں آپ علیہ السلام کا رعب بیٹھ گیا۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:373 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے غلبہ محبت اور بیوی کی وجہ سے آپ علیہ السلام کو قتل نہ کرسکنا

فرعون چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت زیادہ محبت کرنے لگ گیا تھا اس لیے آپ علیہ السلام کے غلبہ محبت اور بیوی کی وجہ سے آپ علیہ السلام کو قتل نہ کر سکا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

آپ علیہ السلام کے زمانہ پرورش میں فرعون نے آپ علیہ السلام کے بہت سے معجزے دیکھے۔ ایک بار آپ علیہ السلام نے مرغ سے تسبیح پڑھوائی ایک دفعہ پکے ہوئے مرغ کو زندہ فرمایا جس سے کہ فرعون کے دل میں آپ علیہ السلام کا رعب بیٹھ گیا مگر غلبہ محبت اور اپنی بیوی کی وجہ سے قتل نہ کرسکا۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:373 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جوانی پر پہنچنے کے وقت دل بنی اسرائیل کی طرف میلان ہونا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تقریباً جوان ہوئے تو آپ علیہ السلام کا دل بنی اسرائیل کی طرف مائل ہوا۔آپ علیہ السلام ان سے ہی زیادہ میل جول رکھتے تھے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تقریباً جوان ہوئے تب آپ علیہ السلام کا میلان قلبی بنی اسرائیل کی طرف ہوا۔آپ علیہ السلام ان سے ہی زیادہ میل جول رکھتے تھے۔(تفسیر نعیمی:ج:1،ص:373مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

فرعونیوں پر ناگوار گزرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دل چونکہ بنی اسرائیل کی طرف مائل ہو گیا تھا اور ان سے ہی میل جول رکھنے لگ گئے تھے تو فرعونیوں کو اس پر ناگوار گزرتا تھا مگر کچھ دم نہ مار سکتے تھے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

فرعونیوں کو ناگوار گزرتا تھا مگر کچھ دم نہ مار سکتے تھے۔(تفسیر نعیمی:ج:1،ص:373مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بائیس سال کی عمر میں فرعون سے چھٹکارنے کے لئے بنی اسرائیل کو نذر منوانا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بائیس سال کی عمر میں پہنچے تو بنی اسرائیل کے ایک سردار کو علیحدہ کر کے پوچھا کہ تم لوگ کب سے فرعون کی مصیبت میں مبتلا ہو تو اس نے جواب دیا کہ بہت عرصے سے اس کی مصیبت میں مبتلا ہیں۔تو آپ علیہ السلام نے فرمایا یہ ہی تو تمہارے گناہوں کی شامت ہے اب تم نذر مانو کہ ہمیں اللہ تعالیٰ ان سے نجات عطا فرمادے تو ہم اس نذر کو پورا کریں گے۔بنی اسرائیل والوں نے کہا: ہم کیا نذر مانیں۔اس پر آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کریں گے تو سب بنی اسرائیل والوں نے اس نذر کو مان لیا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

جب آپ علیہ السلام 22 سال کے ہوئے تب ایک دن سرداران بنی اسرائیل کو علیحدہ کر کے ان سے پوچھا کہ تم فرعون کی مصیبت میں کب سے مبتلا ہو۔

انہوں نے جواب دیا کہ بہت عرصے سے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

یہ تمہارے گناہوں کی شامت ہے۔تم نذر مانو کہ جب رب تعالیٰ تم کو اس سے نجات دے تو تم وہ پوری کرو۔

ان سب نے کہا:

کیا نذر مانیں؟

آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

رب تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری، سب نے نذر مان لی۔ (تفسیر نعیمی: ج:1 ص373 تا 374 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

نذر کے معانی

نذر کے معنی کے متعلق علماء کرام کے اقوال حسب ذیل ہیں۔

علامہ مجدالدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی کا قول

علامہ مجدالدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی 817ھ لکھتے ہیں:

نذر کا معنیٰ ہے تاوان، کسی چیز کو واجب کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے منت ماننا۔

(القاموس المحیط: ج:2 ص:198 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی کا قول

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:

نذر یہ ہے کہ تم کسی کام کے ہونے کی بناء پر اپنے اوپر ایسی عبادت کو واجب کرلو جس کو تم پر واجب نہیں کیا گیا ہے۔

(المفردات: ص:487 مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران)

نذر کی اقسام

علامہ ابوالحیان اندلسی لکھتے ہیں۔

نذر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم حرام ہے اور یہ ہر وہ نذر ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں نہ ہو اور زمانہ جاہلیت میں زیادہ تر نذریں ایسی ہوتی تھیں۔

دوسری قسم ہے مباح۔ یہ کبھی کسی کام کے ساتھ مشروط ہوتی ہے اور کبھی مطلق ہوتی ہے مثلاً اگر میں فلاں مرض سے شفا پا جاؤں تو میں ایک دینار صدقہ کروں گا (یہ نذر مشروط ہے) یا میں اللہ تعالیٰ کے لئے ایک غلام آزاد کروں گا (یہ غیر مشروط ہے) اور کبھی نذر مطلق ہوتی ہے مثلاً اگر میں صحت مند ہو گیا تو میں صدقہ کروں گا۔ (البحر المحیط: ج:2 ص:128 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قرآن مجید سے نذر کا ثبوت

نذر کا ثبوت قرآن مجید کی آیات کریمہ سے بھی ملتا ہے جو کہ درج ذیل ہیں۔

آیت کریمہ 1

قرآن مجید میں ہے:

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ (آل عمران:35)

جب عمران کی بیوی نے کہا: اے میرے رب! میں نے تیرے لئے نذر مانی ہے کہ میرے پیٹ میں جو آزاد کیا ہوا

ہے (وہ خالص تیرے لیے ہے) تو اس کو میری طرف سے قبول فرما۔

آیت کریمہ: 2

قرآن مجید میں ہے:

فَقُوْلِیْٓ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّاۚ (مریم:26)

(اے مریم) تم کہنا! میں نے رحمان کے لئے (خاموشی کے) روزہ کی نذر مانی ہے سو میں آج ہرگز کسی انسان سے بات نہیں کروں گی۔

آیت کریمہ: 3

قرآن مجید میں ہے:

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُهٗ ؕ (البقرہ:270)

اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو اور تم جو بھی نذر مانتے ہو بے شک اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔

آیت کریمہ: 4

قرآن مجید میں ہے:

وَلْیُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ (الحج:29)

اور ان پر لازم ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لئے مانی ہوئی نذروں کو پورا کریں۔

احادیث مبارکہ سے نذر کا ثبوت

نذر کے متعلق کثیر احادیث مبارکہ ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

حدیث مبارکہ: 1

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک رات مسجد حرام میں اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اپنی نذر پوری کرو۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث:6697)

حدیث مبارکہ: 2

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو میرے قرن (زمانہ) میں ہیں پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں پھر ان کے بعد ایک ایسی قوم آئے گی جو نذر مانیں گے اور اس کو پورا نہیں کریں گے وہ خیانت کریں گے اور امانت داری نہیں کریں گے وہ شہادت دیں گے اور ان سے شہادت طلب نہیں کی جائے گی اور ان میں موٹاپا ظاہر ہوگا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6695)

حدیث مبارکہ: 3

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی معصیت کی نذر مانی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی معصیت نہ کرے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6696)

حدیث مبارکہ: 4

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرمارہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ایک آدمی (دھوپ میں) کھڑا ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق پوچھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بتایا کہ اس نے نذر مانی تھی کہ یہ کھڑا رہے گا اور بیٹھے گا نہیں اور سائے میں نہیں رہے گا اور یہ بات نہیں کرے گا اور روزہ رکھے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس سے کہو کہ باتیں کرے اور سائے میں رہے اور بیٹھے اور اپنا روزہ پورا کرے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6704)

حدیث مبارکہ: 5

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا اس کے گلے میں رسی باندھی ہوئی تھی اور وہ طواف کر رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وہ رسی کاٹ دی۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6702)

حدیث مبارکہ: 6

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی بہن نے یہ نذر مانی ہے کہ وہ پیدل حج کرے گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ اس کی اس نذر سے مستغنی ہے اس سے کہو کہ سوار ہو۔ (سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 3297)

حدیث مبارکہ: 7

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے اور وہ کعبہ معظمہ کا طواف کر رہا تھا اس کی ناک میں نکیل پڑی ہوئی تھی اور دوسرا شخص اس کو پکڑ کر کھینچ رہا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اس نکیل کو کاٹ دیا اور اس شخص سے ارشاد فرمایا: اس کا ہاتھ پکڑ کر لے جاؤ۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6703)

حدیث مبارکہ: 8

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ایک شخص اپنے دو بیٹوں کے درمیان سہارے سے چل رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا سبب دریافت کیا۔ لوگوں نے بتایا اس نے پیدل چلنے کی نذر مانی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس شخص نے خود کو جس عذاب میں مبتلا کیا ہوا ہے اللہ تعالیٰ اس سے مستغنی ہے اس سے کہو کہ سوار ہو۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 1642)

حدیث مبارکہ: 9

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ کی معصیت میں نذر کو پورا کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس چیز کی نذر ماننا جائز ہے جس کا ابن آدم مالک نہیں ہے۔ (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 1641)

حدیث مبارکہ: 10

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جس شخص نے کوئی نذر مانی اور اس کو معین نہیں کیا اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اور جس نے گناہ کرنے کی نذر مانی اس کا کفارہ (بھی) قسم کا کفارہ ہے اور جس نے ایسے کام کی نذر مانی جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا اس کا کفارہ (بھی) قسم کا کفارہ ہے اور جس نے ایسی عبادت کی نذر مانی ہے جس کی وہ طاقت رکھتا ہے وہ اس نذر کو پورا کرے۔ (سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 4128)

حدیث مبارکہ: 11

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نذر ماننے سے ابن آدم کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں آسکتی جو اس سے پہلے مقدر نہ ہو چکی ہو لیکن تقدیر اس کے لئے وہ چیز لے آتی ہے جو اس کے لئے پہلے مقدر ہو چکی ہو۔ نذر بخیل سے اس کی عبادت کو نکالتی ہے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6609)

حدیث مبارکہ: 12

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے کہا! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری توبہ یہ ہے کہ میں اپنا کل مال اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف صدقہ کر دوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم اپنا بعض مال روک لو یہ تمہارے لیے بہتر رہے گا۔

میں نے عرض کیا:

خیبر میں جو میرا حصہ ہے میں اس کو رکھ لیتا ہوں۔ (سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 3317)

حدیث مبارکہ: 13

حضرت سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس نذر کے متعلق سوال کیا جو ان کی ماں پر تھی اور وہ اس نذر کو پوری کرنے سے پہلے فوت ہو گئیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ اپنی ماں کی طرف سے یہ نذر پوری کریں پھر ان کے بعد یہ طریقہ مقرر ہو گیا۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6698)

حدیث مبارکہ: 14

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر کہا میری بہن نے حج کرنے کی نذر مانی تھی اور وہ فوت ہو چکی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر اس پر قرض ہوتا تو کیا تم اس قرض کو ادا کرتے؟

اس نے عرض کیا:

جی ہاں!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تو پھر اللہ تعالیٰ کا قرض ادا کرو وہ ادا کیے جانے کے زیادہ مستحق ہے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6699)

حدیث مبارکہ:15

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر ماننے سے منع فرمایا اور فرمایا:
نذر کسی چیز کو ٹال نہیں سکتی اور نذر بخیل سے عبادت نکالتی ہے۔(صحیح البخاری: رقم الحدیث:6608)

نذر ماننے کی ممانعت کی توجیہات

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی مالکی متوفی 656ھ لکھتے ہیں:

اس کا محل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ کہا: اگر اللہ تعالیٰ نے میرے مریض کو شفا دے دی یا میرے گم شدہ آدمی کو لوٹا دیا تو میں ایک غلام آزاد کروں گا یا اتنی چیز صدقہ کروں گا یا اتنے روزے رکھوں گا۔ اس نذر سے ممانعت کی توجیہ یہ ہے کہ جب اس نے اس عبادت کو اپنی کسی غرض کے جلد پورا ہونے پر موقوف کر دیا تو اس سے ظاہر ہو گیا کہ اس کی نیت اس عبادت سے محض اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا نہیں تھی بلکہ اس نے اپنی غرض پوری کرنے کے عوض میں اس عبادت کی نیت کی تھی۔ کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ اگر اس کی وہ غرض پوری نہیں ہوئی تو پھر وہ اس عبادت کو نہیں کرے گا اور یہی بخیل کا حال ہوتا ہے اس کے مال سے کوئی چیز اس وقت تک نہیں نکالی جا سکتی جب تک اسے اس چیز کا جلد معاوضہ حاصل نہ ہو جائے اور اس معنیٰ کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث مبارکہ میں اشارہ فرمایا ہے۔ نذر کے سبب سے بخیل سے اس عبادت کو نکالا جاتا ہے جس کو بخیل نہیں نکالتا پھر اس کے ساتھ جاہل کا یہ اعتقاد مل جاتا ہے کہ نذر اس کی غرض کے حصول کو واجب کر دیتی ہے یا اللہ تعالیٰ اس نذر کی وجہ سے اس کی غرض کو پورا کر دیتا ہے اور ان ہی دو علتوں کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس حدیث مبارکہ میں اشارہ فرمایا ہے۔ بے شک نذر اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے کسی چیز کو ٹال نہیں سکتی اور دونوں جہالتیں ہیں البتہ پہلی جہالت کہ نذر اللہ تعالیٰ پر غرض پورا کرنا واجب کر دیتی ہے کفر کے قریب ہے اور دوسری جہالت یعنی اللہ تعالیٰ نذر کی وجہ سے اس کی غرض پوری کرتا ہے اس کے اعتقاد میں خطاء صریح ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ پھر نذر کا ماننا حرام ہے یا مکروہ ہے؟ تو علماء کا معروف مذہب یہ ہے کہ نذر ماننا مکروہ ہے اور میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ جس کے حق میں اس فاسد اعتقاد کا خطرہ ہو اس کا نذر ماننا حرام ہے اور جس کا یہ اعتقاد نہ ہو اس کا نذر ماننا مکروہ ہے بہر حال جب بھی نذر مانی جائے خواہ وہ کسی طرح ہو اس کو پورا کرنا واجب ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر کی وہ اس کی اطاعت کرے۔

(المفہم ج:4، ص606 تا 607 مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی 544ھ لکھتے ہیں:

امام مازری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس حدیث مبارکہ سے غرض یہ ہے کہ نذر کی حفاظت کی جائے اور اس کو لازماً پورا کیا جائے اور میرے نزدیک یہ توجیہ ظاہر حدیث سے بعید ہے اور میرے نزدیک ممانعت کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ عبادت کی نذر ماننے

والا اپنا مقصد پورا کرنے کے بعد اس عبادت کو جرمانہ، تاوان اور سزا کے طور پر ادا کرتا ہے کیونکہ اب اس کو اس عبادت کے کرنے اور نہ کرنے کا اختیار نہیں رہا وہ اس پر لازم اور واجب ہو گئی اور ہر وہ کام جس میں انسان پر جبر ہو وہ اس کو خوشی سے نہیں کرتا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ مکروہ ہے کہ انسان کسی معین دن کا روزہ مان لے اور ہمارے مشائخ نے اس کراہت کی یہی وجہ بیان کی ہے اور حدیث مبارکہ میں نذر ماننے کی ممانعت کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ نذر ماننے والے نے جب تک نذر نہیں مانی تھی اس وقت تک اس نے وہ عبادت نہیں کی تھی اور وہ اس شرط پر اس عبادت کو کرتا ہے کہ اس کا وہ کام ہو جائے جس کے لئے اس نے اس عبادت کی نذر مانی تھی اور اس کی یہ عبادت گویا کہ اس کے کام کا معاوضہ ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کے تقرب کی زینت خراب ہو جاتی ہے اور وہ نہیں ملتا جو خالص عبادت پر ملتا ہے۔

اور حدیث مبارکہ میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں تمام شرکاء کے شرک سے مستغنی ہوں اور جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں میرے غیر کو شریک کیا میں اس عمل کو اور اس کے شرک کو ترک کر دیتا ہوں۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: 2985)

اس تاویل کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارکہ میں اشارہ ہے کہ نذر کسی خیر کو نہیں لاتی۔ اور اس حدیث مبارکہ میں اشارہ ہے نذر تقدیر سے مستغنی نہیں کرتی اور اس حدیث مبارکہ میں اشارہ ہے کہ نذر کبھی تقدیر کے موافق ہو جاتی ہے پھر بخیل سے وہ عبادت نکالتی ہے جس کو بخیل نکالنا نہیں چاہتا تھا۔ (اکمال المعلم: ج:5، ص:387 مطبوعہ دار الوفاء بیروت)

علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر جزری متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

احادیث مبارکہ میں نذر سے ممانعت کا ذکر بہت آیا ہے اور یہ نذر کی تاکید اور اس میں نذر کے واجب ہونے کے بعد اس کو پورا کرنے میں سستی سے ڈرانا ہے اور اگر اس سے مقصود نذر سے جھڑکنا ہوتا حتیٰ کہ نذر نہ مانی جائے تو اس میں نذر کے حکم کو باطل کرنا ہوتا اور اس کو پورا کرنے کے لزوم کو ساقط کرنا ہوتا کیونکہ ممانعت کے بعد نذر ماننا گناہ ہوتا اور اس کو پورا کرنا لازم نہ ہوتا اور ممانعت کی احادیث مبارکہ کی توجیہ یہ ہے کہ لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ نذر ان کے مقصود کو جلد کھینچ کر نہیں لاتی اور نہ ان سے جلد کسی ضرر کو دور کرتی ہے اور نہ ان سے قضا اور تقدیر کو ٹالتی ہے تو گویا آپ نے فرمایا تم اس طرح نذر نہ مانو گویا تم نذر مان کر اس چیز کو حاصل کر لو گے جو تمہارے لئے مقدر نہیں کی گئی یا تم نذر سے کسی ایسی مصیبت کو دور کر دو گے جو تمہارے لئے مقدر ہو چکی ہے پس جب تم اس قسم کے اعتقاد سے نذر نہیں مانو گے تو پھر تم اس نذر کو پورا کرو کیونکہ تم نے جس عبادت کی نذر مان لی ہے وہ تم پر لازم ہے۔ (النہایہ: ج:5، ص:33 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

نذر صحیح کیا ہے؟

علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی متوفی 1088ھ لکھتے ہیں:

اکثر عوام جو فوت شدہ بزرگوں کی نذر مانتے ہیں اور اولیاءِ کرام کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ان کے مزارات پر جو روپے، موم بتی اور تیل کی نذر مانتے ہیں وہ بالا جماع باطل اور حرام ہے جب تک ان چیزوں کو فقراء پر خرچ کرنے کا ارادہ نہ کیا جائے لوگ اس آفت میں مبتلا ہیں خصوصاً ہمارے زمانہ میں۔ (درمختار: ج:2 ،ص:128 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی متوفی 1252ھ اس کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

مثلاً کوئی شخص اولیاء اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اپنی نذر میں کہتا ہے۔ اے میرے سردار فلاں بزرگ! اگر میرا گم شدہ شخص واپس آجائے یا میرا بیمار صحت مند ہو جائے یا میری حاجت پوری ہو جائے تو میں آپ کے لئے اتنا سونا یا چاندی یا کھانا یا موم بتی یا تیل دوں گا یہ نذر کئی وجوہ سے باطل اور حرام ہے۔

1 - یہ مخلوق کی نذر ہے اور مخلوق کی نذر باطل اور حرام ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور مخلوق کی عبادت جائز نہیں ہے۔

2 -- جس کی نذر مانی گئی ہے وہ فوت شدہ ہے اور فوت شدہ شخص کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔

3 - اگر نذر ماننے والے کا یہ گمان ہے کہ وہ فوت شدہ شخص اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر تصرف کرتا ہے تو یہ اعتقاد کفر ہے۔

ہاں! اگر اس نے یہ کہا: اے اللہ عزوجل! میں تیرے لیے نذر مانتا ہوں کہ اگر تو نے میرے مریض کو شفا دے دی یا میرے گم شدہ شخص کو لوٹا دیا یا میری حاجت پوری کر دی تو میں سیّدہ نفیسہ کے مزار پر بیٹھے ہوئے فقراء کو کھانا کھلاؤں گا یا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یا امام لیث رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر بیٹھنے والے فقراء کو کھانا کھلاؤں گا یا اس نے ان کی مساجد کے لئے چٹائی اور روشنی کے لئے تیل یا دیگر کاموں کے لئے روپیہ دیا جس میں فقراء کا نفع ہو۔ یہ نذر خاص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور شیخ کا ذکر صرف نذر کو خرچ کرنے کے محل کے لئے ہوتا کہ اس مزار یا مسجد میں بیٹھنے والے فقراء اور مستحقین پر ان چیزوں کو خرچ کر دیا جائے تو اس اعتبار سے یہ نذر جائز ہے اور کسی غنی یا سیّد پر ان چیزوں کا خرچ کرنا جائز نہیں ہے اور جو نذر مخلوق کے لئے مانی گئی ہو اس کو پورا کرنا حرام ہے اور مزار کے متولی کے لئے اس کا لینا جائز نہیں ہے جب تک نذر ماننے والا اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے نذر نہ مانے اور فقراء پر اس کو خرچ کرنے کی نیت نہ کرے۔ (ردالمحتار: ج:2 ،ص:128 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

صدر الافاضل سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی 1367ھ لکھتے ہیں:

نذر عرف میں ہدیہ اور پیشکش کو کہتے ہیں اور شرع میں نذر عبادت اور قربت مقصودہ ہے اسی لیے اگر کسی نے گناہ کی نذر کی تو وہ صحیح نہیں ہوئی نذر خاص اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتی ہے اور یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے نذر کرے اور کسی ولی کے آستانے کے فقراء کو نذر کے لئے صرف کا محل مقرر کرے۔ مثلاً کسی نے یہ کہا: یارب عزوجل! میں نے نذر مانی کہ اگر تو میرا فلاں مقصد پورا کر دے کہ فلاں بیمار کو تندرست کر دے تو میں فلاں ولی کے آستانہ کے فقراء کو کھانا کھلاؤں یا وہاں کے خدام کو روپیہ پیسہ دوں یا ان کی مسجد کے لئے تیل یا بوریا حاضر کروں تو یہ نذر جائز ہے۔ (خزائن العرفان: ص:73 مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جوان ہونا اور فرعون کی سواریوں پر سوار ہونا

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جوان ہو گئے تو فرعون کی سواریوں پر سوار ہوتے اور اسی کی طرح ہی لباس پہنتے اور لوگ

آپ علیہ السلام کو موسیٰ بن فرعون کہا کرتے تھے۔

امام عبدالرحمان بن علی الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام جوان ہو گئے وہ فرعون کی سواریوں پر سوار ہوتے اور اس کی طرح لباس پہنتے اور لوگ انہیں موسیٰ بن فرعون کہتے تھے۔ (المنتظم: ج:1، ص:219 مطبوعہ بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جوانی کے وقت حکم اور علم عطا فرمانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنی پوری جوانی کو پہنچ گئے اور توانا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو حکم اور علم عطا فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ اسْتَوٰۤى اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًاؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ۝ (القصص:14)

اور جب موسیٰ اپنی پوری قوت (جوانی) کو پہنچ گئے اور توانا ہو گئے تو ہم نے ان کو حکم اور علم عطا فرمایا اور ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں۔

حکم اور علم کی تفسیر میں علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

جب ان کی عمر چالیس سال ہو گئی اور حکم سے مراد ہے وہ حکمت جو ان کو نبوت سے پہلے دی گئی اور علم سے مراد دین کی فقہ۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:13، ص:239)

نبی کو نبوت کب عطا فرمائی جاتی ہے؟

نبی کو نبوت عطا فرمانے میں علماء کرام کے چند اقوال ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں۔

امام محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ ہر نبی کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیا گیا ہے اور اس کی ظاہر ہے کیونکہ جب انسان چالیس سال کی عمر میں پہنچ جاتا ہے تو اس کے غضب اور شہوت کی قوت کم ہونے لگتی ہے اور اس کی عقل بڑھنے لگتی ہے اور اس وقت انسان جسمانی اعتبار سے کامل ہو جاتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کرنے کے لیے اس عمر کو اختیار فرمایا۔

(تفسیر کبیر: ج:8، ص:583 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ محمود بن عمر زمخشری الخوارزمی متوفی 538ھ لکھتے ہیں:

ہر نبی کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیا جاتا ہے۔ (الکشاف: ج:3، ص:402 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ بیضاوی متوفی 685ھ لکھتے ہیں:

چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا فرمائی جاتی ہے۔ (بیضاوی: ج:4، ص:286)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی 1137ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث کرنے کے لئے چالیس سال کی عمر کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تینتیس (33) سال کی عمر میں نبی بنایا گیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو اٹھارہ (18) سال کی عمر میں (جب آپ علیہ السلام کو کنویں میں گرایا گیا تھا) نبی بنایا گیا تھا کیونکہ اس وقت ان پر یہ وحی کی گئی تھی۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ (یوسف:15)

اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ عنقریب تم ان کو ان کے سلوک سے آگاہ کرو گے اور ان کو اس کی خبر بھی نہ ہوگی۔

جمہور علماء کے نزدیک یہ وحی نبوت تھی اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بالغ ہونے سے پہلے نبوت دی گئی۔

(روح البیان: ج:6، ص:498 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی حنفی متوفی 973ھ لکھتے ہیں:

جن لوگوں کو یہ شبہ ہوا کہ نبوت کسبی ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اظہار رسالت سے پہلے یا تو مخلوق سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں یا پھر وہ عبادت کرتے ہیں اور ان میں وحی کو قبول کرنے کی استعداد اور صلاحیت ہوتی ہے تا کہ وہ اس حالت کی طرف لوٹ جائیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مقدر کی ہے سو جو لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ پہلے مخلوق سے کنارہ کش تھے اور عبادت کرتے تھے پھر ان کو نبوت حاصل ہوئی وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کو نبوت ان کے کسب سے حاصل ہوئی مگر یہ ان کا وہم ہے اور ان کی نظر کی کوتاہی ہے اور شیخ محی الدین ابن عربی متوفی 638ھ نے الفتوحات المکیہ کے باب 298 میں کہا ہے کہ جس نے یہ کہا ہے کہ نبوت کسب سے حاصل ہوتی ہے اس نے خطا کی نبوت صرف اللہ تعالیٰ کی عطا کے ساتھ مختص ہے۔ (الیواقیت والجواہر: ص:353 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

صدر الشریعۃ علامہ مفتی امجد علی اعظمی متوفی 1367ھ لکھتے ہیں:

نبوت کسبی نہیں کہ آدمی عبادت و ریاضت کے ذریعہ حاصل کر سکے بلکہ محض عطائے الٰہی عزوجل ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اپنے فضل سے دیتا ہے ہاں دیتا اسی کو ہے جسے اس منصب عظیم کے قابل بناتا ہے جو قبل حصول نبوت تمام اخلاق رذیلہ سے پاک اور تمام اخلاق فاضلہ سے مزین ہو کر جملہ مدارج ولایت طے کر چکتا ہے اور اپنے نسب و جسم و قول و فعل و حرکات و سکنات میں ہر ایسی بات سے منزہ ہوتا ہے جو باعث نفرت ہو اسے عقل کامل عطا کی جاتی ہے جو اوروں کی عقل سے بدرجہ زائد ہے کسی حکیم اور کسی فلسفی کی عقل اس کی لاکھویں حصہ تک نہیں پہنچ سکتی۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ط (الانعام:124)

اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ (الجمعہ:4)

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے اللہ تعالیٰ چاہے دے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

اور جو اس کو کسبی مانے کہ آدمی اپنے کسب و ریاضت سے منصب نبوت تک پہنچ سکتا ہے کافر ہے۔

(بہار شریعت: ج:1،ص:8 مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

علامہ احمد خفاجی حنفی متوفی 1069ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں نبوت عطا فرمائی۔

وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝ (مریم:12)

اور ہم نے اس کو بچپن میں نبوت عطا کی۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تینتیس سال (33) کی عمر میں مبعوث کیا گیا اور چالیس سال کی عمر میں آسمانوں پر اٹھایا گیا اس لیے چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا کرنے یا مبعوث کیے جانے کا حکم تغلیبی ہے (یعنی قاعدہ کلیہ نہیں اکثر یہ ہے)

(عنایۃ القاضی: ج:7،ص:285 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدائشی نبی ہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدائش سے قبل نبی بنا دیا گیا تھا جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

مسلمانوں نے عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبوت کب واجب ہوئی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس وقت حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (سنن ترمذی: رقم الحدیث:3609)

اور حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور اس وقت حضرت آدم علیہ السلام اپنی مٹی کے خمیر میں تھے اور میں عنقریب تم کو ابتداء کے متعلق بتاؤں گا (میں) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور میں اپنی والدہ محترمہ کا وہ خواب ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا ان کے لئے ایک نور نکلا جس سے ان کے لئے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ (مسند البزار: رقم الحدیث:2365)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی 1052ھ اس حدیث مبارکہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس جگہ یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت جو تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے تھی اس سے کیا

مراد ہے؟ اگر اس سے یہ مراد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے علم میں اس وقت نبی تھے تو اس پر یہ اشکال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تو اس وقت تمام انبیاء کرام علیہم السلام نبی تھے اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بالفعل نبی تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بالفعل نبی ہونا تو دنیا میں تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اس سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود عنصری سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا فرشتوں اور روحوں میں اظہار ہے جیسا کہ احادیث مبارکہ میں وارد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم شریف عرش پر، آسمانوں پر، جنت کے محلات اور بالا خانوں پر، حوران بہشت کے سینوں پر، درختوں کے پتوں پر، جنت کے درختوں پر اور فرشتوں کی بھنوؤں اور آنکھوں پر لکھا ہوا تھا۔

بعض عارفین نے کہا ہے کہ

اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح شریف نبی تھی اور عالم ارواح میں روحوں کی تربیت کر رہی تھی جیسا کہ اس عالم عنصری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم شریف اجسام کی تربیت کر رہا ہے اور یہ چیز ثابت ہے کہ ارواح کو اجسام سے پہلے پیدا کیا گیا ہے۔ (اشعۃ اللمعات: ج:4، ص474 تا475 مطبع تیج کمار لکھنؤ)

عتبہ بن عبد السلمی نے روایت کیا ہے کہ

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا!

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی پہلی نشانی کیا تھی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں بنو سعد بن بکر کے ہاں اپنی دایہ کے پاس تھا اور ان کا بیٹا بکریاں چرانے گئے ہم نے اپنے ساتھ ناشتہ نہیں لیا تھا۔

میں نے کہا:

اے بھائی! جاؤ ہماری ماں کے پاس سے ناشتہ لے آؤ۔ میرا بھائی چلا گیا اور میں بکریوں کے پاس رہا پھر گدھ کی طرح دو سفید پرندے آئے۔

ایک نے دوسرے سے کہا:

کیا یہ وہی ہے؟

اس نے کہا:

ہاں! پھر وہ دونوں میری طرف جھپٹے ان دونوں نے مجھے پکڑ کر زمین پر پیٹھ کے بل گرا دیا پھر انہوں نے میرا سینہ چاک کیا اور میرا دل نکالا اور اس سے دو سیاہ لوتھڑے نکالے۔

پھر ایک نے دوسرے سے کہا:

برف کا پانی لاؤ۔ پھر انہوں نے اس پانی سے میرے پیٹ کو دھویا۔

پھر کہا۔

ٹھنڈا پانی لاؤ۔

پھر کہا۔

چھری لاؤ پھر ٹھنڈا پانی میرے دل پر چھڑ کا۔

پھر کہا۔

اس دل کو سیو اور اس پر نبوت کی مہر لگا دو۔

پھر ایک نے دوسرے سے کہا:

ان کو ایک پلڑے میں رکھو اور ان کی امت کو دوسرے پلڑے میں رکھو پھر میں اپنے اوپر ہزاروں آدمیوں کو دیکھ رہا تھا اور مجھے ڈر تھا کہ ان میں سے بعض مجھ پر گر پڑیں گے۔

پھر ان میں سے کسی نے کہا:

اگر ان کا امت کے ساتھ وزن کیا گیا تو ان کا پلڑا بھاری ہوگا۔ میں اپنی رضاعی ماں کے پاس گیا اور ان کو اس واقعہ کی خبر دی ان کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں مجھ پر کوئی افتاد آ جائے گی۔

انہوں نے کہا:

میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتی ہوں وہ اپنے اونٹ پر سوار ہوئیں اور مجھے اپنے پیچھے پالان پر بٹھا دیا حتیٰ کہ ہم میری والدہ محترمہ تک پہنچ گئے۔

میری رضاعی والدہ محترمہ نے کہا:

کیا میں نے اپنی امانت ادا کر دی اور اپنے ذمہ کو پورا کر دیا؟

اور وہ واقعہ بیان کیا جو مجھے پیش آیا تھا۔ میری والدہ محترمہ اس سے خوفزدہ نہیں ہوئیں۔

اور ارشاد فرمایا:

میں نے دیکھا تھا کہ مجھ سے ایک نور نکلا تھا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے تھے۔ (سنن داری: رقم الحدیث: 13)

امام ابو نعیم الاصبہانی متوفی 430ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور وہ سوال پر بہت حریص تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چیزوں کے متعلق سوال کرتے تھے جن کے متعلق دوسرے سوال نہیں کرتے تھے۔

انہوں نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ابتداء کیسے ہوئی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب تم نے یہ سوال کیا ہے تو سنو! میں دس سال کی عمر میں صحرا میں جا رہا تھا۔ میں نے اپنے اوپر دو آدمیوں کی بات سنی۔ ان میں سے ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا۔ کیا یہ وہی ہے؟ دوسرے نے کہا! ہاں! ان دونوں نے مجھے پکڑ کر گرا دیا۔ پھر میرا پیٹ شق کیا حضرت جبرائیل علیہ السلام سونے کے طشت میں پانی لا رہے تھے اور حضرت میکائیل علیہ السلام میرے پیٹ کو دھو رہے تھے۔

پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا:

ان کا سینہ چیرو اور جب میرا سینہ چیرا گیا تو مجھے کوئی درد نہیں ہوا۔

پھر کہا! ان کا دل چیرو! پھر میرا دل چیرا گیا۔

پھر کہا! ان کے دل میں شفقت اور رحمت داخل کر دو پھر چاندی کی مثل کوئی چیز داخل کی ان کے پاس کوئی سفوف تھا اس کو چھڑکا۔

پھر میرے انگوٹھے کو نرمی سے دبا کر کہا۔

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جائیں پھر میرے دل میں چھوٹوں کے لئے بہت رحمت اور بڑوں کے لئے دل میں بہت نرمی تھی۔ (دلائل النبوۃ، رقم الحدیث: 166)

ان دونوں صحیح احادیث مبارکہ میں اس امر کی تصریح کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عالم عناصر میں بچپن میں نبوت دی گئی اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نبی ہونے کا کیسے یقین ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شق صدر کے اس مذکور الصدر واقعہ سے اپنی نبوت پر استدلال فرمایا سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں نبوت عطا کر دی گئی تھی البتہ چالیس سال کی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلان نبوت کا حکم دیا گیا۔ امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کردہ حدیث مبارکہ میں یہ تصریح ہے کہ جب بچپن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا اور جو شخص نبی نہ ہو اور وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھے وہ آخر عمر میں نابینا ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سو گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد تھا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر دیکھا اور رشاد فرمایا: اے میرے پیارے! تم کب آئے؟

انہوں نے عرض کیا! کچھ ساعت ہوئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:
کیا تم نے میرے پاس کسی شخص کو دیکھا۔
انہوں نے عرض کیا! ہاں! میں نے ایک مرد کو دیکھا!
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کو مخلوق میں سے جو بھی دیکھے گا وہ نابینا ہو جائے گا سوا اس کے کہ وہ نبی ہو لیکن تم کو آخر عمر میں نابینا کیا جائے گا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے دعا کی۔ اے اللہ عز وجل! اس کو تاویل کا علم عطا کر اور اس کو دین کی سمجھ عطا فرما اور اس کو اہل ایمان سے رکھ۔

(مستدرک: رقم الحدیث: 6287)

علامہ ابن حجر مکی متوفی 974ھ نے اس حدیث مبارکہ سے اس پر استدلال کیا ہے: جو شخص نبی نہ ہو اور وہ اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھنے میں منفرد ہو وہ آخر عمر میں نابینا ہو جاتا ہے۔

(الفتاوی الحدیثیہ، ص: 91 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچپن میں نبی نہ ہوتے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھنے کی وجہ سے اپنے ارشاد مقدسہ کے مطابق آخر عمر میں نابینا ہو جاتے اور جبکہ ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا جس وقت بچپن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا تھا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی تھے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ اقدس چیرا گیا تو نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو درد ہوا نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون نکلا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو چیرا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تمام امور ملاحظہ فرما رہے تھے جبکہ عالم بشر اور انسان کے لئے یہ امور متصور نہیں ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نابینا نہ ہونا اس امر پر واضح دلیل ہے کہ اس وقت نبی تھے عام طور پر مشہور ہے کہ نبوت چالیس سال کی عمر میں عطا کی جاتی ہے اس لیے کہا جاتا ہے کہ سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی چالیس سال سے پہلے نبی نہ تھے یہ کہنا درست نہیں اور نہ ہی قاعدہ کلیہ ہے بعض انبیاء کرام علیہم السلام کو بچپن میں نبوت دی گئی ہے جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو دو یا تین سال کی عمر میں نبوت دی گئی۔

قرآن مجید میں ہے:
يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝ (مریم: 12)
اے یحییٰ! کتاب کو مضبوط پکڑ لیجئے اور ہم نے ان کو بچپن میں نبوت عطا فرما دی۔
امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی 333ھ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔
معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ
نبوت کسی استحقاق کی بناء پر ملتی ہے اس آیت کریمہ میں ان کا رد ہے کیونکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں بغیر کس

استحقاق کے نبوت عطا کی گئی اس سے معلوم ہوا کہ ان کو نبوت عطا فرمانا محض اللہ تعالیٰ کا انعام اور افضال تھا ان کا استحقاق نہ تھا۔

(تاویلات اہل السنۃ: ج:3، ص:260 مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ ناشرون)

امام الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اس آیت کریمہ میں حکم سے مراد نبوت ہے اور جب ان کو نبوت دی گئی تو ان کی عمر تین سال تھی۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:227 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کریمہ میں حکم کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں۔

1-حکمت یعنی تورات کی فہم اور دین کی فقہ، 2-عقل

3-اس سے مراد نبوت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بچپن میں ان کی عقل کو پختہ کر دیا اور ان کی طرف وحی کی اور حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں اعلان نبوت کا حکم دیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر میں اعلان نبوت کا حکم دیا تھا اور اس آیت کریمہ میں حکم کو نبوت پر محمول کرنے کی دو دلیلیں ہیں۔

1-اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صفات شریفہ بیان فرمائی ہیں اور یہ معلوم ہے کہ انسان کی سب سے اشرف صفت نبوت ہے اور مقام مدح میں نبوت کی صفت کو ذکر کرنا دوسری صفات کی بہ نسبت زیادہ لائق ہے لہٰذا اس آیت کریمہ میں حکم کو نبوت پر محمول کرنا واجب ہے۔

2-حکم سے مراد وہ حکم ہے جس کو غیر پر نافذ کیا جا سکے اور ایسا حکم صرف نبی دیتا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ

بچپن میں نبوت کا ملنا کیسے معقول ہو سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ

یہ معترض معجزہ کا قائل ہے یا نہیں۔

اگر وہ معجزہ کا قائل نہیں ہے تو اثبات نبوت کا دروازہ بند ہو جائے گا اور اگر وہ معجزہ کا قائل ہے تو بچہ میں عقل اور نبوت کا ہونا شق القمر اور سمندر کو چیرنے سے زیادہ متبعد نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر: ج:7، ص:516 تا 517 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ حکم سے مراد نبوت ہے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو سات یا دو یا تین سال کی عمر میں نبوت دی گئی اور اکثر انبیاء کرام علیہم السلام کو چالیس سال سے پہلے نبی نہیں بنایا گیا۔ (روح المعانی: ج:16، ص:105 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نیز سیّد محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

جب بعض انبیاء کرام علیہم السلام کو بچپن میں دو یا تین سال کی عمر میں نبوت دی گئی ہے تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ لائق ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں اس نوع کی نبوت دی جائے اور جس کو سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کا علم ہے اور اس کی تصدیق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے وہ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے وہ اس کو متبعد نہیں قرار دے گا۔ (روح المعانی: ج:25،ص:92 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم ارواح میں نبی ہونا ثابت ہے جس کی تحقیق یوں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبوت کب واجب ہوئی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (مشکوۃ: رقم الحدیث: 5758)

علامہ ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی 1014ھ اس حدیث مبارکہ کی شرح میں لکھتے ہیں۔

یعنی اس حال میں میرے لیے نبوت واجب ہوگئی جب حضرت آدم علیہ السلام کا جسم زمین پر بغیر روح کے رکھا ہوا تھا اس کا معنی یہ ہے کہ ابھی حضرت آدم علیہ السلام کی روح کا تعلق ان کے جسم کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔ اس حدیث مبارکہ کو امام ابن سعد نے ابن ابی الجدعا سے روایت کیا ہے۔ (الطبقات الکبریٰ: ج:1،ص:118 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

میں اس حال میں نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (معجم الکبیر: رقم الحدیث: 833)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

شیخ تقی الدین سبکی نے اپنی کتاب (التعظیم والمنۃ) لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ (آل عمران: 81) کی تقریر میں لکھا ہے۔

اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کی بلندی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رتبہ عالیہ کی جو عظمت ہے وہ مخفی نہیں ہے اور اس کے ساتھ آیت کریمہ میں یہ بات بھی موجود ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ان کے زمانہ میں ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کی طرف رسول ہوتے۔ سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر قیامت تک جمیع مخلوق کو عام ہے اور سب انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مقدسہ بعثت الی الناس کافۃ (مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر قیامت تک کے لوگوں کے لئے مخصوص نہیں بلکہ اس سے پہلے لوگوں کو بھی شامل ہے اور اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی بھی وضاحت ہوگئی میں اس وقت نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ اور جس شخص نے اس حدیث مبارکہ کا یہ مطلب بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم علم الٰہی عزوجل میں نبی تھے یعنی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مستقبل میں نبی ہوں گے اس کے اس معنیٰ تک رسائی نہیں ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم تو جمیع اشیاء کو محیط ہے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت نبوت سے موصوف کرنا اس مفہوم کو چاہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اس وقت میں ثابت تھی یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اقدس کو عرش پر لکھا ہوا دیکھا "محمد رسول اللہ" لہٰذا ضروری ہے کہ اس حدیث مبارکہ کا یہ معنیٰ ہو کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت متحقق تھی اور اگر اس سے فقط علم ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مستقبل میں نبی ہوں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی کوئی خصوصیت نہیں رہے گی کہ "میں اس وقت نبی تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے" اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت کو اس وقت اور اس سے پہلے جانتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خصوصیت کو ثابت اور متحقق مانا جائے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس خصوصیت سے آگاہ فرمایا تاکہ امت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مرتبہ کی معرفت حاصل ہو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے پھر انہیں اس معرفت کے ذریعے خیر حاصل ہو پس اگر تم کہو کہ ہم ارادہ رکھتے ہیں کہ ہم اس اضافی رتبہ کو سمجھیں تو (آیئے ہم بتلاتے ہیں کہ) بے شک نبوت ایک صفت ہے جس کے لئے موصوف کا ہونا ضروری ہے اور موصوف چالیس برس کے بعد ہوگا تو کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجنے سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے متصف کیا جا سکتا ہے؟ پس اگر یہ اتصاف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صحیح ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر کے لئے بھی اسی طرح صحیح ہوگا۔

ہم کہتے ہیں کہ بے شک احادیث مبارکہ میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روحوں کو جسموں سے پہلے پیدا فرمایا ہے لہٰذا میں نبی تھا کے الفاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی روح کی طرف اشارہ فرمایا یا اپنی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا اور حقائق کو سمجھنے سے ہماری عقلیں قاصر ہیں۔ حقائق کو صرف ان کا خالق جانتا ہے یا وہ نفوس مبارکہ جانتے ہیں نور الٰہی جن کی مدد کرتا ہے پھر ان حقائق میں سے کسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے جس وقت چاہا کوئی (وصف) عطا فرما دیا۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حقیقت جو تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے موجود تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو وصف نبوت عطا فرمایا اور اسی وقت اس کو فیض عطا فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہو گئے اور باری تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم کو عرش پر لکھ دیا اور ملائکہ اور دیگر مخلوق کو اس پر آگاہ کر دیا تاکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رتبہ ہے وہ اس کو پہچان لیں سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت اس وقت موجود تھی اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کا ظہور بعد میں ہوا۔ فی الجملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت اسی وقت سے بارگاہ الٰہیہ سے اوصاف شریفہ سے متصف ہے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور تبلیغ کو مؤخر رکھا گیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر اس کمال کو نہیں پہنچا جس سے (ظاہری) تبلیغ کا حصول ممکن ہوا اسی طرح بارگاہ الٰہی عزوجل سے پہنچنے والی ہر وہ چیز مؤخر رکھی گئی جس کا تعلق جسم شریف کے کمال کے ساتھ ہو سکتا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت معجل ہے اس میں کوئی تاخیر نہیں اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کے حاصل ہونے اور کتاب حکمت کے عطا ہونے میں بھی کوئی تاخیر نہیں ہے تاخیر صرف بعثت فرمانے اور دنیا میں جلوہ گر ہونے میں ہے۔ (الخصائص الکبریٰ ج: 1 ص 8 تا 11 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام محمد بن سعد متوفی 230ھ نے اس حدیث مبارکہ کو حسب ذیل متعدد طرق سے روایت کیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

ایک شخص نے عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کب نبی تھے؟

لوگوں نے کہا:

چپ کر، چپ کر۔

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کو چھوڑ دو میں نبی تھا اور اس وقت حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

ابو الجد عا سے روایت ہے کہ

میں نے عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کب نبی تھے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس وقت حضرت آدم علیہ السلام روح اور مٹی کے درمیان تھے۔

عامر سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کب نبی بنایا گیا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب مجھ سے میثاق لیا گیا اس وقت حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسد کے درمیان تھے۔

(الطبقات الکبریٰ: ج:1 ص:118 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ عبد الوہاب بن احمد بن علی الشعرانی حنفی متوفی 973ھ لکھتے ہیں:

اگر تم یہ پوچھو کہ آیا سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کو بھی اس وقت نبوت دی گئی جب حضرت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

ہم تک یہ حدیث مبارکہ نہیں پہنچی کہ کسی اور کو بھی یہ مقام دیا گیا باقی انبیاء کرام علیہم السلام اپنی رسالت کے ایام محسوسہ میں ہی نبی تھے۔

اگر تم یہ پوچھو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں نہیں فرمایا کہ میں اس وقت بھی انسان تھا یا اس وقت بھی موجود تھا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ نبوت کا ذکر یہ بتانے کے لئے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے پہلے نبوت دی گئی کیونکہ نبوت اسی وقت ملتی ہے جو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وقت مقرر ہوتا ہے۔

نیز علامہ شعرانی نے لکھا ہے کہ

شیخ محی الدین ابن عربی نے الفتوحات المکیہ میں لکھا ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام ورسل عظام علیہم السلام کی مدد طلب کرنے کی جگہ سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی قطب الاقطاب ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تمام اولین وآخرین لوگوں کی مدد کرنے والے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہر نبی اور ولی کی مدد کرنے والے ہیں خواہ ان کا ظہور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیب میں تھے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم شہادت میں ظاہر ہو گئے اور یا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم برزخ میں منتقل ہو چکے ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے انوار متقدمین اور متاخرین کے عالم سے کبھی منقطع نہیں ہوئے۔

اگر تم یہ کہو کہ ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا۔

اور ایک حدیث مبارکہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا تو ان میں کس طرح تطبیق ہوگی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

ان دونوں احادیث مبارکہ کا معنیٰ واحد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کو پیدا کیا اور اس حقیقت کو کبھی عقل سے تعبیر فرمایا اور کبھی نور سے۔ (الیواقیت والجواہر: ص: 339 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

بلکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وجود کا فیضان کرنے کے لئے تمام موجودات کے لئے وسیلہ ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے واسطہ سے تمام مخلوق پر جو فیضان ہوا اس کے لئے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم وسیلہ ہیں کیونکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار کی شعاعیں ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار کے عکوس ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی النور الحق اور النبی المطلق ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم علیہ السلام مٹی اور پانی کے حجاب میں تھے اس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض لے رہے تھے اور اس وقت بھی جب وہ اس عالم میں ظاہر ہوئے اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجاب میں تھے جیسے جب رات کو ستارے ظاہر ہوتے ہیں اور سورج نہیں ہوتا لیکن وہ ستارے اس کے فیض سے روشن ہوتے ہیں اور جب سورج ظاہر ہوتا ہے تو ستارے چھپ جاتے ہیں اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں جلوہ گر ہوئے تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام چھپ گئے اور ان کی شریعتیں منسوخ ہو گئیں اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت باقی رہی۔

نیز علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: الستُ بربکم تو سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح نے بلیٰ کہا۔

(روح المعانی: جز:9، ص:162 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان بریلوی متوفی 1340ھ لکھتے ہیں:

علامہ شمس الدین ابن الجوزی اپنے رسالہ میلاد میں ناقل ہیں کہ

حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جناب مولیٰ المسلمین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابوالحسن! بے شک (سیدنا) محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم رب العلمین کے رسول ہیں اور پیغمبروں کے خاتم اور روشن رو اور روشن دست و پا والوں کے پیشوا تمام انبیاء کرام و رسل عظام علیہم السلام کے سردار نبی ہوئے جبکہ حضرت آدم علیہ السلام آب وگل میں تھے۔

(تجلی الیقین: ص:8 حامد اینڈ کمپنی لاہور)

جن انبیاء کرام علیہم السلام کو نبوت عطا فرمائی گئی

نبی وہ ہے جس کو نبوت عطا فرمائی گئی اور انبیاء کرام علیہم السلام کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! انبیاء کرام علیہم السلام کتنے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایک لاکھ چوبیس ہزار۔

میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! رسول کتنے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تین سو تیرہ جم غفیر ہیں!

میں نے کہا:

بہت اچھے ہیں۔

میں نے عرض کیا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پہلا نبی کون ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت آدم علیہ السلام

میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا وہ نبی مرسل ہیں؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ہاں! اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا اور ان میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی پھر ان کو اپنے سامنے بنایا۔
پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اے ابوذر رضی اللہ عنہ! چار نبی سریانی ہیں!
1-حضرت آدم علیہ السلام، 2-حضرت شیث علیہ السلام، 3-حضرت خنوخ علیہ السلام
4-حضرت ادریس علیہ السلام جنہوں نے سب سے پہلے قلم سے خط کھینچا اور نوح علیہ السلام اور چار نبی عرب ہیں۔
1-حضرت ھود علیہ السلام، 2-حضرت صالح علیہ السلام، 3-حضرت شعیب علیہ السلام
4-اور تمہارے نبی (مکرم صلی اللہ علیہ وسلم) اے ابوذر (رضی اللہ عنہ)
میں نے عرض کیا!
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل کیں؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
سو صحیفے اور چار کتابیں حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس صحیفے نازل کیے گئے۔ خنوخ پر تیس صحیفے نازل کیے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے نازل کیے گئے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات سے پہلے دس صحیفے نازل کئے گئے اور تورات، انجیل، زبور اور فرقان کو نازل کیا گیا۔ (حلیۃ الاولیاء، ج: 1، ص: 167 مطبوعہ دارالکتب العربی بیروت)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:
امام عبد بن حمید، امام حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں، امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں، امام حاکم اور امام ابن عساکر نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ
میں نے عرض کیا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! انبیاء کرام علیہم السلام کتنے تھے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ایک لاکھ اور چوبیس ہزار نبی تھے۔
میں نے عرض کیا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان میں سے رسول کتنے تھے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تین سو تیرہ کا جم غفیر تھا۔ (درمنثور، ج: 2، ص: 691 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت دو جگہ ذکر کی ہے اس میں ذکر ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں اور تین سو پندرہ رسول ہیں۔ (جامع المسانید والسنن: رقم الحدیث: 10232)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ

ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں اور ان میں تین سو تیرہ رسول ہیں۔

اس حدیث مبارکہ کو امام ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے۔ (فتح الباری: ج:6، ص:361 مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

علامہ سعد الدین تفتازانی متوفی 791ھ لکھتے ہیں:

ایک روایت میں ہے۔

دو لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام ہیں۔ (شرح عقائد: ص:97 مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار نبی مبعوث کیے چار ہزار بنو اسرائیل کی طرف اور چار ہزار باقی لوگوں کی طرف۔

(مسند ابو یعلیٰ: ج:4، ص:157 مطبوعہ دار المامون تراث بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! انبیاء کرام علیہم السلام کی کتنی تعداد ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایک لاکھ چوبیس ہزار ان میں سے جم غفیر رسول ہیں تین سو پندرہ۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 16944)

بہر حال محدثین کرام کا اعتماد حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت پر ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں۔ ان سب پر ایمان لانا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی اور رسول بنایا وہ سب صادق اور برحق ہیں اللہ تعالیٰ نے جو ان کو پیغام دے کر بھیجا وہ صحیح اور صادق ہے۔

قرآن مجید میں اٹھائیس (28) انبیاء کرام علیہم السلام کے نام مذکور ہیں۔

1-حضرت آدم علیہ السلام،	2-حضرت نوح علیہ السلام
3-حضرت ادریس علیہ السلام،	4-حضرت صالح علیہ السلام
5-حضرت ھود علیہ السلام،	6-حضرت ابراہیم علیہ السلام

7-حضرت اسماعیل علیہ السلام، 8-حضرت اسحاق علیہ السلام
9-حضرت یعقوب علیہ السلام، 10-حضرت یوسف علیہ السلام
11-حضرت لوط علیہ السلام، 12-حضرت موسیٰ علیہ السلام
13-حضرت ہارون علیہ السلام، 14-حضرت شعیب علیہ السلام
15-حضرت زکریا علیہ السلام، 16-حضرت یحییٰ علیہ السلام
17-حضرت عیسیٰ علیہ السلام، 18-حضرت داؤد علیہ السلام
19-حضرت سلیمان علیہ السلام، 20-حضرت الیاس علیہ السلام
21-حضرت الیسع علیہ السلام، 22-حضرت ذوالکفل علیہ السلام
23-حضرت ایوب علیہ السلام، 24-حضرت یونس علیہ السلام
25-حضرت سیدنا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم

ان کے علاوہ تین اسماء مقدمہ کا ذکر ہے۔

1-حضرت ذوالقرنین، 2-حضرت عزیر، 3-حضرت لقمان (علیہم السلام)

مگر ان کی نبوت میں اختلاف ہے۔

بعض انبیاء کرام علیہم السلام کا قرآن مجید میں اشارۃً ذکر ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ (البقرہ:247)

اس میں حضرت شمویل علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ (البقرہ:259)

اس میں حضرت ارمیاہ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ (الکھف:60)

اس میں حضرت یوشع علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ (الکھف:65)

اس میں حضرت خضر علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔

نبی کی خصوصیات و امتیازات

نبی کی خصوصیات و امتیازات کثیر ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

علامہ حلیمی نے انبیاء کرام علیہم السلام کے چھیالیس خواص ذکر کیے ہیں یہ وہ خواص ہیں جن کی وجہ سے انبیاء کرام علیہم السلام عام انسانوں سے ممتاز ہوتے ہیں ان خواص کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1- نبی اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ کلام کرتا ہے۔

2- بغیر کلام کے نبی پر الہام ہوتا ہے بلکہ نبی اپنے نفس میں بغیر تقدم اور تاخر کے ایک معنیٰ پاتا ہے جس کو محسوس نہیں کیا جا سکتا۔

3- فرشتہ کو دیکھ کر اس سے وحی سنتا ہے اور اس سے کلام کرتا ہے۔

4- فرشتہ نبی کے قلب پر وحی القاء کرتا ہے اور یہ القاء احکام، وعد اور وعید پر مشتمل ہوتا ہے جبکہ اولیاء اللہ کے قلب پر جو واردات ہوتی ہیں وہ حوادث اور واقعات کی اطلاعات پر مشتمل ہوتی ہیں۔

5- نبی کی عقل کامل ہوتی ہے اور اس کی عقل کو کبھی کوئی عارضہ لاحق نہیں ہوتا۔

6- نبی کی قوت حافظہ غیر معمولی ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ طویل ترین سورت کو صرف ایک بار سن کر حفظ کر لیتا ہے اور اس کا ایک لفظ بھی نہیں بھولتا۔

7- نبی اپنے اجتہاد میں خطاء سے محفوظ رہتا ہے۔

8- نبی کی ذکاوت غیر معمولی ہوتی ہے اور اس کا استنباط بھی غیر معمولی ہوتا ہے۔

9- نبی کی بصر بہت تیز ہوتی ہے اور وہ زمین کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ کی چیز دیکھ لیتا ہے۔

10- نبی کی سماعت بہت تیز ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ زمین کے ایک حصہ سے دوسرے حصے کی آواز سن لیتا ہے جس کو دوسرا نہیں سن سکتا۔

11- نبی کی قوت شامہ غیر معمولی ہوتی ہے جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا دور سے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض کی خوشبو سونگھ لینا۔

12- نبی کا جسم بہت قوی ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ ایک رات میں ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتا ہے۔

13- نبی کا آسمان پر جانا۔

14- گھنٹی کی آواز کی صورت میں وحی کو پالینا۔

15- بکریوں سے کلام کرنا۔

16- نباتات سے کلام کرنا۔

17- درخت کے تنا (شہتیر) سے کلام کرنا (جیسے استن حنانہ)

18-پتھروں سے کلام کرنا۔

19-بھیڑیئے کی آواز سے اس کا مطلب سمجھ لینا۔

20-اونٹ کی بلبلاہٹ کو سمجھ لینا۔

21-متکلم کو دیکھے بغیر اس کی آواز سننا۔

22-جنات کا مشاہدہ کرنا۔

23-اشیاء غائبہ کی مثالوں کا نبی پر پیش کیا جانا جیسا کہ معراج کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیت المقدس کی مثال پیش کی گئی۔

24-کسی حادثہ سے اس کی عاقبت کو جان لینا جب آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی تو فرمایا اس کو اس ذات نے روک لیا جس نے ہاتھیوں کو روک لیا تھا۔

25-کسی نام سے فال نکالنا کیونکہ جب سہیل بن عمرو آیا تو آپ نے فرمایا: اب اللہ تعالیٰ نے تمہارا معاملہ سہل کر دیا ہے۔

26-کسی آسمانی چیز کو دیکھ کر زمین کے حادثہ پر استدلال کرنا جیسا کہ فرمایا یہ بادل بنو کعب کی مدد کا اعلان کر رہا ہے۔

27-پس پشت دیکھنا۔

28-کسی شخص کی موت سے پہلے اس کے حال پر مطلع ہونا جیسا کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا میں نے دیکھا فرشتے اس کو غسل دے رہے ہیں اور وہ حالت جنابت میں شہید ہوئے۔

29-مستقبل کی فتح کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اظہار کر دینا جیسا کہ غزوہ خندق میں ہوا۔

30-دنیا میں جنت اور دوزخ کو دیکھ لینا۔

31-فراست۔

32-درخت کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت کرنا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر درخت جڑوں اور ٹہنیوں سمیت آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے واپس چلا گیا۔

33-ہرنی کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کرنا۔

34-بغیر خطاء کے خواب کی تعبیر بیان کرنا۔

35-کھجور کے درخت کے بارے میں صحیح اندازہ لگانا کہ اس میں اتنے وسق کھجوریں ہوں گی۔

36-احکام کی ہدایت دینا۔

37-دین اور دنیا کے انتظام اور سیاست کی ہدایت دینا۔

38-عالم کی ہیئت اور ترکیب کی ہدایت دینا۔

39-بدن انسانی سے متعلق طبی امور کی ہدایت دینا۔

40-عبادات کی ہدایت دینا۔

41-صفتوں کی ہدایت دینا۔

42-ماسیکون پر مطلع ہونا۔

43-ماکان پر مطلع ہونا۔

44-لوگوں کی پوشیدہ باتوں اور بھیدوں پر مطلع ہونا۔

45-استدلال کے طریقوں کی تعلیم دینا۔

46-حسن معاشرت کے طریقوں پر مطلع ہونا۔

علامہ حلیمی فرماتے ہیں کہ

یہ نبوت کے چھیالیس خصائص ہیں ہر چند کہ ان میں بعض اوصاف غیر نبی کو بھی حاصل ہوتے ہیں لیکن یہ اوصاف نبوت کے خصائص اس وجہ سے ہیں کہ ان میں نبی کو اصلاً خطا نہیں ہوتی جب کہ غیر نبی کو ان میں خطاء لاحق ہو جاتی ہے۔

(فتح الباری: ج: 12 ،ص 366 تا 367 مطبوعہ نشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی 505ھ لکھتے ہیں:

نبوت ان اوصاف کو کہتے ہیں جو نبی کے ساتھ خاص ہوں اور ان اوصاف کی وجہ سے نبی اپنے غیر سے ممتاز ہو اور یہ کئی قسم کے خصائص ہیں۔

نبی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، فرشتوں اور آخرت کے حقائق کو اس طرح جانتا ہے جس طرح ان کو کوئی نہیں جانتا کیونکہ نبی کو ان کی جتنی معلومات ہوتی ہیں اور ان پر جتنا یقین ہوتا ہے اور جتنی تحقیق ہوتی ہے کسی اور کو نہیں ہوتی اور نبی کی ایک خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ جس طرح غیر نبی کو افعال اختیاریہ پر قدرت ہوتی ہے اسی طرح نبی کو افعال خارقہ للعادات (یعنی معجزات) پر قدرت ہوتی ہے۔ اور نبی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کو ایسی صفت حاصل ہوتی ہے جس سے وہ فرشتوں کو دیکھتا ہے اور عالم ملکوت کا مشاہدہ کرتا ہے جس طرح ہم میں بینا اور نابینا کا فرق ہے۔

اور نبی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کو ایسی صفت حاصل ہوتی ہے جس سے وہ مستقبل میں ہونے والے امور غیبیہ کا ادراک کر لیتا ہے اور لوح محفوظ کا مطالعہ کرتا ہے جس طرح انسان میں ذہانت کی صفت ہوتی ہے اور اس صفت سے وہ بے وقوف شخص سے ممتاز ہوتا ہے۔ (احیاء علوم الدین: ج: 4 ،ص 189 تا 190 مطبوعہ دار الکتب العربیہ مصر)

نبوت کا ایک عظیم مرتبہ ہے جو عقل سے ماوراء ہے۔

امام غزالی متوفی 505ھ لکھتے ہیں:

اور عقل کے ماوراء ایک اور عالم ہے جس میں ادراک کی ایک اور آنکھ کھلتی ہے جس سے انسان غیب کا ادراک کرتا ہے اور مستقبل میں ہونے والے امور غیبیہ اور بہت سے امور کو جان لیتا ہے جن تک عقل کی رسائی نہیں ہے جیسے قوت، تمیز، معقولات کا

ادراک نہیں کر سکتی اور جس طرح حواس قوت تمیز کے مدرکات کو نہیں پا سکتے (اسی طرح عقل، قوت ادراک غیب کے مدرکات کو نہیں پا سکتی) اور جس طرح صاحب تمیز کے سامنے عقل کے سامنے مدرکات پیش کیے جائیں تو وہ ان کو بعید سمجھ کر ان کا انکار کرتا ہے اسی طرح بعض عقل والوں کے سامنے نبوت کے مدرکات پیش کیے گئے تو انہوں نے ان کا انکار کر دیا اور یہ خالص جہالت ہے۔ (المنقذ من الضلال: ص: 54 مطبوعہ بیسہ الا وقاف لاہور)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

علامہ حلیمی نے کتاب المنہاج میں لکھا ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کا دوسرے انسانوں سے جسمانی اور روحانی قوتوں میں مختلف ہونا ضروری ہے۔

پھر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفصیل میں علامہ حلیمی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ

قوت جسمانیہ کی دو قسمیں ہیں۔

1- مدرکہ، 2- اور محرکہ

اور مدرکہ کی دو قسمیں ہیں۔

1- حواس ظاہرہ، 2- حواس باطنہ

اور حواس ظاہرہ پانچ ہیں (جو کہ یہ ہیں)

1- قوت باصرہ

قوت باصرہ کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کی یہ دلیل ہے کہ آپ نے فرمایا: میرے لیے تمام روئے زمین سمیٹ دی گئی اور میں نے اس کے تمام مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اپنی صفیں قائم کرو اور مل کر کھڑے ہو کیونکہ میں تم کو پس پشت بھی دیکھتا ہوں۔

اس کی قوت کی نظیر یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے فرمایا:

وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (الانعام: 75)

اور اسی طرح ہم (حضرت) ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی نشانیاں دکھاتے ہیں۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بصر کو قوی کر دیا حتی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اعلیٰ سے لے کر اسفل تک تمام نشانیاں دیکھ لیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرے لیے تمام آسمان اور زمین منکشف ہو گئے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ

میں نے تمام آسمانوں اور زمین کو جان لیا۔ (مسند احمد: ج:1، ص:368)

2-قوت سامعہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سماعت تمام انسانوں سے زیادہ تھی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

آسمان چر چراتا ہے اور اس کا چر چرانا بجا ہے۔ آسمان میں ایک قدم کی جگہ بھی نہیں ہے مگر اس میں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدہ ریز ہے۔ اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کے چر چرانے کی آواز سنی۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایک پتھر جہنم میں گرایا جا رہا ہے جو ابھی تک جہنم کی تہہ تک نہیں پہنچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی آواز سنی۔ اس قوت کی نظیر حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی عطا کی گئی کیونکہ انہوں نے چیونٹی کی آواز سنی۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَتْ نَمْلَةٌ يٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ (النمل:18)

ایک چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو چیونٹی کا کلام سنایا اور اس کے معنیٰ پر مطلع کیا اور یہ قوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل تھی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیڑیئے اور اونٹ سے کلام کرنے کی مثال یہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر مجھے اپنے ساتھ بٹھا لیا پھر مجھے چپکے سے ایک بات بتائی جو میں کبھی بھی کسی کو نہیں بتاؤں گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لئے کسی ٹیلہ یا گنجان اور گھنے کھجور کے درختوں کی اوٹ میں جانا پسند کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے باغوں میں سے ایک باغ میں داخل ہوئے وہاں ایک اونٹ آیا اور اس نے بڑ بڑ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ کہا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کان کی ہڈی کے پیچھے ہاتھ پھیرا تو وہ پرسکون ہو گیا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ اونٹ کس کا ہے؟

انصار کا ایک نوجوان آیا اور اس نے کہا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ اونٹ میرا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا تم ان جانوروں کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے؟ جن کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں مالک بنادیا ہے اس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ اس کو تم بھوکا رکھتے ہو اور کام لے لے کر اس کو تھکا دیتے ہو۔ (مسند احمد: رقم الحدیث: 1745)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت یعلیٰ بن مرہ الثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تین چیزیں دیکھیں۔ ایک دن ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں جا رہے تھے۔ ہمارا ایک اونٹ کے پاس سے گزر ہوا جب اونٹ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو بڑبڑ کرنے لگا اور اپنی گردن آگے بڑھائی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس ٹھہر گئے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کا مالک کون ہے؟

وہ شخص آ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس اونٹ کو بیچ دو۔

اس نے عرض کیا:

میں اس کو ہبہ کرتا ہوں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نہیں! مجھے فروخت کر دو۔

اس نے عرض کیا:

میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کرتا ہوں۔ ہمارے گھر والوں کی گزر اوقات کے لئے اس کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب تم نے یہ کہا تو سنو! اس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اس سے کام زیادہ لیتے ہو اور اس کو چارہ کم ڈالتے ہو اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ (مسند احمد: رقم الحدیث: 17570)

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرنی سے بھی کلام فرمایا جس طرح کہ روایت میں ہے۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہرنی کے پاس سے گزرے جو ایک خیمہ میں بندھی ہوئی تھی۔

اس ہرنی نے عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کھول دیجئے تا کہ میں اپنے بچوں کو جا کر دودھ پلا آؤں پھر میں واپس آ جاؤں گی تو آپ

صلی اللہ علیہ وسلم مجھے باندھ دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ ایک قوم کا شکار ہے اور اس کی باندھی ہوئی ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے عہد لیا کہ وہ ضرور واپس آئے گی پھر اس کو کھول دیا۔ وہ تھوڑی دیر میں واپس آ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو باندھ دیا پھر خیمہ والے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ان سے مانگ لیا۔ انہوں نے وہ ہرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کھول دیا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی: ج:6، ص:34)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں ہے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کہا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے دیکھا وہ ہرنی جنگل میں چلاتی ہوئی جا رہی تھی۔

اور کہہ رہی تھی۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی: ج:6، ص:35)

اسی طرح درخت کے تنے نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کیا۔

چنانچہ روایت میں ہے۔

حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخت کے ستون سے ارشاد فرمایا:

تو پر سکون ہو جا اگر تو چاہے تو میں تجھے جنت میں اگا دوں۔ تیرا پھل نیک لوگ کھائیں گے اور اگر تو چاہے تو میں تجھے دنیا میں پہلے کی طرح تر و تازہ درخت اگا دوں تو اس درخت نے آخرت کو دنیا پر اختیار کر لیا۔

(سنن دارمی: رقم الحدیث: 36) (عبد المصطفیٰ نمونہ)

3- قوت شامہ

نبی کی قوت شامہ کی خصوصیت پر حضرت یعقوب علیہ السلام کا واقعہ دلیل ہے کیونکہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ حکم دیا کہ میری قمیض لے جاؤ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈال دو اور قافلہ وہ قمیض لے کر روانہ ہوا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

اِنِّی لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ (یوسف: 94)

مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو آ رہی ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض کی خوشبو کئی دن کی مسافت کے فاصلے سے سونگھ لی۔

4- قوت ذائقہ

نبی کے چکھنے کی قوت کی خصوصیت کی دلیل یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت کا ایک ٹکڑا چکھا تو فرمایا: اس میں زہر ملا ہوا ہے۔

5- قوت لامسہ

نبی کی قوت لامسہ کی خصوصیت کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو وہ آگ ان پر ٹھنڈک اور سلامتی والی ہو گئی۔

دوسری قسم: حواس باطنہ

اور حواس باطنہ میں قوت حافظہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

سنقرئك فلاتنسى

ہم عنقریب آپ کو پڑھائیں گے پس آپ نہیں بھولیں گے۔

اور قوت ذکاوت ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے علم کے ایک ہزار باب سکھائے اور میں نے ہر باب سے ہزار باب مستنبط کئے اور جب ولی کی ذکاوت کا یہ حال ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذکاوت کا کیا عالم ہوگا اور قوت محرکہ کی خصوصیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج پر جانا دلیل ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ چوتھے آسمان پر جانا اور حضرت ادریس علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام کا آسمانوں پر جانا اس کی دلیل ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی روحانی اور عقلی قوتیں بھی انتہائی کامل ہوتی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ نفس قدسیہ نبویہ اپنی ماہیت میں باقی نفوس سے مختلف ہوتا ہے اور نفس نبویہ کے لوازم سے یہ ہے کہ اس کی ذکاوت، ذہانت اور حریت انتہائی کامل ہو اور وہ جسمانیات اور شہوانیات سے منزہ ہو اور جب نبی کی روح غایت صفا اور شرف میں ہوگی تو اس کا بدن بھی انتہائی صاف اور پاکیزہ ہوگا اور اس کی قوت مدرکہ اور قوت محرکہ بھی انتہائی کامل ہوگی کیونکہ یہ قوتیں ان انوار کے قائم مقام ہیں جو انوار جوہر روح سے صادر ہوتے ہیں اور نبی کے بدن سے واصل ہوتے ہیں اور جب فاعل (روح) اور قابل (بدن) انتہائی کامل ہوں گے تو ان کے آثار بھی انتہائی کامل، مشرف اور صاف ہوں گے۔ (تفسیر کبیر: ج:2، ص433 تا 434 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چالیس سال میں نبوت عطا فرمائی گئی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چالیس سال میں نبوت عطا فرمائی گئی۔

علامہ سلیمان جمل لکھتے ہیں۔

چالیس سال کی عمر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی گئی۔ (جمل: ج:3، ص:339)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبطی کو مکا مار کر ہلاک کر دینا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے اور فرعونیوں کی قوم میں دو اشخاص آپس میں لڑ رہے تھے تو جو آپ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرعونی کے خلاف مدد طلب کی آپ علیہ السلام نے جا کر اس کو مکا مارا جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہو گیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۫ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۫ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (القصص:15)

اور موسیٰ اس وقت شہر میں داخل ہوئے جب لوگ غافل تھے تو وہاں انہوں نے دو مردوں کو لڑتے ہوئے پایا یہ (ایک) ان کی قوم میں سے تھا اور یہ (دوسرا) ان کے مخالفین میں سے تھا سو جو ان کی قوم میں سے تھا اس نے موسیٰ سے اس کے خلاف مدد طلب کی جو ان کے مخالفوں میں سے تھا پس موسیٰ نے اس کو مکا مارا سو اس کو ہلاک کر دیا۔ موسیٰ نے کہا: یہ کام شیطان کی طرف سے سرزد ہوا بے شک شیطان دشمن ہے اور کھلم کھلا بہکانے والا ہے۔

دو لڑنے والے بنو اسرائیل اور فرعونیوں سے تھے

جو آپس میں لڑ رہے تھے ان میں سے ایک بنی اسرائیل میں سے تھا اور دوسرا فرعونیوں میں سے تھا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جوانی کی عمر کو پہنچ گئے تو ایک دن وہ شہر کی طرف جا رہے تھے انہوں نے دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے دیکھا ان میں سے ایک بنی اسرائیل میں سے تھا اور دوسرا آلِ فرعون سے تھا۔ اسرائیلی نے فرعونی کے خلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مدد طلب کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غضب میں آ کر فرعونی کے ایک گھونسا مارا جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔ اس وقت سوا اس اسرائیلی کے ان کو کوئی دیکھنے والا نہیں تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گھونسا مار کر اس فرعونی کو قتل کر دیا تو انہوں نے کہا:

هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (القصص:15)

یہ کام شیطان کے بہکانے سے سرزد ہوا بے شک وہ دشمن ہے کھلا گمراہ کرنے والا۔

(جامع البیان: جز:16، ص:208 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قبطی کوتادیباً گھونسا مار کر ہلاک کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو تادیباً گھونسا مارا جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہو گیا۔

امام عبدالرحمان بن علی الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر گئے تو وہاں دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے دیکھا ایک ان کی قوم بنی اسرائیل سے تھا اور دوسرا ان کے دشمن قبطیوں میں سے تھا۔ اسرائیلی نے قبطی کے خلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مدد طلب کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو تادیباً ایک گھونسا مارا جس سے وہ مر گیا۔ (المنتظم: ج:1،ص:219 مطبوعہ بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے پیچھے جانا

فرعون اپنی سواری پر سوار ہو کر کہیں چلا گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پاس موجود نہ تھے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو آپ علیہ السلام کو بتایا گیا کہ فرعون تو سوار ہو کر چلا گیا ہے تو اس وقت آپ علیہ السلام بھی اس کے پیچھے سوار ہو کر چلے گئے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

فرعون اپنی سواری پر سوار ہوا اس کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ تھے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے تو آپ علیہ السلام کو بتایا گیا کہ فرعون تو سوار ہو کر چلا گیا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس کے پیچھے سوار ہو گئے اسے قیلولہ کے وقت ایسی جگہ آلیا جسے منف کہتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نصف النہار کے وقت وہاں داخل ہوئے جبکہ بازار بند ہو چکے تھے راستے میں کوئی بھی نہ تھا یہی وہ وقت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا (القصص:15) (تفسیر طبری: ج:20،ص:52 مطبوعہ داراحیاء التراث بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر میں کس وقت داخل ہوئے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شہر میں داخل ہونے کے وقت میں چند اقوال ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام دوپہر کو قیلولہ کے وقت داخل ہوئے جبکہ لوگ سو رہے تھے یہ وقت لوگوں کی غفلت کا وقت ہوتا ہے۔ (تفسیر امام عبدالرزاق: ج:2،ص:489 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

آپ علیہ السلام نصف النہار کو داخل ہوئے۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

آپ علیہ السلام نصف النہار کے وقت شہر میں داخل ہوئے جبکہ لوگ قیلولہ کر رہے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حِیْنِ غَفْلَةٍ سے مراد مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت ہے۔

حضرت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حِیْنِ غَفْلَةٍ سے مراد مغرب اور عشاء کا درمیانی وقت ہے۔

دوسروں نے کہا:

دوپہر کا وقت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

ان میں سے ایک ہے۔ (درمنثور: ج:5، ص:353 مطبوعہ کراچی)

قبطی کو گھونسا مار کر ہلاک کرنے کا واقعہ گراں گزرا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب قبطی کو گھونسا مار کر ہلاک کر دیا تو یہ واقعہ آپ علیہ السلام پر گراں گزرا۔

حافظ امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ سے مراد اسرائیلی اور هٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ج سے مراد قبطی ہے تو اسرائیلی نے قبطی کے خلاف آپ علیہ السلام سے مدد طلب کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گھونسا مارا تو وہ مر گیا یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے بڑا گراں گزرا۔

(درمنثور: ج:5، ص:353 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ہتھیلی کو جمع کر کے گھونسا مارا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو قبطی کو گھونسا مارا وہ اپنی ہتھیلی کو جمع کر کے مارا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

بنی اسرائیل میں سے ایک آدمی نے آپ علیہ السلام سے مدد طلب کی فرعون فارس سے اور اصطخر سے تعلق رکھتا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ہتھیلی کو جمع کر کے گھونسا مارا۔ (تفسیر طبری: ج:20، ص:55 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

ڈنڈا مارنے کا قول

ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ڈنڈا مار کر ہلاک کیا اور اس سے آپ علیہ السلام کا ارادہ قتل نہ تھا۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اسے ڈنڈا مارا اور قتل کا ارادہ نہ کیا تھا۔ (تفسیر عبدالرزاق: ج:2،ص:2202 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے نان بائی کو مکا مارا تھا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس فرعونی کو مکا مارا وہ فرعون کا نان بائی تھا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مکا مارا وہ فرعون کا نان بائی تھا۔ (درمنثور: ج:5،ص:354 مطبوعہ کراچی)

قبطی اسرائیلی کو لکڑیوں کا بوجھ اٹھانے پر مجبور کر رہا تھا

جس قبطی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گھونسا مار کر ہلاک کیا وہ اسرائیلی کو لکڑیوں کا بوجھ اٹھانے پر مجبور کر رہا تھا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

جب آپ علیہ السلام تیس سال کے ہوئے تو ایک دن ایک قبطی اور اسرائیلی میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ قبطی اسرائیلی کو لکڑیوں کا بوجھ اٹھانے پر مجبور کر رہا تھا وہ انکار کرتا تھا۔ اسرائیلی نے آپ علیہ السلام کو پکارا کہ اے موسیٰ علیہ السلام مجھے اس ظالم سے نجات دلواؤ۔ آپ علیہ السلام نے قبطی کو ظلم سے منع کیا وہ باز نہ آیا آپ علیہ السلام نے اس کو مکا مارا جس سے قبطی مر گیا اسرائیلی اپنے گھر گیا۔ (تفسیر نعیمی: ج:1،ص:374 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ کراچی)

کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو گھونسا ہلاک کرنے کے ارادہ سے مارا؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو جو گھونسا مارا وہ ہلاک کرنے کے ارادہ سے نہیں مارا تھا بلکہ چھڑانے کے لئے مارا تھا مگر وہ اتفاقاً مر گیا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

خیال رہے کہ آپ علیہ السلام نے قبطی کو ہلاک کرنے کے ارادے سے نہ مارا تھا صرف چھڑانے کے لئے وہ اتفاقیہ مر گیا۔ اتفاقیہ پر یہ قصاص نہیں نیز وہ کافر حربی تھا جس کا قتل گناہ بھی نہیں کچھ روز بعد تو سارے ہی قبطی ہلاک کئے گئے۔

(تفسیر نعیمی: ج:1،ص:374 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہلاک کرنے پر یقین نہ کرنا

فرعون کو لوگوں نے کہا: قبطی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہلاک کیا ہے تو فرعون نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام ہلاک نہیں کر سکتے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

الغرض فرعون کو خبر پہنچی اس نے کہا: موسیٰ علیہ السلام نہیں کر سکتے۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:374، مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اسی اسرائیلی کا دوسرے دن دوبارہ مدد طلب کرنا

دوسرے دن وہی اسرائیلی جس کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدد کی تھی وہ آپ علیہ السلام کو دوبارہ بلا رہا تھا تو آپ علیہ السلام نے اس سے کہا بے شک تو کھلا ہوا گمراہ ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَصْبَحَ فِی الْمَدِیْنَةِ خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِی اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ یَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰۤی اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ ○ (القصص:18)

پس موسیٰ نے اس شہر میں ڈرتے ہوئے اس انتظار میں صبح کی (کہ اب کیا ہوگا) اچانک وہی شخص (اسرائیلی) جس نے کل ان سے مدد طلب کی تھی پھر ان کو مدد کے لئے پکار رہا تھا موسیٰ نے اس سے کہا بے شک تو کھلا ہوا گمراہ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر لوگ کیسے بھول گئے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جوان ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے دین اور ان کے آباء کے دین کا علم عطا فرمایا تو انہوں نے جان لیا کہ فرعون اور اس کی قوم باطل پر ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دین حق کو بیان کیا اور ان کے دین کی مذمت کی اور یہ چیز مشہور ہو گئی اور فرعونی ان کے مخالف ہو گئے اور بنی اسرائیل کی ایک جماعت ان کا وعظ سنتی تھی اور ان کی اقتداء کرتی تھی۔ پھر فرعون کا خطرہ یہاں تک بڑھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے شہر میں بہت محتاط ہو کر داخل ہوتے تھے۔ ایک بار وہ ایسے وقت میں شہر میں داخل ہوئے جب شہر والے غافل تھے اکثر مفسرین کے نزدیک وہ دوپہر کا وقت تھا اور اس وقت وہ لوگ قیلولہ کر رہے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ

وہ مغرب اور عشاء کا درمیانی وقت تھا۔

مگر پہلی روایت اولیٰ ہے۔

آیت کی تفسیر میں ابن زید نے یہ کہا ہے کہ

اس غفلت سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ لوگ نیند میں غافل تھے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ اور ان کے ذکر سے غافل ہو چکے تھے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کمسن تھے تو انہوں نے فرعون کے سر پر لاٹھی ماری تھی اور اس کی داڑھی نوچ لی تھی تو فرعون نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا پھر کچھ انگارے لائے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انگارے اٹھا کر منہ میں ڈال لیے تھے جس سے ان کی زبان جل گئی تھی اسی وجہ سے ان کی زبان میں گرہ پڑ گئی تھی۔ تب فرعون نے کہا تھا اس کو قتل نہ کرو لیکن اس کو اس گھر سے اور شہر سے نکال دو پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نکال دیا گیا اور وہ

جوان ہونے تک اس شہر میں داخل نہیں ہوئے اور لوگ ان کا ذکر بھول بھال گئے۔

(جامع البیان: ج:20، ص53 تا54 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

فرعونی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لڑنا

حافظ ابن عساکر متوفی 571ھ نے روایت کیا ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس فرعونی سے کہا:

اس اسرائیلی کو چھوڑ دو۔

اس فرعونی نے کہا:

اے موسیٰ (علیہ السلام)! تمہیں معلوم نہیں یہ ہمارے مالک فرعون کو برا کہتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

اے خبیث تم نے جھوٹ بولا ہے بلکہ مالک تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور فرعون اور اس کے کاموں پر لعنت ہو۔ جب فرعونی نے یہ بات سنی تو وہ اسرائیلی کو چھوڑ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لڑنے لگا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ایک گھونسا مارا اور وہ قضاءً مر گیا۔ (تاریخ دمشق: ج:64، ص:23 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

کیا آج تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟

دوسرے دن جب اسی اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعونی کے خلاف مدد کے لئے پکارا تو فرعونی کہنے لگا اے موسیٰ علیہ السلام! کیا آج تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو جس طرح کل تم نے اس شخص کو قتل کر دیا تھا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِىْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِىْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا ۢ بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِى الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ○

(القصص:19)

پھر جب موسیٰ نے اس شخص کو پکڑنا چاہا جو ان دونوں کا دشمن تھا تو اس نے کہا (غلط فہمی سے) کہا: اے موسیٰ! کیا آج تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو جس طرح کل تم نے اس شخص کو قتل کر دیا تھا تم تو صرف یہی چاہتے ہو کہ تم اس شہر میں زبردست (بڑے) بن جاؤ اور تم مصلحین میں سے نہیں بننا چاہتے۔

فرعونی کی غلط فہمی

دوسرے دن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی اسرائیلی کی فرعونی کے خلاف مدد کرنی چاہی تو فرعونی نے غلط فہمی سے کہا کہ آپ مجھے اس طرح قتل کرنا چاہتے ہیں جس طرح آپ نے کل ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔

امام عبدالرحمان بن علی الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

دوسرے دن وہ اسرائیلی کسی اور شخص سے لڑ رہا تھا اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پھر اس کے خلاف مدد طلب کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس اسرائیلی کی مدد کا ارادہ کیا اور اس نے غلط فہمی کی وجہ سے یہ سمجھا کہ شاید آپ اس کو مارنے لگے ہیں اس نے کہا: کیا آپ مجھے اس طرح قتل کرنا چاہتے ہیں جس طرح آپ نے کل ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔

(المنتظم: ج:1 ص:219 مطبوعہ بیروت)

لوگوں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قاتل سمجھنا

جب دوسرے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی اسرائیلی کی مدد کا ارادہ کیا تو فرعونی نے غلط فہمی سے سمجھا کہ شاید حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو مارنے لگے ہیں تو اس نے کہا: کیا آپ مجھے اس طرح قتل کرنا چاہتے ہیں جس طرح آپ نے کل ایک شخص کو قتل کر دیا تب لوگوں کو معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قاتل ہیں۔

امام عبدالرحمان بن علی الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

دوسرے دن وہ اسرائیلی کسی اور شخص سے لڑ رہا تھا اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پھر اس کے خلاف مدد طلب کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس اسرائیلی کی مدد کا ارادہ کیا اور اس نے غلط فہمی کی وجہ سے یہ سمجھا کہ شاید آپ اس کو مارنے لگے ہیں۔ اس نے کہا: کیا آپ مجھے اس طرح قتل کرنا چاہتے ہیں جس طرح آپ نے کل ایک شخص کو قتل کر دیا تھا تب لوگوں کو معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قاتل ہیں۔ (المنتظم: ج:1 ص:219 مطبوعہ بیروت)

فرعونی کا بھاگ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قاتل ہونے کی خبر دینا

جب فرعونی نے غلط فہمی سے یہ سمجھا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو قتل کرنا چاہتے ہیں جس طرح انہوں نے کل ایک فرعونی کو قتل کر دیا تھا تو وہ بھاگ کر فرعون کے پاس پہنچا اور وہاں پہنچ کر فرعون کو بتایا کہ (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے ایک فرعونی کو قتل کر دیا ہے اور جو کچھ اس نے دیکھا تھا سب کا سب ماجرا سنا دیا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس اسرائیلی کو ڈانٹ رہے تھے اور وہ اسرائیلی غلط فہمی سے یہ سمجھا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو قتل کرنا چاہتے ہیں جس طرح انہوں نے کل ایک فرعونی کو قتل کر دیا تھا تو وہ بھاگ کر فرعون کے دربار میں پہنچا اور وہاں جا کر فرعون کو بتایا کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے ایک فرعونی کو قتل کر دیا ہے اور جو کچھ دیکھا تھا اس کا ماجرا سنا دیا۔

(جامع البیان: جز:16 ص:268 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فرعونیوں کا قصاص کا مطالبہ

فرعونیوں نے فرعون کے آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہلاک کرنے کی گواہی دی اور مطالبہ کیا کہ ان کو ہمارے حوالے

کر دیں تا کہ ہم ان سے قصاص لے سکیں۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

دوسرے دن وہ بنی اسرائیلی دوسرے قبطی سے الجھا ہوا تھا آپ علیہ السلام کو دیکھ کر آپ علیہ السلام سے فریاد کی آپ علیہ السلام نے اسرائیلی کو جھڑکا اور چاہا کہ اس قبطی سے چھڑوا دیں اسرائیلی سمجھا کہ آج مجھے مار رہے ہیں وہ چیخا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام)! کل تو نے قبطی کو مارا تھا! کیا آج مجھے ہلاک کرنا ہے یہ بات لوگوں نے سنی اور فرعون کے پاس گواہی دی۔ قبطی سرداروں نے فرعون سے مطالبہ کیا ہمارے حوالے کرو تا کہ ہم قبطی کا ان سے قصاص لیں۔ (تفسیر نعیمی: ج:1،ص:374 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

فرعون کا حوالے کرنے پر تامل کرنا

جب فرعونیوں نے کہا: موسیٰ (علیہ السلام) کو ہمارے حوالے کرو تا کہ ہم ان سے فرعونی کا قصاص لے سکیں تو فرعون نے اس طرح کرنے سے تامل کیا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

قبطی سرداروں نے فرعون سے مطالبہ کیا کہ ہمارے حوالے کرو تا کہ ہم قبطی کا ان سے قصاص لیں فرعون نے ایسا کرنے میں تامل کیا۔ (تفسیر نعیمی: ج:1،ص:374 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حمایتی کا قتل کرنے کی اطلاع دینا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حمایتی نے اطلاع دی کہ فرعونی سردار آپ علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کا مشورہ کر رہے ہیں لہٰذا آپ علیہ السلام یہاں سے کسی اور جگہ تشریف لے جائیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۫ قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّىْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ○ (القصص:20)

اور ایک مرد شہر کے آخری کنارے سے دوڑتا ہوا آیا اس نے کہا: اے موسیٰ! بے شک (فرعون کے) سردار آپ کے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں لہٰذا آپ یہاں سے چلے جائیں بے شک میں آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں۔

فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کا حکم دے دینا

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن: جز:13،ص:245 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کی خبر دینے والا کون تھا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کی خبر دینے والا ایک قول کے مطابق حزقیل بن صبورا تھا۔ ایک قول کے مطابق فرعون کا چچا زاد تھا۔ ایک قول کے مطابق طالوت تھا۔ ایک قول کے مطابق آل فرعون سے مومن ہونے کا ہے اور اس کا نام شمعون تھا۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

علامہ ثعلبی نے کہا ہے کہ

اس (خبر دینے والے) شخص کا نام حزقیل بن صبورا تھا اور وہ آل فرعون میں سے مومن تھا اور وہ فرعون کا چچا زاد تھا۔

علامہ سہیلی نے کہا:

اس کا نام طالوت تھا۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

وہ آل فرعون سے مومن تھا اور اس کا نام شمعون تھا۔ (الجامع الاحکام القرآن: ج:13 ص:245 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کی خبر دینے والا آپ علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا

جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ خبر دی کہ آپ علیہ السلام کو فرعونی سردار (نعوذ باللہ) قتل کرنے کا مشورہ کر رہے ہیں لہذا آپ علیہ السلام یہاں سے کسی اور جگہ تشریف لے جائیں تو وہ آپ علیہ السلام پر در پردہ ایمان لا چکا تھا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

اس مجلس (یعنی قتل کرنے کی مشاورت کی) مجلس میں ایک شخص موجود تھا جس کا نام حزقیل تھا اور وہ در پردہ ایمان لا چکا تھا اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی کہ آپ علیہ السلام کے قتل کا مشورہ ہو رہا ہے بہتر ہے کہ آپ علیہ السلام کسی اور جگہ چلے جائیں۔ (تفسیر نعیمی: ج:1 ص:374 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں کارندے بھیجنا

فرعون نے ذبح کرنے والوں کو بلایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکڑنے کی تلاش میں اپنے کارندے بھیجے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس اسرائیلی کو ڈانٹ رہے تھے اور وہ اسرائیلی غلط فہمی سے یہ سمجھا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو قتل کرنا چاہتے ہیں جس طرح انہوں نے کل ایک فرعونی کو قتل کر دیا تھا تو وہ بھاگ کر فرعون کے دربار میں پہنچا اور وہاں جا کر فرعون کو بتایا کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے ایک فرعونی کو قتل کر دیا ہے اور جو کچھ دیکھا تھا اس کا ماجرا سنا دیا۔ تب فرعون نے ذبح کرنے والوں کو بلایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکڑنے کے لئے کارندے بھیج دیئے۔

(جامع البیان: ج:16 ص:209 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا شہر چھوڑ نا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حمایتی نے قتل کی خبر دی تو آپ علیہ السلام اس شہر کو چھوڑ کر تشریف لے گئے جس شہر میں قیام پذیر تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ (القصص:21)

سو موسیٰ اس شہر سے ڈرتے ہوئے نکلے اس انتظار میں کہ اب کیا ہوگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں ظالموں سے پناہ طلب کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ظالموں سے نجات کے لئے کہا: اے میرے رب عزوجل! مجھے ظالم لوگوں سے نجات عطا فرمادے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ o (القصص:21)

موسیٰ نے کہا! اے میرے رب! مجھے ان ظالم لوگوں سے نجات دے دے۔

اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مدین کے راستے پر لگا دینا

جب فرعونی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکڑنے کے لئے نکل پڑے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مدین کے راستے پر لگا دیا۔

امام عبدالرحمان بن علی الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

فرعونی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکڑنے کے لئے نکلے حضرت موسیٰ علیہ السلام خوفزدہ ہو کر اس شہر سے نکلے اور اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو مدین کے راستہ پر لگا دیا۔ (المنتظم: ج:1، ص:219 مطبوعہ بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام بے سروسامان مدین کی جانب روانہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حمایتی نے آپ علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) قتل کے مشورہ ہونے کی اطلاع دے دی تو آپ علیہ السلام مدین کی جانب بے سروسامان روانہ ہو گئے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

اس (حمایتی) نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی کہ آپ علیہ السلام کے قتل کا مشورہ ہو رہا ہے بہتر ہے کہ آپ علیہ السلام کسی اور جگہ چلے جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بے سروسامان مدین کی جانب روانہ ہو گئے۔

(تفسیر نعیمی: ج:1، ص:374 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مصر سے مدین چلے جانا

جب حمایتی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آپ علیہ السلام کے (نعوذ باللہ) قتل کرنے کے مشورہ ہونے کی خبر دے دی تو آپ علیہ السلام مصر سے مدین چلے گئے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

فرعون نے ذبح کرنے والوں کو بلایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکڑنے کے لئے کارندے بھیج دیئے ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک حمایتی آ کر آپ علیہ السلام سے ملا اور آپ علیہ السلام کو بتایا کہ آپ علیہ السلام کے خلاف کیا سازش ہو رہی ہے تب حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین کی طرف چلے گئے۔ (جامع البیان: جز:16 ص:209 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو راستوں کی گھاٹیوں سے تلاش کرنے کا حکم

فرعونیوں نے کہا کہ (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کو راستوں کی گھاٹیوں سے تلاش کرو کیونکہ (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نوجوان ہیں راستہ سے وہ آگاہ نہیں ہیں۔

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

قبطی گیا اس نے راز افشاء کر دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہی وہ آدمی قتل کیا تھا فرعون نے اس کی تلاش کا حکم دیا اور کہا اسے پکڑ لو کیونکہ اس نے ہماری قوم کے ایک فرد کو قتل کیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تلاش کر رہے تھے انہوں نے کہا: راستوں کی گھاٹیوں میں سے اسے تلاش کرو کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نوجوان ہیں راستہ سے آگاہ نہیں۔

(تفسیر عبد الرزاق: ج:2 ص:489 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

فرشتہ کا مدین کی طرف جانے کی رہنمائی کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرشتہ نے مدین جانے کی طرف رہنمائی کی۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام راستہ کی گھاٹیوں میں پہنچے ایک آدمی آیا اس نے آپ علیہ السلام کو بتایا کہ قوم کے سردار آپ علیہ السلام کے بارے میں مشورے کر رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نجات کے لئے دعا کی جب آپ علیہ السلام راستہ کی گھاٹی میں پہنچے تو ایک فرشتہ آیا جو ایک گھوڑے پر سوار تھا جس کے ہاتھ میں نیزہ تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے دیکھا تو خوف سے سجدہ کیا۔

اس فرشتہ نے کہا:

مجھے سجدہ نہ کرو بلکہ میرے پیچھے پیچھے چلو۔ آپ علیہ السلام اس کے پیچھے چلنے لگے۔ اس فرشتے نے مدین کی طرف آپ علیہ السلام کی رہنمائی کی۔ فرشتہ چلتا رہا حتی کہ آپ علیہ السلام کو مدین لے آیا۔ (درمنثور: ج:5 ص:357 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کئی آزمائشوں سے گزرے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کئی آزمائشوں سے گزرے۔

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

فتون کا معنیٰ ہے ایک آزمائش کے بعد دوسری آزمائش میں واقع ہونا اور اللہ تعالیٰ کا ان سے نجات دینا۔ پہلی آزمائش یہ تھی کہ آپ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کو آپ علیہ السلام کا اس سال حمل ہوا جس سال فرعون نومولود بچوں کو ذبح کرتا تھا پھر دوسری آزمائش وہ تھی جب آپ علیہ السلام کو دریائے نیل میں ڈالا۔ تیسری آزمائش وہ تھی جب آپ علیہ السلام نے اپنی والدہ محترمہ کے علاوہ کسی عورت کا دودھ نہیں پیا۔ چوتھی آزمائش وہ تھی جب آپ علیہ السلام نے بچپن میں فرعون کی داڑھی نوچ لی اور فرعون نے آپ علیہ السلام کے قتل کرنے کا ارادہ کرلیا پھر آپ علیہ السلام نے ایک قبطی کو تادیباً گھونسا مارا جس سے وہ ہلاک ہوگیا پھر آپ علیہ السلام خوفزدہ ہوکر مدین کی طرف بھاگ گئے۔ (زادالمسیر: ج:5ص:286 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدین کے کنویں پر پہنچنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے جب مدین کی جانب تشریف لے گئے تو پہلے مدین کے کنویں پر پہنچے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّىْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِىْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ○ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ (القصص:22تا23)

اور موسیٰ جب مدین کی جانب متوجہ ہوئے (تو) کہا عنقریب مجھے میرا رب سیدھا راستہ دکھادے گا جب وہ مدین کے پانی (کنویں) پر پہنچے تو دیکھا وہاں لوگوں کا ایک گروہ (اپنے مویشیوں کو) پانی پلا رہا ہے۔

مدین قبیلہ کا نام

مدین ایک قبیلہ کا نام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے تھا جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے تھے یوں اہل مدین اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان نسبی تعلق بھی تھا یہ قبیلہ خلیج عقبہ کے مشرقی اور مغربی ساحلوں پر آباد تھا یہ سارا علاقہ مدین کہلاتا تھا اس علاقہ کا مرکزی شہر بھی مدین تھا اور یہی علاقہ حضرت شعیب علیہ السلام کا مولد اور مسکن تھا۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

مصر اور مدین کے درمیان آٹھ دن کی مسافت تھی۔

حضرت ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ

مدین کے ملک میں فرعون کے علاوہ کسی اور کی حکومت تھی۔

مدین ایک چشمہ

مدین ایک چشمہ ہے جس کے قریب حضرت شعیب علیہ السلام رہائش پذیر تھے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

مدین ایک چشمہ ہے جس کے قریب حضرت شعیب علیہ السلام رہتے تھے۔

(تفسیر طبری: ج:20، ص:64 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت).

سیدھا راستہ سے کون سا راستہ مراد ہے؟

سیدھا راستہ مدین کا راستہ مراد ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

سَوَآءَ السَّبِیْلِ کا معنیٰ سیدھا راستہ کیا ہے وہ مدین کا راستہ تھا۔

(تفسیر طبری: ج:20، ص:64 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں دعا

امام عبداللہ بن مبارک متوفی 181ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت کعب بن علقمہ سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب فرعون سے بھاگتے ہوئے نکلے تو دعا کی اے میرے رب عزوجل! مجھے تاکیدی حکم ارشاد فرمایئے! ارشاد فرمایا: میں تجھے تاکیدی حکم دیتا ہوں کہ تو کسی چیز کو بھی میرے ہم پلہ قرار نہیں دے گا بلکہ تو اس پر ترجیح دے گا کیونکہ جو ایسا نہ ہونے میں اس پر رحم کرتا ہوں اور نہ اسے پاکیزہ کرتا ہوں۔

عرض کیا: اے میرے رب عزوجل! کس چیز کے ساتھ۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اپنی ماں کے ساتھ کیونکہ اس نے تجھے کمزوری پر کمزوری کے ساتھ اٹھایا ہے۔

عرض کیا

پھر کس چیز کے ساتھ۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اگر میں تجھے اپنے بندوں کے معاملات کا تجھے ذمہ دار بناؤں تو ان کی ضروریات کے ضمن میں انہیں نہ تھکا و اگر تو ایسا کرے گا تو میری روح کو تھکائے گا بے شک میں دیکھنے والا سننے والا اور مشاہدہ کرنے والا ہوں۔

(کتاب الزہد:ص:87 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

سفر کی وجہ سے کمزوری کا عالم

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کنویں پر پہنچے تو کمزوری کی وجہ سے ان کے پیٹ سے سبزیوں کی طرح سبزی دکھائی دے رہی تھی۔ (درمنثور:ج:5،ص:362 مطبوعہ کراچی)

مصر اور مدین کے درمیان آٹھ دن کا فاصلہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو مصر سے مدین کی طرف سفر کیا اس کا فاصلہ آٹھ دن کا تھا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کی طرف نکلے جبکہ مصر اور مدین کے درمیان آٹھ دنوں کا فاصلہ تھا۔

(درمنثور:ج:5،ص:362 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کھانا درختوں کے پتے تھے

حضرت موسیٰ علیہ السلام سفر کے دوران درختوں کے پتے تناول فرماتے رہے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کی طرف نکلے جبکہ مصر اور مدین کے درمیان آٹھ دنوں کا فاصلہ تھا۔ آپ علیہ السلام کا کھانا درختوں کے پتے تھے۔ (درمنثور:ج:5،ص:362 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ننگے پاؤں نکلنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ننگے پاؤں مصر سے مدین کی جانب سفر کیا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کی طرف نکلے جبکہ مصر اور مدین کے درمیان آٹھ دنوں کا فاصلہ تھا آپ علیہ السلام کا کھانا

درختوں کے پتے تھے آپ علیہ السلام ننگے پاؤں نکلے تھے۔(درمنثور،ج:5،ص:362 مطبوعہ کراچی)

قدم اقدس کا موزہ مبارکہ گر جانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدین پہنچے تو قدم مبارکہ کا موزہ اقدس گر گیا تھا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کی طرف نکلے جبکہ مصر اور مدین کے درمیان آٹھ دنوں کا فاصلہ تھا آپ علیہ السلام کا کھانا درختوں کے پتے تھے آپ علیہ السلام ننگے پاؤں نکلے تھے آپ علیہ السلام وہاں پہنچے تو قدم مبارکہ کا موزہ اقدس بھی گر گیا تھا۔

(درمنثور،ج:5،ص:362 مطبوعہ کراچی)

مدین کا فاصلہ پینتیس دنوں کا تھا

ایک قول کے مطابق مدین کا فاصلہ پینتیس دنوں کا تھا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

مدین کا فاصلہ پینتیس (35) دنوں کا تھا۔(درمنثور،ج:5،ص:362 مطبوعہ کراچی)

کنویں پر لوگوں کا مویشیوں کو پانی پلانا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کے کنویں پر پہنچے تو دیکھا کہ لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ (القصص:23)

اور جب وہ مدین کے پانی پر پہنچے تو دیکھا وہاں لوگوں کا ایک گروہ (اپنے مویشیوں کو) پانی پلا رہا ہے۔

بہت سارے لوگوں کا مویشیوں کو پانی پلانا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کے کنویں پر پہنچے تو وہاں پر بہت سارے لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسین بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک کنویں پر پہنچے وہاں پر بہت لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے۔

(تاریخ دمشق الکبیر،ج:64،ص:26 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

لوگوں کا اپنے مویشیوں کو پانی پلا کر کنویں پر پتھر رکھ دینا

لوگوں نے جب اپنے مویشیوں کو پانی پلا دیا تو کنویں پر بھاری پتھر رکھ دیا۔

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی 235ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدین کے کنویں پر پہنچے تو وہاں لوگوں کی ایک جماعت کو پایا جو جانوروں کو پانی پلا رہے تھے جب وہ پانی پلانے سے فارغ ہوئے تو کنویں پر پتھر رکھ دیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ج:6، ص:334 مطبوعہ مکتبۃ الزمان مدینہ منورہ)

پتھر کو دس آدمی ہی اٹھا سکتے تھے

جس کنویں پر لوگوں نے پتھر رکھ دیا تھا اس پتھر کو دس آدمی ہی اٹھا سکتے تھے۔

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی 235ھ روایت کرتے ہیں کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدین کے کنویں پر پہنچے تو وہاں لوگوں کی ایک جماعت کو پایا جو جانوروں کو پانی پلا رہے تھے جب وہ پانی پلانے سے فارغ ہوئے تو کنویں پر پتھر رکھ دیا اس کو دس آدمی ہی اٹھا سکتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج:6، ص:334 مطبوعہ مکتبۃ الزمان مدینہ منورہ)

دو مقدس عورتوں کا اپنے مویشیوں کو پانی پر جانے سے روکنا

کنویں پر دو مقدس عورتیں کھڑی ہوئی تھیں جو اپنے مویشیوں کو پانی پر جانے سے روک رہی تھیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ (القصص:23)

دو مقدس لڑکیوں کا کنویں کی نچلی جانب کھڑی ہو کر بکریوں کو پانی پر جانے سے روکنا

دو مقدس لڑکیاں کنویں کی نچلی جانب کھڑی ہوئی تھیں اور وہ اپنی بکریوں کو پانی پر جانے سے روک رہی تھیں۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کنویں پر پہنچے وہاں پر بہت لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے اور کنویں کی نچلی جانب دو لڑکیاں کھڑی ہوئی تھیں جو اپنی بکریوں کو کنویں کی جانب سے روک رہی تھیں۔

(تاریخ دمشق الکبیر: ج:64، ص:26 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

دو مقدس لڑکیوں کا اپنی بکریوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہونا

کنویں کی نچلی جانب دو مقدس لڑکیاں اپنی بکریوں کے ساتھ چپ چاپ بیٹھی ہوئی تھیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام خوفزدہ ہو کر اور بھوکے نکلے آپ علیہ السلام کے پاس زادِ راہ بھی نہیں تھا حتیٰ کہ مدین کے کنویں پر پہنچے وہاں لوگوں کی ایک جماعت تھی جو جانوروں کو پانی پلا رہے تھے۔ دو عورتیں اپنی بکریوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں۔

(درمنثور: ج: 5، ص: 360 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دو مقدس لڑکیوں سے کھڑے ہونے کی وجہ پوچھنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو مقدس لڑکیوں کو دیکھا جو شرم وحیاء کی پیکر تھیں ان سے پوچھا تمہارا کیا حال ہے یعنی چپ چاپ کیوں کھڑی ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ط (القصص:23)

موسیٰ نے پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟

تم اس طرح الگ کیوں کھڑی ہو؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان دو مقدس لڑکیوں سے پوچھا تم اس طرح کیوں الگ کھڑی ہو۔

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک کنویں پر پہنچے وہاں پر بہت لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے اور کنویں کی نچلی جانب دو لڑکیاں کھڑی ہوئی تھیں جو اپنی بکریوں کو کنویں کی جانب سے روک رہی تھیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا۔

تم اس طرح کیوں الگ کھڑی ہو؟ (تاریخ دمشق الکبیر: ج: 64، ص: 26 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

تمہارا کیا مسئلہ ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان مقدس لڑکیوں کو چپ چاپ کھڑے دیکھ کر پوچھا۔

تمہارا کیا مسئلہ ہے؟

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام خوفزدہ ہو کر اور بھوکے نکلے آپ علیہ السلام کے پاس زادِ راہ بھی نہ تھا حتیٰ کہ مدین کے کنویں پر پہنچے وہاں لوگوں کی ایک جماعت تھی جو جانوروں کو پانی پلا رہی تھے دو عورتیں اپنی بکریوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں۔

آپ علیہ السلام نے پوچھا:

تمہارا کیا مسئلہ ہے؟ (درمنثور: ج: 5، ص: 360 مطبوعہ کراچی)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی 235ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدین کے کنویں پر پہنچے تو وہاں لوگوں کی ایک جماعت کو پایا جو جانوروں کو پانی پلا رہے تھے جب وہ پانی پلانے سے فارغ ہوئے تو کنویں پر پتھر رکھ دیا اسے دس آدمی ہی اٹھا سکتے تھے جبکہ وہ صرف دو مقدس عورتیں تھیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا۔

تمہارا کیا مسئلہ ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ج:6،ص:334 مطبوعہ مکتبۃ الزمان مدینہ منورہ)

دو مقدس لڑکیوں کا لوگوں کے چلے جانے پر پانی پلانے کا بتانا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو مقدس لڑکیوں سے پوچھا آپ یہاں اس طرح کیوں کھڑی ہیں تمہارا کیا مسئلہ ہے تو انہوں نے کہا: ہم اس وقت تک پانی نہیں پلا سکتیں جب تک کہ سب پانی پلانے والے واپس نہ چلے جائیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۖ قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ۖ (القصص:23)

موسیٰ نے پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا: ہم اس وقت تک پانی نہیں پلا سکتیں جب تک کہ (سب) چرواہے (پانی پلا کر) واپس نہ چلے جائیں۔

ہم اس ہجوم میں اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلا سکتیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی وجہ پوچھنے پر ان مقدس دو لڑکیوں نے کہا: ہم ان لوگوں کے ہجوم میں اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلا سکتیں۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک کنویں پر پہنچے وہاں پر بہت لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے اور کنویں کی نچلی جانب دو لڑکیاں کھڑی تھیں جو اپنی بکریوں کو کنویں کی جانب سے روک رہی تھیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا۔

تم ایسے الگ کیوں کھڑی ہو؟ اور کیوں اپنی بکریوں کو روک رہی ہو؟

انہوں نے کہا کہ وہ لوگوں کے ہجوم میں اور اتنے رش میں اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلا سکتیں۔

(تاریخ دمشق الکبیر: ج:64،ص:26 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

چرواہوں کے چلے جانے پر پانی پلانے کا بتانا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان دو مقدس لڑکیوں سے پوچھا تمہارا کیا مسئلہ ہے۔ تو انہوں نے کہا: ہم اس وقت تک

فَلَمَّا قَضٰی مُوْسَی الْاَجَلَ وَ سَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ○ (القصص:29)

پھر جب موسیٰ نے میعاد پوری کر دی اور اپنی اہلیہ کے ساتھ روانہ ہوئے تو انہوں نے طور کی جانب ایک آگ دیکھی انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا تم لوگ یہاں ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں اس کی کوئی خبر لاؤں یا آگ کا کوئی انگارہ لاؤں جس سے تم ہاتھ تاپو۔

سردی سے بچاؤ کے لئے آگ لینے جانا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی مدت پوری کر لی تو اپنی اہلیہ کو لے کر چل پڑے پھر راستہ بھول گئے موسم سردیوں کا تھا آپ علیہ السلام کے لئے آگ بلند کی گئی جب اسے دیکھا تو گمان کیا یہ آگ ہے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کا نور تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا:

امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ

اگر میں تمہارے پاس کوئی خبر نہ لاؤں تو میں تمہارے پاس آگ لے آؤں گا تا کہ تم سردی سے بچاؤ کے لئے اس کو تاپو۔ (درمنثور، ج:5، ص:368 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے رب تعالیٰ کا کلام مقدس

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ کے پاس پہنچے تو آپ علیہ السلام کو وادی کے دائیں کنارے پر برکت والی زمین کے ایک ٹکڑے سے ایک درخت سے ندا فرمائی گئی کہ اے موسیٰ! بے شک میں ہی اللہ رب العلمین ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤی اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ○ (القصص:30)

پھر جب موسیٰ آگ کے پاس پہنچے تو انہیں اس وادی کے دائیں کنارے پر برکت والی زمین کے ٹکڑے سے ایک درخت سے ندا کی گئی کہ اے موسیٰ! بے شک میں ہی اللہ رب العلمین ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم اللہ کیوں کہا جاتا ہے

علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو خصوصیت کے ساتھ کلیم اللہ کہا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام ازلی کو بغیر حرف اور آواز کے سنا اور اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو آواز اور حروف کے واسطہ سے سنا تو پھر خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو فرشتہ یا کتاب کی وساطت کے بغیر سنا اور اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے یہ کلام اللہ تعالیٰ کی تجلی کے بعد سنا تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ تجلی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ اور کسی نبی کے لئے واقع نہیں ہوئی۔ باقی رہا یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ کیسے علم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں علم بدیہی پیدا کر دیا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے یا ان کو معجزہ سے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور معجزہ یہ تھا کہ انہوں نے ایک ہرے بھرے درخت سے آگ نکلتی ہوئی دیکھی اور یہ امر خلاف عادت ہے اور اسی درخت سے بغیر کسی بولنے والے کے آواز آ رہی تھی اور یہ بھی امر خلاف عادت اور معجزہ ہے۔

(روح المعانی: جز: 20، ص: 111 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ سے کلام کرنا

جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی شب معراج میں کلام فرمایا۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ روایت کرتے ہیں:

(جس کے آخری الفاظ یہ ہیں) پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساتویں آسمان سے اوپر وہاں تک گئے جس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے اور الجبار رب العزۃ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا پھر اور زیادہ قریب ہوا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب عزوجل سے دو کمانوں کی مقدار قریب ہوئے بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہوئے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو وحی کی اس میں یہ وحی کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر ہر دن اور رات میں پچاس نمازیں فرض ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیچے اتر کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روک کر پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا عہد لیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرے رب عزوجل نے مجھ سے دن اور رات میں پچاس نمازوں کا عہد لیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی واپس جائیے اور اپنی اور اپنی امت کی طرف سے کمی کی درخواست کیجئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف دیکھا گویا ان سے مشورہ طلب کر رہے ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اشارہ کیا ہاں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے ہیں تو جائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر الجبار کی طرف گئے

اور اپنے مقام پر کھڑے ہو کر عرض کیا: اے رب عزوجل! ہم سے کچھ کمی کیجئے کیونکہ میری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں کم کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹے انہوں نے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روک لیا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب عزوجل کی طرف بھیجتے رہے حتیٰ کہ پانچ نمازیں رہ گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پانچ نمازوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر روک لیا اور کہا: اے محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم)! میں اپنی قوم بنی اسرائیل کا اس سے کم پر تجربہ کر چکا ہوں وہ ان نمازوں کو پڑھنے سے کمزور پڑ گئے اور ان کو ترک کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ان کے جسموں، ان کے دلوں، ان کے بدنوں، ان کی آنکھوں اور ان کے کانوں سے زیادہ کمزور ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس جائیے اور اپنے رب عزوجل سے اس میں بھی کمی کرائیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر مشورہ لیتے تھے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام اس کو ناپسند نہیں کرتے تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچویں بار بھی لے گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میری امت کے اجسام، ان کے قلوب، ان کے کان اور ان کے بدن کمزور ہیں سو ہم سے کچھ کمی کیجئے۔

الجبار نے کہا:

یا محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے عرض کیا لبیک وسعدیک۔ فرمایا میرے قول میں تبدیلی نہیں ہوتی میں نے آپ پر جس طرح لوح محفوظ میں فرض کیا ہے سو ہر نیکی کا اجر دس گنا ہو گا پس لوح محفوظ میں یہ پچاس نمازیں ہیں اور آپ پر یہ پانچ نمازیں ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے۔

انہوں نے پوچھا:

کیا ہوا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ہم سے تخفیف کر دی گئی اور ہم کو ہر نیکی کا اجر دس گنا دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

میں اس سے کم پر بنی اسرائیل کا تجربہ کر چکا ہوں انہوں نے ان نمازوں کو ترک کر دیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس جائیے اور اپنے رب عزوجل سے کم کرائیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے موسیٰ (علیہ السلام)! اللہ تعالیٰ کی قسم! اب مجھے بار بار اپنے رب عزوجل کے پاس جانے سے حیا آتی ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 7517)

کلام کرنے کا انکار اور رد

علامہ علی بن خلف بن عبد الملک بن بطال اندلسی متوفی 449ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

شفاعت کی طویل حدیث مبارکہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول مذکور ہے' لیکن تم لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ ایسے بندے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تورات عطا فرمائی اور ان سے کلام فرمایا۔ اور اس میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اس کے برخلاف اشاعرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کلام فرمایا ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی ؕ (النجم:10)

سو وحی فرمائی اپنے عبد مکرم کی طرف جو وحی فرمائی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس استدلال کو رد کر دیا ہے اور کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یٰمُوْسٰۤی اِنِّی اصْطَفَیْتُكَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَ بِكَلَامِیْ ﳲ (الاعراف:144)

اے موسیٰ! میں نے اپنی رسالت اور اپنے کلام سے تم کو لوگوں پر فضیلت دی ہے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی ہے۔

(شرح صحیح البخاری لابن بطال: ج:10، ص:510 مطبوعہ مکتبۃ الرشید ریاض)

قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی 685ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

میں نے اپنی رسالت اور اپنے کلام سے آپ کو ان لوگوں پر فضیلت دی ہے جو آپ کے زمانہ میں موجود ہیں اور ہارون ہر چند کہ نبی ہیں لیکن ان کو آپ کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور ان سے کلام نہیں کیا گیا اور نہ وہ صاحب شرع ہیں۔

(تفسیر البیضاوی مع عنایۃ القاضی: ج:4، ص:367 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی 1069ھ اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں۔

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے زمانہ کے لوگوں پر کلام کی وجہ سے فضیلت دی ہے یہ اس لئے کہا ہے کہ رسالت اور بلا واسطہ ہم کلام ہونے کی فضیلت تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی متحقق ہے سو اگر یہ قید نہ لگائی جائے تو لازم آئے گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہوں حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی افضل علی الاطلاق ہیں۔ (عنایۃ القاضی: ج:4، ص:367 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ علی بن محمد خازن شافعی متوفی 725ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی ہے کیونکہ ان کو رسالت کے لئے چن لیا ہے اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی رسالت کے لئے چن لیا ہے۔ امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تمام انسانوں پر یہ فضیلت ہے کہ ان کو رسالت کے لئے بھی چن لیا ہے اور ان کو بلاواسطہ اپنا کلام سنایا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوا اور کسی انسان میں یہ دونوں چیزیں جمع نہیں ہیں۔

(تفسیر کبیر: ج:5، ص:359 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام رازی کا یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے رسالت کے لئے بھی چن لیا ہے اور شب معراج آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاواسطہ کلام بھی فرمایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر نمازوں کو فرض فرمایا اور یا محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا ہے۔

اور اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے۔

فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰىؕ (النجم:10)

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد مکرم کی طرف وحی فرمائی جو (بھی) وحی فرمائی۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بلند مقام تک لے گیا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلموں کے چلنے کی آواز سنی اور یہ چیزیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام پر بہت زیادہ شرف اور فضیلت عطا فرمائی ہے اس لیے اصل سوال کا صرف یہ جواب صحیح ہے کہ یٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَیْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَ بِكَلَامِیْ ﳲ (الاعراف:144) کا معنیٰ یہ ہے کہ اے موسیٰ! میں نے تم کو اپنی پیغمبری سے اور اپنی ہم کلامی سے تمہارے زمانہ کے تمام لوگوں پر فضیلت دی ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان سے زیادہ بلند منصب والا اور ان سے زیادہ اشرف اور افضل اور کوئی انسان نہیں تھا وہ صاحب شریعت ظاہرہ تھے اور ان کو تورات عطا فرمائی اور یہ اس کی دلیل ہے کہ ان کو ان کے زمانہ کے تمام لوگوں پر فضیلت دی ہے جس طرح ان کی قوم کو ان کے زمانہ کے تمام لوگوں پر فضیلت دی اور فرمایا "یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَ اَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ۝" (البقرہ:47)

اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میں نے تم کو (تمہارے زمانہ کے) تمام لوگوں پر فضیلت دی۔ (تفسیر خازن: ج:2، ص:138 مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور)

علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد حنفی متوفی 710ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

اے موسیٰ! (علیہ السلام) میں نے تم کو تمہارے زمانہ کے لوگوں پر اپنی رسالت سے تم کو تورات دے کر اور تم سے کلام کر کے فضیلت دی ہے۔ (مدارک التنزیل علی ہامش الخازن: ج:2، ص:137 مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور)

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی 754ھ لکھتے ہیں:

ہر چند کہ اس آیت کریمہ میں علی الناس (تمام لوگوں پر) لفظ عام ہے لیکن اس کا معنیٰ خصوص ہے یعنی میں نے تم کو اپنی

رسالت اور اپنے کلام سے تمہارے زمانہ کے لوگوں پر فضیلت دی ہے کیونکہ ان سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے جنت میں کلام فرمایا اور ان کے بعد شب معراج ہمارے نبی سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام فرمایا۔

(البحر المحیط: ج:5،ص:169 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابوالسعود محمد بن محمد مصطفیٰ حنفی متوفی 982ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کریمہ کا معنیٰ ہے میں نے آپ کو آپ کے معاصرین پر اپنی رسالت اور اپنے کلام سے فضیلت دی ہے کیونکہ ہر چند کہ حضرت ہارون علیہ السلام نبی تھے لیکن ان کو آپ کی اتباع کا حکم دیا گیا تھا اور ان سے کلام نہیں فرمایا تھا اور نہ وہ صاحب شرع تھے۔ (تفسیر ابوالسعود: ج:3،ص:47 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی 1137ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے زمانہ کے لوگوں پر یا ان کے معاصرین پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام سے فضیلت دی ہے۔ (روح البیان: ج:3،ص:306 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ عمر بن اسماعیل بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کر کے فرمایا کہ اس نے ان کو ان کے زمانہ کے لوگوں پر اپنی رسالت اور اپنے کلام سے فضیلت دی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اولاد آدم اور تمام اولین اور آخرین کے سردار ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس مرتبہ کے ساتھ مختص کیا کہ آپ کو خاتم الانبیاء والمرسلین بنایا اور قیامت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو باقی رکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار انبیاء کرام علیہم السلام اور رسول علیہم السلام کے پیروکاروں سے زیادہ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شرف اور فضیلت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام الخلیل ہیں پھر موسیٰ بن عمران کلیم الرحمان علیہ السلام ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر: ج:2،ص:278 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کرنے پر دلائل

علامہ ابوالفضل عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی 544ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس کی قائل تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا اور اس پر انہوں نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ○ (الشوریٰ:51)

”کسی بشر کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ بغیر وحی کے اللہ تعالیٰ سے کلام کرے یا پردے کی اوٹ سے یا اللہ تعالیٰ کسی فرشتہ کو بھیجے اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جو اللہ تعالیٰ چاہے وہ وحی کرے بے شک اللہ تعالیٰ بہت بلند ہے بہت حکمت والا ہے۔“

اور بعض مشائخ نے اس آیت سے اس پر استدلال کیا ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو بے حجاب دیکھا اور اس سے بلاواسطہ اور بلا کسی فرشتے کے واسطہ سے کلام کیا ہے۔ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونا تین قسم پر ہے۔

1- پردے کی اوٹ سے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام کیا۔

2- فرشتہ سے بذریعہ وحی جس طرح کہ اکثر انبیاء کرام علیہم السلام سے کلام کیا۔

3- بذریعہ وحی یعنی دل میں کوئی بات ڈال کر۔

اب کلام کرنے کی تین صورتوں میں سے صرف ایک صورت باقی بچی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ سے بالمشاہدہ کلام کیا جائے۔ (اکمال المعلم: ج:1، ص:531 مطبوعہ دار الوفاء بیروت)

علامہ ابوالعباس احمد بن ابراہیم مالکی قرطبی متوفی 656ھ لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ شب معراج سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ کلام کیا ہے یا نہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، جعفر بن محمد، ابوالحسن اشعری اور متکلمین کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کیا ہے اور ایک جماعت نے اس کی نفی کی ہے۔

(المفہم: ج:1، ص:403 مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی 676ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے الشوریٰ: 51 سے ثابت کیا ہے کہ شب معراج آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا اس کے حسب ذیل جوابات ہیں۔

1- دیکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھتے وقت کلام کیا ہو پس ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھے بغیر کلام کیا ہو۔

2- یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کی صرف تین صورتیں ہیں پردے کی اوٹ سے، فرشتے کے ذریعے اور وحی سے ہو سکتا ہے کہ یہ عام مخصوص البعض ہو اور آپ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہوں۔

3- بعض علماء کرام نے کہا ہے: وحی سے مراد اللہ تعالیٰ کا کلام بلاواسطہ ہے۔

(شرح للنواوی: ج:1، ص:984 مطبوعہ نزار مصطفیٰ بیروت)

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام کرنے کے ساتھ دیدار الٰہی کرنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام کرنے کے ساتھ ساتھ رب تعالیٰ کا دیدار بھی کیا جس پر کثیر دلائل قرآن مجید و احادیث مبارکہ و علماء کرام کے اقوال کی صورت میں موجود ہیں۔

قرآن مجید سے ثبوت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ سے کلام کرنے کے ساتھ ساتھ رب تعالیٰ کا دیدار بھی کیا جس پر یہ آیات کریمہ ثبوت ہیں۔

چنانچہ قرآن میں ہے۔

ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ○ وَ هُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ○ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ○ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ○ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ○ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ○ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ○ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ○ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ○ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ○ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ○ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ○ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ○ (النجم:6 تا18)

بہت زبردست نے پھر اللہ تعالیٰ استواء فرمایا اس وقت وہ (نبی) آسمان کے سب سے اونچے کنارے پر تھے پھر وہ زیادہ قریب ہوئے پھر زیادہ قریب ہوئے تو وہ دو کمانوں کی مقدار قریب ہو گئے یا اس سے بھی زیادہ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس بندے کی طرف وحی فرمائی جو بھی وحی فرمائی آپ کے قلب نے اس کی تکذیب نہ کی جو آپ کی آنکھوں نے دیکھا۔ کیا تم ان سے اس پر جھگڑ رہے ہو جو انہوں نے دیکھا۔ بے شک انہوں نے اس کو ضرور دوسری بار دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک اس کے پاس جنت الماویٰ ہے جب سدرہ کو ڈھانپ لیا اس چیز نے جس نے ڈھانپ لیا آپ کی نظر نہ کج ہوئی نہ بہکی بے شک اپنے رب کی نشانیوں میں سے سب سے بڑی نشانی کو ضرور دیکھا۔

آیت نمبر 7 کی تفسیر میں مقاتل نے کہا:

رب العزت عزوجل شب معراج سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو کمانوں کی مقدار قریب ہو گئے پھر زیادہ قریب ہوئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قرظی نے فرمایا:

سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب عزوجل کے قریب ہوئے۔

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

حضرت جبرائیل علیہ السلام اپنے رب عزوجل کے قریب ہوئے پس وہ دو کمانوں کے قریب بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہوئے۔

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ فرماتے ہیں۔

ان اقوال میں قول مختار مقاتل کا ہے کیونکہ اس کی تائید میں صحیح البخاری اور صحیح مسلم کی حدیث مبارکہ ہے

(زاد المسیر: ج:8 ص:66 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

جس حدیث مبارکہ کا علامہ جوزی نے حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے۔
اور جب رب العزت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا حتیٰ کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو کمانوں کی مقدار قریب بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہوا۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 7517)
قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی 544ھ لکھتے ہیں:
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صحیح البخاری میں یہ حدیث مبارکہ مروی ہے۔
الجبار العزت قریب ہوا پس زیادہ قریب ہوا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دو کمانوں کی مقدار بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہوئے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 7517)
محمد بن کعب سے روایت ہے کہ
سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب عزوجل کے قریب ہوئے پس دو کمانوں کی مقدار ہو گئے۔
جعفر بن محمد نے کہا کہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب عزوجل نے خود سے قریب کیا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب عزوجل سے دو کمانوں کی مقدار قریب ہو گئے۔
اور جعفر بن محمد نے کہا:
اللہ تعالیٰ کے قریب کی کوئی حد نہیں ہے اور بندوں کا قرب محدود ہے۔
نیز انہوں نے کہا:
کیا تم نے دیکھا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے قرب سے کیسے حجاب میں تھے اور سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے قریب ہوئے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں معرفت اور ایمان کو رکھا گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سکون قلب سے وہاں تک قریب ہوئے جہاں تک اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریب کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے ہر قسم کا شک اور تردد زائل ہو گیا۔ (الشفاء: ج: 1، ص: 159 مطبوعہ دار الفکر بیروت)
علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:
حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ حلف اٹھا کر کہتے تھے کہ سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اپنے نزدیک بلند کیا اور تدلی کا معنیٰ یہ ہے کہ اس نے آپ کو بالکلیہ جانب قدس میں جذب کر لیا اور اسی کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں فنا ہونا کہتے ہیں۔ ہم نے جو دنا کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ آپ کے قریب ہوا اس کی دلیل صحیح بخاری کی وہ حدیث مبارکہ ہے کہ جبار رب العزت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا۔ (روح المعانی: جز: 27، ص: 80 مطبوعہ دار الفکر بیروت)
مزید راقم ہیں:

معظم صوفیہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے قریب ہوئے اس سے قرب کا وہ معنیٰ مراد ہے جو اللہ تعالیٰ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لائق ہے۔

(روح المعانی: جز:27،ص:83 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اور آیت نمبر 8 کی تفسیر میں علامہ الماوردی متوفی 450ھ لکھتے ہیں:

محمد بن کعب نے کہا:

سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب عزوجل کے قریب ہوئے۔

(النکت والعیون: ج:5،ص:393 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب عزوجل کے یا حضرت جبرائیل علیہ السلام کے قریب ہوئے۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:17،ص:83 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دو کمانوں کی مقدار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پھر قریب ہو گئے۔ (روح المعانی: جز:17،ص:80 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت محاورہ عرب کے موافق ہے کیونکہ دو سردار جب ایک دوسرے سے معاہدہ کر لیتے ہیں تو وہ اپنی دونوں کمانوں کو ملاتے ہیں اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ ان کے ہتھیار ایک ہیں اگر کوئی ان پر حملہ کرے گا تو وہ دونوں اس کے خلاف ہتھیار اٹھائیں گے۔ (تفسیر کبیر: ج:10،ص:239 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس آیت کریمہ سے واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ واحد ہے اللہ تعالیٰ کی رضا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنا اللہ تعالیٰ سے بیعت کرنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منع کرنا اللہ تعالیٰ کا منع کرنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکہ دینا رب تعالیٰ کو دھوکہ دینا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا اللہ تعالیٰ کو ایذاء پہنچانا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خریدنا اللہ تعالیٰ کا خریدنا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔

قرآن مجید میں اس کی مثال درج ذیل ہیں۔

1-قرآن مجید میں ہے:

مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ (النساء:80)

جس نے رسول کی اطاعت کی تحقیق اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر لی۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے۔

2-قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ (الفتح:10)

بے شک جو لوگ رسول اللہ سے بیعت کر رہے تھے وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے تھے۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خریدنا اللہ تعالیٰ سے بیعت کرنا اور اللہ تعالیٰ سے خریدنا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پر تھا۔

3-تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۚ (الفتح:10)

اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر تھا۔

اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت عطا اور مدد اللہ تعالیٰ کی قوت عطاء اور مدد ہے۔

4-قرآن مجید میں ہے:

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی ۚ (الانفال:17)

آپ نے کنکریاں نہیں ماریں جب آپ نے کنکریاں ماری تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے کنکریاں ماری تھیں۔

اس آیت کریمہ میں یہ واضح صراحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔

ستر انصار نے مدینہ منورہ آ کر مکہ مکرمہ کی گھاٹی میں اپنی جانوں اور مالوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ جنت کے عوض فروخت کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کے عوض ان کی جانوں اور مالوں کو خریدا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

5-اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ (التوبۃ:111)

بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خریدنا اللہ تعالیٰ کا خریدنا ہے۔

منافقوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنا ایمان ظاہر کر کے اپنے گمان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکہ دیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

6-یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ (البقرہ:9)

وہ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا تو غیر متصور ہے کیونکہ اللہ سبحانہ عالم الغیب ہے اور منافق بھی اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں اس لیے اس کا معنیٰ ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکہ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وہ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیتے ہیں پس معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکہ دینا اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا ہے۔

7- قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (الاحزاب:57)

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذاء پہنچاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو ایذاء پہنچانا تو محال ہے اس لیے اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا ہے لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا اللہ تعالیٰ کو ایذاء پہنچانا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانے کا اس آیت کریمہ میں الگ سے صراحۃً ذکر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو چیز پہلے سے ضمناً سمجھ آ رہی تھی اس کو صراحۃً ذکر کر کے مؤکد کر دیا گیا ہے اصطلاح میں اس کو تصریح بما علم ضمناً کہتے ہیں بعض نومسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جنگ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لے کر ان کو آزاد کرنے کا مشورہ مال دنیا کی طمع میں دیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مشورہ کو ان کی آخرت کے اعتبار سے قبول کیا تھا کہ ان میں سے بعض قیدی خود ایمان لے آئیں گے اور بعض کی اولاد اسلام قبول کر لے گی اور وہ آخرت کے عذاب سے بچ جائیں گے سو بعض نومسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے مال دنیا کی طمع سے تھی اور آپ کا اس رائے کو قبول کرنا قیدیوں کی آخرت کی وجہ سے تھا۔

8- لیکن اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ (الانفال:67)

تم فدیہ سے متاع دنیا کا ارادہ کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ آخرت کا ارادہ فرما رہا تھا۔

آخرت کا ارادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ آخرت کا ارادہ کر رہا تھا معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ رب تعالیٰ کا ارادہ ہے۔

9- قرآن مجید میں ہے:

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ (التوبہ:62)

اور اللہ اور اس کا رسول اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ تم اس کو راضی کرو۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ اور رسول دونوں کا ذکر فرمایا ہے اور یُرْضُوْهُ میں ضمیر واحد ذکر کی ہے اور اس سے اس پر متنبہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا واحد ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنا اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے۔

10- قرآن مجید میں ہے:
وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ (التوبہ:74)
ان منافقوں کو صرف یہ ناگوار ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ان کو اپنے فضل سے غنی کر دیا۔
اس آیت کریمہ میں بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کا ذکر فرمایا ہے اور مِنْ فَضْلِهٖ میں ضمیر واحد کا ذکر فرمایا ہے اور اس میں یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فضل واحد ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فضل کرنا اللہ تعالیٰ ہی کا فضل فرمانا ہے۔

11- قرآن مجید میں ہے:
لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (الحجرات:1)
اللہ تعالیٰ اور رسول پر سبقت نہ کرو اور ان سے آگے نہ بڑھو۔
اللہ تعالیٰ پر سبقت کرنا اور اس سے آگے بڑھنا محال ہے اس کا تصور ہی نہیں ہو سکتا اور منع اس کام سے کیا جاتا ہے جس کا کرنا متصور ہو اس لیے اللہ تعالیٰ پر سبقت کرنے سے مراد ہے اس کے رسول پر سبقت کرنا اور اس آیت کریمہ میں یہ بتانا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سبقت کرنا اللہ تعالیٰ سے سبقت کرنا ہے پھر تائید کے لئے صراحۃً فرمایا کہ اس کے رسول سے سبقت نہ کرو۔

ہم نے یہ گیارہ آیات پیش کی ہیں جن سے یہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ واحد ہے اور اسی چیز کو "قاب قوسین او ادنی" کی مثال سے واضح کیا ہے کہ دونوں کمانیں انتہائی قریب ہیں جس طرح دو قبیلوں کے سردار اپنی کمانوں کو ملا کر یہ بتاتے ہیں کہ ایک سے صلح دوسرے سے صلح ہے اور ایک سے جنگ دوسرے سے جنگ ہے اور ایک سے خیانت دوسرے سے خیانت ہے اور ایک سے معاہدہ دوسرے سے معاہدہ ہے اور ایک سے عہد شکنی دوسرے سے عہد شکنی ہے کیونکہ دونوں کے ساتھ معاملہ واحد ہے۔

اور سورہ النجم کی دسویں آیت کے تحت علامہ عبدالرحمان بن علی بن محمد الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:
شب معراج اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بالمشافہ اور بلا واسطہ وحی کی۔

(زادالمسیر: ج:8، ص:67 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:
امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
جب اللہ تعالیٰ کے حبیب، اللہ تعالیٰ سے غایت قریب میں پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت زیادہ ہیبت طاری ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ازالہ کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر انتہائی لطف و کرم فرمایا اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔
فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ؕ (النجم:10)

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس بندے کی طرف وحی فرمائی جو بھی وحی فرمائی۔

گویا جو ہونا تھا وہ ہوا اور حبیب نے اپنے حبیب سے وہ کہا جو ایک حبیب دوسرے حبیب سے کہتا ہے اور آپ سے وہ راز کی باتیں کیں جو راز ایک حبیب اپنے حبیب سے کہتا ہے پس دونوں نے اس راز کو مخفی رکھا اور ان کے راز و نیاز پر کوئی بھی مطلع نہیں ہوا۔ (روح المعانی: ج:27، ص:83 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اور سورۃ النجم کی آیت نمبر 11 کی تفسیر میں علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی متوفی 450ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج کو بیداری میں اپنے رب عزوجل کو اپنے سر اقدس کی آنکھوں سے دیکھا۔

محمد بن کعب نے فرمایا:

ہم نے سوال کیا! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہاں! میں نے اپنے رب عزوجل کو اپنے سر کی آنکھوں سے دو بار دیکھا ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ○ (النجم:11) (جامع البیان: ج:27، ص:65 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔ (تفسیر کبیر: ج:10، ص:241 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل ہوں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم ہوں اور سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی رؤیت حاصل ہو۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

ہم بنو ہاشم یہ کہتے ہیں کہ سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دو بار دیکھا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ نور ہے اس کو جہاں سے بھی دیکھا وہ نور ہی نور ہے۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: 178)

اور سورۃ النجم کی آیت نمبر 17 کی تفسیر میں علامہ عبدالرحمان بن علی بن محمد الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:
ابن بحر نے کہا:
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کم نہیں ہوئی۔
وما طغی کا معنیٰ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اقدس حق سے متجاوز نہیں ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر حد سے بڑھی نہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ادراک کرنے سے عاجز نہیں ہوئی اور نہ اس نے تخیل سے واقع کے خلاف زیادہ وہم کیا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر دائیں بائیں نہیں ہوئی اور نہ زیادہ ہوئی اور نہ متجاوز ہوئی۔

(زادالمسیر: ج:8،ص:71 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

علامہ قونوی حنفی متوفی 1195ھ لکھتے ہیں:
ظاہر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کی آنکھ سے اور دل کی آنکھ سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔

(حاشیۃ القونوی علی البیضاوی: ج:18،ص:281 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر جنت اور اس کی زینت کی طرف مڑی اور نہ دوزخ اور اس کے ہولناک عذاب کی طرف گئی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اللہ عزوجل کی ذات کو دیکھنے میں محو اور مستغرق رہے۔
سہل بن عبداللہ تستری نے کہا:
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر شب معراج اپنی ذات میں الوہیت کے دلائل کی طرف متوجہ ہوئی نہ اس رات کی عظیم نشانیوں کی طرف ملتفت ہوئی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنے رب عزوجل کی ذات کا مشاہدہ کرتے رہے اور اپنے رب عزوجل کی صفات کا مطالعہ کرتے رہے۔(روح المعانی: جز:27،ص:83 مطبوعہ دارالفکر بیروت)
علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:
اس آیت کریمہ سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو بیداری میں سر کی آنکھوں سے دیکھا تھا کیونکہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو قلب سے دیکھا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا:

مَا زَاغَ قلب محمد وَمَا طَغٰی
محمد کا قلب نہ بہکا نہ کج ہوا۔
اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
آپ کی بصر نہ بہکی اور نہ کجی ہوئی۔
اور بصر سر کی آنکھ کو کہتے ہیں اس سے واضح ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیداری میں اپنے سر کی آنکھ سے اپنے رب

عزوجل کو دیکھا۔

حضرت البقلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اپنے رب کو دو بار دیکھا ہے اور یہ دوسری بار دیکھنے کا ماجرا ہے کیونکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بار اپنے رب عزوجل کو دیکھا تو وہاں اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کچھ نہ تھا اس لیے وہاں یہ نہیں فرمایا کہ

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰیO

آپ کی بصر ادھر ادھر متوجہ ہوئی اور نہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھنے سے متجاوز ہوئی بلکہ اسی کی ذات کو دیکھنے میں محو اور مستغرق رہی اور جب آپ نے دوسری بار واپسی کے بعد اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو آپ کے سامنے جنت، دوزخ اور دیگر عجیب و غریب نشانیاں بھی تھیں لیکن آپ اور کسی طرف متوجہ نہیں ہوئے بلکہ صرف اسی کی ذات کو ٹکٹکی باندھ کر لگاتار دیکھتے رہے۔

(روح البیان: ج:9،ص:269 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

احادیث مبارکہ سے ثبوت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے کے ساتھ ساتھ دیدار بھی کیا جس کا ثبوت درج ذیل احادیث مبارکہ سے ہے۔

حدیث مبارکہ:1

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حتیٰ کہ سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ پر آئے اور جبار رب العزت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا اور پھر زیادہ قریب ہوا حتیٰ کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو کمانوں کی مقدار رہ گیا یا اس سے بھی زیادہ نزدیک۔

(صحیح البخاری: ج:2،ص:1120 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

حدیث مبارکہ:2

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کی طرف نظر سے دیکھا۔

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا:

آیا سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو نظر سے دیکھا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو کھانے کے بعد برتن کو چاٹ لے گا وہ برتن اس کے لئے استغفار کرے گا۔ (مسند احمد: رقم الحدیث: 20750)

حدیث مبارکہ:45

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجذوم کا ہاتھ پکڑ کر اس کو اپنے ساتھ کھانے کے پیالہ میں شریک کیا اور فرمایا: بسم اللہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد کر کے کھاؤ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: رقم الحدیث: 24526)

حدیث مبارکہ:46

حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ
مسلمان جب کسی غزوہ میں جاتے تو بیماروں اور اپاہجوں کو اپنے گھروں میں چھوڑ جاتے تھے اور اپنے گھر کی چابیاں انہیں دے دیتے تھے اور وہ لوگ کہتے تھے کہ ہمارے لئے ان کے گھروں سے کھانا پینا حلال نہیں ہے اور اس میں حرج سمجھتے تھے وہ کہتے تھے جب کہ وہ لوگ غائب ہیں تو ہمیں ان کے گھروں سے کھانا پینا جائز نہیں ہے۔ (مسند البزار: رقم الحدیث: 2241)

حدیث مبارکہ:47

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ
مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کرنے میں رغبت کرتے تھے وہ اپنے گھروں کی چابیاں اپنے وکیلوں اور کفیلوں کو دے دیتے تھے اور یہ کہہ کر دیتے تھے کہ تمہیں جس چیز کی ضرورت ہو وہ تم کھالینا ہم نے تمہارے لیے اپنی چیزیں حلال کر دی ہیں اور وکیل یہ کہتے تھے کہ ہمارے لیے ان چیزوں کا کھانا جائز نہیں ہے انہوں نے خوشی سے ہمیں اجازت نہیں دی ہم ان کے مال کے امین ہیں تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (یا ان گھروں سے جن کی چابیاں تمہارے قبضہ میں ہوں) (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 14875)

حدیث مبارکہ:48

ابراہیم سے روایت ہے کہ
حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا لایا گیا وہ روزے سے تھے انہوں نے کہا: حضرت مصعب بن عمیر شہید ہو گئے اور وہ مجھ سے افضل تھے ان کو صرف ایک چادر میں کفنا دیا گیا جس سے ان کا سر ڈھانپا جاتا تو ان کے پیر کھل جاتے تھے اور اگر ان کے پیر ڈھانپے جاتے تو ان کا سر کھل جاتا تھا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور وہ مجھ سے افضل تھے پھر ہمارے لیے دنیا اتنی کشادہ کر دی گئی جتنی کشادہ کر دی گئی اور دنیا سے ہمیں اتنا کچھ دیا گیا اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ ہمیں ہماری نیکیاں دنیا میں ہی مل گئی ہیں پھر وہ رونے لگے حتیٰ کہ کھانا ترک کر دیا۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 1275)

حدیث مبارکہ:49

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب کھائے یا پئے تو یہ کہہ لے۔
بسم الله وبالله الذى لايضر مع اسمه شيء فى الارض ولا فى السماء يا حى يا قيوم۔
(الفردوس بماثور الخطاب: رقم الحدیث:1113)

حدیث مبارکہ:50

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے سے فارغ ہو کر یہ دعا پڑھتے۔
الحمد لله الذى اطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمين۔ (سنن ابوداؤد: رقم الحدیث:3850)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کھانے کے متعلق اقوال

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ o جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے ہاں معزز ترین مہمان تھے اور اب وہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے محتاج تھے بھوک کی شدت کی وجہ سے آپ کا پیٹ آپ علیہ السلام کی پشت سے لگا ہوا تھا۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے روٹی کے ایک ٹکڑے کا سوال کیا جس کے ذریعے بھوک سے نجات حاصل کریں اور اپنی ریڑھ کی ہڈی کو مضبوط کریں۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون سے بھاگے تو انہیں بھوک نے آلیا ان کی انتڑیاں کپڑوں کے باہر سے دیکھی جا سکتی تھیں۔
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں عورتوں کے جانوروں کو پانی پلایا پھر سائے کی طرف گئے اور عرض کی رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ o کہا اس روز وہ کھجور کی ایک مٹھی کے محتاج تھے۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

انہوں نے عرض کی "رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ ۝" کہا اس روز انہیں سیر کر دے۔

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

انہوں نے صرف کھانے کا سوال کیا جو انہیں کھلا دے۔

حضرت ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

ان کے ساتھ نہ کوئی روٹی تھی اور نہ کوئی درہم تھا۔ (درمنثور: ج:5 ص:363 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو مقدس لڑکیوں کا سن لینا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں دعا کی کہ اے میرے رب عزوجل! بے شک میں اس اچھائی کا محتاج ہوں جو تو نے میری طرف نازل فرمائی ہے تو اس دعا کو ان مقدس لڑکیوں نے سن لیا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام خوفزدہ ہو کر اور بھوکے نکلے آپ علیہ السلام کے پاس زادراہ نہ تھا حتیٰ کہ مدین کے کنویں پر پہنچے وہاں لوگوں کی ایک جماعت تھی جو جانوروں کو پانی پلا رہے تھے دو عورتیں اپنی بکریوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں۔

آپ علیہ السلام نے پوچھا:

تمہارا کیا مسئلہ ہے؟

دونوں نے کہا:

ہم اس وقت تک جانوروں کو پانی نہیں پلا سکتیں حتیٰ کہ چرواہے چلے جائیں جبکہ ہمارے والد محترم بوڑھے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا:

کیا تمہارے قریب بھی کوئی کنواں ہے؟

دونوں نے کہا:

نہیں مگر ایک کنواں ہے جس پر ایک پتھر ہے جس نے کنویں کو ڈھانپ رکھا ہے جس کو اٹھانے کی کسی کو طاقت نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

دونوں چلو اور مجھے دکھاؤ۔ دونوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ چلیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے پتھر ہٹا دیا اور اسے کنویں سے دور کر دیا پھر ان کے جانوروں کے لیے ایک ہی ڈول نکالا اور ریوڑ کو پانی پلا دیا پھر پتھر اسی جگہ رکھ دیا پھر آپ علیہ السلام سائے کی طرف چل دیئے اور عرض کی "اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ ۝" ان دونوں نے آپ علیہ السلام کی بات سن لی۔ (درمنثور: ج:5 ص:360 مطبوعہ کراچی)

دونوں مقدس لڑکیوں کا اپنے والد محترم کے پاس جانا

جب ان دونوں مقدس لڑکیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سنی تو وہ جلدی سے اپنے والد محترم کے پاس چلی گئیں۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

دونوں اپنے والد محترم کے پاس چلی گئیں۔ (درمنثور: ج:5، ص:360 مطبوعہ کراچی)

حضرت شعیب علیہ السلام کا بیٹیوں کی جلدی آنے پر اظہار تعجب کرنا

جب دونوں مقدس لڑکیاں جلدی سے اپنے والد محترم حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس گئیں تو حضرت شعیب علیہ السلام نے دونوں کے جلدی واپس آنے پر اظہار تعجب کیا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

والد محترم (حضرت شعیب علیہ السلام) نے دونوں کے جلدی واپس آنے پر تعجب کا اظہار کیا۔

(تفسیر درمنثور: ج:5، ص:360 مطبوعہ کراچی)

حضرت شعیب علیہ السلام کا جلدی آنے کی وجہ پوچھنا اور ان کا بتانا

حضرت شعیب علیہ السلام نے جب اپنی صاحبزادیوں سے جلدی آنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے سب کچھ بتا دیا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت شعیب علیہ السلام نے دونوں صاحبزادیوں سے پوچھا تو صاحبزادیوں نے سب کچھ بتا دیا۔

(درمنثور: ج:5، ص:360 مطبوعہ کراچی)

حضرت شعیب علیہ السلام کا ایک صاحبزادی کو بلا کر لے آنے کا حکم

جب دونوں صاحبزادیوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو سب کچھ بتا دیا تو حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا ان کو جا کر بلا لاؤ۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت شعیب علیہ السلام نے ایک کو کہا ان کو جا کر بلا لاؤ۔ (درمنثور: ج:5، ص:360 مطبوعہ کراچی)

صاحبزادی کا کہنا کہ میرے والد محترم بلاتے ہیں

جب حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی صاحبزادی کو کہا کہ جاؤ اور ان کو بلا کر لاؤ تو ان میں سے ایک شرماتی ہوئی آئی اور اس نے کہا: میرے والد محترم آپ کو بلاتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

فَجَآءَتۡهُ اِحۡدٰىهُمَا تَمۡشِىۡ عَلَى اسۡتِحۡيَآءٍ قَالَتۡ اِنَّ اَبِىۡ يَدۡعُوۡكَ (القصص:25)

پھر ان دونوں میں سے ایک شرماتی ہوئی آئی اور کہا بے شک میرے والد آپ کو بلاتے ہیں۔

صاحبزادی کا اجر دینے کا کہنا

جب حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی بلانے گئی تو انہوں نے یہ کہا میرے والد محترم آپ کو بلاتے ہیں تا کہ آپ نے جو ہمارے مویشیوں کو پانی پلایا ہے اس کی جزا دیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا ؕ (القصص:25)

کہا میرے والد آپ کو بلاتے ہیں تا کہ آپ نے جو ہمارے مویشیوں کو پانی پلایا ہے اس کی جزا دیں۔

دونوں مقدس لڑکیوں کا نام اور ان کے والد محترم کے نام میں اقوال

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

ان دونوں مقدس لڑکیوں میں سے ایک کا نام لیا اور دوسری کا صفوریا تھا اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ ان کے والد محترم حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

ان کے والد محترم حضرت شعیب علیہ السلام کے بھتیجے یثرون تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نابینا ہونے کے بعد فوت ہو گئے تھے یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور ابوعبیدہ کا بھی یہی مختار ہے۔

حافظ ابن کثیر متوفی 774ھ نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے بہت پہلے کا ہے' لیکن زیادہ مفسرین کی رائے یہ ہے کہ ان کے والد محترم حضرت شعیب علیہ السلام ہی تھے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ

ظاہر قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد محترم حضرت شعیب علیہ السلام ہی تھے۔

(تفسیر کبیر: ج:8،ص:589، الجامع الاحکام القرآن: جز:13،ص:249) (تفسیر ابن کثیر: ج:3،ص:422)

صاحبزادی کا ریوڑ کو پانی پلانے کی اجرت دینے کا کہنا

حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی اور اس نے کہا: میرے والد محترم آپ کو بلاتے ہیں تا کہ آپ کو اس عمل کی اجرت دیں جو آپ نے ہمارے ریوڑ کو پانی پلایا ہے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام خوفزدہ ہو کر اور بھوکے نکلے آپ علیہ السلام کے پاس زادراہ بھی نہ تھا حتیٰ کہ مدین کے کنویں پر

پہنچے وہاں لوگوں کی ایک جماعت تھی جو جانوروں کو پانی پلا رہے تھے دو عورتیں اپنی بکریوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں۔

آپ علیہ السلام نے پوچھا:

تمہارا کیا مسئلہ ہے؟

دونوں نے کہا:

ہم اس وقت تک جانوروں کو پانی نہیں پلا سکتیں حتیٰ کہ چرواہے چلے جائیں جبکہ ہمارے والد محترم بوڑھے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا:

کیا تمہارے قریب بھی کوئی کنواں ہے؟

دونوں نے کہا:

نہیں مگر ایک کنواں ہے جس پر ایک پتھر ہے جس نے کنویں کو ڈھانپ رکھا ہے جس کو اٹھانے کی کسی کو طاقت نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

دونوں چلو اور مجھے دکھاؤ۔ دونوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ چلیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے پتھر ہٹا دیا اور اسے کنویں سے دور کر دیا پھر ان کے جانوروں کے لئے ایک ڈول نکالا اور ریوڑ کو پانی پلا دیا۔ پھر پتھر اسی جگہ رکھ دیا پھر آپ علیہ السلام سائے کی طرف چل دیئے اور عرض کی رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ○ ان دونوں بچیوں نے آپ کی بات سن لی۔ دونوں اپنے والد محترم کے پاس گئیں۔ والد محترم نے جلد واپس آنے پر تعجب کا اظہار کیا۔

دونوں بچیوں سے پوچھا بچیوں نے بتایا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے ایک کو کہا۔

جاؤ اسے بلا کر لے آؤ وہ بچی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی اور کہنے لگی میرے والد محترم آپ کو بلاتے ہیں تاکہ تجھے اس عمل کو اجرت دیں جو تو نے ہمارے ریوڑ کو پانی پلایا ہے۔ (درمنثور، ج:5، ص:361 مطبوعہ کراچی)

صاحبزادی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آگے چلنا اور آپ علیہ السلام کا ان کو پیچھے چلنے کا حکم

صاحبزادی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آگے چلنے لگی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا میرے پیچھے چلو۔

امام جلال الدین متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

تو وہ صاحبزادی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے چلنے لگی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے کہا میرے پیچھے چلو۔

(درمنثور، ج:5، ص:361 مطبوعہ کراچی)

پیچھے چلنے کی وجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت پاک بتانا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی کو فرمایا کہ میرے پیچھے چلو کیونکہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت سے ہوں۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے کہا میرے پیچھے چلو کیونکہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہوں۔

(درمنثور:ج:5،ص:361 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میرے لیے تجھے دیکھنا حلال نہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی سے کہا میرے پیچھے چلو کیونکہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت سے ہوں اور میرے لیے تجھے دیکھنا حلال نہیں۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

میرے لیے تجھے دیکھنا حلال نہیں۔ اسے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر حرام کر دیا ہے۔ (درمنثور:ج:5،ص:361 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرمانا کہ مجھے راستہ بتاتی جاؤ

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

مجھے میرے راستہ کے بارے میں بتاؤ۔ (درمنثور:ج:5،ص:361 مطبوعہ کراچی)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی 235ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدین کے کنویں پر پہنچے تو وہاں لوگوں کی ایک جماعت کو پایا جو جانوروں کو پانی پلا رہے تھے جب وہ پانی پلانے سے فارغ ہوئے تو کنویں پر پتھر رکھ دیا اسے دس آدمی ہی اٹھا سکتے تھے جبکہ وہ صرف دو عورتیں تھیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا۔

تمہارا کیا مسئلہ ہے؟ دونوں نے بتایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پتھر کے پاس پہنچے اور اکیلے ہی اسے اٹھا دیا پھر جانوروں کو پانی پلایا۔ آپ علیہ السلام نے صرف ایک ڈول ہی نکالا تھا کہ تمام ریوڑ کو پانی پلا دیا۔ دونوں عورتیں اپنے والد محترم کے پاس آئیں ان سے گفتگو کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سایہ کی طرف چل دیئے اور یوں اللہ تعالیٰ کے حضور التجاء کی "رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ o" ایک بچی حیاء کا پیکر بن کر آئی اپنا کپڑا چہرے پر ڈالی ہوئی تھی وہ ان جری خواتین کی طرح نہ تھی جو مردوں کے پاس بے باک چلی آتی ہیں۔

عورت نے کہا:

میرے والد محترم آپ کو بلاتے ہیں تاکہ جو آپ نے ریوڑ کو پانی پلایا ہے اس کا آپ کو اجر دیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے ساتھ تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا:

میرے پیچھے چلو اور راستہ بتاتی جاؤ کیونکہ میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ ہوا تیرے کپڑے کو لگے اور تیرے جسم کی

حالت کو بیان کردے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ج:6، ص:334 مطبوعہ مکتبۃ الزمان مدینہ منورہ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہنچ کر تمام قصہ سنانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے تو آپ علیہ السلام کو تمام قصہ سنایا۔

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی 235ھ روایت کرتے ہیں:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے والد محترم کے پاس پہنچے تو سب واقعہ سنایا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج:6، ص:334 مطبوعہ مکتبۃ الزمان مدینہ منورہ)

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ (القصص:25)

پس جب موسیٰ ان کے پاس پہنچے اور ان کو سارا قصہ سنایا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تسلی دینا

حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تسلی دی کہ آپ علیہ السلام فکر نہ کریں آپ علیہ السلام ظالم لوگوں سے نجات پا چکے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ لَا تَخَفْ ۫ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ (القصص:25)

انہوں نے کہا: آپ فکر نہ کریں آپ ظالم لوگوں سے نجات پا چکے ہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اجرت پر رکھنے کا کہنا

حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی نے آپ علیہ السلام سے کہا: اے ابا جان آپ علیہ السلام ان کو اجرت پر رکھ لیجیے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ؗ (القصص:26)

ان دونوں خواتین میں سے ایک نے کہا: اے ابا جان آپ ان کو اجرت پر رکھ لیجیے۔

صاحبزادی کا اجرت پر رکھنے والے کو امین اور قوت والا کہنا

حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی نے کہا: اے ابا جان آپ علیہ السلام ان کو اجرت پر رکھ لیجیے بے شک آپ علیہ السلام جن کو اجرت پر رکھیں گے ان میں بہترین وہی ہے جو قوت والا اور امین ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ٥ (القصص:26)

ان دونوں خواتین میں سے ایک نے کہا: اے ابا جان! آپ ان کو اجرت پر رکھ لیجئے بے شک آپ جس کو اجرت پر رکھیں گے ان میں بہترین وہی ہے جو قوت والا اور امانت دار ہو۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا اپنی صاحبزادی سے قوت والا اور امین ہونے کی وجہ پوچھنا

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی صاحبزادی سے پوچھا آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ قوت والا اور امین ہے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک نے کہا:

اے ابا جان! آپ علیہ السلام ان کو اجرت پر رکھ لیجئے بے شک آپ علیہ السلام جس کو اجرت پر رکھیں گے ان میں بہترین وہی ہے جو قوت والا اور ایمان دار ہو۔ (تاریخ دمشق الکبیر: ج:64،ص:28 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

صاحبزادی کا حضرت شعیب علیہ السلام کو قوت والا اور امین ہونے کی تفصیل بتانا

حضرت شعیب علیہ السلام نے جب اپنی صاحبزادی سے پوچھا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ قوت والا اور امین ہیں تو اس پر صاحبزادی نے پتھر ہٹانے کا واقعہ اور خود پیچھے چلنے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آگے چلنے کا واقعہ بیان کیا۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

اس پر انہوں نے کہا:

جس کنویں سے انہوں نے پانی پلایا تھا اس پر اتنا بھاری پتھر رکھا ہوتا ہے دس آدمی مل کر اس پتھر کو اٹھاتے ہیں لیکن انہوں نے اکیلے ہی اس پتھر کو اٹھا لیا تھا یہ ان کے قوت والے ہونے کی دلیل ہے اور ان کے امین اور متقی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ راستہ بتانے کے لئے میں آگے آگے چل رہی تھی ہوا سے بار بار میری چادر اڑ جاتی تھی تو انہوں نے کہا! تم پیچھے پیچھے چلو میں آگے آگے چلتا ہوں تا کہ میری نظر تمہارے جسم کے حصہ پر نہ پڑے اور راستہ کی نشاندہی کے لئے پیچھے سے کوئی پتھر یا کنکری مار دیا کرو۔

(تاریخ دمشق الکبیر: ج:64،ص:28 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی 235ھ لکھتے ہیں:

تو ان میں سے ایک نے کہا:

اے والد محترم! اسے اجرت پر رکھ لو کیونکہ جس کو آپ علیہ السلام اجرت پر رکھ رہے ہیں وہ قوی اور امین ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے پوچھا:

اے بیٹی! اس کی امانت اور اس کی قوت کے بارے میں تجھے کس نے بتایا؟

بیٹی نے کہا: اس کی قوت تو یہ ہے کہ اس نے پتھر اٹھا لیا جسے دس آدمی مل کر اٹھاتے ہیں جہاں تک اس کی امانت کا تعلق ہے

تو اس نے کہا: میرے پیچھے چلو اور مجھے راستہ بتاتی جاؤ کیونکہ میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ تیرے کپڑوں کو ہوا لگے اور تیرے جسم کی ساخت کو بیان کر دے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ج:6،ص:336 مطبوعہ مکتبۃ الزمان مدینہ منورہ)

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعد میں ہونے والی بیوی نے کہا: "یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ٘ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ ○" تو والد محترم نے پوچھا تو نے اس کی کیا قوت دیکھی ہے تو اس عورت نے کہا: وہ کنویں کی طرف آئے جبکہ اس کنویں پر ایک پتھر تھا اسے اتنے اتنے آدمی بھی نہیں اٹھا سکتے تھے تو اس نے اس پتھر کو اٹھا دیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے پوچھا:

تو نے اس کی کیا امانت دیکھی ہے؟

اس نے کہا:

میں اس کے سامنے چل رہی تھی تو اس نے مجھے اپنے پیچھے کر دیا۔ (در منثور: ج:5،ص:364 مطبوعہ کراچی)

حضرت شعیب علیہ السلام کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب رغبت

جب حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی نے قوت والا اور امین ہونے کی آپ علیہ السلام کو مکمل تفصیل بیان کر دی تو اس بات سے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے حضرت شعیب علیہ السلام کی رغبت میں اضافہ ہو گیا۔

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی 235ھ لکھتے ہیں:

اسی بات نے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے حضرت شعیب علیہ السلام کی رغبت میں اضافہ کر دیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج:6،ص:334 مطبوعہ مکتبۃ الزمان مدینہ منورہ)

حضرت شعیب علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صاحبزادی کے ساتھ نکاح کرنے کا فرمانا

حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا میرا ارادہ ہے میں اپنی بیٹیوں میں سے ایک کا آپ کے ساتھ نکاح کر دوں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ (القصص:27)

انہوں نے کہا: میرا ارادہ ہے کہ میں اپنی صاحبزادیوں میں سے ایک کا آپ کے ساتھ نکاح کر دوں۔

نکاح کا معنیٰ

قاضی عبد النبی بن عبد الرسول احمد نگری لکھتے ہیں۔

لغت میں نکاح کا معنیٰ جمع کرنا اور ملانا ہے اور شریعت میں نکاح اس عقد کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ سے کسی عورت کے جسم سے فائدہ اٹھانے کا مالک بنایا جاتا ہے اگر کسی انسان کی شہوت معتدل ہو تو نکاح کرنا سنت ہے اور اگر کسی انسان پر شہوت بہت غالب ہو تو اس پر نکاح کرنا واجب ہے اور جب اس کو اپنے نفس پر ظلم کا خدشہ ہو (یعنی وہ سخت قسم کا آدمی اور بیوی پر ظلم کرے گا) تو پھر اس کا نکاح کرنا مکروہ ہے اور اگر وہ جماع کرنے پر قادر نہ ہو تو پھر اس کا نکاح کرنا حرام ہے۔ جو نکاح بغیر تشہیر کے خفیہ کیا جائے اس کو نکاح اسر کہتے ہیں اگر کوئی شخص کسی عورت سے یہ کہے کہ یہ دس روپے لو اور میں اس کے عوض دس دن تم سے جماع کروں تو اس کو نکاح المتعۃ یا النکاح الموقت کہتے ہیں یہ نکاح باطل اور حرام ہے اگر کوئی شخص کسی کی بہن سے نکاح کرے اور مہر کے بجائے یہ مقرر کرے کہ وہ دوسرا شخص اس کی بہن سے نکاح کرلے تو اس کو نکاح اشغار کہتے ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ یہ نکاح صحیح ہے اور فریقین کو مہر مثل دینا لازم ہوگا اور اگر کوئی شخص فریقین میں سے کسی ایک سے یا دونوں سے اجازت لیے بغیر کسی مرد اور عورت کا معروف طریقہ سے نکاح کر دے تو یہ نکاح الفضولی کہا جاتا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ جب فریقین اس نکاح کو برقرار رکھیں تو یہ نکاح صحیح اور نافذ ہو جاتا ہے۔ (دستور العلماء: ج:3،ص:289 تا 290 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ سیّد محمد بن علی بن محمد الحصکفی حنفی متوفی 1088ھ لکھتے ہیں:

ایمان اور نکاح کے سوا کوئی اور ایسی عبادت نہیں ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے عہد سے لے کر اب تک مشروع رہی ہو اور فقہاء کرام کے نزدیک نکاح اس عقد کو کہتے ہیں جس سے مرد کا عورت کے جسم سے فائدہ حاصل کرنا حلال ہو جائے جبکہ کوئی شرعی مانع نہ ہو عورت کی قید سے مرد، خنثیٰ مشکل اور جنیہ خارج ہو گئے اور مانع شرعی کی قید سے محارم خارج ہو گئے البتہ حسن نے جنیہ سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔ نکاح کا لفظ جماع کرنے میں حقیقت ہے اور عقد میں مجاز ہے۔ نکاح فریقین میں سے کسی ایک کے ایجاب اور دوسرے کے قبول کرنے سے منعقد ہو جاتا ہے اور اس میں دو آزاد مسلمان مکلّف گواہوں کا حاضر ہونا شرط ہے جو ایجاب اور قبول کرنے والوں کا کلام معاً سن رہے ہوں خواہ وہ فاسق ہوں یا مردود الشہادۃ ہوں یا نابینا ہوں۔

(درمختار ورد المحتار: ج:4،ص:76 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ جمال الدین محمد بن کرم ابن منظور افریقی متوفی 711ھ لکھتے ہیں:

ازہری نے کہا ہے: کلام عرب میں نکاح کا معنیٰ عمل ازدواج ہے اور تزوج کو بھی نکاح اس لیے کہتے ہیں کہ وہ عمل ازدواج کا سبب ہے۔

جوہری نے کہا ہے: نکاح کا اطلاق عمل ازدواج پہ ہوتا ہے اور عقد پر بھی نکاح کا اطلاق ہوتا ہے۔

(لسان العرب: ج:2،ص:426 مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ قم ایران)

نکاح کے فضائل

احادیث مبارکہ میں نکاح کرنے کے کثیر فضائل وارد ہوئے ہیں اور نکاح کا حکم بیان فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ درج ذیل احادیث مبارکہ نکاح کے فضائل اور حکم پر دال ہیں۔

حدیث مبارکہ:1

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص یہ چاہتا ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے پاکیزہ حالت میں ملاقات کرے اس کو چاہئے کہ وہ آزاد عورتوں سے نکاح کرے۔

(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث:1862)

حدیث مبارکہ:2

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب بندہ نے نکاح کر لیا تو اس کا نصف ایمان کامل ہو گیا اب اس کو چاہئے کہ باقی نصف میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔

(شعب الایمان: رقم الحدیث:6486)

حدیث مبارکہ:3

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے حجروں مین چند مسلمان آئے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق پوچھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے بارے مین بتایا گیا تو انہوں نے اس عبادت کو کم خیال کیا اور انہوں نے کہا: کہاں ہم کہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اگلے اور پچھلے بظاہر خلاف اولیٰ سب کام بخش دیئے ہیں۔

ان میں سے ایک نے کہا:

رہا میں تو میں ہمیشہ تمام رات نماز پڑھتا رہوں گا۔

اور دوسرے نے کہا:

میں ساری عمر مسلسل روزے رکھوں گا اور کبھی روزہ ترک نہیں کروں گا۔

اور تیسرے نے کہا:

میں ہمیشہ عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے اور ارشاد فرمایا:

تم وہ لوگ ہو جنہوں نے اس طرح اس طرح کہا تھا اور مین بے شک اللہ تعالیٰ کی قسم تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ متقی ہوں لیکن مین روزہ بھی رکھتا ہوں اور روزہ چھوڑتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور

بند بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں سو جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث:5063)

حدیث مبارکہ:4

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو شخص کسی عورت سے اس کی عزت کی وجہ سے نکاح کرے گا اس شخص کی ذلت میں اللہ تعالیٰ اضافہ کرے گا اور جو شخص کسی عورت سے اس کے مال کی وجہ سے نکاح کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے فقر میں اضافہ کرے گا اور جو شخص کسی عورت سے اس کے منصب کی وجہ سے نکاح کرے گا اللہ عزوجل اس کی پستی میں اضافہ کرے گا اور جو شخص کسی عورت سے اس وجہ سے نکاح کرے گا کہ اس کی نظر نیچی رہے یا اس کی شرم گاہ گناہ سے بچی رہے یا رشتہ جوڑنے کے لئے نکاح کرے گا اللہ تعالیٰ اس شخص کو اس نکاح میں برکت دے گا اور اس عورت کو بھی اس نکاح میں برکت دے گا۔ (معجم الاوسط: رقم الحدیث:2527)

حدیث مبارکہ:5

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اے نوجوانو! تم میں سے جو شخص گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہے وہ نکاح کرلے کیونکہ نکاح نظر کو نیچے رکھتا ہے اور شرم گاہ کی حفاظت کرتا ہے اور جو نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتا وہ روزے رکھے کیونکہ روزے شہوت کو کم کرتے ہیں۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث:5066)

حدیث مبارکہ:6

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
چار چیزیں رسولوں کی سنت ہیں۔
1-ختنہ کرنا، 2-عطر لگانا
3-مسواک کرنا، 4-اور نکاح کرنا۔ (سنن الترمذی: رقم الحدیث:1080)

حدیث مبارکہ:7

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دنیا ایک متاع ہے اور دنیا کی بہترین متاع نیک بیوی ہے۔ (صحیح مسلم: رقم الحدیث 1467)

حدیث مبارکہ: 8

حضرت ابو نجیح سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو شخص خوش حال اور نکاح کی طاقت رکھتا ہو پھر بھی نکاح نہ کرے وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے۔

(معجم الاوسط: رقم الحدیث: 993)

حدیث مبارکہ: 9

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ عزوجل کے تقویٰ کے بعد مومن کی سب سے بڑی خیر یہ ہے کہ اس کی نیک بیوی ہو اگر وہ اس کو کوئی حکم دے تو وہ اس کی اطاعت کرے اگر وہ اس کی طرف دیکھے تو وہ اس کو خوش کرے اور اگر وہ اس کے اوپر قسم کھائے تو وہ اس کو پورا کرے اور اگر وہ کہیں چلا جائے تو وہ اپنی ذات اور اس کے مال کی حفاظت کرے۔ (سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 1857)

حدیث مبارکہ: 10

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر عرض کیا:
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے ایک عزت والی مال دار اور منصب والی عورت مل رہی ہے، لیکن اس کے ہاں اولاد نہیں ہوتی کیا میں اس سے نکاح کرلوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع فرمایا وہ پھر آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع فرمایا پھر وہ تیسری بار آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: محبت کرنے والی اور بچے دینے والی عورت سے نکاح کرو کیونکہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔ (سنن النسائی: رقم الحدیث: 3227)

حدیث مبارکہ: 11

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اللہ تعالیٰ نے از راہ کرم تین اشخاص کی مدد اپنے ذمہ لے لی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا، وہ مکاتب جو اپنا مال بدل کتابت ادا کرنے کی نیت رکھتا ہو اور وہ شخص جو پاک دامن رہنے کی نیت سے نکاح کرے۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 1655)

حدیث مبارکہ:12

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
عورت سے اس کے جمال، اس کے مال، اس کے اخلاق اور اس کی دینداری کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے تم اس کی دین داری اور اس کے اخلاق کے سبب کو لازم کرلو۔ (مسند ابویعلیٰ: رقم الحدیث:1012)

حدیث مبارکہ:13

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو میرے طریقہ کو محبوب رکھے وہ میری سنت پر چلے اور میری سنت سے نکاح ہے۔ (کنز العمال: رقم الحدیث:44406)

حدیث مبارکہ:14

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جس کو چار چیزیں ملیں اس کو دنیا و آخرت کی بھلائی ملی۔
1-دل شکر گزار، 2-زبان یاد خدا کرنے والی
3-بدن بلا پر صابر، 4-اور ایسی زوجہ کہ اپنے نفس اور مال شوہر میں خیانت نہ کرتی ہو۔ (معجم الکبیر: رقم الحدیث:11275)

حدیث مبارکہ:15

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
تین اشخاص کی اللہ تعالیٰ مدد فرمائے گا۔
1-اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد کرنے والا، 2-مکاتب کہ ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے
3-پارسائی کے ارادے سے نکاح کرنے والا۔ (جامع الترمذی: رقم الحدیث:1661)

حدیث مبارکہ:16

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے روایت ہے کہ
اللہ عزوجل نے جو تمہیں نکاح کا حکم فرمایا تم اس کی اطاعت کرو اس نے جو غنی کرنے کا وعدہ کیا ہے پورا فرمائے گا۔
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اگر وہ فقیر ہوں گے تو اللہ عزوجل انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔(کنزالعمال: رقم الحدیث: 45576)

حدیث مبارکہ: 17

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب تم میں کوئی نکاح کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے ہائے افسوس! ابن آدم نے مجھ سے اپنا دو تہائی دین بچالیا۔

(کنزالعمال: رقم الحدیث: 44447)

حدیث مبارکہ: 18

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نکاح میری سنت ہے، جس نے میری سنت پر عمل نہیں کیا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے نکاح کرو کیونکہ تمہاری وجہ سے میری امت دوسری امتوں سے زیادہ ہوگی جس کے پاس طاقت ہو وہ نکاح کرے اور جس کے پاس طاقت نہ ہو وہ روزے رکھے کیونکہ روزے اس کی شہوت کو کم کر دیں گے۔(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 1846)

حدیث مبارکہ: 19

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دنیا عارضی نفع کا سامان ہے اور اس میں بہترین نفع کی چیز نیک عورت ہے۔(سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 1855)

حدیث مبارکہ: 20

عبید بن سعد سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو میری فطرت سے محبت رکھتا ہے وہ میری سنت پر عمل کرے اور میری سنت سے نکاح ہے۔

(مسند ابو یعلی: رقم الحدیث: 2740)

حدیث مبارکہ: 21

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے قریش کے جوانو! زنا نہ کرو جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی اس کے لئے جنت ہے۔(معجم الاوسط: رقم الحدیث: 6846)

حدیث مبارکہ:22

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب انسان مرجاتا ہے تو تین چیزوں کے سوا اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔ صدقہ جاریہ یا وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے یا نیک بیٹا جو اس کے لئے دعا کرے۔ (سنن النسائی: رقم الحدیث: 3653)

نکاح کا شرعی حکم

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی 620ھ لکھتے ہیں:

نکاح کے شرعی حکم میں تین مذاہب ہیں۔

1۔ جس شخص کو خطرہ ہے کہ اگر اس نے نکاح نہیں کیا تو وہ گناہ میں مبتلا ہو جائے گا تو عام فقہاء کے نزدیک اس پر نکاح کرنا واجب ہے کیونکہ اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے نفس کو گناہوں سے دور رکھے۔

2۔ جس شخص میں شہوت ہو اس کے باوجود اس کو اطمینان ہو کہ وہ گناہ میں مبتلا نہیں ہوگا اس کے لئے نکاح مستحب ہے اور نفلی عبادات میں مشغول رہنے سے اس کا نکاح کرنا افضل ہے اور یہ اصحاب رائے (فقہاء احناف) اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ظاہر قول اور ان کا فعل ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اگر میری زندگی کے صرف دس دن باقی رہ جائیں اور مجھے معلوم ہو جائے کہ میں آخری دن فوت ہو جاؤں گا اور مجھے ان ایام میں نکاح کرنے کی طاقت ہو تو میں فتنہ میں مبتلا ہونے کے خوف سے نکاح کروں گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوالزائد سے کہا:

نکاح نہ کرنے کی صرف دو وجہیں ہیں تم میں طاقت نہیں یا تم گناہ کرتے ہو۔

المروزی میں ہے کہ

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجرد رہنا اسلام سے نہیں ہے اور جس نے تمہیں نکاح نہ کرنے کی دعوت دی اس نے تمہیں غیر اسلام کی دعوت دی۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

نکاح کرنے سے عبادت کے لئے فارغ رہنا افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نکاح نہ کرنے کی وجہ سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تعریف کی اور ارشاد فرمایا:

وَسَیِّدًا وَّحَصُوْرًا (آل عمران:39)

وہ سردار اور نفس پر ضبط کرنے والے تھے۔

الحصور اس شخص کو کہا جاتا ہے جو عورتوں کی طرف میلان نہ کرے۔ اگر نکاح کرنا افضل ہوتا تو نکاح نہ کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کی تعریف نہ فرماتا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ (آل عمران:14)

عورتوں کی طرف شہوت اور بیٹوں کی محبت لوگوں کے لئے خوش نما بنا دی گئی ہے۔

اگر نکاح کرنا افضل ہوتا تو اس آیت میں عورتوں کی طرف شہوت اور بیٹوں کی محبت کو بطور مذمت نہ ذکر کیا جاتا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ (الانفال:28)

اور یقین رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد محض فتنہ ہیں اور یہ بھی یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بہت عظیم اجر ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ (التغابن:14)

اے ایمان والو! بے شک تمہاری بعض بیویاں اور بعض بچے تمہارے دشمن ہیں سو ان سے خبردار رہو۔

یہ آیت کریمہ اس موقع پر نازل ہوئی جب بعض مسلمانوں نے بیوی اور بچوں کی محبت میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت نہیں کی حالانکہ اس وقت ہجرت کرنے کا بہت مؤکد حکم تھا پھر انہوں نے کافی عرصہ کے بعد ہجرت کی۔ اور یہ عام مشاہدہ ہے کہ لوگ بیوی اور بچوں کی محبت میں عبادات سے غافل ہو جاتے ہیں اور فرائض کو ترک کر دیتے ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (المنافقون:9)

اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں اور جنہوں نے ایسا کیا سو وہ بہت ہی نقصان اٹھانے والے لوگ ہیں۔

نیز ارشاد فرمایا:

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّ زِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَفِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ (الحدید:20)

"اور یقین رکھو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا ہے اور خوش نمائی ہے اور ایک دوسرے پر فخر اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے پر سبقت ہے اس کی مثل اس بارش کی طرح ہے جس کا زمین میں فصل کو اگانا کسانوں پر اچھا لگتا ہے پھر جب وہ کھیتی خشک ہو تو تم اس کو زرد رنگ کی دیکھتے ہو پھر وہ بالکل چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں سخت عذاب اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رضا مندی ہے اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔"

اگر کوئی شخص آزمائش میں پورا نہ اترا مال اور اولاد میں سبقت سے دنیا میں بربادی اور آخرت میں عذات کا سامنا ہوگا اس لیے سلامتی اور امن اسی میں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے نفس پر ضبط کر سکتا ہو تو وہ نکاح کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی عبادت میں مصروف رہے نیز نکاح، خرید و فروخت کی طرح ایک عقد معاوضہ ہے اس لیے نکاح کرنے سے عبادت میں مشغول رہنا افضل ہے۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے نکاح کرنے کا حکم دیا ہے اور اس پر برانگیختہ کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور روزے ترک بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں پس جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے اور صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی خصی ہونے کی درخواست کو مسترد کر دیا اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دے دیتے تو ہم سب خصی ہو جاتے۔

3۔ جس شخص میں شہوت نہ ہو خواہ اس میں شہوت پیدا نہ کی گئی ہو جیسے نامرد ہوتا ہے یا اس میں شہوت ہو تو لیکن بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے وہ شہوت ختم ہو گئی ہو اس میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ اُس کے لئے بھی نکاح کرنا مستحب ہے جیسا کہ عمومی دلائل کا تقاضا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ عبادت میں مشغول رہے کیونکہ وہ نکاح کے حقوق ادا نہیں کر سکتا۔

(المغنی: ج: 7، ص 4 تا 5 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی 505ھ لکھتے ہیں:

نکاح کی فضیلت میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔ بعض علماء کرام نے نکاح کی فضیلت میں مبالغہ کیا اور کہا تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے نکاح افضل ہے اور بعض دوسرے علماء نے کہا: کہ نکاح میں فضیلت ہے، لیکن عبادت الٰہی سے افضل نہیں ہے اور نفلی عبادات نکاح سے افضل ہیں تاوقتیکہ خواہشات نفسانیہ اتنی بڑھ جائیں جس سے گناہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو۔

(احیاء علوم الدین: ج: 2، ص: 21 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

نکاح غیر کفو

نکاح غیر کفو کے مندرجہ ذیل احادیث مبارکہ دال ہیں۔

حدیث مبارکہ:1

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب تمہیں وہ شخص نکاح کا پیغام دے جس کے دین اور خلق پر تم راضی ہو تو اس سے تم (اپنی لڑکی کا) نکاح کر دو اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو زمین میں فتنہ ہوگا اور بہت بڑا فساد ہوگا۔ (سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 1967)

حدیث مبارکہ:2

یحییٰ بن کثیر سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب تمہارے پاس وہ شخص آئے جس کی امانت اور خلق پر تم راضی ہو تو اس کے ساتھ نکاح کر دو خواہ وہ کوئی شخص ہو اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں بہت بڑا فتنہ ہو گا اور بہت بڑا فساد ہوگا۔ (مصنف عبدالرزاق: رقم الحدیث: 10325)

حدیث مبارکہ:3

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

حضرت ابو عمرو بن حفص رضی اللہ عنہ نے مجھے طلاق دے دی در آن حالیکہ وہ غائب تھے ان کے وکیل نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ جو بھیجے وہ ناراض ہو گئیں۔ وکیل نے کہا! بہ خدا تمہارا ہم پر اور کوئی حق نہیں ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں اور یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارا اس پر کوئی نفقہ واجب نہیں ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ ام شریک کے گھر عدت گزاریں پھر فرمایا: ان کے ہاں تو میرے اصحاب آتے رہتے ہیں تم ابن ام مکتوم کے گھر عدت گزارو کیونکہ وہ ایک نابینا شخص ہے تم آرام سے اپنے کپڑے رکھ سکو گی اور جب تمہاری عدت پوری ہو جائے تو مجھے خبر دینا۔ وہ کہتی ہیں کہ جب میری عدت پوری ہو گئی تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ حضرت معاویہ بن سفیان اور حضرت ابو جہم رضی اللہ عنہما نے مجھے نکاح کا پیغام دیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ابو جہم تو اپنے کندھے سے لاٹھی اتارتا ہی نہیں اور رہے معاویہ تو وہ مفلس آدمی ہیں ان کے پاس مال نہیں ہے تم اسامہ بن زید سے نکاح کر لو۔ میں نے ان کو ناپسند کیا۔ آپ نے پھر فرمایا: اسامہ سے نکاح کر لو میں نے ان سے نکاح کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے اس نکاح میں بہت خیر کی اور عورتیں مجھ پر رشک کرتی تھیں۔ (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 1480)

حدیث مبارکہ:4

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی عورت کے ساتھ چار وجوہ سے نکاح کیا جاتا ہے اس کے مال کی وجہ سے، اس کے خاندانی محاسن کی وجہ سے، اس کے حسن و جمال کی وجہ سے اور اس کی دین داری کی وجہ سے سو تم اس کی دین داری میں کوشش کرو تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5090)

مذاہب اربعہ

امام ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی المالکی الاندلسی متوفی 543ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کریمہ میں تصریح ہے کہ کفو میں حسب و نسب کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ کفو میں صرف دین کا اعتبار کیا جاتا ہے اس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے کیونکہ آزاد شدہ غلاموں کا غیر خاندان میں نکاح ہوا ہے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہما سے نکاح ہوا یہ بنو اسد سے تھیں۔ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت صباعہ بنت الزبیر رضی اللہ عنہما سے ہوا یہ ہاشمیہ تھیں اور حضرت سالم مولیٰ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کا نکاح ہند بنت الولید بن عتبہ بن ربیعہ سے ہوا یہ قرشیہ تھیں۔ (احکام القرآن: ج:3، ص:574 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ جب لڑکی یا اس کا ولی یا سلطان یا قاضی غیر کفو میں نکاح پر راضی ہوں تو یہ نکاح جائز ہے۔ (المدونۃ الکبریٰ: ج:2، ص:145 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غیر کفو میں نکاح حرام نہیں ہے جب لڑکی اور اس کا ولی غیر کفو میں نکاح پر راضی ہوں تو یہ جائز ہے۔ (کتاب الام: ج:5، ص:5 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مسئلہ میں کفو دو قول ہیں ایک قول کے مطابق کفو کا نکاح میں ہونا شرط ہے اور دوسرے قول کے مطابق نکاح میں کفو کا ہونا شرط نہیں ہے۔ (المغنی: ج:7، ص:26 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

جمہور فقہاء احناف کے نزدیک اگر لڑکی نے اپنی مرضی سے غیر کفو میں نکاح کر لیا تو اس کے ولی کو اس پر اعتراض کا حق ہے اور ان کو حق ہے کہ وہ عدالت سے اس نکاح کو فسخ کرالیں لیکن اگر ان کو اس نکاح پر اعتراض نہ ہو تو پھر یہ نکاح جائز ہے۔

(المبسوط: ج:5، ص:46 مطبوعہ دار المعرفہ)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی متوفی 1252ھ لکھتے ہیں:

علامہ نوح نے حاشیہ درر میں لکھا ہے کہ امام ابو الحسن الکرخی اور امام جصاص یہ دونوں عراق کے بہت بڑے عالم تھے انہوں نے اور جو مشائخ عراق ان کے تابع ہیں ان سب نے کہا ہے: نکاح میں کفو کا اعتبار نہیں ہے اور اگر ان اماموں کے نزدیک امام ابو حنیفہ کا ایسا قول نہ ہوتا تو وہ اس قول کو اختیار نہ کرتے۔ (رد المحتار: ج:4، ص:150 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

سیدات سے نکاح

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی 1252ھ لکھتے ہیں:

علامہ حامد آفندی حنفی سے سوال کیا گیا کہ ایک ہاشمی شخص نے دانستہ اپنی مرضی سے اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح ایک غیر ہاشمی

شخص سے کردیا آیا یہ نکاح صحیح ہے؟ جواب ہاں اس صورت میں نکاح صحیح ہے۔ (تنقیح الفتاوی الحامدیہ: ج:1 ص:21 مطبوعہ کوئٹہ)

ثعلبہ بن ابی مالک سے روایت ہے کہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی خواتین میں چادریں تقسیم کیں ایک قیمتی چادر بچ گئی بعض اہل مجلس نے کہا: اے امیر المومنین یہ چادر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کو دے دیجئے جو آپ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں ہیں۔ ان کی مراد حضرت سیّدہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما تھیں۔ (صحیح البخاری: ج:1 ص:403 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

امام ابو محمد عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ متوفی 276ھ لکھتے ہیں:

حضرت سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا جو حضرت سیّدتنا فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی تھیں وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں اور ان کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اولاد بھی ہوئی۔ (المعارف: ص:92 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی متوفی 456ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی حضرت سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا جو حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں ان کا نکاح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ہوا اور ان سے زید پیدا ہوئے۔

(جمہرۃ انساب العرب: ص:38 مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت)

علامہ پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی متوفی 1356ھ لکھتے ہیں:

ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نکاح میں لائے ان سے ایک صاحبزادہ زید نام کا پیدا ہوا۔

(تحقیق الحق فی کلمۃ الحق: ص:156 مطبوعہ گولڑہ شریف)

امام ابو محمد عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ متوفی 276ھ لکھتے ہیں:

حضرت سیّدہ فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہما کا حسن بن حسن بن علی سے نکاح ہوا پھر ان کے بعد ان کا نکاح عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان سے ہوا۔ اور حضرت سیّدہ سکینہ بنت حسین رضی اللہ عنہما کا نکاح مصعب بن زبیر سے ہوا ان کی وفات کے بعد ان کا نکاح عبداللہ بن عثمان بن عبداللہ بن حکیم بن حزام سے ہوا۔ ان سے قرین پیدا ہوئے اور ان کی نسل چلی پھر حضرت سکینہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اصبغ بن عبدالعزیز بن مروان سے ہوا انہوں نے دخول سے پہلے آپ کو طلاق دے دی پھر آپ کا نکاح زید بن عمرو بن عثمان بن عفان سے ہوا انہوں نے سلیمان بن عبدالملک کے حکم سے آپ کو طلاق دے دی اور ہشام کی خلافت کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں آپ کی وفات ہوگئی۔ یہ ابوالیقظان کا قول ہے۔

اور ہیثم بن عدی نے روایت کیا ہے کہ

سیّدہ سکینہ رضی اللہ عنہا کا نکاح عمرو بن حکیم بن حزام سے ہوا اس کے بعد آپ کا نکاح عمرو بن عثمان بن عفان سے ہوا اس کے بعد آپ کا نکاح مصعب بن زبیر سے ہوا۔

اور ابن الکلبی نے کہا کہ

سکینہ کے پہلے شوہر اصبغ بن عبدالعزیز تھے جو عمر بن عبدالعزیز کے بھائی تھے وہ مصر میں آپ کو دیکھنے سے پہلے فوت ہو گئے اس کے بعد آپ کا نکاح زید بن عمرو بن عثمان بن عفان سے ہوا پھر اس کے بعد آپ کا نکاح مصعب بن زبیر سے ہوا پھر آپ کا نکاح عبداللہ بن عثمان بن عبداللہ بن حکیم بن حزام سے ہوا ان سے عثمان پیدا ہوئے جن کو قرین کہتے ہیں اور مصعب سے آپ کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی اس کے بعد آپ کا نکاح ابراہیم بن عبدالرحمان بن عوف سے ہوا جو ابراہیم بن سعد فقیہ کے دادا تھے۔ (المعارف: ص: 94 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

امام محمد بن سعد متوفی 230ھ لکھتے ہیں:

حضرت سیّدہ فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہما کا ان کے چچازاد حضرت حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب سے نکاح ہوا ان سے عبداللہ ابراہیم، حسن اور زینب پیدا ہوئے پھر وہ فوت ہو گئے تو حضرت فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہما کے حکم سے ان کے صاحبزادے عبداللہ بن حسین نے ان کا نکاح عبداللہ بن عمرو بن عثمان سے کر دیا اور ان سے قاسم اور محمد پیدا ہوئے۔

(طبقات کبریٰ: ج: 8، ص: 473 مطبوعہ دار صادر بیروت)

یہی امام محمد بن سعد متوفی 230ھ لکھتے ہیں:

حضرت سیّدہ سکینہ بنت حسین رضی اللہ عنہما سے سب سے پہلے حضرت مصعب بن زبیر نے عقد کیا ان سے فاطمہ پیدا ہوئیں پھر وہ شہید ہو گئے تو ان کا عقد عبداللہ بن عثمان بن عبداللہ بن حکیم بن حزام سے ہوا ان سے عثمان، حکیم اور ربیحہ پیدا ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد ان کا نکاح زین بن عمرو بن عثمان بن عفان سے ہوا اور ان کی وفات کے بعد سیّدہ سکینہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ابراہیم بن عبدالرحمان بن عوف زہری سے ہوا یہ نکاح سیّدہ سکینہ رضی اللہ عنہا نے از خود کیا تھا وہ تین ماہ ان کے ساتھ رہیں پھر ہشام بن عبدالملک نے مدینہ کے والی کو حکم دیا کہ ان میں تفریق کر دی جائے سو ان میں تفریق کر دی گئی۔

بعض علماء کرام نے کہا ہے کہ

زید بن عمرو بن عثمان کی وفات کے بعد سکینہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اصبغ بن عبدالعزیز بن مروان سے ہوا۔

(طبقات کبریٰ: ج: 8، ص: 475 مطبوعہ دار صادر بیروت)

شیخ ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی متوفی 456ھ لکھتے ہیں:

حضرت حسن بن حسن کی صاحبزادیوں کی تفصیل

سیّدہ زینب یہ عبداللہ، ابراہیم اور حسن کی بہن ہیں ان کا نکاح ولید بن عبدالملک بن مروان سے ہوا۔ اور سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا یہ بھی ان کی بہن ہیں ان کا نکاح اپنے چچازاد محمد بن علی بن الحسین سے ہوا اور سیّدہ فاطمہ بنت الحسن بن الحسن رضی اللہ عنہما ان کا نکاح معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب سے ہوا اور ان سے حسن، صالح اور یزید پیدا ہوئے۔ یہ فاطمہ ام ولد کی لڑکی تھیں اس کے بعد ان کا نکاح ایوب بن مسلمہ بن عبداللہ بن الولید بن مغیرہ سے ہوا اور سیّدہ ملیکہ بنت الحسن بن الحسن رضی اللہ عنہما ہیں یہ جعفر اور داؤد کی بہن ہیں ان کا نکاح جعفر بن المصعب بن الزبیر سے ہوا۔ ان سے ایک لڑکی ہوئی اور سیّدہ ام

القاسم بنت الحسن بن الحسن رضی اللہ عنہما ہیں یہ سیّدہ ملیکہ کی بہن ہیں۔ان کا نکاح مروان بن ابان بن عثمان سے ہوا اور ان سے محمد پیدا ہوئے۔اس کے بعد ان کا نکاح ان کے چچازاد علی بن الحسین رضی اللہ عنہما سے ہوا۔

(جمہرۃ انساب العرب:ص:42 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

یہی شیخ ابو محمد علی بن احمد سعید بن حزم اندلسی متوفی 456ھ لکھتے ہیں:

سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نکاح عمر بن عمر بن علی بن ابی طالب سے ہوا اور سیّدہ عبرہ رضی اللہ عنہا کا نکاح محمد بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب سے ہوا۔اس کے بعد ان کا نکاح علی بن الحسن بن الحسن بن الحسن بن علی ابن ابی طالب سے ہوا اس کے بعد ان کا نکاح نوح بن ابراہیم بن محمد بن طلحہ بن عبید اللہ سے ہوا اور سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح داؤد بن الحسن بن الحسن سے ہوا۔اور سیّدہ ام الحسن رضی اللہ عنہا کا نکاح داؤد بن علی بن عبید اللہ بن العباس بن عبدالمطلب سے ہوا۔ان سے موسیٰ پیدا ہوئے اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں ان کا نکاح داؤد بن علی بن عبداللہ ابی طالب سے ہوا اس کے بعد ان کا نکاح عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر سے ہوا اور سیّدہ ام الحسین رضی اللہ عنہا ہیں ان کا نکاح ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس سے ہوا۔(جمہرۃ انساب العرب:ص:52 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے

سوال

اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1340ھ سے سوال کیا گیا۔ماقولھم رحمھم اللہ تعالٰی اس مسئلہ میں کہ پٹھان کے لڑکے اور سیّد کی لڑکی سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا؟

الجواب

سائل مظہر کہ لڑکی جوان ہے اور اس کا باپ زندہ دونوں کو معلوم ہے کہ یہ پٹھان ہے اور دونوں اس عقد پر راضی ہیں۔باپ خود اس کے سامان میں ہے جب یہ صورت ہے تو اس نکاح کے جواز میں اصلاً شبہ نہیں کما نص علیہ فی رد المحتار وغیرہ من الاسفار۔

واللہ تعالٰی اعلم۔(فتاویٰ رضویہ:ج:5،ص:287 مطبوعہ سنی دار الاشاعت فیصل آباد)

سوال

اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1340ھ سے سوال کیا گیا اس مسئلہ میں آپ کا کیا ارشاد ہے کہ آیا عجمی عالم سیّدہ کا کفو ہے یا نہیں۔قرآن مجید سے اس کا جواب دیں اور اجر پائیں؟

الجواب

ہاں! دیندار عالم سیّدہ کا کفو ہے کیونکہ علم کی فضیلت نسب کی فضیلت سے زائد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں کو بلند کرتا ہے اور عالموں کو بہت درجات بلندیاں دیتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

کیا علم والے اور بے علم برابر ہیں۔

اور امام کردری نے وجیز میں لکھا ہے کہ

عالم، جاہل عربی کا کفو ہے کیونکہ علم کا مرتبہ زیادہ بلند اور زیادہ قوی ہے اسی طرح فقیر عالم جاہل غنی کا کفو ہے اور غیر قرشی عالم، جاہل قرشی اور جاہل علوی کا کفو ہے۔ (فتاویٰ رضویہ: ج:5،ص: 291 مطبوعہ سنی دارالاشاعت فیصل آباد)

سوال

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ سادات کرام بیبیوں سے غیر قوم غیر سیّد مثل شیخ، مغل، پٹھان وغیرہ کا نکاح جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

سیّد ہر قوم کی عورت سے نکاح کر سکتے ہیں اور سیّدانی کا نکاح قریش کے ہر قبیلے سے ہو سکتا ہے خواہ علوی ہو یا عباسی یا جعفری یا صدیقی یا فاروقی یا عثمانی یا اموی۔ رہے غیر قریش جیسے انصاری یا مغل یا پٹھان ان میں جو عالم دین معظم مسلمین ہو اس سے بھی مطلقاً نکاح ہو سکتا ہے ورنہ اگر سیّدانی نابالغہ ہے اور اس غیر قریش کے ساتھ اس کا نکاح کرنے والا ولی باپ یا دادا نہیں تو نکاح باطل ہوگا اگرچہ چچا یا سگا بھائی کرے اور اگر باپ دادا اپنی کسی لڑکی کا نکاح ایسے ہی پہلے کر چکے ہوں تو اب ان کے لئے بھی نہ ہو سکے گا اور اگر بالغہ ہے اور اس کا ولی نہیں تو وہ اپنی خوشی سے غیر قریشی سے اپنا نکاح کر سکتی ہے اور اگر اس کا کوئی ولی یعنی باپ، دادا، پردادا ان کی اولاد و نسل سے کوئی مرد موجود ہے اور اس نے پیش از نکاح اس شخص کو غیر قرشی جان کر صراحۃً اس نکاح کی اجازت دے دی جب بھی جائز ہوگا ورنہ بالغہ کا کیا ہوا بھی باطل محض ہوگا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ: ج:5،ص:293 مطبوعہ سنی دارالاشاعت فیصل آباد)

سوال

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرح متین مسائل ذیل میں براہ کرم جواب سے مع دلائل نقلی کے مشرف و ممتاز فرمائیں۔

1- ایک عورت ہے جو نسبی سیّدہ ہے اس سے کسی شخص نے جو نسباً سیّد نہیں ہے نکاح کیا تو اس کو لوگ کافر کہتے ہیں تو کیا

شخص مذکور کافر ہوا یا نہیں ہوا تو کہنے والوں پر شریعت کا کیا حکم ہے۔

2-عورت بالغہ جونسباً سیّدہ ہے باکرہ ہو یا مطلقہ کسی شخص سے جونسباً سیّد نہیں ہے نکاح کرے تو جائز ہوگا یا نہیں؟

3-مرد غیر سیّد نے سیّدہ عورت سے نکاح کیا اور اگر وہ نکاح جائز ہوا تو جو اولاد اس سے پیدا ہوگی وہ نسباً سیّد کہلائے گی یا نہیں؟ بینوا و توجروا؟

الجواب

1-حاشا اللہ اسے کفر سے کیا علاقہ کافر کہنے والوں کو تجدید اسلام چاہئے کہ بلاوجہ مسلمان کو کافر کہتے ہیں۔ امیر المومنین مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے اپنی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کہ بطن پاک حضرت بتول زہراء رضی اللہ عنہا سے تھیں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دیں اور ان سے حضرت زید بن عمر رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے اور امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نسباً سادات سے نہیں۔

2-سیّدہ عاقلہ بالغہ اگر ولی رکھتی ہے تو جس کفو سے نکاح کرے گی ہو جائے گا اگرچہ سیّد نہ ہو مثلاً شیخ، صدیقی یا فاروقی یا عثمانی یا علوی یا عباسی اور اگر غیر کفو سے بے اجازت صریحہ ولی نکاح کرے گی تو نہ ہوگا جیسے کسی شیخ، انصاری یا مغل، پٹھان سے مگر جب کہ وہ معزز عالم دین ہو۔

3-جب باپ سیّد نہ ہو اولاد سیّد نہیں ہو سکتی اگرچہ ماں سیّدانی ہو۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ: ج:5، ص:299 مطبوعہ سنی دار الاشاعت فیصل آباد)

جنیہ سے نکاح

قاضی بدر الدین محمد بن عبد اللہ الشبلی الحنفی متوفی 769ھ لکھتے ہیں:

ہم کہتے ہیں کہ انسان کا جنیہ سے اور جن کا انسان عورت سے نکاح کرنا ممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا:

وَ شَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ (بنی اسرائیل:64)

اور ان کے مال اور اولاد میں شریک ہو جا اور ان سے جھوٹے وعدے کر۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب کوئی شخص اپنی عورت سے جماع کرتا ہے اور بسم اللہ نہیں پڑھتا تو شیطان اس کے آلہ کے سوراخ میں داخل ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ جماع کرتا ہے۔

حافظ ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

جب کوئی شخص حالت حیض میں اپنی بیوی سے جماع کرتا ہے تو شیطان اس پر سبقت کرتا ہے اور اس کے نتیجہ میں مخنث پیدا ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کیا ہے اور فقہاء کرام کا اس میں اختلاف ہے اور یہ

اس کی دلیل ہے کہ یہ نکاح ممکن ہے ورنہ ممانعت اور اختلاف کا کوئی معنیٰ نہیں ہے کیونکہ جو چیز محال ہو اس سے ممانعت کی جاتی ہے اور نہ اس کے جواز میں اختلاف ہوتا ہے۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ

جن کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور انسان کو عناصر اربعہ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ کا عنصر اس سے مانع ہے کہ جنیہ کے رحم میں انسان کا نطفہ ہو کیونکہ اس میں رطوبت ہوتی ہے اور آگ کی تیزی سے وہ رطوبت مضمحل ہو جائے گی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ

ہر چند کہ جنات آگ سے پیدا کئے گئے ہیں لیکن ان میں آگ کا عنصر باقی نہیں رہا وہ کھانے پینے اور توالد اور تناسل سے متغیر ہو گیا جیسا کہ بنو آدم مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں لیکن ان میں مٹی کا جوہر باقی نہیں رہا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ

جو آگ سے پیدا کیا گیا تھا وہ جنات کا باپ تھا یعنی ابلیس جیسے انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے تھے لیکن ابلیس کے علاوہ ہر جن آگ سے نہیں پیدا کیا گیا ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام کے علاوہ ہر انسان مٹی سے نہیں پیدا کیا گیا۔ نیز جب شیطان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز میں حملہ آور ہوا تھا تو بعض روایات میں ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا گلا گھونٹنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی زبان یا لگام کی ٹھنڈک محسوس کی۔

نیز حدیث مبارکہ میں ہے کہ

شیطان بنو آدم کی رگوں میں خون کی طرح گردش کرتا ہے اگر شیطان آگ کے عنصر پر باقی ہوتا تو یہ کیسے ممکن تھا۔

(آکام المرجان فی احکام الجان: ص 66 تا 67 مطبوعہ مکتبہ خیر کثیر کراچی)

علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی متوفی 543ھ لکھتے ہیں:

ہمارے علماء کرام نے کہا ہے: بلقیس بنت شرجیل ملکہ سبا کی ماں جنیہ تھی اس چیز کا ملحدین نے انکار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جن کھاتے ہیں نہ ان کی اولاد ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ان سب پر لعنت کرے انہوں نے جھوٹ کہا۔ یہ چیز صحیح ہے جنات کا انسانوں سے نکاح عقلاً صحیح ہے اور اگر یہ شرعاً بھی صحیح ہو تو بہت اچھا ہے۔ (احکام القرآن: ج:3: ص:481 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

امام ابن عساکر نے حضرت حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ جنات اور انسانوں کے درمیان توالد اور تناسل ہے یعنی جن کا انسان عورت سے نکاح ہو انسان مرد کا جنیہ سے نکاح ہو تو ان سے اولاد نہیں ہوتی البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی بعض روایات سے اس کا جواز منقول ہے۔

علامہ ابن نجیم نے الاشباہ والنظائر میں لکھا ہے کہ

ابو عثمان سعید بن داؤد زبیدی نے روایت کیا ہے کہ

اہل یمن سے کچھ لوگوں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ آیا جنات سے نکاح جائز ہے؟ انہوں نے کہا میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے' لیکن میں اس کو مکروہ قرار دیتا ہوں کہ کوئی عورت حاملہ پائی جائے اور اس عورت سے اس کے شوہر کے متعلق دریافت کیا جائے تو وہ کہے کہ میرا شوہر جن ہے اور اس سے اسلام میں بہت فساد پھیل جائے گا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس نکاح کی کراہت کے خلاف کوئی چیز ثابت نہیں ہے۔

اس پر یہ اشکال وارد ہے کہ

جب جنیہ انسان سے حاملہ ہوگی تو جن کی لطافت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ دکھائی نہ دے اور حمل کی کثافت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ دکھائی دے اور جب وضع حمل کا وقت ہوگا تو وہ دکھائی دے گا یا جب تک اس کے پیٹ میں حمل رہے گا وہ انسان کی شکل میں رہے گی اور پیٹ میں اس کو غذا اور نشو ونما حاصل ہوگی اور یہ تمام صورتیں استبعاد سے خالی نہیں ہیں۔

(روح المعانی: ج:19، ص:282 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ احمد بن محمد بن حجر شافعی ہیتمی مکی متوفی 974ھ لکھتے ہیں:

جنات کے ساتھ شرعی جواز میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا جواز منقول ہے' لیکن انہوں نے اس وجہ سے اس کو مکروہ کہا ہے کہ پھر جو عورت زنا سے حاملہ ہوگی وہ یہ دعویٰ کرے گی کہ اس کو جن نے حمل ہے۔

اسی طرح الحکم بن عیینہ، قتادہ، حسن بصری، عقبۃ الاصم اور الحجاج بن ارطاق نے بھی اس نکاح کو مکروہ کہا ہے۔ امام ابن جریر نے امام احمد اور امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہم سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے اور فقہاء احناف کی تصانیف میں سے فتاویٰ سراجیہ میں لکھا ہوا ہے کہ انسان اور جن کے درمیان اختلاف جنس کی وجہ سے نکاح جائز نہیں ہے۔ اور ہمارے آئمہ شافعیہ میں سے شیخ الاسلام البارزی نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہ احسان قرار دیا ہے کہ اس نے ہمارے نفسوں سے ہماری بیویاں بنائی ہیں۔ (النحل: 72) اور ابن العماد نے شرح الوجیز میں اس نکاح کو جائز کہا ہے۔

اور اعمش نے کہا ہے کہ

ایک جنی نے ہم سے شادی کی میں نے ان سے پوچھا کہ تم کو کون سا کھانا پسند ہے اس نے کہا چاول۔ ہم اس شادی میں گئے میں نے دیکھا کہ چاول دستر خوان سے اٹھ رہے تھے اور کھانے والے نظر نہیں آ رہے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا۔ کیا تمہارے بھی گمراہ فرقے ہوتے ہیں؟ اس نے کہا ہاں! میں نے پوچھا پھر رافضیوں کا تمہارے ہاں کیا حکم ہے؟ اس نے کہا وہ سب سے بدتر فرقہ ہے۔ (الفتاویٰ الحدیثیہ: ص 97 تا 98 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قاضی بدر الدین شبلی حنفی متوفی 769ھ لکھتے ہیں:

جہاں تک انسان اور جن کے درمیان نکاح کے مشروع ہونے کا تعلق ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی ممانعت منقول ہے۔

زہری سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے۔ یہ حدیث مرسل ہے اور اس کی سند میں ابن لہیعہ ہے اور حکم، قتادہ، حسن بصری، ابو سعید، الحکم بن عتیبہ وغیرہم سے اس کی ممانعت میں بہ کثرت آثار ہیں اور فقہاء احناف میں سے شیخ سجستانی اور شیخ زاہدی نے اس نکاح سے منع کیا ہے اور فقہاء شافعیہ میں سے شیخ جمال الدین نے اس نکاح سے منع کیا ہے اور قرآن مجید کی ان آیتوں سے اس ممانعت پر استدلال کیا ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا (النحل:72)

اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہارے نفسوں سے بیویاں بنائی ہیں۔

خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا (الروم:21)

(اللہ تعالیٰ نے) تمہارے لیے تمہارے نفسوں سے بیویاں پیدا فرمائی ہیں۔

ان آیات کا تقاضا یہ ہے کہ انسانوں کے لئے انسانوں کی نوع سے بیویاں بنائی ہیں اور جنات انسانوں کی نوع سے نہیں ہیں۔ اور اعمش سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے ایک انسان کی جنیہ سے شادی میں شرکت کی تھی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اس کا کراہت کے ساتھ جواز منقول ہے۔ (آکام المرجان: ص 71 تا 74 مطبوعہ کراچی)

اہل کتاب عورت سے نکاح

اہل کتاب عورتوں سے دار الکفر میں نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ وہاں کفار کا غلبہ ہوتا ہے اور مسلمان وہاں آزادی اور شرح صدر کے ساتھ اپنے بچوں کو تعلیم اور تربیت نہیں دے سکے گا اور دار الاسلام میں بلا ضرورت اہل کتاب عورتوں سے نکاح کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ واضح رہے کہ اہل کتاب سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو اللہ تعالیٰ کو، نبی کو اور آسمانی کتاب کو مانتے ہیں خواہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے قائل ہوں۔ (رد المحتار: ج:4، ص:101 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

جن عورتوں نے خود کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نکاح کے لئے پیش کیا

ثابت بنانی سے روایت ہے کہ

میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور ان کے پاس ان کی بیٹی بھی تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا:

ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا۔ وہ کہنے لگی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میری ضرورت ہے؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بیٹی نے یہ سن کر کہا۔

اس عورت میں کس قدر کم شرم و حیا تھی وہ کیسی بری عورت تھی۔ وہ کیسی بری عورت تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا:

وہ تم سے بہتر تھی اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں رغبت کی اور خود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث:5120)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

مجھے ان عورتوں پر غیرت آتی تھی جو اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کرتی تھیں اور میں کہتی تھی کہ کیا کوئی عورت اپنے آپ کو کسی پر پیش کر سکتی ہے پھر جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِیْٓ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ ؕ

(الاحزاب:51)

ان میں سے جس کو آپ چاہیں اپنے پاس سے دور کر دیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس رکھیں اور جن کو آپ نے الگ کر رکھا ہے ان میں سے جس کو چاہیں پھر طلب کریں تو آپ پر کوئی حرج نہیں ہے۔

تب میں نے یہ کہا کہ

میں صرف یہ دیکھتی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہش بہت جلد پوری کر دیتا ہے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث:4788)

حضرت شعیب علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی صاحبزادی سے نکاح کی خود پیشکش

حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی صاحبزادی سے نکاح کے لئے خود پیشکش کی تھی مگر افسوس ہمارے معاشرے میں اس کو معیوب سمجھا جاتا ہے حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسی طرح کیا کرتے تھے جس طرح کہ حدیث مبارکہ میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما حضرت خنیس بن حذیفہ السہمی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں جب وہ مدینہ منورہ میں فوت ہو گئے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہو گئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ پیش کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس معاملہ پر غور کروں گا چند دنوں بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا: میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں ابھی نکاح نہ کروں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا پھر میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر آپ رضی اللہ عنہ چاہیں تو میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا آپ رضی اللہ عنہ سے نکاح کر دوں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموش رہے اور انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بہ نسبت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ رنج پہنچا پھر چند دنوں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے لئے پیغام دیا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا نکاح کر دیا بعد میں جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مجھ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا جب آپ نے حضرت حفصہ رضی

اللہ عنہا کا رشتہ مجھے پیش کیا تھا اور میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا تو آپ رضی اللہ عنہ کو اس سے رنج پہنچا ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے جواب دینے سے اس کے سوا اور کوئی چیز مانع نہیں تھی کہ مجھے معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا تھا اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز افشاء کرنا نہیں چاہتا تھا اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو ترک کیا ہوتا تو میں ان کو قبول کر لیتا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: 5122)

نکاح کی آٹھ سال تک اجرت پر کام کرنے کی شرط

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں اپنی بیٹیوں میں سے ایک کا آپ کے ساتھ نکاح کردوں اس شرط پر کہ آپ آٹھ سال تک اجرت پر میرا کام کریں اور اگر آپ نے دس سال پورے کر دیئے تو یہ آپ کی طرف سے ہوگا اور میں آپ کو مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا آپ انشاء اللہ مجھے نیک لوگوں میں سے پائیں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَۚ وَ مَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَؕ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ۝ (القصص: 27)

انہوں نے کہا میرا ارادہ ہے کہ میں اپنی بیٹیوں میں سے ایک کا آپ کے ساتھ نکاح کردوں اس شرط پر کہ آپ آٹھ سال تک اجرت پر میرا کام کریں اور اگر آپ نے دس سال پورے کر دیئے تو یہ آپ کی طرف سے (احسان) ہوگا اور میں آپ کو مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا آپ انشاء اللہ مجھے نیک لوگوں میں سے پائیں گے۔

اجارہ کے عوض نکاح

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اجارہ کے عوض نکاح کرنا صحیح ہے اس چیز کو ہماری شریعت نے بھی مقرر رکھا ہے مثلاً کوئی شخص کسی عورت کو قرآن مجید کی تعلیم دے اور اس کے عوض میں اس سے نکاح کرے تو یہ صحیح ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مکروہ کہا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک یہ جائز ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ نکاح جائز نہیں ہے۔ (الجامع الاحکام القرآن: ج:13، ص:252 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ حدیث مبارکہ ہے:

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں لوگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت نے آ کر کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دیا ہے سو آپ کی میرے متعلق کیا رائے ہے۔ آپ نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا اس نے دوبارہ کھڑی

ہو کر کہا کہ اس نے آپ کو اپنا نفس ہبہ کر دیا ہے تو آپ کی اس کے متعلق کیا رائے ہے؟ آپ نے پھر کوئی جواب نہیں دیا اس نے پھر تیسری بار کھڑی ہو کر کہا کہ اس نے آپ کو اپنا نفس ہبہ کر دیا ہے سو آپ کی اس بارہ میں کیا رائے ہے؟

ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا میرے ساتھ نکاح کر دیجئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا۔

کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟

اس نے عرض کیا:

نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جاؤ جا کر تلاش کرو خواہ وہ لوہے کا ایک چھلا ہو وہ گیا اور تلاش کر کے واپس آ گیا اور کہا مجھے کوئی چیز نہیں ملی نہ لوہے کا چھلا ملا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

تمہیں کچھ قرآن یاد ہے؟

اس نے عرض کیا:

مجھے فلاں فلاں سورت یاد ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جاؤ! میں نے تمہارا نکاح اس عورت کے ساتھ کر دیا بما معك من القرآن کیونکہ تمہیں قرآن یاد ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 1549)

قرآن مجید کی اس آیت سے جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال کیا ہے اس کے جواب میں علامہ ابو بکر احمد بن علی حصاص رازی حنفی متوفی 370ھ لکھتے ہیں:

بعض لوگوں نے اس آیت سے منافع اور اجارہ کے عوض نکاح کے جواز پر استدلال کیا ہے اور اس آیت کریمہ میں ان کے مدعا پر کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی خدمت کی شرط لگائی تھی نہ کہ اپنی بیٹی کی خدمت کے لئے تو منفعت حضرت شعیب علیہ السلام کو حاصل ہوئی نہ کہ ان کی بیٹی کو اور ان کا مقصود یہ ہے کہ عورت کو جو منافع حاصل ہو وہ اس کا مہر ہو سکتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص اس عورت کو قرآن مجید کی تعلیم دے یا اس کی خدمت کرے اور یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنے لیے منافع کے حصول کی شرط لگائی تھی انہوں نے کہا تھا "عَلٰٓی اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ" اس شرط پر کہ تم میرے لئے آٹھ سال اجرت پر کام کرو یہ نہیں کہا تھا علی ان تاجرها ثمنی حجج کہ تم میری بیٹی کے لئے آٹھ

سال اجرت پر کام کرو۔ سو یہ نکاح بغیر مہر کے ہوا تھا۔ اور عورت کے ولی کے لئے ایک مدت معینہ تک منافع کے حصول کی شرط لگائی گئی تھی اور یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ مہر کے ذکر کے بغیر نکاح صحیح ہے اور عورت کے ولی کے لئے منافع کے حصول کی شرط لگائی گئی تھی اور ایسی شرائط سے نکاح فاسد نہیں ہوتا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی شریعت میں عورت کے مہر کے بغیر نکاح جائز ہو اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر مہر کے نکاح کو منسوخ کر دیا ہے۔

(احکام القرآن: ج:3، ص:348 مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی 1137ھ اس استدلال کے جواب میں لکھتے ہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی صاحبزادی کے نکاح کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر آٹھ سال خدمت کرنے کی شرط لگائی تھی اس کی منفعت ان کے لئے تھی ان کی بیٹی کے لئے نہیں تھی کیونکہ انہوں نے تاجرنی کہا تھا نہ کہ تاجرھا اور ہوسکتا ہے کہ اس طرح کا نکاح ان کی شریعت میں جائز ہو کہ اس میں ایک مدت مقررہ تک لڑکی کے ولی کے لئے منفعت کی شرط لگائی جائے جس طرح ہماری شریعت میں یہ جائز ہے کہ ایک مدت مقررہ تک لڑکی کی بکریاں چرانے کی شرط لگائی جائے۔

اور عین المعانی میں لکھا ہے کہ

پہلی شریعتوں میں یہ جائز تھا کہ لڑکی کے سرپرست کو مہر دیا جائے اور ہماری شریعت میں یہ حکم اس آیت سے منسوخ ہوگیا ہے۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةًؕ (النساء:4)

اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے ادا کرو۔

نیز امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ کہا ہے کہ کوئی کام اور خدمت بھی مہر ہوسکتی ہے یہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ ہماری شریعت میں مہر کا مال متقوم ہونا ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ (النساء:24)

اور محرمات کے سوا باقی عورتوں سے تمہارے لیے نکاح کرنا حلال کر دیا گیا ہے کہ تم اپنے مال کو بہ طور مہر دے کر ان سے نکاح کرو۔

نیز یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مہر ان عورتوں کو ادا کیا جائے نہ کہ ان کے سرپرستوں کو جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةًؕ (النساء:4)

اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے ادا کرو۔ (روح البیان: ج:6، ص:509 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ اس استدلال کے جواب میں لکھتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں عقد نکاح اور عقد اجارہ کا اجمالاً ذکر کیا گیا ہے اور ان دونوں کو واقع کرنے کا عزم کیا ہے اور ان کی شریعت میں عقد نکاح اور عقد اجارہ کے کیا ارکان اور شرائط تھے ان کا ذکر نہیں کیا گیا اور اس آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت

شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اپنی کسی ایک بیٹی سے نکاح کی پیشکش کی نہ یہ کہ بالفعل ان کے ساتھ اپنی کسی بیٹی کا نکاح کر دیا۔ اور اس نکاح کو واقع کر دیا اور جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی کسی بیٹی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نکاح کر دیا تھا انہوں نے بھی یقین کے ساتھ اس نکاح کو ان کی شریعت کے مطابق منعقد کرنے کی کیفیت نہیں بیان کی۔ ایک قول یہ ہے کہ کسی معین لڑکی کے ساتھ ایک معین مہر کے عوض یہ نکاح کر دیا گیا اور وہ مہر اس مذکورہ آٹھ سال اجرت پر کام کرنے کے علاوہ تھا اور اس اجرت کا ذکر باہمی معاہدہ کے طور پر کیا گیا ہے نہ کہ اس نکاح کو منعقد کرنے کے طریقہ پر گویا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے یوں کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں اپنی دو صاحبزادیوں میں سے ایک کا مہر معین کے عوض تمہارے ساتھ نکاح کر دوں جبکہ تم اجرت مقررہ کے عوض آٹھ سال میرے پاس کام کرو اب بتاؤ تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام راضی ہو گئے اور پھر حضرت شعیب علیہ السلام نے ایک معین لڑکی کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا۔ لہٰذا اب یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ لڑکی کی تعیین کے بغیر اس کا نکاح صحیح نہیں ہے اور نہ یہ اعتراض ہوگا کہ اجرت معین کیے بغیر اجارہ کا انعقاد صحیح نہیں ہے اور نہ یہ اعتراض ہوگا کہ اس آیت میں تو لڑکی کے باپ کے لئے خدمت کرنے کا ذکر ہے نہ کہ لڑکی کے لئے تو اس کو مہر قرار دینا صحیح نہیں ہے اور ایک قول یہ ہے کہ شریعتیں مختلف ہوتی ہیں ہو سکتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی شریعت میں غیر معین لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا صحیح ہو اور تعیین کا حق لڑکی کے ولی یا شوہر کو حاصل ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی شریعت میں لڑکی کے ولی کی خدمت کرنے کو لڑکی کا مہر قرار دینا درست ہو اور یہ دونوں چیزیں ہماری شریعت میں جائز نہیں ہیں۔ (روح المعانی: ج:20، ص:103 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

کیا حضرت شعیب علیہ السلام نے بغیر مہر کے نکاح کر دیا؟

مجھے اس بارے میں علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ کا جواب بہت اچھا لگا ایک تو یہ کہ ان کا یہ فرمانا کہ ایک قول یہ ہے کہ کسی معین لڑکی کے ساتھ ایک معین مہر کے عوض یہ نکاح کر دیا گیا اور وہ مہر اس مذکورہ آٹھ سال اجرت پر کام کرنے کے علاوہ تھا اور اس اجرت کا ذکر باہمی معاہدہ کے طور پر کیا گیا ہے نہ کہ اس نکاح کو منعقد کرنے کے طریقہ پر گویا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے یوں کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں اپنی دو صاحبزادیوں میں سے ایک کا مہر معین کے عوض تمہارے ساتھ نکاح کر دوں جبکہ تم اجرت مقررہ کے عوض آٹھ سال میرے پاس کام کرو۔ اب بتاؤ تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام راضی ہو گئے اور پھر حضرت شعیب علیہ السلام نے ایک معین لڑکی کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا۔ اور ایک آپ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی شریعت میں لڑکی کے ولی کی خدمت کرنے کو لڑکی کا مہر قرار دینا درست ہو اور یہ دونوں چیزیں ہماری شریعت میں جائز نہیں ہیں۔ (روح المعانی: ج:20، ص:103 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

شریعت مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں مہر ادا کرنے کا حکم

شریعت مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں مہر ادا کرنے کا حکم قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہے سب سے پہلے

قرآن مجید سے دلائل بیان کیے جاتے ہیں۔

قرآن مجید سے مہر ادا کرنے کا ثبوت

قرآن مجید کی آیات کریمہ سے مہر ادا کرنے کا ثبوت ان آیات میں ہے۔

آیت مبارکہ:1

قرآن مجید میں ہے:

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ (الاحزاب:50)

ہم جانتے ہیں کہ ہم نے جو (مہر) مسلمانوں کی بیویوں کے متعلق ان پر فرض کیا ہے۔

آیت مبارکہ:2

قرآن مجید میں ہے:

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً (النساء:4)

اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے ادا کرو۔

آیت مبارکہ:3

قرآن مجید میں ہے:

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً (النساء:24)

تمہارے لئے وہ سب عورتیں حلال کی گئی ہیں جو ان محرمات کے علاوہ ہیں تم اپنے مال کے عوض ان کو طلب کرو درآں حالیکہ تم ان سے نکاح کرنے والے ہو نہ کہ ان سے زنا کرنے والے، پھر جن عورتوں سے نکاح کے ذریعے فائدہ اٹھا چکے ہو تو ان کا مہر ان کو ادا کردو۔

ان قرآن مجید کی آیات مبارکہ سے حق مہر ادا کرنے کا حکم ثابت ہوا۔

احادیث مبارکہ سے مہر ادا کرنے کا ثبوت

کثیر احادیث سے مہر ادا کرنے کا ثبوت ہے جو کہ درج ذیل ہیں۔

حدیث مبارکہ:1

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے انصار کی ایک عورت سے نکاح کرلیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے

پوچھا تم نے ان کا کتنا مہر مقرر کیا ہے انہوں نے کہا ایک گٹھلی کے برابر سونا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ولیمہ کرو خواہ ایک بکری سے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5167)

حدیث مبارکہ: 2

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی ہوں اور میں نے اپنا نفس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف نظر اوپر اٹھائی پھر نظر نیچے کر لی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر جھکا لیا جب اس عورت نے یہ دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا تو وہ بیٹھ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی حاجت نہیں تو پھر اس سے میرا نکاح کر دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا: تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ اس نے عرض کیا! نہیں! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جاؤ اپنے گھر جاؤ شاید تمہیں کوئی چیز مل جائے وہ گیا پھر واپس آ گیا۔ اس نے کہا بہ خدا لوہے کی ایک انگوٹھی بھی نہیں ملی لیکن میرے پاس صرف یہ تہبند ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ تمہارے تہبند کا کیا کرے گی؟ اگر تم اس کو پہنو گے تو اس کے پاس کچھ نہیں ہوگا اگر وہ اس کو پہنے گی تو تمہارے پاس کچھ نہیں ہوگا وہ شخص بیٹھ گیا جب کافی دیر ہوگئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو واپس جاتے ہوئے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلانے کا حکم دیا جب وہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہیں کچھ قرآن مجید یاد ہے؟ اس نے گن کر بتایا کہ اس کو فلاں فلاں سورت یاد ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ان سورتوں کو زبانی پڑھتے ہو؟ اس نے کہا! ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جاؤ! تمہیں جو قرآن یاد ہے اس کے سبب میں نے یہ عورت تمہاری ملک میں دے دی۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5087)

حدیث مبارکہ: 3

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بہتر وہ مہر ہے جو آسان ہو۔ (مستدرک: رقم الحدیث: 2796)

حدیث مبارکہ: 4

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ان سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے نکاح کیا اور مہر کچھ نہیں باندھا اور دخول سے پہلے اس کا انتقال ہو گیا۔ حضرت ابن

مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عورت کو مہر مثل ملے گا نہ کم نہ زیادہ اور اس پر عدت ہے اور اسے میراث ملے گی۔ معقل بن سنان اشجعی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بروع بنت واشق کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی حکم فرمایا تھا یہ سن کر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ خوش ہوئے۔ (جامع الترمذی: رقم الحدیث: 1148)

حدیث مبارکہ:5

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص نکاح کرے اور نیت یہ ہو کہ عورت کو مہر میں سے کچھ نہ دے گا تو جس روز مرے گا زانی مرے گا اور جو کسی سے کوئی شے خریدے اور نیت ہو کہ قیمت میں سے کچھ اسے نہ دے گا تو جس دن مرے گا خائن مرے گا اور خائن نار میں ہے۔

(معجم الکبیر: رقم الحدیث: 7302)

حدیث مبارکہ:6

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ روایت فرماتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى الآیۃ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

ایک یتیم لڑکی اپنے سرپرست کے زیر پرورش ہوتی تھی وہ اس کے حسن اور اس کے مال کی وجہ سے اس کی طرف راغب ہوتا تھا اور اس جیسی لڑکیوں کے مہر سے کم مہر مقرر کر کے اس سے نکاح کرنا چاہتا تھا تو ان کو ان یتیم لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کر دیا گیا ماسوا اس کے کہ وہ ان کا پورا پورا مہر مقرر کریں ورنہ وہ ان کے علاوہ دوسری عورتوں سے نکاح کر لیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

پھر لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بتایا کہ جب یتیم لڑکی مالدار اور حسین ہو اور اس کے ولی اس کے ساتھ نکاح میں راغب ہوں اور اس کو پورا پورا مہر نہ دیں اور جب اس کے مال اور اس کی شکل وصورت میں ان کو رغبت نہ ہو تو کسی اور عورت سے نکاح کر لیں اور جب وہ اس کے حسن اور مال میں رغبت کریں تو اس سے نکاح کرنا ان کے لئے صرف اس صورت میں جائز ہے جب وہ اس کو پورا پورا مہر ادا کریں اور اس کا حق نہ ماریں۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: 2763)

حدیث مبارکہ:7

میمون کردی اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے کسی عورت سے شادی کی خواہ اس کا مہر کم ہو یا زیادہ اور اس کا ارادہ اس مہر کو ادا کرنے کا نہیں تھا اس نے اس عورت کو دھوکہ دیا اور اگر اس نے اس عورت کا حق ادا نہیں کیا تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے زانی ہونے کی حالت میں ملاقات کرے گا اور جس شخص نے کسی سے قرض لیا اور وہ صاحب مال کی رقم ادا کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا اور اس نے اس کو دھوکہ دے کر اس کا مال لیا اور اگر وہ اس کا قرض ادا کیے بغیر مر گیا تو وہ اللہ تعالیٰ سے چور ہونے کی حالت میں ملاقات کرے گا۔ (معجم الصغیر: رقم الحدیث: 111)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا مہر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے مہر پر یہ احادیث مبارکہ دال ہیں۔

حدیث مبارکہ:1

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے گھر کے سامان کے عوض نکاح کیا جس کی مالیت چالیس درہم تھی۔

(معجم الاوسط: رقم الحدیث: 2097)

حدیث مبارکہ:2

ابو سلمہ بن عبد الرحمان سے روایت ہے کہ

میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتنا مہر مقرر کرتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا مہر بارہ اوقیہ اور نش ہوتا تھا۔ فرمایا کہ تم جانتے ہو نش کیا ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا نصف اوقیہ، تو یہ پانچ سو درہم ہو گئے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا مہر تھا۔

(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 1426)

حدیث مبارکہ:3

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

وہ پہلے عبید اللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں وہ حبشہ کی سرزمین میں فوت ہو گئے پھر نجاشی نے ان کا نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا اور ان کا چار ہزار درہم مقرر کیا اور ان کو شرجیل بن حسنہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیج دیا۔

(سنن ابو داؤد: رقم الحدیث: 2107)

حدیث مبارکہ 4:

زہری سے روایت ہے کہ

نجاشی نے حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا کا چار ہزار درہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ لکھ کر بھیجا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا۔ (سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 2108)

حدیث مبارکہ 5:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے گھر کے سامان پر نکاح کیا جس کی مالیت دس درہم تھی۔

(مسند ابو یعلی: رقم الحدیث: 3372)

حدیث مبارکہ 6:

ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر کتنا تھا تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر ازواج مطہرات کے لئے ساڑھے بارہ اوقیہ تھا۔ (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 78)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے مہر کی تفصیل

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے مہر کی مقدار چار ہزار درہم تھی۔ چاندی کے لحاظ سے 14472 گرام چاندی تھی اور 1052 تولہ تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مہر کی تفصیل

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مہر کی مقدار 40 چالیس درہم تھی چاندی کے لحاظ سے 122.472 گرام چاندی اور 10.5 تولہ تھا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مہر کی تفصیل

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مہر کی مقدار 10 دس درہم تھی چاندی کے لحاظ سے 30.618 گرام چاندی اور 2.625 تولہ تھا۔

دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے مہر کی تفصیل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے مہر کی مقدار 500 پانچ سو درہم تھی چاندی کے لحاظ سے 1509 گرام چاندی اور 131.5 تولہ تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کا مہر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کے مہر کے متعلق یہ احادیث مبارکہ دال ہیں۔

حدیث مبارکہ:1

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے لوہے کی ایک زرہ عطا فرمائی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زرہ کے عوض میرا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر دیا اور فرمایا: یہ زرہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس بھیج دو۔ سو میں نے بھیج دی بہ خدا اس کی قیمت چار سو اور کچھ درہم تھی۔ (مسند ابو یعلی: رقم الحدیث:499)

حدیث مبارکہ:2

ابو العجفاء سے روایت ہے کہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

سنو عورتوں کا مہر مقرر کرنے میں غلو نہ کرو کیونکہ اگر اس دنیا میں کوئی عزت ہوتی یا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس میں تقویٰ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ لائق تھے کہ آپ مہر میں غلو کرتے اور میرے علم کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی زوجہ یا اپنی کسی صاحبزادی کا بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر مقرر نہیں کیا۔ (سنن ترمذی: رقم الحدیث:1117)

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے مہر کی تفصیل

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے مہر کی مقدار 400 درہم تھی اور چاندی کے لحاظ سے 1224.72 گرام چاندی اور ایک سو پانچ (105) تولہ تھا۔

دیگر صاحبزادیوں کے مہر کی تفصیل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر صاحبزادیوں کے مہر کی مقدار 480 درہم اور چاندی کے لحاظ سے 1736.64 گرام چاندی اور 126 تولہ تھا۔

مہر کی مقدار میں مذاہب فقہاء کرام

مہر کی مقدار میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے جو کہ درج ذیل ہے۔

مالکیہ کا مذہب

امام ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر مالکی اندلسی متوفی 463ھ لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے: دس درہم سے کم مہر جائز نہیں ہے انہوں نے چور کے ہاتھ کاٹنے

کے نصاب پر قیاس کیا ہے اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی چور کے ہاتھ کاٹنے کے نصاب پر قیاس کیا ہے جوان کے نزدیک مقرر ہے۔ مدینہ منورہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے کسی کا یہ قول نہیں تھا نیز امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ (النساء:25)

اور تم میں سے جو شخص آزاد کنواری مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی مالی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ مسلمانوں کی مملوکہ مسلمان باندیوں سے نکاح کرے۔

اور اس آیت کریمہ میں طاقت سے مراد مالی طاقت ہے اور یہ بات واضح ہے کہ ایک پیسہ، ایک دمڑی یا مٹھی بھر جو ہر شخص کی استطاعت میں ہوتے ہیں تو اگر مہر کی مقدار ایک پیسہ ایک مٹھی جو بھی جائز ہوتی تو پھر ہر شخص کے پاس نکاح کرنے کی مالی طاقت ہوتی اور اس آیت کا کوئی معنیٰ نہ ہوتا اور یہ ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک تین درہم سے کم پر مال کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔ اس لئے واجب ہے کہ تین درہم سے کم مہر جائز نہ ہو لیکن امام ابن عبدالبر نے اس استدلال پر یہ اعتراض کیا ہے کہ آزاد اور باندی کے کم از کم مہر کی مقدار میں مالکیہ کے نزدیک کوئی اختلاف نہیں ہے اور اس آیت کریمہ میں یہ فرمایا ہے کہ اگر مسلمان آزاد عورت سے نکاح کی طاقت نہ ہو تو پھر مسلمان باندی سے نکاح کرلو اور جب کہ باندی کا بھی مہر ان کے نزدیک کم از کم تین درہم ہے تو پھر مالی طاقت اس سے زیادہ مراد لینی ہوگی۔ (الاستذکار: ج:16، ص:71 تا 72 مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

حنبلیہ کا مذہب

علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی 620ھ لکھتے ہیں:

مہر کی مقدار مقرر نہیں ہے نہ کم از کم نہ زیادہ سے زیادہ بلکہ ہر وہ چیز جس میں مال بننے کی صلاحیت ہو وہ مہر ہو سکتی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور داؤد ظاہری کا بھی یہی مسلک ہے۔ سعید بن مسیّب نے اپنی بیٹی کا مہر دو درہم رکھا اور کہا: اگر اس کا مہر ایک رسّی بھی ہوتی تو یہ جائز تھا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مہر کی کم از کم مقدار مقرر ہے اور یہ وہ مقدار ہے جس کے عوض چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے مہر کے متعلق فرمایا: تلاش کرو خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہو اور سنن ابوداؤد اور ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت سے پوچھا کیا تو اپنے نفس اور مال کے عوض دو جوتیوں پر راضی ہو گئی ہے؟ اس عورت نے کہا: ہاں! (سنن الترمذی: رقم الحدیث:1115)

امام احمد حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر ایک شخص کسی عورت کا مٹھی بھر طعام مہر رکھے تو وہ عورت اس کے لئے حلال ہوگی۔

نیز اثرم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ
ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارکہ میں ایک مٹھی بھر طعام پر نکاح کر لیتے تھے۔
نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔
ان (محرمات) کے سوا عورتیں تم پر حلال کردی گئی ہیں تم اپنے مال کے عوض ان کو طلب کرو۔ (النساء:24)
اور مال عام ہے وہ قلیل اور کثیر دونوں کو شامل ہے اور چونکہ مہر بدل منفعت ہے اس لئے جس مقدار پر دونوں فریق راضی ہو جائیں وہ جائز ہے جس طرح اجرت ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جس حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے کہ دس درہم سے کم مہر صحیح نہیں ہے، وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کو میسرہ بن عبید نے حجاج بن ارطاق سے روایت کیا ہے۔ میسرہ ضعیف ہے اور حجاج مدلس ہے۔ نیز یہ حدیث مبارکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے اور ہم حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف حدیث مبارکہ بیان کر چکے ہیں اور بر تقدیر صحت وہ حدیث مبارکہ کسی معین عورت کے معاملہ پر محمول ہے اور چور کے ہاتھ کاٹنے پر ان کا قیاس صحیح نہیں ہے کیونکہ نکاح میں ایک عضو سے نفع حاصل کرنے کی اباحت ہے اور ہاتھ کاٹنے میں ایک عضو کو ضائع کرنا ہے اس سے نفع حاصل کرنے کی اباحت نہیں ہے نیز یہ سزا اور حد ہے اور اس پر اجماع ہے کہ مہر میں زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔
وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ (النساء:20)
اور اگر تم ایک بیوی کو چھوڑ کر اس کی جگہ دوسری بیوی سے نکاح کرنا چاہو اور ان میں سے ایک کو تم بہت مال دے چکے ہو تو اس مال سے کچھ واپس نہ لو۔ (المغنی: ج:7،ص:61 [مطبوعہ دار الفکر بیروت)

شافعیہ کا مذہب

علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی متوفی 450ھ لکھتے ہیں:
مہر کی کم از کم مقدار میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ مقرر نہیں ہے اور ہر وہ چیز جو قیمت اور اجرت ہو سکتی ہے وہ مہر ہو سکتی ہے خواہ کم ہو یا زیادہ۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی مذہب ہے حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین مٹھی انگوروں کو مہر فرمایا۔ اور تابعین میں سے حضرت حسن بصری اور سعید بن مسیّب کا یہی مذہب ہے حتیٰ کہ سعید بن مسیّب نے اپنی بیٹی کا دو درہم مہر رکھا اور فقہاء میں سے ربیعہ، اوزاعی، ثوری، احمد اور اسحاق کا یہی مذہب ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کم از کم مہر کی مقدار وہ ہے جو چور کے ہاتھ کاٹنے کا نصاب ہے اور وہ چوتھائی دینار یا تین درہم ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی کم از کم مقدار ایک دینار یا دس درہم ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ تم اپنے مال کے عوض ان کو طلب کرو۔ (النساء:24) اور کم تر چیزوں مثلاً دمڑی اور قیراط پر مال کا اطلاق نہیں کیا جاتا اور حدیث مبارکہ میں ہے از حجاج

بن ارطاق از عطا از عمرو بن دینار از جابر بن عبداللہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کفو کے سوا عورتوں کا نکاح نہ کرو اور سوائے ولی کے اور کوئی نکاح نہ کرے اور دس درہم سے کم مہر نہ رکھا جائے اور یہ نص ہے اور یہ ایک مال ہے جس کے عوض ایک عضو کو مباح کیا جاتا ہے اس لئے اس کو مقرر ہونا چاہئے جیسا کہ ہاتھ کاٹنے کے لئے چوری کا نصاب ہے نیز نکاح میں یہ ایک معین چیز کا عوض ہے اس لئے اس کو مقرر ہونا چاہئے اور حقوق عقد میں معین چیز مقرر ہوتی ہے جیسے گواہوں کی مقدار مقرر ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ (البقرہ:237)

اور اگر تم نے عورتوں کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی درآں حالیکہ تم ان کے لئے مہر مقرر کر چکے تھے تو جو مہر مقرر کیا گیا تھا اس کا نصف ادا کرنا واجب ہے۔

اس آیت کریمہ میں لفظ "مَــا" ہے جو قلیل اور کثیر دونوں پر صادق آتا ہے اس سے واضح ہوا کہ قلیل اور کثیر دونوں مہر ہو سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ حسب ذیل احادیث مبارکہ دلیل ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

علائق کو ادا کرو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! علائق کیا ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ چیز جس پر دونوں فریق راضی ہو جائیں۔

اس سے وجہ استدلال یہ ہے کہ لفظ "مَا" عام ہے خواہ دونوں فریق قلیل پر راضی ہوں یا کثیر پر۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الام میں کہا۔

ہمیں یہ حدیث مبارکہ پہنچی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے دو درہموں سے حلال کیا اس نے حلال کیا۔ (الام: ج:5،ص:95)

ابو ہارون العبدی از ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس شخص پر کوئی حرج نہیں ہے جس نے کسی عورت کا مہر مقرر کیا خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر جبکہ گواہ ہوں اور فریقین راضی ہوں۔

عامر بن ربیعہ اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں کہ

ایک عورت نے دو جوتیوں کے عوض نکاح کرلیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے پوچھا۔ کیا تم اپنے نفس اور اپنے مال پر ان دو جوتیوں سے راضی ہوگئی ہو؟ اس نے عرض کیا ہاں!

امام حازم نے حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے ارشاد فرمایا جس نے اس عورت کو نکاح کا پیغام دیا تھا جس نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دیا تھا تلاش کرو تلاش کرو خواہ ایک لوہے کی انگوٹھی بھی ہو۔

اور لوہے کی انگوٹھی قیمتی جواہر میں سے نہیں ہے۔ اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ دس درہم سے کم مہر ہوسکتا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ

ہوسکتا ہے کہ وہ انگوٹھی کسی خاص لوہے کی ہو جو دس درہم کی ہو اسی طرح وہ جوتیاں بھی دس درہم کی ہوں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ

یہ حدیث مبارکہ کے اسلوب کے مخالف ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہو اس کا تقاضا ہے کہ وہ کوئی بے قیمت چیز ہو ورنہ آپ اس کے بجائے دس درہم فرماتے تو وہ زیادہ سہل تھا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر کوئی شخص کسی عورت کو دو مٹھی طعام مہر دے تو وہ عورت اس پر حلال ہو جائے گی۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

ہم ایک مٹھی یا دو مٹھی آٹے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں نکاح کرلیا کرتے تھے۔

ان احادیث مبارکہ میں دس درہم سے کم مہر ہونے کی تصریح ہے اور ان کی مخالفت جائز نہیں ہے۔ اور قیاس سے دلیل یہ ہے کہ یہ ایک منفعت کا عوض ہے اور اس میں کم از کم مقدار معین نہیں ہوتی جس طرح اجارہ میں ہوتا ہے نیز خلع بھی اسی چیز کا بدل ہے اور اس میں بھی کم از کم مقدار متعین نہیں ہے لہٰذا مہر کی کم از کم مقدار کا متعین ہونا صحیح نہیں ہے البتہ جزیہ میں کم از کم مقدار معین ہے لیکن وہ کسی منفعت کا عوض نہیں ہے۔

لیکن امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے آیت سے جو استدلال کیا ہے اور دس درہم سے کم کو مال نہیں جانا یہ صحیح نہیں ہے اولاً تو اس آیت کا ظاہری معنیٰ متروک ہے کیونکہ اگر کوئی شخص مہر کا ذکر کیے بغیر نکاح کرے تو یہ نکاح صحیح ہے ثانیاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے فلاں کا مال دینا ہے پھر کہے میں نے اس کا ایک درہم دینا ہے یا نصف درہم دینا ہے تو اس کا یہ قول صحیح ہے اس سے معلوم ہوا کہ دس درہم سے کم پر بھی مال کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ احناف نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی جس حدیث مبارکہ سے

استدلال کیا ہے اس کی سند میں مبشر بن عبید ضعیف ہے اور حجاج بن ارطاق مدلس ہے علاوہ ازیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی دیگر روایات اس کے معارض ہیں۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ

ممکن ہے کہ یہ حدیث مبارکہ کسی خاص عورت کے معاملہ میں ہو جس کا مہر مثل دس درہم ہو۔

"فقہاء احناف نے چور کا ہاتھ کاٹنے پر مہر کا قیاس کیا ہے یہ قیاس صحیح نہیں ہے کیونکہ چوری میں اس عضو سے فائدہ نہیں اٹھایا جاتا بلکہ اس کو کاٹ دیا جاتا ہے۔ ثانیاً اگر مال کے بدلہ میں اس کا ہاتھ کاٹا جاتا تو پھر چور سے مال واپس نہ لیا جاتا حالانکہ اگر اس سے مال برآمد ہو تو اس سے واپس لیا جاتا ہے اور مالک کو دیا جاتا ہے۔ ثالثاً اس سے معلوم ہوا کہ چور کا ہاتھ کاٹنا اس مال کے عوض نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی حد توڑنے کی سزا ہے۔ رابعاً مہر کے ذریعہ عورت کا صرف ایک عضو مباح نہیں ہوتا بلکہ اس کے سارے بدن سے فائدہ حاصل کرنا مباح ہوتا ہے۔ خامساً یہ کہ چوری میں ہاتھ کاٹنا ایک سزا ہے اس لئے اس کا نصاب مقرر ہونا چاہئے جیسا کہ باقی جنایات میں ہے اس کے برخلاف مہر باہمی رضامندی سے ایک عقد کا عوض ہے اس لئے جس طرح باقی عقود میں کوئی مقدار شرعاً معین نہیں ہے اس میں بھی نہیں ہو گی اسی طرح ان کا شہادت پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ شہادت عقد کی شرائط میں سے ہے اور مہر عقد کا عوض ہے۔ (الحاوی الکبیر: ج: 12، ص 11 تا 16)

حنفیہ کا مذہب

علامہ شمس الدین محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی 483ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سنو، عورتوں کے نکاح صرف ان کے اولیاء کریں اور ان کا نکاح صرف ان کے کفو میں کیا جائے اور کوئی مہر دس درہم سے کم نہ رکھا جائے۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

دس درہم سے کم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے اور دس درہم سے کم مہر نہ رکھا جائے۔

اور کتاب میں ہے کہ

ہمیں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت عامر اور حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث مبارکہ پہنچی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک عقد کا بدل ہے اور یہ عقد عاقدین کی طرف منسوخ نہیں ہے اس لئے اس کی مقدار شرعاً مقرر ہے جیسے دیت میں ہے اور عورت کے عضو سے استفادہ شرعاً ممنوع ہے جب تک کہ نکاح صحیح نہ ہو اور اس عضو کا عوض واجب نہ ہو خواہ فوراً یا بعد میں اور یہ مقصود اصل مالیت کے بغیر حاصل نہیں ہو گا اور مال کا لفظ حقیر اور خطیر دونوں کو شامل ہے اور یہ مقصود تب پورا ہو گا جب خطیر رقم کو عوض قرار دیا جائے اور وہ مال مقرر ہو۔

قرآن مجید کی اس آیت کریمہ میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَیْهِمْ فِیْۤ اَزْوَاجِهِمْ (الاحزاب:50)

ہم جانتے ہیں کہ جو ہم نے مسلمانوں پر ان کی بیویوں کے متعلق مقرر فرمایا ہے۔

اور عورت کا عضو مخصوص بھی اس کے نفس کے حکم میں ہے اور عمل تزویج نفس کی چسپیدگی کا سبب ہے اور مال ہی وہ چیز ہے جو نفس میں شرعاً بہ طور بدل مقرر ہوتا ہے جیسا کہ دیت ہے اور ہر وہ مال جس کو شرع نے واجب کیا ہو اس کی مقدار بیان کی جاتی ہے جیسا کہ زکوٰۃ میں ہے اور آیت کریمہ میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے اسی طرح چوری کا نصاب بھی بالاتفاق مقرر ہے کیونکہ اس میں بھی ایک عضو کو مباح کیا جاتا ہے اسی طرح مہر کی مقدار بھی شرعاً مقرر ہونی چاہئے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جو احادیث مبارکہ اور آثار بیان کئے ہیں جن میں دس درہم سے کم چیز کو مہر قرار دیا گیا ہے اس سے مراد مہر معجّل ہے اور باقی مہر شوہر کے ذمہ ثابت ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جاؤ تلاش کرو حالانکہ مہر فوراً دینا واجب نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان احادیث مبارکہ میں مہر سے مراد مہر معجّل ہے اور ہمارے نزدیک مہر معجّل کی مقدار شرعاً معین نہیں ہے۔ (المبسوط، ج:5، ص:81 مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت)

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن ہمام حنفی متوفی 861ھ لکھتے ہیں:

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سنو! عورتوں کا نکاح صرف ان کے سرپرست کریں اور ان کا نکاح صرف ان کے کفو میں کیا جائے اور کوئی مہر دس درہم سے کم نہ رکھا جائے۔

اور جن احادیث مبارکہ میں دس درہم سے کم مہر کا ذکر ہے وہ تمام احادیث مبارکہ مہر معجّل پر محمول ہیں تاکہ احادیث مبارکہ میں تطبیق ہو کیونکہ عرب کی عادت تھی کہ وہ مہر کا کچھ حصہ دخول سے پہلے دیا کرتے تھے حتیٰ کہ فقہاء تابعین نے یہ کہا ہے کہ

جب تک عورت کو کوئی چیز پہلے نہ دے دے اس وقت تک دخول نہ کرے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، زہری اور قتادہ سے منقول ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ کچھ دینے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دخول سے منع فرمایا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے شادی کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ دخول کا ارادہ فرمایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع فرمایا حتیٰ کہ وہ ان کو کوئی چیز دے دیں۔

انہوں نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے پاس تو کوئی چیز نہیں ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان کو اپنی زرہ دے دو تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو اپنی زرہ دے دی پھر ان کے ساتھ دخول کیا۔ یہ سنن ابوداؤد کی عبارت ہے اور اس کو امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا مہر چار سو درہم چاندی تھا۔ پسندیدہ امر یہ ہے کہ دخول سے پہلے کچھ دے دیا جائے اور بغیر دیئے بھی دخول جائز ہے کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ میں ایک عورت کو اس کے خاوند کے کچھ دینے سے پہلے اس کے پاس بھیج دوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو دخول سے پہلے کچھ دینا مستحب ہے واجب نہیں ہے تاکہ عورت کا دل دخول کے وقت خوش ہو اور اس کی تالیف قلب ہو اور جب یہ امر معروف ہے تو دس درہم سے کم مہر کی جو احادیث مبارکہ ہیں وہ مہر معجّل پر ہی محمول ہیں تاکہ احادیث مبارکہ میں تطبیق ہو۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو لوہے کی انگوٹھی ڈھونڈنے کا حکم دیا تھا وہ بھی تالیف قلب کے لئے بہ طور مہر معجّل تھا اور جب وہ اس سے بھی عاجز رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو بیس آیتوں کی تعلیم دو یہ تمہاری بیوی ہے۔

اور یہ حدیث مبارکہ اس کا صحیح محمل ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم کو جو قرآن یاد ہے اس کے سبب سے میں نے تمہارا اس کے ساتھ نکاح کر دیا۔ سو یہ ہماری روایت کردہ حدیث مبارکہ کے منافی نہیں ہے اور اس طریقہ سے احادیث مبارکہ جمع ہو جاتی ہیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ

ان احادیث مبارکہ کو جمع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی دس درہم والی روایت کو سند میں مبشر بن عبید اور حجاج بن ارطاق دو ضعیف راوی ہیں۔

تو ہم کہیں گے کہ

اس حدیث مبارکہ کا ایک شاہد بھی ہے جو اس کو تقویت پہنچاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

دس درہم سے کم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے اور دس درہم سے کم مہر مقرر نہ کیا جائے۔

حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عمر، عامر اور ابراہیم سے روایت ہے کہ

شرح طحاوی میں اسی سند کے ساتھ یہ اثر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور چونکہ اس اثر میں نصاب کا عدد معین بیان کیا گیا ہے اس لئے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے بغیر بیان نہیں کیا جا سکتا اس لئے یہ حدیث حکماً مرفوع ہے۔ یہ اثر اوری از شعبی از حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور داؤد کو امام ابن حبان نے ضعیف قرار دیا ہے اور حق یہ ہے کہ۔ اعتبار ظاہر کے بہ کثرت احادیث مبارکہ میں جو دس درہم کی نفی کرتی ہیں لیکن سوائے لوہے کی انگوٹھی والی حدیث مبارکہ

کے باقی تمام احادیث مبارکہ ضعیف ہیں۔

جس حدیث مبارکہ میں ہے کہ

جس نے عورت کے مہر میں دو ستو دیئے۔

اس کی سند میں مسلم بن رومان بھی مجہول ہے اور دو جوتیوں والی حدیث مبارکہ کو ہر چند کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے، لیکن وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں عاصم بن عبید اللہ ہے۔

ابن الجوزی نے کہا:

یہ فاحش الخطا ہے۔ غرض یہ تمام آثار ضعیف ہیں اور صحیح حدیث صرف صحاح ستہ کی ہے جس میں آپ نے فرمایا: ڈھونڈ و خواہ لوہے کی انگوٹھی ہو۔ ہمارے نزدیک یہ مہر معجّل پر محمول ہے ہر چند کہ یہ خلاف ظاہر ہے، لیکن اس کو مہر معجّل پر محمول کرنا واجب ہے کیونکہ بعد میں آپ نے فرمایا تم کو جو قرآن مجید یاد ہے اس کے سبب میں نے تمہارا اس سے نکاح کر دیا اگر اس کو تعلیم پر محمول کیا جائے یا مہر کی بالکلیہ نفی کر دی جائے تو وہ قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے۔

وَاُحِلَّ لَكُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمۡ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ (النساء:24)

اور محرمات کے علاوہ باقی عورتیں تم پر حلال کر دی گئی ہیں کہ تم ان کو اپنے مال سے طلب کرو۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مال کو مہر بنانے کا حکم دیا ہے اس لئے اس حدیث مبارکہ میں مہر معجّل کی تاویل کرنا واجب ہے اور یہ کہ اس عورت کا مہر بہ طور مال اس شخص کے ذمہ تھا جو اس وقت نہیں دیا گیا تھا اب اگر شوہر کے ذمہ اس کا مہر نہ مانا جائے تو لازم آئے گا کہ خبر واحد نے قرآن مجید کی اس آیت قطعیہ متواترہ کو منسوخ کر دیا اور اس وقت مہر کا ذکر نہ کرنے سے کوئی حرج نہیں ہوتا کیونکہ جب نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہ کیا جائے تو مہر مثل واجب ہو جاتا ہے۔

(فتح القدیر: ج:3، ص:305 تا 309 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

زیادہ مہر مقرر کی مقدار

زیادہ سے زیادہ مہر مقرر کرنے کی کوئی حد نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اگر تم کو کوئی عورت ناپسند ہو اور اس کے علاوہ دوسری عورت پسند ہو اور تم یہ ارادہ کرو کہ تم اپنی عورت کو طلاق دے کر دوسری عورت سے نکاح کر لو تو تمہارے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ مطلقہ عورت کو جو مہر دیا تھا اس کو واپس لے لو خواہ وہ ڈھیروں مال کیوں نہ ہو کیا تم اس عورت پر کوئی تہمت یا بہتان باندھ کر اس مال کو واپس لو گے اور تمہارے لئے اس عورت سے مال لینا کس طرح جائز ہوگا حالانکہ تم ایک دوسرے کے ساتھ عمل ازدواج کر کے جسمانی قرب حاصل کر چکے ہو اور تم اس عورت سے مہر پر عقد نکاح کر چکے ہو جس پر مسلمان گواہ ہو چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی ہر چیز پر گواہ ہے۔ (الوسیط: ج:1، ص:28 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام سعید بن منصور 227ھ سے روایت ہے کہ

شعبی سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا۔ سنو! عورتوں کے مہر بہت زیادہ نہ رکھا کرو۔ اگر مجھے کسی کے متعلق معلوم ہوا کہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باندھے ہوئے مہر سے زیادہ مہر باندھا ہے تو میں آپ کے مقرر کردہ مہر سے زائد رقم کو بیت المال میں داخل کردوں گا۔

اس وقت قریش کی ایک عورت نے کہا:

اے امیر المومنین! آیا اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرنا زیادہ حق دار ہے یا آپ کے حکم پر عمل کرنا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

بلکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرنا۔

اس عورت نے عرض کیا:

آپ رضی اللہ عنہ نے ابھی عورتوں کا زیادہ مہر رکھنے سے منع فرمایا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا ہے۔

اگر تم نے کسی عورت کو ڈھیروں مال بھی دیا ہو تو اس سے واپس نہ لو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ہر شخص عمر سے زیادہ فقیہ ہے آپ رضی اللہ عنہ دو یا تین بار یہ فرما کر منبر سے نیچے اتر آئے اور فرمایا میں نے تمہیں زیادہ مہر رکھنے سے منع کیا تھا سنو! اب جو شخص جتنا چاہے مہر رکھ سکتا ہے۔ (سنن سعید بن منصور: رقم الحدیث: 598)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ کوئی شخص چار سو درہم سے زیادہ مہر نہ رکھے اور جب اس عورت نے قرآن مجید کی یہ آیت پیش کی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ عزوجل مجھے معاف فرما! ہر شخص کو عمر سے زیادہ قرآن مجید کی سمجھ ہے۔

اور زبیر بن بکار نے عبداللہ بن مصعب سے روایت کیا ہے کہ

اس عورت کے اعتراض کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مرد نے خطا کی اور عورت نے درست کہا۔ (درمنثور: ج:2، ص:133)

علامہ آلوسی حنفی متوفی 1270ھ نے اس حدیث مبارکہ کو امام ابو یعلیٰ کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ شیعہ اس حدیث مبارکہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس مسئلہ کا بھی علم نہیں تھا تو وہ خلافت کے اہل کس طرح ہوسکتے ہیں۔ پھر انہوں نے ان کا یہ جواب دیا کہ اس آیت میں یہ تصریح نہیں ہے کہ قنطار مہر باندھنا جائز ہے مثلاً کوئی کہے کہ اگر فلاں شخص تمہارے بیٹے کو قتل کردے پھر بھی تم اس کو معاف کردینا اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ اس کو قتل کرنا جائز ہے اسی طرح یہاں فرمایا کہ اگر تم عورت کو قنطار دو پھر بھی اس سے واپس نہ لینا۔ اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ قنطار مہر

باندھنا جائز ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ

قرآن مجید میں قنطار دینے کا ذکر ہے نہ یہ کہ قنطار بہ طور مہر دیا جائے اس لئے اس آیت مبارکہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قنطار مہر باندھنا جائز ہے اور خاوند کا عورت کو ہبہ کر کے واپس لینا صحیح نہیں ہے۔

امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سب سے بہتر عورت وہ ہے جس کا سب سے آسان مہر ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے کہ

عورت کی سعادت یہ ہے کہ اس کا مہر سہل ہو۔ (روح المعانی: ج:4: ص:245)

ہمارے نزدیک علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ دونوں جواب صحیح نہیں ہیں کیونکہ اس حدیث مبارکہ کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ قنطار مہر باندھنا جائز ہے اور اس عورت کی رائے کو صحیح اور اپنی رائے کو خطا قرار دے کر اس سے رجوع فرمالیا تھا۔ اور یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی للّٰہیت اور بلند ہمتی کی دلیل ہے کہ بھرے مجمع میں انہوں نے اپنی رائے سے رجوع فرمالیا۔ رہا شیعہ کا اعتراض تو اس کا جواب یہ ہے کہ خلیفہ کے لئے عالم کل ہونا لازم نہیں ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زندیقوں کو جلا دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا کہ اگر میں ہوتا تو ان کو نہ جلاتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ کے عذاب کے ساتھ عذاب نہ دو اور میں ان زندیقوں کو قتل کر دیتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کو قتل کر دو۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6922)

امام حسین بن محمد بغوی متوفی 516ھ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سچ کہا اور تمام اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ مرتد کو قتل کر دیا جائے گا۔ (شرح السنۃ: ج:5: ص:431 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا آپ رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب دیا اس شخص نے کہا یہ مسئلہ اس طرح نہیں اس طرح ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے درست کہا اور میں نے خطا کی۔ اور علم والے سے زیادہ علم والا ہے۔

(جامع البیان: ج:13: ص:19 مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ کسی ایک مسئلہ کا علم نہ ہونا خلافت کے منافی نہیں اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عظمت ہے کہ انہوں نے حدیث مبارکہ کے سامنے ہونے کے بعد اپنے موقف سے رجوع فرمالیا لہٰذا یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس مسئلہ کا بھی علم نہیں تھا تو وہ خلافت کے اہل کس طرح ہوسکتے ہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا صاحبزادی سے مشورہ کئے بغیر نکاح کرنا

ایک تو یہ قول ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی صاحبزادی سے مشورہ کئے بغیر اس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نکاح کر دیا اور دوسرا قول یہ ہے کہ ہوسکتا ہے اس شریعت میں بیٹی سے مشورہ نہ کرنے کی اجازت ہو جس کی وجہ سے حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نکاح کر دیا۔

علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت (القصص: 27) اس پر دلالت کرتی ہے کہ باپ کو اختیار ہے کہ وہ اپنی کنواری بالغہ بیٹی کا اس کے مشورہ کے بغیر جہاں چاہے نکاح کر دے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے اور یہ اس باب میں بہت قوی دلیل ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علماء کرام نے بھی اس مسئلہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی موافقت کی ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا ہے کہ جب لڑکی بالغہ ہو جائے تو اس کی مرضی کے بغیر اس کا کوئی نکاح نہیں کرسکتا البتہ جب لڑکی نابالغہ ہو تو اس کا باپ یا دادا اس کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح کرسکتا ہے اور وہ نکاح لازم ہوگا۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:13، ص:250 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہ شریعت سابقہ ہے ہم پر حجت نہیں ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس کے خلاف ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے نکاح عورت کا نکاح اس کے مشورہ کے بغیر نہیں کیا جائے گا اور کنواری لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں کیا جائے گا۔

مسلمانوں نے پوچھا:

وہ اجازت کیسے دے گی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ خاموش رہے گی۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5136)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معینہ مدت کی شرط پر نکاح کرنے کو منظور کر لینا

جب حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا میرا ارادہ ہے کہ میں اپنی صاحبزادیوں میں سے ایک کا آپ کے ساتھ نکاح کر

دوں اس شرط پر کہ آپ آٹھ سال تک اجرت پر میرا کام کریں اور اگر آپ نے دس سال پورے کر دیئے تو یہ آپ کی طرف سے احسان ہوگا اور میں آپ کو مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا آپ انشاء اللہ مجھے نیک لوگوں میں سے پائیں گے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بات کو منظور کر کے کہا یہ بات میرے اور آپ کے درمیان پکی ہوگئی ہے میں نے ان دونوں میں سے جس عدت کو بھی پورا کر دیا تو مجھ سے کوئی زیادتی نہیں ہوگی اور ہمارے معاہدہ پر اللہ تعالیٰ نگہبان ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِىْ وَبَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَىَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝

(القصص:28)

موسیٰ نے کہا! یہ بات میرے اور آپ کے درمیان ہے۔ میں نے دونوں میں سے جس مدت کو بھی پورا کر دیا تو مجھ سے کوئی زیادتی نہیں ہوگی اور ہمارے اس معاہدہ پر اللہ تعالیٰ نگہبان ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کون سی عورت کے ساتھ نکاح کیا تھا؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان دو عورتوں میں سے جو چھوٹی عورت تھی ان سے نکاح کیا تھا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو مدتوں میں سے کون سی مدت پوری کی تھی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو مدت زیادہ تھی؟

اور پوچھا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو عورتوں میں سے کون سی عورت کے ساتھ نکاح کیا تھا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو ان میں چھوٹی تھی۔ (مسند البزار:رقم الحدیث:2244)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت صفورا رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت صفورا رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا۔

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی 235ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدین کے چشمہ پر پہنچے تو وہاں لوگوں کی ایک جماعت کو پایا جو جانوروں کو پانی پلا رہے تھے جب وہ پانی پلانے سے فارغ ہوئے تو کنویں پر پتھر رکھ دیا اسے دس آدمی ہی اٹھا سکتے تھے جبکہ وہ صرف دو عورتیں تھیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا:

تمہارا کیا مسئلہ ہے؟ دونوں نے بتایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پتھر کے پاس پہنچے اور اکیلے ہی اسے اٹھا دیا پھر جانوروں کو پانی پلایا۔ آپ علیہ السلام نے صرف ایک ڈول ہی نکالا تھا کہ تمام ریوڑ کو پانی پلا دیا۔ دونوں عورتیں اپنے والد محترم کے پاس آئیں اور ان سے گفتگو کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سایہ کی طرف چل دیئے اور یوں اللہ تعالیٰ کے حضور التجاء کی رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ○ ایک بچی حیا کا پیکر بن کر آئی۔ اپنا کپڑا چہرے پر ڈالی ہوئی تھی وہ ان جری خواتین کی طرح نہ تھی جو مردوں کے پاس بے باک چلی آتی ہیں۔

عورت نے کہا:

میرے والد محترم آپ کو بلا رہے ہیں تا کہ جو تو نے ریوڑ کو پانی پلایا ہے اس کا تمہیں اجر دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قیام فرمایا اور ارشاد فرمایا:

میرے پیچھے چلو اور راستہ بتاتی جاؤ کیونکہ میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ ہوا تیرے کپڑے کو لگے اور تیرے جسم کی حالت کو بیان کر دے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے والد محترم کے پاس پہنچے تو سب واقعہ سنایا۔

ان میں سے ایک نے کہا:

اے والد محترم! اس کو اجرت پر رکھ لو کیونکہ جس کو آپ علیہ السلام اجرت پر رکھ رہے ہیں وہ طاقتور اور امین ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے پوچھا:

اے بیٹی! اس کی امانت اور اس کی قوت کے بارے میں تجھے کس نے بتایا۔

بچی نے کہا:

اس کی قوت تو یہ ہے کہ اس نے اکیلے پتھر اٹھا لیا جسے دس آدمی مل کر اٹھاتے ہیں جہاں تک اس کی امانت کا تعلق ہے تو اس نے کہا میرے پیچھے چلو اور مجھے راستہ بتاتی جاؤ کیونکہ میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ تیرے کپڑوں کو ہوا لگے اور تیرے جسم کی ساخت کو بیان کر دے۔ اس چیز نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے حضرت شعیب علیہ السلام کی رغبت میں اضافہ کر دیا۔

اور حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا:

میں ارادہ کرتا ہوں کہ ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تجھ سے کر دوں انشاء اللہ تو مجھے صالح لوگوں میں سے پائے گا یعنی جو میں نے بات کہی ہے اچھی سنگت والا اور وعدہ پورا کرنے والا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

میں جو مدت بھی پوری کروں تو اس کے بعد مجھ پر کوئی زیادتی نہ کی جائے گی۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا:

ٹھیک ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

ہم جو کچھ کر رہے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نگہبان ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی کی شادی آپ علیہ السلام سے کردی اور اپنے پاس ٹھہرالیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی خدمت کے لئے کافی ہوگئے بکریاں چرانے کی ان کی خدمت کرتے اور دوسرا کوئی کام ہوتا تو وہ بھی بجالاتے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حضرت صفورا رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج:6،ص:334 مطبوعہ مکتبۃ الزمان مدینہ منورہ)

حضرت صفورا رضی اللہ عنہا کی بہن کا نام شرفا تھا

حضرت صفورا رضی اللہ عنہا کی بہن کا نام شرفا تھا۔

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی 235ھ لکھتے ہیں:

ان کی بہن کا نام شرفا تھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ج:6،ص:334 مطبوعہ مکتبۃ الزمان مدینہ منورہ)

یہی دونوں بہنیں پہلے ریوڑ چرایا کرتی تھیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شادی سے پہلے حضرت صفورا رضی اللہ عنہا اور آپ رضی اللہ عنہا کی بہن شرفا دونوں پہلے اکٹھے ریوڑ چرایا کرتی تھیں۔

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی 235ھ لکھتے ہیں:

یہی دونوں بہنیں پہلے ریوڑ چرایا کرتی تھیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ج:6،ص:334 مطبوعہ مکتبۃ الزمان مدینہ منورہ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں چرائیں

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کے درمیان ایک معاہدہ طے ہوگیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں چرایا کرتے تھے اس کے علاوہ دوسرے کام کاج بھی کردیا کرتے تھے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

آپ (حضرت شعیب علیہ السلام) ہی کی بکریاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چرائیں۔

اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

(تفسیر نعیمی: ج:8،ص:578 مطبوعہ لاہور)

حضرت شعیب علیہ السلام کی مہمان نوازی

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حضرت شعیب علیہ السلام کے گھر پہنچ گئے تو حضرت شعیب علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کو کھانا پیش کیا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابو حازم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ
جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے تو شام کے کھانے کا وقت تھا۔
حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا:
کھاؤ۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:
اَعُوْذُ بِاللّٰہِ لمیں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔
حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا:
کیا آپ بھوکے نہیں؟
آپ علیہ السلام نے کہا:
کیوں نہیں! لیکن مجھے خوف ہے کہ یہ بکریوں کو پانی پلانے کا عوض ہو جبکہ میں ایسے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں کہ ہم زمین بھر سونا بھی آخرت کے عمل کے عوض نہیں چاہتے۔
حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا:
نہیں! اللہ تعالیٰ کی قسم! لیکن یہ میرے آباء کا معمول ہے، ہم مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں اور کھانا کھلاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بیٹھ گئے اور کھانا کھالیا۔ (درمنثور: ج:5، ص:363 مطبوعہ کراچی)

مہمان نوازی حسن عمل

مہمان نوازی ایک حسن عمل ہے اور اس کا حکم احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔
حضرت ابو شریح العدوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میرے کانوں نے سنا اور میری آنکھوں نے دیکھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ مہمان کی تکریم کرے اور اس کو جائزہ دے۔
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جائزہ کیا ہے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ایک دن اور ایک رات اس کی زیادہ خاطر مدارات کرے اور تین دن اس کی ضیافت کرے اور اس سے زیادہ دن اس کی طرف سے صدقہ ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6019)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابو شریح الخزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
مہمان نوازی تین دن ہے اور جائزہ (خاطر مدارات) ایک دن ہے اور کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کے پاس اتنے دن قیام کرے کہ اس کو گناہ میں مبتلا کرے۔
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ اس کو گناہ میں کیسے مبتلا کرے گا؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
وہ اس کے پاس ایسی حالت میں قیام کرے کہ اس کے پاس اس کی مہمان نوازی کے لئے کچھ نہ ہو۔
(صحیح مسلم: رقم الحدیث: 1726)

ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابو کریمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ایک رات تو مسلمان پر مہمان کا حق ہے جو شخص کسی مسلمان کے گھر رہے تو وہ اس مسلمان پر قرض ہے اب مہمان چاہے تو میزبان سے قرض وصول کرے اور چاہے چھوڑ دے۔ (سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 3677)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت ابو کریمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو شخص کسی قوم کے ہاں مہمان ہو اور صبح تک وہ مہمان محروم رہے تو اس کی مدد کرنا ہر مسلمان پر حق ہے حتیٰ کہ اس مہمان کی ضیافت اس قوم کے مال اور ان کے کھیت سے وصول کر لی جائے۔ (سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: 3751)
ایک اور روایت میں ہے۔
حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں روانہ کرتے ہیں ہمیں ایسے لوگوں کے پاس قیام کرنا پڑتا ہے جو ہماری ضیافت نہیں کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حکم ہے؟
تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اگر تم لوگوں کے پاس جاؤ اور وہ تمہاری معمول کے مطابق مہمان نوازی کریں (تو ٹھیک) اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان سے اس قدر وصول کر لو جتنا مہمان کا میزبان پر حق ہوتا ہے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6137)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی 544ھ لکھتے ہیں:

جائزہ کا معنی ہے مہمان کو تحفہ وغیرہ پیش کرنا۔ ایک قول یہ ہے کہ تین دن مہمان کو کھانا کھلانے کے بعد اس کو روانہ کرے اور اس کے سفر کے لئے ایک دن ایک رات کا زادراہ پیش کرے یہ جائزہ ہے۔ تین دن سے زیادہ مہمان کا ٹھہرنا اس لئے حرام ہے کہ میزبان اس کی ضیافت کے لئے کسی ناجائز ذریعہ کو تلاش نہ کرے یا تنگ آ کر مہمان سے کوئی ناجائز بات نہ کرے۔ ایک قول یہ ہے کہ مہمان کے لئے تین دن سے زیادہ قیام کرنا اس وقت حرام ہے جب اس کو یہ علم ہو کہ میزبان کے پاس تین دن سے زیادہ اس کو کھلانے کے جائز وسائل نہیں ہیں اور اس کی وجہ سے میزبان کسی حرام کام میں مبتلا ہو جائے گا۔ تین دن سے زیادہ کی مہمان نوازی ضرورت مند پر صدقہ ہے اور جو غنی ہو اس کے لئے میزبان کی رضا اور خوشی کے بغیر مزید قیام کرنا حرام ہے۔

(اکمال المعلم: ج:6، ص21 تا 22 مطبوعہ دار الوفاء بیروت)

ایک رات کی مہمان نوازی کے وجوب کے متعلق قاضی عیاض مالکی متوفی 544ھ لکھتے ہیں: یہ احادیث مبارکہ ابتداء اسلام پر محمول ہیں جب بالعموم مسلمان تنگ دست تھے اس وقت لوگوں پر یہ واجب تھا کہ وہ مسافروں اور مہمانوں کی ضیافت کریں اور اگر وہ ضیافت نہ کریں تو مہمان کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ بقدر ضیافت ان سے جبراً وصول کر لے اور جب اللہ تعالیٰ نے فتوحات اور مال غنیمت کے ذریعہ مسلمانوں کو اس سے مستغنی کر دیا تو یہ حکم ساقط ہو گیا خصوصاً اس آیت کریمہ سے۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (البقرہ:188)

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ

یہ حدیث مبارکہ اضطرار کی حالت پر محمول ہے یعنی جب مہمان یا مسافر کو کھانے کے لئے کچھ نہ ملے اور نہ کھانے کی صورت میں اس کو موت کا خطرہ ہو تب وہ اتنی مقدار جبراً بھی لے سکتا ہے جس سے اس کی جان بچ جائے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ

پہلے اہل ذمہ پر یہ شرط لگائی گئی تھی کہ جب مجاہدین ان کے علاقے سے گزریں تو ان پر واجب ہے کہ وہ مسلمانوں کی ضیافت کریں اور یہ ان علاقوں میں شرط تھی جن کو جنگ کے ذریعہ فتح کیا گیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جو علاقے فتح کیے گئے تھے ان میں یہ شرط تھی۔ (اکمال المعلم: ج:6، ص:23 مطبوعہ دار الوفاء بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کون سی مدت پوری کی؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اکمل والی مدت پوری کی تھی۔

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی 235ھ لکھتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

ان سے پوچھا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کون سی مدت پوری کی تھی؟ فرمایا:

ان میں سے جو زیادہ اور پاکیزہ تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا رسول کوئی بات کرتا ہے تو اسے کر گزرتا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج:6،ص:335 مطبوعہ مکتبۃ الزمان مدینہ منورہ)

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی 405ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کون سی مدت پوری کی تھی؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا ان دونوں میں سے جو زیادہ مکمل تھی۔

(مستدرک: ج:2،ص:442 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف بن سرح رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کون سی مدت پوری کی تھی؟ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل امین علیہ السلام سے سوال کیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا مجھے تو اس کا کچھ علم نہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنے سے بلند مرتبہ فرشتے سے سوال کیا اس نے جواب دیا مجھے اس کا کوئی علم نہیں۔ پھر اس فرشتے نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اس مدت کو پورا کیا جس میں قسم کو زیادہ پورا کرنے کا تصور تھا زیادہ تقویٰ والی تھی اور زیادہ پاکیزگی کا باعث تھی۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک آدمی نے سوال کیا! دونوں مدتوں میں سے کس مدت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پورا کیا؟

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں تو کچھ نہیں جانتا حتیٰ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کروں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں تو کچھ نہیں جانتا حتیٰ کہ جبرائیل علیہ السلام سے پوچھوں۔

حضرت میکائیل علیہ السلام سے پوچھا۔

تو انہوں نے کہا میں تو کچھ نہیں جانتا حتیٰ کہ رفیع سے پوچھوں۔

اس نے بلند مرتبہ فرشتے سے پوچھا اس نے جواب دیا میں تو کچھ نہیں جانتا حتیٰ کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام سے پوچھوں۔

حضرت اسرافیل علیہ السلام نے بلند آواز سے پوچھا۔

اے عزت وشان والے! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کون سی مدت پوری کی۔

ارشاد فرمایا:

دونوں مدتوں سے کامل اور پاکیزہ یعنی دس سال۔

علی بن عاصم نے کہا:

ابو ہارون جب یہ حدیث بیان کرتے تو فرماتے مجھے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے وہ حضرت میکائیل علیہ السلام سے وہ رفیع سے وہ حضرت اسرافیل علیہ السلام سے وہ اللہ تعالیٰ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں مدتوں میں سے جو مکمل اور پاکیزہ یعنی دس سال کی مدت پوری کی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا دونوں مدتوں میں سے کس مدت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پورا کیا؟ ارشاد فرمایا:

ان میں سے جو زیادہ مکمل تھی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھے جبرائیل امین علیہ السلام نے کہا! اے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم!

اگر یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کریں کہ دونوں مدتوں میں کس مدت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پورا کیا تو کہنا ان میں سے جو زیادہ مکمل تھی اگر وہ پوچھیں کہ کس سے آپ علیہ السلام نے شادی کی؟ تو کہنا ان میں سے چھوٹی سے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب تجھ سے یہ پوچھا جائے کہ دونوں مدتوں میں سے کس مدت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پورا کیا؟ تو کہنا جوان میں سے بہترین اور زیادہ قسم پوری کرنے والی تھی۔ جب تجھ سے پوچھا جائے کس عورت سے آپ علیہ السلام نے شادی کی تو کہنا ان دونوں میں سے جو چھوٹی تھی یہی آئی تھی اور کہا تھا "یٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۡ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ○"

پوچھا تو نے اس کی کیا قوت دیکھی؟ تو اس نے کہا تھا اس نے بھاری پتھر پکڑا اور کنویں پر ڈال دیا۔

پوچھا تو نے اس کی کیا امانت دیکھی؟ اس نے کہا میرے پیچھے چلو اور میرے سامنے نہ چلو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کون سی مدت پوری کی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان میں سے جو زیادہ لمبی اور پاکیزہ تھی۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کس مدت کو پورا کیا؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ان میں سے جو زیادہ قسم کو پورا کرنے والی اور کامل تھی اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا جائے کس عورت سے آپ علیہ السلام نے شادی کی تو فرمایا کہ ان میں سے جو چھوٹی تھی۔
حضرت مقسم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ
میں حضرت حسن بن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے ملا۔
میں نے ان سے کہا دونوں مدتوں میں سے کون سی مدت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوری کی پہلی یا دوسری؟
آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
دوسری! (درمنثور: ج5، ص366 تا 367 مطبوعہ کراچی)
امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی 360ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا گیا کہ
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو مدتوں میں سے کون سی مدت پوری کی تھی؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو مدت زیادہ تھی!
اور پوچھا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو عورتوں میں سے کون سی عورت کے ساتھ شادی کی تھی۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جو ان میں چھوٹی تھی۔ (معجم الصغیر: رقم الحدیث: 815)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کتنے سال مدین میں رہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں کئی سال رہے۔ ایک قول کے مطابق دس سال رہے اور ایک قول کے مطابق اٹھائیس سال رہے۔
قرآن مجید میں ہے:
فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۙ (طٰہٰ: 40)
سو آپ کئی سال اہل مدین میں رہے۔

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل نے کہا:

آپ علیہ السلام وہاں دس سال رہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ

آپ علیہ السلام وہاں اٹھائیس سال رہے تھے۔ (زادالمسیر: ج:5، ص:286 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

دس سال اپنی زوجہ محترمہ کے مہر کے عوض میں رہے اور اٹھارہ سال اس کے بعد رہے

ایک قول کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں اٹھائیس سال رہے دس سال اپنی زوجہ محترمہ کے مہر میں رہے اور اٹھارہ سال اس کے بعد رہے۔

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

دوسرا قول یہ ہے کہ آپ علیہ السلام وہاں اٹھائیس سال رہے تھے دس سال اپنی بیوی صفورا کے مہر میں رہے اور اٹھارہ سال اس کے بعد رہے۔ (زادالمسیر: ج:5، ص:286 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صاحبزادہ کی پیدائش

ایک قول کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام اٹھائیس سال رہے اور آپ علیہ السلام کا صاحبزادہ وہب پیدا ہوا۔

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

دوسرا قول یہ ہے کہ آپ علیہ السلام وہاں اٹھائیس سال رہے تھے دس سال اپنی بیوی صفورا کے مہر میں رہے اور اٹھارہ سال اس کے بعد رہے حتیٰ کہ آپ علیہ السلام کا وہب نام کا بیٹا پیدا ہوا۔ (زادالمسیر: ج:5، ص:286 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حضرت شعیب علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا مبارکہ عطا فرمانا

حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا مبارکہ عطا فرمایا جس کی تفصیل یہ ہے۔

علامہ ابوالسعود محمد بن محمد مصطفیٰ العمادی حنفی متوفی 982ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ جب یہ عقد منعقد ہو گیا تو حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا آپ علیہ السلام گھر میں جائیں وہاں پر جو لاٹھیاں رکھی ہیں آپ علیہ السلام ان میں سے کوئی لاٹھی لے لیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس انبیاء کرام علیہم السلام کی لاٹھیاں تھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ لاٹھی اٹھالی جو حضرت آدم علیہ السلام کی لاٹھی تھی جس کو وہ جنت سے لائے تھے حضرت شعیب علیہ السلام نابینا ہو چکے تھے انہوں نے اس لاٹھی کو چھو کر دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی لاٹھی ہے۔

انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا۔

آپ کوئی اور لاٹھی لے لیں۔

لیکن ہر بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں یہی لاٹھی آئی تو حضرت شعیب علیہ السلام نے جان لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوئی عام شخص نہیں ہیں۔ (تفسیر ابوالسعود: ج:5،ص:121 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

آپ (حضرت شعیب علیہ السلام) ہی کے ہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا ملا جو حضرت آدم علیہ السلام سے چلا آ رہا تھا۔ (تفسیر نعیمی: ج:8،ص:578 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدت پوری ہونے پر اپنی زوجہ محترمہ کو حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس ریوڑ میں سے کچھ بکریاں مانگنے کے واسطے بھیجنا اور ان کا دے دینا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدت پوری ہونے کے بعد جب علیحدہ ہونے کا ارادہ کیا تو اپنی زوجہ محترمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا اپنے والد محترم سے سوال کرو کہ وہ اپنے ریوڑ میں سے کچھ ان کو دے دیں جن سے وہ زندگی بسر کر سکیں تو حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی صاحبزادی کو وہ بکریاں عطا فرما دیں۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

عقبہ بن منذر سلمی سے روایت ہے کہ

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ طٰس پڑھی حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ تک پہنچے اور کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آٹھ سال یا دس سال اپنی پاکدامنی اور کھانے پر مزدوری کی۔ جب مدت پوری کر دی عرض کی گئی! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہوں نے کون سی مدت پوری کی تھی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو ان میں سے زیادہ قسم کو پوری کرنے والی اور کامل تھی۔ جب حضرت شعیب علیہ السلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے علیحدہ ہونے کا ارادہ کیا تو اپنی بیوی سے کہا کہ وہ اپنے والد محترم سے سوال کرے کہ وہ اپنے ریوڑ سے کچھ اس کو دے دے جن کے ساتھ وہ زندگی گزار سکیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی صاحبزادی کو وہ بکریاں دیں جنہوں نے اسی سال بدلے رنگوں والے بچے جنتے تھے۔ آپ علیہ السلام کا ریوڑ سیاہ رنگ کا حسین تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے عصا کی طرف گئے اس کی ایک طرف کو بلند کیا پھر اس کو حوض کی پست جگہ پر رکھ دیا پھر ریوڑ کو لے آئے اور انہیں پانی پلایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حوض کے سامنے کھڑے ہو گئے اس سے کوئی بکری واپس نہ جاتی مگر اس کے پہلو میں ایک ایک بکری کھڑی کرتے۔ انہوں نے نشوونما پائی اور تین گنا ہو گئیں۔ ان سب نے بدلے رنگوں والے بچے جنے یعنی اپنی ماں کے رنگ پر نہ تھے مگر ایک بکری یا دو بکریوں نے ان میں سے کوئی بکری ایسی نہ تھی جس کا دودھ دوہے بغیر ہی بہتا رہتا ہو ان میں سے کوئی ایسی بکری بھی نہ تھی جس کے تھن کا سوراخ تنگ ہو اور نہ ہی کوئی ایسی بکری تھی جس کا دودھ کم ہو اور نہ ہی کوئی ایسی بکری تھی جس کا تھن زائد ہو اور نہ ہی کوئی ایسی بکری تھی

جس کے تھن چھوٹے ہوں جسے ہتھیلی گرفت میں نہ لے سکے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر تم شام کے ملک میں جاؤ تو ان بکریوں میں سے باقی ماندہ بکریاں دیکھو گے یہی سامریہ ہیں۔

حضرت ابن لہیعہ نے فرمایا:

خشوس سے مراد وہ بکری ہے جس کے تھن کا سوراخ کھلا ہوا اس کا دودھ خود بخود بہتا رہتا ہو۔ جنوں سے مراد وہ بکری ہے جس کی کھیری لمبی ہو اور سوراخ تنگ ہو۔ نمزور سے مراد جس کی کھیری چھوٹی ہو اور ثفول یا ثعول سے مراد جس کی کھیری پستان کی دو ہٹیوں کی طرح اور کشمہ سے مراد وہ بکری ہے جن کی کھیری اتنی چھوٹی ہو کہ ہاتھ اسے نہ پہنچ سکے۔

(درمنثور: ج:5، ص:365 مطبوعہ کراچی)

بکریوں نے رنگ برنگے بچے جنے

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھی کو اس مدت کی طرف متوجہ کیا جو ان کے درمیان طے ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی نے کہا ہر بکری جو اپنے رنگ پر بچے جنے گی تو تیرے لیے اس رنگ کی بکریاں ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قصد کیا اور پانی پر ایک ڈھانچہ سا لگا دیا جب بکریوں نے وہ ڈھانچہ دیکھا وہ یکبارگی پھریں تو سب نے چتکبرے بچے جنے سوائے ایک بکری کے وہ سال ان سب کے رنگ لے گیا۔ (تفسیر طبری: ج:20، ص:82 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور زوجہ محترمہ کا مدت پوری ہونے پر مدین سے روانہ ہونا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اکمل مدت پوری کردی تو اپنی زوجہ محترمہ کے ساتھ مدین سے روانہ ہو گئے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَ سَارَ بِاَهْلِهٖ (القصص:29)

پھر جب موسیٰ نے میعاد پوری کردی اور اپنی اہلیہ کے ساتھ روانہ ہوئے۔

حضرت شعیب علیہ السلام سے اجازت لے کر مصر واپس روانہ ہونا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اکمل مدت پوری کر دی تو حضرت شعیب علیہ السلام سے اجازت لے کر مصر واپس روانہ ہوئے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت کرنے کی مدت پوری کر دی تو وہ ان سے اجازت لے کر مصر کی طرف روانہ ہوئے۔ (جامع البیان: رقم الحدیث: 18102)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سخت سردی کے موسم میں راستہ بھولنا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت کرنے کی مدت پوری کر دی تو وہ ان سے اجازت لے کر مصر کی طرف روانہ ہوئے ان کے ساتھ ان کی اہلیہ بھی تھیں اور ایک بکری تھی اور عصا تھا جس سے وہ دن میں بکری کے لئے پتے جھاڑتے تھے اور ایک چقماق تھا جس سے وہ رات کو آگ جلا کر حرارت حاصل کرتے کیونکہ وہ انتہائی سرد موسم تھا اور برفانی راتیں تھیں جب وہ رات آئی جس میں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے مشرف کرنا چاہتا تھا اور ان کو اپنے کلام سے سرفراز کرنا چاہتا تھا اس رات حضرت موسیٰ علیہ السلام راستہ بھول گئے حتیٰ کہ انہیں پتہ نہیں چلا کہ وہ کس طرف متوجہ ہوں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

انہوں نے چقماق نکالا تا کہ اپنے اہل کے ساتھ رات گزارنے کے لئے آگ روشن کریں اس رات وہ چقماق نہ جل سکا وہ اس کو جلانے کی کوشش میں تھک گئے۔ (جامع البیان: رقم الحدیث: 18102)

سردی سے بچنے کے لئے چقماق چلانا مگر نہ چلنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ سخت سردی میں سفر کر رہے تھے اس لئے آپ علیہ السلام کو سردی سے بچنے کے لئے چقماق نکالنا پڑا تا کہ اس کو جلا کر آگ تاپ سکیں مگر وہ اس رات نہ جل سکا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آگ دیکھنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چقماق کو جلانے کی بہت کوشش کی مگر وہ نہ جل سکا حتیٰ کہ آپ علیہ السلام نے ایک مقام پر آگ دیکھی۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حتیٰ کہ آپ علیہ السلام نے ایک جگہ آگ دیکھی۔ (جامع البیان: رقم الحدیث: 18102)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طور کی جانب آگ دیکھنا اور لینے جانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور کی جانب ایک آگ دیکھی تو اپنی زوجہ محترمہ سے فرمایا کہ تم یہاں ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے شاید اس میں کوئی خبر لاؤں یا آگ کا انگارہ لاؤں جس سے تم ہاتھ تاپ سکو۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَ سَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًاۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ○ (القصص:29)

پھر جب موسیٰ نے میعاد پوری کردی اور اپنی اہلیہ کے ساتھ روانہ ہوئے تو انہوں نے طور کی جانب ایک آگ دیکھی انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا تم لوگ یہاں ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں اس کی کوئی خبر لاؤں یا آگ کا کوئی انگارہ لاؤں جس سے تم ہاتھ تاپو۔

سردی سے بچاؤ کے لئے آگ لینے جانا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی مدت پوری کر لی تو اپنی اہلیہ کو لے کر چل پڑے پھر راستہ بھول گئے موسم سردیوں کا تھا آپ علیہ السلام کے لئے آگ بلند کی گئی جب اسے دیکھا تو گمان کیا یہ آگ ہے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کا نور تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا:

امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ

اگر میں تمہارے پاس کوئی خبر نہ لاؤں تو میں تمہارے پاس آگ لے آؤں گا تا کہ تم سردی سے بچاؤ کے لئے اس کو تاپو۔ (درمنثور،ج:5،ص:368 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے رب تعالیٰ کا کلام مقدس

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ کے پاس پہنچے تو آپ علیہ السلام کو وادی کے دائیں کنارے پر برکت والی زمین کے ایک ٹکڑے سے ایک درخت سے ندا فرمائی گئی کہ اے موسیٰ! بے شک میں ہی اللہ رب العٰلمین ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ○ (القصص:30)

پھر جب موسیٰ آگ کے پاس پہنچے تو انہیں اس وادی کے دائیں کنارے پر برکت والی زمین کے ٹکڑے سے ایک درخت سے ندا کی گئی کہ اے موسیٰ! بے شک میں ہی اللہ رب العٰلمین ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم اللہ کیوں کہا جاتا ہے

علامہ ابو الفضل سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو خصوصیت کے ساتھ کلیم اللہ کہا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام ازلی کو بغیر حرف اور آواز کے سنا اور اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو آواز اور حروف کے واسطہ سے سنا تو پھر خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو فرشتہ یا کتاب کی وساطت کے بغیر سنا اور اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے یہ کلام اللہ تعالیٰ کی تجلی کے بعد سنا تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ تجلی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ اور کسی نبی کے لئے واقع نہیں ہوئی۔ باقی رہا یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ کیسے علم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں علم بدیہی پیدا کر دیا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے یا ان کو معجزہ سے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور معجزہ یہ تھا کہ انہوں نے ایک ہرے بھرے درخت سے آگ نکلتی ہوئی دیکھی اور یہ امر خلاف عادت ہے اور اسی درخت سے بغیر کسی بولنے والے کے آواز آ رہی تھی اور یہ بھی امر خلاف عادت اور معجزہ ہے۔

(روح المعانی: جز:20،ص:111 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ سے کلام کرنا

جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی شب معراج میں کلام فرمایا۔

امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ روایت کرتے ہیں:

(جس کے آخری الفاظ یہ ہیں) پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساتویں آسمان سے اوپر وہاں تک گئے جس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے اور الجبار رب العزۃ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا پھر اور زیادہ قریب ہوا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب عزوجل سے دو کمانوں کی مقدار قریب ہوئے بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہوئے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو وحی کی اس میں یہ وحی کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر ہر دن اور رات میں پچاس نمازیں فرض ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیچے اتر کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روک کر پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا عہد لیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرے رب عزوجل نے مجھ سے دن اور رات میں پچاس نمازوں کا عہد لیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی واپس جایئے اور اپنی اور اپنی امت کی طرف سے کمی کی درخواست کیجئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف دیکھا گویا ان سے مشورہ طلب کر رہے ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اشارہ کیا ہاں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے ہیں تو جائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر الجبار کی طرف گئے

اور اپنے مقام پر کھڑے ہو کر عرض کیا: اے رب عزوجل! ہم سے کچھ کمی کیجئے کیونکہ میری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں کم کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹے انہوں نے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روک لیا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب عزوجل کی طرف بھیجتے رہے حتیٰ کہ پانچ نمازیں رہ گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پانچ نمازوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر روک لیا اور کہا: اے محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم)! میں اپنی قوم بنی اسرائیل کا اس سے کم پر تجربہ کر چکا ہوں وہ ان نمازوں کو پڑھنے سے کمزور پڑ گئے اور ان کو ترک کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ان کے جسموں، ان کے دلوں، ان کے بدنوں، ان کی آنکھوں اور ان کے کانوں سے زیادہ کمزور ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس جائیے اور اپنے رب عزوجل سے اس میں بھی کمی کرائیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر مشورہ لیتے تھے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام اس کو ناپسند نہیں کرتے تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچویں بار بھی لے گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میری امت کے اجسام، ان کے قلوب، ان کے کان اور ان کے بدن کمزور ہیں سو ہم سے کچھ کمی کیجئے۔

الجبار نے کہا:

یا محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے عرض کیا لبیک وسعدیك۔ فرمایا میرے قول میں تبدیلی نہیں ہوتی میں نے آپ پر جس طرح لوح محفوظ میں فرض کیا ہے سو ہر نیکی کا اجر دس گنا ہوگا پس لوح محفوظ میں یہ پچاس نمازیں ہیں اور آپ پر یہ پانچ نمازیں ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے۔

انہوں نے پوچھا:

کیا ہوا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ہم سے تخفیف کر دی گئی اور ہم کو ہر نیکی کا اجر دس گنا دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

میں اس سے کم پر بنی اسرائیل کا تجربہ کر چکا ہوں انہوں نے ان نمازوں کو ترک کر دیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس جائیے اور اپنے رب عزوجل سے کم کرائیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے موسیٰ (علیہ السلام)! اللہ تعالیٰ کی قسم! اب مجھے بار بار اپنے رب عزوجل کے پاس جانے سے حیا آتی ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 7517)

کلام کرنے کا انکار اور رد

علامہ علی بن خلف بن عبد الملک بن بطال اندلسی متوفی 449ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

شفاعت کی طویل حدیث مبارکہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول مذکور ہے، لیکن تم لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ ایسے بندے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تورات عطا فرمائی اور ان سے کلام فرمایا۔ اور اس میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اس کے برخلاف اشاعرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کلام فرمایا ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰىؕ (النجم:10)

سو وحی فرمائی اپنے عبد مکرم کی طرف جو وحی فرمائی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس استدلال کو رد کر دیا ہے اور کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَیْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَ بِكَلَامِیْ ﳲ (الاعراف:144)

اے موسیٰ! میں نے اپنی رسالت اور اپنے کلام سے تم کو لوگوں پر فضیلت دی ہے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی ہے۔

(شرح صحیح البخاری لابن بطال: ج:10، ص:510، مطبوعہ مکتبۃ الرشید ریاض)

قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی 685ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

میں نے اپنی رسالت اور اپنے کلام سے آپ کو ان لوگوں پر فضیلت دی ہے جو آپ کے زمانہ میں موجود ہیں اور ہارون ہر چند کہ نبی ہیں لیکن ان کو آپ کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور ان سے کلام نہیں کیا گیا اور نہ وہ صاحب شرع ہیں۔

(تفسیر البیضاوی مع عنایۃ القاضی: ج:4، ص:367، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی 1069ھ اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں۔

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے زمانہ کے لوگوں پر کلام کی وجہ سے فضیلت دی ہے یہ اس لئے کہا ہے کہ رسالت اور بلاواسطہ ہم کلام ہونے کی فضیلت تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی متحقق ہے سو اگر یہ قید نہ لگائی جائے تو لازم آئے گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہوں حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی افضل علی الاطلاق ہیں۔ (عنایۃ القاضی: ج:4، ص:367، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ علی بن محمد خازن شافعی متوفی 725ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی ہے کیونکہ ان کو رسالت کے لئے چن لیا ہے اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی رسالت کے لئے چن لیا ہے۔ امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تمام انسانوں پر یہ فضیلت ہے کہ ان کو رسالت کے لئے بھی چن لیا ہے اور ان کو بلاواسطہ اپنا کلام سنایا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوا اور کسی انسان میں یہ دونوں چیزیں جمع نہیں ہیں۔

(تفسیر کبیر: ج:5، ص:359 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام رازی کا یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے رسالت کے لئے بھی چن لیا ہے اور شب معراج آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاواسطہ کلام بھی فرمایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر نمازوں کو فرض فرمایا اور یا محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا ہے۔

اور اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے۔

فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی ○ (النجم:10)

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد مکرم کی طرف وحی فرمائی جو (بھی) وحی فرمائی۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بلند مقام تک لے گیا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلموں کے چلنے کی آواز سنی اور یہ چیزیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام پر بہت زیادہ شرف اور فضیلت عطا فرمائی ہے اس لیے اصل سوال کا صرف یہ جواب صحیح ہے کہ یٰمُوْسٰۤی اِنِّی اصْطَفَیْتُكَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَ بِكَلَامِیْ ۔ (الاعراف:144) کا معنیٰ یہ ہے کہ اے موسیٰ! میں نے تم کو اپنی پیغمبری سے اور اپنی ہم کلامی سے تمہارے زمانہ کے تمام لوگوں پر فضیلت دی ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان سے زیادہ بلند منصب والا اور ان سے زیادہ اشرف اور افضل اور کوئی انسان نہیں تھا وہ صاحب شریعت ظاہرہ تھے اور ان کو تورات عطا فرمائی اور یہ اس کی دلیل ہے کہ ان کو ان کے زمانہ کے تمام لوگوں پر فضیلت دی ہے جس طرح ان کی قوم کو ان کے زمانہ کے تمام لوگوں پر فضیلت دی اور فرمایا "یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَ اَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ○" (البقرہ:47) اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میں نے تم کو (تمہارے زمانہ کے) تمام لوگوں پر فضیلت دی۔ (تفسیر خازن: ج:2، ص:138 مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور)

علامہ ابو البرکات احمد بن محمد حنفی متوفی 710ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

اے موسیٰ! (علیہ السلام) میں نے تم کو تمہارے زمانہ کے لوگوں پر اپنی رسالت سے تم کو تورات دے کر اور تم سے کلام کر کے فضیلت دی ہے۔ (مدارک التنزیل علیٰ ہامش الخازن: ج:2، ص:137 مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور)

علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی 754ھ لکھتے ہیں:

ہر چند کہ اس آیت کریمہ میں علی الناس (تمام لوگوں پر) لفظ عام ہے، لیکن اس کا معنیٰ خصوص ہے یعنی میں نے تم کو اپنی

رسالت اور اپنے کلام سے تمہارے زمانہ کے لوگوں پر فضیلت دی ہے کیونکہ ان سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے جنت میں کلام فرمایا اور ان کے بعد شب معراج ہمارے نبی سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام فرمایا۔

(البحر المحیط: ج:5، ص:169 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابو السعود محمد بن محمد مصطفیٰ حنفی متوفی 982ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کریمہ کا معنیٰ ہے میں نے آپ کو آپ کے معاصرین پر اپنی رسالت اور اپنے کلام سے فضیلت دی ہے کیونکہ ہر چند کہ حضرت ہارون علیہ السلام نبی تھے لیکن ان کو آپ کی اتباع کا حکم دیا گیا تھا اور ان سے کلام نہیں فرمایا تھا اور نہ وہ صاحب شرع تھے۔ (تفسیر ابو السعود: ج:3، ص:47 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی 1137ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے زمانہ کے لوگوں پر یا ان کے معاصرین پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام سے فضیلت دی ہے۔ (روح البیان: ج:3، ص:306 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ عمر بن اسماعیل بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کر کے فرمایا کہ اس نے ان کو ان کے زمانہ کے لوگوں پر اپنی رسالت اور اپنے کلام سے فضیلت دی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اولاد آدم اور تمام اولین اور آخرین کے سردار ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس مرتبہ کے ساتھ مختص کیا کہ آپ کو خاتم الانبیاء والمرسلین بنایا اور قیامت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو باقی رکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار انبیاء کرام علیہم السلام اور رسول علیہم السلام کے پیروکاروں سے زیادہ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شرف اور فضیلت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام الخلیل ہیں پھر موسیٰ بن عمران کلیم الرحمان علیہ السلام ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر: ج:2، ص:278 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کرنے پر دلائل

علامہ ابو الفضل عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی 544ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس کی قائل تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا اور اس پر انہوں نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ○ (الشوریٰ: 51)

''کسی بشر کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ بغیر وحی کے اللہ تعالیٰ سے کلام کرے یا پردے کی اوٹ سے یا اللہ تعالیٰ کسی فرشتہ کو بھیجے اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جو اللہ تعالیٰ چاہے وہ وحی کرے بے شک اللہ تعالیٰ بہت بلند ہے، بہت حکمت والا ہے۔''

اور بعض مشائخ نے اس آیت سے اس پر استدلال کیا ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو بے حجاب دیکھا اور اس سے بلا واسطہ اور بلا کسی فرشتے کے واسطہ سے کلام کیا ہے۔ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونا تین قسم پر ہے۔

1- پردے کی اوٹ سے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام کیا۔

2- فرشتہ سے بذریعہ وحی جس طرح کہ اکثر انبیاء کرام علیہم السلام سے کلام کیا۔

3- بذریعہ وحی یعنی دل میں کوئی بات ڈال کر۔

اب کلام کرنے کی تین صورتوں میں سے صرف ایک صورت باقی بچی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ سے بالمشاہدہ کلام کیا جائے۔ (اکمال المعلم: ج: 1 ص: 531 مطبوعہ دار الوفاء بیروت)

علامہ ابو العباس احمد بن ابراہیم مالکی قرطبی متوفی 656ھ لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ شب معراج سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ کلام کیا ہے یا نہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، جعفر بن محمد، ابو الحسن اشعری اور متکلمین کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کیا ہے اور ایک جماعت نے اس کی نفی کی ہے۔

(المفہم: ج: 1 ص: 403 مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی 676ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے الشوریٰ: 51 سے ثابت کیا ہے کہ شب معراج آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا اس کے حسب ذیل جوابات ہیں۔

1- دیکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھتے وقت کلام کیا ہو پس ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھے بغیر کلام کیا ہو۔

2- یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کی صرف تین صورتیں ہیں پردے کی اوٹ سے، فرشتے کے ذریعے اور وحی سے ہوسکتا ہے کہ یہ عام مخصوص البعض ہو اور آپ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہوں۔

3- بعض علماء کرام نے کہا ہے: وحی سے مراد اللہ تعالیٰ کا کلام بلا واسطہ ہے۔

(شرح للنواوی: ج: 1 ص: 984 مطبوعہ نزار مصطفیٰ بیروت)

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام کرنے کے ساتھ دیدار الٰہی کرنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام کرنے کے ساتھ ساتھ رب تعالیٰ کا دیدار بھی کیا جس پر کثیر دلائل قرآن مجید واحادیث مبارکہ وعلماء کرام کے اقوال کی صورت میں موجود ہیں۔

قرآن مجید سے ثبوت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ سے کلام کرنے کے ساتھ ساتھ رب تعالیٰ کا دیدار بھی کیا جس پر یہ آیات کریمہ ثبوت ہیں۔

چنانچہ قرآن میں ہے۔

ذُوْ مِرَّةٍ ط فَاسْتَوٰى ٥ وَ هُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ٥ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ٥ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ٥ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ٥ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ٥ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ٥ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ٥ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ٥ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ٥ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ٥ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ٥ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ٥ (النجم:6تا18)

بہت زبردست نے پھر اللہ تعالیٰ نے استواء فرمایا اس وقت وہ (نبی) آسمان کے سب سے اونچے کنارے پر تھے پھر وہ زیادہ قریب ہوئے پھر زیادہ قریب ہوئے تو وہ دو کمانوں کی مقدار قریب ہو گئے یا اس سے بھی زیادہ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس بندے کی طرف وحی فرمائی جو بھی وحی فرمائی آپ کے قلب نے اس کی تکذیب نہ کی جو آپ کی آنکھوں نے دیکھا۔ کیا تم ان سے اس پر جھگڑ رہے ہو جو انہوں نے دیکھا۔ بے شک انہوں نے اس کو ضرور دوسری بار دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک اس کے پاس جنت الماویٰ ہے جب سدرہ کو ڈھانپ لیا اس چیز نے جس نے ڈھانپ لیا آپ کی نظر نہ کج ہوئی نہ بہکی بے شک اپنے رب کی نشانیوں میں سے سب سے بڑی نشانی کو ضرور دیکھا۔

آیت نمبر 7 کی تفسیر میں مقاتل نے کہا:

رب العزت عزوجل شب معراج سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو کمانوں کی مقدار قریب ہو گئے پھر زیادہ قریب ہوئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قرظی نے فرمایا:

سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب عزوجل کے قریب ہوئے۔

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

حضرت جبرائیل علیہ السلام اپنے رب عزوجل کے قریب ہوئے پس وہ دو کمانوں کے قریب بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہوئے۔

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ فرماتے ہیں۔

ان اقوال میں قول مختار مقاتل کا ہے کیونکہ اس کی تائید میں صحیح البخاری اور صحیح مسلم کی حدیث مبارکہ ہے۔

(زاد المسیر ج 8 ص 66 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

جس حدیث مبارکہ کا علامہ جوزی نے حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے۔

اور جب رب العزت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا حتیٰ کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو کمانوں کی مقدار قریب بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہوا۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 7517)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی 544ھ لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صحیح البخاری میں یہ حدیث مبارکہ مروی ہے۔

الجبار العزت قریب ہوا پس زیادہ قریب ہوا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دو کمانوں کی مقدار بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہوئے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 7517)

محمد بن کعب سے روایت ہے کہ

سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب عزوجل کے قریب ہوئے پس دو کمانوں کی مقدار ہو گئے۔

جعفر بن محمد نے کہا کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب عزوجل نے خود سے قریب کیا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب عزوجل سے دو کمانوں کی مقدار قریب ہو گئے۔

اور جعفر بن محمد نے کہا:

اللہ تعالیٰ کے قریب کی کوئی حد نہیں ہے اور بندوں کا قرب محدود ہے۔

نیز انہوں نے کہا:

کیا تم نے دیکھا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے قرب سے کیسے حجاب میں تھے اور سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے قریب ہوئے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں معرفت اور ایمان کو رکھا گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سکون قلب سے وہاں تک قریب ہوئے جہاں تک اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریب کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے ہر قسم کا شک اور تردد زائل ہو گیا۔ (الشفاء: ج: 1 ص: 159 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ حلف اٹھا کر کہتے تھے کہ سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اپنے نزدیک بلند کیا اور تدلی کا معنیٰ یہ ہے کہ اس نے آپ کو بالکلیہ جانب قدس میں جذب کر لیا اور اسی کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں فنا ہونا کہتے ہیں۔ ہم نے جو دنا کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائی ہے یعنیٰ اللہ تعالیٰ آپ کے قریب ہوا اس کی دلیل صحیح بخاری کی وہ حدیث مبارکہ ہے کہ جبار رب العزت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا۔ (روح المعانی: ج: 27 ص: 80 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مزید رقم ہیں:

معظم صوفیہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے قریب ہوئے اس سے قرب کا وہ معنیٰ مراد ہے جو اللہ تعالیٰ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لائق ہے۔

(روح المعانی: جز:27، ص:83 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اور آیت نمبر 8 کی تفسیر میں علامہ الماوردی متوفی 450ھ لکھتے ہیں:

محمد بن کعب نے کہا:

سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب عزوجل کے قریب ہوئے۔

(النکت والعیون: ج:5، ص:393 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب عزوجل کے یا حضرت جبرائیل علیہ السلام کے قریب ہوئے۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:17، ص:83 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دو کمانوں کی مقدار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پھر قریب ہو گئے۔ (روح المعانی: جز:17، ص:80 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت محاورہ عرب کے موافق ہے کیونکہ دو سردار جب ایک دوسرے سے معاہدہ کر لیتے ہیں تو وہ اپنی دونوں کمانوں کو ملاتے ہیں اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ ان کے ہتھیار ایک ہیں اگر کوئی ان پر حملہ کرے گا تو وہ دونوں اس کے خلاف ہتھیار اٹھائیں گے۔ (تفسیر کبیر: ج:10، ص:239 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس آیت کریمہ سے واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ واحد ہے اللہ تعالیٰ کی رضا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنا اللہ تعالیٰ سے بیعت کرنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منع کرنا اللہ تعالیٰ کا منع کرنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکہ دینا رب تعالیٰ کو دھوکہ دینا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا اللہ تعالیٰ کو ایذاء پہنچانا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خریدنا اللہ تعالیٰ کا خریدنا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔

قرآن مجید میں اس کی مثال درج ذیل ہیں:

1۔ قرآن مجید میں ہے:

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء:80)

جس نے رسول کی اطاعت کی تحقیق اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر لی۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے۔

2-قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ (الفتح:10)

بے شک جو لوگ رسول اللہ سے بیعت کر رہے تھے وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے تھے۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خریدنا اللہ تعالیٰ سے بیعت کرنا اور اللہ تعالیٰ سے خریدنا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پر تھا۔

3-تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۚ (الفتح:10)

اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر تھا۔

اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت عطا اور مدد اللہ تعالیٰ کی قوت عطاء اور مدد ہے۔

4-قرآن مجید میں ہے:

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی ۚ (الانفال:17)

آپ نے کنکریاں نہیں ماریں جب آپ نے کنکریاں ماری تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے کنکریاں ماری تھیں۔

اس آیت کریمہ میں یہ واضح صراحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔

ستر انصار نے مدینہ منورہ آ کر مکہ مکرمہ کی گھاٹی میں اپنی جانوں اور مالوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ جنت کے عوض فروخت کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کے عوض ان کی جانوں اور مالوں کو خریدا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

5-اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ (التوبۃ:111)

بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خریدنا اللہ تعالیٰ کا خریدنا ہے۔

منافقوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنا ایمان ظاہر کر کے اپنے گمان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکہ دیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

6-یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ (البقرۃ:9)

وہ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا تو غیر متصور ہے کیونکہ اللہ سبحانہٗ عالم الغیب ہے اور منافق بھی اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں اس لیے اس کا معنیٰ ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکہ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وہ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیتے ہیں پس معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکہ دینا اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا ہے۔

7- قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ (الاحزاب:57)

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذاء پہنچاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو ایذاء پہنچانا تو محال ہے اس لیے اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا ہے لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا اللہ تعالیٰ کو ایذاء پہنچانا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانے کا اس آیت کریمہ میں الگ سے صراحۃً ذکر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو چیز پہلے سے ضمناً سمجھ آرہی تھی اس کو صراحۃً ذکر کر کے مؤکد کر دیا گیا ہے اصطلاح میں اس کو تصریح بما علم ضمناً کہتے ہیں بعض نو مسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جنگ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لے کر ان کو آزاد کرنے کا مشورہ مال دنیا کی طمع میں دیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشورہ کو ان کی آخرت کے اعتبار سے قبول کیا تھا کہ ان میں سے بعض قیدی خود ایمان لے آئیں گے اور بعض کی اولاد اسلام قبول کر لے گی اور وہ آخرت کے عذاب سے بچ جائیں گے سو بعض نو مسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے مال دنیا کی طمع سے تھی اور آپ کا اس رائے کو قبول کرنا قیدیوں کی آخرت کی وجہ سے تھا۔

8- لیکن اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا ۖ وَاللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ (الانفال:67)

تم فدیہ سے متاع دنیا کا ارادہ کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ آخرت کا ارادہ فرما رہا تھا۔

آخرت کا ارادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ آخرت کا ارادہ کر رہا تھا معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ رب تعالیٰ کا ارادہ ہے۔

9- قرآن مجید میں ہے:

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ (التوبہ:62)

اور اللہ اور اس کا رسول اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ تم اس کو راضی کرو۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ اور رسول دونوں کا ذکر فرمایا ہے اور یُرْضُوْهُ میں ضمیر واحد ذکر کی ہے اور اس سے اس پر متنبہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا واحد ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنا اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے۔

10-قرآن مجید میں ہے:

وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ (التوبہ:74)

ان منافقوں کو صرف یہ نا گوار ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ان کو اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

اس آیت کریمہ میں بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کا ذکر فرمایا ہے اور مِنْ فَضْلِهٖ میں ضمیر واحد کا ذکر فرمایا ہے اور اس میں یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فضل واحد ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فضل کرنا اللہ تعالیٰ ہی کا فضل فرمانا ہے۔

11-قرآن مجید میں ہے:

لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ (الحجرات:1)

اللہ تعالیٰ اور رسول پر سبقت نہ کرو اور ان سے آگے نہ بڑھو۔

اللہ تعالیٰ پر سبقت کرنا اور اس سے آگے بڑھنا محال ہے اس کا تصور ہی نہیں ہو سکتا اور منع اس کام سے کیا جاتا ہے جس کا کرنا متصور ہو اس لیے اللہ تعالیٰ پر سبقت کرنے سے مراد ہے اس کے رسول پر سبقت کرنا اور اس آیت کریمہ میں یہ بتانا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سبقت کرنا اللہ تعالیٰ سے سبقت کرنا ہے پھر تائید کے لئے صراحۃً فرمایا کہ اس کے رسول سے سبقت نہ کرو۔

ہم نے یہ گیارہ آیات پیش کی ہیں جن سے یہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ واحد ہے اور اسی چیز کو "قاب قوسین او ادنی" کی مثال سے واضح کیا ہے کہ دونوں کمانیں انتہائی قریب ہیں جس طرح دو قبیلوں کے سردار اپنی کمانوں کو ملا کر یہ بتاتے ہیں کہ ایک سے صلح دوسرے سے صلح ہے اور ایک سے جنگ دوسرے سے جنگ ہے اور ایک سے خیانت دوسرے سے خیانت ہے اور ایک سے معاہدہ دوسرے سے معاہدہ ہے اور ایک سے عہد شکنی دوسرے سے عہد شکنی ہے کیونکہ دونوں کے ساتھ معاملہ واحد ہے۔

اور سورہ النجم کی دسویں آیت کے تحت علامہ عبد الرحمان بن علی بن محمد الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

شب معراج اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بالمشافہ اور بلا واسطہ وحی کی۔

(زاد المسیر: ج:8، ص:67 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

علامہ ابو الفضل سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ کے حبیب، اللہ تعالیٰ سے غایت قریب میں پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت زیادہ ہیبت طاری ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ازالہ کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر انتہائی لطف و کرم فرمایا اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ؒ (النجم:10)

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس بندے کی طرف وحی فرمائی جو بھی وحی فرمائی۔

گویا جو ہونا تھا وہ ہوا اور حبیب نے اپنے حبیب سے وہ کہا جو ایک حبیب دوسرے حبیب سے کہتا ہے اور آپ سے وہ راز کی باتیں کیں جو راز ایک حبیب اپنے حبیب سے کہتا ہے پس دونوں نے اس راز کو مخفی رکھا اور ان کے راز و نیاز پر کوئی بھی مطلع نہیں ہوا۔ (روح المعانی: جز:27، ص:83 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اور سورۃ النجم کی آیت نمبر 11 کی تفسیر میں علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی متوفی 450ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کو بیداری میں اپنے رب عزوجل کو اپنے سر اقدس کی آنکھوں سے دیکھا۔

محمد بن کعب نے فرمایا:

ہم نے سوال کیا! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہاں! میں نے اپنے رب عزوجل کو اپنے سر کی آنکھوں سے دوبار دیکھا ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ○ (النجم:11) (جامع البیان: جز:27، ص:65 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔ (تفسیر کبیر: ج:10، ص:241 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل ہوں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم ہوں اور سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی رؤیت حاصل ہو۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

ہم بنو ہاشم یہ کہتے ہیں کہ سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دوبار دیکھا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ نور ہے اس کو جہاں سے بھی دیکھا وہ نور ہی نور ہے۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث:178)

اور سورۃ النجم کی آیت نمبر 17 کی تفسیر میں علامہ عبدالرحمان بن علی بن محمد الجوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

ابن بحر نے کہا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کم نہیں ہوئی۔

وما طغی کا معنی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اقدس حق سے متجاوز نہیں ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر حد سے بڑھی نہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ادراک کرنے سے عاجز نہیں ہوئی اور نہ اس نے تخیل سے واقع کے خلاف زیادہ وہم کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر دائیں بائیں نہیں ہوئی اور نہ زیادہ ہوئی اور نہ متجاوز ہوئی۔

(زادالمسیر: ج:8، ص:71 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

علامہ قونوی حنفی متوفی 1195ھ لکھتے ہیں:

ظاہر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کی آنکھ سے اور دل کی آنکھ سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔

(حاشیۃ القونوی علی البیضاوی: ج:18، ص:281 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر جنت اور اس کی زینت کی طرف مڑی اور نہ دوزخ اور اس کے ہولناک عذاب کی طرف گئی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اللہ عزوجل کی ذات کو دیکھنے میں محو اور مستغرق رہے۔

سہل بن عبداللہ تستری نے کہا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر شب معراج اپنی ذات میں الوہیت کے دلائل کی طرف متوجہ ہوئی نہ اس رات کی عظیم نشانیوں کی طرف ملتفت ہوئی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنے رب عزوجل کی ذات کا مشاہدہ کرتے رہے اور اپنے رب عزوجل کی صفات کا مطالعہ کرتے رہے۔ (روح المعانی: جز:27، ص:83 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کریمہ سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو بیداری میں سر کی آنکھوں سے دیکھا تھا کیونکہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو قلب سے دیکھا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا:

مَا زَاغَ قلب محمد وَمَا طَغٰی

محمد کا قلب نہ بہکا نہ کج ہوا۔

اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

آپ کی بصر نہ بہکی اور نہ کج ہوئی۔

اور بصر سر کی آنکھ کو کہتے ہیں اس سے واضح ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیداری میں اپنے سر کی آنکھ سے اپنے رب

عزوجل کو دیکھا۔

حضرت البقلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اپنے رب کو دو بار دیکھا ہے اور یہ دوسری بار دیکھنے کا ماجرا ہے کیونکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بار اپنے رب عزوجل کو دیکھا تو وہاں اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کچھ نہ تھا اس لیے وہاں یہ نہیں فرمایا کہ

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی○

آپ کی بصر ادھر ادھر متوجہ ہوئی اور نہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھنے سے متجاوز ہوئی بلکہ اسی کی ذات کو دیکھنے میں محو اور مستغرق رہی اور جب آپ نے دوسری بار واپسی کے بعد اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو آپ کے سامنے جنت، دوزخ اور دیگر عجیب و غریب نشانیاں بھی تھیں لیکن آپ اور کسی طرف متوجہ نہیں ہوئے بلکہ صرف اسی کی ذات کو ٹکٹکی باندھ کر لگاتار دیکھتے رہے۔

(روح البیان: ج:9، ص:269 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

احادیث مبارکہ سے ثبوت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے کے ساتھ ساتھ دیدار بھی کیا جس کا ثبوت درج ذیل احادیث مبارکہ سے ہے۔

حدیث مبارکہ 1:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حتیٰ کہ سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ پر آئے اور جبار رب العزت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا اور پھر زیادہ قریب ہوا حتیٰ کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو کمانوں کی مقدار رہ گیا یا اس سے بھی زیادہ نزدیک۔

(صحیح البخاری: ج:2، ص:1120 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

حدیث مبارکہ 2:

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کی طرف نظر سے دیکھا۔

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا:

آیا سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو نظر سے دیکھا؟

انہوں نے فرمایا:

ہاں! اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام کے ساتھ خاص کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل ہونے کے ساتھ خاص کیا اور سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر سے دیکھنے کے ساتھ خاص کیا۔ (معجم الاوسط: رقم الحدیث: 9394)

حدیث مبارکہ: 3

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ نور ہے جس نے اس کو جہاں سے بھی دیکھا وہ نور ہی نور ہے۔ (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 178)

حدیث مبارکہ: 4

حضرت عبداللہ بن شقیق سے روایت ہے کہ

میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہوتی تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرور سوال کرتا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا:

تم کس چیز کے متعلق سوال کرتے؟

انہوں نے کہا:

میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کرتا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے؟

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا:

میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں نے نور کو دیکھا۔ (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 178)

حدیث مبارکہ: 5

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

(درمنثور: ج: 7، ص: 569 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حدیث مبارکہ: 6

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دوبار دیکھا ہے ایک بار آنکھوں سے اور ایک مرتبہ دل سے۔

(درمنثور: ج:7،ص:569 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حدیث مبارکہ:7

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے!

میں نے کہا:

کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ٘ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ج (الانعام:103)

آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں اور وہ آنکھوں کو دیکھتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

یہ اس وقت ہوگا جب وہ اپنے اس نور سے تجلی فرمائے گا جو اس کا خاص نور ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دوبار دیکھا ہے۔ (سنن ترمذی: رقم الحدیث:3279)

حدیث مبارکہ:8

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان آیات کی تفسیر میں فرمایا۔

بے شک انہوں نے اس کو دوسری بار ضرور سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندہ کی طرف وہ وحی نازل کی جو اس نے کی پھر وہ دو کمانوں کی مقدار نزدیک ہوا یا اس سے زیادہ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے۔ (جامع الترمذی: ص:472 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حدیث مبارکہ:9

حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

میدان عرفات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کعب سے ملاقات کی اور ان سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا۔ کعب نے بلند آواز سے اللہ اکبر کہا حتیٰ کہ پہاڑ گونج اٹھے۔

پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

میں بنو ہاشم ہوں۔

تو کعب نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار اور اپنے کلام کو سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقسیم کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو بار کلام فرمایا اور سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دو بار دیکھا۔

(جامع ترمذی: ص: 471 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حدیث مبارکہ: 10

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا۔ (مسند احمد: ج: 1 ص: 290 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حدیث مبارکہ: 11

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

بے شک سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عز و جل کو دیکھا۔

(الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان: ج: 1 ص: 226 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حدیث مبارکہ: 12

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں نے اپنے رب عز و جل کو دیکھا۔ (مجمع الزوائد: ج: 1 ص: 78 مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت)

حدیث مبارکہ: 13

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب تبارک کو دیکھا۔

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا:

حضرت محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عز و جل کو دیکھا؟

انہوں نے فرمایا: ہاں! اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے کلام کی خصوصیت رکھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے خلیل ہونے کی اور حضرت محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دیکھنے کی خصوصیت رکھی۔

(مجمع الزوائد: ج: 1 ص: 79 مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت)

حدیث مبارکہ:14

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دو بار دیکھا ایک مرتبہ اپنی آنکھ کے ساتھ اور ایک بار اپنے دل کے ساتھ۔ (مجمع الزوائد: ج:1 ص:79 مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت)

حدیث مبارکہ:15

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

کیا تمہیں اس پر تعجب ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے خلیل ہونا ہو، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے کلام اور سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دیدار ہو۔ (مستدرک: ج:1 ص:65 مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان روایات کو روایت کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں۔ ان مقدس نفوس نے قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کو صحیح معنوں میں امت تک پہنچایا لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ان روایات کو ذوق وشوق کے ساتھ روایت کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا۔

اقوال علماء سے ثبوت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے رب عزوجل کو دیکھنے پر کثیر علماء کرام کے اقوال ہیں۔

ان علماء کرام میں مالکیہ، حنبلیہ، شافعیہ اور حنفیہ شامل ہیں۔

ان کے مذاہب درج ذیل ہیں۔

مالکیہ علماء کے اقوال

مالکیہ علماء کے اقوال درج ذیل ہیں۔

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی کا قول

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی 544ھ لکھتے ہیں:

متقدمین علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے یا نہیں؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس کا انکار کرتی ہیں۔

مسروق سے روایت ہے کہ

انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا! اے ام المومنین! کیا سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے؟

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

تمہاری اس بات سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے جو شخص بھی تم کو یہ باتیں بتائے اس نے جھوٹ بولا۔ جو شخص بھی یہ کہے کہ سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے؟ اس نے جھوٹ بولا۔

پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ آیت کریمہ پڑھی۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ز (انعام:103)

آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔

پھر پوری حدیث مبارکہ ذکر کی۔ علماء کرام کی ایک جماعت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نظریہ کی قائل ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا مشہور قول بھی یہی ہے اس کی مثل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا تھا۔

محدثین اور فقہاء کی ایک جماعت نے کہا:

دنیا میں رویت باری ممتنع ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روای ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

اور عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دل سے دیکھا۔

اور امام ابو العالیہ سے یہ روایت کیا ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دل سے دو بار دیکھا۔

اور امام ابن اسحاق سے روایت ہے کہ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص کو بھیجا اور یہ پوچھا کہ سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

ہاں! حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے زیادہ مشہور روایت یہ ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

یہ حدیث مبارکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے متعدد اسانید سے مروی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام کے ساتھ مختص کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلت کے ساتھ اور حضرت

سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو رویت کے ساتھ خاص کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ○ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ○ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ○ (النجم: 11 تا 13)

ان کے دل نے اس کے خلاف نہ کہا جو ان کی آنکھ نے دیکھا تو جو انہوں نے دیکھا تھا تم اس پر جھگڑتے ہو اور بے شک انہوں نے اسے دوسری بار ضرور دیکھا۔

امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام اور اپنی رویت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تقسیم کر دیا۔ حضرت سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار اللہ تعالیٰ کو دیکھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو بار اللہ تعالیٰ سے کلام کیا۔

ابوالفتح رازی اور ابولیث سمرقندی نے کعب سے روایت کیا ہے کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی ملاقات ہوئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

ہم بنو ہاشم یہ کہتے ہیں کہ حضرت سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دو بار دیکھا ہے۔ یہ سن کر حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے اللہ اکبر کہا حتیٰ کہ پہاڑ گونج اٹھے اور کہا اللہ تعالیٰ نے اپنی رویت اور اپنے کلام کو حضرت محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا اور حضرت سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اُپنے قلب سے دیکھا۔

اور شریک نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا اور سمرقندی نے محمد بن کعب قرظی اور ربیع بن انس سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں نے اپنے رب عزوجل کو اپنے دل سے دیکھا ہے اور اس کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔

اور مالک بن یخامر نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ملا اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں۔

امام عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ بے شک حضرت محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم نے

اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے۔ اور یہ حدیث مبارکہ عکرمہ سے بھی مروی ہے اور بعض متکلمین نے اس حدیث مبارکہ کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔

اور امام ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ

مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔

کیا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے؟

انہوں نے کہا:

ہاں!

نقاش نے روایت کیا ہے کہ

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث مبارکہ کا قائل ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ان کلمات کو اتنی بار دہراتے کہ ان کا سانس منقطع ہو جاتا۔

ابو عمر نے کہا:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو اپنے دل سے دیکھا۔

ابن عطاء نے اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ۝ کی تفسیر میں کہا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارکہ رویت کے لئے کھول دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سینہ کلام کے لئے کھول دیا۔

ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کی ایک جماعت نے کہا کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنی بصر اور سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے اور کہا کہ جس نبی کو بھی جو معجزہ دیا گیا اس معجزہ کی مثل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی ہے اور رویت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت دی گئی ہے۔ (الشفاء: 119 تا 121 مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی کا قول

علامہ ابو عبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی 828ھ لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ آیا شب معراج سیدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا ہے یا نہیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، متقدمین کی ایک جماعت، امام ابوالحسن اشعری اور متکلمین کے ایک طائفہ کا یہ نظریہ ہے کہ اس رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا ہے اور ان کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے۔

فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ؕ (النجم:10)

تو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی اپنے عبد خاص کو جو وحی فرمائی۔

انہوں نے کہا! اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے واسطہ کے بغیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرمائی اور بعض علماء کرام نے سماع کلام کی نفی کی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ

اس وقت کلام کا سننا جائز اور اس کے یقینی ثبوت کے لئے دلیل قطعی کی ضرورت ہے اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام کے ساتھ مشرف ہونا واقع ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کلام کے ساتھ مشرف ہونے کے زیادہ لائق ہیں۔ نقاش نے حدیث معراج میں ثُمَّ دَنَا کی تفسیر میں بیان کیا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت جبرائیل علیہ السلام مجھ سے علیحدہ ہو گئے اور آوازیں منقطع ہو گئیں اس وقت میں نے اپنے رب عزوجل کا کلام سنا۔ اے محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم! تمہارے دل کو مبارک ہو۔ قریب آؤ، قریب آؤ۔

امام بزار نے روایت کیا ہے کہ

ایک فرشتہ نے کہا:

اللہ اکبر، اللہ اکبر۔

تو پردے سے آواز آئی۔

میرے بندہ نے سچ کہا، میں اکبر ہوں، میں اکبر ہوں۔ (اکمال اکمال المعلم: ج:1 ص:327 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ مالکی قرطبی کا قول

علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بصر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں رکھ دی حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھ لیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو رویت کر دیا۔

ایک قول یہ ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کی آنکھوں سے حقیقتاً دیکھا۔

پہلا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

اور صحیح مسلم میں ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دل سے دیکھا یہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کا قول ہے۔ دوسرا قول حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت کا ہے۔

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

کیا تم کو اس پر تعجب ہے کہ خلت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ہو، کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہو اور رویت حضرت سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہو۔

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

ہم بنو ہاشم یہ کہتے ہیں کہ سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دو بار دیکھا۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:17، ص:92 مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

علامہ محمد عبدالباقی زرقانی مالکی کا قول

علامہ محمد الباقی زرقانی مالکی متوفی 1122ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ

مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ آیا سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے۔

انہوں نے کہا:

ہاں!

علامہ نووی نے کہا:

یہ اکثر علماء کرام کا قول ہے۔

امام عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ سیّدنا محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے۔

امام نسائی اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہما نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو کہ خلت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے اور کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے اور دیدار سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہو۔

اور امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دو بار دیکھا ہے ایک بار سر کی آنکھوں سے اور ایک بار دل کی آنکھ سے۔

جن احادیث مبارکہ میں یہ آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دل سے اپنے رب عزوجل کو دیکھا اس سے یہ مراد نہیں ہے

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دل سے اللہ تعالیٰ کو جانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا علم ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ سے تھا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں رویت کو اس طرح پیدا کر دیا جس طرح وہ آنکھ میں رویت کو پیدا کرتا ہے کیونکہ عقلاً رویت آنکھ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ جس عضو میں چاہے رویت کو پیدا فرما دے اگرچہ آنکھ میں رویت کو پیدا فرمانا اس کی عادت جاریہ ہے۔

امام ابن خزیمہ نے سند قوی کے ساتھ روایت کیا ہے کہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں سے اپنے رب عزوجل کو دیکھا۔

خلال نے کتاب السنۃ میں مروزی سے روایت کیا ہے کہ

میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس کا انکار کرتی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ آپ ان کے اس انکار کو کس دلیل سے رد کریں گے۔

انہوں نے کہا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول سے اکبر اور راجح ہے۔

اور نقاش نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ

میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث مبارکہ کا قائل ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بار بار کہتے رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے حتیٰ کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا سانس رک گیا۔ (شرح مواہب اللدنیہ: ج:6، ص116 تا 120 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علماء شافعیہ کے اقوال

علماء شافعیہ کے اقوال حسب ذیل ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی کا قول

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

اکثر علماء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ شب معراج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کی حدیث مبارکہ میں ہے اور اس چیز کا اثبات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جو کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو نہیں

دیکھا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث پر اس کی بنیاد نہیں رکھی ان کا استدلال قرآن مجید کی آیات سے ہے۔

اور اس کا جواب یہ ہے کہ

قرآن مجید میں جس ادراک کی نفی ہے وہ ادراک علیٰ وجہ الاحاطہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا اور جب قرآن مجید میں احاطہ رویت کی نفی کی گئی ہے تو اس سے بلا احاطہ رویت کی نفی لازم نہیں آتی۔

(الدیباج: ج:1 ص:247 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی کا قول

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی 676ھ لکھتے ہیں:۔

اس بحث میں اصل چیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث مبارکہ ہے: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بھیجا اور ان سے مسئلہ میں استفسار کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

حضرت سیدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے انکار سے اس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ نہیں کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ میں نے اپنے رب عزوجل کو نہیں دیکھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے طور سے قرآن مجید سے استدلال کر کے یہ نتیجہ نکالا اور جب صحابی کوئی مسئلہ بیان کرے اور دوسرا صحابی اس کی مخالفت کرے تو اس کا قول حجت نہیں ہوتا۔ اور جب صحیح روایات کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے تو ان روایات کو قبول کرنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا واقعہ ان مسائل میں سے نہیں ہے جن کو عقل سے مستنبط کیا جا سکے یا ان کو ظن سے بیان کیا جائے یہ صرف اسی صورت پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو اور کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے ظن اور قیاس سے یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔

علامہ معمر بن راشد نے کہا:

اس مسئلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اختلاف ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے زیادہ عالم نہیں ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایات رویت باری کا اثبات کرتی ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وغیرہا کی روایات رویت کی نفی کرتی ہیں اور جب مثبت اور منفی روایات میں تعارض ہو تو مثبت روایات کو منفی پر ترجیح دی جاتی ہے۔ حاصل بحث یہ ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ شب معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کی آنکھوں سے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو دیکھا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کسی

حدیث کی بناء پر رویت کا انکار نہیں کیا۔ اگر اس سلسلہ میں ان کے پاس کوئی حدیث ہوتی تو وہ اس کا ذکر کرتیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس مسئلہ کو قرآن مجید کی آیات سے استنباط کیا ہے اس کے جواب کو ہم واضح کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (انعام:103)

نگاہیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں اور وہ سب آنکھوں کا ادراک کرتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کیونکہ ادراک سے مراد احاطہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا اور جب قرآن مجید میں احاطہ کی نفی کی گئی ہے تو اس سے بغیر احاطہ کے رویت کی نفی لازم نہیں آتی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا دوسرا استدلال اس آیت کریمہ سے ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا (شوریٰ:51)

اور اللہ تعالیٰ سے کلام کرنا کسی بشر کے لائق نہیں ہے مگر وحی سے یا پردہ کے پیچھے سے یا اللہ تعالیٰ کوئی فرشتہ بھیج دے۔

اس آیت سے استدلال کے حسب ذیل جوابات ہیں۔

1- اس آیت کریمہ میں رویت کے وقت کلام کی نفی کی گئی ہے تو یہ جائز ہے کہ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہو اس وقت اس سے کلام نہ کیا ہو۔

2- یہ آیت عام مخصوص عند البعض ہے اور اس کا مخصص وہ دلائل ہیں جن سے رویت ثابت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ عام قاعدہ یہی ہے، لیکن حضرت سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔

3- مشاہدہ کے وقت جس وحی کی نفی کی گئی ہے وہ بلا واسطہ وحی ہے اور ہوسکتا ہے کہ دیدار کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی واسطہ سے وحی کی گئی ہو۔

جمہور مفسرین کا یہ مختار ہے کہ

سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم نے شب اسراء اپنے رب عزّ و جل کا دیدار کیا۔ پھر ان کا اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے دل کی آنکھوں سے دیدار کیا یا سر کی آنکھوں سے۔ امام ابوالحسن الواحدی نے بیان کیا مفسرین نے کہا ان احادیث مبارکہ میں یہ بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اپنے رب عزّ و جل کا دیدار کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابراہیم تیمی نے یہ کہا: آپ نے دل سے دیدار کیا۔

امام ابوالحسن نے کہا:

اس رائے کے مطابق آپ نے صحیح طریقہ سے اپنے رب کو دل کی آنکھوں سے دیکھا اور وہ طریقہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی آنکھ آپ کے دل میں رکھ دی یا آپ کے دل میں ایک آنکھ پیدا کردی حتیٰ کہ آپ نے اسی طرح رویت صحیحہ کے ساتھ

اپنے رب کو دیکھا جس طرح سر کی آنکھ سے دیکھا جاتا ہے۔

امام ابوالحسن نے کہا:

اور مفسرین کی ایک جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے دیکھا یہ انس، عکرمہ، حسن اور ربیع کا قول ہے۔ (شرح طلنواوی: ج: 1 ص: 97 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی کا قول

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں رویت کی نفی کی گئی ہے وہ رویت علیٰ وجہ الاحاطہ ہے۔ نیز علامہ قرطبی نے مفہم شرح مسلم میں یہ لکھا ہے کہ الابصار جمع معرف باللام ہے اور یہ تخصیص کو قبول کرتی ہے اس لیے اس (لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ذ انعام: 103) کا معنی یہ ہے کہ کفار کی آنکھیں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتیں اور اس تخصیص پر یہ دلیل ہے کہ قرآن مجید میں کافروں کے متعلق ہے۔

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ؈ (المطففین: 15)

حق یہ ہے کہ بے شک وہ (کفار) اس دن وہی اپنے رب کے دیدار سے ضرور محروم ہوں گے۔

اور قرآن مجید میں مومنوں کے متعلق ہے۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ؈ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ؈ (قیامۃ: 22تا23)

کتنے ہی چہرے اس دن تر و تازہ ہوں گے اب رب کو دیکھتے ہوں گے۔

اور جب آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رویت جائز ہے تو دنیا میں بھی جائز ہے کیوں کہ دونوں وقتوں میں یہ حیثیت امکان کوئی فرق نہیں۔ علامہ قرطبی کا یہ استدلال بہت عمدہ ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو عقلاً دیکھنا جائز ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ مومنین آخرت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

مومن دنیا میں اللہ تعالیٰ کو اس لیے نہیں دیکھ سکتے کہ دنیا میں مومن فانی ہیں اور اللہ تعالیٰ باقی ہے اور فانی باقی کو نہیں دیکھ سکتا اور آخرت میں مومنین کو بقا عطا کی جائے گی تو پھر وہ باقی آنکھوں سے بقاء کا جلوہ دیکھ لیں گے اور اس کی تائید صحیح مسلم کی اس حدیث مبارکہ میں ہے۔ جب تک تم پر موت نہ آئے تم ہرگز اپنے رب کو نہیں دیکھ سکتے۔ تو اگر چہ عقلاً دنیا میں رویت جائز ہے لیکن شرعاً ممتنع ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رویت کے ثبوت کی دلیل یہ ہے کہ متکلم اپنے کلام کے عموم میں داخل نہیں ہوتا۔ متقدمین کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ رویت کا انکار کرتے ہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایات مختلف ہیں اور ایک جماعت کے نزدیک رویت ثابت ہے۔

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں کہ

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کا دیدار کیا ہے۔

کعب احبار، زہری، معمر اور دوسروں نے اسی پر وثوق کیا ہے۔ امام ابوالحسن اشعری اور ان کے اکثر متبعین کا بھی یہی قول ہے پھر اس میں اختلاف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو سر کی آنکھوں سے دیکھا یا دل کی آنکھوں سے دیکھا؟ اس میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں۔ بعض احادیث مبارکہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مطلقاً کہا کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا اور بعض روایات میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دل سے دیکھا اور مطلق کو مقید پر حمل کرنا واجب ہے۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے سند صحیح کے ساتھ اور امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو کہ خلت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ہو، کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہو اور رویت سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہو۔ اس حدیث مبارکہ کو امام ابن خزیمہ نے بھی روایت کیا ہے۔

اور امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کسی شخص کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بھیجا اور یہ پوچھا آیا سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا۔ ہاں!

اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دو بار اپنے دل سے دیکھا۔

اور امام ابن مردویہ نے صراحت کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کی آنکھوں سے اپنے رب عزوجل کو نہیں دیکھا اپنے دل سے دیکھا ہے۔

اور اب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نفی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثبات کو جمع کرنا ممکن ہے بایں طور کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نفی کو رویت بصری پر محمول کیا جائے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثبات کو رویت قلبی پر محمول کیا جائے اور رویت قلبی سے فقط حصول علم مراد نہیں ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا دائما علم تھا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کو اس طرح رویت حاصل ہوئی جس طرح دوسروں کو آنکھ سے رویت حاصل ہوتی ہے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے مفہم شرح مسلم میں اس مسئلہ میں توقف کرنے کو ترجیح دی ہے انہوں نے کہا اس مسئلہ میں کسی جانب بھی دلیل قطعی نہیں ہے اور دلائل متعارض ہیں اور یہ مسئلہ عملی نہیں ہے حتیٰ کہ اس میں دلائل ظنیہ کافی ہوں بلکہ یہ اعتقادی مسئلہ ہے اور اس میں دلیل قطعی کی ضرورت ہے نیز انہوں نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو یہ فرمایا کہ حضور انور

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دو بار دیکھا اس سے مراد یہ ہے کہ ایک بار سر کی آنکھ سے دیکھا اور ایک بار دل کی آنکھ سے دیکھا۔

خلال نے کتاب السنۃ میں مروزی سے روایت کیا ہے کہ

میں نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس کا انکار کرتی ہیں کہ سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا۔

ان کے اس قول کا کیا جواب ہوگا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارکہ سے مسترد کر دیا جائے گا کہ میں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول پر راجح اور مقدم ہے۔ (فتح الباری: ج:8، ص 607 تا 609 مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

علماء حنبلیہ کے اقوال

علماء حنبلیہ کے اقوال درج ذیل ہیں۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر حنبلی کا قول

حافظ عماد الدین ابن کثیر حنبلی متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا۔

عکرمہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ٘ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ٘ (انعام:103)

آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ سب آنکھوں کا ادراک کرتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

تم پر افسوس ہے یہ اس وقت ہے جب وہ اس نور کے ساتھ تجلی فرمائے جو اس کا نور ہے اور وہ غیر متناہی نور ہے اور بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دو بار دیکھا ہے۔

نیز امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ

حضرت کعب کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے میدان عرفات میں ملاقات ہوئی انہوں نے کسی چیز کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا پھر اتنے زور سے اللہ اکبر کہا کہ پہاڑ گونج اٹھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا:

ہم بنو ہاشم ہیں۔

کعب نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے اپنی رویت اور اپنے کلام کو حضرت سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دو بار کلام فرمایا اور حضرت سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دو بار دیکھا۔

اور مسروق نے کہا:

میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا۔

کیا سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

تم نے ایسی بات کہی ہے جس سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے میں نے تھوڑی دیر بعد یہ آیت پڑھی۔

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ○ (النجم:18)

بے شک انہوں نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں ضرور دیکھیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

اس سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں جو شخص تم کو یہ خبر دے کہ سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا یا آپ نے کسی حکم کو چھپا لیا یا آپ مغیبات خمسہ کو جانتے تھے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں صرف دو بار دیکھا ہے ایک مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اور ایک مرتبہ اجیاد میں۔ ان کے چھ سو پر تھے اور انہوں نے افق کو بھر لیا تھا۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

کیا تم کو اس پر تعجب ہے کہ خلت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے اور کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے اور رویت سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ ایک نور ہے میں نے اس کو جہاں سے بھی دیکھا وہ نور ہی نور ہے۔

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ

میں نے نور کو دیکھا۔

محمد بن کعب سے روایت ہے کہ:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں نے اپنے رب عزوجل کو دو بار اپنے دل سے دیکھا ہے۔

اور امام ابن جریر نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ

ہم نے عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں نے اس کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا لیکن میں نے اس کو اپنے دل سے دو بار دیکھا ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ○ (تفسیر ابن کثیر: ج:6، ص 447 تا 448 مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت)

علماء حنفیہ کے اقوال

علماء حنفیہ کے اقوال درج ذیل ہیں۔

علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری حنفی کا قول

علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری حنفی متوفی 1069ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی زیادہ مشہور روایت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اپنے رب عزوجل کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ یہ حدیث مبارکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے متعدد اسانید کے ساتھ مروی ہے اور یہ حدیث مبارکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کے منافی نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دل سے دیکھا۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ○ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ○ (النجم)

آپ کی آنکھ نے جو جلوہ دیکھا دل نے اس کی تکذیب نہیں کی آپ کی نظر ایک طرف مائل ہوئی نہ حد سے بڑھی۔

امام حاکم، امام نسائی اور امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہم نے روایت کیا ہے کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے کلام کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خاص کر لیا اور حضرت سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم کو رویت کے ساتھ خاص کر لیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل ہونے کے ساتھ خاص کر لیا۔ اس سے مراد رویت بصری ہے نہ کہ رویت قلبی کیونکہ رویت قلبی سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر نبی کو حاصل ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ

خلیل ہونا اور ہم کلام ہونا بھی سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل پھر ہم کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور خلیل ہونا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خصوصیت کیسے رہی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

ہر چند کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقام اعلیٰ پر ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہوئے اور آپ خلیل ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے محبوب بھی ہیں لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم ہونا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خلیل ہونا ایک وصف مشہور تھا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے زمین پر ہم کلام ہوا اور سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ عرش پر ہم کلام ہوا۔ (نسیم الریاض: ج:2، ص:288 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی کا قول

علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے روضہ میں لکھا ہے کہ اعلان نبوت کے دس سال بعد واقعہ معراج ہوا اور فتاویٰ میں ہے کہ نبوت کے پانچویں یا چھٹے سال معراج ہوئی۔ فاضل ملا امین عمری نے شرح ذات الشفاء میں وثوق سے لکھا ہے کہ بعثت کے بارہ سال بعد معراج ہوئی اور ابن حزم نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ معراج الربیع الاول میں ہوئی اور شرح مسلم میں لکھا ہے کہ الربیع الآخر میں ہوئی اور روضہ میں وثوق سے لکھا ہے کہ رجب میں ہوئی۔ ایک قول رمضان المبارک کا اور ایک قول شوال کا ہے اور یہ ستائیس شب کو واقع ہوئی۔ بعض نے کہا جمعہ کی شب کو ہوئی۔ بعض نے کہا ہفتہ کی شب ہوئی۔ علامہ دمیری نے ابن الاثیر سے نقل کیا ہے کہ معراج پیر کی شب ہوئی۔

(روح المعانی: ج:15، ص:7 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

مزید راقم ہیں:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب محبوب اپنے رب عزوجل سے انتہائی قریب ہوئے تو آپ پر ہیبت طاری ہوگئی۔ تب اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ انتہائی

لطف سے پیش آیا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سے وہی کہا جو حبیب، اپنے حبیب سے کہتا ہے اور ان کے مابین وہی راز و نیاز ہوئے جو حبیب اور حبیب کے درمیان راز و نیاز ہوتے ہیں۔

صوفیاءِ عظام یہ فرماتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے اس طرح قریب ہوئے جو ان کی شان کے لائق ہے اور مَا زَاغَ الْبَصَرُ کی تفسیر میں یہ کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اللہ تعالیٰ کے جلوہ سے نہیں ہٹی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنت اور اس کی زینت کی طرف ملتفت ہوئے نہ جہنم اور اس کے شعلوں کی طرف متوجہ ہوئے بلکہ جمال ذات محویت سے دیکھتے رہے اور مَا طَغٰی ٥ کی تفسیر میں کہا آپ صراط مستقیم سے نہیں ہٹے۔

ابو حفص سہروردی نے کہا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر بصیرت میں کمی نہیں ہوئی اور بصر نے بصرت سے تجاوز نہیں کیا۔

اور سہل بن عبداللہ تستری نے کہا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کو دیکھا نہ کسی اور شے کو وہ صرف جمال ذات کو دیکھتے رہے اور صفات الٰہیہ کا مطالعہ کرتے رہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اپنے رب عزوجل کے اس طرح قریب ہوئے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لائق ہے۔

(روح المعانی: ج:27، ص:54 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ملا علی بن سلطان محمد القاری حنفی کا قول

علامہ ملا علی بن سلطان محمد القاری حنفی متوفی 1014ھ لکھتے ہیں:

بہ کثرت علماء محدثین نے یہ کہا ہے کہ معراج کا واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے ہوا ہے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ متقدمین عظام، جمہور، محدثین اور فقہاء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ واقعہ معراج بعثت کے سولہ ماہ بعد ہوا۔

علامہ سبکی نے کہا:

اس پر اجماع ہے کہ واقعہ معراج مکہ مکرمہ میں ہوا اور مختار وہ ہے جو ہمارے شیخ ابو محمد دمیاطی نے کہا کہ معراج ہجرت سے ایک سال پہلے ہوئی ہے اور سید جمال الدین محدث نے روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ

واقعہ معراج ماہ رجب کی ستائیس تاریخ کو ہوا جیسا کہ حرمین شریفین میں اسی پر عمل ہوتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ

معراج ربیع الآخر میں ہوئی۔

ایک قول یہ ہے کہ

رمضان المبارک میں ہوئی۔

ایک قول یہ ہے کہ

شوال میں ہوئی اس کے علاوہ اور بھی متعدد اقوال ہیں۔ (شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض: ج:2،ص:224 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

مزید راقم ہیں۔

جمہور مفسرین کا یہ مذہب ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے پھر اس دیکھنے میں اختلاف ہے ایک جماعت کا نظریہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے آنکھوں سے نہیں دیکھا۔

امام ابوالحسن الواحدی نے کہا:

ان احادیث مبارکہ میں بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب اسراء اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابراہیم التیمی نے یہ کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قلب سے رویت صحیحہ کے ساتھ دیکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بصر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں رکھ دی تھی حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح صحیح رویت کے ساتھ دیکھا جس طرح آنکھوں سے دیکھتے ہیں میں کہتا ہوں کہ یہ عمدہ قول ہے اور بہترین توجیہ ہے اس طرح متفرق اقوال جمع ہو جاتے ہیں۔

پھر امام واحدی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا کہ

مفسرین کی ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ، عکرمہ اور ربیع کا قول ہے۔

علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

متقدمین اور متاخرین کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا شب معراج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا یا نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انکار کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے بھی یہی روایت مشہور ہے اور محدثین اور متکلمین کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں سے اپنے رب عزوجل کو دیکھا اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اور کعب احبار رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس پر قسم کھاتے تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی نظریہ ہے۔ امام ابوالحسن اشعری اور ان کے اصحاب کی ایک جماعت کا بھی یہی مذہب ہے اور ہمارے بعض مشائخ نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ آیا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ کلام کیا ہے یا نہیں؟

امام اشعری رحمۃ اللہ علیہ اور متکلمین کی ایک جماعت کا نظریہ یہ ہے کہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل سے کلام کیا ہے۔ امام جعفر بن محمد، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی منقول ہے۔ اسی طرح ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ٥ میں اختلاف ہے۔ اکثر علماء کا یہ نظریہ ہے کہ اس سے حضرت جبرائیل علیہ السلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین قرب مراد ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت حسن بصری، محمد بن کعب، جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم سے یہ مروی ہے کہ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کے مابین قرب مراد ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ سے قرب کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت عظیم مرتبہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کے انوار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں چمک رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ملکوت کے ان اسرار اور غیوب پر مطلع فرمایا ہے جس پر کسی کو اطلاع نہیں دی اور اللہ تعالیٰ نے اپنا عظیم فضل اور احسان آپ تک پہنچایا ہے اور قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ٥ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم اور بے نہایت عنایت بیش از بیش آپ کو حاصل ہو گئیں آپ اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت سے متوجہ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کی معروضات کو شرف استجابت عطا فرماتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں حدیث قدسی ہے۔
جو شخص مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں۔
(مرقات: ج:10 ص:349 مطبوعہ مکتب امدادیہ ملتان)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی کا قول

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ لکھتے ہیں: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رویت کی نفی کرتی ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رویت باری کا اثبات کرتے ہیں ان میں کیسے موافقت ہوگی۔
اس کا جواب یہ ہے کہ
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رویت بصری کا انکار کرتی ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رویت قلبی کا اثبات کرتے ہیں اور امام خزیمہ نے کتاب التوحید میں بہت تفصیل سے شب معراج میں رویت باری کو ثابت کیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے ایک مرتبہ سر کی آنکھوں سے اور ایک مرتبہ دل کی آنکھوں سے۔ (عمدۃ القاری: ج:19 ص:199 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی کا قول

شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی متوفی 1052ھ لکھتے ہیں:
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس میں اختلاف تھا کہ آیا شب معراج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے یا نہیں؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس کی نفی کرتی ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا اثبات کرتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعتیں متفق ہو گئیں۔ اسی طرح تابعین میں سے بھی بعض

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نظریہ کے قائل تھے اور بعض حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نظریہ کے قائل ہیں۔

اور علامہ محی الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ

اکثر علماء عظام کا مختار یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے اور یہ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع پر محمول ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے محض اپنے اجتہاد سے انکار کیا ہے۔

بعض علماء کرام نے یہ کہا ہے کہ

اس مسئلہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول متعین ہے کیونکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع کے بغیر یہ بات نہیں کہہ سکتے اور نہ ان کے لئے یہ جائز ہے کیونکہ اجتہاد سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ کیا سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا۔ ہاں۔ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو تسلیم کر لیا۔

اکثر مشائخ کا مختار یہ ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سبحانہ کو دیکھا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کمال حاصل ہوا جو مخلوق کی عقلوں سے ماوراء ہے اور معراج کی شب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کمال حاصل ہوا وہ تمام کمالات سے بڑھ کر تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شب اللہ تعالیٰ کا وہ قرب نصیب ہوا جو انسانی عقل سے ماوراء ہے۔ (اشعۃ اللمعات: ج:4، ص:431 مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ)

علامہ اسماعیل حقی حنفی کا قول

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی 1137ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور مجھے دیدار عطا فرمایا۔ الخ

اور بعض علماء کرام نے کہا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دل سے دیکھا ہے یہ قول سنت کے خلاف ہے اور مذہب صحیح یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ (روح البیان: ج:9، ص:222 مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی حنفی کا قول

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی حنفی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

ظہور نور کے وقت سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ادھر ادھر ہٹی نہ نور سے متجاوز ہوئی اس کے برخلاف جب کوئی شخص سورج کو دیکھتا ہے تو اس کی نظر بے اختیار ادھر ادھر ہو جاتی ہے اور آپ نے اتنے عظیم نور کو دیکھا اور آپ کی نظر ادھر ادھر

نہیں ہوئی۔ (تفسیر کبیر: ج:10، ص:246 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ عصام الدین اسماعیل بن محمد حنفی قونوی کا قول

علامہ عصام الدین اسماعیل بن محمد حنفی قونوی متوفی 1195ھ لکھتے ہیں:

ظاہر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کی آنکھ سے اور دل کی آنکھ سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔

(حاشیۃ القونوی علی البیضاوی: ج:18، ص:281 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے پر قرآنی آیات

اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے پر درج ذیل قرآنی آیات موجود ہیں۔

آیت مبارکہ: 1

قرآن مجید میں ہے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ○ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ○ (قیامۃ: 22 تا 23)

کتنے ہی چہرے اس دن تر و تازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔

آیت مبارکہ: 2

قرآن مجید میں ہے:

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ○ (المطففین: 15)

بے شک وہ اس دن اپنے رب کے دیدار سے ضرور محروم ہوں گے۔

آیت مبارکہ: 3

قرآن مجید میں ہے:

وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ○ (حم السجدۃ: 31)

اور تمہارے لئے اس جنت میں ہر وہ چیز ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ چیز ہے جس کو تم طلب کرو گے۔

اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینے پر احادیث مبارکہ

اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے پر درج ذیل احادیث مبارکہ ہیں۔

حدیث مبارکہ: 1

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم عنقریب اپنے رب عزوجل کو دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو تمہیں اس کو دیکھنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی پس اگر تم یہ کر سکتے ہو کہ طلوع آفتاب سے پہلے نماز پڑھنے سے مغلوب نہ ہو اور غروب آفتاب سے پہلے نماز پڑھنے سے مغلوب نہ ہو تو اس طرح کرو۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 554)

حدیث مبارکہ:2

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ (یونس:26)

جن لوگوں نے نیک کام کیے ان کے لیے اچھی جزاء ہے اور اس سے بھی زیادہ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ایک منادی نداء کرے گا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس تمہارا ایک وعدہ ہے وہ کہیں گے کیا اللہ تعالیٰ نے ہمارے چہرے سفید نہیں کیے اور ہم کو دوزخ سے نجات نہیں دی اور ہم کو جنت میں داخل نہیں کیا وہ کہیں گے کیوں نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

پھر حجاب کو کھول دیا جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنتیوں کے نزدیک اس سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں ہوگی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھیں۔ (سنن الترمذی: رقم الحدیث: 561)

حدیث مبارکہ:3

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اہل جنت کا ادنیٰ درجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنی جنتوں، اپنی بیویوں اور اپنی نعمتوں اور اپنے خادموں اور اپنی باندیوں کی طرف ایک ہزار سال کی مسافت سے دیکھے گا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم وہ ہوگا جو صبح اور شام اس کے چہرے کی زیارت کرے گا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ (القیامۃ:23،22)

کتنے ہی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔(سنن الترمذی:رقم الحدیث:2563)

حدیث مبارکہ:4

حضرت ابوبکر بن عبداللہ بن قیس اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دو جنتیں چاندی کی ہیں۔ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے چاندی کا ہے اور دو جنتیں سونے کی ہیں ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے سونے کا ہے اور ان لوگوں اور ان کے رب کے دیدار میں صرف اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی چادر ہے جو جنت عدن میں اس کے چہرے پر ہے۔(صحیح البخاری:رقم الحدیث:4878)

حدیث مبارکہ:5

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم نے عرض کیا:یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب عزوجل کو دیکھیں گے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب آسمان پر ابر نہ ہو تو کیا تمہیں سورج اور چاند کو دیکھنے سے کوئی تکلیف ہوتی ہے؟

ہم نے عرض کیا!نہیں!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اسی طرح تم کو اس دن اپنے رب عزوجل کو دیکھنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی جس طرح تمہیں سورج اور چاند کو دیکھنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔(صحیح البخاری:رقم الحدیث:7439)

حدیث مبارکہ:6

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم میں سے ہر شخص کے ساتھ اس کا رب عزوجل کلام فرمائے گا اس شخص کے اور اس کے رب عزوجل کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا اور نہ کوئی حجاب ہوگا جو اس کے رب عزوجل کو دیکھنے سے مانع ہو۔(صحیح البخاری:رقم الحدیث:7443)

حدیث مبارکہ:7

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور ان کے ہاتھ میں ایک سفید آئینہ تھا میں نے کہا:اے جبرائیل

علیہ السلام! یہ کیا چیز ہے۔ کہا یہ جمعہ ہے جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب عزوجل آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کرتا ہے تا کہ وہ دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے عید ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اول ہیں اور یہود و نصاریٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہمارے لیے اس عید میں کیا ہے؟

کہا۔

اس دن میں آپ (سب) کے لئے خیر ہے اس دن میں آپ (سب) کے لئے ایک ساعت ہے اس ساعت میں جو شخص بھی اپنے رب عزوجل سے خیر کی دعا کرے گا اور وہ اس کی قسمت میں ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ خیر عطا فرمائے گا اور اگر وہ خیر اس کی قسمت میں نہ ہو تو اس سے عظیم چیز کو اس کے لئے ذخیرہ کر دے گا یا اس کی قسمت میں جو شر ہو گا اس شر سے اس کو پناہ میں رکھے گا۔

میں نے کہا:

اس آئینہ میں یہ سیاہ نکتہ کیسا ہے؟

انہوں نے کہا:

یہ وہ ساعت ہے جو جمعہ کے دن قائم ہوتی ہے اور ہمارے نزدیک جمعہ تمام دنوں کا سردار ہے اور آخرت میں ہمارے نزدیک اس کا نام یوم المزید ہے۔

میں نے کہا:

تم اس دن کو یوم المزید کس وجہ سے کہتے ہو؟

انہوں نے کہا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب عزوجل نے جنت میں مشک سے زیادہ خوشبودار ایک سفید وادی بنائی ہے جب جمعۃ المبارک کا دن آتا ہے تو اللہ تعالیٰ علیین سے اپنی کرسی پر نازل ہوتا ہے حتیٰ کہ اس کرسی کے گردنور کے منبر بچھا دیئے جاتے ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام آ کر اس کرسی کے گرد بیٹھ جاتے ہیں پھر ان منبروں کے گرد سونے کی کرسیاں بچھا دی جاتی ہیں پھر صدیقین اور شہداء آ کر ان کرسیوں پر بیٹھ جاتے ہیں پھر اہل جنت آتے ہیں اور ٹیلوں پر بیٹھ جاتے ہیں پھر ان کا رب عزوجل ان سب پر تجلی فرمائے گا حتی کہ وہ سب اس کے چہرے کی طرف دیکھیں گے۔ (مسند ابو یعلی: رقم الحدیث: 4228)

حدیث مبارکہ 8:

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یہ دعا کرتے تھے۔ اے اللہ عزوجل! اپنے علم غیب سے اور مخلوق پر اپنی قدرت سے مجھے اس وقت تک زندہ رکھنا جب تک میرے لیے زندہ رہنا بہتر ہو اور مجھے اس وقت وفات دینا جب تیرے علم میں میرے لیے

وفات بہتر ہو۔اے اللہ عزوجل! میں تجھ سے غیب میں اور شہادت میں تیرے خوف کا سوال کرتا ہوں اور میں رضا اور غضب میں کلمہ حق کہنے کا سوال کرتا ہوں اور فقر اور غنا میں میانہ روی کا سوال کرتا ہوں اور میں تجھ سے ختم نہ ہونے والی نعمت کا سوال کرتا ہوں اور زائل نہ ہونے والی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سوال کرتا ہوں اور تقدیر واقع ہونے کے بعد اس پر راضی رہنے کا سوال کرتا ہوں اور موت کے بعد ٹھنڈی زندگی کا سوال کرتا ہوں اور تیرے چہرے کی طرف دیکھنے کی لذت کا اور تجھ سے ملاقات کے شوق کا سوال کرتا ہوں جو بغیر کسی ضرر اور گمراہ کرنے والے فتنہ کے حاصل ہو۔اے اللہ عزوجل! ہمیں ایمان کی زینت کے ساتھ مزین کر اور ہمیں ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والا بنا دے۔(سنن النسائی: رقم الحدیث:1304)

حدیث مبارکہ:9

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جنت کے ادنیٰ شخص کا یہ مقام ہوگا کہ وہ اپنی جنتوں کی طرف اور اپنی بیویوں کی طرف اور اپنے خادموں کی طرف اور اپنی کنیزوں کی طرف ایک ہزار سال کی مسافت سے دیکھ سکے گا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم شخص وہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے چہرے کی طرف صبح اور شام دیکھے گا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیات پڑھیں۔

وُجُوْهٌ یَّوْمَىٕذٍ نَّاضِرَةٌo اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌo (القیامۃ:22،23)(سنن الترمذی: رقم الحدیث:3327)

حدیث مبارکہ:10

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دو جنتیں چاندی کی ہیں ان کے برتن اور ان میں جو کچھ ہے وہ چاندی کا ہے اور دو جنتیں سونے کی ہیں ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے وہ سونے کا ہے اور مسلمانوں اور ان کے رب عزوجل کے دیدار کے درمیان صرف اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی چادر ہوگی جو جنت عدن میں اس کے چہرے پر ہوگی۔(صحیح البخاری: رقم الحدیث:4880)

حدیث مبارکہ:11

حضرت جریر بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھ کر فرمایا: بے شک تم لوگ اپنے رب عزوجل کو بالکل ظاہر دیکھو گے جیسا کہ تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو تمہیں اپنے رب عزوجل کو دیکھنے میں کوئی تکلیف نہیں ہوگی پس اگر تم اس کی استطاعت رکھتے ہو کہ طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے کی نماز پڑھنے سے مغلوب نہ ہو تو ایسا کرو۔(سنن ابوداؤد: رقم الحدیث:4729)

حدیث مبارکہ:12

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ہمارا ربّ عزوجل تجلی فرمائے گا حتی کہ سب اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر سجدے میں گر جائیں گے۔ پھر اللہ سبحانہ فرمائے گا اپنے سر اٹھاؤ کیونکہ یہ دن عبادت کرنے کا دن نہیں ہے۔ (سنن دارقطنی: رقم الحدیث:62)

حدیث مبارکہ:13

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
پس جب حجاب کھول دیا جائے گا تو سب اللہ سبحانہ کی طرف دیکھیں گے سو اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے اپنی رویت اور اپنے دیدار سے بڑھ کر زیادہ پسندیدہ کوئی چیز ان کو عطا نہیں کی اور نہ اس سے زیادہ ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے والی کوئی چیز عطا کی تھی۔ (سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث:187)

حدیث مبارکہ:14

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں نے عرض کیا! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم میں سے ہر شخص اپنے رب عزوجل کو دیکھے گا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ہاں! اے ابورزین!
انہوں نے پوچھا:
اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اس کی کیا علامت ہے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اے ابورزین! کیا تم میں سے ہر شخص چاند کو نہیں دیکھتا؟
ہم نے کہا: کیوں نہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
پس اللہ عزوجل تو سب سے زیادہ عظیم ہے۔ (سنن ابوداؤد: رقم الحدیث:4731)

ابلیس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کلام کرنے کی پہچان کا پوچھنا

ابلیس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا آپ علیہ السلام نے یہ کس طرح جان لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو حضرت

موسیٰ علیہ السلام نے یہ ارشاد فرمایا اس کلام کو میں نے اپنے جسم کے تمام اجزاء اور اعضاء سے سنا تھا۔

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

ایک روایت میں ہے کہ ابلیس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا۔

آپ علیہ السلام نے یہ کیسے جان لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

میں نے یہ کلام اپنے جسم کے تمام اجزاء اور اعضاء سے سنا تھا۔ (تفسیر کبیر: ج:8،ص:593 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام میں کلام سننے کی صفت پیدا فرمانا

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام میں ایک ایسی صفت پیدا کر دی تھی جس سے آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سن لیا۔ اور اس کا ادراک کر لیا۔

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اپنے برگزیدہ فرشتوں کو اپنے کلام کے سننے کے ساتھ خاص کر لیا ہے۔

استاذ ابو اسحاق نے فرمایا ہے کہ

اہل حق کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام میں ایک ایسی صفت پیدا کر دی تھی جس سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سن لیا اور اس کا ادراک کر لیا۔ (الجامع الاحکام القرآن: ج:13،ص:259 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلام عزیز سنایا

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلام عزیز سنایا۔

علامہ ابو عبد اللہ مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

عبد اللہ بن سعد بن کلاب نے یہ فرمایا ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے کلام قدیم کو ان آوازوں سے سنا جن کو اللہ تعالیٰ نے بعض اجسام میں پیدا کر دیا تھا۔

ابو المعالی نے کہا:

یہ قول مردود ہے بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بہ طور خلاف عادت اللہ تعالیٰ کا کلام سنا اور یہ آپ علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے اگر یہ بات نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہم کلام ہونے کا کوئی معنیٰ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلام عزیز سنایا اور ان میں یہ علم پیدا کر دیا کہ انہوں نے جو سنا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور جس

نے ان کو نداء کی اور ان سے کلام کیا وہ اللہ رب العلمین ہے۔

اور بعض روایات میں ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

میں نے اپنے رب عزوجل کا کلام اپنے تمام اعضاء اور اجزاء سے سنا ہے اور میں نے اس کلام کو کسی ایک جہت سے نہیں سنا۔ (الجامع الاحکام القرآن: جز:13، ص:260 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام تمام جہات سے سنا تھا؟

ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو تمام جہات سے سنا تھا۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

بعض احادیث مبارکہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام لفظی سنا تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو درخت کے اندر بلا اتحاد اور حلول کے پیدا کر دیا تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو اسی طرح ہوا میں پیدا کر دیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کلام کو اپنی دائیں جانب سے سنا تھا یا تمام جہات سے سنا تھا۔ (روح المعانی: جز:20، ص:110 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

کلیم اللہ فرمانے کی خصوصیت

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو خصوصیت کے ساتھ کلیم اللہ کہا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام ازلی کو بغیر حرف اور آواز کے سنا اور اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو آواز اور حروف کے واسطہ سے سنا تو پھر خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو فرشتہ یا کتاب کی وساطت کے بغیر سنا اور یہ کہا جائے کہ انہوں نے یہ کلام اللہ تعالیٰ کی تجلی کے بعد سنا تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ تجلی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ اور کسی نبی کے لئے واقع نہیں ہوئی۔ باقی رہا یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ کیسے علم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں علم بدیہی پیدا کر دیا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے یا ان کو معجزہ سے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور معجزہ یہ تھا کہ انہوں نے ایک ہرے بھرے درخت سے آگ نکلتی ہوئی دیکھی اور یہ امر خلاف عادت ہے اور اسی درخت سے بغیر کسی بولنے والے کے آواز آ رہی تھی اور یہ بھی امر خلاف عادت اور معجزہ ہے۔

(روح المعانی: جز:20، ص:111 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نور کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف دیکھنے کی کوئی طاقت نہ رکھتا تھا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کلام کر لیا تو کوئی شخص آپ علیہ السلام کی طرف دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی متوفی 468ھ لکھتے ہیں:

بعض روایات ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل سے کلام کر لیا تو کوئی شخص آپ علیہ السلام کی طرف دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا کیونکہ آپ علیہ السلام کے چہرے کو نور نے ڈھانپ رکھا تھا۔

(الوسیط: ج:2،ص:405 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زندگی بھر چہرے پر نقاب ڈالے رکھا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرے کو نور نے ڈھانپ رکھا تھا اس لیے آپ علیہ السلام نے زندگی بھر اپنے چہرے پر نقاب ڈالے رکھا۔

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی متوفی 468ھ لکھتے ہیں:

اس لیے آپ علیہ السلام نے زندگی بھر اپنے چہرے پر نقاب ڈالے رکھا۔ (الوسیط: ج:2،ص:405 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

زوجہ محترمہ کا چہرہ اقدس نہ دیکھنے پر عرضی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ نے آپ علیہ السلام سے کہا کہ جب سے آپ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل سے کلام کیا ہے میں نے آپ علیہ السلام کا چہرہ نہیں دیکھا۔

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی متوفی 468ھ لکھتے ہیں:

ایک دن آپ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ نے کہا جب سے آپ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل سے کلام کیا ہے میں نے آپ علیہ السلام کا چہرہ نہیں دیکھا۔ (الوسیط: ج:2،ص:405 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

چہرہ اقدس سے نقاب ہٹانے پر سورج کی طرح شعاعیں نکلنا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ نے چہرہ اقدس دیکھنے کی تمنا کی تو آپ علیہ السلام نے اپنے چہرہ اقدس سے نقاب ہٹایا جس سے سورج کی طرح شعاعیں نکل رہی تھیں۔

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی متوفی 468ھ لکھتے ہیں: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹائی تو آپ علیہ السلام کے چہرے سے سورج کی طرح شعاعیں نکل رہی تھیں۔ (الوسیط: ج:2،ص:405 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

زوجہ محترمہ کا چہرہ اقدس دیکھتے ہی اپنے چہرے پر ہاتھ رکھنا اور اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ نے جونہی آپ علیہ السلام کے چہرہ اقدس کی طرف دیکھا تو انہوں نے فوراً اپنے

چہرے پر ہاتھ رکھ لیے اور اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ میں گر گئیں۔

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی متوفی 468ھ لکھتے ہیں:

انہوں نے فوراً اپنے چہرے پر اپنے ہاتھ رکھ لیے اور اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ میں گر گئیں۔

(الوسیط: ج:2،ص:405 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

زوجہ محترمہ کا جنت میں زوجہ بننے کی خواہش کا اظہار کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ نے آپ علیہ السلام سے کہا کہ آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں آپ علیہ السلام کی زوجہ بنائے۔

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی متوفی 468ھ لکھتے ہیں:

اور اس نے کہا آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں بھی آپ علیہ السلام کی زوجہ بنائے۔

(الوسیط: ج:2،ص:405 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرمانا کہ تم میرے بعد کسی اور سے نکاح نہ کرنا

جب زوجہ محترمہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں بھی آپ علیہ السلام کی زوجہ بنائے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا یہ تمہیں حاصل ہو جائے گا مگر شرط یہ ہے کہ تم میرے بعد کسی اور سے نکاح نہ کرو کیونکہ جنت میں عورت اپنے آخری شوہر کے پاس رہتی ہے۔

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی متوفی 468ھ لکھتے ہیں:

آپ علیہ السلام نے فرمایا: یہ تم کو حاصل ہو جائے گا بہ شرطیکہ تم میرے بعد کسی اور سے نکاح نہ کرو کیونکہ جنت میں عورت اپنے آخری شوہر کے پاس رہتی ہے۔ (الوسیط: ج:2،ص:405 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن دنیا و آخرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا و آخرت میں ازواج ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝ (الاحزاب:53)

تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے رسول کو ایذاء پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ نبی کے بعد کبھی بھی ان کی بیویوں سے نکاح کرو بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت سنگین بات ہے۔

☆ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن زید سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ ایک شخص نے یہ کہا ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے فلاں زوجہ کے ساتھ نکاح کرے گا اس بات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی اور یہ بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تمہاری مائیں ہیں اور کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی ماں سے نکاح کرے۔ (جامع البیان: رقم الحدیث: 21840)

حضرت عامر سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں قیلہ بنت الاشعث ایک کنیز تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان سے حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو یہ بات سخت ناگوار گزری۔

ان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ! یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے پاس رہنے یا نہ رہنے کا اختیار دیا تھا اور ان کو حجاب میں رکھا تھا اور جب یہ اپنی قوم کے ساتھ مرتد ہو گئی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے برأت کا اظہار کر دیا تھا۔ (جامع البیان: رقم الحدیث: 21841)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

علماء کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں باقی رہیں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے ان کا نکاح زائل ہو گیا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے ان کا نکاح زائل ہو گیا تو آیا ان پر عدت ہے یا نہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ان پر عدت لازم ہے کیونکہ شوہر کی وفات سے بیوی پر عدت واجب ہوتی ہے اور عدت عبادت ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ان پر عدت واجب نہیں ہے کیونکہ عدت اس مدت کو کہتے ہیں جس میں بیویاں کسی دوسرے سے نکاح کرنے سے رکی رہتی ہیں اور کسی دوسرے شخص سے نکاح کا انتظار کرتی ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے کسی دوسرے شخص کا نکاح کرنا جائز نہ تھا اور وہ بدستور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجات تھیں۔ حدیث مبارکہ میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرے ورثاء میرے دینار کو تقسیم نہیں کریں گے میں نے اپنی ازواج کے خرچ اور اپنے عامل کے معاوضہ کے بعد جو کچھ بھی چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے فرمایا ہے کہ ابن عیینہ یہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن معتدات کے حکم میں تھیں کیونکہ ان کے لئے کبھی بھی نکاح کرنا جائز نہیں تھا' اسی لیے ان کا خرچ جاری رہا اور ان کے حجروں کو ان کے لئے باقی رکھا گیا جن میں وہ رہائش رکھتی تھیں۔ (عمدۃ القاری: ج: 14، ص: 374 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اور علامہ ماوردی متوفی 450ھ نے فرمایا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو دنیا میں میری ازواج ہیں وہی آخرت میں میری ازواج ہوں گی۔

(النکت والعیون: ج: 14، ص: 374 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر سبب اور نسب قیامت کے دن منقطع ہو جائیں گے سوا میرے سبب اور میرے نسب کے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت سنگین بات ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے نکاح کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو کبیرہ گناہوں میں سے قرار دیا اور اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہے۔ (الجامع الاحکام القرآن: جز: 14، ص: 208 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابو حیان محمد بن یوسف اندلسی غرناطی متوفی 754ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی تعظیم کی خبر دی ہے اور یہ بتایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خواہ حیات ظاہری میں ہوں یا وصال فرما چکے ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت اور عزت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور تکریم کرنا واجب ہے۔ (البحر المحیط: ج: 8، ص: 501 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے بعد چالیس دن تک جو بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھتا وہ مر جاتا تھا

اللہ تعالیٰ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہم کلام ہونے کے بعد چالیس دن تک جو بھی آپ علیہ السلام کی طرف دیکھتا تھا وہ مر جاتا تھا۔

حافظ ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

عبد الرحمان بن معاویہ ابو الحویرث سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرے پر رب العلمین کے نور کی چالیس دن تک یہ کیفیت تھی کہ جو بھی آپ علیہ السلام کی طرف دیکھتا تھا وہ مر جاتا تھا۔

(تاریخ دمشق الکبیر: ج: 64، ص: 42 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرہ اقدس پر تین دن تک نور نظر آتا رہا

اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے بعد تین دن تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرے پر نور نظر آتا رہا اور جب سے بھی آپ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل سے کلام کیا تھا اپنی زوجہ محترمہ کو ہاتھ نہیں لگایا۔

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے بعد تین دن تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرہ اقدس پر نور نظر آتا رہا اور جب سے آپ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل سے کلام کیا تھا آپ علیہ السلام نے اپنی زوجہ کو ہاتھ نہیں لگایا۔

(تاریخ دمشق الکبیر: ج:64، ص:87 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

کون سا درخت تھا؟

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشا پوری متوفی 405ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میرے سامنے اس درخت کا ذکر کیا گیا جس کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پناہ لی تھی میں ایک دن اور ایک رات چلتا رہا حتی کہ صبح کے وقت وہاں پہنچا کیا دیکھتا ہوں وہ ببول کا درخت ہے سرسبز وشاداب ہے، پتوں سے بھرا ہوا ہے۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھا اور اپنے اونٹ کو اس کی طرف مائل کیا جبکہ وہ بھوکا تھا اس نے منہ بھر کر اس سے خوراک لی۔ منہ میں گھماتا رہا مگر اسے نگل نہ سکا پھر اس کو پھینک دیا۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھا پھر میں واپس آگیا۔ (مستدرک، ج:2، ص:630 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ کی نداء

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابوبکر ثقفی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام رات کے وقت درخت کے پاس پہنچے جبکہ وہ سرسبز وشاداب تھا جبکہ آگ اس میں آ جا رہی تھی وہ آگ لینے کے لئے گئے تو وہ آپ علیہ السلام سے دور ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام گھبرا گئے تو وادی ایمن کی جانب سے نداء کی گئی کہا درخت کی دائیں جانب سے۔ آپ آواز سے مانوس ہوئے۔ عرض کی۔ تو کہاں ہے تو کہاں ہے؟ کہا گیا میں تیرے اوپر ہوں۔ عرض کی۔ میرا رب عزوجل ہے؟ فرمایا ہاں۔ (درمنثور، ج:5، ص:369 مطبوعہ کراچی)

درخت سے بلند آواز آنا

امام احمد بن حنبل متوفی 241ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ کو دیکھا تو وہ تھوڑی دور چلے حتیٰ کہ آگ کے قریب پہنچ کر ٹھہر گئے انہوں نے دیکھا وہ بہت عظیم الشان آگ تھی جو ایک سرسبز درخت کی شاخوں سے بھڑک رہی تھی اور آگ کے بھڑکنے سے درخت جلنے کے بجائے اور زیادہ سرسبز ہو رہا تھا اور اس کا حسن اور زیادہ نکھر رہا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ سوچا یہ ایسی آگ ہے کہ اس سے انگارے حاصل نہیں کیے جاسکتے وہ وہاں پر حیران کھڑے ہوئے تھے اور یہ سوچ رہے تھے کہ میں یہیں پر کھڑا رہوں یا واپس چلا جاؤں وہ اسی کیفیت میں تھے کہ اس درخت سے عمودی شکل میں آسمان کی جانب ایک نور بلند ہوا جو سورج کی شعاع کی مثل تھا اور اس پر نظر نہیں ٹھہرتی تھی وہ اسی خوف اور دہشت کی حالت میں کھڑے ہوئے تھے کہ درخت سے ایک بلند آواز آئی یا موسیٰ (علیہ السلام)! (کتاب الزہد، ص:80 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

درخت سے آسمان کی طرف نور کا جانا

امام فخر الدین عمر بن رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دیکھا کہ اس درخت سے آسمان کی طرف ایک نور جا رہا ہے اور انہوں نے فرشتوں کی تسبیح سنی تو انہوں نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے پھر جب ان کو ندا کی گئی یا موسیٰ! تو انہوں نے کہا لبیک۔ میں آپ کی آواز تو سن رہا ہوں لیکن آپ کو دیکھ نہیں رہا۔ آپ کہاں ہیں؟ فرمایا! میں تمہارے ساتھ ہوں اور تمہارے آگے ہوں اور تمہارے پیچھے ہوں اور تم کو محیط ہوں اور تم سے زیادہ قریب ہوں پھر ابلیس نے ان کے دل میں یہ شک ڈالا اور کہا تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اللہ تعالیٰ کا کلام سن رہے ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیونکہ میں اس کلام کو اپنے اوپر سے اور اپنے نیچے سے اور اپنے دائیں سے اور اپنے بائیں سے سن رہا ہوں جیسا کہ میں اپنے سامنے سے سن رہا ہوں۔ پس مجھے یقین ہو گیا کہ یہ کسی مخلوق کا کلام نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا منشاء یہ تھا کہ میں اپنے جسم کے تمام اجزاء اور تمام اعضاء سے یہ کلام سن رہا ہوں گویا کہ میرے جسم کا ہر عضو کان ہو گیا ہے۔ (تفسیر کبیر، ج:8، ص:17 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلام سننے کے وقت کیفیت

امام احمد بن حنبل متوفی 241ھ روایت کرتے ہیں: وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ

جب درخت سے نداء کی گئی اے موسیٰ! تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فوراً جواب دیا لبیک حالانکہ ان کو یہ پتہ نہیں تھا کہ ان کو کس نے پکارا ہے لیکن ان کو اس آواز سے انس ہو گیا اس لیے انہوں نے یارب لبیک کہا۔ انہوں نے کہا میں آپ کی آواز سن رہا ہوں اور میں آپ کی جگہ کو نہیں دیکھ رہا۔ آپ کہاں ہیں؟ فرمایا: میں تمہارے اوپر ہوں اور تمہارے ساتھ ہوں اور تمہارے قریب ہوں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ کلام سنا تو ان کو یقین ہو گیا کہ یہ کلام ان کے رب عزوجل کے سوا اور کسی کا نہیں ہے سو انہوں نے اپنے رب پر یقین کر لیا پس انہوں نے کہا: اے میرے معبود! میں تیرا کلام سن رہا ہوں یا تیرے رسول

کا؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: بلکہ میں ہی تم سے کلام کر رہا ہوں تم میرے قریب ہو جاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی لاٹھی کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر کھڑے ہو گئے ان کے کندھے کپکپا رہے تھے۔ ان کے قدم لڑکھڑا رہے تھے اور دل مضطرب تھا حتیٰ کہ وہ اس درخت کے قریب کھڑے ہو گئے جس سے نداء آئی تھی۔ (کتاب الزہد: ص:80 مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جوتے اتارنے کا حکم

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب آگ کے پاس پہنچے تو آپ علیہ السلام کو پکارا گیا۔

اے موسیٰ! بے شک میں آپ کا رب عزوجل ہوں لہٰذا آپ اپنے جوتے اتار دیجئے کیونکہ آپ اس وقت مقدس میدان طوی میں ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ○ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰى ○ اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ○

(طٰہٰ: 10 تا 12)

جب انہوں نے آگ کو دیکھا تو اپنی بیوی سے کہا ٹھہرو بے شک میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں اس سے تمہارے پاس کوئی انگارہ لاؤں یا آگ سے راستہ کی کوئی نشانی پاؤں جب وہ آگ کے پاس پہنچے تو انہیں پکارا گیا اے موسیٰ! بے شک میں ہی آپ کا رب ہوں سو آپ اپنے جوتے اتار دیجئے۔ بے شک آپ مقدس میدان طوی میں ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رب تعالیٰ سے کلام کرتے وقت اون کا جبہ پہنے ہوئے ہونا

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل سے کلام کیا اس دن انہوں نے اون کی چادر اور اون کا جبہ پہنا ہوا تھا اور اس کی آستینیں بھی اون کی تھیں اور شلوار بھی اون کی تھی اور ان کی نعلین مردہ گدھے کی اون کی تھی۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 1734)

وادی مقدس میں جوتیاں اتارنا

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

ابو الاحوص نے بیان کیا ہے کہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی زیارت کرنے ان کے گھر گئے اسی اثناء میں

اذان ہوگئی حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اقامت کہی اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا آپ رضی اللہ عنہ نماز پڑھایئے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

نہیں یہ آپ رضی اللہ عنہ کا گھر ہے آپ رضی اللہ عنہ نماز پڑھائیں۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور انہوں نے اپنی جوتیاں اتار دیں۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

کیا یہ وادی مقدس ہے؟

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا:

ہاں۔ (الجامع الاحکام القرآن: جز: ۱۱ ص: 94 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسالت کی خبر عطا فرمانا

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: اے موسیٰ (علیہ السلام) میں نے آپ کو اپنی رسالت کے لئے چن لیا ہے لہٰذا جو بھی آپ کی طرف وحی کی جائے تو اس کو بہ غور سنئے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ○ (طٰہٰ:13)

اور میں نے آپ کو اپنی رسالت کے لئے چن لیا ہے پس وحی کی جائے اس کو بہ غور سنئے۔

اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی عبادت کرنے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: اے موسیٰ (علیہ السلام) میں ہی اللہ تعالیٰ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں لہٰذا آپ میری عبادت کیجئے اور میرے لیے نماز قائم کیجئے۔ بے شک قیامت آنے والی ہے جس کو میں مخفی رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر شخص کو اس کی سعی کا صلہ دیا جائے لہٰذا آپ کو قیامت کے ماننے سے کوئی ایسا شخص نہ روک دے جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہو اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہو ورنہ آپ ہلاک ہو جائیں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ○ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ○ فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ○

(طٰہٰ 14 تا 16)

بے شک میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو آپ میری عبادت کیجئے اور میری یاد کے لئے نماز قائم کیجئے۔ بے شک قیامت آنے والی ہے جس کو میں مخفی رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر شخص کو اس کی سعی کا صلہ دیا جائے

پس آپ کو قیامت کے ماننے سے کوئی ایسا شخص نہ روک دے جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہو اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہو ورنہ آپ لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔

اے موسیٰ (علیہ السلام)! یہ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام یہ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى ○ (طٰہٰ:17)

اور اے موسیٰ! یہ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ میرا عصا ہے

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا اے موسیٰ (علیہ السلام) یہ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ میرا عصا ہے میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور میں اس سے بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَاٰرِبُ أُخْرٰى ○ (طٰہٰ:18)

میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور میں اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے اور بھی کئی فائدے ہیں۔

عصا کو زمین پر ڈالنے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام اس عصا کو زمین پر ڈالو۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ أَلْقِهَا يٰمُوسٰى ○ (طٰہٰ:19)

فرمایا اے موسیٰ اس کو ڈال دو۔

عصا زمین پر ڈالنا اور اس کا سانپ بن کر لہرانا

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا زمین پر ڈالنے کا حکم ارشاد فرمایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کو زمین پر ڈال دیا جونہی زمین پر ڈالا تو وہ سانپ بن کر لہرانے لگا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَأَنْ أَلْقِ عَصَاكَ ۖ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۚ (القصص:31)

اور یہ (بھی آواز آئی) کہ اپنا عصا ڈال دیں پھر جب موسیٰ نے اس کو سانپ کی طرح لہراتے ہوئے دیکھا تو وہ پیٹھ

پھیر کر چل دیئے اور واپس مڑ کر نہ دیکھا۔

ایک اور مقام پر ہے۔

فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰی ۝ (طٰہٰ:20)

موسیٰ نے اس کو ڈال دیا تو اچانک وہ ایک دوڑتا ہوا سانپ تھا۔

سانپ بننے والے عصا کو پکڑنے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: اے موسیٰ (علیہ السلام) اس کو پکڑ لو اور ڈرو مت ہم ابھی اس کو پہلی حالت کی طرف لوٹا دیں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ قف سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰی ۝ (طٰہٰ:21)

فرمایا اس کو پکڑ لو اور ڈرو مت ہم ابھی اس کو پہلی حالت کی طرف لوٹا دیں گے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

یٰمُوْسٰٓی اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ قف اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ۝ (القصص:31)

اے موسیٰ آگے بڑھیے اور خوف زدہ نہ ہوں بے شک آپ مامون رہنے والوں میں سے ہیں۔

ہاتھ کو بغل میں ڈالنے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: اپنے ہاتھ کو اپنی بغل میں ملا لیں تو وہ بغیر کسی عیب کے سفید چمکتا ہوا نکلے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاضْمُمْ یَدَكَ اِلٰی جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ اٰیَةً اُخْرٰی ۝ (طٰہٰ:22)

اور اپنا ہاتھ اپنی بغل میں ملا لیں تو وہ بغیر کسی عیب کے سفید چمکتا ہوا نکلے گا یہ دوسری نشانی ہے تاکہ ہم آپ کو اپنی بعض بڑی نشانیاں دکھائیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ وَّاضْمُمْ اِلَیْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ (القصص:32)

آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالیے وہ بغیر کسی عیب کے سفید چمکتا ہوا باہر نکلے گا اور خوف (دور کرنے) کے لئے اپنے بازو اپنے ساتھ ملا لیں۔

عصا رکھنے کے فوائد کثیرہ

عصا رکھنے کے کثیر فوائد ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

میمون بن مہران نے بیان کیا ہے کہ

عصا رکھنا انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے اور مومن کی علامت ہے۔

اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

عصا رکھنے میں چھ فضیلتیں ہیں۔

1-یہ انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔

2-صلحاء کی زینت ہے۔

3-دشمنوں کے خلاف ہتھیار ہے۔

4-کمزوروں کا مددگار ہے۔

5-منافقین کے لئے باعث پریشانی ہے۔

6-اور عبادات میں زیادتی کا باعث ہے۔

کہا جاتا ہے کہ

جب مومن کے پاس عصا ہو تو اس سے شیطان بھاگتا ہے۔ منافق اور بدکار اس سے ڈرتا ہے اور جب وہ نماز پڑھے تو اس کے لئے سترہ ہے اور جب وہ تھک جائے تو اس کے لئے قوت ہے۔ حجاج کی ایک اعرابی سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا:

اے اعرابی تم کہاں سے آرہے ہو؟

اس نے کہا:

جنگل سے آرہا ہوں۔

کہا! تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟

اس نے کہا: یہ میری لاٹھی ہے اس کو میں نماز کے وقت گاڑ لیتا ہوں اور اس کو میں اپنے دشمنوں کے لئے تیار رکھتا ہوں اور اس سے میں اپنے جانوروں کو ہنکاتا ہوں اور اس کی مدد سے میں اپنے سفر میں قوت حاصل کرتا ہوں اور چلتے وقت اس پر اعتماد کرتا ہوں تاکہ لمبے لمبے قدم رکھ سکوں اس کے ساتھ میں نہر میں داخل ہوتا ہوں اور یہ مجھے پھسلنے سے محفوظ رکھتا ہے اس پر میں اپنی چادر ڈال دیتا ہوں تو یہ مجھے دھوپ سے بچاتا ہے اس سے میں دروازہ کھٹکھٹاتا ہوں اور کتوں سے محفوظ رہتا ہوں اور یہ میرے لیے تلوار اور نیزے کا قائم مقام ہے اس سے میں درختوں کے پتے جھاڑتا ہوں اور میرے لیے اس میں اور بھی فوائد ہیں۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز: 11، ص 107 تا 108 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت عید گاہ جاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عصا اٹھایا جاتا اور عید گاہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گاڑ دیا جاتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 494)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لئے جاتے تو میں اور ایک نوجوان (حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جاتے تھے ہمارے ساتھ نیزہ یا عصا ہوتا تھا اور ہمارے ساتھ ایک مشکیزہ ہوتا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت سے فارغ ہو جاتے تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ مشکیزہ دیتے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 500)

فرشتے کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

وہب بن منبہ نے فرمایا کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا کہ آپ علیہ السلام جہاں تھے وہیں لوٹ آئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آئے اور اپنے جبہ کے پلو کو اپنے ہاتھ پر لپیٹ لیا۔

فرشتہ نے کہا:

یہ بتایئے اگر اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کو نقصان پہنچانا چاہے تو یہ کپڑا لپیٹنا آپ علیہ السلام کو بچا سکتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

نہیں! لیکن میں کمزور ہوں۔ پھر انہوں نے اپنا ہاتھ کھول کر اس کو سانپ کے منہ میں ڈال دیا تو وہ پھر دوبارہ عصا بن گیا۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:13: ص:252 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

خوف دور کرنے کا طریقہ

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جس شخص کو کبھی کسی چیز سے خوف لاحق ہو اور وہ اپنے بازو کو اپنے ساتھ ملا لے تو اس کا خوف جاتا رہے گا۔

(معالم التنزیل: ج:3: ص:534 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف جانے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: آپ فرعون کی طرف جایئے اس نے بہت سرکشی کی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿طٰہٰ:24﴾

آپ فرعون کی طرف جائیے اس نے (بہت) سرکشی کی ہے۔

دو معجزے فرعون اور اس کے درباریوں کی جانب ہیں

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کے درباریوں کی جانب دو معجزے دے کر بھیجا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿القصص:32﴾

پس آپ کے رب کی طرف سے یہ دو معجزے فرعون اور اس کے درباریوں کی جانب ہیں بے شک وہ فاسق لوگ ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک شخص کو اپنے ہاتھوں قتل ہونے کا کہنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں کہا: اے میرے رب عزوجل! میرے ہاتھ سے ان کا ایک شخص قتل ہو گیا تھا جس کی وجہ سے مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿القصص:33﴾

موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! بے شک میرے ہاتھ سے ان کا ایک آدمی قتل ہو گیا تھا سو مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رب تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں سینہ کھول دینے کا کہنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں عرض کی۔ اے میرے رب عزوجل! میرے لیے میرا سینہ کھول دے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ﴿طٰہٰ:25﴾

موسیٰ نے کہا! اے میرے رب! میرے لیے میرا سینہ کھول دے۔

رب تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں کام کو آسان بنا دینے کی عرضی

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں عرض کیا اے میرے رب عزوجل! میرے لیے میرا کام آسان کر دے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ يَسِّرْ لِيْۤ اَمْرِيْ ۝ (طٰہٰ:26)

اور میرے لیے میرا کام آسان کر دے۔

زبان کی گرہ کھول دینے کی عرضی

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں عرض کیا اے میرے رب عزوجل! میری زبان کی گرہ کھول دے کہ وہ میری بات سمجھیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۝ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ۝ (طٰہٰ:27تا28)

اور میری زبان کی گرہ کھول دے کہ وہ لوگ میری بات سمجھیں۔

حضرت ہارون علیہ السلام کو مدد کے لئے رسول بنا دینے کی عرضی

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں عرض کی کہ اے رب عزوجل! میرے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام مجھ سے زیادہ روانی سے بولنے والے ہیں تو ان کو میری مدد کے لئے رسول بنا دے کہ وہ میری تصدیق کریں گے کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ میری تکذیب کریں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْۤ ۡ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝ (القصص:34)

اور میرے بھائی ہارون مجھ سے زیادہ روانی سے بولنے والے ہیں تو ان کو میری مدد کے لئے رسول بنا دے وہ میری تصدیق کریں گے کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ میری تکذیب کریں گے۔

مدد کے لئے وزیر بنا دینے کی عرضی

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں عرض کیا کہ اے میرے رب عزوجل! میرے لیے میرے اہل میں سے ایک وزیر بنا دے۔ جو میرا بھائی ہارون ہے اس سے میری کمر کو مضبوط کر دے اور میرے مقصد میں اس کو میرا شریک کر دے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ۝ هٰرُوْنَ اَخِي ۝ اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِيْ ۝ وَ اَشْرِكْهُ فِيْۤ اَمْرِيْ ۝ (طٰہٰ:29تا32)

اور میرے لیے میرے اہل میں سے ایک وزیر بنا دے میرے بھائی ہارون کو اس سے میری کمر کو مضبوط کر دے اور میرے مقصد میں اس کو میرا شریک کر دے۔

بھلائی کا ارادہ کرنے والے کے لئے وزیر

قاسم بن محمد سے روایت ہے کہ

میں نے اپنی پھوپھی سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم میں سے جو شخص کسی منصب پر فائز ہوا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا تو اس کے لئے ایک نیک وزیر بنا دیتا ہے اگر وہ بھول جائے تو وہ اس کو یاد دلا دیتا ہے اور اگر اس کو یاد ہو تو اس کی مدد کرتا ہے۔ (سنن النسائی: رقم الحدیث: 4215)

خلیفہ کے لئے دو راز دار

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ جس کو بھی خلیفہ بناتا ہے اس کے دو راز دار ہوتے ہیں ایک راز دار اس کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور اس پر ابھارتا ہے اور دوسرا راز دار اس کو برائی کا حکم دیتا ہے اور اس پر ابھارتا ہے اور معصوم وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ معصوم رکھے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 6611)

دو دو زمین و آسمان میں وزیر

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

آسمان والوں میں سے بھی میرے دو وزیر ہیں اور زمین والوں میں سے بھی میرے دو وزیر ہیں۔ آسمان والوں میں سے میرے جو دو وزیر ہیں وہ جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام ہیں۔ زمین والوں میں سے جو میرے دو وزیر ہیں وہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: 3680)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رب تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں تسبیح کرنے کی عرضی

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں عرض کیا میرے بھائی کو میرا وزیر بنا دے اس سے میری کمر کو مضبوط کر دے اور میرے مقصد میں اس کو میرا شریک فرما دے تاکہ ہم تیری بہت تسبیح کریں اور تجھے بہت یاد کریں بے شک تو ہی ہمیں خوب دیکھنے والا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ۝ هٰرُوْنَ اَخِی ۝ اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ ۝ وَاَشْرِكْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ ۝ كَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِیْرًا ۝ وَّنَذْكُرَكَ كَثِیْرًا ۝ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا ۝ (طٰہٰ: 29 تا 35)

اور میرے لیے میرے اہل میں سے ایک وزیر بنا دے میرے بھائی ہارون کو اس سے میری کمر کو مضبوط کر دے اور

میرے مقصد میں اس کو میرا شریک کر دے تا کہ ہم تیری بہت تسبیح کریں اور تجھے یاد کریں بے شک تو ہمیں خوب دیکھنے والا ہے۔

زمین وآسمان والے رب تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں

تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے اور پرندے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ○ (النور:41)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے اور صف بہ صف اڑنے والے (پرندے) بے شک اللہ تعالیٰ ہی کی تسبیح کرتے ہیں ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے۔

کھانے کا تسبیح کرنا

کھانا رب تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے جس پر کثیر احادیث مبارکہ دلیل ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم معجزات کو برکت شمار کرتے تھے اور تم ان کو ڈرانے والی اشیاء خیال کرتے ہو۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے پانی کم ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (جس قدر پانی بھی ہے) وہ لے آؤ۔ ہم ایک برتن میں تھوڑا سا پانی لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس برتن میں اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کی برکت والے مبارک اور پاک کرنے والے پانی کی طرف آؤ اور بے شک میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی جاری ہو رہا تھا اور جس وقت کھانا کھایا جاتا تھا تو ہم کھانے کی تسبیح سنا کرتے تھے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3579)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ثرید کا طعام لایا گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ طعام تسبیح کر رہا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تسبیح سمجھ رہے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے کہا اس پیالہ کو قریب رکھو اس نے اس کو قریب رکھا۔

اس نے عرض کیا:

ہاں! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ طعام تسبیح کر رہا ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پیالہ دوسرے شخص کے قریب رکھا اس نے بھی اسی طرح کہا۔

ایک شخص نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب کو سنا دیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر اس نے کسی شخص کے پاس تسبیح نہیں پڑھی تو تم سمجھو گے اس کے کسی گناہ کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔

حضرت قیس سے روایت ہے کہ

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ایک پیالے سے کھانا کھا رہے تھے تو اس پیالہ کا طعام تسبیح کرنے لگا۔

حضرت خثیمہ سے روایت ہے کہ

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ دیگچی میں کھانا کھا رہے تھے کچھ طعام ان کے چہرے پر گرا تو وہ تسبیح کرنے لگا۔

(الخصائص الکبریٰ: ج:2، ص:125 تا126 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

کنکریوں کا تسبیح کرنا

کنکریاں بھی رب تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہیں جس طرح کہ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔

سوید بن یزید سے روایت ہے کہ

میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو مسجد میں اکیلا بیٹھے ہوئے دیکھا میں نے اس کو غنیمت جانا اور ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا میں نے ان کے سامنے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا انہوں نے کہا میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق کلمہ حق کے سوا اور کچھ نہیں کہتا اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اس موقع کی تلاش میں رہتا تھا کہ تنہائی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر کچھ حاصل کروں۔ ایک دن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر نکلتے ہوئے دیکھا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ بیٹھ گئے۔ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا! اے ابوذر رضی اللہ عنہ تم کس لیے آئے ہو۔ میں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا! اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) تم کس لیے آئے ہو؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لئے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دائیں جانب بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا! اے عمر رضی اللہ عنہ! تم کس لیے آئے ہو؟ انہوں نے بھی کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے اور وہ حضرت عمر رضی

اللہ عنہ کی دائیں جانب بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا! اے عثمان رضی اللہ عنہ! تم کس لیے آئے ہو۔ انہوں نے کہا! اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے!

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات یا نو کنکریاں لیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تسبیح پڑھنے لگیں حتیٰ کہ میں نے شہد کی مکھی کی طرح ان کے بھنبھناہٹ کی آواز سنی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کنکریوں کو رکھ دیا تو وہ خاموش ہو گئیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کنکریوں کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رکھ دیا تو وہ آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تسبیح پڑھنے لگیں حتیٰ کہ میں نے شہد کی مکھی کی طرح ان کے بھنبھناہٹ کی آواز سنی پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کنکریوں کو رکھ دیا تو وہ خاموش ہوگئیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ان کنکریوں کو رکھ دیا تو وہ آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تسبیح پڑھنے لگیں حتیٰ کہ میں نے شہد کی مکھی کی طرح ان کے بھنبھنانے کی آواز سنی پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کنکریوں کو رکھ دیا تو وہ خاموش ہوگئیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کنکریوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رکھ دیا تو وہ ان کے ہاتھ میں تسبیح پڑھنے لگیں حتیٰ کہ میں نے شہد کی مکھی کی طرح ان کے بھنبھنانے کی آواز سنی انہوں نے پھر ان کو رکھ دیا تو وہ خاموش ہوگئیں۔ (مسند البزار: رقم الحدیث: 2414)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی پھر حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ہاتھ میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی۔ (معجم الاوسط: 1265)

سواریوں کا تسبیح کرنا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنیوں اور سواریوں پر سواروں کو دیکھ کر فرمایا: سلامتی کے ساتھ سواریوں پر سوار ہو اور ان کو سلامتی کے ساتھ چھوڑ دو اور راستوں اور بازاروں میں اپنی سواریوں کو باتیں کرنے کی کرسیاں نہ بناؤ۔ سنو! بہت سی سواریاں اپنے سواروں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہیں اور ان سے عمدہ اور افضل ہوتی ہیں۔ (مسند احمد: رقم الحدیث: 15566)

چیونٹیوں کا تسبیح کرنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایک چیونٹی نے کسی نبی کو کاٹ لیا تو انہوں نے چیونٹیوں کی پوری بستی کو جلانے کا حکم دیا تب اللہ عزوجل نے ان کی طرف یہ وحی کی کہ آپ کو صرف ایک چیونٹی نے کاٹا تھا اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے والی پوری مخلوق کو ہلاک کر ڈالا۔ (سنن الکبریٰ للنسائی، رقم الحدیث: 4870)

سرسبز درخت کی تسبیح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ یا مکہ مکرمہ کے کسی باغ سے گزرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں دو ایسے انسانوں کی آوازیں سنیں جن کو قبروں میں عذاب ہو رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان کو قبروں میں عذاب ہو رہا ہے اور کسی ایسی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا جس سے بچنا دشوار ہو۔ پھر ارشاد فرمایا: کیوں نہیں ان میں سے ایک پیشاب کے قطروں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت کی ایک شاخ منگائی اور اس کے دو ٹکڑے کیے اور ہر قبر پر ایک ٹکڑا رکھ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیوں کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تک شاخیں خشک نہیں ہوں گی ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 216)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تک یہ دونوں خشک نہ ہوں تب تک یہ دونوں ٹکڑے تسبیح کرتے رہیں گے اور مسند ابوداؤد والطیالسی میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبر پر ایک ٹکڑا اور دوسری قبر پر دوسرا ٹکڑا رکھ دیا پھر ارشاد فرمایا: جب تک شاخ کے ان دونوں ٹکڑوں میں نمی رہے گی یا ان کے عذاب میں کمی رہے گی۔ ہمارے علماء کرام نے کہا اس حدیث مبارکہ سے درخت کو گاڑنے کا جواز مستفاد ہوتا ہے اور قبر کے پاس قرآن پڑھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے اور جب درخت کی وجہ سے قبر کے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے تو مومن کے قرآن مجید پڑھنے سے عذاب میں تخفیف کیوں نہیں ہوگی۔ ہم نے اپنی کتاب التذکرہ میں اس کو مفصل بیان کیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ میت کو جو ہدیہ کیا جائے اس کا ثواب اسے پہنچتا ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:10، ص:240 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

اس کا معنی یہ ہے کہ جب تک یہ شاخ تر رہے گی تسبیح کرتی رہے گی اس سے یہ کلیہ معلوم ہوا کہ ہر چیز جس میں درختوں کی نمی ہو اس کو قبر پر رکھنے سے عذاب میں تخفیف ہوگی اسی طرح ہر وہ چیز جس میں برکت ہو مثلاً اللہ تعالیٰ کا ذکر اور تلاوت قرآن بلکہ اس سے تخفیف کا ہونا زیادہ اولیٰ ہے۔ (فتح الباری: ج:1، ص:320 مطبوعہ لاہور)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تک شاخ کے یہ ٹکڑے خشک نہیں ہوں گے ان قبر والوں کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ جب تک شاخ کے یہ ٹکڑے تر رہیں گے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہیں گے اور خشک شاخ تسبیح نہیں کرتی اور قرآن مجید میں جو ہے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ ہر زندہ چیز تسبیح کرتی ہے پھر اس میں اختلاف ہے کہ ہر چیز حقیقتاً تسبیح کرتی ہے یا اس کا اپنے خالق اور صانع پر دلالت کرنا ہی اس کی تسبیح ہے محققین یہ کہتے ہیں کہ ہر چیز حقیقتاً تسبیح کرتی ہے کیونکہ عقل کے نزدیک یہ محال نہیں ہے اور قرآن مجید اور احادیث

مبارکہ میں اس کی تصریح ہے اس لیے اس کو ماننا ضروری ہے اور اس حدیث کی بناء پر علماء کرام نے قبر کے پاس قرآن مجید کی تلاوت کو مستحب قرار دیا ہے کیونکہ جب درخت کی شاخ کی تسبیح سے عذاب میں تخفیف متوقع ہے تو قرآن مجید کی تلاوت سے بہ طریق اولیٰ عذاب میں تخفیف ہوگی اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب ہر چیز حقیقتاً تسبیح کرتی ہے تو پھر شاخ کی تخصیص کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض چیزوں کی وجہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی معلوم ہوتی ہے جیسے دوزخ کے فرشتوں کی تعداد انیس ہے اس سے کم یا زیادہ نہیں۔ اس کی وجہ کا صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کو ہی علم ہے۔ رسل ملائکہ میں سے صرف حضرت جبرائیل علیہ السلام کو نازل کرنے کے ساتھ کیوں خاص کیا۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام کو روح قبض کرنے کے ساتھ کیوں خاص کیا۔ حضرت میکائیل علیہ السلام کو تقسیم رزق کے ساتھ کیوں خاص کیا اور حضرت اسرافیل علیہ السلام کو صور پھونکنے کے ساتھ کیوں خاص کیا ان کی وجوہات کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اس لیے تر شاخ کے تسبیح کرنے اور خشک شاخ کے تسبیح نہ کرنے کی وجہ بھی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے جبکہ تحقیق یہ ہے کہ ہر چیز حقیقتاً حمد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ (عمدۃ القاری: ج:3، ص:117 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ مصر)

سبحان اللہ وبحمدہ ہر چیز کی نماز

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

ایک اعرابی طیالسی جبہ پہنے ہوئے تھا جس کے ریشمی کف اور ریشمی بٹن تھے اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا۔ تمہارے پیغمبر کا یہ ارادہ ہے کہ وہ چرواہوں کو سرفراز کرے اور سرداروں کو سرنگوں کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہوئے اور اس کا جبہ کھینچتے ہوئے فرمایا: کیا میں تجھے جانوروں کا لباس پہنے ہوئے نہیں دیکھ رہا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس آ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: جب حضرت نوح علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور فرمایا میں تمہیں بہ طور وصیت کے دو چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور دو چیزوں سے منع کرتا ہوں میں تم کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دینے اور تکبر سے منع کرتا ہوں اور تم کو لا الہ الا اللہ پڑھنے کا حکم دیتا ہوں کیونکہ اگر تمام آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان میں ہے ان کو اگر میزان کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں لا الہ الا اللہ کو رکھا جائے تو وہ پلڑا جھک جائے گا اور اگر تمام آسمانوں اور زمینوں کو ایک حلقہ بنا دیا جائے اور ان پر لا الہ الا اللہ کو رکھ دیا جائے تو وہ ان کو پاش پاش کر دے گا اور میرا دوسرا حکم یہ ہے کہ سبحان اللہ وبحمدہ پڑھا کرو کیونکہ یہ ہر چیز کی نماز ہے اور اسی کے سبب سے ہر ایک چیز کو رزق دیا جاتا ہے۔

(مسند احمد، رقم الحدیث: 6583)

تسبیح کی اقسام

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی تسبیح کی کئی اقسام ہیں اس کی ذات کی عیوب سے برأت بیان کرنا، اس کی صفات کی عیوب سے برأت بیان

کرنا، اس کے افعال کی عیوب سے برأت بیان کرنا، اس کے اسماء کی عیوب سے برأت بیان کرنا اور اس کے احکام کی عیوب سے برأت بیان کرنا۔

اس کی ذات کی عیوب سے برأت یہ ہے کہ اس کی ذات واجب الوجود اور قدیم ہے اور اس کی ذات امکان اور حدوت کے عیب سے بری ہے اور اس کی ذات واحد ہے اور وہ شرکت اور کثرت کے عیب سے بری ہے کیونکہ اگر واجب الوجود متعدد ہوں تو ان میں نفس وجوب مشترک ہوگا اور کوئی امر ممیز ہوگا اور جو چیز دو چیزوں سے مرکب ہو وہ ممکن اور حادث ہوتی ہے واجب اور قدیم نہیں ہوتی۔

اور اس کی صفات کی عیوب سے برأت یہ ہے کہ وہ تمام معلومات کا عالم ہے اور وہ جہل کے عیب سے بری ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور عجز کے عیب سے بری ہے۔

اور اس کے افعال کی عیوب سے برأت یہ ہے کہ وہ جس فعل کا ارادہ کرے اس کو کر گزرتا ہے اس کے افعال زمان پر موقوف ہیں نہ مکان پر، مادے پر نہ اس کی استعداد پر وہ کسی چیز کے متعلق فرماتا ہے ''ہو'' سو وہ ہو جاتی ہے۔

اس کے اسماء کی عیوب سے برأت یہ ہے کہ اس کے تمام اسماء حسنیٰ ہیں اور اس کے اوپر کسی ایسے اسم کا اطلاق جائز نہیں ہے جس میں کسی وجہ سے نقص اور عیب ہو بلکہ اس پر اسی اسم کا اطلاق جائز ہے جس کا ذکر قرآن اور احادیث مبارکہ میں آ گیا ہو اور محض اپنی عقل سے اس پر کسی اسم کا اطلاق جائز نہیں ہے اور اس کے احکام کی عیوب سے برأت یہ ہے کہ اس کا ہر حکم کسی حسن، خوبی اور مصلحت پر مبنی ہے اس کا کوئی حکم عبث اور بے فائدہ نہیں اور یہ محض اس کا فضل اور احسان ہے اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر، ج:10، ص:441 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال پورا فرما دینا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں عرض کیا کہ اے میرے رب عزوجل! میرے لیے میرا سینہ کھول دے اور میرے لیے میرا کام آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے کہ وہ لوگ میری بات سمجھیں اور میرے لیے میرے اہل میں سے ایک وزیر بنا دے میرے بھائی ہارون کو اس سے میری کمر کو مضبوط کر دے اور میرے مقصد میں اس کو میرا شریک کر دے تاکہ ہم تیری بہت تسبیح کریں اور تجھے بہت یاد کریں بے شک تو ہمیں خوب دیکھنے والا ہے تو اس عرضی کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا: اے موسیٰ! تمہارا سوال پورا کر دیا گیا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰی ○ (طٰہٰ:36)

فرمایا! اے موسیٰ! تمہارا سوال پورا کر دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو احسانات یاد دلانا

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تمام عرض گزاریوں کو پورا کرنے کا قول فرما دیا تو ساتھ احسانات یاد دلاتے

ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام! ہم نے اس سے پہلے بھی ایک بار آپ پر احسان فرمایا تھا جب ہم نے آپ کی والدہ کی جانب وحی کی تھی جو وحی آپ کی طرف کی جارہی ہے کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دو پھر دریا کو حکم دیا کہ وہ اس کو کنارے پر لے آئے اس کو میرا دشمن اور اس کا دشمن لے لے گا اور میں نے آپ کے اوپر اپنی جانب سے محبت ڈال دی تا کہ میری نظر کے سامنے آپ کی پرورش کی جائے جب آپ کی بہن جارہی تھی وہ کہہ رہی تھی کہ میں تمہاری اس جانب رہنمائی کروں جو اس بچہ کی پرورش کرے پھر ہم نے آپ کو آپ کی ماں کی طرف لوٹا دیا تا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کریں اور آپ نے ایک شخص کو قتل کر دیا تو ہم نے آپ کو اس غم سے نجات دی اور ہم نے آپ کی کئی طرح آزمائش کی سو آپ کئی سال مدین میں رہے پھر اے موسیٰ (علیہ السلام)! آپ اللہ تعالیٰ کے مقررہ وقت پر آگئے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ۝ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ۝ أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ ۚ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي ۝ إِذْ تَمْشِي أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن يَكْفُلُهُ ۖ فَرَجَعْنَاكَ إِلَىٰ أُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّاكَ فُتُونًا ۚ فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِي أَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلَىٰ قَدَرٍ يَا مُوسَىٰ ۝ (طٰہٰ: 37 تا 40)

بے شک (اس سے پہلے بھی) ہم نے ایک بار اور آپ پر احسان فرمایا تھا جب ہم نے آپ کی ماں کی طرف وہ وحی کی تھی جو وحی آپ کی طرف کی جارہی ہے کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دو پھر دریا کو حکم دیا کہ وہ اس کو کنارے پر لے آئے اس کو میرا اور اس کا دشمن لے لے گا اور میں نے آپ کے اوپر اپنی طرف سے محبت ڈال دی اور تا کہ میری نظر کے سامنے آپ کی پرورش کی جائے جب آپ کی بہن جارہی تھی وہ (آل فرعون سے) کہہ رہی تھی کیا میں تمہاری اس کی طرف رہنمائی کروں جو اس بچہ کی پرورش کرے پھر ہم نے آپ کو آپ کی ماں کی طرف لوٹا دیا تا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کریں اور آپ نے ایک شخص کو قتل کر دیا تو ہم نے آپ کو اس غم سے نجات دی اور ہم نے آپ کی کئی طرح آزمائش کی سو آپ کئی سال اہل مدین میں رہے پھر اے موسیٰ! آپ اللہ تعالیٰ کے مقررہ وقت پر آگئے۔

رب تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خاص اپنے لیے چن لینا

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام! میں نے آپ کو خاص اپنے لیے چن لیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ۝ (طٰہٰ: 41)

اور میں نے آپ کو خاص اپنے لیے چن لیا۔

دونوں بھائیوں کو فرعون کی طرف جانے کا فرمانا

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا: آپ دونوں فرعون کے پاس جائیں بے شک اس نے سر اٹھا رکھا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ۝ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ (طٰہٰ:42تا43)

آپ اور آپ کے بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جائیں اور میری یاد میں سستی نہ کریں آپ دونوں فرعون کے پاس جائیں بے شک اس نے سر اٹھا رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نرمی سے بات کرنے کا فرمانا

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا: جب آپ دونوں وہاں جائیں تو اس سے نرمی سے بات کریں یہ امید رکھتے ہوئے وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈرے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝ (طٰہٰ:44)

آپ دونوں اس سے نرمی سے بات کریں اس امید پر کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈرے۔

رب تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں فرعون کے زیادتی اور سرکشی کرنے کا عرض کرنا

جب اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا: آپ دونوں فرعون کے پاس جائیں اس سے نرمی سے بات کریں تا کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈرے تو دونوں بھائیوں نے کہا: اے ہمارے رب عزوجل! ہمیں خطرہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا سرکشی کرے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ۝ (طٰہٰ:45)

ان دونوں نے کہا! اے ہمارے رب! ہمیں خطرہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا سرکشی کرے گا۔

رب تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ساتھ ہونے کا فرمانا

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا: تم دونوں مت ڈرو بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں میں سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ۝ (طٰہٰ:46)

فرمایا تم دونوں مت ڈرو بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں میں سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔

رب تعالیٰ کا رسول ہونے اور بنی اسرائیل کو ساتھ بھیجنے کا فرعون کو جا کر کہنے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا: فرعون کے پاس جاؤ اس سے کہو کہ ہم تیرے رب عزوجل کے رسول ہیں لہٰذا تم ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دو اور ان کو اذیت مت دو بے شک ہم تیرے رب عزوجل کی طرف سے تیرے پاس نشانی لے کر آئے ہیں۔ اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ط وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى o (طٰہٰ:47)

سو اس کے پاس جاؤ پھر اس سے کہو کہ ہم تیرے رب کے رسول ہیں تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے اور ان کو ایذاء نہ دے بے شک ہم تیرے رب کی طرف سے تیرے پاس نشانی لے کر آئے ہیں اور سلام ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی۔

جھٹلانے پر عذاب نازل کرنے کا فرمانا

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: فرعون کے پاس جا کر کہو بے شک ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ اس پر عذاب ہوگا جس نے جھٹلایا اور پیٹھ پھیری۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى o (طٰہٰ:48)

بے شک ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ اس پر عذاب ہوگا جس نے جھٹلایا اور پیٹھ پھیری۔

اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر غلبہ عطا فرمانے کا وعدہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا: عنقریب آپ کے بازو کو آپ کے بھائی کے ساتھ مضبوط کریں گے اور ہم آپ دونوں کو غلبہ عطا فرمائیں گے پس وہ آپ دونوں تک نہیں پہنچ سکیں گے ہماری نشانیوں کے سبب سے آپ دونوں اور آپ کے متبعین غالب رہیں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ o (القصص:35)

فرمایا ہم عنقریب آپ کے بازو کو آپ کے بھائی کے ساتھ مضبوط کریں گے اور ہم آپ دونوں کو غلبہ عطا فرمائیں گے سو وہ آپ دونوں تک نہیں پہنچ سکیں گے ہماری نشانیوں کے سبب سے آپ دونوں اور آپ کے متبعین غالب

رہیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے پاس جاتے وقت اون کا لباس پہنے ہوئے ہونا

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کے پاس گئے تو اون کا لباس پہنا ہوا تھا جو آپ علیہ السلام کی گردن سے اوپر تھا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس گئے تو وہ اون کا لباس پہنے ہوئے تھے جو آپ علیہ السلام کی گردن سے اوپر تھا۔

(درمنثور: ج:3، ص:339 مطبوعہ کراچی)

فرعون سے اندر آنے کی اجازت لی گئی

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس تشریف لے گئے تو فرعون سے آپ علیہ السلام کے اندر آنے کی اجازت لی گئی۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

فرعون سے آپ علیہ السلام کے اندر آنے کی اجازت لی گئی۔ (درمنثور: ج:3، ص:339 مطبوعہ کراچی)

فرعون کا اجازت دینا

جب فرعون سے اجازت لی گئی تو اس نے اجازت دے دی۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

تو اس نے کہا آپ علیہ السلام کو لے آؤ۔ (درمنثور: ج:3، ص:339 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اندر تشریف لے جانا

جب فرعون نے اندر آنے کی اجازت دے دی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اندر تشریف لے گئے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

آپ علیہ السلام اندر تشریف لے گئے۔ (درمنثور: ج:3، ص:339 مطبوعہ کراچی)

فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خود کو رب العالمین کی طرف سے رسول فرمانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے پاس جا کر ارشاد فرمایا اے فرعون میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔

قرآن مجید میں ہے

وَقَالَ مُوسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (الاعراف:104)

اور موسیٰ نے کہا: اے فرعون میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔

فرعون کا کہنا اے موسیٰ (علیہ السلام) تمہارا رب کون ہے

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے ارشاد فرمایا: میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں تو فرعون نے کہا: اے موسیٰ تم دونوں کا رب کون ہے؟

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ○ (طٰہٰ:49)

اس نے کہا! پھر تم دونوں کا رب کون ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رب تعالیٰ ہونے کی گواہی دینا

جب فرعون نے کہا تمہارا رب کون ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہمارا رب عزوجل وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی مخصوص ساخت عطا فرمائی پھر ہدایت عطا فرمائی۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ رَبُّنَا الَّذِىْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَىْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ○ (طٰہٰ:50)

موسیٰ نے کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی مخصوص ساخت عطا فرمائی پھر ہدایت عطا فرمائی۔

فرعون کا کہنا تو پہلی قوموں کا کیا حال ہوا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ ہمارا رب عزوجل وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی مخصوص ساخت عطا فرمائی پھر ہدایت عطا فرمائی تو فرعون نے کہا تو پہلی قوموں کا کیا حال ہوا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ○ (طٰہٰ:51)

فرعون نے کہا تو پہلی قوموں کا کیا حال ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کو جواب دینا

جب فرعون نے کہا تو پہلی قوموں کا کیا حال ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اس کا علم میرے رب عزوجل کے پاس لوح محفوظ میں ہے میرا رب عزوجل نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا اور تمہارے چلنے کے لئے زمین میں مختلف راستے بنائے اور آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس سے مختلف نباتات کے جوڑے پیدا کیے کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ بے شک اس میں عقل والوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ۝ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ سَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۗ فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ۝ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ۝ (طٰہٰ:52تا54)

موسیٰ نے کہا! اس کا علم میرے رب کے پاس لوح محفوظ میں ہے میرا رب نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے۔ جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا اور تمہارے چلنے کے لئے زمین میں مختلف راستے بنائے اور آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس سے مختلف نباتات کے جوڑے پیدا کیے کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ بے شک اس میں عقل والوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں۔

فرعون کا اللہ تعالیٰ کا انکار کرنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکڑنے کا کہنا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے رب عزوجل ہونے کی بات فرعون سے کی تو اس نے اپنے گرد بیٹھنے والوں کو کہا میں اپنے علاوہ تمہارے لیے اور کوئی معبود نہیں جانتا لہذا اس کو پکڑ لو۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس گئے تو وہ اون کا ایسا لباس پہنے ہوئے تھے جو ان کی گردن سے اوپر تک تھا فرعون سے آپ علیہ السلام کے اندر آنے کی اجازت لی گئی تو اس نے کہا آپ علیہ السلام کو لے آؤ۔ آپ علیہ السلام اندر تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا! بلاشبہ میرے رب تعالیٰ نے مجھے تیری طرف بھیجا ہے تو اس نے اپنے گرد بیٹھنے والوں کو کہا میں اپنے سوا تمہارے لیے اور کوئی نہیں جانتا اسے پکڑ لو۔ الخ (درمنثور:ج:3،ص:339 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرمانا کہ تمہارے پاس تمہارے رب عزوجل کی طرف سے ایک قوی دلیل لایا ہوں

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا میں تمہارے پاس تمہارے رب عزوجل کی طرف سے ایک قوی دلیل لایا ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

حَقِيْقٌ عَلٰۤى اَنْ لَّاۤ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ (الاعراف:105)

میرا یہ منصب ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے متعلق حق کے سوا کوئی بات نہ کہوں بے شک میں تمہارے پاس تمہارے رب عزوجل کی طرف سے ایک قوی دلیل لایا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کو بنی اسرائیل ساتھ بھیج دینے کا حکم

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا میں تمہارے پاس تمہارے رب عزوجل کی طرف سے ایک قوی دلیل لایا

ہوں لہٰذا اے فرعون تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ؕ (الاعراف:105)

سو (اے فرعون) تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔

فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دلیل پیش کرنے کا کہنا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب عزوجل کی طرف سے ایک قوی دلیل لایا ہوں لہٰذا بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے تو اس نے کہا: اگر تم کوئی دلیل لائے ہو تو اس کو پیش کرو اگر تم سچے ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰیَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ؕ (الاعراف:106)

فرعون نے کہا: اگر تم کوئی دلیل لائے ہو تو اس کو پیش کرو اگر تم سچے ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ڈالنا اور اس کا اژدھا بن جانا

جب فرعون نے کہا: اگر آپ کوئی دلیل لائے ہو تو اس کو پیش کرو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈال دیا تو وہ جیتا جاگتا اژدھا ہو گیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَلْقٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ؕ (الاعراف:107)

پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا پس وہ اچانک جیتا جاگتا اژدھا بن گیا۔

ہاتھ کا بغل سے نکال کر روشن دکھانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دوسری یہ نشانی دکھائی کہ اپنا ہاتھ بغل میں ڈالا تو وہ دیکھنے والوں کے لئے روشن ہو گیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَّنَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ؕ (الاعراف:108)

اور اپنا ہاتھ (گریبان سے) نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے لئے روشن ہو گیا۔

اژدھا کے دو جبڑوں کے درمیان چالیس ذراع

اژدھا کے دو جبڑوں کے درمیان چالیس ذراع (ساٹھ فٹ) کا فاصلہ تھا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اس (اژدھا) کے دو جبڑوں کے درمیان چالیس ذراع (ساٹھ فٹ) کا فاصلہ تھا۔

(جامع البیان: ج:6، ص:20 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اژدھا کا فرعون کی طرف دوڑنا اور اس کا تخت کے نیچے گھس جانا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا مبارکہ کو ڈالا تو وہ بڑا اژدھا بن گیا جو اپنا منہ کھولے ہوئے فرعون کی جانب دوڑ رہا تھا جب فرعون نے دیکھا کہ وہ اژدھا اس کو کھانے کے لئے دوڑ رہا ہے تو وہ تخت کے اندر گھس گیا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ بہت بڑا اژدھا بن گیا جو اپنا منہ کھولے ہوئے فرعون کی طرف دوڑ رہا تھا جب فرعون نے دیکھا کہ وہ اژدھا اس کو کھانے کے لئے دوڑ رہا ہے تو وہ تخت کے اندر گھس گیا۔

(جامع البیان: ج:6، ص:20 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فرعون کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اژدھا کے روک دینے کی فریاد

جب فرعون نے دیکھا کہ اژدھا میری طرف دوڑ رہا ہے تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی کہ اس کو روک لے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی کہ اس کو روک لے سو انہوں نے اس کو روک لیا۔

(جامع البیان: ج:6، ص:20 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اژدھا کو روک لینا

جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اژدھا کے روکنے کی فریاد کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو روک لیا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

سو انہوں نے اس کو روک لیا۔ (جامع البیان: ج:6، ص:20 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اژدھا کا زمین سے ایک میل بلند ہونا

اژدھا زمین سے تقریباً ایک میل بلند تھا۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی پھینکی تو وہ زرد رنگ کا ایک بال دار اژدھا ہو گیا اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان اسی ذراع (ایک سو بیس فٹ) کا فاصلہ تھا۔ وہ اپنی دم پر کھڑا ہو گیا اور وہ زمین سے تقریباً ایک میل بلند تھا۔

(روح المعانی: ج:9، ص:20 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اژدھا کا ایک جبڑا زمین پر دوسرا فرعون کے محل کی دیوار پر تھا

اژدھا کا ایک جبڑا زمین کے اوپر تھا اور دوسرا فرعون کے محل کی دیوار پر تھا۔

علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں: اس کا ایک جبڑا زمین پر تھا اور دوسرا جبڑا فرعون کے محل کی دیوار پر تھا۔

(روح المعانی: ج:9، ص:20 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فرعون کے دست جاری ہونا

اژدھا فرعون کو پکڑنے کے لئے دوڑا جس کی وجہ سے فرعون اپنا تخت چھوڑ کر بھاگا اس حال میں کہ اس کے دست جاری تھے۔

علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

وہ فرعون کے پکڑنے کے لئے دوڑا فرعون اپنا تخت چھوڑ کر بھاگا اس حال میں کہ اس کے دست جاری تھے۔

(روح المعانی: ج:9، ص:20 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فرعون کے ایک دن میں چار سو دست جاری ہوئے

اژدھا کے خوف کی وجہ سے فرعون کے ایک دن میں چار سو دست جاری ہوئے۔

علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

بعض روایات میں ہے کہ اس ایک دن میں اس کے چار سو دست جاری ہوئے۔

(روح المعانی: ج:9، ص:20 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فرعون کو اژدھا کے ڈر کی وجہ سے بیماری پیدا ہوئی جو تادم مرگ رہی

فرعون کو اژدھا کے ڈر کی وجہ سے بیماری پیدا ہوئی جو مرتے دم تک دور نہ ہو سکی۔

علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

بعض روایات میں ہے کہ اس کے پیٹ میں بیماری ہو گئی جو تادم مرگ دور نہ ہو سکی۔

(روح المعانی: ج:9، ص:20 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اژدھا کا فرعون کے جبہ کو داڑھوں میں پکڑ لینا

اژدھا نے فرعون کے جبہ کو اپنی داڑھوں میں پکڑ لیا۔

علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

ایک روایت میں ہے کہ

فرعون کا جبہ اس نے اپنی داڑھوں میں پکڑ لیا۔ (روح المعانی: ج:9، ص:20 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

لوگوں میں بھگدڑ مچنے کی وجہ سے پچیس ہزار آدمی رش میں مارے گئے

جب اس اژدھا نے لوگوں پر حملہ کیا تو لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی اور پچیس ہزار آدمی رش میں مارے گئے۔

علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

اس نے لوگوں پر حملہ کیا تو لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی اور پچیس ہزار آدمی رش میں مارے گئے۔

(روح المعانی: ج:9،ص:20 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فرعون کا رب تعالیٰ کی قسم دے کر اژدھے کو پکڑنے کا کہنا

جب فرعون نے دیکھا کہ یہ اژدھا ہمارا کچھ بھی باقی نہیں بچائے گا تو اس نے چیخ مار کر کہا: اے موسیٰ علیہ السلام میں آپ علیہ السلام کو اس ذات کی قسم دے کر کہتا ہوں جس نے آپ علیہ السلام کو بھیجا ہے آپ علیہ السلام اس اژدھے کو پکڑ لو۔

(روح المعانی: ج:9،ص:20 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فرعون کا ایمان لے آنے کا وعدہ

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اے موسیٰ علیہ السلام! اس اژدھے کو پکڑ لو میں تم پر ایمان لے آؤں گا۔

علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

میں تم پر ایمان لے آؤں گا۔ (روح المعانی: ج:9،ص:20 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فرعون کا بنی اسرائیل کو ساتھ بھیج دینے کا وعدہ

فرعون نے ایمان لانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی وعدہ کیا میں آپ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کو بھی بھیج دوں گا۔

علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

اور تمہارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دوں گا۔ (روح المعانی: ج:9،ص:20 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اژدھا کو پکڑ لینا اور دوبارہ عصا بن جانا

جب فرعون نے طرح طرح کے وعدے کیے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اژدھے کو پکڑ لیا اور وہ دوبارہ عصا بن گیا۔

علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس اژدھے کو پکڑ لیا تو وہ پھر عصا بن گیا۔

(روح المعانی: ج:9،ص:20 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

عصا ہی دابۃ الارض تھا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہی دابۃ الارض تھا۔ (درمنثور: ج:3، ص:340 مطبوعہ کراچی)

وہ شہر کی مثل بڑا اژدھا بن گیا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

معمر کا قول ہے کہ کسی اور نے کہا کہ وہ شہر کی مثل بڑا سانپ بن گیا۔

(جامع البیان: ج:9، ص:20 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

وہ زرد رنگ کا اژدھا بن گیا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت کلبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

وہ زرد رنگ کا مذکر سانپ بن گیا۔ (درمنثور: ج:3، ص:340 مطبوعہ کراچی)

نر اژدھا تھا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

وہ اژدھوں میں نر اژدھا تھا اپنا منہ کھولے ہوئے تھا اپنا نیچے والا جبڑا زمین پر اور اوپر والا جبڑا محل کی فصیل پر رکھے ہوئے تھا پھر وہ فرعون کی طرف متوجہ ہوا تا کہ اس کو پکڑ لے جب فرعون نے اس کو دیکھا تو وہ اس سے انتہائی خوفزدہ ہوا اور اچھل پڑا اور اس نے ایسی بات کہی جو اس سے قبل کبھی نہیں کہی تھی وہ زور سے پکارنے لگا۔ اے موسیٰ علیہ السلام! اس کو پکڑ لو میں تجھ پر ایمان لے آؤں گا اور بنی اسرائیل کو تیرے ساتھ بھیج دوں گا پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑ لیا تو وہ عصا بن گیا۔

(تفسیر طبری: ج:9، ص:20 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ید بیضاء کے نور سے آسمان وزمین کی ہر چیز روشن ہوگئی

ید بیضاء کے نور کی وجہ سے آسمان اور زمین کی ہر چیز روشن ہوگئی تھی۔

علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

اس (ید بیضاء کے) نور کی وجہ سے آسمان اور زمین کی ہر چیز روشن ہوگئی تھی۔

(روح المعانی: ج:9، ص:21 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اژدھا کے خوف سے دست آنے سے پہلے فرعون کو چالیس دن میں ایک بار پاخانہ کی حاجت ہوتی تھی

فرعون کو اژدھے کے خوف کی وجہ سے اس دن چار سو گز آئے پھر فرعون کو ڈوبتے وقت تک دستوں کا مرض رہا اس سے

پہلے اس کو چالیس دن میں ایک بار پاخانہ کی حاجت ہوتی تھی۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

مفسرین فرماتے ہیں کہ وہ (اژدھا) اسی ہاتھ لمبا سانپ تھا، جب اس نے منہ پھاڑا تو اس کا نچلا ہونٹ زمین پر تھا اور اوپر والا ہونٹ فرعون کے محل کی چوٹی رپ تھا دونوں ہونٹوں میں اسی ہاتھ کا فاصلہ تھا، پیلے رنگ کا تھا اپنی دم پر کھڑا ہو گیا اس طرح فرعون کی طرف چلا فرعون گوز مارتا بھاگا اس دن اسے چار سو گوز آئے پھر ڈوبتے وقت تک فرعون کو دستوں کا مرض رہا اس سے پہلے اسے چالیس دن میں ایک بار پاخانہ کی حاجت ہوتی تھی لوگوں میں اس قدر بھگدڑ مچی کہ کئی ہزار آدمی کچلے گئے۔ فرعون چیخا کہ اے موسیٰ علیہ السلام مجھے بچاؤ، میں تم پر ایمان لاؤں گا بنی اسرائیل کو آزاد کروں گا تب آپ نے اس کو پکڑ کر اٹھایا تو ویسی ہی لاٹھی تھی۔ (تفسیر نعیمی: ج:9،ص:66 مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ لاہور)

قوم فرعون کے سرداروں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کہنا

قوم فرعون کے سرداروں نے کہا موسیٰ (علیہ السلام) تو بہت ماہر جادوگر ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۝ (الاعراف:109)

قوم فرعون کے سرداروں نے (آپس میں) کہا یقیناً یہ شخص بہت ماہر جادوگر ہے۔

فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ماہر جادوگر کہنا

فرعون نے اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے سرداروں سے کہا بے شک یہ ضرور کوئی ماہر جادوگر ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۝ (الشعراء:34)

فرعون نے اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے سرداروں سے کہا بے شک یہ ضرور کوئی ماہر جادوگر ہے۔

فرعون کا اپنی قوم کو کہنا یہ اپنے جادو کے ذریعے تم کو تمہارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے

فرعون نے اپنی قوم سے کہا یہ شخص بہت ماہر جادوگر ہے یہ اپنے جادو کے ذریعے تم کو تمہارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ (الشعراء:35)

یہ اپنے جادو کے ذریعے تم کو تمہارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے۔

سحر کی تعریفات

سحر کی تعریفات کے متعلق علماء کرام کے اقوال درج ذیل ہیں۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی کا قول

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں: سحر کا اطلاق چند معانی پر کیا جاتا ہے۔

1۔ دھوکہ دہی، نظر بندی۔

قرآن مجید میں ہے:

سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ (الاعراف:116)

2۔ شیطان کے تقرب اور اس کی مدد سے اپنا مقصد پورا کرنا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ (البقرہ:102)

لیکن شیاطین نے کفر کیا وہ لوگوں کو سحر کی تعلیم دیتے تھے۔

3۔ سحر اس فعل کا نام ہے جس کی قوت اور تاثیر سے اشیاء کی صورتیں اور حقیقتیں بدل جاتی ہیں سو ساحر انسان کو گدھا بنا دیتا ہے۔ محصلین کے نزدیک اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

4۔ جس کا سمجھنا بہت غامض اور دقیق ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ○ (سبا:43)

یہ تو صرف کھلا ہوا جادو ہے۔

یعنی اس کلام کا سمجھنا بہت غامض اور دقیق ہے۔

سحر اور سحرۃ اس وقت کو کہتے ہیں جب رات کی ظلمت دن ضواء اور روشنی سے مختلط ہوتی ہے۔

(المفردات: ج:1، ص:299 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

علامہ مجدالدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی کا قول

علامہ مجدالدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی 817ھ لکھتے ہیں:

ہر وہ فعل جس کا ماخذ غامض اور دقیق ہو اور اس کا سبب مخفی ہو اس کو سحر کہتے ہیں۔

(القاموس المحیط: ج:2، ص:66 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ محمد طاہر پٹنی کا قول

علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی 986ھ لکھتے ہیں:

انسان اس وقت تک سحر میں مہارت حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کی شر کے ساتھ مناسبت نہ ہو۔ اہل سنت کا مذہب

یہ ہے کہ سحر کی حقیقت ہے اور اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جب انسان جادو کے مخصوص کلمات بولتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عادت ہے وہ اس وقت غیر معمولی امور کردیتا ہے یا وہ ایسے بعض اجسام یا قوی امتزاج سے چیزیں بناتا ہے جن کو ساحر ہی جانتا ہے کیونکہ بعض زہر قاتل ہوتے ہیں اور بعض زہریلی اشیاء بیمار کردیتی ہیں یا نقصان پہنچاتی ہیں۔

(مجمع بحار الانوار: ج:3، ص:47 مطبوعہ مکتبۃ دار الایمان: مدینہ منورہ)

علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی کا قول

علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

سحر وہ غیر معمولی اور خلاف عادت کام ہے جس کو حاصل کرنے میں برے کام کر کے شیطان کے تقرب سے مدد حاصل کی جاتی ہے خواہ وہ برے کام زبان سے کیے جائیں جیسے منتر جن میں شرکیہ الفاظ ہوں اور شیطان کا تعریف کی جائے یا وہ برے کام دیگر اعضاء سے کیے جائیں جیسے ستاروں کی عبادت کرنا اور کسی کا نقصان کرنا اور دیگر فسق و فجور کے کام یا وہ برے کام اعتقاد سے کیے جائیں مثلاً ان کاموں کو اچھا اعتقاد کرنا جن سے شیطان کا تقرب اور اس کی محبت حاصل ہوتی ہے اور وہی شخص سحر کرسکتا ہے جو شر اور نفس کی خباثت میں شیطان کے مناسب ہو کیونکہ تعاون اور مدد کے لئے مناسبت شرط ہے پس جس طرح سے فرشتے صرف نیک انسانوں کے ساتھ تعاون کرتے ہیں اور ان ہی پر فیضان کرتے ہیں جو دائمی عبادت کرنے اور اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے میں فرشتوں کے مشابہ ہوں اسی طرح شیاطین بھی ان ہی فساق اور فجار کے ساتھ تعاون کرتے ہیں جو قول، فعل اور اعتقاد کی خباثت اور نجاست میں شیاطین کے مشابہ ہوں اور ہماری اس تعریف سے ساحر نبی اور ولی سے ممتاز ہو جاتا ہے۔

(روح المعانی: جز:1، ص:534 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی کا قول

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی 685ھ لکھتے ہیں:

سحر سے مراد وہ کام ہے جس کو حاصل کرنے میں شیطان سے مدد حاصل کی جاتی ہے اور وہی انسان اس مقصد کو حاصل کرسکتا ہے جو شر اور نفس کے خبث میں شیطان کے مناسب ہو کیونکہ کسی سے تعاون حاصل کرنے میں یہ شرط ہے کہ دونوں میں مناسبت ہو اور اسی قید سے ساحر نبی اور ولی سے ممتاز ہو جاتا ہے اور بعض حیرت ناک اور تعجب خیز کام جو شعبدہ بازی سے آلات دوائیوں اور ہاتھ کی صفائی اور کرتبوں سے کیے جاتے ہیں وہ مذموم نہیں ہیں ان کو مجازاً سحر کہا جاتا ہے یا اس وجہ سے کہ ان کا ماخذ غامض اور دقیق ہوتا ہے اور ان کا سبب مخفی ہوتا ہے۔ (انوار التنزیل: ج:2، ص:347 مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت)

سحر اور کرامت میں فرق

علامہ عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری لکھتے ہیں۔

1۔ سحر خبیث اور فاسق شخص سے ظاہر ہوتا ہے اور کرامت اس نیک مسلمان سے ظاہر ہوتی ہے جو دائماً عبادت کرتا ہوا اور

برے کاموں سے بچتا ہو۔

2- سحر چند مخصوص برے کاموں کا نام ہے اور کرامت کے مخصوص اعمال نہیں ہیں یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور دائما شریعت کی اتباع سے ظاہر ہوتی ہے۔

3- سحر صرف تعلیم اور تعلم سے حاصل ہوتا ہے اور کرامت اس طرح نہیں ہے بلکہ کراہت وہبی ہے اور محض اللہ تعالیٰ کی عطا سے حاصل ہوتی ہے۔

4- سحر طلب کرنے والوں کے مطالب کے موافق نہیں ہوتا بلکہ معین اور محدود مطالب کے ساتھ مخصوص ہے اور کرامت طلب کرنے والوں کے مطالب کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے اور اس کے مخصوص مطالب نہیں ہیں۔

5- سحر مخصوص وقتوں، مخصوص جگہوں اور مخصوص شرائط سے ہوتا ہے اور کرامت کے لئے کسی وقت کسی جگہ اور کوئی شرط ضروری نہیں ہے۔

6- ساحر کو کبھی دوسرا ساحر اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے چیلنج کرتا ہے اور کرامت میں ایک ولی دوسرے ولی کو چیلنج نہیں کرتا۔

7- سحر بغیر کوشش اور سخت جدوجہد کے حاصل نہیں ہوتا اور کرامت خواہ ہزار بار حاصل ہو اس کے لئے کوشش نہیں کرنی پڑتی۔

8- ساحر فاسقوں کے کام کرتا ہے اور ناپاک رہتا ہے بعض اوقات غسل جنابت بھی نہیں کرتا، استنجاء نہیں کرتا، ناپاک کپڑے نہیں دھوتا کیونکہ ناپاکی اور نجاست کی جادو کے ظہور میں بہت تاثیر ہوتی ہے یہ اس کی ظاہری نجاست ہے اور اس کی باطنی نجاست کفر ہے اس کے برخلاف ولی کا ظاہر اور باطن پاک اور صاف ہوتا ہے۔

9- ساحر خلاف شرع کاموں کا حکم دیتا ہے اور ولی شریعت کے موافق کاموں کا حکم دیتا ہے۔

ہم نے سحر اور کرامت میں جو فرق بیان کیے ہیں ان ہی سے سحر اور معجزہ میں بھی فرق معلوم ہو جاتا ہے۔

(دستور العلماء، ج:2،ص:120 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

سحر کے واقع ہونے کے دلائل

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی 791ھ لکھتے ہیں:

سحر ایک خلاف عادت کام ہے جو کسی شریر اور فاسق شخص سے اعمال مخصوصہ کے ذریعہ صادر ہوتا ہے اور یہ اہل حق کے نزدیک عقلاً جائز ہے اور قرآن واحادیث سے ثابت ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلٰـكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ

بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ (البقرہ:102)

لیکن شیاطین نے کفر کیا وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور وہ علم جو ہاروت اور ماروت دو فرشتوں پر بابل میں نازل کیا گیا اور وہ (فرشتے) کسی کو اس وقت تک وہ علم نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو صرف آزمائش ہیں سو تم کفر نہ کرو پس لوگ ان سے وہ علم سیکھتے جس کے ذریعہ وہ خاوند اور اس کی بیوی میں جدائی ڈال دیتے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کسی کو ضرر نہیں پہنچا سکتے تھے۔

اس آیت کریمہ میں یہ خبر دی ہے کہ جادو حقیقتاً ثابت ہے اور وہ محض نظر بندی اور ملمع کاری نہیں ہے اور موثر اور خالق حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۝ (الفلق:4)

(اور میں) گرہ (باندھ کران) میں پھونکنے والیوں کے شر سے (بھی پناہ مانگتا ہوں)

اس آیت کریمہ میں جادوگروں کی شرارت سے پناہ مانگی گئی ہے۔ جادوگر منتر پڑھ پڑھ کر پھونک مارتے ہیں اور گرہ باندھتے جاتے ہیں عموماً جس پر جادو کرنا ہوتا ہے اس کے بال یا کوئی چیز حاصل کر کے یہ عمل کیا جاتا ہے اگر جادو ایک ثابت شدہ حقیقت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس سے پناہ مانگنے کا کیوں حکم دیتا۔ اور جمہور مسلمین کا اس پر اتفاق ہے کہ سورۃ الفلق اس وقت نازل ہوئی جب لبید بن اعصم یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین دن بیمار رہے۔

اسی طرح روایت ہے کہ

ایک باندی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جادو کیا اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پر جادو کیا گیا پھر لوہا گرم کر کے ان کے ہاتھ پر داغ لگایا گیا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ

اگر جادو کرنا ممکن ہوتا تو کفار تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور صالحین پر جادو کر دیتے تا کہ ان کو ملک عظیم حاصل ہوتا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کرنا کس طرح صحیح ہوگا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ (المائدہ:67)

اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا۔

وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ۝ (طٰہٰ:69)

اور ساحر جہاں سے بھی آئے وہ کامیاب نہیں ہوگا۔

اور کافر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ عیب لگاتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا ہے حالانکہ یہ قطعی بات ہے کہ وہ جھوٹے تھے۔

ہم پہلے اعتراض کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ

جادو ہر دور اور زمانے میں نہیں پایا گیا اور نہ ہر خطہ اور ہر جگہ میں پایا گیا ہے۔

ہم دوسرے اعتراض کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محفوظ ہیں کہ لوگ ان کو ہلاک کر دیں یا آپ کی نبوت میں خلل ڈالیں اور اس بات سے محفوظ نہیں ہیں کہ لوگ آپ کو ضرر پہنچائیں یا آپ کے جسم میں کوئی تکلیف پہنچائیں اور کفار نے جو کہا تھا کہ آپ پر جادو کیا گیا ہے اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ آپ مجنون ہیں اور جادو سے آپ کی عقل زائل کر دی گئی ہے کیونکہ آپ نے ان کے دین کو ترک کر دیا تھا۔

اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ٥ (طٰہٰ:66)

موسیٰ کو یہ خیال آنے لگا کہ ان کے جادو کے زور سے وہ لاٹھیاں اور رسیاں دوڑ رہی ہیں۔

اس آیت کریمہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سحر کی کوئی حقیقت نہیں ہے وہ محض تخیل اور ملمع کاری ہے۔

اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ

ہوسکتا ہے کہ ان کا سحر ہی تخیل ہو اور ان کے سحر کا تخیل ہونا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ فی نفسہ جادو کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

(شرح المقاصد: ج:5، ص79 تا 81 مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران)

سحر کا شرعی حکم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سات ہلاک کرنے والے کاموں سے بچو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون سے کام ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

1- اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا

2- جادو کرنا

3- جس کو قتل کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے اس کو ناحق قتل کرنا

4- سود کھانا

5-یتیم کا مال کھانا

6-میدان جہاد سے پیٹھ پھیر کر بھاگنا

7-اور مسلمان پاک دامن عورت کو زنا کی تہمت لگانا۔(صحیح البخاری: ج: 1 ص:388 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

فقہاء حنبلیہ کے نزدیک جادو کا شرعی حکم یہ ہے۔

امام ابن قدامہ حنبلی متوفی 620ھ لکھتے ہیں:

جادو کا سیکھنا اور سکھانا حرام ہے اور ہمارے علم کے مطابق اس میں اہل علم کا اتفاق ہے جادو کے سیکھنے اور جادو کے عمل کی وجہ سے جادوگر کی تکفیر کی جائے گی خواہ وہ جادو کے حرام ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو یا اس کے مباح ہونے کا۔

اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ

اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی کیونکہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

عراف، کاہن اور جادوگر کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ ان کے افعال پر ان سے توبہ طلب کی جائے کیونکہ میرے نزدیک وہ حکماً مرتد ہیں اگر وہ توبہ کرلیں تو ان کو چھوڑ دیا جائے۔

راوی نے پوچھا! اگر توبہ نہ کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا؟

تو فرمایا: نہیں! بلکہ اس کو قید میں رکھا جائے گا حتیٰ کہ وہ توبہ کرلے۔

راوی نے پوچھا! اس کو قتل کیوں نہیں کیا جائے گا؟

ارشاد فرمایا:

جب تک وہ نماز پڑھتا ہے تو اس کی توبہ اور رجوع کی توقع ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ جادوگر کافر نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ

سلیمان نے کفر نہیں کیا۔

یعنی انہوں نے جادو نہیں کیا حتیٰ کہ ان کی تکفیر کی جائے۔

اور فرشتوں نے کہا:

اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ

ہم تو محض آزمائش ہیں تم تو جادو سیکھ کر کفر نہ کرو۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ جادو کرنا کفر ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

جادوگر کافر ہے۔

1-حضرت عمر رضی اللہ عنہ، 2-حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

3-حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، 4-حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

5-حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، 6-حضرت حبیب بن کعب رضی اللہ عنہ

اور حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ

جادوگر کو بہ طور حد کے قتل کر دیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مسلمان کو قتل کرنا صرف تین وجہوں سے جائز ہے۔

1-ایمان لانے کے بعد کفر کرے۔

2-شادی کرنے کے بعد زنا کرے۔

3-یا ناحق قتل کرے۔

جادوگر نے اس میں کوئی کام نہیں کیا اس لیے اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

جادو کرنا بھی ارتداد ہے۔

نیز حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ

جادوگر کی حد اس کو تلوار سے مارنا ہے۔

اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ہر جادوگر کو قتل کر دو۔ (المغنی: ج:9، ص 34 تا 36 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ مرداوی حنبلی متوفی 885ھ لکھتے ہیں:

جادوگر کی تکفیر کی جائے گی اور اس کو قتل کیا جائے گا یہی مذہب ہے اور یہی جمہور اصحاب کا نظریہ ہے۔

ایک روایت یہ ہے کہ

اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی اور جو شخص دواؤں اور دھوئیں سے شعبدہ بازی کرتا ہو اس کو صرف تعزیر دی جائے گی۔

(الانصاف: ج:10، ص:350 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فقہاء شافعیہ کے نزدیک جادو کا شرعی حکم یہ ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی 676ھ لکھتے ہیں:

جادو کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سات ہلاک کرنے والے کاموں میں شمار کیا ہے۔ اس کا سیکھنا اور سکھانا بھی حرام ہے۔ اگر جادو کرنے والے کے قول یا فعل میں کوئی چیز کفر کی مقتضی ہو تو جادو کرنا کفر ہے ورنہ نہیں بلکہ گناہ کبیرہ ہے اسی طرح جادو کے سیکھنے یا سکھانے میں کوئی قول یا فعل کفر کا مقتضی ہو تو کفر ہے ورنہ گناہ کبیرہ ہے۔

ہمارے نزدیک جادوگر کو قتل نہیں کیا جائے گا اس سے توبہ طلب کی جائے گی اگر اس نے توبہ کر لی تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔

ہمارے بعض اصحاب نے یہ کہا ہے کہ

جادو کا سیکھنا جائز ہے تا کہ انسان کو جادو کی معرفت ہو اور وہ جادو کے ضرر سے بچ سکے اور جادوگر کا رد کر سکے اور ان کے نزدیک جادو کی ممانعت جادو کرنے پر محمول ہے جادو سیکھنے پر نہیں۔ (شرح مسلم: ج:1، ص:65 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

فقہاء مالکیہ کے نزدیک جادو کا شرعی حکم یہ ہے۔

علامہ دردیر مالکی متوفی 1197ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن العربی نے جادو کی یہ تعریف کی ہے کہ یہ وہ کلام ہے جس میں غیر اللہ کی تعظیم کی جاتی ہے اور اس کی طرف حوادث کائنات کو منسوب کیا جاتا ہے۔

امام رضی کا یہ قول ہے کہ

جادو کا سیکھنا اور سکھانا کفر ہے خواہ اس سے جادو کا عمل نہ کیا جائے کیونکہ شیطان کی تعظیم کرنا اور حوادث کی نسبت اس کی طرف کرنا یہ ایسا کام ہے کہ کوئی عاقل مسلمان یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ یہ فعل کفر نہیں ہے اگر جادو کا توڑ اسی کی مثل جادو سے کیا جائے تو یہ بھی کفر ہے جادو کے توڑ کے لئے کسی کو کرایہ پر لینا جائز ہے بہ شرطیکہ جادو سے یہ توڑ نہ کیا جائے۔ جادو کے ذریعہ اموال اور صفات میں تغیر ہو جاتا ہے اور حقائق بدل جاتے ہیں اگر یہ کام آیات قرآنیہ اور اسماء الٰہیہ سے ہو جائیں تو پھر یہ کفر نہیں ہے البتہ اگر جادو کے ذریعہ دو آدمیوں کے درمیان عداوت پیدا کی جائے یا کسی کی جان اور مال کو نقصان پہنچایا جائے تو یہ حرام ہے اگر کوئی شخص علی الاعلان جادو کرتا ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس کا مال فئی ہے بہ شرطیکہ وہ توبہ نہ کرے۔

(شرح الکبیر: ج:4، ص:302 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابن ہمام حنفی متوفی 861ھ لکھتے ہیں:

جادو کی حقیقت ہے اور جسم کو تکلیف پہنچانے میں اس کی تاثیر ہے۔ جادو کا سکھانا بالاتفاق حرام ہے اور اس کی اباحت کا اعتقاد کرنا کفر ہے۔ ہمارے بعض اصحاب، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ جادو کا سیکھنا اور جادو کا کرنا کفر ہے خواہ اس کے حرام ہونے کا اعتقاد رکھے یا نہ رکھے اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

1- حضرت عمر رضی اللہ عنہ، 2- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

3- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، 4- حضرت جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ

5- حضرت حبیب بن کعب رضی اللہ عنہ، 6- حضرت قیس بن سعد رحمۃ اللہ علیہ

اور حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جادوگر سے توبہ طلب کئے بغیر اس کے قتل کا فتویٰ دیا ہے۔

حضرت جندب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جادوگر کی حد یہ ہے کہ اس کو تلوار سے مار دیا جائے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ

جب تک جادوگر جادو کے مباح ہونے کا اعتقاد نہ رکھے اس کو کافر نہ کہا جائے اور نہ ہی اس کو قتل کیا جائے۔ جادوگر کو کافر قرار دینے نہ دینے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر عمل کرنا واجب ہے البتہ اس کو قتل کرنا واجب ہے جس شخص کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ کوشش کر کے جادو کرتا ہے اس سے توبہ طلب کیے بغیر اس کو قتل کر دیا جائے۔

(فتح القدیر: ج:5، ص:232 تا 233 مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی متوفی 1088ھ لکھتے ہیں:

اگر پکڑے جانے سے پہلے جادوگر نے توبہ کر لی تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور قتل نہیں کیا جائے گا ورنہ توبہ قبول نہیں ہو گی اور قتل کیا جائے گا۔ (در مختار علیٰ ہامش رد المحتار: ج:3، ص:296 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی متوفی 1252ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ جادوگر جب تک کسی کفریہ امر کا اعتقاد نہ کرے اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ النہر الفائق میں اسی پر اعتماد کیا ہے اور علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کی اتباع کی ہے اور جادوگر کو مطلقاً قتل کر دیا جائے گا۔

فتاویٰ قاضی خان میں مذکور ہے کہ

جو شخص کسی آدمی اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کرنے کے لئے کوئی عمل کرے وہ مرتد ہے اور اس کو قتل کر دیا جائے بہ شرطیکہ وہ تفریق میں اس عمل کی تاثیر کا اعتقاد رکھتا ہو اور جو شخص لوگوں کو ضرر پہنچانے کے لئے جادو کرتا ہے اس کو قتل کر دیا جائے گا اور جو جادوگر تجربہ کرنے کے لئے جادو کرتا ہو اور اس پر اعتماد نہ رکھتا ہو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

جس شخص کا جادو کرنا اس کے اقرار یا گواہی سے ثابت ہو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس سے توبہ نہیں طلب کی جائے گی۔ اس میں مسلمان، ذمی، آزاد اور غلام برابر ہیں۔ جادوگر سے مراد وہ شخص نہیں ہے جو معوذات سے جادو کرتا ہو نہ طلسم کرنے والا مراد ہے۔ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے جو ہمارے بعض اصحاب سے جادو کا حکم کفر نقل کیا ہے وہ اسی پر مبنی ہے کہ جادو کا تحقق کلمات کفریہ کہنے پر موقوف ہے۔ (رد المحتار: ج:3، ص:295 تا 296 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کی تحقیق

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا حتیٰ کہ آپ کا خیال یہ ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے پاس گئے ہیں حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں گئے تھے۔

سفیان نے کہا:

اگر چہ ایسا ہوتا تو یہ جادو کی زبردست قسم ہے۔

پس آپ نے ارشاد فرمایا:

اے عائشہ (رضی اللہ عنہا)! کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے کچھ سوالات کیے تھے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے جوابات دیئے میرے پاس دو آدمی آئے ایک میرے سر کی جانب بیٹھ گیا اور دوسرا میرے پیروں کی جانب جو آدمی سر کی جانب بیٹھا تھا۔

اس نے دوسرے سے کہا:

اس شخص کا کیا حال ہے؟

اس نے کہا:

اس پر جادو کیا گیا ہے!

اس نے پوچا۔

اس پر کس نے جادو کیا ہے؟

اس نے کہا:

لبید بن اعصم نے جو بنوزریق کے قبیلہ سے ہے اور یہود کا حلیف ہے یہ شخص منافق تھا۔

اس نے پوچھا:

کس چیز پر جادو کیا ہے؟

اس نے کہا:

کنگھی اور ان بالوں میں جو کنگھی میں جھڑ جاتے ہیں۔

آپ نے پوچھا:

وہ کس جگہ ہیں؟

اس نے کہا:

نر کھجور کے کھوکھلے شگوفے میں لپیٹ کر ذروان کے کنویں میں ایک پتھر کے نیچے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کنویں پر

گئے حتیٰ کہ آپ نے اس کو نکال لیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہی وہ کنواں ہے جو مجھے (خواب میں) دکھایا گیا تھا اور اس کنویں کا پانی مہندی کے تلچھٹ کی طرح تھا اور اس کے کھجور کے درخت شیطانوں کے سروں کی طرح تھے پھر جس پر جادو کیا گیا تھا اس کو کنویں میں سے نکال لیا گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نشرہ (منتر) کیوں نہیں کیا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا دے دی اور میں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ میں کسی شخص کو برائی کی ترغیب دوں۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث:2268)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ خیال ڈالا جاتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام کر لیا ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا حتیٰ کہ ایک دن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار دعا فرمائی۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا تمہیں معلوم ہے میں نے اللہ تعالیٰ سے جو سوال کیے تھے اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے جواب دے دیئے ہیں۔

میں نے پوچھا:

وہ کیا جواب ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرے پاس دو آدمی آئے ایک میرے سر کی جانب اور دوسرا میرے پیروں کی جانب بیٹھ گیا۔

پھر ان میں سے ایک شخص نے دوسرے سے پوچھا۔

اس شخص کو کیا تکلیف ہے۔

اس نے کہا:

ان پر جادو کیا گیا ہے۔

اس نے پوچھا:

کس نے جادو کیا ہے؟

اس نے کہا:

لبید بن اعصم یہودی نے جو بنو زریق سے ہے۔

اس نے پوچھا:

کس چیز میں جادو کیا ہے؟

اس نے کہا:

ایک کنگھی اور اس میں لگے ہوئے بالوں میں نر کھجور کے کھوکھلے شگوفے میں۔

اس نے کہا:

وہ کہاں ہے؟

اس نے کہا:

وہ ذی اروان کے کنویں میں ہے۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس کنویں پر گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا اس کے پاس کھجور کے درخت تھے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! اس کا پانی مہندی کی تلچھٹ کی طرح ہے اور گویا کہ اس کے درخت شیطانوں کے سر ہیں۔

میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نکال لیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نہیں! مجھے اللہ تعالیٰ نے اس عافیت میں رکھا اور شفا دے دی اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ اس فعل سے لوگوں میں شر پھیلے گا اور میں نے اس کنگھی کو دفن کرنے کا حکم دیا۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5766)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی 544ھ لکھتے ہیں:

امام مازری نے کہا ہے: بعض مبتدعین نے اس حدیث مبارکہ کا انکار کیا ہے اور یہ زعم کیا ہے کہ یہ ماننے سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت میں کمی ہوتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں شک پیدا ہوتا اور احکام شرعیہ پر اعتماد نہیں ہوتا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال ڈالا جائے کہ آنے والا حضرت جبرائیل علیہ السلام ہے اور وہ حقیقت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نہ ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ خیال ڈالا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی گئی ہے اور واقع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی نہ کی گئی ہو اور یہ جو کچھ انہوں نے کہا ہے باطل ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو چیز پہنچاتے ہیں اس کے صدق پر معجزہ کی دلالت ہے اور اس

میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معصوم ہونا دلائل سے ثابت ہے اور ان دلائل کے خلاف کسی چیز کو جائز قرار دینا باطل ہے اور جن کاموں کا تعلق امور دنیا سے ہے اور جن کاموں کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث نہیں کیا گیا اور نہ ان کاموں کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی فضیلت ہے اور وہ ایسے امور ہیں جو اکثر انسانوں کو عارض ہوتے رہتے ہیں تو یہ کچھ بعید نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بعض ایسی چیزوں کا خیال ڈالا جائے جن کی واقع میں کوئی حقیقت نہ ہو۔

بعض نے کہا:

اس حدیث مبارکہ سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے عمل ازدواج کیا ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل نہیں کیا ہوتا تھا اور کبھی عام لوگوں کی طرف بھی نیند میں اس قسم کا خیال آجاتا ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی تو ہوسکتا ہے کہ بیداری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اس طرح کا کوئی خیال آجاتا ہو اور اس کی کوئی حقیقت نہ ہو۔

ہمارے بعض اصحاب نے کہا:

ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال آیا ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کام نہ کیا ہو لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعتقاد نہ کیا ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تخیل صحیح ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتقاد اور یقین ہمیشہ درست رہتا ہے لہٰذا ملحدین کے اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اس حدیث مبارکہ کی تاویل جو مجھ پر منکشف ہوئی وہ زیادہ ظاہر اور جلی ہے اور ملحدین کے اعتراض سے بہت دور ہے اور وہ تاویل اسی حدیث مبارکہ سے مستفاد ہے اور یہ ہے کہ یہ حدیث مبارکہ عروہ اور مسیب سے بھی مروی ہے۔

اور اس میں ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بنوزریق کے یہودیوں نے جادو کیا اور اس کو ایک کنویں میں ڈال دیا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بینائی کمزور ہوگئی پھر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کنویں سے نکال لیا۔ (مصنف عبدالرزاق: رقم الحدیث: 19764)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے۔

عطاء خراسانی یحییٰ بن معمر سے روایت کرتے ہیں کہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سال تک ان کے پاس نہیں جاسکے پھر جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوئے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو فرشتے آئے ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کی جانب بیٹھ گیا اور دوسرا پیروں کی جانب۔

پھر ایک نے دوسرے سے کہا:

(سیّدنا) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) پر جادو کیا گیا ہے۔

دوسرے نے کہا:

ہاں! ان پر ابوفلاں نے کنوئیں میں جادو کیا ہے پھر جب صبح کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نکالنے کا حکم دیا سو اس کو کنوئیں سے نکال لیا گیا۔ (مصنف عبدالرزاق: رقم الحدیث: 19765)

اور محمد بن سعد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے اور ازواج کے پاس جانے اور کھانے پینے پر قادر نہ ہوئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو فرشتے آئے اور اسی طرح مکالمہ کیا جس طرح صحیح بخاری میں ہے۔

اور اس کے آخر میں ہے۔

پھر جب وہ فرشتے چلے گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا تم اس کنوئیں پر جاؤ اس کا پانی مہندی کے رنگ کا ہو گا تم اس میں سے پتھر کے نیچے سے کھوکھلا شگوفہ نکالنا۔ انہوں نے اس میں سے وہ شگوفہ نکالا اس میں گیارہ گرہیں تھیں اور اس وقت یہ دو سورتیں نازل ہوئیں۔

1- قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ٥، 2- قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ٥

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک آیت پڑھتے گئے اور ایک ایک گرہ کھلتی گئی حتیٰ کہ ساری گرہیں کھل گئیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحت مند ہو گئے اور اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور کھانے پینے میں مشغول ہو گئے۔

(الطبقات الکبریٰ: ج: 2، ص: 198 تا 199 مطبوعہ دار صادر)

پس ان روایات سے ظاہر ہو گیا کہ جادو کا اثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری اعضاء پر ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل سلیم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتقاد پر نہیں ہوا تھا اور حدیث مبارکہ میں یہ جو الفاظ ہیں کہ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ گمان کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اہلیہ کے پاس جائیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس نہیں جاتے تھے اور یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ خیال ڈالا جاتا تھا۔

ان کا معنیٰ یہ ہے کہ

پہلے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی پر خوش تھے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قریب جاتے تو جادو کے اثر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر قادر نہ ہوتے۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جو یہ فرمایا ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ خیال ڈالا جاتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام کیا ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ

جادو کے اثر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں فرق پڑ گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ گمان کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی کو کہیں دیکھا ہے یا کسی اور کو دیکھا ہے یا کسی اور کو کوئی کام کرتے ہوئے دیکھا ہے اور ایسا نہیں ہوتا تھا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ

جادو سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بصر بہت متاثر ہو گئی تھی اس سے ظاہر ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا کوئی ایسا اثر نہیں ہوا تھا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی رسالت کے بارے میں کوئی اشتباہ یا التباس ہو گیا ہو اور نہ ایسی کوئی بات ہوئی تھی جس کی وجہ سے گمراہوں کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں کسی اعتراض یا طعن کی گنجائش ہو۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم: ج:7، ص86 تا 88 مطبوعہ دار الوفاء)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر مالکی قرطبی متوفی 656ھ اسی حدیث مبارکہ کی شرح میں لکھتے ہیں۔ بعض کج رووں نے اس حدیث مبارکہ کو نبوت میں طعن کا ذریعہ بنا لیا ہے۔

انہوں نے کہا:

جس شخص کا یہ حال ہو کہ اس نے ایک کام نہ کیا اور اس کا گمان یہ ہو کہ اس نے وہ کام کر لیا ہے اس کے دعویٰ نبوت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

یہ اعتراض ان کی کم علمی اور کم فہمی کی وجہ سے صادر ہوا ہے۔

کم فہمی یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ تھی کہ جماع کرنے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال یہ ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کام کر لیں گے لیکن جادو کے اثر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس عمل پر قادر نہ ہوتے تھے اور صحیح مسلم کے علاوہ دوسری کتب حدیث میں اس کی تصریح ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھا پی سکیں گے لیکن جادو کی وجہ سے جو مرض عارض ہوا تھا اس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے پینے پر قادر نہیں ہوتے تھے۔

اور ان احادیث مبارکہ کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ

جادو کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل میں کوئی خلل ہو گیا تھا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام خلط ملط ہو گیا تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدق معجزہ ثابت ہے اور امور تبلیغیہ میں غلطی واقع ہونے سے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معصوم رکھا ہے۔

اور معترض کی کم عقلی یہ ہے کہ

اس کو نبوات کے احکام اور معجزہ کی دلالت کا علم نہیں ہے گویا کہ وہ نہیں جانتے کہ انبیاء کرام علیہم السلام بھی بشر ہیں اور ان پر بیماری، درد، غضب، رنج وغم، عجز، نظر لگنا، جادو کا کیا جانا اور دیگر تمام عوارض بشریہ کا اس طرح طاری ہونا ممکن ہے جس طرح یہ عوارض دوسرے لوگوں پر طاری ہوتے ہیں لیکن انبیاء کرام علیہم السلام اس چیز سے معصوم ہیں کہ ان پر کوئی ایسی چیز طاری ہو جو معجزہ کی دلالت کے مناقض اور منافی ہو مثلاً اللہ تعالیٰ کی معرفت، ان کا صادق ہونا اور امور تبلیغیہ میں کسی غلطی کا واقع نہ ہونا اور اسی معنیٰ کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ (الکہف:110)

آپ فرمادیجئے کہ میں محض تمہاری مثل بشر ہوں مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔

بشری حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ تمام امور جائز ہیں جو دیگر انسانوں پر جائز ہیں اور نبوت کے خواص کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں سے ان تمام چیزوں میں ممتاز ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے شہادت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بصر نے نہ کجی کی اور نہ حد سے بڑھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مشاہدہ کیا اس میں جھوٹ نہیں کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اللہ تعالیٰ کی وحی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جاتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔

(المفہم: ج:5، ص570 تا 571 مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکی متوفی 828ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے پاس جائیں گے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر قادر نہ ہوتے۔

اور ایک روایت میں فرمایا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام کیا ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کام نہ کیا ہوتا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بینائی میں خلل ہو گیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ گمان ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی کو یا کسی اور شخص کو دیکھا ہے اور واقع میں ایسا نہیں ہوتا تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بصر میں کچھ قصور ہو گیا تھا یہ وجہ نہیں تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بصر کے علاوہ کسی اور عضو میں کچھ کمی ہو گئی تھی کیونکہ جادو کے اثر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں کوئی خلل نہیں ہو سکتا تھا اور اس میں گمراہوں کے لئے نبوت میں طعن کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (اکمال اکمال المعلم: ج:7، ص:365، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

سنہ 7ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد رؤسا یہود نے لبید بن اعصم یہودی سے کہا تو اور تیری لڑکیاں جادوگری میں یکتا ہیں حضور پر جادو کر، لبید نے حضور کے ایک یہودی غلام سے حضور کی شکستہ کنگھی کے دندانے اور کچھ بال شریف حاصل کر لیے اور موم کا ایک پتلا بنایا اس میں گیارہ سوئیاں چبھوئیں ایک تانت میں گیارہ گرہیں لگائیں یہ سب کچھ اس پتلے میں رکھ کر بیر اوان میں پانی کے نیچے دبا دیا۔ اس کا حضور کے خیال شریف میں یہ اثر ہوا کہ دنیاوی کاموں میں بھول ہو گئی چھ ماہ تک اثر رہا پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ دونوں سورتیں فلق و ناس لائے جن میں گیارہ آیتیں ہیں اور حضور کو اس جادو کی خبر دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کنویں پر بھیجا گیا آپ نے جادو کا یہ سامان پانی کی تہہ سے نکالا، حضور نے یہ سورتیں پڑھیں ہر آیت پر ایک گرہ کھلتی تھی تمام گرہیں کھل گئیں اور حضور کو شفا ہو گئی۔

اس سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

ایک یہ کہ

جادو اور اس کی تاثیر حق ہے۔

دوسرے یہ کہ

نبی کے جسم پر جادو کا اثر ہوتا ہے جیسے تلوار، تیر اور نیزے کا یہ اثر خلاف نبوت نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں جادوگر فیل ہوئے کیونکہ وہاں جادو سے معجزہ کا مقابلہ تھا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیال پر بھی اس جادو نے اثر کیا۔ (نور العرفان: ص: 965 مطبوعہ ادارہ کتب اسلامیہ گجرات)

امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی 370ھ لکھتے ہیں:

بعض لوگوں نے یہ زعم کیا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی جادو کا عمل کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہوا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام کیا ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کام نہیں کیا تھا اور ایک یہودی نے کھجور کے کھوکھلے شگوفے میں اور کنگھی کے دندانوں میں اور کنگھی میں لگے ہوئے بالوں میں عمل کیا تھا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک عورت نے کنگھی میں جادو کیا ہے جو راعوفہ کنویں کے نیچے ہے اس کنگھی کو نکال لیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جادو کا اثر جاتا رہا اور اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس دعویٰ کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ○ (بنی اسرائیل: 47)

ظالم یہ کہتے ہیں کہ تم صرف ایسے شخص کی پیروی کر رہے ہو جس پر جادو کیا ہوا ہے۔

اور اس قسم کی احادیث ملحدین کی گھڑی ہوئی ہیں جنہوں نے دین کو کھیل بنا لیا ہے اور وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات

کو باطل کرنے کی سعی میں لگے رہتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات میں اور جادوگروں کے افعال میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ ایک ہی قسم میں سے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ۝ (طٰہٰ:69)

اور جادوگر جہاں سے بھی آئے کامیاب نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ جادوگروں کی تکذیب کرتا ہے اور یہ لوگ جادوگروں کی تصدیق کرتے ہیں۔ ایک یہودی عورت نے اپنی جہالت سے یہ کام کیا ہو اور یہ گمان کیا ہو اور اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد کیا ہو اور یہ گمان کیا ہو کہ جادو کا اجسام میں اثر ہوتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اثر ہوگا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو جادو کی جگہ پر مطلع فرمادیا اور اس عورت کی جہالت اور اس کے کرتوتوں کو اور اس کی توقعات کو ظاہر فرمادیا تاکہ یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل سے ہوجائے اور ایسا نہیں ہوا کہ اس جادو کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اثر ہوا ہو اور اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرر پہنچا ہو اور کسی راوی نے یہ نہیں کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر معاملات مشتبہ ہوجاتے تھے ان الفاظ کا حدیث مبارکہ میں اضافہ کیا گیا ہے اور ان کی کوئی اصل نہیں ہے اور معجزات اور جادو میں فرق ہوتا ہے کہ معجزات حقائق پر مبنی ہوتے ہیں اور ان کا باطن بھی ان کے ظاہر کی طرح ہوتا ہے اور جادو میں باطن ظاہر کی طرح نہیں ہوتا بلکہ وہ باطن میں کسی چالاکی اور شعبدہ بازی پر مبنی ہوتا ہے اور جادوگر اپنی قوت مخیلہ سے کام لیتا ہے اور انسان کو جو کچھ نظر آتا ہے وہ حقیقت میں نہیں ہوتی بلکہ جادوگر کی قوت مخیلہ کی کارستانی ہوتی ہے۔

(احکام القرآن: ج:1 ص:49 مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ ان روایات کے متعلق لکھتے ہیں۔

معتزلہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیے جانے کا کئی وجوہ سے انکار کیا ہے۔

1- اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ۝ (طٰہٰ:69)

جادوگر جہاں سے بھی آئے وہ کامیاب نہیں ہوتا۔

2- اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف میں یہ فرمایا ہے۔

وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ (الفرقان:8)

اور ظالموں نے کہا تم لوگ تو صرف جادو کیے ہوئے شخص کی پیروی کرتے ہو۔

اور اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہوجاتا تو کفار کے اس قول کی مذمت نہ کی جاتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا ہوا ہے۔

3- اگر جادو سے یہ کام ممکن ہوتا تو پھر معجزہ سے جادو ممتاز نہ ہوتا۔

پھر انہوں نے کہا

یہ دلائل یقینیہ ہیں اور جن روایات کا تم نے ذکر کیا ہے وہ سب اخبار احاد ہیں جو ان دلائل قطعیہ سے معارضہ کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ (تفسیر کبیر: ج:1،ص:626 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

سیّد محمد قطب شہید متوفی 1385ھ لکھتے ہیں:

یہ روایات فعل اور قول میں عصمت نبویہ کی اصل کے مخالف ہیں اور جبکہ اعتقاد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال میں سے ہر فعل اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں سے ہر قول سنت اور شریعت ہے اور یہ روایات اس اعتقاد کے مخالف ہیں اسی طرح یہ روایات قرآن مجید کی نفی اور تکذیب کرتی ہیں کیونکہ قرآن مجید نے کفار کے اس قول کو باطل قرار دیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا ہے اور اس کو ظلم اور گمراہی فرمایا ہے اور ان روایات میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا ہے اس وجہ سے ہم ان روایات کو مستبعد سمجھتے ہیں اور اخبار احاد کا عقائد میں اعتبار نہیں کیا جاتا۔ عقائد میں صرف قرآن عظیم کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور احادیث متواترہ کی طرف اور عقائد اور اصول میں احادیث کو قبول کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ متواتر ہوں اور یہ روایات متواتر نہیں ہیں نیز ان روایات کے مطابق یہ واقعہ مدینہ منورہ میں ہوا ہے اور سورہ فلق اور سورہ ناس مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں اور ایک وجہ ہے کہ جو ان روایات کی بنیاد کو کمزور کرتی ہے۔

(فی ظلال القرآن: ج:30،ص:294 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فرعون کا سب نشانیاں دیکھنے کے باوجود بھی جھٹلانا

فرعون کو سب نشانیاں دکھائی گئیں مگر اس نے پھر بھی جھٹلایا اور انکار کیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ○ (طٰہٰ:56)

اور بے شک ہم نے فرعون کو سب نشانیاں دکھائیں اس نے پھر بھی جھٹلایا اور انکار کیا۔

ملک سے نکال دینے کا کہنا

فرعون نے کہا: اے موسیٰ علیہ السلام کیا تم اس لیے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہمیں اپنے جادو کے ذریعہ ہمارے ملک سے نکال دو۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ○ (طٰہٰ:57)

اس نے کہا: اے موسیٰ کیا تم اس لیے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہم کو اپنے جادو کے ذریعے ہمارے ملک سے نکال دو۔

ماہر جادوگر کہنا

قوم فرعون کے سرداروں نے آپس میں کہا یہ شخص تو واقعی ہی بہت بڑا جادوگر ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ؁ (الاعراف:109)

قوم فرعون کے سرداروں نے (آپس میں) کہا یقیناً یہ شخص بہت ماہر جادوگر ہے۔

زمین سے نکال دینے کا کہنا

قوم فرعون کے سرداروں نے کہا یہ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہاری زمین سے نکال دے لہٰذا اب تمہارا کیا مشورہ ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

يُرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ؁ (الاعراف:110)

یہ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہاری زمین سے نکال دے اب تمہارا کیا مشورہ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے بھائی کو روکنے اور جادوگروں کو بلانے کا کہنا

قوم فرعون کے سرداروں نے فرعون سے کہا اس کو اور اس کے بھائی کو ٹھہرالو اور لوگوں کو جمع کرنے والوں کو شہروں میں بھیج دو جو تمہارے پاس ماہر جادوگر کو لے آئیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ؁ (الاعراف:111)

انہوں نے فرعون سے کہا اس کو اور اس کے بھائی کو ٹھہرالو اور جمع کرنے والوں کو شہروں میں بھیج دو۔

مدت مقرر کرنے اور مقابلہ کھلے میدان میں ہونے کا کہنا

فرعون نے یا سرداروں نے کہا تم اپنے اور ہمارے درمیان ایک مدت مقرر کرلو نہ ہم اس کی خلاف ورزی کریں گے اور نہ تم کرنا یہ مقابلہ کھلے میدان میں ہوگا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَاۤ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ؁ (طٰہٰ:58)

پس ہم بھی تمہارے مقابلہ میں ضرور ایسا ہی جادو لائیں گے لہٰذا تم اپنے اور ہمارے درمیان ایک مدت مقرر کرلو نہ ہم اس کی خلاف ورزی کریں گے اور نہ تم کرنا یہ مقابلہ کھلے میدان میں ہوگا۔

جشن کے دن مقابلہ کرنے کا وعدہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا تمہارے ساتھ مقابلہ کرنے کا جشن کے دن کا وعدہ ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ (طٰہٰ:59)

تمہارے ساتھ جشن کے دن کا وعدہ ہے۔

دن چڑھے لوگ جمع ہونے کا فرمانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تمہارے ساتھ جشن کے دن کا وعدہ ہے اور دن چڑھے لوگ جمع ہو جائیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاَنْ یُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًی ○ (طٰہٰ:59)

اور دن چڑھے لوگ جمع ہو جائیں۔

فرعون کا اپنے ہتھکنڈے جمع کر کے آنا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارے ساتھ جشن کے دن کا وعدہ ہے تو فرعون چلا گیا اور اپنے ہتھکنڈے جمع کر کے آ گیا۔

قرآن مجید میں ہے: فَتَوَلّٰی فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ کَیْدَهٗ ثُمَّ اَتٰی ○ (طٰہٰ:60)

پھر فرعون چلا گیا اور اپنے ہتھکنڈے جمع کر کے آ گیا۔

یَوْمُ الزِّیْنَةِ کا مطلب

آیت کریمہ میں یَوْمُ الزِّیْنَةِ کے الفاظ ہیں اس کے متعلق درج ذیل اقوال ہیں۔

1- ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد ان کی عید کا دن ہے۔

2- سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد عاشورا کا دن ہے۔

3- ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد یوم النیروز ہے اور وہ اس کے پہلے دن ہفتہ کے روز تھا۔

4- سعید بن جبیر کا قول ہے کہ وہ ان کے بازار جانے کا دن تھا۔

آگے آیت میں ضُحًی کا لفظ آیا ہے اور اس سے مراد جب دن چڑھ جائے اور سورج کی روشنی خوب پھیل جائے اور دن چڑھنے پر اس مقابلہ کو اسی لیے معلق کیا تا کہ سورج کی روشنی کامل ہو اور لوگ آسانی سے جمع ہو جائیں اور حجت خوب واضح ہو جائے اور شک وشبہ سے بالاتر ہو۔ (زاد المسیر: ج:5، ص:295 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

ہتھکنڈوں سے مراد

ہتھکنڈوں سے مراد جادوگر ہیں کہ فرعون نے جادوگر جمع کر لیے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جھوٹ بولنے سے منع فرمانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا تم پر افسوس ہے تم جھوٹ بول کر اللہ تعالیٰ پر بہتان نہ باندھو وہ تمہیں عذاب سے ملیامیٹ کردے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ○
(طٰہٰ:61)

موسیٰ نے ان سے کہا تم جھوٹ بول کر اللہ تعالیٰ پر بہتان نہ باندھو وہ تم کو عذاب سے ملیامیٹ کردے گا اور بے شک جس نے بہتان باندھا وہ نامراد رہا۔

لوگوں کا آپس میں سرگوشیاں کرنا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے سے منع فرمایا تو وہ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگ گئے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ○ (طٰہٰ:62)

پھر وہ لوگ اپنے معاملہ میں مختلف ہوگئے اور آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔

کیا سرگوشیاں کی تھیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

انہوں نے یہ سرگوشی کی تھی کہ اگر موسیٰ علیہ السلام ان پر غالب آگئے تو وہ ان کی پیروی کریں گے۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ان کی یہ سرگوشی تھی کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگر ہیں تو ہم ان پر غالب آجائیں گے اور اگر ان کا تعلق آسمانوں سے ہے تو پھر وہی کامیاب ہوں گے۔

دونوں کو جادوگر کہنا

جادوگروں نے سرگوشی کے وقت کہا یہ دونوں ضرور جادوگر ہیں جو اپنے جادو سے تم کو تمہارے ملک سے نکالنا چاہتے ہیں اور تمہارے مذہب کو مٹانا چاہتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے

قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ○
(طٰہٰ:63)

وہ کہنے لگے بے شک یہ دونوں ضرور جادوگر ہیں جو اپنے جادو سے تمہیں تمہارے ملک سے نکالنا چاہتے ہیں اور تمہارے بہترین مذہب کو مٹانا چاہتے ہیں۔

تمام داؤں کے ساتھ صف بندی کر کے مقابلہ کرنے کا کہنا

جادوگروں نے کہا تم اپنے سارے داؤ پیچ جمع کر لو پھر صف باندھ کر آؤ بے شک آج وہی کامیاب ہوگا جو غالب رہے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ○ (طٰہٰ:64)

تم اپنے سارے داؤ پیچ جمع کر لو پھر صف باندھ کر آؤ بے شک آج وہی کامیاب ہوگا جو غالب رہے گا۔

جادوگروں کا غالب ہونے پر انعام کا طلب کرنا

جادوگروں نے فرعون سے کہا: اگر ہم غالب آ گئے تو ہمارے لیے انعام ہوگا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ○ (الاعراف:113)

اور جادوگر فرعون کے پاس آئے اور کہا: اگر ہم غالب آ گئے تو یقیناً ہمارے لیے انعام ہوگا۔

فرعون کا جادوگروں سے غالب آنے پر انعام کا وعدہ

جب جادوگروں نے کہا کہ اگر ہم غالب ہو گئے تو یقیناً ہمارے لیے انعام ہوگا تو فرعون نے کہا ہاں اور بے شک تم ضرور مقربین میں سے ہو جاؤ گے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ○ (الاعراف:114)

فرعون نے کہا ہاں! اور بے شک تم ضرور مقربین میں سے ہو جاؤ گے۔

جادوگروں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے یا بعد میں عصا ڈالنے کا پوچھنا

جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اے موسیٰ علیہ السلام آیا آپ علیہ السلام پہلے عصا ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ○ (الاعراف:115)

جادوگروں نے کہا: اے موسیٰ! آیا آپ پہلے (عصا) ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِیَ وَاِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰی ○ (طٰہٰ:65)

انہوں نے کہا! اے موسیٰ! آیا آپ پہلے ڈالو گے یا ہم پہلے ڈالنے والے ہو جائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں کو پہلے ڈالنے کا حکم

جب جادوگروں نے کہا: اے موسیٰ علیہ السلام آیا تم پہلے ڈالو گے یا ہم پہلے ڈالیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم پہلے ڈالو۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ (طٰہٰ:66)

موسیٰ نے کہا بلکہ تم پہلے ڈالو۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

قَالَ اَلْقُوْا ۚ (الاعراف:116)

موسیٰ نے کہا تم ڈالو۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤی اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ○ (یونس:80)

پس جب وہ جادوگر آ گئے موسیٰ نے ان سے کہا تم ڈالو جو کچھ تم ڈالنے والے ہو۔

جادوگروں کا لوگوں کی آنکھوں پر جادو کرنا اور خوف زدہ کرنا

جب جادوگروں نے اپنی عصا یا رسیاں ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان کو خوف زدہ کر دیا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا سَحَرُوْۤا اَعْیُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِیْمٍ ○ (الاعراف:116)

موسیٰ نے کہا تم ڈالو۔ جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان کو خوفزدہ کر دیا اور انہوں نے بہت بڑا جادو پیش کیا۔

رسیوں اور لاٹھیوں کا دوڑنا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کو فرمایا کہ پہلے تم ڈالو تو اچانک حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خیال ہوا کہ ان کے جادو سے ان کی رسیاں اور لاٹھیاں دوڑ رہی ہیں۔

قرآن مجید میں ہے

فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِیُّهُمْ یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰی ○ (طٰہٰ:66)

پس اچانک موسیٰ کو خیال ہوا کہ ان کے جادو سے ان کی رسیاں اور لاٹھیاں دوڑ رہی ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خوف

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں خوف پایا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی ۝ (طٰہٰ:67)

پس موسیٰ نے اپنے دل میں خوف پایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ڈرنے کی توجیہ

1- جادوگروں نے لاٹھیاں اور رسیاں ڈالی تھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے عصا ڈالنے سے پہلے دیکھنے والے عام لوگوں کے دلوں اور دماغوں میں جادو کی تاثیر بیٹھ جائے اور وہ جادوگروں سے متاثر ہو جائیں۔

2- حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ خوف ہوا کہ عام لوگ جب لاٹھیوں اور رسیوں کو سانپ بنتا دیکھیں گے تو وہ یہ سمجھیں گے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اسی طرح اپنی لاٹھی کو سانپ بنایا ہوگا۔

3- حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ بغیر وحی کے از خود کوئی اقدام نہ کریں جب اس موقع پر وحی موخر ہوگئی تو موسیٰ علیہ السلام کو یہ خوف ہوا کہ وحی نازل نہ ہوئی تو ان کو شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

بعض اہل حقائق نے یہ کہا ہے کہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں سے یہ کہا تھا کہ تم پر افسوس ہے تم جھوٹ بول کر اللہ تعالیٰ پر افتراء نہ باندھو پس وہ تم کو عذاب سے ملیامیٹ کر دے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مڑ کر دیکھا تو ان کی دائیں جانب حضرت جبرائیل علیہ السلام کھڑے ہوئے تھے۔

انہوں نے کہا:

اے موسیٰ علیہ السلام! آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے ساتھ نرمی کریں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

اے جبرائیل علیہ السلام! یہ لوگ تو معجزہ کو باطل کرنے کے لئے بہت بڑے جادو کا سامان لے کر آئے ہیں یہ فرعون کے دین کی مدد کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دین کو رد کر رہے ہیں اور آپ علیہ السلام ان کے متعلق کہہ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے ساتھ نرمی کریں۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

اس وقت سے لے کر عصر کے وقت تک یہ آپ علیہ السلام کے ساتھ ہیں اور عصر کے بعد یہ جنت میں ہوں گے۔ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے یہ بتایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں ڈرے اور ان کے دل میں خیال آیا کہ مجھے کون بتائے گا کہ میرے متعلق اللہ تعالیٰ کا کیا علم ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس ساعت میں، میں جس حال میں ہوں اگلی ساعت میں میرا حال اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کے برعکس ہو۔ جس طرح یہ جادوگر اس حال میں کفر پر ہیں اور اس کے بعد ایمان سے مشرف ہو کر جنت میں ہوں گے جب اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ حالت دیکھی تو ان کو وحی فرمائی کہ تم ڈرومت دنیا میں بھی تم ہی غالب رہو گے اور جنت میں بھی تم ہی بلند درجات میں ہو گے کیونکہ میں نے تم کو نبی بنایا ہے اور تم کو فضیلت دے کر چن لیا ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز: 11، ص: 139 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غالب آنے کا فرمانا

ارشاد فرمایا: موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں خوف پایا تو ہم نے کہا آپ نہ ڈریں بے شک آپ ہی غالب رہیں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝ (طٰہٰ: 68)

ہم نے کہا آپ نہ ڈریں بے شک آپ ہی غالب رہیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں کے لائے ہوئے کو جادو فرمانا

جب جادوگروں نے لاٹھیاں یا رسیاں ڈالیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جو کچھ تم لائے ہو وہ جادو ہے بے شک جلد ہی اللہ تعالیٰ اس کو تباہ و برباد فرمادے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَ يُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ (یونس: 81، 82)

پھر جب انہوں نے ڈال دیا تو موسیٰ نے کہا تم جو کچھ لائے ہو وہ جادو ہے بے شک عنقریب اللہ تعالیٰ اس کو تباہ و برباد کر دے گا بے شک اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کے کام کی اصلاح نہیں فرماتا اور اللہ تعالیٰ اپنے کلمات سے حق کا حق ہونا ثابت فرمادے گا خواہ مجرموں کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب اپنا عصا ڈالنے کی وحی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی گئی کہ تم اپنا عصا ڈال دو۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ (الاعراف:117)

اور ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ تم اپنا عصا ڈال دو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جادوگروں کی تمام کاری گری نگل جانے کا فرمانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا گیا کہ جو آپ کے دائیں ہاتھ میں ہے اس کو ڈال دیجئے وہ ان کی تمام کاری گری کو نگل جائے گا انہوں نے جو کچھ بھی بنایا ہے وہ جادو کا فریب ہے اور جادوگر جہاں بھی جائے گا کامیاب نہیں ہوتا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَیْدُ سٰحِرٍ ؕ وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰی ○

(طٰہٰ:69)

اور جو آپ کے دائیں ہاتھ میں ہے اس کو ڈال دیجئے وہ ان کی تمام کاری گری کو نگل جائے گا انہوں نے جو کچھ بنایا ہے وہ جادو کا فریب ہے اور جادوگر جہاں بھی جائے کامیاب نہیں ہوتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنا عصا پھینکنا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا ڈالنے کا فرمایا گیا تو آپ علیہ السلام نے وہ عصا ڈالا تو وہ صاف اژدھا بن گیا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت قاسم بن ابی بزہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

فرعون کے ستر ہزار جادوگر تھے سو انہوں نے ستر ہزار رسیاں اور ستر ہزار چھڑیاں زمین پر پھینکیں حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے جادو کے سبب یہ خیال آنے لگا کہ وہ دوڑ رہی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی۔

اے موسیٰ علیہ السلام اپنا عصا ڈالو پس آپ علیہ السلام نے اپنا عصا مبارک ڈالا تو وہ صاف اژدھا بن گیا۔

(تفسیر طبری، ج:9،ص:27 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

عصا کا جادوگروں کے جھوٹے طلسم کو نگلنا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈالا تو وہ جادوگروں کے جھوٹے طلسم کو نگلنے لگ گیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِكُوْنَ ○ (الاعراف:117)

تو وہ فوراً ان کے جھوٹے طلسم کو نگلنے لگا۔

رسیوں اور چھڑیوں کو نگلنا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کو ڈالا تو وہ اژدھا بن کر رسیوں اور چھڑیوں کو نگل گیا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت قاسم بن بزہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

فرعون کے ستر ہزار جادوگر تھے سوانہوں نے ستر ہزار رسیاں اور ستر ہزار چھڑیاں زمین پر پھینکیں حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے جادو کے سبب یہ خیال آنے لگا کہ وہ دوڑ رہی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی اے موسیٰ (علیہ السلام)! اپنا عصا ڈالو۔ پس آپ علیہ السلام نے اپنا عصا مبارک ڈالا تو وہ صاف اژدھا بن گیا اس نے اپنا منہ کھولا اور ان کی رسیوں اور چھڑیوں کو نگل گیا۔ (تفسیر عبدالرزاق: ج:9 ص27 تا 28 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حق کا غلبہ ثابت ہوگیا اور اس کا بطلان ظاہر ہوگیا

عصا کا جادوگروں کے جھوٹے طلسم کو نگلنے سے حق کا غلبہ ثابت ہوگیا اور جو کچھ وہ کرتے تھے اس کا بطلان ظاہر ہوگیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَ بَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (الاعراف:118)

سو حق کا غلبہ ثابت ہوگیا اور جو کچھ وہ کرتے تھے اس کا بطلان ظاہر ہوگیا۔

فرعون اور درباریوں کا مغلوب ہونا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا جھوٹے طلسم کو نگلنے سے فرعون اور اس کے درباری مغلوب ہوگئے اور وہ ذلیل وخوار ہوکر واپس ہوئے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَ انْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ۝ (الاعراف:119)

پس فرعون اور اس کے درباری مغلوب ہوگئے اور ذلیل وخوار ہوکر واپس ہوئے۔

جادوگروں کا سجدہ میں گرنا

عصا کا جادوگروں کے جھوٹے طلسم کو نگلتے دیکھ کر جادوگر سجدہ میں گر گئے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۝ (الاعراف:120)

اور جادوگر سجدہ میں گر پڑے۔

سب جادوگر سجدہ میں گر پڑے

سب جادوگر سجدہ میں گر پڑے تھے۔

قرآن مجید میں ہے

فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا (طٰہٰ:70)

پس سب جادوگر سجدے میں گر گئے۔

جادوگروں کا کہنا ہم حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے رب عزوجل پر ایمان لائے

جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر سجدہ میں گر پڑے اور کہنے لگے کہ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے رب عزوجل پر ایمان لے آئے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰی ○ (طٰہٰ:70)

انہوں نے کہا ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے۔

ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے

جادوگروں نے کہا ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا رب عزوجل ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○ رَبِّ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ○ (الاعراف:121تا122)

انہوں نے کہا ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔

جادوگروں کو یقین کیسے ہوا؟

جب عصا جادوگروں کی رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل کر اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ آیا تو جادوگروں کو یقین ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے تو وہ اس وقت سجدے میں گرتے ہوئے کہنے لگے کہ ہم سارے جہانوں کے رب عزوجل پر ایمان لائے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ جادوگر جب جمع ہوئے تو انہوں نے کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام جو کچھ لے کر آئے ہیں اگر وہ جادو ہے تو وہ ہرگز غالب نہیں آئیں گے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے تو ابھی تم دیکھ لو گے سو جب آپ علیہ السلام نے اپنا عصا مبارک ڈالا تو اس نے اسے کھا لیا جو فریب انہوں نے اپنے جادو کے سبب دے رکھا تھا اور اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ آیا تو انہیں یقین ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے تو اس وقت وہ سجدے کرتے ہوئے گر گئے اور کہنے لگے ہم سارے جہانوں کے پروردگار کے ساتھ ایمان لائے۔ (درمنثور، ج:3، ص:343، مطبوعہ کراچی)

فرعون کے بارہ ہزار جادوگر تھے

فرعون نے جن جادوگروں کو بلایا ایک روایت کے مطابق وہ بارہ ہزار تھے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

فرعون کے جادوگر بارہ ہزار تھے۔ (تفسیر طبری: ج:9، ص:26 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فرعون نے پندرہ ہزار جادوگر جمع کیے

ایک روایت کے مطابق فرعون نے پندرہ ہزار جادوگر جمع کیے تھے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

فرعون نے پندرہ ہزار جادوگر جمع کیے تھے۔ (تفسیر طبری: ج:9، ص:27 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فرعون کے جادوگر ستر ہزار تھے

ایک روایت کے مطابق فرعون کے جادوگر ستر ہزار تھے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت قاسم بن ابی بزہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

فرعون کے ستر ہزار جادوگر تھے سوانہوں نے ستر ہزار رسیاں اور ستر ہزار چھڑیاں زمین پر پھینکیں حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے جادو کے سبب یہ خیال آنے لگا کہ وہ دوڑ رہی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی اے موسیٰ علیہ السلام! اپنا عصا ڈالو۔ پس آپ علیہ السلام نے اپنا عصا مبارک ڈالا تو وہ صاف اژدھا بن گیا اس نے اپنا منہ کھولا اور ان کی رسیوں اور چھڑیوں کو نگل گیا تو اس وقت جادوگر سجدے میں گر گئے انہوں نے اپنے سر نہیں اٹھائے حتیٰ کہ جنت و دوزخ اور ان کے اہل کا انجام دیکھ لیا۔ (تفسیر طبری: ج:9، ص27 تا 28 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی)

فرعون کے جادوگر انیس ہزار تھے

ایک روایت کے مطابق فرعون کے جادوگر انیس ہزار تھے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: حضرت ابوثمامہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

فرعون کے جادوگر ستر ہزار تھے اور ایک روایت کے مطابق ان کی تعداد انیس ہزار تھی۔ (درمنثور: ج:3، ص:342 مطبوعہ کراچی)

فرعون کے جادوگروں کی تعداد تیس ہزار سے کچھ زائد تھی

ایک روایت کے مطابق فرعون کے جادوگروں کی تعداد تیس ہزار سے کچھ زائد تھی۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

سدی سے روایت ہے کہ

جادوگروں کی تعداد تیس ہزار سے کچھ زائد تھی ان میں سے ہر آدمی کے پاس رسی یا چھڑی تھی پس جب انہوں نے انہیں پھینکا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور انہیں خوفزدہ کر دیا۔ (درمنثور: ج:3، ص:342 مطبوعہ کراچی)

فرعون کا جادوگروں کو میری اجازت سے پہلے ایمان لانے اور خفیہ سازش کا کہنا

جب جادوگر معجزہ کو دیکھ کر ایمان لے آئے تو اس نے جادوگروں سے کہا تم میری اجازت دینے سے پہلے ایمان لائے ہو یقیناً یہ تمہاری خفیہ سازش ہے جو تم نے مل کر شہر میں تیار کی ہے تا کہ اس شہر کے رہنے والوں کو اس شہر سے نکال دو۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِی الْمَدِیْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَاۤ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ (الاعراف:123)

فرعون نے کہا تم میری اجازت دینے سے پہلے ایمان لے آئے؟ یقیناً یہ تمہاری خفیہ سازش ہے جو تم نے مل کر شہر میں تیار کی ہے تا کہ اس شہر کے رہنے والوں کو اس شہر سے نکال دو سو عنقریب تم اس کا خمیازہ بھگتو گے۔

فرعون کا جادوگروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جادو سکھانے کا کہنا

فرعون نے جادوگروں سے کہا بے شک یہی تمہارا بڑا بزرگ ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ (طٰہٰ:71)

فرعون نے کہا تم میری اجازت دینے سے پہلے اس پر ایمان لے آئے بے شک یہی تمہارا وہ بڑا بزرگ ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔

فرعون نے خفیہ سازش کا کیوں کہا؟

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کے امیر کی ملاقات ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو کہا۔ تیری کیا رائے ہے اگر میں تجھ پر غالب آ گیا تو کیا تو میرے ساتھ ایمان لے آئے گا اور یہ شہادت دے گا کہ جو دین میں لے کر آیا ہوں وہ حق ہے؟

جادوگر نے کہا:

میں بالیقین کل ایسا جادو لاؤں گا جس پر کوئی جادو غالب نہیں آسکے گا۔ قسم بخدا! اگر مجھ پر غالب آ گئے تو میں بالیقین تمہارے ساتھ ایمان لاؤں گا اور میں یہ شہادت دوں گا کہ آپ حق پر ہیں۔ فرعون ان کی اس کیفیت کو دیکھ رہا تھا اور یہ فرعون کا قول ہے۔

"اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ"

بے شک یہ ایک خفیہ سازش ہے جو تم نے شہر میں کی تھی۔

جب تم دونوں ایک دوسرے کی مدد کے لئے ملے تھے کیا تم دونوں شہر سے اس کے رہائشیوں کو نکال دو گے۔

(تفسیر طبری: ج:9، ص:30 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

جادوگروں کا حالت سجدہ میں جنت کے محلات اور منازل دیکھنا

جب جادوگر سجدہ کی حالت میں گئے تو انہوں نے جنت میں اپنے محلات اور منازل دیکھ لیے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

والقی السحرۃ سجدین کی تفسیر میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ انہوں نے اپنی حالت سجدہ میں وہ اپنے وہ محلات اور منازل دیکھ لیے جو ان کے لئے بنائے جائیں گے۔ (درمنثور: ج:3، ص:344 مطبوعہ کراچی)

جادوگروں کے لئے سجدے کی حالت میں جنت کے حجابات اٹھا دینا اور ان کا دیکھ لینا

جب جادوگر سجدے کی حالت میں گئے تو ان کے لئے جنت کے حجابات اٹھا دیئے اور انہوں نے ان کو دیکھ لیا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جب جادوگر سجدے میں گرے تو ان کے لئے جنت (کے حجابات) اٹھا دیئے گئے اور انہوں نے اس کو دیکھ لیا۔

(درمنثور: ج:3، ص:344 مطبوعہ کراچی)

چار سردار جادوگروں کا ایمان لانا بعد میں دوسروں کا لانا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

وہ جادوگر جو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں جمع کیے تھے ان کے چار سردار یہ تھے۔

1- سابور، 2- عازور

3- حطحط، 4- اور مصفی

یہی وہ لوگ ہیں جو اس وقت ایمان لائے جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قوت و طاقت کو دیکھا اور پھر ان کے ساتھ تمام کے

تمام جادوگر ایمان لے آئے۔ (درمنثور: ج:3،ص:344 مطبوعہ کراچی)

فرعون کا جادوگروں کو ہاتھ پاؤں کاٹنے اور سولی پر چڑھانے کا کہنا

جب جادوگر ایمان لے آئے تو فرعون نے کہا یہ ضرور تمہاری خفیہ سازش ہے جو تم نے مل کر شہر میں تیار کی ہے تا کہ اس شہر کے رہنے والوں کو اس شہر سے نکال دو میں تمہیں ضرور اس کی سزا دوں گا اور میں ضرور تمہارے ہاتھوں اور پاؤں کو مخالف جانبوں سے کاٹ دوں گا پھر میں تم سب کو ضرور سولی پر چڑھاؤں گا۔

قرآن مجید میں ہے:

لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ (الاعراف:124)

میں ضرور تمہارے ہاتھوں اور پاؤں کو مخالف جانبوں سے کاٹ دوں گا پھر میں ضرور تم سب کو سولی پر چڑھاؤں گا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ○ (طٰہٰ:71)

سو میں ضرور تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹوں گا اور تم کو ضرور کھجور کے تنوں پر سولی چڑھاؤں گا اور تم ضرور جان لو گے کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور زیادہ دیرپا ہے۔

جادوگروں کا فرعون کو منہ توڑ جواب دینا

جب فرعون نے جادوگروں سے کہا میں ضرور تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹوں گا اور تم کو ضرور کھجور کے تنوں پر سولی چڑھاؤں گا تو جادوگروں نے کہا ہم تجھے ہرگز ان واضح دلیلوں پر ترجیح نہیں دیں گے جو ہمارے سامنے آچکی ہیں اور اس مقدس ذات پر ہرگز ترجیح نہیں دیں گے جس نے ہمیں پیدا فرمایا ہے تو نے جو کچھ کرنا ہے وہ کر لے تو تو صرف دنیا کی زندگی میں فیصلہ کر سکتا ہے بے شک ہم تو اپنے رب عزوجل پر ایمان لا چکے ہیں تا کہ وہ ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمارے جادو کرنے کے اس گناہ کو بھی جس پر تو نے ہم کو مجبور کیا تھا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ○ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ○ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ○ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ○ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ○ (طٰہٰ:72 تا 76)

انہوں نے کہا ہم تجھ کو ہر گز ان واضح دلیلوں پر ترجیح نہیں دیں گے جو ہمارے سامنے آ چکی ہیں اور اس ذات پر (ترجیح نہیں دیں گے) جس نے ہم کو پیدا کیا ہے پس تو جو کچھ کرنا چاہتا ہے وہ کر گزر تو صرف اس دنیا کی زندگی میں ہی فیصلہ کر سکتا ہے۔ بے شک ہم اپنے رب عزوجل پر ایمان لا چکے ہیں تا کہ وہ ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمارے جادو کرنے کے اس گناہ کو بھی جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا اور اللہ تعالیٰ بہت بہتر ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا اور بے شک جو اپنے رب کے پاس جرم کرتا ہوا آئے گا تو یقیناً اس کے لئے جہنم ہے جس میں وہ نہ مرے گا نہ جئے گا اور جو اس کے پاس ایمان کے ساتھ حاضر ہو اور اس کے عمل نیک ہوئے تو ان ہی لوگوں کے لئے بلند درجات ہیں۔ دائمی جنتیں جن کے نیچے سے دریا جاری ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی ان لوگوں کی جزا ہے جو گناہوں سے پاک رہتے ہیں۔

جادوگروں نے یہ کیوں کہا کہ ہم ہرگز تجھے ترجیح نہ دیں گے؟

جادوگروں نے چونکہ سجدے میں اپنی جنت کی منازل دیکھ لی تھیں اس لیے انہوں نے فرعون سے کہا ہم ہرگز تجھے ترجیح نہ دیں گے اس پر جو ہمارے پاس دلیلیں آ چکی ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

فرعون کے جادوگروں کی تعداد نو سو تھی انہوں نے فرعون سے کہا: اگر تو یہ دونوں جادوگر ہیں تو ہم ان پر غالب آ جائیں گے کیونکہ ہم سے زیادہ جادوگر کوئی نہیں ہے اگر ان کے پاس رب العالمین کی طرف سے معجزات ہیں (تو پھر مقابلہ ممکن نہیں) جب انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے سامنے اپنے جادو اور فریب کاری کی درگت بنتی دیکھی تو فوراً سجدے میں گر گئے اللہ تعالیٰ نے انہیں سجدے میں ہی اپنی جنت کی منازل دکھا دیں جن کی طرف انہوں نے لوٹ کر جانا تھا اسی وجہ سے انہوں نے کہا تھا کہ ہم ہرگز تجھے ترجیح نہ دیں گے اس پر جو ہمارے پاس دلیلیں آ چکی ہیں۔ (درمنثور، ج:4، ص:790 مطبوعہ کراچی)

جادوگروں نے ہرگز تجھے ترجیح نہ دینے کا قول دوزخیوں اور اہل جنت کو ثواب وعذاب کے دیکھنے پر کہا

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت قاسم بن ابی بزہ سے روایت ہے کہ

جب جادوگر سجدے میں گئے تو انہوں نے دوزخیوں کو اور اہل جنت اور ان کے ثواب وعذاب کو دیکھا تو کہا ہم ہرگز ترجیح نہ دیں گے تجھے ان دلیلوں پر جو ہمارے پاس آ چکی ہیں۔ (درمنثور، ج:4، ص:791 مطبوعہ کراچی)

جادوگروں کا اپنے رب عزوجل کی طرف لوٹنے کا کہنا

جب فرعون نے کہا میں ضرور تمہارے ہاتھوں اور پاؤں کو مخالف جانبوں سے کاٹ دوں گا پھر میں تم سب کو ضرور سولی پر

چڑھاؤں گا تو جادوگروں نے کہا بے شک ہم اپنے رب عزوجل کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ (الاعراف:125)

انہوں نے کہا بے شک ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

جادوگروں کا فرعون کو انتقام لینے کی وجہ بتانا

جادوگروں نے کہا تو ہم سے صرف اس بات کا انتقام لے رہا ہے کہ جب ہمارے پاس ہمارے رب عزوجل کی نشانیاں آ گئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰیٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ط (الاعراف:126)

تو ہم سے صرف اس بات کا انتقام لے رہا ہے کہ جب ہمارے پاس ہمارے رب کی نشانیاں آئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے۔

جادوگروں کی دعا کہ اے ہمارے رب ہم پر صبر انڈیل اور حالت اسلام میں ہماری روح قبض فرما

جادوگروں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدس میں عرض کی کہ اے ہمارے رب عزوجل! ہم پر صبر انڈیل دے اور حالت اسلام میں ہماری روح قبض کرنا۔

قرآن مجید میں ہے:

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ ۝ (الاعراف:126)

اے ہمارے رب! ہم پر صبر انڈیل دے اور حالت اسلام میں ہماری روح قبض کرنا۔

فرعون نے سب سے پہلے سولی کا آغاز کیا

فرعون ایسا بدبخت شخص ہے جس نے سب سے پہلے اہل ایمان کو سولی دی۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

فرعون نے سب سے پہلے سولی دی اور اسی نے ہاتھ، پاؤں مخالف سمت سے سب سے پہلے کاٹے تھے۔

(تفسیر طبری، ج:9، ص:31 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فرعون نے سب سے پہلے مخالف سمت سے ہاتھ پاؤں کاٹے

فرعون نے کہا تھا کہ میں ضرور تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمت سے کاٹوں گا تو اس نے ایسے ہی کیا جس طرح کہا تھا

کہ ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمت سے کاٹ دیئے تھے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جب جادوگروں نے وہ کچھ پھینک دیا جو ان کے ہاتھوں میں تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مبارک ڈالا تو وہ صاف اژدھان گیا اس نے اپنا منہ کھولا جو چکی کی مثل تھا اس نے اس کا نیچے والا کنارہ زمین پر رکھا اور دوسرے کو اوپر اٹھایا اور جو رسیاں اور چھڑیاں انہوں نے پھینکی تھیں ان میں سے ہر شے کو نگل لیا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی طرف آئے اور اس کو پکڑ لیا تو وہ پہلے کی طرح عصا بن گیا اور بنی اسرائیل سجدے میں گر گئے اور کہنے لگے "اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰى o" ہم موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے رب عزوجل پر ایمان لے آئے۔

تو فرعون نے کہا:

اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ط

تم تو ایمان لائے ہو اس پر اس سے پہلے کہ میں (اس کے مقابلہ کی) تمہیں اجازت دیتا۔

پس سب سے پہلے زمین میں فرعون نے مخالف سمت سے ہاتھ پاؤں کاٹے اور اسی نے سب سے پہلے سولی دی۔

(در منثور، ج:3، ص:345 مطبوعہ کراچی)

فرعون نے جادوگروں کے ہاتھ پاؤں اپنے کہنے کے مطابق کاٹ دیئے

فرعون نے کہا تھا کہ میں ضرور تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کاٹ دوں گا تو اس نے ایسے ہی کیا جس طرح کہا تھا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ

اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ کی تفسیر میں حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بے شک یہ ایک فریب ہے جو تم نے شہر میں کیا تھا جب تم دونوں ایک دوسرے کی مدد کے لئے ملے تھے کیا تم دونوں شہر سے اس کے باسیوں کو نکال دو گے۔

تو فرعون نے کہا:

میں ضرور تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمت سے کاٹ دوں گا چنانچہ اس نے انہیں قتل کر دیا اور ان کے ہاتھ پاؤں اپنے کہنے کے مطابق کاٹ دیئے۔ (در منثور، ج:3، ص:344 مطبوعہ کراچی)

میں ضرور کاٹ دوں گا ایک سمت سے تمہارے ہاتھ اور دوسری سمت سے تمہارا پاؤں

فرعون نے جادوگروں کو کہا میں ضرور کاٹ دوں گا ایک سمت سے تمہارے ہاتھ اور دوسری سمت سے تمہارے پاؤں۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام عبد بن حمید رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ

قول باری تعالیٰ "لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ" کا معنیٰ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس طرح بیان کیا ہے کہ میں ضرور کاٹ دوں گا ایک سمت سے تمہارا ہاتھ اور دوسری سمت سے تمہارا پاؤں۔ (درمنثور: ج:3، ص:345 مطبوعہ کراچی)

جادوگر دن کے پہلے حصہ میں جادوگر تھے اور آخری حصہ میں شہید تھے

جادوگر دن کے پہلے حصہ میں جادوگر تھے اور آخری حصہ میں شہید تھے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ دن کے پہلے حصہ میں جادوگر تھے اور آخری حصہ میں شہید تھے۔

(تفسیر طبری: ج:9، ص:31 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اسی ہزار جادوگر حالت اسلام پر فوت ہوئے

وہ جادوگر جنہیں اللہ تعالیٰ نے حالت اسلام پر موت دی ان کی تعداد اسی ہزار تھی۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

وہ جادوگر جنہیں اللہ تعالیٰ نے حالت اسلام پر موت دی ان کی تعداد اسی ہزار تھی۔ (درمنثور: ج:3، ص:342 مطبوعہ کراچی)

جادوگر کہاں کے رہائشی تھے؟

تین سو جادوگر قرم، تین سو عریش اور تین سو اسکندریہ کے رہائشی تھے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

تین سو جادوگر قرم کے رہنے والے تھے، تین سو عریش سے تعلق رکھتے تھے اور انہیں اس بات میں شک ہے کہ ان میں سے تین سو اسکندریہ کے رہائشی تھے۔ (درمنثور: ج:3، ص:343 مطبوعہ کراچی)

صبح کے وقت جادوگر اور شام کے وقت شہداء تھے

جادوگر صبح کے وقت جادوگر اور شام کے وقت شہداء تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

وہ جادوگر ستر آدمی تھے وہ صبح کے وقت جادوگر تھے اور شام کے وقت شہداء تھے۔

ایک روایت میں الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ

وہ دن کے پہلے حصہ میں جادوگر تھے اور دن کے آخری حصہ میں شہید تھے کیونکہ اس وقت وہ قتل کردیئے گئے تھے۔

(تفسیر عبدالرزاق: ج:2،ص:86 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اعتراض

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ انہوں نے یہ کیسے کہا کہ تو نے ہمیں جادو کرنے پر مجبور کیا تھا حالانکہ انہوں نے اپنی خوشی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جادو کے مقابلہ میں حصہ لیا تھا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ (الاعراف:113 تا 114)

اور جادوگر فرعون کے پاس آئے اور کہا: اگر ہم غالب ہوگئے تو یقیناً ہمارے لیے انعام ہوگا فرعون نے کہا ہاں اور بے شک تم یقیناً مقربین میں سے ہوجاؤ گے۔

جواب

امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ نے اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات دیئے ہیں۔

1-حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

فرعون لوگوں کو جادو سیکھنے پر مجبور کرتا تھا۔

ابن الانباری نے کہا کہ

فرعون اپنی سلطنت کے لوگوں کو بلاتا اور ان کو یہ حکم دیتا کہ وہ اپنی اولاد کو جادو سکھائیں اور وہ اس کو ناپسند کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا شغف جادو کے ساتھ تھا اور اس کے دل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خوف جاگزین ہوگیا پس جادو پر مجبور کرنے سے ان کی مراد فرعون کا ان کو ابتداء میں جادو پر مجبور کرنا تھا۔

2-ان جادوگروں نے پہلے فرعون سے یہ کہا تھا کہ اگر ہم غالب ہوگئے تو کیا ہم کو اجر ملے گا لیکن اس کے بعد جب انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا اور یہ دیکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جادو کا مقابلہ کرنے سے ڈرے اور ان کو یہ خوف ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان پر غالب آ جائیں گے اور ان کی جادوگرنے کی صنعت ماند پڑ جائے گی اور ان کا کاروبار ٹھپ ہوجائے گا لیکن فرعون اس کے سوا نہیں مانا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کریں اور فرعون کے مجبور کرنے سے ان کی یہی مراد تھی۔

3-ان کو یہ خوف تھا کہ اس عظیم مجمع میں مغلوب ہوجائیں گے اور اس سے ان کے کاروبار پر اثر پڑے گا لیکن فرعون نے ان کو جادو کرنے پر مجبور کیا۔

4-فرعون نے جادوگروں کو ان کے وطنوں سے آنے پر مجبور کیا تھا اور یہی ان کے جادو کرنے کا سبب تھا۔
(زادالمسیر :ج:5،ص:318 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

فرعون کی بیوی کا ایمان لانا

جب جادوگروں سے مقابلہ ہوگیا تو فرعون کی بیوی لوگوں سے پوچھ رہی تھی اس معرکہ میں کون غالب رہا اس کو بتایا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام غالب رہے تو اس نے کہا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے رب عزوجل پر ایمان لے آئی۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں: فرعون کی بیوی لوگوں سے پوچھ رہی تھی اس معرکہ میں کون غالب رہا اس کو بتایا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام غالب رہے تو اس نے کہا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے رب عزوجل پر ایمان لے آئی۔ (الجامع الاحکام القرآن: جز:11،ص:141 مطبوعہ بیروت)

فرعون کا کسی شخص کو اپنی بیوی پر پتھر کی بھاری چٹان گرانے کے لئے بھیجنا

فرعون نے کسی شخص کو اپنی بیوی کے پاس بھیجا کہ اگر وہ اپنے ایمان سے رجوع نہ کرے تو اس کے اوپر پتھر کی ایک بھاری چٹان گرادو۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

فرعون نے کسی شخص کو اس کے پاس بھیجا کہ اگر وہ اپنے ایمان سے رجوع نہ کرے تو اس کے اوپر پتھر کی ایک بھاری چٹان گرادو۔ (الجامع الاحکام القرآن:جز:11،ص:141 مطبوعہ بیروت)

حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا پر چٹان گرانے سے پہلے روح کا قبض ہونا

فرعون نے جب لوگوں کو اپنی بیوی کے پاس بھیجا تو وہ ان کے پاس گئے تو حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو ان کو جنت میں اپنا مکان نظر آیا وہ اپنے ایمان پر قائم رہیں اور اسی حال میں ان کی روح قبض کرلی گئی اور اس وقت ان کے جسم پر بھاری چٹان گرائی گئی تو ان کے جسم میں روح نہیں تھی۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

جب وہ لوگ اس کے پاس گئے تو اس نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو اس کو جنت میں اپنا مکان نظر آیا وہ اپنے ایمان پر قائم رہی اور اسی حال میں اس کی روح قبض کرلی گئی اور اس وقت اس کے جسم پر وہ بھاری چٹان گرائی گئی تو اس کے جسم میں روح نہیں تھی۔ (الجامع الاحکام القرآن: جز:11،ص:141 مطبوعہ بیروت)

قوم فرعون کے سرداروں کا فرعون کو خوف دلانا

قوم فرعون کے سرداروں نے فرعون سے کہا تو موسیٰ علیہ السلام اور اس کی قوم کو زمین میں فساد کرنے کے لئے چھوڑ دے گا

تا کہ وہ تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑے رہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰی وَ قَوْمَهٗ لِیُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَ یَذَرَكَ وَ اٰلِهَتَكَ ط

(الاعراف:127)

اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے (فرعون سے) کہا کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو زمین میں فساد کرنے کے لئے چھوڑ دے گا تا کہ وہ تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑے رہیں۔

قوم فرعون کے سرداروں کی چالاکی

قوم فرعون کے سرداروں نے جب دیکھا کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نہ تو گرفتار کیا اور نہ ہی کوئی سزا دی تو انہوں نے کہا کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اس کی قوم کو زمین میں فساد کرنے کے لئے چھوڑ دے گا تا کہ وہ تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑے رہیں۔

فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے خوفزدہ ہو گیا تھا کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر عصا چھوڑ دیا تو وہ اژدھا بن کر اس کو کھا جائے گا۔

فرعون کی عبادت کی جاتی تھی مگر وہ خود کسی کی عبادت نہیں کرتا تھا

فرعون کی عبادت کی جاتی تھی مگر وہ خود کسی کی عبادت نہیں کرتا تھا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کئی طرق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ وہ وَیَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ط پڑھتے تھے اور فرماتے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تجھے اور تیری عبادت کو چھوڑے رہے اور فرمایا کہ فرعون کی عبادت کی جاتی تھی وہ خود کسی کی عبادت نہیں کرتا تھا۔ (تفسیر طبری: ج:9، ص:34 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

وہ تیری عبادت کو چھوڑے رہے

قوم فرعون کے سرداروں نے فرعون سے کہا تو ان کو یونہی چھوڑے رکھے گا کہ وہ تیری عبادت کو چھوڑے رہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ وہ تیری عبادت کو چھوڑے رہے۔ (تفسیر طبری: ج:9، ص:33 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام تجھے اور تیری عبادت کو چھوڑے رہے

قوم فرعون کے سرداروں نے کہا تو ان کو ایسے چھوڑے گا کہ وہ تجھے اور تیری عبادت کو چھوڑے رہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اٰلِھَتَکَ کا معنی بیان کیا ہے کہ وہ عبادتک ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام تجھے اور تیری عبادت کو چھوڑے رہے۔ (تفسیر طبری: ج:9، ص:33 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

کیا فرعون کسی چیز کی عبادت کرتا تھا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

ابو الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سلیمان التیمی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے بکر بن عبداللہ کے پاس یہ آیت پڑھی "وَ یَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ط" تو بکر نے پوچھا: کیا تو اس طرح کی ترکیب عربی میں جانتا ہے؟

تو میں نے کہا: ہاں! بے شک۔ پھر حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ آ گئے تو بکر نے مجھے پڑھنے کو کہا چنانچہ میں نے اسی طرح آیت پڑھی۔

تو حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا۔

وَ یَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ط

تو میں نے حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کو کہا۔

کیا وہ (فرعون) کسی شے کی عبادت کرتا تھا؟

تو انہوں نے کہا: قسم بخدا! وہ عبادت کرتا تھا۔

سلیمان تیمی نے کہا:

مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ اپنی گردن میں کوئی چیز رکھتا تھا اور اسی کی وہ عبادت کرتا تھا۔

اور مزید کہا کہ

مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ گائے کی پوجا کرتا تھا۔ (درمنثور: ج:3، ص:346 مطبوعہ کراچی)

فرعون کے کئی الٰہ تھے جن کی وہ چھپ کر پوجا کرتا تھا

فرعون کے کئی الٰہ تھے جن کی وہ چھپ کر پوجا کیا کرتا تھا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

فرعون کے کئی الٰہ تھے جن کی وہ چھپ کر پوجا کیا کرتا تھا۔ (تفسیر طبری: ج:9، ص:33 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

جادوگروں کے ایمان سے بنی اسرائیل کے چھ لاکھ افراد نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کی

جب جادوگر ایمان لے آئے تو بنی اسرائیل کے چھ لاکھ افراد نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کی۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
جب جادوگر ایمان لے آئے تو بنی اسرائیل کے چھ لاکھ افراد نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کی۔
(تفسیر طبری: ج:9 ص:35 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فرعون کا قوم فرعون کے سرداروں کو جھوٹی تسلی دینا

جب قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کیا تو موسیٰ علیہ السلام اور اس کی قوم کو زمین میں فساد کرنے کے لئے چھوڑ دے گا تا کہ وہ تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑے رہیں تو فرعون نے کہا ہم عنقریب ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دیں گے۔
قرآن مجید میں ہے:
قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَ نَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَ اِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ○ (الاعراف:127)
فرعون نے کہا! ہم عنقریب ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دیں گے اور بے شک ہم ان پر غالب ہیں۔

فرعون کا درباریوں کو کہنا کہ میں اپنے علاوہ تمہارا اور کوئی معبود نہیں جانتا

فرعون نے درباریوں سے کہا: اے درباریو! میں اپنے علاوہ تمہارا اور کوئی معبود نہیں جانتا۔
قرآن مجید میں ہے:
وَ قَالَ فِرْعَوْنُ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ ۚ (القصص:38)
اور فرعون نے کہا: اے درباریو! میں اپنے علاوہ تمہارا اور کوئی معبود نہیں جانتا۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کا فرعون کو ہلاک کرنے کی اجازت مانگنا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔
جب فرعون نے کہا:
یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ ۚ
تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی:
اے میرے رب عزوجل! تیرے بندے نے سرکشی کی ہے اسے ہلاک کرنے کی مجھے اجازت دے۔
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے جبرائیل (علیہ السلام)! وہ میرا بندہ ہے اس کی وہ اجل مجھ پر سبقت نہیں لے جائے گی جو اجل میں نے اس کے لئے مقرر کی ہے حتیٰ کہ وہ اجل آجائے جب اس نے کہا اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی ۔

ارشاد فرمایا:

اے جبرائیل (علیہ السلام) تیری روح کو سکون ہو گیا ہے۔ میرے بندے نے بغاوت کی ہے اب اس کی ہلاکت کا وقت آ گیا ہے۔ (درمنثور: ج:5، ص:372 مطبوعہ کراچی)

فرعون کی دو باتوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ تھا پھر اللہ تعالیٰ نے پکڑ فرمائی

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دو باتیں جو فرعون نے کی تھیں یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ ج اور اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی ان دو باتوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ حائل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی پکڑ کی۔

فاخذه الله نكال الاخرة والاولٰى۔ (درمنثور: ج:5، ص:373 مطبوعہ کراچی)

فرعون اپنی قوم کو کم عقل سمجھتا تھا

فرعون اپنی قوم کو کم عقل سمجھتا تھا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ط (الزخرف: 54)

وہ اپنی قوم کو کم عقل سمجھتا تھا اس نے ان کو بہکایا سو انہوں نے اس کی بات مان لی۔

کم عقل کیوں سمجھتا تھا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

فرعون نے چالیس سال سے اوپر اور بیس سال سے کم عمر کا کوئی آدمی ساتھ نہ لیا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ط سے یہی مراد ہے کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں اپنی قوم کو ہلکا جانا۔ (درمنثور: ج:5، ص:1080)

فرعون کا سب کو جمع کر کے کہنا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں

فرعون نے سب کو جمع کر کے اعلان کیا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

فَحَشَرَ فَنَادٰی ○ فَقَالَ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی ○ (نازعات:23 تا 24)

پھر فرعون نے سب کو جمع کر کے اعلان کیا پس کہا میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔

فرعون کا کہنا کہ اگر تم نے میرے علاوہ کسی کو خدا اقرار دیا تو میں تم کو قیدیوں میں ڈال دوں گا

فرعون نے کہا: اگر تم نے میرے علاوہ کسی اور کو خدا اقرار دیا تو میں تم کو قیدیوں میں ڈال دوں گا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰـهًا غَيْرِیْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ○ (الشعراء:29)

فرعون نے کہا: اگر تم نے میرے علاوہ کسی اور کو خدا اقرار دیا تو میں تم کو قیدیوں میں ڈال دوں گا۔

فرعون کا ہامان کو بلند عمارت بنانے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رب عزوجل کو دیکھنے کا کہنا

فرعون نے ہامان کو کہا میرے لیے کچھ اینٹوں کو آگ سے پکاؤ پھر میرے لیے ایک بلند عمارت بناؤ تا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کے معبود کو جھانک کر دیکھوں اور بے شک میں اس کو جھوٹوں میں سے گمان کر رہا ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَوْقِدْ لِیْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْۤ اَطَّلِعُ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ (القصص:38)

اے ہامان! میرے لیے کچھ اینٹوں کو آگ سے پکاؤ پھر میرے لیے ایک بلند عمارت بناؤ تا کہ میں موسیٰ کے معبود کو جھانک کر دیکھوں اور بے شک میں اس کو جھوٹوں میں سے گمان کر رہا ہوں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْۤ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ○ ۙ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِیْ تَبَابٍ ○ ۧ (المومن:36 تا 37)

اور فرعون نے کہا: اے ہامان! میرے لیے ایک بلند قلعہ بناؤ تا کہ میں ان راستوں تک پہنچ سکوں جو آسمانوں کے راستے ہیں اور موسیٰ کے معبود کو جھانک کر دیکھوں اور بے شک میں اس کو جھوٹا گمان کرتا ہوں اور اسی طرح فرعون کے لیے اس کے برے کام مزین کر دیے گئے اور اس کو سیدھے راستے سے روک دیا گیا اور فرعون کی سازشیں ناکام ہو گئیں۔

ہامان وہ پہلا شخص ہے جس نے اینٹیں پکائیں

ہامان وہ پہلا شخص ہے جس نے اینٹیں پکائی تھیں۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ
ہامان وہ پہلا شخص ہے جس نے اینٹیں پکائیں۔ (تفسیر عبدالرزاق: ج:2، ص:493 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

فرعون وہ پہلا شخص ہے جس نے اینٹیں پکائیں

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:
حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ
فرعون وہ پہلا شخص ہے جس نے اینٹیں پکائیں اور اس کے لیے مینار تیار کیا گیا۔ (درمنثور: ج:5، ص:373 مطبوعہ کراچی)

فرعون وہ پہلا شخص ہے جس نے پکی اینٹیں بنوائیں

فرعون وہ پہلا شخص ہے جس نے پکی اینٹیں بنوائیں۔
امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:
حضرت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ
فرعون وہ پہلا شخص ہے جس نے پکی اینٹیں بنوائیں اور اس سے عمارت تعمیر کروائی۔ (درمنثور: ج:5، ص:373 مطبوعہ کراچی)

کچی اینٹوں پر آگ روشن کر کے پکی اینٹیں بنانے کا کہنا

فرعون نے ہامان کو کہا کچی اینٹوں پر آگ روشن کروتا کہ وہ پکی اینٹیں بن جائیں۔
امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:
امام ابن منذر اور ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے فَاَوْقِدْ لِیْ یٰهَامٰنُ عَلَى الطِّیْنِ کی یہ تفسیر نقل کی ہے کہ ہامان! کچی اینٹوں پر آگ روشن کروتا کہ وہ پکی ہوئی اینٹیں بن جائیں۔ (درمنثور: ج:5، ص:373 مطبوعہ کراچی)

ہامان ایک قبطی تھا

ہامان ایک قبطی تھا۔
امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:
امام ابن عبدالحکم رحمۃ اللہ علیہ نے فتوح مصر میں یہ روایت نقل کی ہے کہ ہمیں حضرت اسد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خالد بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے ایک محدث سے جس نے حدیث بیان کی ہے کہ ہامان ایک قبطی تھا۔
(درمنثور: ج:5، ص:373 مطبوعہ کراچی)

فرعون کا بلند قلعہ پر چڑھ کر آسمان کی طرف تیر پھینکنا اور اس کا خون آلودہ واپس کر دیے جانا

جب فرعون کے لیے بلند عمارت بنادی گئی تو فرعون اس قلعہ پر چڑھا اور آسمان کی طرف تیر پھینکے اور وہ تیر خون میں ڈوبے ہوئے واپس کر دیے گئے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی نے روایت کیا ہے کہ

جب وہ بلند قلعہ بنالیا گیا تو فرعون اس قلعہ پر چڑھا اور آسمان کی طرف تیر پھینکے اور وہ تیر خون میں ڈوبے ہوئے واپس کر دیئے گئے۔ الخ (جامع البیان: رقم الحدیث: 20914)

فرعون کا کہنا کہ میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رب عزوجل کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیا ہے

جب تیر واپس کر دیئے گئے تو فرعون نے کہا میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رب عزوجل کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی نے روایت کیا ہے کہ فرعون نے کہا:

میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معبود کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیا ہے۔ (جامع البیان: رقم الحدیث: 20914)

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب اس کے لئے مینار بنادیا گیا تو وہ اس پر چڑھا اس نے تیر لانے کا حکم دیا اس نے آسمان کی طرف تیر مارا تیر واپس پلٹا جبکہ وہ خون سے آلود تھا۔

تو فرعون نے کہا:

میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معبود کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیا ہے۔ (درمنثور: ج:5، ص:373 مطبوعہ کراچی)

کیا فرعون نے واقعی بلند قلعہ بنایا تھا؟

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

فرعون نے لوگوں کو اس وہم میں مبتلا کیا تھا کہ وہ قلعہ بنائے گا لیکن اس نے بنایا نہیں تھا کیونکہ ہر صاحب عقل جانتا ہے کہ وہ بلند سے بلند پہاڑ پر چڑھے پھر بھی اس کو آسمان اتنی ہی دور بلند نظر آتا ہے جتنا زمین سے بلندی پر نظر آتا ہے سو ایسی حرکت تو کوئی فاتر العقل اور مجنون ہی کر سکتا ہے اور سدی بہت ضعیف راوی ہے اس کی مذکور الصدر روایت صحیح نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر: ج:8، ص:599 تا 600 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قوم کو تسلی دینا

جب فرعون نے کہا ہم عنقریب ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دیں گے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور صبر کرو بے شک ساری زمین صرف اللہ تعالیٰ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور اچھا انجام متقین کے لئے ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْاۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ○ (الاعراف:128)

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا! اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور صبر کرو بے شک ساری زمین صرف اللہ تعالیٰ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور اچھا انجام متقین کے لئے ہے۔

قوم کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی دی گئی اذیتیں پہنچانے کا بتانا

قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اے موسیٰ علیہ السلام! آپ علیہ السلام کے ہمارے پاس آنے سے پہلے بھی ہمیں اذیتیں پہنچائی گئی تھیں اور آپ علیہ السلام کے ہمارے پاس آنے کے بعد بھی۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْٓا اُوْذِیْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِیَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ (الاعراف:129)

انہوں نے کہا (اے موسیٰ علیہ السلام) آپ کے ہمارے پاس آنے سے پہلے بھی ہمیں اذیتیں پہنچائی گئی تھیں اور آپ کے ہمارے پاس آنے کے بعد بھی۔

قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا ہم تو ستائے گئے

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

قوم موسیٰ نے کہا ہم تو ستائے گئے اللہ تعالیٰ کے آپ کو رسول بنا کر بھیجنے سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی۔

(تفسیر طبری، ج:9، ص:36 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قوم کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عرض کرنا کہ فرعون ہمیں دودھ کا پابند کیا کرتا تھا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام عبد بن حمید، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہم نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ آپ علیہ السلام کے ہمارے پاس آنے سے پہلے فرعون ہمیں دودھ کا پابند کیا کرتا تھا اور جب آپ علیہ السلام تشریف لے آئے تو اس نے ہمیں دودھ کے ساتھ بھوسے کا بھی پابند بنا رکھا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ اے میرے رب عزوجل! تو فرعون کو ہلاک کر دے تو کب تک اسے باقی رکھے گا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی بے شک انہوں نے کوئی ایسا گناہ نہیں کیا جس کے بدلے وہ انہیں ہلاک کر دے۔

(درمنثور، ج:3، ص:347 مطبوعہ کراچی)

بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کون سی بات کا شکوہ کر رہے تھے

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام عبد بن حمید رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آیت کے بارے حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اس سے قبل اللہ تعالیٰ کے دشمن کو ختم کرنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا جاتا۔ فرعون کو یہ معلوم ہوا کہ اس سال میں ایک بچہ پیدا ہوگا اور وہ تیری بادشاہی کو تجھ سے چھین لے گا۔ تو فرعون اس سال میں ان کے بچوں کے پیچھے پڑ گیا اور ان سے ہر مذکر بچے کو ذبح کر دیتا پھر اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان کے پاس آنے کے بعد بھی بچوں کو ذبح کرایا اور بنی اسرائیل کا یہی قول ہے جس کی وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شکایت اور شکوہ کر رہے ہیں۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا۔

عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَیَسْتَخْلِفَكُمْ فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ۠

عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور زمین میں تمہیں ان کا جانشین بنا دے گا پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ (درمنثور، ج:3، ص:347 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قوم کو فرعون کے ہلاک ہونے کی خبر دینا

جب قوم نے کہا: اے موسیٰ علیہ السلام آپ علیہ السلام کے ہمارے پاس آنے سے پہلے بھی ہمیں اذیتیں پہنچائی گئی تھیں اور آپ علیہ السلام کے ہمارے پاس آنے کے بعد بھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا عنقریب تمہارا رب عزوجل تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تمہیں زمین میں ان کا جانشین بنا دے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَیَسْتَخْلِفَكُمْ فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ۠

(الاعراف:129)

عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تمہیں زمین میں ان کا جانشین بنا دے گا پھر وہ تمہارے اعمال کو ظاہر فرمائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کو ایمان لانے کے بدلے جوانی اور شباب لوٹا دینے کا فرمانا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

اے فرعون! کیا تیری خواہش ہے کہ میں تجھے جوانی اور شباب عطا کر دوں کہ تو بوڑھا نہ ہو تجھے ملک اور بادشاہی عطا

کروں کہ وہ تجھ سے چھنی نہ جائے اور نکاح، شراب اور سواری کی لذت تیری طرف لوٹائی جاتی رہے اور جب تو مرے تو تو جنت میں داخل ہو تو میرے ساتھ ایمان لے آ۔ پس یہ لذتیں اور راحتیں اس کے دل میں واقع ہو گئیں۔ الخ

(درمنثور: ج:6، ص:868 مطبوعہ کراچی)

فرعون کا ایمان لانے کے معاملہ کو ہامان کے مشورہ پر موقوف کرنا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اس نے کہا: ایسا ہی ہوگا جیسا آپ نے کہا ہے حتیٰ کہ ہامان آ جائے پس جب ہامان آیا تو اس نے اسے آگاہ کیا تو ہامان نے اس کو عاجز قرار دیا اور کہا تو عبادت کرنے لگا جبکہ تو رب ہے اور تیری عبادت کی جاتی ہے تو اس وقت وہ لوگوں پر نکلا اور اس نے اپنی قوم کو جمع کر کے کہا:

اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی٥

میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ (درمنثور: ج:6، ص:868 مطبوعہ کراچی)

ایمان لانے والوں کے بیٹوں کو قتل کرنے اور بیٹیوں کو زندہ رکھنے کا کہنا

جو لوگ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے ان کے بیٹوں کو قتل کرنے اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رکھنے کا کہا گیا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ (المومن:25)

جو لوگ ان پر ایمان لا چکے ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر دو اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دو۔

فرعون کا کہنا کہ مجھے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے دو

فرعون نے کہا کہ مجھے (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے دو۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ٥ (المومن:26)

اور فرعون نے کہا مجھے موسیٰ کو قتل کرنے دو اور موسیٰ کو چاہیے کہ وہ اپنے رب سے دعا کرے مجھے یہ خطرہ ہے کہ وہ تمہارے دین کو بدل ڈالے گا یا وہ اس ملک میں بڑا ہنگامہ کرے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رب تعالیٰ کی پناہ میں آنے کا قول

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں اس متکبر سے جو روز حساب پر ایمان نہیں لاتا اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ میں

آتا ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَ مُوْسٰی اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَ رَبِّکُمْ مِّنْ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ ۝ (المومن:27)

اور موسیٰ نے کہا! میں اس متکبر سے جو روز حساب پر ایمان نہیں لاتا اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول کے نکات

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ہر اس متکبر سے جو روز حساب پر ایمان نہیں لاتا اپنے رب عزوجل اور تمہارے رب عزوجل کی پناہ میں آتا ہوں، اس قول کے درج ذیل نکات ہیں۔

1۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا معنیٰ یہ ہے کہ دشمن کے شر سے صرف اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آ کر ہی نجات ملتی ہے سو میں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آ رہا ہوں اور جو اللہ تعالیٰ کے فضل پر اعتماد کرے اللہ تعالیٰ اس کو ہر بلا سے محفوظ رکھتا ہے اور اس کی ہر آرزو کو پورا کرتا ہے۔

2۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا سے یہ معلوم ہوا کہ جس طرح مسلمان قرآن مجید پڑھنے سے پہلے "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ" پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو شیطان کے وسوسوں سے محفوظ رکھتا ہے اور اس کے دین اور اس کے اخلاص کی حفاظت فرماتا ہے اسی طرح جب وہ آفات اور مصائب میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہر رنج اور پریشانی سے محفوظ رکھتا ہے۔

3۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں ہوں۔

گویا کہ بندے کو یہ کہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی مجھے اور تمہیں ہر شر سے محفوظ رکھا ہے اور ہر خیر تک پہنچایا ہے اور ہمیں بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی مالک اور مولیٰ نہیں ہے تو بندہ پر لازم ہے کہ جب بھی اس کو کوئی مصیبت پیش آئے تو وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے اس مصیبت کو دور کرنے کے لئے نہ کہے اور جب بھی اسے کوئی مہم درپیش ہو تو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی سے مدد طلب نہ کرے۔

4۔حضرت موسیٰ نے فرمایا:

میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں ہوں اور اپنی قوم کا ذکر فرمایا اس قول میں انہوں نے اپنی قوم کو یہ ترغیب دی ہے کہ وہ بھی ہر شر اور ہر مصیبت میں صرف اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کیا کریں اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم سب مل کر اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کریں گے اور جب تمام نیک اور پاک روحیں مل کر ایک مطلوب کی دعا کریں گے تو اس دعا میں قبولیت کی تاثیر زیادہ قوی ہوگی اور باجماعت نمازیں ادا کرنے کا بھی یہی سبب ہے اور اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۝ کا بھی یہی نکتہ ہے۔

5۔ہر چند کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خصوصیت کے ساتھ فرعون کی طرف سے آئی ہوئی مصیبت اور اس کے شر میں مبتلا

تھے اس کے باوجود انہوں نے یوں نہیں فرمایا۔ میں فرعون کے شر سے اپنے رب عزوجل اور تمہارے رب عزوجل کی پناہ میں آتا ہوں بلکہ فرمایا۔ میں ہر اس متکبر سے جو روز حساب پر ایمان نہیں لاتا اپنے اور تمہارے رب عزوجل کی پناہ میں ہوں۔ کیونکہ خصوصیت کے ساتھ فرعون کے شر سے نجات کی دعا کی بہ نسبت عمومی دعا زیادہ مفید تھی کہ میں ہر متکبر اور ہر منکر حساب کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فرعون اللہ تعالیٰ کا دشمن تھا اور اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اپنی الوہیت کا دعویٰ دار تھا اور اپنے آپ کو رب اعلیٰ کہلواتا تھا اس لیے آپ علیہ السلام نے اپنی دعا میں اسی گستاخ بارگاہ صمدیت کا ذکر کرنا پسند نہیں فرمایا بلکہ بالعموم فرمایا۔ میں ہر متکبر اور ہر منکر حساب سے تیری پناہ میں ہوں۔

6- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعا میں دو شخصوں سے پناہ طلب کی ہے۔ متکبر سے اور منکر حساب سے اس لیے کہ جو شخص صرف متکبر ہو اور یوم حساب کا منکر نہ ہو اس کا تکبر اس کو لوگوں کی ایذاء پر ابھارتا ہے، لیکن قیامت اور روز حساب کا خوف اس کو بعض اوقات تکبر کے تقاضے پورے کرنے سے باز رکھتا ہے، لیکن جس شخص کا قیامت اور یوم حساب پر ایمان نہ ہو وہ بالکل بے مہار اور بے لگام ہوتا ہے اس کو اپنے تکبر کے تقاضے پورا کرنے سے کون سی چیز روک سکتی ہے اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خصوصیت کے ساتھ متکبر اور منکر حساب سے پناہ میں رہنے کی دعا کی ہے۔

7- فرعون نے جب کہا تھا کہ مجھے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے دو اور موسیٰ علیہ السلام کو چاہئے کہ وہ اپنے رب عزوجل سے دعا کرے تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کرنے کے لئے استہزاء کہا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور اپنے متبعین کے لئے پناہ کی دعا کر کے یہ ظاہر فرمایا۔ تو جس چیز کو یہ طریق استہزاء کہہ رہا ہے وہی تو اصل دین ہے اور صریح حق ہے میں اپنے رب عزوجل سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھ سے تیرے شر کو دور کردے اور عنقریب تو دیکھ لے گا کہ میرا رب عزوجل کس طرح تجھ پر قہر فرماتا ہے اور کس طرح مجھے غلبہ عطا فرماتا ہے۔

ان نکات کو لکھنے کے بعد امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ فرماتے ہیں۔

جس شخص کی عقل ان تمام نکات کا احاطہ کرلے گی وہ یہ سمجھ لے گا کہ دشمنوں کی سازشوں اور ان کے شر سے بچنے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے حفاظت اور اس کی پناہ طلب کرے۔ (تفسیر کبیر، ج:9، ص:508 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

مخفی ایمان رکھنے والے کا فرعون کو نصیحت آموز کلمات کہنا

فرعون کی اتباع کرنے والوں میں سے ایک مرد مومن جو اپنے ایمان کو مخفی رکھتا تھا اس نے کہا کیا تم ایک شخص کو اس وجہ سے قتل کررہے ہو کہ اس نے کہا میرا رب اللہ تعالیٰ ہے حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے نشانیاں لاچکا ہے اور اگر وہ بالفرض جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اس پر ہے اگر وہ سچا ہے تو جس عذاب سے وہ ڈرا رہا ہے ان میں سے کچھ نہ کچھ عذاب تو تم پر آئے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ

بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ○ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ (المومن:28تا29)

فرعون کے متبعین میں سے ایک مرد مومن جو اپنا ایمان مخفی رکھتا تھا اس نے کہا! کیا تم ایک مرد کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ اس نے کہا میرا رب اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے نشانیاں لا چکا ہے اگر وہ (بالفرض) جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اس پر ہے اور اگر وہ سچا ہے تو جس (عذاب) سے وہ ڈرا رہا ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ (عذاب) تم پر آئے گا۔ بے شک جو حد سے تجاوز کرنے والا بہت جھوٹا ہو اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا۔ اے میری قوم! آج تمہاری حکومت ہے کیونکہ تم اس ملک پر غالب ہو لیکن اگر اللہ تعالیٰ کا عذاب ہم پر آ گیا تو کون ہماری مدد کرے گا۔

فرعون کا کہنا کہ میں تم کو کامیابی کی راہ دکھا رہا ہوں

جب مرد مومن نے فرعون کو نصیحتیں کیں تو فرعون نے کہا میں تمہیں وہی راستہ دکھا رہا ہوں جو میں خود دیکھ رہا ہوں اور میں تمہیں صرف کامیابی کی راہ دکھا رہا ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ فِرْعَوْنُ مَاۤ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَاۤ اَرٰى وَمَاۤ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ○ (المومن:29)

فرعون نے کہا: میں تمہیں وہی (راستہ) دکھا رہا ہوں جو میں خود دیکھ رہا ہوں اور میں تمہیں صرف کامیابی کی راہ دکھا رہا ہوں۔

مرد مومن کا عذاب سے ڈرانا

فرعون کے جواب پر مرد مومن نے قوم کو طرح طرح کے عذاب سے ڈرایا اور نصیحتیں کیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَ الَّذِيْۤ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ○ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ○ وَيٰقَوْمِ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ○ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ○ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ○ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ○ (المومن:30تا35)

اور اس مرد مومن نے کہا! اے میری قوم مجھے خطرہ ہے کہ تم پر سابقہ امتوں کی طرح عذاب آ جائے گا جس طرح نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد کے لوگوں کا طریقہ تھا اور اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے کا ارادہ نہیں فرماتا اور اے میری قوم! مجھے تم پر چیخ و پکار کے دن کا خطرہ ہے جس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے تمہیں اللہ تعالیٰ سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے اور بے شک اس سے پہلے تمہارے پاس یوسف کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے پس تم ان کی لائی ہوئی نشانیوں میں شک ہی کرتے رہے حتیٰ کہ جب وہ وفات پا گئے تو تم نے کہا اب اللہ تعالیٰ ان کے بعد ہرگز کوئی رسول نہیں بھیجے گا اور اللہ تعالیٰ اسی طرح اس کو گمراہ کرتا ہے جو حد سے متجاوز ہو شک میں مبتلا ہو جو لوگ بغیر کسی ایسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو جھگڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا جھگڑا سخت غصہ کا موجب ہے اللہ تعالیٰ اس طرح ہر جبار متکبر کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

مرد مومن فرعون کا چچا زاد تھا

مرد مومن فرعون کا چچا زاد تھا جس نے اپنے ایمان کو مخفی رکھا ہوا تھا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ

وہ فرعون کا عم زاد تھا۔ (جامع البیان: ج:24،ص:73 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مرد مومن وہی ہے جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نجات حاصل کی تھی

جس مرد مومن نے فرعون کو نصیحتیں کی تھیں یہ وہی ہے جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نجات حاصل کی تھی۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ

لیکن وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا اور وہ اپنے ایمان کو فرعون اور اس کی قوم سے مخفی رکھتا تھا کیونکہ اس کو اپنی جان کا خطرہ تھا اور یہی وہ شخص تھا جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نجات حاصل کی تھی۔

(جامع البیان: ج:24،ص:73 تا 74 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مرد مومن اسرائیلی تھا

بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ یہ مرد مومن اسرائیلی شخص تھا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں: حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ

اور دوسرے مفسرین نے کہا:

بلکہ وہ شخص اسرائیلی تھا وہ اپنے ایمان کو فرعون اور آل فرعون سے مخفی رکھتا تھا۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ

ان میں راجح قول سدی کا ہے۔ (جامع البیان: ج: 24، ص73 تا 74 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فرعون کی قوم میں سے اس کے اور مرد مومن اور حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کوئی مومن نہیں تھا

فرعون کی قوم میں سے اس کے اور مرد مومن اور حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کوئی مومن نہیں تھا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

فرعون کی قوم میں اس کے اور فرعون کی بیوی کے اور اس مومن کے علاوہ کوئی مومن نہیں تھا جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ڈرایا جس نے کہا تھا سردار آپ کو قتل کرنے کا مشورہ کر رہے ہیں۔ (در منثور: ج: 5، ص: 970 مطبوعہ کراچی)

مرد مومن کا نام

اس مرد مومن کے نام میں چند اقوال ہیں۔

بعض نے کہا:

اس کا نام حزقیل تھا۔

بعض نے کہا:

اس کا نام حبیب تھا۔

بعض نے کہا:

اس کا نام حزبیل تھا۔

بعض نے کہا:

اس کا نام حزیقال تھا۔

بعض نے کہا:

اس کا نام خبرل تھا۔

امام ابو اسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی متوفی 427ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر علما نے کہا:

اس مرد مومن کا نام حزبیل تھا۔

وہب بن منبہ نے کہا

اس کا نام حزیقال تھا۔

ابن اسحاق نے کہا:

اس کا نام خبرل تھا۔

ابو اسحاق نے کہا:

اس کا نام حبیب تھا۔ (الکشف والبیان: ج:8،ص:273 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

ابن منذر نے کہا:

مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ اس آدمی کا نام حزقیل تھا۔

عبد بن حمید نے حضرت ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے کہ

فرعون کی قوم سے جو آدمی ایمان لایا تھا اس کا نام حبیب تھا۔ (درمنثور: ج:5، ص:970 مطبوعہ کراچی)

مردمومن کی فضیلت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت

جس طرح قوم فرعون میں ایک مردمومن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حمایت کی تھی اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کی تھی آپ رضی اللہ عنہ کی فضیلت اس سے زیادہ ہے۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کون سی سخت اذیت پہنچائی تھی؟

انہوں نے کہا:

میں نے ایک دن دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ بن معیط آیا اور وہ اپنی چادر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن اقدس میں ڈال کر سختی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گلا گھونٹنے لگا اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آ گئے انہوں نے اس کو دھکا دیا اور اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کر دیا اور یہ کہا کہ کیا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ تعالیٰ ہے حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے نشانیاں لا چکا ہے۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: 3678)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سخت رویہ نہیں دیکھا ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاشت کے وقت بیت اللہ کا طواف کیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم طواف سے فارغ ہوئے تو کفار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کو ہر طرف سے پکڑ لیا اور کہا کیا تو ہمیں ان معبودوں کی عبادت سے منع کرتا ہے جن کی ہمارے آباؤ اجداد عبادت کرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں وہی ہوں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھے اور پیچھے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چمٹ گئے اور کہا: اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاِنْ یَّكُ كَاذِبًا فَعَلَیْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ یَّكُ صَادِقًا یُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ۝

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی آواز کو بلند کیے ہوئے تھے آنکھوں سے آنسو رواں تھے حتیٰ کہ مشرکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا۔ (دلائل النبوۃ: ج:2:ص: 277 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

مشرکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مارا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری ہوگئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھے اور بلند آواز سے یہ کہنے لگے تم پر افسوس اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ

مشرکوں نے پوچھا:

یہ کون ہے؟

کہا: یہ ابن ابی قحافہ ہے۔ (درمنثور: ج:5،ص: 971 مطبوعہ کراچی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

انہوں نے پوچھا! اے لوگو! مجھے لوگوں میں سے سب سے بہادر کے بارے میں بتاؤ۔

لوگوں نے کہا: آپ

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا! نہیں!

لوگوں نے پوچھا: پھر وہ کون ہے؟

فرمایا! وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش نے پکڑ کر رکھا ہے ایک دوسرے کو برانگیختہ کر رہا ہے اور یہ دوسرے کو بھڑکا رہا ہے وہ فرما رہے ہیں میں وہی ہوں جس نے تمام معبودوں کو ایک بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم میں سے کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نہ ہوا مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قریب ہوئے۔ وہ ایک کو مارتے، دوسرے سے مقابلہ کرتے اور کہتے ویلکم اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ چادر اٹھائی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیب تن کر رکھی تھی آپ روئے حتیٰ کہ آپ رضی اللہ عنہ کی داڑھی تر ہوگئی پھر فرمایا۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کیا آل فرعون کا مومن بہتر ہے یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قوم فرعون کے مومن سے بہتر ہیں؟ آل فرعون کا مومن اپنے ایمان کو چھپاتا تھا یہ آدمی اپنے ایمان کا اعلان کرتا تھا۔ (درمنثور: ج:5،ص: 971 مطبوعہ کراچی)

مرد مومن نے اپنا ایمان ظاہر کر دیا

یہ مرد مومن شروع میں فرعون اور اس کے درباریوں سے اپنے ایمان کو چھپاتا تھا بعد میں جب ایمان کی حرارت اس کے خون میں چنگاریوں کی طرح گردش کرنے لگی تو اس نے فرعون کے غیظ و غضب کی پرواہ کیے بغیر برملا اپنے ایمان کو ظاہر کر دیا اور جب وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے تو انہوں نے منع کیا اور یہ مرد مومن اس حدیث مبارکہ کا مصداق ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سنو! کسی شخص کو جب حق بات کا علم ہو تو وہ لوگوں کے دباؤ اور ان کے خوف کی وجہ سے حق بیان کرنے کو ترک نہ کر دے۔ سنو! ظالم کے سامنے کلمہ حق کہنا سب سے افضل جہاد ہے۔ (مسند احمد، رقم الحدیث:11143)

اشکال

اس مرد مومن کا قول نقل فرمایا گیا ہے کہ اگر یہ شخص جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال صرف اسی پر ہوگا یعنی اس کو قتل کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس آیت کے بہ موجب اگر کوئی جھوٹا نبی اپنے باطل دین کی تبلیغ کر رہا ہو تو اس کو چھوڑ دیا جائے حالانکہ جھوٹے نبی اور زندیق کو قتل کرنا واجب ہے۔

جواب

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

ہم یہ نہیں مانتے کہ اس کے جھوٹ کا ضرر صرف اسی تک محدود رہے گا کیونکہ وہ لوگوں کو اپنے باطل دین کی دعوت دے گا اور لوگ اس کے باطل دین اور فاسد مذہب کو اپنا لیں گے اور اس سے بہت فتنہ اور فساد ہوگا اس لیے اس فتنہ کا سد باب کرنے کے لئے علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جو زندیق لوگوں کو اپنے باطل دین کی دعوت دے رہا ہو اس کو قتل کرنا واجب ہے۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ

اس طرح ہر زندیق اور ہر باطل کو اپنے عقائد باطلہ کی تبلیغ کی اجازت مل جائے گی۔

اور تیسرا اشکال یہ ہے کہ

اس طرح تو پھر کفار سے جہاد بھی نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اگر ان کا کفر جھوٹ ہے تو ان کے اس جھوٹ کا ضرر صرف ان ہی کو ہوگا۔

امام رازی نے ان تینوں اشکالوں کا یہ جواب لکھا ہے کہ

اس مرد مومن کے کلام کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام جھوٹے ہیں تو تم کو ان کے شر کو دور کرنے کے لئے ان کو

قتل کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ تم ان کو تبلیغ کرنے سے روک دو پھر ان کو قتل کرنے سے باز رہو پس اگر یہ جھوٹے ہیں تو ان کے جھوٹ کا ضرر صرف ان ہی تک محدود رہے گا اور اگر یہ سچے ہیں تو تم ان سے نفع حاصل کرو۔

خلاصہ یہ ہے کہ

اگر یہ جھوٹے ہیں تو تمہیں ان کو قتل کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ تم ان کو ان کے دین کے اظہار سے روک دو اور اس تقریر سے یہ تینوں اعتراض دور ہو جائیں گے۔ (تفسیر کبیر: ج:9،ص 509 تا 510 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فرعون کی مزید بداعمالیاں

مرد مومن کی نصیحت پر عمل کرنے کے بجائے فرعون نے مزید بداعمالیاں شروع کر دیں اور اس نے ہامان سے کہا: اے ہامان! میرے لیے ایک بلند عمارت بنا دے شاید کہ میں ان راستوں تک پہنچ جاؤں جو آسمان کے راستے ہیں پھر میں موسیٰ (علیہ السلام) کے خدا کو دیکھ لوں اور بے شک میں ضرور گمان کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ۝ (المومن: 36 تا 37)

اور فرعون نے کہا: اے ہامان! میرے لیے ایک بلند عمارت بنا دے شاید کہ میں ان راستوں تک پہنچ جاؤں جو آسمانوں کے راستے ہیں پھر میں موسیٰ کے خدا کو دیکھ لوں اور بے شک میں ضرور گمان کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے اور اسی طرح فرعون کے برے عمل کو اس کے نزدیک خوش نما بنا دیا گیا اور اس کو سیدھے راستے سے روک دیا گیا اور فرعون کی ہر سازش صرف ناکام ہونے والی تھی۔

☆ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ

جب وہ بلند قلعہ بنا دیا گیا تو فرعون اس قلعہ پر چڑھا اور آسمان کی طرف تیر پھینکے اور وہ تیر خون میں ڈوبے ہوئے واپس کر دیئے گئے۔

تو فرعون نے کہا:

میں نے موسیٰ (علیہ السلام) کے معبود کو قتل کر دیا ہے۔ (جامع البیان: رقم الحدیث: 20914)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

فرعون نے لوگوں کو اس وہم میں مبتلا کیا تھا کہ وہ قلعہ بنائے گا لیکن اس نے بنایا نہیں تھا کیونکہ ہر صاحب عقل جانتا ہے کہ وہ بلند سے بلند پہاڑ پر چڑھے پھر بھی اس کو آسمان اتنی ہی دور نظر آتا ہے جتنا زمین سے بلندی پر نظر آتا ہے سو ایسی حرکت تو کوئی

فاتر العقل اور مجنون ہی کرسکتا ہے اور سدی بہت ضعیف راوی ہے اس کی مذکور الصدر روایت صحیح نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر:ج:600 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی 1137ھ لکھتے ہیں:

1- دراصل فرعون نے اپنے وزیر ہامان کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ ایک بلند رصد گاہ بنائے جس میں وہ آلات رصد سے ستاروں کو دیکھ سکے اور ان ستاروں کے احوال سے زمین میں ہونے والے حوادث پر استدلال کر سکے پھر وہ اس پر غور کر سکے کہ آیا ان ستاروں میں کوئی ایسی چیز ہے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ آیا واقعی اللہ تعالیٰ نے کوئی رسول بھیجا ہے یا نہیں۔

2- وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول کے فساد کو دیکھنا چاہتا تھا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آسمان کی خبریں دیتے تھے اس کا یہ خیال تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی خبریں اسی وقت موصول ہوں گی جب کسی عمارت کے ذریعہ وہ آسمان تک پہنچ سکیں وہ ایک بلند عمارت بنا کر یہ تجربہ کرنا چاہتا تھا کہ آیا کسی ذریعہ سے آسمان تک پہنچا جا سکتا ہے یا نہیں اور جب اس نے ایک بلند عمارت بنا کر یہ تجربہ کر لیا کہ آسمان تک نہیں پہنچا جا سکتا تو اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ جب وہ اس بلند عمارت کے ذریعہ آسمان تک نہیں پہنچ سکے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بغیر کسی عمارت کے آسمان تک کیسے پہنچ سکتے ہیں اور جب وہ آسمانوں تک پہنچ نہیں سکتے تو ان کو دی ہوئی آسمانوں کی خبریں کیسے صحیح ہوں گی اور اس سے اس لعین نے یہ نتیجہ نکالا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید کی خبریں دی ہیں وہ جھوٹی ہیں۔

اور یہ اس لعین کی حماقت اور جہالت تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں نے حواس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو جانا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے سامنے عقلی دلائل پیش کیے تھے اور ارشاد فرمایا تھا۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ط (الشعراء:28)

وہ مشرق اور مغرب اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے۔

مرد مومن کا قوم کو اپنی پیروی کرنے اور بعض دوسری نصیحتیں کرنا

مرد مومن نے اپنی قوم کو کہا! اے میری قوم میری پیروی کرو میں نیکی کے راستہ پر تمہاری رہنمائی کروں گا اس کے علاوہ اس مرد نے یہ نصیحتیں کیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَ الَّذِیْۤ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ ۚ یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ٘ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ ۝ مَنْ عَمِلَ سَیِّئَةً فَلَا یُجْزٰۤی اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓىٕكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ یُرْزَقُوْنَ فِیْهَا بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝ وَیٰقَوْمِ مَا لِیْۤ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَى النَّارِ ۝ تَدْعُوْنَنِیْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ٘ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ ۝ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْاٰخِرَةِ

وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَی اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ○ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ وَ اُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ○ (المؤمن:38تا44)

اور اس مردمومن نے کہا: اے میری قوم! میری پیروی کرو میں نیکی کے راستہ پر تمہاری مدد کروں گا۔ اے میری قوم! یہ دنیا کی زندگی تو صرف عارضی فائدہ ہے اور بے شک آخرت ہی دائمی قیام کی جگہ ہے۔ جس نے برا کام کیا تو اس کو صرف اسی کے برابر سزا دی جائے گی اور جس نے نیک کام کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے جس میں انہیں بے حساب رزق دیا جائے گا اور اے میری قوم! مجھے کیا ہوا ہے کہ میں تمہیں نجات کی دعوت دے رہا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلا رہے ہو۔ تم مجھے اللہ تعالیٰ کا کفر کرنے کی دعوت دے رہے ہو اور یہ کہ میں اس چیز کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دوں جس کے شریک ہونے کا مجھے علم نہیں ہے اور میں تمہیں بہت غالب اور بے حد بخشنے والے کی دعوت دے رہا ہوں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تم مجھے اس کی طرف دعوت دے رہے ہو جو نہ دنیا میں عبادت کا مستحق ہے نہ آخرت میں اور بے شک ہم سب نے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے اور بے شک حد سے تجاوز کرنے والے ہی دوزخی ہیں۔ پس عنقریب تم ان باتوں کو یاد کرو گے جو میں تم سے کرتا ہوں اور اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں بے شک اللہ تعالیٰ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔

مردمومن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سمندر پار کر گیا تھا اور غرق ہونے سے محفوظ رہا

یہ مردمومن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سمندر پار کر گیا اور غرق ہونے سے محفوظ رہا اور فرعون اپنے لشکر سمیت سمندر میں غرق ہو گیا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

وہ مردمومن قبطی تھا اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سمندر پار کر گیا اور غرق ہونے سے محفوظ رہا اور فرعون اپنے لشکر سمیت سمندر میں غرق ہو گیا۔ (جامع البیان: رقم الحدیث: 23422)

مردمومن کا فرعون سے بھاگ جانا اور فرعون کا پکڑنے کے لئے سپاہی بھیجنا مگر وحشی جانوروں کے پہرہ کی وجہ سے نہ پکڑ سکنا

وہ مردمومن فرعون کے پاس سے بھاگ کر ایک پہاڑ پر چلا گیا اور وہاں نماز پڑھ رہا تھا۔ فرعون نے سپاہیوں کو تلاش کے لئے بھیجا مگر جب وہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وحشی جانور اس کا پہرہ دے رہے ہیں وہ سپاہی ان کے پہرے کی وجہ سے اس مردمومن کو نہ پکڑ سکے۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی متوفی 450ھ لکھتے ہیں:

آل فرعون کا وہ مردِ مومن فرعون کے پاس سے بھاگ کر ایک پہاڑ پر گیا اور وہاں نماز پڑھ رہا تھا۔ فرعون نے اس کی تلاش میں اپنے سپاہیوں کو بھیجا جس وقت اس کے سپاہی وہاں پہنچے تو وہ مردِ مومن نماز میں تھا اور جنگل کے درندے اور وحشی جانور اس پر پہرہ دے رہے تھے وہ سپاہی ان کے پہرے کی وجہ سے اس کے قریب نہ جا سکے۔

(النکت والعیون: ج:5، ص:159 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

سپاہیوں کا جا کر فرعون کو واقعہ کی خبر دینا اور فرعون کا سپاہیوں کو قتل کر دینا

جب سپاہیوں نے دیکھا کہ اس مردِ مومن کا درندے پہرہ دے رہے ہیں تو وہ فرعون کے پاس واپس چلے گئے اور ان کو اس واقعہ کی خبر دی تو فرعون ناکامی کی خبر سن کر غضب ناک ہوا اور اس نے سپاہیوں کو قتل کر دیا۔

علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی متوفی 450ھ لکھتے ہیں:

انہوں نے جا کر فرعون کو اس واقعہ کی خبر دی فرعون ان کی ناکامی کی خبر سن کر غضب ناک ہوا اور اس نے سپاہیوں کو قتل کر دیا۔ (النکت والعیون: ج:۵، ص:159 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

تاحیات مردِ مومن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے عقیدہ پر قائم رہا

فرعون کی سازش یہ تھی کہ اس مردِ مومن کو برگشتہ کر کے اپنے دین پر لاؤں مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو اس سازش سے ناکام کر دیا اور یہ مردِ مومن تاحیات اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے عقیدہ پر قائم رہا۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

فرعون اور اس کے سرداروں کی یہ سازش تھی کہ اس مردِ مومن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے برگشتہ کر کے فرعون کے دین کی طرف لایا جائے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی اس سازش کو ناکام کر دیا اور آل فرعون کا وہ مردِ مومن تاحیات اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے عقیدہ پر قائم رہا۔ (تفسیر کبیر: ج:9، ص:521 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی بعض اولاد کے سوا کوئی ایمان نہیں لایا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی بعض اولاد کے سوا آپ علیہ السلام پر کوئی ایمان نہیں لایا اور وہ بھی فرعون اور اس کے درباریوں سے ڈرتے ہوئے کہ وہ ان کو فتنہ میں مبتلا کر دیں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ○ (یونس:83)

تو موسیٰ پر ایمان نہ لائے مگر اس کی قوم کی اولاد سے کچھ لوگ فرعون اور اس کے درباریوں سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں انہیں ہٹنے پر مجبور نہ کر دیں اور بے شک فرعون زمین پر سر اٹھانے والا تھا اور بے شک وہ حد سے گزر گیا۔

بعض اولاد سے کیا مراد ہے؟

اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ان کی قوم کی بعض اولاد ایمان لائی۔ بعض اولاد کی تعیین میں اختلاف ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جن لوگوں کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا لمبے عرصہ کے بعد وہ لوگ مر گئے اور ان کی اولاد حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

جن لوگوں کی اولاد حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائی تھی وہ بنی اسرائیل نہیں تھے بلکہ وہ فرعون کی قوم کے چند لوگ تھے ان میں فرعون کی بیوی، آلِ فرعون کا مومن، فرعون کا خازن اور فرعون کے خازن کی بیوی تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دوسری روایت یہ ہے کہ

وہ لوگ بنی اسرائیل کی اولاد تھے۔

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

میرے نزدیک راجح مجاہد کی روایت ہے کہ جن لوگوں کی ذریت ایمان لائی اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا اور وہ بنو اسرائیل میں لمبا عرصہ گزارنے کے بعد وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے پہلے مر گئے پھر ان کی اولاد نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پایا اور ان میں سے بعض لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ (جامع البیان: جز: 11، ص: 194 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قوم کو توکل کرنے کا فرمانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے فرمایا اے میری قوم! اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہو تو صرف اسی پر توکل کرو اگر تم واقعی مسلمان ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَ مُوسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿یونس: 84﴾

اور موسیٰ نے کہا! اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو صرف اسی پر توکل کرو اگر تم (واقعی) مسلمان ہو۔

قوم کا کہنا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کیا ہے

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے میری قوم! اگر تم ایمان لائے ہو تو صرف اللہ تعالیٰ پر توکل کرو تو انہوں نے کہا

ہم نے اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (یونس:85)

انہوں نے کہا ہم نے صرف اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کیا ہے اے ہمارے رب! ہم کو ظالم لوگوں کے ذریعہ آزمائش میں مبتلا نہ کر۔

قوم کی رب تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں قوم کفار سے نجات عطا فرمانے کی دعا

قوم نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں عرض کیا اے ہمارے رب عزوجل ہمیں ظالم لوگوں کے ذریعہ آزمائش میں مبتلا نہ کر اور ہمیں اپنی رحمت سے قوم کفار سے نجات عطا فرما۔

قرآن مجید میں ہے:

وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (یونس:86)

اور ہم کو اپنی رحمت سے قوم کفار سے نجات عطا فرما۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مصر میں گھر بنانے اور ان کو قبلہ قرار دینے کا حکم

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام پر وحی فرمائی گئی کہ تم اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ یعنی مساجد قرار دو اور نماز پڑھو اور مومنین کو بشارت دو۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (یونس:87)

اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف یہ وحی فرمائی کہ تم اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ (مساجد) قرار دو اور نماز پڑھو اور مومنین کو بشارت دو۔

گھروں کو قبلہ بنانے کا کیوں حکم فرمایا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں: بنو اسرائیل نماز پڑھنے میں فرعون اور اس کی قوم سے ڈرتے تھے تو ان کو حکم دیا کہ تم اپنے گھروں کو قبلہ بنا لو یعنی اپنے گھروں کو مسجد بنا لو اور ان میں نماز پڑھو۔ (جامع البیان، رقم الحدیث:13771)

ایک اور سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہم یہ طاقت نہیں رکھتے کہ فرعونیوں پر ظاہر کر کے نماز پڑھیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ اجازت دی کہ وہ اپنے گھروں میں نماز پڑھیں اور ان کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنے گھروں کو قبلہ رو بنائیں۔

(جامع البیان: رقم الحدیث: 13780)

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قبلہ سے مراد کعبہ ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے متبعین کو اپنے معابد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے فرعون کا خوف ہوا تو ان کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنے گھروں میں قبلہ رو مساجد بنائیں اور قبلہ کی جانب منہ کر کے خفیہ طریقہ سے نماز پڑھیں۔ (جامع البیان: رقم الحدیث: 13783)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

بیوت کا غالب استعمال رہائشی گھروں کے لئے ہوتا ہے اور قبلہ کا غالب استعمال نماز کے قبلہ کے لیے ہوتا ہے اور قرآن مجید کے الفاظ کو ان ہی معانی پر محمول کرنا چاہئے جن کے لئے غالب استعمال ہو اس لیے اس آیت کا معنیٰ یہ ہوگا کہ اپنے گھروں میں قبلہ رو ہو کر نماز پڑھو اور اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کا معنیٰ ہے فرض نماز کو اس کی شرائط کے ساتھ اس کے اوقات میں پڑھو اور بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ کا معنیٰ ہے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مومنین کو عظیم ثواب کی بشارت دیجئے (اور ایک معنیٰ یہ ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ علیہ السلام بنی اسرائیل کو یہ بشارت دیجئے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو فرعون اور اس کے سرداروں پر غلبہ عطا فرمائے گا) (جامع البیان: ج:11، ص:202 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مصر سے مراد اسکندریہ کا شہر ہے

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

آیت میں مصر سے مراد اسکندریہ کا شہر ہے۔ (تفسیر طبری: ج:11، ص:178 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

گھروں میں مساجد بنانے اور رخ قبلہ کی طرف کرنے کا حکم

قوم کو حکم دیا گیا کہ اپنے گھروں میں مساجد بناؤ اور اپنا رخ قبلہ کی جانب کر لو۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

ان (قوم) کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے گھروں میں مساجد بنالیں۔ (تفسیر طبری: ج:11، ص:176 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو نماز سے روک دیا تھا تو انہیں حکم دیا کہ وہ اپنی مساجد اپنے گھروں میں بنائیں

اوران کے رخ قبلہ شریف کی طرف کریں۔(درمنثور:ج:3،ص:953مطبوعہ کراچی)

قوم صرف عبادت گاہ میں نماز پڑھتے تھے پھر ان کو گھروں میں نماز پڑھنے کا حکم دے دیا گیا

قوم پہلے عبادت گاہ میں ہی نماز پڑھتی تھی حتی کہ ان کو آل فرعون سے خوف لاحق ہو گیا تو ان کو اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کا حکم دے دیا گیا۔

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ

وہ صرف عبادت گاہ میں ہی نماز پڑھتے تھے حتیٰ کہ انہیں آل فرعون سے خوف لاحق ہو گیا تو انہیں اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کا حکم دے دیا گیا۔(سنن سعید بن منصور:ج:15،ص:329مطبوعہ دارالصمیعی الریاض)

حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کے بعد جو بھی ہوئے ہیں وہ قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھتے تھے

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

وہ فرعون اور اس کی قوم سے نماز پڑھنے کے لئے علیحدہ ہو جاتے تھے تو رب کریم نے ارشاد فرمایا:

وَّاجۡعَلُوۡا بُيُوۡتَكُمۡ قِبۡلَةً

تم قبلہ رخ اپنے گھر بناؤ۔

اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کے بعد جو بھی ہوئے ہیں وہ قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھتے تھے۔

(تفسیر طبری:ج:11،ص:176مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

مساجد میں کوئی جنبی رات نہ گزارے

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم ارشاد فرمایا گیا کہ وہ دونوں اپنی قوم کے لئے کچھ گھر بنائیں ان کی مساجد میں کوئی جنبی رات نہ گزارے اور نہ وہ مسجد میں عورتوں کے قریب جائیں سوائے حضرت ہارون علیہ السلام اور ان کی اولاد کے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں کو حکم ارشاد فرمایا: وہ دونوں اپنی قوم کے لیے کچھ گھر بنائیں اور ان دونوں کو حکم دیا کہ ان کی مساجد میں کوئی جنبی رات نہ گزارے اور نہ وہ مسجد میں عورتوں کے قریب

جائیں سوائے حضرت ہارون علیہ السلام اور ان کی اولاد کے۔ اور کسی کے لئے حلال نہیں کہ وہ میری اس مسجد میں عورتوں کے قریب آئے اور نہ کوئی جنبی اس میں رات گزارے سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے۔

(درمنثور: ج:3، ص:954 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رب تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں فرعون اور درباریوں کے مال و دولت کو برباد کرنے کی دعا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں عرض کیا: اے ہمارے رب عزوجل! تو نے فرعون اور اس کے درباریوں کو دنیا کی زندگی میں زینت کا سامان اور مال دیا ہے۔ اے ہمارے رب عزوجل تاکہ وہ انجام کار لوگوں کو تیرے راستہ سے بھٹکا دیں۔ اے ہمارے رب عزوجل ان کے مال و دولت کو برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے تاکہ وہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝

(یونس:88)

اور موسیٰ نے کہا! اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کے درباریوں کو دنیا کی زندگی میں زینت کا سامان اور مال دیا ہے اے ہمارے رب! تاکہ وہ انجام کار لوگوں کو تیرے راستہ سے بھٹکا دیں۔ اے ہمارے رب! ان کے مال و دولت کو برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے تاکہ وہ اس وقت ایمان نہ لائیں جب تک وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول ہو گئی

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جو دعا کی تھی اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرما لیا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (یونس:89)

فرمایا تمہاری دعا قبول کر لی گئی ہے تم دونوں ثابت قدم رہنا اور جاہلوں کے راستہ کی ہرگز پیروی نہ کرنا۔

دونوں کی دعا قبول ہونے کا مطلب

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی اور حضرت ہارون علیہ السلام نے آمین کہا تھا تو جو شخص دعا پر آمین کہے وہ بھی دعا کرنے والا ہے اس لئے دونوں کی دعا قبول ہونے کا فرمایا گیا۔

اس دعا کے دو محمل ہیں۔

ایک محمل یہ ہے کہ
حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا کرتے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہتے تھے اور جو شخص کسی کی دعا پر آمین کہے وہ بھی دعا کرنے والا ہے اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ
ہوسکتا ہے کہ دونوں نے دعا کی ہو۔ (جامع البیان: رقم الحدیث: 13812)
امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور حضرت ہارون علیہ السلام نے آمین کہی۔ (درمنثور: ج:3، ص:955 مطبوعہ کراچی)
حضرت محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ
حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا مانگتے رہے اور حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہتے رہے اور دعا مانگنے والا اور اس پر آمین کہنے والا دونوں شریک ہیں۔ (سنن سعید بن منصور: ج:5، ص:331 مطبوعہ دار الصمیعی الریاض)
امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:
حضرت محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی اور حضرت ہارون علیہ السلام نے آمین کہی۔
(تفسیر طبری: ج:11، ص:175 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اور حضرت ابن زید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ
حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
تم دونوں کی دعا کو قبول فرمالیا گیا ہے۔ پس آمین کہنا بھی دعا ہوگئی اور اسے کہنے والا دعا میں شریک ہوگیا۔
(تفسیر طبری: ج:11، ص:186 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فرعون اور ان کی قوم کی کھیتیاں اور اموال سب پتھروں میں بدل گئے تھے

فرعون اور ان کی قوم کی کھیتیاں اور اموال سب پتھروں میں بدل گئے تھے۔
حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ
ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ ان کی کھیتیاں اور اموال سب پتھروں میں بدل گئے تھے۔
(تفسیر عبد الرزاق: ج:2، ص:177 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

درہم و دنانیر سب کے سب پتھر ہوگئے

فرعون اور اس کی قوم کے درہم و دنانیر سب کے سب پتھر ہوگئے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

ان کے دنانیر، دراہم، تانبہ اور ان کا لوہا سب منقش پتھر بن گئے تھے۔ (درمنثور: ج:3، ص:955 مطبوعہ کراچی)

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کا درہم و دنانیر کا پتھر بنے ہوئے دکھانا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

مجھ سے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے ربنا الحمس علی اموالھم کے بارے پوچھا تو میں نے ان کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور آل فرعون کے مالوں کو برباد کر دیا حتیٰ کہ وہ پتھر ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم یہیں ٹھہرو حتیٰ کہ میں تمہارے پاس آتا ہوں چنانچہ انہوں نے سربمہر ایک تھیلا منگوایا اور اسے کھولا تو اس میں چاندی کے ٹکڑے تھے گویا کہ وہ پتھر ہیں اسی طرح دراہم و دنانیر اور انہی کی مثل دیگر مال سب کا سب پتھر بنا ہوا تھا۔ (درمنثور: ج:3، ص:955 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے بعد فرعون چالیس سال زندہ رہا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو دعا فرمائی تھی اس دعا کے بعد فرعون چالیس سال زندہ رہا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن جریج نے بیان کیا ہے کہ

اس دعا کے بعد فرعون چالیس سال زندہ رہا۔ (جامع البیان: رقم الحدیث: 13814)

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ

اس دعا کے بعد فرعون چالیس برس تک زندہ رہا۔

اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول بیان کیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا تم دونوں کی دعا کو قبول کر لیا گیا ہے یعنی چالیس سال کے بعد۔

(درمنثور: ج:3، ص:956 مطبوعہ کراچی)

فرعون کے متبعین کا کئی سال قحط اور پھلوں کی پیداوار کی کمی میں مبتلا ہونا

فرعون کے متبعین پر قحط اور پھلوں کی پیداوار میں کمی کے بارے میں ارشاد فرمایا: ہم نے فرعون کے متبعین کو کئی سال قحط اور پھلوں کی پیداوار کی کمی میں مبتلا رکھا تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ○ (الاعراف:130)

اور بے شک ہم نے فرعون کے متبعین کئی سال قحط اور پھلوں کی پیداوار کی کمی میں مبتلا رکھا تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

فرعونی خوش حالی پر کہتے یہ ہمارے سبب ہے

فرعونیوں پر جب خوش حالی آتی تو کہتے یہ ہمارے سبب سے ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ (الاعراف:131)

پس جب ان پر خوشحالی آتی تو وہ کہتے کہ یہ ہمارے سبب سے ہے۔

فرعونی بدحالی آنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے اصحاب کی نحوست قرار دیتے

فرعونی اس قدر گندے ذہن کے مالک تھے جب خوشحالی آتی تو کہتے یہ ہمارے سبب سے ہے اور جب بدحالی آتی تو کہتے یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب کی طرف سے ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ○ (الاعراف:131)

اور جب ان پر بدحالی آتی تو وہ اس کو موسیٰ اور ان کے اصحاب کی نحوست قرار دیتے! سنو! ان کافروں کی نحوست اللہ تعالیٰ کے نزدیک (ثابت) ہے' لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

فرعونیوں کا ایمان لانے سے انکار

فرعونیوں نے کہا: اے موسیٰ علیہ السلام آپ جب بھی ہمیں مسحور کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی نشانی لائیں گے تو ہم آپ پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ○ (الاعراف:132)

اور انہوں نے کہا (اے موسیٰ) آپ جب بھی ہمیں مسحور کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی نشانی لائیں گے تو ہم آپ پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

سالہا سال تک فرعونیوں پر قحط سالی

فرعونیوں پر سالہا سال تک قحط سالی رہی۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے سالہا سال تک انہیں قحط سالی کے ساتھ پکڑے رکھا اور پھلوں کی پیداوار میں کمی کیے رکھی۔

الخ (تفسیر طبری: ج:9، ص:37 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بھوک اور قحط سالی جنگل میں رہنے والے اور جانور رکھنے والوں کے لئے تھی

فرعونیوں پر جو بھوک اور قحط کی گئی وہ ان کے جنگل میں رہنے والے اور جانور رکھنے والے لوگوں کے لئے تھی۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ

بھوک اور قحط سالی ان کے جنگل میں رہنے والے اور جانور رکھنے والے لوگوں کے لئے تھی۔

(تفسیر طبری: ج:9، ص:37 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فرعونیوں پر پھلوں کی کمی ان کے شہروں اور دیہاتوں میں بسنے والوں کے لئے تھی

فرعونیوں پر جو پھلوں کی کمی کی گئی وہ ان کے شہروں اور دیہاتوں میں بسنے والوں کے لئے تھی۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

اور پھلوں کی کمی ان کے شہروں اور دیہاتوں میں بسنے والوں کے لئے تھی۔

(تفسیر طبری: ج:9، ص:37 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

پھلوں میں پیداوار کی کمی کا عالم

پھلوں میں پیداوار کی کمی کا یہ عالم تھا کہ کھجور کے درخت پر سوائے ایک خشک کھجور کے کوئی پھل نہیں لگتا تھا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت رجاء بن حیوہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

پھلوں کی پیداوار میں کمی اس حد تک تھی کہ کھجور کے درخت پر سوائے ایک خشک کھجور کے کوئی پھل نہیں لگتا تھا۔

(در منثور: ج:3، ص:348 مطبوعہ کراچی)

فرعونیوں کی ہر شے خشک ہو گئی

جب اللہ تعالیٰ نے قحط سالی کے ساتھ فرعونیوں کو پکڑا تو ان کی ہر شے خشک ہو گئی تھی۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ نے قحط سالی کے ساتھ فرعونیوں کو پکڑا تو ان کی ہر شے خشک ہوگئی۔ (درمنثور: ج:3،ص:348 مطبوعہ کراچی)

فرعونیوں کے قحط سالی کی وجہ سے مویشی مرگئے

قحط سالی کی وجہ سے فرعونیوں کے مویشی مر گئے تھے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

ان کے مویشی مر گئے۔ (درمنثور: ج:3،ص:348 مطبوعہ کراچی)

دریائے نیل بھی خشک ہوگیا

فرعونیوں پر قحط سالی کا یہ عالم تھا کہ دریائے نیل بھی خشک ہو گیا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حتیٰ کہ دریائے نیل بھی خشک ہو گیا۔ (درمنثور: ج:3،ص:348 مطبوعہ کراچی)

فرعونیوں کا فرعون کے پاس جا کر دریائے نیل میں پانی لانے کا کہنا

جب دریائے نیل خشک ہو گیا تو فرعونی فرعون کے پاس گئے اور اس کو کہا: اگر تو اس طرح ہے جس طرح تو گمان کرتا ہے تو پھر ہمارے لیے دریائے نیل میں پانی لے آ۔ اس نے جواب دیا کل صبح تمہیں پانی مل جائے گا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

فرعونی فرعون کے پاس اکٹھے ہوئے اور اسے کہا: اگر تو اس طرح ہے جیسے تو گمان کرتا ہے تو پھر ہمارے لیے دریائے نیل میں پانی لے آ۔ اس نے جواب دیا کل صبح تمہیں پانی مل جائے گا۔ (درمنثور: ج:3،ص:348 مطبوعہ کراچی)

فرعون کا آخر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں دریائے نیل میں پانی جاری کرنے کی دعا کرنا

جب فرعونی فرعون کے پاس سے چلے گئے تو اس نے کہا میں نے کون سی چیز بنائی ہے؟ کیا میں دریائے نیل میں پانی جاری کرنے پر قادر ہوں کل صبح ہو گی تو وہ مجھے جھٹلا دیں گے جب نصف رات ہوئی وہ اٹھا اور اس نے غسل کیا اور اون سے بنی ہوئی قمیض پہنی پھر ننگے پاؤں نکلا حتیٰ کہ دریائے نیل پر پہنچ گیا اور اس کے اندر کھڑے ہو کر دعا مانگی اے اللہ عزوجل! بے شک تو جانتا ہے کہ میں یقین رکھتا ہوں کہ تو دریائے نیل کو پانی کے ساتھ بھر دینے کی قدرت رکھتا ہے لہٰذا تو اس کو بھر دے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

سو جب وہ اس کے پاس سے نکل گئے تو اس نے کہا میں نے کون سی چیز بنائی ہے؟ کیا میں دریائے نیل میں پانی جاری کرنے پر قادر ہوں کل صبح ہوگی تو وہ مجھے جھٹلا دیں گے جب نصف رات ہوئی وہ اٹھا اور اس نے غسل کیا اور اون سے بنی ہوئی قمیض پہنی پھر ننگے پاؤں باہر نکلا حتیٰ کہ دریائے نیل پر پہنچ گیا اور اس کے اندر کھڑے ہو کر یہ دعا مانگی۔ اے اللہ عزوجل! بے شک تو جانتا ہے کہ میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ تو دریائے نیل کو پانی کے ساتھ بھر دینے کی قدرت رکھتا ہے تو اس کو بھر دے۔

(درمنثور: ج:3، ص:348 مطبوعہ کراچی)

دریائے نیل پانی کے ساتھ ابلنے لگا

جب فرعون نے دعا کی تو دریائے نیل پانی کے ساتھ ابلنے لگا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

پس اس کو یقین ہو گیا کہ پانی کا ریلا آئے گا تو وہ باہر نکل آیا اور دریائے نیل پانی کے ساتھ ابلنے لگا۔

(درمنثور: ج:3، ص:348 مطبوعہ کراچی)

دریائے نیل کو پانی کے ساتھ بھرنے سے فرعون کو ہلاک و تباہ کرنے کا ارادہ

دریائے نیل کو پانی کے ساتھ بھرنے کا مقصد یہ تھا کہ فرعون کو اس کے ساتھ ہلاک اور تباہ کیا جائے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک اور تباہ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ (درمنثور: ج:3، ص:348 مطبوعہ کراچی)

فرعونیوں کا برا گمان

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

آیت کریمہ میں اَلْحَسَنَۃُ سے مراد عافیت اور خوش حالی ہے یعنی جب انہیں خوش حالی اور عافیت حاصل ہوتی تو کہتے ہم ہی اس کے زیادہ حق دار ہیں اور اگر انہیں کوئی مصیبت اور تنگی پہنچتی تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بدفالی پکڑتے۔

(تفسیر طبری: ج:9، ص:38 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فرعونیوں پر طوفان، ٹڈی، جوئیں، مینڈک اور خون کا عذاب

جب فرعونیوں نے کہا: اے موسیٰ علیہ السلام آپ جب بھی ہمیں مسحور کرنے کے لئے کوئی نشانی لائیں گے تو ہم آپ پر ایمان لانے والے نہیں ہیں تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعونیوں کے خلاف دعاء ضرر فرمائی اور کہا: اے میرے رب عزوجل! تیرا بندہ فرعون زمین میں بہت تکبر اور سرکشی کر رہا ہے اور اس کی قوم نے تیرے عہد کو توڑ دیا ہے۔ اے میرے رب عزوجل! ان پر عذاب نازل فرما جو ان کے لئے عذاب ہو اور میری قوم کے لئے نصیحت ہو اور بعد والوں کے لئے نشانی اور

عبرت ہوتو پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر طوفان، ٹڈی دل کے بادل اور جوئیں اور مینڈک اور خون کا عذاب بھیجا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ○ (الاعراف:133)

پس ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈی دل کے بادل اور جوئیں اور مینڈک اور خون درآنحالیکہ یہ الگ الگ نشانیاں تھیں تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ تھی ہی مجرم قوم۔

فرعونیوں پر مختلف قسم کا عذاب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب فرعون کی قوم نے یہ کہا۔ اے موسیٰ (علیہ السلام)! آپ جب بھی ہمیں مسحور کرنے کے لئے کوئی نشانی لائیں گے تو ہم آپ پر ایمان لانے والے نہیں ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تیز مزاج تھے۔ اس وقت انہوں نے قوم فرعون کے خلاف دعاء ضرر کی۔ اے میرے رب عزوجل! تیرا بندہ فرعون زمین میں بہت تکبر اور سرکشی کررہا ہے اور اس کی قوم نے تیرے عہد کو توڑ دیا ہے۔ اے میرے رب عزوجل! ان پر عذاب نازل فرما جو ان کے لئے عذاب ہو اور میری قوم کے لئے نصیحت ہو اور بعد والوں کے لئے نشانی اور عبرت ہو تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر طوفان بھیجا اور وہ زبردست طوفانی بارش تھی جس سے ان کے گھروں میں پانی بھر گیا۔ بنواسرائیل اور قبطیوں کے گھر ملے جلے تھے۔ قبطیوں کے گھر تو پانی سے بھر گئے حتیٰ کہ ان کی گردنوں تک پانی پہنچ گیا۔ ان میں سے جو شخص بیٹھتا وہ پانی میں ڈوب جاتا اور بنواسرائیل کے گھروں میں پانی کا ایک قطرہ بھی داخل نہیں ہوا اور قبطیوں کی زمینوں پر پانی جمع ہو گیا وہ کھیتی باڑی اور دیگر کام نہ کرسکے ایک سنیچر سے دوسرے سنیچر تک یہی کیفیت رہی تب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

آپ علیہ السلام اپنے رب عزوجل سے دعا کیجئے کہ ہم کو اس بارش کے طوفان سے نجات دے دے تو ہم آپ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے اور آپ علیہ السلام کے ساتھ بنواسرائیل کو بھیج دیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل سے دعا کی تو ان سے وہ طوفان اٹھا لیا گیا اور اس سال ان کی بہت اچھی فصل ہوئی ایسی کبھی نہ ہوئی تھی ہر طرف سبزہ پھیل گیا اور درخت ہرے بھرے ہو گئے۔

تب قبطیوں نے کہا:

یہ پانی ہمارے حق میں نعمت تھا اس سے ہماری فصل اچھی ہوئی اور ہمارے درخت پھلوں سے لد گئے سو وہ ایمان نہیں لائے اور ایک مہینہ تک آرام وعافیت سے رہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر ٹڈی دل کے بادل بھیجے انہوں نے ان کی تمام فصلوں، پھلوں حتیٰ کہ درختوں تک کو چاٹ لیا بلکہ انہوں نے دروازوں کو، مکان کی چھتوں کو، ہر قسم کی لکڑی کو، ان کے سازوسامان کو، کپڑوں کو حتیٰ کہ دروازوں کی کیلوں تک کو کھا لیا وہ ٹڈیاں ہر چیز کو کھا رہی تھیں اور ان کی بھوک ختم نہیں ہو رہی تھی۔ تب قبطی بہت چیخے

چلائے اور بہت فریاد کی اور کہا: اے موسیٰ علیہ السلام آپ سے آپ کے رب عزوجل نے جو وعدہ کیا ہے اس وعدہ کے واسطے اپنے رب عزوجل سے دعا کیجئے اگر اس نے ہم سے یہ عذاب دور کر دیا تو ہم ضرور آپ پر ایمان لے آئیں گے اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت پختہ وعدہ کیا اور بہت پکی قسمیں کھائیں ان پر ٹڈیوں کا یہ عذاب ایک سنیچر سے دوسرے سنیچر تک رہا تھا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے ٹڈیوں کا یہ عذاب دور کر دیا۔

بعض احادیث مبارکہ میں ہے۔

ٹڈیوں کے سینہ پر لکھا ہوا تھا۔

جند الله الاعظم

اللہ تعالیٰ کا عظیم لشکر ہے۔

ایک روایت یہ ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا فضا میں مشرق سے مغرب کی طرف گھمایا تو ٹڈیاں جہاں سے آئی تھیں وہیں واپس چلی گئیں ان کے کھیتوں میں جو بچا کھچا غلہ باقی رہ گیا تھا انہوں نے کہا یہ بھی کافی ہے اور ہم اپنے دین کو نہیں چھوڑیں گے انہوں نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا اور اپنی بداعمالیوں پر ڈٹے رہے سو وہ ایک ماہ تک عافیت سے رہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر قمل بھیج دیں۔

قمل کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

گندم سے جو سرسریاں وغیرہ نکلتی ہیں وہ قمل ہیں۔

حضرت مجاہد، سدی، قتادہ اور کلبی وغیرہ نے کہا ہے کہ

قمل بغیر پروں کی ٹڈیاں ہیں۔

بعض نے کہا:

وہ چیچڑ کی ایک قسم ہیں۔

اور بعض نے کہا:

وہ جوئیں ہیں۔

اور بعض نے کہا:

وہ ایک قسم کا کیڑا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا:

وہ شہر سے باہر بستیوں کے پاس کسی بڑے ٹیلے کے پاس جائیں اور اس ٹیلے پر اپنا عصا ماریں۔ عصا مارنے سے اس ٹیلے

کے اندر سے وہ کیڑے پھوٹ پڑے وہ ان کے بچے کھچے کھیتوں کو کھا گئے وہ ان کے کپڑوں میں گھس گئے ان کا کھانا ان کیڑوں سے بھر جاتا وہ ان کے بالوں میں، ان کی پلکوں میں، ان کی بھنوؤں میں گھس گئے وہ ان کے ہونٹوں اور ان کی کھالوں میں گھسنے لگے ان کا چین وقرار جاتا رہا وہ سو نہیں سکتے تھے بالآخر وہ بے چین اور بے قرار ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے اور رو رو کر فریاد کی۔

اور کہنے لگے۔

ہم توبہ کرتے ہیں! آپ علیہ السلام اپنے رب عزوجل سے دعا کیجئے کہ وہ ہم سے یہ عذاب اٹھا لے ان پر سات دن یہ عذاب رہا تھا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو ان سے یہ عذاب اٹھا لیا گیا لیکن انہوں نے پھر عہد شکنی کی اور دوبارہ برے اعمال شروع کر دیئے اور کہنے لگے کہ ہم یہ یقین کرنے میں حق بجانب ہیں کہ یہ ایک جادوگر ہیں جنہوں نے ریت کے ٹیلے کو قمل سے بدل ڈالا پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر مینڈکوں کا عذاب بھیجا جس سے ان کے گھر اور ان کے صحن بھر گئے ان کے کھانے اور کھانے کے برتن مینڈک سے بھر گئے وہ جب بھی کسی کھانے کے برتن کو یا کھانے کو کھولتے تو اس میں مینڈک بھرے ہوئے ہوتے۔ جب کوئی شخص بیٹھتا تو مینڈک اچھل کر اس کی ٹھوڑی پر چڑھ جاتے اور جب وہ بات کرنا چاہتا تو مینڈک پھدک کر اس کے منہ کے اندر چلے جاتے وہ ان کی دیگچیوں میں اچھل کر چلے جاتے اور ان کا کھانا خراب کر دیتے اور ان کی آگ بجھا دیتے۔ وہ جب سونے کے لئے کروٹ لیتے تو دوسری جانب مینڈکوں کا ڈھیر لگ جاتا اور وہ کروٹ نہ بدل سکتے وہ منہ میں نوالہ ڈالنے کے لئے منہ کھولتے تو نوالہ سے پہلے مینڈک منہ میں چلا جاتا وہ آٹا گوندھتے تو آٹے میں مینڈک لتھڑ جاتے اور جب وہ سالن کی دیگچی کھولتے تو وہ دیگچی مینڈکوں سے بھری ہوئی ہوتی تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

پہلے مینڈک خشکی کے جانور تھے لیکن جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کی اور جوش کھاتی ہوئی دیگچی میں پھدک کر چلے جاتے اور بھڑکتے ہوئے تنور میں چھلانگ لگا دیتے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اچھی اطاعت کی وجہ سے ان کو پانی کا جانور بنا دیا۔ قبطیوں پر ایک ہفتہ تک مینڈکوں کا عذاب رہا وہ پھر روتے پیٹتے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے اور بہت معافی مانگی اور توبہ کی اور قسمیں کھائیں اور بہت پکے وعدے کیے کہ وہ اب وعدہ نہیں توڑیں گے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل سے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے مینڈکوں کا عذاب اٹھا لیا اور وہ ایک ماہ تک آرام اور عافیت کے ساتھ رہے پھر انہوں نے اپنے وعدوں اور قسموں کو توڑ دیا اور اپنے کفر کی طرف لوٹ گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر ان کے خلاف دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر خون کا عذاب بھیجا پھر دریائے نیل میں خون بہنے لگا۔ ان کے گھروں میں رکھا ہوا پانی خون بن گیا۔ وہ کنوؤں اور نہروں سے جو پانی لاتے تھے وہ سرخ رنگ کا گاڑھا خون ہوتا تھا۔ انہوں نے فرعون سے شکایت کی کہ اب تو ہمیں پینے کا پانی بھی میسر نہیں ہے۔

فرعون نے کہا کہ

یہ موسیٰ علیہ السلام کا جادو ہے؟

قبطیوں نے کہا:

یہ جادو کہاں سے ہو گیا۔ ہمارے تمام برتنوں میں سرخ سیال خون بھرا ہوا ہے۔ پھر فرعون نے قبطی اور اسرائیلی کو جمع کیا۔ قبطی کے پیالہ میں خون ہوتا اور اسرائیلی کے پیالہ میں پانی ہوتا۔ پھر جب قبطی اسرائیلی کا پیالہ لے کر پانی پینا چاہتا تو اس کے منہ کے پاس جا کر خون بن جاتا وہ پانی کے مٹکوں کو دیکھتے تو قبطی کے مٹکے میں خون ہوتا اور اسرائیلی کے مٹکے میں پانی ہوتا حتیٰ کہ پیاس سے مجبور ہو کر قوم فرعون کی عورت اسرائیلی کے پاس جا کر پانی مانگتی۔ اسرائیلی اس کو پیالے میں پانی دیتا لیکن قبطی عورت جب اس سے پیالہ کو پکڑتی تو وہ خون ہو جاتا پھر وہ عورت اسرائیلی سے کہتی کہ تم میرے منہ میں اس پانی کی کلی کر دو جب اسرائیلی کلی کرتا تو قبطی کے منہ میں پہنچ کر وہ پانی خون بن جاتا اور فرعون کو جب پیاس لگتی تو وہ درختوں کی تر چھال کو چباتا اور اس میں سخت کھارا اور کڑوا پانی نکلتا۔ وہ سات دن تک اس سخت عذاب میں مبتلا رہے اور خون کے سوا کوئی چیز نہ پی سکے۔ پھر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس روتے پیٹتے ہوئے آئے اور کہنے لگے۔ اے موسیٰ علیہ السلام! اپنے رب عزوجل سے دعا کیجئے کہ وہ ہم سے اس عذاب کو اٹھا لے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کے ساتھ بنو اسرائیل کو بھیج دیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ عذاب اٹھا لیا ان پر طوفان، ٹڈی دل، سرسریوں، مینڈکوں اور خون کا عذاب پے در پے آیا ہر عذاب کا دورانیہ سات دن تھا اور دو عذابوں کے درمیان عافیت کا وقفہ ایک ماہ تھا لیکن ہر قسم کا عذاب بھگتنے کے باوجود وہ راہ راست پر نہیں آئے اور وہ ایمان لانے سے تکبر کرتے رہے اور در اصل وہ تھے ہی مجرم لوگ۔

(معالم التنزیل: ج:2،ص160 تا 161 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) (تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:5،ص 1544 تا1549) (زاد المسیر: ج:3،ص 250 تا251) (جامع البیان: جز:9،ص46 تا50)

فرعونیوں کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بارش رکوا دینے کی درخواست اور بارش کا رک جانا

فرعونیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ مقدسہ میں عرض کیا کہ اے موسیٰ علیہ السلام اپنے رب عزوجل سے ہمارے لیے دعا کیجئے کہ وہ اس بارش کو ہم سے دور ہٹا دے ہم ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ علیہ السلام کے ساتھ بھیج دیں گے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے دعا کی اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش کو روک لیا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون پر طوفان بھیجا اور اس سے مراد بارش ہے۔

تو فرعونیوں نے کہا:

اے موسیٰ علیہ السلام! اپنے رب عزوجل سے ہمارے لیے دعا کیجئے وہ اس بارش کو ہم سے دور ہٹا دے ہم تیرے ساتھ ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو تیرے ساتھ بھیج دیں گے پس آپ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل کی بارگاہ مقدسہ میں

التجاء کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش روک لی۔ الخ (تفسیر طبری: ج:9،ص:45 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

بارش کے رکنے کے سال کھیتیاں اور گھاس بہت زیادہ اگنا

بارش کے رکنے کے سال اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں کے لئے اس قدر کھیتیاں اور گھاس وغیرہ اگائی کہ اس سے قبل کبھی بھی اتنا کچھ نہیں اگایا تھا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

اور اس سال اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اتنی کھیتیاں اور گھاس وغیرہ اگائی کہ اس سے قبل کبھی بھی اتنا کچھ نہیں اگایا تھا۔

(تفسیر طبری: ج:9،ص:45 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

ناشکری پر ٹڈیاں مسلط کر دینا

فرعونیوں نے ناشکری کی اور کہنے لگے کہ یہ تو وہی ہے جس کی ہم آرزو اور تمنا کرتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر ٹڈی کو بھیج دیا اور ان پر مسلط کر دیا۔

امام ابوجعفر ابن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

تو وہ کہنے لگے کہ

یہ وہی ہے جس کی ہم تمنا اور آرزو کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ٹڈی کو بھیج دیا اور اسے ان پر مسلط کر دیا۔

(تفسیر طبری: ج:9،ص:45 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

فرعونیوں کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ٹڈی کے عذاب کو دور کرنے کی درخواست اور دعا سے ٹڈی کا دور ہونا

جب فرعونیوں کو یقین ہو گیا کہ ان کی ٹڈیوں سے کوئی فصل باقی نہیں رہے گی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ مقدسہ میں ان کے دور ہونے کی درخواست کی اور آپ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں دعا کی تو وہ دور ہو گئیں۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

سو جب ان کی نظریں اس پر پڑیں تو انہیں یقین ہو گیا کہ ان کی کوئی فصل باقی نہیں بچے گی تو انہوں نے پہلے کی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کی تو آپ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل سے التجاء کی اللہ تعالیٰ نے ان سے ٹڈی کو دور فرما دیا۔ (تفسیر طبری: ج:9،ص:45 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

فرعونیوں کی دوبارہ ناشکری پر جوئیں مسلط کر دینا

فرعونیوں نے دوبارہ ناشکری کی اور کہنے لگے اب تو ہم نے فصلوں کو محفوظ کر لیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر جوئیں بھیج دیں۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

چنانچہ انہوں نے فصلوں کو گاہا اور صاف کر کے انہیں گھروں میں محفوظ کر لیا اور کہنے لگے ہم نے فصلوں کو محفوظ کر لیا ہے۔ تو

اللہ تعالیٰ نے ان پر جوئیں بھیج دیں اور یہاں قمل سے مراد وہ گھن ہے جو گندم سے نکلتا ہے۔

(تفسیر طبری: ج:9، ص:45 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

کوئی فرعونی چکی پر دس اجرب گندم لے جاتا تو تین قفیز بھی واپس نہیں لوٹاتا تھا

جب کوئی فرعونی دس اجرب گندم چکی پر لے جاتا تو ان میں سے تین قفیز بھی واپس نہیں لوٹائے جاتے تھے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

ایک آدمی دس اجرب گندم چکی پر لے جاتا تھا تو ان میں تین قفیز بھی واپس نہیں لوٹائے جاتے تھے۔

(تفسیر طبری: ج:9، ص:45 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فرعونیوں کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جوؤں کے عذاب کو دور کروا دینے کی درخواست

فرعونیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جوؤں کے عذاب کو دور کروا دینے کی درخواست کی تو آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں دعا کی اللہ تعالیٰ نے ان سے جوؤں کا عذاب بھی دور فرما دیا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

تو انہوں نے پہلے کی طرح دعا کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے بھی نجات عطا فرما دی۔

(تفسیر طبری: ج:9، ص:45 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھیجنے کے انکار پر مینڈک کا عذاب

انہوں نے جب بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھیجنے کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر مینڈک کا عذاب بھیج دیا کہ جب وہ بات کرتے تو مینڈک اچھل کر ان کے منہ میں چلا جاتا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

لیکن پھر انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیجنے سے انکار کر دیا تو اسی اثناء میں آپ علیہ السلام نے فرعون کے پاس نہر سے مینڈک کے ٹرانے کی آواز سنی۔

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: اے فرعون! کیا تو اور تیری قوم اس مینڈک سے مل چکے ہو؟

تو اس نے کہا:

کیا وہ اس مینڈک کے قریب ہے؟

پس جب شام ہوئی تو ہر آدمی اپنی ٹھوڑی تک مینڈکوں میں تھا اور ان میں سے کوئی بھی بات نہیں کرتا تھا مگر یہ کہ مینڈک اچھل کر اس کے منہ میں داخل ہو جاتا اور ان کے برتنوں میں سے کوئی بھی نہیں تھا مگر یہ کہ وہ مینڈکوں سے بھرا پڑا ہوتا تھا۔

(تفسیر طبری: ج:9، ص:45 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فرعونیوں کی دوبارہ دعا کی درخواست پر مینڈک کا عذاب دور ہو جانا

فرعونیوں نے دوبارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے مینڈک کے عذاب کو دور کرنے کی دعا کی اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ عذاب بھی دور فرما دیا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

تو انہوں نے پہلے کی طرح دعا کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے مینڈکوں کو دور فرما دیا۔

(تفسیر طبری: ج:9،ص:45 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

دوبارہ ناشکری پر خون کا عذاب نازل ہونا

فرعونیوں نے دوبارہ ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر خون کے عذاب کو بھیجا ان کے دریا خون ہو گئے، کنویں خون ہو گئے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

لیکن انہوں نے وعدہ وفا نہیں کیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر خون بھیجا تو ان کے دریا خون ہو گئے اور ان کے کنویں بھی خون ہو گئے۔ (تفسیر طبری: ج:9،ص:45 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فرعونیوں کا فرعون سے شکوہ کرنا اور فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خون کے عذاب کو دور کر دینے کی درخواست

فرعونیوں نے فرعون کے پاس جا کر خون کے عذاب کا شکوہ کیا تو فرعون بدبخت نے کہا اس نے تم پر جادو کر دیا ہے؟ فرعونیوں نے کہا ہمارے برتنوں، کنوؤں اور دریاؤں میں کوئی پانی نہیں ہے مگر ہم اس میں تازہ خون کا ذائقہ پاتے ہیں تو پھر فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس خون کے عذاب کو دور کر دینے کی درخواست کی مگر انہوں نے پھر بھی وعدہ پورا نہ کیا اور کفر پر رہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

تو انہوں نے فرعون کے پاس یہ شکوہ کیا۔

تو اس نے کہا:

محسوس ایسا ہوتا ہے کہ اس نے تم پر جادو کر دیا ہے؟

فرعونیوں نے کہا:

ہمارے برتنوں، کنوؤں اور دریاؤں میں کوئی پانی نہیں ہے مگر ہم اس میں تازہ خون کا ذائقہ پاتے ہیں۔

تو فرعون نے پھر کہا۔

اے موسیٰ (علیہ السلام) اپنے رب عزوجل سے دعا کیجئے کہ وہ ان سے اس خون کو دور فرما دے لیکن انہوں نے وعدہ پورا نہ کیا۔ (تفسیر طبری: ج:9، ص:45 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بنی اسرائیل کو ساتھ نہ بھیجنے پر بار بار عذاب میں گرفتار ہونا

فرعونی بنی اسرائیل کو ساتھ بھیجنے کا وعدہ کرتے جب عذاب ٹل جاتا تو انکار کر دیتے پھر عذاب میں گرفتار کر دیئے جاتے یوں وہ بار بار عذاب میں گرفتار ہوئے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

"فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ" میں طوفان سے مراد شدید بارش ہے یعنی ہم نے ان پر بارش بھیجی حتیٰ کہ انہیں ہلاک ہونے کا خوف ہونے لگا تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے اور کہا! اے موسیٰ علیہ السلام! اپنے رب عزوجل کی بارگاہ میں ہمارے لیے دعا فرمایئے کہ وہ اس بارش کو ہم سے دور لے جائے تو ہم آپ علیہ السلام کے ساتھ ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ علیہ السلام کے ساتھ بھیج دیں گے چنانچہ آپ علیہ السلام نے رب کریم کی بارگاہ مقدسہ میں التجاء کی تو ان سے بارش ختم ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سبب ان کی فصلوں کو خوب اگایا اور ان کے شہروں کو سرسبز و شاداب کر دیا۔

تو انہوں نے کہا:

ہم پسند نہیں کرتے کہ ہم پر بارش نہ برسائی جائے ہم اپنے معبودوں کو چھوڑ کر ہرگز تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے اور نہ ہی تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیجیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ٹڈی کو بھیج دیا اور اس نے بڑی تیزی سے ان کی فصلوں اور پھلوں کو خراب کرنا شروع کر دیا۔

تو انہوں نے پھر التجاء کی۔

اے موسیٰ علیہ السلام! اپنے رب عزوجل سے ہمارے لیے دعا کیجئے کہ وہ اس ٹڈی کو ہم سے دور فرما دے تو عنقریب ہم تیرے ساتھ ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو تیرے ساتھ بھیج دیں گے چنانچہ آپ علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ٹڈی سے نجات دے دی۔ درآنحالیکہ ان کی فصلوں اور دیگر حاجات زندگی میں سے ابھی کچھ باقی تھیں۔

تو انہوں نے کہا:

جو ہمارے لیے باقی بچا ہے وہ ہمیں کافی ہے لہٰذا ہم تیرے ساتھ ایمان نہیں لائیں گے اور نہ بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ بھیجیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر قُمّل کو بھیج دیا اور یہ ایک رینگنے والا کیڑا ہے جو فصل وغیرہ ٹڈی نے چھوڑ دی تھی یہ اس میں داخل ہو گیا تو وہ خوب گھبرا گئے اور انہیں ہلاکت و بربادی کا خوف ہونے لگا تو انہوں نے پھر درخواست کی اے موسیٰ علیہ السلام! ہمارے لیے اپنے رب عزوجل سے دعا کیجئے کہ وہ اس کیڑے کو ہم سے دور کر دے تو ہم تمہارے ساتھ ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ بھیج دیں گے چنانچہ آپ علیہ السلام نے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے نجات دے دی۔

تو پھر وہ کہنے لگے۔

ہم تمہارے ساتھ ایمان لانے والے نہیں ہیں اور نہ تمہارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیجنے والے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر مینڈک کو بھیج دیا اور ان کے گھر مینڈکوں سے بھر گئے اور ان کے سبب انہیں سخت تکلیف پہنچی اتنی شدید اذیت کہ اس سے قبل کبھی بھی ایسی تکلیف سے دوچار نہیں ہوئے تھے وہ اچھل کر ان کی ہنڈیوں میں داخل ہو جاتے تھے اور ان کے کھانوں کو خراب کر دیتے تھے اور ان کی آگ بجھا دیتے تھے۔

انہوں نے پھر کہا۔

اے موسیٰ علیہ السلام! اپنے رب عزوجل سے ہمارے لیے دعا کیجئے کہ وہ ان مینڈکوں کو ہم سے دور فرما دے کیونکہ ان کے سبب ہم شدید آزمائش میں اور اذیت میں مبتلا ہیں تو ہم آپ علیہ السلام کے ساتھ ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ علیہ السلام کے ساتھ بھیج دیں گے چنانچہ آپ علیہ السلام نے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے مینڈکوں کو دور فرما دیا تو انہوں نے پھر کہہ دیا ہم تمہارے ساتھ ایمان نہیں لائیں گے اور نہ ہی تمہارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیجیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر خون بھیج دیا پس وہ خون ہی کھانے لگے اور خون ہی پینے لگے۔

پھر عرض کیا:

اے موسیٰ علیہ السلام! اپنے رب عزوجل سے ہمارے لیے دعا فرمائیے وہ اس خون کو ہم سے دور فرما دے تو ہم آپ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ علیہ السلام کے ساتھ بھیج دیں گے چنانچہ آپ علیہ السلام نے دعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے ان سے خون کو دور فرما دیا۔

لیکن انہوں نے پھر کہا۔

اے موسیٰ (علیہ السلام)! ہم ہرگز تیرے ساتھ ایمان نہیں لائیں گے اور نہ تمہارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیجیں گے۔ پس یہی وہ واضح نشانیاں تھیں جو ایک دوسری کے پیچھے ظاہر ہوئیں تا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان پر حجت مکمل ہو جائے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کے بدلے انہیں پکڑ لیا اور گہرے سمندر میں ان کو غرق کر دیا۔

(تفسیر طبری: ج:9، ص:45 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ٹڈی فرعونیوں کا کیا حشر کرتی تھی؟

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ کی تفسیر میں حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ہم نے ان پر پانی، طاعون اور ٹڈی بھیجی۔ فرمایا ٹڈی ان کے دروازے کے کیلوں اور ان کے کپڑوں کو کھانے لگی اور قمل سے مراد کیڑا اور مینڈکیں ان کے بستروں اور ان کے کھالوں میں داخل ہو جاتی تھیں اور خون ان کے کپڑوں، پانی اور کھانے میں ظاہر ہو جاتا تھا۔ (تفسیر طبری: ج:9، ص:45 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

مینڈک کو اللہ تعالیٰ نے کیا جزاءِ خیر عطا فرمائی

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

مینڈک خشکی پر رہتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے ان کو فرعونیوں کی طرف بھیجا تو اس نے حکم سنا اور اطاعت بجالائی پھر یہ کبھی اپنے آپ کو ابلتی ہنڈیا میں پھینک دیتا اور کبھی تنوروں میں کود جاتا حالانکہ وہ جوش مار رہے ہوتے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی اس حسین فرمانبرداری اور اطاعت کی جزاء کے طور پر اس کو پانی کی ٹھنڈک عطا فرمائی۔

(تفسیر طبری: ج:9،ص:47 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

فرعونیوں پر مینڈک سے بڑھ کر کوئی شے تکلیف دہ اور اذیت ناک نہ تھی یہ ان کی ہنڈیوں کے پاس آجاتے حالانکہ وہ ابل رہی ہوتی تھیں اور یہ اپنے آپ کو ان میں ڈال دیتے تو اللہ تعالیٰ نے جزاء کے طور پر پانی اور مٹی کی ٹھنڈک قیامت تک کے لئے اسے عطا فرمادی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

تم مینڈک کو نہ مارو کیونکہ جب اس کو فرعونیوں کی طرف بھیجا گیا تو ان میں ایک مینڈک چلا اور آگ سے بھرے تنور میں گر گیا اس کے عوض اس نے اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں سب سے ٹھنڈی شے کے ساتھ جزاء عطا فرمائی جسے ہم پانی کہتے ہیں اور اس کی آواز کو تسبیح بنادیا۔ (درمنثور: ج:3،ص:355 مطبوعہ کراچی)

اسرائیلی صاف اور میٹھا پانی پیا کرتے اور فرعونی خون سے سیراب ہوتے تھے

اسرائیلیوں کو صاف اور میٹھا پانی ملتا جس کو وہ پیتے تھے اور فرعونیوں کو خون ملتا تھا جس سے وہ سیراب ہوتے تھے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہی رحمۃ اللہ علیہ ں۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

دریائے نیل میں خون بہنے لگا بنی اسرائیل صاف اور میٹھا پانی پیا کرتے تھے اور فرعونی خون سے سیراب ہوتے تھے حالانکہ دونوں ایک برتن میں شریک ہوتے تھے پس جو کچھ اسرائیلی کو ملتا تھا وہ صاف اور میٹھا پانی ہوتا تھا اور جو کچھ فرعونی کو ملتا تھا وہ خون ہوتا۔ (تفسیر طبری: ج:9،ص:48 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فرعونیوں پر نکسیر کا مسلط ہونا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

الدم کے بارے میں حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے ان پر نکسیر کو مسلط کر دیا۔ (تفسیر طبری: ج:9، ص:50 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

فرعونی پانی سے چلو بھرتے تو وہ سرخ خون ہوتا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں پر خون بھیجا وہ اپنے پانی کے جو چلو بھی بھرتے وہ سرخ خون ہوتا حتیٰ کہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ فرعون دو آدمیوں ایک قبطی اور ایک اسرائیلی کو ایک برتن میں جمع کر دیتا تو پھر اسرائیلی کو جو ملتا تھا وہ پانی ہوتا اور جو قبطی کو ملتا وہ خون ہوتا۔

(درمنثور: ج:3، ص:355 مطبوعہ کراچی)

ٹڈی پر مقدس کلمات لکھے ہوئے ہونا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابونعیم نے حلیہ میں حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

ٹڈی پر سریانی زبان میں یہ لکھا ہوا ہے۔

انی انا اللہ لا الٰہ الا انا وحدی لاشریک لی الجراد جند من جندی اسلطه علی من اشاء من عبادی

بے شک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی الٰہ نہیں میں یکتا ہوں میرا کوئی شریک نہیں۔ ٹڈی میرے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے میں اپنے بندوں میں سے جن پر چاہوں اسے مسلط کر دیتا ہوں۔

(درمنثور: ج:3، ص:354 مطبوعہ کراچی)

امام طبرانی، اسماعیل بن عبدالغافر فارسی رحمۃ اللہ علیہما نے اربعین میں اور بیہقی نے حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے یہ نقل کیا ہے کہ ہم یعنی میں، میرے بھائی محمد بن حنفیہ اور میرے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس، قثم اور فضل ایک دسترخوان پر اکٹھے تھے کہ ایک ٹڈی آگری تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کو پکڑ لیا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے کہا: پڑھیے! ٹڈی پر کیا لکھا ہوا ہے؟

تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں نے اپنے اباجان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا: ٹڈی پر لکھا ہوا ہے!

انی انا اللہ لا الٰہ الا انا رب الجراد ورازقها اذا شئت بعثتها رزقاً لقوم وان شئت علی قوم بلاء

بے شک میں اللہ تعالیٰ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں میں ٹڈی کا رب عزوجل ہوں اس کا رازق ہوں جب میں چاہتا ہوں تو اسے کسی قوم کے لئے رزق بنا کر بھیج دیتا ہوں اور اگر چاہوں تو کسی قوم پر آفت اور مصیبت بنا کر اس کو بھیجتا ہوں۔

تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

قسم بخدا! یہ مخفی علم میں سے ہے۔ (در منثور: ج:3، ص:354 مطبوعہ کراچی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ٹڈی آ کر گری تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اٹھالیا تو اس کے ایک پر عبرانی میں لکھا ہوا تھا۔

لا یعنی جنینی ولا یشبع اکلی نحن جندالله الاکبر لنا تسع و تسعون بیفة ولو تمنا لنا المائة لاکلنا الدنیا بمافیها

میرا جنین گرتا نہیں مجھے کھانے والا سیر نہیں ہوتا ہم عظیم و کبیر رب کا لشکر ہیں ہمارے ننانوے انڈے ہوتے ہیں اگر سو مکمل ہوتے تو ہم دنیا کی ہر شے کو کھا جاتیں۔

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے اللہ عزوجل! ٹڈی کو ہلاک کردے ان میں سے کبار کو قتل کردے اور صغار کو موت دے دے ان کے انڈوں کو خراب اور فاسد کردے اور مسلمان کے کھیتوں اور دیگر ضروریات زندگی سے ان کے منہ بند کردے بے شک تو دعا کو سننے والا ہے پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: بعض امور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو قبول کر لیا گیا ہے۔ (شعب الایمان: ج:7، ص:233 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

ٹڈی اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سب سے زیادہ ہے

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹڈی کے بارے میں پوچھا گیا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سب سے زیادہ ہے نہ میں اس کو کھاتا ہوں اور نہ اس کو حرام قرار دیتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد: ج:2، ص:178 مطبوعہ وزارت تعلیم اسلام آباد)

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی دعا ٹڈی سے پوری ہوئی

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت مریم بنت عمران علیہما السلام نے اپنے رب عزوجل سے دعا مانگی کہ وہ انہیں ایسا گوشت کھلائے جس میں خون نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ٹڈی عطا فرمائی۔

تو انہوں نے کہا: اللھم اعشه بغیر رضاع وتابع بینه بغیر شیاع

اے اللہ عزوجل! اسے بغیر دودھ کے زندہ رکھ اور ان کے درمیان بغیر اشتراک کے موافقت رکھ۔

(سنن الکبریٰ للبیہقی: ج:9، ص:45 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹڈی کے بارے میں پوچھا گیا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت مریم رضی اللہ عنہا نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں یہ التجاء کی کہ وہ ایسا گوشت عطا فرمائے جس میں خون نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ٹڈی عطا فرمائی۔ (درمنثور: ج:3، ص:352 مطبوعہ کراچی)

ٹڈی سے کسی نبی کا سوال پورا کیا گیا

حضرت زینب ربیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ انبیاء کرام علیہم اسلام میں سے کسی نبی علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ایسے پرندے کے گوشت کا سوال کیا جسے ذبح کرنے کی ضرورت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مچھلیاں اور ٹڈی عطا فرمائی۔ (سنن الکبریٰ للبیہقی: ج:9، ص:298 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مینڈک کو مارنے سے منع فرمایا

حضرت عبد الرحمٰن بن عثمان تیمی سے روایت ہے کہ

ایک طبیب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دوا میں مینڈک کا ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مارنے سے منع فرمادیا۔ (سنن ابوداؤد: ج:2، ص:185 مطبوعہ وزارت تعلیم اسلام آباد)

حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگروں پر غلبہ پانے کے بعد بیس برس تک فرعونیوں میں قیام پذیر رہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگروں پر غلبہ پانے کے بعد بیس برس تک فرعونیوں میں قیام پذیر رہے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے الزہد میں، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت نوف الشامی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگروں پر غلبہ پانے کے بعد بیس برس تک فرعونیوں میں ٹھہرے رہے اور آپ علیہ السلام انہیں نشانیاں دکھاتے رہے مثلاً ٹڈی، جوئیں، مینڈک اور خون اور وہ اسلام لانے سے انکار ہی کرتے رہے۔

(درمنثور: ج:3، ص:355 مطبوعہ کراچی)

چالیس برس تک قیام پذیر رہے

ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگروں پر غالب آنے کے بعد چالیس برس تک فرعونیوں میں ٹھہرے رہے اور ان کو واضح نشانیاں دکھاتے رہے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگروں پر غالب آنے کے بعد چالیس برس تک فرعونیوں میں ٹھہرے رہے اور انہیں واضح نشانیاں دکھاتے رہے یعنی ٹڈی، جوئیں اور مینڈک۔ (درمنثور: ج:3، ص:356 مطبوعہ کراچی)

نشانیاں ایک ہفتہ سے دوسرے ہفتہ تک ٹھہرتیں پھر ایک ماہ کے لئے اٹھالی جاتیں

فرعونیوں پر جو نشانیاں ظاہر کی گئیں وہ عذاب کی صورت میں ایک ہفتہ سے دوسرے ہفتہ تک ٹھہرتی تھیں اور پھر ایک مہینے کے لئے ان سے ان کو اٹھالیا جاتا تھا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

ان نشانیوں میں سے بعض بعض کے پیچھے ظاہر ہوئیں وہ نشانی ان میں ایک ہفتے سے دوسرے ہفتے تک ٹھہرتی تھی اور پھر مہینے بھر کے لئے ان سے اٹھالیا جاتا تھا۔ (درمنثور: ج:3، ص:356 مطبوعہ کراچی)

تمام نشانیوں میں سے ہر دو نشانیوں کے درمیان تیس دن کا فاصلہ تھا

فرعونیوں پر جو عذاب کی صورت میں نشانیاں ظاہر کی گئیں ان تمام میں سے ہر دو نشانیوں کے درمیان تیس دن کا فاصلہ تھا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں: حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

ان تمام نشانیوں میں سے ہر دو نشانیوں کے درمیان تیس دن کا فاصلہ تھا۔ (درمنثور: ج:3، ص:356 مطبوعہ کراچی)

نو علامات نو برس میں ظاہر ہوئیں ہر سال میں ایک علامت ظاہر ہوئی

جو علامات ظاہر ہوئی تھیں وہ نو برس میں ظاہر ہوئیں ہر سال میں ایک نشانی ظاہر ہوئی۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

وہ نو علامات نو برس میں ظاہر ہوئیں ہر سال میں ایک نشانی ظاہر ہوئی۔ (درمنثور: ج:3، ص:356 مطبوعہ کراچی)

قوم فرعون کے ستر ہزار افراد مر جانا

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تم میں ہر آدمی کو چاہئے کہ وہ مینڈھا ذبح کرے پھر اپنی ہتھیلی اس کے خون سے رنگ لے پھر اس کو اپنے دروازے پر لگا دے تو قبطیوں نے بنی اسرائیل کو کہا۔ تم یہ خون اپنے دروازے پر کیوں لگا رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر عذاب نازل کر رہا ہے ہم اس سے بچ جائیں گے اور تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

قبطی نے کہا:

کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہی علامت بتائی ہے؟

انہوں نے جواب دیا۔

اسی طرح ہمیں ہمارے نبی مکرم نے حکم دیا ہے پس انہوں نے صبح اس حال میں کی کہ قوم فرعون کے ستر ہزار افراد مر چکے تھے اور شام کے وقت حالت یہ تھی کہ وہ دفنائے نہیں جا سکتے تھے۔

تو اس وقت فرعون نے کہا:

ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيٓ اِسْرَآءِ يْلَ ۝ (الاعراف:134)

دعا کرو ہمارے اپنے رب سے اس عہد کے سبب جو اس کا تمہارے ساتھ ہے اگر تم ہٹا دو گے ہم سے یہ عذاب تو ہم ضرور ایمان لائیں گے تم پر اور ضرور روانہ کریں گے تیرے ساتھ بنی اسرائیل۔

چنانچہ آپ نے اپنے رب عزوجل کی بارگاہ اقدس میں دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے اس کو دور ہٹا دیا ان تمام سے بڑھ کر فرعون نے وعدہ وفا کیا اور کہا بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر جہاں چاہو چلے جاؤ۔ (درمنثور،ج:3،ص:357 مطبوعہ کراچی)

اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں کو طاعون میں مبتلا کر دیا

اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں کو طاعون میں مبتلا کر دیا اور انہیں اس میں مشغول کر دیا حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام باہر نکل گئے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں کو طاعون میں مبتلا کر دیا اور انہیں اس میں مشغول کر دیا حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام باہر نکل گئے۔

اور آپ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فرمایا:

اپنی ہتھیلیوں کو مٹی اور راکھ میں رکھو اور پھر اس کو اپنے دروازے پر مل لو اس طرح ملک الموت تم سے رکے رہیں گے۔

فرعون نے کہا:

کیا کوئی ہمارے غلاموں کو مار سکتا ہے۔

انہوں نے کہا:

نہیں۔

اس نے کہا:

کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ ہم پکڑے جائیں گے اور وہ نہیں پکڑے جائیں گے۔ (درمنثور: ج:3، ص:357 مطبوعہ کراچی)

فرعونی بار بار عہد کو توڑتے تھے

فرعونیوں نے بار بار عہد کو توڑا تھا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ○ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ○ (الاعراف:134 تا 135)

اور جب بھی ان پر کوئی عذاب آتا تو وہ کہتے اے موسیٰ! آپ کے رب نے آپ سے جو وعدہ کیا ہے اس کی بناء پر ہمارے حق میں دعا کیجئے اگر آپ نے ہم سے یہ عذاب دور کر دیا تو ہم ضرور بہ ضرور آپ پر ایمان لائیں گے اور ہم ضرور بالضرور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کریں گے پس جب ہم نے ان سے اس مدت معینہ تک کے لئے عذاب کو دور کر دیا جس مدت تک پہنچنا ان کے لئے مقدر تھا تو وہ فوراً اپنا عہد توڑنے والے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کو مصر سے لے جانے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: آپ راتوں رات میرے بندوں کو لے جائیں پھر ان کے لئے سمندر میں سے خشک راستہ نکالیں۔ نہ تو آپ کو کسی کے پکڑنے کا خوف ہوگا نہ ڈر ہوگا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ○ (طٰہٰ:77)

اور بے شک ہم نے موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کہ آپ راتوں رات میرے بندوں کو لے جائیں پھر ان کے لئے سمندر میں سے خشک راستہ نکالیں آپ کو کسی کے پکڑنے کا نہ تو کوئی خوف اور نہ ہی ڈر ہوگا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْٓ اِنَّکُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ○ (الشعراء:52)

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ آپ میرے بندوں کو راتوں رات نکال کر لے جائیں کیونکہ آپ سب کا پیچھا کیا جائے گا۔

فرعون کا بنی اسرائیل کی تلاش کا کہنا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے روانگی فرمائی تو فرعون نے بنی اسرائیل کی تلاش کا حکم دیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ○ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِیْلُوْنَ ○ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ○ وَاِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ ○ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ○ وَّکُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ کَرِیْمٍ ○ (الشعراء:53 تا 58)

پھر فرعون نے جمع کرنے والوں کو شہر میں بھیج دیا کہ بے شک یہ جماعت (بنی اسرائیل) بہت کم تعداد میں ہے اور بے شک وہ ضرور ہم کو غضب میں لانے والے ہیں اور بے شک ہم لوگ ان سے محتاط ہیں سو ہم نے ان (فرعونیوں) کو (ان کے) باغات اور چشموں سے نکال باہر کیا اور (ان کے) خزانوں اور عمدہ مسکنوں سے۔

رات کو لے جانے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: میرے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّکُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ○ وَاتْرُکِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ○ (الدخان:23 تا 24)

تم میرے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ بے شک تمہارا تعاقب کیا جائے گا آپ سمندر کو یوں ہی ساکن چھوڑ کے چلے جائیں بے شک ان کا لشکر غرق کر دیا جائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو کس ترکیب سے مصر سے لے گئے

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کو یہاں سے نکال لے چلیں اور انہیں حکم دیا کہ وہ قبطیوں سے زیورات ادھار لیں اور یہ بھی حکم دیا کہ کوئی بھی اپنے ساتھی کو آواز نہ دے اپنے گھروں میں صبح تک چراغ جلائے رکھیں ان میں سے جو اپنے دروازے کے سامنے سے نکلے تو وہاں خون گرا دے تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ چلا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ان تمام بچوں کو بنی اسرائیل کی طرف نکال دیا جو قبطیوں کے گھروں میں بنی اسرائیل کے پیدا ہوئے تھے اور قبطیوں کے ان تمام بچوں کو قبطیوں کی طرف نکال دیا جو قبطیوں کے بنی اسرائیل کی عورتوں سے پیدا ہوئے تھے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر رات کے وقت نکل کھڑے ہوئے جبکہ قبطیوں کو کچھ علم نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قبطیوں پر موت طاری کر

دی۔ خاندان میں سے ایک آدمی مرنے لگا وہ انہیں دفنانے لگے تو وہ بنی اسرائیل کی تلاش سے غافل ہو گئے حتیٰ کہ سورج طلوع ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام چھ لاکھ بیس ہزار افراد کو لے کر چل پڑے وہ بیس سال کی عمر والے کو اس کے چھوٹے ہونے کے ساتھ سال والے بوڑھا ہونے کی وجہ سے شمار نہیں کرتے تھے انہوں نے بچوں کے علاوہ ان کے درمیانی عمر والوں کو شمار کیا۔

(درمنثور: ج:5، ص:240 مطبوعہ کراچی)

فرعون کا پیچھا کرنا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر چلے گئے تو فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ○ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ○ (طٰہٰ: 78 تا 79)

پس فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کیا پھر سمندر نے ان کو ڈھانپ لیا جو ڈھانپ لیا۔ اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کر دیا اور سیدھا راستہ نہ دکھایا۔

فرعون کے مقدمۃ الجیش پر ہامان امیر تھا

جب فرعون نے پیچھا کیا تو اس کے مقدمۃ الجیش پر ہامان امیر تھا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

فرعون نے بنی اسرائیل کا پیچھا کیا تو اس کے مقدمۃ الجیش پر ہامان امیر تھا۔ (درمنثور: ج:5، ص:240 مطبوعہ کراچی)

لشکر کی تعداد دس لاکھ اور سات لاکھ گھوڑے تھے

لشکر کی تعداد دس لاکھ تھی اور سات لاکھ گھوڑے تھے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

لشکر کی تعداد دس لاکھ تھی اور سات لاکھ گھوڑے تھے جن میں ایک بھی ایسا نہیں تھا جو پالتو ہو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ○ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ○ (درمنثور: ج:5، ص:240 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساقہ پر تھے

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساقہ پر تشریف فرما تھے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساقہ پر تھے۔ (درمنثور: ج:5، ص:240 مطبوعہ کراچی)

حضرت ہارون علیہ السلام کا لشکر کے آگے آگے ہونا

جب لشکر روانہ ہوا تو حضرت ہارون علیہ السلام لشکر کے آگے آگے جا رہے تھے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

جبکہ حضرت ہارون علیہ السلام ان کے آگے آگے جا رہے تھے۔ (درمنثور:ج:5،ص:240 مطبوعہ کراچی)

مردمومن کے سوال پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب

ایک مردمومن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ علیہ السلام کو کہاں کا حکم دیا گیا ہے تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا سمندر کا۔ اس نے ویسے ہی سمندر میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو سمندر میں داخل ہونے سے منع فرما دیا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

ایک مردمومن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی کہ آپ علیہ السلام کو کہاں کا حکم دیا گیا۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا سمندر کا! اس نے ویسے ہی سمندر میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو سمندر میں داخل ہونے سے منع فرما دیا۔ (درمنثور:ج:5،ص:240 مطبوعہ کراچی)

دن کے روشن ہوتے ہی فرعونیوں نے پیچھا کیا

جب دن روشن ہوا تو فرعونیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کا پیچھا کیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِیْنَ ○ (الشعراء:60)

سو دن کے روشن ہوتے ہی فرعونیوں نے ان کا پیچھا کیا۔

دونوں لشکروں کا ایک دوسرے کو دیکھنے پر اصحاب موسیٰ علیہ السلام کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پکڑے جانے کی عرض

جب دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو اصحاب موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہم تو پکڑے گئے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ○ (الشعراء:61)

پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو اصحاب موسیٰ نے کہا ہم یقیناً پکڑ لیے گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے اصحاب کو تسلی عطا فرمانا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب نے کہا ہم تو پکڑے گئے تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہرگز نہیں۔ بے شک میرے ساتھ میرا رب عزوجل ہے جو یقیناً میری رہنمائی فرمائے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ كَلَّا ۚ إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ○ (الشعراء:62)

موسیٰ نے کہا! ہرگز نہیں! بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے جو یقیناً میری رہنمائی فرمائے گا۔

حضرت ہارون علیہ السلام کا سمندر میں عصا مارنا اور سمندر کا راستہ دینے سے انکار کرنا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سَيَهْدِينِ کا مطلب ہے وہ مجھے کافی ہوگا۔ حضرت ہارون علیہ السلام آگے بڑھے سمندر میں عصا مارا تو سمندر نے راستہ دینے سے انکار کر دیا اور کہا وہ کون جبار ہے جو مجھے مارتا ہے؟ (درمنثور: ج:5،ص:241 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سمندر کو ابو خالد کی کنیت دے کر ضرب لگانا اور سمندر کا پھٹ جانا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے سمندر کو ابو خالد کی کنیت دی انہوں نے ضرب لگائی تو سمندر پھٹ گیا تو ہر حصہ بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا۔ (درمنثور: ج:5،ص:241 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا سمندر پر مارنے کی وحی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سمندر پر عصا مارنے کی وحی فرمائی گئی۔

قرآن مجید میں ہے:

فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنِ اضْرِب بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۖ فَانفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ ○
(الشعراء:63)

تو ہم نے موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کہ آپ اپنا عصا ماریں تو یکا یک سمندر پھٹ گیا پس (اس کا) ہر حصہ بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا۔

سمندر میں بارہ راستے کھل جانا اور ہر قبیلہ کا ایک راستہ میں داخل ہونا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا سمندر میں مارا تو بارہ راستے کھل گئے اور ہر راستے میں ایک قبیلہ تھا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

(حضرت سدی کے قول میں ہے) بنو اسرائیل اس سمندر میں داخل ہو گئے سمندر میں بارہ راستے تھے ہر راستے میں ایک ایک قبیلہ تھا۔ (درمنثور: ج:5،ص:241 مطبوعہ کراچی)

قبیلہ والوں کا خوف اور ان کے لئے پل بنا دیا جانا اور ایک دوسرے کو دیکھنا

جب راستے دیواروں کے ساتھ جدا ہوئے تو ہر قبیلہ نے کہا ہمارے ساتھی تو مارے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ سن کر اللہ تعالیٰ کی مقدس بارگاہ میں عرض کی تو اللہ تعالیٰ نے ان راستوں کو ان کے لئے پل بنا دیا جو طبقات کی صورت میں تھا

آخری آدمی پہلے والے آدمی کو دیکھ رہا تھا حتیٰ کہ وہ سب سمندر سے پار ہو گئے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

(روایت کے آخر میں ہے) جب راستے دیواروں کے ساتھ جدا ہوئے تو ہر قبیلہ نے کہا ہمارے ساتھی مارے گئے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ سنا تو اللہ تعالیٰ کے حضور یہ التجاء کی تو اللہ تعالیٰ نے ان راستوں کو ان کے لئے پل بنا دیا جو طبقات کی صورت میں تھے آخری آدمی پہلے آدمی کو دیکھ رہا تھا حتیٰ کہ سب سمندر سے پار نکل گئے۔ (درمنثور: ج:5، ص:241 مطبوعہ کراچی)

فرعون کا تکبر اور لشکریوں سمیت غرق ہونا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

(روایت کے آخر میں ہے) پھر فرعون اور اس کے ساتھی سمندر کے قریب ہوئے جب فرعون نے سمندر کو بٹے ہوئے دیکھا تو اس نے کہا: اے لوگو! کیا تم نے دیکھا کہ سمندر بٹ چکا ہے اور مجھ سے ڈر گیا ہے یہ میرے لیے کھولا گیا ہے تا کہ میں اپنے دشمنوں کو پکڑ لوں اور انہیں قتل کر دوں۔ جب فرعون کے لشکر راستوں کے منہ پر جا پہنچے تو ان کے گھوڑوں نے سمندر میں داخل ہونے سے انکار کر دیا تو جبرائیل امین گھوڑی پر سوار ہو کر نیچے اترے گھوڑوں نے گھوڑی کی بو محسوس کی اور اس گھوڑی کی پیروی کرتے ہوئے گھوڑے سمندر میں داخل ہو گئے حتیٰ کہ جب پہلے فوجی نے سمندر سے نکلنے کا ارادہ کیا اور آخری آدمی داخل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا کہ وہ انہیں پکڑ لے سمندر ان پر مل گیا۔ جبرائیل امین فرعون کے لئے یک وتنہا ہو گئے اور فرعون کو سمندر کی لہروں میں غوطہ دینے لگے اور اس کے منہ میں کوئی چیز ٹھونسنے لگے۔ (درمنثور: ج:5، ص:241 مطبوعہ کراچی)

فرعون کا غرق ہوتے وقت ایمان لانا اور قبول نہ ہونا

فرعون جب غرق ہونے لگا تو اس نے کہا میں ایمان لایا کہ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں تو فرمایا اب ایمان لائے ہو حالانکہ اس سے پہلے تو نے نافرمانی کی اور تو فساد کرنے والوں میں سے تھا۔ پس آج ہم تیرے جسم کو بچا لیں گے تا کہ تو اپنے بعد والوں کے لئے عبرت کا نشان بن جائے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۝ (یونس: 90 تا 92)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار گزار دیا تو فرعون اور اس کے لشکر نے دشمنی اور سرکشی سے ان کا پیچھا کیا حتیٰ کہ جب وہ غرق ہونے لگا تو اس نے کہا میں ایمان لایا کہ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اس کے سوا کوئی

عبادت کا مستحق نہیں ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں (فرمایا) اب ایمان لایا ہے حالانکہ اس سے پہلے تو نے نافرمانی کی اور تو فساد کرنے والوں میں سے تھا سو آج ہم تیرے (بے جان) جسم کو بچالیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لیے عبرت کا نشان بن جائے اور بے شک بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا فرعون کے منہ میں کیچڑ ڈالنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا تو اس نے کہا میں اس پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں۔

تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

اے محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کاش آپ اس وقت مجھے دیکھتے کہ جب میں سمندر کی کیچڑ اس کے منہ میں ڈال رہا تھا اس خوف سے کہ اس پر رحمت ہو جائے۔ (سنن الترمذی: رقم الحدیث: 3107)

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرعون کے منہ میں کیچڑ کیوں ڈالا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت جبرائیل علیہ السلام فرعون کے منہ میں کیچڑ ڈال رہے تھے اس خوف سے کہ وہ کہے گا لا الٰہ الا اللہ تو اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا۔ (صحیح ابن حبان: رقم الحدیث: 6215)

سمندر کا فرعون کو برہنہ حالت میں باہر پھینکنا

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب میں سے آخری آدمی باہر نکل گیا اور فرعون کے ساتھیوں میں سے آخری آدمی بھی سمندر میں داخل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا کہ ان پر مل جا چنانچہ فرعون نے ایک انگلی باہر نکالی کہ کوئی معبود نہیں مگر وہی جس کے ساتھ بنی اسرائیل ایمان لائے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

مجھے معلوم ہے کہ رب عزوجل رحیم ہے اور مجھے یہ خوف ہوا کہ اسے رحمت آ لے گی چنانچہ میں نے اسے اپنے پیروں کے ساتھ چھپا لیا اور میں نے کہا آلْئٰنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ کیا اب! اور تو اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا۔ پس جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے ساتھی نکل گئے تو فرعون کی قوم میں سے شہروں میں پیچھے رہنے والوں نے کہا فرعون غرق نہیں

ہوا اور نہ اس کے اصحاب غرق ہوئے بلکہ وہ تو سمندر کے جزیروں میں شکار کھیل رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم فرمایا کہ فرعون کو برہنہ حالت میں باہر پھینک دے چنانچہ سمندر نے اس کو برہنہ حالت میں باہر پھینک دیا وہ سر سے گنجا، چپٹی اور سرے اٹھی ہوئی ناک والا اور کوتاہ قد تھا اور جنہوں نے یہ کہا: فرعون غرق نہیں ہوا انہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ سو آج ہم بچالیں گے تیرے جسم کو (سمندر کی تند موجوں) سے تا کہ تو ہو جائے اپنے پچھلوں کے لئے نشانی۔ تو اس کی یہ نجات باعث عبرت تھی نہ کہ باعث عافیت۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا کہ جو کچھ تجھ میں ہے اس کو باہر پھینک دے تو اس نے ان تمام کو ساحل پر پھینک دیا حالانکہ سمندر اپنے اندر غرق ہونے والے کو باہر نہیں پھینکتا بلکہ وہ اسی کے اندر باقی رہتا ہے حتیٰ کہ مچھلیاں اسے کھا جاتی ہیں پس سمندر قیامت کے دن تک کسی غرق ہونے والے کو قبول نہیں کرے گا۔ (درمنثور: ج:3، ص:957 مطبوعہ کراچی)

فرعون حضرت جبرائیل علیہ السلام کے نزدیک بھی مبغوض

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے کہا! زمین پر کوئی شے نہیں جو میرے نزدیک فرعون سے زیادہ مبغوض ہو پس جب وہ ایمان لایا تو میں اس کے منہ کو کیچڑ سے بھرنے لگا اور اس کو ڈھانپنے لگا اس ڈر سے کہ اس کو رحمت آ پہنچے گی۔

(درمنثور: ج:3، ص:958 مطبوعہ کراچی)

فرعون پر رب تعالیٰ کا غضبناک ہونا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے کہا! آپ کا رب کبھی بھی کسی پر اتنا غضب ناک نہیں ہوا جتنا کہ وہ فرعون پر غضب ناک ہوا جبکہ اس نے یہ کہا تھا مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ج میں تو نہیں جانتا کہ تمہارے لیے میرے سوا کوئی اور خدا ہے اور پھر کہا فقال انا ربکم الاعلی اور کہا میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ پس جب اسے غرق آ پہنچا تو اس نے مدد طلب کی اور میں نے ان کے منہ میں کیچڑ ڈالنا شروع کر دیا اس ڈر سے کہ اسے رحمت آ پہنچے گی۔ (درمنثور: ج:3، ص:958 مطبوعہ کراچی)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کی فرعون سے نفرت

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے کہا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی شے سے نفرت نہیں کی جتنی کہ ابلیس سے مجھے اس دن نفرت ہوئی کہ اسے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا اور اس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور فرعون سے بڑھ کر زیادہ شدید نفرت میں نے کسی شے سے نہیں کی سو جب اس کے غرق ہونے کا دن تھا تو مجھے خوف لاحق ہوا کہ وہ کلمہ اخلاص کے ساتھ بچ جائے گا اور نجات پا جائے گا چنانچہ میں نے کیچڑ کی ایک مشت اٹھائی اور اس کے منہ میں دبا دی تو میں نے اللہ تعالیٰ کو پایا کہ وہ اس پر مجھ سے بھی زیادہ ناراض اور غصہ میں ہے پس اس نے حضرت میکائیل علیہ السلام کو حکم دیا اور اس نے خبردار کیا اور کہا: آٓلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ٥ (درمنثور:ج:3،ص:958 مطبوعہ کراچی)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مصر سے روانگی سے قبل کیا وحی فرمائی تھی؟

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ تمام بنی اسرائیل کو جمع کریں بنی اسرائیل کے چار گھروں کو ایک گھر میں اکٹھا کریں پھر بھیڑ کے بچوں کو ذبح کریں اور ان کا خون دروازوں پر مل دیں میں ملائکہ کو حکم دینے والا ہوں کہ وہ اس گھر میں داخل نہ ہوں جس کے دروازے پر خون ہو اور میں فرشتوں کو حکم دینے والا ہوں کہ وہ فرعون کے نوجوانوں کو مار ڈالیں جو ان کے خاندان اور گھر سے تعلق رکھتے ہوں پھر تازہ روٹی پکاؤ کہا یہ تمہارے لیے جلدی تیار ہو جائے گی پھر چل پڑو حتیٰ کہ سمندر پر پہنچو پھر ٹھہر جاؤ حتیٰ کہ میرا حکم پہنچے جب فرعون نے صبح کی تو اس نے کہا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اس کی قوم کا عمل ہے انہوں نے ہمارے نوجوانوں کو قتل کر دیا ہے۔ (تفسیر طبری:ج:19،ص:90 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

فرعون کے گھوڑے کا رنگ سیاہ تھا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت محمد بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے روانہ ہوئے جبکہ آپ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کے چھ لاکھ افراد تھے وہ بیس سال سے کم اور چالیس سال سے زیادہ افراد کو شمار نہ کرتے۔

فرعون نے کہا:

یہ چھوٹی سی جماعت ہے۔ فرعون ایک ایسے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا جس کا رنگ سیاہ تھا اس کے ساتھ آٹھ لاکھ کا لشکر تھا جو سیاہ گھوڑوں پر سوار تھے دوسرے رنگوں کے گھوڑے اس سے الگ تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نمایاں گھوڑے پر سوار تھے جو ان کے سامنے جا رہا تھا۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام فرماتے ہیں۔

وہ قوم (بنی اسرائیل) راستے سے زیادہ آگاہ نہیں فرعون سیاہ رنگ کے نر گھوڑے پر سوار تھا جبکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام مادہ گھوڑے پر سوار تھے۔ فرعون کا گھوڑا اس کے پیچھے ہو گیا جبکہ حضرت میکائیل علیہ السلام ان کے پیچھے تھے وہ کہتے تھے ساتھیوں سے ملے حتیٰ کہ آخری بھی سمندر میں داخل ہو گیا فرعونیوں میں سے پہلے نے ارادہ کیا کہ وہ سمندر سے باہر نکلے تو سمندر ان پر مل گیا۔ (درمنثور:ج:5،ص:243 مطبوعہ کراچی)

فرعون نے اپنے لشکر کو کس طرح جمع کیا؟

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ وہ بنی اسرائیل کو مصر سے لے جائیں تو یہ خبر فرعون کو ملی تو فرعون نے کہا ان لوگوں کو مہلت دو حتیٰ کہ مرغ بانگ دے وہ اس کے پاس آئے اس رات مرغ نے بانگ ہی نہ دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر چلے گئے۔ فرعون نے صبح کی جب صبح ہوئی تو فرعون نے بکری لانے کا حکم دیا اسے لایا گیا اب اس نے حکم دیا کہ اس کو ذبح کیا جائے اس نے کہا اس کا چمڑا اتارنے تک میرے پاس پانچ لاکھ سوار جمع ہو جائیں وہ جمع ہو گئے فرعون نے ان کا پیچھا کیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سمندر تک پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصی نے کہا: اے اللہ تعالیٰ کے نبی! آپ علیہ السلام کو کہاں کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یہاں سمندر میں۔ (درمنثور:ج:5،ص:243 مطبوعہ کراچی)

فرعون کے گھوڑے کی نشانی

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

فرعون کے گھوڑے کی نشانی یہ تھی کہ اس کی کنپٹیوں میں سفید پٹی تھی۔ الخ (درمنثور:ج:5،ص:243 مطبوعہ کراچی)

فرعون کا گھڑسوار دستہ ایک لاکھ گھوڑوں پر مشتمل تھا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

فرعون کے گھوڑے کی نشانی یہ تھی کہ اس کی کنپٹیوں میں سفید پٹی تھی اور اس کا گھڑسوار دستہ ایک لاکھ گھوڑوں پر مشتمل تھا۔

(درمنثور:ج:5،ص:243 مطبوعہ کراچی)

حضرت میکائیل علیہ السلام فرعونی لشکر کو دھکیل رہے تھے

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

آل یعقوب حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جمع ہوئے تو ان کی تعداد چھیاسی تھی۔ اس میں ان کے مرد اور عورتیں تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جس روز انہیں لے کر چلے تو ان کی تعداد چھ لاکھ سے زائد تھی۔ فرعون ان کی تلاش میں ایسے گھوڑے پر نکلا جس کا رنگ سیاہ تھا دوسرے رنگوں کے گھوڑے کے علاوہ اس کے پاس آٹھ لاکھ سیاہ گھوڑے تھے جبکہ شمال کی جانب سے ہوا چلی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک خاکستری گھوڑے پر سوار تھے جبکہ حضرت میکائیل علیہ السلام انہیں پیچھے سے دھکیل رہے تھے جو بھی لشکر سے الگ ہوتا آپ علیہ السلام اس کو لشکر میں شامل کرتے۔

قوم نے کہا:

یا رسول اللہ! ہم فرعون سے ذلت و رسوائی اٹھایا کرتے تھے اگر ہم نے ایسا کیا جو ہم نے کیا تو پناہ گاہ کہاں ملے گی۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

سمندر۔ (درمنثور، ج:5، ص:243 مطبوعہ کراچی)

فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے اصحاب سے غافل رہا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام عبد بن حمید اور ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ۝ کی یہ تفسیر نقل کی ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی رات کو نکلے تو رات کو چاند گرہن ہو گیا زمین پر تاریکی چھا گئی۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہا:

حضرت یوسف علیہ السلام ہمیں کہا کرتے تھے ہم فرعون سے نجات پائیں گے۔ آپ علیہ السلام نے ہم سے وعدہ لیا تھا کہ ہم آپ علیہ السلام کی ہڈیاں نکال کر ساتھ لے جائیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس رات آپ علیہ السلام کی قبر کے بارے میں پوچھنے لگے۔ آپ علیہ السلام نے ایک بوڑھی عورت پائی اس بوڑھی عورت سے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کے بارے میں پوچھا۔ اس بوڑھی عورت نے ایک شرط کے ساتھ ہڈیاں نکال دیں اس کی شرط یہ تھی کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا مجھے اٹھاؤ اور اپنے ساتھ لے جاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی ہڈیاں بڑی چادر میں رکھیں پھر اس بوڑھی عورت کو اس چادر پر اٹھایا اور اپنی گردن پر رکھ لیا۔ فرعون کا گھوڑا ایک جماعت میں تھا ان کی لگا میں ان کی نظر میں سبز تھیں۔ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے ساتھیوں سے غافل ہی رہا حتیٰ کہ وہ وہاں سے نکل گئے۔ (درمنثور، ج:5، ص:244 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قوم کے امام کو جواب دینا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت خالد بن عبداللہ قسری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

فرعون کی قوم میں سے ایمان لانے والا قوم کا امام تھا اس نے عرض کی اے اللہ عزوجل کے نبی! تجھے کہاں کا حکم دیا گیا ہے؟ فرمایا تیرے سامنے۔ اس نے عرض کی کہ میرے سامنے تو سمندر ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے جھوٹ نہیں بولا اور نہ ہی میرے ساتھ جھوٹ بولا گیا ہے پھر تھوڑی دیر چلا اور اسی کی مثل بات کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے والی بات کی جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بارے میں قوم کی نسبت زیادہ جانتے تھے۔ کَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ٥ (درمنثور: ج:5،ص:245 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سمندر سے مباحثہ

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر سمندر تک پہنچے تو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی جو آپ علیہ السلام نے ہم سے وعدہ کیا تھا وہ کہاں ہے؟ یہ سمندر ہمارے سامنے ہے فرعون اور اس کا لشکر ہمارے پیچھے ہے ہم پر رات کیے ہوئے ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر سے فرمایا۔

اے ابوخالد پھٹ جا۔

سمندر نے کہا:

اے موسیٰ (علیہ السلام)! میں تم سے پہلے پیدا کیا گیا ہوں اور تم سے مضبوط ہوں تو اسی وقت ندا دی گئی اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ (درمنثور: ج:5،ص:246 مطبوعہ کراچی)

قبیلہ والوں کے لئے ہر راستہ میں روشن دان بنائے گئے جس سے وہ ایک دوسرے کو دیکھتے جاتے تھے

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن شداد بن ہارد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس آئے اور ان پر اون کا جبہ تھا ان کے ساتھ عصا بھی تھا فرعون ہنسا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پھینکا تو وہ فرعون کی طرف چل پڑا گویا وہ بختی اونٹ ہے جس میں نیزے جیسی چیزیں جھوم رہی ہیں فرعون پیچھے ہٹنے لگا جبکہ وہ اپنی چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا۔

فرعون نے کہا:

اس کو پکڑلو۔ میں اسلام قبول کرتا ہوں وہ عصا پہلے کی طرح ہو گیا اور فرعون کافر بن گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا کہ

وہ سمندر کی طرف چلیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام چھ لاکھ افراد کے ساتھ چلے جب سمندر تک پہنچے تو سمندر کو حکم دیا گیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو عصا ماریں تو وہ پھٹ جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا سمندر پر مارا تو تو اس میں بارہ راستے بن گئے ہر قبیلہ کے لئے ایک راستہ تھا۔ ان کے لئے سمندر میں روشن دان بنا دیئے گئے وہ ایک دوسرے کو دیکھتے جاتے تھے۔ فرعون آٹھ لاکھ لشکر کے ہمراہ حتیٰ کہ سمندر تک آ پہنچا جب اس نے سمندر کو دیکھا تو سمندر نے اس کو خوفزدہ کر دیا جبکہ فرعون گھوڑے پر سوار تھا ایک فرشتہ اس کے سامنے آ گیا جبکہ وہ ایک گھوڑی پر سوار تھا۔ فرعون اپنے گھوڑے پر قابو نہ رکھ سکا حتیٰ کہ اس کو سمندر میں ڈال دیا۔ بنی اسرائیل کا آخری آدمی سمندر سے نکل گیا اور فرعون کے ساتھی سمندر میں داخل ہو گئے حتیٰ کہ وہ سب سمندر میں پہنچ گئے تو سمندر ان پر مل گیا فرعون اپنے ساتھیوں کے ساتھ غرق ہو گیا۔ (درمنثور، ج:5، ص:247 مطبوعہ کراچی)

سمندر کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کرنے کا حکم

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ میرے بندوں کو رات کے وقت لے کر نکل چلو تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر رات کو نکل گئے۔ فرعون نے دس لاکھ گھوڑوں کے ساتھ بنی اسرائیل کا پیچھا کیا۔ جبکہ گھوڑیاں اس کے علاوہ تھیں جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کی تعداد چھ لاکھ تھی۔ جب فرعون نے بنی اسرائیل کو دیکھا تو کہا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ۝ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ۝ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ۝ (شعراء:54 تا 56)

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر چلتے رہے حتیٰ کہ سمندر تک جا پہنچے انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ فرعون کے گھوڑوں کے غبار میں ہیں۔

انہوں نے عرض کی:

اے موسیٰ علیہ السلام! آپ علیہ السلام کے آنے سے پہلے اور آپ علیہ السلام کے آنے کے بعد بھی ہمیں اذیت دی گئی یہ سمندر ہمارے سامنے ہے اور یہ فرعون اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہم پر چھایا جا رہا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا جس کا ذکر سورہ اعراف میں ہے عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝

(الاعراف:129)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اپنا عصا سمندر میں مارو اور سمندر کو حکم دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حکم غور سے سنے اور جب وہ تجھے مارے تو تو ان کی اطاعت کر۔ سمندر سمٹ گیا اور اس پر کپکپی طاری تھی وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی جس جانب میں مارا جائے گا۔

حضرت یوشع علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی:

آپ علیہ السلام کو کیا حکم دیا گیا ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:
مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سمندر میں ماروں۔
حضرت یوشع علیہا السلام نے عرض کی:
پھر اس کو مارو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر عصا سے ضرب لگائی تو سمندر پھٹ گیا تو اس میں بارہ راستے بن گئے ہر راستہ بڑے پہاڑ کی مانند ہو گیا ہر قبیلہ کے لئے ایک راستہ تھا جس راستے پر وہ چلے جارہے تھے جب وہ راستہ پر چلے تو بعض نے بعض سے کہا کیا وجہ ہے کہ ہم اپنے ساتھیوں کو نہیں دیکھتے؟
تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی:
ہم اپنے ساتھیوں کو نہیں دیکھتے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: چلتے جاؤ! بے شک وہ تمہاری طرح راستے پر گامزن ہیں۔
لوگوں نے کہا:
ہم اس وقت تک تسلیم نہیں کریں گے حتیٰ کہ ہم انہیں نہ دیکھ لیں۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی۔
اے اللہ عزوجل! ان کی بری عادتوں کے خلاف میری مدد کر۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اپنے عصا کے ساتھ یہ کہو اپنے ہاتھ سے اشارہ کرو اس حال میں کہ اس کو سمندر پر گھما رہے ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کے ساتھ دیواروں پر وار کیا اس طرح ان دیواروں میں سوراخ بن گئے جن سے وہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے وہ چلتے رہے حتیٰ کہ سمندر سے باہر نکل گئے۔ جب بنی اسرائیل کا آخری آدمی بھی سمندر سے نکل گیا تو فرعون اور اس کے ساتھی سمندر پر پہنچ گئے۔ فرعون سیاہ گھوڑے پر سوار تھا۔ جب فرعون سمندر پر پہنچا تو گھوڑا سمندر میں داخل ہونے سے ڈر گیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام گھوڑی پر سوار ہو کر اس کے سامنے آئے۔ جب گھوڑے نے اس کو دیکھا تو اس گھوڑی کے پیچھے داخل ہو گیا۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا کہ
وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ (الدخان:24)
یعنی سمندر کو اپنے حال پر سکون سے رہنے دو۔
فرعون اور اس کی قوم سمندر میں داخل ہو گئی جب فرعون کی قوم کا آخری آدمی داخل ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا آخری آدمی سمندر سے گزر گیا تو سمندر فرعون اور اس کی قوم پر مل گیا اور وہ سب غرق ہو گئے۔

(در منثور، ج:5،ص247تا248 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سمندر کی عرضی

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب رات کے وقت بنی اسرائیل کو لے کر چل دیئے تو خبر فرعون کو پہنچی اس نے بکری لانے کا حکم دیا اسے ذبح کیا گیا پھر اس نے کہا اس کے چمڑا اتارنے سے قبل میرے پاس قبطیوں میں سے سات لاکھ افراد جمع ہو جانے چاہئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام چلے حتیٰ کہ سمندر تک پہنچ گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر سے فرمایا۔

الگ الگ ہو جا۔

سمندر نے آپ علیہ السلام سے عرض کیا:

آپ علیہ السلام نے تو مجھ سے بہت زیادہ چیز کا مطالبہ کیا ہے کیا میں بنی آدم میں سے کسی کے لئے الگ ہوا ہوں جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گھوڑوں پر ایک آدمی سوار تھا۔

اس نے عرض کیا:

اے اللہ تعالیٰ کے نبی! ان کے بارے میں آپ علیہ السلام کو کیا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

مجھے اسی سمت کا حکم دیا گیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا گھوڑا سمندر میں داخل ہو گیا اور آپ علیہ السلام کو لے کر تیرنے لگا پھر وہ سمندر سے نکلا۔

عرض کی۔

اے اللہ تعالیٰ کے نبی! کہاں کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

اسی سمت کا حکم دیا گیا ہے۔ فرمایا کہ نہ میں نے جھوٹ بولا اور نہ مجھ سے جھوٹ بولا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اپنا عصا سمندر پر مارو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا سمندر پر مارا تو سمندر پھٹ گیا تو اس میں بارہ راستے بن گئے ہر ایک قبیلہ کا ایک راستہ تھا وہ ایک دوسرے کو دیکھتے تھے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی سمندر سے نکل گئے اور فرعون کے سب ساتھی اس میں داخل ہو گئے سمندر ان پر مل گیا تو اس نے ان سب کو غرق کر دیا۔

(درمنثور، ج:5، ص:249 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے راستہ بھولنے کی وجہ

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل کو لے جانے کا ارادہ کیا تو راستہ بھول گئے تو آپ علیہ السلام نے بنی

اسرائیل سے کہا یہ کیا ہے۔

بنی اسرائیل کے علماء نے کہا کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کی موت کا جب وقت قریب آیا تو آپ علیہ السلام نے ہم سے ایک پختہ وعدہ لیا تھا کہ ہم مصر سے نہیں نکلیں گے حتیٰ کہ ہم آپ علیہ السلام کا تابوت بھی ساتھ لے جائیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

تم میں سے کون جانتا ہے کہ ان کی قبر کہاں ہے؟

انہوں نے کہا:

ایک بڑھیا کے سوا ہم میں سے کوئی بھی آپ علیہ السلام کی قبر کو نہیں جانتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بڑھیا کی طرف پیغام بھیجا اور کہا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر پر ہماری رہنمائی کرو۔

عورت نے کہا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! میں اس وقت تک نہیں بتاؤں گی جب تک تم میری شرط پوری نہ کرو گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا:

تیری کیا شرط ہے؟

اس بڑھیا نے کہا:

میں جنت میں تیرے ساتھ ہوں گویا یہ شرط حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ناگوار گزری۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا۔

اس کی بات مان لیں۔ وہ عورت انہیں پانی کے تالاب کی طرف لے گئی جبکہ پانی سے آواز آرہی تھی۔

عورت نے لوگوں سے کہا:

اس سے پانی نکالو۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا پھر کہا یہاں سے کھودو۔ لوگوں نے زمین کو کھودا تو اس میں سے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کو نکالا۔ جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کا تابوت اٹھایا تو راستہ دن کی طرح روشن ہو گیا۔

(در منثور، ج:5، ص:249 مطبوعہ کراچی)

بنی اسرائیل کو لے کر روانہ ہوتے وقت بادل کا چھا جانا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت سماک بن حرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر روانہ ہوئے تو ایک بادل چھا گیا جو بنی اسرائیل اور راستے کے درمیان

حائل ہو گیا کہ وہ اس راستہ کو دیکھیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا کہ

آپ علیہ السلام اس وقت تک اس کو عبور نہ کر سکیں گے جب تک آپ علیہ السلام کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کا جسم اطہر نہ ہوگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

وہ کہاں ہے؟

تو لوگوں نے کہا:

اس کی بیٹی ایک بوڑھی عورت ہے جس کی نظر جاتی رہی ہے ہم اسے گھروں میں ہی چھوڑ آئے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام لوٹ آئے جب اس عورت نے آواز سنی تو پوچھا موسیٰ علیہ السلام ہے!

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

موسیٰ (علیہ السلام) ہوں!

عورت نے کہا:

کیا چھوڑ کر آئے ہو؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کی ہڈیاں اٹھا کر لے جاؤں۔

عورت نے کہا:

تم اس وقت تک عبور نہیں کر سکتے جب تک میں تمہارے ساتھ نہ ہوں گی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

حضرت یوسف علیہ السلام کی ہڈیوں پر میری رہنمائی کرو۔

اس عورت نے کہا:

میں اس وقت تک ایسے کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں جب تک مجھے وہ نہ دیں گے جو میں آپ علیہ السلام سے سوال کروں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

تیرے لیے وہی کچھ ہے جو مانگے۔

بوڑھی عورت نے کہا:

میرا ہاتھ پکڑو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تو وہ عورت ایک ستون تک پہنچی جو نیل کے کنارے پر تھا اس

ستون کی بنیاد میں لوہے کا ایک صندوق تھا جس میں میخیں لگائی گئی تھیں اور اس میں زنجیر بھی تھی۔

عورت نے کہا:

ہم نے اس کو اس طرف دفن کیا تھا تو یہ جانب سرسبز و شاداب ہو گئی اور دوسری جانب خشک ہو گئی جب ہم نے یہ دیکھا کہ ہم نے اس کی ہڈیوں کو جمع کیا تو انہیں لوہے کے صندوق میں رکھا اور نیل کے وسط میں رکھ دیا تو نیل کے دونوں جانبیں سرسبز و شاداب ہو گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صندوق اپنی گردن پر رکھا اور اس بوڑھی عورت کا ہاتھ پکڑا اور اسے لشکر تک لے آئے۔

اور اس سے کہا:

جو چاہو سوال کرو۔

تو اس عورت نے یہ سوال کیا کہ

جنت میں، میں اور تو ایک ہی درجہ میں ہوں۔ میری نظر اور جوانی واپس لوٹا دی جائے حتیٰ کہ میں ایسی جوان ہو جاؤں جیسی میں تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

تیرے لیے وہ کچھ ہے جو تو نے سوال کیا۔ (درمنثور: ج:5، ص249 تا 250 مطبوعہ کراچی)

بنی اسرائیل نے فرعون کی قوم سے باہر عید گزارنے کے لئے زیورات اور کپڑے لیے

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ میرے بندوں کو رات کے وقت لے چلو۔ بنو اسرائیل نے فرعون کی قوم سے زیورات اور کپڑے لیے کہ ہماری عید ہے ہم اس عید کے لئے باہر جائیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام رات کے وقت انہیں لے کر نکلے جبکہ ان کی تعداد چھ لاکھ تین ہزار سے کچھ اوپر تھی۔

اس کے متعلق فرعون نے کہا:

اِنَّ هٰٓـؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ۝

فرعون نکلا اس کا مقدمۃ الجیش پانچ لاکھ سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ دونوں جانب اور درمیان والا لشکر الگ تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سمندر تک پہنچے تو حضرت یوشع بن نون اپنے گھوڑے پر آگے بڑھے اور پانی پر چلے دوسرے بھی اپنے گھوڑوں کے ساتھ داخل ہو گئے اور پانی میں کود گئے۔ سورج کے طلوع ہونے کے بعد فرعون ان کی تلاش میں نکلا۔

اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۝

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل کے حضور التجاء کی تو ایک کہر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان چھا گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا کہ

اپنا عصا سمندر پر مارو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا تو سمندر پھٹ گیا۔ گویا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی مانند ہو گیا اس میں بارہ راستے بن گئے۔

انہوں نے کہا:

ہمیں ڈر ہے کہ گھوڑے کیچڑ میں دھنس جائیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل کے حضور دعا کی ان پر ہوا چلی تو اس نے راستے خشک کر دیئے۔

انہوں نے عرض کی:

ہمیں ڈر ہے کہ ہم میں سے بعض غرق ہو جائیں گے اور ہمیں شعور بھی نہ ہوگا۔ آپ علیہ السلام نے اپنے عصا سے پانی میں نقب لگائی تو ان کے درمیان روشن دان بن گئے حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے پھر بنی اسرائیل سمندر میں داخل ہو گئے حتیٰ کہ سمندر کو عبور کر لیا۔ فرعون آیا حتیٰ کہ اس جگہ پہنچا جہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر کو عبور کیا تھا جبکہ راستے اسی طرح موجود تھے راستہ بتانے والے نے فرعون سے کہا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر جادو کر دیا ہے حتیٰ کہ سمندر بھی ایسا ہو گیا ہے جسے تم دیکھ رہے ہو۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان میں یہی ہے۔

وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ط (الدخان:24)

یہاں سے چلو تا کہ ہم انہیں جا ملیں جبکہ سمندر میں تین دن کی مسافت تھی۔

اس روز فرعون گھوڑے پر سوار تھا حضرت جبرائیل علیہ السلام تینتیس فرشتوں کے ساتھ گھوڑی پر آئے اور لوگوں میں پھیل گئے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام امین آگے بڑھے اور فرعون کے سامنے چلے۔ فرعون ان کے پیچھے پیچھے چلا۔ فرشتے لوگوں میں چلائے بادشاہ کو ملو حتیٰ کہ فرعونیوں کا آخری آدمی بھی داخل ہو گیا اور وہ غرق ہو گئے جب سمندر ملا تو بنی اسرائیل نے سمندر کی آواز سنی پوچھا یہ کیا ہوا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

فرعون اور اس کے ساتھی ہلاک ہو گئے ہیں وہ انہیں دیکھنے کے لیے واپس ہوئے تو سمندر نے فرعونیوں کو کنارے پر پھینک دیا۔ (درمنثور، ج5، ص:251 مطبوعہ کراچی)

بنی اسرائیل اور فرعونیوں کا حضرت جبرائیل علیہ السلام کے متعلق قول

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت جبرائیل علیہ السلام بنی اسرائیل اور فرعون کے درمیان تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام فرماتے آہستہ چلوتا کہ تمہارا آخری آدمی بھی تمہیں مل جائے۔

بنواسرائیل نے کہا:

ہم نے اس سے بہتر ہانکنے والا نہیں دیکھا۔

آل فرعون نے کہا:

ہم نے اس جیسا لشکر کو ترتیب دینے والا نہیں دیکھا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنواسرائیل سمندر تک پہنچے تو آل فرعون کے مومن نے کہا:

اے اللہ عزوجل کے نبی! تمہیں کہاں کا حکم دیا گیا ہے؟ سمندر آپ علیہ السلام کے سامنے ہے جبکہ پیچھے سے آل فرعون ہم تک پہنچی جارہی ہے۔ آل فرعون کے مومن نے اپنا گھوڑا سمندر میں ڈال دیا تو سمندر کی موجوں نے اس کو واپس کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے طور پر یہ نہیں جانتے کہ وہ کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم کی اطاعت کرے اس کی نشانی یہ ہے کہ جب وہ تجھے عصا مارے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی اپنا عصا سمندر پر مارو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر ضرب لگائی تو سمندر پھٹ گیا تو بنواسرائیل سمندر میں داخل ہو گئے اور آل فرعون نے ان کا پیچھا کیا۔ جب بنواسرائیل کا آخری آدمی نکلا اور آل فرعون کا آخری آدمی سمندر میں داخل ہوا اللہ تعالیٰ نے ان پر سمندر کو جمع کر دیا۔ (درمنثور، ج:5، ص 251 تا 252 مطبوعہ کراچی)

عصا سمندر پر مارنے سے ذبح کے وقت نکلی ہوئی آواز کا سمندر سے نکلنا

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ پر ہاتھ مارنے لگے اور بنی اسرائیل اور ان کی سرکشی پر تعجب کا اظہار کرنے لگے۔ جب وہ سمندر پر پہنچے اور ان کا دشمن ان تک آپہنچا تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور عرض کی۔ دشمن ہمارے سر پر آپہنچا آپ علیہ السلام کو کیا حکم دیا گیا تھا؟

آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

مجھے حکم دیا گیا کہ میں یہاں پڑاؤ ڈالوں یا تو میرا رب عزوجل مجھے فتح دے اور ان کو شکست دے گا یا میرے لیے سمندر پھاڑ دیا جائے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر ضرب لگائی تو سمندر نے یوں آواز نکالی جس طرح ذبح کیے جانے والے جانور آواز نکالتے ہیں پھر دوسری بار مارا تو وہ پھٹ گیا اور کہا یہ تیرے رب عزوجل کی اطاعت ہے۔ انہوں نے سمندر کو پار کیا۔ گناہ میں بنی اسرائیل سے بڑھ کر کسی قوم کو نہیں سنا اور نہ ہی تیز توبہ کرنے والا کسی کو سنا۔ (درمنثور، ج:5، ص 252 مطبوعہ کراچی)

بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ ستر ہزار تھی

جو بنی اسرائیل سمندر سے گزرے تھے ان کی تعداد کے متعلق مختلف اقوال ہیں جن میں ایک یہ بھی ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ ستر ہزار تھی۔ (تفسیر طبری: ج:19، ص:89 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

سمندر سے گزرنے والے بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ تھی

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اس روز بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ تھی اور فرعون کی تعداد کا شمار ہی نہ تھا۔

(تفسیر طبری: ج:19، ص:90 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بنی اسرائیل ہر راستہ میں بارہ ہزار تھے

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے بارہ خاندانوں کی صورت میں سمندر عبور کیا ہر راستہ میں بارہ ہزار افراد تھے اور یہ سب کے سب حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ (درمنثور: ج:5، ص:242 مطبوعہ کراچی)

بنی اسرائیل کی تعداد ستر ہزار تھی

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب سمندر عبور کیا تو ایک قول کے مطابق بنی اسرائیل کی تعداد ستر ہزار تھی۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فرعون اللہ تعالیٰ کا دشمن تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو ستر قائدین کے ساتھ دفن کر دیا ہر قائد کے ساتھ ستر ہزار لشکری تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب سمندر عبور کیا تو اس وقت بنی اسرائیل کی تعداد ستر ہزار تھی۔

(درمنثور: ج:5، ص:242 مطبوعہ کراچی)

بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ سے زائد تھی

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

آل یعقوب حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جمع ہوئے ان کی تعداد چھیاسی تھی اس میں اُن کے مرد اور عورتیں تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جس روز انہیں لے کر چلے تو اُن کی تعداد چھ لاکھ سے زائد تھی۔ فرعون ان کی تلاش میں ایسے گھوڑے پر نکلا جس کا رنگ سیاہ تھا دوسرے رنگوں کے گھوڑے کے علاوہ اس کے پاس آٹھ لاکھ سیاہ گھوڑے تھے جبکہ شمال کی جانب سے ہوا چلی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک خاکستری گھوڑے پر سوار تھے جبکہ حضرت میکائیل علیہ السلام انہیں پیچھے سے دھکیل رہے تھے جو بھی لشکر سے الگ ہوتا آپ اس کو لشکر میں شامل کرتے۔

قوم نے کہا:

یارسول اللہ! ہم فرعون سے ذلت ورسوائی اٹھایا کرتے تھے اگر ہم نے ایسا کیا جو ہم نے کیا تو پناہ گاہ کہاں ملے گی۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

سمندر۔ (درمنثور: ج:5،ص:243 مطبوعہ کراچی)

بنی اسرائیل چھ لاکھ جنگجو اور بیس ہزار سے کچھ اوپر تھے

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ۝ کی تفسیر میں یہ قول نقل کیا ہے کہ

ہمارے سامنے یہ بات کی گئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جن بنی اسرائیل کو لے کر سمندر سے گزرے تھے ان کی تعداد چھ لاکھ جنگجو اور بیس ہزار سے کچھ اوپر تھی اور فرعون نے دس لاکھ اور دو لاکھ گھوڑوں کے ساتھ اس کا پیچھا کیا تھا۔

(درمنثور: ج:5،ص:241 مطبوعہ کراچی)

ہامان کی چالاکی مگر کامیاب نہ ہوسکا

جب فرعون سمندر کے کنارے پر پہنچا تو اس نے راستے بنے ہوئے دیکھے اور کہا میرے اقبال سے دریا خشک ہو گیا ہے تاکہ میں اپنے بھاگے ہوئے غلاموں کو پکڑ سکوں۔ ہامان نے چپکے سے فرعون کو کہا دریا میں قدم نہ رکھنا ورنہ تجھے اپنی خدائی کا پورا بھاؤ معلوم ہو جائے گا بہت جلد کشتیاں جمع کرا اور ان کے ذریعہ دریا کو پار کرو تو فرعون نے اپنے گھوڑے کو روک لیا اسی وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام انسانی شکل میں گھوڑے پر سوار تشریف لائے اور اپنی گھوڑی کو دریا میں ڈال دیا تو فرعون کا گھوڑا گھوڑی کی بو پا کر اس کے پیچھے ہولیا۔ فرعون نے روکنے کی کوشش کی مگر وہ خشک راستہ میں داخل ہو گیا ان کو دیکھ کر لشکری بھی داخل ہو گئے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نیست ونابود کر دیا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں۔

آپ (حضرت موسیٰ علیہ السلام) نے فرمایا مایوس نہ ہو میرے ساتھ میرا رب ہے جو مجھے ہدایت کرے گا۔ وحی آئی کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) دریا پر اپنا عصا مار کر کہو تو پھٹ جا اور ہم کو راستہ دے۔ آپ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔ حکم الٰہی سے تیز ہوا چلی

جس نے پانی کو پھاڑ کر اس میں راستہ بنا دیا۔ دریا میں بارہ راستے پیدا ہو گئے جن کے درمیان پانی دیواروں کی طرح کھڑا ہو گیا آنا فانا آفتاب نے زمین کو خشک کر دیا اور آپ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ ان راستوں میں داخل ہو جاؤ یہ لوگ ہمت نہ کرتے تھے کہ کہیں ہم ڈوب نہ جائیں سب سے پہلے یوشع علیہ السلام نے اپنا گھوڑا ڈالا ان کے پیچھے حضرت ہارون علیہ السلام نے۔ جب اسرائیلیوں نے ان کو گزرتے دیکھا تو مجبوراً یہ بھی دریا میں چل دیئے ان کے بارہ قبیلے تھے ہر قبیلہ ایک راستہ میں داخل ہوا ان سب کے پیچھے حضرت موسیٰ علیہ السلام داخل ہوئے۔ ان کے گروہ نے کہا: اے موسیٰ علیہ السلام! ہمیں خبر نہیں کہ ہمارے دوسرے گروہ زندہ ہیں یا ڈوب گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پانی کی دیواروں پر لاٹھی ماری جس سے کہ ان میں جالے کی مثل روشن دان بن گئے اور ہر جماعت ان راستوں میں ایک دوسرے کو دیکھتے اور باتیں کرتے گزر گئے۔ اتنے میں فرعونی لشکر بھی دریا کے اس کنارے آپہنچا۔ فرعون نے دیکھا کہ دریا میں راستے بنے ہوئے ہیں جن میں جابجا آبی دیواریں کھڑی ہیں دل میں حیران ہوا مگر لشکر والوں سے کہا میرے اقبال سے دریا خشک ہو گیا تا کہ میں اپنے بھاگے ہوئے غلاموں کو زندہ پکڑ سکوں۔ اگر یہ اسرائیلی ڈوب جاتے تو مجھے غلام کہاں سے ملتے۔ ہامان نے چپکے سے فرعون کو کہا کہ دریا میں قدم نہ رکھنا ورنہ تجھ کو اپنی خدائی کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔ بہت جلد کشتیاں جمع کرا اور ان کے ذریعہ دریا کو پار کر۔ فرعون نے اپنے گھوڑے کو روک لیا اسی حالت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام شکل انسانی میں گھوڑی پر سوار فرعون کے گھوڑے کے آگے نمودار ہوئے اور اپنی گھوڑی دریا میں ڈال دی۔ فرعون کا گھوڑا گھوڑی کی بو پا کر اس کے پیچھے ہولیا۔ فرعون نے لاکھ روکا مگر نہ رکا اور اس خشک راستے میں داخل ہو گیا۔ جب لشکریوں نے فرعون کو دریا میں داخل ہوتے دیکھا وہ بھی ہر طرف سے داخل ہونے لگے۔ اس جگہ اتنی بات اور یاد رکھنی چاہیے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا سامری اس نے دیکھا کہ جس جگہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی گھوڑی کی ٹاپ پڑتی ہے وہاں سبزہ اگ آتا ہے وہ سمجھا کہ اس ٹاپ کے نیچے والی مٹی میں تاثیر زندگی ہے اس نے تھوڑی مٹی اپنے ہاتھ لے لی غرضیکہ سارا فرعونی لشکر بیچ دریا میں آ گیا۔ ادھر بنی اسرائیل نکل کر یہ تماشہ دیکھنے لگے۔ خیال رہے کہ جہاں یہ واقعہ ہوا وہاں قلزم کا عرض بہت تھوڑی یعنی صرف چار فرسخ کوس تھا اس لیے دوسرے کنارے سے یہاں کے حالات بخوبی نظر آتے تھے جب سارا لشکر دریا میں داخل ہو چکا تو اس کو حکم الٰہی پہنچا کہ تو آپس میں مل جا۔ دریا آپس میں مل گیا اور سب غرق ہو گئے۔

(تفسیر نعیمی: ج:1 ص 378 تا 379 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

فرعون کی غرقابی کا واقعہ دس محرم یوم عاشوراء دو پہر کے وقت ہوا

جس دن فرعون غرق ہوا اور بنی اسرائیل نجات پا گئے وہ دس محرم کا دن تھا اور دو پہر کا وقت تھا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

یہ واقعہ دسویں محرم جمعہ کے دن بوقت دو پہر ہوا۔ (تفسیر نعیمی: ج: 1 ص: 379 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس خوشی میں روزہ رکھا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن اس خوشی میں روزہ رکھا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس خوشی میں روزہ رکھا۔ (تفسیر نعیمی: ج:1 ص:379 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو یوم عاشوراء کے دن پیدا فرمایا

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو یوم عاشوراء کے دن پیدا فرمایا۔

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی 458ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے ہمیں عاشوراء کے دن فضیلت دی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہاں! اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو یوم عاشوراء میں پیدا فرمایا۔ الخ (فضائل الاوقات: ص:441 مطبوعہ مکتبۃ المنارۃ مکہ مکرمہ)

اللہ تعالیٰ نے زمینوں کو یوم عاشوراء میں پیدا فرمایا

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی 458ھ لکھتے ہیں:

اور اسی طرح زمینوں کو بھی یوم عاشوراء میں پیدا فرمایا۔ (فضائل الاوقات: ص:441 مطبوعہ مکتبۃ المنارۃ مکہ مکرمہ)

اللہ تعالیٰ نے عرش کو یوم عاشوراء میں پیدا فرمایا

اللہ تعالیٰ نے عرش کو یوم عاشوراء میں پیدا فرمایا۔

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی 458ھ لکھتے ہیں:

اور عرش کو یوم عاشوراء میں پیدا کیا۔ (فضائل الاوقات: ص:441 مطبوعہ مکتبۃ المنارۃ مکہ مکرمہ)

اللہ تعالیٰ نے کرسی کو یوم عاشوراء میں پیدا فرمایا

اللہ تعالیٰ نے کرسی کو یوم عاشوراء میں پیدا فرمایا۔

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی 458ھ لکھتے ہیں:

اور اسی طرح کرسی کو بھی یوم عاشوراء میں پیدا فرمایا۔ (فضائل الاوقات: ص:441 مطبوعہ مکتبۃ المنارۃ مکہ مکرمہ)

اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو یوم عاشوراء میں پیدا فرمایا

اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو یوم عاشوراء میں پیدا فرمایا۔

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی 458ھ لکھتے ہیں:

اور پہاڑوں کو یوم عاشوراء میں پیدا کیا۔ (فضائل الاوقات: ص:441 مطبوعہ مکتبۃ المنارۃ مکہ مکرمہ)

اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو یوم عاشوراء میں پیدا فرمایا

اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو یوم عاشوراء میں پیدا فرمایا۔

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی 458ھ لکھتے ہیں:

اور اسی طرح ستاروں کو بھی یوم عاشوراء میں پیدا فرمایا۔ (فضائل الاوقات: ص: 441 مطبوعہ مکتبۃ المنارۃ مکہ مکرمہ)

اللہ تعالیٰ نے قلم کو یوم عاشوراء میں پیدا فرمایا

اللہ تعالیٰ نے قلم کو یوم عاشوراء میں پیدا فرمایا۔

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی 458ھ لکھتے ہیں:

اور قلم کو یوم عاشوراء میں پیدا فرمایا۔ (فضائل الاوقات: ص: 441 مطبوعہ مکتبۃ المنارۃ مکہ مکرمہ)

اللہ تعالیٰ نے لوح کو یوم عاشوراء میں پیدا فرمایا

اللہ تعالیٰ نے لوح کو یوم عاشوراء میں پیدا فرمایا۔

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی 458ھ لکھتے ہیں:

اور اسی طرح لوح کو بھی یوم عاشوراء میں پیدا فرمایا۔ (فضائل الاوقات: ص: 441 مطبوعہ مکتبۃ المنارۃ مکہ مکرمہ)

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو یوم عاشوراء میں پیدا فرمایا

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو یوم عاشوراء میں پیدا فرمایا۔

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی 458ھ لکھتے ہیں:

اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کو یوم عاشوراء میں پیدا فرمایا۔ (فضائل الاوقات: ص: 441 مطبوعہ مکتبۃ المنارۃ مکہ مکرمہ)

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یوم عاشوراء میں پیدا فرمایا

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یوم عاشوراء میں پیدا فرمایا۔

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی 458ھ لکھتے ہیں:

اور فرشتوں کو یوم عاشوراء میں پیدا کیا۔ (فضائل الاوقات: ص: 441 مطبوعہ مکتبۃ المنارہ مکہ مکرمہ)

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو یوم عاشوراء میں پیدا فرمایا

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو یوم عاشوراء میں پیدا فرمایا۔

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی 458ھ لکھتے ہیں:

اور حضرت آدم علیہ السلام کو یوم عاشوراء میں پیدا فرمایا۔ (فضائل الاوقات: ص: 441 مطبوعہ مکتبۃ المنارۃ مکہ مکرمہ)

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یوم عاشوراء میں پیدا فرمایا

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل الرحمان علیہ السلام کو یوم عاشوراء میں پیدا فرمایا۔

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی 458ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم خلیل الرحمان یوم عاشوراء میں پیدا ہوئے۔(فضائل الاوقات:ص: 441 مطبوعہ مکتبۃ المنارۃ مکہ مکرمہ)

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یوم عاشوراء میں آگ سے نجات عطا فرمائی

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یوم عاشوراء میں آگ سے نجات عطا فرمائی۔

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی 458ھ لکھتے ہیں:

اور یوم عاشوراء میں ان کو اللہ تعالیٰ نے آگ سے نجات عطا فرمائی۔(فضائل الاوقات:ص: 441 مطبوعہ مکتبۃ المنارۃ مکہ مکرمہ)

یوم عاشوراء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فدیہ قبول فرمایا

اللہ تعالیٰ نے یوم عاشورہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فدیہ قبول فرمایا۔

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی 458ھ لکھتے ہیں:

اور یوم عاشوراء میں اللہ تعالیٰ نے ان سے فدیہ قبول فرمایا۔(فضائل الاوقات:ص: 441 مطبوعہ مکتبۃ المنارۃ مکہ مکرمہ)

یوم عاشوراء میں فرعون کو غرق کر دیا

اللہ تعالیٰ نے یوم عاشوراء میں فرعون کو غرق کر دیا تھا۔

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی 458ھ لکھتے ہیں:

اور یوم عاشوراء میں فرعون کو غرق کر دیا۔(فضائل الاوقات:ص: 441 مطبوعہ مکتبۃ المنارۃ مکہ مکرمہ)

اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو یوم عاشوراء میں اٹھالیا

اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو یوم عاشوراء میں اٹھالیا تھا۔

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی 458ھ لکھتے ہیں:

اور حضرت ادریس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یوم عاشوراء میں آسمان پر اٹھالیا۔

(فضائل الاوقات:ص: 441 مطبوعہ مکتبۃ المنارۃ مکہ مکرمہ)

حضرت داؤد علیہ السلام کی مغفرت یوم عاشوراء میں ہوئی

حضرت داؤد علیہ السلام کی مغفرت یوم عاشوراء میں ہوئی۔

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی 458ھ لکھتے ہیں:

حضرت داؤد علیہ السلام کی مغفرت یوم عاشوراء میں ہوئی۔ (فضائل الاوقات: ص: 441 مطبوعہ مکتبۃ المنارۃ مکہ مکرمہ)

حضرت سلیمان علیہ السلام کو یوم عاشوراء میں حکومت عطا فرمائی گئی

حضرت سلیمان علیہ السلام کو یوم عاشوراء میں حکومت عطا فرمائی گئی۔

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی 458ھ لکھتے ہیں:

اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو یوم عاشوراء میں حکومت دی گئی۔ (فضائل الاوقات: ص: 441 مطبوعہ مکتبۃ المنارہ مکہ مکرمہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت یوم عاشوراء میں ہوئی

اس روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت یوم عاشوراء میں ہوئی مگر صحیح روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بارہ ربیع الاول کو ہوئی ہے۔

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی 458ھ لکھتے ہیں:

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت یوم عاشورہ میں ہوئی۔ (فضائل الاوقات: ص: 441 مطبوعہ مکتبۃ المنارۃ مکہ مکرمہ)

رب عزوجل عرش پر یوم عاشوراء میں مستوی ہوا

اللہ تعالیٰ عرش پر یوم عاشوراء میں مستوی ہوا۔

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی 458ھ لکھتے ہیں:

رب عزوجل عرش پر یوم عاشوراء میں مستوی ہوا۔ (فضائل الاوقات: ص: 441 مطبوعہ مکتبۃ المنارۃ مکہ مکرمہ)

قیامت کا دن بھی یوم عاشوراء میں ہوگا

قیامت کا دن بھی یوم عاشوراء میں ہوگا۔

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی 458ھ لکھتے ہیں:

اور قیامت کا دن بھی یوم عاشوراء میں ہوگا۔ (فضائل الاوقات: ص: 441 مطبوعہ مکتبۃ المنارہ مکہ مکرمہ)

یوم عاشوراء میں اہل وعیال پر وسعت کرنے والے کو بشارت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے یوم عاشوراء میں اپنے اہل وعیال پر وسعت کی اللہ تعالیٰ سارا سال اس پر وسعت رکھے گا۔

(الکامل لابن عدی: ج: 5، ص: 1852)

عاشوراء کے دن روزہ رکھ کر یہود کی مخالفت کرو

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یوم عاشوراء کو روزہ رکھو اور اس میں یہود کی مخالفت کرو اس سے ایک دن پہلے روزہ رکھو اور اس کے ایک دن بعد بھی روزہ رکھو۔ (شعب الایمان: رقم الحدیث: 3790)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نو محرم اور دس محرم کو روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت کرو۔ (شعب الایمان: رقم الحدیث: 3788)

عاشوراء کے دن روزہ رکھنے سے اللہ تعالیٰ ایک سال پہلے کے گناہ معاف کر دے گا

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے روزے رکھتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بات سے ناراض ہوئے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کو دیکھا تو کہا ہم اللہ تعالیٰ کو رب عزوجل ماننے سے راضی ہیں اسلام کو دین ماننے سے راضی ہیں اور محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ماننے سے راضی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے غضب سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کلام کو بار بار دہراتے رہے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جو شخص پوری عمر روزے رکھے اس کا کیا حکم ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کا روزہ ہے نہ افطار!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

جو شخص دو دن روزے رکھے اور ایک دن افطار کرے اس کا کیا حکم ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کی کون طاقت رکھتا ہے؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

جو شخص ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن افطار کرے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

جو شخص ایک دن روزہ رکھے اور دو دن افطار کرے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میری خواہش ہے کہ مجھے اس کی قوت حاصل ہوتی۔
پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ہر ماہ تین دن روزے رکھنا اور ایک رمضان کے بعد دوسرے رمضان کے روزے رکھنا یہ تمام کے روزے ہیں اور یوم عرفہ کا روزہ رکھنے سے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہ معاف فرما دے گا اور مجھے امید ہے کہ یوم عاشوراء کا روزہ رکھنے سے اللہ تعالیٰ ایک سال پہلے کے گناہ معاف کر دے گا۔ (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2643)

جس نے یوم عاشوراء کا روزہ رکھا اس نے گویا ایک سال کے روزے رکھے

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جس نے یوم عاشوراء کا روزہ رکھا اس نے گویا ایک سال کے روزے رکھے۔
الخ (لطائف علمیہ: ج: 1 ص: 80 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

جس نے یوم عاشوراء کو صدقہ کیا اس نے گویا ایک سال صدقہ کیا

اور جس نے یوم عاشوراء کو صدقہ کیا اس نے گویا ایک سال صدقہ کیا۔
(لطائف علمیہ: ج: 1 ص: 80 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

بنو اسرائیل نے کون سا سمندر پار کیا تھا

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:
جس سمندر کو بنو اسرائیل نے عبور کیا تھا اس کا نام بحر قلزم ہے۔
علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں لکھا ہے کہ
یہ دریائے نیل تھا لیکن یہ غلط ہے جیسا کہ البحر المحیط میں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس محرم کو یہ سمندر عبور کیا تھا اور فرعون اور اس کا لشکر ہلاک ہو گیا تھا اور بنو اسرائیل اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔
(روح المعانی: جز: 9 ص: 40 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

شیخ محمد حفظ الرحمٰن سیوہاری لکھتے ہیں۔
بنو اسرائیل نے بحر قلزم کو پار کر کے جس سرزمین پر قدم رکھا یہ عرب کی سرزمین تھی جو قلزم کے مشرق میں واقع ہے یہ لق و دق بے آب و گیاہ میدان سے شروع ہوتی ہے جو تورات کی زبان میں بیابان شور، سین، وادی سینا (تیہ) کے نام سے مشہور ہے اور طور تک اس کا دامن وسیع ہے یہاں شدید گرمی پڑتی ہے اور دور دور تک سبزہ اور پانی کا پتہ نہیں۔

اس بات کا قطعی فیصلہ تو ناممکن ہے کہ وہ خاص مقام متعین کیا جا سکے جس سے بنی اسرائیل گزرے اور سمندر کو عبور کر گئے تاہم قرآن اور تورات کی مشترک تصریحات ونصوص سے یہ متعین کیا جا سکتا ہے کہ بنو اسرائیل نے بحر قلزم (بحر احمر Red Sea) کے کسی کنارے اور دہانہ سے عبور کیا یا درمیانی کسی حصہ سے۔ بحر احمر دراصل بحر عرب کی ایک شاخ ہے جس کے مشرق میں سرزمین عرب واقع ہے اور مغرب میں مصر۔ شمال میں اس کی دو شاخیں ہوگئی ہیں ایک شاخ (خلیج عقبہ) جزیرہ نمائے سینا کے مشرق میں اور دوسری (خلیج سوئز) اس کے مغرب میں واقع ہے۔ یہ دوسری شاخ پہلی سے بڑی ہے اور شمال میں بڑی دور تک چلی گئی ہے۔ بنو اسرائیل اسی کے درمیان سے گزرے ہیں اس شاخ کے شمالی دہانہ کے سامنے ایک اور سمندر واقع ہے جس کا نام بحر روم ہے اور بحر روم اور بحر احمر کے اس شمالی دہانہ کے درمیان تھوڑا سا خشکی کا حصہ ہے یہی وہ راستہ تھا جہاں مصر سے فلسطین اور کنعان جانے والے کو بحر احمر عبور کرنا نہیں پڑتا تھا اور اس زمانہ میں یہ راہ قریب کی سمجھی جاتی تھی اور بنو اسرائیل نے بحکم الٰہی یہ راہ اختیار نہیں کی تھی اب اس خشک زمین کو کھود کر بحر احمر کو بحر روم سے ملا دیا گیا ہے اور اس ٹکڑے کا نام نہر سوئز ہے اور بحر احمر کے شمالی دہانہ پر سوئز کے نام سے ایک شہر آباد ہے جو مصر کی بندرگاہ شمار ہوتا ہے۔

(قصص القرآن: ج:1، ص469 تا 477 مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی 1394ھ لکھتے ہیں:

بنی اسرائیل نے جس مقام سے بحر احمر کو عبور کیا وہ غالباً موجودہ سوئز اور اسماعیلیہ کے درمیان کوئی مقام تھا یہاں سے گزر کر یہ لوگ جزیرہ نمائے سینا کے جنوبی علاقے کی طرف ساحل کے کنارے کنارے روانہ ہوئے اس زمانہ میں جزیرہ نمائے سینا کا مغربی اور شمالی حصہ مصر کی سلطنت میں شامل تھا۔ جنوب کے علاقہ میں موجودہ شہر طور اور ابوزنیمہ کے درمیان تانبے اور فیروزے کی کانیں تھیں جن سے اہل مصر بہت فائدہ اٹھاتے تھے اور ان کانوں کی حفاظت کے لئے مصریوں نے چند مقامات پر چھاؤنیاں قائم کر رکھی تھیں۔ انہی چھاؤنیوں میں سے ایک چھاؤنی مفقہ کے مقام پر تھی جہاں مصریوں کا ایک بہت بڑا بت خانہ تھا جس کے آثار اب بھی جزیرہ نما کے جنوب مغربی علاقہ میں پائے جاتے ہیں اس کے قریب ایک اور مقام بھی تھا جہاں قدیم زمانہ سے سامی قوموں کی چاند دیوی کا بت خانہ تھا غالباً انہی مقامات میں سے کسی کے پاس سے گزرتے ہوئے بنی اسرائیل کو جن پر مصریوں کی غلامی نے مصریت زدگی کا اچھا خاصا گہرا ٹھپہ لگا رکھا تھا ایک مصنوعی خدا کی ضرورت محسوس ہوئی ہوگی۔

(تفہیم القرآن: ج:2، ص74 تا 75 مطبوعہ لاہور)

اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی نعش مبارکہ ساتھ لے جانے کا حکم

امام ابوبکر محمد بن جعفر الخرائطی متوفی 327ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کسی کام کے متعلق سوال کیا جاتا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ کرنے کا ہوتا تو فرماتے ہاں اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ نہ کرنے کا ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کسی کام کے متعلق نہ نہیں فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا اور اس نے کچھ سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اس نے پھر سوال کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے پھر اس نے تیسری بار سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا اس کو جھڑکنے کے انداز میں فرمایا: اے اعرابی مانگ کیا چاہتا ہے؟ ہمیں اس پر رشک آیا اور ہم نے گمان کیا کہ اب وہ جنت کا سوال کرے گا۔

اس نے عرض کیا:

میں آپ سے ایک سواری کا سوال کرتا ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ تمہیں مل جائے گی۔

پھر ارشاد فرمایا:

سوال کرو۔

اس نے کہا:

اس کے پالان کا سوال کرتا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ تمہیں مل جائے گا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سوال کرو۔

میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفری خرچ کا سوال کرتا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ تمہیں مل جائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

ہمیں اس پر بہت تعجب ہوا۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس اعرابی نے جن چیزوں کا سوال کیا وہ اس کو دے دو پھر اس کو وہ چیزیں دے دی گئیں۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس اعرابی کے سوال میں اور بنی اسرائیل کی بڑھیا کے سوال میں کتنا فرق ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سمندر پار جانے کا حکم ہوا تو آپ کے پاس سواری کے لئے جانور لائے گئے وہ جانور سمندر کے کنارے تک پہنچے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے منہ پھیر دیئے اور خود بخود پلٹ آئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

اے رب عزوجل! یہ کیا ماجرا ہے؟ حکم ہوا کہ تم یوسف علیہ السلام کی قبر کے پاس ہو۔ اس کی نعش کو اپنے ساتھ لے جاؤ وہ قبر ہموار ہو چکی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پتہ نہیں تھا کہ وہ قبر کہاں ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں سے سوال کیا کہ تم میں سے کسی کو پتہ ہے کہ وہ قبر کہاں ہے۔

لوگوں نے کہا:

اگر کوئی جاننے والا ہے تو وہ بنی اسرائیل کی ایک بڑھیا ہے اس کو معلوم ہے کہ وہ قبر کہاں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بڑھیا کو بلوایا جب وہ پہنچ گئی۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

کیا تم کو حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کا علم ہے؟

اس نے عرض کیا:

ہاں!

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

ہمیں بتاؤ۔

اس نے عرض کیا:

نہیں! اللہ تعالیٰ کی قسم جب تک آپ علیہ السلام میرا سوال پورا نہیں کرو گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

بتاؤ تمہارا کیا سوال ہے؟

اس بڑھیا نے کہا:

میں یہ سوال کرتی ہوں کہ جنت کے جس درجہ میں آپ علیہ السلام رہیں گے اسی درجہ میں میں رہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

صرف جنت کا سوال کرو۔

اس نے کہا:

نہیں! اللہ تعالیٰ کی قسم! میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گی جب تک کہ میں تمہارے ساتھ جنت میں تمہارے درجہ میں نہ رہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو ٹالتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی۔ اس کو وہ درجہ دے دو۔ اس سے تم کو کوئی کمی

نہیں ہوگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو جنت کا وہ درجہ دے دیا اس نے قبر بتائی اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی نعش لے کر سمندر کے پار گئے۔ (مکارم الاخلاق: ج:2، ص:626 مطبوعہ مطبع المدنی مصر)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک بڑھیا کی رہنمائی سے حضرت یوسف علیہ السلام کا تابوت نکالنا

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ابی حاتم متوفی 327ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن عبدالعزیز سے روایت ہے کہ

جب حضرت یوسف علیہ السلام پر وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بھائیوں کو بلا کر کہا۔

اے میرے بھائیو! میں نے دنیا میں کسی سے بھی اپنے اوپر کیے جانے والے ظلم کا بدلہ نہیں لیا اور مجھے یہ پسند تھا کہ میں لوگوں کی نیکیاں ظاہر کروں اور ان کی برائیاں چھپاؤں اور دنیا سے میرا یہی آخرت کے لئے زادِ راہ ہے۔

اے میرے بھائیو! میں نے اپنے باپ دادا جیسے عمل کیے ہیں تو تم مجھے ان کی قبروں کے ساتھ ملا دینا اور ان سے اس بات کا پکا وعدہ لیا لیکن انہوں نے اپنے وعدہ کو پورا نہیں کیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق معلوم کیا کہ ان کا صندوق کہاں دفن ہے تو صرف ایک بوڑھی عورت کو اس کا پتہ تھا اس کا شارح بنت شیر بن یعقوب تھا۔

اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

میں ایک شرط پر تم کو اس کا پتہ بتاؤں گی۔

اس نے کہا: ایک شرط تو یہ ہے کہ میں بوڑھی ہوں میں جوان ہو جاؤں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

منظور ہے۔

اس نے کہا:

دوسری شرط یہ ہے کہ میں جنت میں آپ علیہ السلام کے درجہ میں آپ علیہ السلام کے ساتھ رہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سے گریز کر رہے تھے کہ آپ علیہ السلام پر وحی ہوئی کہ اس شرط کو بھی مان لو تو آپ علیہ السلام نے مان لیا پھر اس بڑھیا نے اس صندوق کی رہنمائی کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس صندوق کو نکال لیا۔ وہ عورت جب 52 سال کی عمر کو پہنچتی تو اس کی جسامت 32 سال کی ہو جاتی اس نے 1600 یا 1400 سال کی عمر پائی اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے شادی کی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 12019)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جنت عطا فرمانے کا اختیار تھا

امام حافظ احمد بن علی تمیمی متوفی 307ھ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی عزت افزائی کی اور ارشاد فرمایا:
ہمارے پاس آؤ وہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا: تم اپنی حاجت بیان کرو۔
اس نے عرض کیا:
مجھے سواری کے لئے ایک اونٹنی چاہئے اور بکریاں چاہئیں جن کا دودھ دوہیں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
کیا تم بنواسرائیل کی بڑھیا کی طرح ہونے سے بھی عاجز ہو؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنواسرائیل کو لے کر مصر سے روانہ ہوئے تو وہ راستہ بھول گئے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا:
اس کی کیا وجہ ہے؟
ان کے علماء کرام نے فرمایا کہ
جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات قریب ہوئی تو انہوں نے ہم سے (یعنی آباؤ اجداد سے) یہ پختہ وعدہ لیا تھا اور اس پر قسم لی تھی کہ ہم مصر سے اس وقت تک روانہ نہیں ہوں گے جب تک ان کی نعش کو ساتھ نہیں لے جائیں گے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا:
ان کی قبر کی جگہ کس کو معلوم ہے؟
انہوں نے کہا:
بنی اسرائیل کی ایک بڑھیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو بلوایا پس وہ آئی۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:
مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر بتاؤ۔
اس نے کہا:
اس وقت تک اس کا پتہ نہیں بتاؤں گی حتیٰ کہ آپ علیہ السلام میری ایک درخواست منظور نہ کریں۔
آپ علیہ السلام نے پوچھا:
تمہاری کیا درخواست ہے؟
اس نے کہا:
میں جنت میں آپ علیہ السلام کے ساتھ ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ ماننا ناگوار ہوا تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام

کی طرف وحی کی کہ آپ علیہ السلام اس کی درخواست منظور کر لیں تو وہ آپ علیہ السلام کو دریائے نیل کی اس جگہ پر لے گئی جہاں کا پانی متغیر ہو چکا تھا۔

اس نے کہا:

یہاں سے پانی نکالو۔ انہوں نے وہاں سے پانی نکالا۔

اس نے کہا:

یہاں کھدائی کرو۔ کھدائی کے بعد وہاں سے حضرت یوسف علیہ السلام کی نعش برآمد کی جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی نعش اوپر اٹھائی تو ان کو گمشدہ راستہ روشنی کی طرح مل گیا۔ (مسند ابو یعلیٰ: رقم الحدیث: 7254) (مستدرک: رقم الحدیث: 3523)

جنت میں تیری بیوی بننا چاہتی ہوں

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف علیہ السلام نے وصیت کی اگر میرے بعد نبی آئے تو اسے کہنا اس بستی سے میری ہڈیاں نکال لی جائیں۔ فرعون کے ساتھ جھگڑے کے موقع پر جو حضرت یوسف علیہ السلام کا معاملہ ہوا آپ علیہ السلام اس بستی کے پاس سے گزرے جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر مبارک تھی آپ علیہ السلام نے لوگوں سے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کے متعلق پوچھا تو کوئی آدمی ایسا نہیں ملا جو اس بارے میں بتاتا۔

آپ علیہ السلام سے عرض کی گئی۔

یہاں ایک بوڑھی عورت ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کی قوم کی رہ گئی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پاس تشریف لائے۔ اس کو فرمایا: کیا تو حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر پر میری رہنمائی کرے گی۔

عورت نے کہا:

میں ایسا نہیں کروں گی حتیٰ کہ تو میری دو شرطیں پوری کرے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ اس کی شرطیں پوری کرو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عورت سے فرمایا۔

تم کیا ارادہ رکھتی ہو۔

عورت نے کہا:

جنت میں تیری بیوی بننا چاہتی ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو قبول کیا تو عورت نے قبر کے بارے میں بتا دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبر کھودی پھر اپنی چادر بچھائی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی ہڈیوں کو نکالا اور اپنے کپڑے کے درمیان رکھا پھر ہڈیوں کو کپڑے میں لپیٹا اور اپنے دائیں کندھے پر اٹھالیا وہ فرشتہ جو دائیں جانب تھا اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا بوجھ دائیں کندھے پر اٹھایا جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:
وہ بائیں کندھے پر ہوتا ہے میں نے ایسا حضرت یوسف علیہ السلام کی تعظیم کے لئے کیا ہے۔
(درمنثور، ج:5، ص:250 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بڑھیا عورت کی تمام شرائط منظور فرمالین

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:
حضرت سماک بن حرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر روانہ ہوئے تو ایک بادل چھا گیا جو بنی اسرائیل اور راستے کے درمیان حائل ہو گیا کہ وہ اس راستہ کو دیکھیں۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا کہ
آپ علیہ السلام اس وقت تک اس کو عبور نہ کر سکیں گے جب تک آپ علیہ السلام کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کی ہڈیاں نہ ہوں گی۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:
وہ کہاں ہیں؟
تو لوگوں نے کہا:
اس کی بیٹی ایک بوڑھی عورت ہے جس کی نظر جاتی رہی ہے ہم اس کو گھروں میں ہی چھوڑ آئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام لوٹ آئے جب اس عورت نے آواز سنی تو پوچھا موسیٰ (علیہ السلام) ہے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:
موسیٰ (علیہ السلام) ہوں۔
عورت نے کہا:
کیا چھوڑ کر آئے ہو؟
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:
مجھے کہا گیا ہے کہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کی ہڈیاں اٹھا کر لے جاؤں۔
عورت نے کہا:
تم اس وقت تک عبور نہیں کر سکتے جب تک میں تمہارے ساتھ نہ ہوں گی۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

حضرت یوسف علیہ السلام کی ہڈیوں پر میری رہنمائی کرو۔

اس عورت نے کہا:

میں اس وقت تک ایسا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں جب تک آپ علیہ السلام مجھے وہ نہ دیں گے جو میں آپ علیہ السلام سے سوال کروں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

تیرے لیے وہی کچھ ہے جو مانگے۔

بوڑھی نے کہا:

میرا ہاتھ پکڑو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تو وہ عورت ایک ستون تک پہنچی جو نیل کے کنارے پر تھا اس ستون کی بنیاد میں لوہے کا ایک صندوق تھا جس میں میخیں لگائی گئی تھیں اور اس میں زنجیر بھی تھی۔

عورت نے کہا:

ہم نے اس کو اس طرف دفن کیا تھا تو یہ جانب سرسبز و شاداب ہو گئی اور دوسری جانب خشک ہو گئی جب ہم نے یہ دیکھا تو ہم نے اس کی ہڈیوں کو جمع کیا تو انہیں لوہے کے صندوق میں رکھا اور نیل کے وسط میں رکھ دیا تو نیل کے دونوں جانبیں سرسبز و شاداب ہو گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صندوق اپنی گردن پر رکھا اور اس بوڑھی عورت کا ہاتھ پکڑا اور اس کو لشکر تک لے آئے۔

اور اس سے فرمایا۔

جو چاہو سوال کرو تو اس عورت نے یہ سوال کیا کہ جنت میں میں اور آپ ایک ہی درجہ میں ہوں۔ میری نظر اور جوانی واپس لوٹا دی جائے حتیٰ کہ میں ایسی جوان ہو جاؤں جیسی میں تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

تیرے لیے وہ کچھ ہے جو تو نے سوال کیا۔ (درمنثور: ج:5، ص249 تا 250 مطبوعہ کراچی)

حضرت یوسف علیہ السلام کی لاش مبارک کا ساتھ میں لینا

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بوڑھے لوگوں سے کہا کہ یہ راستہ تمہارا دیکھا ہوا ہے تو تم کو کیوں نہیں ملتا۔

انہوں نے عرض کیا کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے وصیت فرمائی تھی کہ جب میری قوم بنی اسرائیل مصر سے جائے تو میرا تابوت قبر سے نکال کر ساتھ لے جائے اور میرے بزرگوں کے ساتھ مجھے دفن کر دینا۔ ہم نے وہ وصیت پوری نہیں کی اس لیے راستہ بھول گئے۔

آپ علیہ السلام نے پوچھا کہ

ان کی قبر مبارک کہاں ہے؟

سب نے کہا:

ہمیں پتہ نہیں۔ آپ علیہ السلام نے سارے لشکر میں منادی کرائی کہ جس کو حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر معلوم ہو وہ مجھے بتا دے۔

ایک بڑھیا عورت نے کہا:

مجھے معلوم ہے، لیکن اگر آپ مجھ سے عہد کرلیں کہ میں جو مانگوں سو پاؤں گی تب میں پتہ بتا دوں گی۔ آپ علیہ السلام نے کچھ تامل کیا وحی آئی کہ اے موسیٰ علیہ السلام! ان سے عہد کرلو اور جو چاہے سو اس کو دو۔ آپ علیہ السلام نے عہد فرمالیا۔

بڑھیا بولی کہ

میں چاہتی ہوں کہ بہشت میں میں آپ علیہ السلام کے ساتھ رہوں۔

آپ علیہ السلام نے قبول فرمالیا۔

تب اس بڑھیا نے کہا:

ان کی قبر شریف دریائے نیل میں غرق ہو چکی ہے اگر فلاں جگہ سے پانی ہٹا کر زمین کھودی جائے تو اس سے آپ علیہ السلام کا صندوق نکل سکتا ہے۔ آپ علیہ السلام نے حکم دیا بنی اسرائیل نے فوراً اس جگہ سے ان کا تابوت نکالا۔ یہ تابوت سنگ مرمر کا ایک صندوق تھا جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کی لاش مبارک تھی۔ آپ علیہ السلام نے یہ تابوت سب کے آگے رکھا اور اس تابوت کی برکت سے راستہ ظاہر ہوا۔ رب تعالیٰ کے فضل سے رات کے تھوڑے حصہ میں بہت راستہ طے کرلیا اگر آپ علیہ السلام سیدھا فلسطین کا راستہ اختیار کرتے جو مصر سے شمال مشرق میں تھا تو آپ علیہ السلام کو یہ دشواریاں پیش نہ آتیں لیکن مرضی الٰہی عزوجل یہی تھی لہٰذا آپ علیہ السلام مشرقی جانب قلزم کی طرف روانہ ہوگئے اور منزل سقاعط میں ہوتے ہوئے مقام ایسام میں پہنچے اور وہاں سے کوچ کر کے فی الحیر ات میں جو کہ بعل سفون کے مقابل دریائے قلزم پر واقع تھا قیام کیا اور وہاں اپنے ڈیرے ڈال دیئے۔ صبح کے وقت فرعون کو جاسوسوں نے خبر دی کہ کل جہان بنی اسرائیل جمع ہوئے تھے وہاں سے راتوں رات کوچ کر گئے ہیں۔ فرعون کے دل میں غصے کی آگ بھڑک گئی اس نے فوراً حکم دیا کہ تیز گھوڑے اور عمدہ سوار جمع ہوں۔

روایت میں ہے کہ

ستر ہزار گھڑ سوار فوج اس کے لشکر کے آگے آگے تھی اور باقی فوج کے متعلق کچھ صحیح پتہ نہیں لگتا۔

تفسیر روح البیان میں فرمایا۔

ستر لاکھ گھڑ سوار فوج تھی۔

تفسیر عزیزی میں فرمایا۔

ایک لاکھ تیرانداز، ایک لاکھ نیزے باز اور ایک لاکھ گرز مارنے والے ان میں تھے۔ فرعون نے مع اس لشکر کے یہ راستہ

بہت جلد طے کر کے دوپہر کے قریب بنی اسرائیل کو جالیا۔ بنی اسرائیل فرعونی لشکر دیکھ کر گھبرا گئے۔
اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کرنے لگے کہ
بتاؤ ہم کہاں جائیں۔ (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:377 تا 378 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی فرعون کی غرقابی کے وقت عمر مبارک

فرعون کی غرقابی کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر مبارک اسی 80 برس اور حضرت ہارون علیہ السلام کی تراسی 83 برس تھی۔
حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:
اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر شریف اسی برس اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی تراسی برس تھی۔
(تفسیر نعیمی: ج:1، ص:377 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

سامری کا حضرت جبرائیل علیہ السلام کی گھوڑی کے پاؤں سے مٹی اٹھانا

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:
بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا سامری اس نے دیکھا کہ جس جگہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی گھوڑی کی ٹاپ پڑتی ہے وہاں سبزہ اگ آتا ہے وہ سمجھا کہ اس ٹاپ کے نیچے والی مٹی میں تاثیر زندگی ہے اس نے تھوڑی مٹی اپنے ہاتھ میں لے لی۔
(تفسیر نعیمی: ج:1، ص:379 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو کہاں لے جانے کا وعدہ کیا تھا

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:
اس سرزمین سے مراد ارض مقدسہ ہے جس کے متعلق فرعون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ وہ بنو اسرائیل کو ان زمین میں لے جانا چاہتے ہیں کیونکہ وہ سرزمین ان کے باپ دادا کا وطن ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل سے وعدہ کیا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ ان کے دشمن کو ہلاک کر دے گا تو وہ ان کو اس سرزمین میں لے جائیں گے جہاں ان کے باپ دادا رہتے تھے یا عمالقہ کی ہلاکت کے بعد ان کو اس سرزمین میں منتقل کر دیا جائے گا کیونکہ اس وقت وہ سرزمین عمالقہ کے قبضہ میں تھی۔ (روح المعانی: ج:9، ص:37 مطبوعہ بیروت)

بنی اسرائیل کو صبر پر برکت والی زمین کا وارث بنا دینا

بنی اسرائیل کو کمزور سمجھا جاتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو نبی کے صدقے مشارق و مغارب کا وارث بنا دیا جس کے اندر رب تعالیٰ نے برکتیں ہی برکتیں رکھی تھیں اور فرعون کی عمارتوں کو نیست و نابود کر دیا۔
قرآن مجید میں ہے

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ۝ (الاعراف:137)

اور جس قوم کو کمزور سمجھا جاتا تھا اس کو ہم نے اس سرزمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنا دیا، جس میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں اور بنو اسرائیل پر آپ کے رب کا بھلائی پہنچانے کا وعدہ پورا ہو گیا کیونکہ انہوں نے صبر کیا تھا اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کی بنائی ہوئی عمارتوں اور ان کی چڑھائی ہوئی بیلوں کو تباہ و برباد کر دیا۔

سرزمین شام میں برکت اور اس کے فضائل و فسادات کا بیان

وہ سرزمین جس کے مشرق اور مغرب میں اللہ تعالیٰ نے برکتیں رکھی ہیں اس کا مصداق کون سی زمین ہے؟ اس کے بارے میں علماء کرام کے اقوال و روایات دلائل کے طور پر بیان کیے جاتے ہیں۔

دلیل نمبر:1

امام عبدالرزاق متوفی 211ھ لکھتے ہیں:

اس سے مراد سرزمین شام ہے۔ (تفسیر امام عبدالرزاق: ج:1، ص:321)

دلیل نمبر:2

امام فخر الدین رازی حنفی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

اس سے مراد شام اور مصر ہے کیونکہ مصر ہی فرعون لعنہ اللہ کے قبضہ اور تصرف میں تھا اور جس سرزمین میں اللہ تعالیٰ نے برکتیں رکھی ہیں اس کا مصداق صرف شام ہے۔ (تفسیر کبیر: ج:5، ص:348 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

دلیل نمبر:3

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت زید بن اسلم سے روایت ہے کہ

الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ سے مراد شام کی بستیاں ہیں۔ (تاریخ مدینہ دمشق: ج:1، ص:143 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دلیل نمبر:4

اور حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے ملک شام میں فرات سے عریش تک برکت رکھ دی ہے۔ (تاریخ مدینہ دمشق: ج:1، ص:144 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دلیل نمبر:5

حضرت ابوالاعبش رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا ہے کہ ان سے اس برکت کے بارے سوال کیا گیا جو سرزمین شام میں رکھی گئی اس کی حد کہاں تک پہنچتی ہے؟ تو انہوں نے کہا: اس کی پہلی حد عریش مصر ہے، دوسری حد ثنیہ کا کنارہ ہے، تیسری حد فرات ہے اور چوتھی حد وہ ہے جہاں حضرت ھود علیہ السلام کی قبر مبارک بنائی گئی ہے۔

(تاریخ مدینہ دمشق: ج:1 ص:196 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دلیل نمبر:6

حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

آپ کے رب عزوجل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرمایا: عریش سے لے کر فرات تک کی مبارک زمین کو آباد کر۔ آپ ہی نے سب سے پہلے ختنہ کرایا اور مہمان کی عزت و تکریم کی۔ (تاریخ مدینہ دمشق: ج:1 ص:141 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دلیل نمبر:7

حضرت وھب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

دمشق کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے غلام نے بنایا ہے وہ حبشی تھا جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ سے باہر تشریف لائے۔ اس وقت نمرود بن کنعان نے آپ علیہ السلام کو وہ غلام ہبہ کیا تھا اس غلام کا نام دمشق تھا لہٰذا اس نے اپنے نام پر اس شہر کا نام رکھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہر شے پر اس کو اختیار دے رکھا تھا اور اس کے بعد ایک طویل زمانے تک رومی اس میں سکونت پذیر رہے۔ (تاریخ مدینہ دمشق: ج:1 ص:13 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دلیل نمبر:8

حضرت ابو عبد الملک جزری سے روایت ہے کہ

جب دنیا مصائب و آلام اور قحط میں مبتلا تھی تو اس وقت سرزمین شام کے باسی خوش حالی، راحت و آرام اور عافیت میں تھے اور جب شام تنگی اور قحط میں مبتلا تھا تو فلسطین خوش حالی اور عافیت میں تھا اور جب فلسطین تکالیف اور قحط میں گھرا ہوا تھا تو بیت المقدس خوش حالی اور عافیت میں تھا اور فرمایا شام میں برکت رکھی گئی ہے۔ فلسطین مقدس ہے اور بیت المقدس کو ہزار بار پاکیزہ اور متبرک کیا گیا ہے۔ (تاریخ مدینہ دمشق: ج:1 ص:145 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دلیل نمبر:9

عبد الرحمن بن یزید بن جابر سے روایت ہے کہ

انہوں نے کہا! میں نے ابو سلام الاسود سے کہا:

تمہیں کس چیز نے حمص سے دمشق کی طرف منتقل کیا؟

تو انہوں نے کہا!

مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ وہاں برکت دوگنا ہو جاتی ہے۔ (تاریخ مدینہ دمشق: ج:1،ص:251 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

دلیل نمبر:10

حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

انہوں نے ایک شخص سے پوچھا۔

تو کہاں رہتا ہے؟

اس نے جواب دیا۔

میں الغوطہ میں رہتا ہوں۔

تو حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو فرمایا:

دمشق میں سکونت اختیار کرنے سے تجھے کون سی شے مانع ہے؟ کیونکہ اس میں دوگنا برکت رکھی گئی ہے۔

(تاریخ مدینہ: ج:1،ص:251 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

دلیل نمبر:11

حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

تورات میں لکھا ہوا ہے کہ سرزمین شام اللہ تعالیٰ کی زمین میں سے اس کا خزانہ ہے وہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خزانہ کیا ہوا ہے یعنی وہاں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے مزارات ہیں۔ (تاریخ مدینہ دمشق: ج:1،ص:196 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

دلیل نمبر:12

حضرت ثابت بن معبد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے شام! تو میرے شہروں میں سے بہتر اور اچھی سرزمین ہے میں اپنے بندوں میں سے افضل اور بہتر افراد کو تجھ میں سکونت عطا کروں گا۔ (تاریخ مدینہ دمشق: ج:1،ص:123 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

دلیل نمبر:13

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھے ہوئے کاغذ کے ٹکڑے پر قرآن مجید لکھ رہے تھے کہ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "طوبی للشام" شام کے لئے سعادت مندی اور خیر و برکت ہے۔ عرض کی گئی وہ کس طرح؟

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک رحمٰن کے فرشتے وہاں کے باسیوں پر اپنے پر پھیلائے ہوئے ہیں۔

(مستدرک: ج:2، ص:249 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

دلیل نمبر: 14

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک عنقریب تم کئی لشکر اکٹھے کرو گے اور ایک لشکر شام، مصر، عراق اور یمن سے ہوگا تو ہم نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے پسند فرمائیے۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم پر شام کو اختیار کرنا لازم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شام کی ضمانت عطا فرمائی ہے۔

(مجمع الزوائد: ج:10، ص:36 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دلیل نمبر: 15

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک عنقریب تم کئی لشکر مہیا کرو گے۔

تو ایک شخص نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لیے انتخاب فرمائیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تجھ پر شام کو اختیار کرنا لازم ہے کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے شہروں میں سے چن لیا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے افضل ترین بندے سکونت پذیر ہیں پس جس نے اس سے اعراض کیا تو اسے نجد کے ساتھ ملا دیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شام اور اس کے باسیوں کی ضمانت عطا فرمائی ہے۔ (مجمع الزوائد: ج:10، ص:39 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دلیل نمبر: 16

حضرت عبد اللہ بن حوالۃ الازدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لیے شہر کا انتخاب فرمائیے جس میں میں رہوں گا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تجھ پر لازم ہے کہ شام میں رہے بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے شام تو میرے شہروں میں سے چنی ہوئی عمدہ جگہ ہے

میں تجھ میں اپنے بندوں میں سے افضل واعلیٰ بندے داخل کروں گا۔ (تاریخ مدینہ دمشق: ج:1،ص:69 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دلیل نمبر:17

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم شام کو لازم پکڑے رہو کیونکہ وہ سرزمین اللہ تعالیٰ کے شہروں میں سے پسندیدہ اور چنی ہوئی ہے وہ اس میں اپنے بہترین اور نیک بندوں کو ہی سکونت عطا کرتا ہے اور جو انکار کرے تو اسے چاہئے کہ وہ یمن میں رہے اور اس کی نہروں سے سیراب ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شام اور اہل شام کی ضمانت دی ہے۔

(تاریخ مدینہ دمشق: ج:1،ص:69 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دلیل نمبر:18

حضرت عبداللہ بن حوالہ الازدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک عنقریب تم کئی لشکر شام روانہ کرو گے اور ایک لشکر عراق کے لئے اور ایک لشکر یمن کی طرف۔

تو حوالی نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لیے انتخاب فرمائیے!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم پر شام کو اختیار کرنا لازم ہے اور جو کوئی نہ جا سکے تو اسے چاہئے کہ وہ یمن چلا جائے اور اسی کی نہروں سے سیراب ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شام اور اہل شام کی ضمانت دی ہے۔ (مسند احمد: ج:4،ص:110 مطبوعہ دار صادر بیروت)

دلیل نمبر:19

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا اس میں کوئی مومن باقی نہیں رہے گا مگر یہ کہ وہ شام چلا جائے۔

(مستدرک: ج:4،ص:505 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

دلیل نمبر:20

حضرت عون بن عبداللہ بن عتبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کرام علیہم السلام پر جو کچھ نازل کیا ہے میں نے اس میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ شام میرا ترکش ہے سو جب میں کسی قوم پر ناراض ہوتا ہوں تو اس میں ایک تیر ان پر پھینکتا ہوں۔

(تاریخ مدینہ دمشق: ج:1،ص:288 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دلیل نمبر: 21

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عنقریب میرے بعد میری امت کے لئے شام کو بڑی جلدی سے فتح کر دیا جائے گا سو جب وہ اس کو فتح کر لیں گے اور اس میں اتر جائیں گے تو اہل شام جزیرہ کی انتہاء میں مسلسل رہنے لگیں گے پس جو اس کے ساحلوں میں سے کسی ساحل پر اترے گا تو وہ جہاد میں ہوگا اور جو کوئی بیت المقدس اور اس کے نواح میں اترے گا تو وہ رباط (چھاؤنی) میں ہوگا۔

(تاریخ مدینہ دمشق: ج:1 ص:283 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دلیل نمبر: 22

حضرت قرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب اہل شام میں فساد اور بگاڑ آ جائے گا تو پھر تم میں کوئی بھلائی اور خیر نہیں رہے گی۔ میری امت کے ایک گروہ کی ہمیشہ مدد کی جاتی رہے گی۔ جو انہیں ذلیل و رسوا کرنے کی کوشش کریں گے وہ انہیں نقصان اور ضرر نہیں پہنچا سکیں گے حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ (تاریخ مدینہ دمشق: ج:1 ص:305 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دلیل نمبر: 23

حضرت ضمرہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے یہ سنا ہے کہ ہر نبی شام کی جانب سے مبعوث کیا گیا اور اگر شام کی جانب سے نہ ہوا تو پھر اس کی سیر کرائی گئی۔

(تاریخ مدینہ دمشق: ج:1 ص:305 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دلیل نمبر: 24

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ابلیس عراق میں داخل ہوا تو وہاں اس نے اپنی حاجت و ضرورت پوری کر لی پھر شام میں داخل ہوا تو انہوں نے اس کو بھگا دیا حتیٰ کہ وہ بلیسان پہنچ گیا پھر وہ مصر داخل ہوا وہاں اس نے انڈے دیئے اور بچے نکالے اور بڑی عمدگی کے ساتھ سردار بن کر پھلا پھولا (یعنی وہاں اس نے لوگوں کو خوب بہکایا اور سردار بن کر لوگوں کی رہنمائی ضلالت و گمراہی کی طرف کرنے لگا)

(معجم الکبیر: ج:12 ص:340 مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم بغداد)

دلیل نمبر: 25

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

شیطان مشرق میں داخل ہوا تو اس نے اپنا مطلب خوب پورا کیا پھر وہ ارض مقدس شام کا ارادہ کرنے نکلا تو اسے روک دیا گیا پھر وہ بڑی تیزی کے ساتھ نکلا حتیٰ کہ مغرب آ پہنچا اور خوب انڈے دیئے اور وہاں بڑی قوت و طاقت کے ساتھ پھیلا۔

(تاریخ مدینہ دمشق: ج:1، ص:318 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

دلیل نمبر: 26

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں کتابوں میں بار بار شام کا ذکر پاتا ہوں حتیٰ کہ یہ گمان ہونے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو شام کے علاوہ کسی کی حاجت اور ضرورت نہیں۔ (تاریخ مدینہ دمشق: ج:1، ص:123 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

دلیل نمبر: 27

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ **اللهم بارك لنا في شامنا و يمننا۔**

اے اللہ عزوجل! ہمارے لیے ہمارے شام اور یمن میں برکت عطا فرما۔

لوگوں نے عرض کی:

وفي نجدنا وفي لفظ وفي مشرقنا۔

اور ہمارے نجد میں بھی اور ایک روایت کے الفاظ ہیں اور ہمارے مشرق میں بھی۔

تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

هناك الزلازل والفتن وبها يطلع قرن الشيطان

وہاں زلزلے اور فتنے برپا ہوں گے اور وہاں سے شیطان کا سینگ ظاہر ہوگا۔

(تاریخ مدینہ دمشق: ج:1، ص:136 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

دلیل نمبر: 28

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خیر کے دس حصے ہیں ان میں سے نو شام میں ہیں اور ایک بقیہ ساری زمین میں اور شر کے بھی دس حصے ہیں ان میں سے ایک شام میں ہے اور نو بقیہ ساری زمین میں۔ اور جب اہل شام بگڑ جائیں گے تو تم میں خیر اور بھلائی نہیں رہے گی۔

(تاریخ مدینہ دمشق: ج:1، ص:154 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

دلیل نمبر: 29

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے خیر کو تقسیم کیا ہے اور اس کے دس حصے بنا دیئے ہیں دس میں سے نو حصے شام میں رکھے ہیں اور بقیہ حصہ ساری زمین میں رکھ دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے شر کو تقسیم کر کے اس کے دس حصے بنا دیئے ہیں دس میں سے نو حصے زمین میں اور ایک حصہ شام میں رکھا ہے۔ (تاریخ مدینہ دمشق: ج:1، ص:136 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دلیل نمبر:30

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم کتاب اللہ میں اس زمین کو گدھ کی صفت پر پاتے ہیں لہٰذا سر شام ہے دو پر مشرق و مغرب ہیں اور دم یمن ہے۔ جب تک سر باقی رہے گا لوگ خیر و برکت کے ساتھ رہیں گے اور جب سر اتر جائے گا تو لوگ ہلاک ہو جائیں گے قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ضرور بہ ضرور لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ جزائر عرب میں سے کوئی جزیرہ باقی نہیں رہے گا مگر اس میں شام کی طرف سے گھڑ سواروں کی ایک جماعت آئے گی جو ان کے ساتھ اسلام کے نام پر لڑائی کریں گے اگر وہ نہ ہو تو یہ کافر ہو جائیں۔ (تاریخ مدینہ دمشق: ج:1، ص:191 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دلیل نمبر:31

حضرت ایاس بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

دنیا کی مثال ایک پرندے کی صورت پر بیان کی گئی ہے پس مصر اور بصرہ دو پر ہیں جزیرہ چونچ ہے شام سر ہے اور یمن دم ہے۔ (تاریخ مدینہ دمشق: ج:1، ص:193 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دلیل نمبر:32

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

زمین کا سر شام ہے۔ (تاریخ مدینہ دمشق: ج:1، ص:192 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دلیل نمبر:33

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

بلاشبہ میں کتاب اللہ میں ایک منزل اور حد پاتا ہوں وہ یہ کہ زمین کی خرابی اور فساد شام سے چالیس سال پہلے ہوگا۔

(تاریخ مدینہ دمشق: ج:1، ص:194 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دلیل نمبر:34

حضرت بکیر بن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت ہے کہ

زمین کے فاسد اور خراب ہونے کے بعد چالیس سال تک شام قائم رہے گا۔

(تاریخ مدینہ دمشق: ج:1، ص:195 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دلیل نمبر:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یوم قیامت سے قبل حضرموت کی طرف سے ایک آگ ظاہر ہوگی جو لوگوں کو اکٹھا کرے گی۔ہم نے عرض کیا! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سو آپ ہمیں کیا حکم ارشاد فرماتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم شام کو لازم پکڑلو۔(تاریخ مدینہ دمشق:ج:1،ص:85 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

دلیل نمبر:36

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قریب ہی یمن کی جانب سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو شام کی طرف ہانک کر لے جائے گی جب لوگ صبح کو چلیں گے تو وہ بھی ان کے ساتھ چلے گی جب دوپہر کو وہ قیلولہ کریں گے تو وہ بھی ان کے ساتھ رک جائے گی اور جب وہ شام کو چلیں گے تو وہ بھی ان کے ساتھ چلے گی سو جب تم اس کے بارے سنو تو تم شام کی طرف نکل جاؤ۔

(تاریخ مدینہ دمشق:ج:1،ص:86 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

دلیل نمبر:37

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں نے عمود الکتاب (کتاب کا ستون) کو دیکھا کہ میرے تکیہ کے نیچے سے کھینچ لیا گیا ہے تو میری نگاہ نے اس کا پیچھا کیا تو دیکھا کہ وہ ایک پھیلا ہوا انتہائی روشن نور ہے اور اسے شام کی طرف لے جایا گیا ہے خبردار! جب فتنے برپا ہوں گے تو ایمان شام میں ہوگا۔(تاریخ مدینہ دمشق:ج:1،ص:103 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

دلیل نمبر:38

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم شام میں لازما رہو وہ اللہ تعالیٰ کے شہروں میں سب سے زیادہ فضیلت والا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ نیک بندے رہتے ہیں اور جو وہاں نہ رہ سکے وہ اس کی دائیں جانب رہے اور جو وہاں عہد شکنی کرے اس کو نکالے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شام اور اہل شام کی ضمانت دی ہے۔

(درمنثور:ج:3،ص:529 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

دلیل نمبر:39

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھے ہوئے کپڑوں کے ٹکڑوں پر قرآن مجید کو جمع کر رہے تھے۔ اچانک آپ نے ارشاد فرمایا: شام کے لئے خیر اور سعادت ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کس لیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رحمٰن کے فرشتے ان پر اپنے پر پھیلائے ہوئے ہیں۔ (درمنثور: ج:3،ص:528 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دلیل نمبر:40

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

تمام شہروں میں اللہ تعالیٰ کا محبوب شہر شام ہے اور شام میں محبوب قدس ہے اور قدس میں محبوب نابلس پہاڑ ہے۔

(درمنثور: ج:3،ص:530 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بتوں کی عبادت کرنے والی قوم کے پاس گزرنے پر بنی اسرائیل کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بت بنا کر دینے کا کہنا

جب بنی اسرائیل سمندر سے صحیح وسلامت پار گزر گئی تو ان کا ایک ایسی قوم کے پاس سے گزر ہوا جو بتوں کے سامنے مگن تھے تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا ہمیں بھی اس طرح کا معبود بنا دیجئے جس طرح ان کے معبود ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤی اَصْنَامٍ لَّهُمْۚ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌؕ (الاعراف:138)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار اتار دیا تو وہ ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے جو اپنے بتوں کے سامنے آسن جمائے (معتکف) بیٹھے تھے تو انہوں نے کہا: اے موسیٰ ہمارے لیے بھی ایک ایسا معبود بنا دیجئے جیسے ان کے معبود ہیں۔

اس قوم کے پاس تانبے سے بنی ہوئی گائے کے مجسمے تھے

بنی اسرائیل جس بتوں کی عبادت کرنے والی قوم کے پاس گزرے تھے ان کے پاس تانبے سے بنی ہوئی گائے کے مجسمے تھے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اس قوم کے پاس تانبے سے بنی ہوئی گائے کے مجسمے تھے اور جب سامری کے بچھڑے نے انہیں یہ شبہ ڈالا کہ یہ اسی گائے کا ہے تو یہ بچھڑے کے معاملے کی ابتداء تھی تاکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان پر حجت قائم ہو جائے اور پھر اس کے بعد وہ ان سے

انتقام لے۔ (تفسیر طبری: ج:9، ص:59 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

کون سی قوم تھی؟

جس قوم کو بنی اسرائیل نے بتوں کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا وہ لخم اور جذام ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابوعمران جونی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اس قوم سے مراد لخم اور جذام ہیں۔ (درمنثور: ج:3، ص:367 مطبوعہ کراچی)

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ میں قوم سے مراد لخم ہے۔ (درمنثور: ج:3، ص:366 مطبوعہ کراچی)

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صریح شرک کا سوال کیا

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بنی اسرائیل نے صریح شرک کا سوال کیا کہ ہمارے لیے بھی ایسے معبود بنا دو جن کی یہ عبادت کر رہے ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ کی تفسیر میں حضرت ابوقتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اے اللہ عزوجل! تیری ذات اقدس پاک ہے! یہ وہ قوم ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے غلامی سے نجات دی ہے اور ان کے لئے سمندر کو کاٹا ان کے دشمن کو ہلاک و برباد کیا اور انہیں بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں پھر انہوں نے صریح شرک کا (حضرت موسیٰ علیہ السلام سے) سوال کر دیا ہے۔ (درمنثور: ج:3، ص:367 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کو بت بنا دینے کے سوال پر ناراض ہونا

جب بنی اسرائیل نے کہا: اے موسیٰ علیہ السلام ہمارے لیے بھی ایک ایسا معبود بنا دیجئے جس طرح کہ ان کے معبود ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بے شک جہالت کی باتیں کرتے ہو جس کام میں یہ لوگ مصروف ہیں وہ برباد ہونے والا ہے اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ سراسر غلط ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ○ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○ (الاعراف:138 تا 140)

موسیٰ نے کہا! بے شک تم جہالت کی باتیں کرتے ہو بے شک جس کام میں یہ لوگ مصروف ہیں وہ برباد ہونے والا ہے اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ سراسر غلط ہے اور موسیٰ نے کہا میں اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارے لئے کوئی اور معبود تلاش

کروں حالانکہ اس نے تمہیں (اس زمانہ میں) سب جہانوں والوں پر فضیلت دی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کو نجات کے بعد کتاب اللہ لا کر دینے کا فرمانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو پہلے ہی ارشاد فرما دیا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ ان کے دشمن کو ہلاک فرما دے گا تو وہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب لائیں گے جس کے اندر ان کے متعلق احکام بیان کیے گئے ہوں گے۔

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر میں بنی اسرائیل سے یہ وعدہ کیا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ ان کے دشمن کو ہلاک کر دے گا تو وہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب لائیں گے جس میں یہ بیان ہوگا کہ ان پر کیا کام کرنے فرض ہیں اور کیا کام ان کے لئے ممنوع ہیں۔ (تفسیر کبیر:؟؟)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنا کر تورات لینے کے لئے جانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چونکہ بنی اسرائیل کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ ان کو دشمن سے نجات عطا فرمائے گا تو وہ ان کے لئے کتاب اللہ لائیں گے اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب بنا کر کوہ طور پر توریت شریف لینے کے لئے تشریف لے گئے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ○ (الاعراف:142)

اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا پھر اس میں دس راتوں کا اضافہ کیا سو آپ کے رب کی مقررہ مدت مکمل چالیس راتیں ہو گئی اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا تم میری قوم میں میری جانشینی کرنا اور ٹھیک ٹھیک کام کرنا اور مفسدوں کے طریقہ پر کاربند نہ ہونا۔

تورات کا معنیٰ

بعض علماء کرام نے فرمایا کہ تورات کا لفظ توریہ سے ماخوذ ہے توریہ کنایہ کو کہتے ہیں چونکہ تورات میں زیادہ تر مثالیں ہیں اس لئے اس کو توریہ کہا گیا اور بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے اور عبرانی زبان میں تورات کا معنیٰ شریعت ہے یہ دوسری رائے زیادہ صحیح ہے۔

تورات سونے کے قلموں سے لکھی گئی تھی

امام ابو عبد الرحمٰن بن محمد بن ابی حاتم متوفی 327ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

تورات سونے کے قلموں سے لکھی گئی تھی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:5، ص:1562 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام عبد بن حمید اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نقل فرمایا ہے کہ

تورات سونے کی قلموں سے لکھی گئی۔ (در منثور: ج:3، ص:386 مطبوعہ کراچی)

تورات زمرد کی سات تختیوں میں عطا فرمائی تھی

تورات زمرد کی سات تختیوں میں عطا فرمائی تھی۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ابی حاتم متوفی 327ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات زمرد کی سات تختیوں میں عطا فرمائی تھی اس میں ہر چیز کا بیان تھا اور اس میں نصیحتیں لکھی ہوئی تھیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:5، ص:1562 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

تورات بیری کے پتوں پر لکھی ہوئی تھی

جو تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائی گئی تھی وہ بیری کے پتوں پر لکھی ہوئی تھی۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

جعفر بن محمد اپنے والد اور وہ اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو تورات نازل کی گئی تھی وہ بیری کے پتوں پر لکھی ہوئی تھی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:5، ص:1562 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

تورات کی لوح کا طول بارہ ہاتھ تھا

تورات کی لوح کا طول بارہ ہاتھ تھا۔

اور اس لوح کا طول بارہ ہاتھ تھا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:5، ص:1563 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم، ابو الشیخ اور ابن مردویہ رحمہم اللہ نے حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے اور انہوں نے اپنے والد محترم کے واسطہ سے اپنے دادا سے یہ روایت نقل کی ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ تختیاں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئیں وہ جنت کے بیری کے درخت سے بنی ہوئی تھیں اور ایک تختی کی لمبائی بارہ ذراع تھی۔ (در منثور: ج:3، ص:386 مطبوعہ کراچی)

تورات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا

امام عبدالرحمن بن محمد بن ابی حاتم متوفی 327ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

لوگ کہتے ہیں کہ تورات کی تختیاں یاقوت کی تھیں اور میں کہتا ہوں کہ وہ زمرد کی تھیں اور اس پر سونے سے لکھا ہوا تھا اور رحمن تبارک وتعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا اور آسمان والوں نے قلم چلنے کی آواز سنی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:5، ص:1563 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

رب تعالیٰ نے نور کی نہر سے سیاہی حاصل کی

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ وہ تختیاں جنت کے زبرجد اور زمرد کی بنی ہوئی تھیں رب تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم فرمایا تو وہ جنت عدن سے تختیاں لے کر آئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت کے ساتھ ان تختیوں پر اسی قلم کے ساتھ لکھا جس کے ساتھ ذکر (قرآن مجید) لکھا۔ رب تعالیٰ نے نور کی نہر سے سیاہی حاصل کی اور اس کے ساتھ تختیاں لکھیں۔ (درمنثور: ج:3، ص:386 مطبوعہ کراچی)

تورات کی تختیوں میں چلنے کی آواز سننا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: امام عبد بن حمید، ابن جریر اور ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہم نے بیان کیا ہے کہ

حضرت علی بن طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے تختیاں لکھیں اور وہ تختیوں میں چلنے کی آواز سن رہے تھے۔

(درمنثور: ج:3، ص:386 مطبوعہ کراچی)

اہل آسمان نے قلم چلنے کی آواز سنی

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وہ کہا کرتے تھے کہ وہ تختیاں یاقوت کی بنی ہوئی تھیں اور میں کہتا ہوں کہ وہ زبرجد کی تھیں ان کی کتابت سونے کی تھی اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت کے ساتھ انہیں لکھا اور اہل آسمان نے قلم چلنے کی آواز سنی۔ (درمنثور: ج:3، ص:386 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تختیاں زبرجد کی تھیں

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے حضرت ابو العالیہ سے روایت کیا ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تختیاں زبرجد کی تھیں۔ (در منثور: ج:3، ص:386 مطبوعہ کراچی)

رب تعالیٰ کا حضرت جبرائیل علیہ السلام کو جنت عدن سے تختیاں لانے کا حکم

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

ابن منذر نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت کیا ہے کہ

وہ تختیاں سبز زمرد کی تھیں رب تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم فرمایا تو وہ جنت عدن سے تختیاں لے آئے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت کے ساتھ ان پر اس قلم کے ساتھ لکھا جس کے ساتھ ذکر لکھا رب تعالیٰ نے نور کی نہر سے سیاہی حاصل کی اور اس کے ساتھ تختیاں لکھیں۔ (در منثور: ج:3، ص:386 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قلم کے چلنے کی آواز سننا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابو الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت کیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے تورات لکھی اس وقت آپ علیہ السلام چٹان کے ساتھ پشت لگا کر بیٹھے ہوئے تھے اور قلم چلنے کی آواز سن رہے تھے۔ تختیاں زمرد کی بنی ہوئی تھیں اور آپ علیہ السلام کے اور اللہ تعالیٰ کے مابین سوائے حجاب کے اور کچھ نہ تھا۔ (در منثور: ج:3، ص:386 مطبوعہ کراچی)

اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کے سوا اپنی مخلوق میں سے کسی چیز کو اپنے دست قدرت سے مس نہیں فرمایا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن شیبہ، عبد بن حمید اور ابن منذر نے حضرت حکیم بن جابر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ

انہوں نے فرمایا! اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کے سوا اپنی مخلوق میں سے کسی چیز کو اپنے دست قدرت سے مس نہیں کیا۔ جنت میں درخت اپنے دست قدرت سے لگائے اور اس کی مٹی ورس اور زعفران کی بنائی اور اس کے پہاڑ کستوری کے بنائے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے تخلیق فرمایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے تورات اپنے دست قدرت سے لکھی۔ (در منثور: ج:3، ص:387 مطبوعہ کراچی)

تورات بھی دست قدرت سے لکھی

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام عبد بن حمید رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت وروان بن خالد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے تخلیق فرمایا، حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اپنے دست

قدرت سے پیدا فرمایا، قلم کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا، عرش کو اپنے دست قدرت سے تخلیق فرمایا وہ کتاب جو اس کے پاس ہے اور کوئی غیر ان پر مطلع نہیں وہ اپنے دست قدرت سے لکھی اور تورات اپنے دست قدرت سے لکھی۔

(درمنثور: ج:3، ص:387 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زبرجد کی سات تختیوں میں تورات عطا فرمائی

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زبرجد کی سات تختیوں میں تورات عطا فرمائی اس میں ہر شے کی تفصیل اور پند و نصائح تھے جب آپ وہ لے کر آئے اور بنی اسرائیل کو بچھڑے کی عبادت پر لگا ہوا دیکھا تو آپ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے تورات پھینک دی اور وہ ٹوٹ گئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ میں سے چھ حصوں کو اٹھا لیا اور ساتواں حصہ باقی رکھا۔

(درمنثور: ج:3، ص:387 مطبوعہ کراچی)

اللہ تعالیٰ نے تورات اپنے دست قدرت سے لکھی

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام عبد بن حمید رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مغیث الشامی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول بیان کیا ہے کہ

مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کے سوا کسی چیز کو بھی اپنے دست قدرت سے تخلیق نہیں فرمایا۔ جنت میں اپنے دست قدرت سے درخت لگائے، حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور تورات اپنے دست قدرت سے لکھی۔ (درمنثور: ج:3، ص:387 مطبوعہ کراچی)

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے السنۃ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ قول بیان کیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی قدرت سے پیدا فرمایا، جنت عدن کو اپنے ہاتھ سے تخلیق کیا اور تورات اپنے ہاتھ سے لکھی پھر تمام چیزوں کے لئے فرمایا کن (تو ہو جا) تو وہ چیزیں معرض وجود میں آ گئیں۔

(درمنثور: ج:3، ص:387 مطبوعہ کراچی)

حضرت آدم علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمانا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو ہر شے کی تفصیل اور نصائح عطا فرمائے ہیں

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو موت کی دشواری لاحق ہوئی تو انہوں نے کہا: یہ حضرت آدم علیہ السلام کی وجہ سے ہے تحقیق

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک ایسے خاص گھر میں رکھا ہوا تھا جہاں پر موت طاری نہ ہوتی پس حضرت آدم علیہ السلام نے خطا کی اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہاں اتار دیا سو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا! اگر آدم علیہ السلام کو تمہاری طرف بھیج دیا جائے تو کیا تم ان سے مباحثہ کرو گے؟

آپ علیہ السلام نے عرض کی:

پس جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بھیجا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے سوال کیا اور کہا: اگر تم لغزش نہ کرتے تو ہم یہاں نہ ہوتے۔

تو جواب میں حضرت آدم علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کو فرمایا:

تحقیق اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو ہر شے کی تفصیل اور نصائح عطا فرمائے ہیں کیا تم یہ نہیں جانتے کہ "مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ط" (الحدید:22) نہیں آئی کوئی مصیبت زمین پر اور نہ تمہاری جانوں پر مگر وہ لکھی ہوئی ہے کتاب میں اس سے پہلے کہ ہم ان کو پیدا کریں۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

کیوں نہیں (ایسے ہی ہے) تو اس طرح حضرت آدم علیہ السلام مباحثہ میں ان پر غالب آ گئے۔

(تفسیر طبری: ج:9، ص:71 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

تختیوں میں امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تختیوں میں اپنے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا ذکر بھی کیا اور جو کچھ اپنے پاس ان کے لئے ذخیرہ کیے ہوئے ہے اور دین کے معاملے میں انہیں آسانیاں فراہم کی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں چیزوں کے بارے میں وسعت دی ہے جو ان کے لئے حلال کی ہیں سب تحریر کر دیا۔ (درمنثور: ج:3، ص:388 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت بنا دینے کی عرض

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام عبد بن حمید، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ رحمۃ اللہ علیہم نے حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

اے میرے رب عزوجل! میں تختیوں میں ایسی امت کا ذکر پاتا ہوں جو بعد میں آئیں گے لیکن قیامت کے دن پہلے اٹھیں گے وہ پیدا ہونے میں مؤخر ہیں اور جنت میں داخل ہونے کے اعتبار سے سابق اور مقدم ہیں پس انہیں میری امت بنا

دے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی:

اے میرے رب عزوجل! میں تختیوں میں ایک امت کا ذکر پاتا ہوں جو تمام امتوں سے بہتر اور افضل ہے اسے لوگوں کے لئے خیر امت بنا کر نکالا گیا ہے وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں سو تو ان کو میری امت بنادے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ تو احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی:

اے میرے رب عزوجل! میں تختیوں میں ایک امت کے بارے میں یہ پاتا ہوں کہ وہ پہلی اور آخری کتابوں پر ایمان رکھتے ہوں گے اور بڑھتی ہوئی گمراہی کرنے والوں کے ساتھ قتال کریں گے حتیٰ کہ کانے کذاب کو بھی قتل کردیں گے سو انہیں تو میری امت بنادے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ تو احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی:

اے میرے رب عزوجل! میں تختیوں میں ایک امت کا ذکر پاتا ہوں کہ اناجیل ان کے دلوں میں ہوں گے اور وہ انہیں پڑھتے ہوں گے۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

تم سے پہلے لوگ اپنی کتابیں دیکھ کر پڑھتے تھے اور جب انہیں اٹھالیا گیا تو انہیں اس کی کوئی شے حفظ نہ تھی اور نہ وہ اس کو یاد کرسکتے۔ اے امت حاضرہ! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک ایسی نعمت عطا فرمائی ہے جو تم سے پہلی امتوں میں سے کسی کو عطا نہیں فرمائی پس اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہی اس کے لئے خاص کیا ہے اور تمہیں ہی یہ عزت و کرامت عطا فرمائی ہے۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی:

انہیں میری امت بنادے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

پھر عرض کی۔

اے میرے رب عزوجل! میں تختیوں میں ایک ایسی امت کا ذکر پاتا ہوں کہ وہ اپنے صدقات خود کھائیں گے اور ان پر انہیں اجر بھی دیا جائے گا۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

تم سے پہلے لوگوں میں کوئی صدقہ کرتا تھا اور وہ اس سے قبول کرلیا جاتا تو اللہ تعالیٰ اس پر ایک آگ بھیجتا اور وہ اس کو کھا جاتی اور اگر وہ رد کردیا جاتا تو وہ پڑا رہتا اور پرندے، درندے اس کو کھا جاتے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے صدقات تمہارے اغنیاء سے فقراء کے لئے ہیں اور ان کے بدلے تم پر انتہائی رحمت فرمائی ہے اور اس کے عوض تم سے بے شمار تکالیف اور مصائب کو دور اور ہلکا کیا ہے۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی:

انہیں میری امت بنادے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

پھر عرض کی۔

اے میرے رب عزوجل! میں تختیوں میں ایسی امت کا ذکر پاتا ہوں کہ جب ان میں سے کوئی نیکی کا قصد کرے گا پھر وہ اس کے مطابق عمل بھی نہ کرے تو اس کے لئے نیکی لکھی جائے گی اور اگر اس کے مطابق عمل کرے گا تو اس کی مثل دس سے لے کر سات سو گنا تک نیکیاں لکھی جائیں گی پس تو انہیں میری امت بنادے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

پھر عرض کی۔

اے میرے رب عزوجل! میں تختیوں میں ایسی امت کا ذکر پاتا ہوں کہ جب کوئی ان میں سے برائی اور گناہ کا قصد کرے تو اس کے خلاف کچھ بھی نہیں لکھا جاتا حتیٰ کہ وہ اس کے مطابق عمل کرے اور اگر اس کے مطابق عمل کرے گا تو اس کے لئے ایک گناہ لکھا جائے گا پس تو انہیں میری امت بنادے۔

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

پھر عرض کی۔

اے میرے رب عزوجل! میں تختیوں میں ایک ایسی امت کا ذکر پاتا ہوں کہ وہ دعائیں کریں گے اور ان کی دعاؤں کو

قبول کیا جائے گا تو انہیں میری امت بنا دے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔(در منثور: ج:3،ص 391 تا 392 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام راضی ہو گئے

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول بیان کیا ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

اے میرے رب عزوجل! میں تختیوں میں ایک ایسی امت کا ذکر پاتا ہوں جو تمام امتوں سے بہتر اور افضل ہے اسے لوگوں کی طرف نکالا گیا ہے وہ انہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں پس تو انہیں میری امت بنا دے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں تختیوں میں ایک ایسی امت کا ذکر پاتا ہوں کہ جب ان میں سے کسی نے نیکی کا ارادہ کیا تو اس کے لئے ایک نیکی لکھی جائے گی اور جب اس نے اس کے مطابق عمل کیا تو اس کے لئے اس کی مثل دس سے لے کر سات سو گنا تک نیکیاں لکھی جائیں گی پس تو انہیں میری امت بنا دے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ تو احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں تختیوں میں ایسی امت کا ذکر پاتا ہوں کہ جب ان میں سے کسی نے گناہ کا ارادہ کیا اور اس کے مطابق عمل نہ کیا تو اس کے خلاف کچھ نہیں لکھا جائے گا اور جب اس کے مطابق عمل کیا تو اس کے لئے ایک گناہ لکھا جائے گا پس تو انہیں میری امت بنا دے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ تو احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں تختیوں میں ایک ایسی امت کا ذکر پاتا ہوں کہ اناجیل ان کے سینوں میں محفوظ ہوں گی تو انہیں میری امت بنا دے۔

رب کریم نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں تختیوں میں ایسی امت کا تذکرہ پاتا ہوں کہ وہ شفاعت کریں گے اور ان کی شفاعت قبول کی جائے گی تو انہیں میری امت بنادے۔

تو رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں تختیوں میں ایک ایسی امت کا تذکرہ پاتا ہوں جو قیامت کے دن دعا کریں گے اور ان کی دعا قبول کی جائے گی تو انہیں میری امت بنادے۔

تو رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ تو احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں تختیوں میں ایک ایسی امت کا ذکر پاتا ہوں جن کی ان لوگوں کے خلاف مدد کی جائے گی جنہوں نے ان کے ساتھ عداوت رکھی حتیٰ کہ وہ کانے دجال کو بھی قتل کردیں گے تو انہیں میری امت بنادے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ تو احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تختیاں اپنے ہاتھ سے پھینک دیں۔

اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں عرض کی۔

اے میرے رب عزوجل! مجھے احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے کردے۔

پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ○ (الاعراف:159)

تو اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام راضی ہوگئے۔ (درمنثور،ج:3،ص:392،مطبوعہ کراچی)

تورات میں مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی صفات

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابوالشیخ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول بیان کیا ہے کہ آپ کا یہ قول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنے رب عزوجل کے ساتھ ہم کلام ہونے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو جو شرف وکمال عطا کیا ہے اس کے بارے میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات پڑھی اور اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی مدح وتوصیف کے مقام پر پہنچے تو کہا۔ اے میرے رب عزوجل! یہ نبی کون ہے جسے اور ان کی امت کو تو نے اول بھی بنایا ہے اور آخر بھی؟

تو رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یہ نبی محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو امی، عربی، حرمی، تہامی اور قاذر بن اسماعیل کی اولاد سے ہیں میں نے انہیں اول بنایا ہے اس اعتبار سے کہ انہیں سب سے پہلے اٹھا کر میدان حشر میں لایا جائے گا اور میں نے انہیں آخر اس اعتبار سے بنایا ہے کہ میں نے آپ کے ساتھ رسولوں کا سلسلہ ختم کر دیا ہے۔ اے موسیٰ (علیہ السلام)! میں نے ان کی شریعت کے ساتھ دوسری شریعتوں کو، ان کی کتاب کے ساتھ دوسری کتابوں کو، آپ کی سنت کے ساتھ دیگر سنن کو اور ان کے دین کے ساتھ دیگر ادیان کو ختم کر دیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! بے شک تو نے مجھے چن لیا ہے اور مجھے شرف کلام عطا کیا ہے؟

تو رب کریم نے ارشاد فرمایا:

اے موسیٰ علیہ السلام! بے شک تو میرا اصفی ہے اور وہ میرا حبیب ہے قیامت کے دن میں اس کو ایک بلند مقام پر فائز فرماؤں گا میں نے ان کا حوض دیگر حوضوں کی نسبت وسیع وعریض بنایا ہے اس پر وارد ہونے والوں کی تعداد بھی کثیر ہے اور ان کی اتباع کرنے والے بھی کثیر ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! بتحقیق تو نے انہیں عزت وتکریم عطا فرمائی اور شرف وعظمت سے نوازا۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے موسیٰ علیہ السلام! میرے لیے ضروری ہے کہ میں انہیں عزت وتکریم عطا کروں اور انہیں اور ان کی امت کو فضیلت عطا کروں اس لیے کہ وہ میرے ساتھ ایمان لائیں گے اور میرے تمام رسولوں کے ساتھ، میرے تمام کلمات کے ساتھ اور میرے ہر قسم کے غیب کے ساتھ اور جو ان میں شاہد ہے یعنی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے وصال کے بعد یوم قیامت تک (وہ ایمان لائیں گے)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! کیا یہ ان کی صفت اور تعریف ہے۔

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ہاں۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! تو نے انہیں جمعہ عطا فرمایا ہے یا میری امت کو؟

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ہاں جمعہ تو ان کے لئے ہے تمہاری امت کے لئے نہیں۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے تورات میں ایک قوم کی صفت یہ دیکھی ہے وہ پنج کلیاں ہوں گے (یعنی وہ پانچ اعضاء جو دوران وضو دھوئے جاتے ہیں وہ روشن ہوں گے) وہ کون ہیں؟ کیا وہ بنی اسرائیل میں سے ہیں یا ان کے علاوہ کوئی اور ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے جن کے پانچ اعضاء وضو، وضو کے اثر کے سبب چمک رہے ہوں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے تورات میں ایسی قوم کا ذکر پایا ہے جو پل صراط سے بجلی اور ہوا کی طرح گزریں گے وہ کون ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے تورات میں ایک قوم کا ذکر پایا ہے کہ وہ پانچ نمازیں پڑھیں گے؟ وہ کون ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے تورات میں ایک قوم کے بارے میں یہ پایا ہے کہ وہ اپنے نصف تک (یعنی نصف پنڈلی تک) چادریں پہنیں گے وہ کون ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے تورات میں ایک قوم کا ذکر پایا ہے کہ انہیں ایک نیکی کا بدلہ دس ملیں گی اور ایک برائی کا بدلہ صرف ایک، وہ کون ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے تورات میں ایک قوم کا یہ وصف پایا ہے کہ وہ اپنی تلواریں سونتے ہوں گے اور کوئی حاجت (اور حرص) انہیں روک نہیں سکے گی وہ کون ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے تورات میں ایک قوم کے بارے یہ پایا ہے کہ جب وہ کوئی کام کرنے کا ارادہ کریں گے تو وہ تجھ سے استخارہ کریں گے اور پھر وہ کام شروع کریں گے پس وہ کون ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے تورات میں ایک قوم کی صفت یہ پائی ہے کہ ان کے نیکوکاران کے گناہ گاروں کے لئے شفاعت کریں گے سو وہ کون ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے تورات میں ایک قوم کی یہ صفت پائی ہے کہ بیت حرام کا حج کریں گے نہ وہ اس سے ہمیشہ دور رہیں گے اور نہ وہ اس سے مطلب برآری کی کوشش کریں گے پس وہ کون ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے تورات میں ایک قوم کی یہ صفت پائی ہے کہ ان کی قربانیاں ان کے خون ہوں گے وہ

کون ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے تورات میں ایک قوم کی صفت میں یہ پایا ہے کہ وہ تیرے راستے میں لشکر کی صفیں باندھ کر لڑیں گے اور ان پر صبر پوری قوت کے ساتھ طاری رہے گا وہ کون ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے تورات میں ایک قوم کی تعریف اس طرح پائی ہے کہ ان میں سے کوئی ایک گناہ کا ارتکاب کرے گا اور پھر وہ وضو کرلے گا تو اس کا وہ گناہ معاف کردیا جائے گا اور وہ نماز پڑھے گا تو اس کے لئے نماز گناہ کا عوض بنانے کی بجائے اضافی اور زائد بنا دی جائے گی پس وہ کون ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے تورات میں ایک قوم کا وصف اس طرح پایا ہے کہ وہ تیرے رسولوں کی شہادت دیں گے کہ انہوں نے تیرا پیغام لوگوں تک پہنچایا ہے پس وہ کون ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے تورات میں ایک قوم کے بارے میں پایا ہے کہ وہ صدقہ اپنے ہی پیٹوں میں ڈالیں گے (یعنی وہ خود ہی کھالیں گے) وہ کون لوگ ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے تورات میں ایک قوم کی تعریف اس طرح پائی ہے کہ ان کے لئے مال غنیمت حلال ہو

گا اور دیگر امتوں کے لئے یہ حرام ہے پس وہ کون ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے تورات میں ایک قوم کے بارے میں یہ پایا ہے کہ ان کے لئے زمین پاکیزہ اور جائے نماز بنادی جائے گی وہ کون لوگ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے تورات میں ایک قوم کے بارے میں یہ ذکر پایا ہے کہ ان میں سے ایک شخص سابقہ یعنی ان سے پہلی امتوں کے تیس افراد سے بہتر ہوگا پس وہ کون ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے موسیٰ (علیہ السلام) وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

ارشاد فرمایا:

امم ماضیہ کا ایک شخص امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فرد سے تیس گنا زیادہ عبادت کرتا ہے اور یہ ان سے تمام کتابوں کے ساتھ ایمان لانے کے سبب تیس گنا زیادہ بہتر ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے تورات میں ایک قوم کے بارے میں یہ پایا ہے کہ وہ تیرے ذکر کے لئے اکٹھے ہوں گے اور اسی کی بناء پر ایک دوسرے سے محبت کریں گے جیسا کہ گدھیں اپنے گھونسلوں میں اترتی ہیں پس وہ کون ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے تورات میں ایک قوم کا یہ وصف پایا ہے کہ جب وہ غصے میں ہوں گے تو تیرا ذکر کریں گے یعنی لا الٰہ الا اللہ کہیں گے اور جب جھگڑیں گے تو تیری تسبیح بیان کریں گے وہ کون ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

میں نے تورات میں ایک قوم کے بارے میں یہ پایا ہے کہ وہ تیری خوشنودی کے لئے اس طرح غضب ناک ہوں گے جیسے چیتا اپنی ذات کے لئے حالت جنگ میں غضب ناک ہوتا ہے وہ کون ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے تورات میں ایک قوم کی یہ صفت پائی ہے کہ ان کے اعمال اور ارواح کے لئے آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور ملائکہ ان کے ساتھ ساتھ رہیں گے پس وہ کون ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے تورات میں ایک قوم کی یہ تعریف پائی ہے کہ درخت اور پہاڑ انہیں اپنے پاس سے گزرتے وقت بشارت اور خوشخبری دیں گے اس لیے کہ وہ تیری تسبیح و تقدیس بیان کریں گے پس وہ کون ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے تورات میں ایک قوم کا یہ وصف دیکھا ہے کہ مصیبت کے وقت کے لئے انہیں استرجاع (انا للہ وانا الیہ راجعون) کہنا عطا کیا گیا ہے اور انہیں مصیبت کے وقت کی نماز، رحمت اور ہدایت عطا کی گئی ہے سو وہ لوگ کون ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے تورات میں ایک قوم کی یہ تعریف پائی ہے کہ تو اور تیرے فرشتے ان پر صلاۃ بھیجتے ہیں پس وہ کون ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے تورات میں ایک قوم کا یہ وصف پایا ہے کہ ان کے نیکوکار بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ ان کے میانہ رو لوگوں سے آسان سا حساب لیا جائے گا اور ان میں سے ظلم کرنے والے کو بخش دیا جائے گا پس وہ کون ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! تو مجھے بھی ان میں سے کر دے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے موسیٰ (علیہ السلام)! تو ان میں سے ہے اور وہ تجھ سے ہیں کیونکہ تو بھی میرے دین پر ہے اور وہ بھی میرے دین پر ہیں لیکن میں نے تجھے اپنی پیغامبری اور اپنے کلام کے سبب فضیلت دی ہے پس تم شکر کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے تورات میں ایک قوم کا وصف اس طرح پایا ہے کہ قیامت کے دن انہیں اٹھایا جائے گا تو ان کی صفیں مشرق و مغرب کے درمیان ساری جگہ بھر دیں گی ان پر موقف کو آسان کر دیا جائے گا اور دیگر امتوں میں سے کوئی بھی ان کی فضیلت کو نہیں پا سکے گا سو وہ کون ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے تورات میں ایک قوم کا یہ وصف پایا ہے کہ ان کی روحیں ان کے بستروں پر قبض کی جائیں گی اور وہ میرے نزدیک شہید ہوں گے پس وہ کون ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے تورات میں ایک قوم کی تعریف اس طرح پائی ہے کہ وہ تیرے بارے میں کبھی لومۃ لائم (ملامت کرنے والے کی ملامت) سے خوفزدہ نہیں ہوں گے پس وہ کون ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے تورات میں ایک قوم کی یہ صفت دیکھی ہے کہ وہ مومنین کے لئے انتہائی نرم ہوں گے اور کفار پر انتہائی سخت ہوں گے وہ کون ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے تورات میں ایک قوم کی یہ صفت پائی ہے کہ ان میں سے صدیق تمام صدیقین سے افضل ہوگا؟ پس وہ کون ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! تو نے انہیں عزت وتکریم اور فضیلت دی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے موسیٰ (علیہ السلام)! وہ اسی طرح میرا نبی، صفی اور میرا حبیب ہے اور ان کی امت سب سے بہتر اور افضل امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے تورات میں ایک قوم کا یہ وصف پایا ہے کہ دیگر امتوں کے لئے جنت میں داخل ہونا حرام کیا گیا ہے حتیٰ کہ ان کا نبی اور اس کی امت جنت میں داخل ہو جائے پس وہ کون ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! بنی اسرائیل کا کیا حال ہوگا؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے موسیٰ (علیہ السلام)! آپ کی قوم بنی اسرائیل آپ کے بعد آپ کے دین کو تبدیل کر دے گی اور آپ کی وہ کتاب جو آپ پر نازل کی گئی ہے اس میں تغیر اور تبدیلی کر دیں گے اور محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ان کی سنت کو تبدیل نہیں

کرے گی اور اس کتاب کو باطل نہیں کریں گے جوان پر نازل کی جائے گی حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے گی اس لیے میں نے عزت وکرامت کا تاج انہیں پہنایا ہے اور انہیں تمام امتوں پر فضیلت دی ہے اور ان کے نبی کو افضل الانبیاء بنایا ہے وہ حشر میں اول ہوں گے، زمین پھٹنے میں بھی اول ہوں گے، شفاعت کرنے میں اول ہوں گے اور سب سے پہلے انہی کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے تورات میں ایک قوم کی یہ صفت پائی ہے کہ وہ بڑے حلیم اور علماء ہوں گے اور وہ اپنی فقاہت کے سبب انبیاء کرام علیہم السلام کے مقام ومرتبہ کے قریب تک پہنچ جائیں گے پس وہ کون ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔ اے موسیٰ (علیہ السلام) انہیں اول وآخر کا علم عطا کیا گیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا: اے میرے رب عزوجل! میں نے تورات میں ایک قوم کا ذکر پایا ہے ان کے سامنے دسترخوان رکھا جائے گا اور وہ اس کو نہیں اٹھائیں گے حتیٰ کہ ان کی مغفرت کر دی جائے گی سو وہ کون ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے تورات میں ایک قوم کا یہ وصف پایا ہے کہ ان میں سے کوئی کپڑا پہنے گا اور وہ اس کو نہیں جھاڑے گا حتیٰ کہ ان کی مغفرت کر دی جائے گی۔ وہ کون ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں تورات میں ایک قوم کا یہ وصف پاتا ہوں کہ جب وہ جانوروں کی پیٹھوں پر بیٹھیں گے تو وہ تیری حمد وثناء کریں گے اور ان کی مغفرت کر دی جائے گی وہ کون لوگ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔ اے موسیٰ (علیہ السلام) وہ تو میرے وہ دوست (اولیاء) ہیں جن کے سبب میں آگ اور بتوں کے پجاریوں سے انتقام لوں گا۔ (درمنثور: ج:3،ص 393 تا 396 مطبوعہ کراچی)

تورات میں امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اولین وآخرین امت ہونے کا ذکر

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مبارکہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جب تورات نازل ہوئی اور آپ علیہ السلام نے اس کو پڑھا تو اس میں اس امت کا ذکر پایا اور عرض کیا: اے میرے رب عزوجل! میں تختیوں میں ایسی امت کا ذکر پاتا ہوں جو الاخرون السابقون ہیں تو اسے میری امت بنا دے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ تو احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں تختیوں میں ایسی امت کا ذکر پاتا ہوں وہ دعا کریں گے اور ان کی دعا قبول کی جائے گی پس تو اس کو میری امت بنا دے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں تختیوں میں ایک امت کا ذکر پاتا ہوں کہ اناجیل ان کے سینوں میں ہوں گے وہ اس کو پڑھیں گے پس تو اس کو میری امت بنا دے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں تختیوں میں ایک امت کا ذکر پاتا ہوں جو مال فے کھائیں گے پس تو اس کو میری امت بنا دے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں تختیوں میں ایک ایسی امت کا ذکر پاتا ہوں جو صدقہ خود کھائیں گے اور انہیں اس پر اجر دیا جائے گا تو اس کو میری امت بنا دے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں تختیوں میں ایک امت کا ذکر پاتا ہوں کہ جب ان میں سے کوئی نیکی کا ارادہ رکھے گا اور پھر وہ اس کے مطابق عمل نہ کرے تو بھی اس کے لئے ایک نیکی لکھی جائے گی اور اگر اس نے اس کے مطابق عمل کیا تو اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی تو اس کو میری امت بنا دے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں تختیوں میں ایک ایسی امت کا ذکر پاتا ہوں جنہیں اول وآخر کا علم دیا جائے گا اور وہ ضلالت وگمراہی کے ساتھیوں اور مسیح دجال کو قتل کریں گے پس تو اس کو میری امت بنا دے۔

تو رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! پھر تو مجھے احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت سے کردے تو اس وقت آپ کو دو خصلتیں عطا کی گئیں۔

اور ارشاد فرمایا:

یٰمُوْسٰۤی اِنِّی اصْطَفَیْتُكَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَ بِكَلَامِیْ ﳲ فَخُذْ مَاۤ اٰتَیْتُكَ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ۝

تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں راضی ہوں۔ (درمنثور: ج: 3، ص 396 تا 397 مطبوعہ کراچی)

تورات میں امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہتر اور افضل ہونے کا ذکر

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں۔

امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل میں عبدالرحمٰن مناضری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی حاکم کو روتے ہوئے دیکھا تو اس کو کہا! میں تجھے اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر کہتا ہوں وہ بات جس نے تجھے رونے پر مجبور کردیا ہے اگر اس کی خبر میں تجھے دے دوں تو کیا تو میری تصدیق کرے گا۔

تو اس نے کہا:

ہاں ضرور (تصدیق کروں گا)

آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

میں تجھے اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ کیا تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کی گئی کتاب میں یہ پاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات میں دیکھا اور کہا: اے میرے رب عزوجل! میں تورات میں ایک ایسی امت کا ذکر پاتا ہوں جو سب امتوں سے بہتر اور افضل ہے اس کو لوگوں کی طرف نکالا گیا ہے وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں وہ پہلی اور آخری سب کتابوں کے ساتھ ایمان لائیں گے گمراہ لوگوں کے ساتھ جنگ کریں گے حتیٰ کہ کانے دجال کو قتل کردیں گے۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! انہیں میری امت بنادے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

اس عالم نے کہا:

ہاں مجھے یہی بات یاد آئی جس کے سبب میں رونے لگا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں تجھے اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کردہ کتاب میں یہ پاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات میں دیکھا اور کہا: اے میرے رب عزوجل! میں ایک امت کا ذکر پاتا ہوں کہ دشمنوں سے الفت کرنے والا یہ کہے گا! اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں ایسا کروں گا پس تو انہیں میری امت بنادے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ تو احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

اس عالم نے کہا:

ہاں اسی طرح ہے۔

پھر حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں تجھے اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں! کیا تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کردہ کتاب میں یہ پاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات میں دیکھا اور کہا: اے میرے رب عزوجل! میں ایسی امت کا ذکر پاتا ہوں کہ جب ان میں سے کوئی بلندی پر چڑھے گا تو اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی کا ذکر کرے گا اور جب کسی وادی میں اترے گا تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرے گا۔ مٹی ان کے لئے پاکیزہ بنادی جائے گی اور زمین ان کے لئے مسجد ہوگی جہاں وہ چاہیں گے جنابت سے طہارت حاصل کرسکیں گے مٹی کے ساتھ ان کا طہارت حاصل کرنا پانی کے ساتھ طہارت حاصل کرنے کی طرح ہوگا جہاں وہ پانی نہیں

پائیں گے وضو کے اثر سے ان کے اعضائے وضو چمک رہے ہوں گے پس تو انہیں میری بنادے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ تو احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

تو اس عالم نے کہا:

ہاں یعنی یہ چیز مجھے رونے پر مجبور کر رہی تھی۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں تجھے اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تو نے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب میں پایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات میں دیکھا اور کہا: اے میرے رب عزوجل! میں ایک کمزور ناتواں امت مرحومہ کا ذکر پاتا ہوں جو کتاب کے وارث ہوں گے اور تو نے انہیں چن لیا ہے فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ (فاطر:32) پس بعض ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض درمیان رو ہیں اور بعض سبقت لے جانے والے ہیں نیکیوں میں اور میں ان میں سے کسی کو بھی نہیں پاتا مگر یہ کہ اس پر رحم کیا گیا ہے پس تو انہیں میری امت بنادے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

اس عالم نے کہا: ہاں اسی طرح ہے۔

پھر حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں تجھے اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کی جانے والی کتاب میں پاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات میں دیکھا اور کہا: اے میرے رب عزوجل! میں ایک امت کا ذکر تورات میں پاتا ہوں کہ ان کے مصاحف ان کے سینوں میں ہوں گے اور وہ اہل جنت کے کپڑوں کی طرح کا لباس پہنیں گے۔ اپنی نمازوں میں ملائکہ کی صفوں کی طرح صفیں باندھیں گے اور مساجد میں ان کی آوازیں شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی مثل ہوں گی۔ ان میں سے کوئی بھی جہنم میں داخل نہیں ہوگا مگر وہی جو نیکیوں سے اس طرح بری اور خالی ہو جیسے پتھر درخت کے پتوں سے خالی ہو جاتا ہے سو تو انہیں میری امت بنادے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ تو احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہے۔

اس عالم نے کہا:

ہاں اسی طرح ہے۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام خیر و برکت اور عظمت سے آگاہ ہوئے جس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو نوازا تو کہہ اٹھے۔ اے کاش میں احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں

سے ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تین آیات وحی فرمائیں جن کے سبب اللہ تعالیٰ آپ کو راضی کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یٰمُوْسٰۤی اِنِّی اصْطَفَیْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَ بِكَلَامِیْ ۫ۖ صلے

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام مکمل طور پر راضی ہو گئے۔ (درمنثور، ج:3، ص397 تا 399 مطبوعہ کراچی)

زمین کی ہر بالشت کے بارے میں اس تورات میں لکھا ہوا ہے

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام طبرانی اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہما نے دلائل میں حضرت محمد بن یزید ثقفی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ قیس بن خرشہ اور کعب الاحبار رضی اللہ عنہما دونوں ایک ساتھ تھے حتیٰ کہ جب وہ صفین پہنچے تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ رکے اور تھوڑی دیر غور کرتے رہے پھر کہا کہ اس مقام پر مسلمانوں کا اس قدر خون بہایا جائے گا کہ اس کی مثل زمین کے کسی حصہ میں نہیں بہایا جائے گا۔

تو حضرت قیس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

آپ کو کون سی چیز بتا رہی ہے کیونکہ یہ تو وہ غیب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کیا ہوا ہے؟

تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

زمین کی ہر بالشت کے بارے میں اس تورات میں لکھا ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی ہے کہ جو کچھ قیامت تک اس پر ہوگا اور جو کچھ اس سے نکلے گا۔ (درمنثور، ج:3، ص:399 مطبوعہ کراچی)

تورات میں پیٹ بھر کر کھانے والے کے لئے حکم

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے الزہد میں حضرت خالد ربعی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول بیان کیا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کردہ کتاب میں پڑھا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے ہاتھ بلند کر کے یہ کہہ رہے ہیں۔ اے میرے رب عزوجل! تیرے مومن بندوں نے مجھے قتل کیا ہے۔ (درمنثور، ج:3، ص:399 مطبوعہ کراچی)

تورات میں رحم کرنے کا حکم

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول بیان کیا ہے کہ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ تورات میں لکھا ہوا ہے اے ابن آدم! تو رحم کر۔ تجھ پر رحم کیا جائے گا بے شک جو رحم نہیں کرتا تو کیسے یہ امید رکھتا ہے کہ میں تجھ پر رحم کروں گا حالانکہ تو میرے بندوں پر رحم نہیں کرتا۔ (درمنثور، ج:3، ص:400 مطبوعہ کراچی)

تورات میں نماز پڑھنے والے کے لئے حکم

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

میں نے تورات میں یہ پڑھا ہے! اے ابن آدم میرے سامنے کھڑے ہو کر اپنی نماز میں روتے ہوئے عجز کا اظہار نہ کر کیونکہ میں اللہ تعالیٰ ہوں جو تیرے دل کے قریب ہوں اور غیب سے تو میرا نور دیکھتا ہے۔

حضرت مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اس نور سے مراد وہ حلاوت ہے اور سرور ہے جو بندہ مومن کو حاصل ہوتا ہے۔ (حلیۃ الاولیاء: ج:2، ص:399 مطبعۃ السعادۃ مصر)

تورات میں مشاورت نہ کرنے والے کے لئے حکم

حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

چار حروف ہیں جو تورات میں لکھے ہوئے ہیں۔

جس نے مشاورت نہ کی وہ ندامت اٹھائے گا۔ (حلیۃ الاولیاء: ج:4، ص:48 مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر)

تورات میں غنا کا اظہار کرنے والے کے لئے حکم

جس نے غنا کا اظہار کیا وہ ترجیح پا جائے گا۔ (حلیۃ الاولیاء: ج:2، ص:48 مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر)

تورات میں فقر وافلاس کا حکم

فقر وافلاس سرخ موت ہے۔ (حلیۃ الاولیاء: ج:2، ص:48 مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر)

تورات میں جیسا تو کرے گا ویسا ہی تیرے ساتھ کیا جائے گا لکھا ہونا

اور جیسا تو کرے گا ویسا ہی تیرے ساتھ کیا جائے گا۔ (حلیۃ الاولیاء: ج:2، ص:48 مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر)

تورات میں عبادت کی ترغیب کا بیان

حضرت خیثمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ تورات میں لکھا ہوا ہے۔ اے ابن آدم! میری عبادت کے لئے فارغ ہو تیرا دل غنا سے بھر جائے گا اور تیرے فقر کا ازالہ ہو جائے گا اور اگر تو اس طرح نہیں کرے گا تو تیرا دل کام سے بھر جائے گا اور تیرا فقر دور نہیں ہوگا۔ (حلیۃ الاولیاء: ج:4، ص:17 مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر)

تورات میں کم کھانے پر ترغیب

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ تورات میں لکھا ہوا ہے۔ اے ابن آدم! ٹوٹا ہوا ٹکڑا (یعنی کھانے کا ٹکڑا) تجھے کفایت کرے گا۔ خرق (کپڑے کا ٹکڑا) تجھے ڈھانپ لے گا اور پتھر تجھے پناہ دے گا۔ (کتاب الزہد: ص:18 مطبوعہ بیروت)

جیسے تم رحم کرتے ہو اسی طرح تم پر رحم کیا جائے گا

حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

مجھ تک خبر پہنچی ہے کہ تورات میں لکھا ہے جیسے تم رحم کرتے ہو اسی طرح تم پر رحم کیا جائے گا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج:5، ص:215 مطبوعہ مکتبۃ الزمان مدینہ منورہ)

تورات میں چہرہ کشادہ اور خنداں رکھنے کا حکم

حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

تورات میں لکھا ہوا ہے کہ چاہئے تیرا چہرہ کشادہ اور خنداں ہو اور تیرا کلام حسین اور پاکیزہ ہو تو لوگوں کے نزدیک ان لوگوں سے بڑھ کر محبوب ہو جائے گا جو انہیں عطیات دیتے ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ج:5، ص:212 مطبوعہ مکتبۃ الزمان مدینہ منورہ)

تورات میں رب تعالیٰ سے ڈرنے، والدین کے ساتھ حسن سلوک، رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کا حکم

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قسم ہے اس ذات کی جس نے بنی اسرائیل کے لئے سمندر پھاڑ دیا تورات میں لکھا ہوا ہے۔ اے ابن آدم! اپنے رب عزوجل سے ڈر، اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کر، اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کر تو تیرے لیے تیری عمر میں اضافہ کر دیا جائے گا، آسانی اور خوشحالی کو تیرے لیے آسان بنا دیا جائے گا اور تنگی اور تکلیف کو تجھ سے پھیر دیا جائے گا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج:5، ص:217 مکتبۃ الزمان مدینہ منورہ)

تورات میں شہوات دنیا پر غالب آنے کا بیان

حضرت ابو الجوزاء رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ اگر تیرے لیے باعث مسرت یہ ہے کہ تو زندہ رہے اور تو علم الیقین تک پہنچ جائے تو پھر ہر وقت یہ کوشش کر کہ تو شہوات دنیا پر غالب آ جائے کیونکہ جو شہوات دنیا پر غالب آ جاتا ہے تو شیطان اس کے سائے سے دور بھاگتا ہے۔ (نوادر الاصول: ص:26 مطبوعہ بیروت)

تورات لکھنے سے قبل حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے السنہ میں اور ابو الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے تورات لکھے۔ تو فرمایا: اے جبرائیل علیہ السلام! تو جنت میں داخل ہو اور جنت کے درخت سے میرے پاس دو تختیاں لا۔ پس حضرت جبرائیل علیہ السلام جنت میں داخل ہوئے تو جنت کے یاقوت کے درختوں میں سے ایک درخت آپ کی طرف متوجہ ہوا آپ نے اس سے دو تختیاں کاٹیں اور اس درخت

نے آپ کی اس بارے معاملہ میں اتباع کی جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا تھا آپ ان دونوں تختیوں کو لے کر رحمٰن کی بارگاہ مقدسہ میں حاضر ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے ان دونوں کو پکڑا جونہی اللہ تعالیٰ نے انہیں مس کیا تو دونوں تختیاں نور ہو گئیں اور عرش کے نیچے ایک نہر ہے جس میں نور چلتا ہے۔ حاملین عرش میں سے کوئی نہیں جانتا وہ کہاں سے آرہا ہے نہ کوئی یہ جانتا ہے کہ وہ کہاں جا رہا ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے اور جب رحمٰن نے اس سے سیاہی حاصل کر لی وہ خشک ہو گئی اور پھر جاری نہ ہوئی پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تورات اپنے دست قدرت سے لکھ دی تو دونوں تختیاں انہیں عطا فرما دیں اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں پکڑا تو وہ تختیاں پتھر بن گئیں پھر جب آپ بنی اسرائیل اور حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف لوٹ کر آئے تو آپ انتہائی غصے میں تھے آپ نے انہیں داڑھی اور سر کے بالوں سے پکڑا اور انہیں اپنی طرف کھینچنے لگے تو حضرت ہارون علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کو کہا۔

قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَ كَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ ﺯصلے (الاعراف:150)

ہارون نے کہا: اے میری ماں جائے! اس قوم نے کمزور و بے بس بنا دیا مجھے اور قریب تھا کہ قتل کر دیں مجھے اور اس کے ساتھ ساتھ میں تمہارے پاس آنے سے خوفزدہ رہا اور آپ کہہ رہے ہیں کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا ہے اور میرے قول کا انتظار نہیں کیا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کریم عزوجل سے استغفار کیا اور اپنے بھائی کے لئے بھی استغفار کیا اور تختیاں ٹوٹ گئیں جب آپ نے انہیں اپنے ہاتھ سے پھینکا تھا۔ (درمنثور، ج:3، ص:402 مطبوعہ کراچی)

تورات میں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن شیبہ نے کردوس ثعلبی سے یہ روایت کیا ہے کہ

تورات میں لکھا ہوا ہے کہ تقویٰ اختیار کر تو اس کے سبب بچ جائے گا کیونکہ بچاؤ تقویٰ میں ہے تم رحم کرو تم پر رحم کیا جائے گا۔ تم توبہ کرو تمہاری توبہ قبول کی جائے گی۔ (درمنثور، ج:3، ص:402 مطبوعہ کراچی)

تورات میں غصہ کرنے والے کے لئے حکم

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت وہیب المکی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ

مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تورات میں لکھا ہوا ہے۔ اے ابن آدم! جب تو غصے میں ہو تو میرا ذکر کر اور جب میں غصے میں ہوا تو میں تیرا ذکر کروں گا اور میں تجھے ان کے ساتھ ہلاک نہیں کروں گا جنہیں میں ہلاک کروں گا اور جب تجھ پر ظلم کیا جائے تو اپنے لئے میری نصرت پر راضی ہو جا کیونکہ تیرے لیے میری نصرت اس سے بہتر ہے جو تیری نصرت اپنے آپ کے لئے ہے۔

(درمنثور، ج:3، ص:400 مطبوعہ کراچی)

تورات میں میراث کے معاملات میں ایک دوسرے پر ظلم وزیادتی نہ کرنے کا حکم

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت الحسن بن ابی الحسن رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت کیا ہے کہ

بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جمع ہوئے اور کہنے لگے تورات ہم پر بڑی بھاری اور ثقیل ہے سو آپ ہمیں مجموعی طور پر ایسے امر سے آگاہ کریں جس میں تخفیف ہو تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ آپ کی قوم نے آپ سے سوال کیا ہے؟

آپ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! تو خود اچھی طرح جانتا ہے۔

تو رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

بے شک میں نے تمہیں بھیجا تا کہ ان کی جانب سے پیغام مجھے پہنچائے اور میری جانب سے انہیں پہنچائے تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ انہوں نے مجھ سے مجموعی طور پر ایسے امر کے بارے سوال کیا ہے جس میں تخفیف ہو اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ تورات ان پر بڑی ثقیل ہے تو اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

تم انہیں یہ کہو کہ وہ میراث کے معاملات میں ایک دوسرے پر ظلم وزیادتی نہ کریں تمہارے پاس گھر میں کوئی آدمی بغیر اجازت کے داخل نہ ہو اور چاہیئے کہ کھانے کے بعد اس طرح وضو کریں جس طرح نماز کے لئے کیا جاتا ہے پس انہوں نے اس کو بہت ہلکا سمجھا پھر وہ اس پر بھی کاربند نہ رہ سکے۔

راوی فرماتے ہیں کہ

تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

1- جو بات کرے وہ جھوٹ نہ بولے۔

2- جو وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی نہ کرے۔

3- جس کو امین بنایا جائے تو وہ خیانت نہ کرے۔

4،5،6- اور تم اپنے ہاتھوں، آنکھوں اور شرم گاہوں کی حفاظت کرو۔ (درمنثور: ج:3،ص:401 مطبوعہ کراچی)

وہ آدمی جس کا علم بڑھتا ہے اس میں خوف اور اضطراب بھی بڑھتا ہے

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ

میں نے تورات میں پڑھا ہے وہ آدمی جس کا علم بڑھتا ہے اس میں خوف اور اضطراب بھی بڑھتا ہے اور فرمایا تورات میں لکھا ہوا ہے وہ آدمی جس کا پڑوسی گناہ کا عمل کرتا ہے اور وہ اس کو منع نہ کرے تو وہ بھی اس کے ساتھ شریک ہوگا۔

(درمنثور: ج:3 ص:401 مطبوعہ کراچی)

تورات میں اے ابن آدم! تو میری یاد دلاتا ہے اور خود مجھے بھلا دیتا ہے لکھا ہونا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت کیا ہے کہ

بے شک تورات میں لکھا ہوا ہے۔ اے ابن آدم! تو میری یاد دلاتا ہے اور خود مجھے بھلا دیتا ہے تو میری طرف دعوت دیتا ہے اور خود مجھ سے بھاگتا ہے میں تجھے رزق دیتا ہوں اور تو عبادت میرے غیر کی کرتا ہے۔ (درمنثور: ج:3 ص:401 مطبوعہ کراچی)

تورات میں رزق کے حصول کی ترغیب کا بیان

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ اور ان کے بیٹے نے ولید بن عمر رحمۃ اللہ علیہما سے یہ قول بیان کیا ہے کہ

مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ تورات میں لکھا ہوا ہے۔

اے ابن آدم! اپنے ہاتھوں کو حرکت دے تیرے لیے رزق کا دروازہ کھول دیا جائے گا اور میں جن کاموں کا تجھے حکم دیتا ہوں ان میں میری اطاعت کر پس میں بذات خود ان امور کو بہتر جانتا ہوں جو تیری اصلاح کر سکتے ہیں۔

(درمنثور: ج:3 ص:401 مطبوعہ کراچی)

تورات میں ابن آدم پر توکل نہ کرنے کا بیان

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ نے عقبہ بن زینب رحمۃ اللہ علیہما سے روایت کیا ہے کہ

تورات میں لکھا ہوا ہے کہ تو ابن آدم پر توکل نہ کر کیونکہ ابن آدم غافل ہے بلکہ تو اس حی پر توکل کر جس کو موت نہیں آئے گی۔

اور تورات میں لکھا ہوا ہے کہ

حضرت کلیم اللہ موسیٰ علیہ السلام کو موت آگئی تو اور کون ہے جس کو موت نہیں آئے گی۔ (درمنثور: ج:3 ص:401 مطبوعہ کراچی)

تورات میں دنیا سے محبت کرنے والے کا بیان

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت کیا ہے کہ

میں نے اس کتاب میں پایا ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی کہ جو آدمی دنیا سے محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو مبغوض جانتا ہے اور جو دنیا سے بغض رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرماتا ہے اور جو دنیا کی عزت و تکریم کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو رسوا کر دیتا ہے اور جو دنیا کو ذلیل و حقیر جانتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو عزت و تکریم عطا فرماتا ہے۔

(در منثور: ج:3،ص: 401 مطبوعہ کراچی)

ہم نے تمہیں شوق دلایا اور تم مشتاق نہیں ہوئے

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں حضرت وہب بن منبہ سے یہ روایت کیا ہے کہ

تورات میں لکھا ہوا ہے ہم نے تمہیں شوق دلایا اور تم مشتاق نہیں ہوئے ہم تمہاری طرف مائل ہوئے اور تم روئے نہیں۔ خبردار! ہر رات اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک فرشتہ آسمان سے ندا دیتا ہے۔ اے قتل کرنے والو! تمہیں بشارت ہو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ان کے لئے ایسی تلوار ہے جو کبھی کند نہیں ہوگی اور وہ جہنم کی آگ ہے چالیس برس کے لوگ اسی کھیتی کی مثل ہیں جس کو ہم نے کاٹ دیا ہے۔ پچاس سال کی عمر کے لوگو! حساب کی طرف آؤ تمہارا کوئی عذر نہیں ہے۔ اے ساٹھ برس کی عمر پانے والو! تم نے آگے کیا بھیجا اور پیچھے کیا چھوڑا اور اے ستر برس عمر پانے والو! تم کیا انتظار کر رہے ہو! کاش مخلوق نہ ہوتی اور وہ پیدا نہ کیے جاتے اور جب انہیں پیدا کر دیا گیا تو وہ جانتے ہیں انہیں کیوں پیدا کیا گیا ہے۔ خبردار سنو! قیامت تمہارے قریب آ چکی ہے پس اپنی احتیاط کو لازم پکڑو۔ (در منثور: ج:3،ص:390 مطبوعہ کراچی)

تم اپنے بھائی کے مال اور اپنے بھائی کی بیوی کی خواہش نہ کرو

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابوالشیخ نے حضرت میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے جو کچھ تختیوں میں لکھا اس میں یہ بھی ہے کہ تم اپنے بھائی کے مال اور اپنے بھائی کی بیوی کی خواہش اور آرزو نہ کرو۔ (در منثور: ج:3،ص:390 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پہلی تختی میں دس ابواب کا بیان

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن مردویہ، ابونعیم نے حلیہ میں اور ابن لال نے معارم اخلاق میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تختیوں میں جو عطا فرمایا ان میں سب سے پہلے پہلی تختی میں جو لکھا ہوا ہے وہ دس ابواب ہیں۔

اے موسیٰ (علیہ السلام)! میرے ساتھ کسی شے کو شریک نہ ٹھہرا کیونکہ میری جانب سے یہ قول برحق ہے کہ ضرور بہ ضرور

مشرکین کے چہروں کو آگ میں جھلسایا جائے گا۔ میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو۔ میں تجھے مصنوعی دوستی کرنے والے سے محفوظ رکھوں گا اور تیری عمر میں اضافہ کروں گا اور تجھے پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھوں گا پھر تجھے اس سے بہتر کی طرف لوٹا دوں گا اس نفس کو حق کے سوا قتل نہ کرو جس کو میں نے حرام کیا ہے ورنہ زمین اپنی وسعتوں کے باوجود اور آسمان اپنی اطراف و اکناف کے باوجود تم پر تنگ ہو جائیں گے اور تو میری ناراضگی اور جہنم کو اپنا ٹھکانہ بنائے گا میرے نام کے ساتھ جھوٹی قسم نہ اٹھاؤ اور نہ گناہ کا ارتکاب کرتے ہوئے قسم اٹھاؤ کیونکہ جو مجھے پاک نہیں کرتا اور میرے اسماء کی تعظیم و تکریم نہیں کرتا میں اس کو کبھی پاک نہیں کرتا اور میں نے لوگوں کو اپنے فضل میں سے جو کچھ عطا فرما رکھا ہے اس پر لوگوں سے حسد نہ کرو اور نہ ہی ان سے میرا انعام اور رزق دور ہٹاؤ کیونکہ حسد کرنے والا میری نعمت کا دشمن ہے میرے فیصلے کو روکنے والا ہے اور میری اس تقسیم پر ناراض ہونے والا ہے جو میں اپنے بندوں کے درمیان کرتا ہوں اور جو اس طرح نہ ہو پس میں اس سے نہیں اور وہ مجھ سے نہیں (یعنی میرا اس سے کوئی تعلق نہیں اور اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں) اور ایسے معاملے کی شہادت نہ دو جسے تمہارے کانوں نے سنا نہ ہو، تمہاری عقل و دماغ نے یاد نہ کیا ہو اور تمہارے دل نے اس پر یقین نہ کیا ہو کیونکہ میں قیامت کے دن شہادت دینے والوں کو ان کی شہادتوں کی بناء پر کھڑا کروں گا اور پھر شہادت کے بارے ان سے انتہائی تیز سوال کروں گا نہ زنا کرو، نہ چوری کرو اور نہ اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ بدکاری کرو ورنہ میں تم سے اپنے چہرے کو چھپالوں گا اور تمہارے لیے آسمان کے دروازے بند کر دیے جائیں گے لوگوں کے لئے وہی کچھ پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو اور میرے سوا کسی اور کے لئے جانور ذبح نہ کرو کیونکہ میں کوئی قربانی قبول نہیں کرتا مگر وہ جس پر میرا نام لیا جائے اور وہ خاص میری رضا کے لئے ہو اور ہفتے کا دن میری عبادت کے لئے فارغ کر دو اور میری رضا کے لئے اپنی جان اور اپنے جمیع اہل بیت قربان کر دو۔

سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہفتہ کا دن عید بنایا ہے اور ہمارے لیے جمعہ کا انتخاب کیا ہے اور اس کو ہمارے لیے عید بنا دیا ہے۔ (درمنثور، ج:3، ص:390 مطبوعہ کراچی)

وہ دس آیات جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف تختیوں میں لکھیں

حضرت ابو حزرہ القاص سے روایت ہے کہ

وہ دس آیات جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف تختیوں میں لکھیں وہ یہ ہیں کہ میری عبادت کرو، میرے نام کے ساتھ جھوٹی قسم نہ کھاؤ کیونکہ جو میرے نام کے ساتھ جھوٹی قسم کھاتا ہے میں اس کو پاکیزگی اور طہارت عطا نہیں کرتا، میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو میں تمہارے لیے تمہاری موت کو مؤخر کر دوں گا اور مصنوعی دوستی کرنے والے سے تمہیں بچاؤں گا اور نہ چوری کرو اور نہ زنا کا ارتکاب کرو ورنہ میں تم سے اپنے چہرے کا نور چھپالوں گا اور تمہاری دعا کے لئے میرے آسمانوں کے دروازے بند کر دیے جائیں گے۔ اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ خیانت اور دھوکہ نہ کرو، لوگوں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو اور ایسی چیز کے بارے شہادت نہ دو جسے تمہارے کانوں نے سنا نہ ہو اور تمہارے دل نے سمجھا نہ ہو کیونکہ

قیامت کے دن میں شہادت دینے والوں کو ان کی شہادت کی بنا پر کھڑا کروں گا اور پھر شہادت کے بارے ان سے سوال کروں گا اور میرے سوا کسی کے لئے ذبح نہ کرو کیونکہ اہل زمین کی کوئی قربانی میری طرف بلند نہیں ہوتی مگر وہی جس پر میرا نام ذکر کیا جائے۔ (شعب الایمان: ج:4، ص:222 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

تورات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بشارتیں

موجودہ تورات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بشارتیں موجود ہیں۔ خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی سننا یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہو گا جو تو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن خواب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہو تا کہ میں مر نہ جاؤں اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں میں ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہ ان سے کہے گا جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے گا میں ان کا حساب اس سے لوں گا۔

(تورات استثناء باب:18، آیت 15 تا 19، پرانا عہد نامہ، ص:184 مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور)

اور مرد خدا موسیٰ نے جو دعائے خیر دے کر اپنی وفات سے پہلے بنی اسرائیل کو برکت دی وہ یہ ہے اور اس نے کہا خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا اور کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشی شریعت تھی وہ بے شک قوموں سے محبت رکھتا ہے اس کے سب مقدس لوگ تیرے ہاتھ میں ہیں ایک ایک تیری باتوں سے مستفیض ہو گا۔ (تورات استثناء باب:33، آیت 2 تا 3، پرانا عہد نامہ، ص:201 مطبوعہ مرجع السابق)

تورات کے پرانے (1927ء کے) اردو ایڈیشن میں یہ آیت اس طرح تھی۔

دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں دس ہزار صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے ساتھ داخل ہوئے تھے۔

اس طرح یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری منطبق ہوتی تھی۔

جب عیسائیوں نے یہ دیکھا تو انہوں نے اس آیت کے الفاظ بدل دیئے اور یوں لکھ دیا۔

اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔

تورات کے پرانے ایڈیشن میں یہ آیات اس طرح تھیں۔

اور اس نے کہا خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشیں شریعت ان کے لئے تھی۔

(کتاب مقدس: استثناء باب:33، آیت:2، ص:192 مطبوعہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی انار کلی لاہور)

اس کی تائید بلی ایڈیشن سے بھی ہوئی ہے اس میں یہ آیت اس طرح لکھی ہے۔

واتی من ابوات اقدس

دس ہزار قدسیوں میں سے آیا۔ (مطبوعہ دار الکتاب المقدس فی العالم العربی:ص:334)

لوئیس معلوف نے ابوۃ کے معنی لکھے ہیں۔

الجماعة العظيمة نحو عشرة الاف

یعنی تقریباً دس ہزار افراد کی جماعت۔ (المنجد:ص:247)

دیکھو میرا خادم (پچھلے ایڈیشنوں میں بندہ تھا) جس کو میں سنبھالتا ہوں میرا برگزیدہ جس سے میرا دل خوش رہے میں نے اپنی روح اس پر ڈالی وہ قوموں میں عدالت جاری کرے گا وہ نہ چلائے گا نہ شور کرے گا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی دے گی وہ مسلے ہوئے سرکنڈے کو نہ توڑے گا اور ٹمٹماتی بتی کو نہ بجھائے گا وہ راستی سے عدالت کرے گا۔ وہ ماندہ نہ ہوگا اور نہ ہمت ہارے گا جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کرے جزیرے اس کی شریعت کا انتظار کریں گے جس نے آسمان کو پیدا کیا اور تان دیا جس نے زمین کو اور ان کو جو اس میں سے نکلتے ہیں پھیلایا جو اس کے باشندوں کو سانس اور اس پر چلنے والوں کو روح عنایت کرتا ہے یعنی خداوند یوں فرماتا ہے میں خداوند نے تجھے صداقت سے بلایا میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا اور لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور کے لئے تجھے دوں گا تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور اسیروں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید خانہ سے چھڑائے۔

یہوداہ میں ہوں یہی میرا نام ہے میں اپنا جلال کسی دوسرے کے لئے اور اپنی حمد کھودی ہوئی مورتیوں کے لئے روانہ رکھوں گا دیکھو پرانی باتیں پوری ہوگئیں اور نئی باتیں بتاتا ہوں اس سے پیشتر کہ واقع ہوں میں تم سے بیان کرتا ہوں۔

تورات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

تورات میں (سیدنا) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی صفت لکھی ہوئی ہے اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آپ کے ساتھ مدفون ہوں گے اور حجرہ میں ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔ (جامع الاصول: رقم الحدیث:8838)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تورات میں شاہد، مبشر اور نذیر ہونے کی صفات کا ذکر

حضرت عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ

میری حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو میں نے کہا:

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صفت کے متعلق بتایئے جو تورات میں ہے انہوں نے کہا! اچھا! اللہ تعالیٰ کی قسم! تورات میں آپ کی ان بعض صفات کا ذکر ہے جو قرآن مجید میں مذکور ہیں وہ یہ ہیں۔ اے نبی! ہم نے آپ کو بھیجا درآنحالیکہ آپ شاہد اور مبشر اور نذیر ہیں اور امیین کی پناہ ہیں آپ میرے بندے اور رسول ہیں۔ میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے آپ

سخت مزاج اور درشت خو نہیں ہیں اور نہ بازار میں شور کرنے والے ہیں اور نہ برائی کا جواب برائی سے دیتے ہیں لیکن معاف کرتے ہیں اور بخش دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک آپ کی روح ہرگز قبض نہیں کرے گا حتیٰ کہ آپ کے سبب سے ٹیڑھی قوم کو سیدھا کر دے گا بایں طور کہ وہ کہیں گے لا الہ الا اللہ اور آپ کے سبب سے اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور پردہ پڑے ہوئے دلوں کو کھول دے گا۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 2125)

تورات وغیرہ پڑھنے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ناراض ہونا

امام ابن ابی حاتم متوفی 327ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت یحییٰ بن جعدہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہڈی پر لکھی ہوئی ایک کتاب لائے اور فرمایا: کسی قوم کی حماقت اور اس کی گمراہی کے لئے یہ کافی ہے کہ ان کا نبی ان کے پاس ایک کتاب لے کر آئے اور وہ اس سے اعراض کر کے کسی اور کتاب کا مطالعہ کریں پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ کیا ان کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ کے اوپر الکتاب نازل کی ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 17379)

ابو قلابہ سے روایت ہے کہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک شخص کے پاس سے گزرے وہ ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو غور سے سنا وہ ان کو اچھی لگی انہوں نے اس سے کہا: کیا تم مجھے بھی یہ کتاب لکھ دو گے۔ اس نے کہا ہاں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک چمڑے کا پتڑا خریدا اور اس کی دونوں طرف اس کو لکھوایا پھر وہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنانا شروع کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ متغیر ہو رہا تھا پھر ایک انصاری نے اس مکتوب پر ہاتھ مار کر کہا: اے ابن خطاب! تم پر تمہاری ماں روئے کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدل رہا ہے اور تم حضور کو یہ پڑھ کر سنا رہے ہو۔

تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں تمہارے پاس صرف شریعت کا افتتاح کرنے والا اور شریعت کو ختم کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں اور مجھے جوامع الکلم اور فواتح الکلم عطا کیے گئے ہیں سو تم کو مشرکین ہلاک نہ کر ڈالیں۔ (مصنف عبد الرزاق: رقم الحدیث: 20231)

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ

ایک اور موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مختلف جگہوں سے تورات کو پڑھ رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ اقدس سخت متغیر ہو رہا تھا۔

حضرت عبد اللہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا:

کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی کیا کیفیت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

میں اللہ تعالیٰ کے رب عزوجل ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہوں۔ تب آپ کے چہرہ اقدس سے غصہ کی کیفیت دور ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر اب موسیٰ علیہ السلام نازل ہوتے اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرتے تو تم گمراہ ہو جاتے۔ نبیوں سے میں تمہارا حصہ ہوں اور امتوں میں سے تم میرا حصہ ہو۔ (شعب الایمان: رقم الحدیث: 5201)

زہری سے روایت ہے کہ

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ایک ہڈی پر حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ لکھا ہوا لائیں اور اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھنا شروع کر دیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس کا رنگ متغیر ہونے لگا اور ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے اگر میرے ہوتے ہوئے تمہارے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام خود بھی آ جائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرو تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ (مصنف عبدالرزاق: رقم الحدیث: 20230)

تورات کی الواح کس چیز کی تھیں

امام عبدالرحمن بن محمد بن علی بن الجوزی الحنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

تورات کی الواح کے متعلق سات قول ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

وہ زمرد کی الواح تھیں۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وہ یاقوت کی تھیں۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وہ سبز زمرد کی تھیں۔

حضرت ابو العالیہ نے کہا:

ایک قسم کے کپڑے کی تھیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وہ لکڑی کی تھیں۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وہ پتھر کی تھیں۔

حضرت مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وہ زمرد اور یاقوت کی تھیں۔ (زاد المسیر: ج:5، ص:310 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

تورات کی الواح کتنی تھیں

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن علی بن الجوزی الحنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

تورات کی الواح کی تعداد میں اختلاف ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

سات الواح تھیں۔

حضرت ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

دو تختیاں تھیں یہ فرا کا مختار ہے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وہ دس تھیں۔

حضرت مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وہ نو تھیں۔ (زاد المسیر: ج:3، ص:258 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات شریف کب عطا فرمائی

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

یوم عرفہ (9 ذوالحجہ) کو حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوئے تھے اور یوم النحر (دس ذی الحجہ) کو اللہ تعالیٰ نے ان کو تورات عطا فرمائی۔ (تفسیر کبیر: ج:5، ص:310 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت ہارون علیہ السلام کو حق اور باطل میں فرق کرنے والی کتاب عطا فرمائی

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو حق اور باطل میں فرق کرنے والی کتاب عطا فرمائی تھی۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِیَآءً وَّذِکْرًا لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝ (الانبیاء:48)

اور بے شک ہم نے موسیٰ اور ہارون کو حق اور باطل میں امتیاز کرنے والی کتاب جو متقین کے لئے روشنی اور نصیحت ہے۔

تورات میں ہدایت اور رحمت کا ہونا

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے تورات عطا فرمائی تاکہ ان پر رحم کیا جائے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ○ (القصص:43)

اور بے شک ہم نے پہلے زمانہ کی قوموں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی درآں حالیکہ اس میں لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے دلیلیں ہیں اور ہدایت اور رحمت ہے تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔

☆ اس آیت کی تفسیر میں امام حاکم نیشاپوری نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے جب سے تورات کو نازل کیا ہے اس سے سوا اس بستی کے جس کے لوگوں کو مسخ کر کے بندر بنا دیا تھا اس نے روئے زمین پر اور کسی قوم یا قرن یا امت پر آسمانی عذاب نہیں بھیجا۔ (مستدرک: رقم الحدیث: 3534)

تورات بنی اسرائیل کے لئے ہدایت ہونا

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات شریف عطا فرمائی تا کہ اس سے بنی اسرائیل ہدایت حاصل کریں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ (بنی اسرائیل:2)

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا۔

تورات کی تختیوں میں ہر چیز سے نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل

بنی اسرائیل کے لئے تورات کی تختیوں میں ہر چیز سے نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھی گئی تھی۔

قرآن مجید میں ہے:

وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (الاعراف:145)

اور ہم نے ان کے لئے تورات کی تختیوں میں ہر شے سے نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی۔

تورات میں ہدایت اور نور کا ہونا

تورات کے اندر ہدایت اور نور تھا جس کے مطابق انبیاء کرام علیہم السلام فیصلہ کرتے رہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ (المائدہ:44)

بے شک ہم نے تورات کو نازل کیا جس میں ہدایت اور نور ہے اس کے مطابق انبیاء فیصلہ کرتے رہے جو ہمارے

تابع فرماں تھے (ان لوگوں کا فیصلہ کرتے رہے) جو یہودی تھے اور اسی کے مطابق اللہ والے اور علماء فیصلہ کرتے رہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے محافظ بنائے گئے تھے۔

موجودہ تورات کی تحریف کے متعلق قرآن مجید کی آیات کریمہ

قرآن مجید کی آیات کریمہ میں صراحتاً بیان ہے کہ یہودی خود کتاب کو تصنیف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ یہود کی تحریف پر یہ آیات کریمہ درج ذیل ہیں۔

آیت مبارکہ: 1

قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (البقرہ:42)

اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ۔

بنی اسرائیل کیا چھپاتے تھے

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

لبس کا معنی ہے اختلاط یعنی حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ سیّدنا حضرت محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہیں اور یہ حق تھا اور وہ اس حق کے ساتھ اپنی اس باطل تاویل کو ملاتے تھے کہ آپ ان کی طرف مبعوث نہیں ہیں بلکہ ان کے غیر کی طرف مبعوث ہیں اور یہ باطل ہے کیونکہ آپ تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

اس آیت کا معنی ہے سچ کو جھوٹ کے ساتھ نہ ملاؤ۔

ابن زید نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ

حق سے مراد تورات ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا اور باطل سے مراد وہ تحریفات ہیں جن کو وہ اپنے ہاتھوں سے لکھتے تھے۔ (جامع البیان: ج:1،ص:202،مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حق کو چھپانے کی تفسیر میں کہا ہے کہ یہود حضرت سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو چھپاتے تھے حالانکہ ان کو یہ علم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برحق نبی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہی نبی ہیں جن کے مبعوث ہونے کا ذکر تورات میں کیا گیا ہے۔ (الجامع الاحکام القرآن: ج:1،ص:342،مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام عبد بن حمید نے حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ

یہودیت ونصرانیت کو اسلام کے ساتھ نہ ملاؤ جبکہ تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا دین اسلام ہے اور یہودیت ونصرانیت بدعت ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں اور انہوں نے سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم کو چھپایا حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور تورات اور انجیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ پڑھتے رہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیکی کا انہیں حکم دیں گے اور برائی سے منع فرمائیں گے ان کے لئے حلال چیزوں کو حلال کریں گے اور ناپاک چیزوں کو حرام کریں گے۔ (درمنثور:ج:1،ص:174 مطبوعہ کراچی)

آیت مبارکہ:2

قرآن مجید میں ہے:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلًا ط فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۝ (البقرہ:79)

سو ان لوگوں کے لئے عذاب ہے جو اپنے ہاتھوں سے ایک کتاب کو تصنیف کریں پھر کہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے تاکہ اس کے بدلہ تھوڑی قیمت حاصل کرلیں سو ان کے لئے اس سبب سے عذاب ہے کہ انہوں نے کتاب تصنیف کی اور ان کے لئے اس کے معاوضہ میں کمائی حاصل کرنے کے سبب سے عذاب ہے۔

یہودی اپنی طرف سے لکھ کر تورات میں تحریف کرتے ہیں

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ اپنی اسناد کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

فَوَيْلٌ لَّهُمْ کا معنی ہے ان پر عذاب ہو۔

ابوعیاض نے کہا:

وَيْلٌ اس پیپ کو کہتے ہیں جو جہنم کی جڑ میں گرتی ہے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ

وَيْلٌ جہنم میں ایک پہاڑ ہے۔

اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ

وَيْلٌ جہنم میں ایک وادی ہے کافر اس کی گہرائی تک پہنچنے سے پہلے چالیس سال تک گرتا رہے گا۔

ان احادیث مبارکہ و آثار کے اعتبار سے وَيْلٌ کا معنی یہ ہے کہ جو یہودی اپنی طرف سے لکھ کر کتاب اللہ میں تحریف کرتے ہیں ان کو جہنم کی گہرائی میں اہل جہنم کی پیپ پینے کا عذاب ہوگا۔ (جامع البیان:ج:1،ص:300 مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت)

ابوالعالیہ نے کہا ہے کہ

یہود سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں تحریف کرتے تھے اور دنیاوی مال کی وجہ سے اس میں تبدیلی کرتے تھے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

یہود اپنی خواہش کے مطابق تورات میں احکام لکھ دیتے اور جو احکام ان کو ناپسند تھے ان کو انہوں نے تورات سے مٹا دیا نیز انہوں نے تورات سے سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مٹا دیا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر غضب فرمایا۔

(جامع البیان: ج: 1، ص: 301 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

حسد و بغض کی وجہ سے صفات کا مٹا دینا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ یہ یہود علماء کے متعلق ہے، جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت کو تورات میں لکھا ہوا پایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سرگیں ہیں، آنکھیں موٹی موٹی ہیں۔ درمیانہ قد، بال مناسب گھنگھریالے ہیں۔ چہرہ نہایت حسین ہے تو انہوں نے حسد اور بغض کی وجہ سے ان صفات کو مٹا دیا ان کے پاس قریش کے لوگ آئے اور انہوں نے پوچھا کہ تم تورات میں امی نبی کا ذکر پڑھتے ہو؟

انہوں نے کہا:

ہاں تورات میں ہم اس کی یہ صفات پڑھتے ہیں زیادہ طویل ہے، آنکھیں نیلی ہیں، بال سیدھے ہیں۔ پس قریش یہ سن کر انکار کرنے لگے اور کہا یہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (درمنثور: ج: 1، ص: 225 مطبوعہ کراچی)

امام بیہقی نے دلائل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سیّدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم کے تورات میں اوصاف بیان فرمائے پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو یہود کے علماء نے حسد کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کو اپنی کتابوں میں بدل دیا اور کہا ہم آپ کی صفات اپنی کتابوں میں نہیں پاتے اور نادان لوگوں کو کہا یہ اس نبی کی صفات نہیں ہیں جو فلاں فلاں چیز کو حرام کرے گا جیسی انہوں نے خود لکھی ہوئی تھیں انہوں نے آپ کی صفات کو برعکس صفات سے بدل ڈالا پس انہوں نے لوگوں پر معاملہ مشتبہ کر دیا اور یہود کے علماء نے یہ گھناؤنی حرکت اس لیے کی تھی کہ انہیں یہ جاہل اور زیر نگیں لوگ ان کو تورات کی حفاظت کی وجہ سے نذرانے پیش کرتے تھے پس انہیں یہ اندیشہ ہوا کہ یہ جاہل لوگ ایمان لے آئے تو ان کے نذرانے بند ہو جائیں گے۔ (درمنثور: ج: 1، ص: 225 مطبوعہ کراچی)

یہود اپنے ہاتھوں سے تحریر لکھ کر کہتے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام عبدالرزاق نے المصنف میں بخاری، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

انہوں نے فرمایا: اے مسلمانو! تم اہل کتاب سے کسی چیز کے متعلق کیوں پوچھتے ہو جبکہ تمہاری کتاب جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر نازل فرمائی ہے اس نے اللہ تعالیٰ کے متعلق بڑی واضح اور غیر مبہم باتیں بتائی ہیں جن میں کسی قسم کا التباس نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اہل کتاب نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو بدل ڈالا ہے اور اس میں تبدیلی کی ہے انہوں نے اپنے ہاتھوں سے تحریر لکھ کر کہا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے بدلے ثمن وصول کریں۔ (درمنثور: ج:1 ص:225 مطبوعہ کراچی)

عربوں کے ہاتھوں فروخت کرتے تھے

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم نے السدی رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کے تحت روایت کیا ہے کہ یہود اپنی طرف سے تحریر لکھتے تھے اور پھر اس کو عربوں کے ہاتھ فروخت کرتے تھے اور انہیں کہتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے پس اس طرح وہ عربوں سے تھوڑی سی قیمت وصول کرتے تھے۔ (درمنثور: ج:1 ص:226 مطبوعہ کراچی)

بنی اسرائیل کے لوگ اپنے ہاتھ سے کتابیں لکھتے تاکہ لوگوں سے پیسے بٹوریں

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

بنی اسرائیل کے لوگ اپنے ہاتھ سے کتابیں لکھتے تاکہ لوگوں سے پیسے بٹوریں اور کہتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتی تھی۔ (تفسیر عبدالرزاق: ج:1 ص:278 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

آیت مبارکہ 3:

قرآن مجید میں ہے:

وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ:75)

بے شک ان (یہود) میں سے ایک گروہ تھا جو اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے تھے پھر اس کو سمجھنے کے باوجود اس میں دانستہ تحریف کر دیتے تھے۔

بنو اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے کلام کی تحریف کردی

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق سے روایت ہے کہ

مجھے بعض اہل علم سے یہ حدیث مبارکہ پہنچی ہے کہ بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اے موسیٰ علیہ السلام! اللہ تعالیٰ کے دیدار اور ہمارے درمیان کثرت حائل ہو گئی لیکن جب اللہ تعالیٰ آپ سے ہم کلام ہو تو

آپ ہمیں اس کا کلام سنا دیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرمالیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا۔

تم غسل کرو، صاف کپڑے پہنو اور روزے رکھو پھر وہ ان کو طور پر لے کر آئے جب بادل نے ان کو ڈھانپ لیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا سجدہ میں گر جائیں وہ سجدے میں گر گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل سے کلام کیا اور انہوں نے اس کلام کو سنا۔ اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں کا امر کیا اور بعض چیزوں سے منع کیا انہوں نے اس کو سن کر سمجھ لیا جب بنی اسرائیل کے پاس پہنچے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس چیز کا حکم دیا ہے اور اس چیز سے منع کیا ہے تو ان لوگوں نے اس میں تحریف کر دی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بتائے ہوئے احکام کو بدل دیا۔

(جامع البیان: ج: 1، ص: 291 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

بنی اسرائیل کو جو رشوت دیتا تو وہ اسی کے منشاء کے مطابق مسئلہ بیان کرتے

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اس کلام اللہ سے مراد تورات ہے بنی اسرائیل اس میں تحریف کر کے اس کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرتے تھے اور حق کو باطل اور باطل کو حق بیان کرتے تھے جب ان کے پاس صاحب حق رشوت لے کر آتا تو کتاب سے اس کی منشاء کے مطابق مسئلہ بیان کرتے اور جب باطل پر قائم کوئی شخص ان کے پاس رشوت لے کر آتا تو کتاب سے اس کی مرضی کے مطابق حکم بیان کرتے اور جب کوئی شخص رشوت لے کر نہ آتا تو پھر کتاب سے صحیح حکم نکال کر بیان کر دیتے۔

(جامع البیان: ج: 1، ص: 291 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

آیت مبارکہ: 4

قرآن مجید میں ہے:

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ

(المائدہ: 13)

وہ کلام میں اس کی جگہوں سے تحریف کر دیتے اور جس حصہ کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی وہ اس کو بھول گئے اور آپ ہمیشہ ان کی خیانت پر مطلع ہوتے رہیں گے۔

یہود کا تحریف پر خود اعتراف

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں۔

تاریخ میں یہ معروف ہے اور یہود و نصاریٰ نے خود اس کا اعتراف کیا ہے کہ جو تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل

ہوئی تھی اور جس کی حفاظت کا انہوں نے حکم دیا تھا اس کا صرف ایک نسخہ تھا اور یہود و نصاریٰ کے مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ جب اہل بابل نے یہودیوں کو قید کیا اور ان میں لوٹ مار کی اس وقت وہ نسخہ گم ہو گیا اور ان کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی نسخہ نہیں تھا اور جب اہل بابل نے ان کے ہیکل کو جلا دیا تو وہ اس نسخہ کو محفوظ نہ رکھ سکے۔ اور وہ پانچ سورتیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات اور وفات کا ذکر ہے اور یہ کہ ان کے بعد کوئی ان جیسا نہیں ہو گا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے کافی عرصہ گزر جانے کے بعد بلکہ کئی صدیاں گزر جانے کے بعد لکھی گئی ہیں ان کو عذرا کاہن نے لکھا تھا جو بنی اسرائیل کے قید ہونے والے بوڑھوں میں سے بچ گیا تھا‘ اسی طرح نصاریٰ کا اس پر اتفاق ہے کہ انجیل بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کافی زمانہ بعد لکھی گئی تھی۔ (التفسیر المنیر: ج:6،ص:126 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بنی اسرائیل تورات میں موجودہ حدود کو بدل دیتے

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ کی یہ تفسیر نقل کی ہے کہ تورات میں موجود حدود کو وہ بدل دیتے وہ کہتے اگر سیدنا محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں ایسی بات کا حکم دیں جس پر تم پہلے سے کاربند ہو تو اس کو قبول کر لو اور اگر وہ تمہاری مخالفت کریں تو اس سے رک جاؤ۔ (تفسیر طبری: ج:6،ص:182 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

آیت مبارکہ:5

قرآن مجید میں ہے:

یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ (المائدہ:41)

اللہ تعالیٰ کے کلام میں اس کے مواقع سے تحریف کر دیتے ہیں۔

یہود تورات میں لفظی اور معنوی تحریف کرتے

یہود تورات میں لفظی تحریف بھی کرتے تھے اور معنوی بھی تحریف کرتے تھے۔ لفظی تحریف یہ تھی کہ کسی لفظ کو درمیان سے چھوڑ دیتے تھے یا کسی لفظ کو دوسرے لفظ سے بدل دیتے تھے یا اس لفظ کو زبان مروڑ کر اس طرح پڑھتے تھے کہ اس کا معنیٰ بدل جاتا تھا اور معنوی تحریف یہ تھی کہ کسی آیت کی الٹ تفسیر بیان کرتے یا باطل تاویل کرتے اگر ان سے آخری نبی کی صفات پوچھی جاتیں تو دجال کی صفات پڑھ کر سنا دیتے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

یہود بنو قریظہ اپنے آپ کو بنو نضیر سے افضل کہتے تھے اگر بنو قریظہ کا کوئی شخص بنو نضیر کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تو وہ قصاص کے لیے تیار نہ ہوتے صرف دیت دیتے تھے اور اگر بنو نضیر کا کوئی شخص بنو قریظہ کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تو پھر اس سے قصاص لیتے تھے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ آئے تو وہ اسی طریقہ پر کاربند تھے۔ بنو قریظہ نے بنو نضیر کے کسی آدمی کو عمداً قتل

کر دیا اس وقت منافقوں نے کہا کہ اگر یہ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) دیت ادا کرنے کا حکم دیں تو مان لینا ورنہ ان کے حکم سے اجتناب کرنا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان: ج:6، ص:323 مطبوعہ بیروت)

تورات میں رجم کے مسئلہ میں تحریف کرنا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

تورات میں یہ حکم تھا کہ اگر شادی شدہ مرد یا عورت زنا کریں تو ان کو رجم کر دیا جائے انہوں نے اس حکم میں یہ تحریف کر دی کہ ان کو کوڑے لگائے جائیں اور ان کا منہ کالا کیا جائے۔ (جامع البیان: ج:6، ص:321 مطبوعہ بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہودی زانیوں کو رجم کرانا

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی مرد اور عورت کو لایا گیا جنہوں نے زنا کیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہود کے پاس تشریف لے گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص زنا کرے اس کے متعلق تمہارے نزدیک تورات میں کیا حکم ہے؟

انہوں نے کہا:

ہم ان کا منہ کالا کر کے ان کو سواری پر بٹھاتے ہیں اور دونوں کے چہرے مخالف جانب میں کرتے ہیں پھر ان کا چکر لگایا جاتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر تم سچے ہو تو تورات لاؤ وہ تورات لے کر آئے اور اس کو پڑھا اور جب رجم کی آیت سے گزرے تو پڑھنے والے نے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس کے آگے اور پیچھے سے پڑھا۔ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا آپ اس سے فرمائیں کہ اپنا ہاتھ اٹھائے جب اس نے ہاتھ اٹھایا تو اس کے نیچے رجم کی آیت تھی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان کو رجم کیا گیا۔ (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 4357)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک یہودی گزارا گیا جس کا منہ کالا تھا اور اس کو کوڑے لگائے گئے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا اور ارشاد فرمایا:

تم اپنی کتاب میں زانی کی حد اسی طرح پاتے ہو؟

انہوں نے کہا:

ہاں! پھر آپ نے ان کے علماء میں سے ایک شخص کو بلایا اور ارشاد فرمایا:

میں تم کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کو نازل کیا۔ کیا تم اپنی کتاب میں زانی کی حد اسی طرح پاتے ہو؟

اس نے کہا:

نہیں! اور اگر آپ مجھے یہ قسم نہ دیتے تو میں آپ کو اس کی خبر نہ دیتا ہم اس حد کو رجم پاتے ہیں لیکن ہمارے معزز لوگوں میں زنا بکثرت ہونے لگا سو جب ہم کسی معزز آدمی کو پکڑتے تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب ہم کسی معمولی آدمی کو پکڑتے تو اس پر حد قائم کر دیتے ہم نے سوچا کہ چلو ہم ایسی سزا پر اتفاق کر لیں جس کو ہم معزز اور غیر معزز دونوں پر لاگو کر سکیں تو پھر ہم نے رجم کی جگہ منہ کالا کرنے اور کوڑے لگانے کو مقرر کر دیا۔

سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے اللہ عزوجل! میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے تیرے اس حکم کو زندہ کیا جس کو لوگوں نے مٹا دیا تھا پھر آپ کے حکم سے اس کو رجم کیا گیا تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

''کلام کو اس کی جگہوں سے بدل دیتے ہیں'' وہ کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہ (حکم) دیا جائے تو اس کو مان لو اور اگر یہ حکم نہ دیا جائے تو اس سے اجتناب کرو (یعنی) وہ کہتے ہیں کہ (سیّدنا) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ اور اگر وہ تم کو منہ کالا کرنے اور کوڑے لگانے کا حکم دیں تو اس کو قبول کر لو اور اگر تم کو رجم کرنے کا حکم دیں تو اس سے اجتناب کرو۔

سو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

''جو اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ دیں۔ سو وہی لوگ کافر ہیں۔'' (المائدہ:44)

جو اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ دیں سو وہی لوگ ظالم ہیں۔ (المائدہ:45)

اور جو اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ دیں سو وہی لوگ فاسق ہیں۔ (المائدہ:47)

یہ تمام کافروں کے متعلق ہیں۔ (صحیح مسلم: رقم الحدیث:4360)

تورات میں آیت رجم

تورات میں بہت سی تحریفات کی گئیں لیکن یہ قرآن مجید کا معجزہ ہے کہ تورات میں آج بھی یہ آیت اسی طرح موجود ہے۔

پھر اگر یہ بات سچ ہو کہ لڑکی میں کنوارے پن کے نشان نہیں پائے گئے تو وہ اس لڑکی کو اس کے باپ کے گھر کے دروازہ پر نکال لائیں اور اس کے شہر کے لوگ اس کو سنگسار کریں کہ وہ مر جائے کیونکہ اس نے اسرائیل کے درمیان شرارت کی کہ اپنے باپ کے گھر میں فاحشہ بن گئی یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا اگر کوئی مرد کسی شوہر والی عورت سے زنا کرتے پکڑا جائے تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں یعنی وہ مرد بھی جس نے اس عورت سے صحبت کی اور وہ عورت بھی۔ یوں تو اسرائیل میں سے ایسی برائی دفع کرنا۔

اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہوگئی ہو اور کوئی دوسرا اس کو شہر میں پا کر اس سے صحبت کرے تو تم ان دونوں کو اس شہر کے پھاٹک میں نکال لانا اور ان کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مر جائیں لڑکی کو اس لیے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے نہ چلائی اور مرد کو اس لیے کہ اس نے اپنے ہمسایہ کی بیوی کو بے حرمت کیا یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا۔

(کتاب المقدس استثناء باب: 22، آیت 21 تا 24، آیت 187 مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور)

یہود تورات کا اکثر حصہ چھپاتے تھے

یہود تورات کا اکثر حصہ چھپاتے تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ تُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ○ (الانعام: 91)

اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہ کی جس طرح کہ اس کی قدر کرنے کا حق تھا جب انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا آپ کہیے پھر اس کتاب کو کس نے نازل کیا جس کو موسیٰ لائے تھے وہ لوگوں کے لئے نور اور ہدایت تھی تم نے اس کے الگ الگ کاغذ بنا لیے تم ان کو ظاہر کرتے ہو اور ان میں اکثر حصہ کو چھپا لیتے ہو اور تمہیں وہ علم دیا جس کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا۔ آپ فرما دیجیے اللہ تعالیٰ (ہی نے اس کو نازل کیا ہے) پھر ان کو ان کی کج بحثی میں کھیلنے کے لئے چھوڑ دیں۔

تورات کی تحریف میں امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کریمہ میں تورات کو نور اور ہدایت فرمایا ہے اور یہاں نور سے مراد نور معنوی ہے اور ہدایت بھی نور معنوی ہے اور ان میں فرق یہ ہے کہ پہلی جگہ نور سے مراد اس کا فی نفسہ ظاہر ہونا ہے اور دوسری جگہ اس سے مراد دوسروں کے لئے مظہر ہونا ہے۔

اس کے بعد فرمایا!

تم نے اس کے الگ الگ کاغذ بنا لیے تم ان کو ظاہر کرتے ہو اور ان میں سے اکثر حصہ کو چھپا لیتے ہو۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ

ہر کتاب کو کاغذوں میں محفوظ کیا جاتا ہے تو اگر یہود نے تورات کو کاغذوں میں محفوظ کر لیا تھا تو ان کی مذمت کس وجہ سے کی جا رہی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ

ان کی مذمت کاغذوں میں محفوظ کرنے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے کتاب کے دو حصے کر دیئے تھے ایک حصہ لوگوں پر ظاہر کرتے تھے اور اس کا اکثر حصہ چھپا لیتے تھے۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ

یہود تورات کو چھپانے پر کیونکر قادر تھے؟ جبکہ وہ مشرق اور مغرب میں پھیل چکی تھی اور بہت سے لوگوں نے اس کو حفظ کر لیا تھا اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر اب کوئی شخص قرآن مجید سے چھ آیتوں کو چھپانا چاہے تو اس پر قادر نہیں ہو سکے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

تورات میں تحریف کرنے سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے تورات کی آیات کی من گھڑت اور باطل تفسیر کی تھی۔

اگر یہ کہا جائے کہ

سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو تورات میں بہت کم آیات تھیں اگر آیات کو چھپانے سے مراد ان کا صحیح محمل چھپانا اور ان میں باطل تاویل کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ کیسے فرمایا ہے کہ تم اس میں سے اکثر حصہ کو چھپا لیتے ہو؟

اس کا جواب یہ ہے کہ

یہود بعض احکام کی آیات میں بھی باطل تاویل کرتے تھے مثلاً رجم کی آیت کی باطل تاویل کرتے تھے۔

(تفسیر کبیر: ج:5،ص:63 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

تورات میں موٹے عالم کی مذمت

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

مالک بن صیف نام کا ایک یہودی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بحث کر رہا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں تمہیں اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات کو نازل فرمایا ہے کیا تم نے تورات میں یہ نہیں پڑھا کہ اللہ تعالیٰ موٹے عالم کو ناپسند کرتا ہے اور وہ موٹا عالم تھا وہ غضب ناک ہو گیا۔

اس نے کہا:

بہ خدا اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی۔

تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ (جامع البیان: ج:7،ص:347 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

موجودہ تورات کی تحریفات کے متعلق یہودی اور عیسائی علماء کا موقف

پہلی صدی عیسوی تک تمام یہودیوں اور عیسائیوں کا یہ متفقہ عقیدہ تھا کہ تورات باقی تمام صحائف سمیت یعنی مکمل عہد نامہ

قدیم لفظاً لفظاً وحی منزل اللہ ہے اور جو کچھ بھی بین الدفتین (اس جلد میں) ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور یجن متوفی 254ھ پہلا عیسائی عالم تھا جس نے اعتراف کیا کہ عہد نامہ قدیم کی بعض عبارتیں معنوی طور سے صحیح نہیں ہیں اور بعض عبارتیں اخلاقی اعتبار سے پست اور مذموم ہیں ایک اور عیسائی عالم پوفری متوفی 304ھ نے یہ خیال ظاہر کیا کہ صحیفہ دانیال بابل کی جلاوطنی کے زمانہ میں نہیں لکھا گیا بلکہ چار صدی بعد ضبط تحریر میں آیا اسی طرح ایک ہسپانوی یہودی عالم ابن عذراء متوفی 1167ء نے تحقیق کی کہ صحائف خمسہ (تورات) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد تالیف ہیں۔ ایک فاضل جرمن عالم رائماروس متوفی 1727ء نے ایک ضخیم تصنیف شائع کی جس میں اس نے بائبل کے منزل من اللہ ہونے سے انکار کیا اسی طرح اور بہت سے محققین نے یہ ثابت کیا ہے کہ تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد تالیف کی گئی ہے اور موجودہ تورات مع بقیہ صحائف وحی الٰہی نہیں ہیں۔

تورات کا تلف ہو جانا

تاریخ سے ثابت ہے کہ حوادث زمانہ کے ہاتھوں تورات کئی بار تلف ہوئی۔ 705 قبل مسیح سے 135ء تک فلسطین مسلسل مختلف حملہ آوروں اور فاتحین کی جولانگاہ بنا رہا۔ 700 ق م میں سے کرب حملہ آور ہوا اور یروشلم کا محاصرہ کیا۔ 586 ق م میں بخت نصر حملہ آور ہوا اور یروشلم کو تباہ کر دیا اس تباہی میں تورات خاکستر ہو گئی اور یہودیوں کو مملکت بابل میں جلاوطن کر دیا گیا۔ 538 ق م سے لے کر 332 ق م تک فلسطین ایران کے زیر اقتدار رہا۔ 332 ق م سے لے کر 323 ق م تک فلسطین سکندر اعظم کے زیر اقتدار رہا اور 63 ق م سے لے کر 395ء تک فلسطین سلطنت روما کے زیر اقتدار رہا۔ اس وضاحت سے ظاہر ہو گیا کہ یہودیوں کے اصل صحائف مقدسہ حوادث زمانہ کی نذر ہو گئے۔

تورات کی دوسری نشأۃ

اس بات کا کوئی محقق تاریخی ثبوت نہیں ہے کہ موجودہ صحائف تورات کب مرتب ہوئے۔ عالم خیال یہ ہے کہ عزرا نبی (حضرت عزیر علیہ السلام) نے ان کو دوبارہ مرتب کیا ایک مروجہ روایت کے مطابق حضرت عزرا نے 94 صحائف 40 روز میں پانچ کاتبوں کو لکھوائے جن میں سے 34 صحائف اب عہد نامہ قدیم میں شامل ہیں اور باقی 60 صحائف غیر مستند قرار دیے گئے۔ عہد قدیم کا قدیم ترین نسخہ 916ء کا تحریر شدہ ہے دوسری صدی عیسوی سے پہلے جو مخطوطات تھے وہ ایک دوسرے سے بہت مختلف تھے۔ عبرانی متن میں ایسے آثار بھی پائے جاتے ہیں جن سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اوائل زمانہ میں عبارت میں ردوبدل کرنا جائز سمجھا جاتا تھا اتنا تو خود یہود علماء بھی تسلیم کرتے ہیں کہ تورات میں 18 مقامات ایسے ہیں جہاں اوائل زمانہ میں کاتبوں نے عمداً تبدیلیاں کیں۔ یہ تمام صحائف ایک مؤلف کے مرتب کیے ہوئے نہیں ہیں بلکہ ان میں رفتہ رفتہ اضافے ہوتے رہے اور وہ کئی مرحلوں سے گزرنے کے بعد موجودہ شکل میں پہنچے ہیں۔ یہود اصل تورات کو گم کر چکے تھے اور موجودہ تورات بعد میں مرتب کی گئی ہے اس کی شہادت پرانے عہد نامے میں بھی موجود ہے کیونکہ پرانے عہد نامے میں لکھا ہے کہ جب یوسیاہ بادشاہ

کے اٹھارویں برس میں ہیکل سلیمانی کی دوبارہ مرمت ہوئی تو تورات اچانک مل گئی۔

اور سردار کاہن حلقیاہ نے سافن منشی سے کہا کہ

مجھے خداوند کے گھر میں توریت کی کتاب ملی ہے اور فلقیاہ نے وہ کتاب سافن کو دی اور اس نے اس کو پڑھا اور سافن منشی بادشاہ کے پاس آیا اور بادشاہ کو خبر دی کہ تیرے خادموں نے وہ نقدی جو ہیکل میں ملی لے کر ان کارگزاروں کے ہاتھ میں سپرد کی جو خداوند کے گھر کی نگرانی رکھتے تھے اور سافن منشی نے بادشاہ کو یہ بھی بتایا کہ فلقیاہ کاہن نے ایک کتاب میرے حوالہ کی ہے اور سافن نے اس کو بادشاہ کے حضور پڑھا۔ جب بادشاہ نے توریت کی کتاب کی باتیں سنیں تو اپنے کپڑے پھاڑے اور بادشاہ نے فلقیاہ کاہن اور سافن کے لئے اخی قام اور میکایاہ کے بیٹے عکبور اور سافن منشی اور عسایاہ کو جو بادشاہ کا ملازم تھا یہ حکم دیا کہ یہ کتاب جو ملی ہے اس کی باتوں کے بارے میں تم جا کر میری اور سب لوگوں اور سارے یہوداہ کی طرف سے خداوند سے دریافت کرو کیونکہ خداوند کا بڑا غضب اس سبب سے ہم پر بھڑکا ہے کہ ہمارے باپ دادا نے اس کتاب کی باتوں کو نہ سنا کہ جو کچھ اس میں ہمارے بارے میں لکھا ہے اس کے مطابق عمل کرتے۔

(سلاطین: باب: 22، آیت 3 تا 18) (عہد نامہ قدیم: ص: 388 مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

موجودہ تورات کے محرف ہونے کے متعلق شہادتیں

موجودہ تورات میں انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق بہت ہی نازیبا اور توہین آمیز عبارات لکھی ہیں جس کتاب کے متعلق الہامی بلکہ کلام اللہ اور رشد و ہدایت کا ذریعہ ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہو وہ کتاب یقیناً ایسی نہیں ہو سکتی۔

موجودہ تورات میں حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق نازیبا کلمات

حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق لکھا ہوا ہے۔

''اور نوح کاشتکاری کرنے لگا اور اس نے ایک انگور کا باغ لگایا اور اس نے اس کی مے پی اور اس کو نشہ آیا اور وہ اپنے ڈیرے میں برہنہ ہو گیا۔'' (پیدائش: باب: 9، آیت: 20، 21) (عہد نامہ قدیم: ص: 11 مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

موجودہ تورات میں حضرت ہارون علیہ السلام کے متعلق نازیبا کلمات

موجودہ تورات میں حضرت ہارون علیہ السلام کے متعلق نازیبا کلمات یوں لکھے ہوئے ہیں۔

''اور جب لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰ نے پہاڑ سے اترنے میں دیر لگائی تو وہ ہارون کے پاس جمع ہو کر اس سے کہنے لگے کہ اٹھ ہمارے لیے دیوتا بنا دے جو ہمارے آگے آگے چلے کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اس مرد موسیٰ کو جو ہم کو ملک مصر سے نکال کر لایا کیا ہو گیا۔ ہارون نے ان سے کہا تمہاری بیویوں اور لڑکوں اور لڑکیوں کے کانوں میں جو سونے کی بالیاں ہیں ان کو اتار کر میرے پاس لے آؤ چنانچہ سب لوگ ان کے کانوں سے سونے کی بالیاں اتار اتار کر ان کو ہارون کے پاس لے آئے اور اس نے ان کو ان کے ہاتھوں سے لے کر ایک ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا جس کی صورت چھینی سے ٹھیک کی تب وہ کہنے لگے اے اسرائیل

یہی تیرا وہ دیوتا ہے جو تجھ کو ملک مصر سے نکال کر لایا یہ دیکھ کر ہارون نے اس کے آگے ایک قربان گاہ بنائی اور اس نے اعلان کر دیا کہ کل خداوند کے لئے عید ہوگی اور دوسرے دن صبح سویرے اٹھ کر انہوں نے قربان چڑھائیں اور سلامتی کی قربانیاں گزاریں پھر ان لوگوں نے بیٹھ کر کھایا پیا اور اٹھ کر کھیل کود میں لگ گئے۔

(خروج: باب: 32، آیت 1 تا 6) (عہد نامہ قدیم: ص: 84 مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور پاکستان)

موجودہ تورات میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق نازیبا کلمات

موجودہ تورات میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق نازیبا کلمات یوں لکھے گئے ہیں۔

''اور سلیمان بادشاہ فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں سے یعنی موآبی، عمونی، صیدانی اور حِتی عورتوں سے محبت کرنے لگا یہ ان قوموں کی تھیں جن کی بابت خداوند نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ تم ان کے بیچ نہ جانا اور نہ وہ تمہارے بیچ آئیں کیونکہ وہ ضرور تمہارے دلوں کو اپنے دیوتاؤں کی طرف مائل کر لیں گی۔ سلیمان ان ہی کے عشق کا دم بھرنے لگا اور اس کے پاس سات سو شہزادیاں اس کی بیویاں اور تین سو حرمیں تھیں اور اس کی بیویوں نے اس کے دل کو پھیر دیا کیونکہ جب سلیمان بڈھا ہو گیا تو اس کی بیویوں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کر لیا اور اس کا دل خداوند اپنے خدا کے ساتھ کامل نہ رہا جیسا اس کے باپ داؤد کا دل تھا کیونکہ سلیمان صیدانیوں کی دیوی عستارات اور عمونیوں کے نفرتی ملکوم کی پیروی کرنے لگا اور سلیمان نے خدا کے آگے بدی کی اور اس نے خداوند کی پوری پیروی نہ کی جیسی اس کے باپ داؤد نے کی تھی۔''

(1۔ سلاطین: باب: 11، آیت 1 تا 7) (عہد نامہ قدیم: ص: 340 مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

اس کے بعد مذکور ہے۔

اور خداوند سلیمان سے ناراض ہو کر اس کا دل خداوند اسرائیل کے خدا سے پھر گیا تھا جس نے اس کو دوبارہ دکھائی دے کر اس کو اس بات کا حکم کیا تھا وہ غیر معبودوں کی پیروی نہ کرے پر اس نے وہ بات نہ مانی جس کا حکم خداوند نے دیا تھا۔ اس سبب سے خداوند نے سلیمان کو کہا چونکہ تجھ سے یہ فعل ہوا اور تو نے میرے عہد اور میرے آئین کو جن کا میں نے تجھے حکم دیا نہیں مانا اس لیے میں سلطنت کو ضرور تجھ سے چھین کر تیرے خادم کو دوں گا۔

(1۔ سلاطین: باب: 11، آیت 1 تا 7) (عہد نامہ قدیم: ص: 34 مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

موجودہ تورات میں حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق نازیبا کلمات

موجودہ تورات میں حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق نازیبا کلمات یوں لکھے ہوئے ہیں۔

''اور لوط اصغر سے نکل کر پہاڑ پر جا بسا اور اس کی دونوں بیٹیاں اس کے ساتھ تھیں کیونکہ اس کو اصغر میں بستے ڈر لگا اور وہ اور اس کی دونوں بیٹیاں ایک غار میں رہنے لگے۔ تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بوڑھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو دنیا کے دستور کے مطابق ہمارے پاس آئے۔ آؤ ہم اپنے باپ کو مے پلائیں اور اس سے ہم آغوش ہوں تاکہ اپنے باپ سے

نسل باقی رکھیں سوانہوں نے اسی رات اپنے باپ کو مے پلائی اور پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھی اور دوسرے روز یوں ہوا کہ پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ دیکھ کل رات کو میں اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی آؤ آج رات بھی اس کو مے پلائیں اور تو بھی جا کر اس سے ہم آغوش ہو تا کہ ہم اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں۔ سو اس رات بھی انہوں نے اپنے باپ کو مے پلائی اور چھوٹی گئی اور اس سے ہم آغوش ہوئی پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں۔'' (نعوذ باللہ، استغفر اللہ)

(پیدائش: باب: 19، آیت 30 تا 36) (عہد نامہ قدیم: ص: 19 مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

موجودہ تورات میں حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق نازیبا کلمات

موجودہ تورات میں حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق نازیبا کلمات یوں لکھے ہوئے ہیں۔

''اور شام کے وقت داؤد اپنے پلنگ پر سے اٹھ کر بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگا اور چھت پر سے اس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہارہی تھی اور وہ عورت نہایت خوبصورت تھی۔ تب داؤد نے لوگ بھیج کر اس عورت کا حال دریافت کیا اور کسی نے کہا وہ الغام کی بیٹی بنت سبع نہیں جو حتی اور ریاہ کی بیوی ہے اور داؤد نے لوگ بھیج کر اس کو بلا لیا وہ اس کے پاس آئی اور اس نے اس سے صحبت کی اور وہ اپنے گھر کو چلی گئی اور وہ عورت حاملہ ہوگئی سو اس نے داؤد کے پاس خبر بھیجی کہ میں حاملہ ہوں اور داؤد نے یوآب کو کہلا بھیجا کہ حتی اور ریاہ کو میرے پاس بھیج دے سو یوآب نے حتی اور ریاہ کو داؤد کے پاس بھیج دیا۔

(2-سموئیل: باب: 11، آیت 2 تا 7) (عہد نامہ قدیم: ص: 303 مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

چند آیات کے بعد مذکور ہے۔

صبح کو داؤد نے یوآب کے لئے ایک خط لکھا اور اس کو اور ریاہ کے ہاتھ بھیجا اور اس نے خط میں یہ لکھا کہ اور ریاہ کو گھمسان میں سب سے آگے رکھنا اور تم اس کے پاس سے ہٹ جانا تا کہ وہ مارا جائے اور جان بحق ہو اور یوں ہوا کہ جب یوآب نے اس شہر کا ملاحظہ کیا تو اس نے اور ریاہ کو ایسی جگہ رکھا جہاں وہ جانتا تھا کہ بہادر مرد ہیں اور اس شہر کے لوگ نکلے اور یوآب سے لڑے اور وہاں داؤد کے خادموں میں سے تھوڑے سے لوگ کام آئے اور حتی اور ریاہ بھی مر گیا۔''

(2-سموئیل: باب: 11، آیت 15 تا 18) (عہد نامہ قدیم: ص: 304-303 مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

اس کے بعد مذکور ہے۔

جب اور ریاہ کی بیوی نے سنا کہ اس کا شوہر اور ریاہ مر گیا تو وہ اپنے شوہر کے لئے ماتم کرنے لگی اور جب سوگ کے دن گزر گئے تو داؤد نے اس کو بلوا کر اس کو اپنے محل میں رکھ لیا اور وہ اس کی بیوی ہوگئی اور اس سے اس کا ایک لڑکا ہوا پر اس کام سے جسے داؤد نے کیا تھا خداوند ناراض ہوا۔ (2-سموئیل: باب: 11، آیت: 26، 27) (عہد نامہ قدیم: ص: 304 مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

موجودہ تورات کی وہ آیات جن کا قرآن مجید مصدق ہے

موجودہ تورات میں ایسی آیات بھی ہیں جن کا قرآن مجید مصدق ہے۔

آیت توریت شریف-1

تورات شریف میں ہے۔

سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ (استثناء: باب:5، آیت:4) (عہد نامہ قدیم: ص:172)

آیت قرآن مجید-1

وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ (البقرہ:163)

اور تمہارا معبود ایک معبود ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ نہایت مہربان بہت رحم فرمانے والا ہے۔

آیت تورات شریف-2

تورات شریف میں ہے۔

دیکھ آسمان اور آسمانوں کا آسمان اور زمین میں اور جو کچھ زمین میں ہے یہ سب خداوند تیرے خدا ہی کا ہے۔

(استثناء: باب:10، آیت:15) (عہد نامہ قدیم: ص:176)

آیت قرآن مجید-2

قرآن مجید میں ہے:

لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ (البقرہ:284)

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔

آیت تورات شریف-3

تورات شریف میں ہے۔

تم اپنے لیے بت نہ بنانا نہ کوئی تراشی ہوئی عورت یا لاٹ اپنے لئے کھڑی کرنا اور نہ اپنے ملک میں کوئی شبیہ دار پتھر رکھنا کہ اس کو سجدہ کرو اس لیے کہ میں خداوند تمہارا خدا ہوں۔ (احبار: باب:26، آیت:1) (عہد نامہ قدیم: ص:120)

آیت قرآن مجید-3

قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ؕ (الذاریات:51)

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناؤ۔

دوسری آیت مبارکہ

ایک اور مقام پر قرآن مجید میں ہے:

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا۝ (الفرقان:3)

اور مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور معبود بنا لئے جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کئے گئے ہیں اور وہ اپنے لئے کسی نقصان کے مالک ہیں اور نہ کسی نفع کے اور نہ ہی وہ موت کے مالک ہیں اور نہ حیات کے اور نہ مرنے کے بعد اٹھنے کے۔

آیت تورات شریف-4

تورات شریف میں ہے۔

خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی سننا یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہو گا جو تو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن حورب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہو تا کہ میں مر نہ جاؤں اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہ ان سے کہے گا۔ (استثناء: باب:18، آیت:15، 18) (عہد نامہ قدیم: ص:184)

دوسری آیت تورات شریف

تورات شریف کی دوسری آیت اسی حوالہ سے یوں ہے:

وہ کوہ فاران ﷺ سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشی شریعت تھی وہ بے شک قوموں سے محبت رکھتا ہے۔ (استثناء: باب:33، آیت:2) (عہد نامہ قدیم: ص:201)

آیت قرآن مجید-4

قرآن مجید میں ہے:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ

(الاعراف:157)

جو اس رسول نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جن کو وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

دوسری آیت مبارکہ

قرآن مجید میں ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۝

(التوبۃ:128)

بے شک تمہارے پاس تم میں سے ایک عظیم رسول آ گیا اس پر تمہارا مشقت میں پڑنا سخت ناگوار ہے وہ تمہاری بھلائی چاہنے میں بہت حریص ہے اور مومنوں پر نہایت مشفق اور بہت مہربان ہے۔

تیسری آیت مبارکہ

قرآن مجید میں ہے:

وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰیo اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰیo (النجم:3،4)

وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتا وہی کہتا ہے جس کی اس پر وحی کی جاتی ہے۔

آیت توریت شریف-5

تورات شریف میں ہے۔

خداوند تیرے خدا نے تجھ کو روئے زمین کی اور سب قوموں سے چن لیا ہے تا کہ اس کی خاص امت ٹھہرے۔

(استثناء، باب:7، آیت:6)(عہد نامہ قدیم، ص:173)

آیت قرآن مجید-5

قرآن مجید میں ہے:

یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَاَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَo (البقرہ:47)

اے بنو اسرائیل میرے اس انعام کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیا ہے اور یہ کہ میں نے تم کو (اس زمانہ کی) تمام قوموں پر فضیلت دی۔

آیت تورات شریف-6

تورات شریف میں ہے۔

خداوند تم کو اپنے زوردار ہاتھ سے نکال لایا اور غلامی کے گھر یعنی مصر کے بادشاہ فرعون کے ہاتھ سے تم کو مخلصی بخشی۔

(استثناء، باب:7، آیت:8)(عہد نامہ قدیم، ص:173)

آیت قرآن مجید-6

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذۡ نَجَّیۡنٰکُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ (البقرہ:49)

اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی۔

آیت تورات شریف-7

تورات شریف میں ہے۔

اور اس نے مصر کے لشکر اور ان کے گھوڑوں اور رتھوں کا کیا حال کیا اور کیسے اس نے بحرِ قلزم کے پانی میں ان کو غرق کیا جب وہ تمہارا پیچھا کر رہے تھے اور خداوند نے ان کو کیسا ہلاک کیا کہ آج کے دن تک وہ نابود ہیں۔

(استثناء: باب: 11، آیت: 4)(عہد نامہ قدیم: ص: 177)

آیت قرآن مجید-7

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ○ (البقرہ:50)

اور جب ہم نے تمہارے لیے سمندر کو چیر دیا سو تم کو نجات دی اور ہم نے آل فرعون کو غرق کر دیا در آں حالیکہ تم دیکھ رہے تھے۔

آیت تورات شریف-8

تورات شریف میں ہے۔

اور میں نے تمہارے گناہ کو یعنی اس بچھڑے کو جو تم نے بنایا تھا لے کر آگ میں جلایا پھر اسے کوٹ کوٹ کر ایسا پیسا کہ وہ گرد کی مانند باریک ہو گیا اور اس کی اس راکھ کو اس ندی میں جو پہاڑ سے نکل کر نیچے بہتی تھی ڈال دیا۔

(استثناء: باب: 9، آیت: 21)(عہد نامہ قدیم: ص: 175)

آیت قرآن مجید-8

قرآن مجید میں ہے:

وَانْظُرْ اِلٰۤى اِلٰهِكَ الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْهِ عَاكِفًاؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا ○ (طٰہٰ:97)

(موسیٰ نے سامری سے کہا) اپنے اس معبود کو دیکھ جس کی پوجا میں تو جم کر بیٹھا رہا ہم اس کو ضرور جلا ڈالیں گے پھر اس کو دریا میں بہا دیں گے۔

آیت تورات شریف-9

اور اس نے ان سے کہا خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ تم اپنی اپنی ران سے تلوار لٹکا کر پھاٹک پھاٹک گھوم کر سارے لشکر گاہ میں اپنے اپنے بھائیوں اور اپنے اپنے ساتھیوں اور اپنے اپنے پڑوسیوں کو قتل کرتے پھرو اور بنی لاوی نے موسیٰ کے کہنے کے موافق عمل کیا چنانچہ اس دن لوگوں میں سے قریباً تین ہزار مرد کھیت آئے۔

(خروج: باب: 32، آیت: 27، 28)(عہد نامہ قدیم: ص: 85)

آیت قرآن مجید-9

قرآن مجید میں ہے

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْۤا اِلٰى بَارِىٕكُمْ فَاقْتُلُوْۤا

اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ (البقرہ:54)

اور جب موسیٰ نے اپنی امت سے کہا: اے میری امت بے شک تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا سو اپنے خالق کی طرف توبہ کرو تو اپنی جانوں کو قتل کرو تمہارے خالق کے نزدیک یہ تمہارے حق میں بہتر ہے سو اس نے تمہاری توبہ قبول فرمالی۔

آیت تورات شریف-10

تورات شریف میں ہے۔

اپنے باپ اور اپنی ماں کی عزت کرنا جیسے خداوند تیرے خدا نے حکم دیا ہے۔

(استثناء، باب:27، آیت:16)(عہد نامہ قدیم، ص:171)

دوسری آیت مبارکہ

تورات شریف میں ہے۔

لعنت اس پر جو اپنے باپ یا ماں کو حقیر جانے اور سب لوگ کہیں آمین۔(استثناء، باب:27، آیت:15)(عہد نامہ قدیم، ص:192)

آیت قرآن مجید-10

قرآن مجید میں ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل:23،24)

اور آپ کے رب نے حکم فرمایا کہ اس (اللہ) کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اگر تمہارے سامنے ان میں ایک یا دونوں بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو انہیں اف (تک) نہ کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان کے ساتھ ادب سے بات کرنا۔ اور نرم دلی کے ساتھ ان کے سامنے عاجزی سے جھکے رہنا اور کہنا کہ اے میرے رب ان دونوں پر رحم فرما کیونکہ ان دونوں نے بچپن میں میری پرورش کی ہے۔

آیت توریت شریف-11

تورات شریف میں ہے۔

تو اپنی ماں کے بدن کو جو تیرے باپ کا بدن ہے بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیری ماں ہے تو اس کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا تو اپنے باپ کی بیوی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے باپ کا بدن ہے تو اپنی بہن کے بدن کو چاہے وہ تیرے باپ کی بیٹی جو چاہے تیری ماں کی اور خواہ وہ گھر میں پیدا ہوئی ہو خواہ اور کہیں بے پردہ نہ کرنا تو اپنی پوتی یا نواسی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا

کیونکہ ان کا بدن تو تیرا ہی بدن ہے۔ تیرے باپ کی بیوی کی بیٹی جو تیرے باپ سے پیدا ہوئی ہے تیری بہن ہے تو اس کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا تو اپنی پھوپھی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے باپ کی قریبی رشتہ دار ہے۔ تو اپنی خالہ کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیری ماں کی قریبی رشتہ دار ہے۔

تو اپنے باپ کے بھائی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا یعنی اس کی بیوی کے پاس نہ جانا وہ تیری چچی ہے تو اپنی بہو کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے بیٹے کی بیوی ہے سو تو اس کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا تو اپنی بھاوج کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے بھائی کا بدن ہے تو کسی عورت اور اس کی بیٹی دونوں کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا اور نہ تو اس عورت کی پوتی یا نواسی سے بیاہ کر کے ان میں سے کسی کے بدن کو بے پردہ کرنا کیونکہ وہ دونوں اس عورت کی قریبی رشتہ دار ہیں یہ بڑی خیانت ہے۔ تو اپنی سالی سے بیاہ کر کے اسے اپنی بیوی کی سوکن نہ بنانا کہ دوسری کے جیتے جی اس کے بدن کو بھی بے پردہ کرے۔

(احبار: باب: 18، آیت: 7-18) (عہد نامہ قدیم: ص 111 تا 112)

آیت قرآن مجید-11

قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِیْلًا۝ حُرِّمَتْ عَلَیْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآىٕكُمْ وَرَبَآىٕبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ؗ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ ؗ وَحَلَآىٕلُ اَبْنَآىٕكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۝ (النساء: 22 تا 23)

جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا نے نکاح کیا ہے ان سے نکاح نہ کرو مگر جو گزر چکا ہے بے شک ایسا کام بے حیائی، موجب غضب اور بہت ہی برا راستہ ہے تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور ان کی وہ بیٹیاں جو تمہارے زیر پرورش ہیں جو تمہاری ان بیویوں سے ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو سو اگر تم نے ان سے صحبت نہیں کی ہے تو (ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں) تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اور (تم پر حرام کی گئی ہیں) تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں اور یہ کہ تم دو بہنوں کو (نکاح میں) جمع کرو مگر جو گزر چکا ہے بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

آیت تورات شریف-12

تورات شریف میں ہے:

اور تو عورت کے پاس جب تک وہ حیض کے سبب ناپاک ہے اس کے بدن کو بے پردہ کرنے کے لئے نہ جانا۔

(احبار: باب:18، آیت:19) (عہد نامہ قدیم: ص:180)

آیت قرآن مجید-12

قرآن مجید میں ہے:

فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ج (البقرہ:222)

عورتوں سے حالت حیض میں الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان سے مقاربت نہ کرو۔

آیت تورات شریف-13

تورات شریف میں ہے۔

جو جانور آپ ہی مر جائے تم اسے مت کھانا۔ (استثناء: باب:14، آیت:21) (عہد نامہ قدیم: ص:180)

دوسری آیت مبارکہ

تورات شریف میں ہے۔

فقط اتنی احتیاط ضرور رکھنا کہ تو خون کو نہ کھانا کیونکہ خون ہی تو جان ہے سو تو گوشت کے ساتھ جان کو ہرگز نہ کھانا۔

(استثناء: باب:12، آیت:23) (عہد نامہ قدیم: ص:179)

تیسری آیت مبارکہ

تورات شریف میں ہے۔

اور سؤر کو کیونکہ اس کے پاؤں الگ اور چرے ہوئے ہیں پر وہ جگالی نہیں کرتا وہ بھی تمہارے لئے ناپاک ہیں تم ان کا گوشت نہ کھانا۔ (احبار: باب:12، آیت:7-8) (عہد نامہ قدیم:103)

چوتھی آیت مبارکہ

تورات شریف میں ہے۔

اور مردار یا درندہ کے پھاڑے ہوئے جانور کو کھانے سے وہ اپنے آپ کو نجس نہ کر لے۔

(احبار: باب:22، آیت:8) (عہد نامہ قدیم: ص:115)

آیت قرآن مجید-13

قرآن مجید میں ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ

وَالْمُتَرَدِّیَةُ وَ النَّطِیْحَةُ وَمَآ اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ قف (المائدہ:3)

تم پر حرام کیا گیا ہے مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس پر وقت ذبح غیر اللہ کا نام پکارا گیا اور گلا گھٹ جانے والا اور چوٹ سے مارا ہوا اور گر کر مرا ہوا اور سینگ مارنے سے مرا ہوا اور جس کو درندے نے کھایا مگر جس کو تم نے اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کر لیا ہو۔

آیت تورات شریف-14

تورات شریف میں ہے۔

اور تجھ کو ذرا ترس نہ آئے جان کا بدلہ جان، آنکھ کا بدلہ آنکھ، دانت کا بدلہ دانت، ہاتھ کا بدلہ ہاتھ اور پاؤں کا بدلہ پاؤں ہو۔

(استثناء: باب:19، آیت: 21) عہد نامہ قدیم: ص:185)

آیت قرآن مجید-14

قرآن مجید میں ہے:

وَکَتَبْنَا عَلَیْهِمْ فِیْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ لا وَالْعَیْنَ بِالْعَیْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ لا وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ط (المائدہ:45)

اور ہم نے ان پر تورات میں فرض کیا تھا کہ جان کا بدلہ جان اور آنکھ کا بدلہ آنکھ اور ناک کا بدلہ ناک اور کان کا بدلہ کان اور دانت کا بدلہ دانت اور زخموں میں بدلہ ہے۔

آیت تورات شریف-15

تورات شریف میں ہے۔

تو کسی گھناؤنی چیز کو مت کھانا جن چوپایوں کو تم کھا سکتے ہو وہ یہ ہیں یعنی گائے، بیل اور بھیڑ، بکری اور ہرن اور چکارا اور چھوٹا ہرن اور بز کوہی اور سابر اور نیل گائے اور جنگلی بھیڑ۔ (استثناء: باب:14، آیت:3-5) (عہد نامہ قدیم: ص:180)

دوسری آیت مبارکہ

تورات شریف میں ہے۔

پاک پرندوں میں سے تم جسے چاہو کھا سکتے ہو لیکن ان میں سے تم کسی کو نہ کھانا یعنی عقاب اور استخوان خوار اور بحری عقاب اور چیل اور باز اور گدھا اور ان کی اقسام ہر قسم کا کوا۔ (استثناء: باب:14، آیت:11-14) (عہد نامہ قدیم: ص:180)

آیت قرآن مجید-15

قرآن مجید میں ہے:

وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (الاعراف:157)

وہ اُمی نبی ان کے لئے پاک چیزیں حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزیں حرام کرتے ہیں۔

آیت توراتِ شریف-16

توراتِ شریف میں ہے۔
تو اپنے بھائی کو سود پر قرض مت دینا خواہ وہ روپے کا سود ہو یا اناج کا یا کسی ایسی چیز کا سود جو بیاج پر دی جایا کرتی ہے۔
(استثناء:باب:23،آیت:19)(عہد نامہ قدیم:ص:188)

آیت قرآن مجید-16

قرآن مجید میں ہے:
وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ (البقرہ:275)
اور اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔

آیت توراتِ شریف-17

توراتِ شریف میں ہے۔
جب تو خداوند اپنے خدا کی خاطر منت مانے تو اس کو پورا کرنے میں دیر نہ کرنا اس لیے کہ خداوند تیرا خدا ضرور اس کو تجھ سے طلب کرے گا تب تو گناہ گار ٹھہرے گا لیکن اگر تو منت نہ مانے تو تیرا کوئی گناہ نہیں۔
(استثناء:باب:23،آیت:22)(عہد نامہ قدیم:ص:188)

آیت قرآن مجید-17

قرآن مجید میں ہے:
وَلْیُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ (الحج:29)
اور (اللہ تعالیٰ کے لئے مانی ہوئی) اپنی نذریں پوری کریں۔

آیت توراتِ شریف-18

توراتِ شریف میں ہے: تو اپنے قبیلہ کی سب بستیوں میں جن کو خداوند تیرا خدا تجھ کو دے قاضی اور حاکم مقرر کرنا جو صداقت سے لوگوں کی عدالت کریں تو انصاف کا خون نہ کرنا نہ تو کسی کی رورعایت کرنا اور نہ رشوت لینا کیونکہ رشوت دانش مند کی آنکھوں کو اندھا کر دیتی ہے اور صادق کی باتوں کو پلٹ دیتی ہے۔(استثناء:باب:16،آیت:18-19)(عہد نامہ قدیم:ص:182)

آیت قرآن مجید-18

قرآن مجید میں ہے:

وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (النساء:58)

اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔

دوسری آیت مبارکہ

قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (البقرہ:188)

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ وہ مال حاکموں تک پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ تم گناہ کے ساتھ جان بوجھ کر کھاؤ۔

آیت تورات شریف-19

تورات شریف میں ہے۔

اگر تم میری شریعت پر چلو اور میرے حکموں کو مانو اور ان پر عمل کرو تو میں تمہارے لیے بروقت مینہ برساؤں گا اور زمین سے اناج پیدا ہوگا اور میدان کے درخت پھلیں گے حتیٰ کہ انگور جمع کرنے کے وقت تک تم داوتے رہو گے اور جو تتے بونے کے وقت تک انگور جمع کرو گے اور پیٹ بھر اپنی روٹی کھایا کرو گے اور چین سے اپنے ملک میں بسے رہو گے اور میں ملک میں امن بخشوں گا اور تم سوؤ گے اور تم کو کوئی نہیں ڈرائے گا۔ (احبار: باب:26، آیت:3-6) (عہدنامہ قدیم: ص:120)

آیت قرآن مجید-20

قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ (المائدہ:66)

اور اگر وہ تورات اور انجیل کو قائم رکھتے اور ان (احکام) کو قائم رکھتے جو ان کے لئے ان کے رب کی طرف سے نازل کیے گئے تو وہ ضرور اپنے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے کھاتے۔

آیت تورات شریف-21

تورات شریف میں ہے۔

جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے سے صلح کا پیغام دینا اور اگر وہ تجھے صلح کا جواب دے اور اپنے پھاٹک تیرے لیے کھول دے تو وہاں کے سب باشندے تیرے باجگزار بن کر تیری خدمت کریں اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو تو اس کا محاصرہ کرنا اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار

سے قتل کر ڈالنا لیکن عورتوں اور بال بچوں اور چوپایوں اور اس کے شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لیے رکھ لینا اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھ کو دی ہو کھانا۔ ان سب شہروں کا یہی حال کرنا جو تجھ سے دور ہیں اور ان قوموں کے شہر نہیں ہیں پر ان قوموں کے شہروں میں جن کو خداوند تیرا خدا میراث کے طور پر تجھ کو دیتا ہے کسی ذی نفس کو جیتا نہ بچا رکھنا بلکہ تو ان کو یعنی حتی اور اموری اور کنعانی اور فرزی اور حوی اور یبوسی قوموں کو جیسا خداوند تیرے خدا نے تجھے حکم دیا ہے بالکل نیست کر دینا تا کہ وہ تم کو اپنے سے مکروہ کام کرنے نہ سکھائیں جو انہوں نے اپنے دیوتاؤں کے لئے کیے ہیں اور یوں تم خداوند اپنے خدا کے خلاف گناہ کرنے لگو۔ (استثناء، باب:20، آیت:10-18) (عہد نامہ قدیم، ص:185-186)

آیت قرآن مجید-21

قرآن مجید میں ہے:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ (التوبہ:5)

سو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو اور انہیں پکڑو اور ان کا محاصرہ کر لو اور ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو پس اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔

دوسری آیت مبارکہ

قرآن مجید میں ہے:

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛ ذٰلِكَ ؕ (محمد:4)

جب تمہارا کافروں سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنیں مارو حتیٰ کہ جب تم ان کا اچھی طرح خون بہا چکو تو مضبوط باندھ لو پھر خواہ ان پر احسان کر کے انہیں چھوڑ دو یا ان سے فدیہ لے کر چھوڑ و حتیٰ کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے (حکم) یہی ہے۔

تیسری آیت مبارکہ

قرآن مجید میں ہے:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ؁ (التوبہ:29)

اور اہل کتاب میں سے جو لوگ اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اس کو حرام قرار نہیں دیتے اور دین حق کو قبول نہیں کرتے ان سے قتال کرو حتیٰ کہ وہ مطیع ہو کر

۱۔ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو کسی بڑے یا چھوٹے لشکر کا امیر بناتے تو اس کو بالخصوص اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتے اور اس کے ساتھی مسلمانوں کو نیکی کی وصیت کرتے پھر آپ فرماتے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرو جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرے اس کے ساتھ جنگ کرو خیانت نہ کرو، عہد شکنی نہ کرو، کسی شخص کے اعضاء کاٹ کر اس کی شکل نہ بگاڑو اور کسی بچہ کو قتل نہ کرو۔ جب تمہارا اپنے مشرکین دشمنوں کے ساتھ مقابلہ ہو تو ان کو تین چیزوں کی دعوت دینا وہ ان میں سے جس کو بھی مان لیں اس کو قبول کر لینا اور جنگ سے رک جانا پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو اگر وہ اسلام لے آئیں تو ان کا اسلام قبول کر لو اور ان سے جنگ نہ کرو اور ان سے یہ کہو کہ وہ اپنا شہر چھوڑ کر مہاجرین کے شہر میں آجائیں اور ان کو یہ بتاؤ کہ اگر انہوں نے ایسا کر لیا تو ان کو وہ سہولتیں ملیں گی جو مہاجرین کو ملتی ہیں اور ان پر وہ ذمہ داریاں ہوں گی جو مہاجرین پر ہیں اور اگر وہ مہاجرین کے شہر میں آنے سے انکار کریں تو ان کو یہ خبر دے دو کہ پھر ان پر دیہاتی مسلمانوں کا حکم ہوگا ان پر مسلمانوں کے احکام جاری ہوں گے لیکن ان کو مال غنیمت اور مال فیٔ سے جہاد کے بغیر کوئی حصہ نہیں ملے گا اگر وہ لوگ اس دعوت کو قبول نہ کریں تو پھر ان سے جزیہ کا سوال کرو اگر وہ اس کو تسلیم کر لیں تو تم بھی اس کو قبول کر لو اور ان سے جنگ نہ کرو اور اگر وہ اس کا انکار کریں تو پھر اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ ان سے جنگ شروع کر دو اور جب تم کسی قلعہ کا محاصرہ کرو اور قلعہ والے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ضامن بنانا چاہیں تو تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ضامن نہ بنانا بلکہ اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو ضامن بنانا۔ (صحیح مسلم: ج:2، ص:82 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

آیت تورات شریف-22

تورات شریف میں ہے۔

اگر تیری بستیوں میں کہیں آپس کے خون یا آپس کے دعویٰ یا آپس کی مار پیٹ کی بابت کوئی جھگڑے کی بات اٹھے اور اس کا فیصلہ کرنا تیرے لیے نہایت ہی مشکل ہو تو تو اٹھ کر اس جگہ جسے خداوند تیرا خدا چنے گا جانا۔ اور لاوی کاہنوں اور ان دنوں کے قاضیوں کے پاس پہنچ کر ان سے دریافت کرنا اور وہ تجھے فیصلہ کی بات بتائیں گے۔

(استثناء، باب:17، آیت:8-9) (عہد نامہ قدیم، ص:183)

آیت قرآن مجید-22

قرآن مجید میں ہے:

فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (النحل:43)

اگر تم نہیں جانتے تو علم والوں سے پوچھو۔

آیت تورات شریف-23

تورات شریف میں ہے۔

اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہوگئی ہو اور کوئی دوسرا آدمی اس کو شہر میں پا کر اس سے صحبت کرلے تو تم ان دونوں کو اس شہر کے پھاٹک پر نکال لانا اور ان کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مر جائیں لڑکی کو اس لئے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے چلائی اور مرد کو اس لئے کہ اس نے اپنے ہمسایہ کی بیوی کو بے حرمت کیا یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا۔

(استثناء، باب:22، آیت:23، 24)(عہد نامہ قدیم ص:187)

آیت قرآن مجید-23

تورات کی سابقہ آیت کی تصدیق میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ (المائدہ:43)

وہ کیسے آپ کو منصف بناتے ہیں حالانکہ ان کے پاس تورات ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا حکم موجود ہے۔

ہم نے موجودہ تورات کی چندوہ آیات ذکر کی ہیں جن کا قرآن مجید مصدق ہے۔ یاد رہے کہ قرآن مجید کل موجودہ تورات کا مصدق نہیں ہے اور نہ کل موجودہ تورات کو محرف قرار دیتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے تیس سے چالیس راتیں کیسے مقرر ہوئیں

امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم الرازی متوفی 327ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل سے فرمایا۔

حضرت ہارون علیہ السلام کی اطاعت کرنا کیونکہ میں نے ان کو تم پر اپنا جانشین مقرر کر دیا ہے میں اپنے رب عزوجل کے پاس جارہا ہوں اور ان کو بتایا کہ میں تیس دن کے بعد واپس آجاؤں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تیس دن روزے رکھے انہوں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ وہ اپنے رب عزوجل سے ہم کلام ہوں اور ان کے منہ سے بو آرہی ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین سے گھاس اٹھا کر اس سے اپنے منہ کو صاف کیا اور گھاس کو چبایا جب اللہ تعالیٰ کے پاس گئے تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا تم نے روزہ کیوں افطار کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا خوب علم ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے اس چیز کو ناپسند کیا میں تجھ سے اس حال میں کلام کروں کہ میرے منہ سے بو آرہی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے موسیٰ علیہ السلام! کیا تم نہیں جانتے کہ روزہ دار کے منہ کی بو مجھے مشک سے زیادہ پسند ہے اب واپس جاؤ اور دس روزے مزید رکھو پھر میرے پاس آنا سو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

تیس راتوں سے مراد ذوالقعدہ کا مہینہ ہے اور بعد میں جو دس دن زیادہ کیے ذوالحجہ کے دس دن ہیں۔

(تفسیر ابن ابی حاتم: ج:5، ص:1556 مطبوعہ مکہ مکرمہ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چالیس راتوں کا وعدہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تیس راتوں کے بعد چالیس راتوں کا وعدہ فرمایا گیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً (البقرہ:51)

اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً (الاعراف:142)

اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا پھر اس میں دس راتوں کا اضافہ کیا سو آپ کے رب کی مقررہ مدت مکمل چالیس راتیں ہوگئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقررہ وقت پر پہنچ کر رب تعالیٰ سے کلام کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مقررہ وقت پر اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ (الاعراف:143)

اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام فرمایا۔

اے موسیٰ علیہ السلام! میں نے تیرے ساتھ دس ہزار زبانوں کی قوت سے کلام کیا ہے

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم، ابو نعیم نے حلیہ میں اور بیہقی نے الاسماء والصفات میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر شرف کلام بخشا تو یہ کلام اس کلام کے علاوہ فرمایا جو اس دن فرمایا تھا جس دن آپ کو بلایا تو موسیٰ علیہ السلام نے رب کریم سے عرض کیا اے میرے رب

عزوجل! کیا یہ تیرا وہی کلام ہے جس کے ساتھ تو نے مجھ سے کلام فرمایا۔

تو رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے موسیٰ (علیہ السلام) میں نے تیرے ساتھ دس ہزار زبانوں کی قوت سے کلام کیا ہے اور میرے پاس تمام زبانوں کی قوت ہے اور اس سے کہیں زیادہ قوت بھی ہے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف لوٹ کر گئے۔

تو انہوں نے کہا:

اے موسیٰ (علیہ السلام)! کیا تم نے گرج کی اس آواز کی طرف نہیں دیکھا جو انتہائی شیریں اور رس گھولنے والے انداز میں آتی ہے تم نے اسے سنا ہوا ہے پس وہ آواز رحمان کے کلام کے قریب قریب ہے، لیکن بعینہ وہ نہیں ہے۔

(درمنثور: ج:3، ص:370 مطبوعہ کراچی)

میرے پاس تمام زبانوں کی قوت ہے

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو فرمائی تو انہوں نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! کیا تیرا کلام اس طرح ہے؟

تو رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے موسیٰ (علیہ السلام)! میں دس ہزار زبانوں کی قوت سے تیرے ساتھ کلام کر رہا ہوں اور میرے پاس تمام زبانوں کی قوت ہے اگر میں تیرے ساتھ اپنے کلام کے اصلی اور حقیقی انداز سے گفتگو کروں تو تو کچھ بھی نہ سمجھ سکے۔

(نوادر الاصول: ص:24 مطبوعہ دار صادر بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس راتوں تک کوہ طور پر قیام پذیر رہے

حضرت ابو الحویرث عبدالرحمٰن ابن معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اسی قدر ہی گفتگو فرمائی جتنی آپ اس کو سمجھنے کی طاقت رکھتے تھے اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے جمیع کلام کے ساتھ گفتگو فرماتا تو کوئی چیز بھی آپ نہ سمجھ سکتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس راتوں تک وہاں ٹھہرے رہے اور کوئی بھی آپ علیہ السلام کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا جو دیکھتا وہ رب العالمین کے نور کی تاب نہ لا کر مر جاتا۔

(مستدرک: ج:2، ص:629 مطبوعہ بیروت)

اے میرے رب عزوجل! کیا تیرا کلام اسی طرح ہے؟

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو سے پہلے تمام زبانوں کے واسطہ سے آپ علیہ السلام سے گفتگو فرمائی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ کہنے لگے۔

اے میرے رب عزوجل! میں نہیں سمجھ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی زبان کے ساتھ آواز کی مثل دوسری زبانوں میں آپ سے گفتگو فرمائی۔

تو آپ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! کیا تیرا کلام اسی طرح ہے؟

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

نہیں! اگر تو میرا کلام اپنی حقیقی حالت پر سنے تو تو کچھ بھی نہ سمجھے۔

آپ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! کیا تیری مخلوق میں کوئی ایسی شے ہے جو تیرے کلام کے مشابہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

نہیں! بجلی کی گرج کی آواز جو لوگوں نے سن رکھی ہے وہی میری مخلوق میں سے میرے کلام کے مشابہ ہونے کے زیادہ قریب ہے۔ (تفسیر عبدالرزاق: ج:2، ص:93 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ایک ہزار دو سو کلمات کے ساتھ کلام فرمایا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ

جب میرے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب عزوجل سے ہم کلام ہونے کے لئے نکلے تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کے ساتھ ایک ہزار دو سو کلمات کے ساتھ گفتگو فرمائی۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بربری زبان میں آپ علیہ السلام سے گفتگو فرمائی۔

اور ارشاد فرمایا: اے موسیٰ (علیہ السلام)! میں اپنے آپ کو ان کلمات سے تعبیر کرتا ہوں۔

انا اللہ اکبر

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! تو نے دنیا اپنے دشمنوں کو دی ہے اور اپنے دوستوں کو اس سے روکا ہے اس میں کیا حکمت ہے؟

تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ میں نے اپنے دشمنوں کو دنیا عطا کی ہے تا کہ وہ اس میں تردد کرتے رہیں اور میں نے اپنے دوستوں کو اس سے منع کیا ہے تا کہ وہ عجز وانکساری اختیار کریں۔

(الفردوس بماثور الخطاب: ج:3، ص:425 مطبوعہ مکہ مکرمہ)

اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لباس

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرف کلام سے نوازا اس دن آپ علیہ السلام اون کا جبہ، چادر، پائجامہ اور ٹوپی پہنے ہوئے تھے اور آپ علیہ السلام کے نعلین غیر ذبح شدہ گدھے کے چمڑے سے بنے ہوئے تھے۔

(مستدرک: ج: 1، ص: 81 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تو جو فرمانا تھا وہ فرما دیا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب عزوجل کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور یہ ارادہ کیا کہ وہ آپ علیہ السلام سے تیس دن کے بعد کلام فرمائے گا اور آپ علیہ السلام نے ان دنوں میں دن رات کے روزے رکھے تو آپ علیہ السلام نے ناپسند کیا کہ آپ علیہ السلام اپنے رب عزوجل سے ہم کلام ہوں اور آپ علیہ السلام کے منہ کی بو روزے دار کے منہ کی بو کے مثل ہو۔ پس آپ علیہ السلام نے زمین کی ایک بوٹی منہ میں ڈالی اور اس کو خوب چبایا تو آپ علیہ السلام کے رب عزوجل نے آپ علیہ السلام سے فرمایا:

تم نے روزہ افطار کیوں کیا ہے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ حقیقی کیفیت کو جانتا تھا۔

تو آپ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے تیرے ساتھ کلام کرنے کو ناپسند کیا ہے مگر اس حالت میں کہ میرے منہ میں انتہائی اچھی پاکیزہ خوشبو ہو۔

تو رب کریم نے ارشاد فرمایا:

اے موسیٰ (علیہ السلام)! کیا تو جانتا ہے کہ روزے دار کے منہ کی بو میرے نزدیک کستوری کی خوشبو سے اچھی اور زیادہ پسندیدہ ہے لہٰذا لوٹ جا اور دس دن روزے رکھ اور پھر میری طرف آنا پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہی کچھ کیا جس کا حکم ان کے رب تعالیٰ نے انہیں فرمایا پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تو جو فرمانا تھا وہ فرما دیا۔

(الفردوس للدیلمی، رقم الحدیث: 5309)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہزار مقام سے کلام فرمایا

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہزار مقام سے گفتگو فرمائی اور جب بھی اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو شرف

کلام بخشا تو آپ علیہ السلام نے تین دن تک اپنے چہرہ پروہ نور دیکھا اور جب سے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا پھر آپ علیہ السلام کسی زوجہ محترمہ کے قریب نہیں گئے۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:4،ص:50 مطبوعہ مصر)

اے میرے رب عزوجل! تیرے کون سے بندے تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل سے کلام کیا تو کہا۔

اے میرے رب عزوجل! تیرے کون سے بندے تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ بندے جو میرا ذکر کثرت سے کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: تیرا کون سا بندہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ بندہ جو اپنے نفس کے خلاف اسی طرح فیصلہ کرتا ہے جیسے لوگوں کے خلاف کرتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! تیرے بندوں میں سے زیادہ غنی کون ہے؟

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ بندہ جو اس پر راضی ہو جائے جو کچھ میں اسے عطا کر دوں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج:7،ص:76 مطبوعہ مدینہ منورہ)

اے میرے رب عزوجل! میں تجھے کہاں تلاش کروں

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ

قصیر نے کہا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں تجھے کہاں تلاش کروں؟

تو رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مجھے ان کے پاس تلاش کرو جن کے دل عجز وانکساری کرنے والے ہیں میں ہر روز ایک کرم ان کے قریب ہوتا ہوں اگر اس طرح نہ ہو تو وہ گر جائیں۔ (کتاب الزہد،ص:95 مطبوعہ بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے کلام کرتے وقت کون سے کلمات سیکھے

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں التجاء کی۔

اے میرے رب عزوجل! مجھے ایسی چیز سکھادے جس کے ساتھ میں تیرا ذکر کروں اور تجھے پکاروں۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے موسیٰ علیہ السلام! کہولا الہ الا اللہ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! اس طرح تو تیرے سارے بندے ذکر کرتے ہیں۔

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

کہو "لا الہ الا اللہ"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

لا الٰہ الا انت یا رب ۔

اے میرے رب عزوجل! میں ایسی شے کا ارادہ کر رہا ہوں جسے تو میرے ساتھ خاص فرمادے۔

تو رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے موسیٰ علیہ السلام! اگر ساتوں آسمان اور میرے سوا ان میں موجود ہر شے اور ساتوں زمینیں ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دی جائیں اور لا الہ الا اللہ دوسرے پلڑے میں تو ان تمام کے مقابلے میں لا الہ الا اللہ کا پلڑا بھاری ہوگا۔

(مستدرک: ج:1، ص:710 مطبوعہ بیروت)

رب تعالیٰ کن کو عرش کا سایہ عطا فرمائے گا

حضرت عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

اے میرے رب عزوجل! کون ہیں وہ جنہوں نے ان لوگوں کو ہلاک کیا جنہوں نے انہیں ہلاک کیا جنہیں تو اپنے عرش کا سایہ عطا فرمائے گا۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ لوگ ہیں جن کے ہاتھ (ظلم وزیادتی سے) بری ہوں گے جن کے دل پاک ہوں گے یہ وہ لوگ ہیں جو میری عظمت اور جلال کے سبب ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں وہ لوگ ہیں کہ جب میں ذکر کرتا ہوں تو وہ میرے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور جب وہ ذکر کرتے ہیں تو میں بھی ان کے ذکر کے ساتھ ذکر کرتا ہوں وہ لوگ ہیں جو تکلیف اور مشکل کے لمحات میں اچھی طرح سے وضو کرتے ہیں اور وہ میرے ذکر کی طرف اس طرح رجوع کرتے ہیں جیسے گدھیں اپنے گھونسلوں کی طرف لوٹتی ہیں اور وہ

میری محبت کے اس طرح پابند ہوتے ہیں جیسے بچے لوگوں کی محبت کے مشتاق ہوتے ہیں اور میری حرام کردہ چیزوں کو جب حلال سمجھا جائے تو وہ اس طرح غضب ناک ہوتے ہیں جیسے چیتے کو جب کوئی غم اور تکلیف پہنچے تو وہ غیظ وغضب میں ہوتا ہے۔

(کتاب الزہد، ص:95 مطبوعہ بیروت)

تیرے بندوں میں سے کون زیادہ غنی ہے؟

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل سے یہ پوچھا۔

تیرے بندوں میں سے کون زیادہ غنی ہے؟

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ بندہ جو اسی پر قناعت کرتا ہے جو اسے دیا جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

تیرے بندوں میں سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہے؟

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ جو لوگوں کے لئے بھی ایسے ہی فیصلے کرتا ہے جیسے اپنے لئے کرتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

تیرے بندوں میں سے زیادہ علم والا کون ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

جو زیادہ ڈرنے والا ہے۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:3، ص:293 مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر)

اے رب عزوجل! تیرے بندوں میں سے کون زیادہ شقی اور بدبخت ہے؟

حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

اے میرے رب عزوجل! زبان اور دل کے ساتھ تیرا ذکر کرنے کی جزا کیا ہے؟

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے موسیٰ (علیہ السلام) قیامت کے دن میں اسے اپنے عرش کے سائے میں جگہ عطا فرماؤں گا اور میں اس کو اپنی حفاظت اور رحمت میں رکھوں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے رب عزوجل! تیرے بندوں میں سے کون زیادہ شقی اور بد بخت ہے؟

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ آدمی جسے نصیحت کوئی فائدہ نہ دے اور جب وہ تنہائی اور خلوت میں ہو تو میرا ذکر نہ کرے۔

(حلیۃ الاولیاء، ج:4، ص:45 مطبوعہ مصر)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رب تعالیٰ سے بیوہ کی کفالت کرنے والے کے متعلق پوچھنا

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

اے میرے رب عزوجل! اس آدمی کی کیا جزا ہے جو یتیم کو گھر میں پناہ دیئے رکھے حتیٰ کہ وہ مستغنی ہو جائے یا کسی بیوہ کی کفالت کرتا رہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

میں اس کو جنت میں سکونت عطا فرماؤں گا اور اس دن اس کو سایہ مہیا کروں گا جس دن میرے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:2، ص:20 مطبوعہ مصر)

جب تو میرے ساتھ کلام کر رہا ہو تو خوف زدہ دل اور سچ بولنے والی زبان کے ساتھ کلام کر

حضرت ابوالجلد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ! جب تو میرا ذکر کرے تو میرا ذکر اس طرح کر کہ تیرے اعضاء کانپنے لگیں میرا ذکر کرتے وقت تو خشوع کرنے والا اور مطمئن ہو جا اور جب تو میرا ذکر کرے تو اپنی زبان کو اپنے دل کے پیچھے رکھ اور جب تو میرے سامنے کھڑا ہو تو حقیر و ذلیل بندے کے مقام پر کھڑا ہو اور اپنے نفس کی مذمت کر اور یہی مذمت کا زیادہ مستحق ہے اور جب تو میرے ساتھ کلام کر رہا ہو تو خوفزدہ دل اور سچ بولنے والی زبان کے ساتھ کلام کر۔

(کتاب الزہد، ص:85 مطبوعہ بیروت)

ہر شے کو بنانے والا ہوں

حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

اے میرے رب عزوجل! عنقریب وہ مجھ سے سوال کریں گے تیری ابتداء کیسے ہوئی؟

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

تم انہیں یہ بتانا کہ بے شک میں ہر شے سے پہلے ہوں ہر شے کو بنانے والا ہوں اور ہر شے کے بعد بھی ہوں گا۔

(کتاب الزہد، ص:84 مطبوعہ بیروت)

اے میرے رب عزوجل! مجھ پر ایسی پختہ نشانی نازل فرما جسے میں لے کر تیرے بندوں میں چلتا رہوں

حضرت ابوالجلد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا۔

اے میرے رب عزوجل! مجھ پر ایسی پختہ نشانی نازل فرما جسے لے کر میں تیرے بندوں میں چلتا رہوں تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی اے موسیٰ علیہ السلام! تو جا اور جو تو پسند کرے کہ وہ میرے بندے تیری طرف لے کر آئیں پس وہی تو ان کی طرف لے کر جائے گا۔ (کتاب الزہد،ص:84 مطبوعہ بیروت)

اے میرے رب عزوجل! کون سی چیز جو زمین میں سب سے کم رکھی گئی ہے

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! کون سی چیز ہے جو زمین میں سب سے کم رکھی گئی ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

عدل ان اشیاء میں سب سے کم ہے جو زمین میں رکھی گئی ہے۔ (کتاب الزہد،ص:86 مطبوعہ بیروت)

اے میرے رب عزوجل! تیرے بندوں میں سے کون تیرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! تیرے بندوں میں سے کون تیرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

جو اپنی رؤیت کے ساتھ ذکر کرنے والا ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! تیرے بندوں میں سے کون تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ لوگ جو مریضوں کی بیمار پرسی کرتے ہیں، بچے کی موت پر رونے والی عورت کو صبر اور حوصلہ دلاتے ہیں اور گم کردہ راہ عورت کو منزل مقصود تک پہنچا دیتے ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء،ج:4،ص:45 مطبوعہ مصر)

میں تم پر اپنے بندوں میں سے ایک بندے کے ساتھ کلام کرنے والا ہوں

حضرت ابوسلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قول بیان کیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں (شانِ قدرت کے مطابق) جھانک کر دیکھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل سے بڑھ کر تواضع کرنے والا کوئی دل نہیں پایا لہٰذا اس کی تواضع کے سبب آپ علیہ السلام کو شرف ہم کلامی کے لئے مختص فرما دیا۔

راوی بیان فرماتے ہیں کہ

ابو سلیمان کے علاوہ کسی اور نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کی طرف وحی فرمائی کہ میں تم پر اپنے بندوں میں سے ایک بندے کے ساتھ کلام کرنے والا ہوں تو پہاڑ فخر اور تکبر کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ ان پر بندے سے کلام فرمائے گا لیکن کوہ طور نے تواضع اور انکساری کی اور کہا: اگر کوئی شے اس کا مقصد بنائی گئی ہے تو وہ ہو کر رہے گی۔

راوی کا بیان ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے طور کی تواضع کے سبب اس پر حضرت موسیٰ سے کلام فرمایا۔

(شعب الایمان: ج:6، ص:295 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

جبل طور کی عاجزی وانکساری

حضرت نوف بکالی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کی جانب وحی فرمائی۔ میں تم میں سے کسی پہاڑ پر نزول فرمانے والا ہوں تو جبل طور کے سوا تمام پہاڑ فخر و تکبر سے بلند ہو گئے صرف جبل طور نے تواضع وانکساری کا اظہار کیا اور کہا جو میرے لیے حصہ بنایا گیا ہے میں اس پر راضی ہوں اور امر اسی کے مطابق ہے۔ (حلیۃ الاولیاء: ج:6، ص:49 مطبوعہ مصر)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے کلام کرتے وقت ابلیس لعین کا آنا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ میں حضرت ابو خالد الاحمق رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول بیان کیا ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تو ابلیس پہاڑ پر ظاہر ہوا اچانک حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس کو پا لیا اور فرمایا اے لعین دور ہو جا۔ کیا تو یہاں پر بھی کام کر رہا ہے۔

تو اس لعین نے کہا:

میں آیا ہوں اور میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وہی توقع رکھتا ہوں جو میں نے ان کے باپ سے رکھی۔

تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس کو فرمایا:

اے لعین! پیچھے ہٹ جا، دور ہو جا۔

پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام بیٹھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت وطاقت پر رونے لگے اللہ تعالیٰ نے جسے گویائی عطا فرمائی تو اس نے کہا: اے جبرائیل علیہ السلام! یہ رونا کیسا ہے؟ انہوں نے کہا بے شک میں اللہ تعالیٰ کے انتہائی قرب میں

ہوں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کا کلام اس طرح سنوں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سنتے ہیں تو جب نے کہا! اے جبرائیل علیہ السلام! میں موسیٰ علیہ السلام کا جبہ ہوں اور میں ان کے جسم پر ہوں کیا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ قریب ہوں یا تم۔ اے جبرائیل علیہ السلام میں وہ نہیں سن سکتا جو تو سنتا ہے۔ (درمنثور: ج:3، ص: 379 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے رب عزوجل سے اجتماعی نیکی اور بھلائی کے بارے میں سوال کرنا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے الزہد اور علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل سے اجتماعی نیکی اور بھلائی کے بارے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لوگوں کو ایسی چیزوں کا عادی بنا دے جن کا عادی بننا تو خود پسند کرتا ہے۔ (درمنثور: ج:3، ص:372 مطبوعہ کراچی)

بیٹے پر رونے والی ماں کو صبر دلانے کی جزاء کا پوچھنا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن شاہین رحمۃ اللہ علیہ نے ترغیب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا:

اے رب عزوجل! اس کی جزا کیا ہے، جس نے بیٹے پر رونے والی ماں کو صبر دلایا۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

میں اس دن اسے اپنا سایہ عطا فرماؤں گا جس دن میرے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہیں ہوگا۔

(درمنثور: ج:3، ص:376 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام کے لئے قریب ہوتے وقت ایک شخص کو عرش کے سائے میں دیکھنا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام آدم بن ایاس رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب العلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے کہ:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کلام کے لئے قریب ہوئے تو آپ علیہ السلام نے عرش کے سائے میں ایک شخص کو دیکھا آپ علیہ السلام کو اس مکان پر رشک آ گیا تو اس کے بارے میں پوچھا تو اس کے نام کے بارے تو آپ کو نہ بتایا گیا البتہ اس کے عمل سے مطلع کر دیا گیا پس اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق ارشاد فرمایا: یہ آدمی لوگوں کے ساتھ اس پر حسد نہیں کرتا جو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل میں سے عطا فرماتا ہے والدین کے ساتھ نیکی اور فرمانبرداری کا سلوک کرتا ہے اور چغل خوری نہیں کرتا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے موسیٰ علیہ السلام! تو کیا طلب کرنے کے لئے آیا ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں ہدایت طلب کرنے کے لئے آیا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے موسیٰ (علیہ السلام)! تحقیق تو نے پالی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میری وہ لغزشیں معاف فرما دے جو زمانہ ماضی میں ہوئیں اور جو مستقبل میں ہوں گی اور جوان کے درمیان میں ہوں گی اور وہ جنہیں تو مجھ سے بہتر جانتا ہے اور میں نفس کے وسوسہ اور برے عمل سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

تو آپ علیہ السلام سے کہا گیا۔

اے موسیٰ (علیہ السلام)! تیرے لیے کافی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! کون سا عمل تیرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں وہ کرتا رہوں؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے موسیٰ (علیہ السلام)! میرا ذکر کیا کر۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر استفسار کیا۔

اے میرے رب عزوجل! تیرے بندوں میں سے زیادہ متقی کون ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ جو میرا ذکر کرتا ہے اور مجھے بھولتا نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! تیرے بندوں میں سے زیادہ غنی کون ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

جو اس پر قناعت کر لیتا ہے جو کچھ اس کو دیا جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! تیرے بندوں میں سے افضل کون ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ جو حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اور خواہش نفس کی پیروی نہیں کرتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! تیرے بندوں میں سے زیادہ عالم کون ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ جو اپنے علم کی خاطر لوگوں کے علم کا طالب ہوتا ہے شاید وہ کوئی ایسا کلمہ سن لے جو ہدایت کی جانب اس کی رہنمائی کر دے یا کوئی ردی اور بیکار عمل اس سے دور کر دے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! عمل کے اعتبار سے تیرے نزدیک تیرا کون سا بندہ محبوب ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ جس کی زبان جھوٹ نہیں بولتی اس کی شرم گاہ بدکاری کا ارتکاب نہیں کرتی اور اس کا دل فسق وفجور کا مرتکب نہیں ہوتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! اس اثر پر کون ہوگا؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

حسین تخلیق میں بندہ مومن کا دل۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! تیرے بندوں میں سے کون تیرے نزدیک زیادہ مبغوض ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ جو رات کے وقت سردار ہو اور دن کے وقت ناحق کرنے والا ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

اس اثر پر کون ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: بدصورت تخلیق میں کافر کا دل۔ (درمنثور، ج:3، ص376 تا 377 مطبوعہ کراچی)

بغیر وضو کی حالت میں موت آجائے تو اپنے نفس کو ملامت کرنا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اہل کتاب میں سے ایک سخت آدمی (قسی اجل) سے یہ قول بیان فرمایا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی: اے موسیٰ (علیہ السلام) اگر تجھے ایسی حالت میں موت آجائے کہ تو بغیر وضو کے ہو تو اپنے نفس کے سوا کسی کو ملامت نہ کرنا۔

مزید فرماتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اللہ تعالیٰ صدقہ کے ساتھ مصائب وآلام کے ستر دروازے

بند کر دیتا ہے۔ مثلاً غرق ہونا، جل جانا، چوری اور ذات الجنب۔

راوی بیان فرماتے ہیں کہ

آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی مقدس بارگاہ میں عرض کیا:

کیا جہنم بھی۔

تو رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ہاں! جہنم بھی۔ (درمنثور: ج:3، ص:377 مطبوعہ کراچی)

خیر اور بھلائی سکھاؤ اور سیکھو

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ خیر اور بھلائی سکھاؤ اور سیکھو کیونکہ میں خیر کی تعلیم دینے والے اور تعلیم حاصل کرنے والے کی قبر کو منور کر دیتا ہوں حتیٰ کہ وہ اپنی جگہوں میں کوئی وحشت محسوس نہیں کرتے۔

(درمنثور: ج:3، ص:377 مطبوعہ کراچی)

اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انگوٹھی پر لکل اجل کتاب لکھنے کا فرمانا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے نوادر الاصول میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

انہوں نے فرمایا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام طور سیناء پر تشریف لے گئے تو رب تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی انگلی میں انگوٹھی دیکھی۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے موسیٰ علیہ السلام! یہ کیا ہے؟ حالانکہ وہ خود بہتر جانتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! یہ مردوں کے لئے زیور میں سے ایک شے ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

کیا اس پر میرے اسماء یا کلام میں سے کچھ لکھا ہوا ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

نہیں!

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
تو اس پر لکھ لو "لکل اجل کتاب"
ہر میعاد کے لئے ایک نوشتہ ہے۔ (درمنثور، ج:3، ص:372 مطبوعہ کراچی)

اے موسیٰ (علیہ السلام)! کیا تو مجھ سے راضی نہیں ہے کہ میں اس کا کفیل ہوں

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:
امام حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول بیان کیا ہے کہ
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:
اے میرے رب عزوجل! تو بچے کو اس کے والدین سے یتیم کر کے اسے اس طرح چھوڑ دیتا ہے؟
تو رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
اے موسیٰ (علیہ السلام)! کیا تو مجھ سے راضی نہیں ہے کہ میں اس کا کفیل ہوں۔ (درمنثور، ج:3، ص:377 مطبوعہ کراچی)

رب تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ بندہ

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:
امام ابن مبارک نے حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول بیان کیا ہے کہ
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:
اے میرے رب عزوجل! تیرے بندوں میں سے کون تیرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
وہ جو میرے متعلق زیادہ علم رکھتا ہے۔ (درمنثور، ج:3، ص:378 مطبوعہ کراچی)

لوگوں میں سے کون زیادہ عالم ہے؟

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:
امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمرو بن قیس رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:
اے میرے رب عزوجل! لوگوں میں سے کون زیادہ متقی ہے؟
تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
وہ جو میرا ذکر کرتا ہے اور بھولتا نہیں۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

لوگوں میں سے کون زیادہ عالم ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وہ جو اپنے علم کی خاطر لوگوں سے علم اخذ کرتا ہے۔ (درمنثور: ج:3،ص:378 مطبوعہ کراچی)

میں نے تیرے ساتھ کلام کیوں کیا؟

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علاء بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت کیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

اے موسیٰ (علیہ السلام)! کیا تو جانتا ہے کہ میں نے تیرے ساتھ کیوں کلام کیا ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

نہیں! اے میرے رب عزوجل!

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اس لیے کہ میں نے ایسی کوئی مخلوق پیدا نہیں کی جس نے میرے لیے تیری مثل تواضع کی ہو۔

(درمنثور: ج:3،ص:379 مطبوعہ کراچی)

چالیس دن کوہ طور پر ٹھہرنے کے بعد آپ علیہ السلام کی طرف دیکھنے کی کسی میں تاب نہ تھی

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

ابوالشیخ نے عبدالرحمٰن بن معاویہ سے یہ روایت کیا ہے کہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل سے کلام کیا تو چالیس دن تک آپ وہاں ٹھہرے رہے اور کسی میں آپ کو دیکھنے کی تاب نہ تھی (اور جو دیکھتا) وہ رب العالمین کے نور (کی چمک) سے مر جاتا۔ (درمنثور: ج:3،ص:371 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کلام کے بعد چہرے پر نقاب پہنے رہا کرتے تھے

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عروہ بن رویم رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب سے اپنے رب عزوجل سے کلام کیا پھر عورتوں کے پاس نہیں آئے اور آپ علیہ السلام اپنے چہرے پر نقاب پہنے رہا کرتے تھے کوئی بھی آپ علیہ السلام کے چہرے کی طرف نہیں دیکھ سکتا تھا مگر وہ مر جاتا اور آپ علیہ السلام نے جس عورت کے لئے بھی اپنے چہرے کو ننگا کیا تو سورج کی شعاعوں کی مثل شعاعیں اسے ڈھانپ لیتیں اور وہ اپنے ہاتھ اپنے چہرے پر رکھ لیتی اور اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہوئے گر جاتی۔ (درمنثور: ج:3،ص:372 مطبوعہ کراچی)

ان کی امت کے لوگ حمد کرنے والے ہیں

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام ابوبکر بن ابی عاصم نے کتاب السنۃ میں اور ابونعیم رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام راستے میں چل رہے تھے تو اللہ تعالیٰ جو قادر مطلق اور جبار ہے کی جانب سے آپ کو ندا آئی۔ اے موسیٰ علیہ السلام! پس آپ علیہ السلام دائیں بائیں متوجہ ہوئے لیکن کسی (آواز دینے والے) کو نہیں دیکھا۔ پھر دوسری بار اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو نداء فرمائی: اے موسیٰ بن عمران! (علیہ السلام)! پھر آپ علیہ السلام دائیں بائیں متوجہ ہوئے لیکن کسی کو نہیں دیکھا اور آپ علیہ السلام پر گھبراہٹ طاری ہوگئی پھر تیسری بار ندا دی گئی اے موسیٰ بن عمران! انا اللہ لا الہ الا انا۔

تو آپ علیہ السلام نے کہا:

لبیک لبیک! پھر آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ میں گر گئے۔

تو رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے موسیٰ علیہ السلام! میں یہ پسند کرتا ہوں کہ تو اس دن میرے عرش کے سائے میں رہے جس دن میرے عرش کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا (لہٰذا) تو یتیم کے لئے رحیم وشفیق باپ کی طرح ہو جا اور بیوہ عورت کے لئے مہربان خاوند کی طرح ہو جا۔ اے موسیٰ بن عمران! تو رحم کر تجھ پر رحم کیا جائے گا۔ اے موسیٰ علیہ السلام! جیسا تو کرے گا ویسا تیرے ساتھ کیا جائے گا۔ اے موسیٰ (علیہ السلام)! بنی اسرائیل کے نبی! جو مجھ سے اس حال میں ملا کہ وہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار کرتا ہو میں اسے جہنم میں داخل کروں گا تو آپ علیہ السلام نے عرض کی: احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں؟

تو رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے موسیٰ (علیہ السلام)! مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! میں نے ایسی کوئی مخلوق پیدا نہیں کی جو اس سے بڑھ کر میرے نزدیک عزت وشرف والی ہو۔ میں نے زمین وآسمان اور شمس وقمر کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال قبل اس کا نام اپنے نام کے ساتھ عرش پر لکھا ہے اور مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! جنت میری ساری مخلوق پر حرام ہے حتیٰ کہ (سیّدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت اس میں داخل ہوگی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

(سیّدنا) احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت کون لوگ ہیں؟

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ان کی امت کے لوگ بہت زیادہ حمد کرنے والے ہیں وہ اترتے چڑھتے اور ہر حال میں حمد کرتے رہیں گے۔ اپنی کمروں

کو مضبوطی سے باندھے رہیں گے اور اپنے اعضاء کو پاک رکھیں گے وہ دن کے وقت روزہ دار ہوں گے اور رات کے وقت عبادت گزار، میں ان سے تھوڑا سا عمل بھی قبول کرلوں گا اور انہیں لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دینے کے سبب جنت میں داخل کردوں گا۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

اجعلنی نبی تلك الامة۔

مجھے اس امت کا نبی بنادے۔

تو رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اس امت کا نبی اس میں سے ہوگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا:

مجھے اس نبی کی امت میں سے بنادے۔

تو رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے موسیٰ (علیہ السلام) تو پہلے آیا ہے اور وہ بعد میں آجائے گا لیکن میں عنقریب تمہیں دار الجلال میں جمع فرمادوں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چالیس دنوں میں حدث لاحق نہ ہوا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کریمہ میں اربعین لیلۃ کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ

یہ ذی القعدہ اور دس دن ذی الحجہ کے تھے یہ اس کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو پیچھے چھوڑ گئے اور ان پر ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنا کر گئے۔ آپ علیہ السلام طور پر چالیس راتیں ٹھہرے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر تورات تختیوں میں نازل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قریب سے گفتگو فرمائی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قلم کے چلنے کی آواز سنی اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ چالیس دنوں میں آپ علیہ السلام کو حدث لاحق نہ ہوا حتیٰ کہ آپ علیہ السلام طور سے اتر آئے۔ (تفسیر طبری: ج:1، ص:322 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کہنا اے میرے رب عزوجل! مجھے اپنی ذات اقدس دکھا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل سے کہا کہ مجھے اپنی ذات اقدس دکھا کہ میں تجھے دیکھوں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ؕ (الاعراف:143)

موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! مجھے اپنی ذات دکھا کہ میں تجھے دیکھوں۔

اے میرے رب عزوجل! مجھے قوت عطا فرما کہ میں تیری طرف دیکھ سکوں

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما "قَالَ رَبِّ اَرِنِیْ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

اے میرے رب عزوجل! مجھے قوت عطا فرما کہ میں تیری طرف دیکھ سکوں۔

(تفسیر طبری: ج:9، ص:62 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

کلام سننے کے بعد رب تعالیٰ کو دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: امام عبد بن حمید اور ابن منذر رحمۃ اللہ علیہما نے بیان کیا ہے کہ "قَالَ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ؕ" کی تفسیر میں حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام باری تعالیٰ سنا تو آپ علیہ السلام میں رب تعالیٰ کے دیدار کی خواہش پیدا ہوئی۔

(درمنثور: ج:3، ص:380 مطبوعہ کراچی)

رب تعالیٰ کا فرمانا کہ تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے میرے رب عزوجل مجھے اپنی ذات اقدس دکھا تو رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے البتہ تم اس پہاڑ کی طرف دیکھو اگر میری تجلی کے باوجود یہ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو عنقریب تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ (الاعراف:143)

فرمایا تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے البتہ تم اس پہاڑ کی طرف دیکھو اگر (میری تجلی کے باوجود) یہ اپنی جگہ برقرار رہا تو عنقریب تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔

تجلی فرمانے سے پہاڑ کا ریزہ ریزہ ہونا

تجلی سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا (الاعراف:143)

پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا۔

تجلی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بے ہوش ہو کر گر جانا

جب اللہ تعالیٰ نے تجلی فرمائی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر نیچے تشریف لے آئے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ (الاعراف:143)

اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہوش آنے پر رب تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہوش آیا تو کہا تو پاک ہے میں نے تیرے حضور توبہ کی اور میں ایمان لانے والوں میں سب سے پہلا ہوں۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (الاعراف:143)

پھر جب ان کو ہوش آیا تو کہا تو پاک ہے میں نے تیرے حضور توبہ کی اور میں ایمان لانے والوں میں سب سے پہلا ہوں۔

اے موسیٰ (علیہ السلام) کوئی زندہ مجھے نہیں دیکھے گا مگر وہ مر جائے گا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ تلاوت فرمائی اور فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے موسیٰ (علیہ السلام)! کوئی زندہ مجھے نہیں دیکھے گا مگر وہ مر جائے گا کوئی خشک مجھے نہیں دیکھے گا مگر وہ لڑھک جائے گا اور کوئی تر مجھے نہیں دیکھے گا مگر وہ متفرق ہو جائے گا مجھے وہ اہل جنت دیکھیں گے جن کی آنکھیں نہیں مریں گی اور نہ ان کے جسم بوسیدہ ہوں گے۔ (نوادر الاصول: ص:142 مطبوعہ دار صادر بیروت)

پہاڑ تجلی سے زمین میں دھنس گیا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا اور ارشاد فرمایا:

اس طرح اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں کے ساتھ اشارہ کیا اور اپنے انگوٹھے کے کنارے کو خنصر (چھوٹی انگلی) کے پورے پر رکھا۔ اور ایک روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خنصر کے اوپر والے جوڑ پر رکھا پس پہاڑ دھنس گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے اور ایک روایت کے الفاظ ہیں پس پہاڑ زمین میں دھنس گیا اور وہ قیامت کے دن تک اس میں نیچے دھنستا ہی رہے گا۔ (تفسیر طبری: ج:9، ص:66 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ نے خنصر کی انگلی کی مقدار تجلی فرمائی

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ کی تفسیر میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خنصر کی انگلی کی مقدار تجلی فرمائی جَعَلَهٗ دَكًّا تو اس نے اسے مٹی بنادیا۔ وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا اور موسیٰ علیہ السلام گر پڑے درآں حالیکہ آپ علیہ السلام پر غشی طاری تھی۔ (تفسیر طبری: ج:9،ص:65 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

تجلی کے سبب سات پہاڑ اڑ گئے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے (پہاڑ پر) تجلی فرمائی تو اس کے سبب سات پہاڑ اڑ گئے ان میں سے حجاز میں پانچ ہیں اور یمن میں دو ہیں۔

حجاز میں یہ ہیں۔

1-احد، 2-ثبیر

3-حراء، 4-ثور

5-اور ورقان

اور یمن میں یہ ہیں۔

1-حصور، 2-اور صیر۔ (مجمع الزوائد: ج:7،ص:95 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ نے تجلی کے پہاڑ کے اردگرد ملائکہ کو کھڑا فرمادیا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کے رب عزوجل نے کلام فرمایا تو انہوں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھنا چاہا اور التجاء کر دی تو رب تعالیٰ نے جواب دیا۔ "لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ" تم ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتے البتہ تم پہاڑ کی طرف دیکھو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے (تجلی کے وقت) پہاڑ کے اردگرد ملائکہ کو کھڑا کر دیا پھر ملائکہ کو آگ کے ساتھ گھیر لیا پھر آگ کے اردگرد ملائکہ کو کھڑا کیا اور پھر ان کے اردگرد آگ جمع کر دی اور پھر آپ علیہ السلام کے رب عزوجل نے پہاڑ پر تجلی ڈالی اور خنصر کی مثل

تجلی ڈالی تو صرف اس پہاڑ کو پاش پاش کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے وہ اتنی دیر بے ہوش رہے جتنی دیر اللہ تعالیٰ نے چاہا پھر جب آپ علیہ السلام کو افاقہ ہوا تو کہا۔

سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ٥

یعنی میں بنی اسرائیل میں سے سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں۔

(تفسیر طبری: ج:9، ص:69 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

تیری مخلوق میں سے کوئی شے تجھے نہیں دیکھ سکتی

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ٥ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

میں سب سے پہلا اس پر ایمان رکھنے والا ہوں کہ تیری مخلوق میں سے کوئی شے تجھے نہیں دیکھ سکتی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کی خواہش کا اظہار کرنے سے پہلے کلام

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابو الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل سے یہ عرض کیا اے میرے رب عزوجل! مجھے دیکھنے کی قوت دے تاکہ میں تیری طرف دیکھ سکوں۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے موسیٰ (علیہ السلام) بلاشبہ تم ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتے۔

آپ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے موسیٰ (علیہ السلام)! کبھی بھی اس طرح نہیں ہوگا کہ کوئی مجھے دیکھے اور زندہ بھی رہے۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں تجھے دیکھوں اور پھر مر جاؤں ایسا ہونا میرے نزدیک اس سے بڑھ کر پسندیدہ اور محبوب ہے کہ میں تجھے نہ دیکھوں اور پھر زندہ رہوں۔

تو پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ارشاد فرمایا:

اے موسیٰ (علیہ السلام) اس عظیم و طویل سخت پہاڑ کی طرف دیکھ اگر یہ اپنی جگہ پر ثابت و قائم رہا یہ عاجز و ذلیل نہ ہوا اور

اس نے اپنے وہ حصے گرا کر پاش پاش نہ کر دیئے جو میری عظمت کو دیکھیں گے تو پھر تو مجھے اپنی کمزوری اور پستی کے باوجود دیکھ سکے گا اور اگر پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور اس نے اپنی عظمت وشدت اور قوت کے باوجود اپنے آپ کو گرا دیا تو پھر تم تو اس کے مقابلے میں بہت کمزور اور عاجز ہو۔ (درمنثور، ج:3، ص:380 مطبوعہ کراچی)

پہاڑ تجلی سے اپنے آپ کو قائم نہ رکھ سکا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام عبد بن حمید رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت کیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے البتہ اس پہاڑ کی طرف دیکھو کیونکہ یہ تم سے بڑا ہے اور خلقت کے اعتبار سے انتہائی مضبوط اور سخت ہے۔

ارشاد فرمایا:

پھر ان کے رب عزوجل نے پہاڑ پر تجلی ڈالی اور آپ علیہ السلام نے پہاڑ کی طرف دیکھا کہ وہ اپنے آپ کو قائم نہیں رکھ سکا اور پہاڑ پہلی بار ہی ہموار ہونا شروع ہو گیا ہے تو جب پہاڑ کو ایسا کرتے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا تو آپ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ (درمنثور، ج:3، ص:381 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقام سے لے کر طور سیناء تک سولہ فرسخ کا فاصلہ تھا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ میں طور سیناء پہاڑ پر آپ کو شرف کلام سے نوازوں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقام سے لے کر طور سیناء تک سولہ فرسخ کا فاصلہ تھا۔ گرج تھی بجلی چمک رہی تھی۔ کڑک تھی اور رات انتہائی ٹھنڈی تھی۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے اور جبل طور کی ایک چٹان کے سامنے ٹھہر گئے وہاں ایک سبز درخت تھا اس سے پانی کے قطرات گر رہے تھے اور اس کے اندر سے آگ ظاہر ہونے لگی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام متعجب ہو کر ٹھہر گئے تو درخت کے اندر سے آواز آئی۔ اے موسیٰ (علیہ السلام)! حضرت موسیٰ علیہ السلام آواز کو سنتے ہوئے ٹھہرے رہے اور کہا کیا یہ کوئی عبرانی زبان میں مجھ سے بات کر رہا ہے؟

تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو ارشاد فرمایا:

اے موسیٰ (علیہ السلام)! میں عبرانی نہیں ہوں۔ بے شک میں رب العالمین ہوں تو اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ستر لغات

میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور ان میں سے ہر لغت دوسری سے مختلف تھی اس مقام پر آپ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! مجھے دیکھنے کی قوت عطا فرما تا کہ میں تجھے دیکھ سکوں۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے موسیٰ (علیہ السلام)! جو مجھے دیکھے گا وہ مر جائے گا۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! مجھے اپنے دیدار سے نواز اور اسی کے ساتھ میری موت واقع ہو جائے تو طور سیناء پہاڑ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا۔

اے موسیٰ بن عمران (علیہ السلام) تو نے امر عظیم کے بارے سوال کیا ہے تحقیق ساتوں آسمان اور ان میں موجود ہر چیز اور ساتوں زمینیں اور ان میں موجود ہر شے کانپ اٹھی پہاڑ ہل گئے ہیں۔ اور اے ابن عمران! تیرے سوال کی عظمت کے سبب سمندروں میں اضطراب آ گیا ہے۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! مجھے دیکھنے کی قوت عطا فرما تا کہ میں تجھے دیکھ سکوں۔

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے موسیٰ (علیہ السلام)! پہاڑ کی طرف دیکھ۔ اگر یہ اپنی جگہ پر ثابت و قائم رہا تو تو مجھے دیکھ سکے گا پھر جب آپ علیہ السلام کے رب عزوجل نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس نے اسے پاش پاش کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے اور ایک جمعہ کی مقدار اسی طرح رہے پھر آپ علیہ السلام کو افاقہ ہوا تو اپنے چہرے سے مٹی صاف کی۔

اور یہ کہنے لگے۔

سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ۝

پاک ہے تو ہر عیب سے میں توبہ کرتا ہوں تیری بارگاہ مقدسہ میں اور میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں۔

پس اس مقام کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو بھی دیکھتا وہ مر جاتا تو پھر آپ علیہ السلام نے اپنے چہرے پر حجاب ڈال لیا اور آپ علیہ السلام اپنی گردن پھیر کر لوگوں کے ساتھ باتیں کرنے لگے پس اسی دوران حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک دن صحراء میں گئے تو وہاں دیکھا تین آدمی قبر کھود رہے ہیں حتیٰ کہ انہوں نے قبر مکمل کر لی پس حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے اور ان پر جھانکتے ہوئے انہیں فرمایا۔

یہ قبر کس کے لئے کھود رہے ہیں؟

تو انہوں نے کہا: ایک آدمی کے لئے وہ یا تو آپ ہیں یا وہ آپ کی مثل ہے اس کی قد وقامت آپ کے برابر ہے یا آپ کی طرح ہے پس اگر آپ اس میں اتریں گے تو ہم یہ قبر آپ کے لئے مختص کر دیں گے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قبر میں اترے اور اس میں لیٹ گئے تو اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم فرمایا اور وہ آپ علیہ السلام پر بند ہو گئی۔ (در منثور: ج:3، ص:381 مطبوعہ کراچی)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور کی طرف دیکھنے کا حکم فرمایا تھا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: امام ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

وہ پہاڑ جسے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم فرمایا تھا کہ آپ (علیہ السلام) اس کی طرف دیکھیں وہ طور ہے۔

(در منثور: ج:3، ص:382 مطبوعہ کراچی)

تجلی کے سبب پہاڑ کہاں کہاں گرے؟

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم، ابوالشیخ اور ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی ڈالی تو اس کی عظمت وجلال کے سبب چھ پہاڑ اڑ گئے ان میں سے تین مدینہ منورہ میں جا گرے اور وہ احد، ورقان اور رضوی ہیں اور تین مکہ مکرمہ میں جا کر گرے اور وہ حراء، ثبیر اور ثور ہیں۔

(در منثور: ج:3، ص:382 مطبوعہ کراچی)

پہاڑ کے تین حصے مدینہ منورہ میں جا گرے

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن مردویہ نے قول باری تعالیٰ "فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا" کی تفسیر میں حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

(اللہ تعالیٰ نے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ندا دی اور ارشاد فرمایا:

انی انا اللہ۔ بے شک میں اللہ عزوجل ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ یوم عرفہ کی شام تھی اور پہاڑ موقف میں تھا پس وہ سات حصوں میں کٹ گیا اس کا ایک ٹکڑا سامنے جا کر گرا اور وہ وہ ہے جس کے پاس یوم عرفہ کو موقف میں امام کھڑا ہوتا ہے اور تین مدینہ منورہ میں جا کر گرے اور وہ طیبہ، احد اور رضوی ہیں اور طور سیناء شام میں اور اس کا نام طور اس لیے ہے کیونکہ یہ شام کی طرف ہوا میں اڑ کر گیا تھا۔

(در منثور: ج:3، ص:383 مطبوعہ کراچی)

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت معاویہ بن قرہ سے اور انہوں نے اپنے باپ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کی عظمت وجلال کے سبب چھ پہاڑ اڑ گئے اور وہ مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ میں جا کر گرے جو مدینہ منورہ میں گرے وہ یہ ہیں۔

1-احد، 2-ورقان، 3-رضوی

اور جو مکہ مکرمہ میں گرے وہ یہ ہیں۔

1-ثور، 2-ثبیر، 3-اور حراء (درمنثور: ج:3، ص:383 مطبوعہ کراچی)

اللہ تعالیٰ نے بعض حجاب اٹھائے

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض حجاب اٹھائے۔ (درمنثور: ج:3، ص:384 مطبوعہ کراچی)

ٹھوس پتھر ریزہ ریزہ ہو گیا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ یہ حروف پڑھتے تھے۔

"فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا" اور فرماتے وہ ٹھوس پتھر تھا تو جب اللہ تعالیٰ نے اس پر تجلی ڈالی تو وہ ریزہ ریزہ ہو کر مٹی کا ٹیلا ہو گیا۔ (درمنثور: ج:3، ص:384 مطبوعہ کراچی)

پہاڑ زمین میں دھنس گیا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم، ابن منذر اور ابو الشیخ رحمۃ اللہ علیہم نے اسی آیت کے بارے میں حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ پہاڑ زمین میں دھنس گیا حتیٰ کہ وہ سمندر میں جا گرا اور وہ اس کے بعد بھی دھنسا جا رہا ہے۔

(درمنثور: ج:3، ص:384 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف جو کوئی بھی دیکھتا وہ رب العالمین کے نور کے سبب مر جاتا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابو الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو معشر رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں چالیس رات

تک قیام فرمارہے اور جوکوئی آپ علیہ السلام کی طرف دیکھتا وہ رب العالمین کے نور کے سبب مرجاتا اور اس کا مصداق کتاب اللہ میں ہے فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا

فرمایا جب آپ کے رب نے پہاڑ پر تجلی ڈالی تو اس نے اس کو مٹی بنادیا۔ (درمنثور: ج:3، ص:384 مطبوعہ کراچی)

تیری مخلوق میں سے کوئی بھی قیامت تک تجھے نہیں دیکھ سکے گا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام عبد بن حمید اور ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہما نے وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ کی تفسیر میں حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ اگرچہ آپ سے پہلے مومنین تھے لیکن آپ علیہ السلام یہ کہہ رہے ہیں کہ میں ان میں سے اول ہوں جو اس پر ایمان لائے کہ تیری مخلوق میں سے کوئی بھی قیامت تک تجھے نہیں دیکھ سکے گا۔ (درمنثور: ج:3، ص:385 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات کی تختیاں عطافرمانا

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تو آپ علیہ السلام کو تورات کی تختیاں عطافرمائیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (الاعراف:144 تا 145)

ترجمہ: فرمایا اے موسیٰ میں نے تم کو لوگوں پر اپنے پیغامات اور اپنے کلام سے فضیلت دی پس میں نے تم کو جو کچھ دیا ہے وہ لے لو اور شکر ادا کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ اور ہم نے ان کے لئے تختیوں میں ہر چیز کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی تھی سو ان تختیوں کو قوت کے ساتھ پکڑو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ وہ اس کی بہترین باتوں پر عمل کریں عنقریب میں تم کو فاسقوں کا گھر دکھاؤں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر جانے کے بعد قوم کا بچھڑے کو معبود بنالینا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تشریف لے گئے تو قوم نے بچھڑے کو معبود بنالیا جس کی تائید اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ (البقرہ:51)

اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا پھر اس کے بعد تم نے بچھڑے کو معبود بنالیا اور تم ظالم تھے۔

بچھڑے کو معبود کیسے بنایا گیا؟

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے جب فرعون کو غرق کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تورات کے نازل کرنے کا وعدہ فرمایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنا کر طور پر چلے گئے بنی اسرائیل کے پاس قبطیوں کے وہ کپڑے اور زیورات تھے جو آنے سے پہلے قبطیوں سے انہوں نے عاریتاً لیے تھے۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے ان سے فرمایا۔

یہ کپڑے اور زیورات تمہارے لیے جائز نہیں ہیں ان کو جلا دو انہوں نے ان کو جمع کر کے آگ لگا دی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سمندر میں جا رہے تھے تو سامری نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ایک گھوڑی پر جاتے ہوئے دیکھا تھا اس نے اس گھوڑی کے سم کے نیچے سے خاک کی ایک مٹھی اٹھالی تھی۔ سامری کے پاس جو سونا اور چاندی تھا اس نے اس کو پگھلا کر اس کا ایک بچھڑا بنالیا اور اس میں وہ مٹی ڈال دی اس کے اثر سے اس مجسمہ سے بچھڑے کی سی آواز نکلنے لگی۔

پھر سامری نے بنی اسرائیل سے کہا: یہ تمہارا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خدا ہے اور وہ قوم اس گئوشالہ کی پرستش کرنے لگے۔ (تفسیر کبیر: ج:1 ص:344 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ہارون علیہ السلام اور بارہ ہزار افراد کے علاوہ سب نے بچھڑے کی پرستش کی

حضرت ہارون علیہ السلام اور بارہ ہزار افراد کے علاوہ سب نے بچھڑے کی پرستش کی۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

حضرت ہارون علیہ السلام اور بارہ ہزار دیگر افراد کے علاوہ سب نے بچھڑے کی پرستش کی۔

(تفسیر کبیر: ج:1 ص:344 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

سامری کا بچھڑا بنا کر دینا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن منذر اور ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہما نے اس کے بارے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا میرے رب عزوجل نے میرے ساتھ تیس راتوں کا وعدہ فرمایا ہے کہ میں اس سے ملاقات کروں اور میں ہارون علیہ السلام کو تم میں نائب بنا رہا ہوں سو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام علیحدہ ہو کر اپنے رب عزوجل کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان میں دس راتوں کا اضافہ فرما دیا اور آپ کی قوم کی آزمائش انہیں دس میں تھی جن کا اضافہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا پس جب تیس راتیں گزر گئیں تو سامری نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا اور آپ علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں کے نشان سے ایک مشت مٹی اٹھالی اور جب راتیں گزر گئیں تو اس نے کہا: اے بنی اسرائیل! اے

شک تمہارے پاس فرعونیوں کے زیورات میں سے کچھ زیور ہے اور تم پر حرام ہے لہٰذا جو تمہارے پاس ہے وہ لے آؤ تا کہ ہم اس کو جلا دیں چنانچہ جو زیورات ان کے پاس تھے وہ لے آئے اور اس نے آگ جلائی اور پھر وہ زیور آگ میں پھینک دیا پھر جب وہ زیور پگھل گیا تو اس نے مٹی کی وہ مشت آگ میں پھینک دی اور وہ بچھڑا بن گیا جو محض ڈھانچہ تھا اس سے گائے کی آواز آئی تھی اس نے ایک بار ڈکار کر گائے کی آواز نکالی دوبارہ نہیں۔

تو سامری نے کہا:

بے شک حضرت موسیٰ علیہ السلام تمہارے رب کو تلاش کرنے گئے ہوئے ہیں حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ یہ ہے۔

اس کے متعلق یہ فرمان ہے۔

هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰـهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ٥

پھر سامری اور اس کے چیلوں نے کہا:

یہ ہے تمہارا خدا اور موسیٰ کا خدا پس موسیٰ بھول گئے۔

وہ کہنے لگے۔

وہ اپنے رب کو تلاش کرنے کے لئے چلے اور اس سے بہک گئے اور وہ تو یہ ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ٥ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ

(طٰہٰ:85،86)

فرمایا کہ ہم نے تو آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے تمہاری قوم کو تمہارے (چلے آنے کے) بعد اور گمراہ کر دیا انہیں سامری نے۔ (یہ سنتے ہی) حضرت موسیٰ علیہ السلام لوٹے اپنی قوم کی طرف غضب ناک اور افسردہ خاطر ہو کر۔

(درمنثور:ج:3،ص:369 مطبوعہ کراچی)

سامری کے بچھڑے کو بناتے وقت حضرت ہارون علیہ السلام کا پوچھنا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جس وقت سامری وہ بچھڑا ڈھال کر بنا رہا تھا تو وہاں سے حضرت ہارون علیہ السلام کا گزر ہوا۔

انہوں نے پوچھا:

یہ تم کیا بنا رہے ہو؟

اس نے کہا:

میں ایسی چیز بنا رہا ہوں جو نفع تو پہنچائے گی لیکن کسی کو نقصان نہیں دے گی۔ آپ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرا مقصد پورا کر دے تو حضرت ہارون علیہ السلام نے دعا کی۔ اے اللہ عزوجل! اس نے جو سوال کیا اس کو پورا کر دے۔

جب ہارون علیہ السلام چلے گئے۔

تو سامری نے کہا:

اے اللہ عزوجل! میرا یہ سوال ہے یہ بیل کی طرح آواز نکالے سو ایسا ہی ہوا۔ (جامع البیان: جز: 16، ص: 250 مطبوعہ بیروت)

سامری کا بچھڑے بنانے کے بعد قوم کا اس کی عبادت شروع کر دینا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

جب فرعون اور اس کے حواری سمندر پر پہنچے تو فرعون سیاہ گھوڑے پر سوار تھا اس کا گھوڑا سمندر میں داخل ہونے سے ڈر گیا پس حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس کے لئے ایک گھوڑی سامنے کی گھوڑے نے اس کو دیکھا تو وہ پیچھے اس میں داخل ہو گیا سامری نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو پہچان لیا کیونکہ جب اس کی ماں کو اس کے ذبح ہونے کا خدشہ ہوا تھا تو اس نے اس کو غار میں چھپا دیا تھا اور غار کا منہ بند کر دیا تھا۔ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام اس کے پاس آتے تھے اور اس کو ایک انگلی کے ذریعے دودھ اور دوسری انگلی کے ذریعے شہد کے ساتھ غذا دیتے تھے اور ایک انگلی کے ذریعہ سے اس کو گھی کھلاتے تھے اس طرح وہ پرورش پاتا رہا حتیٰ کہ وہ بڑا ہو گیا جب سامری نے اس کو سمندر میں دیکھا تو پہچان گیا اس نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے نشان قدم سے مٹھی مٹی کی بھر لی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

گھوڑے کے سم کے نیچے سے اس نے مٹی لی تھی اور سامری کے دل میں یہ بات ڈالی تھی کہ تو اس مٹی کو جس چیز پر ڈالے گا اور پھر تو اس کو کن (ہو جا) کہے گا تو وہ ہو جائے گی۔ سامری کے پاس وہ مٹی تھی حتیٰ کہ وہ دریا سے تجاوز کر گیا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل دریا سے تجاوز کر گئے تو اللہ تعالیٰ نے آل فرعون کو غرق کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے کہا تھا تم میرے پیچھے میری قوم میں رہو اور اصلاح کرتے رہو اور مفسدین کے راستہ کی پیروی نہ کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام خود اپنے رب عزوجل کی بارگاہ میں مقرر جگہ اور مقررہ وقت میں پہنچ گئے۔ بنی اسرائیل کے پاس آل فرعون کے زیورات تھے تو وہ گویا گناہ سے بچنا چاہتے تھے انہوں نے وہ زیور نکالے تا کہ انہیں آگ آئے اور کھا جائے جب انہوں نے وہ زیورات جمع کئے تو سامری نے مٹھی سے اشارہ کیا اور ان زیورات پر مٹی ڈال دی اور کہا تو ایسا بچھڑے کا ڈھانچہ بن جا جس میں گائے کی طرح ڈکارنا بھی ہو پس وہ اسی طرح بن گیا ہوا اس کی دبر میں داخل ہوتی اور اس کے منہ سے نکل جاتی اس طرح اس سے آواز سنی جاتی تھی۔

اس نے بنی اسرائیل سے کہا:

یہ تمہارا خدا ہے اور موسیٰ (علیہ السلام) کا خدا ہے پس وہ اس پر جم کر بیٹھ گئے اور اس کی عبادت شروع کر دی۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا:

اے میری قوم! تم اس کے ذریعے آزمائش میں مبتلا کیے گئے ہو تمہارا رب عزوجل تو بے حد مہربان ہے تم میری اتباع کرو اور میرے حکم کی پیروی کرو۔

انہوں نے کہا:

ہم تو اسی پر جمے رہیں گے حتیٰ کہ موسیٰ (علیہ السلام) ہماری طرف لوٹ کر آ جائیں۔ (درمنثور: ج:4، ص:797 مطبوعہ کراچی)

سامری کا نام موسیٰ بن ظفر تھا

سامری کا نام موسیٰ بن ظفر تھا وہ مصر کی زمین میں پیدا ہوا تھا اور بنی اسرائیل میں داخل ہو گیا تھا اور اس نے لوگوں کو گمراہ کر دیا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق، ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

سامری باجرما کے لوگوں میں سے تھا اور وہ لوگ گائے کی پوجا کرتے تھے وہ بھی گائے کی پوجا کی محبت دل میں رکھتا تھا جبکہ اس نے بنی اسرائیل میں اپنا اسلام ظاہر کیا ہوا تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب عزوجل کی بارگاہ مقدس میں تشریف لے گئے تو حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں کہا تم نے آل فرعون کا مال و متاع اٹھایا ہے اس لئے تم اس سے پاک ہو جاؤ کیونکہ وہ تمہارے لیے ناپاک چیز ہے آگ جلائی گئی۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

جو کچھ زیورات وغیرہ تمہارے پاس ہیں وہ اس میں ڈال دو لوگ وہ زیورات لاتے رہے اور اس آگ میں ڈالتے رہے۔ سامری نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں کا نشان دیکھا تو اس نے اس جگہ سے مٹی اٹھالی پھر وہ آگ کی طرف آیا۔

اور حضرت ہارون علیہ السلام سے کہا:

اے اللہ عزوجل کے نبی! میرے ہاتھ میں کچھ ہے؟

حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا:

ہاں ہے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کا خیال تھا کہ اس کے پاس بھی زیورات اور سامان ہے اس نے وہ مٹھی مٹی کی ان زیورات پر ڈال دی اور کہا تو ایک بچھڑے کا ڈھانچہ بن جا جس میں گائے کا ڈکارنا بھی ہو یہ سب کچھ بطور آزمائش تھا۔

سامری نے کہا:

یہ تمہارا خدا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا خدا ہے۔

پس وہ اس پر ڈٹ کر بیٹھ گئے وہ اس سے انتہائی محبت کرنے لگے پس سامری نے اسلام کو ترک کر دیا۔ کیا ان احمقوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ یہ بچھڑا ان کو کسی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا اور نہ اختیار رکھتا ہے ان کے لئے کسی ضرر اور نفع کا۔ سامری کا نام موسیٰ بن ظفر تھا وہ مصر کی زمین میں پیدا ہوا تھا اور بنی اسرائیل میں داخل ہو گیا تھا۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنی قوم سے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ۝

حضرت ہارون علیہ السلام دوسرے مسلمانوں کے ساتھ رہے تاکہ موسیٰ علیہ السلام یہ نہ کہیں کہ تو نے پھوٹ ڈال دی بنی اسرائیل کے درمیان اور میرے حکم کا انتظار نہ کیا۔ (درمنثور: ج:4، ص:798 مطبوعہ کراچی)

بچھڑے کے ڈھانچہ کے ڈکارتے ہی سارے سجدہ میں گر گئے

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ فرماتے ہیں کہ

حضرت ہارون علیہ السلام سامری کے پاس سے گزرے تو وہ بچھڑا تراش رہا تھا۔

آپ علیہ السلام نے پوچھا:

کیا کر رہا ہے؟

سامری نے کہا:

جو نقصان نہ دے گی اور نہ نفع دے گی۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا:

اے اللہ عزوجل! اس کے دل کی خواہش پوری فرما دے۔

حضرت ہارون علیہ السلام چلے گئے تو سامری نے یہ دعا مانگی۔

اے اللہ عزوجل! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ یہ گائے کی طرح ڈکارے پس وہ بچھڑے کا ڈھانچہ ڈکارتا تو وہ سارے اس کے سامنے سجدہ میں گر گئے جب وہ ڈکارتا تو وہ سر اٹھا لیتے۔ (درمنثور: ج:4، ص:798 مطبوعہ کراچی)

سامری اہل کرمان سے تھا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

سامری اہل کرمان سے تھا۔ (درمنثور: ج:4، ص:799 مطبوعہ کراچی)

سامری کا بنی اسرائیل کے زیورات پر مٹی ڈال کر بچھڑا بنا لینا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہم نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ سامری نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے مٹی لی تھی پھر اسے بنی اسرائیل کے زیورات پر ڈالا تو وہ بچھڑا بن گیا۔ (درمنثور: ج:4، ص:801 مطبوعہ کراچی)

اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سامری کے بچھڑے بنا کر دینے کی خبر دینا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کی طرف پلٹنا

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی کہ ہم نے تیرے آنے کے بعد تیری قوم کو بلا میں ڈالا اور انہیں سامری نے بچھڑا بنا کر دیا ہے جس سے اس نے ان کو گمراہ کر دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف پلٹ آئے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ○ فَرَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ

(طٰہٰ:85 تا 86)

فرمایا تو ہم نے تیرے آنے کے بعد تیری قوم کو بلا میں ڈالا اور انہیں سامری نے گمراہ کر دیا تو موسیٰ اپنی قوم کی طرف پلٹے غصہ میں بھرے افسوس کرتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قوم کو بچھڑے کی عبادت کرتے دیکھنے پر تختیاں گر کر ٹوٹ جانا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات کو لے کر تشریف لائے تو آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ بنو اسرائیل بچھڑے کے سامنے بیٹھے ہوئے عبادت کر رہے ہیں تو جوش غضب سے آپ علیہ السلام کے ہاتھوں سے تورات کی تختیاں گر کر ٹوٹ گئیں۔

امام عبد الرحمٰن بن محمد بن ابی حاتم متوفی 327ھ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات زمرد کی سات تختیوں میں عطا فرمائی تھی اس میں ہر چیز کا بیان تھا اور اس میں نصیحتیں لکھی ہوئی تھیں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لے کر آئے تو انہوں نے دیکھا کہ بنی اسرائیل بچھڑے کے سامنے بیٹھے ہوئے عبادت کر رہے ہیں تو جوش غضب سے ان کے ہاتھوں سے تورات (کی تختیاں) گر کر ٹوٹ گئیں۔ پھر وہ حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو سر سے پکڑ لیا پھر اللہ تعالیٰ نے تورات کے چھ حصے اوپر اٹھا لیے اور ایک حصہ رہ گیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:5، ص:1563 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

تورات کے چھ حصوں کو اٹھا لیا جانا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زبرجد کی سات تختیوں میں تورات عطا فرمائی اس میں ہر شے کی تفصیل اور پند و نصائح تھے جب آپ علیہ السلام وہ لے کر آئے اور بنی اسرائیل کو بچھڑے کی عبادت پر لگا ہوا دیکھا تو آپ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے تورات پھینک دی اور وہ ٹوٹ گئی تو اللہ تعالیٰ نے سات میں سے چھ حصوں کو اٹھالیا اور ساتواں حصہ باقی رکھا۔

(در منثور، ج:3، ص:387 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قوم کو وعدہ خلافی کا فرمانا

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ پس ہم نے آپ کے بعد آپ کی قوم کو فتنہ میں مبتلا کر دیا اور ان کو سامری نے گمراہ کر دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام غم اور غصہ کے ساتھ اپنی قوم کی طرف لوٹے آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارشاد فرمایا: اے میری قوم! کیا تم سے تمہارے رب عزوجل نے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا پھر کیا تم پر بہت مدت گزر گئی تھی یا تمہارا یہ ارادہ تھا کہ تم پر تمہارے رب تعالیٰ کا غضب نازل ہو پس تم نے مجھ سے کئے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی کی۔

قرآن مجید میں ہے:

فَرَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ یٰقَوْمِ اَلَمْ یَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ؕ اَفَطَالَ عَلَیْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ یَّحِلَّ عَلَیْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِیْ۝ (طٰہٰ:86)

پس موسیٰ غم اور غصہ کے ساتھ اپنی قوم کی طرف لوٹے موسیٰ نے کہا: اے میری قوم! کیا تم سے تمہارے رب نے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا پھر کیا تم پر بہت مدت گزر گئی تھی یا تمہارا یہ ارادہ تھا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب نازل ہو پس تم نے مجھ سے کیے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی کی۔

قوم کا کہنا کہ ہم نے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کی

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے فرمایا کہ تم نے مجھ سے وعدہ کی خلاف ورزی کی تھی تو انہوں نے کہا ہم نے جان بوجھ کر وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کی مگر قوم فرعون کے زیورات کا بوجھ ہم پر لاد دیا گیا تھا تو ہم نے ان کو آگ میں ڈال دیا سو اسی طرح سامری نے ان کو آگ میں ڈالا تھا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا مَاۤ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَاۤ اَوْزَارًا مِّنْ زِیْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِیُّ۝ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَاۤ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِیَ۝

(طٰہٰ:87 تا 88)

انہوں نے کہا ہم نے دانستہ آپ سے کیے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کی لیکن قوم (فرعون) کے زیورات کا

بوجھ ہم پر لاد دیا گیا تھا تو ہم نے ان کو (آگ میں) ڈال دیا سو اسی طرح سامری نے (ان کو آگ میں) ڈالا تھا۔ پس اس نے ان کے لئے بچھڑے کا مجسمہ بنایا جس کی بیل کی (طرح) آواز تھی تو لوگوں نے کہا یہ ہے تمہارا معبود اور موسیٰ کا معبود، موسیٰ تو بھولا رہا تھا۔

اعتراض

اس مقام پر امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ سامری نے کہا یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا معبود ہے اور بارہ ہزار کے سوا چھ لاکھ بنی اسرائیل نے اس کو مان لیا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جس کو انہوں نے خود ڈھال کر بنایا ہو اس کو وہ اپنا اور تمام آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا مان لیں ایسا تو کوئی مجنون اور پاگل ہی کہہ سکتا ہے اور وہ پاگل اور مجنون تو نہ تھے۔

جواب

پھر انہوں نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ہوسکتا ہے وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے متعلق حلول کا عقیدہ رکھتے ہوں یعنی اللہ تعالیٰ نے اس بچھڑے میں حلول کر لیا ہے اور ''وہ بھول گئے'' کا معنی یہ نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھول گئے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ سامری یہ بھول گیا کہ وہ اس بچھڑے کے حادث ہونے سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید پر استدلال کرتا اور وہ یہ بھول گیا کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا۔

اس کی دوسری تقریر یہ ہے کہ

سامری نے کہا یہ تمہارا خدا ہے اور موسیٰ کا خدا ہے اور موسیٰ اس خدا کو بھول گئے تھے اس لیے وہ خدا کو ڈھونڈنے کے لئے کہیں اور چلے گئے ہیں۔ (تفسیر کبیر: ج:8، ص:9 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ہارون علیہ السلام نے پہلے ہی قوم کو اپنی اتباع کا فرما دیا تھا

حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تشریف لانے سے پہلے ہی قوم کو فرما دیا تھا اے میری قوم! اس بچھڑے کی وجہ سے تم کو صرف آزمائش میں ڈالا گیا ہے اور بے شک تمہارا رب رحمٰن عزوجل ہی ہے لہٰذا تم میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو۔ تو انہوں نے جواب میں کہا ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واپس آنے تک اسی کی عبادت پر جمے رہیں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ۝ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ۝ (طٰہٰ:90تا91)

اور ہارون ان سے پہلے ہی یہ کہہ چکے تھے کہ اے میری قوم! اس بچھڑے کی وجہ سے تم کو صرف آزمائش میں ڈالا گیا ہے اور بے شک تمہارا رب رحمٰن (ہی) ہے سو تم میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو۔ انہوں نے جواب دیا کہ موسیٰ کے

واپس آنے تک ہم اسی کی عبادت پر جمے رہیں گے۔

حضرت ہارون علیہ السلام کا بنی اسرائیل کو خطبہ دینا

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ابی حاتم رازی متوفی 327ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت ہارون علیہ السلام نے بنو اسرائیل کو خطبہ دیا اور فرمایا۔

تم جب مصر سے روانہ ہوئے تو تمہارے پاس قوم کی امانتیں تھیں اور عاریتاً لی ہوئی چیزیں تھیں اور میرا خیال ہے کہ وہ چیزیں تمہارے پاس ہیں اور میں ان امانتوں کو اور مانگی ہوئی چیزوں کو تمہارے لئے حلال قرار نہیں دیتا اب ہم وہ چیزیں ان کو واپس تو نہیں کر سکتے اور نہ ہی ہم ان چیزوں کو اپنے پاس رکھ سکتے ہیں پھر حضرت ہارون علیہ السلام نے ایک گڑھا کھودنے کا حکم دیا اور قوم کو حکم دیا کہ جس شخص کے پاس بھی ان امانتوں اور مانگی ہوئی چیزوں میں سے جو کچھ بھی ہے وہ اس میں لا کر ڈال دے جب لوگوں نے سب کچھ ڈال دیا تو حضرت ہارون علیہ السلام نے اس میں آگ لگا دی اور فرمایا یہ چیزیں ان کے لئے رہیں نہ ہمارے لیے ہوں گی اور سامری کا اس قوم سے تعلق تھا جو بیل کی عبادت کرتی تھی وہ بنی اسرائیل میں سے نہیں تھا ان کا پڑوسی تھا اس نے بھی وہی مصائب اٹھائے ہوئے تھے جو بنی اسرائیل نے اٹھائے ہوئے تھے اس کے لئے یہ مقدر کر دیا گیا تھا کہ اس نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی سواری کے نقش قدم کو دیکھ لیا تھا اور اس نے ایک مٹھی خاک کی اٹھالی تھی۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ

تیری مٹھی میں کیا ہے؟

اس نے کہا: میں اس وقت تک نہیں بتاؤں گا جب تک کہ آپ علیہ السلام یہ دعا نہ کریں کہ جب میں اس مٹھی کو ڈالوں تو جو کچھ میں چاہتا ہوں وہ بن جائے۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا:

تم اس کو گرا دینا اور اس کے لئے دعا فرمائی۔

اس نے کہا:

میں بیل بنانا چاہتا ہوں۔ اس نے اس گڑھے میں سے تمام لوہے، پیتل اور زیورات وغیرہ کو نکالا تو وہ ایک کھوکھلا بیل بن گیا اور اس سے بیل کی سی آواز آرہی تھی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:5، ص:1569 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

حضرت ہارون علیہ السلام کا قوم کو قسم دینا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ روایت کرتے ہیں:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون سے فارغ ہو گئے طور پر جانے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سمندر

سے نجات دی اور فرعون کو غرق کر دیا حضرت موسیٰ علیہ السلام ارض طیبہ میں پہنچے اللہ تعالیٰ نے وہاں ان پر من وسلویٰ نازل کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اس سے ملاقات کریں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل سے ملاقات کا ارادہ کیا تو انہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنی قوم پر خلیفہ بنایا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے امر اور اس سے میعاد معلوم کیے بغیر ان سے وعدہ کر لیا کہ وہ تیس راتوں کے بعد واپس آجائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے دشمن سامری نے کہا:

تمہارے پاس موسیٰ علیہ السلام نہیں آئیں گے اور تمہاری اصلاح صرف خدا کرے گا جس کی تم عبادت کرتے ہو۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے ان کو قسم دی کہ تم ایسا نہ کرو تم ایک دن اور ایک رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اور انتظار کرو اگر وہ آجائیں تو ٹھیک ورنہ پھر تم جو جی میں آئے کرنا۔ پھر دوسرے دن بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نہیں آئے۔ تو سامری نے پھر وہی بات کی۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے دس دن اور بڑھا دیئے ہیں اور اب چالیس دن کی مدت ہو گئی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قوم کو جلد بازی کا فرمانا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی طرف غصہ ہو کر تاسف سے فرمایا تم نے میرے جانے کے بعد میرے پیچھے کیسے برے کام کیے ہیں کیا تم نے اپنے رب کے احکام آنے سے پہلے ہی جلد بازی کی۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ مِنْۢ بَعْدِیْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ (الاعراف:150)

اور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف لوٹے تو انہوں نے غضبناک ہو کر تاسف سے کہا: تم نے میرے جانے کے بعد میرے پیچھے کیسے برے کام کیے کیا تم نے اپنے رب کے احکام آنے سے پہلے ہی جلد بازی کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت ہارون علیہ السلام پر ناراض ہونا

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام طور سے واپس آئے تو انہوں نے لوگوں کے شور و شغب اور چلانے کی آوازیں سنیں اس وقت بنی اسرائیل بچھڑے کے گرد خوشی سے ناچ رہے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ستر (70) اسرائیلی تھے۔

آپ علیہ السلام نے ان سے ارشاد فرمایا:

یہ فتنہ کی آوازیں ہیں پھر جب انہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کو دیکھا تو غضب میں آکر دائیں ہاتھ سے ان کے سر

کے بال پکڑ لیے اور بائیں ہاتھ سے ان کی داڑھی پکڑی اور کہا: اے ہارون (علیہ السلام)! جب آپ نے دیکھا کہ یہ گمراہ ہو گئے تو آپ کو کس چیز نے منع کیا۔ جو آپ نے میری پیروی نہ کی اور میرے حکم کی نافرمانی کی یعنی آپ نے میری اتباع میں ان پر انکار کیوں نہیں کیا۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ آپ کو علم تھا کہ اگر میں ان میں ہوتا تو میں ان سے قتال کرتا تو پھر آپ نے ان سے قتال کیوں نہیں کیا؟ جب یہ غیر اللہ کی عبادت کر رہے تھے تو پھر آپ کا ان کے درمیان ٹھہرے رہنا میری نافرمانی تھی آپ ان سے اسی وقت الگ کیوں نہیں ہوئے۔ (الجامع الاحکام القرآن: جز: 11، ص: 151 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تورات کی تختیاں ڈال کر اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے پوچھ گچھ کرنا

ارشاد فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (تورات کی) تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر (کے بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاَلْقَی الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ یَجُرُّهٗۤ اِلَیْهِ (الاعراف: 150)

اور انہوں نے (تورات کی) تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر (کے بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔

تورات کی تختیوں کو زمین پر ڈالنے کے متعلق اقوال

تورات کی تختیوں کو زمین پر ڈالنے کے متعلق علماء کرام کے مختلف اقوال ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی کا قول

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

قاضی ناصر الدین نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شدت غضب، فرط صدمہ اور حمیت دین کی وجہ سے تورات کی تختیوں کو پھینک دیا اور جب انہوں نے وہ تختیاں پھینکیں تو ان میں سے بعض ٹوٹ گئیں۔ علامہ صبغۃ اللہ آفندی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حمیت دین کا تقاضا یہ ہے کہ کتاب اللہ کا احترام کیا جائے اور اس سے حفاظت کی جائے کہ وہ گر کر ٹوٹ جائے یا اس میں کوئی نقصان ہو یا اس کی بے حرمتی ہو اور صحیح بات یہ ہے کہ شدت غضب اور فرط غم کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بے قابو ہو گئے اور غیر اختیاری طور پر ان کے ہاتھوں سے یہ تختیاں گر گئیں اور چونکہ ان سے ترک تحفظ صادر ہوا تھا تو اس ترک تحفظ کو تغلیظاً ڈال دینے سے تعبیر فرمایا اور ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے درجہ میں گناہ کا حکم رکھتی ہیں۔

علامہ آلوسی حنفی فرماتے ہیں کہ

یہ توجیہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت کریمہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس فعل پر کوئی عتاب نہیں کیا گیا حتیٰ کہ یہ کہا جائے کہ ان کے ترک تحفظ کو تغلیظاً ڈال دینے سے تعبیر فرمایا اور یہ کہا جائے کہ ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے درجہ میں گناہ کا حکم رکھتی ہیں۔ ان آیات میں صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر زجر و توبیخ کی گئی ہے اور میرے نزدیک اس مقام کی تقریر یہ

ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے شرک کو دیکھا تو وہ حمیت دین کی وجہ سے سخت غضب میں آ گئے اور انہوں نے اپنے ہاتھ کو جلد فارغ کرنے کے لئے عجلت سے وہ الواح زمین پر رکھ دیں تا کہ وہ اپنے بھائی کا سر پکڑ سکیں جس کو قرآن مجید نے ڈالنے سے تعبیر فرمایا اور اس میں کسی وجہ سے بھی تورات کی تختیوں کی اہانت نہیں ہے اور جو طبرانی وغیرہ کی روایت میں ہے کہ بعض تختیاں ٹوٹ گئیں تو وہ عجلت سے زمین پر رکھنے کی وجہ سے ٹوٹیں اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غرض نہ تھی اور نہ ان کو یہ گمان تھا کہ ایسا ہو جائے گا یہاں پر صرف دینی حمیت اور فرط غضب کی وجہ سے بہ عجلت ان تختیوں کو زمین پر رکھنا مراد ہے اور بعض علماء نے تختیوں کے ٹوٹنے کے واقعہ کا انکار کیا۔ ہر چند کہ یہ روایت مسند بزار، مسند احمد اور معجم طبرانی وغیرہ میں ہے۔

(روح المعانی: جز: 9 ص 66 تا 67 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی کا قول

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تورات کی الواح کو زمین پر ڈال دینا ان کے شدت غضب پر دلالت کرتا ہے کیونکہ انسان اس قسم کا اقدام اسی وقت کرتا ہے جب وہ شدت غضب سے مدہوش ہو جائے۔

روایت ہے کہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات کی تختیاں زمین پر ڈالیں تو وہ ٹوٹ گئیں اس کے کل سات اجزاء تھے چھ اسی وقت اٹھا لیے گئے اور صرف ایک حصہ باقی رہ گیا جو اجزاء اٹھا لیے گئے ان میں ہر چیز کی تفصیل تھی اور جو حصہ باقی رہ گیا اس میں ہدایت اور رحمت تھی۔ اور کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ قرآن مجید میں صرف یہ ہے کہ انہوں نے تورات کی تختیاں (زمین پر) ڈال دیں۔ رہا یہ کہ انہوں نے تورات کی تختیوں کو اس طرح پھینکا کہ وہ ٹوٹ گئیں یہ قرآن مجید میں نہیں ہے اور یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر سخت جرأت ہے اور اس قسم کا اقدام انبیاء کرام علیہم السلام کے لائق نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر: ج: 5 ص: 372 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت ہارون علیہ السلام کے سر کے بالوں کو پکڑ کر کھینچنے کی تاویلات

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے سر کو پکڑ کر کھینچا تھا اس کی حسب ذیل چار تاویلات ہیں۔

1- کسی کے سر کو پکڑ کر کھینچنا ان کے زمانہ میں متعارف تھا جیسا کہ اب عرب کسی شخص کے اکرام اور اس کی تعظیم کے لئے اس کی داڑھی پکڑتے ہیں سو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان کے سر کو پکڑ کر کھینچنا بہ طور اہانت نہ تھا۔

2- حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو قریب کر کے ان سے رازدارانہ بات کرنا چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر تورات کی الواح نازل کی ہیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مناجات کی ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا:
میرے سر اور میری داڑھی کو نہ پکڑو ورنہ آپ کے اس خفیہ بات کرنے سے بنو اسرائیل کو یہ غلط فہمی ہو گی کہ آپ میری اہانت کر رہے ہیں۔

3- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شدت غضب سے حضرت ہارون علیہ السلام کا سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچا کیونکہ ان کا گمان یہ تھا کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے بنو اسرائیل کو گئوسالہ پرستی سے روکنے میں قرار واقعی سختی نہیں کی اور چونکہ ان کا غضب اللہ تعالیٰ کے لیے تھا اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

4- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے احوال سنانے کے لئے ان کو اپنے قریب کیا تھا حضرت ہارون علیہ السلام کو یہ ناگوار ہوا کیونکہ اس سے بنی اسرائیل کو یہ غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام سے مواخذہ کر رہے ہیں اس لیے انہوں نے اس سلسلہ میں اپنی معذرت پیش کی۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:
تمام اسرائیلیوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی کیونکہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے علاوہ اگر کوئی مومن اس سے بچا ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے لئے بھی دعا کرتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے لیے دعا کی کیونکہ انہوں نے شدت جذبات کی وجہ سے حضرت ہارون علیہ السلام سے کہا:

قَالَ یٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَیْتَهُمْ ضَلُّوْۤا ۝ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَیْتَ اَمْرِیْ ۝ (طٰہٰ:92تا93)

”موسیٰ نے کہا: اے ہارون! جب آپ نے ان کو گمراہ ہوتے ہوئے دیکھا تو اس موقع پر میری اتباع کرنے سے آپ کو کیا چیز مانع ہوئی؟ کیا آپ نے میرے حکم کی نافرمانی کی۔“

اس کی تلافی کرنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لئے دعا بھی کی۔ (الجامع الاحکام القرآن)

کیا آپ نے میرے حکم کی نافرمانی کی؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا: اے ہارون (علیہ السلام) جب آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ گمراہ ہو گئے تو آپ علیہ السلام کو کس چیز نے منع کیا جو آپ علیہ السلام نے میری اتباع نہیں کی کیا آپ نے میرے حکم کی نافرمانی کی۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ یٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَیْتَهُمْ ضَلُّوْۤا ۝ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَیْتَ اَمْرِیْ ۝ (طٰہٰ:92تا93)

موسیٰ نے کہا: اے ہارون! جب آپ نے دیکھا کہ یہ گمراہ ہو گئے تو آپ کو کس چیز نے منع کیا۔ جو آپ نے میری پیروی نہ کی؟ کیا آپ نے میرے حکم کی نافرمانی کی۔

حضرت ہارون علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب دینا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کا سر اقدس پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے تو حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا: اے میری والدہ محترمہ کے بیٹے ان لوگوں نے مجھے بے بس کر دیا اور قریب تھا کہ یہ مجھے قتل کر دیتے تو آپ مجھ پر دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دیں اور مجھے ان ظالموں میں شامل نہ کیجئے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَكَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ ۫ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ○ (الاعراف:150)

ہارون نے کہا! اے میری ماں کے بیٹے! ان لوگوں نے مجھے بے بس کر دیا اور قریب تھا کہ یہ مجھے قتل کر دیتے تو آپ مجھ پر دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دیں اور مجھے ان ظالموں میں شامل نہ کیجئے۔

شماتت کا معنیٰ اور حکم

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:

شماتت کا معنیٰ ہے دشمن کی مصیبت پر خوش ہونا۔ (المفردات: ج:1، ص:351 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ)

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اپنے (دینی) بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا اور تم کو مصیبت میں مبتلا کر دے گا۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث:2514)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بری تقدیر، بختیوں کے آنے، شماتت اعداء اور سخت مصیبت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے تھے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث:6616)

حضرت ہارون علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دوسرا جواب

حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اے میری ماں کے بیٹے۔ آپ علیہ السلام میری داڑھی کو نہ پکڑیں اور نہ میرے سر کو بے شک مجھے یہ خطرہ تھا کہ آپ علیہ السلام یہ فرمائیں گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میرے حکم کا انتظار نہ کیا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ یَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وَلَا بِرَاْسِیْ اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ○ (طٰہٰ:94)

ہارون نے کہا: اے میری ماں کے بیٹے! آپ میری داڑھی نہ پکڑیں اور نہ میرے سر کو بے شک مجھے یہ خطرہ تھا کہ آپ کہیں گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میرے حکم کا انتظار نہیں کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کہنا کہ اے میرے رب عزوجل مجھے اور میرے بھائی کو معاف کر دے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے رب عزوجل مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ؕ (الاعراف:151)

موسیٰ نے دعا کی اے میرے رب مجھے اور میرے بھائی کو معاف کر دے اور ہم کو اپنی رحمت میں داخل فرما اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سامری سے پوچھ گچھ کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے فرمایا اے سامری تیرا کیا معاملہ ہے۔

قرآن مجید میں ہے: قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ؕ (طٰہٰ:95)

موسیٰ نے کہا! اے سامری! تیرا کیا معاملہ ہے۔

سامری کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب

سامری نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا میں نے وہ چیز دیکھی جو دوسروں نے نہیں دیکھی تو میں نے اللہ تعالیٰ کے رسول جبرائیل علیہ السلام کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر لی پھر میں نے اس مٹھی بھر خاک کو بچھڑے کے مجسمہ میں ڈال دیا میرے دل نے یہی بات بنائی تھی۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ؕ (طٰہٰ:96)

سامری نے کہا: میں نے وہ چیز دیکھی جو دوسروں نے نہیں دیکھی تو میں نے اللہ تعالیٰ کے رسول (جبریل) کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر لی پھر میں نے اس مٹھی بھر خاک کو (بچھڑے کے مجسمہ میں) ڈال دیا میرے دل نے یہی بات بنائی تھی۔

سامری کے کرتوت

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

ابوبکر بن عبداللہ الہذلی سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانے کے بعد سامری حضرت ہارون علیہ السلام کے پاس آ کر کہنے لگا ہم نے قبطیوں کے عید کے دن ان سے بہت سے زیورات عاریتاً لیے تھے اور جو لوگ آپ کے پاس ہیں وہ جلدی جلدی ان زیورات کو بیچ کر خرچ کر رہے ہیں حالانکہ یہ فرعون کی قوم سے عاریتاً لیے تھے اور اب وہ زندہ نہیں ہیں کہ ہم ان کو وہ زیورات واپس کر دیں اور ہم کو پتہ نہیں کہ آپ کے بھائی اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام جب آئیں گے تو ان کی اس مسئلہ میں کیا رائے ہوگی یا تو وہ اس کی قربانی پیش کریں گے پھر آگ اس کو کھا جائے گی اور یا ان کو صرف فقراء کے لئے وقف کر دیں گے۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا:

تم نے ٹھیک سوچا اور ٹھیک کہا پھر آپ نے ایک منادی کو اعلان کرنے کا حکم دیا کہ جس شخص کے پاس آل فرعون کے جتنے بھی زیورات ہوں وہ ہمارے پاس لے آئے وہ ان کے پاس تمام زیورات لے آئے۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا:

اے سامری! تم اس خزانے کو رکھنے کے زیادہ حق دار ہو۔ سامری نے ان زیورات پر قبضہ کر لیا اور وہ خبیث دشمن خدا، سونے کو ڈھالنے والا تھا اس نے اس سے ایک بچھڑے کا مجسمہ بنا لیا اس نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے نشان سے ایک مٹھی بھر مٹی لی تھی اس نے اس بچھڑے کے کھوکھلے پیٹ میں وہ مٹی ڈال دی تب وہ مجسمہ بچھڑے کی سی آواز نکالنے لگا اس نے صرف ایک بار یہ آواز نکالی تھی۔

سامری نے کہا:

تیس راتوں کے بعد جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نہیں آئے تو وہ دراصل اسی کو ڈھونڈ رہے تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَخۡرَجَ لَهُمۡ عِجۡلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوۡا هٰذَاۤ اِلٰـهُكُمۡ وَاِلٰـهُ مُوۡسٰى فَنَسِىَ ۝ (طٰہٰ:88)

"سامری نے ان کے لئے بچھڑے کا بے جان مجسمہ بنا کر نکالا لوگوں سے کہا یہ ہے تمہارا اور موسیٰ کا معبود، موسیٰ تو بھول گئے۔"

سامری یہ کہتا تھا کہ موسیٰ تو بھول گئے تمہارا اصل خدا تو یہ ہے۔ (جامع البیان: جز:9، ص:66 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

سامری کا نام موسیٰ بن ظفر تھا وہ سامرہ نامی ایک بستی کی طرف منسوب تھا جس سال بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کیا گیا تھا وہ اسی سال پیدا ہوا تھا اس کی ماں نے اس کو پہاڑ کے ایک غار میں چھپا دیا تھا حضرت جبرائیل علیہ السلام اس کو غذا پہنچاتے رہے تھے اسی وجہ سے وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو پہچانتا تھا جب حضرت جبرائیل علیہ السلام سمندر کو عبور کرنے کے لئے گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہے تھے تا کہ فرعون بھی سمندر میں آ جائے تو سامری نے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے کچھ مٹی اٹھالی

تھی۔

قرآن مجید کی حسب ذیل آیت کا یہی معنیٰ ہے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ۝ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ۝ (طٰہٰ:95تا96)

(موسیٰ نے سامری سے) کہا! اے سامری تو کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا میں نے وہ چیز دیکھی جو دوسروں نے نہیں دیکھی تو میں نے رسول کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر لی۔ پھر میں نے اس کو (بچھڑے کے پتلے میں) ڈال دیا اور میرے دل میں اسی طرح آیا تھا۔ (الجامع الاحکام القرآن: ج:7،ص:255 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ابی حاتم رازی متوفی 327ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو خطبہ دیا اور فرمایا! تم جب مصر سے روانہ ہوئے تو تمہارے پاس قوم فرعون کی امانتیں تھیں اور عاریتاً لی ہوئی چیزیں تھیں اور میرا خیال ہے وہ چیزیں تمہارے پاس ہیں اور میں ان امانتوں کو اور مانگی ہوئی چیزوں کو تمہارے لیے حلال نہیں قرار دیتا۔ اب ہم وہ ان کو واپس تو نہیں کر سکتے اور نہ ہی ہم ان چیزوں کو اپنے پاس رکھ سکتے ہیں پھر حضرت ہارون علیہ السلام نے ایک گڑھا کھودنے کا حکم دیا اور قوم کو حکم دیا کہ جس شخص کے پاس بھی ان امانتوں اور مانگی ہوئی چیزوں میں سے جو کچھ بھی ہے وہ اس میں لا کر ڈال دے۔ جب لوگوں نے سب کچھ ڈال دیا تو حضرت ہارون علیہ السلام نے اس میں آگ لگادی اور فرمایا یہ چیزیں ان کے لئے رہیں نہ ہمارے لیے ہوں گی۔ اور سامری کا اس قوم سے تعلق تھا جو بیل کی عبادت کرتی تھی وہ بنی اسرائیل میں سے نہیں تھا ان کا پڑوسی تھا اس نے بھی وہی مصائب اٹھائے تھے جو بنی اسرائیل نے اٹھائے تھے اس کے لئے یہ مقدر کر دیا گیا تھا کہ اس نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی سواری کے نقش قدم کو دیکھ لیا تھا اور اس سے ایک مٹھی خاک کی اٹھالی تھی۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ

تیری مٹھی میں کیا ہے۔

اس نے کہا:

میں اس وقت تک نہیں بتاؤں گا جب تک کہ آپ یہ دعا نہ کریں کہ جب میں اس مٹھی کو ڈالوں تو جو کچھ میں چاہتا ہوں وہ بن جائے۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا:

تم اس کو گرادینا اور اس کے لئے دعا کی۔

اس نے کہا:

میں بیل بنانا چاہتا ہوں۔ اس نے اس گڑھے میں سے تمام لوہے، پیتل اور زیورات وغیرہ کو نکالا تو وہ ایک کھوکھلا بیل بن گیا اور اس سے بیل کی سی آواز آ رہی تھی۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

جب سامری نے بچھڑا بنایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو گوشت اور خون کا بنا دیا اور اس سے آواز آ رہی تھی۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

بہ خدا وہ بچھڑا از خود آواز نہیں نکالتا تھا لیکن اس کی مقعد سے ہوا اس کے اندر داخل ہوتی تھی اور اس کے منہ سے نکل جاتی تھی اور اس ہوا کے گزرنے سے وہ آواز پیدا ہوتی تھی۔

سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ

جب وہ آواز نکالتا تو بنی اسرائیل سجدہ میں گر جاتے اور جب وہ خاموش ہوتا تو وہ سجدہ سے اپنا سر اٹھا لیتے تھے۔

ضحاک سے روایت ہے کہ

اس نے صرف ایک بار آواز نکالی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ ان سے بات کرتا تھا نہ ان کی بات کا جواب دیتا تھا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:5، ص1567 تا 1569 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سامری کو بچھڑے کے انجام کی خبر دینا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو بچھڑے کے انجام کی یوں خبر بیان فرمائی۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِی الْحَیٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ وَ اِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَ انْظُرْ اِلٰۤى اِلٰهِكَ الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا ○ اِنَّمَاۤ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ○ (طٰہٰ: 97 تا 98)

موسیٰ نے کہا اب تو یہاں سے چلا جا اب تو زندگی بھر یہی کہے گا کہ مجھے مت چھونا اور تجھ سے (آخرت میں) سزا کا وعدہ ہے جس سے تو ہرگز نہیں بچ سکے گا اور تو اپنے اس (خود ساختہ) معبود کو دیکھ جس کی عبادت پر تو جما بیٹھا تھا ہم اس کو ضرور جلا دیں گے پھر اس کی راکھ کو اڑا کر سمندر میں پھینک دیں گے تمہارا معبود تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اس کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کر لیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بچھڑے کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلانا پھر اس کے ذرات کو سمندر میں بہانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بچھڑے کے ٹکڑے کیے اور اس کو جلا کر اس کے ذرات کو سمندر میں بہا دیا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کے ٹکڑے ٹکڑے کیے اور اس کو جلا کر اس کے ذرات کو سمندر میں بہادیا۔

(جامع البیان:ج:1،ص:227 مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت)

سامری کی سزا

قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِی الْحَیٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ وَ اِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ (طٰہٰ:97)

موسیٰ نے کہا! اب تو یہاں سے چلا جا اب تو زندگی بھر یہی کہے گا کہ مجھے مت چھونا اور تجھ سے (آخرت میں) سزا کا وعدہ ہے جس سے تو ہر گز نہیں بچ سکے گا۔

☆ مجھے مت چھونے کی درج ذیل تفاسیر ہیں۔

1- جب کوئی شخص اس کو چھوتا تو اس کو اور چھوتے والے کو دونوں کو بخار چڑھ جاتا اس لیے جب کوئی شخص اس کو چھونے کا ارادہ کرتا تو وہ خوف سے چلاتا مجھے مت چھونا۔

2- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو محلّہ سے نکال دیا تھا اور اس کو کسی آبادی میں رہنے سے منع کر دیا تھا اور تمام لوگوں کو اس سے ملنے جلنے سے منع کر دیا تھا۔ وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں پڑا رہتا تھا اور افسوس سے یہ کہتا رہتا تھا مجھ سے کوئی ملتا جلتا نہیں ہے اور یہی لَا مِسَاسَ کا معنیٰ ہے یعنی مجھے کوئی مس نہیں کرتا کوئی چھوتا نہیں ہے۔

3- لَا مِسَاسَ کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کو عورت کے مس سے محروم کر دیا گیا تھا اور اس کی نسل منقطع کر دی گئی اور جسمانی فطرت کے تقاضوں کی لذت اس سے سلب کر لی گئی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قوم کو توبہ کرنے کا فرمانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا اے قوم! بے شک تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے لہٰذا تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف توبہ کرو۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْۤا اِلٰى بَارِىٕكُمْ (البقرہ:54)

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا! اے میری قوم! بے شک تم نے بچھڑے کو (معبود) بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے پس تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف توبہ کرو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قوم کو توبہ کے لئے ایک دوسرے کو قتل کرنے کا فرمانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے میری قوم بے شک تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے لہٰذا تم اپنے

پیدا کرنے والے کی طرف توبہ کرو اور تمہاری توبہ یہ ہے کہ تم ایک دوسرے کو قتل کرو۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ (البقرہ:54)

سو تم ایک دوسرے کو قتل کرو۔ تمہارے خالق کے نزدیک یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔

قوم کا دو صفیں بنا کر قتل کرتے کرتے ستر ہزار قتل کر دینا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو فرمایا کہ تمہاری توبہ یہ ہے کہ تم ایک دوسرے کو قتل کرو تو انہوں نے دو صفیں بنائیں ایک صف میں بچھڑے کی عبادت کرنے والے کھڑے ہوئے اور دوسری صف میں وہ کھڑے ہوئے جنہوں نے بچھڑے کی عبادت نہیں کی تھی اور انہوں نے بچھڑے کی پوجا کرنے والوں کو قتل کیا اور ستر ہزار افراد قتل کر دیئے گئے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کے ٹکڑے ٹکڑے کیے اور اس کو جلا کر اس کے ذرات کو سمندر میں بہا دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

اس سمندر سے پانی پیو تو جو اس بچھڑے سے محبت کرتا تھا اس کی مونچھوں پر اس کے سونے کے ذرات لگ گئے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ان کے کفر کی وجہ سے بچھڑا ان کے دلوں میں پلایا گیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آنے کے بعد جب بنی اسرائیل کو اپنی گمراہی کا یقین ہو گیا تو انہوں نے کہا کہ اگر ہم پر ہمارا رب عزوجل رحم نہ فرمائے اور ہماری مغفرت نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی حال میں بنی اسرائیل کی توبہ قبول کرنے سے انکار فرما دیا۔

پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا:

اے میری قوم! تم نے بچھڑے کی عبادت کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے تم اپنے خالق کی طرف توبہ کرو اور تم ایک دوسرے کو قتل کرو پھر انہوں نے دو صفیں بنائیں۔ ایک صف میں بچھڑے کی عبادت کرنے والے کھڑے ہوئے اور دوسری صف میں وہ کھڑے ہوئے جنہوں نے بچھڑے کی عبادت نہیں کی تھی اور انہوں نے بچھڑے کی پوجا کرنے والوں کو قتل کیا اور ستر ہزار افراد قتل کر دیئے گئے۔ (جامع البیان، ج: 1، ص: 227 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

بری نے مجرم کو قتل کیا

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ستر ہزار افراد بلا امتیاز قتل کیے گئے اور علامہ خازن رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بری نے مجرم کو قتل کیا۔

چنانچہ علامہ خازن رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

بری نے مجرم کو قتل کیا۔ (خازن: ج:1،ص:54)

قتل کرنے سے تاریکی اوراندھیرا کا ختم ہوجانا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اپنے رب عزوجل کا حکم سنایا کہ تم اپنے آپ کو قتل کرو پس جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی وہ احتباء کی حالت میں بیٹھ گئے اور جنہوں نے بچھڑے کی عبادت نہیں کی تھی وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہاتھوں میں خنجر پکڑ لئے انتہائی تاریکی چھا گئی پس وہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے حتیٰ کہ تاریکی اوراندھیرا ختم ہوگیا۔ پس ستر ہزار افراد قتل ہو چکے تھے جو قتل ہو چکا تھا اس کے لئے یہ قتل ہونا توبہ تھا اور جو باقی بچ گیا تھا اس کے لئے یہی توبہ تھی۔

(تفسیر طبری: ج:1،ص:329 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

خنجروں کے ساتھ قتل کیا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو اللہ تعالیٰ کا حکم سنایا کہ ایک دوسرے کو خنجروں کے ساتھ قتل کرو تو انہوں نے اسی طرح کیا بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام عبد بن حمید نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو اللہ تعالیٰ کا حکم سنایا کہ ایک دوسرے کو خنجروں کے ساتھ قتل کرو پس انہوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔

(درمنثور: ج:1،ص:190 مطبوعہ کراچی)

ہر ایک شخص نے اپنے بھائی، باپ اور بیٹے کو قتل کیا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم ایک دوسرے کو قتل کرو تو انہوں نے چھریاں اٹھالیں ہر ایک شخص اپنے بھائی، باپ اور بیٹے کو قتل کرنے لگ گیا کوئی شخص پرواہ نہیں کرتا تھا کہ وہ کس کو قتل کر رہا ہے حتیٰ کہ ان میں سے ستر ہزار آدمی قتل ہوگئے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرماتے ہیں۔

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ ہماری توبہ کیا ہے؟ فرمایا تم ایک دوسرے کو قتل کرو پس انہوں نے چھریاں اٹھالیں ہر ایک شخص اپنے بھائی، باپ اور بیٹے کو قتل کرنے لگا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم کوئی پرواہ نہیں کرتا تھا کہ وہ کس کو قتل کر رہا ہے حتیٰ کہ ان میں سے ستر ہزار آدمی قتل ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ انہیں حکم دو کہ وہ ہاتھ اٹھالیں (یعنی قتل کرنا بند کردیں) پس جو قتل ہوگیا اس کی بخشش ہوگئی اور جو باقی ہیں ان کی توبہ قبول ہوگئی۔

(درمنثور: ج:1،ص:190 مطبوعہ کراچی)

اللہ تعالیٰ نے قتل کے عمل کو زندہ کے لئے توبہ قرار دیا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام عبد بن حمید نے حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے اِنَّکُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَکُمْ کے تحت نقل کیا ہے فرماتے ہیں بنی اسرائیل کو سخت آزمائش کا حکم دیا گیا تو کھڑے ہوئے اور چھریوں کے ساتھ گلے کاٹنے لگے۔ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے حتیٰ کہ ان میں اللہ تعالیٰ کی مقررہ کڑی سزا پوری ہوگئی۔ جب وہ اس حد کو پہنچ گئے تو ان کے ہاتھوں سے چھریاں گر گئیں اور قتل کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس عمل کو زندہ کے لئے توبہ قرار دیا اور مقتول کے لئے شہادت قرار دیا۔ (درمنثور: ج:1، ص:189 مطبوعہ کراچی)

اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غمگین ہونے پر وحی فرمانا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے الزہد میں اور ابن جریر نے الزہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں جب بنو اسرائیل کو اپنے آپ کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا تو وہ باہر نکلے اور ان کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام بھی تھے انہوں نے تلواریں چلائیں اور خنجر مارنے لگے۔ اسی اثناء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ بلند کئے ہوئے تھے حتیٰ کہ انہوں نے ایک دوسرے کو فنا کر دیا۔

انہوں نے عرض کی:

اے اللہ عزوجل کے نبی ہمارے لیے دعا کیجئے۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بازوؤں کو پکڑا۔ ان کے قتل و غارت کا سلسلہ چلتا رہا حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی روح قبض فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو قتل سے روک دیا۔ پس تمام نے ہتھیار ڈال دیئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل مقتولوں پر پریشان ہوئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ تجھے کس چیز نے غم میں مبتلا کیا ہے جو قتل ہو گیا وہ میرے پاس زندہ ہے اسے رزق دیا جاتا ہے اور جو باقی بچ گئے ہیں ان کی توبہ قبول ہو چکی ہے اس ارشاد سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل خوش ہو گئے۔

(تفسیر طبری: ج:1، ص:330 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بنی اسرائیل کی توبہ قبول

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جلدی جلدی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو سامری نے پیچھے بنی اسرائیل کے زیورات جمع کئے اور اس کا ایک ڈھانچہ تیار کیا پھر ایک مٹھی اس کے پیٹ میں ڈالی تو وہ ڈھانچہ گائے کی طرح ڈکارتا تھا۔

سامری نے لوگوں کو کہا:

یہ تمہارا خدا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا خدا ہے۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں کہا۔

اے قوم! کیا تمہارے رب عزوجل نے تم سے عمدہ وعدہ نہیں کیا تھا پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آئے تو اپنے بھائی کو سر سے پکڑا۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا جو کہا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو فرمایا:

تیری اس فتنہ انگیزی سے کیا غرض تھی؟

اس نے کہا:

میں نے دیکھی ایسی چیز جو لوگوں نے نہ دیکھی۔ پس میں نے مٹھی بھر لی رسول کی سواری کے نشان قدم کی خاک سے پھر اس کو ڈال دیا اور اس طرح آراستہ کر دی میرے لیے میرے نفس نے یہ بات۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بچھڑے کے قریب گئے اس کو ریتی سے رگڑا وہ بچھڑا نہر کے کنارے پر تھا پس جس نے ان بچھڑے کے پجاریوں میں سے اس پانی کو پیا اس کا چہرہ سونے کی طرح زرد ہو گیا۔

لوگوں نے کہا:

یا موسیٰ (علیہ السلام)! ہماری توبہ کیا ہے؟

ارشاد فرمایا:

تم ایک دوسرے کو قتل کرو پس انہوں نے چھریاں لے لیں۔ ہر شخص نے اپنے باپ، بھائی اور بیٹے کو قتل کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ ان میں سے ستر ہزار قتل ہو گئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی انہیں حکم دو کہ اپنے ہاتھ اٹھا لیں یعنی قتل سے رک جائیں۔ جو قتل کیے گئے ہیں میں نے انہیں معاف کر دیا ہے اور جو باقی ہیں ان کی توبہ قبول کر لی ہے۔

(مستدرک: ج:2،ص:411 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

یہ قتال گناہوں کی معافی کا کفارہ تھا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے گفتگو ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا تم اپنی قوم کو چھوڑ کر جلدی کیوں آ گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

وہ میرے پیچھے آ رہے ہیں میں تیری بارگاہ میں جلدی آیا۔ اے میرے رب عزوجل! تاکہ تو ناراض نہ ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ہم نے تیرے بعد تیری قوم کو آزمائش میں ڈالا اور سامری نے انہیں گمراہ کر دیا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی گمراہی کی خبر ملی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

یارب عزوجل! اس سامری نے تو انہیں بچھڑا بنانے کو کہا یہ تو بتا کہ اس میں روح کس نے پھونکی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

میں نے!

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

یارب عزوجل! پھر تو نے انہیں گمراہ کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کے پاس غضب ناک اور افسردہ خاطر ہو کر لوٹے اور کہا: اے میری قوم! کیا وعدہ نہیں کیا تھا تم سے تمہارے رب عزوجل نے بہت عمدہ تو کیا طویل مدت گزر گئی ہے اس وعدہ پر (اور تم اس کے ایفاء سے مایوس ہو گئے) یا تم یہ چاہتے ہو کہ اترے تم پر غضب تمہارے رب عزوجل کی طرف سے اس لیے تم نے توڑ ڈالا میرے ساتھ کیا ہوا وعدہ۔ کہنے لگے نہیں توڑا ہم نے کیا ہوا وعدہ اپنے اختیار سے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم پر لا د دیئے گئے تھے بوجھ قوم (فرعون) کے زیورات کے سو ہم نے (سامری کے کہنے پر) انہیں پھینک دیا۔ اسی طرح سامری نے بھی (اپنے حصہ کے زیور) پھینک دیئے۔ پس اسرائیلی اس بچھڑے کی عبادت پر ڈٹ گئے وہ ڈکارتا تھا اور چلتا تھا۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں یقوم انما فتنتم بہ...... الخ فرمایا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور سامری سے اس بچھڑے کی غرض و غایت پوچھی اور فرمایا ذرا دیکھ اپنے خدا کی طرف جس پر تو جم کر بیٹھا رہا۔ ہم اس کو جلا ڈالیں گے۔ آپ علیہ السلام نے اس کو ذبح کر دیا پھر ریتی کے ساتھ اس کو رگڑ دیا پھر اسے دریا میں بکھیر دیا۔ پس ہر نہر میں اس کا پانی پہنچ گیا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسرائیلیوں سے کہا:

اس پانی سے پیو۔ انہوں نے پیا پس جو لوگ اس بچھڑے سے محبت کرتے تھے تو ان سے سونا نکلا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ (البقرہ:93)

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائے اور قوم نے اپنی گمراہی کو سمجھ لیا تو کہنے لگے اگر اللہ تعالیٰ ہم پر رحم نہ فرمائے اور ہماری مغفرت نہ فرمائے تو ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی توبہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا مگر جبکہ وہ اپنے رشتہ داروں کو خود قتل کریں انہوں نے بچھڑے کی عبادت کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنے اوپر ظلم کیا پس تم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں توبہ کرو اور تمہاری توبہ یہ ہے کہ تم اپنے (خاندان والوں کو) خود قتل کرو پس بچھڑے کی عبادت کرنے والوں اور بچھڑے کی عبادت نہ کرنے والوں کے درمیان تلواریں چلنا شروع ہو گئیں جس نے اس جنگ میں حصہ لیا وہ شہید ہوا حتیٰ کہ پشتوں کے پشتے لگ گئے قریب تھا کہ بنی اسرائیل ہلاک ہو جاتے حتیٰ کہ ان میں سے ستر ہزار قتل ہو گئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نے دعا مانگی اے

ہمارے رب عزوجل! بنی اسرائیل ہلاک ہو گئے۔ ان بقیہ لوگوں پر مہربانی فرمادے۔ اللہ تعالیٰ نے ہتھیار ڈالنے کا حکم دے دیا اور ان کی توبہ قبول فرمالی۔ جو قتل ہو گیا تھا وہ شہید تھا اور جو باقی تھا اس کے لئے یہ جنگ گناہوں کی معافی کا کفارہ تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○...... الخ (درمنثور: ج:4،ص:800 مطبوعہ کراچی)

جو قتل ہو گئے وہ شہید قرار پائے اور جو بچ گئے ان کا کفارہ ہو چکا تھا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کے ٹکڑے ٹکڑے کیے اور اس کو جلا کر اس کے ذرات کو سمندر میں بہادیا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

اس سمندر سے پانی پیو تو جو اس بچھڑے سے محبت کرتا تھا اس کی مونچھوں پر اس سونے کے ذرات لگ گئے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

''ان کے کفر کی وجہ سے بچھڑا ان کے دلوں میں پلایا گیا تھا۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آنے کے بعد جب بنی اسرائیل کو اپنی گمراہی کا یقین ہو گیا تو انہوں نے کہا کہ اگر ہم پر ہمارا رب عزوجل رحم نہ فرمائے اور ہماری مغفرت نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی حال میں بنی اسرائیل کی توبہ قبول کرنے سے انکار فرمادیا۔

پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا۔

اے میری قوم! تم نے بچھڑے کی عبادت کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے تم اپنے خالق کی طرف توبہ کرو اور تم ایک دوسرے کو قتل کرو پھر انہوں نے دو صفیں بنائیں۔ ایک صف میں بچھڑے کی عبادت کرنے والے کھڑے ہوئے اور دوسری صف میں وہ کھڑے ہوئے جنہوں نے بچھڑے کی عبادت نہیں کی تھی اور انہوں نے بچھڑے کی عبادت کرنے والوں کو قتل کیا اور ستر ہزار افراد قتل کر دیئے گئے۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نے دعا کی کہ

اے رب عزوجل! اس طرح تو سارے بنی اسرائیل ہلاک ہو جائیں گے۔

اے رب عزوجل! بقیہ کو معاف فرمادے۔ تب انہیں ہتھیار پھینکنے کا حکم دیا جو قتل ہو گئے وہ شہید قرار پائے اور جو بچ گئے ان کا کفارہ ہو چکا تھا۔ (جامع البیان: ج:1،ص:227 مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معذرت کے لئے ستر بنی اسرائیل کو طور پر لے جانا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ روایت کرتے ہیں:

امام محمد بن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف لوٹے اور بچھڑے کی عبادت کرنے پر بنی اسرائیل کو ملامت کی اور بچھڑے کو جلا کر اس کے ذرات کو سمندر میں ڈال دیا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت میں سے انتہائی نیک افراد جن کی تعداد ستر تھی سے فرمایا۔ تم میرے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لئے چلو اور اپنی اس گئوشالہ پرستی پر اللہ تعالیٰ سے معذرت کرو۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو لے کر پہاڑ طور پر گئے تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: آپ اپنے رب عزوجل سے یہ سوال کریں کہ ہم بھی اپنے رب عزوجل کا کلام سن لیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

اچھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام جب پہاڑ کے قریب پہنچے تو ایک بادل آیا اور اس نے پورے پہاڑ کو ڈھانپ لیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بادل میں داخل ہو گئے اور قوم سے کہا تم قریب آ جاؤ۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب عزوجل سے ہم کلام ہوتے تو ان کی پیشانی پر بہت چمکدار نور ظاہر ہوتا جس کو دیکھنے کی کوئی انسان تاب نہیں لا سکتا تھا تو وہ اپنی پیشانی پر نقاب ڈال لیتے تھے۔ جب قوم اس بادل کے اندر داخل ہوئی تو سجدہ میں گر گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے کلام کر رہے تھے اور وہ سن رہے تھے۔ جب موسیٰ علیہ السلام فارغ ہوئے اور بادل چھٹ گیا تو یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے۔ ہم ہرگز اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو بالکل ظاہر عیاں اور بیاں دیکھ نہ لیں اسی وقت ان پر بجلی کی ایک کڑک آ پڑی اور وہ سب مر گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور عرض کیا: اے اللہ عزوجل! اگر تو چاہتا تو ان کو پہلے ہی ہلاک کر دیتا۔ جب میں اپنی قوم کے پاس جاؤں گا تو میری تصدیق کیسے کریں گے کہ وہ کڑک سے ہلاک ہو گئے اور آئندہ مجھ پر کب اعتماد کریں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مسلسل دعا کرتے رہے بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان میں روحیں لوٹا دیں۔ پھر بنو اسرائیل نے جو بچھڑے کی پرستش کی تھی اس پر توبہ کی مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب تک کہ یہ ایک دوسرے کو قتل نہیں کریں گے اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول نہیں فرمائے گا۔ (جامع البیان: ج:1، ص:232 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

ستر افراد کا مر جانا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں حاضر ہوئے گفتگو ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا تم اپنی قوم کو چھوڑ کر جلدی کیوں آ گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ وہ میرے پیچھے آ رہے ہیں۔ میں تیری بارگاہ میں جلدی آیا۔ اے میرے رب عزوجل! تا کہ تو ناراض نہ ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ہم نے تیرے بعد تیری قوم کو آزمائش میں ڈالا اور سامری نے انہیں گمراہ کر دیا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی

گمراہی کی خبر ملی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یا رب عزوجل! پھر تو نے انہیں گمراہ کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کے پاس غضب ناک اور افسردہ خاطر ہو کر لوٹے اور کہا: اے میری قوم! کیا وعدہ نہیں کیا تھا تم سے تمہارے رب عزوجل نے بہت عمدہ تو کیا طویل مدت گزر گئی ہے اس وعدہ پر (اور تم اس کے ایفاء سے مایوس ہو گئے) یا تم یہ چاہتے ہو کہ اترے تم پر غضب تمہارے رب عزوجل کی طرف سے اس لیے تم نے توڑ ڈالا میرے ساتھ کیا ہوا وعدہ۔ کہنے لگے نہیں توڑا ہم نے کیا ہوا وعدہ اپنے اختیار سے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم پر لاد دیئے گئے تھے بوجھ قوم (فرعون) کے زیورات کے سو ہم نے (سامری کے کہنے پر) انہیں پھینک دیا اسی طرح سامری نے بھی (اپنے حصہ کے زیور) پھینک دیئے پس اسرائیلی اس بچھڑے کی عبادت پر ڈٹ گئے وہ ڈکارتا تھا اور چلتا تھا۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں "**یقوم انما فتنتم به**......الخ" فرمایا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور سامری سے اس بچھڑے کی غرض و غایت پوچھی اور فرمایا ذرا دیکھ اپنے خدا کی طرف جس پر تو جم کر بیٹھا رہا (اس کا حشر کیا ہوتا ہے) ہم اسے جلا ڈالیں گے۔ آپ علیہ السلام نے اس کو ذبح کر دیا پھر ریتی کے ساتھ اس کو رگڑ دیا پھر اس کو دریا میں بکھیر دیا پس ہر نہر میں اس کا پانی پہنچ گیا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسرائیلیوں سے کہا:

اس پانی سے پیو انہوں نے پیا پس جو لوگ اس بچھڑے سے محبت کرتے تھے تو ان سے سونا نکلا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائے اور قوم نے اپنی گمراہی کو سمجھ لیا تو کہنے لگے اگر اللہ تعالیٰ ہم پر رحم نہ فرمائے اور ہماری مغفرت نہ فرمائے تو ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی توبہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا مگر جبکہ وہ اپنے رشتہ داروں کو خود قتل کریں۔ انہوں نے بچھڑے کی عبادت کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنے اوپر ظلم کیا۔ پس تم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو اور تمہاری توبہ یہ ہے کہ تم اپنے خاندان والوں کو خود قتل کرو۔ پس بچھڑے کی عبادت کرنے والوں اور بچھڑے کی عبادت نہ کرنے والوں کے درمیان تلواریں چلنا شروع ہو گئیں جس نے اس جنگ میں حصہ لیا وہ شہید ہوا حتیٰ کہ پشتوں کے پشتے لگ گئے قریب تھا کہ بنی اسرائیل ہلاک ہو جاتے حتیٰ کہ ان میں ستر ہزار قتل ہو گئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نے دعا مانگی اے ہمارے رب عزوجل! بنی اسرائیل ہلاک ہو گئے ان بقیہ لوگوں پر مہربانی فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے ہتھیار ڈالنے کا حکم دے دیا اور ان کی توبہ قبول فرمائی جو قتل ہو گیا تھا وہ شہید تھا اور جو باقی تھا اس کے لیے یہ جنگ گناہوں کی معافی کا کفارہ تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَتَابَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ○

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگوں کو لے آئیں جو بچھڑے کی عبادت

سے معذرت کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ایک وقت مقرر فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ستر افراد کا انتخاب فرمایا۔ پھر چلے تا کہ وہ بچھڑے کی عبادت پر معافی مانگیں۔ جب وہ مقررہ جگہ پر پہنچے تو کہنے لگے ہم آپ علیہ السلام پر ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کو ظاہر دیکھ لیں تو نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا ہے ہمیں اللہ تعالیٰ کا دیدار کرا۔ پس اس جرم کی پاداش میں انہیں کڑک نے آلیا وہ مر گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام رونا شروع ہو گئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی اے میرے رب عزوجل! میں اپنی قوم کے پاس جا کر کیا کہوں گا کہ تو نے ان کے چیدہ چیدہ افراد کو ہلاک کر دیا ہے۔ اے میرے رب عزوجل! تو نے اگر انہیں ہلاک کرنا تھا تو پہلے ہی انہیں ہلاک کر دیتا اور مجھے بھی کیا تو ہمیں اس فعل کی وجہ سے ہلاک کر رہا ہے جو ہم میں سے بے وقوفوں نے کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ یہ ستر افراد ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے بچھڑے کو معبود بنایا۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ نہیں ہے مگر تیری آزمائش۔ اس کے ساتھ تو جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔ (درمنثور: ج: 4، ص 799 تا 800 مطبوعہ کراچی)

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرض

جب قوم کے ستر آدمی ہلاک ہو گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ اے میرے رب عزوجل! اگر تو چاہتا تو انہیں اور مجھے اس سے پہلے ہلاک کر دیتا کیا تو ہم میں سے ان نادانوں کے کاموں کی وجہ سے ہمیں ہلاک کرے گا یہ تو تیری آزمائش تھی جس کے ذریعہ تو جس کو چاہے گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے اور جس کو چاہے تو ہدایت عطا فرما دیتا ہے تو ہی ہمارا کارساز ہے سو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے اچھا بخشنے والا ہے اور ہمارے لیے اس دنیا میں بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی بے شک ہم نے تیری طرف رجوع کیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ○ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ (الاعراف: 155 تا 156)

اور موسیٰ نے اپنی قوم کے ستر آدمیوں کو منتخب کر لیا تا کہ وہ ہمارے مقرر کردہ وقت (پر حاضر ہوں) پھر جب ان کو زلزلہ (یا رعد) نے گرفت میں لے لیا تو انہوں نے کہا: اے میرے رب اگر تو چاہتا تو انہیں اور مجھے اس سے پہلے ہلاک کر دیتا کیا تو ہم میں سے ان نادانوں کے کاموں کی وجہ سے ہمیں ہلاک کرے گا یہ تو تیری صرف آزمائش تھی جس کے ذریعہ تو جس کو چاہے گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے اور جس کو چاہے تو ہدایت عطا فرما دیتا ہے تو ہی ہمارا کارساز ہے سو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے اچھا بخشنے والا ہے اور ہمارے لیے اس دنیا میں بھلائی لکھ دے اور آخرت میں، بے شک ہم نے تیری طرف رجوع کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت ہارون علیہ السلام کے وصال کی وحی کے ذریعے خبر دینا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب حضرت ہارون علیہ السلام کے وصال کا وقت آ پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ تم حضرت ہارون علیہ السلام اور ان کے بیٹے کو ساتھ لے کر پہاڑ کی غار کی طرف چلو کیونکہ میں ہارون علیہ السلام کی روح قبض کرنے والا ہوں پس حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام اور ان کے بیٹے چل پڑے جب وہ غار کے پاس پہنچے تو اس میں داخل ہوئے تو دیکھا وہاں ایک چارپائی پڑی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام اس پر لیٹ گئے اور پھر اس سے اٹھ کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا:

اے ہارون علیہ السلام! یہ جگہ کتنی حسین اور اچھی ہے۔ چنانچہ حضرت ہارون علیہ السلام اس پر لیٹ گئے تو ان کی روح قبض کر لی گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے صاحبزادے دونوں غم زدہ حالت میں بنی اسرائیل کی طرف لوٹ آئے۔

تو انہوں نے آپ علیہ السلام سے کہا:

ہارون علیہ السلام کہاں ہیں؟

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

ان کا وصال ہو گیا ہے۔

تو انہوں نے کہا:

نہیں بلکہ تم نے انہیں قتل کر دیا ہے کیونکہ تم یہ جانتے تھے کہ ہم ان سے محبت کرتے ہیں۔

یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا۔

تم ہلاک و برباد ہو جاؤ کیا میں اپنے بھائی کو قتل کر سکتا ہوں جسے میں نے بطور وزیر اللہ تعالیٰ سے طلب کیا تھا اور اگر میں ان کے قتل کا ارادہ کرتا تو کیا ان کا بیٹا مجھے چھوڑ دیتا؟

اس پر بنی اسرائیل نے کہا:

نہیں تم نے انہیں قتل کیا ہے کیونکہ تم ہماری وجہ سے ان کے ساتھ حسد کرتے تھے۔

تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

سو تم ستر افراد چن لو پس آپ علیہ السلام انہیں ساتھ لے کر چلے اور راستے میں دو آدمی بیمار ہو گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں کے ارد گرد خط کھینچ کر حصار بنا دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام کے صاحبزادے اور بنی اسرائیل چلتے رہے حتیٰ کہ وہ حضرت ہارون علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے۔

تو وہاں جا کر آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اے ہارون علیہ السلام! تجھے کس نے قتل کیا ہے؟

انہوں نے جواب دیا: مجھے کسی نے قتل نہیں کیا بلکہ میں فوت ہوا ہوں۔

وہ کہنے لگے: اے موسیٰ علیہ السلام! جو آپ علیہ السلام چاہتے ہیں ہمارے لیے رب عزوجل سے یہ دعا کریں کہ وہ ہمیں انبیاء بنا دے۔

راوی فرماتے ہیں کہ تو اس پر زلزلے نے انہیں آ پکڑا پس وہ سب گر پڑے اور وہ دو آدمی بھی گر پڑے جنہیں وہ پیچھے چھوڑ آئے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب عزوجل سے یہ التجاء کرتے ہوئے اٹھے۔

لو شئت اهلكتهم من قبل و اياى اتهلكنا بما فعل السفهاء منا

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ فرما دیا اور وہ سب اپنی قوم کی طرف انبیاء بن کر لوٹے۔

(تفسیر طبری: ج:9، ص:89 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ہارون علیہ السلام کا وصال

امام عبد الرحمٰن بن محمد المعروف با بن ابی حاتم متوفی 327ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، بشر اور بشیر ایک پہاڑ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت ہارون علیہ السلام اپنے تخت پر لیٹ گئے اللہ تعالیٰ نے ان پر وفات دے دی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:5، ص:1573 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قوم کا حضرت ہارون علیہ السلام کے متعلق پوچھنا اور آپ علیہ السلام کا وصال فرما جانے کا بتانا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آئے تو بنی اسرائیل نے ان سے پوچھا: حضرت ہارون علیہ السلام کہاں ہیں؟

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے ان کو وصال دے دیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:5، ص:1573 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قوم کا کہنا کہ آپ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو قتل کیا ہے

بنو اسرائیل نے کہا:

آپ علیہ السلام نے ان کو قتل کیا ہے آپ علیہ السلام ان پر حسد کرتے تھے کیونکہ وہ ہمارے ساتھ بہت نرمی کرتے تھے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:5، ص:1573 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

ستر افراد کا حضرت ہارون علیہ السلام کی تصدیق کے لئے جانا اور حضرت ہارون علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کے وفات دینے کا بتانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

تم تصدیق کے لئے جن کو چاہو منتخب کرلو انہوں نے ستر آدمی منتخب کیے اور جب وہ اس مقررہ وقت پر پہنچے تو انہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام سے پوچھا اے ہارون علیہ السلام! تم کو کس نے قتل کیا ہے؟

حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا:

مجھے کسی نے قتل نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے وصال دیا ہے۔

(تفسیر ابن ابی حاتم: ج:5،ص:1573 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

بنی اسرائیل کا آئندہ نافرمانی کرنے سے توبہ کرنا

تب بنی اسرائیل نے کہا:

اے موسیٰ علیہ السلام! ہم آئندہ آپ علیہ السلام کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:5،ص:1573 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

ستر افراد کو زلزلہ نے اپنی گرفت میں لے لیا

امام عبدالرحمٰن بن محمد المعروف بابن ابی حاتم متوفی 327ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طلحہ سے روایت ہے کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا۔

اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنی قوم میں سے ستر آدمیوں کو منتخب کریں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو منتخب کیا تاکہ وہ اپنے رب عزوجل سے دعا کریں اور انہوں نے اللہ عزوجل سے یہ دعا کی اے اللہ عزوجل! ہمیں وہ نعمتیں عطا فرما جو تو نے ہم سے پہلے کسی کو نہیں دیں اور نہ ہمارے بعد کسی کو وہ نعمتیں دینا اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ دعا ناگوار گزری تب ان کو ایک زلزلہ نے اپنی گرفت میں لے لیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:5،ص:1574 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

بجلی کی ایک کڑک سے سب مر گئے

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف لوٹے اور بچھڑے کی عبادت کرنے پر بنی اسرائیل کو ملامت کی اور بچھڑے کو جلا کر اس کے ذرات کو سمندر میں ڈال دیا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت میں سے انتہائی نیک افراد جن کی تعداد

ستر بھی سے فرمایا تم میرے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لئے چلو اور اپنی بچھڑے کی عبادت پر اللہ تعالیٰ سے معذرت کرو۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو لے کر پہاڑ طور پر گئے تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا آپ علیہ السلام اپنے رب عزوجل سے یہ سوال کریں کہ ہم بھی اپنے رب عزوجل کا کلام سن لیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

اچھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام جب پہاڑ کے قریب پہنچے تو ایک بادل آیا اور اس نے پورے پہاڑ کو ڈھانپ لیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بادل میں داخل ہو گئے اور قوم سے کہا تم قریب آجاؤ۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب عزوجل سے ہم کلام ہوتے تو ان کی پیشانی پر بہت چمکدار نور ظاہر ہوتا جس کو دیکھنے کی کوئی انسان تاب نہیں لاسکتا تھا تو وہ اپنی پیشانی پر نقاب ڈال لیتے تھے۔ جب قوم اس بادل سے اندر داخل ہوئی تو سجدہ میں گر گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے کلام کر رہے تھے اور وہ سن رہے تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فارغ ہوئے اور بادل چھٹ گیا تو یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے ہم ہرگز اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو بالکل ظاہر عیاں اور بیاں دیکھ نہ لیں۔ اسی وقت ان پر بجلی کی ایک کڑک آپڑی اور وہ سب مر گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور عرض کیا اے اللہ عزوجل! اگر تو چاہتا تو ان کو پہلے ہی ہلاک کر دیتا جب میں اپنی قوم کے پاس جاؤں گا تو وہ میری کیسے تصدیق کریں گے کہ وہ کڑک سے ہلاک ہو گئے اور آئندہ مجھ پر کب اعتماد کریں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مسلسل دعا کرتے رہے بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان میں روحیں لوٹا دیں پھر بنی اسرائیل نے جو بچھڑے کی پرستش کی تھی اس پر توبہ کی مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب تک کہ یہ ایک دوسرے کو قتل نہیں کریں گے اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول نہیں فرمائے گا۔ (جامع البیان: ج:1 ص:232 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

امام ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

ان کو بجلی کی کڑک نے پکڑ لیا جس سے وہ مر گئے پھر ان کو زندہ کیا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:5 ص:1575 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

کیا ستر ہلاک ہونے والوں نے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی عبادت کا حکم دیا تھا

امام ابن ابی حاتم متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

حضرت سعید بن حیان سے روایت ہے کہ

ان ستر بنی اسرائیل کو بجلی کی کڑک نے اس لیے ہلاک کیا تھا کہ انہوں نے بچھڑے کی عبادت کا حکم دیا تھا نہ اس سے منع کیا تھا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:5 ص:1575 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ)

اللہ تعالیٰ نے ستر کو دوبارہ زندہ فرمادیا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت نوف بکالی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے ستر آدمی چنے تو آپ علیہ السلام نے انہیں فرمایا اللہ تعالیٰ کی طرف وفد بن کر چلو اور اس سے سوال کرو پس ایک سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تھا اور ایک سوال ان کا تھا پس جب وہ طور کے پاس پہنچے اور یہی وہ جگہ تھی جس کے بارے اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو انہوں نے فرمایا ارنا اللہ اے موسیٰ دکھاؤ ہمیں اللہ تعالیٰ کھلم کھلا۔ فرمایا میں بڑی حکمت والا ہوں۔ کیا تم اللہ تعالیٰ سے بار بار یہ سوال کر رہے ہو۔ فرمایا یہی ہمارا سوال ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا دیدار کھلم کھلا کراؤ تو انہیں زلزلے کے جھٹکوں نے آلیا اور وہ سب گر پڑے۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں بنی اسرائیل میں سے ستر شرفاء تیرے پاس لایا ہوں سو تو انہیں ان کی طرف واپس لوٹا دے کیونکہ میرے ساتھ ان میں سے کوئی بھی نہیں ہے میں بنی اسرائیل کو کیسے مطمئن کروں گا کیا وہ مجھے قتل نہیں کر دیں گے؟ پھر آپ سے کہا گیا تم اپنا مسئلہ پیش کرو تو آپ نے عرض کیا: اے میرے رب عزوجل! میں تجھ سے التجاء کرتا ہوں کہ تو انہیں دوبارہ زندہ کر دے پس اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ فرما دیا تو اس طرح ان کا سوال اور آپ کا سوال بھی ختم ہو گیا اور اس دعوت کو اس امت کے لئے بنا دیا گیا۔ (درمنثور، ج:3، ص:413 مطبوعہ کراچی)

وہ ستر افراد عمر کے لحاظ سے تیس سال سے اوپر تھے

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن منذر، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہم نے حضرت ابوسعید رقاشی رحمۃ اللہ علیہ سے اسی آیت کے بارے میں یہ قول بیان کیا ہے کہ وہ ستر افراد عمر کے لحاظ سے تیس سال سے اوپر تھے اور چالیس سال کو ابھی نہیں پہنچے تھے اور ایسا اس لیے تھا کہ تیس سال سے اوپر کی عمر میں جہالت اور بچپنا ختم ہو جاتا ہے اور جو چالیس سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے وہ اپنی عقل اور فہم و فراست سے کوئی شے بھی مفقود نہیں پاتا۔ (درمنثور، ج:3، ص:413 مطبوعہ کراچی)

ان ستر افراد نے بچھڑے کی پوجا سے روکا نہیں تھا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام عبد بن حمید، ابن ابی عمر عدنی نے مسند میں، ابن جریر اور ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ ستر افراد جنہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے چنا تھا انہیں زلزلہ نے پکڑ لیا اس لیے کہ اگر چہ وہ بچھڑے پر رضامند نہیں تھے لیکن انہوں نے اس سے روکا نہیں تھا۔ (درمنثور، ج:3، ص:414 مطبوعہ کراچی)

وہ ستر افراد پاکیزہ لباس پہنتے تھے

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

عبد بن حمید اور ابوالشیخ نے حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نقل کیا ہے کہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ وہ ستر افراد پاکیزہ لباس پہنتے تھے۔ ایسے کپڑے جن کا سوت باکرہ عورت کاتتی تھی اور اسے بنتی تھی پھر وہ بارش والی رات کی صبح کھلے میدان کی طرف نکلتے اور اس میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے تو قسم بخدا! اس دن اس قوم نے جو بھی مانگا اللہ تعالیٰ نے وہ اس امت کو عطا فرمایا۔

(درمنثور، ج:3، ص:414 مطبوعہ کراچی)

وہ ستر افراد سیاہ خضاب لگاتے تھے

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوالاسود محمد بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ وہ ستر افراد جنہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے چنا تھا وہ سیاہ خضاب سے پہچانے جاتے تھے۔ (درمنثور، ج:3، ص:414 مطبوعہ کراچی)

اے اللہ عزوجل! تو ہمیں وہ شے عطا فرما جو ہمارے علاوہ اور کسی کو عطا نہ فرمائے

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم میں سے ستر افراد چننے کا حکم فرمایا۔ پس آپ علیہ السلام نے ستر آدمی چنے اور انہیں لے کر کھلے میدان میں نکلے اور یہ اس لیے کیا تا کہ وہ تمہارے رب عزوجل سے اس کے بارے دعا کریں جس کے بارے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ انہوں نے کہا: اے اللہ عزوجل! تو ہمیں وہ شے عطا فرما جو ہمارے بعد کسی کو عطا نہ فرما تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو ناپسند فرمایا اور انہیں زلزلے کے جھٹکوں نے پکڑ لیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ التجاء کی۔

لو شئت اھلکتھم من قبل وایای اتھلکنا بما فعل السفھآء منا ان ھی الا فتنتک وہ کہہ رہے تھے یہ نہیں ہے مگر تیرا عذاب جسے تو چاہتا ہے اس میں مبتلا کر دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اس کو اس سے پھیر دیتا ہے۔

(تفسیر طبری، ج:9، ص:89 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

قوم کا اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا کہنا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق سے روایت ہے کہ

مجھے بعض اہل علم سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

اے موسیٰ علیہ السلام! اللہ تعالیٰ کے دیدار اور ہمارے درمیان کڑک حائل ہو گئی لیکن جب اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام سے ہم کلام ہو تو آپ علیہ السلام ہمیں اس کا کلام سنا دیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرمایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا۔

تم غسل کرو، صاف کپڑے پہنو اور روزے رکھو پھر وہ ان کو لے کر طور پر آئے جب بادل نے ان کو ڈھانپ لیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا۔ سجدہ میں گر جائیں وہ سجدہ میں گر گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل سے کلام کیا اور انہوں نے اس کلام کو سنا اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں کا امر کیا اور بعض چیزوں سے منع کیا انہوں نے اس کو سن کر سمجھ لیا جب بنی اسرائیل کے پاس پہنچے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس چیز کا حکم دیا ہے اور اس چیز سے منع کیا ہے تو ان لوگوں نے اس میں تحریف کر دی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بتائے ہوئے احکام کو بدل دیا۔

(جامع البیان: ج:1 ص:291 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

قوم کا تورات کو قبول کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے کی شرط لگانا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے پاس تورات کی الواح لے کر آئے اور فرمایا ان کو لو اور ان کی اطاعت کا اقرار کرو تو انہوں نے کہا جب تک اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کی طرح ہم سے کلام نہیں کرے گا ہم یہ اقرار نہیں کریں گے پھر وہ بجلی کی ایک کڑک کے ذریعہ ہلاک کیے گئے اور پھر زندہ کیے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پھر تورات کے قبول کرنے کے لئے فرمایا انہوں نے پھر انکار کیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ فلسطین کے پہاڑوں میں سے ایک فرسخ لمبے پہاڑ کو اکھاڑ کر سائبان کی طرح ان پر معلق کر دیں ان کے پیچھے سمندر تھا اور ان کے سامنے سے آگ آ رہی تھی ان سے کہا گیا کہ قسم کھا کر اقرار کرو کہ تم تورات کے احکام پر عمل کرو گے ورنہ یہ پہاڑ تم پر گر جائے گا تب انہوں نے تورات پر عمل کرنے کا پختہ عہد کیا اور توبہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر گئے انہوں نے کروٹ کے بل سجدہ کیا تھا اور مارے خوف کے پہاڑ کی طرف دیکھ رہے تھے جب اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا تو انہوں نے کہا اس سجدہ سے افضل کوئی سجدہ نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قبول کیا اور جس کی وجہ سے اپنے بندوں پر رحم فرمایا پھر انہیں یہ حکم دیا گیا کہ وہ کروٹ کے بل یعنی ایک شق پر سجدہ کیا کریں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کو خوب کوشش سے لو اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد کرو یعنی اس میں تدبر اور غور و فکر کرو اور اس کے احکام کو ضائع نہ کرو کیونکہ کتابوں کو نازل کرنے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ ان کے مقتضیٰ پر عمل کیا جائے یہ نہیں کہ ان کے معنیٰ پر غور و فکر کیے بغیر ان کی صرف تلاوت کر لی جائے۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

لوگوں میں سب سے بدترین شخص وہ ہے جو قرآن پڑھتا ہے اور اس کے حکم کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتلا دیا ہے کہ قرآن مجید پڑھنے سے مقصود عمل ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن: ص:436 مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

سوال

اس مقام پر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ جب پہاڑ ان کے سروں پر معلق کر دیا گیا تو پھر ان کا تورات کو قبول کرنا جبر سے ہوا اور جبر کے ساتھ کسی کا ایمان لانا مقبول نہیں ہے۔

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جبر نہیں ہے، جبر وہ ہوتا ہے جس میں انسان کا اختیار نہ ہو اور اس میں ان کا اختیار تھا وہ چاہتے تو پہاڑ کے نیچے رہنا قبول کر لیتے اور چاہتے تو تورات کو قبول کر لیتے سو انہوں نے جان بچانے کے لئے تورات کو قبول کر لیا البتہ یہ اکراہ ہے اور اکراہ وہ ہوتا ہے جس میں جان سے مارنے کی دھمکی دے کر کوئی کام کرایا جائے اور ہو سکتا ہے کہ ان کی شریعت میں اکراہ کے ساتھ ایمان جائز ہو۔ ہماری شریعت میں بھی ابتلاءً دین میں اکراہ ممنوع تھا بعد میں جب کفار اور مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا اور جب کافروں سے یہ کہا گیا کہ وہ اسلام قبول کر لیں یا جزیہ دیں ورنہ ان کو قتل کر دیا جائے گا تو پھر دین میں اکراہ کی ممانعت منسوخ ہو گئی۔ (عنایۃ القاضی: ج:2،ص:174 مطبوعہ دار صادر بیروت)

قوم کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے لئے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی شرط لگانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے لئے قوم نے کہا: اے موسیٰ علیہ السلام ہم آپ علیہ السلام پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ ہم اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھ لیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً (البقرہ:55)

اور جب تم نے کہا! اے موسیٰ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ ہم اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھ لیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً (النساء:153)

انہوں نے کہا ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات کھلم کھلا دکھاؤ۔

اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا مطالبہ کرنے والے ستر افراد تھے

جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا مطالبہ کیا تھا وہ ستر افراد تھے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ربیع بن انس رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا مطالبہ کیا تھا یہ وہ ستر افراد تھے جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے منتخب کر کے لے گئے تھے پس ان کی گستاخی پر سخت کڑک نے انہیں آلیا اور وہ مر گئے پھر مرنے کے بعد انہیں زندہ کیا تا کہ اپنی اصل عمروں کو پورا

کرلیں۔(تفسیر طبری: ج:1 ص:330 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی شرط لگانے والوں کو کڑک نے آلیا

جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی شرط لگائی تھی ان کو ایک کڑک نے آلیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ○ (البقرہ:55)

سوتم کو ایک کڑک نے پکڑلیا اور تم دیکھ رہے تھے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ (النساء:153)

توان کے ظلم کی وجہ سے ان کو آسمانی بجلی نے پکڑلیا۔

موت کے بعد دوبارہ زندہ فرمانا

اللہ تعالیٰ نے ان کو موت دینے کے بعد دوبارہ زندہ فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ (البقرہ:56)

پھر ہم نے تمہاری موت کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کیا تاکہ تم شکر ادا کرو۔

بقیہ عمر کے لئے زندہ فرمادیا

قوم کو جو موت دی گئی وہ بطور سزا دی گئی بعد میں انہیں عمر پوری کرنے کے لئے زندہ فرمادیا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

قوم کو سزا دی گئی اللہ تعالیٰ نے بطور سزا انہیں موت دی پھر انہیں بقیہ عمریں پوری کرنے کے لئے زندہ فرمایا۔

(تفسیر طبری: ج:1 ص:336 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

احکام پر عمل کرانے کے لئے کوہ طور کو قوم کے اوپر اٹھالینا

جب قوم نے تورات کے احکام ماننے سے بار بار انکار کیا تو ان کے اوپر کوہ طور کو اٹھالیا گیا اور ان سے ان کے احکام پر عمل کرانے کے لئے پختہ عہد لیا گیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قوم کو ارض مقدسہ میں داخل ہو کر جہاد کرنے کا فرمانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو فرمایا کہ اے میری قوم اس ارض مقدسہ میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے اور پشت نہ دکھانا ورنہ تم نقصان پانے والے ہو جاؤ گے۔

قرآن مجید میں ہے:

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ○ (المائدہ:21)

اے میری قوم! اس ارض مقدسہ میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے اور پشت نہ دکھانا ورنہ تم نقصان پانے والے ہو جاؤ گے۔

ارض مقدسہ سے مراد شام کا علاقہ ہے

جس ارض مقدسہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو داخل ہونے کا فرمایا اس سے ایک قول کے مطابق شام کا علاقہ ہے۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

ارض مقدسہ سے مراد شام کا علاقہ ہے۔ (تفسیر عبدالرزاق: ج:2، ص:13 مطبوعہ بیروت)

ارض مقدسہ سے مراد عریش سے لے کر فرات تک کا علاقہ ہے

ایک قول کے مطابق ارض مقدسہ سے مراد عریش سے لے کر فرات تک کا علاقہ ہے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے کہ

یہاں الْاَرْضَ سے مراد عریش سے لے کر فرات تک کا علاقہ ہے۔ (درمنثور: ج:2، ص:741 مطبوعہ کراچی)

قوم کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ارض مقدسہ میں داخل نہ ہونے کی وجہ بتانا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو فرمایا کہ اس ارض مقدسہ میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے تو قوم نے کہا: اے حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سرزمین میں تو بہت بڑے بڑے جسموں والے لوگ ہیں اور ہم اس سرزمین میں اس وقت تک داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اس سرزمین سے نکل نہ جائیں پھر اگر وہ اس سے نکل گئے تو ہم ضرور اس میں داخل ہوں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا

فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝ (المائدہ:22)

انہوں نے کہا: اے موسیٰ! اس سرزمین میں تو بہت بڑے بڑے جسموں والے لوگ ہیں اور ہم اس زمین میں اس وقت تک داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اس زمین سے نکل نہ جائیں پھر اگر وہ اس سے نکل گئے تو ہم ضرور اس میں داخل ہوں گے۔

قوم عمالقہ جسموں میں طویل اور قوت میں سخت

جس قوم کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ذکر کیا کہ وہ تو بہت بڑے بڑے جسموں والے ہیں وہ قوم، قوم عمالقہ تھی اور ان کے جسم طویل اور قوت میں سخت تھے جس طرح کہ روایت میں ہے۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

وہ قوم جسموں میں ہم سے طویل اور قوت میں سخت تھے۔ (تفسیر عبدالرزاق: ج:2، ص:15 مطبوعہ بیروت)

بجو اور اس کے بچوں کا قوم عمالقہ کے ایک شخص کی آنکھ کے گڑھے میں سوئے ہوئے دیکھا جانا

حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ بجو اور اس کے بچے عمالقہ کے ایک شخص کی آنکھ کے گڑھے میں سوئے ہوئے دیکھے گئے۔

(شعب الایمان: ج:7، ص:404 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ستر اشخاص نے عمالقہ کے ایک شخص کے موزے کے نیچے سایہ حاصل کیا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن عبدالحکم نے فتوح مصر میں حضرت ابوضمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ستر آدمیوں نے عمالقہ کے ایک شخص کے موزے کے نیچے سایہ حاصل کیا۔

(در منثور: ج:2، ص:741 مطبوعہ کراچی)

قوم کے دو خوف رکھنے والے اشخاص کا قوم کو دروازے سے داخل ہونے کا فرمانا

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں میں سے دو اشخاص نے کہا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا تھا کہ تم دروازہ سے ان پر داخل ہو جاؤ جب تم دروازہ سے داخل ہو جاؤ گے تو بے شک تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرو اگر تم مومن ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَیْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ (المائدہ:23)

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں میں سے دو آدمیوں نے کہا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا تھا تم دروازہ سے ان پر

داخل ہو جاؤ جب تم دروازہ سے داخل ہو جاؤ گے تو بے شک تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کرو اگر تم مومن ہو۔

دو خوف رکھنے والوں سے مراد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام اور کالب تھے

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رجلان سے مراد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام اور کالب تھے۔ (تفسیر طبری: ج:6، ص:209 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

دونوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نوجوان ساتھی تھے

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام عبد بن حمید نے حضرت عطیہ عوفی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ

رجلان سے مراد کالب اور حضرت یوشع بن نون علیہ السلام مراد تھے یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نوجوان ساتھی تھے۔

(درمنثور: ج:2، ص:743 مطبوعہ کراچی)

یہ دونوں افراد دشمن قوم سے تعلق رکھتے تھے بعد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی بن گئے

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: امام ابن منذر نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

یہ دو افراد دشمن قوم سے تعلق رکھتے تھے بعد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی بن گئے۔

(درمنثور: ج:2، ص:743 مطبوعہ کراچی)

دونوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھے

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پر ہدایت کا انعام فرمایا دونوں کو ہدایت سے نوازا۔ یہ دونوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھے۔ الخ (تفسیر طبری: ج:6، ص:214 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

دونوں جبارہ شہر میں رہتے تھے

اور دونوں جبارہ کے شہر میں رہتے تھے۔ (تفسیر طبری: ج:6، ص:214 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پر خوف کے ساتھ انعام کیا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت سہل بن علی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے ان پر خوف کے ساتھ انعام کیا۔ (تفسیر طبری: ج:6، ص:213 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یہ دونوں نقیبوں میں سے تھے

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام عبد بن حمید نے مجاہد سے یہ روایت کیا ہے کہ

یہ دونوں نقیبوں میں سے تھے اور باب سے مراد جابرہ کا شہر ہے۔ (درمنثور: ج:2، ص:743 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قوم کے ہر قبیلہ سے ایک شخص کا عمالقہ قوم کی خبر لانے کے لئے بھیجنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کے ہر قبیلہ سے ایک شخص کو عمالقہ قوم کی خبر لانے کے لئے روانہ فرمایا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ آپ علیہ السلام جبار کے شہر میں داخل ہوں آپ علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ چل پڑے حتیٰ کہ مدینہ طیبہ کے قریب جا پہنچے یہ شہر اریحاء تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہر قبیلہ سے ایک ایک آدمی کو روانہ کیا کہ وہ اس قوم کی خبر ان کے پاس لائیں۔ (تفسیر طبری: ج:6، ص:209 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھیجے ہوئے افراد کا باغ میں داخل ہونا اور پکڑے جانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھیجے ہوئے افراد باغ میں داخل ہوئے تو باغ کا مالک پھل کاٹنے کے لئے آیا جب اس نے ان کے قدموں کے نشان دیکھے تو ایک ایک کو پکڑ کر پھل کے ساتھ ان کو بھی اپنی آستین میں رکھتا جاتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھیجے ہوئے افراد شہر میں داخل ہوئے تو عمالقہ کی عصبیت جسم اور عظمت کا عجیب امر دیکھا یہ لوگ ان کے ایک باغ میں داخل ہوئے باغ کا مالک آیا تا کہ اس کی فصل کاٹے وہ پھل کاٹنے لگا اس نے ان لوگوں کے نشانات دیکھے تو ان کا پیچھا کیا جب بھی ان میں سے کسی تک پہنچتا اسے پکڑتا تو اسے بھی پھل کے ساتھ اپنی آستین میں رکھ لیتا۔

الخ (تفسیر طبری: ج:6، ص:209 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

باغ کے مالک کا پکڑے ہوئے افراد کو بادشاہ کے سامنے جا کر پھینکنا

باغ کا مالک اپنے بادشاہ کے پاس ان پکڑے ہوئے افراد کو لے گیا اور ان سب کو بادشاہ کے سامنے پھینک دیا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

بعد میں اپنے بادشاہ کے پاس گیا اور ان سب کو سامنے پھینک دیا۔

(تفسیر طبری: ج:6، ص:209 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بادشاہ کا پکڑے ہوئے افراد کو اپنی شان وشوکت بتا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھیجنا

بادشاہ نے ان پکڑے ہوئے افراد کو کہا تم نے ہماری شان وشوکت اور معاملہ دیکھ لیا ہے اب جاؤ اور اپنے نبی کو بتاؤ۔

بادشاہ نے کہا:

تم نے ہماری شان وشوکت اور معاملہ دیکھ لیا ہے اب جاؤ اور اپنے نبی کو بتاؤ۔

(تفسیر طبری: ج:6، ص:209 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

پکڑے ہوئے افراد کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خبر دینا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بات کو چھپانے کا فرمانا

پکڑے ہوئے افراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے اور تمام ماجرا سنایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہم سے اس بات کو چھپاؤ۔

یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آئے جو کچھ انہوں نے عمالقہ کے متعلق دیکھا تھا اس کے بارے میں بتایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

ہم سے اس بات کو چھپاؤ۔ (تفسیر طبری: ج:6، ص:209 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

پکڑے ہوئے افراد کا بات ظاہر کر دینا اور تمام لشکر میں بات کا پھیل جانا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہم سے اس بات کو چھپاؤ تو پکڑے ہوئے افراد اپنے والد اور دوست کو بتانے لگے حتی کہ یہ بات پورے لشکر میں پھیل گئی۔

تو وہ اپنے والد اور دوست کو بتانے لگے اور وہ کہتا یہ بات پوشیدہ رکھنا تو یہ بات پورے لشکر میں پھیل گئی۔

(تفسیر طبری: ج:6، ص:209 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام اور کالب کا بات کو چھپانا

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام اور کالب نے اس بات کو چھپایا جس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چھپانے کا حکم فرمایا تھا۔

صرف دو آدمیوں یوشع بن نون اور کالب بن یوحنا نے بات کو چھپایا یہی وہ دو افراد ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ (تفسیر طبری: ج:6، ص:209 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بارہ اشخاص کس طرح پکڑے گئے

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

ارض مقدسہ سے مراد جبابرہ کا شہر ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کی قوم وہاں پہنچی تو حضرت موسیٰ

علیہ السلام نے بارہ اشخاص کو بھیجا یہی وہ نقیب ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا تا کہ وہ عمالقہ کی خبر لائیں یہ لوگ چلے تو انہیں جبابرہ میں سے ایک شخص ملا تو اس نے ان سب کو اپنی اوڑھنی میں لے لیا انہیں اٹھایا حتیٰ کہ انہیں اپنے شہر میں لے آیا۔ اپنی قوم میں منادی کی لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے۔

لوگوں نے پوچھا:

تم کون ہو؟

ان لوگوں نے کہا:

ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تعلق رکھتے ہیں ہم اس لیے یہاں آئے ہیں تا کہ تمہاری خبر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچائیں جبابرہ نے ان لوگوں کو انار کا ایک دانہ دیا جو ایک آدمی کو کافی تھا۔

جبابرہ نے ان کو کہا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے پاس جاؤ اور انہیں کہو ان کے پھلوں کا اندازہ کرلو جب یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تو کہنے لگے اے موسیٰ علیہ السلام تم اور تمہارا رب عزوجل جائے اور جنگ کرے ہم تو یہاں بیٹھے ہیں جو لوگ ان میں سے خوف خدا عزوجل رکھتے تھے وہ اس شہر کے رہنے والے تھے دونوں مسلمان ہو گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کی اور دونوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو کی۔ فرمایا اس دروازے سے داخل ہو جاؤ۔

(تفسیر طبری: ج:6، ص:213 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بارہ اشخاص کا آکر قوم عمالقہ کی جسامت کا بتانا اور قوم کا آہ و بکا کرنا

جب بارہ اشخاص قوم عمالقہ کی خبر لے کر واپس آئے تو انہوں نے قوم کو سب بیان کر دیا اور قوم نے آہ و بکا شروع کر دی پھر جبارین کے ساتھ لڑنے سے انکار کر دیا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ ہم اس زمین میں داخل ہوں گے اور ان لوگوں پر غالب ہوں گے پھر ان خبر دینے والوں نے آکر بیان کیا کہ ان جبارین کے بہت بڑے بڑے جسم ہیں اور وہ بہت زور والے ہیں ہم تو ان کی نظر دن میں ٹڈوں کی طرح ہیں یہ سن کر بنی اسرائیل آہ و بکا کرنے لگے افسوس! ہم یہاں کیوں آگئے۔ کاش ہم مصر ہی میں رہتے اور انہوں نے جبارین کے ساتھ لڑنے سے صاف انکار کر دیا۔ (جامع البیان: ج:6، ص:239 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قوم کا کہنا آپ علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کا رب عزوجل جنگ کرنے جائیں

جب بارہ اشخاص نے قوم عمالقہ کی جسامت اور قوت کی خبر قوم کو بتائی تو انہوں نے کہا: اے حضرت موسیٰ علیہ السلام ہم تو

ہرگز کبھی بھی اس زمین میں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اس میں ہیں سو آپ علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کا رب عزوجل اور دونوں ان سے جنگ کریں ہم تو یہیں پر بیٹھے رہیں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۝

(المائدہ:24)

انہوں نے کہا: اے موسیٰ! بے شک ہم ہرگز کبھی بھی اس زمین میں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اس میں ہیں سو آپ اور آپ کا رب عزوجل جائیں اور دونوں (ان سے) جنگ کریں بے شک ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔

ہم وہ بات نہیں کریں گے جو بنی اسرائیل نے کہی تھی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بدر کی طرف روانہ ہوئے تو مسلمانوں سے مشورہ طلب کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ عرض کیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پھر مشورہ طلب کیا تو انصار نے کہا: اے انصار کی جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارا ارادہ کرتے ہیں تو انصار نے کہا ہم وہ بات نہیں کریں گے جو بنو اسرائیل نے کہی تھی اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث کیا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جگر کے ٹکڑوں کو برک غماد لے جائیں تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کریں گے۔ (مسند احمد: ج:3، ص:188 مطبوعہ دار صادر بیروت)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عتبہ بن عبد السلمی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

کیا تم جہاد نہیں کرو گے؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

کیوں نہیں! ہم وہ بات نہیں کریں گے جو بنی اسرائیل نے کی "بلکہ آپ اور آپ کا رب جائے قتال کرنے" ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جنگ کریں گے۔ (مسند احمد: ج:4، ص:184 مطبوعہ دار صادر بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے بدر کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم وہ بات نہیں کریں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کی لیکن آپ اور آپ کا رب عزوجل جائے اور قتال کریں۔ ہم آپ کی معیت میں قتال کریں گے۔ (مسند احمد: ج:4، ص:314 مطبوعہ دار صادر بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو ایسے مقام پر دیکھا میں اس کے مقام پر ہوتا تو یہ مجھے ہر دوسرے مقام سے محبوب ہوتا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں کے خلاف دعوت دے رہے تھے۔ عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم وہ بات نہیں کریں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی بلکہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جنگ کریں گے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور دیکھا کہ وہ اس بات کی وجہ سے چمک اٹھا اور خوش ہو گیا۔ (مستدرک حاکم: ج:3، ص:392 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں قوم کے متعلق فیصلہ کرنے کی عرض

جب قوم نے کہا: اے حضرت موسیٰ علیہ السلام بے شک ہم ہرگز کبھی بھی اس زمین میں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اس میں ہیں سو آپ علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کا رب عزوجل جائیں اور دونوں ان سے جنگ کریں بے شک ہم یہیں بیٹھے رہیں گے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب عزوجل بے شک میں صرف اپنے آپ کا اور اپنے بھائی کا مالک ہوں تو ہمارے اور نافرمان لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ○ (المائدہ:25)

موسیٰ نے کہا: بے شک میں صرف اپنے آپ کا اور اپنے بھائی کا مالک ہوں تو ہمارے اور نافرمان لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا مقبول ہو گئی

جب موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب عزوجل! بے شک میں صرف اپنے آپ کا اور اپنے بھائی کا مالک ہوں تو ہمارے اور نافرمان لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یہ ارض مقدسہ چالیس سال تک ان پر حرام رہے گی یہ زمین میں بھٹکتے پھریں گے لہٰذا آپ ان نافرمان لوگوں پر افسوس نہ کریں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةًۚ یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِؕ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ○ (المائدہ:26)

(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا یہ (ارض مقدسہ) چالیس سال تک ان پر حرام رہے گی یہ زمین میں بھٹکتے پھریں گے سو آپ ان نافرمان لوگوں پر افسوس نہ کریں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف تسلی کی وحی فرمانا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جب بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۝

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام غصہ ہو گئے اور بنی اسرائیل کے لئے ان الفاظ میں بددعا کی۔ بددعا کرنے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جلدی ہوئی تھی۔ جب بنی اسرائیل پر تیہ کا عذاب مسلط کر دیا گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام شرمندہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ۝

یعنی اس قوم پر غمگین نہ ہوں جنہیں آپ نے فاسق کا نام دیا ہے۔

(تفسیر طبری: ج:6، ص:217 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قوم چالیس سال صحراء میں بھٹکتے رہے

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

یہ شہر ان پر ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا اور يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ط کے بارے میں فرمایا کہ وہ چالیس سال تک اس صحراء میں بھٹکتے رہے۔ (تفسیر طبری: ج:6، ص:217 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قوم پر بستیاں حرام کر دی گئی تھیں

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

امام ابن جریر اور ابن منذر نے حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ

ان پر بستیاں حرام کر دی گئی تھیں وہ کسی بستی میں نہیں اترتے تھے اور نہ ہی اس پر قادر تھے وہ چالیس سال تک الحواء کا پیچھا کرتے رہے الحواء سے مراد کنویں ہیں۔ ہمارے سامنے یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس سالوں میں وصال فرما گئے اور آپ علیہ السلام کے ساتھ جانے والے بنی اسرائیل میں سے دو افراد کے علاوہ ان کا کوئی فرد داخل نہیں ہوا بلکہ ان کی اولادیں اور وہ دو شخص داخل ہوئے جنہوں نے وہ بات جو کہی۔ (تفسیر طبری: ج:6، ص:217 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بنی اسرائیل چالیس سال تک تیہ کے ریگستان میں رہے

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

بنی اسرائیل چالیس سال تک تیہ کے ریگستان میں رہے وہ وہاں صبح کرتے جہاں انہوں نے شام کی ہوتی اور وہاں شام کرتے جہاں انہوں نے صبح کی ہوتی ۔ (تفسیر طبری: ج:6،ص:223 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

میدان تیہ میں بادل ان پر پانچ یا چھ فراسخ تک سایہ کرتا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن جریر نے حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

تیہ میں بادل ان پر پانچ یا چھ فراسخ تک سایہ کرتا جب بھی وہ صبح کرتے تو چل پڑتے جب شام ہوتی تو وہ اسی جگہ ہوتے جہاں سے انہوں نے کوچ کیا ہوتا وہ چالیس سال تک ایسے ہی رہے وہ اس جگہ ہوتے ان پر من وسلویٰ نازل ہوتا ان کے کپڑے بوسیدہ نہ ہوتے ان کے ساتھ طور کا پتھر تھا جسے وہ ساتھ ساتھ اٹھائے پھرتے جب وہ کسی جگہ فروکش ہوتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس پر چھڑی مارتے تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑتے۔ (در منثور: ج:2،ص:747 مطبوعہ کراچی)

بنی اسرائیل کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ اقدس میں شکایت

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جب بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا کہ وہ چالیس سال تک ارض مقدسہ میں داخل ہوں وہ زمین میں سرگرداں پھرتے رہے۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شکایت کی کہ ہم کیا کھائیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

جو تم کھاؤ گے اللہ تعالیٰ وہ تمہارے پاس لائے۔

انہوں نے عرض کیا:

وہ کہاں سے ہمارے پاس آئے گا؟

ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ تم پر پکی پکائی روٹی نازل فرمائے گا۔

ان پر من نازل ہوتا تھا یہ پتلی روٹی ہوتی اور مکئی جیسی ہوتی۔

انہوں نے عرض کیا:

ہم سالن کہاں سے لیں گے؟ کیا ہم کو گوشت کا بدل ملے گا۔

ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ تمہیں عطا فرمائے گا۔

انہوں نے عرض کیا:

وہ کہاں سے آئے گا؟

ہوا بٹیران کے پاس لاتی جو کبوتر کی طرح موٹا پرندہ ہے۔

انہوں نے عرض کیا:

ہم لباس کیا استعمال کریں گے؟

ارشاد فرمایا:

چالیس سال تک تمہارا لباس بوسیدہ نہیں ہوگا۔

بنی اسرائیل نے عرض کیا:

ہم جوتے کیا استعمال کریں گے؟

ارشاد فرمایا:

چالیس سال تک کسی کا تسمہ بھی نہیں ٹوٹے گا۔

لوگوں نے عرض کیا:

ہمارے ہاں چھوٹے بچے پیدا ہوں گے ہم انہیں کیا پہنائیں گے؟

ارشاد فرمایا:

یہ چھوٹا کپڑا اس کے ساتھ بڑھتا جائے گا۔

انہوں نے عرض کی:

ہمارے لیے پانی کہاں سے آئے گا؟

ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ بندوبست فرمادے گا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ارشاد فرمایا: پتھر پر اپنی چھڑی ماریں۔

انہوں نے عرض کیا:

ہم کیسے دیکھیں ہمیں تو تاریکی ڈھانپ لیتی ہے آپ علیہ السلام نے لشکر کے درمیان نور کا ایک ستون گاڑ دیا جس سے تمام لشکر روشن ہو گیا۔

انہوں نے عرض کیا:

ہم سایہ کیسے حاصل کریں گے جبکہ سورج کی دھوپ ہم پر بڑی سخت ہوتی ہے۔

ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تم پر بادل سے سایہ فرمائے گا۔ (درمنثور، ج:3، ص:747 مطبوعہ کراچی)

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کا ارض مقدسہ کو فتح فرمانا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

بنی اسرائیل چالیس سال تک تیہ کے ریگستان میں رہے۔ اس تیہ کے ریگستان میں ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام فوت ہو گئے اور وہ بھی فوت ہو گئے جن کی عمر چالیس سال سے زائد تھی۔ جب چالیس سال گزر گئے تو حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے انہیں ہمت دلائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد آپ علیہ السلام ہی بنی اسرائیل کے معاملات چلاتے رہے تھے انہیں کہا گیا کہ آج جمعہ کا دن ہے تو بنی اسرائیل نے مقدسہ شہر کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا۔ حضرت یوشع علیہ السلام کو خوف ہوا کہ اگر ہفتہ کی رات داخل ہو گئی تو وہ ہفتہ کے حکم میں داخل ہو جائیں گے۔ آپ علیہ السلام نے سورج کو نداء کی اور کہا مجھے بھی حکم دیا گیا ہے اور تجھے بھی حکم دیا گیا ہے تو سورج ٹھہر گیا حتیٰ کہ حضرت یوشع علیہ السلام نے بیت المقدس کو فتح کر لیا۔ آپ علیہ السلام نے وہاں ایسے اموال پائے جو پہلے کبھی نہ دیکھے گئے تھے۔ لوگوں نے یہ مال آپ کے لئے رکھا مگر آسمان سے آگ نہ آئی۔

حضرت یوشع علیہ السلام نے فرمایا:

تم میں سے کسی نے خیانت کی ہے۔ آپ علیہ السلام نے قبائل کے سرداروں کو بلایا یہ بارہ افراد تھے۔ آپ علیہ السلام نے ان سے بیعت لی ان میں سے ایک آدمی کا ہاتھ آپ علیہ السلام کے ہاتھ سے چمٹ گیا۔

حضرت یوشع علیہ السلام نے فرمایا:

خیانت کا مال تیرے پاس ہے اس کو نکال دے اس نے گائے کا سر نکالا جو سونے کا بنا ہوا تھا اس کی آنکھیں یاقوت کی تھیں اور موتیوں کے دانت تھے اسے بھی قربانی کے مال کے ساتھ رکھ دیا گیا آگ آئی اور مال کھا گئی۔

(در منثور: ج:2، ص:746 مطبوعہ کراچی)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

بیس سال سے زیادہ عمر کا جو شخص بھی میدان تیہ میں داخل ہوا وہ مر گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام بھی تیہ میں فوت ہو گئے پہلے حضرت ہارون علیہ السلام فوت ہوئے۔ حضرت یوشع علیہ السلام ان بنی اسرائیل کی اولاد کے ساتھ ارض مقدسہ پر حملہ آور ہوئے جبارین سے مقابلہ کیا اور اس شہر کو فتح کر لیا۔ (جامع البیان: جز:3، ص:249 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے لئے سورج کو ٹھہرانا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انبیاء کرام علیہم السلام میں سے ایک نبی نے جہاد کیا اور اپنی قوم سے یہ کہا کہ جس شخص نے ابھی نکاح کیا ہو اور اس نے ہنوز شب زفاف نہ گزاری ہو اور وہ یہ عمل کرنا چاہتا ہو وہ میرے ساتھ نہ جائے اور نہ وہ شخص جائے جس نے مکان بنایا ہو اور اس نے ہنوز چھت بلند نہ کی ہو اور نہ وہ شخص جائے جس نے بکریاں اور گابھن اونٹنیاں خریدی ہوں اور وہ ان کے بچہ دینے کا منتظر ہو پھر اس نبی نے جہاد کیا اور عصر کی نماز کے وقت یا اس کے قریب وہ ایک دیہات میں پہنچے تو انہوں نے سورج سے کہا تم بھی حکم الٰہی کے ماتحت ہو اور میں بھی حکم الٰہی کے ماتحت ہوں اے اللہ عزوجل! اس سورج کو تھوڑی دیر میری خاطر روک دے پھر سورج روک دیا گیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح عطا فرمائی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

پھر انہوں نے مال غنیمت کو جمع کیا پھر اسی مال کو کھانے کے لئے ایک آگ آئی لیکن اس نے مال کو نہ کھایا۔

اس نبی نے فرمایا:

تم میں سے کسی شخص نے خیانت کی ہے سو ہر قبیلہ کا ایک شخص مجھ سے بیعت کرے پھر سب نے بیعت کی اور ایک شخص کا ہاتھ نبی کے ہاتھ سے چمٹ گیا۔

نبی نے فرمایا:

خیانت کرنے والا تمہارے قبیلہ سے ہے لہٰذا اب تمہارا قبیلہ میری بیعت کرے انہوں نے بیعت کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

پھر دو یا تین آدمیوں کا ہاتھ نبی کے ہاتھ سے چمٹ گیا۔

نبی نے ارشاد فرمایا:

تمہارے اندر خیانت ہے بالآخر وہ گائے کے سر کے برابر سونا نکال کر لائے۔

نبی نے ارشاد فرمایا:

اس کو مال غنیمت میں اونچی جگہ پر رکھ دو پھر آگ نے آ کر اس مال کو کھا لیا۔

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا)

سو ہم سے پہلے کسی کے لئے بھی مال غنیمت حلال نہیں تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ہمارا ضعف اور عجز دیکھا تو ہمارے مال غنیمت کو حلال کر دیا۔ (صحیح مسلم: ج:3، رقم الحدیث: 1747 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سورج کو واپس لوٹانا

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی جا رہی تھی اور ان کا سر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا حضرت علی رضی اللہ

عنہ نے نماز نہیں پڑھی حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی۔

اے اللہ عزوجل! بے شک علی رضی اللہ عنہ تیری اطاعت اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں مشغول تھے تو ان پر سورج لوٹا دے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

میں نے دیکھا کہ سورج غروب ہو گیا ہے اور پھر غروب ہونے کے بعد وہ طلوع ہو گیا۔ (معجم الکبیر: رقم الحدیث: 390)۔

علماء کے اقوال

حدیث رد شمس کے متعلق علماء کرام کے اقوال درج ذیل ہیں۔

امام ابو جعفر طحاوی کا قول

امام ابو جعفر طحاوی متوفی 321ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث مبارکہ نبوت کی عظیم علامتوں میں سے ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اپنے آپ کو پابند رکھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے سورج لوٹانے کی دعا کی اس سے نماز عصر کی اہمیت بھی معلوم ہوتی ہے۔ (شرح مشکل الآثار: ج:3، ص:98 مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت)

علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی کا قول

علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی متوفی 902ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کے متعلق امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ علامہ ابن الجوزی نے ان کی پیروی کر کے اس حدیث کو موضوعات میں درج کیا ہے، لیکن امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اور صاحب الشفاء نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام ابن مندہ اور امام ابن شاہین نے اس کو اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور امام ابن مردویہ نے اس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن سورج کو لوٹایا جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قافلہ کے آنے کی خبر دی تھی جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج دیکھا اسی روز دن غروب ہو رہا تھا اور ابھی تک قافلہ نہیں آیا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک ساعت سورج کو روک دیا گیا۔

(المقاصد الحسنہ: ص:336 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی کا قول

حافظ شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

ابن اسحاق کی مغازی میں ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ معراج کی صبح کو جب کفار قریش کو یہ خبر دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا قافلہ دیکھا ہے اور وہ طلوع آفتاب کے ساتھ آ جائے گا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی حتیٰ کہ قافلہ آنے تک سورج ٹھہرا رہا۔ یہ حدیث منقطع ہے، لیکن امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کی اوسط میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کو حکم دیا تو وہ کچھ دیر متاخر ہو گیا۔ اس حدیث مبارکہ کی سند حسن ہے۔

اور مسند احمد کی روایت میں جو ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام کے سوا اور کسی کے لئے سورج نہیں ٹھہرایا گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء سابقین میں سے اور کسی کے لئے سورج نہیں ٹھہرایا گیا اور اس حدیث میں اس بات کی نفی نہیں ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سورج ٹھہرایا گیا ہو اور امام طحاوی، امام طبرانی، امام حاکم اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہم نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زانو پر سر رکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز عصر فوت ہو گئی تو سورج لوٹا دیا گیا حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھ لی اور اس کے بعد سورج غروب ہو گیا اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت عظیم معجزہ ہے اور تحقیق یہ ہے کہ ابن جوزی اور ابن تیمیہ نے اس حدیث کو موضوع قرار دینے میں خطا کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

البتہ! قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے جو نقل کیا ہے کہ یوم خندق کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سورج کو لوٹایا گیا تھا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھ لی تو اگر یہ ثابت ہو تو پھر یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رد شمس کا تیسرا واقعہ ہے۔

(فتح الباری: ج: 6، ص: 222 مطبوعہ نشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

علامہ ملا علی بن سلطان محمد القاری کا قول

علامہ ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی 1014ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن الجوزی نے ابن عقدہ کی وجہ سے اس حدیث کو موضوع میں لکھا ہے کیونکہ وہ رافضی تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا کہتا تھا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

محض کسی راوی کے رافضی یا خارجی ہونے کی وجہ سے اس کی روایت کے موضوع ہونے کا یقین کر لینا صحیح نہیں ہے جبکہ وہ اپنے دین کے لحاظ سے ثقہ ہو اور غالباً اسی وجہ سے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث مبارکہ کو روایت کیا ہے اور اصل چیز راوی کی عدالت ہے۔ (شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض: ج: 3، ص: 11 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ شہاب الدین خفاجی کا قول

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی متوفی 1069ھ لکھتے ہیں:

خاتم الحفاظ حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ابن جوزی کی کتاب الموضوعات کا اکثر

حصہ مردود ہے حتیٰ کہ انہوں نے بکثرت احادیث صحیحہ کو بھی موضوعات میں درج کر دیا ہے۔ امام ابن الصلاح نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے اور اس کی متعدد اسانید ہیں جو اس کی صحت اور صدق پر شاہد ہیں اور ان سے پہلے بکثرت آئمہ حدیث نے اس حدیث مبارکہ کو صحیح قرار دیا ہے۔ مثلاً امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن شاہین اور امام ابن مندہ اور انہوں نے اس کو اپنی اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اپنی معجم میں روایت کیا ہے اور اس کو حسن قرار دیا ہے۔ (نسیم الریاض: ج:3، ص:11 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

علامہ اسماعیل بن محمد عجلونی کا قول

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس حدیث کی کوئی اصل نہیں اور علامہ ابن جوزی نے کہا یہ موضوع ہے' لیکن ان کی خطا ہے اسی وجہ سے حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس حدیث مبارکہ کو امام ابن مندہ اور امام ابن شاہین نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور امام ابن مردویہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ان دونوں حدیثوں کی سند حسن ہے اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس حدیث مبارکہ کو امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

احمد بن صالح کہتے تھے کہ جو شخص علم حاصل کرنا چاہتا ہو اس کو حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث مبارکہ کو نہیں چھوڑنا چاہئے کیونکہ وہ نبوت کی بہت بڑی علامت ہے۔ یہ حدیث مبارکہ متصل ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور ابن جوزی نے جو اس پر کلام کیا ہے اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔

(کشف الخفاء ومزیل الالباس: ج:1، ص:220 مطبوعہ مکتبہ الغزالی دمشق)

چالیس سال کے بعد بنی اسرائیل کو میدان تیہ سے نجات حاصل ہوئی

چالیس سال کے بعد بنی اسرائیل کو میدان تیہ سے نجات حاصل ہوئی۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

بنی اسرائیل چالیس سال تک میدان تیہ میں سرگرداں رہے اس عرصہ میں پہلے حضرت ہارون علیہ السلام کی اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوگئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے قوم عمالقہ سے جہاد کیا اور جو بنی اسرائیل زندہ بچ گئے تھے انہوں نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کا ساتھ دیا اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح عطا فرمائی اور چالیس سال بعد بنی اسرائیل کو میدان تیہ سے نجات حاصل ہوئی۔ جب بیت المقدس میں فاتحانہ شان سے داخل ہونے کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بیت المقدس کے دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا اور ہمارے گناہوں کو معاف فرما کہتے ہوئے داخل ہونا مگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کے برخلاف سرین کے بل گھسٹتے ہوئے اور حنطة یا حنطة فی شعرة (گندم

گندم بالی میں) کہتے ہوئے داخل ہوئے اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ ان کو گندم چاہئے۔

(الجامع لاحکام القرآن: ج: 1 ص: 411 مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

بنی اسرائیل پر من وسلویٰ نازل ہونا

میدان تیہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل کے لئے دعا فرمائی تو ان کے کھانے کے لئے من وسلویٰ بھیج دیا گیا۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ جبارین کے شہر میں داخل ہوں اور ان کے خلاف جہاد کریں۔

انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

آپ علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کا رب عزوجل ان سے جنگ کریں ہم یہیں بیٹھے رہیں گے ان کی اس گستاخی کی سزا کے طور پر ان کو میدان تیہ میں چالیس سال تک سرگرداں رکھا گیا۔ میدان تیہ مصر اور شام کے درمیان پانچ فرسخ کا ایک وسیع اور عریض میدان ہے۔

اس کی تفصیل اور پس منظر اس طرح ہے۔

بنی اسرائیل کا اصل وطن ملک شام تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے دور میں یہ لوگ مصر آ کر مقیم ہوئے۔ فرعون مصر کی غلامی کا دور بھی ان لوگوں نے مصر میں گزارا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے انہیں نجات عطا فرمائی فرعون سمندر میں غرق ہوا اور بنی اسرائیل نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس دوران ملک شام پر قوم عمالقہ قابض ہو چکی تھی۔ فرعون کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ عمالقہ سے جہاد کر کے ان سے اپنا وطن آزاد کرائیں۔ بنی اسرائیل جہاد کے لئے ملک شام کی طرف روانہ ہوئے جب یہ عمالقہ کی حدود کے قریب پہنچے تو ان کی قوت اور طاقت کا حال سن کر ہمت ہار بیٹھے اور جہاد سے منہ موڑ کر واپس لوٹے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جرم کی سزا یوں دی کہ وہ اپنے گھروں تک جانے کی فکر میں دن بھر سفر کرتے۔ رات بسر کرنے کے بعد صبح کو اپنے آپ کو وہیں پاتے جہاں سے گزشتہ صبح انہوں نے سفر کا آغاز کیا ہوتا۔ اسی پریشان حالی کے عالم میں چالیس سال انہوں نے میدان تیہ میں گزار دیئے۔ اس وادی میں نہ کوئی سایہ دار درخت تھا نہ ہی کوئی عمارت، نہ ہی پینے کے لئے پانی نہ کھانے کے لئے کوئی چیز، نہ ضروریات زندگی کے دیگر لوازمات اس بے سروسامانی کے عالم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ان کے لئے سب سامان مہیا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے دھوپ سے بچاؤ اور سایہ کے حصول کے لئے بادل بطور سائبان نازل فرما دیا۔ کھانے کے لئے من وسلویٰ بھیج دیا۔

من وسلویٰ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

صحیح قول یہی ہے کہ من سے مراد ترنجبین ہے جو ایک نفیس، شیریں، ذائقہ دار مادہ تھا جو شبنم کی طرح صبح کے وقت آسمان سے اترتا اور کثیر مقدار میں چھوٹے چھوٹے درختوں پر منجمد ہو جاتا تھا۔

سلویٰ کے بارے میں بھی متعدد اقوال ہیں۔
صحیح قول یہی ہے کہ وہ بٹیر تھا۔
بعض نے کہا:
وہ بھنا ہوا اترتا تھا۔
اور بعض کا قول ہے۔
بکثرت زندہ پرندے ان کے پاس جمع ہو جاتے تب وہ انہیں زندہ پکڑ لیتے اور ذبح کرتے تھے۔
الغرض من وسلویٰ ان کی شیریں اور نمکین غذائیں تھیں جنہیں کھاتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم سے پتھر پر عصا مارا اور اس سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے تاریکی دور کرنے کے لئے عمودی شکل میں ایک روشنی ظاہر ہو جاتی تھی۔ لباس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ اس طرح دکھایا کہ نہ ان لوگوں کے کپڑے میلے ہوتے نہ پھٹتے اور ان کے بچوں کے جسم کے ساتھ ساتھ بچوں کا لباس بھی بڑھتا رہتا تھا۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:1، ص406 تا408 مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

بنی اسرائیل پر من وسلویٰ کس طرح اترتا تھا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:
حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ
یہ واقعہ (من وسلویٰ کا) صحرا میں پیش آیا تھا اللہ تعالیٰ نے ان پر سورج کی دھوپ سے بچانے کے لئے بادل کا سایہ کر دیا انہیں من وسلویٰ کھلایا جب وہ صحراء کی طرف نکلے تھے من ان پر برف اور بادلوں کی طرح گرتا تھا اور وہ برف سے زیادہ سفید تھا اور طلوع فجر سے گرنا شروع ہوتا اور طلوع شمس تک باقی رہتا ہر شخص اپنے اس دن کی خوراک اٹھا لیتا تھا جو زیادہ اٹھاتا تھا وہ خراب ہو جاتا تھا اور اس کے پاس باقی پانی نہیں رہتا تھا حتیٰ کہ جب چھٹا دن جمعہ کا ہوتا تو جمعہ اور ساتویں دن کی خوراک بھی لے لیتے تھے وہ اضافی دن کی خوراک ان کے پاس باقی رہتی تھی تاکہ جب عید کا دن ہو تو معیشت کی طلب کا معاملہ ان کی زندگی کو مکدر نہ کرے یہ سب معاملات صحراء میں تھے۔ (درمنثور: ج:1، ص:191 مطبوعہ کراچی)

جمعہ کے دن من وسلویٰ دگنا برستا

بنی اسرائیل پر جمعہ کے دن من وسلویٰ دگنا برستا تھا جس کی تفصیل یوں ہے:
حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:
جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان ستر اسرائیلیوں کو زندہ کرا کر مصر میں لے گئے تو سارے اسرائیلیوں کو حکم الٰہی عزوجل پہنچایا کہ مصر سے روانہ ہو کر ملک شام کی طرف چلو کیونکہ وہ ابراہیم علیہ السلام کا مدفن ہے اور وہاں بیت المقدس بھی ہے جس پر ایک

ظالم اور سخت قوم عمالقہ نے قبضہ کر رکھا ہے ان سے جہاد کر کے اس ملک سے ان کو نکالو اور وہاں ہی آباد ہو جاؤ جیسے کہ تم نے مصر کو فرعونیوں سے پاک کر دیا اس حکم میں یہ راز تھا کہ بنی اسرائیل ملک مصر میں فرعون کے عیش و آرام دیکھ چکے تھے اور اب سارے مصر کے مالک ہو گئے۔ اندیشہ تھا کہ یہ بھی فرعونیوں کی طرح عیش و آرام میں پھنس کر اللہ تعالیٰ کی عبادت بھول جائیں گے۔ نیز فرعون کہا کرتا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام صرف یہ چاہتے ہیں کہ مجھے مصر سے نکال کر بنی اسرائیل کو یہاں کا مالک بنا دیں اگر اسرائیلی وہاں ہی رہتے تو دوسرے لوگ کہتے کہ فرعون کا خیال صحیح تھا صرف ملک گیری کے خیال سے یہ سب کچھ کیا گیا تھا اور یہ تمام باتیں دنیا حاصل کرنے کے بہانے تھے اس لیے حکم دیا گیا کہ اس جگہ کو چھوڑ و اور فی سبیل اللہ جہاد کر کے شام کی مقدس زمین کو دشمنان دین سے خالی کرالو۔ بنی اسرائیل مصر کی زمین سے بہت راضی تھے کیونکہ بغیر مشقت لقمہ تر ان کے ہاتھ آ گیا تھا اس لیے ان کو وہاں سے نکلنا بہت شاق گزرا۔ چارو نا چار روانہ تو ہو گئے لیکن بات بات کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شکایت کرتے تھے اور زبان درازی کر کے ان کو تنگ کرتے تھے جب مصر اور شام کے درمیان بے آب و دانہ اور تخت گرم میدان میں پہنچے جس کا نام تیہ ہے اور انہیں خبر لگی کہ جن عمالقہ قوم سے ہم جنگ کرنے جا رہے ہیں وہ سخت جنگ جو اور بہادر ہے ان کے جسم تقریباً سات سو گز کے ہیں تو جنگ سے ہمت ہار بیٹھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ

آپ علیہ السلام اپنے رب عزوجل کے ساتھ جا کر ان سے جنگ کریں ہم تو یہیں رہیں گے۔ رب تعالیٰ نے ان کو یہاں ہی چالیس سال کے لئے قید کر دیا یہ میدان تیہ صرف بارہ کوس میں تھا لیکن وہ اس میں ہی حیران و پریشان پھرے اور یہاں سے نکل نہ سکے اسی لیے اس کو تیہ کہتے ہیں جس کے معنی ہیں حیرانی۔ اب ان کا انتظام یہ کیا گیا کہ دن میں سفید ہلکا بادل ان پر سایہ کر کے انہیں گرمی سے بچاتا تھا اور اندھیری رات میں ایک نوری ستون اترتا تھا جس کی روشنی میں اپنا کام کاج کرتے تھے اور آفتاب نکلنے سے پیشتر نہایت لذیذ حلوہ برس جاتا تھا یعنی من جو ہر شخص کو روزانہ ایک صاع یعنی تقریباً 4 سیر ملتا تھا جو ان کو دن بھر کے لئے بخوبی کافی ہوتا اور جمعہ کے دن دگنا برستا تا کہ ہفتہ کے دن بھی کام آئے یہ لوگ شیرینی سے گھبرا گئے اور نمکین چیز کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا۔ چنانچہ روزانہ عصر کے بعد ان کے لئے نفیس کبابوں کا انتظام کیا گیا یعنی سلویٰ جس طرح کہ ہم تفسیر میں پہلے عرض کر چکے ہیں لیکن اس میں پابندی یہ تھی کہ روز کے روز کھا لو کل کے لئے جمع نہ کرو اب بھی جس بزرگ کو دست غیب ہوتا ہے اس میں بھی یہی پابندی ہے اور جمع کرنے سے بند ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں توکل تام شرط ہے ان لوگوں سے صبر نہ ہوا اور انہوں نے کل کے لئے رکھ چھوڑا جس کا انجام یہ ہوا کہ کباب سڑتے لگے اور اس کی بو سے لوگوں کو تکلیف ہونے لگی اور اس کا آنا بند ہو گیا۔ (تفسیر نعیمی: ج: 1، ص 404 تا 405 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو کھانا نہ سڑا کرتا

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

خیال رہے کہ اس سے پہلے گوشت بھی نہ سڑتا تھا

حدیث شریف میں ہے کہ

اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو کھانا نہ سڑا کرتا اور حوا کی خیانت (یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو گندم کھلا دینا) نہ ہوتی تو کوئی بھی عورت اپنے شوہر سے خیانت نہ کرتی اس زمانے میں اسرائیلیوں کے نہ بال بڑھتے تھے اور نہ ناخن تا کہ حجامت کی ضرورت نہ پڑے اور نہ کپڑے میلے ہوتے نہ پھٹتے تا کہ دھوبی یا درزی کی ضرورت نہ پڑے اور جو بچے پیدا ہوتے تھے ان کے جسم پر قدرتی لباس ہوتا تھا جو کھال کی طرح جسم کے ساتھ بڑھتا تھا اس دوران میں بنی اسرائیل کی جو اولاد ہوتی وہ بھی قدرتی کپڑے میں لپٹی ہوئی جو بقدر جسم بڑھتا جاتا تھا۔ (تفسیر نعیمی: ج: ۱، ص: 405 مطبوعہ کراچی)

بادل کا سایہ فگن ہونا اور من وسلویٰ کا نازل ہونا

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر بادل کو سایہ فگن کیا اور ان پر من وسلویٰ کو نازل کیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ○ (البقرہ:57)

اور ہم نے تم پر بادل کو سایہ فگن کیا اور تم پر من وسلویٰ کو نازل کیا ہم نے تم کو جو پاک چیزیں دی ہیں ان سے کھاؤ اور (حکم عدولی کر کے) انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا البتہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔

من ترنجبین کے درخت پر گرتا تھا

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر جو من اتارا وہ ترنجبین کے درخت پر گرتا تھا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

بنی اسرائیل نے عرض کیا:

اے موسیٰ علیہ السلام ہمارے لیے یہاں پانی کیسے آئے گا اور کھانا کہاں سے اترے گا پس اللہ تعالیٰ نے ان پر من اتارا اور وہ ترنجبین کے درخت پر گرتا تھا۔ (تفسیر طبری: ج: ۱، ص: 388 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

من آسمان سے درختوں پر گرتا تھا

بنی اسرائیل پر جو من نازل ہوتا وہ آسمان سے درختوں پر گرتا تھا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

المن آسمان سے درختوں پر گرتا تھا لوگ اس کو کھاتے تھے۔ الخ (تفسیر طبری: ج: ۱، ص: 338 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

السلویٰ سے مراد بٹیر ہے

السلویٰ سے مراد بٹیر ہے۔ (تفسیر طبری: ج:1 ص:338 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

من سے مراد شہد کی مثل مشروب ہے

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ربیع بن انس رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

المن سے مراد شہد کی مثل مشروب ہے جو ان پر اترتا تھا وہ اس کو پانی کے ساتھ ملاتے اور پیتے تھے۔

(تفسیر طبری: ج:1 ص:338 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

السلویٰ بٹیر کی مثل پرندہ تھا

السلویٰ بٹیر کی مثل ایک پرندہ تھا جو ان پر اترتا تھا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ

السلویٰ بٹیر کی مثل پرندہ تھا۔ (تفسیر طبری: ج:1 ص:339 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

السلویٰ سرخ پرندہ تھا

السلویٰ سرخ پرندہ تھا جنوبی ہوا اس کو جمع کرتی تھی۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

السلویٰ سرخ پرندہ تھا۔ جنوبی ہوا اس کو جمع کرتی تھی۔ ایک شخص اتنی مقدار ذبح کرتا تھا جتنی اسے اس دن ضرورت ہوتی تھی اگر وہ اس سے زائد ذبح کرتا تو وہ خراب ہو جاتا تھا اور وہ باقی نہیں رہتا تھا حتیٰ کہ جب چھٹا دن جمعہ کا ہوتا تو وہ چھٹے اور ساتویں دن کا کھانا جمع کر لیتے تھے۔ (تفسیر طبری: ج:1 ص:340 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

السلویٰ کبوتر کی مثل موٹا پرندہ ہے

السلویٰ کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ کبوتر کی مثل موٹا پرندہ ہے وہ ان کے پاس آتا وہ ہفتہ سے ہفتہ تک کی خوراک لے لیتے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

ان سے السلویٰ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کبوتر کی مثل موٹا پرندہ ہے وہ ان کے پاس آتا وہ ہفتہ سے ہفتہ تک

کی خوراک لے لیتے۔ (تفسیر طبری: ج: 1 ص: 340 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

من رات کے وقت درختوں پر بنی اسرائیل کے لئے گرتا تھا

من رات کے وقت درختوں کے اوپر بنی اسرائیل کے لئے گرتا تھا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

المن رات کے وقت درختوں کے اوپر ان کے لئے گرتا تھا وہ صبح کے وقت جاتے اور جتنا چاہتے اس سے کھاتے اور السلویٰ بٹیر کی مانند ایک پرندہ تھا اس سے وہ جتنا چاہتے کھاتے تھے۔ (در منثور: ج: 1 ص: 192 مطبوعہ کراچی)

بنی اسرائیل کے گھروں کے پاس سلویٰ بکھیر دیا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گوشت کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں انہیں گوشت سے کم چیز کھلاؤں گا جو زمین میں معلوم ہو پس اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک ہوا چلائی جس نے ان کے گھروں کے پاس سلویٰ بکھیر دیا اور ایک میل لمبائی میں ایک میل چوڑائی میں اور بلندی میں نیزہ کی مقدار تھا پس انہوں نے دوسرے دن کے لئے جمع کیا تو گوشت بدبودار ہو گیا۔ (در منثور: ج: 1 ص: 193 مطبوعہ کراچی)

شہر کے دروازے سے جھکتے ہوئے حطۃ کہتے ہوئے داخل ہونے کا حکم

بنی اسرائیل کو حکم فرمایا گیا کہ جب شہر میں داخل ہوں تو دروازے سے جھکتے ہوئے اور حطۃ کہتے ہوئے داخل ہونا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (البقرہ: 58)

اور جب ہم نے کہا: اس شہر میں داخل ہو اور اس میں تم جہاں سے چاہو بلا روک ٹوک کھاؤ اور دروازہ میں جھکتے ہوئے داخل ہونا اور یہ کہو حطۃ (ہمارے گناہ معاف فرما) تو ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے اور عنقریب کرنے والوں کو زیادہ اجر دیں گے۔

بنی اسرائیل کا حطۃ قول نہ کہنا اور آسمان سے عذاب نازل ہونا

جب بنی اسرائیل کو حکم فرمایا گیا کہ جب دروازے سے داخل ہوں تو حطۃ کہتے ہوئے داخل ہوں تو انہوں نے حطۃ قول نہ کہا بلکہ اس کو بدل کر کوئی اور لفظ کہا اسی وجہ سے ان پر آسمان سے عذاب نازل کیا گیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○ (البقرہ:59)

سو جو قول کہنے کے لئے ان سے کہا گیا تھا اس کو ظالموں نے بدل دیا پس ہم نے ظالموں پر آسمان سے عذاب نازل کیا کیونکہ وہ فسق کرتے تھے۔

بنی اسرائیل نے سجدہ کرنے کے بجائے سرین کے بل گھسٹتے ہوئے حنطۃ کہا

بنی اسرائیل کو حکم تھا کہ سجدہ کرتے ہوئے اور حطۃ کہتے ہوئے دروازے سے داخل ہونا مگر انہوں نے اس حکم کے خلاف کیا اور وہ سرین کے بل گھسٹتے ہوئے اور حنطۃ کہتے ہوئے داخل ہوئے۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

بنی اسرائیل چالیس سال تک میدان تیہ میں سرگرداں رہے اس عرصہ میں پہلے حضرت ہارون علیہ السلام کی اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوگئی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے قوم عمالقہ سے جہاد کیا اور جو بنی اسرائیل زندہ بچ گئے تھے انہوں نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کا ساتھ دیا اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح عطا فرمائی اور چالیس سال بعد بنی اسرائیل کو میدان تیہ سے نجات حاصل ہوئی جب بیت المقدس میں فاتحانہ شان سے داخل ہونے کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: بیت المقدس کے دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا اور حطۃ (ہمارے گناہوں کو معاف فرما) کہتے ہوئے داخل ہونا مگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کے برخلاف سرین کے بل گھسٹتے ہوئے اور حنطة يا حنطة في شعرة (گندم گندم بالی میں) کہتے ہوئے داخل ہوئے اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ ان کو گندم چاہیے۔

(الجامع الاحکام القرآن: ج:1 ص:411 مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

بنی اسرائیل نے استہزاءً حطۃ کی جگہ حنطۃ کہا

بنی اسرائیل نے استہزاءً حطۃ کی جگہ حنطۃ کہا تھا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

وہ سرین کے بل داخل ہوئے اور استہزاءً حطۃ کی جگہ حنطۃ کہا پس فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ سے یہی مراد ہے۔ (تفسیر طبری ج:1 ص:350 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بنی اسرائیل کو فرمایا اپنے سروں کو جھکاؤ اور لا الہ الا اللہ کہو

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کے تحت روایت ہے کہ

انہیں ارشاد فرمایا اپنے سروں کو جھکاؤ اور لا الہ الا اللہ کہو۔ (تفسیر طبری: ج: ۱، ص: 346 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بنی اسرائیل کے لئے دروازہ چھوٹا کر دیا گیا تھا

بنی اسرائیل کے لئے دروازہ کو چھوٹا کر دیا گیا تھا تا کہ سر جھکا کر گزریں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

بیت المقدس کے دروازوں میں سے ایک دروازہ حطہ تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ارشاد فرمایا: داخل ہو جاؤ اور حطہ کہو ان کے لئے دروازہ چھوٹا کر دیا گیا تھا تا کہ سر جھکا کر گزریں پھر جب انہوں نے سجدہ کیا تو حطہ کہا۔ (تفسیر طبری: ج: ۱، ص: 344 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حطہ کی جگہ حنطة في شعيرة کہا

بنی اسرائیل کو حطہ کہنے کا حکم تھا مگر انہوں نے حنطة في شعيرة کہا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس دروازہ سے بنی اسرائیل کو جھک کر داخل ہونے کا حکم دیا گیا تھا وہ اس میں سرینوں کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے اور حطہ کی جگہ انہوں نے حنطة في شعيرة کہا۔ (تفسیر طبری: ج: ۱، ص: 349 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حطہ بیت المقدس کا دروازہ تھا

حطہ بیت المقدس کا دروازہ تھا جس میں بنی اسرائیل کو داخل ہوتے ہوئے حطہ کہنے کا حکم فرمایا گیا تھا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

یہ بیت المقدس کے دروازوں میں سے ایک دروازہ تھا جس میں انہیں داخل ہونے کا حکم دیا گیا تھا اس باب کو حطہ کہا جاتا تھا۔ (تفسیر طبری: ج: ۱، ص: 344 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بنی اسرائیل پر نافرمانی کی وجہ سے طاعون کی وبا کی شکل میں آسمانی عذاب آیا

بنی اسرائیل کو حکم فرمایا گیا تھا کہ دروازے سے جھکتے ہوئے حطہ کہتے ہوئے داخل ہونا ہے مگر انہوں نے نافرمانی کی جس کی وجہ سے طاعون کی وبا کی شکل میں ان پر آسمانی عذاب آیا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن زید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جب بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں اور وہ سرین کے بل داخل ہوئے اور حطۃ کی جگہ انہوں نے حنطۃ کہا تو طاعون کی وبا کی شکل میں ان پر آسمانی عذاب آیا۔ (جامع البیان: ج:1 ص:242 مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت)

طاعون سے بنی اسرائیل کے تمام بڑے لوگ ہلاک ہو گئے

طاعون سے بنی اسرائیل کے تمام بڑے لوگ ہلاک ہو گئے۔

جس سے ان کے تمام بڑے لوگ ہلاک ہو گئے۔ (جامع البیان: ج:1 ص:242 مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت)

بنی اسرائیل کے بیٹے طاعون سے بچ گئے

بنی اسرائیل کے تمام بڑے لوگ ہلاک ہو گئے صرف ان کے بیٹے بچ گئے تھے۔

اور ان کے بیٹے بچ گئے۔ (جامع البیان: ج:1 ص:242 مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت)

تمام آباؤ اجداد طاعون کی وبا سے ہلاک ہو گئے تھے

بنی اسرائیل کے تمام آباؤ اجداد طاعون کی وبا سے ہلاک ہو گئے تھے۔

اور بنی اسرائیل میں جس فضل اور عبادت کا ذکر کیا جاتا ہے وہ ان کے بیٹوں میں تھا اور ان کے تمام آباؤ اجداد طاعون کی اس وباء میں ہلاک ہو گئے تھے۔ (جامع البیان: ج:1 ص:242 مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت)

طاعون سے ستر ہزار بنی اسرائیل ہلاک ہوئے تھے

طاعون سے ستر ہزار بنی اسرائیل ہلاک ہوئے تھے۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

اس طاعون سے ستر ہزار بنی اسرائیل ہلاک ہوئے تھے۔ (الجامع الاحکام القرآن: ج:1 ص:411 مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

طاعون پہلے لوگوں کا بچا ہوا عذاب ہے

حضرت سعید بن مالک، حضرت اسامہ بن زید اور حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ طاعون گندگی ہے اور تم سے پہلے جن لوگوں کو عذاب دیا گیا ان کا بچا ہوا عذاب ہے اگر کسی علاقہ میں طاعون پھیلے اور تم وہاں ہو تو وہاں سے مت نکلو اور اگر تم کو یہ خبر پہنچے کہ فلاں علاقہ میں طاعون ہے تو وہاں نہ جاؤ۔

(صحیح بخاری: ج:2 ص:853 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

طاعون مومنین کے لئے رحمت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کے متعلق پوچھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ عذاب ہے اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے اس کو بھیج دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو مومنین کے لئے رحمت بنا دیا جس بندہ کے شہر میں طاعون واقع ہو اور وہ اس پر صبر کے ساتھ ٹھہرا رہے اور اس کا ایمان ہو کہ اس کو وہی مصیبت پہنچے گی جو اس کی تقدیر میں ہے تو اس کو ایک شہید کا اجر ہو گا۔ (صحیح البخاری: ج:2،ص:854 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

طاعون ہر مسلمان کے لئے شہادت ہے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

طاعون ہر مسلمان کے لئے شہادت ہے۔ (صحیح البخاری: ج:1،ص:397 مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

اعلانیہ بدکاری کی وجہ سے طاعون کا پھیلنا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا:

اے مہاجرین کی جماعت! پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جب تم ان میں مبتلا ہو گے تو تم پر مختلف عذاب نازل ہوں گے جب قوم اعلانیہ بدکاری کرنے لگے تو اس میں طاعون پھیل جاتا ہے اور ایسے دردوں والی بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں جو ان سے پہلے لوگوں میں نہیں تھیں اور جو قوم ناپ اور تول میں کمی کرتی ہے اس میں قحط سالی، سخت مشقت اور ظالم حکومت نازل کی جاتی ہے اور جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے وہ بارش سے محروم کر دیئے جاتے ہیں اور اگر جانور نہ ہوتے تو ان پر بارش بالکل نہ ہوتی اور جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے وہ بارش سے محروم کر دیئے جاتے ہیں اور اگر جانور نہ ہوتے تو ان پر بارش بالکل نہ ہوتی اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے عہد شکنی کرتے ہیں ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیا جاتا ہے جو ان کے بعض اموال کو لوٹ لیتے ہیں اور جو آئمہ اور حکمران کتاب اللہ کے مطابق فیصلے نہیں کریں گے وہ آپس کی جنگوں کے خوف میں مبتلا رہیں گے۔

(سنن ابن ماجہ: ص:290 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت حزقیل علیہ السلام کی طرف طاعون سے ہلاک ہونے والوں کو دوبارہ زندہ کر دینے کی وحی

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابو مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

داوردان واسط کے قریب ایک دیہات تھا اس میں طاعون کا مرض پھیل گیا تھا پس کچھ لوگ اپنی جگہ ٹھہرے رہے اور کچھ

بھاگ نکلے پس جو ٹھہرے رہے ان میں موت طاری ہوئی اور جو نکل گئے تھے وہ بچ گئے تھے۔ جب طاعون کا مرض ختم ہو گیا تو وہ واپس آ گئے پس جو لوگ باقی تھے انہوں نے کہا ہمارے بھائی ہم سے زیادہ محتاط تھے اگر ہم بھی ایسا ہی کرتے جیسا انہوں نے کیا تو ہم بھی سلامت رہتے اگر ہم طاعون کے وقوع تک باقی رہے تو ہم بھی ایسا ایسا ہی کریں گے جیسا انہوں نے کیا تھا پس آئندہ سال طاعون پھر پھیل گیا وہ تمام اکٹھے نکلے جو اپنی جگہ ٹھہرے رہے تھے اور جو بھاگ گئے تھے وہ تقریباً تیس ہزار افراد تھے وہ چلے حتیٰ کہ ایک کھلی وادی میں آئے پس وہ دو پہاڑوں کے درمیان اترے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف دو فرشتے بھیجے۔ ایک وادی کے اوپر کی طرف سے اور ایک نیچے کی طرف سے۔ ان فرشتوں نے انہیں ندا دی کہ مر جاؤ تو وہ مر گئے پھر جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا اسی حالت میں پڑے رہے پھر حضرت حزقیل نبی علیہ السلام ان کے پاس سے گزرے انہوں نے ان کی ہڈیاں دیکھ کر تعجب کیا اور کھڑے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت حزقیل علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ ان کو نداء دے اے ہڈیو! اللہ تعالیٰ تمہیں جمع ہونے کا حکم دیتا ہے پس وہ ہڈیاں وادی کے اوپر اور نیچے سے جمع ہو گئیں حتیٰ کہ ہڈی اپنے جسم سے مل گئی وہ ایک ڈھانچے بن گئے نہ ان کا گوشت تھا اور نہ خون تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت حزقیل علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ ان کو پکارو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ گوشت پہن لو تو ہڈیوں پر گوشت چڑھ گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت حزقیل علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ ان ہڈیوں کو کہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کھڑا ہونے کا حکم دیتا ہے پس وہ زندہ ہو کر اٹھ پڑے پھر وہ اپنے شہروں کی طرف لوٹ آئے وہ ٹھہرے رہے جب کہ وہ کپڑے نہیں پہنتے تھے سوائے اس کے ان پر کفن تھا اس زمانہ کے لوگ انہیں پہچانتے تھے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو مر گئے تھے پھر وہ ٹھہرے رہے حتیٰ کہ اس کے بعد ان کی اصل موت واقع ہوئی۔

اسباط فرماتے ہیں کہ

منصور نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ

جب وہ اٹھے تو ان کی زبان پر تھا۔

سبحانك اللهم ربنا لا اله الا انت...... الخ (تفسیر طبری، ج:2، ص 701 تا 702 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قوم کا پانی طلب کرنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا پتھر پر مارنے سے بارہ چشمے جاری ہونا

جب قوم نے میدان تیہ میں پانی طلب کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پتھر پر مارا جس سے بارہ چشمے جاری ہو گئے اور بارہ گروہوں نے اپنا اپنا پانی لیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ○ (البقرہ:60)

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی طلب کیا تو ہم نے فرمایا اپنا عصا اس پتھر پر مارو تو اس پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے بے شک ہر گروہ نے اپنے پانی پینے کی جگہ کو جان لیا اللہ تعالیٰ کے رزق سے کھاؤ اور پیو اور زمین میں

فساد کرتے ہوئے نہ پھرو۔

بنی اسرائیل کو بارہ قبیلوں میں تقسیم فرمادینا

بنی اسرائیل کو بارہ قبیلوں میں تقسیم فرمادیا گیا تھا جب انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پانی کو طلب کیا تو آپ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی گئی کہ اس پتھر پر اپنا عصا مارو جب آپ علیہ السلام نے پتھر پر اپنا عصا مبارک مارا تو بارہ چشمے پانی کے پھوٹ پڑے اور ہر گروہ نے اپنے پانی پینے کی جگہ جان لی اور وہیں سے پانی پیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَطَّعْنٰـهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اِذِ اسْتَسْقٰـهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَیْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی ؕ كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰـكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰـكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ۝ (الاعراف:160)

اور ہم نے ان (بنی اسرائیل) کو بارہ قبیلوں میں گروہ در گروہ تقسیم کر دیا جب موسیٰ کی قوم نے ان سے پانی طلب کیا تو ہم نے ان کی طرف وحی کی کہ اس پتھر پر اپنا عصا مارو تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے ہر گروہ نے اپنے پانی پینے کی جگہ جان لی اور ہم نے ان پر بادل کا سایہ کر دیا اور ہم نے ان پر من و سلویٰ نازل کیا ان پاک چیزوں کو کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور انہوں نے ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ پانی تیہ کے صحراء میں اپنی قوم کے لئے مانگا تھا

جب قوم نے پانی طلب کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ پانی تیہ کے صحراء میں اپنی قوم کے لئے مانگا تھا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ پانی تیہ کے صحراء میں اپنی قوم کے لئے مانگا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لئے پتھر پر عصا مارا تو اس سے بارہ چشمے جاری ہوئے ہر قبیلہ کے لئے علیحدہ چشمہ تھا جس سے وہ پانی پیتے تھے۔

(تفسیر طبری: ج:1، ص:353 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

ان کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پتھر پر عصا مارنے سے بارہ چشمے جاری ہوئے یہ معاملہ تیہ میں پیش آیا جبکہ وہ تیہ کے صحراء میں بھٹک رہے تھے۔ (تفسیر طبری: ج:1، ص:353 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

جس پتھر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا مارا وہ طور کا تھا

جس پتھر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا مارا اور اس سے بارہ چشمہ جاری ہو گئے وہ پتھر طور پہاڑ کا تھا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

یہ پانی کا مطالبہ صحراء میں کیا تھا جبکہ انہیں اندیشہ ہوا کہ وہ پیاسے مر جائیں گے پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پانی کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنا عصا پتھر پر مارنے کا حکم دیا وہ پتھر طور پہاڑ کا تھا جو وہ اپنے ساتھ اٹھا کر لائے تھے حتیٰ کہ وہ کسی جگہ میں پڑاؤ کرتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس پر اپنا عصا مارتے پس اس سے بارہ چشمے جاری ہو جاتے ہر گروہ وہ اپنا مشرب جان لیتا اور ہر گروہ اپنے معین چشمہ سے مستفید ہوتا تھا۔ (درمنثور، ج:1، ص:196 مطبوعہ کراچی)

بنی اسرائیل کی ناشکری

بنی اسرائیل کو رب تعالیٰ نے من وسلویٰ کی نعمت سے نوازا تھا مگر انہوں نے ناشکری کر کے کہا ہمیں زمین کی اگائی ہوئی چیزیں سبزی، ککڑی، گندم، مسور اور پیاز دی جائیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ (البقرہ:61)

اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ ہم ہرگز ایک (قسم کے) کھانے پر صبر نہیں کریں گے سو آپ ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ (من وسلویٰ کی بجائے) ہمیں زمین کی اگائی ہوئی چیزیں ککڑی، گندم، مسور اور پیاز نکال کر دے۔ فرمایا کیا تم اچھی چیز کے بدلہ میں ادنیٰ چیز مانگتے ہو شہر میں چلے جاؤ وہاں تم کو وہ چیزیں مل جائیں گی جن کا تم نے سوال کیا اور ان پر ذلت اور بدحالی ڈال دی گئی اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں آ گئے۔

مال دار شخص کو رشتہ دار کا قتل کر کے راستہ میں ڈال دینا

بنی اسرائیل میں ایک مال دار شخص تھا اس کی کوئی اولاد نہ تھی اس کا وارث اس کا ایک رشتہ دار تھا اس نے مال دار شخص کو قتل کر دیا تا کہ اس کا وارث ہو جائے اس نے اس کی لاش کو لوگوں کے راستہ میں ڈال دیا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

بنو اسرائیل میں ایک مال دار شخص تھا اس کی کوئی اولاد نہ تھی اس کا وارث اس کا ایک رشتہ دار تھا اس نے اس مال دار شخص کو قتل کر دیا تا کہ اس کا وارث ہو اور اس کی لاش لوگوں کے راستہ میں ڈال دی۔ (جامع البیان، ج:1، ص:267 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

بھتیجا نے چچا کو وراثت بٹورنے کے لئے قتل کیا

بنی اسرائیل میں ایک شخص مال دار تھا اور اس کی کوئی اولاد نہ تھی اس کا ایک بھتیجا تھا جس نے چچا کو مال بٹورنے کی غرض سے قتل کیا پھر رات کو اٹھا کر ایک شخص کے دروازے پر پھینک دیا پھر صبح کو اس نے دعویٰ کر دیا کہ انہوں نے قتل کر دیا ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبیدہ السلمانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

بنی اسرائیل کا ایک شخص بے اولاد تھا اور اس کا مال کثیر تھا اس کا بھتیجا وارث تھا اس نے چچا کو قتل کیا پھر رات کے وقت اٹھا کر ایک شخص کے دروازے پر پھینک آیا پھر صبح کے وقت قتل کا دعویٰ ان لوگوں پر خود کر دیا حتیٰ کہ آپس میں ہتھیاروں سے لیس ہو کر لڑنے پر تل گئے۔ الخ (تفسیر طبری: ج:1 ص:388 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

دو شہروں کے درمیان قتل ہونا اور آپس میں قتل کے الزام کے متعلق جھگڑنا

بنی اسرائیل کے دو شہر تھے جن میں سے ایک کا نام حصینہ تھا اور دوسرے کا نام خربہ تھا ان دونوں شہروں کے الگ الگ دروازے تھے جب شام ہوتی تو اپنے دروازوں کو بند کر لیتے اور جب صبح ہوتی تو شہر کی دیواروں پر کھڑے ہو کر دیکھتے کہ کوئی حادثہ تو رونما نہیں ہوا۔ ایک دن انہوں نے ایک مقتول کو دیکھا کہ شہر کی دیوار کے ساتھ پڑا ہوا ہے خربہ شہر والے حصینہ شہر والوں کی طرف آئے اور کہا تم نے ہمارے آدمی کو قتل کیا ہے انہوں نے قسم اٹھا کر کہا تمہارے اس ساتھی کے خون کا ہمارے پاس کوئی ذمہ دار نہیں ہے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

بنی اسرائیل کے دو شہر تھے ایک حصینہ تھا اور اس کے دروازے تھے اور دوسرا خربہ تھا۔ حصینہ والے شام کو اپنے شہر کے دروازے بند کر دیتے جب صبح اٹھتے تو شہر کی دیواروں پر کھڑے ہو کر دیکھتے کہ کیا شہر کے ارد گرد کوئی حادثہ رونما ہوا ہے؟ ایک دن صبح انہوں نے دیکھا کہ ایک مقتول شہر کی دیوار کے ساتھ پڑا ہوا ہے خربہ شہر والے ان کے پاس آئے اور کہا کہ تم نے ہمارے آدمی کو قتل کیا ہے اور اس کے بھائی کا جوان بیٹا اس پر رو رہا ہے کہہ رہا ہے کہ تم نے میرے چچا کو قتل کیا ہے۔

انہوں نے کہا:

اللہ تعالیٰ کی قسم شام کے وقت سے جب ہم نے دروازہ بند کیا تھا اس وقت سے ہم نے دروازہ نہیں کھولا ہے تمہارے اس ساتھی کے خون کا ہمارے پاس کوئی ذمہ دار نہیں ہے۔ الخ (درمنثور: ج:1 ص:207 مطبوعہ کراچی)

عقل مند شخص کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجنے کا مشورہ دینا

جب وہ قتل کا الزام ایک دوسرے پر لگانے لگے تو ایک عقل مند شخص نے کہا تم لڑتے کیوں ہو جب کہ اللہ تعالیٰ کا رسول

تمہارے درمیان موجود ہے جا کر اللہ تعالیٰ کے رسول سے پوچھ لو۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

لیکن صاحب عقل لوگوں نے مشورہ دیا کہ تم آپس میں کیوں لڑتے ہو یہ اللہ تعالیٰ کا رسول تمہارے درمیان موجود ہے (جا کر اللہ تعالیٰ کے رسول سے پوچھ لو) (تفسیر طبری: ج:1، ص:388 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آکر تمام ماجرا ذکر کر دینا

جب عقل مند شخص نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جانے کو کہا تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام ماجرا عرض کر دیا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں: وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تمام ماجرا ذکر کیا۔

(تفسیر طبری: ج:1، ص:388 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قاتل کا پتہ لگانے کے لئے گائے کے ذبح کا حکم فرمانا

جب بنی اسرائیل والے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس قاتل کا پتہ لگانے آئے تو آپ علیہ السلام نے حکم ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں حکم فرماتا ہے کہ ایک گائے کو ذبح کریں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً (البقرہ:67)

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم فرماتا ہے۔

بنی اسرائیل والوں کا کہنا کہ آپ علیہ السلام ہمارے ساتھ مذاق کرتے ہیں

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل والوں کو ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں ارشاد فرماتا ہے کہ ایک گائے کو ذبح کریں تو انہوں نے کہا آپ علیہ السلام ہمارے ساتھ مذاق کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا (البقرہ:67)

انہوں نے کہا: کیا آپ ہمارے ساتھ مذاق کرتے ہیں۔

بنی اسرائیل نے مذاق کرنے کا کیوں کہا؟

جب بنی اسرائیل والوں کو ارشاد فرمایا گیا کہ ایک گائے کو ذبح کریں تو ان کو اس پر تعجب ہوا کہ قاتل بتلانے میں اور گائے کے ذبح کرنے میں کیا مناسبت ہے اس لیے انہوں نے کہا آپ علیہ السلام ہم سے مذاق کرتے ہیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں: حضرت ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

بنی اسرائیل میں ایک مال دار شخص تھا اس کی کوئی اولاد نہ تھی اس کا وارث اس کا ایک رشتہ دار تھا اس نے اس مالدار شخص کو قتل کر دیا تا کہ اس کا وارث ہو اور اس کی لاش لوگوں کے راستہ میں ڈال دی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جا کر کہا۔

میرا رشتہ دار قتل کر دیا گیا اور میرے نزدیک آپ علیہ السلام کے سوا اور کوئی شخص نہیں جو اس کے قاتل کا نام بتا سکے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں میں اعلان کیا کہ جس شخص کو بھی اس کے قاتل کا علم ہو وہ ہمارے پاس آ کر بیان کرے جب کوئی شخص نہ آیا تو وہ قاتل پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا:

آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے سوال کریں کہ وہ ہمیں قاتل بتلا دے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ایک گائے ذبح کریں ان کو اس پر تعجب ہوا کہ قاتل بتلانے میں اور گائے کے ذبح کرنے میں کیا مناسبت ہے اس لیے انہوں نے کہا آپ علیہ السلام ہم سے مذاق کرتے ہیں۔ (جامع البیان: ج:1، ص:267 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کے مذاق کے قول پر جواب

جب بنی اسرائیل والوں نے کہا آپ علیہ السلام ہم سے مذاق کرتے ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں سے ہو جاؤں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ○ (البقرہ:67)

موسیٰ نے کہا! میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں سے ہو جاؤں۔

بنی اسرائیل کا گائے کی کیفیت کے بارے میں سوال کرنا

بنی اسرائیل نے کہا: اے حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں یہ بیان کرے کہ وہ گائے کیسی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ط (البقرہ:68)

انہوں نے کہا! آپ ہمارے لیے اپنے رب عزوجل سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں یہ بیان کرے کہ وہ (گائے) ایسے ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کو گائے کی کیفیت کا بتانا

جب بنی اسرائیل نے کہا ہمارے لیے اپنے رب عزوجل سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں یہ بیان کرے کہ وہ گائے کیسی ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بتحقیق وہ گائے نہ بوڑھی ہے نہ بچھیا ان کے درمیان متوسط عمر

کی ہے لہٰذا جو تمہیں حکم دیا جاتا ہے اس کو بجالاؤ۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ○ (البقرہ:68)

موسیٰ نے کہا! بے شک وہ فرماتا ہے کہ بالتحقیق وہ گائے نہ بوڑھی ہے نہ بچھیا ان کے درمیان متوسط عمر کی ہے سو تم کو جو حکم دیا جاتا ہے اس کو بجالاؤ۔

بنی اسرائیل کا دوبارہ گائے کے رنگ کے متعلق سوال کرنا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو یہ ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: وہ گائے نہ بوڑھی ہے نہ بچھیا ان کے درمیان متوسط عمر کی ہے تو انہوں نے کہا آپ علیہ السلام ہمارے لیے رب عزوجل سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں یہ بیان فرمائے کہ اس کا رنگ کیسا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَاؕ (البقرہ:69)

انہوں نے کہا! ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں یہ بیان کرے کہ اس کا رنگ کیسا ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کو گائے کے چمکدار زرد رنگ کا جواب دینا

جب بنی اسرائیل نے کہا آپ علیہ السلام ہمارے لئے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں یہ بیان کرے کہ اس کا رنگ کیسا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: وہ بالتحقیق چمکدار زرد رنگ کی گائے ہے دیکھنے والوں کو اچھی لگتی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ○ (البقرہ:69)

موسیٰ نے کہا! بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بالتحقیق وہ چمکدار زرد رنگ کی گائے ہے دیکھنے والوں کو اچھی لگتی ہے۔

بنی اسرائیل کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گائے کے اوصاف کے متعلق سوال کرنا

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دوبارہ سوال کیا کہ آپ علیہ السلام ہمارے لئے اپنے رب عزوجل سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں یہ بیان کرے کہ اس گائے کے اوصاف کیسے ہیں ہم پر گائے مشتبہ ہوگئی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَاؕ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ○ (البقرہ:70)

انہوں نے کہا آپ ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں یہ بیان کرے کہ اس کے اوصاف کیسے ہیں؟

بے شک ہم پر گائے مشتبہ ہو گئی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم ضرور ہدایت پا جائیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کو گائے کے اوصاف بتانا

جب بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ عرض کیا کہ آپ علیہ السلام ہمارے لئے اپنے رب عزوجل سے یہ دعا کیجئے کہ وہ ہمیں یہ بیان کرے کہ اس گائے کے اوصاف کیسے ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے بالتحقیق وہ گائے ایسی ہے جو نہ تو محنت کرنے والی ہے کہ زمین میں ہل چلاتی ہے اور نہ وہ کھیتی میں پانی دیتی ہے وہ صحیح سالم اور بے داغ ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِیْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِی الْحَرْثَۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِیَةَ فِیْهَاؕ (البقرہ:71)

موسیٰ نے کہا! بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بالتحقیق وہ ایسی گائے ہے جو نہ محنت کرنے والی ہے کہ زمین میں ہل چلاتی ہو اور نہ وہ کھیتی میں پانی دیتی ہے وہ صحیح سالم اور بے داغ ہے۔

بنی اسرائیل کا کہنا اب آپ علیہ السلام نے ٹھیک بات بتائی ہے

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بیان فرما دیا کہ بالتحقیق وہ ایسی گائے ہے جو نہ محنت کرنے والی ہے کہ زمین میں ہل چلاتی ہو اور نہ وہ کھیتی میں پانی دیتی ہے وہ صحیح سالم اور بے داغ ہے تو وہ پکار اٹھے کہ اب آپ علیہ السلام نے ٹھیک بات بتائی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّؕ (البقرہ:71)

وہ پکار اٹھے کہ اب آپ نے ٹھیک بات بتائی ہے۔

صفات مذکورہ کی گائے کو بنی اسرائیل کا تلاش کر لینا

جب بنی اسرائیل نے سوال کر کے گائے کی صفات کا پوچھ لیا تو انہوں نے صفات مذکورہ کی گائے کو ایک شخص کے پاس پا لیا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

بنی اسرائیل کی ایک عبادت گاہ تھی جس کے بارہ دروازے تھے ہر قبیلہ کا ایک علیحدہ دروازہ تھا جس کے ذریعہ وہ عبادت گاہ میں داخل ہوتے اور نکلتے تھے پس ایک قبیلہ کے دروازہ پر مقتول پایا گیا جو ایک قبیلہ کے دروازے پر قتل کیا گیا تھا اور پھر اس

کو دوسرے دروازے پر گھسیٹ کر ڈالا گیا تھا دونوں قبیلوں والے آپس میں لڑنے لگے۔ ایک قبیلہ کہتا تم نے اس کو قتل کیا ہے دوسرا کہتا تم نے قتل کیا ہے اور پھر گھسیٹ کر ہمارے دروازے پر لے آئے ہو وہ جھگڑا کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ ...... وہ گائے کی تلاش میں نکلے تو ملنی مشکل ہوگئی پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور عرض کی۔ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ۝

اگر وہ ان شاء اللہ نہ کہتے تو گائے کو نہ پا سکتے۔ وہ گائے اس وقت تین دینار کی تھی اگر وہ ادنیٰ سی گائے لے لیتے اور اس کو ذبح کر دیتے تو ان کو کفایت کر جاتی لیکن انہوں نے جب سختی کی تو ان پر سختی کی گئی وہ گائے تلاش کرنے گئے تو اس مذکورہ صفات پر گائے ایک شخص کے پاس پائی۔ (درمنثور: ج:1، ص:210 مطبوعہ کراچی)

گائے والے کا سو دینار مانگنا اور ان کا تین دینار کہہ کر لینے سے انکار کرنا

جب بنی اسرائیل نے گائے کے مالک سے گائے کے بیچنے کا کہا تو اس نے کہا میں سو دینار میں بیچوں گا تو انہوں نے کہا یہ تو تین دینار کی ہے پھر انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

انہوں نے اس سے بیچنے کو کہا۔

تو اس نے کہا:

میں سو دینار میں بیچوں گا۔

انہوں نے کہا:

یہ تین دینار کی ہے انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔ الخ (درمنثور: ج:1، ص:209 تا 210 مطبوعہ کراچی)

بنی اسرائیل کا دوبارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹنا اور آپ علیہ السلام کا معاملہ گائے کے مالک پر چھوڑ دینا

جب بنی اسرائیل نے گائے کے مالک سے گائے لینے سے انکار کر دیا تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لوٹ گئے اور عرض کی ہم نے مذکورہ صفات والی گائے ایک شخص کے پاس دیکھی ہے لیکن وہ سو دینار سے کم میں نہیں دیتا حالانکہ وہ گائے حقیقت میں تین دینار کی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا اس کا مالک ہی اس کے بارے میں بہتر جانتا ہے اگر وہ چاہے تو اس کو بیچ دے چاہے تو نہ بیچے اس کی مرضی ہے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

پھر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور عرض کیا کہ

ہم نے مذکورہ صفات والی گائے ایک شخص کے پاس دیکھی ہے، لیکن وہ سو دینار سے کم میں نہیں دیتا جبکہ وہ گائے حقیقت میں تین دینار کی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اس کا مالک ہی اس کے متعلق بہتر جانتا ہے اگر وہ چاہے تو بیچے چاہے تو نہ بیچے۔ (درمنثور، ج:1،ص209تا210 مطبوعہ کراچی)

گائے کے مالک کے پاس دوبارہ جانا اور اس کا دوسو دینار سے کم نہ بیچنے کا کہنا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیچنے کا معاملہ گائے کے مالک پر چھوڑ دیا تو وہ دوبارہ گائے کے مالک کے پاس پہنچ گئے اور اس کو کہا ہم سو دینار میں لیتے ہیں اس نے کہا اب میں دوسو دینار سے کم میں نہیں دوں گا۔ انہوں نے کہا تو نے تو پہلے ہمیں سو دینار پر بیچی تھی اور تو راضی بھی ہو گیا تھا اور ہم نے وہ لے بھی لی تھی اس گائے کے مالک نے کہا اب میں دوسو دینار سے کچھ بھی کم نہیں کروں گا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

وہ پھر اس شخص کے پاس گئے اور کہا کہ ہم سو دینار میں لیتے ہیں۔

اس نے کہا:

میں اب دوسو دینار سے کم میں نہیں دوں گا۔

انہوں نے کہا:

سبحان اللہ! تو نے پہلے سو دینار پر ہمیں بیچی تھی اور تو راضی ہو گیا تھا پس ہم نے وہ لے لی تھی۔

اس نے کہا:

نہیں میں دوسو دینار سے کچھ بھی کم نہیں کروں گا انہوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ (درمنثور، ج:1،ص209تا210 مطبوعہ کراچی)

دوبارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جانا اور آپ علیہ السلام کا معاملہ گائے کے مالک پر چھوڑ دینا

جب بنی اسرائیل والوں کا گائے کا سودا ایک سو دینار پر نہ ہوا تو وہ دوبارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لوٹ آئے اور عرض کی پہلے اس نے ہمیں ایک سو دینار میں دی تھی مگر اب جب ہم لوٹ کر گئے ہیں تو دوسو دینار سے کم بیچتا ہی نہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا وہ زیادہ جانتا ہے اگر چاہے تو بیچے چاہے تو نہ بیچے اس کی مرضی ہے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے اور بتایا کہ پہلے اس نے سو دینار میں ہمیں دی تھی لیکن اب ہم لوٹ کر گئے ہیں تو وہ کہتا ہے میں دوسو دینار سے کم میں نہیں دوں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

وہ زیادہ جانتا ہے اگر چاہے تو بیچے چاہے تو نہ بیچے۔ (درمنثور: ج:1 ص209 تا210 مطبوعہ کراچی)

گائے کے مالک کے پاس دوبارہ خریدنے جانا اور اس کا چار سو سے کم دینار پر نہ بیچنے کا کہنا

جب بنی اسرائیل دوبارہ گائے کے مالک کے پاس گئے کہ ہمیں دوسو دینار پر گائے دے دو تو اس نے کہا اب میں چار سو سے کم دینار پر نہیں بیچوں گا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

پھر بنی اسرائیل واپس پلٹے اور کہا:

ہم دوسو دینار میں لیتے ہیں۔

اس نے کہا:

اب میں چار سو دینار سے کم نہیں لوں گا۔

انہوں نے کہا:

بھائی! تو نے دوسو دینار میں بیچی تھی اور ہم نے لے لی تھی۔

اس نے کہا:

میں چار سو سے کم میں نہیں دوں گا۔ (درمنثور: ج:1 ص209 تا210 مطبوعہ کراچی)

بنی اسرائیل کا دوبارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جانا اور آپ علیہ السلام کا معاملہ کو گائے کے مالک پر چھوڑ دینا

جب گائے کے مالک سے دوسو دینار پر بھی سودا نہ ہوا تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لوٹ آئے اور معاملہ عرض کیا: آپ علیہ السلام نے فرمایا وہ مالک بہتر جانتا ہے چاہے تو اس کو فروخت کر دے چاہے تو نہ کرے اس کی مرضی ہے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

پھر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور بتایا کہ ہم نے دوسو دینار اسے دیئے لیکن اس نے لینے سے انکار کر دیا ہے اور کہا ہے کہ میں چار سو سے کم میں نہیں دوں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

وہ مالک ہے زیادہ جانتا ہے چاہے تو فروخت کرے چاہے تو نہ کرے۔ (درمنثور: ج:1 ص209 تا210 مطبوعہ کراچی)

گائے کے مالک کے پاس دوبارہ خریدنے جانا اور اس کا آٹھ سو دینار سے کم نہ بیچنے کا کہنا

بنی اسرائیل گائے والے کے پاس دوبارہ گئے اور اسے کہا ہم آپ سے چار سو دینار میں خریدتے ہیں تو اس نے کہا اب

میں آٹھ سو دینار سے کم میں نہیں بیچوں گا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

پھر وہ لوٹ کر آئے اور کہا:

ہم چار سو دینار میں لیتے ہیں۔

اس نے کہا: میں اب آٹھ سو دینار سے کم میں نہیں بیچوں گا۔ (درمنثور: ج: 1، ص 209 تا 210 مطبوعہ کراچی)

بالآخر کھال بھر سونے کے برابر گائے خریدنا

بنی اسرائیل بار بار گائے کے مالک اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان رہے حتیٰ کہ انہوں نے کھال بھر سونے کے برابر گائے کو خرید لیا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

وہ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اس شخص کے درمیان گھومتے رہے جب وہ واپس آتے تو وہ شخص قیمت دوگنا کر دیتا حتیٰ کہ اس نے کہا میں اس کی کھال بھر سونے کے برابر بیچوں گا انہوں نے وہ خرید لی۔

(درمنثور: ج: 1، ص 209 تا 210 مطبوعہ کراچی)

گائے کو ذبح کر کے اس کی ران کا گوشت میت کو مارنا اور اس کا زندہ ہو کر قاتل کا نام بتا دینا

جب بنی اسرائیل نے گائے خرید لی تو اس کو ذبح کیا اور اس گائے کی ران کا گوشت میت کو مارا گیا تو وہ زندہ ہو گیا اور اس نے بتایا کہ مجھے فلاں شخص نے قتل کیا ہے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

اس گائے کو ذبح کیا اور اس کی ران کا گوشت میت کو مارا تو وہ زندہ ہو گیا اور اس نے بتایا کہ مجھے فلاں شخص نے قتل کیا ہے۔

(درمنثور: ج: 1، ص 209 تا 210 مطبوعہ کراچی)

قاتل نے قتل مال بٹورنے اور مقتول کی بیٹی سے شادی کرنے کے لئے کیا

جس نے قتل کیا وہ مقتول کا بھتیجا تھا وہ بہت مال دار تھا اس کی صرف ایک بیٹی تھی اس شخص نے سوچا کہ چچا کو قتل کر کے مال کا وارث بھی ہو جاؤں گا اور اس کی بیٹی سے بھی شادی کر لوں گا چنانچہ اس لالچ کی وجہ سے اس نے اپنے چچا کو قتل کیا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

وہ ایک شخص کا چچا تھا جو بہت مال دار تھا اور اس کی صرف ایک بیٹی تھی اس شخص نے سوچا کہ چچا کو قتل کر کے اس کے مال کا وارث بن جاؤں اور اس کی بیٹی سے شادی کر لوں اس نے چچا کو قتل کیا تو وہ کسی چیز کا وارث نہ بنا۔

(درمنثور: ج: 1، ص 209 تا 210 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ مقدسہ سے قاتل مقتول کی میراث کا وارث نہ ہونے کا حکم

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ مقدسہ سے ہی یہ حکم جاری وساری ہے کہ قاتل مقتول کی میراث کا وارث نہیں بنتا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

اس وقت سے قاتل میراث کا وارث نہیں ہوتا۔ (درمنثور: ج:1 ص209 تا210 مطبوعہ کراچی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا گائے کے مالک کو بلا کر گائے کی شان کا پوچھنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس گائے کی تو بڑی شان ہے اس کے مالک کو بلاؤ جب مالک آ گیا تو آپ علیہ السلام کو گائے کے مالک نے تمام ماجرا سنایا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

اس گائے کی بڑی شان ہے اس کے مالک کو میرے پاس بلاؤ وہ اس کو بلا کر لے آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس گائے کے متعلق پوچھا۔

اس نے کہا: ہاں! اس کی بڑی شان ہے۔ میں بازار میں خرید وفروخت کرتا تھا ایک شخص نے مجھ سے اس مال کا سودا کیا جو میرے پاس تھا میں نے اس کو وہ فروخت کر دیا اور مجھے اس مال سے بہت زیادہ منافع کی امید تھی میں وہ سامان لینے گھر گیا جو میں نے دوسرے شخص کو فروخت کیا تھا تو چابی میری والدہ محترمہ کے سر کے نیچے پڑی ہوئی تھی میں نے اس کو نیند سے بیدار کرنا امر رب کے خلاف سمجھا۔ میں اس شخص کی طرف لوٹ آیا اور میں نے کہا میرے اور تیرے درمیان جو بیع ہوئی تھی وہ ختم وہ شخص چلا گیا پھر جب میں گھر لوٹا تو میری یہ گائے پیدا ہو چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اس کی محبت ڈال دی پس میرے نزدیک اس سے کوئی چیز محبوب نہیں تھی۔ (درمنثور: ج:1 ص209 تا210 مطبوعہ کراچی)

گائے کے مالک کو والدہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا صلہ ملا

جب گائے کے مالک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام ماجرا سنا دیا تو اس کو فرمایا گیا یہ تجھے اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی وجہ سے عطا فرمایا گیا ہے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

اس کو کہا گیا کہ یہ تجھے اپنی والدہ سے حسن سلوک کرنے کی وجہ سے عطا فرمایا گیا ہے۔

(درمنثور: ج:1 ص209 تا210 مطبوعہ کراچی)

والدین سے حسن سلوک کرنے کے متعلق احادیث مبارکہ

والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا پسندیدہ اور مقبول عمل ہے جو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو

اجر عظیم عطا فرماتا ہے جو والدین کو راضی کرتا ہے گویا کہ وہ رب تعالیٰ کو راضی کرتا ہے اور جس سے رب تعالیٰ راضی ہو جائے تو اس کی دنیا و آخرت دونوں کامیاب ہیں۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک پر کثیر احادیث مبارکہ ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

حدیث مبارکہ:1

امام زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری متوفی 656ھ بیان فرماتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ کون سا عمل پسند ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نماز کو وقت پر ادا کرنا۔

میں نے استفسار کیا۔

(یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)! پھر کون سا عمل؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ (حوالہ آخر میں)

حدیث مبارکہ:2

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے آکر جہاد کی اجازت طلب کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں۔

اس نے عرض کیا:

ہاں! (یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان کی خدمت میں جہاد کرو۔ (حوالہ آخر میں)

حدیث مبارکہ:3

معاویہ بن جاہمہ سے روایت ہے کہ

حضرت جاہمہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے جہاد کا ارادہ کیا ہے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مشورہ کے لئے آیا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟

اس نے عرض کیا:

ہاں! (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کے ساتھ چمٹے رہو کیونکہ جنت اس کے قدموں میں ہے۔ (حوالہ آخر میں)

حدیث مبارکہ:4

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا:

میں جہاد کی خواہش رکھتا ہوں اور مجھے اس پر قدرت نہیں ہے!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا تمہارے والدین میں سے کوئی ایک ہے؟

اس نے عرض کیا:

میری والدہ محترمہ ہے!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کے ساتھ نیکی کی زیادہ کوشش کرو جب تم یہ کرلو گے تو تم حج کرنے والے، عمرہ کرنے والے اور جہاد کرنے والے ہو گے۔ (حوالہ آخر میں)

حدیث مبارکہ:5

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

میں اپنی بیوی سے بہت محبت کرتا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو ناپسند کرتے تھے انہوں نے مجھ سے کہا اس کو طلاق دے دو۔ میں نے انکار کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کو طلاق دے دو۔ (حوالہ آخر میں)

حدیث مبارکہ:6

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرے اس کے لئے طوبیٰ (جنت کا ایک سایہ دار درخت) ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی عمر میں زیادتی کرتا ہے۔ (حوالہ آخر میں)

حدیث مبارکہ:7

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کی ناک خاک آلود ہو، اس کی ناک خاک آلود ہو، اس کی ناک خاک آلود ہو۔ پوچھا؟ کس کی؟ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کا بڑھاپا پایا اس کے باوجود وہ جنت میں داخل نہیں ہوا۔ (حوالہ آخر میں)

حدیث مبارکہ:8

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر چڑھتے ہوئے فرمایا:

آمین! آمین! آمین! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا: اے محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) جس نے اپنے ماں باپ کو یا ان میں سے ایک کو پایا اور ان کے ساتھ نیکی کیے بغیر مر گیا وہ دوزخ میں جائے اور اللہ تعالیٰ اس کو (اپنی رحمت سے) دور کر دے۔ کہیئے آمین تو میں نے کہا آمین۔ پھر کہا۔ یا محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) جس نے رمضان المبارک کا مہینہ پایا اور مر گیا اور اس کی مغفرت نہیں ہوئی (یعنی اس نے روزے نہیں رکھے) وہ دوزخ میں داخل کیا جائے اور اللہ تعالیٰ اس کو (اپنی رحمت سے) دور کر دے کہیئے آمین! تو میں نے کہا آمین۔ اور جس کے سامنے آپ کا ذکر کیا جائے اور وہ آپ پر درود نہ پڑھے وہ دوزخ میں جائے اور اللہ تعالیٰ اس کو (اپنی رحمت سے) دور کر دے کہیئے آمین۔ تو میں نے کہا آمین۔ (حوالہ آخر میں)

حدیث مبارکہ:9

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تین شخص سفر کر رہے تھے ان کو بارش نے آلیا انہوں نے پہاڑ کے اندر ایک غار میں پناہ لی۔ غار کے منہ پر پہاڑ سے ایک چٹان ٹوٹ کر آ گری اور غار کا منہ بند ہو گیا پھر انہوں نے ایک دوسرے کو کہا۔ تم نے جو نیک عمل اللہ تعالیٰ کے لئے کئے ہوں ان

کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو شاید اللہ تعالیٰ غار کا منہ کھول دے۔ ان میں سے ایک نے کہا: اے اللہ عزوجل میرے ماں باپ بوڑھے تھے اور میری ایک چھوٹی بچی تھی میں جب شام کو آتا تو بکری کا دودھ دوھ کر پہلے اپنے ماں باپ کو پلاتا پھر اپنی بچی کو پلاتا۔ ایک دن مجھے دیر ہوگئی میں حسبِ معمول دودھ لے کر ماں باپ کے پاس گیا وہ سو چکے تھے میں نے ان کو جگانا ناپسند کیا اور ان کے دودھ دینے سے پہلے اپنی بچی کو دودھ دینا ناپسند کیا۔ بچی رات بھر بھوک سے میرے قدموں میں روتی رہی اور میں صبح تک دودھ لے کر ماں باپ کے سرہانے کھڑا رہا۔ اے اللہ عزوجل! تجھے خوب علم ہے کہ میں نے یہ فعل صرف تیری رضا کے لئے کیا تھا تو ہمارے لئے اتنی کشادگی کر دے کہ ہم آسمان کو دیکھیں اللہ عزوجل نے ان کے لئے کشادگی کر دی حتیٰ کہ انہوں نے آسمان کو دیکھ لیا۔ (حوالہ آخر میں)

حدیث مبارکہ:10

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ کون مستحق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہاری ماں۔ اس نے پوچھا: پھر کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہاری ماں۔ اس نے پوچھا: پھر کون؟ ارشاد فرمایا: تمہاری ماں۔ اس نے پوچھا! پھر کون! ارشاد فرمایا: تمہارا والد!

(حوالہ آخر میں)

حدیث مبارکہ:11

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ کی رضا والد کی رضا میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے۔ (حوالہ آخر میں)

حدیث مبارکہ:12

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے بہت بڑا گناہ کر لیا ہے کیا اس کی کوئی توبہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تمہاری ماں ہے۔ اس نے عرض کیا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہاری خالہ ہے؟ اس نے عرض کیا: ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کے ساتھ نیکی کرو۔ (حوالہ آخر میں)

حدیث مبارکہ:13

حضرت ابواسید مالک بن ربیعہ ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے

تھے کہ بنوسلمہ کا ایک شخص آیا۔ کہنے لگا! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں ماں باپ کی موت کے بعد ان کے ساتھ نیکی کر سکتا ہوں؟ ارشاد فرمایا: ہاں! ان کی نماز جنازہ پڑھو۔ ان کے لئے مغفرت کی دعا کرو، کسی کے ساتھ ان کے کیے ہوئے وعدہ کو پورا کرو، ان کے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرو، ان کے دوستوں کی عزت کرو۔ (حوالہ آخر میں)

حدیث مبارکہ:14

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار ارشاد فرمایا:

کیا میں تم کو سب سے بڑا گناہ نہ بتاؤں۔ ہم نے عرض کیا کیوں نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے ہوئے تھے پھر بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا: سنو اور جھوٹ اور جھوٹی گواہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہ فرماتے رہے حتیٰ کہ ہم نے کہا کاش آپ صلی اللہ علیہ وسلم سکوت فرماتے۔ (حوالہ آخر میں)

حدیث مبارکہ:15

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تین اشخاص کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا 1-ماں باپ کا نافرمان، 2-عادی شرابی، 3-کوئی چیز دے کر احسان جتلانے والا اور تین آدمی جنت میں داخل نہیں فرمائے گا 1-ماں باپ کا نافرمان، 2-دیوث، 3-اور جو عورت مردوں کی مشابہت کرے۔ (حوالہ آخر میں)

حدیث مبارکہ:16

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

پانچ سو میل کی مسافت سے جنت کی خوشبو آئے گی اپنے کام کا احسان جتانے والے کو، ماں باپ کے نافرمان کو اور عادی شرابی کو یہ خوشبو نصیب نہیں ہوگی۔ (حوالہ آخر میں)

حدیث مبارکہ:17

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تین آدمیوں کا اللہ تعالیٰ کوئی فرض قبول کرے گا نہ نفل 1-ماں باپ کا نافرمان، 2-احسان جتانے والا، 3-اور تقدیر کو

جھٹلانے والا۔ (حوالہ آخر میں)

حدیث مبارکہ 18:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے والدین پر لعنت کرے۔ عرض کیا گیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کوئی شخص اپنے والدین پر کیسے لعنت کرے گا۔ ارشاد فرمایا: وہ کسی شخص کے باپ کو گالی دے گا تو وہ اس کے باپ کو گالی دے گا وہ کسی کی ماں کو گالی دے گا تو وہ اس کی ماں کو گالی دے گا۔ (حوالہ آخر میں)

حدیث مبارکہ 19:

حضرت عمرو بن جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور پانچ نمازیں پڑھتا ہوں، اپنے مال کی زکوٰۃ دیتا ہوں، رمضان کے روزے رکھتا ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اس عمل پر فوت ہو گیا وہ قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں اور شہداء کے ساتھ ہو گا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں انگلیاں کھڑی کر کے فرمایا: بہ شرطیکہ اس نے ماں باپ کی نافرمانی نہ کی ہو۔ (حوالہ آخر میں)

حدیث مبارکہ 20:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ سات آسمانوں کے اوپر سے لعنت بھیجتا ہے اور ان میں سے ہر ایک پر تین بار لعنت بھیجتا ہے اور ہر ایک کو ایسی لعنت بھیجتا ہے جو اس کو کافی ہے۔ قوم لوط کا عمل کرنے والا ملعون ہے، قوم لوط کا عمل کرنے والا ملعون ہے، قوم لوط کا عمل کرنے والا ملعون ہے۔ غیر اللہ کے لئے ذبح کرنے والا ملعون ہے، اپنے ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا ملعون ہے۔ (حوالہ آخر میں)

حدیث مبارکہ 21:

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا ایک جوان آدمی قریب المرگ ہے اس سے کہا گیا کہ لا الہ الا اللہ پڑھو تو وہ نہیں پڑھ سکا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ نماز پڑھتا تھا؟

اس نے عرض کیا:

ہاں! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس جوان کے پاس گئے اور ارشاد فرمایا: کہو لا الٰہ الا اللہ۔ اس نے کہا: مجھ سے نہیں پڑھا جا رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق پوچھا۔ کسی نے کہا یہ اپنی والدہ کی نافرمانی کرتا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

اس کی والدہ زندہ ہے؟

لوگوں نے عرض کیا:

ہاں!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کو بلاؤ وہ آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

یہ تمہارا بیٹا ہے؟

اس نے عرض کیا:

ہاں!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ بتاؤ اگر آگ جلائی جائے اور تم سے یہ کہا جائے کہ اگر تم شفاعت کرو تو اس کو چھوڑ دیتے ہیں ورنہ اس کو آگ میں ڈال دیتے ہیں تو کیا تم شفاعت کرو گی؟ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت میں اس کی شفاعت کروں گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تب تم اللہ تعالیٰ کو گواہ کرو اور مجھے گواہ کر کے کہو کہ تم اس سے راضی ہو گئی ہو۔

اس عورت نے عرض کیا:

اے اللہ عزوجل! میں تجھے گواہ کرتی ہوں اور تیرے رسول کو گواہ کرتی ہوں کہ میں اپنے بیٹے سے راضی ہوں۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے لڑکے! اب کہو!

لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ

تو اس لڑکے نے کلمہ پڑھا۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اس کو میری وجہ سے آگ سے نجات دی۔

(الترغیب والترہیب: ج:3، ص314 تا333 مطبوعہ دارالحدیث القاہرہ)

گائے کے گوشت کے ٹکڑے کو مقتول کے جسم پر مارنے کا حکم

قاتل کا پتہ لگانے کے لئے حکم فرمایا گیا تھا کہ گائے کے گوشت کے ٹکڑے کو مقتول کے جسم پر مارو جس سے وہ زندہ ہو جائے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (البقرہ:72 تا73)

اور یاد کرو جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا تھا پھر تم ایک دوسرے کو اس قتل میں ملوث کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ اس چیز کو ظاہر کرنے والا تھا جس کو تم چھپاتے تھے سو ہم نے کہا اس گائے کے ایک ٹکڑے کو اس مقتول پر مارو اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ فرمائے گا اور وہ تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تا کہ تم عقل سے کام لو۔

قاتل کو قتل کرنے کی پاداش میں قتل کر دیا گیا

قاتل وہ شخص تھا جس نے قتل ہونے والے کے قتل کا مطالبہ کیا تھا جب مقتول نے سب کچھ بتا دیا تو اس برے عمل کی پاداش میں اس کو قتل کر دیا گیا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابوالعالیہ سے روایت ہے کہ

بنی اسرائیل میں ایک مالدار شخص تھا اس کی کوئی اولاد نہ تھی اس کا وارث اس کا ایک رشتہ دار تھا اس نے اس مالدار شخص کو قتل کر دیا تا کہ اس کا وارث ہو اور اس کی لاش لوگوں کے راستہ میں ڈال دی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جا کر کہا۔ میرا رشتہ دار قتل کر دیا گیا اور میرے نزدیک آپ علیہ السلام کے سوا اور کوئی شخص نہیں جو اس کے قاتل کا نام بتا سکے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں میں اعلان کیا کہ جس شخص کو بھی اس کے قاتل کا علم ہو وہ ہمارے پاس آ کر بیان کرے۔ جب کوئی شخص نہ آیا تو وہ قاتل پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور عرض کیا: آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے سوال کریں کہ وہ ہمیں قاتل بتلا دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ایک گائے ذبح کریں ان کو اس پر تعجب ہوا کہ قاتل بتلانے میں اور گائے کے ذبح کرنے میں کیا مشابہت ہے۔ اس لیے انہوں نے کہا: آپ علیہ السلام ہم سے مذاق کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

میں جاہل ہونے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔

انہوں نے کہا:

آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے معلوم کریں کہ وہ کیسی گائے ہے؟

آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: وہ گائے نہ بوڑھی ہو نہ بچھیا۔

انہوں نے پھر عرض کیا:

آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ فرمائے اس کا رنگ کیسا ہو؟

آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ وہ شوخ زرد رنگ کی گائے ہو جو دیکھنے والوں کو اچھی لگتی ہو۔

انہوں نے پھر عرض کیا:

آپ علیہ السلام معلوم کریں اس کی صفت کیسی ہو؟ یہ گائے ہم پر مشتبہ ہو گئی ہے اور ان شاء اللہ ہم ہدایت پا جائیں گے۔

آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

وہ گائے محنت کے کام نہ کرتی ہو نہ ہل چلاتی ہو نہ کھیتوں کو پانی دیتی ہو اور وہ صحیح سالم اور بے داغ ہو۔

انہوں نے کہا: اب آپ علیہ السلام نے پوری بات بتائی ہے پھر انہوں نے اس گائے کو ذبح کیا اور وہ یہ کام کرنے والے نہ تھے۔ جس وقت ان لوگوں کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا اگر یہ اسی وقت کسی بھی گائے کو ذبح کر دیتے تو کافی تھا لیکن انہوں نے سوالات کر کے گائے میں قیودات لگوائیں تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی کی اور اگر یہ آخر میں ان شاء اللہ نہ کہتے تو یہ اس گائے کی طرف کبھی بھی ہدایت نہ پاتے جس گائے کا انہوں نے تعین کیا تھا وہ صرف ایک بوڑھی عورت کے پاس تھی جس کے یتیم بچے تھے جب اس کو معلوم ہوا کہ یہ اس گائے کے علاوہ اور کسی گائے کو ذبح نہیں کریں گے تو اس نے اس گائے کی قیمت بہت بڑھا دی۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے اور کہا وہ عورت بہت زیادہ قیمت مانگ رہی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

تم نے خود اپنے اوپر سختی کی ہے اب اس کی منہ مانگی قیمت دو انہوں نے وہ قیمت ادا کر کے گائے کو خریدا اور اس کو ذبح کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس کی ہڈی لے کر مقتول کے جسم پر مارو جب مقتول پر گائے کی ہڈی ماری گئی تو وہ زندہ ہو گیا اور اس نے قاتل کا نام بتا دیا اور پھر مر گیا اور قاتل وہی شخص تھا جس نے اس کے قاتل کا مطالبہ کیا تھا اس کو اس برے عمل کی پاداش میں قتل کر دیا گیا۔ (جامع البیان: ج: 1 ص: 267 تا 268 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

وراثت سے محروم کا سب سے پہلا فیصلہ

سب سے پہلا فیصلہ جو کیا گیا کہ قاتل وارث نہ ہو گا یہ بنی اسرائیل کے ایک شخص کے متعلق تھا۔

حضرت عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

سب سے پہلا فیصلہ جو کیا گیا کہ قاتل وارث نہ ہوگا یہ بنی اسرائیل کے ایک شخص کے متعلق تھا۔

(مصنف عبدالرزاق:ج:9،ص:405)

حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

سب سے پہلے جس قاتل کو میراث سے روکا گیا وہ گائے والا تھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ:ج:7،ص:263 مطبوعہ مکتبۃ الزمان مدینہ منورہ)

بھتیجے کو وراثت سے کچھ نہ دیا گیا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبیدہ السلمانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص بے اولاد تھا اور اس کا مال کثیر تھا اس کا بھتیجا وارث تھا اس نے چچا کو قتل کیا پھر رات کے وقت اٹھا کر ایک شخص کے دروازے پر پھینک آیا پھر صبح کے وقت قتل کا دعویٰ ان لوگوں پر خود کر دیا حتیٰ کہ آپس میں ہتھیاروں سے لیس ہو کر لڑنے پر تل گئے لیکن صاحب عقل لوگوں نے مشورہ دیا کہ تم آپس میں کیوں لڑتے ہو؟ یہ اللہ تعالیٰ کا رسول تمہارے درمیان موجود ہے وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تمام ماجرا ذکر کیا۔

تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝

ارشاد فرمایا کہ

اگر وہ اعتراض نہ کرتے میں کوئی گائے جائز قرار دے دیتا لیکن انہوں نے شدت اختیار کی تو ان پر شدت کی گئی حتیٰ کہ وہ اس گائے تک پہنچ گئے جس کا انہیں حکم دیا گیا تھا پس انہوں نے وہ گائے ایک شخص کے پاس پائی لیکن صرف وہ ایک ہی گائے تھی۔

اس شخص نے کہا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! میں اس کے مقابلہ میں جلد بھر سونا سے کم نہیں لوں گا پس انہوں نے وہ گائے خرید کر ذبح کی پھر اس کا گوشت اس میت کو مارا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

لوگوں نے اس سے پوچھا۔

تجھے کس نے قتل کیا ہے۔

اس نے کہا:

میرے بھائی کے بیٹے نے۔ پھر وہ مر گیا۔

پس اس کے مال سے بھتیجے کو کچھ نہ دیا گیا اور ابھی تک قاتل کو وراثت نہیں ملتی۔

(تفسیر طبری: ج:1 ص:388 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بنی اسرائیل نے کثرت سوال کی وجہ سے خود پر شدت کی

بنی اسرائیل نے کثرت سوال کی وجہ سے خود پر شدت کی۔

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر بنی اسرائیل ادنیٰ سی گائے لے لیتے اور ذبح کر دیتے تو وہ ان کو کفایت کر جاتی لیکن انہوں نے شدت کی اگر وہ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ○ نہ کہتے تو وہ گائے کو نہ پاسکتے۔ (سنن سعید بن منصور: ج:7 ص:26 مطبوعہ دار الصمیعی بیروت)

اگر بنی اسرائیل ان شاء اللہ نہ کہتے تو قیامت تک ان کے لئے گائے ظاہر نہ ہوتی

اگر بنی اسرائیل ان شاء اللہ نہ کہتے تو قیامت تک ان کے لئے کبھی بھی گائے ظاہر نہ ہوتی۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انہیں ایک ادنیٰ سی گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا لیکن انہوں نے شدت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر شدت فرمائی اگر وہ ان شاء اللہ نہ کہتے تو قیامت تک ان کے لئے گائے ظاہر نہ ہوتی۔ (تفسیر طبری: ج:1 ص:401 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بنی اسرائیل نے جب شدت اختیار کی تو ان پر شدت کی گئی

جب بنی اسرائیل نے شدت اختیار کی تو ان پر شدت فرمائی گئی۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

ہمیں بتایا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے قوم (بنی اسرائیل) کو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا لیکن انہوں نے جب شدت اختیار کی تو ان پر شدت کی گئی قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اگر وہ ان شاء اللہ نہ کہتے تو کبھی گائے ظاہر نہ ہوتی۔ (تفسیر طبری: ج:1 ص:401 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اگر بنی اسرائیل ادنیٰ سی گائے لے کر ذبح کر دیتے تو وہ ان کو کفایت کرتی

اگر بنی اسرائیل ادنیٰ سی گائے لے کر ذبح کر دیتے تو وہ ان کو کفایت کرتی مگر انہوں نے شدت کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بطور تلبیس سوال کیے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر شدت فرمائی۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اگر وہ کوئی ادنٰی سی گائے لے کر ذبح کر دیتے تو وہ ان کو کفایت کرتی مگر انہوں نے شدت کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بطور تلبیس سوال کیے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر شدت فرمائی۔ (تفسیر طبری: ج:1 ص:400 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

مقتول صرف قاتل کا نام بتا کر دوبارہ فوت ہو گیا

مقتول نے صرف قاتل کا نام بتایا تھا اس کے بعد وہ دوبارہ فوت ہو گیا تھا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں: حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

انہوں نے گائے کی ران اس میت کو ماری تو وہ زندہ ہو گیا اس نے صرف اتنی بات کی کہ مجھے فلاں نے قتل کیا ہے پھر وہ دوبارہ فوت ہو گیا۔ (تفسیر طبری: ج:1 ص:415 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

مقتول زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا تھا

جب گائے کی ران مقتول کو ماری گئی تو وہ زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا تھا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

گائے کی ران میت کو ماری تو وہ زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا اس نے کہا مجھے فلاں نے قتل کیا ہے پھر وہ مر گیا۔

(تفسیر طبری: ج:1 ص:414 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بنی اسرائیل نے کندھوں کے درمیان کا گوشت مارا

بنی اسرائیل نے مقتول کو کندھوں کے درمیان کا گوشت مارا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

بنی اسرائیل نے کندھوں کے درمیان کا گوشت مارا۔ (تفسیر طبری: ج:1 ص:415 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ نے میت کی روح لوٹا دی

جب بنی اسرائیل نے ایک ہڈی لے کر مقتول پر ماری تو اللہ تعالیٰ نے میت کی روح لوٹا دی اس نے اپنے قاتل کا نام بتایا پھر فوت ہو گیا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں حکم دیا کہ وہ ایک ہڈی لے کر مقتول پر ماریں تو انہوں نے ایسا ہی کیا اللہ تعالیٰ نے میت کی روح لوٹا دی اس نے اپنے قاتل کا نام بتایا پھر فوت ہو گیا۔ (تفسیر طبری: ج: 1، ص: 415 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

دونوں شہروں کے لوگ جمع ہوئے پھر انہوں نے گائے کو ذبح کیا

جب گائے مل گئی تو وہ اس گائے کو مقتول شخص کی قبر کے پاس لے آئے پھر دونوں شہروں کے لوگ جمع ہوئے بعد میں گائے کو ذبح کیا گیا پھر اس سے کچھ حصہ قبر پر مارا تو وہ شخص سر جھاڑتے ہوئے کھڑا ہوا اور یہ کہا مجھے میرے بھتیجے نے قتل کیا ہے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

بنی اسرائیل کے دو شہر تھے ایک حصینہ تھا اور اس کے دروازے تھے اور دوسرا خربہ تھا حصینہ والے شام کو اپنے شہر کے دروازے بند کر دیتے جب صبح اٹھتے تو شہر کی دیواروں پر کھڑے ہو کر دیکھتے کہ کیا شہر کے اردگرد کوئی حادثہ رونما ہوا ہے؟ ایک دن صبح انہوں نے دیکھا کہ ایک مقتول شہر کی دیوار کے ساتھ پڑا ہوا ہے۔ خربہ شہر والے ان کے پاس آئے اور کہا کہ تم نے ہمارے آدمی کو قتل کیا ہے اور اس کے بھائی کا جوان بیٹا اس پر رو رہا ہے کہہ رہا ہے کہ تم نے میرے چچا کو قتل کیا ہے۔

انہوں نے کہا:

اللہ تعالیٰ کی قسم شام کے وقت سے جب ہم نے دروازہ بند کیا تھا اس وقت سے ہم نے دروازہ نہیں کھولا ہے تمہارے اس ساتھی کے خون کا ہمارے پاس کوئی ذمہ دار نہیں ہے وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ ...... فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ○

فرماتے ہیں کہ

بنی اسرائیل میں ایک نوجوان شخص تھا جو اپنی دکان چلاتا تھا اور اس کا باپ بوڑھا تھا ایک دفعہ ایک دوسرے شہر سے ایک شخص اس سے سامان لینے کے لئے آیا اور اسے سامان کی قیمت عطا کر دی وہ جوان اس کو ساتھ لے کر چلا تا کہ دکان کھول کر اس کو سامان دے جبکہ دکان کی چابی اس کے باپ کے پاس تھی جو دکان کے سایہ میں سویا ہوا تھا۔

اس شخص نے جوان کو کہا کہ

باپ کو بیدار کر۔

بیٹے نے کہا:

والد محترم سو رہے ہیں میں ان کو نیند سے بیدار کرنا پسند نہیں کرتا۔ وہ دونوں واپس پلٹے پھر اس شخص نے جوان کو پہلے سے دگنی قیمت دی اس شرط پر کہ وہ والد صاحب کو جگا دے لیکن بیٹے نے انکار کیا۔ سامان لینے والا واپس چلا گیا۔ بوڑھا باپ بیدار ہوا تو بیٹے نے اس کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم ایک شخص اتنا اتنا سامان خریدنے آیا تھا اس نے مجھے اتنی اتنی قیمت دی تھی لیکن میں نے آپ کو نیند سے بیدار کرنا پسند نہ کیا۔ باپ نے بیٹے کو ملامت کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے والد سے حسن سلوک کی بناء پر دہ بچھڑی

عطا فرمائی تھی جو بنی اسرائیل کو مطلوب تھی۔ بنی اسرائیل اس کے پاس آئے کہ یہ بچھڑی ہمیں بیچ دے۔

اس نے کہا:

نہیں میں نہیں بیچتا۔

لوگوں نے کہا:

ہم تجھ سے لے لیں گے۔

لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اس کو کچھ سامان پر راضی کرو۔

لوگوں نے اسے کہا:

آپ کا اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

اس نے کہا:

میرا حکم یہ ہے کہ تم اس گائے کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھو اور دوسرے پلڑے میں سونا رکھو جب سونا زیادہ ہو جائے گا تو میں لے لوں گا اور گائے تمہارے حوالے کر دوں گا۔ لوگوں نے ایسا کیا پھر وہ گائے لے کر اس مقتول شیخ کی قبر کے پاس آئے دونوں شہروں کے لوگ جمع ہوئے اس گائے کو ذبح کیا پھر اس کا کچھ حصہ قبر پر مارا تو وہ شخص سر جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

اور اس نے یہ کہا:

مجھے میرے بھتیجے نے قتل کیا ہے اس پر میری زندگی کا عرصہ طویل ہو گیا تھا اور وہ میرا مال لینا چاہتا تھا یہ کہنے کے بعد وہ شخص پھر مر گیا۔ (درمنثور، ج:1، ص207 تا 208 مطبوعہ کراچی)

بھتیجا کو چچا کے قتل کا مشورہ شیطان نے دیا

بھتیجا کو چچا کے قتل کا مشورہ شیطان نے دیا جس کی تفصیل یہ ہے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل کا ایک شخص انتہائی امیر تھا اور اس کے بھتیجے نادار اور فقراء تھے اور وہ شخص بے اولاد تھا اس کے بھتیجے ہی وارث بنتے تھے۔

بھتیجوں نے کہا:

کاش ہمارا چچا مر جاتا اور ہم اس کے مال کے وارث بن جاتے جب ان پر زیادہ عرصہ گزر گیا کہ وہ فوت نہ ہوا تو شیطان ان کے پاس آیا اور کہا کیا تمہارے لیے یہ ممکن ہے کہ تم اس بوڑھے چچا کو قتل کر دو اور اس کی دیت کا مطالبہ دوسرے شہر والوں سے کرو جس سے تمہارا تعلق نہیں ہے۔ یہ لوگ ان دو شہروں میں سے ایک میں رہتے تھے جن میں اگر کوئی شخص قتل کر کے دونوں شہروں کے درمیان پھینکا جاتا تو اس مقتول اور دونوں شہروں کے درمیان کی جگہ پیمائش کی جاتی جس کے وہ قریب پایا جاتا ان پر

دیت لازم کردی جاتی۔ جب شیطان نے سب کچھ مزین کر کے دکھا دیا تو انہوں نے اپنے چچا کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اور پھر قتل کر دیا پھر اس شہر کے دروازے پر پھینک آئے جس کے ساتھ ان کا اپنا تعلق نہیں تھا۔ جب صبح ہوئی وہ بھتیجے شہر والوں کے پاس آئے اور مطالبہ کیا کہ ہمارا چچا تمہارے شہر کے دروازے پر مرا پڑا ہے پس اللہ تعالیٰ کی قسم تم سب سے دیت لیں گے۔

شہر والوں نے کہا:

ہم قسمیں اٹھاتے ہیں کہ ہم نے قتل نہیں کیا ہے اور نہ ہمیں اس کے قاتل کا علم ہے ہم نے تو شام کے وقت سے صبح تک دروازہ کھولا نہیں ہے وہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور یہ ارشاد لائے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ۝

(درمنثور: ج:1 ص:209 مطبوعہ کراچی)

مقتول کا نام عامیل تھا

مقتول کا نام عامیل تھا۔

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی 754ھ لکھتے ہیں:

اس مقتول کا نام عامیل تھا۔ (البحر المحیط: ج:1 ص:403 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قاتل کیا لگتا تھا؟

قاتل کے بارے میں مختلف اقوال اب تک سامنے آئے ہیں۔ ایک قول کے مطابق چچا زاد بھائی تھا۔ ایک قول کے مطابق وہ اس کا بھائی تھا اور ایک قول کے مطابق وہ اس کا بھتیجا تھا۔

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی 754ھ لکھتے ہیں:

حضرت عطاء اور حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا کہ

اس کا قاتل اس کا چچا زاد بھائی تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ

وہ اس کا بھائی تھا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ

وہ اس کا بھتیجا تھا۔ (البحر المحیط: ج:1 ص:403 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

چچا زاد بھائی نے میراث کے لالچ میں قتل کیا

چچا زاد بھائی نے میراث کے لالچ میں قتل کیا۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

بنی اسرائیل میں ایک شخص عامیل نامی بڑا مالدار تھا اور لاولد تھا اس کے چچازاد بھائی نے میراث کے لالچ میں اس کو قتل کر کے دوسری بستی کے دروازے پر ڈال دیا اور صبح کے وقت خود اس کے خون کا مدعی بن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ مقدسہ میں آیا اور اس بستی والوں پر خون کا دعویٰ کر کے ان سے خون بہا (یعنی جان کا بدلہ لینا چاہا) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس محلہ والوں سے پوچھا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا اور وہاں کے لوگوں نے درخواست کی کہ آپ علیہ السلام دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ حقیقت ظاہر فرمائے۔ آپ علیہ السلام نے دعا فرمائی تب آپ علیہ السلام پر وحی آئی۔

(کہ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً) (تفسیر نعیمی: ج:1،ص:455 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ کراچی)

قاتل نے عامیل کی بیوی سے نکاح کرنے کے لئے قتل کیا جو بنی اسرائیل میں سب سے حسین وجمیل عورت تھی

ایک قول کے مطابق مال حاصل کرنے کے لئے قتل کیا اور ایک قول کے مطابق حسین وجمیل عورت سے نکاح کرنے کے لئے قتل کیا۔

ان میں تطبیق یوں دی جاسکتی ہے کہ قتل سے مال بھی حاصل ہو جائے گا اور حسین وجمیل عورت بھی نکاح میں آجائے گی۔

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی 754ھ لکھتے ہیں:

حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ

عامیل کے عقد میں اس کی چچازاد تھی اور وہ بنی اسرائیل میں سب سے حسین عورت تھی۔ قاتل نے اس لیے قتل کیا کہ وہ اس عورت سے بعد میں نکاح کر لے۔ (البحر المحیط: ج:1،ص:403 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بنی اسرائیل نے چالیس سال گائے کو تلاش کیا

بنی اسرائیل نے چالیس سال گائے کو تلاش کیا حتیٰ کہ مذکورہ صفات کی گائے کو کھال بھر دینار دینے کے عوض خریدا اور اس کو ذبح کر کے مقتول کے جسم پر مارا اور اس نے زندہ ہو کر قاتل کا نام بتا دیا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

بنی اسرائیل نے چالیس سال گائے کو تلاش کیا حتیٰ کہ انہوں نے ایک شخص کے پاس مذکورہ صفات سے متصف گائے پالی وہ گئے مالک کو بہت عزیز اور پیاری تھی وہ اس کو زیادہ سے زیادہ قیمت پیش کرتے رہے لیکن وہ متواتر انکار کرتا رہا حتیٰ کہ انہوں نے اسے کھال بھر دینار دیئے پھر انہوں نے اسے ذبح کیا اور اس کا کوئی عضو میت کو مارا تو وہ کھڑا ہو گیا جبکہ اس کی رگوں سے خون بہہ رہا تھا۔

لوگوں نے اس سے پوچھا۔

تجھے کس نے قتل کیا ہے۔

اس نے کہا۔

مجھے فلاں نے قتل کیا ہے۔ (درمنثور: ج: 1، ص: 214 مطبوعہ کراچی)

مذبوحہ گائے کی تفصیل

جس گائے کو ذبح کیا گیا وہ کہاں چرتی تھی؟ کن کے نام پر جنگل میں چھوڑی گئی اور کس طرح مالک کے پاس آئی اور کس طرح ابلیس ورغلاتا رہا اور اس نے فروخت کر کے کیا کچھ حاصل کیا؟ اس بارے میں پوری تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

بنی اسرائیل کا ایک جوان اپنی والدہ سے بہت حسن سلوک کا مظاہرہ کرتا تھا وہ رات کا تہائی حصہ نماز پڑھتا، تہائی حصہ اپنی والدہ محترمہ کے سرہانے بیٹھتا اور اس کو تسبیح و تہلیل یاد کراتا اور کہتا اے امی جان! اگر تو قیام پر قادر نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل اور تکبیر کہہ۔ یہ دونوں عمل اس کی پوری زندگی کے معمول تھے۔ جب صبح اٹھتا تو پہاڑ پر آتا لکڑیاں اپنی پیٹھ پر اٹھاتا انہیں بازار لے آتا انہیں فروخت کرتا ان کی رقم میں سے تہائی حصہ صدقہ کرتا، تہائی حصہ اپنی ذات کے لئے باقی رکھتا اور تہائی حصہ اپنی والدہ کو پیش کرتا اس کی والدہ اس میں سے نصف کھاتی اور نصف صدقہ کر دیتی۔ یہ عمل بھی اس کی پوری زندگی کا معمول تھا۔ جب عرصہ دراز گزر گیا تو اس کی والدہ نے اسے کہا بیٹا! مجھے تیرے باپ کی میراث سے ایک گائے ملی تھی۔ میں نے اس کی گردن میں مہر لگائی تھی اور اسے حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے رب عزوجل کے نام پر (جنگل میں) گائیوں میں چھوڑ آئی تھی۔

پھر اس نے کہا:

میں اس کا رنگ اور ہیئت تجھے بتاتی ہوں۔ جب تو ان گائیوں کے پاس جائے تو اسے حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے خدا عزوجل کے نام کے ساتھ بلانا وہ ایسا ہی کرے گی جیسا اس نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا۔

اس نے کہا:

اس کی علامت یہ ہے کہ وہ نہ بوڑھی ہے اور نہ بچی ہے وہ درمیانی عمر کی ہے وہ گہرے زرد رنگ کی ہے دیکھنے والوں کو خوش کر دیتی ہے جب تو اس کی جلد کو دیکھے گا تو یوں محسوس کرے گا کہ اس کی جلد سے سورج کی شعاعیں نکل رہی ہیں اس پر کوئی کام نہیں کیا گیا ہے نہ اس پر ہل جوتے گئے ہیں نہ اس کے ذریعے کھیتی کو پانی لگایا گیا ہے عیوب سے بالکل سلامت ہے اس میں کوئی داغ دھبہ نہیں ہے اس کا رنگ ایک ہے جب تو اسے دیکھنا تو اس کو گردن سے پکڑنا وہ اسرائیل کے رب عزوجل کے اذن سے تیری اتباع کرے گی۔ وہ نوجوان چلا گیا اور اس نے اپنی والدہ محترمہ کی وصیت کو یاد رکھا۔ وہ جنگل میں دو یا تین دن پھرتا رہا حتیٰ کہ تیسرے دن یا دوسرے دن کی صبح وہ پلٹا اور اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے رب عزوجل کا واسطہ دے کر اس گائے کو بلایا تو وہ گائے اس کے پاس گئی اور اس

نے چرنا چھوڑ دیا۔ وہ نوجوان کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ نوجوان نے اسے گردن سے پکڑا۔

گائے بولی۔

اے نوجوان! اپنی والدہ سے نیکی کرنے والے تو مجھ پر سوار ہو جا یہ تیرے لئے آسانی کا سبب ہوگا۔

نوجوان نے کہا:

میری والدہ محترمہ نے مجھے تیرے اوپر سوار ہونے کا حکم نہیں دیا تھا اس نے مجھے تجھے ہانکنے کا حکم دیا تھا۔ میں اس کی بات پورا کرنا پسند کرتا ہوں۔

گائے بولی۔

اسرائیل کے رب عزوجل کی قسم! اگر تو مجھ پر سوار ہوتا تو تو مجھ پر کبھی قادر نہ ہوتا۔ اے اپنی والدہ سے نیکی کرنے والے نوجوان اگر تو اس پہاڑ کو اپنی جگہ سے اکھڑ جانے کا حکم دے تو تیری والدہ کے ساتھ نیکی کرنے کی وجہ سے اور اپنے رب عزوجل کی اطاعت کرنے کی وجہ سے یہ اپنی جگہ سے اکھڑ جائے گا۔ وہ نوجوان چل پڑا حتیٰ کہ جب وہ اپنے گھر سے ایک دن کی مسافت پر تھا تو اللہ تعالیٰ کا دشمن ابلیس اس کے سامنے آیا اور وہ گائیں چرانے والے شخص کی صورت اختیار کئے ہوئے تھا۔

اس لعین نے کہا:

اے جوان! یہ گائے کہاں سے لایا ہے تو اس پر سوار کیوں نہیں ہو جاتا میں دیکھ رہا ہوں تو تھک چکا ہے میں خیال کرتا ہوں کہ تو اس گائے کے علاوہ کسی چیز کا مالک نہیں ہے میں تجھے ایسا اجر دوں گا جو مجھے نفع دے گا اور تجھے نقصان نہیں پہنچائے گا میں گائیں چرانے والوں میں سے ہوں مجھے اپنے گھر والوں کی ملاقات کا شوق ہوا تو میں نے ایک بیل لیا اس پر اپنا کھانا اور سامان سفر لادا حتیٰ کہ جب میں نصف راستہ پر پہنچا تو میرے پیٹ میں درد ہوا۔ میں قضاء حاجت کے لئے گیا تو میرا بیل پہاڑ کے اندر بھاگ گیا اور مجھے چھوڑ گیا۔ میں نے اس کو تلاش کیا لیکن مجھے وہ مل نہ سکا اب مجھے اپنی جان کے ضائع ہونے کا خدشہ ہے میرے پاس نہ سامان ہے نہ پانی ہے اگر تو مجھے اپنی گائے پر سوار کر دے اور مجھے اپنی چراگاہ تک پہنچا دے اور مجھے موت سے بچا لے تو میں تجھے اس کے بدلے دو گائیں دوں گا۔

نوجوان نے کہا:

بنی آدم ایسے نہیں کہ انہیں یقین قتل کر دے اور ان کے نفوس انہیں ہلاک کریں اگر اللہ تعالیٰ تیرے متعلق یقین جانتا ہے تو بغیر زادِ راہ اور پانی کے تجھے اپنی منزل تک پہنچائے گا اور میں کسی ایسے شخص کو سوار کرنے والا نہیں ہوں جس کو سوار کرنے کا مجھے حکم نہیں دیا گیا میں عبد مامور ہوں اگر میرے آقا کو یہ علم ہوگا کہ میں نے اس کی گائے کے معاملہ میں نافرمانی کی ہے تو وہ مجھے ہلاک کر دے گا اور مجھے سخت سزا دے گا۔ میں اپنی خواہش کو اپنے آقا کی خواہش پر ترجیح دینے والا نہیں ہوں۔ اے شخص سلامتی کے ساتھ چلا جا۔

ابلیس نے نوجوان سے کہا:

میں تجھے ہر اس قدم کے بدلے ایک درہم دوں گا جو تو میری منزل کی طرف اٹھائے گا اور یہ بہت بڑا مال ہے اور اس گائے کے ذریعے میں موت سے بچ جاؤں گا۔

نوجوان نے کہا:

زمین کا سونا اور چاندی سب میرے آقا کا ہے اگر اس میں سے تو کچھ دے گا تو وہ جان لے گا کہ اس کے مال سے دیا ہے لیکن تو مجھے آسمان کا سونا اور چاندی دے تو پھر بھی میں کہوں گا کہ یہ میرے مالک کا ہے۔

ابلیس نے کہا:

کیا آسمان میں بھی سونا چاندی ہے یا کوئی اس پر قادر ہے۔

نوجوان نے کہا:

کیا بندہ وہ کر سکتا ہے جو اس کے آقا نے اسے حکم نہ دیا ہو جیسے تو آسمان کے سونے اور چاندی پر طاقت نہیں رکھتا۔

ابلیس نے نوجوان سے کہا:

میں تجھے تمام غلاموں سے اپنے معاملہ میں عاجز تصور کرتا ہوں۔

نوجوان نے کہا:

عاجز وہ ہوتا ہے جو اپنے رب عزوجل کی نافرمانی کرتا ہے۔

ابلیس نے اسے کہا:

مجھے تیرے پاس کوئی زادراہ اور پانی وغیرہ نظر نہیں آرہا ہے۔

نوجوان نے کہا:

میرا زادراہ تقویٰ ہے اور میرا کھانا گھاس ہے اور میرا پینا پہاڑوں کے چشموں سے ہے۔

ابلیس نے کہا:

کیا میں تجھے کوئی ایسا حکم نہ دوں جو تیری رہنمائی کرے؟

نوجوان نے کہا:

تو اپنے آپ کو ہی وہ حکم دے ان شاء اللہ میں تو ہدایت پر ہوں۔

ابلیس نے اسے کہا:

میں تجھے نصیحت قبول کرنے والا نہیں دیکھتا۔

نوجوان نے کہا:

اپنے نفس کے لئے ناصح وہ ہے جو اپنے آقا کی اطاعت کرتا ہے اور جو اس پر حق ہے وہ ادا کرتا ہے اگر تو شیطان ہے تو میں تجھ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں اور اگر تو انسان ہے تو یہاں سے نکل جا مجھے تیری نصیحت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ابلیس یہ

سن کر تین لمحات اپنی جگہ جامع وساکت رہا۔ اگر وہ جوان ابلیس کو سوار کر دیتا تو نوجوان گائے پر کبھی قادر نہ ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے اس سے روکے رکھا۔ جب نوجوان اپنی منزل کی طرف رواں تھا تو ایک پرندہ سامنے سے اڑا اور وہ گائے جلدی سے اٹھا لی۔ نوجوان نے گائے کو بلایا۔

اور کہا:

حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے رب عزوجل کا واسطہ تو میرے پاس آ جا۔

گائے اس کی طرف آئی اور اس کے سامنے کھڑی ہوگئی۔

اور اس نے کہا:

اے نوجوان کیا تو نے اس پرندے کو نہیں دیکھا جو تیرے سامنے سے اڑا تھا؟ یہ ابلیس تھا اس نے مجھے اچک لیا تھا جب تو نے بنی اسرائیل کے رب عزوجل کے واسطہ سے مجھے بلایا تو ایک فرشتہ آیا اور اس نے مجھے اس سے چھین لیا اور تیری والدہ کے ساتھ نیکی اور اپنے رب عزوجل کی اطاعت کی وجہ سے مجھے تیری طرف لوٹا دیا پس تو چل اب تو سفر کرے گا تو ان شاءاللہ اپنے گھر والوں کے پاس پہنچ جائے گا۔ نوجوان بالآخر گھر پہنچ گیا اپنی ماں کے پاس گیا تو اسے راستہ کا سارا ماجرا سنایا۔

ماں نے کہا:

اے بیٹے! میں تجھے دیکھتی ہوں کہ رات دن اپنی پیٹھ پر لکڑیاں اٹھانے کی وجہ سے تو تھک گیا ہے اب تو یہ گائے لے جا اور اس کو بیچ ڈال اس کی ثمن لے اور اس کے ذریعے اپنے آپ کو قوت اور راحت دے۔

نوجوان نے کہا:

اسے کتنے میں فروخت کروں؟

ماں نے کہا:

تین دینار میں لیکن میری رضا کی شرط پر۔ وہ نوجوان منڈی میں گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیجا تا کہ مخلوق اس کی قدرت کا کرشمہ دیکھ لے۔

اس فرشتہ نے نوجوان سے کہا:

یہ گائے کتنے میں فروخت کرو گے۔

اس نے کہا:

تین دینار میں لیکن اپنی والدہ کی رضا کی شرط پر۔

فرشتہ نے کہا:

چھ دینار لے لو اور اپنی والدہ سے مشورہ نہ کرو۔

اس نوجوان نے کہا:

اگر تو مجھے اس کے برابر وزن دے پھر بھی میں فروخت نہیں کروں گا حتیٰ کہ اپنی والدہ محترمہ سے مشورہ کرلوں۔ نوجوان گیا اپنی والدہ کو اس بیع کے متعلق بتایا۔

والدہ نے کہا:

اس کو چھ دینار میں فروخت کرنا لیکن میری رضا کی شرط پر۔

نوجوان پھر منڈی میں گیا پھر وہی فرشتہ آیا اور پوچھا کیا کرو گے؟

اس نے کہا:

چھ دینار میں بیچوں گا لیکن والدہ محترمہ کی رضا پر۔

فرشتہ نے کہا:

یہ بارہ دینار لے لے اور اپنی والدہ سے مشورہ چھوڑ دے۔

نوجوان نے کہا:

ایسا نہیں ہو سکتا۔ نوجوان پھر اپنی والدہ کے پاس گیا۔

اس نے کہا:

بیٹا! وہ جو تیرے پاس آیا تھا وہ انسانی شکل میں فرشتہ تھا اگر وہ تیرے پاس آئے تو اسے کہنا کہ میری والدہ تجھے سلام کہتی ہے اور پوچھتی ہے کہ اس گائے کو کتنے میں فروخت کروں!

فرشتہ نے کہا:

اے نوجوان! تجھ سے یہ گائے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام ایک مقتول کے لئے خریدیں گے جو بنی اسرائیل سے قتل ہوا ہے اور اس کا بہت زیادہ مال تھا اور وہ اپنے باپ کا اکلوتا لڑکا تھا اور اس کا ایک بھائی تھا جس کے بہت سے بیٹے تھے وہ کہتے تھے کہ ہم اس کو کیسے قتل کریں اور کیسے اس کا مال لے لیں۔ انہوں نے اس لڑکے کو قتل کر کے ایک گھر کے اندر پھینک دیا۔ صبح گھر والوں نے اس لڑکے کو گھر کے دروازے کے باہر ڈال دیا اس لڑکے کے چچا کے بیٹے آئے اور اس گھر والوں کو پکڑ لیا وہ ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لے کر چلے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ معاملہ بڑا پیچیدہ ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ ایک شدید زرد رنگ کی گائے لے کر ذبح کرو پھر اس کا کوئی حصہ اس مقتول کو مارو۔ انہوں نے اس نوجوان کی گائے کا قصد کیا تو انہوں نے وہ جلد بھر دنانیر کے ساتھ وہ گائے خریدی پھر اس کو ذبح کیا اور لڑکے کو اس کا گوشت مارا تو وہ کھڑا ہو گیا اور اس نے اپنے قاتل کے متعلق خبر دی کہ میرے چچا کے بیٹوں نے مجھے قتل کیا ہے اور یہ گھر والے میرے قتل سے بری ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں یہ حکم سنایا تو وہ کہنے لگے اے موسیٰ علیہ السلام تو ہم سے مزاح کرتا ہے ہمارے چچا کا بیٹا قتل ہوا ہے۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ اب وہ رسوا ہو جائیں گے پس انہوں نے

گائے کی کھال بھر دیناروں کے ساتھ وہ گائے خریدی تو نوجوان نے اس مال میں سے 2/3 حصہ بنی اسرائیل کے لوگوں میں تقسیم کر دیا اور ایک حصہ اپنے استعمال میں لایا۔

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (درمنثور: ج:1، ص217 تا219 مطبوعہ کراچی)

گائے بنی اسرائیل کے ایک نیک شخص کی تھی

گائے ایک نیک شخص کی تھی جس کو اس نے بڑی محبت سے پالا تھا اور اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے جنگل میں یہ کہتے ہوئے چھوڑ دی کہ اے رب عزوجل! یہ گائے تیرے سپرد کرتا ہوں جب میرا بیٹا جوان ہو تو وہ اس کو لے لے۔ قصہ کی تفصیل یوں ہے:

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

بنی اسرائیل میں ایک نیک شخص تھا جس کا ایک چھوٹا سا بیٹا تھا اس نے ایک بچھیا بڑی محبت سے پالی تھی جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو بچھڑی لے کر جنگل میں پہنچا اور دعا کی کہ اے مولیٰ عزوجل! یہ گائے تیرے سپرد کرتا ہوں جب میرا بیٹا جوان ہو تو اس کو لے لے یہ تو مر گیا مگر اس کی گائے جنگل میں اور اس کا بیٹا ماں کے پاس پرورش پاتا رہا۔ یہ لڑکا نہایت سعادت مند اور فرمانبردار تھا۔

ایک روز اس کی والدہ نے کہا کہ

تیرے باپ نے فلاں جنگل میں خدا کے نام پر ایک بچھڑی چھوڑی ہے جو کہ اب جوان ہو گئی ہو گی اس میں فلاں فلاں علامتیں ہیں تو جا اور اس کو پکڑ لا۔ لڑکا گیا اور ماں کی بتائی ہوئی علامتوں سے اس کو پکڑ لیا۔

ماں نے کہا:

اس کو بازار میں لے جا کر تین اشرفیوں میں فروخت کر دے مگر جب سودا ہو تو پھر مجھ سے اجازت لے لینا یہ شخص گائے کو بازار میں لایا ایک فرشتہ بشکل (انسانی) خریدار آیا اور اس نے قیمت پوچھی۔

لڑکے نے کہا: تین اشرفیاں مگر والدہ کی اجازت شرط ہے۔

فرشتہ بولا کہ

چھ اشرفیاں لے لے مگر ماں سے نہ پوچھ۔

لڑکے نے کہا:

اگر تم اس کے برابر سونا بھی دو تب بھی ماں سے پوچھے بغیر نہ بیچوں گا غرضیکہ لڑکا اپنی ماں کے پاس آیا تو اسے سارا واقعہ سنایا۔

ماں نے کہا کہ

جا چھ میں بیچ دے مگر سودا ہونے پر پھر مجھ سے پوچھ لینا۔ لڑکا پھر بازار میں لایا وہی فرشتہ پھر ملا اور کہنے لگا کہ

بارہ اشرفیاں لے لے مگر ماں سے نہ پوچھ۔ لڑکا نہ مانا پھر آ کر اپنی والدہ کو یہ ماجرا سنایا وہ بڑی عقل مند تھی۔ کہنے لگی۔

شاید یہ کوئی فرشتہ ہے جو تیری آزمائش کے لئے آتا ہے اگر اب ملے تو اس سے پوچھ لینا کہ ہم گائے فروخت کریں یا نہ کریں۔ لڑکے نے یہ ہی کہا۔

فرشتے نے جواب دیا کہ

اپنی والدہ سے کہنا کہ ابھی اس کو روکے رہو عنقریب بنی اسرائیلی کو اس کی ضرورت پڑے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو خریدیں گے اور اس سے ایک بڑا معجزہ ظاہر ہوگا۔ جب وہ لوگ خریدنے آئیں تو اس کی قیمت یہ مقرر کرنا کہ اس کی کھال سے بھر دی جائے۔ لڑکا گائے کو گھر لایا اور پھر وہ واقعہ درپیش ہوا جس کا یہاں ذکر ہے (اور میں نے پیچھے تفصیل سے بیان کر دیا۔ عبدالمصطفیٰ) (تفسیر نعیمی: ج:1، ص:457 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد تھا

قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد تھا وہ علم کی خواہش رکھتا تھا حتیٰ کہ اس نے علم کو جمع کیا۔

الخ (مصنف ابن ابی شیبہ: ج:6، ص:334 مطبوعہ مکتبۃ الزمان مدینہ منورہ)

قارون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بغاوت اور حسد کرنا

جب قارون نے علم کو جمع کر لیا تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بغاوت اور حسد کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

وہ اسی طرح رہا حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بغاوت کی اور ان سے حسد کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج:6، ص:336 مطبوعہ مکتبۃ الزمان مدینہ منورہ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قارون سے زکوٰۃ طلب فرمانا اور اس کا انکار کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ زکوٰۃ وصول کروں لہٰذا تم زکوٰۃ دیں تو اس نے انکار کر دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو کہا:

اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ زکوٰۃ وصول کروں (لہٰذا زکوٰۃ دو) تو قارون نے انکار کر دیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج:6، ص:336 مطبوعہ مکتبۃ الزمان مدینہ منورہ)

قارون کی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بدکاری کے الزام کی ناپاک جسارت اور آپ علیہ السلام کا اس سے محفوظ رہنا

قارون نے ایک عورت کے ذریعے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بدکاری کی ناپاک جسارت کی جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو محفوظ رکھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

قارون نے کہا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام تمہارے اموال کھانا چاہتے ہیں وہ تمہارے لیے نماز لائے وہ تمہارے لیے اور چیزیں لائے تو تم نے انہیں اپنے ذمہ لے لیا کیا تم اسے برداشت کرو گے کہ وہ تمہارے اموال لے؟

لوگوں نے کہا:

ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے اب تیری کیا رائے ہے۔

قارون نے انہیں کہا۔

میری رائے یہ ہے کہ میں بنی اسرائیل کی بدکارہ عورتوں میں سے ایک عورت کو پیغام بھیجوں پھر ہم اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھیجیں وہ عورت آپ پر الزام لگائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے بدکاری کا ارادہ کیا۔ لوگوں نے اس بدکارہ کو پیغام بھیجا اور اسے کہا ہم تجھے منہ مانگی قیمت دیں گے۔ شرط یہ ہے کہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بدکاری کی تہمت لگا دے۔

عورت نے کہا:

ٹھیک ہے۔

قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا بنی اسرائیل کو جمع کرو اور اللہ تعالیٰ نے تجھے جو حکم دیا ہے اس کے بارے میں انہیں بتاؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

ٹھیک ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں جمع فرمایا۔

لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

تیرے رب عزوجل نے تجھے کس چیز کا حکم دیا ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

میرے رب عزوجل نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، صلہ رحمی کرو اسی طرح دوسری باتیں ذکر کیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ بھی حکم دیا ہے کہ جب بدکار بدکاری کرے جبکہ وہ شادی شدہ ہو تو اسے رجم کر دیا جائے۔

لوگوں نے کہا:

اگر چہ بدکاری کرنے والے آپ علیہ السلام ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

ہاں!

لوگوں نے کہا:

تو نے بدکاری کی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

میں نے؟

لوگوں نے عورت کو بلا بھیجا وہ عورت آئی انہوں نے پوچھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا گواہی دیتی ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس عورت سے فرمایا۔

میں تجھے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کہ تو سچ بولے گی۔

عورت نے کہا:

جب تو نے مجھے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیا ہے تو حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے مجھے بلایا تھا اور آپ علیہ السلام پر الزام لگانے کی صورت میں انعام مقرر کیا تھا میں گواہی دیتی ہوں کہ تو اس الزام سے بری ہے آپ علیہ السلام رسول اللہ ہیں۔

الخ (مصنف ابن ابی شیبہ: ج:6، ص:334 مطبوعہ مکتبۃ الزمان مدینہ منورہ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے لوگوں سمیت قارون کا زمین میں دھنسا جانا

جب عورت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پاکدامنی بیان کی تو آپ علیہ السلام روتے ہوئے سجدہ میں تشریف لے گئے اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی آپ کیوں روتے ہو؟ ہم نے تجھے زمین پر حکومت دی ہے تو زمین کو حکم دے وہ تیری اطاعت کرے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا سر اقدس اٹھایا اور ارشاد فرمایا اے زمین انہیں پکڑ لے تو زمین نے ان کو پکڑ لیا اور وہ زمین میں دھنسا دیئے گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام روتے ہوئے سجدہ میں گر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی آپ علیہ السلام کیوں روتے ہو؟ ہم نے تجھے زمین پر حکومت دے دی ہے تو زمین کو حکم دے وہ تیری اطاعت کرے گی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا سر اقدس اٹھایا اور ارشاد فرمایا:

اے زمین! ان کو پکڑ لے تو زمین نے انہیں ایڑیوں تک پکڑ لیا۔

لوگ کہنے لگے:

اے موسیٰ علیہ السلام! اے موسیٰ علیہ السلام!
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا کہ انہیں پکڑ لے تو زمین نے انہیں گردنوں تک پکڑ لیا وہ کہہ رہے تھے اے موسیٰ علیہ السلام اے موسیٰ علیہ السلام۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا کہ انہیں پکڑ لے تو زمین نے انہیں غائب کردیا۔
(مصنف ابن ابی شیبہ:ج:6،ص:334 مطبوعہ مکتبۃ الزمان مدینہ منورہ)

اللہ تعالیٰ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمانا

جب زمین نے لوگوں سمیت قارون کو اپنے اندر دھنسادیا اور وہ آپ علیہ السلام کو پکار رہے تھے تو رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ میرے بندوں نے تیری بارگاہ میں آہ وزاری کی اور تو نے ان کی بات کو قبول نہ کیا میری عزت کی قسم! اگر وہ مجھے بلاتے تو میں ان کی عرض کو ضرور قبول فرماتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ میرے بندوں نے تجھ سے سوال کیا تیری بارگاہ میں آہ وزاری کی تو نے ان کی بات کو قبول نہ کیا۔ میری عزت کی قسم! اگر وہ مجھے بلاتے تو میں ان کی عرضداشت کو قبول کرلیتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ
اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی یہی مراد ہے فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ قف اسے انتہائی نچلی زمین کی طرف دھنسا دیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:ج:6،ص:334 مطبوعہ مکتبۃ الزمان مدینہ منورہ)

قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا

قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا۔
قرآن مجید میں ہے: اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى (القصص:76)
بے شک قارون قوم موسیٰ سے تھا۔

قارون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کرنا

قارون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی جس کو قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا ہے۔
چنانچہ قرآن مجید میں ہے:
فَبَغٰى عَلَيْهِمْ (القصص:76)
پھر اس نے ان کے خلاف سر اٹھایا۔

قارون کے خزانوں کی چابیاں طاقتور جماعت کو بھی تھکا دیتی تھیں

اللہ تعالیٰ نے قارون کو ایسے خزانے عطا فرمائے تھے کہ ان کی چابیاں ایک طاقتور جماعت اٹھاتی تھی جن کو اٹھانے سے وہ

تھک جاتے تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اٰتَیْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِی الْقُوَّةِۗ (القصص:76)

اور ہم نے اس کو اس قدر خزانے دیئے تھے کہ ان کی چابیاں ایک طاقتور جماعت کو تھکا دیتی تھیں۔

قوم کا قارون کو اترانے سے منع کرنا

قارون کے پاس چونکہ مال کی فراوانی تھی اس لیے وہ تکبر کرنے لگا اور قوم نے اس کو سمجھایا کہ تم اتراؤمت کیونکہ اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

قرآن مجید میں ہے:

اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ (القصص:76)

جب اس کی قوم نے اس سے کہا تم اتراؤمت بے شک اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

قوم کا قارون کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے اور سرکشی سے منع کرنا

قوم کے علماء نے قارون سے کہا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمایا ہے اس سے آخرت کے گھر کی تلاش کرو اور دنیا کے حصہ کو (بھی) نہ بھولو اور لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے اور ملک میں سرکشی نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ سرکشی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَابْتَغِ فِیْمَاۤ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَكَ مِنَ الدُّنْیَا وَاَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ (القصص:77)

اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے اس سے آخرت کے گھر کی تلاش کرو اور دنیا کے حصہ کو (بھی) نہ بھولو اور لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے اور ملک میں سرکشی نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ سرکشی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

قارون کا مال کو عطیہ رب تعالیٰ قرار دینے کے بجائے اپنی قابلیت کا نتیجہ سمجھنا

جب قوم نے قارون کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا کہا تو اس نے کہا یہ مال مجھے اس علم کی وجہ سے دیا گیا ہے جو میرے پاس ہے۔ اس نے اس عطا کو رب تعالیٰ کی عطا نہیں سمجھا بلکہ اپنے علم کا ثمرہ سمجھا تو قرآن مجید میں اس کو یوں بیان فرمایا۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ (القصص:78)

اس نے کہا! یہ مال مجھے اس علم کی وجہ سے دیا گیا ہے جو میرے پاس ہے کیا اس نے یہ نہیں جانا کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کتنی قوموں کو ہلاک کر چکا ہے جو اس سے زیادہ طاقتور اور اس سے زیادہ مال جمع کرنے والی تھیں اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا۔

قارون کا قوم میں سج دھج کے جانا اور قوم کا مال کی خواہش کرنا

ایک دن قارون سج دھج کے اپنی قوم میں نکلا جو لوگ دنیاوی زندگی کے شوقین تھے انہوں نے خواہش کی کہ کاش ہمارے اس بھی اتنا مال ہوتا جتنا قارون کے پاس ہے وہ تو بڑے نصیب والا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ (القصص:79)

ایک دن وہ سج دھج کر اپنی قوم میں نکلا جو لوگ دنیاوی زندگی کے شائق تھے انہوں نے کہا: اے کاش! ہمارے پاس بھی اتنا (مال) ہوتا جتنا قارون کے پاس ہے بے شک وہ بڑے نصیب والا ہے۔

قوم میں سے علم والوں کا آخرت کو اچھا سمجھنا

جن لوگوں کو علم عطا فرمایا گیا تھا انہوں نے کہا تم پر افسوس ہے جو شخص ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا بہت اچھا اجر ہے اور یہ نعمت صرف صبر کرنے والوں کو ملتی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝ (القصص:80)

اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا انہوں نے کہا تم پر افسوس ہے جو شخص ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا اجر بہت اچھا ہے اور یہ (نعمت) صرف صبر کرنے والوں کو ملتی ہے۔

قارون اور اس کا گھر زمین میں دھنسا دیا جانا

قارون کے تکبر کی وجہ سے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا گیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مِنَ

الْمُنْتَصِرِيْنَ ○ (القصص:81)

سو ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا پس اس کے اس کوئی جماعت نہ تھی جو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ خود اپنے بچانے والوں میں سے ہو سکا۔

مال کی تمنا کرنے والوں کا قارون کا انجام دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا احسان یاد کرنا

جنہوں نے مال کی تمنا کی تھی انہوں نے قارون کا انجام دیکھ کر کہا افسوس ہم بھول گئے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ ہم پر احسان نہ فرماتا تو ہم بھی زمین میں دھنسا دیئے جاتے۔ افسوس ہم بھول گئے تھے کہ کافر فلاح نہیں پاتے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْ لَاۤ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ○ (القصص:82)

اور کل تک جو لوگ اس کے مقام تک پہنچنے کی تمنا کر رہے تھے وہ کہنے لگے افسوس ہم بھول گئے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ ہم پر احسان نہ فرماتا تو ہم بھی زمین میں دھنسا دیئے جاتے افسوس ہم بھول گئے تھے کہ کافر فلاح نہیں پاتے۔

قیامت تک زمین میں دھنستا رہے

قیامت تک زمین میں دھنستے رہنے کے متعلق کئی احادیث مبارکہ ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

حدیث مبارکہ:1

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

پچھلی امتوں میں ایک شخص غرور کے ساتھ اپنا تہبند گھسیٹتا ہوا چل رہا تھا کہ اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا اور وہ اسی طرح قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث:5790)

حدیث مبارکہ:2

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایک شخص ایک حلہ پہنے ہوئے جا رہا تھا جو اس کو اچھا لگ رہا تھا اور وہ اس پر اتراتا ہوا چل رہا تھا اس نے اپنے سر کے بال

لٹکائے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا اب وہ قیامت تک اسی طرح زمین میں دھنستا رہے گا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 5789)

حدیث مبارکہ: 3

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

پچھلی امتوں میں ایک شخص دو سبز چادریں پہنے ہوئے جارہا تھا اور ان میں اکڑ اکڑ کر چل رہا تھا اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا تو زمین نے اس کو پکڑ لیا اور وہ زمین میں دھنسنے لگا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔ (مسند احمد: رقم الحدیث: 11295)

قارون، فرعون اور ہامان نے تکبر کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا

قارون، فرعون اور ہامان کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزات دے کر بھیجا مگر انہوں نے تکبر کر کے سرکشی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی گرفت فرمائی اور ان کو عذاب میں مبتلا کر دیا انہوں نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا جبکہ ان کے اس ہدایت کا کھلا راستہ تھا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۗ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ۝ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ (العنکبوت: 39 تا 40)

اور قارون اور فرعون اور ہامان کو ہلاک کر دیا اور بے شک ان کے پاس موسیٰ واضح معجزات لے کر آئے تھے پس انہوں نے زمین میں تکبر کیا اور وہ ہم پر سبقت کرنے والے نہ تھے سو ہم نے ہر ایک (سرکش) کی اس کی سرکشی پر گرفت کی تو ہم نے ان میں سے بعض پر پتھر برسائے اور ان میں سے بعض کو ایک ہولناک چنگھاڑ نے پکڑ لیا اور ان میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے بعض کو ہم نے غرق کر دیا اور اللہ تعالیٰ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے۔

زمین کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کرنا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو قارون کے اپنے اندر دھنسا دینے کا حکم فرمایا تو زمین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کی اور اس کو اپنے اندر دھنسا دیا۔

امام احمد بن حنبل متوفی 241ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عون بن عبداللہ بن قاری جو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے فلسطین کے دیوان پر عامل تھے انہیں خبر پہنچی کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ وہ قارون کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم کی اطاعت کرے تو زمین نے اسے گھٹنوں تک اپنے اندر دھنسا لیا۔ پھر کہا میری اطاعت کر تو اس نے اسے پیٹ تک چھپا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) تیرا دل کتنا سخت ہے۔ میری عزت و جلال کی قسم! اگر وہ مجھ سے مدد طلب کرتے تو میں ضرور ان کی مدد کرتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

میں نے تو تیری وجہ سے ناراضگی کی بناء پر ایسا کیا ہے اے میرے رب عزوجل!

(کتاب الزہد: ص: 245 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

قارون کا نسب

قارون کا نسب یوں ہے:

قارون بن مصر بن فاہث یا قاہث۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی اس کا نسب یوں ہے:

قارون بن مصر بن فاہث یا قاہث جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بن عرمرم بن فاہث یا قاہث ہیں عرمرم کو عربی زبان میں عمران کہتے ہیں۔ (درمنثور: ج: 5، ص: 396 مطبوعہ کراچی)

قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کیا لگتا تھا

قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا۔ (درمنثور: ج: 5، ص: 396 مطبوعہ کراچی)

قارون کا تورات اچھی آواز کے ساتھ پڑھنے کی وجہ سے نور نام رکھا جانا

قارون تورات اچھی آواز کے ساتھ پڑھتا جس کی وجہ سے اس کا نام نور رکھا جاتا مگر اس نے سرکشی کی اور ہلاک ہو گیا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سمندر عبور کیا تھا اس کا نام نور رکھا جاتا کیونکہ وہ بڑی اچھی آواز میں تورات پڑھتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے دشمن نے نفاق کیا جس طرح سامری نے نفاق کیا اللہ تعالیٰ نے اس کی بغاوت کی وجہ سے اسے ہلاک کیا اس نے مال واولاد کی زیادتی کی وجہ سے بغاوت کی۔

(درمنثور:ج:5،ص:396 مطبوعہ کراچی)

قارون کے گھر کی زمین چاندی اور اس کی بنیادیں سونے کی تھیں

قارون کے گھر کی زمین چاندی اور اس کی بنیادیں سونے کی تھیں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قارون کے گھر کی زمین چاندی اور اس کی بنیادیں سونے کی تھیں۔ (درمنثور:ج:5،ص:396 مطبوعہ کراچی)

قارون کے خزانوں کی چابیاں ساٹھ پنج کلیاں خچروں کا بوجھ تھا

قارون کے خزانوں کی چابیاں ساٹھ پنج کلیاں خچروں کا بوجھ تھا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت خیثمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

میں نے انجیل میں پایا ہے کہ قارون کے خزانوں کی چابیاں ساٹھ پنج کلیاں خچروں کا بوجھ تھا ان میں کوئی چابی ایک انگلی سے بڑی نہ تھی ہر ایک خزانے کی چابی تھی۔ (درمنثور:ج:5،ص:396 مطبوعہ کراچی)

قارون کے خزانوں کی چابیاں چمڑے کی بنی ہوئی تھیں

قارون کے خزانوں کی چابیاں چمڑے کی بنی ہوئی تھیں۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: حضرت خیثمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

قارون کے خزانوں کی چابیاں چمڑے کی بنی ہوئی تھیں ہر خزانہ کی چابی علیحدہ تھی جب وہ سفر پر روانہ ہوتا تو چابیاں ستر پنج کلیاں خچروں پر لادی جاتیں۔ (درمنثور:ج:5،ص:396 مطبوعہ کراچی)

چابیاں اونٹ کے چمڑے کی بنی ہوئی تھیں

قارون کے خزانوں کی چابیاں اونٹ کے چمڑے کی بنی ہوئی تھیں۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

چابیاں اونٹ کے چمڑے کی بنی ہوئی تھیں۔ (درمنثور:ج:5،ص:396 مطبوعہ کراچی)

چابیوں کو مردوں کا ایک جتھہ نہیں اٹھا سکتا تھا

قارون کی چابیاں مردوں کا ایک جتھہ بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

مردوں کا ایک جتھہ انہیں نہیں اٹھا سکتا تھا۔ (درمنثور:ج:5،ص:397 مطبوعہ کراچی)

قارون کا خزانہ چالیس خچروں پر لادا جاتا تھا

قارون کا خزانہ چالیس خچروں پر لادا جاتا تھا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ سے جو حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے غلام تھے سے روایت نقل کی ہے کہ عصبہ سے مراد ستر افراد ہیں۔ اس (قارون) کا خزانہ چالیس خچروں پر لادا جاتا تھا۔

(درمنثور:ج:5،ص:397 مطبوعہ کراچی)

زمین میں دھنسا دینے سے قبل قارون اپنی قوم پر کس طرح سج دھج کر نکلا

زمین میں دھنسا دینے سے قبل قارون جاہ و حشمت میں نکلا تھا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

وہ (قارون) جاہ و حشمت میں نکلا ہمارے سامنے یہ بات ذکر کی گئی ہے وہ چار ہزار جانوروں پر نکلے جن پر سرخ کپڑے تھے جن میں سے ایک ہزار سفید خچریں تھیں جانوروں پر ارجوان لکڑی کی زینیں تھیں۔ (درمنثور:ج:5،ص:399 مطبوعہ کراچی)

قارون دو سرخ کپڑے عصفری رنگ کے پہنے قوم پر نکلا

قارون دو سرخ کپڑے جو عصفری رنگ کے تھے ان کو پہن کر قوم پر سج دھج کے ساتھ نکلا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابو زبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

قارون اپنی قوم پر نکلا دو سرخ کپڑے پہنے ہوئے تھے جو عصفری رنگ کے تھے جو قرمزی کی طرح تھا۔

(درمنثور:ج:5،ص:399 مطبوعہ کراچی)

قارون قوم پر سفید ترکی گھوڑوں کے ساتھ نکلا

قارون اپنی قوم پر سفید ترکی گھوڑوں کے ساتھ نکلا تھا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

وہ سفید ترکی گھوڑوں پر نکلا جن پر ارجوان کی بنی ہوئی زینیں تھیں اور ان پر عصفری رنگ میں رنگے ہوئے کپڑے تھے۔

(درمنثور: ج:5، ص:399 مطبوعہ کراچی)

قارون ستر ہزار افراد میں نکلا تھا

قارون ستر ہزار افراد میں قوم پر نکلا تھا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

وہ ستر ہزار افراد میں نکلا جس پر عصفری رنگ کے کپڑے تھے یہ وہ پہلا دن تھا جس میں عصفری رنگ کو دیکھا گیا۔

(درمنثور: ج:5، ص:399 مطبوعہ کراچی)

قارون سفید لونڈیوں کے درمیان نکلا

قارون سفید لونڈیوں کے درمیان نکلا اور تکبر کرتے ہوئے نکلا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

وہ سفید لونڈیوں کے درمیان نکلا سونے کی زینوں ارجوانی رنگ کے کپڑوں اور سفید خچروں پر تھیں ان پر سرخ کپڑے اور سونے کے زیورات تھے۔ (درمنثور: ج:5، ص:399 مطبوعہ کراچی)

زین پر تین سو لونڈیاں سوار تھیں

قارون سفیدی مائل سیاہ خچر پر نکلا جس پر ارجوانی لکڑی کی زین تھی جن پر تین سو لونڈیاں سوار تھیں۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

قارون سفیدی مائل سیاہ خچر پر نکلا جس پر ارجوانی لکڑی کی زین تھی جن پر تین سو لونڈیاں سوار تھیں جنہوں نے سرخ لباس زیب تن کر رکھے تھے اور وہ سفیدی مائل سیاہ خچروں پر سوار تھیں۔ (درمنثور: ج:5، ص:399 مطبوعہ کراچی)

قارون نے سب سے پہلے سیاہ خضاب لگایا

قارون نے سب سے پہلے سیاہ خضاب لگایا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبدہ بن ابی لبابہ سے روایت ہے کہ

سب سے پہلے جس نے سیاہ خضاب لگایا وہ قارون تھا۔ (درمنثور، ج:5،ص:399 مطبوعہ کراچی)

قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اذیت دیا کرتا تھا

قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اذیت دیا کرتا تھا جس کی تفصیل یہ ہے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن حرث رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ قارون کو مال اور خزانہ دیا گیا حتیٰ کہ اس نے اپنے گھر کا دروازہ سونے کا بنایا اپنے پورے گھر کو سونے کی پتریوں سے بنایا۔ بنی اسرائیل کے سردار صبح وشام اس کے پاس آتے وہ انہیں کھانا کھلاتا اور وہ قارون سے باتیں کرتے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اذیت دیا کرتا تھا اسے خواہش نفس اور دل کی سختی نے نہ چھوڑا یہاں تک کہ اس نے بنی اسرائیل کی ایک عورت کی طرف پیغام بھیجا جو خوبصورتی میں مشہور تھی اسے ربیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔

قارون نے اسے کہا:

کیا تو پسند کرتی ہے کہ میں تجھے مالا مال کر دوں۔ تجھے عطا کروں اور اپنی عورتوں کے ساتھ ملا دوں اس شرط پر کہ تو میرے پاس اس وقت آئے جبکہ بنی اسرائیل کے سردار میرے پاس موجود ہوں اور تو کہے اے قارون! کیا تو (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کو مجھ سے منع نہیں کرے گا؟

اس نے کہا:

میں اس کے لئے تیار ہوں۔ جب قارون کے ساتھی آگئے اور اس کے پاس بیٹھ گئے۔ اس نے عورت کو بلایا۔ وہ عورت لوگوں کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کو بدل دیا اور اسے توبہ کی توفیق دے دی۔

اس عورت نے کہا:

قارون نے میری طرف پیغام بھیجا اور کہا کیا تو پسند کرتی ہے کہ میں تجھے مالا مال کر دوں اور اپنی عورتوں میں شامل کر دوں اس شرط پر کہ تو میرے پاس آئے جبکہ بنی اسرائیل کے سردار میرے پاس ہوں اور تو یہ کہے کیا تو (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو مجھ سے نہیں روکے گا۔ آج میں نے اس سے افضل توبہ نہیں پائی کہ میں اللہ تعالیٰ کے دشمن کو جھٹلاؤں اور رسول اللہ کی برأت کا اظہار کروں۔ قارون نے اپنا سر جھکا لیا اور اسے پتہ چل گیا کہ وہ ہلاک ہو جائے گا۔ لوگوں میں یہ بات پھیل گئی حتیٰ کہ خبر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک جا پہنچی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سخت غضب والے تھے۔ جب یہ خبر آپ علیہ السلام تک پہنچی تو آپ علیہ السلام نے وضو کیا، نماز پڑھی، سجدہ کیا اور روئے اور کہا: اے میرے رب عزوجل! تیرا دشمن مجھے اذیتیں دیتا رہا پھر چند چیزوں کا ذکر کیا تو نے اس کو نہ روکا حتیٰ کہ میری رسوائی کا ارادہ کر لیا۔ اے میرے رب عزوجل! مجھے اس پر مسلط کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ زمین کو جو چاہے حکم دے وہ تیری اطاعت کرے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام قارون کی

طرف آئے۔ جب قارون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو آپ کے چہرے سے غضب کو پہچان لیا کہا! اے موسیٰ علیہ السلام! مجھ پر رحم کھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

اے زمین! انہیں پکڑ لے۔ اس کے گھر میں لرزہ طاری ہوگیا اسے اور اس کے ساتھیوں کو اپنے اندر دھنسا لیا حتیٰ کہ ان کے قدم غائب ہوگئے۔ ان کے گھر بھی اسی قدر زمین میں دھنس گئے۔

قارون نے کہا:

اے موسیٰ (علیہ السلام)! مجھ پر رحم کرو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے زمین! انہیں پکڑ لے۔ زمین اسے اس کے گھر اور اس کے ساتھیوں کو نگل گئی۔ جب زمین اسے نگل گئی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا۔ اے موسیٰ (علیہ السلام)! تو کتنا سخت دل ہے۔ میری عزت کی قسم! اگر وہ مجھ سے دعا کرتا تو میں اس پر رحم کرتا۔

ابو عمران جونی نے کہا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا تیرے بعد زمین میں سے کسی کی بات نہ مانوں گا میں کسی کی عبادت نہیں کروں گا۔

(درمنثور: ج:5، ص399 تا400 مطبوعہ کراچی)

قارون اور اس کی قوم کو ہر روز انسان کی قامت کے برابر دھنسایا جاتا ہے

قارون اور اس کی قوم کو ہر روز انسان کی قامت کے برابر دھنسا دیا جاتا ہے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے ابو میمون سے وہ حضرت سمرہ بن جندب سے روایت نقل کرتے ہیں. کہ قارون اور اس کی قوم کو ہر روز انسان کی قامت کے برابر دھنسایا جاتا ہے وہ زمین کی پست ترین جگہ تک قیامت تک نہیں پہنچے گا۔ (درمنثور: ج:5، ص:400 مطبوعہ کراچی)

قارون لگاتار زمین میں دھنستا رہے گا

قارون لگاتار زمین میں دھنستا رہے گا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ:

ہمارے سامنے یہ بات کی گئی ہے کہ اس کو ہر روز قد برابر زمین میں دھنسایا جائے گا وہ لگاتار زمین میں دھنستا رہے گا وہ اس کی گہرائی تک قیامت تک پہنچے گا۔ (درمنثور: ج:5، ص:400 مطبوعہ کراچی)

قارون کا دھنستے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مدد مانگنا

قارون جب دھنسنے لگا تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی:

اے موسیٰ علیہ السلام! اپنے رب عزوجل سے دعا کیجئے کہ مجھ پر رحم کرے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو کوئی جواب نہ دیا حتیٰ کہ وہ زمین میں چلا گیا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جب قارون کو زمین میں دھنسایا گیا تو وہ زمین میں جا رہا تھا جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قریب ہی تھے۔ اس نے کہا: اے موسیٰ (علیہ السلام)! اپنے رب عزوجل سے دعا کیجئے کہ مجھ پر رحم کرے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے کوئی جواب نہ دیا حتیٰ کہ وہ زمین میں چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی قارون نے تجھ سے مدد طلب کی تو نے اس کی مدد نہ کی۔ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! اگر وہ یارب عزوجل کہتا تو میں اس پر رحم کرتا۔ (درمنثور، ج:5، ص: 401 مطبوعہ کراچی)

قارون اپنے جاہ و حشم کے ساتھ زمین میں دھنس گیا

قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دشمن کیوں ہو گیا تھا اس کی مفسرین اور مؤرخین نے چند وجوہات بتائی ہیں۔ ایک وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر زکوۃ دینا لازم کر دیا تھا اس لیے وہ آپ علیہ السلام کا دشمن ہو گیا تھا۔ ایک وجہ یہ ہے کہ وہ آپ علیہ السلام سے حسد کرتا تھا اور کہتا تھا کہ آپ علیہ السلام نبی ہیں اور ہارون علیہ السلام امام ہیں میرے لیے کوئی منصب نہیں۔ پھر قارون نے ایک فاحشہ عورت کو رشوت دے کر اس پر تیار کیا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں خطبہ دے رہے ہوں تو وہ آپ علیہ السلام سے کہے کہ تم وہی ہو ناں جس نے میرے ساتھ فحش کام کیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ سن کر کانپ اٹھے اسی وقت دو رکعت نماز پڑھی اور اس عورت سے کہا میں تم کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے سمندر میں تمہارے لیے خشک راستہ بنایا جس نے تمہیں اور تمہاری قوم کو فرعون کے مظالم سے نجات دی تم سچا واقعہ بیان کرو۔ یہ سن کر اس عورت کا رنگ اڑ گیا اور اس نے لوگوں کے سامنے قارون کے رشوت دینے کا واقعہ بیان کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر سجدہ میں گر گئے اور اللہ تعالیٰ سے قارون کی سزا طلب کی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میں نے زمین کو آپ کے تابع کر دیا ہے۔

آپ علیہ السلام نے زمین سے کہا:

تو قارون کو اور اس کے محل کو اور اس کے تمام مال و دولت کو نگل لے سو زمین نے اس کو نگلنا شروع کیا اور وہ زمین میں دھنسنے لگا اور بالآخر وہ اپنے جاہ و حشم کے ساتھ زمین میں دھنس گیا۔

(تفسیر ابن کثیر: ج:3، ص: 439 مطبوعہ دار الفکر بیروت) (تاریخ دمشق الکبیر: ج:64، ص:71 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بلعم کی قوم کا بلعم کے پاس جا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف بددعا کرنے کا کہنا

امام حسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس اور حضرت ابن اسحاق رضی اللہ عنہما ورحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب جبارین سے جنگ کرنے کا قصد کیا اور کنعان سے شام کی طرف روانہ ہوئے تو بلعم کی قوم بلعم کے پاس گئی بلعم کو اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم معلوم تھا۔

ان لوگوں نے بلعم سے کہا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت سخت آدمی ہیں اور اس کے ساتھ بہت بڑا لشکر ہے اور وہ ہم کو ہمارے شہروں سے نکالنے اور ہم سے جنگ کرنے کے لئے آیا ہے اور ہم کو قتل کر کے ہمارے شہروں میں بنی اسرائیل کو آباد کرے گا اور تم وہ شخص ہو جو مستجاب الدعوات ہے۔ تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ ان کو یہاں سے بھگا دے۔

الخ (معالم التنزیل: ج:2، ص:179 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

بلعم کا بددعا سے انکار کرنا اور قوم کے اصرار پر استخارہ کرنا اور منع کا جواب آنا

بلعم نے کہا:

تم پر افسوس ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں ان کے ساتھ فرشتے اور مومنین ہیں۔ میں ان کے خلاف کیسے بددعا کر سکتا ہوں اور مجھے اللہ تعالیٰ سے جو حکم ملا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر میں نے ان کے خلاف بددعا کی تو میری دنیا اور آخرت برباد ہو جائے گی۔ انہوں نے بار بار اصرار کیا تو اس نے کہا اچھا میں استخارہ کرتا ہوں اور اس کا معمول بھی یہی تھا کہ وہ استخارہ کرنے کے بعد دعا کرتا تھا اس کو نیند میں یہ بتایا گیا کہ ان کے خلاف بددعا نہ کرنا۔

اس نے اپنی قوم سے کہا: میں نے استخارہ کیا تھا اور مجھے ان کے خلاف بددعا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

الخ (معالم التنزیل: ج:2، ص:179 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

قوم کا بلعم کو ہدیے اور تحفے دینا اور اس کا قبول کر کے بددعا کے لئے پہاڑ کی جانب روانہ ہونا

پھر اس کی قوم نے اس کو ہدیے اور تحفے پیش کیے جن کو اس نے قبول کر لیا انہوں نے دوبارہ اس سے بددعا کرنے کے لئے کہا اس نے پھر استخارہ کیا اس دفعہ اس سے کچھ نہیں کہا گیا۔

اس کی قوم نے کہا:

اگر اللہ تعالیٰ کو یہ بددعا کرنا پسند نہ ہوتا تو وہ تم کو پہلی بار کی طرح صراحتاً منع فرما دیتا وہ اس سے مسلسل اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ وہ ان کے کہنے میں آ گیا وہ ایک گدھی پر سوار ہو کر ایک پہاڑ کی طرف (بددعا کرنے کے لئے) روانہ ہوا۔

الخ (معالم التنزیل: ج:2، ص:179 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

گدھی کا بلعم کو کئی بار گرانا اور اس کا پھر سوار ہو جانا

گدھی نے اس کو کئی بار گرایا وہ پھر سوار ہو جاتا تھا۔ (معالم التنزیل: ج:2،ص:179 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

گدھی کا بلعم سے کلام کرنا کہ مجھے فرشتے جانے سے روک رہے ہیں

بالآخر اللہ تعالیٰ کے حکم سے گدھی نے اس سے کلام کیا اور کہا افسوس ہے بلعم تو کہاں جا رہا ہے کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ فرشتے مجھے جانے سے روک رہے ہیں کیا تم اللہ تعالیٰ کے نبی اور فرشتوں کے خلاف بد دعا کرنے جا رہے ہو۔

(معالم التنزیل: ج:1،ص:179 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

بلعم کا پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر بد دعا کرنا اور بد دعا اپنی قوم کے متعلق جاری ہو جانا

بلعم باز نہیں آیا وہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر بد دعا کرنے لگا وہ بنی اسرائیل کے خلاف بد دعا کرنا چاہتا تھا لیکن اس کی زبان پر اس کی قوم کے خلاف بد دعا کے الفاظ آ جاتے تھے۔

اس کی قوم نے کہا:

اے بلعم! یہ کیا کر رہے ہو؟ تم تو ہمارے خلاف بد دعا کر رہے ہو؟

اس نے کہا:

یہ میرے اختیار میں نہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت مجھ پر غالب ہوگئی۔ (معالم التنزیل: ج:2،ص:179 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

بلعم کی زبان نکل کر سینہ کے اوپر لٹکنا

پھر اس زبان نکل کر اس کے سینہ کے اوپر لٹک گئی۔ (معالم التنزیل: ج:2،ص:179 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

بلعم کا قوم کو اپنی حسین و جمیل عورتیں بنا سنوار کر بنی اسرائیل میں بغرض زنا کے لئے بھیجنے کا مشورہ دینا

اس نے کہا:

میری تو دنیا و آخرت برباد ہوگئی اب میں تمہیں ان کے خلاف ایک تدبیر بتاتا ہوں تم حسین و جمیل عورتوں کو بنا سنوار کر ان کے لشکر میں بھیج دو اگر ان میں سے ایک شخص نے بھی ان کے ساتھ بدکاری کر لی تو تمہارا کام بن جائے گا کیونکہ جو قوم زنا کرے اللہ تعالیٰ اس پر سخت ناراض ہوتا ہے اور اس کو کامیاب ہونے نہیں دیتا۔ (معالم التنزیل: ج:2،ص:179 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

بنی اسرائیل کے زمری بن شلوم کا کستی نامی عورت سے بدکاری کرنا اور طاعون کا مسلط کر دیا جانا

بنو اسرائیل کے ایک شخص جس کا نام زمری بن شلوم تھا اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے منع کرنے کے باوجود کستی نامی ایک کنعانی عورت کے ساتھ بدکاری کی جس کی پاداش میں اسی وقت بنی اسرائیل پر طاعون مسلط کر دیا گیا۔

(معالم التنزیل: ج:2،ص:179 تا 180 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشیر کا زمری اور کستی کو قتل کرنا اور طاعون کا عذاب اٹھالیا جانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مشیر فنحاص بن العیز ار نامی ایک اسرائیلی شخص تھا وہ اس وقت وہاں موجود نہ تھا جب وہ آیا اور اس کو زمری بن شلوم کی سرکشی کا پتہ چلا تو اس نے خیمہ میں گھس کر زمری اور اس عورت دونوں کو قتل کر دیا۔ تب طاعون کا عذاب ان سے اٹھالیا گیا۔ (معالم التنزیل: ج:2، ص179 تا 180 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ستر ہزار اسرائیلی طاعون کے عذاب سے ہلاک ہونا

لیکن اسی اثناء میں ستر ہزار اسرائیلی طاعون کے عذاب سے ہلاک ہو چکے تھے۔

(معالم التنزیل: ج:2، ص179 تا 180 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے بلعم کا اسم اعظم اور ایمان سلب کر لیا جانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے بلعم کا اسم اعظم اور ایمان سلب کر لیا گیا۔

امام حسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

مقاتل نے کہا:

بلقاء کے بادشاہ نے بلعم سے کہا! تم (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کے خلاف بد دعا کرو۔

اس نے کہا:

وہ میرے ہم مذہب ہیں میں ان کے خلاف بد دعا نہیں کروں گا۔ بادشاہ نے اس کو سولی دینے کے لئے صلیب تیار کی وہ ڈر گیا اور گدھی پر سوار ہو کر بد دعا کرنے کے لئے گیا گدھی راستہ میں رک گئی اور چلتی نہ تھی وہ گدھی کو مارنے لگا۔

گدھی نے کہا:

مجھے کیوں مارتے ہو؟ مجھے یہی حکم دیا گیا ہے۔ پھر وہ لوٹ آیا (یعنی بد دعا بنی اسرائیل کے خلاف کر کے)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

اے میرے رب عزوجل! ہم کس وجہ سے میدان تیہ میں بھٹک رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

بلعم کی دعا کی وجہ سے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! جس طرح تو نے میرے خلاف اس کی دعا سن لی ہے اسی طرح اس کے خلاف میری دعا بھی قبول فرما۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ اس سے اسم اعظم چھین لیا جائے اور اس سے ایمان سلب کر لیا جائے سو ایسا ہی ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَانْسَلَخَ مِنْهَا۔ یعنی اس سے ایمان اور اسم اعظم چھین لیا گیا۔

(معالم التنزیل: ج:2،ص179 تا180 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

بلعم مستجاب الدعوات تھا

بلعم مستجاب الدعوات تھا مگر اس نے اللہ تعالیٰ کے نبی کے خلاف بددعا کی تو ہلاک کر دیا گیا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

ابو المعمر سے روایت ہے کہ

ان سے اس آیت کریمہ کے بارے میں پوچھا گیا "وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا" تو انہوں نے سیار کے حوالے سے یہ بیان کیا کہ ایک آدمی تھا جسے بلعم کہا جاتا تھا اسے نبوت عطا کی گئی تھی (عبد المصطفیٰ کہتا ہے کہ یہ نبی نہیں تھا کیونکہ نبی زمانہ اول اور آخر گناہوں سے پاک ہوتا ہے اور راہ راست پر رہتا ہے ہاں اسم اعظم اس کے پاس تھا) اور وہ مستجاب الدعوات تھا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں تشریف لائے تو آپ نے اس سرزمین کا ارادہ فرمایا جہاں بلعم سکونت پذیر تھا تو یہ خبر سن کر لوگ سخت خوفزدہ اور مرعوب ہو گئے چنانچہ وہ بلعم کے پاس آئے اور کہا اس آدمی کے خلاف آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے۔

اس نے کہا:

میں اپنے رب سے مشورہ کر لوں؟ چنانچہ اس نے ان کے خلاف دعا مانگنے کی اجازت طلب کی تو اسے کہا گیا تو ان کے خلاف دعا نہ کرنا کیونکہ ان میں میرے بندے ہیں اور ان میں ان کا نبی بھی ہے۔

تو اس نے اپنی قوم سے کہا: میں نے ان کے خلاف دعا مانگنے کی اجازت طلب کی ہے، لیکن مجھے منع کر دیا گیا ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ

قوم نے اس کو ہدیہ اور تحائف پیش کیے اس نے انہیں قبول کر لیا پھر وہ اس سے واپس لوٹے اور پھر کہا اللہ تعالیٰ سے ا کے خلاف دعا مانگنا۔

تو اس نے کہا:

میں مشورہ کروں گا پھر اس نے اجازت طلب کی تو اسے کوئی جواب نہ دیا گیا۔

تو اس نے کہا:

میں نے مشاورت طلب کی ہے، لیکن مجھے کوئی جواب نہیں دیا گیا۔

قوم نے کہا:

اگر تمہارا رب عزوجل ان کے خلاف تمہاری دعا کو ناپسند کرتا تو بالیقین تمہیں منع فرما دیتا جیسا کہ اس نے پہلی بار منع کر دیا

تھا چنانچہ وہ ان کے خلاف دعا کرنے لگا تو جب وہ دعا میں شروع ہوا تو اس کی زبان پر اپنی قوم کے خلاف دعا جاری ہو گئی اور جب اسے رسول بنایا جائے تو اسے اپنی قوم پر فتح عطا فرمائے تو اس مقام پر اس کی زبان پر یہ جاری ہوا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اس کے لشکر کو فتح عطا فرمائے۔

تو قوم نے کہا: ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم ہمارے خلاف دعا کر رہے ہو۔

اس نے جواب دیا۔

میری زبان پر یہی جاری ہوتا ہے اگر میں ان کے خلاف دعا کروں تو اسے قبول نہ کیا جائے۔ لیکن میں تمہیں اس امر پر آگاہ کر رہا ہوں کہ عنقریب ان کی ہلاکت اس جگہ میں ہوگی بلا شبہ اللہ تعالیٰ زنا کو مبغوض اور ناپسند کرتا ہے اگر وہ زنا میں واقع ہو جائیں گے تو ہلاک ہو جائیں گے۔ انہیں عورتوں سے دور نکال لایا گیا اور وہ تو مسافر لوگ ہیں عنقریب وہ زنا کے مرتکب ہوں گے اور وہ ہلاک ہو جائیں گے پھر ایسا ہی ہوا کہ انہیں عورتوں سے دور نکال دیا گیا وہ ان کے پاس آتیں تو وہ زنا کا ارتکاب کرتے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر طاعون مسلط کر دیا جس کے سبب ستر ہزار افراد موت کی نذر ہو گئے۔

(تفسیر طبری: ج:9، ص:148 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بلعم علمائے بنی اسرائیل میں سے تھا

بلعم علمائے بنی اسرائیل میں سے تھا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بلعم بن باعوراء کو شاہ مدین کی طرف بھیجا تا کہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے۔ بلعم مستجاب الدعوات تھا اور علمائے بنی اسرائیل میں سے تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام شدائد اور تکالیف میں اسے آگے کرتے تھے تو شاہ مدین نے اسے لاجواب کر کے خاموش کر دیا اور اسے عطیہ دے کر خوش کر دیا چنانچہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دین چھوڑ دیا اور اس کا دین اختیار کر لیا تو اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا (درمنثور: ج:3، ص:466 مطبوعہ کراچی)

بلعم یا بلعام ابن باعورا کا انجام

بلعم یا بلعام ابن باعورا کا انجام یہ ہوا کہ اس کو اسم اعظم شریف بھول گیا۔ معرفت اور ایمان اس کے سینہ سے نکل گئے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل کا ایک بڑا عالم صوفی پیر تھا جس کا نام بلعم یا بلعام ابن باعورا تھا یہ تھا تو اسرائیلی مگر جبارین کی بستی میں رہتا تھا جو ملک شام میں واقع تھی اس کی بیوی اسی قوم جبارین سے تھی۔ بلعم اس وقت کا بڑا ولی، عالم، صوفی تھا۔ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم جانتا تھا مقبول الدعا تھا اپنے گھر میں بیٹھ کر عرش اعظم کو دیکھا کرتا تھا لوگوں کو علم سکھاتا تھا

اور اس کے درس میں بارہ ہزار طلباء ہوتے تھے جو اس کا بتایا ہوا سبق لکھ لیتے تھے اس کی ہر بات لکھی جاتی تھی۔ غرضیکہ وہ انتہائی عروج کو پہنچا ہوا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر اس علاقہ پر حملہ کرنے اسے فتح فرمانے کے لئے جب کنعانی علاقہ میں داخل ہوئے جو شام کے علاقہ میں واقع تھا تو قوم جبارین جمع ہو کر اس کے پاس آئی اور کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تیز مزاج ہیں اور ان کے ساتھ لشکر جرار ہے اگر وہ ہمارے علاقہ پر قابض ہو گئے تو تمہاری خیر نہیں تو ان کے لئے بددعا کر کہ وہ یہاں داخل نہ ہونے پائیں۔ بلعم بولا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں ان پر کسی کی بددعا کا اثر نہیں ہو سکتا بلکہ میری دنیا و دین برباد ہو جائیں گے یہ لوگ بلعم کی بیوی کے پاس گئے اسے بہت تحفے تحائف دیئے اور اس کے ذریعے بلعم کو تحفے پہنچائے پھر بلعم کی بیوی نے اس پر زور دیا کہ تو یہ کام کر۔ اس نے پہلے استخارہ کیا جس میں اسے اس حرکت سے روکا گیا مگر اس کی زوجہ اور قوم نے پھر دوبارہ استخارہ کرنے کو کہا اس نے کہا: اس بار خاموشی رہی کوئی جواب نہ آیا۔ یہ لوگ بولے کہ اب کی بار تجھے منع نہیں کیا گیا معلوم ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ نے تجھے اس کی اجازت دے دی آخر کار بلعم ایک گدھی پر سوار ہو کر ایک پہاڑی میں گیا قوم ساتھ تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے لیے بددعا اور اس قوم کے لئے دعائیں کرنے لگا۔ مگر قدرت خداوندی سے ہوا یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بجائے اس کے منہ سے اپنی قوم کا نام نکلتا تھا اور اپنی اس قوم کی بجائے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا نام زبان پر آتا تھا۔ قوم بولی تو یہ کیا کر رہا ہے۔ وہ بولا میں مجبور ہوں میری زبان قابو میں نہیں اس وقت اس کی زبان باہر نکل پڑی سینہ پر لٹک کر آ رہی اور وہ کتے کی طرح ہانپنے لگا پھر وہ لوگوں سے بولا کہ میری دین و دنیا دونوں تباہ ہو گئے اب تم ایک تدبیر کرو جس سے بنی اسرائیل تباہ ہو جاویں وہ یہ کہ اپنی خوبصورت لڑکیاں سجا بنا کر لشکر موسوی میں چھوڑ دو اور انہیں ہدایت کر دو کہ جو اسرائیلی تم کو ہاتھ لگائے تو اسے منع نہ کرو جب ان میں زنا پھیل جائے گا تو وہ ہلاک ہو جائیں گے کہ زنا سے آفتیں آتی ہیں۔

ابر نہ ید از پئے منع زکوت　　　　وازز نا افتد بلا اندر جہات

ان لوگوں نے یوں ہی کیا چنانچہ ایک لڑکی کستی بنت صور کو ایک اسرائیلی زمری ابن شلوم (جو شمعون ابن یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا سردار تھا) نے پکڑا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے منع فرمایا اس نے چھپ کر اس سے زنا کیا اس پر اسرائیلوں میں طاعون پھیل گیا ستر ہزار اسرائیلی فوت ہو گئے۔ ادھر ایک بہت قوی اسرائیلی فخاص ابن عیزار ابن ہارون کو جب یہ پتہ چلا تو اس نے ان دونوں زانی زانیہ کو عین موقعہ پر اپنے نیزہ میں چھید کر اٹھا لیا اور بہت ذلت سے انہیں ہلاک کر دیا تب وہ طاعون ختم ہوا ادھر بلعم کا یہ حال ہوا کہ یہ اسم اعظم شریف بھول گیا معرفت ایمان اس کے سینہ سے نکل گئے اس نے دیکھا کہ میرے سینہ سے ایک سفید کبوتر کی مثل پرندہ نکل کر اڑ گیا جسے لوگوں نے دیکھا سب سمجھ گئے کہ اس کا ایمان گیا۔

(تفسیر نعیمی، ج:9، ص 334 تا 335 مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ لاہور)

بلعم بن باعوراء اہل یمن سے تھا

بلعم بن باعوراء اہل یمن سے تھا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

وہ آدمی جسے بلعم کہا جاتا ہے وہ اہل یمن میں سے تھا اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی آیات عطا فرمائیں تو اس نے انہیں چھوڑ دیا۔

(تفسیر طبری: ج:9، ص:144 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

پتھر کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بنی اسرائیل برہنہ نہایا کرتے تھے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تنہائی میں غسل فرمایا کرتے تھے بنی اسرائیل آپس میں کہنے لگے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو ہمارے ساتھ مل کر غسل نہیں کرتے اس کی ضرور یہی وجہ ہے کہ ان کے خصیے غیر معمولی بڑے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام غسل کرنے گئے اور اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے وہ پتھر آپ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے یہ کہتے ہوئے دوڑے اے پتھر! میرے کپڑے دو حتیٰ کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ لیا اور انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! حضرت موسیٰ علیہ السلام میں تو کوئی جسمانی عیب نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پتھر سے اپنے کپڑے لے لیے اور اس پتھر پر لاٹھی سے ضرب لگائی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر کہا اس پتھر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ضرب سے متعدد نشانات پڑ گئے تھے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 278)

قوم کا برا گمان

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا: ان کے خصیتین خراب ہیں ایک روز آپ علیہ السلام غسل کرنے کے لئے نکلے۔ آپ علیہ السلام نے اپنے کپڑے پتھر پر رکھے پتھر آپ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ننگے ہی اس کے پیچھے دوڑنے لگے حتیٰ کہ وہ کپڑوں کے ساتھ بنی اسرائیل کی مجلس تک جا پہنچا بنی اسرائیل نے آپ علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ علیہ السلام کو خصیتین کا کوئی مرض نہیں ہے۔

(تفسیر طبری: ج:22، ص:61 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب پانی میں داخل ہونے کا ارادہ فرماتے تو کپڑے نہ اتارتے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام جب پانی میں داخل ہونے کا ارادہ فرماتے تو کپڑے نہ اتارتے حتیٰ کہ پانی میں بھی آپ علیہ السلام کی شرم گاہ پوشیدہ رہتی۔ (مسند احمد: ج:3،ص:262 مطبوعہ دار صادر بیروت)

قوم کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اذیت پہنچانا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام پہاڑ پر چڑھے حضرت ہارون علیہ السلام کا وصال ہو گیا بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تو نے اس کو قتل کر دیا ہے بنسبت آپ علیہ السلام وہ ہم سے زیادہ محبت کرتے تھے اور وہ زیادہ نرم تھے اس وجہ سے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا فرشتوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کی میت کو اٹھایا اور بنی اسرائیل کی مجالس کے پاس سے گزرے۔ فرشتوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کی موت کے بارے میں گفتگو کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس طریقہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس الزام سے بری کر دیا۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی میت کو لے گئے اور انہیں دفن کر دیا ان کی قبر کا سوائے گدھوں کے کسی کو علم نہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں بہرہ گونگا کر دیا۔

(تفسیر طبری: ج:22،ص:61 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قوم کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر الزام لگانا اور آپ علیہ السلام کا بری الذمہ ہونا

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے ابو مالک سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور مرہ سے اور وہ حضرت ابن مسعود اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ میں (حضرت) ہارون (علیہ السلام) کی روح کو قبض کرنے والا ہوں اسے فلاں پہاڑ پر لے آؤ۔ دونوں اس پہاڑ کی طرف گئے وہ اچانک ایک درخت اور ایک کمرے کے پاس پہنچے جس میں ایک چارپائی تھی اور عمدہ خوشبو تھی جب حضرت ہارون علیہ السلام نے اس پہاڑ، اس مکان اور اس میں جو چیزیں تھیں انہیں دیکھا تو بڑا اچھا لگا۔ کہنے لگے اے موسیٰ (علیہ السلام)! میں پسند کرتا ہوں کہ اس چارپائی پر سو جاؤں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

سو جاؤ۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا:

تم بھی میرے ساتھ سو جاؤ جب دونوں سو گئے تو حضرت ہارون علیہ السلام کو موت آ گئی۔ جب حضرت ہارون علیہ السلام کی روح قبض کر لی گئی تو وہ گھر، درخت اور چارپائی آسمان کی طرف اٹھالی گئی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف آئے تو انہوں نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے اور بنی اسرائیل ان سے جو محبت

کرتے تھے اس وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے حسد کرتے تھے۔ حضرت ہارون علیہ السلام بنی اسرائیل کا زیادہ دفاع کرتے اور ان کے لئے نرم تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان پر کچھ سختی کرتے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ خبر پہنچی تو فرمایا تم پر افسوس وہ میرا بھائی تھا۔ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ میں اسے قتل کردوں گا۔ جب انہوں نے زیادہ باتیں کیں تو آپ علیہ السلام دو رکعات نماز پڑھنے کے لئے اٹھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی۔ فرشتے چارپائی لے کر اترے حتیٰ کہ بنی اسرائیل نے چارپائی کو آسمان اور زمین کے درمیان دیکھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی۔

(مستدرک: ج:2،ص:633 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نزدیک تھے

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْاؕ وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًاؕ

(الاحزاب:69)

اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ کو اذیت پہنچائی تھی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو ان کی تہمت سے بری کر دیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز تھے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان مباحثہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام میں مباحثہ ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

اے آدم (علیہ السلام)! آپ علیہ السلام ہمارے باپ ہیں آپ علیہ السلام نے ہمیں نامراد کیا اور جنت سے نکال دیا۔

ان سے حضرت آدم علیہ السلام نے کہا:

اے موسیٰ علیہ السلام! تم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے ساتھ سرفراز فرمایا اور اپنے دست قدرت سے تمہارے لیے تورات لکھی کیا تم مجھے اس کام پر ملامت کر رہے ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کرنے سے چالیس سال پہلے میرے متعلق مقدر کر دیا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

پھر حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غلبہ پا گئے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث:6614)

مباحثہ کیسے ہوا؟

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو موت کی دشواری لاحق ہوئی تو انہوں نے کہا: یہ حضرت آدم علیہ السلام کی وجہ سے ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک ایسے خاص گھر میں رکھا ہوا تھا جہاں ہم پر موت طاری نہ ہوتی۔ پس حضرت آدم علیہ السلام نے خطا کی تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہاں اتار دیا سو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا: اگر آدم علیہ السلام کو تمہاری طرف بھیج دیا جائے تو کیا تم ان سے مباحثہ کرو گے۔ آپ علیہ السلام نے عرض کیا ہاں۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بھیجا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے سوال کیا اور کہا: اگر تم لغزش نہ کرتے تو ہم یہاں نہ ہوتے تو جواب میں حضرت آدم علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کو فرمایا تحقیق اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو ہر شے کی تفصیل اور نصائح عطا فرمائے ہیں کیا تم یہ نہیں جانتے کہ "مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا"

"نہیں آئی کوئی مصیبت زمین پر اور تمہاری جانوں پر مگر وہ لکھی ہوئی ہے کتاب میں اس سے پہلے کہ ہم ان کو پیدا کریں۔"

تو حضرت موسیٰ نے کہا: کیوں نہیں۔ (ایسے ہی ہے) تو اس طرح حضرت آدم علیہ السلام مباحثہ میں ان پر غالب آگئے۔

(تفسیر طبری: ج:9، ص:71 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کے نیک لوگ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے ایک گروہ تھا جو لوگوں کو ہدایت کی تلقین کرتا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ۝ (الاعراف:159)

اور موسیٰ کی قوم سے ایک گروہ ہے وہ لوگ حق کے ساتھ ہدایت دیتے ہیں اور اسی کے ساتھ عدل کرتے ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

☆ حضرت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے مِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ الآیۃ کے بارے میں فرمایا۔

مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ بنی اسرائیل نے جب اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کیا اور کفر اختیار کیا تو اس وقت ان کے بارہ قبیلے تھے ان میں سے ایک قبیلے نے دوسروں کے ساتھ کارروائی میں شریک ہونے سے برأت اختیار کی اور معذرت کی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ التجاء کی کہ وہ انہیں دوسرے قبائل سے جدا کر دے سو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے زمین میں ایک سرنگ کھودی وہ اس میں چلتے رہے حتیٰ کہ چین کے پرے جا کر نکلے پس وہی لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر کاربند تھے اور ہمارے

قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر عبادت کیا کرتے تھے۔ (درمنثور: ج:3،ص:434 مطبوعہ کراچی)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو راضی فرمادیا

امام عبدالرحمٰن بن محمد الرازی بن ابی حاتم متوفی 327ھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے ایک امت ایسی پائی جو اپنے اموال کا صدقہ دے گی پھر اس کی طرف وہ مال لوٹ آئے گا اور وہ اس کو کھالے گی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یہ امت تمہارے بعد ہوگی اور یہ امت احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میں نے ایک ایسی امت پائی جو پانچ نمازیں پڑھے گی اور وہ نمازیں ان کے درمیان کے گناہوں کے لئے کفارہ ہو جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یہ امت تمہارے بعد ہوگی اور یہ امت احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! مجھے امت احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں سے کردے۔

تب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو راضی کرنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی: "اور موسیٰ کی قوم سے ایک گروہ ہے وہ لوگ حق کے ساتھ ہدایت دیتے ہیں اور اس کے ساتھ عدل کرتے ہیں۔"

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ج:5،ص:1587 مطبوعہ مکۃ المکرمہ)

اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کی طرف جانے کا فرمانا

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ نوف البکالی کا یہ زعم ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ جس موسیٰ کا قصہ ہے یہ بنی اسرائیل سے نہیں تھے یہ اور موسیٰ تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن جھوٹ بولتا ہے۔ ہمیں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث مبارکہ بیان فرمائی ہے کہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں خطبہ دے رہے تھے تو ان سے سوال کیا گیا لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

میں سب سے بڑا عالم ہوں۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب فرمایا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف علم کو نہیں لوٹایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ میرے بندوں میں سے ایک بندہ مجمع البحرین میں ہے وہ تم سے زیادہ عالم ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میری ان سے کیسے ملاقات ہوگی؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ایک ٹوکری میں مچھلی رکھ لو پس جب وہ مچھلی گم ہوگی وہیں وہ بندہ ہوگا۔ الخ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 122)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کے لئے سمندر کنارے سفر کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کے لئے اپنے نوجوان ساتھی کے ساتھ چلے تو فرمایا میں مسلسل چلتا رہوں گا حتیٰ کہ دو سمندروں کے سنگم میں پہنچ جاؤں یا سالہا سال چلتا رہوں گا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰهُ لَاۤ اَبْرَحُ حَتّٰۤى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا ○ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَیْنِهِمَا نَسِیَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِیْلَهٗ فِی الْبَحْرِ سَرَبًا ○ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا٘ لَقَدْ لَقِیْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ○ قَالَ اَرَءَیْتَ اِذْ اَوَیْنَاۤ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّیْ نَسِیْتُ الْحُوْتَ٘ وَمَاۤ اَنْسٰىنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ٘ وَاتَّخَذَ سَبِیْلَهٗ فِی الْبَحْرِ٘ عَجَبًا ○ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰۤى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ○ (الکہف: 60 تا 64)

اور جب موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا میں مسلسل چلتا رہوں گا حتیٰ کہ دو سمندروں کے سنگم پر پہنچ جاؤں یا سالہا سال چلتا رہوں گا۔ پس جب وہ دونوں دو سمندروں کے سنگم پر پہنچ گئے تو وہ دونوں اپنی مچھلی بھول گئے سو مچھلی نے سمندر میں سرنگ بناتے ہوئے اپنا راستہ بنا لیا پھر جب وہ دونوں اس جگہ سے آگے بڑھے تو موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا ہمارا ناشتہ لاؤ ہمیں اس سفر سے تھکاوٹ پہنچی ہے اس نے کہا بھلا دیکھئے جب ہم اس چٹان کے پاس آکر ٹھہرے تھے تو بے شک میں مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا تھا اور اس مچھلی کا ذکر کرنا مجھے شیطان نے ہی بھلا دیا تھا اور اس مچھلی نے سمندر میں عجیب طریقہ سے راستہ بنا لیا تھا۔ موسیٰ نے کہا یہی تو وہ چیز ہے جس کو ہم ڈھونڈ رہے تھے تو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانوں کی پیروی کرتے ہوئے پیچھے لوٹے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سفر پر دوسرے ہم سفر حضرت یوشع بن نون علیہ السلام تھے

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کے لئے سفر پر روانہ ہوئے تو آپ علیہ السلام کے ساتھ دوسرے ہمسفر حضرت یوشع بن نون علیہ السلام تھے۔

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں: حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے متعلق یہ فرماتے ہیں۔

لَآ اَبْرَحُ میں ہمیشہ رہوں گا مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ۔ حُقُبًا ستر سال، بَیْنِہِمَا یعنی دو دریاؤں کے درمیان، نَسِیَا حُوْتَہُمَا یعنی ان سے مچھلی نکل گئی اور گم ہوگئی نمکین مچھلی تھی جو انہوں نے اپنے ساتھ اٹھائی ہوئی تھی وہ ٹوکرے سے اچھل کر پانی میں جا پڑی۔ شیطان نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نوجوان ساتھی سے اس کا ذکر بھلا دیا وہ نوجوان حضرت یوشع بن نون علیہ السلام تھے۔ (تاریخ مدینہ: ج:16، ص:413 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مچھلی کا ٹوکری سے نکلنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور یوشع بن نون علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں جانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کا شاگرد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام دونوں چل پڑے اور انہوں نے ایک ٹوکری میں مچھلی رکھ لی تھی حتیٰ کہ ان دونوں نے ایک چٹان پر سر رکھا اور وہ دونوں سو گئے وہ مچھلی ٹوکری سے نکلی اور سمندر میں سرنگ کی طرح راستہ بناتی ہوئی چلی گئی اور یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے شاگرد کے لئے بہت عجیب و غریب ثابت ہوئی تھی وہ دونوں بقیہ رات اور دن چلتے رہے جب صبح ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے شاگرد سے کہا:

ہمارا ناشتہ لاؤ ہمیں اس سفر سے تھکاوٹ پہنچی ہے۔

اس نے کہا:

بھلا دیکھئے جب ہم اس چٹان کے پاس آکر ٹھہرے تھے تو بے شک میں مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا تھا اور اس مچھلی کا ذکر کرنا مجھے شیطان نے ہی بھلا دیا تھا اور اس مچھلی نے سمندر میں عجیب طریقہ سے راستہ بنالیا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

یہی تو وہ چیز ہے جس کو ہم ڈھونڈ رہے تھے تو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانات کی پیروی کرتے ہوئے پیچھے لوٹے جب وہ دونوں اس چٹان پر پہنچے تو دیکھا وہاں ایک شخص کپڑا اوڑھے ہوئے موجود ہے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 122)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع علیہ السلام چٹان پر پہنچے اور حضرت خضر علیہ السلام کو کپڑا اوڑھے ہوئے دیکھا تو یہ مقدس نفوس حضرت خضر علیہ السلام کے پاس پہنچے اور آپ علیہ السلام سے ملاقات کی۔

قرآن مجید میں ہے:

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ (الکھف:65)

پس ان دونوں نے ہمارے میں سے ایک بندے کو وہاں پایا جس کو ہم نے اپنے پاس سے رحمت عطا کی تھی اور ہم نے اپنے پاس سے اس کو علم (لدنی) عطا کیا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حضرت خضر علیہ السلام سے کون سے دو سمندروں کے ملنے کی جگہ ملاقات ہوئی

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی جن دو سمندروں کے ملنے کی جگہ ملاقات ہوئی وہ بحر فارس اور بحر روم ہیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہما سے روایت ہے کہ

یہ دو سمندر ہیں بحر فارس اور بحر روم، بحر روم مغرب کے قریب ہے اور بحر فارس مشرق کے قریب ہے (یہاں ملاقات ہوئی) (جامع البیان: رقم الحدیث: 17461 تا 17462)

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

مجمع البحرین، بحر فارس اور بحر روم کے ملنے کی جگہ ہے اور بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے ملنے کی جگہ ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بحر شریعت تھے اور حضرت خضر علیہ السلام بحر طریقت تھے اور مجمع البحرین ان دونوں کے ملنے کی جگہ تھی۔ (تفسیر کبیر: ج:7، ص:479 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام سے علم سیکھنے کا کہنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا میں آپ علیہ السلام کی اس شرط پر پیروی کروں کہ آپ علیہ السلام کو جو رشد و ہدایت کا علم دیا گیا ہے آپ علیہ السلام اس میں سے مجھے بھی تعلیم دیں۔

قرآن مجید میں ہے: قَالَ لَهٗ مُوْسٰی هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝ (الکھف:66)

موسیٰ نے کہا! آیا میں آپ کی اس شرط پر پیروی کروں کہ آپ کو جو رشد و ہدایت کا علم دیا گیا ہے آپ اس میں سے مجھے بھی (کچھ) تعلیم دیں۔

مجھے اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا علم سکھا دیجئے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا مجھے اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا علم سکھا دیجئے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ لکھتے ہیں:

(کچھ روایت کے بعد ہے) ان دونوں نے وہاں حضرت خضر علیہ السلام کو سمندر کے وسط میں ایک سرسبز جزیرہ پر بیٹھے

ہوئے دیکھا۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

وہ ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے اس کا ایک پلوان کے سر کے اوپر تھا اور ایک پلوان کے پیروں کے نیچے تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو سلام کیا انہوں نے چادر سے اپنا چہرہ اقدس نکال کر کہا۔ ہماری سرزمین میں سلامتی کہاں ہے؟ پھر اپنا سر بلند کر کے سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور کہا: اے بنی اسرائیل کے نبی وعلیک السلام۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کے پاس اس لیے بھیجا ہے کہ میں اس شرط پر آپ علیہ السلام کی اتباع کروں کہ آپ علیہ السلام مجھے اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا علم سکھا دیں پھر وہ دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 4726)

حضرت خضر علیہ السلام کا فرمانا کہ آپ علیہ السلام میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکیں گے

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ علیہ السلام کے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ میں اس شرط پر آپ علیہ السلام کی اتباع کروں کہ آپ علیہ السلام مجھے اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا علم سکھا دیں تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا آپ علیہ السلام میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکیں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ○ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ○ (الکہف: 67 تا 68)

اس بندے نے کہا آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکیں گے۔ اور آپ اس چیز پر کیسے صبر کر سکتے ہیں جس کا آپ کے علم نے احاطہ نہیں کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا صبر کرنے اور اطاعت کرنے کا جواب دینا

جب حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا آپ علیہ السلام میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکیں گے تو آپ علیہ السلام نے کہا آپ علیہ السلام انشاء اللہ عنقریب مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ علیہ السلام کے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ○ (الکہف: 69)

موسیٰ نے کہا آپ انشاء اللہ عنقریب مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

حضرت خضر علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سوال کرنے سے منع کرنا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا آپ علیہ السلام انشاء اللہ عنقریب مجھے صبر کرنے والا

پائیں گے اور میں آپ علیہ السلام کے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا اگر تم میری پیروی کر رہے ہو تو مجھ سے کسی چیز کے متعلق اس وقت تک سوال نہ کرنا جب تک کہ میں خود اس کا تم سے ذکر نہ کروں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰۤى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا۠ (الکہف:70)

اس بندے نے کہا! پس اگر تم میری پیروی کر رہے ہو تو مجھ سے کسی چیز کے متعلق اس وقت تک سوال نہ کرنا جب تک کہ میں خود اس کا تم سے ذکر نہ کروں۔

پرندہ کا سمندر میں چونچ مارنا اور حضرت خضر علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس پرندے کے چونچ مارنے کی وجہ بتانا

حضرت ابی سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے ملے تو ایک پرندہ آیا اس نے اپنی چونچ پانی میں ڈالی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کیا آپ علیہ السلام کو معلوم ہے یہ پرندہ کیا کہہ رہا ہے پوچھا کیا کہہ رہا ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:

یہ کہہ رہا ہے کہ آپ علیہ السلام کا علم اور موسیٰ علیہ السلام کا علم اللہ تعالیٰ کے علم میں نہیں ہے مگر اس طرح جیسے میری چونچ نے اس پانی سے لیا ہے۔ (مستدرک: ج:2،ص:400 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت خضر علیہ السلام کو علم غیب عطا فرمایا جانا

حضرت خضر علیہ السلام کے علم غیب کے متعلق علماء کرام کے اقوال بیان کیے جاتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کو کس قسم کا علم عطا فرمایا گیا تھا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری کا قول

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت خضر علیہ السلام ایسے شخص تھے جو علم الغیب جانتے تھے۔ (جامع البیان: ج:15،ص:347 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابن عطیہ اندلسی کا قول

علامہ ابن عطیہ اندلسی متوفی 546ھ لکھتے ہیں:

حضرت خضر علیہ السلام کو باطن کا علم دیا گیا تھا۔ (المحرر الوجیز: ج:3،ص:158 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی کا قول

شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی 1250ھ لکھتے ہیں:

اللہ سبحانہ نے ان کو اس علم سے تعلیم دی جو اس کے ساتھ خاص ہے۔ (فتح القدیر: ج:3،ص:412 تا 413 مطبوعہ دار الوفا بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی کا قول

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

وہ علم الغیوب اور اسرار العلوم الخفیہ ہیں۔ (روح المعانی: جز:15،ص:475 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نواب صدیق حسن خان کا قول

نواب صدیق حسن خان متوفی 1307ھ لکھتے ہیں:

ہم نے ان کو اس غیب سے تعلیم دی جو ہمارے ساتھ مختص ہے۔ الایۃ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو احکام شرعیہ اور ظاہر قضا کا علم دیا گیا تھا اور حضرت خضر علیہ السلام کو بعض غیب کا علم دیا گیا تھا اور بواطن کی معرفت کا۔ (فتح البیان: جز:8،ص:81 مطبوعہ مکتبہ العصریہ)

علامہ قرطبی مالکی اندلسی کا قول

علامہ قرطبی مالکی اندلسی متوفی 668ھ و کان رجلا یعلم علم الغیب کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

ہم نے ان کو علم غیب کی تعلیم دی تھی (یعنی حضرت خضر علیہ السلام کو)

(الجامع الاحکام القرآن: جز:10،ص:391 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام علی بن احمد نیشاپوری کا قول

امام علی بن احمد نیشاپوری متوفی 450ھ و کان رجلا یعلم علم الغیب کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

ہم نے اس (حضرت خضر علیہ السلام) کو علم غیب سے علم عطا فرمایا۔ (الوسیط: ج:3،ص:158 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

قاضی بیضاوی کا قول

قاضی بیضاوی متوفی 685ھ لکھتے ہیں: ان (حضرت خضر علیہ السلام) کو ان علوم کی تعلیم دی تھی جو ہمارے ساتھ مختص ہیں اور جن کا علم ہماری توفیق کے بغیر نہیں ہوتا اور وہ علم الغیوب ہے۔ (تفسیر البیضاوی مع عنایۃ القاضی: ج:6،ص:206 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابوالحیان اندلسی کا قول

علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی 754ھ لکھتے ہیں:

ہم نے ان (حضرت خضر علیہ السلام) کو وہ علوم سکھائے جو ہمارے ساتھ مختص ہیں اور وہ غیوب کی خبریں ہیں۔

(البحر المحیط: ج:7،ص:204 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابو السعود محمد بن عمادی حنفی کا قول

علامہ ابو السعود محمد بن عمادی حنفی متوفی 982ھ لکھتے ہیں:

یعنی (خضر علیہ السلام کو) وہ علم سکھایا جس کی کنہ کو جانا نہیں جا سکتا نہ ان کی مقدار کا اندازہ ہو سکتا ہے اور وہ علم الغیوب ہے۔

(تفسیر ابی السعود: ج:4،ص:203 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت خضر علیہ السلام کا کشتی کے تختے کو توڑنا

حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کشتی میں سوار ہو گئے تو حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کے تختے کو توڑ دیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَانْطَلَقَا ۗ حَتّٰۤی اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا ؕ (الکہف:71)

پھر وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ جب وہ دونوں کشتی میں سوار ہوئے تو اس (خضر) نے کشتی (کے تختے) کو توڑ دیا۔

کشتی توڑنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال

جب حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کے تختے توڑے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیا آپ علیہ السلام نے اس کو اس لیے توڑا ہے کہ اس میں سوار لوگ ڈوب جائیں یہ تو آپ علیہ السلام نے بہت خطرناک کام کیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا اِمْرًا ۝ (الکہف:71)

موسیٰ نے کہا! کیا آپ نے اس کو اس لیے توڑا ہے کہ اس میں سوار لوگ ڈوب جائیں یہ تو آپ علیہ السلام نے بہت خطرناک کام کیا ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام کا فرمانا تم سے یہ نہیں کہا تھا تم میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکو گے

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے یہ کہا کیا آپ علیہ السلام نے اس کو اس لیے توڑا ہے کہ اس میں سوار لوگ ڈوب جائیں یہ تو آپ علیہ السلام نے بہت خطرناک کام کیا ہے تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ بے شک تم میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکو گے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ۝ (الکہف:72)

(خضر نے) کہا کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ بے شک تم میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکو گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھول کا عذر بیان فرمانا

جب حضرت خضر علیہ السلام نے کہا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ بے شک تم میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکو گے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا جو چیز میں بھول گیا ہوں اس پر میری گرفت نہ کیجئے اور میرے مشن کو مجھ پر دشوار نہ کیجئے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ وَلَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا ٥ (الکھف:73)

(موسیٰ نے) کہا جو چیز میں بھول گیا ہوں اس پر میری گرفت نہ کیجئے اور میرے مشن کو مجھ پر دشوار نہ کیجئے۔

حضرت خضر علیہ السلام کا لڑکے کو قتل کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام سمندر کے کنارے چلتے رہے حتیٰ کہ ایک لڑکے سے جب ملاقات ہوئی تو اس کو قتل کردیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَانْطَلَقَا حَتّٰۤی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ (الکھف:74)

پھر وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ جب ان کی ملاقات ایک لڑکے سے ہوئی پس اس (خضر علیہ السلام) نے اس لڑکے کو قتل کردیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام کو کہنا کہ آپ علیہ السلام نے بے قصور شخص کو بغیر کسی شخص کے بدلہ کے قتل کردیا

جب حضرت خضر علیہ السلام نے لڑکے کو قتل کردیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

آپ علیہ السلام نے ایک بے قصور شخص کو بغیر کسی شخص کے بدلہ کے قتل کردیا آپ علیہ السلام نے یہ بہت معیوب کام کیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِیَّةًۢ بِغَیْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا نُّكْرًا ٥ (الکھف:74)

(موسیٰ نے) کہا کیا آپ نے ایک بے قصور شخص کو بغیر کسی شخص کے بدلہ کے قتل کردیا آپ نے یہ بہت معیوب کام کیا ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام کا فرمانا کہ میں نے تم سے کہا تھا تم میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کرسکو گے

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ علیہ السلام نے ایک بے قصور شخص کو بغیر کسی شخص کے بدلہ کے قتل کردیا آپ

نے یہ بہت معیوب کام کیا ہے۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ آپ علیہ السلام میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کرسکیں گے۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ○ (الكهف:75)

(خضر نے) کہا کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا بے شک آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کرسکو گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آئندہ سوال کرنے پر ساتھ نہ رکھنے کا فرمانا

جب حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ علیہ السلام میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کرسکو گے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اگر اس کے بعد میں نے آپ علیہ السلام سے کوئی سوال کیا تو آپ علیہ السلام مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں۔ بے شک آپ علیہ السلام میری طرف سے حد عذر کو پہنچ چکے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ○ (الكهف:76)

موسیٰ نے کہا! اگر اس کے بعد میں نے آپ سے کوئی سوال کیا تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں بے شک آپ میری طرف سے (حد) عذر کو پہنچ چکے ہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کافر لڑکے کو قتل کیا

امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وہ لڑکا لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا وہ کافر تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس کو پکڑ کر زمین پر گرادیا پھر اس کو چھری سے ذبح کر دیا وہ لڑکا بالغ نہیں ہوا تھا۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 4725)

گردن اکھاڑ کر لڑکے کو قتل کر ڈالا

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی 279ھ روایت کرتے ہیں:

وہ دونوں کشتی سے اترے جس وقت دونوں سمندر کے کنارے کنارے جارہے تھے تو حضرت خضر علیہ السلام نے دیکھا کہ ایک لڑکا لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس کے سر کو اپنے ہاتھ سے پکڑا اور اپنے ہاتھ سے اس کی گردن اکھاڑ کر اس کو قتل کر ڈالا۔ (سنن الترمذی: رقم الحدیث: 3149)

وہ لڑکا طبعاً کافر پیدا کیا گیا تھا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ لڑکا جس کو حضرت خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا وہ طبعًا کافر پیدا کیا گیا تھا اگر وہ زندہ رہتا تو اپنے والدین کو سرکشی اور کفر پر مجبور کرتا۔ (سنن: ج:2،ص:291)

جیسور نامی بچہ کو قتل کیا تھا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابوالزاہریہ سے روایت ہے کہ

وہ بچہ جسے حضرت خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا اس کا نام جیسور تھا۔ (درمنثور: ج:4،ص:627 مطبوعہ کراچی)

بستی والوں سے کھانا مانگنا اور ان کا انکار کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام چلتے چلتے ایک بستی والوں کے پاس تشریف لائے تو ان سے کھانا مانگا اورانہوں نے ان مقدس بزرگوں کی مہمان نوازی سے انکار کر دیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ۨ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا (الکھف:77)

پھر وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ وہ دونوں ایک بستی والوں کے پاس آئے اور ان دونوں نے ان بستی والوں سے کھانا مانگا بستی والوں نے ان کی مہمان نوازی سے انکار کر دیا۔

بستی والے کمینے لوگ تھے

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

وہ گاؤں والے کمینے لوگ تھے۔ (درمنثور: ج:4،ص:626 مطبوعہ کراچی)

حضرت خضر علیہ السلام کا گری ہوئی دیوار کو سیدھا کر دینا

بستی میں حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک دیوار کو دیکھا جو گرنا ہی چاہتی تھی تو حضرت خضر علیہ السلام نے اس کو سیدھا کر دیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ (الکھف:77)

پھر ان دونوں نے اس بستی میں ایک دیوار کو دیکھا جو گرنا ہی چاہتی تھی تو اس نے اس دیوار کو سیدھا کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام کو کہنا کہ اگر آپ علیہ السلام چاہتے تو اس پر کچھ اجرت لے لیتے

جب حضرت خضر علیہ السلام نے دیوار کو سیدھا کر دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اگر آپ علیہ السلام چاہتے تو اس پر

کچھ اجرت لے لیتے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۝ (الکہف:77)

موسیٰ نے کہا! اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ اجرت لے لیتے۔

حضرت خضر علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہنا کہ اب میرے اور آپ علیہ السلام کے درمیان جدائی ہے

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اگر آپ علیہ السلام چاہتے تو اس پر کچھ اجرت لے لیتے تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا اب میرے اور آپ علیہ السلام کے درمیان جدائی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ (الکہف:78)

(خضر نے) کہا اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کشتی عیب دار کرنے کی وجہ بتانا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے یہ کہا: اگر آپ علیہ السلام چاہتے تو اس پر کچھ اجرت لے لیتے تو حضرت خضر علیہ السلام نے کہا اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہے اب میں آپ کو ان کاموں کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر آپ علیہ السلام صبر نہ کر سکے تھے رہی وہ کشتی تو وہ چند مسکین لوگوں کی تھی جو سمندر میں کام کرتے تھے اس لیے میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈال دوں کیونکہ ان کے آگے ایک ظالم بادشاہ تھا جو ہر صحیح وسالم کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا۔

قرآن مجید میں ہے:

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ۝ اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِى الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ۝ (الکہف:78تا79)

(خضر نے) کہا اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہے اب میں آپ کو ان کاموں کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے تھے رہی وہ کشتی تو وہ چند مسکین لوگوں کی تھی جو سمندر میں کام کرتے تھے اس لیے میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈال دوں (کیونکہ) ان کے آگے ایک (ظالم) بادشاہ تھا جو ہر (صحیح وسالم) کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا۔

مسکین کشتی والوں کے متعلق اقوال

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

ان کی مسکینی کے متعلق دو اقوال ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ کام نہیں کر سکتے تھے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ

ان کے بدنوں میں ضعف تھا۔

حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

وہ دس بھائی تھے پانچ اپاہج تھے اور پانچ سمندر میں کام کرتے تھے۔ (زاد المسیر: ج:5،ص:178 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

یہ کشتی چند محتاج لوگوں کی تھی جو سمندر میں کام کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو مساکین فرمایا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آیت سے یہ استدلال فرمایا ہے کہ فقیر میں مسکین کی بہ نسبت زیادہ ضرر اور احتیاج ہوتی ہے کیونکہ مسکینوں کے متعلق تو فرمایا ان کی کشتی تھی اور وہ سمندر میں کام کرتے تھے اور کشتی کے مالک تھے اور فقیر کسی مال کا مالک نہیں ہوتا۔

(تفسیر کبیر: ج:7،ص:490 مطبوعہ بیروت)

حضرت خضر علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لڑکا قتل کرنے کی وجہ بتانا

حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لڑکے کے قتل کرنے کی وجہ یہ بتائی کہ وہ لڑکا جس کے ماں باپ مومن تھے تو ہمیں یہ خطرہ تھا کہ وہ ان کو سرکشی اور کفر میں مبتلا کر دے گا تو ہم نے یہ چاہا کہ ان کا رب ان دونوں کو اس کے بدلہ میں اس سے اچھا بچہ عطا فرمائے گا جو پاکیزہ اور زیادہ رحم دل ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

وَ اَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَیْنِ فَخَشِیْنَاۤ اَنْ یُّرْهِقَهُمَا طُغْیَانًا وَّ كُفْرًا ۝ فَاَرَدْنَاۤ اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا ۝ (الکہف: 80 تا 81)

اور رہا وہ لڑکا تو اس کے ماں باپ مومن تھے تو ہمیں یہ خطرہ تھا کہ وہ ان کو سرکشی اور کفر میں مبتلا کر دے گا تو ہم نے یہ چاہا کہ ان کا رب ان دونوں کو اس کے بدلہ میں اس سے اچھا بچہ عطا فرمائے جو پاکیزہ اور زیادہ رحم دل ہو۔

مقتول شدہ لڑکے کے بدلے لڑکی پیدا ہونا اور اس کے بطن سے ستر نبی پیدا ہونا

علامہ ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

پھر ان کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کے بطن سے ستر (70) نبی پیدا ہوئے۔

(زاد المسیر: ج:5،ص:181 مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت)

بچی نے دو نبیوں کو جنم دیا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بسطام بن جمیل عن عمر بن یوسف کے سلسلہ سے اس آیت کے تحت روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقتول بچے کے بدلے میں ایسی بچی عطا فرمائی جس نے بعد میں دو نبیوں کو جنم دیا تھا۔

(درمنثور: ج:4، ص:628 مطبوعہ کراچی)

حضرت خضر علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیوار سیدھا کرنے کی وجہ بتانا

حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیوار سیدھا کرنے کی وجہ بتاتے ہوئے فرمایا اور رہی وہ دیوار تو وہ شہر میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا تو آپ کے رب نے یہ ارادہ کیا کہ وہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور آپ کے رب عزوجل کی رحمت سے اپنا خزانہ نکالیں اور میں نے یہ کام اپنی رائے سے نہیں کیے یہ ان کاموں کی حقیقت ہے جن پر آپ علیہ السلام صبر نہ کر سکے تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ۭ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۭ ۝ (الکہف:82)

اور رہی وہ دیوار تو وہ شہر میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا تو آپ کے رب نے یہ ارادہ کیا کہ وہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور آپ کے رب کی رحمت سے اپنا خزانہ نکال لیں اور میں نے یہ کام اپنی رائے سے نہیں کیے یہ ان کاموں کی حقیقت ہے جن پر آپ صبر نہ کر سکے تھے۔

کس گاؤں میں دیوار سیدھی کی تھی؟

اس بارے میں مختلف روایات ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

الابلۃ اہل قریہ کے جس گاؤں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام آئے تھے اس کا نام باجروان تھا اور اس کے باشندے بڑے کمینے تھے۔

اور محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ

وہ گاؤں الابلۃ تھا اور یہ اللہ تعالیٰ کی زمین کا آسمان سے دور ترین قطعہ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

وہ گاؤں ابرقہ تھا۔ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک شخص نے بتایا کہ وہ انطا کیہ تھا۔ (درمنثور: ج:4،ص:626 مطبوعہ کراچی)

دو یتیم لڑکوں کے نام

ان میں ایک کا نام صریم اور دوسرے کا نام اصرم تھا۔

علامہ ابو عبداللہ مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

ان دو یتیم لڑکوں کے نام صریم اور اصرم تھے۔

یتیم لڑکوں کے والد کا حسن عمل

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ابی حاتم رازی متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

ان کا باپ لوگوں کی امانتوں کی حفاظت کرتا تھا اور ان کو ادا کرتا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

ان کے باپ کی نیکیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان لڑکوں کے مال کی حفاظت کرائی کیونکہ ان کی کوئی نیکی ذکر نہیں فرمائی۔

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ باپ کی نیکی کی وجہ سے اس کے بیٹے اور بیٹے کے بیٹے کے ساتھ نیکی کرتا ہے اور اس کی ذریت کی حفاظت فرماتا ہے اور وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ستر اور اس کی حفاظت میں رہتے ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 12882 تا 12883)

ان یتیم لڑکوں کے درمیان اور اس نیک باپ کے درمیان سات آباء تھے

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی متوفی 468ھ لکھتے ہیں:

حضرت جعفر بن محمد نے کہا:

ان لڑکوں کے درمیان اور اس نیک باپ کے درمیان سات آباء تھے۔

اور محمد بن منکدر نے کہا:

اللہ تعالیٰ کسی ایک بندے کی نیکی کی وجہ سے اس کی اولاد اور اس کی اولاد کی اولاد اور اس کے محلہ والوں کی حفاظت فرماتا ہے۔ (الوسیط: ج:3،ص:163 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

دو یتیم لڑکوں کے والد کا نام کاشح تھا

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

وہ ان کی پشت کے اعتبار سے ساتویں باپ تھے ایک قول یہ ہے کہ وہ دسویں باپ تھے ان کے والد کا نام کاشح تھا۔
الخ (الجامع الاحکام القرآن: جز:10، ص:411 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

دو یتیم لڑکوں کی والدہ کا نام دنیا تھا

اور ان کی والدہ کا نام دنیا تھا۔ (الجامع الاحکام القرآن: جز:10، ص:411 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

کون سا خزانہ تھا؟

اس بارے میں مختلف روایات ہیں۔
امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:
اس خزانے کے تین قول ہیں۔
1۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:
وہ خزانہ سونے اور چاندی کا تھا۔
2۔ عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ
وہ سونے کی ایک تختی تھی جس پر لکھا ہوا تھا اس شخص پر تعجب ہے جو تقدیر پر یقین رکھتا ہے پھر وہ رنج و غم کرتا ہے۔ اس شخص پر تعجب ہے جو رزق پر یقین رکھتا ہے وہ کیوں خود کو تھکاتا ہے۔ اس شخص پر تعجب ہے جو حساب پر یقین رکھتا ہے وہ کیوں غفلت کرتا ہے۔ اس شخص پر تعجب ہے جو دنیا کو الٹتے پلٹتے دیکھتا ہے وہ کیسے دنیا پر مطمئن ہوتا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے (سیّدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے بندے اور رسول ہیں اور دوسری طرف لکھا ہوا تھا میں اللہ تعالیٰ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے میں واحد ہوں میرا کوئی شریک نہیں ہے میں نے خیر اور شر کو پیدا کیا ہے اس کے لئے خوشی ہو جس کو میں نے خیر کے لئے پیدا کیا اور اس خیر کو اس کے ہاتھوں سے جاری کیا اور اس کے لئے تباہی ہو جس کو میں نے شر کے لئے پیدا کیا اور اس شر کو اس کے ہاتھوں سے جاری کیا۔
3۔ العوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ
اس سے مراد علم کا خزانہ ہے۔
حضرت مجاہد اور حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: اس سے مراد وہ صحائف ہیں جن میں علم ہو۔
ابن الانباری نے کہا:
اس تقدیر پر معنیٰ یہ ہے اس دیوار کے نیچے خزانہ کی مثل تھی کیونکہ اموال کی بہ نسبت علم زیادہ نفع آور ہے۔
زجاج نے کہا:

لغت میں معروف یہ ہے کہ جب صرف خزانے کا ذکر کیا جائے تو اس سے مراد ہوتا ہے وہ مال جس کا ذخیرہ کر کے اس کو دفن کیا جاتا ہو اور جب مال نہ ہو تو کہا جاتا ہے فلاں شخص کے پاس علم کا خزانہ ہے اور اس کے پاس علم کا خزانہ ہے اور کنز کا لفظ مال کے زیادہ مشابہ ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ خزانہ مال ہو اور اس کے ساتھ علم بھی لکھا ہوا ہو پس وہ مال ہو اور علم عظیم ہو۔

(زادالمسیر: ج:5،ص 181 تا 182 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حضرت خضر علیہ السلام کی طرف جانے کا سبب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

ان کی اور حر بن قیس فزاری کی اس میں بحث ہوئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کس سے ملنے گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ ان کے پاس سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ گزرے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو بلایا اور کہا میری اور میرے اس ساتھی کی اس میں بحث ہوئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ کون صاحب تھا جس سے ملاقات کا انہوں نے سوال کیا تھا کیا آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق کچھ سنا ہے؟

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

ہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں تھے تو ایک شخص نے سوال کیا کیا آپ علیہ السلام کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں جو آپ علیہ السلام سے بڑا عالم ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

نہیں! تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کیوں نہیں! ہمارا بندہ خضر (علیہ السلام) ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ان کی ملاقات کی سبیل کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مچھلی کو نشانی بنا دیا اور فرمایا: جب تم سے مچھلی گم ہو جائے تو تم لوٹ آنا وہیں تمہاری خضر (علیہ السلام) سے ملاقات ہوگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سمندر میں مچھلی کے نشان ڈھونڈتے رہے۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان کے شاگرد نے کہا:

بھلا دیکھئے جب ہم اس چٹان کے پاس آ کر ٹھہرے تھے تو بے شک میں مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا تھا اور اس مچھلی کا ذکر کرنا مجھے شیطان نے ہی بھلا دیا تھا اور اس مچھلی نے سمندر میں عجیب طریقہ سے راستہ بنا لیا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

یہی تو وہ چیز ہے جسے ہم ڈھونڈ رہے تھے تو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانات کی پیروی کرتے ہوئے پیچھے لوٹے پھر ان دونوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پا لیا پھر ان دونوں کا وہی قصہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 74) (سنن الترمذی: رقم الحدیث: 3149)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کا سفر

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ نوف البکالی کا یہ زعم ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ جس موسیٰ کا قصہ ہے یہ بنی اسرائیل کے موسیٰ نہیں تھے یہ اور موسیٰ تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن جھوٹ بولتا ہے ہمیں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث مبارکہ بیان کی ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں خطبہ دے رہے تھے تو ان سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

میں سب سے بڑا عالم ہوں۔

تب اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب فرمایا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف علم کو نہیں لوٹایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ میرے بندوں میں سے ایک بندہ مجمع البحرین میں ہے وہ تم سے زیادہ عالم ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میری ان سے کیسے ملاقات ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ایک ٹوکری میں مچھلی رکھ لو پس جب وہ مچھلی گم ہوگی وہیں وہ بندہ ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کا شاگرد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام دونوں چل پڑے اور انہوں نے ایک ٹوکری میں مچھلی رکھ لی تھی حتیٰ کہ ان دونوں نے ایک چٹان پر سر رکھا اور وہ دونوں سو گئے وہ مچھلی ٹوکری سے نکلی اور سمندر میں سرنگ کی طرح راستہ بناتی ہوئی چلی گئی اور یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے شاگرد کے لئے بہت عجیب وغریب ثابت ہوئی تھی وہ دونوں بقیہ رات اور دن چلتے رہے جب صبح ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے شاگرد سے کہا ہمارا ناشتہ لاؤ ہمیں اس سفر سے تھکاوٹ پہنچی ہے۔ اس نے کہا: بھلا دیکھئے جب ہم اس چٹان کے پاس آ کر ٹھہرے تھے تو بے شک میں مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا تھا اور اس مچھلی کا ذکر کرنا مجھے شیطان نے ہی بھلایا تھا اور اس مچھلی نے سمندر میں عجیب طریقہ سے راستہ بنا لیا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

یہی تو وہ چیز ہے جس کو ہم ڈھونڈ رہے تھے تو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانات کی پیروی کرتے ہوئے پیچھے لوٹے جب وہ دونوں اس چٹان پر پہنچے تو دیکھا وہاں ایک شخص کپڑا اوڑھے ہوئے موجود ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو سلام کیا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا:

تمہاری زمین میں سلامتی کہاں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

میں موسیٰ (علیہ السلام) ہوں!

انہوں نے کہا:

بنی اسرائیل کے موسیٰ (علیہ السلام) ہو؟

آپ علیہ السلام نے کہا:

ہاں! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا!

آیا میں آپ علیہ السلام کی اس شرط پر پیروی کروں کہ آپ علیہ السلام کو جو رشد و ہدایت کا علم دیا گیا ہے آپ علیہ السلام اس علم کی مجھے بھی تعلیم دیں۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا:

آپ علیہ السلام میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے۔ اے موسیٰ (علیہ السلام)! میرے پاس اللہ تعالیٰ کے علم سے ایسا علم ہے جو اس نے مجھے سکھایا ہے وہ آپ علیہ السلام کے پاس نہیں ہے اور آپ علیہ السلام کے پاس ایسا علم ہے جو اس نے آپ علیہ السلام کو سکھایا ہے اس کو میں نہیں جانتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

ان شاء اللہ آپ علیہ السلام مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ علیہ السلام کے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا پھر وہ دونوں سمندر کے کنارے کنارے چلنے لگے ان کے پاس کشتی نہیں تھی ان کے پاس سے ایک کشتی گزری۔ انہوں نے ان سے کہا کہ وہ ان کو سوار کر کے لے جائیں انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور بغیر اجرت کے ان کو سوار کر لیا پھر ایک چڑیا آئی اور کشتی کے ایک کنارے بیٹھ گئی اور اس نے سمندر میں ایک یا دو چونچیں ماریں۔

پس حضرت خضر علیہ السلام نے کہا:

مجھے اور تمہیں علم دینے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں سے صرف اتنی کمی ہوتی ہے جتنی اس چڑیا کے سمندر میں چونچ مارنے سے کمی ہوتی ہے۔ پھر حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کے تختوں میں سے ایک تختے کو اکھاڑ کر پھینک دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

ان لوگوں نے بغیر اجرت کے ہم کو کشتی میں سوار کیا اور آپ علیہ السلام نے کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ دیا تا کہ آپ علیہ السلام اس میں بیٹھے والوں کو غرق کر دیں۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا:

کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ علیہ السلام میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

آپ علیہ السلام اس چیز پر میری گرفت نہ کریں جو میں بھول گیا ہوں پس پہلی بار حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھول ہو گئی پھر وہ دونوں چل پڑے پس انہوں نے دیکھا کہ ایک لڑکا لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا ہے حضرت خضر علیہ السلام نے اوپر سے اس کے سر کو پکڑا اور اپنے ہاتھوں سے اس کا سر الگ کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

آپ علیہ السلام نے ایک بے قصور شخص کو کسی جان کے حق کے بغیر قتل کر دیا؟

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا:

کیا میں نے آپ علیہ السلام سے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ علیہ السلام ہرگز میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے۔

ابن عیینہ نے کہا:

اس جملہ میں پہلے جملہ سے زیادہ تاکید ہے۔

پھر وہ دونوں چلتے رہے حتیٰ کہ وہ ایک بستی والوں کے پاس پہنچے اور ان بستی والوں سے کھانا مانگا پس انہوں نے ان کی مہمان نوازی کرنے سے انکار کر دیا ان دونوں نے اس بستی میں ایک دیوار کو گرتے ہوئے دیکھا تو ان دونوں نے اس دیوار کو کھڑا کر دیا۔

آپ نے فرمایا:

حضرت خضر علیہ السلام نے اس دیوار کو اپنے ہاتھ سے کھڑا کر دیا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا:

اگر آپ علیہ السلام چاہتے تو اس کام پر ان سے اجرت لے لیتے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا:

اب ہمارے اور تمہارے درمیان جدائی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے ہماری خواہش تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کچھ دیر اور صبر کرتے حتیٰ کہ ان دونوں کے مزید واقعات بیان کیے جاتے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 122)

ظالم بادشاہ کا نام ہدد بن ندد تھا

ظالم بادشاہ کا نام ہدد بن ندد تھا جس کی تصریح اس روایت میں ہے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے گھر میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آپ نے فرمایا: مجھ سے جو چاہو پوچھو۔ میں نے عرض کی اے ابن عباس رضی اللہ عنہما! اللہ تعالیٰ مجھے تجھ پر فدا کرے۔ کوفہ میں ایک شخص ہے جسے نوف کہا جاتا ہے وہ کہتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ جس موسیٰ کا ذکر ہے وہ موسیٰ بنی اسرائیل نہیں تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے دشمن نے جھوٹ بولا ہے۔ مجھے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام لوگوں کو وعظ فرما رہے تھے حتیٰ کہ لوگوں کی آنکھیں بہہ رہی تھیں اور دل نرم ہو گئے تھے آپ علیہ السلام واپس آئے تو ایک شخص ملا اور کہا: اے اللہ عزوجل کے رسول! کیا زمین میں کوئی تجھ سے زیادہ علم والا بھی ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

نہیں! اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو عتاب کیا کیونکہ آپ علیہ السلام نے علم کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا کیوں نہیں۔ تجھ سے زیادہ علم والے موجود ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا:

اے رب عزوجل! وہ کہاں ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مجمع البحرین کے پاس ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

اے میرے رب عزوجل! میرے لیے ایک علامت بنا دے جس کے ذریعے میں اس شخص کو جان لوں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ایک مچھلی ٹوکری میں رکھ لو جہاں اس کی روح پھونکی جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مچھلی پکڑ لی پھر اس کو ٹوکری میں رکھا اور اپنے نوجوان ساتھی سے کہا میں تجھے تکلیف نہیں دوں گا مگر یہ کہ آپ علیہ السلام مجھے اس جگہ کے متعلق خبر دینا جہاں مچھلی تم سے جدا ہو جائے۔ فرماتے ہیں مجھے زیادہ تکلیف نہ دی گئی۔ فرماتے ہیں کہ میں ایک سیلانی چٹان کے سایہ میں تھا کہ مچھلی اچھل پڑی جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سوئے ہوئے تھے۔

نوجوان نے کہا:

میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نہ جگایا حتیٰ کہ وہ بیدار ہوں میں ان کو بتانا بھول گیا کہ مچھلی سمندر میں چلی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے مچھلی سے پانی کا بہاؤ روک لیا تھا حتیٰ کہ وہ خود بیدار ہوں میں ان کو بتانا بھول گیا کہ مچھلی سمندر میں چلی گئی ہے۔ اللہ

تعالیٰ نے مچھلی سے پانی کا بہاؤ روک لیا تھا حتیٰ کہ اس کا نشان پتھر میں بھی تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

ہمیں اس سفر میں بڑی مشقت برداشت کرنا پڑی ہے۔

نوجوان نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے تمہاری مشقت ختم کر دی ہے پس وہ دونوں واپس آئے تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام ایک سبز جائے نماز پر سمندر میں چٹان پر کپڑا لپیٹے سوئے ہوئے تھے کپڑے کی ایک طرف قدموں کے نیچے اور دوسری طرف سر کے نیچے رکھی ہوئی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر سلام کیا تو حضرت خضر علیہ السلام نے چہرہ سے کپڑا اٹھایا اور فرمایا کیا یہ اس زمین کا سلام ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے پوچھا:

آپ کون ہیں؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

میں موسیٰ (علیہ السلام) ہوں۔

حضرت خضر علیہ السلام نے پوچھا:

آپ موسیٰ بنی اسرائیل (علیہ السلام) ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

ہاں!

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا:

تیرے لیے یہ کافی نہ تھا کہ تورات تیرے ہاتھوں میں ہے اور تمہارے پاس وحی آتی ہے میرے پاس وہ علم ہے جس کا سیکھنا تمہارے لیے مناسب نہیں اور آپ علیہ السلام کے پاس جو علم ہے وہ میرے لیے سیکھنا مناسب نہیں۔ ایک پرندے نے سمندر سے ایک چونچ بھری۔

تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! میرا علم اور آپ علیہ السلام کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں اسی طرح ہے جیسے اس پرندے نے سمندر سے چونچ بھری ہے حتیٰ کہ جب وہ دونوں کشتی پر سوار ہوئے تو دونوں نے چھوٹے چھوٹے ملاح دیکھے جو ایک ساحل والوں کو دوسرے ساحل والوں کے پاس پہنچا رہے تھے۔ ملاحوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور کہا: اے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے! ہم تجھے اجرت لے کر سوار نہیں کریں گے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کو توڑ ڈالا اور اس میں ایک کیل لگا دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

کیا آپ علیہ السلام نے کشتی کو توڑ دیا ہے تا کہ تمام لوگ کشتی میں سوار غرق ہو جائیں۔ آپ علیہ السلام نے بڑا برا کام کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال پہلی بار بھول کر تھا دوسری اور تیسری بار عمداً تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

میری بھول پر مجھ سے مواخذہ نہ کریں اور مجھ پر میرے معاملہ میں سختی نہ کریں پھر دونوں چل پڑے حتیٰ کہ راستہ پر انہیں ایک بچہ ملا تو حضرت خضر علیہ السلام نے اسے قتل کر دیا وہ بچہ دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس کافر اور خوش شکل بچے کو پکڑا زمین پر لٹایا اور چھری کے ساتھ ذبح کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

کیا آپ علیہ السلام نے ایک معصوم جان کو قتل کر دیا ہے جس نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے زاکیۃ پڑھا ہے یعنی ایک مسلمان معصوم بچے کو قتل کر دیا جیسے تیسرا قول ہے غلاماً زکیا۔ پس وہ دونوں وہاں سے آگے چلے تو انہوں نے ایک دیوار دیکھی جو گرنے کے قریب تھی تو اس بندے نے اس کو درست کر دیا۔

راوی فرماتے ہیں کہ

آپ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے اس کو سیدھا کر دیا۔

آپ علیہ السلام نے ہاتھ بلند کیا تو دیوار سیدھی کھڑی ہو گئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

اگر آپ علیہ السلام چاہتے تو اس پر مزدوری ہی لے لیتے یعنی ایسی چیزیں طلب کرتے جسے آپ علیہ السلام کھا لیتے۔ **وکان وراء ھم ملک**۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کو اسی طرح پڑھتے **وکان امامھم ملک**۔ اس بادشاہ کا نام مدد بن ندد تھا وہ بچہ جو قتل کیا گیا تھا اس کو لوگ جیسور کہتے تھے۔ **ملک یاخذ کل سفینۃ غصبا** یعنی آگے ایک جابر بادشاہ تھا جو ہر صحیح وسلامت کشتی چھین لیتا تھا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: میں نے اسے اس لیے عیب دار کیا تا کہ وہ اس کے عیب کو دیکھ کر چھوڑ دے جب یہ اس بادشاہ سے آگے گزر جائیں گے تو وہ اس کو ٹھیک کر لیں گے اور نفع اٹھائیں گے۔

ان لوگوں میں سے ایک نے کہا:

کشتی کے سوراخ کو تارکول سے بند کر دو۔

فکان ابوہ مومنین۔ وہ بچہ طبعاً کافر تھا اور اس کے والدین مومن تھے پس ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ (اگر زندہ رہا تو) مجبور کر دے گا انہیں سرکشی اور کفر پر یعنی اس کی محبت والدین کو اس کے بدنظریات پر اکسائے گی ہم نے چاہا کہ بدلہ دے انہیں ان کا رب عزوجل (ایسا بیٹا) جو بہتر ہو اس سے پاکیزگی میں اور (ان پر) زیادہ مہربان ہو۔ یعنی اس پہلے بیٹے سے دوسرا بیٹا ان سے زیادہ رحم کرنے والا ہو۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ علماء فرماتے ہیں کہ

ان والدین کو بدلے میں بچی عطا کی گئی تھی۔(درمنثور: ج:4،ص609 تا 611 مطبوعہ کراچی)

حضرت خضر علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جدائی کے وقت کلمات مبارکہ

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جدائی کے وقت کہا۔ اے موسیٰ علیہ السلام! علم حاصل کرو اس پر عمل کرنے کے لئے۔ لوگوں سے بحث کرنے کے لئے علم حاصل نہ کرو مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا میرے لیے دعا فرمائیے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا! اللہ تعالیٰ تجھ پر اپنی اطاعت آسان فرمائے۔ (تاریخ ابن عساکر: ج:16،ص:416 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت خضر علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمانا کہ بغیر ضرورت کے نہ چلو

حضرت وہب سے روایت ہے کہ

حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کے وقت کہا۔

اے موسیٰ (علیہ السلام)! لجاجت سے دور رہو، بغیر ضرورت کے نہ چلو، بغیر عجب کے نہ ہنسو، اپنے گھر کو لازم پکڑو اور اپنی خطاؤں پر روؤ۔ (کتاب الزہد: ج:1،ص:79 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اے موسیٰ (علیہ السلام)! لوگ دنیا میں اپنے ارادوں کے مطابق عذاب دیئے جاتے ہیں

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

اے موسیٰ (علیہ السلام)! لوگ دنیا میں اپنے ارادوں کے مطابق عذاب دیئے جاتے ہیں۔

(تاریخ ابن عساکر: ج:16،ص:416 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت خضر علیہ السلام کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جدائی کے وقت وصیت

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابوعبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے جدائی کا ارادہ کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا حضور مجھے کوئی وصیت فرمائیے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:

نفع بخش بن جاؤ، تکلیف دینے والے نہ بنو۔ خوش رہو (ہر وقت) غصہ میں نہ رہو۔ لجاجت سے پھر جاؤ بغیر حاجت کے نہ چل۔ کسی شخص کو اس کی غلطی پر عار نہ دلاؤ۔ اے ابن عمران! اپنی خطا پر آنسو بہاؤ۔

(تاریخ ابن عساکر: ج:16، ص:416 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت خضر علیہ السلام کو خضر کہنے کی وجہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان کو خضر اس لیے کہتے ہیں کہ جب وہ سفید پوستین پر نماز پڑھتے تو اس کے لیے سبزہ اگنے لگتا۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 3151)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خضر کو خضر اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ علیہ السلام سفید زمین پر نماز پڑھتے تو وہاں سرسبز کھیتی لہلہانے لگتی۔

(تاریخ ابن عساکر: ج:16، ص:402 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت خضر علیہ السلام کو خضر اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ علیہ السلام جہاں نماز پڑھتے اردگرد کا علاقہ سرسبز و شاداب ہو جاتا۔ (تاریخ ابن عساکر: ج:16، ص:402 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

کیا حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے؟

سید ابو الاعلیٰ مودودی نے کہا ہے: حضرت خضر علیہ السلام فرشتہ تھے جبکہ یہ بات صحیح نہیں بلکہ حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے۔ مودودی نے حضرت خضر علیہ السلام کے فرشتہ ہونے پر جو دلائل قائم کیے ہیں پہلے وہ بیان کیے جاتے ہیں بعد میں ان کا رد بیان کیا جائے گا۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی 1399ھ لکھتے ہیں:

اس قصے میں ایک بڑی پیچیدگی ہے جسے رفع کرنا ضروری ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے یہ تین کام جو کیے ہیں ان میں سے تیسرا کام تو خیر شریعت سے نہیں ٹکراتا مگر پہلے دونوں کام یقیناً ان احکام سے متصادم ہوتے ہیں جو ابتدائے عہد انسانیت

سے آج تک تمام شرائع الٰہیہ میں ثابت رہے ہیں کوئی شریعت بھی کسی انسان کو یہ اجازت نہیں دیتی کہ وہ کسی کی مملوکہ چیز کو خراب کردے اور کسی متنفس کو بے قصور قتل کر ڈالے حتیٰ کہ اگر کسی انسان کو بطریق الہام بھی یہ معلوم ہو جائے کہ ایک کشتی کو آگے جا کر ایک غاصب چھین لے گا اور فلاں لڑکا بڑا ہو کر سرکش اور کافر نکلے گا تب بھی اس کے لئے خدا کی بھیجی ہوئی شریعتوں میں سے کسی شریعت کی رو سے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے اس الہامی علم کی بنا پر کشتی میں چھید کر دے اور ایک بے گناہ لڑکے کو مار ڈالے اس کے جواب میں یہ کہنا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے یہ دونوں کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کئے تھے فی الواقع اس پیچیدگی کو کچھ بھی رفع نہیں کرتا۔ سوال یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے یہ کام کس کے حکم سے کئے تھے۔

ان کا حکم الٰہی سے ہونا تو بالیقین ثابت ہے کیونکہ حضرت خضر علیہ السلام خود فرماتے ہیں کہ ان کے یہ افعال ان کے اختیاری نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کی محرک ہوئی ہے اور اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ خود فرما چکا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک علم خاص حاصل تھا پس یہ امر تو ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کئے گئے تھے مگر اصل سوال جو یہاں پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان احکام کی نوعیت کیا تھی؟ ظاہر ہے کہ یہ شرعی احکام نہ تھے کیونکہ شرائع الٰہیہ کے جو بنیادی اصول قرآن اور اس سے پہلے آسمانی کتب سے ثابت ہیں ان میں کبھی کسی انسان کے لئے یہ گنجائش نہیں رکھی گئی کہ وہ بلا ثبوت جرم کسی دوسرے انسان کو قتل کر دے اس لیے لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ یہ احکام اپنی نوعیت میں اللہ تعالیٰ کے ان تکوینی احکام سے مشابہت رکھتے ہیں جن کے تحت دنیا میں ہر آن کوئی بیمار ڈالا جاتا ہے اور کوئی تندرست کیا جاتا ہے کسی کو موت دی جاتی ہے اور کسی کو زندگی سے نوازا جاتا ہے کسی کو تباہ کیا جاتا ہے اور کسی پر نعمتیں نازل کی جاتی ہیں اب اگر یہ تکوینی احکام ہیں تو ان کے مخاطب صرف فرشتے ہی ہو سکتے ہیں جن کے بارے میں شرعی جواز و عدم جواز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ وہ اپنے ذاتی اختیار کے بغیر صرف اوامر الٰہیہ کی تعمیل کرتے ہیں رہا انسان تو خواہ وہ بلا ارادہ کسی تکوینی حکم کے نفاذ کا ذریعہ بنے اور خواہ الہاماً اس طرح کا کوئی غیبی علم اور حکم پا کر اس پر عملدرآمد کرے بہر حال وہ گناہ گار ہونے سے نہیں بچ سکتا اگر وہ کام جو اس نے کیا ہے کسی حکم شرعی سے ٹکراتا ہو اس لئے کہ انسان بحیثیت اس کے کہ وہ انسان ہے احکام شرعیہ کا مکلف ہے اور اصول شریعت میں کہیں یہ گنجائش نہیں پائی جاتی کہ کسی انسان کے لئے محض اس بنا پر احکام شرعیہ میں سے کسی حکم کی خلاف ورزی جائز ہو کہ اسے بذریعہ الہام اس خلاف ورزی کا حکم ملا ہے اور بذریعہ علم غیب اس خلاف ورزی کی مصلحت بتائی گئی ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس پر نہ صرف تمام علمائے شریعت متفق ہیں بلکہ اکابر صوفیہ بھی بالاتفاق یہی بات کہتے ہیں چنانچہ علامہ آلوسی نے تفصیل کے ساتھ عبدالوہاب شعرانی، محی الدین ابن عربی، مجدد الف ثانی، شیخ عبدالقادر جیلانی، جنید بغدادی، سری سقطی، ابو الحسین النوری، ابوسعید الخراز، ابوالعباس احمد الدینوری اور امام غزالی جیسے نامور بزرگوں کے اقوال نقل کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اہل تصوف کے نزدیک بھی کسی ایسے الہام پر عمل کرنا خود صاحب الہام تک کے لئے جائز نہیں ہے جو نص شرعی کے خلاف ہو۔

اب کیا ہم یہ مان لیں گے کہ اس قاعدہ کلیہ سے صرف ایک انسان مستثنیٰ کیا گیا ہے اور وہ ہیں حضرت خضر علیہ السلام یا یہ سمجھیں کہ خضر کوئی انسان نہ تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ان بندوں میں سے تھے جو مشیت الٰہی کے تحت کام کرتے ہیں؟ پہلی صورت

کو ہم تسلیم کر لیتے اگر بالفاظ صریح یہ کہہ دیتا کہ وہ بندہ جس کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام اس تربیت کے لئے بھیجے گئے تھے انسان تھا لیکن قرآن اس کے انسان ہونے کی تصریح نہیں کرتا بلکہ صرف عبدا من عبادنا کے الفاظ بدلتا ہے جو ظاہر ہے کہ اس بندے کے انسان ہونے کو مستلزم نہیں ہیں۔ قرآن مجید میں متعدد جگہ فرشتوں کے لئے یہ بھی استعمال ہوا ہے مثال کے طور پر ملاحظہ ہو سورہ انبیاء آیت: 26 اور سورہ زخرف آیت: 19۔ پھر کسی صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کوئی ایسا ارشاد منقول نہیں ہے جس میں صراحت کے ساتھ حضرت خضر علیہ السلام کو نوع انسانی کا ایک فرد قرار دیا گیا ہو۔ اس باب میں مستند ترین روایات وہ ہیں جو عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس، عن ابی بن کعب، عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سند سے آئمہ حدیث کو پہنچی ہیں۔ ان میں حضرت خضر علیہ السلام کے لئے صرف رجل کا لفظ آیا ہے جو اگرچہ مرد انسانوں کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر انسانوں کے لئے مخصوص نہیں ہے چنانچہ خود قرآن میں یہ لفظ جنوں کے لیے مستعمل ہو چکا ہے جیسا کہ سورۂ جن میں ارشاد ہوا ہے وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ ۔ نیز یہ ظاہر ہے کہ جن یا فرشتہ یا کوئی اور غیر مرئی وجود جب انسانوں کے سامنے آئے گا تو انسانی شکل ہی میں آئے گا اور اس حالت میں اس کو بشر یا انسان ہی کہا جائے گا۔ حضرت مریم علیہ السلام کے سامنے جب فرشتہ آیا تھا تو قرآن اس واقعہ کو یوں بیان کرتا ہے کہ فتمثل لها بشراً سويا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ وہاں انہوں نے ایک مرد کو پایا حضرت خضر علیہ السلام کے انسان ہونے پر صریح دلالت نہیں کرتا۔ اس کے بعد ہمارے لئے اس پیچیدگی کو رفع کرنے کی صرف یہ ایک صورت باقی رہ جاتی ہے کہ ہم خضر کو انسان نہ مانیں بلکہ فرشتوں میں سے یا اللہ تعالیٰ کی کسی اور ایسی مخلوق میں سے سمجھیں جو شرائع کی مکلف نہیں ہے بلکہ کارگاہ مشیت کی کارکن ہے۔

(تفہیم القرآن: ج:3، ص40 تا42 مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور)

مودودی کا حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق یہ کہنا درست نہیں کہ ہم خضر کو انسان نہ مانیں بلکہ فرشتوں میں سے یا اللہ تعالیٰ کی کسی اور ایسی مخلوق میں سے سمجھیں جو شرائع کی مکلف نہیں ہے بلکہ کارگاہ مشیت کی کارکن ہے۔ عبدالمصطفیٰ کہتا ہے حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے جس پر کثیر علماء کے اقوال ہیں وہ یہ ہیں۔

جمہور کے قول کے مطابق حضرت خضر علیہ السلام نبی ہیں۔

قرآن مجید کی آیتیں یہ شہادتیں دیتی ہیں کہ وہ نبی تھے کیونکہ بواطن امور کو نبی کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ نیز انسان اسی سے علم حاصل کرتا ہے اور اس کی اتباع کرتا ہے جو مرتبہ میں اس سے بڑھ کر ہو اور یہ جائز نہیں ہے کہ نبی سے بڑھ کر وہ شخص ہو جو نبی نہ ہو۔ (الجامع الاحکام القرآن: ج:10، ص:391 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی متوفی 450ھ لکھتے ہیں:

وہ انسانوں میں سے بشر تھے اور وہ بشر نبی تھے کیونکہ انسان اسی سے علم حاصل کرتا ہے جس کا رتبہ اس سے بلند ہو اور یہ جائز نہیں ہے کہ نبی کے اوپر ایسا انسان ہو جو نبی نہ ہو۔ (النکت والعیون: ج:6، ص:325 مطبوعہ موسسۃ الثقافیہ بیروت)

حافظ ابن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا ما فعلتہ عن امری، یہ کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیے یعنی ان کاموں کا مجھے حکم دیا گیا اور میں ان پر واقف ہو گیا اس میں یہ دلیل ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے اور دوسروں نے کہا وہ رسول تھے۔

(تفسیر ابن کثیر: ج:3:ص:111 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ محمد بن یوسف ابو حیان اندلسی متوفی 754ھ لکھتے ہیں:

اور جمہور اس پر متفق ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی ہیں اور ان کو بواطن کی معرفت کا علم دیا گیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ظاہر شریعت کا علم تھا۔ (البحر المحیط: ج:7:ص:204 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ان مفسرین علماء کرام کے علاوہ دیوبند علماء نے بھی حضرت خضر علیہ السلام کے نبی ہونے کی تصریح کی ہے۔

چنانچہ شیخ امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی تھے۔ اس کا اول قرینہ تو یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی بلکہ رسول کو ان کے پاس حصول علم اور حصول تربیت کے لئے بھیجا گیا ہے اگر حضرت خضر علیہ السلام نبی نہیں تھے تو ایک نبی کا غیر نبی کے پاس حصول علم و تربیت کے لئے بھیجا جانا بالکل ناموزوں سی بات ہے اگرچہ اس نام کے کسی نبی کا ذکر قرآن یا تورات میں نہیں ملتا لیکن یہ چیز کچھ اہمیت رکھنے والی نہیں۔ ہے قرآن میں خود اس کی اپنی تصریح کے مطابق بہت سے انبیاء کا ذکر نہیں ہے یہی حال تورات کا بھی ہے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ قرآن میں صرح اپنے ہر نبی کو کسی نہ کسی پہلو سے فضیلت دی ہے، حضرت خضر علیہ السلام کو بھی ایک خاص پہلو سے فضیلت حاصل تھی اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی فضیلت حاصل تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان سے کچھ باتیں سیکھنا اس امر کو مستلزم نہیں ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر مطلق فضیلت حاصل تھی دوسرا قرینہ یہ ہے کہ ان کے جو اوصاف اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں وہ حضرات انبیاء سے ہی مناسبت رکھتے ہیں مثلاً یہ کہ وہ ہمارے بندوں میں سے ایک خاص بندہ تھا ہم نے اپنی طرف سے اس پر خاص فضل کیا تھا ہم نے اس کو اپنے پاس سے ایک خاص علم عطا کیا تھا علی ھذ القیاس انہوں نے خود اپنے کاموں سے متعلق فرمایا کہ میں نے کوئی کام بھی خود اپنی رائے سے نہیں کیا بلکہ خدا کے حکم سے کیا ہے یہ سب باتیں دلیل ہے کہ وہ صاحب وحی نبی تھے اور ان کو یہ خاص امتیاز بھی حاصل تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے بعض ارادوں کے راز کھول دیے تھے۔

(تدبر قرآن: ج:6:ص:606 مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی 1396ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور امت کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام بھی ایک نبی اور پیغمبر ہیں مگر ان کے کچھ تکوینی خدمتیں منجانب اللہ سپرد کی گئی تھیں انہی کا علم دیا گیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کی اطلاع نہ تھی اس لیے اس پر اعتراض کیا۔ تفسیر قرطبی، بحر محیط، ابو حیان اور اکثر تفاسیر میں یہ مضمون بعنوانات مختلفہ مذکور ہیں۔

(معارف القرآن: ج:5:ص:612 مطبوعہ ادارہ المعارف کراچی)

حضرت خضر علیہ السلام کا حیات ہونا

حضرت خضر علیہ السلام حیات ہیں جس طرح کہ روایات سے ثابت ہوتا ہے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں: حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت خضر علیہ السلام بحر اعلیٰ اور بحر اسفل کے درمیان ایک منبر پر تشریف فرما ہیں سمندر کے تمام جانوروں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ آپ علیہ السلام کی بات سنیں اور آپ علیہ السلام کی اطاعت کریں صبح وشام آپ علیہ السلام پر روحیں پیش کی جاتی ہیں۔

اور حضرت خصیف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

چار انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں، دو آسمان میں ہیں وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام ہیں اور دو زمین میں ہیں وہ حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام ہیں حضرت خضر علیہ السلام دریا میں ہیں اور حضرت الیاس علیہ السلام خشکی میں ہیں۔ (درمنثور: ج:4،ص:631 مطبوعہ کراچی)

حضرت خضر علیہ السلام کی حیات کے متعلق علماء کرام کی آراء درج ذیل ہیں۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی کی آراء

علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی 828ھ لکھتے ہیں:

لمبی زندگی ممکن ہے (جس کو اللہ تعالیٰ چاہے نواز دے) اور حضرت خضر علیہ السلام کی حیات کے متعلق بکثرت حکایات ہیں جیسا کہ عنقریب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آئے گا کہ حضرت خضر علیہ السلام حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ بتلایا کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ ان کی دو بیویاں ہیں ایک سفید اور ایک سیاہ اور وہ رات اور دن ہیں۔ میرے شیخ نے بیان کیا ہے کہ ایک شخص کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تھی میں نے اس سے کہا حضرت خضر علیہ السلام سے ان کی زوجہ کے متعلق سوال کرنا انہوں نے سوال کیا تو حضرت خضر علیہ السلام نے کہا ان کی دو بیویاں ہیں ایک سفید اور ایک سیاہ اور اس میں رات اور دن کا ذکر نہیں ہے۔

(اکمال اکمال المعلم: ج:6،ص:172 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی کی آراء

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی 676ھ لکھتے ہیں:

جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں اور ہمارے ہاں موجود ہیں۔ یہ امر صوفیہ اور عرفاء کے درمیان متفق علیہ ہے اور صوفیہ کی حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھنے ان سے ملاقات کرنے ان سے علم حاصل کرنے اور ان سے سوال و جواب کے متعلق حکایات مشہور ہیں اور مقدس مقامات اور مواضع خیر میں ان کے موجود ہونے کے متعلق بے شمار واقعات ہیں۔

(شرح مسلم: ج:6،ص:269 مطبوعہ کراچی)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی کی آراء

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:

جمہور علماء کی یہ رائے ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے ایک قول یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ان کی لمبی زندگی کے لئے دعا کی تھی ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے آب حیات پی لیا تھا۔

علامہ ابن الصلاح نے کہا ہے کہ

جمہور اور صالحین اور عام لوگوں کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں اور بعض محدثین نے ان کی حیات کا انکار کیا ہے اور یہ قول شاذ ہے۔ صحیح مسلم میں حدیث دجال میں ہے کہ وہ ایک شخص کو قتل کر کے پھر اس کو زندہ کریں گے اور مسلم کے راوی ابراہیم بن سفیان نے کہا اس شخص کو خضر کہا جائے گا۔ (عمدۃ القاری: ج:2 ص:6 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر)

حضرت خضر علیہ السلام کے فروخت ہونے کا واقعہ

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابو اسامہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا:

تمہیں خضر علیہ السلام کے متعلق نہ بتاؤں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

ضرور کرم فرمایئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایک دن وہ بنی اسرائیل کے بازار میں جا رہے تھے تو انہیں ایک (مسکین) مکاتب شخص نے دیکھ لیا۔ اس نے عرض کیا مجھ پر صدقہ کیجئے اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کو برکت دے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:

میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا جو امر اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں، جو میں تجھے عطا کروں۔

مسکین نے کہا:

میں تجھ سے اللہ تعالیٰ کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ علیہ السلام مجھ پر صدقہ کریں۔ میں تمہارے چہرے میں سخاوت کے آثار دیکھتا ہوں میں نے تیرے پاس برکت پائی ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:

میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا! میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو میں تجھے عطا کروں مگر یہ کہ تو میرے پیچھے پیچھے آجا۔

مسکین نے کہا:

کیا یہ درست ہے؟

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

ہاں میں حق ہی کہتا ہوں تو نے مجھ سے ایک بہت بڑے واسطہ سے سوال کیا ہے۔ میں تجھے رب تعالیٰ کی وجہ سے نامراد نہیں لوٹاتا۔ اس نے حضرت خضر علیہ السلام کو بازار میں پیش کیا اور چار سو دراہم کے عوض فروخت کر دیا آپ علیہ السلام مشتری کے پاس ایک زمانہ ٹھہرے رہے لیکن اس نے آپ علیہ السلام کو کام پر نہ لگایا۔

آپ علیہ السلام نے مشتری سے کہا:

تو نے مجھے خریدا ہے مجھ سے خیر تلاش کر، مجھے کسی عمل کا حکم دے۔

مشتری نے کہا:

میں تجھے تکالیف دینا ناپسند کرتا ہوں کیونکہ آپ علیہ السلام ایک بوڑھے کمزور آدمی ہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:

مجھے کوئی تکلیف نہیں۔

مشتری نے کہا:

اٹھو اور یہ پتھر یہاں سے وہاں منتقل کر دو وہ پتھر اتنے زیادہ تھے کہ چھ آدمی بھی ایک دن میں انہیں منتقل نہیں کر سکتے تھے وہ شخص آپ علیہ السلام کو حکم دے کر کسی کام کے لئے باہر گیا پھر واپس آیا تو تمام پتھر اس وقت منتقل ہو چکے تھے۔

مشتری نے کہا:

تو نے بڑا اچھا کام کیا ہے تو بہت طاقتور ہے میں تو تجھے اپنا طاقتور نہ سمجھتا تھا پھر اس شخص کو سفر کی مہم پیش آ گئی۔

اس نے کہا:

میں تجھے امین گمان کرتا ہوں تم میرے گھر والوں میں میرے قائم ہو کر ان سے اچھائی کرنا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:

تم مجھے کسی کام کی وصیت کرو۔

اس نے کہا:

میں تجھے تکلیف دینا پسند نہیں کرتا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:

مجھ پر کوئی امر گراں نہیں۔

مشتری نے کہا:

تم اینٹیں بناؤ تا کہ ہم مکان بنائیں حتیٰ کہ میں سفر سے واپس آ جاؤں وہ آدمی سفر پر گیا واپس آیا تو آپ علیہ السلام تعمیر مکمل کر چکے تھے۔

اس شخص نے کہا:

میں خدا عزوجل کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں تمہارا راستہ کیا ہے اور تمہارا معاملہ کیا ہے؟

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:

تو نے مجھ سے خدا عزوجل کا واسطہ دے کر سوال کیا ہے اور اسی خدا عزوجل کے واسطہ نے ہی مجھے غلامی میں ڈالا تھا میں خضر علیہ السلام ہوں جس کے متعلق تو نے سنا ہے مجھ سے مسکین نے صدقہ مانگا اور میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو میں اس کو پیش کرتا اس نے مجھے خدا کا واسطہ دیا تو میں نے اپنا آپ ہی اس کے حوالہ کر دیا اس نے مجھے بیچ ڈالا اور میں تجھے بتاتا ہوں کہ جس سے خدا عزوجل کے واسطہ سے مانگا گیا اور اس نے سائل کو رد کر دیا جبکہ وہ عطا کرنے پر قادر تھا تو وہ قیامت کے روز اس طرح کھڑا ہوگا کہ اس کی جلد ہوگی نہ اس کا گوشت ہوگا اور نہ اس کی ہڈیاں ہوں گی تا کہ وہ وہاں ہی ٹھہرا رہے۔

اس شخص نے کہا:

میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اے اللہ عزوجل کے نبی! میں نے تجھے تکلیف دی جبکہ مجھے علم نہیں تھا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:

کوئی حرج نہیں تو نے بہت اچھا کیا اور پختہ کیا۔

اس شخص نے کہا:

اے اللہ عزوجل کے نبی! میرے ماں باپ آپ علیہ السلام پر قربان ہو جائیں آپ علیہ السلام میرے گھر والوں اور میرے مال کے متعلق حکم فرمائیں اس کے سبب جو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو دکھایا ہے یا میں تجھے اختیار دیتا ہوں میں تمہارا راستہ کھلا چھوڑتا ہوں۔

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:

میں یہ پسند کرتا ہوں کہ تو میرا راستہ چھوڑ دے تا کہ میں اپنے رب عزوجل کی عبادت کروں پس اس شخص نے آپ علیہ السلام کا راستہ چھوڑ دیا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا:

سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے مجھے پہلے غلامی میں ڈالا پھر مجھے اس سے نجات عطا فرمائی۔

(تاریخ ابن عساکر، ج:6، ص:417، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان سترہ سو سال کا فاصلہ ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان سترہ سو سال کا فاصلہ ہے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان سترہ سو یعنی تقریباً دو ہزار سال کا فاصلہ ہے۔

(تفسیر نعیمی: ج:6، ص:329 مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ لاہور)

حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک کا زمانہ مقدسہ

امام محمد بن سعد متوفی 230ھ لکھتے ہیں:

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان دس قرن ہیں اور وہ سب اسلام پر تھے۔

(الطبقات الکبریٰ: ج:1، ص:42 مطبوعہ دار صادر بیروت)

نیز راقم ہیں:

محمد بن عمر بن واقد اسلمی سے روایت ہے کہ

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان دس قرن ہیں اور قرن ایک سو سال کی مدت ہے اور حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان دس قرن ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے درمیان دس قرن ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار نو سو سال ہیں اور اس زمانہ میں رسالت منقطع نہیں تھی اور اس مدت میں بنی اسرائیل کی طرف ایک ہزار نبی بھیجے گئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد کے درمیان پانچ سو انہتر سال کی مدت ہے۔

(الطبقات الکبریٰ: ج:1، ص:53 مطبوعہ دار صادر بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ملک الموت کو تھپڑ مار کر آنکھ نکال دینا اور اس کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں جانا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ملک الموت آئے اور کہا! اپنے رب عزوجل کی دعوت پر چلئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک تھپڑ مارا اور ملک الموت کی آنکھ نکال دی ملک الموت اللہ تعالیٰ کے پاس گئے اور عرض کیا تو نے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجا ہے جس کا مرنے کا ارادہ ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کی آنکھ لوٹا دی اور فرمایا: میرے بندے کے پاس جا

کر کہو تم زندگی چاہتے ہو اگر تم زندگی چاہتے ہو تو ایک بیل کی پشت پر ہاتھ رکھ دو جس قدر بال آپ کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے آپ اتنے سال زندہ رہیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

پھر کیا ہوگا۔

کہا۔

پھر موت ہوگی۔

ارشاد فرمایا:

پھر ابھی عنقریب اے میرے رب عزوجل! مجھے ارض مقدسہ سے ایک پتھر پھینکنے کے فاصلے پر موت عطا فرمانا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر میں اس جگہ ہوتا تو میں تمہیں ان کی قبر راستے کے ایک جانب کثیب احمر کے پاس دکھاتا۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3407)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وصال کے وقت رونا اور رونے کی وجہ بتانا

امام عبدالرحمن بن علی جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

ابوعمران جونی نے کہا:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر موت کا وقت آیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رو رہے تھے۔

آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

میں موت کی وجہ سے نہیں رو رہا بلکہ اس لیے رو رہا ہوں کہ موت کے وقت میری زبان ذکر الٰہی عزوجل سے خشک ہو جائے گی۔ (المنتظم: ج: 1 ص: 253 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی بیٹیوں کو وصیت فرمانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تین بیٹیاں تھیں ان کو بلا کر ارشاد فرمایا:

اے میری بیٹیو! عنقریب بنی اسرائیل تمہارے سامنے دنیا پیش کریں گے تم ان میں سے کسی چیز کو قبول نہ کرنا۔

(المنتظم: ج: 1 ص: 253 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا گھر والوں کو الوداع کہہ کر حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو خلیفہ بنانا

حافظ ابوالقاسم علی بن حسن بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ، اپنی اولاد اور اپنی اہلیہ سے الوداع ہو گئے تو حضرت یوشع علیہ السلام کو بلایا اور

انہیں لوگوں پر خلیفہ بنادیا۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:25، ص:392 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ملک الموت کے پاس جانا اور اس کا قبر کے اندر روح قبض کرنا

اور ملک الموت کے پاس گئے۔

ملک الموت نے کہا:

اے موسیٰ علیہ السلام موت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا۔

مجھ پر اللہ تعالیٰ کا حکم جاری کردو۔ وہ دونوں بستی سے نکلے تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام، حضرت میکائیل علیہ السلام اور حضرت اسرافیل علیہ السلام کھڑے ہوئے ان دونوں کا انتظار کر رہے تھے پھر وہ سب مل کر چلنے لگے حتیٰ کہ وہ ایک قبر کے پاس سے گزرے جس پر سفید عمامہ باندھے ہوئے لوگ کھڑے تھے ان سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا۔

تم یہ کس کی قبر کھود رہے ہو؟

انہوں نے کہا:

ایک ایسے بندہ کی جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

کیا تم مجھے اجازت دو گے کہ میں اس قبر میں اتر کر اس کو دیکھ لوں۔

انہوں نے کہا:

ہاں! جب حضرت موسیٰ علیہ السلام قبر میں اترے تو وہ جنت تک کشادہ کر دی گئی اور جنت کی تروتازگی اور اس کی خوشبو پہنچنے لگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس قبر میں لیٹ گئے پھر دعا کی اے اللہ عزوجل! مجھے وہ بندہ بنادے جس سے تو محبت کرتا ہے اور وہ تجھ سے محبت کرتا ہے پھر ملک الموت نے آپ علیہ السلام کی روح قبض کر لی۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:25، ص:392 تا 393 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا نماز جنازہ پڑھنا

پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آگے بڑھ کر ان کی نماز جنازہ پڑھی اور پھر قبر مبارک پر مٹی ڈال دی گئی۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:25، ص:392 تا 393 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ہارون علیہ السلام کے وصال کے تین سال بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وصال ہوا

حضرت ہارون علیہ السلام کے وصال کے تین سال بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وصال ہوا۔

امام عبدالرحمٰن بن علی جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

علماء سیر نے بیان کیا ہے کہ

حضرت ہارون علیہ السلام کے وصال کے تین سال بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وصال ہوا۔

(المنتظم: ج: 1، ص: 253 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وصال کہاں ہوا؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کی جگہ کی تعیین میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔

امام عبدالرحمٰن بن علی جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سرزمین شام میں وصال ہوا یا نہیں ایک قول یہ ہے کہ وہ میدان تیہ میں وصال فرما گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام سب میدان تیہ میں وصال فرما گئے اور حضرت یوشع علیہ السلام کے سوا کوئی بیت المقدس میں داخل نہیں ہوا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ چالیس سال بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ میدان تیہ سے نکل آئے تھے اور بنی اسرائیل سے فرمایا تھا اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور اس میں جہاں سے چاہو کھاؤ۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہی قول صحیح ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہی بنی اسرائیل کے نیک لوگوں کے ساتھ جبارین کی اس بستی کو فتح کیا تھا کیونکہ اہل سیرت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہی عوج بن عنق سے قتال کیا تھا عوج ان کا بادشاہ تھا اور بلعام ان لوگوں میں سے تھا جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قید کیا تھا اور پھر قتل کر دیا تھا۔ (المنتظم: ج: 1، ص: 253 تا 254 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر مبارک کہاں ہے؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

شب معراج میں کثیب احمر کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قریب سے گزرا وہ اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ (صحیح مسلم: رقم الحدیث: 2374)

علامہ بدرالدین محمد بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر انور کس جگہ واقع ہے اس میں اختلاف ہے اور اس سلسلہ میں حسب ذیل اقوال ہیں۔

1۔ حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی قبر میدان تیہ میں ہے۔

ضحاک نے بیان کیا ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک پتھر پھینکنے کے فاصلہ کے برابر ارض مقدسہ میں داخل ہوئے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر انور معلوم نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مبہم رکھا ہے آپ نے فرمایا اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی قبروں کو یہود جان لیتے تو ضرور ان کو اپنا خدا بنا لیتے۔

ابن اسحاق نے کہا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کا صرف رخمہ کو علم تھا یہ وہ شخص ہے جو اس پر مطلع تھا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو میدان تیہ میں دفن کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی عقل سلب کر لی تا کہ وہ کسی کو بتا نہ سکے۔

2-حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر بیت المقدس کے باب لد کے قریب ہے۔ طبری نے کہا یہی قول صحیح ہے میں کہتا ہوں کہ یہ قول کیسے صحیح ہوسکتا ہے حالانکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہب اور عام علماء نے یہ کہا ہے کہ ان کی قبر میدان تیہ میں ہے۔

3-حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں ذکر کیا ہے کہ ان کی قبر عالیہ اور عویلہ کے درمیان ہے اور یہ مسجد قدم کے نزدیک دو محلے ہیں کہا گیا ہے کہ ان کی قبر خواب میں دکھائی گئی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ عالیہ معروف جگہ ہے اور عویلہ ایک گرجے کے پاس ہے۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:25، ص:398 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

4-بصریٰ اور البلقا کے درمیان وادی ماب میں ان کی قبر ہے۔

5-حافظ ابو القاسم نے کعب الاحبار سے روایت کیا ہے کہ ان کی قبر دمشق میں ہے اور حافظ ابن حیان نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر مدینہ اور بیت المقدس کے درمیان مدین میں ہے اس پر محمد بن عبد الواحد الضیاء نے یہ اعتراض کیا ہے کہ مدین بیت المقدس کے قریب ہے نہ ارض مقدسہ کے اور مشہور یہ ہے کہ ان کی قبر اریحا میں ہے جو ارض مقدسہ میں ہے اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کثیب امر کے پاس ہے جیسا کہ حدیث میں ہے اور اس قبر کے پاس دعا مستجاب ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی 676ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس کے قریب موت کی دعا کی اور بیت المقدس میں مدفون ہونے کی دعا نہیں کی کیونکہ ان کو یہ خدشہ تھا کہ ان کی قبر لوگوں میں مشہور ہو جائے گی تو لوگ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ فضیلت والی جگہوں میں دفن ہونا مستحب ہے اور صالحین کی قبروں کے پاس مدفون ہونا مبارک ہے۔ (شرح صحیح مسلم ج:10، ص:6232 مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ) *

امام عبد الرحمٰن بن علی جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

ابو الحسن بن المنادی نے کہا:

یہود کو یہ معلوم نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کہاں ہے اگر ان کو معلوم ہوتا تو وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کو خدا بنا لیتے۔

(المنتظم ج:1، ص:254 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت الیسع علیہ السلام

حضرت الیسع علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مقدس اور برگزیدہ نبی ہیں جب بنی اسرائیل کی بت پرستی عروج پر پہنچی تو رب تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور آپ علیہ السلام نے تورات کے احکام نافذ فرمائے مگر بد بخت قوم نے تورات شریف میں تحریفات کیں اور احکام کو بدل دیا۔

حضرت الیسع علیہ السلام حضرت الیاس علیہ السلام کے بعد خلیفہ ہوئے؟

حضرت الیسع علیہ السلام حضرت الیاس علیہ السلام کے بعد خلیفہ ہوئے جس کی تفصیل یوں ہے:

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں: حضرت وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں حضرت یوشع بن نون علیہ السلام خلیفہ بنے تھے انہوں نے بنی اسرائیل میں تورات اور اللہ تعالیٰ کے احکام قائم کیے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روح کو قبض فرمالیا پھر کالب بن یوقنا خلیفہ بنے تھے وہ ان میں تورات اور احکام الٰہی نافذ کرتے رہے حتیٰ کہ ان کا وصال ہوگیا۔ حضرت حزقیل بن بوری جو ابن العجوز تھے وہ خلیفہ بنے پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت حزقیل علیہ السلام کی بھی روح قبض کرلی۔ بنی اسرائیل میں بڑے حادثات واقع ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ جوان کے عہد تھے وہ سب بھول گئے حتیٰ کہ انہوں نے بت نصب کردیئے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی عبادت شروع کردی اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت الیاس بن نسی بن فنحاص بن العیزار بن ہارون بن عمران کو نبی بنا کر بھیجا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں جو نبی آتے رہے وہ انہیں تورات کے بھولے ہوئے احکامات یاد دلاتے تھے۔ حضرت الیاس علیہ السلام بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ کے ساتھ رہتے تھے جن کو اجان کہا جاتا تھا وہ حضرت الیاس علیہ السلام کی بات سنتا تھا اور اس کی تصدیق کرتا تھا اور حضرت الیاس علیہ السلام اس کے لئے امور چلاتے تھے جبکہ باقی تمام بنی اسرائیل نے ایک بت بنا رکھا تھا جس کی وہ عبادت کرتے تھے۔ حضرت الیاس علیہ السلام ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے اور وہ اس کی کوئی بات نہیں سنتے تھے وہ صرف اپنے بادشاہ کی بات مانتے تھے۔ شام میں بادشاہ متفرق تھے۔ ہر بادشاہ کا ایک مخصوص علاقہ تھا جس سے وہ کھاتا تھا۔ اس بادشاہ نے حضرت الیاس علیہ السلام سے کہا جس کی طرف آپ بلاتے ہیں میں اسے باطل دیکھتا ہوں میں فلاں فلاں بنی اسرائیل کے بادشاہوں کو دیکھتا ہوں وہ بتوں کی عبادت کرتے ہیں وہ کھاتے پیتے ہیں اور لطف اندوز ہوتے ہیں

جبکہ ان کی دنیا سے کچھ کم نہیں ہوتا۔ حضرت الیاس علیہ السلام نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور آپ علیہ السلام کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور آپ علیہ السلام اسے چھوڑ کر چلے گئے اس بادشاہ نے بھی اپنے دوستوں کی طرح کیا اور بتوں کی پوجا شروع کر دی۔

پھر آپ علیہ السلام کے بعد حضرت الیسع علیہ السلام خلیفہ بنے وہ تقدیر الٰہی کے مطابق کچھ عرصہ ٹھہرے رہے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اپنی بارگاہ میں بلا لیا پس ناخلف لوگ پیدا ہوتے رہے خطائیں بڑھتی گئیں اور ان کے پاس تابوت جو نسل در نسل ان میں منتقل ہوتا آ رہا تھا اس میں سکینت تھی اور وہ بقیہ سامان تھا جو آل موسیٰ اور آل ہارون نے چھوڑا تھا۔ دشمن سے مقابلہ ہوتا تو وہ تابوت کو آگے کرتے اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں فتح دیتا تھا اور ان کے دشمن کو شکست ہوتی تھی جب ان کے کرتوت حد سے بڑھ گئے اور انہوں نے احکام الٰہیہ کو چھوڑ دیا تو ان پر ایک دشمن نازل ہوا وہ اس کی طرف نکلے اور اپنے تابوت کو بھی نکالا جیسے پہلے نکالتے تھے پھر وہ اس کے ساتھ پیچھے مڑے پس اس سے قتال کیا گیا حتیٰ کہ ان کے ہاتھوں سے وہ تابوت بھی چھین لیا گیا ان پر سخت مصیبت آ پڑی دشمن نے انہیں روندا حتیٰ کہ وہ ان عورتوں اور بیٹوں تک پہنچ گئے ان میں ایک نبی تھے جن کا نام حضرت شمویل علیہ السلام تھا یہ وہ ہیں جن کا ذکر اس ارشاد میں ہے **الم تر الی الملا من بنی اسرائیل من بعد موسٰی اذ قالوا لنبی لھم** الخ بنی اسرائیل نے اس سے بات کی اور کہا:

ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل اللہ (مقرر کر دو ہمارے لئے ایک امیر تاکہ لڑائی کریں ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں)

بنی اسرائیل بادشاہوں کے تابع تھے اور بادشاہ انبیائے کرام علیہم السلام کے تابع تھے۔ بادشاہ تمام کو چلاتا تھا اور نبی اس کے امر کو قائم کرتا تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبریں اس کے پاس لاتا تھا جب انہوں نے یہ سب کچھ اپنے نبی کے ارشاد کے مطابق کیا تو ان کا معاملہ درست رہا پھر جب ان کے بادشاہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کی نافرمانی کی اور انبیاء کرام علیہم السلام کے احکام چھوڑ دیئے تو ان کا معاملہ بگڑ گیا۔ بادشاہوں کی جب لوگوں نے گمراہی پر متابعت شروع کی تو انہوں نے رسولوں کا حکم چھوڑ دیا کچھ کی وہ تکذیب کرتے تھے ان کا کوئی بھی حکم تسلیم نہیں کرتے تھے اور کچھ انبیاء کرام علیہم السلام کو انہوں نے قتل کیا تھا پس ان پر یہ مصیبت قائم رہی حتیٰ کہ انہوں نے اپنے نبی سے کہا: "**ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل اللہ**" اس نبی نے فرمایا تمہارے اندر وفا کا جذبہ نہیں ہے نہ تم میں کوئی سچائی ہے اور نہ تمہیں جہاد سے رغبت۔ انہوں نے کہا ہم جہاد سے ڈرتے ہیں اور جہاد سے ہم دلچسپی نہیں رکھتے، جس کی وجہ سے ہمیں اپنے شہروں سے روکا گیا ہمارے دشمن ہم پر غالب ہیں وہ ہمیں روند رہے ہیں جب حد یہ ہو گئی ہے تو ہم پر جہاد کرنا ضروری ہے ہم اپنے دشمن سے جہاد کرنے میں اپنے رب عزوجل کی اطاعت کریں گے اور اپنے بیٹوں، عورتوں اور بچوں کی حفاظت کریں گے۔ جب لوگوں نے یہ کہا تو حضرت شمویل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان میں بادشاہ بھیج۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس سینگ کو دیکھ جس میں تیل ہے اور تیرے گھر میں ہے پس جب تیرے پاس کوئی شخص آئے اور یہ تیل اس سینگ میں جوش مارنے لگے تو وہی شخص بنی اسرائیل کا بادشاہ ہوگا پس وہ اس سینگ سے اپنے سر پر تیل لگائے گا اور وہ ان پر حکومت کرے گا۔ حضرت شمویل علیہ السلام اس کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ طالوت

چمڑوں کی دباغت کا کام کرتے تھے اور وہ بنیامین بن یعقوب کی اولاد سے تھا اور بنیامین کا قبیلہ ایسا تھا کہ اس میں نبوت نہ تھی اور نہ بادشاہی تھی۔ طالوت اپنے گم شدہ جانوروں کی تلاش میں نکلا جبکہ اس کے ساتھ اس کا غلام بھی تھا وہ دونوں نبی علیہ السلام کے گھر کے قریب سے گزرے۔ غلام نے طالوت سے کہا: اگر آپ اس نبی کے پاس جائیں اور اس سے ہم اپنے جانور کے بارے میں پوچھیں اور راہنمائی حاصل کریں اور وہ ہمارے لیے خیر کی تبلیغ کریں تو بہتر ہوگا۔

طالوت نے کہا:

جو تو نے کہا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے وہ دونوں اس نبی کے پاس گئے جب وہ اپنے جانور کے بارے بتا رہے تھے اور ان سے دعا کی التجاء کر رہے تھے تو سینگ کا تیل ابلنے لگا۔ نبی علیہ السلام اس کی طرف اٹھے اور اسے اٹھا لیا پھر طالوت سے کہا اپنا سر قریب کر، اس نے قریب کیا اس سینگ سے تیل لگایا پھر فرمایا تو بنی اسرائیل کا بادشاہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھے ان کا بادشاہ بنا دوں۔ طالوت کا نام سریانی زبان میں شاول تھا اس کا شجرہ نسب اس طرح تھا "شاول بن قیس بن اشال بن ضرار بن یحرب بن افیح بن انس بن یامین بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام"۔

وہ اس کے پاس بیٹھ گیا اور اس نبی نے طالوت کو لوگوں کا بادشاہ بنا دیا۔ بنی اسرائیل کے معتبر افراد اپنے نبی علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا طالوت کی شان کیا ہے تم ہم پر اسے بادشاہ بناتے ہو نہ تو اس کا تعلق بیت نبوت سے اور نہ بیت مملکت سے ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ نبوت اور حکومت آل لاوی، آل یہوذا میں ہے اس نے انہیں فرمایا اللہ تعالیٰ نے اسے تم پر چن لیا ہے اور علم وجسم کے اعتبار سے اسے زیادتی بخشی ہے۔ (تفسیر طبری: ج،2، ص712 تا 719 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت الیسع علیہ السلام کی بوڑھے ہونے پر خلیفہ بنانے کی خواہش

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب حضرت الیسع علیہ السلام بوڑھے ہو گئے تو ارشاد فرمایا اگر میں لوگوں پر کسی شخص کو خلیفہ بنا دوں جو میری غیر موجودگی میں ان کے امور چلائے حتی کہ میں دیکھ لوں وہ کیسے کام کرتا ہے۔ (تفسیر طبری: ج:17 ص:88 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

خلیفہ بنانے کے لئے لوگوں کو جمع فرمانا

جب حضرت الیسع علیہ السلام کی خلیفہ بنانے کے لئے خواہش ہوئی تو خلیفہ بنانے کے لیے لوگوں کو جمع فرمایا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

پس آپ علیہ السلام نے لوگوں کو جمع فرمایا۔ (تفسیر طبری: ج:17 ص:88 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

خلیفہ بنانے کے لئے تین امور لازم قرار دینا

جب حضرت الیسع علیہ السلام نے خلیفہ بنانے کے لئے لوگوں کو جمع فرما لیا تو ارشاد فرمایا میرے لیے جو تین چیزوں میں

کفالت کرے گا میں اس کو خلیفہ بناؤں گا۔

1-دن کو روزہ رکھے۔

2-رات کو قیام کرے۔

3-اور غصہ نہیں کرے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

اور ارشاد فرمایا:

میرے لیے جو تین چیزوں میں کفالت کرے گا میں اس کو خلیفہ بناؤں گا۔

1-دن کو روزہ رکھے۔

2-رات کو قیام کرے۔

3-اور غصہ نہ کرے۔ (تفسیر طبری: ج:17 ص:88 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ایک شخص کا کھڑے ہو کر خلیفہ بننے کی درخواست کرنا

جب حضرت الیسع علیہ السلام نے خلیفہ بننے کے لئے تین امور لازمہ کو بنا دیا تو ایک شخص کھڑا ہوا جس کو آنکھیں حقیر سمجھتی تھیں اس نے کہا میں یہ کام کروں گا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا تو دن میں روزہ رکھے گا اور رات کو قیام کرے گا اور غصہ بھی نہیں کرے گا۔ اس نے کہا میں ایسا ہی کروں گا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

ایک ایسا شخص اٹھا جس کو آنکھیں حقیر سمجھتی تھیں اس نے کہا! میں اس طرح کروں گا۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

تو دن میں روزہ رکھے گا۔

اور رات کو قیام کرے گا۔

اور غصہ بھی نہیں کرے گا۔

اس نے عرض کیا:

ہاں! (یعنی میں یہ سب کروں گا) (تفسیر طبری: ج:17 ص:88 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس دن خلیفہ بننے والے شخص کو واپس فرما دینا

حضرت الیسع علیہ السلام نے اس دن اس شخص کو واپس کر دیا جس نے کہا تھا کہ میں خلیفہ ہوتا ہوں۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

آپ علیہ السلام نے اس دن اس شخص کو واپس کر دیا۔ (تفسیر طبری: ج: 17، ص: 88 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

دوسرے دن اسی شخص کا کھڑا ہونا اور حضرت الیسع علیہ السلام کا خلیفہ بنا دینا

حضرت الیسع علیہ السلام نے دوسرے دن اسی طرح اعلان کیا جس طرح پہلے دن اعلان فرمایا تھا تو اسی شخص کے علاوہ کوئی کھڑا نہ ہوا۔ آپ علیہ السلام نے اس کو خلیفہ بنا دیا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت الیسع علیہ السلام نے دوسرے دن وہی اعلان فرمایا تو تمام لوگ خاموش رہے لیکن وہی شخص پھر کھڑا ہوا اور کہا میں آپ علیہ السلام کے حکم کی تعمیل کروں گا۔ حضرت الیسع علیہ السلام نے اسے خلیفہ بنا دیا۔

(تفسیر طبری: ج: 17، ص: 88 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

خلیفہ بننے والے شخص کے پاس شیطان کا بار بار آنا

جب وہ شخص یعنی حضرت ذوالکفل علیہ السلام خلیفہ بن گئے تو شیطان روزانہ غصہ دلانے کے لئے بار بار آتا اور غصہ دلانے کی کوشش کرتا تھا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

ابلیس نے اپنے چیلوں سے کہا فلاں شخص کو لازم پکڑ لو۔ اس شخص نے تمام شیطانوں کو عاجز کر دیا۔

ابلیس نے کہا:

اب مجھے اور اسے تم چھوڑ دو (میں خود اس کا بندوبست کرتا ہوں) ابلیس اس کے پاس ایک بوڑھے کی شکل میں آیا جبکہ وہ قیلولہ کرنے کے لئے بستر پر جا چکا تھا چونکہ وہ شخص دن اور رات میں کسی وقت نہیں سوتا تھا سوائے اس قیلولہ کے وقت کے ابلیس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

اس شخص نے پوچھا:

کون ہے؟

اس نے کہا:

ایک بوڑھا مظلوم؟

وہ شخص اٹھ کھڑا ہوا اور دروازہ کھول دیا۔ بوڑھے نے بہت سی باتیں کیں میرا اور میری قوم کا جھگڑا ہے انہوں نے مجھ پر ظلم کیا ہے انہوں نے مجھ پر زیادتی کی ہے وہ اتنی باتیں کرتا رہا کہ آرام کا وقت ختم ہو گیا۔

اس خلیفہ نے کہا:

جب میں اپنے عدالت کے کمرے میں جاؤں تو تو آجانا میں تیرا تجھے حق دلاؤں گا۔ بوڑھا چلا گیا۔ خلیفہ اپنی مجلس میں تشریف فرما تھے اور اس بوڑھے کا انتظار کر رہے تھے وہ نظر نہ آیا تو خلیفہ صاحب خود اس کی تلاش میں نکلے۔ بوڑھا پھر بھی نظر نہ

آیا۔ جب خلیفہ صاحب گھر تشریف لے گئے۔ آرام کرنے لگے تو اس نے پھر دروازہ کھٹکھٹایا۔ خلیفہ نے پوچھا کون؟ اس نے کہا بوڑھا مظلوم! خلیفہ نے پھر دروازہ کھول دیا۔

خلیفہ نے فرمایا:

میں نے تجھے کہا نہیں تھا کہ جب میں مسند عدل پر بیٹھوں تو تو آجانا؟

بوڑھے نے کہا:

جس قوم سے میرا جھگڑا ہے وہ بڑی خبیث ہے۔

خلیفہ نے فرمایا:

جب میں اپنے کام پر جاؤں تو تو آجانا۔ اس روز بھی قیلولہ کا وقت ختم ہو گیا۔ خلیفہ صاحب مسند عدالت پر بیٹھے تو اس بوڑھے کو دیکھتے رہے، لیکن وہ نظر نہ آیا۔ آج خلیفہ کو نیند تنگ کر رہی تھی۔ شام کو جب مجلس عدل شروع ہوئی تو وہ بوڑھا نظر نہ آیا۔ خلیفہ پر نیند غالب آرہی تھی۔

اس نے اپنے دربان کو کہا کہ

کسی کو دروازہ کے قریب نہ آنے دینا تاکہ میں کچھ آرام کرلوں مجھے نیند بہت سخت آئی ہوئی ہے۔ جب خلیفہ کے قیلولہ کا وقت تھا تو بوڑھا پھر آ گیا۔ محافظ نے اسے اجازت نہ دی۔ جب بوڑھا عاجز ہو گیا تو اس نے روشن دان دیکھا۔ اس نے دیوار پھلانگی اور روشن دان سے اندر داخل ہو کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ خلیفہ بیدار ہوا تو اس نے محافظ کو آواز دی۔ اے فلاں! میں نے تجھے کہا نہیں تھا کہ کسی کو اندر نہ آنے دینا۔

محافظ نے کہا:

حضور! ادھر سے کوئی داخل نہیں ہوا دیکھو وہ کہاں سے آیا ہے؟

خلیفہ نے دروازہ دیکھا تو واقعی بند تھا۔

اس شخص نے کہا:

لوگ تمہارے دروازے پر جھگڑے کے لیے آتے ہیں اور تم سوئے ہوئے ہو۔

خلیفہ نے اس شخص کو پہچان لیا اور کہا:

تو اللہ تعالیٰ کا دشمن (ابلیس) ہے۔

بوڑھے نے کہا: ہاں تو نے مجھے عاجز کر دیا ہے اور میں نے یہ سب کچھ اس لیے کیا تاکہ تجھے غصہ آئے لیکن اللہ تعالیٰ نے تجھے بچا لیا ہے۔ اس خلیفہ کو ذوالکفل کہا گیا کیونکہ اس نے جو ذمہ داری قبول کی تھی اس کو احسن طریقے سے نبھایا۔

(تفسیر طبری: ج:17، ص88 تا89 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ابن ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ یہ روایت یوں نقل فرماتے ہیں۔

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب حضرت الیسع علیہ السلام بوڑھے ہو گئے تو انہوں نے کہا کاش میں کسی شخص کو اپنی زندگی میں خلیفہ مقرر کر دوں اور دیکھوں کہ وہ کس طرح عمل کرتا ہے پھر انہوں نے لوگوں کو جمع کر کے کہا جو شخص میری تین شرطیں پوری کرے گا میں اس کو خلیفہ بنا دوں گا۔ فرمایا وہ دن کو روزہ رکھے، رات کو نماز میں قیام کرے اور کسی پر غصہ نہ کرے۔ ایک شخص کھڑا ہو گیا جس کو لوگ غیر اہم سمجھتے تھے اس نے کہا میں ایسا کروں گا۔ حضرت الیسع علیہ السلام نے اس دن اس کو لوٹا دیا۔ دوسرے دن پھر اسی طرح فرمایا لوگ خاموش رہے اور وہ شخص پھر کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا میں اس طرح کروں گا تو حضرت الیسع علیہ السلام نے اس کو خلیفہ بنا دیا پھر شیطان اس کو لغزش دینے کے لئے پہنچا اور وہ ان کے پاس اس وقت گیا جب وہ قیلولہ (دوپہر کے وقت آرام کرنے) کے لئے لیٹ گئے تھے وہ رات کو بالکل نہیں سوتے تھے اور دن کو اسی وقت سوتے تھے۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ انہوں نے پوچھا کون ہو؟ اس نے کہا: میں بوڑھا مظلوم شخص ہوں۔ انہوں نے دروازہ کھولا تو اس نے کہا میرا کچھ لوگوں سے جھگڑا ہے انہوں نے مجھ پر ظلم کیا اور اب تک مارتے پیٹتے رہے حتیٰ کہ صبح ہو گئی اور دوپہر آ گئی۔ انہوں نے کہا تم شام کو میرے پاس آنا میں تمہارا حق ان سے لے کر دوں گا۔

وہ مجلس میں گئے اور دیکھنے لگے کہ وہ بوڑھا شخص نظر آ رہا ہے یا نہیں! انہوں نے اس بوڑھے شخص کو نہیں دیکھا۔ دوسرے روز وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر رہے تھے وہ اس بوڑھے کا انتظار کرتے رہے وہ نہیں آیا پھر وہ دوپہر کو اپنے گھر گئے اور سونے کے لئے بستر پر لیٹ گئے تو اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ پوچھا کون ہے؟ اس نے کہا: ایک بوڑھا مظلوم آدمی ہے۔ انہوں نے کہا: کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ جب میں فیصلہ کے لئے بیٹھوں تم اس وقت میرے پاس آنا؟ اس نے کہا وہ بہت خبیث لوگ ہیں جب انہوں نے دیکھا کہ آپ بیٹھے ہوئے ہیں تو انہوں نے کہا ہم تمہیں تمہارا حق ادا کر دیتے ہیں اور جب اٹھ کر چلے گئے تو پھر انہوں نے مجھے دینے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا اب تم جاؤ جب میں فیصلہ کے لئے جاؤں تو تم میرے پاس آ جانا ان کا قیلولہ (دوپہر کا سونا) اس دن بھی رہ گیا۔ دوسرے دن وہ پھر اس کا انتظار کرتے رہے وہ نہیں آیا ان کو اونگھ بہت ستا رہی تھی انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا تم اس دروازہ کے قریب کسی کو مت آنے دینا حتیٰ کہ میں سو جاؤں کیونکہ مجھے بہت سخت نیند آ رہی ہے وہ اسی وقت آ گیا۔ گھر والوں نے کہا: پیچھے جاؤ، پیچھے جاؤ۔ اس نے کہا: میں ان کے پاس کل آیا تھا اور میں نے ان سے اپنے معاملہ کا ذکر کیا تھا۔ گھر والوں نے کہا نہیں۔ خدا کی قسم! انہوں نے ہمیں منع کیا ہے کہ کسی کو میرے قریب نہ آنے دینا کیونکہ میں کئی دن سے سو نہیں سکا۔ جب وہ تھک گیا تو اسے گھر میں ایک روشن دان نظر آیا وہ اس میں سے گھر میں داخل ہو گیا اور کمرے کا دروازہ کھٹکھٹانے لگا وہ بیدار ہو گئے اور کہا: اے فلاں شخص! میں نے تم کو حکم نہیں دیا تھا میں دیکھتا ہوں کہ تم آئے کہاں سے ہو۔ انہوں نے دیکھا گھر کا دروازہ اسی طرح بند تھا جس طرح انہوں نے بند کیا تھا اور وہ شخص ان کے ساتھ تھا پھر وہ اس کو پہچان گئے کہ یہ شیطان ہے۔ انہوں نے پوچھا کیا وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے؟ اس نے کہا: ہاں! تم نے مجھے ہر داؤ میں ناکام کر دیا۔ میں نے جو کچھ کیا وہ تم کو غضب میں لانے کے لئے کیا تھا تب اللہ تعالیٰ نے ان کا نام کفل (ضامن) رکھا کیونکہ انہوں نے جس

چیز کا ذمہ لیا تھا اس کو پورا کر دیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 13702)

حضرت الیسع علیہ السلام نے تورات شریف کے احکام جاری فرمائے

حضرت الیسع علیہ السلام نے تورات شریف کے احکام جاری فرمائے تھے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام ان کے بعد حضرت کالب ابن لوقنا ان کے بعد حضرت حزقیل علیہ السلام یہ حضرات اپنے اپنے زمانوں میں توریت شریف کے احکام جاری فرماتے اور یہود کی اصلاح کرتے تھے۔ حزقیل ابن یوزی علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کا حال بہت خراب ہو گیا انہوں نے کھلم کھلا بت پرستی شروع کر دی تب حضرت الیاس ابن نسی ابن فنحاص ابن عیزار ابن ہارون علیہم السلام مبعوث ہوئے انہوں نے بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ جان کی مدد سے کچھ اصلاح کی مگر ان کے بعد پھر بنی اسرائیل کا حال خراب ہوا تب حضرت الیسع علیہ السلام تشریف لائے اور انہوں نے توریت کے احکام جاری فرمائے۔ (تفسیر نعیمی: ج:2، ص:545 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت الیسع علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی نافرمانیاں عروج پر ہونا

حضرت الیسع علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی نافرمانیاں حد سے زیادہ بڑھ گئیں جن کی وجہ سے سلطنت بھی چھن گئی اور انبیاء کرام علیہم السلام کی تشریف بھی بند ہو گئی۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

خیال رہے کہ حضرت حزقیل علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی ایک نسل میں تو خلافت و سلطنت تھی اور دوسری میں نبوت یعنی آل لاوی ابن یعقوب میں نبوت اور آل یہودا ابن یعقوب میں سلطنت۔ حضرت الیسع علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی نافرمانی حد سے زیادہ بڑھ گئی جس کا انجام یہ ہوا کہ ان سے سلطنت بھی چھن گئی اور انبیاء کرام علیہم السلام کی آمد بھی بند ہو گئی اور ان پر فرعون کی طرح جالوت بادشاہ مسلط ہو گیا جو کہ عملیق ابن عاد کی اولاد سے ایک نہایت ظالم بادشاہ تھا اور قوم عمالقہ سے قبطیوں کی طرح بنی اسرائیل پر ظلم ڈھانا شروع کر دیئے کہ ان کے شہر چھین لئے ان کے آدمی گرفتار کر لئے ان پر بہت سختیاں شروع کر دیں یہ جالوتی لوگ مصر اور فلسطین کے درمیان بحر روم کے کنارے پر رہتے تھے۔ بنی اسرائیل میں اس وقت خاندان نبوت سے صرف ایک بیوی باقی تھی جو حاملہ تھی بنی اسرائیل دعا کرتے تھے کہ خداوند ان کے بطن سے کوئی نبی پیدا فرمائے جن سے ہمارا بگڑا حال سنبھل جائے چنانچہ ان کے بطن شریف سے حضرت شمویل علیہ السلام پیدا فرمائے۔

(تفسیر نعیمی: ج:2، ص:545 تا 546 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ لاہور)

حضرت الیسع علیہ السلام کی بعثت کی ترتیب

امام محمد بن سعد رحمۃ اللہ علیہ متوفی 230ھ لکھتے ہیں:

حضرت کلبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

1- سب سے پہلے نبی جو مبعوث کیے گئے وہ ادریس علیہ السلام تھے۔
2- پھر حضرت نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے۔
3- پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے۔
4- پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام مبعوث ہوئے۔
5- پھر حضرت اسحاق علیہ السلام مبعوث ہوئے۔
6- پھر حضرت یعقوب علیہ السلام مبعوث ہوئے۔
7- پھر حضرت یونس علیہ السلام مبعوث ہوئے۔
8- پھر حضرت لوط علیہ السلام مبعوث ہوئے۔
9- پھر حضرت ھود علیہ السلام مبعوث ہوئے۔
10- پھر حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے۔
11- پھر حضرت شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے۔
12- پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے۔
13- پھر ہارون علیہ السلام مبعوث ہوئے۔
14- پھر حضرت الیاس علیہ السلام مبعوث ہوئے۔
15- پھر حضرت الیسع علیہ السلام مبعوث ہوئے۔
16- پھر حضرت یونس علیہ السلام مبعوث ہوئے۔
17- پھر حضرت ایوب علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ (طبقات ابن سعد: ج1، ص54 تا55 مطبوعہ دار صادر بیروت)

اور امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ نے یوں ترتیب بیان کی ہے۔

1- سب سے پہلے جس نبی کو مبعوث کیا گیا وہ حضرت ادریس علیہ السلام تھے۔
2- پھر حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
3- پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
4- پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
5- پھر حضرت اسحاق علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
6- پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
7- پھر حضرت یوسف علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔

8- پھر حضرت لوط علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
9- پھر حضرت ھود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
10- پھر حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
11- پھر حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
12- پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
13- پھر حضرت ہارون علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
14- پھر حضرت الیسع علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
15- پھر حضرت یونس علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
16- پھر حضرت ایوب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
17- پھر حضرت داؤد علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
18- پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
19- پھر حضرت زکریا علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
20- پھر حضرت یحییٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
21- پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
22- پھر حضرت سیّدنا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا۔

(تاریخ دمشق الکبیر، ج:24، ص:165 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام

حضرت یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مقدس اور برگزیدہ نبی ہیں۔ آپ علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے ایسی قوم کی طرف مبعوث فرمایا جو شرک جیسے بڑے افعال کرتے تھے۔ جب آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا اور انہوں نے عذاب کے آثار دیکھ لیے تو وہ اللہ تعالیٰ اور حضرت یونس علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور ان کا ایمان لانا نفع آور ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا اور ان سے عذاب کو اٹھالیا۔

حضرت یونس علیہ السلام کا نام ونسب

حضرت یونس علیہ السلام لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام کے نواسے ہیں۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت یونس علیہ السلام لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام کے نواسے تھے۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:105 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام شام کے رہنے والے تھے

حضرت یونس علیہ السلام شام کے رہنے والے تھے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت یونس علیہ السلام شام کے رہنے والے تھے۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:105 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام بعلبک کے عمال میں سے تھے

حضرت یونس علیہ السلام بعلبک کے عمال میں سے تھے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت یونس علیہ السلام بعلبک کے عمال میں سے تھے۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:105 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کے بچپن میں وصال فرمانے کا قول

حضرت یونس علیہ السلام کے بچپن میں وصال فرما جانے کا قول بھی ملتا ہے جب آپ علیہ السلام وصال فرما گئے تو اللہ تعالیٰ

کے نبی حضرت الیاس علیہ السلام سے سوال کیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو زندہ فرما دیا۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ

آپ علیہ السلام بچپن میں فوت ہو گئے تھے آپ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت الیاس علیہ السلام سے سوال کیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی پھر اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو زندہ فرما دیا۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:28،ص:105 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کے علاوہ والدہ محترمہ کی کوئی اولاد نہ تھی

حضرت یونس علیہ السلام کے علاوہ والدہ محترمہ کی کوئی اولاد نہ تھی۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت یونس علیہ السلام کے علاوہ آپ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کی اور کوئی اولاد نہ تھی۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:28،ص:105 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام بنی اسرائیل کے بہت عبادت گزاروں میں سے تھے

حضرت یونس علیہ السلام بنی اسرائیل کے بہت عبادت گزاروں میں سے تھے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت یونس علیہ السلام بنی اسرائیل کے بہت عبادت گزاروں میں سے تھے۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:28،ص:105 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کا اپنا دین بچانے شام چلے جانا اور دجلہ کے کنارے پہنچنا

حضرت یونس علیہ السلام اپنا دین بچانے کے لئے شام تشریف لے گئے اور دجلہ کے کنارے پہنچ گئے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت یونس علیہ السلام بنی اسرائیل کے بہت عبادت گزاروں میں سے تھے۔ آپ علیہ السلام اپنے دین کو بچانے کے لئے شام چلے گئے اور دجلہ کے کنارے پہنچ گئے۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:28،ص:105 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام رسولوں میں سے ہیں

حضرت یونس علیہ السلام رسولوں میں سے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ○ (الصافات: 139)

اور بے شک یونس ضرور رسولوں میں سے ہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام نے چالیس سال میں اعلان نبوت فرمایا

حضرت یونس علیہ السلام نے چالیس سال میں اعلان نبوت فرمایا۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت یونس علیہ السلام نے چالیس سال کی عمر میں اعلان نبوت فرمایا۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:28،ص:105 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نبوت عطا فرمانے کی تحقیق

نبی کو نبوت عطا فرمانے میں علماء کرام کے چند اقوال ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں۔

امام محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ ہر نبی کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیا گیا ہے اور اس کی ظاہر ہے کیونکہ جب انسان چالیس سال کی عمر میں پہنچ جاتا ہے تو اس کے غضب اور شہوت کی قوت کم ہونے لگتی ہے اور اس کی عقل بڑھنے لگتی ہے اور اس وقت انسان جسمانی اعتبار سے کامل ہو جاتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کرنے کے لئے اس عمر کو اختیار فرمایا۔

(تفسیر کبیر: ج:8،ص:583 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ محمود بن عمر زمخشری الخوارزمی متوفی 538ھ لکھتے ہیں:

ہر نبی کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیا جاتا ہے۔ (الکشاف: ج:3،ص:402 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ بیضاوی متوفی 685ھ لکھتے ہیں:

چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا فرمائی جاتی ہے۔ (بیضاوی: ج:4،ص:286)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی 1137ھ لکھتے ہیں: بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث کرنے کے لئے چالیس سال کی عمر کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تینتیس (33) سال کی عمر میں نبی بنایا گیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو اٹھارہ (18) سال کی عمر میں (جب آپ علیہ السلام کو کنویں میں گرا دیا گیا تھا) نبی بنایا گیا تھا کیونکہ اس وقت ان پر یہ وحی کی گئی تھی۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۝ (یوسف:15)

اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ عنقریب تم ان کو ان کے سلوک سے آگاہ کرو گے اور ان کو اس کی خبر بھی نہ ہوگی۔

جمہور علماء کے نزدیک یہ وحی نبوت تھی اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بالغ ہونے سے پہلے نبوت دی گئی۔

(روح البیان: ج:6،ص:498 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی حنفی متوفی 973ھ لکھتے ہیں:

جن لوگوں کو یہ شبہ ہوا کہ نبوت کسبی ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اظہار رسالت سے پہلے یا تو مخلوق سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں یا پھر وہ عبادت کرتے ہیں اور ان میں وحی کو قبول کرنے کی استعداد اور صلاحیت ہوتی ہے تاکہ وہ اس حالت کی طرف لوٹ جائیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مقدر کی ہے سو جو لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ پہلے مخلوق سے کنارہ کش تھے اور عبادت کرتے تھے پھر ان کو نبوت حاصل ہوئی وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کو نبوت ان کے کسب سے حاصل ہوئی مگر یہ ان کا وہم ہے اور ان کی نظر کی کوتاہی ہے اور شیخ محی الدین ابن عربی متوفی 638ھ نے الفتوحات المکیہ کے باب 298 میں کہا ہے کہ جس نے یہ کہا ہے کہ نبوت کسب سے حاصل ہوتی ہے اس نے خطا کی نبوت صرف اللہ تعالیٰ کی عطا کے ساتھ مختص ہے۔ (الیواقیت والجواہر ص:353 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

صدر الشریعہ علامہ مفتی امجد علی اعظمی متوفی 1367ھ لکھتے ہیں:

نبوت کسبی نہیں کہ آدمی عبادت و ریاضت کے ذریعہ حاصل کر سکے بلکہ محض عطائے الٰہی عزوجل ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اپنے فضل سے دیتا ہے۔ ہاں دیتا اسی کو ہے جسے اس منصب عظیم کے قابل بناتا ہے جو قبل حصول نبوت تمام اخلاق رذیلہ سے پاک اور تمام اخلاق فاضلہ سے مزین ہو کر مجلہ مدارج ولایت طے کر چکا ہے اور اپنے نسب و جسم و قول و فعل و حرکات و سکنات میں ہر ایسی بات سے منزہ ہوتا ہے جو باعث نفرت ہو اسے عقل کامل عطا کی جاتی ہے جو اوروں کی عقل سے بدرجہ زائد ہے کسی حکیم اور کسی فلسفی کی عقل اس کے لاکھویں حصہ تک نہیں پہنچ سکتی۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ ؕ (الانعام:124)

اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ (الجمعہ:4)

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے اللہ تعالیٰ چاہے دے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

اور جو اس کو کسبی مانے کہ آدمی اپنے کسب و ریاضت سے منصب نبوت تک پہنچ سکتا ہے کافر ہے۔

(بہار شریعت ج:1 ص:8 مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

علامہ احمد خفاجی حنفی متوفی 1069ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں نبوت عطا فرمائی۔

وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝ (مریم:12)

اور ہم نے اس کو بچپن میں نبوت عطا کی۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تینتیس سال (33) کی عمر میں مبعوث کیا گیا اور چالیس سال کی عمر میں آسمانوں پر اٹھایا گیا اس لئے چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا کرنے یا مبعوث کیے جانے کا حکم تغلیبی ہے (یعنی قاعدہ کلیہ نہیں اکثریہ ہے)

(عنایۃ القاضی ج:7 ص:285 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدائشی نبی ہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدائش سے قبل نبی بنادیا گیا تھا جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

مسلمانوں نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبوت کب واجب ہوئی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس وقت حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (سنن ترمذی: رقم الحدیث: 3609)

اور حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور اس وقت حضرت آدم علیہ السلام اپنی مٹی کے خمیر میں تھے اور میں عنقریب تم کو ابتداء کے متعلق بتاؤں گا (میں) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور میں اپنی والدہ محترمہ کا وہ خواب ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا ان کے لئے ایک نور نکلا جس سے ان کے لئے شام کے محلات روشن ہوگئے۔ (مسند البزار: رقم الحدیث: 2365)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی 1052ھ اس حدیث مبارکہ کی شرح میں لکھتے ہیں۔

اس جگہ یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت جو تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے تھی اس سے کیا مراد ہے؟ اگر اس سے یہ مراد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے علم میں اس وقت نبی تھے تو اس پر یہ اشکال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تو اس وقت تمام انبیاء کرام علیہم السلام نبی تھے اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بالفعل نبی تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بالفعل نبی ہونا تو دنیا میں تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

اس سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود عنصری سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا فرشتوں اور روحوں میں اظہار ہے جیسا کہ احادیث مبارکہ میں وارد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم شریف عرش پر، آسمانوں پر، جنت کے محلات اور بالا خانوں پر، حوران بہشت کے سینوں پر، درختوں کے پتوں پر، جنت کے درختوں پر اور فرشتوں کی بھنوؤں اور آنکھوں پر لکھا ہوا تھا۔

بعض عارفین نے کہا ہے کہ

اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح شریف نبی تھی اور عالم ارواح میں روحوں کی تربیت کر رہی تھی جیسا کہ اس عالم عنصری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم شریف اجسام کی تربیت کر رہا ہے اور یہ چیز ثابت ہے کہ ارواح کو اجسام سے پہلے پیدا کیا

گیا ہے۔(اشعۃ اللمعات: ج:4، ص 474 تا 475 مطبع تیج کمار لکھنؤ)

عتبہ بن عبد السلمی نے روایت کیا ہے کہ

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا!

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی پہلی نشانی کیا تھی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں بنوسعد بن بکر کے ہاں اپنی دایہ کے پاس تھا اور ان کا بیٹا بکریاں چرانے گئے ہم نے اپنے ساتھ ناشتہ نہیں لیا تھا۔

میں نے کہا:

اے بھائی! جاؤ ہماری ماں کے پاس سے ناشتہ لے آؤ۔ میرا بھائی چلا گیا اور میں بکریوں کے پاس رہا پھر گدھ کی طرح دو سفید پرندے آئے۔

ایک نے دوسرے سے کہا:

کیا یہ وہی ہے؟

اس نے کہا:

ہاں! پھر وہ دونوں میری طرف جھپٹے ان دونوں نے مجھے پکڑ کر زمین پر پیٹھ کے بل گرا دیا پھر انہوں نے میرا سینہ چاک کیا اور میرا دل نکالا اور اس سے دو سیاہ لوتھڑے نکالے۔

پھر ایک نے دوسرے سے کہا:

برف کا پانی لاؤ۔ پھر انہوں نے اس پانی سے میرے پیٹ کو دھویا۔

پھر کہا۔

ٹھنڈا پانی لاؤ۔

پھر کہا۔

چھری لاؤ پھر ٹھنڈا پانی میرے دل پر چھڑکا۔

پھر کہا۔

اس دل کو سیو اور اس پر نبوت کی مہر لگا دو۔

پھر ایک نے دوسرے سے کہا:

ان کو ایک پلڑے میں رکھو اور ان کی امت کو دوسرے پلڑے میں رکھو پھر میں اپنے اوپر ہزاروں آدمیوں کو دیکھ رہا تھا اور مجھے ڈر تھا کہ ان میں سے بعض مجھ پر گر پڑیں گے۔

پھر ان میں سے کسی نے کہا:

اگر ان کا امت کے ساتھ وزن کیا گیا تو ان کا پلڑا بھاری ہوگا۔ میں اپنی رضاعی ماں کے پاس گیا اور ان کو اس واقعہ کی خبر دی ان کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں مجھ پر کوئی افتاد آ جائے گی۔

انہوں نے کہا:

میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتی ہوں وہ اپنے اونٹ پر سوار ہوئیں اور مجھے اپنے پیچھے پالان پر بٹھا دیا حتی کہ ہم میری والدہ محترمہ تک پہنچ گئے۔

میری رضاعی والدہ محترمہ نے کہا:

کیا میں نے اپنی امانت ادا کر دی اور اپنے ذمہ کو پورا کر دیا؟

اور وہ واقعہ بیان کیا جو مجھے پیش آیا تھا۔ میری والدہ محترمہ اس سے خوفزدہ نہیں ہوئیں۔

اور ارشاد فرمایا:

میں نے دیکھا تھا کہ مجھ سے ایک نور نکلا تھا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے تھے۔ (سنن دارمی: رقم الحدیث: 13)

امام ابونعیم الاصبہانی متوفی 430ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور وہ سوال پر بہت حریص تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چیزوں کے متعلق سوال کرتے تھے جن کے متعلق دوسرے سوال نہیں کرتے تھے۔

انہوں نے کہا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ابتداء کیسے ہوئی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب تم نے یہ سوال کیا ہے تو سنو! میں دس سال کی عمر میں صحرا میں جا رہا تھا۔ میں نے اپنے اوپر دو آدمیوں کی بات سنی۔ ان میں سے ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا۔ کیا یہ وہی ہے؟ دوسرے نے کہا! ہاں! ان دونوں نے مجھے پکڑ کر گرا دیا۔ پھر میرا پیٹ شق کیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام سونے کے طشت میں پانی لا رہے تھے اور حضرت میکائیل علیہ السلام میرے پیٹ کو دھو رہے تھے۔

پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا:

ان کا سینہ چیرو اور جب میرا سینہ چیرا گیا تو مجھے کوئی درد نہیں ہوا۔

پھر کہا! ان کا دل چیرو! پھر میرا دل چیرا گیا۔

پھر کہا! ان کے دل میں شفقت اور رحمت داخل کر دو پھر چاندی کی مثل کوئی چیز داخل کی ان کے پاس کوئی سفوف تھا اس کو چھڑکا۔

پھر میرے انگوٹھے کو نرمی سے دبا کر کہا۔

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جائیں پھر میرے دل میں چھوٹوں کے لئے بہت رحمت اور بڑوں کے لئے دل میں بہت نرمی تھی۔ (دلائل النبوۃ: رقم الحدیث: 166)

ان دونوں صحیح احادیث مبارکہ میں اس امر کی تصریح کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عالم عناصر میں بچپن میں نبوت دی گئی اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نبی ہونے کا کیسے یقین ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شق صدر کے اس مذکور الصدر واقعہ سے اپنی نبوت پر استدلال فرمایا سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں نبوت عطا کر دی گئی تھی البتہ چالیس سال کی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلان نبوت کا حکم دیا گیا۔ امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کردہ حدیث مبارکہ میں یہ تصریح ہے کہ جب بچپن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا اور جو شخص نبی نہ ہو اور وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھے وہ آخر عمر میں نابینا ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سو گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد تھا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر دیکھا اور ارشاد فرمایا: اے میرے پیارے! تم کب آئے؟

انہوں نے عرض کیا! کچھ ساعت ہوئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

کیا تم نے میرے پاس کسی شخص کو دیکھا۔

انہوں نے عرض کیا! ہاں! میں نے ایک مرد کو دیکھا!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کو مخلوق میں سے جو بھی دیکھے گا وہ نابینا ہو جائے گا سوا اس کے کہ وہ نبی ہو لیکن تم کو آخر عمر میں نابینا کیا جائے گا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے دعا کی۔ اے اللہ عزوجل! اس کو تاویل کا علم عطا کر اور اس کو دین کی سمجھ عطا فرما اور اس کو اہل ایمان سے رکھ۔

(مستدرک: رقم الحدیث: 6287)

علامہ ابن حجر مکی متوفی 974ھ نے اس حدیث مبارکہ سے اس پر استدلال کیا ہے کہ جو شخص نبی نہ ہو اور وہ اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھنے میں منفرد ہو وہ آخر عمر میں نابینا ہو جاتا ہے۔

(الفتاوی الحدیثیہ: ص: 91 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچپن میں نبی نہ ہوتے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھنے کی وجہ سے اپنے ارشاد مقدسہ کے مطابق آخر عمر میں نابینا ہو جاتے اور جبکہ ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا اس وقت بچپن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا تھا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی تھے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ اقدس چیرا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذرد ہوا نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون نکلا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو چیرا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تمام امور ملاحظہ فرما رہے تھے جبکہ عالم بشر اور انسان کے لئے یہ امور متصور نہیں ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نابینا نہ ہونا اس امر پر واضح دلیل ہے کہ اس وقت نبی تھے عام طور پر مشہور ہے کہ نبوت چالیس سال کی عمر میں عطا کی جاتی ہے اس لیے کہا جاتا ہے کہ سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی چالیس سال سے پہلے نبی نہ تھے یہ کہنا درست نہیں اور نہ ہی قاعدہ کلیہ ہے بعض انبیاء کرام علیہم السلام کو بچپن میں نبوت دی گئی ہے جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو دو یا تین سال کی عمر میں نبوت دی گئی۔

قرآن مجید میں ہے:

يٰيَحۡيٰى خُذِ الۡكِتٰبَ بِقُوَّةٍ‌ؕ وَاٰتَيۡنٰهُ الۡحُكۡمَ صَبِيًّا ۙ (مریم:12)

اے یحییٰ! کتاب کو مضبوط پکڑ لیجئے اور ہم نے ان کو بچپن میں نبوت عطا فرما دی۔

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی 333ھ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ

نبوت کسی استحقاق کی بناء پر ملتی ہے اس آیت کریمہ میں ان کا رد ہے کیونکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں بغیر کسی استحقاق کے نبوت عطا کی گئی اس سے معلوم ہوا کہ ان کو نبوت عطا فرمانا محض اللہ تعالیٰ کا انعام اور افضال تھا ان کا استحقاق نہ تھا۔

(تاویلات اہل السنۃ: ج:3، ص:260 مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ ناشرون)

امام الحسین بن مسعود الفراء بغوی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اس آیت کریمہ میں حکم سے مراد نبوت ہے اور جب ان کو نبوت دی گئی تو ان کی عمر تین سال تھی۔

(معالم التنزیل: ج:3، ص:227 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کریمہ میں حکم کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں۔

1- حکمت یعنی تورات کی فہم اور دین کی فقہ، 2- عقل

3- اس سے مراد نبوت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بچپن میں ان کی عقل کو پختہ کر دیا اور ان کی طرف وحی کی اور حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں اعلان نبوت کا حکم دیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر میں اعلان نبوت کا حکم دیا تھا اور اس آیت کریمہ میں حکم کو نبوت پر محمول کرنے کی دو دلیلیں ہیں۔

1- اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صفات شریفہ بیان فرمائی ہیں اور یہ معلوم ہے کہ انسان کی سب سے اشرف صف نبوت ہے اور مقام مدح میں نبوت کی صفت کو ذکر کرنا دوسری صفات کی بہ نسبت زیادہ لائق ہے لہٰذا اس آیت کریمہ میں حکم کو نبوت پر محمول کرنا واجب ہے۔

2- حکم سے مراد وہ حکم ہے جس کو غیر پر نافذ کیا جا سکے اور ایسا حکم صرف نبی دیتا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ

بچپن میں نبوت کا ملنا کیسے معقول ہو سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ

یہ معترض معجزہ کا قائل ہے یا نہیں۔

اگر وہ معجزہ کا قائل نہیں ہے تو اثبات نبوت کا دروازہ بند ہو جائے گا اور اگر وہ معجزہ کا قائل ہے تو بچہ میں عقل اور نبوت کا ہونا شق القمر اور سمندر کو چیرنے سے زیادہ متبعد نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر: ج:7، ص:516 تا 517 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ حکم سے مراد نبوت ہے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو سات یا دو یا تین سال کی عمر میں نبوت دی گئی اور اکثر انبیاء کرام علیہم السلام کو چالیس سال سے پہلے نبی نہیں بنایا گیا۔ (روح المعانی: جز:16، ص:105 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نیز سید محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

جب بعض انبیاء کرام علیہم السلام کو بچپن میں دو یا تین سال کی عمر میں نبوت دی گئی ہے تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ لائق ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں اس نوع کی نبوت دی جائے اور جس کو سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کا علم ہے اور اس کی تصدیق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے وہ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے وہ اس کو متبعد نہیں قرار دے گا۔ (روح المعانی: جز:7:25، ص:92 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم ارواح میں نبی ہونا ثابت ہے جس کی تحقیق یوں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبوت کب واجب ہوئی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (مشکوۃ: رقم الحدیث:5758)

علامہ ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی 1014ھ اس حدیث مبارکہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس حال میں میرے لیے نبوت واجب ہوگئی جب حضرت آدم علیہ السلام کا جسم زمین پر بغیر روح کے رکھا ہوا تھا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ابھی حضرت آدم علیہ السلام کی روح کا تعلق ان کے جسم کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔ اس حدیث مبارکہ کو امام ابن سعد نے ابن ابی الجدعا سے روایت کیا ہے۔ (الطبقات الکبریٰ: ج:1 ص:118 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

میں اس حال میں نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (معجم الکبیر: رقم الحدیث: 833)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

شیخ تقی الدین سبکی نے اپنی کتاب (التعظیم والمنۃ) میں لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ (آل عمران: 81) کی تقریر میں لکھا ہے۔

اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کی بلندی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رتبہ عالیہ کی جو عظمت ہے وہ مخفی نہیں ہے اور اس کے ساتھ آیت کریمہ میں یہ بات بھی موجود ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ان کے زمانہ میں ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کی طرف رسول ہوتے۔ سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر قیامت تک جمیع مخلوق کو عام ہے اور سب انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مقدسہ بعثت الی الناس کافۃ (مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر قیامت تک کے لوگوں کے لئے مخصوص نہیں بلکہ اس سے پہلے لوگوں کو بھی شامل ہے اور اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی بھی وضاحت ہوگئی میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے اور جس شخص نے اس حدیث مبارکہ کا یہ مطلب بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم علم الٰہی عزوجل میں نبی تھے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مستقبل میں نبی ہوں گے اس کے اس معنیٰ تک رسائی نہیں ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم تو جمیع اشیاء کو محیط ہے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت نبوت سے موصوف کرنا اس مفہوم کو چاہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اس وقت بھی ثابت تھی یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اقدس کو عرش پر لکھا ہوا دیکھا۔ ''محمد رسول اللہ'' لہٰذا ضروری ہے کہ اس حدیث مبارکہ کا یہ معنیٰ ہو کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت محقق تھی اور اگر اس سے فقط علم ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مستقبل میں نبی ہوں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی کوئی خصوصیت نہیں رہے گی کہ ''میں اس وقت نبی تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے'' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت کو اس وقت اور اس سے پہلے جانتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خصوصیت کو ثابت اور متحقق مانا جائے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس خصوصیت سے آگاہ فرمایا تاکہ امت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مرتبہ کی معرفت حاصل ہو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے پھر انہیں اس معرفت کے ذریعے خیر حاصل ہو پس اگر تم کہو کہ ہم ارادہ رکھتے ہیں کہ ہم اس اضافی رتبہ کو سمجھیں تو (آیئے ہم بتلاتے ہیں کہ) بے شک نبوت ایک صفت ہے جس کے لئے موصوف کا ہونا ضروری ہے اور موصوف چالیس برس کے بعد ہوگا تو کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کے وجود سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجنے سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے متصف کیا جا سکتا ہے؟ پس اگر یہ اتصاف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صحیح ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر کے لئے بھی اسی طرح صحیح ہوگا۔

ہم کہتے ہیں کہ بے شک احادیث مبارکہ میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روحوں کو جسموں سے پہلے پیدا فرمایا ہے لہٰذا میں نبی تھا کے الفاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی روح کی طرف اشارہ فرمایا یا اپنی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا اور حقائق کو سمجھنے سے ہماری عقلیں قاصر ہیں۔ حقائق کو صرف ان کا خالق جانتا ہے یا وہ نفوس مبارکہ جانتے ہیں نور الٰہی جن کی مدد کرتا ہے پھر ان حقائق میں سے کسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے جس وقت چاہا کوئی (وصف) عطا فرما دیا۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حقیقت جو تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے موجود تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو وصف نبوت عطا فرمایا اور اسی وقت اس کو فیض عطا فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہو گئے اور باری تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم کو عرش پر لکھ دیا اور ملائکہ اور دیگر مخلوق کو اس پر آگاہ کر دیا تا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رتبہ ہے وہ اس کو پہچان لیں سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت اس وقت موجود تھی اگر چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کا ظہور بعد میں ہوا۔ فی الجملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت اسی وقت سے بارگاہ الٰہیہ سے اوصاف شریفہ سے متصف ہے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور تبلیغ کو مؤخر رکھا گیا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر اس کمال کو نہیں پہنچا جس سے (ظاہری) تبلیغ کا حصول ممکن ہوا اسی طرح بارگاہ الٰہی عزوجل سے پہنچنے والی ہر وہ چیز مؤخر رکھی گئی جس کا تعلق جسم شریف کے کمال کے ساتھ ہو سکتا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت متجلّی ہے اس میں کوئی تاخر نہیں اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کے حاصل ہونے اور کتاب حکمت کے عطا ہونے میں بھی کوئی تاخر نہیں ہے تاخر صرف بعثت فرمانے اور دنیا میں جلوہ گر ہونے میں ہے۔ (الخصائص الکبریٰ: ج:1 ص8 تا 11 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام محمد بن سعد متوفی 230ھ نے اس حدیث مبارکہ کو حسب ذیل متعدد طرق سے روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کب نبی تھے؟

لوگوں نے کہا: چپ کر، چپ کر۔

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کو چھوڑ دو میں نبی تھا اور اس وقت حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

ابوالجدعا سے روایت ہے کہ

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کب نبی تھے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس وقت حضرت آدم علیہ السلام روح اور مٹی کے درمیان تھے۔

عامر سے روایت ہے کہ

ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کب نبی بنایا گیا؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
جب مجھ سے میثاق لیا گیا اس وقت حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسد کے درمیان تھے۔

(الطبقات الکبریٰ: ج:1 ص:118 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی حنفی متوفی 973ھ لکھتے ہیں:
اگر تم یہ پوچھو کہ آیا سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کو بھی اس وقت نبوت دی گئی جب حضرت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ
ہم تک یہ حدیث مبارکہ نہیں پہنچی کہ کسی اور کو بھی یہ مقام دیا گیا باقی انبیاء کرام علیہم السلام اپنی رسالت کے ایام محسوسہ میں ہی نبی تھے۔
اگر تم یہ پوچھو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں نہیں فرمایا کہ میں اس وقت بھی انسان تھا یا اس وقت بھی موجود تھا؟
تو اس کا جواب یہ ہے کہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ نبوت کا ذکر یہ بتانے کے لئے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے پہلے نبوت دی گئی کیونکہ نبوت اسی وقت ملتی ہے جو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وقت مقرر ہوتا ہے۔
نیز علامہ شعرانی نے لکھا ہے کہ
شیخ محی الدین ابن عربی نے الفتوحات المکیہ میں لکھا ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام و رسل عظام علیہم السلام کی مدد طلب کرنے کی جگہ سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی قطب الاقطاب ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تمام اولین و آخرین لوگوں کی مدد کرنے والے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہر نبی اور ولی کی مدد کرنے والے ہیں خواہ ان کا ظہور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیب میں تھے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم شہادت میں ظاہر ہو گئے اور یا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم برزخ میں منتقل ہو چکے ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے انوار متقدمین اور متاخرین کے عالم سے کبھی منقطع نہیں ہوئے۔
اگر تم یہ کہو کہ ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا۔
اور ایک حدیث مبارکہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا تو ان میں کس طرح تطبیق ہوگی۔
اس کا جواب یہ ہے کہ

ان دونوں احادیث مبارکہ کا معنیٰ واحد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کو پیدا کیا اور اس حقیقت کو کبھی عقل سے تعبیر فرمایا اور کبھی نور سے۔ (الیواقیت والجواہر، ص: 339 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سیّد محمود آلوسی حنفی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

بلکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وجود کا فیضان کرنے کے لئے تمام موجودات کے لئے وسیلہ ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے واسطہ سے تمام مخلوق پر جو فیضان ہوا اس کے لئے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم وسیلہ ہیں کیونکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار کی شعاعیں ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار کے عکوس ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی النور الحق اور النبی المطلق ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم علیہ السلام مٹی اور پانی کے درمیان تھے اور جب انبیاء کرام علیہم السلام ارحام اور اصلاب کے حجاب میں تھے اس وقت بھی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض لے رہے تھے اور اس وقت بھی جب وہ اس عالم میں ظاہر ہوئے اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجاب میں تھے جیسے جب رات کو ستارے ظاہر ہوتے ہیں اور سورج نہیں ہوتا لیکن وہ ستارے اس کے فیض سے روشن ہوتے ہیں اور جب سورج ظاہر ہوتا ہے تو ستارے چھپ جاتے ہیں اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں جلوہ گر ہوئے تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام چھپ گئے اور ان کی شریعتیں منسوخ ہوگئیں اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت باقی رہی۔

نیز علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: الست بربکم تو سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح نے بلیٰ کہا۔

(روح المعانی، ج: 9، ص: 162 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان بریلوی متوفی 1340ھ لکھتے ہیں:

علامہ شمس الدین ابن الجوزی اپنے رسالہ میلاد میں ناقل ہیں کہ حضور سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جناب مولی المسلمین علی المرتضیٰ علیہ السلام سے فرمایا: اے ابوالحسن! بے شک (سیّدنا) محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم رب العلمین کے رسول ہیں اور پیغمبروں کے خاتم اور روشن رو اور روشن دست و پا والوں کے پیشوا تمام انبیاء کرام و رسل عظام علیہم السلام کے سردار نبی ہوئے جبکہ حضرت آدم علیہ السلام آب وگل میں تھے۔ (تجلی الیقین، ص: 8 حامد اینڈ کمپنی لاہور)

نبی وہ ہے جن کو نبوت عطا فرمائی گئی اور انبیاء کرام علیہم السلام کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! انبیاء کرام علیہم السلام کتنے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایک لاکھ چوبیس ہزار۔

میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! رسول کتنے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تین سو تیرہ جم غفیرہ ہیں!

میں نے کہا:

بہت اچھے ہیں۔

میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پہلا نبی کون ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت آدم علیہ السلام۔

میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا وہ نبی مرسل ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ہاں! اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا اور ان میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی پھر ان کو اپنے سامنے بنایا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے ابوذر رضی اللہ عنہ! چار نبی سریانی ہیں!

1- حضرت آدم علیہ السلام، 2- حضرت شیث علیہ السلام، 3- حضرت خنوخ علیہ السلام، 4- حضرت ادریس علیہ السلام جنہوں نے سب سے پہلے قلم سے خط کھینچا اور نوح علیہ السلام اور چار نبی عرب ہیں۔

1- حضرت ھود علیہ السلام، 2- حضرت صالح علیہ السلام، 3- حضرت شعیب علیہ السلام، 4- اور تمہارے نبی (مکرم صلی اللہ علیہ وسلم) اے ابوذر (رضی اللہ عنہ)

میں نے عرض کیا! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل کیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سو صحیفے اور چار کتابیں حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس صحیفے نازل کیے گئے خنوخ پر تیس صحیفے نازل کیے گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے نازل کیے گئے۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات سے پہلے دس صحیفے نازل کیے گئے اور تورات، انجیل، زبور اور فرقان کو نازل کیا گیا۔

(حلیۃ الاولیاء، ج 1 ص 167، مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام عبد بن حمید، امام حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں، امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں، امام حاکم اور امام ابن عساکر نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! انبیاء کرام علیہم السلام کتنے تھے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایک لاکھ اور چوبیس ہزار نبی تھے۔

میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان میں سے رسول کتنے تھے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تین سو تیرہ کا جم غفیر تھا۔ (درمنثور: ج:2، ص:691 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت دو جگہ ذکر کی ہے اس میں ذکر ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں اور تین سو پندرہ رسول ہیں۔ (جامع المسانید والسنن: رقم الحدیث: 10232)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ

ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں اور ان میں تین سو تیرہ رسول ہیں۔

اس حدیث مبارکہ کو امام ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے۔ (فتح الباری: ج:6، ص:361 مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

علامہ سعد الدین تفتازانی متوفی 791ھ لکھتے ہیں:

ایک روایت میں ہے۔

دو لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام ہیں۔ (شرح عقائد: ص:97 مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار نبی مبعوث کیے چار ہزار بنو اسرائیل کی طرف اور چار ہزار باقی لوگوں کی طرف۔

(مسند ابو یعلیٰ: ج:4، ص:157 مطبوعہ دار المامون تراث بیروت)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! انبیاء کرام علیہم السلام کی کتنی تعداد ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایک لاکھ چوبیس ہزار، ان میں سے جم غفیر رسول ہیں تین سو پندرہ۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 16944)

بہر حال محدثین کرام کا اعتماد حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت پر ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں۔ ان سب پر ایمان لانا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی اور رسول بنایا وہ حسب صادق اور برحق ہیں اللہ تعالیٰ نے جو ان کو پیغام دے کر بھیجا وہ صحیح اور صادق ہے۔

قرآن مجید میں اٹھائیس 28 انبیاء کرام علیہم السلام کے نام مذکور ہیں۔

1- حضرت آدم علیہ السلام، 2- حضرت نوح علیہ السلام

3- حضرت ادریس علیہ السلام، 4- حضرت صالح علیہ السلام

5- حضرت ھود علیہ السلام، 6- حضرت ابراہیم علیہ السلام

7- حضرت اسماعیل علیہ السلام، 8- حضرت اسحاق علیہ السلام

9- حضرت یعقوب علیہ السلام، 10- حضرت یوسف علیہ السلام

11- حضرت لوط علیہ السلام، 12- حضرت موسیٰ علیہ السلام

13- حضرت ہارون علیہ السلام، 14- حضرت شعیب علیہ السلام

15- حضرت زکریا علیہ السلام، 16- حضرت یحیٰ علیہ السلام

17- حضرت عیسیٰ علیہ السلام، 18- حضرت داؤد علیہ السلام

19- حضرت سلیمان علیہ السلام، 20- حضرت الیاس علیہ السلام

21- حضرت الیسع علیہ السلام، 22- حضرت ذوالکفل علیہ السلام

23- حضرت ایوب علیہ السلام، 24- حضرت یونس علیہ السلام

25- حضرت سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

ان کے علاوہ تین اسماء مقدسہ کا ذکر ہے۔

1- حضرت ذوالقرنین، 2- حضرت عزیر، 3- حضرت لقمان (علیہم السلام)

مگر ان کی نبوت میں اختلاف ہے۔

بعض انبیاء کرام علیہم السلام کا قرآن مجید میں اشارۃً ذکر ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ (البقرہ:247)

اس میں حضرت شمویل علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ (البقرہ:259)

اس میں حضرت ارمیاہ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ (الکہف:60)

اس میں حضرت یوشع علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ (الکہف:65)

اس میں حضرت خضر علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔

نبی کی خصوصیات و امتیازات کثیر ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

علامہ حلیمی نے انبیاء کرام علیہم السلام کے چھیالیس خواص ذکر کیے ہیں یہ وہ خواص ہیں جن کی وجہ سے انبیاء کرام علیہم السلام عام انسانوں سے ممتاز ہوتے ہیں ان خواص کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1- نبی اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ کلام کرتا ہے۔

2- بغیر کلام کے نبی پر الہام ہوتا ہے بلکہ نبی اپنے نفس میں بغیر تقدم اور تاخر کے ایک معنیٰ پاتا ہے جس کو محسوس نہیں کیا جا سکتا۔

3- فرشتہ کو دیکھ کر اس سے وحی سنتا ہے اور اس سے کلام کرتا ہے۔

4- فرشتہ نبی کے قلب پر وحی القاء کرتا ہے اور یہ القاء احکام، وعد اور وعید پر مشتمل ہوتا ہے جبکہ اولیاء اللہ کے قلب پر جو واردات ہوتی ہیں وہ حوادث اور واقعات کی اطلاعات پر مشتمل ہوتی ہیں۔

5- نبی کی عقل کامل ہوتی ہے اور اس کی عقل کو کبھی عارضہ لاحق نہیں ہوتا۔

6- نبی کی قوت حافظہ غیر معمولی ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ طویل ترین سورت کو صرف ایک بار سن کر حفظ کر لیتا ہے اور اس کا ایک لفظ بھی نہیں بھولتا۔

7- نبی اپنے اجتہاد میں خطاء سے محفوظ رہتا ہے۔

8- نبی کی ذکاوت غیر معمولی ہوتی ہے اور اس کا استنباط بھی غیر معمولی ہوتا ہے۔

9- نبی کی بصر بہت تیز ہوتی ہے اور وہ زمین کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ کی چیز دیکھ لیتا ہے۔

10- نبی کی سماعت بہت تیز ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ زمین کے ایک حصہ سے دوسرے حصے کی آواز سن لیتا ہے جس کو دوسرا نہیں سن سکتا۔

11- نبی کی قوت شامہ غیر معمولی ہوتی ہے جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا دور سے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض کی خوشبو سونگھ لینا۔

12- نبی کا جسم بہت قوی ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ ایک رات میں ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتا ہے۔

13- نبی کا آسمان پر جانا۔

14- گھنٹی کی آواز کی صورت میں وحی کو پالینا۔

15- بکریوں سے کلام کرنا۔

16- نباتات سے کلام کرنا۔

17- درخت کے تنا (شہتیر) سے کام کرنا (جیسے استن خسانہ)

18- پتھروں سے کلام کرنا۔

19- بھیڑیے کی آواز سے اس کا مطلب سمجھ لینا۔

20- اونٹ کی بلبلاہٹ کو سمجھ لینا۔

21- متکلم کو دیکھے بغیر اس کی آواز سننا۔

22- جنات کا مشاہدہ کرنا۔

23- اشیاء غائبہ کی مثالوں کا نبی پر پیش کیا جانا جیسا کہ معراج کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیت المقدس کی مثال پیش کی گئی۔

24- کسی حادثہ سے اس کی عاقبت کو جان لینا جب آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی تو فرمایا اس کو اس ذات نے روک لیا جس نے ہاتھیوں کو روک لیا تھا۔

25- کسی نام سے فال نکالنا کیونکہ جب سہیل بن عمرو آیا تو آپ نے فرمایا: اب اللہ تعالیٰ نے تمہارا معاملہ سہل کر دیا ہے۔

26- کسی آسمانی چیز کو دیکھ کر زمین کے حادثہ پر استدلال کرنا جیسا کہ فرمایا یہ بادل بنو کعب کی مدد کا اعلان کر رہا ہے۔

27- پس پشت دیکھنا۔

28- کسی شخص کی موت سے پہلے اس کے حال پر مطلع ہونا جیسا کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا میں نے دیکھا فرشتے اس کو غسل دے رہے ہیں اور وہ حالت جنابت میں شہید ہوئے۔

29- مستقبل کی فتح کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اظہار کر دینا جیسا کہ غزوہ خندق میں ہوا۔

30- دنیا میں جنت اور دوزخ کو دیکھ لینا۔

31- فراست

32- درخت کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت کرنا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر درخت جڑوں اور ٹہنیوں سمیت آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے واپس چلا گیا۔

33- ہرنی کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کرنا۔

34- بغیر خطاء کے خواب کی تعبیر بیان کرنا۔

35- کھجور کے درخت کے بارے میں صحیح اندازہ لگانا کہ اس میں اتنے وسق کھجوریں ہوں گی۔

36- احکام کی ہدایت دینا۔

37- دین اور دنیا کے انتظام اور سیاست کی ہدایت دینا۔

38- عالم کی ہیئت اور ترکیب کی ہدایت دینا۔

39- بدن انسانی سے متعلق طبی امور کی ہدایت دینا۔

40- عبادات کی ہدایت دینا۔

41- صنعتوں کی ہدایت دینا۔

42- ماسیکون پر مطلع ہونا۔

43- ماکان پر مطلع ہونا۔

44- لوگوں کی پوشیدہ باتوں اور بھیدوں پر مطلع ہونا۔

45- استدلال کے طریقوں کی تعلیم دینا۔

46- حسن معاشرت کے طریقوں پر مطلع ہونا۔

علامہ حلیمی فرماتے ہیں کہ

یہ نبوت کے چھیالیس خصائص ہیں ہر چند کہ ان میں بعض اوصاف غیر نبی کو بھی حاصل ہوتے ہیں لیکن یہ اوصاف نبوت کے خصائص اس وجہ سے ہیں کہ ان میں نبی کو اصلاً خطا نہیں ہوتی جب کہ غیر نبی کو ان میں خطاء لاحق ہو جاتی ہے۔

(فتح الباری: ج: 12، ص 366 تا 367 مطبوعہ نشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی 505ھ لکھتے ہیں:

نبوت ان اوصاف کو کہتے ہیں جو نبی کے ساتھ خاص ہوں اور ان اوصاف کی وجہ سے نبی اپنے غیر سے ممتاز ہو اور یہ کئی قسم کے خصائص ہیں۔

نبی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، فرشتوں اور آخرت کے حقائق کو اس طرح جانتا ہے جس

طرح ان کو کوئی نہیں جانتا کیونکہ نبی کو ان کی جتنی معلومات ہوتی ہیں اور ان پر جتنا یقین ہوتا ہے اور جتنی تحقیق ہوتی ہے کسی اور کو نہیں ہوتی اور نبی کی ایک خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ جس طرح غیر نبی کو افعال اختیاریہ پر قدرت ہوتی ہے اسی طرح نبی کو افعال خارقہ للعادات (یعنی معجزات) پر قدرت ہوتی ہے۔ اور نبی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کو ایسی صفت حاصل ہوتی ہے جس سے وہ فرشتوں کو دیکھتا ہے اور عالم ملکوت کا مشاہدہ کرتا ہے جس طرح ہم میں بینا اور نابینا کا فرق ہے۔

اور نبی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کو ایسی صفت حاصل ہوتی ہے جس سے وہ مستقبل میں ہونے والے امور غیبیہ کا ادراک کر لیتا ہے اور لوح محفوظ کا مطالعہ کرتا ہے جس طرح انسان میں ذہانت کی صفت ہوتی ہے اور اس صفت سے وہ بے وقوف شخص سے ممتاز ہوتا ہے۔ (احیاء علوم الدین: ج:4،ص:189 تا 190 مطبوعہ دار الکتب العربیہ مصر)

نبوت کا ایک عظیم مرتبہ ہے جو عقل سے ماوراء ہے۔

امام غزالی متوفی 505ھ لکھتے ہیں:

اور عقل کے ماوراء ایک اور عالم ہے جس میں ادراک کی ایک اور آنکھ کھلتی ہے جس سے انسان غیب کا ادراک کرتا ہے اور مستقبل میں ہونے والے امور غیبیہ اور بہت سے امور کو جان لیتا ہے جن تک عقل کی رسائی نہیں ہے جیسے قوت، تمیز، معقولات کا ادراک نہیں کر سکتی اور جس طرح حواس قوت تمیز کے مدرکات کو نہیں پا سکتے (اسی طرح عقل، قوت ادراک غیب کے مدرکات کو نہیں پا سکتی) اور جس طرح صاحب تمیز کے سامنے عقل کے سامنے مدرکات پیش کیے جائیں تو وہ ان کو بعید سمجھ کر ان کا انکار کرتا ہے اسی طرح بعض عقل والوں کے سامنے نبوت کے مدرکات پیش کیے گئے تو انہوں نے ان کا انکار کر دیا اور یہ خالص جہالت ہے۔ (المنقذ من الضلال: ص:54 مطبوعہ ہیئۃ الاوقاف لاہور)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

علامہ حلیمی نے کتاب المنہاج میں لکھا ہے کہ۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا دوسرے انسانوں سے جسمانی اور روحانی قوتوں میں مختلف ہونا ضروری ہے۔

پھر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفصیل میں علامہ حلیمی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ

قوت جسمانیہ کی دو قسمیں ہیں۔

1-مدرکہ، 2-اور محرکہ

اور مدرکہ کی دو قسمیں ہیں۔

1-حواس ظاہرہ، 2-حواس باطنہ

اور حواس ظاہرہ پانچ ہیں (جو کہ یہ ہیں)

1-قوت باصرہ: قوت باصرہ کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کی یہ دلیل ہے کہ آپ نے فرمایا: میرے لیے تمام روئے زمین سمیٹ دی گئی اور میں نے اس کے تمام مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اپنی صفیں قائم کرو اور مل کر کھڑے ہو کیونکہ میں تم کو پس پشت بھی دیکھتا ہوں۔
اس کی قوت کی نظیر یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے فرمایا:
وکذالك نری ابراهیم ملکوت السمٰوت والارض
اور اسی طرح ہم (حضرت) ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی نشانیاں دکھاتے ہیں۔
اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بصر کو قوی کر دیا حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اعلیٰ سے لے کر اسفل تک تمام نشانیاں دیکھ لیں۔
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میرے لیے تمام آسمان اور زمین منکشف ہو گئے۔
اور ایک روایت میں ہے کہ
میں نے تمام آسمانوں اور زمین کو جان لیا۔ (مسند احمد: ج:1، ص:368)
2۔قوت سامعہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سماعت تمام انسانوں سے زیادہ تھی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
آسمان چرچراتا ہے اور اس کا چرچرانا بجا ہے۔ آسمان میں ایک قدم کی جگہ بھی نہیں ہے مگر اس میں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدہ ریز ہے۔
اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کے چرچرانے کی آواز سنی۔
نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ایک پتھر جہنم میں گرایا جا رہا ہے جو ابھی تک جہنم کی تہہ تک نہیں پہنچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی آواز سنی۔ اس قوت کی نظیر حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی عطا کی گئی کیونکہ انہوں نے چیونٹی کی آواز سنی۔
قرآن مجید میں ہے:
قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ
ایک چیونٹی نے کہا: چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ۔
اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو چیونٹی کا کلام سنایا اور اس کے معنی پر مطلع کیا اور یہ قوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل تھی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیڑیے اور اونٹ سے کلام کرنے کی مثال یہ ہے۔
حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر مجھے اپنے ساتھ بٹھالیا پھر مجھے چپکے سے ایک بات بتائی جو میں کبھی کسی کو

نہیں بتاؤں گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لئے کسی ٹیلہ پر گنجان اور گھنے کھجور کے درختوں کی اوٹ میں جانا پسند کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے باغوں میں سے ایک باغ میں داخل ہوئے وہاں ایک اونٹ آیا اور اس نے بڑ بڑ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ کہا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کان کی ہڈی کے پیچھے ہاتھ پھیرا تو وہ پرسکون ہو گیا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ اونٹ کس کا ہے؟

انصار کا ایک نوجوان آیا اور اس نے کہا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ اونٹ میرا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کیا تم ان جانوروں کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے؟ جن کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں مالک بنا دیا ہے اس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ اس کو تم بھوکا رکھتے ہو اور کام لے لے کر اس کو تھکا دیتے ہو۔ (مسند احمد: رقم الحدیث: 1745)

ایک اور روایت میں ہے۔

حضرت یعلیٰ بن مرہ الثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تین چیزیں دیکھیں۔ ایک دن ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں جا رہے تھے۔ ہمارا ایک اونٹ کے پاس سے گزر ہوا جب اونٹ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو بڑ بڑ کرنے لگا اور اپنی گردن آگے بڑھائی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس ٹھہر گئے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس کا مالک کون ہے؟

وہ شخص آ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس اونٹ کو بیچ دو۔

اس نے عرض کیا:

میں اس کو ہبہ کرتا ہوں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نہیں! مجھے فروخت کر دو۔

اس نے عرض کیا:

میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کرتا ہوں۔ ہمارے گھر والوں کی گزراوقات کے لئے اس کے سوااور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب تم نے یہ کہا تو سنو! اس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اس سے کام زیادہ لیتے ہو اور اس کو چارہ کم ڈالتے ہو اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ (مسند احمد: رقم الحدیث: 17570)

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرنی سے بھی کلام فرمایا جس طرح کہ روایت میں ہے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہرنی کے پاس سے گزرے جو ایک خیمہ میں بندھی ہوئی تھی۔

اس ہرنی نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کھول دیجئے تا کہ میں اپنے بچوں کو جا کر دودھ پلا آؤں پھر میں واپس آجاؤں گی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے باندھ دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ ایک قوم کا شکار ہے اور اس کی باندھی ہوئی ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے عہد لیا کہ وہ ضرور واپس آئے گی پھر اس کو کھول دیا۔ وہ تھوڑی دیر میں واپس آگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو باندھ دیا پھر خیمہ والے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ان سے مانگ لیا۔ انہوں نے وہ ہرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دی۔ پ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کھول دیا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی: ج:6، ص:34)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں ہے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کہا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے دیکھا وہ ہرنی جنگل میں چلاتی ہوئی جا رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی: ج:6، ص:35)

اسی طرح درخت کے تنے نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کیا۔

چنانچہ روایت میں ہے۔

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخت کے ستون سے ارشاد فرمایا:

تو پرسکون ہو جا اگر تو چاہے تو میں تجھے جنت میں اگا دوں۔ تیرا پھل نیک لوگ کھائیں اور اگر تو چاہے تو میں تجھے دنیا میں پہلے کی طرح تر و تازہ درخت اگا دوں تو اس درخت نے آخرت کو دنیا پر اختیار کر لیا۔ (سنن دارمی: رقم الحدیث: 36) (عبدالمصطفیٰ عفی عنہ)

3۔ قوت شامہ نبی کی قوت شامہ کی خصوصیت پر حضرت یعقوب علیہ السلام کا واقعہ دلیل ہے کیونکہ جب حضرت یوسف،

علیہ السلام نے یہ حکم دیا کہ میری قمیض لے جاؤ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈال دو اور قافلہ وہ قمیض لے کر روانہ ہوا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ

مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو آ رہی ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض کی خوشبو کئی دن کی مسافت کے فاصلہ سے سونگھ لی۔

4-قوت ذائقہ: نبی کے چکھنے کی قوت کی خصوصیت کی دلیل یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت کا ایک ٹکڑا چکھا تو فرمایا:

اس میں زہر ملا ہوا ہے۔

5-قوت لامسہ: نبی کی قوت لامسہ کی خصوصیت کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو وہ آگ ان پر ٹھنڈک اور سلامتی والی ہو گئی۔

دوسری قسم: حواس باطنہ ہے۔

2-اور حواس باطنہ میں قوت حافظہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

سنقرئك فلاتنسى

ہم عنقریب آپ کو پڑھائیں گے پس آپ نہیں بھولیں گے۔

اور قوت ذکاوت ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے علم کے ایک ہزار باب سکھائے اور میں نے ہر باب سے ہزار باب مستنبط کیے اور جب ولی کی ذکاوت کا یہ حال ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذکاوت کا کیا عالم ہوگا اور قوت محرکہ کی خصوصیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج پر جانا دلیل ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ چوتھے آسمان پر جانا اور حضرت ادریس علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام کا آسمانوں پر جانا اس کی دلیل ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی روحانی اور عقلی قوتیں بھی انتہائی کامل ہوتی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ نفس قدسیہ نبویہ اپنی ماہیت میں باقی نفوس سے مختلف ہوتا ہے اور نفس نبویہ کے لوازم سے یہ ہے کہ اس کی ذکاوت، ذہانت اور حریت انتہائی کامل ہو اور وہ جسمانیات اور شہوانیات سے منزہ ہو اور جب نبی کی روح غایت صفا اور شرف میں ہوگی تو اس کا بدن بھی انتہائی صاف اور پاکیزہ ہوگا اور اس کی قوت مدرکہ اور قوت محرکہ بھی انتہائی کامل ہوگی کیونکہ یہ قوتیں ان انوار کے قائم مقام ہیں جو انوار جوہر روح سے صادر ہوتے ہیں اور نبی کے بدن سے واصل ہوتے ہیں اور جب فاعل (روح) اور قابل (بدن) انتہائی کامل ہوں گے تو ان

کے آثار بھی انتہائی کامل، مشرف اور صاف ہوں گے۔ (تفسیر کبیر: ج:2، ص:433 تا 434 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ کا حضرت یونس علیہ السلام کو مقام نینوا والوں کے پاس بھیجنا

اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو موصل کے مقام نینوا والوں کی جانب بھیجا تا کہ آپ علیہ السلام بت پرستی سے منع کریں اور اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کی دعوت دیں۔

امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

اصحاب سیر وتفسیر نے بیان کیا ہے کہ

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم سرزمین موصل کے مقام نینوا میں رہتی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت یونس علیہ السلام کو بھیجا۔ (زاد المسیر: ج:4، ص:98 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

دریائے دجلہ کی بستی کی طرف مبعوث فرمایا گیا

حضرت یونس علیہ السلام کو دریائے دجلہ کی ایک بستی کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 811ھ لکھتے ہیں:

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت یونس علیہ السلام کو ایک بستی کی طرف بھیجا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ دریائے دجلہ کے کنارے پر تھی۔

(در منثور: ج:3، ص:964 مطبوعہ کراچی)

حضرت یونس علیہ السلام کا قوم کو بت پرستی ترک کرنے کا فرمانا

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت یونس علیہ السلام کو قوم نینوا کی طرف مبعوث فرمایا تو آپ علیہ السلام نے ان کو بت پرستی ترک کرنے کا فرمایا۔

امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

اصحاب سیر وتفسیر نے بیان کیا ہے کہ

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم سرزمین موصل کے مقام نینوا میں رہتی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت یونس علیہ السلام کو بھیجا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے ان کو بت پرستی ترک کرنے کا حکم فرمایا۔

(زاد المسیر: ج:4، ص:98 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام نے قوم کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو قوم نینوا کی طرف مبعوث فرمایا تو آپ علیہ السلام نے بت پرستی ترک کرنے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی۔

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

اور آپ علیہ السلام نے ان کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی۔ (زاد المسیر: ج:4،ص:98 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل

اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے اس نے کائنات کو بنایا پھر بندوں کو بنا کر اس میں بسایا پھر ان سب کو موت دیتا رہے گا حتیٰ کہ جب ساری کائنات فنا ہو جائے گی تو اپنی وحدت کا اعلان فرمائے گا۔ رب تعالیٰ کی واحدانیت پر کثیر آیات کریمہ ہیں مگر سب کو یہاں پر بیان کرنے سے قاصر ہوں کہ موضوع طویل ہو جائے گا اس لیے رضا الٰہی کی خاطر چیدہ چیدہ آیات پیش کرتا ہوں۔

دلیل نمبر:1

قرآن مجید میں ہے:

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ (الانبیاء:22)

اگر آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ متعدد خدا ہوتے تو ضرور ان کا نظام فاسد ہو جاتا۔

دلیل نمبر:2

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اِلٰـهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَ رَبُّ الْمَشَارِقِ ۝ (الصافات:4تا5)

بے شک تمہاری عبادت کا مستحق ضرور ایک ہے آسمانوں اور زمینوں کا اور ان تمام چیزوں کا رب جو ان کے درمیان ہیں وہی تمام مشارق کا رب ہے۔

دلیل نمبر:3

قرآن مجید میں ہے:

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۗ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اَثَارُوا الْاَرْضَ وَ عَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوا السُّوْۗاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

(الروم:8تا10)

کیا وہ اپنے نفسوں میں (اس پر) غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو صرف حق کے ساتھ اور مقررہ مدت تک کے لئے پیدا کیا ہے اور بے شک اکثر لوگ اپنے رب سے

ملاقات کے ضرور منکر ہیں۔ کیا انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا پس وہ اپنے سے پہلے لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جو ان سے زیادہ قوت والے تھے اور انہوں نے زمین میں ہل چلایا اور اس کو آباد کیا اور انہوں نے زمین کو ان سے زیادہ آباد کیا تھا ان کے پاس رسول واضح دلائل لے کر آئے تھے تو اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہ تھی کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے پھر برے کام کرنے والوں کا برا انجام ہوا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تکذیب کرتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے۔

دلیل نمبر 4:

قرآن مجید میں ہے:

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ (حم السجدہ:53)

عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں اس کائنات میں اور ان کے اپنے نفسوں میں دکھائیں گے حتیٰ کہ ان پر منکشف ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہی برحق ہے۔

دلیل نمبر 5:

قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۝ (الروم:20)

اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر اب تم بشر ہو کر پھیلتے جا رہے ہو۔

دلیل نمبر 6:

قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ (الروم:21)

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے لیے جوڑے پیدا کیے تا کہ تم کو ان سے سکون حاصل ہو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم فرمادی بے شک اس میں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں۔

دلیل نمبر 7:

قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ۝ (الروم:22)

اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش ہے اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے۔ اور بے شک اس میں عالموں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں۔

دلیل نمبر:8

قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ۝ (الروم:23)

اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن میں تمہاری نیند ہے اور تمہارا اس کے فضل کو تلاش کرنا ہے بے شک اس میں غور سے سننے والوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں۔

دلیل نمبر:9

قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحْیٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ (الروم:24)

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تم کو ڈرانے اور امید پر قائم رکھنے کے لئے بجلیوں کی چمک دکھاتا ہے اور آسمان سے پانی نازل فرماتا ہے پھر اس سے زمین کے مردہ ہونے کے بعد اس کو زندہ کرتا ہے بے شک اس میں عقل والوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں۔

دلیل نمبر:10

قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖۗ مِّنَ الْاَرْضِ ۖۗ اِذَاۤ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ۝ (الروم:25)

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ زمین و آسمان اس کے حکم سے قائم ہیں پھر جب تم کو وہ زمین سے بلائے گا تو تم فوراً (قبروں سے) باہر نکل آؤ گے۔

دلیل نمبر:11

قرآن مجید میں ہے:

وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝ (الروم:26)

اور آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ سب اس کی ملکیت ہے اور سب اس کے اطاعت شعار ہیں۔

دلیل نمبر: 12

قرآن مجید میں ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ ؕ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۠ (الروم:27)

اور وہی ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اس پر بہت آسان ہے اور آسمانوں اور زمینوں میں اسی کی سب سے بلند صفات ہیں اور وہی بہت غلبہ اور بہت حکمت والا ہے۔

دلیل نمبر: 13

قرآن مجید میں ہے:

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ۠ (المرسلات:20)

کیا ہم نے تم کو حقیر پانی (منی) سے نہیں پیدا کیا۔

دلیل نمبر: 14

قرآن مجید میں ہے:

فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَیْرِ مُخَلَّقَةٍ (الحج:5)

سو تم کو ہم نے مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر جمے ہوئے خون سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے جس کی صورت اور شکل واضح بنی ہو یا نہ بنی ہو۔

دلیل نمبر: 15

قرآن مجید میں ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ۠ (الروم:40)

اللہ تعالیٰ نے ہی تم کو پیدا کیا پھر تم کو رزق دیا پھر تم کو موت دے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا کیا تمہارے بنائے ہوئے شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کوئی کام کر سکے اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے پاک اور بلند ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں۔

دلیل نمبر: 16

قرآن مجید میں ہے

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْئًا (النحل:78)

اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں نکالا کہ تم اس وقت کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔

دلیل نمبر:17

قرآن مجید میں ہے:

اَللّٰهُ الَّذِىْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِى السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَ يَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ۝ (الروم:48تا49)

اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے تو وہ بادل کو اٹھاتی ہیں پھر وہ اس بادل کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور وہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے درمیان سے پانی نکلتا ہے پھر وہ اپنے بندوں میں سے جن کو چاہتا ہے ان تک وہ پانی پہنچا دیتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔

دلیل نمبر:18

قرآن مجید میں ہے:

فَانْظُرْ اِلٰۤى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (الروم:50)

پس اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نشانیوں کو دیکھو کہ وہ کس طرح زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے بے شک وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

دلیل نمبر:19

قرآن مجید میں ہے:

اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَيْبَةً ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ۝ (الروم:54)

اللہ ہی ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں پیدا کیا پھر اس کمزوری کے بعد قوت دی پھر اس قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا طاری کیا وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور وہ بہت علم والا ہے بے حد قدرت والا ہے۔

دلیل نمبر:20

قرآن مجید میں ہے:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِىْ مَاذَا

خَلْقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (لقمان:10 تا 11)

اللہ تعالیٰ نے بغیر ستونوں کے آسمان بنائے جنہیں تم دیکھتے ہو اور زمین میں مضبوط پہاڑوں کو نصب کر دیا تا کہ وہ تمہیں لرزا نہ سکے اور اس زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے اور آسمان سے پانی نازل کیا سو ہم نے زمین میں ہر قسم کے عمدہ غلے (اور میوے) پیدا کیے یہ ہے اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا پس مجھے وہ دکھاؤ جو اللہ تعالیٰ کے ماسوا دوسروں نے پیدا کیا ہے بلکہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں۔

دلیل نمبر:21

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ (لقمان:13)

اور جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: اے میرے پیارے بیٹے! اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرنا بے شک شرک کرنا ضرور سب سے زیادہ ظلم ہے۔

دلیل نمبر:22

قرآن مجید میں ہے:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ (لقمان:14)

اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری برداشت کرتے ہوئے اس کو پیٹ میں رکھا اور اس کا دودھ چھڑانا دو برس میں ہے (اور یہ کہ تو) میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا (تو نے) میری طرف ہی لوٹنا ہے۔

دلیل نمبر:23

قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۫ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (لقمان:15)

اور اگر وہ تجھ پر یہ دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ اس کو شریک قرار دے جس کا تجھے علم نہیں ہے تو ان کی اطاعت نہ کرنا اور دنیا میں ان کے ساتھ نیک سلوک کرنا اور اس کے طریقہ کی پیروی کرنا جس نے میری طرف رجوع کیا ہو پھر تم سب نے میری طرف ہی لوٹنا ہے سو میں تم کو ان کاموں کی خبر دوں گا جو تم کرتے تھے۔

دلیل نمبر:24

قرآن مجید میں ہے:

یٰبُنَیَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ ○ (لقمان:16)

(لقمان نے کہا) اے میرے پیارے بیٹے! اگر ایک رائی کا دانہ کسی چٹان میں ہو یا آسمانوں میں یا زمین میں تو اللہ تعالیٰ اس کو لے آئے گا بے شک اللہ تعالیٰ ہر باریکی کا جاننے والا ہے ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔

دلیل نمبر:25

قرآن مجید میں ہے:

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَیْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً ؕ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًی وَّ لَا كِتٰبٍ مُّنِیْرٍ ○ (لقمان:20)

(اے لوگو) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے اور اس نے اپنی تمام ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں اور بعض لوگ بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر کسی واضح کتاب کے اللہ تعالیٰ کے متعلق بحث کرتے ہیں۔

دلیل نمبر:26

قرآن مجید میں ہے:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ (لقمان:25)

اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے۔ آپ فرما دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

دلیل نمبر:27

قرآن مجید میں ہے:

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ○ (لقمان:26)

جو کچھ آسمانوں میں اور زمینوں میں ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہی بے پرواہ حمد کیا ہوا ہے۔

دلیل نمبر:28

قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ (لقمان:27)

اور اگر تمام روئے زمین کے درخت قلم بن جائیں اور تمام سمندر سیاہی ہوں اور اس کے بعد ان میں سات سمندروں کا اور اضافہ ہو تب بھی اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے بے شک اللہ تعالیٰ بہت غالب بے حد حکمت والا ہے۔

دلیل نمبر:29

قرآن مجید میں ہے:

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ○ (لقمان:28)

تم سب کو پیدا کرنا اور تم سب کو دوبارہ زندہ کرنا (اس کے نزدیک) ایک جان کی مانند ہے بے شک اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔

دلیل نمبر:30

قرآن مجید میں ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِی النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِیْۤ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○ (لقمان:29)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے ان میں سے ہر ایک مقرر میعاد تک گردش کر رہا ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو بے شک اللہ تعالیٰ اس کی خبر رکھنے والا ہے۔

دلیل نمبر:31

قرآن مجید میں ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِيْرُ ○ (لقمان:30)

اس کی وجہ یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی برحق ہے اور اس کے سوا یہ جن کی عبادت کرتے ہیں وہ سب باطل ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی نہایت بلند بزرگ ہے۔

دلیل نمبر:32

قرآن مجید میں ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ

شَكُوْرٍ ۝ (لقمان:31)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت سے سمندر میں کشتیاں رواں دواں ہیں تا کہ وہ تم لوگوں کو اپنی بعض نشانیاں دکھائے بے شک اس میں ہر زیادہ صبر کرنے والے بہت شکر کرنے والے کے لئے نشانیاں ہیں۔

دلیل نمبر:33

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ۝ (لقمان:32)

اور جب انہیں کوئی موج سائبانوں کی طرح ڈھانپ لیتی ہے تو وہ اخلاص سے عبادت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ انہیں (طوفان سے) نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو بعض ان میں سے معتدل رہتے ہیں اور ہماری آیتوں کا صرف وہی شخص انکار کرتا ہے جو بڑا بد عہد اور سخت ناشکرا ہے۔

دلیل نمبر:34

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌۢ بِاَىِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ (لقمان:34)

بے شک قیامت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے وہی بارش نازل فرماتا ہے اور وہی (از خود) جانتا ہے کہ (ماؤں کے) رحموں میں کیا ہے اور کوئی (از خود) نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی شخص (از خود) نہیں جانتا کہ وہ کس جگہ مرے گا بے شک اللہ تعالیٰ بہت جاننے والا سب کی خبر رکھنے والا ہے۔

دلیل نمبر:35

قرآن مجید میں ہے:

اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ (السجدہ:4)

اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمینوں کو اور ان تمام چیزوں کو جو ان میں ہیں چھ دنوں میں پیدا کیا پھر عرش پر جلوہ فرما ہوا اسے چھوڑنے کے بعد نہ تمہارا کوئی مددگار ہے نہ شفاعت کرنے والا پس کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے۔

دلیل نمبر:36

قرآن مجید میں ہے:

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ○

(السجدہ:5)

وہ آسمان سے زمین تک ہر کام کی تدبیر کرتا ہے پھر وہ کام اس کی طرف اس دن میں چڑھے گا جس کی مقدار تمہارے گننے کے مطابق ایک ہزار سال ہے۔

دلیل نمبر:37

قرآن مجید میں ہے:

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ○ (السجدہ:6)

وہی عالم الغیب ہےاور عالم الظاہر ہے بہت غالب اور بے حدرحم فرمانے والا ہے۔

دلیل نمبر:38

قرآن مجید میں ہے:

الَّذِىْۤ اَحْسَنَ كُلَّ شَىْءٍ خَلَقَهٗ وَ بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ○ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ○ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ○ (السجدہ:7تا9)

اسی نے ہر چیز کوحسین بنایااور انسان کی تخلیق مٹی سے کی پھر ایک حقیر پانی کے نچوڑ سے اس کی نسل بڑھائی پھر اس (کے پتلے) کو ہموار کیا اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی اور تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔

دلیل نمبر:39

قرآن مجید میں ہے:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِىْ لَمْ تَمُتْ فِىْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِىْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَ يُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ (الزمر:42)

اللہ تعالیٰ ہی روحوں کوان کی موت کے وقت اور جنہیں موت نہیں آئی ان کو نیند کے وقت قبض کر لیتا ہے پھر جن کی موت کا فیصلہ فرما چکا ہے ان (کی روحوں) کو روک لیتا ہے اور دوسری روحوں کو ایک میعاد معین تک چھوڑ دیتا ہے۔

دلیل نمبر:40

قرآن مجید میں ہے:

وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ (الانعام:60)

اور وہی ہے جو رات میں تمہاری روح کو قبض کر لیتا ہے اور اس کو علم ہے جو کچھ تم دن میں کرتے ہو پھر وہ تم کو دوبارہ اٹھائے گا تا کہ میعاد معین پوری کی جائے۔

دلیل نمبر:41

قرآن مجید میں ہے:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا (الزمر:42)

اللہ ہی روحوں کی موت کے وقت ان کو قبض فرمالیتا ہے اور جن کو موت نہیں آئی ان کی روحوں کو ان کی نیند میں قبض فرمالیتا ہے۔

دلیل نمبر:42

قرآن مجید میں ہے:

الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ (الملک:2)

وہی ہے جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا۔

دلیل نمبر:43

قرآن مجید میں ہے:

يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ (البقرہ:258)

وہی زندہ کرتا ہے وہی موت طاری کرتا ہے۔

دلیل نمبر:44

قرآن مجید میں ہے:

اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ○ (الکہف:37)

کیا تو اس ذات کا کفر کر رہا ہے جس نے تجھ کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر تجھے مکمل مرد بنا دیا۔

دلیل نمبر:45

قرآن مجید میں ہے:

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ○ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ○ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ○ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ○ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ○ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ○ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ○ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ○ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ○ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ○ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ○ وَّ عِنَبًا وَّ قَضْبًا ○ وَّ زَيْتُوْنًا وَّ نَخْلًا ○ وَّ حَدَآئِقَ غُلْبًا ○ وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا ○ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ○ (عبس:17تا32)

(کافر) انسان ہلاک ہو جائے وہ کیسا ناشکرا ہے۔ اسے کس چیز سے پیدا کیا ہے اس کو نطفہ سے پیدا کیا پھر اس کو مناسب اندازہ پر رکھا پھر اس کے لئے راستہ آسان کیا پھر اس کو موت دی پس اس کو قبر میں پہنچایا پھر جب چاہے گا اس کو زندہ کر کے نکالے گا بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر ابھی تک عمل نہیں کیا انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے کھانے پر غور کرے ہم نے خوب پانی بہایا پھر ہم نے زمین کو شق کیا سو اس میں غلہ اگایا اور انگور اور سبزی اور زیتون اور کھجور اور گھنے باغات اور میوے اور (مویشیوں) کا چارا تمہیں اور تمہارے مویشیوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے۔

دلیل نمبر:46

قرآن مجید میں ہے:

وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ (البقرہ:163)

اور تمہارا معبود ایک معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں مگر وہی بڑی رحمت والا مہربان۔

دلیل نمبر:47

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ (البقرہ:164)

بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات و دن کا بدلتے آنا اور کشتی کہ دریا میں لوگوں کے فائدے لے کر چلتی ہے اور وہ جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو اس سے جلا دیا اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہواؤں کی گردش اور وہ بادل کہ آسمان و زمین کے بیچ میں حکم کا باندھا ہے ان سب میں عقل مندوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں۔

دلیل نمبر:48

قرآن مجید میں ہے:

اَللّٰهُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ۝ (البقرہ:255)

اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ آپ زندہ اور اوروں کا قائم رکھنے والا اسے نہ اونگھ آئے نہ نیند اسی کا ہے جو

کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ کون ہے جو اس کے یہاں سفارش کرے اس کے حکم کو جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے اور وہ نہیں پاتے اس کے علم میں سے مگر جتنا وہ چاہے اس کی کرسی میں سمائے ہوئے ہیں آسمان اور زمین اور اسے بھاری نہیں ان کی نگہبانی اور وہی ہے بلند بڑائی والا۔

دلیل نمبر:49

قرآن مجید میں ہے:

وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (آل عمران:62)

اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک اللہ ہی غالب ہے حکمت والا۔

دلیل نمبر:50

قرآن مجید میں ہے:

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ز فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ○ (النساء:171)

اے اہل کتاب والو! اپنے دین میں زیادتی نہ کرو اور اللہ تعالیٰ پر نہ کہو مگر سچ مسیح عیسیٰ مریم کا بیٹا اللہ تعالیٰ کا رسول ہی ہے اور اس کا ایک کلمہ کہ مریم کی طرف بھیجا اور اس کے یہاں کی ایک روح تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تین نہ کہو باز رہو اپنے بھلے کو اللہ تعالیٰ تو ایک ہی خدا ہے پاکی ہے اسے اس سے کہ اس کے کوئی بچہ ہو اسی کا مال ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز۔

دلیل نمبر:51

قرآن مجید میں ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّاۤ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (المائدہ:73)

بے شک کافر ہیں وہ جو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ تین خداؤں میں تیسرا ہے اور خدا تو نہیں مگر ایک خدا اور اگر اپنی بات سے باز نہ آئے تو جوان میں کافر مریں گے ان کو ضرور دردناک عذاب پہنچے گا۔

دلیل نمبر:52

قرآن مجید میں ہے:

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰی قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ ثُمَّ هُمْ یَصْدِفُوْنَ ○ (الانعام:46)

تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو اگر اللہ تعالیٰ تمہارے کان، آنکھ لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون خدا ہے کہ تمہیں یہ چیزیں لا دے دیکھو ہم کس کس رنگ سے آیتیں بیان کرتے ہیں پھر وہ منہ پھیر لیتے ہیں۔

دلیل نمبر:53

قرآن مجید میں ہے:

وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ (الاعراف:65)

اور عاد کی طرف ان کی برادری سے ہود کو بھیجا کہا: اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تو کیا تمہیں ڈر نہیں۔

دلیل نمبر:54

قرآن مجید میں ہے:

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِیُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِیَعْلَمُوْۤا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِیَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○ (ابراہیم:52)

یہ لوگوں کو حکم پہنچاتا ہے اور اس لیے کہ وہ اس سے ڈرائے جائیں اور اس لیے کہ وہ جان لیں کہ وہ ایک ہی معبود ہے اور اس لیے کہ عقل والے نصیحت مانیں۔

دلیل نمبر:55

قرآن مجید میں ہے:

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ ○ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِیْنَ ○ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ○

(الحجر:19 تا 21)

اور ہم نے زمین پھیلائی اور اس میں لنگر ڈالے اور اس میں ہر چیز اندازے سے اگائی اور تمہارے لیے اس میں روزیاں کر دیں اور وہ کر دیے جنہیں تم رزق نہیں دیتے اور کوئی چیز نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں اور ہم اسے نہیں اتارتے مگر ایک معلوم اندازے سے۔

دلیل نمبر:56

قرآن مجید میں ہے:

وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَیْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِیْنَ ○ (الحجر:22)

اور ہم نے ہوائیں بھیجیں بادلوں کو بارور کرنے والیاں تو ہم نے آسمان سے پانی اتارا پھر وہ تمہیں پینے کو دیا اور تم کچھ اس کے خزانچی نہیں۔

دلیل نمبر:57

قرآن مجید میں ہے:

وَ اِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ وَ نُمِیْتُ وَ نَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ o (الحجر:23)

اور بے شک ہم ہی جلائیں اور ہم ہی ماریں اور ہم ہی وارث ہیں۔

دلیل نمبر:58

قرآن مجید میں ہے:

وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنْكُمْ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِیْنَ o (الحجر:24)

اور بے شک ہمیں معلوم ہیں جو تم میں آگے بڑھے اور بے شک ہمیں معلوم ہیں جو تم میں پیچھے رہے۔

دلیل نمبر:59

قرآن مجید میں ہے:

وَ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ یَحْشُرُهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ o (الحجر:25)

اور بے شک تمہارا رب ہی انہیں قیامت میں اٹھائے گا بے شک وہی علم و حکمت والا ہے۔

دلیل نمبر:60

قرآن مجید میں ہے:

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ o (الحجر:26)

اور بے شک ہم نے آدمی کو بجتی ہوئی مٹی سے بنایا جو اصل میں ایک سیاہ بد بودار گارا تھی۔

دلیل نمبر:61

قرآن مجید میں ہے:

وَ الْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ o (الحجر:27)

اور جن کو اس سے پہلے بنایا بے دھوئیں کی آگ سے۔

دلیل نمبر:62

قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ○ (النحل:51)

اور اللہ تعالیٰ نے فرما دیا دو خدا نہ ٹھہراؤ وہ تو ایک ہی معبود ہے تو مجھ ہی سے ڈرو۔

دلیل نمبر:63

قرآن مجید میں ہے:

وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ○ (النحل:52)

اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اسی کی فرمانبرداری لازم ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے سے ڈرو گے۔

دلیل نمبر:64

قرآن مجید میں ہے:

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْئَرُوْنَ ○ (النحل:53)

اور تمہارے پاس جو نعمت ہے سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے پھر جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو اس کی طرف پناہ لے جاتے ہو۔

دلیل نمبر:65

قرآن مجید میں ہے:

ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ○ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ٝ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ○ (النحل:54 تا 55)

پھر جب وہ تم سے برائی ٹال دیتا ہے تو تم میں ایک گروہ اپنے رب کا شریک ٹھہرانے لگتا ہے کہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کریں تو کچھ برت لو کہ عنقریب جان جاؤ گے۔

دلیل نمبر:66

قرآن مجید میں ہے:

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ○ (النحل:57)

اور اللہ ہی کے لئے بیٹیاں ٹھہراتے ہیں پاکی ہے اس کو اور اپنے لیے جو اپنا جی چاہتا ہے۔

دلیل نمبر:67

قرآن مجید میں ہے:

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ○ (النحل:65)

اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا تو اس سے زمین کو زندہ کر دیا اس کے مرے پیچھے بے شک اس میں نشانی ہے ان کو جو کان رکھتے ہیں۔

دلیل نمبر:68

قرآن مجید میں ہے:

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْ ۢبَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ○ (النحل:66)

اور بے شک تمہارے لیے چوپایوں میں نگاہ حاصل ہونے کی جگہ ہے ہم تمہیں پلاتے ہیں اس چیز میں سے جو ان کے پیٹ میں ہے گوبر اور خون کی بیچ میں سے خالص دودھ گلے سے سہل اترتا پینے والوں کے لئے۔

دلیل نمبر:69

قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○ (النحل:67)

اور کھجور اور انگور کے پھلوں میں سے کہ اس سے نبیذ بناتے ہو اور اچھا رزق۔ بے شک اس میں نشانی ہے عقل والوں کو۔

دلیل نمبر:70

قرآن مجید میں ہے:

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ○ (النحل:68)

اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کو الہام کیا کہ پہاڑوں میں گھر بنا اور درختوں میں اور چھتوں میں۔

دلیل نمبر:71

قرآن مجید میں ہے:

ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۭ يَخْرُجُ مِنْ ۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَاۗءٌ لِّلنَّاسِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○ (النحل:69)

پھر ہر قسم کے پھل میں سے کھا اور اپنے رب کی راہیں چل کر تیرے لیے نرم و آسان ہیں اس کے پیٹ سے ایک پینے کی چیز رنگ برنگ نکلتی ہے جس میں لوگوں کی تندرستی ہے بے شک اس میں نشانی ہے دھیان کرنے والوں کو۔

دلیل نمبر:72

قرآن مجید میں ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝ (النحل:70)

اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہاری جان قبض کریگا اور تم میں کوئی سب سے ناقص عمر کی طرف پھر جاتا ہے کہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے سب کچھ کر سکتا ہے۔

دلیل نمبر:73

قرآن مجید میں ہے:

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ (النحل:71)

اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر رزق میں بڑائی دی تو جنہیں بڑائی دی ہے وہ اپنا رزق اپنے باندی غلاموں کو نہ پھیر دیں گے کہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں تو کیا اللہ تعالیٰ کی نعمت سے مکرتے ہیں۔

دلیل نمبر:74

قرآن مجید میں ہے:

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝ (النحل:72)

اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہاری جنس سے عورتیں بنائیں اور تمہارے لیے تمہاری عورتوں سے بیٹے اور پوتے نواسے پیدا کیے اور تمہیں ستھری چیزوں سے روزی دی تو کیا جھوٹی بات پر یقین لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے منکر ہوتے ہیں۔

دلیل نمبر:75

قرآن مجید میں ہے:

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ (النحل:73)

اور اللہ تعالیٰ کے سوا ایسوں کو پوجتے ہیں جو انہیں آسمان اور زمین سے کچھ بھی روزی دینے کا اختیار نہیں رکھتے نہ کچھ کر سکتے ہیں۔

دلیل نمبر:76

قرآن مجید میں ہے

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ○ (النحل:74)

تو اللہ تعالیٰ کے لئے مانند نہ ٹھہراو بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

دلیل نمبر:77

قرآن مجید میں ہے:

وَلِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ○ (النحل:77)

اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں آسمانوں اور زمین کی چھپی چیزیں اور قیامت کا معاملہ نہیں مگر جیسے ایک پلک کا مارنا بلکہ اس سے بھی قریب بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ کرسکتا ہے۔

دلیل نمبر:78

قرآن مجید میں ہے:

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْـًٔا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ○ (النحل:78)

اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے پیدا کیا کہ کچھ نہ جانتے تھے اور تمہیں کان اور آنکھ اور دل دیئے کہ تم احسان مانو۔

دلیل نمبر:79

قرآن مجید میں ہے:

اَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ○ (النحل:79)

کیا انہوں نے پرندے نہ دیکھے حکم کے باندھے آسمان کی فضا میں انہیں کوئی نہیں روکتا سوا اللہ تعالیٰ کے بے شک اس میں نشانیاں ہیں ایمان والوں کو۔

دلیل نمبر:80

قرآن مجید میں ہے:

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُیُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُیُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا یَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَیَوْمَ اِقَامَتِكُمْ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰی حِیْنٍ○ (النحل:80)

اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں گھر دیئے بسنے کو اور تمہارے لیے چوپایوں کی کھالوں سے کچھ گھر بنائے جو تمہیں ہلکے پڑتے

ہیں تمہارے سفر کے دن اور منزلوں پر ٹھہرنے کے دن اور ان کی اون اور ببری (رونگٹوں) اور بالوں سے کچھ گرستی (خانگی ضروریات) کا سامان اور برتنے کی چیزیں ایک وقت تک۔

دلیل نمبر: 81

قرآن مجید میں ہے:

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ○ (النحل:81)

اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی بنائی ہوئی چیزوں سے سائے دیئے اور تمہارے لیے پہاڑوں میں چھپنے کی جگہ بنائی اور تمہارے لیے کچھ پہناوے بنائے کہ تمہیں گرمی سے بچائیں اور کچھ پہناوے کہ لڑائی میں تمہاری حفاظت کریں یونہی اپنی نعمت تم پر پوری کرتا ہے کہ تم فرمان مانو۔

دلیل نمبر: 82

قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○ (النحل:86)

اور شرک کرنے والے جب اپنے شریکوں کو دیکھیں گے کہیں گے اے ہمارے رب یہ ہیں ہمارے شریک کہ ہم تیرے سوا پوجتے تھے تو وہ ان پر بات پھینکیں گے کہ تم بے شک جھوٹے ہو۔

دلیل نمبر: 83

قرآن مجید میں ہے:

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ○ (بنی اسرائیل:22)

اے سننے والے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خدا نہ ٹھہرا کہ تو بیٹھ رہے گا مذمت کیا جاتا بے کس۔

دلیل نمبر: 84

قرآن مجید میں ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ (بنی اسرائیل:23)

اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کو نہ پوجو۔

دلیل نمبر: 85

قرآن مجید میں ہے:

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا۝ (بنی اسرائیل:42)

تم فرماؤ اگر اس کے ساتھ اور خدا ہوتے جیسا کہ بکتے ہیں جب تو وہ عرش کے مالک کی طرف کوئی راہ ڈھونڈ نکالتے اسے پاکی اور برتری ان کی باتوں سے بڑی برتری۔

دلیل نمبر:86

قرآن مجید میں ہے:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَىْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰـكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا۝ (بنی اسرائیل:44)

اس کی پاکی بولتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہیں اور کوئی چیز نہیں جو اسے سراہتی ہوئی اس کی پاکی نہ بولے ہاں تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے بے شک وہ حلم والا بخشنے والا ہے۔

دلیل نمبر:87

قرآن مجید میں ہے:

وَقَالُوْۤا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا۝ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا۝ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِىْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ؕ قُلِ الَّذِىْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ؕ قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا۝ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا۝ (بنی اسرائیل:49تا52)

اور بولے کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے کیا سچ مچ نئے بن کر اٹھیں گے تم فرماؤ کہ پتھر یا لوہا ہو جاؤ یا اور کوئی مخلوق جو تمہارے خیال میں بڑی ہو تو اب کہیں گے ہمیں کون پیدا کرے گا تم فرماؤ وہی جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تو اب تمہاری طرف مسخرگی سے سر ہلا کر کہیں گے یہ کب ہے تم فرماؤ شاید نزدیک ہی ہو جس دن وہ تمہیں بلائے گا تو تم اس کی حمد کرتے چلے آؤ گے اور تم سمجھو گے کہ نہ رہے تھے مگر تھوڑا۔

دلیل نمبر:88

قرآن مجید میں ہے:

رَبُّكُمُ الَّذِىْ يُزْجِىْ لَـكُمُ الْـفُلْكَ فِى الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا۝ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰٮكُمْ اِلَى الْبَـرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا۝ (بنی اسرائیل:66تا67)

تمہارا رب وہ ہے کہ تمہارے لیے دریا میں کشتی رواں کرتا ہے کہ تم اس کا فضل تلاش کرو بے شک وہ تم پر مہربان ہے

اور جب تمہیں دریا میں مصیبت پہنچتی ہے تو اس کے سوا جنہیں پوجتے ہیں سب گم ہو جاتے ہیں۔ پھر جب وہ خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو منہ پھیر لیتے ہیں۔ اور انسان بڑا ناشکرا ہے۔

دلیل نمبر:89

قرآن مجید میں ہے:

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَ جَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَیْبَ فِیْهِؕ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا۝ (بنی اسرائیل:99)

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ اللہ جس نے آسمان اور زمین بنائے ان لوگوں کی مثل بنا سکتا ہے اور اس نے ان کے لئے ایک میعاد ٹھہرا رکھی ہے جس میں کچھ شبہ نہیں تو ظالم نہیں مانتے بے ناشکری کیے۔

دلیل نمبر:90

قرآن مجید میں ہے:

وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا۝ (بنی اسرائیل:111)

اور یوں کہو سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کو جس نے اپنے لیے بچہ اختیار نہ فرمایا اور بادشاہی میں کوئی اس کا شریک نہیں اور کمزوری سے کوئی اس کا حمایتی نہیں اور اس کی بڑائی بولنے کو تکبیر کہو۔

دلیل نمبر:91

قرآن مجید میں ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ (الکہف:1)

سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کو جس نے اپنے بندے پر کتاب اتاری۔

دلیل نمبر:92

قرآن مجید میں ہے:

وَ تَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَ اِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَ هُمْ فِیْ فَجْوَةٍ مِّنْهُؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِؕ مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِۚ وَ مَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا۝ (الکہف:17)

اور اے محبوب تم سورج کو دیکھو گے کہ جب نکلتا ہے تو ان کے غار سے داہنی طرف بچ جاتا ہے اور جب ڈوبتا ہے تو ان سے بائیں طرف کترا جاتا ہے حالانکہ وہ اس غار کے کھلے میدان میں ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے

ہے جسے اللہ تعالیٰ راہ دے تو وہی راہ پر ہے اور جسے گمراہ کرے تو ہرگز اس کا کوئی حمایتی راہ دکھانے والا نہ پاؤ گے۔

دلیل نمبر:93

قرآن مجید میں ہے:

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ○ (الکہف:26)

تم فرماؤ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے وہ جتنا ٹھہرے اسی کے لئے آسمانوں اور زمینوں کے سب غیب وہ کیا ہی دیکھتا اور کیا ہی سنتا ہے اس کے سوا ان کا کوئی والی نہیں اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

دلیل نمبر:94

قرآن مجید میں ہے:

قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ○ (الکہف:110)

تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو اسے چاہئے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے۔

دلیل نمبر:95

قرآن مجید میں ہے:

وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ○ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ○ (مریم:80 تا 81)

اور جو چیزیں کہہ رہا ہے ان کے ہمیں وارث ہوں گے اور ہمارے پاس اکیلا آئے گا اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور خدا بنا لیے کہ وہ انہیں زور دے۔

دلیل نمبر:96

قرآن مجید میں ہے:

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ (الانبیاء:108)

تم فرماؤ مجھے تو یہی وحی ہوتی ہے کہ تمہارا خدا نہیں مگر ایک اللہ تعالیٰ تو کیا تم مسلمان ہوتے ہو۔

دلیل نمبر:97

قرآن مجید میں ہے:

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى

بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ (المومنون:91)

اللہ تعالیٰ نے کوئی بچہ اختیار نہ کیا اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا یوں ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق لے جاتا اور ضرور ایک دوسرے پر اپنی تعلّی چاہتا پاکی ہے اللہ تعالیٰ کو ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں۔

دلیل نمبر:98

قرآن مجید میں ہے:

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ○ (النمل:60)

یا وہ جس نے آسمان وزمین بنائے اور تمہارے لیے آسمان سے پانی اتارا تو ہم نے اس سے باغ اگائے رونق والے تمہاری طاقت نہ تھی کہ ان کے پیڑ اگاتے کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے بلکہ وہ لوگ راہ سے کتراتے ہیں۔

دلیل نمبر:99

قرآن مجید میں ہے:

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَ جَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (النمل:61)

یا وہ جس نے زمین بسنے کو بنائی اور اس کے بیچ میں نہریں نکالیں اور اس کے لیے لنگر بنائے اور دونوں سمندروں میں آڑ رکھی۔ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور خدا ہے بلکہ ان میں اکثر جاہل ہیں۔

دلیل نمبر:100

قرآن مجید میں ہے:

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ○ (النمل:62)

یا وہ جو لاچار کی سنتا ہے جب اسے پکارے اور دور کر دیتا ہے برائی اور تمہیں زمین کا وارث کرتا ہے کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور خدا ہے، بہت ہی کم دھیان کرتے ہو۔

دلیل نمبر:101

قرآن مجید میں ہے:

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ

تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ (النمل:63)

یا وہ جو تمہیں راہ دکھاتا ہے اندھیریوں میں خشکی اور تری کی اور وہ کہ ہوائیں بھیجتا ہے اپنی رحمت کے آگے خوشخبری سناتی کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے برتر ہے اللہ ان کے شرک سے۔

دلیل نمبر:102

قرآن مجید میں ہے:

اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ (النمل:64)

یا وہ جو خلق کی ابتداء فرماتا ہے پھر اسے دوبارہ بنائے گا اور وہ جو تمہیں آسمانوں اور زمین سے روزی دیتا ہے کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے تم فرماؤ کہ اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔

دلیل نمبر:103

قرآن مجید میں ہے:

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ○ (النمل:65)

تم فرماؤ کہ غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ۔ اور انہیں خبر نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے۔

دلیل نمبر:104

قرآن مجید میں ہے:

اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ (النمل:86)

کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے رات بنائی کہ اس میں آرام کریں اور دن کو بنایا سوجھانے والا۔ بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے کہ ایمان رکھتے ہیں۔

دلیل نمبر:105

قرآن مجید میں ہے:

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ○ (النمل:87)

اور جس دن پھونکا جائے گا صور تو گھبرائے جائیں گے جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں مگر جسے خدا

چاہے اور سب اس کے حضور حاضر ہوئے عاجزی کرتے۔

دلیل نمبر:106

قرآن مجید میں ہے:

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ۝ (النمل:88)

اور تو دیکھے گا پہاڑوں کو خیال کرے گا کہ وہ جمے ہوئے ہیں اور وہ چلتے ہوں گے بادل کی چال یہ کام ہے اللہ تعالیٰ کا جس نے حکمت سے بنائی ہر چیز بے شک اسے خبر ہے تمہارے کاموں کی۔

دلیل نمبر:107

قرآن مجید میں ہے:

وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۝

(القصص:70)

اور وہی ہے اللہ تعالیٰ کہ کوئی خدا نہیں اس کے سوا اسی کی تعریف ہے دنیا اور آخرت میں اور اسی کا حکم ہے اسی کی طرف پھر جاؤ گے۔

دلیل نمبر:108

قرآن مجید میں ہے:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ۝ (القصص:71)

تم فرماؤ بھلا دیکھو تو اگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ تم پر قیامت تک رات رکھے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون خدا ہے جو تمہیں روشنی لاوے تو کیا تم سنتے نہیں۔

دلیل نمبر:109

قرآن مجید میں ہے:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۝ (القصص:72)

تم فرماؤ بھلا دیکھو تو اگر اللہ تعالیٰ قیامت تک ہمیشہ دن رکھے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون خدا ہے جو تمہیں رات لاوے جس میں آرام کرو تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں۔

دلیل نمبر:110

قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ○ (القصص:73)

اور اس نے اپنی مہر سے تمہارے لیے رات اور دن بنائے کہ رات میں آرام کرو اور دن میں اس کا فضل ڈھونڈو اور اس لیے کہ تم حق مانو۔

دلیل نمبر:111

قرآن مجید میں ہے:

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ○ (القصص:74)

اور جس دن انہیں ندا کرے گا تو فرمائے گا کہاں ہیں میرے وہ شریک جو تم بکتے تھے۔

دلیل نمبر:112

قرآن مجید میں ہے:

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْۤا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ○ (القصص:75)

اور ہر گروہ میں سے ہم ایک گواہ نکال کر فرمائیں گے اپنی دلیل لاؤ تو جان لیں گے کہ حق اللہ تعالیٰ کا ہے اور ان سے کھوئی جائیں گی جو بناوٹیں کرتے تھے۔

دلیل نمبر:113

قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۟ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ○ (القصص:88)

اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے خدا کو نہ پوج اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہر چیز فانی ہے سوا اس ذات کے اسی کا حکم ہے اور اسی طرف پھر جاؤ گے۔

دلیل نمبر:114

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّ تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ

لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ (العنکبوت:17)

تم تو اللہ تعالیٰ کے سوا بتوں کو پوجتے ہو اور نرا جھوٹ گھڑتے ہو بے شک وہ جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے ہو تمہاری روزی کے کچھ مالک نہیں تو اللہ تعالیٰ کے پاس رزق ڈھونڈو اور اس کی بندگی اور اس کا احسان مانو تمہیں اسی کی طرف پھرنا ہے۔

دلیل نمبر:115

قرآن مجید میں ہے:

اَوَلَمْ یَرَوْا كَیْفَ یُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ○ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَرْحَمُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَاِلَیْهِ تُقْلَبُوْنَ ○ (العنکبوت:19، 21)

تم فرماؤ زمین میں سفر کر کے دیکھو اللہ تعالیٰ کیونکر پہلے بناتا ہے پھر اللہ تعالیٰ دوسری اٹھان اٹھاتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہے عذاب دیتا ہے جسے چاہے اور رحم فرماتا ہے جس پر چاہے اور تمہیں اسی کی طرف پھرنا ہے۔

دلیل نمبر:116

قرآن مجید میں ہے:

وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ○ (العنکبوت:22)

اور نہ تم زمین میں قابو سے نکل سکو اور نہ آسمان میں اور تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی کام بنانے والا اور نہ مددگار۔

دلیل نمبر:117

قرآن مجید میں ہے:

وَلَىٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ○ (العنکبوت:63)

اور جو تم ان سے پوچھو کس نے اتارا آسمان سے پانی تو اس کے سبب زمین زندہ کر دی مرے پیچھے ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے تم فرماؤ سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کو بلکہ ان میں اکثر بے عقل ہیں۔

دلیل نمبر:118

قرآن مجید میں ہے

اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَکٰفِرُوْنَ ○ (الروم:8)

کیا انہوں نے اپنے جی میں نہ سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا نہ کیے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق اور ایک مقررہ میعاد ہے اور بے شک بہت سے لوگ اپنے رب سے ملنے کا انکار کرتے ہیں۔

دلیل نمبر:119

قرآن مجید میں ہے:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ○ (البقرہ:29)

وہی ہے جس نے تمہارے لیے بنایا جو کچھ زمین میں ہے پھر آسمان کی طرف استوا فرمایا تو ٹھیک سات آسمان بنائے وہ سب کچھ جانتا ہے۔

دلیل نمبر:120

قرآن مجید میں ہے:

ذٰلِکُمُ اللّٰهُ رَبُّکُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ ○ (الانعام:102)

یہ ہے اللہ تعالیٰ تمہارا رب اور اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں ہر چیز کا بنانے والا تو اسے پوجو وہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

دلیل نمبر:121

قرآن مجید میں ہے:

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ ○ (الانعام:106)

جو تمہیں تمہارے رب کی طرف سے وحی ہوتی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور مشرکوں سے منہ پھیر لو۔

دلیل نمبر:122

قرآن مجید میں ہے:

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ لَا یَمْلِکُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَالْبَصِیْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِی الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَکَآءَ خَلَقُوْا کَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَیْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ○ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِیَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّیْلُ زَبَدًا رَّابِیًا ؕ وَمِمَّا یُوْقِدُوْنَ عَلَیْهِ فِی

النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ؕ (الرعد:16 تا 17)

تم فرماؤ کون رب ہے آسمانوں اور زمین کا تم خود ہی فرماؤ اللہ تعالیٰ، تم فرماؤ تو کیا اس کے سوا تم نے وہ حمایتی بنا لیے ہیں جو اپنا بھلا برا نہیں کر سکتے ہیں تم فرماؤ کیا برابر ہو جائیں گے اندھا اور انکھیارہ (بینا) یا کیا برابر ہو جائیں گے اندھیریاں اور اجالا کیا اللہ تعالیٰ کے لئے ایسے شریک ٹھہراتے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرح کچھ بنایا تو انہیں ان کا اور اس کا بنانا ایک سا معلوم ہوا تم فرماؤ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا بنانے والا ہے اور وہ اکیلا سب پر غالب ہے۔ اس نے آسمان سے پانی اتارا تو نالے اپنے اپنے لائق بہہ نکلے تو پانی کی رو اس پر ابھرے ہوئے جھاگ اٹھا لائی اور جس پر آگ دہکاتے ہیں گہنا یا اور اسباب بنانے کو اس سے بھی ویسے ہی جھاگ اٹھتے ہیں اللہ تعالیٰ بتاتا ہے کہ حق و باطل کی یہی مثال ہے تو جھاگ تو پھک (جل) کر دور ہو جاتا ہے اور وہ جو لوگوں کے کام آئے زمین میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ یونہی مثالیں بیان فرماتا ہے۔

دلیل نمبر:123

قرآن مجید میں ہے:

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۞ (الرعد:15)

اور اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کرتے ہیں جتنے آسمانوں اور زمین میں ہیں خوشی سے خواہ مجبوری سے اور ان کی پرچھائیاں ہر صبح و شام۔

دلیل نمبر:124

قرآن مجید میں ہے:

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۞ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۞ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۞ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۞ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ۞ (المومنون:13 تا 17)

اور بے شک ہم نے آدمی کو چنی ہوئی (انتخاب کی) مٹی سے بنایا پھر اسے پانی کی بوند کیا ایک مضبوط ٹھہراؤ میں پھر ہم نے اس پانی کی بوند کو خون کی پھٹک کیا پھر خون کی پھٹک کو گوشت کی بوٹی پھر گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں پھر ان ہڈیوں پر گوشت پہنایا پھر اسے اور صورت میں اٹھان دی تو بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ سب سے بہتر بنانے والا پھر اس کے بعد تم ضرور مرنے والے ہو پھر تم سب قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے اور بے شک ہم نے تمہارے اوپر سات راہیں بنائیں اور ہم خلق سے بے خبر نہیں۔

دلیل نمبر:125

قرآن مجید میں ہے:

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ ۖ وَ اِنَّا عَلٰی ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۝ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِیْهَا فَوَاكِهُ كَثِیْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَ شَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَیْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَ صِبْغٍ لِّلْاٰكِلِیْنَ ۝ وَ اِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهَا وَ لَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ كَثِیْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَ عَلَیْهَا وَ عَلَی الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۝

(المومنون:18 تا22)

اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا ایک اندازہ پر پھر اسے زمین میں ٹھہرایا اور بے شک ہم اس کے لے جانے پر قادر ہیں تو اس سے ہم نے تمہارے باغ پیدا کیے کھجوروں اور انگوروں کے تمہارے لیے ان میں بہت سے میوے ہیں اور ان میں سے کھاتے ہو اور وہ پیڑ پیدا کیا کہ طور سینا سے نکلتا ہے لے کر اگتا ہے تیل اور کھانے والوں کے لئے سالن اور بے شک تمہارے لیے چوپاؤں میں سمجھنے کا مقام ہے ہم تمہیں پلاتے ہیں اس میں سے جو ان کے پیٹ میں ہے اور تمہارے لیے ان میں بہت فائدے ہیں اور ان سے تمہاری خوراک ہے اور ان پر اور کشتی پر سوار کیے جاتے ہو۔

دلیل نمبر:126

قرآن مجید میں ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِیْحَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ۝ (النور:41)

کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں اور پرندے پر پھیلائے سب نے جان رکھی اپنی نماز اور اپنی تسبیح اور اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کو جانتا ہے۔

دلیل نمبر:127

قرآن مجید میں ہے:

وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ اِلَی اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ۝ (النور:42)

اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے سلطنت اور آسمانوں اور زمین کی اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف پھر جانا۔

دلیل نمبر:128

قرآن مجید میں ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُزْجِیْ سَحَابًا ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیْنَهٗ ثُمَّ یَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِیْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَیُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ یَّشَآءُ ؕ یَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ یَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ؕ (النور:43)

کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نرم نرم چلاتا ہے بادل کو پھر انہیں آپس میں ملاتا ہے پھر انہیں تہہ پر تہہ کر دیتا ہے تو تو دیکھے کہ اس کے بیچ میں سے مینہ نکلتا ہے اور اتارتا ہے آسمان سے اس میں جو برف کے پہاڑ ہیں ان میں سے کچھ اولے پھر ڈالتا ہے انہیں جس پر چاہے اور پھیر دیتا ہے انہیں جس سے چاہے قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھ لے جائے۔

دلیل نمبر:129

قرآن مجید میں ہے:

یُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ؕ (النور:44)

اللہ بدلی کرتا ہے رات اور دن کی بے شک اس میں سمجھنے کا مقام ہے نگاہ والوں کو۔

دلیل نمبر:130

قرآن مجید میں ہے:

وَ اللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰى رِجْلَیْنِ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰۤى اَرْبَعٍ ؕ یَخْلُقُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ؕ (النور:45)

اور اللہ تعالیٰ نے زمین پر ہر چلنے والا پانی سے بنایا تو ان میں کوئی اپنے پیٹ پر چلتا ہے اور ان میں کوئی دو پاؤں پر چلتا ہے اور ان میں کوئی چار پاؤں پر چلتا ہے اللہ تعالیٰ بناتا ہے جو چاہے بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہے۔

دلیل نمبر:131

قرآن مجید میں ہے:

الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَ خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ؕ وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ وَ لَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا وَّ لَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّ لَا حَیٰوةً وَّ لَا نُشُوْرًا ؕ (الفرقان:2تا3)

وہ جس کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اور اس نے نہ اختیار فرمایا بچہ اور اس کی سلطنت میں کوئی ساجھی نہیں اس نے ہر چیز پیدا کر کے ٹھیک اندازہ پر رکھی اور لوگوں نے اس کے سوا اور خدا ٹھہرا لیے کہ وہ کچھ نہیں بناتے اور خود پیدا کیے گئے ہیں اور خود اپنی جانوں کے برے بھلے کے مالک نہیں اور نہ مرنے کا اختیار نہ جینے کا نہ

اٹھنے کا۔

دلیل نمبر:132

قرآن مجید میں ہے:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِیْمٍ ۝ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ (لقمان:10 تا 11)

اس نے آسمان بنائے ایسے ستونوں کے جو تمہیں نظر آئیں اور زمین میں ڈالے لنگر کہ تمہیں لے کر نہ کانپے اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا تو زمین میں ہر نفیس جوڑا اگایا یہ تو اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے مجھے وہ دکھاؤ جو اس کے سوا اوروں نے بنایا بلکہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں۔

دلیل نمبر:133

قرآن مجید میں ہے:

ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْـًٔا وَّلَا یُنْقِذُوْنِ ۝ (یٰس:23)

کیا اللہ تعالیٰ کے سوا اور خدا ٹھہراؤں کہ اگر رحمٰن میرا کچھ برا چاہے تو ان کی سفارش میرے کچھ کام نہ آئے اور نہ وہ مجھے بچا سکیں۔

دلیل نمبر:134

قرآن مجید میں ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ ۚۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ۝ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ۝ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ۝ وَاٰیَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّیَّتَهُمْ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا یَرْكَبُوْنَ ۝ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِیْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ یُنْقَذُوْنَ ۝ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰی حِیْنٍ ۝ (یٰس:36 تا 44)

پاکی ہے اسے جس نے سب جوڑے بنائے ان چیزوں سے جنہیں زمین اگاتی ہے اور خود ان سے اور ان چیزوں سے جن کی انہیں خبر نہیں۔ اور ان کے لئے ایک نشانی رات ہے ہم اس پر سے دن کھینچ لیتے ہیں جبھی وہ اندھیروں میں ہیں اور سورج چلتا ہے اپنے ایک ٹھہراؤ کے لئے یہ حکم ہے زبردست علم والے کا اور چاند کے لئے ہم نے

منزلیں مقرر کیں یہاں تک کہ پھر ہو گیا جیسے کھجور کی پرانی ڈال (ٹہنی) سورج کو نہیں پہنچتا کہ چاند کو پکڑ لے اور نہ رات دن پر سبقت لے جائے اور ہر ایک ایک گھیرے میں پیرر ہا ہے اور ان کے لئے ایک نشانی یہ ہے کہ انہیں ان کے بزرگوں کی پیٹھ میں ہم نے بھری کشتی میں سوار کیا اور ان کے لئے ویسی ہی کشتیاں بنا دیں جن پر سوار ہوتے ہیں اور ہم چاہیں تو انہیں ڈبو دیں تو نہ کوئی ان کی فریاد کو پہنچنے والا ہو اور نہ وہ بچائے جائیں مگر ہماری طرف کی رحمت اور ایک وقت تک برتنے دینا۔

دلیل نمبر:135

قرآن مجید میں ہے:

وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ○ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ وَ هُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ○ (یٰس:74تا75)

اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور خدا ٹھہرا لیے کہ شاید ان کی مدد ہو وہ ان کی مدد نہیں کر سکتے اور وہ ان کے لشکر سب گرفتار حاضر آئیں گے۔

دلیل نمبر:136

قرآن مجید میں ہے:

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ○ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ○ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَ هُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ○ ۨالَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ○ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى ۗ وَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ○ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ (یٰس:77تا83)

اور کیا آدمی نے نہ دیکھا کہ ہم نے اسے پانی کی بوند سے بنایا جبھی وہ صریح جھگڑالو ہے اور ہمارے لیے کہاوت کہتا ہے اور اپنی پیدائش بھول گیا بولا ایسا کون ہے کہ ہڈیوں کو زندہ کرے جب وہ بالکل گل جائیں تم فرماؤ انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے پہلی بار انہیں بنایا اور اسے ہر پیدائش کا علم ہے جس نے تمہارے لیے ہرے پیڑ میں آگ پیدا کی جبھی تم اس سے سلگاتے ہو اور کیا وہ جس نے آسمان اور زمین بنائے ان جیسے اور نہیں بنا سکتا کیوں نہیں اور وہی بڑا پیدا کرنے والا سب کچھ جانتا اس کا کام تو یہی ہے کہ جب کسی چیز کو چاہے تو اس سے فرمائے ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے تو پاکی ہے اسے جس کے ہاتھ ہر چیز کا قبضہ ہے اور اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے۔

دلیل نمبر:137

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اِلٰـهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَ رَبُّ الْمَشَارِقِ ۝ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ نِ الْكَوَاكِبِ ۝ (الصافات:4تا6)

بے شک تمہارا معبود ضرور ایک ہے مالک آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور مالک مشرقوں کا اور بے شک ہم نے نیچے کے آسمان کو تاروں کے سنگھار سے آراستہ کیا۔

دلیل نمبر:138

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۝ (الصافات:35تا36)

بے شک جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بندگی نہیں تو اونچی کھینچتے (تکبر کرتے) تھے۔

دلیل نمبر:139

قرآن مجید میں ہے:

قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ۝ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ اَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَ مِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ۝ وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (الزمر:14تا18)

تم فرماؤ بالفرض اگر مجھ سے نافرمانی ہو جائے تو مجھے بھی اپنے رب سے ایک بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے تم فرماؤ میں اللہ تعالیٰ ہی کو پوجتا ہوں نرا اس کا بندہ ہو کر تو تم اس کے سوا جسے چاہو پوجو تم فرماؤ پوری ہار انہیں جو اپنی جان اور اپنے گھر والے قیامت کے دن ہار بیٹھے ہاں ہاں یہی کھلی ہار ہے ان کے اوپر آگ کے پہاڑ ہیں اور ان کے نیچے پہاڑ اس سے اللہ تعالیٰ ڈراتا ہے اپنے بندوں کو اے میرے بندو تم مجھ سے ڈرو اور وہ جو بتوں کی پوجا سے بچے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوئے انہیں کے لئے خوشخبری ہے تو خوشی سناؤ میرے ان بندوں کو جو کان لگا کر بات سنیں پھر اس کے بہتر پر چلیں یہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی اور یہ ہیں جن کو عقل ہے۔

دلیل نمبر:140

قرآن مجید میں ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ۝ (الزمر:21)

کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں سے پانی اتارا پھر اس سے زمین میں چشمے بنائے پھر اس سے کھیتی نکالتا ہے کئی رنگت کی پھر سوکھ جاتی ہے تو تو دیکھے کہ وہ پیلی پڑ گئی پھر اسے ریزہ ریزہ کر دیتا ہے بے شک اس میں دھیان کی بات ہے عقل مندوں کو۔

دلیل نمبر:141

قرآن مجید میں ہے:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِىْ لَمْ تَمُتْ فِىْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِىْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَ يُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ۝ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ (الزمر:42 تا 44)

اللہ تعالیٰ جانوں کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت اور جو نہ مریں انہیں ان کے سوتے میں پھر جس پر موت کا حکم فرما دیا اسے روک رکھتا ہے اور دوسری ایک میعاد مقرر تک چھوڑ دیتا ہے بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں سوچنے والوں کے لئے کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے مقابل کچھ سفارشی بنا رکھے ہیں تم فرماؤ کیا اگرچہ وہ کسی چیز کے مالک نہ ہوں اور نہ عقل رکھیں تم فرماؤ شفاعت تو سب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اسی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی پھر تمہیں اسی کی طرف پلٹنا ہے۔

دلیل نمبر:142

قرآن مجید میں ہے:

اَوَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (الزمر:52)

کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ روزی کشادہ کرتا ہے جس کے لئے چاہے اور تنگ فرماتا ہے بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لئے۔

دلیل نمبر:143

قرآن مجید میں ہے

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّیْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ○ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ○

(الزمر:64تا66)

تم فرماؤ تو کیا اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کے پوجنے کو مجھ سے کہتے ہو اے جاہلو! اور بے شک وحی کی گئی تمہاری طرف اور تم سے اگلوں کی طرف کہ اے سننے والے اگر تو نے اللہ تعالیٰ کا شریک کیا تو ضرور تیرا سب کیا دھرا اکارت ہو جائے گا اور ضرور تو ہار میں رہے گا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کی بندگی کر اور شکر والوں سے ہو۔

دلیل نمبر:144

قرآن مجید میں ہے:

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ۭ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ○ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ○ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ○ (المومن:13تا16)

وہی ہے کہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور تمہارے لیے آسمان سے روزی اتارتا ہے اور نصیحت نہیں مانتا مگر جو رجوع لائے تو اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو نرے اس کے بندے ہو کر پڑے برا مانیں کافر۔ بلند درجے دینے والا عرش کا مالک ایمان کی جان وحی ڈالتا ہے اپنے حکم سے اپنے بندوں میں جس پر چاہے کہ وہ ملنے کے دن سے ڈرائے جس دن وہ بالکل ظاہر ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ پر ان کا کچھ حال چھپا نہ ہوگا آج کس کی بادشاہی ہے ایک اللہ تعالیٰ سب پر غالب کی۔

دلیل نمبر:145

قرآن مجید میں ہے:

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ○ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ○ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ○ (المومن:61تا63)

اللہ ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی کہ اس میں آرام پاؤ اور دن بنایا آنکھیں کھولتا بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل والا ہے، لیکن بہت آدمی شکر نہیں کرتے وہ ہے اللہ تعالیٰ تمہارا رب ہر چیز کا بنانے والا اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں تو کہاں اوندھے جاتے ہو یونہی اوندھے ہوتے ہیں وہ جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

دلیل نمبر:146

قرآن مجید میں ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ○ (المومن:64)

اللہ تعالیٰ ہے جس نے تمہارے لیے ٹھہراؤ بنائی اور آسمان چھت اور تمہاری تصویر کی تو تمہاری صورتیں اچھی بنائیں اور تمہیں ستھری چیزیں روزی دیں یہ ہے اللہ تعالیٰ تمہارا رب تو بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ رب سارے جہان کا۔

دلیل نمبر:147

قرآن مجید میں ہے:

هُوَ الْحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○ (المومن:65)

وہی زندہ ہے اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں تو اسے پوجو نرے اس کے بندے ہو کر سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کو جو سارے جہان کا رب ہے۔

دلیل نمبر:148

قرآن مجید میں ہے:

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ وَ اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○ (المومن:66)

تم فرماؤ میں منع کیا گیا ہوں کہ انہیں پوجوں جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے ہو جبکہ میرے پاس روشن دلیلیں میرے رب کی طرف سے آئیں اور مجھے حکم ہوا ہے کہ رب العلمین کے حضور گردن رکھوں۔

دلیل نمبر:149

قرآن مجید میں ہے:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَ لِتَبْلُغُوْۤا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ○

(المومن:67)

وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے بنایا پھر پانی کی بوند سے پھر خون کی پھٹک سے پھر تمہیں نکالتا ہے بچہ پھر تمہیں باقی رکھتا ہے کہ اپنی جوانی کو پہنچو پھر اس لیے کہ بوڑھے ہو اور تم میں کوئی پہلے ہی اٹھا لیا جاتا ہے اور اس لیے کہ تم ایک

مقرر وعدہ تک پہنچو اور اس لیے کہ سمجھو۔

دلیل نمبر: 150

قرآن مجید میں ہے:

هُوَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَ يُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ (المؤمن:68)

وہی ہے کہ جلاتا ہے اور مارتا ہے پھر جب کوئی حکم فرماتا ہے تو اس سے یہی کہتا ہے کہ ہو جا جبھی وہ ہو جاتا ہے۔

دلیل نمبر: 151

قرآن مجید میں ہے:

قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَىَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْۤا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ (حم السجدۃ:6)

تم فرماؤ آدمی ہونے میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی ہوتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے تو اس کے حضور سیدھے رہو اور اس سے معافی مانگو اور خرابی ہے شرک والوں کو۔

دلیل نمبر: 152

قرآن مجید میں ہے:

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِىْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِىْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِىَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِىْۤ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۝ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِىْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِىْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ (حم السجدہ:9تا12)

تم فرماؤ کیا تم لوگ اس کا انکار رکھتے ہو جس نے دو دن میں زمین بنائی اور اس کے ہمسر ٹھہراتے ہو وہ ہے سارے جہان کا رب اور اس میں اس کے اوپر سے لنگر ڈالے (بھاری بوجھ رکھے) اور اس میں برکت رکھی اور اس میں اس کے بسنے والوں کی روزیاں مقرر کیں یہ سب ملا کر چار دن میں ٹھیک جواب پوچھنے والوں کو پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ دھواں تھا تو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں حاضر ہو خوشی سے چاہے ناخوشی سے دونوں نے عرض کی کہ ہم رغبت کے ساتھ حاضر ہوئے تو انہیں پورے سات آسمان کر دیا دو دن میں اور ہر آسمان میں اس کے کام کے احکام بھیجے اور ہم نے نیچے کے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا اور نگہبانی کے لیے یہ اس عزت والے علم والے کا ٹھہرایا ہوا ہے۔

دلیل نمبر: 153

قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ○ (حم السجدہ: 37)

اور اس کی نشانیوں میں سے ہیں رات اور دن اور سورج اور چاند سجدہ نہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو اور اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا۔ اگر تم اس کے بندے ہو۔

دلیل نمبر: 154

قرآن مجید میں ہے:

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○ (الشوریٰ: 4)

اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہی بلندی وعظمت والا ہے۔

دلیل نمبر: 155

قرآن مجید میں ہے:

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِیُّ وَهُوَ یُحْیِ الْمَوْتٰی ۫ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ (الشوریٰ: 9)

کیا اللہ تعالیٰ کے سوا اور والی ٹھہرا لیے ہیں تو اللہ تعالیٰ والی ہے اور وہ مردے جلائے گا اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

دلیل نمبر: 156

قرآن مجید میں ہے:

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِیْهِ مِنْ شَیْءٍ فَحُكْمُهٗۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّیْ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ ○ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ یَذْرَؤُكُمْ فِیْهِ ؕ لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ○ لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ○ (الشوریٰ: 10 تا 12)

تم جس بات میں اختلاف کرو تو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے یہ ہے اللہ تعالیٰ میرا رب میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور میں اس کی طرف رجوع لاتا ہوں آسمانوں اور زمین کا بنانے والا تمہارے لیے تمہیں میں سے جوڑے بنائے اور نر و مادہ چوپائے اس سے تمہاری نسل پھیلاتا ہے اس جیسا کوئی نہیں اور وہی سنتا دیکھتا ہے اسی کے لئے ہیں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں روزی وسیع کرتا ہے جس کے لیے چاہے اور تنگ فرماتا ہے بے شک وہ سب کچھ

جانتا ہے۔

دلیل نمبر: 157

قرآن مجید میں ہے:

اَللّٰہُ رَبُّنَا وَ رَبُّکُمْ ؕ (الشوریٰ: 15) اللہ تعالیٰ ہمارا اور تمہارا سب کا رب ہے۔

دلیل نمبر: 158

قرآن مجید میں ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْ ۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ ۝ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِیْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰی جَمْعِهِمْ اِذَا یَشَآءُ قَدِیْرٌ ۝

(الشوریٰ: 28، 29)

اور وہی ہے کہ مینہ اتارتا ہے ان کے ناامید ہونے پر اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے اور وہی کام بنانے والا ہے سب خوبیوں سراہا اور اس کی نشانیوں سے ہے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور جو چلنے والے ان میں پھیلائے اور وہ ان کے اکٹھا کرنے پر جب چاہے قادر ہے۔

دلیل نمبر: 159

قرآن مجید میں ہے:

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ یُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَیَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ۝ (الشوریٰ: 49 تا 50)

اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت پیدا کرتا ہے جو چاہے جسے چاہے بیٹیاں عطا فرمائے اور جسے چاہے بیٹے دے یا دونوں ملا دے بیٹے اور بیٹیاں اور جسے چاہے بانجھ کر دے۔

دلیل نمبر: 160

قرآن مجید میں ہے:

صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِلَی اللّٰهِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ ۝ (الشوریٰ 53)

اللہ تعالیٰ کی راہ کہ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں سنتے ہو سب کام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف پھیرتے ہیں۔

دلیل نمبر: 161

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّیْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ○ (الزخرف:64)

بے شک اللہ تعالیٰ میرا رب اور تمہارا رب تو اسے پوجو یہ سیدھی راہ ہے۔

دلیل نمبر:162

قرآن مجید میں ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ ○ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ (الزخرف:81تا82)

تم فرماؤ فرض محال رحمٰن کے کوئی بچہ ہوتا تو سب سے پہلے میں پوجتا پاکی ہے آسمانوں اور زمین کے رب کو عرش کے رب کو ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں۔

دلیل نمبر:163

قرآن مجید میں ہے:

وَ هُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَ هُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ○ (الزخرف:84)

اور وہی ہے آسمان والوں کا خدا اور زمین والوں کا خدا اور وہی حکم و علم والا ہے۔

دلیل نمبر:164

قرآن مجید میں ہے:

وَ تَبٰرَكَ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا ۚ وَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ (الزخرف:85)

اور بڑی برکت والا ہے وہ کہ اسی کے لئے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کے پاس ہے قیامت کا علم اور تمہیں اسی کی طرف پھرنا ہے۔

دلیل نمبر:165

قرآن مجید میں ہے:

وَ لَا یَمْلِكُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ○ (الزخرف:86)

اور جن کو یہ اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے ہیں شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے ہاں شفاعت کا اختیار انہیں ہے جو حق کی گواہی دیں اور علم رکھیں۔

دلیل نمبر:166

قرآن مجید میں ہے

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ○ (الزخرف:87)

اور اگر تم ان سے پوچھو انہیں کس نے پیدا کیا تو ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے، تو کہاں اوندھے جاتے ہیں۔

دلیل نمبر:167

قرآن مجید میں ہے:

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ؕ رَبُّكُمْ وَ رَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ○ (الدخان:8)

اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں وہ جلائے اور مارے تمہارا رب اور تمہارے اگلے باپ دادا کا رب۔

دلیل نمبر:168

قرآن مجید میں ہے:

قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ○

(الجاثیہ:26 تا 27)

تم فرماؤ اللہ تعالیٰ تمہیں جلاتا ہے پھر تم کو مارے گا پھر تم سب کو اکٹھا کرے گا قیامت کے دن جس میں کوئی شک نہیں لیکن بہت آدمی نہیں جانتے اور اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت اور جس دن قیامت قائم ہو گی باطل والوں کی اس دن ہار ہے۔

دلیل نمبر:169

قرآن مجید میں ہے:

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ رَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۠ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (الجاثیہ:36 تا 37)

تو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے سب خوبیاں ہیں آسمانوں کا رب اور زمین کا رب اور سارے جہان کا رب اور اسی کے لئے بڑائی ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی عزت و حکمت والا ہے۔

دلیل نمبر:170

قرآن مجید میں ہے:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ؕ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَ هُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ○ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ

اَعۡدَآءً وَّكَانُوۡا بِعِبَادَتِهِمۡ كٰفِرِيۡنَ۝ (الاحقاف:4تا6)

تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو وہ جو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے ہو مجھے دکھاؤ انہوں نے زمین کا کون سا ذرہ بنایا یا آسمان میں ان کا کوئی حصہ ہے میرے پاس لاؤ اس سے پہلی کوئی کتاب یا کچھ بچا کھچا علم اگر تم سچے ہو اور ان سے بڑھ کر گمراہ کون جو اللہ تعالیٰ کے سوا ایسوں کو پوجے جو قیامت تک اس کی نہ سنیں اور انہیں ان کی پوجا کی خبر تک نہیں اور جب لوگوں کا حشر ہوگا وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان سے منکر ہوں گے۔

دلیل نمبر:171

قرآن مجید میں ہے:

هُوَ الَّذِيۡۤ اَنۡزَلَ السَّكِيۡنَةَ فِيۡ قُلُوۡبِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ لِيَزۡدَادُوۡۤا اِيۡمَانًا مَّعَ اِيۡمَانِهِمۡ ؕ وَلِلّٰهِ جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ۝ لِّيُدۡخِلَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِيۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا وَيُكَفِّرَ عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنۡدَ اللّٰهِ فَوۡزًا عَظِيۡمًا ۝ وَّ يُعَذِّبَ الۡمُنٰفِقِيۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتِ وَالۡمُشۡرِكِيۡنَ وَالۡمُشۡرِكٰتِ الظَّآنِّيۡنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوۡءِ ؕ عَلَيۡهِمۡ دَآئِرَةُ السَّوۡءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ وَلَعَنَهُمۡ وَاَعَدَّ لَهُمۡ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا ۝ (الفتح:4تا6)

وہی ہے جس نے ایمان والوں کے دلوں میں اطمینان اتارا تاکہ انہیں یقین پر یقین بڑھے اور اللہ تعالیٰ ہی کی ملک میں تمام لشکر آسمانوں اور زمین کے اور اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے تاکہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں لے جائے جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ ان میں رہیں اور ان کی برائیاں ان سے اتار دے اور یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی کامیابی ہے اور عذاب دے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو جو اللہ تعالیٰ پر گمان رکھتے ہیں انہیں پر ہے بری گردش اور اللہ تعالیٰ نے ان پر غضب فرمایا اور انہیں لعنت کی اور ان کے لئے جہنم تیار فرمایا اور وہ کیا ہی برا انجام ہے۔

دلیل نمبر:172

قرآن مجید میں ہے:

وَلِلّٰهِ جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا ۝ (الفتح:7)

اور اللہ تعالیٰ ہی کے ملک ہیں آسمانوں اور زمین کے سب لشکر اور اللہ تعالیٰ عزت و حکمت والا ہے۔

دلیل نمبر:173

قرآن مجید میں ہے:

اَفَلَمۡ يَنۡظُرُوۡۤا اِلَى السَّمَآءِ فَوۡقَهُمۡ كَيۡفَ بَنَيۡنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنۡ فُرُوۡجٍ ۝ وَالۡاَرۡضَ مَدَدۡنٰهَا

وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِیْجٍ ○ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ○ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِیْدِ ○ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِیْدٌ ○ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ وَاَحْیَیْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ○ (ق:6تا11)

تو کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہ دیکھا ہم نے اسے کیسا بنایا اور سنوارا اور اس میں کہیں رخنہ نہیں اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں لنگر ڈالے (بھاری وزن رکھے) اور اس میں ہر بارونق جوڑا اگایا سوجھ اور سمجھ ہر رجوع کرنے والے بندے کے لئے اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا تو اس سے باغ اگائے اور اناج کہ کاٹا جاتا ہے اور کھجور کے لمبے درخت جن کا پکا گابھا بندوں کی روزی کے لئے اور ہم نے اس سے مردہ شہر جلایا یونہی قبروں سے تمہارا نکلنا ہے۔

دلیل نمبر:174

قرآن مجید میں ہے:

اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ○ (الطور:43)

یا اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی اور خدا ہے اللہ تعالیٰ کو پاکی ان کے شرک سے۔

دلیل نمبر:175

قرآن مجید میں ہے:

فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ○ (النجم:25)

تو آخرت اور دنیا سب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

دلیل نمبر:176

قرآن مجید میں ہے:

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ○ (النجم:31)

اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تاکہ برائی کرنے والوں کو ان کے کئے کا بدلہ دے اور نیکی کرنے والوں کو نہایت اچھا صلہ عطا فرمائے۔

دلیل نمبر:177

قرآن مجید میں ہے:

رَبُّ الْمَشْرِقَیْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَیْنِ ○ (الرحمٰن:17)

دونوں پورب کا رب اور دونوں پچھم کا رب۔

دلیل نمبر:178

قرآن مجید میں ہے:

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ○ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ (الحدید:1 تا2)

اللہ تعالیٰ پا کی بولتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اور وہی عزت وحکمت والا ہے اسی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت جلاتا ہے اور مارتا ہے اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

دلیل نمبر:179

قرآن مجید میں ہے:

هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ ۚ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ○ (الحدید:3)

وہی اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن اور وہی سب کچھ جانتا ہے۔

دلیل نمبر:180

قرآن مجید میں ہے:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَ مَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَ مَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَ هُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ○ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَ اِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ○ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ یُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ؕ وَ هُوَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○ (الحدید:4 تا6)

وہی ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں پیدا کئے پھر عرش پر استوا فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے جانتا ہے جو زمین کے اندر جاتا ہے اور جو اس سے باہر نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم کہیں ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے کام دیکھ رہا ہے اسی کی ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سب کاموں کی رجوع رات کو دن کے حصے میں لاتا ہے اور دن کو رات کے حصے میں لاتا ہے اور وہ دلوں کی بات جانتا ہے۔

دلیل نمبر:181

قرآن مجید میں ہے:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ○ (الحشر:22)

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہر نہاں وعیاں کا جاننے والا وہی بڑا مہربان رحمت والا۔

دلیل نمبر: 182

قرآن مجید میں ہے:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝ (الحشر:23)

وہی ہے اللہ تعالیٰ جس کے سوا کوئی معبود نہیں بادشاہ نہایت پاک سلامتی دینے والا امان بخشنے والا حفاظت فرمانے والا عزت والا عظمت والا تکبر والا اللہ تعالیٰ کو پاکی ہے ان کے شرک سے۔

دلیل نمبر: 183

قرآن مجید میں ہے:

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ (الحشر:24)

وہی ہے اللہ تعالیٰ بنانے والا پیدا کرنے والا ہر ایک کو صورت دینے والا اسی کے ہیں سب اچھے نام اس کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہی عزت و حکمت والا ہے۔

دلیل نمبر: 184

قرآن مجید میں ہے:

یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ۝ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ یَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ (التغابن:1 تا 4)

اللہ تعالیٰ کی پاک بولتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اسی کا ملک ہے اور اسی کی تعریف اور وہ ہر چیز پر قادر ہے وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا تو تم میں کافر اور تم میں کوئی مسلمان اور اللہ تعالیٰ تمہارے کام دیکھ رہا ہے اس نے آسمان اور زمین حق کے ساتھ بنائے اور تمہاری تصویر کی تو تمہاری اچھی صورت بنائی اور اسی کی طرف پھرنا ہے جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اور جانتا ہے جو تم چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ دلوں کی بات جانتا ہے۔

دلیل نمبر:185

قرآن مجید میں ہے:

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ (التغابن:13)

اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں اور اللہ تعالیٰ ہی پر ایمان والے بھروسہ کریں۔

دلیل نمبر:186

قرآن مجید میں ہے:

اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَىْءٍ عِلْمًا ○ (الطلاق:12)

اللہ تعالیٰ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور انہی کی برابر زمینیں حکم ان کے درمیان اترتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ کرسکتا ہے اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔

دلیل نمبر:187

قرآن مجید میں ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرُ ○ نِالَّذِىْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ○ الَّذِىْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰى فِىْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ○ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ○ (الملک:1تا4)

بڑی برکت والا ہے وہ جس کے قبضہ میں سارا ملک اور وہ ہر چیز پر قادر ہے وہ جس نے موت اور زندگی پیدا کی کہ تمہاری جانچ ہو تم میں کس کا کام زیادہ اچھا ہے اور وہی عزت والا بخشش والا ہے۔ جس نے سات آسمان بنائے ایک کے اوپر دوسرا تو رحمٰن کے بنانے میں کیا فرق دیکھتا ہے تو نگاہ اٹھا کر دیکھ تجھے کوئی رخنہ نظر آتا ہے پھر دوبارہ نگاہ اٹھا نظر تیری طرف ناکام پلٹ آئے گی تھکی ماندی۔

دلیل نمبر:188

قرآن مجید میں ہے:

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِىْ مَنَاكِبِهَا وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ○ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِى السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِىَ تَمُوْرُ ○ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِى السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ○ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ○ اَوَلَمْ

یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقْبِضْنَ ۘؕ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ ۝ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ ۝ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ۝ اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

(الملک:15 تا 24)

وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین رام (تابع) کردی تو اس کے رستوں میں چلو اور اللہ تعالیٰ کی روزی میں سے کھاؤ اور اسی کی طرف اٹھنا ہے کیا تم اس سے نڈر ہو گئے جس کی سلطنت آسمان میں ہے کہ تمہیں زمین میں دھنسا دے جبھی وہ کانپتی رہے یا تم نڈر ہو گئے اس سے جس کی سلطنت آسمان میں ہے کہ تم پر پتھراؤ بھیجے تو اب جانو گے کیسا تھا میرا ڈرانا اور بے شک ان سے اگلوں نے جھٹلایا تو کیسا ہوا میرا انکار اور کیا انہوں نے اپنے اوپر پرندے نہ دیکھے پر پھیلاتے اور سمیٹتے انہیں کوئی نہیں روکتا سوا رحمٰن کے بے شک وہ سب کچھ دیکھتا ہے یا وہ کون سا تمہارا لشکر ہے کہ رحمٰن کے مقابل تمہاری مدد کرے کافر نہیں مگر دھوکے میں یا کون سا ایسا ہے جو تمہیں روزی دے اگر وہ اپنی روزی روک لے بلکہ وہ سرکش اور نفرت میں ڈھیٹ بنے ہوئے ہیں تو کیا وہ جو اپنے منہ کے بل اوندھا چلے زیادہ راہ پر ہے یا وہ جو سیدھا چلے سیدھی راہ پر تم فرماؤ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لیے کان اور آنکھ اور دل بنائے کتنا کم حق مانتے ہو تم فرماؤ وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا اور اسی کی طرف اٹھائے جاؤ گے۔

دلیل نمبر:189

قرآن مجید میں ہے:

قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَیْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ ۝ (الملک:29 تا 30)

تم فرماؤ وہی رحمٰن ہے ہم اس پر ایمان لائے اور اسی پر بھروسہ کیا تو اب جان جاؤ گے کون کھلی گمراہی میں ہے تم فرماؤ بھلا دیکھو تو اگر صبح کو تمہارا پانی زمین میں دھنس جائے تو وہ کون ہے جو تمہیں پانی لا دے نگاہ کے سامنے بہتا۔

دلیل نمبر:190

قرآن مجید میں ہے:

اَلَمْ تَرَوْا كَیْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝ وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۝ ثُمَّ یُعِیْدُكُمْ فِیْهَا وَ یُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۝ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۝ (نوح:15 تا 20)

کیا تم نہیں دیکھتے اللہ تعالیٰ نے کیونکر سات آسمان بنائے ایک پر ایک اور ان میں چاند کو روشن کیا اور سورج کو چراغ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں سبزے کی طرح زمین سے اگایا پھر تمہیں اسی میں لے جائے گا اور دوبارہ نکالے گا اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا کہ اس کے وسیع راستوں میں چلو۔

دلیل نمبر:191

قرآن مجید میں ہے:

وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝ وَ اَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝ (الجن:2تا3)

اور ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کا شریک نہ کریں گے اور یہ کہ ہمارے رب کی شان بہت بلند ہے نہ اس نے عورت اختیار کی اور نہ بچہ۔

دلیل نمبر:192

قرآن مجید میں ہے:

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝ (المزمل:9)

وہ پورب کا رب اور پچھم کا رب اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو تم اسی کو اپنا کارساز بناؤ۔

دلیل نمبر:193

قرآن مجید میں ہے:

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝ وَّ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝ وَّ جَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝ وَّ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝ وَ بَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝ وَّ جَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۝ وَّ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۝ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا ۝ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۝ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ۝ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۝ وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ۝ وَّ سُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۝ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۝ لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ۝ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ۝ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ۝ اِلَّا حَمِيْمًا وَّ غَسَّاقًا ۝ جَزَآءً وِّفَاقًا ۝ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ۝ وَّ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ۝ وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ۝ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ۝ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ۝ حَدَآئِقَ وَ اَعْنَابًا ۝ وَّ كَوَاعِبَ اَتْرَابًا ۝ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ۝ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ۝ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ۝ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۖ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ۝ (النبا:6تا39)

کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہ کیا اور پہاڑوں کو میخیں اور تمہیں جوڑے بنایا اور تمہاری نیند کو آرام کیا اور رات کو پردہ پوش کیا اور دن کو روزگار کے لیے بنایا اور تمہارے اوپر سات مضبوط چنائیاں چنیں (تعمیر کیں) اور ان میں ایک نہایت چمکتا چراغ رکھا اور پھر بدلیوں سے زور کا پانی اتارا کہ اس سے پیداوار فرمائیں اناج اور سبزہ اور گھنے باغ بے شک فیصلہ کا دن ٹھہرا ہوا وقت ہے جس دن صور پھونکا جائے گا تو تم چلے آؤ گے فوجوں کی فوجیں اور آسمان کھولا جائے گا کہ دروازے ہو جائے گا اور پہاڑ چلائے جائیں گے کہ ہو جائیں گے جیسے چمکتا ریتا دور سے پانی کا دھوکہ دیتا بے شک جہنم تاک میں ہے سرکشوں کا ٹھکانہ اس میں قرنوں (مدتوں) رہیں گے۔ اس میں کسی طرح کی ٹھنڈک کا مزہ نہ پائیں گے اور نہ کچھ پینے کو مگر کھولتا پانی اور دوزخیوں کا جلتا پیپ جیسے کو تیسا بدلہ بے شک انہیں حساب کا خوف نہ تھا اور انہوں نے ہماری آیتیں حد بھر جھٹلائیں اور ہم نے ہر چیز لکھ کر شمار کر رکھی ہے اب چکھو کہ ہم تمہیں نہ بڑھائیں گے مگر عذاب بے شک ڈر والوں کو کامیابی کی جگہ ہے باغ ہیں اور انگور اور اٹھتے جوبن والیاں ایک عمر کی اور چھلکتا جام جس میں نہ کوئی بیہودہ بات سنیں نہ جھٹلانا صلہ تمہارے رب کی طرف سے نہایت کافی عطاوہ جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے رحمٰن کہ اس سے بات کرنے کا اختیار نہ رکھیں گے جس دن جبرائیل کھڑا ہوگا اور سب فرشتے پیرا باندھے (صف بنائے) کوئی نہ بول سکے گا مگر جسے رحمٰن نے اذن دیا اور اس نے ٹھیک بات کہی وہ سچا دن ہے اب جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ بنا لے۔

دلیل نمبر:194

قرآن مجید میں ہے:

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۝ (التکویر:29)

اور تم کیا چاہو مگر یہ کہ چاہے اللہ تعالیٰ سارے جہان کا رب۔

دلیل نمبر:195

قرآن مجید میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ۝ الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ۝ فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ۝ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّیْنِ۝ (الانفطار:6تا9)

اے آدمی تجھے کس چیز نے فریب دیا اپنے کرم والے رب سے جس نے تجھے پیدا کیا پھر ٹھیک بنایا پھر ہموار فرمایا جس صورت میں چاہا تجھے ترکیب دیا کوئی نہیں بلکہ تم انصاف ہونے کو جھٹلاتے ہو۔

دلیل نمبر:196

قرآن مجید میں ہے:

وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ۝ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ۝ (البروج:8تا9)

اور انہیں مسلمانوں کا کیا برا لگا یہی نہ کہ وہ ایمان لائے اللہ تعالیٰ عزت والے سب خوبیوں سراہے پر کہ اسی کے لئے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے۔

دلیل نمبر: 197

قرآن مجید میں ہے:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى۝ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى۝ وَ الَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى۝ وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى۝ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى۝ (الاعلیٰ:1تا5)

اپنے رب کے نام کی پاکی بولو جو سب سے بلند ہے جس نے بنا کر ٹھیک کیا اور جس نے اندازہ پر رکھ کر راہ دی اور جس نے چارہ نکالا پھر اسے خشک سیاہ کر دیا۔

دلیل نمبر: 198

قرآن مجید میں ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ۝ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ۝ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ۝ (التین:4تا8)

بے شک ہم نے آدمی کو اچھی صورت پر بنایا پھر اسے ہر نیچی سے نیچی حالت کی طرف پھیر دیا مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے کہ انہیں بے حد ثواب ہے تو اب کیا چیز تجھے انصاف کے جھٹلانے پر باعث ہے کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں۔

دلیل نمبر: 199

قرآن مجید میں ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَ ذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ۝ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ۝ (البینۃ:5تا8)

اور ان لوگوں کو تو یہی حکم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کریں نرے اسی پر عقیدہ لاتے ایک طرف ہو کر اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہ سیدھا دین ہے بے شک جتنے کافر ہیں کتابی اور مشرک سب جہنم کی آگ میں ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے وہی تمام مخلوق میں بدتر ہیں بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے وہی تمام مخلوق میں بہتر ہیں ان کا صلہ ان کے رب کے پاس بسنے کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہیں ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی یہ اس کے لئے ہے جو اپنے رب تعالیٰ سے ڈرے۔

دلیل نمبر:200

قرآن مجید میں ہے:

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ○ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ○ (قریش:3تا4)

تو انہیں چاہئے اس گھر کے رب کی بندگی کریں جس نے انہیں بھوک میں کھانا دیا اور انہیں ایک بڑے خوف سے امان بخشا۔

دلیل نمبر:201

قرآن مجید میں ہے:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ○ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ○ (فلق:1تا2)

تم فرماؤ میں اس کی پناہ لیتا ہوں جو صبح کا پیدا کرنے والا ہے اس کی سب مخلوق کی شر سے۔

دلیل نمبر:202

قرآن مجید میں ہے:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ○ مَلِكِ النَّاسِ○ اِلٰهِ النَّاسِ○ (الناس:1تا3)

تم کہو میں اس کی پناہ میں آیا جو سب لوگوں کا رب سب لوگوں کا بادشاہ سب لوگوں کا خدا ہے۔

دلیل نمبر:203

قرآن مجید میں ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ○ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ○ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ○ (اخلاص:1تا4)

تم فرماؤ وہ اللہ ہے وہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے نہ اس کی کوئی اولاد اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توحید پر حرفِ آخر

فقیر نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے قرآن مجید کی کئی آیات کریمہ سے رب تعالیٰ کی توحید پر دلائل قائم کیے ہیں ان کے

علاوہ اور بھی کئی آیات کریمہ ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پورا قرآن کیا، پوری سورت کیا، پورا سپارہ کیا، پورا پاؤ کیا، پورا رکوع کیا، پوری آیت کیا، پوری لائن کیا پورا لفظ کیا ایک ایک حرف رب تعالیٰ کی توحید پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی سب کو پیدا فرمانے والا ہے وہی سب کا مالک ہے سب نے اسی کی طرف لوٹ جانا ہے سب کو فنا ہے مگر رب تعالیٰ کو بقا ہے اور ہمیشہ سے بقا ہے ہمیشہ تک بقا رہے گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا ایمان پر خاتمہ نصیب فرمائے اور ہم سب کو ایمان کی لذت اور چاشنی عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین و صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا توحید کی دعوت سے انکار کرنا

جب حضرت یونس علیہ السلام نے بت پرستی کرنے سے منع فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی تو قوم نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا۔

امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

اصحاب سیر و تفسیر نے بیان کیا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم سرزمین موصل کے مقام نینوا میں رہتی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت یونس علیہ السلام کو بھیجا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے ان کو بت پرستی ترک کرنے کی اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی انہوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ (زاد المسیر: ج:4، ص:98 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کا قوم کو عذاب الٰہی عزوجل سے ڈرانا

جب حضرت یونس علیہ السلام قوم کے پاس تشریف لے گئے تو ان کو عذاب الٰہی عزوجل سے ڈرایا۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت حسن سے روایت ہے کہ

حضرت یونس علیہ السلام بنی اسرائیل کے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے ایک نبی علیہ السلام کے ساتھ تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ وہ حضرت یونس علیہ السلام کو اہل نینوا کی طرف بھیجیں اور ان کو میرے عذاب سے ڈرائیں ان لوگوں میں تورات کے احکام پر عمل کرانے کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث کیا جاتا تھا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تورات اور حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور کے بعد اور کسی کتاب کو نازل نہیں کیا تھا۔ حضرت یونس علیہ السلام بہت تیز مزاج اور سریع الغضب تھے وہ اہل نینوا کے پاس گئے اور ان کو عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:107 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قوم کا حضرت یونس علیہ السلام کی تکذیب اور نصیحت کو مسترد کر دینا

جب حضرت یونس علیہ السلام نے قوم کو عذاب الٰہی سے ڈرایا تو قوم نے آپ علیہ السلام کی تکذیب کی اور آپ علیہ السلام کی نصیحت کو مسترد کر دیا۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام کی تکذیب کی اور ان کی نصیحت کو مسترد کر دیا۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:107 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام پر قوم کا پتھراؤ کرنا

جب حضرت یونس علیہ السلام نے قوم کو عذاب الٰہی سے ڈرایا تو انہوں نے ایمان لانے کے بجائے الٹا آپ علیہ السلام پر پتھراؤ کیا۔

امام ابو القاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

اور آپ علیہ السلام پر پتھراؤ کیا۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:107 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کو قوم کا بستی سے نکال دینا

قوم نے ایمان لانے کے بجائے حضرت یونس علیہ السلام پر پتھراؤ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی بستی سے بھی نکال دیا۔

امام ابو القاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

اور ان کو اپنی بستی سے نکال دیا۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:107 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کا قوم کی بستی سے واپس لوٹ آنا

جب قوم نے حضرت یونس علیہ السلام کو بستی سے نکال دیا تو آپ علیہ السلام اپنے علاقے میں واپس تشریف لے آئے۔

امام ابو القاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت یونس علیہ السلام وہاں سے لوٹ آئے۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:107 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کا تین بار قوم کے پاس جانا اور ان کا برا سلوک کرنا

جب حضرت یونس علیہ السلام قوم سے لوٹ آئے تو بنی اسرائیل کے نبی نے فرمایا آپ علیہ السلام پھر ان کے پاس جائیں تو اس طرح آپ علیہ السلام تین بار ان کے پاس گئے اور عذاب سے ڈراتے رہے اور وہ تکذیب کرتے رہے۔

امام ابو القاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

ان سے بنی اسرائیل کے نبی نے کہا:

آپ علیہ السلام وہاں پر پھر جائیں۔ حضرت یونس علیہ السلام پھر چلے گئے۔ اہل نینوا نے پھر وہی سلوک کیا تین بار اسی طرح ہوا۔ حضرت یونس علیہ السلام ان کو عذاب سے ڈراتے اور وہ ان کی تکذیب کرتے۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:107 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کا قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہونے پر ہلاکت کی دعا کرنا

حضرت یونس علیہ السلام بار بار قوم کے پاس تشریف لے کر جاتے رہے اور قوم بار بار تکذیب کے ساتھ ساتھ ایذا بھی

دیتی رہتی حتی کہ جب آپ علیہ السلام ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو ان کے خلاف بددعا کی۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف با بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب حضرت یونس علیہ السلام ان لوگوں کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو آپ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل سے اپنی قوم کو ہلاک کرنے کی دعا کی۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:108 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کی دعا مقبول ہوگئی

جب حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہلاکت کی بددعا کی تو رب تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی دعا کو قبول فرمالیا۔

رب تعالیٰ کا حضرت یونس علیہ السلام کو صبح کے وقت عذاب نازل ہونے کی وحی فرمانا

جب حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہلاکت کی بددعا کی تو رب تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ صبح کے وقت ان پر عذاب نازل ہوگا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

جب حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کے خلاف بددعا کی تو رب تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ صبح کے وقت ان پر عذاب نازل ہوگا۔ (درمنثور: ج:3، ص:965 مطبوعہ کراچی)

حضرت یونس علیہ السلام کا قوم کو تین دن بعد عذاب کے نزول کی خبر دینا

حضرت یونس علیہ السلام نے قوم کو خبر دی کہ تین دن بعد تم پر عذاب نازل ہوگا۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف با بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

جب حضرت یونس علیہ السلام ان لوگوں کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے اپنے رب عزوجل سے اپنی قوم کو ہلاک کرنے کی دعا کی اور ان لوگوں کو خبر دی کہ تین دن بعد ان پر عذاب آجائے گا۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:108 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قوم کا حضرت یونس علیہ السلام کے نکلنے کی تاڑ میں رہنا

جب حضرت یونس علیہ السلام نے قوم کو عذاب آنے کی خبر دے دی تو قوم نے کہا حضرت یونس علیہ السلام کی تاڑ میں رہنا اگر ہمارے درمیان سے چلے گئے تو یوں سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ ان کا وعدہ پورا فرمانے والا ہے یہاں سے یہ بات چلی کہ جب تک کوئی نبی کسی قوم میں رہتا ہے تو رب تعالیٰ ان پر عذاب نازل نہیں فرماتا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو بستی کی طرف مبعوث کیا آپ علیہ السلام ان کے پاس جو پیغام لائے تھے اس کو انہوں نے رد کر دیا اور اس کو تسلیم کرنے سے رک گئے جب انہوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ میں اُن پر فلاں فلاں عذاب نازل کرنے والا ہوں ان کے درمیان سے نکل جانا اپنی قوم کو بتا دینا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے عذاب کا وعدہ کیا ہے لوگوں نے کہا تاڑ میں رہنا اگر وہ تمہارے درمیان سے نکل جائے تو انہوں نے جو تم سے وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ پورا فرمانے والا ہے۔ الخ (تفسیر طبری: ج:17، ص:91 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کا اپنی اہلیہ اور چھوٹے بچوں کو لے کر قوم سے چلے جانا

جب حضرت یونس علیہ السلام نے قوم کو عذاب کے نازل ہونے کی خبر دی تو آپ علیہ السلام اپنی اہلیہ اور اپنے چھوٹے بچوں کو لے کر قوم کے پاس سے چلے گئے۔

امام ابو القاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب حضرت یونس علیہ السلام ان لوگوں کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے اپنے رب تعالیٰ سے اپنی قوم کو ہلاک کرنے کی دعا کی اور ان لوگوں کو خبر دی کہ تین دن بعد ان پر عذاب آ جائے گا اور اپنی اہلیہ اور چھوٹے بچوں کو لے کر وہاں سے چلے گئے۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:108 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کا پہاڑ پر چڑھ کر قوم پر نزول عذاب کا انتظار کرنا

حضرت یونس علیہ السلام اپنی اہلیہ اور اپنے بچوں کو لے کر پہاڑ پر چڑھ کر اہل نینوا کو دیکھنے لگے اور ان پر نزول عذاب کا انتظار کرنے لگے۔

امام ابو القاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

وہ ایک پہاڑ پر چڑھ کر اہل نینوا کو دیکھنے لگے اور ان پر نزول عذاب کا انتظار کرنے لگے۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:108 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قوم کو نزول عذاب کا یقین ہونا

حضرت یونس علیہ السلام نے جو عذاب کا وقت بتایا تھا قوم اس وقت کا انتظار کرنے لگی اور نزول عذاب کے اثرات دیکھ کر انہیں یقین ہو گیا کہ حضرت یونس علیہ السلام نے سچ فرمایا تھا۔

امام ابو القاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت یونس علیہ السلام نے عذاب نازل ہونے کا جو وقت مقرر کیا تھا ان کی قوم بھی اس وقت کا انتظار کر رہی تھی جب انہیں عذاب کے نزول کا یقین ہو گیا تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور ان کو یقین ہو گیا کہ حضرت یونس علیہ السلام نے سچ فرمایا تھا۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:108 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قوم کو عذاب پر کیسے یقین ہوا

امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

انہوں نے عذاب کی تپش اپنے کندھوں پر محسوس کی بعض نے کہا کہ آسمان پر سیاہ رنگ کے بادل نمودار ہو گئے اور بہت سخت دھواں ظاہر ہونے لگا جس نے ان کے شہر کو ڈھانپ لیا اور ان کے مکانوں کی چھتیں سیاہ پڑ گئیں۔

(زاد المسیر: ج:4، ص:99 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

قوم کا بنی اسرائیل سے عذاب ٹل جانے کا حل پوچھنا اور ان کا حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کر کے دعا کروانے کا فرمانا

قوم کو چونکہ نزول عذاب کا یقین ہو گیا اس لیے وہ بہت زیادہ پریشان ہو گئے پھر وہ اس وقت جو بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام تھے ان کی طرف رجوع کیا اور عذاب ٹل جانے کا حل پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو بلاؤ اور ان سے ہی دعا کرواؤ کیونکہ انہوں نے ہی تمہارے خلاف بددعا کی تھی۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

پھر وہ اس وقت جو بنی اسرائیل کے انبیاء کرام علیہم السلام تھے انہوں نے ان کی طرف رجوع کیا اور ان سے اس مصیبت کا حل دریافت کیا جس میں وہ مبتلا ہو چکے تھے انہوں نے فرمایا: حضرت یونس علیہ السلام کو بلاؤ وہ تمہارے لیے دعا کریں گے کیونکہ انہوں نے ہی تمہارے خلاف دعا کی تھی۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:108 تا 109 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قوم کا حضرت یونس علیہ السلام کی تلاش میں ناکام ہونا

جب بنی اسرائیل کے انبیاء کرام علیہم السلام نے یہ فرمایا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کر کے ان سے دعا کرواؤ کیونکہ انہوں نے ہی تمہارے خلاف بددعا کی تھی تو قوم حضرت یونس علیہ السلام کی تلاش میں نکل پڑے انہوں نے بہت تلاش کیا مگر ناکام رہے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کیا مگر وہ ناکام رہے۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:107 تا 108 مطبوعہ دار الفکر بیروت)۔

قوم کے دل میں رب تعالیٰ کا توبہ ڈال دینا

حضرت یونس علیہ السلام کو قوم نے بہت تلاش کیا مگر آپ علیہ السلام کو نہ پا سکے تب رب تعالیٰ نے ان کے دل میں توبہ ڈال دی۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں: حضرت یونس علیہ السلام کی قوم سے پہلے والی امتوں میں نہیں ہوا کہ کسی بستی والوں نے کفر کیا اور پھر اس وقت ایمان لائے جب عذاب دیکھ لیا تو سوائے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے ان کے ایمان نے انہیں کوئی نفع نہیں دیا پس اللہ تعالیٰ نے اس کی استثناء کی اور ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم سرزمین موصل میں نینوا میں تھی جب انہوں نے اپنے نبی علیہ السلام کو مفقود پایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں توبہ ڈال دی۔

(تفسیر طبری: ج:11، ص:197 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

قوم کا ٹاٹ کا لباس پہن کر اہل و مال کے ساتھ توبہ کے لئے نکلنا اور توبہ کرنا

جب قوم حضرت یونس علیہ السلام کی تلاش میں نا کام ہوگئی تو انہوں نے کہا آؤ ہم سب مل کر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کریں چنانچہ وہ تمام مردوں اور عورتوں اور مویشیوں کو لے کر نکل پڑے انہوں نے ٹاٹ کے کپڑے پہنے اپنے سروں پر راکھ ڈالی اپنے پیروں میں کانٹے بچھائے اور رو رو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور توبہ کی۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف ابن العساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

تب انہوں نے کہا:

آؤ ہم سب مل کر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کریں پھر وہ اپنے تمام مردوں اور عورتوں اور مویشیوں کو لے کر نکلے انہوں نے ٹاٹ کے کپڑے پہنے اپنے سروں پر راکھ ڈالی اپنے پیروں میں کانٹے بچھائے اور رو رو کر اور گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور توبہ کی۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:107 تا 108 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

قوم کا چالیس صبحوں تک چیختے چلاتے توبہ کرنا

قوم چالیس صبحوں تک چیختی چلاتی توبہ کرتی رہی۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 910ھ لکھتے ہیں:

وہ چالیس صبحوں تک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں چیختے چلاتے رہے (اور توبہ کرتے رہے)

(تفسیر طبری: ج:11، ص:197 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا قوم یونس (علیہ السلام) کی توبہ قبول فرمانا

جب قوم نے ٹاٹ کے کپڑے پہن کر، اپنے سروں پر راکھ ڈال کر، اپنے پیروں میں کانٹے بچھا کر رو رو کر اور گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کی تو رب تعالیٰ نے ان کے صدق کو دیکھ کر ان کی توبہ کو قبول فرمالیا۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ان کے صدق کو دیکھ کر ان کی توبہ قبول فرمالی۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص107 تا 108 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

گناہ پر غمگین ہونے والے کی توبہ قبول ہو جاتی ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک بندہ گناہ کرتا ہے پھر جب وہ اپنے گناہ کو یاد کرتا ہے تو اپنے کیے ہوئے پر غمگین ہوتا ہے پھر جب اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ وہ اپنے کیے ہوئے پر غمگین ہے تو اس کو معاف فرما دیتا ہے۔ (مجمع الزوائد: رقم الحدیث: 17521)

گناہ سے توبہ کرنے والا گناہ نہ کرنے والے کی مثل ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مثل ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو۔ (سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث: 4250)

کس گناہ کی توبہ قبول ہوگی

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

جس گناہ سے آدمی توبہ کر رہا ہے وہ یا تو اللہ تعالیٰ کا حق ہوگا یا بندوں کا حق ہوگا اگر وہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے مثلاً نماز کا ترک کرنا تو اس کی توبہ اس وقت تک صحیح نہیں ہوگی جب تک نادم ہونے کے ساتھ ترک کی ہوئی نماز کو ادا نہ کرے اور اگر اس نے کسی کو ناحق قتل کیا ہو تو وہ اپنے آپ کو قصاص کے لئے پیش کر دے اور اگر اس نے کسی پر زنا کی تہمت لگائی ہے تو اپنے آپ کو حد قذف کے لئے پیش کر دے اور اگر اس سے قصاص کو معاف کر دیا گیا تو اس کا نادم ہونا اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا اخلاص سے ارادہ کرنا اس کی توبہ کے لئے کافی ہے اور اس پر لازم ہے کہ وہ دیت کی پیشکش کرے اور اگر اس نے شراب پی ہے یا زنا کیا ہے اور قاضی کے سامنے جرم پیش ہونے سے پہلے اس نے توبہ کر لی ہے تو حد جاری ہونے سے وہ پاک ہو جائے گا اور اگر قاضی کے سامنے اس کا مقدمہ پیش نہیں ہوا اور اس نے تنہائی میں نادم ہو کر اخلاص سے توبہ کر لی تو یہ کافی ہے اور اگر اس کا گناہ بندوں پر ظلم کرنا ہے تو اس کی توبہ اس وقت صحیح ہوگی جب وہ اس بندہ کا حق لوٹا دے گا اور اگر وہ اس پر قادر نہ ہو تو یہ عزم کرے کہ جب وہ اس پر قادر ہوگا اس کا حق واپس کر دے گا اور اگر اس نے کسی بندہ کو نقصان پہنچایا ہے تو اس سے معافی مانگ لے اور اس پر استغفار کرے جب وہ شخص معاف کر دے گا تو اس کا گناہ ساقط ہو جائے گا اور اگر اس نے کسی بندہ کو ناحق مارا پیٹا ہے یا اس کو گالی دی تو اس سے معافی طلب کرے وہ شخص معاف کر دے گا تو اس کا گناہ ساقط ہو جائے گا۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز:18، ص184 تا 185 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم سے توبہ کے سبب رب تعالیٰ نے عذاب دور فرمادیا

جب حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے گڑگڑا کر توبہ کی تو رب تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول فرما کر ان سے عذاب کو دور فرما دیا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم سے پہلے والی امتوں میں نہیں ہوا کہ کسی بستی والوں نے کفر کیا اور پھر اس وقت ایمان لائے جب عذاب دیکھ لیا تو سوائے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے ان کے ایمان نے انہیں کوئی نفع نہیں دیا پس اللہ تعالیٰ نے اس کی استثناء کی اور ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم سرزمین موصل میں نینوا میں تھی جب انہوں نے اپنے نبی علیہ السلام کو مفقود پایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں توبہ ڈال دی پس انہوں نے ٹاٹ پہنا اور مویشیوں کو نکالا اور چوپایوں اور ان کے بچوں کے درمیان علیحدگی کردی وہ چالیس صبحوں تک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں چیختے چلاتے رہے پس جب اللہ تعالیٰ نے پہچان لیا کہ ان کے دلوں میں سچ ہے اور جو کچھ ان سے ماضی میں صادر ہوا ہے اس پر وہ نادم ہیں اور اس سے رجوع کررہے ہیں تو ان سے عذاب دور فرمادیا۔ (تفسیر طبری: ج:11، ص:197 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

عذاب ایک میل دوری کے فاصلہ پر رہ گیا تھا

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم اور عذاب کے درمیان صرف ایک میل کا فاصلہ تھا۔

امام ابوجعفر محمد بن جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

اس کے بعد کہ عذاب ان پر نمودار ہو چکا تھا اور ان کے اور عذاب کے درمیان صرف ایک میل کا فاصلہ تھا۔

(تفسیر طبری: ج:11، ص:197 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قوم اور عذاب کے درمیان صرف ایک میل کی دو تہائی مقدار کا فاصلہ تھا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم پر عذاب اتر آیا حتی کہ ان کے درمیان اور عذاب کے درمیان صرف ایک میل کی دو تہائی مقدار کا فاصلہ تھا سو جب انہوں نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو دور فرمادیا۔

(تفسیر طبری: ج:11، ص:197 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قوم چالیس راتوں تک دعا مانگتی رہی

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم چالیس راتوں تک رب تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ قبول ہونے کی دعا مانگتی رہی۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

ہم تک یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ نکلے اور ایک ٹیلے پر جا کر اترے انہوں نے ہر جانور اور اس کے بچے کو علیحدہ علیحدہ کر دیا اور چالیس راتوں تک اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول فرمالیا۔

(تفسیر طبری: ج: 11، ص: 197 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

آسمانوں نے خون برسایا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

عذاب نے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کو اس طرح ڈھانپ لیا جس طرح قبر کو اس وقت کپڑے کے ساتھ ڈھانپا جاتا ہے جبکہ صاحب قبر کو اس میں داخل کیا جاتا ہے اور آسمان نے خون برسایا۔

(تفسیر طبری: ج: 11، ص: 197 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)۔

قوم یونس نے توبہ کے وقت کون سے کلمات کہے؟

قوم نے توبہ کے وقت "**یا حیی حین لا حیی و یا حیی محیی الموت و یا حیی لا الٰہ الا انت**" کلمات کہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابوالخلد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جب حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کو عذاب نے ڈھانپ لیا تو وہ اپنے بقیہ علماء میں سے ایک شیخ کے پاس گئے اور یہ عرض کی آپ کیا رائے رکھتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا یہ کہو "**یا حیی حین لا حیی ویاحیی محیی الموت و یا حیی لا الٰہ الا انت**" پس انہوں نے یہ کہا تو ان سے عذاب دور ہو گیا۔ (تفسیر طبری: ج: 11، ص: 199 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

قوم کا حضرت یونس علیہ السلام کے دین پر ایمان لانا

قوم نے توبہ کرتے وقت یہ کہا کہ حضرت یونس علیہ السلام کے دین پر ایمان لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول فرمالیا۔

امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

انہوں نے عذاب کی تپش اپنے کندھوں پر محسوس کی۔

بعض نے کہا:

آسمان پر سیاہ رنگ کے بادل نمودار ہو گئے اور بہت سخت دھواں ظاہر ہونے لگا جس نے ان کے شہر کو ڈھانپ لیا اور ان کے مکانوں کی چھتیں سیاہ پڑ گئیں جب ان کو ہلاکت کا یقین ہو گیا تو انہوں نے ٹاٹ کے کپڑے پہنے اور اپنے سروں پر راکھ ڈال لی اور تمام لوگ بڑے اور چھوٹے والدین اور بچے تمام جانوروں کو لے کر میدان میں جمع ہوئے اور سب نے باآواز بلند اللہ تعالیٰ سے توبہ کی اور صدق دل سے معافی مانگی اور یہ کہا کہ ہم حضرت یونس علیہ السلام کے لائے ہوئے دین پر ایمان لے آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔ (زاد المسیر: ج:4، ص:99 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

قوم نے ایک دوسرے کے حقوق کی تلافی کی

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی توبہ یہاں تک تھی کہ انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ جو زیادتیاں کی تھیں ان کی بھی تلافی کر لی اگر کسی نے دوسرے کا پتھر اپنی دیوار میں لگایا تو وہ پتھر بھی دیوار سے نکال کر واپس کر دیا۔

امام عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ان کی توبہ یہاں تک تھی کہ انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ جو زیادتیاں کی تھیں ان کی بھی تلافی کر لی حتیٰ کہ اگر کسی نے دوسرے کا پتھر اپنی دیوار میں لگایا تھا تو وہ دیوار سے نکال کر اس کو واپس کر دیا۔ (زاد المسیر: ج:4، ص:99 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

قوم یونس علیہ السلام کی توبہ قبول کرنے اور فرعون کی توبہ قبول نہ کرنے کی وجوہ

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ

تمام امتوں میں سے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی یہ خصوصیت ہے کہ عذاب کے معائنہ کے بعد ان کی توبہ قبول کر لی گئی اور مفسرین کی ایک جماعت سے اسی طرح منقول ہے۔

حضرت زجاج نے یہ فرمایا ہے کہ

ان پر عذاب واقع نہیں ہوا تھا انہوں نے صرف وہ علامات دیکھی تھیں جو عذاب پر دلالت کرتی ہیں اور اگر وہ بعینہ عذاب کو دیکھ لیتے تو ان کو ایمان نفع نہ دیتا۔

میں کہتا ہوں کہ

حضرت زجاج کا قول بہت عمدہ ہے کیونکہ جس عذاب کو دیکھنے کے بعد ایمان نفع نہیں دیتا وہ عذاب میں مبتلا ہوتا ہے جیسا کہ فرعون کے قصہ سے ظاہر ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے قصہ کو فرعون کی قوم کے قصہ کے بعد ذکر فرمایا ہے کیونکہ وہ اس وقت ایمان لایا تھا جب وہ عذاب کو دیکھ چکا تھا اس وجہ سے اس کے ایمان نے اس کو نفع نہیں پہنچایا اور حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے اس سے پہلے توبہ کر لی تھی اور اس کی تائید اس حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندہ کی توبہ قبول فرماتا ہے جب تک غرغرہ (موت) نہ ہو۔ (سنن الترمذی: رقم الحدیث: 3537)

ہم نے جو ذکر کیا ہے اس کی تائید حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ جب حضرت یونس علیہ السلام نے ان سے یہ وعدہ کیا کہ تین دن کے بعد ان پر عذاب آجائے گا اور حضرت یونس علیہ السلام ان کے درمیان سے چلے گئے اور اگلی صبح کو قوم نے حضرت یونس علیہ السلام کو موجود نہ پایا تو انہوں نے توبہ کر لی اور اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو روک لیا۔ حضرت یونس علیہ السلام عذاب کا انتظار کر رہے تھے جب انہوں نے کوئی چیز نہیں دیکھی اور ان کا دستور یہ تھا کہ جو شخص جھوٹا قرار دیا جائے اور اس کے پاس دلیل نہ ہو تو وہ قتل کر دیا جاتا تھا تب حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم پر غم وغصہ کرتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 10597)

یہ حدیث مبارکہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے عذاب کی علامت دیکھنے سے پہلے توبہ کر لی تھی اور کشفنا عنھم عذاب الخزی کا معنیٰ یہ ہے کہ جس عذاب کا حضرت یونس علیہ السلام نے ان سے وعدہ کیا تھا وہ ان پر نازل ہوگا وہ عذاب اللہ تعالیٰ نے ان سے دور کر دیا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ انہوں نے عذاب کو دیکھ لیا تھا اور اس توجیہ کی بناء پر حضرت یونس علیہ السلام کی قوم سے عذاب کو دور کرنے اور فرعون سے عذاب کو دور نہ کرنے میں کوئی تعارض نہیں ہے اور نہ یہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی خصوصیت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں اہل نینوا سعادت مند لوگوں میں سے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ان سے عاشوراء کے دن عذاب دور ہوا تھا۔ (الجامع الاحکام القرآن: جز:8، ص:290 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

عذاب کو پہاڑوں کی جانب پھیر دیا گیا

جب حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مین سچے دل سے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول فرمالیا اور عذاب کو پہاڑوں کی جانب پھیر دیا گیا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کے خلاف بددعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ صبح کے وقت ان پر عذاب نازل ہوگا تو انہوں نے کہا حضرت یونس علیہ السلام نے جھوٹ نہیں بولا ہم صبح کے وقت عذاب سے دوچار ہوں گے پس آؤ تاکہ ہم ہر شے کے بچوں کو نکالیں ہم انہیں اپنے بچوں کے ساتھ رکھیں گے شاید اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے پس انہوں نے عورتوں کو نکالا ان کے ساتھ بچے بھی تھے انہوں نے اونٹ نکالے اور ان کے ساتھ ان کے بچے بھی تھے انہوں نے گائیں نکالیں ان کے ساتھ ان کے بچھڑے بھی تھے انہوں نے بھیڑ بکریوں کے ریوڑ نکالے اور ان کے ساتھ ان کے بچے بھی

تھے پس انہوں نے انہیں اپنے سامنے رکھا اور عذاب آ گیا پس جب انہوں نے عذاب دیکھا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی پناہ لی اور دعا کی۔ عورتیں اور بچے رونے لگے، اونٹ اور ان کے بچے بلبلائے، گائیں اور ان کے بچھڑے ڈکارنے لگے، بکریوں اور ان کے بچوں نے اپنی آواز نکالنا (میں میں کرنا) شروع کر دی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور ان سے دور دراز پہاڑوں کی جانب عذاب پھیر دیا پس ان پر قیامت تک عذاب ہوتا رہے گا۔ (درمنثور: ج:3، ص:965 مطبوعہ کراچی)

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کو ایمان نفع دے گیا

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم اس وقت ایمان لے آئی جبکہ انہوں نے عذاب کو دیکھ لیا تھا تو اس وقت بھی ان کے ایمان لانے نے ان کو نفع دے دیا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

کوئی بستی نہیں گزری جو کہ ایمان لائی ہو اور اس کے ایمان نے اسے نفع دیا ہو جبکہ ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو چکا سوائے حضرت یونس علیہ السلام کی بستی کے۔ (تفسیر طبری: ج:11، ص:197 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قوم کا ایمان لانے سے ذلت کے عذاب سے بچ جانا

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم جب ایمان لے آئی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے ذلت کے عذاب کو دور فرما دیا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝ (یونس:98)

تو کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ وہ (عذاب کی نشانی دیکھ کر) ایمان لے آتی تو اس کا ایمان اس کو نفع دیتا سوا یونس کی قوم کے کہ جب وہ ایمان لے آئی تو ہم نے اس سے دنیا کی زندگی میں ذلت کا عذاب دور کر دیا اور ہم نے ان کو ایک مقررہ وقت تک فائدہ پہنچایا۔

قوم یونس (علیہ السلام) سے دس ذوالحجہ کو عذاب اٹھا لیا گیا

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم سے دس ذوالحجہ کو عذاب کو اٹھا لیا گیا۔

امام ابو القاسم علی بن الحسن المعروف با بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اہل نینوا نے یکم ذوالحجہ کو عذاب کی علامات دیکھی تھیں اور دس ذوالحجہ کو ان سے عذاب اٹھا لیا گیا۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:109 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دس محرم جمعہ کے دن توبہ قبول ہوئی

امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت مقاتل نے بیان فرمایا ہے کہ

وہ چالیس دن تک اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے رہے پھر ان سے عذاب دور کر دیا۔ دس محرم جمعہ کے دن ان کی توبہ قبول ہوئی۔ (زاد المسیر: ج:4،ص:99 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

عاشوراء کے دن عذاب دور ہوا

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ان (قوم) سے عاشوراء کے دن عذاب دور ہوا تھا۔ (الجامع الاحکام القرآن: ج:8،ص:290 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ قول بیان کیا ہے کہ

یوم عاشوراء کو حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی توبہ قبول کی گئی۔ (در منثور: ج:3،ص:964 مطبوعہ کراچی)

حضرت یونس علیہ السلام کے پاس شیطان کا آ کر قوم کے پاس دوبارہ نہ جانے کا کہنا

حضرت یونس علیہ السلام کے پاس شیطان نے آ کر کہا آپ علیہ السلام اب اپنی قوم کے پاس گئے تو وہ آپ علیہ السلام کی تکذیب کریں گے اور وہ کہیں گے کہ آپ علیہ السلام نے جس عذاب کا وعدہ کیا تھا وہ ہمارے اوپر نہیں آیا لہٰذا آپ علیہ السلام نہ جایئے۔

امام ابو القاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اہل نینوا نے یکم ذوالحجہ کو عذاب کی علامات دیکھی تھیں اور دس ذوالحجہ کو ان سے عذاب اٹھا لیا گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ ان کی قوم سے عذاب ٹل گیا ہے تو اللہ تعالیٰ کا دشمن ابلیس ان کے پاس آیا اور آپ علیہ السلام سے کہا کہ اگر اب آپ علیہ السلام اپنی قوم کے پاس گئے تو وہ آپ علیہ السلام کی تکذیب کریں گے اور کہیں گے کہ آپ علیہ السلام نے جس عذاب کا وعدہ کیا تھا وہ ہمارے اوپر نہیں آیا۔ (لہٰذا آپ علیہ السلام چلے جایئے)

(مختصر تاریخ دمشق: ج:28،ص:110 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

شیاطین سے پناہ طلب کرنا

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ گمان تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہورہی ہے اس لیے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چپ چاپ بیٹھے تھے اتنے میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابوذر (رضی اللہ عنہ)! کیا تم نے آج نماز پڑھ لی ہے۔ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اب کھڑے ہو کر نماز پڑھو جب انہوں نے چار رکعات چاشت کی نماز پڑھ لی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا: جنوں اور انسانوں کے شیطانوں سے پناہ طلب کیا کرو۔ انہوں نے کہا یا نبی اللہ! کیا انسانوں کے لئے بھی شیطان ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں جن اور انس کے شیاطین (لوگوں کو) دھوکے میں ڈالنے کے لئے ایک دوسرے کو خوش نما باتیں القاء کرتے ہیں۔

(مسند احمد: رقم الحدیث: 22189)

شیطان کا سرکش ہونا

شیطان سرکش ہے لوگوں کو دھوکے میں ڈالتا رہتا ہے اور ان کے لئے خوش نما باتیں بناتا اور القاء کرتا رہتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ (الانعام: 112)

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے شیطان، انسانوں اور جنوں کو دشمن بنا دیا جو (لوگوں کو) دھوکے میں ڈالنے کے لئے ایک دوسرے کو خوش نما باتیں القاء کرتے رہتے ہیں۔

شیطان انسان کے خون کے جاری ہونے کی جگہوں میں سرایت کر جاتا ہے

حدیث مبارکہ میں ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

شیطان انسان کے خون کے جاری ہونے کی جگہوں میں سرایت کر جاتا ہے اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ وہ تمہارے دلوں میں کوئی چیز ڈال دے گا۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 2038)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی کا قول

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

ملائکہ اور شیاطین اجسام کثیفہ نہیں ہیں بلکہ ان کے اجسام کا لطیفہ ہونا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی عجیب و غریب ترکیب کی ہے اور وہ جسم لطیف ہونے کے باوجود جسم کثیف میں نفوذ کر جاتے ہیں جیسا کہ انسان کی روح جسم لطیف ہے اور وہ انسان کے بدن میں سرایت کر جاتی ہے اسی طرح آگ کوئلہ میں نفوذ کر جاتی ہے۔ اور پتوں اور پھولوں کا پانی پتوں اور پھولوں

میں سرایت کر جاتا ہے اور پستہ اور بادام اور تلوں کا تیل پستہ اور بادام اور تلوں میں سرایت کرتا ہے اسی طرح شیطان انسان کے جسم میں سرایت کر جاتا ہے اور وسوسے ڈالتا ہے۔ (تفسیر کبیر: ج:7، ص:88 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ابلیس (شیطان) کا معنی

علامہ محی الدین درویش لکھتے ہیں۔

لفظ ابلیس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ مشتق ہے یا نہیں صحیح قول یہ ہے کہ عجمی علم ہے اور اسی وجہ سے یعنی علمیت اور عجمیت کی وجہ سے یہ غیر منصرف ہے اور اگر یہ ابلاس سے مشتق تو منصرف ہوتا۔ (اعراب القرآن وبیانہ: ج: 1، ص:84 مطبوعہ مطبع دار ابن کثیر بیروت)

شیطان فرشتہ ہے یا جن؟

شیطان کے فرشتہ یا جن ہونے میں اختلاف ہے۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

جمہور کے قول کے مطابق شیطان فرشتوں میں سے تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما، حضرت ابن جریج، حضرت ابن المسیب اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم کا یہی مختار ہے۔ امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی نظریہ ہے۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

شیطان کا نام عزازیل تھا اور یہ معزز فرشتوں میں تھا اور چار پروں والا تھا اس کے بعد یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کر دیا گیا۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

یہ فرشتوں کی عمدہ قسم میں شامل ہوتا تھا۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

کچھ ملائکہ نار (آگ) سے پیدا کیے گئے تھے شیطان بھی انہی میں سے تھا اور باقی ملائکہ کو نور سے پیدا کیا گیا۔

حضرت ابن زید، حضرت حسن اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا کہ

ابلیس ابوالجن ہے جیسا کہ حضرت آدم ابوالبشر ہیں اور وہ فرشتہ نہیں ہے اور اس کا نام حارث ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے۔ شہر بن حوشب اور بعض اصولیین نے یہ کہا: ابلیس ان جنوں میں سے تھا جو زمین پر رہتے تھے۔ فرشتوں نے ان سے قتال کیا اور کم عمری میں اس کو قید کر لیا اس نے فرشتوں کے ساتھ عبادت کی اسی وجہ سے اس کو فرشتوں کے ساتھ مخاطب کیا گیا۔ اس قول کو امام ابن جریر نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے اس بناء پر یہ استثناء منقطع ہوگا۔ جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آئمہ کا یہ نظریہ ہے کہ ابلیس فرشتہ نہیں جن تھا ان کی دلیل یہ ہے کہ ابلیس نے اللہ تعالیٰ

کی حکم عدولی کی تھی اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی نہیں کرتے۔

لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ○ (التحریم:6)

وہ اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جن کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

اور اس آیت کریمہ میں صاف تصریح ہے کہ ابلیس جن تھا۔

فَسَجَدُوْآ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ (الکہف:50)

ابلیس کے سوا سب فرشتوں نے سجدہ کیا وہ جنوں میں سے تھا سو اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔

ثعلبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

ابلیس فرشتوں کے اس قبیلہ میں سے تھا جس کو جن کہا جاتا ہے ان کو دھوئیں والی آگ سے پیدا کیا گیا تھا اور فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا تھا اس کا نام سریانی زبان میں عزازیل اور عربی زبان میں حارث ہے یہ جنت کے خازنوں میں سے تھا اور آسمان دنیا کے فرشتوں کا سردار تھا۔ آسمان اور زمین پر اس کی سلطنت تھی۔ علم اور عبادت میں اس کی کوشش سب فرشتوں سے زیادہ تھی۔ آسمان سے زمین تک کے معاملات کا یہ محافظ اور منتظم تھا ان امور کی وجہ سے یہ اپنا شرف اور مرتبہ سب سے زیادہ سمجھتا تھا اس زعم نے اس کو کفر پر برانگیختہ کیا سو اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اس کو شیطان رجیم اور راندہ درگاہ قرار دیا۔ (الجامع الاحکام القرآن: ج:1 ص 294 تا 295 مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی 791ھ لکھتے ہیں:

ابلیس جن تھا اس نے اپنے رب عزوجل کے حکم کی نافرمانی کی لیکن چونکہ وہ فرشتوں کی طرح عبادت گزار تھا اور ان میں چھپا رہتا تھا اس لیے اس کو بھی تغلیباً فرشتوں میں شامل کر کے سجدہ کا حکم دیا گیا تھا۔

(شرح عقائد: ص:99 مطبوعہ محمد سعید تاجران کتب کراچی)

شیطان کی وسوسہ اندازی

اللہ تعالیٰ نے شیطان کے وسوسہ اندازی کا بیان ان آیات کریمہ میں بیان فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ○ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ (طٰہٰ:120 تا 121)

پھر شیطان نے آدم کی طرف وسوسہ کیا کہا: اے آدم کیا تمہیں (جنت میں) ہمیشہ رہنے کا درخت بتا دوں اور ایسی بادشاہت جو کبھی کمزور نہ ہو تو دونوں نے اس درخت سے کھا لیا سو ان کی ستر گاہیں کھل گئیں اور وہ دونوں جنت کے پتوں سے اپنا جسم چھپانے لگے۔

ایک اور مقام پر قرآن مجید میں ہے:

وَ قَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝ وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ (الاعراف:20 تا 21)

اور شیطان نے کہا تم دونوں کو تمہارے رب نے اس درخت سے صرف اس لیے روکا ہے کہ کہیں تم فرشتے بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ اور ان دونوں سے قسم کھا کر کہا کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے ارشاد فرمایا: اے آدم علیہ السلام تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جنت میں سے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ اور اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم دونوں حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ گے اس وقت ابلیس نے ان دونوں کے پاس جنت میں جانے کا ارادہ کیا جنت کے محافظوں نے اس کو جانے نہیں دیا اس وقت سانپ اونٹ کی طرح ایک چوپایہ تھا اور بہت حسین جانور تھا۔

ابلیس نے اس سے کہا:

وہ اس کو اپنے منہ میں رکھ کر جنت میں لے جائے سو سانپ ابلیس کو اپنے منہ میں رکھ کر چلا گیا اور جنت کے محافظوں کو پتہ نہ چلا۔

پھر ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا:

میں تم کو ایسا درخت نہ بتاؤں جس کو کھانے کے بعد تم دونوں فرشتوں کی طرح ہو جاؤ گے یا ہمیشہ زندہ رہنے والے ہو جاؤ گے اور تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی اور قسم کھا کر کہا کہ وہ ان کی خیر خواہی کر رہا ہے حالانکہ اس کا ارادہ یہ تھا کہ ان کا ستر کھل جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کیا تو حضرت حواء رضی اللہ عنہا نے آگے بڑھ کر اس درخت سے کھا لیا۔

اور حضرت آدم علیہ السلام سے کہا:

اے آدم علیہ السلام! اسے کھا لو! دیکھو میں نے کھایا ہے مجھے کچھ نہیں ہوا جب حضرت آدم علیہ السلام نے اس کو کھا لیا تو ان دونوں کی شرم گاہیں کھل گئیں اور وہ درخت کے پتوں سے اپنے اپنے جسموں کو ڈھانپنے لگے۔

(جامع البیان: ج:1،ص:187 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی 754ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ ابلیس نے زمین سے ہی حضرت آدم علیہ السلام کو بہ طریق وسوسہ خطاب کیا تھا اور وہ دھتکارے جانے کے بعد زمین سے آسمان کی طرف نہیں گیا۔ (البحر المحیط: ج:1،ص:187 مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

شیطان کا گمراہ کرنا

قرآن مجید میں ہے:

وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ۝ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ (النساء:119،120)

اور مجھے قسم ہے میں ضرور ان کو گمراہ کروں گا اور میں ضرور ان کے دلوں میں (جھوٹی) آرزوئیں ڈالوں گا اور میں ان کو ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور مویشیوں کے کان چیر ڈالیں گے اور میں ان کو ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورتوں کو تبدیل کریں گے اور جس نے اللہ تعالیٰ کے بجائے شیطان کو اپنا مطاع بنالیا تو وہ کھلے ہوئے نقصان میں مبتلا ہو گیا وہ (شیطان) ان سے وعدے کرتا ہے اور ان کے دلوں میں آرزوئیں ڈالتا ہے اور شیطان ان سے جو وعدے کرتا ہے وہ صرف دھوکہ ہیں۔

بروز حشر شیطان کی جھوٹوں سے بیزاری

بروز حشر شیطان جھوٹوں سے بیزاری کرے گا اور کہے گا اللہ تعالیٰ نے جو تم سے وعدہ کیا تھا وہ برحق تھا اور میں نے جو تم سے وعدہ کیا تھا سو میں نے ان کے خلاف کیا۔ اور میرا تو تم پر کوئی غلبہ نہیں تھا سوائے اس کے کہ میں نے تم کو گناہ کی دعوت دی تھی۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (ابراہیم:22)

جب حشر کی کاروائی پوری ہو گئی تو شیطان نے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ برحق وعدہ تھا اور میں نے جو تم سے وعدہ کیا تھا سو میں نے اس کے خلاف کیا اور میرا تم پر کوئی غلبہ نہیں تھا سوا اس کے کہ میں نے تم کو (گناہ) کی دعوت دی پس تم نے دعوت قبول کر لی سو تم مجھ کو ملامت نہ کرو اور اپنے آپ کو ملامت کرو نہ میں تمہاری فریاد رسی کرنے والا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کرنے والے ہو تم نے مجھے جو (اللہ تعالیٰ کا) شریک بنایا تھا میں پہلے ہی اس کا انکار کر چکا ہوں بے شک ظالموں کے لئے ہی دردناک عذاب ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

یہ قیامت کے دن ابلیس کا قول ہے وہ کہے گا کہ نہ تم مجھے نفع پہنچا سکتے ہو نہ میں تمہیں نفع پہنچا سکتا ہوں اور تم نے اس سے پہلے جو مجھے شریک بنایا تھا اور میری عبادت کی تھی میں اس کا انکار کرتا ہوں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: 15644)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ اولین اور آخرین کو جمع فرمائے گا اور ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا اور ان کے فیصلہ سے فارغ ہو جائے گا تو مومنین کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ کرکے فارغ ہو چکا ہے پس ہمارے رب عزوجل کے پاس ہماری شفاعت کون کرے گا؟ چلو حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جا کر ان سے کلام کریں گے اور ان سے شفاعت کی درخوات کریں گے۔ وہ کہیں گے تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ ان کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف رہنمائی کریں گے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ ان کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف رہنمائی کریں گے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ ان کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف رہنمائی کریں گے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ کہیں گے میں نبی امی کی طرف تمہاری رہنمائی کرتا ہوں پھر وہ میرے پاس آئیں گے پھر اللہ تعالیٰ مجھے کھڑے ہونے کی اجازت دے گا اور وہ مجلس اتنی پاکیزہ خوشبو سے معطر ہو جائے گی کہ اس سے پہلے کسی نے ایسی خوشبو نہ سونگھی ہوگی پھر میں اپنے رب تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گا پس اللہ تعالیٰ میری شفاعت قبول فرمائے گا اور میرے سر کے بالوں سے لے کر پیر کے ناخنوں تک کو منور کر دے گا پھر کفار کہیں گے کہ مومنوں نے تو اپنے شفاعت کرنے والے کو پالیا ہمارے لیے شفاعت کون کرے گا پھر وہ کہیں گے وہ ابلیس کے سوا اور کون ہو سکتا ہے جس نے ہمیں گمراہ کیا تھا پھر وہ اس کے پاس جا کر کہیں گے مومنوں نے تو اپنے شفاعت کرنے والوں کو پالیا اب اٹھو تم ہماری شفاعت کرو کیونکہ تم نے ہی ہمیں گمراہ کیا تھا وہ اٹھ کر کھڑا ہوگا تو اس مجلس میں اتنی سخت بدبو پھیل جائے گی کہ ایسی بدبو کسی نے کبھی نہ سونگھی ہوگی پھر وہ ان کو جہنم میں لائے گا اور اس وقت کہے گا بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ برحق تھا اور میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا میں نے اس کے خلاف کیا۔ (جامع البیان، رقم الحدیث: 15640)

حضرت یونس علیہ السلام کو اپنی قوم کے پاس جانے کا کہنا

حضرت یونس علیہ السلام کو کہا گیا کہ آپ علیہ السلام اپنی قوم کے پاس واپس تشریف لے جائیں۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا میں ان کے پاس کس طرح جاؤں وہ مجھے جھوٹا قرار دے دیں گے۔

امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

آپ علیہ السلام سے کہا گیا کہ آپ اپنی قوم کے پاس چلے جائیں۔

تو حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا:

میں ان کے پاس کیسے جاؤں وہ مجھ کو جھوٹا قرار دیں گے۔ (زاد المسیر: ج: 4، ص: 99 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کا قوم کے پاس نہ جانے کا قول

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو بستی کی طرف مبعوث کیا آپ علیہ السلام ان کے پاس جو پیغام لائے تھے اس کو انہوں نے رد کردیا اور اس کو تسلیم کرنے سے رک گئے جب انہوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی میں ان پر فلاں فلاں عذاب نازل کرنے والا ہوں ان کے درمیان سے نکل جانا اپنی قوم کو بتا دینا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے عذاب کا وعدہ کیا ہے۔ لوگوں نے کہا تاڑ میں رہنا اگر وہ تمہارے درمیان سے نکل جائے تو انہوں نے تم سے جو وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ کرنے والا ہے جب وہ رات آئے جس کی صبح عذاب آنے کا وعدہ کیا گیا تھا تو آپ علیہ السلام رات کو چل دیئے۔ قوم نے انہیں دیکھ لیا وہ ڈر گئے وہ بستی سے کھلی جگہ کی طرف نکلے جانوروں اوران کے بچوں کو الگ کردیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آہ وزاری کی، توبہ کی اور مغفرت کے طلب گار ہوئے۔ حضرت یونس علیہ السلام بستی اوران کے رہنے والوں کی خبر کے بارے میں منتظر تھے حتیٰ کہ ایک آدمی آپ علیہ السلام کے پاس سے گزرا۔

حضرت یونس علیہ السلام نے پوچھا:

بستی والوں کا کیا بنا؟

اس نے جواب دیا کہ

جب انہیں پتہ چلا کہ ان کا نبی ان کے درمیان سے نکل گیا ہے تو انہیں یقین ہو گیا کہ ان کے نبی نے جس عذاب کا ان سے وعدہ کیا تھا اس میں وہ سچے تھے وہ اپنی بستی سے کھلی جگہ کی طرف نکلے پھر ہر جننے والی اور اس کے بچے کو الگ کردیا پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں آہ وزاری کی اور اس کی بارگاہ میں توبہ کی تو ان کی توبہ قبول ہو گئی اور عذاب ان سے مؤخر کردیا گیا اس موقع پر حضرت یونس علیہ السلام نے کہا میں کذاب کی حیثیت سے ان کی طرف نہیں لوٹوں گا اور چلے گئے۔

(تفسیر طبری: ج:17، ص:91 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کا ناراض ہو کر چلے جانا

جب قوم کو عذاب نہ پہنچا تو حضرت یونس علیہ السلام ناراض ہو کر چل دیئے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت یونس علیہ السلام سے کہا گیا کہ تیری قوم پر فلاں دن عذاب آئے گا جب وہ دن آیا تو حضرت یونس علیہ السلام اس بستی سے چلے گئے ان کی قوم نے انہیں نہ پایا تو چھوٹے بڑے جانور اور ہر چیز کو لے کر نکل پڑے پھر انہوں نے والدہ کو بچے سے، بکری کو اپنے بچے سے، اونٹنی اور گائے کو اپنے بچوں سے الگ کردیا ان کی چیخ و پکار کی آواز سنی گئی ان پر عذاب آ گیا حتیٰ کہ انہوں نے اسے دیکھا پھر وہ عذاب ان سے دور کردیا گیا جب عذاب انہیں نہ پہنچا تو حضرت یونس علیہ السلام ناراض ہو کر چل دیئے۔ الخ (در منثور: ج:5، ص:802 مطبوعہ کراچی)

دجلہ کے کنارے پہنچنا

حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم پر ناراض ہو کر دجلہ کے کنارے پہنچ گئے۔

امام ابو القاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اہل نینوا نے یکم ذوالحجہ کو عذاب کی علامات دیکھی تھیں اور دس ذوالحجہ کو ان سے عذاب اٹھالیا گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ ان کی قوم سے عذاب ٹل گیا ہے تو اللہ تعالیٰ کا دشمن ابلیس ان کے پاس آیا اور ان سے کہا گیا کہ اگر اب آپ علیہ السلام اپنی قوم کے پاس گئے تو وہ آپ علیہ السلام کی تکذیب کریں گے اور کہیں گے کہ آپ علیہ السلام نے جس عذاب کا وعدہ کیا تھا وہ ہمارے اوپر نہیں آیا پس حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم پر ناراض ہو کر دجلہ کے کنارے پہنچ گئے۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:108 تا 109 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قوم کے ہاں جھوٹے شخص کو قتل کرنے کا دستور

قوم کے ہاں دستور تھا کہ جو شخص جھوٹا نکلتا اس کو قتل کر دیتے تھے۔

امام عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

ان سے کہا گیا کہ آپ اپنی قوم کے پاس چلے جائیں۔

حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا:

میں ان کے پاس کیسے جاؤں وہ مجھ کو جھوٹا قرار دیں گے اور ان کے ہاں یہ دستور تھا کہ جو شخص جھوٹا ثابت ہو اور اس کے پاس اپنی سچائی پر کوئی دلیل نہ ہو اس کو قتل کر دیا جاتا تھا تب حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم پر ناراضگی کے باعث دریا کی طرف چلے گئے اور مچھلی نے ان کو نگل لیا۔ (زاد المسیر: ج:4، ص:99 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کا کشتی والے کو سوار ہونے کا فرمانا

حضرت یونس علیہ السلام جب دریائے دجلہ پر پہنچے تو ایک کشتی آئی آپ علیہ السلام نے کشتی والے کو ارشاد فرمایا: ہمیں لے چلو۔

امام ابو القاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اہل نینوا نے یکم ذوالحجہ کو عذاب کی علامات دیکھی تھیں اور دس ذوالحجہ کو ان سے عذاب اٹھالیا گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ ان کی قوم سے عذاب ٹل گیا ہے تو اللہ تعالیٰ کا دشمن ابلیس ان کے پاس آیا اور ان سے کہا گیا کہ اگر اب آپ علیہ السلام اپنی قوم کے پاس گئے تو وہ آپ علیہ السلام کی تکذیب کریں گے اور کہیں گے کہ آپ علیہ السلام نے جس عذاب کا

وعدہ کیا تھا وہ ہمارے اوپر نہیں آیا پس حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم پر ناراض ہو کر دجلہ کے کنارے پہنچ گئے ان کے ہمراہ ان کے بال بچے بھی تھے ایک کشتی آئی تو حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا ہمیں لے چلو۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:108 تا 109 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

کشتی والوں کا اہلیہ کو سوار کرنے کا کہنا

جب حضرت یونس علیہ السلام نے کشتی والے کو ارشاد فرمایا: ہمیں لے چلو تو کشتی والوں نے کہا کشتی میں جگہ کم ہے آپ اس کشتی میں اپنی اہلیہ کو سوار کرا دیں۔

امام ابو القاسم علی بن الحسن المعروف با بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

کشتی والوں نے کہا:

کشتی میں جگہ کم ہے آپ علیہ السلام اس کشتی میں اپنی اہلیہ کو سوار کرا دیں۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:108 تا 109 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ایک صاحبزادے کا پاؤں پھسلنے سے دریا میں ڈوبنا

حضرت یونس علیہ السلام اپنی زوجہ محترمہ کو کشتی میں سوار کرنے کے بعد خود اور دو صاحبزادے رہ گئے پھر ایک اور کشتی آئی حضرت یونس علیہ السلام اس کی طرف بڑھے آپ علیہ السلام کا ایک صاحبزادہ دجلہ کے کنارے آیا اس کا پاؤں پھسل گیا اور وہ دریا میں ڈوب گیا۔

امام ابو القاسم علی بن الحسن المعروف با بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

پھر حضرت یونس علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے دو صاحبزادے رہ گئے پھر ایک اور کشتی آئی حضرت یونس علیہ السلام اس کی طرف بڑھے آپ علیہ السلام کا ایک بیٹا دجلہ کے کنارے آیا اس کا پاؤں پھسل گیا اور وہ دریا میں ڈوب گیا۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:108 تا 109 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دوسرے صاحبزادے کو بھیڑیے کا کھا جانا

حضرت یونس علیہ السلام کا ایک صاحبزادہ دریا میں ڈوب گیا اور دوسرے کو بھیڑیا کھا گیا۔

امام ابو القاسم علی بن الحسن المعروف ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

اور بھیڑیا آیا اور دوسرے بیٹے کو کھا گیا۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:108 تا 109 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش کو جان لینا

جب دونوں صاحبزادے دنیا سے کوچ کر گئے تو حضرت یونس علیہ السلام نے جان لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

تب حضرت یونس علیہ السلام نے جان لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص108 تا 109 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اہل وعیال کا آزمائش ہونا

اہل وعیال انسان کے لئے آزمائش ہیں جس طرح فرمان باری تعالیٰ ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ (التغابن:15)

تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تو صرف آزمائش ہیں۔

حضرت حسن وحضرت حسین رضی اللہ عنہما کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ

میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے اس وقت حضرت حسن وحضرت حسین رضی اللہ عنہما آئے وہ سرخ قمیصیں پہنے ہوئے تھے اور چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور ان کو اپنے سامنے بٹھایا پھر کہا اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے۔ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تو صرف آزمائش ہے۔ میں نے ان بچوں کی طرف دیکھا کہ یہ چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے ہیں تو میں صبر نہ کر سکا حتیٰ کہ میں نے اپنی بات منقطع کی اور ان کو اٹھایا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا: (سنن الترمذی: رقم الحدیث:3774)

حضرت یونس علیہ السلام کا دوسری کشتی میں سوار ہونا

حضرت یونس علیہ السلام یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے فرمانے کے بعد دوسری کشتی میں سوار ہو گئے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

آپ علیہ السلام دوسری کشتی میں سوار ہو گئے۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص108 تا 109 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

کشتی کا پانی کے درمیان میں پہنچ کر چکر کھانا اور لوگوں کا چکر کھانے کی وجہ ایک دوسرے سے پوچھ کر لاعلمی کا اظہار کرنا

جب حضرت یونس علیہ السلام دوسری کشتی میں سوار ہو گئے تو وہ کشتی جب پانی کے درمیان پہنچی تو وہ چکر کھانے لگ گئی کشتی والوں نے ایک دوسرے سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

جب کشتی پانی کے درمیان میں پہنچی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے کشتی چکر کھانے لگی کشتی والوں نے آپس میں کہا اس کا کیا سبب

ہے لوگوں نے کہا ہمیں پتہ نہیں ۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص108 تا 109 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کا لوگوں کو کشتی کا پانی کے درمیان چکر کھانے کی وجہ بتانا

جب لوگوں نے ایک دوسرے کو کشتی کا پانی کے درمیان چکر کھانے کی وجہ سے لاعلمی کا اظہار کیا تو حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا اس کے چکر کھانے کی وجہ مجھے معلوم ہے ایک بندہ اپنے رب تعالیٰ سے بھاگ نکلا ہے یہ کشتی اس وقت چلے گی جب تم اس کو دریا میں پھینک دو گے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا:

مجھے معلوم ہے ایک بندہ اپنے رب تعالیٰ سے بھاگ نکلا ہے یہ کشتی اس وقت چلے گی جب تم اس کو دریا میں پھینک دو گے۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص108 تا 110 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تین بار قرعہ اندازی کرنا اور حضرت یونس علیہ السلام کا نام آنا

حضرت یونس علیہ السلام نے کشتی والوں کو فرمایا کہ یہ کشتی اس وقت تک نہیں چلے گی جب تک تم اس کشتی کے اندر بھاگے ہوئے بندے کو دریا میں نہیں پھینکو گے لہٰذا قرعہ اندازی کرو جس کا نام نکلے اس کو دریا میں ڈال دو پھر جب قرعہ اندازی کی گئی تو تینوں بار قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا۔

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی 235ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت یونس علیہ السلام نے قوم سے عذاب کا وعدہ کیا اور انہیں بتایا کہ تین دنوں میں انہیں عذاب آئے گا انہوں نے ماں اور بچہ میں جدائی کر دی پھر وہ نکلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں گڑگڑائے اللہ تعالیٰ سے بخشش کے خواستگار ہوئے ان کا قانون تھا جو جھوٹ بولے اور اس کے گواہ نہ ہوں تو اس کو قتل کر دیا جائے آپ علیہ السلام ناراض ہو کر چل دیئے حتیٰ کہ کشتی میں ایک جماعت تک پہنچے انہوں نے آپ علیہ السلام کو کشتی میں سوار کر لیا اور انہیں پہچان بھی لیا جب آپ علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تو کشتی رک گئی جبکہ دائیں بائیں کشتیاں چل رہی تھیں۔

آپ علیہ السلام نے پوچھا:

تمہاری کشتی کو کیا ہوا؟

لوگوں نے کہا:

ہمیں کچھ معلوم نہیں!

حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا:

میں جانتا ہوں کہ اس کشتی میں ایک غلام ہے جو اپنے مالک سے بھاگا ہے اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ کشتی اس وقت تک نہیں چلے گی جب تک تم اسے پانی میں نہیں پھینکو گے۔

حضرت یونس علیہ السلام نے انہیں فرمایا۔

قرعہ اندازی کرو جس آدمی کے نام قرعہ نکلے اس کو سمندر میں پھینک دو انہوں نے قرعہ نکالا تین بار قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ج:6،ص:338 مطبوعہ مکتبۃ الزمان مدینہ منورہ)

حضرت یونس علیہ السلام کو دریا میں ڈالنے سے کشتی والوں کا انکار

جب یہ شرط مقرر ہو گئی کہ جس کے نام قرعہ نکلا اس کو دریا میں ڈال دیا جائے گا تو تینوں بار قرعہ اندازی کی گئی اور تینوں بار ہی حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا تو کشتی والوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو دریا میں ڈالنے سے انکار کر دیا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت یونس علیہ السلام سے کہا گیا کہ تیری قوم پر فلاں دن عذاب آئے گا جب وہ دن آیا تو حضرت یونس علیہ السلام اس بستی سے چلے گئے ان کی قوم نے انہیں نہ پایا تو چھوٹے بڑے جانور اور ہر چیز کو لے کر نکل پڑے پھر انہوں نے والدہ کو بچے سے، بکری کو اپنے بچے سے، اونٹنی اور گائے کو اپنے بچوں سے الگ کر دیا ان کی چیخ و پکار کی آواز سنی گئی ان پر عذاب آ گیا حتیٰ کہ انہوں نے اس کو دیکھا پھر وہ عذاب ان سے دور کر دیا گیا جب عذاب انہیں نہ پہنچا تو حضرت یونس علیہ السلام ناراض ہو کر چل دیئے سمندر میں لوگوں کے ساتھ ایک کشتی میں سوار ہوئے حتیٰ کہ وہ سمندر میں اس جگہ تھے جہاں اللہ تعالیٰ نے چاہا تو کشتی رک گئی وہ آگے نہیں چلتی تھی۔

کشتی کے مالک نے کہا:

ہمیں چلنے سے کوئی چیز نہیں روکتی مگر تم میں کوئی منحوس آدمی ہے انہوں نے قرعہ اندازی کی تاکہ وہ ایک آدمی کو سمندر میں پھینک دیں۔ قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا۔

انہوں نے کہا:

ہم آپ علیہ السلام کے ساتھ ایسا ہرگز نہیں کریں گے۔ انہوں نے دوبارہ قرعہ نکالا تو قرعہ تیسری بار بھی آپ علیہ السلام کے نام ہی نکلا۔ (درمنثور: ج:5،ص:802 مطبوعہ کراچی)

حضرت یونس علیہ السلام کا دریا میں خود چھلانگ لگانا

جب کشتی والوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو دریا میں ڈالنے سے انکار کیا تو آپ علیہ السلام نے دریا میں خود ہی چھلانگ لگا دی۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

تو حضرت یونس علیہ السلام نے خود ہی چھلانگ لگا دی مچھلی نے انہیں لقمہ بنالیا۔ (درمنثور، ج:5، ص:802 مطبوعہ کراچی)

کشتی والوں کا کہنا کہ آپ علیہ السلام کے وسیلہ سے ہم کو اس مصیبت سے نجات ملے گی

جب حضرت یونس علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ میں ہی وہ بندہ ہوں جو اپنے رب تعالیٰ سے بھاگ آیا ہوں تو کشتی والوں نے کہا خدا کی قسم ہمیں یقین ہے کہ آپ علیہ السلام کے وسیلہ سے ہمیں اس مصیبت سے نجات ملے گی۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اہل نینوا نے یکم ذوالحجہ کو عذاب کی علامات دیکھی تھیں اور دس ذوالحجہ کو ان سے عذاب اٹھالیا گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ ان کی قوم سے عذاب ٹل گیا ہے تو اللہ تعالیٰ کا دشمن ابلیس ان کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ اگر آپ اپنی قوم کے پاس گئے تو وہ آپ کی تکذیب کریں گے اور کہیں گے کہ آپ نے جس عذاب کا وعدہ کیا تھا وہ ہمارے اوپر نہیں آیا پس حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم پر ناراض ہو کر دجلہ کے کنارے پہنچ گئے ان کے ہمراہ ان کے بال بچے بھی تھے۔ ایک کشتی آئی تو حضرت یونس علیہ السلام نے کہا ہمیں لے چلو۔ کشتی والوں نے کہا: کشتی میں جگہ کم ہے آپ علیہ السلام اس کشتی میں اپنی اہلیہ کو سوار کرا دیں۔ پھر حضرت یونس علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے دو بیٹے رہ گئے پھر ایک اور کشتی آئی حضرت یونس علیہ السلام اس کی طرف بڑھے آپ علیہ السلام کا ایک بیٹا دجلہ کے کنارے آیا اس کا پاؤں پھسل گیا اور وہ دریا میں ڈوب گیا اور بھیڑیا آیا وہ دوسرے بیٹے کو کھا گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے جان لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے وہ اس دوسری کشتی میں سوار ہو گئے جب کشتی پانی کے درمیان پہنچی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے کشتی چکر کھانے لگی۔ کشتی والوں نے آپس میں کہا اس کا کیا سبب ہے۔ لوگوں نے کہا ہمیں پتہ نہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا:

مجھے معلوم ہے ایک بندہ اپنے رب عزوجل سے بھاگ نکلا ہے یہ کشتی اس وقت چلے گی جب تم اس کو دریا میں پھینک دو گے۔

لوگوں نے پوچھا:

وہ کون ہے؟

حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا:

وہ میں ہوں۔

لوگوں نے کہا:

اگر وہ آپ علیہ السلام ہیں تو ہم آپ علیہ السلام کو ہرگز نہیں پھینکیں گے بخدا ہم کو یقین ہے کہ آپ علیہ السلام کے وسیلہ

سے ہم کو اس مصیبت سے نجات مل گی۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:28،ص108 تا110 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

رب تعالیٰ کا مچھلی کو حضرت یونس علیہ السلام کے نگلنے کا حکم فرمانا

اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم ارشاد فرمایا: حضرت یونس علیہ السلام کو نگل لے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

پھر انہوں نے قرعہ اندازی کی اور کہا جس کے نام قرعہ نکلے گا ہم اس کو دریا میں ڈال دیں گے انہوں نے قرعہ اندازی کی تو حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکل آیا مگر انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو دریا میں ڈالنے سے انکار کیا پھر دوبارہ قرعہ اندازی کی پھر حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا۔

حضرت یونس علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

مجھے دریا میں ڈال دو اور اللہ تعالیٰ نے ایک مچھلی کو حکم دیا کہ وہ حضرت یونس علیہ السلام کو نگل لے۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:28،ص108 تا110 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

مچھلی کو خراش نہ آنے اور ہڈی نہ ٹوٹنے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم ارشاد فرمایا: وہ حضرت یونس علیہ السلام کو نگل لے مگر حضرت یونس علیہ السلام کو خراش نہ آئے اور نہ ہی ہڈی ٹوٹے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

مگر حضرت یونس علیہ السلام کو خراش نہ آئے اور نہ ہی ان کی کوئی ہڈی ٹوٹے۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:28،ص108 تا110 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

رب تعالیٰ کا مچھلی کو حضرت یونس علیہ السلام کے نبی ہونے کا فرمانا

اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم ارشاد فرمایا: حضرت یونس علیہ السلام کو نگل لے مگر حضرت یونس علیہ السلام کو نہ تو کوئی خراش آئے اور نہ ہی ان کی کوئی ہڈی ٹوٹے کیونکہ وہ نبی اور میرے برگزیدہ بندے ہیں۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

وہ میرے نبی اور میرے برگزیدہ بندے ہیں۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:28،ص108 تا110 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

مچھلی کا نگلنے کے لئے تین ہاتھ اوپر اپنا سر اٹھانا

اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو جونہی حضرت یونس علیہ السلام کے نگلنے کا حکم ارشاد فرمایا تو مچھلی نے حضرت یونس علیہ السلام کو نگلنے کے لئے تین ہاتھ اوپر اپنے سر کو اٹھایا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن حارث رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

کشتی والوں نے کہا:

یہ کسی گناہ کی وجہ سے ایسا ہوا ہے جو تم نے کیا ہے۔

انہوں نے ایک دوسرے سے کہا:

آؤ ہم قرعہ اندازی کرتے ہیں جس کے نام قرعہ نکلے اسے پانی میں پھینک دو انہوں نے قرعہ اندازی کی تو قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا جب حضرت یونس علیہ السلام نے یہ دیکھا تو ارشاد فرمایا وہ میں ہی ہوں۔ آپ علیہ السلام نکلے اور اپنے آپ کو پانی میں گرا دیا۔ اسی وقت مچھلی نے اپنا سر پانی سے تین ہاتھ اوپر اٹھایا۔ (درمنثور: ج:5،ص:803 مطبوعہ کراچی)

مچھلی کا پکڑنے کی کوشش کرنا اور حضرت یونس علیہ السلام کا دوسری طرف ہو جانا

حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی پکڑنے کے لئے سامنے آ گئی جب وہ پکڑنے کے لئے کوشش کرتی تو آپ علیہ السلام دوسری جانب ہو جاتے اور وہ سامنے آ جاتی۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

وہ اپنے آپ کو گرا رہے تھے تو مچھلی سامنے آ گئی جب اس مچھلی نے آپ علیہ السلام کو پکڑنا چاہا تو آپ علیہ السلام دوسری جانب ہوئے تو مچھلی پھر سامنے آ گئی۔ (درمنثور: ج:5،ص:803 مطبوعہ کراچی)

حضرت یونس علیہ السلام کا مچھلی کے فعل سے رب تعالیٰ کا امر جاننا

جب مچھلی پکڑنے کی کوشش کرتی تو آپ علیہ السلام دوسری طرف ہو جاتے اور وہ سامنے آ جاتی آپ علیہ السلام جان گئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا امر ہے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

جب حضرت یونس علیہ السلام نے یہ دیکھا تو پہچان گئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا امر ہے۔ (درمنثور: ج:5،ص:803 مطبوعہ کراچی)

حضرت یونس علیہ السلام کا خود کو دریا میں گرانا

جب حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے فعل سے رب تعالیٰ کا امر جان گئے تو خود کو دریا میں ڈال دیا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

پس آپ علیہ السلام نے خود کو (دریا میں) گرا دیا۔ (درمنثور: ج:5،ص:803 مطبوعہ کراچی)

مچھلی کا حضرت یونس علیہ السلام پر پانی گزرنے سے قبل پکڑ لینا

جب حضرت یونس علیہ السلام نے خود کو پانی میں گرا دیا تو ابھی آپ علیہ السلام پر پانی نہیں گزرا تھا کہ مچھلی نے پہلے ہی پکڑ لیا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

ابھی آپ علیہ السلام پر پانی نہیں گزرا تھا کہ مچھلی نے آپ علیہ السلام کو پکڑ لیا۔ (درمنثور: ج:5، ص:803 مطبوعہ کراچی)

حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کا نگلنا

حضرت یونس علیہ السلام نے جونہی خود کو دریا میں گرایا تو مچھلی نے آپ علیہ السلام کو پکڑ کر نگل لیا۔

امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

حضرت مقاتل نے فرمایا ہے کہ

(قوم یونس) وہ چالیس دن تک اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے رہے پھر ان سے عذاب دور کر دیا گیا پس محرم جمعہ کے دن ان کی توبہ قبول ہوئی حضرت یونس علیہ السلام ان کے پاس سے جا چکے تھے ان سے کہا گیا کہ آپ علیہ السلام اپنی قوم کے پاس چلے جائیں۔

حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا:

میں ان کے پاس کیسے جاؤں وہ مجھے جھوٹا قرار دے دیں گے اور ان کے ہاں یہ دستور تھا کہ جو شخص جھوٹا ثابت ہوا اور اس کے پاس اپنی سچائی پر کوئی دلیل نہ ہو اس کو قتل کر دیا جاتا تھا تب حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم پر ناراضگی کے باعث دریا کی طرف چلے گئے اور مچھلی نے ان کو نگل لیا۔ (زاد المسیر: ج:4، ص:99 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

مچھلی کا حضرت یونس علیہ السلام کو نگل کر نیچے دریا میں بیٹھ جانا

جب مچھلی نے حضرت یونس علیہ السلام کو نگل لیا تو وہ آپ علیہ السلام کو لے کر دریا میں نیچے بیٹھ گئی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب حضرت یونس علیہ السلام نے خود کو پانی میں گرا دیا تو مچھلی نے انہیں لقمہ بنا لیا وہ انہیں لے کر نیچے بیٹھ گئی۔

(تفسیر عبدالرزاق: ج:3، ص:105 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

مچھلی کا حضرت یونس علیہ السلام کو لے کر پانی پھوٹنے والی جگہ تک پہنچنا

مچھلی حضرت یونس علیہ السلام کو نگل کر وہاں جا پہنچی جہاں پانی پھوٹتا ہے۔

حتیٰ کہ وہ وہاں جا پہنچی جہاں پانی پھوٹتا ہے یا اس جیسا کوئی حکم ارشاد فرمایا:

(تفسیر عبدالرزاق: ج:3، ص:105 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کو نجم نامی مچھلی نے نگلا تھا

جس مچھلی نے حضرت یونس علیہ السلام کو نگلا تھا اس کو نجم کہا جاتا ہے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جس مچھلی نے حضرت یونس علیہ السلام کو لقمہ بنایا تھا اسے نجم کہتے ہیں۔ الخ (درمنثور: ج:5، ص:806 مطبوعہ کراچی)

مچھلی کا حضرت یونس علیہ السلام کو لیے بحر روم پھر نیل پھر فارس پھر دجلہ کو جانا

مچھلی حضرت یونس علیہ السلام کو پیٹ میں لئے بحر روم پھر نیل پھر فارس پھر دجلہ میں گئی۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جس مچھلی نے حضرت یونس علیہ السلام کو لقمہ بنایا تھا اس کو نجم کہتے ہیں وہ انہیں لے کر بحر روم، پھر نیل، پھر فارس پھر دجلہ میں گئی۔ (درمنثور: ج:5، ص:806 مطبوعہ کراچی)

اللہ تعالیٰ کا سب سے تیز امر کون سا تھا؟

امام ابو عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی 235ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن مینہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ کے امروں میں سے سب سے تیز یہ امر تھا کہ حضرت یونس علیہ السلام کشتی کے کنارے پر تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مصر کے نیل دریا میں موجود مچھلی کو وحی کی ابھی آپ علیہ السلام اس کنارے سے نیچے نہیں گرے تھے کہ اس مچھلی کے پیٹ میں پہنچ گئے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ج:7، ص:185 مطبوعہ مکتبۃ الزمان مدینہ منورہ)

مچھلی کا چالیس دن تک دریا میں تیرتے رہنا

مچھلی حضرت یونس علیہ السلام کو لے کر چالیس دن تک دریا میں تیرتی رہی۔

امام ابو القاسم علی بن الحسن المعروف با بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اہل نینوا نے یکم ذوالحجہ کو عذاب کی علامات دیکھی تھیں اور دس ذوالحجہ کو ان سے عذاب اٹھا لیا گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ ان کی قوم سے عذاب ٹل گیا ہے تو اللہ تعالیٰ کا دشمن ابلیس ان کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ اگر اب آپ علیہ السلام اپنی قوم کے پاس گئے تو وہ آپ علیہ السلام کی تکذیب کریں گے اور کہیں گے کہ آپ علیہ السلام نے جس عذاب کا وعدہ کیا تھا وہ ہمارے اوپر نہیں آیا۔ پس حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم پر ناراض ہو کر دجلہ کے کنارے پہنچ گئے آپ علیہ السلام کے ساتھ آپ علیہ السلام کے بال بچے بھی تھے ایک کشتی آئی تو حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا ہمیں لے چلو۔

کشتی والوں نے کہا:

کشتی میں جگہ کم ہے آپ علیہ السلام اس کشتی میں اپنی اہلیہ کو سوار کرادیں پھر حضرت یونس علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے دو صاحبزادے رہ گئے پھر ایک اور کشتی آئی تو حضرت یونس علیہ السلام اس کی طرف بڑھے آپ علیہ السلام کا ایک بیٹا دجلہ کے کنارے آیا اس کا پاؤں پھسل گیا اور وہ دریا میں ڈوب گیا اور پھر بھیڑیا آیا وہ دوسرے بیٹے کو کھا گیا تب حضرت یونس علیہ السلام نے جان لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے وہ اس دوسری کشتی میں سوار ہو گئے جب کشتی پانی کے درمیان میں پہنچی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے کشتی چکر کھانے لگی۔ کشتی والوں نے آپس میں کہا اس کا کیا سبب ہے۔ لوگوں نے کہا ہمیں پتہ نہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا:

مجھے معلوم ہے۔ ایک بندہ اپنے رب تعالیٰ سے بھاگ نکلا ہے یہ کشتی اس وقت چلے گی جب تم اس کو دریا میں پھینک دو گے۔

لوگوں نے پوچھا: وہ کون ہے؟

حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا:

وہ میں ہوں!

لوگوں نے کہا:

اگر وہ آپ علیہ السلام ہیں تو ہم آپ علیہ السلام کو ہرگز نہیں پھینکیں گے بخدا ہم کو یقین ہے کہ آپ علیہ السلام ہی کے وسیلہ سے ہم کو اس مصیبت سے نجات ملے گی پھر انہوں نے قرعہ اندازی کی اور کہا جس کے نام کا قرعہ نکلے گا ہم اس کو دریا میں ڈال دیں گے انہوں نے قرعہ اندازی کی تو حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکل آیا لیکن انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو دریا میں ڈالنے سے انکار کیا پھر دوبارہ قرعہ اندازی کی پھر حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا۔

حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا:

مجھے دریا میں ڈال دو اور اللہ تعالیٰ نے ایک مچھلی کو حکم دیا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو نگل لے مگر حضرت یونس علیہ السلام کو خراش نہ آئے نہ ان کی ہڈی ٹوٹے وہ میرے نبی اور میرے برگزیدہ بندے ہیں وہ مچھلی چالیس دن تک دریا میں تیرتی رہی۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:108 تا 111 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ میں جنات اور مچھلی کی تسبیح سننا

مچھلی حضرت یونس علیہ السلام کو لے کر چالیس دن تک دریا میں تیرتی رہی اور آپ علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں جنات اور مچھلی کی تسبیح سنتے رہے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

اور حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں جنات اور مچھلیوں کی تسبیح سنتے رہے۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:108 تا 111 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے

ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے چاہے ملائکہ ہوں یا انسان، چرند ہوں یا پرند، ہجر ہوں یا شجر، زمین کے جانور ہوں یا سمندر کے جانور ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ جس طرح کہ آیات مبارکہ اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔

پہلے آیات کریمہ سے ثبوت پیش کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید کی آیات مبارکہ سے ثبوت

ہر چیز کا اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے کے متعلق یہ آیات کریمہ ہیں۔

آیت مبارکہ: 1

قرآن مجید میں ہے:

إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ۝ (ص:18)

ہم نے پہاڑوں کو داؤد کے تابع کر دیا تھا وہ اس کے ساتھ شام کو اور صبح کو تسبیح پڑھتے تھے۔

آیت مبارکہ: 2

قرآن مجید میں ہے:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل:44)

سات آسمان اور زمینیں اور جو بھی ان میں ہیں اس کی تسبیح کر رہے ہیں اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے بے شک وہ نہایت حلم والا بہت بخشنے والا ہے۔

احادیث مبارکہ سے ثبوت

کثیر احادیث مبارکہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ جس طرح کہ درج ذیل احادیث مبارکہ میں ہے۔

حدیث مبارکہ: 1

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جس وقت کھانا کھایا جا رہا ہوتا تھا تو ہم کھانے کی تسبیح سنتے تھے۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث:3579)

حدیث مبارکہ: 2

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
میں دیکھتا ہوں کہ تم بکریوں اور جنگل سے محبت کرتے ہو پس جب تم اپنی بکریوں کے پاس یا جنگل میں ہو تو نماز کے لئے بلند آواز سے اذان دیا کرو کیونکہ تمہاری آواز کو جہاں تک جن اور انس اور جو چیز بھی سنے گی وہ تمہاری آواز کی گواہی دے گی۔
(صحیح البخاری: رقم الحدیث:609)

حدیث مبارکہ:3

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
حضرت نوح علیہ السلام نے وفات کے وقت اپنے بیٹے کو نصیحت کی میں تم کو دو چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور دو چیزوں سے منع کرتا ہوں میں تم کو شرک اور تکبر سے منع کرتا ہوں اور میں تم کو لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کا حکم دیتا ہوں کیونکہ اگر تمام آسمان اور زمین میزان کے ایک پلڑے میں رکھے جائیں اور لا الٰہ الا اللہ دوسرے میں رکھا جائے تو یہ پلڑا بھاری ہوگا اور اگر تمام آسمان اور زمین ایک ایک حلقہ میں رکھے جائیں اور اس حلقہ پر لا الٰہ الا اللہ کو رکھا جائے تو وہ اس کو توڑ دے گا اور میں تم کو سبحان اللہ وبحمدہ پڑھنے کا حکم دیتا ہوں کیونکہ وہ ہر چیز کی صلوٰۃ ہے اور اسی وجہ سے ہر چیز کو رزق دیا جاتا ہے۔
(مسند احمد: رقم الحدیث:6583)

حدیث مبارکہ:4

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
کیا میں تم کو اس کی خبر نہ دوں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کس چیز کا حکم دیا تھا؟ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا: اے میرے بیٹے میں تم کو یہ حکم دیتا ہوں کہ تم سبحان اللہ وبحمدہ پڑھا کرو کیونکہ یہ تمام مخلوق کی صلاۃ ہے اور تمام مخلوق کی تسبیح ہے اس کی وجہ سے مخلوق کو رزق دیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کے ساتھ اس کی حمد کرتی ہے۔ (جامع البیان: رقم الحدیث:16849)

حدیث مبارکہ:5

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
جب کوئی شخص لا الٰہ الا اللہ پڑھتا ہے تو یہ وہ کلمہ اخلاص ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ کوئی عمل قبول نہیں کرتا حتیٰ کہ اس کلمہ کو پڑھے اور جب وہ کہتا ہے الحمد للہ تو وہ کلمہ شکر ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ کسی بندے کا شکر قبول نہیں فرماتا حتیٰ کہ وہ یہ کلمہ پڑھے اور جب وہ کہتا ہے اللہ اکبر تو یہ آسمان اور زمین کی چیز کو بھر لیتا ہے اور یہ تمام مخلوق کی صلاۃ ہے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے جو بھی دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو صلاۃ اور تسبیح کے ساتھ منور کر دیتا ہے اور جب وہ کہتا ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ تو اللہ تعالیٰ فرماتا

ہے میرے بندے نے اطاعت کی۔ (جامع البیان: رقم الحدیث: 16856)

حدیث مبارکہ: 6

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے باغات میں سے ایک باغ کے پاس سے گزرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو انسانوں کی آوازیں سنیں جن کو عذاب دیا جا رہا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیوں نہیں! ان میں سے ایک پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت کی ایک شاخ منگائی پھر اس کے دو ٹکڑے کیے۔ ایک ٹکڑا ایک پر رکھ دیا اور دوسرا ٹکڑا دوسری قبر پر رکھ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیوں کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تک یہ شاخ خشک نہیں ہوگی ان دونوں کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 216)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تک یہ دونوں ٹکڑے خشک نہ ہوں تب تک یہ دونوں ٹکڑے تسبیح کرتے رہیں گے اور مسند ابوداؤد الطیالسی میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر ایک ٹکڑا اور دوسری قبر پر دوسرا ٹکڑا رکھ دیا پھر ارشاد فرمایا: جب تک شاخ کے ان دونوں ٹکڑوں میں نمی رہے گی ان کے عذاب میں کمی رہے گی۔ ہمارے علماء کرام نے فرمایا: اس حدیث مبارکہ سے درخت کو گاڑنے کا جواز مستفاد ہوتا ہے اور قبر کے پاس قرآن مجید پڑھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے اور جب درخت کی وجہ سے قبر کے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے تو مومن کے قرآن مجید پڑھنے سے عذاب میں تخفیف کیوں نہیں ہوگی۔ ہم نے اپنی کتاب التذکرہ میں اس کو مفصل بیان کیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ میت کو جو ہدیہ کیا جائے اس کا ثواب اسے پہنچتا ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن: جز: 10: ص: 240 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی 852ھ لکھتے ہیں:

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جب تک یہ شاخ تر رہے گی تسبیح کرتی رہے گی اس سے یہ کلیہ معلوم ہوا کہ ہر چیز جس میں درختوں کی نمی ہو اس کو قبر پر رکھنے سے عذاب میں تخفیف ہوگی اسی طرح ہر وہ چیز جس میں برکت ہو مثلاً اللہ تعالیٰ کا ذکر اور تلاوت قرآن مجید بلکہ اس سے تخفیف کا ہونا زیادہ اولیٰ ہے۔ (فتح الباری: ج: 1 ص: 320 مطبوعہ لاہور)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی 855ھ لکھتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تک شاخ کے یہ ٹکڑے خشک نہیں ہوں گے ان قبر والوں کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ جب تک شاخ کے یہ ٹکڑے تر رہیں گے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہیں گے اور خشک شاخ تسبیح نہیں کرتی اور قرآن مجید میں جو ہے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہر زندہ چیز تسبیح کرتی ہے پھر اس میں اختلاف ہے کہ ہر چیز حقیقتاً تسبیح کرتی ہے کیونکہ عقل کے نزدیک یہ محال نہیں ہے اور قرآن مجید

اور احادیث مبارکہ میں اس کی تصریح ہے اس لیے اس کو ماننا ضروری ہے اور اس حدیث مبارکہ کی بناء پر علماء کرام نے قبر کے پاس قرآن مجید کی تلاوت کو مستحب قرار دیا ہے کیونکہ جب درخت کی شاخ کی تسبیح سے عذاب میں تخفیف متوقع ہے تو قرآن مجید کی تلاوت سے بہ طریق اولیٰ عذاب میں تخفیف ہوگی اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب ہر چیز حقیقتاً تسبیح کرتی ہے تو پھر شاخ کی تخصیص کی کیا توجیہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ

بعض چیزوں کی وجہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ہی معلوم ہوتی ہے جیسے دوزخ کے فرشتوں کی تعداد انیس ہے اس سے کم یا زیادہ نہیں۔ اس کی وجہ کا صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کو ہی علم ہے۔ رسل ملائکہ میں سے صرف جبرائیل علیہ السلام کو وحی نازل کرنے کے ساتھ کیوں خاص کیا۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام کو روح قبض کرنے کے ساتھ کیوں خاص کیا۔ حضرت میکائیل علیہ السلام کو تقسیم رزق کے ساتھ کیوں خاص کیا اور حضرت اسرافیل علیہ السلام کو صور پھونکنے کے ساتھ کیوں خاص کیا ان کی وجوہات کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اس لیے تر شاخ کے تسبیح کرنے اور خشک شاخ کے تسبیح نہ کرنے کی وجہ بھی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے جبکہ تحقیق یہ ہے کہ ہر چیز حقیقتاً حمد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔

(عمدۃ القاری: جز:13، ص:117 مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ مصر)

اللہ تعالیٰ کی تسبیح کی اقسام

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی تسبیح کی کئی اقسام ہیں اس کی ذات کی عیوب سے برأت بیان کرنا، اس کی صفات کی عیوب سے برأت بیان کرنا، اس کے افعال کی عیوب سے برأت بیان کرنا، اس کے اسماء کی عیوب سے برأت بیان کرنا اور اس کے احکام کی عیوب سے برأت بیان کرنا۔

اس کی ذات کی عیوب سے برأت یہ ہے کہ اس کی ذات واجب الوجود اور قدیم ہے اور اس کی ذات امکان اور حدوث کے عیب سے بری ہے اور اس کی ذات واحد ہے اور شرکت اور کثرت کے عیب سے بری ہے کیونکہ اگر واجب الوجود متصور ہوں تو ان میں نفس وجوب مشترک ہوگا اور کوئی امر ممیز ہوگا اور جو چیز دو چیزوں سے مرکب ہو وہ ممکن اور حادث ہوتی ہے واجب اور قدیم نہیں ہوتی۔

اور اس کی صفات کے عیوب سے برأت یہ ہے کہ وہ تمام معلومات کا عالم ہے اور وہ جہل کے عیب سے بری ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور عجز کے عیب سے بری ہے۔

اور اس کے افعال کی عیوب سے برأت یہ ہے کہ وہ جس فعل کا ارادہ کرے اس کو کر گزرتا ہے اس کے افعال زمان پر موقوف ہیں نہ مکان پر مادے پر نہ اس کی استعداد پر وہ کسی چیز کے متعلق فرماتا ہے "ہو" سو وہ ہو جاتی ہے۔

اس کے اسماء کی عیوب سے برأت یہ ہے کہ اس کے تمام اسماء حسنیٰ ہیں اور اس کے اوپر کسی ایسے اسم کا اطلاق جائز نہیں

ہے جس میں کسی وجہ سے نقص اور عیب ہو بلکہ اس پر اسی اسم کا اطلاق جائز ہے جس کا ذکر قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں آ گیا ہو اور محض اپنی عقل سے اس پر کسی اسم کا اطلاق جائز نہیں ہے۔

اور اس کے احکام کی عیوب سے برأت یہ ہے کہ اس کا ہر حکم کسی حسن خوبی اور مصلحت پر مبنی ہے اس کا کوئی حکم عبث اور بے فائدہ نہیں ہے اور یہ محض اس کا فضل اور احسان ہے اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر: ج:10، ص:441 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یہی امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

بعض علماء کرام نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پرندوں اور حشرات الارض کو ایسے لطیف اعمال کا الہام کیا ہے جن کو وجود میں بہ روئے کار لانے سے اکثر عقلاء عاجز ہیں اور جب ایسا ہو سکتا ہے تو یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے پرندوں اور حیوانوں کو اپنی معرفت کا الہام کر دیا ہو اور ان کو دعا کرنے، تسبیح پڑھنے اور نماز پڑھنے کا الہام کر دیا ہو یا ان کو ان چیزوں کا علم عطا فرما دیا ہو ہم دیکھتے ہیں کہ مکڑی مختلف حیلوں اور ہتھکنڈوں سے مکھیوں اور مچھروں کو اپنے جالے میں پھنسا دیتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ شہد کی مکھی مسدس شکل میں شہد کا چھتا بنا لیتی ہے اور اس کو ایسی کاریگری سے بناتی ہے کہ ماہر انجینئر بھی اس کی صنعت کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں پھر شہد کی مکھیوں کی ایک ملکہ ہوتی ہے جو اپنی ریاست کا نظام چلاتی ہے اور تمام مکھیاں اس کے احکام کے تابع ہوتی ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ سارس اپنی موافق ہوا اور موسم کو طلب کرنے کے لئے عالم کی ایک طرف سے دوسری طرف پرواز کر جاتا ہے۔ بعض اوقات وہ یورپ کے سرد موسم میں افریقہ کے گرم علاقوں کی طرف پرواز کر جاتا ہے اور یوں وہ اپنے موافق موسم کی تلاش میں ایک براعظم سے دوسرے براعظم کی طرف سفر کرتا ہے اسی طرح جو درندے دوسرے حیوانوں کا شکار کرتے ہیں وہ بھی بہت عیاری سے اپنا شکار حاصل کرتے ہیں ہم جنگلوں میں دیکھتے ہیں کہ بعض پرندے تنکوں سے اپنے گھونسلے بناتے ہیں وہ گھونسلے کئی کئی منزلوں کے ہوتے ہیں ان میں اوپر نیچے خانے بنے ہوتے ہیں جو کمروں کے قائم مقام ہوتے ہیں وہ تنکے چن چن کر ان کو موڑ توڑ کر انتہائی باریکی اور فن کاری سے اپنے گھونسلے بناتے ہیں ان کو دیکھ کر بے ساختہ کہنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پرندوں اور حیوانوں کو ضرور ان کاموں کی معرفت اور عقل عطا فرمائی ہے کیونکہ اگر ان میں ان کاموں کے لئے عقل اور معرفت نہ ہو تو صرف حواس خمسہ سے ان کاموں کو انجام نہیں دیا جا سکتا۔

(تفسیر کبیر: ج:8، ص:402 تا 404 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد نے کہا انسان نماز پڑھتا ہے اور باقی مخلوق تسبیح پڑھتی ہے۔

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہر نمازی کو اپنی نماز کا علم ہے اور ہر تسبیح پڑھنے والے کو اپنی تسبیح کا علم ہے۔ (جامع البیان: جز:18، ص:203 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قرآن مجید میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ (النمل:16)

(سلیمان نے کہا) اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے۔

اور ہد ہد نے سلیمان سے کہا:

اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَ اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (النمل:23)

میں نے دیکھا ان پر ایک عورت حکومت کر رہی ہے اور اس کو ہر قسم کی چیزوں سے کچھ نہ کچھ دیا گیا ہے۔

اور جب پرندے باتیں کر سکتے ہیں اور دور دراز کی خبریں پہنچا سکتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بھی کر سکتے ہیں اور نماز بھی پڑھ سکتے ہیں۔

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری متوفی 465ھ لکھتے ہیں:

تسبیح دو قسم کی ہے ایک تسبیح قول اور نطق کے ساتھ ہے اور دوسری دلالت اور خلق کے ساتھ ہے سو جو تسبیح دلالت اور خلق کے ساتھ ہے وہ ہر مخلوق کرتی ہے پھر ایک تسبیح حیوانات کے ساتھ خاص ہے اور ایک تسبیح عقلاء کے ساتھ خاص ہے پھر اس تسبیح کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک تسبیح بصیرت کے ساتھ ہے اور دوسری تسبیح بغیر عرفان اور بصیرت کے ہوتی ہے اول الذکر مقبول ہے اور ثانی الذکر مردود ہے۔ (لطائف الاشارات، ج:2، ص:371 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

قرآن مجید میں ہے:

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (البقرہ:74)

اور بے شک بعض پتھر اللہ تعالیٰ کے خوف سے گر جاتے ہیں۔

اس کی تفسیر میں امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی متوفی 516ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پتھر تو جمادات کے قبیل سے ہیں جو کسی بات کو سمجھتے نہیں ہیں وہ کیسے ڈریں گے اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں فہم اور ادراک پیدا کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے الہام کرنے سے وہ ڈریں گے اور اہل سنت والجماعت کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقلاء کے علاوہ جمادات اور تمام حیوانات کو بھی علم عطا فرمایا ہے جس علم پر ان کے سوا اور کوئی واقف نہیں ہے لہٰذا جمادات، نباتات اور حیوانات نماز بھی پڑھتے ہیں تسبیح بھی پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے بھی ہیں۔

جیسے اس آیت کریمہ میں اللہ عزوجل نے فرمایا ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (بنی اسرائیل:44)

ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ (النور:41)

اور صف بہ صف اڑنے والے (پرندے) ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے۔

اور اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ (الحج:18)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے لئے وہ سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اور سورج اور چاند۔

پس مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ان آیات پر ایمان رکھیں اور ان کی حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں اور یہ یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے جمادات، نباتات اور حیوانات کو بغیر عقل کے علم عطا فرمایا ہے۔

(معالم التنزیل: ج:1 ص:134 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)۔

کنکریوں، طعام اور پرندوں کی تسبیح

کنکریاں، طعام اور پرندے بھی رب تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں جس طرح کہ کثیر احادیث مبارکہ میں ان کی تسبیح کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

حضرت سوید بن یزید سے روایت ہے کہ

میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو مسجد میں اکیلا بیٹھے ہوئے دیکھا میں نے اس کو غنیمت جانا اور ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا میں نے ان کے سامنے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا انہوں نے کہا: میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق کلمہ حق کے سوا اور کچھ نہیں کہتا اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اس موقع کی تلاش میں رہتا تھا کہ تنہائی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر کچھ حاصل کروں۔ ایک دن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر نکلتے ہوئے دیکھا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ بیٹھ گئے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اے ابوذر (رضی اللہ عنہ)! تم کس لیے آئے ہو۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ)! تم کس کے لئے آئے ہو؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دائیں جانب بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم کس لیے آئے ہو۔ انہوں نے بھی کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے۔ پھر حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) آئے اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دائیں جانب بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اے عثمان (رضی اللہ عنہ) تم کس لیے آئے ہو۔ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے! حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات یا نو کنکریاں لیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تسبیح پڑھنے لگیں حتیٰ کہ میں نے شہد کی مکھی کی طرح ان کی بھنبھناہٹ کی آواز سنی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کنکریوں کو رکھ دیا تو وہ خاموش ہو گئیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کنکریوں کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رکھ دیا تو وہ ان کے ہاتھ میں تسبیح پڑھنے لگیں حتیٰ کہ میں نے شہد کی مکھی کی

طرح ان کی بھنبھناہٹ کی آواز سنی پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کنکریوں کو رکھ دیا تو وہ خاموش ہو گئیں پھر آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ان کنکریوں کو رکھ دیا تو وہ ان کے ہاتھ میں تسبیح پڑھنے لگیں حتیٰ کہ میں نے شہد کی مکھی کی طرح ان کی بھنبھنانے کی آواز سنی پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کنکریوں کو رکھ دیا تو وہ خاموش ہو گئیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کنکریوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رکھ دیا تو وہ ان کے ہاتھ میں تسبیح پڑھنے لگیں حتیٰ کہ میں نے شہد کی مکھی کی طرح ان کی بھنبھنانے کی آواز سنی انہوں نے پھر ان کو رکھ دیا تو وہ خاموش ہو گئیں۔ (معجم الاوسط: رقم الحدیث: 1265)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ہم معجزات کو برکت شمار کرتے تھے اور تم ان کو ڈرانے والی اشیاء خیال کرتے ہو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے (ناگاہ) پانی کم ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (جس قدر بھی پانی ہے) وہ لے آؤ۔ ہم ایک برتن میں تھوڑا سا پانی لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس برتن میں اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کی برکت والے مبارک اور پاک کرنے والے پانی کی طرف آؤ اور بے شک میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی جاری ہو رہا تھا اور جس وقت کھانا کھایا جاتا تھا تو ہم کھانے کی تسبیح سنتے تھے۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 3579)

قاضی عیاض نے جعفر بن محمد سے روایت کیا ہے کہ

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک طباق میں انار اور انگور لے آئے اور وہ طعام تسبیح کر رہا تھا۔ (الشفاء: ج: 1 ص: 230)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضر موت کے سرداروں کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا ان میں اشعث بن قیس بھی تھے انہوں نے کہا ہم نے آپ کے لئے دل میں ایک چیز چھپائی ہے بتایئے وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! یہ معاملہ تو کاہنوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا پھر ہم کیسے یقین کریں گے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہتھیلی میں کنکریاں لیں اور فرمایا: یہ کنکریاں گواہی دیں گی کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تب ان کنکریوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تسبیح پڑھی۔ انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

امام ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ثرید کا طعام لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ طعام تسبیح کر رہا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تسبیح سمجھ رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے کہا اس پیالہ کو قریب رکھو اس نے بھی اسی طرح کہا۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب کو سنا دیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر اس نے کسی شخص کے پاس تسبیح نہیں پڑھی تو تم سمجھو گے اس کے کسی گناہ کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔

امام ابوالشیخ نے خیثمہ سے روایت کیا ہے کہ

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ایک پیالے سے کھانا کھا رہے تھے تو اس پیالے کا طعام تسبیح کرنے لگا۔ (الخصائص الکبریٰ: ج:2، ص:125 تا 126 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ "وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

امام طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن بن قرط رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ شب معراج حضرت جبرائیل علیہ السلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام ابراہیم اور زمزم کے درمیان سے مسجد اقصیٰ تک لے گئے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں طرف تھے اور حضرت میکائیل علیہ السلام بائیں طرف تھے وہاں سے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتوں آسمانوں تک لے گئے پھر آپ واپس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے بلند آسمانوں میں یہ تسبیح سنی۔ بلند آسمان اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور اس کے خوف سے اس کی تسبیح کرتے ہیں وہ بلند اور برتر سبحان ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں؛

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنیوں اور سواریوں پر سواروں کو دیکھ کر ارشاد فرمایا:

سلامتی کے ساتھ سواریوں پر سوار ہو اور ان کو سلامتی کے ساتھ چھوڑ دو اور راستوں اور بازاروں میں اپنی سواریوں کو باتیں کرنے کی کرسیاں نہ بناؤ سنو! بہت سی سواریاں اپنے سواروں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہیں اور ان سے عمدہ اور افضل ہوتی ہیں۔ (مسند احمد: ج:3، ص:439 مطبوعہ قدیم، مسند احمد: رقم الحدیث:15566)

امام نسائی اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مینڈک کو قتل کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا اس کا بولنا منع ہے۔ (درمنثور: ج:5، ص:256)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایک چیونٹی نے کسی نبی کو کاٹ لیا تو انہوں نے چیونٹیوں کی پوری بستی کو جلانے کا حکم فرمایا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی کی کہ آپ کو صرف ایک چیونٹی نے کاٹا تھا اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے والی پوری مخلوق کو ہلاک کر ڈالا۔

(السنن الکبریٰ للنسائی: رقم الحدیث:4870)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

ایک اعرابی طیالسی جبہ پہنے ہوئے تھا جس کے ریشمی کف اور ریشمی بٹن تھے اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہا تمہارے پیغمبر کا یہ ارادہ ہے کہ وہ چرواہوں کو سرفراز کرے اور دوسرے کو سرنگوں کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہوئے اور اس کا جبہ کھینچتے ہوئے فرمایا: کیا میں تجھ کو جانوروں (کی کھال) کا لباس پہنے ہوئے نہیں دیکھ رہا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس آکر بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا: جب حضرت نوح علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں کو

بلایا اور ارشاد فرمایا میں تمہیں بہ طور وصیت کے دو چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور دو چیزوں سے منع کرتا ہوں میں تم کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دینے اور تکبر سے منع کرتا ہوں اور تم کو لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کا حکم دیتا ہوں کیونکہ اگر تمام آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان میں ہے ان کو اگر میزان کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں لا الٰہ الا اللہ کو رکھا جائے تو وہ پلڑا جھک جائے گا اور اگر تمام آسمانوں اور زمینوں کو ایک حلقہ بنا دیا جائے اور ان پر لا الٰہ الا اللہ کو رکھ دیا جائے تو وہ ان کو پاش پاش کر دے گا اور میرا دوسرا حکم یہ ہے کہ سبحان اللہ و بحمدہ پڑھا کرو کیونکہ یہ ہر چیز کی نماز ہے اور اسی کے سبب سے ہر ایک کو رزق دیا جاتا ہے۔ (مسند احمد: رقم الحدیث: 6583)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے تھے کہ جب درخت سرسبز ہوتا ہے تو وہ تسبیح کرتا ہے اور جب وہ کاٹ دیا جاتا ہے اور سوکھ کر لکڑی ہو جاتا ہے تو اس کی تسبیح منقطع ہو جاتی ہے اس کی تائید اس حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ یا مکہ مکرمہ کے کسی باغ سے گزرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں دو ایسے انسانوں کی آوازیں سنیں جن کو قبروں میں عذاب ہو رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان کو قبروں میں عذاب ہو رہا ہے اور کسی ایسی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا جس سے بچنا دشوار ہو پھر ارشاد فرمایا: کیوں نہیں! ان میں سے ایک پیشاب کے قطروں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت کی ایک شاخ منگائی اور اس کے دو ٹکڑے کیے اور ہر قبر پر ایک ٹکڑا رکھ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیوں کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تک شاخیں خشک نہیں ہوں گی ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث: 216)

حضرت یونس علیہ السلام نے زمین کی تسبیح کو سنا

جب مچھلی حضرت یونس علیہ السلام کو پیٹ میں لے کر سطح زمین تک پہنچی تو آپ علیہ السلام نے زمین کی تسبیح کو سنا۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب حضرت یونس علیہ السلام ناراض ہو کر نکلے تو کشتی کے پاس آئے اس میں سوار ہوئے کشتی چلنے سے رک گئی۔ کشتی والوں نے کہا:

یہ کسی گناہ کی وجہ سے ایسا ہوا ہے جو تم نے کیا ہے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا آؤ ہم قرعہ اندازی کرتے ہیں جس کے نام قرعہ نکلے اسے پانی میں پھینک دو۔ انہوں نے قرعہ اندازی کی تو قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا۔ جب حضرت یونس علیہ السلام نے یہ دیکھا تو ارشاد فرمایا میں ہی ہوں آپ علیہ السلام نکلے اور اپنے آپ کو پانی میں پھینک دیا اسی وقت مچھلی نے اپنا سر پانی سے تین ہاتھ اوپر اٹھایا وہ اپنے آپ کو گرا رہے تھے تو مچھلی سامنے آگئی جب اس مچھلی نے آپ علیہ السلام کو پکڑنا چاہا تو آپ علیہ السلام دوسری جانب ہوئے تو مچھلی پھر سامنے آگئی جب حضرت یونس علیہ السلام نے یہ دیکھا تو پہچان گئے کہ یہ تو

اللہ تعالیٰ کا امر ہے تو اپنے آپ کو گرا دیا ابھی پانی آپ علیہ السلام پر نہیں گزر رہا تھا کہ مچھلی نے آپ علیہ السلام کو پکڑ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کی طرف وحی کی کہ نہ اس کی ہڈیوں کو توڑنا اور نہ ہی اس کا گوشت کھانا حتیٰ کہ میں تجھے یہ حکم دوں یہاں تک کہ اسے مٹی کے ساتھ لگا دیا اس نے زمین کی تسبیح کو سنا اسی موقع پر حضرت یونس علیہ السلام نے ندا کی۔ (درمنثور: ج:5، ص:803 مطبوعہ کراچی)

حضرت یونس علیہ السلام نے سنگریزوں کی تسبیح کو سنا

حضرت یونس علیہ السلام نے سنگریزوں کی تسبیح کو بھی سنا۔

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی 235ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت یونس علیہ السلام نے قوم سے عذاب کا وعدہ کیا اور انہیں بتایا کہ تین دنوں میں انہیں عذاب آئے گا انہوں نے ماں اور بچہ میں جدائی کر دی پھر وہ نکلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدس میں گڑگڑائے اللہ تعالیٰ سے بخشش کے خواستگار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو روک لیا۔ حضرت یونس علیہ السلام عذاب کا انتظار کرتے رہے اور کچھ بھی نہ دیکھا ان کا قانون تھا جو جھوٹ بولے اور اس کے گواہ نہ ہوں تو اسے قتل کر دیا جائے۔ آپ علیہ السلام ناراض ہو کر چل دیئے حتیٰ کہ کشتی میں ایک جماعت تک پہنچے انہوں نے آپ علیہ السلام کو کشتی میں سوار کر لیا اور انہیں پہچان بھی لیا جب آپ علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تو کشتی رک گئی جبکہ دائیں بائیں کشتیاں چل رہی تھیں۔ پوچھا تمہاری کشتی کو کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا ہمیں کچھ معلوم نہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام نے کہا:

میں جانتا ہوں کہ اس کشتی میں ایک غلام ہے جو اپنے مالک سے بھاگا ہے اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ کشتی اس وقت تک نہیں چلے گی جب تک تم اسے پانی میں نہیں پھینکو گے۔

حضرت یونس علیہ السلام نے انہیں فرمایا۔

قرعہ اندازی کرو جس آدمی کے نام قرعہ نکلے اسے سمندر میں پھینک دو۔ انہوں نے قرعہ نکالا تین دفعہ قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا۔ آپ علیہ السلام کو سمندر میں پھینک دیا گیا جبکہ ایک مچھلی کی ذمہ داری لگا دی گئی جب آپ علیہ السلام کو پھینکا گیا تو مچھلی نے آپ علیہ السلام کو نگل لیا اور اسے زمین میں اپنی قرار گاہ تک لے گئی۔ حضرت یونس علیہ السلام نے سنگریزوں کی تسبیح سنی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ج:6، ص:338 مطبوعہ مکتبۃ الزمان مدینہ منورہ)

حضرت یونس علیہ السلام کا تسبیح اور تہلیل کرنا

حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں تسبیح و تہلیل کرتے تھے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اہل نینوا نے یکم ذوالحجہ کو عذاب کی علامات دیکھی تھیں اور دس ذوالحجہ کو ان سے عذاب اٹھالیا گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ ان کی قوم سے عذاب ٹل گیا ہے تو اللہ تعالیٰ کا دشمن ابلیس ان کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ اگر اب آپ علیہ السلام اپنی قوم کے پاس گئے تو وہ آپ علیہ السلام کی تکذیب کریں گے اور کہیں گے کہ آپ نے جس عذاب کا وعدہ کیا تھا وہ ہمارے اوپر نہیں آیا پس حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم پر ناراض ہو کر دجلہ کے کنارے پہنچ گئے ان کے ہمراہ ان کے بال بچے بھی تھے۔ ایک کشتی آئی تو حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا ہمیں لے چلو۔ کشتی والوں نے کہا کشتی میں جگہ کم ہے آپ علیہ السلام اس کشتی میں اپنی اہلیہ کو سوار کرا دیں پھر حضرت یونس علیہ السلام اور ان کے دو بیٹے رہ گئے پھر ایک کشتی آئی حضرت یونس علیہ السلام اس کی طرف بڑھے ان کا ایک بیٹا دجلہ کے کنارے آیا اس کا پاؤں پھسل گیا اور وہ دریا میں ڈوب گیا اور بھیڑیا آیا اور وہ دوسرے بیٹے کو کھا گیا۔ تب حضرت یونس علیہ السلام نے جان لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے وہ اس دوسری کشتی میں سوار ہو گئے جب کشتی درمیان میں پہنچی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے کشتی چکر کھانے لگی۔ کشتی والوں نے آپس میں کہا اس کا کیا سبب ہے۔ لوگوں نے کہا ہمیں پتہ نہیں۔ حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا مجھے معلوم ہے۔ ایک بندہ اپنے رب عزوجل سے بھاگ نکلا ہے یہ کشتی اس وقت چلے گی جب تم اس کو دریا میں پھینک دو گے۔ لوگوں نے پوچھا وہ کون ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا وہ میں ہوں۔ لوگوں نے کہا: اگر وہ آپ علیہ السلام ہیں تو ہم آپ علیہ السلام کو ہرگز نہیں پھینکیں گے بخدا ہم کو یقین ہے کہ آپ علیہ السلام ہی کے وسیلہ سے ہم کو اس مصیبت سے نجات ملے گی پھر انہوں نے قرعہ اندازی کی اور کہا جس کے نام قرعہ نکلے گا ہم اس کو دریا میں ڈال دیں گے۔ انہوں نے قرعہ اندازی کی تو حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکل آیا لیکن انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو دریا میں ڈالنے سے انکار کیا پھر دوبارہ قرعہ اندازی کی پھر حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے کہا مجھے دریا میں ڈال دو اور اللہ تعالیٰ نے ایک مچھلی کو حکم دیا کہ وہ حضرت یونس علیہ السلام کو نگل لے مگر حضرت یونس علیہ السلام کو خراش نہ آئے نہ ان کی ہڈی ٹوٹے وہ میرے نبی اور میرے برگزیدہ بندے ہیں وہ مچھلی چالیس دن تک دریا میں تیرتی رہی اور حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں جنات اور مچھلیوں کی تسبیح سنتے رہے۔ حضرت یونس علیہ السلام تسبیح اور تہلیل کرتے رہے۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:108 تا 112 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کی رب تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں دعا

حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں تسبیح اور تہلیل کرتے رہے اور کہتے تھے اے میرے مالک و مولیٰ! تو نے مجھے پہاڑوں سے اتار کر شہروں میں پھرایا اور تین اندھیروں میں مجھے قید کر دیا ایک پانی کا اندھیرا، دوسرا رات کا اندھیرا اور تیسرا مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا تو نے میری ایسی آزمائش کی کہ مجھ سے پہلے کسی اور کی آزمائش نہیں فرمائی۔

امام ابو القاسم علی بن الحسن المعروف با بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

اور کہتے تھے۔

اے میرے مالک و مولیٰ! تو نے مجھے پہاڑوں سے اتارا، شہروں میں پھرایا اور تین اندھیروں میں مجھے مقید کر دیا رات کا

اندھیرا، پانی کا اندھیرا اور مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا تو نے مجھے ایسی سزا دی ہے کہ مجھ سے پہلے کسی کو ایسی سزا نہیں دی تھی۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص108 تا 112 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کی چالیس دن مکمل ہونے کے بعد دعا

جب چالیس دن مکمل ہو گئے تو حضرت یونس علیہ السلام نے عرض کیا اے اللہ عزوجل! تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں تو پاک ہے بے شک میں زیادتی کرنے والوں میں سے تھا۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

جب چالیس دن پورے ہو گئے تو

فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَo (الانبیاء:87)

پھر تاریکیوں میں انہوں نے پکارا (اے اللہ عزوجل) تیرے سوا عبادت کا کوئی مستحق نہیں تو پاک ہے بے شک میں زیادتی کرنے والوں میں سے تھا۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص108 تا 112 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

فرشتوں کا حضرت یونس علیہ السلام کے رونے کی آواز سننا

حضرت یونس علیہ السلام کے رونے کی آواز فرشتوں نے سنی اور آپ علیہ السلام کو آواز سے پہچان لیا۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

پھر فرشتوں نے ان کے رونے کی آواز سنی اور آپ علیہ السلام کو آواز سے پہچان لیا۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص108 تا 112 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کی گریہ وزاری کی وجہ سے فرشتوں کا رونا

حضرت یونس علیہ السلام کی گریہ وزاری کی وجہ سے فرشتے بھی رونے لگ گئے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

اور آپ علیہ السلام کے گریہ وزاری کی وجہ سے فرشتے بھی رونے لگے۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص108 تا 112 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

فرشتوں کا رب تعالیٰ کی بارگاہ مقدس میں عرض کرنا

فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی مقدس بارگاہ میں عرض کیا: اے ہمارے رب عزوجل! یہ ایک غمزدہ شخص کی کمزور آواز ہے جو کسی اجنبی جگہ میں ہے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

اور ان فرشتوں نے عرض کیا:

اے ہمارے رب عزوجل! یہ ایک غمزدہ شخص کی کمزور آواز ہے جو کسی اجنبی جگہ میں ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:28،ص108 تا 112 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

رب تعالیٰ کا فرشتوں کو جواب دینا

جب فرشتوں نے کہا: اے ہمارے رب عزوجل! یہ ایک غمزدہ شخص کی کمزور آواز ہے جو کسی اجنبی جگہ میں ہے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یہ میرا بندہ یونس (علیہ السلام) ہے اس سے ایک (اجتہادی) خطا ہو گئی تو میں نے اس کو دریا میں مچھلی کے پیٹ میں قید کر لیا۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف با بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یہ میرا بندہ یونس ہے اس سے ایک (اجتہادی) خطا ہو گئی تو میں نے اس کو دریا میں مچھلی کے پیٹ میں قید کر لیا۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:28،ص108 تا 112 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فرشتوں کا حضرت یونس علیہ السلام کو نیک بندہ کہنا

جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یہ میرا بندہ یونس علیہ السلام ہے اس سے ایک (اجتہادی) خطا ہو گئی تو میں نے اس کو دریا میں مچھلی کے پیٹ میں قید کر لیا تو فرشتوں نے عرض کیا: اے رب عزوجل! یہ نیک بندہ ہے صبح اور شام اس کے بکثرت نیک اعمال آسمانوں کے اوپر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ہاں!

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف با بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

فرشتوں نے کہا:

اے رب عزوجل! یہ نیک بندہ ہے صبح اور شام اس کے بکثرت اعمال آسمانوں کے اوپر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ہاں! (مختصر تاریخ دمشق: ج:28،ص108 تا 112 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں فرشتوں کی حضرت یونس علیہ السلام پر رحم کرنے اور مصیبت سے نجات دینے کی عرض

فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی اے ہمارے رب عزوجل! کیا تو اس پر رحم نہیں کرے گا جو وہ خوشحالی میں کرتا تھا اور تو اسے مصیبت میں نجات نہیں دے گا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: کیوں نہیں۔ پھر مچھلی کو حکم دیا تو اس نے آپ علیہ السلام کو محفوظ کر دیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب حضرت یونس علیہ السلام نے اپنے آپ کو سمندر میں پھینکا تو مچھلی نے انہیں لقمہ بنا لیا وہ انہیں لے کر نیچے بیٹھ گئی حتیٰ

کہ وہ وہاں جا پہنچی جہاں پانی پھوٹتا ہے یا اس جیسا کوئی حکم ارشاد فرمایا تو حضرت یونس علیہ السلام نے زمین کی تسبیح کو سنا تو اسی وقت ندا کی۔

فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ o

دعا عرش کے گرد گھومنے لگی۔

فرشتوں نے عرض کیا: اے ہمارے رب عزوجل! ہم دور دراز علاقوں سے ایک کمزور آواز سنتے ہیں۔

استفسار فرمایا: تم اسے جانتے ہو۔

فرشتوں نے عرض کیا: نہیں۔

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وہ میرا بندہ یونس علیہ السلام ہے۔

فرشتوں نے عرض کیا: وہ جس کے ہم ہمیشہ قبول عمل لاتے رہے اور قبول کی ہوئی دعائیں لاتے رہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ہاں!

فرشتوں نے عرض کیا: اے ہمارے رب عزوجل! کیا تو اس پر رحم نہیں کرے گا جو وہ خوشحالی میں کرتا تھا اور تو اسے مصیبت میں نجات نہیں دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

کیوں نہیں! تو مچھلی کو حکم دیا تو اس نے اسے محفوظ کر دیا۔ (تفسیر عبدالرزاق: ج:3: ص:105 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

فرشتوں کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں حضرت یونس علیہ السلام کی سفارش کرنا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں محبوس رکھنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو وحی کی کہ اس کو پکڑے نہ اس کا گوشت نوچے اور نہ ہی اس کی ہڈیاں توڑے۔ مچھلی نے آپ علیہ السلام کو پکڑ لیا پھر سمندر میں اپنے مسکن میں بیٹھ گئی جب مچھلی انہیں سمندر کی پست ترین جگہ لے گئی تو حضرت یونس علیہ السلام نے حس سی سنی جبکہ وہ مچھلی کے پیٹ میں تھے۔ دل میں کہا یہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کی طرف وحی کی جبکہ آپ علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں تھے یہ زمین کے جانوروں کی تسبیح ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے تسبیح بیان کی جبکہ وہ مچھلی کے پیٹ میں تھے۔ انہوں نے کہا: اے ہمارے رب عزوجل! زمین کے دور دراز حصہ سے ہم کمزوری آواز سنتے ہیں۔ ارشاد فرمایا: وہ میرا بندہ یونس ہے اس نے میری نافرمانی کی تھی تو میں نے اسے مچھلی کے پیٹ میں محبوس کر دیا ہے۔ فرشتوں نے عرض کی وہ صالح بندہ جس کے نیک اعمال ہر روز تیری بارگاہ میں پیش کیے جاتے تھے؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ہاں! فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں آپ علیہ السلام کی سفارش کی۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا تو مچھلی نے انہیں ساحل پر پھینک دیا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وَهُوَ سَقِیْمٌ o"۔ (تفسیر طبری: ج:17: ص:96 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کی اپنے اولیاء اور دشمن پر گرفت

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء پر اس طرح گرفت فرماتا ہے تو غور کرو وہ اپنے دشمنوں پر کیسی گرفت فرمائے گا۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:113 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کی فرشتوں نے شفاعت کی

حضرت یونس علیہ السلام کی فرشتوں نے شفاعت کی۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت یونس علیہ السلام کی فرشتوں نے شفاعت کی۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:113 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کی دعا قبول ہوگئی

جب حضرت یونس علیہ السلام نے رب تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں دعا کی تو رب تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی دعا کو قبول فرمالیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(الانبیاء: 87 تا 88)

اور مچھلی والے (یونس) کو یاد کیجئے جب وہ (اپنی قوم پر) غضب ناک ہو کر نکلے تو انہوں نے یہ گمان کیا کہ ہم ہرگز ان پر تنگی نہیں کریں گے پھر انہوں نے تاریکیوں میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو پاک ہے بے شک میں (ہی) زیادتی کرنے والوں میں سے تھا۔ تو ہم نے ان کی پکار سن لی اور ان کو غم سے نجات دے دی اور ہم اسی طرح مومنوں کو نجات دیتے ہیں۔

تسبیح نہ کرنے والوں میں سے ہوتے تو یوم حشر تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو وہ ضرور یوم حشر تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ۝ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ۝ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ (الصافات: 140 تا 144)

جب وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگے پھر قرعہ اندازی کرائی تو وہ مغلوبین میں سے ہو گئے اور ان کو مچھلی نے نگل لیا درآنحالیکہ وہ خود کو ملامت کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو وہ ضرور یوم حشر تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے۔

اللہ تعالیٰ کا حضرت جبرائیل علیہ السلام کو مچھلی کے پاس جانے کا حکم

جب فرشتوں نے حضرت یونس علیہ السلام کی شفاعت کی تو تب اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اس مچھلی کے پاس بھیجا کہ جس جگہ سے اس نے حضرت یونس علیہ السلام کو نگلا تھا وہیں ان کو اگل دے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی فرشتوں نے شفاعت کی تب اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اس مچھلی کے پاس بھیجا کہ جس جگہ سے اس نے حضرت یونس علیہ السلام کو نگلا تھا وہیں ان کو اگل دے۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:112 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

مچھلی کا دریا کے کنارے آنا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کا حضرت یونس علیہ السلام کو سلام کرنا

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو مچھلی کے پاس بھیجا تو آپ علیہ السلام دریا کے کنارے تشریف لائے اور مچھلی بھی دریا کے کنارے آئی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام مچھلی کے منہ کے قریب پہنچے اور کہا السلام علیک یا یونس! رب العزت آپ علیہ السلام پر سلام پڑھتا ہے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

وہ مچھلی دریا کے کنارے آئی اور حضرت جبرائیل علیہ السلام مچھلی کے منہ کے قریب پہنچے اور کہا: السلام علیک یا یونس! رب العزت آپ علیہ السلام پر سلام پڑھتا ہے۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:112 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کا حضرت جبرائیل علیہ السلام کو جواب دینا

جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے سلام کیا تو حضرت یونس علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا: اس آواز کے لئے مرحبا جس آواز کے متعلق میرا یہ گمان تھا کہ وہ اب مجھے کبھی سنائی نہیں دے گی۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا:

اس آواز کے لئے مرحبا ہو جس آواز کے متعلق میرا یہ گمان تھا کہ وہ اب مجھے کبھی سنائی نہیں دے گی۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:112 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا مچھلی کو حضرت یونس علیہ السلام کے اگل دینے کا حکم

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مچھلی کو حکم ارشاد فرمایا تم اللہ تعالیٰ کا نام لے کر حضرت یونس علیہ السلام کو اگل دو۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

پھر جبرائیل علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

تم اللہ تعالیٰ کا نام لے کر حضرت یونس علیہ السلام کو اگل دو۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:28،ص:112 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مچھلی کا حضرت یونس علیہ السلام کو اگلنا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کا گود میں لینا

جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مچھلی کو حضرت یونس علیہ السلام کے اگل دینے کا فرمایا تو مچھلی نے آپ علیہ السلام کو اگل دیا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کو گود میں لے لیا۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

مچھلی نے حضرت یونس علیہ السلام کو اگلا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کو گود میں لے لیا۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:28،ص:112 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کا جسم نوزائیدہ بچہ کی طرح ملائم تھا

جب مچھلی نے حضرت یونس علیہ السلام کو اگلا تو اس وقت آپ علیہ السلام کا جسم اس طرح تھا جیسے نوزائیدہ بچہ ہو۔

اس وقت حضرت یونس علیہ السلام کا جسم اس طرح ملائم تھا جیسے نوزائیدہ بچہ ہو۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:28،ص:112 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کا کھلے میدان میں ہونا

جب مچھلی نے حضرت یونس علیہ السلام کو اگلا تو اس نے کھلے میدان میں آپ علیہ السلام کو رکھ دیا تھا۔

قرآن مجید میں ہے:

فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ۝ (الصافات:145)

تو ہم نے ان کو کھلے میدان میں ڈال دیا درآنحالیکہ وہ بیمار تھے۔

کدو کا درخت اگانا

جب مچھلی نے حضرت یونس علیہ السلام کو زمین پر اگلا تو اللہ تعالیٰ نے زمین پر پھیلنے والا کدو کا درخت اگا دیا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ۝ (الصافات:146)

اور ہم نے ان پر زمین پر پھیلنے والا کدو کا درخت اگا دیا۔

زمین پر پھیلنے والا کدو اگنا

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب مچھلی نے دریاد جلہ کے کنارے حضرت یونس علیہ السلام کو اگلا تو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت زمین پر پھیلنے والا کدو کا درخت اگا دیا۔(مختصر تاریخ دمشق: ج:28،ص:114 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

کدو کی بیل کا بہت گھنا سایہ تھا

کدو کی بیل کا بہت گھنا سایہ تھا۔

امام ابو القاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت حسن سے روایت ہے کہ

کدو کی بیل کا سایہ بہت گھنا تھا۔(مختصر تاریخ دمشق: ج:28،ص:114 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام بیل کی شاخوں کو بچہ کے دودھ چوسنے کی مانند چوستے

حضرت یونس علیہ السلام بیل کی شاخوں کو اس طرح چوستے تھے جس طرح بچہ دودھ چوستا ہے۔

امام ابو القاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت حسن سے روایت ہے کہ

کدو کی بیل کا سایہ بہت گھنا تھا۔حضرت یونس علیہ السلام اس کی شاخوں کو اس طرح چوستے تھے جس طرح بچہ دودھ چوستا ہے۔(مختصر تاریخ دمشق: ج:28،ص:114 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کدو کی بیل کا سایہ حاصل کرتے

حضرت یونس علیہ السلام کدو کی بیل کا سایہ بھی حاصل کرتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اس کو اگلا گیا تو اسے کدو کی بیل کی جڑ کے پاس اگلا گیا وہ اس وقت بچے کی حالت میں تھے وہ اس بیل کے سائے سے سایہ حاصل کرتے۔الخ (تفسیر عبد الرزاق: ج:3،ص:105 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

خشکی کی بیل کو اگانا

اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام پر کدو کی بیل کو اگا دیا جو خشکی کی بیل تھی۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر متوفی 310ھ لکھتے ہیں: حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ جب حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں گئے تو مچھلی نے آپ علیہ السلام کو سات سمندروں میں پھرایا پھر انہیں دجلہ کے کنارے لے آئی اور دجلہ کے کنارے آپ علیہ السلام کو اگل دیا۔اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام پر کدو کی بیل کو اگا دیا جو خشکی کی بیل ہے۔(تفسیر طبری: ج:23،ص:124 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے حضرت یونس علیہ السلام پر کدو کی بیل اگا دی

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے حضرت یونس علیہ السلام پر کدو کی بیل اگا دی۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن قیس رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ۔

انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ مچھلی نے آپ علیہ السلام کو خالی جگہ پھینک دیا اللہ تعالیٰ نے اس پر کدو کی بیل پیدا کر دی۔ ہم نے کہا: اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! یہ یَقْطِیْنٍ کیا ہے؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کدو کا درخت۔

اللہ تعالیٰ نے ایک جنگلی بکری آپ علیہ السلام کے لئے تیار کی جو زمین کے کیڑے مکوڑے کھاتی آپ علیہ السلام پر ٹانگوں کو پھیلا دیتی اور صبح وشام آپ علیہ السلام کو دودھ پلاتی حتیٰ کہ آپ علیہ السلام توانا ہو گئے۔

ابن ابی الصلت نے اسلام سے قبل ان کے بارے میں ایک شعر کہا۔

فانبت یقطینا علیہ برحمۃ　　من اللہ لو لا اللہ الفی صناحیا

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اس پر کدو کی بیل اگا دی اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت ان پر نہ ہوتی تو کوئی چیر نے پھاڑنے والا درندہ پاتے۔ (تفسیر طبری: ج:23، ص:122 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یقطین سے مراد کیا ہے؟

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یقطین سے مراد کدو ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یقطین سے مراد کدو ہے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ یقطین سے مراد کدو ہے۔

حضرت عکرمہ اور حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہما سے روایت ہے کہ یقطین سے مراد کدو ہے۔

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کدو یا ایسا درخت جس کا تنا نہ ہو۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ہر درخت جس کا تنا نہ ہو وہ یقطین ہوتا ہے۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

آپ سے یقطین کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا وہ کدو ہے انہوں نے کہا نہیں بلکہ وہ ایسا درخت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے یقطین کا نام دیا جس نے آپ علیہ السلام کو سایہ دیا تھا۔ (تفسیر طبری: ج:23، ص:121 تا 124 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بکری کا دودھ پینا

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں: حضرت حسن سے روایت ہے کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے منہ سے نکال کر چٹیل میدان میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے

آپ علیہ السلام کے پاس ایک پہاڑی بکری بھیجی جو اپنا تھن حضرت یونس علیہ السلام کے منہ سے لگا دیتی تھی اور حضرت یونس علیہ السلام اس کو چوس کر دودھ پیتے تھے اس وقت ان کا جسم نحیف اور لاغر ہو کر بالکل دبلا ہو گیا تھا اور رفتہ رفتہ ان کی طاقت اور توانائی بحال ہوتی گئی۔ (تاریخ دمشق: ج:69 ص:250 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ سے شفق غائب ہونے کے وقت باہر آئے

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فجر کی نماز کے وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی تھی اور ظہر کی نماز کے وقت حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی تھی اور عصر کی نماز کے وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی تھی اور مغرب کی نماز کے وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی بشارت دی تھی اور عشاء کی نماز کے وقت حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نکالا تھا اس وقت شفق غائب ہو چکی تھی۔ (تاریخ دمشق: ج:9 ص:251 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

شکرانے کے طور پر چار رکعت نماز پڑھنا

جب حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ سے باہر تشریف لائے تو آپ علیہ السلام نے شکرانے کے طور پر چار رکعت نماز پڑھی۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں:

اور آسمان پر ستاروں کا جال بن چکا تھا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے چار رکعت نماز پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے ان نمازوں کو میرے اور میری امت کے لئے خالص کر دیا تا کہ یہ نمازیں میری امت کے گناہوں کا کفارہ ہوں اور ان کے درجات کی بلندی کا ذریعہ ہوں۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:69 ص:251 تا 252 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بیل کے خشک ہونے پر رونا

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی 235ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت یونس علیہ السلام نے قوم سے عذاب کا وعدہ کیا اور انہیں بتایا کہ تین دنوں میں انہیں عذاب آئے گا۔ انہوں نے ماں اور بچہ میں جدائی کر دی پھر وہ نکلے اللہ تعالیٰ کی مقدس بارگاہ میں گڑگڑائے اللہ تعالیٰ سے بخشش کے خواستگار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو روک لیا۔ حضرت یونس علیہ السلام عذاب کا انتظار کرتے رہے اور کچھ بھی نہ دیکھا ان کا قانون تھا جو جھوٹ بولے اور اس کے گواہ نہ ہوں تو اسے قتل کر دیا جائے۔ آپ علیہ السلام ناراض ہو کر چل دیئے حتیٰ کہ کشتی میں ایک

جماعت تک پہنچے انہوں نے آپ علیہ السلام کو کشتی میں سوار کر لیا اور انہیں پہچان بھی لیا۔ جب آپ علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تو کشتی رک گئی جبکہ دائیں بائیں کشتیاں چل رہی تھیں۔ پوچھا تمہاری کشتی کو کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا: ہمیں کچھ معلوم نہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا:

میں جانتا ہوں کہ اس کشتی میں ایک غلام ہے جو اپنے مالک سے بھاگا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ کشتی اس وقت تک نہیں چلے گی جب تک تم اسے پانی میں نہیں پھینکو گے۔

حضرت یونس علیہ السلام نے انہیں فرمایا:

قرعہ اندازی کرو جس آدمی کے نام قرعہ نکلے اسے سمندر میں پھینک دو۔ انہوں نے قرعہ نکالا۔ تین دفعہ قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا۔ آپ علیہ السلام کو سمندر میں پھینک دیا گیا جبکہ ایک مچھلی کی ذمہ داری لگا دی گئی جب آپ علیہ السلام کو پھینکا گیا تو مچھلی نے آپ علیہ السلام کو نگل لیا اور اسے زمین میں اپنی قرار گاہ تک لے گئی۔ حضرت یونس علیہ السلام نے سنگریزوں کی تسبیح سنی تو انہوں نے تاریکیوں میں یوں ندا کی۔

"لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ o"

یہاں تاریکیوں سے مراد مچھلی کے پیٹ کی تاریکی، سمندر کی تاریکی اور رات کی تاریکی تو مچھلی نے آپ علیہ السلام کو ایسی جگہ پھینک دیا جہاں کوئی گھاس یا سبزہ نہیں تھا ایسے پرندے کی مانند جس پر کوئی پر نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام پر کدو کی ایک بیل پیدا کر دی۔ آپ علیہ السلام اس بیل سے سایہ حاصل کرتے اور اس سے فائدہ حاصل کرتے جب وہ بیل خشک ہو گئی تو آپ علیہ السلام رونے لگ گئے۔ الخ (مصنف ابن ابی شیبہ: ج:6، ص:338 مطبوعہ مکتبۃ الزمان مدینہ منورہ)

اللہ تعالیٰ کی حضرت یونس علیہ السلام کی طرف وحی فرمانا

اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ تو درخت کے خشک ہونے پر روتا ہے جبکہ ایک لاکھ یا زائد آدمیوں کی ہلاکت پر نہیں روتا جن کے ہلاک ہونے کا تو نے ارادہ کیا؟

الخ (مصنف ابن ابی شیبہ: ج:6، ص:338 مطبوعہ مکتبۃ الزمان مدینہ منورہ)

حضرت یونس علیہ السلام پر چالیس دن مچھلی کے پیٹ میں انعام فرمانا

اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام پر چالیس دن اور رات تک مچھلی کے پیٹ میں انعام فرمایا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت سعید بن ابی الحسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اگر (حضرت یونس علیہ السلام نے) پہلے اس کی عبادت اور تسبیح نہ کی ہوتی جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اسے اس وقت آغوش رحمت میں لیا جس کی وجہ سے اسے مصیبت پہنچی تھی چالیس دن اور رات مچھلی کے پیٹ میں اس پر انعام فرمایا پھر اسے ماں کے پیٹ سے نکالا اور اس پر نظر رحمت فرمائی۔ (تفسیر طبری: ج:17، ص:94 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں کتنے دن رہے؟

حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں کتنے دن رہے؟ اس میں اختلاف ہے۔

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی 405ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں چالیس دن گزارے۔ (مستدرک: ج:2،ص:638 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی 235ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں چالیس دن رہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ج:6،ص:338 مطبوعہ مکتبۃ الزمان مدینہ منورہ)

حضرت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں چالیس دن رہے۔ (تفسیر عبدالرزاق: ج:3،ص:104 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ لکھتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جس مچھلی نے حضرت یونس علیہ السلام کو لقمہ بنایا تھا اسے نجم کہتے ہیں وہ تین دن تک اس کے پیٹ میں رہے۔ حضرت یونس علیہ السلام آسودگی کے دور میں بہت زیادہ نماز پڑھتے تھے تو وہ نجات پا گئے۔

للبث فی بطنه تو مچھلی کا پیٹ اس کے لئے قبر بن گیا۔

الی یوم یبعثون قیامت کے دن تک عراء سے مراد دجلہ کا کنارہ ہے۔ نینوا دجلہ کے کنارے ہے وہ ان کے پیٹ میں چالیس دن تک رہے۔ مچھلی آپ علیہ السلام کو دجلہ میں لے کر پھرتی رہی۔

(تفسیر طبری: ج:23،ص:120 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف با بن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں صرف تین دن اور تین راتیں رہے تھے۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:28،ص:114 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

امام ابن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں: حضرت یونس علیہ السلام کے مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی مدت میں اختلاف ہے۔

حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ

چاشت کے وقت مچھلی نے آپ علیہ السلام کو نگلا تھا اور شام کے وقت اگل دیا۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ وہ اس میں تین دن رہے تھے۔

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

وہ اس میں سات دن رہے تھے۔

اور حضرت سعید بن ابوالحسن اور ابو مالک رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا:

وہ اس میں چالیس دن رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کو ہی علم ہے وہ اس میں کتنی مدت رہے تھے۔

(البدایہ والنہایہ: ج: 1، ص: 321 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ کرتے تھے

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ جب وہ مچھلی کے پیٹ میں تھے تو انہوں نے کہا تیری عزت کی قسم! میں تیرے لئے ایسی جگہ مسجد بناؤں گا جہاں کسی نے تیرے لیے مسجد نہ بنائی ہوگی اور وہ مچھلی کے پیٹ میں ہی اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اگر وہ تسبیح کرنے والوں (نماز پڑھنے والوں) میں سے نہ ہوتے تو وہ ضرور یوم حشر تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج: 28، ص: 115 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کی نمازوں کو قبول فرمالیا

امام ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت حسن نے روایت کیا ہے کہ

انہوں نے پہلے جو نمازیں پڑھی تھیں اللہ تعالیٰ نے ان کو قبول فرمایا اور ان کو مچھلی کے پیٹ سے نجات دی۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج: 28، ص: 115 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کا سجدہ

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی 405ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت یونس علیہ السلام آسودگی کے دور میں کثرت سے نماز پڑھتے جب مچھلی کے پیٹ میں گئے تو گمان کیا کہ یہ موت ہے تو اپنے پاؤں کو حرکت دی تو وہ حرکت کر رہی تھی تو آپ علیہ السلام نے سجدہ کیا۔ عرض کی میں نے تیری بارگاہ میں وہاں سجدہ کیا جہاں کسی نے بھی سجدہ نہ کیا۔ (مستدرک: ج: 2، ص: 640 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

سونے کے بعد اٹھنے پر بیل کو خشک پاکر غمگین ہونا

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ وہ حضرت یونس علیہ السلام کو نہ تکلیف پہنچائے اور نہ ہی انہیں زخمی کرے اللہ تعالیٰ کا فرمان

ہے فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ٥ یعنی آپ اس سے پہلے عبادت گزاروں میں سے تھے۔ حضرت یونس علیہ السلام کی عبادت کا ذکر کیا جب آپ علیہ السلام سمندر سے باہر نکلے تو آپ علیہ السلام سو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام پر کدو کی بیل اگا دی اس نے آپ علیہ السلام کو سایہ کر دیا وہ ایک دن میں اتنی بڑی ہوگئی کہ حضرت یونس علیہ السلام نے اسے دیکھا کہ وہ آپ علیہ السلام کو سایہ کر رہی ہے اس کی سرسبزی کو دیکھا جس نے آپ علیہ السلام کو خوش کیا پھر آپ علیہ السلام سو گئے پھر جاگے تو خشک ہو چکی تھی آپ علیہ السلام اس بیل کے خشک ہونے پر غمگین ہونے لگے۔

حضرت یونس علیہ السلام سے کہا گیا۔

تو نے نہ اسے پیدا کیا نہ اسے پانی دیا اور نہ اسے اگایا اب پھر اس پر غمگین ہوتا ہے جبکہ میں نے ایک لاکھ یا اس سے زائد انسان پیدا کئے میں نے ان پر رحم کیا تو یہ بات آپ علیہ السلام پر شاق گزری۔

(تفسیر عبدالرزاق: ج:23، ص:108 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

مچھلی سے باہر آنے پر کوئی بال، جلد اور ناخن نہ تھا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ لکھتے ہیں:

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو اپنی قوم کی طرف بھیجا تاکہ قوم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف دعوت دیں اور جو طرز عمل انہوں نے اپنا رکھا ہے اسے ترک کر دیں۔ حضرت یونس علیہ السلام ان کے پاس آئے انہیں دعوت دی۔ قوم کے افراد نے بات ماننے سے انکار کر دیا۔ حضرت یونس علیہ السلام اپنے رب عزوجل کی طرف متوجہ ہوئے۔ عرض کی اے میرے اللہ! میری قوم نے میری بات ماننے سے انکار کر دیا ہے اور مجھے جھٹلایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ان کے پاس واپس جاؤ اگر وہ ایمان لے آئیں اور تیری تصدیق کریں تو بہتر ورنہ انہیں بتا کہ عذاب کل ان پر آجائے گا۔

حضرت یونس علیہ السلام ان کے پاس آئے انہیں دعوت دی مگر انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا۔

حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا:

کل صبح تم پر عذاب آجائے گا پھر ان کے پاس سے چلے گئے جب نصف رات ہوئی تو بورا لیا اس میں اپنا کھانا رکھا پھر نکل گئے جب انہوں نے عذاب دیکھا ماؤں اور بچوں کو الگ کر دیا خواہ وہ جانوروں کے تھے یا انسانوں کے۔ پھر حضرت یونس علیہ السلام کی دعوت پر ایمان لاتے ہوئے اور آپ علیہ السلام کی تصدیق کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں آہ و زاری کرنے لگے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس قوم سے یہ دیکھا بعد اس کے کہ عذاب ان پر چھایا ہوا جا رہا تھا جس طرح قبر کو کپڑے سے ڈھانپا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو دور کر دیا۔ حضرت یونس علیہ السلام عذاب دیکھنے کے لئے رکے رہے۔ جب صبح ہوئی قوم کو بستی سے نکلتے ہوئے دیکھا انہیں کوئی عذاب نہیں پہنچا تھا۔

تو حضرت یونس علیہ السلام نے کہا:

نہیں! اللہ تعالیٰ کی قسم! میں ان کے پاس نہیں آؤں گا کیونکہ وہ مجھے جھٹلا چکے ہیں۔ حضرت یونس علیہ السلام ناراض ہو کر نکلے لوگوں کو دیکھا کہ کشتی میں سوار ہو رہے ہیں۔ حضرت یونس علیہ السلام بھی ان کے ساتھ سوار ہو گئے جب کشتی انہیں لے کر چلی تو وہ رک گئی۔

قوم نے کہا:

تم میں سے کوئی ایسا آدمی ہے جو سخت گناہ گار ہے قرعہ اندازی کرو سب غرق نہ ہوں۔ قوم نے قرعہ اندازی کی تو حضرت یونس علیہ السلام کے نام قرعہ نکلا۔

لوگوں نے کہا:

ہم اللہ تعالیٰ کے نبی کو پانی میں نہیں پھینکیں گے تمہارے تیر خلط ملط ہو گئے تھے۔ دوبارہ تیر اکٹھے کرو اور قرعہ اندازی کرو پھر بھی حضرت یونس علیہ السلام کے نام قرعہ نکلا جب حضرت یونس علیہ السلام نے یہ دیکھا تو قوم سے فرمایا مجھے پانی میں پھینک دو تم سب غرق نہ ہو۔ لوگوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو پانی میں پھینک دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو ذمہ داری سونپی۔ مچھلی نے انہیں نگل لیا نہ وہ آپ علیہ السلام کی ہڈی توڑتی اور نہ آپ علیہ السلام کا گوشت کھاتی۔ مچھلی انہیں سمندر کی گہرائی میں لے گئی۔ جب آپ علیہ السلام پر رات تاریک ہو گئی تو تین تاریکیوں میں اللہ تعالیٰ کے حضور التجاء کی۔ مچھلی کے پیٹ کی تاریکی، رات کی تاریکی اور سمندر کی تاریکی۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ○

اللہ تعالیٰ نے مچھلی کی طرف وحی کی کہ اسے سمندر میں پھینک دو مچھلی پانی سے اوپر ہوئی اور آپ علیہ السلام کو خشکی پر اگل دیا۔ آپ علیہ السلام پر کوئی بال، کوئی جلد اور کوئی ناخن نہ تھا جب ان پر سورج طلوع ہوا تو سورج کی گرمی نے انہیں اذیت دی۔ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے التجاء کی تو آپ علیہ السلام پر کدو کی بیل اگ آئی۔ (درمنثور، ج:5، ص810 تا 811 مطبوعہ کراچی)

حضرت یونس علیہ السلام کا صحت مند ہونے کے بعد چرواہے کے پاس گزر ہونا اور ان سے اپنے متعلق پوچھنا

حضرت یونس علیہ السلام جب صحت مند ہو گئے تو آپ علیہ السلام کا گزر ایک چرواہے کے پاس سے ہوا آپ علیہ السلام نے اس سے پوچھا حضرت یونس علیہ السلام کا کیا حال ہے اس نے کہا مجھے تو کوئی علم نہیں مگر وہ سب سے نیک اور سب سے زیادہ صادق شخص تھے انہوں نے ہی ہم کو عذاب کے آنے کی خبر دی تھی پھر ان کے فرمانے کے مطابق عذاب کے آثار نمودار ہو گئے تھے تو ہم سب نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدسہ میں توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ کو قبول فرما لیا۔ اور ہم پر رحم فرمایا اور ہم اس کو ڈھونڈ رہے ہیں۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

صحت مند ہونے کے بعد حضرت یونس علیہ السلام کا گزر ایک چرواہے کے پاس سے ہوا۔ آپ علیہ السلام نے اس سے پوچھا حضرت یونس علیہ السلام کا کیا حال ہے؟

اس نے عرض کیا:

مجھے ان کا حال معلوم نہیں البتہ وہ سب سے نیک اور سب سے زیادہ سچے آدمی تھے انہوں نے ہمیں عذاب آنے کی خبر دی تھی پھر ان کے فرمانے کے مطابق عذاب کے آثار نمودار ہو گئے پھر ہم سب نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحم فرمایا اور اب ہم حضرت یونس علیہ السلام کو ڈھونڈ رہے ہیں کہ وہ کہاں ہیں ہم نے ان کی کوئی خبر نہیں سنی۔

(تاریخ دمشق: ج: 69، ص: 252 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کا چرواہے سے دودھ پوچھنا اور اس کا دودھ نہ ہونے کی وجہ بتانا

حضرت یونس علیہ السلام نے چرواہے سے پوچھا۔ کیا تمہارے پاس دودھ ہے اس نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے حضرت یونس علیہ السلام کو عزت عطا فرمائی جب سے حضرت یونس علیہ السلام ہمارے پاس سے گئے ہیں نہ تو بارش ہوئی ہے اور نہ ہی سبزہ اگا ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام نے اس سے پوچھا۔

تمہارے پاس دودھ ہے۔

اس نے عرض کیا:

اس ذات کی قسم جس نے حضرت یونس علیہ السلام کو عزت دی ہے جب سے حضرت یونس علیہ السلام ہمارے پاس سے گئے ہیں نہ تو بارش ہوئی ہے نہ سبزہ اگا ہے۔ (تاریخ دمشق: ج: 69، ص: 252 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کا دنبی پر ہاتھ پھیرنا اور اس سے دودھ کا آنا

جب چرواہے نے کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے حضرت یونس علیہ السلام کو عزت دی ہے جب سے حضرت یونس علیہ السلام ہمارے پاس سے گئے ہیں نہ تو بارش ہوئی ہے نہ سبزہ اگا ہے تو حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا تم میرے پاس کوئی دنبی لاؤ پھر حضرت یونس علیہ السلام نے اس کے پیٹ پر ہاتھ پھیرا اور ارشاد فرمایا اب اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس کا دودھ دوہو اس نے دودھ دوہا اور حضرت یونس علیہ السلام نے وہ دودھ پیا۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا:

تم میرے پاس کوئی دنبی لاؤ پھر حضرت یونس علیہ السلام نے اس کے پیٹ پر ہاتھ پھیرا اور ارشاد فرمایا اب اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس کا دودھ دوہو اس نے دودھ دوہا اور حضرت یونس علیہ السلام نے وہ دودھ پیا۔

(تاریخ دمشق: ج: 69، ص: 252 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

چرواہے کا کہنا کہ اگر حضرت یونس علیہ السلام زندہ ہیں تو آپ علیہ السلام ہی حضرت یونس علیہ السلام ہیں

چرواہے نے معجزہ دیکھ کر کہا کہ اگر حضرت یونس علیہ السلام زندہ ہیں تو آپ علیہ السلام ہی حضرت یونس علیہ السلام ہیں۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں:

اس چرواہے نے کہا:

اگر حضرت یونس علیہ السلام زندہ ہیں تو پھر آپ علیہ السلام ہی حضرت یونس علیہ السلام ہیں۔

(تاریخ دمشق: ج:69، ص:252 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کا فرمانا کہ میں ہی یونس علیہ السلام ہوں

جب چرواہے نے یہ کہا: اگر حضرت یونس علیہ السلام زندہ ہیں تو پھر آپ علیہ السلام ہی حضرت یونس علیہ السلام ہیں۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا میں ہی حضرت یونس علیہ السلام ہوں۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں:

آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

میں ہی (حضرت) یونس (علیہ السلام) ہوں۔ (تاریخ دمشق: ج:69، ص:252 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کا چرواہے کو قوم کے پاس جا کر سلام دینے کا فرمانا

حضرت یونس علیہ السلام نے چرواہے کو ارشاد فرمایا: تم اپنی قوم کے پاس جاؤ اور ان کو میرا سلام کہو۔

تم اپنی قوم کے پاس جاؤ اور ان کو میرا سلام کہو۔ (تاریخ دمشق: ج:69، ص:252 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

چرواہے کا حضرت یونس علیہ السلام کی خبر دینے والے کو بادشاہت کی بشارت سنانا

چرواہے نے حضرت یونس علیہ السلام سے عرض کیا کہ بادشاہ نے اعلان کیا ہے کہ جو شخص میرے پاس یہ خبر لے کر آیا کہ اس نے حضرت یونس علیہ السلام کو دیکھا ہے اور اس پر دلیل بھی پیش کی تو میں اس کو اپنا ملک دے دوں گا اور میں بغیر کسی دلیل کے یہ بات نہیں کہہ سکتا۔

چرواہے نے عرض کیا: بادشاہ نے یہ اعلان کیا ہے کہ جو شخص میرے پاس یہ خبر لے کر آیا کہ اس نے حضرت یونس علیہ السلام کو دیکھا ہے اور اس پر دلیل پیش کی تو میں اس کو اپنا ملک دے دوں گا اور میں بغیر کسی دلیل کے یہ بات نہیں کہہ سکتا۔

(تاریخ دمشق: ج:69، ص:252 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کا چرواہے کو بکری بطور شہادت ساتھ لے جانے کا فرمانا

جب چرواہے نے یہ کہا: میں بغیر کسی دلیل کے بادشاہ کو آپ علیہ السلام کے دیکھنے کی بات نہیں کہہ سکتا تو حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا تم یہ بکری لے جاؤ یہ شہادت دے گی کہ میں نے اس کا دودھ پیا ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا:

تم یہ بکری لے جاؤ یہ شہادت دے گی کہ میں نے اس کا دودھ پیا ہے۔

(تاریخ دمشق: ج: 69، ص: 252 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بکری کا شہادت دینا

جب چرواہا بکری کو لے کر گیا تو اس نے چرواہے کے دیکھنے کی بات کی شہادت دی۔

وہ چرواہا اس بکری کو لے کر گیا اور اس بکری نے شہادت دی۔ (تاریخ دمشق: ج: 69، ص: 252 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

چرواہے کا قوم کو لے کر حضرت یونس علیہ السلام کے پاس آنا

چرواہا اپنی قوم کو لے کر اس چٹان پر پہنچا جہاں اس نے حضرت یونس علیہ السلام کو دیکھا تھا انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کیا تو آپ علیہ السلام اس جگہ نماز ادا فرما رہے تھے۔

پھر وہ چرواہا قوم کو لے کر اس چٹان پر پہنچا جہاں اس نے حضرت یونس علیہ السلام کو دیکھا تھا ان لوگوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کیا تو آپ علیہ السلام اس جگہ نماز ادا فرما رہے تھے۔ (تاریخ دمشق، ج: 69، ص: 252 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قوم کا خوشی کے مارے رو پڑنا

قوم نے جونہی حضرت یونس علیہ السلام کو دیکھا تو خوشی کے مارے رو پڑے۔

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں:

وہ قوم (حضرت یونس علیہ السلام کو دیکھتے ہی) مارے خوشی کے رو پڑی۔

(تاریخ دمشق: ج: 69، ص: 252 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کو بڑی عزت واہتمام کے ساتھ شہر میں لے آنا

قوم حضرت یونس علیہ السلام کو بڑی عزت اور اہتمام کے ساتھ شہر میں لے کر آئی۔

اور بڑی عزت اور بہت اہتمام سے حضرت یونس علیہ السلام کو اپنے شہر میں لے کر آئے۔

(تاریخ دمشق: ج: 69، ص: 252 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قوم کا چرواہے کو سردار بنانا

قوم نے چرواہے کو سردار بناتے ہوئے کہا تم ہمارے سردار ہو تم سے بڑے مرتبہ کا ہم میں سے کوئی نہیں ہے ہم کبھی بھی آپ کی حکم عدولی نہیں کریں گے۔

اس قوم نے اس چرواہے سے کہا: تم ہمارے سردار ہو تم سے بڑے مرتبہ کا ہم میں سے کوئی نہیں ہے۔ ہم کبھی تمہاری حکم عدولی نہیں کریں گے۔ (تاریخ دمشق: ج: 69، ص: 252 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

چرواہا قوم پر چالیس سال تک حکومت کرتا رہا

حضرت یونس علیہ السلام کے صدقے چرواہا قوم پر چالیس سال تک حکومت کرتا رہا۔

اور وہ چرواہا چالیس سال تک ان پر حکومت کرتا رہا۔ (تاریخ دمشق: ج: 69، ص: 252 تا 253 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قوم پر برکتوں کا نزول

جب قوم حضرت یونس علیہ السلام کو شہر میں لے آئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے آسمان سے برکتیں نازل فرمائیں اور ان پر زمین کے خزانے کھول دیئے۔

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت حسن سے روایت ہے کہ

ایک چرواہے نے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے پاس جا کر یہ خبر دی کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت یونس بن متی علیہ السلام کو دیکھا ہے۔ لوگوں نے اس کو جھٹلایا۔

تب اس نے کہا:

میرے پاس دلیل ہے اللہ تعالیٰ نے اس بکری کو گویائی دی۔

اور اس نے کہا:

ہاں انہوں نے میرا دودھ پیا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان کے حق میں گواہی دوں پھر ان کی قوم اس وادی میں گئی تو دیکھا کہ حضرت یونس علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے وہ رونے لگ گئے اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنے لگ گئے اور پھر ان کو اپنے ساتھ لے کر اپنے شہر میں آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے آسمان سے برکتیں نازل کیں اور ان پر زمین کے خزانے کھول دیئے۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج: 28، ص: 116 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کا قوم کو تبلیغ کرنا اور ان کے لئے شریعت قائم فرمانا

حضرت یونس علیہ السلام قوم کو تبلیغ فرماتے رہے اور ان کے لئے سنتیں اور شریعت قائم فرمائی۔

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت یونس علیہ السلام وہاں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تبلیغ کرتے رہے اور ان کے لئے سنتیں اور شریعتیں قائم کیں۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج: 28، ص: 116 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کا زمین میں گھوم پھر کر عبادت کرنے کی اجازت مانگنا اور رب تعالیٰ کا اجازت عطا فرما دینا

جب حضرت یونس علیہ السلام نے قوم کے لئے سنتیں اور شریعت قائم فرما دی تو آپ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے اجازت طلب کی کہ وہ زمین میں گھوم پھر کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں تو اللہ تعالیٰ نے اجازت عطا فرما دی۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں:

پھر اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی کہ وہ زمین میں گھوم پھر کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں تو اللہ تعالیٰ نے اجازت عطا فرما دی۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:116 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کا قوم کے پاس چلے جانا

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو اجازت عطا فرما دی تو آپ علیہ السلام اپنی قوم کے پاس سے چلے گئے اور رب تعالیٰ کی عبادت میں مصروف عمل رہے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں:

اور قوم کے پاس سے تشریف لے گئے۔

(اور رب تعالیٰ کی عبادت میں مصروف عمل رہے)(مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:116 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کے تشریف لے جانے کے بعد پھر کسی نے آپ علیہ السلام کو نہ دیکھا

حضرت یونس علیہ السلام کے تشریف لے جانے کے بعد پھر دوبارہ کسی نے آپ علیہ السلام کو نہ دیکھا اسی طرح بادشاہ بھی بادشاہت چرواہے کے حوالے کر کے چلا گیا اس کو بھی کسی نے دوبارہ نہ دیکھا۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں:

اور بادشاہ نے اس چرواہے کو بادشاہت دے دی جس نے حضرت یونس علیہ السلام کو دیکھا تھا پھر بادشاہ بھی وہاں سے چلا گیا اور اس کے بعد پھر کسی نے نہ تو حضرت یونس علیہ السلام کو دیکھا اور نہ ہی بادشاہ کو دیکھا۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:28، ص:116 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

زمین اور درخت کا شہادت دینا

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی 235ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت یونس علیہ السلام نے قوم سے عذاب کا وعدہ کیا اور انہیں بتایا کہ تین دنوں میں انہیں عذاب آئے گا۔ انہوں نے ماں اور بچہ میں جدائی کر دی پھر وہ نکلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں گڑگڑائے۔ اللہ تعالیٰ سے بخشش کے خواستگار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو روک لیا۔ حضرت یونس علیہ السلام عذاب کا انتظار کرتے رہے اور کچھ بھی نہ دیکھا ان کا قانون تھا جو جھوٹ بولے اور اس کے گواہ نہ ہوں تو اسے قتل کر دیا جائے۔ آپ علیہ السلام ناراض ہو کر چل دیئے حتی کہ کشتی میں ایک جماعت تک پہنچے انہوں نے آپ علیہ السلام کو کشتی میں سوار کر لیا اور انہیں پہچان بھی لیا جب آپ علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تو کشتی رک گئی جبکہ دائیں بائیں کشتیاں چل رہی تھیں۔

آپ علیہ السلام نے پوچھا:

تمہاری کشتی کو کیا ہوا؟

لوگوں نے عرض کیا:

ہمیں کچھ معلوم نہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا:

میں جانتا ہوں کہ اس کشتی میں ایک غلام ہے جو اپنے مالک سے بھاگا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ کشتی اس وقت تک نہیں چلے گی جب تک تم اسے پانی میں نہیں پھینکو گے۔

حضرت یونس علیہ السلام نے انہیں فرمایا۔

قرعہ اندازی کرو جس آدمی کے نام قرعہ نکلے اسے سمندر میں پھینک دو۔ انہوں نے قرعہ نکالا تین بار قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا۔ آپ علیہ السلام کو سمندر میں ڈال دیا گیا جبکہ ایک مچھلی کی ذمہ داری لگادی گئی جب آپ علیہ السلام کو پھینکا گیا تو مچھلی نے آپ علیہ السلام کو نگل لیا اور اسے زمین میں اپنی قرار گاہ تک لے گئی۔ حضرت یونس علیہ السلام نے سنگریزوں کی تسبیح سنی تو انہوں نے تاریکیوں میں یوں ندا کی۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ○

یہاں تاریکیوں سے مراد مچھلی کے پیٹ کی تاریکی، سمندر کی تاریکی اور رات کی تاریکی تو مچھلی نے آپ علیہ السلام کو ایسی جگہ اگل دیا جہاں کوئی گھاس یا سبزہ نہیں تھا ایسے پرندے کی مانند جس پر کوئی پر نہ ہو اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام پر کدو کی ایک بیل پیدا کر دی۔ آپ علیہ السلام اس بیل سے سایہ حاصل کرتے اور اس سے فائدہ حاصل کرتے وہ بیل خشک ہو گئی۔ جب بیل خشک ہو گئی تو آپ علیہ السلام رونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ تو درخت کے خشک ہونے پر روتا ہے جبکہ ایک لاکھ یا زائد آدمیوں کی ہلاکت پر نہیں روتا جن کے ہلاک ہونے کا تو نے ارادہ کیا؟ آپ علیہ السلام باہر نکلے تو آپ علیہ السلام ایک نوجوان کے پاس تھے جو ریوڑ چرا رہا تھا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے پوچھا: اے نوجوان! تو کس قوم سے تعلق رکھتا ہے؟ اس نے جواب دیا میں حضرت یونس علیہ السلام کی قوم سے تعلق رکھتا ہوں۔

حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا:

جب تو ان کے پاس جائے انہیں سلام کہو اور انہیں بتانا کہ تو حضرت یونس علیہ السلام سے ملا تھا۔

اس نوجوان نے کہا:

اگر آپ علیہ السلام حضرت یونس علیہ السلام ہیں تو آپ علیہ السلام اس بات کو زیادہ جانتے ہوں گے کہ جو آدمی جھوٹ بولے اور اس کے گواہ نہ ہوں تو اسے قتل کر دیا جاتا ہے تو میرے حق میں کون گواہی دے گا؟

حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا:

تیرے حق میں یہ درخت اور یہ جگہ گواہی دے گی۔

اس نوجوان نے حضرت یونس علیہ السلام سے عرض کیا:

ان دونوں کو حکم دو (کہ وہ گواہی دیں گی)

حضرت یونس علیہ السلام نے ان دونوں کو ارشاد فرمایا:

جب یہ نوجوان تمہارے پاس آئے تو تم اس کے حق میں گواہی دینا۔

دونوں نے کہا:

ٹھیک ہے۔ نوجوان اپنی قوم کی طرف واپس لوٹ آیا اس کے بھائی تھے اور بڑی قوت تھی وہ بادشاہ کے پاس آیا اور کہا میں حضرت یونس علیہ السلام سے ملا ہوں وہ تمہیں سلام فرماتے تھے۔ بادشاہ نے اس نوجوان کو قتل کرنے کا حکم ارشاد فرمایا:

اس نوجوان نے کہا:

اس کے پاس گواہ موجود ہیں! بادشاہ نے آدمی نوجوان کے ساتھ بھیجے وہ اسی جگہ اور درخت تک پہنچے۔

نوجوان نے ان دونوں سے کہا:

میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کیا حضرت یونس علیہ السلام نے تم دونوں کو گواہ بنایا تھا؟

دونوں نے کہا:

ہاں! قوم گھبرائی ہوئی واپس آئی وہ کہتے تھے درخت اور زمین میرے حق میں گواہی دیتے ہیں وہ لوگ بادشاہ کے پاس آئے اور جو منظر دیکھا تھا اسے بیان کیا۔ بادشاہ نے نوجوان کا ہاتھ پکڑا اپنی جگہ بٹھایا اور کہا تو میری بہ نسبت اس جگہ کا زیادہ مستحق ہے اس نوجوان نے چالیس سال تک ان پر حکومت کی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ج:6، ص:338 مطبوعہ مکتبۃ الزمان مدینہ منورہ)

حضرت یونس علیہ السلام کو کتنے لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا اور کتنے ایمان لائے

حضرت یونس علیہ السلام کو کتنے لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور کتنے ایمان لے آئے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

قرآن مجید میں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ کی طرف رسول بنا کر بھیجنے اور ایمان لانے کی تصریح ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ۝ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝ (الصافات: 147 تا 148)

اور ہم نے انہیں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا سو وہ ان پر ایمان لائے تو ہم نے ان کو ایک معین مدت تک فائدہ پہنچایا۔

- امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب مچھلی نے دریا کے کنارے حضرت یونس علیہ السلام کو اگلا تو اللہ تعالیٰ نے وقت زمین پر پھیلنے والا کدو کا درخت اگا دیا اور ان کو ایک لاکھ یا اس سے زائد لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:28 ص:115 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے فرمان اَوْ یَزِیْدُوْنَ کے بارے میں پوچھا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بیس ہزار سے زائد تھے۔ (تفسیر طبری: ج:23 ص:124 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اَوْ یَزِیْدُوْنَ کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ تیس ہزار سے زائد تھے۔ (تفسیر طبری: ج:23 ص:124 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ روایت کرتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے اَوْ یَزِیْدُوْنَ کا یہ معنیٰ نقل کیا ہے کہ وہ ستر ہزار سے زائد تھے۔

امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ

وہ ایک لاکھ اور چالیس ہزار سے زائد تھے۔

امام سعید بن منصور اور امام ابن منذر رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت نوف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔

ان کی زیادتی ستر ہزار تھی۔ (در منثور: ج:5 ص:813 مطبوعہ کراچی)

حضرت یونس علیہ السلام ایک نیک اور عبادت گزار بندے تھے

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

حضرت اسحاق بن بشر نے اپنی اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے کہ

حضرت یونس علیہ السلام ایک نیک اور عبادت گزار بندے تھے۔

(تاریخ دمشق: ج:69 ص:247 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام انبیاء کرام علیہم السلام میں سب سے زیادہ عبادت کرنے والے تھے

انبیاء کرام علیہم السلام میں ان سے زیادہ اور کوئی عبادت کرنے والا نہیں تھا۔

(تاریخ دمشق: ج:69 ص:247 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام ہر روز کھانے سے قبل تین سو رکعات نماز ادا فرماتے تھے

وہ ہر روز کھانے سے پہلے تین سو رکعات نماز پڑھا کرتے تھے۔

(تاریخ دمشق: ج:69 ص:247 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام ہر رات سونے سے قبل تین سو رکعات نماز پڑھا کرتے تھے

اور ہر رات سونے سے پہلے تین سو رکعات نماز پڑھا کرتے تھے۔

(تاریخ دمشق: ج:69،ص:247 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام بستر کم زمین پر بچھاتے تھے

اور بہت کم زمین پر بستر بچھاتے تھے جب اہل نینوا میں گناہ بہت زیادہ ہونے لگے تو انہیں وہاں رسول بنا کر بھیج دیا گیا۔

(تاریخ دمشق: ج:69،ص:247 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

کسی بندہ کو یہ نہیں کہنا چاہئے کہ میں حضرت یونس بن متی علیہ السلام سے افضل ہوں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کسی بندہ کو یہ نہیں کہنا چاہئے کہ میں حضرت یونس بن متی علیہ السلام سے افضل ہوں۔ (صحیح البخاری: رقم الحدیث:3413)

کسی شخص کو یہ نہیں چاہئے کہ وہ حضرت یونس بن متی علیہ السلام سے کسی کو افضل کہے

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں:

عباد بن کثیر اور الحسن دونوں سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرے اور میرے بھائی انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان فضیلت مت دو اور کسی شخص کو یہ نہیں چاہئے کہ وہ حضرت یونس بن متی علیہ السلام سے کسی کو افضل کہے۔ (تاریخ دمشق: ج:69،ص:253 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تلبیہ پڑھتے ملاحظہ فرمانا

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی ارزق پر گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں حضرت موسیٰ علیہ السلام وادی سے اترتے ہوئے بآواز بلند اللھم لبیک اللھم لبیک کہہ رہے ہیں پھر آپ علیہ السلام ثنیہ پر آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: گویا کہ میں حضرت یونس بن متی علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں ان پر دو سفید عبائیں ہیں وہ بلند آواز سے اللھم لبیک اللھم لبیک کہہ رہے ہیں اور پہاڑ بھی ان کے جواب میں تلبیہ پڑھ رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی جواب میں فرما رہا ہے۔

لبیک اے یونس (علیہ السلام)! میں تمہارے ساتھ ہوں۔ (تاریخ دمشق: ج:69،ص:253 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کا تلبیہ

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان بن اسود سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فج الروحاء کے مقام سے ستر نبی سرخ اونٹوں پر سوار گزرے انہوں نے عبائیں پہنی ہوئی تھیں اور وہ پڑھ رہے تھے لبیک لبیک۔ ان میں حضرت یونس بن متی علیہ السلام بھی تھے اور وہ تلبیہ پڑھ رہے تھے۔ اے مصائب کے نجات دینے والے اور مشکلات کو حل کرنے والے لبیک لبیک۔ (تاریخ دمشق: ج:69، ص:253 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام کی دعا کرنے والے کی دعا مقبول

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ذوالنون (حضرت یونس علیہ السلام) کی وہ دعا جو آپ علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں کی تھی یہ ہے۔

”لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ٥“

اے اللہ عزوجل! تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تیری ذات پاک ہے بے شک میں ہی (اپنی جان پر) زیادتی کرنے والوں میں سے تھا۔ پس بے شک جو بھی مسلمان کسی چیز کے بارے میں یہ دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی یہ دعا قبول فرماتا ہے۔

(سنن الترمذی: رقم الحدیث: 3505)

حضرت یونس علیہ السلام کے فضائل

حضرت یونس علیہ السلام کے فضائل کثیر احادیث مبارکہ میں ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

حدیث مبارکہ: 1

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس نے (اجتہادی) خطا نہ کی ہو یا (اجتہادی) خطا کا ارادہ نہ کیا سوائے حضرت یحییٰ بن زکریا (علیہ السلام) کے اور کسی کے لئے یہ روا نہیں ہے کہ وہ یہ کہے میں حضرت یونس بن متی علیہ السلام سے بہتر ہوں۔ (مسند احمد: رقم الحدیث: 2654)

حدیث مبارکہ: 2

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے تو آپ علیہ السلام کو یہ گمان گزرا کہ وہ فوت ہو گئے ہیں پس (یہ سوچ کر) انہوں نے اپنی ٹانگ کو حرکت دی تو وہ حرکت کرتی تھی پس آپ علیہ السلام سجدہ ریز ہو گئے اور عرض کیا اے میرے رب عزوجل! میں نے تیرے لئے ایسی جگہ کو سجدہ گاہ بنایا ہے جہاں کسی شخص نے کبھی سجدہ نہیں کیا۔ (مستدرک، رقم الحدیث: 4129)

حدیث مبارکہ: 3

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت یونس بن متی علیہ السلام جنہیں اللہ تعالیٰ نے ذوالنون کا نام دیا اور ارشاد فرمایا اور ذوالنون جب وہ غضبناک ہو کر چل دیئے پس انہوں نے یہ خیال کر لیا کہ ہم ان پر کوئی تنگی نہیں کریں گے پھر انہوں نے تاریکیوں میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تیری ذات پاک ہے بے شک میں ہی (اپنی جان پر) زیادتی کرنے والوں میں سے تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور انہیں تین تاریکیوں کے غم سے نجات دلائی۔ رات کی تاریکی اور سمندر کی تاریکی اور مچھلی کے پیٹ کی تاریکی۔
(مستدرک، رقم الحدیث: 4120)

حدیث مبارکہ: 4

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کسی بندے کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ یہ کہے۔ میں حضرت یونس بن متی علیہ السلام سے بہتر ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کے والد کی طرف منسوب فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب اسراء کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام دراز قد کے مالک تھے گویا آپ علیہ السلام قبیلہ سوہ کے ایک فرد ہیں اور ارشاد فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام گھنگھریالے بالوں والے اور میانہ قد تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے داروغہ جہنم اور دجال کا ذکر بھی فرمایا۔
(مسند احمد، رقم الحدیث: 3179)

حضرت یونس علیہ السلام زیادہ عرصہ حیات نہیں رہے

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اس کے بعد حضرت یونس علیہ السلام زیادہ عرصہ حیات نہیں رہے اور حضرت شعیا علیہ السلام حضرت یونس علیہ السلام کے شاگرد تھے وہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو چن لیا اور پاکیزہ بنا دیا اور حضرت یونس علیہ السلام کے وصال کے بعد ان کو بنی اسرائیل کی دینی رہنمائی کرنے کا حکم دیا گیا اور بنی اسرائیل میں جو بادشاہ ہوتا تھا اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ایک نبی کو مبعوث کرتا تھا جو اس کو نیکی کا حکم دیتا تھا اور وہ اس کے درمیان سفیر ہوتا تھا اور حضرت شعیا علیہ السلام ہی وہ نبی تھے جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کی بشارت دی تھی اور بنی اسرائیل کو بتایا تھا کہ ایک مقدس کنواری سے بغیر مرد کے ایک نبی

پیدا ہوں گے ان کے ہاتھ سے بہت عجائب کا ظہور ہوگا اور وہ اس رسول کی بشارت دیں گے جو ان کے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہوں گے ان کی میلاد کی جگہ مکہ مکرمہ ہے اور ان کی ہجرت کی جگہ طیبہ ہے ان کی امت تمام امتوں سے افضل ہوگی آخر زمانہ میں اللہ تعالیٰ ان کو عزت اور سلطنت سے سرفراز کرے گا اور ان کے دین کو تمام ادیان پر غالب کر دے گا خواہ مشرکین کو یہ بات ناگوار خاطر ہو۔ (تاریخ دمشق: ج:69،ص:254 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت یونس علیہ السلام حضرت ابراہیم کی اولاد سے تھے

حضرت یونس علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

بعض نے فرمایا کہ حضرت یونس علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے نہیں مگر حق یہ ہے کہ آپ علیہ السلام ان کی اولاد سے ہیں۔ (تفسیر نعیمی: ج:7،ص:536 مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ لاہور)

عرض عبدالمصطفیٰ

اس روایت سے ثابت ہوا کہ حضرت شعیا علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت سنائی۔

مرحبا صد مرحبا اے حبیب پروردگار صلی اللہ علیہ وسلم

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نَبِیَّ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نُوْرَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

واللہ ورسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ایوب علیہ السلام

حضرت ایوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مقدس اور برگزیدہ نبی ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو کثرت مال واولاد سے نوازا تھا۔ بہت زیادہ صابر وشاکر تھے اپنی پوری زندگی میں کسی سے شکوہ نہ کیا بلکہ اپنے معاملہ کو رب تعالیٰ کی رضا پر چھوڑ دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت پر نظر رکھتے تھے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا نام ونسب

حضرت ایوب علیہ السلام کا نام ونسب یہ ہے۔

ایوب بن موص بن زراح بن العیص بن اسحاق بن ابراہیم الخلیل النبی۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ایوب علیہ السلام کا نسب اس طرح بیان کیا ہے۔

ایوب بن موص بن زراح بن العیص بن اسحاق بن ابراہیم الخلیل النبی۔ (البدایہ والنہایہ: ج:1،ص:308 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی 405ھ لکھتے ہیں:

حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا نسب یہ تھا۔

ایوب بن اموص بن زراح بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم الخلیل۔ (مستدرک: ج:2،ص:644 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1391ھ نے یوں نام ونسب لکھا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا نسب نامہ یہ ہے۔

ایوب ابن روم ابن عیص ابن اسحاق ابن ابراہیم علیہ السلام۔ (تفسیر نعیمی: ج:7،ص:536 مطبوعہ اسلامیہ لاہور)

حضرت ایوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں سے ہیں

حضرت ایوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت سے ہیں۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

حضرت ایوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں سے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ (الانعام:84)

داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف اور موسیٰ وہارون سب ابراہیم کی اولاد سے ہیں۔

(البدایہ والنہایہ: ج:1،ص:308 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ایوب علیہ السلام کی والدہ محترمہ حضرت لوط علیہ السلام کی اولاد سے ہیں

حضرت ایوب علیہ السلام کی والدہ محترمہ حضرت لوط علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی 1391ھ لکھتے ہیں:

آپ علیہ السلام کی والدہ محترمہ حضرت لوط علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔(تفسیر نعیمی: ج:7،ص:536 مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ لاہور)

حضرت ایوب علیہ السلام بہت مالدار تھے

حضرت ایوب علیہ السلام بہت مالدار نبی تھے۔ آپ علیہ السلام کے پاس ہر قسم کا مال تھا۔ مویشی اور غلام تھے اور زرخیز اور غلہ سے لہلہاتے ہوئے کھیت اور باغات تھے۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

علماء التفسیر اور علماء التاریخ نے یہ بیان کیا ہے کہ

حضرت ایوب علیہ السلام بہت مالدار شخص تھے ان کے پاس ہر قسم کا مال تھا۔ مویشی اور غلام تھے اور زرخیز اور غلہ سے لہلہاتے ہوئے کھیت اور باغات تھے۔(البدایہ والنہایہ: ج:1،ص:308 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ایوب علیہ السلام کی اولاد بہت زیادہ تھی

اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو مال کے ساتھ ساتھ اولاد بھی کثیر عطا فرمائی تھی۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

حضرت ایوب علیہ السلام کی اولاد بھی بہت زیادہ تھی۔(البدایہ والنہایہ: ج:1،ص:308 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ایوب علیہ السلام صابر طویل قد کے تھے

حضرت ایوب علیہ السلام صابر طویل قد کے تھے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی 405ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت ایوب بن اموص علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی صابر لمبے قد کے تھے۔

(مستدرک: ج:2،ص:635 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ایوب علیہ السلام کے بال گھنگھریالے تھے

حضرت ایوب علیہ السلام کے بال گھنگھریالے تھے۔

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی 405ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت ایوب بن اموص اللہ تعالیٰ کے نبی صابر طویل قد کے تھے۔ آپ علیہ السلام کے بال گھنگھریالے تھے۔ الخ (مستدرک: ج:2، ص:635 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ایوب علیہ السلام کی آنکھیں مبارکہ کھلی تھیں

حضرت ایوب علیہ السلام کی آنکھیں مبارکہ کھلی تھیں اور انتہائی خوبصورت تخلیق الٰہی تھے۔

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی 405ھ روایت کرتے ہیں:

آنکھیں کھلی تھیں اور انتہائی خوبصورت تخلیق الٰہی تھے۔ (مستدرک: ج:2، ص:635 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ایوب علیہ السلام کی پیشانی پر المبتلی الصابر لکھا ہوا تھا

حضرت ایوب علیہ السلام کی پیشانی پر المبتلی الصابر لکھا ہوا تھا۔

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی 405ھ روایت کرتے ہیں:

آپ علیہ السلام کی پیشانی مبارکہ پر لکھا ہوا تھا۔

المبتلی الصابر (آزمائش میں ڈالا گیا صبر کرنے والا) (مستدرک: ج:2، ص:635 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ایوب علیہ السلام کی گردن مبارک چھوٹی تھی

حضرت ایوب علیہ السلام کی گردن مبارکہ چھوٹی تھی۔

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی 405ھ روایت کرتے ہیں:

آپ علیہ السلام کی گردن چھوٹی تھی۔ (مستدرک: ج:2، ص:635 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ایوب علیہ السلام کا سینہ مبارکہ چوڑا تھا

حضرت ایوب علیہ السلام کا سینہ مبارکہ چوڑا تھا۔

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی 405ھ روایت کرتے ہیں:

آپ علیہ السلام کا سینہ مبارکہ چوڑا تھا۔ (مستدرک: ج:2، ص:635 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ایوب علیہ السلام کی پنڈلیاں اور بازو موٹے تھے

حضرت ایوب علیہ السلام کی پنڈلیاں اور بازو موٹے تھے۔

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی 405ھ روایت کرتے ہیں:

آپ علیہ السلام کی پنڈلیاں اور بازو موٹے تھے۔ (مستدرک: ج:2،ص:635 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ایوب علیہ السلام بیوہ عورتوں کو مال عطا فرماتے تھے

حضرت ایوب علیہ السلام بیوہ عورتوں کو مال عطا فرماتے تھے۔

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی 405ھ روایت کرتے ہیں:

آپ علیہ السلام بیوہ عورتوں کو مال عطا فرماتے تھے۔ (مستدرک: ج:2،ص:635 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ایوب علیہ السلام بیوہ عورتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے لباس پہناتے تھے

حضرت ایوب علیہ السلام بیوہ عورتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے لباس پہناتے تھے۔

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی 405ھ روایت کرتے ہیں:

اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے انہیں لباس پہناتے تھے۔ (مستدرک: ج:2،ص:635 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ایوب علیہ السلام اپنے زمانہ میں سب سے بڑے زاہد و عابد تھے

حضرت ایوب علیہ السلام اپنے زمانہ میں سب سے بڑے زاہد اور عابد تھے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں: حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت ایوب علیہ السلام اپنے زمانہ میں سب سے بڑے زاہد و عابد تھے۔ اور سب سے زیادہ مالدار تھے۔

(تاریخ ابن عساکر: ج:10،ص:59 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ایوب علیہ السلام بھوکے کو سیر کر کے کھانا کھلانے کے بعد خود تناول فرماتے

حضرت ایوب علیہ السلام اس وقت تک سیر ہو کر کھانا تناول نہ فرماتے تھے جب تک کسی بھوکے کو سیر نہ کر لیتے تھے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

آپ علیہ السلام اس وقت تک سیر ہو کر نہیں تناول فرماتے تھے جب تک کسی بھوکے کو سیر نہ کر لیتے تھے۔

الخ (تاریخ ابن عساکر: ج:10،ص:59 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ایوب علیہ السلام برہنہ شخص کو لباس پہنانے کے بعد لباس پہنتے

حضرت ایوب علیہ السلام لباس اس وقت تک نہ زیب تن فرماتے جب تک کہ کسی برہنہ کو لباس نہ پہنا لیتے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

آپ علیہ السلام لباس اس وقت تک زیب تن نہ فرماتے جب تک کہ کسی برہنہ کو لباس نہ پہنا لیتے تھے۔

(تاریخ ابن عساکر: ج:10،ص:59 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ایوب علیہ السلام ایک معصوم بندہ خاص تھے

حضرت ایوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے معصوم بندہ خاص تھے۔
امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:
ابلیس حضرت ایوب علیہ السلام کی طاقت وقوت سے عاجز آ گیا تھا اس کا کوئی داؤ پیچ کارگر نہیں ہوتا تھا۔ آپ علیہ السلام ایک معصوم بندہ خاص تھے۔ (تاریخ ابن عساکر: ج:10،ص:59 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ایوب علیہ السلام کی شریعت

حضرت ایوب علیہ السلام کی شریعت توحید اور جھگڑا کرنے والوں کے درمیان صلح کرانا اور اگر کسی کو کوئی حاجت ہوتی تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو جاتا اور اپنی حاجت کو طلب کرتا۔
امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:
حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ
ان سے پوچھا گیا حضرت ایوب علیہ السلام کی شریعت کیا تھی؟
حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:
توحید اور جھگڑا کرنے والوں کے درمیان صلح کرانا۔ اگر کسی کو کوئی حاجت ہوتی تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو جاتا پھر اپنی حاجت کو طلب کرتا۔ (تاریخ ابن عساکر: ج:10،ص:59 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ایوب علیہ السلام کا مال کیا تھا؟

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ روایت کرتے ہیں: حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ
پوچھا گیا کہ آپ علیہ السلام کا مال کیا تھا؟
آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:
تین ہزار بیلوں کی جوڑیاں اور ہر بیلوں کی جوڑیوں کے ساتھ ایک غلام ہوتا تھا اور ہر غلام کے ساتھ ایک عورت ہوتی تھی اور ہر عورت کے ساتھ ایک گدھی اور چودہ ہزار بکریاں تھیں۔ (درمنثور: ج:4،ص:863 مطبوعہ کراچی)

حضرت ایوب علیہ السلام کوئی رات مہمان کے بغیر نہ گزارتے تھے

حضرت ایوب علیہ السلام کوئی رات نہیں گزارتے تھے مگر یہ کہ آپ علیہ السلام کے دروازے پر مہمان ضرور ہوتا تھا۔
امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ روایت کرتے ہیں:
آپ علیہ السلام کوئی رات نہیں گزارتے تھے مگر آپ علیہ السلام کے دروازے پر مہمان ضرور ہوتا تھا۔
(درمنثور: ج:4،ص:863 مطبوعہ کراچی)

حضرت ایوب علیہ السلام ہمیشہ مسکین کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے تھے

حضرت ایوب علیہ السلام ہمیشہ کسی مسکین کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے تھے۔

اور آپ علیہ السلام ہمیشہ کسی مسکین کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے تھے۔(درمنثور: ج:4،ص:863 مطبوعہ کراچی)

حضرت ایوب علیہ السلام قیامت کے دن تمام صابرین کے سردار ہوں گے

حضرت ایوب علیہ السلام قیامت کے دن تمام صابرین کے سردار ہوں گے۔

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن حضرت ایوب علیہ السلام تمام صابرین کے سردار ہوں گے۔

(تاریخ ابن عساکر: ج:10،ص:69 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ایوب علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کا نام

حضرت ایوب علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کا نام رحمہ بنت میشا بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت ایوب علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کا نام "رحمہ بنت میشا بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام" ہے۔(درمنثور: ج:5،ص:880 مطبوعہ کراچی)

شام میں قحط پڑنا اور فرعون کے بلاوے پر حضرت ایوب علیہ السلام کا جانا

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوادریس الخولانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

شام میں قحط پڑ گیا فرعون نے حضرت ایوب علیہ السلام کو خط لکھا کہ تم ہمارے پاس آ جاؤ ہمارے پاس تمہارے لیے وسعت ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام اپنے گھوڑوں، جانوروں اور بیٹوں سمیت اس کے پاس چلے گئے فرعون نے ان کے لئے زمین کا کچھ حصہ مقرر کر دیا۔(تاریخ ابن عساکر: ج:10،ص:60 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت شعیب علیہ السلام کا آ کر فرعون کو رب تعالیٰ سے ڈرنے کا فرمانا

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت شعیب علیہ السلام آئے اور فرعون سے کہا تو اس ذات سے نہیں ڈرتا جس کے ناراض ہونے سے آسمان اور زمین والے، پہاڑ اور دریا سب ناراض ہو جاتے ہیں؟ حضرت ایوب علیہ السلام خاموش رہے۔

(تاریخ ابن عساکر: ج:10،ص:60 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ایوب علیہ السلام کے خاموش رہنے پر رب تعالیٰ کا وحی فرمانا

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں:

جب فرعون اور حضرت شعیب علیہ السلام آپ علیہ السلام کے پاس سے چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ تو فرعون کے سامنے نہیں بولا تاکہ تیری زمین نہ چلی جائے اب مصیبت کے لئے تیار ہو جا۔

(تاریخ ابن عساکر: ج:10 ص:60 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ایوب علیہ السلام کی رب تعالیٰ کی بارگاہِ مقدسہ میں عرضی اور جواب

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ایوب علیہ السلام نے عرض کیا:

میرا دین؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

میں اس کو تیرے لیے محفوظ رکھوں گا۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا:

پھر مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ (تاریخ ابن عساکر: ج:10 ص60 تا 61 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش کا سبب

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت اللیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

وہ سبب جس کی وجہ سے حضرت ایوب علیہ السلام آزمائش میں ڈالے گئے یہ تھا کہ آپ علیہ السلام کے شہر والے اپنے بادشاہ کے پاس گئے وہ ایک جابر بادشاہ تھا لوگوں نے اس کے ظلم وستم کا اس کے سامنے ذکر کیا اور اس سے خوب ترش لہجہ میں گفتگو کی لیکن حضرت ایوب علیہ السلام نے نرم لہجہ میں گفتگو کی کیونکہ آپ علیہ السلام کو اس سے اپنی کھیتی کے ضائع ہونے کا اندیشہ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

تو نے اپنی کھیتی کی غرض سے میرے بندوں میں سے ایک بندے کے سامنے تقیہ کیا پس اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام پر مصیبت نازل کر دی۔ (تاریخ ابن عساکر: ج:10 ص:61 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

شیطان کا حضرت ایوب علیہ السلام کو بہکانے کے طرح طرح کے بہانے

امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم متوفی 327ھ روایت کرتے ہیں

ایک دن ابلیس نے اپنے رب عزوجل سے یہ کہا کہ کیا تیرے بندوں میں کوئی ایسا بندہ ہے کہ اگر تو مجھ کو اس پر مسلط کر دے تو وہ پھر بھی میرے فریب میں نہیں آئے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ہاں! میرا بندہ ایوب (علیہ السلام) ہے۔ ابلیس آ کر حضرت ایوب علیہ السلام کو وسوسے ڈالنے لگا۔ حضرت ایوب علیہ السلام اس کو دیکھ رہے تھے لیکن آپ علیہ السلام نے اس کی طرف بالکل التفات نہیں فرمایا۔

تب ابلیس نے کہا:

اے رب! وہ میری طرف بالکل التفات نہیں کر رہے تو اب مجھے ان کے مال پر مسلط کر دے پھر ابلیس آ کر حضرت ایوب علیہ السلام سے کہتا کہ تمہارا فلاں فلاں مال ہلاک ہو گیا۔ حضرت ایوب علیہ السلام اس کے جواب میں فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے ہی وہ مال دیا تھا؛ اسی نے ہی وہ مال لے لیا اور پھر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے رہے۔

پھر ابلیس نے کہا:

اے رب عزوجل! ایوب (علیہ السلام) کو اپنے مال کی کوئی پرواہ نہیں ہے تو مجھے اس کی اولاد پر مسلط کر دے پھر وہ آیا اور اس نے ان کے گھر کو منہدم کر دیا اور ان کی تمام اولاد ہلاک ہو گئی۔ ابلیس نے آ کر حضرت ایوب علیہ السلام کو ان کی اولاد کے ہلاک ہونے کی خبر دی تو حضرت ایوب علیہ السلام نے اس خبر پر کسی افسوس کا اظہار نہیں کیا۔

تب ابلیس نے کہا:

اے میرے رب عزوجل! ایوب (علیہ السلام) کو اپنے مال کی پرواہ ہے نہ اپنی اولاد کی۔ سو تو مجھے ان کے جسم پر مسلط کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اجازت دے دی۔ اس نے حضرت ایوب علیہ السلام کی کھال میں پھونک ماری تو ان کے جسم میں بہت سخت بیماریاں پیدا ہو گئیں اور بہت سخت درد ہو گیا اور وہ کئی سال ان بیماریوں میں مبتلا رہے حتیٰ کہ ان کے شہر کے لوگ ان سے نفرت کرنے لگے اور وہ جنگل میں چلے گئے ان کے قریب کوئی نہیں جاتا تھا پس ایک دن شیطان ان کی بیوی کے پاس گیا اور کہا: اگر آپ کا خاوند مجھ سے مدد طلب کرے تو میں اس کو اس تکلیف سے نجات دے دوں گا۔ ان کی بیوی نے ان سے یہ ماجرا بیان کیا تو انہوں نے قسم کھائی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو شفا دے دی تو وہ اپنی بیوی کو سو کوڑے ماریں گے پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ بے شک مجھے شیطان نے سخت اذیت اور درد پہنچایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کے پیر کے نیچے سے ایک ٹھنڈا اور پاکیزہ چشمہ پیدا کر دیا انہوں نے اس میں غسل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام ظاہری اور باطنی تکلیفوں کو دور فرما دیا اور ان کے اموال اور ان کی اولاد کو بھی ان پر واپس کر دیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم: رقم الحدیث: 18360)

شیطان کا رب تعالیٰ سے حضرت ایوب علیہ السلام پر غلبہ پانے کا کہنا

امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

شیطان آسمان کی طرف بلند ہوا، اس نے عرض کی اے میرے رب! مجھے حضرت ایوب علیہ السلام پر غلبہ عطا فرما۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

میں اس کے مال اور اولاد پر غلبہ عطا کرتا ہوں اس کے جسم پر غلبہ عطا نہیں کرتا۔ وہ نیچے اترا اس نے اپنے لشکروں کو جمع کیا انہیں کہا مجھے حضرت ایوب علیہ السلام پر غلبہ عطا کیا گیا ہے مجھے اپنا غلبہ دکھاؤ وہ آگ بن گئے پھر پانی بن گئے۔ اسی اثناء میں کہ وہ مشرق میں ہوتے تو پھر مغرب میں ہوتے اسی اثناء میں کہ وہ مغرب میں ہوتے پھر مشرق میں ہوتے۔ شیطان نے اپنے لشکروں میں سے ایک جماعت آپ علیہ السلام کی کھیتی کی طرف بھیجی۔ ایک جماعت آپ علیہ السلام کے گھر والوں کی طرف بھیجی۔ ایک جماعت آپ علیہ السلام کی گائیوں کی طرف بھیجی اور ایک جماعت آپ علیہ السلام کی کھیتی کی طرف بھیجی اور ایک جماعت آپ علیہ السلام کی بکریوں کی طرف بھیجی۔

شیطان نے کہا:

وہ تم سے صرف نیکی کے ساتھ ہی بچ سکتا ہے وہ حضرت ایوب علیہ السلام پر مصائب لاتے جو بعض سے بڑھ کر تھے۔ کھیتوں کا نگہبان آیا عرض کی۔ اے ایوب علیہ السلام! کیا تو اپنے رب عزوجل کی طرف نہیں دیکھتا۔ اس نے تیری کھیتیوں کی طرف دشمن بھیج دیئے ہیں وہ اس کھیتی کو تباہ کر گئے ہیں۔ اونٹوں کا نگہبان آیا اور کہا: اے ایوب علیہ السلام! کیا تو اپنے رب عزوجل کی طرف نہیں دیکھتا اس نے تیرے اونٹوں کی طرف دشمن بھیج دیئے جو انہیں ہلاک کریں گے پھر گائیوں کا نگہبان آیا اس نے عرض کیا کیا آپ علیہ السلام اپنے رب عزوجل کی طرف نہیں دیکھتے جس نے تیری گائیوں کی طرف دشمن بھیج دیئے ہیں جو انہیں لے گیا ہے۔ آپ علیہ السلام اپنے تمام بیٹوں کے ساتھ ان میں سے سب سے بڑے کے گھر میں تھے اسی اثناء میں وہ سب کھانا کھا رہے تھے اور پانی پی رہے تھے کہ ہوا چلائی گئی اس نے گھر کی دیواروں اور اس کے حصوں کو اپنی گرفت میں لے لیا اور اسے ان پر پھینک دیا۔ شیطان ایک نوجوان کی شکل میں حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا: اے ایوب علیہ السلام! کیا تو اپنے رب کو نہیں دیکھتا جس نے تیرے بیٹوں کو ان میں سے بڑے کے گھر جمع کیا اسی اثناء میں کہ وہ کھانا کھا رہے تھے اور مشروب پی رہے تھے کہ ہوا چلائی گئی اس نے مکان کے اجزاء کو اپنی گرفت میں لے لیا اور ان پر پھینک دیا۔ کاش! آپ دیکھتے جب ان کے خون اور گوشت ان کے کھانے اور مشروب کے ساتھ ملے۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے اسے فرمایا۔

تو شیطان ہے پھر شیطان سے فرمایا۔ میں آج اس دن کی طرح ہوں جس دن میری ماں نے مجھے جنا۔ آپ علیہ السلام اٹھے اور اپنے سر کا حلق کرایا اور نماز پڑھنے لگے۔ ابلیس ایسی آواز سے رویا جسے آسمان اور زمین والوں نے سنا۔ پھر وہ آسمان کی طرف گیا اور کہا: اے میرے رب عزوجل! وہ تو محفوظ رہا مجھے اس پر غلبہ عطا کر میں تیری طاقت کے بغیر تو اس کی طاقت نہیں رکھتا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

میں نے تجھے اس کے جسم پر غلبہ دیا، اس کے دل پر غلبہ نہیں دیا وہ نیچے اترا اور حضرت ایوب علیہ السلام کے قدموں کے

نیچے پھونک ماری جس نے آپ علیہ السلام کے قدموں سے لے کر سر کے بالوں تک زخمی کر دیا تو گویا آپ علیہ السلام سراپا زخم ہو گئے۔ آپ علیہ السلام کو راکھ پر پھینکا گیا حتیٰ کہ دل کا پردہ ظاہر ہو گیا۔ آپ علیہ السلام کی بیوی آپ علیہ السلام کی خدمت کرتی حتیٰ کہ اس نے حضرت ایوب علیہ السلام سے عرض کیا اے ایوب علیہ السلام! آپ علیہ السلام دیکھتے نہیں اللہ تعالیٰ کی قسم! مجھے ایسی مشقت اور فاقہ آ پہنچا ہے کہ میں نے اپنی مینڈھیاں ایک روٹی کے بدلے میں بیچی ہیں جو تجھے کھلا رہی ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ تمہیں شفا دے اور تجھے راحت دے۔

آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

تجھ پر افسوس! ہم ستر سال تک آسائش میں رہے صبر کر یہاں تک کہ ہم ستر سال تکلیف میں رہیں۔ ابھی انہیں سات سال مصیبت میں گزرے تھے آپ علیہ السلام نے دعا کی تو ایک دن حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے انہوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کا ہاتھ پکڑا پھر فرمایا اٹھو۔ آپ علیہ السلام اٹھے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کو اس جگہ سے ہٹایا اور کہا:

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌ ۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ ○

آپ علیہ السلام نے پاؤں مارا تو ایک چشمہ ابل پڑا۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا غسل کر۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے اس چشمہ سے غسل کیا پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا: "اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ" آپ علیہ السلام نے پاؤں مارا تو ایک اور چشمہ ابل پڑا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا اس سے پیو۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌ ۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ ○

کا یہی مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو جنت کا حلہ عطا فرمایا۔ حضرت ایوب علیہ السلام اس جگہ سے ایک طرف ہو گئے اور ایک کونہ میں بیٹھ گئے آپ علیہ السلام کی بیوی آئی اور آپ علیہ السلام کو نہ پہچان سکی۔ اور کہا: اے اللہ تعالیٰ کے بندے وہ مصیبت زدہ کہاں ہے جو یہاں ہوتا تھا شاید کتے اور بھیڑیے اسے یہاں سے لے گئے ہیں وہ چند گھڑیوں تک باتیں کرتی رہی تو حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا: تجھ پر افسوس میں ہی ایوب (علیہ السلام) ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے میرا جسم مجھے واپس کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کا مال اور اولاد بعینہٖ واپس کر دی اور اتنا اور بھی دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر سونے کی مکڑیاں بھیجیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام ان مکڑیوں کو پکڑتے اور انہیں اپنے کپڑے میں ڈال لیتے اور اپنی چادر کو پھیلاتے جاتے اور اس میں ڈالتے جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف وحی کی اے ایوب علیہ السلام! کیا تو سیر نہیں ہوا۔ عرض کیا: اے میرے رب عزوجل! وہ کون ہے جو تیرے فضل اور رحمت سے سیر ہو جائے۔ (درمنثور، ج:5، ص875 تا 876 مطبوعہ کراچی)

حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت الحسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو مال اور اولاد عطا فرمائی تھی اور انتہائی خوش حالی سے نوازا تھا۔ آپ علیہ السلام کے پاس بکریاں، گائیں، بھیڑیں اور اونٹوں کی فراوانی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے دشمن ابلیس سے کہا گیا کیا تو حضرت ایوب علیہ السلام کو فتنہ میں مبتلا کرنے پر قادر ہے؟

ابلیس نے کہا:

یا رب عزوجل! تو نے ایوب علیہ السلام کو مال، اولاد بخشی ہے وہ اس لیے تیرا شکر ادا کرتا ہے تو مجھے اس کے مال اور اولاد پر تسلط عطا فرما تو دیکھ کہ وہ کیسے میری اطاعت کرتا ہے اور تیری نافرمانی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت ایوب علیہ السلام کے مال اور اولاد پر تسلط عطا فرما دیا وہ آپ علیہ السلام کی بکریوں میں آیا اور انہیں آگ سے جلا دیا پھر وہ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس چرواہے کی شکل میں آیا جبکہ آپ علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے۔ کہنے لگا! ایوب (علیہ السلام)! تو اپنے رب عزوجل کی نماز ادا کر رہا ہے جبکہ اس نے تیری تمام بکریاں آگ سے جلا دی ہیں۔ میں ان کے قریب تھا۔ میں آپ علیہ السلام کو بکریوں کے جل جانے کی خبر دینے آیا ہوں۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا:

اے اللہ عزوجل! تو نے دیا تھا تو نے ہی لے لیا ہے جب کوئی چیز باقی ہوگی تو میں تیری حسن آزمائش پر تیری تعریف کروں گا۔ اللہ تعالیٰ جس کے ضائع کرنے کا ارادہ فرماتا ہے اس پر بچاؤ کی کسی کو قدرت نہیں ہوتی۔ پھر شیطان گائیوں کے پاس آیا انہیں بھی آگ سے جلا دیا پھر وہ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس آیا اور گائیوں کے جلنے کی خبر دی۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے پہلے کی طرح اسے جواب دیا حتیٰ کہ اس لعین نے آپ علیہ السلام کا گھر آپ علیہ السلام کے بچوں پر گرا دیا اور کہا: اے ایوب (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ نے تیری اولاد پر دیواریں گرانے والے کو بھیجا حتیٰ کہ وہ سب ہلاک ہو چکے ہیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے پہلے کی طرح جواب دیا اور کہا: اے میرے رب عزوجل! تو نے یہ سب مجھ پر احسان فرمایا۔ آج سے پہلے میں دن کے وقت مال کی محبت میں مشغول ہوتا اور رات کو اپنے بچوں پر شفقت کرتے ہوئے ان کی محبت میں مگن رہتا آیا میرے کان، میری آنکھیں، میری رات اور میرا دن سب تیرے ذکر، حمد، تقدس اور تہلیل کے لئے فارغ ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا دشمن ابلیس خائب و خاسر واپس پلٹا اور حضرت ایوب علیہ السلام سے جو چاہتا تھا وہ حاصل نہ کر سکا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے شیطان سے پوچھا۔ تو نے میرے بندے ایوب (علیہ السلام) کو کیسا پایا؟ ابلیس نے کہا ایوب (علیہ السلام) جانتا ہے کہ تو اسے اس کا مال اور اولاد واپس کر دے گا (اسی وجہ سے وہ مطمئن ہے) لیکن تو مجھے اس کے جسم پر تسلط عطا فرما اگر اس کو جسم میں تکلیف ہوگی تو وہ میری اطاعت کرے گا اور تیری نافرمانی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے آپ کے جسم پر تسلط عطا فرما دیا۔ شیطان آپ علیہ السلام کے پاس آیا جسم پر پھونک ماری تو وہ سر سے لے کر قدموں تک پھٹ گیا۔ آپ علیہ السلام اس مصیبت میں مبتلا رہے حتیٰ کہ آپ علیہ السلام کو اٹھا کر بنی اسرائیل کے کوڑا کرکٹ کے ڈھیر پر بٹھا دیا گیا۔ آپ علیہ السلام کا نہ مال رہا نہ اولاد نہ دوست اور آپ علیہ

السلام کی بیوی رحمت کے سوا کوئی آپ علیہ السلام کے پاس نہیں آتا تھا وہ آپ علیہ السلام کی تصدیق پر رہی وہ آپ علیہ السلام کے لئے کھانا لے کر آتی تھی جب آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حمد کرتی۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے اس حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر، حمد، ثناء کو نہ چھوڑا اور مصیبت پر صبر کرتے رہے۔ ابلیس نے صبر ایوب علیہ السلام کو دیکھ کر زور سے چیخ ماری تاکہ اپنے تمام زمینی چیلوں کو جمع کرے وہ سب جمع ہو گئے تو انہوں نے پوچھا: حضرت! ہم حاضر ہیں۔ آپ پریشان کیوں ہیں۔ آپ کو جس چیز نے لاچار کر دیا ہے۔ شیطان نے کہا مجھے تو اس بندے نے عاجز کر دیا ہے میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ مجھے اس کے مال اور اولاد پر تسلط عطا فرما۔ میں نے نہ اس کا مال چھوڑا اور نہ اولاد لیکن ہر صورت میں اس کا صبر اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء میں اضافہ ہوا۔ مجھے اس کے جسم پر تسلط دیا گیا میں نے اس کا جسم پھوڑے پھوڑے کر دیا اسے بنی اسرائیل کے کوڑا کرکٹ پر ڈالا گیا حتیٰ کہ اس کی بیوی کے سوا اس کے پاس کوئی نہیں آتا تھا۔ میں تو اپنے رب عزوجل کے سامنے رسوا ہو گیا ہوں۔ میں نے اب تم سے مدد طلب کی ہے تاکہ تم اس کے خلاف میری معاونت کرو۔ شیطان کے چیلوں نے کہا: تیری وہ تدبیریں اور حیلہ سازیاں کہاں گئیں جن کے ساتھ تو پہلے لوگوں کو ہلاک کرتا تھا۔

شیطان نے کہا:

ایوب علیہ السلام پر میرا ہر حربہ ناکام ہو گیا ہے پس تم مجھے کوئی مشورہ دو۔

چیلوں نے کہا:

ہم تجھے مشورہ دیتے ہیں کہ تو نے جب آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالا تھا تو کس کے ذریعے نکالا تھا۔

شیطان نے کہا:

اس کی بیوی کے ذریعے نکالا تھا۔

چیلوں نے کہا:

ایوب علیہ السلام پر بھی بیوی کے ذریعے وار کرو۔ وہ اپنی بیوی کی بات کو نہیں ٹال سکے گا اور اس کی بیوی کے علاوہ تو کوئی اس کے قریب جاتا ہی نہیں۔

شیطان نے کہا:

تم نے ٹھیک کہا ہے۔ شیطان آپ علیہ السلام کی بیوی کے پاس گیا۔ پوچھا تمہارا گھر والا کہاں ہے اے اللہ عزوجل کی بندی!

بیوی نے کہا:

یہی تو ہے جو اپنے پھوڑوں کو کھجلا رہا ہے اور کیڑے جسم پر گھوم رہے ہیں۔ شیطان نے اس کی یہ بات سنی تو اسے کچھ امید لگ گئی کہ یہ کلمات وہ بے صبری کی وجہ سے کہہ رہی ہے۔ اس لعین نے بیوی کے دل میں وسوسہ ڈالا اور اسے گزشتہ زندگی کی نعمتیں اور مال و متاع کی یاد دلائی اور حضرت ایوب علیہ السلام کے جمال و جوانی کا زمانہ یاد دلایا اور اب وہ جس کرب میں مبتلا

تھے اس کا بھی ذکر کیا اور کہا کہ یہ مصیبت تو کبھی اب دور نہ ہوگی۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

بیوی کو جب خوش حالی کا زمانہ یاد آیا تو اس کی چیخ نکل گئی۔ ابلیس جان گیا کہ اب اس کا صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا ہے وہ ایک بکری کا بچہ لے کر آیا اور کہا کہ ایوب (علیہ السلام) غیر اللہ کے نام پر یہ بکرا ذبح کر دیں تو اس مصیبت سے بچ جائیں گے۔ بیوی چیختی چلاتی ہوئی آئی اور کہا: اے ایوب (علیہ السلام)! کب تک اس عذاب میں مبتلا رہو گے؟ تمہارا مال کہاں ہے تمہاری اولاد اور تمہارے دوست کہاں ہیں وہ تمہارا حسن و جمال کہاں گیا یہ بکری کا بچہ ذبح کرو اور آرام حاصل کرو۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا دشمن تیرے پاس پہنچ گیا ہے اور تجھ میں پھونک ماردی ہے تو مال، اولاد اور صحت پر کیوں رو رہی ہے؟ وہ مجھے کس نے عطا کیے تھے۔

بیوی نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے۔

پھر آپ علیہ السلام نے پوچھا:

اس نے ہمیں ان نعمتوں سے کتنا عرصہ لطف اندوز کیا ہے؟

بیوی نے کہا:

اسی (80) سال۔

اور اب کتنا عرصہ سے اس نے مجھے تکلیف میں مبتلا رکھا ہوا ہے؟

بیوی نے کہا:

سات سال اور کچھ مہینے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

پھر تو نے انصاف نہیں کیا چاہیے تو یہ تھا کہ ہم اسی سال اس مصیبت پر صبر کریں جیسا کہ ہم اسی سال خوش رہے۔ قسم بخدا! اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا دی تو میں تجھے سو کوڑے ماروں گا کیونکہ تو نے غیر اللہ کے نام پر بکرا ذبح کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ جو کچھ تو کھانا پینا لائی ہے وہ مجھ پر حرام ہے اور جو کچھ تو لے کر آئی ہے تیرے اس مشورہ کے بعد کوئی چیز چکھوں تو مجھ پر حرام ہے تو مجھ سے جدا ہو جا آئندہ میں تجھے یہاں نہ دیکھوں۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیوی کو دور کر دیا اور وہ چلی گئی۔

شیطان نے کہا:

یہ آٹھ سال سے مصیبت کو برداشت کر رہا ہے اس لیے یہ غلبہ کا مستحق ہے تو شیطان آپ علیہ السلام کو چھوڑ کر چلا گیا۔ اس نے دیکھا کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیوی کو بھی بھگا دیا ہے جبکہ اس کے پاس نہ کھانا ہے نہ پینا ہے اور نہ کوئی دوست

ہے۔ آپ کے پاس سے دو آدمی گزرے آپ علیہ السلام کوڑا کرکٹ کی جگہ پر تھے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! سطح زمین پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضرت ایوب علیہ السلام سے زیادہ معزز کوئی نہ تھا۔

ان دو اشخاص میں سے ایک نے کہا:

اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خیر دیکھتا تو یہ اس مصیبت میں دوچار نہ ہوتا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے کبھی اس کلمہ سے زیادہ دل آزاری کرنے والا کلام نہ سنا تھا۔ آپ علیہ السلام نے اس وقت دعا مانگی اے میرے اللہ عزوجل! مجھے یہ پہنچی ہے سخت تکلیف اور تو ارحم الراحمین ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ''

اپنا پاؤں (زمین پر) مارو یہ نہانے کے لئے ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کے لئے۔

آپ علیہ السلام نے زمین پر پاؤں مارا تو پانی کا چشمہ جاری ہوگیا۔ آپ علیہ السلام نے اس سے غسل فرمایا تو آپ علیہ السلام کے جسم پر بیماری کا کوئی نام ونشان نہ رہا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی ہر تکلیف اور بیماری دور فرمادی۔ اور آپ علیہ السلام کا حسن وجمال پہلے سے کہیں زیادہ ظاہر ہوگیا پھر آپ علیہ السلام نے دوبارہ پاؤں مارا تو ایک دوسرا چشمہ رواں ہوگیا۔ آپ علیہ السلام نے اس سے پانی پیا تو آپ علیہ السلام کی باطنی بیماریاں دور ہوگئیں۔ آپ علیہ السلام تمام مردوں سے زیادہ حسین وجمیل اور صحت مند ہوگئے۔ آپ علیہ السلام نے ایک قیمتی جوڑا زیب تن فرمایا اور اپنے مال اور اہل کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دوگنا کردیا تھا حتی کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس پانی سے آپ علیہ السلام نے غسل فرمایا تھا اس کے چھینٹوں سے سینہ پر سونے کی مکڑیاں اڑنے لگیں اور آپ علیہ السلام ان پر ہاتھ مارنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی اے ایوب علیہ السلام! میں نے تجھے غنی نہیں کردیا۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے عرض کیا:

کیوں نہیں! لیکن یہ تیری برکت ہے اور تیری برکت سے کون سیر ہوتا ہے۔ آپ علیہ السلام غسل کرنے کے بعد باہر تشریف لائے اور ایک بلند جگہ پر بیٹھ گئے اور آپ علیہ السلام کی بیوی نے سوچا کہ اگر ایوب علیہ السلام نے مجھے نکال دیا ہے تو میں اس کو کس کے سپرد کرسکتی ہوں۔ کیا میں اسے چھوڑ دوں کہ وہ بھوک کی وجہ سے اس دار فانی سے کوچ کر جائے گا اور ضائع ہو جائے گا اور اسے درندے کھا جائیں گے (نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوگا) میں ضرور اس کی طرف لوٹ کر جاؤں گی۔ آپ علیہ السلام کی بیوی رحمت لوٹ کر آئی تو وہاں نہ کوئی رو رہی تھی اور نہ ہی پہلے جیسا کوئی منظر تھا ساری صورت حال بدل چکی تھی جہاں کوڑا کرکٹ کا ڈھیر تھا وہاں وہ چکر کھانے لگی اور وہ حضرت ایوب علیہ السلام کی تلاش میں رو رہی تھی اور حضرت ایوب علیہ السلام اس کی تلاش کا منظر دیکھ رہے تھے۔ حضرت ایوب علیہ السلام چونکہ نیا لباس زیب تن کیے ہوئے تھے اس لیے بیوی ان کے پاس آنے اور ان سے پوچھنے میں جھجک محسوس کر رہی تھی۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے اسے خود بلایا اور پوچھا۔ اے اللہ عزوجل کی بندی!

تو کس کی تلاش میں ہے؟

وہ رونے لگی اور کہا:

میں اس کی تلاش میں ہوں جو یہاں روڑی پر مصیبت میں مبتلا پڑا تھا اب مجھے معلوم نہیں ہو رہا کہ وہ ضائع ہو گیا یا اس کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے پوچھا:

وہ تیرا کیا لگتا تھا؟

بیوی نے روتے ہوئے کہا:

وہ میرا سر تاج تھا!

حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا:

اگر تو اسے دیکھے تو پہچان لے گی؟

بیوی نے کہا:

جس نے بھی اسے دیکھا ہوا تھا وہ اس سے مخفی نہیں ہو سکتا وہ غور سے آپ علیہ السلام کو دیکھنے لگی آپ علیہ السلام اسے اپنی پہچان کرا رہے تھے۔

بیوی نے کہا:

جب وہ صحیح تھا تو تیرے مشابہ تھا۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا:

میں ہی وہ ایوب علیہ السلام ہوں جس کو ابلیس کے لئے بکرا ذبح کرنے کا مشورہ دیتی تھی۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور شیطان کی نافرمانی کی اور میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اس نے اپنی بندہ نوازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھ پر یہ کرم فرمایا جو تیرے سامنے ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی رحمت پر بھی رحم فرمایا کیونکہ انہوں نے تکلیف کے وقت حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ صبر کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے حکم میں تخفیف فرما دی اور حضرت ایوب علیہ السلام کو قسم پوری کرنے کی یہ تدبیر بتائی کہ چھوٹی لکڑیوں کا گٹھا لو اور اسے مارو۔ یہ سب کچھ اس کا آپ علیہ السلام کے ساتھ صبر کرنے کی وجہ سے تھا۔ (تفسیر طبری: ج: 17، ص 83 تا 85 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ایوب علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنا

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت یزید بن میسرہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ:

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو مال، اہل اور اولاد کے ختم کرنے کے ساتھ آزمائش میں ڈالا تو آپ علیہ

السلام کے پاس کچھ بھی باقی نہ رہا تھا۔ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا بہت عمدہ ذکر کیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

پھر عرض کیا:

یارب عزوجل! میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں کہ تو نے مجھ پر احسان فرمایا تو نے مجھے مال اور اولاد کی نعمت سے نوازا جن کی محبت میرے دل کے ہر گوشہ میں داخل ہوگئی تھی پھر یہ سب کچھ مجھ سے لے لیا اور میرے دل کو دنیا کی ہر فکر سے آزاد کر دیا اب میرے اور تیرے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہوتی جو میں نے تیری تعریف کی ہے میرا دشمن اس کی وجہ سے مجھ سے حسد کرے گا پس ابلیس کو حضرت ایوب علیہ السلام کی اس عجز و نیاز میں ڈوبی ہوئی گفتگو سے بہت تکلیف ہوئی۔

(تاریخ ابن عساکر: ج: 10 ص: 62 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دو اشخاص کا حضرت ایوب علیہ السلام کے لئے ناگوار بات کرنا

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت الحسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت ایوب علیہ السلام کو پے در پے مصائب میں ڈالا گیا اہل اور مال لینے کی آزمائش کے بعد بدن کی آزمائش میں مبتلا کیا گیا۔ آپ علیہ السلام مصیبت میں مبتلا رہے حتیٰ کہ آپ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی ایک روڑی پر بٹھا دیا گیا۔ پس حضرت ایوب علیہ السلام نے بھی اس مصیبت سے نجات کی دعا نہیں مانگی تھی ہمیشہ صبر میں رہتے تھے حتیٰ کہ ایک دن آپ علیہ السلام کے پاس سے دو شخص گزرے۔

ایک نے دوسرے سے کہا:

اگر اللہ تعالیٰ کو اس میں کوئی خیر نظر آتی تو اس کو اس مصیبت میں مبتلا نہ کرتا۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے ان کی بات کو سن لیا۔ آپ علیہ السلام کو یہ بات ناگوار گزری عرض کیا: یارب عزوجل! مجھے تکلیف نے چھو لیا ہے پھر اپنے رب عزوجل کی بات کو لوٹایا۔

وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝

اور تو ارحم الراحمین ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی دنیا میں آپ علیہ السلام کو اہل عطا فرمائے اور ان کی مثل ان کے ساتھ آخرت میں عطا فرمائے گا۔ (تاریخ ابن عساکر: ج: 10 ص: 63 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت ایوب علیہ السلام کے دو بھائیوں کا قول

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ روایت کرتے ہیں:

عبد اللہ بن عبید بن عمیر سے روایت ہے کہ

حضرت ایوب علیہ السلام کے دو بھائی تھے ایک دن وہ آئے تو آپ علیہ السلام کی بدبو کی وجہ سے آپ علیہ السلام کے

قریب نہ آسکے وہ دور کھڑے ہو گئے۔

ایک نے دوسرے سے کہا: اگر اللہ تعالیٰ حضرت ایوب علیہ السلام سے خیر جانتا تو انہیں اس مصیبت میں مبتلا نہ کرتا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے ان کی اس بات کی وجہ سے سخت جزع کی۔ ایسی جزع آپ علیہ السلام نے کبھی کسی اور وجہ سے نہیں کی تھی۔ عرض کیا: اے اللہ عزوجل! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے کبھی کوئی رات سیر ہو کر نہیں گزاری جبکہ مجھے معلوم ہوتا کہ فلاں جگہ کوئی بھوکا موجود ہے تو تو میری تصدیق فرما پس آسمان والوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کی بات کی تصدیق کی وہ دونوں بھائی سن رہے تھے پھر حضرت ایوب علیہ السلام سجدہ میں گر گئے اور عرض کی۔ یا اللہ! تیری عزت کی قسم۔ میں سجدہ سے سر نہیں اٹھاؤں گا حتیٰ کہ تو میری تکلیف کو دور کر دے پس آپ علیہ السلام نے سر نہ اٹھایا حتیٰ کہ آپ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے تکلیف دور فرما دی۔ (تفسیر طبری: ج:17، ص:85 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ایوب علیہ السلام پر پھنسیاں کتنی بڑی تھیں؟

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت ایوب علیہ السلام کو عورت کے پستان کی طرح بڑی بڑی پھنسیاں نکلتی تھیں اور پھر پھٹ جاتی تھیں۔

(تفسیر طبری: ج:17، ص:83 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

روڑی پر کتنا عرصہ رہے؟

حضرت الحسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

بیماری کی وجہ سے صرف آپ علیہ السلام کی آنکھیں، دل اور زبان محفوظ تھی۔ کیڑے مکوڑے آپ علیہ السلام کے جسم پر پھرتے تھے آپ علیہ السلام روڑی پر سات سال اور کئی دن رہے۔ (کتاب الزہد: ص:54 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت الحسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت ایوب علیہ السلام سات سال اور کچھ ماہ کوڑے کرکٹ پر رہے آپ علیہ السلام نے کبھی اس تکلیف کے دور کرنے کی دعا نہیں فرمائی حالانکہ زمین پر حضرت ایوب علیہ السلام سے کوئی مکرم مخلوق نہ تھی۔

علماء فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے کہا:

اگر اللہ تعالیٰ کو اس میں کوئی حاجت ہوتی تو اس کے ساتھ ایسا نہ کرتے یہ جملہ سن کر آپ علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی۔

(تفسیر طبری: ج:17، ص:83 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حشرات الارض جسم مبارک پر پھرتے تھے

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت الحسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت ایوب علیہ السلام سات سال اور کچھ ماہ بنی اسرائیل کے کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر رہے اور حشرات الارض آپ علیہ السلام کے جسم پر پھرتے رہتے تھے۔ (تفسیر طبری: ج:17 ص:83 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا مقبول ہو گئی

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ o کے تحت ہے کہ جب حضرت ایوب علیہ السلام کو تکلیف لاحق ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس تکلیف سے چھٹکارے کی دعا فراموش کرادی آپ علیہ السلام کثرت سے ذکر الٰہی کرتے رہتے تھے اور مصیبت آپ علیہ السلام کی رغبت اور حسن ایقان میں اضافہ کرتی تھی جب ابتلا کی مدت ختم ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی تکلیف دور کرنے کا ارادہ فرمایا تو دعا کا اذن ملا اور دعا کو آپ علیہ السلام کے لئے آسان کر دیا گیا اس سے پہلے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا تھا کہ میرے بندے ایوب (علیہ السلام) کے لئے مناسب نہیں کہ مجھ سے دعا مانگے پھر میں اس کے لئے قبول نہ کروں۔ جب آپ علیہ السلام نے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو شرف قبولیت عطا فرمائی اور ہر چیز جو اللہ تعالیٰ نے لے لی تھی وہ دوگنا عطا فرمائی۔ آپ علیہ السلام کے اہل بھی لوٹا دیئے اور ان کی مثل بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی تعریف فرمائی۔

اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗ اَوَّابٌ o (تفسیر طبری: ج:17 ص:86 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

کیا حضرت ایوب علیہ السلام کو جذام تھا؟

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں: حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو جو بیماری لگی تھی وہ جذام نہیں تھا بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ سخت بیماری تھی۔ آپ علیہ السلام کے جسم پر عورت کے پستان جیسی پھنسیاں نکلتی تھیں اور پھر پھٹ جاتی تھیں۔ (تاریخ ابن عساکر: ج:10 ص:65 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

گرنے والا کیڑا اٹھا کر دوبارہ جسم اقدس پر لگا دیتے

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت الحسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اگر حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم اقدس سے کوئی کیڑا گر جاتا تو آپ علیہ السلام اسے اٹھا کر اپنی جگہ پر رکھ دیتے اور ارشاد فرماتے اللہ تعالیٰ کے رزق میں سے کھا۔ (تاریخ ابن عساکر: ج:10 ص:64 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

زوجہ مبارکہ کو صبر کی تلقین

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

آپ علیہ السلام کی بیوی نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! مجھ پر فاقہ اور تکلیف دہ کیفیت نازل ہوئی ہے کہ میں نے ایک روٹی کے بدلے میں اپنی مینڈھیاں فروخت کر دیں اور تجھے کھانا کھلایا۔ آپ علیہ السلام مستجاب الدعوات شخص ہیں اللہ تعالیٰ سے اپنی شفا کے لیے دعا فرمائیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا:

تجھ پر افسوس! ہم ستر سال اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں رہے اور ابھی سات سال آزمائش میں ہوئے ہیں۔

(شعب الایمان: ج:7، ص:147 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

شیطان کا خود کو جھوٹی تسلی دینا

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت طلحہ بن مصرف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

ابلیس نے کہا مجھے ایوب علیہ السلام سے کبھی فرحت نہیں ملتی مگر جب میں نے ان کے رونے کی آواز سنی (تو میں بہت خوش ہوا) کیونکہ میں نے جان لیا کہ میں نے اس کو تکلیف پہنچادی ہے۔ (تاریخ ابن عساکر: ج:10، ص:66 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

چیچک کا مرض

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

سب سے پہلے چیچک کا مرض حضرت ایوب علیہ السلام کو لگا تھا۔ (تاریخ ابن عساکر: ج:10، ص:71 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

کھلیان پر سونا اور چاندی انڈیلا

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی 405ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت ایوب علیہ السلام اٹھارہ سال بیمار رہے۔ آپ علیہ السلام کو اپنے پرائے سب چھوڑ گئے لیکن دو شخص جو آپ علیہ السلام کے خاص دوست تھے وہ صبح وشام آپ علیہ السلام کے پاس آتے جاتے تھے۔

ایک دن ایک نے دوسرے سے کہا:

حضرت ایوب علیہ السلام نے کوئی ایسا جرم کیا ہے جو کبھی کسی نے نہیں کیا۔

دوسرے نے کہا:

وہ کس طرح؟

اس نے کہا:

یہ اٹھارہ سال سے مصیبت میں گرفتار ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم نہیں فرمایا اور اس کی مصیبت کو دور نہیں کیا وہ شخص حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس آیا تو اس سے صبر نہ ہو سکا۔ اس نے اپنے ساتھی کی بات کا آپ علیہ السلام کے سامنے ذکر کیا۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا:

میں نہیں جانتا جو تو کہہ رہا ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے میں دو ایسے اشخاص کے پاس سے گزرتا تھا جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے ایک دوسرے سے جدا ہوتے تھے میں اپنے گھر کی طرف لوٹتا تھا اور ان کے درمیان الفت پیدا کر دیتا تھا تا کہ ناجائز طریقہ کے لئے اللہ تعالیٰ کا نام نہ استعمال کریں۔ آپ علیہ السلام اپنی حاجت کے لئے نکلتے تھے جب قضائے حاجت کر لیتے تو ان کی بیوی ان کے ہاتھ سے پکڑ لیتی تھی حتیٰ کہ اپنی جگہ پہنچ جاتے جب ایک دن آپ علیہ السلام کی بیوی نے کچھ دیر لگا دی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ "اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ o" بیوی آپ علیہ السلام کے پاس پہنچی تو آپ علیہ السلام اس کی طرف متوجہ ہوئے آپ علیہ السلام کی مصیبت ختم ہو چکی تھی اور آپ علیہ السلام پہلے سے بھی زیادہ حسین تھے۔ جب بیوی نے یہ منظر دیکھا تو کہا اللہ تعالیٰ تجھ میں برکت دے کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا نبی دیکھا ہے جو مصیبت میں مبتلا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! جب وہ صحیح تھا تو تجھ سے زیادہ اس کے مشابہ میں نے کبھی کوئی شخص نہیں دیکھا۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا:

میں ہی تو وہ ہوں۔

ارشاد فرمایا:

حضرت ایوب علیہ السلام کے دو کھلیان تھے ایک گندم کا اور ایک جو کا۔ اللہ تعالیٰ نے دو بادل بھیجے ایک گندم کے کھلیان پر تھا اس نے اس میں سونا انڈیل دیا حتیٰ کہ وہ بہنے لگا اور دوسرے بادل نے جو کے کھلیان میں چاندی بہائی حتیٰ کہ وہ بہنے لگا۔

(مستدرک: ج:2، ص:635 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

صبر پر رب تعالیٰ کا سلام

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وَاٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ کے متعلق پوچھا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اپنی بیوی واپس کر دی تھی اور ان کے شباب میں اضافہ کر دیا تھا حتیٰ کہ اس کے بطن سے چھبیس بچے پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جس نے کہا: اے ایوب علیہ السلام! تیرا

رب عزوجل تجھے صبر کی وجہ سے سلام کہتا ہے۔ اپنے کھلیان کی طرف نکل۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کھلیان پر ایک سرخ بادل بھیجا اس نے سونے کی مکڑیاں برسائیں اور وہ فرشتہ انہیں جمع کر رہا تھا ایک مکڑی جاتی تو حضرت ایوب علیہ السلام اس کا پیچھا کرتے حتیٰ کہ وہ اس کو اپنے کھلیان میں لوٹا دیتے۔

فرشتے نے کہا:

اے ایوب علیہ السلام! کیا آپ کھلیان میں موجود مکڑیوں سے سیر نہیں ہوتے حتیٰ کہ آپ باہر والی کا پیچھا کرتے ہو؟

حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا:

یہ میرے رب عزوجل کی برکت سے ایک برکت ہے میں برکات الٰہیہ سے سیر نہیں ہوتا۔

(تاریخ ابن عساکر: ج:10، ص:77 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

سونے کی مکڑیاں گرنے لگیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت ایوب علیہ السلام برہنہ غسل فرما رہے تھے کہ آپ علیہ السلام کے اوپر سونے کی مکڑیاں گرنے لگیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام مٹھیاں بھر بھر کر کپڑے میں ڈالنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ندا دی۔ اے ایوب (علیہ السلام)! کیا میں نے تجھے غنی نہیں کر دیا اس سے جو تو دیکھ رہا ہے؟ عرض کی تیری عزت کی قسم! کیوں نہیں! لیکن تیری برکت سے کبھی مجھے استغناء نہیں ہو سکتا۔

(صحیح البخاری: ج:1، ص:61 مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت)

حضرت ایوب علیہ السلام پر سونے کی مکڑیوں کی بارش

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو عافیت عطا فرمائی تو ان پر سونے کی مکڑیوں کی بارش برسائی۔ آپ علیہ السلام انہیں ہاتھ سے پکڑ پکڑ کر کپڑے میں ڈالنے لگے۔

ارشاد فرمایا:

اے ایوب علیہ السلام! کیا تو سیر نہیں ہوتا۔

عرض کیا:

تیرے فضل اور تیری رحمت سے کون سیر ہوتا ہے۔ (مستدرک: ج:2، ص:636 مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ایوب علیہ السلام کو مال و اولاد اور جسم کی آزمائش میں ڈالا گیا

حضرت عبدالرحمٰن بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت ایوب علیہ السلام کو ان کے مال، اولاد اور جسم میں آزمائش میں ڈالا گیا اور انہیں کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر پھینک دیا گیا۔ آپ علیہ السلام کی بیوی جاتی تو اتنا کماتی جتنا آپ علیہ السلام کو کھلاتی۔ شیطان نے اس پر حسد کیا وہ مالدار لوگوں کے پاس آتا جو اس عورت پر صدقہ کرتے اور کہتا اس عورت کو بھگا دو جو تمہارے پاس آتی ہے کیونکہ یہ اپنے خاوند کی خدمت کرتی ہے اور اسے اپنے ہاتھ سے چھوتی ہے۔ لوگ تمہارے کھانے سے اسی لیے بچتے ہیں کہ یہ عورت تمہارے پاس آتی ہے اب وہ آپ علیہ السلام کی بیوی کو قریب نہ آنے دیتے اور کہتے ہم سے دور رہ ہم تجھے کھانا دے دیں گے تو ہمارے قریب نہ آیا کر۔ بیوی نے اس بارے میں حضرت ایوب علیہ السلام سے بات کی۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کی۔ جب آپ علیہ السلام کی بیوی آپ علیہ السلام کے پاس سے جاتی تو شیطان اس سے ملتا اور یہ ظاہر کرتا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو جو مصیبت پہنچی اس پر وہ بڑا دکھی ہے اور کہتا تیرے خاوند نے جھگڑا کیا اور انکار کیا مگر اللہ تعالیٰ نے انکار نہیں کیا اگر وہ ایک بات کہہ دیتا تو اس سے ہر تکلیف دور ہو جاتی اس کا مال اور اولاد سب واپس آ جاتے۔ بیوی حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس آتی اور آپ علیہ السلام کو بتاتی۔ حضرت ایوب علیہ السلام اسے فرماتے۔ تجھے اللہ تعالیٰ کا دشمن ملا ہے اور اس نے یہ بات تجھے سکھائی ہے اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے میری مرض سے شفا دی تو میں تجھے سو کوڑے ماروں گا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَخُذْ بِیَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ

تحنث سے مراد کھجور کی شاخوں کا گٹھا ہے۔ (کتاب الزہد: ص: 113 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

پاؤں اقدس سے دو چشمے پھوٹ پڑے

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

آپ علیہ السلام نے اپنا پاؤں زمین پر مارا جس کو حمامہ کہتے ہیں تو دو چشمے پھوٹ پڑتے ہیں آپ علیہ السلام ایک سے پانی پیتے ہیں اور دوسرے سے غسل کرتے ہیں۔ (تفسیر طبری: ج: 23، ص: 195 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

چالیس قدم چلنے کے بعد پاؤں مارنے سے دوسرا چشمہ ابلنا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت ایوب علیہ السلام پر جب مصیبت بہت سخت ہو گئی تو دعا کی یا دعا کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی کی ''اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ج'' تو ایک چشمہ ابلا۔ آپ علیہ السلام نے اس سے غسل کیا تو جو تکلیف تھی وہ دور ہو گئی پھر آپ علیہ السلام چالیس قدم چلے پھر پاؤں مارا تو ایک اور چشمہ ابل پڑا تو آپ علیہ السلام نے اسی سے پیا۔

(تفسیر طبری: ج: 23، ص: 196 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ایوب علیہ السلام کو صبر کرنے پر وحی کا نزول

حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت ایوب علیہ السلام کو پکارا گیا اے ایوب علیہ السلام! اگر ہر بال کی جگہ سے تو نے صبر کو نہ انڈیلا تو تو نے صبر نہیں کیا۔

(تاریخ ابن عساکر: ج:10، ص:68 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قرآن مجید میں حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر

قرآن مجید میں ہے:

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ ۝ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ ۝ وَ وَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَ ذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ۝

(ص:41 تا 43)

اور ہمارے (خاص) بندے ایوب کو یاد کیجئے جب انہوں نے اپنے رب سے ندا کی کہ بے شک مجھے شیطان نے سخت اذیت اور درد پہنچایا ہے۔ (ہم نے انہیں حکم دیا) اپنا پاؤں زمین پر مارو یہ نہانے کا ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کا۔ اور ہم نے انہیں ان کے گھر والے عطا فرما دیئے اور اتنے ہی اور ان کے ساتھ ہماری طرف سے رحمت اور عقل والوں کی نصیحت کے لئے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ۝ (الانبیاء:83 تا 84)

اور ایوب کو یاد کیجئے جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ بے شک مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے سو ہم نے ان کی دعا قبول کی پس ان کو جو تکلیف تھی اس کو ہم نے دور کر دیا اور ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دگنے اہل وعیال عطا فرمائے اور (یہ) عبادت کرنے والوں کے لئے نصیحت ہے۔

زوجہ کے لئے قسم پوری کرنے میں تخفیف

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

ابلیس نے راستہ میں ایک تابوت بچھایا اور اس پر بیٹھ کر بیماروں کا علاج کرنے لگا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی وہاں سے گزری تو اس نے پوچھا: کیا تم بیماری میں مبتلا اس شخص کا بھی علاج کر دو گے؟

اس نے کہا:

ہاں! اس شرط کے ساتھ کہ جب میں اس کو شفا دے دوں تو تم یہ کہنا کہ تم نے شفا دی ہے اس کے سوا میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی نے حضرت ایوب علیہ السلام سے اس کا ذکر کیا۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا:

تم پر افسوس ہے یہ تو شیطان ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے مجھ پر یہ نذر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت دے دی تو میں تمہیں سو کوڑے ماروں گا اور جب وہ تندرست ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝ (ص:44)

اور اپنے ہاتھ سے (سو) تنکوں کا ایک مٹھا (جھاڑو) پکڑ لیں اور اس سے ماریں اور اپنی قسم نہ توڑیں بے شک ہم نے ان کو صابر پایا وہ کیا ہی خوب بندے تھے بہت زیادہ رجوع کرنے والے۔

سو حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیوی پر جھاڑو مار کر اپنی قسم پوری کر لی۔

(مختصر تاریخ دمشق: ج:5، ص:108 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

ضِغْثًا سے مراد ایسا گٹھا ہے کہ جس میں ننانوے لکڑیاں ہوں اصل میں سو پورا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کی بیوی کو شیطان نے کہا اپنے خاوند سے کہو وہ یہ یہ کہے۔ بیوی نے آپ علیہ السلام سے یہ کہا تو حضرت ایوب علیہ السلام نے قسم اٹھائی کہ وہ اسے سو کوڑے ماریں گے تو آپ علیہ السلام نے اسے یہ گٹھا مارا تو اس میں آپ علیہ السلام نے قسم بھی پوری کر دی اور عورت کے لئے بھی تخفیف ہو گئی۔ (تفسیر عبد الرزاق: ج:3، ص:123 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں کیڑے پڑنے کی تحقیق

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی 774ھ لکھتے ہیں:

علماء التفسیر اور علماء التاریخ نے بیان کیا ہے کہ

حضرت ایوب علیہ السلام بہت مالدار شخص تھے ان کے پاس ہر قسم کا مال تھا مویشی اور غلام تھے اور زرخیز اور غلہ سے لہلہاتے ہوئے کھیت اور باغات تھے اور حضرت ایوب علیہ السلام کی اولاد بھی بہت تھی پھر ان کے پاس سے یہ تمام نعمتیں جاتی رہیں اور ان کے دل اور زبان کے سوا ان کے جسم کا کوئی عضو سلامت نہ رہا جن سے وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے تھے اور وہ ان تمام مصائب میں صابر تھے اور ثواب کی نیت سے صبح و شام اور دن اور رات اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ ان کے مرض نے بہت طول کھینچا حتیٰ کہ ان کے دوست اور احباب ان سے اکتا گئے ان کو اس شہر سے نکال دیا گیا اور کچرے اور کوڑے کی جگہ ڈال دیا گیا ان کی بیوی کے سوا ان کی دیکھ بھال کرنے والا اور کوئی نہ تھا ان کی بیوی لوگوں کے گھروں میں کام کرتی اور اس سے جو اجرت ملتی اس سے اپنی اور حضرت ایوب علیہ السلام کی ضروریات کو پورا کرتی۔

وہب بن منبہ اور دیگر علماء بنی اسرائیل نے حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری اور ان کے مال اور اولاد کی ہلاکت کے

متعلق بہت طویل قصہ بیان کیا ہے۔

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام وہ پہلے شخص ہیں جن کو چیچک ہوئی تھی۔

ان کی بیماری کی مدت میں کئی اقوال ہیں۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ وہ مکمل تین سال تک بیماری میں مبتلا رہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

وہ سات سال اور کچھ ماہ بیماری میں مبتلا رہے ان کو بنی اسرائیل کی روڑی پر ڈال دیا گیا تھا اور ان کے جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے بیماری کو دور کر دیا اور ان کو صحت اور عافیت عطا فرمائی۔

حضرت حمید سے روایت ہے کہ

وہ اٹھارہ سال بیماری میں مبتلا رہے ان کے سارے جسم کا گوشت گل گیا تھا اور جسم پر صرف ہڈیاں اور گوشت باقی رہ گیا تھا۔

ایک دن ان کی بیوی نے کہا: اے ایوب علیہ السلام! آپ علیہ السلام کی بیماری بہت طول پکڑ گئی ہے آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ آپ علیہ السلام کو صحت اور عافیت عطا فرمائے۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا: میں ستر سال صحت اور عافیت کے ساتھ رہا ہوں حق تو یہ ہے کہ میں اب ستر سال صبر کروں۔ (البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:308 تا 309 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ لکھتے ہیں:

زبان اور دل کے علاوہ حضرت ایوب علیہ السلام کے تمام جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے ان کا دل اللہ تعالیٰ کی مدد سے غنی تھا اور زبان پر اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری رہتا تھا۔ کیڑوں نے ان کے تمام جسم کو کھا لیا حتیٰ کہ ان کی صرف پسلیاں اور رگیں باقی رہ گئی تھیں پھر کیڑوں کے کھانے کے لئے بھی کچھ باقی نہ رہا پھر کیڑے ایک دوسرے کو کھانے لگے دو کیڑے باقی رہ گئے تھے انہوں نے بھوک کی شدت سے ایک دوسرے پر حملہ کیا اور ایک کیڑا دوسرے کو کھا گیا پھر ایک کیڑا ان کے دل کی طرف بڑھا تا کہ اس میں سوراخ کرے تب حضرت ایوب علیہ السلام نے یہ دعا کی۔ بے شک مجھے (سخت) تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ (مختصر تاریخ دمشق: ج:5، ص:107 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

عبدالمصطفیٰ کی عرض

حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں کیڑے پڑنے کا واقعہ کئی مفسرین نے نقل کیا ہے جو کہ اسرائیلی روایات ہیں۔

ہمارے نزدیک یہ واقعہ صحیح نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کو ایسے حال میں مبتلا نہیں کرتا جس سے لوگوں کو نفرت ہو اور ان سے لوگ گھن کھائیں۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ۞ (ص:47)

یہ سب ہمارے پسندیدہ اور نیک لوگ ہیں۔

مانا کہ حضرت ایوب علیہ السلام پر کوئی سخت بیماری مسلط کی گئی تھی مگر وہ بیماری ایسی نہیں تھی جس سے لوگ گھن کھائیں۔ حدیث صحیح مرفوع میں صرف آپ علیہ السلام کی اولاد و مال مویشی کے مرجانے اور آپ علیہ السلام کے بیمار ہونے کا ذکر ہے نہ کہ جسم میں کیڑے پڑنے کا ذکر ہے۔ جس طرح کہ حدیث مبارکہ میں ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک حضرت ایوب علیہ السلام اپنی بیماری میں اٹھارہ سال مبتلا رہے ان کے بھائیوں میں سے دو اشخاص کے سوا سب لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا خواہ وہ رشتہ دار ہوں یا اور لوگ ہوں وہ دونوں روز صبح و شام ان کے پاس آتے تھے۔

ایک دن ایک نے دوسرے سے کہا:

کیا تم کو معلوم ہے کہ ایوب علیہ السلام نے کوئی ایسا بہت بڑا گناہ کیا ہے جو دنیا میں کسی نے نہیں کیا۔

دوسرے نے کہا: کیونکہ اٹھارہ سال سے اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم نہیں فرمایا حتیٰ کہ اس سے اس کی بیماری کو دور فرادیتا۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا: میں اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتا کہ میں دو آدمیوں کے پاس سے گزرا جو آپس میں جھگڑ رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے تھے میں اپنے گھر گیا تا کہ ان کی طرف سے کفارہ ادا کروں کیونکہ مجھے یہ ناپسند تھا کہ حق بات کے سوا اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے۔ حضرت ایوب علیہ السلام اپنی ضروریات کے لئے جاتے تھے اور جب ان کی حاجت پوری ہو جاتی تو ان کی بیوی ان کا ہاتھ پکڑ کر لے آتی ایک دن ان کو واپس آنے میں کافی دیر ہوگئی اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ وحی کی۔

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ ﴿ص:42﴾

(زمین پر) اپنی ایڑی ماریئے یہ نہانے کا ٹھنڈا اور پینے کا پانی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی ساری بیماری کو اس پانی میں نہانے سے دور کر دیا اور وہ پہلے سے بہت صحت مند اور حسین ہو گئے ان کی بیوی ان کو ڈھونڈتی ہوئی آئی اور پوچھا۔ اے شخص اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے کیا تم نے اللہ تعالیٰ کے نبی کو دیکھا ہے جو بیمار تھے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے تم سے زیادہ ان کے مشابہ اور تندرست شخص کوئی نہیں دیکھا۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا: میں ہی تو وہ شخص ہوں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے دو کھلیان تھے ایک گندم کا کھلیان تھا اور ایک جو کا کھلیان تھا اللہ تعالیٰ نے دو بادل بھیجے ایک گندم کے کھلیان پر برسا اور اس کو سونے سے اس قدر بھر دیا کہ سونا کھلیان سے باہر گرنے لگا اور دوسرا بادل جو کے کھلیان پر برسا اور اس کو چاندی سے بھر دیا حتیٰ کہ چاندی باہر گرنے لگی۔

(صحیح ابن حبان: رقم الحدیث: 2898)

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کو شیطان کی طرف منسوب کرنے کے محامل

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

قاضی نے کہا ہے: جن لوگوں نے کہا کہ شیطان نے حضرت ایوب علیہ السلام پر بیماری مسلط کی تھی ان کو یہ جرأت اس وجہ سے ہوئی کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے دعا میں کہا: مجھے اذیت اور عذاب کے ساتھ شیطان نے مس کیا ہے انہوں نے یہ دیکھا کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے مس شیطان کی شکایت کی تو اس بناء پر انہوں نے اس بیماری کے پیدا کرنے کی نسبت شیطان کی طرف کر دی حالانکہ واقعہ اس طرح نہیں ہے۔ تمام افعال خواہ نیک ہوں یا بد، ایمان ہو یا کفر، اطاعت ہو یا معصیت ان سب افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور ان افعال کی تخلیق میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے، لیکن ذکر اور کلام میں اس کی طرف شر کی نسبت نہیں کی جاتی اگر چہ شر کو بھی اس نے ہی پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ادب اور اس کی تعظیم کا یہی تقاضا ہے۔ ہمارے نبی سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو جو دعائے قنوت کی تعلیم دی اس میں یہ جملہ ہے۔

والخير في يديك والشر ليس اليك

اور ہر خیر تیرے قبضہ میں ہے اور کوئی شر تیری طرف منسوب نہیں ہے۔

اسی بناء پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ○ (الشعراء:80)

اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ شفا دیتا ہے۔

بیماری کی نسبت اپنی طرف کی اور شفا کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی اور اسی طریقہ کے مطابق حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ (الکہف:63)

مجھے (مچھلی کا واقعہ بتانے کو) صرف شیطان نے بھلایا تھا۔

اور اسی طریقہ کے مطابق حضرت ایوب علیہ السلام نے بہ طور ادب ایک بار بیماری کی نسبت اپنی طرف کر کے کہا۔

وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ (الانبیاء:83)

اور ایوب کی اس حالت کو یاد کیجئے جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا بے شک مجھے بیماری پہنچ گئی ہے۔

اور دوسری بار بیماری لگنے کی نسبت شیطان کی طرف کی۔

اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ ○ (ص:41)

بے شک شیطان نے مجھے اذیت اور درد کے ساتھ مس کیا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بیماری کے متعلق کوئی حرف ثابت نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں صرف یہ حدیث مبارکہ ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جس وقت حضرت ایوب علیہ السلام برہنہ غسل کر رہے تھے ان کے اوپر سونے کی ایک ٹڈی گر پڑی۔ حضرت ایوب علیہ

السلام اس کو کپڑے سے پکڑنے لگے تو ان کو ان کے رب عزوجل نے ندا کی۔ اے ایوب علیہ السلام! کیا میں نے تم کو اس سے غنی نہیں کر دیا۔ انہوں نے کہا: کیوں نہیں۔ تیری عزت کی قسم! لیکن میں تیری برکت سے مستغنی نہیں ہوں۔

(صحیح البخاری: رقم الحدیث: 279)

قرآن وسنت میں اس کے علاوہ حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق اور کوئی ذکر نہیں ہے پھر ان لوگوں کے پاس وہ کون سا ذریعہ ہے جس سے ان کو یہ معلوم ہوا کہ ابلیس نے حضرت ایوب علیہ السلام کے بدن میں پھونک مار کر ان کو بیمار کر دیا تھا جس سے ان کے پھنسیاں نکل آئی تھیں اور وہ زخم خراب ہو گئے تھے اور ان میں کیڑے پڑ گئے تھے اور کس کی زبان سے انہوں نے یہ روایات سنی ہیں سو یہ اسرائیلی روایات ہیں جن کو علماء نے چھوڑا ہوا ہے تم اپنے کانوں کو ان کے سننے سے بند کر لو ان سے تمہارے دل ودماغ میں سوائے پریشانی کے اور کچھ نہیں ہوگا۔ (الجامع الاحکام القرآن: جز: 15، ص: 188 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

کیا شیطان نے اپنی تاثیر سے حضرت ایوب علیہ السلام میں بیماری پیدا کر دی تھی؟

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں:

شیطان کو کسی انسان کے جسم میں مرض اور درد پیدا کرنے پر کوئی قدرت نہیں ہے اور اس پر حسب ذیل دلائل ہیں:

1- اگر شیطان کو انسان کے جسم میں صحت اور بیماری پیدا کرنے پر قدرت ہو تو پھر اس کو انسان کی موت اور حیات پر بھی قدرت ہوگی تو پھر ہمارے لیے یہ جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوگا کہ تمام نعمتوں اور سعادتوں اور تمام خیرات اور سعادات کا عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

2- اگر شیطان کو اس پر قدرت ہو تو اس نے انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کرنے اور ان کی اولاد کو ہلاک کرنے اور ان کے گھروں کو تباہ کرنے کا اقدام کیوں نہیں کیا۔

3- اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے: شیطان قیامت کے دن لوگوں سے یہ کہے گا۔

وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُم مِّن سُلْطَانٍ إِلَّا أَن دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي ۖ (ابراہیم: 22)

اور مجھے تم پر اس کے سوا اور کوئی تصرف حاصل نہ تھا کہ میں نے تم کو (گناہ کی طرف) بلایا اور تم نے میری بات مان لی۔

شیطان نے اپنے اس قول میں یہ تصریح کر دی ہے کہ اس کو انسان پر صرف برائی کی طرف راغب کرنے کی اور گناہوں کا وسوسہ ڈالنے کی قدرت حاصل ہے اور ان لوگوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ شیطان نے اپنی تاثیر سے حضرت ایوب علیہ السلام میں بیماری پیدا کر دی تھی۔ (تفسیر کبیر: ج: 9، ص: 397 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ایوب علیہ السلام کی بعثت کی ترتیب

امام محمد بن سعد متوفی 230ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت کلبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

سب سے پہلے نبی جو مبعوث کیے گئے وہ حضرت ادریس علیہ السلام تھے۔

پھر حضرت نوح علیہ السلام مبعوث کیے گئے۔
پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث کیے گئے۔
پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام مبعوث کیے گئے۔
پھر حضرت اسحاق علیہ السلام مبعوث کیے گئے۔
پھر حضرت یعقوب علیہ السلام مبعوث کیے گئے۔
پھر حضرت یوسف علیہ السلام مبعوث کیے گئے۔
پھر حضرت لوط علیہ السلام مبعوث کیے گئے۔
پھر حضرت ھود علیہ السلام مبعوث کیے گئے۔
پھر حضرت صالح علیہ السلام مبعوث کیے گئے۔
پھر حضرت شعیب علیہ السلام مبعوث کیے گئے۔
پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث کیے گئے۔
پھر حضرت ہارون علیہ السلام مبعوث کیے گئے۔
پھر حضرت الیاس علیہ السلام مبعوث کیے گئے۔
پھر حضرت الیسع علیہ السلام مبعوث کیے گئے۔
پھر حضرت یونس علیہ السلام مبعوث کیے گئے۔
پھر حضرت ایوب علیہ السلام مبعوث کیے گئے۔ (طبقات ابن سعد: ج: 1، ص 54 تا 55 مطبوعہ دار صادر بیروت)

اور امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ نے یوں ترتیب بیان کی ہے۔

1- سب سے پہلے جس نبی کو مبعوث کیا گیا وہ حضرت ادریس علیہ السلام تھے۔
2- پھر حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
3- پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
4- پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
5- پھر حضرت اسحاق علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
6- پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
7- پھر حضرت یوسف علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
8- پھر حضرت لوط علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
9- پھر حضرت ھود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔

10- پھر حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
11- پھر حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
12- پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
13- پھر حضرت ہارون علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
14- پھر حضرت الیسع علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
15- پھر حضرت یونس علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
16- پھر حضرت ایوب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
17- پھر حضرت داؤد علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
18- پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
19- پھر حضرت زکریا علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
20- پھر حضرت یحییٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
21- پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔
22- پھر حضرت سیّدنا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا۔

(تاریخ دمشق الکبیر: ج:24، ص:165 مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ایوب علیہ السلام عافیت ملنے کے بعد ستر سال روم کی زمین میں دین حنیف پر زندہ رہے

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی 571ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت ایوب علیہ السلام عافیت ملنے کے بعد ستر سال روم کی زمین میں دین حنیف پر زندہ رہے اور اسی پر ان کا وصال ہوا اس کے بعد لوگ بدل گئے اور دین ابراہیم کو تبدیل کر ڈالا جس طرح ان سے پہلے لوگوں نے دین کو بدل دیا تھا۔

(تاریخ ابن عساکر: ج:10، ص:78 مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ایوب علیہ السلام ترانوے سال زندہ رہے

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی 405ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

حضرت ایوب علیہ السلام ترانوے سال زندہ رہے اور انہوں نے اپنی موت کے وقت اپنے بیٹے حرمل کو وصیت فرمائی آپ علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے بشر بن ایوب کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا اور ان کا نام ذوالکفل علیہ السلام تھا۔ آپ علیہ السلام بھی تمام عمر شام میں مقیم رہے حتیٰ کہ ان کا وصال ہوا تو ان کی عمر پچھتر سال تھی اور بشر بن ایوب نے اپنے بیٹے عمران کو وصیت کی پھر

ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ (مستدرک: ج:2، ص:636 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ایوب علیہ السلام کے چھتیس بیٹے پیدا ہوئے

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی 774ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو تندرست کرنے کے بعد ان کا حسن و شباب بھی لوٹا دیا تھا اور ان کے ہاں اس کے بعد چھتیس بیٹے پیدا ہوئے۔

حضرت ایوب علیہ السلام اس کے بعد ستر سال تک مزید زندہ رہے تاہم اس کے خلاف مؤرخین کا یہ قول ہے جب ان کی وفات ہوئی تو ان کی عمر 93 ترانوے سال تھی۔ (البدایہ والنہایہ: ج:1، ص:312 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

واللہ ورسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم

اظہارِ تشکر

الحمد للہ عزوجل! انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کے احوال سے موسوم تین جلدیں مکمل کرنے کے بعد آج فقیر و حقیر نے چوتھی جلد مکمل کرنے کی سعادت حاصل کی ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کی قوم حضرت الیسع علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام اور حضرت ایوب علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مقدس بارگاہ میں دعا ہے کہ مجھے تاحیات دین متین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور میری، میرے والدین کریمین، بہن بھائیوں، اساتذہ کرام، پیرو مرشد اور تمام اُمتِ مسلمہ کی مغفرت، ایمان پر خاتمہ، قبر میں زیارت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، قیامت میں شفاعت شفیع اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اور جنت الفردوس میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمین شریفین میں پڑوس عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین و صلی اللہ علیہ وسلم

طالب غم مدینہ، مغفرت و مدفن جنت البقیع

عبد المصطفیٰ محمد مجاہد القادری عفی عنہ

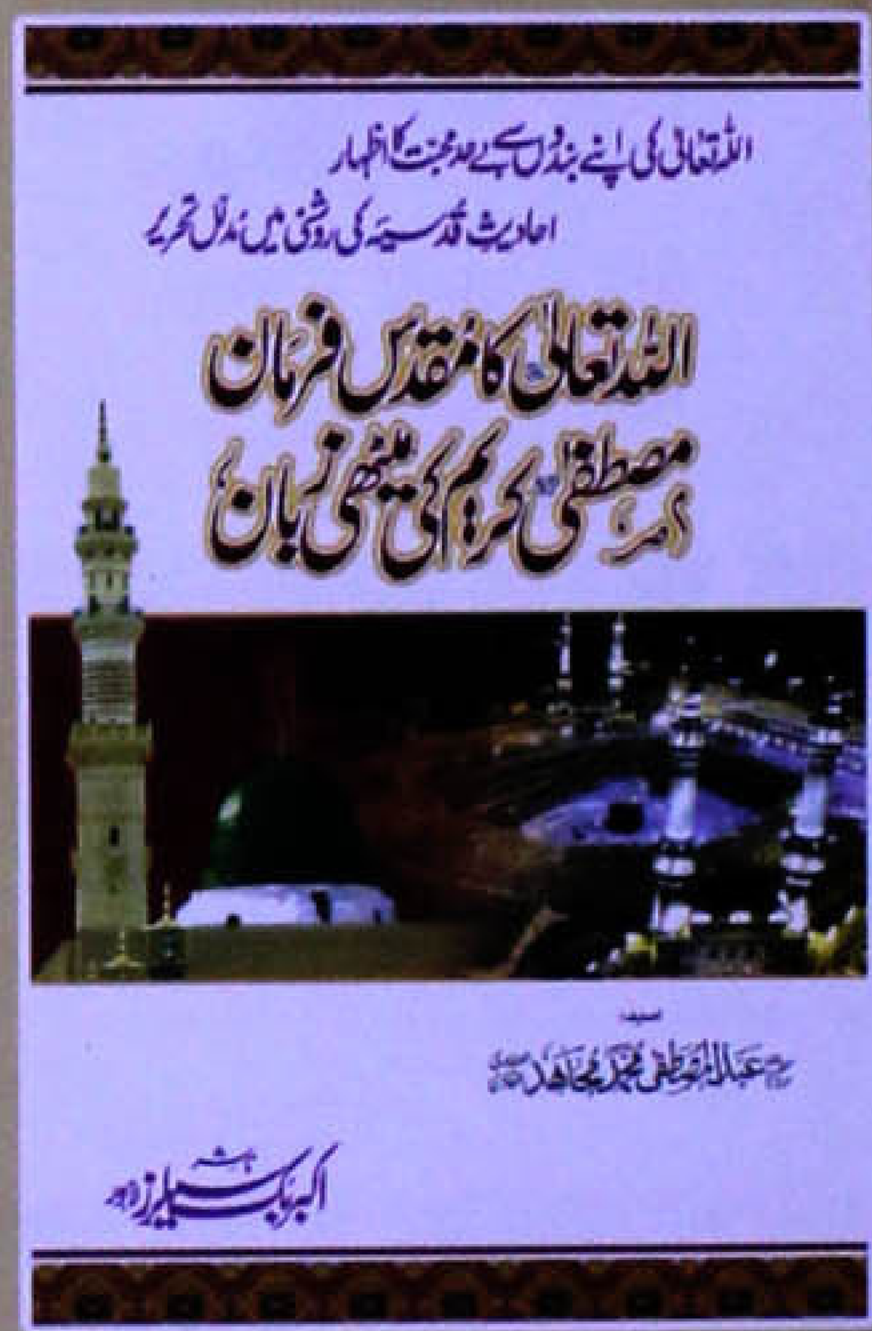
آستانہ عالیہ چشتیہ جھلار شریف، شاہ جمال، مظفر گڑھ

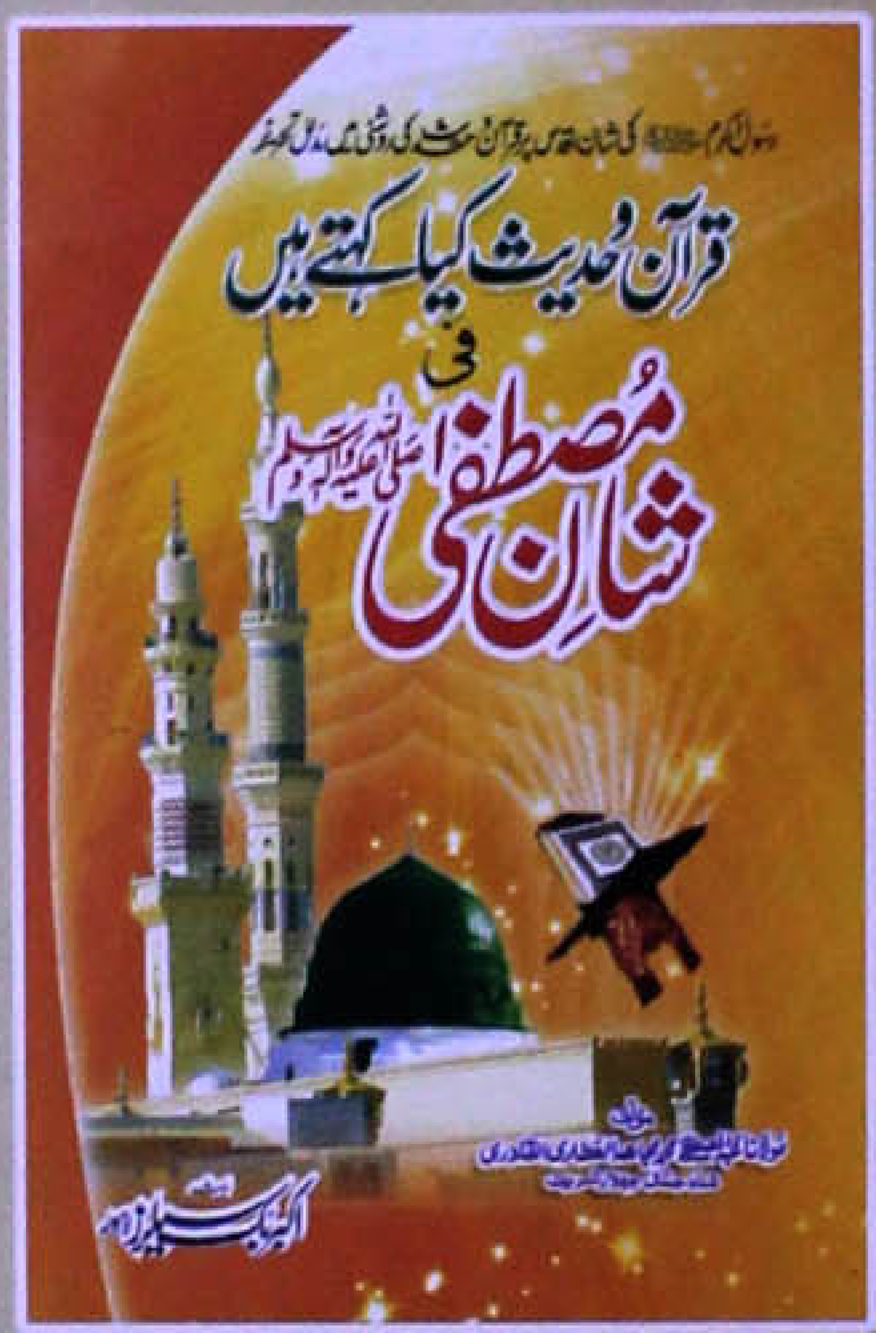
اختتام کتاب

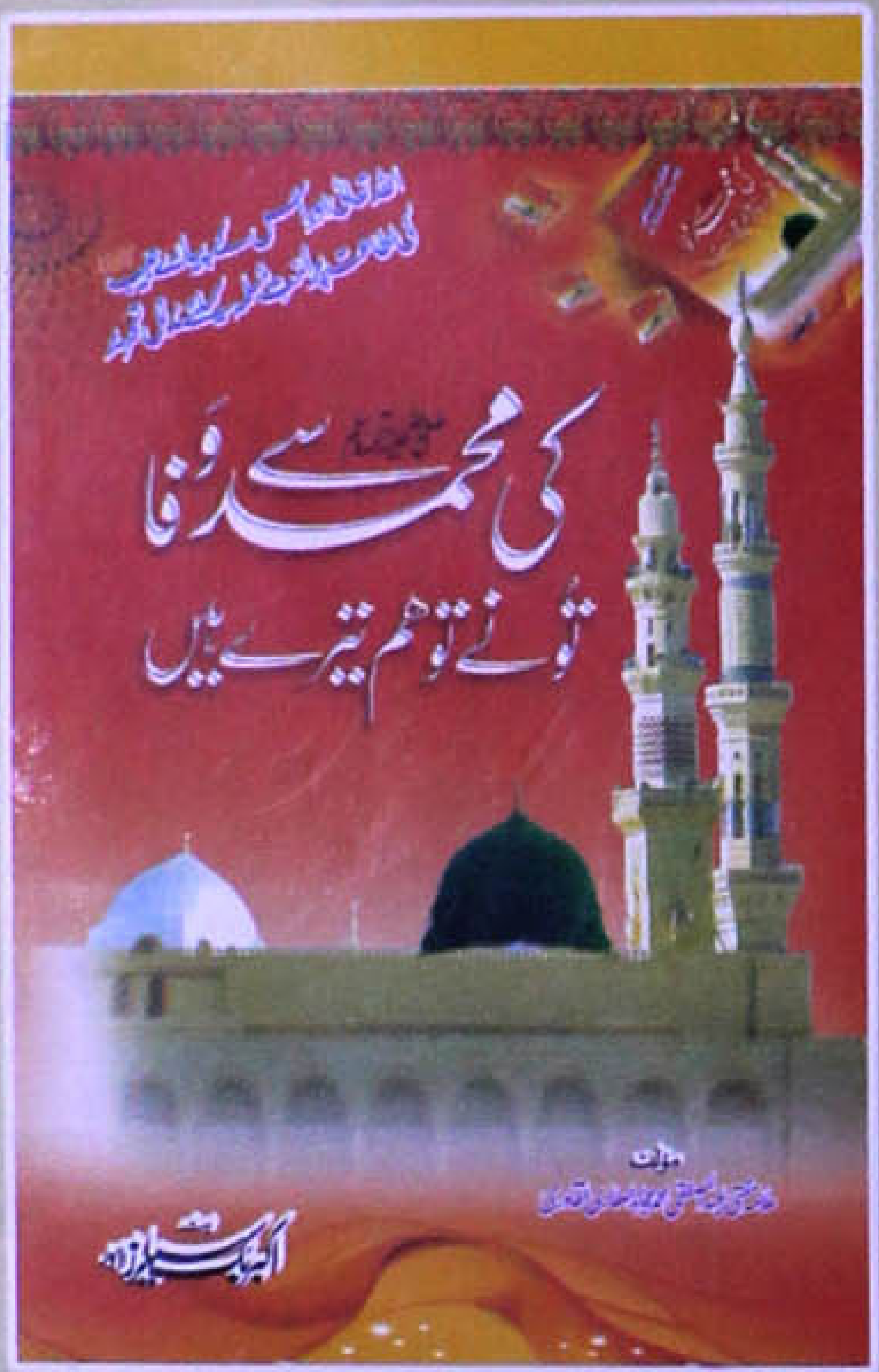
الحمد للہ عزوجل کتاب کا اختتام بروز بدھ 24 صفر المظفر 1436ھ بمطابق 17 دسمبر 2014ء کو ہوا۔

مولانا عبد المصطفیٰ محمد مجاہد العطاری القادری
شاہ جمال آستانۂ عالیہ جھلار شریف

کی دیگر تصانیف و تراجم







جدید تخریج شدہ

الصوائق المحرقہ

(مترجم)





ناشر
اکبر بک سیلرز
Ph: 3735...